جستجوئے مدینہ

تاریخ، عمرانی ارتقاء، فضائل ومحاسن، تبرکاتِ نبویہ الشریفہ وآثارِ مدینہ زاداللہ شرفاہ

تحقیق وتالیف

عبدالحمید قادری

وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

حدیث شریف

جستجوئے مدینہ

(تاریخ، عمرانی ارتقاء، فضائل و محاسن، تبرکاتِ نبویہ الشریفہ و آثارِ مدینہ زاداللہ شرفاہٗ)

تحقیق و تالیف

عبدالحمید قادری

جستجوئے مدینہ

(تاریخ، عمرانی ارتقا، فضائل و محاسن، تبرکات نبویہ الشریفہ و آثار مدینہ زادہا اللہ شرفاً)

تحقیق و تالیف: عبدالحمید قادری

aqadri15@yahoo.com

دوران اشاعت فہرست سازی:

عبدالحمید قادری، عبدالحمید (۱۹۳۵ء-)

تاریخ، عمرانی ارتقا، فضائل و محاسن، تبرکات نبویہ الشریفہ و آثار مدینہ زادہا اللہ شرفاً

جستجوئے مدینہ

لاہور، اورینٹل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ۹۳۲ ص

۱۔ عنوان I. تاریخ II. سیرت III. مدینہ IV. اٹلس V. ارض القرآن

VI. تبرکات نبویہ VII. عبدالحمید (۱۹۳۵ء-)، مؤلف

ISBN: 969-8088-02-6

مؤلف یا پبلشر کی پیشگی اجازت کے بغیر کتاب کے کسی حصے کی کاپی (کسی بھی طرح، کسی بھی جگہ) کرنے کی ممانعت ہے

الطبعۃ الاولیٰ: ربیع الاول ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء

لے آوٹ، پروڈکشن: سید اویس علی سہروردی
۳۵-رائل پارک، لاہور فون: 042-6363009
grafixinn@hotmail.com

طابع: محمد اشرف، ایم اے پرنٹرز

ISBN: 969-8088-02-6

ہدیہ: پاکستانی روپیہ =/3600 امریکی ڈالر =/140

اورینٹل پبلی کیشنز پاکستان

دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور فون: 042-7213578, 6363009

جستجوئے مدینہ

Medina Rediscovered

انتساب

میں اپنی اس تالیف کو اُن ہستیوں کے نام کرتا ہوں

جن کا خمیر ارضِ طیبہ سے اٹھایا گیا اور رب ذوالجلال نے انہیں اپنی زندگی کا کچھ حصہ یہاں گزارنے کی سعادت نصیب فرمائی
اور پھر شہرِ حبیب نے اپنا دامن رحمت وا کر کے ابدی نیند کے لئے انہیں اپنی رحمتوں میں سمو لیا

اور

اُن ہستیوں کے نام جو زندگی بھر شہرِ حبیب کی زیارت کو ترستے رہے اور مادی کم مائیگی اُن کے آڑے آتی رہی
مگر دم واپسیں وہ گنبدِ خضریٰ کی تصویر دل کے آئینوں میں اتار کر اپنے ساتھ لے گئے

اور

خاص طور پر اُس ہستی کے نام کرتا ہوں جنہوں نے بچپن میں مجھے 'جذب القلوب الی دیار المحبوب' کا تحفہ دیتے ہوئے
فرمایا تھا کہ اس کے فریم میں عصرِ قدیم کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے مدینہ طیبہ کی تصویر لگانے کی اشد ضرورت ہے

بسم الله الرحمن الرحيم

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ خدمت

مدینہ طیبہ ایسا شہر مقدس ہے جہاں شب و روز ہر لحظہ اور ہر سو انوار رب ذوالجلال والاکرام کی جلوہ آرائی جاری رہتی ہے۔ مدینہ ''المنورہ'' کی وجہ تسمیہ ہی یہاں نورِ اولین و آخرین سید الثقلین اور نبی الحرمین ﷺ کا قیامِ ابدی ہے۔ بہت خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو چشم بصیرت سے ان انوار و اکرام کی جلوہ آرائی دیکھ لیتے ہیں جن سے چشم ظاہر بین مستفید نہیں ہو پاتی تاہم اس کا ظاہری جاہ و جمال کسی بھی نگاہ کو خیرہ کر دیتا ہے۔ اگر کہیں رات کی ظلمتوں میں جانب شہرِ حبیب جانا ہو تو بہت دور سے ہی سے نگاہیں مینارہ ہائے تجلیات پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ طیبہ و بطحاء کا یہ مرکزِ تجلیات مسجد نبوی شریف ہے جس کے آنگن سے ہونے والی ضیاء پاشی سے کون و مکاں روشن ہیں۔ جوں جوں زائرِ شہر آرزو کے اس مرکزِ انوار کے قریب آتا جاتا ہے اپنے چاروں طرف عالمِ جذب و شوق کا بحر بیکراں موج زن پاتا ہے اور پھر انتہائی ادب و احترام سے ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ وہ اس ادب گاہِ عالمیں کی طرف ایسے کھنچتا چلا جاتا ہے کہ الفاظ اس کیفیت کے بیان سے یکسر قاصر رہ جاتے ہیں اقبال تو مسجد قرطبہ کے میناروں پر تجلیات کے نزول کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے تھے:

تیرا منارہ بلند جلوہ گاہِ جبرائیل　　　تیرے در و بام پر وادی ایمن کا نور

اور اگر کہیں ان کی حاضری مدینہ طیبہ میں ہو جاتی تو یقیناً اس حُسنِ لازوال کے انوار و تجلیات کو دیکھ کر مثل کلیم اپنے ہوش و حواس گنوا بیٹھتے۔ اس بقاع طاہرہ اور مرکزِ انوار کی شعاؤں نے شہرِ نبوی کے گلی کوچوں کو اس طرح منور کر رکھا ہے کہ چار دانگ عالم میں بسنے والا ہر فرزندِ توحید اس کو مدینہ منورہ (یعنی روشن شہر) کہہ کر پکارتا ہے صرف اس لیے کہ مدینہ طیبہ بدر الدجیٰ شمس الضحیٰ علیہ افضل الصلوٰۃ واتم تسلیما کے ابدی نور، لامتناہی تجلیات اور جمال عالم آرا سے تا بہ ابد منور و تاباں ہے۔ عالم اسلام میں تقدس میں مکۃ المکرمہ کے بعد شہرِ حبیب کا نام آتا ہے مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروقؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ جس شہر کو سب سے زیادہ فوقیت دیتے تھے وہ یہی شہرِ مصطفوی ﷺ ہے جہاں امام القبلتین نبی الحرمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ تا بہ ابد مقیم ہیں۔ جب ام القریٰ مکۃ المکرمہ نے 'بلد الامین' ہونے کے اعزاز کا حق ادا کرتے ہوئے وہ امانت جس کی بدولت اسے 'الامین' ہونے کا اعزاز نصیب ہوا تھا کو مدینۃ المنورہ کی جھولی میں ڈال دی جس نے اب اصلاً ''صاحب امانت'' ہونے کا کردار ادا کرنا تھا، تو رب العزت جل جلالہ نے اسے ایک اور خطاب سے نواز دیا اور وہ خطاب اور لقب ''مخرج صدق'' تھا۔ پھر جب اس امانت رب جلیل نے ناقہ مصطفوی (قصویٰ) پر سوار ہو کر یثرب کی گھاٹیوں پر قدم رنجہ فرمایا تو نہ صرف یثرب کی قسمت جاگ اٹھی اور یہ مدینۃ النبی ﷺ قرار پا گیا بلکہ رب ذوالجلال جل جلالہ نے اسے ''مدخل صدق'' ہو جانے کا اعزاز عنایت فرمایا اور پھر یہی 'مدخلِ صدق' تا بہ ابد ''سراج منیر'' کا مسکن و مدفن ہو گیا۔

اس موقع پر میں یہ وضاحت کرنا بھی اپنا اولین فرض سمجھتا ہوں کہ نہ تو میں کوئی عالم ہوں اور نہ ہی کبھی مجھے مورخ ہونے کا ادنیٰ سا گمان بھی ہوا ہے. میں تو صرف شہر حبیب ﷺ کا ایک حقیر و ادنیٰ مدح خواں ہوں جسے رب ذوالجلال نے اپنے کمال لطف و کرم سے بار بار اس سعادت سے نوازا ہے کہ ۱۹۷۵ء سے آج تک اس شہر مقدس کی زیارت سے بہرہ ور ہوتا آرہا ہوں. یہ سعادت سال میں کبھی ایک یا دو بار، کبھی ہر ماہ یا کبھی پندرہ دن بعد مجھے میسر آتی رہی. اتنی کرم فرمائیوں کے باوجود دم واپسی میری کیفیت بھی ہر اس زائر مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاً کی طرح ہو جاتی ہے جو لوٹتے وقت ایک طرف اپنے اندر ذوق و شوق کو اور بھڑکتا محسوس کرتا ہے تو دوسری طرف وہ اپنے غمگین دل کے ساتھ دوبارہ لوٹ آنے کی تمنا لیے بوجھل قدموں سے رخصت بھی ہو رہا ہوتا ہے.

جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر مر کے جیتے ہیں جو اُن کے در پہ جاتے ہیں حسن

میں جب بھی اس شہر حبیب ﷺ سے رخصت ہوا تو اشکبار آنکھوں کے ساتھ میرے دل نے صرف ایک ہی دعاء کی: ''خدایا ایں کرم بار دگر کن''. اس کی روح پرور اور مشک بیز فضائیں ہر آنے والے کے دل و دماغ پر محبت کی ایسی مہر لگا دیتی ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ وہ وہیں کا ہو رہے یا بصورت دیگر اسے وہاں بار بار حاضری دینے کی سعادت نصیب ہوتی رہے. یہ شہر حبیب اور بلدۃ میمونہ اپنے آپ میں ایک مکمل کائنات ہے جس کی حرمت و تقدس کا یہ عالم ہے کہ اس کے کاخ و کو، اس کے شجر و حجر، اس کے چرند پرند، اس کی ہوائیں، اس کی فضائیں اور اس ارض طیبہ کی مٹی تک تقدس میں حرم نبوی شریف کا حصہ ہیں اور واجب الاحترام ہیں. فرمان مصطفیٰ ﷺ میں تو اس بات تک کی صراحت کر دی گئی ہے کہ اس کی مٹی میں شفاء ہے. اس کی سرزمین ان گنت آثار اور تبرکات نبوی کی امین ہے جن کی کڑی کسی نہ کسی طور پر سیرت مصطفوی ﷺ سے جڑی ہوئی ہے. تاریخ اسلامی کے مختلف سنگ میل انہیں آثار مبارکہ کی شکل میں آج بھی ہر زائر طیبہ کے دلوں میں ان سوانح طیبہ کی یاد تازہ کر دیتے ہیں جسے عرف عام میں سیرۃ مطہرہ رسول مقبول ﷺ کہا جاتا ہے.

اسی پس منظر میں میرے دل میں عرصہ دراز سے یہ آرزو جنم لیتی رہی کہ اس رشک جناں شہر حبیب ﷺ کی تاریخ مدون کی جائے جس سے عامۃ المسلمین اور بالخصوص ایسے قاری مستفید ہو سکیں جو اپنے دلوں میں اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب و بیقرار رہتے ہیں. میں جب بھی مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو وقت نکال کر اسی تگ و دو میں لگا رہتا تھا کہ جو مواد بھی تاریخ مدینہ طیبہ پر مل سکے اسے جمع کیا جائے اور یوں برسوں کی جستجو سے کافی مواد (جن میں کتب کے علاوہ رسائل اور ویڈیو اور آڈیو کیسیٹس بھی شامل ہیں) جمع ہو جانے کے بعد اس قابل ہو گیا کہ انہیں یکجا کر کے کتابی شکل دی جائے مگر جب بھی لکھنے بیٹھتا تو محسوس ہوتا کہ مجھ میں تو اتنی استعداد ہی نہیں کہ میں اس کار عظیم کا تھوڑا سا بھی حق ادا کر سکوں. وقت اسی مائیگی اور کم مائیگی کے مشکل مرحلے سے گزرتا رہا. آخر بیتابی تمنا نے حوصلہ بڑھایا اور ایک دن میں نے کوئے حبیب میں گنبد خضراء کے سائے میں لرزتے ہاتھوں کے ساتھ قلم اٹھایا اور رب ذوالجلال کے ہاں دعا گو ہوا کہ بارالہا! میری خامیوں پر نہ جا اور مجھے یہ سعادت بخش دے کہ میں کوئے حبیب ﷺ پر کچھ لکھ سکوں. میں اس بات کا برملا اعتراف کرتا ہوں کہ میری کاوشوں کے نتیجے میں لکھی جانے والی یہ کتاب کسی بھی معیار سے تاریخ مدینہ نہیں؛ ہاں اس کام میں حتی المقدور خلوص شامل ہونے کی وجہ سے میں اسے صرف 'جستجوئے مدینہ' کا نام دے سکا ہوں اور قارئین کرام سے درخواست گزار ہوں کہ وہ میری اس کاوش کو جستجوئے شہر مصطفیٰ ﷺ کی ایک ادنیٰ سی کاوش سمجھیں اور اسے تاریخ مدینہ طیبہ پر محمول نہ کریں.

پچھلے تیس اکتیس سالوں میں میرے دیکھتے دیکھتے ارض طیبہ میں بے شمار تبدیلیاں رونماء ہوئیں. عمرانی ترقی نے تو اس کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی ہے. یوں لگتا ہے کہ شہر نبوی پورے کا پورا از سر نو بسایا گیا ہے. جس میں عصر حاضر کی ٹیکنالوجی سے مسلح طرز تعمیر نے تاریخی مدینہ طیبہ کے قدیم عمرانی دور کو یکسر تبدیل کر دیا ہے. سوچتا ہوں کہ یہ تو صرف ایک چوتھائی صدی میں ہوا ہے مگر اس سے پہلے تاریخ مدینہ طیبہ پر کتنے ہی

اور ایسے ادوار آتے رہے ہوں گے کہ جب نئے انداز فکر اور نئی تعمیرات نے اپنے سے پہلی عمرانی روایات کی جگہ لے لی ہوگی. تاریخ مدینہ طیبہ کا ہر قاری اس بات سے واقف ہے کہ تاریخ کے دھارے میں شہر نبوی پر اچھا اور برے وقت بھی آئے، اس کے افق پر سیاسی نشیب و فراز بھی آئے، اس نے خلفائے راشدین سے لے کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور بھی دیکھا جب اس شہر نبوی ﷺ کی عمرانی ترقی پر بھرپور توجہ دی گئی اور پھر ایک ایسا دور بھی آیا کہ یزیدی دور میں اسی شہر نبوی ﷺ پر لشکر کشی کر کے نہ صرف اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی بلکہ اس کے راستوں پر جا بجا کٹے ہوئے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم کے سر لٹکتے نظر آتے تھے. مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھ کر اس کی حرمت و تقدس تک کو پامال کر دیا گیا. لیکن بایں ہمہ اگر اس کے ماضی کا ہمہ گیر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سوائے چند معاندانہ واقعات کے عام طور پر ہر نئے حاکم نے مدینۃ النبی ﷺ کو سنوارنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے.

یہی وجہ ہے کہ سلاطین اسلام اور اُن بادشاہوں نے جن کی مملکتیں شرق سے غرب تک پھیلی ہوتی تھیں اپنے آپ کو" خادم الحرمین الشریفین" کہلوانے پر فخر کیا اور ان میں سے ہر ایک نے خدمت مدینۃ النبی ﷺ میں اپنے پیشروؤں پر سبقت لے جانے کی کوشش کی ہے. سلطان صلاح الدین ایوبی" سے لیکر عثمانی دور تک کتنے ایسے سلاطین آئے جنہوں نے شہنشاہ کہلوانے پر اپنے آپ کو" خادم الحرمین الشریفین" کہلوانے کو ترجیح دی. (۱) سعودی دور میں بھی یہ رسم وفاء شاہ فہد بن عبدالعزیز نے" خادم الحرمین الشریفین" کا خطاب اپنا کر نبھائی ہے. موجودہ دور میں تو صحیح معنوں میں مدینہ طیبہ کی کایا پلٹ گئی ہے اور قدیم عمرانی ہیئت کو یکسر بدل کر رکھ دیا گیا ہے. کسی بھی زائر کو اگر پچھلی دو دہائیوں کے بعد مدینہ طیبہ کی دوبارہ حاضری نصیب ہوئی ہو تو وہ یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ آخر اس شہر نبوی شریف کو کیا ہو گیا ہے. صرف چند مربع میل میں پھیلا ہوا قدیم مدینہ طیبہ اب کہاں سے ڈھونڈا جائے اب تو اس کا رقبہ ۵۸۹ مربع کیلومیٹر تک پھیل چکا ہے. قدیم زمانے سے موجود تنگ بل کھاتی گلیوں کی جگہ نئے اور وسیع سڑکوں کے جال بچھ گئے ہیں، قدیم مہمان خانوں اور کارواں سراؤں کی جگہ کثیر المنزلی فائیو سٹار ہوٹلوں نے لے لی ہے. مسجد نبوی شریف کے اردگرد کے محلے اور بازار یکسر ختم ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ بلند و بالا پلازے سر اٹھائے کھڑے نظر آتے ہیں. قدیم تنگ سڑکیں جہاں گھنٹوں ٹریفک رکی رہا کرتی تھی اب دورویہ وسیع سڑکیں، پل، سرنگیں اور فلائی اوور بن چکے ہیں جہاں شب و روز گاڑیوں کے قافلے اپنی پوری رفتار سے رواں دواں نظر آتے ہیں. چھوٹی چھوٹی دکانوں اور بقالوں کی جگہ عظیم الشان تجارتی مرکزوں نے لے لی ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جہاں ماضی میں صرف چند ہزار حجاج کرام اور زائرین مدینہ طیبہ کی زیارت سے بہرہ ور ہوا کرتے تھے اب جدید مواصلات کی سہولیات میسر ہو جانے سے ان کی تعداد رمضان المبارک اور حج کے مواسم میں بیس سے تیس لاکھ تک پہنچ جاتی ہے.

عصر حاضر کا مدینہ منورہ

ماضی اور حال کا سب سے بڑا محیر العقول تغیر تو خود مسجد نبوی شریف میں رونماء ہوا ہے جہاں دو دہائیاں پہلے صرف چند ہزار نفوس بیک وقت نماز ادا کر سکتے تھے مگر اب ایک اجتماع میں پانچ لاکھ سے زیادہ فرزندانِ توحید اس کے سائبان رحمت تلے نماز ادا کر سکتے ہیں. فصیل شہر کے اندر موجود قدیم شہر نبوی ﷺ پورے کا پورا مسجد نبوی شریف اور اس کے گرد کھلے علاقوں میں تبدیل ہو چکا ہے. اس مرکز تجلیات کے گرد

---

(۱) یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جب سلطان یاوز سلیم خان نے مصر کو ۹۲۳ ہجری (۱۵۱۷ء) میں فتح کیا تو انہوں نے اپنے ایک خوشامدی مصاحب کو یہ کہہ کر چپ کروا دیا جس نے سلطان کے لیے یہ خطاب تجویز کیا تھا کہ مسجدوں میں خطبوں کے دوران انہیں" سلطان الحرمین" کے لقب سے پکارا جانا چاہیے:" میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوگی کہ مجھے حرمین الشریفین کا ایک ادنیٰ غلام کہا جائے لہذا مجھے آئندہ صرف خادم الحرمین کہا جائے" سی رسم وفاء کو نبھاتے ہوئے شاہ فہد بن عبدالعزیز نے" جلالۃ الملک" کے شاہانہ لقب کی جگہ اپنے سر پر" خادم الحرمین الشریفین" کے لقب کا پر وقار تاج سجا کر عالم اسلام میں اپنے وقار کو چار چاند لگائے ہیں.

واقع کھلے علاقے اور شہری خدمات کے مواقع (Civic Services) اتنی کثرت سے تعمیر کردیئے گئے ہیں کہ آئندہ کئی دہائیوں تک بڑھتے ہوئے بحرِ حجاج کی ضروریات پورا کرسکیں گے۔ چھوٹے شفاخانوں اور ڈسپنسریوں کی جگہ جدید آلات سے مزین بڑے بڑے ہسپتالوں نے لے لی ہے۔ تنگ و تاریک مدرسوں کی جگہ جنہیں صرف چند مخیّر حضرات چندوں کی مدد سے چلایا کرتے تھے اب حکومت کے زیرِ انصرام چلنے والے سمعی و بصری آلات سے مرصع وسیع و عریض سکول اور کالج معرضِ وجود میں آچکے ہیں۔ ماضی کے چھوٹے چھوٹے بستانوں کی جگہ خوبصورت پارکوں نے لے لی ہے۔ ایک طائرانہ نظر میں زائر کو شہرِ نبوی دورِ حاضر میں بسایا گیا ایک نیا شہر لگتا ہے۔ آج بھی اہلِ مدینہ طیبہ جنہوں نے چالیس سال سے زیادہ اس شہرِ حبیب میں گزارے ہیں اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ پرانا مدینہ طیبہ تو اب صرف ایک خواب لگتا ہے۔

اس تمام عمرانی ترقی نے بہت سے تبرکات اور آثارِ نبوی ﷺ کے تاریخی آثارِ مبارکہ کو ہڑپ کرلیا ہے۔ جو صدیوں سے تاریخِ اسلام کے دیوانوں اور عشاق کی پیاس بجھاتے چلے آرہے تھے ان آثارِ مبارکہ کا وجود فیوض و برکات کے اس تسلسل کی ایک کڑی تھی جو کہ ہمارے حال کو ماضی سے منسلک کرتا تھا اور جس کی وجہ سے آج کا کم عمل مسلمان اپنے ماضی پر اتراتا نہیں تھکتا تھا۔ موجودہ کایا پلٹ ترقی کی کوکھ سے جنم لینے والے بلند و بالا پلازوں سے تاریخِ اسلام تو مٹ نہیں سکی مگر اس کے آثار زیرِ خاک مدفون ہوکر رہ گئے ہیں جس سے یہ شہرِ مقدس اپنی روائتی تاریخیت کے ایک بہت ہی پرشکوہ اور روائتی عنصر سے محروم ہوکر رہ گیا ہے۔ جہاں ماضی میں زائر اپنی عظمتِ رفتہ کے سنگ ہائے میل اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے دل کو تسکین دے لیا کرتا تھا وہاں آج اس قدیم تاریخ کے چوکھٹے میں عصرِ حاضر کے مدینہ کی تصویر آویزاں دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تو وہ تعریف کے پل باندھتا ہے مگر اگلے ہی لمحے آثارِ نبویہ شریف کے اتنی تعداد میں فقدان پر کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔ حجاز کا عاشق زار اور تاریخِ اسلام کی عظمت و سطوت کے گن گانے والا اقبال اگر آج کا مدینہ طیبہ دیکھتا تو یقیناً یہ شعر کبھی نہ لکھ پاتا:

آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

عشاقِ طیبہ آج بھی انہی گزرگاہوں سے گزرنا چاہتے ہیں جہاں جہاں محسنِ انسانیت سرکارِ دوعالم نے قدم رنجہ فرمائے تھے۔ مگر جب ان گلیوں کے نشانات ہی معدوم کردیئے جائیں اور کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو سر پیٹنے کے سوا اور کیا چارہ کار رہ جاتا ہے۔ جہاں کبھی مقدس قبرستان ہوا کرتے تھے وہاں محلے کے بچے فٹ بال کھیلتے نظر آتے ہیں جہاں چند سال بیشتر تک متبرک تاریخی مساجد تھیں وہاں گاڑیاں پارک ہوتی ہیں۔ کسی بھی تہذیب یا شہر کے آثارِ قدیمہ اس کی عظمت و سطوت کو دلوں میں اجاگر کرنے میں جو کردار ادا کرتے ہیں وہ عصرِ جدید کے فلک بوس پلازے اور سکائی سکریپرز کبھی نہیں کرسکتے۔ وہ اگر اشارہ کرتے بھی ہیں تو صرف اس کے روشن مستقبل اور مادی بقاء کی طرف جو ماضی سے یکسر کٹا ہوا نظر آتا ہے۔ لوگ سات عجائباتِ عالم کے ماضی کے جھروکوں سے جھانک کر ان عظیم تہذیبوں کے گن گاتے ہیں جنہوں نے انہیں بنایا تھا اور جن کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے۔ مگر انہیں محض ان تہذیبوں کی یادگار کی خاطر زندہ نہیں رکھا گیا بلکہ ان کو انسان کی اجتماعی عظمتِ رفتہ کا امین گردانا جاتا ہے۔ مگر وائے افسوس کہ مدینہ طیبہ کے سلسلے میں یہ زریں اصول نظرانداز کردیا گیا اور طیرمہ، فصیل مدینہ طیبہ اور چھٹی صدی کے مارو دینی رباط جیسے تاریخی شاہکار عمرانی ترقی کی بھینٹ چڑھا دیے گئے ہیں۔ ترقی زدہ فلک بوس عمارتیں کسی شہر کا مستقبل تو بن سکتی ہیں مگر ماضی اور تاریخ نہیں کہلا سکتیں۔ مجاں شہرِ حبیب ﷺ کے لیے تو مدینہ طیبہ ایک "ٹائم کیپسول" سے کم نہیں جس کے روزنِ تاریخ سے جھانک کر انہیں اسلام کی سطوتِ رفتہ کے نقش پا، تر و تازہ اور نو بہ نو نظر آتے ہیں۔ اسی کے افق سے وہ اپنے روشن مستقبل کا سورج طلوع ہوتے دیکھتے ہیں شائد یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان حجرہ ہائے مبارکہ کو مسمار کرکے مسجدِ نبوی شریف میں شامل کردیا جن کی سادگی پر قیصر و کسریٰ کے پرشکوہ محلات رشک کرتے تھے اور جن پر تقدس و حرمت کا ہر انداز سو سو جاں سے نثار تھا تو وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس وقت حیات تھے زار و قطار رو رہے تھے کہ اے کاش ان کاشانہ ہائے اقدس کو یونہی رہنے دیا جاتا تا کہ پتہ چلتا کہ شاہ

۱۹۸۰ء کی دہائی میں
[illegible] سے لی گئی
حرم مصطفوی ﷺ
کی ایک یادگار تصویر
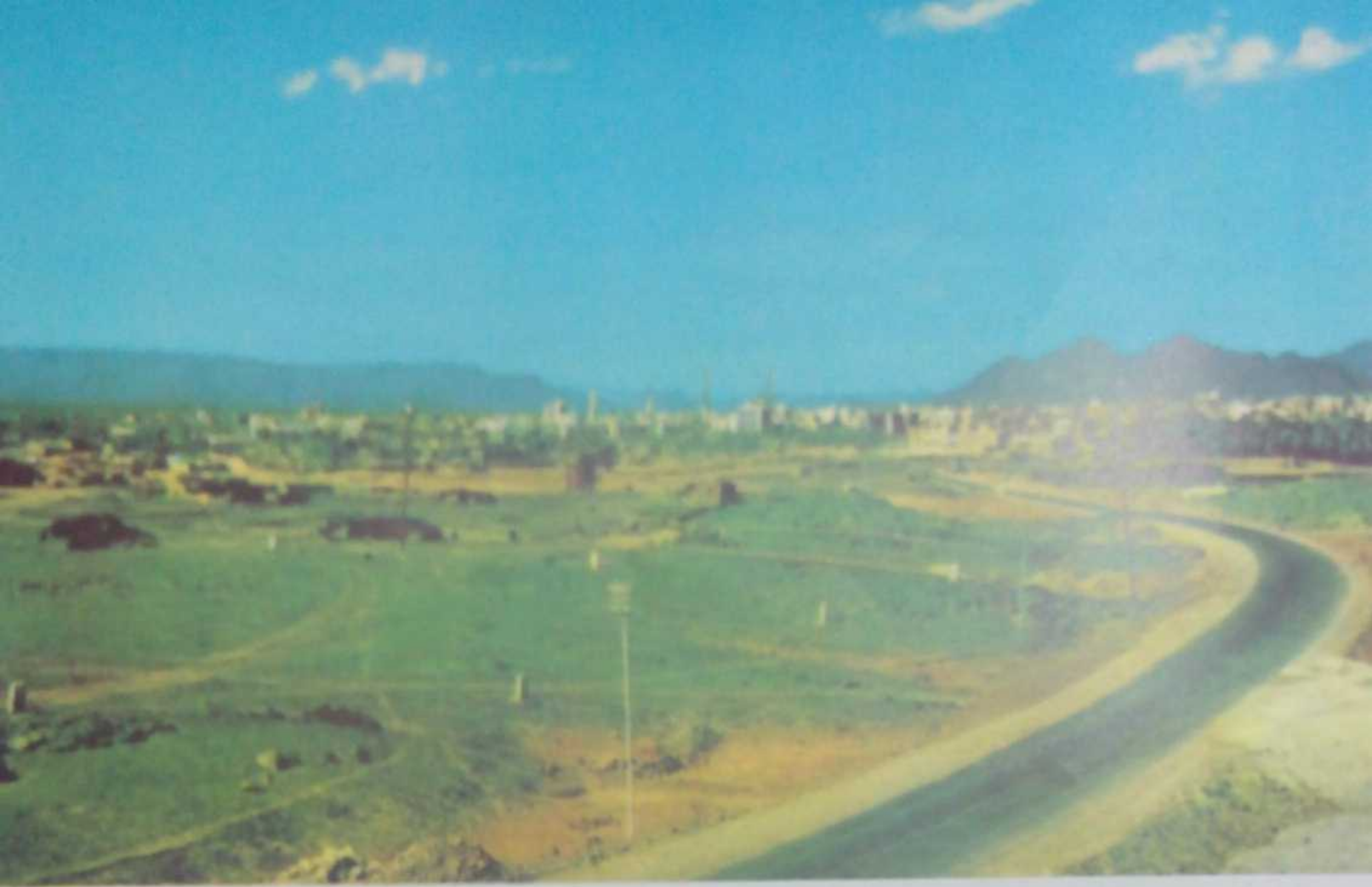
لولاک سرّ کن فکاں اور سید الانس وجاں ﷺ کا کاشانہ اقدس کتنا سادہ تھا.

درحقیقت مدینہ طیبہ کا معاملہ ہی کچھ اور ہے اس کا ماضی اسلام کی سطوت ورعنائی کا امین ہے. جس کے تاریخی نقش ونگار اسلام کے حال ومستقبل کے ماتھے کے جھومر ہیں. اس کے عمرانی ترقی کے نشیب وفراز سے تو تاریخ نوع انسانی جڑی ہوئی ہے جیسا کہ جان کائنات سرکار دوعالم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جب یروشلم آباد ہونے لگ جائے گا تو طیبہ اجڑنا شروع ہو جائے گا اور پھر جب طیبہ آباد ہوگا تو یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی یعنی مشیت ایزدی نے اسلام کی نشاط ثانیہ اور کفروالحاد کی موت کے ناقوس کے بجنے کو ارض طیبہ کی عمرانیات سے منسلک کر دیا ہے. یہاں نوع انسانی کو تہذیب سے روشناس کرایا گیا؛ اسی گہوارے میں بنی آدم کی عظمت نے انگڑائیاں لے کر آنکھیں کھولیں اور اسے ہی عاصمة الدولة اسلامیه ہونے کا اولیں شرف حاصل ہوا. مدینہ طیبہ جب رسول مقبول ﷺ میں اس ارفع مقام پر فائز ہوا کہ حضور ختمی مرتبت خاتم النبیین ﷺ نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے اس کے سر پر رفعتوں کے تاج سجا دئے کہ "والمدینه خیر لهم لو کانوا یعلمون" اس کی ہر گلی میں اور اس کی ہر نکڑ پر ہماری تاریخ کے آثار ثبت تھے جو کہ صدیوں سے ہماری رہنمائی کرتے آ رہے تھے مگر وائے افسوس کہ ان میں سے اکثر وبیشتر زیر زمین مدفون ہو چکے ہیں. اگر کوئی آثار نبویہ باقی بچ بھی چکا ہے تو وہاں ارباب اختیار کسی کو جانے کی اجازت نہیں دیتے. جتنی سرعت کے ساتھ مدینہ طیبہ جدید ترقی کی شاہراہ پر چلا ہے اسی رفتار سے یہ تاریخی آثار بھی معدوم ہوتے گئے ہیں اور اس رفتار سے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں کہ باقی کے چند بچے کھچے آثار کتنی دیر مزید زندگی کا سانس لے سکیں گے. اگرچہ ایک عرصہ سے ان تاریخی آثار مقدسہ کی حفاظت کے لیے ایک شاہی فرمان موجود ہے مگر اس کی تنفیذ کرنے والے ارباب حل وعقد ان آثار مبارکہ کی حفاظت کی بجائے شہر نبوی کو یورپ کے ترقی پذیر ممالک کی صف اول میں کھڑا کرنے کے درپے ہیں. اس دیوانہ پن نے اسلامی میراث کی اہمیت کا

نظریہ ہی بدل کر رکھ دیا ہے اور اس کی نگہداشت کی بجائے نظریہ ضرورت اور مصلحت عامہ کو ترجیح دی جانے لگی ہے۔ بصرف تین جگہوں پر ایسے بورڈ لگائے گئے ہیں جن میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ انتہائی اہمیت کے حامل تاریخی آثار ہیں، مگر بدقسمتی سے ان تینوں جگہوں پر یہود کا دعویٰ ہے کیونکہ مدینہ طیبہ سے نکالے گئے یہود ڈیڑھ ہزار سال پہلے وہاں بستے تھے اور یونیسکو کے ذریعے مملکت سعودی عرب ان آثار کی حفاظت پر مامور ہے۔ یہاں پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کے سفرنامہ ارض القرآن کے یہ الفاظ دہرائے بغیر نہیں بنتی جو کہ اگرچہ انہوں نے مکۃ المکرمہ کے آثار مقدسہ ضائع ہونے پر لکھے تھے مگر مدنی آثار پر بھی اتنے ہی لاگو ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کی جائے پیدائش کے بارے آپ لکھتے ہیں:

''.... یہ گھر جس کی تاریخ اسلام میں یہ حیثیت اور اہمیت ہو، اس کا سرے سے نام و نشان مٹ جانا ہمارے لیے انتہائی روحانی اذیت کا باعث ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا کوئی بھی ایسی اسکیم نہیں بن سکتی تھی کہ یہ گھر اپنی جگہ قائم رہتا اور سڑکوں اور دکانوں کو کسی اور طرح سے تعمیر کر لیا جاتا؟.... مگر اب ہم وہاں کیا دیکھتے؟ افسوس کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ تاریخی آثار سے سعودی حکومت کا تغافل ایک ایسی چیز ہے جو عرب کی سیاحت کرنے والے ہر شخص کو بری طرح کھٹکتی ہے۔ مشرکانہ افعال کو روکنا بالکل برحق، مگر اسلام کے نہایت قیمتی آثار تاریخ کو ضائع کرنا کسی طرح درست نہیں۔''

ان چند سطور کے لکھنے سے ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ مدینہ طیبہ کو اس کی قدیم حالت پر ہی رہنے دیا جاتا اور اس کی عمرانیات کو عصر حاضر سے ہم آہنگ نہ کیا جاتا یا یہ کہ اسے عصر حاضر کی سہولتوں سے بہرور ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا اس کو خوبصورت رکھنے کا حکم تو خود تاجدار مدینہ سرکار ختمی مرتبت ﷺ نے دیا ہے اور عالی شان محلات تو بعض اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی تعمیر کر لیے تھے یا یسے میں دور جدید میں اہل مدینہ طیبہ کا عمرانی ترقی کے لیے استحقاق تو دوسروں سے زیادہ بنتا ہے ہمارا مقصد وحید تو اس کایا پلٹ تعمیر نو کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اس خلاء سے ہے جس کی وجہ سے آج کا زائر اس صحرائے بے کراں میں راہ گم گشتہ مسافر کی طرح رہ جاتا ہے جو منزل کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتا رہتا ہے مگر وہاں تاریخی آثار مبارکہ کی نہ کوئی منزل رہ چکی ہوتی ہے اور نہ ہی اس منزل کا سراغ اس پر مستزاد یہ کہ کوئی اس کو راہ دکھانے والا بھی نہیں ملتا یہی مشکل مدینہ طیبہ میں ہر اس زائر کو پیش آتی ہے جو آج کے مدینہ طیبہ میں اپنی میراث گم گشتہ کے سنگ ہائے میل ڈھونڈنے کی سعی لاحاصل کرتا ہے اور اسے یہ کہہ کر چپ کرا دیا جاتا ہے کہ ان کو دیکھنا تو ایک طرف ان کے متعلق سوچنا بھی شرک ہیان تمام تر مشکلات کے باوجود ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ جتنا بھی ممکن ہو سکے ان موجود اور معدوم دونوں قسم کے آثار نبویہ شریف کے متعلق معلومات بہم پہنچائی جاسکیں جو کہ تاریخ مدینہ طیبہ کے آسمان کے درخشان ستارے ہیں۔ اس تگ و دو میں ایک اور مشکل کا احساس بھی ہوا کہ لکھا ہوا مواد تو بکثرت مل جاتا ہے مگر قدیم تصاویر ناپید ہیں بایں ہمہ جہاں بھی ممکن ہو سکا ہم نے ان مقامات کی قدیم و جدید تصاویر سے ان کی تاریخی اہمیت اجاگر کرنے کی کوشش کی ہیساتھ ہی ساتھ ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ جہاں مدینہ طیبہ کے منور و تاباں ماضی کو اجاگر کریں وہاں ساتھ ہی اس کی عظمت حالیہ کی نقاب کشائی بھی کی جائے۔

بنیادی ماخذات کے طور پر ہم نے شہہ بطحاء تاجدار مدینہ قرار قلب وسینہ آقائے دو جہاں ﷺ کی احادیث مبارکہ کو اولیت دی ہے، پھر مغازی اور سوانح رسول مقبول ﷺ کی طرف رجوع کیا ہے اور پھر اس کے بعد تاریخ خلافت راشدہ اور پھر مدینہ طیبہ کی اولیں مدون شدہ تاریخوں اور پھر اس کے بعد مشاہیر مورخین کے شہ پاروں کی طرف رجوع کیا ہے۔ میں نے ابن شبہ، ابن نجار، فیروز آبادی، مطری، مراغی، عباسی، برزنجی، محدث دہلویؒ اور سب سے زیادہ امام المورخین امام سمہودی رحم اللہ علیہم اجمعین کی وفاء الوفاء کے شاہکاروں سے بھرپور خوشہ چینی کی ہے۔

تدوینِ تاریخِ مدینہ کا مختصر جائزہ

اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے یہاں ہم اجمالاً 'تاریخ مدینہ طیبہ' کی تدوین کی تاریخ پر روشنی ڈالنا چاہیں گے کہ اس جوہر بے کراں کے حالات و واقعات کو آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کرنے میں کن کن مشاہیر نے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں. اس شہر مقدس کے پہلے مورخ تو خود اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جنہوں نے احادیث مبارکہ کے جواہر ہائے بے پایاں کو روایت کیا اور یوں دیگر باتوں کے علاوہ مدینہ طیبہ کے اس کردار کو اجاگر کیا جو نسبت رسول مقبول ﷺ کے فیض بیکراں سے گمنامی کے دھندلکوں سے نکل کر آفتاب عالم تاب کی طرح افق عالم پر طلوع ہوا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس بام شہرت پر پہنچ گیا کہ دنیا کے اس وقت کے بڑے بڑے دار السلطنت اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے 'اکالۃ القریٰ' کے ماہ تمام نے قیصر و کسریٰ کے دارالسلطنتوں کو گہنا کر رکھ دیا تھا یوں مدینہ طیبہ کے اولین مورخین خود اس کے مؤسس اور خالق تھے جنہیں ہم اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام سے یاد کرتے ہیں. یہ وہ دور تھا کہ مدینہ طیبہ ریاست اسلامیہ کا مرکز قوت اور عاصمۃ الاسلام تھا اس کے بعد کے مرحلے میں یہ مشعل تابعین اور تبع تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جلائے رکھی جنہوں نے نہ صرف احادیث مبارکہ کو محفوظ اور روایت کیا بلکہ اپنے دور کی حکومتوں کے مدینہ طیبہ کے ساتھ سلوک اور روابط کو بھی قلمبند کیا.

اس نقطہ نظر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پہلی صدی ہجری تاریخ مدینہ طیبہ کے لیے ایسے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے. جس کے دوران اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں بوئے ہوئے علم و عرفان کے شجر نے ثمر باری شروع کر دی تھی اور مدینہ طیبہ کی گلی گلی میں رشد و ہدایت کے سوتے پھوٹنے لگے تھے. نور ہدایت کے ان علمبرداروں میں زیادہ تر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے صاحبزادے اور تلامذہ شامل تھے: مثلاً حضرت عروہ بن زبیرؒ، حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکرؒ، حضرت خارجہ بن زید بن حارثہؒ اور حضرت سعید بن المسیبؒ وغیرہ جن کی انتھک مساعی جمیلہ سے دین اسلام کا نور ایک منظم تحریک کی شکل میں دور دور تک ہر اس علاقے میں پہنچ گیا جو کہ ریاست اسلامیہ کے تسلط میں آ چکا تھا. ریاست اسلامیہ اس وقت کی دنیا کے ۶۰٪ حصے پر محیط ہو چکی تھی. سب سے پہلا مغازی اور سیرۃ رسول اللہ ﷺ پر تحریری کام اسی دور میں ہوا اس مرحلے پر سیرۃ رسول اللہ ﷺ اور تاریخ مدینہ طیبہ میں ایک خاص ربط پایا جاتا ہے. یوں سیرۃ رسول مقبول ﷺ کے ساتھ ساتھ مدینہ طیبہ کی سماجی، ثقافتی اور سیاسی تاریخ بھی از خود اجاگر ہوتی گئی. اس کے بعد اگلی نسل نے عرق ریزی کر کے واقعات کی ممکنہ جانچ پڑتال کر کے ان کو مزید وسیع بنیادوں پر مدون کرنا شروع کر دیا جو کہ بعد میں آنے والے مورخین کے لیے انمول ماٰخذ بن گئے. ان تمام ابتدائی کاوشوں کو ہم صرف تاریخ مدینہ طیبہ تو نہیں کہہ سکتے لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ بعد میں آنے والے وقتوں میں لکھی گئی سیرۃ رسول اللہ ﷺ اور سوانح اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اساس اور بنیاد ٹھہریں. انہیں ابتدائی کاوشوں نے آنے والی صدی میں تابعین اور تبع تابعین کرام کے افکار کو مہمیز دی

اور یوں باقاعدہ طور پر علم حدیث، علوم قرآن اور سیرۃ سید المرسلین ﷺ کی بنیاد پڑ گئی۔ انہی علوم کی ایک شاخ کے طور پر تاریخ مدینہ طیبہ نے جنم لیا جس کے اصل ماخذ انہیں موارد (Original Sources) سے سینچے گئے تھے۔ دوسری صدی ہجری تاریخ اسلام میں اس لیے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں اسلامی فقہ کی عمارت مضبوط ستونوں پر قائم ہوئی دیگر کامیابیوں کے علاوہ اسلامی قانون اور فقہ مدون ہو گیا جس میں بے شمار مشاہیر آئمہ کرام کے علاوہ سات مدنی تابعین فقہاء کے ساتھ ساتھ امام مالک بن انسؒ، امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی کاوشوں کا عمل دخل سب سے زیادہ تھا۔ یہ سب کے سب آئمہ فقہ و شریعت اور بانیان طریقت مدینہ طیبہ کی پرکیف فضاؤں میں پلے بڑھے تھے اور اس کے تقدس و فضائل کے گن گاتے نہ تھکتے تھے اس کے ساتھ ہی ساتھ اسی صدی نے ہمیں ابن اسحاق اور دیگر اصحاب کی مدون کردہ سیرۃ رسول اللہ ﷺ کا تحفہ دیا جس سے ان حالات و واقعات پر روشنی پڑتی ہے جن میں سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ مدینہ طیبہ کا کردار اجاگر ہوتا ہے۔ تیسری صدی ہجری اس معاملے میں سب سے زیادہ سبقت لے گئی کیونکہ اس میں بڑی تحقیق و تدقیق کے بعد امام بخاریؒ اور دیگر آئمہ حدیث کے ہاتھوں تدوین حدیث مبارکہ کا کام مکمل ہو گیا۔ آئمہ حدیث کے علاوہ اس صدی نے اسلامی دنیا کے صف اول کے مورخین کو جنم دیا جن میں ابن سعدؒ (ولادت: ۱۶۸ ہجری)، واقدی (ت: ۲۰۷ ہجری) اور الطبری (ت: ۳۱۰ ہجری) شامل تھے۔ ان کے شاہکار دراصل دوسری اور تیسری صدی ہجری کی مجموعی کاوشوں کا ثمر ہیں۔ جہاں ان صف اول کے مورخین کے شاہپارے تاریخ اسلامی کی اساس سمجھے جاتے ہیں وہیں ان میں بیان کردہ اکثر واقعات بالواسطہ یا بلاواسطہ مدینہ طیبہ سے بھی متعلق ہونے کی وجہ سے اس شہر آرزو پر بھی بھرپور روشنی ڈالتے ہیں دوسری صدی ہجری میں ہی بعض اہل علم نے تاریخ مدینہ طیبہ پر مستقل کتابیں تصنیف کرنی شروع کر دی تھیں جن میں امام مالکؒ کے تلمیذ ابن زبالہ سرفہرست تھے۔

پہلی دو یا تین صدیوں کے مورخین کی اکثر کتب تو اب ناپید ہیں لیکن چونکہ ان کی کتب سے بعد میں آنے والے مورخین نے جی بھر کے خوشہ چینی کی، ان کی نگارشات کافی حد تک دوسروں کی کتب میں محفوظ ہو گئی تھیں۔ خوش قسمتی سے چونکہ ان متاخرین مورخین کی کتب وقت کی دستبرد سے بچ گئی تھیں اس لیے ان دوسری صدی کے مصنفین کی کاوشیں ضائع ہونے سے بچ گئیں۔ قارئین کرام کے استفادے کے لیے ہم تاریخ مدینہ طیبہ کے بانیوں کے متعلق ایک سرسری سا جائزہ ذیل میں ترتیب وار پیش کرنا چاہیں گے:

(۱) **عبدالعزیز بن عمران الزہری المدنی (ت: ۱۹۷ ہجری):** انہیں عام طور پر ابن ابی ثابت الاعرج کہا جاتا ہے۔ انہیں مدینہ طیبہ کے سب سے پہلے مورخ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ان کی مدون کردہ تاریخ تو بہت عرصہ پہلے ضائع ہو چکی ہے مگر بعد میں آنے والے مورخین نے (بالخصوص ابن شبہ وغیرہ) ان سے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں۔

(۲) **محمد بن الحسن بن زبالہ المخزومی المدنی المشہور بہ ابن زبالہ:** یہ حضرت امام مالک بن انسؒ کے تلمیذ تھے اگرچہ روایت حدیث میں محدثین کے نزدیک ان کا اتنا مقام نہیں ہے۔ مگر تاریخ مدینہ طیبہ کے نقطہ نظر سے ان کی روایات کو ثقہ سمجھا جاتا ہے۔ ان کی تاریخ مدینہ بعنوان "اخبار المدینہ" جو کہ انہوں نے ۱۹۹ ہجری میں مدون کی تھی جو ضائع ہو چکی ہے۔ جس میں انہوں نے ان تمام آثار مبارکہ کو بالتفصیل بیان کیا تھا جو کہ ان کے دور تک محفوظ و مشہور تھے۔ لیکن چونکہ ابن شبہ، ابن نجار اور امام سمہودیؒ نے ان کی روایات کو من و عن نقل کیا ہے اس لیے یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان کی روایات کافی حد تک محفوظ ہیں ان کی تاریخ مدینہ امام سمہودیؒ کے زیر استعمال رہی تھی مگر جب ۸۸۶ ہجری میں مسجد نبوی شریف آگ کی لپیٹ میں آ گئی تو ان کی دیگر کتب کے علاوہ یہ انمول تاریخ مدینہ طیبہ بھی آگ کی نذر ہو گئی تھی۔

(۳) **محمد بن عمر الواقدی (۱۳۰۔ ۲۰۷ ہجری)**: جلیل القدر اصحابی حضرت سعد ابن معاذؓ کے پڑپوتے تھے الواقدی نے کتاب المغازی رسول اللہ ﷺ مدون کر کے اپنا نام جریدہ تاریخ اسلام پر ثبت کر دیا. امام سمہودیؒ کے بیان کے مطابق انہوں نے ایک مستقل کتاب ''کتاب الحرہ'' بھی لکھی تھی جس میں یزید پلید کی مدینہ طیبہ پر فوج کشی کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا تھا اس کتاب کا واحد نسخہ بھی ۸۸۶ ہجری میں نذر آتش ہو گیا تھا.

(۴) **ابی الحسن علی بن محمد بن عبداللہ المدائنی (ت: ۲۱۵ ہجری)**: انہوں نے حرار المدینہ طیبہ میں سے ''حرۃ الواقم'' پر ایک رسالہ تحریر کیا تھا اسی طرح ان کی ایک اور کتاب ''اخبار المدینہ والجبال'' بھی تھی.

(۵) **ابوبکر زبیر بن بکّار (زبیر بن ابی بکر بکّار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیرؓ متوفی: ۲۵۶ ہجری)** نے بھی تاریخ مدینہ طیبہ بعنوان ''اخبار المدینہ'' لکھی تھی جس میں ابن زبالہ کی تاریخ سے روایات منقول تھیں وہ اپنے وقت میں مدینہ طیبہ کے جید علماء میں تصور ہوتے تھے ان کا انتقال ۲۵۶ ہجری میں ہوا جب کہ وہ مکۃ المکرّمہ میں قاضی کے عہدہ پر فائز تھے. تاریخ مدینہ طیبہ کے علاوہ انہوں نے ایک مستقل کتاب وادی العقیق پر بھی تحریر کی تھی جس کا عنوان تھا: 'العقیق واخبارہ' اس کے علاوہ ان کی دوسری کتاب ''نوادر المدنیین'' کے نام سے تھی. ایک اور کتاب ''اخبار الاوس والخزرج'' بھی تھی. ان کے ایک اور ہم عصر یحیٰ بن الحسن الحسینی المدنی (۲۱۴-۲۷۷ ہجری) نے بھی شہر حبیب پر ایک کتاب لکھی تھی مگر بدقسمتی سے یہ کتاب بھی ہم تک نہیں پہنچ پائی. تاہم ان کتب کے مخطوطے امام سمہودیؒ کے زیر استعمال رہے تھے مگر چونکہ ان کا تمام اثاثہ (قلمی نسخے) جل گیا تھا ان کے ساتھ یہ نادر کتب بھی ضائع ہو گئیں.

(۶) **ابوزید عمر بن شبہ النمیری البصری (۱۷۱-۲۶۲ ہجری)**، المشہور بہ 'ابن شبہ': مدینہ طیبہ کے یہ پہلے خوش قسمت مورخ ہیں جن کی کتاب وقت کی چیرہ دستیوں سے بچتی بچاتی ہم تک پہنچی ہے. اس کتاب کا اصل نام بھی ''اخبار المدینہ'' ہی رکھا گیا تھا. اس نادر زمانہ کتاب کے قلمی نسخہ کا معتدبہ حصہ محفوظ رہا ہے. مدینہ طیبہ کی شیخ مظہر نقشبندی (رباطِ مظہر علی جانِ جاناں نقشبندی) کی لائبریری کے نہاں خانوں سے نکل کر یہ کتاب چند صاحب ذوق علماء کی عرق ریزی سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی اور منصۂ شہود پر نمودار ہو گئی اسے ''تاریخ المدینۃ المنورہ'' کے نام سے طبع کیا گیا ہے اور یہ چار جلدوں میں دستیاب ہے اس کے ابتدائی چند صفحات مفقود ہیں اور آخری حصہ بھی ناپید ہے مگر جہاں تک تاریخ مدینہ طیبہ کا تعلق ہے تو وہ حصہ کافی حد تک محفوظ ہے. اس کتاب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک روایت حدیث مبارکہ کا علم سائنسی بنیادوں پر اپنی جڑیں مضبوط کر چکا تھا اور یوں وہ احادیث مبارکہ جن کو اس کتاب میں نقل کیا گیا ہے وہ مروجہ طریقہ روایت کے عین مطابق ہیں جیسا کہ دیگر کتب احادیث میں پایا جاتا ہے.

(۷) **محمد بن حسن الشیبانی (ت: ۱۸۹ ہجری)**: ان کی تصنیف ''کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ'' محمد حسن گیلانی نے ۱۹۶۵ء میں حیدر آباد ،ہند، سے شائع کی تھی.

(۸) **عبداللہ بن ابی سعد الورّاق (۱۹۷-۲۸۴ ہجری)** وہ زبیر بن البکار اور ابن شبہ کے تلمیذ تھے. انہوں نے بھی ایک کتاب بعنوان: ''کتاب المدینہ واخبارہا'' کے نام سے لکھی تھی.

المدینۃ المنورۃ ۱۹۳۱ء

(۹) **علی بن احمد بن علی بن محمد بن جعفر بن عبداللہ بن الحسن بن علی ابن ابی طالبؓ (المشہور علی العقیقی)** نے ''بین المسجدین'' کے عنوان سے حرمین الشریفین پر کتاب تصنیف کی تھی۔

(۱۰) **ہارون بن ذکریا الہجری (تیسری اور چوتھی صدی ہجری)**: وہ طاہر بن یحییٰ الحسینی گورنر مدینہ طیبہ کے اطالیق تھے اور وادی العقیق میں رہائش پذیر تھے۔ انہوں نے دیگر وادیوں کے علاوہ وادی العقیق پر بہت تفصیل سے ایک کتاب لکھی تھی۔

(۱۱) **حافظ رزین بن معاویہ العبدری الاندلسی (ت:۵۳۵ ہجری)**: وہ امام الحرمین الشریفین کے عہدے پر فائز رہے تھے اور مدینہ طیبہ کے متقدمین مورخین میں گنے جاتے ہیں۔ ان کی کتاب کا عنوان ''فی ذکر دار الہجرہ'' اور ''اخبار دار الہجرہ'' تھا۔ المطری نے ان کی روایات سے بہت کچھ نقل کیا ہے۔

(۱۲) **حافظ محمد بن محمود (۵۶۸-۶۴۱ ہجری)، المشہور ''ابن نجار البغدادی''**: انہوں نے تحقیق و تدقیق پر مبنی اپنی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ کو ''الدرۃ الثمینہ فی اخبار المدینہ'' کے نام سے مدون کیا یہ فن تاریخ نویسی میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی تاریخ مدینہ طیبہ ایجاز تحریر، فصاحت و بلاغت اور تاریخیت کا حسین امتزاج ہے۔ فاضل مصنف نے جذبات کی بجائے صرف اور صرف تاریخی واقعات کا ذکر کرنا مناسب سمجھا ہے ان کے علاوہ ان کے ایک معاصر سیاح، ابی الحسین محمد بن احمد بن جبیر الکنانی الاندلسی نے جو کہ تاریخ اسلام میں ''ابن جبیر'' کے نام سے جانے جاتے ہیں، ۵۸۰ ہجری میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی اور اپنی یادداشتیں اپنے سفر نامہ بعنوان ''رحلۃ ابن جبیر'' کے نام سے چھوڑی ہیں یہ کتاب تاریخ مدینہ طیبہ میں بہت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اس کے مصنف نے دیار حبیب کے متعلق بیش قیمت معلومات مہیا کی ہیں جو کہ اس دور میں موجود آثار و مشاہد پر مبنی تھیں۔

(۱۳) **محمد احمد المطری (۶۷۶-۷۴۱ ہجری)، المشہور جمال المطری**: ''کتاب التعریف بما انست الہجرہ من معالم دار الہجرہ'' ان کی تصنیف ہے۔

(۱۴) **ابی الیمن عبدالصمد بن عبدالوہاب بن عساکر الدمشقی المکی (۶۱۴-۶۷۶ ہجری)**: ان کی تصنیف ''اتحاف الزائر'' میں تاریخ مدینہ منورہ پر کافی مواد شامل تھا۔

(۱۵) **عبداللہ بن محمد بن فرحون (۶۹۳-۷۶۹ ہجری)**: ان کا شمار مدینہ طیبہ کے جید علمائے کرام میں ہوتا تھا اور وہ مدینہ طیبہ میں بہت دیر تک قاضی بھی رہے تھے۔ مدینہ طیبہ کے علماء اور فضلاء کے متعلق لکھنے کے علاوہ انہوں نے اپنے وقت کے مجاورین کے بارے میں بھی بہت کچھ لکھا اور ساتھ ہی ساتھ مدینہ طیبہ کے تاریخی مقامات کا تذکرہ بھی بہت تفصیل سے کیا ہے۔ ان کی کتاب ''نصیحت المشاور و تعزیات المجاور'' کے نام سے مشہور تھی۔

(۱۶) **تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی (ت:۷۵۶ ہجری)**: ان کی کتاب ''تنزیل السکینہ علی قنادیل المدینہ'' میں تاریخ مدینہ طیبہ پر کافی مواد موجود ہے۔ تاہم ان کی تحریر میں تاریخیت کی بجائے جذباتیت اور فقہیت کا رنگ زیادہ پایا جاتا ہے۔

(۱۷) **محمد بن عبدالملک القرشی البکری المرجانی (ت:۷۸۱ ہجری)**: ان کی تاریخ مدینہ بعنوان ''بہجۃ النفوس والاسرار فی تاریخ دار ہجرۃ المختار'' بہت مشہور ہے جس کا قلمی نسخہ مکتبۃ الحرم النبوی شریف میں محفوظ ہے۔

(۱۸) **محمد بن احمد الاقشہری** (ولادت: ۷۹۶ ہجری): انہوں نے بقیع الغرقد پر ایک مستقل کتاب تحریر کی تھی جس کا عنوان ''الروضۃ الفردوسیۃ فی اسماء من دفن فی البقیع'' تھا۔

(۱۹) **زین الدین المراغی** (۷۲۷۔۸۱۶ ہجری): المراغی نے اپنے دو مشہور پیش رووں (ابن نجار اور جمال المطری) کی تواریخ کا خلاصہ اپنی کتاب ''تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الہجرۃ'' میں پیش کیا ہے اور اپنے تبصروں سے ان کی آراء پر حاشیہ آرائی بھی کی ہے۔

(۲۰) **مجد الدین ابی طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی الشیرازی الشافعی** (۷۲۹۔۸۱۷ ہجری): نے کئی جلدوں پر مبنی انسائیکلو پیڈیائی تصنیف ''القاموس المحیط'' تحریر کی جس میں سے ایک جلد صرف مدینہ طیبہ کے تاریخی مقامات پر مشتمل تھی جس کا عنوان ''المغانم المطابہ فی معالم طابہ'' تھا یہ کتاب اس وقت کے مدینہ طیبہ اور اس کے گرد ونواح میں واقع تاریخی مقامات پر ایک جید کتاب سمجھی جاتی ہے۔

(۲۱) **محمد بن ضیاء المکی** (۷۸۹۔۸۵۴ ہجری): ان کی کتاب ''البحر العمیق فی المناسک'' میں مناسک حج وزیارات کے علاوہ مدینہ طیبہ کے تاریخی مقامات پر تفاصیل مہیا کی گئی تھیں۔

(۲۲) **محمد بن محمد بن احمد بن ضیاء المکی** (ت: ۸۸۵ ہجری): المشہور بہ ابن ضیاء المکی۔ ان کی کتاب ''تاریخ مکۃ المشرفۃ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفۃ والقبر الشریف'' بھی تاریخ مدینہ طیبہ میں ایک گراں قدر اضافہ تصور ہوتی ہے۔

(۲۳) **محمد بن عبد الرحمن السخاوی** (۸۳۱۔۹۰۲ ہجری): انہوں نے اپنی کتاب ''تحفۃ اللطیفۃ فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ'' میں اس وقت تک لکھی گئی تواریخ مدینہ طیبہ کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ وہ پہلے مصنف تھے جنہوں نے تاریخ مورخین مدینہ طیبہ مدون کی تھی اور ان کی تحریروں پر ناقدانہ رائے زنی کی تھی۔

(۲۴) **امام علی بن عبد اللہ بن احمد الحسنی السمہودیؒ** (۸۴۴-۹۲۲ ہجری)، المشہور بہ سمہودیؒ: ان کا تعلق شافعی مکتب فکر سے تھا اور وہ بیس سال سے بھی زیادہ عرصہ تک مسجد نبوی شریف میں اسی فقہ کے امام رہے تھے۔ انہوں نے اپنی شہرہ آفاق انسائیکلو پیڈیائی تاریخ مدینہ طیبہ برسوں کی تحقیق وتدقیق کے بعد لکھی جس میں تاریخ مدینہ طیبہ پر احادیث مبارکہ سے لے کر اپنے تمام پیش رووں کے خیالات اور بیانات کو جمع کر دیا تھا۔ ان کی اصلی کتاب ''الاقتضاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ'' تو اس حادثاتی آتش زنی میں ضائع ہو گئی تھی جس نے ۱۳ رمضان المبارک ۸۸۶ ہجری کو مسجد نبوی شریف اور اس کے گرد ونواح کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ان کا حاصل عمر جل جانے سے ان کا کیا حال ہوا ہوگا یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں، مگر اس مرد جری نے ہمت نہ ہاری اور وہ اپنی فردوس گم گشتہ کی تلاش میں نکل پڑے اور اسوقت تک دم نہ لیا جب تک کہ اس کا بدیل تخلیق نہ کر لیا۔ یہ کتاب پہلی کتاب سے حجم میں کچھ کم رہی مگر پھر بھی اپنی اہمیت میں اسی شکل میں تاریخ مدینہ طیبہ پر سب سے ضخیم اور گراں قدر کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کا نام ''وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ'' ہے۔ قارئین کی سہولت کے لیے انہوں نے اس کتاب کی تلخیص ''خلاصۃ الوفاء'' کے نام سے تحریر کی تھی۔ یہ دونوں گراں مایہ کتب زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے خلاصۃ الخلاصہ بھی تحریر کی تھی جس کا عنوان تھا ''ذروۃ الوفاء باخبار المصطفیٰ'' اس کا قلمی نسخہ مکتبۃ الحرم المکی میں موجود ہے۔

(۲۵) **ابن حجر المکی الہیثمی (ت:۹۷۴ ہجری)**: ان کی کتاب ''الجواہر المنظم فی زیارت القبر المکرمؐ'' اداب زیارت رسول مقبول اور قبر اطہر پر حاضری کے سلسلے میں ایک بہت ہی معیاری کتاب سمجھی جاتی ہے

(۲۶) **شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ محدث دہلویؒ (ت:۱۰۵۲ ہجری)**: نے ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' فارسی زبان میں تحریر کی تھی. پاک و ہند میں اردو زبان میں اس کے بہت سے تراجم چھپ چکے ہیں. انہوں نے اس کتاب کو ۹۹۸ ہجری میں مدینہ طیبہ میں لکھنا شروع کیا تھا اور ۱۰۰۱ ہجری میں دہلی میں مکمل کیا. اس کتاب میں انہوں نے امام سمہودیؒ کی خوشہ چینی کرنے کے علاوہ آثار مبارکہ کی شرعی اور فقہی حیثیت پر عالمانہ رائے زنی کی ہے اور یہ کتاب عشاق مدینہ طیبہ کے لیے ایک گراں قدر تحفے سے کم نہیں.

(۲۷) **الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی (ت:۱۰۳۵ ہجری)**: انہوں نے ''عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار'' تحریر کی ان کی معلومات کا زیادہ تر انحصار امام سمہودیؒ پر ہے اور عمدۃ الاخبار ایک لحاظ سے وفاء الوفاء کا خلاصہ معلوم ہوتی ہے. جس پر حاشیہ آرائی کر کے انہوں نے امام سمہودیؒ کے بعد میں وقوع پذیر ہونے والے حوادث و واقعات کے متعلق قاری کو مزید معلومات بہم پہنچائی ہیں یہ کتاب گیارھویں صدی ہجری تک کی معلومات فراہم کرتی ہے.

(۲۸) **السید محمد کبریت الحسینی المدنی (ت:۱۰۷۰ ہجری)**: مدینہ طیبہ کے فضائل و محاسن مفصل بیان کرنے کے علاوہ فاضل مصنف نے مختلف تاریخی مقامات پر اپنی کتاب بعنوان ''الجواہر الثمینۃ فی محاسن المدینۃ'' میں اپنے دور میں ان کی حالت پر روشنی ڈالی ہے.

(۲۹) **السید جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی (ت:۱۳۰۷ ہجری)**: مشہور برزنجی شیخ کے پوتے تھے جنہیں مدح رسول اللہ ﷺ میں مشہور عالم قصیدہ برزنجیہ لکھنے کا شرف حاصل ہے. جس میں سرور کائنات ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پیش کیا ہے. جو کہ پوری عالم عرب میں محافل میلاد میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے. فاضل مصنف کے آباواجداد کردستان کے شہر برزنج سے مدینہ طیبہ نقل مکانی کر کے آباد ہو گئے تھے اور عثمانی دور میں بقیع الغرقد میں واقع مزارات و قبہ جات کے مجاور تھے اور سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے. انہوں نے سلطان عبدالمجید کی درخواست پر مسجد نبوی شریف پر ان کے ہاتھوں تعمیر نو پر تاریخ مسجد نبوی شریف لکھی تھی جس کا عنوان تھا: ''نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین'' اس کتاب کا دیباچہ سلطان عبدالمجید نے خود لکھا تھا موجودہ شکل میں یہ کتاب بغیر دیباچے کے مصر سے طبع ہوئی ہے. انہوں نے اپنی اس کتاب میں مسجد نبوی شریف کے علاوہ تاریخ مدینہ طیبہ کے کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے.

(۳۰) **علی بن موسیٰ آفندی**: عثمانی حکومت میں مدینہ طیبہ میں مقیم ایک اہم عہدیدار تھے جن کو سرکاری طور پر مامور کیا گیا تھا کہ وہ مدینہ طیبہ میں واقع تاریخی مقامات کے متعلق ان کی اہمیت اور محل وقوع اور ان کی اس وقت میں موجود حالت پر تفصیلات مدون کریں لہذا انہوں نے اپنا مختصر سا رسالہ بعنوان ''وصف المدینۃ المنورہ فی ۱۳۰۳ ہجری (۱۸۸۵ء)'' مدون کیا جو کہ ترکوں کے آخری ایام میں مدینہ طیبہ کی عمرانی، اثری اور تاریخی حیثیت پر جامع تبصرہ ہے. یہ رسالہ سعودی تاریخ داں احمد الجاسر نے شائع کیا تھا.

(۳۱) **ایوب پاشا صابری**: ان کی تاریخ الحرمین اپنے سلسلے کی وہ اولین کاوش تھی. جس میں حرمین الشریفین کی باتصویر تاریخ مدون کی گئی تھی. وہ ترک دور میں شیخ الاسلام تھے. ان کی یہ کتاب ترکی زبان میں ''مرآۃ الحرمین'' کے نام سے ۱۳۰۶ ہجری میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی ترکی زبان میں ہونے کی وجہ سے عام طور پر جدید مورخین اس سے استفادہ کرنے سے محروم رہے ہیں.

(۳۴) آخر میں ہم ان عرب سیاحوں اور مستشرقین کے تذکروں کا ذکر کرنا بھی چاہیں گے جنہوں نے مختلف صدیوں میں بہت سی اہم معلومات آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کی تھیں۔ ان میں دوست و دشمن سب کی یادداشتیں شامل ہیں۔ جہاں ابن جبیر اور ابوالبقا جیسے مشاہیر سیاحوں کے گراں قدر سفرنامے اس خطے میں اہم ضروری معلومات فراہم کرتے ہیں وہاں برطانوی اور سامراجی جاسوسوں (مثلاً رچرڈ برٹن، برکہارٹ اور جیری سالٹ جوالیس وغیرہ) کی یادداشتیں بھی کم اہمیت کی حامل نہیں ہیں۔

یہ سرسری سا خاکہ صرف ان مشاہیر اساتذہ کی کاوشوں پر مشتمل ہے جن کی تصانیف تاریخ مدینہ طیبہ کے طویل سفر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں مگر اس مختصر سے جائزے کو حتمی نہ سمجھا جائے کیونکہ اس کا مکمل احاطہ کرنا کسی ایک فرد کے بس کی بات نہیں۔ علامہ سخاوی (ت: ۹۰۲ ہجری) کی کتاب "التحفة اللطيفة" کی طرح عصر حاضر میں بھی اس معاملہ پر بہت خامہ فرسائی ہوئی ہے اور ڈاکٹر عبداللہ عسیلان (المدينة المنورة في آثار المؤلفين والباحثين قديما وحديثا) وغیرہ نے تحفة اللطيفه کے بعد لکھی جانے والی تواریخ مدینہ طیبہ کا احاطہ کیا ہے مگر ان میں زیادہ تر ان کتابوں کو شامل کیا گیا ہے جو کہ عربی زبان میں تھیں یا پھر دیگر زبانوں کے ان اکا دکا قلمی نسخوں کا سرسری جائزہ ہے جو کہ مملکت سعودی عرب کے کسی نہ کسی کتب خانہ میں موجود ہیں۔ ان مشاہیر کے علاوہ اور بھی بہت سی تواریخ ابھی تک مختلف لائبریریوں اور کتب خانوں کی الماریوں اور نہاں خانوں کی زینت ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر قلمی نسخوں اور مخطوطوں کی صورت میں ہیں۔ تاریخ مدینہ طیبہ کے علاوہ اگر صرف فضائل مدینہ طیبہ کو موضوع بنایا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس موضوع پر بھی بہت ضخیم کتب لکھی گئی ہیں جن میں سب سے پہلے مشہور تابعی حضرت حسن البصری کی کتاب ہے۔ اس کے بعد مشاہیر علماء کرام نے مختلف ادوار میں فضائل و محاسن مدینہ طیبہ اور آداب زیارت خیر الانام ﷺ پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں جو ہر زبان اور زمان میں لکھی گئیں۔ مدینہ طیبہ کی ادبی کلب نے صرف مدینہ طیبہ کے نہاں خانوں میں غیر مطبوعہ قلمی نسخوں کی ایک فہرست شائع کی ہے جس میں ایک سو منتخب نسخوں کے متعلق تفاصیل مہیا کی ہیں جو کہ (Medina al-Munawwara in Hundred Manuscripts) کے نام سے طبع ہوئی ہے۔ ان تاریخی کتب کے علاوہ سب سے اہم وہ احادیث مبارکہ ہیں جن پر مشتمل مستقل ابواب ہمیں صحیح بخاری شریف یا صحیح مسلم یا الموطاء امام مالکؒ میں ملتے ہیں۔ تاریخ مدینہ طیبہ کے علاوہ محاسن و فضائل مدینہ طیبہ بذات خود ایک ایسا مستقل موضوع رہا ہے جس پر صحاح ستہ اور مختلف محدثین (مثلاً مفضل الجندی وغیرہ) سے لے کر ابن الجوزی جیسے علماء نے ضخیم کتابیں قلمبند کی ہیں۔ ابن عساکر (الانباء المبينة عن فضل المدينه)، شیخ محمد بن احمد الخاصی الشاذلی (الاربعون حديثا في فضائل المدينه) اور دیگر مشاہیر علمائے کرام نے ان احادیث مبارکہ کا احاطہ کیا ہے جو کہ فضائل مدینہ طیبہ میں وارد ہوئی ہیں۔ بیسویں صدی تو اس معاملے میں ماضی پر سبقت لے گئی ہے اور شہر نبی ﷺ پر اتنی کتابیں اس صدی میں قلمبند ہوئی ہیں جتنی کہ پہلی کسی ایک صدی میں نہیں لکھی گئی تھیں۔ عہد حاضر کے مدینۃ النبی میں ہی اتنے مورخین ہوئے ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے: ان میں سب سے زیادہ مشہور اور قابل ذکر:

باب الاسلام، المسجد النبوی ﷺ ۱۹۰۸ء

استاذ عبدالقدوس الانصاری، الشیخ غالی شنقیطی، خاندان خیاری، سید عبید مدنی اور ابراہیم المدنی العیاشی ہیں اس معاملے میں مدینہ طیبہ کی ادبی کلب کی مساعی قابل قدر ہیں۔ یہ تو صرف عربی زبان میں تواریخ مدینہ طیبہ پر چند کتب کا ذکر ہے دیگر زبانوں میں عشاق مدینہ طیبہ نے جو کتب تحریر کی ہیں ان کا احاطہ کرنا ہی محال ہے ہر ملک کی ہر علاقائی زبان میں بیشمار کتابیں ضبط تحریر میں لائی جا چکی ہیں۔

ہم اس بات کی مزید وضاحت کرنا چاہیں گے کہ دوران مطالعہ کئی مراحل پر ہمیں ایک دوسرے سے متضاد اور متصادم روائتوں اور نظریات سے واسطہ پڑتا رہا ہے اگر چہ ایسے مواقع شاذ و نادر ہی آئے ہیں کہ ایک معاملے پر متقدمین کی آرا میں شدید اختلاف پایا گیا، مگر ہم نے ان تمام معاملات میں غیر جانبداری اور توازن قائم رکھنے کے لیے صرف ان مشاہیر کے اقوال اور بیانات کو ترجیح دی ہے جو کہ نہات ہی ثقہ اور صاحب الرائے سمجھے جاتے ہیں تاہم ان تمام تر مخلصانہ کاوشوں کے باوجود ہمیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ غیر ارادی طور پر یا علمی کم مائیگی کی وجہ سے بہت سے ایسے موضوع ہیں جو کہ ابھی مزید تشنہ تحقیق ہوں گے اور ہماری قارئین کرام سے درخواست بھی ہوگی کہ جہاں کہیں وہ ہماری معلومات میں کوئی سقم پائیں ہمیں اس سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ضروری اضافہ اور تصحیح کی جاسکے۔

اختتام سے پہلے ہم اپنے ان تمام کرم فرماؤں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے نہ صرف تحقیق و تدقیق کے مختلف مراحل پر کتب اور اپنی قیمتی آراء سے مستفید فرمایا بلکہ بہت سے معاملات پر اس ادنیٰ ترین خادم مدینہ طیبہ کی رہنمائی بھی فرمائی۔ اس معاملے میں ہم اپنے محترم سید جلال الدین جلال پاشا قادری صاحب، برادرم جناب ملک عبدالرشید صاحب، برادرم جناب محمد طفیل بھٹی مدنی صاحب، اخی الکریم جناب احمد نواز نیازی صاحب کے شکر گزار ہیں۔ جناب محمد ظفر اقبال نظامی صاحب (ایمن آباد) جنہوں نے بڑی محبت سے پروف خوانی فرمائی اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ میں برادرم سید اویس علی سہروردی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے کتاب کی ڈیزائنگ اور پروڈکشن کے تمام مراحل کی نگرانی کی۔ میں اپنی رفیقہ حیات ارشد طاہرہ، اپنی بیٹی میمونہ قادری اور بیٹوں بلال، اویس اور سعود کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی تدوین اور اشاعت کے مختلف مراحل میں میری ڈھارس بندھائے رکھی بایں حالیکہ میں مرض دل میں مبتلاء تھا اور ایک عدد بائی پاس کے مرحلے سے بھی گزر چکا تھا۔ میں اُن تمام دیگر احباب کا بھی ذاتی طور پر مشکور ہوں جنہوں نے کتاب کی تدوین و تدقیق اور اشاعت کے کسی نہ کسی مرحلے پر میری مدد اور رہنمائی کی۔

آخر میں میں رب ذوالجلال والاکرام کا نہایت شکر گزار ہوں جس نے اپنے پیارے حبیب پاک، صاحب لولاک ﷺ کے توسل اور خاک مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاً کے صدقے سے مجھے اس قابل کیا کہ مجھ جیسا خطا کیش ہیچمداں بندہ فقیر اس کام سے عہدہ برآ ہو سکا۔

میری دعا ہے کہ یہ ادنیٰ سی کاوش بحضور سرورِ دو عالم، سیدنا و مولانا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ گوہر بار میں شرفِ قبولیت حاصل کرے۔ آمین! گر قبول افتد زہے عزت و شرف

عبدالحمید قادری

مدینہ منورہ، بروز جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۳-۲۴ مئی ۲۰۰۲ء

(اردو ترجمہ مورخہ ۲۷ رجب المرجب ۱۴۲۴ ہجری کو مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاً میں مکمل ہوا)

المدینۃ المنورۃ زاد اللہ شرفاہٗ
قبل از اسلام
تاریخ کے آئینے میں

باب ۱
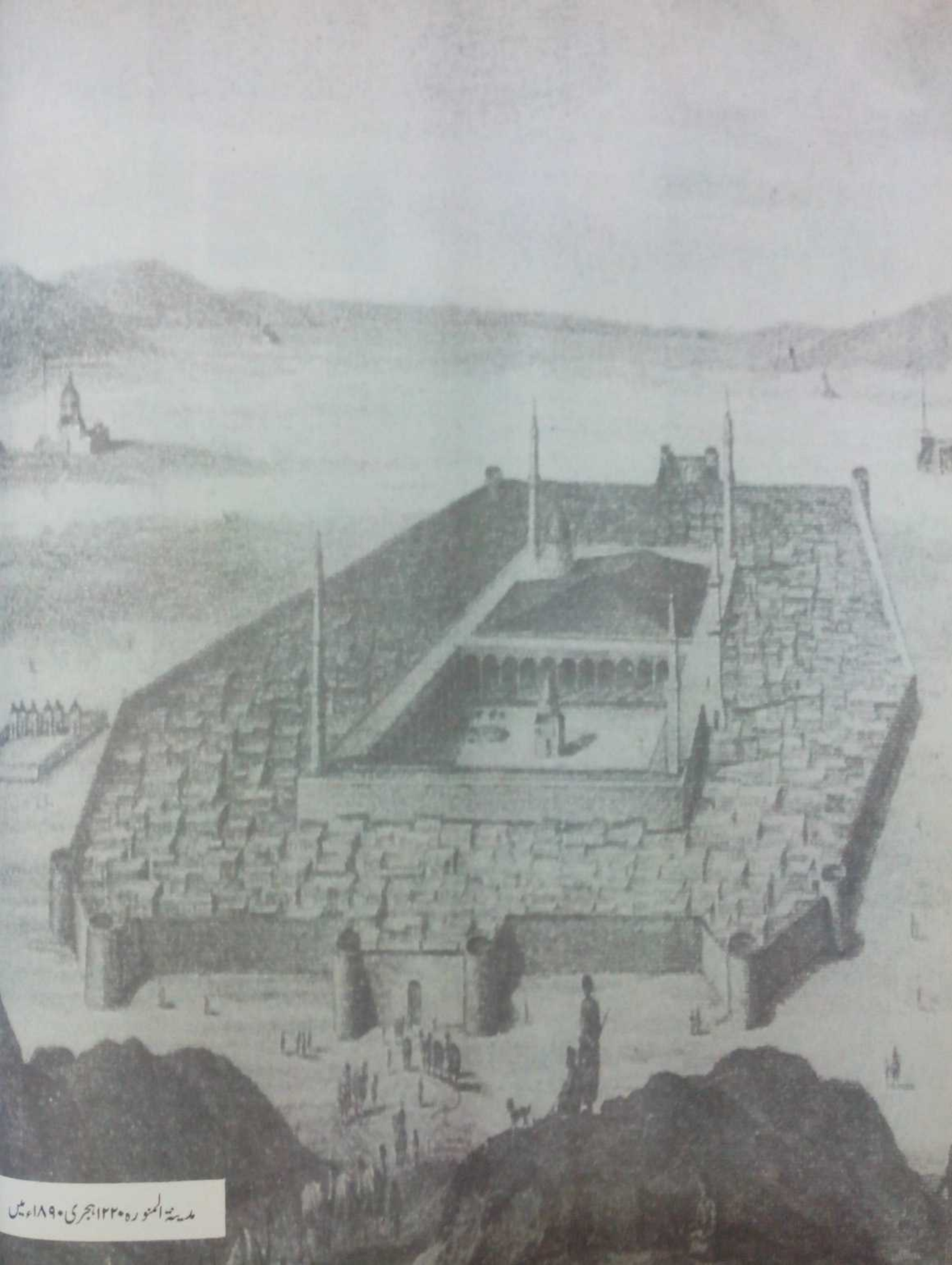
مدینۃ المنورہ ۱۲۲۰ ہجری ۱۸۹۰ء میں

من دعا ها یثرباً یستغفر فقولہ خطیئۃ تسطر

(جس نے بھی اسے یثرب کہہ کر پکارا اس پر واجب ہے کہ وہ استغفار کرے کیونکہ وہ ایسا کہنے سے خطاوار گردانا جائے گا۔)

تاجدار مدینہ سرور قلب وسینہ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے مدینہ طیبہ میں ورود مسعود سے پہلے اس بلدہ طاہرہ کو یثرب کہا جاتا تھا۔(۱) یہ کوئی نئی بستی نہیں تھی جو حضور والاشان ﷺ کی آمد مبارک سے کچھ دیر پہلے آباد ہوئی ہو بلکہ اس کی بنیاد بہت عرصہ پہلے رکھی گئی تھی اور اس کی جڑیں زمانہ قبل از تاریخ سے ملی ہوئی ہیں۔ وہ اولین آباد کار کون لوگ تھے جنہوں نے شمال حجاز میں یہاں سب سے پہلے بسنا شروع کیا اس بارے میں مورخین کی مختلف آراء ہیں جن کی معلومات کے زیادہ تر ماخذ صرف قدیم ترین زبانی روایات ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کا سفینہ بعد از غرقاب عالم لنگر انداز ہوا تو اس وقت اس میں اسی [۸۰] جوڑے تھے جن سے بعد میں آنے والی انسانی نسل پھلی اور پھولی۔ جب ان کی اولاد مختلف خطہ ہائے ارض پر پھیلنے لگی تو علیحدہ علیحدہ زبانیں اور بولیاں معرض وجود میں آئیں جو لگ بھگ بہتر [۷۲] تھیں جن میں سے ایک زبان عربی تھی (۲) عربی بولنے والوں میں سے ایک کا نام یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن ارم بن عبیل بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام تھا۔(۳) مختلف انساب نگاروں کی آراء میں ان ناموں میں تھوڑا بہت اختلاف بھی ہے لیکن زیادہ معتبر شجرہ نسب یہی تصور کیا جاتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر یثرب تک کم از کم آٹھ نسلیں گزری تھیں اور اگر طوالت حیات کے سلسلے میں حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کو مدنظر رکھا جائے (۴) تو ہمیں یہ باور کرنا پڑے گا کہ اولاد نوح علیہ السلام کی عمروں کا دورانیہ خاصہ طویل ہوا کرتا تھا جس کا صحیح اندازہ لگانا صرف ظن وتخمیں کی حدود سے تجاوز کرنے کے مترادف ہوگا۔ لہذا اس وقت کا تعین کرنا کہ یثرب کب آباد ہوا سعی بے سود ہے۔ ہاں مگر قدیم ترین تاریخی حوالوں کی روشنی میں اتنی بات ضرور مسلمہ ہے کہ یثرب بن قانیہ اور ان کی اولاد نے اس مقام پر آ کر ڈیرہ ڈالا جو بعد میں ان کے نام سے ہی موسوم ہوا۔ عرب مورخین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ بنو عبیل (یعنی عبیل بن عوص کی اولاد) بنی عاد کے معاصر تھے جن میں حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے اور جنہیں طوفان نوح علیہ السلام کے بعد پہلے نبی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔(۵)

جیسا کہ اوپر دیئے گئے شجرہ نسب سے واضح ہے 'یثرب' بنو عبیل میں سے تھے اور اسی لئے بعض مقامات پر انہیں یثرب بن عبیل بھی کہا گیا ہے۔ یہ بستی چونکہ انہوں نے اور ان کی اولاد نے آباد کی تھی اس لیے انہی کے نام سے شہرت پا گئی۔ یثرب کا سلسلہ نسب چوتھی نسل میں عبیل سے اور ساتویں نسل میں سام بن نوح علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ عرب اپنے انساب پر بہت فخر کرتے ہیں اور اسی لیے وہ سامی النسل کہلاتے ہیں (۶) یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ بطلیموس نے ایک ایسی نسل کا ذکر کیا ہے جسے 'عویلی' کہا جاتا تھا اور اسی طرح دوسرے قدیم یونانی مورخ پلینوس نے 'عبیلیوں' کا ذکر کیا ہے جو جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں آباد تھے اور عین ممکن ہے کہ وہ 'عویلی' یا 'عبیلی' انہی یثرب کے اجداد ہوں۔(۷)

PLAN OF
EL MEDINAH.

یثرب اور قدیم تہذیبیں

یثرب کی قدیم تاریخ خاصی دلچسپ رہی ہے. اس کے تانے بانے کا متعدد بہ حصہ قدیم قصوں اور زمانہ قبل از تاریخ کے لاینحل معموں سے بنا گیا ہے. عمرانی طور پر اگر دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یثرب چار قدیم ترین تہذیبوں کے سنگم پر واقع تھا. جس میں انباط یا نبطی شمال کی طرف (موجودہ اردن سے لیکر مدائن صالح تک) آباد تھے جبکہ سبائیوں کی حکومت جنوب میں حضرموت اور عدن یعنی موجودہ بحر عرب کے ساحلوں تک پھیلی ہوئی تھی. مشرقی حصے میں قدیم بابلی تہذیب کا طوطی بولتا تھا اور مغربی جانب سمندر پار مصری اور حبشی (اتھیوپی) تہذیبیں اپنے اپنے بام عروج پر تھیں. ان تمام تہذیبوں کے درمیاں حجاز حد فاصل کا کام دیتا تھا جو کہ نہ صرف صحرائے بے آب وگیاہ تھا بلکہ اکثر و بیشتر آتش فشانی عمل سے معرض وجود میں آنے والے سنگلاخ سرخ وسیاہ سلسلہ ہائے 'حرار' پر مشتمل تھا. یہی وجہ تھی کہ شائد اس وقت کی متمدن دنیا اس کی آبادکاری میں اتنی دلچسپی نہ لے سکی. اور شائد یہی مشیت الٰہی بھی تھی کہ حاجرہ کی کوکھ سے جنم لینے والی اولاد ابراہیم (علیہ السلام) کی صلب طاہرہ سے پیدا ہونے والے نبی الامی ﷺ کا آفتاب رسالت مآب جب مطلع عالم پر طلوع ہو تو ان کے قدوم میمنت لزوم ایسی دھرتی پر پڑیں جو فرعونوں اور شدادوں کے منحوس قدموں سے پاک رہی ہو.

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہی حد فاصل ان تہذیبوں کے درمیان تجارتی اور معاشرتی تعلقات کا اہم وسیلہ بھی تھا. سال کے مختلف اوقات میں مال تجارت سے لدے پھدے اونٹوں کے قافلے جب اس علاقے کو پار کرتے تو ان کے حدی خوان خیبر وفدک کے میدانوں سے گزرتے ہوئے اپنے اونٹوں کی قطاروں کے رخ یثرب وبطحاء کے مرغزاروں کی طرف موڑ لیتے جہاں آل عبیل اور پھر بعد میں قوم عاد نے محنت شاقہ سے لاوا سے بنی سنگلاخوں کی آبیاری کر کے ان کو ہرے بھرے نخلستانوں میں بدل دیا تھا.

شمالی جانب مدائن صالح کی باقیات اس معدوم تہذیب کی عظمت وسطوت کے قصے بیان کرتی ہیں جو انباط یا نباطی یا نبطی کہلاتی تھی اور دو ہزار سال قبل مسیح وہاں آباد ہو چکی تھی. پیٹرا کے کھنڈرات اس تہذیب کے ارتقاء اور تمدن کی نشان دہی کرتے ہیں. نبطی لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے نبط کی اولاد تھے اور حجاز کے شمالی علاقوں میں دور دور تک پھیل گئے تھے. (۸) یثرب کے نخلستان اس شاہراہ تجارت (ٹریڈ روٹ جس کو مغربی مورخین نے Incense and Spice Trade Route کا نام دیا ہے) پر واقع تھے جہاں سے گزر کر نبطی جنوب میں یمنی تجارتی منڈیوں تک رسائی حاصل کرتے اور اسی طرح عطریات اور مصالحہ جات لیکر یمنی تجار جب شمال کی طرف سفر کرتے تو صحرائے حجاز کے وسط میں واقع یثرب کے مرغزاران کے تھکے ہارے قوافل کو سکونت وسکون مہیا کرتے تھے. یوں بلاد الشام کا جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں واقع عسیر اور حضرموت سے تجارتی تعلق صدیوں سے قائم تھا
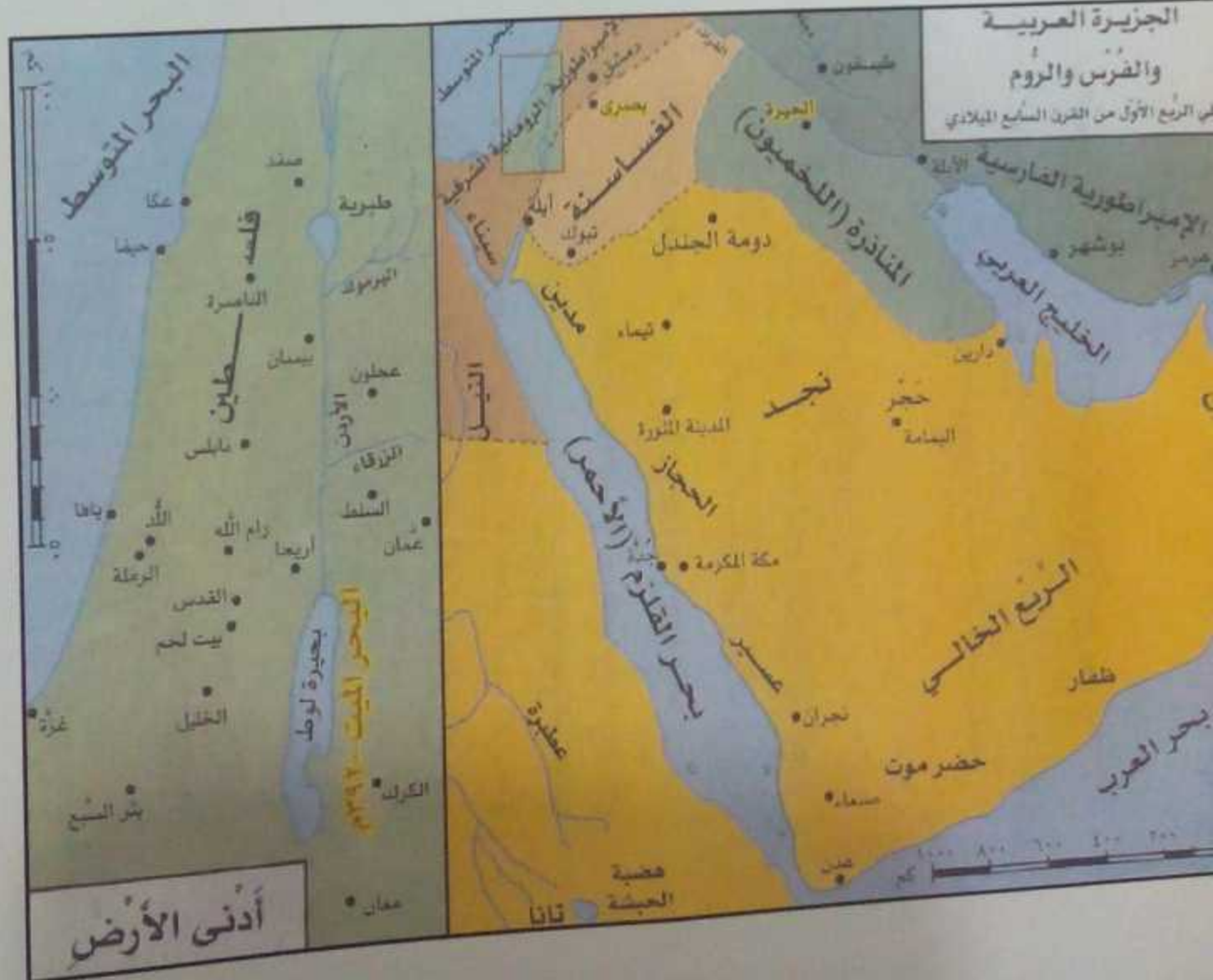
جس میں اس تجارتی شاہراہ (ٹریڈ روٹ) کو بڑا عمل دخل تھا جو کہ یثرب سے ہو کر گزرتی تھی. مزید برآں یثرب وبطحاء نہ صرف تجار عرب کا شمالاً جنوباً وسیلہ اتصال تھا بلکہ شرقاً غرباً بھی بابل کی باقیات اور مکہ مکرمہ کے مابین جو تجارت ہوتی تھی وہ بھی اسی جنکشن سے ہو کر گزرتی تھی. ان تجارتی قوافل کے اوقات سفر میں موسمی حالات کا بہت خیال رکھا جاتا تھا. بلاد الشام میں موسم سرما میں برف باری ہوتی اور سخت سرد اور زمستانی ہوائیں چلتیں جبکہ جنوبی سواحل پر نسبتاً گرمی کا سا سماں ہوتا اور موسم گرما میں جنوب میں درجہ حرارت ناقابل برداشت حد تک بلند ہو جاتا جبکہ شمالی علاقوں میں موسم معتدل رہتا تھا. لہذا سردیوں میں بلاد الشام کے قوافل جنوب کا رخ کرتے اور گرمیوں میں حضرموت اور باقی ماندہ یمن کے قوافل بلاد الشام کا رخ کرتے تھے. چونکہ دونوں موسموں میں یہ قوافل ارض حجاز سے گزرتے تھے یہ گرمیوں اور سردیوں کے قافلے مشہور ہو گئے تھے جن کا ذکر قرآن کریم نے سورۃ القریش میں رحلۃ الشتاء والصیف کے نام سے کیا ہے. (۹)

رچرڈ برٹن کا شائع کردہ مدینہ طیبہ کا قدیم سکیچ جسے کسی مصور نے تیار کیا تھا- (۱۹۵۲ء)

اس طرح ان تجارتی قافلوں کا سلسلہ سال بھر چلتا رہتا تھا. عام طور پر ایک ہی قافلہ بلاد الشام سے روانہ ہوتا اور مختلف مقامات پر رکتا، تجارتی میلے لگاتا اور خرید و فروخت کرتا ہوا ایک طرف سے دوسری طرف رواں دواں رہتا تھا. بلاد الشام سے جب یہ قافلہ روانہ ہوتا تو پہلا پڑاؤ دومۃ الجندل میں ڈالتا اور وہاں تقریباً ایک ماہ تجارتی میلہ لگا کر ہجر (موجودہ بحرین) روانہ ہو جاتا اور پھر وہاں سے وہ کاررواں آہستہ آہستہ جنوب کی طرف گامزن رہتا اور صحراؤں اور وادیوں سے گزرتا اور مختلف قصبوں اور قریوں میں رکتا ہوا یہ کارواں عدن آ لگتا جہاں مال کے بدلے مال کی سب سے بڑی منڈی لگا کرتی تھی اور پھر وہاں سے عطریات، گرم مصالحے، ریشمی کپڑے اور دیگر سامان تجارت لیکر وہ کارواں مکہ مکرمہ کا رخ کر لیتا اور سفر کا پروگرام عموماً اس طرح بنایا جاتا کہ جب حج کے مہینے شروع ہوتے تو یہ قوافل مکہ مکرمہ کے گردونواح میں خیمہ زن ہو چکے ہوتے تھے. مکہ کا تجارتی میلہ نسبتاً طویل دورانیے کا ہوتا تھا. وہاں قدیم اور مشرکانہ روایات کے مطابق وہ لوگ حج کرتے اور پھر ساتھ ہی عکاظ (جو مکہ مکرمہ سے تھوڑے فاصلے پر آج بھی بہت مشہور مقام ہے) میں بہت بڑے تجارتی میلے میں شرکت کرتے تھے جہاں تجارت کے ساتھ ساتھ پہلے سے ترتیب دئے گئے اور اعلان کردہ بہت سے تفریحی اور معاشرتی پروگرام بھی منعقد ہوتے تھے. دیگر باتوں کے علاوہ وہاں ادبی محفلیں سجتیں اور شعری مقابلے ہوتے جن میں دور دراز سے آئے ہوئے شعراء کو اپنے اپنے قصائد اور ہجویں پیش کرنے کے لیے صلائے عام دیا جاتا تھا اور جو شاعر عکاظ کے مشاعرے نہ لوٹ سکتا اسے شعراء کے حلقوں میں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا. یثرب وبطحاء کے نامی گرامی شعراء جو بعد میں فجر الاسلام کے درخشندہ ستارے بنے (مثلاً حضرت حسان ابن ثابتؓ وغیرہ) انہی بین العرب مشاعروں میں اپنا لوہا منوا چکے تھے. بعد میں جب عکاظ کا میلہ اپنے اختتام کو پہنچتا تو کاروانوں کے جم غفیر کا اگلا پڑاؤ یثرب ہوتا اور یوں یثرب کے گردونواح کے تمام نخلستانوں میں خیمے گاڑ دیئے جاتے جو وہاں ایک میلے کا سا سماں پیش کرتے تھے. جتنا عرصہ بھی وہ قوافل وہاں رکتے نہ صرف تجارتی کارروائیاں اپنے عروج پر ہوتیں بلکہ اور بھی بہت سے معاشرتی اور تفریحی پروگرام منعقد ہوا کرتے تھے جس سے یثرب کے باسی جی بھر کے مستفید ہوتے. ادبی محفلوں کے علاوہ وہاں نہ صرف پہلوانوں کے دنگل منعقد ہوتے بلکہ گھڑ دوڑ کے مقابلے بھی ہوا کرتے تھے. ہجرت مبارکہ

سے پہلے سرکار دوعالم ﷺ انہی سالانہ اجتماعات کے موقعوں پر تبلیغ اسلام کے لیے کئی بار عکاظ بھی تشریف لے گئے تھے جہاں دور دراز سے آئے ہوئے قوافل کے عمائدین کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے۔(۱۰)

آہستہ آہستہ حجاز کے اس خطے کی یہ سٹراٹیجک اہمیت دوسری خودسر اقوام عالم کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ شمالی ترکی میں 'حیران الکبیر' کی مسجد کے مقام پر کھدائی کے دوران دریافت ہونے والی لوح سنگ (کتبہ) سے، جس کا تعلق نبونیدس (Nebunid) جو کہ بابلی ملوک کا آخری تاجدار تھا) کے دور سے ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شمالی حجاز میں واقع تیماء اور اردگرد کے دوسرے شہروں (مثلاً خبراء - موجودہ خیبر - اور فدک وغیرہ) پر قبضہ جما لیا تھا۔ اس کے علاوہ جدید تحقیق اور آثار قدیمہ سے متعلق کھدائیوں کے نتیجے میں حاصل ہونے والی معلومات کے مطابق بھی اس بات کا قوی امکان ہے کہ عصر قدیم میں کسی وقت (جس کا تعین کرنا محال ہے) یمن کی معینی حکومت نے بھی اس علاقے پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا۔ بعض محققین کا تو یہ خیال ہے کہ ازمنہ قدیم میں یہ تمام علاقے یمنی معینی سلطنت کا سیاسی حصہ بن چکے تھے۔(۱۱) ایسا ۱۰۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ ہوا ہوگا۔ ایسے محققین اپنے اس مفروضے کے لیے ان آثار قدیمہ کے کتبوں سے استناد کرتے ہیں جن سے ایسا لگتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی گزرا تھا جب یثرب، معان، عمون اور غزہ کی پٹی معینی عملداری میں آ چکی تھی جہاں کا نظم و نسق وہاں پر آباد لوگوں میں سے چنے گئے عمائدین معینی سلطنت کے نام پر چلایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت کعب بن مالکؓ جن کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوتا ہے اور جو دربار نبوی کے دوسرے مشہور شاعر بھی تھے کا ایک شعر قابل ذکر ہے جس میں وہ ان کنوؤں کا ذکر بڑے فخریہ انداز سے کرتے ہیں جو کہ یثرب اور اس کے گردونواح میں قوم عاد نے کھودے تھے:

"ارض مدینہ ایسی ہے جس پر وہ اونٹ جو حرب آزمودہ ہیں قوم عاد کے کھودے ہوئے کنوؤں سے پانی ڈھوتے ہیں۔"(۱۲)

جس سے اس نظریے کو مزید تقویت ملتی ہے۔

بقول ڈاکٹر عبداللہ حسن مصری کے جو سعودی وزارت تعلیم میں شعبہ آثار قدیمہ اور عجائب گھروں کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں: [(شمالی حجاز میں) زمانہ قبل از مسیح کے دوسرے الفیے (Millenium) کے درمیانی اوقات میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بڑے بڑے قصبے معرض وجود میں آ چکے تھے جن کے گرداگرد حفاظتی فصیلیں بھی تعمیر کی جاتی تھیں ان میں تیماء، دیدان (موجودہ العلاء) خیبر، الجوف (جسے انجیل میں دومہ کہا گیا ہے(۱۳)) اور قریات شامل ہیں۔](۱۴) ماہرین آثار قدیمہ اس بات پر متفق ہیں کہ قبل مسیح کے پہلے الفیے کے لگ بھگ نبطی سلطنت کا اس پورے شمالی عرب کے علاقے پر بول بالا تھا۔ وہ لوگ لوح عصر پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑ گئے ہیں۔ نبطی سلطنت کا دائرہ اختیار شامی میدانوں اور اردن کی وادیوں سے لیکر حجاز کے دور دراز شمال مغربی علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔ وادی سرحان (قریات الملح) میں نبطی کھنڈرات جو قدیم میدانوں اور نخلستانوں اور 'اثراء'، 'کاف' اور 'الحدیثہ' کے قریوں تک پھیلے ہوئے ہیں اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ نبطی اثر و نفوذ شمالی حجاز تک پہنچ چکا تھا۔(۱۵) چونکہ یثرب شمالی حجاز میں آباد ان تمام تہذیبوں کے لیے جنوب کی طرف سے ایک اہم مدخل تھا اس لیے یہ قدرتی بات ہے کہ یہ بھی نبطی اثر و نفوذ سے نہ بچا ہو۔

نبطی تہذیب کے بیخ و بن ۱۰۶ء میں رومیوں نے اکھاڑ پھینکے اور ان کو بحیثیت آزاد قوم کے تہس نہس کر دیا گیا۔ اس کی باقیات کے اکلوتے قدیم تمدنی ورثے سے جس سے عرب قوم بہت زیادہ مستفید ہوئی ہے ان کا ایجاد کردہ رسم الخط ہے جو عربی رسم الخط کا پیشرو سمجھا جاتا ہے۔ وہ اگرچہ عبرانی (آرامائی) زبان استعمال کرتے تھے مگر وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنا تشخص قائم رکھنے کے لیے اپنا ایک الگ رسم الخط بھی ایجاد کر لیا تھا جسے بعض عرب محققین نے 'خط نخ' کا نام دیا ہے جس کی کوکھ سے بعد میں کوفی، ثلث اور النسخ کے رسوم الخط نے جنم لیا۔(۱۶) اس سلسلے میں سب سے قدیم کتبہ جو دریافت ہوا ہے وہ 'جبل دروز' پر واقع امراؤالقیس اول (تقریباً ۲۲۳ء) کی لوح قبر ہے، جس پر

بیسویں صدی کے آغاز میں مدینہ طیبہ کی ایک نادر تصویر

لکھائی نبطی رسم الخط میں ہے. اسے 'نقش نمارہ' کا نام دیا گیا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ وہ قدیم عربی رسم الخط کا پیشرو ہے. (۱۷)

ڈاکٹر مصری موصوف کی تحقیق کے مطابق: [پہلے الفیے (Millinuim) قبل از مسیح تک ان عربوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا تھا اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے سمندر (بحر احمر) تک رسائی حاصل کر لی تھی اور اس کے کنارے کنارے آباد ہونا شروع ہو گئے تھے جیسے کہ جدہ. قدیم تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک اچھے خاصے گاؤں اور قریے معرض وجود میں آ چکے تھے: مثلاً ادومتو' (بائبل میں اسے ادومتو کے نام سے پکارا گیا ہے مگر اس کا اصلی نام الدومۃ یعنی الدومۃ الجندل تھا جو عصر حاضر کے الجوف کے پہلو میں آباد تھا) اور یثر بو (یعنی یثرب) وغیرہ جبکہ ایسے بہت سارے اور بھی ہونگے جن پر آثار قدیمہ کے نقطہ نظر سے ابھی تک کام نہیں ہو سکا.] (۱۸)

جب گمنامی اور نیم تاریخیت کے دھند لکے چھٹنے لگے اور قدیم مورخین نے لوح عصر پر اپنے دور کے مشہور سوانح اور واقعات کو قلمبند کرنا شروع کر دیا تو یہ انکشاف ہوتا ہے کہ وہ شہر مقدس جس کو آج ہم مدینۃ المنورہ کے نام سے جانتے ہیں وہ زمانہ قبل از تاریخ میں 'یثربو' (Yathribu) کے نام سے جانا جاتا تھا. اسکندریہ کے مشہور ریاضی دان اور منجم کلاڈی بطلیموس نے اسے 'لاتھریپو' Lathrippo اور 'ایاتھریپو' lathrippo کے نام سے تحریر کیا ہے. (۱۹) جب بطلیموس نے اپنے دور میں آباد دنیا کی جغرافیائی اٹلس ترتیب دی تو اس نے خوشحال عربستان Arabia Felix (یعنی موجودہ یمن) اور صحرائی عربستان Arabia Deserta (موجودہ حجاز اور نجد) کے تقریباً ایک سو چودہ [۱۱۴] قصبوں کا ذکر کیا. دیگر قصبوں کے علاوہ اس نے 'لاتھریپا' کا محل وقوع ساحلی قصبے 'اینبیاع' Ianbia (یعنی موجودہ ینبع) کے قریب، مگر ساحل سمندر سے ہٹ کر اندرونی علاقہ میں بیان کیا ہے (۲۰) جو حقیقت پر مبنی ہے. کچھ دیگر یونانی مورخین نے بھی اس کا ذکر 'لاتھریپا' کے نام سے کیا ہے. تجارتی قوافل جب عرب کے لق و دق صحرا سے گزر کر نخلستان یثرب میں کچھ عرصہ ٹھہر کر گزرتے تو اس کی سہانی یادیں اپنے ساتھ ضرور لے جاتے یہی وجہ ہے کہ یہ نام 'خوشحال عربستان' (Arabia Felix) یعنی یمن اور حضر موت کے علاقے اور 'پٹیریائی عربستان' (Arabia Petra) یعنی نبطی علاقوں (موجودہ اردن اور بلاد الشام) (۲۱) میں اچھی طرح جانا جاتا تھا. یمن سے دریافت ہونے والے قدیم ترین کتبوں نے تو اس نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امر کر دیا ہے جن میں اسے 'یثرب' (YTHRB) لکھا گیا ہے. (۲۲)

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے ۱۹۵۶ء میں ترکی میں 'ہیران' کے مقام پر کھدائی کے دوران ایک کتبہ دریافت ہوا تھا جس کے مندرجات

سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابلی شہنشاہ نبونیدس (Nabonidus (556-539 B.C.) نے شمالی عرب (یعنی حجاز) کارخ کیا تو اس نے تیماء کے مقام
پر بابل کی طرز پر ایک خوبصورت شہر آباد کرنے کی ٹھانی کیونکہ اس کی اپنی سلطنت پر اشمیدی حکمرانوں نے قبضہ کر لیا تھا جس کی وجہ سے وہ بابل سے فرار ہونے پر مجبور ہو گیا تھا. (۲۳) وہ تقریباً دس سال تیماء میں رہا اور اس دوران اس نے تیماء کے گردونواح میں واقع دیگر قصبہ جات کی سیر بھی کی اور خیبر اور فدک سے ہوتا ہوا وہ یثرب بھی آیا تھا. یثرب کے متعلق قدیم ترین ذکر جو لوح سنگ (Cuneiform inscription) پر کنداں ملتا ہے وہ یہی بابلی کتبہ ہے. (۲۴)

غزوہ احد کے موقع پر جب کفار مکہ کی یلغار سے اہالیان مدینہ کو بڑی نازک صورت حال کا سامنا تھا تو منافقوں کے ٹولے نے ابن ابی کی سرکردگی میں لشکر اسلام کو دھوکا دیا اور حیلے بہانے سے علیحدگی اختیار کر لی تو اس وقت قرآن کریم نے ابن ابی کے الفاظ دہرا کر 'یثرب' کا ذکر کیا ہے: [اور جب ان کے ایک گروہ نے کہا: اے اہل یثرب تمہاری اب کوئی حیثیت نہیں ہے اس لیے واپس پلٹ جاؤ. اور ایک گروہ نے اللہ کے رسول سے یہ کہہ کر اجازت طلب کی کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے نہیں پڑے تھے. ان کا مقصد جنگ سے فرار کے سوا کچھ اور نہیں تھا.] (۲۵) یہ آیت کریمہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یثرب کا لفظ غزوہ احد تک (یعنی ۳ھ تک) استعمال ہوتا رہا تھا گو کہ یہ نام یہود اور منافقین تک ہی محدود ہو کر رہ گیا تھا. لیکن چار دیگر مقامات پر قرآن حکیم نے اس بلدہ طاہرہ کو 'المدینہ' کہہ کر پکارا ہے. جس سے ظاہر ہے کہ رب ذوالجلال نے اس کا نام بدل دیا تھا اور وہی مسلمانوں میں رواج پا گیا.

عمالقہ یثرب میں آباد ہوتے ہیں

جیسا کہ اس باب کے شروع ہی میں بیان کیا گیا ہے، قدیم ترین روایات کے مطابق اس قصبے کو بنوعبیل کے ایک فرد 'یثرب' نے آباد کیا تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کے اولاد میں سے تھے. (۲۶) زمانہ قدیم میں یہی رواج تھا کہ جو کوئی بھی کسی قصبے یا گاؤں کو آباد کرتا یا اسے فتح کر لیتا تو وہ قصبہ اسی کے نام ہی سے جانا جاتا مثلاً سکندریہ سکندر اعظم کے نام سے منسوب ہو گیا اور قسطنطنیہ شاہ قسطنطین کی وجہ سے جانا جانے لگا. اسی طرح یثرب نے اپنے بانی کے نام سے شہرت پائی. مشہور اسلامی مورخ بلاذری (جو دوسری صدی ہجری کے اواخر میں پیدا ہوئے) کا خیال ہے کہ بعد میں بنوجرہم کے قبیلے نے بھی وہاں آبادی اختیار کر لی تھی مگر وہ دیر پا ثابت نہ ہوئی اور بنو عمالقہ نے ان کو وہاں سے

NEBATEAN ALPHABET

نبطی رسم الخط

k	y	ṭ	ḥ	z	w	h	d	g	b	
ک	ی	ط	ح	ز	و	ھ	د	ج	ب	ا

t	ś	r	q	ṣ	p		s	n	m	l
ت	ش	ر	ق	س	ف	ع	ص	ن	م	ل

نبطی رسم الخط
جس کی کوکھ سے
عربی رسم الخط نے جنم لیا

جبل احد کی ایک چوٹی پر واقع قبہ ہارون (علیہ السلام) "معالم المدینۃ المنورۃ" از الجبیر عبدالعزیز کعکی سے ماخوذ ایک قدیم تصویر

تعمیر نو کے بعد قبہ ہارون (علیہ السلام) کی جدید عمارت سعودی حکومت پچھلے چند سالوں سے ملک میں سیاحت کو فروغ دینے کی غرض سے ایسے تاریخی مقامات کی تجدید اور تعمیر نو میں سرگرم عمل ہے (تصویر۔ تجبر: ۲۰۰۱ء)

مار بھگایا اور ان کی اراضی پر قبضہ جما کر بیٹھ گئے.(۲۷) تاہم سوائے ان کے نام کے تاریخ ہمیں تفصیلی معلومات فراہم نہیں کرتی کہ وہ کیسے اور کتنی دیر وہاں آباد رہے اور کون لوگ ان کی جگہ پر قابض ہوئے وغیرہ. بنوجرہم مکہ کی طرف سے آئے تھے اور پسپا ہو کر وہ وہیں تک محدود ہو گئے مگر ایسا لگتا ہے کہ یہ دیو قامت عمالقہ (Amalekites) کافی عرصہ ارض یثرب پر قابض رہے.(۲۸)

انجیلی عہد نامہ عتیق (Old Testament) کے مطابق حضرت اسحاق علیہ السلام کے فرزند اول کا نام ایساؤ (Esau) تھا جن سے ایلیفاز (Eliphaz) پیدا ہوئے جن سے ان کی کنیزہ تما (Timma) کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عمالق (Amalek) تھا.(۲۹) انجیل کے ریکارڈ کے مطابق بنو عمالقہ کا مسکن فلسطین کا جنوبی حصہ بتایا جاتا ہے جو جزیرہ نمائے عرب کے شمالی حصوں تک پھیلا ہوا تھا. اس کے برعکس اسلامی مورخین کا خیال ہے کہ عمالق یا عملیق ارفخشد کا بیٹا تھا جو سام بن نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا.(۳۰) ان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بہت دراز قد اور قوی الجثہ لوگ ہوا کرتے تھے اور طوالت عمر میں تو ان کا جواب نہیں تھا جو بسا اوقات سینکڑوں سالوں سے تجاوز کر جاتی تھی.(۳۱) مشہور عربی مورخ العوفی نے 'ملوک الارض' میں الکلبی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بنو عمالقہ میں سے بچ جانے والا ایک فرد جس کا نام اشعمی تھا حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت تک زندہ رہا تھا جس کی عمر ۳۵۰ سال سے بھی متجاوز تھی. اس نے حضرت عمر فاروقؓ کو بتایا کہ: میں تمہارے نخلستان (مدینہ طیبہ) سے اچھی طرح واقف ہوں، یہاں کوئی شجر کاری نہیں تھی اور نہ ہی کھجور کا کوئی ایسا درخت ہوا کرتا تھا جسے تم لوگ اب دیکھ رہے ہو. میں اپنی قوم کے بہت سے ایسے لوگوں سے مل چکا ہوں جو ایک ایسا ہی کلمہ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ تم یعنی 'لا الہ الا اللہ' پڑھتے ہو.(۳۲) ابراہیم العیاشی نے اپنی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ وہ لوگ دیگر مشغلوں کے علاوہ اپنی میتوں کو حنوط کر کے ان کی ممیاں بنا دیتے تھے اور فرعونوں کی طرح ان کی تمام تر دولت ان کے ساتھ ہی دفن کر دیتے تھے.(۳۳) سید سمہودیؒ نے ابن زبالہ کا قول نقل کیا ہے کہ: جب بنوقینقاع کو مدینہ بدر کیا گیا تو ان میں سے کچھ یہودیوں نے اپنے عرب حلیفوں 'بنوانیف' کے ہاں پناہ لے لی تھی جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور جن کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ بنو عمالقہ کی اولاد سے تھے.(۳۴)

جرجی زیدان کے بیان کے مطابق، جنہوں نے عصر حاضر میں تاریخ عرب پر خاصی خامہ فرسائی کی ہے، بنوعمالقہ پھیلتے پھیلتے مصر میں دریائے نیل کے کنارے تک پہنچ گئے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ یونانی ان کو ہیکساس (Hyksos) کہہ کر پکارتے تھے جبکہ عرب ان کو العمالقہ کہتے ہیں۔ (۳۵) چونکہ وہ لوگ زیادہ تر زراعت پیشہ ہوا کرتے تھے انہوں نے اپنے زیر اثر علاقوں (بشمول ارض یثرب) کو قابل کاشت بنانے میں بہت کردار ادا کیا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اردن (Trans Jordan) ہجرت کی تو اس وقت بنوعمالقہ کا تسلط ان تمام علاقوں پر ہو چکا تھا اور بزدل یہودی ان کا مقابلہ کرنے سے گھبرا رہے تھے۔ قرآن کریم کے مطابق جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم یہود کو حکم دیا کہ وہ انہیں اس ارض مقدس سے نکال باہر کریں تو انہوں نے صاف جواب دے دیا۔ قرآن پاک کے الفاظ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو کہا: [اے قوم داخل ہو جاؤ اس ارض مقدس میں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مقرر کر دی ہے اور خبردار پیٹھ دکھا کر واپس نہ لوٹ آنا ورنہ تم خسارے میں رہو گے۔ تو وہ بولے اے موسیٰ وہاں ایک قوم ہے جو بہت زبردست ہے اور ہم وہاں ہرگز نہیں جائیں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نکل نہیں جاتے۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے۔ ان میں سے دو متقی مردوں نے جن پر اللہ تعالیٰ کی نوازش تھی نے ان سے کہا کہ (فصیل کے) دروازے میں سے گھس کر داخل ہو جاؤ اور ان پر حملہ کر دو اور اس طرح تم ان پر غالب آ جاؤ گے۔ اور اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر توکل رکھو۔ (اس پر) وہ بولے کہ اے موسیٰ ہم ہرگز ہرگز بھی وہاں نہیں جائیں گے جب تک کہ وہ اس میں موجود ہیں۔ جایئے آپ اور آپ کا رب ان سے لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔] (۳۶) قوم یہود کا یہ اجتماعی انکار احکام الہیہ اور اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے بغاوت کے مترادف تھا جس سے وہ غضب الٰہی کے سزاوار ٹھہرے اور اپنی اس بزدلی اور عمالقہ کے خلاف جہاد سے انکار اور حکم عدولی کی پاداش میں چالیس سال تک دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوئے۔

بنوعمالقہ پھلتے پھولتے رہے اور وہ اردن کے اردگرد تمام علاقوں پر قابض ہو چکے تھے۔ اسرائیلی مورخ رالنسن (Rawlinson) کے الفاظ میں:

"عمالقہ بہت جنگجو اور اچھی طرح مسلح اور منظم ہوا کرتے تھے اور ایک مدت مدید سے اپنے گردونواح میں بسنے والے تمام اعداء سے برسرپیکار رہنے کی وجہ سے وہ اپنا لوہا منوا چکے تھے۔" (۳۷)

اردن سے نیچے کی طرف جنوب کے علاقے بھی ان کی دست برد سے نہ بچ پائے تھے اور بعض شارحین انجیل تو اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ ان میں سے بہت سارے عمالقہ تو دریائے فرات کے کنارے تک جا پہنچے تھے اور اسی طرح جنوب کی جانب مارچ کرتے ہوئے وہ لوگ خیبر اور یثرب تک چھا چکے تھے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم یہود کو ان کا قلع قمع کرنے کا حکم دیا تھا۔ (۳۸) عہد نامہ عتیق کے الفاظ میں:

"رب الافواج کا حکم ہے، مجھے معلوم ہے کہ عمالقہ نے اسرائیل سے کیا سلوک کیا تھا اور کس طرح اس نے شب خون مار کر اس کا راستہ روکا تھا جبکہ وہ مصر سے واپس لوٹ رہا تھا۔ لہذا اب نکلو اور عمالق کو قتل کر دو اور جو کچھ بھی ان کے پاس ہے اس کو تباہ و برباد کر دو اور دیکھنا ان میں سے کوئی بچنے نہ پائے، سوائے عورتوں اور شیر خوار بچوں کے، مع ان کے مال مویشی کے مثلاً بیل بکری اونٹ اور گدھے کے۔"

پھر طالوت نے تمام لوگوں کو جمع کیا اور تلیم میں سے دو لاکھ اور یہودہ میں سے دس ہزار نفری جمع کر لی۔ پھر طالوت عمالقہ کے ایک شہر پہنچے اور وادی میں پڑاؤ کیا اور اس نے اگاگ (Agag) جو کہ عمالقہ کا بادشاہ تھا کو گرفتار کر لیا اور باقیماندہ عمالقہ کو تلواروں سے ذبح کر دیا۔ لیکن طالوت اور اس کی فوج نے اگاگ (Agag) اور ان کے مال مویشی کو زندہ رکھ لیا اور اس کے علاوہ جو مال و متاع بھی ہاتھ لگا بچا لیا اور باقی ہر

رچرڈ برٹن کا شائع کردہ مدینہ طیبہ کا قدیم سکیچ جسے کسی مصور نے تیار کیا تھا۔(۱۹۵۲ء)

ذی روح کو تہہ تیغ کر دیا.(۳۹) لیکن چونکہ وہ بھی اگاگ (Agag) کو بچا کر حکم عدولی کا مرتکب ہوا تھا اس لیے اسے بھی اپنی سلطنت سے ہاتھ دھونے پڑے اور اسے اور اس کے ساتھیوں کو یروشلم سے نکال دیا گیا اور وہ لوگ یونہی بھٹکتے رہے. پادری چارلس فاسٹر کے الفاظ میں:

''عہد نامہ عتیق کے تمام تر واقعات میں سے عمالقہ کے اعدام کے علاوہ زیادہ کوئی اہم اور کوئی واقع نہیں ہے جسے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے پس ماندگان نے انجام دیا ہو.(۴۰) اس طرح موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے ورثاء نے اس قوم کو تہس نہس کر دیا اور یوں وہ قوم ۱۲۲۰ قبل مسیح میں صفحہ ہستی سے معدوم و ناپید ہوگئی. یثرب میں وہ قوم موجودہ الجرف اور العیون کے علاقوں میں آباد تھی.(۴۱) انکے حاکموں میں سے ایک بادشاہ کا نام الارقم بن ابی الارقم تھا اور وہ اپنے جور و ستم کی وجہ سے بہت بدنام تھا. شمالی حجاز کا علاقہ تیماء اس کا پایہ تخت ہوا کرتا تھا. جہاں تک یثرب کا تعلق ہے وہاں کی آبادی زیادہ تر عمالقہ میں سے لاف بن عملیق کی اولاد پر مشتمل تھی.(۴۲)

یہود بے بہبود یثرب میں پناہ لیتے ہیں

جب بخت نصر نے ۵۸۶ ق م میں ہیکل سلیمانی کو تاخت و تاراج کر کے یہود کو فلسطین سے نکال باہر کیا تو وہ ان کی اکثریت کو پابہ زنجیر کر کے اپنے ساتھ بابل لے گیا تھوڑے بہت جو بچ سکے انہوں نے جنوب کی طرف راہ فرار اختیار کی اور نفود کے لق و دق صحراء کو عبور کر کے شمالی حجاز کے مرغزاروں میں پناہ تلاش کی. اس طرح یہ لوگ تیماء، خیبر، فدک اور یثرب کے نخلستانوں میں آباد ہو گئے.(۴۳) مستشرق الفریڈ گیوم کے مطابق:

''سمریا کی تباہی پر یہودی خطہ عرب میں ۷۲۱ ق م کے لگ بھگ آباد ہو گئے تھے. اس کی رائے میں سقوط سمریا پر قوم یہود مصر میں اسوان کے ارد گرد ایک آزاد فوجی بستی کی صورت میں جا بسے تھے اور یہ بات ناممکنات میں سے نہیں کہ ان

میں سے کچھ بھگوڑے محفوظ پناہ گاہوں کی تلاش میں خطہ عرب میں آ بسے ہوں کیونکہ پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں یہی خطہ ایک ایسا خطہ تھا جہاں ظالم رومیوں سے ان کو پناہ مل سکتی تھی۔''

اس کے برعکس ایک دوسرا مفروضہ جو بعض مورخین نے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب رومیوں نے پہلے ۷۰ء میں اور پھر بعد میں ۱۳۲ء میں فلسطین میں یہودیوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی تو ان میں سے بہت سے یہودی رومیوں کے جبر وستم سے پناہ لینے کے لیے وہاں سے دم دبا کر بھاگے اور شمالی حجاز میں صحرا و دریا کو عبور کرتے یثرب کے شمال مغرب میں واقع الغابہ کے جنگل تک کو عبور کر گئے اور پھر اس کے بعد وادی بطحان اور وادی مہزور کے ارد گرد یثرب میں پناہ گزین ہو گئے۔ (۴۴) بعض اسرائیل نواز مورخین کا یہ کہنا کہ یثربی یہودی دراصل وہ لوگ تھے جو حقیقتاً تو عرب تھے مگر انہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا سراسر افتراء ہے اس لیے کہ قرآن کریم نے ان لوگوں کو ہمیشہ بنی اسرائیل ہی کے نام سے پکارا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان میں معدودے چند عربی النسل بھی تھے مثلاً کعب بن الاشرف یا اس جیسے کچھ اور لوگ، مگر اکثریت کا تعلق بنی اسرائیل یعنی یہودی نسل سے تھا۔ بنو قینقاع (جو حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا قبیلہ تھا) حضرت یوسف علیہ السلام کی نسل سے تعلق رکھتا تھا جس طرح کہ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں بیان کیا ہے۔ (۴۵) دوسرا بڑا قبیلہ بنی نضیر کا تھا جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہودی معاشرے میں ان کا مقام بہت بلند سمجھا جاتا تھا اور وہ 'کاہنین' اور یہودی پادریوں کا قبیلہ تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی ایک مرفوع روایت کے مطابق بعض مورخین مدینہ کا خیال ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال یثرب میں ہوا اور ان کو ان کے بڑے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جبل احد کی ایک چوٹی پر دفن کر دیا تھا۔ (۴۶) یہودی روایات سے اس بات کی تصدیق ہمارے لیے ممکن نہ تھی لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جبل احد کی شمال مغربی چوٹی پر ایک قبر قرون اولیٰ سے موجود رہی ہے جس کے کھنڈرات آج بھی قبہ ہارون علیہ السلام کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ماضی میں یہ نیم منہدم غیر مسقف چار دیواری ہوا کرتی تھی۔ (۴۷) مگر اب سعودی حکومت نے وہاں خوبصورت گول عمارت تعمیر کر دی ہے جس میں قدیم طرز کے بہت سے کمرے ہیں البتہ ان میں سے کسی میں بھی قبر کا نشان موجود نہیں۔ مجد الدین فیروز آبادی (۷۲۹-۸۲۳ ہجری) نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر جبل احد پر ہے۔ (۴۸) لیکن اس مرفوع روایت پر جس سے اکثر محدثین نے صرف نظر کرنا مناسب سمجھا ہے ثقہ و اتقان کر لینا زیادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا خاص طور پر جب کہ تاریخی شواہد اس کے برعکس گواہی دے رہے ہوں جن کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر مبارک صحرائے سینائی میں واقع ہے۔ طبری اور ابن کثیر نے تو بالصراحت بیان کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال صحرائے سینائی میں 'تیہ' کے مقام پر ہوا تھا (۴۹)۔ یہ مقام موجودہ اردن میں وادی موسیٰ میں پیٹرا (البطرا) کے علاقے میں ایک پہاڑی پر واقع ہے جسے توریت میں جبل ہور کہا گیا ہے مگر اب وہ جبل ہارون کہلاتا ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو، مگر اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یثرب میں آباد بہت سے شعوب و قبائل کا سلسلہ نسب حضرت ہارون علیہ السلام سے جڑا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ ام المومنین سیدۃ صفیہ بنت حی بن الاخطب جن کو فتح خیبر پر حضور نبی اکرم ﷺ کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا وہ بھی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ (۵۰)

یثرب آنے پر یہود کی اکثریت ان علاقوں پر اپنا قبضہ جمانے میں کامیاب ہو گئی جو زرخیز تھے اور ذرائع آبپاشی سے مالا مال تھے۔ یثرب کثیر الوادی خطہ مشہور ہے اور اس کی وادیاں بارانی موسموں میں پانی سے بھر جاتی تھیں۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی وادیاں ندی نالوں کی صورت میں بہتی ہوئی سب سے بڑی وادی 'وادی العقیق' میں آ کر گرتیں اور یوں العوالی کے آخر میں ان کا سنگم ہوتا جو تقریباً سارا سال پانی سے بھرا رہتا۔ (۵۱) یہود جو اکثر زراعت پیشہ لوگ تھے اسی کے قرب و جوار میں بسنا شروع ہوئے تھے۔ بنی نضیر اور اس کے تمام فروعی شعوب وادی مذینب کے کنارے آباد ہو گئے جبکہ بنو قریضہ اور اس کی تمام شاخیں وادی مہزور کے کنارے کنارے آباد ہوئیں۔ (۵۲) پانی اور ذرائع

المدینہ المنورہ زاد
اللہ شرفاً
۱۸۹۰ء - ۱۹۰۰ء

خوردونوش کی وافر مقدار کے علاوہ جو عنصر یہود کی یثرب میں آبادکاری کا سبب رئیسی تھا وہ ان کے لیے انجیل کے وہ احکام تھے جس میں انہیں جنوب کی جانب اس سرزمین میں ہجرت کی ترغیب دی گئی تھی جہاں اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے ان کے بیٹے کیدار (عربی ان کو قیدار لکھتے ہیں) رہا کرتے تھے۔ انجیل کے الفاظ میں: [اٹھو اے اہل حضر اور نیچے کی طرف کوچ کر جاؤ کیونکہ بخت نصر شاہ بابل نے تمہاری تباہی کی قسم اٹھا رکھی ہے اور وہ تمہارے خلاف سازشوں میں مصروف ہے۔ لہٰذا اٹھو اور آل کیدار کی اس دولتمند قوم کی طرف ہجرت کر جاؤ جو اپنے اللہ کے کرم سے بلاخوف وخطر ایسے شہر میں بستے ہیں جس کا نہ کوئی دروازہ اور نہ کوئی فصیل ہے اور وہ مکمل آزادی سے وہاں رہتے ہیں۔] (۵۳) یاد رہے کہ قریش قیدار ہی کی اولاد طاہرہ سے ہیں۔ لہٰذا یہود کا ان علاقوں کی طرف رجوع کرنا بدیہی طور پر دو اسباب کی وجہ سے تھا:

(۱) تاکہ وہ رومیوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ایک پرامن خطہ میں رہ سکیں۔

(۲) تورات نے انہیں اس بات کی واضح نشاندہی کر دی تھی کہ ان کا نجات دہندہ ایک ایسی سرزمین میں ظاہر ہوگا جہاں بنو قیدار بستے ہوں گے۔

تورات نے آخری موعود نبی کے قیداری علاقے میں ظہور کے متعلق یہ پیشین گوئی کر رکھی تھی: [قیدار کی تمام اولاد تمہارے حضور جمع ہوگی، وہ تمہارے پاس میرے بیت العتیق پر آ کر اپنی اطاعت قبول کرے گی اور پھر میں اپنے گھر کو عظمت وجلالت کا گھر بناؤں گا۔] (۵۴) اس پیش گوئی میں نبی آخرالزماں ﷺ کے متعلق بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ آل قیدار (یعنی قریش) جمع ہو کر بیت العتیق (یعنی کعبۃ المشرفہ) پر آپ کی اطاعت قبول کرے گی اور اس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے اس گھر کو اپنی عظمت وجلال کا مظہر بنائے گا۔

قرآن پاک کی بہت سی آیات میں انجیل کی انہیں پیش گوئیوں کے متعلق اشارہ ہے۔ تاریخ اسلام کے بانیوں میں سے طبری اور ابن

خلدون نے اس موضوع پر خاصی روشنی ڈالی ہے. ہجرت طیبہ پر تمام یہود نے بیک آواز ہو کر میثاق مدینہ پر اس لیے رضامندی سے دستخط کر دیئے تھے کیونکہ وہ دل سے جانتے تھے کہ ان کے نبی موعود جو دعائے خلیل اور نوید مسیحا ہیں وہ حضور سرور دو عالم ﷺ کے سوا اور کوئی نہیں. کچھ یہود تو فوراً ایمان لے آئے مگر باقی پس و پیش میں لگے رہے جس کی وجہ صرف اور صرف نسلی تعصب تھا.(۵۵) سر برآوردہ یہود میں سے سب سے پہلے جس نے اسلام قبول کیا وہ حصین بن شیلوم ان کے مشہور عالم تھے جن کو آقائے نامدار ﷺ نے عبداللہ بن سلام کا نام دیا جو بعد میں حضور نبی اکرم ﷺ کے معتمد خاص صحابی رہے اور چاروں خلفائے راشدین بھی ان کی رائے کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے.(۵۶) مشہور مستشرق ڈی لیسی اولیری (De Lacy O'Leary) لکھتا ہے: [بنی اسرائیل کے بہت سے شعوب وقبائل نے یثرب اور اس کے گردونواح میں دائمی سکونت اختیار کر لی تھی. جہاں تک عربی قبائل کی بات ہے تو ان میں سے دو سب سے زیادہ مشہور تھے: اوس اور خزرج جو بنوقحطان سے تھے. قحطان شعوب وقبائل کے اس مجموعے کا نام ہے جن کا مورد و مصدر اسلامی تواریخ میں مناطق جنوب سے بتایا گیا ہے. عباسی مورخین نے تمام تریمنی باشندوں کو قحطانی النسل بتایا ہے، ان کے کہنے کے مطابق قحطان انجیل باب پیدائش ۱۰-۵۲ میں بیان کردہ یقطان ہی کا دوسرا نام ہے اس لیے کہ انجیل نے یقطان کو سبا کا والد بتایا ہے. اس میں کوئی شک نہیں کہ قحطان ایک ایسا مجموعہ شعوب وقبائل ہے جس کا ذکر کلاڈیس بطلیموس نے دوسری صدی میں 'قطابنی' کہہ کر کیا ہے اور ممکن ہے اس کا تعلق قصبہ قحطان سے ہی ہو جو زابد اور صنعاء کے درمیان واقع ہوا کرتا تھا.](۵۷) بلاذری کے مطابق پہلا قحطانی جس نے یثرب میں سکونت اختیار کی وہ عمرو بن عامر بن حارثہ بن ثعلبہ بن امرء القیس ابن مازن بن ازد بن غوث بن نبط بن ملک بن زید بن کہلان بن سبا ابن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا.(۵۸)

ڈی لیسی اولیری کے الفاظ میں:

> [یثرب میں مقیم یہودی شعوب تین بڑے قبائل میں بٹے ہوئے تھے جو سب کے سب عربی ناموں سے جانے جاتے تھے: بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ. موخر الذکر دو قبائل کا تعلق کاہنین یعنی علماء سے تھا جو اپنے آپ کو بیت ہارون (علیہ السلام) سے بتاتے تھے.](۵۹)

اس نظریے کو مزید تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ بنوقینقاع اپنے آبائی پیشہ یعنی آہنی ہتھیار اور آلات بنانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے. حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خاص قوت عطا کی تھی جس سے لوہا ان کے ہاتھوں میں موم کی طرح ڈھل جاتا تھا اور اسی لیے انہوں نے آہنی ڈھالوں کے بنانے کا پیشہ اختیار کیا تھا.

عربوں کا یثرب میں آباد ہونا اور یہود بے بہبود کے ساتھ صراع اور رسہ کشی

جہاں تک عرب آباد کاروں کا تعلق ہے ہمیں بنوقحطان کے دو جڑواں قبائل اوس وخزرج کے نام ملتے ہیں جو دونوں قحطانی النسب تھے. مدینہ طیبہ کے بعض مورخین کا خیال ہے کہ اوس وخزرج سے بہت پہلے ہی وہاں کچھ دیگر خانہ بدوش عرب قبائل کا گزر ہو چکا تھا جنہوں نے جبل سلع کے دامن میں آباد ہو کر کھیتی باڑی کی بنیاد رکھی تھی. ایسے مورخین حضرات ان قبائل کی موجودگی سے استناد کرتے ہیں جو اپنے آپ کو بنو عمالقہ سے جتاتے تھے مثلاً: بنوانیف اور بنومرید وغیرہ.(۶۰) ان میں سے بہت سوں نے زراعت اور تجارت سے بہت سرمایا اکٹھا کیا جس کی وجہ سے وہ اپنے 'اطم' (حصن، محل، یا قلعہ) بنا کر رہا کرتے تھے. ہجرت مبارکہ کے موقع پر کم وبیش بیس قبائل یہود کے تھے جبکہ عرب شعوب و قبائل کی تعداد لگ بھگ ستر کے تھی.(۶۱) یہودی قبائل میں بنوقینقاع (۶۲) بنوقریظہ، بنونضیر، بنوسعیدہ، بنوحشم، بنومہمم، بنوزاعور، بنوثعلبہ، بنو جفنہ، اور بنوشلیبہ شامل تھے جن میں سے بنونضیر اپنے نسب کے لحاظ سے سب سے برتر سمجھے جاتے تھے.(۶۳) اس کے علاوہ چونکہ یہود اپنے دین کی تبلیغ عربوں میں بھی کرتے تھے اس لیے انہوں نے بنواوس اور بنوخزرج سے چند افراد کو بھی یہودی بنا لیا تھا.(۶۴) وہ عربوں کے ساتھ

المدینہ المنورہ زاد اللہ شرفاً ۱۹۰۸ء میں
(ماخوذ: مرآۃ الحرمین، رفعت پاشا)

شادی بیاہ بھی رچا لیتے تھے. بدنام زمانہ کعب بن الاشرف کا باپ (یعنی اشرف) دراصل یہودی النسل نہیں تھا بلکہ وہ عربی قبیلہ بنی نبہان کی ایک شاخ 'طی' سے تھا اس نے یہود میں شادی رچائی ہوئی تھی اس طرح کعب نے اپنی ماں کے اثر کی وجہ سے اپنے باپ کے دین کی بجائے اپنی ماں کے دین (یہودیت) کو اپنایا ہوا تھا. مزید برآں چونکہ یہودی توہم پرست تھے انہوں نے عربوں کو بھی اپنی توہم پرستی کے جال میں پھنسایا ہوا تھا. اگر کسی عرب کا پلوٹھہ بچہ عالم شیر خواری میں مرجاتا تو غمزدہ عرب ماں باپ کو یہ باور کرادیا جاتا تھا کہ اگر وہ چاہتے ہیں کہ اللہ ان کو دوبارہ اولاد نرینہ سے نوازے تو وہ منت مانیں کہ آئندہ پیدا ہونے والے بچے کو وہ یہودی مذہب میں جانے دیں گے. حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: [ہر وہ عورت جس کا شیر خوار بچہ قضائے الٰہی سے مرجاتا تو وہ منت مان لیتی کہ وہ آئندہ پیدا ہونے والے بچے کو یہودی بنائے گی. لہذا جب بنو نضیر کو مدینہ بدر کیا گیا تو وہ انصار کے ایسے بچوں کو بھی ساتھ لے جانے پر مصر تھے. ان کا اصرار تھا کہ وہ کسی قیمت پر بھی اپنے ان بچوں کو پیچھے چھوڑ کر نہیں جائیں گے. اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: (دین میں کوئی مجبوری روا نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے جدا ہو چکی ہے.)(۶۵)

یہود تجار بھی تھے اور کاشت کار بھی اور چونکہ وہ سود کی بنیاد پر قرضے دیا کرتے تھے اس لیے آہستہ آہستہ ان کی معاشی برتری کی دھاک عرب آباد کاروں پر بیٹھ گئی تھی. مشہور یہودی مستشرق ڈی ایس مارگولیتھ کے الفاظ میں:

[اگرچہ ہم اکا دکا یثربیوں کا نام بھی سنتے ہیں جو متمول تھے لیکن ان کی اکثریت مفلس ہوا کرتی تھی. نبی اکرم ﷺ کے دور میں صرف ایک عروسی لباس ہوا کرتا تھا (جس کو سب پہنا کرتے تھے) اور زیورات یہود سے ادھار لیکر شادی کی رسمیں نبھائی جاتی تھیں. ان کے اس افلاس کو یہود کی ساہوکاری اور سود خوری نے مزید بدتر کر دیا تھا.](۶۶)

اراضی کے بڑے بڑے قطعات، خصوصاً کھجوروں اور پھلوں کے باغات، سے لے کر بڑی منڈیاں اور تجارتی مراکز یہود کے قبضہ

میں تھے۔ خوردہ فروشی سے لیکر سنارہ بازار تک تمام بازار یا تو یہودیوں کی ملکیت تھے یا ان کی آشیرباد سے چلتے تھے۔ سوق بنی قینقاع کی مثال اس سلسلے میں کافی ہے جہاں یہود کا سکہ چلتا تھا اور انہیں بلاشرکت غیرے اجارہ داری حاصل تھی۔ دوسری چھوٹی منڈیاں بھی ان کے تسلط سے مستثنیٰ نہیں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ نو وارد اوس وخزرج کو یہود کی برتری کے سامنے بہت کچھ سہنا پڑ رہا تھا۔ پرامن بقائے باہمی کے لیے عرب قبائل کو یہود کے کسی نہ کسی گروہ سے جنگ نہ کرنے یا دیگر دفاعی معاہدے بھی کرنے پڑے تھے۔ یہ ان عرب قبائل کی کمزوری نہیں بلکہ مجبوری تھی جس کا استحصال یہودی پوری طرح سے کرتے تھے اور نتیجہ کے طور پر ان سے اکثر دوسرے درجے کے شہریوں کا سا سلوک کیا جاتا تھا اور معاملات اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ ان کے ایک عیاش اور عاقبت نااندیش رئیس فیطون (بعض مصنفین نے اسے غلطی سے فطیون لکھا ہے) نے ایک حکم نافذ کر دیا تھا کہ عربوں کی ہر نوبیاہتا دلہن اپنی شب عروسی اس کے ساتھ منایا کرے گی۔(۶۷) یہ ایک ایسا جابرانہ حکم تھا جو زیادہ دیر نہ چل سکا اور ایک غیرت مند خزرجی، جس کا نام مالک بن العجلان تھا، بھیس بدل کر اس کے محل میں گھس گیا اور اس کو تہہ تیغ کر کے دم لیا۔ اس سے آپس میں طے شدہ عدم جارحیت کے معاہدے یکسر ختم ہو گئے اور نئے سرے سے عداوت ومعاندت کے سوتے پھوٹ پڑے جس سے دونوں گروہ ایک دوسرے کے ساتھ نبرد آزما ہو گئے۔ عرب چونکہ اتنے مضبوط نہیں تھے انہیں شمال میں واقع غسانی عیسائی حکومت سے مدد حاصل کیے بغیر نہ بنی۔ انہوں نے ابا جبیلہ کے ذریعے مدد کی درخواست کی جو غسانیوں کا ایک صاحب الرائے اور صاحب اثر ورسوخ متمول فرد تھا۔ غسانی خود بھی قحطانی عرب تھے اس لیے انہوں نے اپنے عرب حلیفوں کی مدد کے لیے ایک لشکر روانہ کر دیا جس نے یہود کی خوب دھلائی کی اور ان کے غرور وتجبر کو خاک میں ملا کر رکھ دیا جس کی وجہ سے وہ دوبارہ عربوں کے ساتھ مختلف معاہدوں میں منسلک ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اس ذلت آمیز شکست کا ذکر یہودیوں کی کتاب تالمود میں بھی ہے۔

جہاں تک عمومی معاشرتی ماحول کا تعلق ہے وہ بھی معاشی زبوں حالی کی مکمل تصویر تھا۔ یہود عربوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کو 'امی' یعنی ان پڑھ اور گنوار کہہ کر ان کے حقوق کو سلب کرنا اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے تھے۔ بالفاظ قرآن حکیم وہ یہ کہتے: [یہ اس لیے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم پر امی لوگوں (یعنی عربوں) کا حق چھین لینے میں کوئی گناہ نہیں۔](۶۸) غلہ (جس میں جو اور کچھ حد تک گندم کی اجناس شامل تھیں)، کھجور، شراب اور کپڑوں کی تجارت میں ان کو مکمل اجارہ داری حاصل تھی۔(۶۹) بنو قینقاع کے یہودی کاریگر ڈھالیں، اور چاند کی طرح خمدار (Moon-curved) تلواریں اور سر کی حفاظت کے لیے خود (Helmet) بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ وہ دیگر سامان حرب مثلاً کانسی کی زرہیں اور تلواریں بنانے میں بھی شہرت تامہ رکھتے تھے۔ ان کا دوسرا بڑا پیشہ سونے چاندی کے زیورات بنانا بھی تھا۔ لفظی لحاظ سے قینقاع کا مطلب ہی سنار ہے۔ نضیر عبرانی زبان میں پتوں کی ہریالی کو کہتے ہیں اس لیے بنی نضیر اکثر زراعت پیشہ ہوا کرتے تھے۔ قریظہ ایک ایسے درخت کا نام ہے جو کھالوں کو سکھانے اور صاف کرنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس لیے بنی قریظہ کے لوگ کھالوں کو صاف کر کے اس کی اشیائے صرف بنانے میں مشہور تھے۔ یہ چند پیشے تھے جن میں یہود دوسروں پر سبقت رکھتے تھے۔(۷۰) لیکن یہود کی اکثریت کا پیشہ سنار اور زرگری ہی تھا۔ ابن زبالہ کے کہنے کے مطابق صرف یثرب کے گاؤں میں ۳۳۰ سنار بستے تھے۔(۷۱) یثرب کے برعکس خیبر وغیرہ میں بھی یہود کی غالب اکثریت ہوا کرتی تھی جو زیادہ تر تجار، ساہوکار اور کاشتکار تھے اور ان کی معاشی برتری یثرب کے یہود کے لیے باعث تقویت تھی۔

عمرانی ترقی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یثرب کی عام آبادی مٹی کے بنائے ہوئے گھروں میں رہتی تھی جب کہ متمول گھرانے اپنے لیے 'اطم' (حویلی نما پکی عمارتیں۔ جمع: آطام) بنا لیتے تھے۔ جب حضور پرنور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ہجرت فرمائی تو اس وقت یثرب میں کل بہتر[۷۲] اطم ہوا کرتے تھے جن میں سے انچاس یہود کی ملکیت تھے جبکہ باقی کے تیئس عربوں کے تھے۔(۷۲) قباء میں ۱۴ آطام بنی زید بن مالک بن عوف بن عمرو کی ملکیت تھے(۷۳) وہ تمام کے تمام 'آطام' حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہی موجود

تھے۔صرف ایک اطم زیرتعمیر تھا جو کہ حضرت ابو دجانہ انصاریؓ اپنے لیے بنوا رہے تھے جو بنو ساعدہ کے گاؤں میں بیر بضاعہ کے پاس تھا(۷۴)۔ یہ تمام آطام مدینہ طیبہ میں بہت صدیوں تک محفوظ رہے مگر آہستہ آہستہ وقت کی چیرہ دستیوں نے انہیں نیست و نابود کر دیا۔ یہود کے اجلاء کے بعد ان پر زیادہ تر مسلمان عمائدین نے قبضہ کر لیا تھا یا پھر ان کی جگہ دیگر مسلمین نے اپنے گھر بنا لیے تھے۔ یہ کہنا قطعی صحیح نہیں ہے کہ یثرب میں ان آطام کا رواج یہود کی آمد پر ہوا۔ اس وقت کی عمرانیات پر تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچی ہے کہ ایسے آطام اور حویلیاں حمیاری یمن میں بہت پہلے معرض وجود میں آ چکی تھیں اور اوس و خزرج کے وہ مہاجرین جو نقل مکانی کر کے یہاں آباد ہوئے وہ اپنے ساتھ فن تعمیر کے یہ تصورات بھی لائے تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان میں سے صاحب حیثیت لوگوں نے اپنے لیے خوبصورت آطام بنا لیے تھے۔ ان میں سے بہت سے آطام تو اپنی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھے۔ اس وقت کے ایسے آطام میں سے جو کہ عربوں کے تعمیر کردہ تھے چند ایک مشہور نام یہ ہیں: اجوش، الاجرد، الاشقّ، بلحان، فارع (حضرت حسان ابن ثابتؓ کا محل ہوا کرتا تھا)، اطم حضرت ابو دجانہؓ، راتج، الریان، الزیدان، السخ اور الضحیان وغیرہ(۷۵)

ان تمام آطام میں سے کچھ اب بھی کھنڈرات کی صورت میں موجود ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور 'حصن کعب بن الاشرف' ہے جو نیم منہدم حالت میں آثار قدیمہ کے طور پر حرہ واقم کے آخر میں مسجد قبا کی جنوب مشرقی جانب وادی مذینب کے کنارے ایک ٹیلہ پر واقع ہے۔ اس اطم کے معائنے سے جو ابھی بھی آثار قدیمہ کے نقطہ نظر سے اچھی حالت میں ہے، ناظر کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ متمول یہودی کس طرح کی حویلیوں اور محلات میں رہا کرتے تھے۔ یہود کی اکثریت پکے مکانات یا آطام میں رہتی تھی جو حرہ کے آتش فشانی لاوہ سے بنی سنگلاخوں اور چٹانوں کے سیاہ پتھروں کو تراش کر بڑے بڑے بلاکوں سے بنائے جاتے تھے۔ ان کے کمرے عموماً دس یا بارہ فٹ مربع زمین پر ہوتے اور ایک گھر عام طور پر بہت سے کمروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ بہت سے گھر کثیر المنزلہ بھی ہوتے تھے۔ کھاتے پیتے گھرانوں کے آطام زیادہ وسیع اور پائیدار ہوتے اور زندگی کی تمام تر سہولیات سے مزین ہوتے: مثلاً ہر اطم میں ایک کنواں ضرور ہوتا اور اکثر و بیشتر ان کے صحنوں میں کھجور کے درخت بھی ہوا کرتے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ حصن کعب بن الاشرف ایک سرسبز و شاداب وادی کے وسط میں کھجوروں کے باغ میں واقع تھا اور جیسا کہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اسے قتل کیا گیا تو اس کی چیخ و پکار سے اردگرد کے ہمسائے جاگ پڑے اور انہوں نے اپنے گھروں کی روشنیاں جلا دیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اطم اکیلا ہی نہیں تھا بلکہ اس کے اردگرد اور بھی بہت سے گھر یا آطام ہوں گے جنہوں نے اس انتہائی خوبصورت وادی کو اپنا مسکن بنایا ہوا تھا۔ آج بھی اس جگہ کی خوبصورتی ہر آنے والے کو دعوت فکر و نظارہ دیتی ہے۔ اس کی حویلی کے اردگرد کھجوروں کے سرسبز باغات ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انتہائی سرسبز اور زرخیز خطہ تھا۔ ان قلعہ نما حصون یا آطام کے متعلق ڈاکٹر اسرائیل ویلفنسن لکھتا ہے:

یہ قلعے یثرب کی زندگی میں بہت اہم کردار کرتے تھے اس لیے کہ ایک قبیلے کے لوگ دشمن کے حملے کی صورت میں انہیں

پناہ گاہوں کے لیے استعمال کر لیتے. خاص طور پر جب مرد جنگجو دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے باہر نکلتے تو ان کی عورتیں اور بچے ان حصاروں میں پناہ لیتے. یہ مضبوط گڑھ ایسے وقتوں میں زیادہ کارآمد ثابت ہوتے جبکہ ان کو غلہ یا دوسری ضروریات حیات کو ذخیرہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا کیونکہ کھلا چھوڑ دینے سے ان کا دشمن کے ہاتھ لگ جانے کا ہر وقت اندیشہ رہتا تھا. بسا اوقات دیگر سامان اور آلات حرب و ضرب بھی وہیں ذخیرہ کیے جاتے تھے اور بہت سے کاروان تجارت بھی ان کے دروازوں پر آ کر اپنی دکانیں سجاتے اور منڈیاں لگاتے تھے. انہی قلعوں میں یہودی عبادت گاہیں اور درس گاہیں بھی ہوا کرتی تھیں جنہیں مدراس کہا جاتا تھا. چونکہ قیمتی اشیاء بھی انہی قلعوں میں رکھی جاتی تھیں اس لیے یہ بھی قیاس کیا جاتا ہے کہ دینی لٹریچر اور صحیفے بھی وہیں رکھے جاتے تھے. (۷۶)

کعب بن الاشرف کے علاوہ ایک اور اطم جو زمانے کی دستبرد سے بچ بچا کر کھنڈرات کی شکل میں اب تک محفوظ ہے وہ 'اطم الضحیان' جو العوالی (قباء) میں واقع ہے. یہ تاریخی اطم احیحہ ابن جلاح کی ملکیت تھا جس کی بیوہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے پردادا ہاشم سے شادی کر لی تھی اور جن کے بطن سے حضرت عبدالمطلب تولد ہوئے تھے. یہ کثیر المنزلی مکان بھی کالے پتھروں سے بنایا گیا تھا. (۷۷) اس کے کھنڈرات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑے رقبہ پر واقع تھا مگر گردونواح کے سکان کی عمرانی مجبوریوں نے اسے کافی حد تک سکڑنے پر مجبور کر دیا ہے. آج کل یہ ایک مدنی شہری کی ذاتی ملکیت میں ہے اور کھجوروں کے مزرع (فارم) میں درختوں کے گھنے جھرمٹ کے درمیان واقع ہے. مزرع میں کام کرنے والے مزدوروں نے اسے اپنی رہائش گاہ بنایا ہوا ہے اور اسے قابل رہائش بنانے کے لیے اس میں حسب منشا تبدیلیاں کر لی ہیں بجلی کا کنکشن دیکر ایک عدد ڈش انٹینا بھی اوپر نصب کر لیا گیا ہے تاکہ مدینہ کے اس تاریخی ورثہ سے اچھی طرح لطف اندوز ہوا جا سکے.

یہاں ایک اور قلعے کی تصویر دی جاتی ہے جو قباء میں واقع ہے. یہ بھی زائرین کو قدیم یثربی تمدن کی جھلک دکھاتا ہے اگرچہ بادی النظر میں یہ قلعہ کئی بار تعمیر یا مرمت کیا گیا ہوگا. ترکوں نے اسے ایک باقاعدہ قلعے کی شکل دے دی تھی جس سے مدینہ طیبہ اور قباء کا دفاع مقصود تھا. خیاری کے مطابق یہ قلعہ اس جگہ پر واقع ہے جہاں پر ہجرت پر تشریف لانے کے مبارک موقع پر حضور نبی موعود پیغمبر آخر زماں ﷺ کا استقبال ہوا تھا اور یہ کہ یہی جگہ مکہ سے آنے جانے والوں کے لیے جنوبی ثنیات الوداع کہلاتی تھی. (۷۸)

یہی آطام یا حصن یثربی زندگی کا طرہ امتیاز تھا جن میں اکثریت یہود کی ملکیت ہوا کرتی تھی. بقول سید امیر علی: [ان قلعہ نما عمارتوں میں رہ کر یہود نے ہمسایہ عرب قبائل پر اپنا رعب و دبدبہ قائم کیا ہوا تھا جو اس وقت تک رہا جب کہ قحطان کے قبائل اوس و خزرج نے یثرب میں اپنے پاؤں نہ جما لیے. (۷۹)

قبل از اسلام یثرب کی تہذیب کا جائزہ

قدیم مورخین کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں ان کی اور یمن کی ملکہ سبا کی ملاقات یروشلم میں ہوئی تھی جس کا سن وقوع تقریباً ۹۶۰ ق م خیال کیا جاتا ہے. قرآن کریم نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے. جس کے مطابق ملکہ سبا نے کہا تھا: اے رب میں

کعب بن الاشرف یہودی کے قلعہ (حصن) کے کھنڈرات کی تصویر: اگست ۲۰۰۱ء

نے برا کیا ہے اپنی جان کا اور میں سلیمان کی معیت میں اللہ تعالیٰ کی حکمبر دار ہوتی ہوں جو سارے جہان کا رب ہے۔ (۸۰) دونوں کی قربت سے دونوں قومیں ایک دوسرے کے قریب آ گئیں اور دونوں کے درمیان بہت گہرے مذہبی، سیاسی، سماجی اور تجارتی رشتے استوار ہو گئے تھے۔

یمن بہت خوشحال تھا اسی لیے یونانی مورخین نے عرب کے اس خطے کو خوشحال عربستان Arabia Felix (Happy Arabia) کہا ہے اور قرآن کریم کے الفاظ میں بھی اسے 'بلدۃ طاہرہ ورب غفور' کہہ کر اس کی عظمت اور خوشحالی کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۸۱) یمنی قوم سورج کو پوجتی تھی (۸۲) اور بڑی مہم جو واقع ہوئی تھی قرآن کریم نے بھی سبائی قوم کی مہم جوئی کی عادت کا ذکر کیا ہے جب انہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کی تھی: اے اللہ دراز کر دے ہمارے سفروں کو۔ (۸۳) اور ان کی یہی شوخی طبع ان کے لیے بلائے جان بن گئی اور وہ غضب الٰہی کے مستوجب ٹھہرے۔ ان کی لاابالیاں ان کی دولت اور خوشحالی کو چاٹ گئیں اور سیل ارم کی طغیانیاں ان کے مآرب ڈیم کو لے ڈوبیں جس کی وجہ سے وہ گھر سے بے گھر ہو گئے اور گرد و نواح میں پناہ گاہیں ڈھونڈنے پر مجبور ہو گئے۔ (۸۴)

اس طرح خانماں برباد ہو کر بہت سے قحطانی قبائل اپنے لیے روزی روزگار اور اپنے مال مویشیوں کے لیے مرغزاروں کی تلاش میں بحیرہ احمر کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف چل نکلے۔ وسیع پیمانے پر نقل مکانی ۳۵۰ یا ۳۵۱ ق م میں ہوئی ہوگی (۸۵) جب کہ سیل الارم کی وجہ سے ان کا مآرب کا ڈیم تباہ ہوا تھا جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے۔ (۸۶) اس تباہ کن طوفان اور طغیانی نے ان کے گھر گھاٹ سب ملیامیٹ کر دئے اور وہ یمن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیر باد کہنے پر مجبور ہو گئے۔ شمالی علاقوں کی طرف سفر کرتے کرتے ان میں سے بعض قبائل نے حجاز کے اندرونی نخلستانوں اور سرسبز وادیوں اور مرغزاروں میں اپنا ڈیرہ لگا لیا جہاں اس وقت بہت کم انسان آباد تھے اور جو تھے وہ بھی زیادہ تر خانہ بدوش بدو تھے جو ایک جگہ جم کر نہیں بیٹھتے تھے۔ قحطانیوں میں سے بہت سے قبائل انتہائی شمالی علاقوں تک پہنچ گئے مثلاً بنی غسان اور بنی جفن، جو انہیں دور دراز علاقوں میں آباد ہو گئے۔ بنی لخم اور بنی تنوخ 'حیرہ' کے میدانوں (موجودہ عراق) میں بس گئے، جبکہ بنی بحرہ اور بنی جزم نے مدائن صالح کا رخ کیا۔ بنی خزعہ نے جدہ اور مکہ کا درمیانی علاقہ آباد کیا اور بنی اوس اور بنی خزرج نے اپنے لیے یثرب کے نخلستانوں کو چن لیا۔ یہ نقل

مکانی حضور نبی اکرم ﷺ کی ہجرت مبارکہ سے تقریباً دو سو سال پہلے وقوع پذیر ہوئی اس طرح یثرب میں اوس وخزرج کی آبادکاری عمل میں آ گئی۔

جیسا کہ اوپر تفصیلاً بیان کیا گیا ہے ایک بہت بڑا تجارتی راستہ یثرب سے ہو کر گزرتا تھا اور تجار کے قوافل زادراہ حاصل کرنے اور تجارتی مقاصد کے لیے یثرب رکتے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر کرتے ہوئے ضمناً قرآن کریم نے بھی اسی شاہراہ کا ذکر کیا ہے (۸۷)۔ اسی طرح سورۃ القریش میں ان تجارتی قافلوں کا ذکر کیا ہے جو گرمیوں اور سردیوں میں رخت سفر باندھتے اور سامان خورد و نوش لاتے تھے۔ (۸۸) ماہرین آثار قدیمہ کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اس تجارتی شاہراہ نے قبائل کی نقل وحمل میں بہت بڑا کردار ادا کیا تھا جس کی بدولت نہ صرف تجارتی قوافل کی آمد و رفت آسان تھی بلکہ ارض حجاز میں واقع مقامات مقدسہ (خاص طور پر وادی بکہ میں بیت اللہ شریف) کی زیارت کے لیے آنے جانے والے لوگ اس شاہرہ سے باآسانی سفر کر سکتے تھے جیسا کہ اس بات سے عیاں ہے کہ سب سے پہلا کسوہ (غلاف) خانہ کعبہ پر حمیری تبع نے اپنے اظہار عقیدت کے طور پر چڑھایا تھا۔ (۸۹)

قباء میں واقع قدیم قلعہ (قلعۂ قباء) (تصویر جون ۲۰۰۱ء)

یثرب میں سب سے پہلا یمنی آبادکار ثعلبہ العنقاء بن عمرو بن عامر تھا جو قحطانی تھا۔ اس کی اولاد سے دو قبیلوں کے سوتے پھوٹے جو بعد میں یثرب کے شب و روز پر چھا گئے۔ ان قبیلوں کا نام اوس اور خزرج تھا۔ (۹۰) اوس کا معنی 'تحفہ' ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کو اوس منات الآلہ (خدائے منات کا تحفہ) کہا جاتا تھا اور جب وہ اسلام لے آئے تو ان کو اوس اللہ (اللہ کا تحفہ) کہا جانے لگا۔ (۹۱) باقی تمام قبائل مثلاً بنو نجار، بنو عوف، بنو اسلم، بنو غفار وغیرہ انہیں دونوں قبیلوں کی شاخیں تھیں۔ جب وہ یثرب میں آباد ہوئے تو انہوں نے محنت شاقہ کے بعد اس کے صحراؤں کو گلزاروں میں بدل دیا اور یثرب کی وادیوں کے کنارے واقع اراضی سونا اگلنے لگ گئی۔ انہوں نے اپنے ہنستے مسکراتے ماضی کو جو وہ یمن میں بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے یثرب کے میدانوں میں دوبارہ تخلیق کرنے کی انتھک کوشش کی اور یوں ایک ہی صدی میں وہاں ہر طرف سبزہ زار اور مرغزار نظر آنے لگے۔ یہودی زیادہ تر زرخیز وادیوں کے کنارے آباد تھے۔ اس کے برعکس عربوں (خاص طور پر اوسی قبائل) نے عالیہ (جواب العوالی کے نام سے مشہور ہے) میں رہنا پسند کیا تھا خزرج زیادہ تر ان علاقوں میں آباد ہوئے جو جبل سلع اور جنت البقیع کے درمیان واقع تھے جس کے قریب بعد میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی مسجد و مسکن کی بنیاد رکھی۔ (۹۲)

ہجرت کے بعد جب اوس وخزرج حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو تقریباً ہر قبیلے نے اپنے اپنے علاقے میں چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنا لیں تھیں جن میں سے چند آج بھی موجود ہیں جو انہی قبائل کے نام سے مشہور رہیں۔ اس طرح آج بھی چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان مختلف قبائل کے گاؤں یا آبادیوں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ مسجد بنو معاویہ (موجودہ نام مسجد الاجابہ) بنو معاویہ قبیلہ کی آبادی میں واقع تھی۔ (۹۳) مسجد بنو ظفر جس کے کھنڈرات آج بھی جنت البقیع کے مشرقی جانب شارع ستین کے اس پار ایک احاطے میں موجود ہیں ہمیں اس قبیلے کی یاد دلاتی ہے جو اس وقت وہاں آباد تھا۔ اسی طرح بنو عبدالاشہل کا قبیلہ موجودہ جنت البقیع کے شمال مشرقی کونے سے شروع ہوتا تھا۔ بنو زریق مسجد نبوی کے جنوب میں اس جگہ آباد تھا جہاں آج کل مدینہ منورہ کی شرعی عدالتوں کا صدر دفتر ہے۔ اسی طرح سقیفہ بنی ساعدہ کے ارد گرد خزرجی بنو ساعدہ کا گاؤں ہوا کرتا تھا جبکہ بنو عدی اور چند اور خزرجی شعوب اس جگہ پر آباد تھے جہاں آج نئی تعمیر شدہ مسجد نبوی کا باب ملک فہد

ہے. بنوحرام جبل سلع کے دامن میں واقع مسجد بنوحرام کے اردگرد آباد تھے اور بنواسلم حرہ وبرہ میں رہائش پذیر تھے جہاں اب مسجد قبلتین ہے.

یہودیت توحید کا درس دیتی ہے اس لیے یہودی خدائے واحد کی پرستش کرتے تھے. جب وہ یثرب آئے تو اپنے ساتھ اپنے عقائد اور رسم ورواج اور سماجی طور طریقے بھی لائے. انکے علماء (جن کو ربی یا احبار کہا جاتا تھا) اپنی سوسائٹی کی کریم سمجھے جاتے تھے جو کہانت اور دینی علم کی وجہ سے دوسروں سے افضل گردانے جاتے تھے. عام یہودی زیادہ تر کاشتکار، مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے، یا پھر تجار اور جاگیردار ہوا کرتے تھے. جدید علوم وفنون ابھی اس وقت تک ناپید تھے گو کہ ان میں بہت سے طبیب، ریاضی دان اور منجم بھی تھے. جادوگری اور کہانت کا سکہ عام چلتا تھا. (۹۴) ان کے آطام کے ساتھ ہی ان کی تعلیم گاہیں (مدراس-مدراش) ہوا کرتے تھے جہاں زیادہ تر دینی تعلیم دی جاتی تھی. اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو عرب قبائل بھی ان سے کوئی خاص بہتر مقام نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ یہود سے بھی بہت پیچھے تھے. علاج معالجہ زیادہ تر جڑی بوٹیوں اور روایتی ٹونے ٹوٹکوں سے کیا جاتا تھا مردوں کے علاوہ خواتین بھی علاج معالجہ کرلیتی تھیں جیسا کہ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو صحابیات (حضرت رفیضہؓ اور کعیبہؓ جو حضرت سعد الانصاریؓ کی بیٹیاں تھیں) مسلمان زخمیوں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھیں (حضرت سعد بن معاذؓ کے علاج پر یہی مامور تھیں). طبیب زیادہ تر قبیلہ بنوثقیف سے طائف سے بلوائے جاتے تھے جیسا کہ ایک حدیث مبارک سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد مبارک پر ایک مرتبہ حارث بن کلدہ الثقفی کو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے علاج کے لیے بلایا گیا تھا.

یہود کے علاوہ یثرب میں کچھ عیسائی بھی آباد تھے جو دراصل مشرکین عرب میں سے تھے مگر انہوں نے عیسائیت قبول کی ہوئی تھی. ان کا ایک راہب بھی تھا جس کا نام ابو عامر الراہب تھا اور قبیلہ اوس سے اس کا تعلق تھا (حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ ؓ کا والد) اور تقریباً چالیس پچاس اس کے پیروکار بھی تھے جیسا کہ ابن اسحاق کی نگارشات سے معلوم ہوتا ہے. ابو عامر بھی اپنے پیروکاروں کے ساتھ جنگ احد کے ختم ہوتے ہی مدینہ طیبہ سے بھاگ گیا تھا. اوس وخزرج زیادہ تر مشرکین تھے اور اصنام کی پرستش کیا کرتے تھے. (۹۵) وہ اپنے اصنام کا بہت احترام کرتے اور عبادت کے لیے ہر گھر میں لکڑی یا پتھر کی مورتیاں عام ہوا کرتی تھیں لیکن کسی باقاعدہ صنم خانے کے وجود کا ذکر نہیں ملتا. گو مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے اندر ۳۶۰ بتوں کی تمثیلیں رکھی ہوئی تھیں مگر ان بتوں کے اصل بہت بڑے بتوں کی صورت میں حجاز میں مختلف مقامات پر نصب ہوا کرتے تھے. مثلاً منات (اوس جس کی پوجا کرتے تھے) کا اصل بت مشلل بحر احمر کے کنارے جبل قدید کے پاس تھا جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع تھا. یہ کالے پتھر کا بن گھڑا بت تھا اور قسمت کی دیوی مانی جاتی تھی عربی میں اس کا مشتق (م ن ن) ہے جس کے معنی قوت ہیں. دوسرا مشتق (م ن ا) ہے اور المنی کے معنی تقدیر کے ہیں. یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ 'منات' دراصل نبطیوں کی دیوی تھی جس کو وہ مناوات یا مناواتن کے نام سے پکارتے تھے. جب عربوں میں بت پرستی کا رواج چلا تو نبطیوں کی مناوات یا مناواتن سکڑ کر صرف 'مناۃ' یا منات رہ گئی. حجاز میں اس کا بہت چرچا تھا اور بہت سے لوگ اپنے بچوں کے نام اس دیوی کے نام پر رکھتے تھے مثلاً عبد مناۃ یا زید مناۃ وغیرہ. اوس اور خزرج اس کی بہت تکریم کرتے تھے اور بہت سی قربانیاں اس کے سامنے بھینٹ کیا کرتے تھے. ابو المنذر ہشام بن محمد نے ابوعبیدہ بن عمار ابن یاسرؓ (جو کہ اوس اور خزرج کے معاملے میں سب سے زیادہ معلومات رکھتے تھے) سے روایت کی ہے کہ اوس اور خزرج اور یثرب کے دیگر عرب جو کہ مناۃ کے پجاری تھے جب حج پر آتے تو وہ حج کے تمام واجبات ادا کرتے جو کہ زمانہ جاہلیت میں مروج تھے سوائے اس کے کہ وہ اپنے سر نہ منڈواتے اور جونہی حج اپنے اختتام کو پہنچتا تو وہ سیدھے مناۃ کا رخ کرتے اور اس کے سامنے اپنے سر منڈواتے تھے. اسی طرح لات الخزرج کا صنم تھا اور تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ یہ منات سے بھی قدیم تر تھا اور حجاز کے بیشتر حصوں میں اس کی پوجا ہوا کرتی تھی، حتیٰ کہ قریش مکہ میں سے بھی بعض اس کو پوجتے تھے. یونانی مورخ ہیروڈوٹس نے بھی اس کا ذکر کیا ہے. (۹۶) اس طرح یہود کو چھوڑ کر جو موحد تھے. یثرب کے زیادہ تر عرب لات ومنات کے پجاری تھے اور مشرک تھے. بہت سی احادیث میں

اس بات کا ذکر ہے کہ جس جگہ مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی وہاں چند مشرکین کی قبور تھیں جن کی ہڈیوں کو اکھاڑ کر جگہ کو صاف کیا گیا تھا.(۹۷)

کچھ عرب دائمی طور پر یثرب میں مقیم تھے جن کو حضارہ کہا جاتا تھا اور بعض اس وقت تک خانہ بدوشی کی سی حالت میں تھے جن کو'بدو' (با لالفاظ قرآن کریم اعراب) کہا جاتا تھا. ایسے اعراب ایک جگہ جم کر نہیں رہتے تھے اور اپنے مال مویشیوں کو ہانک کر جہاں کوئی چراگاہ یا مرغزار ملتا اور پانی کا ذریعہ مل جاتا وہیں خیمہ زن ہو جایا کرتے تھے. یہ سدابہار کے مسافر کاشتکاری بھی نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ طبع آزاد پر گراں گزرتی تھی. ان کے برعکس حضارہ عرب قبائل ایسے تھے جنہوں نے گاؤں آباد کیئے اور کاشتکاری کو فروغ دیا. یہود کے برعکس وہ لوگ اس وقت تک جدید تمدن سے تقریباً نابلد تھے. یہ اور بات ہے کہ انہیں اپنی بدویانہ روایات پر جو اکثر و بیشتر انہیں زبانی یاد ہوا کرتی تھیں بڑا ناز تھا.

تعلیم کا فقدان تھا اور سیاسی شعور اپنے اپنے قبائل کے رؤساء کی فرماں برداری اور قبائلی روایات سے وابستگی تک محدود تھا. تمام قبیلہ اپنے رئیس کا مطیع ہوتا اور ہر سطح پر اس کا حکم چلتا تھا. وہی قانون سازی کرتا اور وہی منصف ہوتا اور قانون کو نافذ بھی وہی کرواتا. سزا اور جزاء سب اس کے ہاتھ میں ہوا کرتی تھی اور قتل کے معاملات میں وہی دیت یا قصاص کا تعین بھی کرتا تھا. عام طور پر قبیلے کا سربراہ اپنے مزرعے (ڈیرے) یا اطم میں اپنے دیوان خانے (سقیفہ) پر مجلس لگاتا اور اپنے قبیلے کے لوگوں کے معاملات نمٹاتا. سقیفہ کی عمارت عموماً کھلی شیڈ یا پورچ یعنی چھپر کی صورت میں ہوتی جس کی عموماً تین دیواریں ہوتیں اور چوتھی جانب کھلا دروازہ ہوتا. انہیں سقیفوں میں پنچائتیں یا چوپال منعقد ہوا کرتے تھے ایک موقع پر حضرت حسان بن ثابتؓ اپنے حریفوں کی ہجو کے جواب میں اپنی خاندانی برتری کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں:

تم میرے خاندان کی عزت و وقار کی بات کرتے ہو، تمہیں شائد وہ دن یاد نہیں جب میرے آباو اجداد کا سکہ ہر گھر میں چلتا تھا میرے والد 'سمیحہ' کی منڈیر کے قریب (سقیفے میں بیٹھ کر) لوگوں کے مقدمے سنتے اور ان پر اپنا فیصلے صادر کیا کرتے تھے. (سمیحہ ان کے مشہور کنویں اور سقیفہ کا نام تھا)۔(۹۸)

سقیفہ یثربی سماجی زندگی کا طرہ امتیاز تھا. ان میں سے بعض سقیفے دو منزلہ ہوتے اور بعض یک منزلہ. سقیفہ بنی سعدہ کے متعلق روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اکثر وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور ایک مرتبہ آں حضور ﷺ نے اس کی بالائی منزل پر نماز بھی ادا کی تھی.(۹۹). اسلام کی آمد کے بعد سقیفہ کا مقام اور بلند ہو گیا تھا. پہلے تو وہ صرف قبائلی دیوان خانہ ہوا کرتا تھا مگر اب وہ پبلک ہاؤس بن گیا تھا کیونکہ شعوب و قبائل ایک امت واحد میں ضم ہو گئے تھے. اس سلسلے میں سقیفہ بنی ساعدہ کی مثال دی جاتی ہے جسے اسلام کا سب سے پہلا پارلیمنٹ ہاؤس ہونے کا شرف حاصل ہوا کیونکہ بحث و مباحثہ کے بعد انصار و مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو خلیفۃ رسول اللہ چن کر ان کے ہاتھ پر اس سقیفہ میں بیعت کی تھی.

اہل یثرب میں سے بہت کم ایسے تھے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے جس کی وجہ سے یہودی ان کو 'امیین' یعنی ان پڑھ کہہ کر طعنہ زنی کرتے تھے.(۱۰۰) لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ وہ بادیہ نشین اپنی روایات کو زبانی یاد رکھتے تھے. ماضی بعید میں وقوع پذیر جنگ وجدل کے قصہ ہائے پارینہ شاعری کی مختلف صنفوں میں طویل مثنویوں یا قصیدوں میں ڈھال دئے جاتے تھے. اللہ جل شانہ نے ان بادیہ نشینوں کو بلا کا حافظہ دیا تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ شاعری ان کی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی. بنوقینقع کے علاقے میں ایک سالانہ میلہ لگا کرتا تھا جس میں شعری مقابلے ہوا کرتے تھے اور ہر قبیلے کے شعراء اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے جن میں یہود یا عرب کی تفریق نہیں تھی (۱۰۱). زمانہ قدیم سے ہی عربی شاعری کا قصیدہ اور ہجو گوئی میں کوئی ثانی نہیں تھا مگر اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ زبان غزل گوئی میں کسی سے پیچھے تھی. عشقیہ شاعری میں بھی وہ لوگ یکساں ید طولیٰ رکھتے تھے. چونکہ شروع ہی سے عربی شاعری ردیف و کافیہ کی سختی سے پابند تھی اس لیے عربی لغت کے قواعد بہت قدیم تصور کئے جاتے ہیں. یہ عربی شاعری ہی تھی جس نے عربی زبان کو جلا بخشی تھی. زبان دانی، فن تقریر اور شاعری
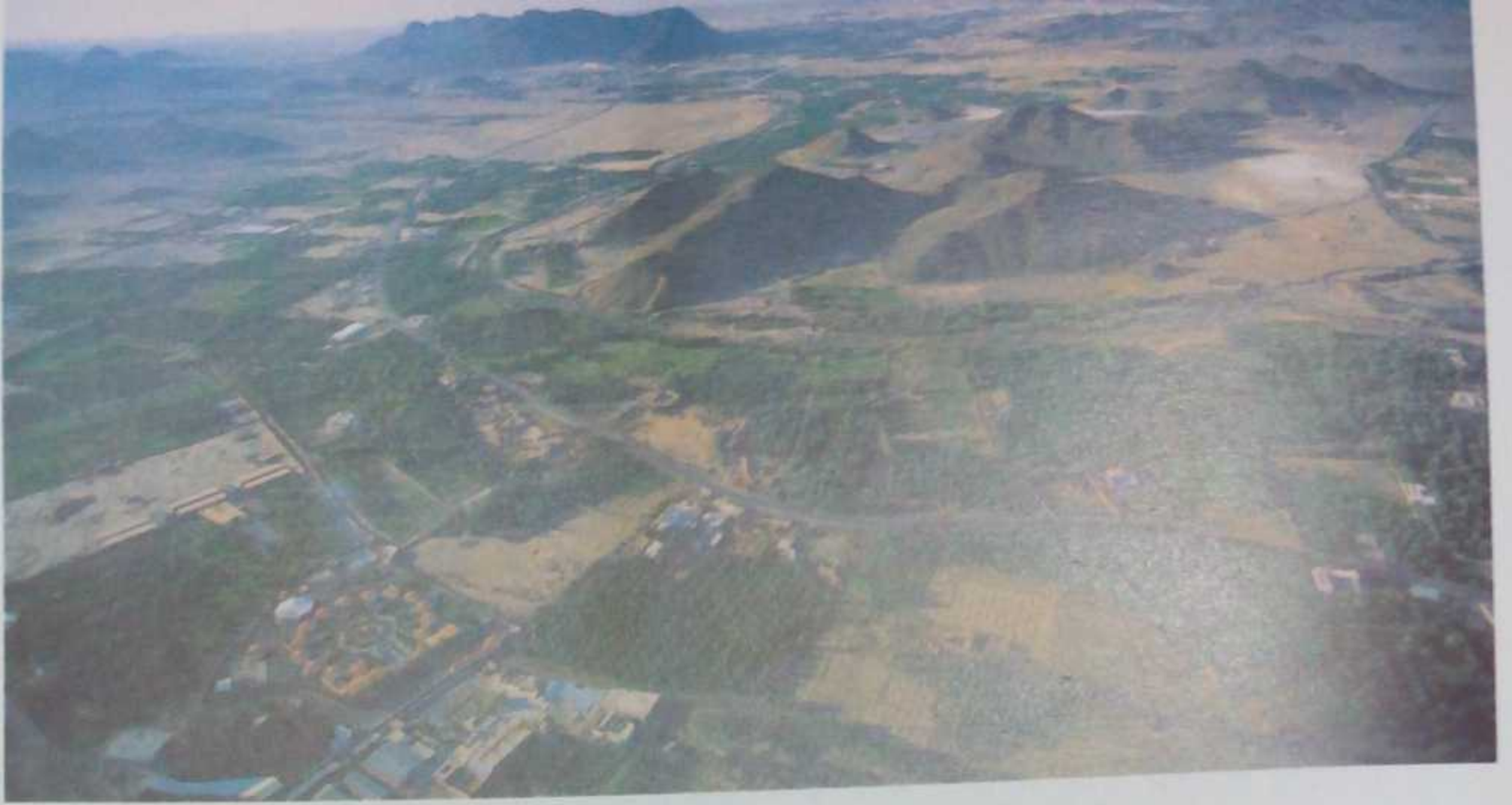
مدینہ منورہ کے مضافات میں پہاڑیاں (۲۰۰۴ء)

قدرت کا وہ انمول عطیہ تھے جس نے یثرب کی سرزمین سے حسانؓ وکعب اور ابن رواحہؓ جیسے نابغہ روزگار شعراء پیدا کئے. حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور باتیں کرنے لگ گیا، جس پر آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا: [فصاحت میں سحر اور جادو ہے جبکہ شاعری میں حکمت.] (۱۰۲)

انصار کے مشہور شعرا میں حضرت حسان ابن ثابتؓ، حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ اور حضرت کعب ابن مالکؓ کا نام آتا ہے جب کہ قبول اسلام کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت کعب ابن زہیرؓ بھی کوئی کم شہرت کے مالک نہیں تھے. ان کے ادبی شہ پارے جن کو ان کے ذہن رسا اپنے قلبی واردات اور صحراء کی پہنائیوں میں روزمرہ کے مشاہدات کو سامنے رکھ کر تخلیق کرتے تھے آج کے دور کی طرح کاغذ وقلم کے محتاج نہیں تھے بلکہ اکثر و بیشتر صرف زبانی روایات کی بدولت ایک سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے رہتے تھے. بہادری کے وہ کارنامے جو ایک نسل سرانجام دیتی تھی جب ان کے قصے شاعری کا روپ دھار لیتے تھے تو کئی نسلوں تک قبیلے کی بچیاں ان کو گا گا کر زندہ جاوید بنا دیتی تھیں. اس لیے یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ گو کہ وہاں کاغذ وقلم کی قلت تھی مگر ادب اور زبان دانی میں یثرب ہرگز تہی دامن نہیں تھا.

مدینہ طیبہ کی تاریخی سجلات کے اوراق سیمیں نے ایسے تمام مکتوبات محفوظ کردئے ہیں جو تاجدار مدینہ سرور قلب وسینہ ﷺ نے اپنے وقت کے شہنشاہان عالم یا چند شہروں کے رؤساء کو ارسال فرمائے تھے. ان مکتوبات مبارکہ کی زبان عربی تھی اور عموماً رسم الخط کوفی تھا، تاہم ان میں سے کچھ اگرچہ عربی زبان میں ہی ہیں مگر ان کا رسم الخط کوئی دوسرا ہے جو اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ اس وقت یثرب میں عربی یا عبرانی کے علاوہ دیگر رسم الخط یا زبانیں بھی رائج تھیں. ایسا ہی ایک مکتوب مبارک اہل یمن کو لکھا گیا تھا جو حمیری زبان میں تحریر کیا گیا تھا. اسی طرح ایک نامہ مبارکہ خیبر اور مقنع کے باشندوں کو امان دینے کے لیے تحریر کیا گیا تھا جو کہ اگرچہ عربی زبان میں تھا مگر اس کا رسم الخط عبرانی تھا. ذیل میں ان دونوں نامہ ہائے مبارکہ کی تصویریں دی جاتی ہیں. ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت اہل یثرب خط وکتابت کے لیے بہت سے دوسرے رسم الخط اور زبانیں بھی استعمال کرتے تھے. اس سلسلہ میں ہمارا ایک دوسرا تاریخی شاہد حضور نبی اکرم ﷺ کی وہ باطل شکن شمشیر ہے جس کا نام 'العضب' ہے اور اس وقت قاہرہ میں الحسین مسجد میں محفوظ ہے. معلوم ہوتا ہے کہ یہ تلوار حضرت سعد ابن عبادہؓ نے حضور سرور دوعالم ﷺ کو ہدیتاً پیش کی تھی جس پر یہ الفاظ لکھے گئے تھے: [بخدمت رسول اللہ ﷺ از سعد بن عبادہ.]

اس شمشیر گوہربار کے دستے پر یہ تحریر نبطی رسم الخط میں کنداں کی گئی ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شمالی حجاز کے دوسرے شہروں کی طرح یثرب میں بھی نبطی رسم الخط استعمال ہوتا تھا کیونکہ اگر وہ رسم الخط اس وقت متروک ہو چکا ہوتا تو حضرت سعد بن عبادہؓ کا اس رسم الخط میں لکھوانا چہ معنی دارد.

چونکہ شرک والحاد کا دور دورہ تھا اس لیے ناچ گانا اور شراب نوشی نے وہاں خوب ڈیرہ جما رکھا تھا. یثرب کے باسیوں کے نیم خانہ بدوشی پس منظر نے انسانی جان و مال کے تقدس کا احساس بھی اجاگر نہیں ہونے دیا تھا. چوری اور راہزنی عام تھی اور کچھ قبائل تو دن دہاڑے ڈاکہ زنی میں بدنام تھے. قافلوں کو لوٹ کر ان کا مال و متاع ایسے استعمال کرتے جیسے شیر مادر ہو. قبول اسلام سے پہلے غفاری قبیلہ قزاقی اور راہزنی میں سب سے پیش پیش تھا. افراتفری، قتل و غارت اور لوٹ مار روزمرہ کا معمول بن چکا تھا. اس طرح خاندانوں اور قبائل میں نفرتوں اور عداوتوں نے اپنی جڑیں اتنی مضبوط کر لی تھیں کہ ایک قتل کا بدلہ لینے کے لیے کئی کئی نسلوں تک معرکے لگے رہتے. بین القبائلی کشمکش میں یہود بے بہبود کی انگشت اندازی نے جلتی پر تیل چھڑک کر حالات کو اور زیادہ کشیدہ کر دیا تھا. اس طرح اوس اور خزرج جو ایک ماں کے بطن سے پیدا ہونے کے سبب بنوقیلہ کہلایا کرتے تھے دو متحارب گروہوں میں بٹ گئے تھے. یہودی چونکہ ساہوکار بھی تھے اور اسلحہ ساز بھی اس لیے جب جی چاہتا جنگ کا الاؤ جلا دیتے اور خود یا تو دور سے تماشہ دیکھتے یا پھر دونوں میں سے ایک گروہ کا ساتھ دیکر قوت کا توازن (Balance of Power) قائم کرنے کا ڈرامہ رچا دیتے. ابن اسحاق کے الفاظ اس سلسلے میں سنہری حروف میں لکھنے کا قابل ہیں. وہ کہتے ہیں: [یثرب میں دو دھڑے قائم ہو چکے تھے. بنوقینقع اور ان کے حاشیہ بردار بنوخزرج کے حلیف بن گئے تھے اور بنی نضیر، بنی قریظہ اور ان کے تمام گماشتے بنواوس کے حلیف بن چکے تھے.] (۱۰۳) اس طرح دونوں قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے تھے اور یہود ان دونوں کو سامان حرب و ضرب اور بوقت ضرورت سود پر سرمایہ فراہم کیا کرتے تھے. جنگ کی ابتدائی چنگاریاں احیحہ بن جلاح الاوسی کے زمانے میں بھڑکیں. یہ وہی احیحہ تھے جن کے عقد میں سلمیٰ نجاریہ تھیں اور مطلقہ ہونے پر انہوں نے ہاشم بن عبد مناف مکی و قریشی سے شادی کر لی تھی اور ان کے بطن سے حضرت عبدالمطلب تولد ہوئے تھے. مورخین کے اندازے کے مطابق اس جنگ کی ابتدا ۴۹۲ء کے لگ بھگ ہوئی تھی. تقریباً ایک صدی سے دونوں قبیلوں میں دائمی سرد جنگ کا سا سماں تھا جو کبھی کبھی گرم جنگ کا روپ بھی دھار لیتی تھی. قبل از اسلام کی ایک صدی میں نہ جانے کتنے خون آشام معرکے جمے اور کتنے اوس و خزرج کے مردان جری ان کی بھینٹ چڑھے اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے. صرف وہ معرکے جو کسی نہ کسی ایک فریق کی ذلت آمیز پسپائی پر ختم ہوتے وہی معرکے زبان زد عام رہتے. عام طور پر ایسے معرکے ان مقامات کے نام پر شہرت پاتے جہاں میدان کارزار جما ہوتا اور پھر کئی نسلوں تک فاتح قبیلے میں ان کا چرچہ رہتا اور بیاہ شادیوں یا دیگر خوشی کے موقعوں پر گویے قصیدے گا کر اپنے ان سپوتوں کو خراج تحسین پیش کرتے جو ان معرکوں میں کام آئے ہوتے. ان میں سے چند ایک معرکے جو تاریخ کے اوراق کی زینت بنے وہ یہ ہیں: یوم سمیر، یوم کعب، یوم الربیعہ، یوم الدیک اور یوم البقیع اور یوم الربیعہ پر اوس نے خزرج کو شکست فاش دی تھی جبکہ یوم
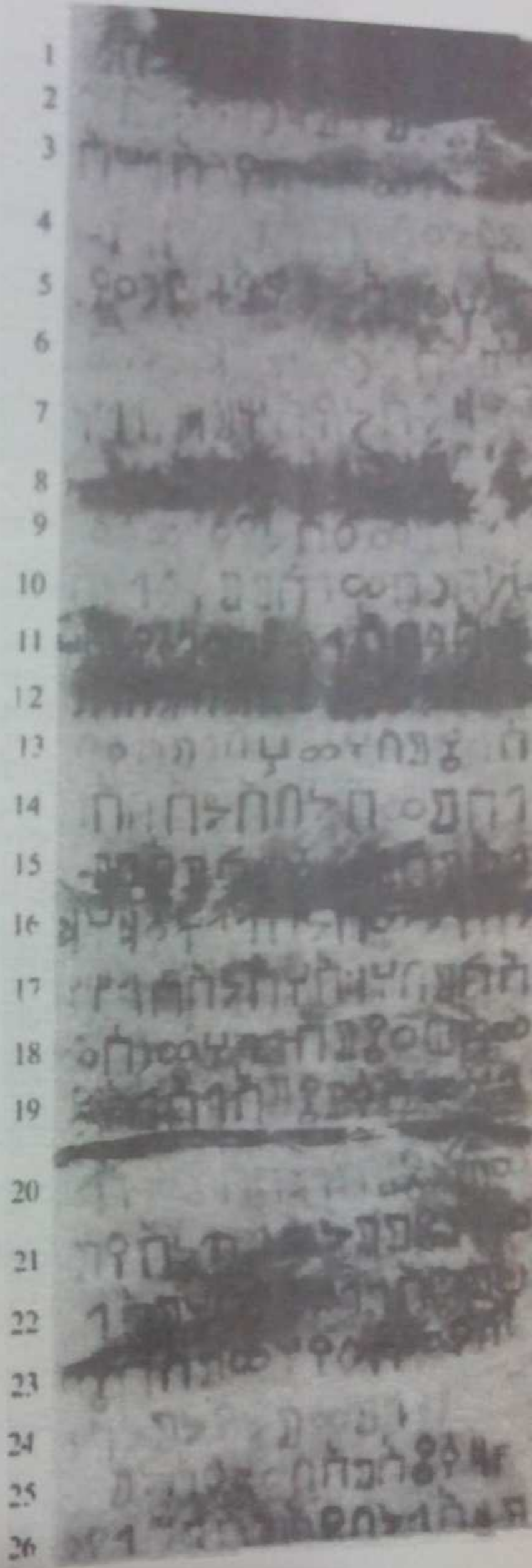
یہ تصویر اس معاہدہ کی ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ نے عبرانی رسم الخط میں خیبر کے یہود کے ساتھ کیا تھا

البقیع کے دن بنو خزرج نے اوس کے دلاوروں کو عبرت ناک شکست دے کر اپنا حساب چکایا تھا اس دن میدان کارزار چونکہ بقیع الغرقد میں بپا تھا اور وہاں بنو اوس کے کشتوں کے پشتے لگ گئے تھے اس لیے وہ معرکہ یوم البقیع کے نام سے جانا جاتا تھا.(۱۰۴)

رسول مقبول ﷺ کے ورود مسعود سے پہلے یثرب ایک ایسی ہی ہولناک جنگ سے گزر چکا تھا جو دونوں قبیلوں میں ایک عرصہ مدید سے چلی آ رہی تھی. اس سیریز کی آخری جنگ ہجرت مبارکہ سے کچھ ہی سال پہلے لڑی گئی تھی جو جنگ بعاث کے نام سے جانی جاتی تھی. اس جنگ کی چنگاری ایک معمولی جھگڑے سے شروع ہوئی جو قبیلہ بنی عامر بن عوف کے ایک فرد حاطب بن قیس اور قبیلہ بنی حارث کے سپوت یزید بن فشہم کے درمیان بعاث کے گاؤں کے قریب ہوا جو وادی مہزور کے کنارے بنو حارث کا گڑھ تھا. تیز و تند الفاظ پہلے تو دھینگا مشتی میں بدلے مگر پھر شمشیر زنی پر منتج ہو گئے. دو آدمیوں کی لڑائی نے جلد ہی دونوں فروعی قبیلوں میں اعلانیہ جنگ کا روپ دھار لیا جو دیکھتے ہی دیکھتے اتنی پھیلی کہ دونوں جدی قبیلے (یعنی اوس اور خزرج) ایک دوسرے کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور اس طرح اس جنگ کی آگ نے پورے یثرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا. چونکہ یہ جنگ بعاث کے گاؤں سے شروع ہوئی تھی اس لیے مجموعی طور پر اس جنگ کے تمام معرکوں کو جنگ بعاث کا نام دیا جاتا ہے. یہودی سازشوں نے معاملات کو اور بھی الجھا دیا اور یہ جنگ پانچ سال سے زیادہ عرصہ پر محیط ہو گئی. بے شمار معرکے ہوئے اور دونوں طرف سے فریقین کا بے حد جانی اور مالی نقصان ہوا. نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طرف کے جنگجو اس حرب لاحاصل سے بیزار ہو گئے. چونکہ دونوں متحارب گروہ مکار یہودی کی چالوں کو سمجھنے لگ گئے تھے اس لیے دونوں ہی باہر سے کسی غیبی مدد کی طرف نگاہیں لگا کر بیٹھ گئے تھے. باہمی افہام و تفہیم سے گو کہ وقتی طور پر جنگ کے شعلے ماند پڑ گئے تھے مگر پھر بھی احتمال تھا کہ کسی وقت بھی غلط فہمی کی کوئی چنگاری اس افہام و تفہیم کو جلا کر خاکستر کر دے گی.(۱۰۵) فریقین میں جنگ بندی تو ہو چکی تھی مگر باہمی اعتماد مفقود تھا. اوس کے لوگ خزرجی علاقوں میں جانے سے کتراتے تھے اور خزرجی ان علاقوں سے نہ گزرتے جہاں اوس کی اکثریت تھی مبادا کہ انتقام کی جبلت فریق ثانی کو شب خون پر نہ اکسا دے.(۱۰۶) یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے قبائلی تعصب اپنی موت آپ مر گیا تھا مگر ایک آدھ بار ایسا بھی ہوا کہ نفرت کے بلبلے جو ماضی کے بحر بے کراں کی تہہ میں چلے گئے تھے دوبارہ صلح و آشتی کی سطح آب پر نمودار ہو گئے تھے. صحیح بخاری میں روایت کی گئی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق ایک مرتبہ اس نفرت و انتقام کی ایک چنگاری نے معاملات کو اس حد تک بگاڑ دیا تھا کہ خود رسول مقبول ﷺ کو بنفس نفیس جا کر اس آگ کو بجھانا پڑا. حضرت سہل بن سعد الساعدی بیان کرتے ہیں: [ایک مرتبہ قباء کے لوگ آپس میں اتنا الجھ پڑے کہ فریقین نے آزادانہ ایک دوسرے پر سنگباری کی. جونہی رسول اللہ ﷺ کے علم میں یہ بات لائی گئی تو آپ نے فرمایا: [چلو ہم فریقین میں صلح کروانے چلتے ہیں.]](۱۰۷)

یہ تصویر حمیری رسم الخط میں اہل یمن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ایک معاہدے کی دستاویز ہے

یثرب کا عمرانی خاکہ

وہ یثرب جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کی قدم بوسی کر کے آپ کو خوش آمدید کہا تھا یقیناً وہ آج کے مدینۃ المنورہ سے کہیں مختلف تھا جو ہمیں تیسرے الفیے کے طلوع کے وقت نظر آتا ہے۔ یثرب میں اس وقت مختلف قبائل آباد تھے جن میں سے ہر ایک قبیلے کا اپنا ایک الگ گاؤں ہوتا تھا اور وہ تمام گاؤں ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع ہوا کرتے تھے۔ عموماً ان گاؤں کے درمیان ڈیڑھ دو فرلانگ کا فاصلہ ہوتا تھا۔ چونکہ یثرب کا علاقہ مختلف مرتفع اور ناہموار اراضی سے بنا تھا لہذا عام طور پر ایسا ہوتا تھا کہ ایک ہی گاؤں ناہموار زمین پر آباد ہوتا۔ اگر قبیلے کے کچھ افراد ٹیلوں پر گھر بنا کر رہتے تو دوسرے ان سے ذرا نیچے جہاں ان کو جگہ ملتی اپنے گھر بنا لیتے مگر سطح زمین کی ناہمواری ان کے قبائلی رشتوں میں حائل نہ ہوتی تھی۔ جغرافیائی اعتبار سے قباء سے احد تک کا علاقہ دو مختلف طبقات پر مشتمل تھا۔ اونچائی والے علاقے العالیہ (High Land Areas) موجودہ العوالی، کہلاتے تھے جب کہ نچلی طرف میں تمام علاقے ڈھلوان والے علاقے (Low Lying Areas) سافلہ کہلاتے تھے جو مسجد نبوی سے ذرا آگے سے شروع ہو کر احد تک جاتے تھے۔ اور تمام اراضی کہیں اونچی اور کہیں نیچی سطوح سے بنی ہوئی تھی یہی حالت ہر گاؤں کی ہوا کرتی تھی جیسے کہ مسجد اجابہ کا علاقہ جو بنی معاویہ قبیلے کا گاؤں تھا اور آج سے تقریباً پچاس ساٹھ سال پہلے تک ایک ٹیلے پر واقع تھا جبکہ مسجد ابوذر غفاری کے ارد گرد کا علاقہ سافلہ (ڈھلوانی) تھا اور وہاں رہنے والے سافلہ کے باسی کہلاتے تھے۔

اس طرح غیر ہموار سطح اراضی پر واقع مختلف گاؤں یثرب کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے جن میں اکثر و بیشتر کے درمیان کوئی نہ کوئی وادی یا ندی نالہ حد فاصل بنا ہوا تھا۔ ہر ایک گاؤں ایک خود کفیل وحدت کے طور پر آباد تھا جس میں بسا اوقات ایک سے زیادہ کنویں ہوتے جو اس قبیلے کی اجتماعی آب رسانی کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ بعض صاحب ثروت لوگ اپنے گھروں میں بھی کنویں کھدوا لیتے تھے گھروں میں کھدنے والے کنویں ذرا تنگ بور کے ہوتے جبکہ مرکزی کنویں بڑے ہوتے تھے۔ بڑے کنوؤں میں کچھ ایسے بھی تھے جن کو اردو میں باولی کہتے ہیں اور ان میں نیچے تک سیڑھیاں اترتی تھیں۔ عام گھر مٹی کے بنے ہوتے تھے جو ایک منزلہ بھی تھے اور بعض دو منزلہ بھی تھے جیسا کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا گھر تھا جو احادیث کے مطابق دو منزلہ تھا مٹی کے گھر زیادہ تھے اور ان کے مالک ان کی مناسب دیکھ بھال کے لیے ان کی وقتاً فوقتاً مٹی سے لپائی کر دیتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت کردہ اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: [رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں ایک ایسے وقت تشریف لائے جب کہ میں اور میری والدہ اپنے گھر کی دیوار کی لپائی کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے استفسار فرمایا: یہ کیا ہو رہا ہے؟ جس پر میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں اس (گھر) کو مرمت کر رہا ہوں تو حضور پرنور ﷺ نے ارشاد فرمایا: [(حیات کا) مسئلہ تو اس سے بھی مستعجل ہے (یعنی اس کچے گھروندے کو تو پھر بھی تھوڑا بہت ثبات ہے مگر انسان کی زندگی کو تو ذرا بھی ثبات نہیں)]۔ (۱۰۸) ہر گاؤں میں کچھ کچے مکانات بھی ہوتے اور کچھ متمول حضرات اپنے اطم (پکی حویلیاں) بنا کر بھی رہتے تھے۔ شام ہوتے ہی گھپ اندھیرا چھا جاتا تھا، مگر چند گھروں میں تیل سے جلنے والے دیوں سے روشنی کا بندوبست ضرور ہوتا تھا ہر گاؤں کا اپنا الگ قبرستان بھی ہوتا جو اسی گاؤں کے قریب ہی ہوا کرتا تھا۔ تاریخ یثرب میں ہمیں ایسے بہت سے قبرستانوں کا ذکر ملتا ہے مثلاً بقیع الغرقد (بنوخزرج اور بنوعبدالاشہل اور بنی خدرہ کا مشترکہ) بقیع الزبیر، بقیع الخیل، بقیع بنی ساعدہ، بقیع بنی سلمہ اور بقیع قباء وغیرہ۔

بہت سارے گاؤں کا تو اب نہ تو وجود ہے اور نہ ہی ان کے نام معلوم ہیں، تاہم تاریخ یثرب میں مختلف واقعات و سوانح کے ضمن میں چند گاؤں کے اسماء ہم تک ضرور پہنچے ہیں جن میں سب سے مشہور یہ ہیں: قباء، یثرب، السنح، اسواف، بعاث، الزوراء، بنی سالم، بنی معاویہ بنی ظفر اور بنی عبدالاشہل کی آبادیاں وغیرہ۔ جبکہ قباء آج بھی پوری آب و تاب سے موجود اور آباد ہے دیگر قدیم بستیوں کے نام و نشاں بھی باقی

نہیں بچے کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ جوں جوں مدینہ طیبہ عمرانی ارتقاء کی منازل طے کرتا رہا اور آبادی میں اضافہ ہوتا رہا ان چھوٹی چھوٹی بستیوں کی جگہ بڑے بڑے گاؤں آباد ہوتے گئے جو آگے چل کر مدینہ عظمیٰ میں ضم ہو گئے. مثلاً العوالی اور جفاف کی جگہ اب 'قربان' نے لے لی ہے. اسی طرح ایک آبادی الزوراء ہوا کرتی تھی جہاں حضرت عثمان ابن عفانؓ نے اپنا محل بھی تعمیر کروایا تھا. وہ جگہ المناخہ اور قبیلہ بنی ساعدہ سے شروع ہو کر مشرق کی طرف جاتی تھی. اسی علاقے میں ابوالنبی سیدنا عبداللہ ابن عبدالمطلب کی قبر بھی تھی اور قریب ہی حضرت مالک ابن سنانؓ کا مشہد و مزار تھا. (۱۰۹) اب یہ تمام علاقہ مسجد نبوی کے توسیعی منصوبے کی نذر ہو گیا ہے. اس دور میں وہاں بنی عدی (الخزرج) کے کچھ گھر آباد ہوا کرتے تھے. اس کے ساتھ ہی قبیلہ بنی ساعدہ کی منازل تھیں جن کے وسط میں سقیفہ بنی ساعدہ تھا جہاں حضرت ابو بکر الصدیقؓ کو خلیفۃ الرسول چنا گیا تھا. اسی طرح مسجد شریف کے مشرقی جانب ذرا فاصلے پر اوس کی مشہور شاخ قبیلہ بنی عبدالاشہل کے مکانات تھے (حضرت سعد ابن معاذؓ اسی قبیلے کے چشم و چراغ تھے). یہ تو صرف چند مثالیں تھیں جبکہ حقیقت میں یثرب میں ایسے گاؤں ہر سمت پھیلے ہوئے تھے. کچھ اوس وخزرج کے اور کچھ یہودیوں کے. قرآن کریم نے ان آبادیوں (Townships) کو 'قریٰ' یعنی قریے اور گاؤں کہہ کر پکارا ہے. سورہ الحشر میں بنی نضیر کے اجلاء کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں اسی قسم کی آبادیوں کو قریٰ کہا گیا ہے. (۱۱۰)

ان مختلف آبادیوں کے درمیان والی جگہیں کچھ زیادہ ہی ناہموار ہوا کرتی تھیں. کبھی کبھار تو وہاں گڑھے ہوتے یا پرانے کھنڈرات یا پھر اونچی نیچی جگہوں پر خودرو جنگلی درخت اور جھاڑیاں ہوا کرتی تھیں. زمین کی یہ ناہمواری آتش فشانی عمل سے معرض وجود میں آئے حرہ کے سنگلاخ علاقوں کی وجہ سے تھی. حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے علاقے تو خاص طور پر اسی قسم کے تھے. جب کبھی بارش ہو جاتی تو پانی کے جوہڑ لگ جاتے جن سے نہ صرف مال مویشی پانی پیا کرتے بلکہ کبھی کبھار ان سے مچھلیاں بھی پکڑی جاتی تھیں جیسا کہ چند احادیث مبارکہ میں ہے کہ حضرت سلمہ ابن الاکوعؓ کئی مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے حرہ غربیہ سے مچھلی شکار کر کے لائے. لوح تخیل پر اگر ہم اس وقت کے یثرب کا ایک قیاسی نقشہ بنائیں تو جو خاکہ ابھرتا ہے وہ کچھ اس حدیث مبارکہ سے مختلف نہیں ہو گا جس میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے قرآن کریم کی آیۃ کریمہ (سورۃ بنی اسرائیل۔۸۵) کی شان نزول بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ایک مرتبہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مدینے کے کھنڈرات سے گزر رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ ایک سوکھی ہوئی کھجور کے ٹوٹے ہوئے تنے سے ٹیک لگا کر رک گئے. اس وقت یہودیوں کا ایک ٹولہ آپ کے پاس سے گزرا اور انہوں نے روح کے متعلق حضور ﷺ سے استفسار کیا کہ روح کیا ہے....الخ (۱۱۱) ایک گاؤں سے دوسرے قبیلے کے گاؤں تک جانے کے لیے جانی پہچانی پگڈنڈیوں کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا خطرے سے خالی نہ تھا خاص طور پر جب اندھیرہ چھایا ہوتا تھا. حضرت ابن ام مکتومؓ نابینا تھے اور انہیں فجر اور عشاء کی نماز کے لیے مسجد نبوی شریف میں آتے وقت خاصی دشواری ہوتی تھی, لہذا ایک دفعہ انہوں نے سرکار دوعالم ﷺ سے عرض کیا: [یا رسول اللہ ﷺ مدینہ میں زہریلے حشرات اور جنگلی جانوروں کی بہتات ہے (اس لیے مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کروں کیونکہ میں نابینا ہوں)....الخ (۱۱۲)

ان قریوں کی گلیاں زیادہ تر ان لوگوں کے نام سے جانی جاتی تھیں جو وہاں آباد ہوتے جیسا کہ حضرت انس ابن مالکؓ کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے: [چشم تخیل سے گویا کہ میں ابھی دیکھ رہا ہوں مجھے 'بنو غنم' کی گلی میں دھول اڑتی ہوئی نظر آ رہی ہے کیونکہ جبریل امین علیہ السلام فرشتوں کی فوج کے ہمراہ وہاں سے گزرے تھے جب حضور نبی اکرم ﷺ غزوہ بنو قریظہ پر روانہ ہو رہے تھے......] (۱۱۳) ایسی اور بہت سی احادیث ہیں جو ہیں تو کسی اور سیاق میں مگر ضمناً یثرب کی عمرانی صورت پر بھی روشنی ڈالتی ہیں.

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے الفاظ میں: [ان قریوں اور گاؤں کے علاوہ جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے یثرب میں بہت سے باغات اور بستان ہوا کرتے تھے جو مختلف قبائل کی آبادیوں میں انہی لوگوں کی ملکیت ہوا کرتے تھے. ایسے بساتین یثرب کے اطراف واکناف میں پھیلے

حضرت انس ابن مالک ؓ کی روایت ہے [ابو طلحہ ؓ انصار میں سب سے زیادہ امیر تھے اور بیر حاء سے، جو ان کی ملکیت تھا، ان کو بے محابا پیار اتھا اور یہ مسجد (نبوی) کے سامنے کی جانب واقع تھا. حضور نبی اکرم ﷺ اس کنویں میں اتر جاتے اور اس کا میٹھا پانی نوش فرماتے.](۱۱۵) اس کنویں کے گرد ایک خوبصورت باغیچہ ہوا کرتا تھا جو مدت مدید تک قائم رہا. یہ تاریخی کنواں اور باغیچہ باب مجیدی کے سامنے رباط بھوپال اور یتیم خانہ کی دائیں جانب واقع تھا اور آج کل باب ملک فہد کی طرف سے مسجد شریف کے اندر شامل ہو چکا ہے۔

جیسا کہ اس باب کے شروع میں بیان کیا گیا ہے دیگر قریوں کی طرح یثرب بھی ایک گاؤں تھا جو جبل احد کے جنوب مغرب کی طرف آباد تھا. مدینہ طیبہ کے قدیم وجدید مورخین (مثلاً ابن نجار، المطری، سمہودی اور الانصاری وغیرہ) کی رائے میں یثرب کا قریہ ایسے مقام پر واقع تھا جس کی شرقی جانب وادی قناۃ تھی اور مغرب میں الجرف تھا اور یہ کہ دیگر علاقوں کی نسبت یہ گاؤں زیادہ سرسبز وشاداب ہوا کرتا تھا اور اس میں کھجوروں کے باغات سب سے زیادہ تھے.(۱۱۶) تاہم زین الدین المراغی جو نویں صدی ہجری کے مشہور مورخ تھے وہ اس بات پر مصر نظر آتے ہیں کہ یثرب کا گاؤں مشہد سیدنا حمزہ ؓ کے پاس تھا جو عین الازرق کی مشرقی جانب ہوا کرتا تھا جسے حجاج عین الشہداء یا سیدنا حمزہ کا چشمہ کہہ کر پکارتے تھے. (۱۱۷) مگر حقیقت یہی ہے کہ یہ گاؤں دامن احد (وادی قناۃ) سے جبل جرف تک کے علاقے میں لمبائی میں پھیلا ہوا تھا مگر بوالعجبی یہ ہے کہ مدینہ منورہ کا ادبی کلب جیسا ادارہ اپنے تیار کردہ خاکوں میں اسے وادی مذینب اور وادی مہزور کے درمیانی علاقے میں دکھاتا ہے جو صریحا غلطی پر مبنی ہے۔

بہر حال یثرب جو صرف ایک گاؤں کا نام تھا جس کو مرکزی حیثیت حاصل تھی رفتہ رفتہ ان تمام قریوں کا نام پڑ گیا جو اس کے اردگرد واقع تھے قرآن کریم نے بھی جب منافقین کے اقوال باطلہ کا ذکر کیا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ یثرب سے تمام مدینہ طیبہ ہی مراد لیا ہے.(۱۱۸) یونانی اور رومی بھی جب یثرب کہتے تو اس سے ان کی مراد پورا شہر ہوتا جو مختلف قریوں کا مجموعہ تھا عربی عام بولی اور کھی جاتی تھی گو کہ یہودی اپنی زبانیں یعنی عبرانی (Hebrew) اور ارامیائی (Aramaic) بھی استعمال کرتے تھے مگر یثرب کے تمام قریوں کے باسیوں کی مشترکہ زبان (Lingua Franca) عربی تھی اور یہودی بھی نہ صرف اس کو بولتے تھے بلکہ اسی میں شاعری بھی کرتے تھے اور بہت سے محققین کی رائے میں قدیم عربی شاعری کا معتد بہ حصہ یہودی شعراء سے بھی منسوب ہے. یہودیوں میں سب سے مشہور شاعر کعب بن الاشرف تھا جو ہجو یہ اشعار لکھتا تھا (۱۱۹) اور چونکہ اسے اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے خدا واسطے کا بیر تھا وہ بد بخت پرلے درجے کا گستاخ رسول تھا. چونکہ عربی شاعری کی دو اصناف (قصیدہ اور ہجاء) بہت مقبول تھیں یہودی شعراء اور شاعرات اپنی شعری مہارت کو اسلام کے خلاف اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتے تھے. اگر چہ وہ میثاق مدینہ کی شرائط کے تحت اس بات کے پابند تھے کہ وہ ریاست مدینہ کے وفادار بن کر رہیں، مگر وہ بد بخت اسلام دشمنی میں اتنا آگے بڑھ گئے تھے کہ اپنی شاعری میں کھلم کھلا اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرنے سے باز نہ آتے تھے. کفار کے کچھ شعراء بھی اس سلسلے میں ان کے ساتھ تھے مثلاً عبداللہ بن الزبائری اور سفیان بن الحارث وغیرہ. چونکہ منع کرنے کے باوجود کعب بن الاشرف حضور نبی اکرم ﷺ کی کردار کشی سے باز نہ آیا تو نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا.(۱۲۰) اسی طرح یہودی شاعرہ (سارہ قرضیہ) بھی اپنے ہی قبیلے کے ایک فرد کے ہاتھوں جہنم رسید ہوئی. ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ عربی ایسی زبان تھی جو تمام یثرب میں بولی اور پڑھی جاتی تھی جبکہ عبرانی یہودیوں کی مذہبی تعلیم تک محدود تھی اور صرف ان کے مدراسوں (Midrashes) میں پڑھائی جاتی تھی.

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت ہے: [اہل کتاب اپنی تورات کو عبرانی میں پڑھتے اور پھر عربی میں مسلمانوں کو بیان کرتے تھے. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب پر اتنا زیادہ بھروسہ نہ کرو بلکہ صرف یہ کہہ دیا کرو (ہم تو صرف اللہ پر اور جو ہم پر اور تم پر نازل ہوا ہے اس

پر ایمان لائے ہیں۔)] (۱۲۱) اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی الامی العالی القدر ﷺ نے حضرت زید ابن ثابت ؓ کو عبرانی سیکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی جس پر انہوں نے حضور والاشان ﷺ کی دعاو برکت سے تھوڑے ہی عرصے میں عبور حاصل کرلیا تھا۔(۱۲۲)

اسلام کا آفتاب عالم تاب یثرب کے گھپ اندھیروں کو مدینۃ النبی ﷺ کی صورت میں منور کر دیتا ہے

یثرب کے معانی میں ایک یہ بھی ہے 'ایسی جگہ جو انسانوں کا شکار کرے یا ایسی جگہ جہاں انسان بیماریوں کا شکار ہو جائے'. جدید لغت میں ایسی جگہ جو آلودگی اور تلوث سے پُر ہو وہ یثرب ہے جو عربی لفظ ثرب اور تثریب سے مشتق ہے. قرآن کریم نے لفظ 'تثریب' مواخذہ، سرزنش اور مجرم کے محاسبہ' کے لیے استعمال کیا ہے (۱۲۳) اور ثرب کا مطلب 'فساد' ہے. نبی اکرم ﷺ کے ورود مسعود سے پہلے یثرب ان تمام قبائح کا مجموعہ تھا. حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسلام سے پہلے کے یثرب کا کیا خوب نقشہ کھینچا ہے: [اے عربو اسلام سے پہلے تم بدترین عقائد اور رسم ورواج کے پیروکار تھے اور تم مکروہ ترین قطعہ ارضی پر بستے تھے تم سنگلاخ دھرتی پر زہریلے سانپوں کے درمیان رہتے تھے اور آلودہ پانی پیا کرتے تھے. کھانے کو تمہیں کچھ نہیں ملتا تھا تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور صلہ رحمی کے تمام تقاضے بھول چکے تھے تمہارے دن رات اصنام پرستی اور شرک میں گزرتے اور گناہوں نے تمہیں نامرد بنا چھوڑا تھا.] (۱۲۴)

ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں: [جب رسول مقبول ﷺ مدینہ تشریف لائے تو کرہ ارض پر اس سے زیادہ بیماریوں سے اٹا ہوا کوئی اور خطہ نہیں تھا جس کی وجہ سے آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی بیمار پڑ گئے تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اس سے محفوظ رکھا.] (۱۲۵) اسی طرح وادی بطحان کے متعلق ان کا ارشاد ہے کہ اس کا پانی بہت زیادہ آلودہ ہوا کرتا تھا. [جب ہم مدینہ پہنچے تو یہ اللہ تعالیٰ کی تمام زمینوں سے زیادہ مضر صحت جگہ تھی اور وادی بطحان میں آلودہ، ناپاک اور رنگ دار پانی بہا کرتا تھا.] (۱۲۶) شائد یہی وجہ تھی کہ وہاں کے قدیم باسی بھی اسے طنزیہ 'یثرب' کہہ کر پکارنا زیادہ مناسب سمجھتے تھے. (۱۲۷) سبحان اللہ کیا مقام تھا ان قدوم میمنت لزوم کا کہ جہاں پڑ گئے اسے جنت نظیر کر دیا. جہاں سراج منیر روشن ہو وہاں اندھیروں کیا کام؟

عالم آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ　　ذرہ خاک کو دیا تو نے طلوع آفتاب

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ اور بدر الدجی ﷺ کے انوار لامتناہیہ یثرب کی تیرہ وتار شب دیجور کو من الظلمت الی النور اس طرح لیکر آئے کہ یثرب کے بچے بچے کی زبان پر تھا:

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع

یعنی ارض مدینہ بدر کامل سے روشن اور منور ہو گئی ہے۔

حضرت انس ابن مالک ؓ کا ارشاد ہے کہ: [جس دن رسول مقبول ﷺ نے قباء میں قدم مبارک رکھا یثرب کے اندھیرے چھٹ گئے.] وہی بطحان جس کا پانی سارے زمانے سے زیادہ آلودہ اور بدبودار تھا جنت کی وادی کہلائی، وہی قصبہ جو بیماریوں اور وباؤں کا گھر تھا اس کی تراب باعث شفاء بن گئی. (۱۲۸) اس کی سنگلاخ دھرتی جس کے سینے پر بقول حضرت علی کرم اللہ وجہہ زہریلے سانپ لوٹا کرتے تھے حرم مدنی بن کر تقدس وتکرم کی سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئی. خود رب ذوالجلال نے اس کا نام بدل کر 'یثرب' سے طابہ کر دیا. (۱۲۹) اس کے اندر اور

باہر کے کھوٹ کو حرم مدنی کی بھٹی نے باہر پھینک کر باقیماندہ کو ایسا کندن بنا دیا جس کی قدر و قیمت انسان کیا سمجھ سکتا ہے۔ ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے: [والمدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون ۔ مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اے کاش کہ وہ یہ جان لیں کہ مدینہ کیا ہے۔] ایک اور ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے: [مجھے ایک ایسے قصبے میں ہجرت کرنے کا حکم ملا ہے جو کہ شہروں پر غالب آ جائے گا۔ وہ اسے یثرب کہتے ہیں مگر اس کا نام مدینہ ہے۔ یہ برے لوگوں کو اپنے سے نکال باہر کرتا ہے جیسے کوٹھالی یا بھٹی فولاد سے زنگ اور کھوٹ کو دور کر دیتی ہے۔] (۱۳۰)

یثرب کی کایا ایسی پلٹی کہ وہ حکم الٰہی سے مدینۃ النبی ہوا، طیبہ (اچھائی اور نفاست) ہوا، طابہ (پاک اور خوشبودار) ہوا، اور پھر مطابہ (لطافت اور مٹھاس) ہوا اور پھر بحکم تاجدار بطحاء و طیبہ ﷺ اس کو یثرب کہنے کی بھی ممانعت کر دی گئی اور جو بھی اس گناہ کا مرتکب ہوتا اسے دس مرتبہ استغفار کرنے کا حکم ہوا ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے کہ: [وہ جو مدینہ کو یثرب کہے گا اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، یہ طابہ ہے طابہ۔] (۱۳۱) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے یثرب مت کہو، بلکہ طیبہ کہو۔ جو بھی اسے یثرب کہے اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ رب العزت سے تین بار استغفار کرے۔ یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے۔] (۱۳۲) حضرت ابو حمیدؓ نے روایت کی ہے کہ: [ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی معیت میں غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے۔ جب آپ کی نگاہ کرم مدینہ پر پڑی تو ارشاد فرمایا: یہ طیبہ ہے اور یہ رہا احد جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں۔] (۱۳۳)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے یہودی صحف سماوی کے ارشاد کے مطابق علاقہ حجاز میں بنو قیدار (قریش) کے آنگن سے طلوع ہونے والے آفتاب عالم تاب کے انوار کے منتظر تھے۔ وہ قریہ قریہ گاؤں گاؤں تلاش کرتے آ کر یثرب میں اس لیے آباد ہوئے تھے کہ گوہر مقصود وہیں سے ہاتھ لگنا تھا۔ وہ خیبر بھی گئے، تیما بھی ہو آئے اور فدک کے نخلستانوں کو بھی آباد کر کے دیکھ چکے مگر کوئی بھی قصبہ ان کے علماء کی بتائی ہوئی نشانیوں پر پورا نہ اترتا تھا، لہٰذا مزید نیچے کی طرف جنوب میں کوچ کر کے کوہ اضم کے دامن میں الغابہ کے جنگلوں کے پار انہوں نے یثرب کی وادیوں کا انتخاب کیا کیونکہ اس کے نخلستان اور اس کے سلسلہ ہائے کوہسار زبان حال سے پکار پکار کر اس بات کی تصدیق کر رہے تھے کہ آنے والا یہیں آئے گا۔ زمانہ طفولیت میں جب حضور پرنور ﷺ اپنی والدہ محترمہ حضرت آمنہ بنت وہبؓ کے ہمراہ یثرب آئے تو یہودی کھوج لگا کر بنو نجار کی شاخ بنو عدی کے دروازے تک آ گئے تھے جہاں آپ ﷺ اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ مقیم تھے اور آپ ﷺ کو دیکھتے ہی وہ یہ پکار اٹھے تھے کہ یہی گوہر مقصود ہیں جن کا ان کو صدیوں سے انتظار تھا۔ جب کبھی وہ عرب مقیمین سے نبرد آزما ہوتے تو ان کے ربی اور علماء علی الاعلان اوس و خزرج کو چیلنج کرتے: ذرا ٹھہرو نبی آخر الزمان کو آنے دو پھر ہم تمہیں نکال باہر کریں گے۔ (۱۳۴) اور اس سے صدیوں پہلے یمن کا ایک حمیری تبع اپنا خط اپنے علماء میں سے ایک کے ہاتھ میں دیکر اس کو یثرب میں بسا گیا تھا کہ جب بھی وہ نبی منتظر تشریف لائیں تو اس کا وہ خط آپ تک پہنچا دیا جائے۔ کئی صدیوں کی مسافت طے کر کے ایک نسل سے دوسری نسل منتقل ہوتا ہوا وہ خط حضرت ابو ایوب انصاریؓ تک پہنچا اور انہیں یہ سعادت نصیب ہوئی کہ تبع کا مکتوب آپ کی خدمت میں پیش کریں۔ (۱۳۵) عیسائیوں کا ایک راہب (بحیرہ) آمد نبی ﷺ کے انتظار میں دمشق سے یثرب آنے والے طریق پر سر راہ ڈیرہ جما کے بیٹھ گیا تھا اور حضور سرکار دو عالم ﷺ کے عالم طفولیت میں ہی چہرہ انور کو دیکھ کر پکار اٹھا تھا: اے ابی طالب اس بچے کی جتنی بھی ہو سکے حفاظت کرنا اس کی قوم اسے اپنے مولد سے نکال دے گی اور یوں ابی طالب آپ حضور ﷺ کو مکہ واپس لے آئے تھے۔ (۱۳۶) ہزاروں میل دور سے سفر کرتے ہوئے سلمان فارسیؓ نور الہدیٰ اور شمس الضحیٰ ﷺ کی تلاش میں زندگی کی ہر آسائش کو تیاگ کر مختلف ہاتھوں میں بکتے بکاتے بنی قریضہ کے یہود کی غلامی اختیار کر کے صرف اس لیے یثرب میں آباد ہو گئے تھے کہ حضور نبی آخر الزماں سید الانس والجاں ﷺ کا ظہور یہیں پر ہونا تھا۔ وہ پیدائشی زرتشت تھے، تلاش حق میں پہلے نصرانی ہوئے اور پھر انہوں نے یہودیت اختیار کر لی تھی اس طرح مختلف ادیان کی روایات سے وہ یہ جان چکے تھے کہ:

سعودی دور میں مسجد نبوی شریف کے اردگرد آبادی کی ایک جھلک

وہ دین ابراہیمی لیکر آئیں گے اور عرب میں پیدا ہوں گے مگر اپنے مولد سے ہجرت کرکے ایک ایسے شہر میں آ بسیں گے جو دو حرّوں کے درمیان واقع ہوگا وہ ایک ایسا قصبہ ہوگا جہاں کھجوروں کی بہتات ہوگی ان کی نشانیاں یہ ہوں گی: آپ تحفے میں دی گئی چیز قبول کرکے کھا لیں گے مگر صدقہ کی چیز قبول نہیں کریں گے اور آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔

اس نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو یثرب کی ایک نہایت ہی منفرد حیثیت تھی جو محض اس لیے نہیں تھی کہ وہاں کی زمین زرخیز تھی اور وہاں خوبصورت اور سرسبز نخلستان تھے بلکہ اس لیے کہ وہ نبی آخر الزماں ﷺ کی جائے ہجرت اور مقام ظہور تھا۔ شمالی حجاز میں کون سا قصبہ ایسا تھا جہاں سامان زیست وافر و بکثرت مہیا نہیں تھا۔ خیبر و فدک، تیما و دومۃ الجندل سب کے سب سرسبز تھے مگر یہ فخر تو روز ازل سے ہی یثرب کے حصے میں لکھا جا چکا تھا کہ اسی کی سرزمین سید الاولین والآخرین ﷺ کا ابد تک مسکن بنے گی۔ اور پھر متواتر پیش گوئیوں کے سبب یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی بھی نہیں تھی۔ یہود و نصاریٰ، زرتشتی و حمیری، عرب و عجم، آقا و عبید، سب کی نگاہیں اس خطہ ارض پر لگی ہوئی تھیں جو آیہ کائنات کے معنی دیریاب کا منصہ شہود بننے والی تھی۔

ہر ایک فرد منتظر تھا آمد رسول مقبول ﷺ کا ہر ایک قوم چشم براہ تھی اپنے نجات دہندہ کی۔ یثرب کے سنگلاخوں پر نہ جانے کن کن انبیاء نے قدم رنجہ فرمایا ہوگا۔ وہاں حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام بھی آئے اور چلے گئے لیکن یثرب کی تقدیر نہ بدل سکی مگر اب کی بار اس کے کاخ و کو، اس کے فلک بوس پہاڑ، اس کی بل کھاتی وادیاں اس کی سرزمین کا ایک ایک ذرہ اس ہستی عظیم کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیے ہوئے تھا

جس کے لیے وہ تو کیا ساری کائنات معرض وجود میں آئی تھی اور جس کی بدولت یثرب اکالۃ القریٰ اور رئیس البلدان بننے والا تھا.

ہم اس باب کے اختتام سے پہلے قارئین کی توجہ ایک اور بہت باریک اور دلچسپ نقطے کی طرف مبذول کرانا چاہیں گے. یثرب کے دور میں یا اس سے بھی بہت پہلے شمالی حجاز کے دیگر قصبے اور شہر تہذیب وتمدن کے گہوارے تھے اور اس لحاظ سے یثرب سے کہیں آگے تھے. دومۃ الجندل (الجوف کے نواح میں آج بھی اس کے کھنڈرات موجود ہیں) تو غسانی سلطنت کا پایہ تخت تھا. مدائن صالح اور تیماء پر عاد و ثمود کی وہ قومیں راج کرتی تھیں جو مٹی سے بنائے گھروں میں رہنا پسند نہیں کرتی تھیں اور اس کی بجائے پہاڑوں کو کھود کر اپنے مسکن و مسرح اور مدفن بنایا کرتی تھیں تاکہ ان کے عروج پر زوال نہ آنے پائے. خیبر کا قلعہ 'مرحب' آج بھی دیکھنے والے کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتا ہے اور اپنی سطوت رفتہ پر نوحہ گر ہے. تہذیب وتمدن کے یہ گہوارے آج کھنڈرات کی شکل میں دیدہ عبرت نگاہ کو اپنی کم مائیگی اور بے ثباتی پر خون کے آنسو بہانے کی التجائیں کرتے ہیں. اگر کسی میں الو بولتے ہیں تو دوسرے میں شپرو چمگادڑ درختوں کی ڈالیوں پر الٹے لٹک کر آنکھیں موند لیتے ہیں مبادا کہ کوئی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان سے یہ سوال نہ کر بیٹھے کہ تمہارے ان آثار قدیمہ کے محلات کی عظمت رفتہ کہاں گئی. اس کے برعکس یثرب نسبت رسول مقبول ﷺ کا جامہ زیب تن کر کے ببانگ دہل اعلان کرتا ہے:

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

ایک حدیث مبارکہ میں ارشاد نبوی ہے: [آخری قریہ جو قیامت برپا ہونے سے ذرا پہلے صفحہ ہستی سے مٹایا جائے گا وہ مدینہ طیبہ ہوگا.] (۱۳۷) اور ایک دوسری حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے کہ یوم نشور کو صور اسرافیل پھونکے جانے پر پوری کائنات میں سب سے پہلے اپنی قبر سے اٹھنے والی ذات مبارکہ خود نبی اکرم ﷺ ہوں گے اور پھر اس کے بعد شیخین کریم رضوان اللہ علیہما اور پھر بقیع الغرقد سے دیگر لوگ اٹھائے جائیں گے جو کہ اس شہر مقدس کی ابدیت کی دلیل ہے. یثرب اگر یثرب ہی رہتا تو کبھی کا ناپید ہو چکا ہوتا اور دنیا اس کا نام تک بھول چکی ہوتی مگر چونکہ یہ شہر حبیب 'مدینۃ النبی' بن گیا تھا اسے نہ صرف دوام ابدی مل گیا بلکہ سراج منیر ﷺ کے وجود مسعود کے طفیل سے مومنین کے دلوں کو 'مدینہ منورہ' کے نام نامی سے تابہ ابد منور کرتا رہے گا. جو چیز یثرب کو دوام بخش گئی وہ اس کا فخر موجودات اور فخر نوع انسانی ﷺ کا مسکن و مدفن ہو جانا تھا اور اسی نسبت میں اس کی عظمت و سطوت کا راز پنہاں ہے. اس کی معطر ہوائیں اس کی پرنور فضائیں وقت کی جل ترنگ پر ہر دم یہ نغمہ الاپتی ہیں:

مدینہ کعبہ صفت محترم ز عالم شد

ز افتخار قیام تو یا رسول اللہ

حواشی

(۱) القرآن الکریم (الاحزاب:۱۳)

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب الی دیار المحبوب (اردو ترجمہ از حکیم سید عرفان علی ۱۹۳۴) تاج کمپنی، دہلی، طبعہ اولی، ۱۹۸۷، صفحات ۴۹-۵۰۔

(۳) شہاب الدین ابی عبداللہ یاقوت الحموی (ت:۶۲۶ ہجری) معجم البلدان، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت (۱۹۹۷)، ج:۴، ص ۴۹۶۔

(۴) قرآن مجید فرقان حمید کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال سے زیادہ تھی۔ اس لیے حضرت نوح علیہ السلام سے یثرب بن عبیل تک کی آٹھ نسلوں کی عمروں کا دورانیہ آج کل کی آٹھ پیڑھیوں کے برابر نہیں سمجھنا چاہیئے۔

(۵) محمد حسن شراب، المدینۃ النبویہ- فجر الاسلام والعصر الراشدی، دارالقلم، دمشق، طبعہ اولی (۱۹۹۴)، ص:۲۸۔

(۶) محققین کی عام رائے یہ ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد اللہ کے کرم سے زندہ رہ جانے والے افراد میں سے چند العکاس (حضر موت) میں آباد ہو گئے تھے۔ وہ بنوعذ کا قبیلہ تھا جو سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اور پھر انہیں کی اولاد میں سے تمام عرب پیدا ہوئے، اسی لیے تمام عرب اپنے آپ کو سامی النسل کہلاتے ہیں۔

(۷) دکتور یاسین الغضبان، مدینہ یثرب قبل الاسلام، ص ۵۰۔

(۸) انجیل کے عہد نامہ عتیق کے مطابق نبیاط حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ان کے دوسرے بیٹے کا نام کیدار تھا۔ نبیاط کی اولاد پھل پھول کر ان علاقوں پر چھا گئی جن کو آج فلسطین کہا جاتا ہے۔ جس کی سرحدیں اس وقت مدائن اور جزیرہ نمائے عرب کے صحرائے نفود سے ملتی تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نفود کا لفظ بذات خود نبیاط کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ پیٹرا ان کی حکومت کا پایہ تخت تھا۔ یہ نسل بنوعمالقہ کی طرح معدوم نہیں ہوئی بلکہ ان میں سے کچھ حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارک تک زندہ تھے جیسا کہ حضرت عروہ بن زبیرؓ روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن حکیم کو پتہ چلا کہ حمص کے حاکم نے کچھ نبطیوں کو جزیہ نہ ادا کرنے کی پاداش میں قید کیا ہوا تھا تو اسے منع کیا۔ (صحیح بخاری، ج:۴، نمبر ۶۳۳۰)۔ اس کے علاوہ چند دیگر احادیث میں بھی نبطیوں کا ذکر ملتا ہے جو یثرب میں سوق بنوقینقع میں کاروبار کیا کرتے تھے۔ ابن سعدؒ نے تو یثرب میں ایک بازار کا بھی ذکر کیا ہے جو بنی عامر کے علاقے میں سوق النباط کے نام سے جانا جاتا تھا۔ (ابن سعد، طبقات الکبریٰ دار صادر- بیروت، ج:۱، ص ۴۹۵) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں چالیس قبطی معمار جو نباط میں سے تھے روم سے مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے لیے مدینہ طیبہ لائے گئے تھے۔ بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ چونکہ بہت سارے نبطی دائرہ اسلام میں آ گئے تھے وہ باقی عربوں کی طرح معرب ہو گئے اور انہوں نے بلاد الشام میں اسلامی افواج میں شامل ہو کر جہاد اور فتوحات میں بہت کردار ادا کیا تھا۔ اردن، شام اور لبنان کے بہت سے عرب انہیں نبطیوں کی اولاد میں سے ہیں۔ بنوامیہ اور بنوعباس کی خلافت کے ادوار میں ان میں سے زیادہ تر کاشتکاری کرنے لگ گئے تھے اور یوں آہستہ آہستہ وہ لوگ عربی دھارے میں شامل ہو گئے تھے۔

جہاں تک حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹے 'کیدار' (عربی ان کو قیدار لکھتے ہیں) کا تعلق ہے ان کی اولاد ان علاقوں میں پھلی پھولی جن کو آج ہم ارض حجاز کہتے ہیں اور ان سے بہت سارے قبیلوں نے جنم لیا جن میں سے ایک قبیلہ 'قریش' بھی تھا۔ پلینوس (Pliny) جو قدیم یونان کے مشاہیر مورخین میں سے ایک ہے ان انجیلی کیداریوں کو کیدری (Cedrei)، کیدرینی (Cedareni) اور گیدرانائٹے (Gedranitae) کا نام دیتا ہے۔ پادری (Reverend) چارلس فورسٹر اپنی کتاب 'جیوگرافی آف عریبیہ' (Geography of Arabia) کی ج:۱، صفحات ۲۴۲-۲۴۳ میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ کیداری جن کا ذکر انجیل میں آیا ہے وہ ان علاقوں میں بس گئے تھے جن کو آج کل ہم حجاز کہتے ہیں۔ وہ عہد نامہ عتیق کی مندرجہ ذیل آیت سے استنباط کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: [ویرانوں اور آبادیوں کو بلند آواز میں ان گاؤں اور قریوں کے متعلق گانا چاہیے۔ سلع (چٹان) کے باشندوں کو حمد گانا چاہیئے۔ انہیں چاہیئے کہ وہ چٹانوں کی چوٹیوں پر سے حمد گائیں اور اپنے رب کی پاکی بیان کریں اور اس کی حمد ہر جگہ پہنچائیں۔] (Isaiah,xlii,11and12)۔ وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ انجیل میں دی گئی تفاصیل ارض حجاز میں واقع آبادیوں سے ہی ملتی ہے (ایضاً- ص ۲۴۳)۔

یہ کتاب پہلے ۱۸۴۴ء میں آرک بشپ آف کینٹر بری کے لیے چھپی تھی اور پھر ۱۹۸۴ء میں دوبارہ طبع کی گئی ہے۔ (یاد رہے کہ عبرانی زبان میں 'سلع' کا ترجمہ 'چٹان' ہے۔ اس سے مراد جبل سلع ہے۔ جس کے ایک درے میں ثنیات الوداع واقع ہوا کرتی تھے جہاں یثرب کے باشندوں نے دف بجا کر 'طلع البدر علینا' کا خوش آمدیدی نغمہ گایا تھا۔ انجیل کے مترجموں نے اس پیش گوئی کو گڈمڈ کرنے کے لیے 'سلع' کی جگہ عام چٹان کا لفظ لکھا ہوا ہے تا کہ انجیل پڑھنے والے اس

پیش گوئی کا اطلاق حضور نبی اکرم ﷺ پر نہ کر سکیں.

(۹) بطلیموس جو سکندر کا معتمد جرنیل ہونے اور سکندریہ کے یونانی امیر اور ملکہ کلیوپیٹرا کا خاوند ہونے کے علاوہ اعلیٰ پائے کا یونانی مورخ بھی ہے جس نے تاریخ کیتابنی (Ketabeni) نسل سب سے پہلے حضرموت کے علاقے میں آباد ہوئی. ان یونانی مورخین کے کیتابنی یا کیتان بنی قحطان (قحطانی) کے علاوہ کوئی اور نہیں تھے. بطلیموس کے مطابق وہ لوگ خوشحال عربستان (Arabia Felix) میں آباد تھے جو انجیل کے مطابق کوش کی شہنشاہیت میں واقع تھے قدیم مسلم مورخین مثلاً ابوالفدا نے بھی یہی لکھا ہے کہ سد مآرب کا علاقہ بنی قحطان سے آباد تھا اور وہیں سے ہی ملکہ سبا اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں یروشلم حاضر ہوئی تھی. پادری فورسٹر کے قول کے مطابق ملکہ سبا، بہت مال و دولت (سیم و زر)، گرم مسالے اور قیمتی پتھر لیکر یروشلم گئی تھی. (دیکھیے مصدر مذکور، ص ۱۶۲).

(۱۰) ابی الفوز محمد امین البغدادی، سبائک الذہب فی معرفۃ قبائل العرب، دار احیاء العلوم، بیروت، ص ۱۲۰.

(۱۱) آرٹیکل (Yathrib and Muaini) از ویب سائٹ www.al-madinah.org/engl/h21.htm(Accessed on 25 June,2000)

(۱۲) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ ﷺ (The Life of Muhammad) اکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، طبع خامسہ، ۱۹۷۸ء، ص ۴۷۶.

(۱۳) فجر الاسلام میں ہم اکثر دومۃ الجندل کا ذکر سنتے ہیں جو کہ انجیل کا ڈومہ (Duma) اور یونانیوں کا اڈوماٹو (Adumatu) تھا اور عربوں کا الدومۃ الجندل ہے. یہ شہر موجودہ سعودی شہر الجوف کے پاس ہی کھنڈرات کی صورت میں آج بھی سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہے. یہیں پر حضرت عمر فاروقؓ کی تاریخی مسجد بھی ہے جس کا مینارہ آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ اس دور کے فن تعمیر کی عظمت بیان کرتا ہے.

(۱۴) سعودی عرب اور دنیا میں اس کا مقام (Saudi Arabia and Its Place in the Wold)، وزارت اطلاعات، ریاض، ناشر دار الشروق جدہ (۱۹۷۸ء)، باب (The Ancient and Historic Legacies of Saudi Arabia)، مرتبہ دکتور حسن المصری، ص ۶۷.

(۱۵) An Introduction to Saudi Arabian Antiquities یکے از مطبوعات Departtof Antiquities & Museums وزارۃ تعلیم، مملکۃ العربیہ السعودیہ (۱۳۹۵ ہجری بمطابق ۱۹۷۵ء)، صفحات: ۹۶-۹۷.

(۱۶) دکتور محمد امان، الکتب الاسلامیہ، کنگ فہد نیشنل لائبریری، ریاض، ۱۹۹۰ء، صفحات: ۳-۴.

(۱۷) دکتور حسن الباشا، دراسات فی الحضارۃ الاسلامیہ، قاہرہ، ۱۹۷۵ء، ص ۱۶۱.

(۱۸) دکتور حسن المصری، مصدر مذکور، ص ۷۱.

(۱۹) پادری چارلس فورسٹر 'جیوگرافی آف عریبیہ' (Geography of Arabia) ج: ۱، ص ۲۶۱.

(۲۰) ڈی جی ہوگارتھ -(D.G. Hogarth - The Penetration Of Arabia , Alston Rivers Ltd.) لندن (۱۹۰۵) ص ۱۸۰.

(۲۱) قدیم مورخین نے جزیرہ نمائے عرب کو جغرافیائی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا. پہلا حصہ عربیہ پیٹرا (Arabia Petra) تھا جو بلاد الشام اور موجودہ سعودی عرب کے کچھ شمالی حصوں پر محیط ہوا کرتا تھا جو نبطی تسلط میں تھا اور ان کا پایہ تخت پیٹرا تھا. مدائن صالح تک کے علاقے اس میں شامل تھے دوسرا صحرائی عربستان (Arabia Deserta) تھا جو کہ وسطی عرب تھا جو اکثر و بیشتر صحرا ہوا کرتا تھا اور مدینہ طیبہ کے شمال سے شروع ہو کر جنوب میں نجد سے ہوتے ہوئے ربع الخالی تک پھیلا ہوا تھا. اور تیسرے حصے کو وہ خوشحال عربستان (Arabia Felix i.e. Happy Arabia) کا نام دیتے تھے جو یمن اور حضرموت کے علاقوں پر مشتمل تھا جو بحیرہ عرب کے سواحل پر آباد تھے.

(۲۲) فلپ کے حتی، تاریخ عرب (Philip K. Hitti, History of the Arabs)، دسواں ایڈیشن، سینٹ مارٹنز، ص ۱۰۴.

(۲۳) Saudi Arabia and Its Place in the Wold، مصدر مذکور، ص ۷۱.

(۲۴) آرٹیکل (Excavations in Harran's Great Mosque) از D. S. Rice جریدہ Illustrated London News کا شمارہ ستمبر ۱۹۵۷ء، ص ۴۶۶-۴۶۹. نیز دیکھیے رپورٹ International Congress of Orientalistsn, Munchen, p. 132 et seq.

(۲۵) القرآن الکریم (الاحزاب: ۱۳).

(۲۶) امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (متوفی: ۹۴۲ ہجری)، فضائل المدینۃ المنورہ، دار ابن کثیر، دمشق اور بیروت، ۱۹۹۶ء، ص: ۳۲.

(۲۷) امام ابی الحسن البلاذری، فتوح البلدان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء، ص ۲۹.

(۲۸) Numb xiii, 29; Exod. xvli, 1, 8; Numb xiv, 25

(۲۹) Gen. Xxxvi.

(۳۰) البغدادی، سبائک الذہب، مصدر مذکور، صفحات: ۱۴-۱۵ نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور، ص ۵۰.

(۳۱) ایوب صابری پاشا، مرآۃ الجزیرۃ العرب، دار الریاض للنشر والتوزیع، ریاض، ۱۹۸۳ء، ج: ۱، ص: ۳۶.

الکریم: العنکبوت ۱۵) کے پیش نظر اس بات کو کوئی دیو مالائی قصہ نہ سمجھنا چاہیے۔ انجیل میں ان کی متعلق کہا گیا ہے: [وہاں ہم نے دیو قامت مخلوق کو دیکھا جو اناک کی اولاد سے ہیں جن کے قد و قامت دیوں جیسے ہیں جن کے مقابلے میں ہم گھاس پر پھدکنے والی ٹدیاں لگتے تھے۔ (Numb: 13:32-33).

(۳۳) ابن ضیاء المکی (ت: ۸۸۵ ہجری) تاریخ مکۃ المشرفہ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفہ والقبر الشریف، المکتبۃ التجاریہ، مکۃ المکرمہ، ص ۱۲۹۔

(۳۴) سید نور الدین علی بن احمد السمہودیؒ (ت: ۹۱۱ ہجری) وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، دار احیاء التراث العربی، مصر، ۱۹۵۵، جزء ۱، ص ۱۶۲۔

(۳۵) جرجی زیدان، العرب قبل الاسلام، دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، صفحات: ۷۴-۷۸۔

(۳۶) القرآن الکریم (المائدہ: ۲۱-۲۴)۔

(۳۷) رولنسن (Moses, His Life and Times)، ص ۱۷۷۔

(۳۸) عمالقہ کے سلسلے میں انجیل کے حوالہ جات کے لیے دیکھیں: (1 Sam. Chapters xv and xxvii, 8)

(۳۹) (Authorized King James Version, 1 Samuel, Chapter 15 (verses 3-9)

(۴۰) پادری چارلس فورسٹر، مصدر مذکور، ج: ۲، ص: ۳۹۔

(۴۱) ابراہیم بن علی المدنی العیاشی، المدینہ بین الماضی والحاضر، دوسرا ایڈیشن، مکتبہ ثقافیہ، مدینۃ المنورہ، ص: ۱۱۔

(۴۲) ایوب صابری پاشا، مصدر مذکور، ص ۳۶۔

(۴۳) البلاذری، مصدر مذکور، ص ۲۹۔

(۴۴) دکتور یاسین الغضبان، مدینۃ یثرب قبل الاسلام، ص ۷۹۔

(۴۵) محمد حسن شراب، مصدر مذکور، ج: ۱، ص ۸۹۔

(۴۶) ابن شبہ (ابوزید عمر بن شبہ النمیری البصری ۱۷۳-۲۶۲ ہجری) تاریخ المدینہ، ج: ۱، ص ۸۵۔ مدینہ طیبہ کے اکثر مورخین نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ کو بہت تحفظات کے ساتھ بیان کیا ہے کیونکہ یہ 'مرفوع' حدیث ہے۔ جدید مورخین (مثلاً ابراہیم العیاشی) نے تو اسے یکسر بے بنیاد قرار دیا ہے۔

(۴۷) یہ جبل احد کی جنوب مغربی چوٹی پر واقع ہے۔ سعودی حکومت نے حال ہی میں پکی سڑک بنا کر اس قبۃ ہارون تک راستہ بہت آسان کر دیا ہے۔ ان کا ارادہ سیاحت کو فروغ دینے کا ہے۔ مولف ہذا نے اس جگہ کا مشاہدہ جولائی ۲۰۰۰ء میں کیا تھا اور اس وقت گول طرز کی عمارت تعمیر کی جا رہی تھی جو چھوٹے چھوٹے بہت سے کمروں پر مشتمل تھی اور درمیان میں زینہ بنا دیا گیا تھا تاکہ اوپر جا کر گرد و پیش کے حسین مناظر سے لطف اندوز ہوا جا سکے۔ قدیم آثار میں سے وہاں کچھ بھی موجود نہیں تھا۔ نہ اس قبر کا کوئی نشان تھا جس کا ذکر مدینہ طیبہ کے بعض تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ چونکہ یہ عمارت کافی بلندی پر ہے وہاں سے مدینہ طیبہ کا تمام شہر صاف نظر آتا ہے اور اگر مطلع صاف ہو تو العقول سے بھی پرے تک منظر صاف دکھائی دیتا ہے۔

(۴۸) مجد الدین محمد ابن یعقوب فیروز آبادی (۷۲۹-۸۱۷ھ)، المغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد الجاسر، طبعہ اولیٰ (۱۹۶۹) مدینۃ المنورہ۔ یہ کتاب مکتبہ حرم نبوی (مدینہ منورہ) میں ۱۲۵۵۱ کیٹلاگ نمبر مورخہ ۵۱-۷-۱۴۱۵ ہجری پر درج ہے۔

(۴۹) ابو الفدا حافظ ابن الکثیر الدمشقی (ت: ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، مکتبۃ المعارف، بیروت، چوتھا ایڈیشن، ج: ۲، صفحات: ۱۶-۱۷۔ ابن کثیر نے ان حالات پر سیر حاصل بحث بھی کی ہے، جن میں حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہوا تھا۔ ان کا انتقال مقام 'تیہ' پر ہوا تھا۔ نیز دیکھیے: طبری، تاریخ الاسلام، ۱-۲۵۶۔

(۵۰) سنن الترمذی، نمبر ۳۸۹۲ اور مستدرک للحاکم ۱۴-۲۹۔ نیز عبدالرحمٰن بن عمرو بن عبداللہ بن صفوان النصری الملقب بہ 'ابی زرعہ' (ت: ۲۸۱ ہجری) تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی، دار الکتاب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۶، ص: ۲۳۸۔

(۵۱) ابن نجار (ولادت: ۵۷۸ ہجری)، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر (۱۹۹۵)، ص ۳۷۔

(۵۲) دکتور یاسین غضبان، مصدر مذکور، ص ۸۳۔

(۵۳) انجیل میں عہد نامہ عتیق میں دیکھیے: (Jed xlix, 28-33 and Ezek: xxvii,21) ہیبرو بائبل Hebrew Bible نے انہیں قیدار (Qedar) لکھا ہے (Is. 21: 16)۔ اسیریائی Assyrian مورخین انہیں (Kidri) لکھتے تھے (Luckenbill, Vol. ii, 820 and 869) اور پلینوس انہیں "Cederi" لکھتا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تمام بیٹوں کے ناموں کے لیے دیکھیں: (Genesis 25: 12-16).

(۵۴) Isaiah, xvi

(۵۵) Isaiah, 42: 1-13 نے تفصیل سے ان پیشینگوئیوں کا ذکر کیا ہے جن سے یہودی صدیوں سے آخری نبی کے انتظار میں تھے۔ یہ پیشین گوئیاں اتنی واضح ہیں کہ تشریح کی بھی ضرورت نہیں رہتی حتیٰ کہ ہجرت رسول اللہ ﷺ کے متعلق بھی ذکر ہے۔ Isaiah 21: 17-17 کے الفاظ نقل کرنا بے محل نہیں ہوگا۔ (عرب کا بوجھ: اے دیدانیم کے مسافرو تم عرب کے جنگل میں ٹھہرو گے۔ تیماء کے باسی تمہاری پیاس بجھانے کے لیے پانی لائیں گے۔ انہوں نے ان کو

روکنے کی کوشش کی جو ہجرت کرنا چاہتے تھے، کیونکہ وہ سونتی ہوئی تلواروں اور چلہ میں تنے ہوئے تیروں اور اس جنگ کی وجہ سے بھاگے تھے جوان پر تھوپ
دی گئی تھی.) "عرب کا جنگل تو وہی تھا جس کو یونانی lathrippa، رومی Yathribu، یمنی سبائی YTHRB کہتے تھے اور اوس وخزرج کے کہنے کے مطابق
یثرب تھا جس کو یثرب بن عبیل نے آباد کیا تھا.
نغمات داود علیہ السلام (Psalms of David) کے باب نمبر ۲۷ میں ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کی شان مبارکہ میں یہ پیشن گوئی ملتی ہے: ان کا حکم ایک سمندر
سے دوسرے سمندر پار اور ایک دریا سے دنیا کے ہر کونے تک چلے گا. بادیہ نشین ان کی اطاعت کریں گے اور ان کے دشمن ذلیل وخوار ہوں گے. ترشیش
کے حکمران اور دور دراز واقع ملکوں کے شہنشاہ انہیں خراج ادا کریں گے. شیبا اور سبا کے حکمران انہیں تحائف بھیجیں گے. شہنشاہان عالم ان کے سامنے اپنا سر
نیچا کرلیں گے اور تمام قومیں ان کی خدمت کریں گی. کیونکہ وہ حاجتمندوں کی حاجت روائی اور مظلوموں کی دادرسی کریں گے. وہ کمزور اور محتاجوں پر رحم کریں
گے اور مسکینوں کو (افلاس کی وجہ سے) موت سے بچائیں گے. وہ انہیں ظلم وبربریت سے نجات دلائیں گے کیونکہ ان کی نظر میں دکھی انسانیت کے خون کی
بڑی قیمت ہوگی. یہ انہی پیشینگویوں کی حقانیت تھی جن سے حضور نبی اکرم ﷺ کے یثرب پہنچتے ہی حصین ابن شیلوم قبول اسلام کر کے عبداللہ ابن سلام بن
گئے. ایسی پیش گویاں یہود میں اتنی زبان زد عام تھیں کہ ان کا بچہ بچہ آپ کو پہچانتا تھا. بالفاظ قرآن کریم: [وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے آپ کو ایسے
پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو مگر ان میں سے کچھ جان بوجھ کر سچ کو چھپا رہے ہیں.] (القرآن کریم: البقرہ-۱۴۶).

(۵۶) یہود اس نبی موعود کی یثرب آمد پر اس درجہ یقین رکھتے تھے کہ وہ عربوں کو دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ جونہی آپ ﷺ تشریف لے آئے تو وہ عربوں کو وہاں سے
نکال باہر کریں گے. اس قسم کی باتوں نے عربوں کے دل میں بھی یہ بات جاگزیں کردی تھی کہ ایمان لانے میں وہ یہود پر سبقت لے جائیں گے. لہذا یثربی
عربوں کے پہلے گروہ کے افراد جب حضور نبی اکرم ﷺ سے مکہ کی جوار میں ملے اور بیعت عقبہ بجالائے تو وہ ایک دوسرے سے یہ کہتے تھے: [اس میں کوئی
شک نہیں کہ یہی وہ نبی ہیں جن کے نام سے یہود ہمیں دھمکیاں دیتے رہتے ہیں، چلیں ہم ان سے بھی پہل کرتے ہیں اور آپ پر ایمان لے آتے ہیں.]
قرآن الکریم (البقرہ: ۸۹) نے ان کی اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے.

(۵۷) De Lacy O'Leary، مصدر مذکور، صفحات: ۱۷-۱۸.

(۵۸) البلاذری، مصدر مذکور، ص ۲۹.

(۵۹) De Lacy O'Leary، مصدر مذکور، ص ۱۷۳.

(۶۰) ابن نجار، مصدر مذکور، صفحات: ۳۷-۳۸

(۶۱) اوس اور خزرج دو سگے بھائی تھے جو قیلہ کے بطن سے پیدا ہوئے پھر ان دونوں کی اولاد پھل پھول کر دو الگ الگ قبیلوں میں منقسم ہوگئی. ان کے قبیلے میں ماں
کے درجے کا بہت خیال رکھا جاتا تھا اور اسی لیے مجموعی طور جب دونوں کو مخاطب کرنا ہوتا تو انہیں اولاد قیلہ کہا جاتا تھا. الخزرج قبیلہ کی بہت سی شاخیں تھیں:
بنو نجار، بنو حارث، بنو حرام، بنو سلمہ، بنو غفار وغیرہ. اوس ان شاخوں میں بٹ چکا تھا: بنو ظفر، بنو عمرو بن عوف، بنو عبدالاشہل اور بنو حارثہ وغیرہ وغیرہ. اوس و
خزرج کی مختلف شعوب سے چنے گئے بارہ نقباء نے حضور نبی اکرام ﷺ کے ہاتھ پر بیعت عقبہ اول اختیار کی اور بیک زبان ہو کر عہد کیا کہ: ہم اللہ کے
علاوہ کسی کی پرستش نہیں کریں گے، ہم چوری نہیں کریں گے اور نہ ہی زنا کا ارتکاب کریں گے اور نہ اپنے بچوں کو ماریں گے. ہم کسی طور بھی نبی اکرم ﷺ پر
انگلی نہیں اٹھائیں گے اور نہ ہی حق وصداقت میں ان کی حکم عدولی کریں گے. ان بارہ نقباء میں سے نو الخزرج میں سے تھے اور تین اوس سے تھے. (صفی
الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم، دار السلام، ریاض، ۱۹۹۳، ص ۱۵۲).

(۶۲) مشہور صحابی حضرت عبداللہ ابن سلام جو پہلے یہودی عالم تھے یہود کے قبیلہ بنو قینقع سے تعلق رکھتے تھے (صحیح بخاری، فضائل عبداللہ ابن سلام، نمبر ۶۰۶۷).

(۶۳) سنن ابی داود ۳۹-۹-۴۴۷۷.

(۶۴) یہود کے قبائل جنہوں نے میثاق مدینہ پر دستخط کیے ان کے نام نص میثاق میں درج تھے. دیگر یہودی جو اوس اور خزرج سے تبدیل دین کر کے یہودیت میں
داخل ہوئے تھے اور جو میثاق مدینہ میں فریق مانے گئے تھے ان کو بھی یہود کے برابر درجہ دیا گیا تھا.

(۶۵) سنن ابی داود، کتاب الجہاد ۱۴-۶-۲۶۷۶

(۶۶) ڈی ایس مار گولیتھ (Muhammad and the Rise of Islam, London, 1931)

(۶۷) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، ناشر اسعد طرابزونی الحسینی (۱۳۰۵ ہجری) ص ۲۶. جہاں پرانے تمام مورخین نے یہ واقع بیان کیا
ہے وہاں چند جدید ذہن کے عربی مورخین جنہوں نے تاریخ مدینہ پر قلم اٹھایا ہے اس روایت کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں مثلاً: دکتور محمد السید الوکیل، یثرب قبل
الاسلام، دوسرا ایڈیشن (۱۹۸۹) صفحات: ۷۵-۷۹ اور دکتور احمد ابراہیم الشریف، مکۃ والمدینۃ فی الجاہلیہ وعہد الرسول، دار الفکر العربی، قاہرہ، ۲۰۰۰،
صفحات: ۲۷۲-۲۷۴.

(۶۸) القرآن الکریم (آل عمران: ۷۵)

(۶۹) صفی الرحمٰن مبارکپوری، مصدر مذکور، ص ۱۸۰.

(۷۰) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، The Life and Work of the Prophet of Islam، اسلاک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اسلام آباد (۱۹۹۸) جلد: ا، ص ۱۴۲

(۷۱) زین الدین ابی بکر المراغی (ت: ۸۱۶ ہجری) تحقیق النصرہ بتلخیص معالم دار الہجرہ، مکتبۃ العلمیہ مدینۃ المنورہ، ۱۹۸۱، ص ۲۳.

(۷۲) محمد طاہر الکردی، کتاب القویم المکہ و بیت اللہ الکریم، طبعہ اولیٰ (۱۴۱۲ ہجری) صفحات: ۳۹۰-۳۹۱ نیز ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۳۹

(۷۳) مجد الدین محمد ابن یعقوب فیروز آبادی (۷۲۹-۸۱۷ھ)، مصدر مذکور، ص ۲۲۵.

(۷۴) عبد القدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن (۱۹۸۵) ص ۶۹.

(۷۵) الخطر اوی، دکتور محمد العید، شعر الحرب فی الجاہلیہ عند الاوس والخزرج، دار القلم، بیروت، ۱۹۸۰، صفحات: ۵۳-۶۰

(۷۶) ڈاکٹر اسرائیل ولفنسن ابوذویب، تاریخ الیہود فی بلاد العرب، قاہرہ (۱۹۲۷) صفحات: ۱۱۶-۱۱۷. ایسے قلعے یثرب میں یہودی تہذیب میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے. قرآن کریم نے سورۃ الحشر (۵۹: ۱۴) میں انہیں قسم کے قلعوں کا یہ کہہ کر ذکر کیا ہے: یہ لوگ (یہود) سب مل کر بھی تم سے لڑ نہ سکیں گے مگر اپنی بستیوں میں قلعہ نشیں ہو کر یا دیواروں کی آڑ میں چھپ کر.

(۷۷) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مصدر مذکور، ص ۱۴۳.

(۷۸) یہ بات قابل ذکر ہے کہ مدینہ طیبہ کے ایک معاصر اور مدنی مورخ نے کہا ہے کہ یہ قلعہ اس جگہ بنایا گیا ہے جہاں پر کئی ثنیات الوداع واقع تھی جہاں پر حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کیا گیا تھا. اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ قلعہ قدیم اور قبل از اسلام کا نہیں ہوسکتا، تاہم قدیم ہونے کی وجہ سے یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ یہ اسی طرز پر بنایا گیا ہوگا جو کہ باقی قدیم قلعوں کی ہوگی.

(۷۹) سید امیر علی، روح اسلام، The Spirit of Islam، سنگ میل پیپر بیکس، لاہور، پاکستان، ص ۵۳.

(۸۰) القرآن الکریم (النمل: ۴۴)

(۸۱) القرآن الکریم (السباء: ۱۵)

(۸۲) القرآن الکریم (النمل: ۲۴)

(۸۳) القرآن الکریم (السباء: ۱۹)

(۸۴) ایضاً

(۸۵) وہبی الحریری الرفاعی (Asir, Heritage and Civilization) سعودی وزارۃ اطلاعات (۱۹۸۷) صفحات ۱۷-۱۸. [عصر حاضر میں یہ خیال بھی عام ہے کہ جنوب مغربی قبائل نے شمال کی طرف نقل مکانی کی. عسیر اور اردگرد کے علاقوں سے جو آثار قدیمہ دریافت ہوئے ہیں جن مین سبائی اور معینی کتبہ جات بھی شامل ہیں سے اس خیال کو خاصی تقویت ملتی ہے. اس میں کوئی شک نہیں کہ قحط سالی اور شدید موسمی صعوبتوں اور دیگر زبوں حالی نے ان لوگوں کو نقل مکانی پر مجبور کیا ہو... اس بڑے پیمانے پر نقل مکانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ شمال میں ۳۵۰ ق م کے لگ بھگ نبطی مملکت قائم ہوگئی.]

(۸۶) القرآن الکریم (السباء: ۱۶-۱۷)

(۸۷) القرآن الکریم (الحجر: ۷۶) قرآن کریم نے آل ایکہ کا بھی ذکر کیا ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی امت تھے اور ثمود (اہل مدائن) کا بھی جو اس خطے میں آباد تھے اور پتھروں میں کھود کر اپنے گھر بنایا کرتے تھے. مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں ان کے کھنڈرات آج بھی سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہیں.

(۸۸) القرآن الکریم (القریش: ۲).

(۸۹) قرآن کریم نے بھی خاندان تبع کے بادشاہوں کا ذکر کیا ہے (سورہ الدخان: ۳۶ اور سورہ ق: ۱۴) یہ وہ قوم تھی جو اپنے انبیاء کو جھٹلاتی تھی اور اس لیے رب العزت کے غضب اور عتاب وعقاب کا نشانہ بنی. تبع ان بادشاہوں کا سرکاری لقب تھا جو حضرموت اور حمیار کے علاقوں پر حکمران تھے. ابن اسحاق کے مطابق وہ تبع جس نے یثرب پر چڑھائی کی تھی اس کا نام تبیان ''سعد ابو قریب' تھا جو حمیری خاندان (جو قحطانی النسل تھے) کا آخری تاجدار تھا. اس نے کعبۃ ا لمشرفہ پر سب سے پہلی بار غلاف چڑھایا تھا (دکتور علی حسن الخربوتلی تاریخ الکعبہ، دار الجیل، بیروت، ۱۹۷۸، ص ۴۱). یہ وہی تبع تھا جس نے یثرب پر چڑھائی کردی تھی تاکہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجادے کیونکہ وہاں بسنے والے یہودیوں نے اس کے شہزادے کو مار دیا تھا. عملیات حرب کے دوران چند یہودی ربیوں نے اس کو باور کروادیا کہ وہ یثرب کو تباہ کرنے کا خیال دل سے نکال دے کیونکہ یہ وہ جگہ تھی جہاں نبی آخر الزماں ﷺ نے تشریف لانی تھی. اس پر اس نے اپنا ارادہ ترک کردیا. (سیرۃ رسول اللہ - انگریزی ترجمہ الفرڈ گیوم، اکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی (۱۹۷۸) صفحات: ۷-۶). ابن اسحاق نے وہ نعت بھی نقل کی ہے جو تبع سے منسوب ہے. جس میں وہ یہ کہتا ہے:

میں جب یثرب آیا تو میرا سینہ اپنے فرزند کے انتقام کی آگ سے جل رہا تھا اور میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں اس کے ثمر بار اشجار کو تباہ کر کے اس کی

جومکہ سے آئیں گے اس قریشی ہادی برحق کے صدقے مجھے مشورہ دیا کہ اس عالم دانا نے ایک عالم دانا نے مجھے مشورہ دیا کہ اس قریشی ہادی برحق کے صدقے جومکہ سے آئیں گے
اینٹ سے اینٹ نہ بجادوں گا دم نہ لوں گا، مگر قریضہ سے ایک عالم دانا نے مجھے مشورہ دیا کہ اس قریشی ہادی برحق کے صدقے جومکہ سے آئیں گے اس
شہر محفوظ سے دور ہی رہوں تو اچھا ہے، لہذا میں نے ان سب کو معاف کردیا اور ان کا معاملہ روز حشر تک اللہ پر چھوڑ دیا. میں یہاں اپنے چندلوگ اس نبی
موعود کے لیے چھوڑ کر جا رہا ہوں جو خاندانی ہیں اور بہادری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور جو فتح کے حصول تک میدان کارزار میں ڈٹے رہتے ہیں. مجھے امید
ہے کہ رب محمد (ﷺ) مجھے اس کا صلہ دیں گے.
جب یہود نے اسے یہ بتایا کہ وہ بذات خود کئی نسلوں سے اس شہر میں اس لیے مقیم ہیں کہ تورات میں مذکور نبی موعود کا ظہور وہیں سے ہونا ہے تو اس نے اپنے
قحطانیوں میں سے ایک قرابت دار کو ایک خط لکھ کر دیا اور اسے وہاں آباد کردیا. اس خط میں اس نے یہ لکھا تھا:

شہدت علیٰ احمد انہ ‏ رسول من اللہ بای النسم

فلو مد عمری الی عمرہ ‏ لکنت وزیراً لہ وابن عم

میں شہادت دیتا ہوں کہ احمد برحق اور اللہ (جو خالق ارواح ہے) کے رسول ہیں. اگر میں اس دور تک زندہ رہا تو میں ان کا وزیر اور قرابت
دار ہوں گا (یعنی میں ان کو اپنا شہنشاہ بنا کر ان کی ماتحتی میں رہوں گا).
نسل در نسل یہ خط ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ منتقل ہوتا رہا تا آنکہ حضرت ابوایوب الانصاریؓ کے پاس پہنچا اور انہیں وہ خط حضور سرور کائنات ﷺ کی
خدمت اقدس میں پیش کرنے کا فخر حاصل ہوا. (شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور، ناشر نوری کتب خانہ، لاہور، ص ۶۰.

(۹۰) جرجی زیدان، مصدر مذکور، ص ۲۴۳.
(۹۱) صالح لمعی مصطفیٰ (Al-Madina al-Munawwara-Urban Development and Architectural Heritage) بیروت (۱۹۸۱)، ص ۲۴۹.
(۹۲) یہ مقام جنت البقیع کی جنوبی جانب ایک اونچی سطح پر واقع تھا جس طرف شارع علی ابن ابی طالب ہے جو پہلے شارع العوالی کہلاتی تھی.
(۹۳) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۶۷.
(۹۴) قرآن پاک کی بہت سی آیات اور احادیث مبارکہ یہود و کفار میں رائج جادوٹونہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں. خود نبی اکرم ﷺ کو بھی یہود نے اپنے سحر کا ہدف بنانے کی کوشش کی تھی. (صحیح بخاری، ج:۷، نمبر ۶۵۸).
(۹۵) فلپ کے حطی، مصدر مذکور، ص:۹۹. نیز دکتور نبیہ عاقل، تاریخ العرب القدیم والعصر الجاہلی، جامعہ دمشق، ۱۴۰۴، صفحات: ۲۵۷-۲۵۸. نات کا بت ایک بہت بڑے بتکدے میں مشلل (قدید) کے مقام پر تھا. فتح مکہ کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک سریہ روانہ کیا تھا جس نے جا کر اس بتکدے کو مسمار کردیا تھا اور منات کے صنم کو پاش پاش کردیا تھا.
(۹۶) دکتور احمد ابراہیم الشریف، مکہ والمدینہ فی الجاہلیہ واعہد الرسول ﷺ، دارالفکر العربی، قاہرہ، (۲۰۰۰) ص ۱۳۸.
(۹۷) صحیح البخاری، باب الصلاۃ، نمبر ۴۱۰، صحیح مسلم نمبر ۸۱۶ اور ۸۱۷، مسند امام احمد نمبر ۱۸۸۵.
(۹۸) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص:۴۱۶.
(۹۹) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۷۷.
(۱۰۰) القرآن الکریم (آل عمران: ۷۳-۷۵)
(۱۰۱) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج:۱، ص: ۲۸۹.
(۱۰۲) سنن ابوداود، ۴۱-۴۹۹۳.
(۱۰۳) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۲۵۳.
(۱۰۴) ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ھ) الکامل فی التاریخ، دارالکتب العربی، بیروت، ۱۹۹۹، ج:۱، صفحات: ۵۹۶-98.
(۱۰۵) منٹگمری واٹ (Muhammad at Medina) اکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی- اس نے ان حروب قبائلیہ پر بہت سارا مواد اپنے اس کتاب میں مہیا
کیا ہے جو قاری کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں.
(۱۰۶) جب حضور نبی اکرم ﷺ نے ہجرت پر قباء میں نزول فرمایا تو ہر اصحابی آپ کے استقبال کے لیے وہاں موجود تھا. حضور ﷺ نے خاص طور پر حضرت اسعد
ابن زرارہؓ کی کمی محسوس کی جو وہاں موجود نہ تھے. آپ سے عرض کیا گیا کہ وہ اس لیے قباء تشریف نہیں لائے کیونکہ جنگ بعاث کے دوران انہوں نے اوس
کے کسی فرد کو مار دیا تھا اور اب اسی ڈر کی وجہ سے وہ اوسی علاقوں میں نہیں جاتے. نبی اکرم ﷺ نے ان کو بلا بھیجا اور پھر فریقین کی صلح کروادی تھی.
(۱۰۷) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۸۵۸.
(۱۰۸) سنن ابی داود، ۴۱-۱۲۷.

(۱۰۹) احمد یاسین احمد الخیاری، تاریخ معالم المدینہ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳ء، ص ۲۳۷.

(۱۱۰) القرآن الکریم (الحشر: ۷)

(۱۱۱) صحیح بخاری، ج: ۱، نمبر ۱۲۷.

(۱۱۲) سنن ابی داود، ۲-۳۳-۵۳۳.

(۱۱۳) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۴۳.

(۱۱۴) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، (The Battlefields of the Prophet Muhammad)، حذیفہ پبلیکیشنز، کراچی، ص ۲۳.

(۱۱۵) صحیح بخاری، ج: ۳، نمبر ۵۱۱.

(۱۱۶) عبد القدوس الانصاری، مصدر مذکور، صفحات: ۳-۱۷۳-۱۷۴.

(۱۱۷) زین الدین المراغی، مصدر مذکور، ص ۲۲.

(۱۱۸) القرآن الکریم (الاحزاب: ۱۳)

(۱۱۹) ابن سعد، مصدر مذکور، ج: ۲، ص ۳۵۸.

(۱۲۰) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۳۶۹.

(۱۲۱) صحیح بخاری، ج: ۹، نمبر ۴۶۰.

(۱۲۲) سنن ابی داود، ۲۵-۳۶۳۸-۳۶۳۸. حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے: اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں یہود کی لکھائی سیکھوں. آپ نے فرمایا: [رب العزت کی قسم مجھے یہود پر اعتبار نہیں جب وہ مجھے کچھ لکھ کر دیتے ہیں.] لہٰذا میں نے اسے سیکھا اور صرف دو ہفتوں میں ہی میں نے اس میں مہارت حاصل کر لی تھی. جب بھی آں حضرت ﷺ کو یہود کو کچھ لکھنا ہوتا تھا تو میں آپ کے لیے لکھتا تھا اور جب وہ آپ ﷺ کو کچھ لکھتے تو میں آپ کو پڑھ کر سناتا تھا.]

(۱۲۳) القرآن الکریم (یوسف: ۹۲.) بہت سی احادیث کے مطابق انہی معانی میں استعمال ہوا ہے. صحیح بخاری، نمبر ۲۰۸۰ اور ۶۳۳۴، سنن ابی داود، نمبر ۳۸۷۷، اور مسند امام احمد، نمبر ۷۰۸۸.

(۱۲۴) نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۶ سے ایک اقتباس، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۱، ص ۱۸۹.

(۱۲۵) ابن اسحاق، مصدر مذکور، صفحات: ۲۷۹-۲۸۰.

(۱۲۶) صحیح بخاری، ج: ۳، نمبر ۱۱۳. نیز دیکھیے دکتور صالح بن حمید بن سعید الرفاعی، الاحادیث الواردہ فی فضائل المدینہ، ص: ۱۷۵.

(۱۲۷) یہود نے بھی اس کو یثرب کہنا ترک کر دیا تھا. وہ اس کو مدنتا (Medinta) کہنے لگ گئے تھے جو ارامائی زبان میں شہر یا قصبے کے لیے استعمال ہوتا ہے. بعض مستشرقین نے ہرزہ سرائی کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یثرب کو یہود کی موافقت حاصل کرنے کے لیے مدنتا کہنا شروع کیا تھا جو کہ سراسر لغو اور بے سرو پاء بہتان ہے. جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے خود قرآن کریم نے اس بلدۃ طاہرہ کو مدینہ کہہ کر پکارا ہے. اس کے علاوہ کسی بھی اسلامی روایت میں اسے اس نام سے نہیں پکارا گیا.

(۱۲۸) صحیح بخاری، ج: ۳، نمبر ۹۶.

(۱۲۹) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج: ۱، ص: ۱۶۴.

(۱۳۰) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۳۱۹۸

(۱۳۱) القران الکریم (البقرہ: ۸۹)، شان نزول کے لیے دیکھیے: مسند امام احمد، نمبر ۱۷۷۸۸

(۱۳۲) الدر المنثور ۵-۸۸- کنز الاعمال، ۵-۳۵۳ و مجمع الزوائد، ۳-۳۰۰

(۱۳۳) صحیح بخاری، ج: ۳، نمبر ۹۶. و ج: ۲، نمبر ۵۵۹.

(۱۳۴) ایضاً ج: ۵، نمبر ۷۰۶

(۱۳۵) ابن اسحاق، مصدر مذکور، صفحات: ۶-۷

(۱۳۶) ابن حبان کی روایت در سنن ترمذی، نمبر ۳۹۱۹. سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص: ۸۳.

(۱۳۷) سمہودیؒ، ص: ۱۰.

باب ۲

دارالہجرہ

یثرب سے مدینہ طیبہ کا سفر

اور جب فریب کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید کرلیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں.
وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے.
(الانفال : ۳۰) (۱)

ایک صحرائی گاؤں کی بچیاں
کسی کے انتظار میں

عصرِ وزماں کا رخش بے زمام اپنی تمام تر جولانیوں کے ساتھ رواں دواں تھا کہ یکایک تقویم عالم نے خواب غفلت سے بیداری کے لیے انگڑائیاں لینی شروع کر دیں۔ ۲۷ ستمبر ۶۲۲ء (بروز سوموار) کی صبح کے سورج کی سنہری طشتری حجاز کے نیلگوں آسمان پر ابھر کر حسب معمول آہستہ آہستہ نصف النہار کی طرف گامزن ہوئی تو یثرب کے قریے نے گمنامی کے گوشوں سے نکل کر تاریخ عالم کے منصۂ شہود پر نمودار ہونے کے لیے اپنے پر تولنے شروع کر دیے۔ شب تار حیات اپنا بستر لپیٹ رہی تھی تا کہ صبح صادق طلوع ہو جائے۔ جب سے حضور رسالت مآب ﷺ کی مکہ سے روانگی کی خبر پہنچی تھی یثرب کے باسی کاروبار حیات ترک کر کے قباء میں ایک ٹیلے پر جمع ہو کر اس بدر الدجی اور نور الہدیٰ ﷺ کا انتظار کیا کرتے تھے جو کائنات کی شب دیجور کو روز روشن میں بدلنے والا تھا معرکہ وجود کا نقش ناتمام آج اپنی تکمیل کے قریب تر ہو رہا تھا۔ یثرب کی گلی گلی مضطرب اور بے چین نظر آ رہی تھی۔ وہ امانت جسے بلد الامین مکۃ المکرمہ پچھلے ترپن سال سے اپنے دامن قدسیت میں سجائے بیٹھا تھا اور اب بالآخر اس یکتا امانت کو صاحب امانت کے سپرد کر کے سرخرو ہوا چاہتا تھا جس کے بدلے رحمت ایزدی نے اسے ''مخرج صدق'' کے لقب سے نوازا تھا، وہ امانت اب صاحب امانت (مدخل صدق) کے دامن میں کسی وقت بھی ڈلنے والی تھی۔ چنانچہ یثرب کے کوہ و دمن اور کاخ و کو چشم براہ تھے۔ ہر ذی روح رسول محتشم ﷺ کے لیے دیدہ و دل فرش راہ کیے ہوئے تھا۔ سینے میں دھڑکنے والا ہر دل ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

ہر آنکھ قباء کے اس پار افق پر لگی ہوئی تھی جہاں سے اس ماہ تمام نے طلوع ہونا تھا مگر انتظار کے لمحے تھے کہ شب ہجراں کی طرح طویل سے طویل تر ہوتے جا رہے تھے۔ انبوہ جانبازاں اس دن بھی اسی گھاٹی پر کھڑا بے چینی سے حبیب رب ذوالجلال ﷺ کی آمد کا منتظر تھا لحہ بہ لحہ سورج کی تمازت ارض قباء کو گرم سے گرم تر کر رہی تھی اور جب امیدیں ناامیدی میں بدلنے لگیں اور حدت آفتاب ناقابل برداشت ہو گئی تو منتظرین اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے پر مجبور ہو گئے۔ کتنے دن بیت چکے تھے اس انتظار میں! حضرت محمد ابن جعفر ابن زبیرؓ کی روایت ہے:

[جب سے ہم نے یہ خبر سنی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ مکہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو ہم بڑی بے چینی سے آپ کی راہ دیکھا کرتے تھے۔ نماز فجر کے بعد ہم لاوا سے بنی ہوئی اس چوٹی پر چلے جاتے جو ہماری اراضی سے ذرا آگے تھی۔ ہم اس وقت تک انتظار کرتے رہتے جب تک وہاں سایہ رہتا اور پھر گرمی کی وجہ سے واپس اپنے اپنے گھروں کو آ جاتے۔] (۲)

منتظرین میں صرف وہ لوگ (انصار) ہی شامل نہیں تھے جنہوں نے بیعت ہائے عقبہ اول اور دوم میں ہر اچھے برے حالات میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہنے اور ساتھ مرنے کی قسمیں کھائی تھیں بلکہ وہ نو مسلمین بھی تھے جو ان انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تبلیغ کی وجہ سے اسلام لے آئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ مہاجرین بھی تھے جو اپنے آقا و مولا کے اذن کر مفر ماسے آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی یثرب پہنچ چکے تھے۔ ایسے اصحابی رضوان اللہ علیہم اجمعین یا تو قباء میں عارضی خیموں میں یا پھر اپنے اپنے جاننے پہچاننے والوں کے ہاں قیام فرما تھے۔ حضرت براء بن العازبؓ کی روایت کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ سے پہلے جنہوں

مسجد مسبح (یا مسجد ابو عیف) اس چوٹی پر تعمیر کی گئی تھی جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور سرور دو عالم ﷺ کے انتظار میں جمع ہوا کرتے تھے۔

نے مکہ سے ہجرت کی وہ حضرت مصعب ابن عمیرؓ (۳) اور حضرت ابن ام مکتومؓ تھے۔ (۴) اس طرح تقریباً بیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پہلے تشریف لا چکے تھے جن میں سے زیادہ معروف شخصیتیں حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ، حضرت بلال ابن رباحؓ، حضرت عمار ابن یاسرؓ اور سیدنا عمر ابن الخطابؓ کی تھیں۔ (۵) حضرت براء بن العازبؓ مزید فرماتے ہیں: [جو حضرات سب سے پہلے ہمارے پاس مدینہ طیبہ آئے وہ حضرت مصعب ابن عمیرؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ تھے جو لوگوں کو قرآن کریم پڑھایا کرتے تھے۔ پھر حضرت بلالؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عمار ابن یاسرؓ تشریف لے آئے۔ ان کے بعد سیدنا عمر بن الخطابؓ بیس دوسرے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ تشریف لائے اور پھر جناب رسول مقبول ﷺ تشریف لائے اور میں نے مدینے کے لوگوں کو اس دن سے زیادہ خوش و خرم کبھی نہیں دیکھا کیونکہ کنیزیں اور لونڈیاں بھی خوشی سے پھولی نہیں سماتی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ: رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔ (۶) یہ چند نفوس پر مشتمل مہاجرین کی جماعت تھی جو ہراول دستے کے طور پر پہلے یثرب پہنچ چکی تھی۔ اس کے علاوہ اوس و خزرج کے انصار تھے کل تعداد پانچ سو کے لگ بھگ تھی۔

پہلے دنوں کی طرح آج بھی پیر و جواں کی آنکھیں افق کی رفعتوں میں جھانکتے جھانکتے تھک گئی تھیں مگر سب کو اطمینان تھا کہ چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکے ہیں آج نہیں تو کل ضرور آ جائیں گے۔ (۷) یہ تو کڑی دھوپ تھی جو ان کو وہاں سے گھر جانے پر مجبور کر رہی تھی۔ (۸) ان کو اپنے اپنے گھروں میں پہنچے ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی ہوگی کہ انہوں نے ایک یہودی کو باآواز بلند پکارتے سنا جو کسی کام کی غرض سے اپنی حویلی کی چھت پر چڑھا تھا اور اس کی نگاہوں نے دور افق میں گرد اٹھتے دیکھی تھی۔ ذرا غور سے دیکھنے پر اس نے دیکھا کہ دو گھڑ سوار جو سفید کپڑوں میں ملبوس تھے (۹) سراب صحرا سے نکل کر یثرب کی طرف آ رہے تھے۔ (۱۰) دو 'یارِ غار' (۱۱) قصویٰ پر سوار تھے (۱۲) جبکہ ان کے پیچھے دو اور اونٹ آ رہے تھے۔ یہودی چلا چلا کر کہہ رہا تھا: [اے معشر عرب، اے قیلہ کی اولاد (۱۳) لو یہ آ گئے تمہارے جد امجد- وہ جن کا تم کو انتظار تھا۔] (۱۴) پھر کیا تھا جس جس کے کان میں یہ آواز پڑی اپنے محبوب کے استقبال کے لیے دوڑ پڑا۔ ان کی خوشی کی کوئی انتہاء نہیں تھی۔ شتر سوار قریب سے قریب تر آ رہے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے شتربان کو حکم دیا: [ہمیں قباء میں سیدھے بنی عمرو کی طرف لے چلو۔ شہر کی طرف ابھی نہ جانا۔] (۱۵) اس سے عشاق کا شوق دیدار اور تیز ہو گیا تھا۔ ہر آنکھ کا جھروکا ایک ہی طرف کھلا ہوا تھا اور ہر نگاہ اپنے محبوب حبیب رب ذوالجلال علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھی۔ یثرب کی سرزمین نے اتنی بے چینی سے کبھی کسی ذی روح کا انتظار نہیں کیا تھا اور نہ ہی اتنے والہانہ پن سے کبھی کسی اور کا استقبال کیا تھا۔ بنو نجار، بنو غفار، بنو عمرو، بنو اسلم، نو مسلمین اور وہ جو تھوڑے ہی دنوں میں مسلمان ہونے والے تھے، مرد و زن، آقا و

مسجد بنات بنونجار
کی ایک قدیم تصویر

غلام سب کے سب بھاگے آ رہے تھے (۱۶) یہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی۔ کہ پل بھر میں ساری خدائی جگا دی (حالی - تھوڑے سے تصرف کے ساتھ)۔

بخاری شریف کی حدیث کے مطابق: (لوگ اپنے گھروں کو دوڑے تا کہ مکمل طور پر ہتھیار بند ہو کر اللہ کے رسول ﷺ کا استقبال کریں. ننھے ننھے بچے دف ہاتھوں میں لیے اپنے آقا و مولا کی آمد کی خوشی میں معصومانہ اور سریلی آوازوں سے گا رہے تھے. (۱۷)

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وداع کی گھاٹیوں کی اوٹ سے ہم پر بدر کامل طلوع ہوا ہے. (۱۸)

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

اس دعوت الی اللہ پر ہم پر شکر واجب ہو گیا ہے

ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

اے نبی مبعوث آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہو گی

جئت شرفت المدینہ مرحبا یا خیر داع

آپ نے مدینہ کو شرف بخشا۔ ہم آپ کو مرحبا اور خوش آمدید کہتے ہیں

یہ وجد آفرین خوش آمدیدی اور ترحیبی کلمات ہر لحاظ سے عہد آفریں تھے. نہ صرف اس دن عہد جاہلیت رخصت ہو رہا تھا بلکہ رشد ہدایت اور علم و نور کے بدر منیر نے طلوع ہو کر ظلمت و تیرگی کو ثنیات الوداع کی گھاٹیوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ دیا تھا. ان اشعار کے خالق کون سے صحابی تھے یہ تو معلوم نہیں ہو سکا مگر یہ حقیقت ہے کہ ہر دور میں نعتیہ ادب میں ان اشعار کو نہایت ہی بلند مقام حاصل رہا ہے. یہاں ہم قارئین کی توجہ ایک تاریخی ستم ظریفی کی طرف ضرور مبذول کرنا چاہیں گے کہ فجر الاسلام کے بہت سے مورخین نے (جن میں ابن ہشام اور طبری بھی شامل ہیں) اس نعت مبارکہ کا ہجرت کے موقع پر کوئی ذکر نہیں کیا. اغلب امکان یہ ہے کہ یہ نعت حضور نبی اکرم ﷺ کی مدینہ طیبہ ہجرت کے موقع پر نہیں بلکہ اس وقت گائی گئی تھی جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح و کامران لوٹے تھے جب کہ لشکر اسلام مدینہ طیبہ میں شامی ثنیات الوداع، جو کہ اس صدی کے اخیر تک جبل سلع کے دامن میں واقع ہوا کرتی تھی، کے راستے داخل ہوا تھا. درحقیقت مدینہ طیبہ میں از منہ قدیم سے دو مختلف درے یا راستے ہوا کرتے تھے جن سے گزر کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوا جا سکتا تھا. بلاد الشام کی طرف سے آنے والے جبل سلع کے دامن میں واقع شامی ثنیات الوداع کے ذریعے وارد ہوا کرتے تھے جب کہ مکہ مکرمہ سے آنے والے جنوبی ثنیات الوداع والا درہ استعمال کرتے تھے. اس لیے مورخین کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ تاجدار مدینہ سرور قلب و سینہ ﷺ کا ہجرت کے وقت ورود

مسعود مکہ مکرمہ سے آتے ہوئے براستہ قباء ہوا تھا اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ آپ جنوبی ثنیات الوداع کے درے سے تشریف لائے ہوں گے، اسی لیے قباء کو باب المدینہ بھی کہا گیا ہے. اس وقت بنی نجار کی بچیوں نے دف بجا کر جو استقبالیہ نغمات کہے تھے وہ یہ ہیں:

نحن جوار من بنی النجار
وحبذا محمد من جار

(ہم بنی نجار کی بیٹیاں ہیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ کی صورت میں ہمیں کیا ہی اچھے ہمسائے نصیب ہوئے ہیں)

اور اس کے جواب میں حضور والا شان ﷺ یہ فرما رہے تھے: [اللہ گواہ ہے کہ میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں.] (۱۹) لیکن جب آنحضور ﷺ غزوہ تبوک سے لوٹ رہے تھے تو مدینہ طیبہ میں جبل سلع میں واقع ثنیات الوداع کے راستہ سے ورود مسعود فرمایا اور اس وقت طلع البدر علینا والے ترحیبی کلمات گائے گئے تھے. مدینہ طیبہ کے بچے اور وہ لوگ جو غزوہ تبوک میں شرکت سے قاصر رہے تھے سب نے مل کر آپ کا والہانہ استقبال کیا. یہ ثنیات الوداع اس جگہ کے قریب ہوا کرتی تھی جہاں اب نقل جماعی کے بسوں کے اڈے کے قریب شارع ابوبکر الصدیقؓ اور شارع عثمان ابن عفانؓ کا چوک ہے. اس سلسلے میں ہم بخاری شریف کی دو احادیث قارئین کرام کے گوش گزار کرنا چاہیں گے. حضرت سائب ابن یزیدؓ بیان کرتے ہیں: مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اپنے بچپن میں باقی بچوں کے ہمراہ حضور نبی اکرم ﷺ کے استقبال کرنے ثنیات الوداع گیا تھا. (۲۰) دوسرے مقام پر وہ تفصیل سے غزوہ تبوک کا ذکر کرتے ہیں: مجھے یاد ہے کہ میں دیگر بچوں کے ساتھ ثنیات الوداع حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کرنے گیا تھا جب آپ حضور ﷺ غزوہ تبوک سے لوٹ رہے تھے. (۲۱)

اسی طرح ترمذی نے ان کی ایک اور روایت بیان کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: [جب اللہ کے رسول ﷺ ثنیات الوداع پر تشریف لے آئے تو لوگوں کا ایک جم غفیر آپ کے والہانہ استقبال کے لیے ثنیات الوداع پہنچا. ان میں میں بھی شامل تھا. اس وقت میں نے ابھی بلوغت میں قدم رکھنا شروع کیا تھا.] (۲۲)

حقیقت یہ ہے کہ اہل مدینہ طیبہ کو حضور نبی اکرم ﷺ کا دو بار استقبال کرنے کی سعادت نصیب ہوئی: پہلے اس وقت جب آپ حضور ﷺ نے ہجرت کے موقع پر ثنیات الوداع جنوبی کے راستے ارض یثرب پر قدم رنجہ فرمایا اور بنو نجار کی بچیوں نے دف بجا کر آپ کو خوش آمدید کہا اور دوسری بار اس وقت جب کہ آپ حضور ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح و کامران لوٹ رہے تھے. اس وقت آپ کا استقبال ثنیات الوداع الشامی پر ہوا جو جبل سلع کے دامن میں ایک درے پر واقع تھی جس میں اور بچوں کے علاوہ حضرت سائب ابن یزیدؓ نے بھی شرکت کی تھی. اس وقت چونکہ یثرب کا نام متروک ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا بچہ بچہ اس کو مدینۃ النبی کہنے لگ گیا تھا اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نعت میں یثرب کی بجائے یہ الفاظ ملتے ہیں:

جئت شرفت المدینہ
مرحبا یا خیر داع

آقا ﷺ کا قباء سے مدینة المنورة جانے کا راستہ

بخاری شریف اور ترمذی کی روایت کردہ احادیث سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ دوسرا استقبال جبل سلع والی ثنیات الوداع میں ہوا تھا. انجیل میں عہد نامہ عتیق میں ایک پیش گوئی میں بھی سلع والے راستے کا ذکر ہے جہاں بہت پہلے ہی یہ بتا دیا گیا تھا کہ آپ کا استقبال مدح گا کر کیا جائے گا. سیدنا یوشع علیہ
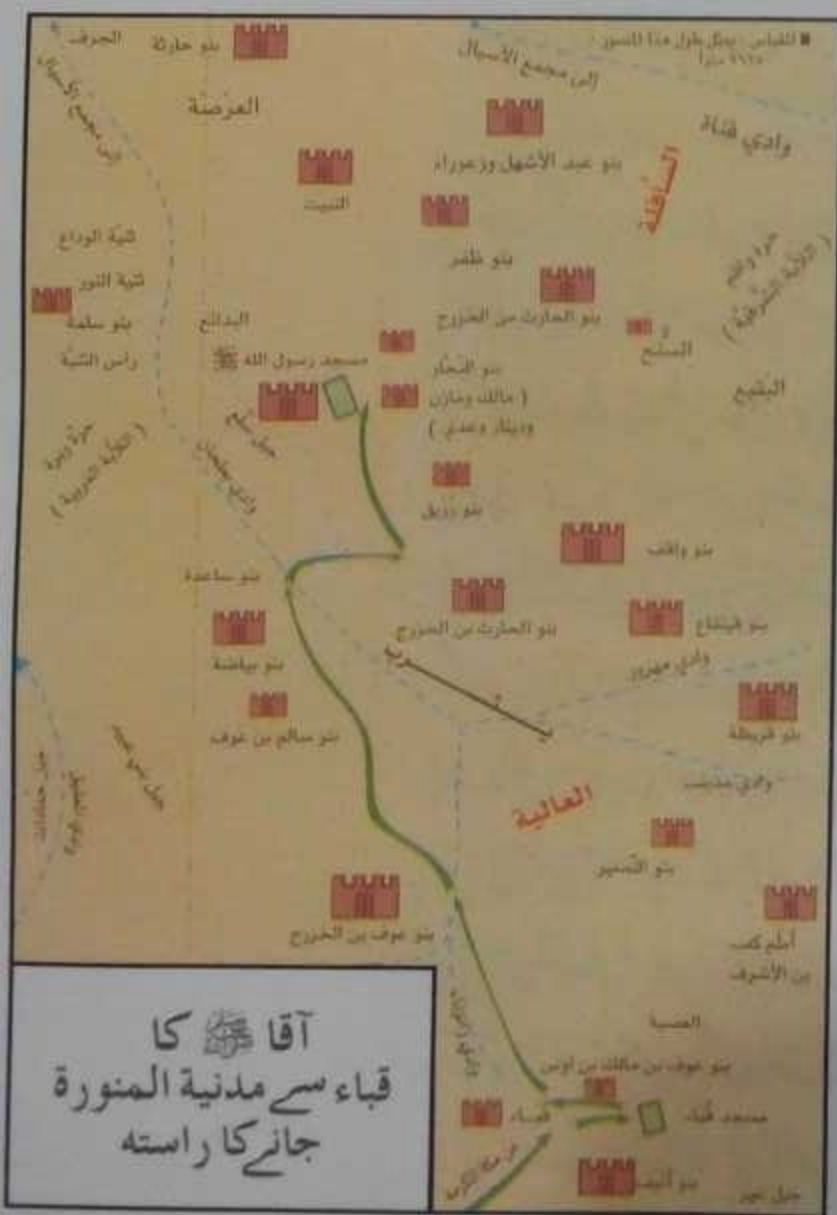
محلہ بنو نجار میں وہ جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کا بندوبست کیا گیا تھا اور سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے اپنی چادر تان کر آپ حضور ﷺ پر سایہ سا کر دیا تھا۔ اسی مناسبت سے اس جگہ کو مقام تظلیل (یعنی سایہ والی جگہ) کے نام سے جانا جاتا تھا

السلام کی پیشین گوئی کے مطابق: [ویرانوں اور آبادیوں کو بلند آواز میں ان گاؤں اور قریوں کے متعلق گانا چاہیے. سلع (چٹان) کے باشندوں کو حمد گانا چاہئے. انہیں چاہئے کہ وہ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر سے حمد گائیں اور اپنے رب کی پاکی بیان کریں اور اس کی حمد ہر جگہ پہنچائیں.] (۲۳) جس میں جگہ کے تعین کے لیے 'سلع' 'اسم معرفہ کے طور پر استعمال گیا تھا. یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ عبرانی زبان میں سلع کے معنی 'چٹان' ہیں. (۲۴) انجیل کے مترجمین نے بدنیتی سے اسے اسم معرفہ کی بجائے اسے اسم نکرہ سمجھ کر اس کا ترجمہ 'چٹان' کر دیا ہے. مدینہ طیبہ کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ سلع نام کا ایک اوسط درجہ کا پہاڑ حرم مدنی کی حدود میں مسجد نبوی کے شمال مغرب میں واقع ہے جہاں ثنیات الوداع واقع ہوا کرتی تھی جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کا پرجوش استقبال کیا گیا تھا اور یوں عہد نامہ عتیق کی پیش گوئی پوری ہوگئی تھی. (۲۵)

جس دن حضور رسالت مآب ﷺ کا ماہ تمام یثرب کے افق پر طلوع ہوا وہ بارہ ۱۲- ربیع الاول تھی (بمطابق ۲۷ ستمبر ۶۲۲ء) اور پیر یعنی سوموار کا دن تھا. انصار میں سے تقریباً پانچ سو افراد نے حضور والا شان ﷺ کو خوش آمدید کہا تھا. (۲۶) حضرت انس ابن مالک ؓ کی بیان کردہ حدیث مبارکہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ: [جب رسول مقبول ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حبشیوں نے خوشی میں نیزہ بازی کے کھیل کا مظاہرہ کیا تھا.] (۲۷) اور اوس وخزرج کے مرد اور عورتوں نے تحائف بھی پیش کئے تھے.

صدیوں سے کتنے ملک، شہر اور قصبے فاتحین کے ہاتھوں مات کھا کر ان کے قبضے میں آتے رہے ہیں اور تاریخ عالم نے اکثر و بیشتر بوقت فتح ان کی زبوں حالی کا قبیح نقشہ بھی کھینچا ہے. تمام انسانی اخلاق و اقدار کو بالائے طاق رکھ کر فاتحین نے ہمیشہ مفتوحین کے ساتھ وہ برا سلوک کیا ہے کہ اس کے تصور سے انسانیت کی روح کانپ اٹھتی ہے. قرآن کریم کے الفاظ میں: [ملکہ سبا نے کہا: بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو اجاڑ کر رکھ دیتے اور وہاں کے سرداروں اور عزت داروں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں.] (۲۸) سکندر و چنگیز خان کے قصے تو سب کو معلوم ہیں. سقوط بغداد پر کیا نہیں ہوا؟ ہٹلر کو زیر کرنے کے لیے کیا لاکھوں انسانوں کے خون کی بلی نہیں دی گئی؟ جاپان کو شکست دینے کے لیے کیا ہیروشیما اور ناگاساکی کے بیگناہ انسانوں کو حطمہ کی بھٹی میں نہیں ڈالا گیا؟ اسی طرح اور بھی ان گنت مثالیں ہیں. تاریخ عالم گواہ ہے کہ اس بارہ ربیع الاول کو جب یثرب فتح ہو رہا تھا تو مفتوح ترحیبی کلمات گا کر اپنے فاتح کا استقبال کر رہے تھے. جہان نو ہو رہا تھا پیدا اور عالم پیر مر رہا تھا. جاہلیت پاؤں تلے روندی جا رہی تھی اور عام سورج کی جگہ شمس الضحیٰ فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہو کر یثرب کی تیرگی کو سراج منیر (۲۹) کے انوار لامتناہیہ سے منور کر رہا تھا. یثرب مفتوح ہو چکا تھا مگر جس انداز سے اس کے فاتح نے اپنا قدم مبارک اس کی سرزمین پر رنجہ فرمایا تھا تاریخ عالم اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں کر سکتی. فاتح تن تنہا صرف اپنے ایک یار غار کی ہمراہی میں بغیر کسی حفاظتی دستے مدینہ حضور پرنور ﷺ خود ہتھیار بند تھے. یہ شان تھی فاتح القلوب فاتح یثرب سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ کی جب انہوں نے یثرب کو فتح کیا تھا. کمر میں علامتی طور پر صرف ایک تلوار تھی جس کا نام 'ماثور' تھا جو آنحضرت ﷺ کو اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب ؓ سے
کے شہر مفتوح میں داخل ہو رہے تھے. نہ دائیں بائیں کوئی چاک و چوبند مسلح افواج ساتھ آئی تھی، نہ کوئی ذاتی باڈی گارڈ تھے، اور نہ ہی فاتح

مقام تظلیل کی ایک یادگار تصویر جسے معدوم کردیا گیا ہے۔

ورثے میں ملی تھی جس کو آپ اپنے والد ماجد کی نشانی سمجھ کر بہت عزیز رکھتے تھے. جہاں تک مفتوح قوم کا تعلق تھا وہ اس فاتح القلوب کے دیدار کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے. مفتوح سڑکوں کے دونوں طرف کھڑے ہوکر پوری طرح شمشیر و سناں سے لیس ہوکر اپنے اس عظیم فاتح کی حفاظت کے عہد کو نبھا رہے تھے. ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے کیا خوب کہا ہے: [ہر شہر تلوار سے فتح ہوا مگر مدینہ طیبہ صرف قرآن کریم سے فتح ہوا.]

یہ تھا وہ والہانہ انداز جس میں اہالیان مدینہ طیبہ نے اپنے آقا و مولا ﷺ کا استقبال کیا تھا تشریف آوری پر دونوں معزز مہمانوں کو قباء میں حرہ کی ایک چوٹی یعنی ایک بلند مقام پر ٹھہرایا گیا. چونکہ اہالیان مدینہ طیبہ کی اکثریت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو پہلے نہیں دیکھا ہوا تھا اس لیے بہت سے لوگ آپ حضور ﷺ کی جگہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو اپنا نجات دہندہ سمجھ رہے تھے کیونکہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ سے عمر میں زیادہ نظر آرہے تھے اور ان کی ریش مبارک بھی سفید تھی. جب سورج کی تمازت بڑھنے لگی تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اٹھ کر حضور نبی اکرم ﷺ کے اوپر اپنی چادر سائے کی غرض سے تان دی. اور یوں اہالیان مدینہ طیبہ نے آپ کو پہچانا. (۳۰) ہر آنے والا آپ پر تصدق ہو رہا تھا حتی کہ بہت سے یہود بھی تجسس کی غرض سے وہاں موجود تھے.

حضور نبی اکرم ﷺ حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے ہاں فروکش ہوئے جو اوس کے بنو عمرو قبیلے سے تھے. سیدنا ابوبکر صدیقؓ حضرت خبیب بن اسافؓ (جو خزرجی تھے) کے ہاں السنح میں ٹھہرے. جب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تین دن بعد مکہ مکرمہ سے تشریف لائے تو قریب ہی کے ایک مکان میں رکے. قباء میں چار دن گزار کر یہ قافلہ آگے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا. مدینہ طیبہ کی تاریخ میں اس سے زیادہ خوشی کا کوئی اور دن نہیں تھا قباء سے روانگی کے بعد قافلہ وادی رانونا کی ایک جانب جہاں قبیلہ بنو سالم مقیم تھا تھوڑی دیر کے لیے رکا. اہل قبیلہ نے آپ حضور ﷺ کی تواضع کی. اتنی دیر میں نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا. ارض مدینہ طیبہ پر یہ پہلی جمعہ کی نماز تھی جو مسلمانوں نے پوری آزادی سے آقا و مولا حضور نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں ادا کی. (۳۱) جس کے بعد قافلہ آگے روانہ ہوگیا. چارلس لی گئے اینٹن کے الفاظ میں: [خوبصورت لباس زیب تن کئے محمد مصطفیٰ ﷺ مدینہ طیبہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ ستر شہ سواروں کا ایک دستہ آپ کے جلو میں تھا جن میں سے ایک نے اپنے نیزہ پر سبز پگڑی باندھی ہوئی تھی. ہمیشہ مستقبل پر نظر رکھنے والی شخصیت جس پر ان کے اہل شہر نے کیا کیا ظلم نہیں ڈھائے تھے آج ایک حکمران کے طور پر مدینہ طیبہ میں داخل ہو رہے تھے جنہوں نے اس دن کے بعد رب ذوالجلال کے احکام نافذ کر کے آپس میں منقسم انسانیت میں صلح و آشتی کی بنیاد رکھ دی.]

(۳۲) حضرت براء بن العازبؓ فرماتے ہیں: [جب ہم مدینہ میں داخل ہوئے تو خاص و عام اپنے گھروں سے باہر آگئے. سڑکوں اور گلیوں میں بے پناہ ہجوم تھا اور بچے اور غلام مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر باآواز بلند کہہ رہے تھے: [وہ دیکھیے محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لا رہے ہیں، وہ دیکھیے محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لا رہے ہیں، وہ دیکھیے محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لا رہے ہیں.] (۳۳)

ایک بار پھر ایک دوسرے سیرۃ نگار کا ہجرت کے متعلق قلمی خاکہ قارئین کی نذر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے: [حضور نبی اکرم ﷺ کے

دائیں بائیں، پوری طرح مسلح اور چاک و چوبند اوس و خزرج کے دستے سلامی (گارڈ آف آنر) دے رہے تھے اور اپنے اس حلف اور بیعت کا عملی ثبوت دے رہے تھے جو انہوں نے عقبہ کے مقام پر کی تھی حالانکہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ آپ حضور ﷺ کو کسی کی حفاظت کی ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی وہ اپنی طرف سے ایفائے عہد میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھ رہے تھے. اس سے زیادہ سرور و مسرت کا دن شائد ہی مدینہ طیبہ نے کبھی دیکھا ہو. ہر طرف مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے قطار اندر قطار حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں آداب بجا لا رہے تھے، ہر طرف ایک ہی غلغلہ برپا تھا: 'رسول اللہ تشریف لے آئے ہیں'، 'رسول اللہ تشریف لے آئے ہیں'. اس جم غفیر میں ناقہ رسول مقبول ﷺ 'قصویٰ' آہستہ آہستہ ڈگ بھرتی پوری شان سے بساتین و باغات سے گزرتی جنوب مدینہ کی طرف گامزن تھی.](۳۴)

مسجد بنات بنونجار کی ایک قدیم تصویر

حضرت انس ابن مالکؓ جن کو دس سال تک حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی تھی فرماتے ہیں: [جس دن آں حضور ﷺ نے مدینہ کی دھرتی پر اپنے قدم مبارک رنجہ فرمائے ہر سو روشنی و تابانی پھیل گئی تھی اور جس دن آپ ﷺ کا انتقال پر ملال ہوا تھا ایسا لگتا تھا کہ مدینہ طیبہ تاریکی میں ڈوب گیا ہو.] حضرت براء بن العازبؓ فرماتے ہیں: [پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے. میں نے اس دن کے علاوہ اہل مدینہ کو کبھی اتنا خوش نہیں دیکھا حتی کہ لونڈیاں اور کنیزیں بھی پکار پکار کر کہہ رہی تھیں کہ وہ دیکھو رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں (۳۵). اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں: [جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو حبشی غلاموں نے اپنی خوشی کے اظہار کے لیے نیزہ بازی کا مظاہرہ کیا (۳۶). ہر طرف شمع رسالت کے پروانوں اور استقبال کرنے والوں کے جھرمٹ نظر آ رہے تھے. رؤساء اپنے اپنے قبیلوں کے مسلحہ دستوں کو لیکر حضور نبی اکرم ﷺ کی سواری کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے. اوس و خزرج تو خاص طور پر زرق برق کپڑے پہنے اور اپنی کمروں میں چمکتی تلواریں لٹکائے ہراول دستے کے طور پر سب سے آگے آگے جا رہے تھے اور یوں اپنے عہد وفا کو نبھانے کے لیے دنیا پر ثابت کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا بال بھی بیکا ہوا تو وہ کشتوں کے پشتے لگا دیں گے. کون تھا جو یہ خواہش نہ کرتا کہ حضور نبی اکرم ﷺ اس کے گھر کو اپنے قیام کی سعادت بخشیں. ہر رئیس قبیلہ اور ہر متمول فرد التجاء کر رہا تھا کہ حضور میرے ماں باپ آپ پر فدا! میرے غریب خانے پر تشریف لائیے. بنو سالم سے عتبان بن مالکؓ اور عباس بن عبادہ بن نضلہؓ، بنی بیاضہ سے زیاد بن لبیدؓ اور فروۃ بن عمروؓ، بنی ساعدہ میں سے سعد بن عبادہؓ اور منذر بن عمروؓ جیسے رؤساء دست بستہ عرض کر رہے تھے: [یارسول اللہ ﷺ! ہمیں اپنی میزبانی کا فخر دے دیجئے، ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے، افرادی قوت، دولت اور ہتھیار، چراگاہیں اور باغات سب کچھ ہیں.] (۳۷) ہر کوئی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح محسن انسانیت سید البشر ﷺ اس کے ہاں تشریف لے جائیں. آپ حضور ﷺ سب کو صرف یہی فرما رہے تھے: [میری یہ سواری اللہ کی طرف سے مامور ہو چکی ہے، جہاں رک جائے گی وہیں پر میرا گھر ہوگا.] حضور والاشان ﷺ سب کا شکریہ ادا کرتے اور آگے روانہ ہو جاتے. ہر گلی کوچے سے صرف ایک ہی صدا بلند ہو رہی تھی، اللہ اکبر اور

لا الہ الا اللہ، رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں.(۳۸) آقائے نامدار ﷺ ناقہ قصویٰ پر آگے تشریف فرما تھے اور سیدنا ابو بکر صدیق ؓ حضور ﷺ کے پیچھے سوار تھے. ناقہ رسول مقبول ﷺ آہستہ آہستہ مدینہ طیبہ کی گلیوں سے گزرتی انتہائی وقار کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی. چلتے چلتے وہ کبھی دائیں دیکھتی اور کبھی بائیں جیسے کہ اپنی منزل کی ٹوہ لگا رہی ہو. لوگوں کا جم غفیر تھا کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا، دائیں بائیں اور آگے پیچھے حد نظر تک آدمی ہی آدمی نظر آ رہے تھے.(۳۹) جن میں سے کچھ تو اپنی اپنی سواری پر تھے اور باقی ماندہ پاپیادہ ساتھ چلے آ رہے تھے. سکان کی کثیر تعداد اپنے اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر نبی آخر الزمان ﷺ کے دیدار پر انوار سے بہرہ ور ہو رہی تھی. بنو نجار کے علاقے میں تو یہ شوق اور بھی دیدنی تھا. انصار میں سے چونکہ بنو نجار رشتے میں حضور نبی اکرم ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب ؓ کے ننہال تھے اس لیے جب آپ نے ان کو طلب کیا تو وہ اپنی تلواروں سے مسلح ہو کر آ گئے.(۴۰) عمومی طور پر سب انصار (اوس وخزرج) آپ کی حفاظت کی خاطر شمشیر بکف سڑکوں کی دونوں جانب کھڑے تھے.(۴۱) حضرت اسعد ابن زرارہ ؓ ساربان رسالت مآب ﷺ فریضہ کر رہے تھے جو کبھی کبھی زمام ناقہ اپنے ہاتھ میں بھی لے لیتے تھے.

مسجد بنات النجار کی جگہ جہاں پر بنو نجار کی بچیوں نے دف بجا کر رسول اللہ ﷺ کے استقبال میں ترحیبی کلمات گائے تھے. یہ جگہ مسجد جمعہ کے سامنے واقع ہے. مسجد بنات النجار شہید کر دی گئی ہے. مگر وہ جگہ ابھی خالی ہے.

کبھی جب بھیڑ زیادہ ہو جاتی اور قصویٰ کا رستہ رک جاتا تو حضور رحمت دو عالم ﷺ پیار سے فرماتے: [اس کا رستہ چھوڑ دیجئے، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے (یعنی اس کو حکم مل چکا ہے کہ اس نے کہاں جانا ہے.] (۴۲) یوں پورا کاروان اب صرف قصویٰ کے اختیار کردہ راستے پر گامزن تھا کیونکہ منزل تو صرف اس کو بتائی گئی تھی. چلتے چلتے ایک تنگ سی گلی سے گزر کر جب وہ بنو نجار کے علاقے میں ایک چاردیواری کے پاس پہنچی تو اس نے چاروں طرف دیکھا جیسے کہ وہ اس جگہ کا جائزہ لے رہی ہو پھر لمحہ بھر کے تامل کے بعد وہ رکی اور وہیں بیٹھ گئی.(۴۳) اگلے ہی لمحے وہ اپنے پاؤں پر دوبارہ کھڑی تھی اور چند قدم آگے کو چل دی. پھر اسی طرف واپس لوٹ آئی اور پرانے مقام پر بیٹھ گئی (۴۴). ابن اسحاق کے الفاظ میں: [جب پہلی مرتبہ قصویٰ بیٹھی تو حضور نبی اکرم ﷺ نیچے تشریف نہیں لائے، وہ پھر اٹھی اور تھوڑی دور تک گئی. نبی اکرم ﷺ نے اس کی زمام ڈھیلی چھوڑی ہوئی تھی اور وہ اپنی آزادی سے چل رہی تھی، مگر اگلے ہی لمحے وہ الٹے پاؤں واپس لوٹی اور پہلے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس کا سارا جسم کانپ رہا ہو مگر پھر تھکی ہوئی سواری کی طرح اس نے اپنا سینہ زمین پر رکھ دیا (۴۵). تب حضور سرور دو عالم جان کائنات ﷺ نیچے تشریف لے آئے اور حضرت ابو ایوب انصاری ؓ نے آپ کی رحل اور سامان کو اٹھا لیا اور اپنے گھر کو چل دیے.] (۴۶)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ قصویٰ اس جگہ پر رکی تھی جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کا منبر شریف بنایا گیا تھا. جب حضور نبی اکرم ﷺ نیچے تشریف لائے تو فرمایا: [انشاء اللہ یہی ہمارا مقام ہوگا.] (۴۷) ہر کوئی حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے رہا تھا مگر آپ کسی کا بھی دل نہیں توڑنا چاہتے تھے اس لیے قرعہ نکالا گیا جس میں حضرت خالد بن زید بن کلیب ؓ کا نام نکلا جنہیں اسلامی تاریخ میں حضرت ابو ایوب الانصاری ؓ کی کنیت سے ہی جانا جاتا ہے. خزرج میں سے کچھ اصحاب پھر بھی مُصر تھے کہ آپ حضور ﷺ ان کے ساتھ تشریف لے چلیں. ایک روایت میں ہے کہ جب قصویٰ بیٹھ گئی تو ایک اصحابی نے اس کو مہمیز لگا دی تا کہ وہ اٹھ کھڑی ہو. یہ دیکھ کر حضرت ابو ایوب انصاری ؓ بہت سیخ پا ہوئے اور کہنے لگے: [اگر رسول مقبول ﷺ کی ناراضگی کا خوف نہ ہوتا تو ابھی تلوار نکال لیتا اور تمہیں وہ سبق سکھاتا جو تم ہمیشہ یاد رکھتے.] پھر انہوں نے آں حضرت ﷺ کا سامان اٹھایا اور اپنے گھر چل دیے. سرکار دو عالم ﷺ مسکرا دیئے اور یہ فرماتے ہوئے ان کے پیچھے ہو لیے: [آدمی کو وہاں جانا چاہئے جہاں اس کی رحل (یعنی سامان) گیا ہو.] (۴۸).

ثنیۃ الوداع شمالی، جہاں تبوک یا شام جانے اور آنے والوں کو الوداع کہا جاتا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے تبوک جاتے ہوئے یہاں اپنا خیمہ نصب کروایا تھا۔

مٹی کا بنا ہوا دو منزلہ مکان جو سڑک کے ایک کنارے پر واقع تھا حضرت ابوایوب انصاریؓ کی آبائی ملکیت تھا جہاں کئی نسلوں سے ان کے آباواجداد اس انتظار میں اپنی عمریں بتا چکے تھے کہ دعائے خلیل اور نوید مسیحا سید الانبیاء والاتقیاء ﷺ وہاں تشریف لائیں گے. جیسے کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے ہیں حمیری بادشاہ 'تبع' کئی سو سال پہلے جب یثرب آیا تھا تو حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے اپنا خط ایک نمائندہ کو دے گیا تھا اور یہ تاکید کر کے گیا تھا کہ ایک نسل دوسری نسل کو وہ خط منتقل کرتی رہے تا آنکہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ورود مسعود ہو اور وہ خط آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا جائے. وہ خط اس وقت حضرت ابوایوب انصاری ﷺ کے پاس تھا اور وہ تو پہلے ہی آپ کی آمد کے منتظر تھے. جب آنحضرت ﷺ نے ان کے گھر کو سعادت بخشی تو یہ اعزاز بھی انہیں حاصل ہوا کہ وہ نامہ تبع جناب سید الاولین والآخرین اور ختم المرسلین حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں پیش کریں. کئی نسلوں کی امانت کا حق ادا کر کے حضرت ابوایوب انصاریؓ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے. (۴۹)

آقائے نامدار ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہاں نچلی منزل میں قیام فرمایا کیونکہ خدمت اقدس میں آنے والوں کو تانتا بندھا رہتا تھا. ضیافت کے لیے اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم کھانا پکوا کر اپنے سروں پر اٹھا کر دار ابوایوب الانصاریؓ پر حاضری دیتے تھے. حضور والا شان ﷺ وہاں تقریباً سات ماہ تک مقیم رہے اور اسی اثناء میں مسجد نبوی شریف اور آپ کی بودوباش کے لیے دو کمرے بھی تعمیر ہو گئے. حضرت افلحؓ نے جو حضرت ابوایوب انصاریؓ کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کی ہے: [اللہ کے رسول ﷺ کا ورود مسعود ابوایوبؓ کے گھر میں ہوا اور آپ نے نچلی منزل میں قیام فرمایا جبکہ ابوایوبؓ اوپر کی منزل میں رہا کرتے تھے. ایک رات ابوایوبؓ نیند سے بیدار ہوئے تو کہنے لگے کہ کیا بدنصیبی ہے ہماری کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نچلی منزل میں مقیم ہوں اور ہم آپ کے سر مبارک کے اوپر چل پھر رہے ہوں، لہذا وہ دونوں میاں بیوی ایک طرف ہو کر ایک کونے میں سو رہے اور صبح ہوتے ہی حضور نبی اکرم ﷺ کو اس بارے میں عرض کیا جس پر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے لیے نچلی منزل ہی زیادہ آرام دہ ہے لیکن حضرت ابوایوبؓ مُصر رہے کہ وہ اوپر سکونت اختیار نہیں کریں گے. چنانچہ آقائے نامدار ﷺ اوپر کی منزل میں منتقل ہو گئے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ نے نچلی منزل میں رہنا شروع کر دیا.] (۴۹) حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت ہے: [ایک دن پانی کا ایک برتن ٹوٹ گیا اور میں اور ام ایوبؓ نے اپنے کپڑوں سے پانی کو خشک کیا تا کہ پانی حضور نبی اکرم ﷺ کے اوپر نہ گرنے پائے. ہمارے پاس اور کوئی کپڑا نہیں تھا جو اس کام کے لیے استعمال کرتے.] (۵۰)

ثنیۃ الوداع شمالی کی ایک قدیم تصویر

اس طرح رہتے ہوئے جب چھ ماہ گزر گئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید ابن حارثہؓ اور ابو رافعؓ کو مکہ مکرمہ روانہ کیا تا کہ وہ آں حضور ﷺ کے اہل خانہ کو مدینہ طیبہ لا سکیں. (۵۱) ابن عبدالبرؒ نے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے ایک بہت طویل حدیث روایت کی ہے (۵۲) جس میں وہ دیگر باتوں کے علاوہ فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے زید بن الحارثہؓ اور ابو

مسجد قباء کے قبلہ کی جانب پیلے رنگ کے تیر کا نشان اس مکان کو ظاہر کرتا ہے جو کہ حضرت کلثوم بن ہدم ؓ کا ہوا کرتا تھا جہاں سرکار دوعالم ﷺ نے ہجرت کے وقت قیام فرمایا تھا
سرخ نشان بیر عریس کو ظاہر کرتا ہے
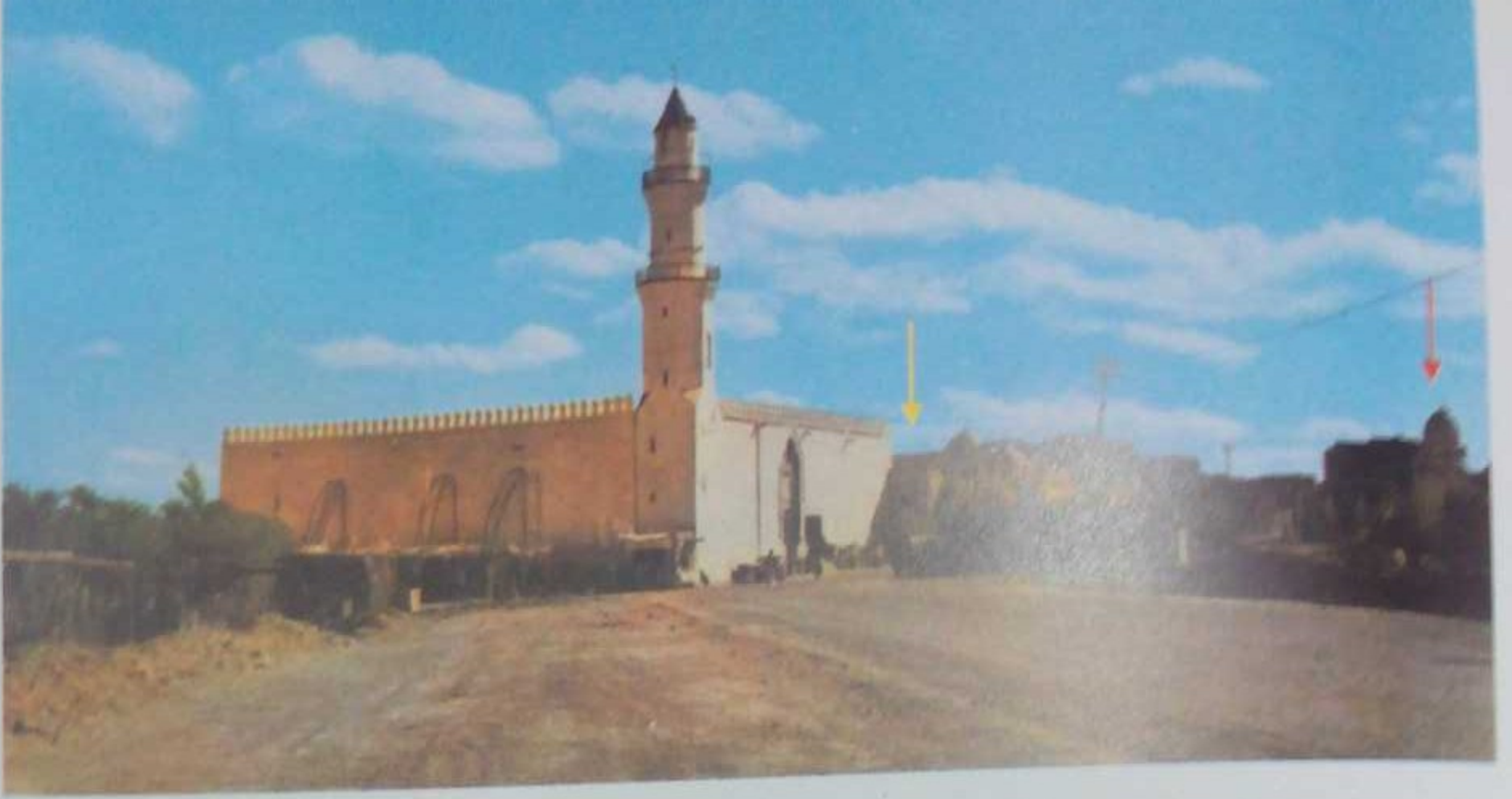
رافع ؓ کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دیے اور ابو بکر ؓ نے عبد اللہ بن اریقط ؓ کو دو یا تین اونٹ اور تین سو درہم اور ایک خط دیکر اپنے بیٹے عبد اللہ بن ابو بکر ؓ کے پاس بھیجا. اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی دو صاحبزادیاں (سیدتنا فاطمۃ الزہراء ؓ اور سیدہ ام کلثوم ؓ) ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہ ؓ اور سیدۃ ام ایمن ؓ (مع اپنے بیٹے حضرت اسامہ ؓ، یاد رہے کہ حضرت زید بن حارثہ ؓ سیدۃ ام ایمن ؓ کے خاوند اور حضرت اسامہ ؓ کے والد تھے) کی ہمراہی میں سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کے اہل خانہ کے ساتھ مدینہ طیبہ آ گئے. مدینہ طیبہ آنے پر سیدۃ عائشہ صدیقہ ؓ اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہیں (کیونکہ ابھی ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی) اور سرکار دوعالم ﷺ کے اہل خانہ (ام المومنین سیدۃ سودہ ؓ اور شہنشاہ دوعالم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی دونوں شاہزادیاں) مسجد نبوی سے متصل نو تعمیر شدہ گھر میں مقیم ہوئے. (۵۳) بعض روایات کے مطابق انہوں نے چند دن حضرت حارثہ بن نعمان انصاری ؓ کے ہاں بھی قیام فرمایا تھا. (۵۴) واللہ اعلم بالصواب.

ظلمت و تاریکی کی شب تار ظلمات بہت پیچھے رہ گئی تھی اور یثرب 'سراج منیر' کے طفیل منور و تاباں ہو کر مدینہ طیبہ بن چکا تھا. اس کو اب یثرب کہنا بھی جرم قرار دے دیا گیا تھا اور اگر کوئی سہواً ایسا کر بیٹھے تو رحمت العالمین ﷺ نے حکم صادر فرما دیا تھا کہ ایسے شخص کو رب ذوالجلال سے دس بار استغفار کرنا ہوگا. تاریخی حوالے کے لیے ہمیں مجبوراً کہیں کہیں لفظ یثرب استعمال کرنا پڑا ہے جس کے لیے ہم رب ذوالجلال سے بار بار استغفار کے طالب ہیں.
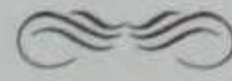
حضرت کلثوم بن ہدم ؓ کا مکان

حواشی

(۱) القرآن الکریم (الانفال: ۳۰) یہ آیت کریمہ کفار کی ان سازشوں اور مذموم عزائم پر روشنی ڈالتی ہے جو وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے خلاف کیا کرتے تھے اور جن کی وجہ سے آپ حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں سب کچھ چھوڑ کر مدینہ طیبہ کو ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

(۲) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۲۴۵، نیز دیکھئے سیرۃ رسول ﷺ از ابن اسحاق (انگریزی ترجمہ الفرید گیوم) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کراچی، ۱۹۷۸ء، ص ۲۲۷۔

(۳) حضرت مصعب بن عمیرؓ کو آقائے نامدار ﷺ نے ان انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ مدینہ طیبہ بھیجا تھا جو بیعت عقبہ دوم میں شریک ہوئے تھے تا کہ ان کو دین کی تعلیم دے سکیں۔

(۴) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۲۶۱۔

(۵) ایضاً، نمبر ۲۶۲، نیز دیکھئے تاریخ المدینہ از قطب الدین المکی (ت: ۹۹۰ ہجری)، ناشر مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر، ۱۹۹۵ء، ص: ۳۹۔

(۶) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۲۶۲۔ حضرت حنش الصنعانیؒ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے: [رسول اللہ ﷺ سوموار کے دن پیدا ہوئے آں حضور ﷺ کو نبوت بھی سوموار کے دن عطا ہوئی، حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے بچپن میں حجر اسود کو اٹھا کر اس کے مقام پر جس دن رکھا وہ بھی سوموار کا دن تھا، آں حضرت ﷺ جس دن مکۃ المکرمہ سے روانہ ہوئے وہ بھی سوموار تھا اور جس دن مدینہ طیبہ میں اپنا قدوم میمنت لزوم رکھا اس دن بھی سوموار تھا اور جس دن آپ نے اس عالم فانی سے پردہ پوشی فرمائی اس دن بھی سوموار ہی کا دن تھا۔] ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ھ)، الوفاء باحوال المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸ء، ص: ۲۵۱۔

(۷) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۲۴۵۔

(۸) ابن ہشام نے انصار کی یہ روایت بیان کی ہے: [ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد کا انتظار کیا کرتے تھے۔ نماز فجر کے فوراً بعد ہم اس جگہ چلے جایا کرتے تھے لیکن چونکہ وہاں کوئی سایہ وغیرہ نہیں تھا تو جب دھوپ نا قابل برداشت ہو جاتی ہم لوگ اپنے گھروں کو واپس لوٹ آیا کرتے تھے۔ حتی کہ جس دن حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تھے اس دن بھی ہم حسب معمول اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ چکے تھے۔] تہذیب سیرۃ ابن ہشام، دار الفکر، بیروت، ص: ۱۳۴۔

(۹) حضرت عروہ ابن زبیرؓ کی روایت ہے: [اللہ کے رسول ﷺ زبیر بن العوامؓ سے ملے جو شام سے ایک قافلے میں واپس آرہے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے آں حضرت ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو پہننے کے لیے سفید کپڑوں کے جوڑے دے۔] صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۲۴۵۔

(۱۰) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۲۴۵

(۱۱) القرآن الکریم (التوبہ: ۴۰): اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا ذکر 'ثانی اثنین' کہہ کر کیا ہے (یعنی دونوں میں سے دوسرا) اسی لیے وہ یار غار کہلاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر مجھے اپنا خلیل چننا ہوتا تو میں ابو قحافہ کے بیٹے (یعنی سیدنا ابوبکر صدیقؓ) کو چنوں گا۔ صحیح مسلم، ج: ۴، نمبر ۵۸۷۳۔

(۱۲) ناقہ نبی کریم ﷺ جس کو قصویٰ کہا جاتا تھا اور جس پر سوار ہو کر حضور سرور دو عالم ﷺ نے سفر ہجرت طے فرمایا سفید فام اونٹنی تھی۔ سفید رنگ کی اونٹنیاں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں اور ان کو عموماً سفر کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ قدیم دور میں جب تو ہمات عام ہوا کرتے تھے یہ خیال بھی عام تھا کہ انکی

سیدنا ابو ایوب الانصاریؓ کے مکان کا اندرونی حصہ (بوقت انہدام) جسے ۱۹۸۴ء میں مسمار کر کے اس کے رقبے کو مسجد نبوی شریف کے توسیعی منصوبے کو مکمل کیا گیا۔ رشک ثریا اس گھر کو یہ فخر حاصل ہوا کہ سرکار دو عالم ﷺ ہجرت مبارکہ کے بعد تقریباً سات ماہ تک یہیں اقامت پذیر اور جلوہ فروز رہے۔
(تصویر بشکریہ محمد طفیل بھٹی مدنی)

اونٹنیوں کے کانوں کو اگر کاٹ دیا جائے تو وہ بہت تیز گام ہو جاتی ہیں. ایسی کان کٹی ڈاچیوں کو عربی میں قصوئی کہا جاتا تھا، مگر چونکہ اس ناقہ کی نسبت رسول مقبول ﷺ سے جڑ گئی تھی اس لیے بطور اسم معرفہ قصوئی اس کا نام ہی ٹھہر گیا. حضور نبی اکرم ﷺ نے سفر ہجرت کے لیے خاص طور پر اسے سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے چار سو درہم میں خریدا تھا. قصوئی حضور نبی اکرم ﷺ کی پیاری ناقہ تھی جس پر کبھی کسی اور نے سواری کرنے کی جرات نہیں کی سوائے مسجد قباء کی تعمیر کے وقت جب کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اذن خاص دیا تھا اور مسجد قباء کے رقبہ کا تعین کرنے کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ارشاد فرمایا تھا کہ اس ناقہ پر بیٹھ کر چکر لگاؤ اور جہاں تک یہ چکر لگائے وہی مسجد کی حدود تصور کر لی جائے. سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور پھر سیدنا عمر فاروقؓ نے باری باری اس پر سواری کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے. پھر سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جونہی اس کی عنان اپنے ہاتھ میں لی تو قصوئی زمین پر بیٹھ گئی اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر سوار ہو کر اس قطعہ زمین کا چاروں اطراف کا چکر لگایا جو مسجد قباء کی حدود ٹھہری. واقدی کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اسے بنی قشیر سے خریدا تھا. جب نبی اکرم ﷺ کا انتقال پر ملال ہوا تو محبوب رب العالمین ﷺ کی ڈاچی بقیع الغرقد میں چرا کرتی تھی اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے اس کو باندھا جاتا تھا. سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے ایام خلافت میں یہ اللہ کو پیاری ہو گئی. اس کی مبرک 'مبرک ناقہ' کے نام سے صدیوں تک اسی جگہ یادگار کے طور پر رکھی گئی تھی.

دار سیدنا ابوایوب الانصاریؓ کی ایک پرانی تصویر جو سن ساٹھ کی دہائی سے متعلق ہے اور سید ابوالاعلی مودودی کے سفرنامہ ارض قرآن سے ماخوذ ہے.

(۱۳) ان کا نام قیلہ بنت الارقم بن عمرو بن جفنہ بن عمرو تھا جو یمن کے حمیری قبیلہ قحطان سے تھیں. ان کی شادی ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ سے ہوئی تھی اور ان کے دو بیٹے ہوئے جن کا نام 'اوس' اور 'خزرج' تھا. عربی میں قیلہ کا مطلب 'ملکہ' ہے. چونکہ بعد میں ان کے دونوں بیٹوں سے انصار کے مشہور قبیلے ہوئے لہذا ان دونوں قبیلوں کو مجموعی طور پر بنو قیلہ بھی کہا جاتا تھا.

(۱۴) ابن اسحاق، مصدر مذکور. (یہودی بلند آواز کے ساتھ پکارے جا رہا تھا اے معشر عرب: لو وہ عظیم انسان آ گئے ہیں جن کا تمہیں انتظار تھا.) لہذا تمام مسلمان اپنے اپنے ہتھیار لینے کے لیے دوڑے اور پھر انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کا حرہ کی گھاٹی پر استقبال کیا. [صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۲۴۵].

(۱۵) بنی عمرو قبیلہ اوس کی ایک شاخ تھی. حضرت کلثوم بن ہدمؓ نے پہلے ہی حضرت حمزہؓ اور حضرت زیدؓ کی میزبانی کی تھی جو حضور نبی اکرم ﷺ کی ہجرت سے پہلے مدینہ طیبہ منتقل ہو چکے تھے. اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی میزبانی کا شرف قبیلہ اوس کو ملا تھا.

(۱۶) محمد حسین ہیکل، حیات محمد ﷺ، (انگریزی ترجمہ: اسماعیل راجی الفاروقی)، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی.

(۱۷) البیہقی، دلائل النبوہ، ۲-۵۰۸. ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ۳-۲۷ اور علامہ سیوطی، الخصائص الکبریٰ، ۱-۹۰. یہ روایت ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی ہے. دیکھیے: ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری) الوفاء باحوال المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸، ص ۲۵۴ مگر قدیم ترین سیرۃ نگاروں (مثلاً ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ) نے اس نعت کا ذکر ہجرت کے موقع پر نہیں کیا.

(۱۸) ابن اسحاق کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ جبل عیر کی طرف سے مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے، پھر وہاں سے آپ حضور ﷺ رکوبہ کی طرف گئے اور پھر وہاں سے آپ نے وادی ریم کی طرف رخ کیا جہاں سے آپ نے قباء میں داخلہ فرمایا.

(۱۹) شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، ج:۱، مکتبہ مدینہ، لاہور، ۱۴۰۸، ص ۱۲۶، نیز ابن الجوزی، مصدر مذکور ص ۲۵۳.

(۲۰) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر۱۰۷

(۲۱) ایضاً نمبر۱۱۷

(۲۲) الترمذی (اردو ترجمہ۔ بدیع الزمان) ضیاء القرآن پبلشرز، لاہور، ج:۱، ص:۶۱۳۔

(۲۳) Isaiah xlii, 11, 12

(۲۴) جرجی زیدان، العرب قبل الاسلام، ص۹۱۔

(۲۵) Isaiah xlii, 11, 12

(۲۶) منقول از سمہودی، وفاء الوفاء، جزء۱، ص۲۵۵۔

(۲۷) سنن ابی داود، ۱۴۔ نمبر۴۹۰۵

(۲۸) القرآن الکریم (النمل:۳۵)

(۲۹) القرآن الکریم: (الاحزاب:۴۵۔۴۶)

(۳۰) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص۲۲۷۔

(۳۱) عبدالسلام ہارون، تہذیب سیرۃ ابن ہشام، دمشق، ص۱۳۵۔

(۳۲) Charles le Gai Eaton (Hasan 'Abd al-Hakim), Islam and the Destiny of Man

سہیل اکیڈیمی، لاہور، طبعہ اولیٰ ۱۹۹۷، ص:۱۱۵۔

(۳۳) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ۱۹۸۵، ج:۴، ص۳۶۶

(۳۴) Dr. Martin Lings, Muhammad - His Life based on the Earliest Sources، سہیل اکیڈیمی، لاہور، ۱۹۸۳، ص۱۲۳

(۳۵) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر۲۶۲

(۳۶) سنن ابی داود، ۴۱-۴۹۰۵

(۳۷) تہذیب سیرۃ رسول اللہ لابن ہشام، مصدر مذکور، ص:۱۳۶۔ حضرت عتبان بن مالکؓ کا اطم وادی رانونا کے قریب تھا جہاں بعد میں مسجد جمعہ تعمیر ہوئی جو آج تک زیارت گاہ عشاق ہے۔

(۳۸) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر۲۵۰

(۳۹) سمہودی، مصدر مذکور، ص۲۵۶

(۴۰) بنو نجار حضور نبی اکرم ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلبؓ کے ماموں تھے کیونکہ حضور ﷺ کی پڑدادی (حضرت ہاشم کی زوجہ محترمہ) جن کا نام سلمیٰ بنت
عمرو تھا نجاریہ تھیں۔ ہاشم بلاد الشام تجارت کی غرض سے جایا کرتے تھے۔ سلمیٰ سے شادی کے بعد ایک مرتبہ وہ شام گئے اور واپس لوٹ کرنہ آئے کیونکہ کسی
بیماری کی وجہ سے ان کا انتقال وہیں ہو گیا تھا جب کہ ان کے بیٹے حضرت عبدالمطلب اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں تھے۔ ان کا اصل نام شیبہ بن ہاشم تھا۔
آپ نے اپنے بچپن کے تقریباً آٹھ سال مدینہ طیبہ میں ہی گزارے۔ پھر ان کے چچا ان کو مکہ لے گئے جہاں جوان ہو کر انہوں کے کعبۃ اللہ کی تولیت
سنبھالی۔ اپنے دادا محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت عبدالمطلبؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے تجارت پیشہ اختیار کیا اور وہ بھی بلاد الشام تجارتی
قافلوں کے ہمراہ جایا کرتے تھے۔ حضرت آمنہ بنت وہبؓ سے شادی کے بعد وہ ایک تجارتی کارواں کے ساتھ شام گئے اور واپسی پر یثرب ٹھہر گئے۔ وہاں
ان کو بیماری نے آلیا اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے ننہال نے ان کو وہیں دفن کیا۔ در یتیم اور یتیموں کے والی نبی اکرم ﷺ کی پیدائش حضرت عبداللہؓ کے
انتقال پر ملال کے بعد ہوئی تھی۔

(۴۱) صحیح بخاری، ج:۵،نمبر۲۵۰، یہ ایک بہت طویل حدیث ہے جس میں ہجرت مبارکہ کی تمام تفاصیل دی ہوئی ہیں۔

(۴۲) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۴۲۰

(۴۳) ابن ہشام، مصدر مذکور،ص ۱۳۶۔

(۴۴) ایضاً،صفحات:۱۳۶-۱۳۷

(۴۵) ابن کثیر، الفصول فی سیرۃ الرسول، الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۹۹۳،ص ۵۵۔

(۴۶) ابن اسحاق، مصدر مذکور،ص:۲۲۸

(۴۷) صحیح بخاری، ج:۵،نمبر۲۴۵

(۴۸) غالی محمد الامین الشنقیطی، الدر الثمین فی معالم دار الرسول الامین،طبعہ ثالثہ، دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ، ۱۹۹۱،ص ۳۱۔

(۴۹) شیخ عبدالحق محدث، جذب القلوب،صفحات:۵۷-۵۸

(۵۰) صحیح مسلم، ج:۳،نمبر۵۰۹۹، وابن اسحاق، مصدر مذکور،صفحات:۲۲۹-۲۳۰۔

(۵۱) ابن اسحاق، مصدر مذکور،ص ۲۳۰

(۵۲) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:۳،ص ۱۷۶۔

(۵۳) ابن الجوزی، مصدر مذکور،ص:۲۵۳

(۵۴) مولانا محمد یوسف کاندھلوی، حیاۃ الصحابہ (عربی)، دار المعرفہ، بیروت، ج:۱،ص:۳۵۴۔

(۵۵) ابن سعد، مصدر مذکور، ج:۱،ص ۲۳۸۔

[اللھم صل علیٰ محمد، و علیٰ آلہ، و اصحابہ، و اولادہ، و ازواجہ، و ذریتہ، و اھل بیتہ، و اصھارہ، و انصارہ، و اشیاعہ، و محبیہ، و امتہ، و علینا معھم اجمعین. یا ارحم الراحمین۔]

ہم قارئین میں سے ہر اس مسلم کو جس کو زندگی بھر کی امنگوں کے حاصل شہر آرزو یعنی مدینہ مقدسہ کی حاضری نصیب ہو یہ تاکید ضرور کریں
گے کہ جب حدود حرم مدنی میں داخل ہو جائیں تو بہترین اخلاق و اطوار کا مظاہرہ کریں. قدم قدم پر انتہائی ادب ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کیونکہ
مدینۃ النبی ہے جہاں وہ نبی والا شان ﷺ آرام فرما ہیں جن کا ارشاد گرامی ہے: [مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے]
جب در اقدس پر حاضری ہو اور سید الانبیاء والاتقیاء ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی سعادت نصیب ہو تو آواز اتنی دھیمی ہو کہ پاس کھڑا دوسرا
سکے. اللہ جل شانہ کے ہاں اس جگہ پر آواز بلند کرنا ناقابل معافی جرم ہے. تنبیہ ربانی ملحوظ خاطر رہے: ﴿اے ایمان والو اپنی آوازیں
اللہ ﷺ کی آواز سے زیادہ بلند نہ کرو اور جب آپ سے مخاطب ہو تو ایسی آوازوں سے آپ کو مخاطب نہ کیا کرو جس سے تم ایک دوسرے کو
کرتے ہو، کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو.﴾ (۵۰)

بارگاہ ناز میں آہستہ بول ہو نہ سب کچھ رائیگاں آہستہ چل

یہ وہ ادب کا مقام ہے کہ جہاں ادب محض فرض عین ہی نہیں بلکہ اس کے بدلے اللہ عز و جل کے انعام و اکرام کی بے انتہاء بارش ہوتی ہے
﴿وہ لوگ جو رسول اللہ کے حضور دبی آواز میں ادب سے بات کرتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ عز و جل نے تقویٰ کے عوض امتحان
ہے، ان کے لیے مغفرت اور معافی اور اجر عظیم ہے.﴾ (۵۱)

مدینہ طیبہ کے فضائل و برکات کے بارے میں اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں جو کرہ ارضی پر موجود کسی اور شہر کی فضیلت کے بارے میں
لکھی گئیں، حتی کہ مکۃ المکرمہ کے لیے بھی اتنی کاوش نہیں کی گئی. ایسی تمام کتب میں مدینہ طیبہ کے فضائل و محاسن میں دلیلوں کے انبار لگا
گئے ہیں اور بعض عشاق طیبہ نے تو مدینۃ النبی کی فضیلت واضح کرنے کے لیے پچیس سے زیادہ شرعی اور عقلی دلائل دئے ہیں. (۵۲) ہم
سارا انحصار احادیث نبوی پر کیا ہے تاکہ محاسن دار المصطفیٰ بفرمان مصطفیٰ ﷺ بیان ہو سکیں ورنہ دیگر ثقہ ترین روایات کے مطابق دیار حبیب
خوبیاں تو اتنی ہیں کہ اس موضوع پر ضخیم کتابیں بھی حق ادا نہیں کر سکتیں.

اختتام سے پہلے ہم عاشق مدینہ طیبہ، امام دار الہجرہ، حضرت امام مالکؒ کے ادب مدینہ طیبہ کی مثال دینا چاہیں گے. آپ نے
تمام زندگی مدینہ طیبہ میں گزار دی اور صرف ایک بار حج کی غرض سے حدود مدینہ طیبہ سے باہر گئے اور جب تلامذہ اور احباب کہتے تھے کہ
مکرمہ چلیں تاکہ عمرہ کر سکیں تو فرماتے کہ حج کے لیے جانا ایک بار فرض تھا اس لیے مدینہ طیبہ سے باہر گیا تھا اور اب کون جانتا ہے کہ حدود
نبوی سے نکلوں تو میری موت آ جائے. اس لیے اپنی زندگی مدینہ طیبہ میں ہی گزار دی. عباسی خلیفہ محمد المہدی نے تین ہزار دینار اپنے معتمد
اور نامہ بر ربیع کے ذریعے امام مالکؒ کی خدمت میں ارسال کئے اور خواہش ظاہر کی کہ آپ میرے ساتھ بغداد چلیں. امام مالکؒ نے
سے کہا تھیلیاں اب بھی سربستہ اسی طرح پڑی ہیں، جی چاہے لے جاؤ لیکن مالک مدینہ نہیں چھوڑ سکتا اس لیے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا
ہے کہ: المدینہ خیر لھم لو کانوا یعلمون. (۵۳) پھر مہدی نے سواری بھیجی کہ اس پر سوار ہو کر بارگاہ خلافت میں آ
حضرت مالکؒ نے یہ کہہ کر سواری واپس لوٹا دی کہ میں مدینہ طیبہ میں سوار ہو کر نہیں نکلتا کہ انہی گلیوں میں تاجدار مدینہ ﷺ پیدل پھرتے
(۵۴) ان کے اصطبل میں کثرت سے گھوڑے اور خچر تھے مگر کبھی بھی مدینہ طیبہ کی گلیوں میں سوار ہو کر نہ نکلے اور ہمیشہ پاپیادہ چلتے تھے. لوگوں
نے دریافت کیا تو فرمایا: [مجھے شرم آتی ہے کہ جو سرزمین نبی الحرمین ﷺ کے قدمین الشریفین سے مشرف ہوئی ہو اس کو میں جانوروں

مقام خاک شفاء (وادیٔ صعیب جو وادیٔ بطحان کا حصہ تھی) تصویر-۲۰۰۰ء

سموں سے روندوں.] (۵۵) اور پیدل چلتے ہوئے اگر راستہ میں کسی اصحابی کے مکان کی باقیات کے پاس سے گزرتے تو از راہ ادب اس قدیم و عظیم آثار اصحابہ یعنی اس عمارت کو اپنے ہاتھوں سے مس کر کے گزرتے تھے اور گلیوں سے گزرتے وقت ہمیشہ گلی کے کنارے کنارے چلتے اور فرمایا کرتے تھے کہ درمیان میں اس لیے نہیں چلتا کیونکہ تاجدار انبیاء اور ختمی مرتبت ﷺ عموماً سڑک کے وسط میں چلا کرتے تھے اور مالک کی کیا مجال کی اس جگہ پر سے گزرے جو قدمین رسول مقبول ﷺ سے کہکشاں صفت بن چکے ہوں (۵۶). ایسی ہی ایک اور مثال حضرت اویس قرنیؒ کی بھی ہے کہ جب وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے انتقال پُر ملال کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو درود و سلام کے لیے بہت ہی تھوڑی دیر مدینہ طیبہ قیام کیا اور یہ کہہ کر مدینہ طیبہ سے بھاگ گئے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سید الانس والجن علیہ افضل الصلوۃ والسلام تو زیر زمین محو استراحت ہوں اور اویس قرنی سطح زمین سے اوپر گھومتا پھرے. یہ تھی عشاق رسول ﷺ اور عشاق مدینہ طیبہ کے احترام مدینۃ النبی کی ایک جھلک اوران کا انداز اور آداب.

اللہ کریم ہمیں آداب مدینہ طیبہ بجالانے کی توفیق فرمائے. آمین.

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر — نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

حواشی

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث ہے جسے ہم نے حافظ ابن کثیر (ت :۷۷۴ ہجری) کی البدایہ والنہایہ سے نقل کیا ہے. (البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب، ج: سوم، ص: ۱۷۹) نیز یہ حدیث حاکم کی مستدرک میں بھی ہے جسے شیخ اسماعیل بن عبداللہ الاسکداری (ت :۱۱۸۲ ہجری) نے اپنے تالیف ترغیب اہل الموده والوفاء فی سکنی دار الحبیب المصطفیٰ نے صفحہ ۱۰۹ پر نقل کیا ہے، اس کے علاوہ دیکھیے: المحلیٰ لابن حزم، ۷-۴۵۳ اور امام شمس الدین سخاوی (ت:۹۰۲ ہجری)، تحفۃ اللطیفہ فی تاریخ مدینۃ الشریفہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۳، ج:۱، صفحہ ۲۱.

(۲) صحیح مسلم (انگریزی ترجمہ: عبدالحمید صدیقی)، انٹرنیشنل اسلامک پبلشنگ ہاؤس، ریاض، ج:۲، نمبر ۳۱۶۲.

(۳) ایضاً، ج:۲، نمبر ۱۳۹۳، مسند امام احمد، ج:۵، نمبر ۸۹، ۱۰۲ اور ۱۰۶.

(۴) مسند امام احمد، ۳-۲۴۰.

(۵) القرآن الکریم (الاحزاب: ۴۵-۴۶)

(۶) مسند امام احمد ۱، ۴۵۲. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے: [رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہیں وہ فرشتے جو روئے زمین کا چکر لگاتے رہتے ہیں اور جونہی کوئی مجھ پر درود و سلام بھیجتا ہے تو میری امت کے اس فرد کا سلام مجھ تک پہنچا دیتے ہیں.]

(۷) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۱۱۲.

حضرت جابر ابن عبداللہؓ کی روایت ہے: [میرے حجرے اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، اور میرے منبر کا پایہ جنت میں ہے اور جو جگہ میرے منبر اور (ام المومنین) سیدۃ عائشہؓ کے حجرہ کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے.] ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری) الوفاء باحوال المصطفیٰ ۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۸، ص: ۲۵۹. اسی مضمون پر مزید احادیث صحیح بخاری صحیح مسلم، ترمذی، نسائی مسند امام احمد، ابن سعد، طبرانی، بیہقی، ابونعیم (حلیۃ الاولیاء) اور ابن کثیر کی البدایہ اور النہایہ میں کثرت سے ملتی ہیں (حاشیہ ابن الجوزی، مصدر مذکور، ص: ۲۵۹)

(۸) صحیح بخاری، ج:۹، نمبر ۴۳۳، اور ج:۲، نمبر ۵۵۹. نیز الموطاء امام مالک، نمبر ۵۴-۳-۱۰.

(۹) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۵۲۹ و ۵۳۰.

(۱۰) مسند امام احمد ۳: ۳۴۳-۳۹۷ اور امام بخاری، تاریخ الکبیر ۴: ۲۹

(۱۱) سمہودیؒ، وفا الوفاء، مصدر مذکور، جزء ۱، صفحات: ۷۴-۸۹

(۱۲) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۲۰۹

(۱۳) الموطاء امام مالک، ج:۱، نمبر ۱۰۰۵

(۱۴) صحیح مسلم، مصدر مذکور، ج:۲، نمبر ۳۱۵۴

(۱۵) الحسن البصریؒ، فضائل المکہ، مکتبۃ ثقافت الدینیہ، پورٹ سعید، مصر، ۱۹۹۵، ص: ۲۰. یہ حدیث ترمذی، ابن ماجہ اور امام احمد نے بھی نقل کی ہے.

(۱۶) الہیثمی، مجمع الزوائد، ۳-۳۰۰

(۱۷) الترمذی، المناقب (۳۹۱۷)، ابن ماجہ کتاب المناسک (باب: فضائل المدینہ، ۳۱۱۲).

(۱۸) صحیح بخاری، ج:۳،نمبر۱۱۴۔ابن شبہ النمیر ی البصر ی نے تاریخ مدینہ (ج:۳،ص:۸۷۸) میں یہی حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے نقل کی ہے۔
(۱۹) قرآن کریم (القصص:۵۹) سے استناد کیا گیا ہے۔
(۲۰) حسن البصری ؒ، مصدر مذکور، ص ۲۶۔
(۲۱) ابن کثیر (ت:۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب، ج:۳،ص ۱۷۹۔شیخ جعفر بن السید اسماعیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والاخرین، دار الکتب والوثائق المصریہ ISBN NO.977-5231-14-0 ۱۹۹۵،ص:۲۶۱۔
(۲۲) ابن کثیر، مصدر مذکور، ص ۱۹۲۔
(۲۳) امام اسماعیل بن اسحاق الجہضمی القاضی المالکی (۱۹۹-۲۸۲ ہجری)، فضائل الصلاۃ علی النبی ا، مکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۷۷، الطبعۃ الثالثۃ صفحات ۳۶-۳۷۔
(۲۴) ابن اسحاق، The Life of Muhammad, Trans:Alfred Gillume، اکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۱۹۷۸، صفحات:۲۰۳ - ۲۰۴۔
(۲۵) صحیح بخاری، ج:۳،نمبر ۱۱۰۔
(۲۶) صحیح بخاری، ج:۳،نمبر ۳۰۸،اور ج:۲،نمبر ۱۴۱،اور ج:۴،نمبر ۷۸۳۔
(۲۷) صحیح مسلم، مصدر مذکور، ج:۲،نمبر ۳۱۷۵۔
(۲۸) صحیح مسلم، ج:۲،نمبر ۳۱۷۰،حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: ''اے میرے رب اس شہر کو امان والا کردے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے جوان میں اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں''۔القرآن: البقرہ:۱۲۶ ایضاً سورۃ ابراہیم: ۳۵ اور ۳۷
(۲۹) صحیح مسلم، ج:۲،نمبر ۳۱۸۹، نیز ابی سعید المفضل بن محمد الجندی المکی (ت:۳۰۸ ہجری)، فضائل المدینہ، دار الفکر، دمشق ص ۲۶۔
(۳۰) صحیح مسلم، ج:۲،نمبر ۳۱۹۲۔
(۳۱) صحیح بخاری، ج:۳،نمبر ۱۱۳۔
(۳۲) صحیح مسلم، ج:۲،نمبر ۳۱۹۷، صحیح بخاری، ج:۳،نمبر ۱۰۱۔
(۳۳) صحیح بخاری، ج:۳،نمبر ۱۰۴۔
(۳۴) صحیح مسلم، ج:۲،نمبر ۳۱۸۷۔
(۳۵) صحیح بخاری، ج:۳،نمبر ۱۰۳۔
(۳۶) صحیح بخاری، الیکٹرانک مجموعہ احادیث - سی ڈی - نمبر ۱۸۸۰ اور ۵۷۳۱۔
(۳۷) دکتور صالح بن حمید بن ساعدی الرفائی، الاحادیث الواردہ فی فضائل المدینہ، ص:۱۶۸۔
(۳۸) مسند امام احمد، جامع الاحادیث، ۶-۴۴۲، نمبر ۲۲۲۷۔
(۳۹) صحیح بخاری، ج:۳،نمبر ۱۰۰۔
(۴۰) صحیح مسلم، ج:۲،نمبر ۳۲۰۳، نیز صحیح بخاری، ج:۳،نمبر ۹۸۔نیز ابن شبہ النمیر ی البصری نے اس حدیث کے ضمن میں بیان کیا ہے کہ ایسا ثنیات الوداع کے قریب ہوا تھا، مصدر مذکور، ج:۱،صفحات:۲۷۶-۲۷۷۔
(۴۱) ابن حبان کی روایت در ترمذی (دیکھئے: سمہودی، مصدر مذکور، جزء ۱،ص:۸۳)۔
(۴۲) جمال المطری (ت:۷۴۱ ہجری) التعریف بما انست الہجرہ من معالم دار الہجرہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۷،ص ۱۰۱۔

علامہ سیوطی، جامع الاحادیث، نمبر۴۷۵۶، نیز ترمذی اور حاکم نے بھی اسی حدیث مبارکہ کو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔

(۴۳) ابن الجوزی، مناقب امیر المومنین عمر بن الخطابؓ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۰، ص ۲۷۔

(۴۴) جمال المطری، مصدر مذکور، ص ۱۱۵۔

(۴۵) ابن نجار، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، مصر، ص ۶۲۔

(۴۶) قاضی عیاضؒ، الشفاء، ج:۲، صفحات: ۴۴-۴۵؛ سمہودیؒ، الوفاء بما یجب لحضرت المصطفیٰ، ناشر حمد الجاسر (رسائل فی تاریخ المدینہ)، صفحات: ۱۰۹-۱۰۰،
نیز: قطب الدین الحنفی (ت: ۹۹۰ ہجری) تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافت الدینیہ، مصر، ص: ۴۳۔

(۴۷) بیہقی نے حیات الانبیاء اور شعب الایمان میں نقل کیا ہے (۲:۲۱۸ نمبر ۱۵۸۳)۔

(۴۸) سنن ابی داود (مناسک: ۲۰۳۹)، مسند امام احمد، ۲-۵۲۷ اور تفسیر ابن کثیر، ۶-۴۶۴۔

(۴۹) ابن الجوزی، مثیر الغرام، ص: ۲۷۳۔

(۵۰) القرآن الکریم (الحجرات: ۲)۔

(۵۱) ایضاً (الحجرات: ۳)۔

(۵۲) عبدالرحمٰن عبدالحمید البر، التحفۃ الذکیہ فی فضائل المدینۃ النبویہ، دار الیقین، مصر، ۲۰۰۰۔

(۵۳) قاضی عیاض، الشفاء، ج:۲، ص ۴۴۔ نیز قطب الدین الحنفی، مصدر مذکور، ص ۴۳ اور ۹۹۔

(۵۴) سید سلیمان ندوی، حیات (امام) مالکؒ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص: ۶۵۔

(۵۵) ایضاً۔

(۵۶) ابن خلکان، ترجمہ مالک بن انس، تزئین الممالک، مصر، ج:۱، ص: ۴۳۹۔

باب ۴

مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاۂ کے اسمائے مبارکہ

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کا نام 'طابہ' رکھوں (حدیث شریف)(۱)
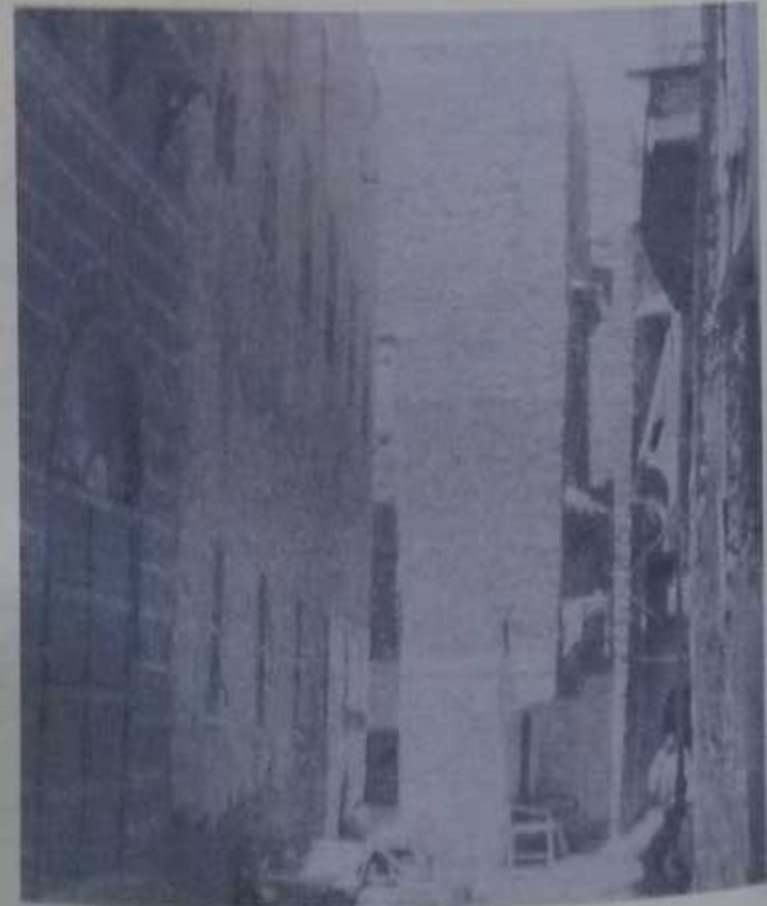
مورخین اور محدثین نے مدینۃ النبی کے سو سے زیادہ اسمائے مبارکہ بیان کئے ہیں. یاقوت الحموی وہ پہلے مورخ ہیں جنہوں نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف معجم البلدان میں اس بلدہ طاہرہ کے ۲۹ (انتیس) نام شمار کئے تھے جن میں سے چند یہ ہیں: المدینہ ، طیبہ ، طابہ ، مسکینہ، العذراء ، الجابرہ ، المحبہ ، المحببہ ، المجبورہ ، یثرب ، الناجیہ ، الموفیہ ، المجنہ ، القدسیہ ، العاصمہ، المرزوقہ ، الشافیہ ، الخیرہ ، المحبوبہ ، المرحومہ ، القاصمہ ، طبابہ ، المخرج صدق وغیرہ (۲).

اس کے بعد تقریباً ہر محقق نے اس تعداد میں اضافہ کیا ہے. سید سمہودیؒ نے ۹۵ نام گنوائے ہیں جبکہ علامہ زرکشی، مجدالدین فیروز آبادی اور محمد بن یوسف الصالحی نے بہت سارے اسماء کی تشریح بالتفصیل بیان کی ہے. یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ از منہ قبل از اسلام میں یہ قصبہ یثرب کے نام سے جانا جاتا تھا. دراصل یہ شہر خوباں بہت سارے قریوں کا مجموعہ تھا جس میں سے سب سے زیادہ مشہور قریہ یا گاؤں یثرب ہی کا تھا اور اسی وجہ سے یہی نام تمام قریوں کے مجموعے کے لیے بھی استعمال ہونے لگ گیا تھا، اور جیسا کہ ایک دوسرے باب میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے قدیم یونانی مورخین نے اسے 'ایاثریپا' یعنی یثرب کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے. مگر جونہی حضور سرور کائنات رحمت دوعالم ﷺ نے اپنا قدم مبارک یہاں رکھ کر اسے اپنا مسکن بنایا تو پھر یہ شہر مقدس مدینۃ النبی کے نام سے ہی مشہور ہوا.

اس بلدہ مبارکہ کے اتنے سارے نام ہونے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دل میں اس مقدس بقعہ ارض کا کیا مقام اور احترام ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسے جتنے بھی نام دئے گئے ہر نام نہائت ہی مناسب اور اسم بامسمیٰ ثابت ہوا ہے. ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک کبھی اسے مدینۃ النبی، کبھی مدینۃ المبارکہ، کبھی مدینۃ المشرفہ اور کبھی صرف المدینہ یا مدینہ کہا جاتا رہا ہے. یہ صرف عثمانی (ترکی) دور میں ہی تھا جب کہ اسے مدینۃ المنورہ کہا جانے لگا جو بظاہر اس لیے کہا گیا کہ اس شہر مقدس کی نسبت صرف اور صرف رسول مقبول ﷺ سے ہے اور چونکہ حضور سید الاولین والآخرین ﷺ کو قرآن پاک میں 'سراجاً منیراً' کہہ کر پکارا گیا ہے (۳) اس لیے اسی زاویہ نگاہ سے حضور پرنور ﷺ کے مسکن و مدفن کو 'مدینہ منورہ' کہا جانے لگا اور پھر اس کے بعد یہ نام زبان زد خاص و عام ہو گیا اور یہی نام بین الاقوامی سطح پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسلم ہو گیا ہے. چند اسماء مبارکہ کا ذکر تو قرآنی آیات یا احادیث مبارکہ میں بھی ملتا ہے مگر دیگر اسماء مبارکہ فقہاء اور علماء نے مدینہ طیبہ کی کسی نہ کسی خصوصیت یا صفت کی بنا پر وضع کئے ہیں. ذیل کے چند صفحات میں ہم چند مشہور اسمائے مبارکہ کی تفصیل بیان کر رہے ہیں.

مدینہ:

قرآن کریم نے لفظ مدینہ کا ذکر بطور اسم نکرہ اور اسم معرفہ دونوں طرح کیا ہے. مندرجہ ذیل چار آیات میں لفظ مدینہ بطور اسم معرفہ استعمال ہوا ہے:

(۱) اور تمہارے گرد جو اعراب (بدو قبائل کے لوگ) ہیں ان میں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ لوگ مدینہ سے بھی (ان میں شامل ہیں) وہ ابھی بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں تم ان کو نہیں جانتا مگر ہم جانتے ہیں. (۴)

(۲) نہ چاہئے مدینہ والوں کو اور ان کے اردگرد کے (بادیہ میں بسنے والے) گنواروں کو کہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے سے پیچھے رہ جائیں اور انہیں چاہئے کہ وہ اپنی جانوں کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ عزیز نہ رکھیں. (۵)

(۳) البتہ اگر منافق اور جن کے دل میں روگ ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں طرح طرح کی افواہیں پھیلاتے ہیں اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے، تو ہم تمہیں ان کے پیچھے لگا دیں گے اور پھر وہ تیرے پاس (یہاں یعنی مدینہ میں) زیادہ دیر نہ رہ پائیں گے. (۶)

(۴) وہ لوگ (یعنی منافق) کہتے ہیں اگر ہم مدینہ میں واپس گئے تو عزت والے لوگ کمتروں کو نکال باہر پھینکیں گے. اور عزت تو اللہ اور اسکے رسول اور ایمان والوں کی ہے، یہ بات منافق کیا جانیں. (۷)

ہجرت مبارکہ پر تمام مہاجرین کو اپنے گھر بار چھوڑنے پڑے تھے۔ اس کے بدلے اللہ رب العزت جل جلالہ نے ان کو دنیا میں بہترین نعم البدل دینے کا وعدہ کیا جو کہ مدینہ طیبہ میں آبادکاری کی صورت میں ہوا سورۃ النحل کی آیت ۴۱ میں فرمان الٰہی ہے: ﴿اور وہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار چھوڑے مظلوم ہوکر، ضرور ہم ان کو دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور بیشک آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے اگر یہ لوگ جان سکیں!﴾ اس آیت کریمہ میں مدینہ طیبہ کا نام لیے بغیر فرمایا گیا ہے کہ وہ جگہ دنیا میں سب سے بہترین جگہ ہے۔

عربی زبان میں عام معانی میں لفظ مدینہ کا مطلب شہر یا قریہ ہوتا ہے اور چار یا پانچ مقامات پر اسے ان معانی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ بر سبیل مثال سورہ یٰسین میں لفظ مدینہ ایک قریہ یا شہر کے بطور اسم نکرہ استعمال ہوا ہے۔ مگر جیسا کہ اوپر دی گئی چار آیات میں کہا گیا ہے وہاں 'مدینہ' اسم معرفہ ہی کے طور پر استعمال ہوا ہے (۸) جو اس بات کی دلیل ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کو اس نام مبارکہ سے بہت پیار تھا کیونکہ اور کسی شہر کا اتنی بار تکرار کے ساتھ ذکر نہیں ہوا قرآن کریم کے علاوہ احادیث مبارکہ میں تو اس اسم مبارکہ کا اتنی بار ذکر ہے کہ احاطہ کرنا محال ہے۔

مدینہ منورہ کے چند دیگر مشہور اسمائے مبارکہ:

حضرت زید بن اسلمؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [مدینہ کے دس اسماء ہیں (جن میں سے نو یہ ہیں): المدینہ، طیبہ، طابہ، مسکینہ، جبارہ، مجبورہ، یندد، یثرب اور الدار۔] حضرت عبداللہ بن جعفر ابن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ: [اللہ جل جلالہ نے مدینہ طیبہ کا نام الدار اور الایمان رکھا ہے۔] (۹) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور تاجدار مدینہ ﷺ نے فرمایا: [مجھے ایک ایسے قصبے کو ہجرت کرنے کا حکم ملا ہے جو دوسرے قصبوں اور شہروں پر غالب آئے گا۔ اسے یثرب کہا جاتا ہے مگر اس کا اصلی نام المدینہ ہے۔ یہ خبیث انسانوں کو اپنی دھرتی سے ایسے نکال باہر پھینکتا ہے جیسے آتشیں بھٹی خام لوہے کی میل کو نکال کر پھینک دیتی ہے۔] (۱۰) اس حدیث مبارکہ سے تین نقاط واضح ہوتے ہیں:

(۱) یہ کہ زمانہ قبل از ہجرت میں مدینہ منورہ کا نام یثرب ہوا کرتا تھا (یثرب کا مطلب مواخذہ، سرزنش اور فساد ہے) در حقیقت یثرب ان بہت سارے قریوں میں سے ایک قریے کا نام تھا جو مدینہ طیبہ کی ارض مقدسہ پر صدیوں سے آباد تھے۔ ان تمام قریوں میں سے یثرب معاشی اور معاشرتی طور پر بہت نمایاں حیثیت کا حامل تھا۔ زمخشری کے بیان کے مطابق یثرب دوسرے تمام گاؤں سے بڑا تھا جو وادی قناۃ اور الجرف کے درمیان والے علاقے میں واقع تھا اور اس میں یہودیوں کی اکثریت تھی۔ [(۱۱) مرور ایام کے ساتھ یہود بے یہود کے ساتھ ساتھ اس میں عرب کے بعض شعوب و قبائل کی کثیر تعداد آباد ہو گئی تھی۔ یثرب کے دیگر اسماء جو زمانہ قبل از اسلام میں رائج تھے ہم نے باب 'یثرب' میں دیے ہیں۔ ابن حجر اور امام نووی رحمت اللہ علیہم (صحیح بخاری اور مسلم شریف کی شہرہ آفاق شروح کا سہرہ انہی کے سر ہے) دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ جب حضور پرنور ﷺ نے یثرب کو مدینہ کا نام دے دیا تو اس کے بعد صرف منافقین ہی ایسے لوگ تھے جو اسے یثرب کہا کرتے تھے جب کہ مومنین نے اسے مدینۃ النبی کے نام سے پکارنا شروع کر دیا تھا۔ (۱۲) قبل از اسلام یثرب کے لیے ایک اور مترادف نام اثرب بھی تھا جو شاید عبرانی اور عربی کی روزمرہ کی بول چال میں لسانی تفاوت کا نتیجہ تھا جو اس وقت مدینہ طیبہ میں رائج تھیں۔ (۱۳) جیسے کہ اوپر بیان کیا گیا ہے یہ قریہ یثرب کی معاشی برتری کا نتیجہ تھا کہ نام یثرب دوسرے قریوں کے اسماء کو پس پشت ڈال کر مشہور ہو چکا تھا۔

(۲) یہ کہ یہ شہر دوسرے قصبوں پر غلبہ حاصل کرے گا۔ اس حدیث مبارکہ میں جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ ہے 'اکلۃ القریٰ' جس کا لفظی مطلب دوسرے شہروں اور قصبوں کو ہڑپ کر جانے والا شہر ہے۔ در حقیقت یہ صادق و مصدوق ﷺ کی مدینہ طیبہ کے متعلق پیش گوئی تھی جو حرف بحرف سچ ثابت ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے چھوٹی سی مدینہ طیبہ عاصمۃ الاسلام یعنی دولت اسلامیہ کا مرکز اور

دارالخلافہ قرار پایا اس وقت کی عالمی قوتوں کے تمام دار ہائے سلطنت ایک ایک کر کے سرنگوں اور مغلوب ہو کر مدینہ طیبہ کے باج گزار بن گئے کیونکہ اسلام کی افواج قاہرہ نے ان کی عظمت وسطوت کو اپنے پاؤں تلے روند کر وہاں مدینہ طیبہ کی عظمت و جبروت کے جھنڈے گاڑ دئے تھے.

(۳) تیسری بات یہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کا نام نامی مدینہ رکھ دیا تھا. جونہی اس بات کا چرچا ہوا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے یثرب کہنا یکسر ترک کر دیا. اب اس کا ذکر اگر کیا جاتا ہے تو صرف تاریخی حوالے سے. حضرت براء بن العازبؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [جو کوئی بھی مدینہ کو یثرب کے نام سے پکارے گا اسے رب ذوالجلال سے استغفار کرنا ہوگی. یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے.] (۱۴) جلال الدین السیوطیؒ کی مرتبہ جامع الاحادیث (۹-۵۱۲) میں دی گئی حدیث مبارکہ کے الفاظ تو بالصراحت اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ: [جس نے بھی مدینہ کے لیے یثرب کا لفظ استعمال کیا کفارے کے طور پر اسے دس بار ''المدینہ'' کہنا چاہیے.

طابہ: یہ حدیث مبارکہ کہ: [بلاشک مجھے رب ذوالجلال نے حکم دیا ہے کہ میں اس شہر کا نام طابہ رکھوں.] اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے نزدیک مدینہ منورہ کا محبوب ترین نام طابہ تھا. حضرت جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ: [اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے.] طابہ کا مطلب نفیس، طاہر (پاک) عمدہ اور میٹھا ہے. (۱۵) طیب خوشبو کو بھی کہتے ہیں اس لیے طابہ کا ایک مطلب خوشبودار بھی ہے. حضرت جابرؓ ہی کی ایک اور روایت میں جو دوسرے راویان کرام کی وساطت سے بیان کی گئی ہے کہا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مدینہ کا نام طابہ رکھوں.] (۱۶) حضرت ابو حمید الساعدیؓ نے بیان کیا ہے کہ: [جب ہم غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے تو جونہی مدینہ ہماری نظروں کے سامنے نمودار ہوا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [یہ طابہ ہے، یہ جبل احد ہے جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں.] (۱۷) ابن شبہ النمیری نے بھی ایک ایسی ہی حدیث مبارکہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے حوالے سے بیان کی ہے جس کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [جو بھی مدینہ کو یثرب کہے گا اسے توبہ کرنی چاہئے اور تین مرتبہ استغفر اللہ کہنا چاہئے. یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے، یہ طابہ ہے.] (۱۸) کیوں نہ ہو کہ وہی یثرب جو آمد رسول مقبول ﷺ سے پہلے فساد وتثریب کا گڑھ تھا قدم بوسی دانائے سبل ﷺ کے بعد فروغ وادی سیناء کی رفعتوں کو بھی اپنے پیچھے چھوڑ چکا تھا. نعلین مبارکہ اور پاپوش ختم الرسل ﷺ نے اس کی غبار راہ تک کو عرش کا ہم پایہ کر دیا تھا. اس کی گلی گلی رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے عطر بیز ہو گئی تھی. ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب کبھی حضور نبی اکرم ﷺ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظروں سے اوجھل ہوتے تو انہیں حضور والا شان ﷺ کو تلاش کرنے میں اتنی دقت نہ ہوتی کیونکہ جس طرف آں حضرت ﷺ کا گزر ہوتا تھا وہ راستے اور وہ ہوائیں بہت دیر تک معطر رہتیں اور اصحابہ کرام اسی طرف کا رخ کرتے اور جا کر حضور پرنور ﷺ کو پا لیتے:

یا خیر من دفنت فی الترب اعظمہ فطاب من طیبھن القاع والاکم

(اے وہ سب سے اچھی ذات کہ جس کا جسد اطہر مٹی میں دفن کیا گیا، تو اس کی خوشبو سے میدان اور ٹیلے مہک اٹھے.)

طیبہ: حضرت زید ابن ثابتؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ روایت کی ہے کہ: [یہ طیبہ ہے. جس کا مطلب مدینہ ہے. یہ خبث ونجاست کو ایسے نکال باہر پھینکتا ہے جیسے آتش چاندی کے کھوٹ کو الگ کر دیتی ہے.] (۱۹) جب شہر مدینہ نے بصفت کاملہ اسلام قبول کر لیا تو اس میں کفار کی سکونت کی گنجائش نہ تھی اور یہود بے بہود کے اجلاء اور دیگر غیر مسلم عناصر کے انخلاء کے بعد یہ شہر خوباں طاہر وطیب ہو گیا. مشہور صحابیہ سیدۃ فاطمہ بنت قیسؓ فتنہ دجال کی حدیث مبارکہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ: [یہ

مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاً
باب الشامی کی طرف سے
اس وقت فصیل کے باہر چند
حویلیاں بھی ہوا کرتی تھیں
۱۹۰۷ء

طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے۔] (۲۰) اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ: [رب ذوالجلال کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے مدینہ کی مٹی اور اراضی مومنہ ہے (یعنی ایمان لا چکی ہے اور امان پا گئی ہے)]۔ (۲۱) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: [ایک وقت ایسا آئے گا کہ ایک مدنی اپنے عزیز یا رشتہ دار کو بلا کر کہے گا کہ چلو کسی ایسی جگہ چل کر بسیں جہاں سامان زیست ارزاں اور با فراط ملتا ہو مگر سچ یہ ہے کہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہوگا اے کاش کہ وہ اسے جان پاتے۔ رب ذوالجلال کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ کوئی مدینہ چھوڑ کر چلا جائے اور اللہ تعالیٰ مدینہ طیبہ کو اس کی جگہ بہتر نعم البدل نہ دے۔ یاد رکھو مدینہ ایک ایسی بھٹی کی مانند ہے جو ہر خبث اور کھوٹ سے اس کو پاک رکھے گی۔ قیامت اس وقت تک نہیں آئیگی جب تک کہ مدینہ طیبہ اس خباثت اور کھوٹ کو جو اس میں در آئی ہوگی اس کو اس طرح باہر نکال کر نہ پھینک دے جس طرح ایک بھٹی فولاد سے خام مادے کو الگ کر دیتی ہے۔ (۲۲) اس طرح کی اور بہت سی آحادیث وارد ہوئی جس کی وجہ سے محدثین نے طیبہ کا ایک معنی یہ بھی لیا ہے کہ 'پاک کرنے والا'۔

مطیبہ: یہ مبارک نام بھی طیبہ اور طابہ ہی کے مصدر سے مشتق ہے اور کم و بیش ان جیسے معانی رکھتا ہے۔ ایسا ہی ایک دوسرا مشتق مطابہ بھی ہے جو کہ اس بلدہ طاہرہ کا ایک اور نام ہے۔ طیبہ اور طائبہ بھی اسی مصدر سے مشتق ہے۔ ایک ہی مصدر کے مشتقات کی بہتات مدینہ طیبہ کی ان تمام تر خوبیوں اور خصوصیات کا اظہار کرنے کے لیے ہے جن کے معانی: طہارت اور پاکیزگی، عمدگی، لطافت اور نفاست، مٹھاس اور عطر بیزی ہیں جو بلاشک مدینہ طیبہ کی ارض مقدسہ اور فیوض و برکات سے مالا مال ماحول کا طرہ امتیاز ہے۔ یاقوت الحموی البغدادی (ت: ۶۲۶ ہجری) فرماتے ہیں کہ: مدینہ طیبہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی ہوا معطر ہے جو فضاء کو عطر بیز رکھتی ہے اور یہ لطیف عطر باقی عطور سے کہیں افضل و اعلیٰ ہے۔

یا طیب مبتدا منہ و مختتم
ابان مولدہ عن طیب عنصرہ

(آنجناب ﷺ کی میلاد یعنی پیدائش نے آپ کے عناصر جسدی کی خوشبو کو ظاہر کر دیا۔ سبحان اللہ کیا لطافت و نفاست ہے آپ حضور ﷺ کے اول کی اور آخر کی)۔
(امام بوصیریؒ)

مدخل صدق: قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ میں مدینہ منورہ کا ذکر یوں کیا گیا ہے: ﴿اور کہہ اے رب مجھے مدخل صدق (یعنی مدینہ) میں خوش اسلوبی اور نہایت آبرو سے پہنچا اور جہاں سے تو مجھے نکالنا چاہتا ہے (مخرج صدق یعنی مکۃ المکرمہ) وہاں سے بھی نہایت خوش اسلوبی سے نکالنے کا بندوبست کر اور اپنی جناب سے مجھے قوت و نصرت عطا کر۔﴾ (۲۳) مفسرین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہ

"ایت کریمہ ہجرت کے موقع پر نازل ہوئی. جب کفار مکہ کی چیرہ دستیاں حد سے تجاوز کر گئیں اور وہ رسالت مآب ﷺ کے خون کے پیاسے ہو گئے تو رب ذوالجلال والاکرام کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو اذن ہجرت ہوا کہ آپ عازم 'مدخل صدق' ہو جائیں اور مکہ مکرمہ جس کو 'مخرج صدق' کا نام دیا گیا ہے اس کو خیر باد کہہ دیں اور قوت ونصرت سے مراد مدینہ طیبہ کے انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جنہوں نے ہر حالت میں آنحضرت ﷺ کا ساتھ دیا طبری نے اس تفسیر کے حق میں حضرت حسن بصریؒ کے نقطہ نظر سے استناد کیا ہے. (۲۴) حضرت زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ میں 'مدخل صدق' سے مراد مدینہ طیبہ ہے جب کہ 'مخرج صدق' سے مراد مکۃ المکرّمہ ہے اور قوت و نصرت سے گروہ انصار مراد ہیں. (۲۵)

سید البلدان: جبکہ مکۃ المکرّمہ کو ام القریٰ (شہروں کی ماں) کہا گیا ہے مدینہ طیبہ کے لیے سید البلدان (تمام شہروں کے سردار) کے علاوہ اور کیا مناسب نام ہو سکتا تھا! حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں: [جب بھی حضور نبی اکرم ﷺ کسی سفر کے بعد مدینہ طیبہ میں تشریف لاتے تو مدینہ منورہ سے یوں مخاطب ہوتے: [اے طیبہ، اے سید البلدان.] نبی اکرم ﷺ کے اتباع میں حضرت عمر فاروقؓ بھی اسے سید البلدان ہی کہہ کر پکارتے تھے. (۲۶)

حرم رسول اللہ ﷺ: نبی الحرمین اور محبوب رب المشرقین ورب المغربین ﷺ کا فرمان جلیل ہے: "(المدینه) انها حرم آمن" عمرو بن سعد نے اپنے والد ماجد (یعنی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ) کی روایت سے بیان کیا ہے کہ تاجدار حرم منبع جود و کرم حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [میں نے (مدینہ کے) دونوں لاوا کی سنگلاخ سطوح مرتفع کے درمیان واقع میدانی علاقہ کو حرم قرار دیا ہے. لہٰذا اس کے اشجار کو نہ کاٹا جائے اور نہ ہی اس کی حدود حرم میں جانوروں کا شکار کیا جائے. اور اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے مزید فرمایا: مدینہ ان لوگوں کے لیے بہت بہتر ہے اگر یہ جانیں. کوئی بھی اس کو ناپسندیدگی کی وجہ سے ترک نہیں کرے گا سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ کو اس سے بہتر نعم البدل عطا کر دے گا اور جو بھی مدینہ منورہ کی تکالیف اور صعوبات کو صبر و استقامت سے برداشت کرے گا بروز حشر میں اس کی شہادت دوں گا اور اس کا شفیع ٹھہروں گا.] (۲۷) رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا: [حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حرم مکۃ المکرّمہ ہے اور میرا حرم مدینہ طیبہ ہے.] یہی وجہ ہے کہ مدینہ طیبہ کو حرم رسول اللہ ﷺ یا حرم نبوی کہا گیا ہے جس کی حدود شمالاً جنوباً جبل ثور سے لیکر جبل عیر تک اور شرقاً غرباً حرہ شرقیہ (حرہ واقم) اور حرہ غربیہ (حرہ وبرہ) کی سطوح مرتفع تک پھیلی ہوئی ہیں.]

البلد: سورہ البلد کے شروع میں فرمان الٰہی ہے:

﴿لا اقسم بهذا البلد . و انت حل بهذا البلد﴾ **مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب آپ اس شہر میں آزاد اور تشریف فرما ہیں.** (۲۸)

تنزیل کے اعتبار سے گو یہ آیت مکی ہے اور عام مفسرین کی رائے بھی یہی ہے کہ اس آیت کریمہ میں مکۃ المکرّمہ کا ذکر ہے مگر بہت سے سرکردہ مفسرین کرام کا نقطہ نظر یہ بھی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی قسم مشروط ہے، یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کی آزادی اعمال کے ساتھ، اس لیے اس قسم کا اطلاق مدینہ طیبہ پر ہی ہوتا ہے جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کو مکمل آزادی حاصل تھی جبکہ اس کے برعکس مکہ مکرمہ میں آپ حضور ﷺ پر تو اپنے مشن کی تکمیل کے لیے ہر طرح کا قدغن تھا اور آں حضور ﷺ کو طرح طرح کی مصائب اور مشکلات کا سامنا تھا. قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ گو کہ یہ آیت کریمہ ترتیب نزول کے اعتبار سے مکی ہے مگر نص کے معانی کے نقطہ نظر سے اس سے مراد مدینہ منورہ بھی ہے کیونکہ حضور سرور دو عالم ﷺ کا مسکن ابدی مدینہ منورہ ہی ہے. جس میں آں حضور ﷺ کو مکمل آزادی حاصل تھی. اسی طرح قرآن کریم نے مدینہ طیبہ کو ارض اللہ کہہ کر بھی پکارا ہے (۲۹) اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام کائنات اللہ ہی کی ملکیت ہے مگر مدینہ طیبہ سے خصوصی پیار کی وجہ سے رب کریم جل جلالہ نے اپنے حبیب ﷺ کے شہر کو خاص طور پر ارض اللہ کہہ کر پکارا الثعلبی جیسے مفسرین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہاں ارض اللہ سے مراد مدینہ طیبہ ہی ہے. (۳۰)

قرآن کھا رہا ہے اس خاک کی قسم ہم کون ہیں خدا کو ہے تیری گلی عزیز

الدار: حضور سرور کائنات ﷺ کے مسکن ہونے کے ناطے مدینہ طیبہ نے دار رسول اللہ ﷺ یا مدینۃ الرسول ﷺ کے ناموں سے بھی شہرت پائی ہے. حضرت عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالب ؓ فرماتے ہیں: [اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو 'الدار' اور 'الایمان' کا نام دیا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ ﴿والذین تبوؤ الدار والایمان﴾ (۳۱) سے واضح ہے. سورہ حشر کی اس آیت مبارکہ میں مال غنیمت کو تقسیم کرنے کے اصول وضع کئے ہیں اور اس کے مستحقین کی وضاحت فرمائی ہے چونکہ اہالیان مدینہ منورہ کو مالکان دار اور ایمان کہہ کر پکارا گیا ہے اس لیے اس بلدہ طیبہ کو الدار اور الایمان کے نام سے نوازا گیا ہے.

العاصمہ: عربی زبان میں اس کا مطلب عیوب ونقائص سے مبراء اور منزہ ہے. مدینہ منورہ کے لیے عاصمہ سے زیادہ اور کیا مناسب نام ہوگا جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بالصراحت فرمادیا ہے کہ اللہ رب ذوالجلال نے مدینہ طیبہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے اور اس کی مٹی ایمان لا چکی ہے. علاوہ ازیں چونکہ مسلمانوں نے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے کفار کے ظلم وستم سے نجات پالی تھی اور وہاں آ کر ان کے شر سے محفوظ ہو گئے تھے اس لیے بھی مورخین نے شہر مصطفوی ﷺ کو العاصمہ کا لقب دیا ہے. اسی طرح اس کا ایک اور نام 'فضیحہ' بھی ہے جس کا مطلب منافقین اور کفار کے عزائم کو طشت از بام کرنے والا تھا جس کی وجہ سے وہ وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے تھے.

دار الابرار: حضور سرور کونین ﷺ کے نودنہ ناموں میں سے ایک نام مبارک 'سید الابرار' بھی ہے جس کا مطلب پرہیزگاروں کے سید و سردار. اسی نسبت سے مدینہ طیبہ کو دار الابرار (یعنی پرہیزگاروں کا گھر) بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ شہر خوباں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد کا پسندیدہ مسکن بن گیا تھا. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ تابعین فقہاء اور اولیاء رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد نے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرنے کو ترجیح دی تھی. یہ حقیقت کہ تقریباً دس ہزار سے زائد اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صرف جنت البقیع میں مدفون ہیں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مدینہ طیبہ ان اتقیاء اور اذکیاء شخصیات کا مرغوب ومحبوب مسکن تھا. مدینہ طیبہ وہ دار الابرار ہے جہاں پر مرنے اور دفن ہونے کی دعا خود سید الابرار ﷺ اور آنجناب کے جلیل القدر صحابی (سیدنا عمر فاروق ؓ) نے بھی کی.

فرخا شہرے کہ تو بودی در آں   اے خنک خاکے کہ آسودی در آں

مرقدے در سایہ دیوار بخش   کوکبم را دیدہ بیدار بخش

(اقبال)

دار الاخیار: آقائے دوسراء ﷺ کے اسمائے مبارکہ میں ایک نام 'سید الاخیار' بھی ہے جس کا مطلب 'چنے گئے پسندیدہ اور بہترین شخصیتوں کا سردار'. اسی نسبت سے مدینہ طیبہ کو بھی بلدان عالم میں وہی حیثیت حاصل ہوگئی اور اسے بہترین افراد کا مسکن قرار دیا گیا. اسلامی علوم کا مورد اور منبع ہونے کی وجہ سے مدینہ طیبہ دیگر بلدان عالم سے سبقت لے گیا اور تاریخ گواہ ہے کہ جتنے علماء، فقہاء اور زبدۃ الامت مدینہ منورہ نے پیدا کئے شاید ہی کوئی دوسرا شہر اس کی مثال دے سکے.

دار الایمان: رسول اللہ ﷺ کے ورود مسعود سے یثرب کی قسمت جاگ اٹھی اور وہ ''دار الشرک'' سے ''دار الایمان'' بن گیا اور پھر ایسا 'دار الایمان' بنا کہ رہتی دنیا تک ایمان کا گھر ہی رہے گا. ایک حدیث مبارکہ کے مطابق مدینہ طیبہ ایمان کا مصدر ومنبع ہے اور ایمان اس سے کبھی جدا نہیں ہوگا. حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک مثال دی ہے کہ جس طرح ایک سانپ اپنی بل سے زیادہ دیر باہر نہیں رہ سکتا اور ہمیشہ اسی میں ہی لوٹ کر آتا ہے بعینہ ایمان بھی مدینہ طیبہ میں واپس لوٹ آتا ہے. یعنی مدینہ طیبہ اور ایمان لازم وملزوم ہیں. اسی وجہ سے علماء کرام نے اسے دار الایمان کہا ہے. اس حرم مقدس سے علم وعرفان اور انوار وتجلیات کے سوتے پھوٹتے ہیں اور حکمت وایمان کے متلاشی عمر بھر اس حسرت میں رہتے ہیں کہ

کب مدینہ طیبہ کی زیارت ہو اور کب وہ 'دارالایمان' کے چشموں سے اپنی پیاس بجھا سکیں.

دارالفتح: فرمان ایزدی ہے ﴿انا فتحنالک فتحا مبینا﴾ - بے شک ہم نے تمہارے لیے فتح مبین کا راستہ کھول دیا. مدنی سورۂ فتح کی اس پہلی آیت سے اسلام کی عالمگیر فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا. فتح کے معانی 'کھولنا'، 'کامیابی' یا 'فتح کرنا' ہوتا ہے. ہجرت طیبہ کے بعد چونکہ اللہ تعالیٰ نے افواج اسلام کو پے در پے فتح و نصرت عطا کی اور چار دانگ عالم میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگ گیا اس لیے مدینہ طیبہ کو 'دارالفتح' کے نام سے بھی پکارا گیا ہے. جب مسلمان مہاجرین مدینہ منورہ آئے تو وہ بیکس و بے خانماں تھے مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی. اللہ کریم نے ان کے صبر و استقامت کو اس طرح نوازا کہ دیکھتے ہی دیکھتے عرب کے یہی بادیہ نشیں اس وقت کی متمدن دنیا اور عالمی قوتوں کو سرنگوں کر کے دنیا کی زمام اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے کر دین حق کا بول بالا کر رہے تھے. اس فتح مبین کی بدولت مدینہ طیبہ کو دارالفتح کہا گیا ہے.

دارالنخیل یا دارالنخل: زمانہ قبل از تاریخ سے ہی مدینہ طیبہ (جو اس وقت یثرب کہلاتا تھا) کھجور کی پیداوار کے لیے مشہور تھا. یہاں پر سب سے پہلے کھجور کی شجر کاری عمالقہ نے کی. رب ذوالجلال نے ارض حبیب کو پانی کی نعمت سے مالا مال کیا ہوا تھا اس کے بعد جب قوم عاد کچھ دیر مدینہ طیبہ میں آباد ہوئی تو انہوں نے کنویں کھود کھود کر پانی کشید کیا اور اس زمین کو مزید قابل کاشت کر دیا اور اس طرح مدینہ طیبہ نخیل (یعنی کھجور) کی کاشت کے لیے مشہور ہو گیا. ہجرت سے پہلے نبی الامی والعلیم الکریم ﷺ نے عالم رؤیا میں دیکھا کہ وہ ایک ایسے علاقے میں ہجرت کریں گے جہاں کی زمین کی آبیاری کنوؤں سے کی جاتی تھی اور جہاں کھجور کی شجر کاری بکثرت تھی. یہ تھا رؤیائے صادقہ کا خاکہ جس کی تعبیر مدینہ منورہ تھی. آج بھی سعودی عرب کی سرزمین پر کم و بیش ۳۰۰ (تین صد) اقسام کی کھجور ہوتی ہے. جس میں سے ۲۷۰ اقسام صرف بلدہ طاہرہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوتی ہیں. اسی نسبت سے مدینہ طیبہ کو دارالنخیل یا دارالنخل بھی کہا گیا ہے.

غالبہ: غالبہ کا مطلب واضح ہے یعنی غلبہ حاصل کرنے والا. اکالۃ القریٰ کی طرح غالبہ کا بھی وہی مطلب ہے کیونکہ یہ شہر حبیب اس وقت کے بلدان عالم پر غالب آیا تھا. مدینہ طیبہ سے طلوع ہونے والے آفتاب اسلام نے دنیا کے تیرہ و تاریک گوشوں کو منور اور تابندہ کر دیا اور بھٹکی ہوئی انسانیت کو طریق حق پر گامزن کر دیا. کیا ساسانی کیا رومی، کیا مصری اور کیا اتھیوپی، ہر طاغوتی طاقت چشم زدن میں مغلوب و مفتوح ہو کر عاصمۃ الاسلام مدینہ طیبہ کی باجگزار ہو گئی تھی. یہ اعزاز شہر نبوی مدینہ طیبہ کو ایک اور نام دے گیا جسے غالبہ کہا جاتا ہے.

حسنہ: حسنہ کا مطلب خوبی یا نیکی ہوتا ہے. اس شہر حبیب کی حسنات و برکات کا اندازہ لگانا ہمارے بس کی بات نہیں جہاں ۷۰،۰۰۰ فرشتے آسمان سے نازل ہو کر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر شب بھر درود و سلام پیش کرتے ہوں اور صبح ہوتے ہی اتنی تعداد آسمانوں سے دن بھر کے لیے نازل ہوتی ہو اور یہ عمل روز قیامت تک جاری و ساری ہے. (۳۲)

فرشتے سینکڑوں آتے ہیں اور جاتے ہیں   بہت قریب ہے عرش خدا مدینے سے

(سیماب اکبر آبادی)

الحبیبہ: جس سے محبت کی جائے اسے حبیبہ کہا جاتا ہے. حبیب کبریا ﷺ نے رب ذوالجلال سے دعا کی کہ اے اللہ مومنین کے دلوں میں مدینہ کی محبت اجاگر کر دے تاکہ اسے وہ اتنی ہی محبت کرنے لگیں جتنی کہ مکہ مکرمہ سے کرتے ہیں. ایک حدیث مبارکہ میں تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ: [اے اللہ ہمیں مدینہ کی محبت عطا کرتا کہ ہم اس سے اتنی محبت کریں جتنی کہ مکہ سے کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ.] (۳۳) یہ دعائے رسول اور ایجابت الٰہی کا ثمرہ تھا جس سے مدینہ طیبہ کو الحبیبہ کا محبوب ترین لقب دیا گیا اور اردو اور فارسی شاعری میں تو دیار حبیب ایک بہت ہی معروف و مقبول نام بن چکا ہے اس لیے کہ یہ شہر مقدس نہ صرف اللہ کو حبیب ہے بلکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے خود

حبیب خدا اسے بے حد محبوب رکھتے تھے. جب کبھی آنجناب ﷺ کسی سفر سے لوٹتے اور جونہی مدینہ طیبہ رسالت مآب ﷺ کی نظروں کے سامنے آجاتا تو اپنی سواری کو مہمیز لگا کر مزید تیز تر کر دیتے تا کہ جتنی جلدی ہو سکے وہاں پہنچ جائیں. جو سکون آنحضرت ﷺ کو مدینہ طیبہ میں ملتا وہ کہیں اور نہیں ملتا تھا. ایک مرتبہ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محاسن مدینہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: [اور مدینہ ان کے لیے بہت بہتر ہے، اے کاش کہ انہیں یہ معلوم ہوتا.]

المحفوظہ: چونکہ کفار مکہ کی بار بار کی یلغار اور یہود کی تمام تر ریشہ دوانیوں کے باوجود بھی مدینہ طیبہ مومنین کے لیے ایک نا قابل تسخیر اور مضبوط قلعہ ثابت ہوا جس نے نہ صرف کفر و الحاد کے غبارے سے ہوا نکال دی بلکہ چار دانگ عالم میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا اس لیے مدینہ طیبہ کو المحفوظہ کا نام بھی دیا گیا ہے. انتقال پرملال سے چند روز پہلے حضور سرور کائنات ﷺ نے بہت سارے معاملات پر جوامت کو در پیش تھے اظہار خیال فرمایا اور ایک وعظ شریف میں یہ فرمایا کہ: [اب شرک مدینہ طیبہ میں کبھی داخل نہیں ہوگا.] ایک دوسرے موقع پر یہ ارشاد فرمایا: [طاعون اور دجال بھی مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہوسکیں گے.] (۳۴) عیسائی جاسوس برکہارٹ جس نے انیسویں صدی کے اوائل میں بھیس بدل کر حرمین الشریفین کا دورہ کیا تھا کہتا ہے کہ: ۱۸۱۵ء میں جب مکہ، ینبع اور جدہ طاعون کی تباہ کاریوں سے بری طرح متاثر ہوئے تھے مدینۃ المنورہ اور وہ علاقہ جو دو بندرگاہوں کے درمیان ہے طاعون کی وباء سے بالکل محفوظ رہے تھے.] (۳۵) اسی طرح خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق ؓ کے دور میں جب حجاز کے شمالی مناطق طاعون کی وباء کی لپیٹ میں آگئے تھے مدینہ طیبہ حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق بالکل محفوظ رہا تھا.

جہاں تک مدینہ طیبہ کا دجال کے دخول سے محفوظ رہنے کا تعلق ہے ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ: [دجال مدینہ طیبہ کی مشرقی جانب سے مدینہ پر حملہ کرنے کی غرض سے آئے گا یہاں تک کہ وہ جبل احد کے پچھواڑے پڑاؤ ڈالے گا تب فرشتے اس کا منہ موڑ کر شام کی طرف کر دیں گے اور وہ وہاں جا کر واصل جہنم ہو جائے گا.] (۳۶) یہ حدیث مبارکہ تقریباً تمام کتب احادیث میں مذکور ہے. دجال اور طاعون کا مدینہ طیبہ میں نہ آسکنا اس کے محفوظ ہونے کا بین ثبوت ہے. یہی وجہ ہے کہ اس بلدہ طاہرہ کو 'المحفوظہ' کہا گیا ہے.

الشافیہ: اس کا مطلب ہے شفاء دینے والا. نبی رحمت ﷺ نے متعدد بار ارشاد فرمایا کہ تراب مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے شفاء بخشی ہے. بالخصوص تربت صعیب (خاک شفاء) کو تو حضور والا شان ﷺ نے بہت سی بیماریوں کے لیے ایک نسخہ اکسیر فرمایا ہے اور متعدد مورخین مدینہ طیبہ نے بارہا اس نسخے سے صحتیاب ہو کر اس حدیث مبارکہ کی تصدیق کی ہے جن میں ابن نجار اور سید سمہودی ؒ بھی شامل ہیں. خاص طور پر جلدی امراض کے لیے تو یہ اکسیر مجرب ہے. جب کبھی بھی کسی وجہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس پر مدینہ منورہ کی گرد اٹ جاتی تو آپ حضور ﷺ عموماً اسے صاف نہ کرتے اور اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی منع فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ: [غبار مدینہ میں شفاء ہے.] حضرت امام مالک ؒ کو تو مدینہ طیبہ کی تراب اور غبار اتنے عزیز تھے کہ ایک مرتبہ جب کسی نے مدینہ طیبہ کی مٹی کے بارے میں حقارت سے اسے ردی کہہ دیا تو انہوں نے اسے تیس (۳۰) کوڑے لگانے کا حکم دے دیا اور تادم توبہ اس کو محبوس اور مقید کرنے کی سزا بھی سنا دی.

مہاجر الرسول: چونکہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے مکیوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر نہ صرف مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی بلکہ تا بہ ابد اسے اپنا مسکن بنا لیا اس وجہ سے مدینہ طیبہ کو مہاجر رسول کے لقب سے بھی پکارا گیا ہے.

ذات الحرار: ارض مدینہ طیبہ کی جیالوجیکل یعنی ارضیاتی ساخت اور خصوصیات کی وجہ سے اسے ذات الحرار بھی کہا گیا ہے (۳۷) کیونکہ اس کی بیشتر اراضی لاوا کی چٹانوں سے بنی تھی جو حرار کی سطوح مرتفع کہلاتی تھیں. حرہ عربی زبان میں ایسی پتھریلی زمین کو کہتے ہیں جو آتش فشانی عمل کے نتیجے میں جل کر سیاہ چٹان بن چکی ہو. مدینہ طیبہ کے دو علاقے تو اس سلسلے میں خاصے مشہور رہے ہیں حرہ شرقیہ اور حرہ

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ: [شہ بطحاء ﷺ نے جبل احد کی طرف دیکھا اور فرمایا: [یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں. اے اللہ ابرہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم بنایا اور میں ان دونوں سیاہ لاوا کے بنے سنگلاخ علاقوں کے درمیان والے خطے کو حرم بناتا ہوں.] (۳۸) ان دو حروں کے علاوہ مدینہ طیبہ کے گرد و پیش میں واقع سطوح مرتفع بہت سے طویل و عریض حروں پر مشتمل ہے. حرار دراصل حرہ کی جمع کا صیغہ ہے. اسی وجہ سے مدینہ طیبہ کو ارض الحرار یا ذات الحرار بھی کہا گیا ہے.

دیگر اسمائے مبارکہ: ان مذکورہ چند اسماء مبارکہ کے علاوہ اس شہر خوباں کے اور بھی بہت سے اسمائے کریم ہیں جو اس کی مختلف خصوصیتوں اور فیوض و برکات کی نسبت سے رکھے گئے ہیں، مثلاً العذرا، المحبوبہ، دارالسلام، دارالسنہ، قلب الایمان، قریۃ الانصار، قریۃ رسول اللہ، قریۃ السلام، قبۃ الاسلام، یندد (ایک قسم کی خوشبو) اور یندرو غیرہ. آخر میں ہم دو بہت اہم ناموں کا ذکر کرنا مناسب سمجھیں گے کیونکہ وہ شہرت کی وجہ سے زبان زد عام ہو چکے ہیں.

منورہ: سب سے آخری ناموں میں جو مدینہ طیبہ کے لیے رکھے گئے ہیں 'منورہ' آتا ہے جس کا مطلب روشن و تاباں ہے. جیسا کہ اس باب کی ابتداء میں بیان کیا گیا ہے یہ اسم مبارک یا لاحقہ ترک عثمانی دور میں رواج پذیر ہوا اور اس مبارک نام نے اتنی شہرت اور مقبولیت پائی ہے کہ مکۃ المکرّمہ کی طرح مدینہ کے ساتھ المنورہ یا منورہ کا آنا اب لازم و ملزوم ہو گیا ہے اور عالم اسلام کے ہر گوشے میں یہ نام زبان زد خاص و عام ہے. لفظ 'منورہ' مشتق ہے 'نور' سے جو نہ صرف اللہ جل جلالہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کے اسمائے حسنہ میں بھی شامل ہے بلکہ خود قرآن کریم کے لیے بھی استعمال ہوا ہے. مزید برآں قرآن کریم نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ کو 'سراجاً منیراً' (۳۹) کہہ کر پکارا ہے اس لیے ان تینوں نسبتوں سے اس شہر مقدس کو منورہ کہا جانا حق گوئی کے سوا اور نہیں ہے.

بطحاء: عربی میں بطحاء نہایت اونچے مقام اور بلند سطح کو کہتے ہیں. مدینہ طیبہ کے باقی ماندہ ناموں کے علاوہ جو مختلف وقتوں میں اس شہر خوباں کو دئے گیے فارسی شعراء نے اپنے نعتیہ کلام میں بطحاء کا استعمال بکثرت کیا ہے. سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں مسجد نبوی کی توسیع فرمائی تو مشرقی جانب مسجد شریف کے باہر ایک چبوترہ بنا دیا جس کو بطیحاء کہا جاتا تھا (بطیحاء بطحاء کا اسم تصغیر ہے.) یہاں وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (اور بعد میں تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) میں سے جو شاعری میں شغف رکھتے تھے اپنا شاعرانہ کلام باواز بلند پڑھا کرتے تھے کیونکہ مسجد نبوی کے اندر ایسا کرنا مسجد نبوی اور حجرہ مطہرہ کی حرمت کو مجروح کرنے کے مترادف تھا (یہ شرف صرف حضرت حسان ابن ثابتؓ کو ہی رہا کو وہ آخر دم تک اپنا نعتیہ کلام مسجد نبوی کے اندر ہی پڑھتے رہے کیونکہ شہ بطحاء ﷺ ان سے ان کا کلام وہیں سماعت فرمایا کرتے تھے). اس لیے شعراء نے اور بالخصوص فارسی شعراء نے لفظ بطحاء کو مدینہ طیبہ کے لیے مخصوص کر لیا. بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی کے بطیحاء کے علاوہ وادی عقیق میں واقع اس مقام کو بھی 'بطحاء' کہا جاتا تھا جہاں اب مسجد ذوالحلیفہ واقع ہے. وہاں پر حضور رسالت مآب ﷺ نے عمرہ اور حج پر روانگی سے پہلے قیام فرمایا تھا.

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس مقام کو 'بطحاء مبارکہ' کے نام سے بھی پکارا ہے (۴۰) جہاں ذوالحلیفہ میں مسجد میقات ہے. (۴۱) امام القرا حضرت نافعؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں بطحاء پر اپنی اونٹنی بٹھائی اور وہاں نماز ادا کی] اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے. (۴۲) چونکہ حجاج کرام کے قوافل ہمیشہ وہاں آ کر رکتے تھے تو وقت کے ساتھ ساتھ بطحاء کا نام خود مدینہ طیبہ کے لیے مشہور ہو گیا. اس کے علاوہ ایک اور بات بھی بطحاء کے وجہ تسمیہ کی باعث ہو سکتی ہے. زمانہ قبل از اسلام میں

یثرب میں مختلف مقامات پر منڈیاں لگا کرتی تھیں. ایسی ہی ایک منڈی بقیع الخیل کے پاس بھی منعقد ہوا کرتی تھی جہاں بنو سلیم گھوڑوں اور اونٹوں اور دیگر مال مویشی کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے. یہ جگہ حضرت زید ابن ثابتؓ کے گھر کے قریب ہوا کرتی تھی (۴۳) جو موجودہ مسجد الغمامہ کے مغربی جانب ہوا کرتا تھا. یہ ایک طرح کا نیلام گھر ہوا کرتا تھا جو عموماً حج کے موسم میں لگا کرتا تھا. چونکہ یہ منڈی بھی بطحاء کے نام سے جانی جاتی تھی لہذا باہر سے آنے والے حجاج کرام اور زائرین بھی اس بطحاء کی شہرت سے واقف تھے. اس لیے شعراء اور ادباء نے (خاص طور پر فارسی اور اردو زبان میں) استعارے کے طور پر مدینہ منورہ کو اکثر بطحاء کہا ہے. مولانا جامیؒ کی اس نعت نے تو اسے زبان زد عام کر دیا جس کا مطلع ہے:

نسیما جانب بطحاء گزر کن　　زا حوالم محمد ﷺ راخبر کن

(اے باد نسیم تو بطحاء یعنی مدینہ طیبہ سے ہو کر گزرنا اور شہ بطحاء کو میری زبوں حالی کی خبر دیتی جانا.)

کاظمہ: اسی طرح اور شعراء (بالخصوص علامہ اقبالؒ) نے مدینہ طیبہ کے لیے لفظ 'کاظمہ' کا بھی استعمال کیا ہے. اگرچہ کسی مورخ نے مدینہ طیبہ کے لیے اس نام کا بالصراحت ذکر نہیں کیا مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ 'کاظمہ' اس چشمہ کا نام تھا جو حضرت معاویہؓ نے مدینہ طیبہ کے باسیوں کی سہولت کے لیے احد کے دامن میں کھدوایا تھا جو عین الشہداء کے نام سے بھی جانا جاتا تھا. (۴۴) ممکن ہے کہ بطحاء کی طرح کاظمہ بھی عربی، اردو یا فارسی میں شاعری میں ایسے ہی داخل ہو گیا ہو. سب سے پہلے کاظمہ کو امام بوصیریؒ نے اپنے شہرہ آفاق قصیدہ بردہ شریف میں مطلع کے طور پر استعمال کیا:

امن تذکر جیران بذی سلم　　ام هبّت الریح من تلقاء کاظمة

مزجت دمعا جری من مقلة بدم　　و اومض البرق فی الظلماء من اضم

کیا تجھے ذی سلم کے ہمسائے یاد آ گئے　　کہ تیری آنکھوں سے خون کے آنسو جاری ہو گئے

یا کاظمہ کی طرف سے ہوا چلی　　یا کوہ اضم پر اندھیری رات میں بجلی چمکی

کوہ اضم وہ پہاڑ ہیں جو کہ وادی اضم میں یا اس کے اردگرد واقع ہیں. وادی اضم جبل احد کے مغرب میں وہ علاقہ تھا جہاں کبھی مدینہ طیبہ کی تمام وادیوں کا سنگم ہوا کرتا تھا اور سب کا پانی مل کر ایک ڈیلٹا کی شکل اختیار کر لیتا تھا. اس علاقے کو زغابہ بھی کہا جاتا تھا. آج کل الخلیل کے علاقے کا کچھ حصہ اسی زغابہ اور اضم کی جگہ آباد ہے.

امام بوصیریؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علامہ اقبال نے بھی بال جبریل میں اپنی مشہور زمانہ وجدانی نظم 'ذوق وشوق' میں مدینہ منورہ کے لیے کاظمہ کا لفظ استعمال کیا ہے:

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب　　کوہ اضم کو دے گیا رنگ رنگ طیلساں

گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخیل دھل گئے　　ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں

حواشی

(۱) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۳۱۹۳۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، جذب القلوب الی دیار المحبوب (اردو ترجمہ: سید حکیم و[...]
دہلی، ہند (۱۹۸۷) ص: ٦

(۲) یاقت الحموی، معجم البلدان، ج: ۴، ص ۸۲۲۔

(۳) القرآن الکریم (الاحزاب: ۴۵-۴٦)

(۴) القرآن الکریم (التوبہ: ۱۰۱-۱۰۲)

(۵) القرآن الکریم (التوبہ: ۱۲۰)

(٦) القرآن الکریم (الاحزاب: ٦۰)

(۷) القران الکریم (المنافقون: ۸)

(۸) القرآن الکریم (یٰس: ۲۱) دوسرے مقامات جہاں لفظ مدینہ استعمال ہوا ہے وہ یہ ہیں: (الاعراف: ۱۲۳)، (الیوسف: ۳۰[...]
(الکہف: ۱۹)، (النمل: ۴۸) اور (القصص: ۱۸ اور ۲۰)

(۹) ابن شبہ النمیری البصری (تاریخ المدینہ)، ج: ۱، ص ۱٦۲۔ مزید دیکھئے: قطب الدین الحنفی (ت: ۹۹۰ ہجری) تاریخ المدینہ[...]
پورٹ سعید، مصر، ص: ٦۔

(۱۰) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۳۱۸۹۔ نیز الموطاء امام مالکؒ، ۵/۴۵۔

(۱۱) سید سمہودیؒ، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، ج: ۱، ص: ۹۔

(۱۲) فتح الباری ۴: ۸۴ اور شرح النووی ۹: ۱۵۴۔

(۱۳) سید سمہودیؒ، مصدر مذکور، ج: ۱، ص ۸۔

(۱۴) مسند امام احمدؒ ۴: ۲۸۵۔

(۱۵) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۳۱۹۳ نیز مسند امام احمد، ۵/۸۹، ۱۰۲ اور ۱۰٦۔

(۱٦) دکتور صالح بن حمید بن سعید الرفاعی: الاحادیث الواردہ فی فضائل المدینہ، دار الخضری، مدینہ منورہ (۱۹۹۸) ص ۳۰۲۔

(۱۷) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۳۲۰۷

(۱۸) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج: ۱، ص: ۱٦۴۔

(۱۹) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۳۱۹۲

(۲۰) ایضاً ج: ۴، نمبر ۷۰۲۹۔

(۲۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور، ص ۱۱۔

(۲۲) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۳۱۸۸

(۲۳) القرآن الکریم (بنی اسرائیل: ۸۰)

(۲۴) الترمذی، جامع ۵/۳۰۴، نمبر ۳۱۳۹۔ الطبری، جامع البیان ۱۵/۱۳۹۔

(۲۵) عباس کرارہ، الدین وتاریخ الحرمین الشریفین، دار مصر للطباعہ (۱۹۸۰) ص ۲۳۴۔

(۲٦) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور ص ۱۳۔ سید سمہودی، وفاء الوفاء ج: ۱، ص: ۱٦۔

(۲۷) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۳۱۵۴

(۲۸) القرآن الکریم (البلد:۱)

(۲۹) القرآن الکریم (النساء:۹۷)

(۳۰) سید سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ج:۱، ص:۱۰.

(۳۱) القرآن الکریم (الحشر:۹)

(۳۲) ابن الجوزی، مثیر الغرام، ص۲۷۳.

(۳۳) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۱۱۳.

(۳۴) ایضاً، ج:۹، نمبر۲۴۶.

(۳۵) رچرڈ برٹن (Quoted by Richard Burton, op cit,) ص۳۸۴.

(۳۶) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر۳۱۸۷

(۳۷) الموطاء امام مالک، ج:۲، نمبر۱۶۴۵، صحیح بخاری، ج:۹، نمبر۴۳۳.

(۳۸) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۴۹۴. (تمہاری جائے ہجرت مجھے دکھادی گئی ہے. میں نے سبخہ (یعنی شور والی زمین) دیکھی ہے جس میں کھجور کے درختوں کی بہتات ہے اور جو دو حروں کے درمیان واقع ہے.)

(۳۹) القرآن الکریم (الاحزاب: ۴۵-۴۶) اے نبی بیشک ہم نے تمہیں اللہ کے امر کے مطابق شاہد اور خوشخبری دینے والا اور تنبیہ کرنے والا اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے. اسی طرح سورۃ المائدہ (آیت نمبر ۱۵) 'بے شک تمہاری طرف اللہ سے ایک نور (یعنی من اللہ نور) اور ایک کھلی کتاب آئی ہے.

(۴۰) صحیح بخاری، ج:۹، نمبر۴۴۴.

(۴۱) ایضاً ج:۳، نمبر۵۲۹ اور ج:۹، نمبر۴۴۲.

(۴۲) ایضاً، ج:۲، نمبر۶۰۷.

(۴۳) ابن شبہ، ج:۱، ص:۳۰۶

(۴۴) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۱۲۷۵

مدینہ طیبہ کی سیٹلائیٹ سے لی گئی ایک تصویر ۲۰۰۰ء

باب ۵

ارض طیبہ کے جغرافیائی اور ارضیاتی خدوخال اور خصائص

(عمرانی ارتقاء پر ایک طائرانہ نظر)

مجھے تمہاری ہجرت کی منزل دکھادی گئی ہے جو کہ ایک شوریلی زمین (سبخہ) ہے
جہاں پانی اور کھجوروں کے درختوں کی بہتات ہے
اور جو دو آتش فشانی لاوں سے بنے سنگلاخ علاقوں کے درمیان واقع ہے
اور سیاہ پتھروں اور چٹانوں پر مشتمل ہے۔ (۱)
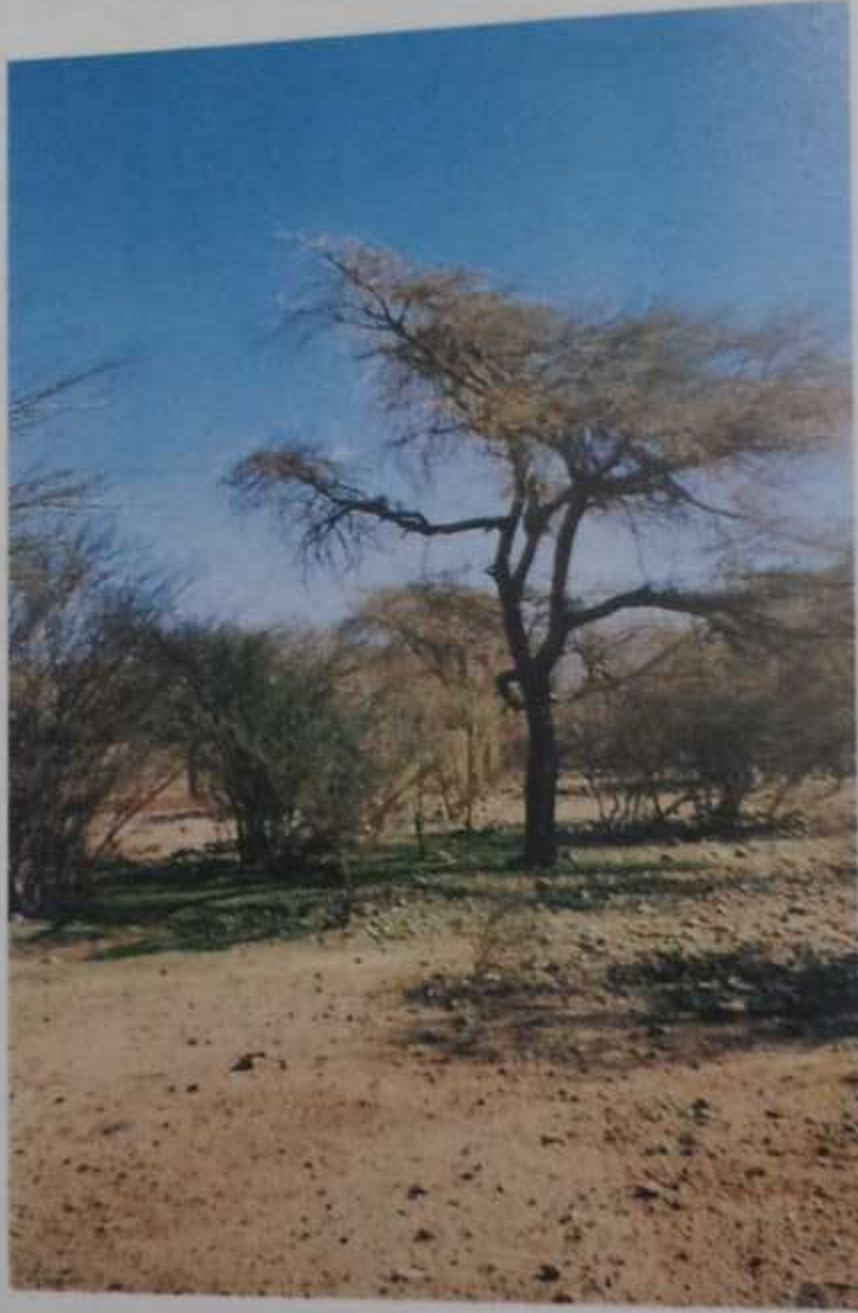
مدینہ طیبہ جزیرہ نمائے عرب کے شمال مغربی حصے میں خط طول بلد کے حساب سے (۳۹-۳۶-۱) ڈگری اور خط عرض بلد میں (۲۴-۲۸-۵) ڈگری پر واقع ہے.(۲) یہ مقدس شہر جدہ سے تقریباً ۴۲۵ کیلومیٹر (۲۶۴ میل) دور ہے، جب کہ مکۃ المکرمہ سے یہاں تک پہنچنے کے لیے ۴۹۷ کیلومیٹر (۳۰۸ میل) کی مسافت طے کرنی پڑتی ہے. ینبع کی بندرگاہ سے اس کا فاصلہ ۲۷۵ کیلومیٹر (۱۷۰ میل) اور ریاض سے، جو کہ مملکۃ سعودی عرب کا دارالخلافہ ہے، اس کا فاصلہ ۹۹۲ کیلومیٹر ہے. زیادہ سے زیادہ چوڑائی کے مقام پر مدینہ طیبہ کا قطر تقریباً ۴۰ کیلومیٹر بنتا ہے جبکہ اس کا کل رقبہ ۵۸۹ مربع کیلومیٹر پر محیط ہے. جس میں سے ۲۹۳ مربع کیلومیٹر رہایشی اور تجارتی مراکز پر مشتمل عمارتوں اور دیگر شہری سہولیات پر محیط ہے. باقی کا رقبہ زیادہ تر سلسلہ ہائے جبال اور وادیوں پر مشتمل ہے (جغرافیائی لحاظ سے وادی کا لفظ مدینہ طیبہ کے قدرتی ندی نالوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو بارانی دنوں میں جنوب سے شمال کی طرف بہتے ہیں). اسی باقی ماندہ رقبے میں مدینہ طیبہ کے بہت سارے قبرستان، پارکوں اور سڑکوں کے جال اور دیگر بلدیاتی خدمات کے علاقے بھی شامل ہیں. یہ بلدہ طاہرہ سطح سمندر سے ۶۲۵ میٹر بلندی پر واقع ہے. اس کے مغرب میں تقریباً ۲۵۰ کیلومیٹر دور کوہستانی سلسلے (جسے زمانہ قدیم سے 'جبال الحجاز' کا نام دیا گیا ہے) کے اس پار بحر احمر کا ٹھاٹھیں مارتا نیلگوں سمندر واقع ہے جس کے کنارے قریب ترین بندرگاہ 'ینبع' ہے. شہر مصطفوی کے اردگرد بلند و بالا پہاڑ ہیں جن میں سے مغرب کی جانب حدود حرم سے ذرا باہر جبال الحجی (حاجیوں کے پہاڑ) ہیں اور جنوب مغرب میں مسجد نبوی سے تھوڑے ہی فاصلے پر جبل سلع واقع ہے. طویل و عریض 'جبل عیر' جنوب میں کئی میلوں تک پھیلا ہوا ہے جبکہ شمال میں مشہور و معروف پہاڑ جبل احد ہے. مدینہ طیبہ کا وسطی علاقہ زرخیز اور متبرک وادی عقیق، بطحان اور الحمض کے سنگم کے قریب سطح مرتفع پر واقع ہے (۳) جس میں کسی زمانے میں اور بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی وادیوں نے اپنے راستے بنائے ہوئے تھے.

سرسبز و شاداب قطعات میں منقسم ارض حرم نبوی شریف جس میں اکثر و بیشتر برگ نخیل اپنے روائتی حسن سے لہلہاتے ہیں اور جہاں العقیق اور بہت سی دیگر وادیاں بل کھاتی ہوئی جبل احد کے مغرب کی طرف رواں دواں نظر آتی ہیں حضور سرور کونین ﷺ کے اس رویائے صادقہ کی حسین تعبیر پیش کرتی ہیں جو شروع میں بیان کی گئی ہے. جدید طریقہ، فن اور آلات تعمیر نے اس بقاع نور میں واقع ارضی ناہمواریاں بہت حد تک ختم کر دی ہیں. ازمنہ قدیم سے وہ آتش فشانی 'احرار' جن کی سطوح مرتفع کا اکثر ذکر کیا جاتا ہے آج ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے مگر پھر بھی متلاشی نگاہیں دیکھ لیتی ہیں کہ بعض علاقے آج بھی نسبتاً ناہموار سطوح پر مشتمل ہیں، جن میں 'حارہ غربیہ' کی آبادی (جو دراصل حرہ غربیہ کا بگڑا ہوا نام ہے) وغیرہ شامل ہیں.

سامراجی دور میں جنگ عظیم اول کی ابتدا پر عرب دنیا میں جاسوسی اور سازشوں کے جال پھیلانے کے لیے برطانوی حکومت کے مشرق وسطی میں عرب بیورو مقیم قاہرہ نے حجاز کے متعلق جو حقائق نامہ جاری کیا تھا، اس کے مطابق:

''مدینہ خالی میدانی علاقے میں اونچی سطح مرتفع پر واقع ہے جس کی اونچائی تقریباً ۲۵۰۰ فٹ ہے. تین اطراف سے مدینہ پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے جو اندرون شہر سے پانچ سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہیں. مدینہ کے نواح میں مختلف وادیوں کے سنگم کی آبیاری نے اس کو حجاز میں سب سے زیادہ زرخیز علاقہ بنا دیا ہے.(۴)

مدینہ طیبہ زمانہ قدیم سے ہی نخلستانی علاقہ رہا ہے. آتش فشانی عمل سے پیدا ہونے والے لاوے اور پانی کی بہتات نے اس سرزمین کو بہت ہی زرخیز اور قابل کاشتکاری خطہ بنا دیا تھا. بنو عمالقہ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے یہاں کھیتی باڑی شروع کی. اس کے زیادہ تر زرخیز علاقے حرے کے سنگلاخ اور چٹانی علاقوں پر مشتمل تھے. اس پتھریلی زمین میں وہ مٹی جو سینکڑوں میل دور سے وادی عقیق وغیرہ میں بھل کے طور پر مدینہ طیبہ آجاتی تھی ملا دی جاتی تھی جس سے مدینہ طیبہ کے گرد و نواح کی ساری اراضی

صدیوں سے قابل کاشت ہو چکی تھی. اس کو مزید زرخیز بنانے کے لیے اس میں نرم ریت اور مویشیوں کا فضلہ وغیرڈال دیا جاتا تھا جس سے وہاں ہرطرح کی کاشتکاری ہونے لگ گئی تھی۔ آج بھی سب سے زیادہ زرعی فارم اور کھجوروں کے باغات اور بساتین انہیں علاقوں میں پائے جاتے ہیں جن میں العوالی، قباء، العیون (جو عہد جدید میں تقریباً تمام کا تمام علاقہ رہائشی خطہ قرار دے دیا گیا ہے)، الجرف، العقیق اور حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے علاقے شامل ہیں. پرانے شہری علاقے کے اردگرد زرعی اراضی کو دو قسموں میں تقسیم کردیا گیا تھا.مشرقی جانب کے علاقے کی اراضی سفیدی مائل مٹی سے بنی ہوئی تھی جبکہ حرہ غربیہ کی اراضی زیادہ تر سیاہ رنگ کی ہوا کرتی تھی جس میں زرخیزی دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ تھی.اس لیے اس جانب اراضی میں سبزیاں، گندم، جو اور بہت سے انواع کے پھل ہوا کرتے تھے.قباء، العوالی اور قربان کے علاقے حرہ کے سنگلاخوں کی نسبت زیادہ نرم مٹی سے بنے تھے اس لیے وہاں صدیوں سے سبزیاں اگائی جاتی تھیں.(۵) مزید برآں ان دونوں آبادیوں میں سے نہ صرف وادی بطحان، وادی مہروز اور وادی مذینب گزرا کرتی تھیں بلکہ جتنے کنویں اس علاقے میں کھودے گئے تھے اور کسی علاقے میں نہیں تھے.اس لیے مدینہ طیبہ کے یہ علاقے ہر قسم کی سبزی، پھل (جن میں انگور، انار، لیمون، کیلا، آڑو اور سیب تھے) اور کھجور کی مختلف اقسام کی کاشت کے لیے مشہور تھے. زمانہ قبل از اسلام میں اور عہد نبوی شریف میں مدینہ طیبہ میں جو اجناس کاشت ہوتی تھیں ان میں جَو (شعیر) سرفہرست تھا.اس کے علاوہ کہیں کہیں گندم بھی بوئی جاتی تھی.

مدینہ طیبہ کے مضافات میں کھجوروں کے باغات کا ایک منظر

عام طور پر کھیت کھجور کے درختوں سے بھرے ہوتے تھے مگر ان درختوں کے نیچے زمین میں کیاریاں بنا کر جو اور سبزیاں اگائی جاتی تھیں. اسی طرح شمال میں احد سے پہلے واقع علاقہ وادی قناۃ کی وجہ سے بہت زرخیز تھا.۱۳۹۱ھ میں مدینہ طیبہ کا کل قابل کاشت رقبہ ۵۰۰۰ ہیکٹر پر محیط تھا جو عمرانی توسیع کی وجہ سے ۱۳۹۸ھ میں کم ہو کر ۱۲۷۷ ہیکٹر رہ گیا تھا.(۶)

آج کل مدینہ طیبہ کی زراعت زیادہ تر اجناس، پھل، کھجوروں اور سبزیوں پر مشتمل ہے اس کے علاوہ مال مویشی کے لیے چارہ بھی کاشت ہوتا ہے جس میں برسیم سب سے زیادہ ہوتا ہے. پھلوں میں سب سے زیادہ تربوز، انار اور انگور ہوتے ہیں جو مدینہ طیبہ کے نواحی کھیتوں سے آتے ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ خرمہ (کھجور) ہے جو مدینہ طیبہ کی سوغات سمجھی جاتی ہے اور برآمد بھی کی جاتی ہے.حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارک میں مشہور خرمہ العجوہ، لون اور برنی ہوا کرتی تھی (۷) اور آج بھی مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجور مدینہ طیبہ کا خاص تحفہ تصور ہوتی ہے. (۸) دوسری اقسام میں الجدی، حلوہ، شلابی (بغیر گٹھلی کے جو نخل کے نام سے بھی جانی جاتی ہے)، مبروم، البیض، الرابعہ، البرنی، الصفوی، الروثانہ اور العنبرہ بہت مشہور ہیں.(۹) مدینہ طیبہ کی کھجور کی منڈی (سوق التمور) میں کم و بیش ۱۵۰ اقسام کی کھجور بکتی ہے جن میں العنبرہ سب سے زیادہ مہنگی ہے. پورے سعودی عرب میں تقریباً ۳۰۰ اقسام کی کھجور ہوتی ہے جس میں سے ۲۵۰ اقسام صرف مدینہ طیبہ کے علاقے سے آتی ہیں.(۱۰) درحقیقت کھجور مدنی زندگی میں اقتصاد مدینہ کی ریڑھ کی ہڈی سمجھی جاتی رہی ہے.اس کے بیخ و بن، اس کے تنے اور ڈالیاں تک استعمال میں لائی جاتی ہیں جن سے بہت سی گھریلو چیزیں (مثلاً چٹائیاں، دستی پنکھے اور چھوٹے چھوٹے ڈبے وغیرہ) تیار ہوتی ہیں.ابتداء میں یہ کام غلاموں سے لیے جاتے تھے مگر اب باہر کے ممالک سے افرادی قوت منگائی جاتی ہے. یاد رہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ چونکہ پہلے یہود کے ہاں غلام رہ چکے تھے وہ ہاتھ کے پنکھے بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور آپ رضی اللہ عنہ سرور دو عالم جان کائنات ﷺ اور آپ حضور کے اہل خانہ کے لیے کھجور کی پنکھیاں بنا کر لایا کرتے تھے اور اپنے آقا و سرکار دو عالم ﷺ کو مسجد نبوی میں اپنے ہاتھ سے پنکھا جھلا کرتے تھے.

مدینہ طیبہ کی سرزمین کی ارضیاتی (جیولاجیکل) ساخت:

اراضیات (جیولوجی) کے نقطہ نظر سے مدینہ طیبہ کی سرزمین آتش فشانی عمل کے نتیجے میں معرض وجود میں آنے والے لاوا کے سنگ خارا کی سرخ و سیاہ اور گہرے بھورے رنگ کی چٹانوں سے بنی ہے۔جس میں بیسالٹ اور گرینائٹ کی آمیزش زیادہ ہے۔مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ سفر کرتے ہوئے طریق ہجرہ ایک وسیع و عریض ویرانے سے گزرتے ہیں جو جھلسے ہوئے لاوا کے سنگریزوں سے اٹا پڑا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ پورا خطہ ماضی بعید میں شدید آتش فشانی عمل کا شکار رہا تھا جو کہیں لاکھوں سال پہلے یہاں برپا ہوا ہوگا۔ سائنسی لحاظ سے اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جاری آتش فشانی عمل ہزاروں سال پہلے ہی اپنے اختتام کو پہنچ گیا تھا کیونکہ ماضی قریب میں ایسا شاذ و نادر ہی ہوا ہے کہ وہاں کوئی آتش فشانی انفجار رہا ہو۔یہی حال مدینہ طیبہ کے جبال اور سنگلاخوں کا ہے جو اسی پس منظر کی پیدائش ہیں۔سب کے سب پہاڑ اسی عمل کے نتیجے میں معرض وجود میں آئے تھے۔ان سب پہاڑوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن سے آخر کار لاوے کی جگہ آتش فشانی راکھ نکلنی شروع ہوگئی تھی مثلاً: جبل بنو قریضہ۔ایسے پہاڑوں کی چٹانیں ٹھوس پتھریلی چٹانوں کی بجائے راکھ اور نرم اور نہایت ہی ہلکے مادے سے بنی ہیں جن میں زیادہ تر ملی جلی دھاتیں ہیں جس سے مدینہ طیبہ کی تحت الارض ساخت پر بہت روشنی پڑتی ہے اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ ارض مدینہ کی تہہ میں بہت سی دھاتیں موجود ہیں۔ارض حرم مدینہ سے چند میل دور مہد الذہب کی موجودگی جہاں سونے کی کانیں ہیں اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔فوق الارض زیادہ تر پہاڑ سخت لاوائی مادے سے بنے ہیں جن میں معدنی عناصر کم ہیں سوائے بسالٹ اور انڈیسائٹ کے۔
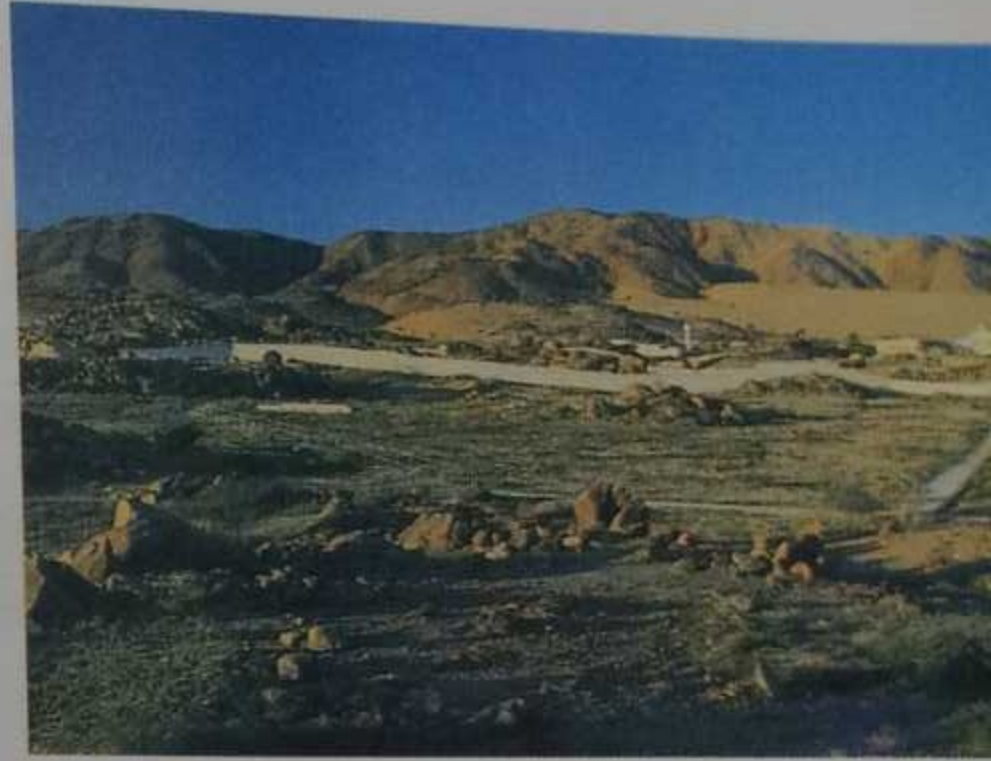
زمانہ قدیم کے آتش فشانی عمل کے علاوہ مورخین مدینہ طیبہ نے زمانہ بعد از اسلام میں بھی چند ایسے برقانی انفجارات کا حوالہ دیا ہے۔ایسا ہی ایک انفجار ۶۵۵ ہجری (۱۲۵۷ء) میں بھی وقوع پذیر ہوا تھا جس کے نتیجے میں بہنے والا گرم و سرخ لاوا جو تقریباً تیس کیلومیٹر دور مشرق میں واقع ایک پہاڑ کے جوالا مکھی پھٹنے سے شروع ہوا ندیوں اور وادیوں سے ہوتا ہوا حدود حرم سے باہر مشرقی جانب آکر رک گیا تھا۔اس نے پورے علاقے میں بہت زیادہ تباہی مچائی تھی۔اس کی تفصیل ایک اور باب میں دی گئی ہے۔اس لاوے کی باقیات جھلسے ہوئے سیاہ اور گہرے رنگ کے لاوے کے ٹکڑوں کے ڈھیروں کے صورت میں مدینہ طیبہ کے مشرق میں ائیرپورٹ کی طرف یا پھر نئی مدینہ ریاض روڈ کے دونوں کناروں پر حد نگاہ تک بکھری نظر آتی ہیں۔انگریزی لفظ 'لاوا' دراصل عربی کے لفظ 'لابہ' کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو لاطینی اور دیگر یورپ زبانوں میں 'لاوا' کہلایا۔احادیث مبارکہ میں لفظ 'لابہ' اور 'لابتین' (یعنی دو لاوے یا لاوا کے علاقے) بہت دفعہ استعمال ہوا ہے۔ان لابوں کو عربی میں 'حرہ' بھی کہا گیا ہے جو لفظ 'حر' سے مشتق ہے جس کے معانی 'گرمی' ہے۔چونکہ یہ لاوے کے سنگلاخ آتش فشانی عمل کے نتیجے میں معرض وجود میں آئے تھے اس لیے ان چٹانوں پر مشتمل علاقوں کو 'حرہ' کہا جاتا تھا۔جہاں تک قدیم لاوے کی باقیات کا تعلق ہے وہ تو مدینہ طیبہ کے اندر اور باہر مختلف جگہوں پر بکھرے نظر آتے ہیں۔ماضی میں جب عمرانی لحاظ سے مدینہ طیبہ اتنا نہیں پھیلا تھا تو اس وقت مسجد نبوی شریف کے مشرقی اور مغربی علاقے خاص طور پر ان سے اٹے نظر آتے تھے۔ان دونوں مرتفع سنگلاخ علاقوں کو مدینہ طیبہ کی تاریخ میں دو حروں کا علاقہ کہا جاتا تھا۔ حرہ شرقیہ (حرہ واقم) اور حرہ غربیہ (حرہ وبرہ)۔(۱۱) حضور نبی اکرم ﷺ نے ان علاقوں کو 'لابتین' کہہ کر پکارا ہے۔مشرقی حرہ پانچ حصوں پر مشتمل تھا جن میں سے دو حصوں میں یہودیوں کے قبیلے 'بنو نضیر'، 'بنو قینقاع' اور 'بنو قریظہ' آباد تھے جب کہ باقی کے تین حصوں میں عربوں کے بنی اوس کے تین قبائل آباد تھے: بنی ظفر، بنی عبد الاشہل اور بنی زعور۔(۱۲)

مدینہ طیبہ کے ارضی خدوخال

ان دونوں 'حرار' یعنی حروں کو مدینہ طیبہ کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ حدود حرم مدنی کا تعین انہیں سے ہوتا ہے. تاجدار حرم رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: [اے اللہ! ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں (مدینہ کا) حرم بناتا ہوں.] (۱۳) ان دو حروں کے علاوہ اور بھی بہت سے سنگلاخ علاقے ہیں جو تاریخ مدینہ میں اتنی شہرت نہیں پا سکے جن میں سے ایک (حرہ شوران) جنوب کی طرف واقع ہے. حروں کی اراضی زیادہ تر ناہموار پتھریلی سطح مرتفع سے بنی تھی, لیکن اب وہ صورت حال نہیں رہی اور مدینہ طیبہ کی تمدنی اور عمرانی ضروریات اور دولت اور وسائل کی فراوانی نے ان اونچے نیچے علاقوں کو یکسر ہموار کر دیا ہے. سچ پوچھئے تو حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے ناموں کو اب کم ہی لوگ جانتے ہیں اور ان کا ذکر اب صرف کتب تاریخ تک محدود ہو کر رہ گیا ہے. آبادی چاروں اکناف میں پھیل گئی ہے اور حروں کی غیر ہموار اراضی کی جگہ بلند و بالا عمارات سر اٹھائے کھڑی نظر آتی ہیں اور ماڈرن مدینہ طیبہ کا زائر اس قدیم اور تاریخی مدینہ طیبہ کا دھندلا سا تصور بھی نہیں کر سکتا جو آج سے چند ہی سال پہلے دیکھنے کو ملتا تھا. تادم تحریر مسجد نبوی کے جنوب میں پرانے ریلوے سٹیشن کے اس پار صرف ایک علاقہ بچا ہے جو 'حارہ غربیہ' کہلاتا ہے. جو ترقی کے سفینے پر سوار ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کر رہا ہے.

ماضی بعید میں لاوا کے یہ دونوں سنگلاخ 'حرے' مدینہ طیبہ کے لیے قدرتی دفاعی لائن کا کام بھی دیتے تھے کیونکہ ناہموار نکیلی چٹانیں کسی بھی بیرونی حملہ آور کے لیے سد سکندری کا کام دیتی تھیں. مدینہ طیبہ کی سرزمین کی جغرافیائی ساخت قدرت کا وہ انمول عطیہ تھی جس سے بیرونی حملہ آور اندرون شہر یلغار کرنے سے گھبراتے تھے. جنوب کی طرف جبل عیر اور مغرب و مشرق میں حروں کے نوکیلے سنگلاخ حروں نے اس شہر حبیب کو تین اطراف سے محفوظ کر دیا تھا. صرف شمالی جانب جبل احد کی ایک طرف سے حملوں کا خطرہ رہتا تھا اور کفار مکہ مدینہ طیبہ کی اس جغرافیائی اور دفاعی کمزوری سے اچھی طرح واقف تھے. یہی وجہ تھی کہ جب مشرکین مکہ نے مدینہ طیبہ پر غزوہ احزاب کے موقع پر چڑھائی کی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کھلی جانب گہری خندق کھودنے کا حکم دیا تھا جس نے بالآخر مشرکین کی دس ہزار سے زائد افواج کی یلغار کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا. مدینہ طیبہ کے اس اسٹراٹیجک محل وقوع نے ارض مقدس کے دفاع میں بہت کردار ادا کیا ہے.

دونوں حروں کے درمیانی میدانی علاقے کو جوف مدینہ کہا جاتا تھا. جب رسول اللہ ﷺ نے شمالاً جنوباً جبل عیر اور جبل ثور اور شرقاً غرباً حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے درمیان واقع علاقے کو حرم قرار دے دیا تو پھر اسے منطقہ حرم کہا جانے لگا. منطقہ حرم کے طول و عرض میں واقع گاؤں اور قریے اسی میدانی علاقے میں ناہموار سطح ارض پر واقع ہوا کرتے تھے. قدیم وقتوں میں ایک سے دوسرے قریے کے درمیان آمد و رفت کے لیے اونچی نیچی تنگ گلیاں ہوا کرتی تھیں, مگر جدید آلات اور سہولیات نے تمام مدینہ منورہ کی زمین کو ہموار کر دیا ہے اور بہترین دو رویہ سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا ہے. پرانے شہری علاقوں کے گرد اگرد شاہراہ فیصل (جس کا پرانا نام ستین سٹریٹ تھا) چکر لگاتی ہے جو پہلی سرکلر روڈ (رنگ روڈ Ring Road) ہے جو مسجد نبوی کے نواح
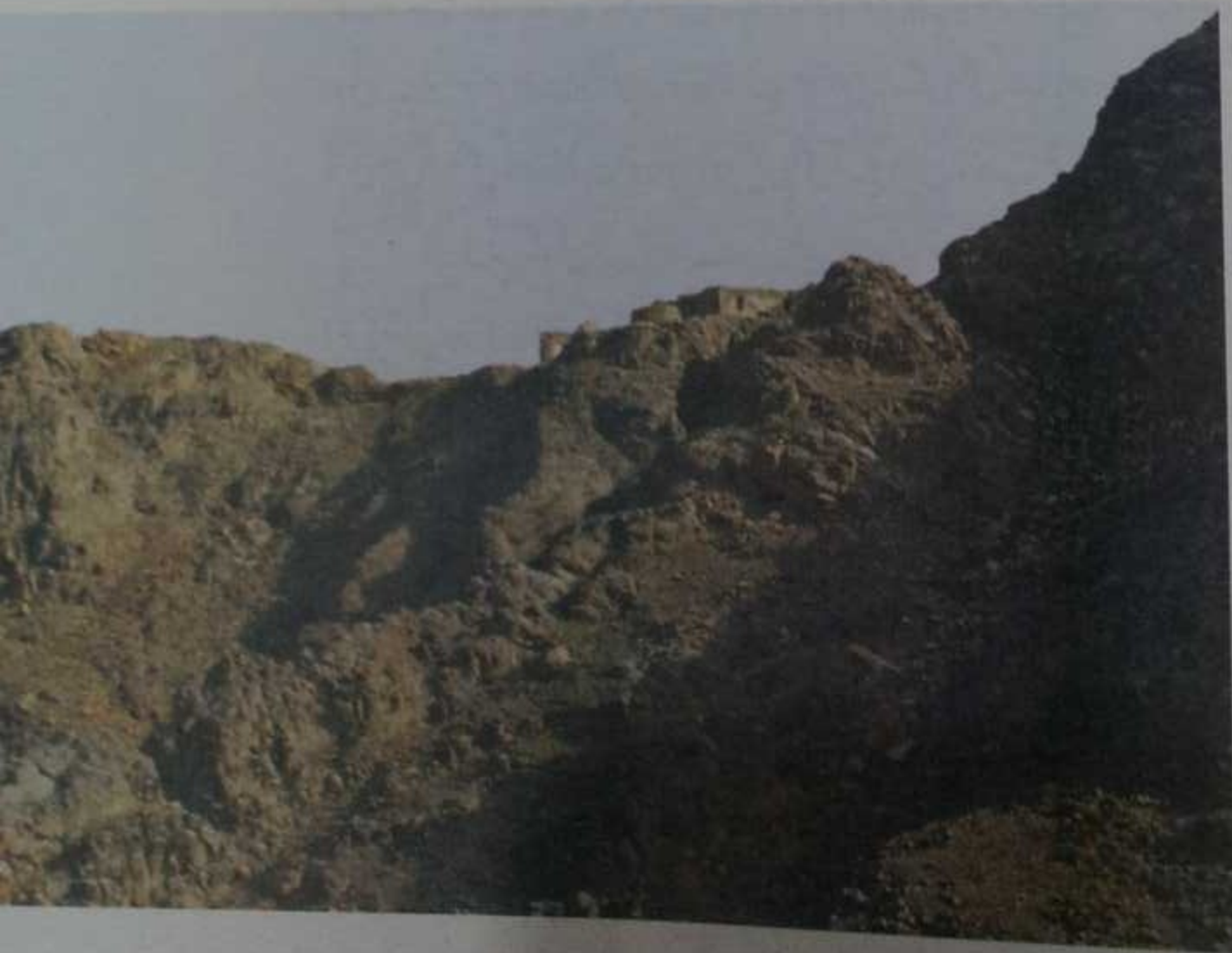
مدینہ طیبہ کے ارضی خدوخال
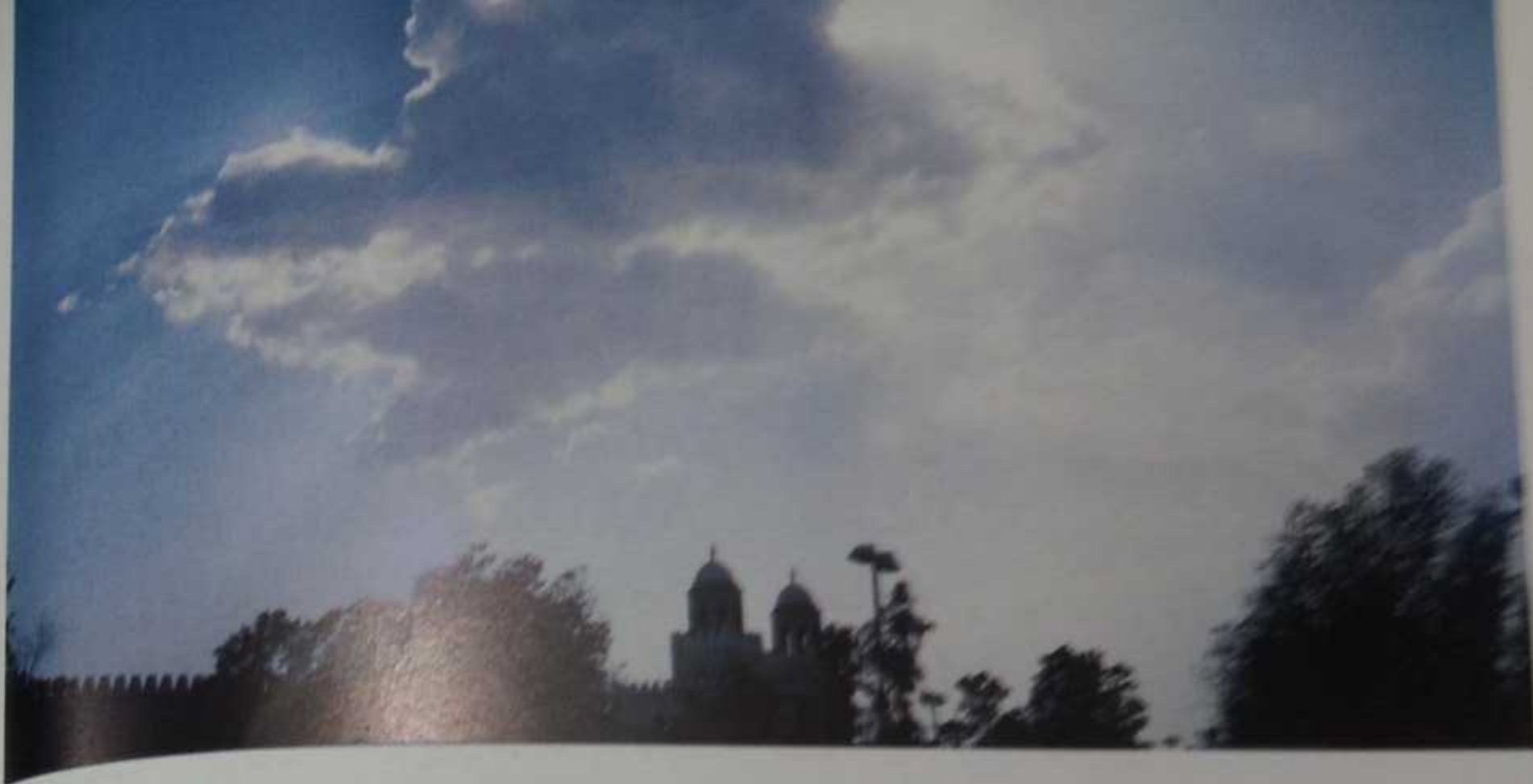
میں ٹریفک کو آسان بنانے کے لیے تعمیر کی گئی تھی۔ اب تو حدود حرم کے گرد بہت وسیع اور دوسری رنگ روڈ (طریق دائری) بھی تعمیر کر دی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [اس سرزمین (یعنی مدینہ طیبہ) میں بارش کی بہت کمی ہے۔] (۱۴) ایک اور حدیث مبارکہ سے جس کو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے اس بات کی مزید تائید ہوتی ہے: [مدینہ طیبہ جنت کے دو حصوں یعنی شام اور یمن کے درمیان واقع ہے مگر اس میں بارش کا فقدان ہے۔] ان احادیث کے مصداق یہاں آب و ہوا صحرائی اور گرم خشک ہے۔ چونکہ یہ شہر حبیب سطح سمندر سے ۱۹۵۸ فٹ (یعنی ۵۹۷ میٹر) کی بلندی پر واقع ہے اس لیے اس کی حدت میں اور بھی شدت محسوس ہوتی ہے۔ عموماً مدینہ طیبہ کی آب و ہوا گرمیوں میں سخت گرم، خزاں میں ذرا معتدل اور سردیوں میں کافی سرد ہوتی ہے۔ موسم گرما میں خاص طور پر جون جولائی کے مہینوں میں درجہ حرارت ۴۸ ڈگری (اور کبھی تو ۵۰ ڈگری) سلسیس (Celsius) سے بھی تجاوز کر جاتا ہے مگر ربیع اور خریف میں قدرے معتدل ہوتا ہے۔ سخت گرمی کی وجہ سے ہوا میں نمی کی مقدار بہت کم ہوتی ہے۔ اوسط نمی ۲۲ فیصد کے لگ بھگ رہتی ہے، جو سردیوں میں تھوڑی زیادہ ہو جاتی ہے مگر گرمیوں میں تو ۱۴ فیصد تک گر جاتی ہے۔ موسم سرما میں سردی زیادہ ہو جاتی ہے تو درجہ حرارت ۱۰۔۱۵ ڈگری تک گر جاتا ہے۔ بارش کم ہی ہوتی ہے اور عموماً سردیوں یا پھر موسم بہار میں ہوتی ہے۔ کبھی کبھار جب اچانک گرمیوں یا سردیوں میں باران رحمت ہوتی ہے تو موسم بہت خوشگوار ہو جاتا ہے۔ موسم بہار میں کبھی کبھار موسلہ دھار بارشیں بھی دیکھنے میں آجاتی ہیں۔ ہوائیں عام طور پر دھیمی اور خوشگوار چلتی ہیں مگر کبھی کبھار سخت طوفانی ہوائیں بھی آلیتی ہیں۔ جنوب مغربی جھکڑ عموماً ۵ سے ۸ ناٹس (Knots) فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے ہیں۔

ازمنہ قدیم کی طرح جب مدینہ طیبہ شاہراہ تجارت پر واقع ہونے کی وجہ سے قوافل تجار کی کاروان سرائے یا پڑاؤ کا کام دیتا تھا جو شمالاً جنوباً یمن اور بلاد الشام کو آیا جایا کرتے تھے، آج کا مدینہ طیبہ بھی اپنے اردگرد کے تمام شہروں سے منسلک ہے۔ صدیوں پرانے 'طریق سلطانی' جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کو ملاتا تھا کی جگہ اب بہت وسیع اور دو رویہ شاہراہ حرمین الشریفین کا وسیلہ اتصال ہے جس کو 'طریق ہجرہ' کا نام دیا گیا ہے جس کا کچھ حصہ اس راستہ پر سے ہو کر گزرتا ہے جو ہجرت کے وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنایا تھا۔ (۱۵) دیگر شاہراہیں اس شہر مقدس کو سعودی عرب کے تقریباً سب بڑے شہروں سے ملاتی ہیں، مثلاً قصیم، ریاض اور تبوک وغیرہ۔ مدینہ طیبہ شہر مساجد ہے اور جدھر دیکھیں مسجدوں کے مینار نظر آتے ہیں۔ مدینہ طیبہ ایک خوبصورت جدید ترین شہر کے طور پر ابھرا ہے جس کی فلک بوس عمارتیں کسی بھی ماڈرن شہر کو احساس کمتری میں مبتلاء کر دیتی ہیں۔ پچھلی تین دہائیوں میں اتنی ترقی ہوئی ہے کہ ایسا زائر جو پچیس تیس سال پہلے اگر مدینہ منورہ کی زیارت کر چکا ہو اگر آج دوبارہ زیارت کے لیے شہر نبی میں آئے تو انگشت بدنداں رہ جائے گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ موجودہ شہر مدینہ میں اب اتنی بلند و بالا عمارتیں اور فائیو سٹار ہوٹل نظر آتے ہیں کہ سعودی عرب کے کسی اور دوسرے شہر میں نہیں۔ اربوں ریال لگا کر اس

شاہراہ ہجرت کے ذریعے مکہ المکرمہ سے آتے ہوئے مدینہ طیبہ زادہ اللہ شرفاً میں داخلے کا آرائشی دروازہ

شہر کو خوب سے خوب تر طریقے سے تراش تو جاری ہے آج کا مدینہ طیبہ ماضی کا صرف ایک قدیم تاریخی اور اسلامی شہر ہی نہیں رہا بلکہ اس کے وسیع و عریض ملحق علاقے ،تجارتی مراکز ،جدید رہائشی آبادیوں ،ایک ماڈرن اسلامی یونیورسٹی ،سکول اور کالج ،قرآن کریم کی طباعت کا عظیم الشان کمپلیکس اور کھیلوں کے جدید ترین گراونڈ وغیرہ نے اس کی ہیئت تقضائی بدل کر رکھ دی ہے.(١٦) کثیر المنزلی رہائشی مکانات نے آہستہ آہستہ ان پرانی طرز پر بنائے گئے یک منزلہ مکانات کی جگہ لے لی ہے تا کہ حجاج کرام اور زائرین کو تمام جدید رہائشی سہولتیں دی جا سکیں.طول و عرض میں پھیلے سڑکوں کے جال اور ذرائع مواصلات اور دوسری شہری سہولیات نے حجاج کرام کی بڑھتی ہوئی تعداد کے آرام دہ قیام اور نقل و حرکت کو آئندہ کئی سال تک بہت آسان کر دیا ہے.عمرہ اور حج کے مواسم میں (خاص طور پر یکم رمضان سے لیکر ماہ ذوالحج کے اخیر تک) مدینہ طیبہ میں حجاج کرام اور زائرین کرام کا بے انتہا رش ہوتا ہے.کھوے سے کھوا چھلتا ہے.حجاج کی تعداد جو آج سے تقریباً ٣٠ سال پہلے ایک یا دو لاکھ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی اب ١٤٢٠ ہجری (٢٠٠٠ء) کے اعداد و شمار کے مطابق تیس لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی (جس میں سے بیس لاکھ بیرون ملک سے آنے والے لوگ تھے اور دس لاکھ سے زائد اندرون ملک بسنے والے سعودی اور غیر سعودی حجاج تھے).جو حجاج کرام بیرون ملک سے تشریف لاتے ہیں وہ مدینہ طیبہ حاضری دیئے بغیر نہیں جاتے اور یہی حال تقریباً اندرون ملک حجاج کرام کا ہے.

آبادی کے اعداد و شمار:

حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارک میں مدینہ طیبہ بشمول تمام قریوں کے ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جس کی آبادی چند ہزار نفوس سے زیادہ نہ تھی.(١٧) اس مقدس شہر کی مردم شماری سب سے پہلے آقائے دو عالم تاجدار مدینہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی کی گئی تھی جب حضور ﷺ نے غزوہ حدیبیہ پر روانگی سے پہلے حکم دیا کہ مدینہ طیبہ کے تمام مردوں کی تعداد معلوم کی جائے.وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے غزوہ حدیبیہ میں آپ کی سربراہی میں شرکت کی ان کی تعداد چودہ سو تھی.(١٨) صحیح بخاری شریف کے مطابق ان کی تعداد پندرہ سو تھی (١٩) جس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اگر ہر گھر سے ایک یا دو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس غزوہ میں شرکت کی ہو تو مدینہ طیبہ کی کل آبادی تقریباً ٧٠٠ سے لیکر زیادہ سے زیادہ ١٠٠٠ گھروں پر مشتمل ہوگی.(٢٠) ہمیں یہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا کہ ان مجاہدین اسلام میں سے سب کے سب مدنی ہی نہیں تھے بلکہ مدینہ طیبہ کے ارد گرد بسنے والے قبائل میں سے بھی کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شریک سفر تھے.

اسی طرح کا ایک اور اندازہ اس وقت کی آبادی کا بھی لگایا جا سکتا ہے جب فاتح القلوب میر امم سالار اعلیٰ امت اسلامیہ ﷺ فتح مکہ پر روانہ ہوئے تھے.جب حضور نبی اکرم ﷺ نے وادی فاران کو فتح کیا تو اس وقت لشکر اسلام کی عددی قوت دس ہزار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مشتمل تھی.ان میں سے بھی تمام کے تمام مدینہ طیبہ کے باسی نہیں تھے بلکہ دیگر قبائل سے بھی مجاہدین شریک ہوئے تھے.اس کے بعد جب اہل عرب فوج در فوج حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے تو جزیرہ نمائے عرب کے گوشے گوشے سے وفود مدینہ طیبہ آنے شروع ہو گئے.ان میں

سے بہت سے قبائل تو مدینہ طیبہ میں ہی آباد ہو گئے تھے جیسے کہ بنو مزنی اور بنو جہینہ کے کچھ لوگ جن کو جبل سلع کے دامن میں آباد ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی کیونکہ مسجد نبوی شریف کے اردگرد کے تمام علاقے پہلے ہی آباد ہو چکے تھے اور اس علاقے میں آبادکاری کی مزید گنجائش نہیں تھی. مزید نو واردین کے لیے زمین کم پڑ گئی تھی اور ان کو سلع کے دامن کوہ میں بسنے کی اجازت دی گئی تھی. مدینہ طیبہ میں نقل مکانی کے اس رجحان سے یہاں کی آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا. جب حضور نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع پر تشریف لے گئے تو آپ کی معیت میں کم و بیش ایک لاکھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے مگر یہ تعداد جزیرہ نمائے عرب کے تقریباً تمام علاقوں سے تعلق رکھتی تھی جن میں مدینہ طیبہ کے مرد و زن سب سے آگے تھے. اگرچہ مدینہ طیبہ کی آبادی ان دو سالوں میں بہت تیزی سے بڑھی تھی مگر یہ اندازہ لگانا کہ وہاں سے کتنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے اس کا تعین کرنے کے لیے ہمیں ٹھوس شواہد کی بجائے صرف ظن و تخمین سے کام لینا پڑتا ہے.

یہود بے بہبود کی مدینہ طیبہ میں آبادی کے متعلق بھی صحیح معلومات میسر نہیں. جیسا کہ پہلے باب میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے، ان لوگوں کے چھوٹے چھوٹے قبیلے تین بڑے قبائل (بنو قینقع، بنو نضیر اور بنو قریظہ) کی شاخوں کے طور پر زیادہ تر مدینہ طیبہ کے مشرقی حصہ میں رہائش پذیر تھے. ان کی آبادی کے بارے میں مختلف اندازے پیش کئے گئے ہیں. بنو نضیر (جو جنوب مشرقی حصے میں آباد تھے) کی تعداد کا اندازہ دو سے تین ہزار نفوس کا لگایا گیا ہے. جب انہیں مدینہ بدر کیا گیا تو وہ لوگ چھ سو اونٹوں پر سوار ہو کر گئے تھے. ان کے بعد دوسرا بڑا قبیلہ بنو قریظہ کا تھا. ان کی غداری اور ریشہ دوانیوں کی پاداش میں ان کے چھ یا سات سو آدمیوں کو قتل کی سزا دی گئی تھی اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا تھا. بنو قینقع کو بھی مدینہ بدر کیا گیا تھا مگر ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں. بہرحال چونکہ ان لوگوں کو مدینہ طیبہ سے نکال دیا گیا تھا اس لیے مدینہ طیبہ کی آبادی کے سلسلے میں ان کی تعداد کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے کیونکہ وہ شہر سے نکال

سیٹلائیٹ سے لی گئی مدینہ طیبہ زاد اللہ شرفاً کی تصویر ۱۴۲۰-۱۹۹۹ء بشکریہ "اھلاً و سہلاً"

دے گئے تھے.

امام شافعیؒ کے بیان کے مطابق جب حضور نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت آپ حضور ﷺ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد ساٹھ ہزار تھی جس میں سے تقریباً تیس ہزار مدینہ طیبہ کے شہری تھے جب کہ باقی جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے. (۲۱) حضور نبی اکرم ﷺ کے انتقال پرملال کے بعد مدینہ طیبہ میں آبادی میں کمی واقع ہونی شروع ہوگئی تھی کیونکہ عساکر اسلام آئے دن جہاد پر روانہ ہوتے رہتے تھے اور پھر جوں جوں فتوحات کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، بہت سے خاندان دور دراز علاقوں میں منتقل ہوتے گئے، کچھ کو تو انتظامی امور کے لیے نئے مفتوحہ علاقوں کے نظم ونسق کے لیے جانا پڑا اور کچھ تبلیغ دین یا کاروباری سلسلہ میں مدینہ طیبہ سے باہر (خاص طور پر دمشق، عراق، مصر اور یمن وغیرہ میں) منتقل ہوگئے تھے. حضرت سفیان بن ابی زہیرؓ نے روایت کی ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے. آپ ﷺ نے فرمایا: یمن فتح ہو جائے گا اور بہت سے لوگ اس کی طرف راغب ہو جائیں گے اور اپنے اہل وعیال اور اپنے غلاموں اور کنیزوں کو ساتھ لیکر وہاں جا بسیں گے. مدینہ ان کے لیے بہت بہتر تھا مگر ان کو اس کا علم نہیں. پھر شام کے علاقے فتح ہو جائیں گے اور لوگ اس طرف متوجہ ہو جائیں گے اور اپنے اہل و عیال اور غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ وہاں چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر رہتا. اے کاش وہ یہ جانتے. پھر عراق فتح ہو جائے گا اور اسی طرح لوگ اپنے خاندانوں اور جن پر ان کا حکم چلتا ہوگا اپنے ساتھ لیکر وہاں منتقل ہو جائیں گے: اے کاش کہ ان کو معلوم ہوتا کہ مدینہ ہی ان کے لیے بہتر ہے.] (۲۲)

بیسویں صدی کے شروع میں مدینہ منورہ کی ایک گلی کی تصویر متمول خواتین پالکی پر آیا جایا کرتی تھیں

فتوحات کا سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ امت مسلمہ کو آفات وبلیات نے آن گھیرا. تیسرے خلیفہ راشد، سیدنا عثمان ابن عفانؓ، کو بہت بیدردی سے شہید کر دیا گیا اور مدینہ منورہ کے امن وآشتی کو خانہ جنگی کی آتش مردم افگن نے اپنی لپیٹ میں لے لیا. سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مدبرانہ فیصلے کے پس منظر میں سب سے زیادہ عنصر جو کارفرما تھا وہ یہی تھا کہ مدینہ طیبہ کو رزم گاہ نہ بنایا جائے اور اسی لیے وہ عازم بصرہ ہوگئے. اس کے نتیجے میں مدینہ طیبہ کی آبادی کو زبردست دھچکا لگا اور ہزاروں مدنی مدینہ طیبہ کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئے. حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ کے یک طرفہ اعلان خلافت نے مسلم امت کو دو دھڑوں میں تقسیم کر دیا تھا جس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خانہ جنگی نے رہتی سہتی کسر نکال دی. جیسا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مکتوب بنام گورنر مدینہ طیبہ سے ظاہر ہوتا ہے، بنوامیہ ہر ہتھکنڈہ استعمال کر کے اہل مدینہ کو یا تو اپنے ساتھ ملانے کی سرتوڑ سعی کر رہے تھے یا بصورت دیگر ان کو دھونس کے ذریعے خائف اور ہراساں کیا جا رہا تھا تا کہ وہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ساتھ دینے سے باز آجائیں. افراتفری کا یہ عالم تھا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے نامزد کردہ گورنر مدینہ (حضرت ابوایوب انصاریؓ) کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیا گیا اور ان کے خلاف وہ شورش برپا کی گئی کہ انہوں نے بھی مدینہ طیبہ سے بھاگ جانے میں ہی اپنی عافیت سمجھی. بڑے بڑے جلیل القدر اصحابی رضوان اللہ علیہم اجمعین، مثلاً حضرت سعد ابن ابی وقاص وغیرہ، مدینہ طیبہ سے چالیس یا اس سے بھی زیادہ میل دور جا کر آباد ہونے پر مجبور ہوگئے تھے. حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے تو اس خانہ جنگی کو دیکھنے کی بجائے مدینہ طیبہ سے بہت دور

اپنے اونٹوں کے باڑے میں کئی سال گزار دئے تھے.(۲۳)

تاہم جونہی خانہ جنگی کی صورت حال ختم ہوئی اور مدینہ طیبہ میں امن و امان کا دور دورہ ہوا تو بہت سے لوگ جو مدینہ طیبہ سے فرار ہو گئے تھے وہ اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے اور اس شہر مقدس کی رونقیں بحال ہونے لگ گئیں. بہت سے صاحب ثروت لوگوں نے (جن میں کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مگر زیادہ تر بنوامیہ کے متمول لوگ شامل تھے) وادی العقیق کے مرغزاروں میں اپنے عالی شان محل تعمیر کرنے شروع کر دئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وادی العقیق مدینہ طیبہ کی سب سے زیادہ پرشکوہ آبادی بن گئی جس میں وسیع و عریض محلات، قلعے، بنگلے اور جدید طرز کی عمارات اور مساجد تھیں. مغرب میں وادی ذوالحلیفہ تک اور شمال مغرب میں الجرف تک کا علاقہ خوبصورت باغیچوں اور بنگلوں سے بھر گیا تھا. المطری کے بیان کے مطابق سعید بن العاصؓ کی امارت کے دور میں وادی عقیق کی آبادی ۴۰،۰۰۰ نفوس سے تجاوز کر چکی تھی. (۲۴) العقیق کی زمین کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں پلاٹ حاصل کرنے کے لیے امیر مدینہ طیبہ کی بجائے دمشق میں خلیفہ کے دیوان خاص سے رجوع کرنا پڑتا تھا.

جب بنوامیہ کی حکومت مستحکم ہو گئی تو مدینہ طیبہ کی رونقیں واپس لوٹ آئیں، مگر اس مرتبہ سیاسی مرکز کے طور پر نہیں بلکہ مدینہ طیبہ دینی اور روحانی مرکز کے طور پر ابھرا جہاں سے اسلامی تعلیمات کے سوتے پھوٹتے تھے. اسلام کے پہلے سات جید فقہاء مدینہ طیبہ کے افق پر ہی طلوع ہوئے. مدینہ طیبہ نے ایک مینارہ نور کی صورت میں دینی اور روحانی علوم میں ہر طرف روشنی بکھیرنی شروع کر دی. درحقیقت یہ مرتبہ سیاسی مرکز ہونے سے کہیں اہم اور بلند تھا اور یہی وہ مقام ہے جس نے مدینہ طیبہ کی اہمیت میں آج تک کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہونے دی. بنی امیہ کے دور میں مدینہ طیبہ میں شہری سہولتوں پر خاص توجہ دی گئی. مشہور زمانہ عین الزرقاء کی زیر زمیں نہر مروان بن حکم کے دور امارت میں کھودی گئی جس کے ذریعے پانی کی فراہمی قباء سے مدینہ طیبہ کے ہر گھر کو بآسانی ممکن ہو گئی. آب رسانی کا یہ انوکھا طریقہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں مدینہ طیبہ میں آزمایا گیا. بنوامیہ نے مدینہ طیبہ کی عمرانی ترقی کے لیے بہت کام کئے جس میں سرفہرست حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں مسجد نبوی کی توسیع اور تعمیر نو اور ان تمام مقامات پر خوبصورت مساجد کی تعمیر شامل تھی جہاں حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک یا دو مرتبہ نماز ادا کی تھی. شہر نبی کو انتہائی خوبصورتی سے سجایا گیا، مختلف جگہوں پر پبلک کنویں کھدوائے گئے اور ولید بن عبدالملک کے دور میں مدینہ طیبہ کے وسط میں ایک دیدہ زیب فوارہ بھی نصب کر دیا گیا تھا. (۲۵) اس شہر مقدس نے بہت سے نشیب و فراز دیکھے.: خلافت ایک ہاتھ سے دوسرے میں اور ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل ہوتی رہی اور ایک ایسی افتاد بھی امت مسلمہ پر آئی کہ تاتاری منگول خلافت اسلامیہ کے مختلف صوبوں کو روندتے ہوئے ایک خوفناک طوفان کی شکل میں نمودار ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بغداد میں خلافت عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا گئے، لیکن اس دور پرآشوب میں بھی مدینہ طیبہ کی اہمیت اور رونقیں ماند نہ پڑیں اور اس کا ماہ کامل آسمان اسلام پر تابندہ و درخشندہ چمکتا رہا. پچھلے چودہ سو سال سے دنیا کے ہر کونے سے مسلمان مدینہ طیبہ کے علمی اور روحانی فیضان سے بہرہ ور ہونے کے لیے اس کی طرف کھچے چلے آتے ہیں. یہ اسی کشش کا نتیجہ ہے کہ آنے والوں میں سے بہت سوں نے اس کو اپنا دائمی مسکن بنا لیا جس کی وجہ سے ہمیں مدنی آبادی میں ہر رنگ و نسل کے لوگ ملتے ہیں. مراکش سے لے کر جاوہ اور کاشغر اور یمن سے لے کر بوسنیا تک کے لوگوں کو مدینہ طیبہ نے اپنے دامن رحمت میں سما لیا ہے.

برکھارٹ (جو سویٹزرلینڈ کا باشندہ تھا اور برطانوی سامراج کا جاسوس اور ایجنٹ تھا) ۱۸۱۵ء میں مدینہ طیبہ آیا. اس کے اندازے کے مطابق مدینہ طیبہ کی آبادی اس وقت تقریباً ۱۶،۰۰۰ اور ۲۰،۰۰۰ کے درمیان تھی جبکہ ویول (Wavel) کے کہنے کے مطابق اس کی آبادی ۱۹۰۸ء میں ۳۰،۰۰۰ تک پہنچ گئی تھی. تاہم رچرڈ برٹن (جو برطانوی استعمار کا جاسوس تھا اور جو عبداللہ افغانی کے نام سے حرمین الشریفین میں کافی سال رہا تھا) ۱۸۵۲ء میں لکھتا ہے کہ: [حکومتی محتاط اندازے کے مطابق قدیم شہر جو فصیل کے اندر واقع ہے اس میں تقریباً ۱۵۰۰ گھر یا مکانات

بیسویں صدی کا شروع
اور مدینہ منورہ کی ایک گلی

ہیں جبکہ فصیل سے باہر مدینہ طیبہ کے مضافات میں تقریباً ایک ہزار مکانات ہیں. میری ذاتی رائے میں یہ اندازے مبالغہ پر مبنی ہیں: شہر کے اندر ۸۰۰ سے زائد مکانات نہیں جبکہ مناخہ کے علاقے میں تقریباً ۵۰۰ گھر آباد ہیں. مگر مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ یہ بھی میرا اندازہ ہی ہے کیونکہ میں نے پوری طرح گنتی نہیں کی. کپٹن سیڈلیر (۱۸۱۹ء) کے بیان کے مطابق ترکوں نے جب انیسویں صدی کے شروع میں مردم شماری کروائی تھی تو کل آبادی ۶،۰۰۰ (چھ ہزار) گھروں پر مشتمل تھی جس کی تمام تر نفری ۱۸،۰۰۰ تھی. لیکن اگر ہم اس اندازے کو صحیح بھی مان لیں کہ برکہارٹ کے مطابق اس شہر کی آبادی ۱۶،۰۰۰ اور ۲۰،۰۰۰ کے درمیان تھی جن میں سے ۹۰۰۰ افراد اندرون شہر مقیم تھے اور ۷۰۰۰ بیرون شہر مناخہ ایریا اور قلعہ شاہی وغیرہ میں تھے تو اس طرح فی گھر اوسط بارہ افراد کی نکلتی ہے جو کہ عرب کے معاشرے میں عین ممکن ہے کیونکہ افراد خانہ کے ساتھ ساتھ غلاموں اور کنیزوں کی بھی ایک کثیر تعداد ہوتی ہے.] لیکن اس بیان کی وضاحت کے لیے اس نے حاشیہ آرائی بھی کی ہے اور فٹ نوٹ میں مزید انکشاف کیا ہے کہ:

مسجد نبوی ﷺ سے متصل ایک حویلی کے بیرونی دروازے کی قدیم تصویر

[بعد میں برطانوی نائب سفیر (چارلس کول) مقیم جدہ نے مندرجہ ذیل معلومات مہیا کی ہیں: مغربی عرب کے ایک واقف حال نے جسے سرکاری معلومات تک دسترس حاصل ہے مجھے بتایا ہے کہ مدینہ طیبہ کی آبادی ۱۶،۰۰۰ اور ۱۸،۰۰۰ کے درمیان ہے جبکہ نظام کے عساکر کی تعداد قلعہ میں ۴۴۰ افراد پر مشتمل ہے.] (۲۷)

بیسویں صدی کے شروع میں جب مدینہ طیبہ میں ریل کا اجراء ہوا اور حجاج اور زائرین کرام کو سفر کی سہولتیں میسر آئیں اور قافلوں کے لٹنے کا خطرہ نہ رہا تو مدینہ طیبہ میں واردین کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا. ایک جرمن سیاح موریٹز (Moritz) کے اندازے میں بیسویں صدی کی ابتداء میں مدینہ طیبہ کی آبادی لگ بھگ ۶۰،۰۰۰ اور ۷۰،۰۰۰ کے درمیان تھی. ایسا ہی اندازہ لبیب بتنولی نے اپنے سفرنامہ میں دیا ہے کہ ۱۹۰۹ء میں مدنی آبادی ۶۰،۰۰۰ کے لگ بھگ تھی. مگر جب عالمی جنگ شروع ہوئی اور ترکوں کی اس جنگ میں شرکت سے مدینہ طیبہ کے معاشی حالات بگڑنے لگے تو بہت سے بدیشی جو یہاں بس گئے تھے اپنے اپنے وطن جانے پر مجبور ہو گئے. برطانوی سامراج کا مشرق وسطیٰ کا دفتر (جو جنگ عظیم اول میں عربوں کی پشت پناہی کر رہا تھا) یعنی 'عرب بیورو'، مستقر قاہرہ، اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے: [ترکوں کے لشکریوں کو چھوڑ کر مدینہ کی آبادی ۳۰،۰۰۰ نفوس سے زیادہ نہیں جن میں سے اکثر کا گزارہ حج اور زیارات کے سلسلے میں آنے والے لوگوں پر ہوتا ہے یا پھر محاصل مسجد نبوی پر اور حکومتی امداد پر جس کو صرہ کہا جاتا ہے.] دوران جنگ جب مدینہ طیبہ پر فخری پاشا کی سربراہی میں عسکری نظام نافذ کر دیا گیا تھا تو شہری زندگی مزید مفلوج ہو کر رہ گئی تھی. معاشی بدحالی نے دو وقت کی روٹی کا حصول بھی ناممکن کر دیا تھا. اس لیے لوگ بڑی تعداد میں مدینہ طیبہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے. ہزاروں کی تعداد میں لوگ نقل مکانی کر گئے اور مدینہ طیبہ کی گلیاں سنسان نظر آنے لگیں. سید مناظر احسن گیلانی جنہوں نے ۱۹۲۷ء میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تھی اپنی یادداشتوں میں بیان کرتے ہیں کہ جنگ عظیم کے نتیجے میں مدینہ طیبہ کی آبادی سکڑ کر ۲۰،۰۰۰ نفوس تک آ گئی تھی. (۲۸) لیکن جونہی حالات معمول پر آنے لگے تو صورت حال بہتر ہونے لگی. ۱۹۲۶ء کے شروع میں جب ابن سعود نے نظم و

نسق اپنے ہاتھ میں لیا تو اس وقت مدینہ طیبہ کی کل آبادی ۵۰،۰۰۰ نفوس پر مشتمل تھی۔ پھر جونہی حالات مزید سدھرنے لگے آبادی میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ سعودی حکومت نے سب سے پہلی مردم شماری ۱۹۷۴ء میں کروائی جس کے مطابق منطقہ مدینہ کی آبادی ۵۱۹،۲۹۵ نفوس پر مشتمل تھی جس میں سے مدینہ طیبہ کے شہر مقدس کی آبادی صرف ۱۹۸،۱۸۶ - افراد تھی۔ (۲۹) آخری بار تفصیلاً مردم شماری ۱۹۹۲ء میں کرائی گئی جس کے مطابق مدینہ طیبہ کی آبادی چھ لاکھ کے لگ بھگ تھی جو پچھلے دس سال میں بڑھ کر آٹھ لاکھ ہو چکی ہے۔ (۳۰) شروع سے ہی آبادی کی کثافت (Density) کا مرکز مسجد نبوی شریف اور اس کے اردگرد کا علاقہ رہا ہے لیکن مسجد نبوی شریف کے توسیعی پروگرام کے بعد ایسا نہیں رہا۔ اس سے پہلے مدینہ طیبہ کی پوری آبادی کا ۲۵ فیصدی حصہ مسجد نبوی کے آس پاس آباد ہوا کرتا تھا جبکہ باقی علاقوں کی آبادی کی تقسیم کچھ اس طرح تھی: (۳۱)

حرہ شرقیہ	۱۶	فیصد
حرہ غربیہ	۴۷	فیصد
سید الشہداء (احد)	۱۱	فیصد
سلطانہ ڈسٹرکٹ	۱	فیصد

لب سڑک شجر کاری نے مدینہ منورہ زاداللہ شرفاً کے حسن لازوال کو مزید خوبصورت بنا دیا ہے (مسجد قباء کے سامنے کی تصویر: جنوری ۲۰۰۱ء)

مسجد نبوی کے توسیعی منصوبے کے بعد آبادی کی کثافت (Density) کے انداز (Pattern) میں بہت تبدیلی آئی ہے کیونکہ انتہائی گنجان آباد علاقے، مثلاً محلہ مجیدیہ، حارۃ الاغوات، عنبریہ اور عنابیہ (اور اب تو سمانیہ بھی) وغیرہ سب کے سب ختم کر کے ان کی جگہ فائیو سٹار ہوٹلوں نے لے لی ہے۔ تادم تحریر عنابیہ کا کچھ علاقہ اور سمانیہ کی پٹی بچی ہے مگر ان کے مکینوں کا انخلاء بھی جاری ہے اور مستقبل قریب میں وہ علاقے بھی صاف ہو جائیں گے۔ شارع ستین کے باہر باب تمار کا علاقہ بھی ابھی تک تھوڑا بہت بچا ہوا ہے مگر تیزی سے پھیلتے ہوٹل ان کو جنگل میں آگ کی طرح اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں۔ اس وجہ سے آبادی کی کثافت والے گنجان آباد علاقے اب معدوم ہو چکے ہیں اور ان کے مکین باہر کے دور دراز علاقوں میں منتقل ہونے پر مجبور ہو گئے ہیں اس لیے اب مدینہ طیبہ کی آبادی کی کثافت (Density) دور دراز کے سیٹلائٹ ٹاؤنوں کی طرف زیادہ مائل ہے۔ مدینہ طیبہ کے قدیم طرز تعمیر کی مثال اب شاذ و نادر ہی ملتی ہے کیونکہ ان کی جگہ کثیر المنزلہ فلیٹ اور بنگلے اور عمارتیں ہر طرف سر اٹھائے کھڑی نظر آتی ہیں۔ (۳۲) چونکہ مدینہ طیبہ کی مختلف جہات میں بلند و بالا پہاڑ ہیں، ان میں سے بھی اکثر و بیشتر کو ہموار کیا گیا ہے مگر جہاں بڑے بڑے پہاڑ ہیں ان کو صاف کرنے کی بجائے ان کے دامن میں آبادیوں کو بسا دیا گیا ہے۔ تاہم ایک بات اب بھی بہت واضح ہے کہ گو کہ پرانی آبادی ملیامیٹ ہو گئی ہے، نئی آبادی کا محور اب بھی مسجد نبوی ہی ہے۔ اس لیے تمام کی تمام نئی بستیاں بھی مسجد نبوی کے گرد گھومتی نظر آتی ہیں اور آبادی کی طرز نمو (Pattern) دائری شکل میں باہر کی اطراف کی طرف بڑھی ہے یعنی (Radiocentric Growth Pattern) ہے۔

ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے ان تمام مقیمین کو سعودی قومیت عطا کر دی تھی جو ۱۹۳۵ء سے پہلے حرمین الشریفین میں آباد ہو چکے تھے۔ علاوہ ازیں شاہ فیصل مرحوم نے ۶ نومبر ۱۹۶۲ کو سعودی عرب میں غلامی پر مکمل قدغن لگا دیا جس کی وجہ سے غلاموں کی کثیر تعداد آزاد ہو کر مساوی معاشرتی حقوق کی مالک بن گئی۔ (۳۳) ان کو آزادی سے آنے جانے اور اپنی مرضی سے کاروبار کرنے اور جائیداد بنانے کے حقوق مل گئے اور تعلیم اور سرکاری ملازمتوں کے دروازے بھی ان پر کھول دئے گئے۔ ان معاشرتی اصلاحات نے تھوڑے ہی عرصے

بلدیہ مدینہ منورہ کا ترتیب دیا ہوا ایک نقشہ جو آبادی کی کثافت اور گنجان آباد علاقوں کو ظاہر کرتا ہے

میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا جس نے شہری اور معاشی ترقی کے نئے افاق پیدا کر دیئے. چھوٹے چھوٹے کاروبار زیادہ مقبول ہوگئے جس نے معاشی انقلاب کو تیز تر کرنے میں بہت مدد دی. وہ لوگ جنہیں سعودی قومیت ملی تھی اور وہ غلام جو آزاد ہوئے اب آزادی سے اپنی مرضی سے جہاں چاہے رہ سکتے تھے، جائیداد بنا سکتے تھے اور کاروبار بھی کر سکتے تھے. ایسے افراد کی اکثریت حرمین الشریفین کے اردگرد آباد ہوگئی اور پھر آہستہ آہستہ سعودی معاشرے میں ضم ہوگئی. ان اصلاحات کی وجہ سے ہمیں مدینہ طیبہ میں مختلف النسل اور مختلف زبانیں بولنے والے افراد ملتے ہیں. مراکش سے لے کر پاکستان اور ہندوستان تک کے لوگ سعودی معاشرے میں ضم ہو چکے ہیں. طاشکندی، بخاری، افغانی، ہندی، سندھی، پنجابی، بوشناق (بوسنیائی)، ایرانی، ترکستانی، ترکی، افریقی، حبشی، مغربی اور سعودی سب شیر وشکر ہو کر رہ رہے ہیں جس سے ایک انوکھا بھائی چارہ معرض وجود میں آگیا ہے جو ایک دین اور ایک معاشرے اور ایک زبان میں ڈھل کر مدینہ طیبہ کی بابرکت فضاء میں یگانگت، اخوت اور محبت کا رس گھولتا ہے. جس میں ترکی وتازی سب اپنی نیرنگیاں چھوڑ کر مدنی یک رنگی کا مظاہرہ کرتے ہیں.

مدینہ طیبہ کے گرد فصیل کی تعمیر:

ازمنہ قدیم میں اہم شہروں کے گرد فصیلیں ہوا کرتی تھیں جو ایک قلعہ کی طرح اس شہر کو حملہ آوروں کی یورشوں اور ڈاکوؤں کی لوٹ مار سے محفوظ رکھتی تھیں. مختلف غزوات النبی ﷺ پر ایک نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایسی دفاعی فصیلیں دیگر شہروں کے علاوہ خیبر اور طائف کے گرد بھی موجود تھیں جو بہت مضبوط حصاروں کی طرح تھیں. طائف کے لوگوں نے تو ان میں محصور ہو کر مسلم افواج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا. وہاں کا حصار تو اتنا مضبوط تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو چند ہفتوں کے بعد ان کا محاصرہ ترک کرنا پڑا. اس روائتی قلعہ بندی کے برعکس مدینہ طیبہ (یعنی اس وقت کے یثرب) کے گرد کوئی حصار نہیں تھا بلکہ چونکہ تین اطراف سے بلند وبالا پہاڑ
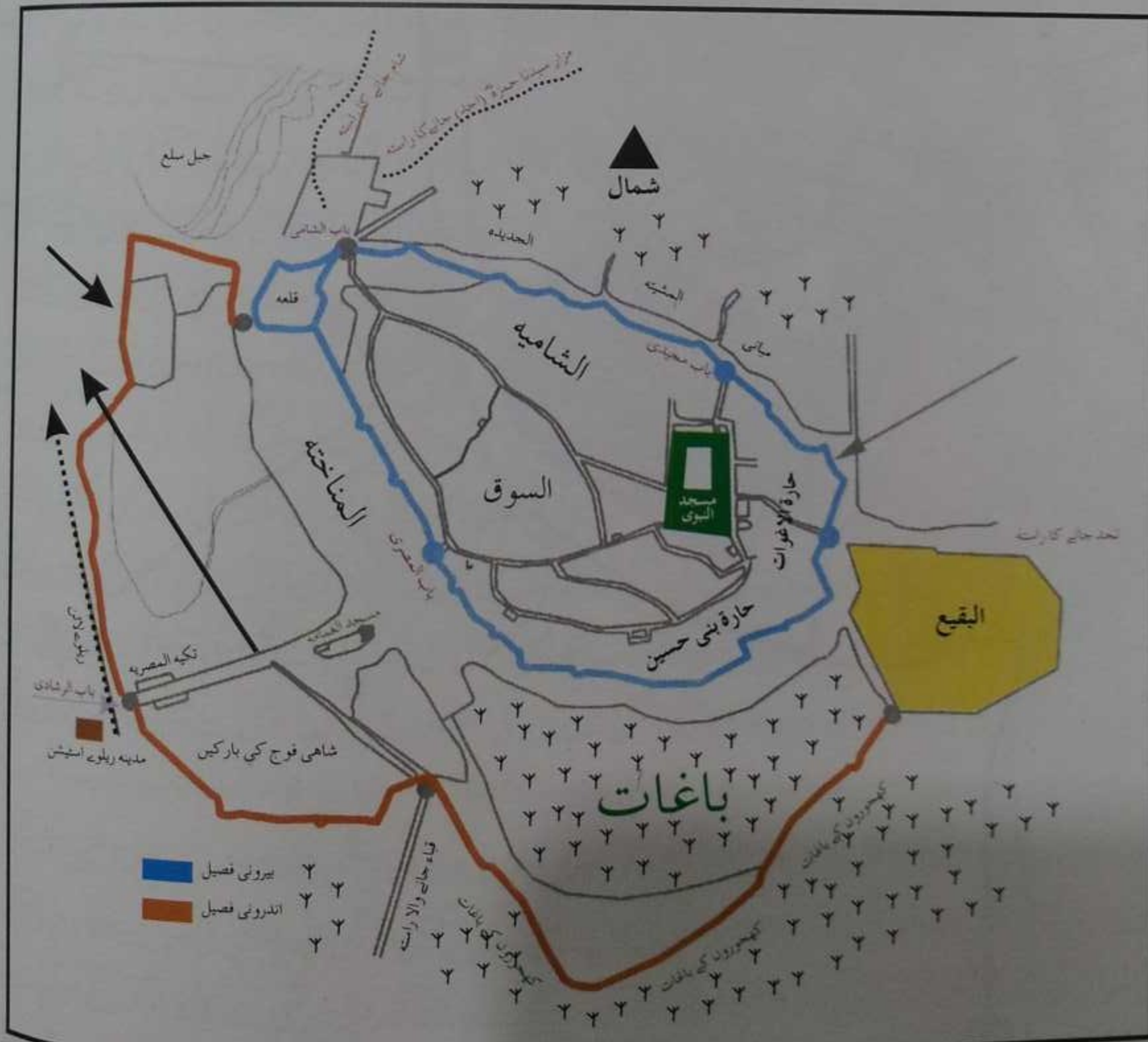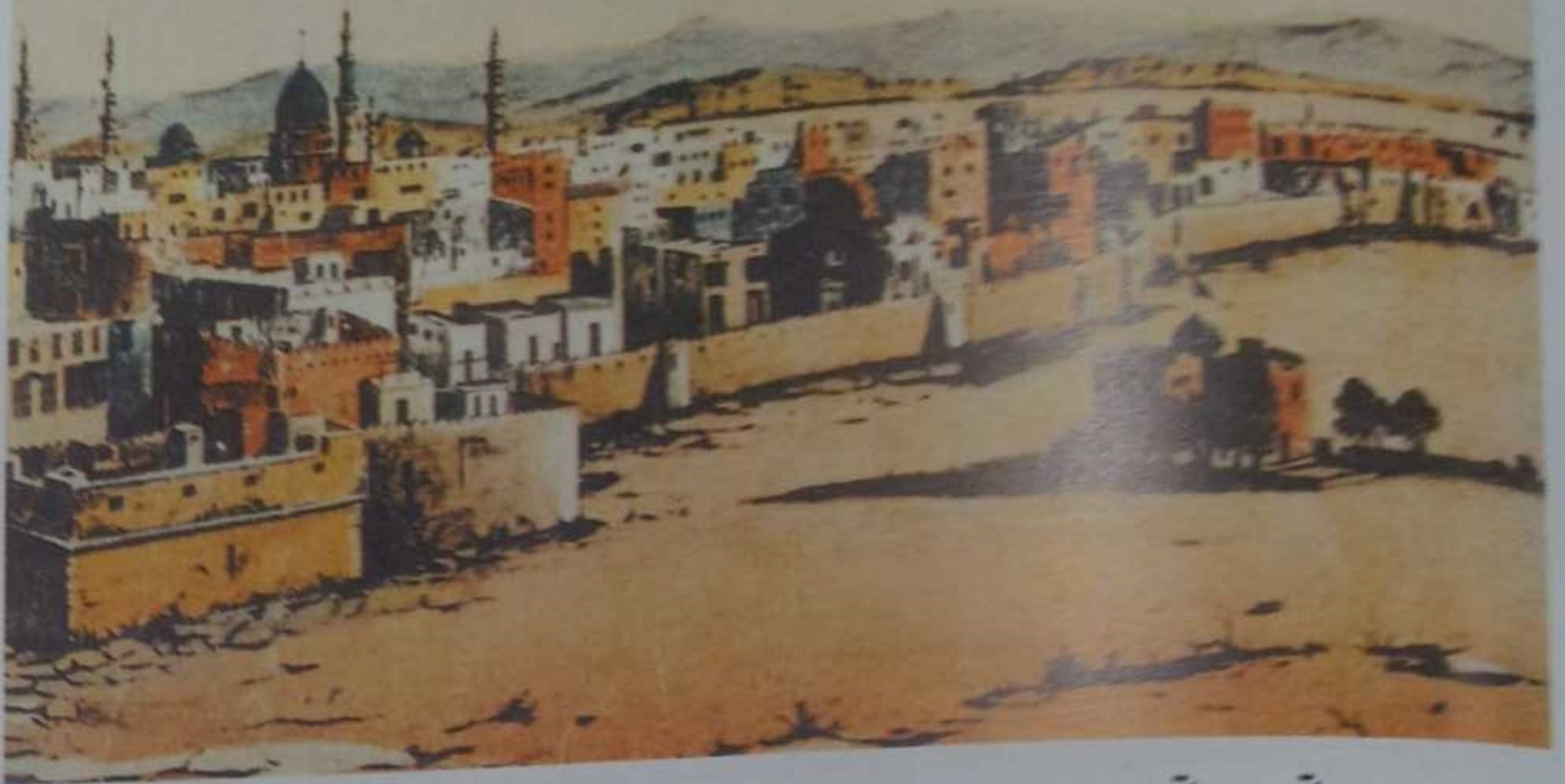
مدینہ مصطفوی کی فصیل شہر کا ایک قدیم منظر ۱۹۱۲ء

اور حرہ کی سنگلاخ زمینیں تھی، اور چوتھی جانب جو کھلا علاقہ تھا وہ بھی الغابہ کے گھنے جنگلات سے گھرا ہوا ہوتا تھا، ان قدرتی رکاوٹوں نے مدینہ طیبہ کو مصنوعی حصاروں سے بے نیاز کر دیا تھا. غزوہ احزاب کے موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے شمالی جانب لمبی اور گہری خندق کھدوا کر ابوسفیان اور اس کی افواج کو بے نیل ومرام واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا تھا. وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ خندق شکست وریخت کا شکار ہو گئی اور کچھ تو آر پار آنے جانے کی غرض سے اہل مدینہ نے اس کے بعض حصوں کو بھر کر گزرگاہیں بنالی تھیں اور باقی کی کسر وادی بطحان کے سیلابوں نے پوری کر دی تھی اور سیلابی ریلوں کے ساتھ بہہ کر آنے والی بھل نے اس خندق کو بہت حد تک بھر دیا تھا. اس طرح یہ جانب پھر سے غیر محفوظ ہو گئی تھی سیاسی رسہ کشیوں کی وجہ سے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ مدینہ طیبہ کو بھی قلعہ بند کر دیا جائے.

امویوں کے آخری ایام میں مدینہ طیبہ کی امن وامان کی صورت حال کچھ تسلی بخش نہیں تھی اور بسا اوقات ارد گرد کے بدو قبائل لوٹ مار کی غرض سے شہر میں گھس آتے تھے. پھر جب عباسی خلافت کا سورج طلوع ہوا تو چونکہ ان کا حصول اقتدار بنی امیہ کی مخاصمت اور دشمنی پر مبنی تھا، اس لیے عنان حکومت سنبھالتے ہی انہوں نے ہر طرف انتقام کی آگ بھڑکا دی اور جو اموی بھی ان کے ہاتھ لگا اسے تہہ تیغ کر دیا گیا. جب ابو العباس سفاح نے اقتدار سنبھالا تو اس نے ایک حکمنامہ جاری کر دیا کہ جہاں کہیں بھی اموی لوگ یا ان کے ہم خیال اور حلیف ہاتھ لگیں ان کا صفایا کر دیا جائے. چنانچہ ۱۳۳ھ میں سفاح کے چچیرے بھائی داؤد نے مدینہ طیبہ میں بنو امیہ کی پوری نسل کو نیست ونابود کر دیا. بظاہر تو وہ بنی امیہ سے ان کی اہل بیت طاہرہ پر چیرہ دستیوں کا انتقام لے رہے تھے، مگر ان کا خفیہ ایجنڈا یہ تھا کہ نہ صرف وقتی طور پر سیاسی مخالفین کو ختم کیا جائے بلکہ دوررس نتیجے کے طور پر اہل حجاز کے دلوں پر اتنی دہشت طاری کر دی جائے کہ عباسی حکومت کے خلاف کسی کو بھی بغاوت کرنے کی جرأت نہ ہو.

یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب امویوں کی سطوت بام عروج پر تھی تو ان کے امراء اور روساء نے جو مدینہ طیبہ میں آ بسے تھے وادی عقیق میں اپنے محلات اور حویلیاں بنا کر اس علاقے کو اتنی ترقی دے دی تھی کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ صرف وادی عقیق کی آبادی ۴۰،۰۰۰ نفوس سے متجاوز تھی مگر جب بنو عباس نے بنی امیہ اور ان کے حلفاء کی گردنیں مارنی شروع کیں تو سب سے زیادہ نشانہ بھی یہی وادی عقیق بنی. مکین تہہ تیغ کر دئے گئے اور مکان لوٹ لیے گئے اور وہی عقیق جو مدینہ طیبہ کا سب سے ترقی یافتہ علاقہ سمجھا جاتا تھا وہاں ویرانیوں نے ڈیرے ڈال لیے. کل کے محلات آج کے بھوت بنگلے بن گئے تھے. جو زندہ بچ گئے تھے انہوں نے امان اسی میں سمجھی کہ مدینہ طیبہ کے وسطی علاقوں میں منتقل ہو جائیں. اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ طیبہ کے گرد ونواح میں بسنے والے بدو قبائل گھوڑوں پر سوار ہو کر آتے اور لوٹ مار مچا کر چلے جاتے تھے. اس طرح یہ خوش و خرم اور خوبصورت وادی وحشت وویرانی کا ہولناک منظر پیش کرنے لگ گئی. بنو عباس نے چونکہ بوجوہ بغداد کو اپنا دار الخلافہ چن لیا تھا اس لیے ان

کے رؤساء نے مدینہ طیبہ کے اس دشت ویراں کو پھر سے آباد کرنے کا کبھی سوچا تک نہیں محلات اور حویلیاں آہستہ آہستہ منہدم ہوتے گئے اور یوں یہ جنت کی بابرکت وادی صدیوں تک کھنڈرات کی شکل میں ہر آنے والے کو دنیا کی بے بضاعتی کا درس عبرت دیتی رہی چھٹی صدی کے مدینہ طیبہ کے مورخ ابن نجار نے اس کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے۔[آج وادی عقیق میں کوئی بھی تو نہیں بستا۔ کسی ذی روح کا نشان تک نہیں ہے۔ لے دے کر اگر کچھ بچا ہے تو وہ ان محلات کے آثار اور کھنڈرات ہیں جو کبھی بہت عالیشان ہوا کرتے تھے۔](۳۴) صادق مصدوق حضور نبی اکرم ﷺ نے اسی وادی کی قسمت کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا تھا: [کوئی سوار جب مدینہ طیبہ کی وادی کے پاس سے گزرے گا تو یاس و حسرت میں یہ کہے گا کہ: کیا ہو گیا ہے اس وادی مبارکہ کو؟ یہاں تو کبھی بہت سے مومنین انبوہ در انبوہ بسا کرتے تھے!](۳۵)

بڑے پیمانے پر تباہی اور بدؤں کی آئے دن کی یلغار کے بعد کون ایسا جری تھا جو وہاں ایک پل بھی رہ سکتا تھا۔ لہذا ہر کس و ناکس مدینہ طیبہ کے وسطی علاقے میں منتقل ہو گیا تھا۔ ایک ہزار میل دور بغداد کے دار الخلافے سے عباسیوں کو اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ ان خانماں بربادوں کی فریاد سنتے، خاص طور پر پہلی صدی میں جب کہ ان کے پاؤں بھی ابھی پورے طور پر جم نہیں پائے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ طیبہ سے انہیں ہر وقت اہل بیت طاہرہ کی بغاوت کا دھڑکا لگا رہتا تھا جیسا کہ محمد ابن عبداللہ ابن حسن المثنیٰ یعنی نفس الذکیہ کے معاملے میں ہو چکا تھا۔ درحقیقت ان چند عوامل کی وجہ سے مدینہ طیبہ کی عمرانی ترقی بری طرح متاثر ہوئی اور آبادی دن بدن کم ہونے لگ گئی۔ بڑھنے کی بجائے مدینہ طیبہ کا رقبہ سکڑتے سکڑتے مسجد نبوی کے اردگرد صرف چند ہزار گھروں تک محدود ہو کر رہ گیا۔ وہ قبیلے جو روز اول سے حرہ شرقیہ یا حرہ غربیہ میں آباد تھے اور جہاں پر تاریخی مساجد بھی ہوا کرتی تھیں (مثلاً مسجد قبلتین اور مسجد اجابہ وغیرہ) وہ بھی یا تو نقل مکانی کر گئے تھے یا پھر فصیل کے اندر گھر حاصل کرنے پر مجبور ہو گئے اور وہ مساجد یا مقامات آبادی سے دور ٹیلوں کے اوپر اپنی تنہائی اور وقت کی ستم ظریفی پر نوحہ خواں نظر آیا کرتے تھے۔ بدؤوں کی یلغار پہلی صدی سے لیکر تیسری صدی تک جاری رہی۔ پھر جب فصیل بن گئی تو مدینہ طیبہ کے باسیوں نے سکھ کا سانس لیا، مگر جونہی آبادی پھر بڑھنے لگی اور لوگوں کو مجبوراً فصیل کے باہر آباد ہونا پڑا تو دوبارہ پھر اسی بے یقینی اور بدامنی کا آسیب ان کو تنگ کرنے لگ گیا۔

اس بدامنی کی تمام تر ذمہ داری صرف گردونواح کے بدو قبائل پر ہی نہ ڈالی جاسکتی کیونکہ علوی باغیوں نے بھی اہالیان حرمین الشریفین کا ناک میں دم کر رکھا تھا، وہ بھی کسی نہ کسی طرح جزیرہ نمائے عرب پر اپنا تسلط حاصل کرنے کے درپے تھے۔ مورخہ ۳ ربیع الاول ۲۵۱ ہجری کو اسماعیل بن یوسف علوی نے مکۃ المکرمہ پر چڑھائی کر دی اور عباسی گورنر جعفر ابن الفضل بن العیسیٰ کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا جس کی وجہ سے میدان علویوں کی ہاتھ رہ گیا۔ بس پھر کیا تھا! قتل و غارت گری نے وہ کھیل کھیلا کہ درندگی اور بربریت کے تمام حربے مکہ مکرمہ کے نہتے اور بے بس و مجبور باسیوں پر آزمائے گئے، حرم مکی کے تقدس کو بھی بری طرح پامال کیا گیا۔ بیت اللہ شریف کے اردگرد جو بھی ان کے مقابلے میں آتا اس کو ذبح کر کے چاہ زمزم میں پھینک دیا جاتا جس کی وجہ سے چاہ زمزم انسانی لاشوں سے اٹ گیا تھا۔ جاتے جاتے وہ درندے بیت اللہ شریف میں صدیوں سے موجود نوادرات اور تبرکات بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ ان لوگوں نے جب مکہ مکرمہ میں اپنا شیطانی کھیل ختم کیا تو مدینہ طیبہ کا رخ کر لیا۔ اہالیان شہر نبی بے خبری کے عالم میں مارے گئے اور اس شب خون میں لاتعداد مدنی شہید ہوئے۔ عباسی خلیفہ معتز باللہ کو جب خبر ہوئی تو اس نے ایک لشکر جرار بغداد سے روانہ کیا جنہوں نے آکر علویوں کا قلع قمع کیا۔ یوں امن تو قائم ہو گیا مگر اہل مدینہ کو اس کی بہت جانی اور مالی

باب شامی ۱۹۱۳ء

قیمت چکانی پڑی تھی۔وقتی سکون تو قائم ہوگیا تھا مگر مستقبل کے خطرات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔اس لیے عمائدین شہر رسول مقبول ﷺ نے عباسیوں سے درخواست کی کہ مدینہ طیبہ کے گرد فصیل تعمیر کردی جائے۔چنانچہ ایک دہائی کے اندر اندر (یعنی ۲۶۳ ہجری میں) مدینہ کے گورنر محمد بن اسحاق الجعدی نے شہر طیبہ کے وسطی خطے کے گرد فصیل تعمیر کروادی۔یہ مٹی اور گارے سے بنی مضبوط دیوار تھی جس میں آنے جانے کے لیے چار دروازے رکھے گئے تھے: مشرقی دروازہ بقیع الغرقد کی طرف کھلتا تھا، مغربی دروازہ وادی العقیق کی طرف تھا، شمالی دروازہ جبل احد کی طرف کھلتا تھا جبکہ ایک دروازہ جنوب کی جانب بھی تھا جہاں سے لوگ قباء آیا جایا کرتے تھے۔فصیل کی دیواریں چونکہ کچی تھیں اس لیے ایک ہی صدی میں منہدم ہونی شروع ہوگئیں۔جب قرامطیوں نے ۳۱۷ ہجری میں مکہ مکرمہ میں تباہی مچائی اور وہ لوگ حجر اسود لوٹ کر چلے گئے تو ایک بار پھر اہل مدینہ پر خوف طاری ہوگیا کہ کہیں پہلی تاریخ دوبارہ نہ دہرادی جائے۔(۳۶) لہذا مدینہ طیبہ کے گورنر نے عباسی خلیفہ کو درخواست کی کہ شہر نبی کے گرد فصیل کو دوبارہ تعمیر کروادیا جائے۔(۳۷) یوں ۳۱۸ ہجری میں عباسی خلیفہ نے حکم دیا کہ ایک نئی اور مضبوط فصیل تعمیر کردی جائے جس کی تعمیل جلد ہی کردی گئی۔عین ممکن ہے کہ نئی فصیل پرانی دیوار کی جگہ پر تعمیر کی گئی ہو۔اس میں بھی چار دروازے تھے:

مدینہ منورہ زاداللہ شرفاً ۱۸۸۰ء میں

(۱) باب البقیع (اسے باب الجمعہ بھی کہا جاتا تھا)

(۲) باب المصری (یہ جنوب کی طرف تھا)

(۳) باب الشامی (اس کا رخ شام کی طرف تھا جو شمال میں تھا)

(۴) باب الجنوبی (اس کا رخ قباء کی طرف تھا)

تمام دروازے رات کو بند رکھے جاتے تھے اور ان پر مسلح پہرے دار ہوا کرتے تھے جن کی تعداد جنگ یا خطرے کے موقعوں پر زیادہ کردی جاتی تھی۔فصیل کی اس تعمیر نو نے اہالیان مدینہ طیبہ کو کافی حد تک مامون و محفوظ تو کردیا تھا مگر اس نے مدینہ طیبہ کی عمرانی ترقی کو بری طرح محدود کردیا تھا۔خطرات کے پیش نظر کوئی بھی اپنا مکان فصیل کے باہر بنانے کو تیار نہ تھا اور چار و ناچار فصیل کے اندر کئی منزلہ عمارتوں نے رواج پالیا۔رہائشی زمین کی قلت سے اسکی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگ گئیں۔

۳۷۲ ہجری میں عضد الدولہ نے عباسی خلیفہ الطائع بامر اللہ کے دور میں اس فصیل کو مرمت کروایا جو وقت کے ساتھ ساتھ پھر شکست و ریخت کا شکار ہونے لگ گئی۔۵۴۰ ہجری میں جمال الدین اصفہانی ؒ نے، جو نور الدین زنگی ؒ کے وزیر تھے، نہ صرف اسکی مرمت کروائی بلکہ اسکو اور مضبوط بھی بنادیا۔۵۵۵ ہجری میں نور الدین ؒ کو بشارت ہوئی تھی جس میں انہیں نصاریٰ کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ صلیبیوں کے حوصلے اتنے بڑھ چکے تھے کہ وہ مدینہ طیبہ کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے اور اس سلسلہ میں انہوں نے مدینہ طیبہ کی نزدیکی بندرگاہ ینبع کے ذریعے مدینہ پر یلغار کرنے کے لیے عملی اقدامات بھی کیے تھے۔ان کے کچھ دستوں نے ینبع پر حملہ کردیا تھا مگر مصری

بحری دستوں نے اپنے امیر البحر لولو کی سرکردگی میں ان کو وہاں سے مار بھگایا اور ان کی بہت سی فوج کو واصل جہنم کردیا تھا۔

جب نورالدینؒ مدینہ طیبہ آئے تو ان سے اہالیان مدینہ طیبہ کی حالت زار نہ دیکھی گئی۔ ہر طرف سے خطرات ان کے سر پر منڈلا رہے تھے لہذا انہوں نے فصیل مدینہ طیبہ کو اور زیادہ مضبوط بنادیا صرف یہی نہیں بلکہ ان آبادیوں کو جو فصیل سے باہر المناخہ کی جانب بس گئی تھیں ان کو بھی مطلوبہ حفاظت فراہم کرنے کے لیے انہوں نے ایک اور فصیل تعمیر کروادی جس سے تمام اہل مدینہ نے سکھ کا سانس لیا تمام کام ۵۵۸ ہجری میں مکمل ہوا جیسا کہ باب البقیع پر نصب لوح سنگ سے معلوم ہوتا تھا (اب نہ وہ باب البقیع ہے اور نہ ہی وہ لوح سنگ)۔(۳۸) انہوں نے فصیل کی تعمیر نو کا سارا خرچہ خود برداشت کیا۔(۳۹) جب ابن جبیر نے ۵۸۰ ہجری میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو ان کے الفاظ میں وہ فصیل انتہائی شاندار حالت میں تھی۔ ان کے الفاظ میں: [مدینہ المکرمہ کے چار دروازے ہیں اور اس کی دو فصیلیں ہیں۔ ہر دیوار سے ایک دروازہ نکلتا ہے جو اندرونی دیوار کے دروازے کے سامنے ہی بنایا گیا ہے۔ ایک دروازہ تو خالص فولاد سے بنایا گیا ہے۔ جس کو باب الحدید کہتے ہیں، اس کی دوسری طرف باب الشریعہ ہے جس کے بعد باب القبلہ ہے جو عموماً بند رہتا ہے اور پھر اس کے بعد باب البقیع آتا ہے۔](۴۰)

بمشکل ایک ہی صدی گزری ہوگی کہ شکست و ریخت کی وجہ سے فصیلوں کی تعمیر نو کی ضرورت دوبارہ محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ ۶۴۶ ہجری میں ان کی مرمت کی گئی۔ اسی اثناء میں چونکہ مدینہ طیبہ کی آبادی بڑھ گئی تھی لوگوں نے مجبوراً فصیل کے باہر اپنے گھر بنانا شروع کردیئے تھے۔ لہذا اب کی بار یمنی ملک منصور نے ۶۴۶ ہجری میں ایک نئی فصیل ان نئی آبادیوں کے حفاظت کے لیے بھی تعمیر کروادی۔(۴۱) المطری کے بیان کے مطابق سلطان صالح بن ناصر بن قلاوون کے دور میں ۷۵۵ ہجری میں ان فصیلوں کی پھر مرمت کروائی گئی۔ اس کے بعد کچھ حصوں کی مرمت کا کام ۸۸۱ ہجری میں سلطان قیطبائی کے دور میں بھی کروایا گیا۔ عثمانی خلافت میں جب سلطان سلیمان قانونی نے عنان سلطنت اپنے ہاتھوں میں لی تو ایک بشارت کے ذریعے رسول مقبول ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ نہ صرف فصیل مدینہ طیبہ کو مضبوط بنائیں بلکہ ایک قلعہ بھی مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لیے تعمیر کروائیں۔ سلطان سلیمان قانونی نے ۹۳۹ ہجری میں فصیل کو دوبارہ تعمیر کرنے کا حکم صادر کردیا تعمیر نو میں سات سال صرف ہوئے اور اس نے فصیل مدینہ طیبہ کو سنگ سیاہ سے بنوایا اور جبل سلع کی جانب نزدیکی پہاڑی پر اس نے ایک بہت مضبوط قلعہ تعمیر کروادیا جو شمالی جانب بلاد الشام کی طرف واقع تھا اس لیے اسے قلعہ شامیہ بھی کہا جاتا تھا۔(۴۲) اس وقت کے رائج الوقت سکہ کے مطابق ایک لاکھ دینار اس منصوبے پر صرف ہوئے تھے۔ بعد میں عثمانی دور ہی میں ۱۰۷۸ ہجری میں سلطان محمد خان بن ابراہیم خان نے اس کی مرمت کروائی۔ مکمل ہونے پر فصیل کی لمبائی ۲،۰۷۳ ذرع یعنی ۱،۵۳۶ میٹر تھی۔(۴۳)

ایک بار پھر سلطان محمود خان نے ۱۱۶۲ ہجری میں اس فصیل کی مرمت کروائی مگر مکمل فصیل کی تعمیر نو ترکی سلطان عبدالعزیز کے دور میں ۱۲۸۵ ہجری میں ہوئی جب فصیل کی اونچائی ۲۵ میٹر تک کردی گئی۔ سلطان نے قلعے کو مضبوط کرنے پر خاص توجہ دی اور اس میں مختلف مقامات پر ۴۰ برج تعمیر کروادیئے جن میں ہر وقت ہتھیار بند پولیس گشت کرتی رہتی تھی۔ عثمانی عہد میں آخری ترمیمات اور مرمت سلطان عبدالحمید ثانی کے دور میں ۱۳۰۵ ہجری میں ہوئی جس کے بعد جب شریف حسین نے ترکوں کے خلاف اعلان بغاوت کردیا تو اس نے بھی شمالی جانب کچھ ترمیمات کروائیں۔ اس نے فصیل کے چاروں دروازوں پر مسلح پولیس بھی متعین کی۔(۴۴)

مدینہ منورہ زادہ اللہ شرفاً کی فصیل کے عمارتی خدوخال

برطانوی جاسوس رچرڈ برٹن نے (جو ۱۸۵۲ء میں مدینہ طیبہ آیا تھا) فصیل کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔ وہ کہتا ہے: [فصیل نہایت ہی اچھی حالت میں ہے۔ اس کی دیواریں گرینائٹ اور لاوا کی

بیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں
مدینہ منورہ زاداللہ شرفاً
کا عمرانی منظر

چٹانوں کے بلاکوں سے بنائی گئی ہیں جن کو چونے سے پلستر کیا گیا ہے. اس میں مزغل (برج) بنائے گئے ہیں جن میں لمبے لمبے سوراخ ہیں (باہر سے آنے والے حملہ آوروں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے). ان برجوں کے اوپر خوبصورت گول قسم کی چھتیں ہیں اور ان میں گیلریاں ہیں جن میں جھروکے رکھے گئے ہیں. (۴۵)

فصیل شہر کے باہر مغربی اور شمال مغربی جانب ترکی رؤساء نے وسیع و عریض قطعہ ہائے اراضی خرید کر وقف عمارتیں تعمیر کر دی تھیں. مناخہ کی طرف نئی آبادکاری ممنوع قرار دے دی گئی تھی کیونکہ وہ تمام علاقہ حاجی کیمپ بن چکا تھا جہاں کاروان حجاج کرام آکر رکتے تھے. درحقیقت یہ جگہ سوق النبی کی جگہ تھی. ترکی دور میں اسے 'برالمناخہ' کہا جاتا تھا. المناخہ کا عربی میں مطلب ایسی جگہ ہے جہاں اونٹ بٹھائے جاتے ہوں. چونکہ یہ میدان مدینہ طیبہ کی فصیل سے باہر تھا اس لیے 'برالمناخہ' کے نام سے شہرت پا گیا. اکثر و بیشتر فقراء اور وہ حجاج کرام جن کے لیے کرائے کے مکان یا کاروان سرائے میں رہنا محال تھا وہ وہاں اپنے خیمے نصب کر لیتے تھے.

آج کے مدینہ طیبہ میں اس فصیل کا کوئی نشان باقی نہیں رہا سوائے نام کے کیونکہ کچھ علاقے ابھی تک پرانے ناموں سے معروف ہیں جیسے کہ 'باب تمار' کا علاقہ جو مسجد نبوی کے شمال میں پہلی سرکلر روڈ کے بعد آتا ہے جو باب تمار (جو باب المجیدی کا ہی ایک نام تھا کیونکہ اس کے سامنے کھجوریں بیچنے والے اپنی دکانیں سجایا کرتے تھے). جہاں تک قلعہ شامی کا تعلق ہے یہ ایک دھماکے سے اڑا دیا گیا تھا جس کی وجہ سے اس میں جمع شدہ تمام اسلحہ بھی تباہ ہو گیا اور اردگرد کی آبادیاں بھی بری طرح متاثر ہوئی تھیں. پھر دیکھا دیکھی فصیل کے حصے لوگوں نے خود گرانا شروع کر دئے کیونکہ بیسویں صدی کی عمرانی نشو و نماء کے راستے میں فصیل بری طرح حائل ہو رہی تھی. مزید برآں جدید مواصلاتی ٹریفک (جس کو زیادہ عروج تیل سے حاصل شدہ دولت سے ملا تھا) بھی فصیل مدینہ کی وجہ سے متاثر ہو رہی تھی. لہذا بلدیہ مدینہ طیبہ نے ۱۳۶۸ ہجری میں اس فصیل کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کر لیا (۴۶) اور پھر چند سالوں کے اندر اندر وہ 'سد مدینہ' نظروں سے اوجھل ہو گئی. اس کے کچھ حصے باقیات کے طور پر بعض حضرات نے محفوظ کر لیے تھے مگر جدید عمرانی تقاضوں کے سامنے وہ حصے بھی آہستہ آہستہ دم توڑ گئے اور یوں وہ فصیل جس نے مدینہ طیبہ اور مدنیوں کی حفاظت میں پچھلے ۱۱۰۰ سال سے (۲۶۳ ہجری سے ۱۳۶۸ ہجری تک) ایک نہایت اہم کردار ادا کیا تھا ہمیشہ کے

دامن احد میں ایک
قدیم دفاعی چوکی کی تصویر

لیے قصہ پارینہ بن گئی.

مدینہ منورہ کے گرد بنائے گئے دفاعی قلعے:

مدینہ طیبہ کے عمرانی خصائص میں جہاں خوبصورت رہائشی عمارتیں ہیں وہاں محلات اور قلعے بھی اس کی عمرانی زندگی کا طرہ امتیاز رہے ہیں. ترکوں نے فصیل مدینہ طیبہ پر صرف قلعہ شامی اور اس کے برج ہی نہیں تعمیر کئے بلکہ اس بلدہ طاہرہ کو کسی بھی بیرونی جارحیت سے محفوظ کرنے کے لیے مختلف مقامات پر مضبوط قلعے بھی بنوادئے تھے جو اس شہر مقدس کے چاروں اطراف میں ہوا کرتے تھے. قلعہ شامی کو دوسری دفاعی لائن سمجھا جاتا تھا جبکہ حدود حرم کے اردگرد چاروں طرف قلعے اور چوکیوں کا جال بچھا دیا گیا تھا. سب سے بڑا قلعہ جبل الجرف کے اوپر تھا جو آج بھی موجود ہے. شمالی مدینہ چونکہ شروع سے ہی دفاعی لحاظ سے کمزور تھا جتنے بھی حملہ آور آئے (خواہ وہ قریش مکہ ہوں یا افواج یزید، یا نفس الذکیہ کے خلاف عباسی افواج یا اس سے بہت پہلے کے یمنی تبع کے عساکر) سب کے سب اسی جانب سے مدینہ طیبہ پر حملے کی غرض سے وارد ہوئے تھے. (دجال بھی اسی راستے سے مدینہ طیبہ کا رخ کرے گا.) لہذا اس جانب جبل الجرف پر سب سے بڑا قلعہ بنایا گیا تھا اور اس کے اردگرد مختلف اسٹراٹیجک مقامات پر قلعہ نما چوکیاں تعمیر کردی گئی تھیں. اگرچہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی کاوشوں سے صلیبی طالع آزما اپنی موت آپ مر چکے تھے مگر پھر بھی ترکوں نے دفاع مدینہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی.

جنوب میں جبل عیر کی چوٹی پر ایک قلعہ تعمیر کیا گیا تھا جس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں اور مغرب میں حضرت عروہ ابن زبیرؓ کے محلات کو بھی عسکری چوکی بنا دیا گیا تھا. اسی طرح جبل احد کے ساتھ ساتھ مغربی جانب بھی چند چوکیاں ہوا کرتی تھیں اور جبل احد سے مدینہ منورہ آتے ہوئے مسجد المستراح کے ساتھ بھی ایک قلعہ تعمیر کردیا گیا تھا تاکہ خدانخواستہ اگر جارحین پہلی دفاعی لائن عبور کرلیں تو پھر بھی مدینہ طیبہ کے مضافات میں انہیں سخت مزاحمت کرنی پڑے. قلعہ شامی کے باہر دفاع کو مضبوط کرنے کے لیے انہوں نے جبل سلع کی چوٹی پر بھی ایک چوکی قائم کی ہوئی تھی جس کے کھنڈرات ابھی تک موجود ہیں. اسی طرح کا ایک قلعہ قباء میں بھی ہوا کرتا تھا. ان تمام قلعوں میں ترکی افواج کے چاک و چوبند دستے ہروقت موجود رہا کرتے تھے.

ان سب میں مشہور ترین قلعہ 'قلعہ شامی' تھا جو فصیل شہر سے متصل شمال مغربی کونے پر تھا. اسے سلطان سلیمان الفاتح (قانونی) نے رسول اللہ ﷺ کی ایک بشارت کے نتیجے میں تعمیر کروایا تھا. شاہ عبدالعزیز کے دستوں نے جب مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تو اس میں گھس کر اس کے گولہ بارود کے ذخیرہ کو آگ لگادی گئی تھی جس سے نہ صرف وہ قلعہ تباہ ہوگیا بلکہ اردگرد کی بہت سی عمارتیں بھی زمیں بوس ہوگئیں تھیں.

باب مصری کے باہر کا سماں
پس منظر میں مسجد نبوی شریف
نظر آ رہی ہے

آج کے مدینہ طیبہ میں ان قلعوں کی افادیت نہ ہونے کے برابر ہے اور شائد یہی وجہ ہے کہ اہل مدینہ نے ان سے بے اعتنائی برت کر ان کو منہدم کر دیا ہے اور سوائے چند ایک کے کھنڈرات کے باقیوں کے تو نشانات بھی معدوم ہو چکے ہیں.

مدینہ طیبہ کا عمرانی اور تمدنی ارتقاء:

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے مدینہ طیبہ چند قریوں پر مشتمل تھا جو شمالاً جنوباً جبل احد سے لیکر جبل عیر اور شرقاً غرباً حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے اندر واقع تھے. ان تمام قریوں میں مختلف قبائل رہا کرتے تھے: کچھ علاقے یہود کے لیے مختص تھے جبکہ باقیماندہ قریوں میں عربوں کی اکثریت تھی. بعد میں جب یہود بے. یہود کو مدینہ بدر کر دیا گیا تو ان کی رہائشی آبادیاں بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئیں. نبی اکرم ﷺ نے حکم صادر فرما دیا کہ وہ آطام اور قلعے یا حویلیاں جو یہود کے انخلاء اور اجلاء کے بعد مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کو ملی تھیں ان کو مسمار نہ کیا جائے. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [ان آطام کو مسمار مت کرو کیونکہ یہ مدینہ طیبہ کے حسن میں اضافہ کرتے ہیں.] (۴۷) لہٰذا ایسے قلعے یا حصون (آطام) جو مدینہ طیبہ کی مختلف اکناف میں موجود ہوا کرتے تھے ان میں سے چند کے کھنڈرات تو آج بھی موجود ہیں. قرون اولیٰ میں ان میں مسلمان آباد ہو گئے تھے.

جب حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی اور اپنی مسجد اور مسکن تعمیر کیا تو اس مقام نے مرکزی حیثیت حاصل کر لی. مہاجرین کو تو وہاں آباد ہونا ہی تھا مگر انصار بھی وہاں آباد ہونے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے تاکہ نبی اکرم ﷺ کے جوار رحمت میں آ جائیں. اس وجہ سے پہلے قریوں کے طرز وقوع کے برعکس (جو ایک دوسرے سے دور دور واقع تھے) نئی تمام تر تعمیرات کا محور مسجد نبوی اور دار رسول مقبول ﷺ بن گیا اور اس طرح جو بھی تمدنی ترقی ہوئی وہ ایک دائرے کی شکل میں باہر کی طرف پھیلتی گئی جس کا نقطہ ارتکاز مسجد نبوی شریف ہی رہا. پھر جب عرب قبیلوں کے وفود مدینہ طیبہ آ کر مشرف بالاسلام ہو گئے ان نو واردین کی آبادکاری کے لیے جبل سلع کے دامن میں جگہ دینی پڑی. بنو حرام اور بنو جہینہ کو جبل سلع کے دامن میں آباد ہونے کی اجازت مرحمت ہوئی اور بنی مزنہ اور بنی مصطلق کو مسجد نبوی کے جنوب میں حرہ غربیہ میں آباد کیا گیا. مدینہ طیبہ کے تمدن میں اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کا بڑا دخل رہا ہے اور جوں جوں فتوحات کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، مدینہ طیبہ کی آبادی بڑھتی گئی اور شہر نبی پھلتا پھولتا گیا مگر نو واردین چونکہ مختلف پس منظر رکھتے تھے (ان کی معاشی اور معاشرتی حالت الگ الگ تھی) اس لیے ہر قسم کے مکانات ایک ساتھ دیکھنے کو ملتے تھے. اگر ایک مقام پر کوئی اطم یا محل نما گھر ہوتا تھا تو ہمسائے میں کچی مٹی سے بنے ہوئے گھروندے کو بھی اسی عزت و وقار کی نظر سے دیکھا جاتا تھا کیونکہ اسلامی معاشرے میں مکان کی

بجائے مکین کی عزت کو اونچا درجہ حاصل تھا۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کے محل پر گنبد ہوا کرتے تھے (دار قرائن) اور اسی طرح سیدنا عثمان ابن عفانؓ کا محل جو کہ "الزوراء" میں تعمیر کیا گیا تھا شان و شکوہ میں اپنی مثال آپ تھا۔ ان محلات کے سایوں میں جھونپڑیاں بھی تھیں اور ٹاٹ کے خیمے بھی تھے، مثلاً فساطیط (وہ خیمے جو مسجد الغمامہ اور مسجد نبوی کے درمیان والے علاقے میں نصب ہوا کرتے تھے)۔

ہجرت نبوی کے بعد دو دہائیوں میں مدینہ طیبہ کے تقریباً تمام قریے اتنے بڑھ گئے تھے کہ سب ایک دوسرے سے متصل ہو گئے تھے اور ان میں قبیلوں کی تفریق مٹ گئی تھی۔ بڑھتے بڑھتے وسطی مدینہ طیبہ کی آبادی جبل سلع تک پہنچ گئی تھی۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مدینہ میں گھروں کی تعمیر جبل سلع تک پہنچ جائے تو تم بلاد الشام چلے جانا۔ اسی لیے میں اب شام جا رہا ہوں۔" (۴۸) حضرت ابوذرؓ پہلے شام چلے گئے تھے اور پھر بعد میں وہ سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور خلافت میں الربذہ جو مدینہ طیبہ سے تقریباً ۲۲۵ کیلومیٹر دور واقع ہے کوچ کر گئے تھے۔ مندرجہ بالا حدیث شریف کے بین السطور مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب وہ شام روانہ ہوئے تو اس وقت مدینہ طیبہ جبل سلع تک پھیل چکا تھا۔

نت نئے واردین اور ان کے مدینہ طیبہ میں قیام سے مدینہ طیبہ کی آبادی کافی گنجان ہو گئی تھی اور خلافت راشدہ کے آخری ایام میں جب دولت کی ریل پیل ہوئی تو بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینہ طیبہ کے مرکزی علاقے سے دور کھلے علاقوں (خاص طور پر وادی العقیق) میں گھر بنانے شروع کر دیے تھے اور اس طرح وہ علاقہ مدینہ طیبہ کا متمول ترین رہائشی علاقہ تصور ہوتا تھا۔ بعد کے دور میں تو وہاں محلات اور قصور کی بھرمار ہو گئی۔ جنوب مغربی علاقے کو عنابسہ کہا جاتا تھا (کیونکہ وہاں عنبسہ نامی بہت سے افراد کے محلات تھے) جب کہ شمال مغربی علاقہ بئر عروہ اور قصر عروہ کے ناموں سے جانا جاتا تھا۔ جب العقیق اپنے عروج پر تھا تو وہاں کی آبادی ۴۰،۰۰۰ نفوس تک پہنچ گئی تھی۔ اس سے مدینہ طیبہ کے وسطی علاقے پر آبادی کا بوجھ ذرا کم ہو گیا تھا۔

قلعہ قباء کی ایک تصویر

آبادی میں اضافے کا یہ رجحان بنو امیہ دور میں جاری رہا تا آنکہ عباسیوں کی خون آشام تلواروں نے ان کے خاندان کو نیست و نابود کر دیا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے عباسی دور میں امن و امان کی صورت حال ایسی بگڑی کہ العقیق ویران ہو گیا اور لوگوں نے دوبارہ مدینہ طیبہ کے مرکزی علاقے کی طرف رجوع کر لیا جس کو بعد میں فصیل سے محفوظ کرنا پڑا۔ (۴۹)

احواش (مدینہ طیبہ کی حویلیاں-Housing Compounds)

جب اندرون شہر آبادی مکانات کے تناسب سے بہت زیادہ ہو گئی تو چاروناچار لوگ فصیل شہر سے باہر آباد ہونے پر مجبور ہو گئے۔ غرباء تو جھونپڑیاں یا کچے مکانات بنا کر رہ لیتے تھے مگر صاحب ثروت لوگوں میں بڑی بڑی حویلیاں بنانے کا رواج چل پڑا تھا۔ یہ بڑی حویلیاں در اصل چھوٹی چھوٹی بستیاں ہی تھیں جن کے گرد چاروں طرف بلند دیواریں بنائی جاتی تھیں تاکہ حملہ آور یا ڈاکو اندر نہ گھس سکیں۔ اندرون شہر تو
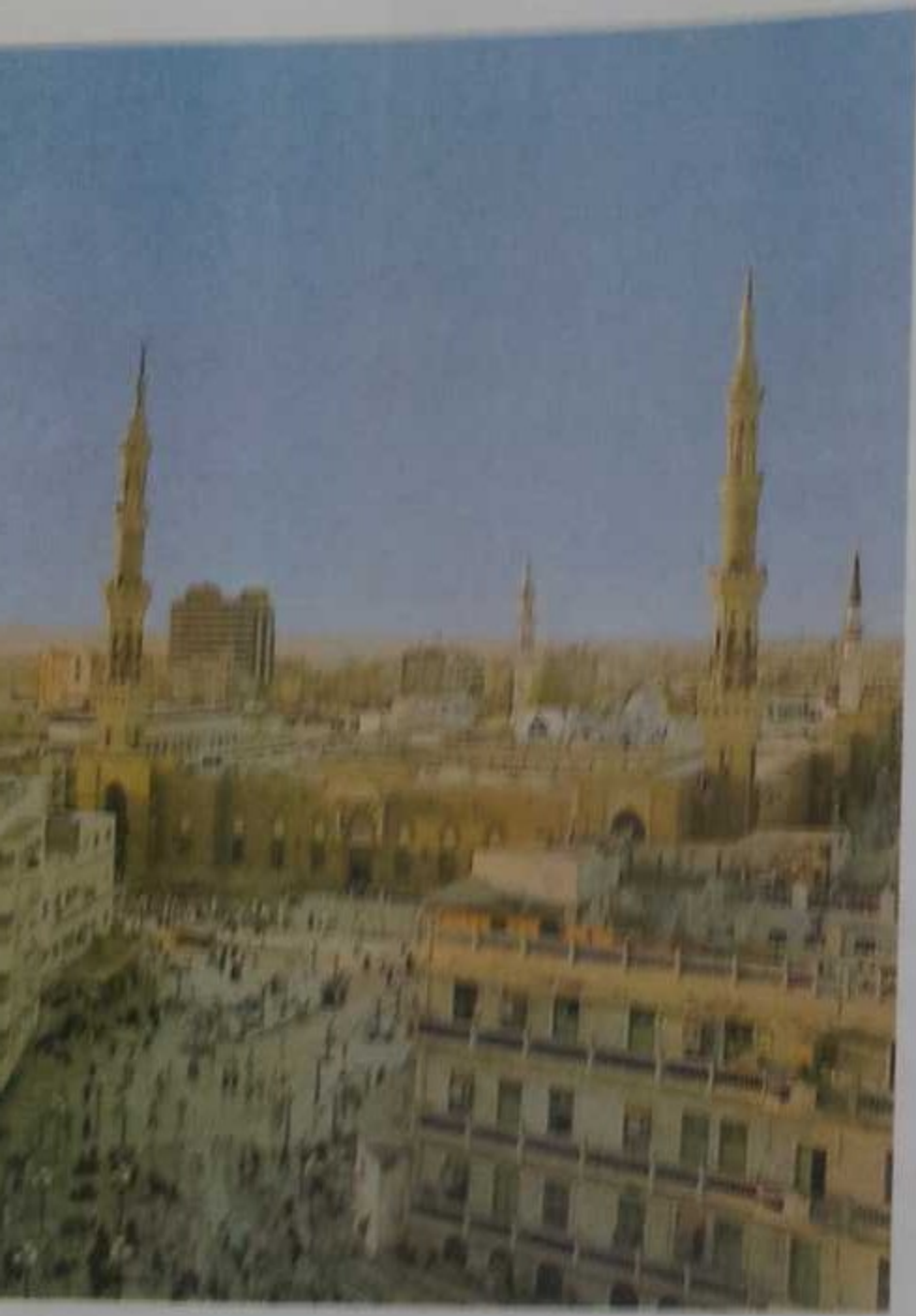
فصیل کی موجودگی میں امن وامان کی صورت حال تسلی بخش تھی مگر فصیل کے باہر بسنے والے لوگوں کے لیے اپنی رہائشوں کو محفوظ بنانے کا کوئی اور طریقہ نہیں تھا لہذا ان کے گرد بلند اور مضبوط دیواریں کھڑی کر کے آبادیوں کو محفوظ کرنے کا رواج ترکی دور حکومت میں عام ہو گیا ایسی حویلیوں کو حوش کہا جاتا (جس کی جمع احواش ہے). اس طرح اگر دیکھا جائے تو مدینہ طیبہ کی عمرانی حیات دو مختلف زاویہ ہائے نگاہ پیش کرتی تھی. اندرون شہر تو ہر معیار سے مدینہ طیبہ ایک مکمل شہر ہوا کرتا تھا مگر فصیل سے باہر مختلف احواش ایک گاؤں جیسا منظر پیش کرتے تھے. مگر اسے حالات کی ستم ظریفی سمجھئے یا وقت کی ضرورت، بعد میں یہی احواش مدینہ طیبہ کی عمرانی زندگی کا طرہ امتیاز بن گئے تھے. ایسے احواش زیادہ تر فصیل شہر سے باہر المناخہ کے میدان یا پھر اس سے بھی آگے جنوب مغربی علاقے میں بنائے گئے تھے. ایک حوش مکمل شہر کی تصویر ہوا کرتا تھا جس کے گرد دیواریں ہوتیں اور آمد ورفت صرف ایک یا دو دروازوں سے ہوتی جو اکثر و بیشتر مسلحہ گارڈ کی نگرانی میں رہتے تھے. اس کے اندر ہی دکانیں بجتیں اور عام ضرورت کا سامان ایک حوش میں ہی مل جاتا. ایک حوش کئی کئی مکانات پر مشتمل ہوتا تھا: بعض احواش میں تو ۲۰۰ گھروں تک کی گنجائش ہوا کرتی تھی. مثلاً حوش الرائے جو تکیہ مصریہ کے پاس ہوا کرتا تھا، یا حوش امیرہ جو ۱۵۰ مکانات پر مشتمل تھا، یا حوش کوافر جس میں ساٹھ سے زیادہ مکانات تھے (۵۰). دیگر احواش عموماً پچاس سے ساٹھ مکانوں پر مشتمل ہوتے تھے. زیادہ تر احواش میں ایک منزلہ مکانات ہوتے مگر کچھ ایسے بھی احواش تھے جن میں دو منزلہ یا اس سے بھی زیادہ منزلی مکانات ہوتے تھے. مکانوں کے درمیان ۶ سے ۸ میٹر چوڑی سڑکیں ہوا کرتی تھیں. جب سے مدینہ طیبہ جدید عمرانیت کی راہ پر گامزن ہوا ہے ایسے احواش ایک ایک کر کے منہدم ہوتے گئے اور ان کی جگہ دوسری عمارات تعمیر ہوتی رہیں. اب سوائے ان کے ناموں کے تاریخ مدینہ طیبہ میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے. چند احواش جو کبھی بہت مشہور ہوا کرتے تھے ان کے نام یہ ہیں: حوش السید، حوس کرات باش، حوش القائد، حوش ابوشرشاہ، حوش مناع، حوش مغاربہ اور حوش ابودیرع وغیرہ.

مسجد نبوی شریف سے متصل محلہ مجیدی

اگرچہ مورخین اور علماء نے تاریخ مدینہ پر بے شمار کتابیں تحریر کی ہیں اور ان کے تاریخی اور اسلامی پس منظر اور متبرک مقامات پر دل کھول کر تفاصیل مہیا کی ہیں، مگر ہمارے لیے حیرت کا مقام یہ ہے کہ کسی نامور مورخ نے بھی مدینہ طیبہ کے عمرانی ارتقاء پر قلم نہیں اٹھایا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں اس شہر رسول ﷺ کے متعلق شہری ترقی اور عمرانی ارتقاء پر بہت کم مواد ملتا ہے. البتہ چند زائرین کرام نے جو پچھلی چند صدیوں میں مدینہ طیبہ آئے اپنے اپنے سفرناموں میں تھوڑی بہت نقشہ کشی ضرور کی ہے جن میں زیادہ تر مغربی (مراکش یا الجزائر وغیرہ) یا ترک سیاحین شامل ہیں. ایسے ہی ایک زائر مشہور ترک سیاح تھے جن کو اولیاء شلبی (ولادت: ۱۰۲۰ ہجری) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے. انہوں نے مدینہ طیبہ کے ان پوشیدہ گوشوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور ڈھیر ساری معلومات فراہم کی ہیں. گیارھویں صدی میں ان کے سفر مدینہ طیبہ کے وقت وہاں موجود دینی اداروں کے متعلق وہ لکھتے ہیں: باب الرحمہ کے باہر مدرسہ سیف الدین سلطان ہے جو ۷۲۴ ہجری میں سلطان سیف الدین خوبان اور اس کی ملکہ نے بنوایا تھا. اس کے ساتھ ہی سلطان قیطبائی کا مدرسہ ہے. باب جبریل کے باہر سوقولی محمد پاشا کا

قدیم مدرسۃ الرستمیۃ کی ایک تصویر

بنایا ہوا مدرسہ ہے جو سلطان محمد القانونی کا مشیر خاص تھا۔اسی طرح باب السلام کے قریب ایک بہت بڑا وقف ہے جسے سلطان محمد سوم نے بنوایا تھا۔مدینہ طیبہ میں کل مدارس کی تعداد ۱۱۸ ہے۔(۵۱)

دوسری چیزوں کے علاوہ وہ تحریر کرتے ہیں کہ اندرون شہر چند حمام اور کارواں سرائے بھی تھیں اور وہاں (کچی) سڑکیں بڑی صاف ستھری اور سفید رنگ کی تھیں۔شام کے وقت ان پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا جاتا تھا جس سے گرد بیٹھ جاتی اور ان میں تھوڑی سی خنکی بھی آجایا کرتی۔اس شہر مقدس میں بیس کتاب (ایسے مدرسے جہاں بچوں اور نوجوانوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کو بعد کے مورخین نے کتاتیب کے نام سے لکھا ہے) تھے۔اس کے علاوہ سات دار القراۃ تھے جہاں قران کریم پڑھایا جاتا تھا اور سات دار الحدیث تھے جہاں حدیث شریف کا درس دیا جاتا تھا۔ستر کے قریب سرائیں تھیں جہاں غرباء کو مفت رہائش اور خوراک مہیا کی جاتی تھی۔ان سب سراؤں کے چلانے کی لیے مختلف اوقاف بنائے گئے تھے۔عین الزرقاء سے نکال کر تین بڑی بڑی سبیلیں شہر کے مختلف حصوں میں بنادی گئی تھیں جن سے راگیر اور پیاسے پانی استعمال کیا کرتے تھے۔ان سبیلوں میں پانی تک پہنچنے کے لیے سیڑھیوں سے اتر کر نیچے جانا پڑتا تھا۔یہ سبیلیں بھی سلطان سلیمان نے تعمیر کروائی تھیں۔ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی چھوٹی سبیلیں تھیں جو مختلف مقامات پر ہوا کرتی تھیں۔ان تمام مدارس اور کتاتیب کا خرچہ ترکی حکومت کی گرانٹ (جس کو صرہ کہا جاتا تھا) سے پورا کیا جاتا تھا۔ترک سلاطین نقد اور اجناس اور اشیاء کی صورت میں ہر سال ’صرہ‘ مدینہ طیبہ ارسال کرتے تھے۔اس کے علاوہ بہت سارے لنگر خانے بھی تھے جن کو مخیر حضرات چلایا کرتے تھے جہاں مساکین اور مسافروں کو دو وقت کا کھانا دیا جاتا تھا۔(۵۲)

جہاں تک مکانات کی تعداد کا تعلق ہے اولیاء شلبی لکھتے ہیں کہ اندرون شہر تقریباً ۲۰۰۰ مکانات تھے۔ سرائیں، مدارس، مساجد، تکیے، دار الحدیث اور دار القرآن ان کے علاوہ تھے۔شامی قلعے کے اندر ۸۰ توپیں تھیں، محافظ دستے اور پولیس کے سپاہی اور فوج کی کچھ نفری ہوا کرتی تھی جن میں بینڈ بجانے والی ایک پلٹن بھی ہوا کرتی تھی جو سرکاری مناسبات پر دھنیں بجایا کرتی تھی۔

مدینہ طیبہ میں برصغیر ہندوستان کے بہت سے والیان ریاست نے دل کھول کر مدینہ طیبہ میں رفاحی کاموں میں شرکت کی تھی۔بہت سوں نے مدرسے بھی بنوائے اور بعض نے تو وہاں باقاعدہ رباطیں تعمیر کروادی تھیں، مثلاً رباط بھوپال، رباط حیدر آباد اور رباط بہاولپور وغیرہ۔ان سب کا ذکر رباطوں کے باب میں تفصیل سے کیا جائے گا۔

حارۃ الاغوات میں واقع ایک قدیم عمارت جس کو طیرمہ کہا جاتا تھا کبھی یہ مدینہ منورہ کی سب سے اونچی عمارت تصور ہوتی تھی

اس کے برعکس انیسویں صدی میں برطانوی اور یورپی حکومتوں نے ارض مقدس پر اپنے جاسوسوں کا جال
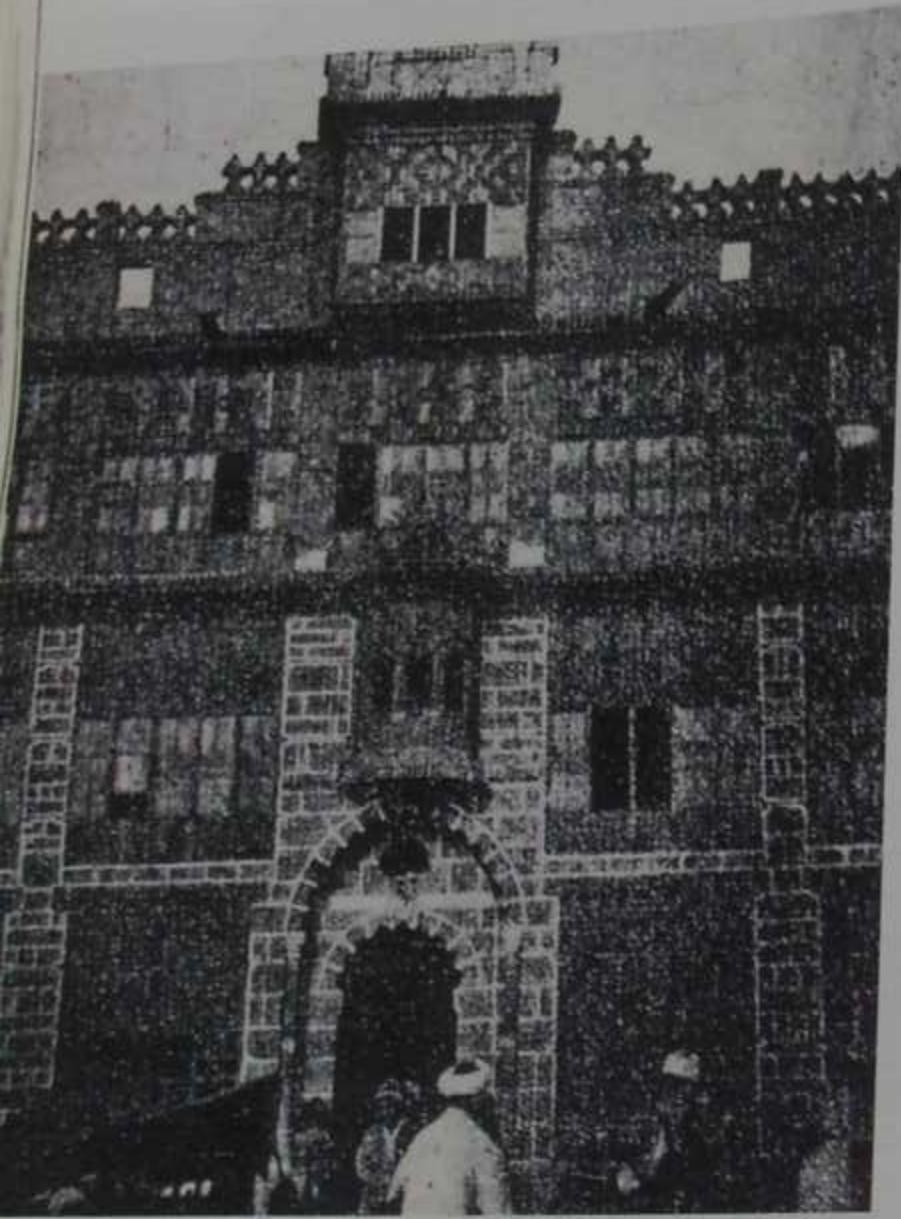
پھیلا دیا اور وقتاً فوقتاً مختلف قوموں سے تعلق رکھنے والے جاسوس جعلی اسلامی ناموں کے تحت حرمین الشریفین کے علاقوں میں دراندازی کرتے رہے۔ ان کا مقصد امت مسلمہ اور خاص طور پر ترکی سلطنت کے خلاف جاسوسی مواد اکٹھا کرنا تھا تاکہ مسلمانوں کی سب سی بڑی سلطنت کا خاتمہ کیا جائے اور اس طرح ان دونوں مقدس شہروں کے متعلق معلومات اور شماریات جمع کر کے وہ اپنی حکومتوں کو ارسال کردیتے تھے جس میں بلاد مقدسہ کی ارضیاتی رپورٹیں، معاشی اور معاشرتی حالات اور مختلف قبائل کے باہمی تعصبات اور وفاداریوں پر معلومات ہوا کرتی تھیں (۵۳)۔ وقت گزرنے کے بعد وہ رپورٹیں خفیہ نہ رہیں اور بہت ساری رپورٹیں تو ان جاسوسوں کے ورثاء نے شائع کردیں تاکہ مال کمایا جاسکے اور باقی ماندہ ان حکومتوں نے افشاء (Declassify) کردیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان جاسوسوں نے امت مسلمہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا، مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ معلومات جو انہوں نے اکٹھی کی تھیں ان کے افشاء سے حرمین الشریفین کی تاریخ کے بہت سے چھپے گوشے ہم پر ظاہر ہو گئے ہیں، لہذا اس مرحلے پر ہمارے لیے ان کی تاریخی اور علمی حیثیت خاصی نفع بخش ہے۔ چونکہ وہ جاسوس پوری طرح اپنے اپنے کاموں میں ماہر تھے انہوں نے اپنا کام پوری تندہی سے کیا اور اپنی رپورٹوں کے ساتھ اثبات اور شہادت کے طور پر بعض ضروری نقشہ جات اور خاکے بھی بنائے تھے جن سے تاریخ مدینہ کے بعض گوشے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اس باب کے شروع میں دیا گیا خاکہ رچرڈ برٹن کی کتاب سے مستعار ہے جو ارض مقدس کی نقشہ کشی کی تاریخ میں سب سے پہلا خاکہ ہے، جو ۱۸۵۲ء سے پہلے کا ہے۔ اسی طرح اگرچہ انکی تحریروں سے معاندت اور اسلام دشمنی صاف ظاہر ہوجاتی ہے مگر ان کی آراء اور حاشیہ آرائی سے ہمیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ مدینہ طیبہ ۱۸۵۰ء میں کیسا لگتا ہوگا۔ اس کے کہنے کے مطابق اندرون شہر مدینہ طیبہ میں مکانات کی تعداد ۶۰۰ سے زیادہ نہ تھی۔ مدینہ طیبہ کی ٹاؤن پلاننگ اور عمرانیاتی شکل کے بارے میں وہ رقمطراز ہے:

بیسویں صدی کے شروع میں مدینہ طیبہ میں صرف ایک بڑا ہوٹل ہوا کرتا تھا جو سید عبداللہ المدنی کی ملکیت تھا (مرآۃ الحرمین)

اندرون شہر (فصیل کے اندر) سڑکیں بالکل ایسی ہی ہیں جو ایسی سخت زمینوں پر ہوا کرتی ہیں، گہری، تنگ اور چند جگہوں سے پکی بھی ہیں۔۔۔اور عموماً مٹی کی ہیں جن پر پانی چھڑک کر ان کو پختہ سا بنا دیا گیا ہے۔ ہر سڑک کا رخ مسجد (نبوی) کی طرف ہے۔ عوام کے لیے معدودے چند عمارات ہیں۔ پبلک ایجنسیاں۔ کاروان سرائے۔ (وکالہ) صرف چار ہیں جن میں سے ایک باب السلام، یعنی حرم کے پاس ہے جبکہ دوسرا وکالہ جبراتی ہے اور دو مصری دروازے کے اندر واقع ہے۔ تمام کی تمام عربوں کی ملکیت ہیں۔ یہ کاروان سرائے عموماً سٹور کے طور پر استعمال ہوتی ہیں اور جیسا کہ قاہرہ میں ہوتا ہے اس کے برعکس ان کو رہائش کیلیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ مسافرین کو مجبوراً کرائے کے مکانوں میں ٹھہرنا پڑتا ہے جو کافی مہنگے ہیں یا پھر انہیں غیر صحت مند اور انتہائی نامساعد حالات میں شہر کے باہر خیمے گاڑنے پڑتے ہیں۔ پبلک عمارتیں بہت کم ہیں، چند قہوہ خانے ہیں اور ایک اچھا حمام زروان کے علاقے میں ہے۔ مشرقی نقطہ نظر سے مکانات اچھی طرز کے ہیں جن پر سیدھی چھتیں ہیں اور اکثر دو منزلہ مکان ہیں۔ عمارتیں زیادہ تر حرہ کے سیاہ پتھروں کے بلاکوں اور مواد اور پکی ہوئی اینٹوں سے بنائے جاتے ہیں اور ان پر کھجور کے تنوں کی چھتیں ڈالی گئی ہیں۔ چند اچھی عمارتوں میں کھلے صحن بھی ہیں اور چھوٹے باغیچے بھی ہیں جن کی آبیاری کے لیے مناسب پانی کا بندوبست کیا گیا ہے اور ان کی ہریالی دیکھنے والوں کے دلوں کو موہ لیتی ہے۔] (۵۴)

برٹن کے علاوہ دوسری اہم یادداشتیں ایک اور عیسائی جاسوس جون برکہارٹ (John Ludvig Burkhardt) کی ہیں جو سویٹزرلینڈ کا

باشندہ تھا جو جاسوسی کی غرض سے مدینہ طیبہ آیا تھا. چونکہ ایسے تمام جاسوس مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے مسلم نام رکھ لیتے تھے, بہت سے مسلم علماء بھی ان کے جھانسے میں آجاتے تھے اور ان کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے.(۵۵)

ان کفار کے نمائندوں کے علاوہ مسلم دنیا میں صرف ایک ہی ایسا نام ملتا ہے, جس نے مارچ ۱۸۸۶ء میں مدینہ طیبہ کے مختلف مقامات کا تفصیلی خاکہ دیا ہے, وہ ہیں علی بن موسیٰ آفندی جن کی کاوشوں سے ہمیں اس وقت کے مدینہ طیبہ کے چند اہم گوشوں سے جانکاری ہوتی ہے. ان کی مہیا کی گئی تفاصیل سے جو سعودی محقق حمد الجاسر نے رسائل فی التاریخ المدینہ کے ضمن میں شائع کی ہیں, ہمیں بہت سی معلومات مل جاتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ طیبہ انیسویں صدی کے اواخر میں ایک چھوٹا سا شہر تھا, جس میں اور چیزوں کے علاوہ یہ سب کچھ بھی تھا:

دینی عمارتیں:

مساجد (مسجد نبوی شریف کے علاوہ)	۳۳
رباط (وقف عمارتیں)	۸
زاویے (خانقاہیں) (۵۶)	۱۴

پبلک عمارتیں:

بازار	۱۱
مدرسے	۳۰
پبلک حمام	۲
تکیے (غرباء اور مساکین کی مفت رہائش گاہیں)	۲
لائبریریاں	۷
ہسپتال (عام لوگوں کے لیے)	۱
ہسپتال (فوجیوں کے لیے)	۱

علی بن موسیٰ آفندی کے مطابق کھاتے پیتے لوگوں کے اچھے تعمیر کیے ہوئے گھروں کی تعداد ۷۴ تھی, تاہم اس نے تمام عامیانہ گھروں کی تعداد نہیں لکھی. مدینہ طیبہ میں اندرون شہر کل ۴۲ گلیاں ہوا کرتی تھیں اور تین بڑی سڑکیں اور ۱۲ چھوٹی سڑکیں تھیں. مدینہ طیبہ کی کل آبادیاں (حارے) آٹھ ہوا کرتے تھے اور عامۃ الناس کے لیے ۵۵ باغ اور باغیچے ہوا کرتے تھے. عسکری عمارات میں سے صرف ایک ہی مشہور عمارت ہوا کرتی تھی جس کا نام قلعہ شامیہ تھا جو فصیل مدینہ کے شمال مغربی کنارے پر واقع تھا.(۵۷) فوجیوں کی بارکیں عنبریہ کے علاقے میں تھیں اس علاقے کو کتیبہ (فوجی بارکیں) کہا جاتا تھا. اب تو یہ تمام علاقہ صاف کر دیا گیا ہے مگر مسجد کتیبہ (آج کل یہ مسجد پل کے سامنے مسجد ذوالنورین کے مقابل واقع ہے) ابھی بھی ان فوجی بیرکوں کی یاد تازہ کرتی ہے جو کبھی وہاں ہوا کرتی تھیں. یہاں ترکیوں کی نظامی رجمنٹ کے افراد رہا کرتے تھے. اس کے علاوہ آفندی نے اور بھی معلومات مہیا کی ہیں مثلاً یہ کہ مدینہ طیبہ میں کتنے نخلستان تھے اور ان میں سے ہر ایک میں کتنے کتنے کھجور وغیرہ کے درخت ہوا کرتے تھے.(۵۸) جنرل ابراہیم رفعت پاشا نے مرآۃ الحرمین الشریفین کے نام سے اپنا سفرنامہ لکھا

ہے. وہ ۱۹۰۲ء سے تین مرتبہ امیرالحج کی حیثیت سے مصری کاروان حج کی قیادت کر چکے تھے. انہوں نے بھی کافی مواد فراہم کیا ہے جو بیسویں صدی کی ابتداء سے متعلق ہے. ان کی تحریروں کے مطابق مدینہ طیبہ کے مکانات عموماً پتھر کے بلاکوں سے بنے تھے، عام مکانات دو منزلہ تھے اور چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل ہوا کرتے تھے. بالائی منزل عموماً رہائش کے لیے استعمال ہوتی تھی جب کہ نچلی منزل میں سٹور اور دکانیں ہوا کرتی تھیں. صاحب ثروت لوگوں کے گھر کافی کھلے ہوتے اور کافی دیدہ زیب ہوا کرتے تھے. کھڑکیاں اور روشن دان مکانوں کو کافی ہوادار بنا دیتے تھے. لکڑی کے کام پر کافی نقش و نگار کیا جاتا تھا. گھر کے دروازے عموماً گلیوں اور سڑکوں کی سطح سے کافی اونچے رکھے جاتے تھے. (۵۹)

ایک قدیم بازار جو اب نایاب ہے

ان کی مہیا کی ہوئی معلومات کے مطابق ۱۳۰۹ ہجری میں (۱۸۸۸ء) میں مدینہ طیبہ میں ۱۷ مساجد اور ۱۸ لائبریریاں (کتب خانہ جات) اور ۷ اسکول (مدارس) تھے. ان مدارس کے علاوہ ۱۱۲ ابتدائی تعلیم کے مراکز بھی تھے جن میں مدنی بچے تعلیم حاصل کرتے تھے. ۸ عدد تکیے (غریب خانے) ہوا کرتے تھے جن میں سب سے بڑا تکیہ مصریہ تھا اور پانی پینے کی ۷ اسبیلیں اور ایک ہسپتال بھی تھا. شہر میں ۱۰۸ رباطیں بھی تھیں جہاں مسافر اور غرباء کے قیام و طعام کا بندوبست تھا. رفعت پاشا کے اعداد و شمار کے مطابق اس وقت مدینہ طیبہ میں کل ۴۰۰۰ مکانات تھے، ۱۸ بیکریاں اور ۳۶ قہوہ خانے تھے. اور چھوٹے بڑے باغیچے ملا کر ان کی کل تعداد ۴۸۵ ہوا کرتی تھی. اس وقت صرف ایک ہی ہوٹل ہوا کرتا تھا جو عبداللہ المدنی کی ملکیت تھا جہاں مواسم حج اور زیارات میں مسافرین کا تانتا بندھا رہتا تھا. (۶۰) لکڑی کی بنی ہوئی بالکونیاں اور رواشن (روش دان کی جمع جو مدینہ طیبہ میں عام سمجھا اور بولا جاتا تھا) انتہائی خوبصورت نقش و نگار کی حامل ہوا کرتی تھیں جس نے مدینہ طیبہ کی روحانی فضاء میں عمارتی خوبصورتی کا عنصر بھی شامل کر دیا تھا. مکانوں کی چھتیں عموماً لکڑی کی بنی ہوتیں جن پر بھی نقش و نگار کنداں ہوا کرتے تھے.

عرب بیورو کے شروع میں مذکورہ کتابچے نے مدینہ طیبہ کا یہ نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

شہر کے مکانات گرینائٹ اور لاوا کی چٹانوں کے بنے بلاکوں سے بنائے گئے ہیں جن کے اوپر چونے کا پلستر کیا گیا ہے؛ ان میں سے بعض تو چار یا پانچ منزلہ بھی ہیں اور ان میں باغیچے بھی موجود ہیں. گلیاں ذرا تنگ اور

اندر گرمی ہیں لیکن بہت پرسکون اور ٹھنڈی ہیں اور ان کے کچھ حصے پکے بنادئے گئے ہیں.

شہر کی دفاعی استعداد کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ:

(فصیل کے) مشرقی اور مغربی دروازوں میں دوہرے برج بنائے گئے ہیں. فوجی چھاونی باب قباء سے شہر کے باہر کی طرف واقع ہے جبکہ ریلوے اسٹیشن شہر کی مغربی جانب ایک چوتھائی میل پر واقع ہے اور اس کی عمارتیں بندوقوں کی گولیوں کا آسانی سے مقابلہ کرسکتی ہیں یعنی (Bullet-proof) ہیں. (۶۱)

چونکہ مدینہ طیبہ کا نقشہ جو اس کتابچے نے کھینچا ہے وہ خاصہ دلچسپ ہے، ہم قارئین کو اس کے کچھ مزید اقتباسات پیش کرنا چاہیں گے:

حاجی حضرات جو خواہ ریل کے ذریعے یا براستہ ینبع آئیں وہ مغربی دروازے سے آتے ہیں اور ان کو برالمناخہ کا کافی بڑا میدانی علاقہ عبور کرکے شہر میں داخل ہونا پڑتا ہے. جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، برالمناخہ میں حجاج کرام کا پہلا پڑاؤ لگتا ہے اور ایسے حجاج کرام جو کرائے کے مکان لینے کی توفیق نہیں رکھتے وہ اپنے خیمے وہیں نصب کرلیتے ہیں. پرانے شہر میں داخلہ باب مصری سے برالمناخہ سے ہوکر گزرتا ہے جہاں سے ایک بڑی سڑک حرم نبوی کی طرف مڑ جاتی ہے جس میں داخلہ باب السلام سے ہوتا ہے جو کہ مسجد کے جنوب مغربی کونے میں واقع ہے. اس عمدہ دروازے کو بہت ہی خوبصورت سنگ مرمر، ٹائلوں اور سنہری کتابت سے سجایا گیا ہے اور مسجد اپنے بلند و بالا میناروں اور ایک عالی شان سبز گنبد اور بہت سے چھوٹے چھوٹے گنبدوں اور ایک وسیع صحن کے ساتھ ہر طرف تنگ گلیوں اور مکانات میں گھری ہوئی ہے. (۶۲)

مدینہ طیبہ کے بہت سے پرانے مکان بہت ہی چھوٹی چھوٹی پکی اینٹوں سے بھی بنے ہوئے تھے. چونکہ اس شہر مقدس نے صدیوں پر محیط ایک طویل عرصے میں بہت سے حکمران اور ادوار دیکھے ہیں جنہوں نے بحیثیت مجموعی دامے درمے اور قدمے ہر طرح سے اس شہر حبیب کی تزئین و آرائش میں نام پیدا کرنے کی سعی کی ہے اس لیے تعمیراتی نقطہ نظر سے مدینہ طیبہ میں ہر دور میں رائج الوقت ذوق اور وسائل کے مطابق شاہکار عمارتیں معرض وجود میں آتی رہی ہیں. اس کے علاوہ چونکہ زائرین اور حجاج دنیا کے ہر کونے سے یہاں حاضر ہوتے تھے جن میں ہر قسم کے پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد بھی شامل ہوتے تھے اس لیے اس شہر مقدس کو کبھی پیشہ ور اور ماہر کاریگروں کی کمی نہیں پڑی. وہ انجینئر اور ماہرین جن کو مسجد نبوی شریف پر کام پر لگایا جاتا تھا وہ اکثر و بیشتر یہیں کے ہوکر رہ جاتے تھے اور مدینہ طیبہ کو ہی اپنا مسکن دائمی بنالیتے تھے. اس طرح مدینہ طیبہ میں دنیا کے ہر کونے سے آئے ہوئے فنی ماہرین نے اپنے پیارے نبی ﷺ کے محبوب شہر کی تزئین کے لیے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور ان میں بین الاسلامی تعمیراتی رجحانات اور ذوق ہمیشہ دیکھنے کو ملتا تھا. یہاں پر اگر افریقی طرز تعمیر کے نمونے بھی ملتے تھے تو ساتھ ہی ترکی کے تعمیری شاہکار بھی نظر آیا کرتے تھے. برصغیر ہندوستان اور ایرانی کاریگر لکڑی کے کام میں ایسا دیدہ زیب کام کر گئے کہ صدیوں تک ان کے شاہکار اپنی نفاست اور نقش و نگار میں مشہور رہے. لہٰذا مدینہ طیبہ میں صرف عربی طرز تعمیر ہی دیکھنے کو نہیں ملتا تھا وہاں نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر ہر قسم کا تعمیراتی فن پارہ موجود ہوا کرتا تھا جو اگر کسی اور ملک اور قوم میں ہوتے تو ان کو تاریخی اور قومی ورثہ سمجھ کر محفوظ کرلیا جاتا. ایسی ہی ایک عمارت حارۃ الاغوات میں رباط یاقوت الماردینی تھی جسے ۷۰۶ ہجری میں تعمیر کیا گیا تھا. موجودہ صدی میں مدینہ منورہ میں یہ قدیم ترین عمارت ہوا کرتی تھی مگر مسجد نبوی کے توسیعی منصوبے کی نظر ہوگئی گو کہ جس جگہ وہ واقع تھی وہ جگہ آج بھی مسجد کے احاطے سے باہر خالی پڑی ہے. صالح لمعی مصطفیٰ کے بقول: آج بھی مدینہ طیبہ میں سب سے قدیم اور قیمتی ورثے کی شکل میں جبل سلع کے دامن میں مسجد حضرت سلمان فارسیؓ موجود ہے جو ۷۷۵ ہجری میں تعمیر کی گئی تھی. (۶۳) لیکن اگر بروقت اقدام نہ کئے گئے تو وہ آثار قدیمہ اور تاریخی عمارت جو اپنی عمر کی آٹھ سو بہاریں دیکھ چکی ہے چپکے سے خزاں کی نذر ہو جائے گی. عمارت پہلے ہی بوسیدہ حالت میں ہے اور اس کے معدوم ہونے کے امکانات بہت زیادہ ہیں اور اپنی دیگر ساتھی عمارتوں کے نقش قدم پر چلتے یہ قدیم ترین عمارت بھی کسی مسلم سربراہ حکومت یا مذہبی رہنماء کے احتجاج

ے پہلے ہی ملک عدم کو سدھار جائے گی. اس کی چند تصاویر ہم نے اسی کتاب کے باب 'مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد' کے زمرے میں دی ہیں.

مندرجہ بالا صفحات میں مدینہ طیبہ کی قدیم عمرانیات پر ہم نے ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے. اگر ان اعداد و شمار کو مدینہ طیبہ کی دور حاضر کی وسعت سے موازنہ کریں گے تو یہ ایک سعی لا حاصل ہوگی. آج کا دیار حبیب آج سے تیس سال پہلے کے مدینہ طیبہ سے کئی گنا وسیع و عریض ہے. آبادی کے لحاظ سے بھی اس میں معتد بہ اضافہ ہوا ہے. آج کے مدینہ طیبہ کا کل رقبہ تقریبا ۶۰۰ مربع کیلومیٹر سے بھی تجاوز کر گیا ہے. مشرق میں اس کی حدود سد العقول سے بھی پار مدینہ ائرپورٹ تک جا چکی ہیں، مغرب میں الجرف اور العقیق تک کا علاقہ زیر آبادکاری آ چکا ہے اور شمال میں آبادی جبل احد کے اس پار دور تک چلی گئی ہے. جبل احد کے پار شمالی علاقہ صنعتی اور تجارتی منطقہ بن گیا ہے جہاں نہ صرف بڑے بڑے تجارتی مراکز ہیں بلکہ بڑی بڑی تجارتی نمائشیں بھی وہیں منعقد ہوتی ہیں. وہیں پر ایک جدید طرز کا مذبحہ اور مال مویشیوں کی منڈیاں بھی ہیں. اسی طرح جبل احد اور دیگر تمام چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کے درمیان آبادیاں اور باغیچے موجود ہیں. چوڑی دورویہ جرنیلی سڑکیں، بلند و بالا تجارتی مراکز اور پارکوں سے مزین اس علاقے کو مزید حسین بنا دیا گیا ہے. الغابہ کا قدیم جنگل اب ناپید ہو چکا ہے اور اس کی زمین جس کو

قدیم مدینہ طیبہ کی گلیوں میں سے حارۃ الاغوات کی وہ گلی جس کو پاکستانی حجاج جنت کی گلی کہا کرتے تھے کیونکہ یہ مسجد نبوی کے باب جبریل سے شروع ہو کر بقیع الغرقد تک جایا کرتی تھی

تاریخ مدینہ میں دلدل اور شوریلی زمین کہا گیا ہے اب سونا اگلنے والی زمین بن چکا ہے۔ العنبریہ کی خوبصورت آبادی (جو بڑے بڑے بنگلوں پر مشتمل ہے) کے علاوہ مدینہ طیبہ کے خوبصورت پارک اور باغات اور زرعی فارم اسی قدیم العالیہ کی جگہ دیکھنے کو ملتے ہیں۔

آج کا مدینہ طیبہ جدید طرز تعمیر اور وافر ثروت و دولت کا آئینہ دار ہے۔ قدیم سے ہی صرف مدینہ طیبہ کا اسلامی اور روحانی پس منظر ہے جس کے نگینے میں جڑے ہر طرف بڑے بڑے بنگلے کوٹھیاں اور فائیو سٹار ہوٹل اور کثیر المنزلی تجارتی پلازے نظر آتے ہیں۔ عالیشان عمارتیں اور حکومتی دفاتر جن میں ماڈرن دنیا کی ہر سہولت موجود ہے ان زائرین کو بھی شرمندہ کر دیتی ہیں جو یورپ اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ علاقوں سے آتے ہیں۔ بہت سے ایسے زائرین اس کی عمارات اور جدید طرز تعمیر پر انگشت بدنداں نظر آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مدینہ طیبہ سعودی عرب کے باقیماندہ شہروں میں ایک عظیم الشان تعمیراتی عجوبہ نظر آتا ہے جو ہر لحاظ سے نئے الفیے کی ابتداء میں عصر جدید میں ایک منفرد مقام حاصل کرے گا۔ پچھلے تیس چالیس سالوں میں مدینہ طیبہ نے حیرت انگیز ترقی کی ہے اور کسی منصوبے کا آخری باب ابھی ختم نہیں ہو پاتا کہ دوسرے منصوبے کی تنفیذ کا مرحلہ آ پہنچتا ہے۔ آج کل ایک بہت بڑے منصوبے پر کام ہو رہا ہے جس کو وسط مدینہ کی ترقی یعنی (Development of the Centre of Medina) کا نام دیا گیا ہے جس کے نتیجے میں مسجد نبوی کی شرقی جانب پہلی سرکلر روڈ (طریق دائری۔ شارع فیصل یا شارع ستین) کے اندر اندر تمام پرانی آبادیوں کو خرید کر مسمار کیا جا رہا ہے۔ اس علاقے کو ترقی دینے کے بعد اس کا نام ہو(?) نجار ڈسٹرکٹ ہو جائے گا۔ مغربی جانب کی طرح یہ علاقہ بھی بالآخر تجارتی پلازوں اور فائیو سٹار ہوٹلوں کا مرکز ہوگا۔ عالمی شہرت کے تقریباً تمام ہوٹلز مدینہ طیبہ میں پہلے ہی وارد ہو چکے ہیں، بلکہ بعض کی تو کئی کئی برانچیں اور عمارتیں ہیں۔ ہلٹن، انٹر کونٹی نینٹل، اوبرائے، شیراٹن، حیاۃ ریجنسی وغیرہ سب ہوٹل وہاں پر موجود ہیں جو اپنے مہمانوں کو تقریباً ہر وہ سہولت مہیا کرتے ہیں جو بین الاقوامی معیار کے مطابق اور مدینہ منورہ کی حدود و قیود میں رہ کر میسر آسکتی ہے۔ بین الاقوامی ہوٹلوں کے علاوہ مقامی تجار بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ طیبہ سنٹر، ایلاف، الانصار اور دیگر تمام بڑے بڑے رہائشی پلازے مسجد نبوی شریف کی چاروں طرف دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ترقی کے انعامات کی بارش صرف مسجد نبوی شریف کے گرد و نواح(?) کے علاقوں پر ہی موقوف نہیں بلکہ تمام شہر اس سے بہرہ ور ہوا ہے۔ عصر حاضر کا مدینہ طیبہ اپنے باسیوں کے لیے صرف روحانی مرکز ہی نہیں بلکہ جدید ہسپتال، سکول اور کالج، مدینہ یونیورسٹی، وسیع و عریض صنعتی علاقے، چڑیا گھر، عجائب گھر، تفریحی مراکز، کھیل کود کے گراونڈ اور سٹیڈیم، ٹیلیفون کے دفاتر، انٹرنیٹ کیفے اور ذرائع مواصلات کی ہر سہولت (مثلاً نقل جماعی کا بسوں کا اڈہ اور ایئر پورٹ وغیرہ) کا سامان فراہم کرتا ہے۔

ان تمامتر رعنائیوں کے باوجود ایک خاص چیز جو مدینہ طیبہ کو انتہائی اعلیٰ و ارفع مقام اور تقدس سے ہمکنار کرتی ہے وہ دور حاضر کی ترقی نہیں بلکہ اس کی تاجدار مدینہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اٹوٹ نسبت ہے جسے صرف اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے:

(والمدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون)

اور ان کے لیے مدینہ بہتر ہے اگر وہ اس کو جانیں

حواشی

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج:۱، ص ۲۲۶ نیز: صحیح بخاری، (انگریزی ترجمہ محسن خان)، ج:۳، نمبر ۴۹۴. [آپ کی جائے ہجرت مجھے دکھا دی گئی ہے. میں نے ایسی زمین دیکھی ہے جو شور یلی ہے مگر جس میں کھجور کے درختوں کی بہتات ہے اور جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جو دہاں کیدہ ٔ احرار ٔ ہیں. جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا یہ خواب بیان فرمایا تو کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینہ طیبہ ہجرت اختیار کر لی اور بعض جو پہلی ہجرت پر تشریف لے گئے تھے وہ بھی مدینہ طیبہ منتقل ہو گئے.]. ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق جو خاصی طویل ہے اور جسے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے روایت کیا ہے: [اس وقت جب رسول اللہ ﷺ بھی مکہ میں قیام پذیر تھے آپ نے مسلمانوں سے فرمایا: [عالم رویاء میں مجھے تمہاری جائے ہجرت دکھا دی گئی ہے جو نخلستانوں پر مشتمل دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جو کہ دو سنگلاخ حروں کے علاقے ہیں.] صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۲۴۵. اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے: [میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ہجرت کر کے ایک ایسی سرزمین میں جا رہا ہوں جہاں کھجوروں کے درختوں کی بہتات ہے. پہلے تو میں نے سوچا کہ وہ یمامہ یا ہجر (موجودہ بحرین وغیرہ) کا علاقہ ہو گا مگر یہ مدینہ تھا جس کو یثرب کہا جاتا تھا.] صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۴۴ اور ج:۹، نمبر ۱۵۹ (قوسین کے درمیان تصرف صرف وضاحت کے لیے ہے). نیز دیکھیے: صحیح مسلم (انگریزی ترجمہ عبد الحمید صدیقی)، ج:۴، نمبر ۵۶۴۹.

۲) الحرمان الشریفان والمشاعر فی العہد السعودی الظاہر، یکے از مطبوعات سعودی وزارت اطلاعات، ۱۴۲۰
(جو سعودی حکومت کی پہلی صد سالہ برسی پر جاری کی گئی تھی) ص: ۱۷.

۲) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۶۰۹. سیدنا عمر فاروقؓ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [میرے رب کی طرف سے میرے پاس آج ایک فرشتہ آیا اور مجھے اس وادی بابرکت میں نماز پڑھنے کے لیے کہا اور یہ بھی کہا کہ یہیں سے حج اور عمرہ کا احرام باندھا جائے.

(Col. David George Hogarth, Hejaz Before the World War I - A Handbook
2nd Edition, 1917, p. 26, reprinted by falcon-Oleander, NY ISBN 0 902675 74 5.

علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینۃ المنورہ (۱۳۰۳ ہجری۔ ۱۸۸۵ء)، ص ۱۹

Ministry of Municipalities and Rural Affairs, the Depty Ministry of Town Planning,
Al-Medina al-Munawwara - Action Master Plan, prepared by the Consultant Group
"Group of Arab Consultants for Development & Reconstruction, undated, p. 13
(copy available at al-Haram al-Madani Library).

صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۲۸۷ اور نمبر ۵۰۶.

ترمذی، حدیث نمبر ۲۰۶۸: [بیشک عجوہ جنت کے پھلوں میں سے ایک پھل ہے.]، صحیح مسلم، نمبر ۲۷۰۴ (جو اپنے دن کی ابتداء عجوہ کی سات کھجوروں سے کرتا ہے وہ زہر اور سحر کے اثر سے دن بھر محفوظ رہے گا.]

ابراہیم بن احمد حمدی المدنی خربوتلی، الفلاحات المدینہ، یکے از منشورات ادارہ توجیہ زراعی، مدینہ منورہ، ۱۹۸۹، صفحات: ۶۴-۶۸.

انجینئر ادیب عمر الخضری، تمور طابہ (مدینے کی کھجوریں)، مدینہ منورہ، ۱۹۹۸، ص: ۳۷.

صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۴۷۲۔ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے: [رسول اللہ ﷺ بدر کے لیے روانہ ہوئے. جب آپ حضور ﷺ حرہ وبرہ پہنچے تو ایک آدمی جو اپنی بہادری میں بہت مشہور تھا آپ حضور ﷺ کے پاس آیا..... الخ] اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حرہ وبرہ کا نام اسلام سے پہلے کا رائج تھا.

(۱۲) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، ص ۲۰۶.

(۱۳) الموطاء، امام مالک، ج:۲، نمبر ۱۶۴۵

(۱۴) ناجی محمد حسن عبدالقادر الانصاری، عمارۃ وتوسعۃ المسجد النبوی الشریف عبر التاریخ، ناشر مدینہ منورہ ادبی کلب، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۶ء، ص ۳۱.

(۱۵) بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آج کا طریق ہجرہ اسی راستہ پر بنایا گیا ہے جس سے گزر کر حضور سرور کونین ﷺ مکہ سے مدینہ تشریف لائے تھے مگر یہ تاثر سچائی پر مبنی نہیں ہے. بعض مقامات سے ضرور وہاں سے گزرتا ہوگا مگر عثمانیوں کا بنایا ہوا راہگزر (طریق سلطانی) جو صدیوں پہلے سے موجود راستوں سے گزرتا تھا وہ اصل طریق ہجرت کے قریب تر تھا.

(۱۶) ان تمام مقامات کی تفصیل متعلقہ ابواب میں مہیا کی گئی ہیں.

(۱۷) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۵۲۲

(۱۸) صحیح مسلم، ۱۹۰_نمبر ۴۴۵۰

(۱۹) صحیح بخاری، ج:۴، نمبر ۲۹۳: حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا: ان لوگوں کی تعداد لکھو جنہوں نے اپنے مسلم ہونے کا اعلان کیا ہے.] لہٰذا ہم نے جب ان کی گنتی کی تو وہ ایک ہزار اور پانچ سو مرد نکلے.

(۲۰) ایسے تخمینے میں یہودی آبادکاروں کی تعداد شامل نہیں کیونکہ وہ تو تھوڑے ہی عرصہ بعد مدینہ بدر ہوگئے تھے.

(۲۱) ابن کثیر (۷۰۱_۷۷۴ ہجری) نے اس کا ذکر 'فصول فی سیرۃ الرسول' مطبعۃ بیروت، ۱۹۹۳، ص: ۲۱۷ پر کیا ہے.

(۲۲) الموطاء، امام مالک ابن انسؓ، ج:۲، نمبر ۱۶۴۲. نیز صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۹۹.

(۲۳) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی حالت تو یہاں تک ہوگئی تھی کہ خانہ جنگی کے دوران جب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت ہوگئی اور امام حسن علیہ السلام نے معاویہؓ کے حق میں اعلان دست برداری کر دیا اور مدینہ طیبہ میں مکمل امن قائم ہوگیا تو اس وقت جب کچھ اصحاب ان کو لینے کے لیے ان کے ڈیرے پر گئے جو مدینہ طیبہ سے چالیس میل دور تھا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا: [میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ اپنے اس بندے سے محبت کرتا ہے جو خالصتاً اللہ کا ہو جاتا ہے اور طمع کو ترک کر دیتا ہے اور لوگوں سے چھپ چھپا کر رہتا ہے.] صحیح مسلم، ۴۲۰۰_نمبر ۲۰۷۰.

(۲۴) جمال المطری (ت: ۷۴۱ ہجری)، التعریف بما انست الہجرہ من معالم دار الہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینۃ المنورہ، ص ۶۳.

(۲۵) ابن الاثیر (۵۵۵_۶۳۰ ہجری) الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج:۴، ص: ۱۵.

(۲۶) صالح لمعی مصطفیٰ، Al-Medina Al Munawwara - Urban Development and Architectural Heritage, Beirut, ۱۹۸۱ء، ص ۳۴.

(۲۷) رچرڈ برٹن Personal Narrative of a Pilgrimage to Al-Medinah & Meccah, (A reprint in 1964 of the Memorial Edition originally published by Tylston and Edwards in 1893, Dover Publications, New York, ISBN No. 486-21217-3), Vol. 1

(۲۸) سید مناظر احسن گیلانی، دربار نبوت کی حاضری (جون کی ۱۹۲۷ء کی حاضری کی یادداشتیں ہیں)، فرقان بک ڈپو، لکھنو، ہند، ۱۹۸۶ء، ص: ۶۳

(۲۹) Saudi Arabia and Its Place in world، یکے از مطبوعات وزارۃ اطلاعات، ریاض، ۱۹۷۹ء، صفحات: ۲۱_۲۲.

(۳۰) مذکورہ معلومات اس ویب سائٹ سے لی گئی ہیں: (www.al-madinah.org) جو مدینہ منورہ ریسرچ اینڈ سٹڈی سنٹر کا ترجمان ہے.

(۳۱) دکتور عمر فاروق السید رجب، Al-Medina al-Munawwara - a Study of its Economics, Housing, Population and Morphology, Dar ash-Shoruq, Jeddah, 1979, pp. 105-106

(۳۲) اس وقت جب میں نے اس انگریزی مسودے کا ترجمہ شروع کیا (جون ۲۰۰۲ میں) تو عنابیہ اور سمانیہ کا کافی علاقہ مسمار کر دیا گیا تھا، باقی کی عمارتوں کو بھی نوٹس مل چکے ہیں تاکہ وہ ایک معینہ مدت کے اندر اپنے کاروبار سمیٹ لیں.

(۳۳) احمد سعید سلم، المدینہ المنورہ فی لقرن الرابع العشرہ الہجری، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۳، صفحات: ۵۴۔۵۵.
(۳۴) ابن نجار (حافظ محب الدین ابو عبداللہ۔ ولادہ: ۵۷۸ ہجری)، الدرالثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافیہ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر، ۱۹۹۵، ص ۹۸.
(۳۵) شیخ اسماعیل بن عبداللہ الاسکداری نقشبندی (ت: ۱۱۸۲ ہجری)، ترغیب اہل المودہ، ص: ۱۵۷.
(۳۶) قتل وغارت کی ایک ایسی ہی خون آشام واردات میں ۳۱۷ ہجری میں تقریباً ۹۰۰ قرامطی مکۃ المکرمہ میں داخل ہوگئے اور ہر طرف لوٹ مار مچا کر انہوں نے مکیوں کی لاشوں کے انبار لگادیئے۔ اس پر بھی ان کا دل نہیں بھرا تو ان کے سردار ابو طاہر قرامطی نے حجر اسود کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑ دیا اور ان کو اپنے ساتھ بحرین لے گیا (اس وقت اسے ہجر کہا جاتا تھا)۔ یہ تو صرف ۳۳۲ ہجری میں یعنی پندرہ سال گزر جانے کے بعد ممکن ہوسکا کہ انہوں نے حجر اسود کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے مکہ مکرمہ کو واپس لوٹائے اور تب ان کو ان کی اپنی اصلی جگہ پر پھر سے نصب کردیا گیا۔ دیکھیے: سائد بکداش، فضل الحجر الاسود و مقام ابراہیم، بیروت، تیسرا ایڈیشن، ۱۴۲۰، صفحات: ۳۰-۳۱.
طبری کے مطابق یہ بد بخت مجرمین نہ صرف حجر اسود کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اپنے ساتھ لے گئے، بلکہ وہ بیت اللہ شریف سے بہت سارے نوادرات اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے، مثلاً: بہشت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھیجے گئے مینڈھے کے سینگ اور عصائے موسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔ حجر اسود تو واپس لوٹا دیا گیا مگر انبیاء کے تبرکات کبھی بھی واپس نہیں آئے۔ (محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، یعنی تاریخ طبری)، بیروت، ج: ۱۱، ص ۱۱۹.
(۳۷) دکتور سلیمان عبدالغنی مالکی، ص: ۱۸۱.
(۳۸) جمال المطری، مصدر مذکور، ص ۸۹
(۳۹) دکتور سلیمان عبدالغنی مالکی، ص ۱۸۲.
(۴۰) ابی الحسن محمد بن احمد المشہور ابن جبیر، رحلۃ ابن جبیر، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، ۱۴۵. یہ دلچسپی کی بات ہے کہ مدینہ طیبہ کے مختلف دروازوں کے نام کئی ادوار میں بدلتے رہے ہیں، جیسا کہ وہ باب جس کو ابن جبیر نے باب شریعہ کہا ہے وہ بعد میں باب العنبریہ کے نام سے جانا جاتا تھا (کیونکہ وہاں سیدی عنبر آغا نے مسجد عنبریہ بنا کر اس علاقے کو عنبریہ کے نام سے موسوم کردیا تھا) اور باب القبلہ کو باب قباء کا نام دے دیا گیا تھا۔ البتہ باب البقیع کو اسی نام سے جانا جاتا رہا۔ اسے باب الجمعہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ وہ لوگ جو فصیل سے باہر تھے ان کی سہولت کے لیے اس دروازے کو عموماً جمعہ کے روز کھول دیا جاتا تھا۔
(۴۱) ایضاً
(۴۲) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، المکتبہ العلمیہ، مدینہ منورہ، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۸۱، صفحات: ۲۹۳۔۲۹۵.
(۴۳) احمد یاسین خیاری، تاریخ معالم المدینہ المنورہ قدیماً وحدیثاً، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳، ص: ۲۵۴.
(۴ احمد سعید بن سلم، مصدر مذکور، صفحات: ۱۷۴۔۱۷۶.
) رچرڈ برٹن، مصدر مذکور، ص: ۳۹۲.
) خیاری، مصدر مذکور، ص ۲۵۴.
) انجینئر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الکعکی، معالم المدینہ المنورہ بین العمارہ والتاریخ، جزء دوم، ص ۹۲.
شیخ اسماعیل بن عبداللہ الاسکداری نقشبندی (ت: ۱۱۸۲ ہجری) ترغیب اہل المودہ والوفاء فی سکنی دار الحبیب المصطفیٰ، مکتبۃ الثقافہ، مدینہ المنورہ، ص ۲۴۱.
ابن الاثیر نے اس حدیث کو حسن ابن ابی الحسن (یعنی حضرت حسنؓ ابن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ) سے روایت کیا ہے، اسد الغابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج: ۶، ص: ۱۱.
انجینئر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الکعکی، مصدر مذکور، ص ۱۷۳.
علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ المنورہ، ص ۳۷.
دلیاء شلبی (ولادہ: ۱۰۲۰ ہجری)، سیاحتنامہ (عربی ترجمہ: الرحلۃ الحجاز از دکتور صفصافی احمد المرسی) دار الآفاق العربیہ، مدینہ نصر، قاہرہ، ۱۹۹۹، ص ۱۲۸.

(۵۲) ایضاً (تصرف کے ساتھ)، صفحات: ۱۳۷۔۱۴۰۔

(۵۳) برطانوی جاسوس، رچرڈ برٹن، کو اس کی خدمات کے صلے میں 'لارڈ' بنا دیا گیا تھا اور اس کو شرق الاوسط کا 'سب سے عظیم سیاح' کا خطاب دیا گیا تھا۔ وہ ایک اچھا شاعر، ادیب اور برطانوی فوج میں ہندوستان میں کرنل کے عہدے پر فائز تھا۔ اراضی مقدسہ میں عبداللہ افغانی کے جعلی نام کے تحت دراندازہوا تھا، وہ عربی بہت اچھی طرح بول سکتا تھا اور اس نے کافی وقت یہاں ترکی حکومت کو کمزور کرنے کے لیے اس کو مکہ المکرمہ اور مدینہ طیبہ کی جاسوسی سونپی گئی تھی۔ اس کی کتاب: (Personal Narrative of a Pilgrimage to al-Medinah & Meccah) نقشوں اور خاکوں مقدسہ میں گزارا تھا۔ ایسا ہی ایک اور جاسوس بشپ آف کنٹربری کی طرف سے بلاد مقدسہ میں بھی آیا تھا جس کے علاوہ مدینہ طیبہ کے متعلق بہت ساری معلومات فراہم کرتی ہے۔ کا نام پادی فوسٹر تھا۔ اس کی کتاب بھی انیسویں صدی کے بلاد العرب کے متعلق کافی معلومات فراہم کرتی ہے۔

(۵۴) رچرڈ برٹن: (Personal Narrative of a Pilgrimage to al-Medinah & Meccah)، ص ۳۹۲۔

(۵۵) اگرچہ سعودی علماء اس بدبخت برکھارٹ کی بہت تعریف کرتے ہیں لیکن انہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ جامعہ الازہر میں جہاں وہ عربوں کو عربی کی تعلیم دیا کرتا تھا، وہاں کے مسلمانوں نے بالآخر یہ معلوم کر لیا تھا کہ وہ بدبخت مسلمان نہیں بلکہ کافر تھا اور اس نے کلمہ طیبہ اپنے پیروں کے تلووں پر نقش کروایا ہوا تھا۔ اس کے اعتراف جرم پر اس کی گردن کاٹ دی گئی اور اس کی سربریدہ لاش کو کافر کے طور پر دفن کر دیا گیا! ہمیں ڈاکٹر عبداللہ صالح العثیمین کی علمیت پر افسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کی یادداشتوں کا ترجمہ کر کے اپنے فرقے وہابیت کی تعریف میں اس کی یادداشتوں کو 'مواد لتاریخ الوہابیین للرحلۃ جون لدویک برکھارٹ' کے نام پر شائع کیا ہے (ایڈیشن دوم، ۱۹۹۱، الریاض)۔ صد افسوس کہ وہابیت کی مدد کے لیے کس کافر کو مدد کے لیے پکارا گیا!

(۵۶) تمام زاویوں (خانقاہوں) میں باب جبریل کے مقابل زاویہ سمان (زاویہ قادریہ)، مسجد کتیبہ کے پاس زاویہ سنوسی، اور مسجد نبوی سے متصل دارعمر میں واقع زاویہ الشیخ جنید البغدادی اور حارہ الاغوات مین واقع زاویہ الشیخ مظہر الدین نقشبندی (خانقاہ نقشبندیہ)، زاویہ مولویہ اور زاویہ شاذلیہ بہت مشہور تھے چونکہ یہ تمام زاویے یا خانقاہیں مشہور صوفی طریقہ ہائے تصوف سے متعلق تھے، وہابیوں نے انہیں ختم کر دیا تھا۔

(۵۷) صالح لمعی مصطفیٰ۔ Al-Madina al-Munawwara - Urban Developmnent and Architectural Heritage بیروت ۱۹۸۱، ص ۲۲۔

(۵۸) علی بن موسیٰ آفندی، مصدر مذکور، صفحات: ۲۲۔۲۴

(۵۹) ابراہم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین الشریفین، پہلا ایڈیشن، مطبعہ دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۹۲۵، ج:۱، ص: ۴۱۴۔

(۶۰) ایضاً، صفحات: ۴۰۷۔۴۱۰

(۶۱) Col. David George Hogarth، مصدر مذکور، صفحات: ۲۶۔۲۷

(۶۲) ایضاً، ص ۲۷

(۶۳) صالح لمعی مصطفیٰ، مصدر مذکور، ص ۲۴۴۔ لیکن اس کے برعکس مولف ہذا کی رائے میں اس سے بھی قدیم عمارات جو اب صرف کھنڈرات کی صورت میں موجود ہیں وہ جبل احد کے دامن میں واقع مسجد فسح اور عنبریہ کے پار مغرب کی طرف واقع مسجد منارتین ہیں۔ بدقسمتی سے تاریخ اسلام کے یہ دونوں قیمتی ورثے انتہائی کس مپرسی کی حالت میں اپنی زبوں حالی کا ماتم کرتے ہیں۔ ان دونوں مساجد کی محرابیں بچی کھچی حالت میں ابھی تک موجود ہیں، مگر بے اعتنائی کا یہ عالم نہ جانے کب ان کو ہڑپ کر جائے۔

باب ٦

مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاہٗ
بطور حرم نبوی

تاجدار حرم منبع جود والکرم ﷺ
نے اپنی انگشت مبارک مدینہ طیبہ کی طرف
کی اور ارشاد فرمایا:
یہ ارض حرم اور جائے امان ہے۔
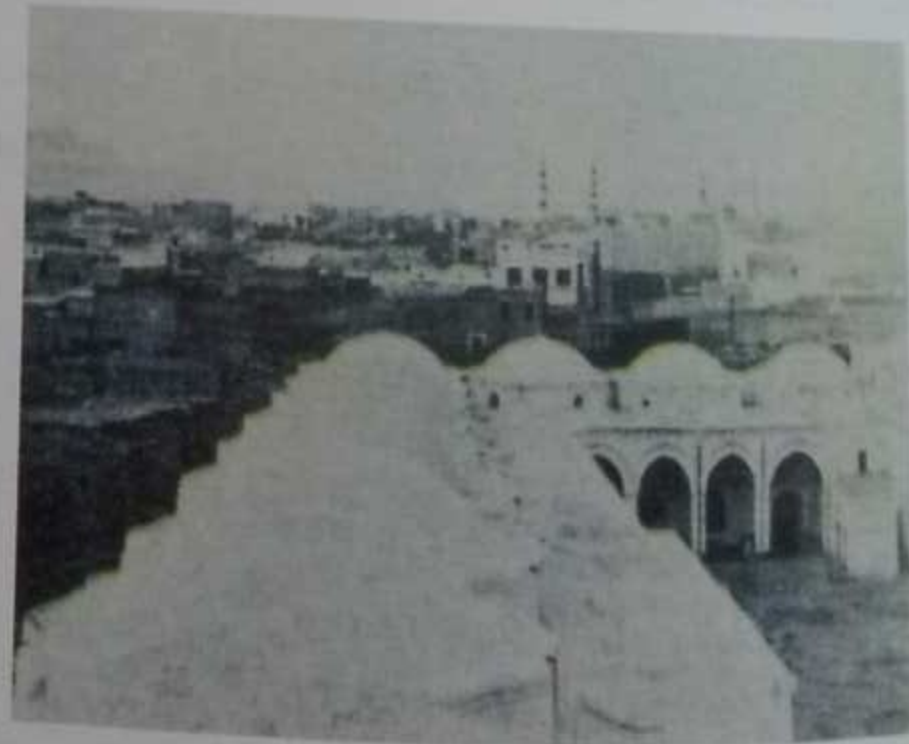
حضرت سعد ابن ابی وقاص ؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [میں نے مدینہ کے اس تمام علاقے کو جو دو آتش فشانی لاوا سے بنے سنگلاخ علاقوں (حروں) کے درمیان ہے حرم قرار دے دیا ہے. لہذا اس کے درخت نہ کاٹے جائیں، نہ ہی اس کے جانوروں کا شکار کیا جائے.] حضور والا شان ﷺ نے مزید فرمایا: [مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر یہ اس کی قدر جانیں. کوئی اس کو ناپسندیدگی سے نہیں چھوڑے گا سوائے اس کے کہ اللہ تعالی مدینہ کو اس کا نعم البدل دے دیگا اور جو بھی یہاں کی سختی اور تنگی صبر سے جھیلے گا روز محشر میں اس کا شفیع وشاہد ہوں گا.](۱) حضرت جابر ابن عبداللہ ؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا. میں مدینہ کے دو پہاڑوں کے درمیان والے علاقے کو حرم قرار دیتا ہوں. (اس علاقے میں) کوئی درخت نہ کاٹا جائے اور نہ ہی کسی جانور کا شکار کیا جائے.](۲)

لغوی لحاظ سے 'حرم' کے معنی ایک ایسا بقعہ ارض ہے جس میں بعض وہ اعمال اور افعال بھی منع ہیں جن کی دوسری جگہوں پر اجازت ہے. حضرت سہل بن حنیف ؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی انگشت مبارک مدینہ طیبہ کی طرف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: [یہ ارض حرم ہے اور جائے امن وامان ہے.](۳) حدود حرم میں کسی قسم کا ناحق خون بہانا جائز نہیں، نہ ہی کوئی درخت کاٹا جا سکتا ہے اور نہ ہی وہاں کے چرند پرند کا شکار کیا جا سکتا ہے. مضرت رساں موذی جانوروں (یعنی سانپ، بچھو یا جنگلی درندے) کے علاوہ کسی چرند پرند کے حدود حرم میں شکار کرنے کی اجازت نہیں. حضرت جابر ابن عبداللہ ؓ روایت کرتے ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [کسی کو اجازت نہیں کہ خونریزی کے لیے حدود حرم میں ہتھیار لے کر آئے.](۴) یہاں پر جائے امان ہونے کے ناطے کسی آدمی کو ایذا نہیں دی جا سکتی سوائے ان جرائم کی سزا کے جو حدود یا دیگر شرعی قوانین کے تحت ضروری ہو.

حضرت ابو سعید ؓ نے جو حضرت المہری ؓ کے غلام تھے حضرت ابو سعید الخدری ؓ سے روایت کی ہے: [.... اور پھر رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور اس طرح وہ ارض حرم ہو گئی اور میں مدینہ میں دو پہاڑوں کے درمیان والی جگہ کو (جبل العیر اور جبل الثور) حرم قرار دیتا ہوں. یہاں نہ تو کوئی خونریزی ہونی چاہئے اور نہ ہی کوئی (اس غرض کے لیے) ہتھیار لیکر چلے گا. جانوروں کے چارے کے علاوہ درختوں کے پتے بھی نہیں کاٹے جائیں گے. اے اللہ ہمارے اس شہر کو بابرکت بنا دے. اے اللہ ہمارے صاع میں برکت دے، اے اللہ ہمارے مد میں برکت دے (صاع اور مد ناپنے کے پیمانے تھے). اے اللہ ہمارے شہر کو برکت دے. اے اللہ ہمارے اس شہر کو مزید دو گنا برکت دے (یعنی مکہ سے بھی دو گنا زیادہ. جیسا کہ باقی احادیث مبارکہ کے الفاظ سے ظاہر ہے). مجھے قسم ہے اس رب ذوالجلال کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے مدینہ طیبہ کے درے اور پہاڑی راستوں پر دو دو فرشتے کھڑے کر دئے گئے ہیں تا کہ ان کی حفاظت کی جا سکے..... الخ](۵)

جبل ثور (جبل احد کے عقب میں) اگست ۲۰۰۲ء

حضرت انس ابن مالک ؓ سے روایت ہے: کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے جبل احد کی طرف نظر مبارک اٹھائی اور ارشاد فرمایا: [یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں. اے اللہ ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم قرار دیا اور میں ان دونوں سیاہ سنگلاخ علاقوں کے درمیانی علاقے کو حرم قرار دیتا ہوں.](۶)

حضرت محمد ابن المنکدر ؓ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [اے اللہ ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کے لیے تجھ سے دعا مانگی اور میں اسی طرح تجھ سے

مدینہ طیبہ کے لیے دعا کرتا ہوں.] (۷) ابی قتادہؓ نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حرہ (غربیہ) میں واقع حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی اراضی پر نماز ادا کی اور ارشاد فرمایا: [اے اللہ بے شک ابراہیم (علیہ السلام) تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی نے تجھ سے مکہ کے لیے دعا کی تھی اور بے شک محمد، تیرا بندہ اور تیرا رسول، آج مدینہ کے لیے اسی طرح تجھ سے دست بدعا ہے کہ تو اہالیان مدینہ کو ان کے صاع اور مد میں اور ان کے پھلوں میں برکت عطا کر. اے اللہ مدینہ ہم کو اتنا ہی پیارا کر دے جتنا کہ مکہ اور اس کی بیماریاں خم سے باہر لے جا. اے اللہ میں نے دونوں لابوں (یعنی حروں) کے درمیانی علاقے کو اسی طرح حرم قرار دیا ہے جس طرح کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا.] (۸)

'حرم' کے معانی اور مضمرات پر ایک اور حدیث مبارکہ سے مزید روشنی پڑتی ہے جو کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے. آپ نے ارشاد فرمایا: [ہمارے پاس اللہ کی کتاب کے علاوہ اور کچھ نہیں اور اس صحیفے کے علاوہ جو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا جس میں یہ لکھا ہے کہ: مدینہ طیبہ جبل عیر سے فلاں مقام تک حرم ہے اور جو کوئی بھی اس میں کوئی بدعت کا ارتکاب کرے یا اس میں کسی جرم کا ارتکاب کرے یا کسی ایسے شخص کو پناہ دے جو بدعت کا ارتکاب کرے وہ اللہ کے غضب کا سزاوار ہو گا اور فرشتے اور عامۃ الناس کی لعنت ہو اس پر اور اس کے فرائض اور نوافل قبول نہیں ہوں گے .....] (۹) سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ایک دوسری حدیث مبارکہ میں آیا ہے: [اس (حرم) کے خار اور گھاس کے پتے تک نہ کاٹے جائیں، اس کے شکار کے جانوروں کو نہ ڈرایا جائے اور اگر کوئی کسی کی گری ہوئی (گمشدہ) چیز اٹھا لے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس کے مالک کو ڈھونڈنے کے لیے اس کا اعلان کرائے، اور خونریزی کی غرض سے اس میں کوئی ہتھیار لیکر نہ آئے. اس کے درختوں کو سوائے اپنے اونٹوں کے چارہ کے لیے اور کسی مقصد کے لیے نہ کاٹا جائے.(۱۰)

حضرت نافع بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ مروان بن الحکم نے عوام سے خطاب کیا جس میں اس نے مکہ، اس کے مقیمین اور اس کے حرم

کا تذکرہ کیا مگر اس نے مدینہ طیبہ کا کوئی ذکر نہ کیا. حضرت رافع بن خدیجؓ ان کے پاس گئے اور کہا: [یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے مکہ اور اس کے لوگوں اور اس کے حرم ہونے کا تو ذکر کیا ہے مگر مدینہ، اس کے مقیمین اور اس کے حرم ہونے کے متعلق کچھ نہیں کہا جبکہ جناب رسول مقبول ﷺ نے مدینہ کے دونوں حروں کے درمیانی علاقہ کو حرم قرار دیا ہے. اور اس کے متعلق ہمارے پاس لکھے ہوئے احکام موجود ہیں جو کہ خولانی کی جلی پر لکھے ہوئے ہیں. اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو میں تمہیں ان کو پڑھ کر سنا سکتا ہوں.] (۱۱) اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مدینہ طیبہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک حرم ہے. اس کے درخت نہ کاٹے جائیں، نہ اس میں بدعت کا اجراء کیا جائے اور نہ ہی اس میں کوئی برا عمل (جرم) کیا جائے، اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور عامة الناس کے لعنت ہوگی.] (۱۲)

ان تمام احادیث مبارکہ اور احکام سے فقہاء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں شمالاً جنوباً جبل ثور (۱۳) اور جبل عیر اور شرقاً غرباً حرہ

سیٹلائیٹ سے اتاری گئی اس تصویر سے حدودِ حرم واضح ہو جاتی ہے ۲۰۰۶ء
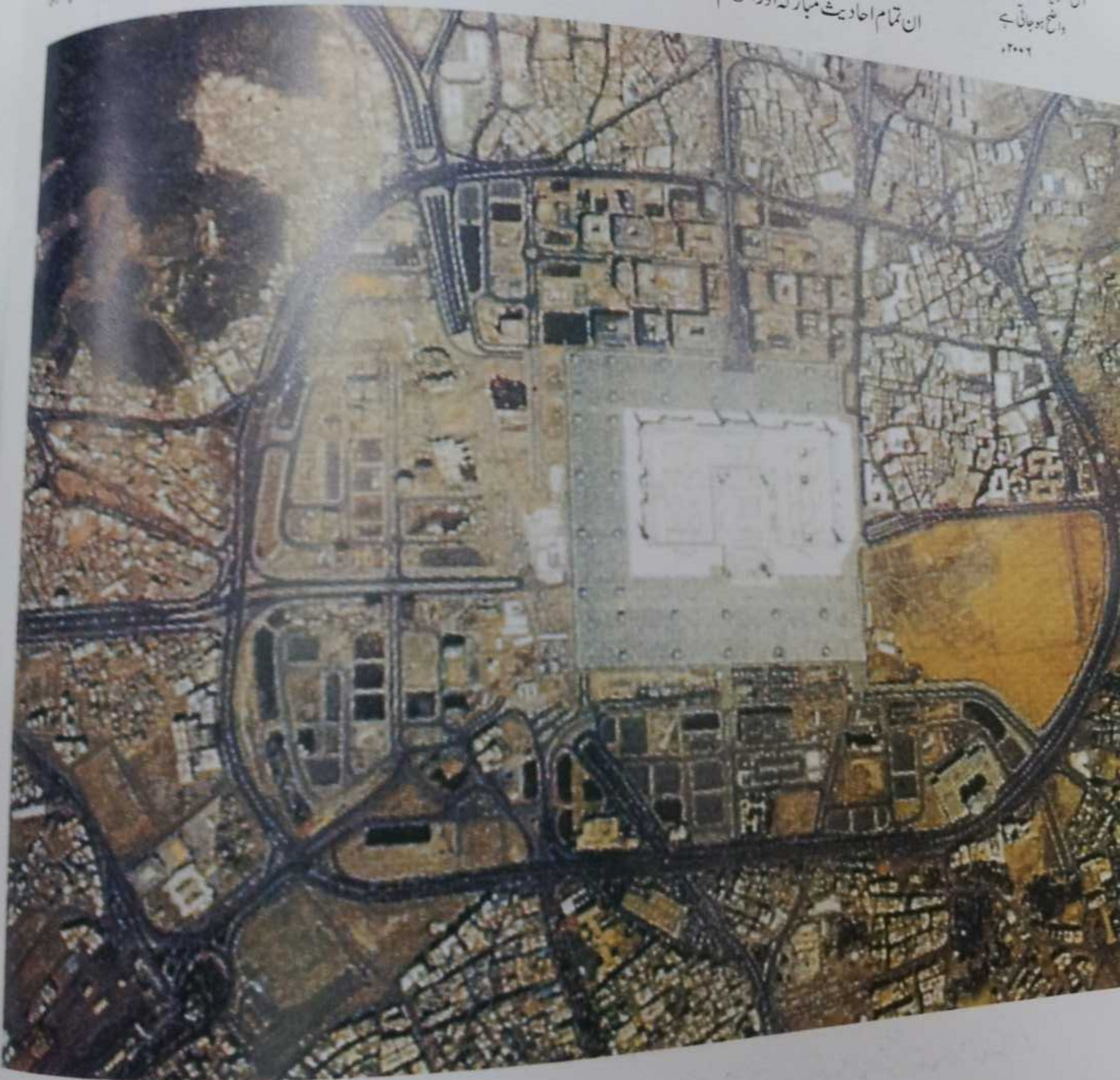
شرقیہ اور حرہ غربیہ کا درمیانی علاقہ حرم کا علاقہ ہے. جبل ثور مدینہ طیبہ کے شمال میں جبل احد کے اس پار ایک چھوٹا سا مخروطی شکل کا پہاڑ ہے جب کہ جبل عیر جنوب میں قبلہ کی جانب میقات کی طرف ایک کافی بڑا پہاڑ ہے. جبل ثور احد کے شمال میں وادی النقمی میں واقع ہے. طبری نے عبدالسلام البصری سے روایت کی ہے کہ اس نے مدینہ طیبہ کے بہت سے لوگوں سے جبل ثور کے متعلق استفسار کیا تھا اور سب نے بیک آواز یہ کہا تھا جبل احد کے بائیں جانب ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے. جس کو جبل ثور کہا جاتا تھا. (۱۴) قرون اولیٰ سے اب تک اس چھوٹے سے پہاڑ کو جبل ثور ہی کے نام سے جانا جاتا ہے حتیٰ کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی کبھی اس بارے میں کسی قسم کے شک کا اظہار نہیں کیا تھا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور نبی اکرم ﷺ سے اس بارے میں پوچھتے.

مسجد نبوی شریف سے جبل عیر تک کی آبادی کا ایک منظر

مدینہ طیبہ کے اس علاقہ کے باسی اس پہاڑ کو 'جبل الدقاقات' کے نام سے بھی پکارتے ہیں (۱۵). اس علاقے میں شروع سے قبیلہ 'ولد محمد' کے لوگ آباد رہے ہیں جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جبل ثور اسی پہاڑ کا نام ہے. یہ قبیلہ اگرچہ اس پہاڑ سے کافی دور شمال میں بستا آیا ہے مگر روز اول سے ان کے ہاں جب بھی کوئی فوتیدگی ہو جاتی تھی تو وہ میت کو کندھوں پر اٹھا کر جبل ثور کے اس پار یعنی حدود حرم کے اندر دفناتے رہے ہیں کیونکہ ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ جبل ثور سے جنوب کی طرف حدود حرم مدنی شروع ہو جاتی ہیں. (۱۶) ان تمام شواہد کی بنا پر تمام محدثین، مثلاً امام نوویؒ وغیرہ، کا اتفاق رہا ہے کہ حدود حرم جبل عیر اور جبل ثور کے درمیان اس علاقے میں واقع ہے جو شرقاً غرباً دونوں حروں میں (بشمول دونوں حروں کی اراضی کے) واقع ہے. (۱۷) ہمیں ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں ہی حدود حرم کے تعین کے لیے ان مقامات پر نشان نصب کرنے کا حکم دے دیا تھا. حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق حدود حرم میں واقع تمام اشجار کو بھی حرم کا حصہ قرار دیا گیا تھا اور حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھے ذات الجیش، مشیرف، اشراف اور تیم پر بھیجا تا کہ میں حدود حرم کے نشانات لگا دوں.] (۱۸) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی ایک عربی مخطوطے سے جو انہیں شیخ عارف حکمت کے کتب خانہ میں ملا تھا ایک اقتباس نقل کیا ہے جسے ہم قارئین کی سہولت کے لیے درج ذیل کرتے ہیں: (۱۹)

حضرت کعب ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ: [مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا تا کہ میں حرم مدینہ کی حد بندی کر کے آؤں. لہٰذا میں نے المشیرف میں ذات الجیش اور حفیہ میں ماخد، ذوالعشیرہ اور تیم میں حرم کے نشانات نصب کئے.] (۲۰)

وہ مزید فرماتے ہیں:

جہاں تک ذات الجیش کا تعلق ہے یہ مکہ اور مدینہ والی سڑک پر حفیہ کے درے پر واقع ہے (۲۱) مشیرب ذات الجیش کی بائیں جانب ایک پہاڑی ہے (اس کے اور خلائق کے درمیان الدوبہ ہے). جہاں تک ماخد کا تعلق ہے، یہ پہاڑ شمال کی جانب طریق شام پر واقع ہیں. جفیہ غابہ میں واقع ہے جو مدینہ طیبہ کے شمال میں جنگل ہے. اور ذوالعشیرہ ایک پہاڑی راستے کا نام ہے جو حفیہ میں واقع ہے اور تیم مدینہ طیبہ

کے مشرق میں ایک پہاڑ کا نام ہے ۔۔۔۔ یہ تمام مقامات مدینہ طیبہ سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہیں ۔] (۲۲)

تاجدار حرم ﷺ نے حدود حرم کے تعین اور اس کے تقدس کو ہمیشہ برقرار رکھنے کے لیے خاص احکامات صادر فرمائے تھے جن کی پابندی اور تنفیذ امت پر واجب ہے ۔ صرف یہی نہیں کہ آپ حضور ﷺ نے احکامات کا اجراء کیا تھا بلکہ وقتاً فوقتاً اس کی تنفیذ کا جائزہ بھی لیتے رہتے تھے جیسا کہ اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے ۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [میں نے مدینہ کے دو حروں کے درمیان والے علاقے کو حرم قرار دے دیا ہے ۔] اس کے بعد ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ قبیلہ بنی حارثہ کے گاؤں تشریف لے گئے اور ان کو ارشاد فرمایا: [میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ حدود حرم سے باہر رہ رہے ہو ۔] مگر پھر ارد گرد کا جائزہ لیکر آپ حضور ﷺ نے فرمایا: [نہیں تم حدود حرم کے اندر ہی ہو ۔] (۲۳) اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے احکامات کا کماحقہ اتباع کرتے تھے ۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں: [اگر مجھے کوئی غزال صحرائی بھی دونوں پہاڑوں کے درمیان مل جائے تو بھی میں نہ اس کا پیچھا کروں گا اور نہ اس کا شکار کروں گا ۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے مضافات کے بارہ میل کے علاقے کو مرغزار یا چراگاہ بنانے سے منع فرما دیا تھا ۔] (۲۴) یہ بات قابل ذکر ہے کہ شمالاً جنوباً جبل عیر اور جبل ثور کے درمیان ۱۵ سے ۱۶ کیلومیٹر کی مسافت ہے جو تقریباً بارہ میل ہی بنتا ہے ۔ اس لیے جو علاقہ بھی ان دو پہاڑوں کے درمیان آتا ہے وہ حرم نبوی کہلاتا ہے ۔ رہا شرقاً غرباً تعین تو مسجد نبوی کے مغرب میں واقع تین پہاڑ جن کو جماوات کہا جاتا ہے (جماء تضارع ، جماء ام خالد اور جماء العاقل (جماء العاقر) بھی حرم کا حصہ تصور ہوتے ہیں ۔ یہ پہاڑ بیر عروہ ابن زبیرؓ کے پاس تک پھیلے ہوئے ہیں جہاں سے آگے وادی العقیق شروع ہو جاتی ہے ۔
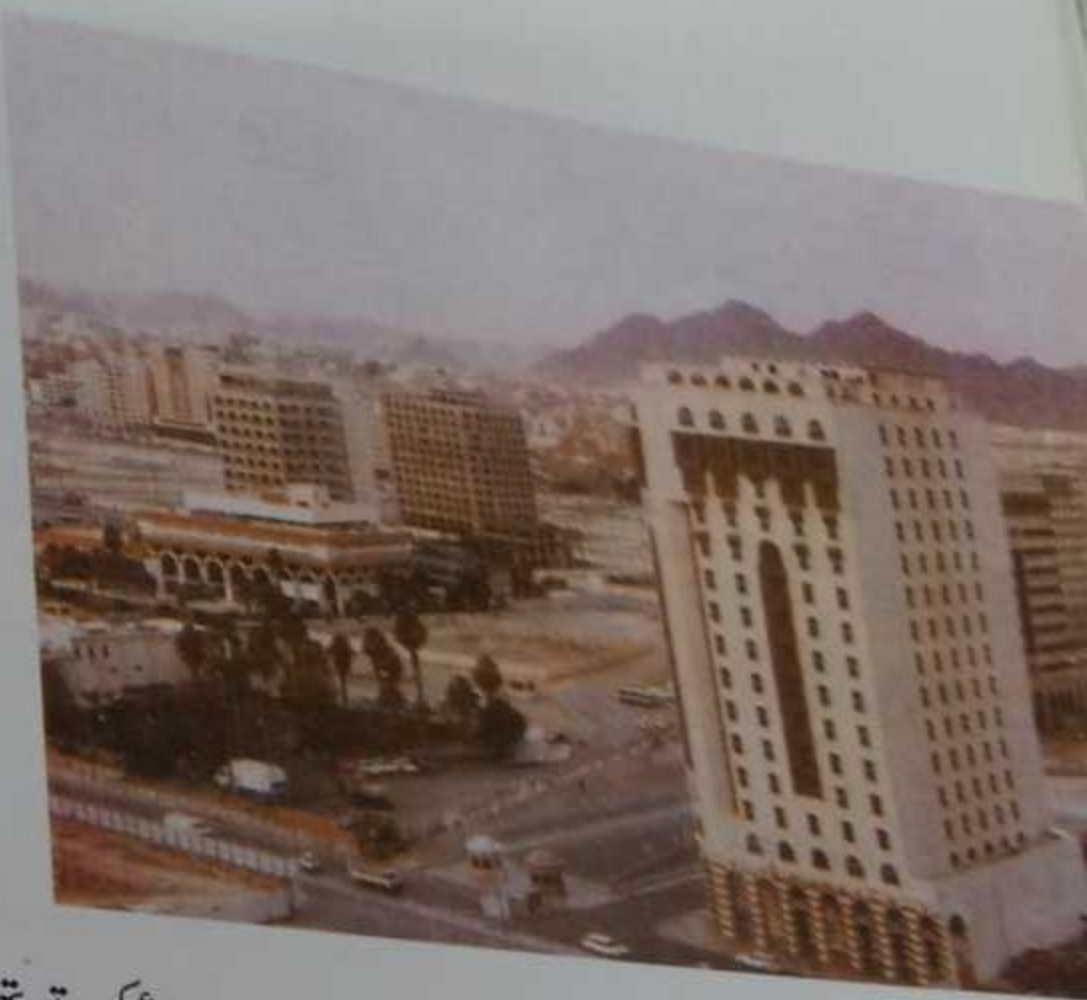
مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً ۲۰۰۰ء

ابن جریجؒ نے حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [اگر تم کو کوئی (حدود حرم میں) درختوں کو کاٹتا نظر آ جائے تو تم اس کے پاس جو کچھ بھی ہو ضبط کر سکتے ہو ۔] (۲۵) عمرو ابن سعد بن ابی وقاص نے بیان کیا ہے کہ: [ایک مرتبہ ان کے والد حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سواری پر العقیق میں واقع اپنے محل کی طرف جا رہے تھے جب ان کی نظر ایک غلام پر پڑ گئی جو درختوں کو کاٹ رہا تھا یا ان کے پتے جھاڑ رہا تھا ۔ انہوں نے اس کے پاس جو کچھ بھی تھا چھین لیا ۔ بعد میں جب آپ وہاں سے گزرے تو اس غلام کے مالکوں نے آپ سے درخواست کی کہ ان کا غلام اور جو کچھ اس سے آپ نے چھینا تھا واپس کر دیں ۔ اس پر حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے فرمایا: خدا نہ کرے مجھے وہ سب کچھ واپس کرنا پڑے جو اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے غنیمت میں دیا ہے اور ان کو کوئی چیز دینے سے صاف انکار کر دیا ۔] (۲۶) الموطاء امام مالکؒ میں بھی ایک ایسی ہی روایت ہے کہ ایک شخص نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت زید ابن ثابتؓ میرے پاس آئے جب کہ میں 'الاسواف' میں تھا ۔ میں نے ایک شاہین کو پکڑ لیا ۔ انہوں نے میرے ہاتھ سے شاہین کو چھین کر اس کو آزاد کر دیا ۔] (۲۷)

سیدنا عمر ابن خطابؓ نے اپنے برادر نسبتی حضرت قدامہ ابن مظعونؓ کو حدود حرم میں اشجار کی حفاظت کے لیے مامور کیا ہوا تھا تاکہ لکڑ ہارے ان کو نہ کاٹیں ۔ انہوں نے ان کو حکم دے رکھا تھا کہ: (تمہارا کام لکڑ ہاروں پر نظر رکھنا ہے ۔ جو کوئی بھی تمہیں دونوں لابوں (حروں) کے درمیان لکڑی کاٹتا نظر آئے تمہیں اجازت ہے کہ تم اس کا کلہاڑا اور رسی اپنے قبضے میں لے لو ۔) (۲۸) جب حضرت قدامہؓ نے آپ سے

کے درمیان لکڑی کاٹتا نظر آئے تمہیں اجازت ہے کہ تم اس کا کلہاڑا اور رسی اپنے قبضے میں لے لو۔)(۲۸) جب حضرت قدامہؓ نے آپ سے پوچھا کہ آیا وہ ان کے کپڑے بھی چھین سکتے ہیں تو سیدنا عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ نہیں یہ زیادتی ہوگی۔](۲۹) تمام مکاتب فکر کے فقہاء میں اس امر پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ حدود حرم کے اندر شکار کرنا یا درخت کاٹنا قابل دست اندازی یا قابل تعزیر جرم نہیں مگر یہ امر ممنوعہ ضرور ہے۔

جہاں تک مدینہ طیبہ کے حرم کے احترام اور تقدس کا تعلق ہے چاروں مذاہب میں کچھ اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ باقی تینوں ائمہ کرام (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ) کی رائے میں حرم مدنی کی حدود میں شکار کی مکمل ممانعت ہے اور یہ نقطہ نظر حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث مبارکہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ مگر امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ حرم مدنی کے معاملے میں شرائط نرم ہیں اور چونکہ اگر کسی سے احترام حرم کی خلاف ورزی کا ارتکاب ہو جائے تو اس کو قابل تعزیر نہیں ٹھہرایا گیا جیسا کہ حرم مکی کے ضمن میں ہے، اس لیے احترام حرم کی پابندیاں اتنی سختی سے نہ لگانی چاہئیں جتنا کہ حرم مکی کے معاملے میں لازمی ہیں۔ (۳۰) لہٰذا احناف کی نظر میں تقدیس حرم مدنی سے مراد اس کا مکمل احترام ہے لیکن اگر کسی نے وہاں کسی جانور کا شکار کر کے احترام حرم نبوی شریف کی خلاف ورزی کی ہے تو اسے قابل تعزیر نہ ٹھہرایا جائے کیونکہ احادیث مبارکہ میں اس کی کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی۔ (۳۱) وہ ایک اور بات سے بھی استنباط کرتے ہیں کہ کوئی غیر مسلم حدود حرم مکی میں داخل نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی اس کا ارتکاب کر لیتا ہے تو وہ نص قرآنی کے مطابق قابل گردن زدنی ٹھہرتا ہے (۳۲)، جبکہ مدینۃ المنورہ کے حرم کے متعلق ایسی کوئی سزا وضع نہیں کی گئی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارکہ سے لے کر اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادوار میں ہمیں ایسی بیشمار مثالیں ملتی ہیں کے غیر مسلمین مدینہ طیبہ میں آتے جاتے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارک میں جب نجرانی نصاریٰ کا وفد مدینہ طیبہ آیا تو نہ صرف ان کا استقبال مسجد نبوی شریف میں ہوا بلکہ انکو مسجد نبوی میں عبادت کی اجازت مرحمت فرمائی گئی تھی اور حق مہمان نوازی ادا کرنے کے لیے ان کو اس مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا جو مدینہ طیبہ میں بیت بنت الحارث کے نام سے مشہور تھا۔ (۳۳) حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ سے لیکر جب کبھی بھی ضروری سمجھا گیا تو غیر مسلموں کو مدینہ طیبہ آنے کی اجازت دی گئی۔ (۳۴) احناف اس مثال کا بھی حوالہ دیتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں مسجد نبوی شریف کی توسیع ہوئی تو شاہ روم سے چالیس قبطی عیسائی کاریگر بلائے گئے تھے جنہوں نے مسجد کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

مدینہ منورہ زاداللہ شرفاً، ۲۰۰۰ء

مزید برآں میثاق مدینہ اس وقت کے یثرب کے مسلم اور غیر مسلم (یہود) کے درمیان طے شدہ ایک معاہدہ تھا جس میں یہ طے پایا گیا تھا کہ 'یثرب' کا علاقہ 'حرم' تصور ہوگا۔ حرم کے مضمرات سے یہود بھی اچھی طرح واقف تھے۔ ایسا ہی ایک اور معاہدہ حضور نبی اکرم ﷺ نے عمائدین طائف سے کیا تھا جب طائف کا محاصرہ ختم ہوا تھا جس کی رو سے طائف کی 'وادی وجہ' کو بھی حرم تصور کیا گیا تھا۔ تاہم علماء کرام حرم وادی وجہ کو وہ رتبہ نہیں دیتے۔ البتہ امام شافعیؒ کی رائے میں وادی وجہ کا حرم مدینہ طیبہ کی طرز کا ہی حرم ہے اور یہی نظریہ شوکانی وغیرہ کا بھی ہے۔ لیکن علماء کی اکثریت (خاص طور پر احناف) اس نظریہ سے اتفاق نہیں کرتی اور اسے حرم تصور نہیں کرتی بعض علماء کے نزدیک مسلمانوں اور

غیر مسلموں کے درمیان طے پانے والے معاہدے کی رو سے وادی وجہ کو محض اس لیے حرم کہا گیا تھا کہ وہاں قتل و غارت نہیں ہوگی اور یہ کہ اس کی حیثیت محض ایک سیاسی اصطلاح کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں جبکہ اس کے برعکس حرم مکی کے مضمرات خالصتاً دینی ہیں اور اسی لیے اس کے تقدس کی خلاف ورزی پر تعزیر عائد ہو جاتی ہے.

بہر حال ان فقہی سوچ گاہوں سے قطع نظر حرم مدنی کا تقدس اسلام کے دونوں بڑے فرقوں (شیعہ اور سنی) میں مسلمہ ہے اور دونوں کی نظروں میں حرم مدنی بہت زیادہ محترم اور مقدس ہے. اسی لیے حرم مدنی کو کم و بیش وہی مقام حاصل ہے جو حرم مکی کو ہے. اس سلسلے میں ہم عبدالحمید صدیقی صاحب کی رائے کا جنہوں نے صحیح مسلم کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے، اقتباس پیش کرتے ہیں جنہوں نے نہایت ہی نفیس انداز سے اس بحث کو لپیٹا ہے. اس معاملے میں یہ بات ذہن میں رہے کہ گو حرم مکی اور حرم مدنی دونوں تقدس کے حامل ہیں لیکن (اسلامی تعزیراتی نظام کے تحت) حرم مکی کو حرم مدنی پر فوقیت دی گئی ہے. مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ دونوں کا پوری طرح احترام کریں. ان کو دونوں حرموں میں لڑنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی وہ وہاں درخت کاٹ سکتے ہیں اور نہ ہی وہ دونوں حرموں کی حدود میں شکار کھیل سکتے ہیں. بالفاظ دیگر ان کو حکم ہے کہ وہ اس جائے امن اور امان میں مکمل امن و آشتی سے رہیں اور ایک دوسرے کو گزند نہ پہنچائیں، نہ صرف یہ کہ وہ انسانوں کے ساتھ امن و آشتی سے رہیں بلکہ چرند پرند اور اشجار کے ساتھ بھی امن و آشتی کا مظاہرہ کریں. (۳۵)

حدود حرم مدنی کا تعین کرنے کے لیے سعودی حکومت نے چند علماء کی ایک کمیٹی قائم کی تھی تا کہ مختلف نقطہ ہائے نظر کی روشنی میں ان نقاط کا عملی معائنہ کیا جائے جو حدود حرم مدنی کے لیے مشہور چلے آئے ہیں. ان کے ذمہ اراضی مدینہ طیبہ کے ان علاقوں کا مکمل سروے کرنا بھی شامل تھا. اس سلسلہ میں شاہ سعود نے ایک حکم جاری کیا تھا (حکم نمبر ۹۲۵۳ مورخہ ۲۵-۲-۱۳۷۸ ہجری) جس کی توثیق مفتی اعظم سعودی عرب نے بھی کی تھی. وزارت داخلہ، امیر منطقہ مدینۃ المنورہ اور مدینہ طیبہ کے سپریم کورٹ سے باقاعدہ اجازت کے بعد شیخ محمد الحافظ (جو مدینہ طیبہ کی عدالت عالیہ کے جج تھے) کی سربراہی میں ایک کمشن ترتیب دیا گیا جس میں مندرجہ ذیل علماء اور عمائدین شامل تھے:

(۱) السید۔ محمود احمد (۲) السید۔ عبید مدنی

(۳) السید۔ محمد الحافظ (۴) الشیخ عمار بن عبداللہ

(۵) الشیخ ابوبکر جابر (۶) السید۔ اسعد طر بزونی

اس پینل میں السید عبداللہ بن عقیل نے دارالافتاء کی نمائندگی کی. (۳۶) اس کمشن نے پورے غور و خوض کے بعد اور تینوں مذاہب کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء سے (شافعی، مالکی اور حنبلی) اور سارے علاقوں کا مکمل سروے کرنے کے بعد اپنی رپورٹ مورخہ ۲۳-۱۱-۱۳۸۰ ہجری کو کونسل آف منسٹرز (مجلس الوزراء) کو پیش کر دی (۳۷).

اس کمشن کے ممبران نے جدید ترین آلات کی مدد سے پورے علاقے کا کئی بار سروے کیا اور بحث و تمحیص کے بعد یہ طے کیا کہ شمالاً جنوباً وہ تمام علاقہ جو جبل ثور اور جبل عیر کے درمیان واقع ہے وہ حرم مدنی میں شامل ہے. جہاں تک شرقاً غرباً حدود کا تعلق ہے تو ان کا خیال تھا کہ اگر صرف دونوں لابوں کے درمیان والے علاقے کو حرم سمجھا جائے تو وہ حضرت ابو ہریرہؓ کی بتائی ہوئی بارہ میل کی مسافت سے بہت کم پڑتا تھا (۳۸). اس لیے چند دیگر احادیث مبارکہ کے مضمرات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ طے کیا گیا کہ دونوں لابے (حرہ شرقیہ یعنی حرہ واقم اور حرہ غربیہ یعنی حری وبرہ) کی زمینیں بھی حدود حرم میں شامل ہیں، کیونکہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ جب بنی حارثہ کے قبیلے میں تشریف لے گئے تو پہلے تو ایک نظر دیکھنے پر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کا گاؤں حدود حرم سے باہر چلا گیا ہے مگر پھر چاروں طرف نظر ڈال کر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ حدود حرم کے اندر ہی ہیں. (۳۹) واضح رہے کہ قبیلہ بنی حارثہ

حرہ شرقیہ کی انتہائی مشرقی جانب بستا تھا۔ اسی طرح حضرت سعد ابن ابی وقاص کا وادی عقیق میں غلام سے کپڑے چھین لینا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ حدود حرم حرہ غربیہ سے باہر تک ہوا کرتی تھی جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ دونوں حروں کی اراضی حدود حرم میں شامل ہے۔

ان شواہد کی روشنی میں کمشن نے طے کیا کہ شمالاً جنوباً حدود حرم جبل ثور سے جبل عیر تک پھیلی ہوئی ہیں اور شرقاً غرباً نہ صرف یہ کہ دونوں حروں کی اراضی (بشمول جبل جماوات) حرم کا حصہ ہیں بلکہ مدینہ یونیورسٹی کا کیمپس، شاہی محلات، الجرف، بیر رومہ اور ذوالحلیفہ سے لیکر وادی عقیق کا وہ حصہ جو الجرف تک اور الهیصاء کے میدان تک چلا گیا ہے وہ بھی حرم کی مقدس حدود میں شامل ہیں۔ اسی طرح طریق خواجات (طریق غیر مسلمین) کے مشرق کی طرف کا تمام علاقہ حدود حرم میں شامل ہے جس میں جبل حرم کی دونوں پہاڑیاں آجاتی ہیں جن سے ترکوں کے دور میں پتھر حاصل کر کے مسجد نبوی شریف کی تعمیر کی گئی تھی۔ چونکہ حرہ شرقیہ (حرہ واقم) کے تقریباً تمام علاقے کو ہموار کر دیا گیا ہے اور اس وقت زیر تعمیرات آچکا ہے اس لیے کمشن کے بعض ممبران کی رائے میں اس طرف کی حدود حرم کے بارے میں تھوڑا سا اختلاف پایا گیا تھا کیونکہ مشرقی حرہ کی مشرقی حدود کا تعین کرنا سعی لاحاصل ہے، لیکن اگر حضرت ابو ہریرہؓ کی بتائی ہوئی مسافت (یعنی بارہ میل) کو قول فیصل مان لیا جائے تو میدان الهیصاء سے بارہ میل کا علاقہ حرہ شرقیہ کی آخری حدود تک ہی جاتا ہے۔ (۴۰)

ذکر بے محل نہیں ہوگا کہ غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر جب مسلم افواج نے پڑاؤ لگایا تو وہ اسی مقام پر تھا اور اسی وجہ سے جگہ ذات الجیش کے نام سے مشہور ہوگئی یہی وہ مقام ہے جہاں سے کوچ کرتے وقت ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ سے اپنا ہار گم ہوگیا تھا جس کے نتیجے میں قرآن کریم کے آیات تیمم کے بارے میں نازل ہوئیں. غالی الشنقیطی، الدر الثمین فی معالم دار الرسول الامین، ص: ۲۵۰.

(۲۲) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (The Battlefields of the Prophet Muhammad) حذیفہ پبلیکیشنز، کراچی، ص ۱۲ ڈاکٹر موصوف نے جس مسودے کا ذکر کیا ہے وہ اب درالثمینہ فی تاریخ المدینہ کے نام سے شائع ہو چکی ہے جو ابن نجار کی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ ہے حوالہ کے لیے دیکھیے مصدر مذکور، ص ۹۱.

(۲۳) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۹۳

(۲۴) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۱۶۸ و ۳۱۶۹. نیز الموطاء امام مالک، ج:۲، نمبر ۱۶۴۶ اور صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۹۷

(۲۵) ابی سعید المفضل بن محمد الجندی، مصدر مذکور، ص ۴۸.

(۲۶) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۱۵۶

(۲۷) الموطاء امام مالک، ج:۲، نمبر ۱۳۔۱۶۴۷

(۲۸) لابہ عربی کا لفظ ہے جسے لاطینی میں لاوا بولا جاتا ہے.

(۲۹) ابی سعید المفضل بن محمد الجندی، مصدر مذکور، صفحات: ۴۹۔۵۰. نیز البلاذری، فتوح البلدان، ص ۲۲.

(۳۰) علامہ ابن الجوزی، ابواب ذکر مدینۃ الرسول، ناشر مرزوق علی ابراہیم، مدینہ المنورہ، ص:۳۲. نیز: ابن نجار، مصدر مذکور، ص:۹۱

(۳۱) ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۹۱

(۳۲) القرآن الکریم (التوبہ:۲۸)

(۳۳) ابن شبہ، تاریخ مدینہ، ج:۲، ص:۵۷۲ (حاشیہ)

(۳۴) اگرچہ یہودیوں کو مدینہ بدر کر دیا گیا تھا مگر پھر بھی ان کے مدینہ آنے جانے پر پابندی نہیں لگائی گئی تھی. بہت سے یہود تو مدینہ طیبہ میں رہ گئے تھے جیسا کہ اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال سے پہلے آں حضور ﷺ نے اپنی ڈھال مبارکہ چند صاع غلہ کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی. اسی طرح بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے غلام غیر مسلم ہوا کرتے تھے. فیروز لولوء، جس نے سیدنا عمر فاروق ؓ کو شہید کیا تھا پارسی تھا جو حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کا غلام تھا اور مدینہ طیبہ میں ہی کام کرتا تھا.

(۳۵) تعلیق عبدالحمید صدیقی بر حدیث نمبر ۳۱۷۱ (صحیح مسلم، ج:۲، ص:۶۹۰).

(۳۶) انجینئر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی، معالم المدینہ المنورہ، مصدر مذکور، ص:۲۲۵.

(۳۷) حنفی مکتب فکر کے علماء کو اس کمیٹی میں شامل نہیں کیا گیا تھا کیونکہ ان کی نظر میں احناف حرم مدنی کو وہ مقام نہیں دیتے جو حرم مکی کو حاصل ہے.

(۳۸) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۱۶۸، نیز الموطاء امام مالک ؒ، ج:۲، نمبر ۱۶۴۶، نیز: صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۹۷

(۳۹) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۹۳

(۴۰) یہ معلومات سید محمد کبریت الحسینی کی کتاب جواہر الثمینہ فی محاسن المدینہ کے حواشی سے لی گئی ہیں جو محمد بن ابراہیم آل الشیخ کے 'رسائل فتاوی' جلد ۵، صفحات ۲۳۲۔۲۳۸ سے ماخوذ ہیں. لیکن ہماری رائے میں اس کمش کی رپورٹ کی نسبت حضرت کعب ابن مالک ؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے حدود حرم کے تعین کے لیے تاجدار حرم ﷺ کے ارشادات کے مطابق حرم کی مختلف اطراف میں سنگ میل نصب کیے تھے. دیکھیے: سید سمہودی، وفاء الوفاء، صفحہ:۹۱.
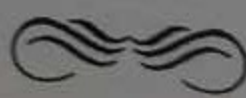
مسجد نبوی اور روضہ اقدس ﷺ کا خاکہ جو ۱۲۱۰ ہجری میں تیار کیا گیا
اسے دلائل الخیرات کے ایک صفحہ پر بنایا گیا تھا جہاں سے ہم نے حاصل کیا

مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاہٗ
کے چند ادوارِ پُرفتن و مصائب

جو اہالیان مدینہ کو اپنے ظلم سے ڈرائے گا اللہ اس کو ڈرائے گا.
اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور عامۃ الناس کی لعنت ہو.
ایسے شخص کے فرائض و نوافل یا اختیاری نیک اعمال یوم قیامت
اللہ کے حضور قبول نہیں ہوں گے. (۱)

رب ذوالجلال کے علاوہ ہر چیز فانی اور بے ثبات ہے اور حوادث ونشیب وفراز کی تابع ہے. تقدیر کے قاضی کا ازل سے یہی فتویٰ ہے کہ قدرت کے کارخانے میں سکون محال رہے. پورے کرہ ارض پر کوئی ایسا شہر یا قصبہ نہیں جس پر اس قانون فطرت کا اطلاق نہ ہو. قدیم شہروں کے کھنڈرات اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں. تاریخ کے جھروکوں سے اگر مدینہ طیبہ پر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ اس کے شب وروز بھی اس قانون فطرت سے مستثنیٰ نہیں رہے. دنیا کے دوسرے شہروں اور قصبوں کی طرح اس شہر مقدس کی تاریخ میں بھی سیاسی مدوجزر، قدرتی اور ارضیاتی عناصر کے باعث اور کبھی امتداد زمانہ سے اچھے اور برے دن آتے رہے ہیں.

صادق مصدوق جناب رسول مقبول ﷺ نے واضح طور پر فرما دیا تھا کہ آپ حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے بعد مدینۃ النبی جلد ہی عالم فتن کی لپیٹ میں آجائے گا. حضرت اسامہ ابن زیدؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کی ایک بلند عمارت (اطم) پر کھڑے تھے اور لوگوں سے مخاطب ہوئے: [کیا تم وہ سب کچھ دیکھ رہے ہو جو کہ میں دیکھ رہا ہوں؟ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: حضور نہیں! پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہارے گھروں پر فتنوں کی بارش دیکھ رہا ہوں جیسے کہ موسلا دھار بارش ہو.](۲) ایسی ہی ایک دوسری حدیث مبارکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وقت بہت تیزی سے گزر جائے گا، نیک اعمال کم پڑتے جائیں گے، لوگوں کے دلوں میں کنجوسی اور بخل بھر جائے گا اور فتنے ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے اور بہت زیادہ ہرج ہوگا. جب لوگوں نے عرض کیا کہ حضور 'ہرج' کیا ہے تو حضور والاشان ﷺ نے ارشاد فرمایا: [قتل، قتل.](۳) اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ میں کم از کم بارہ واقعات یا حوادث کا ذکر فرمایا گیا ہے جو قیامت برپا ہونے سے پہلے وقوع پذیر ہونگے. ان میں سے ایک کے متعلق ارشاد ہوا کہ مسلمانوں میں باہمی جنگ وجدل ہوگا اور معاندت ودشمنی جڑیں پکڑ لیں گی. [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک کہ دو گروہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے. جس کے نتیجے میں دونوں فریقوں کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوگا اور وہ دونوں گروہ ایک ہی مذہب کے پیروکار ہوں گے.](۴)

حضرت مجن ابن الدرعؓ نے بیان فرمایا: [ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھے کسی کام کی غرض سے بھیجا. واپسی پر جب میں ابھی مدینہ طیبہ کے مضافات میں ہی تھا تو میں نے آپ حضور ﷺ کو دیکھ لیا. حضور والاشان ﷺ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور ہم اکٹھے جبل احد کی طرف چل دیئے. وہاں پر آں حضرت ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف رخ مبارک کر کے مجھ سے باتیں کر رہے تھے. دوران گفتگو حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [اے شہر مجھے تم پر رحم آ رہا ہے. ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ تمہارے باشندے تمہیں ایسے چھوڑ جائیں گے جس کی کوئی مثال نہ مل سکے گی!] میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ تو ایسے میں اس کے پھلوں کو کون کھائے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: [پرندے اور جنگلی جانور!]

(۵) صحیح بخاری میں مختلف راویوں کے سلسلے سے مروی ایک حدیث مبارکہ ہے. جس میں حضرت ابو سعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں: [میں ابو ہریرہؓ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا تھا اور مروان بن الحکم بھی ہمارے ساتھ تھا. حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: [میں نے صادق مصدوق یعنی رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ: [میری امت کی تباہی قریش کے چند نوجوانوں کے ہاتھوں سے ہوگی.] اس پر مروان نے کہا: اللہ لعنت کرے ان قریشی نوجوانوں پر! اس پر ابو ہریرہؓ نے کہا: اگر چاہتے ہو تو میں ان کے نام بھی تمہیں بتا سکتا ہوں. یعنی فلاں ابن فلاں وغیرہ.....](۶)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اس قریش قبیلے کے لوگ میری امت کے افراد کو قتل کریں گے.] اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ تو ایسی صورت میں ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ ارشاد رسالت مآب ﷺ ہوا: [اے کاش کہ لوگ ان سے الگ ہی رہتے (اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ نہ رنگتے)!] صحیح مسلم نے اسی حدیث کو حضرت شعبہ (بن مغیرہؓ) سے بھی روایت کیا.(۷) کس کو نہیں معلوم کہ مروان بن الحکم، یزید اور اس کی قماش کے لوگ قریش میں سے ہی تھے. حضرت ابو

ہریرہؓ ہمیشہ اللہ جل جلالہ سے دعا کیا کرتے تھے: [اے اللہ مجھے (۶۰ ھ) کے فتنوں سے بچانا اور اس سے پہلے کہ وہ فتنے وقوع پذیر ہوں مجھے موت آجائے.] (۸) یزید پلید ۶۰ ہجری سے لیکر تین سال تک حکمران رہا اور اس کی منحوس حکومت میں یکے بعد دیگرے تین ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی ہولناکی کی مثال پوری اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی: یعنی شہادت امام حسین علیہ السلام، مدینہ منورہ کی تباہی اور اس کے عواقب ان فتنوں کی تباہ کاریوں کے نتیجے میں بے پناہ جانی اور مالی نقصان ہوا جن کے عواقب آج بھی مسلم امت کے لیے باعث تفریق بنے ہوئے ہیں. حضرت سعید ابن المسیبؓ کے الفاظ میں: [جب حضرت عثمان ابن عفانؓ کی شہادت کے نتیجے میں شروع ہونے والے فتنے نے جنم لیا تو کوئی بھی بدری اصحابی زندہ نہ بچا. پھر جب دوسرے فتنے نے سر اٹھایا (یعنی واقعہ حرہ) تو کوئی بھی ایسا اصحابی زندہ نہ بچا جس نے صلح حدیبیہ میں شرکت کی تھی. اس کے بعد جب تیسرا فتنہ شروع ہوا تو وہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک کہ مسلمانوں کی پوری قوت ختم نہیں ہوگئی.] (۹)

سیاسی خلفشار اور بدقسمتیوں کے علاوہ جنہوں نے مدینہ طیبہ پر دھاوا بول دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمادی تھی کہ مدینہ طیبہ حادثات اور زلازل کا بھی شکار ہوگا. ایک ایسی ہی حدیث مبارکہ کے مطابق جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک کہ حجاز میں ایک آگ نمودار نہیں ہوگی جس کی روشنی سے بُصریٰ کے بادیہ نشین رات کے وقت اپنے اونٹوں کی گردنیں نہ دیکھ لیا کریں گے.] (۱۰) ایک اور حدیث مبارکہ میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: [جب کوئی سوار مدینہ کے مضافات کے پاس سے گزرے گا تو (اس کی ویرانی کو دیکھ کر) کہے گا: کیا ہو گیا اس جگہ کو، یہاں تو مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد بسا کرتی تھی.] (۱۱) حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہالیان مدینہ اس کو چھوڑ جائیں گے. اس کے بعد مدینہ پھر آباد ہوگا یہاں تک کہ یہ شہر آبادی سے بھر جائے گا مگر ایک وقت پھر آئے گا کہ یہاں بسنے والے پھر اسے چھوڑ جائیں گے اور پھر اس کے بعد کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے.] (۱۲) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دجال آئے گا اور مدینہ کے نواح میں خیمہ زن ہو جائے گا تب مدینہ طیبہ میں تین بار زلزلہ آئے گا اور ہر کافر اور منافق مدینہ طیبہ سے نکل کر اس کی طرف چلا جائے گا.] (۱۳)

مدینہ طیبہ پر نازل ہونے والے آفات وفتن کے بارے میں اتنی کثرت سے احادیث مبارکہ ہیں کہ بعض معروف علماء کرام نے تو اس موضوع پر الگ کتابیں تحریر کی ہیں، مثلاً ابن کثیر (ت: ۷۷۴ ہجری) کی کتاب الفتن والملاحم وغیرہ. ان احادیث مبارکہ میں بتائے گئے واقعات میں سے کچھ تو پہلے ہی وقوع پذیر ہو چکے ہیں جب کہ ابھی بہت سی پیشین گوئیاں پوری ہونا باقی ہیں جن میں سے زیادہ کا تعلق آثار قرب قیامت سے ہے. ذیل کے صفحات میں ہم نے ان چند واقعات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے جو پہلے ہی ہو چکے ہیں اور جنہوں نے مدینہ طیبہ کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کئے تھے. ان واقعات کو ہم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، یعنی سیاسی مصائب وفتن اور قدرتی آفات وبلیات جن سے یہ شہر مقدس گزر چکا ہے.

(ا) سیاسی مصائب وفتن:

سب سے پہلے ہم سیاسی حوادث اور مصائب وفتن کا ذکر کرنا چاہیں گے جنہوں نے نہ صرف مدینہ طیبہ کے امن وآشتی کو غارت کیا بلکہ تمام امت مسلمہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا. حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث مبارکہ سے ہم صرف ایک اقتباس پر اکتفاء کریں گے. [میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے سنا: سب سے پہلے جو حوادث وفتن نازل ہوں گے وہ شخصی نوعیت کے ہوں گے، یعنی ایک فرد کے اہل خانہ، اس کی جائیداد، اس کی ذات اور اس کے ہمسایوں تک محدود ہوں گے جن کا کفارہ صیام وقیام، زکوٰۃ، صدقہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تمسک والتزام سے ممکن ہوگا.] (۱۴)

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو سب سے پہلا فتنہ جس نے مدینہ طیبہ کو اپنی لپیٹ میں لیا وہ اسی قسم کا تھا بعض حضرات اس کی تشریح یوں بھی کرتے ہیں کہ یہ سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور سے متعلق پیشین گوئی تھی شر پسندوں نے حضرت عثمانؓ کی ذات مبارکہ، ان کے اہل خانہ، ان کی دولت اور ان کی معیت اقربا پروری پر سوالات اٹھائے تھے اور پھر یہ سلسلہ چھ سال کی مدت تک طول کھینچ گیا. آخر کار جب بلوائی مدینہ طیبہ میں گھس آئے تو حالات اس حد تک قابو سے باہر ہو گئے تھے کہ سیدنا عثمانؓ کو ان کے گھر میں محصور کر دیا گیا محاصرہ ڈیڑھ دو ماہ تک جاری رہا اور آخر کار امیر المومنین کی شہادت پر منتج ہوا. یہ پہلا فتنہ تھا جس نے مدینہ طیبہ کے امن و آشتی کو بھنگ کر دیا تھا شہادت خلیفہ راشد بھی اس فتنے کو اختتام تک نہ پہنچا سکی بلکہ شہر نبی پر مصائب اور آفات کے دروازے کھل گئے جس سے طوفانی موجوں کی طرح فتنے پر فتنے مدینہ طیبہ کی طرف امڈ آنے لگے. اس موقع پر ہم اوپر دی گئی حدیث مبارکہ کے دوسرے حصے سے ایک اور اقتباس نقل کرنا چاہیں گے. حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی پہلے کی گئی روایت پر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ ان کے سوال کا رخ چھوٹے چھوٹے فتنوں کی طرف نہیں تھا بلکہ وہ ان مصائب اور فتن کے بارے میں جاننا چاہیں گے جو امواج بحر کی طرح نمودار ہوں گے. اس پر حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے فرمایا: [اے امیر المومنین، آپ (یعنی آپ کا دور) ان فتنوں سے محفوظ ہیں. ان کا دروازہ آپ پر نہیں کھل سکے گا.] (۱۵) حدیث مبارکہ کی دیگر تفاصیل سننے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جب یہ دروازہ کھل گیا تو سعی بسیار کے باوجود پھر کبھی بند نہیں ہوگا.

یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی. جب ایک مرتبہ نفرت و نفاق کے اژدہے نے مدینہ طیبہ کے باسیوں کو ڈس دیا تو پھر اس کا زہر امت اسلامیہ کے رگ و پے میں سرایت کر گیا جس نے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے چین کیے رکھا ہے. نفرتیں بڑھتی رہیں، الزام تراشیاں زور پکڑتی رہیں اور ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا معرکہ جمتا رہا. اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نفوس طیبہ بھی ان فتنوں سے غض نظر نہ کر سکے اور حالات کو سدھارنے کی غرض سے ایک گروہ دوسرے کے خلاف سینہ سپر ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے بیس سال کی قلیل مدت میں جنگ جمل اور جنگ صفین نے پوری امت کو نڈھال کر کے رکھ دیا. حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور مبارکہ میں دار الخلافہ مدینہ طیبہ سے منتقل ہو کر بصرہ چلا گیا اور اس طرح مدینۃ النبی مسرح العملیات (یعنی میدان کارزار) بننے سے بچ گیا. اس کے بعد مدینہ طیبہ کی عاصمۃ الاسلام کی حیثیت تو ضرور ختم ہو گئی مگر بلد الحرم کی ارض مقدس ان معرکہ آرائیوں سے کافی حد تک محفوظ ہو گئی تھی.

تدبر علی کرم اللہ وجہہ سے مدینہ طیبہ کی ارض حرم تو اس خون خرابے سے بچ گئی مگر اہل مدینہ کے لیے اس کشمکش اور رسہ کشی سے چھٹکارا پانا ناممکن ہو گیا تھا. چونکہ فریقین کی قیادت کا تعلق زیادہ تر حجاز سے تھا اس لیے اہالیان مدینہ بھی اس سے اغماض نہ کر سکے. اس آتش نفاق کو ختم کرنے کے لیے بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی جانوں کا نذرانہ دیا. جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تمام تر سیاسی زلزلوں کے جھٹکے مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے پہنچتے تھے جس سے اس بلدۃ طاہرہ کے در و دیوار لرز جاتے تھے. تحکیم کے نتیجے میں حضرت معاویہؓ کو جب امت مسلمہ پر مسلط کر دیا گیا تو بھی مدینہ طیبہ کی اکثریت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں تھی. حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے شہر نبی کے گورنر تھے. حضرت معاویہؓ نے مدینہ طیبہ پر اپنا تسلط جمانے کی غرض سے ایک لشکر جرار بسر بن ارطاہ (بقول ابن اثیر کے بشر بن ارطاہ) کی سالاری میں مدینہ طیبہ بھیجا. حضرت ابوایوب انصاریؓ نے قتال کی بجائے شہر نبی سے انخلاء کرنا مناسب سمجھا اور اس طرح میدان بغیر خون خرابے کے امویوں کے ہاتھ رہ گیا. جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بڑی جماعت مدینہ سے فرار ہونے پر مجبور ہو گئی اور انہوں نے مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں غار و کوہ میں پناہ لیکر اپنی جانیں بچائیں. یہی حال اس وقت ہوا جب حجاج ابن یوسف مدینہ طیبہ پر مسلط ہوا. حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کا بیان ہے کہ وہ حجاج ابن یوسف کے سامنے لائے گئے تو حجاج نے ان سے کہا: [اے اکوع کے بیٹے تم نے مدینہ چھوڑ کر بدوؤں کے ساتھ رہنا شروع کر دیا ہے اس لیے تم اسلام سے پھر گئے ہو.] انہوں نے برجستہ فرمایا: [نہیں! مجھے رسول

اللہ ﷺ نے (ایسے حالات میں) وہاں جا بسنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی.] یزید ابن ابی عبیدؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان ابن عفانؓ شہید کردئے گئے تو حضرت سلمہ بن اکوعؓ "مدینہ طیبہ سے بہت دور 'الربذہ' چلے گئے تھے.] (۱۶) حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے ربذہ جا کر شادی کرلی تھی اور وہیں ان سے اولاد بھی ہوئی اور اپنی وفات سے چند دن پہلے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تھے. (۱۷) اسی طرح حضرت محمد ابن مسلمہؓ بھی اپنا بستر مدینہ طیبہ سے گول کر کے چلے گئے تھے اور بہت دور جا کر خیمے میں زندگی گزارتے رہے. حضرت ابوایوب انصاریؓ تو مدینہ طیبہ سے نکل کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شامل ہوگئے تھے. اس طریقے سے اموی راج مدینہ طیبہ پر مسلط ہوگیا اور بسر بن ارطاہ کی دھونس اور دھاندلی سے اہل مدینہ نے حضرت معاویہؓ کی اکراہاً بیعت بھی کرلی (۱۸). کچھ قبائل ابھی بھی پس وپیش کررہے تھے اور خدشہ تھا کہ کہیں قتل وغارت شروع نہ ہوجائے. ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کی بروقت مداخلت سے قتل وغارتگری کا بازار گرم ہوتے ہوتے رہ گیا کیونکہ بنی سلمہ (جو حضرت جابر ابن عبداللہؓ کا قبیلہ تھا) بیعت حضرت معاویہؓ پر راضی نہیں تھا اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کو ان کے حوالے کرنے سے انکاری تھا، کیونکہ حکام بالا نے واضح الفاظ میں ان کو یہ حکم نامہ بھیجا تھا: [تمہارے لیے نہ کوئی امن ہے اور نہ ہی معافی نامہ جب تک کہ تم (حضرت) جابر ابن عبداللہؓ کو ہمارے حوالے نہ کردو.] (۱۹) حضرت جابر ابن عبداللہؓ جیسے جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جس طرح سے جبر واکراہ کے ساتھ بیعت لی گئی تھی اس سے اس انداز پر خوب روشنی پڑتی ہے کہ مدینہ طیبہ میں خلافت راشدہ سے اموی راج کو کس طرح اقتدار منتقل ہوا تھا. حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ بھی خبر دے دی گئی تھی کہ یہ دردناک دور ۶۰ ہجری سے شروع ہوگا. وہ فرمایا کرتے تھے: ''لوگ مجھے پہلے ہی بہت طعن وتشنیع کرتے ہیں کہ میں نے معاویہؓ کا ساتھ دیا. اے اللہ مجھے ۶۰ ہجری سے پہلے ہی اٹھالینا.'' حضرت عمیر بن ہانیؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے: ''اللھم لا تدرکنی سنة ستین ۔ اے اللہ مجھے سن ساٹھ نہ دیکھنے دینا.'' (ابی زرعہ الدمشقی (ت: ۲۸۱ ہجری)، تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: ۶۹)

واقعہ حرہ واقم یا حرہ زہرہ:

مدینہ طیبہ کی ابتدائی تاریخ میں گرچہ فتنوں اور آفات کی یورش رہی ہے مگر 'واقعہ حرہ' یا 'واقعہ حرہ زہرہ' سے زیادہ ہولناک واقعہ شائد ہی رسول اللہ ﷺ کے شہر مقدس کی تاریخ میں کبھی رونما ہوا ہو. نبی برحق ﷺ نے اس حادثہ عظیم کی پیشین گوئی بہت پہلے کردی تھی. آپ حضور ﷺ ایک مرتبہ حرہ شرقیہ سے گزر رہے تھے کہ اچانک فرمانے لگے ''انا للہ و انا الیہ راجعون'' اور پھر حرہ کی طرف انگشت مبارک اٹھا کر آنجناب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے بہترین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بہت سے وہاں پر ذبح کردئے جائیں گے. واقدی نے اپنی مشہور ''کتاب الحرہ'' میں اس حدیث مبارکہ کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس حرہ میں میرے اصحابہ کے بعد میری امت کے بہترین لوگ قتل ہوں گے.] (۲۰)

حضرت محمدؓ اور عبدالرحمٰنؓ ابناء حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے: [ایک مرتبہ ہم اپنے والد کی ہمراہی میں حرہ کے علاقے سے گزر رہے تھے کہ انتہائی دلگداز حالت میں انہوں نے اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور فرمایا: [لعنت ہو ان لوگوں پر جنہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ڈرایا.] ہم نے ان سے پوچھا کہ: والد محترم کیا کوئی نبی اکرم ﷺ کو بھی ڈرا سکتا ہے؟ جس پر وہ یوں گویا ہوئے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارکہ سے سنا ہے کہ: جو بھی اس علاقے (یعنی مدینہ طیبہ) کے انصاری لوگوں کو ڈرائے گا، اس نے گویا ان دو مقامات کی درمیانی جگہ کو ڈرایا اور پھر آں حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اپنی جبین طاہرہ پر رکھ کر اشارہ کیا (یعنی اپنی جبین مبارکہ کی طرف اشارہ کیا جو کہ

دونوں آنکھوں کے درمیان ہوتی ہے)۔ جس سے حضور نبی اکرم ﷺ کا اشارہ تھا کہ گویا ایسے مردود نے آں حضرت ﷺ کو ڈرایا۔ اسی طرح حضرت سائب ابن خلادؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [جو کوئی بھی مدینہ میں بسنے والوں کو ڈرائے گا، اللہ اسے ڈرائے گا اور ایسے شخص پر اللہ اور اس کے فرشتوں اور عامۃ الناس کی لعنت ہو۔] انہی دو احادیث مبارکہ کی بنیاد پر محدثین اور علماء کرام نے یہ رائے قائم کی تھی کہ چونکہ یزید نے اہل مدینہ کو قتل کرنے کے لیے شام سے اپنی افواج روانہ کی تھیں اس لیے اس کو لعن طعن کرنا جائز ہے۔

اہل مدینہ نے کبھی بھی یزید کو اپنے دل سے خلافت کا حقدار نہیں سمجھا تھا کیونکہ ان سے بیعت ان کی مرضی کے خلاف جبر و اکراہ سے لی گئی تھی۔ تاریخ کے قاضی نے روز اول سے ہی اپنا فتویٰ صادر کر دیا تھا کہ وہ طریق کار جو حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو ولی العہد نامزد کروانے میں استعمال کیا تھا وہ نہ تو ان کے پیشروں یعنی خلفائے راشدین کے معمول کے مطابق تھا اور نہ ہی حالات اس کا تقاضا کر رہے تھے جس کے نتیجے میں اسلامی سیاسی نظام پٹڑی سے اتر گیا اور خلافت کی جگہ خاندانی ملوکیت نے لے لی۔ پھر یکے بعد دیگرے مدینہ طیبہ کو مختلف حوادث نے آن گھیرا۔ چند ہی سال گزرے ہوں گے کہ دمشق سے ایک اور بلائے عظیم معرکہ کرب و بلا کی شکل میں وارد ہو گئی اور اس برق ناگہانی نے تو امت مسلمہ کے نشیمن کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ شہزادگان رسول خدا ﷺ کے اجساد طاہرہ کا خون ناحق بنو امیہ کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بن کر چیک گیا۔ مدینۃ النبی میں ایسے لگتا تھا جیسے کوئی بھونچال آ گیا ہو۔ پورے حجاز میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اہالیان مدینہ طیبہ مختلف سیاسی حوادث سے پہلے ہی پریشان تھے کہ عثمان ابن محمد بن ابوسفیان (جو کہ یزید کا چچیرہ بھائی تھا) کو مدینہ طیبہ کا گورنر لگا دیا گیا جس کے جور و ستم نے رہی سہی کسر نکال دی اور اہل مدینہ طیبہ کا جینا دوبھر ہو گیا۔ اسی اثناء میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے مکہ مکرمہ میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ ایسے میں مدینہ طیبہ کے شہری بھلا کیسے پیچھے رہ سکتے تھے۔ سید امیر علی کے الفاظ میں: [مدینہ طیبہ میں جذبات اتنے بھڑک اٹھے تھے کہ یزید نے افراتفری میں اپنا ایک خاص آدمی مدینہ پر مسلط کر دیا تا کہ حالات کو قابو میں لایا جا سکے۔ اس کے کہنے پر چند عمائدین مدینہ طیبہ کا ایک وفد دمشق روانہ کیا گیا۔ وہ وفد یزید کی بدکرداری اور رویے سے متنفر ہو کر مدینہ واپس لوٹ آیا۔ اس سعی لاحاصل سے دلبرداشتہ ہو کر مدنیوں نے اپنے گلے سے یزیدی بیعت کے طوق کو اتار پھینکنے کا تہیہ کر لیا۔ انہوں نے اس کے گورنر کو نکال باہر کیا۔ اس خبر پر یزید غم و غصے سے آپے سے باہر ہو گیا اور شامیوں کا ایک لشکر جرار تیار کر کے مسلم بن عقبہ (جسے مسرف بن عقبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور بعض مورخوں نے اسے ملعون قاتل کا نام دیا ہے) کی زیر کمان مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔ (۲۱)

یزید نے حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ کو جو اس وقت عمائدین شہر میں صاحب الرائے تھے اور مدنی معاشرے میں ایک بلند مقام رکھتے تھے دمشق طلب کیا اور انہیں اپنی بیعت یاد دلائی۔ تاہم یزید کے سخت رویے اور بدتمیزی نے الٹا اثر دکھایا اور جب حضرت عبداللہؓ واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان کے غیض و غضب کا جوالہ مکھی پھٹ پڑا اور انہوں نے علی الاعلان یزید پلید کی بیعت سے خلع اور چھٹکارا کر لیا۔ ۶۳ ہجری میں ان کے اتباع میں مدنیوں نے بھی یکے بعد دیگرے یزید کی بیعت کا طوق گلے سے اتار پھینکا (۲۲)۔ ایک فاسق و فاجر، شرابی اور تارک صلوٰۃ کا مسلم امت کا خلیفہ رہنا ناقابل برداشت تھا۔ لوگوں نے حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ کی بیعت اختیار کر لی اور تھوڑے ہی عرصے میں مدینہ طیبہ میں ہر طرف علم بغاوت لہرانے لگ گیا۔ لوگ جوق در جوق حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ کی بیعت کر رہے تھے اور یوں سول نافرمانی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ بنی امیہ کے مقرر کردہ گورنر کو برطرف کر دیا گیا اور انصار اور مہاجرین کے دونوں گروہوں نے الگ الگ اپنا ایک ایک امیر چن لیا۔ حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ انصار کی نمائندگی کرتے تھے اور قریش کے امیر حضرت عبداللہ ابن مطیع العدویؓ تھے اور حضرت معقل بن سنان الاشجعیؓ (یہ وہ اصحابی تھے جن کو حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ غزوہ فتح مکہ میں اپنے قبیلے کے علم بردار ہونے کا شرف حاصل تھا) مہاجرین

حرۂ شرقیہ وہ حصہ جہاں یہ معرکہ برپا ہوا تھا آج کریہ جگہ شاہراہ فیصل پر مرکزی پولیس آفس کے سامنے ایک چاردیواری میں محیط ہے ۲۰۰۱ء
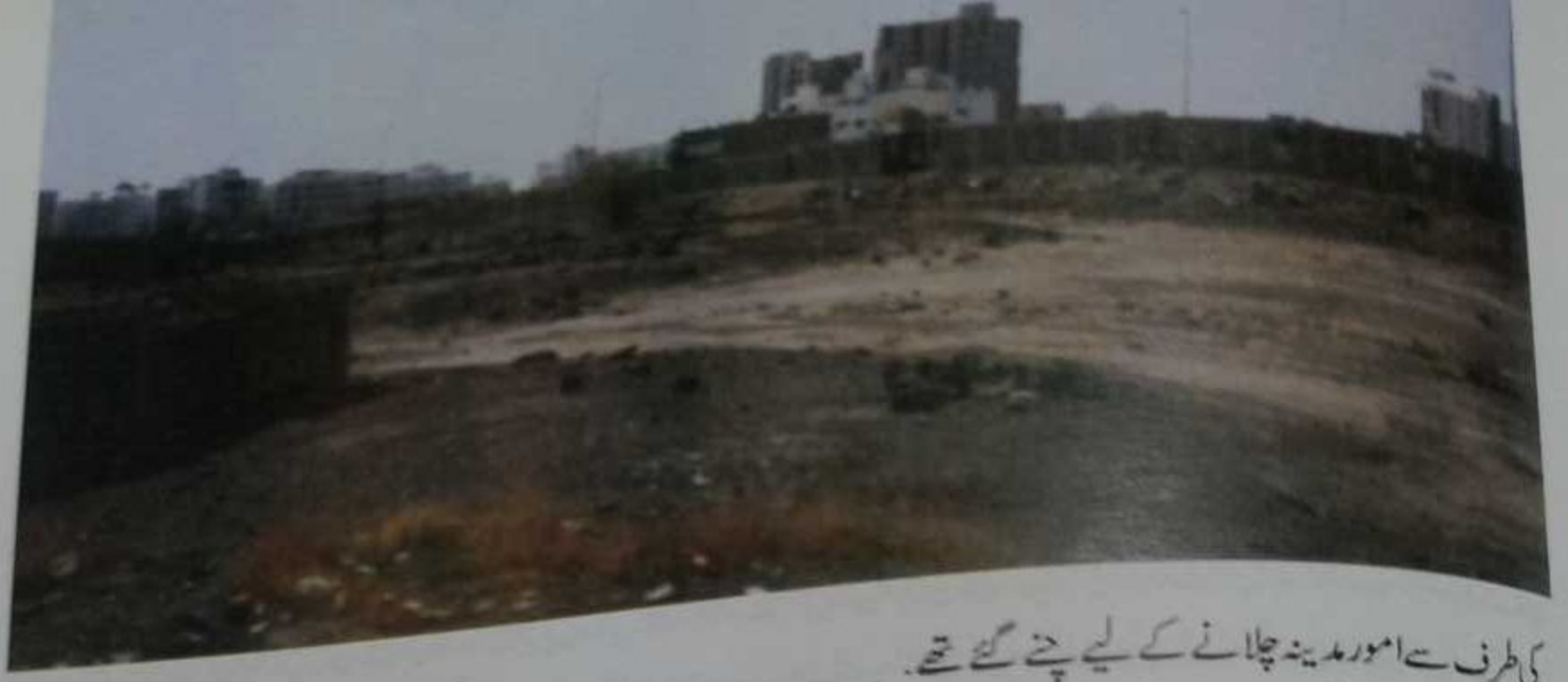
کی طرف سے امور مدینہ چلانے کے لیے چنے گئے تھے۔

مروان بن الحکم اور برطرف گورنر (عثمان بن محمد بن ابوسفیان) کو حضرت عثمان ابن عفانؓ کے بیٹے عمرو کے ساتھ ان کے گھروں میں نظر بند کردیا گیا اور ان کے ایک ہزار سے بھی زیادہ ساتھیوں کو شہر کے مرکز سے دور (البرکہ اور الجرف کے درمیان) ایک محظورہ علاقے میں محصور کردیا گیا جو کہ وادی العقیق میں واقع تھا۔ (۲۳) جب یزید کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے بارہ ہزار شامیوں کا ایک لشکر تیار کر کے مدینہ روانہ کردیا۔ ان کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ مری الغطفانی تھا، جو ایک نہایت ہی سفاک اور پیشہ ور مجرم تھا جو اپنی چالاکی سے حضرت معاویہؓ کا منظور نظر ہو چکا تھا کیونکہ اس نے یزید کی نامزدگی اور بیعت میں بہت نمایاں کردار ادا کیا تھا (۲۴) حضرت معاویہؓ نے اپنی وصیت اور آخری نصیحت میں اپنے ولی عہد یزید کو ہدایت کی تھی کہ اگر کل کلاں کو مدینہ میں بغاوت ہو جائے تو ان کو زیر کرنے کے لیے آہنی ہاتھ استعمال کرے اور اس کام کے لیے مسرف بن عقبہ کی خدمات حاصل کی جائیں (۲۵) جو اہل مدینہ سے قتل عثمانؓ کا بدلہ لینے کی قسم کھائے بیٹھا تھا (۲۶) وہ ملعون تو 'مدینہ' کو جسے حضور نبی اکرم ﷺ طیبہ اور طابہ کہہ کر پکارتے تھے اس کو بھی 'فتنہ' کہا کرتا تھا۔ یزید نے اس وصیت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس بدبخت کو اپنے اس لشکر کا سالار مقرر کردیا تاکہ باغیان مدینہ کو سبق سکھایا جا سکے۔ ان لشکریوں سے ہر طرح کے وعدے وعید بھی کیے گئے۔ اس لشکر میں شامل ہونے کے لیے روانگی سے پیشتر ہی ان کو ایک ایک سو دینار بھی دیئے گئے اور لالچ دیا گیا کہ وہ فتح پانے پر ڈھیروں مزید انعامات کے مستحق ٹھہریں گے۔ (۲۷)

اہالیان مدینہ طیبہ نے نہایت پامردی اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ وہ خندق جو حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں غزوہ احزاب کے موقع پر کھدوائی تھی اس کو نئے سرے سے کھودا اور مرمت کیا گیا۔ تزویری (Strategic factors) نقطہ نگاہ سے اس کو تین حصوں میں تقسیم کردیا گیا۔ راتج سے مسجد الاحزاب (مسجد الفتح) تک اس کی نگرانی قریشی کر رہے تھے جن کے امیر فتح مکہ کے ایک اصحابی یعنی حضرت معقل بن سنانؓ تھے، وہاں سے لیکر بنی سلمہ کے علاقے تک انصاری تعینات تھے جن کی کمان حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ کر رہے تھے اور باقی کا حصہ دیگر مدنی حضرات کر رہے تھے جن کی کمان حضرت ابو ہریرہؓ کے فرزند ارجمند (حضرت محمدؓ) کر رہے تھے جبکہ حضرت عبدالرحمٰن ابن زہیر بن عوفؓ (جو حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے چچیرے بھائی تھے) کو پوری خندق کی عمومی نگاہداری سونپی گئی تھی (۲۸)۔ یزیدی افواج نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کرلیا۔ مروان نے اپنے آپ اور اپنے ساتھیوں کو چھڑوانے کے لیے عام معافی کی ایک چال چلی اور سادہ لوح مدنی اس کے جال میں پھنس گئے اور ان سب کو رہا کردیا۔ اس نے یزیدی افواج سے خفیہ رابطہ رکھ کر ان کو حرہ واقم کی جانب سے خندق میں خفیہ راستے کی خبر دے دی جہاں سے یزیدی فوج اندر آگھسی اور یوں اہالیان مدینہ طیبہ بے خبری کے عالم میں مارے گئے (۲۹)۔ بہت گھمسان کا رن پڑا۔ مدنیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر یزیدی فوجوں کی عددی برتری اور مفاجاتی شب خون کے حربے نے ان کا بس نہ چلنے دیا۔ مدنیوں کے تینوں امیر یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش فرما گئے۔ سب سے پہلے حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ بے جگری سے لڑتے

ہوئے شہید ہوئے، پھر ان کے آٹھ فرزندوں نے بھی جام شہادت نوش فرمالیا. پھر دوسرے امیر حضرت عبداللہ ابن مطیعؓ بھی اپنے سات
فرزندوں کی ہمراہی میں شہید ہو گئے (۳۰). اسی طرح ایک ایک کر کے اصحابی اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین میدان کارزار میں کام آئے
تابعین میں سے مشہور اسماء جو تہ تیغ ہوئے وہ یہ ہیں: حضرت عبداللہ ابن محمد بن ابو بکرؓ، حضرت عبدالملک بن جابر بن مالک النجاریؓ (ان
کی والدہ مشہور اصحابی حضرت اسعد ابن زرارہؓ کی صاحبزادی تھیں)، حضرت یزید بن ابی الیاسرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن ثابتؓ (۳۱)،
حضرت عبدالرحمٰن بن زہیر بن عوفؓ، حضرت یحییٰ بن زید بن ثابتؓ اور حضرت محمد بن ابو ہریرہؓ وغیرہ. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے
چند شخصیتیں جن کو اپنی جانیں اس فتنے کی نذر کرنا پڑیں وہ یہ تھے: حضرت فضل بن عباس بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلبؓ، حضرت محمد بن
سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت محمد بن ثابت بن قیس بن شماسؓ (جو حضرت عبداللہ ابن حنظلہؓ کے سوتیلے بھائی تھے)، حضرت ربیعہ ابن کعبؓ (جو
حضور نبی اکرم ﷺ کے عاشق زار اور اصحاب صفہ میں سے تھے)، حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ (۳۲)، حضرت معاذ ابن الحارث
الانصاریؓ، حضرت افلحؓ جو حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، (۳۳) اور یزید بن عبداللہ بن زمعہؓ، ابو سلمہ بن عبداللہ بن
زمعہ، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن حاطب بن ابی بلتعہ، عمیر اور عمرو پسران حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، ابوبکر بن عبیداللہ بن عمر بن الخطابؓ،
عبداللہ و سلیمان پسران عاصم بن عمر بن الخطاب وغیرہ. اہل بیت طاہرہ سے اور آل ابی طالب سے حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؓ اور
جعفر بن محمد بن علی ابن ابی طالبؓ نے شہادت پائی. (۳۴) بنو ہاشم سے دیگر شہداء میں عبداللہ بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلبؓ اور عباس
بن عتبہ بن ابی لہب وغیرہ شامل تھے. سرکردہ عمائدین کے بریدہ سروں کو یزید کے پاس دمشق روانہ کر دیا گیا (۳۵).

طاقت کے نشے میں چور یزید نے اپنی افواج کو حکم دیا ہوا تھا کہ جونہی شہر کا سقوط ہو اس کے لشکری جس گھر میں چاہیں گھس جائیں،
لوٹ مار مچائیں اور جو چاہیں کریں اور آئندہ بغاوت کے امکان کو یکسر مٹانے کے لیے ان کو کھلی چھٹی تھی کہ وہ ہر بالغ مرد کو تہ تیغ کر دیں.
استثناء تھا تو صرف اہل بیت طاہرہ میں سے حضرت علی ابن حسین علیہ السلام (حضرت زین العابدینؓ) کی ذات اور ان کے اہل بیت کے لیے
تھا کہ ان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے (۳۶). حضرت زین العابدینؓ نے اس معاملے سے قطع تعلقی کر لی تھے اور وقتی طور پر آپ ینبع چلے گئے تھے
(۳۷). حضرت محمد ابن علیؓ (جن کو اسلامی تاریخ میں محمد ابن حنفیہؓ کے نام سے جانا جاتا ہے) پہلے ہی حج کی غرض سے مکہ مکرمہ جا چکے تھے
(جہاں انہیں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے نظر بند کر کے روکا ہوا تھا) اور مدنیوں پر جو قیامت ٹوٹی تھی وہ ان کی غیر حاضری میں تھی (البتہ ان
کے فرزند حضرت جعفر ابن محمدؓ شہید کر دئے گئے تھے). یہ دلفگار واقعہ مورخہ ۲۸ ذوالحج ۶۳ ہجری کو ہوا تھا.

نہتے مدنی حرہ واقم کی طرف جمع ہو گئے تھے جو مسجد نبوی شریف سے تقریباً ایک یا ڈیڑھ کیلومیٹر دور تھا. پیر و جواں، مہاجر و انصار، اصحابی
اور تابعی اب کسی کی کوئی تفریق و تمیز باقی نہیں رہ گئی تھی. یزیدیوں کی خون آشام تلواریں سب پر یکساں برس رہی تھیں. یزیدی افواج نے فتح
میں چور ان نہتے مدنیوں کا قتل اتنی درندگی اور بربریت سے کیا کہ لکھتے وقت قلم کانپ جاتا ہے. ان کی تیغ ستم کش سے صرف وہ مدنی بچ سکے
تھے جو یا تو بہت ہی عمر رسیدہ یا بچے تھے یا وہ لوگ تھے جنہوں نے وقتی طور پر پاگلوں کا سا روپ دھار لیا تھا (۳۸) یا پھر وہ لوگ تھے جنہوں نے
بھاگ کر مدینے کے مضافات میں غار و کوہ میں پناہیں ڈھونڈ لی تھیں (۳۹). ان کے علاوہ وہ لوگ بھی امان پا گئے جنہوں نے اپنے آپ کو اس
فتنے سے دور رکھا ہوا تھا اور یزید کی بیعت کا خلع نہیں کیا تھا. (۴۰) جلیل القدر اصحابی حضرت ابو سعید الخدریؓ کے گھر میں وہ لوگ دو بار گھس آئے
تھے. پہلے بار میں جو کچھ ان کے ہاتھ لگ سکا وہ سب کچھ لے گئے اور دوسری بار جب وہ آئے اور انہیں لوٹنے کے لیے کچھ نہ مل سکا تو اس
عظیم جلیل رضی اللہ عنہ کو مارا پیٹا گیا اور ان کی ریش مبارک کے بال تک نوچ لیے گئے. (۴۱) مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں لاشوں کے انبار لگ
گئے تھے، جدھر نگاہ جاتی موت ہی موت رقص کناں نظر آتی تھی. شہیدوں کو کفنانا تو ایک طرف کسی کو دفن کرنے والا کوئی نہیں رہ گیا تھا. کئے

ہوئے سر چوراہوں میں آویزاں تھے (۴۲) کچھ عمائدین شہر کے بریدہ سر دمشق میں اموی شہنشاہ کی خدمت میں روانہ کر دئے گئے تھے اور باقیوں کو بہت مدت بعد اجتماعی قبروں میں دفن کیا گیا تھا. بقیع الغرقد کے وسط میں اجتماعی قبر آج بھی اسی بربریت کی یاد تازہ کرتی ہے. مدینہ اپنی مسلم افواج ہی کے ہاتھوں ظلم و بربریت پر نوحہ کناں تھا. وہ شہر نبی جو نبی الرحمت علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کو اتنا پیارا تھا کہ آپ حضور ﷺ اس کے لیے رحمت و برکت کی دعائیں کیا کرتے تھے آج بدبخت یزیدی افواج کے ہاتھوں خون میں لت پت پڑا سسکیاں لے رہا تھا. امان صرف اس کو ملتی تھی جو یزید کی غیر مشروط بیعت کے علاوہ یہ اقرار کرتا تھا کہ وہ اس کا غلام بے دام بن گیا ہے (فرق واضح ہے کہ وہ لوگ جو کل کے آقا تھے اب یزید کی غیر مشروط غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے پر مجبور تھے) حضرت یزید بن عبداللہ بن زمعہ ؓ کو گرفتار کر کے جب مسرف بن عقبہ کے سامنے لایا گیا تو اس نے پوچھا: ''کیا بیعت کرتے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: ہاں مگر اللہ تعالیٰ کی کتاب برحق اور سنت رسول مقبول پر! اتنا سا جواب بھی اس فرعون کا ناپسند گزرا اور فوراً انہیں تہہ تیغ کر دیا گیا.

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کو حرم اور جائے امن و امان قرار دیا تھا. (۴۳) مگر یہ بلد الامان آج خود زبان حال سے امان کا فریادی تھا. ہر طرف الاماں الحفیظ کی پکار تھی. حرم مدنی کا تقدس پامال کیا جا رہا تھا. شقی القلب یزیدی لشکری مدینہ طیبہ کی گلی گلی منہ اٹھائے ہر ذی روح کی (جو بچ گیا تھا) تضحیک کر رہے تھے. سب سے زیادہ ناگفتہ بہ حالت ان عفت مآب اور باپردہ خواتین مدینہ طیبہ کی تھی جن کی کھلے بندوں آبروریزی کی جا رہی تھی اس لیے کہ ان کی لاج اور عزت کے رکھوالے سب کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تھے. ابن الاثیر کے الفاظ میں: [مسلم بن عقبہ نے اپنی افواج کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ تین دن تک وہ جو چاہیں کریں. قتل و غارت گری کا بازار گرم کریں اور مال غنیمت کے طور پر جو بھی چاہیں لوٹ لیں. ان ظالموں کے ہاتھوں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی نہ بچ سکے تھے.] (۴۴) وہ درندے اپنے گھوڑوں کو مسجد نبوی شریف کے اندر باندھا کرتے تھے اور چونکہ دروازے کھلے رہتے تھے مسجد شریف میں بلیاں اور دیگر جانور آزادی سے اندر آیا جایا کرتے تھے. (۴۵) حضرت سعید ابن المسیب ؒ جو مدینہ طیبہ کے سات جلیل القدر تابعین اور فقہاء میں سے ایک ہیں فرماتے ہیں:

میں نے حرہ کی راتیں دیکھی ہیں. میرے علاوہ کوئی بھی مسجد نبوی شریف میں نہ ہوتا تھا. شامی گروہ در گروہ مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور میری تضحیک کرتے اور کہتے: دیکھو اس بڈھے دیوانے کو! کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ نماز کا وقت آتا اور میں (حجرہ اطہر سے) قبر مبارک سے اذان کی آواز نہ سنتا. پھر میں آگے بڑھتا اور اقامت صلوٰۃ کہتا جس کے بعد میں نماز پڑھا کرتا تھا میرے علاوہ مسجد نبوی میں کوئی دوسرا فرد نہ ہوتا تھا. (۴۶)

مرتبے اور عمر کا لحاظ تو درکنار ان درندوں نے جو بھی عورت ذات ہاتھ لگی اس کی عزت لوٹ لی. کٹے ہوئے سر چوراہوں میں ایک ہولناک منظر پیش کر رہے تھے. حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ ؓ بیان کرتے ہیں: [میں حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ کا ہاتھ پکڑ کر مدینہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا کہ ان کی نظر ایک کٹے ہوئے سر پر پڑ گئی. آپ نے فرمایا کہ نامراد ہے وہ شخص جس نے اسکو قتل کیا ہے. جب وہ کچھ آگے گئے تو فرمانے لگے: میں اس کو بدقسمتی ہی کہہ سکتا ہوں. میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ: اگر کوئی آدمی میری امت کے کسی فرد کو قتل کرنے کے درپے ہو جائے تو یہ کہنا چاہیے کہ جو قاتل ہے وہ جہنم میں جائے گا اور جو مقتول ہے وہ جنت میں جائے گا.] (۴۷) مورخین نے اکثر و بیشتر ان روح فرسا واقعات کی تفصیل میں جانے سے احتراز کیا ہے مگر مجموعی طور پر تفاصیل ضرور مہیا کی ہیں. مجموعی طور پر ۱۲،۴۹۷ سے زیادہ افراد شہید ہوئے تھے. (۴۸) ان میں سے اکثریت کے لاشے اجتماعی قبروں میں حرہ میں ہی دفنا دئے گئے تھے مگر کچھ کو بعد میں بقیع الغرقد میں اجتماعی قبر میں دفنایا گیا تھا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے وہ جگہ آج بھی مشہد شہدائے حرہ کے نام سے مشہور ہے. صرف عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالب ؓ کی قبر الگ ہے جو ان کے چچا عقیل ابن ابی طالب ؓ کے پہلو میں ہے. القرطبی کے مطابق اس فتنے کی وجہ سے شہید ہونے والوں کے اعداد و شمار کچھ یوں تھے:

مہاجرین، انصار اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین	۱،۷۰۰
بے گناہ عامۃ الناس	۱۰،۰۰۰
حفاظ کرام	۷۰۰
قریش	۹۷
کل تعداد	۱۲،۴۹۷

....

البدایہ والنہایہ نے مہاجرین اور انصار شہداء کی تعداد سات سو اور عامۃ الناس کی تعداد دس ہزار بتائی ہے.(۴۹) مہاجرین والانصار میں سے ۳۰۶ شدید زخمی ہوئے تھے.

بنی ہاشم میں سے مشاہیر جنہوں نے جام شہادت نوش فرمایا ان میں سے چند کے نام یہ تھے: فضل بن عباس بن ربیعؓ بن الحارث بن عبدالمطلب، عباسؓ بن عتبہ بن ابی لہب بن عبدالمطلب، اور ۹۰ سے زیادہ دیگر بنو قریش تھے.(۵۰) ابن الجوزی کے مطابق خواتین مدینہ طیبہ کے ساتھ زیادتی کے نتیجے میں ایک ہزار سے زائد بچے پیدا ہوئے تھے. ان بچوں کو بعد کے مورخین نے 'اولاد حرہ' کا نام دیا ہے(۵۱) اور جب وہ جوان ہو گئے تو حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے بیت المال سے ان کے لیے وظیفوں کا اجراء کیا تھا تا کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں.

تاریخ کے اوراق میں اس واقعے کو 'واقعہ حرہ' یا 'واقعہ حرہ زہرہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو کہ حرہ شرقیہ میں العریض کے علاقے میں وقوع پذیر ہوا تھا جو مسجد نبوی شریف کے مشرق میں تقریباً ڈیڑھ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہوا کرتا تھا.(۵۲) علماء اور تاریخ دانوں کے لیے یہ ایک بہت ہی معروف جگہ تھی کیونکہ یہ مقام ہمیشہ ان منحوس واقعات کی یاد تازہ کرتا تھا جہاں کبھی تاریخ مدینہ طیبہ کا بدترین باب رقم ہوا تھا. عام طور پر اسے حرہ واقم یا صرف حرہ شرقیہ بھی کہا جاتا ہے جو ان دو لابوں (لاوا سے بنے سنگلاخ علاقوں) سے بنے سنگ سیاہ کے غیر ہموار رہائشی علاقے ہوا کرتے تھے جو حرم مدنی کی حدود میں تھے.

ان جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جو اس واقعہ سے زندہ بچنے میں کامیاب ہو گئے تھے وہ مشہور ترین اصحابی حضرت ابوسعید الخدریؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور تابعین کرام سے حضرت سعید ابن المسیبؒ تھے. اہل بیت طاہرہ میں سے حضرت امام زین العابدینؒ اور حضرت محمد بن الحنفیہؒ کا نام آتا ہے جن کے متعلق یزید نے خاص احکامات دئے تھے کہ ان پر دست درازی نہ کی جائے اور انہیں حریم ہراساں نہ کیا جائے. مدینہ طیبہ کے فضائل و برکات کا یہ عالم تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کا اتباع کرتے ہوئے کوئی بھی باقی زندہ بچنے والا وہاں سے جانے کے لیے تیار نہ تھا. حضرت ابوسعیدؒ جو حضرت المہریؓ کے آزاد کردہ غلام تھے ایک رات چھپ چھپا کر حضرت ابوسعید الخدریؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور مہنگائی اور ستمگر حالات میں ان کے اور ان کے اہل و عیال کے لیے مدینہ طیبہ میں جینا محال ہو گیا ہے اور اجازت طلب کی کہ انہیں مدینہ طیبہ سے جانے دیا جائے. اس پر حضرت ابوسعید خدریؓ نے ان کی سرزنش کی اور فرمایا: [برا ہو تیرا، میں تمہیں اس کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جو مسلمان بھی مدینہ طیبہ کی صعوبتیں اور مشکلات برداشت کرے گا یوم حشر میں آپ حضور ﷺ اس کی گواہی دیں گے اور اس کی شفاعت فرمائیں گے.](۵۳) صحیح مسلم کی اس روایت سے ہمیں اس تباہی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بدنظمی اور زبوں حالی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے جو مدینہ طیبہ پر نازل ہوئی تھی. طبرانی، ابن الجوزی، واقدی اور دیگر وقائع نگاروں نے ضخیم کتب تحریر کر کے اس منحوس واقعہ کے متعلق تفاصیل مہیا کی ہیں. واقدی نے تو ایک پوری کتاب اس موضوع پر تحریر کی تھی جس کا نام 'کتاب الحرۃ' تھا. طبری (۵۴) اور ابن کثیر نے بھی بہت سی معلومات فراہم کی ہیں (۵۵). تاہم اگر کوئی قاری اس معاملے میں مزید معلومات سے آگاہی کرنا چاہتا ہے تو اسے ابراہیم العیاشی المدنی کی عربی کتاب: المدینہ بین الماضی والحاضر، مطبوعہ مکتبہ

بقیع الغرقد میں اجتماعی مدفن شہدائے حرہ ۱۹۹۸ء

الثقافت، مدینہ منورہ (صفحات: ۳۱۰_۳۲۴) کا مطالعہ کرنا چاہیے جو کافی مواد پر مبنی ہے۔ البتہ اگر کوئی قاری سنجیدگی سے اس معاملے کی تفصیل کے متعلق چھان بین کرنا چاہتا ہے تو اس کو تاریخ خلیفہ بن خیاط، تاریخ طبری اور ابن الاثیر کی الکامل فی التاریخ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

حضرت سعید ابن المسیبؒ کا قول ہم نے اس باب کے شروع میں بھی نقل کیا ہے مگر سیاق وسباق میں وہ اس موقع پر زیادہ برمحل معلوم ہوتا ہے اور تکرار کا متقاضی ہے۔ انہوں نے فرمایا: [جب حضرت عثمان ابن عفانؓ کی شہادت کے نتیجے میں شروع ہونے والے فتنے نے جنم لیا تو کوئی بھی بدری اصحابی زندہ نہ بچا۔ پھر جب دوسرے فتنے نے سر اٹھایا (یعنی واقعہ حرہ) تو کوئی بھی ایسا اصحابی زندہ نہ بچا جس نے صلح حدیبیہ میں شرکت کی تھی۔ اس کے بعد جب تیسرا فتنہ شروع ہوا تو وہ اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک کہ مسلمانوں کی پوری قوت ختم نہیں ہوگئی۔ جو حجاج ابن یوسف کی چیرہ دستیوں کی طرف اشارہ تھا۔] (۵۶)

اگرچہ مورخین کی اکثریت نے اس بات کے واضح اشارے دیئے ہیں کہ وہ جگہ مسجد نبوی شریف سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر مشرقی جانب واقع تھی، لیکن آج کے مدینہ طیبہ میں عمرانی ارتقاء نے کچھ ایسی صورت حال پیدا کردی ہے کہ وہ تمام علاقہ جسے حرہ شرقیہ کہا جاتا ہے وہ ہموار کردیا گیا اور زیر تعمیر آگیا ہے اور اس بات کا تعین کرنا کہ وہ مقتل کس جگہ پر برپا ہوا تھا ذرا مشکل ہے۔ حرہ شرقیہ کے علاقے میں ایک چھوٹا سا خطہ حرہ زہرہ کے نام سے تھا جہاں سے گزرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس جگہ پر آپ حضور ﷺ کے بہترین امتی شہید ہوں گے۔ وہ یہی حرہ زہرہ کا واقع تھا جس میں تاریخ مدینہ طیبہ کا بدترین مقتل ۶۳ ہجری میں برپا ہوا تھا۔ مدینہ طیبہ کے چند معاصر مورخین نے اس سلسلے میں کافی رہنمائی کی ہے اور وہ مسجد ابوذر غفاریؓ کی شمالی جانب کے علاقے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ غالی الشنقیطی نے اس علاقے کی طرف اشارہ کیا ہے جو العریض اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہے (۵۷) جو کہ ایک بہت ہی وسیع علاقہ ہے۔ اس وقوعے کی جائے حدوث کی نشان بندی دشوار ہے۔ تاہم ابراہیم العیاشی المدنی کی رائے میں، جنہوں نے اس پورے واقعے پر اپنی کتاب 'المدینہ بین الماضی والحاضر' میں سیر حاصل بحث کی ہے، یہ جگہ شارع ستین کے اس پار اس جگہ واقع ہے جس کے اردگرد اب اونچی چار دیواری کردی گئی ہے۔ یہ جگہ موجودہ مدینہ طیبہ کے پولیس کے صدر دفتر (شرطۃ المدینۃ المرکزیہ۔ یعنی محکمہ پولیس کا ہیڈ کوارٹر) کے سامنے واقع ہے۔ ان کی رائے ہے کہ اس سطح مرتفع پر تاریخی مسجد قرصہ ہوا کرتی تھی جواب ناپید ہے اور اسی جگہ بیگناہ مدنیوں کا بہیمانہ قتل ہوا تھا۔ (۵۸) فجر الاسلام کی شاعری میں بھی ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو عبدالاشہل کا علاقہ (جو حرہ شرقیہ میں ہی واقع تھا) قتل گاہ بنا تھا اور یہی نظریہ ابراہیم العیاشی کا بھی ہے۔ (۵۹)

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا حجاز میں دور حکومت:

واقعہ حرہ کے بعد اگرچہ مدینہ طیبہ میں امویوں کے خلاف بغاوت پوری طرح کچل دی گئی تھی مگر جونہی یزید کی موت واقع ہوئی بنوامیہ میں افراتفری کے آثار نمایاں ہونے لگ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ جنہوں نے بہت پہلے ہی علم بغاوت بلند کرکے مکہ اور اس کے نواحی علاقوں پر اپنا تسلط قائم کرلیا تھا اور دیکھتے دیکھتے ان کی خلافت کی سرحدیں بصرہ تک پھیل گئی تھیں بنی امیہ کے لیے سب سے بڑا چیلنج بن

گرا بھرے۔ واقعہ حرہ کے بعد شامی لشکر مکہ روانہ ہوا تو راستے میں ان کا بد بخت امیر لشکر (مسلم بن عقبہ) مر گیا اور باقی افواج ابھی مکہ ہی پہنچی تھیں کہ پیغام آ گیا کہ یزید مر چکا ہے۔ یزید کی موت اور اس کے جانشین کے تخت اموی پر بیٹھنے سے انکار سے حالات مزید بے قابو ہو گئے۔ اسی اثناء میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کا اثر ورسوخ دور دور تک پھیل گیا سوائے شام اور مصر کے چند مرکزی علاقوں کے باقی سب علاقے بنی امیہ کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔ عبدالملک بن مروان نے دو بار مکہ پر چڑھائی کی مگر دونوں بار اسے منہ کی کھانی پڑی۔

تاہم حضرت ابن زبیرؓ کا دور حکومت بہت تھوڑا عرصہ چل سکا۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے مدینہ طیبہ کے کئی گورنر بدلے مگر ان کی ناعاقبت اندیشیاں ان کو لے ڈوبیں جس سے ان کی حکومت کو بدنامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ ان کے نامزد کردہ گورنر نا اہل ثابت ہوئے اور اہالیان مدینہ جو پہلے اموی جور وستم سے دل برداشتہ تھے اب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے گورنروں کے ہاتھوں نالاں ہو گئے۔ انہوں نے عمائدین شہر کو معمولی رنجشوں پر جیلوں میں ڈالا اور اس طرح حضرت ابن زبیرؓ کی حکومت کی ساکھ تباہ ہو گئی۔ ادھر عبدالملک کو بنوامیہ کا سب سے بڑا محسن حجاج بن یوسف (جو طائف کے بنوثقیف سے تعلق رکھتا تھا) کی شکل میں ہاتھ آ گیا تھا۔ (۶۰) اس نے ۷۲ ہجری میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو شکست دے کر بنوامیہ کے تخت کو گرنے سے بچا لیا۔ طلحہ بن عبداللہ بن عوفؓ نے (جو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے) ہتھیار ڈال دئے اور اس طرح مدینہ طیبہ مکمل طور پر امویوں کی حکومت کے زیر اثر آ گیا اور پھر جب تک بنوامیہ کا زوال نہیں ہوا مدینہ طیبہ پر دمشق سے ہی حکومت ہوتی رہی۔ انہوں نے بہت سے گورنر بدلے مگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسا گورنر مدینہ طیبہ کو کبھی نصیب نہ ہوا۔

حجاج ابن یوسف کے جور وستم سے بنوامیہ کے لیے مزید ساٹھ سال تک حجاز میں ہر طرح کی مخالفت اور بغاوت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دم توڑ گئی اور اس طرح ان کی حکومت بہت مستحکم ہو گئی جس کے نتیجے میں مدینہ طیبہ میں امن وامان کی صورت حال سدھر گئی اور شہر نبی کی رونقیں واپس لوٹ آئیں۔ حضرت معاویہؓ کے دور میں مدینہ طیبہ میں پینے کے پانی کی فراہمی کے لیے عین الزرقاء کا اجرا ہوا۔ اس پورے عرصے میں بہترین دور حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کا تھا جو پہلی بار تین سال تک مدینہ طیبہ کے گورنر رہے اور بعد میں سلیمان بن عبدالملک کی موت کے بعد امیر المومنین بھی رہے۔ ان کی گورنری کے دور میں مسجد نبوی کی توسیع اور تزئین ہوئی اور مدینہ طیبہ میں اور بہت سے ترقی اور بہبود عامہ کے منصوبوں پر کام ہوا۔ انہیں کے دور میں ان تمام مقامات پر چھوٹی چھوٹی مسجدیں تعمیر کی گئیں جہاں جہاں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی جبین طاہرہ سجدہ ریز کی تھی۔ بنوامیہ کے اسی دور میں مدینہ طیبہ کی آبادی وادی العقیق تک پھیل گئی اور خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا لیکن جونہی حضرت عمر بن عبدالعزیز کو زہر دے کر شہید کیا گیا ان کے جانشین حکمرانوں کی رنگ رلیوں نے اہل مدینہ کو پھر دل شکستہ کر دیا۔ مدینہ طیبہ سیاسی طور پر تو صرف ایک صوبے کی حیثیت رکھتا تھا مگر اپنی روحانی اور دینی عظمت کی وجہ سے وہ اپنے لیے ایک انوکھا اور نرالا مقام حاصل کر چکا تھا۔ چار دانگ عالم سے علماء اور دانشور مدینہ منورہ میں آتے اور وہیں آباد ہو جاتے تھے۔ ایسے میں حکومت کی ذرا سی بے رہ روی بھی ان کے لیے قلق کا باعث بن جاتی اور اہل مدینہ طیبہ میں غم وغصہ کی لہر دوڑ جاتی تھی۔

شہادت نفس الذکیہ:

امویوں نے اگرچہ اپنے خلاف بھڑکنے والا ہر الاؤ ٹھنڈا کر دیا تھا مگر بہت سی چنگاریاں ایسی تھیں جو پوری طرح بجھ نہ سکیں اور کسی مناسب وقت کے انتظار میں تھیں کہ کب موافق سمت سے ہوا چلے اور وہ چنگاریاں دوبارہ بھڑک اٹھیں۔ اکا دکا یورشیں ہوتی رہیں مگر ان میں اتنا دم نہیں تھا کہ وہ بنوامیہ کے لیے کوئی بڑا چیلنج بن سکیں۔ بنوامیہ کی نگاہیں ہمیشہ مدینہ طیبہ پر لگی رہیں کیونکہ ہزار جور وستم کے بعد بھی وہ اہل مدینہ کے دل سے اہل بیت طاہرہ کی محبت نہ نکال سکے تھے۔ کتنے ہی اصحابہ اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حب اہل بیت میں جام شہادت نوش

کر گئے، کتنے ہی مردان حق کی پیٹھوں پر کوڑے برستے رہے! فرد جرم میں سرفہرست ان پر صرف یہ الزام ہوتا تھا کہ ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین علی مرتضیٰؓ اور آل رسول مقبول ﷺ پر سب وشتم سے انکاری تھے. ہماری تاریخ کا سب سے المناک حادثہ یہ ہے کہ بنوامیہ کے دوست اور دشمن سبھی یہ تو اقرار کر لیتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے دس ہزار کے لگ بھگ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تہہ تیغ کر دیا تھا مگر ہم ایک لحہ کے لیے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ آخر ان مردان حر کا جرم کیا تھا جس میں ان کو قید و بند اور دار و رسن کے کٹھن مرحلوں سے گزارا گیا تھا؟ یہ صرف اور صرف حب رسول مقبول ﷺ اور حب آل رسول مقبول ﷺ ہی تو تھی کہ سعید ابن جبیرؒ جیسے جلیل القدر صحابی مسکراتے ہوئے خراماں خراماں سوئے مقتل چل پڑتے تھے. سچ تو یہ ہے حب آل رسول ﷺ مدینہ طیبہ کی پاک مٹی میں کچھ اس طرح رچ بس گئی تھی کہ بنوامیہ اہل بیت طاہرہ سے ہمیشہ خائف و لرزہ براندام رہے. ۴۰ ہجری سے لے کر نصف صدی تک حکماً مسجد نبوی شریف اور دیگر تمام مساجد میں برسر منبر سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ پر تبرا بازی کی جاتی رہی، مگر اتنے وسیع البنیاد شرانگیز پروپیگنڈے اور طویل المدت کردار کشی کے باوجود لوگ اصحاب اہل بیت طاہرہ کے لیے ہمیشہ نرم گوشہ رکھتے رہے. مسجد نبوی کے اموی توسیعی منصوبے کے پیچھے بھی سیاسی مصلحت کارگر تھی کہ حجرہ اہل بیت سے اہل بیت طاہرہ کو نکالنا مقصود تھا. اس کے باوجود بھی حضرت حسن علیہ السلام کے پوتے حضرت عبداللہ ابن حسن المثنیٰؒ کے لیے منبر رسول ﷺ کے ساتھ علیحدہ مسند بچھائی جاتی تھی اور لوگ جوق در جوق آ کر ان سے اکتساب فیض کرتے تھے.

لہٰذا جونہی بنوعباس نے علم بغاوت بلند کیا اور بنوامیہ کی مسند خلافت کی چولیں ہلنے لگیں تو لوگ ہزاروں کی تعداد میں اس تحریک میں شامل ہونے لگ گئے. اس تحریک کا نعرہ ہی اہل بیت کو ان کا حق دلانا تھا اور تحریک کے عمائدین یہ برملا کہتے تھے کہ وہ خلافت اہل بیت کو لوٹا دیں گے (۶۱) جو کہ اس وقت زیادہ تر مدینہ طیبہ میں مکین تھے. اس طرح ایک بار پھر مدینہ طیبہ سیاسی منظر عام پر آنے لگا تھا تحریک پورے زور و شور سے آگے بڑھتی رہی اور تھوڑے ہی عرصے میں مسند خلافت پر بنوامیہ کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگ گئی. اہل بیت کو ان کے حقوق دلانے کے نعرے نے (جو بعد میں محض ایک ڈھونگ ثابت ہو) جرس کارروان کا کام کیا اور ایک ایک کر کے وہ علاقے جو کبھی بنی امیہ کے گڑھ سمجھے جاتے تھے عباسیوں کی جھولی میں گرنے لگے. تاریخ اپنے آپ کو دہرایا کرتی ہے. اب وقت آن پہنچا تھا کہ بنوامیہ اپنی کئی نسلوں کے اعمال کا حساب چکائیں. بنوعباس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کسی بغاوت کے احتمال اور امکان کو ختم کرنے کے لیے اپنی تلواروں کو انتقام کی سان پر اتنا تیز کر لیا تھا کہ ان کی شمشیر قہر گیر جدھر اٹھی مخالفوں کا خاتمہ ہوتا گیا. مدینہ طیبہ میں ایک بھی بنوامیہ کا فرد زندہ نہیں چھوڑا گیا اور جو بہت عرصہ پہلے مر کھپ گئے تھے ان کی قبریں تک اکھاڑی گئیں اور ان کو بوسیدہ ہڈیوں پر آتش انتقام کے الاؤ جلائے گئے. بنوعباس کامیاب تو ہو چکے تھے مگر ان کی مسند حکومت بنوامیہ کی کھوپڑیوں کے ڈھیروں پر سٹیج بنا کر سجائی گئی. اہل نظر اسی وقت بھانپ گئے تھے کہ اس منتقم مزاجی کا مظاہرہ اہل بیت کو ان کا حق دلانے کے لیے نہیں بلکہ ان کو مرعوب کرنے کی غرض سے کیا جا رہا تھا.

کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا. ہر طرح کی مخالفت کچلی جا چکی تھی. اہل بیت تو معدودے چند نفوس تھے اور ان کا احتجاج صدا بصحراء ثابت ہو رہا تھا. پوری حکومتی مشینری بنوعباس کے ہاتھ میں تھی. اگر بنوامیہ کے ہاتھ ایک حجاج بن یوسف لگ گیا تھا تو بنوعباس کے پاس بھی ابوالعباس جیسا سفاح موجود تھا. انتقال اقتدار ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ اور ایک خاندان سے دوسرے خاندان کو منتقل ہو چکا تھا. اگرچہ اس تحریک کی کامیابی کا سہرہ انہیں نعروں پر تھا کہ اہل بیت الطاہرہ کو اقتدار سونپ دیا جائے گا مگر تاریخ نے ایک بار پھر اہل بیت طاہرین سے داؤ کھیلا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کو ایک بار پھر پس پشت ڈال دیا گیا صرف یہی نہیں بلکہ آنے والے وقتوں میں بغاوت کے کسی احتمال کو ٹالنے کے لیے اسی وقت سے پیش بندی اور منصوبہ بندہ شروع کر دی گئی اور اہل بیت الطاہرہ میں سے جس پر بھی ذرا شک گزرا داخل زنداں کر دیا گیا اور بہت سے بطل حریت تو قید و بند کی صعوبتوں اور تشدد کی وجہ سے اپنی جانیں بھی گنوا بیٹھے. ربذہ جو کبھی حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت سلمہ بن

الاکوع کے لیے کالا پانی کے طور پر چنا گیا تھا وہاں اب اہل بیت الطاہرہ کے مردان حر رکھے جانے لگے تھے.

ایسی ہی ایک شخصیت حضرت عبداللہ بن الحسن المثنیٰ ابن حسن علیہ السلام کی تھی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ان کے لیے منبر رسول ﷺ کے جلو میں مسند سجا کرتی تھی اور لوگ جوق در جوق ان سے اظہار عقیدت کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے. عباسیوں کو ان کی اتنی عزت وتکریم ایک نظر نہ بھاتی تھی. پہلے تو ان کی مسند وہاں سے اٹھادی گئی. (۶۲) پھر ان کو بہانے سے بغداد بلا کر قید کر دیا گیا جہاں تشدد سے زنداں خانوں کے کال کوٹھڑیوں میں ان کی موت واقع ہوگئی. ردعمل کے طور پر ان کے دو فرزندوں۔ محمد اور ابراہیم ۔ نے اعلان بغاوت کر دیا محمد بن عبداللہ جن کو تاریخ مدینہ میں نفس الذکیہ یا مہدی کے نام سے جانا جاتا ہے اس وقت مدینہ طیبہ میں تھے اور ان کے پیروکاروں کی تعداد بھی کافی تھی. (۶۳) سب سے پہلے انہوں نے عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں پورے شہر کا نظم ونسق اپنے ہاتھوں میں لے لیا.

اسلامی تاریخ میں وہ ایک ایسا دور تھا جب امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک بن انسؒ جیسی شخصیتیں اسلامی فقہ کو مدون ومروج کرنے میں مصروف تھیں. دونوں ائمہ کرام نے نفس الذکیہ کی حمایت کی، امام ابوحنیفہؒ نے تو نفس الذکیہ کے لیے بیس ہزار دینار بھی روانہ کیے. (۶۴) نفس الذکیہ نے رجب ۱۴۵ ہجری میں آزادی کا اعلان کر دیا اور بطور خلیفہ حلف اٹھالیا. انہوں نے مقتدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اولاد کو اپنی کابینہ میں شامل کیا، مثلاً عبدالعزیز بن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ وغیرہ. جلد ہی مدینہ طیبہ کے گرد ونواح کے قبائل ان کی بیعت میں آچکے تھے. عباسی اگر خاموشی سے دیکھتے رہتے تو ان کی موت کا ناقوس بہت جلدی بج جاتا مگر انہوں نے بنوامیہ کے زوال سے سبق سیکھ لیا تھا اور فوراً ہی ایک لشکر جرار ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کر دیا. اس طرح ان کی خلافت بہت تھوڑے ہی عرصے کے لیے چل سکی جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے، مدینہ طیبہ تین اطراف سے پہاڑیوں اور ارضیاتی ساخت کی وجہ سے محفوظ تھا. ایک ہی طرف سے دفاع کمزور تھا جہاں کبھی حضور نبی اکرم ﷺ نے گہری اور وسیع خندق کھدوائی تھی. اس روائتی دفاعی لائن کو نئے سرے سے کھودا گیا اور جہاں جہاں سے مناسب سمجھا گیا اس کی مرمت اور توسیع کی گئی.

ابھی پہلی افتاد جو مدینہ طیبہ پر پڑی تھی (واقعہ حرہ زہرہ) کو بمشکل اسی سال ہی گزرے تھے کہ اہل مدینہ ایک بار پھر تباہی کے دہانے کھڑے تھے. بہت سے عمر رسیدہ لوگوں کے ذہنوں میں پہلی وحشت وبربریت کے واضح خاکے موجود تھے. اس لیے بڑے بڑے دلیروں کے حوصلے پست ہوگئے اور بہت زیادہ تعداد میں خاندان اور قبائل نفس الذکیہ کو چھوڑنے لگے. طبری بیان کرتے ہیں کہ مورخہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۵ ہجری کو عیسیٰ بن موسیٰ نے الجرف میں آکر پڑاؤ لگالیا اور عمائدین قبائل سے گفت وشنید کے ذریعے ان کو نفس الذکیہ کی حمایت سے دست بردار ہونے کے لیے اکسانے لگا. خون آشام تلواروں کے خوف سے تو بڑے بڑوں کے پتے پانی ہوجایا کرتے ہیں. نہیتے مدنی کیا کر سکتے تھے سوائے اس کے کہ دو دھڑوں میں بٹ جائیں. عباسیوں کی چال کامیاب ہوگئی اور مدینہ طیبہ خالی ہونا شروع ہوگیا. (۶۵) سوائے بنی جہینہ اور بنی شجاع کے ایک ایک کر کے تمام قبائل ان سے الگ ہوگئے. عباسی افواج نے خندق کی طرف سے مدینہ طیبہ پر حملہ کر دیا. عباسیوں کی تعداد ۴۰،۰۰۰ تھی جب کہ نفس الذکیہ کے ساتھ صرف ۳۱۳ سرفروش رہ گئے تھے. (۶۶) مدنی فوج بہت بے جگری سے لڑی مگر دشمن کی عددی برتری اور دیگر مدنی قبائل کی علیحدگی نے اسے پسپائی پر مجبور کر دیا. عباسی خندق عبور کر کے شہر کی طرف بڑھ آئے. نفس الذکیہ بہادری سے لڑتے ہوئے احجار الزیت کے مقام پر مورخہ ۱۵ رمضان ۱۴۵ ہجری کو شہید ہوگئے (وہ علاقہ آج کل مسجد نبوی شریف کے اندر آچکا ہے) اور ان کی ہمشیرگان نے ان کو جبل سلع کے دامن میں دفن کر دیا جو بعد میں مشہد نفس الذکیہ کے نام سے مشہور ہوا. اس کے برعکس طبری اور ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان کو بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا تھا. (۶۷) شہادت سے پہلے انہوں نے اپنے ایک ساتھی (عبداللہ ابن عامر الاسلمی) سے کہا

بادل کا ایک ٹکڑا ہمارے سروں پر سایہ فگن ہوگا اگر اس کی باران رحمت ہمارے اوپر پڑی تو فتح ہماری ہوگی لیکن اگر وہ بادل کا ٹکڑا دشمنوں کے سروں پر ڈھل گیا تو تم میرا خون احجار الزیت پر گرتے دیکھو گے.(۶۸) اور یہی ہوا اور وہ بادل عباسیوں پر برسنے لگ گیا اس سلسلے میں ہم صادق مصدوق حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ نقل کرنا چاہیں گے جو اسی واقعہ کے متعلق فرمائی گئی تھی.حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:اے ابوذر!اگر تم دیکھو کہ احجار الزیت خون میں لت پت ہے تو تمہارے جذبات تب کیسے ہوں گے؟(۶۹) شیعہ روایات میں تو نفس الذکیہ کو افسانوی ہیرو کی حیثیت حاصل ہے.(سنی حضرات کے لیے بھی ان کی قدر و منزلت کم نہیں کیونکہ شیخ عبدالقادر جیلانی انہیں نفس الذکیہ کی اولاد طاہرہ میں سے تھے).ان کے بھائی ابراہیم مدینہ طیبہ سے نکل کر بصرہ چلے گئے اور انہوں نے علم بغاوت کو وہاں بلند رکھا مگر آخر کار وہ بھی عباسیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے.ان کے سب سے چھوٹے بھائی ادریس جان بچا کر شمالی افریقہ چلے گئے اور انہوں نے بربری قبائل میں اپنے حکومت قائم کر لی.المغرب (مراکش) میں ان کا اثر و نفوذ زیادہ تھا اور وہاں ان کی اولاد ادریسیہ خاندان کے نام سے صدیوں حکمران رہی.(مراکش کا شاہی خاندان آج بھی انہیں کی اولاد میں سے ہے.) ان واقعات کے متعلق جنہوں نے نہ صرف مدینہ طیبہ بلکہ ساری امت اسلامیہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا،سید ابوالحسن علی ندوی یوں رقمطراز ہیں:

کربلا میں جناب حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اہل بیت میں سے بہت سے افراد نے علم بغاوت بلند کیا.جناب حسین علیہ السلام کے پوتے (زید ابن علی) نے ہشام بن عبدالملک کے خلاف یورش کی جو ناکام ہو گئی اور انہیں ۱۲۲ ہجری میں شہید کر دیا گیا.امام ابوحنیفہ نے (جو حنفیہ فقہ کے بانی ہیں) زید ابن علی سے ان کے معرکے میں ان کے ساتھ نہ جا سکنے کی معذرت کی مگر مبلغ دس ہزار دینار سے ان کی حمایت کی.ان کے بعد امام حسن علیہ السلام کے پڑپوتے،محمد ذوالنفس الذکیہ (محمد بن عبداللہ المحض بن الحسن المثنی ابن حسن ابن علی کرم اللہ وجہہ) نے مدینہ میں بغاوت کر دی جب کہ ان کے بھائی،ابراہیم ابن عبداللہ،نے بصرہ میں منصور کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا.امام ابوحنیفہ اور امام مالک (دونوں اپنے اپنے فقہی مذاہب کے بانی ہیں) نے ابراہیم کی بغاوت کے برحق ہونے میں فتوے دئے کہ وہ صحیح حقدار خلافت ہیں اور مقدم الذکر (امام ابوحنیفہ) نے تو ان کی مالی امداد بھی کی.امام ابوحنیفہؒ نے تو حسن ابن قحطبہ جو منصور کا ایک سپہ سالار تھا کو ابراہیم کے خلاف لڑنے سے منع بھی کیا تھا.مگر یہ تمام کوششیں ناکام ہوئیں اور محمد نے ۱۵ رمضان ۱۴۵ ہجری میں اور ابراہیم نے کوفہ میں ۲۴ ذوالقعدہ ۱۴۵ ہجری میں شہادت پائی.(۷۰)

اہل بیت کے افراد کے علاوہ جن لوگوں نے نفس الذکیہ کی حمایت میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ان میں مشہور تبع تابعی:حضرت عبدالعزیز بن ابراہیم بن عبداللہ بن مطیعؒ،ابراہیم بن جعفر بن مصعب ابن الزبیرؒ وغیرہ کے نام گرامی آتے ہیں.نفس الذکیہ اور بنی شجاع کے شائدین کے کٹے ہوئے سر منصور کو بغداد بھیج دئے گئے.ان کے بہت سے ساتھیوں کو مدینہ طیبہ میں صلیب پر چڑھا دیا گیا.اس طرح منظم طور پر عباسیوں نے ہر ممکنہ کوشش کر کے اپنے خلاف اٹھنے والے اہل بیت کے کسی بھی طوفان کی پیش بندی کر دی تھی اور پھر چار صدیوں تک اسلامی سلطنت کے سیاہ و سفید پر چھائے رہے تا آنکہ تاتاری گھوڑوں نے اس خاندان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی.

مدینہ طیبہ پر بدو قبائل کی یورشیں:

عباسیوں کے دور خلافت میں عموماً مدینہ طیبہ میں امن و امان رہا.اس کی رونقیں بحال ہو گئیں اور اس کی ادبی،علمی اور دینی محافل نے شمع نور بن کر دنیا کے گوشے گوشے کو روشن کیا.لیکن بایں ہمہ بہت دفعہ ایسا بھی ہوا کہ عباسیوں کی قوت کا مرکز چونکہ بغداد میں تھا اور وہ لوگ صرف ریموٹ کنٹرول سے مدینہ طیبہ کے انتظامی امور چلاتے تھے اس لیے کبھی کبھار یہاں ایسے بھی واقعات رونما ہو جاتے کہ اس شہر مقدس کا

امن درہم برہم ہو جاتا تھا اس سلسلے میں فرقہ وارانہ جماعت سرفہرست تھی جس نے عباسیوں سے سیاسی بدلہ لینے کے لیے کئی روپ دھارے.
علوی اس معاملے میں پیش پیش تھے اور وہ حرمین الشریفین پر اپنا حق شفعہ جتانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے. مدینہ طیبہ کے قریب ینبع میں
ان کی خاصی تعداد آباد تھی اور اسی طرح مکۃ المکرمہ کے گرد و نواح میں بھی ان کا خاصا اثر و رسوخ تھا. ربیع الاول ۲۵۱ ہجری میں ان کے ایک
لیڈر اسماعیل بن یوسف علوی نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کر دی. وہاں کا عباسی گورنر (جعفر ابن الفضل بن العیسیٰ) بدحواسی کے عالم میں فرار ہو گیا
اور یوں میدان علویوں کے ہاتھ لگ گیا اور نہتے مکی ہزاروں کی تعداد میں بہت بے دردی سے قتل کر دیے گئے. اس نے حرم مکی کے تقدس کو بھی
بری طرح پامال کیا. مکہ میں اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد وہ مدینہ طیبہ روانہ ہوا اور اہالیان مدینہ طیبہ بے خبری کے عالم میں مارے گئے. لا تعداد
مدنی قتل ہوئے اور باقیوں نے بھاگ کر جانیں بچائیں. خلیفہ معتز باللہ عباسی نے بعد میں اپنی افواج بھیج کر علویوں کو اس بلدہ طاہرہ سے نکالا
اور تب جا کر شہر نبی میں امن دوبارہ قائم ہوا.

اس قسم کے مزید واقعات کا سدباب کرنے کے لیے شہر نبی کے ارد گرد مضبوط فصیل تعمیر ہوئی جو ۲۶۳ ہجری میں وہاں کے گورنر محمد بن
اسحاق الجعدی نے تعمیر کروائی. مضافات میں بسنے والے مدنی بھی اپنے مال و جان کی حفاظت کے لیے اندرون شہر منتقل ہو گئے. مدنی شہریوں
کو تو امن نصیب ہو گیا مگر مدینہ کی خوبصورت آبادیاں جو وادی العقیق یا الجرف میں آباد تھیں بے یار و مددگار رہ گئیں اور ہمیشہ لوٹ مار کا نشانہ
بنتی رہیں. ارد گرد کے قبائل کے شہسوار جب جی چاہتا مدینہ طیبہ کا رخ کرتے اور لوٹ مار مچا کر چلے جاتے تھے. ابھی آدھی صدی بھی نہیں
گزری تھی کہ فصیل مدینہ بوسیدہ ہو کر گرنے لگ گئی. مدنی ایک بار پھر اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگ گئے. ۳۱۷ ہجری میں قرامطیوں نے ایک
اور قیامت ڈھا دی اور وہ لٹیرے مکہ مکرمہ میں قتل و غارت کر کے حجر اسود چرا کر لے گئے جس سے مدنیوں کے خدشات اور بھی بڑھ گئے. (۷۱)
چنانچہ ۳۱۸ ہجری میں فصیل شہر کی دوبارہ تعمیر کی گئی. (۷۲) اس کے بعد میں آنے والے حکمرانوں نے اس فصیل کی دیکھ بھال پر کافی توجہ دی
تاکہ شہر نبی کا امن برہم نہ ہو. بادی النظر میں فصیل مدینہ طیبہ شہر نبی کی حفاظت میں بہت اہم کردار ادا کر رہی تھی مگر اس کے عواقب میں ایک
غیر مرغوب اثر یہ بھی تھا کہ مدینہ طیبہ کی تمدنی اور عمرانی ترقی یکسر محدود ہو کر رہ گئی. اندرون شہر تو محفوظ تھا مگر آبادی کے روز افزوں اضافے نے
لوگوں کو پریشان کیا ہوا تھا اور وہ لوگ جو مہنگی زمین خرید کر گھر نہیں بنا سکتے تھے وہ بیچارے فصیل کے باہر خیمہ زن ہو جاتے یا پھر کچے مکانات بنا
کر رہتے تھے جو آسانی سے بدو قبائل کی دسترس میں آ جاتے تھے. بارہا ان کے گھر اجڑے مگر اس کا کوئی مداوا نہ ہو سکا. حکمران بہت دور بیٹھے ہوا
کرتے تھے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ تغافل نہیں کرتے تھے مگر جب تک ان کو خبر ہوتی تھی بیچارے مدنی اپنا سب کچھ لٹا چکے ہوتے تھے.
اس سے مدینہ طیبہ کی عمرانی ترقی مفلوج ہو کر رہ گئی. راہزنی عام ہو گئی تھی. حج اور زیارت کے قوافل جو اکناف عالم سے اس بلدہ طاہرہ کا رخ
کرتے اپنے جانوں سے ان راہزنوں کو خراج دیتے تھے اور یہ سلسلہ صدہا صد سال تک جاری رہا. ان گنت واقعات ہوتے رہے مگر تاریخ ان
کا ریکارڈ رکھنے سے بھی قاصر رہی سوائے ان چند واقعات کے جو اپنی نوعیت میں بہت زیادہ تباہ کن یا دور رس نتائج کے حامل تھے.

ایسا ہی ایک واقعہ ۱۱۳۲ ہجری میں ہوا جب مدینہ طیبہ کے گرد بسنے والے قبائل نے آپس میں مل کر شہر نبی پر اجتماعی دھاوا بول دیا.
انہوں نے ۱۷ شعبان ۱۱۳۲ ہجری کو مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا. اہالیان مدینہ نے فصیل کے تمام دروازے بند کر دئے. بدو حملہ آور بلدہ طاہرہ
کے مضافات میں وحشی درندوں کی طرح دندناتے پھر رہے تھے. قباء اور العوالی کے باسی خاص طور پر ان کی لوٹ مار کا نشانہ بنے اور بیشمار لوگ
قتل ہوئے. محاصرہ دو ماہ اور بیس دن تک جاری رہا. چونکہ مدینہ طیبہ میں پانی کا ایک ہی بڑا ذریعہ تھا جو کہ قباء سے عین الزرقاء کی شکل میں زیر
زمین نہر کے ذریعے شہر تک پہنچتا تھا حملہ آوروں نے آب رسانی کے اس واحد ذریعہ کو منقطع کر دیا اور اہالیان مدینہ بوند بوند پانی کو ترس کر رہ
گئے. پندرہ دن تک عین الزرقاء سوکھی رہی. فصیل کے اندر جو چند ایک کنویں تھے وہی اہالیان شہر کی زندگیاں بچانے کا کام کر رہے تھے، آہستہ

آہستہ آہستہ کمزور ہونا شروع ہو گئیں اور مدافعت نے جواب دینا شروع کر دیا۔ بالآخر عمائدین شہر نے مسجد الغمامہ میں ذوالقعدہ میں جمع ہو کر حملہ آوروں کی شرائط پر صلح پر آمادگی ظاہر کر دی۔ ابن مضیان (جو ان کا لیڈر تھا) کے ساتھ مسجد قباء کی جوار میں صلح کا معاہدہ طے پا گیا۔ مگر اس وقت تک دفاع مدینہ طیبہ میں بہت سے علماء اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر چکے تھے جن میں الشیخ محمد سعید بن ابراہیم جیسے جید علماء کرام بھی شامل تھے۔ صلح کروانے میں الحاج خضر البغدادی نے بہت اہم کردار ادا کیا اور یوں مدینہ طیبہ میں امن بحال ہو سکا۔ (۷۳) یہ تو صرف بر سبیل مثال ہے۔ بلدہ طاہرہ کی تاریخ بدوؤں کی لوٹ مار کے قصوں سے بھری پڑی ہے۔

وہابیوں کی مدینہ طیبہ پر یورش:

سعود بن عبدالعزیز کی سرکردگی میں محمد بن عبدالوہاب کے پیروکاروں نے جن کو عرف عام میں وہابی کہا جاتا ہے پہلے مکہ مکرمہ پر قبضہ کیا اور پھر ۱۲۲۱ ہجری (۱۸۰۳ء) میں مدینہ طیبہ پر اپنا تسلط جما لیا۔ ان کے بدویانہ طریق زندگی نے جس میں مذہبی شدت پسندی کا عنصر غالب تھا اہالیان مدینہ کا جینا دوبھر کر دیا۔ ترکی شیخ الحرم (جو مدینہ طیبہ کے گورنر کے عہدہ کا سرکاری ٹائیٹل تھا) اپنے ساتھیوں کو لیکر فرار ہو گیا اور مدینہ پر حسن القلعی کا جو سعود بن عبداللہ کا نمائندہ تھا کنٹرول ہو گیا۔ سقوط مدینہ طیبہ کے بعد سعود خود وہاں آیا اور مسجد نبوی شریف اور مقصورہ شریف سے تمام قیمتی اشیاء اٹھا کر لے گیا۔ جتنے گنبد اور قبے بقیع الغرقد میں تھے سب مسمار کر دیئے گئے بلکہ سعود تو مقصورہ شریف کے گنبد کو مسمار کرنے کے بھی درپے تھا۔ (۷۴) جو بھی ان کے نظریات اور اعتقادات کی مخالفت کرتا تشدد کا شکار ہو جاتا، حتیٰ کہ خواتین کی بھی تضحیک اور بے عزتی کی گئی۔ ایک معمر خاتون کو جس کو حقہ پیتے پکڑ لیا گیا مدینہ شریف کی گلیوں میں گھمایا گیا۔ انہوں نے ترکوں اور ایشیا سے آنے والے حاجیوں کو حرم میں داخلے سے منع کر دیا اور انہیں مشرک قرار دے دیا۔ ہر لمبی داڑھی والے کو اپنے خاص وہابی طرز پر اپنی ریش ترشوانے پر مجبور کر دیا جاتا۔ (۷۵)

مصر اور بلاد الشام سے جو بھی حواصل حرم کے تحفے یا زر نقد آتا وہابی اس کو چھین لیتے اور اپنے تصرف میں لے آتے۔ یاد رہے کہ مصر اور شام میں سینکڑوں وقف جائدادیں تھیں جن کی آمدنی حرم مدنی اور اہل مدینہ کے لیے ہر سال بھیجی جایا کرتی تھیں اور ترکی حکومت سالانہ 'صرۃ' کے نام سے ہزاروں اشرفیاں اہالیان مدینہ کے لیے بھیجا کرتی تھی۔ یہ صدیوں سے ہوتا آیا تھا، مگر اب اہل مدینہ اس امداد سے محروم ہو گئے تھے ان کے لیڈر سعود نے وہ تمام قیمتی زر و جواہر جو سلاطین وقت خدمت حرم کے لیے مدینہ طیبہ روانہ کرتے تھے اور حجرہ مطہرہ میں ایک عرصہ مدید سے محفوظ چلے آ رہے تھے ایک ایک کر کے اٹھا لیے۔ ان میں زیادہ تر قیمتی جواہرات اور ایک سو سے زیادہ تلواریں تھیں جن کو جواہرات سے مرصع کیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ قرآن کریم کے بہت سے نادر مخطوطے بھی تھے جو پہلی صدی ہجری کی یادگاریں تھے۔ انہوں نے ان تمام تبرکات کو تین بڑے صندوقوں میں بھر کر نکال لیا اور ساتھ لیکر چلتے بنے۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں سے کچھ تو انہوں نے امیر مدینہ طیبہ کو دے دیئے تھے اور باقی ماندہ کو وہ اپنے ساتھ درعیہ (جو ریاض میں ان کا ہیڈ کوارٹر تھا) لے گئے۔ (۷۶)

اس مجرمانہ حرکت پر تبصرہ کرتے ہوئے رچرڈ برٹن نے جو اس واقعہ کے چالیس سال بعد مدینہ طیبہ گیا تھا یوں قمطراز ہے:

مدینہ طیبہ پر وہابیوں کے قبضے کے دوران حملہ آوروں کے سرکردہ لوگوں نے مزار شریف (حجرہ اطہر) میں موجود خزانوں کو لوٹ لیا اور آپس میں بندر بانٹ کر لی۔ اس کی قدر و قیمت بے انتہاء تھی۔ جب شہر کا سقوط ہوا تو اپنے افسروں کی ہمراہی میں سعود حجرہ مطہرہ میں داخل ہوا مگر چونکہ وہ پہلے ہی ڈراؤنے خواب دیکھ چکا تھا اس لیے اس کو پردوں سے آگے جانے کی ہمت نہ ہوئی اور نہ ہی اسے قبر اطہر کو دیکھنے کی ہمت ہوئی تاہم اس نے وہ تمام تحائف جو زر و جواہرات کی شکل میں وہاں تک پڑے مل گئے (مثلاً کوکب الدری اور دیگر قیمتی تحائف جو اسلامی دنیا کے ہر کونے سے وہاں آئے ہوئے تھے) لوٹ لیے۔ ان میں سے کچھ کو تو اس نے ۱۵۰،۰۰۰ اشرفیوں کے عوض شریف غالب کو بیچ دیا اور

باقیماندہ کو وہ اپنے ساتھ درعیہ لے گیا. (ان کی بد قسمتی سے) حدود حرم میں ایک ایسا واقعہ رونما ہو گیا جس سے وہ اس کے تقدس کو مزید پامال کرنے سے باز رہے. لالچی وہابی گنبد اطہر پر لگے کلس کو سونا سمجھ کر اس کے اوپر چڑھ کر اس کو مسمار کرنا چاہتے تھے. بتایا گیا ہے کہ ان میں سے وہ پھسل کر چھت سے نیچے گر گئے اور واصل جہنم ہو گئے. جس سے باقی کے لٹیرے توہمات کا شکار ہو کر اس فعل بد سے باز رہے.

وہی جاسوس ایک اور مقام پر لکھتا ہے:

جب عبداللہ ابن سعود نے طوسون پاشا کے ساتھ ۱۸۱۵ء میں معاہدہ امن کر لیا تو مصری جرنیل نے شہر کے لوگوں سے ان تحائف میں سے چند مبلغ ۱۰،۰۰۰ دس ہزار اشرفیوں کے عوض خرید لیے. یہ وہ سونے کے تحائف تھے جو اس وقت تک ڈھالے نہیں گئے تھے: اس نے ان کو ان کی اپنی اصلی جگہ پر بحفاظت تمام رکھ دیا. کچھ لوگ اس قول کی تردید بھی کرتے ہیں مگر میرا یہ بیان زیادہ قوی شہادتوں پر مبنی ہے. (۷۷)

عثمانیوں نے اپنے مصری نائب محمد علی پاشا کو ان باغیوں کی سرکوبی کے لیے حکم دیا. اس کے امیر لشکر طوسون پاشا نے ینبع کی بندرگاہ سے اکتوبر ۱۸۱۱ء میں حجاز پر حملہ کر دیا. جنوری ۱۸۱۲ء میں انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی. راستہ میں حربی اور دیگر قبائل سے ان کا مقابلہ ہوا جو بالآخر صلح پر مجبور ہو گئے. اکتوبر ۱۸۱۲ء میں وہ مدینہ طیبہ کے مضافات میں پہنچ چکے تھے. وہابیوں نے فصیل شہر کے تمام دروازے بند کر کے اندر پناہ لی ہوئی تھی. تقریباً پندرہ دن تک محاصرہ جاری رہا. ناچار ترکی اور مصری افواج نے فصیل کے ایک حصے کو بارودی سرنگ سے اڑا دیا اور نومبر ۱۸۱۲ء میں انہوں نے وہابیوں پر شب خون مار دیا. برکہارٹ کے مطابق (یاد رہے کہ اس نے ۱۸۱۵ء میں مدینہ میں قیام کیا تھا) ۱۵۰۰ کے لگ بھگ وہابی قتل ہوئے جبکہ عبداللہ ابن سعود اور اس کے ساتھیوں نے قلعہ شامی میں پناہ لے لی. ترکوں نے اب قلعہ شامی کو اپنے محاصرے میں لے لیا لیکن نومبر ختم ہونے سے پہلے وہابیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور ۱۸ رجب ۱۲۳۳ء ہجری کو سب وہابیوں نے اپنے لیڈر کے ساتھ ہتھیار ڈال دیئے. ان کے ہتھیار ڈالنے پر پہلے وہ ینبع کے راستے قاہرہ میں ترکی نائب محمد علی پاشا کے دربار میں لے جائے گئے (۷۸). لوٹ مار میں سے بچے ہوئے خزانے میں سے صرف ایک صندوق عبداللہ سے برآمد ہو سکا. باقیوں کے متعلق اس نے اعتراف کیا کہ اس کا باپ تین صندوق لے گیا تھا جس میں تمام خزانے بھرے تھے جو اس نے اپنے دیگر حصہ داروں میں بانٹ لیے تھے. ۱۹ محرم ۱۲۳۴ ہجری کو اس تمام مجرم طائفہ کو آستانہ (استنبول جس کو اس وقت قسطنطنیہ کہا جاتا تھا) روانہ کر دیا گیا جہاں ان کے اعتراف جرم پر عامۃ الناس کے سامنے ان کے سر قلم کر دیئے گئے. (۸۰)

صلیبی جنگوں کے پس منظر میں یہود و نصاریٰ کی سازشیں:

اسلام کے عروج اور اس کے نتیجے میں اس کی جھولی میں پڑنے والی فتوحات نے نہ صرف مشرق وسطیٰ میں یہود و نصاریٰ کی قوت ساکھ اور تخت کو خاک میں ملا دیا تھا بلکہ ان کے اپنے وسیع و عریض علاقوں نے جن پر وہ صدیوں سے حکمران تھے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا جس کے نتیجے میں وہ صرف محکوم قوم میں ہو کر رہ گئے تھے. تمامتر کوششوں کے باوجود وہ عساکر اسلام کی پیش قدمی نہ روک سکے تھے. روز اول سے انہوں سے وہ سب کچھ کر کے دیکھ لیا تھا جو ان کے بس میں تھا مگر ان کے دیکھتے دیکھتے اسلام جبرالٹر کو عبور کر کے سپین تک بلکہ اس سے بھی آگے کی ریاستوں تک پہنچ چکا تھا ایک طرف دشت ہائے شرق کو عبور کر کے ساسانیوں کے کس بل نکالتے ہوئے وہ کوہ ہندوکش کے اس پار بلخ بخارا اور سنکیانگ تک پہنچ گئے تھے تو دوسری طرف مغرب میں بحر الکاہل میں بھی انکے گھوڑے اترنے سے نہیں گھبراتے تھے. صحرا و دریا ان کی ٹھوکروں سے دو نیم و بے جان ہو چکے تھے اور ہمالیہ بھی ان کے یم و یلغار کو روکنے میں ریت کے ایک ٹیلے سے زیادہ پائیدار ثابت نہ ہوا تھا. رومیوں کی اس وقت کی عالمی قوت پلک جھپکنے میں ڈھیر ہو چکی تھی. ہر طرف سطوت اسلام کا جھنڈا لہرا رہا تھا اور اس دور کی مہذب دنیا کا ہر پایہ

مدینۃ النبی ﷺ کے سامنے سرنگوں ہو گیا تھا اس لیے یہ قدرتی امر تھا کہ ان کو اسلام اور مسلمانوں سے خدا واسطے کا بیر ہو جائے۔ یہ کینہ ان کے دلوں میں صدیوں پنپتا رہا اور وہ وقت کے انتظار میں رہے۔ صدیاں بیت گئیں اور جونہی انہوں نے دیکھا کہ اسلامی سلطنت روبہ زوال ہونے لگی ہے تو انہوں نے اپنے پر پرزے نکالنے شروع کر دیے۔ حالات سے فائدہ اٹھانے کے لیے مغرب کی بہت سی طاقتوں نے متحد ہو کر اپنی پوری اجتماعی قوت کے ساتھ بلادِ اسلامیہ پر حملے شروع کر دیے۔ انہیں تاریخ میں صلیبی جنگوں کا نام دیا گیا ہے۔ ایک کے بعد دوسری صلیبی جنگ عالم اسلام پر تھوپی گئی اور عباسی سلطنت جو روبہ زوال تھی ان کا جم کر مقابلہ نہ کر سکی جس سے صلیبیوں کے حوصلے مزید بڑھ گئے اور انہیں خاصی کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔

صلیبی جنگوں کی تاریخ بذاتِ خود ایک مستقل موضوع ہے جو کئی ضخیم کتابوں پر محیط ہے اور ہمارے محدود دائرہ عمل یعنی تاریخ مدینہ طیبہ سے ماورا ہے۔ ان کا ذکر ضروری تھا کیونکہ صلیبی سازشوں میں سے چند ایک کا براہِ راست تعلق مدینۃ النبی ﷺ سے بھی ہے۔

دینِ اسلام کی مذہبی رواداری ہمیشہ اس کا طرۂ امتیاز رہا ہے مگر بعض اوقات اس وسیع القلبی سے دشمنانِ اسلام نے بھرپور طور پر ناجائز فائدے بھی اٹھائے ہیں۔ یہ مذہبی رواداری ہی تھی جس کی وجہ سے (سوائے حرمین الشریفین کے، کیونکہ وہاں نامسلم کا داخلہ ہی ممنوع قرار دیا گیا ہے) مسلم اور غیر مسلم امن و آشتی سے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہتے آئے ہیں مگر صلیبی جنگوں کے دوران اس وضع داری اور رواداری نے غیر مسلموں کو مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے کے مواقع فراہم کر دیے اور انہوں نے خوب گل کھلائے۔ مسلم ممالک میں بسنے والے عرب اور غیر عرب جو مسلمان نہیں تھے آسانی سے ان کا آلۂ کار بن جاتے تھے۔ مغربی ممالک اپنے مذموم مقاصد کی بجا آوری کے لیے جاسوسی کی غرض سے اسی رواداری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے۔ یہ قبیح خصلت آج کے دن تک جاری ہے۔ سلطنت عثمانیہ کے خلاف تو جاسوسی کا جال بچھا دیا گیا تھا۔(۸۱) جب صلیبی جنگیں اپنے عروج پر تھیں تو اس وقت اس قسم کی جاسوسی عام ہو چکی تھی۔ کچھ سازشیں طشت از بام بھی ہوئیں اور بہت سی ابھی تک پردۂ راز میں ہیں۔ عام طور پر ایسی تمام سازشوں کا ہدف حرمین الشریفین ہوا کرتا تھا۔ مشہور یورپی مفکر اور مورخ سٹینلے لین پول (Stanley Lane Pool) ان سازشوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے رقمطراز ہے:

”انہوں نے (صلیبیوں نے) بصریٰ اور زورا کو تباہ و برباد کر دیا تھا حتیٰ کہ دمشق سے چند میل تک کے فاصلے پر واقع دیہات کو بھی روند ڈالا تھا، فصلیں اور باغ اجاڑ دیے گئے تھے اور پورے علاقے کو ویران کر دیا تھا۔ انہوں نے سنگلاخوں کے علاقوں کو بھی فتح کر لیا تھا جن کی ناقابل تسخیریت پر عربوں کو بہت ناز تھا۔ صلیبیوں کی دیدہ دلیریاں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ شتیلون کے ریجنالڈ (Reginald of Chatillon) نے تو یہاں تک عرب پر حملے کا منصوبہ بنا لیا تاکہ .... کے مزار کو تباہ و برباد کیا جا سکے جو مدینہ میں ہے اور مکہ میں ان کے کعبہ کو مسمار کیا جا سکے۔“(۸۲)

ہم اسی مورخ کی زبانی اس سازش اور اس کے نتیجے میں کیے گئے حملے کے متعلق اس کے چند اقتباسات قارئین کی نذر کرنا چاہیں گے جس سے صلیبیوں کے عالم اسلام کے خلاف عمومی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے خلاف خصوصی عناد سے پردہ اٹھتا ہے:(۸۳)

”اس نے (صلیبی سپہ سالار نے) اپنے بحری جہازوں کو کرک سے خلیج عقبہ میں منتقل کر دیا اور ایضاب اور دیگر افریقی سواحل پر واقع بحر احمر کے مغربی جانب اس نے دو جہازوں سے ایلیا کے تمام راستے مسدود کر دیے۔ مصری بحری فوج کو جلد ہی اس سے آگاہی ہو گئی اور انہوں نے اس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اور ان کے امیر البحر لولوء نے آسانی سے ایلیا کا محاصرہ ختم کروا لیا اور پھر الحوراء کی طرف بڑھنا شروع کیا جو کہ بحر احمر کے کنارے ایک چھوٹی سی بندرگاہ تھی جہاں سے صلیبیوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ مصری بحری بیڑے کو دیکھتے ہی صلیبی بھاگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے پہاڑوں میں پناہ لے لی۔ امیر البحر لولوء نے مقامی بدوؤں کی مدد سے اپنی بحری فوج

کے جوانوں کو گھوڑوں پر سوار کروا کر دشمن کو رابغ میں جا لیا اور ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ پھینکا مگر ریجنالڈ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اس کی باقی فوج قتل ہو گئی تھی۔" (۸۴)

لین پول کے بیان کے مطابق یہ واقعہ مئی ۱۱۸۳ء میں ہوا۔ اس حملے سے ریجنالڈ کا کیا مطلب تھا، یہ بھی لین پول کی زبانی سنئے:

".....وہ عرب میں صرف اس لیے داخل ہوا تھا کیونکہ اس کا ناپاک منصوبہ یہ تھا کہ مدینہ کو تاخت و تاراج کر دیا جائے اور رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر کو ان کی قبر مبارک سے نکال لیا جائے۔ اس سے زیادہ منحوس اور کیا ارادہ ہو سکتا تھا مگر اللہ کا شکر ہے کہ مصری بحری بیڑے کے کپتان نے ان شر پسندوں کو پکڑ لیا۔ اس کام کے لیے اس کے بیڑے میں شامل مغربی عربوں نے بڑی جانفشانی سے اس مہم میں حصہ لیکر اس مذموم سازش کو بروقت ناکام بنا دیا۔" (۸۵)

اس یورپی عالم اور تاریخ دان کے بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صلیبیوں کے منصوبے دراصل مدینہ طیبہ کو تباہ و برباد کرنے اور خاتم النبیین حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم اطہر کو قبر شریف سے باہر نکال کر بے آبرو کرنے کے تھے اور یہ کہ مسلم بحری افواج نے اپنے امیر البحر لولو کی زیر قیادت بروقت کارروائی کر کے صلیبیوں کی سازشیں خاک میں ملا دی تھیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ صلاح الدین ایوبی نے اسی بدکردار ریجنالڈ کو (جو فرانک فوج کا سالار اعلیٰ تھا) شکست فاش دے کر مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۱۸۳ء کو بلاد الشام سے نکال باہر کیا تھا۔

قاری اگر ان تمام واقعات کے پس منظر اور انداز اوقات و قوعہ کو ذہن میں رکھے تو اس گھناؤنی سازش کے بہت سے پردے خود بخود فاش ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب سلطان صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی ؒ صلیبیوں کو پے در پے شکست دے رہے تھے اور وقت کے لحاظ سے وہ سال ۱۱۸۳ء تھا جو کہ ہجری لحاظ سے ۵۵۵ ہجری بنتا ہے۔

اسی واقعے کو بیان کرتے ہوئے معاصر مسلم سیاح، ابن جبیر، جس نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی تھی (یعنی اس وقوعہ کے پچیس سال بعد) اپنے سفرنامے میں یوں رقمطراز ہیں:

ان صلیبیوں (ابن جبیر ان کو رومی کہہ کر پکارتا ہے) نے لنگر انداز ہو کر دو جہاز جو یمن سے سامان خورد و نوش لیکر آ رہے تھے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں بسنے والوں کے لیے تھے، لوٹ لیے اور گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کیا جو کبھی بھی عالم اسلام میں نہیں ہوئے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ مدینۃ النبی ﷺ پر قبضہ کر کے وہاں سے حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم اطہر کو نکالنا چاہتے تھے۔ یہ ان کے ناپاک عزائم تھے جن کا وہ برملا اظہار کرتے تھے۔ لیکن اللہ جل شانہ نے ان کو ان کی بدطینتی کی قرار واقعی سزا دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب ﷺ کی عزت کی حفاظت کرنی تھی۔ وہ مدینہ طیبہ سے صرف ایک دن کی مسافت پر آ چکے تھے جب رب ذوالجلال نے ان کے برے عزائم کو ناکام بنانے کے لیے مصر اور سکندریہ سے مسلمان بحریہ کے حسام الدین لولو کو اور کچھ مغربی بحری افواج کو بھیج دیا۔ انہوں نے دشمن کا پیچھا کیا اور انہیں فرار ہونے کا موقع بھی نہیں دیا۔ سب کے سب پکڑے گئے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم وعنائت تھا۔ ان کو زیر کرنے میں کافی عرصہ لگا تھا کیونکہ وہ صلیبی ایک ماہ سے زیادہ عرصے سے دراندازی کر رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے مارے گئے اور باقی کے قیدی بنا لیے گئے اور قیدیوں کو بہت سے مسلم ممالک میں بھیج دیا گیا تھا تا کہ ان کو قتل کیا جا سکے اور کچھ کو مکہ اور مدینہ بھی بھیجا گیا تھا۔ اللہ کی نصرت اسلام اور مسلمانوں کے لیے کافی ہے۔ اللہ رب کائنات کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے۔ (۸۶)

صلیبی جب میدان جنگ میں شکست کھا گئے تو اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے اور انہوں نے جاسوسی اور خفیہ ساز باز سے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کرنا چاہی۔ انہوں نے مغرب سے (مراکش، تیونس اور الجزائر کا علاقہ) عربی بولنے والے نصاریٰ کا انتخاب کیا جو عرب ہونے کے ناطے عربوں کے عادات واطوار اور رسم و رواج سے بخوبی واقف تھے۔ ان کو بھیس بدل کر مسلم ناموں سے مدینہ طیبہ بھیجا گیا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے حجرہ

اطہر کی جنوبی جانب ایک گھر لے لیا.(۸۷) اور دھوکہ دینے کی غرض سے زہد واتقاء اور دینی کاموں میں مشغول ہو گئے. چند ہی دنوں میں وہ عام مدنیوں میں شیر وشکر ہو کر رہنے لگ گئے تھے اور ان میں اپنے تقویٰ اور ورع کے ڈھونگ سے اپنے لیے انہوں نے ایک مقام بنا لیا تھا. اندرون خانہ وہ اپنے مذموم منصوبے پر کام کرتے رہے. انہوں نے اپنے مکان سے حضور نبی اکرم ﷺ کے حجرہ اطہر کی طرف سرنگ کھودنی شروع کر دی. دن بھر وہ عبادات اور مطالعے میں مشغول رہتے اور آنے جانے والوں کو وعظ کرتے مگر رات پڑنے پر جب انہیں یقین ہو جاتا کہ اب ان کو دیکھنے والا کوئی نہیں تو وہ سرنگ کھودنے میں لگ جاتے. سرنگ سے نکلا ہوا ملبہ وہ تھوڑا تھوڑا کر کے یا تو وہ اس کنویں میں ڈالتے رہتے جو ان کے گھر میں واقع تھا یا پھر اپنے تھیلوں میں بھر کر اسے بقیع الغرقد میں پھینک آتے تھے. اس طرح وہ تقریباً ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ تک اپنے منصوبے پر کام کرتے رہے اور دن بدن اپنے ہدف کے قریب تر ہو رہے تھے. یہ حضور نبی اکرم ﷺ کا کمال اعجاز ہے کہ امت مسلمہ کو رسوائی اور جگ ہنسائی سے بچا لیا. کافروں کے ذہن وگمان میں بھی نہیں تھا کہ رسول رحمت ﷺ کی عفت وحرمت اور حفاظت اللہ کے ہاتھوں میں ہے جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: (اور اللہ تمہیں انسانوں سے محفوظ رکھے گا).(۸۸)

سلطان نورالدین زنگی تہجد گزار اور نہایت متقی تھے. ایک رات وہ نماز تہجد کے بعد سو گئے اور ان کو بشارت ہوئی.(۸۹) ان کو خواب میں دو آدمی جن کا رنگ گندمی تھا دکھائے گئے اور ان کی طرف اشارہ فرما کر حضور نبی اکرم ﷺ نے نورالدین زنگی کو حکم دیا کہ: ''انجدنی من ہذین'' (مجھے ان دونوں کے شر سے بچانے کا بندوبست کیا جائے). وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے مگر نیند کے غلبے سے پھر سو گئے. اس بار بھی یہی بشارت ہوئی. وہ اٹھے اور نماز ادا کی اور پھر نیند کی آغوش میں چلے گئے. اس بار بھی یہی بشارت ہوئی. چنانچہ سلطان زنگی اسی وقت اٹھے اور اپنے وزیر جمال الدین اصفہانی اور دیگر بیس افراد کو لیکر مدینہ چل پڑے. وہ اپنے ساتھ بہت سامال ودولت بھی لائے اور شام سے سولہ دنوں میں مدینہ طیبہ میں پہنچ گئے. وہاں پہنچ کر سب سے پہلے انہوں نے ان دو افراد کی تلاش شروع کی. مدینہ منورہ کے بازاروں میں بار بار اعلان کرایا گیا کہ سلطان جو روضہ اقدس کی زیارت کے لیے آئے ہیں وہ ہر مدنی مرد کو، بغیر کسی استثناء کے، خیرات تقسیم کرنے والے ہیں اور ہر ایک ان کی خدمت میں حاضر ہو. لوگوں کا تانتا بندھ گیا اور سلطان ہر ایک کو غور سے دیکھتے اور خیرات عطا کرتے جاتے. سب لوگ آ چکے تھے مگر وہ چہرے جو سلطان کو مطلوب تھے وہ نظر نہ آئے. استفسار پر ان کو بتایا گیا کہ مدینہ طیبہ میں دو ایسے بھی افراد ہیں جو زہد وتقویٰ کے اس مقام پر ہیں کہ کسی کے دربار میں نہیں جاتے. ان دو افراد کے علاوہ مدینہ کا ہر فرد حاضر ہو کر اپنا حصہ لے چکا تھا.

سلطان نے فیصلہ کیا کہ وہ خود ان زاہدوں سے ملیں گے. ان کو بتایا گیا کہ وہ دونوں زاہد اور متقی ہیں اور بہت خیرات وغیرہ کرتے رہتے ہیں اور ان کے پاس خود اتنا کچھ ہے کہ وہ کسی کی خیرات نہیں لیتے. لوگوں نے سلطان کو یہ بھی بتایا کہ وہ دونوں بلاناغہ روزانہ بقیع الغرقد اور ہفتے میں ایک بار مزار سید الشہداء پر ضرور حاضری دیتے ہیں. سلطان تو حضور نبی اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے تڑپ رہے تھے اور مجرموں کو پکڑے بغیر ان کو کسی پل چین نہیں تھا. ان کو کامل یقین تھا کہ ان کا خواب سچا ہے اور ہوتا بھی کیوں نہیں کہ حضور رسول مقبول ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: [جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے سچ مچ دیکھا اور شیطان میری مثل میں نہیں آ سکتا.] اپنے خواب غیر متزلزل یقین نے انہیں ان دونوں کے پاس جانے پر مجبور کیا. جونہی سلطان نے ان کے گھر میں قدم رکھا تو انہوں نے ان دونوں ملعونوں کو پہچان لیا. وہ دونوں وہی تھے جن کو حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں خواب میں دکھایا تھا.

چہرے مہرے سے تو وہ بہت متقی مسلمان لگتے تھے مگر سلطان نے جلد ہی اس جگہ کا پتہ لگا لیا جہاں سے دنیا کی نگاہوں سے بچ کر وہ سرنگ کھودا کرتے تھے. پوچھ گچھ کے بعد انہوں نے اعتراف جرم کر لیا اور بتایا کہ وہ دونوں عیسائی تھے اور مغرب سے ان کے عیسائی آقاؤں نے انہیں جاسوسی کی غرض سے اور ایسے مذموم مقاصد کے لیے بھیجا تھا. ان کو اس کام کے لیے بہت سامال وزر بھی فراہم کیا گیا تھا تا کہ لوگوں

میں خیرات کر کے ان کے دل موہ لیں۔ اس طرح سلطان نورالدین زنگیؒ نے ان کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔ مقصورہ شریفہ کے مشرق جانب ان کے سر قلم کر دیئے گئے۔

معتبر اور باوثوق تاریخی شواہد کے مطابق یہ واقعہ ۵۶۶ ہجری میں ہوا تھا (۹۰)۔ تاہم کچھ مورخین اس کو ۵۵۵ ہجری میں بھی بتاتے ہیں۔ ۵۵۵ یا ۵۵۶ یا ۵۵۷ ہجری (جیسا کہ جمال المطری نے کہا ہے) سے اس حادثے کے وقوع کی حقیقت پر کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ عمومی طور پر وہ ٹائم فریم وہی تھا جب ریجنالڈ شیع کے راستے سے مدینہ پر حملے کیلئے آیا تھا۔ رابغ کے معرکے سے فرار ہو کر وہ پھر صلیبی جنگ میں صلاح الدین کے مدمقابل کھڑا تھا اور ۵۵۵ ہجری میں اس کے ہاتھوں سے شکست فاش کھا گیا۔ جب کوئی داؤ پیچ کام نہیں آیا تو صلیبی اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے اور انہوں نے اپنے جاسوسوں کو مدینہ بھیجا جس میں کچھ عرصہ تو لگا ہوگا اور پھر وہ جاسوس بھی مدینہ طیبہ میں ایک سال تک اپنے مذموم منصوبے پر مشغول رہے تھے اس لیے جب وہ پکڑے گئے ہوں گے تو اس وقت سن ہجری ۵۵۷ ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ جمال المطری نے خیال ظاہر کیا ہے۔ (۹۱) عسکری طور پر تو صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے دانت کھٹے کر دیئے تھے اور پھر جب وہ لوگ جاسوسوں کی ذریعے زیر زمین ناپاک حرکتوں پر اتر آئے تو بشارت رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سلطان نورالدین زنگیؒ نے ان کی سازشوں کو ناکام بنا دیا۔

مستقبل میں ایسی کسی بھی سازش کو ناکام بنانے کے لیے سلطان نورالدین نے حجرہ مطہرہ کے گرد ایک بہت چوڑی اور گہری خندق کھدوائی جس کو پگھلے ہوئے سیسے سے بھر دیا گیا جس سے ان تینوں قبور مقدسہ کے گرد ایک بہت ہی مضبوط حصار بن گیا۔ وہ گھر جہاں سے سیسہ پگھلا کر لایا جاتا تھا اسے بیت الرصاص کہا جاتا تھا جو مسجد نبوی شریف کے جنوب مغربی طرف واقع تھا (۹۲) مولف ہذا نے ستر کی دہائیوں میں اس کی زیارت بھی کی تھی۔ یہ جگہ آخری توسیعی منصوبے کے لیے صاف کروا کر مسجد شریف کے گرد کھلے علاقے میں شامل ہو چکی ہے۔ یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نورالدین زنگیؒ کے وزیر جمال الدین اصفہانی کا بھی ذکر کیا جائے جو ان کے ہمراہ مدینہ طیبہ آئے تھے اور جنہوں نے مسجد نبوی شریف کی مرمت کے علاوہ اور بھی بہت سی تاریخی مساجد کی تعمیر نو کروائی جن میں مسجد قباء کی تعمیر بھی شامل تھی جو ۵۵۵ ہجری میں ہوئی تھی اس سے ہمیں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ یہ واقعہ ۵۵۵ ہجری میں ہی ہوا تھا۔

مدینہ طیبہ کے مورخین میں سے مندرجہ ذیل مشاہیر نے اس واقعہ کے متعلق تفاصیل مہیا کی ہیں:

(۱) علامہ جمال الدین الاسنوی (کتاب الانتصارات الاسلامیہ)
(۲) جمال الدین المطری (التعریف بما انست الہجرہ)
(۳) امام زین الدین المراغی (تحقیق النصرہ)
(۴) حافظ ابن نجار (تاریخ بغداد)
(۵) محب الدین الطبری (کتاب الریاض الناظرہ فی فضائل العشرہ)
(۶) امام المرجانی (تاریخ المدینۃ المنورہ)
(۷) السید السمہودی (وفاء الوفاء باحوال دار المصطفیٰ اور خلاصۃ الوفاء)
(۸) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (جذب القلوب الی دیار المحبوب)
وغیرہ

مدینہ طیبہ کے وقائع نگاروں نے اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے جب کہ نصاریٰ کے ایک طائفہ نے ایسی ہی مذموم حرکت پہلے بھی کی تھی۔ ابن نجار، ابن الجوزی، تقی الدین الفاسی اور سمہودی نے بھی اسی طرح کے ایک اور واقعے کا ذکر کیا ہے جو اسی سال ہوا تھا۔ اسی
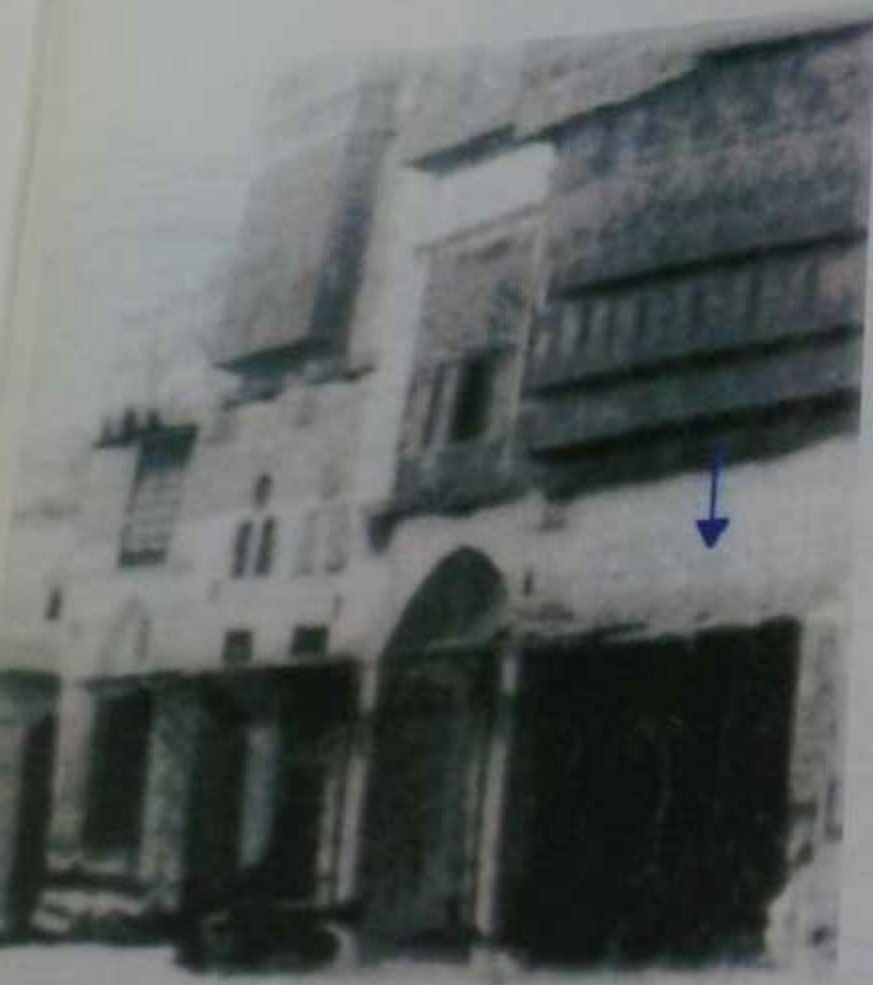
نوعیت کا ایک اور واقعہ مصر کے فاطمی حکمران خلیفہ حاکم بامر اللہ (جسے دروز قوم آج تک اپنا الٰہ سمجھ کر اس کی پرستش کرتی ہے) نے مسلحہ کمانڈو بھیجے تھے تاکہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم مطہرہ کو مصر لے آئیں. المطری نے بیان کیا ہے کہ وہ کمانڈوز عبدالفتوح نامی ایک شخص کی سرکردگی میں مدینہ طیبہ میں وارد ہوئے تھے. (۹۴) جب انہوں نے اپنے مذموم منصوبے پر عمل شروع کیا تو ایک خوفناک آندھی چلی اور مدینہ کی فضاء گرد و غبار سے اٹ گئی اور پورا شہر نبوی اندھیرے میں ڈوب گیا. اس سے ان حملہ آوروں کے دلوں پر دہشت بیٹھ گئی اور انہوں نے اپنا کام ادھورا چھوڑ دیا. یہ تائید ایزدی تھی جس کی وجہ سے ان کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا لیکن وہ لوگ چونکہ مدینہ طیبہ سے باہر نہیں گئے تھے اس لیے انہوں نے جاتے جاتے حضرت جعفر الصادقؓ کے گھر کا صفایا کر دیا جو کہ حضرت ابوایوب الانصاریؓ کے گھر سے ملحق تھا اور جو بھی تبرکات ان کے ہاتھ لگے وہ ان کو لیکر چلتے بنے جن میں قلمی نسخے اور حضرت جعفر صادقؓ کی ذاتی استعمال کی یادگاریں اور چیزیں بھی شامل تھیں.

الحمد للہ، مدینہ طیبہ اللہ کے فضل و کرم سے محفوظ رہا حضور پرنور ﷺ کے نور ابدی سے یہ شہر نبی ہمیشہ منور رہا ہے اور منورہ رہے گا.

﴿وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں لیکن اللہ ایسا نہیں ہونے دیگا اور اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا بھلے ان کو یہ بات پسند نہ ہو.﴾ (۹۵)

قدیم تصویر: سقیفۃ الرصاص (تصویر پر جس جگہ ایک تیر کا نشان ہے) وہ مسجد نبوی شریف کے جنوب مغربی جانب ہوا کرتا تھا جو سیفی منصوبے میں یہ مقام بھی صاف کر دیا گیا تھا.

قدرتی آفات:

تمام مخلوق حادث و فانی ہے اور بقاء اور دوام صرف خالق کل حی و قیوم کو ہے. یہی قانون قدرت ہے. لہذا کائنات کا ہر ذرہ قانون قدرت کا تابع ہے اور اس میں خالق ہی کا حکم چلتا ہے اور فنا اور بقاء کے اس اصول سے 'عالمین' کے کسی جزو کو استثناء نہیں ہے خواہ وہ مکۃ المکرمہ ہو یا مدینۃ المنورہ. چنانچہ مدینہ طیبہ بھی باقی قطع ہائے ارضی کی مانند ارضیاتی اور ماحولیاتی مظاہر قدرت کا تابع ہے، یعنی قحط سالی، بارشوں کی کمی بیشی، زلزلے اور رعد و برق و باراں اور دیگر قدرتی آفات وغیرہ. مدینہ طیبہ کے اندر اور گرد و نواح میں کثیر مقدار میں لاوے کے جلے ہوئے سیاہ رنگ کے پتھر اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ لکھوکھا سال پہلے تمام ارض حجاز شدید ارضیاتی اضطراب اور انفجار کی گرفت میں تھا جس سے طویل عرصے پر محیط آتش فشانی عمل اور زلازل نے اس ارض مقدس کی عمیق گہرائیوں میں واقع مواد کو نکال کر باہر پھینکا تھا.

نار حجاز:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی دنیوی حیات طیبہ کے بعد وقوع پذیر ہونے والے بہت سے ایسے حوادث کے متعلق واضح اشارے دے دیئے تھے جن میں سے بعض کا تعلق تو سیاسی مد و جزر سے پیدا ہونے والے فتنوں سے تھا مگر بعض ارضیاتی مظاہر قدرت سے پیدا ہونے والے حوادث کے بارے میں بھی فرما دیا گیا تھا. ایسی ہی ایک حدیث مبارکہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تلک ارض حجاز سے ایک آگ ظاہر نہ ہو جائے جس کی روشنیوں سے بُصریٰ کے لوگ (رات کے اندھیرے میں) اپنے اونٹوں کے گلے نہ دیکھ لیا کریں گے.] (۹۶) بُصریٰ کا شہر دمشق سے کچھ ہی فاصلے پر ہے اور جس آگ کی صادق

مصدوق حضور نبی اکرم ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی وہ بروز جمعہ مورخہ ۶ جمادی الآخرہ ۶۵۴ ہجری کو مدینہ طیبہ کے مشرق سے ظاہر ہوئی یہ ایک آتش فشانی انشقاق وانفجار تھا جس کو پورا ہونے میں اور ٹھنڈا ہونے میں تین ماہ لگے تھے۔ (۹۷) (دمشق سے ۱۲۵ کیلومیٹر دور یہ شہر حوران کے میدانی علاقے میں نبطیوں کا قدیم شہر ہوا کرتا تھا جہاں راہب بحیرہ کا کلیسا اور وہ درخت آج بھی موجود ہے جس کے نیچے یہ راہب رسول اللہ ﷺ کے بچپن میں ہی صفات نبوت دیکھ کر پکار اٹھا تھا کہ آپ حضور ﷺ ہی نبی موعود ہیں)۔

یہ سلسلہ ہلکی قوت کے زلزلوں سے شروع ہوا جو جمادی الاول ۶۵۴ ہجری میں محسوس کئے گئے اور کئی دنوں تک جاری رہا۔ پھر جمادی الآخرہ میں زلزلوں کی شدت میں اضافہ ہونے لگ گیا اور مورخہ ۴ جمادی الآخرہ بروز بدھ نصف شب کے بعد اتنا شدید زلزلہ آیا کہ لوگ بدحواسی کے عالم میں اپنے گھروں سے باہر بھاگنے لگے۔ وقفے وقفے کے بعد زلزلوں کا سلسلہ جمعہ کے دن (یعنی ۶ جمادی الآخرہ) تک جاری رہا اور ہر روز تقریباً چودہ زلزلے آنے لگے۔ لوگوں میں خوف وہراس پھیل چکا تھا، وہ مسجد نبوی شریف میں جمع ہو کر آہ وزاری اور استغفار کرتے۔ امیر مدینہ، قاضی اور کبار افسران مسجد نبوی شریف میں جمع ہو جاتے۔ زلزلے اتنے شدید تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا منبر شریف اور چھتوں سے آویزاں فانوس بری طرح ہل جاتے تھے۔ بہرا کر دینے والے دھماکوں کی آوازیں ہر وقت کانوں میں گونجتی رہتیں۔ ارض مدینہ میں کئی جگہوں پر شگاف پڑ گئے تھے اور درخت اور مکانات اکثر ہلتے نظر آتے تھے۔ بالآخر اس جمعے کے دن زلزلے اچانک بند ہو گئے کیونکہ دور پہاڑوں میں جس سیل (۹۸) بنی سلیم کے علاقے میں (جو مدینہ طیبہ کے شمال مشرق میں واقع ہے) ایک مدت دراز سے خوابیدہ آتش فشاں شق ہو چکا تھا اور لاوے کا مادہ اس کی چوٹی سے باہر نکلنا شروع ہو چکا تھا۔ پگھلا ہوا لاوا جو اتنے دنوں سے زمین کی عمیق تہوں میں ادھر ادھر دوڑتا پھر رہا تھا آخر کار اپنا راستہ ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان پہاڑوں کی چوٹیوں میں اسے ایک جوالہ مکھی مل گیا جہاں سے لاوے کے فوارے پھوٹ پڑے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زلزلوں کے جھٹکے رک گئے۔

آتشیں لاوا اور شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور راکھ اور دھوئیں کے دبیز بادل دور دور تک پھیلنے لگ گئے۔ پگھلا ہوا لاوا موج در موج اپنے جوالا مکھی سے نیچے مختلف ڈھلوانوں سے ہوتا ہوا ندی نالوں کی طرح بہتا ہوا ہر طرف تباہی پھیلانے لگ گیا۔ جب اردگرد کے تمام گڑھے اور ڈھلوانیں بھر گئیں تو سمندری طوفان کی طرح اس لاوے نے مدینہ طیبہ کی طرف رخ کر لیا۔ راستہ میں جو چیز بھی آئی فنا ہو گئی اور یوں اس لاوے کی طغیانی میلوں تک پھیل گئی۔ ایک معاصر (ابوشمع) کے مطابق، جن کے بیان کو سید سمہودیؒ نے نقل کیا ہے اس آتشین لاوے کا سیل کبیر جبل احد کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے حرۃ العریض کے پاس آ کر رک گیا۔ جوالا مکھی سے یہ لاوا تقریباً چودہ میل دور تک وادی قناۃ کے ساتھ ساتھ آ چکا تھا۔ لاوے کی مختلف ندیاں چار میل چوڑے علاقے میں بہہ نکلی تھیں جن کی کم سے کم گہرائی بھی آدھا میٹر تک تھی جبل وعیرہ تک پہنچ کر یہ سیلاب رک گیا اور لاوے نے منجمد ہونا شروع کر دیا اور اس طرح مدینہ طیبہ اس تباہی سے بالکل محفوظ رہا۔ میلوں تک پھیلا لاوے کا یہ سیل کبیر جم کر سیاہ اور گہرے نیلے رنگ کے سنگلاخوں میں تبدیل ہو گیا جو آٹھ صدیاں بیت جانے پر آج بھی مدینہ طیبہ کی شمال مشرقی جانب حد نظر تک پھیلا نظر آتا ہے۔ اگر ہم جبل معقد مطیر کی چوٹی پر جہاں مدینہ طیبہ کا سب سے بڑا واٹر سپلائی کا نظام نصب ہے اردگرد نظر ڈالیں تو اس منجمد لاوے اور میگما کے آثار کثرت سے دکھائی دیتے ہیں۔ شہر نبوی سے اگر ہم مدینہ طیبہ کی ایرپورٹ کو جائیں تو حدود حرم سے نکلتے ہی سڑک کے دونوں جانب حد نگاہ تک اس لاوے اور میگمے کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔

اس لاوے کے سیل نے وادی شظاۃ کا راستہ جو جبل وعیرہ کو جاتا تھا مسدود کر دیا جس کی وجہ سے وہاں ایک بہت بڑا گڑھا پڑ گیا جہاں بارانی پانی جمع ہو جاتا تھا جو ایک ڈیم کا کام دیتا تھا جس کو 'سد العقول' کہا جاتا ہے (۹۹) جو مدینہ طیبہ سے تقریباً بائیس کیلومیٹر دور واقع ہے۔ مطری کے بیان کے مطابق بارشوں کے موسم میں جب وہ ڈیم بھر جاتا تو فالتو پانی اس سے بہہ کر مدینہ طیبہ کا رخ کرتا اور اس کے گردو

نواح کے تمام علاقے زیرآب آجاتے۔وادی قناۃ بھرپور انداز میں طغیانی کا مظاہرہ کرتی اور اس کی طغیانی سے سید الشہداء کا تمام علاقہ متاثر ہوجایا کرتا تھا۔

جوالہ مکھی سے نکلنے والے شعلے اس حد تک بلند ہورہے تھے کہ دور بہت دور بُصریٰ کے نخلستانوں میں رہنے والے بدورات کے گھپ اندھیروں میں اپنے اونٹوں کو چرتے دیکھ لیتے۔امام نوویؒ کے بیان کے مطابق اہل شام کئی نسلوں تک اس واقعے کا ذکر کیا کرتے تھے شریف سنان (جو اس وقت مدینہ طیبہ کے قاضی تھے) نے بیان کیا ہے کہ ان شعلوں کی روشنی جنوب میں مکۃ المکرمہ تک اور مغرب میں ینبع تک جاتی تھی۔اوپر کی طرف شمال میں تیماء کے لوگ رات کے وقت اس روشنی میں لکھائی پڑھائی کا کام کرتے تھے۔معاصر قسطلانی جو اس وقت مکۃ المکرمہ میں تھے نے بالصراحت بیان کیا ہے کہ وہ روشنی مکۃ المکرمہ سے بھی پار جنوب تک جاتی تھی۔ابن کثیر نے بھی ایک دینی مدرسے کے استاذ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ان شعلوں کی روشنی سے بُصریٰ کے صحرائی مضافات میں بسنے والے بدورات کی تاریکی میں اپنے اونٹوں کی گردنیں دیکھ لیا کرتے تھے۔(۱۰۰) ان شعلوں کی روپہلی اور بنفشجی شعاؤں نے مدینہ طیبہ کے درودیوار روشن کردیئے تھے اور مدینے کی خواتین اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر گھنٹوں تک ایک دوسری سے گپیں لگایا کرتی تھیں۔(۱۰۱) لیکن کبھی کبھار آتش فشاں سے نکلنے والی راکھ اور دھواں آسمان پر بادل کی گھٹاؤں کی طرح چھا جاتے جس سے نصف النہار سورج بھی گہنایا سا لگتا تھا۔

یہ آتش فشانی عمل تقریباً تین ماہ تک جاری رہا اور پگھلا ہوا میگما ندیوں کی صورت میں ڈھلوانوں کی طرف بہتا رہا مطری کے بیان کے مطابق جب ہر طرح کا آتش فشانی عمل اپنے اختتام کو پہنچ گیا تو اس وقت کے امیر مدینہ (عزالدین منیف بن شیحہ) نے کچھ لوگوں کو حقائق معلوم کرنے کے لیے اس علاقے کی طرف ارسال کیا تاکہ اس کے نتیجے میں ہونے والی تباہی اور نقصان کا اندازہ لگایا جاسکے اس گروپ کے ایک رکن، الشیخ صالح علم الدین سنجر العزی، کا بیان ہے کہ اس وقت اگرچہ لاوے کا بہاؤ رک چکا تھا اور وہ منجمد ہوچکا تھا لیکن اس کی حدت اس قدر زیادہ تھی کہ قریب جانے کا یارانہ تھا۔منجمد لاوا نہایت گرم اور سرخ رنگ کا تھا۔وہ اگر کوئی پتھر کا کنکر اس میں پھینکتے تو اس لاوے میں گرتے ہی بھسم ہوجاتا لیکن اگر انہوں نے اس میں کوئی تیر پھینکا تو اس کا لوہے کا بنا ہوا سرا تو فوراً جل گیا مگر اس کی لکڑی سے بنا ہوا تنا ویسے ہی رہا سبحان اللہ! رب ذوالجلال کا ارض حرم پر اتنا کرم کہ پگھلا ہوا لاوا بھی حدود حرم کا تقدس جانتا تھا، لوہے سے بنا حصہ چونکہ مدینہ طیبہ سے باہر سے آیا کرتا تھا وہ تو جل جاتا تھا مگر لکڑی جو حدود حرم میں بکثرت تھی اور تیر بنانے میں استعمال ہوتی تھی، وہ حرم نبوی کے علاقے سے ہونے کے ناطے بچ جایا کرتی تھی۔(۱۰۲)

حجاز میں اس آگ کے ظہور نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک پیش گوئی پوری کر دی تھی۔اس بڑی آفت کے علاوہ شہر نبوی پر مختلف اوقات میں دیگر آفات و بلیات بھی آتی رہی ہیں، جن میں مسجد نبوی شریف میں آگ لگ جانے کے دو واقعات بھی شامل ہیں۔ایک مرتبہ تو انسانی غلطی سے مسجد شریف میں آگ لگ گئی تھی مگر دوسرا حادثہ قدرتی عمل کا نتیجہ تھا۔ان تمام حادثات کا تعلق چونکہ مسجد نبوی شریف سے ہے ہم نے ان کی تمام تر تفاصیل متعلقہ باب برائے مسجد نبوی میں شامل کر دی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کی روشنی میں مدینہ طیبہ اور قرب قیامت کی نشانیاں:

ہم اس باب کا اختتام حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ سے کرنا چاہیں گے جس میں آثار قرب قیامت اور مسلمانوں کی زبوں حالی کی طرف واضح نشان دہی کی گئی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[بیت المقدس (یروشلم) کی آبادی اور ترقی مدینہ کی تباہی کا پیش خیمہ ہے اور مدینہ کی تباہی انسانوں کے بہت بڑے قاتل کے ظاہر ہونے کی نشانی ہے اور اس قاتل کے ظہور کا وقت قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) کی فتح کا وقت ہوگا اور جب قسطنطنیہ فتح ہو چکا ہوگا تو دجال ظاہر ہو جائے گا۔] جناب رسالت مآب ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:[اس سفاح قاتل اور قسطنطنیہ کی فتح میں اور دجال کے ظہور میں سات ماہ کا عرصہ ہوگا۔](۱۰۳)

ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق فرمان مصطفوی ہے:

مجھے قسم ہے رب ذوالجلال کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، مدینہ طیبہ میں بہت زیادہ قتل وغارت ہوگا جس کو حالقہ (جس کا لفظی مطلب سر منڈانا ہوتا ہے) کہا جائے گا۔میرے کہنے کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ لوگوں کے سر مونڈ دیئے جائیں گے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس فتنے سے لوگوں کے دل ایمان سے خالی ہو جائیں گے۔جب ایسا وقت آ جائے تو مدینہ سے باہر نکل جانا خواہ ایک برید تک ہی کیوں نہ ہو (یعنی بارہ کیلومیٹر تک)۔(۱۰۴)

جب قیامت برپا ہونے میں چند ساعات رہ جائیں گی تو مدینہ طیبہ پورا اجڑ چکا ہوگا سوائے دو چرواہوں کے جو بنی مزنہ کے قبیلے سے ہوں گے اور اپنی بکریوں کو چراتے ہوں گے۔جب وہ ثنیۃ الوداع کے مقام پر پہنچیں گے تو قیامت برپا ہو جائے گی اور وہ منہ کے بل گر کر ہلاک ہو جائیں گے۔(۱۰۵)

حواشی

(۱) یہ حدیث مبارکہ طبرانی کی اوسط سے لی گئی ہے. امام احمد نے اسے سائب ابن خلادؓ نے روایت کیا ہے. دیکھئے: ابن کثیر ابو الفدا الدمشقی (ت: ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب، ج: ۸، ص ۱۹۶.

(۲) صحیح بخاری، ج: ۹، نمبر ۱۸۲. یہی حدیث مبارکہ صحیح مسلم میں بھی تھوڑے سے لفظی تغیر کے ساتھ موجود ہے جس کے مطابق حضرت اسامہؓ نے بیان فرمایا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کے ایک اطم پر چڑھے اور ارشاد فرمایا: [تم وہ کچھ نہیں دیکھ رہے جو میں دیکھ رہا ہوں. میں تمہارے گھروں میں فتنوں کی یلغار ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے کہ بارش کی جگہیں ہوں.) صحیح مسلم، انگریزی ترجمہ از عبد الحمید صدیقی، ج: ۴، نمبر ۶۸۹۱. شارح صحیح مسلم، امام نووی، کے مطابق بارش کی تشبیہ سے مراد وہ فتنے تھے جنہوں نے یکے بعد دیگرے مدینہ طیبہ کو اپنے لپیٹ میں لے لیا جس میں بہت زیادہ قتل و غارت ہوا جو سیدنا عثمان ابن عفانؓ کی شہادت کے بعد ہوئے جن میں حرہ زہرہ کے علاوہ دوسرے فتن اور مصائب و آلام بھی تھے جو بعد میں ظہور پذیر ہوئے.

(۳) صحیح بخاری، ج: ۹، نمبر ۱۸۳

(۴) ایضاً، نمبر ۲۳۷

(۵) ابن شبہ (ابو زید عمر بن شبہ النمیری البصری ۱۷۳ـ۲۶۲ ہجری)، تاریخ المدینہ، ج: ۱، ص ۲۷۴

(۶) صحیح بخاری، ج: ۹، نمبر ۱۸۰

(۷) صحیح مسلم، مصدر مذکور، ج: ۴، نمبر ۶۹۷۱ـ۶۹۷۲

(۸) شیخ عبد الحق محدث دہلوی، جذب القلوب الی دیار المحبوب، اردو ترجمہ، ص ۳۴.

(۹) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۳۵۸

(۱۰) صحیح بخاری، ج: ۹، نمبر ۲۳۴ نیز صحیح مسلم، ج: ۴، نمبر ۶۹۳۵

(۱۱) ابن کثیر، النہایہ فی الفتن والملاحم، قاہرہ، ج: ۱، ص ۲۰۹

(۱۲) ایضاً، ج: ۱، ص ۹۵

(۱۳) صحیح بخاری، ج: ۹، نمبر ۲۳۹. بہت سی احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ دجال کبھی بھی مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا کیونکہ مدینہ طیبہ کے تمام راستوں پر فرشتے اس بلدہ طاہرہ کی حفاظت پر مامور ہوں گے. حدیث مبارکہ نمبر ۲۴۶ کے مطابق: [دجال آئے گا مگر اسے کسی بھی راستے سے مدینہ طیبہ میں دخول سے منع کر دیا جائے گا اور وہ مدینہ طیبہ کے مضافات میں شوریلی زمیں پر اپنا پڑاؤ کرے گا.

(۱۴) صحیح مسلم، ج: ۴، نمبر ۶۹۱۴. نیز صحیح بخاری، ج: ۴، نمبر ۷۸۶

(۱۵) ایضاً

(۱۶) الربذہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جس کے کھنڈرات آج بھی مدینہ طیبہ سے تقریباً ۲۱۰ کیلومیٹر دور طریق حناکیہ پر واقع ہیں. یہ وہی قصبہ تھا جہاں حضرت ابوذر غفاریؓ جلاوطنی میں چلے گئے تھے اور وہیں پر ان کا انتقال ہوا اور وہیں آپ مدفون بھی ہوئے چونکہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ اور تابعین کرام اور اہل بیت طاہرہ کے چشم و چراغ مدفون تھے اور ان کی قبور مطہرہ پر قبے بنے ہوئے تھے. وہابی یلغار نے ان سب کو مسمار کر قصبے کو ویران کر دیا ہے. صرف چند کھنڈرات کے علاوہ وہاں باقی کچھ نہیں ملتا.

(۱۷) صحیح بخاری، ج: ۹، ۲۰۹

(۱۸) سنن ابی داؤد (اردو ترجمہ: وحید الزمان)، اسلامی اکیڈیمی، لاہور، ۱۹۸۳، ج: ۳، باب ۳۹۹، ص ۴۷۷.

(۱۹) سید سمہودی، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، جزء ۱، ص ۴۶.

(۲۰) ایضاً، ص:۱۲۴.

(۲۱) سید امیر علی، (A Short History of Saracens, McMillan & Co., NY, 1955)، ص:۸۷.

(۲۲) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر۴۸۵ کے مطابق اکثریت نے بیعت کر لی تھی مگر چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ کہ کر معذوری ظاہر کر دی تھی کہ ان کے خیال میں حضور نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت رضوان کر لینے کے بعد کسی اور کی بیعت کرنا چہ معنی دارد. ان کا انکار عشق رسول ﷺ کی وجہ سے تھا نہ یہ کہ سیاسی طور پر وہ ایسی بیعت کے مخالف تھے.

(۲۳) ابراہیم بن علی العیاشی المدنی، المدینہ بین الماضی والحاضر، ص:۳۱۲.

(۲۴) ابن کثیر (ت:۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص۲۱۸.

(۲۵) ابن عبدربہ، العقد الفرید، مصدر مذکور، ص:۸۰۷.

(۲۶) وہ اہالیان مدینہ کا جانی دشمن تھا. بستر مرگ پر بھی اس بدبخت نے کہا تھا: [اب مجھے زیست کی تمنا نہیں رہی. کلمہ شہادت کے بعد مجھے جو چیز پیاری تھی وہ میری یہ خواہش تھی کہ جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے میں اہالیان مدینہ کو قتل کروں. میری وہ خواہش اب پوری ہو چکی، لہذا اب زندگی کی مزید خواہش نہیں ہے.] اس بد کردار ملعون نے جب اہالیان مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تو اس وقت بھی وہ سخت بیماری کی حالت میں بستر علالت پر بیٹھ کر احکام جاری کر رہا تھا اور پھر شہر نبوی میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے مکۃ المکرمہ روانہ ہوا اور راستے میں ہی دم توڑ گیا اور اس کی افواج نے اسے قدید میں یا اس کے قریب کہیں دفن کر دیا تھا. ایک مدنی خاتون نے دو دن کے بعد اس کی نعش کو قبر سے اکھاڑ کر آگ لگا دی تھی کیونکہ اس کے بیٹے کو اس نے قتل کیا تھا اور اس خاتون نے اس سے بدلہ لینے کی قسم کھائی تھی. جب اس کی قبر کھودی گئی تو دیکھا گیا کہ ایک اژدہا اس کے جسم کو ڈس رہا تھا پھر دوسری طرف سے کھودی گئی تو وہاں بھی وہ اژدہا اپنا کام کر رہا تھا. پھر اس خاتون نے اژدہے کو لکڑی سے ڈرا کر دوسری طرف کیا اور اس کی لاش کو باہر نکال کر اسے آگ کے سپرد کر دیا. اس ملعون نے مدینہ طیبہ کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی اور مسجد نبوی شریف کے تقدس کو بری طرح پامال کیا تھا. اس کے شیطانی اعمال اور بدکرداری کی وجہ سے اسے یہ سزا ملی تھی.

(۲۷) محمد السید الوکیل، المدینہ المنورہ (معالم وحضارہ)، دمشق، ص۲۳۵.

(۲۸) ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج:۳، ص:۲۱۴.

(۲۹) واقدی کے مطابق یہ سب بنو حارثہ کے ایک فرد کا کیا دھرا تھا جس نے مروان کے ساتھ ساز باز کر کے یزید پلید کی فوج کو مدینہ طیبہ کے شمالی جانب کھودی گئی خندق میں سے ایسے خفیہ مقام سے گزارا تھا جہاں کسی کو خبر نہ تھی جس کی حفاظت اس کے ذمے لگائی گئی تھی. اس غداری کے عوض تمام بنو حارثہ کو امان دے دی گئی تھی اور اگر کسی نے ان کے اطام میں پناہ لے رکھی تھی تو اسے بھی امان دے دی گئی تھی جس سے ان کی جان و مال محفوظ رہی.

(۳۰) سمہودی، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۱۲۹. تاہم صاحب 'العقد الفرید' کے مطابق، عبداللہ المطیع مکہ مکرمہ فرار ہو گئے تھے اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے. جب واقعہ حرہ کی آگ ذرا ٹھنڈی ہوئی تو وہ واپس مدینہ طیبہ آ گئے، لیکن جب امویوں نے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور مدینہ طیبہ کا رخ کیا تو انہیں شہید کر دیا گیا اور ان کا کٹا ہوا سر کئی دن تک مدینہ کے ایک چوراہے میں دیگر مقتولین کے سروں کے ساتھ لٹکایا گیا تھا اور پھر ان کا سر دمشق میں عبدالملک بن مروان کے پاس بھیج دیا گیا تھا. ابن عبدربہ، العقد الفرید، مصدر مذکور، ص:۵۳۴. ایسی ہی رپورٹ ابن سعد نے بھی دی ہے، طبقات الکبریٰ، ج:۵، ص:۱۴۸.

(۳۱) ابن سعد، مصدر مذکور، ج:۵، ص۲۶۳ اور ۱۹۴. ابن سعد کے مطابق حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتوں فرزندان نے جام شہادت نوش فرمایا تھا، دیکھئے ج:۵، ص:۲۶۵.

(۳۲) ابن الاثیر (۵۵۰-۶۳۰ ہجری)، اسد الغابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج:۳، ص۲۵۰

(۳۳) ابن سعد، مصدر مذکور، ص:۸۷

(۳۴) ابی الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی (وہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے اولاد سے تھے اور ان کا انتقال ۳۴۶ ہجری میں ہوا تھا)، مروج الذہب، دار الکتب

العلمیہ، بیروت، پہلا ایڈیشن، ج:۳، ص۸۵۔ شہدائے حرہ کے ناموں کی تفصیل کے لیے دیکھیے عمرو خلیفہ بن خیاط بن ابی ہبیرہ اللیثی العصفری (ت:۲۴۰
ہجری)، تاریخ خلیفہ بن خیاط، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۵، صفحات: ۱۵۰۔۱۵۶۔

(۳۵) ابن عبد ربہ، العقد الفرید، مصدر مذکور، ص: ۸۰۸

(۳۶) ابن سعد، مصدر مذکور، ج:۵، ص۲۱۵

(۳۷) ابن الاثیر (۵۵۰۔۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العربی، بیروت، ج:۳، صفحات: ۲۱۲۔۲۱۳

(۳۸) مسلم بن عقبہ ملعون نے تو حضرت سعید بن المسیبؓ (جن کا شمار جلیل القدر تابعین سے ہوتا ہے اور جو مدینہ طیبہ کے سات معروف فقہاء میں سے ایک تھے) کے قتل کے بھی احکام دے دیے تھے، مگر ایک شامی کے کہنے پر ان کی جان بخش دی گئی کیونکہ اس نے اس کو بتایا کہ وہ پاگل ہیں۔ یہ وہی عینی شاہد ہیں جنہوں نے مسجد نبوی شریف کے تقدس کو پامال کرنے سے متعلق رونگٹے کھڑے کر دینے والی تفاصیل مہیا کی ہیں۔ ابن الجوزی نے ان کے چند اقوال نقل کیے ہیں جن کے مطابق ان تین دنوں میں: جب مسجد نبوی شریف کی حرمت کو اس کے اندر گھوڑے باندھ کر پامال کیا جا رہا تھا، تو جب بھی نماز کا وقت آتا تو ان کو مقصورہ شریف کے اندر سے اذان کی آواز آتی اور اس طرح وہ نماز ادا کرتے تھے۔ چونکہ انہوں نے پاگل ہونے کا سوانگ رچایا تھا، شامیوں کو ان پر شک نہیں گزرتا تھا اور ان کی اتنی پرواہ نہیں کرتے تھے اور ان کو مسجد شریف کے اندر رہنے دیتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب الی دیار المحبوب، مصدر مذکور، ص: ۳۸۔

(۳۹) بہت سے صحابہ کرام نے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لے لی تھی۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (جلد ہی وہ وقت آنے والا ہے) کہ مسلمان کی سب سے اچھی ملکیت صرف بھیڑیں ہوں گی جن کو لیکر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلا جائے گا یا ایسی جگہوں پر چلا جائے گا جہاں بارش زیادہ ہوتی ہو، وہ فتنوں سے فرار حاصل کر کے اپنے دین کو بچانے کے لیے دور دراز چلا جائے گا۔] سنن ابو داود، ۳۰۔۴۲۵۴۔

(۴۰) صحیح بخاری، ج:۹، نمبر ۴۲۷

(۴۱) طبرانی نے اس واقعہ کو ابی ہارون العبدی کی وساطت سے روایت کیا ہے جنہوں نے اسے حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت کیا۔ سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۱۳۵۔

(۴۲) سنن ابی داود، ۳۰۔۴۲۴۷

(۴۳) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۱۷۷۔

(۴۴) ابن الاثیر (۵۵۰۔۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، مصدر مذکور، ج:۳، ص:۲۲۶

(۴۵) الموطا، امام مالک نے ایک حدیث مبارکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [تم مدینہ کو اچھی حالت میں چھوڑ دو گے، لیکن ایک ایسا وقت آئے گا کہ کتے اور بھیڑیے اس میں داخل ہوں گے اور مسجد کے ایک ستون کے ساتھ یا منبر کے قریب پیشاب کریں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اس وقت اس کے پھل وغیرہ کہاں جائیں گے یعنی جب کوئی بھی ان کو کھانے والا نہ رہے گا؟ آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان کو یا نور کھائیں گے یا پرندے اور شکاری جانور کھائیں گے۔ الموطا، ج:۲، نمبر ۱۶۴۳۔ بہت سے محدثین کا خیال ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں واقعہ حرہ کے فتنے کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ویرانی کا بیان ہے، مگر بعض کا خیال ہے کہ ایسا اس وقت ہوگا جب قیامت قریب آچکی ہوگی اور یہ قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔

(۴۶) ابن سعد ج:۵، ص:۱۳۲۔ نیز شیخ اسماعیل بن عبداللہ اسعد اری نقشبندی، ترغیب اہل المودۃ والوفاء،

(۴۷) سنن ابی داود، ۳۰۔۴۲۴۷

(۴۸) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکو، ص:۴۰

(۴۹) ابن کثیر (ت:۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص۱۹۴

(۵۰) المسعودی، مصدر مذکور، ص:۸۵

(۵۱) سمہودی، مصدر مذکور، ص:۱۳۳، نیز ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۱۹۳

(۵۲) محمد السید الوکیل، المدینۃ المنورۃ (معالم وحضارۃ)، دار القلم، دمشق، ۱۹۹۶، ص:۲۴۷

(۵۳) صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۳۱۸۵، نیز نمبر ۳۱۸۱ کی حدیث مبارکہ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے خیالات ہیں.

(۵۴) ابی جعفر محمد ابن جریر الطبری (۲۲۴-۳۱۰ ہجری)، تاریخ الامم والملوک، بیروت، ج:۵، صفحات: ۴۸۲-۴۹۵.

(۵۵) ابن کثیر (ت ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، ج:۸، صفحات: ۱۹۰-۱۹۷.

(۵۶) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۳۵۸ (وضاحت اور شرح کے ساتھ)

(۵۷) غازی محمد ابن ا لشنقیطی، مصدر مذکور، ص:۱۵۰

(۵۸) ابراہیم العیاشی المدنی، مصدر مذکور، ص:۳۱۰

(۵۹) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۱۹۷

(۶۰) جب حجاج ابن یوسف کا سیدۃ اسماء بنت ابی بکرؓ سے ان کے فرزند حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد آمنا سامنا ہوا تو سیدۃ اسماءؓ نے اسے کہا: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قبیلہ بنو ثقیف میں ایک انتہائی جھوٹا (کذاب) اور ایک انتہائی سفاح قاتل پیدا ہوگا. کذاب تو ہم دیکھ چکے (ان کا اشارہ عبید الثقفی کی طرف تھا جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور اس کذاب کو انہی سیدۃ اسماءؓ کے دوسرے فرزند حضرت محمد ابن زبیرؓ نے واصل جہنم کیا تھا) اور جہاں تک سفاح کا تعلق ہے مجھے تمہارے سوا کوئی اور دوسرا نہیں لگتا. اس پر وہ غصے سے کھڑا ہو گیا مگر ان کو کوئی جواب نہ دے سکا.] صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۶۱۷۶

(۶۱) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت، ۱۹۷۵، صفحات: ۳۳۰-۳۳۲.

(۶۲) ابن شبہ (ابو زید عمر بن شبہ النمیری البصری ۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ المدینہ، ج:۱، ص:۱۷

(۶۳) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، مصدر مذکور، ج:۵، ص ۱۳۱، سمہودی، وفاء الوفاء، جز ۲، ص ۹۲۵

(۶۴) جلال الدین السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۲۳۱. امام ابو حنیفہ کے علاوہ حضرت سفیان الثوریؒ، مسعود ابن کدامؒ نے بھی ان کی تحریک کی حمایت کی تھی. ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، طہران، ۱۹۳۹، ص ۳۶۵. تاریخ بغداد (ج:۱۳، ص ۳۸۰) کے مطابق ''جونہی بغاوت ختم ہوئی، منصور نے حضرت امام مالک بن انسؒ کو کوڑوں کی سزا کا حکم دیا اور امام ابو حنیفہؒ کو اتنا سخت دشمن سمجھا کہ انہیں قید کر دیا اور ان کی موت جیل میں ہی ہوئی.'' امام مالکؒ سے پوچھ گچھ کے بعد عباسی سپہ سالار عیسیٰ بن موسیٰ نے ان کو اذیت دی. سمہودی، مصدر مذکور، ص ۹۲۳.

(۶۵) الطبری، مصدر مذکور، ج:۳، ص ۲۶۶.

(۶۶) نفس الذکیہ کے ہاتھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تاریخی شمشیر (ذوالفقار) تھی جو ان کی شہادت کے بعد عباسیوں کے ہاتھ لگ گئی اور الرشید تک تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان کے قبضے میں تھی. سمہودی، مصدر مذکور، ص:۹۲۳

(۶۷) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج:۵، ص ۱۲۸

(۶۸) ایضاً، ص ۱۲۹

(۶۹) ابن شبہ (ابو زید عمر بن شبہ النمیری البصری ۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، ج:۱، ص ۳۰۷. مورخین میں اختلاف ہے کہ مدینہ طیبہ میں دو ایسے مقامات تھے جن کو احجار الزیت کہا جاتا تھا: ایک تو وہ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور دوسرا حضرت کعب الاحبارؓ کے کہنے کے مطابق حرہ شرقیہ میں تھا جہاں قبیلہ بنو عبد الاشہل آباد تھا. کعب الاحبارؓ کی روایت میں بھی اس بات کا ذکر ہے کہ وہاں بہت قتل و غارت ہوگا جو حقیقتاً وہاں واقعہ حرہ زہرہ کے وقوع پذیر ہونے سے پورا ہو گیا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے.

(۷۰) ابو الحسن علی ندوی، (Saviors of Islamic Spirit), Vol. 1 , pp. 50-51، اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ اینڈ پبلیکیشنز، لکھنو، انڈیا، دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۶.

(۷۱) محمد طاہر المکی الکردی، کتاب تاریخ القویم لمکۃ وبیت اللہ الکریم، پہلا ایڈیشن، ۱۳۸۵، ص ۳۱۳ قرامطی سردار نے ہتھوڑا استعمال کر کے حجر اسود کے ٹکڑے

ٹکڑے کردئے تھے اور پھران کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ بائیس سال بعد اس کے جانشین (سنبر ابن الحسن القرامطی) نے ان ٹکڑوں کو مکہ واپس یہ کہہ کر لوٹا دیا تھا: ہم اسے اللہ کے حکم سے لیکر گئے تھے اور اللہ ہی کے حکم سے واپس چھوڑے جا رہے ہیں۔

(۷۲) فصیل مدینہ طیبہ کی مکمل تفاصیل باب (۵) میں دیکھیں

(۷۳) عمر ابن السید علی المدنی المفتی السمہودی (ت: ۱۱۵۷ ہجری۔ شہرہ آفاق مورخ مدینہ طیبہ کے پڑپوتے تھے)، ذیل الانتصار لسید الابرار، جو ۲۰۹ صفحے کا مخطوطہ ہے۔ تفاصیل کے لیے دیکھئے: (Al-Madina Al-Munawwarah in One Hundred Manuscripts - Analytical Indix) ناشر مرکز البحوث والدراسات مدینۃ المنورہ، پہلا ایڈیشن، ۱۴۲۰۔

(۷۴) ڈاکٹر عبداللہ الصالح العثیمین، موادلتاریخ الوہابیین (لڈویگ برکہارٹ کی کتاب کا ترجمہ ہے) ناشر جامعہ ملک سعود، ریاض، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۹۱، ص: ۹۵۔

(۷۵) ایضاً

(۷۶) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین الشریفین، مصدر مذکور، ج: ۱، صفحات: ۴۵۲۔۴۵۶

(۷۷) رچرڈ برٹن، مصدر مذکور، صفحات: ۳۶۹۔۳۷۰۔

(۷۸) جب ینبع پر یہ قافلہ رکا تو عبداللہ ابن سعود نے رات کے اندھیرے میں فرار ہونے کی ناکام کوشش کی مگر حربی قبیلے نے اس کو پکڑ کر طوسون پاشا کے حوالے کر دیا۔

(۷۹) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین الشریفین، مصدر مذکور، ج: ۱، صفحات: ۴۵۲۔۴۵۶

(۸۰) ڈاکٹر عبداللہ الصالح العثیمین، موادلتاریخ الوہابیین، مصدر مذکور، صفحات: ۱۰۹۔۱۲۵

(۸۱) ایسے جاسوس ہمیشہ سے ہی حرمین الشریفین میں دراندازی کرتے رہے ہیں۔ سر رچرڈ برٹن، پادری چارلس فوسٹر اور ہمفر کی یادداشتیں اور ٹی ای لارنس اور اسی ٹولے کے گماشتوں کی یادداشتیں جو عثمانی سلطنت کے زوال سے پہلے اور بعد میں چھپتی رہی ہیں ان سازشوں اور جاسوسی کے جالوں سے پردہ اٹھاتی ہیں جو مکہ اور مدینہ طیبہ کے مقدس شہروں تک پھیل چکے تھے۔ عام طور پر ایسے تمام جاسوس مسلم نام اور عادات اپنا کر آگھستے تھے جس سے ان کی پہچان مشکل ہوتی تھی۔

(۸۲) سٹینلے لین پول نے ان نازیبا الفاظ کومن وعن نقل کیا ہے، مگر بطور مسلم اور نبی اکرم ﷺ کے مقام اور مرتبہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے ان نازیبا الفاظ کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔

(۸۳) سٹینلے لین پول "Stanley Lane Poole, " Saladin and the fall of the Kingdom of Jerusalem، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، پاکستان، ص ۱۷۵۔ اس کتاب کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں کال نمبر (Call No. 923.162.LAN) پر موجود ہے۔

(۸۴) ایضاً صفحات: ۱۷۵۔۷۶

(۸۵) ایضاً ص: ۱۷۷

(۸۶) The Travels of Ibn Jubayr, translated by Roland Broadhurst, Goodword Books New Delhi, 2001, pp: 52 - 53.

(۸۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸۔۱۰۵۲ ہجری) فرماتے ہیں کہ ان کے مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران انہوں نے وہ رباط دیکھی تھی جہاں وہ دونوں مجرم رہا کرتے اور جس کے نیچے سے انہوں نے سرنگ لگائی تھی۔ وہ ایک ویران سی رباط ہوا کرتی تھی۔ جذب القلوب الی دیار المحبوب، ص ۱۲۷۔

(۸۸) القرآن (المائدہ۔۶۴)

(۸۹) علامہ جمال الدین الاسنوی اور ان کے شاگرد رشید شیخ زین الدین المراغی نے جو اس وقت کے معاصر علماء میں سے تھے۔ اس معاملے میں کافی معلومات مہیا کی ہیں

(۹۰) حمود بن عبداللہ بن حمود التویجری، کتاب الرؤیا، ناشر دار اللواء، ریاض، ۱۹۹۲، صفحات: ۹۹۔۱۰۱

باب ۸

مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاہٗ کی سیاسی اہمیت۔ مدینہ طیبہ بطور دارالاسلام

ہر شہر تلوار سے فتح ہوا لیکن مدینہ طیبہ قرآن کریم سے فتح ہوا (ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ)(۱)

تاجدار مدینہ حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مکۃ المکرمہ سے مدینہ طیبہ کو ہجرت کے بعد اور آں جناب ﷺ کے مہاجرین، انصار اور یہودی قبائل کے درمیان میثاق مدینہ طے کر لینے کے بعد مدینہ طیبہ اسلامی ریاست کا پہلا دارالحکومت بن گیا اور حضور نبی اکرم ﷺ اس کے پہلے قانونی (de jure) اور حقیقی (de facto) حکمران بنے. جیسا کہ باب اول میں بیان کیا گیا ہے، زمانہ قبل از اسلام میں تمام یثربی قبائل جن میں عرب اور یہودی سب شامل تھے، ایک دوسرے کے حریف تھے اور عرصہ دراز سے قیادت اور سیادت کے لیے سب گروہوں میں رسہ کشی چلی آ رہی تھی لیکن کوئی بھی ایک فرد یا قبیلہ، خواہ وہ عرب تھا یا بنی اسرائیل، اہل یثرب کی شیرازہ بندی کر کے عنان قیادت اپنے ہاتھوں میں نہ لے پایا تھا لہذا یثرب کے سیاسی افق پر ہمیشہ قبائلی چپقلش اور معاندت کے بادل ہی چھائے رہے. اوس اور خزرج تقریبا ایک صدی سے بھی زیادہ محیط عرصے سے ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار چلے آ رہے تھے. جنگ بعاث کئی سالوں پر محیط رہی تھی. اس کا آخری راؤنڈ ہجرت رسول اللہ ﷺ سے صرف پانچ سال پہلے ختم ہوا تھا. فریقین کے ان گنت بطل داد شجاعت دے چکے تھے. اگرچہ جنگ کے شعلے قدرے ٹھنڈے پڑ چکے تھے مگر دونوں گروہوں کے شاہ سواروں کی عظمت و شجاعت کے قصے جو زبان زد عام ہو چکے تھے ان زخموں کو مندمل نہیں ہونے دے رہے تھے. (۲) یوں دونوں متحارب گروہ اس جنگ کے زخم چاٹنے پر مجبور تھے.

اس خون خرابے کی طوالت کا ایک مثبت پہلو یہ تھا کہ دونوں متحارب گروہ تھک ہار کر کسی ایسی ہستی کی راہ تک رہے تھے جو ان کی آتش انتقام کو ٹھنڈا کر دے. بنی اسرائیل اپنے آخری پیغمبر کے انتظار میں تھے مگر عرب قبائل کسی ایسی معجز نگار شخصیت کی راہ تک رہے تھے جو نہ صرف بین القبائلی جنگ و جدل کا قلع قمع کر دیں بلکہ عربوں کو یہودیوں کی بالادستی سے بھی نجات دلا دیں. ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے: [یوم بعاث (انصار اوس و خزرج کے درمیان جنگ) اللہ تعالی کی مشیت کاملہ سے رسول اللہ ﷺ کے لیے بہتر ثابت ہوئی تھی کیونکہ جب آں حضرت ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو اس وقت ان کے تمام بڑے بڑے رؤساء اور سرپنچ یا تو مارے جا چکے تھے یا زخمی تھے. یہ قدرت رب ذوالجلال کا اعجاز تھا کہ اس طویل خون خرابے نے انہیں اسلام کی طرف راغب کر دیا.] (۳)

اس نازک ترین موڑ پر تاریخ انسانی کے افق پر شمس الضحی اور بدر الدجی طلوع ہوا جس کی سیمیں کرنوں سے نہ صرف یثرب کے ان متحارب قبائل بلکہ پوری نوع انسانی کی ڈھارس بندھ گئی. وہ صرف نبی منتظر اور نجات دہندہ ہی نہ تھے بلکہ ایسے آخری رسول اور ہادی برحق تھے جن کی قیادت میں کل کے دشمن آج کے بھائی بھائی بن کر ایک امت مسلمہ کے شیرازے میں پرو دیئے گئے جس کا صحیفہ خدائی (قران کریم) ایک، دین ایک، رسول ایک اور ایک ہی قبلہ متعین کر دیا گیا تھا. اس طرح گمنامی کے دھندلکوں سے نکل کر یثرب مدینہ طیبہ کی شکل میں تاریخ عالم میں روشنی کا مینار بن کر ابھرا. اب یہ ان قبائل کی آماجگاہ نہیں رہا تھا جو آپس میں صدیوں سے دست و گریباں تھے بلکہ یہ امت محمدیہ اور دولت اسلامیہ کا عاصمہ اور دار المقام بن چکا تھا. یہ ایک ایسا دار المقام تھا جس کے آگے اردگرد کی دنیا کے تمام دار السلطنت سرنگوں ہونے والے تھے. ایک ایک کر کے اس وقت کی مغرور حکومتوں کے پایہ تخت اپنے جاہ و جلال کو تیاگ کر مدینہ طیبہ کی سطوت کے آگے سرنگوں ہوتے گئے. حدیث رسول مقبول ﷺ کے عین مطابق مدینہ طیبہ 'اکالۃ القری' (شہروں کو ہڑپ کر جانے والا) شہر بن چکا تھا. (۴) کس کے وہم و گمان میں تھا کہ وہ مدینہ طیبہ جو بوقت ہجرت صرف چند قریوں پر مشتمل تھا جن کا رقبہ صرف چند میلوں پر محیط تھا اور جس کے قریوں کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے اس کی فتوحات کا سلسلہ صرف ایک ہی دہائی کے اندر (حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں) اتنی سرعت کے ساتھ پھیلے گا کہ جب تاجدار مدینہ سرور قلب و سینہ ﷺ کا انتقال پرملال ہوا تو اس شہر نبوی کی حکمرانی دس لاکھ مربع میل تک پھیل چکی ہو گی. اگر حساب لگایا جائے تو دس سال میں مدینہ طیبہ کے بطل جلیل اوسطا ۲۷۴ مربع میل روزانہ فتح کر لیتے تھے. (۵) یوں زبور میں منقول حضرت داؤد علیہ السلام کی پیشین گوئی پوری ہو چکی تھی: زبور-حمد ۷۲ (۸-۱۶):

۸- ان کا حکم سمندر سے سمندر تک چلے گا. ان کی حکمرانی دریا کے ایک کنارے سے دنیا کی آخری حد تک پھیل جائے گی.
۹- تمام بادیہ نشین (بدو قبائل) ان کے آگے سرنگوں ہو جائیں گے. اور ان کے دشمن خاک چاٹنے پر مجبور ہو جائیں گے.
۱۰- ترشیش اور جزیروں کے بادشاہ ان کو تحائف بھیجیں گے. سباء کے حکمران (یمن سے) بھی انہیں تحائف بھیجیں گے.
۱۱- ہاں تمام بادشاہ ان کے باجگوار ہو جائیں گے. اقوام عالم ان کی خدمت بجا لائیں گی.
۱۲- کیونکہ وہ حاجت مندوں اور مسکینوں کی پکار سنیں گے اور جس کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا آپ اس کی دستگیری فرمائیں گے.
۱۳- وہ غرباء پر ترس کھائیں گے اور حاجت مندوں کی دادرسی فرمائیں گے.
۱۴- وہ ان کو جھوٹ اور فریب کے جال سے نجات دلائیں گے کیونکہ ان مساکین کا خون (ان کی زندگیاں) آپ کی نظروں میں بہت قیمتی ہوگی.

۱۵- حیات جاوداں ان کو دی جائے گی اور انہیں کو سباء کے خزائن دے دیئے جائیں گے. ان پر دائما صلوات و سلام پڑھا جائے گا اور روزانہ ان کی مدح سرائی ہوگی.

۱۶- ان کا اسم گرامی تا بہ ابد زندہ رہے گا. جب تک یہ نظام شمسی قائم رہے گا اس وقت تک لوگ ان پر درود و صلوات بھیجتے رہیں گے. تمام اقوام ان کو مبارک اور مقدس کہہ کر پکاریں گی. (نوٹ: زبور کے ان الفاظ کی توثیق قرآن کریم نے ﴿ورفعنا لک ذکرک﴾ کہہ کر فرمائی ہے).

مولای صل و سلم دائماً ابداً   علی حبیبک خیر الخلق کلھم

جوں جوں نزول قرآن کریم ہوتا گیا دین اسلام کو پوری آب و تاب کے ساتھ نافذ کیا جاتا رہا اور رب ذوالجلال نے مدنی زندگی کے دس سال کے اختتام پر ﴿الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی﴾ کے فرمان کے ساتھ اسلام کو بطور ضابطہ حیات کے مکمل طور پر نافذ کر دیا. عربی کی عجمی پر، گورے کی کالے پر اور تونگر کی فقیر بے نواء پر فوقیت ختم کر کے عزت و وقار صرف اس کی جھولی میں ڈال دیا گیا جو زیادہ متقی و پرہیزگار تھا. مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست کا عملی نمونہ قائم کر دیا گیا تھا. اسلام کا اپنا تشخص اور معاشرہ تشکیل پا چکا تھا جس کے لیے طرز حیات اور طرز حکومت طے کر دیئے گئے. دس سال بھی مکمل نہ ہوئے تھے کہ جزیرہ نمائے عرب کے گوشے گوشے سے عرب قبائل کے وفود جوق در جوق مدینہ طیبہ کا رخ کر کے اپنا اپنا خراج عقیدت پیش کر رہے تھے. (۶) جونہی مسلمانوں کا پہلا قافلہ حج اپنے نامزد امیر الحج سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی قیادت میں مناسک حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ پہنچا اعلان فرما دیا گیا کہ اس سال کے بعد مشرکین حدود حرم میں داخل نہیں ہو سکیں گے (۷) پھر اس کے بعد تو ان وفود کا تانتا بندھ گیا تاکہ وہ دین سیکھ کر آگے قبائل تک پہنچا سکیں. کوئی ان قبائل کو فتح کرنے نہیں نکلا، کسی نے ان پر جبر و اکراہ نہیں کیا، بلکہ از خود برضا و رغبت مفتوح ہونے کے لیے وہ وفود مدینہ طیبہ حاضر ہو کر فاتح القلوب محسن انسانیت ﷺ کے دست شفقت پر بیعت کرنے آتے تھے (۸). آئندہ چند صفحات میں ہم مدینہ طیبہ کی سیاسی اہمیت کے بارے میں بیان کریں گے.

مدینہ طیبہ حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کرتا ہے

جب مدینہ طیبہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ورود مسعود ہو رہا تھا تو قبائلی رؤساء اپنی اپنی تلواریں ہاتھوں میں تھامے پوری طرح مسلح ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور اپنی اپنی وفاداری کا دم بھرتے اور حضور والا شان ﷺ سے گزارش کرتے کہ شرف میزبانی ان کو دیا جائے. تمام شعوب و قبائل کے لوگ اس نجات دہندہ کے لیے چشم براہ تھے. آج ارض یثرب کے مقدر کا ستارہ طلوع ہو چکا تھا اور وہ دار الحرب سے دار السلام بننے والا تھا. ہر ایک سردار دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا. ہر ایک کی کوشش تھی کہ حضور تاجدار مدینہ ﷺ کی ڈاچی

کی مہار اس کے ہاتھ میں ہو اور وہ آپ حضور ﷺ کو اپنے گھر لے جائے لیکن رسول مقبول ﷺ نہ تو ایک قبیلے کے لیے مبعوث ہوئے تھے اور نہ ہی آپ ﷺ کا مشن کسی ایک قوم تک محدود تھا. آں جناب ﷺ کی بعثت اور رسالت تو تمام عالم اور رہتی دنیا کے لیے تھی. ایسے میں آپ ﷺ کسی ایک قبیلہ یا شعب کے ساتھ کیسے الحاق کر لیتے، لہذا آپ حضور ﷺ نے یہ تمام معاملہ مشیت الٰہی پر موقوف کر دیا اور جوں جوں قصویٰ ڈگ بھرتی آگے چلتی جاتی آں حضرت ﷺ ارشاد فرماتے: [اس کا راستہ چھوڑ دیجیے، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے (یعنی یہ اپنی منزل خوب پہچانتی ہے)]. حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی لگام ڈھیلی چھوڑی ہوئی تھی اور یوں قصویٰ بل کھاتی ہوئی گلیوں اور پگڈنڈیوں سے ہوتی اپنی اس منزل کی طرف گامزن تھی جو صرف اور صرف اسے معلوم تھی. کبھی دائیں دیکھتی اور کبھی بائیں اور پھر منزل موعود کی طرف آگے کو بڑھ جاتی. شہر کے مضافات میں ایک کھلی چار دیواری کی پاس جا کر قصویٰ یکا یک رک گئی. اسی احاطے میں بعد میں مسجد نبوی شریف اور حضور نبی اکرم ﷺ کا کاشانہ اقدس تعمیر ہوا. مدینہ طیبہ کی تاریخ میں نہ کبھی اتنا بڑا مہمان تشریف لایا تھا اور نہ ہی اس نے کبھی اتنی عزت و وقار سے کسی کا استقبال کیا تھا. شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ اور نور الہدیٰ ﷺ نے پوری تابانی کے ساتھ اس کے اندھیروں کو روشنیوں میں بدل دیا تھا. اس دن کے بعد گمنامی کے اندھیروں سے نکل کر تاریخ کی چکا چوند مدینہ طیبہ کا مقدر بن گئی تھی.

ابتدائی خطرات اور چیلنج

اپنوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر اور اپنا گھر بار چھوڑ کر مہاجرین کا مختصر سا قافلہ حکم الٰہی سے یثرب کے نخلستان میں آ بسا تھا. نئے چہرے، نیا شہر اور نیا ماحول تھا جہاں چاروں طرف بے شمار گمبھیر چیلنج سر اٹھائے کھڑے تھے. راستہ پرخطر تھا مگر رہبر حق نما تھا. یہ اسی قافلہ سالار کا صلائے عام تھا جس پر لبیک کہتے ہوئے یہ بے سر و سامان اور تہی دست مگر پر اسرار بندے ذوق خدائی سے سرشار اللہ کی رضا جوئی کے لیے نکل پڑے تھے. سب سے زیادہ چیلنج راہ روان شوق کی بجائے تو قافلہ سالار کو درپیش تھے. وسائل کا فقدان اور مسائل کے پہاڑ تھے جو کسی بھی انسان کے حوصلے کو ریزہ ریزہ کر دینے کے لیے کافی تھے. اتنا بار عظیم تو پہلے کسی بھی جلیل القدر پیغمبر کو اٹھانے کے لیے نہیں ملا، نہ نوح علیہ السلام کو، نہ ابراہیم علیہ السلام کو، نہ موسیٰ علیہ السلام کو اور نہ ہی عیسیٰ علیہ السلام کو. انارکی اور افراتفری کو ختم کر کے بنی نوع انسان کو صراط مستقیم پر چلانے کا یثاق پیغمبری صرف صاحب لولاک حضور نبی اکرم ﷺ کے حصے میں آیا تھا. ﴿ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظهرک﴾ کہہ کر خود رب ذوالجلال نے اس بار عظیم کی طرف اشارہ کیا ہے جو بنی نوع انسانی کے نجات دہندہ کو اٹھانا پڑ رہا تھا. (۹) یوں تو ہر قبیلے کے سردار نے آں حضرت ﷺ کو اپنے ہاں قیام کی درخواست کی تھی مگر آں حضور ﷺ کی میز بانی اور حمایت کی پیش کشوں کے در پردہ سب کا منتہائے نظر ایک جیسا نہیں تھا. یثرب کا ہر قبیلہ جانتا تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی میز بانی سے اسے کیا کیا سیاسی، معاشرتی اور دیگر فوائد حاصل ہوں گے. (۱۰) کسی ایک گروہ کی طرف میلان طبع سیاسی کشمکش میں اضافے کا سبب بن سکتا تھا، لہذا مشیئت الٰہی کے مطابق فیصلہ قصویٰ پر چھوڑ دیا گیا جو حضور نبی اکرم ﷺ کو ایک ایسی چار دیواری پر لے گئی جو کسی قبیلے کے رئیس کی نہیں بلکہ دو یتیم بچوں کی وراثت تھی جسے بعد میں قیمتاً خریدا گیا. حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے ہاں قیام کا فیصلہ بھی بغیر کسی ایک گروہ کی طرفداری کیے قرعہ اندازی سے کیا گیا جو حضور نبی اکرم ﷺ کے اعلیٰ سیاسی تدبر کی ایک مثال ہے جس نے سب کے دل موہ لیے تھے. یوں مہاجر و انصار کے منتشر موتی ایک امت کے شیرازے میں پرو دیئے گئے.

ہجرت مبارکہ کے فوراً بعد سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ ان بے خانماں مہاجرین کا تھا جو اپنا سب کچھ راہ خدا میں نچھاور کر کے غریب الدیار ہو چکے تھے. اس پر مستزاد یہ کہ جب ہجرت مبارکہ ہوئی تو مہاجرین کو یثرب کی ہوا راس نہ آئی اور ان میں سے بہت سے نو واردین

مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً کی ایک یادگار تصویر (بیسویں صدی کے اوائل میں)

مختلف وبائی امراض کا شکار ہو گئے۔ ایسے میں کون ہوگا جس کو اپنا گھر یاد نہیں آ رہا ہوگا حضرت بلال ابن رباحؓ جیسی شخصیت بھی بیماری کی حالت میں مکہ کی یاد میں اشعار گنگنایا کرتے تھے۔ چنانچہ نبی رحمت ﷺ حضور رب ذوالجلال میں یوں دست بدعا ہوئے:

اے اللہ، ہمیں مدینہ اتنا ہی پیارا کر دے جتنا کہ مکہ پیارا ہے، بلکہ اس کو اس سے بھی زیادہ پیارا کر دے۔ اے اللہ اس کی آب و ہوا کو ہمارے موافق کر دے اور اس کے تولنے کے پیمانوں (یعنی صاع اور مد) میں اور اس کے پھل اور غلے میں برکت ڈال دے۔(۱۱)

جہاں تک اس وقت مدینہ طیبہ کے معاشی حالات کا تعلق ہے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ کافی حد تک اس کے اقتصادی وسائل پر یہود کا قبضہ تھا(۱۲)۔ بادی النظر میں ایسا لگ رہا تھا کہ اقتصادی حالات کو قابو میں آتے آتے دیر لگے گی۔ انصار نے بلاشک اپنے تمام تر وسائل حضور پرنور ﷺ کے قدموں پر ڈھیر کر دیئے تھے مگر بے خانماں اور بے سروسامان مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ کافی گمبھیر لگ رہا تھا۔ دوسری طرف وہ یہود جو صدیوں سے نبی آخر الزمان کا انتظار کر رہے تھے اپنے ہی صحیفہ ہائے آسمانی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے آپ پر ایمان لانے سے انکاری ہو چکے تھے (الا ماشاء اللہ)۔ حضور رسالت مآب ﷺ کی شخصیت معجز نگار کا کمال دیکھیے کہ ان تمام صعوبتوں اور رکاوٹوں کے باوجود تمام بڑے عرب قبائل (اوس وخزرج) اور طاقتور یہودی اقلیت نے آپ حضور ﷺ کو اپنا لیڈر چن لیا تھا۔ اس طرح اللہ کے برگزیدہ رسول ہونے کے ساتھ ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کے بلاشرکت غیرے حکمران ہو گئے تھے۔ ابن ہشام کے مطابق ابھی مسجد نبوی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے حجرات مبارکہ زیر تعمیر ہی تھے کہ انصار کا کوئی بھی ایسا گھرانہ نہیں تھا جس نے اسلام قبول نہ کیا ہو صرف بنی اوس کے چار گھرانے ایسے رہ گئے تھے جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے: بنوخطمہ، بنوواقف، بنووائل اور بنوامیہ۔ (۱۳) انصار نے مہاجرین کو اپنے ساتھ ضم کرنے میں اتنے جوش وخروش کا مظاہرہ کیا تھا کہ چونکہ مہاجرین کی تعداد انصار سے نسبتاً کم تھی اس لیے قرعہ اندازی کرنی پڑی کہ کون سا مہاجر کس انصاری کے پاس ٹھہرے گا۔(صحیح بخاری، ج:۹، نمبر۱۴۵)۔

ان حالات پر ایک طائرانہ نظر سے ہی یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر طرف مسائل کے پہاڑ نظر آ رہے تھے جب کہ وسائل نہ ہونے کے برابر

تھے. ہر طرف تند و تیز بادِ مخالف کے جھکڑ چل رہے تھے مگر اس اولوالعزم جماعت (جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے رکھی تھی اور جو آں حضرت ﷺ کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھی تھی) کے حوصلے چٹانوں سے بھی زیادہ مضبوط تھے. صبر و استقامت کے وہ پیکر جو اہل مکہ کے تشدد اور جور و ستم کی آتشیں بھٹی سے کندن بن کے نکلے تھے یثرب کے بحر طلاطم کی ہر موج میں اپنا نشیمن بنانے کا عزم اور استعداد رکھتے تھے. بقائے قابل ترین (Survival of the Fittest) کے اصولوں پر اگر پرکھا جائے تو وہ جماعت نہ صرف اپنی بقاء کی پوری اہلیت رکھتی تھی بلکہ بنی نوع انسان کی قسمت اپنے ہاتھوں سے لکھنے پر قدرت تام رکھتی تھی. دولت مسلمہ کی بنیاد رکھ دی گئی تھی جو مدینہ طیبہ کی صورت میں ایک جغرافیائی اور سیاسی اکائی کے طور پر دنیا کے سیاسی افق پر طلوع ہو چکی تھی. مؤسس دولت اسلامیہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بغیر کسی آرام کے بظاہر مشکل ترین مشن کو جاری رکھا اور چند ہی دنوں میں مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں بسنے والے تمام بادیہ نشین قبائل سے ملاقاتیں کر کے مدینہ طیبہ کی خود مختار ریاست کا ایک طرح کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا تھا. غیر ممکن کو ممکن کر کے دکھا دیا گیا تھا. امت مسلمہ کو یہ فخر عظیم حاصل ہے کہ دنیا کا پہلا لکھا ہوا دستور (میثاق مدینہ) ریاست مدینہ طیبہ میں اس وقت نافذ ہوا جبکہ دنیا کی سیاسی تاریخ میں لکھے ہوئے دستور کا ہلکا سا خاکہ بھی کسی کے ذہن میں نہیں آیا تھا. خیر الوریٰ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی تھی جو دنیا کی ہر ریاست سے منفرد اور آزاد تھی: ریاست کے جدید ترین تصور کی تمام تر خوبیاں اس میں کماحقہ موجود تھیں: اس کے اپنے عوام تھے جن کا اپنا مذہب اور معاشرہ تھا، اپنی آزادی کا مکمل عزم تھا اور اللہ رب العزت کا عطا کردہ ضابطہ حیات اور اپنا نظام حکومت تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ قوم نہ صرف اپنی بقاء اور دفاع کے قابل تھی بلکہ دوسروں پر چھا جانے کی پوری اہلیت رکھتی تھی. تیرہ سو سال گزر جانے اور دو تباہ کن جنگوں کو دیکھنے کے بعد انسانیت پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ یہ چاروں چیزیں کسی قوم (Nation) کا آزاد تشخص قائم کرنے کے لیے ضروری ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تیرہ صدیاں پہلے مؤسس دولہ اسلامی نے اس مملکت کی بنیاد ہی انہی اصولوں پر رکھی تھی.

ہجرت مبارکہ کو اگر صحیح تناظر میں دیکھا جائے تو یہ مشرکین مکہ کے ہاتھوں جور و ستم سے فرار نہیں تھا، اور نہ ہی کسی محفوظ مقام پر پناہ گاہ حاصل کرنا اس کا مقصود تھا، بلکہ اس کا مقصد عظیم تو ایک ایسے قوت کے سرچشمے (Power base) کی بنیاد رکھنا تھا جہاں جہد مسلسل کے بعد اور مکی دور سے بھی کہیں زیادہ مخالفت اور معاندت سے نپٹ کر نوع انسانی کے عقائد اور معاشرے کی تشکیل جدید کرنا تھا تاکہ شعوب و قبائل میں منقسم انسانیت ایک بہت بڑی اکائی یعنی ایک امت بن جائے اور صراط مستقیم پر چل کر بنی آدم کے لیے صحیح معنوں میں خلیفۃ اللہ ہونے کا اعزاز حاصل کر سکے. لہذا ہجرت مبارکہ کو اسی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہئے کہ اس کی بدولت وہ مواقع میسر آ گئے کہ اسلامی ریاست کا عملی نمونہ 'دولت مدینہ' کی صورت میں پیش کیا گیا جہاں اسلامی تعلیمات کو عملی جامہ پہنا کر اللہ کا دین نافذ کر دیا گیا. ہجرت مبارکہ میں پوشیدہ اس سیاسی پہلو کا ایک اور گوشہ بھی ہے جو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو یہ دینی رمز ہے کہ اسلام میں قومیت کا بنیادی اصول جغرافیائی سرحدیں نہیں بلکہ دینی یگانگت ہے. بدقسمتی سے وطنیت اور قومیت کا جدید تصور جو سراسر جغرافیائی سرحدوں کا غلام ہے انتہائی غیر اسلامی ہے. جس کی نفی رسول اللہ ﷺ نے اپنے مولد مکۃ المکرمہ کو چھوڑ کر اور مدینہ طیبہ میں آباد ہو کر کر دی تھی.

ہجرت مبارکہ کے وقت یثرب کی سیاسی حالت

مدینہ طیبہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ورود مسعود سے پہلے وہاں کی آبادی مختلف گروہوں اور قبائل میں بٹی ہوئی تھی جو اپنے نظریات اور مفادات رکھتے تھے جس کی وجہ سے اکثر و بیشتر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا رہتے تھے. جنگ بعاث نے عربوں کے دونوں قبائل کے درمیان دائمی منافرت اور دشمنی کی انمٹ لکیر کھینچ دی تھی حالانکہ وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کے ناطے بنو قیلہ کہلایا کرتے تھے؛

مدینہ طیبہ زادہ اللہ شرفاً
کی قدیم عمارات

اس کے علاوہ ان کی یہود سے مخاصمت بھی ڈھکی چھپی نہیں تھی اگرچہ وقتی طور پر ان دونوں قبائل نے یہود کے قبائل سے دوستی کے عہد بھی کیے ہوئے تھے حرب بعاث کا خونیں کھیل گو تھوڑی دیر سے رکا ہوا تھا مگر پھر بھی اوس اور خزرج کے لوگ ایک دوسرے کے علاقوں یا گاؤں میں جانے سے ڈرتے تھے کہ مبادا انتقام کی چنگاری دونوں قبائل کا امن کہیں دوبارہ بھنگ نہ کر دے. اس چپقلش اور باہمی بے اعتمادی کو یہود نے پہلے سے اور زیادہ خوفناک بنا دیا تھا. چونکہ تمام اسلحہ سازی یہود کے ہاتھ میں تھی اس لیے وہ وقتاً فوقتاً بین القبائل سرد جنگ کو ہوا دے کر اسے گرم جنگ میں تبدیل کروا دیتے تھے. بادی النظر میں یہود دونوں متحارب گروہوں کے حلیف بن چکے تھے. بنو قینقاع الخزرج کے حلیف تھے تو بنو قریظہ اوس کا ساتھ دیتے تھے. لیکن مرکزی حکومت نام کی کوئی چیز نہیں تھی جو یثرب کے امور کو سیاسی استحکام دے سکتی. ہر قبیلہ اپنی مرضی کے مطابق وہی کچھ کرتا جو اس کے مفاد میں ہوتا. البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ قبائلی نظام کی چند خوبیاں بھی تھیں اور ان کی اقدار و اطوار صدیوں پر محیط تھیں مگر قبائلی عصبیت عروج پر تھی اور ہر قبیلہ اپنے وضع کیے ہوئے قانون اور مفادات کے علاوہ کسی دوسرے قبیلے کے قاعدے قانون اور مفادات کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا تھا. جہاں تک انصاف کا تعلق ہے، موجودہ معانی میں نظام عدل نام کی کوئی چیز نہیں تھی. چونکہ قتل وڈاکہ زنی عام تھی اور قتل عمد بسا اوقات باہمی جنگ وجدل پر منتج ہو جایا کرتا تھا اس لیے اس برائی کو روکنے کے لیے چند قاعدے قوانین موجود تھے. دیت اور قصاص کا نظام قبائلی روایتوں کے مطابق اور قبیلے کے سردار کی صوابدید پر منحصر ہوا کرتا تھا. باقی جرائم کی سزائیں بھی قبیلوں کے رسم و رواج کے مطابق دی جاتی تھیں. تمام معاملات میں قبیلے کے سرداروں کا حکم چلتا تھا. اس طرح یثرب میں جتنے گاؤں اور قبیلے تھے وہاں اتنے ہی الگ الگ نظام ہائے عدل رائج تھے. چونکہ مرکزی طور پر کوئی حکومت معرض وجود میں نہیں آئی تھی اس لیے سیاسی افراتفری اور طوائف الملوکی کا عفریت بے تاج بادشاہ بن چکا تھا.

اسلامی انقلاب:

مسلمانان مدینہ طیبہ نے حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے مہاجرین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا والہانہ استقبال کیا اور بڑھ چڑھ کر ان کی ہر طرح سے مدد کی اور یہی وجہ ہے کہ ان کو اسلامی تاریخ میں 'مددگار' یعنی انصار کے نام نامی سے جانا جاتا ہے. نوع انسانی کی پوری تاریخ میں امداد اور حمایت کی ایسی مثال نہیں ملتی اور اسی وجہ سے مسلمانان عالم ہمیشہ ان کو بہت عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں. (۱۴)

نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے اوس وخزرج کے اختلاف مٹائے. کل تک جو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے آج باہوں میں

باہیں ڈال کر اپنی یگانگت کا مظاہرہ کرتے تھے. پرانی دشمنیاں قصہ پارینہ بن گئیں. ساتھ ہی ساتھ مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک ایسے بھائی چارے کو رواج دیا گیا (جس کو مواخات کہا جاتا ہے) جس کی مثال ڈھونڈنا مشکل ہے. اس مواخات کے تحت انصار نے ان تہی دست اور بے گھر بھائیوں کی آبادکاری میں ایسا کردار ادا کیا کہ اس سے تمام گروہوں میں اخوت کا اٹوٹ رشتہ قائم ہوگیا. (۱۵) عرب معاشرہ صدیوں سے قبائلی عصبیت پر استوار تھا اور خون کے رشتوں کے علاوہ کسی اور رشتہ کو نہیں پہچانتا تھا لیکن اسلام کی آمد نے اب تمام رشتوں کو ایک نئی سمت عطا کردی تھی جو اس حقیقت پر مبنی تھی کہ تمام بنی نوع انسان حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کی اولاد ہیں اور یہ کہ شعوب وقبائل صرف پہچان کے لیے ہیں. شعوب وقبائل کی تقسیم کو وجہ افتخار بنانا یا دوسروں کو حقیر جاننا جہالت قرار دیا گیا. اعلیٰ اور ادنیٰ کی تفریق یکسر مٹا دی گئی عزت اور وقار کی اساس صرف تقویٰ اور مخافت اللہ قرار پائی. (۱۶)

مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً کی ایک قدیم عمارت، لکڑی کے چھجے پر نقش ونگار

مواخات کی بنیاد پر استوار کیے گئے بھائی چارے نے قبائلی عصبیت کے بتوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا. امت مسلمہ کے پلیٹ فارم پر بلا تمیز رنگ ونسل ہر مسلمان بھائی بھائی بن گیا تھا. آزاد کردہ غلام بلال حبشیؓ اور سلمان فارسیؓ ہوں یا عمر فاروقؓ ہوں جو قریش کے سرکردہ لیڈروں میں سے تھے سب برابر حقوق رکھتے تھے فرق تھا تو صرف پہچان کے لیے تھا جو اب صرف انصار اور مہاجرین کے ناموں تک محدود ہوکر رہ گیا تھا. رحمت اللعالمین ﷺ نے ہر مہاجر اصحابی کو کسی نہ کسی انصاری اصحابی کے ساتھ رشتہ اخوت میں منسلک کردیا. آقاؤں کو آزاد کردہ غلاموں کا بھائی بنا دیا. سیدنا حمزہؓ نہ صرف حضور نبی اکرم ﷺ کے پیارے چچا تھے بلکہ قریش کے عالی قدر افراد میں شمار ہوتے تھے. آقائے نامدار ﷺ نے ان کو اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ رشتہ اخوت میں منسلک کردیا تھا. اسی طرح حضرت بلال بن رباحؓ کو حضرت عبداللہ بن عبدالرحمن الخثعمیؓ اور حضرت عمار ابن یاسرؓ کو حذیفہ بن الیمانؓ کا بھائی بنا دیا تھا. اس مواخات نے طبقاتی کشمکش اور رنگ ونسل کی بنیاد پر تفریق کو یکسر ختم کردیا. اب کسی قریشی یا موالی میں فرق کرنا محال تھا. اس وحدت ویگانگت سے اسلامی معاشرے کی بنیاد وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی جس نے آگے چل کر عرب وعجم کی تفریق کو مٹا کر امت مسلمہ کی وحدت کو مزید اجاگر کردیا. انسانی تاریخ میں یہ سب سے بڑا انقلاب تھا جس نے پرانی قدروں کی نفی کرتے ہوئے ایک کثیر النسل بھائی چارے کو جنم دیا. مدینہ طیبہ اس پر جتنا فخر بھی کرے وہ حق بجانب ہے کیونکہ اللہ کے دین مبین کا لایا ہوا عالمی انقلاب سب سے پہلے کرہ ارضی پر اسی کی سرزمین پر برپا ہوا.

جب بین المسلمین اخوت اور بھائی چارہ استوار ہوگیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے مالک بن نضر الخزرجی (حضرت انسؓ کے والد) (۱۷) کے گھر انصار ومہاجرین کی میٹنگ طلب کی جس میں اسلامی مواخات کے اصولوں کی طرز پر یہود کے ساتھ بین الادیان پرامن بقائے باہمی کا تعلق وعہد قائم کرنے پر سوچ بچار کیا گیا جس کے نتیجے میں یہود، انصار اور مہاجرین کے مابین 'میثاق مدینہ' یا دستور مدینہ کا معاہدہ قرار پا گیا. یوں تاجدار حرم ﷺ کی سرپرستی میں 'ریاست مدینہ' منصۂ شہود پر آ چکی تو اس کا نظام چلانے اور اسلامی انقلاب کی ثمر آوری کے لیے دستور مدینہ طے کیا گیا.

مدینہ طیبہ کا ایک شہری ریاست (City State) کے طور پر افق عالم پر نمودار ہونا

جیسا کہ اوپر اشارۃً ذکر کیا گیا ہے ہجرت مبارکہ کے فوراً بعد ہی مدینہ طیبہ کے ایک شہری ریاست ہونے کے خدوخال نمودار ہونے شروع ہوگئے تھے جس کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے تاجدار مدینہ حضور نبی اکرم ﷺ نے دن رات ایک کردیئے. وقت ہجرت مدینہ طیبہ میں مسلم صرف ایک اقلیت کی شکل میں تھے جب کہ اکثریت یہود اور مشرکین کی تھی. تاسیس ریاست مدینہ طیبہ میں نبی اکرم ﷺ کے

ہجرت کے بعد کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہجرت مبارک کے فوراً بعد اگرچہ مدینہ طیبہ کی غالب اکثریت غیر مسلم تھی مگر غلبہ اسلام ہی کا منوایا گیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کے الفاظ میں: (جلد ہی آں حضرت ﷺ نے مدینہ طیبہ میں آباد مختلف عناصر کی ایک کانفرنس طلب کی جن کے سامنے مدینہ طیبہ کو شہری ریاست (City State) بنانے کی تجویز پیش کی۔ حاضرین کی اکثریت نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ یہودیوں کے صرف چار گھرانوں نے اختلاف رائے کا اظہار کیا۔ اس طرح ایک شہری ریاست کی بنیاد رکھی گئی جو شہر کے کچھ حصے پر مشتمل تھی۔) (۱۸) یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ یہ ایک ایسا سیاسی انقلاب تھا جو اپنی مثال آپ ہے۔ جلد ہی حضور نبی اکرم ﷺ کا سیاسی تدبر بار آور ہونا شروع ہو گیا۔ (۱۹) اور اپنے چند مزید اجتماعات کے نتیجے میں میثاق مدینہ طیبہ طے پا گیا۔ مسلمانان عالم اس بات پر جتنا فخر بھی کریں کم ہے کیونکہ یہی میثاق مدینہ مہذب دنیا کا سب سے پہلا لکھا ہوا دستور قرار پایا۔ جرمن مستشرق ویلہاؤزن کے الفاظ میں: (صحیفہ مدینہ یعنی میثاق مدینہ کی بدولت اس شہر میں جہاں طوائف الملوکی کا رواج ہوا کرتا تھا ایک منظم حکومت کا آغاز ہو گیا۔) (۲۰) تاریخ دساتیر عالم میں یہی میثاق مدینہ ریاست بنا اور سب سے پہلا سنگ میل ثابت ہوا۔ یہ ایک بہت ہی مفصل اور طویل وثیقہ اور عہد نامہ تھا جس میں پچاس سے بھی زیادہ بند اور شقیں تھیں۔ تاریخ مدینہ کے اس باب کے تناظر میں ہم صرف اس عہد نامہ اور اس میں سے چند چیدہ چیدہ شقوں کا حوالہ دینا چاہیں گے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسجد نبوی ﷺ کے جوار میں قدیم عمارات

(۱) یہ میثاق محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے ہے جو مومنین قریش اور یثرب اور ان لوگوں کے درمیان قرار پایا ہے جنہوں نے ان کا اتباع کیا ہے اور جد و جہد میں شریک ہوئے ہیں۔

(۲) معاہدہ کنندگان ایک وحدت اور قوم ہیں۔ وہ یہود جو ہماری دولت مشترکہ میں شریک ہوں گے وہ برابر کے حقوق پائیں گے اور ہماری فلاح و بہبود میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ یثرب میں بسنے والے یہود کی تمام شاخیں مسلمانوں سے مل کر ایک قوم کی طرح رہیں گی۔ یہود کے حلفا کو بھی اسی طرح کی امان اور آزادی حاصل ہوگی۔

(۳) یہود اپنے دین میں آزاد ہوں گے اور مسلم اپنے دین کا اتباع کریں گے۔

(۴) معاہدہ کنندگان میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کے ساتھ جنگ کرنے سے پہلے محمد (ﷺ) سے منظوری لینے کا پابند ہوگا۔ اور جب مومنین اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہوں گے تو معاہدہ کنندگان کا کوئی بھی گروہ از خود معاہدہ امن نہیں کرے گا۔

(۵) یہود کو اپنے جنگی اخراجات برداشت کرنے ہوں گے اور مسلمانوں کو اپنے اخراجات اٹھانے ہوں گے۔ اور اگر یہود مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر کسی جنگ میں شرکت کریں گے تو ان کو اپنے حصے کے اخراجات اٹھانے ہوں گے۔

(۶) یثرب کی وادی (یعنی اس کا تمام علاقہ) حرم اور مقدس علاقہ تصور ہوگا اور اس میثاق کے دستخط کنندگان اس کے تقدس کا احترام کریں گے۔

(۷) اگر یثرب جارحیت کا نشانہ بنتا ہے تو معاہدہ کنندگان ایک دوسرے کی بھرپور مدد کریں گے۔ کوئی بھی از خود بغیر محمد (ﷺ) کی اجازت سے کسی عسکری مہم پر روانہ نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ کوئی فریق اپنے اوپر لگائے گئے زخموں کا انتقام لینا چاہے۔

(۸) قریش مکہ یا ان کے حلفاء کو کوئی امان نہ دے گا.

(۹) مکمل وفاداری ہی غداری کے خلاف ڈھال ہوگی. جو کوئی غداری کرے گا اس کی سزا بھگتے گا. جو بھی اس عہد نامہ کو توڑے گا تو وہ اور اس کے اہل خاندان مستوجب سزا ہوں گے، خواہ وہ مسلم ہو یا یہودی.

(۱۰) یہ عہد نامہ کسی مجرم اور غلطی کرنے والے کی حمایت نہیں کرتا.

(۱۱) اگر معاہدہ کنندگان کے درمیان کسی شق پر اختلاف رائے واقع ہو جائے جس سے مشکل پیدا ہو رہی ہو تو معاملہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پیش کیا جائے گا جن کا فیصلہ حتمی تصور ہوگا.

(۱۲) اللہ اس معاہدے کی توثیق کرتا ہے اور اپنے بندوں کی نیکی اور تقوے سے بہت خوش ہے. جو اس صحیفے کی شقوں کی پاسداری کرے گا اور پرہیزگار ہوگا اللہ اور اس کا رسول محمد (ﷺ)، اس کی حفاظت کریں گے.

اس صحیفے کی رو سے، جس کو تاریخ میں دستور مدینہ یا میثاق مدینہ کا نام دیا گیا ہے، مسلمانوں اور یہود کے تمام قبائل نے متفقہ طور پر حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو اپنا قائد اور قانونی (De Jure) اور حقیقی (De Facto) حکمران تسلیم کر لیا تھا. جس شق میں یہ طے کیا گیا تھا کہ کوئی بھی فریق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی منظوری کے بغیر کسی جنگ میں نہیں کودے گا اس کی رو سے بلا شک وشبہ یہ امر مسلمہ ہو گیا تھا کہ خارجی امور اور دفاع کے معاملات مکمل طور پر تاجدار مدینہ ﷺ کے دائرہ اختیار میں آ گئے تھے. ریاست مدینہ کے موسس اور حکمران ہونے کے ناطے مدینہ طیبہ کے دفاع کی پوری ذمہ داری حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ حضور کے پیروکاروں پر آ گئی تھی. تاہم صحیفہ مدینہ میں اس بات کی گنجائش موجود تھی کہ فریقین کی رضا و رغبت سے اگر یہود کسی جنگ میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ شریک ہوتے ہیں تو وہ اخراجات حرب وضرب کے خود متحمل ہوں گے. چونکہ تمام دستخط کنندگان کو ایک قوم اور ایک اکائی کا درجہ حاصل تھا اس لیے ریاست سے وفاداری پر بہت زور دیا گیا، یہی وجہ تھی کہ اس بات کی صراحت کر دی گئی تھی کہ ریاست سے عدم وفا غداری سے مترادف سمجھی جائے گی.

تمام فریقوں کے متفقہ طور پر یثرب کو حرم قرار دینے سے مدینہ طیبہ میں اندرونی امن وامان اور داخلی استحکام پر زور دیا گیا تھا. ایک طرف تو مدینہ طیبہ کا حرم قرار پاجانا مذہبی طور پر اس کے تقدس کو اجاگر کرتا ہے مگر دوسری طرف یہود کا اس نظریئے سے اتفاق کر لینا مسلمانوں کی بہت بڑی سیاسی فتح تھی. مذہبی طور پر تو اس کا تقدس مسلمانوں میں مسلمہ ہے ہی مگر سیاسی طور پر تمام فریقوں کا اس بات پر اتفاق کر لینا اس بات کی ضمانت تھی کہ مدینہ طیبہ ایسا شہر بنے گا جہاں امن وآشتی کا دور دورہ ہوگا اور یہ کہ وہاں یہود و مسلم سب پر اس کے حاکم کا حکم چلے گا. معاہدے کی اس شق سے مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو گیا تھا. ساتھ ہی ساتھ میثاق مدینہ اس بات کی ضمانت بھی فراہم کر رہا تھا کہ یہود کو مکمل داخلی آزادی (Autonomy) حاصل ہوگی اور وہ صرف دفاع اور خارجی امور میں اس دولت مشترکہ (Commonwealth) میں برابر کے شہری ہوں گے. یہود کے قبائل کی تمام شاخیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم (composite nation) کے طور پر رہیں گے. اس نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو صحیفہ مدینہ (میثاق مدینہ) نے جدید اصطلاح کے مطابق ایک عظیم تر اتحاد (Grand Alliance) اور ایک دولت مشترکہ (Commonwealth) کو استوار کر دیا تھا جس کی منظوری اللہ اور اس کے رسول نے دی تھی.

تاسیس ریاست مدینہ طیبہ کے وقت اگرچہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی مگر ان کے عزائم اتنے بلند تھے کہ وہ کسی بھی بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا جانے کی ہمت رکھتے تھے. ان کے سالار اعلیٰ کی معجز نگار شخصیت نے ان بادیہ نشینوں میں بجلی کی وہ کڑک پیدا کر دی تھی کہ وہ کسی بھی قصر سلطانی کے لیے برق

کھجوروں کے ایک قدیم باغ کے اردگرد دیوار کا طرز تعمیر

کعب بن الاشرف یہودی کے محل کے کھنڈرات

بہانی کا سامان بن سکتے تھے. تقدیر کا قاضی انہیں دنیا کی امامت سونپنے کے لیے بیتاب تھا. ڈاکٹر زکریا بشیر کے الفاظ میں: (ہجرت نے
مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا، وہ مکہ کے مظلوم اور ستائے ہوئے لوگ نہیں تھے بلکہ اب مدینہ طیبہ کا حکمران طبقہ بن گیا تھا. حضور نبی
اکرم ﷺ کے مدینہ طیبہ میں ورود مسعود کے وقت ہی آں حضرت ﷺ کو اللہ کا رسول اور مدینہ کا حکمران مان لیا گیا تھا اور آپ حضور کی بیعت
کرنے کے لیے مختلف قبائل کے سردار اور صاحب الرائے افراد قطار اندر قطار سر جھکائے کھڑے تھے. اس سلسلے میں یہود بھی پیچھے نہ رہے تھے
اور بغیر کسی تاخیر کے وہ میثاق مدینہ طیبہ کے عہد نامہ سے منسلک ہو کر مدینہ طیبہ کے شہری بن گئے تھے. ان کو ہر طرح کی آزادی دے دی گئی
سوائے خارجہ اور دفاعی امور کے جس کے عوض انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو حاکم اعلیٰ مان لیا تھا.(۲۱) معاہدہ کی کسی شق پر اختلاف رائے
کی صورت میں تمام فریق اس بات پر بھی متفق ہو گئے تھے کہ آخری فیصلہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ہو گا. عدل خصوصی (Private Justice) یعنی قبائلی
سطح پر انصاف کرنے کا رواج یکسر ختم کر دیا گیا اور اس کی جگہ عدل اجتماعی نے لے لی جو مرکزی اتھارٹی کے ہاتھ میں چلا گیا، یعنی مدینہ طیبہ کی
شہری ریاست میں انصاف اور عدل کی فراہمی حضور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں میں آ گئی تھی.

جونہی میثاق مدینہ پر دستخط ہوئے تمام فریقوں نے اس کی توثیق کر دی اور اس کی تشہیر کر دی گئی تاکہ ماضی کی طرح یہ معاہدہ صرف ایک
خفیہ عہد نامہ بن کر نہ رہ جائے. مدینہ طیبہ میں موجود منافقین (مثلاً: ابن ابی جو مدینہ طیبہ کا حکمران بننے کے خواب دیکھ رہا تھا) اور مدینہ طیبہ سے
باہر اسلام مخالف قوتوں کی برانگیختگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے میثاق مدینہ کو مشتہر کر دیا گیا. اس کی شقوں کے مطابق حاکم کے فرائض اور حقوق کا
ایک الگ وثیقہ تیار کیا گیا جس کو اجتماع عام میں جوف مدینہ طیبہ میں ہر خاص و عام کے سامنے رکھ دیا گیا. اس اعلان میں تامین اجتماعی (سوشل
انشورنس، جس کو اس وقت معقل کا نام دیا جاتا تھا، جس کی رو سے ریاست اور حکومت ان اخراجات کو برداشت کرنے کی ذمہ دار قرار پائی جن کا
انفرادی طور پر مدنی شہری یا کوئی چھوٹا سا گروہ متحمل نہیں ہو سکتا تھا)، انصاف کی فراہمی، مدینہ طیبہ کے امور خارجہ، دفاعی معاملات اور مرکزی نظام
حکومت کے دیگر قوائد و ضوابط کی لوگوں میں باقاعدہ تشہیر کی گئی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی عام کر دی گئی کہ حصول عدل کے لیے کوئی بھی اپنے
حاکم یعنی تاجدار مدینہ حضور نبی اکرم ﷺ کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا تھا اور یہ کہ ان کا فیصلہ حتمی اور آخری تصور ہو گا.

اس طرح سابقہ یثرب کے باسیوں نے جو ایک صدی پر محیط جنگ و جدل سے تنگ آ چکے تھے اپنے حاکم کو خوش آمدید کہا اور جوق در
جوق آپ کی بیعت کی. اس سے بہت پہلے ہی بیعت عقبہ ثانی کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے بیعت کے شرکاء سے فرداً فرداً مصافحہ کیا تھا
تو آں جناب ﷺ نے بالصراحت فرما دیا تھا: [آج کے بعد میں تم میں سے ہوں. تمہارا خون میرا خون ہے اور تم جس کو معاف کر دو گے میں
اسے معاف کر دوں گا.] (۲۲) اس کے جواب میں مدنی وفد نے یک زبان ہو کر عہد کیا تھا: [ہم عہد کرتے ہیں کہ تندرستی اور بیماری میں،
تنگدستی اور خوشحالی میں، ہر حال میں ہم آپ کے احکام کو سن کر ان پر عمل درآمد کریں گے. ہم جہاں بھی ہوں سچ بولنے کا عہد کرتے ہیں اور اللہ

کی راہ میں کسی سے نہیں ڈریں گے.(۲۳)اور جب حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ نے ان کو ذہن نشین کروایا کو جو عہد وفا وہ کر رہے ہیں اس کے کیا مضمرات ہو سکتے ہیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا:[ہم آپ کی حفاظت اس طرح کریں گے جیسے ہم اپنے اہل خانہ کی حفاظت کرتے ہیں!]اور پھر جب ان کو یہ باور کروایا گیا کہ اس عہد کا مطلب پوری دنیا سے جنگ مول لینا ہے تو بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی. انہوں نے صرف ایک خدشے کا اظہار کیا کہ کہیں کفر اور شرک پر فتح پالینے کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ ان کو تنہا تو نہیں چھوڑ دیں گے.ابن اسحاق کے الفاظ میں انصار نے بیک زبان کہا:[قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا ہے، ہم آپ کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح ہم اپنی خواتین کی حفاظت کرتے ہیں.ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں ؛ ہم مردان حرب ہیں اور ہمارے پاس وہ اسلحہ ہے جو بیٹوں نے اپنے والدوں سے وراثت میں پایا ہے(یعنی ہم نسل در نسل حرب آزمودہ ہیں).جب البراءؓ بات کر رہے تھے تو ابوالہیثم بن الطیہانؓ نے ان کی بات کو کاٹ کر کہا:یارسول اللہ ﷺ ہمارے دوسرے لوگوں (یعنی یہود) کے ساتھ بھی معاہدے ہیں اور اگر ہم ان حلف ناموں کو توڑ دیں اور اللہ کریم آپ حضور کو فتح وکامرانی دے دے کیا کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ آپ اپنے لوگوں میں واپس لوٹ جائیں اور ہم بے یار و مددگار رہ جائیں؟اس پر نبی اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا اور یوں گویا ہوئے:[خون خون ہی ہوتا ہے اور جس خون کی کوئی قیمت نہ ہو اس کی کوئی قیمت نہیں ہوتی.میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ میں سے ہو.جو تم سے جنگ کرے گا میں اس کے خلاف نبرد آزما ہوں گا اور جو تم سے امن کے ساتھ رہے گا میں بھی اس کے ساتھ امن سے رہوں گا.](۲۴)انصار کے عہد و پیمان کے ایک ایک لفظ سے اخلاص و وفاء کی خوشبو مہک رہی تھی اور واقعی جب نبھانے کا وقت آیا تو انہوں نے اس کا حرف بحرف ایفاء کیا.یہ اسی تربیت اور رہنمائی کا ثمرہ تھا جس سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت صرف ایک دہائی میں استقامت اور وفاء کی پیکر بن گئی تھی.اسوہ حسنہ رسول مقبول ﷺ کو مشعل راہ بنا کر یہ جماعت صحیح معنوں میں ایک ایسے سانچے میں ڈھل گئی تھی جس کا ہر زاویہ اور ہر سمت قرآن کریم نے تراشی تھی.

مدینہ طیبہ ناقبل تسخیر بن جاتا ہے

جونہی اہل مدینہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو نوزائیدہ ریاست مدینہ کا قانونی حاکم تسلیم کیا اور دولت اسلامیہ میں داخلی امن وامان قائم ہوگیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے بیرونی امن اور استقلال قائم کرنے کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمادی.دراصل میثاق مدینہ کا طے پاجانا بھی دیگر مقاصد کے علاوہ بیرونی خطرات سے نمٹنے کی طرف پہلا قدم تھا.قریش مکہ ہجرت مبارکہ کے بعد مدینہ طیبہ کے جانی دشمن بن چکے تھے. پہلے تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ اور ان کی صابر جماعت پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا تھا مگر جب دیکھا کہ وہ آپ حضور ﷺ اور آپ کی جماعت کو ختم کرنے میں ناکام رہے تھے تو انہوں نے تمام تر مخاصمت مدینہ طیبہ پر مرکوز کردی.وہ انہیں کسی بھی قیمت پر وہاں بھی چین سے نہیں بیٹھنے دینا چاہتے تھے.مکہ کے قبائل اپنے سردار ابوسفیان اور ابوجہل کی سرکردگی میں علی الاعلان یہ کہتے تھے کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور ان کی جماعت کو مکمل طور پر نیست و نابود نہ کردیں.اس سے پہلے بھی وہ یہی کچھ کر چکے تھے اور جب مسلمانوں کی ایک مٹھی بھر جماعت ہجرت حبشہ پر روانہ ہوئی تو کفار نے ان کا وہاں تک پیچھا کیا اور ہر ممکن طریقے سے نجاشی کو ان کی مدد اور حمایت سے باز رکھنے کی کوشش کی.وہ تو جزیرہ نمائے عرب سے باہر سمندر پار کا علاقہ تھا مگر اب کی بار تو یہ قافلہ غریب الدیار بمع اپنے قافلہ سالار کے جزیرہ نمائے عرب میں ہی ایک دوسرے شہر میں آباد ہوگیا تھا جہاں ان کی رشتہ داریاں بھی تھیں اور وفاداریاں بھی تھیں.لہذا انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ ان مہاجرین کو مدینہ طیبہ مین پناہ نہ مل سکے.حضرت عبدالرحمن بن کعب بن مالکؓ کی ایک روایت کے مطابق مشرکین مکہ نے ابن ابی کو(جو اپنے سینے میں یثرب کے حکمران بننے کی حسرتیں سمیٹے بیٹھا تھا) ایک خط لکھا تھا جس

ہا متن کچھ یوں تھا: [تم نے ہمارے بھائی بندوں کو پناہ دی ہے. تمہیں اللہ کی قسم یا تو تم ان سے جنگ کرو یا پھر ان کو نکال باہر کرو، بصورت دیگر ہم پوری قوت سے حملہ آور ہوں گے اور اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک کہ تمہارے سارے جنگجو مارے نہ جائیں اور پھر ہم تمہاری عورتوں کے ساتھ جیسا چاہیں گے سلوک کریں گے.] (۴۵) اس حدیث مبارکہ کے مطابق جس کو ابی داؤد نے بیان کیا ہے، یہ دھمکی نہ صرف جنگ بدر سے پہلے وصول ہوئی تھی بلکہ جنگ بدر میں اپنی شکست کے بعد ان کافروں نے اس سے بھی زیادہ دھمکی آمیز خطوط یہودیوں کو بھی بھیجے تھے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں. ان کو لکھے گئے ایک خط کا متن کچھ اس طرح تھا: [تم اسلحہ اور قلعوں کے مالک ہو. تمہیں تو ہمارے مغرور ساتھیوں سے جنگ کرنی چاہیے. اگر نہیں کرو گے تو ہم تم سے نپٹ لیں گے اور پھر کوئی بھی چیز ہمارے ہاتھوں اور تمہاری عورتوں کے ٹخنوں کے درمیان حائل نہ ہو سکے گی.] (۴۶)

انہوں نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ مہاجرین کی پیچھے چھوڑی ہوئی منقولہ اور غیر منقولہ جائدادوں پر قبضہ کر لیا. حضرت صہیب الرومی ؓ کو (جو حضور نبی اکرم ﷺ کے پکے اور سچے عاشق اور جلیل القدر صحابی تھے) کو تو اپنی تمام جائیداد اور جمع پونجی سے ہاتھ دھونا پڑا تھا کیونکہ اہل مکہ نے ان کی مدینہ طیبہ روانگی کی اجازت کی قیمت یہ رکھی تھی کہ اگر وہ اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ ملنا چاہتے ہیں تو ان کو اپنی تمام جائیداد اور مال و دولت ان کے حوالے کرنا پڑے گی جو اس وقت خاصی قدر و قیمت رکھتی تھی. (۴۷) سب سے بڑھ کر کفار مکہ کی وہ حرکت تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کو طواف کعبہ کرنے سے منع کر دیا اور ایک مرتبہ جب حضرت سعد ابن معاذ ؓ کی کعبہ المشرفہ کے جوار میں ابوجہل سے مڈبھیڑ ہو گئی جس میں اس نے اپنے اس ارادے کا واشگاف الفاظ میں اظہار کیا کہ آئندہ مسلمان زیارت کعبہ المشرفہ سے محروم کر دیئے جائیں گے تو حضرت سعد ابن معاذ ؓ نے بھی ببانگ دہل اعلان کر دیا تھا کہ اگر مشرکین ایسا کریں گے تو مسلمان بھی ان کے تجارتی قوافل کو مدینہ سے راہداری اور راستہ فراہم نہیں کریں گے. ان تمام مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ صرف سرد جنگ ہی نہیں تھی بلکہ روز اول سے ہی ایک مکمل اور بھرپور جنگ کی صورت حال قائم ہو چکی تھی.

اسلامی ریاست کے مؤسس اور سربراہ کی حیثیت سے نبی اکرم ﷺ دولت اسلامیہ اور اس کی رعایا کو درپیش خطرات سے ہرگز غافل نہیں تھے. اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا تھا کیونکہ ان سے بڑھ کر یہ بات کون جانتا تھا کہ ذرا سی غفلت پوری دولت اسلامیہ کو نیست و نابود کر کے رکھ دیتی. لہٰذا بغیر چند دن آرام کئے حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں واقع بدو قبائل سے رابطے استوار کر لیے اور ان سے متوقع کی جارحیت کے خلاف دفاعی نوعیت کے معاہدے بھی کر لیے. غزوہ الابواء میں بنو ضمرہ کے ساتھ معاہدہ اس معاملہ میں ایک مثال ہے. یہ دفاعی منصوبہ بندی جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی اعلیٰ درجے کی سیاسی بصیرت کی عکاسی کرتی ہے وہاں اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان اقدامات نے مکیوں کی چالوں کا مؤثر سد باب بھی کر دیا تھا. اس سے ایک طرف تو مدینہ طیبہ کے چاروں اطراف کافی حد تک محفوظ ہو گئے اور دوسری طرف مسلمان کفار مکہ کے تجارتی قافلوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے میں کامیاب ہو گئے جو بلاد الشام کو جاتے ہوئے انہیں قبائل اور انہی علاقوں سے ہو کر جاتے تھے. تجارتی قافلے ان کی اقتصاد کی رگ جاں کی حیثیت رکھتے تھے. نبی اکرم ﷺ کی منصوبہ بندی سے ان کے تجارتی سفر شدید خطرات سے دوچار ہو گئے. اہل مکہ بھی اس سے غافل نہیں تھے اور خطرے کی سنگینی کا اندازہ کر چکے تھے. لہٰذا جونہی مسلم نوجوانوں نے ان تجارتی شاہراہوں پر گشت شروع کی اور چند مقامات پر ان کا آمنا سامنا بھی ہوا تو کفار کو اپنی تمام تر تجارتی امیدوں پر پانی پھرتا نظر آنے لگا. وہ تو شروع ہی سے ہی نوزائیدہ ریاست مسلمہ کو تباہ کرنے کے لیے ادھار کھائے بیٹھے تھے. مسلمانوں کی ان تجارتی شاہ رگ پر گشت نے جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کیا اور ان کے جنگی منصوبوں کو مزید مہمیز لگا دی.

یہ تھا وہ سیناریو اور پس منظر جس میں اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو ہتھیار اٹھانے اور جہاد شروع کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا. (۴۹)

لہذا وہ احکام جو مکہ میں نازل ہوئے تھے ان پر عملدرآمد کرنے کا وقت آن پہنچا تھا۔ کتنے تھے جو اپنا دفاع نہ ہونے کے سبب مکہ میں ہی کفار کے ظلم وستم سے اپنی جانیں کھو بیٹھے تھے اور کتنے اور تھے جو بار بار حضور نبی اکرم ﷺ سے استفسار کرتے کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی مدد کہاں ہے اور کب آئے گی؟(۲۹) جواب میں ان کو صبر واستقلال کی تلقین کی جاتی تھی۔ بیعت عقبہ ثانی پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دراصل اہل مدینہ کا ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا عہد وپیمان تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ظلم کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا اصولی فیصلہ تو مکہ میں ہی کر لیا تھا۔ ادھر کفار کی طرف سے حضور نبی اکرم ﷺ کو قتل کر دینے کا منصوبہ بھی ایک مکمل اعلان جنگ کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اس چیلنج کو قبول کر لیا گیا تھا۔ ہجرت دراصل دشمنوں کے خلاف ایک خاموش اعلان جنگ ہی تھا صرف رسمی ناقوس جنگ بجنے کا انتظار تھا۔ اصل انتظار تھا تو صرف اس بات کا کہ محاذ کہاں کھولا جائے۔ لہذا جونہی مسلمانوں کو اپنی حکومت اور اپنا وطن مل گیا تو ان پر اللہ کے احکام کی فوری تعمیل واجب ہو گئی تھی اب رب ذوالجلال کے احکام کی تعمیل کو مزید معرض التواء میں نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔(۳۰)

اس کے بعد قرآن پاک کے لگاتار احکام نازل ہوئے کہ جہاد برپا کر دیا جائے جس سے ان مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے جو ایک عرصے سے ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے اور ایک بار نہیں بلکہ دو بار اپنا گھر بار چھوڑ کر پہلے حبشہ اور پھر بعد میں مدینہ طیبہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو چکے تھے۔ لہذا فیصلہ کی گھڑی آن پہنچی تھی اور تاریخ اسلام میں دشمن کو للکارنے کا اس سے زیادہ مناسب وقت اور کیا ہو سکتا تھا۔ جہاد راہ حق میں تھا نہ کہ ذاتی مفاد کے لیے کوئی لڑائی تھی۔ مزید برآں سالار لشکر کے پاس دنیاوی انعام واکرام دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا مجاہدین برضا ورغبت راہ حق میں جہاد کے لیے نکلنے کے لیے خود ہی بے چین تھے جن کے سامنے اللہ کی رضا جوئی کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد نہ تھا۔

بقول اقبال:

الٰہی یہ تیرے پر اسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن — نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

ان پراسرار بندوں کی نہ تو کوئی تنخواہ مقرر ہوئی اور نہ ہی انہیں کوئی دنیاوی لالچ دیا گیا تھا۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ صلائے عام دے دیا گیا کہ جو کوئی بھی راہ حق میں شہادت پائے گا جنت کے انعام واکرام کا حقدار ٹھہرے گا۔ یہی ترغیب اور پیش کش (Incentive) تھی جو ہر مجاہد کو میدان کارزار میں کشاں کشاں لے آتی تھی۔ ایک موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔](۳۱) ہر مسلمان کا جذبہ شہادت دیدنی تھا۔ یہ ترغیب ایسی تھی کہ پیر وجواں تو ایک طرف نابالغ بچے بھی قطار اندر قطار جہاد میں شرکت کے لیے نکل پڑے۔ صرف معدودے چند لوگ تھے جو ابھی مزید وقت اور مہلت مانگ رہے تھے مگر ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ ہر مسلمان مرد وعورت اور بچہ بچہ اپنے پیارے رسول ﷺ کی ندا پر لبیک کہہ رہا تھا اور اپنی جانوں کا نذرانہ دینے کے لیے بے چین تھا مظلوم ظلم وستم سے تنگ آ چکا تھا، مگر تا بکے؟ اب تو ان کی اپنی حکومت تھی اور اپنا نظام تھا اور اپنا الگ وطن تھا جس کا دفاع فرض اولیں بن چکا تھا۔ ہر آزاد ملک کی طرح انہیں بھی پورا حق تھا کہ وہ دشمن کے تجارتی قوافل کو اپنی حدود سے گزرنے دیتے یا انکار کر دیتے۔ اسی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے مسلح دستے ان راستوں پر گشت کرتے تھے اور جو کارواں بھی ان کی اس آزادی اور حق کو للکارتا اس کا پیچھا کیا جاتا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ کفار مکہ اس نئی مگر تلخ حقیقت کو تسلیم کر لیتے اور جیو اور جینے دو کی حکمت عملی اپناتے مگر انہوں نے اپنے روایتی تکبر اور نخوت کو ترک نہ کرتے ہوئے اسے اپنی بے عزتی پر محمول کیا۔ حسد اور تنگ نظری نے ان کی دشمنی کو اور ہوا دے دی اور انہوں نے مدینہ طیبہ کی اس چھوٹی سی بستی کو روند ڈالنے کے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے منصوبے بنانے شروع کر دیئے۔

قرآن کریم کی ایک آیت جس کی خطاطی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہے

جذبہ شہادت سے سرشار مسلمانوں کی مٹھی بھر فوج نے جب اپنے سالارِ اعلیٰ کی کمان میں مقام بدر پر اپنے سے تین گنا بڑی فوج کے مقابلے کی ٹھان لی تو فتح و نصرت ان کی راہ تک رہی تھی. اس فتح نے مسلمانوں کے حوصلے اور بلند کر دیئے اور جذبہ جہاد مزید تیز ہو گیا اس کے بعد سورۃ انفال نازل ہوئی جس میں قرآن کریم نے حکمت جہاد کو مزید واضح انداز میں بیان کیا سورۃ انفال ایک طرح کی جنگ بدر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبصرہ (Critique) اور تشریحات تھیں. اس میں مسلمانوں کی چند خامیوں کی نشان دہی کی گئی اور اس بات کا اعلان کر دیا گیا کہ اگر مسلمان اللہ پر کامل ایمان رکھیں گے تو وہی فتح پائیں گے خواہ دشمن تعداد میں ان سے دس گنا ہی کیوں نہ زیادہ ہو. جنگ بدر اسلامی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے. اس سورہ مبارکہ کی ایک آیۃ کریمہ نے آنے والے تمام وقتوں کے لیے مسلمانوں کے لیے لائحہ عمل وضع کر دیا ﴿اور ان کے لیے تیار رکھو جو قوت بھی تم سے بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو باندھو اور اس سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں.﴾ (۳۲)

سینار یو خواہ کیسا بھی تھا مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے جارحیت میں پہل نہیں کی. تمام جھڑپیں یا جنگیں جو مسلح جہاد کا نقطہ آغاز تھیں مدینہ طیبہ کے قریب یا پھر اس کے گرد و نواح میں لڑی گئیں. جس کا مطلب یہ ہے کہ جارح بہت فاصلہ طے کر کے آیا تھا ان تمام میدان ہائے کارزار کا فاصلہ مدینہ کی نسبت مکۃ المکرمہ سے بہت زیادہ تھا. پہلا میدان جنگ مدینہ طیبہ سے ۹۲ میل (۱۵۰ کیلومیٹر) دور تھا جبکہ وہاں سے مکہ مکرمہ تک کی مسافت ۱۶۰ میل (۲۷۰ کیلومیٹر) تھی. (۳۳) دوسرا اور تیسرا غزوہ (یعنی غزوہ احد اور غزوہ خندق) تو عین مدینہ طیبہ کے مضافات میں لڑے گئے یعنی دشمن اتنا سفر طے کر مدینہ طیبہ پر جارحیت کے لیے چڑھ دوڑا تھا جس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ مدینہ طیبہ کی یہ نوزائیدہ ریاست بار بار اہل مکہ کی طرف سے جارحیت کا شکار ہوئی جو کسی بھی قیمت پر اس کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے.

جارحیت کا آغاز کفار مکہ کی طرف سے ہوا اور پہلے چند غزووں میں مسلمانوں نے دفاعی جنگیں لڑیں اور سب میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا. ہر بار دشمن کیل کانٹے لے لیس ہو کر آتا مگر منہ کی کھا کر پسپا ہو جاتا. جنگ احد میں ضرور مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر جدید نظریہ جنگ و جدل کی رو سے اسٹریٹیجک توازن پھر بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا تھا کیونکہ کفار میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ مدینہ طیبہ میں داخل ہو سکیں اور یوں وہ اپنی معمولی برتری کا کوئی بھی ثمرہ نہ اٹھا سکے تھے. وہ جس طرح آندھی کی طرح حملہ آور ہوئے تھے اسی طرز پر بگولے کی

طرح میدان کارزار سے دم دبا کر بھاگ گئے تھے اور مسلمان اگر چہ زخموں سے چور ہو چکے تھے مگر پھر بھی اپنے رستے زخموں کے ساتھ ہر اصحاب کرام نے حضور نبی اکرم ﷺ کی کمان میں ان کا دور تک (حمراء الاسد) تعاقب کیا تھا۔(۳۴) جنگی نقطہ نظر سے یہ لڑائی فیصلہ کن رہی تھی اور دشمنوں کے کمانڈر (ابوسفیان) نے یہ دھمکی دے کر وہاں سے بھاگ جانے میں عافیت سمجھی تھی کہ وہ اگلے سال بدر پر بڑے لشکر کے ساتھ مسلم فوج کا انتظار کرے گا۔ ابوسفیان کا وہ چیلنج مسلم افواج نے منظور کر لیا تھا کیونکہ انہیں اپنے اللہ کے وعدوں پر یقین کامل تھا کہ فتح بالآخر انہیں کی ہوگی۔﴿اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ، تمہیں غالب آؤ گے اگر تم ایمان رکھتے ہو!﴾(۳۵) اور اس پر مستزاد یہ: ﴿اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو وہ لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پا چکے ہیں......﴾(۳۶)

ابتدائی کامیابیاں مسلمانوں کے لیے دور رس نتائج کی حامل تھیں کیونکہ ان سے مدینہ طیبہ کی ریاست کی شہرت جزیرہ نمائے عرب کے حدود سے باہر دور دور تک پھیل گئی جس سے بعد میں آنے والے اوقات میں اس نے ارد گرد کی ریاستوں کو مرعوب اور آسانی سے سرنگوں کرلیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے اندرونی اور بیرونی خطرات ابھی بھی تاک لگائے بیٹھے تھے لیکن ایک ایک کر کے مسلم امت نے اپنے سالار اعلیٰ کی کمان میں ان سب کو ختم کر دیا قرآن کریم کی روشنی میں حضور نبی اکرم ﷺ کی رہنمائی نے دس سال کی قلیل مدت میں اسلامی نظام حکومت کے بنیادی ڈھانچے (Infra Structure) کو استوار کر دیا تھا اور اس طرح شریعت اسلامی کی روح نے عملی طور پر نافذ العمل ہو کر ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھ دی تھی جو ہر قسم کے استحصال سے پاک تھا اور جس کی روح رواں عدل اجتماعی برابری اور آزادی کے زریں اصول قرار دیئے گئے تھے۔ تاریخ انسانی میں یہ کوئی معمولی تاریخی سانحہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک ایسا موڑ تھا جس نے پوری انسانیت کو ایک صحیح سمت عطا کر دی تھی۔ مدینہ طیبہ جو کبھی یثرب ہوا کرتا تھا اب پوری آب و تاب کے ساتھ افق عالم پر ایک درخشندہ ستارہ بن کر چمکنے لگ گیا تھا۔ بادی النظر میں تو اس نے صرف مکہ کے چند مقہور و مجبور مہاجرین کی میزبانی کا حق ادا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنے انعام و اکرام کی اتنی بارش کی کہ پلک جھپکنے میں ہی اس کی کایا پلٹ گئی اور یہ شہر نبوی بین الاقوامی سیاست کے دھارے میں شامل ہو کر اقوام عالم میں ایک غالب قوت کے طور پر ابھر آیا تھا۔

کون سوچ سکتا تھا کہ مجبور و مظلوم اقلیت جن پر ان کے اپنوں نے ہی عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا اور جو اپنے قائد اور رسول برحق ﷺ کی رہبری میں گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو کر دیار غیر میں پناہ لینے پر مجبور ہو چکی تھی دیکھتے ہی دیکھتے ایک اتنی عظیم وحدت اور اکائی (مسلم امہ) کی صورت اختیار کر لے گی کہ اس وقت کی عالمی قوتوں کو شکست دیکر اور زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لیکر دنیا کی امامت کے منصب جلیلہ پر فائز ہو جائے گی اور اس پر دستور سماوی (یعنی قرآن کریم) کو اپنے نبی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں نافذ کر دے گی۔ یہ حضور رسالت مآب ﷺ کی معجز نگار شخصیت کا اثر تھا کہ مدینہ طیبہ کی چھوٹی سی بستی سے نکلنے والی اسلامی انقلاب کی شعاؤں نے پوری دنیا کو روشن کر دیا اور حضور نبی اکرم ﷺ کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھنے والی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت نے اسلامی خلافت پر مبنی طرز حکومت کا ایک ایسا ماڈل دنیا کے سامنے پیش کیا جس کی آج تک مثال نہیں ملتی۔

مدینہ طیبہ کی ریاست بین الاقوامی افق پر درخشندہ ستارہ بن کر ابھرتی ہے

رسول اللہ ﷺ کا خواب اور اللہ رب ذوالجلال کا وعدہ پورا ہو چکا تھا (۳۷) اب یہ ایام جاہلیت کا یثرب نہیں رہا تھا بلکہ اب تو یہ مدینۃ النبی اور مدینہ منورہ بن چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے عین مطابق اس وقت کی دونوں عالمی قوتیں ایرانی (ساسانی) اور رومی (بازنطینی) جلد ہی اس کی جھولی میں ٹوٹ کر گرنے والی تھیں۔ مدینہ طیبہ اب صرف چند قبائل کی آبادی نہیں رہا تھا اور نہ ہی اپنی ارض وطن کے

دفاع سے عاری ولاچار تھا. رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیادوں کی خشت اول رکھ دی تھی اور اس کے لیے ضروری بنیادی ڈھانچہ (Infra structure) بھی وضع کر دیا تھا. یہ مدینہ طیبہ ہی تھا جہاں سے خود حضور رسالت مآب ﷺ نے انیس-۱۹ غزووں کے لیے مسلم افواج کی کمان کی تھی اور ستائیس سرایا روانہ کئے تھے اور اس کے علاوہ کم وبیش چھیاسٹھ-۶۶ مختلف فوجی مہمات روانہ فرمائی تھیں. (۳۸)

حاکم بحرین منذر بن ساوی کے نام مکتوب مبارک اور رسول اللہ ﷺ کی مہر مبارک کا ایک عکس

مدینہ طیبہ کی شہری ریاست قائم ہوتے ہی منافقین تو اپنی موت آپ ہی مر گئے مگر یہودی جو پیدائشی سازشی تھے اپنی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مسلسل دردِ سر بنے ہوئے تھے. ان کے مختلف قبائل میثاق مدینہ کی کھلم کھلا خلاف ورزیوں کے مرتکب ہو رہے تھے. بنی نضیر کے یہودیوں نے تو حضور نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کے لیے آپ کے اوپر پتھر لڑھکانے کی کوشش بھی کی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جبریل امین نے بروقت آپ حضور ﷺ کو مطلع کر دیا اور یوں یہود کو منہ کی کھانی پڑی جس کے نتیجے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں چھ دن تک ان کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے اور سرنڈر کی شرائط کے تحت ان کو مدینہ بدر کر دیا گیا. باقی ماندہ یہودیوں میں سے بنی قریضہ نے اہل مکہ کے ساتھ ساز باز شروع کر دی اور ان کو غزوہ خندق میں خفیہ اور بھرپور مدد کا وعدہ کیا. یہ بھی میثاق مدینہ کی کھلی خلاف ورزی تھی، جس کی پاداش میں جونہی جنگ خندق اپنے اختتام کو پہنچی، حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کے محاصرے کا حکم دے دیا جو ان کے قتل پر منتج ہوا. اس سے یہود کی رہی سہی قوت بھی دم توڑ گئی (۳۹) لیکن اس سے بہت پہلے ہی ہجرت مبارکہ کے دوسرے سال تحویل قبلہ نے مدینہ طیبہ میں مقیم منافقین اور یہود کی آنکھیں کھول دی تھیں کہ اسلام وہاں پر ایک واحد قوت (Sole Power) کے طور پر ابھر چکا تھا جسے اپنی بقاء کے لیے کسی اور کی بیساکھیوں کی ضرورت نہیں تھی. خیبر فتح ہو جانے کے بعد مدینہ طیبہ جزیرہ نمائے عرب کی واحد غالب قوت کی شکل میں سامنے آیا تھا جس کی وجہ سے یہ اسلام کا بہت مضبوط قلعہ بن گیا اور جونہی مکہ مکرمہ فتح ہوا مدینہ طیبہ کا حکم تقریبا تمام حجاز پر چلنے لگا. اس طرح مدینہ طیبہ عالمی سطح پر اپنے وسیع تر کردار کے لیے تیار ہو چکا تھا. یہ ایک ایسا مرکز بن گیا تھا جہاں سے اس وقت کی عالمی قوتوں کو دعوت نامے ارسال کئے گئے جن کے اوپر نبی اکرم ﷺ کی مہر ثبت ہوا کرتی تھی. ان تمام سربراہان مملکت کو اسلام کی دعوت دی گئی.

جز و بن چکے تھے جبکہ جنوب میں یمن اور حضر موت تک اسلام کا سکہ چلنے لگا تھا اور مشرق میں عراق اور پھر ایران اور مغرب میں مسلم افواج دریائے نیل کو عبور کر گئی تھیں. دیکھتے ہی دیکھتے مسلم افواج کے برق رفتار گھوڑے کل تک کے نا قابل تسخیر دار السلطنتوں کو روندتے ہوئے مشرق و مغرب میں سطوت اسلام کے جھنڈے گاڑ چکے تھے.(۴۱)

اور صرف دو دہائیوں کے اندر اندر برق رفتاری کی ساتھ مدینہ طیبہ کا عمل دخل دور دور تک پھیل گیا شمال میں حلب اور دمشق مسلم خلافت کا (۴۰)

نبی اکرم ﷺ کے قریب ترین حلقے کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے آپ کے آگے زانوئے ادب طے کر کے قران کریم کی تفصیلی تعلیمات حاصل کی تھیں اور جنہوں نے بہت سالوں تک قرآنی تعلیمات بلا واسطہ قرآن کریم کے عملی نمونہ حضور نبی اکرم ﷺ کے سایہ عاطفت میں حاصل کی تھیں اب پوری طرح مستعد تھے اور اس اسلامی حکومت کو چلانے کے پوری طرح اہل تھے جس کی سرحدیں اب مشرق و مغرب کے براعظموں کو عبور کر کے دور دور تک پھیل چکی تھیں. عسکری سپہ سالاروں، ریاستوں کے امیروں اور گورنروں کی پہلی کھیپ مدینہ یونیورسٹی کے پہلے فارغ التحصیل اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت تھی (مسجد نبوی کے لیے ہم صرف استعارے کے طور پر یونیورسٹی کا لفظ استعمال کررہے ہیں). چند ایک شخصیتوں کے سوا باقی کے اصحاب یا تو زیادہ تر آزاد کردہ غلام تھے یا 'امی' چرواہے تھے جو مدینہ طیبہ کے نخلستانوں اور مرغزاروں میں گلہ بانی کرتے تھے. یہ تو کمال تھا مدینہ طیبہ کی بھٹی کا کہ اس نے مس خام کو کندن بنا دیا تھا.(۴۲) مغرور یزدگرد، گستاخ رستم اور شاہی ناز و نعم میں پلے بازنطینی عسکری سپہ سالار جن کو اپنی صدیوں پرانی شجاعت کی روایتوں پر بجا طور پر ناز تھا آج مدینہ طیبہ کے شاہینوں کے سامنے نخچیر کم مایہ کی طرح ایک سے دوسری جگہ بھاگ بھاگ کر پناہ گاہیں تلاش کر رہے تھے.(۴۳) فتوحات اتنی تیزی سے ہوئیں کہ دس سال کے عرصے میں دس لاکھ سے بھی زیادہ مربع میل کا رقبہ زیر تسلط آ چکا تھا لیکن ان تمام فتوحات میں میر امم سالار کائنات اور محسن انسانیت ﷺ کی انسان دوستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر حساب کیا جائے تو مسلم شہداء کی تعداد ایک جان ماہانہ سے زیادہ نہ تھی اور دوسری طرف دشمنان اسلام کا جانی نقصان ڈیڑھ صد ماہانہ سے زیادہ نہیں بنتا. غزوات النبوی پر نقد و نظر کرنے والے جب ان اعداد و شمار پر نظر ڈالتے ہیں تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں. یہ جہاد برائے امن عالم نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی دس سالہ جہاد پیہم نے مدینہ کو اس وقت عاصمۃ العالم بنا دیا تھا. اب کے بعد سیاسی اور دینی قوت کا سرچشمہ مدینہ طیبہ منتقل ہو چکا تھا جہاں سے دنیا پر حکومت ہونی تھی. رسول اللہ ﷺ کا سچا خواب پورا ہو چکا تھا (۴۴). بلا شک و شبہ حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ سے محبت کرتے تھے اور مدینہ طیبہ آپ حضور ﷺ سے عشق کرتا تھا.

حضور نبی اکرم ﷺ کا انداز حکومت

تاجدار دو عالم سید جن و بشر ﷺ کے انداز حکومت پر صرف ایک طائرانہ سی نگاہ ڈالنے کے لیے کئی ضخیم جلدیں بھی تحریر کی جائیں تو حق ادا نہ ہو گا چہ جائیکہ کہ مجھ جیسا ہیچ مداں حضور دانائے سبل اور ختم الرسل ﷺ کی سیرۃ مبارکہ کے اس پہلو پر رائے زنی کی جرأت کرے. مگر تاریخ مدینۃ النبی کے پس منظر میں سیرۃ طیبہ کے صرف چند ایسے گوشوں پر قلم اٹھائے بغیر مفر نہیں جن سے درحقیقت مدینہ طیبہ کی سیاسی اہمیت پر روشنی ڈالنا مقصود ہے. اس لیے ذیل کی اس حقیری کوشش کو اسی تناظر میں دیکھا جائے.

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، حکمران اور رعایا کے حقوق اور فرائض کا تعین کر کے انہیں عامۃ الناس میں مشتہر کر دیا گیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی شہری ریاست کے پہلے حاکم اعلیٰ بنے قرانی تعلیمات کے مطابق: ﴿اور ہم نے انہیں امام بنایا، ہمارے حکم سے وہ ہدایت دیتے ہیں اور ہم نے انہیں وحی بھیجی اچھے کام کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکٰوۃ دینے کی، اور وہ ہماری عبادت کرتے تھے.﴾(۴۵)

رسول اللہ ﷺ بھی اپنے پیش روانبیاء کی طرح حاکم اعلیٰ تھے۔ یہود کے لیے تو آپ حضور ﷺ میثاق مدینہ کے تحت محض سربراہ حکومت تھے جو داخلی امن وامان قائم کرنے اور خارجی اور دفاعی طور پر مدینہ طیبہ کی حفاظت کے ضامن تھے اور بین الیہود معاملات میں ان کو ان کے صحیفہ ہائے سماوی کے مطابق انصاف مہیا کرنے کے پابند تھے (۴۶) لیکن مسلمانوں کے لیے تو آں حضرت ﷺ محض ان کے حاکم اعلیٰ اور سالار اعظم ہی نہ تھے بلکہ حضور رسالت مآب ﷺ اللہ کے رسول اور واحد قانون ساز تھے۔ خوشی ہو یا غم، جنگ ہو یا امن، دین ہو یا دنیا وہ رشد وہدایت کے لیے اپنے آقا و مولیٰ کی طرف ہی رجوع کرتے تھے۔ ریاست مدینہ طیبہ نہ صرف امت اسلامیہ کی سیاسی زندگی کی اساس ہے بلکہ پوری دنیا میں یہ پہلی حکومت تھی جو ایک نظریہ (Ideology) کی بنیاد پر استوار کی گئی تھی جو شعوب وقبائل اور رنگ ونسل کی حدود سے ماورا آفاقی تصور پر اجاگر ہوئی تھی اور جس کے رگ وپے میں قوانین الٰہیہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روح رواں موجزن تھی۔

چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات دنیوی میں مدینہ طیبہ میں قیام کے پورے عرصے کے دوران وحی الٰہی کا سلسلہ جاری رہا تھا، اس لیے اس مدت کو اسلام کی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ اسی دور میں دینی، معاشرتی، قانونی اور سیاسی لائحہ عمل نہ صرف وضع کئے گئے بلکہ اسوہ حسنہ کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کا جیتا جاگتا عملی نمونہ ہادی برحق حضور نبی اکرم ﷺ کی شکل میں مومنوں کے درمیان موجود رہا۔ اسوہ حسنہ اور سنت طاہرہ رسول مقبول ﷺ نے صرف اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے افکار کی آبیاری ہی نہیں کی بلکہ ہمیشہ کے لیے بنی نوع انسان کو رشد وہدایت کا سامان مہیا کر دیا۔ تنزیل قران کریم کا سلسلہ چونکہ جاری تھا، جب بھی کبھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو قرآنی رہنمائی نازل ہو جاتی لیکن یہ سلسلہ تو چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی وفات پر منقطع ہو جانے والا تھا اور آخری نبی ہونے کی وجہ سے آپ حضور ﷺ کے بعد چونکہ وحی کا دروازہ قطعی طور پر بند ہونے والا تھا تو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسوہ حسنہ (سنت مطہرہ) کی طرف نگاہیں لگائے رکھتے کیونکہ وہ عملی نمونہ ہی بعد میں ان کا رہنما اور رہبر ہونا تھا۔ دوسری طرف نبی اکرم ﷺ بھی وحی الٰہی کے ساتھ ساتھ اپنے احباب اور اصحاب سے مشاورت بھی فرماتے تھے۔ دنیوی معاملات میں حضور نبی اکرم ﷺ اپنے معتمد اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ فرماتے اور بسا اوقات اتفاق رائے سے لیا گیا فیصلہ صادر فرما دیتے۔ قرآن کریم نے اسی طرز حکومت کی تلقین کی تھی ﴿تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر بھروسا کرو، بیشک اللہ توکل والوں سے محبت کرتا ہے۔﴾ (۴۷) اسوہ حسنہ کا یہی پہلو جو اسی آیہ قرآنی کی مکمل تفسیر تھی بعد میں مکمل شورائی نظام کی اساس بنا۔

حکومت کے انتظام وانصرام کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے انصار اور مہاجرین میں سے نقیب (جمع نقباء) مقرر کئے ہوئے تھے جو آپ حضور ﷺ کے لیے مشیروں کی جماعت تھی اور ان پر حضور نبی اکرم ﷺ پورا بھروسا رکھتے تھے اور حالات جنگ وامن میں ان سے مشورہ فرماتے تھے۔ ایسے نقباء جن کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف رہی (اور زیادہ سے زیادہ ان کی تعداد چودہ تھی) (۴۸) ایک طرح کی غیر رسمی مجلس مشاورت تھی جسے آج کے دور میں مجلس شوریٰ کہا جا سکتا ہے اور جو آنے والے وقتوں میں (بنی امیہ اور بنی عباس کے ادوار میں) باقاعدہ طور پر مقرر شدہ مجلس وزراء کی پیشرو اور نظیر بنی۔ تمام نقباء جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوا کرتے تھے جن کا اپنے اپنے قبیلے میں بہت احترام ومقام ہوتا تھا۔ والی (گورنر) اور عمال (حکومتی کارندے) کو حضور نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس منتخب فرماتے جس کے لیے سب سے بڑا معیار آئین اسلام سے غیر متزلزل وفاداری تھا، یعنی احکام خداوندی کی مکمل پابندی اور رسول اللہ ﷺ کا اتباع کامل اور تقویٰ اور امانت و دیانت داری میں درجہ اتم ہونا (۴۹)۔ چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ امی تھے اس لیے کتابت واملاء کے لیے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مامور تھے جو نہ صرف وحی قرآنی لکھتے بلکہ مکتوبات اور تعہدات (Covenants) بھی تحریر کرتے جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے تھے۔

حجرہ مبارکہ کے بالکل ساتھ ہی مسجد نبوی شریف کے ایک کونے میں ایک اونچا سا حصہ تھا جس کو'الصفہ' کہا جاتا تھا جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت قیام فرما تھی جنھوں نے اپنی زندگیاں حضور نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے قرآنی تعلیمات کے حصول کے لیے وقف کردی تھیں. باقی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس معاملے میں کسی سے کم نہیں تھے. تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دینی اور دنیوی فرائض کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن وقف تھے. یہ اللہ کی سپاہ کے لشکری ہر وقت کسی بھی عسکری مہم پر روانہ ہونے کے لیے تیار رہتے تھے. اس وقت پورے جزیرہ نمائے عرب میں کہیں بھی مستقل فوج کا رواج نہیں تھا. ہر قبیلے کے مرد لڑائی میں استعمال ہونے والے اسلحہ میں خوب تربیت حاصل کرتے تھے. صرف اس وقت جب ضرورت پڑتی تو قبیلے کے سرداران کو ساتھ لیتے اور جونہی جنگ کے شعلے ٹھنڈے پڑ جاتے تو وہ اپنی معمول کی زندگیوں پر واپس آجاتے تھے. مدینہ طیبہ میں تو ہر وقت بیرونی جارحیت کا خدشہ تھا اس لیے اس قبائلی ریت ورواج کے برعکس اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمہ تن گوش اپنے آقا کی صلاء و نداء کا انتظار کرتے رہتے تھے اور ایک اشارے پر لبیک کہتے ہوئے جدھر حکم ہوتا روانہ ہو جاتے تھے. اس ہمہ وقت کی مستعدی کا تقاضا تھا کہ اللہ کے سپاہیوں کو فن حرب وضرب میں مہارت تامہ حاصل ہو. لہذا نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے ہر طرح کی عسکری تربیت کا اہتمام کر رکھا تھا. نیزہ بازی، تیراندازی اور شمشیر بازی تو ایک کھیل کی طرح رائج تھی. رہی گھڑ دوڑ تو عرب ویسے ہی اس کے بہت شوقین تھے. پہلوانی اور دیگر جسمانی لیاقت کو جلا دینے والی ورزشوں کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا. کتنی ہی ایسی احادیث مبارکہ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مارشل آرٹس اور فن تیراندازی کا نہ صرف بنفس نفیس ملاحظہ فرمایا تھا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی تھی. (۵۰) ایک حدیث مبارکہ سے تو پتہ چلتا ہے کہ مسجد نبوی شریف کے احاطے میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ سے اذن کے بعد حبشی غلاموں نے نیزہ بازی اور شمشیر بازی کا مظاہرہ کیا تھا. جونہی کسی جنگ کے بادل منڈلانے لگتے تو خاص و عام کو ہمہ تن مستعد رہنے کا حکم ہو جاتا تھا. پیر و جواں مرد تو ایک طرف نابالغ بچے بھی جذبہ شہادت سے سرشار ساتھ چلنے کا اصرار کرتے تھے، لیکن رسول رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے قانون وضع کر دیا تھا کہ نابالغ بچوں اور بوڑھوں کو جنگ میں جانے نہ دیا جائے. خواتین کی ایک تعداد بھی جنگ میں بیماروں اور زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے ساتھ جاتی تھی. بعد میں آنے والے وقتوں میں خاص طور پر خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں یہی رہنما اصول ایک باقاعدہ اور مفصل عسکری نظام کا طرہ امتیاز بن گئے تھے.

جب کبھی بھی میر امم حضور نبی اکرم ﷺ کسی غزوہ میں شریک ہوتے آپ حضور ﷺ بنفس نفیس سالار اعلیٰ ہوتے اور جب کسی سریہ کو روانہ کرنے کا موقع آتا تو آں حضرت ﷺ اپنے کسی اصحابی کو میر لشکر مقرر فرماتے. جب آپ مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر ہوتے تو تاجدار عرب وعجم حضور نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس رئیس الدولہ ہوتے تھے، مگر جب بھی آپ حضور ﷺ کسی فوجی یا غیر فوجی غرض سے مدینہ طیبہ سے باہر جاتے تو اپنے کسی صحابی کو اپنا نائب اور قائم مقام فرما دیتے تھے، حتی کہ جب حضور ﷺ غزوہ خندق اور غزوہ بنو قریضہ کے لیے مضافات مدینہ طیبہ میں تشریف لے گئے تھے تب بھی آپ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر دیا تھا. امت کے لیے آپ حضور ﷺ کا دائمی حکم (Standing Order) ہے کہ جب بھی سفر پر نکلو تو اپنا ایک امیر چن لو، یہاں تک کہ اگر تین آدمی بھی سفر پر نکلیں تو اپنے میں سے ایک کو امیر سفر مقرر کر لیا جائے. یہی زریں اصول تھا جس نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت میں انضباط اور قائدانہ صلاحیتیں بدرجہ اتم پیدا کر دی تھیں. یہاں یہ بتانا بے محل نہیں ہوگا کہ مسلم افواج کے ۲۵۶ سپہ سالاروں میں سے (جنھوں نے اس وقت کی دنیا کا بہت بڑا حصہ فتح کیا تھا) ۲۱۶ تو اصحابہ کرام تھے اور باقی کے ۴۰ تابعین تھے. (۵۱)

حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارکہ میں انتظام وانصرام چلانے کے لیے جو حکومتی ڈھانچہ اختیار کیا گیا، قارئین کی سہولت کے لیے ہم

رسول اللہ ﷺ کے دور اقدس میں طرز حکومت کے تنظیمی ڈھانچے کا ایک خاکہ

رسول مقبول ﷺ بانی مملکت اسلامیہ

- (محافظ مہر مبارکہ) حضرت المعیقبؓ (۵۳)
- امین السر (خصوصی راز دان مملکت) حضرت حذیفہ ابن یمانؓ
- مجلس نقباء (مجلس شوری) ہر قبیلہ کا ایک نمائندہ (۵۲)
  - عرفاء / نائبین
- سکریٹریٹ: ۲۴ کے قریب اصحابہ کرامؓ جو کاتب وحی، معاہدے اور مکتوبات لکھنے کا کام انجام دیتے (۵۵)
- بیت المال
- قاضی مدینہ (حضور ﷺ خود تھے) بقیہ جگہوں پر والی یا گورنر قاضی کے فرائض بھی انجام دیتے
- کلکٹر (زکوۃ وعشر) (۵۶)
- والی / گورنر (۵۴)
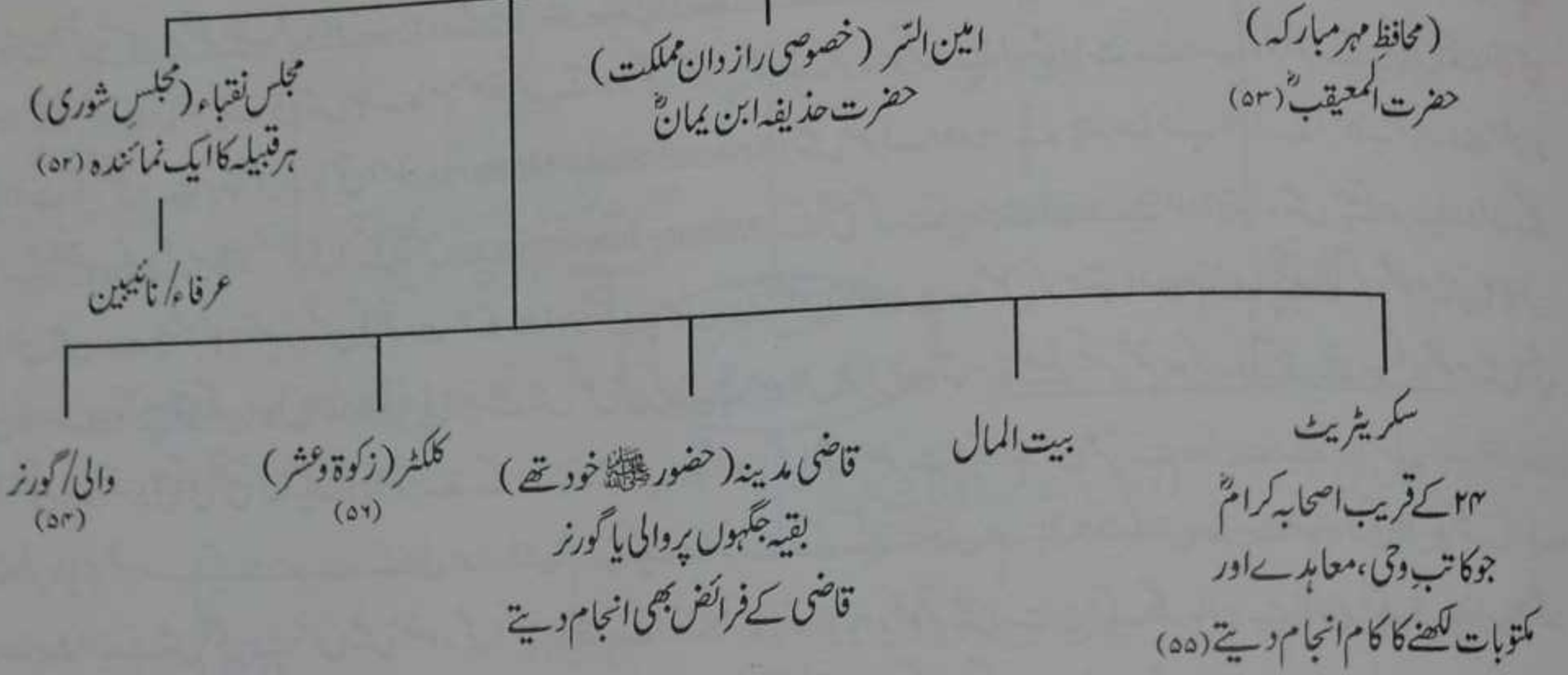
اسے تنظیمی چارٹ کی صورت میں پیش کیا ہے:

مختلف غزوات میں حضور نبی اکرم کی سپہ سالاری میں جن اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ کے علمبردار ہونے کا شرف حاصل ہوا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ	حضرت ابو بکر صدیقؓ
حضرت سعد ابن عبادہؓ	حضرت جعفر بن ابی طالبؓ
حضرت زید ابن حارثہؓ	حضرت مصعب ابن عمیرؓ
حضرت خالد ابن ولیدؓ	حضرت اسید بن حضیرؓ

حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے راہنمائی کا ذریعہ تو صرف وحی الٰہی تھی۔ اس کے علاوہ کبھی جبریل امین بھی مشورہ دے دیتے تھے لیکن دنیاوی سطح پر حضور پرنور ﷺ کے مشیر خاص ہونے کا شرف جن اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہوا ان میں سرفہرست سیدنا ابو بکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ ان کے علاوہ مختلف مواقع پر کئی دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مشورہ بھی لیا گیا مثلاً حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ اور حضرت سلمان الفارسیؓ وغیرہ۔ حضرت بلال ابن رباحؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ آپ کے خزانچی تھے۔ امین السر (صاحبان اسرار) حضرت انس بن مالکؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور آقائے نامدار کی چہیتی لخت جگر سیدۃ النساء فاطمہ الزہراءؓ تھیں۔ (۵۷) مکتوب نویسوں کی خاصی تعداد تھی جن میں ۲۴ جید اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی آتے ہیں جن کو نہ صرف کاتبین وحی ہونے کا شرف حاصل رہا بلکہ وہ بوقت ضرورت مکتوبات اور معاہدے بھی تحریر فرماتے۔ ان میں سرفہرست سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا ابو بکر صدیقؓ، سیدنا عمر بن خطابؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ، حضرت زید ابن ثابتؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

مسجد نبوی شریف صرف نماز اور عبادات کے ہی لیے مختص نہیں تھی، بلکہ یہ مؤسس اور رئیس دولۃ الاسلامیہ کا ہیڈ کوارٹر بھی تھی۔ نماز کے وقت میر امم اور قافلہ سالار امت مسلمہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے امتیوں کی امامت فرماتے تھے جبکہ بعد میں جب بھی ضرورت ہوتی تو وہیں

امت کے اور حکومتی معاملات بھی نپٹاتے تھے۔ اکثر اوقات تو تاجدار مدینہ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان فرش مسجد پر تشریف فرما ہوتے اور شمع رسالت کے پروانے اردگرد حلقہ زن ہوکر اپنے آقا کے فرمان سماعت کرتے اور کبھی آپ حضور ﷺ مسجد نبوی شریف ہی میں جلسہ عام منعقد کرتے اور کبھی منبر پر تشریف فرما ہوکر اپنے ارشادات سے سب کو نوازتے۔ جہاں تک دفاعی معاملات کا تعلق ہے، خاص ریاستی امور (Special State Matters) میں صرف معدودے چند صاحب الرائے اصحابہ کبار سے مشورہ فرماتے۔ حضور نبی اکرم ﷺ عسکری انٹیلی جنس (Military Intelligence) کے جمع کرنے پر بہت زور دیتے اور ابتداء میں جتنے سریے روانہ کئے گئے ان میں سے بیشتر کا مقصد دشمن کی قوت، حرکات اور جنگی چالوں کے متعلق معلومات حاصل کرنا تھا۔ اسلام سے پہلے حاکم و محکوم میں ناقابل بیان فاصلہ ہوا کرتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ اپنی امت میں گھل مل کر رہتے اور اس طرح وہ تمام فاصلے یکسر ختم ہوکر رہ گئے تھے۔ حاکم و محکوم میں اتنی ہم آہنگی پیدا کردی گئی تھی کہ ایک کو دوسرے کے سامنے جواب دہ کردیا گیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [تم سب ایک دوسرے کے ولی ہو اور اس طرح ایک دوسرے کے لیے مسئول ہو۔] (۵۸) اس حدیث مبارکہ کی مزید تشریح ایک اور حدیث مبارکہ میں بھی ہے۔ جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: [یاد رکھو تم میں سے ہر ایک گلہ بان ہے اور ہر ایک اپنے گلہ کا ذمہ دار ہے۔ خلیفہ اپنے عوام پر گلہ بان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔۔۔۔] (۵۹)

مدینہ طیبہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں

جب مدینہ طیبہ قوت کا مرکز بن کر ابھر آیا تو پھر صدیوں تک اس کی قوت مسلمہ ہوگئی۔ اس کی سیاسی اہمیت کو خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں چار چاند لگ گئے۔ اس سے پہلے ہی جب حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارکہ میں یمن حلقہ بگوش اسلام ہوا تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو پہلا امیر بنا کر بھیجا گیا اور پھر وہاں حضرت معاذ ابن جبلؓ امیر مقرر ہوئے۔ اسی اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تمام نو مفتوحہ صوبوں کے لیے ہر صوبے کے لیے امیر مقرر کئے گئے اور یوں صوبوں کے انتظام و انصرام کے لیے امیری نظام (گورنری نظام) طے ہوگیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال پر ملال کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ چنا گیا۔ ان کو خلیفۃ الرسول کہا جاتا تھا۔ جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت نے آپ کے ہاتھ پر سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کرلی تو آپ نے مسجد نبوی شریف میں مدنیوں کے جم غفیر کے سامنے بطور خلیفہ حلف اٹھایا۔ اپنے پہلے خطاب میں آپ نے اعلان کیا:

مجھے تم پر اختیار سونپا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں صحیح کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں غلطی کروں تو میری اصلاح کردینا۔ سچائی وفاداری کا نام ہے اور جھوٹ غداری کا مترادف ہے۔ تم میں سے کمزور میری نظروں میں طاقتور ہے جب تک کہ اللہ کی مدد سے میں اس کو اس کا حق نہ دلا دوں اور تم میں سے طاقتور میری نظروں میں کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے حقدار کا حق نہ دلوا دوں۔ اگر کوئی قوم اللہ کی راہ میں جہاد سے روگردانی کرلے تو اللہ اس قوم کو ذلیل وخوار کردے گا۔ برائی کسی قوم میں پوری طرح نہیں پھیلتی مگر اللہ تعالیٰ کا عذاب پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں میرا اتباع کرنا اور اگر میں ان کا نافرمان ہو جاؤں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں ہے۔ چلیے نماز قائم کرتے ہیں۔ اللہ آپ پر رحم کرے۔

آپ کی خلافت صرف ۲۷ ماہ تک قائم رہی، مگر یہ قلیل مدت امت اسلامیہ کی تقدیر سنوارنے میں سنگ میل ثابت ہوئی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد بہت گھمبیر مسائل نے امت کو آگھیرا تھا۔ کچھ قبائل نے جو ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور اسلامی تعلیمات نے ان کے دلوں میں گھر نہیں کیا تھا زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور اس کے ساتھ ہی چند جھوٹے مدعیان نبوت بھی نمودار ہوگئے تھے۔

خلیفہ راشد

سکریٹریٹ

بیت المال

دارالناج اور میوہ جات

محکمہ تحقیق ومحاسبہ

محکمہ تحقیق وتادیبی کاروائی

(دیوان المظالم وشکائیات سیل)

عدلیہ
(مرکزی اور صوبائی سطح پر
حضرت عمرؓ نے چھ صوبوں میں
گورنر کے علاوہ قاضی مقرر کئے

مجلس شوری
(جیسی کہ رسول اللہ ﷺ
کے دور میں تھی)

محکمہ صوبائی امور
(تعین وتبدیلی گورنز/کارکنان واعمالِ مملکت)
سیاسی وجاسوسی امور کے ذمہ دار

مختلف دیوان
مختلف (وزارتیں)

محکمہ دیوانِ العطا/ وظائف

دیوان البرید/محکمہ ڈاک

دیوان الجند
ملٹری آفیرز

دیوان الخراج
ریونیوڈیپارٹمنٹ

صحابہ کرامؓ کے دور اقدس
میں طرز حکومت کے تنظیمی
ڈھانچے کا ایک خاکہ

اس پر مستزاد یہ کہ رومی اور ساسانی حکومتوں نے (جو اس وقت کی سپر پاور تھیں) مدینہ طیبہ کی اس نوزائیدہ ریاست کو میلی آنکھ سے دیکھنا شروع کر دیا تھا لمحہ بھر کے لیے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ منفی قوتیں اسلامی ریاست کو تحلیل کر دیں گی. اگرچہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ اپنی عمر کی آخری منازل میں تھے لیکن آپ نے ان تمام چیلنجوں کا پامردی سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور پہلے مرحلے کے طور پر فتنہ ارتداد کی بیخ کنی کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیا. پھر شرق وغرب میں فتوحات کا اذن فرمادیا. حضرت خالد ابن ولیدؓ مسلم افواج کے طاقتور سپہ سالار بن کر ابھرے جن کی قیادت میں لشکر اسلام جدھر روانہ ہوا ہر میدان کارزار سے فاتح وکامران لوٹا. (۶۰)

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں اسلامی ریاست کی حدود دور دور تک پھیل گئیں. بلاد الشام اور عراق کے بہت سے علاقے اسلامی ریاست میں شامل ہو گئے. آپکے عزم واستقلال اور بروقت فیصلوں نے تمام جزیرہ نمائے عرب میں امن قائم کر دیا. چونکہ الیمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذاب کی بیخ کنی میں بہت سے جلیل القدر اور حفاظ قرآن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید ہو گئے تھے سیدنا عمر فاروقؓ کے ایماء پر آپ نے قرآن کریم کو کتابی شکل میں مدون کرنے کا حکم صادر فرمایا جو کہ مکمل ہونے پر ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کی تولیت میں دے دیا گیا.

اگرچہ ریاست اسلامیہ کی حدود دور دراز تک پھیل گئی تھیں تاہم طرز حکومت حضور نبی اکرم ﷺ کے انداز حکومت کی طرح ہی رہا اور کوئی خاص تبدیلی نہیں کی گئی. آپ نے سیدنا عمر فاروقؓ کو مدینہ طیبہ کا قاضی مقرر کیا. یہ ایک ایسی آسامی تھی جو بعد میں آنے والی ہر حکومت کا جزو لاینفک بن گئی. آپکا انتقال پر ملال ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو ہوا اور آپ نے خلافت سیدنا عمر فاروقؓ کے سپرد فرمانے کی وصیت کی.

آپ کے بعد سیدنا عمر فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے. مورخین آپ کے دور خلافت کو خلافت راشدہ کا سنہری عہد گردانتے ہیں. آپ نے امیر المومنین کا خطاب پسند فرمایا تقویٰ وورع میں راسخ، فن شمشیر بازی میں کہنہ مشق، پہلوانی اور خطابت میں اپنا ثانی نہ رکھنے والے، سیدنا عمر فاروقؓ ایک بہترین منتظم اور ایک صاحب بصیرت اور منجھے ہوئے سیاست داں ثابت ہوئے. آپ نے مسلم ریاست کے مضبوط انتظامی ڈھانچے (Infra Structure) کی بنیاد رکھی. مسلم افواج کے لیے ایک قوی نظام وضع کیا اور مالیاتی نظام (بیت المال) بہت مضبوط بنیادوں پر استوار کیا. ساتھ ہی ساتھ ایک ایسا نظام محاسبہ قائم کیا جس کی مثال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی. اسلامی دنیا میں سب سے پہلے ڈاک

کا نظام اور بلدیہ کا نظام بھی آپ کے دور خلافت میں جاری ہوا لشکریان اسلام کا با قاعدہ مشاہرہ مقرر کیا گیا. وہ تمام علاقے جو اس وقت اسلامی ریاست کے تحت آ چکے تھے ان میں مردم شماری کروائی گئی. آپ راتوں کو مدینہ طیبہ کی گلیوں میں گھوما کرتے تھے اور لوگوں کے مسائل معلوم کرتے اور حل کرتے اور عام آدمی کی طرح سب سے گھل مل کر رہا کرتے تھے. آپ کی شخصیت اور کارہائے نمایاں اور دور خلافت کا مکمل تجزیہ کرنے کے لیے کئی جلدیں درکار ہیں جس کی ہمارا محدود موضوع اجازت نہیں دیتا صرف اتنا ہی کہنا چاہیں گے کہ آپ کا دور مبارکہ خلافت راشدہ کا بہترین دور تھا جس میں امن وامان اور عدل وانصاف کا ایسا بول بالا تھا جو اس کے بعد امت اسلامیہ کو کبھی نصیب نہیں ہوا. سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کی طرح سیدنا عمر فاروق ؓ نے بھی مسجد نبوی شریف میں حلف اٹھاتے وقت خطاب فرمایا تھا جس میں سے ایک اقتباس پیش نظر ہے:

''اے لوگو تمہارے مجھ پر کچھ حقوق ہیں جن کا تم ہر وقت تقاضا کر سکتے ہو. ان میں سے ایک حق یہ بھی ہے جب بھی تم میں سے کوئی میرے پاس کوئی دعویٰ لیکر آئے تو میرا فرض ہے کہ وہ مطمئن لوٹے. تمہارا ایک حق یہ بھی ہے کہ تم یہ مطالبہ کرو کہ میں محاصل حکومت (بیت المال) میں سے بے انصافی کی ساتھ نہ لوں. تم یہ بھی مطالبہ کر سکتے ہو کہ میں تمہاری حدود کے دفاع کو مضبوط ترین کروں تا کہ یہ غیر محفوظ نہ رہیں. تمہارا یہ بھی حق ہے کہ جب تم جہاد کے لیے باہر جاؤ تو میں ایک باپ کی طرح تمہارے اہل خانہ کی نگاہ داشت کروں. اے لوگو اللہ تعالیٰ کی طرف ہمیشہ متوجہ رہو؛ میری کوتاہیوں سے درگزر کرنا اور میرے کام کی تکمیل میں میری مدد کرنا. نیکی کے نفاذ اور برائی سے منع کرنے میں میری مدد کرنا اور مجھے ان فرائض میں نصیحت کرتے رہنا جو اللہ رب العزت نے مجھ پر واجب کئے ہیں''. (۶۱)

سیدنا عمر ابن الخطاب ؓ کے دور خلافت میں مسلم ریاست کی حدود میں بے پناہ اضافہ ہوا. تمام کا تمام مصر اور بلاد الشام کے باقی ماندہ علاقے اور پورا ایران عساکر اسلام کے آگے گھٹنے ٹیک گیا اور اس طرح سیدنا عمر فاروق ؓ کے دور میں مدینہ طیبہ ان تمام نو مفتوحہ علاقوں کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا. ایک شہری ریاست (City State) سے شروع ہونے والا مدینہ طیبہ سطوت وشوکت کی بام عروج پر پہنچ گیا کیونکہ وہ اس وقت کی سب سے بڑی ریاست کا دار الخلافہ بن چکا تھا. حضور نبی اکرم ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد مدینہ طیبہ کی شہرت کو اس سے زیادہ کبھی اور چار چاند نہیں لگے.

سیدنا عمر فاروق ؓ کا دور خلافت ایک ایسا دور تھا جس میں اسلامی نظام سلطنت کے لیے اداروں کی تشکیل ہوئی جن میں خاص طور پر مالی اداروں کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا گیا. اس کے ساتھ ساتھ ٹیکسوں کا نظام بھی رائج کیا گیا. عساکر اسلام نے کرہ ارض کے بیشتر حصے کو سرنگوں کر لیا تھا اور یہ اسی مضبوط مالی نظام کی بدولت تھا کہ وہ بیشمار دولت جو ان فتوحات سے حاصل ہوئی وہ امت کی بھلائی کے لیے صرف ہوئی. مفتوحہ ریاستوں میں رہنے والے غیر مسلموں (ذمیوں) پر لاگو جزیہ سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ بھی اوسطاً سالانہ ۷،۲۸۰،۰۰۰ مصری اشرفیوں (Egyptian Guinneas) سے متجاوز تھی. صرف عراق سے حاصل شدہ خراج کی رقم ۴،۸۰۰،۰۰۰ مصری اشرفیوں کے برابر تھی. ان تمام علاقوں سے حاصل شدہ سالانہ آمدنی کچھ اس طرح تھی:

عراق سے محصولات	۵،۳۲۸،۰۰۰	مصری اشرفیاں
مصر سے محصولات	۸،۰۱۶،۶۶۶	,,,,
بلاد الشام سے محصولات	۳۵۰،۰۵۰	,,,,
سالانہ اوسط محصولات کا مجموعہ	۱۳،۶۸۴،۷۱۶	مصری اشرفیاں

زکوٰۃ سے حاصل ہونے والی آمدنی اس سے علاوہ تھی. اتنی زیادہ سالانہ آمدنی کے حساب کتاب کو بطریق احسن رکھنا کوئی آسان کام نہیں تھا. یہ سہرا سیدنا عمر فاروق ؓ کے سر ہے کہ انہوں نے قرآن وسنت کی روشنی میں ایک ایسا مالی نظام وضع کیا کہ دنیا ان کی یہ اصلاحات رہتی

دنیا تک یاد رکھے گی. آنے والی نسلوں کے لیے ان کے قائم گئے اصول روشنی کے مینار بن گئے.

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مشورہ پر سیدنا عمر فاروق ؓ نے اسلامی کیلنڈر کی ابتداء کی جو حضور نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کے سال سے شروع کیا گیا اور اسی لیے سن ہجری کہلاتا ہے. (۶۲) معاشرتی اصلاحات میں سب سے زیادہ اہم 'دیوان العطاء' کا اجراء تھا جوان پاکیزہ نفوس اور شخصیتوں کے لیے تھا جن کو نبی اکرم ﷺ کی قربت کا شرف حاصل رہا تھا. (۶۳) ان کے وظیفے مقرر کیئے گئے جو بیت المال سے عطا کیئے جاتے تھے. اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شخصیتیں فکر معاش سے آزاد ہوگئیں اور انہوں نے اپنے آپ کو درس وتدریس اور دینی اور علمی خدمات انجام دینے کے لیے وقف کردیا. اس سے ایک طرف تو مدینہ طیبہ میں خوشحالی کا دور دورہ ہوگیا اور دوسری طرف اس دور میں دینی علوم پر اتنا کام ہوا کہ آنے والے وقتوں میں انہی کی بنیاد پر اسلامی فقہ اور حدیث کے علوم استوار ہوئے. قاضی القضاۃ کی باقاعدہ آسامی شروع کی گئی جن کے تحت ہر مفتوحہ صوبے کے قاضی صاحبان مقرر کیئے گئے. مدینہ طیبہ کے لیے حضرت زید ابن ثابت ؓ کو قاضی مقرر کیا گیا تھا.

دیئے گئے نقشے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق ؓ کے دور خلافت کا تنظیمی ڈھانچہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے دور خلافت میں انتظامی طریق کار سے بہت مختلف اور پیچیدہ ہوگیا تھا. مسلم ریاست کی حدود کئی براعظموں کو عبور کرگئی تھیں. پہلے تو صرف ان علاقوں سے نپٹنا پڑا تھا جو بدیہی طور پر عرب تھے جن میں کچھ متمدن اور کچھ بادیہ نشین تھے مگر نہ زبان کا فرق تھا اور نہ ہی ان کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی اتنی زیادہ مختلف نظر آتی تھی مگر اب کی بار تو ہر نیا مفتوحہ علاقہ نہ صرف اپنے ساتھ نئے خیالات بلکہ نئے مسائل کا انبار بھی لایا تھا. بیشمار زبانوں سے واسطہ پڑا، ان گنت معاشرتی طور اور طریقے سامنے آئے اور بھانت بھانت کے لوگوں اور ان کے عقائد سے مڈبھیڑ ہوئی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بیشمار سیاسی نظریات اور طریقہ ہائے حکومت سامنے آئے. سیدنا عمر فاروق ؓ کی قابلیت اور ذہانت کو شائد اس سے زیادہ کڑے امتحان سے کبھی نہ گزرنا پڑا تھا لیکن اسلام کے اس بطل جلیل کو اللہ رب العزت سبحانہ وتعالیٰ نے وہ عزم اور حوصلہ دیا تھا کہ وہ ان تمام چیلنجوں سے نہ صرف عہدہ برآ اور سرخرو ہوئے بلکہ ایک ایسا نظام حکومت دینے میں کامیاب ہوئے جو کہ ہر آنے والے دور میں قابل رشک رہا ہے. بنیادی طور پر سارا زور قرآن اور سنت کی اتباع پر دیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ سیدنا عمر ابن الخطاب ؓ نے انتظامی سٹرکچر میں ایسی دوررس تبدیلیاں اور ایجادیں کیں کہ آنے والے تمام ادوار میں ہر حکومت کو ان کی خوشہ چینی کیئے بغیر بن نہ پڑی.

اسلامی طرز حکومت کے تمام تر اداروں کی ترویج اور نشوونما ان رہنما اصولوں پر کی گئی جن کو حضور نبی اکرم ﷺ اور آپ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے وضع کیا تھا. پوری دنیا کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اگرچہ امیر المومنین نے دار الخلافہ اور عاصمہ مدینہ طیبہ ہی میں رکھا مگر مدینہ طیبہ کے انتظامی امور نپٹانے کے لیے الگ گورنر مقرر کیا. ایسا کرنے سے مدینہ طیبہ عاصمۃ الاسلام (Metropolis) ہونے کے ساتھ ساتھ باقی صوبوں (امصار) کی طرح ایک الگ صوبہ تصور کیا گیا جس سے اسلامی تصور ریاست اور طرز حکومت نکھر کر ہماری نظروں کے سامنے آجاتے ہیں. جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ میں پہلی بار نظام حسبہ (میونسپلٹی کا نظام - یا نظام البلدیہ) رائج کیا گیا جس کے تحت مدینہ طیبہ

اور حجاز کے دیگر علاقوں کے تمام شہریوں کے کوائف جمع کیے گئے (۶۴) اور نظام حسبہ کے رئیس کو 'محتسب' کا نام دیا جو ایک طرف تو مدینہ کے گورنر کے تحت تھا مگر دوسری طرف وہ امیر المومنین کو بھی بلاواسطہ جواب دہ تھا حکومتی کارندوں کا مشاہرہ مقرر کیا گیا اور اسی طرح عساکر اسلام کے مجاہدوں کی تنخواہیں اور الاؤنس مقرر ہوئے. مدینہ طیبہ کے مضافات میں الجرف کے علاقے میں عساکر اسلام کے لیے مستقل رہائش گاہیں (بیرکیں) تعمیر کی گئیں.

"فسیکفیکھم اللہ" آیت کریمہ جس پر سیدنا عثمان غنیؓ کا خون گرا تھا

چونکہ اسلامی ریاست کی سرحدیں دور دور تک پھیل چکی تھیں جو انتظامی لحاظ سے کئی صوبوں میں بٹی ہوئی تھیں، اس لیے سیدنا عمر فاروقؓ نے ایک ایسا سیاسی نظام وضع کیا جس سے یہ وسیع و عریض مملکت ایک ہی اکائی نظر آتی تھی. مملکت کو کئی صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا جن کا علیحدہ علیحدہ گورنر (والی) ہوا کرتا تھا جس کی تقرری مرکز سے مدینہ طیبہ سے ہوا کرتی تھی. جب بھی کسی نئے امیر کو مقرر کرنا ہوتا تو اس کی تقرری کا حکمنامہ امیر المومنین کے دستخطوں اور مہر سے جاری ہوتا تھا اور اس کے مندرجات کی تصدیق انصار اور مہاجرین کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے اور پھر اسے مسجد نبوی میں سب کے سامنے پڑھا جاتا اور والی پر لازم ہوتا تھا کہ وہ اپنی منزل پر روانہ ہونے سے پہلے اپنے تمام اثاثے اور دولت لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے. اس طرح محاسبہ کا نظام نافذ کیا جاتا تھا. (۶۵) اپنی شہادت سے چند دن پہلے ایک جمعہ کے خطبے میں سیدنا عمر فاروق اعظمؓ نے فرمایا: [اے اللہ گواہ رہنا کہ میں نے ان تمام والیوں کو ان کے صوبوں میں بھیجا تا کہ وہ وہاں کے لوگوں میں عدل و انصاف کر سکیں، ان کو دین کی تعلیم دیں اور نبی اکرم ﷺ کی سنت طاہرہ سکھائیں اور ان میں جنگ سے حاصل شدہ مال غنیمت تقسیم کریں اور وہ معاملات مجھ کو فیصلہ کے لیے بھیجیں جو ان کے لیے حل کرنا مشکل ہوں.....] (۶۶) اس روایت سے بالصراحت یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام والی اپنے اپنے صوبوں میں خود مختار تھے اور صرف ان معاملات کو مرکز میں ارسال کرتے تھے جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہوتے اور بین الصوبائی اہمیت کے حامل ہوتے والی کو خاص طور پر یہ ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان نہ بنائے. نئی رعایا اپنا مذہب اپنانے اور اپنی زبان اور روایات کو برقرار رکھنے کے لیے پوری طرح آزاد تھی. لہذا جدید سیاسیات کی اصطلاح میں صوبے خود مختار (Autonomous) ہوا کرتے تھے جن پر حکمرانی کے لیے صرف مرکز سے ایک امیر (گورنر) مقرر کیا جاتا تھا جس کی مدد کے لیے معدودے چند عمال (کارندے) مدینہ طیبہ سے آیا کرتے تھے.

امیر المومنین کی حیثیت میں رئیس الحکومت مسلم افواج کا سربراہ بھی ہوا کرتا تھا. لہذا افواج کی مرکزی کمان مدینہ طیبہ میں ہی رہتی تھی جہاں الجرف کے مقام پر خوبصورت پہاڑوں کے دامن میں ان کے لیے مستقل بیرکیں تعمیر دی گئی تھیں. اسی طرح کی فوجی چھاؤنیاں صوبوں کے صدر مقاموں پر بھی بنائی گئی تھیں جو کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص اور رملہ میں تھیں. جب ایران اور بازنطینی روم کے بہت سے حصے فتح ہوئے اور حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ مسلم افواج کی کل تعداد دس لاکھ (ایک ملین) سے متجاوز تھی جس کا ہر مجاہد پوری طرح مسلح تھا. مرکزی قیادت مگر غیر مرکزی کنٹرول (Centralized Command with Decentralized Control) کا نظام رائج کیا گیا تھا. یہ نظام قیادت مدینہ طیبہ سے براہ راست نافذ العمل تھا اگرچہ اس وقت مسلم مملکت کی حدود مصر کے انتہائی مغربی بارڈر سے لیکر ایران کے دور دراز مشرقی کونوں تک پھیلی ہوئی تھی اور مواصلات اتنی سست رفتار تھی کہ اگر محاذ جنگ عراق میں ہوتا تو مدینہ طیبہ خبر پہنچنے میں سترہ دن لگ جاتے تھے. تیز ترین ذریعہ مواصلات صرف عربی گھوڑے یا عربی ریل (یعنی اونٹ) ہوا کرتے تھے. لیکن ان تمام صعوبتوں کے باوجود مقامی کمانڈر اپنے سالار اعلیٰ یعنی امیر المومنین سے ہمیشہ رابطہ رکھتے تھے. صوبائی چھاؤنیوں سے خط و کتابت معتمد نامہ بروں کے ذریعے کی جاتی جو مدینہ طیبہ کے لیے ہر وقت رخت سفر باندھے رکھتے تھے.

سول انتظامیہ کے طور پر ہر صوبے کا سربراہ 'والی' ہوتا تھا جو خلیفہ یعنی امیر المومنین کو جواب دہ ہوتا تھا. سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت

میں ہمیشہ یہ معمول رہا کہ تمام والی سالانہ والیوں کے اجتماع (گورنرز کانفرنس) میں شرکت کے لیے آتے جو کبھی مکۃ المکرمہ میں منعقد ہوتی اور کبھی مدینہ طیبہ میں. کسی بھی والی کے خلاف موصولہ شکایت کی پوری طرح چھان بین ہوتی اور اگر صحیح پائی جاتی تو شکایت کنندہ کی فوراً حاجت روائی کی جاتی تھی. اس طرح سیدنا عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں محاسبے کا ایسا نظام جاری کیا گیا جس کو آج کل کی اصطلاح میں اوپر سے نیچے کی طرف کمان اور نیچے سے اوپر تک محاسبے کے نظام کا نام دیا گیا ہے ("Top-Down" Command and "Bottom-Up" Accountibility) (٦٧) جو ایک ایسے عقیدے اور قانونی نظام پر مبنی تھا جس میں رنگ و نسل کی کوئی تمیز نہیں تھی کیونکہ اس کا دارومدار قرآن کریم کے احکام اور سیدنا و مولینا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنت طاہرہ اور اسوہ حسنہ تھا.

تاشقند کے عجائب گھر میں محفوظ مصحف عثمانی کی ایک نایاب تصویر

ان کا دور خلافت صرف ۱۲ سال تک رہا اور ۲۹ ذوالحج ۲۳ ہجری کو جب آپ مسجد نبوی شریف میں فجر کی نماز ادا کروا رہے تھے تو انہیں خنجر گھونپ دیا گیا اور یوں اسلام کے اس بطل جلیل نے مدینہ طیبہ میں شہادت پائی اور پہلی محرم الحرام ۲۴ ہجری کو آپ کو آقائے دوجہاں حضور نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں حجرہ مبارکہ میں دفن کر دیا گیا. دم واپسیں سے پہلے آپ نے چھ مقتدر اصحابہ کرام کی ٹیم کا انتخاب فرمایا جو آپ کی نظروں میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار اور امیر المومنین کے منصب جلیلہ کے لیے موزوں تھے اور ارشاد فرمایا کہ ان میں سے کسی ایک کو امیر المومنین چن لیا جائے. (٦٨)

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق: [حضرت عمر فاروقؓ کی تجہیز و تدفین سے فارغ ہونے کے بعد نامزد کمیٹی نے اپنا اجلاس منعقد کیا. عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے کہا: 'امیدواروں کی تعداد کم کر کے تین کر دی جائے.' اس پر حضرت زبیر بن العوامؓ نے کہا: میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں. حضرت طلحہؓ نے کہا: میں حضرت عثمانؓ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں. اور سعد (ابن ابی وقاصؓ) نے کہا: میں عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں. پھر عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا: آپ میں سے کون بطور امیدوار اللہ اور اسلام کی خاطر دوسرے کے حق میں بیٹھنا چاہے گا تا کہ ہم دونوں میں سے ایک کا انتخاب کر لیں. اس پر دونوں جلیل القدر ہستیاں خاموش ہو گئیں. اس پر عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے کہا: کیا آپ دونوں یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ نا پسند کریں گے اور میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں دونوں میں سے بہتر کے علاوہ کسی کو نہ چنوں گا. جس پر دونوں راضی ہو گئے. انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور کہا: اے علی آپ رسول اللہ ﷺ کے قریبی ہیں اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے آپ سب سے اولین مسلمانوں میں سے ہیں. کیا آپ وعدہ کریں گے کہ اگر میں آپ کو چن لوں تو آپ انصاف کریں گے اور اگر میں عثمانؓ کو چن لوں تو آپ ان کی سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے؟ پھر انہوں نے دوسرے (یعنی حضرت عثمانؓ) کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور وہی کلمات دہرائے. جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے

دونوں کی رضامندی حاصل کر لی تو انہوں نے کہا اے عثمانؓ اپنا ہاتھ بلند کریں اور انہوں نے خود (یعنی حضرت عبدالرحمٰنؓ نے) سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بیعت کی اور پھر یکے بعد دیگرے مدینہ طیبہ کے تمام لوگوں نے سیدنا عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔] (۶۹) اس طرح سیدنا عثمانؓ کا بطور امیر المومنین انتخاب عمل میں آیا۔

سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور خلافت میں عدل وانصاف، نرم دلانہ اور مشفقانہ طرز عمل اور جہاد فی سبیل اللہ پہلے ادوار کی طرح جاری وساری رہا۔ اسلامی مملکت کی سرحدیں مغرب میں مراکش تک اور مشرق میں افغانستان اور شمال میں ارمینیا اور آزربائیجان تک پھیل گئیں۔ ایران کا بچا کھچا حصہ بھی اسلام کے زیرنگوں ہو گیا۔ سیدنا عثمانؓ کے دور مبارکہ میں مسلم بحری بیڑے کی بنیاد رکھی گئی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ دولت عطا کی تھی اور آپ نے دل کھول کر اپنی دولت کو مسلم امت کی بھلائی کے لیے صرف کیا۔ آپ نے اپنی دولت کو نہ صرف رفاہی کاموں پر خرچ کیا بلکہ جب بھی ضرورت پڑی تو مسلم افواج کو اس سے مسلح کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ کے دور میں مدینہ طیبہ میں عوامی رفاہی منصوبوں پر عمل ہوا۔ خاص طور پر مدینہ طیبہ کے باسی جب موسم برسات میں بارانی نالوں میں طغیانی کی وجہ سے پریشان ہوتے تھے تو ان کے بچاؤ کے لیے آپ نے وادی مہزور پر بند باندھنے کے احکامات جاری کیے تا کہ طوفانی پانی مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہو سکے۔ (۷۰) یہ بھی آپ کا کارنامہ تھا کہ آپ نے قرآن کریم کے نسخے بنوا کر مختلف صوبوں کے صدر دفتروں میں بھجوائے جن میں سے ایک نسخہ مدینہ طیبہ میں بھی رکھا گیا تھا۔ آپ نے مسجد نبوی شریف کی توسیع فرمائی اور اس میں پہلی مرتبہ جدید طرز تعمیر کے لیے پتھر اور دیگر مواد استعمال کیا۔

دیگر قابل قدر کارناموں کے علاوہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کا شاہکار قرآن مجید اور فرقان حمید کے ایک مصحف کی شکل میں نسخے تیار کروا کر صوبوں کے دارالمقاموں پر ارسال کرنا ہے۔ پہلی بار اس کی تدوین اور تجمیع تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور مبارک ہی میں ہو چکی تھی مگر نسخہ صرف ایک تھا جو کہ ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کے پاس محفوظ تھا پچھلے صفحہ پر دی گئی تصویر مصحف عثمانی کی ہے جو کہ تاشقند کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

آپ کے پہلے چھ سال تو آرام سے گزر گئے مگر باقی کے چھ سال فتنوں اور سول خلفشار کا شکار رہے۔ جہاں ایک ایک کر کے غیر مسلم قوتیں اسلامی افواج کے آگے سرنگوں ہو رہی تھیں وہاں انہوں نے اپنی شکستوں کا بدلہ لینے کے لیے سازشوں کے تانے بانے بننے شروع کر دئے تھے۔ ایرانی اور رومی اس معاملے میں پیش پیش تھے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کی شہادت کے پیچھے بھی سازش ہی کارفرما تھی مگر چونکہ ان کا قاتل بھی وہیں ڈھیر ہو گیا تھا اس لیے اس دہشت گردی کی سازش تشنہ تفتیش ہی رہی۔ (۷۱) شہادت عمر فاروقؓ سے بھی فتوحات کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ اب کی بار شازشیوں نے پینترا بدلا اور سیدنا عثمانؓ کے خلاف مزید گہری سازش کی۔ پہلے آپ کے گورنروں کے خلاف محاذ کھولا گیا اور پھر اس محاذ کا رخ امیر المومنین سیدنا عثمان غنیؓ کی طرف کر دیا گیا۔ سازش کا گڑھ مصر تھا جہاں سے وہ فتنہ پرداز عبداللہ ابن سبا کی سرکردگی میں مدینہ طیبہ وارد ہو کر ان کے خلاف پروپیگنڈے میں مشغول ہو گئے۔ ابن سبا ایک سابق یہودی تھا لیکن ظاہری طور پر مسلمان ہونے کی وجہ سے مدینہ طیبہ کے حلقوں میں اس کو پذیرائی حاصل ہو گئی تھی اور اس طرح چند سادہ لوح مدنی اس کے دام فریب میں آ گئے تھے۔ اس نے ہر طرف سیدنا عثمانؓ کے خلاف زہر گھولنا شروع کر دیا۔ ان کے خلاف طرح طرح کے الزامات عائد کئے گئے، کنبہ پروری اور امور مملکت میں نااہلی اور بدعتوں کی ترویج وغیرہ۔ اس طرح جب ان کے خلاف فضا مکدر ہو گئی تو مصر سے بلوائیوں کے ایک بہت بڑے گروہ نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا۔ ان کے ساتھ مدینہ طیبہ سے بھی کافی منحرفین مل گئے جن میں خاص طور پر بنو تمیم کا قبیلہ شامل ہے (۷۲) ان شرپسندوں نے امیر المومنین کے گھر کا محاصرہ کر لیا جو انچاس دن تک جاری رہا شورش بڑھتی گئی۔ بلوائی آپ کے غیر مشروط استعفیٰ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ محاصرے کے دوران آپ پر پانی تک بند کر دیا گیا۔ وہ محسن اسلام جو اپنی جیب سے کنویں خرید خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیتا تھا اس وقت ایک بوند پانی کو بھی ترس گیا تھا۔ آخر کار ۱۷ ذوالحجہ ۳۵ ہجری کو ان بدبختوں نے سیدنا عثمانؓ کو اس وقت شہید کر دیا جب کہ آپ روزے کی حالت

میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے. اگر چہ آپ کے بہت سے بہی خواہوں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ دمشق سے فوج طلب کر لی جائے مگر انہوں نے کسی صورت میں بھی مسلمانوں کا خون بہانے سے انکار کر دیا. آپ کو حرم مدنی کا تقدس اتنا عزیز تھا کہ انہوں نے یہ کہہ کر اس مشورے کو رد کر دیا کہ وہ اپنی ذات کے لیے سرزمین حرم میں خون خرابہ نہیں چاہتے اور ان بلوائیوں سے گفت وشنید کے ذریعے معاملات طے کرنا چاہتے ہیں. ان کی شہادت کے ساتھ مدینہ طیبہ کے سنہری دور کا اختتام ہو گیا جس میں ہر طرف امن و آشتی کا دور دورہ تھا. بلوائیوں نے ایک طرح کا مدینہ طیبہ پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا.

سیدنا عثمانؓ کی اندوہناک شہادت نے امت مسلمہ کو سنگین سیاسی بحران سے دوچار کر دیا تھا. دارالخلافہ بلوائیوں کی قبضے میں تھا. یہود اور دیگر غیر مسلم قوتوں کی سازش کامیاب ہو چکی تھی. اصحابہ کبار حج کے سلسلے میں ابھی تک مکۃ المکرمہ میں تھے اور ہر طرف شر پسند دندناتے پھر رہے تھے. تین دن تک مدینہ طیبہ میں افراتفری کا عفریت حکمران رہا. بلوائیوں کے ساتھ چونکہ کچھ مدینہ طیبہ کے عناصر بھی مل گئے تھے اس لیے ان پر ہاتھ ڈالنا آسان کام نہیں تھا. ان میں سے بہت سے تو سیدنا علی المرتضیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو خلافت سنبھالنے کے مشورے دے رہے تھے مگر دل سے کبھی بھی یہ لوگ آپ سے مخلص نہ تھے. ایک طرف تو یہ عناصر اپنے آپ کو خون عثمانؓ کے قصاص سے بچانا چاہتے تھے اور دوسری طرف ان کا مقصد امت مسلمہ کو خانہ جنگی کی طرف دھکیلنا تھا. یہ حالات تھے جن کے تحت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے کافی ہچکچاہٹ کے بعد خلافت کے بوجھ کو اٹھانے کی حامی بھری. روز اول سے ہی امام عالی مقام کو ہر طرف سے مسائل نے گھیر لیا تھا. بلوائیوں نے ہر طرف اور ہر سطح پر غلط پروپیگنڈا کر کے فضا مکدر کی ہوئی تھی. ہر طرف فتنہ وفساد کا بھوت ناچتا پھر رہا تھا. لوگوں نے مدینہ طیبہ خالی کرنا شروع کر دیا تھا. اس لیے یہ قدرتی عمل تھا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سب سے پہلے اپنی توجہ امن عامہ بحال کرنے کی طرف مبذول فرماتے اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا. ایک طرف تو بلوائیوں کے سرغنہ اور اس کے ساتھ اس سازش کے بانی نہایت چالاکی سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی چھتری کے نیچے آ کر اپنی جانیں بچانا چاہتے تھے اور دوسری طرف ایسا گروہ بھی تھا جو اگر چہ مدینہ طیبہ میں ہی تھا مگر سیدنا عثمانؓ کو بچانے کے لیے کوئی عملی اقدام اٹھانے سے قاصر رہا تھا. اس وقت بہت سے مخلص اور جلیل القدر اصحابہ کرام بھی موجود تھے مگر ان شر پسندوں نے انہیں بھی بے بس کیا ہوا تھا. اس افراتفری کے عالم میں لوگوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف محاذ کھڑا کر دیا اور سیدنا عثمانؓ کی شہادت کا انتقام لینے پر تل گئے.

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی اولیں ترجیح بحالی امن تھی لہذا آپ نے سب سے پہلے ان تمام گورنروں کو برطرف کر دیا جو سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور خلافت سے گورنر چلے آ رہے تھے. سب نے آپ کے حکم کی تعمیل کی سوائے ایک گورنر کے جو حضرت معاویہ ابن سفیانؓ تھے جو دمشق میں گورنر تھے. انہوں نے گورنری سے ہٹنے کے لیے شرط عائد کر دی کہ پہلے سیدنا عثمانؓ کے قاتلوں کو قرار واقعی سزا دی جائے. ام المومنین سیدۃ عائشہؓ نے بھی مطالبہ کیا کہ قاتلان عثمانؓ کو فوری طور پر انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے. سیدنا علی کرم اللہ وجہہ بھی فوری انصاف کے لیے بیتاب تھے مگر آپ انصاف کے تمام تقاضے پورے کرنا چاہتے تھے جن میں شہادت اور گواہی سرفہرست تھی. ملزمین میں سے بہت سے تو موقع سے فرار ہو چکے تھے اور باقی زیر زمین چلے گئے تھے اور چند نے تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے وفاداری کا ڈھونگ رچا کر کیموفلیج اوڑھ لیا تھا. عینی شاہد کسی پر واضع انگلی نہیں رکھ رہے تھے. حضرت نائلہ جن کی انگلیاں شہادت عثمانؓ کے وقت کٹ گئی تھیں بھی قاتلوں کو پہچاننے سے قاصر تھیں. اس لیے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تھوڑی مہلت مانگ رہے تھے تاکہ معاملے کی تہہ تک پہنچا جائے. آپ بغیر ٹھوس شواہد کے کسی پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتے تھے. آپ تو اسوہ حسنہ کو سامنے رکھ کر بطور خلیفہ راشد اسلامی قانون کو وضع کرنے والے اور نافذ کرنے والے تھے. امیر المومنین علی المرتضیٰؓ جنہوں نے ساری عمر قرب رسول اللہ ﷺ میں گزاری تھی یہ کیسے گوارا کرتے کہ ان کے ہاتھوں اسلامی قانون شہادت کا ہی خون ہو جائے. ایک فریق تو بلا کسی تحقیق اور تاخیر کے ہر قیمت پر قاتلان عثمانؓ سے قصاص پر مصر تھا اور دوسری طرف سیدنا علی مرتضیٰؓ بھی یہی چاہتے تھے مگر

آپ انصاف کے تمام تقاضے پورا کرنا چاہتے تھے. یہی ایک ایسی وجہ تھی جس نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کے خلاف شکوک وشبہات کو جنم دیا اور شر پسندوں نے اختلافات کو مزید شدید کرنے کے لیے طرح طرح کی افواہیں پھیلا دیں اور اس طرح فریقین میں اختلاف کی خلیج حائل ہوگئی جو حضرت معاویہؓ کے گورنری سے ہٹنے کے انکار پر مزید گہری ہوتی چلی گئی جس نے آگے چل کر امت مسلمہ کو دو دھڑوں میں تقسیم کر دیا. اس گروہ بندی کے پیچھے جو خفیہ ہاتھ کام کر رہے تھے وہ وہی لوگ تھے جن کو اسلام کا تیزی سے پھیلنا ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا. انہوں نے پروپیگنڈے کی تمام تر مشینری افواہ سازی (Disinformation) پر لگا دی تھی. ان لوگوں نے صلح وآشتی کی ہر مخلص کوشش کو تارپیڈو کر دیا. جنگ جمل کے فریقین میں صلح کی شرائط طے ہوگئیں تھیں کیونکہ دونوں فریق ہی سیدنا عثمانؓ کے قصاص پر متفق تھے اور دونوں گروہ آپس کی خونریزی کو سخت ناپسند کرتے تھے. صلح کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ قتل عثمانؓ کے ملزمین کو اپنے لشکر سے الگ کر دیں گے. جس کے مطابق آپ نے انہیں فوری طور پر چلے جانے کا حکم دے دیا مگر وہ لوگ تھوڑے فاصلے پر جا کر رک گئے اور بہانہ بنایا کہ وہ آپ کی حفاظت کے لیے قریب ہی رہنا چاہتے ہیں. رات کے اندھیرے میں انہی لوگوں نے دونوں طرف سے تیر چلا کر شور مچا دیا کہ فریق ثانی کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی کی گئی ہے اور اس طرح ان لوگوں نے فریقین کی نیک خواہشات پر پانی پھیر دیا اور یوں جنگ جمل کا میدان کارزار لاشوں سے اٹ گیا.

سیدنا علی مرتضیٰؓ یہ نہیں چاہتے تھے کہ خانہ جنگی حضور نبی اکرم ﷺ کی دہلیز تک پہنچ جائے اور آپ کسی بھی قیمت پر مدینہ طیبہ میں امن و امان بحال رکھنا چاہتے تھے. مزید برآں آپ کی دور رس نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ دور دراز کے صوبوں کا انتظام و انصرام بطریق احسن چلانے کے لیے جغرافیائی طور پر مرکز میں واقع دارالخلافہ زیادہ مناسب رہے گا. سیاسی رسہ کشیوں نے تقریباً سب اہل رائے حضرات پر یہ حقیقت عیاں کر دی تھی کہ مدینہ طیبہ کو میدان جنگ بنانے سے گریز کیا جانا چاہئے اور جنگ تھی کہ اس کے بادل آئے دن گہرے سے گہرے ہوتے جا رہے تھے. ان حالات میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی بصیرت کو داد دینی چاہئے کہ آپ نے دارالخلافہ عراق کی طرف منتقل کرنے کا فیصلہ فرمایا. ڈاکٹر سعاد ماہر کے الفاظ میں: ''علی کرم اللہ وجہہ کا دور خلافت مدینہ طیبہ کے لیے بہت سی تبدیلیاں لایا، کیونکہ جب آپ اور آپ کے مخالفین کے درمیان خانہ جنگی ہوئی اور فیصلہ کن جنگیں سر پر منڈلا رہی تھیں تو آپ یہ حقیقت جان چکے تھے کہ اتنی بڑی اسلامی مملکت کا مدینہ طیبہ جیسے شہر سے جو ان صوبوں سے بہت دور فاصلے پر واقع تھا اگر ناممکن نہیں تو بہت مشکل کام تھا.'' (۷۳) آپ کے مکتوبات بنام کوفیاں میں سے ایک سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امیر المومنین شیر خدا شہر نبی سے بے حد محبت کرتے تھے. اس مکتوب میں آپ فرماتے ہیں کہ: ''میں ایسی حالت میں اس جگہ (مدینہ طیبہ) سے روانہ ہو رہا ہوں کہ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میں ظالم ہوں یا بیکس مظلوم، یا یہ کہ میں باغی ہوں یا میرے خلاف بغاوت کی گئی ہے.'' (۷۴) اس خط کے ایک ایک لفظ سے آپ کے دل سے مدینہ طیبہ کی محبت مترشح ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ بحالت مجبوری وہاں سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے جب کہ حالات آپ کے قابو سے باہر ہوتے نظر آ رہے تھے. آپ نے حضرت سہل ابن حنیف الانصاریؓ کو مدینہ طیبہ کا گورنر مقرر کیا اور خود اپنے نئے دارالخلافہ کی طرف چل دئے. (۷۵) جب سیدنا علی المرتضیٰؓ بصرہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے تو بہت سے انصار اور مہاجرین نے آپ کو ایسا نہ کرنے کا مشورہ دیا. حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے تو آپ کے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور عرض کیا: ''یا امیر المومنین آپ مدینہ چھوڑ کر نہ جائیں! اگر آج آپ یہاں سے چلے گئے تو پھر کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے اور یہ امت اسلامیہ کا دارالخلافہ تغیر وتبدل کا شکار ہو جائے گا.'' لیکن امیر المومنین نے جو فیصلہ کیا تھا اسی پر قائم رہے اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ وہی فیصلہ صائب اور صحیح تھا. (۷۶)

اس طرح مدینہ طیبہ کی بطور سیاسی دارالخلافہ کی حیثیت پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قفل لگ گیا اور پھر سوائے چند سالوں یا عرصوں کے اس کو کبھی بھی سیاسی طور پر دارالخلافہ نہیں بنایا گیا. ایسا صرف حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی قلیل مدت کی خلافت یا چند دیگر بغاوتوں کے نتیجے میں

آنے والی حکومتوں کے دوران ہو سکا (مثلاً حضرت عبداللہ بن حنظلہ یا نفس الذکیہ) جو صرف عرصہ قلیل کے لیے منصۂ شہود پر نمودار ہوئیں. اس کے بعد ہمیشہ والی اور گورنر ہی تعین ہوتے رہے جنہوں نے مدینہ طیبہ کو بطور ایک شہر یا ایک صوبے کے کنٹرول کیا.

مدینہ طیبہ مسلمانان عالم کے روحانی دار الخلافہ کے طور پر

جب ایک بار دار الخلافہ مدینہ طیبہ سے منتقل ہو گیا تو پھر ہمیشہ کے لیے سیاسی قوت کا محور مدینۃ النبی سے باہر ہی رہا. بایں ہمہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگرچہ خلافت اسلامیہ کا ہیڈ کوارٹر مدینہ طیبہ سے کوسوں دور رہا مگر مدینہ طیبہ کا سیاسی، سماجی اور دینی مقام اور اہمیت تاریخ کے کسی موڑ پر کم نہیں ہوئے. رہنمائی کے لیے ہر مسلم حکمران کی نگاہیں مدینہ طیبہ پر ہی لگی رہیں اور جس حکمران کو بھی مدینہ طیبہ کی حکمرانی نصیب ہوئی اس نے دل و جان سے اس مقدس شہر کی خدمت کی بصرف ایک مثال یہاں کافی ہوگی کہ جب عثمانی سلطان سلیمان الفاتح نے قسطنطنیہ (استنبول) کو فتح کیا تو بوقت فتح جوش اور حب مدینۃ النبی میں وہ یہ کہہ رہے تھے: میں نے رومیوں کے اس شہر کو فتح کر کے محمد مصطفیٰ کے شہر پر تصدق کر دیا اور پھر اس کی تمام سرکاری جائیداد کو وقف بنا دیا جس سے حاصل شدہ تمام تر محصولات حرم نبوی اور اہالیان مدینہ طیبہ کی فلاح و بہبود پر صرف کر دئے. جب بھی کبھی امت اسلامیہ پر سیاسی بھونچال آیا خواہ اس کے زلزلے کا مرکز (Epicentre) شہر نبوی سے ہزاروں میل دور ہی کیوں نہ ہو، مگر مدینہ طیبہ مضطرب اور بے چین ہو جاتا رہا ہے. ایسے تمام سیاسی زلزلوں کے جھٹکے مدینہ طیبہ میں فوراً محسوس ہو جایا کرتے جس سے اس شہر امن کا سکون غارت ہو جاتا تھا. مدینہ طیبہ کی یہ بے چینی اس شہر نبوی کے امت مسلمہ کے ساتھ اٹوٹ رشتے اور محبت کو ظاہر کرتی ہے. آج بھی اگر کشمیر یا افغانستان یا چیچنیا میں مجاہدین پر قیامت ڈھائی جاتی ہے تو مسجد نبوی میں ان کے لیے پورے خشوع وخضوع سے دعائیں مانگی جاتی ہیں.

مدینہ طیبہ کی اس سیاسی اہمیت کے ساتھ ساتھ جو چیز مدینہ طیبہ کو عالم اسلام کا روحانی دار الخلافہ بناتی ہے وہ اس کا وہ کردار ہے جو وہ صدیوں سے امت اسلامیہ کی روحانی اور دینی تربیت کے لیے ادا کرتا آیا ہے. مدینہ طیبہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کا دنیاوی قیام اگرچہ صرف دس سال پر محیط تھا جس کا اکثر حصہ اسلام کے دشمنوں سے جہاد میں گزرا جس سے بادی النظر میں کسی بھی انسان کے لیے ناممکن تھا کہ وہ اپنی امت کی تنظیم کے لیے کوئی وقت نکال سکتا، مگر تاجدار مدینہ ﷺ چونکہ اللہ کے رسول اور اپنی امت کے لیے رہبر و رہنماء تھے اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور اپنی امت کی مکمل ہدایت اور راہنمائی فرمائی قرآن کریم کا اکثر حصہ بھی مدینہ طیبہ میں ہی نازل ہوا اور حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی ذاتی مثال سے اس کے ہر پہلو کی تفسیر وتشریح فرمائی. ارکان دین کے احکام اور انکا عملی اور اجتماعی نفاذ مدینہ طیبہ ہی میں ہوا فرض نمازیں، زکوٰۃ اور حج جیسے ارکان دین کی تنفیذ مدینہ طیبہ سے ہوئی اور حضور پرنور ﷺ نے تمام ارکان دین کو اپنے ذاتی اعمال کے ذریعے کر کے دکھایا تا کہ امت کو احکام قرآن سمجھنے میں دقت نہ ہو. ہجرت کو ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ روحانی ریاضتوں میں سب سے سخت ریاضت صیام وقیام کے احکام صادر ہو گئے اور اسی سال پہلے رمضان مبارک کے ابھی سترہ دن ہی گزرے تھے کہ ﴿حرض المومنین علی القتال﴾ کا حکم نازل ہوا جس کے تحت جہاد فی سبیل اللہ کیلیے مسلمان لشکر بدر کے لیے روانہ ہوا. روزے کی حالت میں عرب کے لق ودق صحراء میں سفر اور وہ بھی جہاد اور قتال کے لیے اس سے زیادہ اور کیا مشقت کا کام ہوگا. یہ ایک ایسی ریاضت تھی جو نہ صرف اولین مومنین کا شدید ترین امتحان تھا بلکہ تا قیامت آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ تھا. اس طرح انتہائی شدید حالات میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو روحانیت کی منزلیں طے کروائیں. غزوہ احزاب میں بھی جب خندق کھودی جا رہی تھی تو پیٹ پر پتھر باندھ کر بھوک اور افلاس کی شدت میں اس سنگلاخ زمین میں سات کیلومیٹر لمبی اور وسیع اور عمیق خندق انتہائی کم مدت میں کھودی گئی. صائمین کی ریاضتوں

کو جب جذبہ جہاد اور راہ حق میں شہادت کے لیے تڑپ کی مہمیز لگی تو ان کے ایمان میں وہ پختگی آگئی کہ ان میں ایسی عقابی روح بیدار ہوگئی جس سے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں نظر آنے لگی تھی۔

اگر چہ سیاسی طور پر دار الخلافہ مدینہ طیبہ سے باہر چلا گیا تھا مگر اس سے مدینہ طیبہ کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا. بلکہ جوں جوں اسلامی خلافت اور اسلام کی سرحدیں پھیلتی گئیں چار دانگ عالم میں پھیلی امت محمدیہ کے دل میں مدینہ طیبہ کی محبت اور کشش اور بڑھتی گئی. سیاسی مدوجزر سے بے نیاز مدینہ طیبہ میں پرسکوں ماحول قائم ہوگیا جس نے روحانی طور پر علوم اسلامیہ کی ترویج اور ارتقاء میں بہت اہم کردار ادا کیا اور سیاست دانوں کی بجائے مسند رشد و ہدایت مدینہ طیبہ کے اولیا اور علماء کرام کے ہاتھ میں آگئی اور یوں شہر نبی سے علم وفضل کے سوتے پھوٹتے رہے جن سے پیاس بجھانے کے لیے دور دور سے اسلامیان عالم کھنچے چلے آتے تھے. اس طرح امت کی رہنمائی کے لیے جو شمع رسول مقبول ﷺ نے جلائی تھی مدینہ طیبہ کے علماء نے اسے ہمیشہ بلند رکھا اور یوں مدینہ طیبہ جید علماء اور ائمہ کا مولد و مسکن بنا رہا. یہ کہنا کوئی مبالغہ آرائی نہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اصحابہ کبار میں سے ایک سو پچاس اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینہ طیبہ کو اپنا دائمی مسکن بنائے رکھا اور پھر جب تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دور آیا تو پھر بھی ایک سو ستر جید تابعی علماء نے مدینہ طیبہ میں علم وفضل کی شمع روشن کیے رکھی.(۷۷) یہاں پر ہم مشہور مستشرق ایچ اے آر گب (H.A.R. Gibb) کی ایک کتاب سے اقتباس پیش کرنا چاہیں گے۔

> حضرت محمد ﷺ نے اپنے پیروکاروں کے ذہنوں پر جو گہرے اثرات مرتب کئے تھے وہ اس معاشرتی اور تمدنی مہمیز سے آشکارا ہے جو سب سے زیادہ دینی ترقی کا سبب بنی. اسلام کی نئی تعلیمات کے نفاذ اور نشر کرنے کے لیے نئے نئے طریقے اور نظام وضع کیے گئے جس نے عربوں میں ذہنی انقلاب پیدا کر دیا. نئے علوم کی بنیاد رکھی گئی جن میں (بر سبیل مثال) احادیث پیغمبر ﷺ کا ہمہ جہتی مطالعہ، روایات کی تدوین، عربی زبان اور ادب کا ارتقاء اور ترویج، تاریخ اور سب سے بڑھ کر فقہی قوانین کی تدوین شامل تھی. یہ انقلابی تبدیلی ہر اس محقق کو انگشت بدنداں کر دیتی ہے جو اس حیرت انگیز انقلاب کو صرف ایک سو سال پہلے کے مدینہ (یثرب) کی علمی کم مائیگی اور ذہنی افلاس سے موازنہ کرتا ہے. یہ امر اور بھی حیران کن ہے کہ یہ عظیم کارنامہ عربوں کے ہاتھوں سرانجام پایا جنہوں نے ان تمام علوم کو ان بنیادوں پر استوار کیا جن کی خشت اول حضرت محمد ﷺ نے رکھی تھی اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ تمام تر ترقی بغیر کسی خارجی اثرات کے رونما ہوئی تھی.(۷۸)

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس گروہ نے جنہوں نے اپنے آپ کو سیاست سے الگ تھلگ کر لیا تھا خالصتاً دینی امور کے لیے وقف کر دیا. اس طرح مدینہ طیبہ 'شہر فقہاء' بن گیا جہاں اول درجہ کے فقہاء نے جنم لیا جن میں مقتدر صحابہ کرام اول نمبر پر ہیں جنہوں نے قرآن وسنت رسول اللہ ﷺ پر مبنی فقہی مسائل کی توجیہ اور تشریح کی. ان میں خلفائے راشدین جیسے جید اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت ابوسعید الخذریؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسی جلیل القدر شخصیتیں شامل تھیں. اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا فتویٰ چلتا تھا ان میں سے خاص طور پر چھ اسمائے گرامی تو سند کی حیثیت رکھتے ہیں: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت عمر ابن الخطابؓ، سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، حضرت زید ابن ثابتؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ. ان میں سے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ افتاء میں سیدنا عمر فاروقؓ کا اتباع اور تقلید کرتے تھے اور حضرت ابوموسیٰؓ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مقلد تھے اور حضرت زید بن ثابتؓ افتاء میں حضرت ابی بن کعبؓ کے مقلد تھے. اس طرح تقلید کی یہ روایت اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اختیار کردہ ہے. جس نے آگے چل کر آئمہ کرام کے دور میں فقہی مذاہب کا جواز مہیا کیا.

(ڈاکٹر منیر محمد طاہر الشواف، تہافت القراءۃ المعاصرہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۴، قبرص، صفحات: ۴۵۹-۴۶۰) یہ دور پہلی صدی ہجری میں تقریباً نوے سال پر محیط ہے. ان کے بعد وہ مشعل نور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے روشن رکھی. اسی مشعل کی شعائیں جب ہر طرف ضیا پاشی کرنے لگیں تو مدینہ طیبہ مدینۃ العلم بن گیا اور اس کی روشنی دنیا کے چاروں طرف پھیل گئی. مدینہ طیبہ کے انہیں سپوتوں میں سے سات مشہور زمانہ فقہاء مطلع اسلام پر طلوع ہوئے جن کی تابندگی نے آج تک اسلامی قوانین کو منور کیا ہوا ہے. ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت سعید ابن المسیبؒ
(۲) حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارثؒ
(۳) حضرت سلیمان بن یاسرؒ
(۴) حضرت عروہ بن زبیرؒ
(۵) حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؒ
(۶) حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؒ
(۷) حضرت خارجہ بن زید بن ثابتؒ

ان کے بعد علمائے کرام کی تیسری نسل نے اس مشعل کو بلند رکھا. یہ دور دوسری صدی کے وسط سے شروع ہوتا ہے. اس گروہ کے سب سے درخشاں ستارے حضرت امام مالک بن انسؒ (۹۵-۱۷۹) تھے جن کی الموطاء کو یہ فخر عظیم حاصل ہے کہ وہ احادیث کی تدوین میں سب سے اہم اور پہلا سنگ میل ہے. آپ بہت ہی قابل اور صاحب بصیرت فقیہ تھے جن کو قرآن اور سنت کی تعلیمات پر مکمل عبور حاصل تھا اور جنہوں نے حضرت نافعؒ کی مجلس درس حدیث میں بارہ سال تک زانوئے تلمذ طے کیا تھا (۷۹). اسلامی فقہ میں مالکی مذہب کے بانی حضرت امام مالکؒ ہی تھے. دیگر دبستان خیال اور مذاہب کے بانی بھی کسی کم اہمیت کے حامی نہیں تھے اور سب کے سب مدینہ طیبہ کے علماء اور فقہاء کے بستانوں کے خوشہ چین تھے. ان کے بعد آنے والے فقہاء اور محدثین ان تابعین اور بانیان مذاہب کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر چکے تھے. امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ جن کا نام تدوین حدیث میں کسی تعارف کا محتاج نہیں امام مالکؒ کے شاگرد رشید تھے. (۸۰) امام شافعیؒ نے بھی کافی عرصہ مدینہ طیبہ میں گزارا تھا اور اس دوران امام مالکؒ کے حلقہ ہائے دروس میں باقاعدگی سے شرکت کرتے رہے تھے. دیگر علماء اور فضلاء نے بھی مدینہ طیبہ کے علمی اور روحانی چشموں سے اپنی پیاس بجھائی تھی. اسی طرح صدیوں تک مدینہ طیبہ منبع رشد و ہدایت بنا رہا جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں جو حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: [بلاشک لوگ اپنی سواریوں کو تازیانوں سے ہانک کر علم کی تلاش میں نکلیں گے اور ان کو سوائے مدینہ طیبہ کے اور کہیں جید علماء نہیں ملیں گے.] (۸۱) آنے والے وقتوں نے فرمان رسول مقبول ﷺ کے ایک ایک حرف کی صداقت کو جریدہ عالم پر ثبت کر دیا.

اگرچہ خانہ جنگی نے مسلمانوں کے سیاسی اتحاد پر کاری ضرب لگائی تھی، مگر بہت سے جلیل القدر اصحابی اور تابعین حضرات رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سیاسی کشمکش پر عزلت نشینی کو ترجیح دی تھی اور اپنے آپ کو سنت رسول اللہ ﷺ کی ترویج، تدریس القرآن اور تدوین احادیث کے لیے وقف کر دیا تھا. اس مقدس فریضے میں نہ تو وہ کسی وقتی حکومت کی دھونس اور دھاندلی کے دام فریب میں آئے اور نہ ہی انہوں نے فرقہ واریت اور ذاتی مفادات کو مدنظر رکھا. تینوں عبداللہ حضرات (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ) روایت حدیث میں سب سے سبقت لے گئے. ان میں سے سرفہرست حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا اسم گرامی ہے جنہوں نے ہر قسم کی سیاسی جانب داری سے مکمل اجتناب کیا تھا اور کسی بھی فریق کا ساتھ نہیں دیا حتیٰ کہ جب مروان بن الحکم نے آپ کو خلافت کے منصب جلیلہ کے لیے راغب کرنا چاہا تو آپ نے صاف انکار کر دیا. اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے بھی حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور عبدالملک کے درمیان جھگڑے میں مکمل غیر جانبداری کا ثبوت دیا. جہاں تک حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا تعلق ہے، اگرچہ ابتداء میں آپ نے اپنے والد کے ایماء پر جنگ صفین میں شرکت کے لیے سفر کیا تھا مگر اس میں کسی قسم کا حصہ لیے بغیر واپس آ گئے تھے اور باقی عمر اپنے

اس سفر پر نادم رہے۔ اسی طرح دیگر مشہور شخصیتوں میں سے حضرت ابوذرؓ، حضرت محمد ابن مسلمہؓ، حضرت سعید ابن المسیبؒ، ابوالعالیہؒ المطرفؒ، حسن بن الیسارؒ، المسروقؒ اور دیگر اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس خلفشار کے پر آشوب دور میں مکمل غیر جانبداری کو اپنائے رکھا۔

جلیل القدر اصحابہ کرام میں سے حضرت ابو سعید الخذریؓ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے تو ہزار ہا ترغیب اور دباؤ کے باوجود کسی قسم کا سیاسی کردار ادا کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا، یہاں تک کہ دونوں ہستیوں نے مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر بھی کسی عہدے اور منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت ابو سعید الخذریؓ نے تو واقعہ حرہ کے دوران مدینہ طیبہ کے نواح میں غار و کوہ میں رہنا پسند کر لیا اور اسی طرح حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ مدینہ طیبہ سے چالیس میل دور نکل گئے اور کئی سال تک آپ نے اپنی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے درمیان گزار دیئے۔ ان کے علاوہ دیگر کئی مقتدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنی غیر جانبداری کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی اور رائج الوقت حکومت کی مدد سے ہاتھ کھینچنے پر کتنی ایسی ہستیاں تھیں جن پر تشدد کیا گیا، کتنی ایسی پاکیزہ شخصیتیں تھیں جن پر کوڑے برسائے گئے اور کتنے ہی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے اس عزم میں حجاج ابن یوسف کے ہاتھوں تہہ تیغ ہوئے۔ بہت سارے تاریخی تجزیوں میں ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد دس ہزار سے زیادہ بتائی جاتی ہے جو حجاج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ مگر ان مردان حر نے بھی بیڑہ اٹھایا ہوا تھا کہ اپنے آقا حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت کو اپنے بعد آنے والی نسلوں تک پہنچا کر دم لیں گے۔ حضرت سعید ابن المسیبؒ کو عبیداللہ بن زبیرؓ کے حکم سے کوڑے لگائے گئے، حضرت ہشام بن عروہؒ کا کندھا تشدد اور کوڑوں سے ناکارہ ہو گیا تھا جو بنوامیہ کے حکم سے انہیں کھانے پڑے تھے کیونکہ آپ نے ان کے آگے سر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت یحیٰ بن ابی کثیر (ت: ۱۲۹ ہجری) بھی اسی جرم کی پاداش میں کوڑوں کے سزاوار ٹھہرے تھے۔ حضرت عبیداللہ بن رافعؒ کو عمرو بن سعید بن العاص (مدینہ طیبہ کے گورنر) کے احکام سے زدوکوب کیا گیا۔ امام دار الہجرہ حضرت امام مالکؒ (جو اس وقت مسجد نبوی کے امام تھے) کو منصور عباسی کے حکم سے اتنا تشدد کیا گیا کہ ان کا ایک اعضاء ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناکارہ ہو کر رہ گیا تھا جس کی وجہ سے وہ بعد میں مسجد نبوی شریف میں حاضری تک سے قاصر رہے اور آپ کے تلامذہ کو آپ کے گھر میں حاضر ہونا پڑتا تھا تاکہ آپ کے علم و فضل سے استفادہ کر سکیں۔ حضرت سفیان الثوریؒ (۹۷-۱۶۱ ہجری) کے متعلق تو منصور نے قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا تھا۔ (۸۲) اسی طرح امام الاحناف امام ابو حنیفہؒ نے زندان میں تشدد کے نتیجے میں دم توڑ دیا۔

ان تمام مشکلات کے باوجود ان نڈر اصحابہ اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رہنمائی میں علم کی مشعلیں روشن رہیں اور ان کی انتھک کوششوں سے اسلامی تعلیمات اور بالخصوص تعلیم الاحادیث کا کام پوری شدومد سے جاری رہا۔ سیاسی جھمیلوں سے بچنے کے لیے یا شوق جہاد میں بہت سے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دور دراز علاقوں میں رہائش پذیر ہو گئے تھے مگر احادیث نبوی کے جواہر ہائے بیش قیمت جمع کرنے کی غرض سے مشتاقان حدیث ہزاروں میل کا سفر کرتے اور ان راویان احادیث سے بلاواسطہ احادیث مبارکہ کی سماعت کرتے تھے۔ مدینہ طیبہ کو یہ منفرد مقام حاصل رہا ہے کہ تدوین احادیث کے لیے جتنا کام شہر نبی میں ہوا اتنا کہیں اور نہیں ہو سکا اور اکناف عالم سے علم حدیث حاصل کرنے کے لیے مشتاقان احادیث سفر کر کے مدینہ طیبہ آیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے گرد سامعین حدیث کا ہجوم رہتا اور کم و بیش آٹھ سو تلامذہ نے ان سے بلاواسطہ علم حدیث حاصل کیا۔ بعد میں جب حضرت انس بن مالکؓ کے دروازے طلبائے حدیث پر وا ہوئے تو ان کے ہاں اتنا جم گھٹا لگ جاتا کہ لوگوں میں آپس میں لڑائیاں ہوتیں کیونکہ ہر کوئی آپ کے قرب میں بیٹھنا چاہتا تھا۔'' (۸۳) طلبائے حدیث اپنے اپنے اساتذہ سے سماع اور املاء دونوں طریقوں سے مستفید ہوتے تھے اور بحث اور جرح کی محفلیں جمتیں جو کہ تدوین حدیث کے مراحل میں سب سے زیادہ اہم مرحلہ تھا۔ یہ ایک ایسا فن تھا جس کے اجراء اور ارتقاء کا طرہ امتیاز صرف اسلام کو
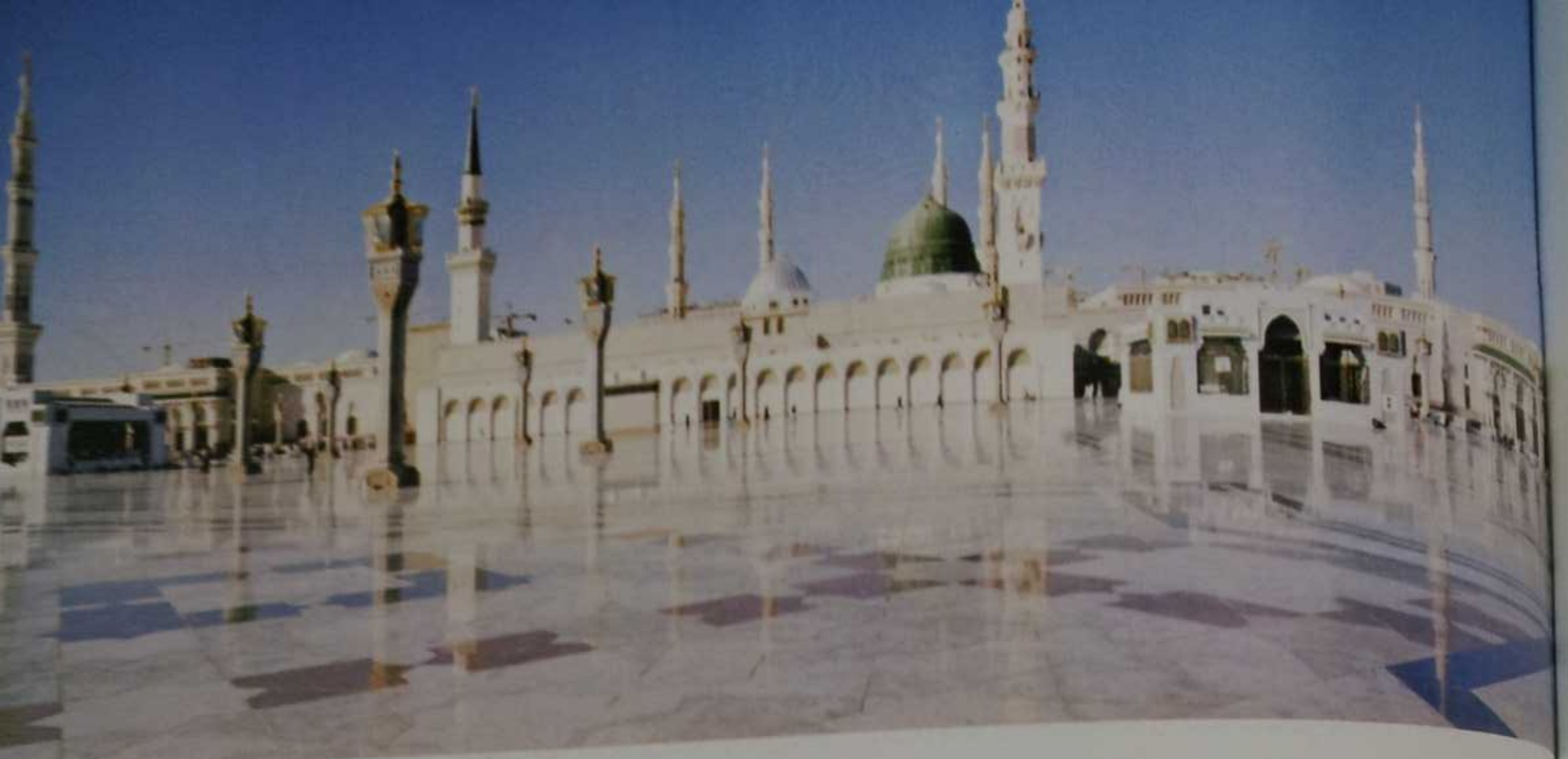
حاصل ہے۔اس طرح علم حدیث ایک باقاعدہ فن کی صورت میں ٹھوس بنیادوں پر استوار ہوا جس کے ثمرات تیسری صدی ہجری میں صحاح ستہ کے معتمد ترین مجموعوں کی صورت میں نمودار ہوئے۔

حکمت و فیضان نبوی کے ان چشموں نے جو مسجد نبوی شریف سے پھوٹے تھے پورے شہر مدینہ کی اس طرح آبیاری کی تھی کہ مدینہ طیبہ کا ہر حصہ علم و فضل کا گہوارہ بن گیا اور عشاق رسول اللہ ﷺ نے فیضان نبوی کے ان سوتوں کو نہروں کی صورت میں دور دور تک پہنچا دیا تھا۔ ہر نئی نسل اسی ذوق و شوق سے اس بیڑے کو اٹھاتی اور یوں قرآن و حدیث کی تعلیمات ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کے ہاتھ پھیلتی پھیلتی پورے کرہ ارض پر پھیل گئیں۔ یہ بات بلا مبالغہ اور ببانگ دہل کہی جاسکتی ہے کہ وہ نور جو شمس الضحیٰ ﷺ کے وادی فاران پر طلوع ہونے سے ظاہر ہوا تھا بعد میں مدینہ طیبہ کے لاوہ سے بنے دو سنگلاخ حروں کے درمیان واقع مسجد النبوی شریف کے احاطے میں اپنے نصف النہار پر پہنچ گیا تھا جہاں تاجدار دو عالم ﷺ اپنے حلقہ اصحاب میں مسند نشیں ہو کر اس نور الہدیٰ کی ضیا پاشی فرماتے تھے۔ اور پھر وہیں سے آپ کے ان جان نثاروں نے آپ کے اقوال اور افعال کو اپنا آئیڈیل بنا کر ان کی ترویج اور تشہیر کی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نور ہدایت نے ساری دنیا کو منور کر دیا۔ قرآن کریم کے مفسرین، تمام فقہی مذاہب کے بانی، احادیث مبارکہ کے طلباء اور جامعین، اولیاء کرام اور اسلامی دنیا کے مشائخین ان سب نے اپنی زندگی کے کسی نہ کسی حصے میں فیضان رسالت کے ان چشموں سے اپنی پیاس بجھائی جو صحن مسجد نبوی میں حضور نبی اکرم ﷺ کے حجرہ مبارکہ کی جوار رحمت میں بہتے چلے آرہے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق ؒ کے درس میں ایک وقت میں چار ہزار طلباء حصہ لیا کرتے تھے اور اندرون شہر ازدحام کی وجہ سے ان کو اپنی یونیورسٹی مدینہ طیبہ کے مضافات میں منتقل کرنی پڑی تھی۔ ان کے حلقہ درس میں دیگر مشاہیر کے علاوہ امام ابو حنیفہ ؒ کا اسم گرامی بھی آتا ہے۔ جو دبستان خیال مدینہ طیبہ میں سب سے زیادہ مقبول ہوا وہ مالکی تھا۔ حضرت امام مالک ؒ کے پیروکار مدینہ طیبہ کے فقہی افق پر تقریباً پانچ سو سال تک چھائے رہے۔ رفتہ رفتہ امام شافعیؒ کے مذہب کا احیاء مدینہ طیبہ میں ہو گیا اور کچھ دیر ان کا طوطی بولتا رہا۔ ۷۲۳ ہجری میں بغداد کے ایک حنفی عالم شمس الدین العجمیؒ نے مدینہ طیبہ میں قیام کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں حنفی دبستان فقہ مدینہ طیبہ میں چھا گیا جو چودھویں صدی ہجری کے اوائل تک رہا۔ (۸۴) اس کے بعد اگرچہ غیر مقلدین سلفیوں کا عمل دخل رہا ہے مگر ان کا میلان طبع حنبلی فقہ کی طرف زیادہ مائل ہے۔ اس طرح مدینہ طیبہ میں تمام مذاہب اور دبستان ہائے فکر کی پذیرائی رہی ہے۔ مذاہب کی تقسیم یک طرف مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کہ مدینہ طیبہ ہر مکتب فکر کے لیے روشنی کا مینار ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ عالم اسلام کا روحانی دار الخلافہ ہے۔

حواشی

(۱) امام ابی الحسن بلاذری (ت: ۲۷۹ ہجری)، فتوح البلدان، دار الکتب العلمیہ بیروت (۱۹۹۱)، ص: ۲۱۔ حافظ ابن نجار (۵۶۸-۶۴۱ ہجری)، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر، ص ۴۵۔ نیز قطب الدین الحنفی (ت: ۹۹۰ ہجری)، تاریخ المدینہ، قاہرہ، ۱۹۹۵، ص: ۲۹۔ بعض علماء کرام نے اسے حدیث نبوی شمار کیا ہے مگر محدثین کے اکثریت اس نظریئے کی حامل ہے کہ یہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے جو سیدنا امام مالکؒ نے ہشام بن عروہ بن زبیرؓ کی روایت سے سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے بیان کیا ہے۔

(۲) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۲۶۸، نیز ج: ۲، نمبر ۷۲۔

(۳) ایضاً، ج: ۵، نمبر ۱۲۱۔

(۴) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کو ہجرت کروں جو دوسرے شہروں کو ہڑپ کر جائے گا۔ اس کو یثرب کہا جاتا ہے مگر اس کا نام مدینہ ہے۔] صحیح بخاری، ج: ۳، نمبر ۹۵

(۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (The Battlefields of the Prophet Muhammad)، حذیفہ پبلیکیشنز، کراچی، ص: ۵۔

(۶) القرآن الکریم (النصر: ۱-۳) [جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اور اس کی پاکی بیان کرو اور اس سے بخشش چاہو، بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنیوالا ہے۔]

(۷) القرآن الکریم (التوبہ: ۲۸) ﴿اے ایمان والو بیشک مشرک ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں...﴾

(۸) چونکہ اس سال بہت سارے وفود مدینہ طیبہ میں وارد ہوئے تھے اس لیے اس سال کا نام بھی 'عام الوفود' یعنی وفود کا سال ہو گیا تھا۔

(۹) القرآن الکریم (الانشراح: ۲-۳)

(۱۰) محمد حسین ہیکل، حیات محمد ﷺ، انگریزی ترجمہ: اسمٰعیل رجی الفاروقی، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی، ص ۱۷۲۔

(۱۱) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۲۶۳

(۱۲) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۱۲۴: ایک طویل حدیث سے جو حضرت سعد بن الربیعہؓ سے مروی ہے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں سب سے بڑا بازار سوق بنو قینقع ہوا کرتا تھا، جس پر یہود کو مکمل اجارہ داری حاصل تھی۔ اسی سوق بنو قینقع میں ہر طرح کی تجارت ہوا کرتی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ جیسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی وہیں کام کر کے اپنے لیے روزی کماتے تھے۔ چونکہ مہاجرین کی اکثریت تجارت کیا کرتی تھی (مثلاً سیدنا عثمان ابن عفانؓ اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ) تمام حضرات نے ہجرت کے بعد اسی بازار میں تجارت شروع کی تھی۔

(۱۳) تہذیب سیرۃ ابن ہشام، مصدر مذکور، ص ۱۳۸

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں (انصار و مہاجرین) کو اپنے بے کراں انعام و اکرام سے نوازا جیسا کہ قرآن کریم (سورہ انفال-۷۴) میں وارد ہوا ہے: ﴿اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں۔ ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔﴾

(۱۵) القرآن الکریم (سورۃ الانفال: ۱۰) نیز دیکھئے صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۱۲۶۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انصار نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: [یا رسول اللہ ﷺ آپ ہم میں اور مہاجرین میں کھجوروں کے درخت بانٹ دیجئے، جس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں! پھر انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ تو پھر آپ اجازت مرحمت فرمائیں کہ وہ ہمارے باغوں اور کھیتوں میں محنت مزدوری کریں اور اس طرح ہم آپس میں اجناس اور پھل بانٹ

لیا کریں گے.مہاجرین نے کہا ہمیں منظور ہے.]اسی طرح ایک دوسری حدیث مبارکہ میں حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے:[جب مہاجرین مدینہ طیبہ میں آئے تو وہ بالکل تہی دامن تھے جبکہ انصار کے پاس جائیداد اور اراضی تھی.انصار نے ان کو اپنی اراضی ان شرائط پر کاشت کے لیے دے دی کہ وہ اس پر کام کریں گے اور کاشت کاری کے لیے تمام وسائل بروئے کار لائیں گے اور سال کے بعد جو بھی اس طرح حاصل ہو وہ برابر برابر تقسیم کو لیں گے صحیح بخاری، ج:۳،نمبر۷۹۹.

(۱۶) القرآن کریم (الحجرات:۱۴)

(۱۷) صحیح بخاری، ج:۹،نمبر۴۴۰.حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے:[رسول اللہ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کا ایک اجتماع مدینہ طیبہ میں میرے گھر پر کیا اور پھر ایک ماہ تک بنی سلیم کے خلاف ہر فرض نماز میں بددعا فرماتے رہے.]ایک اور حدیث مبارکہ میں جو حضرت عاصمؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت انس ابن مالکؓ سے دریافت کیا کہ کیا کبھی حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسا بھی فرمایا تھا کہ اسلام میں کوئی میثاق نہیں ہے، جس پر وہ یوں گویا ہوئے کہ:[حضور نبی اکرم ﷺ نے قریش اور انصار کو ایک دوسرے کا حلیف میرے گھر پر بنایا تھا.]صحیح بخاری، ج:۳،نمبر۴۹۱

(۱۸) ڈاکٹر محمد حمید اللہ(The Emergence of Islam)،ترجمہ افضل اقبال، ناشر اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اسلام آباد،۱۹۹۳،ص ۱۵۹.

(۱۹) ایڈوارڈ مارٹائمر(Edward Mortimer) نے کیا خوب الفاظ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سیاسی فراست کو خراج تحسین ادا کیا ہے.[جلد ہی محمد (ﷺ) نے اپنے آپ کو انتہائی اعلیٰ قابلیت کے عسکری اور سیاسی لیڈر کے طور پر منوا لیا تھا.۶۳۲ء میں آپ حضور کے انتقال سے پہلے ہی آپ کی امت نے نہ صرف مکہ اور مدینہ پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی بلکہ جزیرہ نمائے عرب میں ایک غالب قوت کے طور پر ابھر چکی تھی. (Faith & Power - The Politcs in Islam , Vintage Books, NY, 1982, p. 34)

(۲۰) ولہاؤزن("Wellhausen-"Gemeindeordnung von Medina)،بحوالہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (رسول اللہ ﷺ کے میدان جنگ) (The Battlefields of the Prophet Muhammad)،حذیفہ پبلیکیشنز، کراچی، ص ۱۱.

(۲۱) ڈاکٹر زکریا بشیر(Sunshine at Medinah)،اسلامک فاؤنڈیشن، انگلینڈ،۱۹۹۰،ص ۱۷۵.

(۲۲) ابن ہشام، مصدر مذکور، ص ۲۹۷.

(۲۳) محمد حسین ہیکل، مصدر مذکور، ص:۱۵۸

(۲۴) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ(The Life of Muhammad - a translation of Ibn Ishaq's Sirat Rasul Allah) Translated by : Alfred Gillaume, Oxford University Press, Karachi، صفحات:۲۰۱-۲۰۲

(۲۵) سنن ابی داود،۱۹-۲۹۹۸

(۲۶) ایضاً

(۲۷) اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے ابن ہشام لکھتے ہیں: حضرت صہیب مدینہ طیبہ پہنچنے کے لیے اتنے بے تاب تھے کہ انہوں نے فوراً ان کو اپنا تمام مال و دولت دے دیا اور جب نبی اکرم ﷺ نے یہ سنا تو فرط الفت میں فرمایا:[صہیبؓ نے یقیناً بہت منافع پالیا ہے!]ابن اسحاق، مصدر مذکور (حواشی ابن ہشام) ص ۲۹ ۷

(۲۸) القرآن الکریم (البقرہ:۲۱۶ اور ۲۵۱)

(۲۹) القرآن الکریم (النساء:۷۵-۷۶) میں ایسی ہی دعاؤں کا ذکر ہے جن کا مطلب اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوا کرتا تھا:[کہ اے رب نکال دے ہمیں اس بستی سے جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے دے..]وغیرہ.

(۳۰) القرآن الکریم (الحج:۳۹)[اجازت ہے ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہوا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے.]ابن الکثیر کے مطابق اگرچہ یہ آیت کریمہ وقت نزول کے لحاظ سے مکی ہے مگر اس پر عمل درآمد دفاعی اسٹرا ٹیجی اور تزویری وجوہات کی بنا پر مؤخر کر دیا گیا تھا کیونکہ مسلمان جب مکۃ المکرمہ میں تھے تو بہت کمزور تھے لیکن جونہی ان کو قوت اور طاقتور مقر (Power Base) میسر آ گیا ان کو جہاد برپا کرنے کا باضابطہ حکم دے دیا گیا جو کہ سورۃ البقرہ میں دیا گیا ہے:[تم پر فرض ہوا اللہ کی راہ میں لڑنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں

بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے جبکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔(البقرہ:۲۱۶)

(۳۱) صحیح بخاری، نمبر۴۴۲۷، صحیح مسلم، نمبر۳۲۷۵ و ۳۲۷۷ والترمذی نمبر۱۵۸۳

(۳۲) القرآن الکریم (الانفال:۶۰)

(۳۳) بریگیڈئر گلزار احمد، غزوات رسول اللہ ﷺ، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸، ص ۲۱۸.

(۳۴) القرآن الکریم (آل عمران:۱۷۲). سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ ان میں شامل تھے

(۳۵) ایضا ۳:۲۶

(۳۶) ایضا (آل عمران:۱۳۹)

(۳۷) ایضا (الانبیاء:۱۰۵ اور النور:۵۵)

(۳۸) احادیث مبارکہ کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے بنفس نفیس ۱۹ غزوات کی قیادت فرمائی اور دیگر سرایا میں اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سپہ سالار بنا کر بھیجا.

(۳۹) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر۳۶۲

(۴۰) ہرقل کو بھیجے گئے مکتوب مبارکہ کے لیے دیکھیے صحیح بخاری، ج:۹، باب ۴ (حدیث نمبر ۳۶۹ سے پہلے) اور خسرو پرویز کو ارسال کیے گئے مکتوب مبارکہ کے لیے دیکھیے صحیح بخاری، ج:۹، نمبر ۳۶۹ و صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۱۱۱۸. ابن سعد نے ایسے بہت سے مکتوبات کے متن مہیا کیا ہے جو مختلف شخصیتوں کو بھیجے گئے تھے. دیکھیے طبقات الکبریٰ، مصدر مذکور، ج:۱، صفحات:۲۵۸_۲۹۰

(۴۱) حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت سلمان الفارسیؓ، حضرت زید ابن الحارثؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت عتبہ الجہنیؓ کے اسمائے مبارکہ بر سبیل مثال پیش کیے جاتے ہیں. حضرت ابو ہریرہؓ سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں کوفہ کے گورنر رہ چکے تھے اور بعد میں انہیں مدینہ طیبہ کے گورنر رہنے کا فخر بھی حاصل ہوا جب حضرت معاویہؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان نزاع چل رہا تھا. حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر رہے. حضرت انس ابن مالکؓ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور خلافت میں مدینہ طیبہ کے گورنر رہے.

(۴۲) حضرت جابر ابن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مدینہ ایک بھٹی کی مانند ہے، یہ کھوٹ کو اپنے سے باہر نکال پھینکتا ہے اور صرف اسی کو اندر رکھتا ہے جو صحیح ہوں اور پھر ان کو کندن بنا دیتا ہے.] صحیح بخاری، ج:۳، باب فضائل المدینہ، نمبر۱۰۷.

(۴۳) سید امیر علی کے الفاظ میں: ''قیصر و کسریٰ کی افواج جنہوں نے عرب جمہوریت کی راہ روکنے کی کوشش کی بالآخر صحرا کے بادیہ نشینوں کے نوجوان بچوں کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی. (The Spirit of Islam)، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ص ۲۰۴.

(۴۴) القرآن الکریم (النور:۵۴)

(۴۵) القرآن الکریم (الانبیاء:۷۳)

(۴۶) مثال کے طور پر جب ایک زانی یہودی اور یہودیہ آپ سے فیصلے کے لیے لائے گئے تو آں حضرت ﷺ نے ان کو توراۃ کے احکام کے مطابق سنگسار کرنے کا حکم صادر فرمایا.

(۴۷) القرآن الکریم (آل عمران:۱۵۹)

(۴۸) اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بعض جن سے وقتاً فوقتاً مشورہ لیا جاتا. ان میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان ابن عفانؓ، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، حضرت سلمان الفارسیؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت بلال ابن رباحؓ، اور حضرت سعد ابن عبادہؓ وغیرہ شامل تھے.

(۴۹) مثلاً حضرت معاذ ابن جبلؓ اور حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ.

(۵۰) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر۴۴۵. اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خود حضور نبی اکرم ﷺ نے بنفس نفیس نیزہ بازی میں حبشیوں کے ساتھ شرکت فرمائی تھی.

(۵۱) محمد محمد حسین شراب، المدینہ النبویہ-فجر الاسلام والعصر الراشدی، دار القلم، دمشق، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۴، ج:۱، ص ۳۹۸.

(۵۲) ہر قبیلے کے شعب کے لیے ایک نقیب ہوتا تھا.

(۵۳) سنن ابی داود،۳۴-۴۲۱۲،۴۲۱۲ .حضرت ابو ذبابؓ کے روایت کے مطابق وہ انگوٹھی (ختم مبارک) ان کے پاس بھی کچھ عرصہ رہی تھی لیکن عموماً وہ حضرت معیقیبؓ کی سپرداری میں ہوتی تھی. ابن عبدربہ نے بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر وہ انگوٹھی حضرت حنظلہ ابن ابی فاطمہ کی تحویل میں تھی. ابن عبدربہ، العقد الفرید، مصدر مذکور، ص ۷۶۸.

(۵۴) حضور نبی اکرم ﷺ نے ان علاقوں کے لیے جو مفتوح یا باجگزار ہوئے تھے مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنا نمائندہ اور نائب بنا کر بھیجا مثلاً حضرت عبداللہ بن رواحہ کو خیبر کے لیے مندوب بنایا گیا. سنن ابی داود، ۲۲-۱۶-۳۴۰۱۶ _ اسی طرح حضرت عبادہ ابن الجراحؓ کو نجران اور حضرت معاذ ابن جبلؓ کو یمن بھیجا گیا تھا.

(۵۵) روایات میں آیا ہے کہ کل ۴۳ کاتبین تھے جن میں سے چند تو صرف وحی کی کتابت پر مامور تھے مثلاً حضرت زید ابن ثابتؓ اور ابی بن کعبؓ، جبکہ کچھ بادشاہوں کو مکتوبات مبارکہ لکھتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن ارقم الزہریؓ اور کچھ زمینوں کے عطانامے یا معاہدے لکھا کرتے تھے اور حضرت حنظلہ ابن ربیعؓ ان کاتبین کی جگہ لیتے تھے جو کسی کام کی وجہ سے مدینہ طیبہ سے باہر ہوتے. محمد محمد حسین شرّاب، مصدر مذکور، صفحات: ۴۰۹-۴۱۰

(۵۶) سامی بن عبداللہ المغلوث، الاطلس التاریخی لسیرۃ الرسول، مکتبۃ العبیکان، الریاض، پہلا ایڈیشن، ۲۰۰۱، صفحات: ۲۰۸-۲۰۹

(۵۷) صحیح بخاری، ج: ۷، نمبر ۱۲۸

(۵۸) صحیح مسلم، ۲۰-۴۴۹۶

(۵۹) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۶۸۷

(۶۰) ڈاکٹر محمد السید الوکیل، المدینۃ المنورہ عاصمۃ الاسلام الاولی، جدہ، ۱۹۸۹، صفحات: ۱۶۵-۱۶۶

(۶۱) علامہ جلال الدین السیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، دار الفکر، بیروت، ۱۹۷۴، ص: ۱۳۰.

(۶۲) ایضاً ص ۱۲۸

(۶۳) ایضاً

(۶۴) حضرت عقیل بن ابی طالبؓ، حضرت مخرمہ بن نوفلؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ کے ذمے یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ گھر گھر جا کر یہ معلومات جمع کریں. محمد محمد حسن شرّاب، المدینۃ النبویہ۔ فجر الاسلام والعصر الراشدی، دار القلم، دمشق، ۱۹۹۴، ص ۳۵.

(۶۵) دکتور محمد بن عبداللہ الشیبانی، نظام الحکم والادارہ فی الدولۃ الاسلامیہ، ریاض، تیسرا ایڈیشن، ۱۹۹۱، صفحات: ۲۸_۲۹

(۶۶) صحیح مسلم، ۳-۱۴-۴۷۰

(۶۷) یہ نظام محاسبہ اتنی سختی سے نافذ کیا گیا تھا کہ سیدنا عمر فاروقؓ نے حضرت خالد ابن ولیدؓ جو رشتہ میں آپ کے ماموں بھی تھے اور اس وقت مسلم افواج کے سپہ سالار بھی تھے جو محاذ جنگ پر مشغول جہاد بھی تھے برطرف کر دیا. اس وقت حضرت خالد ابن ولید شہرت کی بام عروج پر تھے لیکن جب انہیں اپنے معزول کیے جانے کے احکام پہنچے تو انہوں نے فوراً احکام کی تعمیل کی اور واپس مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے اور پھر اس کے بعد ایک عام سپاہی کی حیثیت سے دمشق کے محاذ پر لڑتے رہے. دوسری مثال حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے جنہیں بحرین کی گورنری سے برطرف کر دیا گیا اور عامۃ الناس کے سامنے مسجد نبوی کے کٹہرے میں ان کو ان الزامات کی صفائی پیش کرنی پڑی تھی.

(۶۸) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۵۰

(۶۹) ایضاً

(۷۰) ابن شبہ، تاریخ مدینہ، جلد ۱، ص ۱۶۹. الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ قدیماً وحدیثاً، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳، ص ۲۰۶.

(۷۱) صحیح بخاری، ج: ۴، نمبر ۲۰۹

(۷۲) ابن عبدربہ، احمد ابن محمد، تاب العقد الفرید، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۳۵، ج: ۱، ص ۷۵۳

(۷۳) پروفیسر ڈاکٹر سعاد ماہر محمد- آرٹیکل: (The Kingdom of Saudi arabia, Center of Islamic Civilization). یہ مضمون Saudi Araia and Its Place in the World میں شامل ہے جو جامعہ ملک عبدالعزیز، مکۃ المکرمہ نے ۱۹۷۹ میں نشر کی تھی، ص ۸۰.

(۷۴) نہج البلاغہ، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، چھٹا ایڈیشن، ۱۹۸۱، ص: ۶۸۰ (خطبہ نمبر ۵۷).

(۷۵) ایضاً، خطبہ نمبر ۷۰، ص: ۶۹۴.

(۷۶) ڈاکٹر احمد زیدان، خلفائے راشدین (The Rightly Guided Caliphs)، ص ۲۲۹.

(۷۷) محمد محمد حسن شرّاب، مصادر تاریخ المدینہ، مضمون جو دراسات حول المدینۃ المنورہ میں شائع ہوا جسے لٹریری کلب آف مدینہ منورہ نے شائع کیا (نمبر ۹۸)، ۱۹۹۴، ص: ۳۳۹.

(۷۸) H.A.R. Gibb (Islam - A Historical Survey (formerly titled Muhammedanism)، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن ۱۹۷۸، صفحات: ۴-۵

(۷۹) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج: ۲، ص ۳۸۴ نیز ابی الفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی (ت: ۵۹۷ ہجری)، ابواب ذکر مدینۃ الرسول، مدینۃ المنورہ، ص ۶۳. بعض علماء کے نزدیک شیخ القراء امام نافع کا نام ان سات فقہاء میں شامل ہے جن کی روایات اور فتاویٰ کو دوسری صدی کے اوائل میں مدینہ طیبہ میں اسلامی فقہ کی طرف پہلا سنگ میل سمجھا جاتا ہے.

(۸۰) حضرت امام مالک کے حلقہ درس نے بہت جید علماء پیدا کئے. آپ کے تلامذہ میں سے ایک ابن زبالہ" بھی تھے جن کو دوسری صدی ہجری میں مدینہ طیبہ کے سب سے پہلے مورخ ہونے کا فخر حاصل ہے. بدقسمتی سے ان کا شاہکار اب ناپید ہے. بعد میں آنے والے ہر مورخ کے لیے ماخذ ومرجع ابن زبالہ کی 'الاخبار المدینہ' رہی ہے. امام سمہودیؒ نے اس قدیم ترین تاریخ مدینہ سے خوب خوشہ چینی کی ہے. وہ نسخہ جو امام سمہودیؒ کے زیر استعمال رہا، لگتا ہے کہ وہ اس آگ کی نذر ہو گیا تھا جو مسجد نبوی شریف میں ۸۸۸ ہجری میں بجلی گرنے کی وجہ سے لگ گئی تھی.

(۸۱) الترمذی (اردو ترجمہ: بدیع الزمان) ناشرین ضیا احسان پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۸، ج: ۲، صفحات: ۲۲۰-۲۲۱. یہ حدیث مبارکہ الحاکم کی مستدرک میں بھی موجود ہے.

(۸۲) ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی، (Hadith Literature - Its Origin, Development, Special Features and Criticism)، کلکتہ یونیورسٹی، انڈیا، ۱۹۶۱، صفحات: ۶۲-۶۵

(۸۳) ایضاً، ص: ۵۰

(۸۴) الشیخ جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین، ص ۱۴۸.

باب ۹

'انقلاب مدینہ' - اسلامی سماجی انقلاب

'انقلاب' اور 'انقلابی' کی اصطلاحیں زمانہ حاضر کی وضع کردہ ہیں. لیکن اگر ان اصطلاحوں کا اطلاق ساتویں صدی کے جزیرہ نمائے عرب کے پس منظر میں (حضرت) محمد (رسول اللہ ﷺ) کی کامیابیوں پر کیا جائے تو بالکل بے محل نہیں ہوگا. (حضرت) محمد ﷺ کی زندگی صحیح معنوں میں ایک انقلابی لیڈر کی زندگی ہے. آپ نے اپنی نبوت کا آغاز اس وقت مروجہ گلی سڑی سماجی اقدار پر تنقید سے کیا. جب آپ کی ندائے انقلاب صدا بصحرا ثابت ہوئی اور آپ کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا تو آپ نے اپنے مٹھی بھر جان نثاروں کے ساتھ ایک ایسے علاقے میں ہجرت کر لی جہاں کے باشندے آپ کی مدد کے لئے تیار نظر آ رہے تھے... جدوجہد کے دوران آپ کے نظریات مزید واضح ہوتے گئے اور وہ نظام جو آپ لاگو کرنا چاہتے تھے آہستہ آہستہ نکھر کر سامنے آ گیا جس کی بدولت مروجہ فرسودہ نظام کا نقش کہن اکھاڑ پھینکا گیا اور اس کی جگہ ایک ایسے نظام نے لے لی جس کی داخلی ارتقاء اور نمو کی قوتوں میں اتنی جاذبیت تھی کہ باہر کے لوگ بھی اس کی طرف کھنچے چلے آئے جس کے نتیجے میں یہ انقلابی نظام ان لوگوں اور علاقوں پر بھی چھا گیا جو عرب نہیں تھے. اگر یہ انقلاب نہیں تو اور کیا ہے؟ (۱)
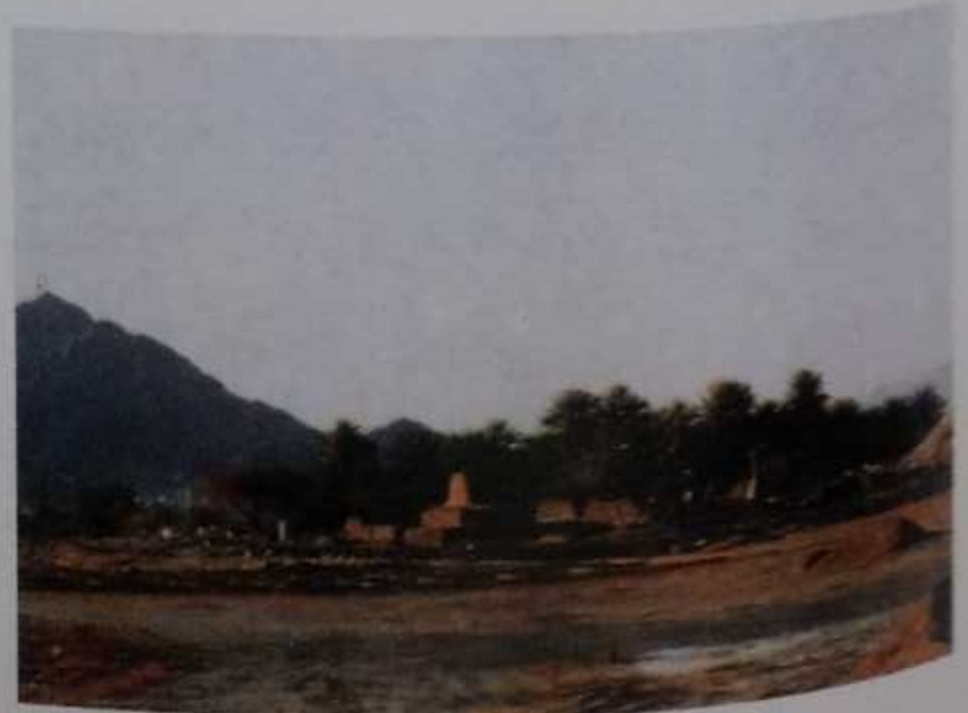
جب سرکار دو عالم ﷺ نے قباء میں اپنا قدم رنجہ فرمایا جو مدینہ طیبہ میں دخول کے لیے جنوبی طرف سے باب المدینہ کہلاتا ہے تو آں حضور ﷺ نے نہایت ہی مختصر سا خطبہ ارشاد فرمایا جو کچھ جملوں پر مشتمل تھا اور صرف چند لمحوں پر محیط تھا. رسول اللہ ﷺ نے اس جم غفیر کو جو آپ حضور ﷺ کا استقبال کرنے کے لیے اُمڈ آیا تھا ارشاد فرمایا:

﴿ایها الناس ! افشوا السلام، وصلوا الارحام، و اطعموا الطعام، و صلوا باللیل والناس نیام، تدخلوا الجنه بسلام.﴾ (۲)

(اے لوگو سلام کو عام کرو، صلہ رحمی کا خیال رکھو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، راتوں کو جاگ کر اس وقت عبادت کرو جب غافل لوگ سو رہے ہوتے ہیں اور جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ.)

اس مختصر خطاب میں جس پر اختصار و ایجاز کی روح کو سوناز ہے آپ حضور ﷺ نے چار اعمال پر زور دیا جنہوں نے عرب و عجم کی کایا پلٹ دی:

(۱) آپس میں ایک دوسرے پر سلام (سلامتی) کو عام کرو کیونکہ یہ نفرتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے.

(۲) بھائی چارہ اور باہمی اخوت کو اپناؤ، صلہ رحمی کا خیال رکھو، کیونکہ یہ دشمنیوں اور عداوتوں کو ختم کرتے ہیں.

(۳) بھوکوں کو کھانا کھلاؤ کیونکہ اس سے معاشرے میں بھوک اور افلاس کا خاتمہ ہوتا ہے.

(۴) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قیام اللیل اور ذکر الٰہی کیا کرو کیونکہ یہ تقویٰ کی طرف لیکر جاتا ہے اور سب سے آخر میں فرمادیا کہ اگر ایک معاشرے میں یہ خوبیاں آجائیں تو جنت صرف چار قدم پر رہ جاتی ہے.

اس مختصر سے خطاب کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ نے مظلوم اور پسے ہوئے طبقے کی سماجی اور معاشی بہبود کے لیے بیڑہ اٹھایا. اگر بین السطور دیکھا جائے تو درحقیقت یہ اس انقلاب کی طرف جانے کا سب سے آسان اور مختصر ترین راستہ اور لائحہ عمل (Road Map) ہے جو فخر موجودات فخر نوع انسانی حضور نبی اکرم ﷺ نے خاص طور پر اپنی امت کے لیے اور عام طور پر بنی نوع انسان کے پسے ہوئے طبقے کے لیے وضع کیا تھا. آپ کی اس انقلابی دعوت پر مہاجرین اور انصار نے بیک زبان لبیک کہا جس کے نتیجے میں بہت تھوڑے عرصے میں ایک ایسی تہذیب نے جنم لے لیا جو ظلم و ستم، استحصال، جہالت اور غربت سے پاک تھی اور جس نے دیکھتے ہی دیکھتے اس آفاقی قرآنی سماج کا روپ دھار لیا جو دنیا کے باقی معاشروں اور ادیان کے برعکس نہایت متوازن اور موزوں تھا اور جو افراط و تفریط سے یکسر پاک درمیانہ روی پر گامزن تھا. قرآن کریم کے الفاظ میں: ﴿اور بات یوں ہے کہ ہم نے تمہیں سب امتوں سے زیادہ درمیانہ رو بنا دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ ہیں.﴾ (۳) یہ ایک ایسا معاشرہ تھا جس سے اس کے دشمن کانپ جاتے تھے مگر مؤمن آپس میں شیر و شکر ہو کر رہتے تھے. (۴)

ہو محفل یاراں تو بریشم کی طرح نرم   رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

مدینہ طیبہ میں قیام پذیر ہوتے ہی حضور نبی اکرم ﷺ نے تین نہایت اہم اور عہد آفرین امور کی طرف اپنی تمام تر توجہ مبذول کردی:

(۱) مسجد نبوی کی تعمیر: پچھلے تیرہ سالوں کی جہد مسلسل اور کفار کی چیرہ دستیوں کے بعد اب وقت آن پہنچا تھا کہ مسلمان مکمل آزادی کے ساتھ اللہ کا گھر بنا کر اس کی عبادت کریں. روز اول سے ہی اللہ کے اس گھر کی تعمیر کا اولین مقصد تبلیغ اور ترویج اسلام تھا، مگر اس کے ساتھ ساتھ اسی اللہ کے اس گھر (مسجد) نے ایک ایسی مرکزی حیثیت حاصل کر لی تھی جس کے گرد مسلمانوں کے شب و روز گردش کرتے تھے. اس نے ان کو ایک ایسا فورم اور پلیٹ فارم مہیا کر دیا جس نے مسلم امت میں دینی اور سیاسی شعور کو اجاگر کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا. اس نے سیاست اور دین کو اتنے گہرے رشتے میں پرو دیا کہ دونوں

نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ایک مثالی مسلم ریاست کے لیے مضبوط بنیادی ڈھانچہ (Infra Structure) فراہم کر دیا.

(۲) بے گھر اور بے خانماں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات اور موالات کا ایک ایسا اٹوٹ رشتہ قائم کر دیا جس نے امت کے مختلف طبقوں کے درمیان منافرت اور عداوتوں کی تمام رکاوٹیں گرا کر رنگ ونسل سے پاک ایک امت واحد کی بنیاد رکھ دی.

(۳) مدینہ طیبہ میں ساکن کثیر النسلی عناصر اور شعوب وقبائل (جن میں عرب اور غیر عرب، انصار اور یہود سب شامل تھے) کے درمیان میثاق مدینہ کا معاہدہ طے کیا جس پر ریاست مدینہ طیبہ کی بنیاد رکھ دی گئی.

ان تین ستونوں پر اس عظیم معاشرے کی بنیاد رکھی گئی جس نے گمراہی میں گم انسانیت کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک مہذب ترین معاشرہ بنا دیا. مکۃ المکرّمہ میں اگرچہ تنزیل قرآن کریم کا سلسلہ تیرہ سال سے چلا آرہا تھا لیکن قریش کی ہٹ دھرمی اور ان کے ہاتھوں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر تشدد اور تضحیک نے مسلمانوں کو ایک اقلیت سے آگے نہ بڑھنے دیا تھا. یہ اقلیت بھی وہاں ہمیشہ مجبور ومقہور رہی تھی. بہت سی ایسی مثالیں ہیں کہ اگر ایک خاوند نے اسلام قبول کر لیا تھا تو بیوی مشرک رہنے پر مصر تھی، اگر ایک بہن نے اسلام کی سچائی کو اپنا لیا تھا تو بھائی کسی قیمت پر بھی حلقہ اسلام میں داخل نہیں ہونا چاہتا تھا، اور اگر ایک بیٹی مسلم تھی تو داماد کافر ہی رہنے پر تلا ہوا تھا اور اگر ایک باپ مسلمان ہو گیا تو بیٹا کفر کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا ہوا تھا. سوائے چند خاندانوں کے جو سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، دیگر تمام مسلمان اپنے اپنے خاندانوں سے کٹے ہوئے تھے. اس طرح یہ اقلیت یکہ وتنہا اور بے یار ومددگار ہو چکی تھی. نمازیں بھی چھپ چھپا کر ادا کی جاتی تھیں. ابتدائی مسلمانوں کی قلیل جماعت کوہ صفاء کے دامن میں واقع دار ارقم میں چھپ کر جمع ہوتی اور نماز ادا کرتی اور اللہ کے پیارے نبی حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات سنتی تھی.

تاہم ہجرت مبارکہ نے مسلمانوں کے لیے نئے مواقع پیدا کر دئے. دین ان کے لیے اب صرف ایک ذاتی معاملہ ہی نہیں تھا بلکہ یہ ایک اجتماعی سوشل نظام بن چکا تھا جس نے کل کی اس مجبور ومقہور اقلیت کو آج کی صرف اکثریت ہی نہیں بلکہ آفاقیت سے ہمکنار کر دیا تھا. نیز اللہ تعالیٰ نے ان کو مطلوبہ آزادی فراہم کر دی تھی. ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے الفاظ میں: [اب کوئی ہجرت کی ضرورت نہیں رہی. پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ حلقہ اسلام میں ایک نووارد کو اپنے اللہ اور رسول کے پاس پناہ لینی پڑتی تھی تاکہ دین اسلام کے اختیار کرنے سے اس پر مصیبتوں کے پہاڑ نہ ٹوٹ پڑیں. اب اللہ کریم نے اسلام کو فتح عطا کر دی ہے اور ایک مومن جہاں چاہے اپنے رب کی عبادت کر سکتا ہے.] (۵)

نماز پنجگانہ مسلمانوں کو ایک مسجد نبوی کے پلیٹ فارم پر جمع کر دیتی جو ایک ایسا مینارہ نور بن گیا تھا جس سے ان کے شب وروز منور ہو گئے تھے اور جہاں سے انہیں زندگی کے ہر شعبہ کے لیے رہنمائی مل جاتی تھی. مسجد نبوی کے علاوہ نو اور بھی مساجد تھیں جنہیں مساجد البیوت کہا جاتا تھا (۶) جن میں سے بہت سی تو ان انصار نے بنائی تھیں جو بیعت عقبہ اول اور بیعت عقبہ دوم میں شامل ہوئے تھے. ام المومنین سیدۃ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: [حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ مختلف علاقوں میں مسجدیں تعمیر کی جائیں (یعنی مختلف قبائلی آبادیوں میں) اور ان کو صاف ستھرا رکھا جائے اور وہاں خوشبو لگانے کا اہتمام کیا جائے.] (۷) اس طرح مساجد مسلمانوں کی دینی اور معاشرتی زندگی کی اجتماعیت کی علامت بن گئیں.

مستشرق مارٹائمر کے الفاظ میں: ''اس کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہونا ایک ایسے معاشرے کے دھارے میں شامل ہونے کے مترادف تھا جس نے اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے قوانین کی روشنی میں قبائلی وفاداریوں اور عصبیت کو خاک میں ملا دیا تھا. ایک مسلم کو دوسرے مسلم پر حملہ کرنے کی ممانعت تھی اور نہ ہی وہ اپنے کسی بھائی بند کی مدد کر سکتے تھے جو کسی مسلم کے قتل میں ملوث ہو.'' (۸) اس لحاظ سے یہ ایک منفرد معاشرہ تھا جس کا تمام تر منبع رشد وہدایت اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ کا عطا کردہ تھا. ہجرت مبارکہ کے دس سال بعد تک قرآن کریم

کی وحی کے نزول کا سلسلہ جاری رہا جس نے مسلم امت کے لیے ایک واضح، ٹھوس اور مضبوط سیاسی ہیکل کی بنیاد رکھ دی. جہاں تک دین کے بنیادی ستونوں کا تعلق ہے وہ تو مکہ میں ہی قرآن کریم نے استوار کردئے تھے مگر ایک مفصل اور منفرد نظام حیات جو مسلمانوں کو دیگر ادیان کے پیروکاروں سے ممتاز بناتا ہے اس کے متعلق احکام کی تنزیل مدینہ طیبہ میں مکمل ہوئی. ایسا صرف مدینہ طیبہ میں ہی ہوا کہ تمام سماجی قوانین نازل ہوئے جو اسلامی معاشرے کے لیے مکمل ضابطہ حیات بنے. مہد سے لیکر لحد تک انسانی زندگی کے تمام معاملات: عبادات، اخلاقیات، حلال اور حرام، شادی بیاہ، طلاق، وراثت، تجارت اور لین دین، نظام عدل گستری، جنگ وامن کی حکمت عملی، ریاست کے سیاسی معاملات، الغرض زندگی کے ہر شعبہ پر محیط قوانین کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا اور وہیں پر ان کی تدوین اور تنفیذ بھی عمل میں آئی. ابن اسحاق کے الفاظ میں:

''جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں دائمی طور پر رہائش پذیر ہو گئے اور مہاجرین بھی سب آچکے اور انصار کے تمام معاملات طے پا گئے تو اسلام صحیح معنوں میں مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گیا. نماز قائم کردی گئی، زکوٰۃ اور صیام لاگو کردیئے گئے، اور قانونی نظام سزا و جزا نافذ کر دیا گیا، حلال و حرام کی تمیز کروادی گئی جس سے اسلام نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا.'' (۹) قرآن کریم کی آیات پر آیات کا نزول ہوا اور کبھی کبھی تو پوری کی پوری سورتیں نازل ہوئیں جس سے اسلام کے فوجداری اور دیوانی معاملات کو حل کرنے کا لائحہ عمل طے کیا گیا. حضور نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس نماز فجر کے بعد مسجد نبوی میں حلقہ ہائے درس منعقد فرماتے اور اکثر ایسے حلقے نماز ظہر تک چلتے رہتے تھے. (۱۰)

ایک کلیسا یا یہودی عبادت گاہ کے برعکس جہاں صرف ہفتہ وار اجتماعات ہوتے ہیں مسجد ایک ایسا مقام تھا جہاں مسلمان دن میں پانچ بار جمع ہوتے تھے. لہٰذا مسجد نبوی شریف دن بھر مسلمانوں کی معمول کی عبادات اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے مختلف اشغال وافعال کا محور بنی رہتی. یہیں پر سیاسی اجتماعات ہوتے اور یہیں پر سماجی امور بھی طے پاتے. مسجد نے بدیہی طور پر ایک ادارے کی شکل اختیار کر لی تھی جو دیگر اداروں میں سب سے زیادہ طاقتور ادارہ بن کر ابھری تھی جو معاملات حکومت چلانے کے لیے وضع کیے گئے تھے. اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ایک ایسا حلقہ بن چکا تھا جن کا محور قرآن کریم اور اس کی عملی تفسیر تھی جو حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی قدر کی شکل میں ان کے درمیان جلوہ فروز رہتی تھی. مسجد نبوی اور خاص طور پر اس میں واقع دکۃ الصفہ ایک ایسا مقام تھا جہاں ہر وقت قرآن کرم کی تلاوت، تفسیر اور تفہیم شب وروز کا معمول بن گیا تھا مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھروں میں یہ کام نہیں ہوتا تھا. (۱۱) جب کبھی رات کے گھپ اندھیرے میں حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ میں اس وقت مٹی کے گھروندوں اور خیموں کے پاس سے گزر فرماتے تو آپ حضور ﷺ کی خوشی کی انتہاء نہ رہتی جب ان مکانوں کے مکین مرد اور عورتیں محو تلاوت ہوا کرتے تھے. یہی طرہ امتیاز ہے جس نے مدینۃ النبی کو صحیح معنوں میں مدینۃ القرآن بنا دیا تھا.

قرآن کریم کے اس سحر انگیز انقلابی سوشل آرڈر کا الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے. اس کا تو صرف تصور ہی کیا جا سکتا ہے. قرآنی نظام نے سب کو ایک رنگ میں رنگ دیا تھا جو اللہ رب العزت جل جلالہ کا رنگ تھا. ﴿ہم نے اللہ تعالیٰ ہی کا رنگ اپنایا ہے اور ہے اللہ سے بہتر کس کا رنگ؟﴾ (۱۲) اس یک رنگی نے ہر ایک کو ایک ہی رنگ میں رنگ دیا تھا جو اسلام تھا اور جو دنیا کے ہر سماجی اور دینی رنگ سے منفرد ہے، حکم الٰہی کہ ﴿دین میں داخل ہو تو پورے کے پورے داخل ہو جاؤ﴾ پر من وعن عمل کیا گیا. یوں تھوڑے ہی عرصے میں تمام سماجی برائیاں ایک ایک کر کے رخصت ہوتی چلی گئیں جیسے کسی جادو کی چھڑی کا کمال ہو! قمار بازی اور شراب نوشی جس نے معاشرے کو جڑوں تک خراب کر دیا تھا نہایت حکمت سے دھیرے دھیرے دور کر دی گئیں اور پھر جب ممانعت اور حرمت شراب کا آخری حکم نازل ہوا تو شمع رسالت کے پروانوں نے اس امتناعی حکم پر ایسا عمل کیا کہ جن کے پیٹ میں اس وقت شراب تھی انہوں نے بھی قے کر دی اور جن کے ہاتھوں میں جام تھے انہوں نے فوراً انڈیل دئے. (۱۳) شراب کے مٹکے پھوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں شراب بہہ نکلی تھی. اسلامی قوانین حدود کے

نفاذ سے صدیوں پرانے جرائم اپنی موت آپ مرگئے. انسانی زندگی، جائیداد اور نجی حق خلوت (Privacy) کو اتنا تحفظ فراہم کیا گیا کہ ان کی خلاف ورزی قوانین حدود کے تحت سزاوار ٹھہرائی گئی. قصاص اور دیت اور حدود فوجداری جرائم کے لیے قوانین اسلامی نظام عدل کی اساس ٹھہرے جو بلا تمیز رنگ ونسل سب پر یکساں لاگو تھے. دیوانی معاملات میں بھی ایسا ہی نظام عدل رائج ہوا حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں تو حضور پرنور ﷺ بنفس نفیس مقنن اور منفذ قانون تھے مگر خلفائے راشدین کے دور خلافت میں تمام بڑے شہروں میں عدالتیں بنائی گئیں. مدینہ طیبہ میں اگرچہ آخری اپیل کے لیے امیر المومنین کا دروازہ ہمیشہ کھلا تھا مگر عدلیہ کو آزاد بنانے کے لیے وہاں بھی علیحدہ عدالت قائم کردی گئی تھی جو اسلامی قوانین کے نفاذ میں مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ادارہ تھا. حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دور خلافت میں حضرت عمر فاروق ؓ پہلے قاضی القضاۃ بنے اور جب وہ خود خلیفۃ المسلمین بنے تو آپ فوراً اس عہدے سے الگ ہوگئے اور حضرت زید ابن ثابت ؓ کو اس عہدے پر تعینات کردیا. عدلیہ اس حد تک آزاد تھی کہ اسے کسی بھی ملزم کو عدالت میں طلب کرنے کا حق تھا خواہ وہ امیر المومنین ہی کیوں نہ ہو. تمام فیصلے میرٹ پر قرآن وسنت کی روشنی میں ہوا کرتے تھے. (۱۴)

قرآنی احکام کو کماحقہ نافذ کیا گیا تھا اور اس کے نفاذ میں کسی قسم کی رعایت نہیں برتی گئی اور نہ ہی کسی جانبداری کا مظاہرہ ہوا. ہر لحاظ سے پرکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کردار اس قرآنی آیت کریمہ کے عین مطابق تھا: ﴿اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہوجاؤ، اللہ کے لیے گواہی دینی چاہیے خواہ اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا جس پر گواہی دو، وہ غنی ہو یا فقیر ہو. بہرحال اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تم خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑ جاؤ، اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیر و تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے. ﴾ (۱۵) ہر شہری جب چاہتا قاضی کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا تھا اور اپنے اوپر کی گئی زیادتی یا ظلم کے خلاف استغاثہ دائر کرسکتا تھا. ساتھ ہی ساتھ زکوٰۃ کے لاگو کرنے سے اور سود کو ختم کرنے سے ایک ایسا معاشی نظام قائم ہوگیا جس نے معاشرے کے ہر طبقے کے شہریوں کی عدل اجتماعی کے تحت ہر جائز ضرورت کو پورا کردیا.

قرآن کریم کے احکامات پر مبنی اسلامی سماجی نظام کے ستون استوار کرتے وقت حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت مطہرہ سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے ایسا کامل اسوہ حیات پیش فرمایا کہ اس نے ان کو نہ صرف دینی لحاظ سے بلکہ دنیاوی نقطہ نظر سے ایک ایسی جماعت میں ڈھال دیا جو ہر زاویہ نگاہ سے ایک مکمل اور ترقی پذیر معاشرے کی عکاسی کرتی تھی. دینی اور روحانی ریاضتوں کے ساتھ ساتھ جسمانی اور ذہنی مشقتوں کو بھی بہت اہمیت دی گئی تاکہ ایک صحت مند معاشرہ قائم ہوسکے. نبی اکرم ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحت کا بہت خیال رکھا کرتے تھے اور مختلف قسم کی سماجی کارروائیوں کی حوصلہ افزائی فرماتے. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے: [اللہ کے رسول ﷺ نے ایک گھڑ دوڑ کے مقابلے کا حکم دیا: سدھائے ہوئے گھوڑوں کے لیے مقابلے کی دوڑ الحیفہ سے لے کر ثنیات الوداع تک ہونا قرار پائی جب کہ ایسے گھوڑوں کے لیے جن کو ابھی تک سدھایا نہیں گیا تھا دوڑ کا میدان ثنیات الوداع سے لیکر مسجد بنی زریق تک قرار پایا. اس حدیث مبارکہ کے دوسرے راوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی اس گھڑ دوڑ میں شریک ہوئے تھے.] (۱۶) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ہی کی روایت کردہ ایک اور حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ؐ نے بنفس نفیس ان گھوڑوں کو سدھایا تھا جو اس دوڑ میں شریک ہوئے تھے. (۱۷) اسی طرح خواہش مند لشکریوں کو پیدل چلنے اور گھڑ دوڑ کی تربیت دی جاتی تھی.

رسول اللہ ﷺ نہ صرف تیر اندازی کی مشق کی ترغیب فرماتے بلکہ جب کبھی آپ حضور ﷺ کے علم میں آجاتا کہ فلاں یا فلاں نے تیر اندازی میں مہارت حاصل کرنا ترک کردی ہے تو آپ اس کی سرزنش فرماتے. حضرت سلمہؓ کی روایت ہے کہ: [ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کا گزر بنی اسلم کے ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو تیر اندازی کی مشق کررہے تھے. آپ نے فرمایا: [اے اولاد اسماعیل! اچھی طرح تیر پھینکو

کیونکہ تمہارے جدامجد (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام) بہت اچھے تیرانداز تھے. آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں بنی فلاں اور فلاں کی طرف ہوں (جس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت دوٹیمیں مشق میں مشغول تھیں). یہ سن کر دوسری ٹیم نے تیراندازی بند کردی جس پر آپ حضور ﷺ نے استفسار فرمایا کہ ان کو کیا ہوگیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: [حضور ہم بھلا کیسے اس ٹیم پر تیر پھینک سکتے ہیں جس میں آپ بنفس نفیس شرکت فرما رہے ہوں.] حضور نبی اکرم ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا: [تیر پھینکو کیونکہ میں سب کے ساتھ ہوں.] (۱۸) ایک اسی طرح کی دوسری حدیث مبارکہ میں حضرت ابن شماسہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [جس نے تیراندازی سیکھ کر ترک کردی وہ ہم میں سے نہیں ہے، یا یہ فرمایا کہ اس نے اللہ کے رسول ﷺ کی حکم عدولی کا ارتکاب کیا ہے]. (۱۹)

حضرت عقبہ بن عامرؓ نے بیان کیا ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ: اللہ رب ذوالجلال ایک تیر کی خاطر تین آدمیوں کو جنت میں داخل کردے گا: ایک وہ جس نے تیر بنایا اور اس کے بنانے میں اس کی نیک نیت شامل تھی، اور دوسرا وہ جس نے اس تیر کو چلایا اور تیسرا وہ جو اس تیر کو پکڑ کر تیرانداز کو چلانے کے لیے دیتا ہے. لہذا خوب تیر چلاؤ اور گھڑ دوڑ کیا کرو، مگر تمہارا تیر چلانا مجھے گھوڑے دوڑانے سے زیادہ مرغوب ہے.] (۲۰) اسی طرح ایک اور موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی فلسفہ جنگ کو تفصیل سے بیان فرمایا جب کہ آں حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے. آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: [اپنے دشمن سے ٹکر لینے کے لیے ہر وقت پوری قوت کے ساتھ (جتنا بھی تم سے بن پڑے) تیار رہو. یادرکھو قوت تیراندازی میں ہی ہے، یادرکھو قوت تیراندازی میں ہی ہے، یادرکھو قوت تیراندازی میں ہی ہے.] (۲۱) اسی طرح ایک اور موقع پر مسلم مجاہدین پر اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: زمین اور ممالک تم پر کھول دیے جائیں گے اور اللہ تمہیں تمہارے دشمنوں پر غالب کردے گا، مگر تم میں سے کسی کو کسی بھی صورت میں اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنا ترک نہیں کرنا چاہیے.] (۲۲)

بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ حبشی تیرانداز تفریح کی غرض سے نیزہ بازی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے (۲۳) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہر قسم کے جائز مشغلوں کی اجازت مرحمت فرمادی تھی تاکہ مسلمانوں کی بدنی اور ذہنی نشوونماء ہوسکے.

مسلمان صرف جہادی لشکری ہی نہیں تھے بلکہ ان میں تاجر بھی تھے اور کاروباری حضرات بھی اور مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے کاریگر اور ماہرین بھی. ان میں کسانوں سے لیکر دفاعی منصوبہ بندی کرنے والے قابل ترین سبھی افراد شامل تھے. مدنی مسلم معاشرے میں امیر وغریب سب شیروشکر ہوکر رہتے تھے. قانون کی نظر میں سب برابر تھے. کسی کو کسی پر برتری حاصل نہ تھی. ہاں البتہ زیادہ عزت اور احترام اس کو حاصل تھا جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں سب سے آگے ہوتا. انسانی برابری قرآن کریم کے اس سماوی حکم کے تحت تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں شعوب وقبائل میں اس لیے تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو. بے شک تم میں سے عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوگا.﴾ (۲۴) سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اپنے مصر کے والی مالک اشتر کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا: [ہماری افواج میں اللہ کے سپاہی ہیں اس کے علاوہ ہمارے سول ملازمین ہیں اور ان کے ادارے ہیں؛ ہمارے پاس عدلیہ بھی ہے اور محاصل جمع کرنے والے کارندے بھی اور اس کے علاوہ تعلقات عامہ استوار کرنے والے عمال بھی ہیں. جہاں تک عامۃ الناس کا تعلق ہے وہ مسلم اور ذمیوں پر مشتمل ہے جن میں سوداگر اور کاریگر بھی ہیں اور بیروزگار اور غرباء بھی ہیں. ان سب لوگوں کے ہمارے اوپر حقوق اور ذمہ داریاں ہیں جن کا تعین اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں موجود ہے]. (۲۵)

حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ نے اپنی تقریر میں جو انہوں نے نجاشی شاہ حبشہ کے دربار میں کی تھی زمانہ قبل از اسلام کے عربوں کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا تھا:

اے بادشاہ ہم ظالم بت پرست لوگ تھے جن کے ہاتھ ہر قسم کے جرائم سے رنگے ہوئے تھے. ہم میں صلہ رحمی نام کی

کوئی چیز نہیں تھی اور نہ ہی ہمیں اپنے ہمسائیوں کے حقوق کا احساس تھا. ہم میں سے جو بھی طاقتور ہوتا کمزور کو ہڑپ کر لیتا تھا. پھر اللہ کریم نے ہمیں میں سے اپنا رسول مبعوث فرمایا جن کی صداقت اور صاف گوئی، عدل گستری، وفاداری اور امانت پر ہمارا سب کا اتفاق ہے. آپ نے ہمیں دین برحق کی طرف بلایا اور اللہ سے متعارف کرایا اور ہمیں رب واحد کی پرستش کرنے کی تعلیم دی اور ان جھوٹے خداؤں یعنی بتوں سے منہ موڑنے کی ترغیب دی جن کی ہمارے آباء واجداد اور ہم پوجا کیا کرتے تھے. آپ نے ہمیں سچائی اور وفاداری کی ترغیب دی، ہمیں اپنے بھائی بندوں اور ہمسایوں کا خیال رکھنے کی تعلیم دی اور ہمیں حرام کاموں سے منع کیا، مثلاً خون بہانے سے منع کیا گیا ہے، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے سے اور پاکباز عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا ہے. آپ نے ہمیں رب واحد کی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانے سے منع فرمایا ہے. آپ نے ہمیں نماز قائم کرنے اور روزے رکھنے کی تعلیم بھی دی. ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں اور انہی کی پیروی کرتے ہیں. اسی لیے ہمارے لوگ ہم پر تشدد کرنے پر تل گئے ہیں. (۲۶)

اسلامی انقلاب کی کامیابی پر تبصرہ کرتے ہوئے مشہور اسلامی مورخ سید امیر علی رقمطراز ہیں:

''مدنی زندگی کے دس سالوں میں جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اسلامی ریاست کے سربراہ رہے عربوں کے کردار میں بہت تبدیلی دیکھنے میں آئی. مختلف قبائل اور شہروں میں اپنے نمائندے بھیجنے سے جن کو داخلی اور قبائلی قضیے حل کرنے کا مکمل اختیار تھا قدیم فرسودہ نظام یک سر ختم کر دیا گیا تھا. ساتھ ہی ساتھ تجارت اور کاروبار کو بھی فروغ دیا گیا. رہنے سہنے اور خاص طور پر عورتوں میں لباس پہننے تک کا انداز بدل گیا. ایام جاہلیت کی بے لگام آزادی ترک کر دی گئی اور آداب واخلاق سدھر گئے اور کفایت شعاری کو اپنایا گیا. قمار بازی اور شراب نوشی کو حرام قرار دے دیا گیا. اس سے پہلے گھروں میں ذاتی خلوت (Privacy) نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور اس کے بعد مستورات کے لیے گھروں میں الگ کمرے تعمیر کرنے کا رواج عام ہو گیا.'' (۲۷)

ہم اس باب کو اس مصری کے الفاظ پر ختم کرتے ہیں جس کو مصری افواج نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے خلاف جاسوسی کے لیے بھیجا تھا جب آپ نے مصر فتح کرنے کی غرض سے ان پر یورش کی تھی جس سے اس عظیم اسلامی سماج کی ایک جھلک نظر آجاتی ہے جو 'انقلاب مدینہ' کی بدولت معرض وجود میں آیا تھا.

میں ایسے لوگوں کو دیکھ کر آیا ہوں جن میں سے ہر ایک زندگی کی نسبت موت سے زیادہ پیار کرتا ہے. وہ سب منکسر المزاج ہیں اور تکبر نامی چیز ان میں ہرگز موجود نہیں. کسی کو دنیاوی لالچ نہیں. ان کے رہن سہن کے طریقے بہت سادہ ہیں. ان کا سپہ سالار ان کے عام سپاہی جیسا اور برابر کی حیثیت رکھتا ہے. ان میں اعلیٰ وادنیٰ کی کوئی تمیز نہیں اور نہ ہی ان میں آقا اور غلام میں کوئی تفریق نظر آتی ہے. جب نماز کا وقت آپہنچتا ہے تو کوئی بھی پیچھے نہیں رہتا...
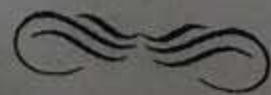
حواشی

(۱) Edward Mortimer (Faith and Power)، صفحات ۳۹-۴۰ (قوسین کے درمیان اضافے مقام رسالت مآب ﷺ کے احترام میں کیے گئے ہیں کیونکہ ایک غیر مسلم مستشرق سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔)

(۲) یہ ترمذی کی ایک حسن حدیث مبارکہ ہے (نمبر ۲۴۸۵) اور سنن الدارمی نے اسے ۲-۲۷۵ پر نقل کیا ہے۔ منقول از ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری)، الوفاء باحوال المصطفیٰ، بیروت، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۸، ص ۲۵۴۔

(۳) القرآن لکریم، البقرہ: ۱۴۳

(۴) القرآن الکریم، الفتح-۲۹

(۵) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۲۴۰۔

(۶) ابراہیم بن علی المدنی العیاشی، المدینہ بین الماضی والحاضر ص: ۳۰۷۔ انہوں نے یہ حدیث مبارکہ نقل کی ہے کہ حضرت محمد بن عمرؓ نے روایت کی کہ: [مدینہ طیبہ میں اس وقت نو مساجد بھی ہوا کرتی تھیں جن میں مسجد نبوی شریف کی آذان سنائی دیتی تھی۔ ان کے قریب بسنے والے لوگ انہی مساجد میں نمازیں ادا کر لیتے تھے اور مسجد نبوی شریف میں واجب نمازوں کے لیے نہ آتے سوائے نماز جمعہ کے جس کے لیے تمام لوگ مسجد نبوی میں آجاتے تھے۔ احمد یاسین خیاری کے مطابق وہ نو مساجد کچھ اس طرح تھیں: مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی راتج (جو بنو عبدالاشہل سے تھے)، مسجد بنی زریق، مسجد بنی غفار، مسجد بنی اسلم اور مسجد بنی جہینہ۔ (تاریخ معالم المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳، ص ۹۵)

(۷) سنن ابی داؤد، ۲-۴۴۵۔

(۸) Edward Mortimer، مصدر مذکور، ص ۳۴۔

(۹) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ ﷺ (انگریزی ترجمہ الفریڈ گیوم) آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۱۹۷۸، ص ۲۳۵۔

(۱۰) قرآن کریم (الجمعہ:۲) نے کیا ہی خوبصورت الفاظ میں اس بات کو ادا کیا ہے: ﴿وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔﴾

(۱۱) ایسی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی حضور نبی اکرم ﷺ کسی گھر کے پاس سے گزر فرماتے جہاں قرآن کریم کی تلاوت کی جارہی ہوتی تو آں حضرت ﷺ بہت خوش ہوتے۔ محدثین نے ایک ایسا واقع خاص طور پر بیان کیا ہے جب آپ حضور ﷺ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کے گھر کے پاس سے تشریف لے جارہے تھے اور ان کے سریلے لحن میں قرآن پاک کی تلاوت سن کر آپ حضور ﷺ بہت محظوظ ہوئے۔

(۱۲) القرآن الکریم (البقرہ: ۱۳۸)

(۱۳) یہ کنواں پچھلے سال تک (۲۰۰۱ء) العوالی میں مسجد فضیخ کے صحن میں موجود تھا مگر چونکہ اب مسجد مسمار کردی گئی ہے ساتھ ہی وہ کنواں بھی نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے۔

(۱۴) حضرت عمر فاروقؓ کی عدل گستری انتہائی غیر جانب دارانہ تھی۔ یہاں تک کہ جب ان کو اپنے ایک بیٹے (عبدالرحمٰن الاوسط جن کو ابو شحمہ کہا جاتا تھا) پر شراب نوشی اور زنا کا جرم ثابت ہوگیا تو ان پر بھی ایک عام شہری کی طرف نظام حدود نافذ کیا گیا اور ان پر کوڑے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ہاتھوں سے لگائے۔ انہی کوڑوں کی سزا سے ان کا انتقال ہوا۔ مرتے وقت ابو شحمہ نے کراہتے ہوئے کہا: ابو جان آپ نے مجھے مار دیا! جس پر حضرت عمر فاروقؓ نے ارشاد فرمایا: [جب تو اللہ کے ہاں حاضر ہو تو یہ ضرور کہہ دینا کہ ہم اس کے عائد کردہ حدود و قوانین کی پوری طرح تعمیل بجالاتے ہیں۔] ابن شبہ، تاریخ المدینہ، ج:۳، ص ۸۴۲

(۱۵) القرآن الکریم (النساء: ۱۳۵)

(۱۶) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۱۲۔ نیز الموطاء، ج:۱، نمبر ۱۰۱۷

(۱۷) سنن ابی داؤد، ۲۴-۲۵۷۱

(۱۸) صحیح بخاری، ج:۴، نمبر ۱۱۴۸ اور ۷۱۰

(۱۹) صحیح مسلم، ۲۰-۴۷۱۴

(۲۰) سنن ابی داؤد، ۱۴-۲۵۰۷

(۲۱) ایضاً ۲۰-۴۷۱۱

(۲۲) ایضاً ۲۰-۴۷۱۲

(۲۳) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۷۰

(۲۴) القرآن الکریم (الحجرات:۱۳)

(۲۵) رشید ترابی (A Great Historic Document)، عربی سے ترجمہ شدہ، دوسرا ایڈیشن، ص:۷.

(۲۶) حضرت عروہ ابن زبیرؓ، مغازی رسول اللہ، تحقیق و تدقیق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی، اردو ترجمہ محمد سعید الرحمٰن علوی، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچر، لاہور، ۱۹۹۰، ص:۱۱۴.

(۲۷) سید امیر علی، (A Short History of the Saracens - McMillan & Co., London, 1955)، ص:۱۹
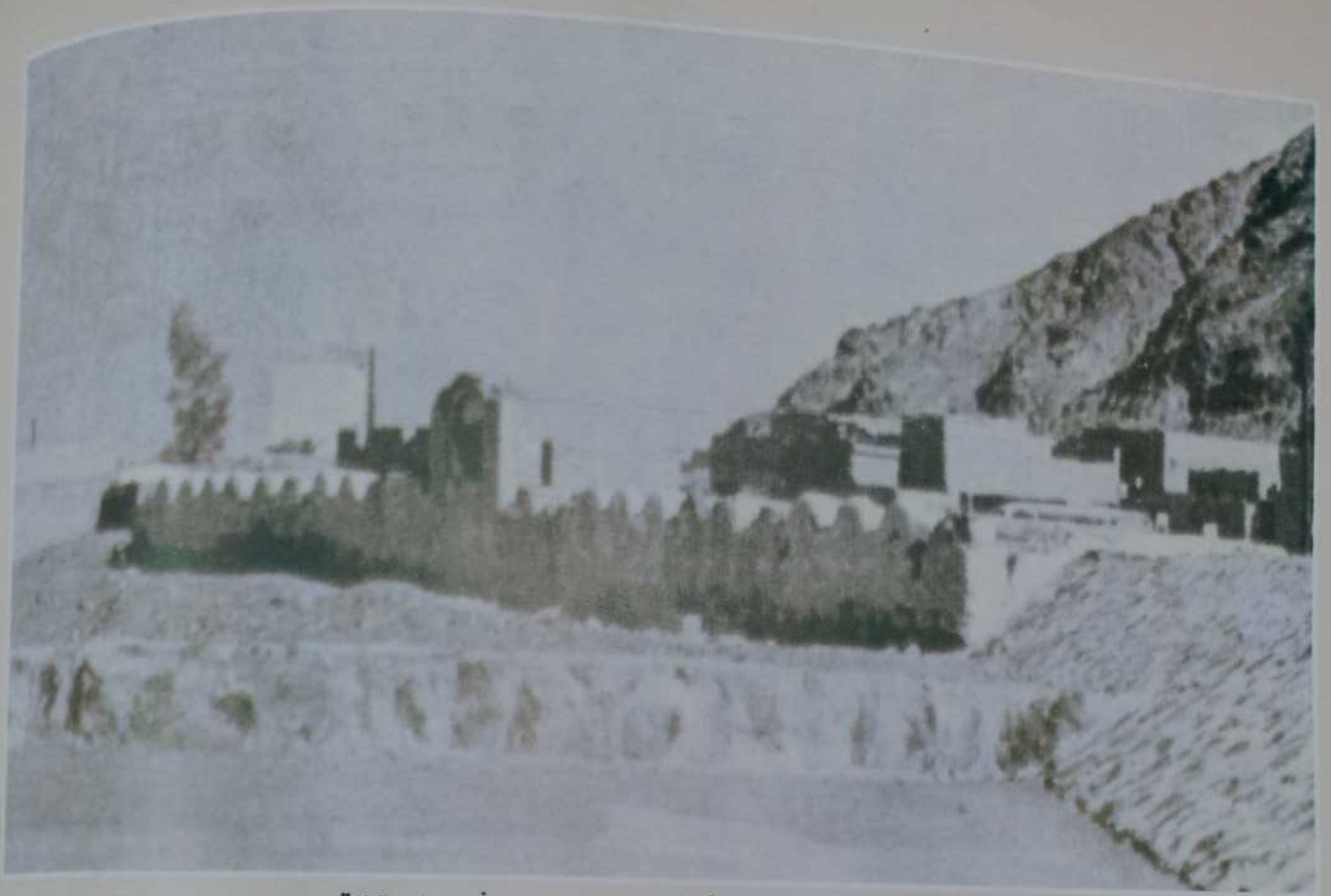
سید الشہدا حضرت حمزہ اور شہدائے اُحد رضی اللہ عنہم کے احاطہ مزارات کا اندرونی منظر (ایک قدیم تصویر)

سید الشہدا حضرت حمزہ اور شہدائے اُحد رضی اللہ عنہم کے احاطہ مزارات کا بیرونی منظر (ایک قدیم تصویر)

باب ۱۰

غزوات النبی ﷺ جو مدینہ طیبہ میں ہوئے

آپ کی حکومت سمندر سے سمندر تک ہوگی اور ایک دریا سے زمین کے دوسرے کنارے تک ہوگی۔
بادیہ نشین آپ کے آگے سرنگوں ہو جائیں گے اور آپ کے دشمن خاک چاٹنے پر مجبور ہوں گے۔
طرشیش اور جزائر کے بادشاہ آپ کو تحائف پیش کریں گے اور شیبا اور سباء کے ملوک آپ کو تحائف ارسال کریں گے۔
ہاں، تمام شہنشاہ آپ کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے اور تمام اقوام عالم آپ کی خدمت گزار ہوں گی کیونکہ آپ مظلوموں کے
(جو ظلم و تشدد سے گزار رہے ہوں گے) نجات دہندہ ہوں گے اور ان مصیبت زدوں کے جن کا کوئی یار و مددگار نہیں ہوگا حامی و ناصر ہوں گے
آپ کمزوروں اور ضرورت مندوں پر ترس کھائیں گے اور فاقہ کشوں کو موت کے منہ سے چھڑائیں گے۔
آپ ان کو ظلم و ستم سے نجات دلائیں گے کیونکہ آپ کی نظروں میں ان کا خون بہت قیمتی ہوگا۔ (۱)

طلوع اسلام اور اس کی حیرت انگیز عالمگیر ترقی اور اس کا جزیرہ نمائے عرب اور اس کے اردگرد کی تمام عالمی قوتوں کو برق رفتاری کے ساتھ سرنگوں کر کے ہفت کشور پر حکومت قائم کر لینا ایک ایسا امر ہے جس کا ہر دور کے حکماء مفکرین اور تھنک ٹینک تجزیہ کرتے آئے ہیں. اس موضوع پر بحث و تمحیص کے لیے ہر طبقہ فکر نے بقدر ہمت اوست کمندیں ڈالی ہیں. سیرت نگاروں سے لیکر فوجی جرنیلوں تک اور عاشقان حبیب رب ذوالجلال ﷺ سے لیکر معاندین مستشرقین تک نے اس حیران کن مظہر پر قلم اٹھائی ہے. سیرت رسول اللہ ﷺ کی طرح غزوات رسول اللہ ﷺ جن میں آں حضرت ﷺ نے بنفس نفیس مسلم افواج کی کمان فرمائی تھی ایک ایسا وسیع اور عمیق موضوع ہے جس کے کماحقہ مطالعہ کے لیے کئی جلدیں درکار ہیں اور اس لیے ہماری اس چھوٹی سی کتاب کا جس کا نفس مضمون صرف تاریخ مدینہ طیبہ تک محدود ہے حصہ نہیں بنایا جا سکتا. تاہم چونکہ مدینہ طیبہ میں بعض غزوات برپا ہوئے تھے ہم صرف ان غزوات پر قلم اٹھائیں گے جن میں میدان کارزار (Theatre of Operations) مدینہ طیبہ ہی میں بنا تھا اور مسلم افواج کی کمان خود رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں تھی.

قارئین کی سہولت کے لیے ہم ان حالات و واقعات کا سرسری سا خلاصہ پیش کرنا چاہیں گے جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے مولد مکۃ المکرمہ کو خیر باد کہنا پڑا کیونکہ کفار مکہ نے حضور والا شان ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے پیروکاروں کے لیے دیگر تمام راستے بند کر دیئے تھے. جب سے حضور سرور دو عالم ﷺ نے نزول وحی کے بعد اعلان نبوت فرمایا تھا اسی وقت سے آں حضرت ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا تھا. ان کو پہلے تو تضحیک کا نشانہ بنایا گیا مگر جوں جوں ان کی ثابت قدمی کفار کے دل پر نقش ہوتی گئی انہوں نے ان مٹھی بھر مظلوموں پر ظلم و ستم، سماجی بائیکاٹ، اور ایسا تشدد کرنا شروع کر دیا جس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں. کتنے ایسے واقعات ہیں جن میں شیدایان شہ مکی مدنی ﷺ کے گلوں میں رسیاں ڈال کر ان کو مکہ کی تپتی ہوئی سنگلاخ زمین پر گھسیٹا گیا. ظلم و تشدد کا یہ لامتناہی سلسلہ تقریباً تیرہ سال تک جاری رہا اور اس تمام عرصے میں مسلمانوں نے اس بدترین سلوک کو اتنے صبر و تحمل سے برداشت کیا کہ جس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی لیکن اس تمام ظلم و تشدد، اہانت اور سماجی بائیکاٹوں کے باوجود نہ ہی رسول اللہ ﷺ اور نہ ہی آپ کے کسی اصحابی کے پائے ثبات میں لغزش آئی اور نہ ہی ان میں سے کسی مسلم نے جب تک مکۃ المکرّمہ میں رہے آپ کے احکام کا اتباع کرتے ہوئے کبھی کسی سے جھگڑا کیا اور نہ ہی ہتھیار اٹھائے. مگر جب ظلم حد سے بڑھ گیا تو میر کارواں نوع انسانی ﷺ نے اپنے چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرما دی. قریش نے پہلے تو ان کا راستہ روکنے کی پوری کوشش کی مگر جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر دور جا چکے ہیں تو انہوں نے ان کا نجاشی کے دربار تک پیچھا کیا اور اس پر بھرپور زور ڈالا کہ وہ ان مہاجرین کو کسی قسم کی پناہ نہ دے اور ان کو واپس مکہ بھیج دے، مگر اس میں ان کو منہ کی کھانی پڑی. (۲) اس کے بعد ہجرت ثانی کا حکم ہوا جو ایک ایسے دیس کی طرف تھی جس کی زمین میں کنوؤں سے آبیاری کی جاتی تھی، یعنی ارض یثرب. یہ حکم نبی اکرم ﷺ کو رؤیائے صادقہ کے ذریعے ہوا. (۳) اس کے بعد ایک ایک کر کے مسلمان چوری چھپے مدینہ طیبہ کا رخ کرنے لگے. صرف سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی ایک ایسے اصحابی تھے جو دن دہاڑے خانہ کعبہ کا طواف کر کے اور کھلے بندوں نماز ادا کر کے مکہ مکرمہ سے سب کے سامنے علی الاعلان مدینہ طیبہ روانہ ہوئے تھے.

یہ قافلہ سالار اسلام اور میر امم جناب رسول مقبول ﷺ کے بطور قائد اعلیٰ کے عزم و ہمت کی انتہا تھی کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ کی ذات گرامی بذات خود کفار کا پہلا ہدف تھی آں حضرت ﷺ نے اپنے تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پہلے مکہ سے چلے جانے دیا اور خود تن تنہا صرف دو ساتھیوں کی ہمراہی میں پیچھے ٹھہرے رہے. یہ دو ساتھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے. ایک رات جب نبی مکی مدنی اور سید العرب والعجم ﷺ نے تعمیل حکم الٰہی میں اپنے پرخطر سفر کا آغاز کیا. اپنے پیچھے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر میں چھوڑا

تا کہ وہ امانتیں جو مکہ کے جانی دشمنوں نے آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں ان کو واپس لوٹا سکیں. یہ قیادت، حوصلے اور شجاعت کی معراج تھی کہ جب کفار مکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے گھر کو چاروں طرف سے نرغے میں لیے ہوئے تھے رحمت دو عالم ﷺ سیف مسلول کی طرح ان کے محاصرے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے باہر نکلے. پوری انسانی تاریخ ایسے عزم و ہمت کی اور کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے. اگلی صبح پو پھٹتے ہی دشمنوں کو خفت اٹھانی پڑی اس لیے کہ ان کا ہدف ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا قرآن کریم کے الفاظ میں: ﴿اور اے محبوب یاد کرو کہ کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کر لیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں، اور اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے.....﴾ (۴) انجیل کی ایک پیشین گوئی کے مطابق اس سفر ہجرت کا ذکر کچھ اس طرح ہے: (The burden upon Arabia) ''عرب کے جنگلوں میں تم ٹھہرو گے، اے دیدانیم کے مسافرو. تیما کی سرزمین کے باسی آپ کے لیے پانی لیکر آئے جبکہ آپ پیاسے تھے؛ انہوں نے ان کا راستہ روکا جو اپنے گھر سے نکل پڑے تھے: وہ جو سونتی ہوئی تلواروں اور کھنچے ہوئے تیروں کے درمیان سے ہو کر اپنے گھر سے نکل پڑے تھے اور وہ جو جنگ کے غموں سے نکل پڑے تھے.'' (۵) حجاز کے لق و دق صحراؤں میں لاوے سے بنے نوکیلے سنگلاخوں سے گزرتے ہوئے دوجگری یاروں کا مختصر سا قافلہ ۱۲ ربیع الاول یکم ہجری کو باب المدینہ، قبا شریف پہنچ گیا. خوش رہوا اہل مدینہ تم نے رسول اللہ ﷺ اور ان کے مہاجر ساتھیوں کی اس وقت مدد کی جب کہ ان کے اپنے خونی رشتہ داروں نے ان پر عرصہ حیات تنگ کیا ہوا تھا! واقعی تم اس نہات ہی باوقار خطاب اور انعام و اکرام کے حقدار تھے جو رب العزت جل جلالہ کی طرف سے تم کو عطا ہوا. (۶) ﴿اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر اور ایمان میں گھر بنا لیا دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ٹھہرا.﴾ (۷)

اس طرح مکہ مکرمہ میں تقریباً تیرہ سال کفار کی چیرہ دستیاں سہہ کر آں حضرت رسول مقبول ﷺ اور آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور تہی دست مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے. مہاجرین کے پیچھے ان سب کی جائیدادیں اور گھر بار سب کچھ دشمنوں نے اپنے قبضے میں لے لیا. بر سبیل مثال: ابوسفیان نے بنو جحش کی تمام جائیداد ہتھیالی تھی. اسی پر اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ ایسے لگتا تھا کہ کفار نے قسم اٹھا رکھی تھی کہ آپ حضور ﷺ خواہ جہاں کہیں بھی جائیں گے آپ کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا جائے گا. حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالکؓ سے مروی حدیث مبارکہ کے مطابق مکیوں نے ابن ابی کو جو مدینہ طیبہ کا بادشاہ بننے کا خواب دیکھ رہا تھا (۸) ایک خط ان سخت الفاظ میں لکھا: ''تم نے ہمارے بھگوڑے ساتھیوں کو پناہ دے دی ہے. ہم اللہ کے نام کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تمہیں یا تو ان سے جنگ کرنی ہوگی یا ان کو نکال باہر پھینکنا ہوگا ورنہ ہم پوری قوت سے تم پر حملہ آور ہوں گے اور پھر ہم تمہارے جنگجوؤں کو مار دیں گے اور تمہاری عورتوں کے ساتھ جو چاہیں گے سلوک کریں گے.'' (۹)

ابوداؤد کی اس حدیث مبارکہ کے مطابق یہ دھمکی صرف جنگ بدر سے پہلے ہی نہیں دی گئی تھی بلکہ بدر میں شکست کھانے کے بعد بھی ان کفار نے اور زیادہ سخت الفاظ میں ایک اور خط یہود بے بہبود کو ارسال کیا تھا جس میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے سے باز رہنے کا کہا گیا تھا. اس دوسرے خط کا متن کچھ یوں تھا: ''تم ہتھیاروں اور قلعوں والے لوگ ہو. تمہیں تو ہمارے ساتھی سے جنگ کرنی چاہئے ورنہ ہم جس طرح مناسب سمجھیں گے تم سے سلوک کریں گے اور پھر ہمارے ہاتھوں اور تمہاری عورتوں کے ٹخنوں کے درمیان کوئی بھی چیز حائل نہیں رہے گی.'' (۱۰) یہ اعلانیہ جنگ کا کھلم کھلا چیلنج تھا جسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قبول فرما لیا. یوں تو ہجرت سے تھوڑی دیر پہلے ہی جہاد کی اجازت دے کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے بندھے ہاتھوں کو کھول دیا تھا. ﴿وہ جو اپنے گھروں سے ناحق

نکالے گئے صرف اتنی سی بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے. اور اگر اللہ آدمیوں میں سے ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجا گھر اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا بیشک ضرور اللہ قوت والا غالب ہے. ﴾ (۱۱)

اس سے بھی بہت پہلے جب بیعت عقبہ ثانی ہو رہی تھی تو حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ (رسول مقبول ﷺ کے چچا) نے تقریر کر کے مدینہ طیبہ کے اس وفد پر واضح کر دیا تھا کہ کفار آپ حضور ﷺ کا ہر جگہ پیچھا کریں گے. اسی طرح میثاق مدینہ کی بعض شقوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کفار کے خطرے سے پوری طرح آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ وہ لوگ مدینہ طیبہ پر ہر حالت میں حملہ کریں گے. ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: عبادہ بن الولید بن عبادہ بن الصامت نے اپنے دادا (یعنی حضرت صامتؓ) سے روایت کی ہے جو بیعت عقبہ اول کے وفد میں شامل تھے: ''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ہر حالت میں ساتھ رہنے کا اور مکمل اتباع کرنے کا حلف لیا تھا خواہ خوشی ہو یا غم، آسانی اور راحت ہو یا تنگی اور مشکل حالات ہم نے یہ بھی حلف لیا تھا کہ ہم کبھی ایک دوسرے سے زیادتی نہیں کریں گے اور ہمیشہ سچ بولیں گے اور یہ کہ اللہ کے حکم بجالانے میں ہم کسی کی پرواہ نہیں کریں گے.'' حضرت عبادہؓ ان بارہ نقیبوں میں شامل تھے جنہوں نے بیعت عقبہ اول پر حلف لیا تھا. اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دفاعی تیاریاں جاری تھیں تاکہ ظلم و بربریت کا مقابلہ کیا جاسکے.

درحقیقت ہجرت مبارکہ بذات خود ایک غیر مسلح اور خاموش جہاد تھا جو ظلم و بربریت کے خلاف عملی طور پر شروع کر دیا گیا اور اسے اس طویل المدت حکمت عملی کا حصہ سمجھنا چاہئے جو رسول اللہ ﷺ نے اللہ جل جلالہ کے احکام کی تعمیل لیے اپنائی تھی. رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ جہاد (مسلح جدوجہد) جو پہلے کی نسبت اب قریب سے قریب تر آتا جارہا تھا صرف ایک یا دو جھڑپوں یا معرکوں پر ختم نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ جنگ کے چند معرکوں کا متقاضی تھا بلکہ وہ تو جہد مسلسل اور جہاد پیہم کی شکل میں غیر معینہ مدت تک جاری رہنا تھا.

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز ۔۔۔ چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

حالات و قرائن بتارہے تھے کہ آنے والی جنگ خاصی طویل ہونی تھی اور اس بات کا قوی احتمال تھا کہ وہ کئی معرکوں پر محیط ہوگی اور نبی اکرم ﷺ کو بخوبی معلوم تھا کہ یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ ظلم کو جڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ کا قانون غالب نہ آجائے گا اور یہی حکم الٰہی اور مشیت ایزدی بھی تھی. جنگ بعاث جو صرف ایک قبائلی جنگ تھی اور غیر دینی اور محض عصبیت کی بنیادوں پر لڑی گئی تھی وہ بھی کئی سالوں کے طویل عرصے تک کھنچ گئی تھی عربوں سے زیادہ قبل از اسلام جنگ و جدل کی اس کڑوی سچائی سے کون اور زیادہ آشنا ہوسکتا تھا. یہ بات اظہر من الشمس تھی کہ اب کی بار جب جنگ شروع ہوگئی تو اس کے شعلے اس وقت تک ٹھنڈے نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ رزم حق و باطل اپنے منطقی نتیجے پر نہیں پہنچ جاتی، یعنی متحارب فریقین میں سے کسی ایک کی مکمل شکست! لہذا اس جنگ کی منصوبہ بندی ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر کرنی تھی جس میں اس بات کا قوی امکان تھا کہ آنے والی جنگ کئی محاذوں پر اور مختلف اوقات میں اور غیر معینہ مدت تک لڑی جائے گی.

سالار اعلیٰ امت اسلامیہ نبی اکرم ﷺ کی عسکری حکمت عملی اور منصوبہ بندی کے مطابق مکہ اس وقت ایک مناسب میدان کارزار (Theatre of Operations) نہیں تھا لہذا کسی بھی قسم کی عسکری جدوجہد یا مسلح جہاد کے لیے دوسرا جغرافیائی محاذ اور میدان جنگ درکار تھا جس کی ٹوپوگرافی کا دشمن کی گھڑسوار اور پیدل فوج کو تجربہ نہ ہو. ایک عظیم عسکری قائد ہونے کے ناطے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: ''الحرب خدعة'' (یعنی جنگ سٹریٹیجی اور ٹیکٹکس، جنگی چالیں چلنے کا دوسرا نام ہے.) اگرچہ مسلم اپنا گھر بار دشمن کے ہاتھوں میں چھوڑ کر مدینہ آبسے تھے لیکن پھر بھی مکی دشمن اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا تھا. دھمکی آمیز خطوط اور پیغامات جو منافقین اور یہود کو بھیجے گئے تھے انہوں نے

جلتی پر تیل کا کام کیا اور کشیدگی میں بے پناہ اضافہ کر دیا مسلمانوں کے دلوں میں اس بات کا خدشہ تھا کہ یہود اور منافقین زود یا بدیر کفار مکہ کے جال میں پھنس جائیں گے اور ان کی دھمکیوں میں آ کر اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کے خلاف ریشہ دوانیوں میں برابر کے شریک بن جائیں گے اور مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے سے گریز نہیں کریں گے۔ ریاست اسلامی کے سربراہ ہونے کے ناطے رسول اللہ ﷺ بھلا کیسے ان خطروں کو نظر انداز کر سکتے تھے۔ غیر اعلانیہ طور پر جنگ مسلمانوں کے سر پر تھوپی جا رہی تھی۔ اللہ رب العزت کے احکام بھی جہاد شروع کر دینے کے لیے صادر ہو چکے تھے لیکن جیسا کہ جنگی مفکرین اور تجزیہ نگار کہا کرتے ہیں کہ جنگ کبھی بھی ایک لمحہ کے انتباہ پر نہیں لڑی جاتی۔ اس کے لیے بہت گہری سوچ، مناسب منصوبہ بندی، سامان حرب وضرب کا میسر ہونا اور سامان رسد (لاجسٹک) اور سامان خورد و نوش کی فراوانی اور افرادی قوت کی مستعدی درکار ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر ارد گرد کے ہمسایوں سے سفارتکاری اور خارجہ تعلقات ہوا کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے خارجی تعلقات کی طرف توجہ دی اور بہت سارے ہمسایہ قبیلوں کا دورہ فرمایا۔ آں حضرت ﷺ نے ان میں سے بہت سے قبائل کے ساتھ دوستانہ معاہدے کر لیے۔ یہ ایک ایسی سفارتی کامیابی تھی جس سے مدینہ طیبہ کے گرد بادیہ نشین قبائل کسی ممکنہ جنگ کی صورت میں غیر جانبدار (Neutral) ہو گئے۔ ایسے معاہدے جنوب میں بسنے والے قبیلے بنو ضمرہ، اور شمال میں رہنے والے بنو جہینہ اور مغرب میں رہنے والے قبیلے بنو مزینہ سے طے کر لیے گئے تھے جن کی رو سے یہ طے پایا گیا تھا کہ فریقین اپنے میں سے کسی ایک پر ممکنہ خارجی جارحیت کی صورت میں دوسرے فریق کو عسکری مدد فراہم کریں گے۔ ان معاہدوں کی رو سے یہ رعایت بھی حاصل کر لی گئی تھی کہ مسلمانوں کی ٹولیاں ان کے علاقوں سے گزر سکیں گی مگر وہ قبیلے دشمن کی افواج کو مدینہ طیبہ پر حملے کے لیے اپنے علاقوں سے گزرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

جہاں تک افرادی قوت کا تعلق تھا تمام مسلم امت کے جاں نثار، خواہ وہ مہاجر تھے یا انصار، اپنے آقا و مولیٰ اور قائد اعلیٰ ﷺ کی صدا پر لبیک کہنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ ہاں اگر کمی تھی تو مادی وسائل کی تھی! مادی استعداد میں مسلمان دشمن کی مادی قوت سے کہیں کم تر تھے۔ تقریباً ۱۵۰ مہاجرین نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تھی اور ان میں سے صرف سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے علاوہ باقی سب کے سب مادی طور پر تہی دامن تھے۔ یہ تو صرف ان پراسرار بندوں کا اپنے محبوب قائد اور رسول اللہ ﷺ سے والہانہ عشق اور اپنے رب ذوالجلال پر غیر متزلزل ایمان تھا کہ مادی وسائل سے عاری مگر جذبہ جہاد سے سرشار فرزندان توحید نے جونہی ماہ شعبان ۲ ہجری میں راہ حق میں نکلنے کا حکم (سورہ البقرہ: ۱۹۰-۱۹۳) نازل ہوا، تو رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مہاجر و انصار دونوں نے بدر کا رخ کر لیا۔ تاریخ عالم ایسی کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ مٹھی بھر فوج جو صرف ۳۱۳ کی نفری پر مشتمل ہو اپنے سے تین گنا بڑے دشمن کو بدر کے مقام پر شکست دے دے جو کیل کانٹے سے لیس ہو کر آیا تھا۔ (۱۲) بقول اقبال:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ　　مومن ہے تو بے تیغ لڑتا ہے سپاہی

یہی کہنا کافی ہوگا کہ تمام مدنی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ اس وقت پوری ملت اسلامیہ تھی اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لا کر اپنے سالار اعلیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ایک اشارے کے منتظر تھے۔ کھاتے پیتے گھرانے کے اصحابہ کرام جن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی افواج اسلام کو مسلح کرنے کا بیڑہ اٹھاتے۔ وسائل کی کمی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حکم دے دیا تھا کہ اگر کسی کے پاس ایک گھوڑا ہو تو وہ اپنے ایک اور بھائی کو سوار کر کے ساتھ لے جائے گا۔ کفایت شعاری کی تمام کوششوں کے باوجود اور تو اور کھانے پینے کی رسد کم پڑ جاتی تھی اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو درختوں اور جھاڑیوں کے پتے کھا کر پیٹ بھرنا پڑتا تھا۔ (۱۳) جب غزوہ تبوک کی تیاری ہو رہی تھی تو مسلمانوں کے مادی افلاس کا یہ عالم تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اہل ثروت اصحاب کو اپیل کرنی پڑی کہ وہ آگے آئیں اور حتی المقدور لشکر اسلامی کی سلاح بندی کریں۔ دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ

سیدنا عثمان ابن عفانؓ نے تین سو اونٹ بمع مکمل سامان حرب وضرب اور سامان رسد مہیا کئے تھے اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے تو گھر کی ایک ایک چیز اپنے آقا و مولا ﷺ کے قدموں پر نچھاور کر دی تھی. پھر بھی جیش اسلامی مادی طور پر پوری طرح تیار نہ تھا اور کفایت شعاری کے دیگر احکام جاری کرنے پڑے تا کہ لشکر روانہ ہو سکے. یہی وجہ تھی کہ اس جیش کا نام اسلامی تاریخ میں 'جیش العسرہ' (تنگدستی کی فوج) کے طور پر لیا جاتا ہے. (۱۴)

ایسے ہی دیگر مادی وسائل کی کمی کے باوجود میر امم اور سالار کائنات حضور سرور دو عالم ﷺ اپنے جیوش کو 'کامل مستعدی' (Full Preparedness) کے عالم میں رکھتے اور مجاہدین اسلام کو چاک و چوبند رکھنے کے لیے آں حضرت ﷺ گھڑ دوڑوں کا اہتمام فرماتے، نیزہ بازی، تیر اندازی اور شمشیر زنی کے مقابلے منعقد فرماتے. اس ہمہ وقت کی مستعدی کی ضرورت کا تقاضا تھا کہ اللہ کے سپاہیوں کو فن حرب و ضرب میں مہارت تام حاصل ہو. لہذا نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے ہر طرح کی عسکری تربیت کا اہتمام کر رکھا تھا. نیزہ بازی، تیر اندازی اور شمشیر بازی تو ایک کھیل کی طرح مدینہ طیبہ میں رائج تھی. رہی گھڑ دوڑ تو عرب ویسے ہی اس کے شوقین تھے. پہلوانی اور دیگر جسمانی لیاقت کو جلا دینے والی ورزشوں کا بندوبست بھی کیا جاتا تھا. کتنی ہی ایسی احادیث ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس وقت رائج مارشل آرٹس اور فن تیر اندازی کا نہ صرف بنفس نفیس ملاحظہ فرمایا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی. ایک حدیث مبارکہ سے تو پتہ چلتا ہے کہ مسجد نبوی شریف کے احاطے میں حضور نبی اکرم ﷺ کے اذن مبارک سے حبشی غلاموں نے نیزہ بازی اور شمشیر بازی کا مظاہرہ کیا تھا. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھڑ دور کا اہتمام فرماتے اور جو گھوڑا پانچویں سال میں ہوتا اس کے لیے دوڑ کا دورانیہ بہت لمبا رکھا جاتا تھا. (۱۵) آپ حضور ﷺ بنفس نفیس گھوڑوں کو سدھارنے میں شرکت فرماتے (۱۶). حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے تنخواہوں کی اجازت صرف اونٹوں کی دوڑ، یا گھڑ دوڑ یا پھر تیر اندازی کے لیے دی تھی. (۱۷) حضرت عقبہ ابن عامرؓ سے روایت ہے کہ: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب کہ آپ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے اور آپ فرما رہے تھے: ان (دشمنوں) سے مقابلے کے لیے پوری قوت کے ساتھ جتنا بھی تم سے بن پڑے ہمہ وقت تیار رہو. اور یاد رکھو: طاقت صرف تیر اندازی میں ہے، یاد رکھو: طاقت صرف تیر اندازی میں ہے، یاد رکھو: طاقت صرف تیر اندازی میں ہے.] (۱۸) وہی ابن عامرؓ بیان فرماتے ہیں: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ زمینیں اور ممالک کے دروازے تم پر کھول دئے جائیں گے اور اللہ تمہیں دشمنوں پر غالب کر دے گا، مگر بایں ہمہ تمہیں اپنے تیروں سے کھیلنا ترک نہیں کرنا چاہئے.] (۱۹)

درج ذیل آیہ کریمہ سے واضح ہے: ﴿اور اگر اللہ آدمیوں میں سے ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجا گھر اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا بیشک ضرور اللہ قوت والا غالب ہے.﴾ جہاد نہ صرف فرض عین کر دیا گیا تھا بلکہ اللہ کے دین کی سطوت کو قائم و دائم رکھنے کے لیے اس پر عمل پیرا ہونا بھی ناگزیر ہو گیا تھا. سالار اعلیٰ امت مسلمہ جناب رسول مقبول ﷺ کی اولیں توجہ نہ صرف مدینہ طیبہ کی شہری ریاست (Commonwealth) کی جغرافیائی حدود کی حفاظت پر مبذول تھی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ آں حضرت ﷺ ایک ایسا ماحول پیدا کرنا چاہتے تھے جس میں ہر شخص 'دائمی پائیدار امن' کی حالت میں زندگی گزار سکے. دنیا میں اگر کبھی اور کہیں ایسی جنگ لڑی گئی ہے جس کا مقصد وحید 'پائیدار امن قائم کرنا' تھا تو یہ وہی جنگ تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے لڑا اور جو نو سال کے طویل عرصے پر محیط تھی. اس میں ہونے والے تمام غزووں کو اس طویل جہاد یا جنگ (War) کے مختلف معرکے (Battles) کہا جانا چاہئے، مگر بدقسمتی سے عالمی تاریخ میں اس کو کوئی نام نہیں دیا جا سکا، حالانکہ پچھلے چودہ سو سالوں سے اس پر بحث مباحثے اور تبصرے ہوتے رہے ہیں. (۲۰) آپ کا مقصد مدینہ طیبہ کے اندر اور ارد گرد پائیدار امن کا قیام تھا لیکن امن

کے قائم کرنے کے لیے اس کی قیمت ضرور ادا کرنی پڑتی ہے اور اب کفار مکہ تو کھلم کھلا اس قیمت کا تقاضا کر رہے تھے: بلکہ ان کی دھمکیاں تو مدینہ طیبہ کے دروازے پر دستک دے رہی تھیں. جب آپ حضور ﷺ نے اللہ سے رہنمائی مانگی تو بغیر کسی لگی لپٹی کے بڑا سیدھا سا جواب آ گیا: ﴿وہ آپ سے مقدس مہینوں کے متعلق پوچھتے ہیں اور ان میں لڑنے کے متعلق! آپ ان سے فرما دیجئے: ان میں جنگ وجدل بڑا گناہ ہے، لیکن لوگوں کو اللہ کی راہ سے ہٹانا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اور ان کا فساد قتل سے سخت تر ہے اور وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ان سے بن پڑے.﴾ (۲۱) اور ﴿اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو، اللہ پسند نہیں رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو.﴾ (۲۲) اور مزید حکم آ گیا: ﴿تم پر فرض ہوا اللہ کی راہ میں لڑنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے مگر وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے.﴾ (۲۳)

یہ وہ پس منظر تھا جس میں مسلمان اس وقت درپیش چیلنج کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اللہ کے دشمنوں کا ہر محاذ پر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا: پہلے تو بدر کے میدان میں اور پھر بعد میں مدینہ طیبہ کے مضافات میں (جبل احد کے دامن میں) اور پھر عین مدینہ طیبہ کے اندر (بنونضیر، خندق اور بنوقریضہ وغیرہ) اور پھر جب مسلمانوں نے ان تمام حروب میں اپنا لوہا منوا لیا تو پھر مدینہ طیبہ سے دور دور کے علاقوں کا رخ کیا گیا مثلاً: خیبر، مکۃ المکرّمہ اور تبوک وغیرہ. رسول اللہ ﷺ نہ صرف اللہ کے رسول تھے بلکہ اسلامی ریاست کے مؤسس اور سربراہ اعلی بھی تھے اور دونوں صورتوں میں آں حضرت ﷺ کے اقوال وافعال مثالی اور امت کے لیے ایسا ائیڈیل نمونہ تھے جس کا اتباع خود رب ذوالجلال کا اتباع تھا ﴿من یطع الرسول فقد اطاع اللہ﴾. زندگی کے ہر شعبے میں آپ کا اسوہ حسنہ خود اللہ تعالی نے آنے والے تمام وقتوں میں واجب اتباع قرار دے دیا تھا. مسلم افواج کے سالار اعلیٰ ہونے کے ناطے نبی اکرم ﷺ کسی طور پر بھی اپنی ریاست اور امت کو درپیش خطرات کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے. لہذا آپ حضور ﷺ نے ایک نہایت ہی منظم دفاعی منصوبہ اختیار فرمایا جس کی تکمیل مختلف مراحل میں ہونی تھی. پہلے مرحلے کے طور پر آپ حضور ﷺ نے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ فرمائے جو مہم کی مناسبت کے مطابق چھ سے بیس اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مشتمل ہوا کرتے تھے. ایسی پلٹنیں عموماً نہایت ہی منجھے ہوئے سرگرم چشیدہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سرکردگی میں روانہ کی جاتیں اور ان کا مقصد وحید دشمن کی حرکات کے متعلق معلومات اکٹھی کرنا ہوتا تھا تا کہ ان خفیہ اور جاسوسی معلومات کی بنیاد پر اپنا دفاعی منصوبہ ترتیب دیا جائے. جاسوسی کی معلومات اکٹھا کرنے کے علاوہ ایک دوسرا بڑا مقصد سیاسی نوعیت کا بھی تھا تا کہ مسلم رضا کاروں کی گشت سے ان تمام زیر اثر علاقوں کی (جو کہ اگرچہ ریاست مدینہ کے ساتھ معاہدوں میں تو بندھ گئے تھے مگر ابھی تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا) وفاداری یقینی بنائی جا سکے. ساتھ ہی ساتھ مسلم رضا کاروں کی آنے والی جنگوں کے لیے عملی ٹریننگ اور مدینہ طیبہ کے گردو پیش میں دور دور کے علاقے تک جغرافیائی اور ارضی حالات سے شناسائی کروانا بھی مقصود تھی.

پہلے مرحلے کی مہم جوئی کے بعد دوسرے مرحلے میں جو سریہ جات روانہ کئے گئے وہ پہلوں کی نسبت زیادہ کثیر المقاصد تھے. ایک طرف تو ان کا دائرہ کار اور اختیارات وسیع تر تھے اور دوسری طرف ان کا مقصد یہ بھی تھا کو دشمن کو باور کروا دیا جائے کہ مدینہ طیبہ اب پہلے کی طرح کمزور نہیں رہا بلکہ اب وہ پوری استعداد اور اہلیت رکھتا ہے کہ دشمن کے قافلوں کو روک سکے. ان سریوں میں شامل رضا کاروں نے مکی قافلوں کا جو شمال کی طرف روانہ ہوتے تھے پیچھا کرنا شروع کیا جو مدینہ طیبہ کے پاس سے ہو کر گزرتے تھے. ان سریوں کو سخت ہدایات تھیں کہ وہ قافلوں پر حملہ نہ کریں بلکہ صرف اتنا کریں کہ وہ دشمن کی نظروں میں آ جائیں تا کہ ان کو احساس ہو جائے کہ اسلام ایک ایسی قوت کے طور پر ابھر آیا ہے جس کو مزید نظر انداز نہیں کیا جا سکتا. اب مدینہ طیبہ ایک سیاسی اکائی کے طور پر مکمل ریاست بن چکا تھا اور اس طرح دشمن کے قافلوں کا پیچھا

کر کے مسلمان ان کو یہ بھی باور کرانا چاہتے تھے کہ ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے طور پر مکیوں پر واجب تھا کہ وہ اس نئی سیاسی حقیقت کا ادراک کر لیں اور اسے ایک ریاست کے طور پر تسلیم کر لیں. لیکن مکہ کے کفار جو اپنی طاقت کے نشے میں چور تھے اور دین مصطفوی کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے درپے تھے ان کو یہ حقیقت خاصی کڑوی لگ رہی تھی اور انہوں نے ان اشاراتی پیغاموں کو نہ سمجھا. ان کے کاروانوں کا کئی بار راستہ روکا گیا مگر بغیر کسی قسم کا خون خرابہ کئے ان کو گزرنے دیا گیا. تیسرے مرحلے کے طور پر روانہ کئے گئے سرایا میں تیراندازوں کی چند جھڑپیں ہوئیں جن سے مکمل دو بدو مقابلوں (Full-scale engagements) کا راستہ کھل گیا. اس طرح مختلف مراحل میں دشمن کے ساتھ ٹکر لی گئی. مدنی زندگی میں رسول اللہ ﷺ نے یا تو بنفس نفیس شرکت کے ساتھ یا اپنے کسی جلیل القدر اصحابی کی سالاری میں ایسی ستائیس مہمیں یعنی 'سرایا'۔ (Military Expeditions) روانہ فرمائیں (۲۴)۔ جن میں سے صرف نو سرایا میں معمولی لڑائی تک نوبت پہنچی تھی. اسی طرح پہلے مرحلے کی مہموں کو ملا کر تقریباً ساٹھ چھوٹے چھوٹے عسکری سرایا (Military Detachments) روانہ کئے گئے تھے. (۲۵) حضور نبی اکرم ﷺ کے دس سالہ مدنی قیام میں سے نو سال سے زیادہ کا عرصہ حالت جنگ میں گزرا تھا. یہی حالت آپ کے جان نثاروں کی بھی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی یہ نوزائیدہ ریاست مسلسل حالت جنگ میں تھی اور چونکہ ریاست مدینہ اس وقت پوری امت پر محیط تھی اس لیے یہ کہنا مبالغہ آرائی نہیں کہ پوری کی پوری امت مسلمہ اس وقت مسلسل حالت جنگ میں جارحیت کا شکار تھی.

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، ہم قارئین کی توجہ نفس مضمون، یعنی تاریخ مدینہ طیبہ، سے نہیں ہٹانا چاہیں گے. ہم ذیل میں صرف ان غزوات کا ترتیب وار ذکر کریں گے جو مدینہ طیبہ کی اس چھوٹی سی ریاست کی ارض مقدس پر رسول اللہ ﷺ کے دور بابرکات میں لڑے گئے تھے.

غزوہ بنو قینقاع:

جیسا کہ ایک دیگر باب میں بیان کیا گیا ہے، ہجرت مبارکہ سے بہت پہلے ہی یہودی دونوں بڑے عرب قبیلوں (اوس اور خزرج) کے مربی بن چکے تھے اور جب دونوں قبیلے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے تو یہود نے اس جنگ کے الاؤ کو بھڑکانے اور جاری رکھنے میں بہت کردار ادا کیا تھا. اس قبائلی جنگ کو جنگ بعاث کہا جاتا ہے. یہود نے بذات خود تو آپس میں کوئی لڑائی نہیں لڑی مگر وہ الگ الگ عرب قبائل کی پشت پناہی ضرور کرتے رہتے تھے. ابن اسحاق کے الفاظ میں: ''اس وقت دو گروہ تھے: بنو قینقاع اور ان کے حواری خزرج کے حلیف تھے اور بنو نضیر اور بنو قریضہ اور ان کے حاشیہ بردار اوس کے حلیف تھے.'' (۲۶) رسول اللہ ﷺ کے ورود مسعود کے ساتھ اور انصار کے کثیر تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہو جانے سے یثرب کی سیاست میں ایک نئی سمت کا اضافہ ہو گیا تھا. میثاق مدینہ نے (جس پر یہود نے برضا و رغبت دستخط کئے تھے) تمام سیاسی سیناریو بدل کر رکھ دیا تھا اور ایک ایسی صورت حال ابھر کر سامنے آئی تھی کہ یہودی محلات اور اطام (قلعوں اور محلوں) کی بجائے تمام تر سیاسی سرگرمیوں کا محور مسجد نبوی بن گئی تھی. ایک ایسا جہان نو پیدا ہو چکا تھا جس سے عالم پیر اپنی موت آپ مر رہا تھا. ماضی میں شعوب و قبائل میں منقسم عرب اور غیر عربوں کی شیرازہ بندی اسلام نے کچھ اس انداز سے کر دی گئی تھی کہ اب کوئی اوسی یا خزرجی نہیں رہا تھا. تمام اکائیاں ایک آفاقی اکائی میں ضم ہو چکی تھیں اور وہ اکائی قوم رسول ہاشمی تھی.

ادھر دینی افق پر بھی بہت تیزی سے تبدیلیاں آ رہی تھیں. ہجرت مبارکہ کو ابھی ڈیڑھ سال ہی گزرا ہو گا کہ یہود کے تفاخر اور تجبر کو ایک اور جھٹکا لگا اور قبلہ کی سمت یروشلم سے ہٹا کر مکۃ المکرمہ میں کعبہ شریف کی طرف کر دی گئی جس سے یہود کے سینے پر مزید سانپ لوٹنے لگ گئے. جہاں تک اس منطقہ کی سیاست کا تعلق تھا جنگ بدر میں کفار کی ہزیمت کے بعد قوت کا توازن واضح طور پر مسلمانوں کی طرف جھکنے لگ گیا تھا. یہودیوں کی حیثیت پاور گیم کے بڑے کھلاڑیوں سے گھٹ کر صرف تماشائیوں کی سی رہ گئی تھی. اس نئی صورت حال سے قریش تو

پریشان تھے ہی مگر یہود نے بھی نوشتہ دیوار پڑھ لیا تھا اور وہ بھی اسلام کی سیاسی برتری پر ششدر رہ گئے تھے. وہ جسے ٹوٹا ہوا تارا سمجھ رہے تھے وہ آج ماہ کامل بن کر طلوع ہو رہا تھا لہٰذا اسلام ان کی نظروں میں پہلے سے بھی کہیں زیادہ کھٹکنے لگ گیا تھا. ان کے تذبذب اور اضطراب کی نقاشی قرآن کریم نے ان الفاظ میں کی ہے: ﴿اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگتا ہے اور آپ کو اگر کوئی مصیبت آ جائے تو اس پر وہ لوگ خوش ہوتے ہیں.﴾ (۲۷) مواخات اور موالات کی بدولت مدینہ طیبہ میں ان کا کھیل ختم ہو چکا تھا اور ایک کو دوسرے کے خلاف اکسانا اب ان کے بس میں نہیں رہا تھا. اگر چہ یہود میں سے اسلام قبول کرنے کی رفتار بہت کم رہی تھی مگر ان کو خدشہ تھا کہ مسلمانوں کی کفار مکہ کے خلاف برتری کا یہود پر بھی اثر پڑے گا اور اسلام کی تعلیمات ان پر پہلے سے زیادہ اثر کریں گی اور آثار بھی کچھ ایسے نظر آ رہے تھے کہ یہود کا رجحان اسلام کی طرف زیادہ ہو جائے گا. اس لیے ان کی اسلام دشمنی میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا.

اسلام کے خلاف یہودیوں کی نفرت نے ان کو نوشتہ دیوار پڑھنے سے عاری کر دیا تھا اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حالات سے سمجھوتہ کرنے کی بجائے ایک ایسے راستے پر چل نکلے جس نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا. وہ مصالحت اور مفاہمت کی بجائے معاندت پر اتر آئے اور انہوں نے ریشہ دوانیوں اور منفی پروپیگنڈے پر سارا زور صرف کر دیا. ان کے محلات (اطام) خفیہ اجلاس کی آماجگاہ بن گئے اور ان کے اہل علم نے اسلام دشمن شاعری کے ذریعے ہجویہ نظموں سے مسلمانوں کی تضحیک کا باقاعدہ محاذ کھول دیا. ایسی ہجویہ شاعری کا ہدف عام طور پر مسلم عامۃ الناس ہوتے مگر ان کے بڑے بڑے شعراء خاص طور پر حضور نبی اکرم ﷺ کو ہدف تنقید و تضحیک بناتے. میثاق مدینہ کے مطابق ان کو باعزت مقام دیا گیا تھا مگر انہوں نے اس معاہدے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ریاست مدینہ طیبہ کے خلاف غدارانہ رویہ اپنا لیا. کعب بن الاشرف کا باپ عرب تھا مگر ماں یہودی تھی. وہ ان کے نامور شعراء میں گنا جاتا تھا اور حجاز کے ادبی حلقوں میں خاصہ نام رکھتا تھا. وہ بدبخت اس پروپیگنڈا مہم کا سرغنہ تھا. وہ اپنی ہجویہ شاعری میں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ پر رقیق حملے کرتا تھا. چونکہ اس کا باپ عرب تھا اس لیے اسلام دشمن عرب حلقوں میں اسے خاصی پذیرائی حاصل تھی. جنگ بدر کے بعد اس نے کفار مکہ کو بھڑکانا شروع کر دیا. کفار کی شکست کے موقع پر اس نے کہا تھا: ''وہ لوگ (قریش) عرب کے شرفاء میں سے تھے اور دنیا کے شہزادے تھے. اللہ کی قسم اگر محمد (ﷺ) نے ان کو شکست دے دی ہے تو اب زمین کے اوپر بسنے سے تو اس کے اندر دفن ہو جانا بہتر ہے''. (۲۸) اس نے مکہ کا دورہ کیا اور ان قریشی سرداروں کی تعزیت کی جو بدر میں مارے گئے تھے اور اس نے ان کے لیے مرثیہ جات بھی لکھے. اس کے علاوہ امام سمہودیؒ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کا بازار اور تجارتی علاقہ بنانے کے لیے اپنا خیمہ بقیع الزبیر (بقیع الغرقد کے قریب) میں نصب فرمایا تو بدبخت کعب بن الاشرف وہاں آ گیا اور اس نے ٹھوکریں مار مار کر آپ کا خیمہ وہاں سے اکھاڑ دیا تھا. اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ یہود عام طور پر اور کعب بن الاشرف خاص طور پر حضور نبی اکرم ﷺ اور اسلام سے کتنی نفرت کرتے تھے. جب وہ مکہ گیا تو قریش کو ایک زوردار حملہ کرنے کی ترغیب دیتا رہا اور جب ایک مکی مشرک نے اسے پوچھا کہ وہ کس دین کی طرف مائل ہے تو اس نے جواب دیا کہ وہ اسلام کے مقابلے میں کفر اور شرک کو ترجیح دیتا ہے. قرآن کریم نے اس کے اس قول کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے: ﴿کیا تم نے وہ نہیں دیکھے جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا مگر وہ ایمان لاتے ہیں بتوں اور شیطان پر اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ راہ حق پر ہیں. یہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جسے اللہ لعنت کرے تو ہرگز اس کا کوئی یار نہ پائے گا.﴾ (۲۹)

کعب بن الاشرف کی شر انگیزی اور ہجویہ شاعری کا ہدف مسلمان خواتین بھی ہوتی تھیں. اس کے علاوہ اور بھی بہت سے شعراء اور شاعرائیں ایسی ذلیل حرکتیں کرتے تھے جس سے مسلمانوں کی دل آزاری ہوتی تھی، خاص طور پر جب وہ اپنے پیارے آقا ﷺ کی شان مبارک میں کوئی گستاخ شعر سنتے تو ان کے لیے صبر کرنا محال ہو جاتا تھا. ایسی شاعری کا قبیح اثر باہر کے لوگوں پر بھی پڑتا تھا جو اسلام تولانا چاہتے

تھے مگر اسلام دشمن پروپیگنڈے کے آگے بے بس ہوجاتے تھے. لہذا اس فتنے کا سد باب کرنے کے لیے کعب بن الاشرف (۳۰) اور ایک دوسری یہودی شاعرہ سارہ قریضیہ کو مسلمانوں نے جہنم رسید کر دیا.

ایک مرتبہ جب حضور نبی اکرم ﷺ بنوقینقاع کے قبیلے میں تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تھے تو کچھ یہودیوں نے آپ کے وعظ میں رخنہ اندازی کرنی چاہی اور انتہائی گستاخانہ انداز میں کہنے لگے: ''اے محمد (ﷺ) بدر کی فتح سے دھوکے میں نہ رہ جانا کیونکہ وہ جنگ آپ نے ان لوگوں کے خلاف لڑی ہے جو فن جنگ سے نا آشنا تھے اور اس لیے آپ کو فتح حاصل ہوگئی مگر بخدا اگر آپ نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی غلطی کی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم کتنے خوفناک لوگ ہیں.'' پیغام بالکل واضح تھا. یہودیوں کے دل میں بھی جنگ کرنے کی حسرت انگڑائیاں لے رہی تھی. حالات کشیدہ سے کشیدہ تر ہوتے جا رہے تھے اور اگر انہیں قابو میں لانے کی کوشش نہ کی جاتی تو مسلمانوں کے حوصلوں پر برا اثر پڑ سکتا تھا. روزمرہ کے حالات کے علاوہ خود قرآن کریم نے مسلمانوں کو انتباہ کر دیا تھا: ﴿اے ایمان والو غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ، وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے اور ان کی آرزو ہے کہ تمہیں ایذا پہنچے، دشمنی ان کی بات بات سے جھلک اٹھی ہے مگر وہ جو کچھ سینے میں چھپائے بیٹھے ہیں وہ اس سے بھی کہیں زیادہ خطرناک ہے.﴾ (۳۱) قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ کا نزول ہونا تھا کہ اوس اور خزرج کے مسلمانوں نے جتنا تھوڑا بہت رشتہ یہود کے ساتھ باقی بچ گیا تھا اس کو بھی توڑ ڈالا. یاد رہے کہ ہجرت مبارکہ سے پہلے یہ دونوں قبیلے یہود کے حلیف تھے.

حالات کچھ اس ڈگر پر چل رہے تھے کہ اشتعال انگیزی کا کوئی قدم بھی آتش حرب کی چنگاری کو بھڑکا سکتا تھا اس لیے مسلمان بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے. مگر یک بیک یہود نے ایک ایسی نازیبا حرکت کر دی جس سے نہ صرف انہوں نے میثاق مدینہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر ڈالی بلکہ مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کر دیا. ایک مسلم خاتون بنوقینقاع کے بازار میں سنار کی دکان پر اپنا زیور بیچنے کے لیے گئی. چند یہودی بدقماش اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس کو اپنا پردہ اتارنے کے لیے کہا. جب اس خاتون نے انکار کیا تو انہوں نے اس بیچاری کے ساتھ ایک چال چلی اور ان میں سے ایک نے اس کے لباس کے ساتھ رسی باندھ کر اس کے پیچھے کی طرف زمین میں ایک کیل کے ساتھ باندھ دی. جب وہ اٹھی تو رسی کھنچنے سے اس کا لباس اتر گیا اور وہ برہنہ ہوگئی. وہ اس پر ہنستے رہے اور اس کا مذاق اڑاتے رہے جب کہ وہ بیچاری آہ و بکا کرتی رہی. اسی اثناء میں ایک مسلمان کا وہاں سے گزر ہوا جو فوراً اس کی مدد کو لپکا اور بات ہاتھا پائی پر اتر آئی جس کے نتیجے میں وہ دکاندار واصل جہنم ہوگیا. اردگرد کے یہودیوں نے اس مسلمان کو گھیر لیا اور اس کو قتل کر ڈالا. اس واقعے سے مدینہ طیبہ میں غم و غصہ کی لہر پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سلگتی ہوئی راکھ سے شعلے بھڑکنے شروع ہو گئے.

رسول اللہ ﷺ نے ان کے اکابر سے رابطہ فرمایا اور ان کو میثاق مدینہ کے تحت ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کی کوشش کی مگر عقل کا ناخن لینے کی بجائے انہوں نے اس معاہدے کا مذاق اڑانا شروع کر دیا. گستاخیوں سے وہ لوگ دیدہ دلیری پر اتر آئے تھے اور بزعم خود اپنے آپ کو مدینہ طیبہ کے سب سے زیادہ دلیر شہری سمجھتے تھے. حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے: [ہم مسجد میں تھے جب رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے: چلیں ہم یہودیوں کے پاس چلتے ہیں! ہم آپ کے ساتھ ان کے پاس گئے اور آپ نے ان کو مخاطب ہو کر فرمایا: [اے معشر یہود! اسلام قبول کرلو تو تمہارے لیے سلامتی ہے.] انہوں نے جواب دیا: ''اے ابوالقاسم! آپ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے.'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [میں یہ چاہتا ہوں کہ تم شہادت دو کہ اللہ کا پیغام تم کو دے دیا گیا ہے. اسلام لے آؤ اور تم بچ جاؤ گے.] انہوں نے پھر کہا: ''ابوالقاسم آپ نے پیغام ہم تک پہنچا دیا ہے.'' آں حضرت ﷺ نے تیسری بار وہی کلمات دہرائے اور انہوں نے تیسری بار بھی وہی جواب دیا. اس پر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں جان لینا چاہیے کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم کو اس سرزمین سے نکال دوں. تم میں سے جس کسی کے پاس بھی کوئی جائیداد ہے اسے چاہیے کہ وہ اسے بیچ ڈالے ورنہ

تمہیں معلوم پڑ جائے گا کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے (یعنی ان کو سب کچھ پیچھے چھوڑ کر جانا ہوگا.] (۳۲)

جب امن کی تمام کوششیں ناکام ہوگئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے محاصرے کا حکم صادر فرما دیا جو ہفتہ کے دن مورخہ ۱۵ شوال ۲ ہجری کو نافذ العمل ہو گیا (۳۳). اس کا مطلب ہے کہ یہ واقعہ جنگ بدر کے تقریباً ایک ماہ بعد پیش آیا تھا. رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس محاصرے کی قیادت فرمائی. اسلام کا پھریرہ سیدنا امیر حمزہؓ کے ہاتھ میں تھا. آں حضور ﷺ نے اس محاصرے کے دوران حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ کو مدینہ طیبہ کا والی مقرر فرمایا. (۳۴) بنوقینقع اپنی ایک الگ بستی میں رہا کرتے تھے جو سوق بنی قینقع کے نزدیک واقع تھی اور اس میں بہت سے قلعے بنے ہوئے تھے. (۳۵) وہ قلعہ بند ہو گئے.

مدینہ طیبہ کے دیگر یہود پر ان کا بڑا اثر ورسوخ تھا کیونکہ وہ پیشہ کے لحاظ سے زرگر تھے اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ بیوپاری بھی تھے. وہ مشہور منافق ابن ابی سے بھی ملے ہوئے تھے جس نے ان کی مدد کا وعدہ کیا ہوا تھا.

محاصرہ دو ہفتہ تک جاری رہا جس کے دوران ان کو ہر قسم کی رسد کی فراہمی رک گئی اور باہر کی دنیا سے ان کا رابطہ بھی کاٹ دیا گیا. ابن ابی نے ہر چند کوشش کی مگر وہ بھی ان کے کام نہ آسکا اور اس طرح ان کی حالت زار دن بدن بگڑتی چلی گئی. ابن ابی نے ان کی طرف سے رحم کی اپیل کی لہٰذا ان کی جان بخشی کر دی گئی. رب ذوالجلال کے احکام کے تحت ان سے ایسا رویہ اختیار کیا گیا تھا. ﴿وہ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا، پھر ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور ڈرتے نہیں، تو اگر تم انہیں کہیں لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسی سزا دو جس سے ان کے پسماندوں کو عبرت ہو.﴾ (۳۶) لہٰذا انہیں مدینہ بدری کا حکم ہوا اور ان کو اس بات کی آزادی دے دی گئی کہ وہ جہاں چاہے چلے جائیں. ان کی زندگیوں اور مال و دولت کے بدلے ان کو اپنے ہتھیار، زیورات بنانے کی مشینری اور دیگر کارخانوں کے اوزار مسلمانوں کے حوالے کرنے کا پابند کیا گیا. جو ہتھیار انہوں نے چھوڑے، ان میں سے اللہ کے رسول برحق ﷺ نے اپنے لیے تین کمانیں، دو ڈھالیں اور تین تلواریں لی تھیں اور باقی کی اشیاء اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم کر دی گئی تھیں.

حضرت عبادہ ابن صامتؓ کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ ان کو مدینہ طیبہ کے باہر تک چھوڑ کر آئیں. بنوقینقع کے مدینہ طیبہ سے نکالے جانے والے یہودیوں کی تعداد تقریباً سات سو تھی؛ وہ چند دنوں تک وادی القریٰ میں دیگر یہود کے ہاں رکے رہے اور پھر العزیات کے طرف شامی سرحد کی طرف چلے گئے تھے. واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بہت سے یہودیوں نے مدینہ طیبہ میں ہی پناہ لے لی تھی کیونکہ بہت بعد بھی مدینہ طیبہ میں ہمیں بنوقینقع کے یہود کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے، یہاں تک کہ جن یہودیوں نے جنگ احد میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کی پیش کش کی تھی مگر قبول نہیں کی گئی وہ لوگ بھی بنوقینقع ہی سے تھے. بنوقینقع حضرت عبداللہ ابن سلامؓ کا قبیلہ تھا. (۳۷) ایسے یہودی

مدینہ طیبہ کا ایک تقریبی ارضیاتی خاکہ جہاں ہجرت مبارکہ کے موقع پر مختلف یہودی قبائل آباد تھے

اپنے مذہب پر ہی رہے، یہاں تک کہ غزوہ خیبر تک ہمیں اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے شانہ بشانہ اس جنگ میں شامل ہوئے تھے اور جب سقوط خیبر ہوا تو ان کو مال غنیمت میں سے کچھ حصہ بھی دیا گیا تھا.(۳۸) یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ یہود جو ریاست مدینہ طیبہ کے وفادار تھے ان کو وہاں رہنے کی اجازت دی گئی تھی.

آخر میں ہم حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت نقل کرنا چاہیں گے جس میں آپ نے فرمایا تھا: [بنی نضیر اور بنی قریضہ نے رسول اللہ ﷺ سے (میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرکے) لڑائی لڑی.لہذا حضور نبی اکرم ﷺ بنی نضیر کو جلاوطن کر دیا اور بنی قریضہ کو اپنے اپنے گھروں میں رہنے دیا اور ان سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا جب تک کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے لڑائی مول نہیں لی. پھر آں حضرت ﷺ نے ان کے مردوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اور ان کی عورتوں، بچوں اور جائیداد کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا، مگر ان میں سے کچھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور رسول رحمت ﷺ نے ان کو امان عطا فرمادی اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا.آپ نے تمام یہودیوں کو مدینہ طیبہ سے نکال دیا.بنی قینقع جو حضرت عبداللہ ابن سلامؓ کا قبیلہ تھا اور بنی حارثہ کے یہودیوں کو اور دیگر یہودیوں کو مدینہ طیبہ سے نکال دیا.] (۳۹)

غزوہ احد:

مسلمانوں کے ہاتھوں بدر کے مقام پر کفار کی ذلت آمیز شکست نے جس میں ان کے بڑے بڑے شاہسوار مارے گئے تھے ان کو اور بھی غضبناک کر دیا تھا. یہ ہزیمت ان کے غرور اور تبختر کے منہ پر ایک بہت بڑے طمانچے سے کم نہیں تھی.سب سے بڑا سوال یہ اٹھ رہا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ مٹھی بھر اور تہی دست مسلمانوں کو جنہیں خود کفار مکہ نے گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا اور جن کے پاس نہ کافی گھوڑے تھے اور نہ ہی آلات حرب وضرب، اپنے سے کئی گنا بڑی جارح فوج کو جو کیل کانٹے سے لیس ہو کر آئی تھی اتنی بڑی شکست سے دوچار کر دیا تھا؟ ان کے سردار مرے تو مرے، مگر ان سے بھی زیادہ شرمناک بات یہ تھی کہ ان کے نامی گرامی مکی ان مدنی شاہینوں کے ہاتھ نخچیر (قیدی) بن گئے تھے.ان کا سارا غرور دھرے کا دھرا رہ گیا تھا.مکہ مکرمہ کے اس وقت چھوٹے سے شہر میں ستر بڑوں کا قتل ہو جانا کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا، ہر گھر میں صف ماتم بچھ چکی تھی اور ہر فرد نوحہ کن تھا.لہذا بہت دیر تک اس کا سوگ اور ماتم جاری رہا. پورا مہینہ قریش کی عورتیں اپنے سوتوں پر نوحہ کناں رہیں.انہوں نے اپنے سر منڈوا لیے اور جب بھی کبھی کسی مقتول کا اونٹ یا گھوڑی شہر میں لوٹتی تو پورے مکہ میں کہرام مچ جاتا اور اس کا جلوس نکالا جاتا اور عورتیں آہ وبکا کرنے لگ جاتیں.(۴۰)

اہل مکہ ابھی اپنے زخم چاٹ رہے تھے کہ ان کو ایک اور کچوکہ لگ گیا: ان کے سپوتوں کے کاروان کو 'السویق' سے بھاگنے پر مجبور کر دیا گیا تھا.شام کو جو تجارتی قوافل مدینہ طیبہ کی راہ سے ہو کر گزرتے تھے وہ قریش کے اقتصاد کی رگ جاں تھے، مگر اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اب وہ قافلے بھی محفوظ نہیں رہے تھے.ایک متبادل رستہ کی تلاش میں انہوں نے ایک قافلہ عراق کی طرف روانہ کیا مگر وہ بھی مدینہ طیبہ کے شاہینوں کی نظر سے نہ بچ سکا.حضرت زید بن حارثہؓ کی سربراہی میں مسلم رضا کاروں کے سریئے نے ان کی بھی دلکی لگا دی اور وہ ناکام مکہ واپس بھاگ گئے.اس کا مطلب یہ تھا کہ کفار کو شکست پر شکست کا سامنا تھا.جس کو نظر انداز کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی. بدر میں بڑے بڑے مقتولوں کے بیٹے، مثلاً:عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، صفوان بن حویطب بن عبدالعزیٰ اور ابوسفیان بن الحرب، وغیرہ سب نے یک زبان ہو کر لوگوں کے برانگیختہ جذبات کو اور مہمیز دی اور پورے زور وشور سے جنگ کے اگلے راؤنڈ کی تیاریاں شروع کر دیں.انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ حربی استعداد اور ساز وسامان کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا.ابوسفیان بن الحرب نے قیادت کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور حلف اٹھایا کہ جب تک وہ مسلمانوں سے انتقام نہیں لے لے گا اس وقت تک زندگی کی کسی آسائش اور لذت سے لطف اندوز نہیں ہوگا. حتیٰ کہ وہ غسل بھی نہیں کرے گا اور نہ ہی بالوں میں کنگھی کرے گا.یہی حال عورتوں کے جذبہ انتقام کا تھا. ہند۔ جو ابوسفیان کی بیوی تھی.اس

سلسلے میں سب سے آگے تھی کیونکہ اس کا باپ اور ایک بھائی اسی جنگ بدر میں مارا گیا تھا.

اپنی گری ہوئی ساکھ کو بحال کرنے کے لیے وہ مسلمانوں پر پوری قوت کے ساتھ ناگہانی حملہ کرنا چاہتے تھے. لوگوں کے حوصلے بلند رکھنے کے لیے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور نفسیاتی اور مادی طور پر وہ سب کچھ کر گزرے جو ان کے بس میں تھا. انہوں نے تو شعراء کی ٹیموں کو بھی بھاڑے کے ٹٹوؤں کے طور پر استعمال کیا جو مرثیے اور رزمیہ شاعری لکھتے اور پھر گاؤں گاؤں اور مختلف قبائل میں جا کر مجمعوں میں انہیں پڑھتے اور یوں ان کے جذبات کو ابھارتے. مارے جانے والوں کے علاوہ ان کو اپنے قیدی چھڑانے کے لیے فی کس اوسطاً چار ہزار درہم فدیہ بھی دینا پڑا تھا. مگر فدیہ اور مالی نقصان تو محض پس منظر میں تھا، اصل مقصد تو اپنی کھوئی ہوئی عزت بحال کرنا تھا.
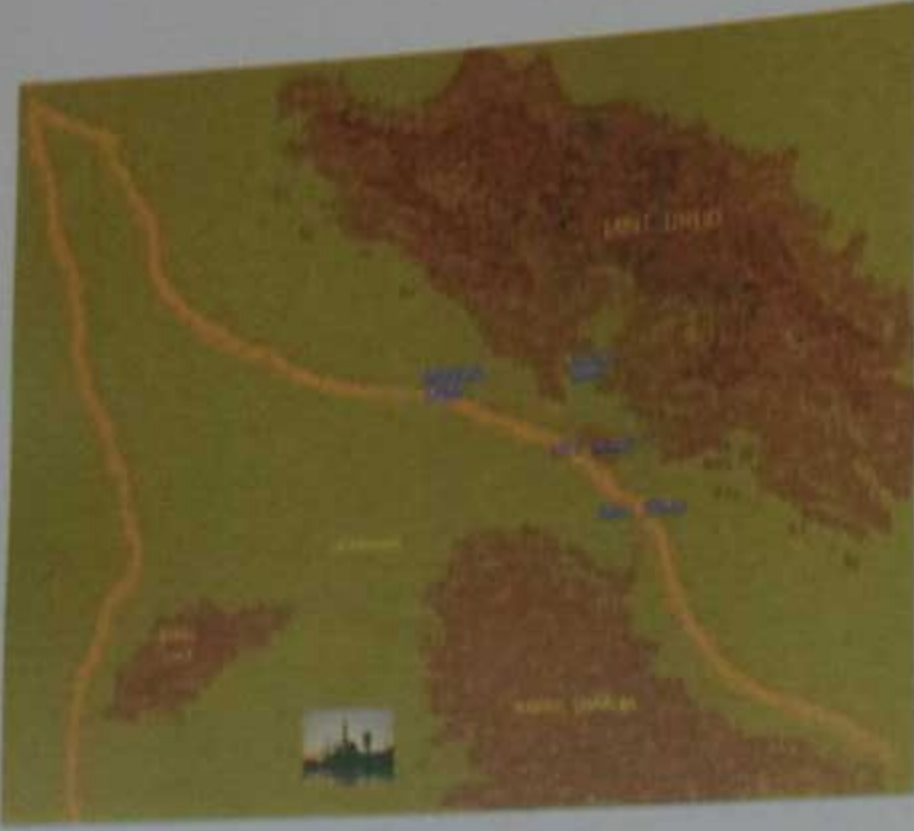
غزوہ اُحد کا ایک تقریبی خاکہ

دارالندوہ مکۃ المکرمہ میں ایک پبلک ہال ہوا کرتا تھا. وہاں پر انہوں نے اپنے بڑوں کی پنچایت منعقد کی اور عہد کیا کہ وہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے اپنے تمام وسائل بروئے کار لائیں گے. (۴۱) ابوسفیان جس کاروان کو بچا کر مکہ لے آیا تھا اس کا تمام تجارتی مال 'الندوہ' میں نیلام کر دیا گیا. اس سے حاصل ہونے والا تمام منافع جو پچاس ہزار دینار سے زیادہ تھا اور ایک ہزار اونٹ اور اس کے علاوہ انفرادی عطیہ جات ملا کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دی گئیں. سب ملا کر تقریباً اڑھائی لاکھ درہم سے ایک مضبوط فوج تیار کی گئی. قرآن کریم نے ان کی اس چندہ اکٹھا کرنے کی مہم کے متعلق ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا ہے: ﴿بے شک کافر اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں تو اب وہ اسے خرچ کریں گے پھر وہ اس پر پچھتاوا کریں گے، پھر مغلوب کر دئے جائیں گے اور کافروں کا حشر جہنم کی طرف ہوگا.﴾ (۴۲)

کفار نے اپنے وفود ان بدو قبائل کی حمایت حاصل کرنے کے لیے جو مکہ مکرمہ کے گرد بستے تھے روانہ کئے (جن میں عمرو بن العاص بھی شامل تھے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جن کے ذمے ان قبائل میں مسلمانوں کے خلاف فضاء ہموار کرنا تھا. اس طرح وہ لوگ کنانہ اور تہامہ جیسے قبائل کہ حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے. اس کے علاوہ ان کے ساتھ بہت سارے حبشی باشندوں کو بھاڑے کے ٹٹوؤں کے طور پر ساتھ ملا لیا گیا جنہوں نے دو ہزار سے زیادہ جنگجو فراہم کئے. وہ جو جنگ میں شامل ہونے سے عاری تھے (مثلاً ابولہب وغیرہ) انہوں نے قبائلی روایات کے مطابق اپنی جگہ کرائے کے جنگجو مہیا کئے. اس طرح تقریباً تیرہ ماہ کے اندر اندر کیل کانٹے سے لیس اور پوری طرح مسلح تین ہزار جنگجو ابوسفیان کی سپہ سالاری میں میدان جنگ میں اترنے کے لیے تیار تھے جن میں سے سات سو زرہ بکتر میں ملبوس تھے، دو سو گھڑ سوار تھے اور تین ہزار اونٹ سامان رسد اور خورد و نوش سے لدے ہوئے ساتھ تھے. اس کے علاوہ پندرہ عورتوں کی ایک بٹالین بھی ساتھ ساتھ تھی جس کی سربراہی ہند زوجہ ابوسفیان کر رہی تھی جس کا کام جنگ کی ترغیب دلانا (War Instigators) تھا. (۴۳)

ان کی گھڑ سوار فوج کے سپہ سالار خالد ابن ولید تھے جن کی مدد عکرمہ بن ابوجہل کر رہے تھے. یہ ذکر کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اب کی بار کفار مکہ نے تن من دھن سب کچھ اس جنگ میں جھونکنے کا فیصلہ کر لیا تھا. انہوں نے اس وقت کے معیار کے مطابق اپنی افواج کو ہر مادی ہتھیار سے مسلح کرنے کے ساتھ ساتھ ہر ترغیبی اور نفسیاتی حربہ بھی استعمال کیا جس سے ان کی فوج میدان جنگ میں ڈٹ کر لڑتی. وہ اپنے ساتھ اپنے صنم اور بت (ہبل - جو بنی امیہ کا معبود تھا) کو ایک اونٹ پر لاد کر لے آئے، اور ساتھ ہی عورتوں کا ایک طائفہ بھی تھا جس کو عین میدان کارزار میں رزمیہ نغمے گا کر جنگجوؤں کا مورال بلند رکھنے کا کام سونپا گیا تھا. (۴۴) ''اس طرح قریش بڑے طمطراق کے ساتھ اپنی بہترین فوج کو لیکر سیاہ فام حبشیوں اور بنی کنانہ کے لڑاکا دستوں کی ہمراہی میں عورتوں کی ایک بٹالین کو جو ہودوں میں بیٹھی تھیں ساتھ لیکر مدینہ

طیبہ کے طرف چل پڑے. عورتوں کا کام ان کو غیرت دلانا اور جو جنگ سے منہ موڑ کر بھا گیں ان کو طعنہ زنی کرنا اور دشنام طرازی کرنا تھا تا کہ وہ جنگ سے کسی طور بھی فرار نہ کر پائیں.'' (۴۵) یہ فوج مکہ مکرمہ سے جنوری ۶۲۵ء کے وسط میں روانہ ہوئی اور معمول کا راستہ اختیار کرتے ہوئے مغرب کی طرف عسفان، خلیص، جحفہ، رابغ اور ابواء سے ہو کر گزری. ابواء پہنچنے پر ہند بنت عتبہ، زوجہ ابو سفیان نے تجویز دی کہ کیوں نہ حضور نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدتنا آمنہؓ بنت وہب کی قبر سے ان کا جسد خاکی نکال لیا جائے تا کہ اگر ان کے سپاہی پہلے کی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی ہو جائیں تو ان کو آزاد کروانے کے لیے ام النبی ﷺ سیدتنا آمنہؓ کے جسد اطہر کو تاوان کے ایک حربے کے طور پر استعمال کیا جائے. لیکن ان کے بڑوں نے اس بات کی مخالفت کی کیونکہ ان کو اس کے شدید ردعمل کا اندیشہ تھا. (۴۶) ابوسفیان نے (جو ایک جہاں دیدہ شخص تھا اور عربوں کی روایات سے بخوبی واقف تھا) اس تجویز کی مخالفت کی اور کہنے لگا: ''ایسا مت کرو. اگر آمنہؓ بنت وہب کی قبر کھود لیں گے تو بنو بکر اور بنو خزاعہ کے لوگ ہمارے مدفون مردوں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کریں گے. (۴۷)

جبل عینین (جبل الرماہ) اور اس کا شمالی علاقہ جہاں میدان کارزار برپا ہوا تھا. چار دیواری کے اندر سید الشہداء سیدنا امیر حمزہ کی قبر ہے

اس لشکر کفار میں ایک ایسا بھی فرد تھا جو کہ اگر چہ جنگ بدر میں ایک قیدی کی حیثیت سے فدیہ بھی ادا کر چکا تھا اور اس جنگ میں بھی شرکت کے لیے کفار کی طرف سے چلنے پر مجبور تھا مگر وہ رہ رہ کر حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں سوچ رہا تھا اور آپ حضور ﷺ کی سلامتی کے بارے میں بہت بے چین تھا. وہ تھے حضور نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس ابن عبد المطلبؓ. انہوں نے بنی غفار کے ایک معتمد ہرکارے کے ذریعے لشکر کفار کی مکہ مکرمہ سے روانگی کی اطلاع حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں ارسال کر دی تھی. قاصد نے وہ پیغام جناب رسول اللہ ﷺ کو اس وقت دیا جب آں حضرت ﷺ مسجد قباء سے باہر تشریف لا رہے تھے. جب آپ کے محرر حضرت ابی بن کعبؓ نے وہ نامہ آپ کی خدمت میں پڑھ کر سنایا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فوراً مدینہ طیبہ کا رخ کیا اور اپنے قریبی مہاجر اور انصار صحابیوں کا اجلاس طلب فرما لیا. فوراً دو سکاؤٹوں کو۔ حضرت انسؓ اور مونسؓ جو بنی ظفر سے فضل کے بیٹے تھے۔ کو حقائق کی چھان بین کے لیے روانہ کر دیا گیا. وہ تھوڑی دیر بعد ہی واپس آ گئے اور انہوں نے تصدیق کر دی کہ دشمن ذوالحلیفہ تک پہنچ چکا تھا جہاں آ کر انہوں نے اپنے گھوڑوں کو نیچے تک العریض کے علاقے میں چرنے کی غرض سے کھلا چھوڑ دیا تھا. ان سکاؤٹوں نے دشمن افواج کی نفری کی بھی تصدیق کر دی تھی.

اس اچانک خبر نے مدینہ طیبہ کے باسیوں پر سکتہ سا طاری کر دیا. کوئی بھی رات بھر سو نہ سکا. مدینہ طیبہ میں ایک طرح کی ہنگامی حالت طاری ہو چکی تھی. رضا کاروں کو مدینہ طیبہ کے مختلف مقامات پر تعینات کر دیا گیا تھا تا کہ وہ حالات پر نظر رکھیں اور گلیوں میں گشت کرتے رہیں.'' دیگر سکاؤٹوں (حضرت حباب بن المنذرؓ اور سلمہ بن سلمہؓ) کو مزید جاسوسی پر مامور کیا گیا. حضرت سلمہ بن سلمہؓ نے آ کر یہ خبر دی کہ کفار فلاں طرف سے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے والے ہیں. پیر و جواں، مرد و زن، سب کی زبان پر ایک ہی موضوع تھا اور انہی خبروں کا تذکرہ تھا کہ مزید کیا ہوگا؟ ہنگامی حالت جنگ کا درجہ عالیہ اتنا زیادہ تھا کہ بشمول حضور نبی اکرم ﷺ کے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بستر استراحت پر بھی ہتھیار بند ہو کر سوئے. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نماز بھی ہتھیار بند ہو کر پڑھی. بہت سے جاں نثار حضور نبی اکرم ﷺ کی رہائش گاہ کے گرد پہرہ دے رہے تھے. حضرت سعد ابن معاذؓ، حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے اپنے آقا حضور نبی اکرم ﷺ کے گھر پر پہرہ دیا. (۴۸) لیکن نبی آخر الزماں ﷺ کے حوصلے کا اندازہ صرف اس مثال سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ

قبر مبارک سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک نایاب تصویر

حضور ﷺ اس رات ایک عجیب سی مہیب آواز پر جس نے سب مدنیوں کو چونکا دیا تھا تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر اس سمت روانہ ہو گئے تھے تاکہ حقیقت معلوم کی جا سکے۔(۴۹)

مکی فوج وادی عقیق کے ساتھ ساتھ بڑھتی آ رہی تھی اور ذوالحلیفہ اور الزغابہ سے گزرتے ہوئے انہوں نے جبل احد کے جنوب مغرب میں ۶ شوال ۳ ہجری کو اپنے خیمے گاڑ لیے۔ دشمن شہر کی دہلیز پر خیمہ زن ہو چکا تھا اور مسلم ہیڈ کوارٹر اس کی دسترس سے صرف تین میل کے فاصلے پر تھا۔ وقت کا گھڑیال لمحہ بہ لمحہ زیرو آور (Zero Hour) کو قریب سے قریب تر لا رہا تھا۔ ادھر تمام جان نثاران تاجدار مدینہ قرار قلب وسینہ ﷺ اپنے دفاعی منصوبے کو آخری شکل دے رہے تھے۔ بہت اہم مجلس مشاورت منعقد تھی۔ دوران گفتگو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا: [میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میری تلوار۔ ذوالفقار ٹوٹ گئی ہے جو ایک آفت کی نشاندہی کرتی ہے اور پھر میں نے ایک گائے کو ذبح ہوتے ہوئے بھی دیکھا جو دوسری آفت کی طرف اشارہ ہے، پھر میں نے اپنے آپ کو ایک ڈھال (درع) میں محفوظ پایا۔ وہ ڈھال تمہارا مدینہ ہے۔ انشا اللہ دشمن اس تک (یعنی مدینہ طیبہ تک) نہیں پہنچ پائے گا۔] (۵۰) ابن اسحاق کی روایت کے مطابق نبی محتشم ﷺ نے فرمایا: [بخدا میں نے ایک رؤیا (خواب) دیکھا ہے جس کی تعبیر اچھی ہے: میں نے چند گائیں دیکھیں اور میں نے اپنی تلوار میں ایک ٹیڑھا پن بھی دیکھا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط زرہ بکتر میں دے دیا ہے۔ جس کی تعبیر میرے نزدیک مدینہ طیبہ ہے۔ اگر آپ مدینہ میں ہی رہ کر اس کا دفاع کریں اور ان کو جہاں پر وہ ہیں وہیں رہنے دیں تو بہتر ہوگا کیونکہ اگر وہ رکے تو بری جگہ رکیں گے اور اگر انہوں نے شہر میں داخل ہونے کی غلطی کی تو ہم اندر سے اس کا پوری طرح دفاع کریں گے۔] (۵۱) آپ نے تجویز پیش کی کہ مسلمان اگر مدینہ طیبہ کے اندر رہیں اور وہاں سے اس کا دفاع کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ عبداللہ بن ابی (منافقین کا سردار) نے اس سے پورا اتفاق کیا اور کہا: ''یارسول اللہ ﷺ ہم شہر کے اندر سے مدینہ طیبہ کا دفاع کریں گے اور جب وہ آگے بڑھیں گے تو ہماری عورتیں اور بچے تک ان کے اوپر پتھر پھینکیں گے جبکہ ہم اپنی تلواروں کے ساتھ ان سے لڑیں گے۔ مدینہ طیبہ تو ایک قلعہ کی مانند ہے اور آج تک کسی دشمن کو اس پر برتری حاصل نہیں ہو سکی۔''

تقریباً تقریباً یہی نظریہ چند یہودی لیڈروں کا بھی تھا اور چند مہاجرین اور انصار بھی اسی نظریے کے حامی تھے۔ لیکن مسلمانوں کی اکثریت جو پہلے جہاد میں غزوہ بدر میں شرکت نہ کر سکی تھی وہ ہر قیمت پر کفار کے خلاف جہاد میں شرکت کر کے اپنی شمشیر زنی کے جوہر دکھانا چاہتی تھی؛ ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر کھلے میدان میں دشمن سے دو ہاتھ کرنا چاہتے تھے جہاں وہ اپنا لوہا منوانا چاہتے تھے اور ایسا صرف مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر ہی ہو سکتا تھا۔ ایک اصحابی نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ ہم ایک مدت سے اس دن کی راہ تک رہے ہیں اور اللہ کے حضور دعائیں مانگتے رہے ہیں کہ اے اللہ ہمیں یہ دن جلدی دکھا۔ رب ذوالجلال کا شکر ہے کہ آج وہ دن آ گیا ہے چلیں ہم مدینہ طیبہ سے باہر جا کر ان کا مقابلہ کریں ورنہ وہ یہ سوچیں گے کہ ہم بزدل ہیں اور ہم میں لڑنے کی سکت نہیں ہے۔'' سیدنا حمزہؓ عم رسول اللہ ﷺ، اس معاملے میں سب سے پیش پیش تھے اور برملا کہہ رہے تھے کہ: ''اللہ کی قسم جس نے آپ کو کتاب برحق کے ساتھ بھیجا ہے، میں زبان پر کوئی کھانا نہیں رکھوں گا جب تک کہ میں ان سے اپنی تلوار کے ساتھ مدینہ طیبہ کے باہر نہ نپٹ لوں۔'' چنانچہ سید الانبیاء والاتقیاء رحمت دوعالم ﷺ نے اکثریت کی رائے کا احترام کیا اور مدینہ طیبہ سے باہر جا کر دشمنان دین سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

سرور دوعالم ﷺ نے زرہ بکتر زیب تن فرمائی اور اپنے حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے؛ آپ کے مقربین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ حضور ﷺ کے دائیں بائیں تھے۔ اس وقت چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پچھتاوے کا اظہار کیا کہ کیوں نہ انہوں نے

رحمت اللعالمین ﷺ کی بات مانی اور مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا اور انہوں نے آپ حضور ﷺ سے عرض کیا کہ وہ مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر ہی دشمن کا مقابلہ کریں گے. مگر شفیع المذنبین ﷺ نے ارشاد فرمایا: [ایک نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ جب وہ ہتھیار پہن لے تو اس کو جہاد کرنے سے پہلے ہی اتار دے!] (۵۲) آپ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم ؓ کو مدینہ طیبہ میں اپنے غیاب میں اپنا نائب مقرر فرمایا. آپ نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا: ایک بٹالین اوسی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی جو حضرت اسید ابن حضیر ؓ کی کمان میں تھی، دوسری خزرجی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی جس کو حضرت حباب ابن المنذر رکمان کر رہے تھے جبکہ تیسری بٹالین مہاجرین کی تھی جو شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کی کمان میں تھی. (کچھ مورخین کے خیال میں یہ حضرت مصعب ابن عمیر ؓ کی کمان میں تھی.) حضرت سعد ابن معاذ ؓ اور حضرت سعد ابن عبادہ ؓ پوری طرح ہتھیار بند ہو کر اپنے سالار اعلیٰ سرور کونین ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے جب کہ دیگر جان نثاران رسول امین ﷺ دائیں بائیں اور پیچھے آپ حضور ﷺ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے. جنگ کا کوڈ ''امت، امت'' (یعنی قتل کر دو، قتل کر دو) تھا. (۵۳)

جبل عینین، جہاں پچاس تیرانداز تعینات کیے گئے تھے اوپر کی جانب قدیم مسجد کے محراب نظر آ رہے ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز ادا فرمائی تھی اب اس مسجد کے نشانات بھی معدوم ہو چکے ہیں (تصویر: ۱۹۶۵ء)

چونکہ جارح افواج الزغابہ کے مقام پر مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں خیمہ زن ہو گئی تھیں اس لیے نبی اکرم ﷺ اپنی ایک ہزار کی پیادہ فوج کے ساتھ شمال کے طرف روانہ ہوئے اور بنی نجار کے ایک گھر کے پاس شیخین کے چوباروں کے پاس پہلا پڑاؤ کیا جہاں پر آپ نے اپنی فوج کا معائنہ فرمایا. چونکہ بہت سے نوجوان بھی جذبہ جہاد سے سرشار اس غزوہ میں شرکت کے لیے بیتاب تھے جن میں بہت سے اس وقت نابالغ بھی تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے جہاد میں شرکت کے متمنی نوجوانوں کی پریڈ منعقد کی تا کہ ان کی جسمانی استعداد کا تعین ہو سکے. (۵۴) یہ وہی مقام تھا جہاں کچھ نابالغ بچوں نے اپنی ایڑیاں اونچی کر کے کھڑے ہونے کی کوشش کی تا کہ وہ چھوٹا قد ہونے کی وجہ سے رد نہ ہو جائیں. حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ، حضرت اسامہ بن زید ؓ، حضرت البراء بن العازب ؓ، حضرت زید بن ثابت ؓ جیسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو محض اس بنا پر اس جہاد میں شرکت کی اجازت نہ مل سکی کیونکہ اس وقت وہ ۱۴ سال سے بھی کم عمر کے نابالغ تھے، لیکن حضرت سمرہ بن جندب ؓ اور حضرت رافع بن خدیج ؓ کو اجازت مرحمت فرما دی گئی کیونکہ وہ تقریباً پندرہ سال کے ہو چکے تھے. (۵۵) اس پڑاؤ کے دوران امام الاولین والآخرین ﷺ نے شیخین نامی دو چوباروں کے قریب نماز ادا فرمائی اور وہیں پر رات بسر کی اور پھر نماز فجر اسی جگہ پر ادا کر کے مقام احد کی طرف کوچ فرمایا. (۵۶) یہ دیکھ کر مسلمانوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ابن ابی نے بے وفائی کی اور انتہائی مکاری سے اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ جہاد میں شرکت سے مکر گیا اور مدینہ طیبہ واپس لوٹ آیا. اس نے بہانہ بنایا کہ اس کی مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے کے تجویز رد کر دی گئی تھی. جہاں تک یہود کا تعلق تھا تو اگرچہ میثاق مدینہ کی شرائط کے تحت وہ مسلمانوں کا ساتھ دینے کے پابند تھے مگر انہوں نے بہانہ بنایا کہ اس دن ان کا 'یوم سبت' تھا جب کہ انہیں کچھ بھی کام کرنے کی ممانعت تھی. البتہ چند یہود آنے کو خواہش مند تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی کہلوا بھیجا کہ مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ لڑائی میں غیر مسلموں کی مدد کی ضرورت نہیں. اس طرح منافقین کے ایک بہت بڑے حصے کے الگ ہو جانے سے اور یہود کی بہانہ بازی پر بعض مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے. ان میں بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے مجاہدین شامل تھے جو شدید تذبذب کا شکار ہو رہے تھے. (۵۷) قرآن کریم نے اس صورت احوال پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے: ﴿اور یاد کرواے محبوب جب تم صبح کو اپنے دولت خانہ سے برآمد ہوئے تا کہ مسلمانوں کو اپنے مورچوں پر قائم کرتے، اور اللہ سب سنتا اور سب دیکھتا ہے. جب تم میں سے دو گروہوں کا
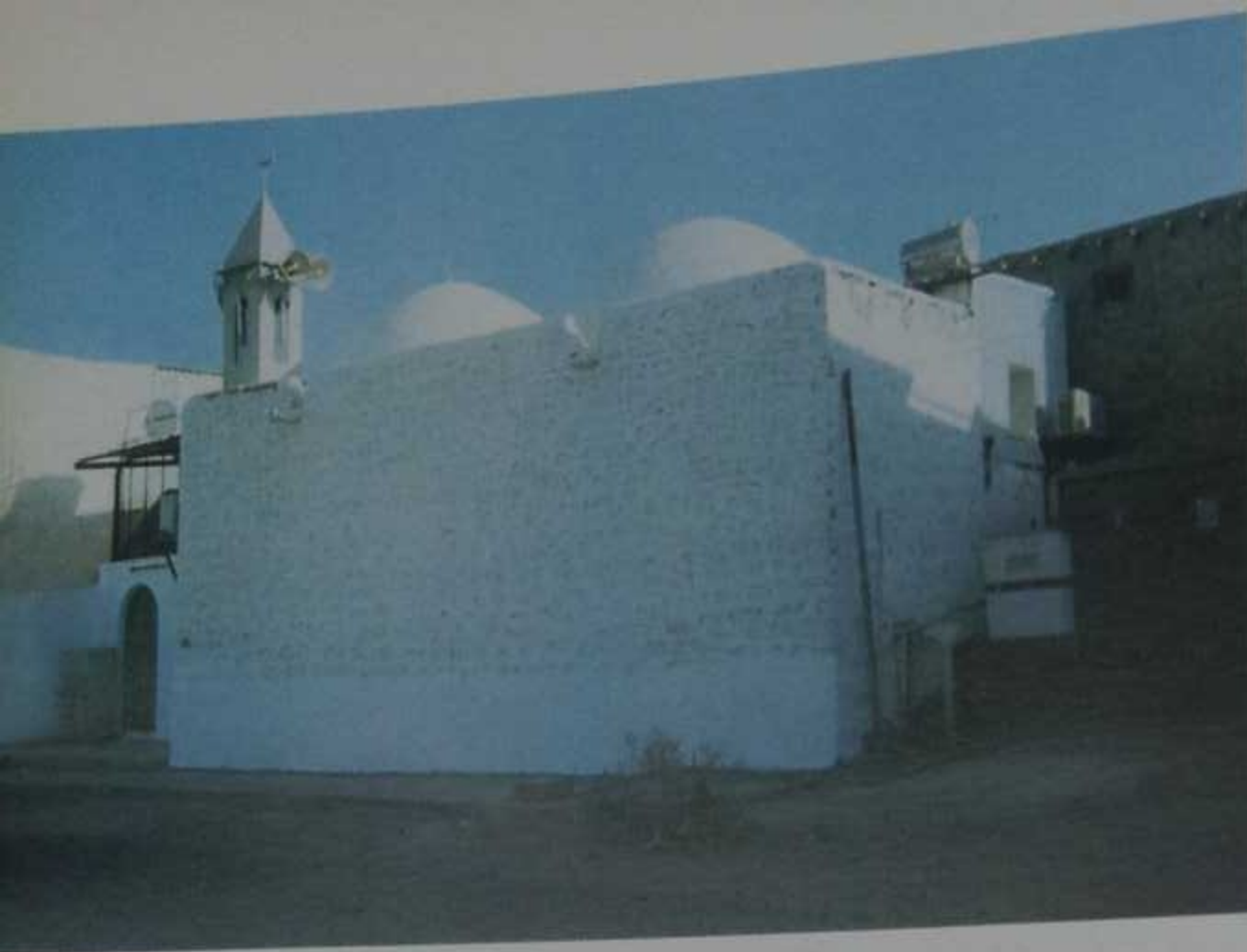
ارادہ ہوا کہ میدان میں نامردی کر جائیں اور اللہ ہی ان کو سنبھالنے والا تھا اور مسلمانوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔ ﴾ (۵۸)

اور مزید فرمایا: ﴿ تو تمہیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو گئے؟ اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کی کرتوتوں کے سبب۔ ﴾ (۵۹) سید العرب والعجم ﷺ کی شخصیت معجز نگار کی برکت اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے جلد ہی ان کے خدشات دور کر دیئے اور مسلمان پھر یک جان اور یک سو ہو گئے۔ یوں سات سو حق پرستوں پر مشتمل پیادہ مسلم فوج جن کے پاس ہتھیار اور وسائل کی شدید کمی تھی اپنے سالار اعلیٰ کی سربراہی میں رزم حق و باطل کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ (۶۰) مادی وسائل کی کمی کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سات سو افراد کی فوج کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک سالار اعلیٰ کے پاس تھا اور دوسرا ایک صحابی حضرت ابی بردہ بن نیرؓ کے پاس تھا جب کہ جارح فوج کی عددی قوت چار گنا تھی اور سب کے سب کیل کانٹے سے لیس ہو کر آئے تھے۔ ان کی گھڑ سوار فوج ۲۰۰ شہسواروں پر مشتمل تھی۔ شیخین کے مقام پر نماز فجر کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی زرہ بکتر زیب تن فرمائی۔ اس مقام پر آج بھی ایک چھوٹی سی مسجد اسی یاد میں موجود ہے، جس کا نام 'مسجد درع' یا مسجد شیخین ہے۔ آپ حضور ﷺ نے رات وہیں کھلے آسمان کے نیچے گزاری تھی اور تقریباً پچاس اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا چاک و چوبند دستہ رات بھر اپنے آقا کے خیمہ پر پہرہ زن تھا۔

مسجد شیخین یا مسجد درع
جہاں سرکار دو عالم ﷺ
نے غزوہ اُحد کے راستے میں
پہلا پڑاؤ کیا تھا۔
صبح ہوتے ہی مسلمان افواج
کی سلاح بندی اسی مقام پر
ہوئی تھی۔
(تصویر: جولائی ۲۰۰۱ء)

دشمن پہلے سے شیخین سے تھوڑے فاصلے پر شمال کی طرف خیمہ زن ہو چکا تھا۔ ہفتہ کے دن ۱۵ شوال ۳ ہجری کو سیدنا بلال بن رباحؓ کی اذان فجر پر سب مسلمان مجاہد اپنے آقا و مولا سرور کائنات ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ امام الانبیاء ﷺ نے اس مٹھی بھر فوج کی امامت فرمائی۔ ابھی ملگجا اندھیرا ہی تھا کہ کوچ کا حکم ہو گیا اور حرہ شرقیہ میں بنی حارثہ کے علاقے سے ہوتے ہوئے بل کھاتے راستوں سے یہ اللہ کے سپاہی اپنے آقا ﷺ کی سالاری میں گامزن ہو گئے۔ آپ نے دشمن کے پڑاؤ کو ایک طرف چھوڑتے ہوئے جبل احد کے دامن میں جو تھوڑا سا میدانی علاقہ تھا اس کی طرف رخ فرمایا اور وہاں پہنچ کر اس طریقے سے خیمہ زن ہوئے کہ جبل احد مسلمان فوج کی پشت پر تھا اور مدینہ طیبہ سامنے کی طرف پڑتا تھا۔ جبل احد چار سے پانچ کیلومیٹر لمبا پہاڑ ہے جو تقریباً منحنی شکل میں لمبائی میں (شرقاً غرباً) پھیلا ہوا ہے اور اس کے درمیان میں نیم دائری شکل کا خم ہے، جس میں وہ چھوٹا سا میدان واقع ہے جسے سرور دو عالم ﷺ نے میدان جنگ (Theatre of Operations) بننے کے لیے کھلا چھوڑ دیا۔ اس خمدار میدان کے مزید اندر کی طرف ایک چھوٹے سے درے سے گزر کر ایک اور کھلی جگہ تھی جہاں حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنے شاہینوں کو ٹھہرایا تھا۔ نبی ہاشمی مکی حجازی ﷺ نے پا پیادہ تمام جگہ کا معائنہ فرمایا اور دشمن سے کئی گنا کم فوج کو اس طرح مورچہ بند کیا کہ جبل احد ان کی پشت پر تھا اور مقابلے کے وقت دشمن سامنے کی طرف سے آنے پر مجبور ہوتا۔ نفسیاتی اور عسکری حکمت عملی کے طور پر اس سے بہتر شائد ہی کوئی اور صف بندی کی صورت ہو سکتی تھی۔ بادی النظر میں تو مدینہ طیبہ کو کفار کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا مگر اس صف بندی کا نفسیاتی اثر یہ تھا کہ جب دشمن مسلم افواج پر حملہ آور ہوتا تو اس کی پشت مدینہ طیبہ کی طرف ہو جاتی اور چونکہ صبح صادق کے اندھیرے میں دشمن کی نظروں سے بچ کر مسلم فوج اپنے اس مقام تک پہنچ چکی تھی اس لیے دشمن کو مسلم فوج کی عددی قوت کا اندازہ نہ تھا اور حملہ کی صورت میں اس کو یہ گمان رہنا تھا کہ ان کی پشت چونکہ مدینہ طیبہ کی طرف ہے عین ممکن ہے کہ مزید مسلم فوج ان کو پیچھے سے آلیگی۔

البتہ اس میدانِ جنگ میں جغرافیائی طور پر کچھ خامیاں بھی موجود تھیں۔ ایک تو اس میدان کارزار میں وادی قناۃ کا نالہ تھا جس سے فوج

کی نقل وحرکت میں دشواری آسکتی تھی اور دوسرے جبل احد سے مدینہ طیبہ کی طرف ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی جس کو جبل عینین (جبل الرمایہ) کہا جاتا ہے.(۶۱) یوں اس پہاڑی اور جبل احد کے درمیان ایک درہ سا بن گیا تھا جو اگر دشمن کے ہاتھ لگ جاتا تو مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا کیونکہ اس صورت میں دشمن کو مسلمانوں پر میدانی برتری حاصل ہو جاتی. لہذا الشمس الضحیٰ بدر الدجیٰ رسول عربی علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے بہترین تیراندازوں کے ایک دستے کو (جو پچاس اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مشتمل تھا) حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ کی سرکردگی میں جبل عینین پر تعینات فرمایا اور ان کو واشگاف الفاظ میں احکامات جاری فرما دیئے کہ حالات خواہ کیسا ہی رخ کیوں نہ اختیار کرلیں وہ ہر حالت میں اس پہاڑی پر ہی مورچہ زن رہیں گے. آں حضور ﷺ کا ارشاد مبارک بالکل واضح تھا: [ہماری پشت کی حفاظت کرنا کیونکہ خدشہ ہے کہ دشمن اس طرف سے حملہ آور ہوگا؛ کسی بھی قیمت پر تم لوگ اپنی جگہ سے نہیں ہٹو گے. خواہ تم دیکھو کہ ہم نے دشمن پر فتح پالی ہے اور تم کو ہم ان کے خیموں میں داخل ہوتے نظر آئیں، پھر بھی تم اپنی جگہ سے نہیں ہٹنا. اور اگر تم دیکھو کہ ہم قتل ہو رہے ہیں اور گدھیں ہماری لاشوں پر منڈلانے لگی ہیں تب بھی تم ہماری مدد کی خاطر نیچے اتر کر نہ آنا.] (۶۲) ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیراندازوں کے دستے کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: [اے تیراندازو، اے اللہ کے مجاہدو، ہماری پشتوں کی حفاظت کرنا کیونکہ ہمیں خدشہ ہے کہ وہ ہمارے پیچھے سے وار کریں گے. لہذا تمہیں ہر حالت میں اپنی اپنی جگہ پر ڈٹے رہنا ہوگا اور نیچے اتر کر نہ آنا خواہ تم ہمیں قتل ہوتے ہوئے دیکھو، پھر بھی ہمارے دفاع کے لیے نہ آنا تمہارا کام صرف ان کے گھوڑوں کو نشانہ بنانا ہے کیونکہ گھوڑے تیروں سے نہیں جیت سکتے.] (۶۳)

جبل عینین کا میدان جنگ کے عین بیچ میں واقع ہونا اگرچہ بظاہر مسلم فوج کے لیے نقصان دہ تھا، مگر رسول کریم حکیم وعلیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی جنگی حکمت عملی کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہوگا کیونکہ اس بظاہر نقصان دہ رکاوٹ کو بہترین جنگی منصوبہ بندی کی لیے استعمال کیا گیا اور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات مبارکہ کو ایک بار پھر پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ حضور سرکار دوعالم ﷺ نے وہاں تیراندازوں کے دستے کو جو احکامات دئے تھے وہ بظاہر اس جغرافیائی خامی سے بہترین نتائج حاصل کرنے کی حکمت عملی تھی اور اگر تیرانداز دستہ آپ کے ارشادات کی تعمیل میں وہاں جمارہتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ مسلمان فوج غزوہ بدر کی طرح کامیاب اور کامران نہ ہوتی. رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ آپ کے حکم کے بغیر جنگ شروع نہ کی جائے، مگر ان تیراندازوں کو یہی حکم تھا کہ جونہی دشمن ان کی زد میں آئے وہ ان پر تیروں کی بوچھاڑ کردیں. اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کی جنگی حکمت عملی میں قیادت کی مرکزیت مگر محاذ کی عدم مرکزیت (Centralized Command but De-centralized Control) کا درس ملتا ہے جو بعد میں آنے والے خلافت راشدہ کے دور میں فلسفہ جنگ کا باقاعدہ حصہ بنا جس کی افادیت کا ادراک صحیح معنوں میں دور حاضر کے حربی ماہرین صرف پچھلی صدی میں ہی کر پائے ہیں. ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے دوپٹے کو ایک چھڑی سے باندھ کر اسلام کا علم بنایا گیا جو حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے ہاتھ میں تھما دیا گیا. (۶۴)

لشکر کفار نے جبل احد کی جنوب مغربی جانب اپنے خیمے لگائے تھے تھوڑی ہی دیر میں ان کی افواج نے صف بندی شروع کر دی. خالد بن ولید گھڑسوار میمنہ کی کمان کر رہے تھے اور عکرمہ میسرہ کی اور طلحہ بن ابو طلحہ بن عبدالعزیٰ جو بنو عبدالدر کے روایتی علمدار قبیلے سے تھا درمیانی حصے کی بٹالین کا سالار تھا. صفوان بن امیہ (اور بعض روایات کے مطابق عمر بن العاص) پیدل فوج کا سالار تھا جبکہ ابوسفیان پوری فوج کا سالار اعلیٰ تھا. صفوں کے درمیان خالی جگہ چھوڑ دی گئی تھی تاکہ ان کی عورتیں اور گویے وہاں آجاسکیں اور رزمیہ اور عشقیہ شاعری سے ان کے حوصلے بڑھا سکیں.

جوں جوں جنگ کے لمحے قریب آتے گئے دونوں فوجیں ایک دوسرے کے قریب تر آتی گئیں. ابوسفیان نے ایک پیغام رساں کے ذریعے کہلا بھیجا: ''اے معشر اوس وخزرج مجھے میرے چچیرے بھائی سے براہ راست معاملات طے کرنے دو، ہم تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے کیونکہ ہمارا مقصد تم سے جنگ کرنا نہیں ہے''، مگر انہوں نے اسے بہت سخت سست کہا. (۶۵) اس پر ابو عامر راہب، اوسی قبیلے کا بھگوڑا جو

اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ بھاگ گیا تھا اور وہاں سے ان کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ کی غرض سے آیا تھا آگے بڑھا اور اپنے قبیلے (اوس) کے لوگوں کو بھڑکانے لگا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں لیکن اس کے قبیلے کے لوگوں نے اس پر دشنام طرازی کی بوچھاڑ کر دی. (٦٦) مکیوں کی یہ دونوں چالیں اس نفسیاتی جنگ کا حصہ تھیں جس کو ابوسفیاں مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے بروئے کار لایا تھا: مگر اس کی یہ دونوں چالیں ناکام رہیں. اب عرب روایات کے مطابق ایک کے ساتھ ایک کی دو بدو لڑائی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا. سب سے پہلے طلحہ عبدالدری کفار کی فوج سے آگے بڑھا اور اس نے اپنے مدمقابل کو پکارا. مسلمانوں کی طرف سے شیر یزداں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اس کا چیلنج قبول کیا. دونوں آمنے سامنے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے شیر خدا علی المرتضیٰؓ نے اس کا سر قلم کر دیا. وادی قناۃ نعرہ تکبیر سے گونج اٹھی. پھر طلحہ کا بھائی آگے بڑھا اور شیر خدا اور شیر رسول سیدنا حمزہؓ نے اس کا کام تمام کر دیا. یہ دیکھ کر طلحہ کا تیسرا بھائی آگے بڑھا. وہ چنگھاڑ رہا تھا: "تم اس خیال خام میں ہو کہ تمہارے مقتول شہید ہیں اور جنت میں جائیں گے اور ہمارے مقتول جہنم میں جائیں گے؟ بخدا! اگر کوئی تم میں سے اس وہم میں مبتلاء ہے تو وہ آگے آئے اور مجھ سے دو ہاتھ کر کے دیکھے!'' وہ ابھی اپنی درفطنی پوری نہ کر پایا تھا کہ شیر کی سی سرعت کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰؓ اس پر جھپٹے اور اس کا سر بریدہ دھڑ مرغ بسمل کی طرح زمین پر تڑپ رہا تھا. ایک ایک کر کے طلحہ کے بھائی آگے آ آ کر کفار کا علم اٹھاتے اور (نو کے نو بھائی) شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوتے گئے. جب انفرادی معرکوں کے لیے کفار کے پاس کوئی اور نہ رہا تو ابوسفیان نے چارو ناچار اپنی خفت مٹانے کے لیے بھرپور حملہ کرنے کا حکم دے دیا. مسلمانوں نے ان کا ابتدائی حملہ بڑی آسانی سے روک لیا کیونکہ سالار اعلیٰ نبی الامی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی فوج کو کچھ اس طریقے سے صف بند کیا تھا کہ جبل عینین کے اوپر تعینات دستے نے ان کے گھڑسواروں کا بس نہ چلنے دیا اور یوں ان کی عددی برتری مسلمانوں کی عددی کمتری کا کچھ نہ بگاڑ سکی. ان کی پیادہ فوج اور گھڑسوار بے بس نظر آ رہے تھے. دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں نے ایک زوردار حملہ کیا اور دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپائی پر مجبور ہو گئے.

ابن اسحاق کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے دو زرہ بکتریں زیب تن فرمائی تھیں. عین لڑائی میں آں حضرت ﷺ نے اپنی تلوار کو لہراتے ہوئے فرمایا: [کون ہے جو یہ تلوار لے گا اور اس کا حق ادا کرے گا؟] بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آگے بڑھے لیکن آپ حضور ﷺ نے وہ تلوار کسی کو عطا نہیں کی جب تک کہ حضرت ابودجانہ سماک بن خراشہؓ جو بنو ساعدہ سے تھے اس تلوار کو لینے کے لیے آگے نہیں بڑھے. انہوں نے وہ تلوار حاصل کی اور واقعی انہوں نے اس کے استعمال کا حق ادا کر کے دکھا دیا. اس شمشیر براں کو ہاتھ میں لے کر حضرت ابودجانہؓ جس طرف بھی بڑھتے کشتوں کے پشتے لگ جاتے. دشمن ان سے خائف ادھر ادھر بھاگتا پھر رہا تھا. اس زوردار حلے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک مکی شخص مسلمانوں پر اپنے ناخنوں سے حملے کرتا اور ان کو زخم پہنچانے کی کوشش کرتا تھا. حضرت ابودجانہؓ نے ارادہ کیا کہ کو اس مشرک کا کام تمام کر کے دم لیں گے، لیکن جونہی آپ اس کے قریب گئے تو یہ دیکھ کر آپ کی حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ وہ تو مرد نہیں بلکہ ایک عورت تھی ۔ وہ ہند تھی جو ابوسفیان کی بیوی تھی. اسے دیکھ کر انہوں نے اس سے ہاتھ کھینچ لیا کیونکہ آپ حضور نبی اکرم ﷺ کی عطا کردہ شمشیر جوہری کو ایک عورت کے خون سے رنگنا نہیں چاہتے تھے. (٦٧) مکی عورتیں اپنے اونٹوں کے ہودوں پر بیٹھی تھیں اور جب ان کی فوج پیش قدمی کرتی تو وہ بھی حرکت میں آ جاتیں. ہند اور اس کی دیگر ساتھی عورتیں اپنی فوج کے شانہ بشانہ آگے آگے تھیں اور اپنے طبلے اور دف بجا بجا کر پورے زور شور سے گا رہی تھیں:

نحن بنات طارق — نمشی علی النمارق
ان تقبلوا نعانق — او تدبروا نفارق
فراق غیر وامق (٦٨)

جس کا ترجمہ سلیس اردو میں کچھ یوں ہے:

ہم صبح کے چمکنے والے ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ اور ریشمی بستروں پر چلنے والی ہیں (اور تمہارا انتظار کر رہی ہیں)

اگر سامنے سے ان کا مقابلہ کرو گے تو ہم تمہیں اپنے پہلوؤں میں جگہ دیں گی۔ اور اگر تم نے پیٹھ دکھانے کو کوشش کی تو ہم تمہیں اپنے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیں گی۔

اور یوں تم میں اور ہم میں فراق ابدی کی خلیج حائل ہو جائے گی

عکرمہ کی کمان میں مکی کرائے کے جنگجوؤں نے مسلم میمنہ پر تابڑ توڑ حملے کیے مگر جبل احد پر سے ان پر پتھروں کی بوچھاڑ ہوتی اور یوں عکرمہ پسپائی پر مجبور ہو گیا۔ اسی طرح خالد بن ولید نے مسلم میسرہ کو زیر کرنے کی جو بھی کوشش کی وہ جبل عینین پر متعین تیر اندازوں نے ناکام بنا دی۔ دشمن کو پسپا ہوتے دیکھ کر سیدنا حمزہؓ اور حضرت ابو دجانہؓ نے دشمن کی پیادہ فوج پر خوفناک حملہ کر دیا۔ سب سے آگے شیر یزداں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تھے جو کفار کے چھکے چھڑا رہے تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے آپ نے ان کے نو علم برداروں کو جہنم واصل کیا تھا۔ عم رسول سیدنا حمزہؓ جن کو آں حضرت ﷺ نے اسد اللہ اور اسد رسول اللہ ﷺ (اللہ کے شیر اور رسول اللہ کے شیر) اور 'امیر المومنین' کا خطاب دیا تھا، دشمن کے چھکے چھڑانے میں مصروف تھے۔ وحشی جس کو ہند بنت عتبہ خاص طور پر سیدنا حمزہؓ کو شہید کرنے کی غرض سے میدان جنگ میں لائی تھی جبل عینین کے جنوب مشرقی جانب ایک چٹان کی اوٹ میں گھات لگا کر بیٹھا رہا۔ جب آپ اس طرف سے گزر رہے تھے تو وہ اچانک ایک جنگلی بلے کی سی پھرتی کے ساتھ آپ پر جھپٹا اور اس نے اپنے نیزے کو آپ کے جسم کے آر پار کر دیا۔ اور اس طرح اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے شیر نے اسی مقام کے قریب جام شہادت نوش فرمایا۔

بعد میں جب وحشی حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تو انہوں نے اس واقعے کے متعلق کہا: ''جب میں اس معرکے کے لیے نکلا تو میں اپنے نیزے سے جنگ کرنے کا ارادہ کر کے آیا تھا جیسا کہ تمام حبشیوں کا مشغلہ ہے۔ سب کو معلوم تھا کہ میرا نشانہ کبھی بھی خطا نہیں گیا۔ جب گھمسان کا رن پڑا تو میں نے سیدنا حمزہؓ کی تلاش شروع کی اور میں نے انہیں میدان کارزار میں پایا جو مجھے ایسے صاف نظر آ رہے تھے جیسے کہ ایک کالا اونٹ عام رنگ کے اونٹوں کے ریوڑ میں ہو۔ آپ ہر طرف اپنی تلوار کے جوہر دکھا رہے تھے اور کفار کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔ میں نے اپنے نیزے کا نشانہ باندھا اور ان کی طرف پھینک دیا۔ یہ آپ کے پیٹ میں پیوست ہو کر جسم کے آر پار ہو گیا اور میں نے اسے ان کے جسم میں ہی رہنے دیا تا کہ ان کی موت یقینی ہو جائے۔ بعد میں میں ان کی میت کے پاس گیا اور اپنا نیزہ نکالا اور اپنے خیمے میں واپس آ گیا۔ پھر میں دوبارہ نہیں لڑا۔ میں نے انہیں اپنی آزادی حاصل کرنے کی غرض سے مارا تھا اور اب مجھے آزادی مل چکی تھی۔ میرے مکہ آنے پر میری آزادی کا رسمی اعلان بھی کر دیا گیا۔'' (۶۹)

اس وقت تک مکی تھک چکے تھے اور دیگر سپوتوں کے علاوہ ان کے بارہ علمدار سورمے میدان جنگ میں کام آ چکے تھے اور ان علم برداروں کے بعد کوئی بھی ان کے علم کو اٹھانے والا نہ بچا تھا۔ صرف ایک حبشی عورت آگے بڑھی اور اس نے ان کا علم اٹھایا۔ اس واقعہ پر حضرت حسان بن ثابتؓ نے ہجویہ شعر کہا تھا جس کا مطلب کچھ یوں تھا:

اگر وہ حارثی لڑکی آگے بڑھ کر تمہارا علم نہ تھامتی تو تمہاری عزت بازار میں غلاموں کی طرح نیلام ہو جاتی

اس افراتفری کے عالم میں ان کا معبود بت ہبل بھی اونٹ سے گر کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ ان کے مرد اور عورتوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ اس ڈر سے کہ کہیں انہیں جنگی قیدی نہ بنا لیا جائے، ان کی عورتیں سرپٹ بھاگ رہی تھیں۔ جنگ کے اس حصے پر تبصرہ حضرت حسان ابن ثابتؓ کے چند اشعار کے ترجمے کی صورت میں قارئین کی نظر ہے:

جب تم دم دبا کر (جبل احد کے) درے سے بھاگ رہے تھے

اور ایسے فرار ہو رہے تھے جیسے ایک بھیڑ کے بعد دوسری بھیڑ بھاگ رہی ہو

جب ہمارے تابڑتوڑ حملوں نے تمہیں پہاڑ کی گہرائیوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا

ہمارے مجاہدین میدان پر چھا گئے تھے اور تم خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے

ہمارے لیے کوئی بھی درہ تنگ نہیں رہا تھا جہاں کہ ہم نہ گئے ہوں

ہماری دسترس تمام چوٹیوں اور ڈھلوانوں تک ہو چکی تھی۔

ہے کوئی ہمارے سپوتوں کا مقابلہ کرنے والا؟

کچھ مسلمانوں نے بھاگتے دشمن کا پیچھا کرنا شروع کر دیا اور کچھ نے ان کی پیچھے چھوڑی ہوئی چیزیں سمیٹنی شروع کر دیں۔ مکیوں کے اس فرار نے جبل عینین پر تعینات تیر اندازوں کے دستے کے دلوں میں ہل چل مچا دی اور اسی غلغلے میں انہوں نے اپنے سالار اعلیٰ حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کو فراموش کر دیا اور وہ چوٹی سے نیچے اتر آئے تا کہ وہ بھی مال غنیمت میں سے اپنا حصہ لے سکیں۔ یوں اکثریت نیچے اتر آئی اور صرف معدودے چند اوپر رہ گئے۔ ان کے بٹالین کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیر بن النعمان الاوسیؓ زور زور سے پکار کر ان کو ان کے فرائض یاد دلاتے رہے مگر تقدیر کا لکھا ہو کر ہی رہنا تھا۔ یہ دفاعی نقطہ نظر سے بہت اہم مورچہ تھا جو اب تقریباً تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ خالد ابن ولید نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اپنے گھڑ سواروں کے ساتھ اس پہاڑی کے جنوب کی طرف سے ہوتے ہوئے تقریباً ایک درجن اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو ابھی اس چوٹی پر موجود تھے سراسیمگی کی حالت میں پیچھے سے جا لیا۔ حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ سمیت وہاں اس وقت موجود تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس اچانک صورت حال سے بے بس ہو کر شہید ہو گئے۔ یہ دیکھ کر بھاگتا ہوا دشمن دوبارہ خالد بن ولید کی سرکردگی میں جمع ہو گیا اور یوں جیتی ہوئی جنگ نے پانسا پلٹ لیا۔ اس افراتفری کے عالم میں دوست دشمن کو پہچاننا بھی مشکل تھا۔ مسلم مجاہدین ادھر ادھر بدنظمی اور بدحواسی کے عالم میں بھاگ رہے تھے۔ اپنے سالار اعلیٰ حضور نبی اکرم ﷺ کی حکم عدولی نے ان کی فتح کو شکست میں بدل کر رکھ دیا تھا قرآن کریم کے الفاظ میں:

﴿اور بے شک اللہ نے تمہیں سچ کر دکھایا اپنا وعدہ جبکہ تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ تم نے بزدلی کی اور تم جھگڑا کرنے لگے اور تم نے (رسول اللہ ﷺ کے حکم اور اوامر) کی حکم عدولی کی جب کہ تم کو تمہاری محبوب چیز (فتح) صاف نظر آنے لگی تھی تم میں سے کچھ دنیا چاہتے تھے اور کچھ آخرت۔ پھر تمہارا منہ ان سے پھیر دیا گیا کہ اللہ تمہیں آزمائے اور بے شک اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر فضل کرتا ہے۔﴾ (۷۰)

دشمن نے اب اپنی پوری توجہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ پر مرکوز کر دی تھی۔ آپ حضور ﷺ دشمن پر تیر پر تیر پھینک رہے تھے، مگر جب آپ کی کمان ٹوٹ گئی تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ آگے آئے اور آپ کے دفاع میں انہوں نے دشمن پر تیروں کی بارش کر دی۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور چند دیگر انصاریوں نے آپ کے گرد گھیرا ڈال لیا اور دشمن کے لگاتار حملوں کا پامردی سے مقابلہ کیا۔ (۷۱) سیدنا علی مرتضیٰؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، ابوطلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے اپنے پیارے سالار اعلیٰ کے گرد انسانی ڈھال بنا لی تھی اور جو بھی تیر یا تلوار کا وار آتا اسے اپنے آپ پر سہہ لیتے جس سے ان کے اجسام مبارکہ زخموں سے چور ہو گئے تھے۔ حضرت انس بن نضرؓ (جو حضرت انس ابن مالکؓ کے چچا تھے) کے جسم پر اتنے زخم آ چکے تھے کہ جنگ ختم ہونے پر ان کے جسد خاکی کی پہچان میں خاصی دشواری پیش آئی۔ ان کے جسم پر اتنے زخم تھے کہ صرف ان کی ہمشیرہ ان کی انگلی پر تل کے نشان سے ان کی شناخت کر سکیں۔ (۷۲) قرآن کریم نے ان کے اور ان کے دیگر ساتھی شہیدوں کی شجاعت پر ان کو ان الفاظ میں داد تحسین پیش کی ہے:

﴿مومنین میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا عہد سچ کر دکھایا، ان میں سے کوئی تو اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے.﴾ (۷۳)

مرد حضرات تو ایک طرف، ایک اصحابیہ حضرت ام عمارہؓ نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بہادری اور استقامت کی بہت داد دی. ان کا ایک بازو کٹ چکا تھا اور باقی جسم زخموں سے چور ہو چکا تھا مگر وہ ایک چٹان کی طرح اپنے آقا سرکار دو جہاں ﷺ کے دفاع میں ڈٹی ہوئی تھیں. زیادہ زخم آجانے کی وجہ سے حضرت طلحہؓ کا ایک ہاتھ ہمیشہ کے لیے مفلوج ہو گیا تھا. (۷۴) حضرت ابو دجانہؓ رسول اللہ ﷺ کے گرد ایک مکمل دفاعی لائن کی طرح ڈٹے ہوئے تھے اگرچہ ان کی پشت تیروں کے پے در پے واروں سے چور ہو چکی تھی. بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور نبی اکرم ﷺ کے دفاع میں اپنی جانیں نذرانے کے طور پر پیش کیں اور کتنے اور تھے جو شدید زخمی ہوئے. حضور نبی اکرم ﷺ کے دفاع میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اتنے تیر چلائے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرط تحسین میں فرمایا [سعد میرے ماں باپ تجھ پر قربان!] (۷۵) سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے: [میں نے کبھی بھی حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے والد اور والدہ کا ذکر کرتے ہوئے نہیں سنا سوائے اس دن کے جب کہ آپ حضور ﷺ نے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو داد تحسین دی.] (۷۶) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی اپنی روایت ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو غزوہ احد کے دن دو افراد کی معیت میں دیکھا جو آپ حضور ﷺ کے شانہ بشانہ لڑ رہے تھے. دونوں سفید کپڑوں میں ملبوس تھے اور اتنی بہادری سے لڑ رہے تھے جتنا کہ حد امکان میں تھا. میں نے نہ ان حضرات کو کبھی پہلے دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی بعد میں!] (۷۷)

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [جب غزوہ احد کا دن تھا تو بہت سے لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ گئے مگر ابو طلحہ حضور ﷺ کے پاس رہے اور اپنی چمڑے سے بنی ڈھال سے نبی اکرم ﷺ کا دفاع کرتے رہے. ابو طلحہؓ ایک منجھے ہوئے تیر انداز تھے جو دشمن پر تیروں کی بارش کر دیتے. اس دن ان کے ہاتھ سے دو کمانیں ٹوٹ گئیں. اگر کوئی تیروں سے لدا ترکش لے کر پاس سے گزرتا تو حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے: [تمام تیر ابو طلحہ کے لیے پھیلا دو.] جب کبھی حضور نبی اکرم ﷺ دشمن کو دیکھنے کی غرض سے اپنا سر مبارک اونچا کرتے تو ابو طلحہ عرض کرتے: ''میرے ماں باپ آپ پر فدا، حضور اپنا سر مبارک اونچا نہ کریں مبادا کہ دشمن کا کوئی تیر آپ کے جسم اطہر میں لگ جائے. آپ کی گردن کی بجائے میری گردن حاضر ہے!'' حضرت ابو طلحہؓ کے جوش کا یہ عالم تھا کہ ان کے ہاتھ سے دو تین مرتبہ تلوار چھوٹ کر گر پڑی. (۷۸) چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ دو زرہ بکتر زیب تن کیے ہوئے تھے، اس لیے آپ حضور ﷺ کو جبل احد پر چڑھنے میں دشواری پیش آرہی تھی. یہ دیکھ کر حضرت ابو طلحہؓ بھاگ کر آئے اور آپ حضور ﷺ کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا تا کہ حضور ﷺ اوپر چڑھ سکیں. (۷۹) حضرت قتادہ بن نعمان الظفری کی ایک آنکھ میں دشمن کا تیر آ کر لگا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ کر باہر آ رہی. وہ اسی حالت میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی آنکھ کو اس کی جگہ میں پیوست کر دیا اور اس معجزہ نبویہ کی بدولت وہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ خوبصورت اور بصارت رکھتی تھی. (۸۰) حقیقت تو یہ ہے کہ ہر صحابی نے شجاعت اور بہادری میں اپنا حق ادا کر دکھایا اور جریدہ عالم پر مومنین کی بہادری کے وہ انمٹ نقوش چھوڑے ہیں کہ ان کی مثال نہیں ملتی. اس معرکہ حق و باطل میں ایسے ایسے ایمان افروز واقعات ہوئے کہ ان کا کما حقہ احاطہ اس چھوٹے سے باب میں ناممکن ہے.

مردوں کے شانہ بشانہ مسلم خواتین (صحابیات رضوان اللہ علیہن اجمعین) نے بھی کمال شجاعت سے کام لیا تھا. زیادہ تر ان کا کام مرہم پٹی کرنا اور زخمیوں کی دیکھ بھال کرنا تھا. حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [میں نے (ام المومنین) سیدۃ عائشہؓ بنت ابو بکرؓ اور ام سلیمؓ کو دیکھا. انہوں نے اپنے لباس اپنی پنڈلیوں کی طرف اٹھائے ہوئے تھے اور مجھے ان کی پازیبیں جو انہوں نے پہنی ہوئی تھیں نظر آ رہی تھیں جبکہ

وہ مشکیزے بھر بھر کر اپنی کمروں پر اٹھا کر لاتیں اور زخمیوں کے منہ میں ڈالتی جاتیں. جب ختم ہو جاتے تو وہ اپنے مشکیزے پھر سے بھر کر لے آتیں اور زخمیوں کی پیاس بجھاتی تھیں.] (۸۱)

ایک مشرک نے حضور نبی اکرم ﷺ پر پتھر پھینک دیا. سر مبارک پر خود ہونے کی وجہ سے سر مبارک تو محفوظ رہا مگر زرہ بکتر کی زنجیر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک کے اوپر کی طرف اندر دھنس گئیں اور آپ حضور ﷺ کا چہرہ اقدس خون سے بھر گیا. حضور ﷺ نے فرمایا: [وہ قوم بھلا کیسے فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبی کا چہرہ اس کے خون سے رنگ دیتی ہے جب کہ اس کا قصور صرف یہ ہو کہ وہ ان کو اللہ کی طرف بلا رہے ہوں؟] (۸۲) ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: ''مسلمان بھاگنے پر مجبور تھے اور اسی بھگدڑ میں دشمن نے بہت سوں کو شہید کر دیا. یہ ایک کڑے امتحان کا دن تھا جب اللہ رب العزت نے بہت سوں کو شہادت سے نوازا. پھر دشمن حضور نبی اکرم ﷺ پر چڑھ دوڑے آپ ﷺ کو ایک پتھر لگا اور آپ حضور ﷺ ایک طرف گر پڑے اور آپ حضور ﷺ کا ایک دانت مبارک شہید ہو گیا. آپ کا چہرہ مبارک خون سے تر ہو گیا اور ایک ہونٹ بھی زخمی ہو گیا. جس بد بخت نے آپ کو زخمی کیا تھا اس کا نام تھا عتبہ بن ابی وقاص.'' (۸۳) حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے: [مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ حضور ﷺ بنی اسرائیل کے ایک نبی کا قصہ بیان فرما رہے تھے جن کو ان کی قوم نے زدوکوب کیا تھا. آپ حضور ﷺ اپنے چہرہ مبارک سے خون صاف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ: میرے اللہ میرے لوگوں کو معاف فرما دے، کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں!] (۸۴) حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے اپنے دانتوں سے زرہ بکتر کی کڑیاں حضور نبی اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس سے نکالیں. آں حضرت ﷺ کے اگلے دو دانت شہید ہو گئے تھے اور آپ حضور ﷺ کا چہرہ اقدس زخمی ہوا تھا. (۸۵) حضرت مالک بن سنانؓ (حضرت ابوسعید الخدریؓ کے والد ماجد) نے بذات خود زخمی ہونے کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ کا ٹوٹا ہوا دانت اپنے دانتوں کے ساتھ کھینچنے کی کوشش کی. ابن ہشام کے مطابق: ''مالک بن سنانؓ نے، جو حضرت ابوسعید خدریؓ کے والد تھے، نبی اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس پر سے آپ کا خون جو بہہ رہا تھا اس کو چوس کر صاف کیا اور اس خون کو نگل لیا جس پر رسول رحمت ﷺ نے فرمایا: [جس کا خون میرے خون سے مل گیا اس کو بھلا آتش جہنم سے کیا ڈر!] (۸۶) آپ حضور ﷺ نے مزید فرمایا: [جو کسی ایسے آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے جس کا خون میرے خون سے مل گیا ہے، اس کو چاہئے کہ وہ مالک بن سنانؓ کو دیکھ لے.] (۸۷) آپ حضور ﷺ کے اتنا فرمانے کی بات تھی کہ حضرت مالک بن سنانؓ کی خوشی اپنی انتہاء کو چھو رہی تھی. کیف و مستی کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے آپ کو مالک بن سنان (زبر۔ فتح کے ساتھ) کہلوانا شروع کر دیا تھا. (سنان اگر زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ قدیم عربی نام ہے مگر اگر زبر کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب 'دانت' ہوتا ہے).

جب چار سو ایسی افراتفری کا عالم تھا تو ایک مشرک ابن قمیہ اللیثی نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شہید کر دیا. وہ مسلمانوں کے علم بردار بھی تھے اور کچھ حد تک ان کی مشابہت حضور نبی اکرم ﷺ سے بھی ملتی تھی. مشرکین میں سے کچھ لوگوں کو یہ گمان گزرا کہ حضور نبی اکرم ﷺ شہید کر دیئے گئے اور یہ افواہ آناً فاناً دونوں لشکروں میں پھیل گئی. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حضور نبی اکرم ﷺ سے عشق اس حد تک تھا کہ یہ افواہ ان پر بجلی بن کر گری. ان کے حوصلے پست ہو گئے اور ہر طرف افراتفری اور سراسیمگی کا عالم چھا گیا. مسلمان تو پہلے ہی دشمن کی گھڑ سوار فوج اور پیدل فوج کی چکی میں پس رہے تھے، اوپر سے اس خبر نے ان پر قیامت ڈھا دی. بہت سوں نے تو ناامید ہو کر لڑائی ترک کر دینے کا فیصلہ کر لیا.'' جب یہ غوغہ بلند ہوا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو چکے ہیں تو ہر طرف سراسیمگی چھا گئی. مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور اکا دکا لڑنے والے رہ گئے اور وہ بھی ایسے لگتا تھا جیسے کہ بے مقصد لڑائی لڑ رہے ہوں. ان کی بدحواسی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ غلطی سے بعض مسلمانوں کے ہاتھوں حضرت حسیل (یمان) ابن جابر ابوحذیفہؓ (حضرت حذیفہؓ کے والد ماجد) شہید ہو گئے. قرآن کریم کے الفاظ میں: ﴿اور یاد کرو وہ وقت جب تم ادھر ادھر سراسیمگی کے عالم میں بھاگ رہے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے، جب کہ تمہارے پیچھے

رسول اللہ ﷺ تمہیں آوازیں دے دے کر بلا رہے تھے. پھر تمہیں غم کا بدلہ غم دیا اور معافی اس لیے سنائی کہ جو ہاتھ سے گیا اور جو افتاد پڑی اس کا رنج نہ کرو اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے. ﴾ (۸۸) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [کہ اس مرحلے پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف نو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رہ گئے تھے۔ جن میں سے سات انصار سے تھے اور دو مہاجرین سے تھے.] (۸۹) حضرت محمود بن عمروؓ کی روایت ہے: [جب کفار نے آپ حضور ﷺ کو چاروں طرف نرغے میں لے لیا تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا: [کون ہے جو ہمارے لیے اپنی جان کا سودا کرے؟] حضرت زیاد بن السکانؓ اپنے پانچ انصاری ساتھیوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے...... وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے دفاع میں اپنی جان کی بازی لگا گئے؛ ایک ایک کر کے وہ سب جان نثاران شہید ہو گئے، صرف حضرت زیادؓ زندہ تھے جو زخموں سے نڈھال اور مفلوج ہو چکے تھے. تب بہت سے مسلمان واپس آ گئے اور دشمن کو آپ حضور ﷺ نے دور مار بھگایا. آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادؓ کو آپ کے پاس لایا جائے اور آں حضرت ﷺ نے اپنے پاؤں مبارک پھیلا دیئے جن پر حضرت زیادؓ کا سر رکھا گیا اور یوں انہوں نے اپنے آقا و مولا حضور سرور دو عالم ﷺ کے قدموں میں اپنی جان نچھاور کی.] (۹۰)

ایک طرف تو افراتفری میں گھرے ہوئے جاں بازان رسول تھے جن کے پاس سامان حرب کی بھی شدید قلت تھی اور دوسری طرف کئی گنا بڑی فوج تھی جو جذبہ انتقام سے لبریز تھی جن کو مسلم فوج کے تیر انداز دستے کی عدم انضباطی نے میدان جنگ میں برتری دے دی تھی. ان کی کوتاہی نے پوری مسلم فوج کو مشکل میں ڈال دیا تھا اور جیتی ہوئی جنگ کو شکست میں بدل کر رکھ دیا تھا. اس سے بددل ہو کر مسلمانوں کے کچھ مجاہدوں نے مدینہ طیبہ کا رخ کر لیا. (۹۱) لیکن جونہی انہیں معلوم پڑ گیا کہ رسول اللہ ﷺ بسلامت ہیں تو وہ واپس میدان جنگ میں کود پڑے اگرچہ اس وقت تک دشمن میدان جنگ سے نکل چکا تھا قرآن کریم کے الفاظ میں: ﴿ وہ جو تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں آپس میں بھڑی تھیں، انہیں شیطان ہی نے لغزش دی تھی ان کے بعض اعمال کے باعث اور بے شک اللہ نے انہیں معاف فرما دیا، بے شک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے. ﴾ (۹۲)

جب حضرت انس بن نضرؓ نے ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا جو اس افواہ پر کان دھر کر کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو چکے ہیں لڑائی سے ہاتھ کھینچ چکے تھے، تو انہوں نے فرمایا: [رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد تم اپنی حیات کا کیا کرو گے؟ اٹھئے اور اسی رستے میں اپنی جان دے دیجئے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ قربان کی ہے! یہ سننا تھا کہ سب نے تلواریں سونت لیں اور دشمن پر پل پڑے اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ آج تک ان کی شجاعت کی مثالیں دی جاتی ہیں. جب جنگ اپنے اختتام کو پہنچی اور حضرت انس بن نضرؓ کے جسد خاکی کا معائنہ کیا گیا تو انکشاف ہوا کہ ان کے جسم پر اسی سے زیادہ زخم تھے. (۹۳) دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ زندہ بچ جانے والوں میں سے حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کو بیس زخم آئے تھے.

اس جگہ پر حضرت البراء بن العازبؓ سے مروی ایک طویل حدیث کو بیان کرنا بے محل نہ ہوگا جو اس جنگ میں بنفس نفیس شریک تھے جب کہ وہ ابھی عنفوان شباب میں داخل ہوئے تھے. ان سے مروی ہے: [ہمارا اس دن مشرکین سے مقابلہ تھا. رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازوں کے ایک دستے کو تعینات کیا اور حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ کو ان کا سربراہ مقرر کرتے ہوئے فرمایا: [اس جگہ کو ہرگز نہ چھوڑنا. اگر تم ہمیں دشمن پر فتح پاتے دیکھو تو بھی اس جگہ کو نہ چھوڑنا اور اگر تم دیکھو کہ وہ ہم پر فتح حاصل کر رہے ہیں تب بھی ہماری مدد کے لیے تم اس جگہ سے نیچے نہ اترنا.] لہذا جب ہمارا دشمن سے مقابلہ ہوا، دشمن میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ میں نے ان کی عورتوں کو پہاڑ کی جانب ایسی حالت میں بھاگتے ہوئے دیکھا کہ وہ اپنے پائنچے اٹھائے بھاگ رہی تھیں اور ان کی پنڈلیوں پر پہنے ہوئے زیور ہمیں نظر آ رہے تھے. مسلمانوں نے کہنا شروع کر دیا ''مال غنیمت، مال غنیمت''، حضرت عبداللہ ابن جبیرؓ نے لاکھ ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پکا عہد
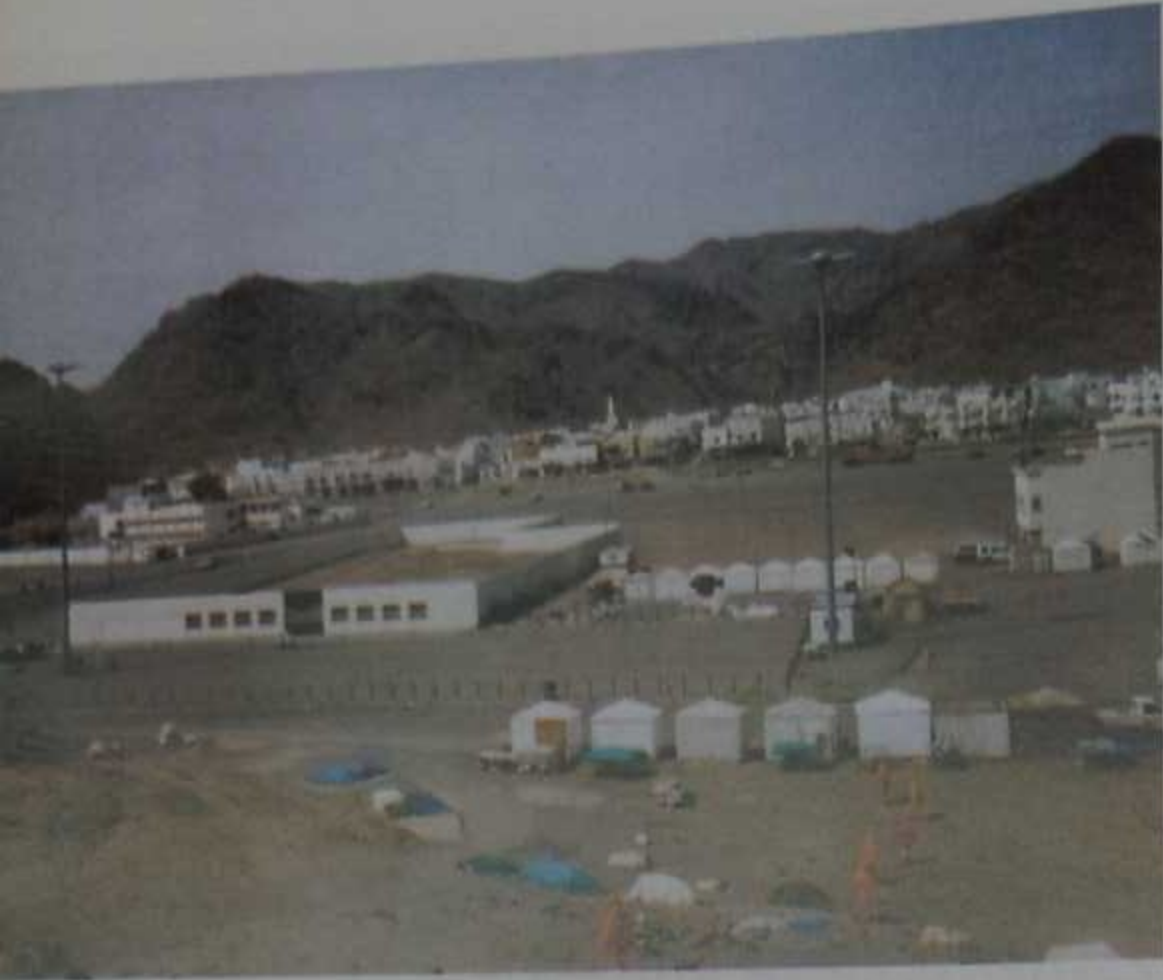
کیا ہوا ہے کہ ہم یہ چوٹی نہیں چھوڑیں گے مگر انہوں نے ان کی ایک نہ سنی. اس حکم عدولی پر اللہ نے ان کو تذبذب میں ڈال دیا اور وہ اس حد تک پریشان تھے کہ کہاں جائیں اور اس طرح ستر مجاہدین شہید ہو گئے. اتنے میں ابوسفیان ایک چوٹی پر چڑھا اور کہنے لگا: ''اے لوگو کیا (حضرت) محمد (ﷺ) زندہ ہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ اس کے سوال کا جواب نہ دیا جائے. ابوسفیان پھر گویا ہوا 'کیا ابو قحافہ کے بیٹے تم میں موجود ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے پھر اشارہ فرمایا کہ اس کا جواب نہ دیا جائے. ابوسفیان نے پھر سوال کیا'' کیا ابن الخطاب تم میں زندہ ہے؟'' پھر وہ کہنے لگا: ''وہ سب مارے گئے ہیں کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ ضرور جواب دیتے!'' اس پر سیدنا عمر فاروق ؓ سے نہ رہا گیا اور انہوں نے کہا: ''اے اللہ کے دشمن تم جھوٹے ہو! اللہ کریم نے انہیں زندہ رکھا ہے تاکہ تمہارے دکھ اور مایوسی میں اضافہ ہو.'' اس پر ابوسفیان نے کہا: ''بڑائی ہو ہبل کی!'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا [اس کو جواب دو.] انہوں نے استفسار کیا کہ حضور ہم کیا کہیں؟ آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کہو: اللہ سب سے بڑا اور شان والا ہے!] ابوسفیان نے کہا: 'ہمارے پاس ہبل ہے اور تمہارے پاس کوئی ہبل کا بت نہیں!' رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا کہ کہو: [اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں!] ابوسفیان نے کہا: [اس دن نے ہمارا بدر کا حساب برابر کر دیا اور جنگ کبھی حتمی نہیں ہوتی بلکہ متحارب فریقین میں بدلتی رہتی ہے. تم دیکھو گے کہ تمہارے شہداء میں سے کچھ کا مثلہ کیا گیا ہے مگر نہ میں نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا اور نہ ہی میں شرمندہ ہوں.'' (۹۴)

اس تصویر میں جو خالی جگہ نظر آرہی ہے وہ تمام کا تمام میدان کارزار بنا تھا.
(تصویر: اپریل ۲۰۰۱ء)

لیکن جوں ہی مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ محفوظ ہیں، ان کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے دشمنوں کی دھلائی شروع کر دی تھی. اس تھوڑے سے وقفے کے دوران رسول اللہ ﷺ پہاڑ کی ایک چوٹی میں غار میں تشریف لے گئے جہاں آپ حضور ﷺ کے زخموں کو دھویا گیا. سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اپنے خود میں پانی بھر بھر کر لاتے اور سیدۃ النساء سیدۃ فاطمہ الزہراءؓ نے آپ کے زخموں کی دیکھ بھال فرمائی.'' جب مسلمانوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھ لیا تو وہ آپ حضور ﷺ کو پہاڑ پر لے گئے. آپ حضور ﷺ کے ہمراہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، اور حضرت حارث بن السمہؓ اور دیگر اصحاب بھی تھے.'' (۹۵) جب حضور نبی اکرم ﷺ اس غار کے دہانے پر پہنچے تو سیدنا علی المرتضیٰؓ اپنے خود میں 'المہراس' (جو اس چٹان کے اوپر ایک چشمہ تھا۔ اور آج بھی موجود ہے) سے پانی بھر کر لائے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا مگر آپ حضور ﷺ نے پینے سے انکار کر دیا کیونکہ اس سے بو آرہی تھی. تاہم آپ حضور ﷺ نے اسے اپنے زخم دھونے کے لیے استعمال فرمایا اور آپ حضور ﷺ نے اسے اپنے سر مبارک پر بھی ڈالا. اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اللہ کا اس پر شدید عذاب ہوگا جس نے اللہ کے نبی کا چہرہ خون سے رنگا.] (۹۶) حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ نے بیان فرمایا: [فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ نے آپ حضور ﷺ کے زخموں کو دھویا جب کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اپنے خود سے پانی بہا رہے تھے. جب سیدۃ فاطمہ الزہراءؓ نے دیکھا کہ پانی کے استعمال سے خون زیادہ مقدار میں بہنا شروع ہو گیا تو انہوں نے ایک کپڑا جلایا اور اس کی راکھ زخموں پر ملی جس سے خون جم گیا اور بہنا بند ہو گیا. آپ حضور ﷺ کے اگلے دو دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور چہرہ مبارک پر زخم بھی آئے تھے اور پتھر سے آپ حضور ﷺ کا خود ٹوٹ گیا تھا.'' (۹۷) جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے آقا و مولا ﷺ کی دیکھ بھال کر رہے تھے تو اس وقت کفار مکہ کی عورتیں مسلم شہداء کے کان اور

ناک کاٹنے میں مشغول تھیں۔ ان عورتوں نے توان بریدہ کانوں اور ناکوں کے ہار بنالیے تھے۔ ہندزوجہ ابوسفیان نے سیدنا حمزہؓ کا سینہ چاک کیا اور آپ کا دل اور کلیجہ نکال کر چبانے لگ گئی۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں: صالح بن کیسانؓ نے مجھے بتایا کہ ہند بنت عتبہ اور دیگر عورتوں نے جو اس کے ساتھ تھیں شہداء کی لاشوں کا مثلہ کیا۔ انہوں نے ان کے کان اور ناک کاٹ لیے اور ہند نے توان کے پازیب اور گلے کے ہار بنائے اور اس نے اپنے پازیب اور گلے کا ہار وحشی کو دے دیا جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ اس نے سیدنا حمزہؓ کا کلیجہ نکالا اور اس کو چبانے لگ گئی، مگر وہ اس کو نگل نہ سکی اور اس کو پھینک دیا۔"

حضور نبی اکرم ﷺ کی پہاڑ کی چوٹی پر واقع غار میں چلے جانا سود مند ثابت ہوا۔ ابن اسحاق کے الفاظ میں: [وہ مسلم جو ادھر ادھر بکھر چکے تھے اس نقطہ ارتکاز پر جمع ہو گئے۔ اگرچہ اس مرحلے میں مسلمان زیادہ تعداد میں شہید ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ بنفس نفیس ان کی کمان سنبھال لی تھی جو ایک ایسی جگہ پر تھی جو اپنی اونچائی اور سنگلاخ چٹانوں کی وجہ سے تقریباً ناقابل تسخیر تھی۔ ابن کثیر نے بڑی تفصیل سے معرے کے اس حصے کو بیان کیا ہے اور ان تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے کہ کیسے حضور نبی اکرم ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دوبارہ منظم کیا اور ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کو مختلف اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سرکردگی میں مختلف سمتوں پر متعین کیا تاکہ دشمن کی پیش رفت روکی جاسکے۔ دشمن بار بار اس چوٹی کا رخ کرتا مگر ناکام لوٹتا۔ ابوسفیان اپنی فوج کو اوپر جانے پر مجبور کرتا رہا مگر ہر بار جب دشمن آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تو حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اپنے تیروں سے ان کے سینے چھلنی کر دیتے اور دشمن پسپائی پر مجبور ہو جاتا۔ بہت سے ناکام حملوں کے بعد دشمن جان گیا تھا کہ مزید کوشش بے سود ہوگی اور یہ کہ مسلمانوں کو وہاں جالینا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ دشمن اب تھک چکا تھا اور مزید لڑائی کی اس میں ہمت بھی نہیں رہی تھی۔

کفار میں سے ایک، ابی بن خلف، یہ کہتے ہوئے چوٹی کی طرف بڑھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ کو قتل کرے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو منع فرمادیا کہ اس پر تیراندازی نہ کریں بلکہ یہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس اس پر تیر چلائیں گے۔ آں حضرت ﷺ نے نیزہ طلب فرمایا اور اس کی طرف کس دیا۔ وہ کافر ابن کافر ایک چیخ مار کر کانپنے لگ گیا اور اپنے گھوڑے سے نیچے آرہا۔ وہ زخمی ہوگیا تھا اور مکہ واپس جاتے ہوئے مقام 'سرف' پر اسی زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے واصل جہنم ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہجرت مبارکہ سے پہلے جب کبھی بھی وہ رسول اللہ ﷺ سے مکہ میں ملتا تو کہا کرتا تھا: "اے محمد (ﷺ) میرے پاس ایک گھوڑا 'عوذ' نامی ہے جس کو میں خوب چارا کھلا کر پال پوس رہا ہوں۔ اس کے اوپر بیٹھ کر میں تمہیں قتل کروں گا۔" اور رسول اللہ ﷺ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے: [نہیں، انشاءاللہ میں تمہیں قتل کروں گا!] راستے میں جب اس کے ساتھیوں نے اسکو زخم کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ انہوں (یعنی رسول اللہ ﷺ) نے مکہ میں مجھے کہا تھا کہ وہ مجھے قتل کریں گے، واللہ اگر نیزے کی جگہ وہ مجھ پر اپنا تھوک بھی پھینک دیتے تو بھی میں مرجاتا۔" (۹۸) طبری نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگرچہ دیکھنے میں وہ زخم معمولی سا لگ رہا تھا مگر جب نیزہ اس کی گردن میں لگا تو وہ بیل کی سی ہولناک آواز سے بلبلا اٹھا تھا۔ (۹۹) حضرت سعید ابن المسیبؓ فرماتے ہیں کہ قرآنی آیت: [تو تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور اے محبوب وہ جو تم نے پھینکا تھا وہ تم نے نہیں بلکہ میں نے پھینکا تھا...] (۱۰۰) کی شان نزول حضور نبی اکرم ﷺ کا اسی کافر کی طرف وہ نیزہ پھینکنا ہی تھا۔ (۱۰۱)

چونکہ ان کی فوج کی اکثریت کرائے کو جنگجو تھے اس لیے ان میں وہ دلجمعی نہ رہی تھی اور تھکاوٹ ان کے چہروں سے عیاں تھی۔ ابو سفیان انتہائی معاملہ فہم سپہ سالار تھا اور ان کے طرز عمل کو بھانپ چکا تھا اور ان کو مزید امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ حضرت کعب ابن مالکؓ نے عمرو بن العاص (جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) کی ہجو کے جواب میں ابوسفیان کی جلدی جلدی واپسی پر فقرہ کسا تھا:

اگر ابوسفیان اپنا جبڑا اور دانت بچا کر بھاگ نکلا تو مشیت الٰہی
کے مطابق اس کی بہتری اسی میں ہی تھی
ورگرنہ ہم اس کو ایسا سبق سکھاتے کہ وہ ہمیشہ یاد رکھتا
اگر تم ڈھلوان میں گھسنے کی حماقت کرتے تو وادی کے عین بیچ ہی
تم پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جاتی
جان نثاران نبی جو زرہیں پہنے ہوئے تھے وہ گروہ در گروہ
تمہاری درگت بنا دیتے (۱۰۲)

اگرچہ مسلمانوں کو خدشہ تھا کہ ابوسفیان مدینہ طیبہ پر بھی حملہ آور ہوسکتا ہے مگر وہ ایسا نہ کر سکا. اس نے جنگ ختم کرنے کا عندیہ دیتے ہوئے اس اعلان کے ساتھ کوچ کرنے میں ہی عافیت سمجھی: ''تمہارا اور ہمارا مقابلہ اب کی بار اگلے سال بدر میں ہوگا.'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو ارشاد فرمایا کہ وہ کہہ دیں: [ہاں انشاءاللہ!] (۱۰۳)

جبل اُحد کی مغربی جانب وہ حصہ جہاں لشکر کفار خیمہ زن ہوا تھا اسے دائرے کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے (تصویر: اگست ۲۰۰۱ء)

مسلمانوں کے شہداء کی تعداد ستر تک پہنچ گئی تھی جن میں سے زیادہ تعداد انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی. نقاہت کی وجہ سے حضور نبی اکرم ﷺ نے بیٹھ کر نماز کی امامت فرمائی. حضرت رافع بن خدیجؓ جن کو صغرسنی کے باوجود اس غزوے میں شرکت کی اجازت ملی تھی بیان کرتے ہیں: [حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز اس چھوٹی سی مسجد میں ادا کی جو شعب جرار میں جبل احد کے دامن میں جب کوئی زائر جائے تو دائیں ہاتھ میں پڑتی ہے.] (۱۰۴) وہ جگہ جہاں آپ حضور ﷺ نے نماز کی امامت فرمائی تھی وہ آج بھی معروف ہے اور وہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بنائی ہوئی ''مسجد فسح'' کے کھنڈرات ہیں جو انتہائی خستہ حالت میں ہیں.

اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دفنانے کا حکم دیا. آپ حضور کو اتنی تعداد میں مسلمان شہید ہونے کا بہت رنج تھا اور شہداء کے مثلہ کئے جانے پر اور خاص طور پر اپنے چچا سیدنا حمزہؓ کی لاش کے بے حرمتی پر بہت دکھ تھا. یہ اسی درد و کرب کا نتیجہ تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی اہل مکہ آپ کے ہاتھ لگ جائیں گے تو ان کا حشر بھی ویسا ہی کیا جائے گا. لیکن قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کے نزول نے آپ کے غصے کو ٹھنڈا کر دیا: ﴿اور نیکی اور بدی برابر نہیں. اور برائی کو بھلائی سے دور کر، اور اس طرح جو دشمنی تیرے اور ان کے درمیان میں ہے گہری دوستی میں بدل جائے گی اور یہ دولت صابروں کے سوا کسی کو نہیں ملتی اور بڑے نصیب والا ہی اسے پاتا ہے.﴾ (۱۰۵)

اپنے شہداء کو دفنانے کے بعد مسلمان مدینہ طیبہ لوٹ آئے. واپس تشریف لاتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے کچھ دیر کے لیے بنو حارثہ کے علاقے میں استراحت فرمائی. جس جگہ پر حضور ﷺ نے قیام فرمایا تھا وہاں آج بھی مسجد المستراح کے نام سے ایک مسجد موجود ہے جو اس واقعہ کی یاد تازہ کرتی ہے.

ان الفاظ کے ساتھ ابن اسحاق یوں رقمطراز ہیں:
''یوم احد امتحان اور ابتلاء کا دن تھا اور دلوں کو ٹٹولنے کا دن تھا جب اللہ رب العزت نے مومنوں اور منافقین کی آزمائش فرمائی اور ان کو نکال کر الگ کر دیا جو صرف زبان سے اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے مگر دلوں میں اسلام کے خلاف بغض اور کھوٹ رکھتے تھے. یہ ایک ایسا دن تھا جس میں اللہ کریم نے جسے چاہا شہادت عطا کی.''

یہ ایک ایسا دن تھا کہ عہد و پیماں نبھانے کے دن تھا۔ایک طرف تو انصار نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے سرکار دو عالم ﷺ کی جان کی حفاظت کا حق ادا کیا اور اپنے اس قول و قرار کو سچ کر دکھایا تھا کہ وہ وقت آنے پر آں حضرت ﷺ کی اس طرح حفاظت کریں گے جیسے کہ وہ اپنے گھر کی خواتین کی کرتے ہیں۔بعض نے تو منتیں مانی ہوئی تھیں کہ وہ اپنی جانوں کو سرکار دو عالم ﷺ پر نچھاور کریں گے۔آج وہ سرخرو ہو چکے تھے جس کی تصدیق رب ذوالجلال نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے: ﴿مومنین میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا عہد سچ کر دکھایا، ان میں سے کوئی تو اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے۔﴾ اڑسٹھ کے قریب شہداء کرام صرف انصار میں سے تھے۔دوسری طرف صادق الوعد والامین ﷺ نے اپنے اس عہد و پیمان کو سچ ثابت کیا کہ" (تمہارا اور میرا) خون ایک ہے۔جہاں تمہارا خون گرے گا وہاں محمد الرسول اللہ ﷺ کا خون بھی گرے گا۔" مشیت ایزدی نے اپنے حبیب ﷺ کے اس وعدے کو پورا کر دکھایا جو کہ آپ حضور ﷺ نے بیعت عقبہ کے موقعہ پر مدنی وفد کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیکر کیا تھا تاکہ کل کلاں بعد میں آنے والا نقاد یہ نہ کہہ سکے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ سے اپنا عہد نبھایا نہ گیا۔

اسلام کی عسکری تاریخ میں غزوہ احد روشنی کے ایک مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔جس سے علماء کرام اور عسکری مفکرین کو لمحہ فکریہ عنائت ہوتا ہے۔جنگی منصوبہ بندی کے مختلف مراحل سے لیکر عملی طور پر صف بندی تک اور فتح و نصرت کے واضح امکان سے ہزیمت کے اس نقطہ جانکاہ تک جب کہ خود حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ دشمن کے حملوں کا مرکز بن گئی تھی، اور اس وقت بھی جب کہ میدان جنگ میں چاروں طرف جان نثاران رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لاشے بکھرے پڑے تھے اور خود تاجدار مدینہ ﷺ بھی زخمی ہو چکے تھے، ان تمام مراحل میں فوج کے سالار اعلیٰ کی حیثیت سے حضور نبی اکرم ﷺ کا طرز عمل عزم و ہمت کی وہ عظیم داستان ہے۔جس سے عسکری فلسفیوں کے ہزاروں مسائل کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔اس غزوہ میں کون سا ایسا دھچکا رہ گیا تھا جو سالار اعلیٰ کو نہیں لگا تھا: جہاد کی تیاری کے لیے مہلت نہ ہونے کے برابر تھی۔اطلاع اس وقت پہنچی جب دشمن وادی ذوالحلیفہ میں پہنچ چکا تھا۔اس پر مستزاد عددی کمتری، مادی وسائل اور سامان ضرب کی شدید قلت، منافقین کی غداری، حلیف یہودیوں کا مساعدت سے انکار، اور سب سے بڑھ کر اپنے متعین کردہ تیر انداز دستہ کی عدم انضباطی، الغرض ہر وہ دھچکا لگ چکا تھا جو کسی بھی عسکری معرکے کو ناکام اور سالار اعلیٰ کو ناامید کر سکتا تھا۔مگر بایں ہمہ سیرۃ رسول اللہ ﷺ پر ایک نظر رکھنے والے پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ نہ تو آپ کے پائے استقامت میں کوئی لغزش آئی اور نہ ہی آپ کی قائدانہ صلاحیت پر کوئی اثر پڑا۔یہ قدم قدم پر آپ کی شجاعت اور قیادت ہی تو تھی جس نے مسلمانوں میں دوبارہ ولولہ اور حوصلہ پیدا کر دیا کہ وہ پامردی سے میدان کارزار میں جم گئے۔آج کے عسکری مفکرین اور تجزیہ نگار ایک سالار اعلیٰ کی کسی بھی بدترین حالات میں اپنی فوج کو منظم کرنے کی صلاحیت اور استعداد (Crisis Management) کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ صلاحیت رسول اللہ ﷺ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔آپ حضور ﷺ سے بڑھ کر اس سلسلے میں اور کیا مثال ہو سکتی ہے؟ مدینہ طیبہ میں کوئی گھرانہ ایسا نہ رہا تھا جس میں کم از کم ایک اور بعض مثالوں میں تو کئی افراد جام شہادت نوش کر چکے تھے۔امت کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ چکی تھی۔جس سے من حیث القوم عام دنیاوی معیار کے مطابق حوصلوں (Morale) پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ تھا۔ہر پہلو سے یہ ہنگامی صورت حال (Crisis) سالار اعلیٰ کے لیے کڑا امتحان تھا۔لیکن رسول اللہ ﷺ کی معجز نگار قیادت نے ان تمام مشکلات پر اتنی جلدی قابو پالیا کہ جنگ کو ختم ہوئے ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ ستر جان نثاروں کا دستہ ساتھ لے کر (جن میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو کہ زخمی حالت میں نہیں تھا) حضور نبی اکرم ﷺ دشمن کے تعاقب میں حمراء الاسد روانہ ہو چکے تھے۔اس سے بڑا درس کسی جرنیل کو اور کیا دیا جا سکتا ہے کہ جب حالات کی تند و تیز آندھی مکمل طور پر مخالف سمت سے چلنے لگے تو عزم و ہمت اور پائے ثبات میں لغزش نہیں آنی چاہئے۔ایک عسکری ماہر اور مفکر کے الفاظ میں:"جس انداز سے حضور نبی اکرم ﷺ نے دشمن کا مقابلہ کیا اس سے بہت

جبل اُحد کی ایک گھاٹی پر وہ غار جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے آخری مرحلے میں کچھ دیر کے لیے استراحت فرمائی تھی

ے سبق سیکھنے چاہئیں. جب دشمن چاروں طرف سے حملے کر رہا تھا اس وقت بھی آپ اپنی فوج کو منظم کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ حضور ﷺ نے ایک ایسی دفاعی حیثیت اختیار فرمالی کہ اسی پٹی ہوئی فوج نے دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے جیسا کہ جنگ کے شروع میں تھا جس نے دشمن کو اس طرح میدان جنگ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا جیسے کہ وہ سوچ رہا تھا کہ مدینہ طیبہ سے مزید کمک آ رہی ہو. یہ ایک ایسی جنگ ہے جو بدلتے ہوئے حالات میں مختلف انداز سے تکنیکی صف بندی اور مورچہ بندی کی بہترین مثال تھی.'' (١٠٧)

بادی النظر میں مسلمانوں کو اس معرکے میں ہزیمت ہوئی تھی جس کا سبب رسول اللہ ﷺ کے واضح اور مکرر احکام کی خلاف ورزی تھا. لیکن انہوں نے جنگ کے صرف ایک معرکے (Battle) میں شکست کا منہ دیکھا تھا مگر پوری جنگ (War) تو ابھی باقی تھی. بہت سے معاندین اسلام اسے مسلمانوں کی شکست فاش پر محمول کرتے ہیں، مگر حقیقت کے آئینے میں اگر دیکھا جائے تو رزم حق و باطل میں اس سے زیادہ حق کی فتح شائد ہی کبھی ہوئی ہو. دو سو کی گھڑ سوار فوج کے مقابلے میں صرف دو گھوڑے میسر آئے تھے اور یہی تناسب دیگر سامان حرب وضرب کا تھا. عسکری تجزیہ نگاروں کی رائے میں ہزیمت اس فریق کو ہوتی ہے جو میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرے. یہی وجہ ہے کہ اس جنگ کو نہ لشکر اسلام کی ہزیمت کہا جاتا ہے اور نہ ہی لشکر کفار کی فتح پر محمول کیا جاتا ہے کیونکہ میدان سے تو ابوسفیان بھاگ گیا تھا اور وہ بھی خالی ہاتھ۔ نہ کسی مسلمان کو قیدی بنا سکا اور نہ ہی کوئی مال غنیمت اس کے ہاتھ لگ سکا تھا. جہاں تک خود مکیوں کا اس جنگ کے متعلق تجزیہ تھا وہ بھی اسے کامل فتح تصور نہیں کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ وہ دوسرے حملے کے لیے چڑھ دوڑے تھے. جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا تو انہیں اپنے تیر اندازوں کی غلطی کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی تھی. رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی کی سزا صرف ان تیر اندازوں کے دستے تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اس وقت میں موجود پوری امت مسلمہ کو سزا بھگتنا پڑی تھی. اس سلسلے میں قرآن کریم کا تبصرہ اور نقطہ نظر صاف واضح ہے کہ: ﴿اور جان رکھو کہ ابتلاء اور مصیبت صرف ان پر ہی نہیں آتی جو غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں (بلکہ اس کا اطلاق سب پر ہو سکتا ہے) اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ سزا میں بڑا ہی شدید ہے.﴾ (١٠٨) حکم عدولی کی سزا ستر اصحابہ کرام کی شہادت پر منتج ہوئی تھی (بعض روایات میں ان کی تعداد بہتر بھی بتائی گئی ہے) (١٠٩) جس سے بڑھ کر شائد ہی کوئی درس ہو جو امت کو ملا ہو جیسا کہ قرآن کریم نے (ایک دیگر سیاق و سباق میں) فرمایا ہے: ﴿بات یہ ہے کہ اللہ چاہتا تو آپ ان سے بدلہ لے لیتا مگر اس لیے کہ تم میں ایک کو دوسرے سے جانچا اور جو لوگ اللہ

کی راہ میں مارے گئے، اللہ ہرگز ان کے عمل ضائع نہ فرمائے گا۔﴾(۱۱۰) وہ سبق جو اس غزوے سے حاصل ہوئے بعد میں مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے اور آنے والے غزوات اور پھر ان سے بھی بعد میں کی گئی جہادی مہمات میں راہنما اصول بن گئے۔ یہی وجہ تھی کہ جونہی جنگ احد ختم ہوئی اللہ کریم نے ان تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معاف فرما دیا جن سے بھول ہوئی تھی: ﴿یقیناً اللہ نے تم کو معاف فرما دیا ہے، اللہ اپنے اوپر ایمان لانے والوں پر فضل کرتا ہے۔﴾(۱۱۱)

ابھی زخمیوں کے گھاؤ بھی مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اگلے ہی دن دشمن کا پیچھا کرنے کا عزم کیا۔ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ نے حضرت عروہ بن زبیرؓ کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: [اے بھتیجے، تمہارے والد (الزبیرؓ) اور ابو بکرؓ، غزوہ احد میں شامل تھے۔ جب دشمن چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ واپس نہ لوٹ آئیں۔ اس لیے آپ حضور ﷺ نے فرمایا: [کون ہے جو ان کا پیچھا کرے گا؟] پھر آپ حضور ﷺ نے ان میں سے ستر افراد کا انتخاب فرمایا۔] (۱۱۲) اگرچہ سب زخموں سے چور تھے مگر اپنے قائد اعلیٰ کی نداء پر سب نے لبیک کہا اور دوسرے ہی دن اپنے آقا و مولا کی سالاری میں یہ مختصر سا دستہ دشمن کے تعاقب میں وادی عقیق کے ساتھ ساتھ حمراء الاسد روانہ ہو چکا تھا جو ذوالحلیفہ سے تقریباً دس کیلومیٹر دور مقام ہے۔ وہاں آپ نے چند دن قیام فرمایا۔ رات کے وقت حضور ۵۰۰ مختلف جگہوں پر آگ جلانے کا اہتمام فرماتے تا کہ دشمن کو ان کی تعداد کا صحیح علم نہ ہو سکے۔ تاہم مکیوں کو جرأت نہ ہو سکی کہ وہ واپس لوٹ کر اس چیلنج کا مقابلہ کریں اور انہوں نے جلدی سے مکہ پہنچنے میں ہی عافیت سمجھی۔ مکیوں کے اس طرح بھاگ جانے سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے عزم و ہمت کی داد ان الفاظ میں دی: ﴿ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی ندا پر لبیک کہی اگرچہ وہ زخمی ہی تھے، یہ وہ لوگ ہیں جو نیک اعمال کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں۔ انہیں لوگوں کے لیے بہت بڑا انعام ہے۔﴾(۱۱۳)

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ جنگ ختم ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے شہداء کی تدفین کا بندوبست فرمایا۔ مادی وسائل کی بے بضاعتی کا یہ عالم تھا کہ ستر شہداء کے لیے کفن کا کپڑا بھی میسر نہ تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ دو دو شہیدوں کو ایک کفن میں دفنانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی استفسار فرماتے کہ ان دونوں میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد تھا؟ پھر جب یہ تعین ہو جاتا کہ کون زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہوتا تو اس کو پہلے دفن فرماتے۔ پھر آں حضرت ﷺ نے فرمایا: [میں یوم قیامت میں ان کا شاہد ہوں گا۔] آپ حضور ﷺ نے ان کو ان کے جسموں پر خون کے ساتھ ہی دفن فرمانے کا حکم دیا۔ نہ اس وقت ان کا جنازہ پڑھا گیا اور نہ ہی ان کو غسل دیا گیا۔] (۱۱۴) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سیدنا حمزہؓ کے پاس سے گزرے جن کی لاش مسخ کر دی گئی تھی۔ آپ نے ان کے علاوہ کسی کا بھی جنازہ نہیں پڑھایا۔ (۱۱۵) حضرت انس بن مالکؓ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ: [پھر آپ نے کفن کے لیے کپڑوں کو طلب فرمایا۔ کپڑے شہداء کی
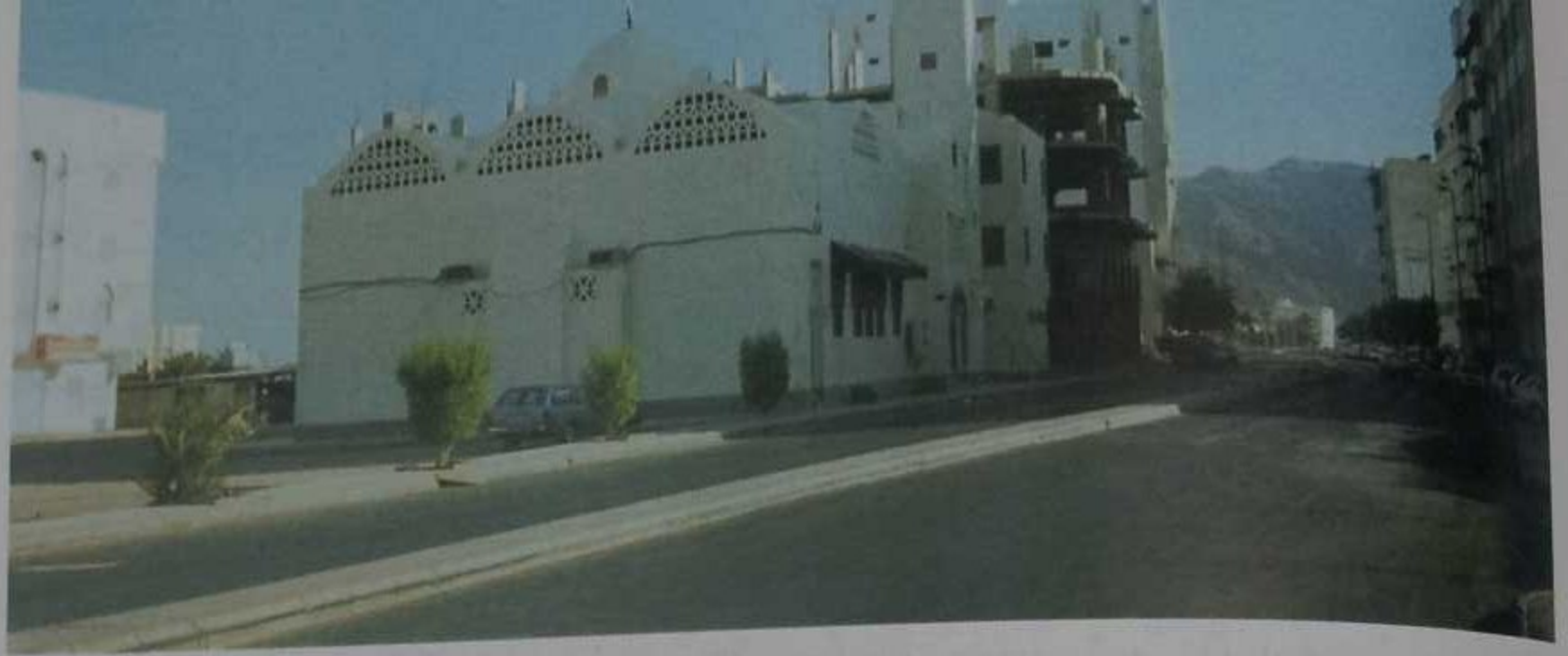
تعداد سے کم پڑ گئے. پھر آپ حضور ﷺ نے دو دو یا تین شہداء کو اکٹھے ایک کفن میں ڈالنے اور ایک ہی قبر میں دفنانے کا حکم دیا. آپ حضور ﷺ استفسار فرماتے کہ ان دونوں میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد ہے؟ پھر جب یہ تعین ہو جاتا کہ کون زیادہ قرآن پڑھا ہوا ہوتا تو اس کو پہلے دفن فرماتے. اس طرح ان کو بغیر جنازہ پڑھائے دفن کیا گیا.] (۱۱۶)

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے تقریباً آٹھ سال بعد ان کی نماز جنازہ پڑھائی (وہ بھی اپنے انتقال پر ملال سے ایک یا دو دن پہلے) اور ایسے لگ رہا تھا جیسا کہ آپ ان کو الوداع کہہ رہے ہوں. پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: [میں تم میں سے پہلے جا رہا ہوں اور تم پر شاہد رہوں گا اور پھر ہم مقررہ مقام پر حوض کوثر پر ملیں گے. اور میں اب اپنی اس جگہ سے اس (حوض کوثر) کو دیکھ رہا ہوں. مجھے اب اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کر کے شرک کرے گا، لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم دنیاوی معاملات میں اتنا الجھ جاؤ گے کہ دنیا کی خاطر ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے لگو گے. یہ میری آخری نظر تھی جو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس پر پڑی تھی. (۱۱۷)

غزوہ بنو نضیر:

میثاق مدینہ کی رو سے فریقین اس بات کے پابند تھے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور کسی بھی صورت میں کوئی فریق دوسرے پر حملے کی صورت میں حملہ آور دشمن کا ساتھ نہ دے گا. مسلمانوں نے ہر لحاظ سے اس معاہدے کا احترام کیا اور اس کی ہر شق پر پوری طرح کاربند رہے مگر یہود، خاص طور پر بنی نضیر کے یہودی (مثلاً کعب بن الاشرف وغیرہ) نے اس معاہدے کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں اور ایسی حرکات کرنی شروع کر دیں جس سے در پردہ اور کھلم کھلا قریش کی حمایت مقصود تھی. انہوں نے تو ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ پر بھی حملہ کرنے سے گریز نہ کیا. ان کی یہ تمام حرکتیں ریاست مدینہ کے خلاف نہ صرف غداری کے ضمرے میں آتی تھیں بلکہ حاکم ریاست مدینہ کے خلاف گھناؤنی سازش کے ارتکاب کے مترادف تھیں. کتنی ہی بار حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کو سمجھایا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں مگر انہوں نے ان نصیحتوں پر کان نہ دھرا. جوں جوں وقت گزرتا گیا ان کا وطیرہ تکبر سے بڑھتے بڑھتے گستاخیوں پر جا پہنچا. چونکہ وہ سیدنا ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے اس لیے وہ اپنے آپ کو دوسرے یہود سے برتر سمجھتے تھے اور اپنے لیے ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے. بنو قینقع اور بنو قریظہ کے برعکس ان کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی جو تقریباً دو سے لے کر تین ہزار نفوس تک تھی. اپنی اس عددی برتری کے سبب وہ مسلمانوں کے لیے دردسر بنے ہوئے تھے. وہ وادی مذینب کے کنارے مدینہ طیبہ کے جنوب میں سکونت رکھتے تھے. ان کے گاؤں کے علاوہ ان کی کافی جائیداد مسجد قباء کے قریب ہی جنوب کی طرف بھی تھی جس کو البویرہ کہا جاتا تھا. یہ جگہ کھجور کے باغات سے پر تھی اور بنی خطمہ کے قبرستان کے قریب ہوا کرتی تھی. (۱۱۸)

عمرو بن امیہ الضمری نے، جو مسلمانوں کے حلیف تھے، بنی کلاب کے دو افراد کو قتل کر دیا جو کہ بنی نضیر کے حلفاء میں سے تھے. حضور

نبی اکرم ﷺ نے مسجد قباء میں نماز ادا فرمائی اور پھر اپنے چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں بستی بنی نضیر تشریف لے گئے تا کہ مقتولوں کے خون بہا پر بات چیت کی جا سکے. بنی نضیر میں سے ایک یہودی (عمرو بن جحش بن کعب بن بصیل النضری) چپکے سے اوپر چلا گیا تا کہ وہ آپ کے اوپر ایک بڑی چٹان یا پتھر لڑھکا دے. وحی کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس بات کی بروقت اطلاع مل گئی اور آپ حضور ﷺ کسی کام کا کہہ کر وہاں سے فوراً واپس لوٹ آئے. آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس بات کا پتہ نہ تھا اس لیے وہ کچھ دیر وہیں رکے رہے اور پھر بعد میں وہ بھی واپس آ گئے. قرآن کریم میں اس واقعے کا ذکر کچھ اس طرح ہے: ﴿اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب کہ ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی کریں تو اس نے اس کے ہاتھ تم پر سے روک دیئے اور اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسا چاہیے.﴾ (۱۱۹) اس طرح پیشتر اس کے کہ دشمن اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے اسے ناکام بنا دیا.

اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ یہودیوں نے معاہدہ میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا تھا. لہذا حضرت محمد بن مسلمہ رض کو ایک سخت وارننگ اور تنبیہ دے کر ان کے پاس بھیجا گیا: [اس شہر سے نکل جاؤ، تمہیں اب یہاں رہنے کی اجازت نہیں. میرے خلاف قتل کی سازش کا ارتکاب کر کے تم نے اس عہد کی خلاف ورزی کی ہے جس کے تحت میں نے تمہیں امان دی تھی. تمہیں دس دن کی مہلت دی جاتی ہے تا کہ تم شہر چھوڑ جاؤ. اس مہلت کے بعد جو بھی مدینہ طیبہ میں نظر آئے گا وہ قتل کر دیا جائے گا.] شروع میں تو وہ مدینہ طیبہ سے انخلاء پر مائل نظر آتے تھے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھ بھیجا کہ وہ کہاں جائیں جس پر آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: [حشر کی طرف!] (۱۲۰) تاہم اسی دوران رئیس المنافقین ابن ابی نے ان کو اکسایا اور وہ نہ جانے پر اڑ گئے. اس نے انہیں پیغام بھیجا: ''ثابت قدم رہو اور اپنے آپ کی حفاظت کرو کیونکہ ہم تمہارے ساتھ غداری نہیں کریں گے. اگر تم پر حملہ ہوتا ہے تو ہم تمہارے شانہ بشانہ لڑیں گے اور اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ باہر نکل جائیں گے.'' (۱۲۱) اس شہہ پر بنی نضیر نے رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے انتباہ پر کان نہ دھرے اور جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے. ابن ابی نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے اطام اور حویلیوں میں قلعہ بند ہو جائیں اور انہیں دلاسا دیا کہ جلد ہی وہ اپنے دو ہزار جنگجوان کی کمک کے لیے بھیج دے گا جو ان کے ہمراہ ان کے قلعوں میں مورچہ زن ہو کر تادم حیات مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے. (۱۲۲) اس نے ان کو یہ بھی یقین دلایا کو وہ بنی قریضہ اور غطفان سے گفت وشنید کرے گا تا کہ وہ بھی اس معرکے میں کود پڑیں. اگر چہ بنو نضیر کے کچھ لوگ شروع سے ہی مدینہ طیبہ چھوڑ دینے کے حق میں تھے مگر ابن ابی کی شہہ پر حی بن اخطب جو ان کا سردار تھا اپنی ضد پر اڑ گیا اور یوں انہوں نے باہر چلے جانے کی بجائے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنے کی ٹھان لی. اس کا کہنا تھا: ''ہمیں اس کے علاوہ اور کیا کرنا ہے کہ ہم اپنے قلعوں اور اطام کو مضبوط بنائیں، اور ان کو اجناس اور سامان خورد ونوش سے بھر لیں، اپنی سڑکوں اور گلیوں کے راستوں میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور چلانے کے لیے کافی مقدار میں پتھروں کا ذخیرہ کر لیں اور تیار ہو جائیں. ہمارے پاس کافی خوراک ہے جو ایک سال تک کی ضروریات پوری کر سکتی ہے اور رہا پانی کا مسئلہ تو ہمارے کنویں کبھی خشک نہیں ہوتے. اور پھر (حضرت) محمد (ﷺ) کوئی ایک سال تک تھوڑا ہمارا محاصرہ کریں گے!'' (۱۲۳)

جب دس دن گزر گئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رض کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور بنی نضیر کے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے. آپ حضور ﷺ نے نماز عصر بھی انہیں کے علاقے میں پڑھائی. شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ رسول اللہ ﷺ کے علمدار تھے. ربیع الاول ۴ ہجری کو بنو نضیر کا محاصرہ شروع ہوا. (۱۲۴) رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر اور بنو قریضہ کی بستیوں کے درمیان میں واقع اراضی پر اپنے خیمے نصب کرنے کا حکم دیا جس سے یہود کے دونوں قبیلے ایک دوسرے سے کٹ کر رہ گئے اور ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی مدد کے قابل نہ رہا. بعد میں اس مقام پر ایک تاریخی مسجد تعمیر کر دی گئی تھی جو صدیوں تک اس واقعہ کی یاد تازہ کرتی رہی. یہ مسجد الفضیخ

تھی جو پچھلے سال اگست تک العوالی کے علاقے میں تاریخ مدینہ طیبہ کے عشاق کی زیارت گاہ رہی ہے. نبی اکرم ﷺ نے وہاں چھ دن قیام فرمایا تھا.(۱۲۵) شراب کی ممانعت کا وقت آیا تو اللہ رب العزت نے ان الفاظ میں اپنے ممانعتی احکام نازل فرمائے: ﴿اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے کے تیر ناپاک ہیں شیطانی کام ہیں تو ان سے بچتے رہنا تاکہ تم فلاح پاؤ. شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوائے شراب اور جوئے کے ذریعے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے، تو کیا تم باز آئے.﴾ (۱۲۶) مورخین مدینہ طیبہ کے مطابق جب ان احکام کی منادی کروائی گئی تو اسی مقام پر موجود چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شراب کے مٹکے اس کے صحن میں واقع کنویں میں انڈیل دئے تھے. اس تاریخی مسجد کے متعلق مکمل معلومات باب ''مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد'' میں مہیا کی گئی ہیں. یہود اپنے آطام میں مورچہ بند ہو گئے جہاں انہوں نے ہتھیار اور کافی مقدار میں پتھر اور ڈھیلے اکٹھے کر لیے تھے. (۱۲۷) شروع شروع میں تو انہوں نے بہت مزاحمت کی اور ایک قلعے سے دوسرے قلعے میں منتقل ہوتے رہے. ان قلعوں کے اردگرد کھجوروں کے باغات تھے جن کے درختوں نے ان کے لیے ایک مضبوط دفاعی لائن کا کام کیا. وہ ان کمین گاہوں سے ادھر ادھر منتقل ہونے کی کوشش کرتے اور مسلمانوں پر چھپ کر وار کرتے. مگر جب بھی کبھی کسی یہودی نے کوشش کی کہ رات کے اندھیرے میں محاصرہ توڑ کر باہر نکل جائے، تو مسلمان مجاہدین اس کو آڑے ہاتھوں لے لیتے. بنوقریظہ نے ان سے الگ تھلگ رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا. اس پر مستزاد یہ کہ نہ تو بنوغطفان کی کمک آئی اور نہ ہی ابن ابی ان کے کوئی کام آسکا.

محاصرہ پندرہ دن تک جاری رہا. پہلے مرحلے کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے وہ گھر جو ان کی بستی کے باہر کی طرف انہوں نے خود دفاعی حکمت عملی کی تحت خالی کر رکھے تھے مسمار کرنے کا حکم دیا جن کی اوٹ میں چھپ کر وہ مسلم مجاہدین پر حملہ آور ہوتے تھے. محاصرے کو اور زیادہ شدید بنانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے عسکری عملیات کے طور پر ان کے باغات میں لگائے گئے کھجور کے درختوں کو جو 'البویرہ' میں واقع تھے اور جن کو وہ دفاعی لائن کے طور پر استعمال کرتے تھے کاٹ ڈالے جانے اور جلا کر خاکستر بنائے جانے کا حکم دے دیا. (۱۲۸) ان اقدام سے ایک طرف تو وہ کھانے کی اجناس سے محروم ہو گئے اور دوسری طرف ان کے وہ مورچے تباہ ہو گئے جن کے پیچھے چھپ چھپ کر اکا دکا وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت کرتے تھے جس سے وہ لوگ جلد ہی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے. بنی نضیر اور بنی قریظہ میں سے کچھ یہودیوں نے اس پر بہت واویلا کیا اور کہنے لگے: ''اے محمد (ﷺ) آپ تو ہمیشہ برائی اور ظلم کے خلاف لڑتے رہے ہیں مگر اب کیا ہو گیا ہے کہ آپ نے ہمارے درختوں کو جو ہمارے روزگار کا ذریعہ تھے تباہ و برباد کر دیا ہے. آخر ان بے جان درختوں کا کیا قصور ہے؟'' منافقین بھی ان کے ہمنوا بن گئے اور یہ کہنے لگے کہ درختوں کو کاٹنا اور جلانا ان قرآنی احکام کی کھلی خلاف ورزی ہے جن میں کہا گیا ہے: ﴿جب ان کو اقتدار مل جاتا ہے تو وہ زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرے اور اللہ فساد سے راضی نہیں!﴾ (۱۲۹) قرآن کریم نے ان کے اس پروپیگنڈے اور الزامات کو یکسر رد کر دیا اور اس سلسلے میں سورۃ الحشر کا نزول ہوا: ﴿جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے اور وہی عزت اور حکمت والا ہے. وہی ہے جس نے ان کافر کتابیوں کو ان کے گھروں سے نکالا ان کے پہلے حشر کے لیے. تمہیں گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچا لیں گے تو اللہ کا حکم ان کے پاس آیا جہاں سے ان کا گمان نہ تھا. اور اس نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا کہ اپنے گھر ویران کرتے ہیں اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے، تو عبرت والے نگاہ والو. اور اگر نہ ہوتا کہ اللہ نے ان پر گھر سے اجڑنا لکھ دیا تھا تو دنیا ہی میں ان پر عذاب فرما دیتا اور ان کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے یہ اس لیے کہ وہ اللہ سے اور اس کے رسول سے پھٹے رہے. اور جو اللہ اور اس کے رسول سے پھٹا رہے تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے. جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لیے کہ فاسقوں کو رسوا کرے.﴾ (۱۳۰)

اس طرح قرآن کریم نے ان آیات میں اسلامی جنگی قوانین کی بہت اہم تشریح فرما کر اس میں ایک نئے قانون کا اضافہ کر دیا کہ دشمن

کے علاقے میں عسکری مقاصد کے لیے درختوں اور پناہ گاہوں کا تباہ کیا جانا قرآن پاک کے ان احکام کے زمرے میں نہیں آتا جس میں پہلے بیان کی گئی آیت کریمہ کی رو سے ایسی کارروائی زمین میں فتنہ وفساد بپا کرنے کے مترادف قرار دی گئی تھی. حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے بنی نضر کے کھجوروں کے درختوں کو جو البویرہ کے باغ میں تھے کٹوا اور جلوا دیا. اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۵ نازل فرمائی جس میں وضاحت کردی گئی کہ: ﴿جو درخت تم نے کاٹے یا ان کی جڑوں پر قائم چھوڑ دیئے یہ سب اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لیے تھا کہ فاسقوں کو رسوا کرے. ﴾ (۱۳۱) وہ مزید فرماتے ہیں: جب حضور نبی اکرم ﷺ کے حکم سے درخت کٹوائے اور جلائے گئے تو حضرت حسان بن ثابتؓ نے اس واقعے کے متعلق یہ شعر کہا تھا:

''البویرہ کے مقام پر خوفناک آگ کی طرف بنی لوئی کے شرفاء نے کوئی توجہ نہ دی (اس واقعہ سے انہوں نے کوئی سبق نہ سیکھا) وہ بنی لوئی جو قریش کے بڑے اشراف تھے.'' (یعنی اس سے قریش کو نوشتہ دیوار پڑھ لینا چاہئے)

ابوسفیان بن الحارث (جو رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے حضرت حسان بن ثابتؓ کے مندرجہ بالا شعر کا جواب کچھ یوں دیا تھا:

اللہ اس آگ کو جلتا رکھے حتی کہ مدینہ کے تمام حصے جل کر خاکستر ہو جائیں

تب تم دیکھو گے کہ کون البویرہ سے دور ہے اور کون اس کے قریب تر. ہماری زمینیں اس آگ سے بہت دور (محفوظ) ہیں.

(یعنی ان کے زعم میں تھا کہ مسلمان خواہ کچھ بھی کرلیں قریش کا بال بیکا نہ کرسکیں گے) (۱۳۲)

جوں جوں محاصرہ طول پکڑتا گیا ان کی قوت مدافعت اور مزاحمت متزلزل ہوتی گئی اور بالآخر انہوں نے ہتھیار ڈالنے کی باتیں شروع کردیں. ابن ابی کے جھوٹے وعدوں کی قلعی کھل چکی تھی. لہذا انہوں نے بددل ہوکر ہتھیار ڈالنے کا پیغام بھیجا اور جانے کے لیے محفوظ راستہ طلب کیا. ان کے ہتھیاروں کے بدلے ان کی جانیں اور مال و دولت بخش دیئے گئے. ان میں سے ہر ایک کو اجازت دے دی گئی کہ ایک فرد ایک اونٹ لادکر اپنا مال واسباب لے جاسکتا تھا. انہوں نے اپنے مکانات کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کردیا تاکہ مسلمان بعد میں ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں. مردوں نے گھر مسمار کئے اور ان کے شہتیر تک اپنے اونٹوں پر لاد کر چل دیئے. (۱۳۳) حضرت محمد بن مسلمہؓ کو ان کے مدینہ بدری کے فرائض سونپے گئے. انہوں نے اپنا سامان باندھا اور حی بن اخطب اور سلام بن ابی حقیق کی سربراہی میں وہ چھ سو اونٹوں پر بیٹھ کر مدینہ طیبہ سے باہر نکل گئے. (۱۳۴) جو مال غنیمت انہوں نے چھوڑا اس میں ۵۰ ڈھالیں، ۳۴۰ تلواریں اور کافی رقبے پر پھیلی زرعی اراضی تھی. مشہور ڈھال 'سعدیہ' جو رسول اللہ ﷺ نے اس مال غنیمت سے لی تھی (۱۳۵) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ وہی ڈھال تھی جو سیدنا داؤد علیہ السلام نے جالوت سے جنگ کے وقت استعمال کی تھی اور جس کو بنونضیر نے اپنے نبی داؤد علیہ السلام کے تبرکات کے طور پر سنبھال کر رکھا ہوا تھا. (۱۳۶)

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن ابوبکرؓ نے انہیں بتایا کہ بنونضیر کے لوگ جب مدینہ طیبہ سے جانے لگے تو ان کے بچوں اور عورتوں کے قافلے کے پیچھے پیچھے طبلے اور شہنائیاں بجاتے ہوئے گانے والے طائفوں کی لڑکیاں تھیں. ان میں سے ایک ام عمرو بھی تھی جو کہ عروہ بن الورد العبسی کی بیوی تھی اور قبیلہ بنی غفار سے تھی. اس کے متعلق وہ کہتے تھے کہ اسے انہوں نے العبسی سے خریدا ہوا تھا. چونکہ زمانہ جاہلیت میں توہمات کا راج تھا وہاں یہ رواج جڑ پکڑ گیا تھا کہ وہ عرب جس کی پلوٹھی کی نرینہ اولاد اگر عالم طفولیت میں مرجاتی تو وہ منت مان لیتے کہ اگلا ہونے والا بچہ وہ یہودیوں کو چڑھاوا چڑھادے گا جسے وہ یہودی ایک یہودی کے بچے کے طور پر پال لیتے تھے. جب بنونضیر مدینہ بدر ہوئے تو انہوں نے اصرار کیا کہ ایسے یہودی عرب بچوں کو ان کے ساتھ جانے دیا جائے. وہ کہتے کہ ہم اپنے ان بیٹوں کو پیچھے چھوڑ کر نہیں جاسکتے. اس پر قرآن کریم کی وحی کا نزول ہوا: ﴿دین میں کوئی زبردستی روا نہ رکھی جائے. ﴾ (۱۳۷) لہذا رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ لے جانے کی

بستی بنونضیر کے کھنڈرات جوکہ مسجد قباء سے آدھ کیلومیٹر کے فاصلے پر آج بھی سامان عبرت ہیں۔ (تصویر: اگست ۲۰۰۱ء)

اجازت مرحمت فرمادی۔

تمام بنی نضیر، سوائے دو خاندانوں کے جنہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا (۱۳۸) مدینہ طیبہ چھوڑ گئے۔ ان دونوں خاندانوں کی جائیدادیں ان کی پاس رہنے دی گئیں۔ باقی کے یہود اتنی شان وشوکت سے روانہ ہوئے تھے کہ مدینہ طیبہ کی تاریخ میں کبھی بھی کسی قبیلے میں ایسا نہ ہوا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے وہ اپنے بچوں عورتوں اور متاع حیات کو اونٹوں پر لاد کر لے گئے تھے جب کہ ان کے پیچھے پیچھے گانے والی لڑکیاں ڈھول ڈھمکا کررہی تھیں۔ (۱۳۹) وہ خیبر کی طرف نکل گئے تھے کیونکہ وہاں، خاص طور پر فدک میں، ان کی کافی زرعی اراضی تھی۔ کچھ تو وہیں آباد ہوگئے تھے اور باقی شمال کی طرف مزید آگے نکل گئے تھے۔ وہ اپنا سارا قیمتی اثاثہ ساتھ لے گئے تھے۔ حالانکہ سرنڈر کے معاہدے کے تحت ان کو اپنے تمام برتن جو چاندی کے تھے چھوڑ کر جانے تھے، مگر وہ ہر ایک چیز لے گئے تھے۔ (۱۴۰) اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے مسمار کرکے وہ لوگ ان کے لکڑی کے دروازے اور شہتیر وغیرہ بھی اونٹوں پر لاد کر لے گئے تھے۔ متروکہ جائیداد مال غنیمت کے طور پر مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم کردی گئی۔ (۱۴۱) حضرت انس ابن مالک ؓ سے مروی ہے کہ: (ہجرت کے بعد) کچھ انصار نے اپنے کھجوروں کے درخت رسول اللہ ﷺ کو تحفتاً دیئے تھے۔ لیکن جب بنو قریضہ اور بنو نضیر کا خاتمہ ہوا تو آپ حضور ﷺ نے وہ تمام درخت ان کو واپس لوٹا دیئے۔ (۱۴۲)

غزوہ احزاب (غزوہ خندق)

یہود (بنو قینقع اور بنو نضیر) کی مدینہ بدری نے ان کو اسلام کا جانی دشمن بنا دیا تھا اور وہ ہر ممکن طریقے سے کسی بھی ایسے دشمن اسلام کی مدد کرنے کو تیار تھے جو مدینہ طیبہ پر فتح پالے تاکہ یہود اپنے محلات میں واپس لوٹ سکیں۔ ان کی نگاہیں بار بار قریش مکہ کی طرف اٹھتی تھیں کیونکہ وہی ایک ایسے دشمن تھے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ازلی بیر رکھتے تھے۔ جی بن اخطب جو بنی نضیر کے ساتھ مدینہ بدر ہوا تھا بار بار مکۃ المکرمہ جاتا اور ان کو مدینہ طیبہ پر حملے کے لیے اشتعال دلاتا۔ ایک مرتبہ ابوسفیان اس کو کعبۃ المشرفہ کے پاس لے گیا اور اس سے عہد لیا کہ حملے کی صورت میں وہ مکیوں کو ان کے حال پر نہیں چھوڑے گا بلکہ انہیں ہر طرح کی مادی امداد مہیا کرے گا۔ جی بن اخطب کے علاوہ دیگر یہودی سردار بھی اس سے پیچھے نہیں تھے۔ سلام بن ابی حقیق اور سلام بن مشکم بھی مکیوں کو ہر طرح کی مدد فراہم کرنے میں پیش پیش تھے۔ (۱۴۳) مکیوں کو بھڑکانے کے بعد یہودی غطفانیوں کے پاس گئے اور خیبر میں اگائی گئی کھجوروں کی پورے سال کی کمائی انہیں دینے کا وعدہ کیا بشرطیکہ وہ حضور سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلاف اتحاد میں شامل ہو جائیں۔ غطفانیوں نے بغیر کی تامل کے ان کی پیش کش قبول کرلی۔ پھر وہ بنو سلیم کے قبیلے میں گئے اور انہیں بھی اپنے جال میں پھنسانے میں کامیاب ہوگئے۔ ان میں

سے فضاری عیینہ ابن حصن نے جھٹ ان سے معاہدہ بھی کرلیا. اس کے بعد انہوں نے تمام عرب قبائل میں وفود بھیجے اور ان سے تعاون کے عہد و پیمان کئے. ایک لمحے کے لیے تو یوں لگتا تھا کہ یہود نے سیاسی توڑ جوڑ کر کے ایک بہت بڑی سفارتی کامیابی حاصل کرلی تھی جس سے قریش بہت زیادہ خوش تھے. اسی طرح قریش بھی مختلف قبائل سے توڑ جوڑ میں مصروف تھے. جنگ احد میں وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکے تھے. ان کا خواب ادھورا رہ گیا تھا اور وہ رہ رہ کر ابوسفیان کو کوستے کہ کیوں نہ اس نے اسی وقت مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی جب کہ مسلمان شدید زخمی حالت میں پڑے تھے. لہذا اب کی بار وہ ایک ایسی کاری ضرب مدینہ طیبہ پر لگانا چاہتے تھے جس سے اسلام اور مسلمانوں کا وجود ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو کر رہ جائے. انہوں نے مکۃ المکرمہ کے اردگرد کے تمام طاقتور قبائل سے گٹھ جوڑ کیا اور جب انہیں کنانہ اور بنو ثقیف کے قبائل کی پشت پناہی حاصل ہوگئی تو انہوں نے مشترکہ جارحیت کا فیصلہ کرلیا. بڑے قبائل کے علاوہ چھوٹے چھوٹے بدو قبائل نے بھی ان کا ساتھ دینے کی حامی بھرلی تھی. (۱۴۴)

تمام تر تیاریوں کے بعد جب قریش مدینہ طیبہ کی طرف کوچ کرنے والے تھے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ نے اپنے ایک معتمد قاصد کے ذریعے ایک بہت عاجل پیغام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارسال کیا. معاملہ کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے قاصد کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ رستہ جو عموماً چودہ دن میں طے ہوتا تھا اسے صرف چار دن میں طے کرنا تھا. حضرت موسیٰ بن عقبہ ؓ کے مطابق یہ غزوہ ماہ شوال ۴ ہجری میں وقوع پذیر ہوا. (۱۴۵)

جیسا کہ ایک اور مقام پر بیان کیا جاچکا ہے مدینہ طیبہ کی جغرافیائی اور ارضی نوعیت خاصی دشوار گزار تھی اور اس کے اردگرد تین اطراف قدرتی رکاوٹیں موجود تھیں. جنوب میں جبل عیر کا فلک بوس طویل پہاڑ تھا اور مشرقی اور مغربی جانب لاوے سے بنے سنگلاخ چٹانوں سے اٹے ہوئے حرے تھے. اس لیے جنوب کی طرف سے کسی حملہ آور کا ڈر نہیں تھا اور اس کے علاوہ دونوں حروں کی ناہموار سطوح مرتفع گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے ناقابل عبور رکاوٹوں کا کام دیتی تھیں. اس لحاظ سے صرف ایک ہی جانب رہ گئی تھی جو دفاعی نقطہ نظر سے کمزور سمجھی جاتی تھی: وہ شمالی جانب کا میدانی علاقہ تھا جو جبل احد کی شمال مغربی جانب واقع تھا. جونہی رسول اللہ ﷺ کو حضرت عباس ابن عبدالمطلب ؓ کا خفیہ پیغام موصول ہوا تو آپ حضور ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے صلاح مشورے شروع کردیئے. پچھلی بار کی منصوبہ بندی میں جس کے تحت دشمن کو مدینہ طیبہ کے شمال میں جبل احد کے دامن میں جنگ میں الجھایا گیا تھا چند خوبیاں بھی تھیں اور خامیاں بھی اور دشمن اس میدان کی جغرافیائی خصوصیات سے پوری طرح واقف ہوچکا تھا. اس لیے اب جنگی منصوبہ بندی ایک ایسے نئے اور انوکھے (unconventional) انداز کا تقاضا کررہی تھی جس سے دشمن قطعی ناواقف ہو. خفیہ عسکری معلومات کے ذریعے آپ کو پتہ تھا کہ دشمن کی پیادہ اور گھڑسوار نفری کتنی تھی. اور پھر جنگ احد کے عسکری نتائج بھی کچھ حوصلہ افزا نہیں رہے تھے. اس لیے ضرورت اس امر کی تھی کہ دفاع کے لیے ایک نیا انداز اپنایا جائے.

مشاورت کے دوران حضرت سلمان الفارسی ؓ نے عرض کیا: ''جب کبھی بھی ایران میں ہمیں گھڑسوار فوج کی جارحیت کا سامنا ہوتا تو ہم لوگ شہروں کے اردگرد خندقیں کھود لیا کرتے تھے.'' یہ ایک بالکل انوکھا نظریہ تھا جس سے عرب ناواقف تھے اور حالات کے تمام تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی نظریہ سب سے مناسب دفاعی منصوبہ معلوم ہوتا تھا. اس لیے حربی منصوبہ سازوں کے ذہن رسا کو یہ تجویز بھا گئی. اس انوکھے منصوبے کا تمام تر سہرہ حضرت سلمان فارسی ؓ کے سر ہے اس لیے کہ اس تجویز پیش کرنے کے علاوہ آپ نے عملی طور پر اس پر عملدرآمد کرنے میں بھی بڑی کاوش کی تھی. آپ قبیلہ بنو قریضہ میں غلام رہ چکے تھے اور ان کے ہاں آپ کی خاصی شناسائی ابھی تک باقی تھی. لہذا آپ نے ان سے کھدائی کا ضروری ساز و سامان، مثلاً بیلچے، کدال اور ٹوکریاں وغیرہ حاصل کیا. اگرچہ خفیہ طور پر تو بنو قریضہ کفار مکہ سے معاملات

طے کر چکے تھے مگر بظاہر وہ ابھی بھی میثاق مدینہ کے حامی تھے. اس طرح مدینہ طیبہ کی شمالی جانب جبل سلع کے ساتھ ساتھ ایک لمبی اور گہری خندق کھودنے کا کام پورے زور و شور سے شروع ہو گیا تا کہ دشمن کا داخلہ روکا جا سکے. اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لا کر مسلمانوں کی فوجی نفری تین ہزار سے زیادہ نہیں تھی جن کے پاس صرف ۳۶ گھوڑے تھے.

اپنے قریبی ساتھیوں کی ہمراہی میں رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں پر سوار ہو کر تمام علاقے کا تفصیلی معائنہ فرمایا اور خاص طور پر حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے ان علاقوں پر زیادہ توجہ دی جو دشمن کے داخلے کا سبب بن سکتے تھے. مغربی حرہ کے بہت سے علاقہ میں وادی بطحان بارانی پانیوں سے بھر چکی تھی، جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے. اب صرف ایک علاقہ بچا تھا جو نسبتاً غیر محفوظ تھا اور وہ تھا جبل سلع کا شمالی میدان. لہٰذا اس علاقے میں خندق کھودنے کا فیصلہ کر لیا گیا. آپ حضور ﷺ نے اپنی افرادی قوت کو اس طرح تقسیم فرمایا کہ دس دس اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دستوں کو بیس بیس میٹر (۴۰ ہاتھ) لمبی خندق کھودنے کی ذمہ داری سونپی گئی. خندق وادی بطحان سے شروع ہو کر جبل سلع کے دامن میں اس حصے تک گئی جہاں آج بھی مسجد فتح موجود ہے اور اس سے آگے جبل سلع کے گرد چکر لگاتے ہوئی یہ بل کھاتی ہوئی خندق جبل ذباب کے پاس سے گزری اور وہاں سے مقام شیخین سے ہوتی ہوئی حرہ شرقیہ میں علاقہ بنی حارثہ تک چلی گئی تھی. (۱۴۶) طبرانی نے حضرت عمرو بن عوف المزنیؓ سے روایت کی ہے جنہوں نے بیان کیا ہے کہ جب مختلف قبائل کے اتحاد نے مدینہ طیبہ پر جارحیت کا ارتکاب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ ایک خندق کھودی جائے جو شیخین سے ہوتی ہوئی بنی حارثہ کے علاقے تک چلی جائے. (۱۴۷) مہاجرین نے راتج سے لے کر ذباب تک خندق کھودی جبکہ انصار نے ذباب سے جبل بنی عبید تک کھدائی کا کام کیا. ایسے لگ رہا تھا کہ انسانی کارندوں کی ایک زنجیر تھی جو اس عظیم الشان منصوبے پر کام کر رہی تھی. (۱۴۸)

بظاہر تو یہ بہت ہی مشکل کام تھا جو بادی النظر میں ناممکنات (Mission Impossible) میں سمجھنا چاہئے مگر امت کے ان پر اسرار بندوں نے اپنے سالار اعظم کی سرکردگی میں اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا. حالات اگر چہ ہنگامی تھے مگر پھر بھی مسلمانوں کی راحت اور دیگر ضروریات کا خیال رکھا گیا. ضروری نوعیت کے کاموں کے لیے اگر کوئی تھوڑے وقت کے لیے چھٹی کی درخواست کرتا تو رسول رحمت ﷺ بخوشی قبول فرما لیتے. قرآن کریم نے ان الفاظ میں رسول اللہ ﷺ کے ترحم کا ذکر کیا ہے: ﴿ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے ہوں جس کے لیے جمع کئے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں. وہ جو تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں. پھر جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لیے تو ان میں سے تم چاہو تو اجازت دیدو اور ان کے لیے اللہ سے معافی مانگو.﴾ (۱۴۹) پیرو جواں سب نے مل کر اس عظیم کام میں حصہ لیا اور چھ دنوں (بعض کے نزدیک پندرہ یا سترہ دنوں) میں ایک ایسی ناقابل عبور دفاعی لائن بنا دی گئی جس نے دشمن کی پیادہ اور گھڑ سوار فوج کو مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے روکے رکھا. خندق تین سے چار میل تک لمبی تھی اور سات سے لیکر دس ہاتھ (ساڑھے تین میٹر سے لیکر پانچ میٹر) تک گہری تھی اور اس کی چوڑائی نو ہاتھ یعنی ساڑھے چار میٹر تھی. آج کے معیار سے بھی اگر جانچا جائے تو مدینہ طیبہ کی سنگلاخ زمین پر اتنی بڑی اور گہری خندق کا زمانہ قدیم کے کدالوں اور اوزاروں سے صرف چند دنوں میں کھودا جانا اور وہ بھی صرف تین ہزار افراد کے ہاتھوں سے ایک ایسا بڑا شاہکار ہے جس کا اندازہ کر کے آج کے ترقی یافتہ دور کا انجینئر بھی انگشت بدنداں ہے. تمام کام ایک شفٹ میں ہوتا تھا جو نماز فجر کے بعد شروع ہوتی اور غروب آفتاب تک جاری رہتی. اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معیت میں رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے بعد موقع پر تشریف لے جاتے اور نماز مغرب کے بعد مدینہ طیبہ واپس لوٹ آتے. رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے نہ صرف اس عظیم دفاعی منصوبے کا افتتاح فرمایا بلکہ عام مزدوروں کی طرح کھدائی اور ملبہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں برابر کے شریک رہے. حضرت

سہل بن سعد الساعدیؓ سے روایت ہے:[رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس اس وقت تشریف لائے جب ہم خندق کی کھدائی کر رہے تھے اور مٹی اپنے سروں پر اٹھائے ہوئے تھے تو حضور نبی اکرم ﷺ فرط انبساط اور تحسین میں یہ شعر پڑھتے تھے:

یا اللہ آخرت کی زندگی سے بہتر کوئی زندگی نہیں تو میرے مہاجرین اور انصاریوں کی مغفرت فرما دے(۱۵۰)

اور آپ حضور ﷺ کے جواب میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ گنگناتے:

ہم وہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ نے عہد و پیمان کرلیا ہے کہ ہم تا حیات جہاد کرتے رہیں گے(۱۵۱)

تاریخ عالم میں شائد یہ واحد مثال ہے کہ ایک سالار اعلیٰ اپنے سپاہیوں کے شانہ بشانہ ایک عام مزدور کی طرح مشقت اٹھا رہا تھا، کبھی سید العرب والعجم ﷺ انصار کے ساتھ شرکت فرماتے اور کبھی مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ کام کر رہے ہوتے تھے حالات سر بسر مخالف تھے، سخت سرد ہوائیں چل رہی تھیں اور زمین سنگلاخ اور لاوا سے بنی ہوئی سخت چٹانوں کی تھی. لیکن وہ عزم و ہمت اتنا نا قابل تسخیر تھا کہ اس کے آگے مخالف سمت سے آنے والا ہر طوفان تھم کر رہ گیا تھا. رزمیہ ترانے گاتے ہوئے پیر و جواں اپنی دھن میں مست تھے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے. حضرت سلمان فارسیؓ اپنے وقت پیری میں بھی سب سے جوان نظر آتے اور اتنا کام کرتے تھے کہ دوسرے رشک سے کہنے لگ گئے کہ سلمانؓ دس آدمیوں کے برابر کام کر رہے ہیں جس سے انصاریوں اور مہاجرین میں رقابت پیدا ہوگئی. انصاری کہتے کہ سلمانؓ ان میں سے ہیں جبکہ مہاجرین کہتے کہ سلمانؓ مہاجرین میں سے ہیں. اس دلچسپ مباحثے کو دیکھ کر رحمت اللعالمین ﷺ نے بے اختیار فرمایا:[سلمانؓ ہمارا ہے اور وہ ہمارے اہل بیت سے ہے.](۱۵۲)

چونکہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت اس وقت عموماً اتنی اچھی نہ تھی، انہیں کھدائی اور چٹان شکنی کی ریاضت کے علاوہ بھوک اور فاقہ کشی کی مشقت بھی اٹھانی پڑتی تھی. سامان خورد و نوش تمام افرادی قوت کے لیے بہت حد تک ناکافی تھا.(۱۵۳) اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کئی کئی دن کا فاقہ کاٹنا پڑتا تھا.(۱۵۴) ایک دفعہ جب ایک سپاہی حضرت ابو طلحہؓ نے اپنی قمیض اٹھا کر حضور نبی اکرم ﷺ کی دکھائی کہ ان کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا تو سالار اعلیٰ اور سرکار دو عالم ﷺ نے جب اپنا کرتہ اونچا کر کے دکھایا تو سب کی حیرت کی انتہاء نہ رہی کیونکہ آپ حضور ﷺ کے بطن مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے. ان تمام صعوبتوں اور رکاوٹوں کے باوجود کام پورے جوش و جذبے سے جاری رہا اور پندرہ دن کے اندر اندر ۵۰۰۰ ہاتھ (ذرع) کی طویل خندق تیار ہوگئی. کام رمضان کے مہینے میں شروع ہوا تھا اور شوال میں ختم ہوا. چٹانوں اور پتھروں کے ٹکڑے خندق کے ساتھ ساتھ جمع کر لیے گئے تھے تا کہ بوقت ضرورت دشمن پر ہتھیار کے طور پر پھینکے جا سکیں. البتہ خندق سے نکلنے والی مٹی کھجور کے پتوں سے بنی ٹوکریوں میں ڈال کر دور دور پھینکی گئی تھی. نوجوانوں کے علاوہ نوعمر لڑکوں نے بھی اس کام میں بھرپور سرگرمی دکھائی. تاہم پندرہ سال سے چھوٹے بچے واپس بھیج دیئے جاتے تھے. حضرت البراء بن العازبؓ جو اس وقت جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہے تھے، اپنے عالم پیری میں اس وقت کے واقعات بیان کیا کرتے تھے. ایک دفعہ انہوں نے فرمایا:[جب احزاب کے دن تھے اور رسول اللہ ﷺ نے خندق کھدوائی تو میں نے آپ حضور ﷺ کو مٹی اٹھاتے ہوئے دیکھا. اس لگا تار کام سے مٹی اور گرد و غبار آپ حضور ﷺ کے بطن مبارک پر اس طرح اٹ گئی تھی کہ آپ کی جلد تک نظر نہیں آتی تھی حالانکہ آپ حضور ﷺ کے جسد اطہر پر بہت زیادہ بال ہوا کرتے تھے.(۱۵۵) یہ حضرت براء بن العازبؓ ہی کی روایت ہے کہ جب آپ حضور ﷺ مٹی اٹھا رہے تھے تو آپ حضور ﷺ نے سرخ جامہ زیب تن فرمایا ہوا تھا جب کہ آپ کی چھاتی مبارک کہ مٹی سے اٹی ہوئی تھی. آپ کی سیاہ زلفیں اتنی لمبی تھیں کہ شانوں کو چھو رہی تھیں اور آپ حضور ﷺ اس وقت حسن و جمال کا پیکر دکھائی دے رہے تھے.(۱۵۶) ایک اور جگہ فرماتے ہیں:[نبی اکرم ﷺ میانہ قد رکھتے تھے. آپ نے اس وقت سرخ جامہ زیب تن فرمایا ہوا تھا اور میں نے آپ سے زیادہ خوبصورت انسان کبھی نہیں دیکھا.](۱۵۷) حضور نبی اکرم ﷺ اپنے

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایک گروہ سے دوسرے گروہ کا چکر لگاتے اور گزرتے ہوئے اتنا دلفریب تبسم فرماتے کہ دیکھنے والے مبہوت ہو کر رہ جاتے۔ آپ کے حسن و جمال کے پروانے ان مناظر و تجلیات کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھتے:

حسن بے پروا تو دراصل یہی ہے نہ کہ خیبر کے حسین مناظر

اے اللہ واقعی یہی جمال حقیقی اور حسن بیکراں ہے

مندرجہ ذیل اشعار کے ترجمہ سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اپنے آقا و مولا حضور سرور دو عالم ﷺ سے بے پناہ محبت چھلکتی ہے۔ جب وہ میدان غزوہ احزاب میں سنگ خارا کی چٹانوں کو ریزہ ریزہ کرتے تو جذب و مستی میں سب مل کر ایک ساتھ ایک ترانہ گاتے جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

ہم ایسا گروہ ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے

جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم راہ خدا میں لڑتے رہیں گے

بخدا اگر اللہ کریم کا ہم پر فضل نہ ہوتا تو ہمیں رشد و ہدایت نہ ملتی

نہ ہی ہم صدقات دیتے اور نہ ہی ہم نماز ادا کرتے

اے اللہ ہم پر سکون اور عافیت کی نعمتیں نازل فرما

اور جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا

اس وجد آفریں ترانے کے جواب میں رسول اللہ ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں فرماتے:

اے رب ذوالجلال اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے

میرے ان انصار اور مہاجر ساتھیوں کو بخش دے

حضرت سلمان فارسیؓ بیان فرماتے ہیں کہ جب جبل ذباب کے دامن میں کھدائی کی جاری تھی تو مسلمانوں کا واسطہ ایک ایسی سفید رنگ کی چٹان سے پڑ گیا جو بہت سخت تھی۔ بہت سے لوگوں نے اسے ریزہ ریزہ کرنے کی سعی کی مگر وہ چٹان ٹوٹنے کا نام نہ لیتی تھی۔ مجبور ہو کر معاملہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں پیش کیا گیا۔ آپ حضور ﷺ اس جگہ پر تشریف لے گئے اور آں حضرت ﷺ نے حضرت سلمانؓ کے ہاتھ سے کلہاڑا لے لیا۔ جب آپ حضور ﷺ نے پہلی ضرب لگائی تو اس سنگ خارا سے ایک ایسی روشنی نکلی جو جنوب کی طرف جا رہی تھی اور جس کی ضیاء مبارکہ سے اس طرف اندھیرے میں واقع ہر گھر منور ہو گیا۔ اس کے بعد آں حضرت ﷺ نے دوسری ضرب لگائی۔ اس بار بھی ایک روشنی نکلی جس کا رخ شمال کی جانب تھا۔ اس کے بعد آں حضرت ﷺ نے تیسری ضرب کاری لگائی جس نے چٹان کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا اور اس بار بھی اس سے ایک روشنی نکلی جس سے تمام مشرق روشن ہو گیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے ان تینوں پراسرار روشنیوں کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آقا میرے ماں باپ آپ پر فدا! ان پراسرار انوار کے نزول کا مقصد کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [پہلی روشنی کے نمودار ہونے پر میں نے یمن کے محلات دیکھے ہیں؛ دوسری روشنی میں میں نے بلاد الشام کے محلات دیکھے ہیں؛ اور تیسری روشنی کے انوار سے میں نے مدائن کے علاقے میں کسریٰ کے سفید محلات دیکھے ہیں۔ پہلی روشنی پر اللہ رب العزت نے میرے لیے یمن کا سارا علاقہ کھول دیا ہے، دوسری روشنی میں مجھ پر بلاد الشام اور مغرب مفتوح کر دیا گیا ہے اور تیسری بار جب روشنی چمکی تو مشرق میرے لیے کھول دیا گیا۔ جبریل امین مجھے یہ خوشخبری دے کر گئے ہیں کہ میرے امتی ان تمام علاقوں کو فتح کر لیں گے۔] (۱۵۸) ایسا ہی ایک اور واقعہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے بھی مروی ہے: [کہ جب ان کی لگاتار کوششوں کے باوجود ایک چٹان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نہ ٹوٹ سکی

تو رسول اللہ ﷺ سے مدد کی درخواست کی گئی. آں حضرت ﷺ نے بطن اطہر پر ایک پتھر باندھا کیونکہ آپ اس وقت تین دن کے بھوکے تھے اور پھر آپ حضور ﷺ نے کلہاڑا اپنے دست مبارک میں لے کر ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ چٹان جو حجم میں بہت بڑی تھی ایسی ریزہ ریزہ ہوئی جیسے ریت کا ڈھیر ہو]. (۱۵۹)

کھدائی کے اس پر مشقت کام کے دوران کبھی کبھار ایسے لمحات بھی آجاتے کہ جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رزمیہ اور حمدیہ ترانے پڑھتے اور دل کو محظوظ کرنے والی حرکتیں کرتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ چشم فلک اس معجز نگار شخصیت اور سید الانبیاء ﷺ کی ذات مبارکہ کے دست مبارکہ سے محیر العقول معجزے دیکھتی. کھدائی میں مشغول جب سب مل کر رزمیہ اشعار ایک لے میں گنگنانے لگ جاتے تو اس ایک گروہ کو دیکھ کر دوسرا گروہ ان سے سبقت لے جانے کے لیے اور دوسرے اشعار پڑھتے جس سے کوہ ودمن گونج گونج جاتے. ایک دلچسپ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زید ابن ثابتؓ جو اس وقت ابھی نوخیز جوان تھے سخت مشقت کے سبب نیند کی آغوش میں چلے گئے. آپ کے ایک ساتھی (حضرت عمارہ ابن حزمؓ) کو شرارت سوجھی اور ان کی نیند کی بے ہوشی میں انہوں نے ان کے کپڑے اتار لیے اور ان کو مع ان کے کھدائی کے اوزاروں کے ایک طرف چھپا دیا. جب حضرت زید ابن ثابتؓ بیدار ہوئے تو بہت پریشان ہو گئے. شرم کے مارے وہ ادھر ادھر چھپ رہے تھے اور کسی کے سامنے نہیں آرہے تھے. حضور نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا پتہ چلا تو ان کو "ابو راقد" (او گہری نیند سونے والے) کہہ کر پکارا اور سامعین نے اس واقعہ کا خوب حظ اٹھایا.

جبل سلع کے غربی جانب کی ایک ہوائی تصویر جس میں ساتوں مساجد نظر آتی ہیں دراصل ان مقامات پر دوران جنگ ان اصحابہ کرامؓ کے خیمے نصب تھے جن کے نام پر یہ مساجد منسوب ہیں.

ابن اسحاق نے حضرت بشیر بن سعدؓ کی بیٹی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ان کی والدہ نے ان کو مٹھی بھر کھجوریں دے کر ان کے والد (حضرت بشیر بن سعدؓ) اور ان کے ماموں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے پاس بھیجا. وہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس سے گزر رہی تھیں تو آپ حضور ﷺ کی نظروں سے بچانے کی غرض سے ان کھجوروں کو اپنے دامن میں چھپا کر جا رہی تھیں. ان کو یوں چوری چوری گزرتے دیکھ کر رسول رحمت ﷺ نے ان کو پیار سے اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ وہ کیا چھپا کر لے جا رہی ہیں جس پر ان کو بتانا پڑا کہ آقا یہ چند کھجوریں ہیں. آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھجوریں آپ کو دے دے جو انہوں نے دی دیں. پھر آپ نے پاس موجود ایک اصحابی کو فرمایا کہ ایک چادر لا کر زمین پر بچھا دی جائے. حکم کی تعمیل ہوئی اور آپ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے وہ مٹھی بھر کھجوریں اس میں انڈیل دیں اور دیکھنے والے دنگ رہ گئے کہ پوری چادر کھجوروں سے بھر گئی. پھر آپ حضور ﷺ نے سب حاضرین (کھدائی کرنے والے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو مدعو فرمایا اور کھانے کی دعوت دی. لوگوں کا جم غفیر جمع ہو گیا اور آں حضرت ﷺ نے صلائے عام دے دیا کہ جتنی چاہو کھاؤ. سب نے پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں. جب سب سیر ہو کر چلے گئے تو اس بچی کی حیرت کی انتہا نہ تھی کیونکہ وہ دستر خوان ابھی بھی پہلے کی طرح بھرا پڑا تھا.

اس سے بھی زیادہ ایمان افروز واقعات اور معجزات کو حضرت جابر بن عبداللہؓ نے بیان فرمایا ہے. ان سے مروی ہے: [ہم خندق کھود رہے تھے کہ اچانک ایک ایسی چٹان سے واسطہ پڑ گیا جو ٹوٹنے میں نہ آتی تھی. ہم بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آقا ایک ایسی چٹان سے واسطہ پڑ گیا ہے جو ٹوٹنے میں نہیں آتی. حضور سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا: [ابھی آرہا ہوں!] پھر آں حضرت ﷺ نیچے
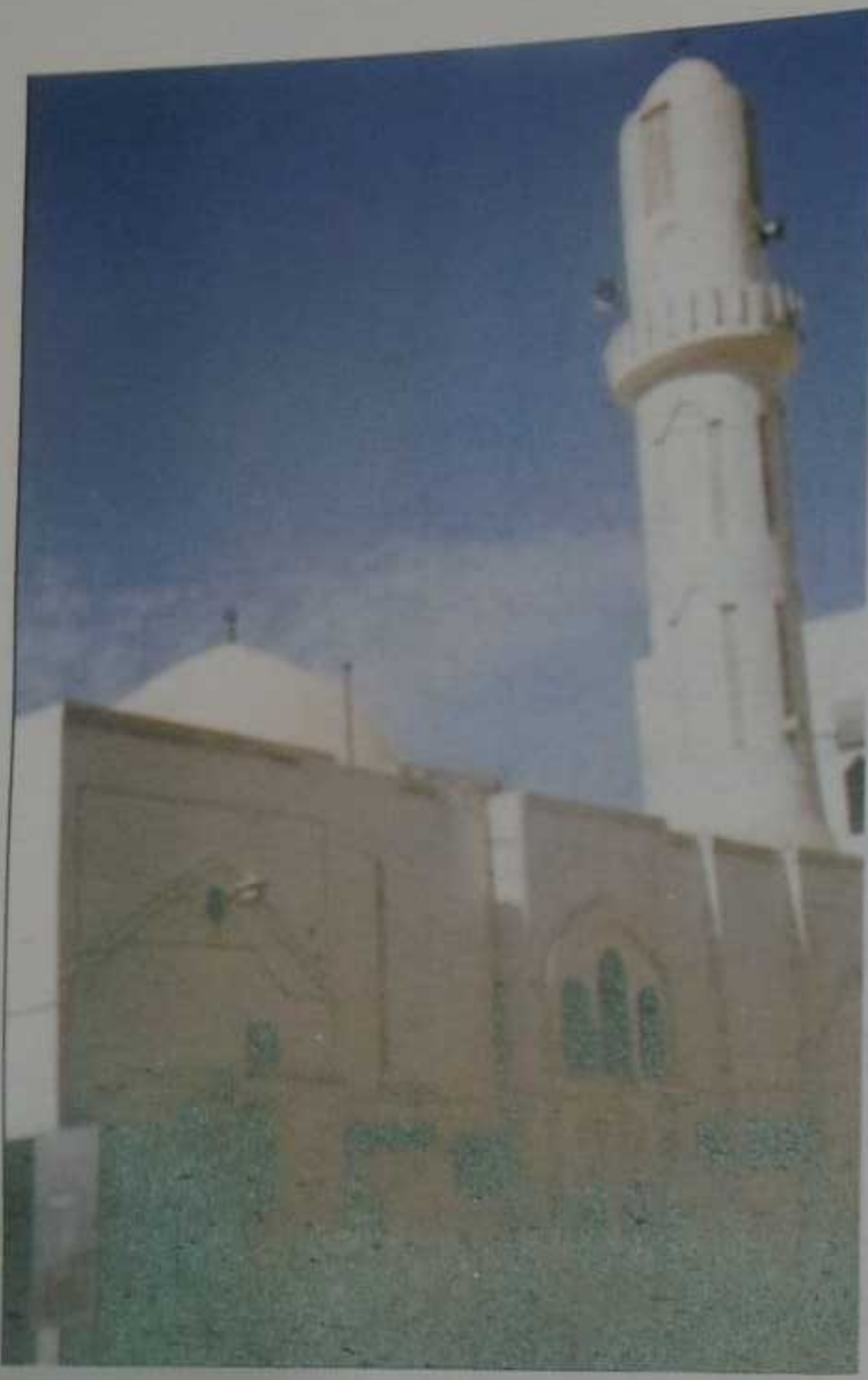
تشریف لے آئے اور آپ کے بطن مبارک پر پتھر بندھا تھا کیونکہ تین دن سے حضور ﷺ نے
کچھ نہیں کھایا تھا. ایک ہی ضرب رسالت مآب ﷺ سے وہ چٹان ریت کا ڈھیر بن گئی. میں نے
عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے میں تھوڑی دیر کے لیے گھر ہو آؤں. لہذا جب میں
گھر گیا تو اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فاقہ کشی کی ایسی حالت میں دیکھا ہے
کہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا. کیا گھر میں کچھ کھانے کے لیے ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں کچھ جو
کا آٹا ہے اور ایک بکری ہے. میں نے بکری ذبح کی اور وہ جو کا آٹا گوندھنے لگ گئیں. پھر ہم نے
گوشت کو مٹی کی ہنڈیا میں رکھ دیا. جب جو کا آٹا ذرا نرم اور خمیرہ ہو گیا اور گوشت بھی کچھ گلنے لگ
گیا تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے تھوڑا
سا طعام تیار کروایا ہے. میرے ماں باپ آپ پر قربان حضور تشریف لے چلیں اور ساتھ چند
احباب کو بھی مدعو فرمالیں. حضور ﷺ نے استفسار فرمایا: کتنا کھانا ہوگا؟ میں نے حقیقت حال
عرض کر دی. حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [ٹھیک ہے یہ کافی رہے گا!] جایئے اور اپنی زوجہ کو کہہ
دیں کہ جب تک ہم نہیں آجاتے وہ ہنڈیا کو چولھے سے نہ اتاریں اور نہ ہی تنور سے روٹیاں
نکالیں. پھر غریبوں کے والی اور یتیموں کے مولا ﷺ نے اپنے تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
اجمعین کو صلائے عام دے دیا اور فرمایا: اٹھیے اور ہمارے ساتھ چلیے. مہاجرین اور انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین سب چل پڑے. جب میں اپنی
بیوی کے پاس گیا تو کہا اللہ خیر کرے! نبی اکرم ﷺ اپنے تمام مہاجر اور انصار ساتھیوں کے جلو میں تشریف لا رہے ہیں. انہوں نے پوچھا کہ
کیا رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہے کہ ہمارے ہاں کتنا کھانا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! اتنی دیر میں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے اور اپنے
اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا: گھر میں چلیں مگر ازدحام نہ کریں. رسول اللہ ﷺ نے روٹیوں کے ٹکڑے کرنے شروع کر دیئے اور
پکا ہوا گوشت ان کے اوپر ڈالتے گئے. آپ ایک ایک کر کے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھانا تقسیم فرماتے گئے اور گوشت ہنڈیا سے
نکالتے گئے. آپ حضور ﷺ روٹیوں کے ٹکڑے بناتے اور ان پر گوشت ڈالتے گئے یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھایا. اس کے بعد بھی کھانا بچا
ہوا تھا.] پھر رسول اللہ ﷺ نے میری بیوی سے فرمایا: کھاؤ اور دوسروں کو بھی دو کیونکہ سب کو بھوک لگی ہوئی ہے.] (۱۶۰) اس گھر میں جہاں یہ
تکاثر طعام کا معجزہ ہوا تھا اسی مقام پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ایک مسجد یادگار کے طور پر بنادی گئی تھی جو بعد میں کئی بار منہدم ہوئی اور
نئے سرے سے بنائی جاتی رہی. سعودی عہد میں اس کی تعمیر نو کی گئی ہے اور یہ مسجد آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے جو جبل سلع کے دامن میں
مسجد بنوحرم کے نام سے مشہور ہے.

اب آتے ہیں اس معرکے کی تفصیلات کی طرف. دشمن کی افواج جن میں مکی قبائل کے جنگجوؤں کے علاوہ بنو کنانہ، بنو غطفان اور نجد
سے لیے گئے بدو قبائل کی کثیر تعداد شامل تھی مدینہ طیبہ کی حدود میں الجرف کی طرف سے داخل ہوئے. "داخل ہوتے ہی انہوں نے اس جگہ پر
جہاں رماہ (وادی قناۃ کے ندی نالوں کا) اور زغابہ کا سنگھم ہوتا ہے پڑاؤ ڈالے. ان میں سیاہ فام کرائے کے جنگجوؤں اور تہامہ کے بنو کنانہ کی
تعداد دس ہزار سے متجاوز تھی. اس کے علاوہ غطفانی بھی اپنے نجدی حلفاء کے ساتھ ذنب نقمہ کے علاقہ میں احد کی طرف خیمہ زن ہو گئے تھے.
(۱۶۱) چونکہ مکی قریشیوں نے حبشی غلاموں کی ایک کثیر تعداد کرائے پر حاصل کر لی تھی ان کو بھی وادی العقیق کے ساتھ ساتھ ایک پہاڑی کے
دامن میں ٹھہرایا گیا جو ان حبشیوں کی نسبت سے آج بھی جبل حبشہ کے نام پر مشہور ہے. (۱۶۲) ابوسفیان پوری افواج کا سالار اعلیٰ تھا جس

جبل سلع کے دامن میں
مسجد بنوحرام جہاں
حضرت جابر بن عبداللہؓ
کا گھر تھا جہاں یہ معجزہ
رونما ہوا تھا.
(تصویر: اگست ۲۰۰۲ء)

نے دوسرے لیڈروں کو روزمرہ کے حملوں کے لیے اپنا نائب مقرر کیا. خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل اور عمرو بن العاص گھڑ سوار فوج کے سربراہ تھے جو ہراول دستے کے طور پر پہلے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے. جب وہ جبل سلع کے دامین میں پہنچے تو ان کی حیرانی اور مایوسی کی انتہاء نہ رہی کہ ان کو اپنے زمین کے قلابے بھرتے ہوئے گھوڑوں کو یکا یک لگامیں لگانا پڑیں کیونکہ ان کے آگے ناقابل عبور چوڑی اور گہری خندق منہ کھولے کھڑی تھی. ابن اسحاق کے الفاظ میں: ''وہ اپنے گھوڑوں پر سرپٹ دوڑتے آئے مگر خندق کو دیکھ کر ان کو اپنے گھوڑوں کو روکنا پڑا. خندق کو دیکھتے ہی وہ بے اختیار کہہ اٹھے. یہ حربہ پہلے تو کبھی کسی عرب نے نہیں آزمایا!'' (۱۶۳)

ان کی ساری حسرتیں خاک میں مل گئیں. پورے جزیرہ نمائے عرب میں ایسا دفاعی حربہ کبھی بھی استعمال نہیں ہوا تھا. ان کی ساری قوت کا دارومدار تو اس وقت کے روائتی جارح اور دفاعی طریقوں پر تھا. وہ جنگ احد میں دیکھ چکے تھے کہ مسلمانوں کے پاس گھڑ سوار فوج نام کی کوئی بھی چیز نہیں تھی. اس بار وہ پہلے سے بھی زیادہ گھڑ سوار فوج ساتھ لیکر آئے تھے جو اس نئی دفاعی لائن کے سامنے بالکل بے بس کھڑی تھی. ان کے حربی منصوبہ بازوں کے لیے یہ ایک بالکل انوکھا حربہ تھا. خندق اتنی وسیع اور گہری تھی کہ کوئی بھی گھوڑا اس کو پھلانگنے سے عاجز تھا. دوبار پہلے بھی ان کو لشکر رسول اللہ ﷺ سے واسطہ پڑ چکا تھا اور ہر بار ان کو دفاع کا ایک نیا مگر روائتی انداز ملا تھا مگر اب کی بار تو ایک ایسی چال چلی گئی تھی جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی. ان کے دفاعی منصوبہ باز حیران تھے کے ہر میدان جنگ میں ان کو ایک نئی چال (Manoeuvers and tactics) سے پالا پڑتا تھا. مثال کے طور پر جنگ بدر میں حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ سے ایک سو بیس کیلومیٹر دور تک نکل کر گئے تھے اور ان کو دیار غیر (No Man's Land) میں للکارا تھا. احد میں اس سے بھی زیادہ حیران کن طور پر خیمہ زنی کی گئی تھی کہ مسلم افواج کا پڑاؤ دامن کوہ میں اس انداز سے کیا گیا تھا کہ حملے کی صورت میں دشمن کی پشت مدینہ طیبہ کی طرف تھی اور سب سے حیران کن بات یہ تھی کہ اگرچہ پورا مدینہ طیبہ بادی النظر میں کھلا چھوڑ دیا گیا تھا مگر دشمن اس خوف میں مبتلاء رہا کہ وہاں کافی فوج شہر کے دفاع کے لیے ضرور موجود ہوگی. لیکن اب کی بار جب کہ وہ مختلف قبائل کی عملی حمایت سے جارح بن کر آئے تھے ان کے سامنے ایک نہایت ہی انوکھے انداز میں موت منہ کھولے کھڑی تھی. نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن! وہ تو اب کی بار اس نوزائیدہ ریاست کو بیخ و بن سے اکھاڑنے آئے تھے مگر اس وسیع و عمیق خندق نے ان کے سارے خواب چکنا چور کر دیئے. عددی برتری اور سامان حرب وضرب کی فراوانی ان کے کسی کام نہ آسکی.

رسول اللہ ﷺ نے اپنا خیمہ ایک چھوٹی سی پہاڑی (جس کو جبل الرایہ اور جبل ذباب کہا جاتا ہے جو درحقیقت جبل سلع کا ہی ایک علیحدہ حصہ (Stand Alone) ہے) پر نصب کروایا. یہ ایک ایسا مقام تھا جہاں سے حضور نبی اکرم ﷺ پورے میدان جنگ پر نظر فرما سکتے تھے. (۱۶۴) حضرت ربیع بن عبدالرحمٰن بن ابی سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا خیمہ جبل ذباب کی چوٹی پر نصب کیا گیا تھا. (۱۶۵) یہ ایک سرخ رنگ کا چمڑے کا بنا ہوا خیمہ تھا. امہات المومنین میں سے سیدہ عائشہ صدیقہؓ، سیدۃ ام سلمہؓ اور سیدۃ زینبؓ باری باری حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اس خیمے میں قیام پذیر رہیں. آپ حضور ﷺ ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مورچوں میں تشریف لے جاتے اور ان کو عملیات حرب کے دوران چاک و چوبند رہنے کی تلقین فرماتے تاکہ دشمن اس دفاعی لائن کو توڑ کر اندر نہ گھس سکے. پینتیس (۳۵) گھڑ سواروں کے ساتھ تین ہزار مسلم ملیشیا مختلف شفٹوں میں اس وسیع و عمیق خندق کی چوبیس گھنٹے نگرانی کرتے. جنگ شروع ہونے سے ایک دن پہلے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کل تمہارا دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے تمہارا ایک دوسرے کے لیے تعارفی کوڈ ''حم لا ینصرون'' ہوگا. (۱۶۶) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ: جنگ کے دوران اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ رزمیہ شعر گنگناتے تھے:

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد عربی ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے

اور یہ پیمان کیا ہے کہ جب تک ہماری رگوں میں خون ہے ہم اسلام کا اتباع کریں گے.

جس پر رسول اللہ ﷺ فرماتے:

اے رب ذوالجلال اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے میرے ان انصار اور مہاجر ساتھیوں کی بخشش فرمادے.(۱۶۷)

مہاجرین کے علم بردار حضرت زید بن حارثہ ؓ تھے جب کہ انصار کا علم حضرت سعد بن عبادہ ؓ کو عطا کیا گیا تھا.(۱۶۸) دوسرے کمانڈر: حضرت سلمان فارسیؓ، سیدنا ابوبکر صدیق ؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا علی المرتضی شیر خداؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ تھے جنہوں نے اپنے خیمے جبل سلع کی مغربی جانب نصب کئے ہوتے. یہ جانب حرہ غربیہ کی محازی تھی جہاں سے خندق آ کر حرہ غربیہ کے سنگلاخوں کی تیز چٹانوں کے ساتھ مل جاتی تھی. یہ علاقہ درحقیقت ایک طرح کا جنرل ہیڈ کوارٹر (G H Q) اور میدان جنگ کا دفتر رئیسی (Command Centre) تھا اور تمام اجتماعات زیادہ تر اسی علاقے میں ہوا کرتے تھے اگر چہ سالار اعلیٰ جناب رسول مقبول ﷺ کا خیمہ جبل سلع کے دوسری طرف جبل الرایہ کی چوٹی پر نصب تھا.تمام کمانڈر حضرات اپنے اپنے خیموں میں ہی نماز نوافل ادا کرتے تھے. ان جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مورچوں کے مقام پر ان کی یاد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے چھوٹی چھوٹی مسجدیں تعمیر کروادی تھیں. بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ ان ایام کے دوران ایک دن رسول اللہ ﷺ نے عصر اور مغرب کی نمازیں اسی علاقے میں ادا فرمائی تھیں.(۱۶۹)

احتیاطی تدبیر کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ مین مقیم عورتوں اور بچوں کو محفوظ مقامات پر ان اطام میں منتقل فرمادیا تھا جو چند انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی ملکیت تھے. ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ بنی حارثہ کے علاقے میں ایک اطم میں ٹھہری ہوئی تھیں اور سیدۃ صفیہ بنت عبدالمطلب ؓ جو حضور سرکار دو عالم ﷺ کی پھوپھی تھیں شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت ؓ کے اطم (فارع) میں رہائش پذیر تھیں.

دشمن خندق کے ساتھ ساتھ گشت کرتا رہا اور جب اندر گھسنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو خندق سے تھوڑے فاصلے پر شمالی جانب خیمہ زن ہوگیا.اس نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کرنے کا فیصلہ کرلیا. کافر قبیلوں کی مشترکہ جارحیت کے لیے معرض وجود میں لائے گئے اتحاد کا مقصد تو قلیل المدت جنگ تھی اور اس طرح کا محاصرہ ان کے منصوبے میں شروع سے ہی شامل نہ تھا.مگر صورت حال قلیل المدت شدید جنگ کی بجائے طویل المدت محاصرے کا تقاضا کر رہی تھی. چارو نا چار انہوں نے غیر معینہ مدت کے لیے محاصرہ کرنے کا فیصلہ کرلیا.غزوہ احد کی طرح اس بار بھی وہ الزغابہ کی طرف سے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تھے.قریش کی رجمنٹ الزغابہ اور وادی رماہ کے سنگم پر الجرف اور الغابہ کے جنگل کے درمیان رک گئی.حبشی قبائل اور کنانہ اور تہامہ کے قبائلی بھی ان کے ساتھ تھے.غطفانی اور فزاری نجد میں سے اپنے حلفاء بنو اسد کے ساتھ جبل احد سے ذرا اوپر کی طرف ذنب نقمہ پر وادی نعمان پر رکے. چونکہ مدینہ طیبہ کی شمالی جانب جنوبی علاقے کی نسبت ڈھلوان میں نیچی ہے اس لیے قرآن کریم نے ان کے ان جنگی پڑاؤ اور خیمہ جات کو ''مسلمانوں سے نچلی طرف'' کہہ کر ذکر کیا ہے. یہود جو کہ اس غزوے میں تمام احزاب کے اتحادی بن چکے تھے العوالی میں اونچے علاقوں میں رہتے تھے اس لیے قرآن کریم نے ان کو ''مسلمانوں سے اوپر والے علاقوں'' کے مقیم کہہ کر پکارا ہے.(۱۷۰)

غزوہ احد کے برعکس اس غزوے کے دوران عملی طور پر کہیں گھمسان کا رن کہیں نہیں پڑا مکیوں کے لیے عملی طور پر یہ ناممکن ہو چکا تھا کہ وہ خندق کو عبور کریں کیونکہ ایسا کرتے وقت ان کو مسلم تیر اندازوں کی شدید مزاحمت کا سامنا تھا جو مدینہ طیبہ کی جانب خندق سے نکلی ہوئی مٹی سے بنی اوٹوں کے پیچھے چھپ کر ان پر وار کر دیتے تھے.کبھی کبھار دونوں فوجوں کے درمیان تیروں کی بارش کا تبادلہ ہو جاتا.اسی طرح کی ایک تیروں کی بوچھاڑ کے درمیان ایک تیر حضرت سعد ابن معاذ ؓ کے شانے میں آکر پیوست ہوگیا جس سے آپ کی ایک بڑی خون کی شریان زخمی ہوگئی اور اس سے خون کے فوارے پھوٹ پڑے تھے.(۱۷۱) یہ اسی زخم کی شدت تھی جس سے آپ نے بنو قریضہ کے معاملہ میں فیصلہ سنانے کے بعد جام شہادت نوش فرمایا تھا.(۱۷۲) ان کو خندق کے قریب آنے سے روکنے کے لیے اور اس دفاعی لائن میں موجود کسی ممکنہ خامی کو دور کرنے کے لیے

مسلمان آزادی سے پتھروں اور تیروں کا استعمال کرتے اور اس طرح کافی مرتبہ ان کی کفار کے جیالوں سے مڈ بھیڑ بھی ہوئی کبھی کبھار ان کے شہسوار خندق عبور کرنے کی جرأت کرتے۔ایسی ہی ایک کوشش میں ان کا ایک نوے سالہ جیالا عمرو بن عبدود العامری خندق میں نیچے اتر آیا اور بڑھک لگا کر مسلمانوں میں سے کسی ایک کو مقابلے کے لیے پکارنے لگا۔شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اس کا چیلنج قبول کیا اور حضور نبی موجودات ﷺ سے اجازت طلب کی۔سرکار دو عالم ﷺ نے ان کو اپنی سیف مبارک ذوالفقار عطا فرمائی اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر اپنا عمامہ 'السحاب' باندھا جس میں اس وقت نو بل تھے۔(محمد متولی الشعراوی، السیرۃ النبویہ، المکتبۃ العصریہ، بیروت، ص:۲۶۵ م السحاب، عمامہ تھا جسے سرکار دو عالم ﷺ اپنے سر مبارک پر نو بل دے کر باندھا کرتے تھے)۔یوں تھوڑی ہی دیر میں شیر خدا علی ابن ابی طالبؓ اللہ کے اس دشمن کے مقابلے کے لیے خندق میں اتر چکے تھے۔جونہی اس نابنجار نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا تو کہنے لگا کہ وہ اپنے ایک دوست کے بیٹے سے مقابلہ نہیں کرے گا خاص طور پر جبکہ وہ اس کی نظر میں کم عمر تھے اور کسی عمر رسیدہ قریشی کے مقابلے کے اہل نہ تھے۔سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اس کے مقابلے کے لیے ڈٹے رہے اور بالآخر دوبدو مقابلہ ہوگیا۔ایک ہی وار میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر بریدہ دھڑ زمین پر لت پت پڑا تھا۔مسلمانوں کی طرف سے فلک شگاف نعرہ تکبیر بلند ہوا اور فضا اللہ اکبر کی آوازوں سے گونج اٹھی۔

ان کے ایک اور شہسوار نوفل المخزومی نے بھی خندق عبور کرنے کی جسارت کی مگر اپنے گھوڑے سمیت خندق میں گر پڑا۔جب مسلمانوں نے اس پر پتھراؤ شروع کیا تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں روک دیا اور بنفس نفیس اس کا مقابلہ کرنے کے لیے خندق میں اتر گئے۔پلک جھپکنے میں ہی آپ نے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔دشمن نے دس ہزار درہم کی پیشکش کی کہ اس کی لاش اٹھانے دی جائے مگر رسول رحمت ﷺ نے بغیر کسی درہم لیے ان کو اپنا مردہ اٹھانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔مسلمانوں کے چاک و چوبند دستے دن رات خندق کی دفاعی لائن کی حفاظت کی خاطر گشت کرتے رہتے تھے۔جنگ احد میں حاصل شدہ دروس سے پورا پورا استفادہ کیا گیا اور ہر معاملے میں اپنے سالار اعلیٰ کے احکام کی پوری پوری تعمیل کی جاتی۔جونہی کوئی کافر خندق عبور کرتا نظر آتا اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جاتی اور اسی مستعدی اور فرض شناسی نے سوائے دو چار استثنائی حالات کے کسی کو بھی خندق کے اس پار نہ آنے دیا۔جو بھی آگے آیا یا دھر لیا گیا یا پھر الٹے پاؤں واپس بھاگ گیا۔محاصرہ طویل ہونا شروع ہوا تو ان کے سرداروں نے سر جوڑنے شروع کر دیئے۔وہ جان چکے تھے کہ ان کا مقابلہ ایک ایسی قوم سے آن پڑا تھا جو حیات کی نسبت موت سے زیادہ پیار کرتی تھی۔اکا دکا واقعات کے علاوہ مسلمانوں کو شمشیر زنی کا صحیح موقع نہ مل سکا۔دشمن صرف "حملہ کرو اور بھاگ جاؤ" (Hit and Run) کی حکمت عملی پر گامزن تھا اور اس کی بہتری بھی اسی میں تھی بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دوران کم از کم ایک دن ایسا بھی آیا کہ دشمن نے خندق عبور کرنے کی بار بار اور سر توڑ کوشش کی جس کی وجہ سے مسلمان مجاہدین سارا دن دفاعی کارروائیوں میں مشغول رہے اور اتنا وقت بھی میسر نہ آسکا کہ بروقت نماز ادا کرسکیں۔رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر بھی مغرب یا عشاء کے بعد اکٹھی پڑھی۔مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جان نثاروں نے وادی بطحان کے کنارے مغرب کے بعد وضو کیا اور پھر تینوں نمازیں یکے بعد دیگرے ادا کیں۔(۱۷۳) کچھ سیرۃ نگاروں کا خیال ہے کہ ایسا ایک بار نہیں بلکہ کئی بار ہوا ہوگا کہ جنگ کی عملی ضروریات (Operational Requirements) کے پیش نظر نماز قضاء ہوئی ہوگی۔

جونہی محاصرے نے طول پکڑا یہ بات طشت از بام ہوگئی کہ بنو قریظہ کے یہود خفیہ طور پر کفار کے ساتھ اتحاد کر چکے تھے اور ان کا منصوبہ تھا کہ مسلمانوں پر پشت سے حملہ آور ہوں گے۔باہر سے آنے والے دشمن کے قدم تو روک دیئے گئے تھے، مگر اب سوال یہ تھا کہ اندر کا دشمن جو گھر کا بھیدی تھا اس کا کیا کیا جائے۔تین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم (حضرت سعد ابن عبادہؓ، حضرت سعد ابن معاذؓ اور حضرت خوات ابن جبیرؓ) کو افواہوں کی سچائی جاننے کے لیے روانہ کیا گیا۔آپ حضور ﷺ نے ان کو ہدایات دیں کہ:[اگر یہ افواہیں صحیح نکلیں تو میرے پاس آکر

خفیہ اشاروں سے بات کرنا تا کہ باقی مسلمانوں کے مورال پر برا اثر نہ پڑے اور اگر حقیقت حال اس کے برعکس ہو تو کھلے بندوں اس کا اظہار کر دینا۔] (۱۷۴) قریضیوں سے ملنے پر پتہ چلا کہ ان کو میثاق مدینہ کی کوئی پرواہ نہیں تھی اور انہوں نے کھلے بندوں اس کا اظہار بھی کر دیا۔ وہ اس وقت بڑی اونچی ہواؤں میں اڑ رہے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف گستاخانہ کلمات استعمال کئے اور تضحیک کے انداز میں پوچھا: "محمد (ﷺ) کون ہیں اور ہمارا کسی محمد (ﷺ) سے کوئی معاہدہ نہیں ہے!" وفد کے تینوں ممبروں نے بڑے ضبط و تحمل سے کام لیا اور واپس آکر ان کی بدطینتی کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کر دیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اگر یہود مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھا لیتے تو حالات کا پانسہ پلٹ جاتا۔ اس خبر سے مسلمانوں میں سراسیمگی سی چھا گئی۔ (۱۷۵) منافقین کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی اس حد تک سہم گئے تھے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے اپنے گھروں کو جانے کی اجازت مانگی، ان میں بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے لوگ شامل تھے۔ قرآن کریم نے اس بات کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: ﴿اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ نہ کیا تھا بلکہ فریب کا۔ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا "اے اہل یثرب یہاں تمہارے ٹھہرنے کی اب کوئی گنجائش نہیں تم گھروں کو واپس چلو اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگتا پھرتا تھا یہ کہہ کر کہ ہمارے گھر بے حفاظت ہیں حالانکہ وہ بے حفاظت نہ تھے۔ وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔﴾ (۱۷۶)

جب مسلم فوج محاذ جنگ پر سینہ سپر تھی تو خواتین، مریضوں، بوڑھوں اور بچوں کو پیچھے رہنے دیا گیا تھا اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ان کو کھانے پینے کی ضروری رسد مہیا کر کے مختلف مقامات پر اطام میں رکھا گیا تھا۔ سیدۃ صفیہ بنت عبدالمطلب ؓ جو ایک مرتبہ اس اطم پر پہرہ دے رہی تھیں جس میں خواتین مقیم تھیں تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ یہودی اطم کے اردگرد مشکوک طرز سے چکر لگا رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے تو اطم کے اوپر چڑھنے کی کوشش بھی کی تھی۔ آپ نے خطرے کو بھانپ لیا تھا۔ پہلے تو آپ نے حضرت حسان بن ثابت ؓ کو کہا کہ وہ یہودی کا مقابلہ کریں، مگر چونکہ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے معذرت کر دی تو سیدۃ صفیہ ؓ نے بغیر کوئی دقیقہ فروگزاشت کئے اس مشکوک یہودی پر حملہ کر دیا اور اپنی تلوار کی ایک ہی ضرب کاری سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ جب وہ زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا تو دوسرے یہودیوں کو بھاگتے ہی بنی اور وہ نو دو گیارہ ہو گئے۔

یہود کی مشکوک حرکات و سکنات (اور وہ بھی ایک ایسے اطم کے گرد جہاں صرف خواتین قیام پذیر تھیں) ایک قسم کا اشارہ تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ اس کے سد باب کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فوراً نوجوانوں کے دستوں کو ان راستوں کی حفاظت کے لیے روانہ کر دیا جو یہود بنی قریضہ کی آبادی سے مدینہ طیبہ کی طرف آتے تھے۔ ان کو حکم دے دیا گیا کہ وہ رات بھر وقفے وقفے کے بعد اللہ اکبر کے نعرے لگاتے رہیں اور دیگر قرآنی آیات کی زور زور سے تلاوت کریں تا کہ یہود اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھے رہیں۔ واقدی نے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا ایک قول روایت کیا ہے: "میں ان سنگین حالات کے دوران جبل سلع کی چوٹی پر بار بار چڑھتا تھا تا کہ مدینہ طیبہ میں واقع گھروں کے حالات کا جائزہ لیتا رہوں اور جب مجھے ہر طرف خاموشی نظر آتی تو میں اللہ کا شکر ادا کرتا تھا۔" جبل سلع پر چند سطریں جو کنداں تھیں (جواب نہیں ہیں) ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (مثلاً: سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اور سیدنا عمر فاروق ؓ) لگاتار حالات پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔ سیدنا عمر فاروق ؓ کے دست مبارک سے کنداں ایک کتابت کچھ اس طرح تھی: [رات دن ابوبکر اور عمر عاجزی سے اللہ کے حضور دست بدعا رہے ہیں کہ اے اللہ ہر بری صورت حال سے بچانا۔] چٹانوں پر کندہ ان کتابتوں کے متعلق دیگر تفاصیل ہماری اس کتاب کے باب "تبرکات نبوی اور تبرکات مدینہ طیبہ" میں دستیاب ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل ؓ سے مروی ہے کہ جنگ خندق کے دوران ایک دفعہ ان کو رسول اللہ ﷺ سے شرف ملاقات کی حاجت تھی۔ انہوں نے آپ حضور ﷺ کو ادھر ادھر بہت تلاش کیا مگر آپ حضور ﷺ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ آپ جبل سلع پر چڑھ گئے کہ شائد آپ کہیں اوپر نہ تشریف لے

اُن تاریخی تصویروں کی ایک نادر تصویر جو کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دوران غزہ خندق جبل سلع کی ایک چٹان پر کنداں کی تھیں یہ تصویر ڈاکٹر حمید اللہ کی کاوشوں کی مرہون منت ہے جو کہ انہوں نے ۱۹۳۰ء کی دہائی میں کی تھیں. ہم اسلامک اوریئنس ارگنائزیشن کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے ہمیں ان تصاویر کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی.

گئے ہوں. وہاں سے انہوں نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک غار میں ان کی نگاہ رسول اللہ ﷺ پر پڑ گئی. جب وہ وہاں آئے تو پتہ چلا کہ حضور شفیع المذنبین اور انیس الغریبین ﷺ اس غار میں کافی عرصہ سے سجدہ ریز تھے. وہ انتظار کرتے رہے مگر رسول اللہ ﷺ نے غیر معمولی طور پر اپنے سجدہ کو طویل کیا ہوا تھا جس سے ان کے دل میں طرح طرح کے وہم و وسوسے جنم لینے لگے. آخر کار جب حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھایا تو آپ حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ کو فرمایا کہ جبریل امین نے اسی مقام پر آ کر آپ حضور ﷺ کو خوشخبری دی تھی کہ آپ کو اپنی امت کے بارے میں فکر مند رہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ کریم نے فرمایا ہے کہ وہ آپ کو نا امید نہیں کرے گا. لہذا آپ حضور ﷺ نے طویل سجدہ شکر ادا فرمایا تھا. اس جگہ پر ایک خوبصورت قبہ تعمیر کر دیا گیا تھا جو زیارت گاہ خاص و عام تھا. اس کو 'کہف بنوحرام' کہا جاتا تھا. ایک اور معجزہ بھی جبل سلع پر ہوا تھا. یہ بھی غزوہ خندق کے دوران کا واقعہ تھا کہ جب لشکر اسلام کو ایک دفعہ پانی کی قلت کا سامنا تھا تو کہف بنوحرام کے قریب ہی ایک چٹان سے حضور نبی اکرم ﷺ کے حکم سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا جو صدیوں تک عشاق کی پیاس بجھاتا رہا. (۱۷۷) کہف بنی حرام تو موجود ہے مگر چشمہ ندارد. (۱۷۸)

یوں تو یہود کی ریشہ دوانیاں سب مسلمانوں پر عیاں تھیں مگر وہ اچانک اتنی غداری پر اتر آئیں گے یہ کسی کے وہم و گمان بھی نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سب ہکے بکے رہ گئے تھے. ایک انجانا سا خوف سب پر طاری ہو چکا تھا قرآن کریم کے الفاظ میں: ﴿اس وقت مومنین سخت امتحان میں تھے جس نے انہیں خوب سختی سے جھنجوڑ دیا تھا.﴾ (۱۷۹) رسول اللہ ﷺ وقتاً فوقتاً مسلمان دستوں کا معائنہ فرماتے رہتے جس سے ان کے حوصلے آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگ جاتے تھے. کبھی آپ حضور ﷺ جبل سلع کے ساتھ منسلک اس چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھ جاتے جہاں آج مسجد فتح نظر آتی ہے. وہاں پر کھڑے ہو کر آپ حضور ﷺ نے رب ذوالجلال کے آگے اپنے ہاتھ پھیلا کر دعا کی: [اے اللہ، اے وہ ذات جس نے کتاب برحق نازل کی، اے وہ ذات جس کے حکم سے بادل ہواؤں میں تیرتے ہیں، تو انہیں شکست فاش دے اور ہمیں فتح و نصرت عطا کر.] حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین دن تک مسجد فتح کے مقام پر دعا فرمائی۔ پیر، منگل اور بدھ کے دنوں میں. بدھ کے دن جو دعا آپ حضور ﷺ نے دو نمازوں کے درمیان کی تھی وہ مستجاب ہو گئی اور ہم سب یہ آپ حضور ﷺ کے چہرہ اقدس سے پہچان سکتے تھے.] (۱۸۰) کچھ مورخین کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا خیمہ غزوہ کے آخری دنوں میں اس جگہ منتقل فرما لیا تھا جہاں مسجد فتح ہے جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے. ہو سکتا ہے یہ اس دن ہوا ہو گا جب دشمن نے لگاتار حملوں کی بوچھاڑ کر دی تھی تا کہ مسلمانوں کی دفاعی لائن کو توڑا جا سکے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نماز عصر قضاء ہو گئی تھی جو کہ سب نے غروب شمس کے بعد وادی بطحان کی ایک طرف ادا کی تھی. (۱۸۱) اس غزوہ میں چھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جام شہادت نوش فرمایا جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

جبل سلع کی غربی جانب کی ایک تصویر (اپریل ۲۰۰۱ء)

۱۔ حضرت سعد ابن معاذؓ (۱۸۲)

۲۔ حضرت انس بن اوس بن عتیقؓ

۳۔ حضرت عبداللہ بن سہلؓ

۴۔ حضرت طفیل بن نعمانؓ

۵۔ حضرت ثعلبہ بن انمہؓ

۶۔ حضرت کعب بن زید بن قیس النجاریؓ

حملہ آوروں میں سے ایک، نعیم بن مسعود بن عامر الغطفانی، نے ایک رات حضور ﷺ سے شرف باریابی کی درخواست کی جسے شرف قبولیت بخشا گیا۔ انہوں نے حاضری کے دوران اسلام قبول کرلیا۔ چونکہ ان کا قبول اسلام اس وقت تک کسی اور کو معلوم نہ تھا (کم از کم یہودیوں اوران کے اپنے اہل قبیلہ کو جو کفار مکہ کے حلیف تھے) انہوں نے اپنی خدمات پیش کیں کہ وہ ازخود یہودیوں کے پاس جائیں گے اوران میں اور کفار میں عدم اعتماد اور پھوٹ کے بیج بونے کی کوشش کریں گے۔ نبی اکرم ﷺ نے پروپیگنڈے کی اہمیت کے پیش نظر ان کو اس خطرناک مہم کی اجازت یہ کہہ کر مرحمت فرمادی کہ: 'جنگ داؤ پیچ کا کھیل ہی تو ہوتا ہے!' اس کے مطابق حضرت نعیمؓ پہلے یہودیوں کے پاس گئے اور کوشش کی کہ وہ اس معاملے سے اپنے آپ کو الگ کرلیں۔ انہوں نے یہود سے کہا کہ اگر قریش جنگ ہار کر چلے گئے تو یہود کو کن کے رحم وکرم پر چھوڑ کر جائیں گے؟ کون ہوگا جو مکہ سے واپس آکر یہود کی مدد کرے گا؟ اور بصورت دیگر اگر وہ جنگ جیت بھی گئے تب بھی وہ مدینہ طیبہ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ دونوں صورتوں میں یہود خسارے میں رہیں گے۔ اس طرح ان کو ڈرا دھمکا کر انہیں تجویز دی کہ ان کے لیے بہتر ہوگا کہ وہ مکہ والوں سے اس بات کی ضمانت لیں کہ وہ ان کو کسی حال میں اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ ایسی ضمانت کی صورت یہ ہوسکتی تھی کہ اہل مکہ اپنے کچھ جیالے یہودیوں کے پاس بطور یرغمال رہنے دیں۔ اس مطالبے کے ماننے یا رد کرنے سے مکیوں کی نیت کا اندازہ کرلیا جائے گا۔ یہ چال کامیاب رہی اور یہود نے ایسا ہی کرنے کی حامی بھرلی۔

اس کے بعد وہ مکی کیمپوں میں گئے اور ان کو باور کروایا کہ ان کے علم کے مطابق یہود اپنے عہد وپیمان سے پھر گئے ہیں اور یہ کہ وہ مکیوں کے شانہ بشانہ لڑنے کی نسبت مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑیں گے۔ انہوں نے ان پر یہ بھی واضح کردیا کہ آئندہ جب بھی مذاکرات ہوں گے تو یہود ان کے کچھ آدمی بطور یرغمال مانگیں گے۔ پھر وہ اپنے قبیلے کے لوگوں کے پاس گئے اور ان کو بھی اسی طرح کے مشورے دیئے۔ اس طرح اس بھاری بھرکم اتحاد کے ٹوٹنے کی راہ ہموار ہوگئی۔ جمعہ کی رات مکیوں نے یہودیوں کو پیغام بھیجا کہ وہ ہفتہ کے دن لڑائی کے لیے تیار رہیں اور مسلمانوں کی پشت سے ان پر زوردار حملہ کردیں۔ انہوں نے جان بوجھ کر ہفتہ کے دن کا انتخاب کیا تھا تاکہ دیکھا جائے کہ یہود کتنا عہد وپیماں نبھاتے ہیں! یہودی لیڈر مکیوں کے پاس گئے۔ ایک طرف تو انہوں نے اپنے یوم 'سبت' یعنی ہفتے کے دن لڑنے سے صاف انکار کردیا اور دوسری طرف ان سے یرغمال مانگنے لگے جس کا مکیوں نے صاف انکار کردیا۔ یہود کے خدشات پورے ہوتے نظر آئے اور وہ جان

گئے کہ کفار مکہ ان کو حضور نبی اکرم ﷺ کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلے جائیں گے. درحقیقت دونوں فریق حضرت نعیم بن مسعودؓ کے جال میں آ چکے تھے اور انہیں کے دیئے گئے پتوں سے کھیل رہے تھے. حضرت نعیمؓ نے ایک اور چال چلی اور یہ افواہ گرم کر دی کہ اگر اہل مکہ یہود کو چند یرغمال دے دیتے ہیں تو وہ ان کو حضور نبی اکرم ﷺ کے حوالے کر دیں گے. لہٰذا دونوں گروہوں میں اختلاف کی ایک گہری خلیج حائل ہو گئی اور دونوں طرف سے ایک دوسرے پر الزام تراشی شروع ہو گئی. یہود نے ان سے معاہدہ یکسر ختم کرنے کی دھمکی دے دی اور مکیوں کو اپنا نوشتہ دیوار صاف نظر آنے لگ گیا. یوں ان کا اتحاد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا.

حالات نے ایسی دلچسپ کروٹ لی کہ پانسہ مسلمانوں کے حق میں پلٹ گیا. دوسری طرف چونکہ وہ شروع سے ہی قلیل المدت جنگ کے انتظامات کر کے چلے تھے ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کو مدینہ طیبہ کا محاصرہ کرنا پڑے گا جو کہ طول کھینچ جائے گا. ان کے آنے سے پیشتر ہی مسلمان مدینہ طیبہ کے باہر والی اراضی سے اپنی تمام اجناس سمیٹ چکے تھے اور ان کے ہاتھ کھانے پینے کی کوئی چیز نہ لگ سکی تھی. یہ بھی ان کی قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ حیی بن اخطب نے ان کو جو بیس اونٹ کھجوروں اور دیگر سامان خورد و نوش لاد کر روانہ کئے تھے وہ بھی مسلمانوں کے ایک دستے کے ہتھے چڑھ گئے تھے. رہا ان کا یہود پر تکیہ تو وہ بھی حضرت نعیمؓ کی چال سے ختم ہو گیا تھا. جوں ہی یہودیوں نے انکار کیا تو جنگ کے سرپنچوں نے جنگی حکمت عملی اور خاص طور پر محاصرے پر نظر ثانی شروع کر دی. اس کے علاوہ شوال کا مہینہ ختم ہونے کو تھا جس کا مطلب صاف تھا کہ حج کا موسم سر پر آ پہنچا تھا. اقتصادی طور پر حج کا موسم اہل مکہ کے لیے بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا.

سب سے زیادہ تباہ کن وہ طوفان باد و باراں تھا جو مشیت ایزدی سے اس رات چلنے لگا جس سے اتحادیوں کے خیمے ہوا میں اڑنے لگے. یہ ایک اندھیری برفانی رات تھی جب مشرق سے ایک تیز آندھی اٹھی جو آناً فاناً چاروں طرف چنگھاڑ رہی تھی. حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مجھے 'الصبا' یعنی مشرق کی طرف سے اٹھنے والی آندھی سے فتح ملی جبکہ قوم عاد 'الدبور' یعنی مغربی طرف سے آنے والے طوفان سے تباہ ہوئی تھی.] (۱۸۳) قرآن کریم نے ان الفاظ میں اس حقیقت کا ذکر کیا ہے: ﴿اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آتے تھے اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے.﴾ (۱۸۴) طوفان اتنا شدید تھا کہ کفار کے پاؤں اکھڑ گئے. ان کے خیمے اور برتن ہوا میں ادھر ادھر اڑ رہے تھے اور ہر طرف افراتفری کا عالم تھا. رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو جاسوسی کی غرض سے ان کے کیمپوں میں بھیجا. انہوں نے وہاں مکمل تباہی کا منظر دیکھا. انہوں نے ابوسفیان کو ایک ایسی حالت میں دیکھا کہ وہ اسے آسانی سے نشانہ بنا سکتے تھے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایسا کوئی قدم اٹھانے سے منع فرمایا تھا جس سے بھگدڑ مچ جائے اس لیے انہوں نے ایسا کرنے سے اجتناب کیا. (۱۸۵) یہودیوں کی بے وفائی اور طوفان باد و باراں کی شدت سے ابوسفیان سخت پریشان تھا اور اسے اب امید کی کوئی رمق باقی نظر نہیں آ رہی تھی کہ وہ کبھی مسلمانوں کی دفاعی لائن کو توڑ سکے گا. ان تمام حالات سے دلبرداشتہ ہو کر وہ پہلا آدمی تھا جو اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور کہنے لگا: "اے بنو قریش ہمارے خیمے کوئی پکے بنے ہوئے نہیں ہیں؛ ہمارے گھوڑے اور اونٹ مرنے لگے ہیں؛ بنو قریظہ نے بدعہدی کی ہے اور ہمیں ان کی طرف سے مایوس کن اطلاعات ملی ہیں. تم اس طوفان باد و باراں کی شدت کو دیکھ رہے ہو جس نے ہمارے جلائے ہوئے چولھوں تک کو ٹھنڈا کر دیا ہے اور ہمارے برتن ہوا میں اڑ رہے ہیں. بیٹھنے کے لیے اب تو خیمے بھی نہیں رہے. تم جانو اور تمہارا کام! میں تو جا رہا ہوں." (۱۸۶)

وہ شان و شوکت اور طمطراق جس کے ساتھ اتحادی مدینہ طیبہ پر چڑھ دوڑے تھے سب دھری کی دھری رہ گئی اور انہیں ذلت آمیز پسپائی اختیار کرنی پڑی جس سے ان کی ہوا اکھڑ گئی اور ان کے غرور و تبختر کو سخت دھچکا لگا. ان کے اتحاد کا خواب بکھر چکا تھا. جنگ احزاب در حقیقت 'عسکری جنگ' (Battle of Military Engagement) ہونے کی بجائے ایک 'نفسیاتی جنگ' (Battle of Nerves) ثابت ہوئی.

قرآن کریم کے الفاظ میں: ﴿اور جب کافر اتحادیوں کے لشکر دیکھے تو کہنے لگے کیا یہی ہے وہ جو ہمیں وعدہ دیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے؟ اور سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے۔ اس سے ان کے ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونے میں اور پختگی آ گئی۔﴾ (۱۸۷) جیسا کہ ہندومت کی ایک کتاب اتھروید کی پیشین گوئی میں صدیوں پہلے کہہ دیا گیا تھا، میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور کفار کو منہ کی کھانی پڑی:

اے پجوں کے رب: یہ آزادی دلانے والے داد شجاعت دیتے ہیں اور تو ان کے وجد آفریں نغموں سے خوش ہوا۔ جب تو نے نمازیں پڑھنے والوں اور تیری حمد کرنے والوں کو دس ہزار دشمنوں پر بغیر لڑے فتح عطا فرمائی۔) (۱۸۸)

مسلمانوں کی بہترین جاسوسی نے کافر اتحادیوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اس کے بعد اس خطے میں اسلام ایک غالب قوت بن کر ابھر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [آج کے بعد کفار مکہ کبھی بھی مدینہ طیبہ کا رخ نہیں کریں گے۔] حضرت سلیمان بن سردؓ سے مروی ہے: [یوم احزاب پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [آج کے بعد ہم ان پر حملہ کرنے جائیں گے لیکن وہ اب کبھی حملہ کرنے نہیں آئیں گے۔] (۱۸۹) تاریخ نے آپ کے ایک ایک حرف کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کی اور اتحادیوں کی مدینہ طیبہ کے خلاف مشترکہ جارحیت ان کی آخری اور ناکام کوشش ثابت ہوئی۔ یہ صرف مکیوں کی شکست ہی نہیں تھی بلکہ یہ ان تمام اتحادی قبائل کی شکست تھی جو اس اتحاد اور اشتراک میں شامل تھے جو اسلام کے خلاف کینہ رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے عناد رکھتے تھے۔ جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ کا یہ ایک ایسا موڑ تھا جس کے نتائج بہت دور رس تھے۔ اتحادیوں کی شکست نے بدیہی طور پر سید العرب والعجم ﷺ کو جزیرہ نمائے عرب کا واحد اور بلا شرکت غیرے لیڈر اور قائد ہونے پر صاد کر دیا تھا۔

حضرت حسان بن ثابتؓ نے جنگ خندق کے موقع پر شعر کہے جن میں سے چند کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

وہ وحشی لوگ جو خلق خدا پر ظلم ڈھاتے تھے اور جو اپنے اتحادیوں کے ساتھ آں حضور ﷺ پر حملہ آور ہوئے
انہوں نے شہر شہر اور قریہ قریہ اور جنگل کے باسیوں تک کو ساتھ ملا لیا جن میں عیینہ اور حرب قبائل بھی شامل تھے
اور اتحادیوں کے شہسوار سبھی ان کے ساتھ بڑے طمطراق سے آئے
تا کہ رسول اللہ ﷺ کے جان نثاروں کو قتل کر دیں اور ان کے گھر لوٹ کر لے جائیں
انہوں نے ہم پر اپنی پوری قوت سے حملہ کیا
مگر شدید طوفان نے ان کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کے تمام دستے اپنی تمام تر غضب ناکیوں کے باوجود فرار ہو گئے
اور پھر رب ذوالجلال کی افواج نے (میدان جنگ کو اس طرح ہاتھ میں لیا کہ) مومنوں کے ساتھ جنگ کی نوبت ہی نہ آنے دی
اللہ نے مومنوں پر اپنے انعام واکرام کی بارش کر دی
جب وہ اپنے حوصلے کھو چکے تھے تو رب ذوالجلال نے اپنی مدد سے ان کو تتر بتر کر دیا
اور اس طرح حضرت محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو راحت عطا کی
اور ہر کذاب، شقی القلب، مشکوک اور منافق کو ذلیل وخوار کیا
واقعی ان لوگوں میں ایمان کی رمق تک نہ تھی
اللہ ان کے دلوں کو ایسے زخم اور کچوکے لگا تا رہے
کیونکہ وہ آخری وقت تک کفر پر ڈٹے رہے۔ (۱۹۰)

آخر میں ہم مشہور مستشرق ولیم منٹگمری واٹ کا تبصرہ قارئین کی نظر کرنا چاہیں گے جس میں اس نے غزوہ خندق کا تجزیہ کیا ہے:

''اس طرح دو ہفتے گزارنے کے بعد مکی افواج ناامید ہوگئیں اور وہ اتحاد جس کو اپنے بڑا ہونے پر ناز تھا پرزے پرزے ہوکر پسپا ہوگیا. غیر معمولی زمستانی موسم اور طوفان بادوباراں نے محاصرہ کرنے والوں کے چھکے چھڑا دیئے. انصار میں سے چھ شہید ہوئے جب کہ مکیوں کے تین جیالے اس معرکے میں کام آئے تھے. جہاں تک عسکری تجزیے کا تعلق ہے مکی شکست کا سہرا حضرت محمد کی اعلیٰ جنگی حکمت عملی اور ان کی بہترین جاسوسی کے نظام کے سر ہے. خاص طور آپ کا خندق کو دفاعی لائن بنانا حالات کے عین مطابق تھا. مکیوں کی امیدیں سراسر اپنے گھڑسواروں پر لگی تھیں کیونکہ پچھلی جنگوں میں واضح ہوگیا تھا کہ مسلمان پیادہ فوجی لڑائی میں اپنے دشمن پر چھا جاتے ہیں خواہ تعداد میں وہ کتنے ہی قلیل کیوں نہ ہوں. خندق نے مکیوں کی گھڑسوار فوج کا آگے بڑھنا ناممکن بنا دیا اور انہیں ایسے حالات سے دوچار کردیا کہ وہ اپنے چھ سو سے زائد شہسواروں کا کوئی بھی فائدہ نہ اٹھا سکے.'' (۱۹۱)

غزوہ بنو قریضہ:

غزوہ احزاب کے پس منظر اور واقعات کے بیان میں ہم یہود کے غدارانہ رویہ پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں. باقی دونوں قبائل نکل جانے کے بعد بنو قریضہ ہی ایک ایسا قبیلہ تھا جو مدینہ طیبہ میں رہ گیا تھا جو العوالی میں رہائش پذیر تھا. غزوہ خندق میں مکیوں نے محاصرہ اٹھانے کا فیصلہ کیا تو ان کے اتحادی پھر سے الگ الگ گروہ بن گئے اور اپنے اپنے علاقوں کو سدھار گئے اور جس خفت سے وہ لوگ بے نیل ومرام واپس لوٹے تھے اس سے مستقبل قریب میں ان کی واپسی اور مدینہ طیبہ پر چڑھائی ناممکن ہوگئی تھی. یہودیوں کے پہلے قبیلے بنو قینقع کو مدینہ بدر اس لیے کیا گیا تھا کہ انہوں نے بدعہدی کا ارتکاب کیا تھا اور انتباہ پر بھی اصلاح احوال پر راضی نہ ہوئے تھے. دوسرا گروہ، قبیلہ بنو نضیر حضور رسول مقبول ﷺ کی زندگی پر حملے کی سازش کا مرتکب ہوا تھا. حالانکہ یہ سازش ریاست مدینہ کے مؤسس اور رئیس کی جان کے خلاف تھی، مگر رسول رحمت ﷺ نے نرم دلی کا مظاہرہ فرمایا اور ان کو ان کے جان و مال بخش دیئے اور وہ مدینہ طیبہ سے باجوں اور شہنائیوں کی گونج میں روانہ ہوگئے. ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ باقی بچ جانے والے یہودی اس سے سبق حاصل کرتے اور میثاق مدینہ کی پیروی کرتے لیکن بدقسمتی سے بنو قریضہ اپنے دوسرے بھائیوں پر بھی سبقت لے گئے اور میثاق مدینہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہوں نے جارح دشمن سے ساز باز کرنا شروع کردیا. اگر مسلمان ان کی چالوں کو اپنے تدبر اور اعلیٰ حکمت عملی سے ناکام نہ کردیتے تو انہوں نے ان کی پشت میں خنجر گھونپنے سے گریز نہیں کرنا تھا. انکا طرز عمل پوری امت پر کھلی جارحیت کے زمرے میں آتا تھا اور اس لیے ان کی سزا بھی قرار واقعی ہونا تھی جو کسی بھی دشمن کو دی جاسکتی تھی جو جارح ہو. وقت تیزی سے گزرتا جارہا تھا. مصائب کے بادل کچھ دیر کے لیے تو چھٹ گئے تھے اور اگر یہود کو ڈھیل دے دی جاتی تو وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ خطرناک کھیل کھیل سکتے تھے. حالات مزید تاخیر کے متحمل نہ تھے.

جنگ خندق سے فاتح وکامران لوٹنے کے بعد رسول اللہ ﷺ ابھی اپنے جنگی ہتھیار بھی اتار نہ پائے تھے اور ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کے حجرہ مبارکہ میں ابھی اپنا آدھا سر مبارک ہی دھو پائے تھے کہ جبریل امین تشریف لے آئے اور کہا: [اے محمد ﷺ آپ نے اپنے ہتھیار اتار دیئے ہیں جب کہ ہم نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں اتارے. چلیے بنی قریضہ چلتے ہیں.] ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا: [یارسول اللہ ﷺ میں نے جبریل امین کو دروازے کے روزن سے دیکھا ہے کہ ان کے سر پر ابھی بھی غبار کے آثار تھے.] (۱۹۲) اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا اور ان کو اپنا علم عطا فرمایا اور سیدنا بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ اعلان عام کردیں کہ کوئی بھی عصر کی نماز سوائے بنی قریضہ کے نہ پڑھے. (۱۹۳) آپ نے دوبارہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور بنی قریضہ کے علاقے
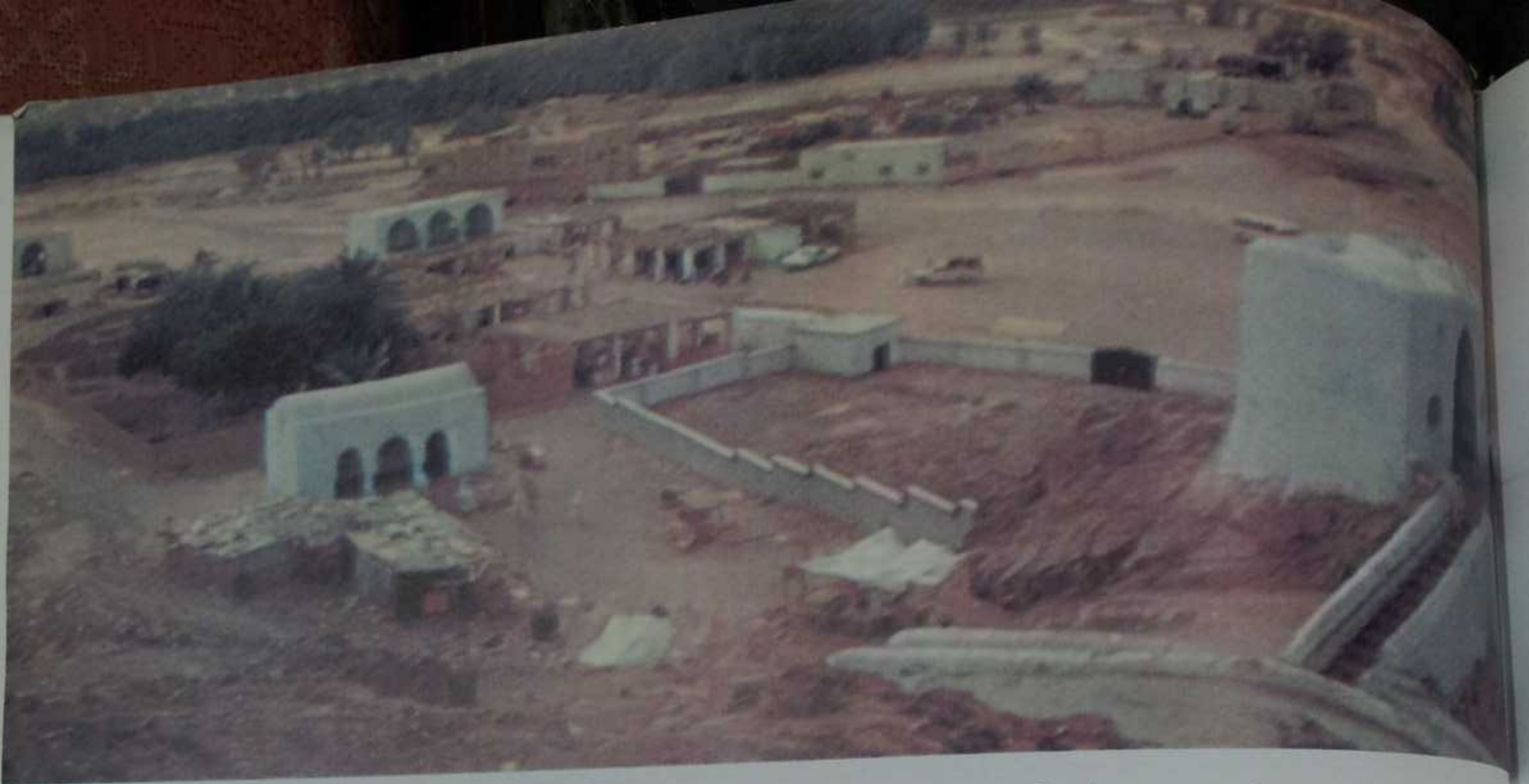
سبع مساجد کی ایک قدیم تصویر جہاں پر عمائدین لشکر اسلام کے خیمے نصب ہوئے تھے یہ تصویر انیس سو ساٹھ کی دہائی کی ہے جب کہ یہ علاقہ کچھ نہ کچھ تاریخی شکل رکھتا تھا اس تصویر میں چھ مساجد واضح نظر آرہی ہیں

کی طرف کوچ فرما دیا. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی آواز پر لبیک کہا اور سب کے سب اپنے آقا و مولا کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور یوں تین ہزار مجاہدین کا یہ لشکر اپنے ۳۶ شہسواروں کے ساتھ نماز عصر سے پہلے بنو قریضہ کے علاقے کی طرف رواں دواں ہو چکا تھا. (۱۹۴) یہودی بھانپ تو چکے تھے کہ ان کو ان کی غداری کی سزا ملنے والی ہے کیونکہ ان کی ریشہ دوانیاں طشت از بام ہو چکی تھیں اور وہ جانتے تھے کہ اب ان کی باری آنے والی ہے. جب حضور نبی اکرم ﷺ بنی قریضہ کے علاقے میں پہنچے تو آپ حضور ﷺ نے ان کے ایک کنوئیں 'بُر العنا' پر پہلا پڑاؤ کیا اور وہیں دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ حضور ﷺ سے آ کر ملے. (۱۹۵) وہاں پہنچنے پر آپ حضور ﷺ نے ان کے عمائدین کو بلند آواز سے کہا: [اے معشر یہود جن کے بھائی بند پہلے نافرمانی کی وجہ سے اللہ کریم نے بندروں میں تبدیل کر دیئے تھے، اب اللہ کریم نے تمہارے لیے بہت بھیانک انجام چنا ہے.] (۱۹۶) مسلمانوں نے ان کی آبادی کا محاصرہ کر لیا. حضرت حسان بن ثابتؓ کو خصوصی طور پر ارشاد ہوا کہ وہ یہود کے خلاف ترانے پڑھیں. حضرت البراء بن العازبؓ سے مروی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا: اپنی شاعری سے ان کی ہجو اور برائی کرو اور اس سلسلے میں جبریل تمہارے مدد کریں گے.] (۱۹۷) رسول اللہ ﷺ نے وہاں چند راتیں قیام فرمایا تا کہ حربی عملیات کی نگرانی فرما سکیں. اسی اثناء میں حی بن اخطب (جو بنو نضیر کے ساتھ نکالا گیا تھا) وہ بھی ان یہودیوں سے جا ملا اور ان کے ساتھ ہی ایک قلعہ میں مورچہ بند ہو گیا. رسول اللہ ﷺ اس مقام پر نماز ادا فرماتے جو بنو قریضہ کے علاقے میں تھا جو کہ ایک اطم تھا جو زبیر بن باطا کی ملکیت تھا محاصرے کے دوران آپ حضور ﷺ نے اس اطم کے متصل گھر میں بھی نماز ادا فرمائی جو بنو الخضر کی ایک عورت کی ملکیت تھا. جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے مدینہ طیبہ میں مساجد کی تعمیر شروع کی تو آپ نے وہاں بھی ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروا دی تھی. (۱۹۸)

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: ''پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھجوایا کہ ابولبابہ بن عبدالمنذرؓ (جو بنو عمرو بن عوف سے تھے جو کہ بنو قریضہ کے حلیف رہ چکے تھے) کو ان کے پاس بھیجا جائے تا کہ وہ لوگ ہتھیار ڈالنے کے مسئلے میں ان سے صلاح و مشورہ کر سکیں. ان کے بچے اور عورتیں واویلا کرتے ہوئے ان کے پاس گئے تا کہ ان کو ان پر ترس آ سکے. انہوں نے ان سے کہا: اے ابولبابہ کیا خیال ہے کہ ہم ہتھیار ڈال دیں اور حضرت محمد ﷺ کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیں؟ انہوں نے کہا 'ہاں' مگر ساتھ ہی انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے گلے کی طرف اشارہ بھی کر دیا جس کا مطلب صاف ظاہر تھا کہ وہ قتل ہونے کے لیے تیار ہو جائیں. حضرت ابولبابہؓ کا بیان ہے کہ [جونہی میں نے انہیں اشارہ کیا تو مجھے ایسا لگا کہ زمین میرے پاؤں کے نیچے سے سرک گئی ہے کیونکہ میں نے ان کو (دفاعی راز) بتا کر اللہ اور اس کے رسول سے بدعہدی کا ارتکاب کر لیا تھا.] پھر وہ وہاں سے چلے آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی بجائے سیدھے مسجد نبوی شریف میں چلے گئے

اور انہوں نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا اور اعلانیہ عہد کیا کہ وہ اس جگہ سے ہرگز نہ جائیں گے جب تک کہ اللہ انہیں اور ان کے گناہ کو معاف نہ کر دے اور انہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ وہ کبھی بنو قریضہ نہیں جائیں گے اور اس گاؤں میں کبھی بھی نظر نہیں آئیں گے جہاں انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بے وفائی کا ارتکاب کیا تھا۔'' (۱۹۹)

یہود نے صلح کے بہت سے پیغام ارسال کئے۔ انہوں نے اقرار جرم تو کر لیا تھا مگر اپنے پیش رووں کی طرح وہ بھی محفوظ راستہ مانگ رہے تھے تا کہ مدینہ طیبہ سے چلے جائیں۔ مذاکرات کافی عرصہ تعطل کا شکار رہے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ سخت رویہ اپنانا شروع کر دیا اور آپ ان کے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے پر زور دیتے رہے۔ اس طرح محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک طول کھینچ گیا۔ ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں تو وافر مقدار میں تھیں مگر ان کے حوصلے پست ہونے شروع ہو گئے تھے۔ جب کوئی بھی نتیجہ نکلتا نظر نہ آیا تو ایک دن شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰؓ نے حضرت زبیر بن العوامؓ کی ہمراہی میں ان پر بھرپور حملہ کر دینے کی تجویز پیش کر دی تا کہ ان کی قلعہ بندیوں کو توڑا جا سکے۔ ان دونوں نے اعلان کر دیا کہ وہ بھی حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگیوں کے نذرانے پیش کر دیں گے اور ان کی فوجی چھاؤنیوں پر حملہ کر دیں گے اور یوں انہیں بزور شمشیر زیر کر کے دم لیں گے۔ اس الٹی میٹم نے اپنا کام دکھایا اور یہود کے حوصلے بالکل پست ہو گئے۔ ان کے خیال میں تھا کہ حضرت سعد ابن معاذؓ جو بنی عبدالاشہل میں سے کبھی ان کے حلیف رہے تھے شائد وہ ان کی طرف داری کریں گے، لہذا انہوں نے آپ کو اپنی طرف سے تحکیم کے لیے نامزد کر دیا۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت سعد ابن معاذؓ نے دعا کی تھی کہ: ''اے رب العزت اگر یہ آخری موقع ہے کہ قریش ہم پر حملہ آور ہو رہے ہیں تو مجھے شہادت دے دے اور اگر تو جانتا ہے کہ وہ پھر بھی لوٹ کر آئیں گے تو مجھے زندہ رکھنا تا کہ میں ان لوگوں سے اپنا حساب چکتا کر سکوں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا تھا، مگر مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک کہ میں بنی قریضہ کا معاملہ طے نہ کر لوں۔'' حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ: [بنو قریضہ کے لوگوں نے حضرت سعد ابن معاذؓ کو فیصلے کا حق دے دیا اور تب ہتھیار ڈالے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد ابن معاذؓ کو طلب فرمایا حالانکہ وہ شدید زخمی حالت میں تھے اور ان کے زخمی شانہ سے بہت خون بہہ رہا تھا۔ وہ ایک دراز گوش پر سوار ہو کر چل پڑے۔ جب وہ اس مسجد کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا: [اپنے سردار کا استقبال کرنے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔] پھر آپ حضور ﷺ نے حضرت سعد ابن معاذؓ سے فرمایا: ان لوگوں نے فیصلہ تمہارے ہاتھ میں چھوڑ دیا ہے اور وہ ہتھیار ڈالنے پر راضی ہیں۔ حضرت سعدؓ نے اعلان کیا کہ: ''آپ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیں اور ان کے بچوں اور عورتوں کو بندی بنا لیں۔'' اس کو سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [سعد تم نے اللہ کے فرمان کے مطابق فیصلہ کیا ہے!] جو کہ اس فرمان الٰہی کے مطابق تھا: ﴿فریقا تقتلون وتأسرون فریقا﴾ ﴿اور جن اہل کتاب (بنو قریضہ) نے ان کی (مکی دشمنوں کی) مدد کی تھی انہیں ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں رعب ڈالا اور ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو قید۔﴾ (۲۰۰)

''پھر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو مدینہ طیبہ میں بنت الحارث کے گھر میں قید کر دیا جو کہ بنو النجار میں سے تھیں۔ (۲۰۱) پھر رسول اللہ ﷺ سوق مدینہ کی طرف گئے جو آج بھی یہاں کا بازار ہے اور ان کے لیے خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے ان کو بلوا بھیجا اور وہ گروہ در گروہ آتے گئے اور آپ کے حکم سے ان کی گردنیں اڑائی جاتی رہیں۔'' (۲۰۲) بلاذری کا بیان ہے کہ بنو قریضہ میں سے صرف ان افراد کو تہہ تیغ کیا گیا جو بالغ تھے کوئی بھی نابالغ جس کی مونچھیں نہ نکلی تھیں نہیں مارا گیا تھا۔ (۲۰۳) حضرت عروہ بن زبیرؓ کے بیان کے مطابق یہود کو سزائے موت احجار الزیت کے پاس دی گئی۔ (۲۰۴) یہ علاقہ حضرت مالک بن سنانؓ کے مزار کے پاس تھا اور اب مسجد نبوی شریف میں شامل ہو چکا ہے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حی بن اخطب کو اس جگہ لایا گیا تو وہ اپنا منہ چھپا رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو یاد دلایا کہ

چھوڑا ہی نہ ہوتا تو پھر ان کا کیا ہوتا؟ جہاں تک ان کے ساتھ وہی سلوک ہوا جو انہوں نے دوسروں کے ساتھ روا رکھا تھا۔ اسی طرح جس طرح کسی شہر کا محاصرہ کیا جاتا ہے اور اس وقت تک اس محاصرے میں کوئی کمی نہیں آتی جب تک وہ ہتھیار ڈال نہ دیں، اس قبیلے کو بھی انجام تک پہنچا دیا گیا، جیسا اس نے ہونا تھا ویسا ہی وہ وقت رہا تھا۔(۲۰۵) ان کی جائیداد بشمول ان کے کھجوروں کے باغات مال غنیمت کے طور پر ضبط کر لیے گئے جب مہاجرین کو کھجوروں کے باغات دے گئے تو انہوں نے اپنے انصار بھائیوں سے تحفتاً لیے گئے درخت واپس لوٹا دیئے۔(۲۰۶) مال غنیمت سے دوسری اشیاء کے علاوہ ان سے ۱۵۰۰ تلواریں، ۳۰۰ زرہ بکتریں، ۲۰۰۰ نیزے اور ۵۰۰ ڈھالیں حاصل ہوئیں۔(۲۰۷) ان کی عورتیں اور بچے غلام بنا لیے گئے تھے۔ انہی عورتوں میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے لیے ام المومنین سیدہ ریحانہ ؓ کو لیا جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور حضور کے ساتھ رشتہ ازدواجیت میں منسلک ہو گئیں اور حضور نبی اکرم ﷺ کے انتقال پر ملال سے کچھ دیر پہلے راہی ملک عدم ہوئیں۔(۲۰۸)

یہود کے مدینہ طیبہ سے اجلاء اور خاص طور پر بنو قریظہ کے خاتمے پر اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم بنو قریظہ کے معاملے میں چند وضاحتیں کرنا چاہیں گے۔ سب سے پہلے اس ضمن میں یہودی عقیدہ جنگ (Doctrine of War) کا احاطہ بہت ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ہمیں اس بات کا بھی مکمل ادراک ہونا چاہیے کہ باوجودیکہ وہ برضا ورغبت خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ شہریت یعنی میثاق مدینہ طیبہ میں منسلک ہوئے تھے لیکن انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا جال بننے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔ ان کے ایک قبیلے بنو قینقاع نے تو میثاق مدینہ کی صریحاً خلاف ورزی کا ارتکاب کیا، دوسرے قبیلے (بنو نضیر) نے مؤسس اور رئیس دولۃ المدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی پر وار کرنے کا منصوبہ بنایا، لیکن تیسرا قبیلہ تو ان دونوں سے سبقت لے گیا اور دشمنان اسلام کے مختلف قبائل کے اتحاد کے ساتھ ساز باز کرنے لگ گیا جو کہ کم و بیش بارہ ہزار کا لشکر لیکر مدینہ طیبہ پر چڑھ دوڑے تھے۔ اگر مسلمانوں کی چال ان میں پھوٹ ڈالنے کو کامیاب نہ ہوتی تو یقینی طور پر بنو قریظہ مسلمانوں کی پشت میں خنجر مار دیتے اور ان کے پیچھے سے حملہ کر دیتے۔ انہوں نے از خود ہی ایک ایسا ماحول (Scenario) پیدا کر دیا تھا جو حالت جنگ کا ماحول (State of War) تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے تین نمائندے ان کے پاس گئے تو انہوں نے کھلم کھلا اس بات کا اظہار کر دیا کہ وہ جارح مکیوں کے حلیف ہیں اور نتائج خواہ کچھ بھی ہوں وہ پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ یہ تو صرف آخری لمحوں کی حکمت عملی تھی کہ مسلمانوں نے ایسی چال چلی کہ ان میں بداعتمادی پیدا ہوگئی اور وہ جنگ میں کودنے سے باز رہے۔

یہودی فلسفہ جنگ ان کی کتب سماوی کے مطابق 'استثناء' (Deuteronomy) میں بیان کیا گیا ہے۔ جس کی متعلقہ شقوں کو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ جب تم کسی شہر کے پاس لڑنے کے لیے پہنچو تو پہلے تو امن کا پیغام بھیجو۔

۱۱۔ اگر وہ صلح پر آمادہ ہوں اور مفتوح ہونے پر رضامند ہو جائیں تو ایسا ہوگا کہ وہ مفتوح لوگ تمہارے باجگزار بن کر رہیں اور تمہاری خدمت پر مامور ہوں گے۔

۱۲۔ اگر وہ صلح پر آمادہ نہ ہوں اور جنگ پر تل جائیں تو تم ان کا محاصرہ کرلو۔

۱۳۔ اور جب تمہارا رب تمہیں ان پر فتح عطا کر دے تو تم تلوار کی نوک سے ان کے مردوں کو مار دو گے۔

۱۴۔ مگر ان کی عورتیں، بچے، مال مویشی اور جو کچھ بھی شہر میں تمہارے ہاتھ لگے، وہ تمہارا ہوگا اور تم مال غنیمت کھاؤ گے کیونکہ اللہ نے وہ تمہیں عطا کیا ہے۔

۱۵۔ یہ تو تم ان شہروں کے ساتھ کرو گے جو تم سے بہت دور ہوں گے اور جو ان قوموں میں سے نہ ہو جو تمہارے قریب ہیں۔

۱۶۔ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو قریبی شہروں میں بستے ہیں جن پر تمہارا رب تم کو فتح دے اور وہ تمہاری میراث ہو جائے تو ایسی صورت میں تم ان میں سے کسی بھی ذی روح کو (جس سے نسل آگے بڑھتی ہو) کو زندہ نہیں چھوڑو گے۔(۲۰۹)

اگر ایک لمحے کے لیے دلیل برائے دلیل کے طور پر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ یہود اس جنگ میں پوری تج دھج کے ساتھ شامل

ہو جاتے تو ان کے ''آسمانی صحیفہ'' کے فلسفہ جنگ کو مدنظر رکھتے ہوئے جس کے کچھ ضروری اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں ان کا وطیرہ کیا ہوتا اور مسلمانوں کی کیا شامت آتی ؟ ان ناقدین کی (جو رسول اللہ ﷺ کے بنو قریضہ کے معاملہ میں طرز عمل کو شدید ہدف تنقید بناتے ہیں) رائے اس صورت میں کیا ہوتی ؟ بنو قریضہ نے معاہدہ مدینہ طیبہ کی دھجیاں بکھیر دی تھیں اور مسلمانوں کے خلاف ہر طرح کی ریشہ دوانیاں شروع کی ہوئی تھیں. میثاق مدینہ کو یک طرفہ ختم کرنے سے اور دشمن سے جا ملنے سے کیا انہوں نے اسی ملک کے خلاف جس کے کہ وہ شہری تھے غداری کے ارتکاب میں کوئی کسر اٹھا رکھی تھی ؟ معاند مستشرق فرانسسکو جبرائیلی جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں ادھار کھائے بیٹھا نظر آتا ہے اور اسلامی فلسفہ جہاد کا سب سے بڑا ناقد ہو گزرا ہے اس نے بھی بنو قریضہ کو غدار قرار دینے میں کوئی باک نہیں رکھا. اس کے الفاظ میں:

''محاصرے کے دوران ان کفار نے رسول اللہ ﷺ کی پشت پر اتحادیوں سے مل کر غداری کا ارتکاب کیا تھا اور ظاہرہ طور پر اگر چہ وہ غیر جانب دار ہی رہے تھے مگر درون خانہ آپ کو شکست دینے کے لیے دشمن سے مل چکے تھے لہذا بمشکل جنگ (خندق) ابھی ختم ہوئی تھی کہ (حضرت محمد ﷺ) نے ان سے چھٹکارا پانے کا فیصلہ کر لیا اور ان کو بھی پہلے دو قبیلوں کی طرح محصور کرنے کی تیاریاں کرنے لگے.'' (۲۱۰)

بادی النظر میں یہودیوں نے چار بڑے جرائم کا ارتکاب کیا تھا:

(۱) معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انہوں نے اپنی ریاست کے خلاف ہی جارح کی مدد کرنے کی کوشش کی. جب رسول اللہ ﷺ کے تین نمائندے حقائق معلوم کرنے ان کے پاس پہنچے تو ان کے عزائم کھل کر سامنے آ گئے. ان کی ریشہ دوانیاں اور سازشیں جو پہلے 'سرد جنگ' (Cold War) کی مد میں آتی تھیں اب ''اعلانیہ اور گرم جنگ'' (Declared and Hot War) کے مترادف ہو گئی تھیں جو رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے امتیوں کے خلاف تھیں. انہوں نے تو حضرت سعد ابن معاذؓ کی یہ کہہ کر تضحیک کی کہ: محمد (ﷺ) کون ہیں؟ ہمارے اور ان کے درمیان تو کوئی معاہدہ نہیں ہے! اس سے انہوں نے یک طرفہ طور پر معاہدہ مدینہ طیبہ کو ختم کر دیا تھا اور وہ بھی ایک ایسے وقت پر جب مسلمانوں کو بہت ہی نازک صورت حالات کا سامنا تھا. ان کا مقصد وحید اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا.

(۲) انہوں نے جارح سے ساز باز کر کے ان کو مشترکہ حملے پر اکسایا تھا. وہ اپنے دو پہلے سے مدینہ بدر قبائل کے ساتھ اس سازش میں برابر کے شریک تھے جو کہ خیبر جا بسے تھے. جب حی بن اخطب نے ان کے لیڈر سے ملاقات کی اور اسے مشترکہ جارحیت میں شامل ہونے کی ترغیب دی تو اس نے فوراً معاہدہ پھاڑ دیا اور اسلام دشمن اتحاد میں شریک ہو گیا.

(۳) انہوں نے اپنی ہی ریاست کے خلاف جس کے کہ وہ شہری تھے جاسوسی کا ارتکاب کیا اور وہ اہل مکہ کو مسلمانوں کے دفاعی راز اور استعداد کے متعلق معلومات پہنچاتے رہے. حی بن اخطب کھلم کھلا مکیوں سے ملتا تھا اور غطفانیوں کے ساتھ اس جارحیت میں برابر کا شریک بھی تھا مگر باقی کے بنو قریضہ بھی پیچھے نہ رہے تھے اور ابو سفیان سے گفت و شنید کرتے رہے تھے.

(۴) انہوں نے اپنی ہی ریاست کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا جرم بھی کیا. ان کے ہراول دستوں نے ان اطام کے گرد چکر لگانے شروع کر دیئے تھے جہاں مسلم خواتین اقامت پذیر تھیں تا کہ یہ دیکھا جائے کہ کہاں کہاں نرم اہداف (Soft Targets) یا دفاعی کمزوری پائی جاتی ہے. یہ تو عمۃ الرسول سیدۃ صفیہ بنت عبد المطلبؓ کی بہادری اور شجاعت کا ثمرہ تھا کہ ایک یہودی اس چکر میں ان کے ہاتھ سے مارا گیا اور باقی ماندہ کو جرأت نہ ہو سکی کہ آگے آئے. اگر رسول اللہ ﷺ نے پانچ سو مجاہدین کے دستے بنی قریضہ کے علاقے میں نہ روانہ کیے ہوتے تو یقیناً انہوں نے مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپ دیا ہوتا.

مندرجہ بالا چار جرائم میں سے صرف ایک جرم بھی آج کے مروجہ بین الاقوامی قوانین کے تحت مرتکبین اور مجرمین کو سزائے موت کا سزاوار

بستی بنو قریظہ کی باقیات جو کہ کھنڈرات کی شکل میں اب بھی موجود ہیں جہاں غزوہ بنو قریظہ برپا ہوا تھا (تصویر: جنوری ۲۰۰۳ء)

بلاوجہ، بنو قریظہ نے تو چار جرم ایک ساتھ کر لیے تھے اس لیے وہ تو اس سے بھی بڑی سزا کے مستحق تھے اور پھر جہاں حالت جنگ طاری ہو وہاں خطرات کو مول نہیں لیا جا سکتا. پہلے ہی دو قبیلوں کو معافی دے کر کافی فراخ دلی کا ثبوت دیا جا چکا تھا جس کا انہوں نے اتنا ناجائز فائدہ اٹھایا کہ وہ دشمنوں سے جا ملے تھے. ایسے میں تیسرے قبیلے کو بھی چھوڑ دینا تو جارحین کے ہاتھ مزید مضبوط کرنے کے مترادف ہوتا. دانائے سبل ختم الرسل ﷺ کے اللہ کے رسول ہونے کے ناطے جبکہ آپ کا ایک ایک عمل اپنی امت کے لیے مشعل راہ ہے، آپ حضور ﷺ جو کہ اس وقت اپنی افواج کے سالار اعلیٰ بھی تھے، بھلا کیسے اپنی امت کی زندگی کو خطرات میں ڈال سکتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ فیصلہ تو انہی کی آسمانی کتاب کے مطابق تھا. معترضین کو اگر کوئی اعتراض ہے تو وہ اپنی نام نہاد الہامی کتاب استثناء (Deuteronomy) کے مصنفین سے رجوع کریں.

حواشی

(۱) حمد (زبور) ۷۲: ۸-۱۴. (Psalms, 72: 8-14) یہود و نصاریٰ کے اسلام کے نظریہ جہاد اور رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے ناقدین کو چاہئے کہ وہ اپنی الہامی کتب کا مطالعہ کریں اور خاص طور پر انہیں زبور کی حمدیں تو جگر تھام کر پڑھنی چاہئیں جن میں حضور نبی آخر الزماں ﷺ کے متعلق پیش گوئیاں حضرت داؤد علیہ السلام کے صحیفہ کی صورت میں انجیل میں موجود ہیں جن سے یہ بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ انجیل کے مطابق وہ 'نبی موعود' کی صفات بابرکات میں اولیں صفت یہ ہوتی تھی کہ آپ جنگجو نبی ہوں گے جو امن قائم کرنے کی غرض سے شمشیر زنی کریں گے تاکہ بنی نوع انسان کو جور و ستم سے محفوظ کیا جا سکے. بالفاظ دیگر اناجیل میں حضور سرور کائنات ﷺ کو "نبی الجہاد" کہا گیا ہے. فرمان مصطفوی بھی یہی ہے کہ: میری امت پر قیامت تک جہاد فرض کر دیا گیا ہے.

(۲) حضرت عروہ بن زبیرؓ، مغازی رسول اللہ ﷺ، تحقیق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی، اردو ترجمہ محمد سعید الرحمٰن علوی، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک کلچر، لاہور، ۱۹۹۰، ص: ۱۱۲ قریش کا وہ وفد جس نے ان مہاجرین کا حبشہ تک پیچھا کیا تھا دو افراد پر مشتمل تھا: عمارہ بن ولید بن المغیرہ المخزومی اور عمرو بن العاص. انہوں نے نجاشی کو یہ کہہ کر قائل کرنے کی کوشش کی کہ: "اس شخص نے جس کی یہ لوگ پیروی کرتے ہیں ہمارے سماج کو درہم برہم کر دیا ہے اور اب وہ آپکے دیس میں بھی افراتفری پیدا کرنا چاہتے ہیں جس کے نتیجے میں آپکا ملک کمزور پڑ جائے گا. ہم آپکے بہی خواہ ہیں اور آپکے ہمارے اوپر بہت احسانات ہیں. ہمارے تاجر آپ

کے ملک میں آزادی سے آتے جاتے ہیں اور امن وسکون سے رہتے ہیں. ہم پر فرض ہے کہ آپ کی ان عنایات پر آپ کے احسان مند ہوں اور ان کا بدلہ چکائیں. اس لیے ہماری قوم نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ ہم آپ کو انتباہ کرسکیں کہ مذکورہ شخص اور اس کے پیروکار آپ کے ملک میں بدنظمی پھیلائیں گے. وہ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں جو صحیح نہیں ہیں. اس کے پیروکار بھی اس عقیدے کے قائل نہیں ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم کی عبادت کی جائے. جب یہ لوگ آپ کے دربار میں آئیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کو جھک کر سلام بھی نہیں کریں گے. لہذا آپ ان کو ہمارے حوالے کردیں تاکہ ہم ان کو راہ راست پر لاسکیں."

(۳) ابن سعدؒ، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج:۱، ص ۲۲۶. نیز دیکھئے صحیح بخاری، ج ۳، نمبر ۴۹۴. (رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہاری جائے ہجرت مجھے دکھادی گئی ہے. میں نے ایک شوریلی زمین دیکھی ہے جس میں کھجور کے بہت زیادہ درخت ہیں اور وہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جو دولاوہ کے بنے ہوئے سنگلاخ حرے ہیں.

(۴) القرآن الکریم (الانفال: ۳۰)

(۵) Isaiah 21 : 13-17

(۶) اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار دونوں کو اپنے انعام واکرام سے نواز دیا. سورہ انفال: ۷۴ کی آیات انہیں کی شان میں نازل ہوئیں:
﴿اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی. اور وہ لوگ جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور رشتہ والے ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں. ﴾

(۷) القرآن الکریم (الحشر: ۹)

(۸) صحیح مسلم، کتاب نمبر ۱۹، نمبر ۴۴۳۳ (اس حدیث میں بالصراحت ذکر ہے کہ بعض اوسی لوگوں نے تو اس کے لیے سونے کا تاج بھی بننے کے لیے دیا ہوا تھا.)

(۹) سنن ابی داؤد، ۱۹، ۲۹۹۸

(۱۰) ایضاً.

(۱۱) القرآن الکریم (الحج: ۳۹-۴۰).

(۱۲) ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ ہجری) الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج: ۲، ص ۱۴. ان کے بیان کے مطابق قریش کی تعداد ۹۵۰ تھی جبکہ بعض دوسرے مورخین کے مطابق وہ تعداد ۱۰۰۰، تھی.

(۱۳) ابن سعدؒ، مصدر مذکور، ج: ۳، ص ۱۴۰. انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سربراہی میں غزوات میں شریک ہوا کرتے تھے. سامان خورد ونوش کی خاصی قلت ہوا کرتی تھی اور بسا اوقات ان کو درختوں اور جھاڑیوں کے پتے (مثلاً حبلہ) کھا کر گزارا کرنا پڑتا تھا جس کے نتیجے میں جب وہ رفع حاجت کرتے تو ان کا براز ان مویشیوں کی طرح ہوا کرتا تھا جو گھاس پھوس کھاتے ہیں.

(۱۴) الترمذی (اردو ترجمہ، بدیع الزمان) ضیاء احسان پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۸، ج: ۲، ص ۶۷۰.

(۱۵) صحیح مسلم، ج: ۳، نمبر ۴۴۱۱.

(۱۶) ایضاً، نمبر ۴۶۱۰.

(۱۷) ایضاً، ۱۴-۲۵۶۸.

(۱۸) ایضاً، ۲۰-۴۷۱۱.

(۱۹) ایضاً، ۱۴-۲۵۰۷.

(۲۰) ماخوذ از بریگیڈیر گلزار احمد (The Prophet's Concept of War)، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۶، ص ۲۷.

(۲۱) القرآن الکریم (البقرہ: ۲۱۷)

(۲۲) ایضا،۱۹۰.

(۲۳) ایضا،۲۱۶.

(۲۴) ابن اسحاق کے مطابق ایسی مہمات کی تعداد ۲۷ تھی. احادیث کے مطابق (مثلاً صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۴۶۴ و ۴۴۶۶ اور الترمذی، ج:۱، ص:۲۰۱) رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس انیس غزوات میں قیادت فرمائی تھی. باقی صحیح معنوں میں جنگیں نہیں تھیں، مثلاً: غزوہ حدیبیہ جب کہ آپ حضور ﷺ صرف عمرے کی غرض سے روانہ ہوئے تھے یا حجۃ الوداع وغیرہ. بہت سے سیرۃ نگاروں نے ان کو بھی غزوات میں شامل کیا ہے.

(۲۵) واقدی نے ۴۷ ایسی مہمات کے ذکر کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ارسال فرمائی تھیں.

(۲۶) ابن اسحاق، مصدر مذکور، ص ۲۵۳.

(۲۷) القرآن الکریم (آل عمران: ۱۲۰).

(۲۸) ابن اسحاق، ص ۳۶۵. ابن کثیر (ت: ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب، شام اور قاہرہ، جز ۴، ص: ۴.

(۲۹) القرآن الکریم (النساء: ۵۱).

(۳۰) صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۴۳۶.

(۳۱) القرآن الکریم (آل عمران: ۱۱۸).

(۳۲) صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۳۶۳. اگرچہ اس حدیث مبارکہ سے یہ واضح نہیں کہ اس واقعہ کا اندازاً وقت وقوع کیا ہے مگر چونکہ حضرت ابو ہریرہؓ خود غزوہ خیبر کے قریب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ وہ جس واقعہ کا ذکر کر رہے ہیں وہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے قبیلے بنو قینقاع کے باقیماندہ افراد جو مدینہ طیبہ میں رہ گئے تھے ان سے متعلق ہو سکتا ہے. چونکہ بنو نضیر کے مدینہ بدری پر (جو جنگ بدر کے بعد ہوئی) یا بنو قریظہ کے قتل پر (جو غزوہ احزاب کے فوراً بعد ہوا) حضرت ابو ہریرہؓ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس لیے یا تو یہ حدیث مبارکہ بنو قینقاع کے ان یہودیوں کے بارے میں ہے جن کو امان دے دی گئی تھی اور جو مدینہ طیبہ میں ہی بسنے پر راضی ہو گئے تھے اور یا پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے کسی دوسرے اصحابی کا قول روایت کیا ہے جس کا نام متاخرین سے روایت نہیں ہو سکا. یہی بات زیادہ تر قرین قیاس بھی نظر آتی ہے.

(۳۳) ابن سعد، ج:۲، ص ۲۸.

(۳۴) ایضا، ص ۲۹

(۳۵) اس غزوہ کا محل وقوع بستی بنو قریضہ کے پاس تھا جو وادی مہزور کے کنارے عالیہ (موجودہ العوالی) میں واقع تھی. آج کے مدینہ طیبہ میں یہ العوالی میں مسجد نبوی شریف سے تقریباً تین میل جنوب میں بستان مجشونیہ (خاک شفاء کے پاس) کی جگہ پر یا اس کے لگ بھگ قریب ہوگا. جہاں تک زرعی اراضی کا تعلق ہے یہ بھی تقریباً پاس پاس ہی تھی. ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہیں: ''بنو قینقاع کا گاؤں آج کل (۱۹۳۹ء) ایک میدان کی صورت میں ہے، اب تو اس میں کوئی کھنڈرات بھی نہیں پائے جاتے.''۔ رسول اللہ ﷺ کے میدان جنگ (The Battlefields of the Prophet Muhammad)، مصدر مذکور، ص: ۴۷. آج کل اس جگہ پر سڑکوں کا وسیع وعریض جال بچھ گیا ہے، اور کچھ میدانی علاقہ بھی ہے اور ساتھ ہی مجشونیہ کا باغ بھی ہے.

(۳۶) القرآن الکریم (الانفال: ۵۷)

(۳۷) ابن سعد، ج:۲، ص ۴۸

(۳۸) البیہقی، سنن، ج:۹، ص:۵۳: بنقل کردہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اللہ ﷺ کے میدان جنگ، ص ۴۸.

(۳۹) صحیح بخاری، ج:۵، ۹۵۔۳۶۲

(۴۰) محمد حسین ہیکل، حیات محمد، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۸۹، ص ۲۴۰

(۴۱) ابن سعد، ج:۲، ص ۳۷.

(۴۲) القرآن الکریم (الانفال: ۳۶). ابن اسحاق نے خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ اس آیہ کریمہ کی شان نزول مکیوں کے چندہ جمع کرنے کی مہم تھی، دیکھیے سیرۃ

رسول اللہ ﷺ، ص:۳۷۰۔

(۴۳) ابن سعد، ج:۱، ص ۳۷۔

(۴۴) یہودی مستشرق، مارگولیتھ، نے کیا خوب کہا ہے: لگتا ہے کہ ابوسفیان نے جنگ کے لیے جذبات کو بھڑکانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، یہاں تک کہ رزمیہ موسیقی کی بجائے اس نے عورتوں کے ایک طائفے کو اپنی فوج کے ساتھ چلنے کا بندوبست کیا، جو اپنے تمام تر ناز و انداز کے ساتھ دھمکیاں اور وصل و ملاپ کے وعدے کر کے ان کی فوج کا مورال بلند رکھتیں، کیونکہ جنگ سے بھاگ جانے والے اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتے تھے جتنا کہ اپنی عورتوں کے طعنوں اور دشنام طرازی سے ڈرتے تھے۔ قریش کی عورتوں نے اس لحاظ سے بہت ہی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ابوسفیان کی بیوی نے تو یہ تجویز بھی دی تھی کہ حضرت محمد (ﷺ) کی والدہ ماجدہ کا جسد خاکی ان کی قبر سے نکال کر ہتھیار کے طور پر تاوان کے لیے استعمال کیا جائے۔ لیکن قریش نے اس کی اس تجویز کو رد کر دیا جس پر عملدرآمد بھی مشکوک تھا کیونکہ مسلمانوں کی طرف سے شدید ردعمل کا ڈر تھا۔ (Muhammad and the Rise of Islam, 1931)

(۴۵) ابن اسحاق، ص ۳۷۱

(۴۶) محمد حسین ہیکل، ص ۲۵۵۔

(۴۷) سمیح عاطف الزین، خاتم النبیین محمد، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، ۱۹۸۳، ج:۱۳، ص ۳۰

(۴۸) ام المومنین سیدتنا عائشہؓ سے مروی ہے: [اس رات رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ میرے کسی اصحابی کو بھیج دے جو آج رات میرے گھر پر پہرہ دے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ مکان کے باہر ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دی اور آپ حضور ﷺ نے استفسار فرمایا: کون ہے؟ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ یہ میں ہوں، آج رات میں پہرہ دوں گا''۔

(۴۹) صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۵۷۱۵۔ نیز صحیح بخاری، ج:۴، نمبر ۲۱۲ و نمبر ۱۵۶ و ۱۰۹۔ یہ ہنگامی حالت صرف اسی رات ہی نہیں تھی بلکہ اس کے بعد دو تین راتوں تک رہی تھی جب کہ جنگ تو ختم ہو چکی تھی مگر رسول اللہ ﷺ کا خیال تھا کہ کہیں ابوسفیان شائد واپس نہ لوٹ آئے جس دوران آپ حضور ﷺ نے دشمن کا حمراء الاسد تک پیچھا بھی کیا تھا۔

(۵۰) ابن سعد، ج:۲، صفحات: ۳۷-۳۹۔ الطبرانی، المعجم الکبیر، ۱۱-۳۹۴۔ صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۴۰۷ نے بھی اس خواب کا تذکرہ کیا ہے جس میں اس خواب کے کچھ دوسرے حصے بھی روایت کیے ہیں۔

(۵۱) ابن اسحاق، ص:۳۷۱۔

(۵۲) ایضاً، ص ۳۷۲

(۵۳) ابن کثیر (۷۰۱-۷۷۴ ہجری)، الفصول فی سیرۃ الرسول، بیروت، ۱۹۹۳، ص:۷۷۔

(۵۴) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۴۲۳

(۵۵) محمد ابن جریر الطبری، تاریخ الطبری، ج:۲، ص ۵۰۵۔ ابن کثیر، مصدر مذکور، ص:۷۶

(۵۶) ابن شبہ، تاریخ مدینہ، ج:۱، ص ۷۲

(۵۷) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۳۸۱

(۵۸) القرآن الکریم (آل عمران: ۱۲۰-۱۲۱)

(۵۹) القرآن الکریم (النساء: ۸۸) اس آیت کریمہ کے نزول پر اور منافقین کے خروج پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [یہ طیبہ ہے جو انسان کو اس کے گناہوں سے اس طرح پاک کر دیتا ہے جس طرف ایک بھٹی چاندی کی کھوٹ کو الگ کر کے اس کو صاف کر دیتی ہے۔] صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۳۸۰۔

(۶۰) اس سات سو کی نفری میں ۱۴-۱۵ سال کے بچے بھی شامل تھے۔

(۶۱) اس پہاڑی کو جبل رماہ بھی کہا جاتا ہے (یعنی تیراندازوں کی پہاڑی) کیونکہ اس کی چوٹی پر پچاس تیرانداز تعینات تھے۔

(۶۲) ابن سعد، ج:۲، ص:۴۷۔ نیز سنن ابی داؤد (اردو ترجمہ: وحید الزمان) اسلامی اکیڈیمی، لاہور، ۱۹۸۳، ج:۲، ص:۳۴۷۔

(۶۳) سمیع عاطف زین، خاتم النبیین محمد ﷺ، ج:۱۳،ص ۱۰

(۶۴) حضرت عروہ ابن زبیرؓ، مغازی رسول اللہ، مصدر مذکور، ص:۱۸۰

(۶۵) ابن اسحاق، ص:۳۷۴

(۶۶) ایضاً

(۶۷) ایضاً، ص:۳۷۵۔ حضرت ابو دجانہؓ نے فرمایا: [میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو دشمن افواج کو زور زور سے چیخ کر بھڑکا رہا تھا۔ میں اس کی طرف لپکا اور جب میں نے اپنی تلوار اس پر سونتی تو اس کی چیخ نکل گئی تو ایک عورت نکلی۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کی شمشیر مبارکہ کو ایک عورت پر اٹھاتے ہوئے شرم آنے لگی اور میں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔]

(۶۸) ابن سعد، ج:۲،ص ۴۰

(۶۹) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۳۹۹۔ اس روایت میں وحشی (جو بعد میں شام میں رہائش پذیر ہو چکا تھا) نے واقعات یوم احد کو اپنی یادوں سے بیان کیا تھا۔

(۷۰) القرآن الکریم (آل عمران:۱۵۱)

(۷۱) القرآن الکریم (الصف:۴)

(۷۲) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۳۷۸ صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۶۸۳

(۷۳) القرآن الکرم (الاحزاب:۲۳)

(۷۴) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۳۹۲

(۷۵) ایضاً، نمبر ۳۸۵ و ۳۸۶

(۷۶) ایضاً، نمبر ۳۸۷ و ۳۸۸

(۷۷) ایضاً، نمبر ۳۸۴

(۷۸) ایضاً، نمبر ۳۹۳۔

(۷۹) الترمذی (اردو ترجمہ: بدیع الزمان) ضیا احسان پبلشرز، لاہور، ج:۱،ص ۶۰۵

(۸۰) ابن کثیر (۷۰۱۔۷۷۴ ہجری) الفصول فی سیرۃ الرسول، بیروت، ۱۹۹۳، ص ۷۹

(۸۱) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۳۹۳ و ۳۹۸

(۸۲) صحیح بخاری، ج:۵، باب ۲۰۔ا صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۴۱۷

(۸۳) ابن اسحاق، ص:۳۸۰۔ چونکہ یہ جنگ جبل احد کے دامن میں لڑی گئی تھی، اس میدان میں پتھروں کی بہتات تھی جن کا استعمال بطور ہتھیار کے فریقین نے بہت آزادی سے کیا تھا۔

(۸۴) صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۴۱۸

(۸۵) ایضاً، نمبر ۴۴۱۴

(۸۶) ابن اسحاق، (حاشیہ ابن ہشام)، ص:۵۴۷۔ نیز: ابن کثیر مصدر مذکور، ص ۷۹

(۸۷) ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج:۵،ص ۲۴

(۸۸) القرآن الکریم (آل عمران:۱۵۳)

(۸۹) صحیح مسلم، ج:۳، ۴۴۱۳

(۹۰) ابن اسحاق، ص:۳۸۰

(۹۱) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۳۷۸

(۹۲) القرآن الکریم (آل عمران: ۱۵۵)

(۹۳) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۰۳، حضرت انس ابن مالک ؓ کا نام ان کے چچا کے نام پر رکھا گیا تھا (ابن اسحاق، ص: ۳۸۱)

(۹۴) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۳۷۵ (۹۵)

(۹۵) ابن اسحاق، ص: ۳۸۱

(۹۶) ایضاً، ص: ۳۸۲

(۹۷) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۳۹۵، ج: ۴، نمبر ۲۹۵؛ صحیح مسلم، ج: ۳، نمبر ۴۴۱۵

(۹۸) ابن اسحاق، صفحات: ۳۸۰-۳۸۱

(۹۹) ابن جریر الطبری، تاریخ الطبری، مصدر مذکور، ج: ۲، ص: ۵۴۱

(۱۰۰) القرآن الکریم (الانفال: ۱۷)

(۱۰۱) ابن سعد، ج: ۲، ص: ۴۹

(۱۰۲) ابن اسحاق، ص: ۳۱۵

(۱۰۳) ابن سعد، ج: ۲، ص: ۵۹

(۱۰۴) ابن شبہ، ج: ۱، ص: ۵۷

(۱۰۵) القرآن (حم السجدہ: ۳۴-۳۵)

(۱۰۶) ابن اسحاق، ص: ۳۹۱

(۱۰۷) بریگیڈیئر گلزار احمد (The Prophet's Concept of War)، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص: ۱۳۸

(۱۰۸) القرآن الکریم (الانفال: ۲۵)

(۱۰۹) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۰۵

(۱۱۰) القرآن الکریم (محمد: ۴)

(۱۱۱) ایضاً (آل عمران: ۱۵۱)

(۱۱۲) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۰۳

(۱۱۳) القرآن الکریم (آل عمران: ۱۷۲)

(۱۱۴) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۰۶

(۱۱۵) صحیح مسلم، ۴۰۲-۴۱۳۱

(۱۱۶) الترمذی (اردو ترجمہ: بدیع الزمان)، مصدر مذکور، ج: ۱، صفحات: ۳۶۲-۳۶۳

(۱۱۷) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۳۷۲۔ کچھ مزید تفاصیل حدیث نمبر ۴۱۱ میں بھی موجود ہیں۔

(۱۱۸) ابن سعد، ج: ۲، ص ۵۷۔

(۱۱۹) القرآن الکریم (المائدہ: ۱۱) نیز دیکھیے: حضرت عروہ بن زبیرؓ کی مغازی رسول اللہ، ص ۱۷۳۔

(۱۲۰) حضرت عروہ بن زبیرؓ، مصدر مذکور، ص: ۱۷۴

(۱۲۱) ابن اسحاق، ص: ۴۳۷

(۱۲۲) القرآن الکریم (الحشر: ۱۱-۱۲)، درحقیقت تمام سورۃ الحشر بنی نضیر کے غزوہ کے پس منظر میں نازل ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ابن ابی اور اس کے قماش کے لوگوں کی قلعی یہ کہہ کر کھول دی: ﴿کیا تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا کہ اپنے کافر بھائیوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں

گے اور ہرگز تمہارے بارے میں کسی کی نہ مانیں گے اور تم سے لڑائی ہوئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ اور اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور ان سے لڑائی ہوئی تو بھی یہ ان کی مدد نہ کریں گے اگر ان کی مدد کی بھی تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ﴾

(۱۲۳) محمد حسین ہیکل، ص: ۲۷۹

(۱۲۴) ابن سعد، ج:۲، ص: ۵۷

(۱۲۵) الشیخ غالی محمد الشنقیطی، مصدر مذکور، صفحات: ۱۴۱_۱۴۳

(۱۲۶) القرآن الکریم (المائدہ: ۹۰_۹۱)

(۱۲۷) ان کی ان قلعہ بندیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے: ﴿یہ سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے مگر قلعہ بند شہروں میں یا دیواروں کے پیچھے سے آپس میں ان کی آنچ سخت ہے، تم ان کو ایک جتھا سمجھو گے مگر ان کے دل الگ الگ ہیں، یہ اس لیے کہ وہ بے عقل لوگ ہیں۔ ﴾ (الحشر: ۱۴)

(۱۲۸) صحیح مسلم، ج: ۳، نمبر ۴۳۳۵

(۱۲۹) القرآن الکریم (البقرہ: ۲۰۵)

(۱۳۰) ایضاً (الحشر: ۱_۵)۔ چونکہ سورۃ الحشر بنی نضیر کے محاصرے کے ضمن میں نازل ہوئی تھی، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ اسے سورۃ النضیر کہنا بے محل نہ ہوگا۔ صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۳۶۳۔

(۱۳۱) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۳۶۵

(۱۳۲) ایضاً، نمبر ۳۶۶

(۱۳۳) ابن اسحاق، ص: ۴۳۷

(۱۳۴) ابن کثیر (۷۰۱_۷۷۴ ہجری)، الفصول فی سیرة الرسول ﷺ، بیروت، ۱۹۹۳، ص ۸۷.

(۱۳۵) طبری، مصدر مذکور، ج: ۲، ص ۵۰۵_ اس ڈھال کا صحیح نام 'سعدیہ' تھا جیسا کہ طبری نے بیان کیا ہے مگر بعض جگہوں پر طباعت کی غلطی کی وجہ سے کچھ کتابوں میں اسے 'سغدیہ' لکھا گیا ہے جو کہ غلط ہے.

(۱۳۶) غالی محمد الشنقیطی، ص ۱۴۴

(۱۳۷) سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد (۱۴_۲۶۷۶)

(۱۳۸) ابن کثیر، مصدر مذکور، ص ۷۷

(۱۳۹) ابن اسحاق، ص ۴۳۸

(۱۴۰) حضرت عروہ ابن زبیرؓ، مصدر مذکور، ص: ۱۷۴

(۱۴۱) ابن سعد، ج: ۲، صفحات: ۵۷_۵۸

(۱۴۲) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۳۶۴

(۱۴۳) ابن اسحاق، ص ۴۵۰

(۱۴۴) البلاذری، منقول از ڈاکٹر محمد حمید اللہ (The Life and Work of the Prophet of Islam, p. 399)

(۱۴۵) صحیح بخاری، ج: ۵، باب ۲۸.

(۱۴۶) مجد الدین ابی طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی (۷۲۹_۸۱۷ ہجری)، المغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد الجاسر، دار الیمامہ، الریاض، ص: ۱۳۷. نیز امام سمہودیؒ، وفاء الوفاء، مصدر مذکور، صفحات: ۱۲۰۴_۱۲۰۵.

(۱۴۷) امام سمہودیؒ، وفاء الوفاء، صفحات: ۱۲۰۴_۱۲۰۵

(۱۴۸) ابن سعد، ج: ۱، صفحات: ۶۶_۶۷

(۱۴۹) القرآن الکریم (النور: ۶۲). نیز دیکھئے ابن اسحاق، صفحات: ۴۵۰-۴۵۱

(۱۵۰) صحیح مسلم، ج: ۳، نمبر ۴۴۴۴

(۱۵۱) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۲۵

(۱۵۲) ابن سعد، ج: ۴، صفحات: ۸۲-۸۳

(۱۵۳) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۲۶. لوگ تھوڑا تھوڑا اردجویں لاتے اور اسے چربی اور گھی میں پکایا جاتا اور اس سے لوگ اپنی بھوک مٹاتے۔ اکثر اوقات یہ ان کے گلوں میں اٹک جاتا اور اس کی خوشبو بھی عجیب سی ہوا کرتی تھی۔

(۱۵۴) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۲۷ [..... پھر آپ کھڑے ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ آپ کے بطن مبارک پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا کیونکہ پچھلے تین دن سے کچھ نہ کھا سکے تھے۔]

(۱۵۵) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۳۲

(۱۵۶) ابن سعد، ج: ۱، ص: ۴۲۸. نیز سنن داؤد، مصدر مذکور، ج: ۳، نمبر ۶۲۷ ص: ۲۸۹

(۱۵۷) صحیح بخاری، ج: ۷، نمبر ۳۹

(۱۵۸) ابن سعد، ج: ۴، صفحات: ۸۳-۸۴. نیز حضرت عروہ بن زبیرؓ، مصدر مذکور، ص: ۱۹۰. ابن ابی شیبہ نے اپنی مغازی میں حضرت البراء بن العازبؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور پھر چٹان پر ایک ضرب لگائی جس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ کر الگ ہوگیا اور آپ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر مجھے بلاد الشام کی کنجیاں عطا ہوگئیں! مجھے سرخ محلات نظر آرہے ہیں. پھر آپ حضور ﷺ نے دوسری ضرب لگائی اور پھر دوسرا تہائی حصہ بھی الگ جاپڑا اور آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ اکبر، مجھے فارس (ایران) کی چابیاں عطا کردی گئیں۔ رب ذوالجلال کی قسم میں اس وقت میں مدائن کے سفید محلات کو دیکھ رہا ہوں. پھر آپ حضور ﷺ نے تیسری اور آخری ضرب یہ کہتے ہوئے لگائی: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. اس سے باقی کی چٹان بھی چور چور ہوگئی اور آپ حضور ﷺ نے بے اختیار فرمایا: اللہ اکبر، مجھے یمن کی چابیاں بھی عطا کردی گئی ہیں. واللہ میں صنعاء کے بڑے دروازے دیکھ رہا ہوں۔] ابن ابی شیبہ (ت: ۲۳۵ ہجری) کتاب المغازی، دار اشبیلیا، ریاض، ۱۹۹۹، ص ۲۶۱.

(۱۵۹) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۲۷

(۱۶۰) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۲۷ اور ۴۲۸. نیز ابن اسحاق، ص ۴۵۲

(۱۶۱) ابن اسحاق، ص ۴۵۲

(۱۶۲) احمد یاسین خیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ قدیماً وحدیثاً، چوتھا ایڈیشن، مدینۃ المنورہ، ۱۹۹۳، ص ۲۰۲

(۱۶۳) ابن اسحاق، ص ۴۵۴

(۱۶۴) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج: ۱، ص ۶۲

(۱۶۵) ایضاً

(۱۶۶) ابن کثیر، مصدر مذکور، ص ۹۶. نیز ابن سعد، ج: ۲، ص ۲۷. نیز الترمذی، مصدر مذکور، ج: ۱، ص ۶۰۲

(۱۶۷) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۲۵

(۱۶۸) ابن سعد، ص: ۶۷

(۱۶۹) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۴۳۸

(۱۷۰) القرآن الکریم (الاحزاب: ۱۰-۱۱). یہ آیت کریمہ نہ صرف اس وقت مسلمانوں کی حالت پر تبصرہ ہے کیونکہ سب کے سب پریشان تھے کہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کیسے کیا جائے، بلکہ دشمن کی صف بندی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ کہاں کہاں خیمہ زن ہوئے تھے۔ ﴿جب کافر تم پر چڑھ آئے تمہارے اوپر کی طرف سے اور تمہارے نیچے کی طرف سے اور جب کہ ٹھٹک کر رہ گئیں نگاہیں اور دل گلوں کے پاس آگئے اور تم اللہ پر امید و یاس کے طرح طرح کے گمان

کرنے لگے. وہ جگہ تھی کہ مسلمانوں کی جانچ ہوئی اور خوب سختی سے جھنجوڑے گئے. ﴾

(۱۷۱) صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۳۷۰

(۱۷۲) ایضاً نمبر ۴۳۷۲

(۱۷۳) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۴۳۸. الترمذی نے بھی ایک روایت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے بیان کی ہے. جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان نمازوں کی تعداد جو اس دن قضاء ہوئیں چار تھیں: ظہر، عصر، مغرب اور عشاء. اس کے مطابق جب سورج غروب ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا. اور اس کے بعد مختلف اقامتوں کے ساتھ آپ حضور ﷺ نے چاروں نمازیں علیحدہ علیحدہ ادا کروائیں. صحیح بخاری میں دو نمازوں کا ذکر ہے. مگر حالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے تقریباً تمام سیرۃ نگاروں کی رائے ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے تین نمازیں یکے بعد دیگرے ادا کروائی تھیں. اس کے برعکس ابن سعدؒ (ج:۲، ص ۶۸) بھی اسی رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ حضور پرنور ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی چار نمازیں اکٹھی قضاء ہوگئی تھیں جو کہ اس وقت ادا کی گئیں جب جنگ کے شعلے اندھیرے میں ٹھنڈے پڑ گئے تھے. احادیث مبارکہ کی روایت میں تھوڑا بہت تضاد سے اس بات کا امکان ہے کہ ایسی ہنگامی حالت ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ دنوں میں رہی ہوگی.

(۱۷۴) ابن اسحاق، ص ۴۷۴. ان ہدایات سے اس بات پر بہت روشنی پڑتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ درجہ اتم تک جنگی مہارت رکھتے تھے اور اپنی افواج کے حوصلوں کا کتنا خیال فرمایا کرتے تھے. کوڈ کا استعمال بھی اس دور میں ایک انوکھی چیز تھا جس کے مکمل احاطہ اور افادیت کا اندازہ عصر حاضر کے حربی منصوبہ ساز بیسویں صدی میں ہی کر پائے ہیں.

(۱۷۵) القرآن الکریم (الاحزاب:۱۰)

(۱۷۶) ایضاً (الاحزاب:۱۲-۱۳)

(۱۷۷) یہ کہف اور چشمہ مسجد بنی حرام کے مشرق میں ہوا کرتے تھے. غار پر تعمیر کردہ قبہ تو زمین بوس کردیا گیا ہے مگر غار ابھی تک محفوظ ہے. جہاں تک چشمہ کا تعلق ہے وہ اسی غار کے اوپر کی جانب ایک بہت چھوٹی سی غار نما گھاٹی میں ہوا کرتا تھا مگر مدت ہوئی سوکھ چکا ہے. ۲۰۰۵ء میں اس غار کو بھی ختم کردیا گیا ہے.

(۱۷۸) ابن نجار (ولادت: ۵۷۸ ہجری) نے حضرت طلحہ بن خراش بن عبدالرحمٰن بن خراش بن الصمت الانصاریؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے جو اس معجزے کی تصدیق کرتی ہے. ان کے مطابق ان کے زمانے میں (یعنی چھٹی صدی ہجری میں) اس غار کے اوپر ایک عمارت موجود تھی اور یہ کہ اس چشمے سے پانی رواں دواں تھا جس سے عام و خاص اپنی پیاس بجھاتے تھے.

(۱۷۹) القرآن الکریم (الاحزاب:۱۱)

(۱۸۰) مسند امام احمد (۳-۳۳۲)

(۱۸۱) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۴۳۸

(۱۸۲) حضرت سعد ابن معاذؓ کی شہادت اس تیر کے زخم کی وجہ سے ہوئی جو ان کے بازو کی شاہ رگ میں لگا تھا. آپ کو بنو عبدالاشہل کے علاقے میں ایک گھر میں ہی دفن کیا گیا تھا. جو آج کل بقیع الغرقد کے انتہائی شمال مشرقی کونے میں واقع ہے. باقی کے شہداء جبل سلع کے اس حصے کے پاس دفنائے گئے تھے جہاں آج بھی مسجد فتح موجود ہے. مدنی روایات کے مطابق مسجد فتح کے دامن میں زمین کی سطح پر جو چاردیواری ہے اس میں ان کی قبور ہوا کرتی تھیں.

(۱۸۳) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۴۳۱.

(۱۸۴) القرآن الکریم (الاحزاب:۹)

(۱۸۵) صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۴۱۲

(۱۸۶) ابن اسحاق، ص ۴۶۰

(۱۸۷) القرآن الکریم (الاحزاب:۲۳)

(۱۸۸) Atharvaveda, Vol. 5, Number 435 and 436

(۱۸۹) صحیح بخاری، ج:۵،نمبر ۴۳۵، ۴۳۶

(۱۹۰) ابن اسحاق،صفحات:۴۷۲-۴۷۳

(۱۹۱) W. Montgomery Watt, Muhammad at Medina، اسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۱۹۸۱،صفحات:۳۶-۳۷.

(۱۹۲) البلاذری،فتوح البلدان،ص ۳۵۔نیز صحیح مسلم، ج:۳،نمبر ۴۳۷۰۔نیز صحیح بخاری، ج:۵،نمبر ۴۴۳

(۱۹۳) صحیح بخاری، ج:۵،نمبر ۴۴۵

(۱۹۴) ابن سعد، ج:۲،ص ۴۷

(۱۹۵) ابن اسحاق،ص ۴۶۱

(۱۹۶) حضرت عروہ بن زبیرؓ،مصدر مذکور،ص ۱۹۲

(۱۹۷) صحیح بخاری، ج:۵،نمبر ۴۴۹

(۱۹۸) غالی محمد الشنقیطی ،مصدر مذکور،ص:۱۴۸۔مذکورہ مسجد کا اب کوئی نشان باقی نہیں کیونکہ مرکز دعوی والارشاد کا دفتر وہاں بن چکا ہے.

(۱۹۹) ابن اسحاق،ص ۴۶۲۔مسجد نبوی میں ریاض الجنہ میں آج بھی وہ ستون استوانہ توبہ یا استوانہ ابولبابہ کے نام سے مشہور ہے

(۲۰۰) القرآن الحکیم (الاحزاب:۲۵) صحیح مسلم، ج:۳،نمبر ۴۳۶۸ و ۴۳۷۱۔صحیح بخاری، ج:۵،نمبر ۴۴۷

(۲۰۱) وہ گھر جو اس وقت ''بیت بنت الحارث'' کے نام پر جانا جاتا تھا وہ سرکاری مہمان خانہ تھا جہاں وفود وغیرہ کے قیام وطعام کا بندوبست ہوا کرتا تھا۔ابن شبہ کے مطابق: ''دار رملہ بنت حارث یا دار بنت الحارث الانصار یہ وہ گھر تھا جہاں وفود آ کر قیام کیا کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے آتے تھے۔ابن شبہ،ج:۲، ص ۵۷۲ حاشیہ۔اس مخصوص واقعہ کے لیے چونکہ اور کوئی محفوظ جگہ نہ تھی اس لیے یہود کے اہل خانہ کو وہیں رکھا گیا تھا مگر یہودی قیدیوں کو حضرت اسامہ بن زیدؓ کے گھر میں رکھا گیا تھا۔دیکھئے محمد احمد باشمیل ،غزوہ بنی قریضہ ،اردو ترجمہ اختر فتح پوری،نفیس اکیڈیمی،کراچی، ۱۹۸۶،صفحات:۱۵۴-۱۵۵.

(۲۰۲) ابن اسحاق،ص ۴۶۴۔ بازار مدینہ طیبہ کو سوق مدینہ طیبہ اور پھر سوق مناخہ بھی کہا جاتا رہا ہے۔اس کا کافی حصہ اب مسجد نبوی کے احاطے میں شامل ہو چکا ہے جب کہ اس کا زیادہ تر حصہ ابھی بھی باب السلام کے باہر کی طرف مغرب میں کھلے ایریا کی شکل میں موجود ہے.

(۲۰۳) البلاذری،فتوح البلدان،ص ۳۵

(۲۰۴) حضرت عروہ بن زبیرؓ،مصدر مذکور،ص ۱۹۵

(۲۰۵) ایضاً،ص:۱۷۰۔یہ وہی حی بن اخطب تھا جس کی بیٹی ام المومنین سیدۃ صفیہ غزوہ خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں آئی تھیں.
صحیح بخاری، ج:۵،نمبر ۵۱۳

(۲۰۶) صحیح مسلم، ج:۳،نمبر ۴۳۷۵، ۴۳۷۶

(۲۰۷) ابن سعد، ج:۲،ص:۷۵

(۲۰۸) ابن اسحاق،ص:۴۶۶

(۲۰۹) Deuteronomy , 20: 20-26

(۲۱۰) Fransesco Gabrieli, Muhammad and the Conquests of Islam
World University Library - Translation - George Weidenfeld and Nicolson Ltd.,
Reprinted 1977, pp: 72-73

باب ۱۱

مدینہ طیبہ میں تجارتی سرگرمیوں کا تاریخی جائزہ

تاجدار مدینہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ہجرت مبارکہ سے پہلے مدینہ طیبہ میں مختلف مقامات پر بہت سے بازار ہوا کرتے تھے جن میں ہر قسم کے سامان کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی۔(۱) بنو قینقاع کے مشہور بازار کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے بازار تھے مثلاً 'سوق زبالہ' جو یثرب کے گاؤں کے پاس (جبل احد کے قریب) تھا، یا اصبع کا بازار یا بقیع الخیل کے نزدیک کا بازار یا سوق الزوراء۔ ابن ماجہ کی ایک روایت کے مطابق یہاں ایک بازار 'سوق نبطی' بھی تھا۔ ان بازاروں کے علاوہ کچھ ایسے بازار اور منڈیاں بھی لگتی تھیں جو موسمی ہوا کرتی تھیں اور ان کو 'کارواں بازاروں' کا نام دیا جاتا تھا۔(۲) کبھی کبھار وادی العقیق میں بھی بازار لگ جایا کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سوداگر اپنا مال مسجد نبوی شریف کے سامنے آکر بیچتے جہاں پر انہیں دن میں پانچ مقررہ اوقات میں بہت سارے گاہک میسر آجاتے تھے۔(۳)

بقیع الخیل کو عرف عام میں 'بطحاء' کہا جاتا تھا جہاں بنو سالم کے لوگ گھوڑوں، اونٹوں اور دیگر مویشیوں کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ یہ جگہ حضرت زید بن ثابتؓ کے گھر کے پاس ہی ہوا کرتی تھی۔(۴) اس کو ایک عام تجارتی مرکز کی بجائے نیلامی منڈی کہنا زیادہ مناسب ہوگا جہاں دور دور سے تاجر اپنا مال مویشی لاکر بیچا کرتے تھے اور اسی وجہ سے لفظ 'بطحاء' زبان زد خاص و عام ہو گیا اور ہوتے ہوتے مدینہ طیبہ سے باہر بسنے والے لوگ مدینہ طیبہ کے لیے بھی اکثر یہی نام استعمال کر لیا کرتے تھے۔

سب سے اہم تجارتی مرکز 'سوق بنو قینقاع' ہوا کرتا تھا جہاں ہر قسم کا کاروبار ہوتا تھا۔ زرگروں سے لیکر لوہار اور اشیائے خورد و نوش تک اور غلاموں کی خرید و فروخت اور ہتھیاروں کی دوکانوں سے لے کر ریشمی کپڑوں کی دکانیں تک وہاں موجود ہوتی تھیں۔ الغرض ہر قسم کا تجارتی لین دین وہیں پر ہوا کرتا تھا۔ ہر قسم کے مشروبات، اونٹنیوں کا دودھ، لبن اور پنیر بھی وہیں مل جایا کرتا تھا۔ جب تک شراب کی ممانعت نہیں ہوئی تھی خمر اور خمر سے بنے مشروبات بھی وہیں بکا کرتے تھے۔ فضیخ جو اس وقت کا مرغوب ترین مشروب تھا اور کھجوروں کے گودے سے کشید کیا جاتا تھا وہ بھی وہیں بکتا تھا۔ نام سے تو ایسے لگتا ہے کہ یہ بازار شروع میں بنو قینقاع کے یہودیوں نے آباد کیا ہوگا مگر آہستہ آہستہ اس میں دیگر قبائل کے یہودی بھی کاروبار کرنے لگ گئے تھے اور یوں اس بازار پر زیادہ تر اجارہ داری یہودیوں کے ہاتھ میں تھی، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوسرے لوگ وہاں کاروبار نہیں کرتے تھے۔ گو وہاں دیگر عرب تجار کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی مگر وہاں تقریباً ہر رنگ و نسل اور مذہب کے لوگ کاروبار کیا کرتے تھے۔ ہجرت مبارکہ کے بعد مسلمانوں نے بھی وہاں سٹال لگانے شروع کر دیئے تھے اور چند ایک اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تو تھوڑی ہی دیر میں وہاں اپنا نام پیدا کر لیا تھا۔ حضرت بلال ابن رباحؓ اسی بازار میں عجوہ کھجوروں کا سٹال لگایا کرتے تھے۔

مکۃ المکرمہ کے لوگ زیادہ تر تجارت پیشہ تھے جب کہ مدینہ طیبہ کے باسیوں کی اکثریت زراعت پیشہ تھی۔ لہذا جب ہجرت مبارکہ ہوئی تو مہاجرین نے کاروبار کی طرف زیادہ توجہ دی اور دیکھتے ہی دیکھتے بعض اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مثلاً حضرت عبدالرحمن بن عوف (۵) نے کاروباری حلقوں میں اپنا منفرد مقام بنا لیا تھا۔ انہوں نے بھی اپنا کاروبار اسی سوق بنو قینقاع سے شروع کیا تھا۔ دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے سیدنا عثمان ابن عفانؓ (۶)، سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ ابتدائی مرحلے میں وہیں کاروبار کیا کرتے تھے اور رسول عربی تاجدار مدینہ ﷺ بھی کبھی کبھار وہاں کا دورہ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابو مسعود الانصاریؓ سے مروی ہے: "جب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ اور خیرات دینے کا حکم دیا تو ہم بازار جایا کرتے تھے اور مزدوری کیا کرتے تھے تاکہ ایک آدھ درہم کما سکیں (اور یوں ہم صدقہ خیرات کر سکیں) مگر اب یہ حالت ہے کہ ہمارے پاس لاکھوں درہم یا دینار ہیں۔(۷) اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے پورے جوش و خروش سے وہاں تجارتی کارروائیاں شروع کر دی تھیں جس کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت سدھر گئی اور دوسری طرف وہ بہت ہی کامیاب سوداگر بن کر ابھرے۔

امام سمہودیؒ نے ابن زبالہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سوق بنی قینقع وادی بطحان کے پل کے پاس واقع ہوا کرتا تھا (۸) (یعنی مسجد نبوی شریف کے جنوب مشرق کی طرف)؛ ابراہیم العیاشی کی رائے کے مطابق اس بازار کا موجودہ محل وقوع بخشونیہ (یا مدشونیہ) کے باغ کے قریب مراکشیوں کی رہائش گاہوں اور وادی بطحان میں بیر المشر فیہ کے درمیان کہیں واقع ہوگا جہاں حضرت عبداللہ بن سلامؓ، جو اسلام قبول کرنے سے پہلے بنو قینقع کے مشہور عالم ہوا کرتے تھے، کے اطم کے آثار اور باقیات ہوا کرتی تھیں. (۹) بہت سے دوسرے معاصر مورخین بھی اسی رائے کے حامی ہیں کہ سوق بنی قینقع وادی بطحان کے کنارے پر موجودہ بستان مخشونیہ کے پاس، یعنی خاک شفاء کے قریب، سامنے والی زمین میں ہوا کرتا تھا جو اب سدیری خاندان کی ملکیت ہے. یہ علاقہ ماضی میں سوق حبشہ اور سوق الجسر کے نام سے بھی جانا جاتا رہا ہے. (۱۰)

بیسویں صدی کے شروع میں باب مجیدی کے باہر کا منظر

زمانہ قبل از اسلام میں ان تمام بازاروں میں ہر طرح کی تجارتی بے قاعدگیوں اور برائیوں کا دور دورہ تھا. جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا زریں مگر قدیم اصول پوری طرح نافذ العمل تھا. اگر چہ زیادہ تر کاروبار 'مال کے بدلے مال' کی بنیاد پر ہوتا تھا مگر اس میں تمام قسم کے دھندے ہوا کرتے تھے، مثلاً آڑھت، دلالی، کمشن، ساہوکارہ، پیسوں کا لین دین اور سب سے بڑھ کر ربوا اور سود در سود کی قبیح ترین شکلیں بھی رائج تھیں جو اس وقت کی تجارت کا معمول کا حصہ بن چکی تھیں.

تاجدار حرم منبع جود و کرم ﷺ مدینہ طیبہ میں پہلے اسلامی بازار کا سنگ بنیاد رکھتے ہیں

وقت کا کارواں دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا اور مسجد نبوی شریف نے مدینہ طیبہ میں ایک مرکزی حیثیت حاصل کر لی. اس کے اردگرد آبادی اتنی تیزی سے بڑھنے لگی کہ زمین کم پڑگئی اور نو واردوں کو جبل سلع کے دامن میں بسانا پڑا. مسلمانوں کی تعداد میں روز افزوں اضافے سے اس بات کی اشد ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ان کا اپنا ایک بازار ہونا چاہئے. یوں تو سوق بنو قینقع عرصہ دراز سے مدینہ طیبہ کی تجارتی ضرورتوں کو پورا کر رہا تھا، مگر وہاں تجارت کے ساتھ ساتھ دیگر دھندے بھی ہوا کرتے تھے جو اسلام کی روح کے منافی تھے. رسول اللہ ﷺ کا تصور تجارت یہود و نصاریٰ سے یکسر مختلف تھا. اس لیے آں حضرت ﷺ مدینہ طیبہ میں ایک ایسا بازار بنانا چاہتے تھے جہاں بیرونی اثرات سے پاک خالصتاً اسلامی قوانین کے مطابق کاروبار ہو سکے. اس لیے سرکار دوعالم ﷺ نے اپنی امت کے لیے ایک الگ بازار کی بنیاد رکھی جس کے لیے ایک نہایت ہی موزوں اور مرکزی جگہ کا انتخاب کیا گیا.

حضرت عطاء ابن یسارؓ سے مروی ہے: [جب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے لیے ایک الگ بازار بنانے کا فیصلہ فرمایا تو پہلے تو آں حضرت ﷺ سوق بنو قینقع تشریف لے گئے اور پھر سوق مدینہ (یعنی اس جگہ جہاں اس دن کے بعد مدینہ طیبہ کا بازار قائم ہوا) تشریف لے آئے؛ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قدم مبارک زمین پر زور سے مار کر فرمایا کہ: [یہ رہا تمہارا بازار، اس کا رقبہ کم نہ کیا جائے اور نہ ہی اس پر کوئی خراج (یعنی محصول چنگی) عائد کیا جائے.] (۱۱) پہلے آپ بنی ساعدہ تشریف لے گئے اور اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ آپ اس حصے پر جو

سن چالیس کی دہائی میں
المناخہ کے بازار کا ایک منظر

ان کے گاؤں اور حضرت زید بن ثابتؓ کے گھر کے درمیان واقع تھا (جہاں اس دور میں بنی ساعدہ کا قبرستان بھی ہوا کرتا تھا) ایک بازار قائم فرمانا چاہتے ہیں. جب ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی رضامندی ظاہر کردی تو آں حضرت ﷺ نے وہاں بازار بنانے کا حکم فرمادیا. ابن زبالہ کے مطابق اس بازار کا رقبہ شمالاً جنوباً ثنیات الوداع کے پاس بنی ساعدہ کے کنویں سے لے کر مسجد الغمامہ تک پھیلا ہوا تھا. اس کا مشرقی کونہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے گھر سے ملتا تھا جو کہ الزوراء میں تھا (یعنی مشہد حضرت مالک بن سنانؓ کا علاقہ جو کہ اب مسجد نبوی شریف کے احاطے کے اندر آچکا ہے).

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے، مدینہ طیبہ میں اس وقت اور بھی بازار ہوا کرتے تھے جن میں مسلمان بڑھ چڑھ کر تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے، لیکن وہ بازار جس کی بنیاد حضور نبی اکرم ﷺ نے رکھی اس کے لیے بہت ہی موزوں جگہ کا انتخاب فرمایا گیا تھا جہاں باہر سے آنے والے تجار کو بھی آسانی تھی اور اس طرح جلد ہی وہ ایک بین الاقوامی بازار بن گیا. چونکہ اس کا ایک کونہ ثنیات الوداع کے ساتھ جبل سلع کے دامن تک چلا گیا تھا اس لیے باہر سے آنے والے قافلوں کو سب سے پہلے یہی بازار پڑتا تھا. دوسرے یہ کہ یہ بازار اس وقت کے مدینہ طیبہ کے باہر کی جانب ایک کنارے پر واقع تھا. چونکہ بازاروں میں عموماً بھیڑ بھاڑ زیادہ ہوتی ہے، وہاں شور و غوغہ بھی بہت رہتا ہے اور سامان خورد و نوش کی خرید و فروخت سے طرح طرح کا تعفن پھیلتا ہے، اس لحاظ سے بھی سوق مدینہ طیبہ کے لیے اس سے مناسب جگہ اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ طیبہ کے آرام اور ضروریات کو مدنظر رکھ کر منتخب فرمائی تھی.

تمام بازار کھلے آسمان کے نیچے لگتا تھا البتہ اتنا ضرور تھا کہ اس کے گرداگرد باڑ لگوادی گئی تھی اور اس کا ایک دروازہ بھی ہوا کرتا تھا جیسا کی ابن زبالہ کے ایک بیان سے مترشح ہوتا ہے جس میں انہوں نے حضرت حبیبؓ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروقؓ وہاں سے 'باب معمرؓ' کے پاس سے گزرے اور آپ نے دیکھا کہ ایک بڑا برتن دروازے پر پڑا تھا اور آپ نے اسے اٹھوائے جانے کا حکم دیا (کیونکہ لوگوں کو آنے جانے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی) اور مزید یہ کہ آپ نے حکم دیا کہ کوئی آدمی وہاں کوئی پتھر یا کوئی اور ایسی چیز نہ رکھے اور نہ ہی اس جگہ کا دعویٰ کرے. (۱۲)

تجارتی لحاظ سے اس جگہ پر سوق مدینہ طیبہ کے محل وقوع کی موزونیت نے اسے نہ صرف اہل مدینہ طیبہ کے لیے آسان بنادیا تھا بلکہ باہر سے آنے والے تجار کی پہنچ بھی وہاں آسانی سے ہوجایا کرتی تھی. وہاں سامان خورد و نوش مثلاً اجناس (زیادہ تر جو اور کچھ حد تک گندم)، گھی اور شہد. جو کہ بلاد الشام سے آیا کرتا تھا۔ فروخت ہوتا تھا. کچھ ایسا سامان طائف سے بھی آتا تھا. بہت سی ایسی احادیث مبارکہ بھی ہیں جن سے

حج کے دنوں میں المناخہ
حاجی کیمپ بن جاتا تھا

اندازہ ہوجاتا ہے کہ سوق مدینہ طیبہ ایک بین الاقوامی تجارتی مرکز بن چکا تھا. یہ حقیقت کہ ایسا سامان جو مدینہ طیبہ یا حجاز میں نہیں پایا جاتا تھا لیکن وہاں بآسانی دستیاب تھا اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ایسی اشیاء کی درآمد کی جاتی تھی جو کہ اکثر و بیشتر تجارتی قوافل کے ذریعے ہوا کرتی تھی. ایسی اشیاء میں عنبر، مشک اور عود وغیر شامل تھے. حضرت عبداللہ بن ابی عوفہؓ کی روایت کے مطابق: [ہم شامی دہقانوں کو پیشگی ادا کردیتے تھے تاکہ وہ ہمیں گندم، جو اور زیتون کا تیل مقررہ مقدار میں اور مقررہ مدت میں لاکردیں.] (۱۳) اصحابہ کبار میں سے سیدنا عثمانؓ، سیدنا ابوبکرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ ان دنوں کپڑے کے بڑے بڑے بیوپاریوں میں شمار ہوتے تھے، جب کہ حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت عامر بن کریزؓ ریشمی اور اونی کپڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے. گندم، جو، سوکھا انگور (منقی)، کھجور اور تربوز وہاں کثرت سے خرید و فروخت ہوا کرتے تھے. (۱۴)

وہ بازار جو شروع میں سوق المدینہ اور بعد میں آنے والے وقتوں میں (خاص طور پر عثمانی دور میں) سوق المناخہ کے نام سے جانا جاتا تھا، یہ وہی بازار تھا جو کہ رسول اللہ ﷺ کے دست شفقت سے معرض وجود میں آیا تھا. (۱۵) تاجدار مدینہ ﷺ اکثر اس بازار میں تشریف لے جاتے تھے. وہ حدیث مبارکہ جس کے الفاظ یہ ہیں کہ ''جو دھوکا کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے!'' ایسے ہی ایک معائنے کے دوران ارشاد کی گئی تھی جو کہ سوق النبی میں ہوا تھا. ایک مرتبہ جب آں حضرت ﷺ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے ایک تاجر کو غلہ بیچتے دیکھا جو کہ ایک بوری میں پڑا تھا. رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس بوری کے اندر تک ڈال دیا اور انکشاف ہوا کہ وہ غلہ اندر سے کچھ گیلا تھا جبکہ سطح سے خشک نظر آرہا تھا. استفسار پر اس نے بیان کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ایسا بارش کی وجہ سے ہوا ہے. اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کی سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ کچھ بھی ہو مگر اس نے گاہک کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے (دکھانا کچھ اور بیچنا کچھ اور). اس موقع پر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: من غش فلیس منا! (جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے!).

اس حکم مبارک سے صاف واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عزم کر رکھا تھا کہ آپ ہر قسم کی برائی کو ختم کر کے دم لیں گے. یہ اسی عزم کا ثمرہ تھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں تمام کاروباری بداعتدالیاں ایک ایک کر کے رخصت ہوگئیں اور استحصال اور ملاوٹ سے پاک معاشرہ وجود میں آگیا. قرآنی احکام کی روشنی میں ان تمام لین دین کی بیماریوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا، مثلاً سود اور ربو جن کی جگہ صدقہ اور خیرات نے لے لی تھی اور ساتھ ہی ساتھ قرض حسنہ کا تصور اجاگر کر کے معیشت کو راہ راست پر لایا گیا. (۱۶) حرام اشیاء کی خرید و فروخت ممنوع قرار دے دی گئی. ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ: [جب سورہ البقرہ کی آخری آیات کا نزول ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں مسجد نبوی شریف میں

تجاوز فرمایا اور اعلان فرمایا کہ پس الکحل کی خرید و فروخت اور استعمال حرام قرار دے دی گئی ہے۔](۱۷) حلال چیزوں کو معیشت اور کاروبار میں رائج کرنے کے لیے ضروری اقدام اٹھائے گئے صحیح مسلم اور صحیح بخاری (خاص طور پر کتاب البیوع) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ناپ تول کے پیمانوں کی پوری طرح پاسداری کرنے کے احکام دیے اور ساتھ ہی ساتھ دیگر اقسام کے لین دین کے احکام بھی صادر فرمائے تھے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں ایک شخص نے سوق مدینہ طیبہ میں اپنا خیمہ گاڑ لیا لیکن آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ یہ تجاوز کی زد میں آتا ہے اس کو جلا دیا جائے آپ حضور ﷺ کے احکامات بالکل واضح تھے [بازاروں کو بالکل مسجدوں کی طرح سمجھا جائے، جو بھی پہلے آئے گا وہ کھلی جگہ پائے گا جب تک کہ وہ اپنا سامان وغیرہ بیچ نہ لے جس کے بعد وہ گھر چلا جائے گا۔](۱۸) حضرت ابراہیم بن المنذر الحزامی نے حضرت عبداللہ ابن الحسنؓ سے روایت کی ہے [رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو بازار ایک تحفہ کی شکل میں دیا تھا](۱۹) خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور مبارک میں بھی یہی اصول کار بند رہا اور کسی کو وہاں گھر وغیرہ بنانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی سیدنا عمر فاروق کے دور مبارک میں ایک مرتبہ ایک لوہار نے اپنی بھٹی اور ورکشاپ وہاں نصب کر لی۔ جب آپ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ وہاں تشریف لے گئے اور اس کو اس وقت تک ٹھوکریں مارتے رہے جب تک کہ وہ بھٹی مسمار نہ ہو گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خاص طور پر یہ احکامات جاری کیے ہوئے تھے [بازار صدقہ ہوا کرتے ہیں جس کو ہر آدمی کو استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے اور کسی کو بھی اس پر اپنی ملکیت جتانے یا اجارہ داری قائم کرنے یا اس کے اوپر گھر بنانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔](۲۰)

المناخہ بازار پھلتا پھولتا رہا اور تیرہ صدیوں تک اہالیان مدینہ طیبہ کی تجارتی ضرورتوں کو پورا کرتا رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ مدینہ طیبہ کی مرکزی منڈی تصور ہوا کرتا تھا۔ مرکزی بازار ہونے کے علاوہ یہ حجاج کرام کے قوافل کے آنے جانے کا مرکز بھی بن گیا تھا اور حج کے دنوں میں تو یہاں کھوے سے کھوا چھلتا تھا جبکہ باقی دنوں میں بھی یہاں میلے کا سا سماں رہتا اور یہاں بہت سی ادبی اور معاشرتی سرگرمیاں بھی ہوا کرتی تھیں ادباء اور شعراء اسی بازار میں جمع ہوتے اور سامعین سے اپنے کلام کی داد لیتے عوامی جگہ ہونے کی وجہ سے بہت سی معاشرتی سرگرمیاں وہاں پر ہوا کرتی تھیں جو اہل مدینہ کا خاص اور مرغوب شیوہ رہا ہے۔

اس مارکیٹ کے بنانے سے دراصل رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی مثال قائم کر دی تھی کہ عالم اسلامی میں اس کا اتباع کیا جائے اور یہاں رائج قوانین نے بعد میں آنے والے وقتوں میں بہت سے فقہی مسائل کا حل بھی پیش کیا جو فقہاء اور معیشت کے علماء کے لیے مشعل راہ ہے، جن میں سرفہرست یہ اصول تھا کہ مارکیٹ اس علاقے کے تمام لوگوں کے لیے قابل دسترس ہو اور یہ کہ اس پر کسی گروہ یا لوگوں کے خاص طبقے کی اجارہ داری نہ ہو۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور مبارک تک تو یہ سنہرے اصول پوری طرح جاری و ساری رہے مگر امیہ دور کے چند خلفاء نے ان سے تجاوز کیا اور ان لوگوں نے اس مارکیٹ میں اپنے مکانات بنوانا شروع کر دیئے۔ جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا
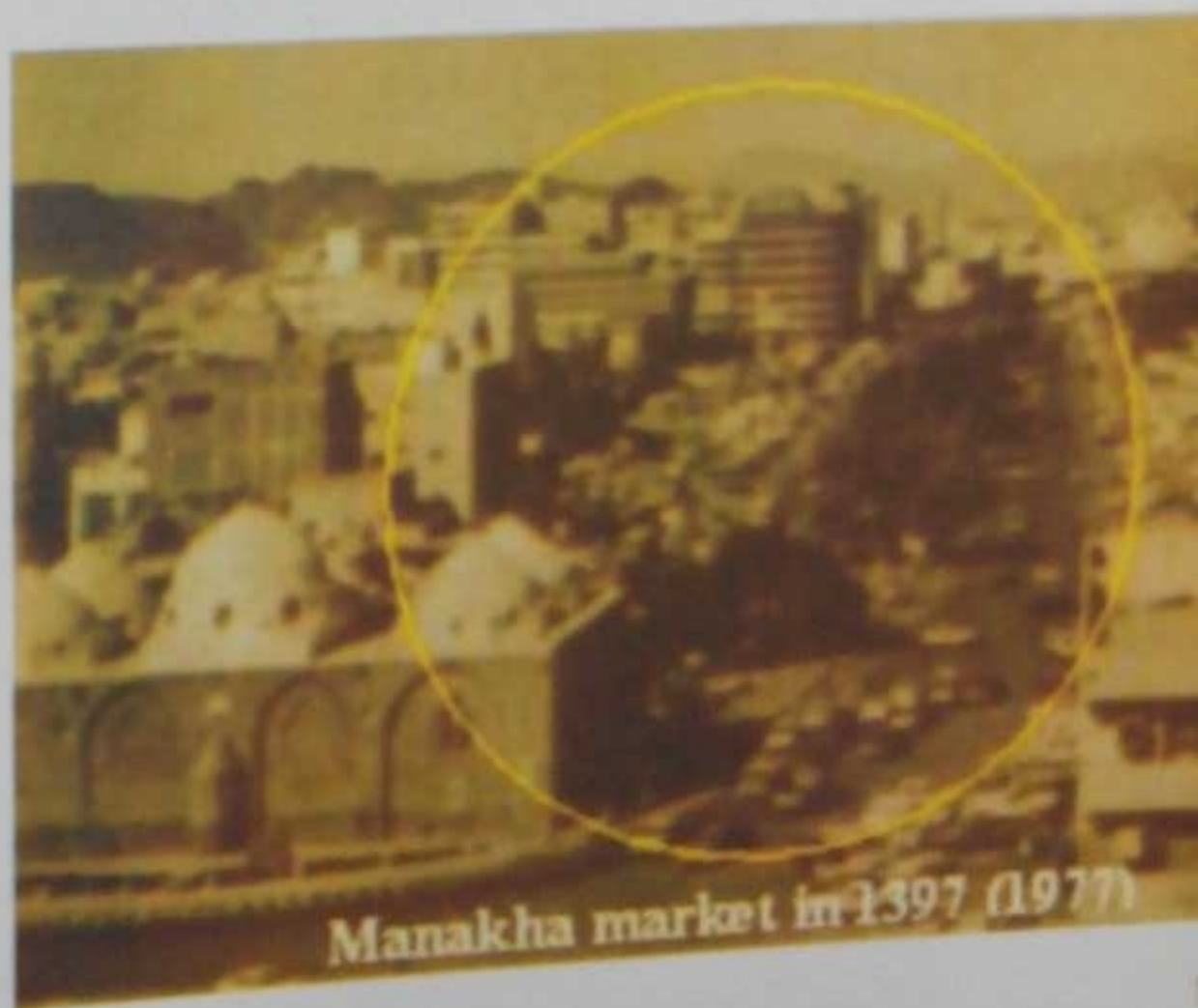
Manakha market in 1397 (1977)

خوشی کے موقعوں پر خاصکر اور عام دنوں میں ''المناخہ'' ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز بن جاتا تھا اس تصویر میں ''العرضہ'' Al-Ardha کا رقص نظر آرہا ہے

کہ:[یہ جگہ دستبرد اور تجاوزات سے بچائی جائے!]. جو پہلا گھر وہاں تعمیر ہوا اس کو'دار نقصان' کہا جاتا تھا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھا.مدینہ طیبہ کے لوگوں میں اس سے غم وغصہ کی لہر تو دوڑ گئی تھی مگر وہ بیچارے کچھ نہ کر سکے.ان کے بعد ہشام بن عبدالملک نے بھی اپنا ایک گھر وہاں بنوالیا،مگر جونہی اس کا انتقال ہوتو اہالیان مدینہ طیبہ نے اسے مسمار کر دیا اور پورے علاقے کو تجاوزات سے پاک کر دیا اور اس بازار کو از سر نو عوام کے لیے مختص کر دیا.

بنوامیہ کے بعد آنے والے حکمرانوں نے بھی وہی وطیرہ اختیار کیا.وہ بھی اپنے پیش روؤں سے بہتر ثابت نہ ہوئے اور ان کے رؤساء و امراء نے اپنے لیے وہاں گھر بنالیے.ترکیوں کے دور میں بھی یہی رجحان رہا اور ان کے افسران بھی کوئی بہتر رویہ نہ اپنا سکے.مدینہ طیبہ میں چونکہ اشراف (اہل بیت) کے سرکردہ لوگوں کو گورنر بنانے کا رواج چل نکلا تھا اس لیے یہ جگہ اشراف کی مرغوب ترین رہائش گاہوں کے طور پر کام آتی رہی.اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بازار تنگ ہوتا گیا اور ارد گرد کی جگہ تجاوزات سے اٹ گئی.پہلی جنگ عظیم میں جب فخری پاشا گورنر بنا تو اس نے ان تمام تجاوزات کو ہٹانے کے احکام جاری کئے.(۲۱) لیکن جونہی اشراف نے عثمانیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور انہوں نے مملکت ہاشمیہ کے نام پر حجاز میں حکومت قائم کر لی تو اس تمام علاقے میں عارضی شیڈ بنا دیئے گئے جن پر ٹین کی چھتیں تھیں،جنہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے پکی عمارتوں کی شکل اختیار کر لی جہاں امراء اور رؤسا رہا کرتے تھے اور پھر چند ہی برس میں وہاں حکومت کے کارندوں کے دفاتر اور مکانات ابھر آئے.جب سعودی عہد کی ابتداء ہوئی تو اس وقت زیادہ تر مناخہ کا علاقہ سرکاری دفاتر مثلاً میونسپلٹی اور پولیس ہیڈ کوارٹر وغیرہ کے زیر استعمال تھا.اس علاقے کو برالمناخہ کہا جانے لگا تھا کیونکہ خالی میدان میں حجاج کرام کے قافلے آکر رکا کرتے تھے.مناخہ عربی میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اونٹ بٹھائے جاتے ہوں.وہ زائر یا حجاج جو کرائے کے مکان لینے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے عام طور پر وہیں خیمے گاڑ لیا کرتے تھے.

کچھ حصوں پر باغات اور بستان بن چکے تھے جو شہر کے عمائدین کی ملکیت تھے.اس طرح تجاوزات نے بڑھتے بڑھتے اس بازار کو مزید تنگ کر دیا تھا.ابراہیم رفعت پاشا ۱۹۰۱ء میں ایسے دو مشہور بستانوں کا ذکر کرتا ہے جو بستان آل بری اور بستان عبدالعال کے نام سے مشہور تھے اور المناخہ کے تاریخی علاقے میں تھے.(۲۲) یوں بیسویں صدی کے آغاز میں سوق النبی یا سوق مناخہ برائے نام ہی رہ گیا تھا،مگر یہاں جو بھی آبادی بنی ان کی گلیاں چھوٹے چھوٹے بازاروں میں تبدیل ہو گئی تھیں،جن کے گرد واقع مکانوں کی بالائی منازل رہائشی مقاصد کے لیے استعمال ہوا کرتی تھیں اور نچلی منزلوں میں دکانیں اور سٹور ہوا کرتے تھے.بڑی سڑک جو عنبریہ ریلوے سٹیشن کو حرم مدنی سے ملاتی تھی وہ المناخہ سے ہو کر گزرتی تھی اور اس کا نام ''طریق العینیہ'' ہوا کرتا تھا.یہی بڑی سڑک تھی جو باب السلام کی دہلیز تک پہنچتی تھی اور

درحقیقت پرانے مدینہ طیبہ کا سب سے بڑا بازار بن چکی تھی۔ زیریں حصے پر دکانیں ہوا کرتی تھیں جبکہ بالائی حصے رہائشی مقاصد کے لیے استعمال ہوا کرتے تھے جن میں سے اکثر کرائے پر چڑھائے جاتے تھے۔

بیسویں صدی اپنے ساتھ ایک ایسا انقلاب لے کر آئی تھی جس نے تجارت کے لیے نئے راستے کھول دیئے تھے اور کاروبار اب محض صدیوں پرانے روایتی انداز میں چلانا ممکن نہیں رہا تھا۔ شہر کی آبادی چاروں طرف پھیلتی جارہی تھی اور پرانے مدینہ طیبہ کے اردگرد چھوٹے چھوٹے سیٹلائٹ ٹاؤن بن گئے تھے جو بڑھتے بڑھتے ایک مکمل شہر کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ یہ تمام آبادیاں ایک دوسرے سے متصل اور اپنی بہت سی ضروریات کے لیے ایک دوسرے پر انحصار کرتی تھیں جو عمرانیات کے قدرتی عوامل کا براہ راست نتیجہ تھا۔ ان نئی آبادیوں کے تجارتی تقاضوں نے المناخہ کی حیثیت کو بہت حد تک گھٹا کر رکھ دیا تھا اور چند ہی سالوں میں بہت سے چھوٹے بڑے بازار نمودار ہو گئے تھے اور پھر ان حالات میں قدیم طرز کے بازار (المناخہ) کی حیثیت محض ایک کھلے بازار کی سی رہ گئی تھی جہاں عموماً کھانے پینے کی چیزیں کھلے آسمان تلے فروخت ہوا کرتی تھیں اور یوں اس کی روایتی اہمیت کو دیمک چاٹنے لگ گئی تھی۔ اوپر سے رہی سہی کسر مدینہ طیبہ کی بڑھتی ہوئی عمرانی ضروریات نے نکال دی جو آہستہ آہستہ رسول اللہ ﷺ کے بنائے ہوئے بازار کو ہڑپ کر گئیں۔ عبدالقدوس الانصاری کے کہنے کے مطابق بیسویں صدی کے وسط میں المناخہ ایک بہت بڑے علاقے پر محیط ہوا کرتا تھا جو قلعہ شامی سے لے کر مسجد الغمامہ تک جاتا تھا اور اسی میں دیگر چاروں مشہور مساجد پڑتی تھیں (مسجد الغمامہ، مسجد سیدنا عمر ابن الخطابؓ، مسجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور مسجد سیدنا ابوبکر الصدیقؓ)۔ (۲۳)

جب مسجد نبوی شریف کے اردگرد دیگر تجارتی مراکز اور بازار بن گئے اور المناخہ کی وہ حیثیت نہ رہی تو یہ جگہ رہائشی مقاصد تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اس جگہ پولیس اور ڈاک کے محکمے بن گئے اور پھر وہاں کنگ عبدالعزیز پبلک لائبریری بھی بنادی گئی۔ اس طرح تھوڑے ہی عرصے میں وہاں سرکاری عمارات سر اٹھائے کھڑی نظر آتی تھیں۔ بایں ہمہ یہ علاقہ تنگ سڑکوں اور گلیوں کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک تھا اور شہر کی دوسری بڑی سڑکوں سے جاملتا تھا جو مسجد نبوی شریف کی طرف جایا کرتی تھیں۔ ۱۹۸۴ء میں یہ تمام علاقہ حکومت نے حاصل کر لیا۔ پہلے تو اس جگہ عارضی شیڈ بنائے گئے جو حجاج کرام کے جم غفیر کو سایہ اور سائبان فراہم کرتے تھے مگر بعد میں اسے مسجد نبوی شریف کے بڑے توسیعی منصوبے کا حصہ بنا دیا گیا۔ آج کل بہت کھلی سرنگ اس علاقے سے گزرتی ہے جو سید الشہداء کو جاتی ہے۔ سوائے چند سرکاری عمارتوں کے (مثلاً کنگ عبدالعزیز لائبریری) باقی کی تقریباً تمام عمارات غائب ہو چکی ہیں اور اس میں بڑے بڑے فائیو سٹار ہوٹلز بننے شروع ہو گئے ہیں۔ اب مدینہ طیبہ کے پرانے باسیوں کے علاوہ کوئی اس کے پرانے نام (یعنی برالمناخہ) سے بھی واقف نہیں ہے۔ یہ نام اب صرف تاریخی کتابوں میں حوالوں کے لیے باقی رہ گیا ہے لیکن مدینہ طیبہ کی تاریخ میں اقتصادیات اور معاشیات میں جو اہم کردار اس جگہ اور نبی اکرم ﷺ کے بنائے ہوئے سوق النبی نے ادا کیا ہے وہ ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور میں صنعت وحرفت:

ایک ایسے دور میں جب انسان قدیم طرز کے ذرائع پیداوار اور طرز زراعت پر انحصار کرتا تھا ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرح کی صنعت لگانے کی خواہش مدینہ طیبہ میں آج سے چودہ سو سال پہلے انگڑائی لے رہی تھی۔ جونہی مدینہ طیبہ اس وقت کے سیاسی افق پر ایک بڑا ستارہ بن کا چمکنے لگا اور روپے پیسے کی فراوانی ہوئی، اس وقت سے ہی مدینہ طیبہ میں چھوٹی چھوٹی دستکاریاں اور صنعتیں (Cottage Industries) لگانے کا رجحان پیدا ہو چکا تھا اور یوں بہت پہلے ہی وہاں جدید صنعت کے لیے راہ ہموار ہو گئی تھی۔ گھوڑے اور اونٹ تو وہاں صدیوں سے پالے اور خریدے اور بیچے جاتے تھے۔ زراعت اور کھجور بونے اور سکھانے کی صنعت بھی صدیوں پرانی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی

مسجد نبوی شریف کے
مغربی جانب باب السلام
کے سامنے بازار عینیہ
یہ اپنے وقت کا سب سے
بڑا بازار تھا

صنعت وحرفت بھی اپنے قدم جمانے لگ گئی تھی اور ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں کھالوں کے سکھانے اور ان سے کار آمد چیزیں بنانے کی صنعت (۲۴)، لوہاروں کی بھٹیاں (۲۵)، کپڑے سینے کی صنعت (۲۶)، کپڑا بننے کی صنعت (۲۷)، نجاری۔ لکڑی کا کام (۲۸) اور روپے پیسے کو دوسری کرنسیوں میں بدلنے کا کام (۲۹) مدینہ طیبہ میں رائج ہو چکے تھے اور اس قسم کے کاروبار مدینہ طیبہ کی معیشت کی بنیاد تصور کئے جاتے تھے. سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کی کپڑا بنانے کی صنعت تھی اور کتنے ایسے آثار ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بنے ہوئے کپڑے کی گانٹھوں کو اپنی کمر پر لاد کر سوق مدینہ طیبہ میں لاتے دیکھے گئے تھے. ان کے علاوہ کپڑوں کی کمی کو بیرونی ذرائع سے بھی پورا کیا جاتا تھا. وفد نجران کے مندوبین نے جو نجرانی علاقوں کو مدینہ طیبہ کی باجگزار بنانے پر رضامند ہوئے تھے عہد کیا تھا کہ وہ سالانہ دو ہزار جبے اور پہننے کے کپڑے خراج میں دیا کریں گے اور ایسا ہی ہوتا رہا فن معماری بھی خاصہ ترقی یافتہ ہو چکا تھا کیونکہ مدینہ طیبہ میں کئی منزلہ اطام موجود تھے جو زمانہ یثرب سے ہی چلے آ رہے تھے اور عام مکانوں کی تعمیر کے لیے زیادہ تر دھوپ میں سکھائی گئی اینٹیں استعمال کی جاتی تھیں. کاروبار پر سے جونہی یہود کی اجارہ داری ختم ہوئی، عروس البلاد مدینہ طیبہ ''شہر مسلم برائے مسلم'' بن کر ابھرا اور وہاں تجارت بھی مکمل طور پر مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی. وہ کام جن میں پہلے صرف یہود کو دسترس حاصل تھی: مثلاً دھات یا چمڑے کی ڈھالیں بنانا، خودوں کی ڈھلائی اور تیاری، شمشیر سازی، زرہ بکتر بنانا، تیر و کمان بنانا، ترکش بنانا اور تلواروں کے لیے نیام بنانا وغیرہ، یہ تمام کام مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں آ گئے تھے. فینسی کام: مثلاً تلواروں کے دستوں پر قیمتی پتھروں کو جڑنا اور زرگری وغیرہ تو بہت پہلے سے حجاز میں رائج تھے، مگر مدینہ طیبہ میں اس کا رواج عام نہ تھا کیونکہ ابتداء میں مسلمانوں کی مالی حالت ان عیاشیوں کی متحمل نہ تھی، مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ صنعت بھی مدینہ طیبہ میں شروع ہو گئی تھی.

ان چھوٹی چھوٹی دستکاریوں کے علاوہ پہلی بڑی صنعت جو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مدینہ طیبہ میں لگائی وہ سامان حرب و ضرب بنانا تھا، یعنی شمشیر سازی، تیر و تفنگ، ڈھالیں اور حفاظتی زرہ بکتریں بنانا جو مجاہدین اسلام کے ہاتھوں میں پہنچ کر اعدائے اسلام پر قہر الٰہی بن کر نازل ہوا کرتی تھیں. (۳۰) حضرت ابراہیمؓ ابن رسول اللہ ﷺ کے متعلق چند ایسی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو عالم طفولیت میں ایک انصاری صحابی کی نگہبانی میں دے دیا گیا تھا جن کی لوہے کی بھٹی ہوا کرتی تھی. اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس وقت بھی چند مسلمانوں کی بھٹیاں ہوا کرتی تھیں، اگرچہ وہ اتنی بڑی نہ تھیں جتنی کہ یہودیوں کی ہوا کرتی تھیں مگر چونکہ بنو قینقع کے یہود کو مدینہ بدر کیا گیا تھا جو کہ ہلال کی طرز پر خم دار تلواریں بنانے میں ماہر تھے، ان سے طے پانے والے معاہدے کے تحت ان کو اپنی تمام تر مشینری اور

اوزار جوں کے توں مسلمانوں کے ہاتھوں میں چھوڑنے پڑے تھے، اس بات کا قوی امکان ہے کہ بعض اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس صنعت کو سنبھالا دیا ہوگا. اس طرح حاصل ہونے والی مشینری نے مسلمان صنعت کے لیے بنیادی ڈھانچہ (Infra Structure) استوار کرنے میں بہت مدد دی ہوگی جس سے بعد میں زرگری اور ہتھیار سازی کی صنعت بڑے پیمانے پر شروع ہو سکی تھی لیکن چونکہ کاریگر بھی یہودی ہوا کرتے تھے اور ان کے جانے کے بعد کچھ خلاء سا پیدا ہو گیا تھا اس صنعت کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے میں کچھ وقت ضرور لگا ہوگا تا آنکہ ساسانی اور بازنطینی علاقے فتح ہوئے اور وہاں سے کچھ کاریگر اور ہنرمند لوگ مدینہ طیبہ لائے گئے۔

یہ کہنا بھی بے محل نہیں کہ مسلمانوں کی توجہ دفاعی اور حربی صنعت پر مرکوز کرنے میں قرآن کریم کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو بڑا عمل دخل تھا. حکم خداوندی صاف واضح تھا اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بڑھ کر کون ان پر عمل کر سکتا تھا: ﴿اور ان کے لیے تیار رکھو جو قوت بھی تم سے بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو کہ ان سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے سوا کچھ اوروں کے دلوں میں جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے تمہیں پورا دیا جائے گا.﴾ (۳۱) یوں مسلمان افواج کی بڑھتی ہوئی حربی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جو صنعت سب سے پہلے مدینہ طیبہ میں استوار ہوئی وہ آلات حرب وضرب کا بنانا تھا جن کو دور دور سے لائے گئے کاریگر اور ہنرمند چلایا کرتے تھے. مشہور اصحابی حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا ڈھلائی کا ایک بہت بڑا کارخانہ تھا جس میں ایک وقت میں سو سے زیادہ کاریگر کام کرتے تھے جو بقیع الغرقد کے پہلو میں ہوا کرتا تھا. بدبخت پارسی غلام فیروز لؤلؤ جس نے سیدنا عمر فاروقؓ کو خنجر کے پے در پے وار کر کے شہید کیا تھا وہ بھی انہیں حضرت مغیرہؓ کے کارخانے میں کام کیا کرتا تھا. خلفائے راشدین کے عہد مبارکہ میں تو یہ صنعت اتنی ترقی کر گئی تھی کہ اس کو چلانے والوں کو حکومت کو ٹیکس دینا پڑتا تھا. (۳۲)

ناپنے تولنے کے پیمانے:

حضرت مقدم بن معدی کربؓ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اپنے کھانے پینے کی چیزوں کا وزن کیا کرو اس سے ان میں برکت بڑھتی ہے.] (۳۳) اسلام سے پہلے ہی یثرب میں صاع اور مد کے پیمانے رائج تھے جن کے ۱/۲، ۱/۴ اور ۱/۸ حصے کے پیمانے بھی ہوا کرتے تھے. رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر مدینہ طیبہ کے لیے ان کے صاع اور مد میں برکت کی دعا فرمائی تھی: [اے اللہ ہمیں مدینہ سے پیار کرنا سکھا دے تاکہ ہم اس سے اتنا پیار کریں جتنا کہ مکہ کے لیے، بلکہ اس سے بھی دگنا. اے اللہ ہمارے صاع اور مد میں برکت ڈال دے اور مدینہ طیبہ کی فضاء کو ہمارے لیے باعث رحمت بنا دے اور اس کی بیماریوں کو الجحفہ کی طرف لے جا.] (۳۴) ایک دوسری حدیث مبارکہ میں حضرت انس بن مالکؓ سے کچھ اس طرح مروی ہے: [اللہ کے رسول ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے پیمانہ ہائے ناپ تول میں اور ہمارے صاع اور مد میں برکت ڈال دے. رسول اللہ ﷺ کا مطلب مدینہ طیبہ کے لوگوں سے تھا.] (۳۵) صاع اور مد روزمرہ کے تول کے پیمانے تھے. زیادہ لین دین کے لیے 'وسق' (جمع اوساق) استعمال ہوا کرتے تھے جو ۶۰ صاع کے برابر ہوا کرتا تھا. ایک صاع کا تول تقریباً تین کیلوگرام کے برابر ہوا کرتا تھا. صدیوں تک یہی پیمانے چلتے رہے. (۳۶)

ناپ تول کے پیمانے، تصویر ماخوذ از احد یسین خیاری

بارھویں صدی ہجری کے شروع میں عثمانیوں نے ترکی پیمانہ ہائے ناپ تول

روشناس کرائے لیکن ساتھ ساتھ پرانے حجازی پیمانے بھی رائج رہے۔ مدینہ طیبہ میں ارض حجاز کے باقی علاقوں کی طرح اشیاء کو صاع کے ذریعے ناپا جاتا تھا لیکن دیگر مختلف مقامات پر اس کے حجم اور پیمانے میں تھوڑا بہت فرق ضرور تھا۔ صاع دو سیر (Pint) کا ہوا کرتا تھا اور کاروباری تول کے لیے 'مدنہ' استعمال ہوتا تھا جو کہ کھجور کے پتوں سے بنا ایک پیمانہ ہوتا تھا جو عموماً بارہ صاع کے برابر ہوا کرتا تھا۔ ناپ کے لیے مدینہ طیبہ میں 'ذرع' استعمال ہوتا تھا جس کی لمبائی ایک ہاتھ (کہنی سے لے کر درمیانی انگلی کے کونے تک) ہوا کرتی تھی۔ ایک ذرع دو بالشت کا ہوا کرتا تھا جس کو عربی میں شبر کہا جاتا تھا۔ ذرع کی لمبائی کاروباری معاملات میں مختلف مقامات پر مختلف تھی، مثلاً مدینہ طیبہ میں 'شرعی ذرع' استعمال ہوتا تھا جب کہ حجاز کے باقی علاقوں میں مستعمل ذرع تھوڑا سا کم ہوا کرتا تھا۔

عہد ہرقل (رومی بادشاہ) کا دینار، عہد رسالت مآب ﷺ میں دیگر سکوں کے علاوہ رومی سکے بھی چلتے تھے

مدینہ طیبہ میں رائج سکے اور کرنسیاں:

چونکہ مدینہ طیبہ شاہراہ مسالحہ جات (Spice Route) پر واقع تھا جس کے ذریعے اس وقت کی تمام امیر تہذیبوں کی طرف راستے جاتے تھے، مثلاً شمال میں رومی، مغرب میں ساسانی اور جنوب میں یمن وغیرہ، اس لیے وہ تمام سکے جو ان ممالک میں چلتے تھے وہ مدینہ طیبہ میں بھی چلا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں زیادہ تر رومی ہرقل کے سونے کے دینار چلا کرتے تھے جو قیراطوں پر منقسم ہوا کرتا تھا۔ (۳۷) اس کے علاوہ رومی چاندی کے درہم (جمع دراہم) ہوتے تھے اور کانسی کے فولیس (Follis) ہوا کرتے تھے جن کو عربی میں فلس (جمع فلوس) کہا جاتا تھا۔ رومی علاقوں سے آنے والے قوافل درہم و دینار لایا کرتے تھے۔ ان کے اوپر بازنطینی بادشاہوں کی تصویریں بنی ہوا کرتی تھیں۔ عرب ان کو ہرقلیہ (Herculian) کہا کرتے تھے۔ چاندی کے دراہم زیادہ تر ساسانیوں کی طرف سے ایران سے آیا کرتے تھے اور ایران اور عراق کی جانب سے آنے والے قافلے زیادہ تر دراہم ہی لایا کرتے تھے۔ اسی طرح یمنی حمیاری سکے بھی مدینہ طیبہ میں عام ہوا کرتے تھے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی لین دین سے متعلق احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے سونے کا وزن کر کے قیمت ادا فرمائی تھی۔ خالص سونا اور چاندی بھی قانونی سکہ کے طور پر رائج تھے جن کو اوقیہ کی مقدار میں تولا جاتا تھا (۳۸)۔ ایسی بہت سی احادیث مبارکہ ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں دینار، دراہم اور سونا چاندی لین دین میں استعمال ہوتے تھے۔ بعض روایات سے تو اس بات کے اشارے بھی ملتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں مسلمانوں کے اپنے سکے بھی ہوا کرتے تھے۔ ایک ایسی ہی حدیث مبارکہ ابوداؤد، ابن ماجہ، امام احمد اور حاکم نے روایت کی ہے۔ جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مسلم سکوں (سکۃ المسلمین) کے توڑنے سے منع فرما دیا تھا جو کہ اس وقت رائج تھے، سوائے انتہائی ضروری حالات کے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے مسلم سکوں کو توڑنے سے منع فرمایا تھا سوائے اس کے کہ ان میں کوئی خامی ہو۔] (۳۹) اکثر محققین کی رائے میں ان 'مسلم سکوں' سے مراد ایسے ہرقلی دینار یا درہم بھی ہو سکتے تھے جو کہ مدینہ طیبہ میں بطور ایک ریاست کے زیر گردش تھے۔ اس حدیث مبارکہ سے اس بات کا اشارہ بھی ملتا ہے کہ مسلمان ان سکوں کو تڑوا کر زیورات وغیرہ میں ڈھلوا لیا کرتے تھے۔ یہی وجہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سکوں کو تڑوانے اور ڈھلوانے سے منع فرمایا، سوائے اس حالت کے کہ وہ خراب ہو چکے ہوں۔

لیکن جیسے جیسے اسلامی ریاست کی حدود پھیلتی گئیں اور کثیر النسلی اور مختلف سیاسی پس منظر کے لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے تو جلد ہی ایک بہت مضبوط مرکزی حکومت اور نظام حکومت قائم ہو گیا جس کے تحت امت اسلامیہ کے مفتوحہ علاقوں کو مختلف جغرافیائی

عبدالملک کے دور میں اسلامی دنیا میں سب سے پہلا رائج کیا جانے والا چاندی کا ایک درہم، دائیں جانب سونے کے ایک دینار کی تصویر ہے جو عبدالملک کے دور میں جاری ہوا تھا

اکائیوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا. اس وقت سب سے بڑی ضرورت اس بات کی تھی کہ مملکت اسلامیہ کا اپنا منفرد سکہ (Currency) بھی ہو. ۲۸ ہجری میں سیدنا عثمانؓ کے دور خلافت میں سب سے پہلے ایسے سکوں کا استعمال ہوا. وقتی طور پر ساسانیوں کے علاقوں میں رائج سکوں کو زیر گردش لایا گیا. ان کے اوپر ساسانی شاہنشاہوں کی تصاویر ہوا کرتی تھیں. مسلمانوں کے پاس اس وقت تک کوئی ٹکسال نہیں تھی، اس لیے ان سکوں کے استعمال کی اجازت دی گئی مگر ان پر کوفی رسم الخط میں 'بسم اللہ' لکھ دیا گیا تھا. وہ سکے حر تک میں ڈھلتے تھے جو طبرستان میں تھا.

مدینہ طیبہ کے چند مورخین نے اس رائے کا بھی اظہار کیا ہے کہ سب سے پہلے اسلامی سکے سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں رائج ہوئے تھے اور ان کے اوپر 'الحمد للہ' کنداں ہوا کرتا تھا اور بعض پر 'محمد الرسول اللہ' بھی کنداں ہوتا تھا. لیکن ساسانی بادشاہوں کی تصویروں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا. (۴۰) نقشبندی کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے مسلم سکے دمشق میں ۱۷ ہجری میں سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں رائج ہوئے تھے. وہ سکے فلس کہلاتے تھے (جن کی جمع فلوس تھی) مگر ان کے اوپر بھی بازنطینی شہنشاہ کی تصویر اور لاطینی میں ان کی لکھائی موجود ہوا کرتی تھی. (۴۱) تاہم سب سے قدیم سکے جو اس وقت تک مل سکے ہیں وہ خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور مبارکہ کے ہی ہیں.

دی گئی تصویر میں سیدنا عثمانؓ کے درہم کے سکوں کی دونوں اطراف کو دکھایا گیا ہے جو اس وقت کی مملکت اسلامیہ کے طول و عرض میں رائج تھے. ایران کی فتح کے جلو میں بے شمار دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگی تھی، جن میں سے سب سکوں پر یزدگرد کی تصویر کنداں تھی. اتنے زیادہ سکوں کے ضیاع کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی ان کو ڈھال کر نئے بنانے کے لیے اس وقت تک وسائل میسر تھے. اس لیے سیدنا عثمانؓ نے ان کو استعمال کرنے میں ہی مصلحت سمجھی. بس صرف اتنا کیا کہ ان پر بسم اللہ کی تحریر کنداں کروا دی جو سکوں کے کناروں کی طرف ہوا کرتی تھی جیسا کہ اوپر دی گئی تصویر سے ظاہر ہے. یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں ٹکسال سرے سے نہیں تھی اس لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار بھی نہ تھا.

اسی طرح آثار قدیمہ کے ماہرین نے چند ایسے سکے بھی دریافت کیے ہیں جو کہ ۴۰ ہجری کے ہیں اور جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے دور مبارکہ سے متعلق ہیں. (۴۲) لیکن تاریخ کی ستم ظریفی یہ ہے کہ کسی بھی اسلامی مورخ نے اس بات کا تذکرہ نہیں کیا کہ کبھی شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰؓ نے اپنی خلافت کے دوران سکوں کے ڈھالنے کا حکم جاری کیا ہو کیونکہ ان کا پورا دور تو خانہ جنگیوں میں ہی صرف ہو گیا تھا. ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کارہائے نمایاں سے سیاسی اغماض تو نہیں جو کہ بنی امیہ کا شیوہ رہا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ رخج کی بندرگاہ سے دریافت ہونے والے چند سکوں سے یہ بات پایہ ثبوت

سیدنا عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں ایرانی سکے جن پر یزدگرد کی تصویر تھی
مگر سیدنا عثمان بن عفانؓ نے اس پر بسم اللہ کنداں کروا کر ان سکوں کو مسلم علاقوں میں رائج کر دیا تھا

مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاۂ کے مختلف ادوار میں رائج سکے

عہد بنوامیہ (۷۰۰ء) میں سونے کا دینار

عہد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۷۱۷-۷۲۰ء) میں چاندی کا درہم

عہد بنوامیہ (۷۰۰ء) میں تانبہ کا فلس

عہد بنوامیہ ولید بن عبدالملک (۷۰۵-۷۱۵ء) کا سکہ

عہد بنوامیہ ولید بن عبدالملک (۷۰۵-۷۱۵ء) میں چاندی کا درہم

عبدالملک (۶۸۲-۷۰۵)

عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے دور میں جاری ہونے والا درہم

فاطمی سلطان المعز باللہ (۹۵۳-۷۵ء) چاندی کا آدھا درہم

الحکم فاطمید (۹۹۶-۱۰۲۱ء) چاندی کا آدھا درہم

عہد صلاح الدین ایوبی (۱۱۶۹-۹۳ء) کے سکے

تک پہنچ جاتی ہے کہ سب سے پہلے اسلامی درہم سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ہی ڈھلوائے تھے۔ یہ سکے ۴۰ ہجری میں بصرہ میں ڈھائے گئے تھے۔ ایک درہم کا وزن 2.975 گرام تھا جو کہ رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ وزن کے عین مطابق تھا۔ (۴۳)

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے بھی اسی طرح کے سکے (جیسے کہ سیدنا عثمانؓ نے رائج کیے تھے) چلائے تھے۔ آپ نے ان پر پہلوی زبان میں 'عبداللہ' کا لفظ کنداں کروا دیا تھا۔ اسلامی تاریخ میں یہ سب سے پہلی مثال تھی کہ ایک سربراہ نے اپنا نام سکوں پر کندہ کروایا تھا۔ یہ سکے اردشیر خرہ کی ٹکسال میں ۶۸۰ء-۶۹۲ء کے لگ بھگ ڈھالے گئے تھے۔ اس طرح مدینہ طیبہ میں بھی ان سکوں کا اجراء ہوا تھا کیونکہ حجاز پورا ان کے زیر اثر آچکا تھا۔ لیکن ۶۹۲ء میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی شکست کے بعد وہ تمام سکے بحق سرکار ضبط کر لیے گیے اور ان کی جگہ بنو امیہ نے اپنے سکوں کا اجراء کر دیا۔ اس وقت تک دمشق میں ٹکسالوں نے کام شروع کر دیا تھا۔ عبدالرحمن ابن ابی زیاد کے مطابق: ''عبدالملک بن مروان نے اپنے دینار اور درہم ۷۵ ہجری میں جاری کروائے اور وہ پہلا اسلامی خلیفہ تھا جس نے ان پر تحریر کنداں کروائی۔'' (۴۴) ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ بعض روایات میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ سب سے پہلے ان عبارات کے ساتھ مسلم سکے حجاج بن یوسف نے جاری کروائے تھے مگر چونکہ بعض جلیل القدر شخصیتوں نے احتجاج کیا تھا کہ چونکہ ان سکوں پر جن پر قرآن کریم کی آیت کنداں تھی اس بات کا شدید احتمال تھا کہ بعض وقت ناپاک ہاتھ بھی ان کو لگیں گے تو اس نے وہ سکے واپس لے لیے تھے۔ البتہ عبدالملک کے دور میں ان سکوں کے اجراء کی روایات زیادہ ثقہ ہیں۔ اسلامی تاریخ میں وہ پہلا مسلم فرمانروا تھا جس نے تمام خط و کتابت عربی میں شروع کروائی اور تمام سکوں پر عربی تحریر کنداں کروائی۔ یہ سکے کانسی کے فلس ہوا کرتے تھے، یا پھر چاندی کے دراہم اور سونے کے دینار ہوا کرتے تھے۔ اس کے بیٹے ہشام نے بھی دیناروں کے اجراء کا حکم دیا جو 'دینار الشامیہ' کہلاتے تھے اور ان پر قرآن کریم کی سورۃ اخلاص ''قل ہو اللہ احد'' کنداں کی گئی تھی۔ (۴۵)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں جاری ہونے والے چاندی کے درہم کی نایاب تصویر

ان سکوں کو بنانے کے لیے اس نے سونا اور چاندی قبل از اسلام کے مثقالوں سے لیا جو کہ ۲۲ قیراط کے ہوا کرتے تھے۔ (۴۶) ایک دینار ۴.۳ گرام سونے کے وزن کا ہوتا تھا جب کہ درہم ۳ گرام چاندی کے برابر ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں درہم اور دینار کے لین دین یا تبدیلی کے لیے کوئی خاص پیمانہ مقرر نہ ہوا تھا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی ایک روایت سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارکہ میں قتل کے لیے قصاص کی شرح ۸۰۰ دینار یا ۸,۰۰۰ درہم ہوا کرتی تھی جب کہ ذمیوں کے لیے یہ شرح مسلمانوں کی شرح قصاص سے آدھی ہوا کرتی تھی۔ (۴۷) لیکن افراط زر کی وجہ سے لگتا ہے کہ اس شرح میں کافی تبدیلی آئی ہوگی کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور کے بعد قیمتوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا اور جیسا کہ اوپر بیان کردہ روایت کے باقی ماندہ حصہ سے ظاہر ہوتا ہے سیدنا عمر فاروقؓ نے منبر رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر تقریر فرمائی جس میں آپ نے فرمایا: [یہ بات ذہن میں رہے کہ اونٹ مہنگے ہو چکے ہیں لہٰذا آپ نے اہل ثروت لوگوں کے لیے جن کے پاس سونا تھا قصاص کی شرح بڑھا کر ایک ہزار دینار کر دی اور جن کے پاس چاندی ہوتی تھی ان کی شرح بڑھا کر بارہ ہزار کر دی۔۔۔۔] (۴۸) انہیں کے دور خلافت میں بعد میں دوبارہ درہم سے دینار میں تبدیلی کی شرح تبدیل کی گئی تھی اور ''مبلغ سات دینار مبلغ دس درہم'' کے برابر قرار پائے تھے۔ سیدنا عمر فاروقؓ کا قائم کردہ معیار ہی امیہ دور میں دینار و درہم کے وزن کا معیار ٹھہرا جس کے مطابق ایک دینار تقریباً ۴.۳ گرام اور ایک درہم ۳ گرام کے برابر ہوتا تھا۔

یہ پہلے اسلامی سکے تھے جن پر قبل از اسلام کے کسی بادشاہ کی کوئی تصویر نہیں ہوا کرتی تھی اور ان قدیم سکوں کو گردش سے نکالنے میں

مدینہ طیبہ زاد اللہ شرفاً کے مختلف ادوار میں رائج سکے

مشہور سلاطین جن کا حجاز میں عمل دخل رہا، نے قانونی طور پر مدینہ طیبہ میں جو سکے رائج کیے تھے ان کی تصاویر، ان فاطمی سلاطین میں نور الدین زنگی، مملوک سلطان ملک المظفر بیبارس بندقداری شامل ہیں

عہد سلیمان (۱۷۱۵-۱۷۹۷ء)

عہد سلیمان بن عبدالملک میں جاری ہونے والے فلس (جمع فلوس)

عہد نور الدین زنگی (۱۱۴۶-۱۱۷۴ء) میں تانبے کا درہم

یمنی حکمرانوں کے سکے (۱۲۵۰-۵۵ء)

الظاہر بیبارس (۱۲۶۰-۷۷ء) چاندی کا درہم

الاشرف کیتبے (۱۴۶۸-۹۶ء) چاندی کے درہم

ترک دور میں سونے کی اشرفی

ترک دور کے چند سکوں کی تصاویر

خاصہ وقت لگا تھا اور پھر آہستہ آہستہ وہ سکے معدوم ہوتے گئے.سلیمان بن عبدالملک نے تانبے اور کانسی کے فلس بھی چلائے جو ان دیناروں کے علاوہ تھے جو کہ اس کے باپ نے رائج کئے تھے.

جب عباسیوں نے بنو امیہ کا قلع قمع کیا تو السفاح نے سب سے پہلے اپنے نام کے سکے رائج کئے.اس وقت تک مسلم صوبوں (ساسانی، رومی اور مصری) میں ٹکسالوں نے کام شروع کر دیا تھا.عباسی سکے کانسی کے فلس، چاندی کے درہم اور سونے کے دیناروں پر مشتمل تھے.اس وقت تک ایک قابل رشک مالیاتی نظام پہلے ہی رائج ہو چکا تھا،لہذا عباسی سکے خطاطی،تحریر اور شکل میں زیادہ دیدہ زیب لگتے تھے.

بعد میں آنے والی حکومتوں کے دوران مختلف بادشاہوں نے اپنے اپنے سکے رائج کئے.ترکوں کے سونے کے سکوں کو''سلطانی'' کہا جاتا تھا.اس کے علاوہ انہوں نے چاندی کے چھوٹے سکے (Silver Akche) بھی رائج کئے تھے.ترکی سکے جو عالم عرب کے طول وعرض میں چلتے تھے ۱۹۴۰ کے بعد تک چلتے رہے.ان میں سونے اور چاندی کے پیاسٹر،بیس پیاسٹر کے سکے جن کو مجیدیہ کہا جاتا تھا اور ترکی لیرا بہت دیر تک چلتے رہے.(۴۹) ترکی سکوں کے علاوہ (خاص طور پر اٹھارھویں صدی کے بعد سے) انڈین روپے بہت مقبول تھے اور اس کے علاوہ آسٹریا کیٹالر جو عرف عام میں فرنجی ریال کہلاتے تھے اور مصری دس پیاسٹر کے سکے بھی چلتے تھے.

مدینہ طیبہ میں انڈیا کے سکوں کی مقبولیت کے بارے میں لکھتے ہوئے کرنل ہوگرتھ جو عرب بیورو کا نمائندہ تھا رقمطراز ہے:''(پہلی) جنگ عظیم کے بعد انڈین روپیہ، چار اور دو آنہ کے سکے اور اسی طرح مصری دس پیاسٹر کے سکے عام چلتے ہیں.ان میں روپے اور آنے تو اتنے معروف ہیں کہ ایسے لگتا ہے جیسے کہ حجاز کے سرکاری سکے ہوں.''(۵۰) جب شریف نے عثمانیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تو اس نے اپنے سکوں کا اجراء کیا.لہذا جب سعودیوں نے حجاز پر قبضہ جمایا تو اس وقت دونوں مقدس شہروں میں طرح طرح کے سکے چلتے تھے.چھپی ہوئی کاغذی کرنسی پہلی بار شاہ عبدالعزیز کے دور میں رائج ہوئی. پہلا دس ریال کا نوٹ ۱۳۷۲ ہجری (۱۹۵۲) میں رائج کیا گیا اور اس کا بنیادی مقصد حجاج کی سہولت تھا.

عثمانی دور میں مدینہ طیبہ میں تجارتی سرگرمیاں

عثمانی دور میں مدینہ طیبہ میں تجارتی اور معاشی حالات تقریباً تقریباً پرانی ڈگر پر ہی چلتے رہے اس لیے کہ انہوں نے Status Quo کو بحال رکھا اور سیاسی باگ ڈور بھی انہوں نے اشراف یعنی اولاد سیدنا علی ابن ابی طالبؓ کے ہاتھوں میں دے رکھی تھی جو کم وبیش سیاسی طور پر آزاد تھے.مدنیوں پر کوئی ٹیکس عائد نہیں کیا گیا تھا،اس کے برعکس ترک ان کو سبسڈی اور گرانٹ مہیا کرتے تھے تاکہ ان کی معاشی حالت بہتر

عہد سعودی میں رائج سکے

ہو جائے. نقد گرانٹ سب سے پہلے ترک سلطان یلدرم بایزید نے ۸۰۱ ہجری میں رائج کی اور اس کے بعد آنے والے سلاطین نے اس رسم عقیدت کو خوب خوب نبھایا. سلطان مراد ثانی سالانہ ۳،۵۰۰ سونے کی اشرفیاں علیحدہ علیحدہ چاروں مقدس شہروں کے لیے روانہ کرتے: مکۃ المکرمہ، مدینۃ المنورہ، القدس الشریف اور الخلیل الشریف (جس کو آج کل حبرون کہا جاتا ہے اور جہاں ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مزار ہے). اس گرانٹ کو 'صرہ (Surra)' کہا جاتا تھا جس کی مقدار میں ہر آنے والا سلطان کمی نہیں بلکہ کچھ نہ کچھ اضافہ کر دیتا تھا. صرہ کی گرانٹ کی مقدار کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۸۵۵ ہجری میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں سے ہر ایک شہر کو الگ الگ ۸۰۱ تھیلے بھر کر سونے کی اشرفیوں کے ارسال کیے گئے. جب ترکوں نے استنبول (انقرہ) پر اپنا تسلط قائم کیا تو انہوں نے دینی وقف بنائے جو بعض حالات میں پورے کے پورے شہروں کی آمدنی پر مشتمل ہوا کرتے تھے (مثلاً قلعہ بلیق وغیرہ) جن کی تمام تر آمدنی حرمین الشریفین پر تصدق کر دی جاتی تھی. سلطان سلیمان نے مدینہ طیبہ کے لیے صرہ کی رقم بڑھا کر چودہ ہزار سونے کی اشرفیاں (Golden Duka) کر دی اور اتنی ہی رقم مکۃ المکرمہ کے لیے مختص کر دی. جب شام اور مصر عثمانی حکومت کے باجگزار ہو گئے تو انہوں نے وہاں صدیوں سے موجود تمام اوقاف کی آمدنی اور جزیہ کی رقم حرمین الشریفین کے لیے مختص کر دی تھی. البتہ حرمین الشریفین میں مرمت یا توسیع کا کام عثمانی حکومت کے علیحدہ بجٹ سے کیا جاتا تھا نہ کہ صرہ اور وقف کی رقوم سے. صرہ کے ساتھ ساتھ اناج اور غلہ وغیرہ کی بڑی مقدار بھی حرمین الشریفین روانہ کی جاتی تھی. سالانہ صرہ ایک سرکاری قافلے کی صورت میں حرمین الشریفین روانہ ہوتا تھا جس کا سربراہ 'امین الصرہ' کہلاتا تھا اور جب یہ قافلہ بلدۃ الطاہرہ مدینہ طیبہ پہنچ جاتا تو ہر گھر کو اس کی نفری کے مطابق اس گرانٹ سے صرہ تقسیم کر دیا جاتا تھا. (۵۱)

ترکوں کی اس ڈھیلی ڈھالی آزاد معاشی حکمت عملی (Lassie faire) سے مدینہ طیبہ میں خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کے کچھ مضرت رساں اثرات بھی مرتب ہوئے. صرہ گرانٹ پر انحصار نے لوگوں کو کام کی عادت سے یکسر عاری کر دیا اور وہ فارغ البالی سے زندگی گزارتے اور سالانہ صرہ سے اپنے حصے کا انتظار کرتے رہتے تھے. صدیوں پر محیط اس طرز عمل نے شہر نبی میں صنعتی ترقی کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں اور سوائے ان پیشوں اور صنعتوں کے جو اہل مدینہ کی زندگی کے لیے از حد ضروری تھیں کوئی خاص بڑی صنعت

اس مقدس شہر میں نہ لگ سکی اور روایتی پیشوں کے علاوہ کوئی اور پیشہ بھی یہاں پنپ نہ سکا زرعی شہر ہونے کی وجہ سے زراعت ایک ایسا پیشہ تھا جو پرانی ڈگروں پر چلتا رہا کاشتکاروں کے علاوہ دوسرا پیشہ جو پنپ سکا وہ حجاج کرام کو سہولیات اور خدمات مہیا کرنا تھا تجارتی ترقی کا اندازہ مشہور ترک سیاح اولیا شلبی کے اس بیان سے لگایا جاسکتا ہے جن کے مطابق جب اس نے مدینہ طیبہ زیارت کے لیے حاضری دی (گیارھویں صدی ہجری میں) تو اس وقت مدینہ طیبہ میں صرف ۱۰۰ دکانیں تھیں جو فصیل شہر کے اندر تھیں جن میں سے اکثر و بیشتر تو قہوہ خانے، گوشت کی دکانیں، ریسٹوراں، عطریات کی دکانیں یا پھر کرنسی کا کاروبار کرنے والی اور زیورات کی دکانیں تھیں. (۵۲) تاہم صرہ کے آورد و اس صنعتی جمود کے علاوہ اس کا ایک مثبت اثر یہ ضرور تھا کہ چونکہ لوگ غم روزگار سے بے نیاز تھے اس لیے تخلیقی کاموں کی طرف رجحان زیادہ رہا اور شہر نبی مدینہ طیبہ صحیح معنوں میں علم کا مینار بنا رہا اور وہاں فقہاء اور علماء اور اہل علم حضرات کی بہتات رہی.

مدینہ طیبہ کا ایک بازار ۹۰ کی دہائی میں

پہلی چند صدیوں میں تو صورت حال کچھ ایسے ہی رہی جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے مگر انیسویں صدی کی اختتام پر لوگوں میں حصول دولت کا شعور کچھ زیادہ اجاگر ہو گیا اور انہوں نے تجارت کو وسیع کرنے کی طرف توجہ دینی شروع کردی. ادھر ترک حکومت کو بھی اس کا احساس ہو چلا تھا کہ حجاز کو ترقی دے کر عثمانی سلطنت کے باقی حصوں کے برابر لایا جانا چاہئے. چنانچہ انہوں نے مدینہ طیبہ کو شمالی حجاز کے علاقوں سے گزر کر استنبول تک کسی مضبوط ذریعہ مواصلات سے منسلک کرنے کا منصوبہ بنایا جس نے بالآخر ایک طویل ریلوے لائن کی شکل اختیار کر لی اور یہ منصوبہ کئی سال میں مکمل ہوا (اس کی تفصیلات کسی اور جگہ پر دی گئی ہیں). یوں ریل کے پہیوں نے مدینہ طیبہ کے لیے نئے تجارتی آفاق کھول دیئے جس سے نہ صرف تجارتی فوائد حاصل ہوئے بلکہ صنعتی ترقی کی راہیں بھی کھل گئیں.

بیسویں صدی اور مدینہ طیبہ کی معاشی خوشحالی

بیسویں صدی کے طلوع اور ریلوے لائن کی آمد نے مدنی تجارتی اور معاشی زندگی میں ایک انقلاب سا پیدا کردیا. ریلوے لائن کا افتتاح ۱۹۰۸ء میں ہوا جس سے محفوظ ذرائع آمدورفت کی وجہ سے سفر، مال برداری اور نقل وحمل میں سہولیات میں بہتری پیدا ہو گئی اور یوں مدینہ طیبہ کی تجارت نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا. شمالی حجاز کے علاوہ فلسطین، شام، اردن اور استنبول تک تمام علاقے ریل کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک ہو گئے تھے جس سے ان علاقوں میں تجارت بام عروج پر پہنچ گئی. ساتھ ہی ساتھ نہر سویز کے کھلنے سے بحیرہ احمر کی قسمت کا ستارہ بھی چمک اٹھا اور مال سے لدے تجارتی بحری جہاز آنے جانے لگے. مدینہ طیبہ کی قریب ترین بندرگاہ ینبع ہے جو صرف ۱۲۰ کیلومیٹر پر واقع ہے. ان تمام تبدیلیوں نے مدینہ طیبہ کی تجارت کو ایک نئی سمت دے دی جس سے اس شہر مقدس کے مکین عصر حاضر کی ترقی سے ہمکنار ہونے لگ گئے. تھوڑے ہی عرصے میں مدینہ طیبہ براستہ ینبع اور بذریعہ ریل دنیا کے دیگر تجارتی مراکز کے ساتھ منسلک ہو چکا تھا. ذرائع آمدورفت میں اس حیرت انگیز ترقی سے سفر آسان ہو گیا اور حاجیوں اور زائرین کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہو گیا اور یوں صرف دو دہائیوں میں مدینہ طیبہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو گیا اور شہر نبی اب صرف زیارتوں کا شہر ہی نہیں رہا تھا بلکہ حجاج جی بھر کر وہاں سے خرید و فروخت کرتے. حج کے موسم میں جو رمضان سے پہلے شروع ہو جاتا اور محرم کے وسط تک چلتا رہتا تھا مدینہ طیبہ کی گلیاں دنیا کے کونے کونے سے آنے والے حجاج

کرام سے اٹی رہتیں۔

مگر ترقی کا یہ دور زیادہ دیر نہ چل سکا اور جلد ہی جنگ عظیم اول نے شہر نبی کے باسیوں کے لیے معاشی مشکلات پیدا کرنی شروع کر دیں۔ مدینہ طیبہ کے فوجی حاکم نے لوگوں کی زندگیاں اجیرن بنا دیں اور وہ ہر طرح سے بچت کر کے کافی رقوم ترکی حکومت کو جنگی اخراجات کے لیے روانہ کر دیتا تھا صرہ بھی بند ہو گیا اور مہنگائی آسمان سے باتیں کرنے لگی اور اس طرح عام آدمی کی زندگی خاصی دشوار ہو گئی مجبوراً لوگوں نے مدینہ طیبہ کو خیر باد کہنا شروع کر دیا تا کہ دوسری جگہوں پر تلاش روزگار کی جا سکے۔ یہ نقل مکانی بہت بڑے پیمانے پر عمل میں آئی۔ جو لوگ مدینہ طیبہ میں رہ گئے تھے ان کو بہت ہی کڑے حالات سے گزرنا پڑا کیونکہ انہیں صدیوں کی خوشحالی کے بعد تنگدستی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ لوگ فاقوں سے مرنا شروع ہو گئے اور حالت بایں جا رسید کہ فاقہ کش لوگ جانوروں کے گوبر کو کرید کرید کر ان میں بچے کھچے اناج کے دانے تک تلاش کرنے پر اتر آئے تھے۔

خدا خدا کر کے جنگ عظیم اپنی تمام تر تباہ کاریوں کے جلو میں اپنے اختتام کو پہنچی ترکی سلطنت تباہ ہو چکی تھی اور شکست و ریخت کے عمل سے دوچار ہو گئی تھی۔ استعماری قوتوں نے اسلام کی اس بڑی سلطنت کے مزید حصے بخرے کرنے کے منصوبے بنائے اور ان کے خلاف بغاوتوں کو ہوا دینا شروع کر دی۔ عرب قومیت کے نعروں کو خوب اچھالا گیا اور بدوؤں کی ایک کثیر تعداد کو دھن اور دھونس سے ساتھ ملا کر ترکوں کے خلاف لا کھڑا کیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ شریف مکہ کو خود مختار بادشاہت کا جھانسہ دیکر بیوقوف بنایا گیا۔ کرنل ٹی ای لارنس نے جو لارنس آف عریبیہ کے نام سے مشہور ہوا اس معاملے میں ابلیس کا کردار ادا کیا اور یوں برطانوی حکومت کے عملی اشتراک سے سلطنت عثمانیہ پر ایک کاری ضرب لگا دی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کی اس سب سے بڑی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ شریف مکہ نے خود مختار مملکت حجاز کا یک طرفہ اعلان کر دیا لیکن اس کی قلا بازیاں مسلمان امت کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں اور یوں چند ہی سالوں میں ہاشمی مملکت حجاز مشکلات میں گھر گئی اور جلد ہی بدوؤں کے تابڑ توڑ حملوں نے جن کی سربراہی عبدالعزیز السعود کر رہے تھے اس کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ جنگ عظیم کا خاتمہ اور ہاشمی حکومت کی تاسیس مدینہ طیبہ کے لیے مزید مشکلات لیکر آئیں۔ حالات دن بدن بگڑتے گئے۔ جانے والے حجاج کرام جب اپنے وطنوں میں پہنچتے تو شریف مکہ کے ظلموں کی داستانیں ساتھ لے کر جاتے اور اس طرح اس کا عالمی تشخص بری طرح مجروح ہو گیا۔ وہ ریلوے سٹیشن جو کبھی شہر نبی میں خوشحالی کا پیغامبر بن کر آیا تھا دہشت گردی کا شکار ہو چکا تھا۔ راستے میں بسنے والے بدو آئے دن اس پر حملے کرتے رہتے اور سفر کی وہ سہولت جو محفوظ سمجھی جانے لگی تھی وہ انتہائی غیر محفوظ ہو کر رہ گئی اور نتیجہ کے طور پر حجاج کی آمد و رفت بہت حد تک متاثر ہونے لگ گئی۔ لوگوں نے پھر قافلوں کی صورت میں سفر کو ترجیح دینا شروع کر دیا مگر شومئی قسمت اکثر قوافل بدو دہشت گردوں کے ہاتھ لگ جاتے اور ان کو بے دریغ قتل کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح حجاج کرام کی تعداد اس حد تک کم ہو گئی کہ ایک سال میں صرف ۱۲،۰۰۰ حجاج کرام آ سکے وہ بھی جو بحری جہازوں کے ذریعے جدہ سے آئے تھے۔

سعودیوں کے آنے سے حالات کو یکا یک سنبھالا ملا اور وہ مزید خرابی سے بچ گئے تھوڑے ہی عرصے میں امن عامہ کی صورت بہت حد تک قابو میں آ چکی تھی اور یوں حجاج کرام کی تعداد میں دوبارہ اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ شاہ عبدالعزیز نے امن و امان کے نقطہ نظر سے بڑے دور رس اقدامات اٹھائے اور حجاج کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی اور حالات معمول پر آنے لگے۔ نہ صرف یہ کہ حجاج کرام کی تعداد میں اضافہ ہوا

مدینہ طیبہ کے چیمبر آف انڈسٹری اور کامرس (الغرفۃ التجاریہ) کا صدر دروازہ

مسجد نبوی شریف کے جنوب میں نوتعمیر شدہ ''اسواق الحرم'' کا عظیم الشان بازار جو حارہ زوان کے علاقے میں واقع ہے

بلکہ مدینہ طیبہ کے باسیوں کی تعداد بھی معمول پر واپس آنے لگی. وہ لوگ جو جنگ عظیم اور شریف مکہ کے دور میں مدینہ طیبہ کو خیر باد کہہ چکے تھے وہ بھی واپس آنے لگے اور شہر نبوی پھر سے تجارتی سرگرمیوں کا مرکز بننا شروع ہوگیا. دس سال کے عرصے میں یہ شہر مقدس پہلے کی طرح ترقی کی شاہراہ پر شاہسواروں کی طرح سرپٹ دوڑنے لگا اور خوشحالی کے پھل دوبارہ اس کی جھولی میں گرنے لگے.

مملکت سعودی عرب میں تیل کی دریافت نے ترقی کو ایک اور مہمیز لگائی اور اسے ترقی پذیر اقوام کی صف اول میں لا کھڑا کیا. اس سے جزیرہ نمائے عرب کی سیاسی قسمت یک بیک جاگ اٹھی اور مملکت کے تیل کے ذخائر پر اقوام عرب کی نظریں گڑ گئیں. ہر کوئی اس دوڑ میں تھا کہ مملکت کے ساتھ تعلقات اور تعاون کو مزید بہتر بنایا جائے اور چند دہائیوں میں ہی تنگدستی قصہ پارینہ بن چکی تھی اور اس کی جگہ دائمی خوشحالی نے لے لی. اس محیر العقول ترقی میں مدینہ طیبہ بھی برابر کا شریک ہے اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے شہر نبی کی کایا پلٹ گئی.

نئے نئے بازار اور نئی منڈیاں

ماضی میں مدینہ طیبہ کی ہر سڑک مسجد نبوی شریف کی طرف جایا کرتی تھی جو ہمیشہ حجاج اور زائرین سے بھری رہتی تھیں. لہذا قدرتی طور پر وہ تمام گلیاں بازاروں کی شکل اختیار کر چکی تھیں. ان میں سے سب سے زیادہ مشہور باب السلام کے سامنے والا بازار سوق عینیہ اور باب مجیدی کے سامنے والا سوق مجیدیہ ہوا کرتا تھا. دیگر علاقے بھی اس لحاظ سے کوئی کم اہمیت کے حامل نہ تھے. آہستہ آہستہ چھوٹے بڑے بازار دور دراز علاقوں تک پھیل گئے جن میں سوق خیاطین (درزیوں کا بازار)، سوق حبابہ (غلے کا بازار) جو مصری دروازے کے پاس ہوا کرتا تھا، سوق العطارین (خوشبویات اور عطریات اور دیسی علاج کے لیے جڑی بوٹیوں کا بازار)، سوق فاکہہ (فروٹ مارکیٹ)، سوق الحمام والارانب (کبوتروں اور خرگوشوں کا بازار)، سوق الغنم (مال مویشیوں کی منڈی)، سوق الحمیر (باربردار گدھوں کا بازار)، سوق القماشہ (کپڑوں کا بازار)، سوق الحطب (ایندھن کی لکڑیوں کا بازار)، سوق البرسیم (مویشیوں کے لیے چارے کا بازار) اہم بازاروں میں گنے جاتے تھے. ان بازاروں میں جو مسجد نبوی شریف کے جوار رحمت میں ہوا کرتے تھے زمانہ بھر کی مختلف اشیاء فروخت ہوا کرتی تھیں جن میں تسبیحوں اور سجادوں سے لے کر دنیا کی ہر اس چیز کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی جس کی اسلام اجازت دیتا ہے. بیسویں صدی کے شروع سے ہی ناروں اور زرگروں اور گھڑیوں کی دکانوں کی بھرمار رہی ہے جو حجاج اور زائرین کی مرغوب زیارت گاہیں رہی ہیں. الیکٹرانکس کی ہر قسم کی چیزوں سے لیکر سلے سلائے ریڈیمیڈ کپڑوں کے علاوہ ان سلے کپڑوں کی ہر طرح کی ورائٹی انہیں بازاروں سے مل جایا کرتی تھی.

حجاج اور زائرین کرام (جن کو اللہ کے مہمان۔ضیوف الرحمن۔کہا جاتا ہے) کی موج در موج مدینہ طیبہ حاضری دراصل مدینہ طیبہ کی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی رہی ہے اور روز اول سے ہی ان کی تعداد (خواہ کم ہو یا زیادہ) شہر نبی کی اقتصادی حالت سے بلاواسطہ منسلک رہی ہے. مدنی لوگ مواسم حج کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتے ہیں. بہت سے لوگ خدمات حجاج بجالاتے ہیں جو کئی قسم کی ہیں. زیارتیں کروانے والوں سے لے کر کرائے کے گھروں کا بندوبست کرنے والے لوگوں تک، سبھی خدمات ضیوف الرحمن کے زمرے میں آتی ہیں.

مدینہ طیبہ کی قدیم ترین سوغات یہاں کی کھجور ہے. ۱۹۱۴ء میں کرنل ہوگارتھ لکھتا ہے: ''مدینہ طیبہ کی مشہور پیداوار دیگر حجازی علاقوں کی طرح یہاں کی کھجور ہے. یہاں بہت سی اقسام کی کھجور پائی جاتی ہے مگر بہترین شلبی کھجور ہے جو چمڑے کی تھیلیوں اور صندوقوں میں بند کی

جاتی ہے اور دساور میں تمام مسلمان ملکوں کو برآمد کی جاتی ہے۔'' (۵۳) صدیوں سے یہی ایک ایسی پیداوار ہے جو برآمد کی جاتی رہی ہے۔ لیکن پیٹروڈالروں کی بھرمار نے اب مدینہ طیبہ میں 'درآمد' اور 'برآمد' کے معانی بدل کر رکھ دیئے ہیں۔ اب حجاج کرام وہاں سے صرف کھجوریں، تسبیحیں اور مصلے ہی نہیں خریدتے بلکہ زیورات، گھڑیاں، الیکٹرانکس کا سامان، کپڑے اور ہر وہ چیز جس کا ماڈرن انسان تصور کرسکتا ہے اس شہر مقدس سے خرید کر لے جاتے ہیں۔

اگرچہ تیل کی دریافت تو سعودی عرب میں ۱۹۳۵ء میں ہی ہوگئی تھی مگر اس کی پیداوار میں اضافے اور اس سے مطلوبہ معاشی فوائد حاصل کرنے میں تقریباً تیس سال لگے تب جا کر مملکت سعودی عرب کی معیشت اپنے پاؤں پر کھڑی ہوئی اور پھر اس کے بعد صحیح معنوں میں وہاں خوشحالی کو دور دورہ ہوا ستر کی دہائی میں سعودی معاشی ترقی اپنے بام عروج پر پہنچ گئی۔ یہ اقتصادی عروج جس کی ماضی میں کہیں مثال نہیں ملتی حکمران طبقے کی ملک کو جدید بنیادوں پر ترقی دینے کی زبردست خواہش پر منتج ہوا جس کی وجہ سے یہاں بے شمار منصوبوں پر کام شروع ہوگیا جن کی قیمت کا اندازہ کئی ہزار بلین ڈالروں تک پہنچتا ہے۔ لگاتار ایک کے بعد دوسرے منصوبے پر عملدرآمد شروع کیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے قدیم شہر نبی ایک جدید میٹروپولٹن شہر بن گیا صرف اسی (۸۰) کی دہائی میں شہر کا رقبہ کئی گنا بڑھ چکا تھا چھوٹے چھوٹے مضافات جدید سہولتوں سے آراستہ آبادیوں میں تبدیل ہوگئے جہاں ہر طرف کثیر المنزلی کوٹھیاں اور پلازے نظر آتے ہیں۔ نہات قدیم پرانے ایک منزلہ مکانات کی جگہ جہاں اللہ کے مہمانوں (ضیوف الرحمٰن) کو ٹھونس دیا جاتا تھا اب بہترین اپارٹمنٹس سر اٹھائے کھڑے نظر آتے ہیں۔ پرائیویٹ اور پبلک سیکٹر دونوں نے شہر نبی کو خوبصورت بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ جس سے براہ راست تجارت اور صنعت وحرفت پر بہت اچھا اثر پڑا ہے۔ بڑے بڑے صنعتی علاقے بنائے گئے ہیں جہاں چھوٹی سے لے کر بڑی صنعتیں دن رات کام کر رہی ہیں۔ اگرچہ بہت بڑی صنعتیں ایک سو میل دور ینبع کی بندرگاہ کے قریب ہیں مگر مدینہ طیبہ میں بھی صنعتوں کی کمی نہیں، جس کی وجہ سے شہر نبی شمالاً جنوباً جبل احد کے اس پار سے لے کر قباء سے بھی آگے تک پھیل گیا ہے اور شرقاً غرباً یہ بلدہ طاہرہ ذوالحلیفہ سے لے کر ائرپورٹ تک چلا گیا ہے۔

مدینہ کے ایک بازار کی تصویر

وزارت حج واوقاف کے مہیا کردہ اعداد وشمار کے مطابق پچھلے چند سالوں میں بیرون مملکت سے آنے والے حجاج، معتمرین اور زائرین کرام کی تعداد کچھ اس طرح رہی ہے:

۱۴۱۴ ہجری	۱،۱۱۷،۹۸۲	حجاج کرام
۱۴۱۵ ہجری	۱،۰۷۷،۵۴۶	حجاج کرام
۱۴۱۶ ہجری	۱،۲۷۱،۹۱۵	حجاج کرام
۱۴۱۷ ہجری	۱،۲۷۰،۸۶۷	حجاج کرام
۱۴۱۸ ہجری	۱،۳۲۸،۶۳۵	حجاج کرام
۱۴۱۹ ہجری	۱،۵۷۶،۶۵۷	حجاج کرام
۱۴۲۰ ہجری	۱،۶۶۰،۳۶۵	حجاج کرام

۱۴۲۱ ہجری　　۱،۷۶۳،۳۴۸　　حجاج کرام

۱۴۲۲ ہجری　　۱،۶۸۷،۸۳۳　　حجاج کرام

۱۴۲۳ ہجری　　یہ تعداد دو ملین حجاج کرام کے قریب پہنچ گئی تھی۔

یہ روز افزوں تعداد ہر سال بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ اعداد و شمار تو صرف ان زائرین کرام سے متعلق ہیں جو کہ بیرون ملک سے آ کر مدینہ طیبہ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں جبکہ کم و بیش اتنی ہی تعداد میں زائرین سارا سال سعودی عرب کے مقیمین سے عازم مدینہ طیبہ ہوتے ہیں۔ ہر ہفتہ سعودی عرب کے کونے کونے سے بسوں کے قافلے مدینہ طیبہ روانہ ہوتے ہیں اور حرم مدنی میں نماز جمعہ ادا کر کے اپنے اپنے شہروں کو واپس لوٹ جاتے ہیں۔

حجاج اور زائرین کرام کے اس جم غفیر کو رہائش کی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے اتنی ہی عمارتیں ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ اس وقت یہاں کی سب سے بڑی صنعت ہوٹل انڈسٹری ہے اور حرم نبوی کی بدولت یہاں ہوٹلوں کی بھر مار ہے۔ دنیا کا شائد ہی کوایسا ہوٹل ہو جس کی نمائندگی مدینہ طیبہ میں نہ ہو سکی ہو۔ انٹر کونٹی نینٹل سے لے کر شیراٹن تک، اور ہیلٹن سے لیکر حیاة ریجینسی تک تمام بین الاقوامی فائیوسٹار ہوٹلوں کی ایک نہیں بلکہ کئی برانچیں کھل گئی ہیں۔ اس پر مستزاد اہل مدینہ اور حجازیوں کی اس انڈسٹری میں گہری دلچسپی ہے جنہوں نے بین الاقوامی معیار سے بھی بڑھ کر لگژری اپارٹمنٹس کثیر تعداد میں تعمیر کرائے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کثیر المنزلی ہوٹلوں کی تعداد کا تو اندازہ ہی لگانا مشکل ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ مسجد نبوی شریف کی تاریخ میں سب سے بڑے توسیعی منصوبے نے تو اسے دنیا کی سب سے بڑی مسجد بنا دیا ہے۔ جہاں اہل مدینہ کی زندگیاں شہر کے مرکزی نقطے، یعنی مسجد نبوی شریف، کے گرد گھومتی ہیں وہاں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اہل مدینہ تجارت کی دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام بنا چکے ہیں۔ ہزار ہا بڑے بڑے سٹور اور پلازے تعمیر کر دیئے گئے ہیں جہاں صرف اہل مدینہ ہی کی روزمرہ کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں بلکہ بالواسطہ طور پر تمام عالم اسلام کی بہت ساری ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ بڑے بڑے پلازے، مثلاً پانڈا اور سیف وے وغیرہ مسجد نبوی شریف سے کافی دور ہیں، لیکن بڑے بڑے تجارتی مرکز، مثلاً ابوذر سینٹر، طیبہ سینٹر اور اسواق الحرم وغیرہ مسجد نبوی شریف کے زیر سایہ اپنی تمام تر رعنائیوں سے ضیوف الرحمٰن کا استقبال کرتے نظر آتے ہیں جہاں خاص طور پر مواسم حج میں کھوے سے کھوا چھلتا ہے اور اربوں ریال کا کاروبار ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کا ایک عام بیوپاری بھی لاکھوں ریالوں میں کھیلتا ہے۔ گو ہر بڑے ہوٹل کے نیچے تہہ خانے میں بازار سج گئے ہیں، مگر سب سے بڑی سپر مارکیٹ اور دوکانیں طیبہ سینٹر کے نیچے دو منزلہ تہہ خانوں میں ہیں جہاں دنیا جہاں کی ہر چیز (کھلونوں اور کپڑوں سے لے کر الیکٹرانکس کا سامان تک) دستیاب ہے۔ بجلی کے زینے دونوں تہہ خانوں تک رسائی کے لیے خریداروں کو آمد و رفت کی سہولتیں مہیا کرتے ہیں۔

مسجد نبوی شریف کی شرقی جانب اور بقیع الغرقد کے شمال میں عنابیہ اور سحانیہ کے علاقوں کو مسمار کر کے مدینہ طیبہ کے سب سے بڑے تجارتی مراکز کے منصوبے کی بھی ابتداء کر دی گئی ہے۔ یہ تجارتی علاقہ جس کا نام 'سوق بنی نجار' تجویز کیا گیا ہے بہت وسیع و عریض علاقے پر محیط ہوگا جو کہ ۴۰۰، ۴۵ مربع میٹر سے بھی متجاوز ہوگا۔ اس پانچ منزلہ کمپلیکس کے جنوبی ونگ میں سبعہ نجوم (سیون سٹار) ہوٹلز اور شمالی ونگ میں فائیوسٹار ہوٹلز ہوں گے اور وسط میں سات برج صرف رہائشی یونٹوں پر مشتمل ہوں گے۔ بنی نجار کا یہ سوق تجاری ۲۰۰، ۱ دکانوں پر مشتمل ہوگا جو گراؤنڈ فلور اور تہہ خانہ میں واقع ہوں گی۔ اس محیر العقول عمارت کی ایک پوری منزل مطاعم اور ریسٹورینٹس پر مشتمل ہوگی۔ اس عظیم الشان منصوبے کا سنگ بنیاد شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے ماہ اکتوبر ۲۰۰۳ء میں رکھا تھا۔ مکمل ہونے پر یہ تجارتی مرکز مدینہ طیبہ کا سب سے بڑا تجارتی منطقہ بن جائے گا جو کہ گنبد خضراء کے رحاب رحمت میں واقع ہوگا۔

حواشی

(۱) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۲۶۳: حضرت ابو ہریرہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کا بہت خیال رہتا تھا اور اس طرح انہیں چار سال تک متواتر آپ حضور ﷺ سے براہ راست حدیث مبارک کے سننے کا شرف حاصل رہا. وہ بیان کرتے ہیں: میرے مہاجرین بھائی بازاروں میں مشغول رہتے جب کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر رہا کرتا تھا.....

(۲) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۲۷۸: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے: ایک مرتبہ ہم نماز جمعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ادا کر رہے تھے کہ ایک تجارتی کارواں آگیا. ایک ایک کر کے لوگ کارواں کی طرف کھسکتے رہے یہاں تک کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں صرف بارہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رہ گئے. تب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی: ﴿لیکن جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل دیکھا اس کی طرف لپک پڑے اور تمہیں خطبے میں کھڑا چھوڑ گئے، تم ان سے کہو کہ جو اللہ کے پاس ہے کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ کا رزق سب سے اچھا ہے.﴾ (القران: الجمعہ، ۱۱)

(۳) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر۱۱

(۴) ابن شبہ، تاریخ المدینۃ المنورہ، ج:۱، ص۳۰۶

(۵) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۲۶۴

(۶) ابن شبہ رقمطراز ہے کہ حضرت ابی بلتعؓ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کی کاروباری شراکت تھی اور وہ العالیہ (موجودہ العوالی) سے کھجوریں خریدتے اور پھر سوق المدینہ میں بیچا کرتے تھے.) امام سمہودیؒ (نورالدین علی بن احمد السمہودیؒ۔ ت: ۹۱۱ ہجری)، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی، دار احیاء التراث العربی (تحقیق محمد محی الدین العبد الحمید)، جزء دوم، ص ۷۵۷.

(۷) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۴۷۳

(۸) سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص:۱۶۴

(۹) ابراہم العیاشی، المدینہ بین الماضی والحاضر، مدینۃ المنورہ، ص:۲۲

(۱۰) خالد بن محمد بن ابراہیم احمد النعمان (Gist of the Research about the Markets of Medina al-Munawwara) یکے از منشورات نادی الادبی المدینۃ المنورہ جو "دراسات حول المدینۃ المنورہ (کتاب نمبر ۹۸)" کے طور پر ۱۹۹۴ میں طبع ہوئی، صفحات: ۱۳۱-۱۵۱

(۱۱) ابن شبہ، ج:۱، ص:۳۰۴

(۱۲) سمہودیؒ، صفحات: ۷۴۷-۷۵۲

(۱۳) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۴۴۷

(۱۴) ایضاً نمبر۴۴۶

(۱۵) سمہودیؒ رقمطراز ہیں کہ اس جگہ پر بازار قائم کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بقیع الزبیر میں بازار کا ارادہ فرمایا تھا، مگر یہودی کعب بن الاشرف کی دخل اندازی سے آں حضرت ﷺ نے وہ ارادہ ترک فرمادیا اور پھر اس جگہ مارکیٹ بنائی جہاں آج تک سوق المدینہ مشہور چلا آیا ہے. وفاء الوفاء، ص:۷۴۸. محمد بن عبداللہ بن الحسن بن علی (المشہور با بن زبالہ) نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مارکیٹ کو 'صدقہ' ہونے کا اعلان فرمایا تھا جس تک ہر مسلم کی دسترس حاصل تھی. ایضاً، ص:۷۴۸.

(۱۶) القرآن الکریم (البقرہ: ۲۷۶)۔ اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں آیا کوئی ناشکرا بڑا گناہگار.

(۱۷) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۲۹۷

(۱۸) کنز العمال، ۵-۴۸۸ نمبر ۲۶۸۸

(۱۹) ابن شبہ، ج:۱، ص ۳۰۴

(۲۰) سمہودیؒ، ص:۷۴۹

(۲۱) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینہ المنورہ، صفحات:۱۱۶-۱۱۷

(۲۲) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱، ص ۴۳۱

(۲۳) الانصاری، مصدر مذکور

(۲۴) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۴۲۴

(۲۵) ایضاً، نمبر ۳۰۴

(۲۶) ایضاً، نمبر ۳۰۵

(۲۷) ایضاً، نمبر ۳۰۶

(۲۸) ایضاً، نمبر ۳۰۷

(۲۹) ایضاً، نمبر ۲۷۶

(۳۰) یہ واقعہ ہمارے لیے کتنا بڑا لمحہ فکریہ کا سامان مہیا کرتا ہے کہ جونہی ریاست مدینہ طیبہ کی بنیاد استوار ہوئی سب سے پہلی انڈسٹری جو مدینہ طیبہ میں لگائی گئی وہ ''دفاع کی صنعت''، تھی جس سے مسلمان عساکر کی تمام تر ضروریات پوری ہوتی تھیں اور اسی سامان حرب وضرب سے مسلمانوں نے چاردانگ عالم میں اپنا سکہ منوالیا۔اس کے برعکس جب ہم عالم اسلام کے موجودہ ممالک کی طرف ایک نگار ڈالتے ہیں تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ برائے نام بھی مسلم دنیا میں 'دفاعی صنعت' کا وجود نہیں جس کے نتیجے میں تمام عالم اسلام کو کفار کی طرف کشکول پھیلانا پڑتا ہے اور پھر ان کی مقرر کی ہوئی قیمتوں پر ذلت آمیز شرائط کے تحت ان سے دفاعی سامان خریدنا پڑتا ہے. کہاں وہ فجر اسلام کی خود کفالت اور کہاں آج کے عالم اسلام کی دریوزہ گری؟ اللہ کریم ہی ہمارے حال پر رحم فرمائے!

(۳۱) القرآن الکریم (الانفال:۶۰)

(۳۲) صحیح بخاری، ج:۵، باب:۵۷، نمبر ۵۰

(۳۳) ایضاً، ج:۳، نمبر ۳۳۸

(۳۴) ایضاً، نمبر ۱۱۳

(۳۵) ایضاً، نمبر ۳۴۰

(۳۶) ایضاً، نمبر ۳۹۵ اور باب ۸۶

(۳۷) ایضاً نمبر ۴۵۰ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[اللہ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس نے بھیڑ بکریاں نہ چرائی ہوں!] اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوال کیا،[یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ حضور ﷺ نے بھی بکریاں چرائی تھیں؟] تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:[ہاں میں بھی مکہ میں قریش کی بکریاں چند قیراط کے عوض چرایا کرتا تھا.] صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۴۶۳

(۳۸) ایضاً، باب ۹۷

(۳۹) سنن ابوداؤد، ۲۳-۳۴۴۲

(۴۰) ڈاکٹر محمد سید الوکیل، المدینۃ المنورہ۔ عاصمۃ الاسلام الاولی، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۸۹، مدینۃ المنورہ، ص ۱۸۲

(۴۱) مختارات من قافلۃ الزیت، مجلّہ ارامکو سعودی عرب، ص ۵۷

(۴۲) ڈاکٹر محمد سید الوکیل، مصدر مذکور، ص ۱۸۳

(۴۳) The Cambridge Illusrated History of the Islamic World

dited by Francis Robinson, Cambridge University Press, 1996

(۴۴) ابن سعد، ج:۵، ص:۲۲۹

(۴۵) حافظ ابن نجار، ص::۹۷ (حاشیہ)

(۴۶) ابن سعد، ج:۵، ص:۲۲۹

(۴۷) سنن ابی داؤد، ۳۹-۴۵۲۷

(۴۸) ایضاً

(۴۹) Col. David George Hogarth , Hijaz Before World War I, 2nd Edition, 1927 - An Official Handbook of Arab Bureau, Cairo, p. 81

(۵۰) ایضاً

(۵۱) یہ معلومات مشہور ترکی سیاح اولیا شلبی (ولادت:۱۰۲۰ ہجری) کے 'سیاحت نامہ' سے لی گئی ہیں جو کہ 'الرحلۃ الحجازیۃ' کے نام سے عربی میں ترجمہ ہو کر مصر سے چھپا ہے۔

(۵۲) ایضاً، ص:۱۴۰

(۵۳) Col. David George Hogarth، مصدر مذکور، ص:۸۱۔
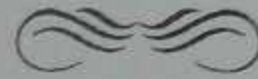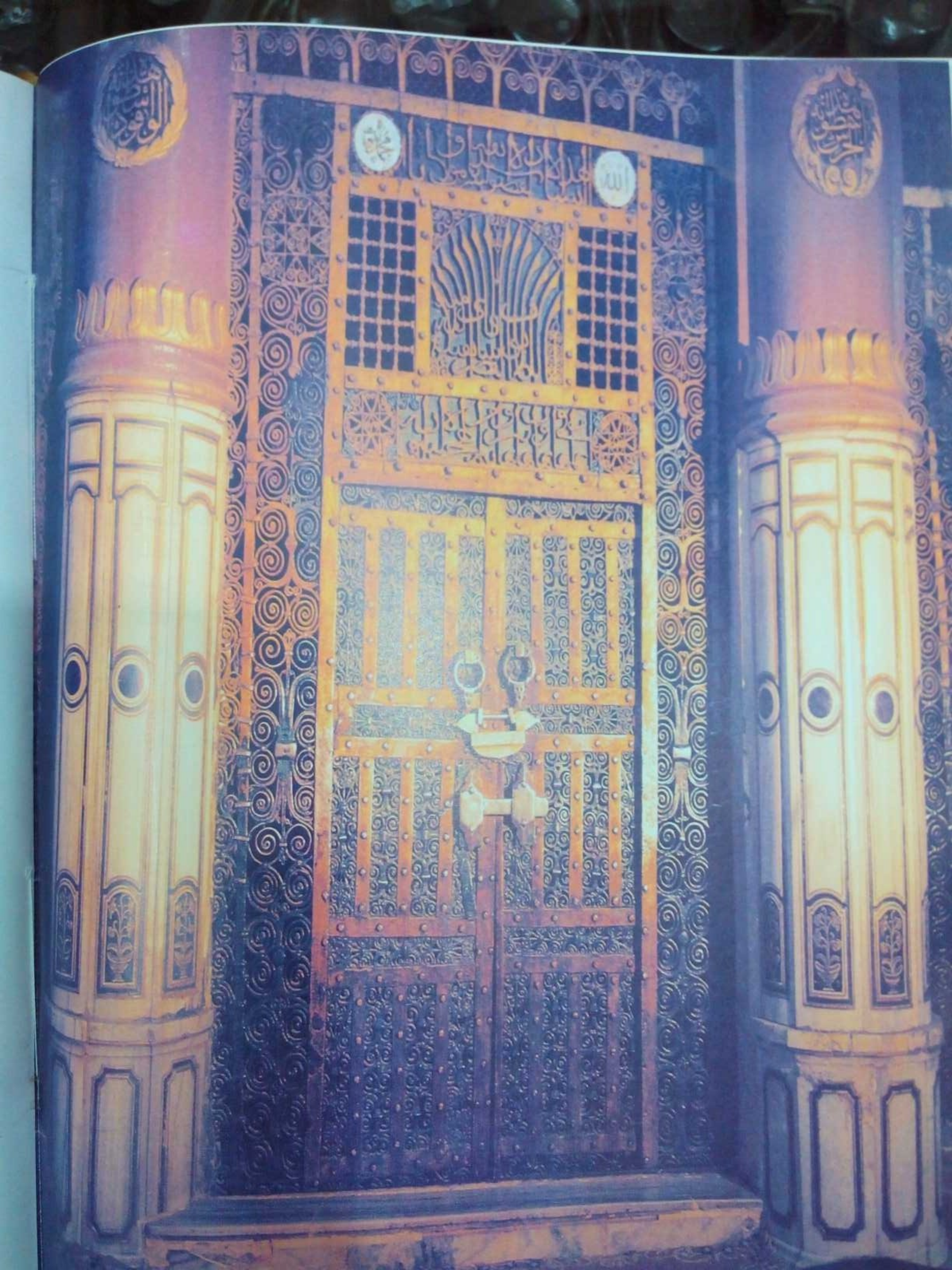
باب ۱۲

امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے حجرات مبارکہ

﴿اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت، بے شک اللہ ہر باریکی جانتا ہے اور اسے خبر ہے.﴾(۱)

خاکِ طیبہ از دو عالم خوش تر است   فرخا شہرے کہ آں جا دلبر است

شروع میں مسجد نبوی شریف کے گرد بہت سی جگہ خالی ہوا کرتی تھی اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسجد نبوی اور سید الانبیاء والاتقیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی جوار رحمت میں جگہ حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔(۲) ابتداء میں مسجد نبوی شریف سے بقیع الغرقد تک زیادہ تر زمین خالی تھی۔ سیدۃ عائشہ بنت قدامہؓ سے مروی ہے: [جو کوئی بھی البقیع میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے پاس کھڑا ہوتا اسے رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ صاف نظر آجایا کرتے تھے کیونکہ ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی۔(۳) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت ان دونوں جگہوں کے درمیان اتنے مکانات نہ تھے۔ بعد میں سیدنا عثمان بن عفانؓ، سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے گھر اسی طرف بنالیے۔ اسی طرح حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی حدیث مبارکہ بھی اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ مشرق کی طرح جنوب کی طرف بھی زمین خالی ہوا کرتی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بدو باب الرحمہ کی جانب سے مسجد نبوی میں داخل ہوا اور اس نے حضور اقدس ﷺ سے بارش کی درخواست کی۔ اس حدیث مبارکہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس وقت مسجد نبوی اور جبل سلع کے درمیان کوئی گھر واقع نہیں تھا۔ دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اس طرف ایک بازار تعمیر کرلیا تھا(۴) جسے بعد میں ہٹا کر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھروں میں تبدیل کردیا گیا تھا۔

جناب رسالت مآب علیہ وافر التحیۃ والصلوٰۃ کے حجرات منیفہ کی قدر و منزلت اللہ رب العزت کی نظر میں اتنی تھی کہ قرآن کریم میں ان کا ذکر فرمایا اور مسلمانوں کو سختی سے ہدایات کیں کہ جب وہ وہاں آئیں تو آداب حاضری کو بدرجہ اتم ملحوظ خاطر رکھیں اور اپنی آوازوں کو پست کرلیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایک پوری سورۃ کا نام "الحجرات" رکھا گیا(۵) حضرت امام جعفر الصادقؓ سے روایت ہے: [رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کو دو بار تعمیر فرمایا: پہلے جب کہ آں حضرت ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ اس وقت اس کا رقبہ ۱۰۰ مربع ذرع (ہاتھوں) سے کم تھا اور دوسری بار آں حضرت ﷺ نے اسے اس وقت تعمیر فرمایا جب کہ آپ حضور ﷺ فتح خیبر سے لوٹے تھے، اس وقت آں حضرت ﷺ نے اس میں کچھ توسیع فرمادی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے گرد تین اطراف میں اپنے لیے چند حجرات کا بھی اضافہ فرمایا تھا جو کہ قبلہ کی جانب اور مشرقی اور شامی اطراف میں تھے، مگر مغرب کی جانب آپ حضور ﷺ نے کوئی بھی حجرہ نہیں بنایا۔ تمام حجرات کے دروازے مسجد میں ہی کھلتے تھے۔]
(۶) امہات المومنین کے حجرات مبارکہ کافی چھوٹے ہوا کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ حضور ﷺ اپنے مہمانان گرامی اور زائرین کرام کو اپنے ہی حجرات میں سے کسی ایک میں ٹھہرایا کرتے تھے جہاں آپ حضور ﷺ اس وقت قیام پذیر ہوا کرتے تھے۔(۷) تمام مہمانان گرامی کی خاطر و مدارات مسجد نبوی شریف میں اس جگہ پر ہوتی جہاں آج کل استوانہ الوفود (وفود کا ستون) ہے۔

حجرات مبارکہ کی تعمیر:

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی ماہ شوال ۲ ہجری میں ہوئی۔ بہت سے سیرۃ نگاروں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ان کی رخصتی پہلے سال ہجری میں ہی ماہ شوال کو ہوگئی تھی جو کہ حقائق کے برعکس ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سیدتنا عائشہ صدیقہؓ اپنے دیگر افراد خانہ کے ساتھ پہلے سال ہجری ماہ شوال کے وسط یا اخیر میں مکۃ المکرمہ سے مدینہ طیبہ منتقل ہوئی تھیں۔(۸) آپ کے اپنے بیان کے مطابق، جو صحیح بخاری میں ہے، آپ مدینہ طیبہ آکر بیمار پڑگئی تھیں جس سے آپ کے سر کے تمام بال جھڑ گئے تھے اور یہ کہ جب آپ کی رخصتی ہوئی تو اس وقت آپ کے سر پر بال دوبارہ آگئے تھے اور کانوں کی لو تک پہنچ رہے تھے۔ اسی طرح سنن ابی داؤد میں دی گئی ایک اور حدیث مبارکہ جو کہ ام المومنین سیدتنا عائشہؓ ہی سے مروی ہے کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے: [جب ہم مدینہ آگئے تو ایک دن چند عورتیں میرے پاس آئیں جب کہ میں جھولا

جھول رہی تھی اور اس وقت میرے بال کانوں تک آ چکے تھے .وہ مجھے اپنے ساتھ لے آئیں اور مجھے بنایا سنوارا...الخ](۹) دور حاضر کی طبی تحقیقات کے مطابق اکثر ایسا ہوسکتا ہے کہ شدید بخار (High Fever) یا کسی اور متعدی مرض کی صورت میں سر کے بال مکمل طور پر جھڑ سکتے ہیں لیکن ان کو دوبارہ اگنا شروع ہونے کے لیے کم از کم تین سے چار ماہ کا عرصہ درکار ہوتا ہے .اور اس کے علاوہ یہ بھی ایک اٹل طبی حقیقت ہے کہ انسانی سر کے بال ایک ماہ میں تین سے چار سنٹی میٹر سے زیادہ نہیں بڑھ پاتے .لہذا یہ کس طرح مان لیا جائے کہ سیدتنا عائشہ صدیقہؓ کے بال ایک ہفتے میں گرے بھی اور پھر بڑھ کر اسی اثناء میں کانوں کی لو تک پہنچ گئے .اتنے بالوں کو گر کر دوبارہ بڑھنے کے لیے ایک یا دو ہفتہ نہیں بلکہ کم از کم ایک سال درکار ہے .اس لیے حقیقت یہی ہے کہ ان کی رخصتی دوسرے سال ہجری میں ہوئی تھی.

صحیح بخاری کی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق سیدتنا عائشہؓ سے مروی ہے کہ:

[رسول اللہ ﷺ سے میری منگنی اس وقت ہوئی جب میں چھ سال کی تھی. پھر ہم مدینہ طیبہ چلے آئے اور بنی الحارث بن خزرج کے ہاں مقیم ہو گئے. پھر میں بیمار پڑ گئی اور میرے بال جھڑ گئے. بعد میں جب میرے بال دوبارہ آ گئے تو میری والدہ ام رومانؓ میرے پاس اس وقت آئیں جب کہ میں اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی .انہوں نے مجھے بلایا اور میں چلی آئی مگر مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ میرے ساتھ کیا کرنے والی تھیں .انہوں نے میرا بازو پکڑا اور مجھے گھر کے دروازے پر لا کھڑا کیا .میرا سانس پھول رہا تھا .جب میرا سانس ذرا ٹھیک ہوا تو انہوں نے کچھ پانی لیا اور میرا منہ سر دھویا .پھر وہ مجھے گھر لے گئیں جہاں کچھ انصاری عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں .انہوں نے مجھ سے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا اور یہ کہا کہ اللہ برکت کرے اور تمہارا نصیب اچھا ہو!] (۱۰) صحیح مسلم کے مطابق حضرت عائشہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے میرے ساتھ نکاح ماہ شوال میں کیا اور میں دلہن بن کر آپ حضور ﷺ کے گھر بھی ماہ شوال میں ہی آئی .] (۱۱) ایک اور روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب دونوں خاندان (یعنی آقائے نامدار ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ) مسجد نبوی اور اپنے لیے گھر بنوا رہے تھے، تو سیدة عائشہؓ کی روایت کے مطابق: [میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاں ٹھہری اور ام المومنین سیدتنا سودہؓ اپنے گھر میں ٹھہریں .اس وقت ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ کیا آپ اپنی زوجہ کے لیے گھر نہیں تعمیر کریں گے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ ایسا کرنا تو چاہتے ہیں مگر پیسوں کی کمی حائل ہے! ابوبکر صدیقؓ نے آپ حضور ﷺ کو ۱۲ اوقیہ سونا اور ۲۰ درہم دیئے .] (۱۲) یہ حدیث مبارکہ اس معاملے میں موجود بہت سی گرہوں اور معموں کی عقدہ کشائی کرتی ہے اور اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہ پہلے سال ہجری کے ماہ شوال کے کافی بعد کی بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ام المومنین سیدة عائشہ صدیقہؓ کے لیے مکان بنانے کو سونا اور پیسے دیئے. آخر میں ہم حضرت جابر بن عبداللہؓ کی ناقابل تردید روایت نقل کر کے اس ساری بحث کو لپیٹنا چاہیں گے: [رسول اللہ ﷺ نے سیدة عائشہؓ سے غزوہ بدر سے واپسی کے بعد گھر بسایا تھا.] (۱۳)

بہت سے حجرات مبارکہ اس زمین پر تعمیر کئے گئے جو حضرت حارثہ بن نعمان الانصاری الخزرجیؓ کی ملکیت تھی جنہوں نے اس زمین کو اپنے آقا و مولا کے لیے ہدیہ کے طور پر پیش کر دیا تھا. ابن الجوزی الوفاء باحوال المصطفیٰ میں حضرت محمد بن عمرؓ کی روایت سے لکھتے ہیں: [وہاں

ریاض الجنہ میں کھلنے والے دروازے ''باب الوفود'' کا ایک منظر

حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے گھر ہوا کرتے تھے جو مسجد کے قریب اور ارد گرد تھے. جب بھی رسول اللہ ﷺ کوئی نیا عقد فرماتے تھے، حضرت حارثہؓ آپ کی خدمت عالیہ میں اپنا ایک گھر پیش کر دیتے یہاں تک کہ ان کے تمام مکانات اور گھر پر رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجرات تعمیر ہو گئے تھے.](۱۴)

حضرت حارثہ بن نعمانؓ رسول اللہ ﷺ کے سب سے قریب ترین ہمسایہ ہوا کرتے تھے جیسا کہ ان کی بیٹی سیدہ ام ہشم بنت حارثہ بن نعمانؓ کی روایت سے ثابت ہے. ان سے مروی ہے کہ:[ہمارا چولھا اور رسول اللہ ﷺ کا چولھا دو (یا ڈیڑھ) سال تک ایک ہی تھا اور میں نے سورۃ 'ق والقرآن المجید' کسی اور سے نہیں بلکہ براہ راست رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارکہ سے سن کر یاد کی تھی کیونکہ آپ حضور ﷺ ہر جمعہ کے روز منبر شریف پر تشریف لا کر اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے جبکہ آپ لوگوں کو وعظ فرماتے تھے.](۱۵) یہ حدیث مبارکہ ایک برہان قاطع کی طرح اس بات کی تصدیق کر دیتی ہے کہ ان کا گھر مسجد نبوی شریف سے متصل ہوا کرتا تھا اور تقریباً ڈیڑھ یا دو سال تک ایسے ہی رہا.

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے علاوہ حضور نبی اکرم ﷺ کا دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ عقد زواج مندرجہ ذیل بیان میں دیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ ان میں سے ہر ایک کا حجرہ مبارکہ کس سن میں تعمیر ہوا تھا:

۱)	ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہؓ	ان کا زواج ہجرت سے پہلے ہو چکا تھا آپ کا حجرہ مبارکہ مسجد نبوی کے ساتھ ساتھ تعمیر میں آیا
۲)	ام المومنین سیدۃ عائشہ بنت ابی بکرؓ	آپ کی رخصتی ۲ ہجری میں ہوئی
۳)	ام المومنین سیدۃ حفصہ بنت عمر فاروقؓ	سال زواج ۳ ہجری
۴)	ام المومنین سیدۃ ام سلمہ (ہند بنت المغیرہؓ)	سال زواج ۴ ہجری
۵)	ام المومنین سیدۃ زینب بنت الخزیمہؓ	سال زواج ۴ ہجری
۶)	ام المومنین سیدۃ جویریہ الخزیعیہؓ	سال زواج ۵ ہجری
۷)	ام المومنین سیدۃ زینب بنت الجحشؓ	سال زواج ۵ ہجری
۸)	ام المومنین سیدۃ ریحانہ بنت زیدؓ	سال زواج ۵ ہجری
۹)	ام المومنین سیدۃ ماریہ قبطیہؓ	سال زواج ۶ ہجری (سیدۃ ماریہ قبطیہؓ کے لیے الگ سے حجرہ نہ تھا. وہ مشربہ ام ابراہیم میں رہا کرتی تھیں)
۱۰)	ام المومنین سیدۃ ام حبیبہ بنت ابوسفیانؓ	سال زواج ۷ ہجری
۱۱)	ام المومنین سیدۃ صفیہؓ بنت حیی	سال زواج ۷ ہجری

سیدتنا سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراؓ شیر خدا حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں غزوہ بدر کے بعد ۲ ہجری میں ماہ رمضان میں منسلک ہوئیں. اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ قریب ہی اپنی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ کے ہمراہ ایک علیحدہ گھر میں جوان کی والدہ ماجدہ کو رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی شریف کے جنوب میں باقی بنی ہاشم کے افرا کے ساتھ عطا فرمایا تھا، مقیم تھے. لیکن چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ دن کا زیادہ تر وقت حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں گزارتے تھے اس لیے اپنا کچھ وقت اس برآمدے میں گزار لیتے تھے جو ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مبارکہ کے سامنے واقع تھا.(۱۶) اکثر رات کے وقت شیر خدا اپنے آقا و مولا سید الکونین ﷺ

کے دروازے پر پہرہ دے کر گزارتے اور اسی وجہ سے وہ جگہ آج بھی 'استوانہ علی' یا 'استوانہ حرس' کے نام سے مشہور ہے جو اس وقت آدھا مقصورہ شریف کی مغربی دیوار کے اندر ہے اور آدھا نظر آتا ہے۔ مسلم بن ابی مریمؒ سے مروی ہے: [حجرہ مبارکہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء اس ستون تک تھا جو اس ستون کے پیچھے تھا جو کہ پانچ گوشہ احاطے کے اندر آ چکا ہے اور اس کا دروازہ ایسی جگہ پر تھا جو کہ اب مربع القبر (یعنی حجرہ مطہرہ) کا حصہ بن چکی ہے]۔ ابن شبہ بھی اسی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ (۱۷) حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی شادی خانہ آبادی بھی اسی مقام پر ہوئی اور دونوں نے کچھ عرصہ قیام بھی وہیں پر کیا لیکن چند دنوں کے بعد دونوں نے مسجد قباء سے متصل ایک مکان میں رہائش اختیار کر لی جہاں تقریباً چھ ماہ تک قیام فرمایا۔ اس جگہ مسجد قباء کے قریب ہی مسجد فاطمۃ الزہراءؓ ہوا کرتی تھی جو کہ اب مسجد قباء کی توسیع کی زد میں آ چکی ہے۔

یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ حضور رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی دونوں صاحبزادیاں (سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اور سیدۃ ام کلثومؓ) مکۃ المکرمہ سے تشریف آوری پر اور شادی سے پہلے کہاں قیام پذیر رہی تھیں؟ سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ رشتہ ازدواجیت میں غزوہ بدر کے بعد منسلک ہوئی تھیں اور اسی طرح سیدۃ ام کلثومؓ بھی غزوہ بدر کے بعد جب کہ حضرت رقیہؓ کا انتقال پر ملال ہوا تو سیدنا عثمان بن عفانؓ کے ساتھ بیاہی گئیں۔ یہ سب ۲ ہجری میں ہوا تھا۔ مدینہ طیبہ کے مورخین نے جب حجرات مطہرات پر بحث کی ہے تو عموماً انہوں نے اس اہم سوال کو نظر انداز کر دیا ہے۔ لیکن جب ہم یہ جان لیتے ہیں کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی دوسرے ہجری سال میں ہوئی تھی تو اس میں موجود بہت سے اشکال دور ہو جاتے ہیں اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے اس گھر میں دلہن بن کر آنے سے پہلے آقائے نامدار ﷺ کی دونوں صاحبزادیاں اسی حجرہ مبارکہ میں قیام پذیر رہی تھیں۔ بعض احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں صاحبزادیاں حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے ہاں ان کے ایک گھر میں کچھ دن رہی تھیں۔ (۱۸) ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ان کے بہت سے گھر مسجد نبوی کے ارد گرد تھے جن میں سے ایک گھر تو مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا۔

ابن سعد نے ایک روایت بیان کی ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی شادی کے بعد جب دونوں حضور اقدس ﷺ سے دور رہ رہے تھے تو ان کی جدائی آپ حضور ﷺ پر شاق گزرتی تھی اور ایک مرتبہ اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ اے کاش کہ وہ آپ کے قریب آ جائیں۔ جب آپ حضور ﷺ سے عرض کیا گیا کہ وہ اس سلسلے میں حضرت حارثہ بن نعمانؓ سے بات کریں تو آپ حضور ﷺ نے کچھ ہچکچاہٹ کا اظہار فرمایا کہ وہ کیا سوچیں گے کیونکہ وہ تو پہلے ہی اپنے مکانات خدمت عالیہ میں ہدیۃً پیش کر چکے تھے۔ حضور اقدس ﷺ کی یہ خواہش کسی طرح حضرت حارثہ بن نعمانؓ تک پہنچ گئی تو وہ فوراً اپنے آقا و مولا کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یوں گویا ہوئے ''میں اور میرا سب کچھ اللہ اور اس کے رسول کی ملک ہیں۔ بخدا، یا رسول اللہ ﷺ! جو کچھ آپ حضور مجھ سے لے لیں گے وہ مجھے اس سے کہیں زیادہ عزیز ہے جو کچھ میرے پاس بچ رہے گا۔'' (۱۹)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے: ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ دن کے وقت باہر تشریف لے گئے اور میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ تمام راستہ نہ آپ حضور ﷺ نے مجھ سے تکلم فرمایا اور نہ ہی میں نے کچھ عرض کیا یہاں تک کہ ہم سوق بنی قینقاع پہنچ گئے اور پھر آپ حضور ﷺ وہاں سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے صحن میں تشریف فرما ہو گئے اور آپ حضور ﷺ نے ننھے بچے کے متعلق پوچھا (یعنی آپ حضور کے نواسے۔ حضرت حسن ابن علی علیہ السلام) لیکن سیدۃ فاطمہؓ نے ان کو باہر لانے میں کچھ دیر کر دی۔ میرے خیال میں یا تو آپ بچے کے کپڑے بدلنے لگ گئیں یا پھر اس کو غسل دے رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد بچہ دوڑتا ہوا آیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی چھاتی سے لگا لیا اور اس کو بوسہ دے کر فرمایا: ''اے اللہ اس بچے سے پیار کرنا اور اس سے بھی پیار کرنا جو اس سے پیار کرے گا۔'' (۲۰) اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ سیدۃ النساء

حضرت فاطمۃ الزہراؓ ایک اور گھر میں بھی رہائش پذیر رہی تھیں جو کہ سوق بنی قینقع میں تھا. اگر ہم اس حدیث مبارکہ کا بین السطور مطالعہ کریں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب کہ حضرت حسن علیہ السلام اتنے بڑے تھے کہ دوڑ کر اپنے نانا حضور ﷺ کی خدمت میں آئے تھے یعنی آپ اس وقت تین یا چار سال کے تو ضرور ہوں گے. یہ واقعہ ہجرت کے پانچویں یا چھٹے سال میں یا اس سے بھی بعد ہوا ہوگا مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خود اس حدیث مبارکہ کے راوی رضؓ خیبر سے پہلے مسلمان نہیں ہوئے تھے جو کہ ۶ ہجری کو ہوئی تھی لہذا ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ یہ واقعہ چھٹے یا ساتویں سال ہجری میں ہوا ہوگا. اس کا مطلب ہے کہ تب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے اس حجرہ مبارکہ کے علاوہ بھی ایک مکان لے لیا ہوگا جو کہ سوق بنی قینقع میں تھا.

ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کے حجرہ مبارکہ کا ایک دروازہ مسجد نبوی شریف میں کھلتا تھا جیسا کہ اس حدیث مبارکہ سے جو کہ انہی ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے ظاہر ہے: [واللہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے حجرے کے دروازے پر مجھے اپنے پیچھے اپنی ردائے مبارکہ سے چھپا کر کھڑے تھے تاکہ میں حبشیوں کا کھیل دیکھ سکوں جو کہ مسجد نبوی شریف میں اپنے خنجروں کے استعمال کے مظاہرے کے ساتھ کر رہے تھے.] (۲۱) اس دروازے کا ایک ہی کواڑ ہوا کرتا تھا جو کہ شیشم کی لکڑی کا بنا ہوا تھا. ایک دوسری حدیث مبارکہ سے جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال پر آپ حضور کے جنازے کے لیے لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے اور دوسرے سے نکلتے گئے، یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس حجرہ مطہرہ کے دو دروازے تھے. سمہودیؒ نے عمر بن علی بن عمر بن علی بن الحسینؒ سے روایت کی ہے کہ حجرہ شریفہ کے صدر دروازے کے علاوہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے حجرے کا ایک چھوٹا سا دروازہ بھی تھا جو کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے حجرہ مبارک کے سامنے کی طرف کھلتا تھا. (۲۲) جب حضور اقدس ﷺ فجر کے وقت خواب سے بیدار ہوتے تو اسی چھوٹے سے دروازے سے تشریف لاتے اور سیدۃ فاطمہ زہراءؓ کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر فرماتے: ''الصلاۃ، الصلاۃ، الصلاۃ. بے شک اللہ میرے اہل بیت کو تمام برائیوں سے پاک رکھنا چاہتا ہے اور پوری طرح پاک و طاہر رکھنا چاہتا ہے.'' (۲۳) ان دونوں احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ حجرہ اطہر کا ایک دروازہ بڑا تھا جو کہ مغرب کی طرف مسجد نبوی میں کھلتا تھا اور دوسرا ذرا چھوٹا تھا اور وہ شمال کی جانب اس حصے میں کھلتا تھا جس کو 'خوخہ علی کرم اللہ وجہہ' کہا جاتا تھا اور جو کہ حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء کے سامنے تھا.

امہات المومنین کے تمام حجرات مبارک مسجد نبوی شریف کی شرقی جانب تھے اور سب کے دروازے مسجد میں ہی کھلتے تھے. (۲۴) حضرت ابوبکر بن حزمؒ (جو کہ ایک مشہور تابعی تھے) جب کہ وہ نماز کے لیے حجرہ شریفہ کے قریب ایک ستون جو کہ باب النبی (باب جبریل) کے پاس کھڑے ہوئے تو انہوں نے اشارے سے بتایا کہ: ''یہ رہا ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کا گھر اور رسول اللہ ﷺ یہاں نماز ادا کیا کرتے تھے. اس جگہ سے آگے (اور انہوں نے اشارے سے کہا) اسماء بنت حسن بن عبداللہ بن عبیداللہ ابن العباسؒ کے گھر تک، جہاں تک (اس وقت تک) مسجد کا صحن جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ ہوا کرتے تھے جن کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ کھجور کے پتوں ٹہنیوں سے بنے تھے جن پر گارے سے پلستر (لپائی) کیا ہوتا تھا، اور ہر دروازے پر اونی پردہ ہوا کرتا تھا.'' (۲۵) حضرت ابی الرجاءؒ سے جب حضرت محمد بن عمرؒ نے پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ: ''رسول اللہ ﷺ کی تمام زوجات مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین کے حجرات مبارکہ کسی بھی نمازی کے جو منبر شریف کی طرف کھڑا ہوتا بائیں طرف پڑتے تھے، اور جب ام المومنین سیدۃ زینب بنت خزیمہؓ کا انتقال ہوا تو ان کے حجرہ شریفہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے رہائش اختیار فرمائی تھی.'' (۲۶)

حضرت عمر بن ابی انسؒ سے مروی ہے: [ان میں سے چار حجرات مبارکہ تو پتھروں اور کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں سے مٹی کے گارے کے ساتھ بنائے گئے تھے جب کہ پانچ ایسے تھے جو کہ صرف کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں اور مٹی کے گارے کے ساتھ بنائے گئے تھے مگر ان میں

پھر استعمال نہیں ہوئے تھے. دروازوں پر اونی پردے ہوا کرتے تھے جن کی لمبائی تین ہاتھ اور چوڑائی صرف ایک ہاتھ ہوا کرتی تھی. حضرت مالک بن انسؒ نے فرمایا: ''لوگ حجرات رسول اللہ ﷺ میں (امہات المومنین ؓ کی وفات کے بعد) آزادی سے داخل ہو جایا کرتے تھے اور جب مسجد میں ازدحام ہو جاتا تو جمعہ کی نماز کے لیے وہ لوگ وہیں نماز پڑھ لیا کرتے تھے.'' (۲۷) حضرت عبداللہ بن یزید الہزلیؒ سے مروی ہے: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ کو دیکھا تھا جب کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے گرائے گئے تھے. تمام کے تمام بالکل سادہ سے گھر تھے جو کہ کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کو مٹی کے گارے سے ملا کر بنائے گئے تھے. میں نے حضرت ام سلمہؓ کا گھر دیکھا جو کہ مٹی کی اینٹوں سے بنایا ہوا تھا اور پھر میں نے جب ان کے پوتے سے پوچھا (حضرت سلمہؓ کے فرزند جو کہ ام المومنین کے پہلے خاوند سے تھے) تو انہوں نے مجھے بتایا کہ: [جب رسول اللہ ﷺ غزوہ دومۃ الجندل پر تشریف لے گئے تھے تو اس وقت ام سلمہؓ نے وہ گھر مٹی کی کچی اینٹوں سے بنوایا تھا. جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے تشریف لائے اور آپ حضور ﷺ کی نظریں اس گھر پر پڑیں تو استفسار فرمایا: یہ تعمیر کیسی ہے؟ اس پر حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا: میری خواہش تھی کے لوگ آپ کو ان نگاہوں سے نہ دیکھیں جس سے دیکھتے ہیں!'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اے ام سلمہؓ وہ برائی جس میں مسلمانوں کی دولت غرق ہو گی وہ یہی دیواریں بنانے (یعنی اچھی تعمیرات) کا شغل ہے.(۲۸)

حضرت حریث بن الصائبؒ نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت حسن البصریؒ (ولادت: در مدینہ ۲۱ ہجری اور وفات در بصرہ: ۱۱۰ ہجری) (۲۹) سے سنا کہ: [میں سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور خلافت میں رسول اللہ ﷺ کی زوجات مطہرات رضوان اللہ علیہن اجمعین کے حجرات میں آزادی سے آیا جایا کرتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے ان حجرات کی چھتوں کو چھو لیا کرتا تھا.(۳۰) اس سے ہمیں ان حجرات مطہرات کی چھتوں کی اونچائی کا با آسانی اندازہ ہو سکتا ہے. حضرت حسن البصری مشہور تابعی تھے. ان کی والدہ ام المومنین سیدتنا ام سلمہؓ کے گھر کام کیا کرتی تھیں اور وہ ایک بچے کی حیثیت سے ان کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے. سمہودیؒ نے بھی ان کا ایک بیان نقل کیا ہے: ''میں رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ میں داخل ہو جایا کرتا تھا اور اس وقت میں بلوغت کی دہلیز پر تھا اور میں اپنے ہاتھوں سے ان حجرات مبارکہ کی چھتوں کو چھو لیا کرتا تھا. ہر گھر میں ایک کمرہ ہوا کرتا تھا.....'' (۳۱) اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ایسا ہی حضرت عبداللہ بن یزید الہزلیؒ سے بھی مروی ہے: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ کو دیکھا جب کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے گرائے گئے تھے. تمام کے تمام بالکل سادہ سے گھر تھے جو کہ کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کو مٹی کے گارے سے ملا کر بنائے گئے تھے.'' (۳۲) ابتداء میں جب مسجد نبوی پر چھت نہیں ہوتی تھی تو اس وقت اس کے صحن میں دھوپ آ جاتی تو سورج کی کرنیں امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین کے حجرات مبارکہ میں داخل ہو جاتیں جیسا کہ ام المومنین سیدتنا عائشہؓ سے مروی حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے.(۳۳)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین سیدۃ صفیہؓ کا حجرہ مبارکہ مسجد نبوی سے ذرا فاصلے پر تھا یا پھر اس لائن میں سب سے آخر پر ہو گا جیسا کہ امام زین العابدینؒ کی ام المومنین سیدۃ صفیہؓ سے مروی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے. [ایک مرتبہ حضور والا شان ﷺ کی تمام ازواج مطہرات مسجد نبوی شریف میں آپ حضور ﷺ کے پاس تھیں جب کہ آپ اعتکاف فرما رہے تھے. وہ ایک ایک کر کے چلی گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے سیدۃ صفیہؓ سے فرمایا: ''جلدی نہ کرو، میں تمہیں چھوڑنے آتا ہوں.'' اس وقت وہ حضرت اسامہؓ (بن زیدؓ) کے ہاں سکونت رکھتی تھیں. راستے میں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات دو انصاریوں سے ہوئی جو آپ حضور ﷺ کے پاس سے گزرے.....الخ (۳۴) یہی حدیث مبارکہ سنن ابوداؤد میں ہے لیکن اس میں اس بات کا اضافہ ہے کہ اس وقت سیدۃ صفیہؓ عارضی طور پر دار اسامہ بن زیدؓ میں رہائش پذیر تھیں.'' (۳۵)

ان دنوں رسول اللہ ﷺ کے کسی گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا جیسا کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ کی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے: [ان دنوں ہمارے گھروں میں چراغ نہیں ہوا کرتے تھے.] (۳۶) حجرات مبارکہ کے دروازے جو مسجد نبوی میں کھلا کرتے تھے ان سب کے

آگے پردے لٹکے ہوتے تھے.](۳۷) حضرت عمر بن ابی انسؓ سے مروی ہے:[اونی پردے حجرات مبارکہ کے دروازوں پر لٹکے ہوا کرتے تھے.ان میں سے ایک پردے کو میں نے ناپا تو اس کی پیمائش ۳x۳ ذراع تھی.](۳۸) حضرت عبداللہ بن کعبؓ سے مروی ہے کہ ان کے والد (حضرت کعب بن مالکؓ) نے انہیں بتایا کہ:[ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے دور حیات میں انہوں نے ابن ابو حدردؓ سے اپنا قرضہ واپس مانگا.دونوں کی آوازیں زیادہ اونچی ہوگئیں یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو جو کہ اس وقت اپنے حجرہ مبارکہ میں استراحت فرمارہے تھے بھی ان کی آوازیں سنائی دینے لگیں.آپ حضور ﷺ نے در اقدس سے پردہ اٹھایا اور حضرت کعب بن مالک کو ندا دی:[اے کعب!]انہوں نے عرض کیا:[لبیک یارسول اللہ ﷺ].آپ حضور ﷺ نے ان کو اپنے پاس ہاتھ سے بلایا اور پھر ہاتھ سے اشارہ فرمایا[کہ آدھا قرض لے لو.]چنانچہ حضرت کعب بن مالکؓ نے عرض کیا:یارسول اللہ ﷺ ایسا ہی کیا جائے گا.](۳۹)

جب حضور نبی اکرم ﷺ اعتکاف فرماتے تو بسا اوقات اپنے قیام کی جگہ سے اپنا سر مبارک اس کھڑکی میں کر دیتے جو کہ مسجد نبوی میں کھلتی تھی اور وہیں سے اندر سے ہی ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ آپ کے سر مبارک کو تیل لگا دیا کرتیں اور کنگھی کیا کرتی تھیں.(۴۰) اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حجرہ نبوی میں مغربی جانب دروازے کے علاوہ ایک کھڑکی بھی ہوا کرتی تھی اور یادگار کے طور پر اسی مقام کے اوپر آج بھی لوہے کی ایک طاق بنی ہوئی ہے.اسی طرح سیدۃ عائشہؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حجرہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ میں دروازے کے اوپر ایک روشن دان بھی تھا (جہاں کہ شروع شروع میں) وہ اپنے کھلونے رکھا کرتی تھیں.

مسجد نبوی شریف کے گرد حجرات مبارکہ کی تعمیر کے ساتھ ساتھ حجرہ مبارکہ جب تعمیر ہوا تو اس میں اس وقت بیت الخلاء کے لیے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی اور امہات المومنین رضوان اللہ علیہن المناصع کے علاقے میں جایا کرتی تھیں جو کے بقیع الغرقد کے شمالی علاقے میں ہوا کرتا تھا اور اس میں گھنے درخت ہوا کرتے تھے.لیکن جب ۵ ہجری میں واقعہ افک رونماء ہوا تو تمام امہات المومنینؓ نے اپنے اپنے حجرات میں ایک جگہ بیت الخلاء کے لیے مخصوص کر دی اور اس طرح گھروں میں غسل خانے بنانے کا رواج عام ہو گیا.چند ایسی احادیث مبارکہ ہیں جو کہ سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ اعتکاف میں رسول اللہ ﷺ رفع حاجت کے لیے اپنے حجرے مبارکہ میں تشریف لے جاتے یا یہ کہ جب کبھی آپ حضور ﷺ کو غسل کی ضرورت ہوتی تو بھی حضور والا شان ﷺ اپنے حجرات مبارکہ کے اندر ہی غسل فرما لیا کرتے تھے.(۴۱) ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا:[یارسول اللہ،جب ہم آپ حضور ﷺ کے بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہیں تو ہمیں کبھی بھی تعفن نہیں محسوس ہوا.] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[کیا تمہیں علم نہیں کہ انبیاء کا فضلہ زمین نگل جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمہیں ایسی کوئی چیز نہیں ملتی جس میں سے تعفن یا بیزاری ہو!](۴۲) جہاں تک غسل فرمانے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہمیں کچھ مزید وضاحت بھی مل جاتی ہے کہ جب آپ حضور ﷺ غسل کا ارادہ فرماتے تو پانی سے بھرا ہوا ٹب حاضر کر دیا جاتا جس سے سرکار دو عالم ﷺ غسل فرماتے تھے (۴۳) جیسا کہ ام المومنین سیدۃ میمونہؓ کی روایت ہے:[میں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے پانی کے ٹب کو لا کر رکھا اور آپ حضور ﷺ کے لیے پردے کا انتظام کیا اور تب حضور ﷺ نے غسل فرمایا.](۴۴)

حضرت عمران بن انسؓ سے مروی ہے کہ:[جب رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ منہدم کیے گئے تو میں نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گروہ (مثلاً حضرت سلمان بن عبدالرحمٰنؓ،حضرت ابو امامہ بن سہلؓ اور حضرت خارجہ بن زیدؓ) کو مسجد شریف میں زار و قطار روتے دیکھا.آپ اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں.](۴۵) حضرت ابو امامہؓ نے اس وقت فرمایا:[اے کاش کہ ان حجرات مبارکہ کو جوں کا توں رہنے دیا جاتا تاکہ جب لوگ اپنے عالی شان گھروں کو تعمیر کریں تو وہ دیکھیں کہ وہ کس قسم کے گھر تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ کے لیے پسند فرمائے تھے جب کہ رب العزت قادر مطلق ہے اور اسی کے پاس دنیا و مافیہا کے خزائن کی کنجیاں ہیں.](۴۶)

رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ کا انہدام

امام مالک بن انسؒ نے فرمایا: [مسجد رسول اللہ ﷺ نمازیوں کے لیے تنگ ہوگئی تھی اگرچہ حجرات مبارکہ شروع سے مسجد شریف کا حصہ نہ تھے، لیکن ان تمام کے دروازے مسجد میں ہی کھلتے تھے اور یوں لوگ نماز جمعہ ادا کرنے کی غرض سے ان حجرات مبارکہ میں داخل ہو جایا کرتے تھے۔(۴۷)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو کا کام ۸۸ ہجری (۷۰۶ء) میں شروع ہوا اور ۹۱ ہجری میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ سب سے پہلے تو مسجد شریف کی پرانی عمارت کو منہدم کیا گیا۔ مسجد کے گرد واقع بہت سے گھروں کے مالکانہ حقوق حاصل کیئے گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی زوجات مطہرات تو ولید بن عبدالملک کے اقتدار میں آنے سے بہت پہلے ہی انتقال فرما چکی تھیں۔ سب سے آخر میں ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کا انتقال ہوا تھا جو کہ حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں ۵۸ ہجری میں تھا۔ لہذا تمام حجرات مبارکہ جن کے دروازے مسجد نبوی شریف میں ہی کھلتے تھے، بالکل خالی ہوا کرتے تھے اور ان میں داخل ہو کر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نمازیں پڑھا کرتے تھے، خاص طور پر جمعہ کے روز جب مسجد شریف کھچا کھچ بھر جاتی تو بہت سے لوگ حجرات مبارکہ میں نماز جمعہ ادا کر لیتے تھے۔ ان تمام حجرات مبارکہ میں سے صرف دو حجرات ایسے تھے جن میں اس وقت بھی رہائش تھی:

(۱) حجرۃ مبارکہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ جہاں آپ کے اہل بیت رہائش پذیر تھے۔

(۲) حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ حفصہ بنت عمر فاروقؓ جو کہ انہوں نے اپنے بھتیجے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو ہبہ کر دیا تھا۔ چنانچہ اس حجرہ مبارکہ میں آل عمر سکونت پذیر تھے اور اسی وجہ سے وہ گھر ہمیشہ 'دار آل عمرؓ' ہی کہلاتا رہا۔

۴۵ ہجری میں اپنے انتقال سے پہلے ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہؓ نے اپنا حجرہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کو ہبہ کر دیا تھا۔ بعد میں حضرت معاویہؓ نے ام المومنین کو اس حجرہ مبارکہ کو ایک لاکھ کے عوض خریدنے کی پیش کش کی۔ ام المومنین اپنا حجرہ مبارکہ صرف ۸۰،۰۰۰ درہم کے عوض دینے پر راضی ہوگئیں بشرطیکہ آپ کو تادم آخریں وہاں رہنے دیا جائے۔ جب معاملہ طے ہوگیا تو حضرت معاویہؓ نے مذکورہ رقم ارسال کردی اور ام المومنین رضی اللہ عنہا رقم لینے کے بعد اپنی جگہ سے اس وقت تک نہ اٹھیں جب تک کہ انہوں نے تمام کے تمام ۸۰،۰۰۰ غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم نہ کر دیئے۔ اس طرح آپ کے انتقال کے بعد ۵۸ ہجری میں وہ حجرہ مبارکہ ریاست کی ملکیت ہو چکا تھا۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ حجرہ مبارکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے ہاتھ بیچا تھا۔

مسجد شریف اور تمام حجرات مبارکہ کو منہدم کرنے کے ولید بن عبدالملکؒ کے احکام کو مسجد نبوی شریف میں عامۃ الناس کے سامنے پڑھا گیا۔(۴۸) اس وقت مدینہ طیبہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تھے اور حجرات مبارکہ کے انہدام سے لے کر مسجد نبوی کی مکمل تعمیر تک تمام کام ان کی ہدایات کے مطابق ہوا۔

باقی تمام حجرات مبارکہ کو مسمار کر کے مسجد نبوی میں شامل کر لیا گیا، مگر حجرہ سیدۃ عائشہؓ جس میں سید الاولین والآخرین ﷺ کا روضہ مبارکہ ہے ویسے ہی رہنے دیا گیا۔ البتہ اس کے گرد اگرد ایک پانچ کونے والا حصار تعمیر کر دیا گیا۔ یہ عمارت سیاہ سنگ خارا سے تعمیر ہوئی۔ اس پنج گوشہ کی دیواریں اور کونے ایک دوسرے سے مختلف تھے تاکہ کوئی بھی اس عمارت کو کعبۃ المشرفہ سے مشابہ نہ سمجھ بیٹھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا خیال بھی رکھا گیا کہ کوئی شخص قبر اطہر کی طرف منہ کر کے اپنی نماز نہ ادا کر سکے۔ تمام حجرات مبارکہ جو کہ مورخین کی متفقہ رائے کے مطابق مسجد شریف کی شرقی جانب تھے مسمار کئے جانے کے بعد مسجد نبوی شریف کا حصہ بن گئے۔ مقصورہ شریف کی جنوبی جانب جہاں ہم مواجہ شریفہ

کے سامنے باادب کھڑے ہوکر رسول رحمت ﷺ پر درود و سلام پڑھتے ہیں وہاں اس وقت ام المومنین سیدۃ حفصہ کا حجرہ مبارکہ ہوا کرتا تھا، جب کہ شرقی جانب، یعنی قدمین شریفین کی طرف، ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہ کا گھر تھا، جبکہ حجرہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ اور حجرہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء کے درمیان ایک چھوٹا سا برآمدہ تھا۔ حجرہ سیدۃ فاطمہ زہراء کے بعد شمال کی طرف ایک گلی تھی جہاں سے مسجد شریف کا دروازہ آتا تھا (یعنی باب جبریل)۔ اس سے اگلی طرف شمال ہی کی طرف دیگر امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے حجرات مبارکہ ہوا کرتے تھے۔

اصحاب صفہ کا موجودہ چبوترہ وہاں پر نہیں تھا، بلکہ اس کی جگہ وہاں پر امہات المومنین میں سے حضور نبی اکرم ﷺ کی کسی ایک یا دو ازواج مطہرات کے حجرے تھے۔ لہٰذا زائرین کو چاہئے کہ جب وہ وہاں نماز یا ذکر اذکار کے لیے بیٹھیں تو یہ سمجھ کر بیٹھیں کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں رسول رحمت ﷺ اپنے اہل خانہ کے ساتھ استراحت اور شب باشی فرما چکے ہیں اور اس لیے اس مقام کا تقدس اصحاب صفہ سے کہیں زیادہ ہے۔ یوں تو اس بقعہ طاہرہ کا ہر ایک ذرہ مقدس و منور ہے، مگر جتنا بھی زیادہ ہو سکے اس مقام پر بیٹھ کر درود و صلوات پڑھنا چاہئے کیونکہ وہ مقام مقام استراحت رسول مقبول ﷺ رہا ہے۔

حواشی

(۱) القرآن الکریم (الاحزاب: ۳۴)

(۲) صحیح مسلم، ج: ۱، نمبر ۱۴۰۸

(۳) سمہودیؒ، وفاء الوفا، ص: ۸۹۴

(۴) ابراہیم بن علی العیاشی المدنی، المدینۃ بین الماضی والحاضر، ص: ۱۷۲

(۵) القرآن الکریم (الحجرات: ۴)

(۶) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، مکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ، ص ۱۰۵۔

(۷) صحیح مسلم، ج: ۲، نمبر ۳۲۲۱۔ ایسی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے مہمانان گرامی کا استقبال اپنے حجرات مطہرات میں فرماتے تھے۔

(۸) ابن اسحاق نے یہ نہیں لکھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہاں کتنا وقت گزارا تھا، لیکن ان کے علاوہ ہر معروف سیرۃ نگار نے بالصراحت بیان کیا ہے کہ آپ حضور ﷺ وہاں چھ سے سات ماہ تک مقیم رہے (یعنی وسط ربیع الاول سے شوال کے آخر تک (اگر چھ ماہ قیام فرمایا) یا اس سے بھی زیادہ یعنی شوال کے بعد تک (اگر مدت قیام سات ماہ تک تھی)۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج: ۳، ص: ۱۷۶۔

(۹) سنن ابی داؤد، ۴۱، ۴۹۱۷

(۱۰) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر۲۳۴

(۱۱) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر۳۳۱۲

(۱۲) ابن اسحاق، صفحات: ۲۲۳-۳۲۴

(۱۳) ابی عمرو خلیفہ بن خیاط بن ابی ہبیرہ اللیثی العصفری الملقب بہ شباب (ت: ۲۴۰ ہجری)، تاریخ خلیفہ بن خیاط، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۵، ص:۲۶.

(۱۴) ابن الجوزی، وفاء باحوال المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۰، ص ۲۶۰ نیز سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص: ۴۶۳، خلاصۃ الوفاء، ص ۲۴۶

(۱۵) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر۱۸۹۴ نیز نمبر۱۸۹۳

(۱۶) اگرچہ تمام جگہ مقصورہ شریف ہی کہلاتی ہے مگر وہ حصہ جو حجرہ مبارکہ سیدۃ عائشہ صدیقہؓ اور حجرہ سیدتنا فاطمۃ الزہراءؓ کے درمیان ہے وہ خوخہ علی کے نام سے جانا جاتا تھا. جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد کو دوبارہ بنوایا تو انہوں نے امہات المومنین کے تمام حجرات مبارکہ کو مسجد شریف میں شامل کرلیا. تاہم انہوں نے اس طرف مسجد کی بیرونی دیوار میں دو دروازوں کا اضافہ کردیا۔ باب النبی اور باب علی علیہ السلام. باب علی اس حصے کے محاذی تھا جہاں خوخہ علی کرم اللہ وجہہ ہوا کرتا تھا. وہ دروازہ کب کا بند کیا جاچکا ہے مگر اس کا نشان ابھی تک باقی ہے جہاں ایک کھڑکی ہے جس میں ایرکنڈیشنر لگا ہوا ہے جس سے خوخہ علی کرم اللہ وجہہ کا اندازہ لگانا آسان ہے.

(۱۷) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء، ص ۲۴۸

(۱۸) ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا ہوگا کہ غزوہ بدر کے بعد آپ حضور ﷺ کی تیسری بیٹی (سیدۃ زینبؓ) نے بھی وہیں رہنا شروع کردیا تھا کیونکہ ان کے خاوند ابوالعاصؓ نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں تھے اور جنگ بدر میں قیدی ہوگئے تھے اور انہوں نے اپنی رہائی کے بدلے سیدۃ زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ کو مدینہ طیبہ روانہ کرنے کا وعدہ کرلیا تھا اور اپنے عہد کے مطابق انہوں نے ان کو مدینہ طیبہ بھیج دیا تھا. ایسی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بیٹی امامہؓ جو اس وقت چھوٹی سی تھیں، مسجد نبوی کے احاطے میں کھیلا کرتی تھیں اور اکثر اوقات جب آپ حالت نماز میں ہوتے تو وہ اپنے نانا حضور ﷺ کے پاس آجاتیں اور آپ اسی حالت میں ان کو اپنی گود مبارک میں اٹھالیتے تھے اور جب سجدے میں جاتے تو ان کو زمین پر بٹھا دیا کرتے تھے.

(۱۹) ابن سعد، ج:۸، صفحات: ۲۲-۲۳

(۲۰) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۳۳۳

(۲۱) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر۱۹۴۱. حدیث نمبر۱۹۴۲ ان کو بنو عرفدہ کہہ کر پکارتی ہے.

(۲۲) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۴۶۶

(۲۳) القرآن الکریم (الاحزاب: ۳۳). ام المومنین سیدتنا ام سلمہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حسین علیہما السلام کو اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کو اپنی ردائے مبارکہ سے ڈھانپ لیا اور فرمایا: "اے اللہ یہی میرے اہل بیت ہیں اور میرے گھر کے خاص افراد ہیں. ان سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور فرمادے اور ان کو طاہر و پاک فرمادے." جب سیدۃ ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ کیا میں بھی ان میں شامل ہوں تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "تم راہ حق پر ہو!". الترمذی، اردو ترجمہ بدیع الزمان، ضیاء احسان پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۸، ج:۲، ص ۸۲۷.

(۲۴) ابن نجار، ص ۱۵۲

(۲۵) ابن سعد، ج:۱، ص ۵۰۰

(۲۶) ابن الجوزی، الوفاء باحوال المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸، ص ۲۶۰

(۲۷) ابن نجار، ص: ۱۵۲

(۲۸) ابن سعد، ج:۱، ص ۴۹۹، ابن نجار، ص ۱۵۳

(۲۹) آپ کے والد حضرت یسارؓ حضرت زید ابن ثابتؓ کے آزاد کردہ غلام تھے. آپ کی پرورش سیدتنا ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کے حجرہ مبارکہ میں ہوئی جہاں آپ کی والدہ کام کیا کرتی تھیں. لہذا صغرسنی سے لیکر بلوغت تک ان کا زیادہ تر وقت حضور اقدس ﷺ کے حجرات مبارکہ میں اور حضرات اہل بیت کی معیت میں گزرا اور جب وہ ابھی بچے تھے اور ان کی والدہ کام میں مشغول ہوتیں تو اکثر اوقات ام المومنین سلمہؓ ان کو اپنی گود میں لیکر پیار کرتیں.

(۳۰) ابن سعد، ج:۱، ص ۵۰۱

(۳۱) سمہودیؒ، ص:۴۶۳

(۳۲) ایضا، ص ۴۶۰

(۳۳) الترمذی، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۱۰۱

(۳۴) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۲۵۴ و ۲۵۵، نیز ج:۴، نمبر ۱۵۰، نیز ج:۹، نمبر ۲۸۳

(۳۵) سنن ابی داؤد، اردو ترجمہ وحید الزمان، اسلامی اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۳، ج:۲، نمبر ۶۹۸ ص ۲۷۷

(۳۶) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۹۲

(۳۷) ایضاً، ج:۱، نمبر ۴۶۰ و ج:۳، نمبر ۸۷۳

(۳۸) ابن سعد، ج:۱، ص ۵۰۰

(۳۹) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۸۷۳، ج:۱، نمبر ۴۶۰

(۴۰) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۲۴۶ و نمبر ۲۶۲

(۴۱) صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۵۸۱

(۴۲) ابی نعیم اصفہانی (ت:۴۳۰ ہجری)، دلائل النبوۃ، دار النفائس، بیروت، ۱۹۹۹، ص:۴۴۴. و سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۴۶۶.
نیز دیکھئے: الحجرات الشریفہ، صفوان عدنان داؤدی، ص ۳۶

(۴۳) صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۶۲۰

(۴۴) صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۶۶۶

(۴۵) ابن نجار، ص ۱۵۳

(۴۶) ابی بکر بن الحسین بن عمر المراغی (ت:۸۱۶ ہجری)، تحقیق النصرہ، ص ۵۰

(۴۷) ایضاً

(۴۸) ابن سعد، ج:۸، ص ۱۶۷

باب ۱۳

تبرکات نبویہ ﷺ اور آثار مدینہ طیبہ
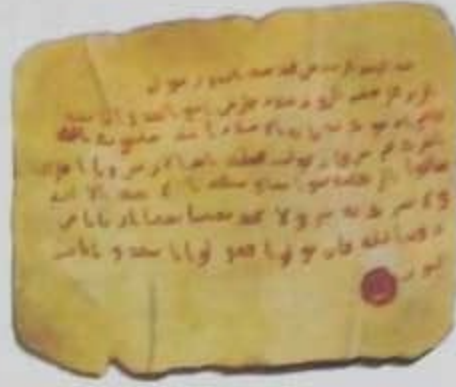
۱۶۰ ہجری میں جب عباسی خلیفہ مہدی المنصور نے اپنی اس خواہش اور ارادے کا اظہار کیا کہ حضور سرور کائنات ﷺ کے منبر شریف میں مروان بن الحکم کے کئے گئے اضافہ کا ازالہ کرکے اس کو عہد مصطفوی ﷺ پر واپس لا کر اس کی از سر نو مرمت اور تزئین و آرائش پرکشش انداز میں کر دی جائے تو امام مالکؒ نے اپنی رائے کا اظہار کچھ اس طرح کیا:

لا اری ان یحرم الناس آثار رسول اللہ ﷺ

(میری رائے میں یہ مناسب نہیں ہوگا کہ عامۃ الناس کو آثار رسول مقبول ﷺ سے محروم کر دیا جائے)۔

فخر موجودات سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے آثار مبارکہ اور تبرکات سے ہماری مراد ہر وہ چیز اور مقام ہے جسے حیات طیبہ میں حضور سرور دو عالم ﷺ کے زیر استعمال رہنے یا جسد اطہر سے مس ہونے کا شرف حاصل رہا ہو یا پھر کسی بھی طور سے وہ مقام یا چیز آپ کی ذات مبارکہ سے وابستہ رہی ہو۔ امام مالکؒ کی مندرجہ بالا رائے اس سلسلے میں ہمارے لیے مشعل راہ ہے کیونکہ انہوں نے اس منبر شریف کو آثار (تبرکات) رسول مقبول ﷺ قرار دیا تھا اس لیے کہ حیات دنیوی میں آنحضرت ﷺ اس پر جلوہ فروز ہوا کرتے تھے۔ یہ اس کی حضور ﷺ کے ساتھ نسبت ہی تو تھی جس نے مدینہ منورہ کے مضافات میں واقع الغابہ کی ایک عام سی لکڑی سے بنے اس منبر کو تقدس اور تبرک کا وہ مقام دیا کہ جلیل القدر اصحابہ کرام بھی کبھی اسکے بوسے لیتے اور کبھی اسکے اوپر ہاتھ پھیر کر اپنی جبینوں اور رخساروں کو منور کرتے۔

تاریخ مدینہ منورہ کے تناظر میں ہم قارئین کرام کی توجہ اس طرف دلانا چاہیں گے کہ مدینہ طیبہ جو حضور پرنور ﷺ کے ابدی نور سے نہ صرف یہ کہ خود منور ہوا بلکہ اس سراج منیر (۱) کے طفیل یہ شہر خوباں مومنین کے دلوں کی دھڑکن اور آنکھوں کا سرور بن گیا اور اب جبکہ تیسرے الفیے (۲۰۰۲ء) کی ابتداء ہو رہی ہے مدینہ طیبہ کم و بیش سوا ارب فرزندان توحید کے دلوں کو منور کر رہا ہے اس لیے کہ اس پاک شہر کو اولین و آخرین حضور سرور دو عالم ﷺ کے آثار مقدسہ میں سب سے بلند مقام حاصل ہے۔ وہ آج بھی اسی آب و تاب کے ساتھ اپنے عشاق کو انتاہی سرور قلب و نظر اور تسکین روح و جاں اور فیضان رسالت مآب ﷺ سے بہرہ ور ہونے کا سامان مہیا کرتا ہے جتنا کہ قرون اولیٰ میں کرتا تھا۔ یہ مدینہ منورہ ہی تو ہے جس کے دامن میں وہ بقعہ نور واقع ہے جو مسجد نبوی شریف کہلاتا ہے جسکو یہ فخر عظیم حاصل ہے کہ اس میں حضور رسالت مآب ﷺ نے اپنی امت کی امامت فرمائی۔ یہیں وہ بقعہ نور بھی ہے جسکو حضور رسالت مآب ﷺ کی مدنی زندگی میں مہبط وحی ہونے کا شرف حاصل رہا جہاں جاں نثاران رسول شمع رسالت کے گرد حلقہ زن ہو کر کبھی تو تنزیل قرآن کے رقت انگیز اور وجد آفریں مناظر دیکھتے اور کبھی ہمہ تن گوش ہو کر قرآن پاک کی عملی تفسیر خود قرآن ناطق کی زبان بابرکات سے اس انہماک سے سنتے کہ جسم کو سر مو جنبش نہ ہوتی یہاں تک کہ بسا اوقات بعض کے سروں کے اوپر طیور حرم اس طرح آکر بیٹھ جاتے جیسے کہ وہ کوئی بے جان چیز ہوں۔ یہیں پر وہ مطہر مقامات بھی ہیں جہاں سرور کونین نبی مکی و مدنی ﷺ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ بود و باش کیا کرتے تھے۔ یہیں ریاض الجنہ بہشت بریں کا وہ بقعہ مبارکہ بھی ہے جہاں سرور دو عالم ﷺ خراماں خراماں چہل قدمی فرماتے اور جہاں روز محشر حوض کوثر سجایا جائیگا جسکے کنارے شفیع المذنبین اور انیس الغریبین ﷺ اپنی امت کے عاصیوں کی شفاعت اور دستگیری فرمائیں گے۔ مدینہ طیبہ کی ہر گلی، ہر کوہسار، ہر وادی، اسکے بلند و بالا سلسلہ ہائے جبال، اسکی قدیم تاریخی مساجد، اسکے متبرک کنویں غرضیکہ اس حرم پاک کا چپہ چپہ حیات طیبہ سے کچھ اس طرح جڑا ہوا ہے کہ اس کو سیرت طیبہ سے الگ ہی نہیں کیا جا سکتا اور یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی سیرت نگار مدینہ طیبہ یا اسکے مضافات سے نہ کبھی صرف نظر کر سکا ہے نہ کر سکے گا۔ جب غزوہ احد کی بات ہوگی تو جبل احد کے فلک بوس یہیں پہاڑ اسکی نظر کے سامنے ہونگے، غزوہ خندق کا ذکر ہوگا تو وہ بلند و بالا جبل سلع کے دامن میں واقع سبع مساجد اور جبل ذباب پر واقع مسجد الرایہ کا نظارہ کرنا چاہیگا جہاں سرکار دو عالم ﷺ نے خیمہ زن ہو کر لشکر اسلام کی کمان فرمائی تھی، اور تحویل قبلہ کا ذکر ہوگا تو مسجد قبلتین کا تذکرہ تو ضرور کریگا، اور اگر عہد آفریں ہجرت نبوی کا تذکرہ کرے گا تو باب المدینہ قباء کا ذکر کیے بغیر آگے نہ بڑھ

سکے گا جسے نہ صرف ہجرت مبارکہ کے موقع پر اپنے آقا کی قدم بوسی اور مہمان نوازی کا اعزاز حاصل ہوا بلکہ عالم اسلام کی پہلی مسجد بھی وہیں تعمیر ہوئی تھی. اس لیے مدینہ طیبہ جو بیشمار تبرکات نبویہ کا امین ہے بذات خود تبرکات نبویہ میں اتنا بلند مقام رکھتا ہے کہ کعبۃ المشرفہ کی طرح یہ شہر خوباں دنیا کا مقدس ترین بقعہ ارض تصور کیا جاتا ہے. اس ارض مقدس کا اکثر حصہ آثار مقدسہ سے منور اور مالا مال ہے. یہی وجہ تھی کہ امام مالکؒ جیسے جلیل القدر امام جب کبھی مدینہ طیبہ کی گلیوں میں نکلتے تو قدم بھی اتنی احتیاط سے رکھتے تھے کہ کہیں ایسی جگہ قدم نہ آجائیں جہاں والی دوجہاں علیہ افضل الصلوۃ والسلام کے قدم مبارک لگے ہوں. اور اگر کسی پرانی عمارت یا مکان کے قریب سے گزرتے جس کے متعلق یہ معلوم ہوجاتا کہ اس کا تعلق تاجدار مدینہ ﷺ یا کسی صحابی رسول سے ہوتا تو احترام سے اپنے ہاتھوں سے اس کو چھوکر گزرتے تھے. کتاب ہذا کے باقی ابواب اس بلدہ طاہرہ کی اسی اثری اور تاریخی حیثیت کو اجاگر کرتے ہیں.

نقش پائے سرور کونین کی   ہر طرف ہے کہکشاں آہستہ چل

اور بقول اقبال:

کھولی ہیں ذوق دید نے آنکھیں تری اگر   ہر رہ گزر میں نقش کف پائے یار دیکھ

مدینہ طیبہ کے علاوہ جس کو سرور کونین ﷺ کے دنیوی مسکن اور مدفن ہونے کا فخر عظیم حاصل ہے بہت سے ایسے تبرکات جو حیات طیبہ سے منسوب ہیں اور پہلے تو اہل خانہ یا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تحویل میں رہے اور پھر نسل در نسل آگے منتقل ہوتے رہے اور جن میں سے بعض تبرکات آجتک بھی کہیں نہ کہیں موجود ہیں ہمارے اس باب کا موضوع ہیں. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تبرکات نبویہ کا کس درجہ احترام واحتفاظ کرتے تھے صرف ایک مثال سے واضح ہو جائیگا. وہ اصحابہ کرام جو عازم مکۃ المکرمہ ہوتے وہ جب کبھی اس مبارک درخت کے پاس سے گزرتے جہاں سرور کائنات ﷺ بیعت رضوان کے سلسلے میں تشریف فرما ہوئے تھے تو وہ وہاں ضرور رکتے اور نماز دوگانہ ادا کر کے آگے جاتے (۲). اس یگانہ عشق کی ان گنت مثالوں سے تاریخ اسلام کے اوراق بھرے پڑے ہیں جن میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اپنے آقا و مولا سید الانبیا حضور سرور کونین ﷺ سے والہانہ عشق کا اظہار ہوتا ہے. وہ تو اس حد تک احتیاط برتتے تھے کہ جب کبھی حضور ﷺ اپنے بال مبارک کٹواتے تو عاشقان رسول کسی بھی موئے مبارک کو زمین پر نہ پڑنے دیتے. صرف یہی نہیں بلکہ اس طرح سے حاصل شدہ موئے مبارک نسل در نسل اور قرن در قرن ایک سے دوسرے کو اس لگن اور ادب واحترام سے منتقل ہوتے رہے کہ ان میں سے بہت سے موئے مبارک آج بھی چند تاریخی مقامات پر دیکھے جاسکتے ہیں.

حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے: [میں نے دیکھا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے بال مبارک کٹوا رہے تھے اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور سرور کونین ﷺ کے گرد ایسے گھوم رہے تھے جیسے کہ گویا وہ حضور والا شان ﷺ کا طواف کر رہے ہوں. انہوں نے آپ کا ایک بھی موئے مبارک زمین پر پڑنے نہیں دیا. ہر کٹا ہوا موئے مبارک کسی نہ کسی کی مٹھی میں تھا.] (۳) جب بھی آپ وضو فرماتے تو شمع رسالت کے پروانوں کے جھنڈ آپ کے گرد منڈلانے لگتے اور جو بھی پانی کا قطرہ جسد اطہر کے ساتھ مس ہوکر زمین کی طرف آتا وہ لپک کر اسے اپنے ہاتھوں پر لے لیتے اور پھر اپنے چہروں پر مل لیتے. وہ بہت ہی خوش بخت ہوتے تھے جن کو ایسے چند قطرات نصیب ہوتے ورنہ باقی تو ان خوش بختوں کے گیلے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ رگڑ کر اپنے اپنے چہروں کو اس عظیم برکت سے منور و تاباں کر لیتے تھے (۴). تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں کو بوسہ دیا کرتے تھے کیونکہ ان کے ہاتھوں نے دست مبارکہ رسالت مآب ﷺ پر بیعت کی تھی. حضرت یحییٰ بن الحارث بیان کرتے ہیں: [میں نے حضرت واثلہ بن الاسقعؓ کو دیکھا تو عرض کیا: کیا آپ نے اپنے ان ہاتھوں کو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں میں دے کر بیعت کی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے عرض کیا کہ آپ یہ دست مبارک ہمیں دیجئے

کہ ہم ان کا بوسہ لے سکیں. انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور میں نے اس دست مبارک کا بوسہ لیا.] (ابی زرعۃ الدمشقی (ت: ۲۸۱ ہجری)، تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: ۱۳۵)

اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نظروں میں ان آثار نبویہ کا کیا مقام تھا اس کا اندازہ مزید اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت ابن سیرینؒ نے حضرت عبیدؓ سے ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ انکے پاس چند موئے مبارک ہیں جو انہوں نے حضرت انس ابن مالکؓ اور انکے اہل خانہ کے توسط سے حاصل کیے تھے تو حضرت عبیدؓ بے ساختہ بول اٹھے: [اللہ کی قسم اگر صرف ایک ہی موئے مبارک کی نعمت مجھے نصیب ہو جائے تو میرے لیے یہ تمام کائنات اور جو کچھ بھی اس میں موجود ہے اس سے بڑھ کر قیمتی ہے.] (۵) ایک اور مثال لیجیے. حضرت ابی بردہؓ فرماتے ہیں: [میں جب مدینہ منورہ حاضر ہوا تو میری ملاقات حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے ہوگئی. وہ مجھے فرمانے لگے کہ میرے ساتھ تشریف لائیے تاکہ میں اپنے گھر پر آپکو اس کٹورے سے پانی پلاؤں جس سے سرور کائنات ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا اور پھر ہم دونوں اس مسجد میں نماز ادا کریں گے جس میں ہمارے آقا و مولا ﷺ نے نماز ادا کی تھی. آپ فرماتے ہیں کہ میں انکے ساتھ چلا گیا اور انہوں نے مجھے اس کٹورے سے پانی پلایا اور کھانے کیلئے چند کھجوریں بھی دیں. پھر میں نے انکی مسجد میں نماز بھی ادا کی.] (۶) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے کو دعوت دیکر اپنے گھروں پر بلاتے تاکہ وہ مل کر آثار نبویہ کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو جائیں.

اگر سرور کائنات ﷺ طعام سے کچھ چھوڑ دیتے تو خوش بخت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس پس ماندہ طعام سے خصوصی طور پر ان مقامات سے کھاتے جہاں پر آقائے نامدار سید الاولین والآخرین ﷺ کی انگشتہائے مبارکہ نے طعام کو مس کیا ہوتا. (۷) اگر آپ ﷺ کے لب مبارک کسی مشکیزے کے منہ کو لگ جاتے تو عشاق رسالت مآب ﷺ مشکیزے کے اتنے حصے کو کاٹ کر محفوظ کر لیتے جسے آپکے مبارک لبوں کے ساتھ مس ہونیکا شرف حاصل ہوا ہوتا تاکہ وہ اسے تبرکات نبویہ کے طور پر محفوظ کر کے اس کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو سکیں. ہر وہ پیالہ جو لبان مبارکہ سے مس ہو جاتا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے متبرک بن جاتا اور دوسرے عشاق انکے گھر جا کر اس سے پانی نوش فرمایا کرتے تھے. حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ: [ایک مرتبہ حضور سرور کائنات ﷺ ام سلیمؓ (جو حضرت انس ابن مالکؓ کی والدہ ماجدہ تھیں) کے گھر تشریف لائے. گھر میں پانی سے بھرا ایک مشکیزہ ایک طرف لٹک رہا تھا. آپ حضور ﷺ نے کھڑے کھڑے اس میں سے کچھ پانی پیا. حضرت ام سلیمؓ نے اتنا حصہ کاٹ کر اپنے پاس محفوظ کر لیا.] (۸) ترمذیؒ نے بھی ایک ایسا ہی واقعہ بیان کیا ہے. جس کو اصحابی رسول حضرت بیشہؓ سے روایت کیا گیا ہے. وہ فرماتے ہیں کہ: [ایک مرتبہ حضور سرور کائنات ﷺ انکے گھر جلوہ افروز ہوئے اور ایک مشکیزے سے پانی نوش فرمایا اور انہوں نے مشکیزے کا اتنا حصہ کاٹ کر تبرکا رکھ لیا.] حضرت عروہ ابن مسعودؓ کو جو ابھی اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے قریش مکہ نے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر حضور سرور کائنات ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نگاہ رکھنے کے لیے بھیجا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ واقعی عمرہ کی غرض سے وہاں آئے تھے. اپنے اس مشن کے دوران عروہؓ نے دیکھا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان ایک ناقابل یقین اٹوٹ اور والہانہ محبت کا رشتہ تھا. [انہوں نے دیکھا کہ حضور سرکار دو عالم ﷺ جب وضوء کے لیے اٹھے تو اصحابہ کرام کا ایک جم غفیر حضور ﷺ کے گرد لپک پڑا. وہ یہ والہانہ عقیدت دیکھ کر حضور سرور دو عالم ﷺ کے سامنے سے ہٹ گئے. انہوں نے دیکھا کہ جب بھی حضور ﷺ وضوء فرماتے تو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ حضور ﷺ کے استعمال شدہ پانی کی چند بوندیں حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے. اگر حضور ﷺ اپنا لعاب دہن پھینکتے تو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین لپک کر اس کو اپنی ہتھیلیوں پر لے لیتے. اگر ایک موئے مبارک بھی زمین کی طرف جاتا تو شمع رسالت کے پروانے

توپکاپی میوزیم (ترکی) میں محفوظ ایک زلف رسول مقبول ﷺ

لپک کر اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیتے. یہ دیکھ کر جب وہ قریش کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: میں نے قیصر و کسریٰ کے پر ہیبت دربار شاہی بھی دیکھے ہیں اور شاہ نجاشی کی عظمت و جلال کے مناظر بھی میری نظروں سے گزر چکے ہیں مگر واللہ میں نے آج تک کسی شہنشاہ کی اتنی عزت و توقیر ہوتی کبھی نہیں دیکھی جتنی کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے اصحابہ میں حاصل ہے. واللہ میں ان لوگوں کو دیکھ کر آیا ہوں جو کسی بھی قیمت پر انکو تنہا نہیں چھوڑیں گے. آگے آپ جو بھی چاہیں اپنی رائے قائم کریں.(۹) میں تو یہ دیکھ کر آیا ہوں کہ انہوں نے جونہی کوئی حکم دیا فوراً اس کی تعمیل کر دی گئی. اگر آپ وضو کے لیے اٹھے تو ایسے لگ رہا تھا کہ وضوء کے پانی کے چند قطرات کے حصول کے لیے لوگ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی ایسے کوشش کرتے کہ گویا ایک دوسرے کے قتل پر آمادہ ہوں. جب آپ ﷺ تکلم فرماتے تو محفل میں یکسر سکوت طاری ہو جاتا اور ایسے لگتا کہ سامعین کی زبانیں یکا یک گنگ ہو گئی ہوں اور فرط ادب سے سب کی نگاہیں زمین پر ایسے جا لگتیں جیسے کہ ان میں تاب نظارہ ہی نہ رہی ہو.](۱۰)

تبرکات نبوی اور جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طرز عمل

حضرت ابو محذورہؓ القرشی (اصل نام: اوس بن مغیرہ بن لوزان جنہیں فتح مکہ کے بعد حضور سرور دو عالم ﷺ نے مكة المكرمہ میں اپنا موذن بنا دیا تھا) کو اللہ تعالیٰ نے مسحور کن لحن سے نوازا تھا. جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین کے لیے مكة المكرمہ سے روانہ ہوئے تو آں حضرت ﷺ نے انکو اذان سکھائی اور جب انہوں نے اپنی رسیلی آواز میں اذان سنائی تو فرط مسرت میں آقائے نامدار ﷺ نے انکے سر اور بالوں کو چوم لیا اور ایسا کرتے وقت آپکے دست مبارک نے انکی زلفوں کو بھی چھو لیا. حضرت محذورہؓ ۵۳ ہجری تک حیات رہے مگر انہوں نے کبھی بھی اپنے بالوں کو نہیں کٹوایا. نتیجتاً وہ اتنے بڑھ گئے تھے کہ جب کبھی کھڑے ہو کر اپنے بالوں کو کھولتے تو وہ زمین تک پہنچ جاتے. حضرت صفیہ بنت نجدہؓ فرماتی ہیں کہ:[ان کے گیسو اس قدر لمبے ہو چکے تھے کہ جب بھی وہ انکو کھولتے تو وہ زمین پر لگنے لگتے اور جب بھی ان سے پوچھا جاتا کہ وہ ان بالوں کو کیوں نہیں کٹواتے تو وہ فرماتے کہ جن بالوں کو حضور ﷺ کے دست مطہرہ نے چھوا ہو ان کو کٹوانے کی بھلا کون حماقت کر سکتا ہے.](۱۱) صرف یہی نہیں بلکہ تمام عمر انہوں نے ان بالوں میں کنگھی تک نہیں کی.(۱۲) ایک مرتبہ ایک دوسرے اصحابی (حضرت محیرزؓ) نے ان میں سے چند بال لینے کی درخواست کی تو حضرت محذورہؓ نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کر دی کہ:[جن بالوں کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے خیر و برکت کی دعا کی ہو بھلا میں ان بالوں کو کیسے اکھاڑ سکتا ہوں.](۱۳)

تقدس کا یہی نظریہ ان مقامات کے لیے بھی قرار پایا جہاں حضور سرور کائنات ﷺ نے کبھی نماز ادا کی تھی. تمام تاریخی مساجد جن میں سے آج بھی کچھ مدینہ منورہ میں موجود ہیں صرف اسی نظریہ تقدس کی بنیاد پر زندہ جاوید ہیں. جہاں جہاں بھی سرور دو عالم ﷺ کی جبین طاہرہ سجدہ ریز ہوئی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہاں وہاں مساجد کی بنیاد رکھ دی. عین اس مقام پر جہاں قیام صلاۃ کے لیے حضور سرور

دو عالم ﷺ کے قدمین مبارکہ پڑے ہوتے وہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عزت و توقیر کے لیے لکڑی کے ستون کھڑے کر دیتے۔ مثال کے طور پر مسجد قباء، جس میں وہ ستون صدیوں تک مرجع خلائق رہا جہاں حضور سرور کائنات ﷺ نے قیام فرمایا تھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے اوپر مشک خلوق (جو ایک خوشبو تھی) ملا کرتے تھے۔ ایسی اور مثالیں مسجد قبلتین، مسجد ایجابہ، مسجد ابوذر غفاری اور مسجد الفتح ہیں جو آج بھی موجود ہیں۔ یہ مقامات امت محمدیہ ﷺ کی نظر میں ابدی اور سرمدی تقدس کے حامل ہو گئے ہیں محض اس لیے کہ انکی نسبت حضور والاشان ﷺ سے جڑ چکی تھی۔

اگر حضور سرور دو عالم ﷺ نے کبھی اپنا مبارک لعاب دہن کسی ایسے کنویں میں بھی ڈال دیا جہاں کبھی مردار اور غلاظت پھینکی جاتی تھی تو وہ یکایک فیوض و برکات کا سرچشمہ بن گیا جہاں پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور شمع رسالت کے پروانے اپنی پیاس بجھانے کے لیے جوق در جوق حاضری دیتے۔ بیر سقیا، بیر حاء، بیر بصہ، بیر بضاعہ، بیر غرس اور بیر عہن مدینہ منورہ کے ان عام سے کنوؤں میں شامل تھے جن کی کایا صرف اس لیے پلٹ گئی کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے انکو اپنے مبارک لعاب دہن سے نواز دیا تھا اور جوں ہی آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن یا اپنے سر مبارک کا دھوون ان میں سے کسی میں ڈال دیا، اسکی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا اور وہ مس خام سے کندن بن گیا۔ درحقیقت ان تمام کنوؤں کی ساری شہرت، دوام اور تقدس صرف اور صرف حضور نبی اکرم ﷺ کے لعاب طاہرہ ہی سے منسوب ہے۔ یوں تو کہنے کو اور بھی بہت سارے کنویں مدینہ منورہ میں تھے جنکا آج کوئی نام تک بھی نہیں جانتا محض اس لیے کہ وہ کنویں حضور پرنور ﷺ کے نام طاہرہ کے ساتھ منسوب نہ تھے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب بن لادن گروپ مسجد نبوی کے توسیعی منصوبہ پر کام کر رہا تھا تو جب مجیدیہ حصہ کے شمال کی طرف کھدائی کی گئی تو کم و بیش سترہ ایسے کنویں دریافت ہوئے جو صدیوں سے زیر زمین آ چکے تھے۔ گو کہ وہ سبھی کنویں زمانہ قدیم سے متعلق تھے اور بلاشک مدینہ منورہ کی شہری زندگی میں کچھ نہ کچھ رول بھی ادا کر چکے ہونگے مگر کوئی بھی انکے ناموں سے واقف نہ تھا کیونکہ ان کنوؤں کو حضور سرکار دو عالم ﷺ سے کوئی نسبت نہ رہ چکی تھی۔ لہذا وہ تمام کنویں گمنامی کی حالت میں زیر زمین دفن ہو کر رہ گئے تھے۔

بئر غرس کی ایک قدیم تصویر جس میں رسول مقبول ﷺ نے اپنا لعاب دہن شامل کیا تھا

آپکے جان نثاران اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو آپکے تبرکات اور آثار مبارکہ کا اس درجہ خیال رکھا کرتے تھے کہ آپ حضور ﷺ کے آثار مبارکہ تو ایک طرف، انہوں نے تو آپکی ناقہ قصوی کی کھرلی (مبرک ناقہ) تک محفوظ کر لی تھی محض اس لیے کہ ان کے آقا کی ڈاچی اس جگہ پانی پیا کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سات متبرک کنویں جن کی نسبت حضور سرور کونین ﷺ سے جڑ چکی تھی چودہ صدیوں تک عشاق کی پیاس بجھاتے رہے تا آنکہ ان میں سے کچھ تو معدوم کر دیے گئے اور کچھ کو عامۃ الناس پر بند کر دیا گیا۔ یہ تمام کے تمام کنویں تبرکات اور آثار رسول اللہ میں سے ہی تو تھے۔

تبرکات مبارکہ اور آثار نبویہ کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بہت احترام کرتے جیسے کہ قاضی عیاضؒ نے الشفاء بتعریف حقوق المصطفی ﷺ میں فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ [حضرت عبداللہ ابن عمرؓ منبر مبارک پر حضور نبی اکرم ﷺ کی بیٹھنے کی جگہ کو احترام سے مس کرتے اور پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرہ مبارک پر پھیر لیتے۔] (۱۴)۔ یہ حقیقت کہ حضرت ابی ابن کعبؓ جیسے جلیل القدر صحابی ستون حنانہ کی کھجور کی لکڑی کا تنا اپنے گھر اٹھا کر لے گئے محض اس لیے کہ سرکار دو عالم ﷺ کافی عرصہ تک اس کے ساتھ ٹیک لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے اس بات کی ناقابل تردید ترجمانی کرتی ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور پرنور جناب رسول مقبول ﷺ کے آثار مبارکہ سے بیحد لگاؤ رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے علاوہ اور کتنے ایسے اصحابہ کرام کے نام گرامی اس ضمن میں لیے جا سکتے ہیں جو کہ منبر مبارک کی

ریلنگ کے ساتھ ہاتھ مس کر کے اپنے چہروں پر ملا کرتے تھے. حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ فرماتے ہیں:[کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو اس جگہ پر استلام کرتے دیکھا جہاں حضور سرور کونین ﷺ بوقت وعظ جلوہ فروز ہوا کرتے تھے اور بعد میں اپنے ہاتھوں کو اپنے چہروں پر مل لیا کرتے تھے.](۱۵) اسی طرح یزید بن عبداللہ بن قسیطؒ فرماتے ہیں کہ:[میں نے بہت سارے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا کہ جب مسجد شریف میں ازدحام نہیں ہوتا تھا تو وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے منبر مبارک پر ہاتھ رکھنے والی جگہ پر اپنے دایاں ہاتھ رکھتے اور پھر قبلہ رو ہو کر اپنے لیے دعائیں مانگتے.](۱۶) ابن تیمیہ بھی اسی روایت کو امام احمدؒ سے نقل کرتے ہیں جس کی رو سے:[امام احمدؒ نے منبر شریف کے استلام کو جائز قرار دیا تھا چونکہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت سعید ابن المسیبؒ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے.](۱۷) یہ بات بھی کوئی کم اہمیت کی حامل نہیں ہے کہ جب استوانہ حنانہ کی لکڑی حضرت ابی ابن کعبؓ سے بازیاب کی گئی تو اسے مسجد نبوی شریف میں قبلہ کے ستون کے ساتھ نصب کر دیا گیا جہاں پر وہ تقریباً سات صدیوں تک قائم رہی.

حضور سرور کائنات ﷺ رحمت للعالمین اور شفیع المذنبین ہیں اسی لیے آپ حضور ﷺ اکثر اپنا جبہ مبارک یا قمیض اپنے احباب یا سائلین کو عنایت کر دیتے تھے تا کہ وہ انکو اپنے کفن کے طور پر استعمال کر لیں. بعض احادیث مبارکہ کے مطابق جب سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ (سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ ماجدہ) کا انتقال ہوا تو آنحضرت ﷺ نے اپنی قمیض مبارک اتار کر فرمایا کہ اسکو سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کے کفن کے طور پر استعمال کیا جائے.(۱۸) حضرت جابر ابن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں:[ہم نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آج آپ نے دو ایسی چیزیں کی ہیں جو ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھیں، تو آپ نے فرمایا کہ وہ کونسی باتیں ہیں؟ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ نے اپنی قمیص اتار کر دی، اس کے علاوہ آپ حضور کچھ دیر کے لیے انکی قبر میں بھی اترے اور وہاں تھوڑی دیر قیام بھی فرمایا۔ اس پر حضور رحمت مجسم ﷺ نے فرمایا:[جہاں تک میرے قمیص اتار کر دینے کا تعلق ہے تو وہ میں نے اس لیے کیا کہ میں چاہتا تھا کہ جہنم کی آگ انہیں ہرگز نہ چھو سکے، اور رہا سوال قبر میں کچھ دیر قیام کرنے کا تو میں یہ چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ انکی قبر کو ان پر وسیع کر دے.](۱۹) ایسے ہی ایک دوسرے موقع پر آپ حضور ﷺ نے اپنی چادر مبارک اپنی پیاری بیٹی سیدۃ رقیہؓ کے لیے اتار کر دی تا کہ اس سے انکا کفن بنایا جا سکے.(۲۰) ایک ایسا ہی موقع پھر آیا جبکہ حضور رحمت اللعالمین ﷺ نے نہ صرف ابن ابی جیسے منافق کی نماز جنازہ ادا کی بلکہ شفیع المذنبین کی رحمت اس درجہ جوش میں آ گئی کہ اپنی قمیض مبارک اتار کر یہ کہتے ہوئے مرحمت فرمادی کہ یہ اسے دوزخ کی آگ سے بچالے گی.(۲۱) جب حضور نبی اکرم ﷺ ابن ابی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو اس نے یوں عرض کیا:[یارسول اللہ ﷺ اب میرے ماضی کے اعمال بد پر غضبناک ہونے کا وقت نہیں، براہ کرم میرے غسل میں ضرور شریک ہوئیے اور مجھے ایسی قمیض دے دیجیے جو آپکے جسد اطہر سے مس ہو چکی ہو اور میرے لیے دعا بھی ضرور کیجیے.] رحمت اللعالمین ﷺ نے جو اجود العالمین ہیں تبسم فرماتے ہوئے اس کی درخواست کہ قبول فرمالیا.(۲۲) اسی طرح اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جو سیاق وسباق کے مطابق آئندہ اوراق میں بیان کی جائیں گی.

ایک مرتبہ سید الانبیاء حضور نبی اکرم ﷺ نے بیر اعواف پر (ایک کنواں جو کہ یہودیوں کی ہزیمت اور اجلاء کے نتیجے میں فے کے طور پر آپ کو ملا تھا) وضوء فرمایا جس کی وجہ سے آپ حضور ﷺ کے مقام وضوء پر گھاس کی طرح کی ایک نباتات اگ آئی تھی. حضرت محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان ابن عفانؓ فرماتے ہیں کہ انکے دور میں بھی (یعنی دوسری صدی ہجری) لوگ اس نباتات کو پہچانتے تھے اور وہ پوری آب و تاب سے وہاں لہلہایا کرتی تھی.(۲۳)

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کبھی آپکے زیر استعمال جامہ ہائے مبارک مانگ لیا کرتے: بالخصوص بردہ شریف اور حضور رحمت دوعالم ﷺ انکے سوال کو رد نہ کرتے بلکہ تبسم کے ساتھ انکو نواز دیتے اور بعد میں معلوم ہوتا کہ سائل نے بردہ شریف محض اس لیے مانگا ہوتا تھا

کہ وہ اسے اپنے کفن کے طور پر استعمال کر سکے۔(۲۴) اس کے علاوہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ ایک عدد جبہ مبارک حضرت اویس قرنیؓ کو ودیعت کر دیا جائے اور سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی تھی۔

معروف سیرت نگاروں نے (جن میں قدیم ترین سیرت نگار ابن اسحاق، ابن سعد اور دوسرے مولفین مغازی بھی شامل ہیں) تفصیل کے ساتھ ان تمام اشیاء کا ذکر کیا ہے جو حضور سرور کونین ﷺ کے زیر استعمال رہنے کا شرف حاصل کر چکی تھیں۔ ذاتی لباس کے علاوہ اور بھی بہت سی اشیاء تبرکات نبویہ میں شامل تھیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم ﷺ سیاہ رنگ کا عمامہ پہنتے تھے۔ اسی طرح آپ کے علم مبارک کا جس کو عقاب کہا جاتا تھا رنگ بھی سیاہ تھا۔(۲۵) ان کے علاوہ کچھ شمشیریں، ایک چٹائی اور ایک سرہانہ جو کھجور کے ریشوں سے بنائے گئے تھے اور ایک ڈھال بھی تھی جو حضور پر نور ﷺ کے وصال کے وقت ایک یہودی کے پاس رہن پڑی تھی۔ حضرت خالد بن معدانؓ روایت کرتے ہیں: [رسول اللہ ﷺ جب بھی سفر پر نکلتے تو آپ کے زاد سفر میں ایک کنگھا، ایک آئینہ، کچھ تیل، اراک کی مسواک اور ایک عدد قینچی ضرور ہوا کرتی تھی۔](۲۶) ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ: [میں رسول اللہ ﷺ کے لیے سامان سفر تیار کرتی۔ جب بھی آپ حضور ﷺ کسی غزوہ کے لیے عازم سفر ہوتے تو میں تھوڑا سا تیل، ایک عدد کنگھی، ایک آئینہ، ایک قینچی، ایک سرمہ دانی اور ایک مسواک ضرور ساتھ کر دیا کرتی تھی۔](۲۷) حضرت عبداللہ بن عتبہؓ اور حضرت ابن جریجؒ بیان کرتے ہیں کہ: [حضور سرور دو عالم ﷺ کے پاس ایک شیشے کا گلاس بھی تھا جس سے حضور پانی یا دودھ نوش فرماتے۔](۲۸) تیسری صدی ہجری کے مایہ ناز مورخ بلاذری نے تبرکات نبویہ میں سے بالخصوص آپکے علم مبارک جسکو حضور سرور دو عالم ﷺ عقاب کہہ کر پکارتے تھے کا ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت خالد ابن ولیدؓ بلاد الشام کی فتح کے لیے نکلے تو عقاب (جو کہ سیاہ رنگ کا علم تھا) اپنے ساتھ لیکر چلے اور پھر جب دمشق پر بھرپور حملے کا وقت آیا تو انہوں نے اس علم مبارک کو دمشق کے مضافات میں ایک بلند مقام پر نصب فرما دیا جہاں سے دمشق صاف نظر آتا تھا، صدیوں تک وہ جگہ ثنیۃ العقاب کے نام پر مشہور رہی کیونکہ فتح دمشق کے موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ کا سیاہ رنگ کا پرچم (عقاب) وہاں لہلہایا تھا۔(۲۹)

شہنشاہ دو عالم رسول مقبول ﷺ نے اس وقت کی عالمی قوتوں کے سلاطین کو اور مدینہ طیبہ کے اردگرد کی اکثر ریاستوں کے والیوں کے نام دعوت نامہ ہائے اسلام روانہ کیے۔ اس ضمن میں کچھ نامہ ہائے مبارکہ مدینہ طیبہ کے گرد مقیم قبائل کے سرداران کو بھی ارسال کیے گئے تھے جن میں سے بہت سوں نے ان نامہ ہائے مبارکہ کو حضور نبی اکرم ﷺ کے تبرکات کے طور پر محفوظ کر لیا تھا۔ ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں جب وہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب (الطبقات الکبری) کو مدون کر رہے تھے تب انہوں نے ایسے بہت سے نامہ ہائے مبارکہ کے اصول ان شعوب وقبائل کے پاس ملاحظہ کیے جو کہ انہوں نے تبرکا آثار نبویہ کے طور پر محفوظ کر لیے تھے(۳۰)۔

تبرکات مقدسہ کی شرعی حیثیت

اس طرح آثار مبارکہ اور تبرکات رسول مقبول ﷺ جن کو حضور نبی اکرم ﷺ کے زیر استعمال رہنے کا فخر حاصل رہا تھا اور جن کی حفاظت آپکے اہل خانہ (امہات المومنین، یا اہل بیت طاہرہ یا پھر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے کی تھی ہمارے اس باب کا موضوع ہیں۔ ایسے آثار مبارکہ کی نہ صرف حد درجہ حفاظت کی گئی بلکہ وقتاً فوقتاً شائقین اور عشاق کو انکی زیارت بھی کروائی جاتی رہی جیسا کہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ یا سیدۃ اسماءؓ یا حضرت انس ابن مالکؓ اپنے پاس آنے والے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان تبرکات کی زیارت کروادیا کرتے تھے۔ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت مہدی علیہ السلام کعبہ مشرفہ کے جوار میں اپنا ظہور فرمائیں گے تو اس وقت حضور نبی اکرم ﷺ کے تبرکات میں سے ایک شمشیر ان کے ہاتھ میں ہوگی اور اسکے علاوہ انہوں نے

حضور نبی اکرم ﷺ کا ہی جامہ مبارک زیب تن کر رکھا ہوگا. یہ چند واقعات تبرکات نبویہ کی شرعی حیثیت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہیں جن سے صرف یہی ظاہر نہیں ہوتا کہ آثار اور تبرکات نبویہ کی حفاظت بہت ضروری ہے بلکہ بعض احادیث مبارکہ تو اس بات کی بھی اجازت دیتی ہیں کہ شائقین کو ان انمول جواہر ہائے تبرکات نبویہ کی زیارت کا اہتمام کیا جائے جیسا کہ سیدۃ عائشہ صدیقہؓ یا سیدۃ اسماء بنت ابو بکرؓ یا حضرت انس بن مالک کا معمول تھا.

رسول اللہ ﷺ کا علم مبارک ''عقاب'' جو امتداد زمانہ کے ساتھ بوسیدہ ہو چکا ہے، اور اس وقت توپکاپی میوزیم استنبول (ترکی) میں محفوظ ہے کی ایک نایاب تصویر

شرعی نقطہ نظر سے اس معاملے پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے مناسب ہوگا کہ ہم باقی انبیاء علیہم السلام کے آثار مبارکہ کا بھی تذکرہ کرتے چلیں جن کی توقیر و تعظیم اسلام میں وجوب کی حد تک مسلمہ ہے. پہلی امتوں میں بھی اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام کے آثار مبارکہ کی حفاظت اور احترام کا بہت اہتمام کیا جاتا تھا اور ان میں سے بعض کی توقیر تو اسلام نے مسلمانوں پر بھی واجب کردی ہے: مثال کے طور پر مقام ابراہیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے پتھر پر ثبت نشان ہی تو ہیں جن کے متعلق یہ حکم ہے: ﴿واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی﴾

اسی طرح حجر اسود، چاہ زمزم، صفاء و مروہ کی گھاٹیاں انبیاء علیہم السلام سے منسوب آثار مبارکہ ہی تو ہیں جو نہ صرف حرم مکی میں موجود ہیں بلکہ انکو شعائر اللہ (اللہ کی نشانیاں) کے عظیم تر لقب سے نوازا گیا ہے. مقام ابراہیم کو تو رب ذوالجلال نے آیات بینات قرار دیا ہے. (۳۱) اسی طرح قرآن کریم نے تابوت سکینہ قوم یہود کا ذکر کیا ہے جس میں اور چیزوں کے علاوہ انبیاء بنی اسرائیل (حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام) کے آثار مبارکہ تھے. ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اور کہا بنی اسرائیل سے انکے نبی نے کہ طالوت کی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تمہاری تسلی کے لیے ایک تابوت آئے جس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کے پس ماندہ آثار ہیں. اسکو فرشتے اٹھا کر لائیں گے. بیشک اس میں تمہارے لیے پوری نشانیاں ہیں اگر تم ایمان رکھتے ہو.﴾ (البقرہ: ۲۴۸): (۳۲).

یہود کے اس مقدس تابوت میں اور چیزوں کے علاوہ کچھ تو انکے صحیفوں کے چند اجزاء اور کچھ تورات کے اوراق تھے، اسکے علاوہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء مبارک اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور باقی انہی حضرات کے کپڑے تھے. (۳۳) اس سلسلے میں علامہ یوسف علی نے کچھ اور تفاصیل بھی مہیا کی ہیں. وہ کہتے ہیں کہ: [میثاق کا تابوت اکاشیا (Acasia) کی لکڑی کا بنا ہوا تھا، اس کے اوپر سونے کی پتری چڑھائی ہوئی تھی اور اسکی لمبائی ۵ فٹ اور چوڑائی ۳ فٹ تھی [دیکھیے: خروج ۲۵: ۱۰-۲۲] اس میں میثاق خداوندی یعنی دس احکام خداوندی پتھر کی لوح پر کنداں تھے اور ساتھ ہی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کے چند آثار مبارکہ تھے]. (۳۴) یہ فلسطینی (غیر

سرکار دو عالم ﷺ کا موئے مبارک

یہود) چھین کر لے گے تھے مگر جب طالوت بادشاہ بنے تو یہ تابوت یہود کو واپس مل گیا.(۳۵)

جب بیت اللہ شریف یعنی کعبہ المشرفہ کو تمام اصنام اور غیر اسلامی مواد سے پاک اور مطہر کیا گیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے پیش رو انبیاء (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام) کے تبرکات کو جوں کا توں بیت اللہ شریف میں ہی رہنے دیا, مشہور اسلامی مورخ طبری بیان کرتے ہیں کہ اس مینڈھے کے سینگ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے عوض آسمان سے نازل کیا گیا وہ بھی اور عصائے موسیٰ علیہ السلام کعبہ المشرفہ میں موجود رہے. الازرقی جنکو مکۃ المکرمہ کا پہلا مشہور مورخ ہونے کا شرف حاصل ہے حضرت عثمان بن طلحہؓ (جن کے اجداد کعبۃ المشرفہ کے امین مفتاح تھے اور جنکی اولاد تا ابد اس مبارک کنجی کے امین رہیں گے) کا ایک آثار (بیان) بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: [جب ان سے پوچھا گیا کہ جب وہ کعبہ المشرفہ سے باہر آچکے تھے تو پھر رسول اللہ ﷺ نے انکو دوبارہ بلا کر کیا کہا تھا تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا تھا کہ: [میں نے بیت اللہ شریف میں مینڈھے کے دو سینگ دیکھے تھے مگر میں یہ کہنا بھول گیا کہ تم ان پر خوشبو مل دینا-لہذا تم اب ان پر خوشبو مل دینا].(۳۶) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿جو کوئی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیز گاری ہے﴾. ﴿جاء الحق وذہق الباطل ان الباطل کان ذہوقا﴾ کے مصداق جو بھی باطل تھا وہ نکال کر باہر پھینک دیا گیا اور جو حق تھا وہ برقرار رہا. لہذا وہ دونوں سینگ جو کعبۃ المشرفہ کی ایک دیوار میں نصب تھے اپنی جگہ پر ہی رہنے دیئے گئے اور ان کے اوپر خلوق کی خوشبو مل دینے کا حکم صادر کر دیا گیا. جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کے خلاف فوجی کارروائی میں ۶۳ ہجری میں کعبۃ المشرفہ کی عمارت کو نقصان پہنچا اور بعد میں جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے کعبہ شریف کو دوبارہ تعمیر کیا تو ان سینگوں کو بحفاظت تمام انکی اصل جگہ پر لگا دیا گیا. دونوں انبیاء علیہم السلام کے وہ متبرک آثار کعبہ شریف کے اندر ہی محفوظ رہے تا آنکہ ۳۱۷ میں قرامطی انکو اٹھا کر لے گئے.(۳۷)

بدقسمتی سے بہت سے ایسے تبرکات اور آثار وقت کی ستم ظریفی یا سیاسی فتنہ انگیزیوں یا پھر امتداد زمانہ سے تلف ہو گئے مگر پھر بھی ہماری خوش قسمتی ہے کہ چند مقدس آثار مبارکہ آج بھی کہیں نہ کہیں موجود ہیں اور بعض عجائب گھروں یا تاریخی مساجد میں ہمیں دعوت نظارہ دیتے ہیں. ہماری کوشش یہ رہی ہے کہ صرف ان تبرکات کا ذکر کیا جائے جو یا تو اس وقت دنیا میں کہیں نہ کہیں وجود ہیں یا پھر ان کا ذکر معتبر تاریخی کتب یا احادیث شریف میں ملتا ہے کہ وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا ان کی اولاد اور بعد کی آنے والی نسلوں کے پاس رہے اور پھر ان کے بعد سلاطین اسلام یا دیگر خاندانوں کے پاس محفوظ رہے. سب سے پہلے ہم ان آثار نبویہ کا ذکر کریں گے جو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تحویل میں رہے جن کو انہوں نے تا حیات اپنے پاس سنبھال کر رکھا اور پھر دم آخر وصیت فرما گئے کہ ان تبرکات کو ان کی قبور ہائے منورہ میں ان کے ساتھ بطور کفن برائے توسل اور تشفع استعمال کئے جائیں اور ایسے ہی کیا گیا.

حضور سرور کونین سید انس و جاں ﷺ کا پسینہ مبارک

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: [پسینے کے قطرے حضور نبی اکرم ﷺ کی جبین طاہرہ پر اس طرح چمکتے جیسے کہ موتی (لوءلوء) ہوں اور انکے پسینے کی خوشبو مشک اور عنبر سے کہیں زیادہ عطر بیز ہوا کرتی تھی جو میں نے نہ کبھی حضور سرور کونین ﷺ سے پہلے سونگھی تھی نہ ہی بعد میں.] (۳۸)

حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں: [میں نے مشک وعنبر کو بھی اتنا خوشبودار نہیں پایا جتنا کہ رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر تھا.
(صحیح مسلم ج ۴، نمبر ۵۷۵۹)

سخت سردی میں بھی جب حضور نبی اکرم ﷺ پر نزول وحی ہوتا تو آپ حضور ﷺ پسینے سے شرابور ہو جاتے تھے.
(صحیح مسلم ج ۴، نمبر ۵۷۶۳)

سرکار دو عالم ﷺ کا موئے مبارک جو توپ کاپی میوزیم میں محفوظ ہے

حضرت ثمامہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس ابن مالکؓ نے فرمایا: [جب کبھی حضور سرور کونین ﷺ ام سلیمؓ کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپکے نیچے ایک چمڑے کا قطعہ بچھا دیا کرتیں جسکے اوپر حضور والا شان ﷺ استراحت فرماتے اور جب کبھی آپ وہاں قیلولہ فرماتے تو ام سلیمؓ کبھی حضور نبی اکرم ﷺ کا پسینہ مبارک اور کبھی موئے مبارک اکٹھا کر لیتیں، پھر وہ انکو ایک قسم کی خوشبو جسکو کہ 'سک' کہا جاتا تھا میں ملا کر ایک شیشی میں ڈال لیتیں جبکہ حضور والا شان ﷺ ابھی محو خواب ہوتے. جب حضرت انس بن مالکؓ کا آخری وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ اس متبرک سک کو حنوط کے ساتھ ملا کر انکی میت پر مل دیا جائے، اور ایسے ہی کیا گیا.(۳۹) ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے: [ایک مرتبہ حضور سرور کونین ﷺ ام سلیمؓ کے گھر تشریف لائے جبکہ وہ گھر پر موجود نہیں تھیں.(۴۰) آقائے نامدار ﷺ انکے بستر پر کچھ دیر محو استراحت رہے. جب وہ گھر پہنچیں تو انکو بتایا گیا کہ حضور پرنور ﷺ انکے بستر پر محو خواب ہیں. انہوں نے دیکھا کہ حضور کا جسد اطہر پسینہ سے شرابور تھا اور اسکے قطرے چمڑے کے بچھونے پر چمک رہے تھے. انہوں نے فوراً اپنا عطر دان نکالا اور ان عطر بیز موتیوں کو اس شیشی میں محفوظ کرنے لگ گئیں. اسی اثناء میں حضور ﷺ کی آنکھ کھل گئی اور ام سلیمؓ سے پوچھنے لگے کہ وہ کیا کر رہی تھیں، تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ہم ان قطرات سے اپنے بچوں کے لیے فیض و برکت حاصل کرتے ہیں جس پر حضور رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا: [ام سلیم تم نے ٹھیک کیا ہے] (۴۱)

یہ حدیث مبارکہ حضور سرور دو عالم ﷺ کے آثار مبارکہ سے برکت حاصل کرنے کے ضمن میں ایک برہان قاطع کی حیثیت رکھتی ہے. جس سے نہ صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آقائے نامدار ﷺ نے اس بات کی اجازت دی ہوئی تھی کہ آپکے عرق مبارکہ کو محفوظ کر لیں بلکہ سیدۃ ام سلیمؓ کے عمل کو یہ کہ کر سراہا کہ ام سلیم تم نے ٹھیک کیا ہے.

حضور سرور کونین ﷺ کی دعائے مبارکہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت انس ابن مالکؓ کو بہت لمبی عمر سے نوازا تھا (۴۲) انکا شمار ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوتا ہے جو پہلی صدی ہجری کے

جب انکا انتقال ہوا تو وہ مقدس پسینہ انکے حنوط میں شامل کر کے انکے جسم مبارک پر ملا گیا. حضور سرکار دو عالم ﷺ کے پسینہ مبارک کو ایک صدی تک محفوظ رکھنا خاص طور پر جبکہ وہ خود کئی بار اپنی رہائش کو مدینہ منورہ اور بصرہ وغیرہ میں منتقل کرتے رہے تھے اس امر کا ثبوت ہے کہ انہوں نے اور انکے اہل خانہ نے پسینہ مبارک کو تقریباً ایک صدی تک محفوظ رکھا اور پھر آخر تک بقید حیات رہے. جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس لگاؤ اور توقیر واحترام کی نشان دہی کرتا ہے جو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آثار مبارکہ سے تھا. صرف یہی نہیں بلکہ وہ توان تبرکات نبویہ کو اپنی اولاد اور پھر انکی اولاد (یعنی نسل در نسل) محفوظ کرنے کا اہتمام کرتے تھے. ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ مشہور تابعی حضرت محمد ابن سیرینؒ نے حضرت ام سلیمؓ سے تھوڑا سا عطر بیز پسینہ مبارک لینے کی التجا کی جو انہوں نے قبول فرمائی اور پھر جب حضرت محمد ابن سیرین کا انتقال ہوا تو انکا جسم مبارک بھی اس پسینہ مبارکہ سے حنوط کیا گیا جو انہوں نے سیدۃ ام سلیمؓ سے حاصل کیا تھا. یہی نہیں بلکہ حضرت محمد ابن سیرین سے ان کے ایک تلمیذ تابع تابعی حضرت ایوبؒ نے بھی ان سے وہ پسینہ مبارک ہدیتاً لے لیا تھا. (۴۳)

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آقائے نامدار ﷺ کے موہائے مبارکہ کی تعظیم اور حفاظت

واقدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا: [میں حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھ رہا تھا جب حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے اپنے بال مبارکہ حلق کروائے. تراشیدہ موئے مبارکہ قریب کھڑے ایک سبز درخت پر ڈال دیئے گئے] سیدۃ ام عمارہؓ فرماتی ہیں کہ: [لوگوں کا جم غفیر ان بالوں کو حاصل کرنے کے لیے اُمڈ پڑا تھا اور پھر انہوں نے حاصل کردہ موئے مبارکہ آپس میں بانٹ لیے. میں بھی اس ہجوم میں شامل تھی جس کے ہاتھ زلف مبارکہ کی ایک لٹ لگی تھی.] واقدی فرماتے ہیں کہ موئے مبارکہ کی وہ لٹ تاحیات سیدۃ ام عمارہؓ کے پاس رہی، وہ ان مبارک گیسوؤں کو پانی میں بھگو کر اس پانی سے مریضوں کا علاج کرتیں جو انکے پاس آیا کرتے تھے.] (۴۴)

حضرت عبداللہ بن موہبؒ فرماتے ہیں: [میرے قبیلے کے لوگوں نے پانی سے بھرا پیالہ دیکر مجھے ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کے پاس بھیجا. حضرت اسرائیلؒ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) نے اپنی انگلیوں کے اشارے سے سمجھایا کہ اس پیالے کا حجم چھوٹا سا تھا جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارکہ پانی میں بھگوئے گئے تھے. اگر کسی کو نظر بد یا اور کوئی بیماری لگ جاتی تو وہ پانی سے بھرا ایک کٹورا ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کے پاس بھیج دیتے تھے. میں نے بذات خود اس برتن کو دیکھا ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے چند موئے مبارکہ رکھے ہوئے تھے جن میں سے چند سرخی مائل رنگ کے تھے]. (۴۵) ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ ہجری) بیان کرتے ہیں کہ: [جب بھی کوئی بیمار ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کے پاس آتا تو وہ اس میں سے کچھ پانی مریض کے منہ پر چھڑک دیتیں.] (۴۶) صاحب العقد الفرید نے بھی بیان کیا ہے کہ: [حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے پاس بھی اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زلف چلیپہ کی ایک کاکل مبارکہ تھی.] (۴۷) حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور والا شان ﷺ نے اپنے سر مبارک کا حلق کروایا تو شمع رسالت کے پروانے واللیل سی کالی تراشیدہ زلفوں سے کچھ نہ کچھ موئے مبارکہ حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کر رہے تھے. خود آقائے نامدار علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی زلف ہائے تراشیدہ اپنے دست مبارک سے حضرت ابو طلحہؓ کو عنائت کیں تا کہ وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم کر دیں. ابن کثیر کے مطابق حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے: [پھر حضور والا شان ﷺ نے حلاق (حجام) کو طلب فرمایا اور اپنی دائیں اور بائیں جانب کی زلفہائے مبارکہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کا حلق کر دو اور پھر ان کا کل تراشیدہ کو لوگوں میں تقسیم کر دو.] ایک اور

توپ کاپی میوزیم استنبول میں محفوظ ایک موئے مبارک

رسول مقبول ﷺ کی قمیص کا ایک ٹکڑا

روایت کے مطابق :[جب آنحضرت ﷺ کی دائیں جانب کی گیسوئے مبارکہ کا حلق ہوا تو حضور والا شان علیہ افضل الصلوٰۃ واتم تسلیما نے موہائے مبارکہ کو خود اپنے دست مبارکہ سے لوگوں میں تقسیم فرمایا اور جب بائیں جانب کا حلق ہوا تو تراشیدہ زلفوں کو حضرت ابوطلحہؓ کو عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ انکو لوگوں میں بانٹ دو.] (۴۸)

بہت ہی خوش بخت تھے وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جن کے حصے میں ایک لٹ آگئی ورنہ باقی ماندہ کو تو ایک یا دو موئے مبارکہ پر ہی قناعت کرنا پڑی جو انہوں نے بصد احترام محفوظ کر لیے اور یوں وہ آثار مبارکہ نسل در نسل منتقل ہوتے رہے. چونکہ بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا انکے ورثاء مدینہ منورہ سے دور دراز علاقوں میں منتقل ہوتے رہے تو یہ متبرک آثار نبویہ بھی چار دانگ عالم میں پہنچ گئے اور یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بہت سے موہائے مبارکہ آج بھی دنیا کے بہت سے عجائب گھروں یا تاریخی مساجد میں مرجع خاص وعام ہیں. مثال کے طور پر سرینگر میں حضرت بل، مارہرا (ہند) میں مسجد برکاتی، حیدر آباد (دکن) میں فیض گلشن مسجد موئے مبارک ٹھٹھہ (سندھ)، بادشاہی مسجد لاہور، توپکاپی میوزیم استنبول، مسجد عمری طرابلس اور قاہرہ میں مسجد الحسین چند ایسے مقامات ہیں جہاں حضور سرور کائنات ﷺ کے چند موہائے مبارکہ آج بھی اپنے عشاق کے لیے ذوق نظر اور تسکین روح وجاں کا سامان مہیا کرتے ہیں.

ثقہ ذرائع کے مطابق مدینہ منورہ میں بھی چند موہائے مبارکہ موجود ہیں اور بہت سے عاشقان آثار مبارکہ کو انکی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے. وہ موہائے مبارکہ جو کہ ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کے پاس تھے ان میں سے کچھ روہڑی (پاکستان) میں ایک نہائت ہی تاریخی عمارت میں محفوظ ہیں. ان موہائے مبارکہ کی مکمل تاریخ اس قدیم تاریخی عمارت کی دیواروں پر لکھی ہوئی ہے.

لباس ہائے مبارکہ جو کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے زیب تن فرمائے

حضرت انس ابن مالکؓ کے پاس حضور نبی اکرم ﷺ کا ایک رومال بھی بطور آثار نبویہ کے محفوظ تھا جس کی وہ اکثر اپنے احباب یعنی دیگر اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو زیارت کروایا کرتے تھے. کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ وہ اس رومال مبارک کو جلتی آگ میں رکھ دیتے اور وہ آگ کو ایسے ٹھنڈا کر دیتا جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے نار نمرود کو ٹھنڈا کر دیا تھا. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے پہلے انبیاء کے قصص چھپے نہ تھے جن میں سے بہت سوں کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے. ان انبیاء علیہم السلام کے آثار مبارکہ کے معجزاتی اثرات بھی سب کے محل نظر تھے (مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض سے انکے والد محترم حضرت ایوب علیہ السلام کی آنکھوں کی بینائی کا واپس آجانا

وغیرہ)(۴۹)،تو ایسی نظیروں کی موجودگی میں بھلا وہ سید الانبیاء فخر موجودات ﷺ کے آثار مبارکہ کی معجزاتی خوبیوں کا کیسے انکار کر سکتے تھے.اصحابہ باصفا تو ایک طرف،احادیث مبارکہ میں تو ابن ابی جیسے منافقین کا ذکر بھی ہے،جنہوں نے جامہ مبارکہ کے لیے خاص طور پر حضور نبی اکرم ﷺ سے التجاء کی تھی کہ اسے کفن کے لیے عطا کیا جائے تا کہ وہ نار جہنم سے چھٹکارا پا سکے اور اسکی آرزو رد نہیں کی گئی تھی.

حضرت عبداللہؓ جو حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ کے غلام تھے روائت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت اسماءؓ ایک دلق(گودڑی)نکال کر باہر لائیں جو مختلف پارچہ کے ٹکڑوں سے سی کر بنائی گئی تھی جن میں بالشت بھر کا ایک قطعہ مخملیں بھی تھا.اس کے بعد وہ فرمانے لگیں کہ:[یہ وہ جبہ مبارکہ ہے،جس کو رسول اللہ ﷺ زیب تن فرمایا کرتے تھے.حضور کے انتقال کے بعد یہ دلق مبارکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی تحویل میں رہا اور پھر جب انکا انتقال ہوا تو یہ میرے پاس منتقل ہو گیا.اگر ہم میں سے کوئی بھی بیمار ہوتا ہے تو ہم اسکا کچھ حصہ پانی میں بھگو کر اس کا علاج کر دیتے ہیں.](۵۰)

حضرت مسور بن مخرمہؓ بیان کرتے ہیں کہ انکے والد محترم(یعنی حضرت مخرمہؓ)نے انہیں کہا:[مجھے پتہ چلا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس کچھ جبے آئے ہیں جو آپ حضور تقسیم فرما رہے ہیں،لہذا مجھے آپ کی خدمت اقدس میں لے جایئے.ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جبکہ آپ حضور ﷺ اپنے حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما تھے،میرے والد مجھ سے کہنے لگے کہ بیٹا میرے لیے حضور ﷺ کو آواز دو مگر ایسا کرنے میں مجھے ہچکچاہٹ سی ہو رہی تھی(اس لیے کہ ایسا کرنا سوئے ادب تھا)،لہذا میں نے اپنے والد سے حیران کن لہجہ میں کہا کہ کیا ایسا کرنا ضروری ہے؟اس پر انہوں نے کہا کہ بیٹا وہ کوئی ظالم حکمران تھوڑے ہی ہیں!لہذا میں نے حضور سرور کونین ﷺ کو آواز دی اور آپ حضور ﷺ دیباج کا ایک جبہ پہنے باہر تشریف لے آئے جس کے اوپر سونے کے بٹن لگے ہوئے تھے اور پھر یوں گویا ہوئے:[اے مخرمہ میں نے یہ جامہ تمہارے ہی لیے رکھا ہے.]پھر آں حضور ﷺ نے وہ جامہ مبارکہ انہیں عطا کر دیا.(۵۱)

حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارکہ

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جنہیں ان خوش نصیب اولیں اصحابہ کرام میں شامل تھے جنہیں بہت ابتداہی میں اسلام لانے کا شرف حاصل تھا جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مکۃ المکرمہ میں اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا،ان انتہائی شیدائی خدام نبوی میں شامل تھے جنہوں نے نعلین مبارکہ کی حفاظت اپنے ذمے لی ہوئی تھی.[جب حضور سرور کونین ﷺ کہیں تشریف فرما ہوتے تو حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نعلین مبارکہ کو تہہ کر کے اپنی بغل میں لے لیتے اور جب حضور والا شان ﷺ اس محفل سے اٹھتے تو حضرت ابن مسعودؓ فوراً آگے بڑھ کر نعلین مبارکہ حضور پرنور ﷺ کے سامنے رکھ دیتے تا کہ حضور والا شان ان کو پہن سکیں.](۵۲)
اسی لیے انکو صاحب نعلین اور صاحب سواد رسول اللہ ﷺ یعنی میر سامان رسول اللہ ﷺ بھی کہا گیا ہے.اسی طرح وہ حضور پرنور ﷺ کا عصاء مبارک بھی سنبھالا کرتے تھے.(۵۳)
بعض سیرت نگاروں نے بالصراحت لکھا ہے کہ حضرت انس ابن مالک بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارکہ کی حفاظت کیا کرتے تھے(۵۴)اور یہ کہ وہ نعلین مبارکہ کے علاوہ

مسجد سنجدار دمشق کے دروازے پر نعلین مبارک ﷺ کا نقش
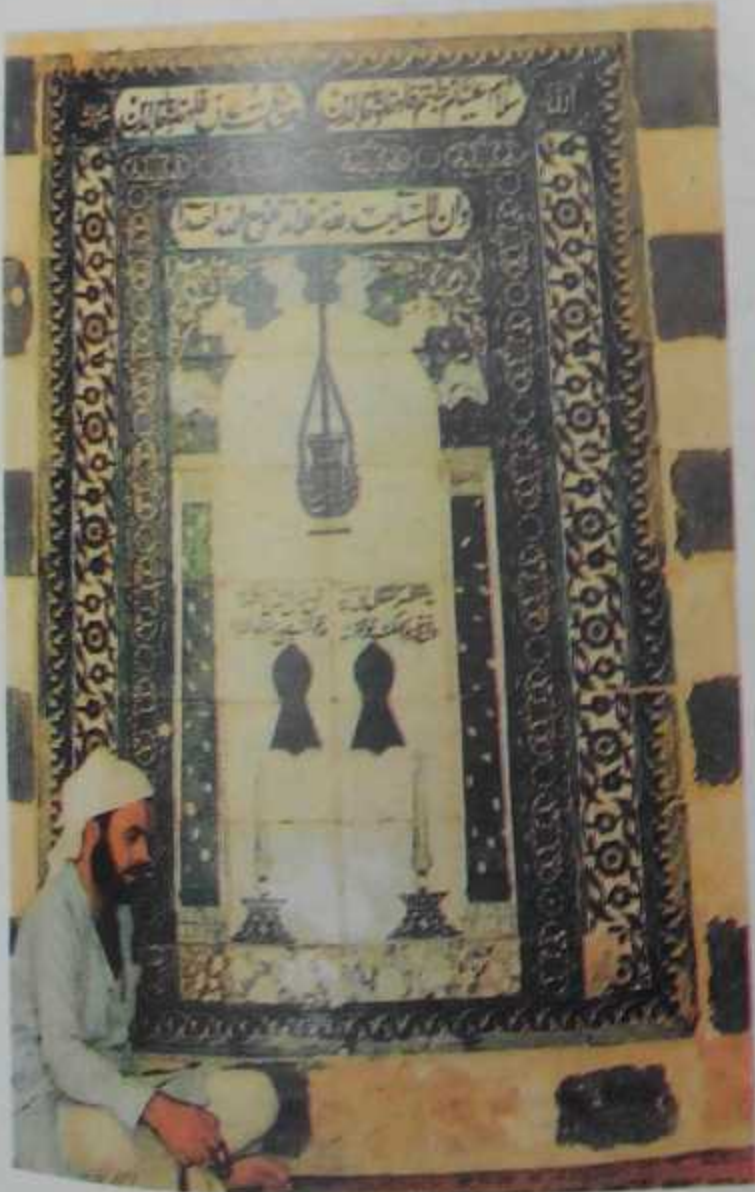
نعلین مبارک ﷺ
جو بادشاہی مسجد (لاہور)
میں محفوظ ہیں

حضور پرنور ﷺ کی ذاتی استعمال کی باقی اشیاء کا خیال رکھا کرتے تھے. (۵۵) حضرت عیسیٰ بن تہمانؓ بیان کرتے ہیں کہ: [حضرت انس بن مالک ہمارے لیے حضور سرور دو عالم ﷺ کا نعلین مبارک کا ایک جوڑا ابھر لائے جسکا چمڑا بغیر کسی بالوں کے تھا اور جس کے اوپر چمڑے کے دو تسمے بھی تھے. (۵٦) بعد میں حضرت ثابت بن بنانیؓ نے مجھے بتایا کہ وہ نعلین مبارک حضور نبی اکرم ﷺ کے تھے.] (۵۷) طبرانی کے مطابق سیدة ضیاء بنت زبیرؓ سے مروی ہے کہ: [حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس نعلین مبارک کا ایک جوڑا ہوا کرتا تھا جسکو کہ تحسرہ کہا جاتا تھا (تحسرہ عربی زبان میں ایسے جوتے کو کہتے ہیں جو درمیان سے مقابلتاً تنگ ہوا کرتا تھا). (۵۸) امام زین الدین العراقی جو فقہ شافعیہ کے ایک جید استاذ اور امام گزرے ہیں کے مطابق نعلین مبارک کی لمبائی ایک بالشت اور دو انگشت تھی جبکہ ایڑی کی طرف سے اسکی چوڑائی سات انگشت تھی، سامنے کی جانب اسکی چوڑائی دو انگشت تھی اور دونوں تسموں کے درمیان بھی دو انگشت کا فاصلہ ہوا کرتا تھا:] (۵۹) امام نسائیؒ نے حضرت عمرو بن اوسؓ کی روایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: [آقائے نامدار ﷺ کی نعلین مبارک کے دو تسمے ہوا کرتے تھے اور اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے نعلین مبارک کے بھی دو ہی تسمے ہوا کرتے تھے.] حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی ایسے ہی روایت کی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک کے دو تسمے ہوا کرتے تھے.] (٦٠) حضرت انس ابن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ: [حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک کے دو تسمے ہوا کرتے تھے.] حضرت ہشام بن عروہ بن زبیرؓ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضور سرکار دو عالم ﷺ کے نعلین مبارک کا دیدار کیا ہے وہ درمیان سے پتلے تھے اور ایڑی کی طرف سے ان کی چوڑائی زیادہ تھی اور سامنے کی طرف نوک دار تھی اور یہ کہ انکے دو تسمے بھی تھے.] (٦١).
حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ: [حضور والا شان ﷺ کے نعلین مبارک گائے کے چمڑے سے بنے ہوتے تھے.] (٦٢) اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: [حضور سرور کونین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم چمڑی بنائے گئے جوتے پہنتے اور اپنی ریش مبارک کو ورس اور زعفران سے رنگ لیا کرتے تھے (٦٣) اور یہ بھی کہ نعلین ہائے مبارکہ میں سے ایک جوڑے کا نام الصفر اء تھا.] (٦٤) ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ: [بلا شک وشبہ میں نے دیکھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایسے چمڑے کا جوتا پہنتے جس کے اوپر بال نہیں ہوا کرتے تھے اور جب وضوء فرماتے تو بھی وہ نعلین مبارک زیب قدمین مبارک ہی رہتے، اسی لیے میں ایسے ہی جوتے پہننا پسند کرتا ہوں.] (٦٥)

حضرت جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا: [حضرت محمد ابن علی کرم اللہ وجہہ (یعنی حضرت محمد ابن حنفیہؒ) نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے نعلین مبارک کا ایک جوڑا دکھایا. میں نے نوٹ کیا کہ اسکی ایڑی والی جانب ذرا چوڑی تھی جبکہ درمیان والا حصہ پتلا تھا اور اسکے دو تسمے تھے. (٦٦) ابن عساکر ہمامؒ کی روائت بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ہشام بن عروہ بن زبیرؓ نے حضرت سلط بن دینارؒ کے جوتوں کے دو تسمے دیکھے وہ

سے ساخت کیا گیا ہے] ہمارے پاس بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک ہیں جنکی ایڑی کی سمت چوڑائی ہے اور درمیانی حصہ قدرے تنگ ہے اور انکا حصہ نوک دار ہے ۔](۶۷)

۱۰۰ اور ۱۱۰ ہجری کے درمیان حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارک کا ایک جوڑا مبارک جسکے دو تسمے تھے حضرت فاطمہ بنت عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب کے پاس مکۃ المکرمہ میں دیکھا گیا تھا (۶۸) اس جوڑے مبارک کے علاوہ، جیسے کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، حضرت انس ابن مالک کے پاس بھی ایک جوڑا ہوا کرتا تھا، جبکہ ایک اور حضرت ہشام بن عروہ بن زبیر کے پاس تھا، اور اس کے علاوہ ایک اور جوڑا حضرت محمد بن علی کرم اللہ وجہہ (حضرت محمد بن حنفیہ) کے پاس بھی ہوا کرتا تھا۔ ایسا ہی ایک جوڑا حضرت کلثوم بنت ابو بکر صدیق کی اولاد کے پاس نسل در نسل چلا آرہا تھا۔ پاپوشوں کا یہ جوڑا سیدۃ کلثوم بنت ابو بکر (۶۹) کو ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ سے ملا تھا۔

ان بیان کردہ تمام روایات و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ سید انس و جاں ﷺ نے مختلف اوقات میں یکے بعد دیگرے مختلف نعلین مبارکہ کو پہنا اور یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں ایسے بہت سے جوڑوں کا ذکر ملتا ہے جو مختلف حضرات نے تبرکاً اپنے پاس محفوظ کر لیے تھے جس کی ہم مزید وضاحت کرنا چاہیں گے وہ یہ ہے کہ ایسی تمام ہستیاں، مثلاً: امہات المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ اور سیدۃ میمونہ یا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مثلاً حضرت انس ابن مالک یا مشہور تابعی مثلاً حضرت ہشام بن عروہ بن زبیر اور حضرت محمد بن حنفیہ کا شمار ان جلیل القدر صحابہ کرام یا صف اول کے تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوتا ہے جو پہلی اسلامی صدی کے درخشاں ستارے تھے آثار اور تبرکات نبویہ سے انکا اس درجہ لگاؤ اور احترام بہت سارے فقہی مسائل کی گتھیاں سلجھا دیتا ہے۔ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ عامۃ المسلمین حضور نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کا ہر معاملے میں کامل اتباع کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کی قسمت نے یاوری نہ کی کہ وہ نعلین مبارکہ جیسی نعمت بے بہا کو حاصل کر سکتے وہ اس بات کا انتہائی خیال کرتے کہ اپنے جوڑے بھی اسی ڈیزائن اور شکل پر بنواتے جیسے کہ ان کے آقا و مولیٰ حضور نبی اکرم ﷺ پہنا کرتے تھے۔ حضرت ابن عون فرماتے ہیں کہ وہ جوتا بنوانے کی خاطر مدینہ طیبہ میں ایک موچی کے پاس گئے تو انہوں نے ان سے کہا کہ کیوں نہ وہ انکو ایسا ہی جوتا بنا کر دیں جیسا کہ حضور والا شان ﷺ پہنا کرتے تھے۔ جب انہوں نے ان سے استفسار کیا کہ انہوں نے آپکے نعلین مبارکہ کو کہاں دیکھا تھا تو وہ کہنے لگے [میں نے انہیں حضرت فاطمہ بنت عبید اللہ بن عباس کے گھر دیکھا ہے۔]لہذا میں نے انہیں کہا کہ مجھے بھی ایسا ہی جوڑا بنا کر دیں اور انہوں نے ایسا ہی کیا اس کے دو تسمے (شراک) تھے۔ جب میں یہ جوڑا لے کر واپس آیا تو اسے حضرت محمد ابن سیرین نے دیکھ لیا اور انہوں نے مجھ سے وہ پاپوش لے لیا](۷۰) یہی تسمے اور شراک مبارکہ ہیں جن کا ذکر قدیم نعتیہ شاعری میں کچھ اس انداز میں ملتا ہے کہ پڑھ کر قاری پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

ادیم طائفی نعلین پاکش   شراک از رشتہ جان ہائی ماکن

جہانی دیدہ کردہ فرش راہش   چوں فرش، اقبال پاپوش تو خواہند

چونکہ اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لیکر عام مسلمان تک ان آثار اور تبرکات نبویہ کا حد درجہ احترام کرتے تھے، ایسے تمام تبرکات ایک سے دوسری نسل میں بصد احترام منتقل ہوتے رہے۔ اسی طرح ایک نعلین مبارک قبیلہ بنی حدرد کی تولیت میں رہا تھا جن کے اجداد نے اسے ام المومنین سیدۃ میمونہ سے حاصل کیا تھا جو کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کے ترکہ میں سے ملا تھا۔ شیخ عبد اللہ البرزلی جو

توپ کاپی میوزیم، ترکی میں محفوظ نقش قدم ﷺ

فدائے نقش نعلینت کنم جاں یا رسول اللہ ﷺ

دمشق میں ساتویں صدی ہجری کے مشہور عالم دین گزرے ہیں فرماتے ہیں کہ ان کے زمانے تک یعنی ۶۰۹ ہجری تک وہ متبرک نعلین قبیلہ بنی حدرد کی تولیت میں تھے۔

یہ متبرک نعلین دار الحدیث دمشق میں عامۃ الناس کی زیارت کے لیے رکھے گئے تھے جسکو بعد میں ملک العادل سلطان اشرف نے دوبارہ تعمیر کروادیا تھا۔(۷۱) بہت سے ہمعصر علماء کرام نے نعلین مبارکہ کی اس جامعہ میں موجودگی کی توثیق کی ہے جہاں وہ اس انداز سے رکھے گئے تھے کہ زائر باآسانی انکا بوسہ لے کر فیوض و برکات حاصل کرسکتا تھا۔مشاہیر معاصر علماء میں حافظ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ ہجری) بھی شامل ہیں جو اس سلسلے میں یوں رقم طراز ہیں:

۶۰۰ھ کے لگ بھگ یہ بات بہت معروف تھی کہ ایک تاجر (ابن ابی الحدرد) کے پاس ایسے نعلین تھے جن کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین مبارکہ تھے۔ملک اشرف موسیٰ بن ملک العادل ابی بکر بن الیوب نے ان کو زر کثیر دے کر خریدنا چاہا مگر اس تاجر نے انکار کردیا۔جب اس کا انتقال ہوا تو بادشاہ انکو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے ان نعلین مبارکہ کی بہت عزت و توقیر کی۔جب اس نے قلعہ کے جوار میں دار الحدیث الاشرفیہ کو تعمیر کیا تو اس نے ان نعلین مبارکہ کو وہاں منتقل و محفوظ کردیا اور ایک محافظ مقرر کردیا جس کا ماہانہ مشاہرہ مبلغ ۴۰ درہم طے کیا گیا تھا اور وہ نعلین مبارکہ آج بھی اسی دار الحدیث میں موجود ہیں۔(۷۲)

بہت سے مشاہیر اسلام نے اصل نعلین مبارکہ کو دیکھ کر کاغذ پر نقش نعلین مبارک بنا کر سیرت رسول اللہ ﷺ کی کتابوں کی زینت بنایا جن میں حافظ العراقیؒ ، علامہ ابن الحاجؒ اور ابن عساکرؒ جیسی معروف شخصیتیں شامل ہیں۔عشاق کی نظر میں حبیب رب المشرقین و رب المغربین اور سید الکونین ﷺ کی نعلین مبارکہ کے کاغذی نقش کی کیا قیمت رہی ہے اسکا اندازہ حضرت جامیؒ کے اس شعر سے لگایا جاسکتا ہے جس میں وہ بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں کہ:

چوں سوئے من گزر آری من مسکین ناداری فدائے نقش نعلینت کنم جاں یارسول اللہ

بدقسمتی سے مولف ہذا کو ان اساتذہ کرام کا تیار کردہ کوئی نقش دیکھنا نصیب نہیں ہوا اور شاید نہ ہی ان اصلی نقوش میں سے آج کوئی دستیاب ہے۔بہت سے خیالی عکس اکثر گھروں کی بیٹھکوں کے در و دیوار کی زینت بنے نظر آتے ہیں مگر حقیقت تو یہ ہے کہ وہ صرف ذہن رسا کی تخلیق ہیں اور آج کل تو کمپیوٹر کا دور دورہ ہے اور اسکی گرافکس کی دنیا میں رنگ و ذوق کی بے انتہا دسترس نے تو اس نقش خیالی کو اور زیادہ چکا چوند لگادی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ آج کے نقش نعلین مبارکہ ان نقوش سے کہیں زیادہ دلفریب لگتے ہیں جو کہ دس یا بیس سال پہلے بازاروں میں دستیاب تھے مگر درحقیقت آج کے نقش نعلین مبارکہ بھی حقیقت سے اتنے ہی بعید ہیں جتنے کہ ماضی میں تخلیق کردہ نقوش تھے۔اصل نقوش تو وہ تھے جن کو حافظ العراقیؒ یا ابن عساکرؒ جیسی شخصیتوں نے اصل کو دیکھ کر بنایا تھا۔امام سخاویؒ اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ان نقوش کی زیارت کی اور ان کے متعلق گرانقدر تعریفی کلمات بھی قلمبند کیے تھے۔(۷۳) بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ ان مشاہیر اسلام نے جنہیں وہ

نعلین مبارک ﷺ کی ایک نایاب تصویر

نقوش بنانے کا شرف حاصل ہوا تھا عکس بناتے وقت اس بات کا مکمل اہتمام کیا تھا کہ نقل بمطابق اصل ہو. اسی لیے آجکل کے موجودہ نقوش کو وہ مقام نہیں دیا جاسکتا جو ابن عساکرؒ یا دیگر مشاہیر اسلام کو حاصل تھا.

جب امیر تیمور (۱۳۳۶-۱۴۰۵) نے حلب کو تاخت و تاراج کیا اور پھر اس نے جمادی الاول ۸۰۳ ہجری میں دمشق کو بھی روندڈالا تو اس وقت کے قاضی القضاۃ اور دیگر عمائدین شہر نے وہ نعلین مبارکہ اس کو خوش کرنے کے لیے مورخہ ۲۳ جمادی الاول ۸۰۱ عیسوی کو اس کی خدمت میں پیش کر دیئے. ظفر نامہ تیموری میں اس کے مولف شرف الدین علی تزدی نے بالصراحت بیان کیا ہے کہ نعلین مبارکہ اور دوسرے بہت سارے تبرکات نبویہ امیر تیمور کو پیش کئے گئے. (۷۴) تیمور نے اتراک اور منگول قبائل کی فوج ظفر موج کی مدد سے بلاد الشام اور موجودہ ترکی کے کچھ حصوں پر دھاوا بولا تھا. اس نے اناطولیہ پر بھی یلغار کی اور سلطان یلدرم بایزید یکم کو قید کرلیا تھا اس لیے کہ موخر الذکر نے تیمور کے ایک باغی سردار کو پناہ دی ہوئی تھی. لیکن تیمور جیسے آندھی کی طرح آیا تھا ویسے ہی ایک بگولے کی مانند مفتوحہ علاقوں سے واپس چلا گیا اور جاتے جاتے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلطال یلدرم بایزید یکم کو رہا بھی کر گیا. جلد ہی تیمور سمرقند واپس پہنچ چکا تھا اور بایزید کے بیٹوں نے اناطولیہ کے بیشتر علاقوں پر اپنا تسلط دوبارہ جما لیا تھا. تیمور کی اس فراخدلی کے بدلے سلطان بایزید یکم نے یکم ربیع الاول ۸۰۵ ہجری (بمطابق ۱۴۰۲ عیسوی) تیمور کو خیر سگالی کے طور پر اور بھی بہت سارے آثار مبارکہ تحفتاً دے دیئے. (۷۵) تمام آثار مبارکہ جن میں مصحف عثمانی بھی شامل تھا جو کہ آج بھی تاشقند کے عجائب گھر کی زینت ہیں اسی فوج کشی کا نتیجہ ہیں جو امیر تیمور نے کی تھی. جاتے جاتے تیمور اپنے ساتھ دمشق سے ماہرین کی ایک کثیر تعداد بھی ساتھ لے گیا جنہوں نے آگے چل کر سمرقند میں تاریخی اہمیت کی بہت ساری عمارتیں بنانے میں اہم کردار ادا کیا جو آج بھی تیموری فن تعمیر کا شاہکار تصور کی جاتی ہیں. (۷۶)

اس طرح آثار مبارکہ جب ایک دفعہ عامۃ الناس کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو کافی عرصہ تک وہ صرف شاہی محلات اور توشہ خانوں ہی کی زینت بنے رہے اور امت مسلمہ کی اکثریت محسن انسانیت ﷺ کی ان نعلین مبارکہ کی زیارت اور دیدار سے محروم ہو گئی. اس افراتفری کے باوجود ایک بات بہت خوش آئند ہے کہ نعلین مبارکہ کا ایک قدیم نقش دمشق کی ایک تاریخی مسجد کے صدر دروازہ پر موجود ہے جو جامعہ سنجقدار کے نام سے مشہور ہے. یہ مسجد ممالیک سلاطین میں سے ایک سلطان ارغون شاہ نے ۷۵۰ ہجری میں تعمیر کروائی تھی اور امت مسلمہ کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اس کے صدر دروازے پر بنایا گیا نقش نعلین اس دور سے تعلق رکھتا ہے جبکہ نعلین مبارکہ دمشق میں دار الحدیث میں بنفس نفیس موجود تھیں. یہ اس دور کے کسی فنکار کا شاہکار ہے جو اس نے بذات خود حقیقی نعلین مبارکہ کو دیکھ کر بنایا ہوگا جو اس وقت جامعہ اشرفیہ میں مرجع عام و خاص تھا. اس لیے بڑے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جامعہ سنجقدار کے صدر دروازے پر بنا ہوا یہ تاریخی عکس بہت حد تک اصل سے مطابقت رکھتا ہے. سعودی ایر لائنز کے دوماہی جریدہ (اھلا وسھلا) کے شمارہ برائے شعبان و رمضان ۱۴۲۰ ہجری نے اس صدر دروازے کی تصویر چھاپی ہے (۷۷) جس کی ایک تصویر قارئین کے استفادہ کے لیے انہیں صفحات میں شامل کر دی گئی ہے.

نعلین مبارکہ کے علاوہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قدمین شریفین کے نشانات جو بہت سے پتھروں پر ثبت ہو چکے تھے کسی نہ کسی طرح آج بھی محفوظ ہیں اور حضور والا شان ﷺ کے آثار مبارکہ کا ایک نادر اور انمول جزو ہیں. بہت سی احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ سنگلاخ

رسول اللہ ﷺ کا دلق (گدڑی) مبارکہ جو بادشاہی مسجد لاہور میں محفوظ ہے

چٹانوں پر جب نبی معجز نگار علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم برہنہ پا قدم رنجہ فرماتے تو پتھر موم ہو جاتے اور اس طرح رب ذوالجلال والاکرام کا اس امت محمدیہ پر احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے چند نقشہائے قدمین مبارکہ کو پتھروں کی سطوح پر نقش پائے حبیب کے طور پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیا۔ بیہقیؒ کے مطابق حضرت جابر بن سمرہؓ نے روایت کی ہے کہ: [حضور سرور کونین ﷺ کے قدمین مبارکہ کی چھانگلیاں (چھوٹی انگلیاں) عمومی سائز سے غیر معمولی طور پر بڑی نظر آیا کرتی تھیں] (۷۸) ایسے بہت سارے نقوش دنیا کے مختلف مقامات پر محفوظ ہیں جن کا سلسلہ توپکاپی میوزیم سے لیکر بادشاہی مسجد لاہور اور ہندوستان میں جیپور میں مقام قدمین مبارک تک پھیلا ہوا ہے۔ ان سب نقشہائے پائے مبارکہ میں سے جو نقش مبارک اوپر بیان کی گئی حدیث مبارکہ سے زیادہ مماثلت رکھتا ہے وہ توپکاپی میوزیم استنبول میں موجود ہے۔ جس کا ایک عکس درج ذیل حصہ میں قارئین کی نذر کیا جاتا ہے۔

توپکاپی میوزیم کے علاوہ حضور پرنور علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کا ایک نقش پائے مبارک استنبول ہی میں حضرت ابوایوب الانصاریؓ کے مزار شریف سے ملحقہ ایک چھوٹی سی مسجد میں بھی موجود ہے جب کہ ایک اور نقش جے پور میں بھی ہے۔ اسی طرح ایک اور نقش مسجد برکاتیہ مارہرہ (یوپی) میں بھی موجود ہے۔ بادشاہی مسجد لاہور والا نقش اس کے علاوہ ہے۔ مزید برآں ایک نقش مبارک مسجد الخلیل حبرون میں موجود ہے۔ ایک اور نقش پائے مبارک حرم مکی میں موجود ہوا کرتا تھا۔ امام تلمسانیؒ (۹۹۲-۱۰۴۱ ہجری) نے خاص طور پر اس کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے خود اس مقدس نقش پا کی زیارت کی تھی جو چاہ زمزم کے قریب ایک سائبان کے تحت محفوظ کیا گیا تھا۔ (۷۹) گیارہویں صدی ہجری کے مشہور ترکی سیاح اولیاء شلبیؒ جنہوں نے گیارہویں صدی کے اوائل میں حرمین الشریفین کی زیارت کی تھی اپنے مشہور زمانہ سفرنامہ میں یوں رقمطراز ہیں: [مقام ابراہیم کے پہلو میں ایک بلند مقام پر سفید سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ہے۔ جس کے اندر ایک خوبصورت الماری میں پتھر کی ایک سل کے اوپر ثبت حضور پرنور ﷺ کا ایک نقش قدم ہے۔ حاجی اور زائرین حضرات اس کو عرق گلاب اور آب زمزم سے دھو کر اپنے چہروں پر چھڑک کر فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔] (۸۰) اس آثار مبارکہ پر ایک خوبصورت گنبد تعمیر کر دیا گیا تھا جس کو بہت قیمتی تحائف وغیرہ (مثلاً سیمیں شمعدان) سے سجایا گیا تھا مگر آج اس آثار مقدس کا اتہ پتہ معلوم نہیں۔ غیر مصدقہ روایات کے مطابق موجودہ انتظامیہ نے اس کو چاہ زمزم کے تہہ خانے میں کنویں کی منڈیر کے ساتھ محفوظ کر کے رکھا ہے مگر عامۃ الناس کو اس کی زیارت کی اجازت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رسول اللہ ﷺ کی ردائے مبارکہ (بردہ شریف۔ چادر مبارک)

رسول اللہ ﷺ کا بردہ شریف جو آپ نے کعب بن زہیرؓ کو عطا فرمایا تھا۔ یہ اس وقت توپکاپی میوزیم استنبول (ترکی) میں محفوظ ہے

حضرت ابو ہریرۃؓ بیان فرماتے ہیں کہ: [ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ ہمارے لیے مختلف ٹکڑوں سے بنی ایک اونی چادر لائیں اور پھر یوں گویا ہوئیں: جب حضور نبی اکرم ﷺ کی روح اقدس نے پرواز کی تو اسوقت حضور والا شان ﷺ کے بدن اطہر پر یہی چادر تھی۔] حضرت ابو ہریرۃؓ مزید فرماتے ہیں کہ سیدۃ عائشہؓ ایک موٹی چادر بھی لائیں جیسی کہ اس دور میں یمنی بنایا کرتے تھے اور اس کے علاوہ ایک اور کپڑا بھی لائیں جس کو ملبدہ کہا جاتا تھا۔] (۸۱) حضرت حمید بن ہلالؒ حضرت ابو بردہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ام المومنین نے ان کو ایک تہبند قسم کی ایک چادر دکھائی جو یمن کی بنی ہوئی تھی اور ایک کمبل بھی دکھایا جس کو وہ ملبدہ کہتی تھیں۔ انہوں نے رب ذوالجلال کی قسم کھا کر کہا کہ جب حضور پرنور ﷺ کا انتقال ہوا تو وہ انہی کپڑوں میں ملبوس تھے۔ (۸۲)

حضرت سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں: [ایک دفعہ ایک خاتون درگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئیں اور آپکو ایک شال پیش کی جو بنائی کی گئی تھی اور اس کے چاروں طرف بارڈر بھی بنا ہوا تھا۔ حضرت سہلؓ جب یہ حدیث بیان کر رہے تھے تو انہوں نے سامعین سے پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ بردہ کیا ہوتا ہے؟ سامعین نے جواب دیا: شملہ جس کا بارڈر بنا ہوا ہوتا ہے۔ یعنی ایسا کپڑا جو جسم کے گرد لپیٹا جا سکتا ہو۔ انہوں نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو: یہ شملہ ہی ہوتا ہے جس کا بارڈر بنائی ہی کے وقت بنایا گیا ہو۔ پھر انہوں نے حدیث مبارکہ کا تسلسل قائم رکھتے ہوئے فرمایا کہ اس خاتون نے عرض کیا: [یارسول اللہ ﷺ یہ بردہ میں خود اپنے ہاتھوں سے بن کر لائی ہوں تا کہ اس کو آپ کے زیب تن رہنے کا فخر حاصل ہو سکے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے قبول فرمایا اس لیے کہ آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ پھر آپ حجرہ مطہرہ میں جا کر باہر تشریف لائے تو اس وقت وہ شملہ بطور تہبند آپکے زیب تن تھا۔ پھر فلاں شخص (اور انہوں نے اسکا نام اور قبیلہ کا بھی ذکر کیا) نے حضور اقدس سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ واہ کیا ہی اچھی چادر ہے، آپ یہ مجھے عنایت فرما دیجئے جس پر حضور پرنور ﷺ نے فرمایا: اچھا۔ پھر جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا حضور نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان میں بیٹھے رہے اور پھر

رسول اللہ ﷺ
کی مہر مبارک

کچھ دیر کے لیے حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے تھوڑی دیر کے بعد حضور باہر تشریف لائے تو اس چادر کی تہہ لگا کر اس شخص کو دے دی اور وہ چلا گیا. لوگوں نے اس کو ملامت کی کہ اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو اسکی ضرورت بھی تھی اور آپ حضور ﷺ نے اسے زیب تن بھی کیا ہوا تھا. تمہیں تو معلوم ہے کہ حضور ﷺ کسی کی درخواست رد نہیں کرتے. اس پر وہ صاحب گویا ہوئے: واللہ میں نے اس کو پہننے کی خاطر آپ حضور ﷺ سے نہیں مانگا. میری خواہش تو یہ ہے کہ جب میں مروں تو میرا کفن اس چادر سے بنادیا جائے. حضرت سہلؓ نے فرمایا کہ بالکل ایسا ہی ہوا اور ان صاحب کو اسی چادر میں دفن کیا گیا تھا.] (۸۳) حضرت محمد ابن ہلالؒ نے فرمایا کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کا بردہ شریف دیکھا تھا جو اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے پہنا ہوا تھا. یہ ایک یمنی بردہ شریف تھا جس کے دو بارڈر کشیدہ کاری سے بنائے گئے تھے. (۸۴)

حضرت کعب ابن زہیرؓ کے قبول اسلام کا واقعہ تو بڑی شہرت کا حامل ہے. حضور سرور کونین ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر انہوں نے اپنا مشہور قصیدہ (بانت سعاد) پڑھا. ابن اسحاق (۸۵) سے لیکر ہر بڑے سیرت نگار جن میں ابن کثیر (۸۶) اور ابن اثیر سب شامل ہیں نے اس واقعہ کا بالخصوص ذکر کیا ہے. ان کا قصیدہ سننے کے بعد رحمت اللعالمین ﷺ جو انکے قتل کا حکم صادر فرما چکے تھے نے کمال شفقت اور عفو و رحمت سے نہ صرف یہ کہ ان کو معاف فرمادیا بلکہ وہ بردہ شریف جو اس وقت جمیل الشیم شفیع الامام اور صاحب الجود والکرم ﷺ کے زیب تن تھا انکو مرحمت فرمادیا. حضرت کعب ابن زہیرؓ کو اس بردہ شریف سے بہت پیار تھا. جب حضرت معاویہؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے اس بردہ شریف کو دس ہزار دینار کے عوض خریدنا چاہا مگر حضرت کعبؓ اسے دینے پر راضی نہ ہوئے. تاہم انکے انتقال پر حضرت معاویہؓ نے اس بردہ شریف کو انکے ورثاء سے بیس ہزار دینار میں خرید لیا. (۸۷)

مورخین نے بیان کیا ہے کہ جب بنی عباس نے بنو امیہ سے زمام اقتدار چھین لی تو وہ بردہ شریف بنو عباس کی تحویل میں چلا گیا. امام ذہبی بروایت ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جو بردہ شریف بنو عباس کے پاس تھا وہ ایک دوسرا بردہ شریف تھا جو حضور رحمت دو عالم ﷺ نے اہالیان ایلہ کو اپنے ایک نامہ مبارکہ کے ساتھ مرحمت فرمایا تھا. امام ذہبی کے مطابق ابو العباس السفاح نے ان لوگوں سے وہ بردہ شریف تین صد دینار کے عوض خرید لیا تھا. ابن کثیر بھی اسی رائے کا اظہار کرتے ہیں. ان کے کہنے کے مطابق غزوہ تبوک سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے شاہ ایلہ کو امان دے دی تھی اور ایسی ہی امان اہل جربع اور عزرہ کے مکینوں کو دو مختلف نامہ ہائے امان کے ساتھ عطا کی تھی. شاہ ایلہ کو تو آقا حضور ﷺ نے ایک بردہ شریف بھی عنایت فرمایا تھا. وہ نامہ مبارکہ اور بردہ شریف ان لوگوں کے پاس ایک صدی سے بھی زیادہ محفوظ رہا مگر جب ابو العباس السفاح کی عملداری ان پر قائم ہوگئی تو اس نے وہ بردہ شریف تین سو دینار کے عوض خرید لیا. (۸۸) علامہ سیوطیؒ ان دونوں بظاہر مخالف نقطہ ہائے نظر میں تطابق پیدا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ بردہ شریف جو حضرت معاویہؓ نے خریدا تھا وہ بنی امیہ کے زوال کے ساتھ ہی گوشہ گمنامی میں چلا گیا جبکہ دوسرا یکے بعد دیگرے عباسی خلفاء کے پاس نسل در نسل منتقل ہوتا رہا تا آنکہ عباسیوں کے آخری خلیفہ کے قتل کے وقت اسکے خون کے دھبے اس بردہ شریف پر بھی پڑے اور پھر اس کے بعد اس بردہ شریف کا کچھ پتا نہیں چلا. (۸۹) تاہم ابن اثیر (متوفی: ۶۳۰ ہجری) جو عباسیوں کے زوال سے کچھ دیر پہلے تک بقید حیات تھے لکھتے ہیں کہ: [وہ بردہ شریف جو حضور سرور کونین ﷺ نے حضرت کعب ابن زہیرؓ کو عنایت کیا تھا وہ آج بھی عباسی خلفاء کے پاس ہے.] (۹۰)

کچھ مورخین کا خیال ہے کہ جب کچھ عباسی شہزادوں نے فرار ہو کر مصر میں پناہ لے لی تو وہ جاتے وقت اپنے قیمتی اثاثے جن میں وہ بردہ شریف اور کچھ دیگر تبرکات بھی شامل تھے اپنے ساتھ مصر لے گئے تھے. پھر جب ممالیک سلطانوں نے بچی کھچی عباسی قوت کو یکجا کیا اور عباسیوں کے نائبین کے طور پر انہوں نے مصر میں خلافت عباسیہ کو از سر نو استوار کر لیا تو انہوں نے ان تمام تبرکات کی حفاظت کا بیڑہ اٹھا لیا لیکن جب ترک عثمانی سلطان یاووز سلیم خان یکم نے ۱۵۱۷ عیسوی میں مصر فتح کر لیا تو پھر وہ بردہ شریف عثمانیوں کی تحویل میں آ گیا. تاریخ کے اوراق میں ہمیں کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی جس سے اس بات کا اشارہ بھی ملے کہ کبھی کسی عثمانی سلطان نے اس بردہ شریف کو زیب تن کیا ہو جبکہ ان کے بہت سارے مورخین اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ جب کبھی بھی کوئی ترک سلطان کسی عسکری مہم پر روانہ ہوتے تو وہ حضور سرور کونین ﷺ کے علم مبارک (جس کا نام عقاب تھا) کا پھریرا اپنے ساتھ

لیکر چلتے تھے اور فاتح وظفر مند ہو کر لوٹتے حقیقت یہی ہے کہ سلاطین عثمان اپنے آقا و مولی حضور نبی اکرم ﷺ کے آثار مبارکہ اور تبرکات مقدسہ کا حد درجہ احترام کرتے تھے اور آپ حضور ﷺ کی ایک ایک نشانی کو دل وجان سے زیادہ عزیز رکھتے ۔انہوں نے ان آثار مقدسہ کے لیے سونے کے خاص صندوق بنوائے جن میں ان تمام تبرکات نبویہ شریف کا استحفاظ کیا گیا جو شاہی محلات میں بحفاظت تمام موجود تھے ،انہیں میں سے ایک دیدہ زیب صندوق میں آقائے نامدار ﷺ کا بردہ شریف بھی ہے۔(۹۱) یہی وجہ ہے کہ انکے جانے کے بعد ان کا تاریخی محل (توپکاپی میوزیم) ان تمام تبرکات کا خزانہ بن گیا ہے۔عثمانی خلافت کے ختم ہونے کے بعد توپکاپی کے شاہی محلات کو قومی عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا ہے جو عالمی شہرت کا حامل ہے۔توپکاپی میوزیم اس وقت عالم اسلام کا سب سے بڑا عجائب گھر ہے جہاں عالم اسلام کے بہت سے نادر ترین موتی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ محفوظ ہیں۔اس عظیم الشان عجائب گھر میں جہاں خلافت راشدہ میں سیدنا عثمان بن عفان کا تیار کروایا ہوا مصحف شریف محفوظ ہے وہاں وہ بردہ شریف بھی سنہرے صندوق میں کمرہ نمبر ۱۲ میں مرجع خاص و عام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ختم مبارکہ کا ایک اور عکس جو کہ مکتوبات مبارکہ سے اخذ کر کے بنایا گیا ہے اور جو احادیث مبارکہ کے بیان کے عین مطابق ہے

توپکاپی کا یہ عظیم المرتبت میوزیم بہت سے ایوانوں اور گیلریوں پر مشتمل ہے۔جن میں نہ صرف ہمارے آقا و مولیٰ حضور سرور دو عالم ﷺ کے آثار مبارکہ محفوظ ہیں بلکہ بہت سے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیا کرام رحمت اللہ علیہم کے آثار مبارکہ بھی محفوظ ہیں۔صدر ایوان میں جو درمیان میں واقع ہے میر امم اور رامت مسلمہ کے قافلہ سالار حضور نبی اکرم ﷺ کے تیر و کمان اور شمشیر ہائے بت شکن ہیں جن کو سونے کی میانوں میں رکھا گیا ہے۔جو ہیرے اور جواہرات سے مرصع ہیں۔ساتھ ہی چاروں خلفائے راشدین کی تلواریں بڑے قرینے سے رکھی ہیں۔ایک طرف عسا کر اسلامیہ کے سالار اور قیصر و کسریٰ کے فاتح عظیم حضرت خالد ابن ولید ؓ کی شمشیر براں پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی زبان حال سے ہر زائر کو حمیت و غیرت اور جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتی نظر آتی ہے اور اسی طرح وہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر مشاہیر اسلام کے تبرکات رکھے گئے ہیں۔ایوان کے وسط میں عالم اسلام کا قدیم ترین مصحف شریف رکھا گیا ہے۔اس کے اردگرد بہت سے چھوٹے بڑے صنادیق میں حضور نبی اکرم ﷺ کے دیگر آثار مبارکہ پڑے ہیں جن میں مذکورہ بردہ شریف بھی شامل ہے۔منذر بن ساویٰ حاکم بحرین کے نام حضور نبی اکرم ﷺ کے نامہ گرامی کا اصل جو چمڑے کی جھلی پر لکھا گیا تھا ایک سنہرے فریم میں موجود ہے۔اس کے علاوہ کچھ موئے مبارکہ ،لوح حجر پر نقش پائے مبارک اور فاتح قلوب اور شہنشاہ دو عالم ﷺ کا سیاہ رنگ کا علم مبارک (عقاب) وغیرہ مختلف مقامات پر خوبصورت شوکیسوں میں سجائے نظر آتے ہیں۔حضور نبی اکرم ﷺ کے تبرکات مبارکہ کے علاوہ کعبۃ المشر فہ کا قدیم دروازہ (باب المغفرۃ) بھی موجود ہے جو غالباً نور الدین زنگی ؒ کے دور کا ہے (جس کو سلطان مراد ثالث نے ایک نئے دروازہ سے بدلا تھا) اور پرانا میزاب رحمت بھی وہاں پر آویزاں نظر آتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی مہر مبارکہ (ختم - انگوٹھی)

حضرت انس ابن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم ﷺ کی انگوٹھی (ختم) کی مہر مبارکہ تین سطور پر مشتمل تھی :[نچلی سطر میں لفظ محمد اور اسکے اوپر والی سطر میں لفظ رسول اور بالائی سطر میں لفظ اللہ لکھا گیا تھا ۔] (۹۲) ایک اور حدیث مبارکہ میں وہ فرماتے ہیں کہ وہ ختم یعنی مہر مبارک حضور پرنور ﷺ کے زیر استعمال رہی ،پھر سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے پاس رہی اور پھر انکے وصال کے بعد سیدنا عمر ابن الخطاب ؓ کے پاس رہی اور پھر بعد میں سیدنا عثمان ؓ کے پاس رہی ایک مرتبہ سیدنا عثمان ؓ بیر اریس کی منڈیر پر بیٹھے تھے کہ وہ مہر مبارک اچانک ان کے ہاتھ سے کنویں میں گر گئی۔کنویں کا تمام تر پانی نکال دیا گیا مگر وہ نہ مل سکی ۔] (۹۳) حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ نے بھی ایک ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔(۹۴) اسی طرح حضرت علی ابن حسین علیہ السلام (امام زین العابدین ؓ) فرماتے ہیں :[حضور نبی اکرم ﷺ کی مہر والی انگوٹھی سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے پاس رہی اور پھر حضرت عمر ؓ کے پاس۔اس کے بعد وہ سیدنا عثمان ؓ کے پاس رہی جن سے وہ گم ہو گئی انہیں شہید کر دیا گیا پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ویسی ہی ایک انگوٹھی اپنے لیے بنوالی۔] (۹۵)

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ:[جب حضرت ابوبکرؓ نے زمام خلافت سنبھالی تو انہوں نے انکوایک خط لکھا جس کے اوپر حضور نبی اکرم ﷺ کی ختم مبارکہ سے مہر لگائی گئی تھی جس سے پتہ چلتا تھا کہ مہر مبارکہ کو تین سطروں میں کنداں کیا گیا تھا: لفظ محمد ایک سطر میں تھا، رسول دوسری سطر میں تھا جبکہ لفظ اللہ تیسری سطر میں تھا۔] حضرت انسؓ مزید فرماتے ہیں کہ حضور سرور کونین جناب رسول مقبول ﷺ کی انگوٹھی آپ حضور ﷺ کے دست مبارک میں رہی، پھر اس کے بعد جناب صدیق اکبرؓ نے پہنی اور پھر ان کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کے دست مبارک میں رہی اس کے بعد یہی ختم مبارک ذوالنورین سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے پاس تھی۔ ایک مرتبہ حضرت ذوالنورینؓ بیر اریس کی منڈیر پر بیٹھے اسے اپنی انگلی میں ہلا رہے تھے کہ اچانک وہ ختم مبارکہ کنویں میں گر پڑی۔ ہم تین دن تک کنویں پر جاتے رہے اور اسکا سارا پانی باہر نکال لیا گیا مگر وہ ختم مبارک نہ ملنی تھی اور نہ ملی۔] (۹۶) سید سمہودیؒ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:[ختم مبارک سیدنا عثمانؓ کے ہاتھ سے انکی خلافت کے چھٹے سال گری تھی۔ یقیناً اس میں معجزاتی اثرات تھے جیسے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی میں تھے۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی گم ہونے پر ان کے ہاتھ سے سلطنت چلی گئی تھی ایسے ہی سیدنا عثمانؓ سے انگوٹھی گم ہونے پر امت مسلمہ کی وسیع و عریض سلطنت پر ان کی گرفت ڈھیلی ہوگئی۔ ایک کے بعد دوسرے فتنوں نے انکے خلاف سر اٹھانا شروع کر دیا تا آنکہ انکی شہادت ہوگئی اور پھر وہ فتنے اتنے بے قابو ہوگئے کہ قیامت تک امت مسلمہ کے گلے کا ہار بن گئے ہیں۔] (۹۷)

حضرت ابوذبابؓ فرماتے ہیں کہ ختم المرسلین حضور سرور کونین ﷺ کی ختم مبارکہ لوہے کی تھی مگر اس کے اوپر چاندی کا ملمع کیا گیا تھا۔ کچھ عرصہ وہ میری تحویل میں بھی رہی۔ حضرت معیقبؓ کو خاص طور پر اس کے لیے مامور کیا گیا تھا۔ (۹۸) حضور سرور کونین سونے کی انگوٹھی کو ناپسند فرماتے تھے۔ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے روایت ہے کہ:[نجاشی شاہ حبشہ نے ایک مرتبہ حضور سرور کونین ﷺ کی خدمت میں کچھ تحائف ارسال کئے، جن میں ایک سونے کی انگوٹھی بھی تھی جس میں حبشہ کے ایک قیمتی پتھر کا نگینہ بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی توجہ اس سے پرے کرتے ہوئے ایک لکڑی یا انگوٹھے سے اسے اٹھایا اور پھر امامہؓ بنت ابوالعاص (جو آپ حضور ﷺ کی صاحبزادی سیدۃ زینبؓ سے نواسی تھیں) کو بلا کر فرمایا: لو میری پیاری بیٹی اس کو پہن لو۔] (۹۹) اسی طرح حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:[اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ایک مرتبہ سونے یا چاندی کی انگوٹھی پہنی جس کا نگینہ اپنی ہتھیلی مبارکہ کی طرف رکھا اس کے اوپر محمد رسول اللہ کنداں تھا۔ آپ کے اتباع میں لوگوں نے بھی ایسی ہی انگوٹھیاں پہننی شروع کر دیں۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ نے نوٹ کیا تو اپنی ختم مبارک اتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ [میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا اور پھر چاندی کی ایک انگوٹھی پہن لی۔ پھر لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں پہننی شروع کر دیں۔] حضرت عبداللہ ابن عمرؓ مزید فرماتے ہیں کہ:[حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد اس انگوٹھی کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہنا۔ پھر سیدنا عمر فاروقؓ نے اور ان کے بعد سیدنا عثمانؓ نے اسے اس وقت تک پہنا جب تک کہ وہ اریس کے کنویں میں نہ گر گئی۔] (۱۰۰) حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ:[رسول اللہ ﷺ کی مہر خاتم پر تین سطروں میں محمد رسول اللہ کنداں تھا ـ محمد ایک سطر میں، رسول دوسری سطر میں اور اللہ تیسری سطر میں تھا۔] (۱۰۱) یہی حدیث مبارکہ حضرت انس ابن مالکؓ سے مختلف راویان کرام کے سلسلہ سے روایت ہوئی ہے لکھائی کا یہی نمونہ مختلف مکتوبات نبویہ پر موجود ہے جو کہ مختلف سلاطین عالم کو حضور شہنشاہ دو عالم ﷺ کی مہر مبارکہ کے ساتھ روانہ کئے گئے تھے اور تمام سیرت نگار حضرات نے روز اول سے اسی نمونے کی نشان دہی کی ہے، بایں ہمہ ہم قارئین کی توجہ اس طرف دلانا چاہیں گے کہ توپکاپی میوزیم میں ایک مہر مبارک موجود ہے جس کے اوپر لکھائی کا نمونہ بالکل مختلف ہے، جس کا ایک عکس پہلے صفحے پر قارئین کی نظر ہے۔

مندرجہ بالا معتبر ترین احادیث کی روایات کے برعکس توپکاپی میوزیم میں محفوظ مہر مبارکہ میں اسم مبارکہ (محمد رسول اللہ) کو دو سطروں میں لکھا گیا ہے یعنی کلمات طیبہ محمد رسول ایک سطر میں اور لفظ اللہ اس کے اوپر دوسری سطر میں کنداں ہے جو کہ نہ صرف اوپر بیان کی گئی احادیث مبارکہ کے بر عکس ہے بلکہ اسی میوزیم میں موجود مکتوب مبارکہ بنام منذر بن ساوی حاکم بحرین کے اصل نسخے سے بھی متضاد ہے۔ ذیل میں دی گئی تصویر اس مہر مبارکہ جیسے بہت سے مکتوبات مبارکہ سے جو اس وقت دستیاب ہیں سے اخذ کیا گیا ہے جو اصل مہر مبارکہ کی عکاسی کرتی ہے۔ مزید برآں اوپر دی گئی

بادشاہی مسجد لاہور میں
محفوظ عمامہ شریف

احادیث مبارکہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اصل مہر مبارک تو بیر اریس میں گر کر گم ہو گئی تھی ایسے میں توپکاپی میوزیم میں رکھی ہوئی مہر مبارک کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ جیسے کہ حضرت زین العابدینؓ نے روایت کیا ہے کہ ان کے دادا حضور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے بھی ایک انگوٹھی اپنے لیے بالکل اسی طرز پر بنوائی تھی۔ (۱۰۲) لیکن اس میں بھی یہ اشکال پایا جاتا ہے کہ وہ انگوٹھی بھی چونکہ نقل بمطابق اصل تھی اس لیے یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ توپکاپی میں موجود مہر مبارکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی ہو سکتی ہے لہٰذا ہم یہ ابہام قاری کی صوابدید پر انحصار کرتے ہیں کہ وہ توپکاپی میں موجود مہر مبارکہ پر اپنی رائے خود قائم کر سکے۔

حضور پرنور سرکار دو عالم ﷺ سر مبارک پر قطری عمامہ رکھا کرتے تھے

حضرت انس ابن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ: [میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو وضو کرتے دیکھا آپ کے سر مبارک پر قطری عمامہ تھا آپ نے اپنے دست مبارکہ کو عمامہ کے اندر ڈال کر سر کا مسح فرمایا مگر اپنے عمامہ مبارکہ کو سر اقدس سے نہیں اتارا۔] (۱۰۳) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ: [حضور نبی اکرم ﷺ فتح مکہ کے دن سیاہ رنگ کا عمامہ پہنے ہوئے تھے۔] (۱۰۴) حضرت امام حسنؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ: [جناب رسول مقبول ﷺ کا علم مبارک سیاہ رنگ کا تھا اور عمامہ مبارک بھی سیاہ رنگ کا ہی ہوا کرتا تھا۔] (۱۰۵) ابن الاثیر لکھتے ہیں کہ: [اللہ کے رسول ﷺ اپنی ہر چیز کا کوئی نام ضرور رکھتے تھے۔ آپ کے پاس ایک عمامہ تھا جس کو سحاب کہا جاتا تھا جس کے نیچے حضور نبی اکرم ﷺ ایک ٹوپی (قلنسوہ) پہنا کرتے تھے۔ (۱۰۶) جیسے کہ اس باب کے شروع میں دی گئی تصویر سے ظاہر ہے، بادشاہی مسجد لاہور میں حضور سرور دو عالم کے بہت سے آثار مبارکہ محفوظ ہیں جن میں کہ ایک حضور والا شان صاحب التاج والمعراج والعلم ﷺ کا عمامہ مبارکہ بھی ہے۔ ان آثار مبارکہ کا مفصل تاریخی جائزہ انشاءاللہ اسی باب میں ایک دوسرے مقام پر دیا جائے گا۔

مکتوبات شہنشاہ دو عالم علیہ افضل الصلوٰۃ واتم تسلیما بنام خسروان عالم

جب تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مدینہ منورہ کی سب سے پہلی اسلامی ریاست کو ایک خود مختار ریاست کے طور پر صلح نامہ حدیبیہ کی رو سے دشمنان اسلام سے تسلیم کروا لیا اور فتح خیبر کے بعد یہود بے بہبود عاصمہ اسلام مدینہ منورہ کے باج گزار بن گئے تو شہنشاہ دو عالم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی توجہ ان سلاطین عالم کی طرف مبذول کی جن کے ممالک مدینہ منورہ کے گرد و نواح میں اس نئی ابھرتی ہوئی قوت کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھنے لگ گئے تھے۔ جبکہ ساسانی کسریٰ کا ڈنکا مشرق سے لیکر جنوب (یمن) تک بجتا تھا، قیصر کا سکہ شمال سے لیکر افریقہ میں شمال مغرب (مصر) تک چلتا تھا اور افریقہ کا معتدبہ حصہ صدیوں سے سلطنت حبشہ کے زیر نگوں تھا لہٰذا احکام خداوندی کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے، جو کہ پوری نوع انسانی کے لیے رہتی دنیا تک مبعوث ہوئے ہیں، اپنی نبوت کے اعلان کے لیے ان سلاطین عالم کو چنا جو اس وقت کرہ ارض کے بیشتر حصے پر راج

مسلمہ کذاب کے نام خط کا عکس (توپکاپی میوزیم، ترکی)
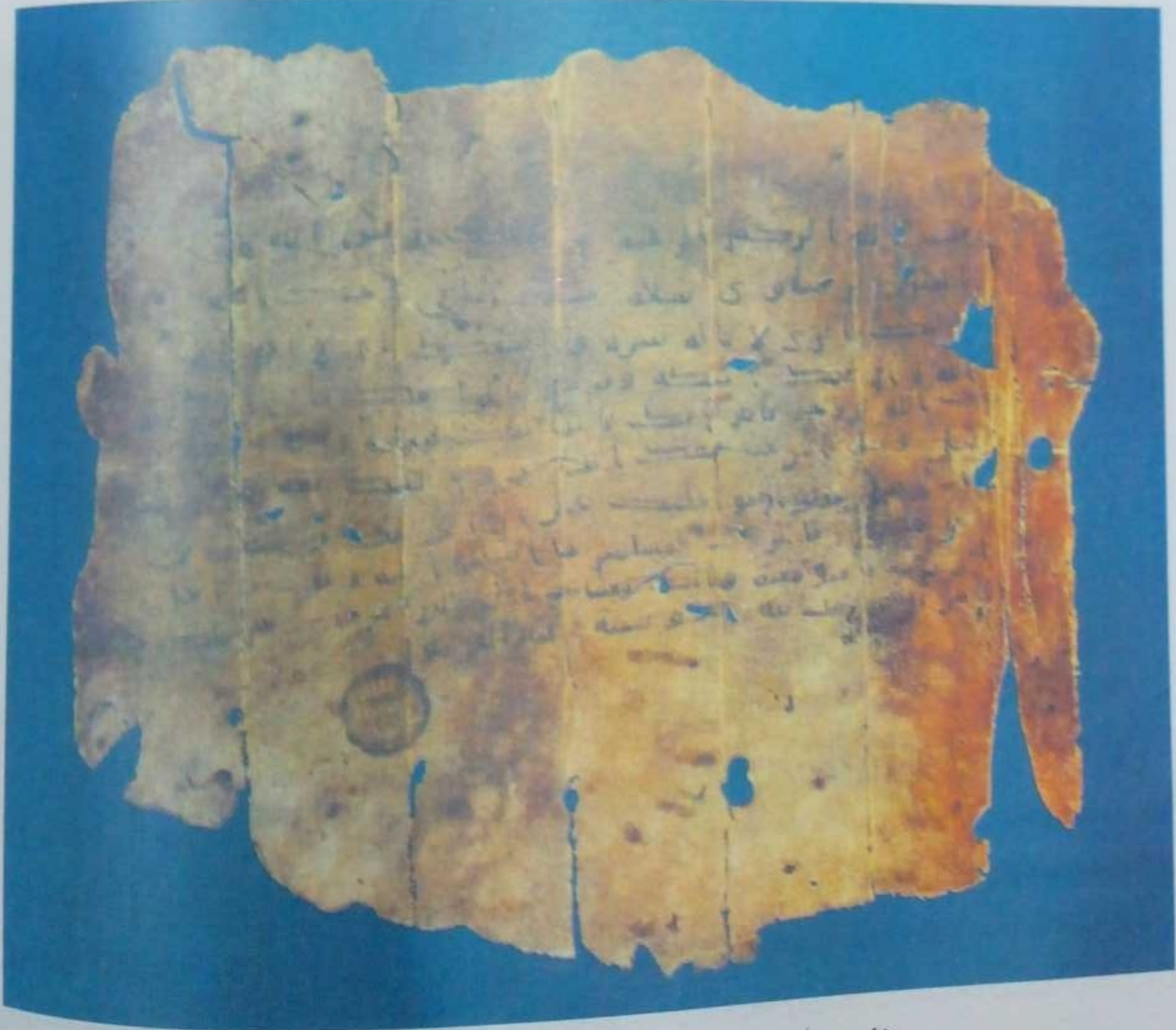
حضور سید عالم ﷺ کا منذر الساوی والی بحرین کے نام خط کا عکس (توپکاپی میوزیم، ترکی)

حارث الغسانی
کے نام خط کا عکس
(توپکاپی میوزیم، ترکی)

کرتے تھے۔ لہذا حضور پر نور ﷺ نے خسرو ایران سے قیصر روم تک اور حبشہ سے لیکر غسانی اور بحرینی ریاستوں کے امیروں تک اسلام کے دعوت نامے روانہ فرمائے۔ ان مکتوبات مبارکہ میں جہاں بین الاقوامی پروٹوکولز کا خیال رکھا گیا تھا وہاں خط و کتابت کا ایک اچھوتا انداز اپنایا گیا جس کو صرف اور صرف انداز نبویانہ ہی کہا جا سکتا ہے، اور بغیر کسی لگی لپٹی کے اعلان نبوت کر دیا گیا اور دعوت اسلام بھی دے دی گئی۔ مندرجہ ذیل اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا انتخاب ہوا جو شہنشاہ دو عالم ﷺ کے دعوت نامے لیکر ان سلاطین عالم کے درباروں میں پہنچے:-(۱۰۷)

(۱) حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبیؓ رومی ہرقل کے پاس پہنچے۔ (۲) حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمیؓ ساسانی خسرو پرویز کے دربار میں گئے
(۳) حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ شاہ حبشہ نجاشی کے پاس گئے (۴) حضرت حاطب بن ابوبلتع اللخمیؓ مصر کے قبطی مقوقس جریج کے ہاں گئے
(۵) حضرت العلا بن الحضرمیؓ منذر بن ساویٰ حاکم بحرین کے پاس (۶) حضرت شجاع بن وہب الاسدیؓ کو ابی شمر الغسانی امیر دمشق کی طرف روانہ کیا گیا۔

سیرت نگاروں نے نہ صرف ان مکتوبات نبویہ کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے بلکہ حضور والا شان ﷺ کے دیگر مکتوبات جو دوررس سیاسی اور دینی اثرات کے حامل تھے (جن میں بہت سارے تعہدات اور معاہدے مثلاً محکوم اور باج گزار رعایا کے انسانی حقوق اور وہ مذہبی اور شخصی آزادیاں شامل تھیں جن کو آج بھی دنیا مثالی سمجھتی ہے) کے متنوں کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا تھا۔ ابن سعد نے تقریباً ستر ایسے وثائق کے متن اپنی طبقات الکبریٰ میں دیئے ہیں اور اسی طرح طبری اور دیگر مورخین حضرات نے نہ صرف انکی تصدیق اور توثیق کی ہے بلکہ بہت سے ایسے معاہدے بھی شامل کیئے ہیں جن سے ابن سعد سے صرف نظر ہو گیا تھا یا جن تک ان کی دسترس نہ ہو سکی تھی۔

دستخطوں کی بجائے سید الاولین والآخرین ﷺ اپنی ختم مبارکہ سے ان مکتوبات اور معاہدات پر مہر ثبت کر دیتے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ: [جب شہنشاہ دو عالم ﷺ نے کسریٰ (خسرو پرویز)، قیصر روم اور نجاشی شاہ حبشہ کو دعوت نامے ارسال کرنے کا فیصلہ کیا تو ان سے عرض کیا گیا کہ وہ ایسے خطوط نہ لیں گے جن کے اوپر مرسل کی مہر نہ ہو گی تو اس وقت حضور والا شان ﷺ نے مہر کی انگوٹھی بنوائی جو چاندی کی تھی اور جس کے نگینے پر محمد رسول اللہ کندہ تھا۔] (۱۰۸) اس بارے میں باقی تفاصیل اوپر دی جا چکی ہیں۔ مدینہ طیبہ کی تاریخ کے حوالے سے ہم نے صرف پانچ ایسے مکتوبات مبارکہ کا انتخاب کیا ہے جو عاصمۃ الطیبہ سے اس وقت کی عالمی قوتوں کے نام بھیجے گئے تھے اور جن کے دوررس نتائج یہ نکلے کہ وہ سارے کے سارے دار السلطنت تھوڑے ہی عرصہ میں عاصمۃ العالم الاسلامی کے آگے سرنگوں ہو گئے اور یوں مدینۃ النبی واقعتاً اکالۃ القریٰ ثابت ہوا جیسا کہ صادق مصدوق حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس شہر حبیب کے متعلق بہت پہلے ہی فرما دیا
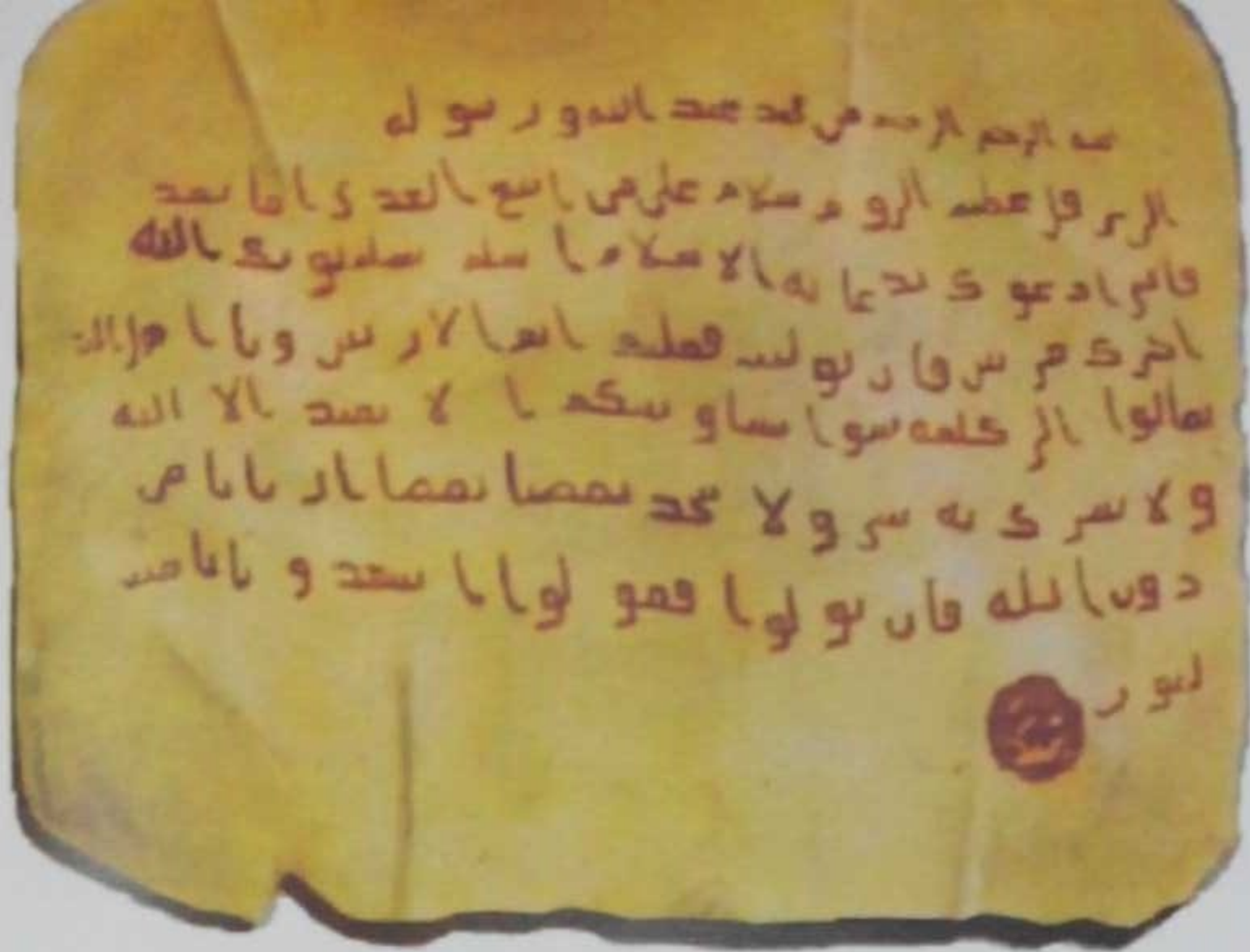
حرقل شہنشاہ روم کے نام لکھے گئے مکتوب مبارک کا ایک عکس

تھا کہ میرا یہ مدینہ شہروں کہ ہڑپ کر جائے گا. مورخین اور علماء کرام نے اسی ایک موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں. قدیم مورخین میں سے ابن سعد اور طبری وغیرہم نے ایسے تمام مکتوبات کے متن آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر دیئے تھے. ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی انتھک کاوشوں نے انہیں مجموعۃ الوثائق السیاسیہ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدہ کی شکل میں یکجا کر دیا ہے.

مکتوب مبارک بنام حرقل شہنشاہ روم

رومیوں کا دار السلطنت قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) تھا. جب انہوں نے ایرانیوں کو شکست دی تو حرقل جس کا سرکاری لقب قیصر ہوا کرتا تھا اس وقت یروشلم میں گیا ہوا تھا تا کہ ان مفتوحہ علاقوں میں نظم و نسق بحال کر سکے. اس نے بلاد الشام کو دو صوبوں میں تقسیم کر دیا تھا لہذا قاصد رسول ﷺ حضرت دحیہ کلبی ؓ کو شمال کی جانب بصرہ کی طرف سفر کرنا پڑا تا کہ عامل بازنطینی کو حاکم بصرہ کی وساطت سے مکتوب پیغمبر آخر الزماں ﷺ پہنچایا جا سکے. (۱۰۹)

حرقل شاہی روایات کے مطابق قاصد نبوی کے ساتھ بہت عزت و احترام سے پیش آیا. اس وقت ابوسفیان جو ابھی مکہ کے سردار کی حیثیت سے حضور نبی اکرم ﷺ اور دین اسلام سے معاندانہ رویہ رکھتے تھے تجارت کی غرض سے وہاں موجود تھے. انکی وہاں موجودگی میں دربار سجایا گیا اور حضرت دحیہ کلبی ؓ کو شاہی دربار میں طلب کیا گیا. صحیح مسلم اور بخاری شریف میں اس واقعہ کی تمام روداد درج ہے. اسلام قبول کر لینے کے بعد ابوسفیان ؓ نے اس شاہی استقبال کا ذکر کیا ہے. انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ شاہ روم نے مکتوب نبوی شریف کو بہت عزت و احترام سے بحفاظت رکھ لیا تھا. مورخین نے اس خط کا متن بھی دیا ہے جو حرقل نے بارگاہ رسالت مآب میں نہایت ہی مودبانہ الفاظ میں روانہ کیا تھا. وہ مکتوب نبوی ایک نسل سے دوسری نسل میں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل ہوتا رہا. یہ مکتوب مبارک سپین سے ہوتا ہوا فرانس پہنچا اور پھر وہاں سے ابوظہبی کی حکومت نے زر کثیر دے کر حاصل کر لیا اور اس طرح یہ مکتوب مبارک مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا. لیڈز یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ریڈ نے اس مکتوب مبارک پر مختلف قسم کے فحوص و تجربات کئے اور یوں اس کے اصلی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی. پھر اردن کے شاہ حسین نے اسے حاصل کر لیا اور اب یہ مکتوب مبارک مسجد ہاشمیہ میں اردن کے توشہ خانہ میں نمائش کے لیے رکھ دیا گیا ہے.

اس مکتوب مبارک کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے: (۱۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ محمد اللہ کے عبد اور رسول کی طرف سے حرقل شاہ بازنطین کے نام.

مقوقس والیٔ مصر کے نام لکھے گئے مکتوب مبارک کا ایک عکس

سلام ہو اس پر جو راہ ہدایت اختیار کرے۔ میں تمہیں دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم دائرہ اسلام میں آ جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں امان اور دوہرا انعام دیگا۔ اگر تم میری دعوت قبول نہیں کرتے تو تم اپنی رعایا کے جرم (کفر) کے بھی ذمہ دار ٹھہرو گے۔ [اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کریں گے اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں گے اور نہ ہی کسی اور کو اللہ کے سوا اپنا رب گردانیں گے، پھر بھی اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہنا ہم تو مسلمان ہیں - القرآن سورہ آل عمران: ۶۴۔]

مہر مبارک [محمد رسول اللہ]

مکتوب مبارک مقوقس حاکم مصر کے نام

یہ مکتوب مبارک جس کا عکس درج ذیل ہے بازنطینی حکومت کے مصری وائسرائے کے نام بھیجا گیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس یا اس کے کسی اہل کار نے وہ مکتوب مبارک قبطی کلیسا کے کسی پادری کو دے دیا ہوگا اور پھر یہ مکتوب مبارک بہت سے ہاتھوں اور نسلوں سے ہوتا ہوا اخمین میں واقع قبطی کلیسا میں پہنچ گیا جہاں کسی عامل نے اور کاغذوں کے ساتھ ملا کر اس نامہ مبارکہ کا ایک گتا سا بنا لیا جس سے ایک قدیم انجیل کی جلد بنا دی گئی۔ اتفاق کی بات ہے کہ ایک فرانسیسی مستشرق (بارتھلیمی) جو پرانے مخطوطوں کا کھوج لگا رہا تھا کی نظر اس نامہ مبارکہ پر پڑ گئی اور اس نے اسے مجلۃ الاسیاویہ (رسالہ ایشیاء) میں شائع کر دیا۔ یوں یہ مکتوب مبارک صدیوں کے گوشہ گمنامی سے منصۂ شہود پر نمودار ہو گیا۔ جونہی یہ خبر عام ہوئی ترکی کے سلطان عبدالمجید نے تین سو اشرفیوں کے عوض ۱۲۷۵ ہجری (۱۸۵۸ء) میں اسے خرید لیا، پھر یہ مکتوب مبارک استنبول لایا گیا اور یوں یہ اب توپکاپی میوزیم میں زیر نمائش ہے۔ یہ مکتوب مبارک جھلی پر لکھا گیا تھا۔ مسلمان محقق اس کی کتابت کو سیدنا ابو بکر صدیق ؓ سے منسوب کرتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے ایام میں مصر بازنطینی سلطنت کی باج گزار ولائت تھی جن کی طرف سے نیا بتاً قبطی مصری امیر مقرر رہا کرتے تھے جن کا رسمی لقب مقوقس ہوا کرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی طرف سے نامہ مبارکہ جس مقوقس کے نام ارسال کیا گیا تھا اس کا نام جریج بن میناء تھا جو اس وقت کا مقوقس تھا۔ حضرت حاطب بن ابو بلتع ؓ نے اس نامہ مبارکہ کے قاصد کے فرائض ادا کئے۔ نامہ مبارکہ کا مضمون بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ حرقل روم کے نام تھا یعنی: (۱۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد اللہ کے عبد اور رسول کی طرف سے حرقل شاہ بازنطین کے نام۔

سلام ہو اس پر جو راہ ہدایت اختیار کرے۔ میں تمہیں دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم دائرہ اسلام میں آ جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں امان

اور دوہرا انعام دیگا، اگر تم میری دعوت قبول نہیں کرتے تو تم اپنی رعایا کے جرم (کفر) کے بھی ذمہ دار ٹھہرو گے۔ [اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کریں گے اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں گے اور نہ ہی کسی اور کو اللہ کے سوا اپنا رب گردانیں گے، پھر بھی اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہنا ہم تو مسلمان ہیں۔ القرآن سورہ آل عمران ۶۴۔]

مہر مبارک [محمد رسول اللہ]

مقوقس نے وہ نامہ مبارکہ بحفاظت رکھ لیا، اگر چہ وہ مسلمان تو نہیں ہوا مگر قاصد رسول اللہ ﷺ کی توقیر اور مہمانداری میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور واپسی پر چار کنیزیں، جن میں سیدۃ ماریہ قبطیہ (ام ابراہیمؓ) بھی شامل تھیں (۱۱۲) اور انکی ہمشیرہ سیرین کو ایک خادم (حضرت مامور الخصی) کی معیت میں کچھ سونا، سواری کے لیے دلدل نامی مشہور خچر اور چند قیمتی لباس، (۱۱۳) ایک شیشے کا گلاس اور ایک چھوٹا سا صندوق جس میں بعد میں سرور دو عالم ﷺ اپنا آئینہ، ہاتھی دانت کی کنگھی، ایک قینچی اور مسواک رکھا کرتے تھے، (۱۱۴) حضور والا شان کی خدمت اقدس میں بھیجا۔ مقوقس ہمیشہ قبطی عیسائی ہی رہا اور اسی طرح اس دنیا سے سدھارا جب کہ سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے ہاتھوں مصر فتح ہوا۔

نامہ مبارک بنام خسرو پرویز

ساسانی شہنشاہ خسرو پرویز کے نام لکھے گئے مکتوب مبارک کا ایک عکس

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا: [کسریٰ مر جائے گا اور اسی طرح قیصر بھی مر جائے گا مگر اس کے بعد کوئی اور قیصر و کسریٰ نہیں ہوگا۔ اس رب ذوالجلال کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ان کی دولت اور خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔] (۱۱۵) کسریٰ ساسانی خاندان کے ایرانی شہنشاہوں کا لقب تھا جن کا دارالسلطنت مدائن تھا۔ ایرانی زرتشت کے پیروکار ہوا کرتے تھے اور آتش پرست تھے۔ اس مہم کے نامہ بر حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمیؓ تھے جنہوں نے وہ نامہ مبارکہ منذر بن ساویٰ کے وساطت سے خسرو پرویز کو پہنچایا۔ نامہ مبارکہ کا عربی متن ابن الاثیر نے الکامل فی التاریخ میں دیا ہے (۱۱۶) نامہ مبارکہ کا مضمون اس طرح تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد اللہ کے عبد اور رسول کی طرف سے فارس کے عظیم کسریٰ کے نام۔

سلام ہو اس پر جو راہ ہدایت اختیار کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور شہادت دے کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اب میں تمہیں اللہ کے دین کی طرف دعوت دیتا ہوں کیونکہ مین اللہ کا رسول ہوں جسے تمام نوع انسانی کے لیے بھیجا گیا ہے تاکہ جو بھی زندہ ہے اس کو (اسکے مکافات عمل سے) ڈراؤں اور کفار پر اللہ کے احکام کی حجت ہو۔ اس لیے (سرکشی چھوڑ کر) اللہ کے حضور سر تسلیم خم کر لو۔ وگرنہ تمہارے انکار کی صورت میں مجوسیوں کے گناہ کے بھی تم سزاوار ٹھہرائے جاؤ گے۔

مہر مبارک [محمد رسول اللہ] (۱۱۷)

جب نامہ مبارکہ خسرو کے سامنے پڑھا گیا تو وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا. طاقت کے نشے میں چور بد بخت نے غضبناک ہو کر نامہ مبارکہ کو پھاڑ ڈالا. اس نے قاصد رسول اللہ ﷺ حضرت خذافہ ؓ کو دھمکی بھی دی کہ اگر اسے بین الاقوامی رسم و رواج کا خیال نہ ہوتا تو وہ نامہ بر کو بھی جان سے مار دیتا. حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ: [اللہ کے رسول ﷺ نے ایک مکتوب خسرو کے پاس بھیجا اور نامہ بر کو ہدایت کی کہ وہ حاکم بحرین کے وساطت سے اسے خسرو تک پہنچا دیں. جوں ہی خسرو نے وہ نامہ مبارکہ پڑھا تو اس نے اسے پھاڑ ڈالا. الزہری کہتے ہیں کہ انکے خیال میں حضرت سعید ابن مسیب ؓ (جو اس حدیث کے راوی ہیں) نے کہا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خسرو کے حق میں اللہ تعالیٰ سے بد دعا کی تھی کہ خسرو کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں.] (۱۱۸) ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ: [جب قاصد اپنی اس مہم سے واپس لوٹے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں تمام ماجرا عرض کیا تو حضور والا شان ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسریٰ نے اپنی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے.] (۱۱۹)

پہلی جنگ عظیم کے بعد ایک لبنانی عیسائی نے اس نامہ مبارکہ کو دمشق سے ۱۵۰ اشرفیوں کے عوض خرید لیا. وقت گزرتا گیا تا آنکہ ۱۹۶۲ء میں اس مشتری کے بیٹے (جس کا نام ہنری فرعون تھا اور اس وقت لبنان کا وزیر خارجہ تھا) نے اعلان کیا کہ اس کے پاس عالم اسلام کا ایک بیش بہا خزانہ ہے. اس وقت کے بڑے بڑے محققین اسلام نے نامہ مبارکہ کے اصلی ہونے کی تصدیق بھی کی.

نجاشی شاہ حبشہ کو لکھے گئے
بہت سے خطوط میں سے
ایک کا عکس

شاہ حبشہ نجاشی (ادمہ) کے نام مکتوب مبارک

حضرت عمرو بن امیہ ؓ کو اس نامہ مبارکہ کے قاصد ہونے کا شرف حاصل ہوا. جب نجاشی نے نامہ مبارکہ کو پڑھا تو اس نے کمال احترام سے اس کا بوسہ لیا اور اپنے تخت سے نیچے اتر آیا اور اپنے اسلام لانے کا اقرار کرتے ہوئے یوں گویا ہوا: [اے کاش کہ میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو سکتا.] (۱۲۰) اس نامہ مبارکہ کا متن کچھ اس طرح تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـ محمد اللہ کے عبد اور رسول کی طرف سے حبشہ کے عظیم حکمران نجاشی کے نام.

سلام ہو اس پر جو راہ ہدایت اختیار کرے. تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو بلا شرکت غیرے تمام کائنات کا حاکم و مالک ہے اور جو قدوس، السلام، المومن اور المہیمن ہے. میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام روح اللہ اور اللہ کا کلام ہیں جو سیدۃ مریم، جو کہ عذرا اور برائی کے خلاف برہان تھیں کو بغیر کسی بشری واسطے کے القاء ہوا. اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی روح سے بالکل ایسے ہی پیدا کیا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا. میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے دعوت دیتا ہوں جو لاشریک لہ ہے اور جس کی کوئی مثال نہیں. آیئے اس کی اطاعت کے لیے آپ میرے ساتھ ہو جایئے. میری اطاعت کریں اور مجھے اللہ کا رسول مانیں. میں رب ذوالجلال کا ارسال کردہ رسول ہوں. میں نے پوری دیانت داری سے اللہ کا پیغام پہنچا کر تمہارے لیے بہبود اور خیر کا سامان کیا ہے. میری سنو اور اپنی رعایا کو بھی یہی دعوت دو. سلام ہو ان پر جنہوں نے صراط مستقیم اختیار کیا.

مہر مبارک [محمد رسول اللہ]

حاکم بحرین کے نام مکتوبات مبارکہ کے مندرجات کو کمپیوٹر کے ذریعے اخذ کیا گیا ہے

جب دعوت نامہ پڑھا جا رہا تھا تو نجاشی پکار اٹھے: [میرے لیے یہ کتنے فخر کی بات ہوتی اگر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتا۔ اے رب ذوالجلال والاکرام تو گواہ رہنا کہ آنحضرت ہی وہ نبی الامی ہیں جن کا یہود و نصاریٰ کو انتظار تھا۔ شاہ نجاشی نے قاصد رسول ﷺ حضرت عمرو بن امیہ ؓ کی بہت عزت و توقیر کی اور اپنے دربار شاہی کے شایان شان بہت سے تحائف حضور سرور دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں روانہ کیے۔

نامہ گرامی بنام منذر بن ساوی حاکم بحرین

حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خط و کتابت کے تبادلے کے بعد حاکم بحرین منذر بن ساوی اپنی رعایا سمیت حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور دولت مدینہ طیبہ کے باج گزار ہو گیا۔ اس لیے حضور سرور دو عالم ﷺ نے منذر بن ساوی کو بہت سے مکتوبات ارسال فرمائے۔ اوپر دیئے گئے عکس والے نامہ مبارک کی اصل حاکم بحرین کی اولاد کے قبضے میں رہی تا آنکہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اسے حاصل کر لیا اور پھر قواتی خاندان کی تحویل میں رہی جن سے سلطنت عثمانیہ نے اسے حاصل کر لیا۔ نامہ گرامی کا متن کچھ یوں ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد اللہ کے عبد اور رسول کی طرف سے منذر ابن ساوی کے نام:

تم پر سلامتی ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کی بے حد حمد و ثنا کرتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے اور جس کے سواء کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ میں رب الاحد والصمد کی وحدانیت اور اپنے آپ کے اللہ کے نبی اور عبد ہونے کی گواہی دیتا ہوں۔ اس کے بعد میں تمہاری توجہ اللہ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ جو بھی میری نصیحت کو قبول کرے گا فلاح پائے گا۔ جس نے بھی میرے قاصد کی نصیحت پر کان دھرے اور اسکی باتوں پر عمل کیا اس نے گویا میری نصیحت قبول کر لی۔ تم اپنے منصب پر قائم رہو گے۔ ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کے وفادار رہنا۔

مجھے بحرینی عوام کے متعلق تمہاری سفارشات قبول ہیں۔ میں مجرموں کے گناہوں کو معاف کرتا ہوں، لہٰذا تم بھی ان کو معاف کر دینا۔ البتہ بحرین کے باسیوں میں سے جو اپنے آبائی دین یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہنا چاہیں انہیں تم کو جزیہ دینا ہو گا۔

مہر مبارک [محمد رسول اللہ]

مندرجہ بالا چاروں نامہ ہائے مبارکہ جو کہ اس وقت کی عالمی قوتوں کے نام ارسال کئے گئے تھے کے علاوہ اور بھی بہت سے مکتوبات گرامی تھے جو چھوٹی چھوٹی ولایتوں کے رؤساء اور قبائلی سرداروں کے نام تھے۔ ایسا ہی ایک نامہ گرامی جیفر اور عبد پسران جلندی کے نام بھیجا گیا تھا جو ولایت عُمان کے مشترکہ والی تھے۔ (۱۲۱) اس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

محمد اللہ کے رسول کی طرف سے جیفر اور عبد پسران جلندیٰ کے نام:

سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کا اتباع کیا۔ اما بعد: میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ تو تم امان پاؤ گے۔ بلاشک میں اللہ کا تمام بنی نوع انسان کی طرف بھیجا گیا رسول ہوں تا کہ کفار میں سے جو لوگ بقید حیات ہیں ان کو اللہ کا پیغام پہنچاؤں۔ اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تمہاری مدد اور حفاظت کروں گا، اور اگر تم اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہو تو یاد رکھنا تمہارا ملک تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا اور میرے گھوڑے تمہاری سرزمین کو روند دیں گے اور میری نبوت تمہارے ملک میں قائم ہو کر رہے گی۔

مہر مبارک [محمد رسول اللہ]　　　　　　(کاتب: ابی بن کعبؓ)

یہ عکس اسی نامہ مبارکہ کا ہے جو کہ کھال کی جھلی پر لکھا گیا تھا اور آج بھی توپکاپی میوزیم میں محفوظ ہے

باقی مکتوبات مبارکہ میں ایک ایسا وثیقہ بھی ہے جو حضور سرورِ دو عالم ﷺ کی طرف سے طور سینا، پر واقع سینٹ کیتھرائن کے کلیسا کے پادریوں کے نام مخاطب کیا گیا تھا جس میں حضور سید الاولین والآخرین اور رحمت اللعالمین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف سے نصاریٰ کے حقوق کے چارٹر کے طور پر دیا گیا تھا۔ چونکہ اس نامہ گرامی کے نفس موضوع کا تعلق غیر مسلموں کی حفاظت سے ہے جس کی ذریعے انکو اپنے دین کے مطابق عبادت کی آزادی اور اپنے ہم مذہبوں پر اپنا ضابطہ قانون نافذ کرنے کی اجازت دی گئی تھی اور اس کی رو سے ان لوگوں کو وہ شخصی آزادیاں اور حقوق انسانی عطا کئے تھے جن کا آج کی متمدن دنیا حال ہی میں ادراک کر سکی ہے جو کہ دولت اسلامیہ مدینہ طیبہ نے چودہ سو سال پہلے عطا کرنے کا اعلان فرما دیا تھا اس لیے ہم ان نامہ مبارکہ کی نص کے ترجمے کو قارئین کی نظر کرنا چاہیں گے:

اس نامی گرامی کا اردو ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

یہ عہد نامہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی طرف سے ان عامۃ الناس کے لیے ہے جنہوں نے اپنے لیے دین مسیحی کا انتخاب کیا ہے۔ وہ دور ونزدیک جہاں بھی ہوں ہم ان کے ساتھ ہیں۔

بلاشک میں خود اور میرے انصار و مہاجر ساتھی اور میرے متبعین انکا دفاع کریں گے اس لیے کہ نصاریٰ میری رعایا ہیں اور رب ذوالجلال کی قسم ہر وہ بات مجھے ناگوار ہے جس سے انکو اذیت ہوتی ہو۔

ان کے اوپر کوئی جبر و اکراہ روا نہیں رکھا جائے گا۔

انکے قاضی اپنے عہدوں پر برقرار رہیں گے اور نہ ہی ان کے پادریوں کو انکی کلیساؤں سے ہٹایا جائے گا۔

کوئی بھی انکی عبادت گاہوں کو مسمار نہیں کرے گا اور نہ ہی انکو کوئی گزند پہنچایا جائے گا اور نہ ہی مسلمانوں کو یہ اجازت ہوگی کہ وہاں سے کوئی چیز اٹھا لے جائیں۔

جو کوئی بھی ایسا کرے گا اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو توڑنے کا ارتکاب کرے گا اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے گا۔ بلاشک وہ میرے حلیف ہیں اور ہر اس تکلیف اور نقصان سے جن کا کہ انہیں خوف ہو محفوظ ہیں۔

کوئی بھی انہیں لڑائی پر روانہ ہونے کے لیے مجبور نہیں کرے گا۔ مسلمان ان کی جگہ لڑیں گے۔

نامہ مبارکہ بنام جیفر اور عبد جو کہ دونوں بھائی اومان کے مشترکہ حکمران تھے (بشکریہ وثائق السیاسیہ ص: ۱۶۳)

اگر کسی عیسائی لڑکی کی شادی کسی مسلم سے ہوتی ہے تو یہ اس کی رضا ورغبت کے بغیر نہیں ہو سکے گی. ایسی صورت میں اسے عبادت کے لیے اپنے چرچ جانے سے نہیں روکا جائیگا.

ان کے کلیساؤں کا احترام کیا جائے گا. انکی دیکھ بھال اور مرمت میں یا انکے ارکان دین کی ادائیگی میں کوئی رخنہ نہیں ڈالا جائے گا.

میری امت میں سے کوئی بھی اس عہد نامے کی نافرمانی نہیں کرے گا.

حضور سرور دو عالم ﷺ کے پیالہ جات مبارکہ

حضرت عاصم بن احولؓ بیان کرتے ہیں کہ: میں نے حضرت انس ابن مالکؓ کے ہاں حضور نبی اکرم ﷺ کا پیالہ مبارک دیکھا ہے. یہ کچھ ٹوٹ گیا تھا اور انہوں نے اس کی مرمت چاندی کی تار سے کرلی تھی. وہ پیالہ مبارکہ کافی بڑا تھا اور نضار (جھاؤ) کی لکڑی سے بنایا گیا تھا. حضرت انس ابن مالکؓ خود بیان فرماتے ہیں: [میں نے کتنی ہی بار اس پیالے سے اپنے آقا و مولی کو پانی پیش کیا.] حضرت ابن سیرین (جو حضرت انس ابن مالکؓ کے غلام تھے) فرماتے ہیں: اس پیالے کے گرد ایک آہنی تار جڑ دی گئی تھی اور حضرت انسؓ اسے چاندی یا سونے کی تار سے بدلنا چاہتے تھے مگر حضرت ابو طلحہؓ (جو کہ ان کے سوتیلے والد تھے) نے انہیں فرمایا کہ اس چیز کو نہ بدلیں جس کو اللہ کے پیارے حبیب نے بنایا ہو. لہذا حضرت انسؓ نے اسے ایسے ہی رہنے دیا.] (۱۲۲)

اسی طرح حضرت ابو بردہؓ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: کیوں نہ میں آپکے لیے اس پیالے میں پانی بناؤں جس سے نبی اکرم ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا. (۱۲۳) حضرت انس ابن مالک نے فرمایا: جب حضور سرور دو عالم ﷺ کا پیالہ مبارکہ ٹوٹ گیا تو میں نے اس ٹوٹی ہوئی جگہ کے گرد چاندی کی تار لپیٹ دی. اس حدیث مبارکہ کے راوی ثانی حضرت عاصمؒ فرماتے ہیں کہ: [میں نے اس پیالے کو دیکھا اور اس سے پانی بھی پیا ہے.] (۱۲۴) اسی طرح حضرت شریکؒ حضرت حمیدؒ کی روایت پر بیان کرتے ہیں کہ: [میں نے وہ پیالہ حضرت انس بن مالکؓ کے ہاں دیکھا اور اس کو جوڑنے کے لیے اس کے اوپر چاندی کی تار کس دی گئی تھی.] (۱۲۵) حضرت حجاج بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ [ہم حضرت انس ابن مالکؓ کے ہاں گئے ہوئے تھے، وہ کالے رنگ کے ایک غلاف یا تھیلی میں لپٹا ہوا وہ پیالہ لیکر آئے. حضرت انسؓ نے ہمارے لیے اس میں پانی لایا جانے کا حکم دیا اور جب پانی لایا گیا تو ہم سب نے اسکو نوش کیا اور اس میں سے کچھ پانی اپنے چہروں اور سروں پر بھی چھڑکا اور پھر ہم رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام پڑھتے رہے.] (۱۲۶) حضرت ابن جریجؒ نے حضرت عطاءؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مقوقس حاکم مصر نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں شیشے کا ایک گلاس تحفتاً ارسال کیا تھا. جس سے حضور پر نور ﷺ پانی نوش فرمایا کرتے تھے. (۱۲۷)

اسی طرح حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ بیان کرتے ہیں: [اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ اپنے اصحابہ کرام کی معیت میں سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف گیے اور پھر وہاں کچھ دیر کے لیے استراحت فرمائی. پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے سہل مجھے پانی لاکر دیجئے. لہذا میں نے یہ پیالہ نکالا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا.]. اس حدیث مبارکہ کے راوی ثانی بیان کرتے ہیں (کہ جب وہ ہمیں یہ بتا رہے تھے) وہ یہ پیالہ ہمارے لیے نکال کر لائے اور پھر ہم سب نے اس مبارک پیالے سے پانی پیا. بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت سہلؓ سے درخواست کی کہ وہ پیالہ انہیں دے دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت سہلؓ نے وہ پیالہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو تحفتاً پیش کر دیا.] (۱۲۸)

رسول اللہ ﷺ کا زیر استعمال صاع (تولنے کا پیمانہ)

حضرت حرملہؒ بیان کرتی ہیں کہ: [ام المومنین سیدۃ ام حبیبہؓ نے ہمیں ایک صاع دیا اور ہمیں ام المومنین سیدۃ صفیہؓ کے قول کے مطابق فرمایا کہ وہ صاع حضرت نبی اکرم ﷺ کا صاع ہوا کرتا تھا اور جب انہوں نے اس کو ناپا تو ہشام کے پیمانے کے مطابق اسے اڑھائی مد

حضور سرور دو عالم ﷺ کے استعمال میں آنے والے لکڑی کے پیالے کی ایک نایاب تصویر

کے برابر پایا.] (۱۲۹)

حضور نبی اکرم ﷺ کے لباس ہائے مبارکہ (پیرہن شریف)

حضرت عروہ ابن زبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ: [جب بھی کوئی وفد حضور والا شان کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو حضور پرنور ﷺ جبہ (ثوب) زیب تن فرماتے اور اس کے اوپر حضرمی شال جو تقریباً چار زرع (ہاتھ) طویل (یعنی تقریباً دو میٹر) اور دو زرع اور ایک بالشت عریض تھی اوڑھ لیتے. آج کل وہی ردائے مبارکہ خلفاء کے پاس ہے اور تھوڑی سی بوسیدہ ہو چکی ہے، وہ اسے عیدین کے مواقع پر اپنے جبوں کے اوپر پہنتے ہیں.] (۱۳۰) حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کے غلام حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو مارکیٹ میں ایک شامی کپڑا خریدتے دیکھا، لیکن جونہی انہوں نے نوٹ کیا کہ اس کپڑے میں سرخ دھاریاں تھیں تو انہوں نے اسے واپس کر دیا. میں جب حضرت اسماءؓ کی خدمت میں آیا تو ان سے سارا ماجریٰ عرض کیا. اس پر انہوں نے اپنی کنیز سے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کی شال مبارک لائی جائے. جب وہ لیکر آئی تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک کھردرے کپڑے سے بنائی گئی تھی. اس کے کالر، آستینیں اور آگے اور پیچھے کے حصے بروکیڈ سے مزین تھے. (۱۳۱)

میان میں بند شمشیر بت شکن بتار اور رسول اللہ ﷺ کی سیف ''ماثور'' جو کہ انہیں اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے وراثت میں ملی تھی

جیسا کہ اس باب کے شروع میں بیان کیا گیا ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی ایک قمیض مبارک حضرت عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی کو عنایت کردی تھی تا کہ وہ اسے اپنے والد (رئیس المنافقین ابن ابی) کے مرنے پر اس کے کفن کے طور پر استعمال کریں. (۱۳۲)

اس بات کا ذکر خارج از محل نہیں ہوگا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف جبہ ہائے مبارکہ زیب تن فرمائے جن میں سے کچھ بعض قبائل اور خاندانوں کی تولیت میں چلے گئے اور بالآخر نسل در نسل مختلف ہاتھوں سے ہوتے ہوئے آج کسی نہ کسی عجائب گھر یا نمائش گاہ کی زینت بن چکے ہیں. بہت سی روایات میں مذکور ہے کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے اپنا ایک جبہ مبارکہ حضرت اویس قرنی کے لیے عنایت فرمایا تھا جو کہ ان تک سیدنا عمر فاروق ؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے پہنچایا تھا مختلف شاہان دولت اسلامیہ کے ہاتھوں سے گزرتا ہوا یہ جبہ مبارکہ بالآخر خراسان (افغانستان) میں قندھار کی ایک مسجد میں محفوظ ہوا. اسی خرقہ مبارکہ کی بدولت وہ مسجد جہاں یہ محفوظ ہے 'مسجد خرقہ' کے نام سے مشہور ہوئی جہاں تین جستی صندوق ایک دوسرے کے اندر رکھے ہیں اور جب سب سے چھوٹے صندوق کا تالا کھلتا ہے تو اس میں وہ خرقہ مبارک رکھا ہے. جناب عرفان صدیقی صاحب نے اپنے کالم 'نقش خیال' مورخہ ۱۲ جولائی ۲۰۰۳ء میں اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ انہیں یہ خرقہ مبارک دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی.

بہت سے عالمی اخباری میڈیا کے مطابق جب ملا عمر اپنے حریفوں کے خلاف عزم حرب پر نکلتا تو وہ تبرک نبوی اپنے ساتھ لیکر چلتا اور جب کابل کو سرنگوں کرنے کے بعد اس نے اسلامی امارت افغانستان کے امیر المومنین کا حلف اٹھایا تو وہ جبہ مبارکہ اس کے کندھوں پر تھا. گارجین رسالے کی رپورٹ کے مطابق: [۱۹۹۶ء میں ملا عمر نے اپنے جنگجوؤں کے جذبات کو اس وقت مہمیز لگا دی جب وہ حضرت محمد (ﷺ) کے آثار مبارکہ میں سے آپکا ایک مقدس کپڑا (خرقہ) جو کہ جامعہ مسجد قندھار میں محفوظ تھا لہراتا ہوا باہر لے آیا. اس سے پہلے اس تبرک نبوی کی بہت ہی کم موقعوں پر کبھی نمائش ہوئی تھی.] (۱۳۳)

اسی واقعہ کے متعلق لکھتے ہوئے ٹائم میگزین نے اپنی رپورٹ میں لکھا: [آج یہ ایمان کا معاملہ ہے. پچھلی خزاں میں کابل پر ضرب کاری لگانے سے پہلے عمر قندھار کی جامعہ مسجد میں داخل ہوا اور تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنے ہاتھوں میں نبی محمد (ﷺ) کے ایک مقدس کپڑے کو

رسول اللہ ﷺ کی تلواروں کا غلاف مبارک

اپنے جنگجو ساتھیوں کے سامنے لہرا رہا تھا جو فرط جذبات میں عالم وجد میں آ چکے تھے. آج سے پہلے یہ مقدس تبرک نبوی اس صدی میں صرف ایک بار عوام کی نمائش کے لیے نکالا گیا تھا جب ہیضہ کی وباء کا توڑ کرنے کے لیے اس کی معجزانہ قدرتوں کا اظہار کیا گیا تھا. اس کے ساتھ ہی کابل کا سقوط مکمل ہوا اور عمر کا ایمان فتح ایزدی میں اور زیادہ مضبوط ہو گیا.] (۱۳۴) اسی تبرک نبوی کے متعلق لکھتے ہوئے خبر رساں ایجنسی رائٹرز کا ویب سائٹ مورخہ ۱۵ نومبر ۲۰۰۱ء کو لکھتا ہے: [احمد شاہ درانی کا ہشت گوشہ مزار مرکزی بازار میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے. اس کے پہلو میں قریب ہی اسلام کے نبی حضرت محمد (ﷺ) کا جبہ مبارکہ توشہ خانہ میں ہے جو پورے افغانستان میں سب سے زیادہ مقدس مقام سمجھا جاتا ہے. اس جبہ مبارکہ کی بہت ہی کم مواقع پر لوگ زیارت کر پائے ہیں. آخری بار ایسا تب ہوا جب ملا عمر نے ۱۹۹۶ء میں اس کو باہر نکال کر لہرایا جب اس نے اپنے آپ کے امیر المومنین ہونے کا اعلان کیا. اس سے پہلے یہ ۱۹۳۵ء میں نمائش کے لیے نکالا گیا تھا جب شہر میں ہیضہ کی وباء پھوٹ پڑی تھی اور اس سے پہلے ایسا ۹۲۹ء میں ہوا تھا جب شاہ امان اللہ خان نے قبائل کی حمایت حاصل کرنی چاہی تھی.] (۱۳۵)

حضور نبی اکرم ﷺ کی شمشیر ہائے گوہر بار:

سیرت نگاروں کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس چند تلواریں تھیں جن کو حضور والاشان ﷺ نے مختلف غزوات میں استعمال فرمایا. ماثور نامی شمشیر تو حضور سرور دو عالم ﷺ کو اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے ورثہ میں ملی تھی، مگر اس کے علاوہ اور بھی شمشیر ہائے مبارکہ تھیں مثلاً: سیف بتار، سیف مہند، سیف حتف اور سیف ذوالفقار وغیرہ. حضرت عبداللہ ابن عاص ؓ فرماتے ہیں کہ: [سیف ذوالفقار سید الابرار حضور سرور کونین ﷺ کو غزوہ بدر میں مال غنیمت کے طور پر ملی. اس سے پہلے یہ مکہ کے ایک مشرک منبہ بن الحجاج السہمی کے پاس تھی. (۱۳۶) حضور سرور دو عالم ﷺ کے پاس آ جانے پر اس کو ذوالفقار کے نام سے پکارا جانے لگا. ایک راوی حدیث نے مجھے بتایا کہ اسے ابن ناجیہ ؓ نے بتایا کہ: [یوم احد پر ہاتف غیبی نے پکار کر کہا: [لا سیف الا ذوالفقار ولا فتیٰ الا علی] (۱۳۷)
ابن سیرین ؒ نے بیان کیا ہے کہ: [میں نے اپنی تلوار حضرت سمرہ ؓ کی تلوار کی طرز پر بنوائی جو کہ انہوں نے حضور
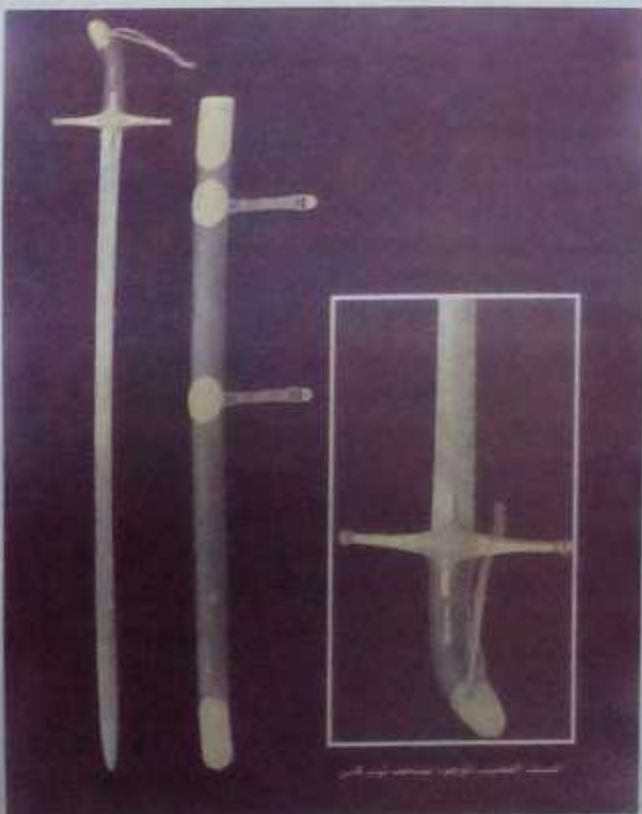
رسول اللہ ﷺ کی تلواروں کی ایک نایاب تصویر

رسول مقبول ﷺ کی تلواریں

نبی اکرم ﷺ کی شمشیر براں کی طرز پر بنائی تھی. (۱۳۸) حضرت عبدالماجد بن سہیلؓ فرماتے ہیں کہ: [وہ شمشیر جوہری جو آقائے نامدار ﷺ ساتھ لیکر ہجرت کے موقع پر مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے وہ میرے والد (حضرت سہیلؓ) کے پاس بطور آثار نبویہ کے تھی. (۱۳۹) یہ کہنا خارج ازمحل نہیں ہوگا کہ مذکورہ شمشیر تیغ ماثور کہلاتی تھی جس کا مطلب ہی آثار مبارکہ ہے جو آپ نے اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب سے ورثہ میں پائی تھی اور اسے اپنی آبائی شمشیر کے طور پر مدینہ طیبہ لے کر آئے تھے. (۱۴۰)

حضرت علی ابن حسین علیہ السلام (امام زین العابدینؓ) نے فرمایا کہ: [جب وہ شہادت امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام کے بعد یزید ابن معاویہ سے واپس لوٹ رہے تھے تو المسور ابن المخرمہؓ ان سے ملے اور کہنے لگے: میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمائیے.] امام علیہ السلام نے فرمایا: [نہیں.] اس کے بعد المسورؓ کہنے لگے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی شمشیر مبارک مجھے دے دیجئے کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ آپ سے اسے جبراً لے لیں گے، اگر آپ اسے میرے پاس چھوڑ دیں تو یہ لوگ میرے جیتے جی اسے کبھی نہ لے سکیں گے.] (۱۴۱)

حضرت جابر ابن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ امام زین العابدینؓ نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی شمشیر مبارک دکھائی. اس کا دستہ چاندی کا تھا اس کے دندانے بھی چاندی کے تھے اور ایسے ہی اسکی زنجیر بھی چاندی کی تھی.] (۱۴۲)

سیف ذوالفقار سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی پسندیدہ شمشیر تھی جسے انہوں نے بوقت ضرورت مختلف حروب میں استعمال کیا. اس کے دو نوکیلے سرے (انیاں) تھے اور وہ دودھاری شمشیر جوہری تھی. سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے دست خیبر شکن میں جب سیف ذوالفقار ہوتی تو وہ عدو نانہجار پر صاعقہ بن کر کڑکتی اور جدھر اٹھتی کشتوں کے پشتے لگ جاتے تھے. غزوہ بدر کے بعد ہر معرکہ میں خواہ وہ غزوہ احد ہو یا خندق، خیبر ہو یا حرب صفین، ہر میدان کارزار میں دست حیدری میں اس شمشیر براں نے اپنے ایسے جوہر دکھائے کہ دشمنوں کی صفیں درہم برہم ہو جاتیں. شیر خدا علی المرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسین علیہ السلام اسی سیف ذوالفقار کو لیکر میدان کرب و بلا میں یزیدی عساکر کے سامنے سینہ سپر ہوئے تھے. ریگ زار کربلا میں میان نور سے نکلی ہوئی اس شمشیر جوہری نے امام عالی مقام علیہ السلام کے دست مبارک میں کتنے ہی یزیدی واصل جہنم کئے اور اس کے بعد جب ہنگامہ کارزار تھما تو یہ شمشیر مصطفوی حضرت زین العابدینؓ کے پاس ورثہ حسینی ہی نہیں بلکہ ورثہ حیدری اور ورثہ بتول و رسول کے طور پر پہنچی. اس کے اوپر یہ تحریر کنداں تھی: لایقتل مسلم بکافر. (۱۴۳)

بعد میں یہی تیغ ذوالفقار حضرات اہل بیت کے پاس نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی حضرت محمد ابن عبداللہ ابن حسن المثنیٰ ابن امام حسن علیہ السلام کے پاس پہنچ گئی جن کو تاریخ اسلام میں نفس الذکیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے. جب انہوں نے اہل بیت پر عباسیوں کی چیرہ دستیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور مدینہ طیبہ اور اس کے نواحی علاقوں پر اپنا تسلط جما لیا تو عباسی خلیفہ جعفر المنصور نے ایک لشکر عدیدان کے مقابلے کے لیے روانہ کر دیا. نفس الذکیہ محمد ابن عبداللہ المحض نے مقابلے کی ٹھانی اور پہلی دفاعی لائن کے طور پر اسی خندق مبارکہ کو دوبارہ کھدوایا اور مرمت

رسول مقبول ﷺ کی تلواریں

کروایا جس کو نبی اکرم ﷺ اور آپکے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے محنت شاقہ کے بعد حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے درمیان کے لابہ ہائے سنگلاخ میں کھودا تھا. تین سو تیرہ-۳۱۳ جاں نثاروں کے ساتھ نفس الذکیہ عباسی لشکر جرار کے مقابلے کے لیے نکلے تو انکے ہاتھوں میں اپنے آباو اجداد کا مایہ ناز ورثہ یہی سیف ذو الفقار تھی. عباسیوں کی عددی برتری کے باعث میدان ان کے ہاتھ رہا اور نفس الذکیہ نے اپنے وفادار ساتھیوں کی معیت میں جام شہادت نوش فرمایا اور اس طرح یہ شمشیر خیبر شکن عباسی سپہ سالار کے ہاتھ لگ گئی. تاہم بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ سیف ذوالفقار کسی تاجر کے ہاتھ لگ گئی تھی جس نے بعد میں اسے جعفر بن سلیمان کے ہاتھ چار صد دینار کے عوض فروخت کر دیا تھا اور اس طرح مہدی اور پھر بعد میں ہادی کے پاس ہوتی ہوئی یہ نادر تاریخی شمشیر مختلف عباسی خلفاء کے ہاتھوں سے گزرتی ہوئی ہارون الرشید کے پاس پہنچی. بہت سے شائقین تبرکات نبویہ اور اہل بیت رسول ﷺ نے اسکی بہت سی مثلیں تیار کروائیں. اس میں اٹھارہ دندانے تھے جن کو عربی میں فقرہ کہا جاتا ہے اور اسی وجہ سے اسے ذوالفقار (یعنی دندانوں والی) شمشیر کہا جاتا تھا. (۱۴۴) مشہور عالم اصمعیؒ نے لکھا ہے کہ اس نے اس مشہور زمانہ شمشیر کو عباسی خلیفہ کے پاس دیکھا تھا. اس کے بعد سنی مستند تواریخ میں اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا. (۱۴۵) بعض شیعی اعتقادات کے مطابق اب بھی یہ شمشیر براں امام صاحب زماں کے پاس محفوظ ہے. اس دعوے کی تصدیق کرنا تو مشکل ہے مگر ایک حدیث مبارکہ سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت مہدی علیہ السلام جوار کعبہ میں اپنا ظہور فرمائیں گے تو ایک شمشیر نبوی ان کے ہاتھ میں ہوگی، مگر وہ شمشیر نبوی ذوالفقار ہی ہوگی یا کوئی دوسری شمشیر مقدسہ اس کے متعلق کوئی نشاندہی نہیں کی گئی.

بہت سی دیگر شمشیر ہائے نبویہ آج بھی توپکاپی عجائب گھر (استنبول) میں موجود ہیں. ان میں سے بہت سوں کی میانوں کو ہیرے جواہرات سے مرصع کر دیا گیا ہے جو کہ سلطنت عثمانیہ کے ذوق وشوق اور توقیر تبرکات نبوی کی عکاسی کرتا ہے. ان میں البتار، حتف اور سیف ماثور شامل ہیں. ان شماثیر کے علاوہ ایک شمشیر قاہرہ میں بھی مسجد الحسین میں محفوظ ہے جسے العضب کہا جاتا ہے. ڈاکٹر سعاد ماہر جو ماضی میں قاہرہ میں عجائب گھروں کی محافظ رہی ہیں اور آثار قدیمہ کی توثیق وتدقیق میں ید طولیٰ رکھتی تھیں نے شمشیر العضب پر مختلف سائنسی فصوحات کرنے کے بعد اسکے اصلی ہونے پر مہر تصدیق ثبت کردی تھی. یہ ایک مستقیم قسم کی سیدھی دو دھاری شمشیر ہے جو ۱۲۵ سنٹی میٹر طویل ہے اور اس کا عرض تین سے چار سنٹی میٹر کے درمیان ہے. یہ ایک فولادی شمشیر ہے جس کا قبضہ لکڑی کا ہے اور اس کے بطن پر یہ تحریر کنداں ہے: (۱۴۶)

محمد الرسول اللہ (ﷺ) کے لیے سعد ابن عبادہ کی طرف سے

اس کا مطلب ہے کہ یہ شمشیر حضرت سعد ابن عبادہؓ نے سرور کونین ﷺ کی خدمت اقدس میں تحفتاً پیش کی تھی. جب محدب عدسہ سے اس تحریر کا معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ تحریر نباطی رسم الخط میں ہے جو کہ کوفی رسم الخط کا پیش رو تھا اور ۱۰ ہجری (یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارکہ تک) کے لگ بھگ شمالی حجاز میں کہیں کہیں مروج تھا.

العضب

رسول مقبول ﷺ کی تلوار العصبا

رسول مقبول ﷺ
کی کمان مبارک

حضور سید الکونین ﷺ کی کمان مبارک

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت عاصم بن عمر بن قتادہؓ نے انہیں بتایا: [حضور سید الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام (معرکہ احد کے دن) اپنی کمان سے دشمن پر تیر برساتے رہے یہاں تک کہ وہ نچلے حصے سے ٹوٹ گئی۔ حضرت قتادہ بن نعمانؓ نے اسے اٹھا کر سنبھال لیا۔ اس دن ان کی ایک آنکھ اتنی شدید طور پر مجروح ہوگئی کہ آنکھ پھوٹ کر باہر رخسار پر لٹکنے لگ گئی تھی۔ حضرت عاصم نے مجھے بتایا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے اپنی مناسب جگہ پر رکھ دیا اور پھر اس کے بعد اس کی بینائی اور حسن پہلے سے بھی زیادہ ہوگیا تھا۔] (۱۴۷) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ: [حضور سرور کونین ﷺ جب کسی سفر پر ہوتے تو جمعہ کا خطبہ اس طرح دیتے کہ جسم اطہر کو اپنی کمان پر سہارا دیتے۔] حضور پرنور ﷺ کی کمان کا نام صفراء تھا۔ (۱۴۸)

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سید الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام کے تیر کو سنبھال کر رکھتے ہیں

جب غزوہ احد کے دن مشرکین مکہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کا پیچھا کرنے کے لیے پہاڑ کی چٹان پر چڑھنے کی کوشش کی تو حضور والا شانِ ﷺ نے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کو حکم دیا کہ ان کو پچھاڑ دیں۔ حضرت سعدؓ اس وقت شش و پنج میں پڑ گئے کہ وہ تن تنہا اتنے زیادہ مشرکین کا کیسے مقابلہ کریں گے خاص طور پر جب کہ وہ سب کے سب تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور تلواریں سونت کر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ: [میں نے دیکھا کہ رسول مقبول ﷺ مجھے اپنے دست مبارک سے تیر نکال کر دے رہے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما رہے تھے: میرے ماں باپ تم پر واری ہوں۔ پھر حضور سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے ترکش کا آخری تیر نکال کر مجھے دیا جس کا سرا بھی کند تھا۔] (۱۴۹) حوصلہ کر کے انہوں نے وہ تیر ہاتھ میں لیا اور دشمن کی طرف داغ دیا۔ تیر ہدف پر لگتے ہی مشرک واصل جہنم ہوگیا۔ انہوں نے وہی تیر پھر اٹھا لیا کیونکہ وہ اسے پہچانتے تھے اور دوسری مرتبہ اسے پھر داغ دیا۔ دوسری بار کا ہدف بھی وہیں ڈھیر ہوگیا، انہوں نے اسے بڑھ کر پھر سے اٹھا لیا اور تیسری مرتبہ پھر دشمن کی طرف پھینک دیا اس بار بھی نشانہ خطا نہ ہوا اور تیسرا مشرک بھی اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ باقی ماندہ حملہ آوروں نے بھاگ جانے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ: [میں نے سوچا کہ یہ تیر واقعی متبرک ہے اور اس لیے اسے میں نے اپنے ترکش میں سنبھال لیا۔] ابن سعد کا بیان ہے کہ [وہ تیر حضرت سعدؓ کے پاس تا حیات رہا اور پھر ان کے بعد ان کے ورثاء کی تحویل میں رہا۔] (۱۵۰)

چودہ صدیوں تک وہ تیر نسل در نسل ایک سے دوسرے کے پاس منتقل ہوتا رہا۔ حرۃ الاغوات کے علاقے میں جو باب جبریل کے مقابل واقع تھا ۱۹۸۵ء تک ایک پرانا سا مکان ہوا کرتا تھا جس میں اور تبرکات کے علاوہ وہی تیر نمایاں طور پر شوکیس میں نمائش کے لیے رکھا گیا تھا۔ اس تیر کے علاوہ وہ کمان مبارک جو ابن اسحاق کے مذکورہ بالا بیان کے مطابق حضرت قتادہ ابن نعمانؓ نے سنبھال لیا تھا بھی وہیں موجود ہوا کرتا تھا۔ یہ ایک پرانا سا گھر ہوا کرتا تھا جہاں رسول اللہ ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بہت سے تبرکات مبارکہ کی نمائش کی گئی تھی اور اسے روزانہ نماز عصر کے بعد عامۃ الناس کے لیے کھول دیا جاتا تھا۔ مگر مسجد نبوی میں آخری توسیع کے منصوبے کے تحت وہ تمام تر علاقہ واگزار کروا کر صاف کر دیا گیا اور پھر نہ جانے ان تمام تبرکات مقدسہ پر کیا بیتی کیونکہ وہ سارے کے سارے تبرکات نبوی اب گوشہ گمنامی میں چلے گئے ہیں۔

بادشاہی مسجد لاہور میں
محفوظ عصائے مبارکہ
کی ایک تصویر

عصاء مبارکہ

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [انبیا علیہم السلام کے عادات واطوار میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے پاس ایک عصاء رکھیں. لہذا آپ حضور پرنور ﷺ کے پاس عصاء مبارک رہا کرتا تھا اور کبھی کبھی آپ اس کے اوپر ٹیک لگا لیتے اور ہمیں بھی اسی بات کی تلقین کرتے.] ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ھ) نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ حضور پرنور ﷺ کا ایک عصائے مبارک عباسی خلفاء کے پاس ہوا کرتا تھا (۱۵۱).

حضور نبی اکرم ﷺ نے مختلف اوقات میں ایک سے زیادہ عصاہائے مبارکہ استعمال کئے اس ان میں سے دو تو اب بھی دنیا میں محفوظ ہیں. ایک عصاء مبارکہ تو بادشاہی مسجد لاہور میں ہے جبکہ دوسرا اوچ شریف میں دیگر تبرکات نبوی کے ساتھ محفوظ ہے.

حضرت خالد ابن ولیدؓ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارکہ کو اپنی ٹوپی میں محفوظ کر لیا تھا

حضرت خالد ابن ولید فرماتے ہیں: [رسول اللہ ﷺ نے عمرہ ادا فرمایا اور جب اس کے اختتام پر اپنے موہائے مبارکہ کا حلق کروایا تو لوگوں نے آپ کے موئے مبارکہ آپس میں تقسیم کر لیے، میں سب سے آگے تھا اور خوش قسمتی سے مجھے جبین مبارکہ سے زلف تراشیدہ کی ایک لٹ نصیب ہوگئی جسے میں نے اپنی اس ٹوپی میں سی لیا ہے. میں جس بھی معرکہ میں شریک ہوا ہوں یہ ٹوپی (قلنسوہ) میرے ساتھ رہی اور میں ہمیشہ سرخرو اور کامیاب وکامران لوٹا ہوں.] (۱۵۲) ایک غزوہ میں جب وہ لشکر اسلام کی کمان کر رہے تھے تو ان کی وہ ٹوپی سر سے گر کر ادھر ادھر ہوگئی. اس کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے دشمن کی صفوں پر شدید حملہ کیا. بازیابی کی اس کوشش میں بہت سارے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جام شہادت نوش کرنا پڑا. بعد میں انہوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ ان کا وہ شدید جارحانہ حملہ ان کی بظاہر عام سی ٹوپی کو بازیاب کرنے کی غرض سے نہیں کیا گیا تھا بلکہ صرف اس لیے کیا گیا تھا کہ مبادا وہ موئے مبارکہ جو اس ٹوپی کے اندر سلے ہوئے تھے کفار کے ہاتھ نہ لگ جائیں اور وہ نجس کہیں ان کی بے حرمتی نہ کر دیں. (۱۵۳)

حضرت جعفر بن عبداللہ بن الحکمؓ نے بیان کیا ہے کہ: [یوم معرکہ یرموک پر حضرت خالید ابن ولیدؓ کی ٹوپی کہیں گم ہوگئی. انہوں نے حکم دیا کہ اسے بازیاب کیا جائے. لوگ اسے ڈھونڈنے میں ناکام رہے. جس پر انہوں نے پھر حکم دیا کہ اسے ڈھونڈ کر لایا جائے. تلاش بسیار کے بعد اس مرتبہ وہ اسے بازیاب کرنے میں کامیاب ہوگئے. جب وہ ٹوپی ان کو ملی تو اسے دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہاء ہوگئی کہ وہ ایک پرانی سی بوسیدہ ٹوپی تھی جس پر حضرت خالد ابن ولیدؓ یوں گویا ہوئے: [رسول اللہ ﷺ نے عمرہ ادا کرنے کے بعد جب اپنے سر مبارک کا حلق کروایا تو لوگ آپ ﷺ کے موہائے تراشیدہ کو حاصل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے. میں سب سے بازی لے گیا اور چند موئے مبارکہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا. پھر میں نے ان موہائے مبارکہ کو اپنی اس ٹوپی میں سی لیا. پھر کوئی بھی معرکہ ایسا نہیں آیا کہ یہ ٹوپی میرے سر پر نہ ہو اور فتح و نصرت نے میرے پاؤں نہ چومے ہوں. (۱۵۴)

رسول اللہ ﷺ کا چوبی (لکڑی کا) منبر شریف

مسجد نبوی شریف میں حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے منبر شریف (جس پر بیٹھ کر حضور سرور کائنات وعظ و تلقین فرمایا کرتے تھے) کے بنائے جانے سے متعلق تمام تر تفاصیل مسجد نبوی کے باب میں پیش کر دی گئی ہیں لیکن قند مکرر کے طور پر یہاں صرف اتنا بیان کرنا کافی ہوگا کہ جب سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے عبائے خلافت اپنے کندھوں پر رکھی تو منبر شریف کے اس حصے پر جہاں سید الانس والجان محمد مصطفی ﷺ تشریف فرما ہوا کرتے تھے بیٹھنے کی بجائے وہ اس سیڑھی پر بیٹھ کر وعظ فرماتے جہاں آقائے دو جہاں ﷺ کے قدمین شریفین ہوا کرتے تھے اور پھر جب سیدنا عمر فاروق ؓ کی باری آئی تو وہ اس سے بھی ایک خطوہ نیچے بیٹھا کرتے تھے جہاں سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے پاہائے مبارکہ ہوا کرتے تھے اور سیدنا عثمان ابن عفان اپنی خلافت کے پہلے چھ سال تک تو سیدنا عمر فاروق ؓ کے قدمین مبارکہ کی جگہ پر اس طرح بیٹھتے تھے کہ ان کے قدم مسجد نبوی شریف کے فرش پر رہتے مگر بعد میں جب مروان بن الحکم جیسے بے بصیرت لوگوں نے طنزاً یہ کہنا شروع کر دیا کہ آنے والے خلیفہ کیا اسی رسم کو پورا کرنے کے لیے مسجد نبوی کے فرش سے نیچے زیر زمین بیٹھا کریں گے تو بادل ناخواستہ سیدنا عثمان ؓ منبر شریف پر اس جگہ بیٹھنے پر مجبور ہو گئے جہاں حضور سرور دو عالم ﷺ تشریف فرما ہوا کرتے تھے لیکن ان کے بعد کوئی بھی امیر المومنین اس مقدس مقام پر کبھی بھی نہ بیٹھا. اموی دور میں اس کے نیچے چھ اور سیڑھیوں کا اضافہ کر دیا گیا اور عباسی دور میں تو حضور نبی اکرم ﷺ کی جائے نشست کو آبنوس کی لکڑی کی لوح سے اس طرح ڈھانپ دیا گیا کہ کوئی بھی اس جگہ بیٹھنے کی گستاخی نہ کر سکے. البتہ ایسی بے شمار مثالین اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ملتی ہیں کہ وہ منبر شریف نبوی کا استلام کرتے اور پھر اس سے مس شدہ ہاتھ اپنے چہروں پر مل لیتے. چھٹی صدی ہجری کے مشہور زمانہ مورخ ابن جبیر قمطراز ہیں: [منبر شریف کو آبنوس کی خشب سے اس طرح ڈھانپ دیا گیا ہے کہ اس کے اوپر بیٹھنا ناممکن ہے مگر اس لوح آبنوس اور جائے نشست نبی اکرم ﷺ میں اتنا فاصلہ رکھا گیا ہے کہ اسے ہاتھوں سے مس کیا جا سکتا ہے. لوگ اپنے ہاتھ اس کے اندر داخل کرتے ہیں اور اسے مس کرتے ہیں تا کہ حصول برکات ہو سکے.] (۱۵۵) جب یہ بہت زیادہ بوسیدہ ہو گیا تو عباسیوں نے اس کی مرمت کروائی اور جو بھی چوبی ٹکڑا بچا اس سے عباسی خلفاء کے لیے کنگھیاں بنا دی گئیں. اصل منبر شریف چھ صدیوں سے زیادہ عشاق تبرکات نبوی کی پیاس بجھاتا رہا تا آنکہ یہ اس آتش زدگی کی نظر ہو گیا جس نے خلافت عباسیہ کے آخری سال مسجد نبوی شریف کا بیشتر حصہ جلا کر خاکستر کر دیا تھا اور یوں امت مسلمہ اس متبرک آثار نبوی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئی.

کھجور کا وہ تنا (حنانہ) جس پر حضور سرور دو عالم ﷺ ٹیک لگا کر کھڑے ہوا کرتے تھے

حضرت جابر ابن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ: [ایک انصاری صحابیہ نے جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ) اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو کیا میں حضور والا شان کے لیے کوئی ایسی چیز بنوا دوں جس پر آپ تشریف فرما سکیں کیونکہ میرا ایک غلام بڑھئی کا کام جانتا ہے. آپ نے فرمایا: [جیسی تمہاری رضا.] جس پر اس نے آپ کے لیے ایک منبر بنوایا. جب جمعہ کا روز آیا تو حضور پرنور ﷺ اس پر جلوہ افروز ہوئے. پاس ہی وہ کھجور کا سوکھا ہوا تنا تھا جس کے ساتھ ٹیک لگا کر اللہ کے پیارے رسول ﷺ اس سے پہلے خطبہ بیان فرمایا کرتے تھے. ہم نے دیکھا کہ اس کھجور کے تنے سے زار و قطار رونے کی آوازیں آنے لگیں اور ایسے لگتا تھا کہ وہ فرط غم سے پھٹ جائے گا. آقائے دو جہاں ﷺ اپنے منبر مبارک سے نیچے تشریف لائے اور اس کھجور کے تنے کو اپنی بانہوں میں لے لیا اور اس کو تسلی دینی شروع کر دی. وہ تنا ایسے بلبلا رہا تھا جیسے کوئی بچہ رو رہا ہو (جس کو چپ کروانے کے لیے اسکی ماں اسکو پیار کر رہی ہو) آہستہ آہستہ اسکی سسکیاں بند ہو گئیں. حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس لیے رو رہا تھا کہ اب قریب سے میرا موعظہ حکمت سننے سے محروم ہو گیا تھا.] (۱۵۶)

رسول اللہ ﷺ کا چوبی (لکڑی کا) منبر شریف

حضرت ابن ابی زنادؒ (متوفی :۱۳۱ ہجری) بیان کرتے ہیں کہ: [کھجور کا وہ تنا (حنانہ) حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اور پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کے ادوار مبارکہ میں اپنی جگہ پر قائم رہا مگر جب سیدنا عثمان ابن عفانؓ نے مسجد نبوی کی قدیم عمارت کو شہید کیا تا کہ اس کی تعمیر نو کی جا سکے تو اس وقت کے واقعات کے متعلق بعض لوگوں کے بیانات میں کچھ تضاد پایا جاتا ہے. کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کو حضرت ابی بن کعبؓ لے گئے تھے اور کچھ کا خیال ہے کہ اسے وہیں دفن کر دیا گیا تھا.] (۱۵۷) خود حضرت ابی بن کعب کے بیان کے مطابق حقیقت یہی ہے کہ: [جب مسجد مبارکہ کو تعمیر نو کی خاطر سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں شہید کیا گیا تو وہ استوانہ حنانہ اٹھا کر اپنے گھر لے گئے تھے یہاں تک کہ اس کا کچھ حصہ دیمک کی نظر ہو گیا تھا اور بعد میں انہوں نے اسے مسجد نبوی ہی میں لوٹا دیا تھا.] (۱۵۸)

تدوین تاریخ مدینہ کے آسماں کے درخشاں ستارے ابن نجار (۵۶۸-۶۴۱ ہجری) کے مطابق استوانہ حنانہ کا ایک ٹکڑا محراب نبوی کی دائیں طرف ستون میں نصب کر دیا گیا تھا. وہ فرماتے ہیں کہ: [سیرت نگاروں نے حضرت مصعب بن ثابتؓ کے حوالے سے یہ قول نقل کیا ہے: ہم لوگ اس ٹوہ میں تھے کہ اس لکڑی کے ٹکڑے کے متعلق معلومات حاصل ہو جائیں جو مصلیٰ النبی کے مقام پر نصب ہے اور تلاش بسیار کے بعد ہمیں حضرت محمد بن مسلم بن سائبؒ تک رسائی ملی جو مقصورہ شریفہ کے محافظ عام تھے. انہوں نے ہمیں حضرت انس ابن مالک کے حوالے سے بتایا جنہوں نے ان سے کہا کہ: کیا تمہیں معلوم ہے کہ اسے (منبر) کو کس نے بنایا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں. اس پر انہوں نے فرمایا کہ (اقامت صلوۃ کے وقت) اس پر آقائے نامدار ﷺ اپنا دست مبارک رکھتے اور فرماتے: اپنی صفیں سیدھی کر لو. جب حضور پر نور ﷺ کا انتقال ہوا تو یہ لکڑی کا ٹکڑا کوئی صاحب چپکے سے اٹھا کر لے گئے. سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے بہت کوشش کی کہ اس کا اتہ پتہ لگ جائے مگر کوئی سراغ نہ مل سکا. پھر سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں اس کو بازیاب کرنے کے لیے احکام جاری کیے تو بالآخر قباء میں اسے ایک انصاری اصحابی کے گھر سے بازیاب کر لیا گیا جنہوں نے اسے اپنے گھر کے ایک کونے میں گاڑ رکھا تھا. اکھاڑنے پر معلوم ہوا کہ اس کا کچھ حصہ دیمک کھا چکی تھی. پھر اس کا بوسیدہ حصہ الگ کر کے باقی ماندہ حصہ (قبلہ کی) دیوار میں نصب کر دیا گیا. یہ وہی بچا ہوا ٹکڑا ہے جسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قبلہ کی دیوار میں نصب کروا دیا تھا جس کا بچا ہوا حصہ آج ہم محراب میں نصب دیکھ رہے ہیں.] (۱۵۹)

ابن جبیر کے مطابق جب اس نے ۵۸۰ ہجری میں مدینہ طیبہ میں حاضری دی تو لکڑی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا جسے حنانہ ستون کا حصہ بتایا جاتا تھا قبلہ کی جانب ستون میں نصب تھا اور حصول برکات کے لیے لوگ اسے چوما کرتے تھے. (۱۶۰) تاریخی شواہد کے مطابق یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی تھے جنہوں نے اس کے بچے ہوئے حصے کو محراب النبی سے متصلہ ستون میں نصب کروا دیا تھا. (۱۶۱) ابن جبیر کی طرح اسلامی دنیا کے دوسرے بڑے سیاح ابن بطوطہ نے مدینہ طیبہ کی زیارت ان سے تقریباً ایک صدی بعد کی. ان کے مطابق صورت حال کچھ یوں تھی:

[پھر ہم نے ریاض الجنۃ جو کہ روضہ رسول ﷺ اور منبر مبارک کے درمیان واقع ہے میں نماز ادا کی اور بصد عزت و احترام ستون حنانہ کے اس باقی ماندہ ٹکڑے کو چوما جس کے پاس کھڑے ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ وعظ فرمایا کرتے تھے.] (۱۶۲)

بدقسمتی سے جب مسجد نبوی میں آگ بھڑک اٹھی تو یہ آثار نبویہ بھی کافی حد تک آگ کی نظر ہو گیا. علامہ مطری کہتے ہیں: [آتش زدگی کے دوران جس نے کہ مسجد نبوی کو ۶۵۴ ہجری میں اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا منبر شریف کا بہت سا حصہ جل کر خاکستر ہو گیا تھا. جو کچھ بھی بچا وہ مسجد شریف کے مخزن میں رکھ دیا گیا.] (۱۶۳) لگتا ہے کہ بچا کھچا حصہ جس کا ذکر ابن بطوطہ نے کیا ہے صاف کر کے منبر شریف کے ایک طرف نصب کر دیا گیا تھا. اسے بھی ۷۰۱ ہجری میں اکھڑوا کر دوبارہ اس وقت کے امام زید احمد بن محمد بن علی عرف ابن حنا کے احکام کے تحت مسجد شریف کے توشہ خانہ میں رکھ دیا گیا تھا. انہوں نے ایسا اس لیے کیا تھا کہ مرد و زن کے اختلاط کے باعث جو کہ اکثر اس آثار نبویہ کو بوسہ دینے کے لیے ازدحام کرتے تھے اس سے مسجد شریف اور آثار نبویہ کی بے حرمتی کے ارتکاب کا امکان تھا. اس کے بعد سے ہمیں اس آثار نبویہ

کے بارے میں کوئی مصدقہ بیان نہیں ملتا.(۱۶۴)

تپائی (سٹول) جس پر کھڑے ہو کر حضرت بلالؓ اذان دیا کرتے تھے

وہ صندوق جس میں رسول کریم ﷺ کا دندان مبارک رکھا ہے
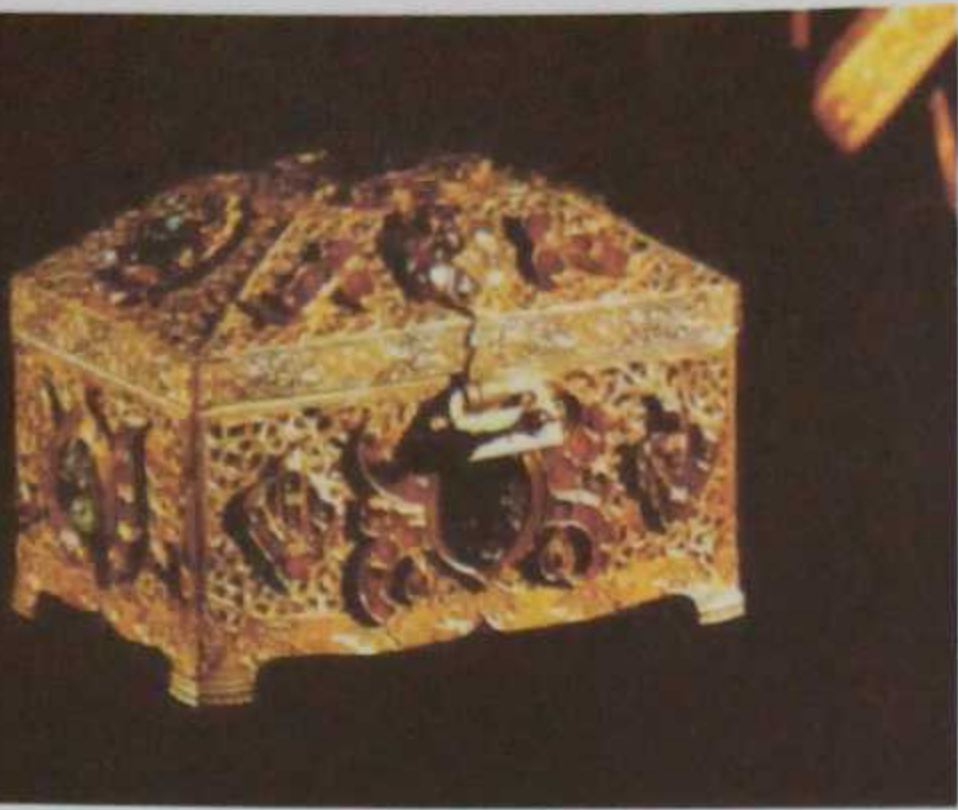
احکام اذان کے نفاذ کے بعد شروع شروع میں حضرت بلال ابن رباحؓ مسجد نبوی کے قریب واقع ایک اونچے مکان کی چھت پر چڑھ کر اذان دیا کرتے تھے مگر اس کے بعد ان کے لیے لکڑی کا ایک سٹول بنوا دیا گیا تھا جس پر کھڑے ہو کر وہ اس وقت تک اذان دیتے رہے جب تک کہ وہ عازم دمشق نہیں ہوئے. اس سٹول کو حجرہ مبارکہ ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمر فاروقؓ کی چھت پر رکھ دیا گیا تھا جس پر کھڑے ہو کر اذان دی جاتی. اس کے بعد آل عمر فاروقؓ نے اسے حضرت بلال ابن رباحؓ کے تبرک اور آثار کے طور پر سنبھال لیا تھا جو صدیوں تک محفوظ رہا. قطب الدین حنفی (متوفی: ۹۹۰ ہجری) اپنی تاریخ مدینہ میں تصدیق کرتے ہیں کہ ان کے ایام میں بھی وہ سٹول حضرت بلالؓ کے آثار کے طور پر محفوظ تھا. پھر جب دار آل عمر کو ایک مدرسہ میں تحویل کر دیا گیا تو بھی وہ متبرک آثار قائم و دائم رہا لیکن بیسویں صدی کے شروع میں وہ گوشہ گمنامی میں چلا گیا.(۱۶۵)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا آئینہ

ام المومنین حضرت عائشہؓ کا آئینہ نسل در نسل ان کے اہل خانہ کی آل میں منتقل ہوتا رہا بالآخر عشاق آثار صحابہ اور اہل خانہ رسول ﷺ نے اسے مسجد نبوی شریف میں قبلہ کی دیوار میں لگوا دیا. صاحب العقد الفرید (ابن عبدربہ) کہتے ہیں کہ عام لوگوں کا خیال یہی ہے کہ وہ آئینہ حضرت عائشہؓ ہی کا تھا.(۱۶۶) تاہم ابن جبیر کی زیارت مدینہ طیبہ کے وقت وہ آئینہ ۵۸۰ ہجری تک محراب مبارکہ میں سامنے کی طرف لگایا گیا تھا اور وہ ایک بالشت مربع کا تھا لیکن وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عام خیال یہ ہے کہ یہ آئینہ ساسانی شہنشاہ خسرو پرویز کا تھا جو مال غنیمت میں مدینہ طیبہ لایا گیا تھا.(۱۶۷) اگر وہ آئینہ خسرو پرویز کا بھی سمجھ لیا جائے تب بھی ہمیں یہ مان لینے میں کوئی مشکل نہیں کہ اسلامی عساکر کے ہاتھوں اس کی شکست فاش کے بعد مال غنیمت سے حصے کے طور پر ہو سکتا ہے کہ وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کے حصہ میں آ گیا ہو. یہی وجہ تھی کہ متقدمین میں سے کسی مورخ نے اسے آثار نبی اکرم ﷺ کے طور پر نہیں گردانا بلکہ اسے حضرت عائشہؓ ہی کی یادگار سمجھا تھا. یہ آثار مبارکہ بھی آتش زدگی کا شکار ہو گیا تھا.

حضرت زبیر بن العوامؓ کی شمشیر اور تفنگ (عنزہ۔ برچھی)

[شمشیر حضرت زبیر ابن العوامؓ کو چاندی سے مزین کیا گیا تھا. غزوہ بدر میں مشرکین سے معرکے کے وقت اس میں کچھ کجی آ گئی تھی. ان کی اولاد نے اسے سنبھال کر رکھا ہوا تھا.] (۱۶۸)

حضرت زبیر ابن العوامؓ کا تفنگ (عنزہ) حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس تھا اور آنحضرت ﷺ کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت ابو بکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، پھر حضرت عثمان ابن عفانؓ اور بعد میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے پاس رہا.(۱۶۹) شہادت شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے بعد یہ عنزہ اہل بیت الطاہرہ کی تحویل میں رہا مگر حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے اسے اپنے والد محترم اور حضور پر نور ﷺ اور خلفائے

راشدین کی مشترکہ نشانی کہہ کر اہل بیت سے اسے واپس لے لیا اور ان کی شہادت تک وہ ان کے پاس ہی رہا۔ اس متبرک آثار کی اہل بیت سے تحویل کے سلسلے میں ابن شبہ النمیری نے ایک دلچسپ بات بیان کی ہے۔ جب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے اہل بیت سے اسے طلب کیا تو پہلے تو انہوں نے پس و پیش کیا اور پھر انکو اس سے ملتا جلتا ایک اور برچھا دے دیا، اسی طرح ان کے اصرار پر ایک کے بعد دوسرا برچھا انکو دیا گیا مگر وہ بھی اصلی برچھا لینے پر مصر رہے۔ (۱۷۰) اس بات سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم (خواہ وہ اہل بیت طاہرہ میں سے تھے یا دیگر اصحابہ کرام) کو آثار نبویہ سے کتنا لگاؤ تھا۔ نہ ہی حضرت عبداللہ ابن زبیر اسے چھوڑنے پر تیار تھے اور نہ ہی حضرت حسن المثنیٰ ابن حسن مجتبیٰؓ اسے اپنے سے جدا کرنا چاہتے تھے۔
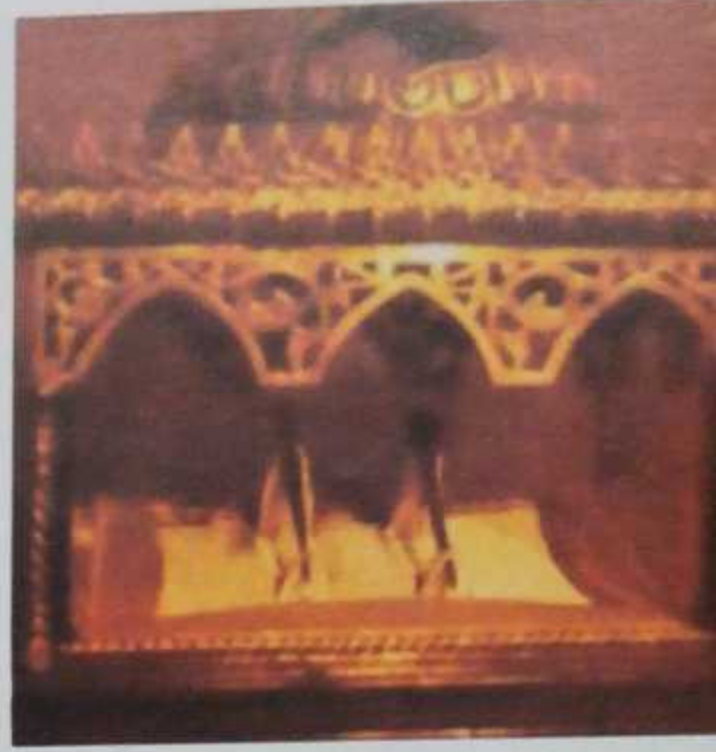
اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے موہائے مبارکہ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے تراشیدہ ناخنوں کا کیا کیا؟

سرمہ ڈالنے کی سلائی (قاہرہ)

ایک مثال تو اوپر دی جا چکی ہے کہ حضرت خالد ابن ولیدؓ کا کل محبوب رب ذوالجلال کو اپنی ٹوپی میں سلوا کر سر پر تاج کی طرح سجا کر میدان کارزار میں اترتے اور فاتح و کامران لوٹتے۔ دوسری مثال امہات المومنین بالخصوص سیدۃ ام سلمہؓ کی ہے جو پانی میں بھگو کر ان موہائے مبارکہ سے بیماروں کو شفاء بخشتیں۔ اسی طرح اور بھی بیشمار مثالیں ہیں جن سے بالصراحت یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان آثار نبویہ سے توسل اور تبرک حاصل کرتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن محمد ابن عبداللہ (ابن عمرؓ) فرماتے ہیں کہ: [جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بستر مرگ پر تھے تو انہوں نے آثار نبویہ میں سے چند موہائے مبارکہ اور تراشیدہ ناخنوں کو لانے کے لیے کہا اور وصیت کی کہ جب ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے تو مذکورہ آثار مبارکہ کو ان کے کفن کے اندر رکھ کر ان کو دفنایا جائے، اور ایسے ہی کیا گیا۔] (۱۷۱) ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت انس ابن مالکؓ کا انتقال ہوا تو کچھ موہائے مبارکہ انکی میت پر رکھ کر انکو دفن کیا گیا تھا۔ (۱۷۲) علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی مشہور زمانہ تاریخ خلفاء میں رقمطراز ہیں کہ: [معاویہؓ کا انتقال ۶۰ ہجری میں ماہ رجب میں ہوا۔ ان کے پاس حضور نبی اکرم ﷺ کی قمیض مبارکہ اور کچھ موئے مبارکہ اور چند تراشیدہ ناخن مبارکہ تھے۔ مرتے وقت انہوں نے وصیت کی کہ وہ آثار مبارکہ ان کی آنکھوں اور منہ پر رکھ دیئے جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا: تم اس طرح کر دینا اور پھر معاملہ میرے اور رب رحمان و رحیم کے درمیان چھوڑ دینا۔] (۱۷۳) ابن الجوزی اس واقعہ کی مزید تفصیل مہیا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: [دم واپسیں سے پہلے معاویہؓ نے ایک گٹھڑی منگوائی جو حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک جبہ مبارکہ اور زلفہائے تراشیدہ اور کچھ ناخنوں پر مشتمل تھی۔ پھر انہوں نے وصیت کی کہ موہائے مبارکہ کی تراشیدہ کا کل اور ناخن مبارکہ کو ان کے منہ، آنکھوں اور کانوں میں رکھ دیا جائے اور ان کو کفن پہنانے کی بجائے جبہ رسول اللہ ﷺ ان کے زیب تن کر دیا جائے۔] (۱۷۴) ابن الاثیر نے معاویہؓ کے ان الفاظ کو قلمبند کیا ہے جو کچھ اس طرح ہیں: [رسول اللہ ﷺ نے مجھے جبہ مبارکہ عطا فرمایا جو میں نے سنبھال کر رکھ لیا اور ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ناخن مبارک ترشوائے تو میں نے انہیں ایک شیشی میں بند کر کے رکھ لیا۔ لہذا جب میرا انتقال ہو تو مجھے اسی جبہ مبارکہ میں کفن دینا اور ناخن مبارکہ کو پیس کر میری آنکھوں میں اور میرے منہ میں ڈال دینا۔ ہو سکتا ہے اللہ کریم ان کے طفیل میرے اوپر رحم کر دے۔] (۱۷۵)

قاہرہ میں موجودہ آثار مبارکہ

حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ ہجری) نے بیان کیا ہے: [مجھے پتہ چلا ہے کہ مصر میں ایک مزار (پرانے زمانے میں میوزیم کی بجائے ایسے مقامات کو مزار کہا جاتا تھا کیونکہ ایسے مقامات لوگوں کی زیارت گاہ ہوا کرتے تھے) ہے جہاں پر نبی اکرم ﷺ کے بہت سارے آثار مبارکہ ہیں جو عرصہ طویل میں بہت سے مصری وزراء نے بڑی لگن اور محبت سے جمع کیے ہیں ان میں مکحلہ (سرمہ دانی اور سلائی) اور ایک کنگھی بھی شامل ہے۔] (۱۷۶) امام تلمسانی (۹۹۳-۱۰۴۱ ہجری) قمطراز ہیں کہ: [انہوں نے بہت مرتبہ ان آثار مبارکہ کی زیارت کی ہے جو قاہرہ میں دریائے نیل کے کنارے واقع ایک مکان میں بہت ہی اچھی طرح رکھے گئے ہیں، جن میں اور چیزوں کے علاوہ پیالہ مبارکہ کا ایک ٹوٹا ہوا حصہ، ایک نیزہ، ایک چھوٹا سا برتن اور کانٹے نکالنے والا ایک ٹویزر شامل ہے۔] (۱۷۷)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے آثار مبارکہ مصر میں موجود ہیں جو سلاطین مصر نے بڑی کاوش کے بعد ایک عرصہ دراز میں جو صدیوں پر محیط تھا جمع کئے تھے۔ ان میں سب سے اہم مصحف عثمانی ہے۔ قارئین کو معلوم ہوگا کہ جامع القرآن سیدنا عثمان ابن عفانؓ نے قرآن پاک کے چند نسخے تیار کروا کر مصحفوں کی صورت میں دولت اسلامیہ کے مختلف صوبوں میں روانہ کئے تھے، مثلاً کوفہ، دمشق اور مکہ مکرمہ وغیرہ۔ ان میں سے ایک نسخہ مصر بھی روانہ کیا گیا تھا۔ اس وقت سے وہ مصحف شریف ہر نئے آنے والے سلطان مصر کی تحویل میں رہا تقریباً ۵۰۰ سال پہلے وہ مصحف شریف اور کچھ دیگر آثار مبارکہ شاہی محلات کے ناقابل دسترس شوکیسوں سے نکال کر قاہرہ میں ایک الگ مقام پر منتقل کر دیئے گئے جو مقام آثار مبارکہ کے نام سے مشہور ہوا۔ بعد میں وہاں سے ان کو حضرت عمرو بن العاصؓ کی تاریخی مسجد میں منتقل کر دیا گیا جہاں سے مسجد طلائی اور پھر وہاں سے مسجد الحسین میں منتقل کر دیئے گئے جہاں وہ تمام تبرکات مبارکہ آج بھی موجود ہیں۔ دیگر تبرکات کے علاوہ ان میں ریش مبارک سید الابرار اور خیر الانام ﷺ کے چند موئے مبارکہ، چند شمشیریں، چند جامہ ہائے مبارکہ اور عصائے مبارکہ کے کچھ ٹکڑے شامل ہیں۔ ان تمام آثار مبارکہ کی دیکھ بھال انتہائی ماہرانہ اور پیشہ ورانہ انداز میں کی جاتی ہے۔ ماضی میں عالمی شہرت کی حامل قاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ آثار قدیمہ کی ڈین ڈاکٹر سعاد ماہر ان تبرکات کی محافظ ہوا کرتی تھیں۔ ۱۹۶۰ء کی دھائی میں انہوں نے ان تھک جدوجہد کر کے مسجد الحسین میں موجود تمام آثار مبارکہ کی تاریخی حیثیت کی تدقیق و تحقیق کی اور اس سلسلے میں کاربن ٹسٹنگ جیسے جدید سائنسی تجربات کر کے مصحف عثمانی اور دیگر معروف آثار مبارکہ کی توثیق اور تاریخیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ (۱۷۸)

موئے مبارکہ (قاہرہ)

ہندوستان، ایران اور فلسطین میں موجود آثار مبارکہ

درگاہ حضرت بل کوئی ایسا مزار نہیں جہاں کوئی ولی یا بزرگ مدفون ہوں، بلکہ وہاں حضور نبی اکرم ﷺ کے چند آثار مبارکہ محفوظ ہیں۔ بال کو کشمیری زبان میں بل کہا جاتا ہے اور چونکہ وہاں سرور دو عالم ﷺ کے موئے مبارک کی زیارت ہے اس لیے یہ مقام حضرت بل کا مزار مشہور ہو گیا ہے۔ ایک مرتبہ کچھ ہندو شر پسندوں نے حضرت بل کے تاریخی شوکیس کو چرا لیا تھا جس سے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی جو بہت زیادہ قتل و غارت اور توڑ پھوڑ پر منتج ہوئی۔ بالآخر وہاں کی حکومت نے بگڑتی ہوئی امن عامہ کی صورت پر قابو پانے کے لیے مجرموں کا سراغ لگایا اور مسروقہ موئے مبارک کو بازیاب کر کے اپنی اصلی جگہ پر بحال کر دیا۔ حضرت بل کے علاوہ ہندوستان میں اور بھی بہت سی جگہوں پر آثار نبوی
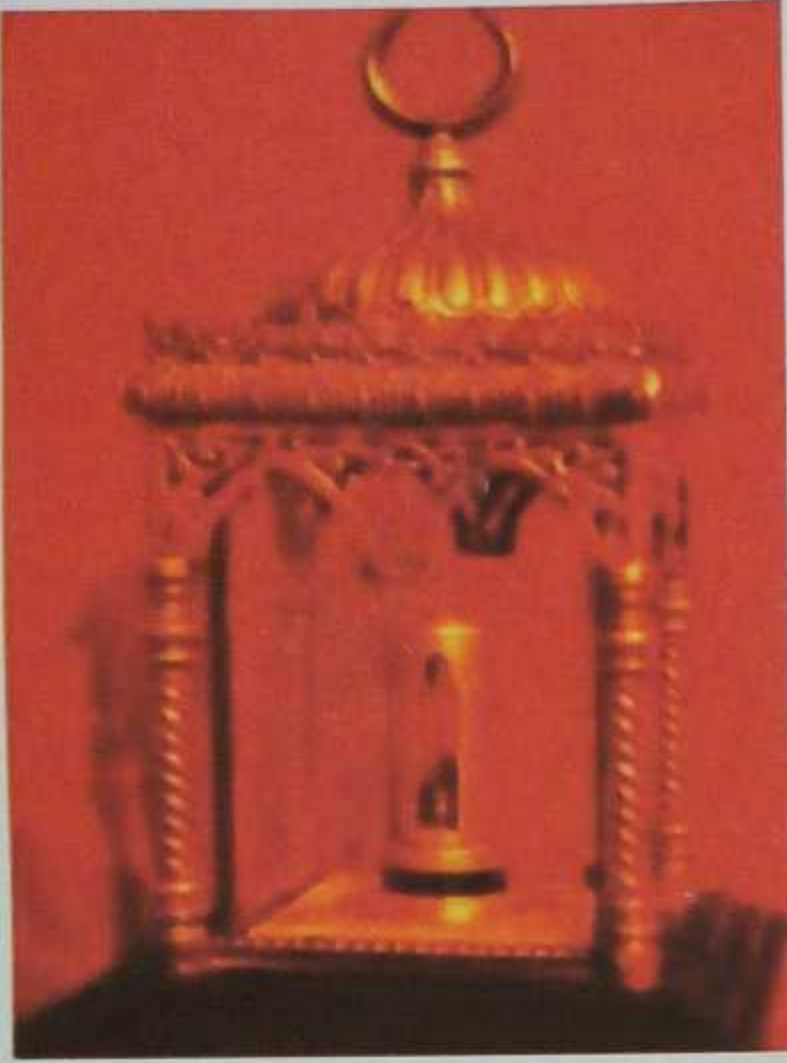
اور تبرکات اصحابہ محفوظ ہیں: مثلاً جے پور میں زیارت گاہ قدم مبارک میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پتھر پر ثبت نشان کف پاء مبارک ہیں، ساتھ ہی پتھر پر کندہ تاریخی حوالہ بھی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی ہندی حاجی جو مدینہ طیبہ میں بہت عرصہ رہا تھا وہاں سے وہ آثار جو اس وقت مسجد قبلتین میں تھا اپنے ساتھ ہندوستان لے آیا تھا۔ مارہرہ (یوپی) میں مسجد برکاتیہ میں بھی کچھ آثار مبارکہ ہیں جن میں موئے مبارک، ایک نعلین مبارک اور پتھر پر ثبت نقش کف پائے مصطفیٰ ﷺ شامل ہیں۔

دنیا میں موجود آثار مبارکہ کے امین ہونے میں فلسطین کا شمار دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ زیادہ تر تبرکات مسجد اقصیٰ کے توشہ خانے میں مدت مدید سے مقفل پڑے ہیں اور اسرائیلی قبضے کے باعث عامۃ الناس ان کی زیارت سے محروم ہیں۔ اسی طرح کچھ آثار مبارکہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے جوار میں مسجد الخلیل حبرون میں بھی محفوظ ہیں جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کا پتھر پر ثبت ایک نقش پائے مبارک بھی ہے۔ ایران بھی روائتی طور پر ان آثار مبارکہ (اور بالخصوص تبرکات حضرات اہل بیت) کا امین ہے اور بہت سے مزارات اور مقامات پر ایسی اشیاء بہت حفاظت سے زیارت گاہ خاص و عام ہیں۔ ریاست ہائے وسطی ایشیا میں سب سے زیادہ تبرکات سمرقند و بخارا میں ہیں۔ تاشقند کا تاریخی میوزیم اس معاملے میں تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔

پاکستان میں موجود تبرکات

پاکستان میں تبرکات کا سب سے بڑا خزینہ بادشاہی مسجد لاہور کی تبرکات کی گیلری میں موجود ہے۔ دوسرا بڑا مجموعہ اوچ شریف میں ہے جب کہ اس کے علاوہ فقیر خانہ (اندرون بھاٹی گیٹ لاہور) اور سندھ میں مسجد موئے مبارک ٹھٹہ میں بھی بہت سے آثار نبویہ اور تبرکات اہل بیت موجود ہیں۔

جہاں تک بادشاہی مسجد لاہور میں موجود تبرکات کا تعلق ہے ان میں سے بہت سوں کی تاریخی حیثیت مسلمہ ہے اور وہ وہاں پر تقریباً دو سو سال سے موجود ہیں۔ سید محمد عبداللطیف (۱۸۴۵-۱۹۰۲ء) جو کہ لاہور کے مشہور و معروف مورخ ہیں اپنی تاریخ لاہور میں ان تبرکات (جو اس دور میں بھی بادشاہی مسجد میں موجود تھے) کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ تبرکات مندرجہ ذیل اشیاء پر مشتمل تھے:

کلاہ کے ساتھ ایک عمامہ مبارکہ

سبز رنگ کا ایک جبہ مبارکہ

ایک چادر جس میں سرخ و سپید دھاریاں ہیں

ایک سفید رنگ کا پائجامہ (تبان)

ایک جوڑا نعلین مبارک کا اور ایک الگ نعل (سلیپر)

حضور سرور کائنات کے قدم مبارک کا نشان جو کہ ایک صندلی رنگ کے پتھر پر ہے

ایک سفید رنگ کا علم مبارک جس کے اوپر آیات قرآنی کشیدہ ہیں۔ (۱۷۹)

بادشاہی مسجد کے صدر دروازے کے اوپر ایک خوبصورت گیلری ہے جس میں صدر اسلام کی دیگر شخصیتوں کے تبرکات کے علاوہ دس آثار مبارکہ حضور نبی اکرم ﷺ سے منسوب ہیں۔ جب انگریزوں نے سکھوں سے پنجاب کا اقتدار چھین لیا اور شاہی قلعہ لاہور ان کے قبضہ میں آ گیا تو آثار مبارکہ جو کہ شاہی قلعہ میں محفوظ تھے برطانوی حکومت نے اپنے قبضے میں لے لیے۔ اس وقت لارڈ لارنس نے فقیر سید نورالدین (جو کہ رنجیت سنگھ کے وزیر رہ چکے تھے) کو حکم دیا کہ ان تبرکات کی تاریخی حیثیت کے بارے میں معلومات جمع کریں جو مسلمانوں اور سکھوں دونوں ہی میں قابل احترام سمجھے جاتے تھے۔ فقیر سید نورالدین نے بہت علمی اور تحقیقی کاوش کے بعد ان نوادرات اور تبرکات کی تاریخ مدون کی

جو کہ فارسی زبان میں تھی۔ لارڈ لارنس کے احکام کی اصل اور فقیر سید نور الدین کا تحقیقی مقالے کا اصل نسخہ اس وقت لاہور کے عجائب گھر میں موجود ہے (حوالہ کے لیے دیکھیے ریکارڈ نمبر ۱۹۳۳-۱۸، اور ۱۴۰۰-۲۰) فقیر صاحب کی تحقیق کے مطابق وہ تبرکات امیر تیمور کو دمشق کے قاضی اور عمائدین شہر نے ۲۳ جمادی الاول ۸۰۳ عیسوی کو پیش کیے تھے۔ اس کے علاوہ ترک سلطان یلدرم بایزید یکم نے دو سال بعد مزید چند تبرکات جو ترکوں کے قبضے میں تھے امیر تیمور کو پیش کیے تھے۔

جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا ہے، تیمور ان تمام تبرکات مبارکہ کو تاشقند لے آیا تھا اور پھر اس کے مرنے کے بعد وہ نوادرات اس کی اولاد اور شہزادوں کے پاس نسل در نسل منتقل ہوتے رہے۔ جب بابر نے ہندوستان فتح کیا تو اس وقت وہ ان تبرکات مبارکہ کو اپنے ساتھ ہندوستان لے آیا تبرکات نبوی شریف کے بشمول کل ۵۰ (پچاس) ایسے تبرکات تھے جو بابر کی وفات کے بعد یکے بعد دیگرے شہنشاہان مغلیہ کی تحویل میں چلے آتے رہے۔ مغلیہ خاندان جب رو بزوال ہوا تو محمد شاہ کے دور میں وہ تمام نوادرات اس کی بیوی ملکہ زمانی نے اپنی تحویل میں لے لیے۔ اس کی ایک بیٹی نے احمد شاہ ابدالی کے بیٹے سے شادی کر لی تھی۔ جب حالات مزید بگڑے اور ملکہ زمانی جموں میں اپنی بیٹی کی جاگیر پر منتقل ہونے پر مجبور ہو گئی تو اس وقت وہ تمام تبرکات اپنے ساتھ جموں لے گئی۔ اس وقت جموں پر اس کے ایک رشتہ دار کی عملداری تھی۔ جب حالات اور زیادہ نامساعد ہو گئے تو ملکہ زمانی ان نوادرات کو فروخت کرنے پر مجبور ہو گئی۔ لہذا اس نے وہ تمام تبرکات مبلغ ۸۰،۰۰۰ (اسی ہزار) روپے کے عوض فروخت کر دیئے۔ جموں کے دو تاجروں (شاہ محمد بازہ اور پیر محمد چٹھہ) نے مل کر ان نادر گوہر ہائے بے بہا کو خرید لیا۔ ان میں سے ۲۷ (ستائیس) تبرکات پیر محمد چٹھہ کے حصے میں آئے اور باقی ماندہ ۲۳ (تئیس) شاہ محمد بازہ کو ملے۔ پیر محمد چٹھہ اپنے حصے کے تبرکات اور نوادرات لیکر رسول نگر چلا گیا۔

بعد میں جب مہان سنگھ (پدر رنجیت سنگھ) نے ۱۷۴۷ء میں چٹھوں کو شکست دیکر رسول نگر پر قبضہ جما لیا تو وہ تمام آثار مبارکہ سکھوں کے ہاتھ لگ گئے۔ رنجیت سنگھ ان تبرکات مبارکہ کا بہت خیال رکھتا تھا مگر چونکہ اسے ہر وقت شاہ زمان سے حملے کا دھڑ کا لگا رہتا تھا اس لیے اس نے ان تبرکات مبارکہ کو عارضی طور پر قلعہ مکیریاں بھیجنے کا بندوبست کر لیا جس پر اس کی ساس سدا کور کا قبضہ تھا۔ اس عارضی تحویل کے انتظامات کی نگرانی خود رنجیت سنگھ کی مہارانی مہتاب کور نے کی۔ بعد میں ایک عجیب حادثہ ہوا کہ قلعہ مکیریاں آگ کی لپیٹ میں آ گیا لیکن مہارانی یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئی کہ وہ کمرہ جس میں تبرکات مبارکہ رکھے ہوئے تھے (جو کہ قلعہ کے اسلحہ خانہ کے بالکل اوپر واقع تھا) آگ کی تباہ کاریوں سے بالکل محفوظ رہا تھا۔ اس معجزانہ واقعہ نے ان تبرکات مبارکہ کی اہمیت سدا کور کے دل میں اور زیادہ بڑھا دی۔ اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے شیر سنگھ نے وہ تمام تبرکات مبارکہ چونڈہ کے قلعے میں منتقل کر دیئے جہاں سے ہیرا سنگھ انہیں لاہور لے آیا اور اس طرح یہ تبرکات مبارکہ شاہی قلعہ لاہور میں شاہی توشہ خانہ میں محفوظ کر دیئے گئے جہاں ان کی مناسب دیکھ بھال کے لیے مہارانی جنداں نے دو مسلمان حضرات کی خدمات حاصل کیں جن کا نام رسول جوند اور حافظ بدر الدین تھا۔ ان کو وہاں قندیلیں روشن کرنے اور اگر بتیاں جلانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ایسا انتظام صوبہ پنجاب کے برطانوی راج کے ساتھ الحاق تک جاری رہا۔ جب انگریزوں کی عملداری شروع ہوئی تو لارڈ لارنس کے احکام سے وہ تبرکات مبارکہ ۱۸۸۳ء میں انجمن اسلامیہ کی تحویل میں دے دیئے گئے جس کے ممبران نے مناسب خیال کیا کہ ان کو بادشاہی مسجد میں محفوظ کر دیا جائے۔ اس وقت سے لیکر آج تک تمام تبرکات بادشاہی مسجد میں ہی شوکیسوں میں زیر نمائش ہیں، اور اب محکمہ آثار قدیمہ کے زیر انتظام ہر خاص و عام کو اذن زیارت ہے۔ (۱۸۰)

جیسے کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، بادشاہی مسجد کے علاوہ مزید تبرکات فقیر خانہ اور اوچ شریف میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے ورثاء کے پاس محفوظ ہیں۔ اوچ شریف میں سب سے زیادہ اہم آثار مبارکہ میں عصاء مبارک ہے جو سرکار دو جہاں ﷺ سے منسوب ہے۔

سلطان برونائی کی خواہش پر بہت سارے تبرکات دارالسلام برونائی بھیجے گئے تھے تا کہ وہاں کے لوگ بھی ان کی زیارت کرسکیں۔ اس عارضی منتقلی کے بعد تمام کے تمام تبرکات مبارکہ اپنی اپنی اصلی جگہ پر لوٹا دیئے گئے تھے۔

تبرکات نبویہ کا اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا میوزیم

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ آثار نبویہ کے اتنے عاشق تھے کہ وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کے پاس کوئی نہ کوئی چیز تبرکات نبویہ میں سے تھی ان کے گھر جا کر درخواست کرتے کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے آثار ان کو دے دیں جیسا کہ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ کی بیان کردہ حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے جس کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے۔ [بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت سہلؓ سے درخواست کی کہ وہ انہیں وہ کپ (پیالہ جس میں حضور سرور دو عالم ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا) تحفتاً ان کو دے دیں اور انہوں نے وہ پیالہ ان کو تحفہ کے طور پر دے دیا۔] (۱۸۱) یہ بہت ہی قابل ذکر بات ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو کروا رہے تھے اور انہیں سیدات امہات المومنین کے حجرات مطہرہ کو شہید کرنا پڑا تو انہوں نے حاصل شدہ ملبے کی حد درجہ احتیاط کی تا کہ اس کی بے حرمتی نہ ہو اور وہ تمام تر ملبہ اٹھوا کر حرہ غربیہ میں لے گئے جہاں انہوں نے اس ملبہ کو اپنے مکان کی چھت کے لیے استعمال کیا۔ ان کا گھر حرہ غربیہ میں وادی بطحان کے اس پار واقع تھا۔ (۱۸۲) حافظ ابن نجار (ولادت: ۵۷۸ ہجری) نے لکھا ہے کہ ان کے دور تک وہ مکان موجود تھا اور اس پر باقاعدگی سے سفیدی ہوا کرتی تھی۔ (۱۸۳) نبی اکرم ﷺ کی تمام تر ذکریات جو ان کے پاس ہوا کرتی تھیں انہوں نے اپنے گھر میں محفوظ کی ہوئی تھیں۔

بعد میں جب وہ امیر المومنین کی مسند پر متمکن ہوئے تو وہ تمام نوادرات کو اپنے ساتھ دمشق لے گئے۔ حضرت عمرو بن مہاجرؒ بیان کرتے ہیں: [حضور نبی اکرم ﷺ کی ممتلکات (تبرکات) عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گھر کے ایک کمرے میں رکھی ہوئی تھیں۔ روزانہ وہ کچھ وقت نکال کر اس حجرہ مبارکہ میں تخلیہ فرماتے اور جب بھی قریش کے عمائدین ان سے ملنے کے لیے آتے تو وہ انہیں اپنے اس کمرے میں ضرور لے جا کر ان تبرکات نبویہ کی زیارت کرواتے اور انہیں فرماتے: [یہ اس ہستی مطہرہ کی تراث ہے جن کے ذریعے رب ذوالجلال نے ہم کو عزت و وقار بخشا ہے۔] (۱۸۴) حضرت عمرو بن مہاجرؒ مزید فرماتے ہیں: [عمر بن عبدالعزیزؒ کا مذکورہ کمرہ ان چند تبرکات پر مشتمل تھا جو حضور نبی اکرم ﷺ کا ترکہ تھے۔ ان میں ایک چارپائی تھی جس کو رسی سے بنا ہوا تھا۔ پانی پینے کے لیے ایک پیالہ، ایک جار جس کا اوپر کا حصہ ٹوٹا ہوا تھا، کھجور کے ریشوں سے بھرا ایک سرہانہ اور ایک مخملیں چادر جو قرامق (موصل عراق) کی بنی ہوئی تھی اور جس کے اوپر اس وقت بھی حضور والا شان ﷺ کے کچھ موئے مبارکہ لگے ہوئے تھے۔

ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی روایت کے مطابق: حضور نبی اکرم ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ (۱۸۵) وہ چارپائی جس پر آں حضرت سید الکونین ﷺ اس عالم فانی سے رحلت کے وقت آرام فرما تھے بعد میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور پھر سیدنا عمر فاروقؓ کی نماز جنازہ کے لیے استعمال ہوئی، ان کی میتیں اسی چارپائی پر رکھ کر ریاض الجنہ میں رکھی گئیں اور ان کا جنازہ پڑھا گیا تھا۔ (۱۸۶) اور اسی طرح تمام امہات المومنینؓ کے جنازے بھی اسی پر اٹھائے گئے تھے۔ اس چارپائی مبارکہ کا آخری بار مصدقہ ذکر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حوالے سے ہی ملتا ہے جنہوں نے باقی آثار مبارکہ کے ساتھ اسے اپنے ایک حجرہ میں محفوظ کیا ہوا تھا۔ چند روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ بہت ہی بوسیدہ ہوگئی تھی تو اسے بولی لگا کر ۴۰,۰۰۰ درہم میں نیلام کر دیا گیا تھا اور پھر اس کے بعد اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔

ایک لحاظ سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا تبرکات نبویہ کے لیے مختص کردہ کمرہ عالم اسلام کا پہلا میوزیم تھا جس میں آثار مبارکہ اور
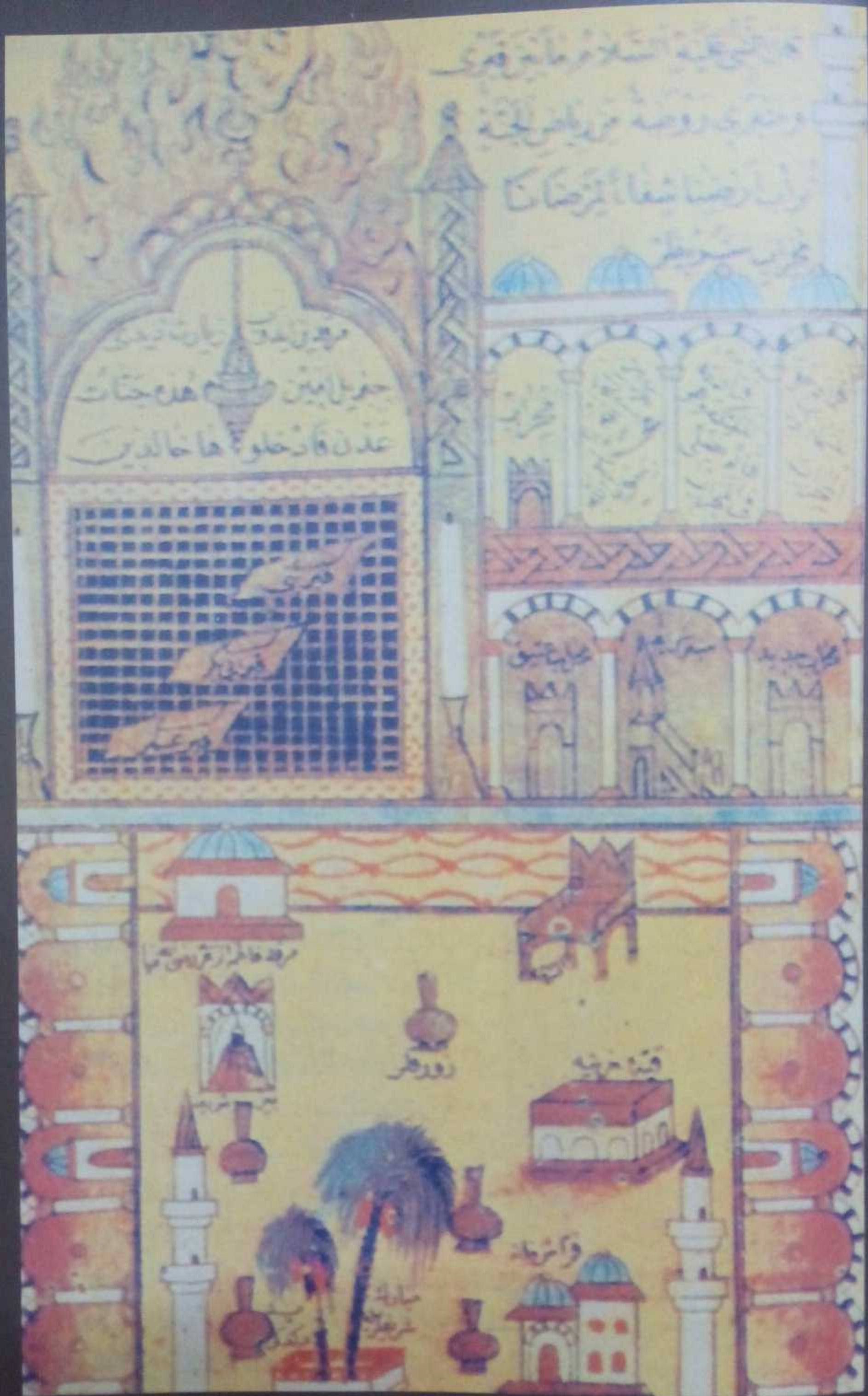
مسجد نبوی شریف کی دستی تصویر (۱۸۵۳ء)

(بحوالہ: مجلة العربی الکویتیة، شمارہ ۲۵۲، ۱۳۹۹ھ)

تبرکات نبوی کے نہ صرف محفوظ کرنے کا اہتمام کیا گیا بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خود عمائدین قریش کو انکی زیارت کرواتے اور فرمایا کرتے تھے: [یہ اس ہستی مطہرہ کی تراث ہے جن کے ذریعے رب ذوالجلال نے ہم کو عزت اور وقار بخشا ہے۔].

مسجد نبوی کے صحن کے وسط میں تبرکات کے لیے قبہ (گنبد) کی تعمیر

عباسی دور خلافت میں ۳۰۰ ہجری کے لگ بھگ کوشش کی گئی کہ جتنے بھی آثار مبارکہ مدینہ طیبہ یا دیگر اسلامی دنیا میں موجود تھے ان کے یکجا کر کے ان کی حفاظت کا مناسب انتظام کیا جائے. لہذا ان سب کو اکٹھا کر کے لکڑی کے مضبوط اور دیدہ زیب صندوقوں میں رکھ کر حجرہ مبارکہ میں محفوظ کر دیا گیا. ابن جبیر جس نے در اقدس پر ۵۸۰ ہجری میں حاضری دی تھی اپنے سفرنامے میں جواہرات سے مزین صندوق کا ذکر کرتے ہیں جو کہ حجرہ مطہرہ کے اندر ہوا کرتا تھا. وہ کہتے ہیں: [اس طرف - یعنی جنوب مغربی گوشے میں - حجرہ مطہرہ کے اندر آبنوس کا ایک صندوق جس کے اوپر صندل کی لکڑی سے نقش و نگار بنائے گئے ہیں موجود ہے. اس کے اوپر چاندی کے ستارے لگائے ہوئے ہیں. یہ نبی اکرم ﷺ کے سرہانے کی طرف سر مبارک کے سامنے کی طرف رکھا ہوا ہے. یہ پانچ بالشت طویل، تین بالشت عریض اور انچائی میں چار بالشت ہے.] (۱۸۷) خیال کیا جاتا تھا کہ اس صندوق میں بہت سارے تبرکات مبارکہ ہوا کرتے تھے. جمال المطری (متوفی: ۷۴۱ ہجری) بیان کرتے ہیں کہ ۵۷۶ ہجری میں خلیفہ ناصر الدین اللہ نے ان تمام تبرکات نبوی کی مناسب دیکھ بھال کے لیے مسجد شریف کے صحن میں ایک قبہ (گنبد نما کمرہ) تعمیر کروا دیا تھا جس میں تمام تبرکات نبوی اور اصحابہ کرام اور اہل بیت رسول رضوان اللہ علیہم کے تبرکات رکھے جانے کا اہتمام کیا گیا. مطری فرماتے ہیں کہ: [وہ صندوق جو ۳۰۰ ہجری میں بنوایئے گئے تھے جن میں ایسے تمام تبرکات رکھے گئے تھے مع دیگر تبرکات کے آہستہ آہستہ وہاں منتقل کر دئے گئے. ان میں مصحف سیدنا عثمانؓ بھی شامل تھا. وہ ان تمام تبرکات کی اس گنبد والے مخزون میں موجودگی کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ ان کے دور تک (یعنی آٹھویں صدی ہجری) بحفاظت تمام وہاں موجود تھے. اس دوران مسجد نبوی میں اچانک آتش زدگی سے بہت سا ناقابلِ تلافی نقصان ہوا تھا مگر مصحف عثمانی کی برکت سے وہ تمام تبرکات محفوظ رہے تھے.] (۱۸۸)

مسجد نبوی شریف کا نقشہ جس میں قبہ سیدہ فاطمہؓ اور خزینۃ النبی ﷺ نظر آ رہا ہے (۹۰۰ھ-۱۵۸۲ء)
(از: مقتنیات مرکز الملک فیصل، ریاض)

علامہ عباس کرارہ کے مطابق [وہ تمام اشیاء جن کو سرور دو عالم ﷺ کے زیر استعمال رہنے کا شرف حاصل رہا تھا، مثلاً: ردائے مبارکہ اور کچھ دیگر کپڑے جو رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت کے وقت حضور نبی اکرم ﷺ کے زیب تن تھے اور بعد میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی تحویل میں رہے جو ان میں سے چند تبرکات کے وسیلے سے مریضوں کا علاج کر دیا کرتی تھیں اس قبہ مبارکہ میں محفوظ کر دیئے گئے تھے. ان میں ایک جبہ مبارکہ بھی ان تبرکات میں شامل تھا اور بہت سے دیگ تبرکات اصحابہ کرام اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اور ایک کعبۃ المشرفہ کا کسوہ مبارک بھی تھا. وہ تمام تبرکات استنبول میں آستانہ توپکاپی میں منتقل کر دیئے گئے تھے۔]. (۱۸۹) احمد بن عبدالحمید عباسی (متوفی: دسویں صدی ہجری) بیان کرتے ہیں: [سلطان ناصر الدین اللہ نے ۵۷۶ ہجری میں مسجد نبوی کے صحن میں ایک قبہ بنانے کا حکم دیا تا کہ وہ تمام بیش بہا تحائف جو وقتاً فوقتاً مسجد نبوی کے لیے پیش کئے گئے تھے مع دیگر تبرکات کے جن میں مصحف عثمانی بھی شامل تھا اور جو قدیم صنادیق میں محفوظ چلے آتے تھے وہاں منتقل کر دیئے جائیں.]
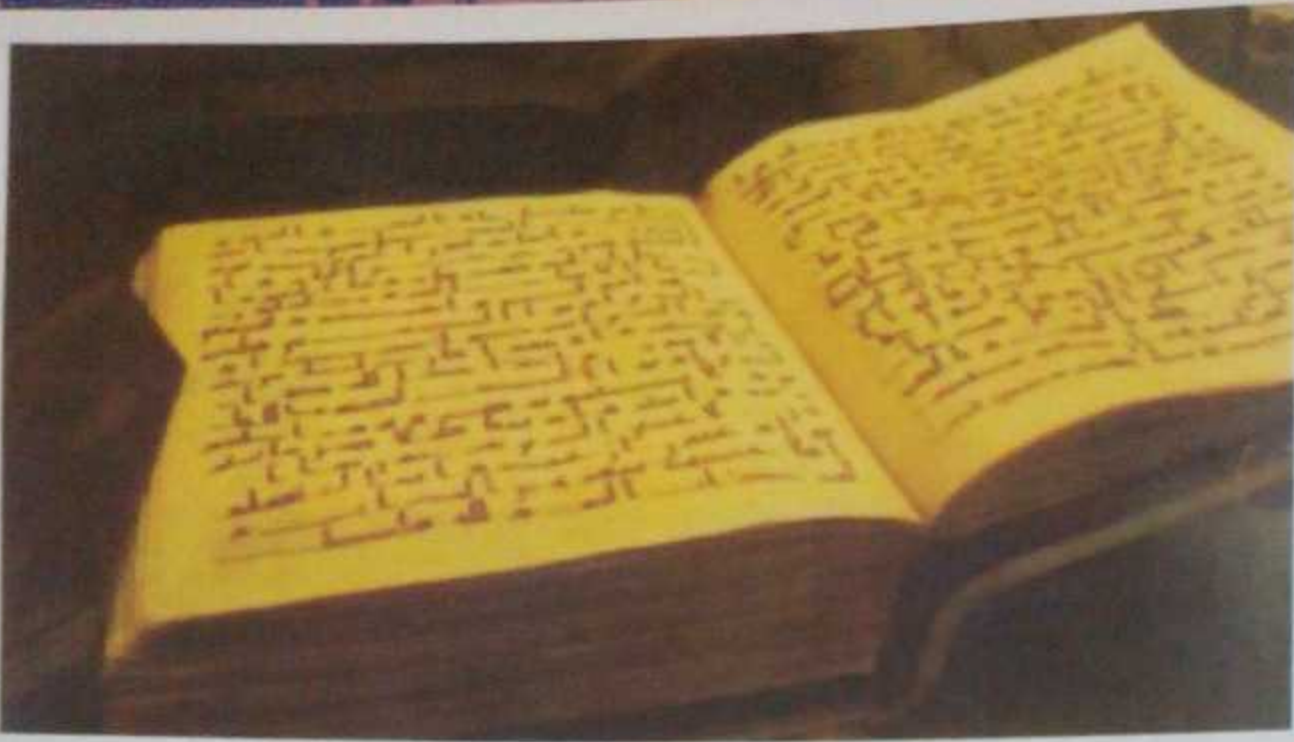
جب دوسری مرتبہ رمضان المبارک ۸۸۶ ہجری میں مسجد نبوی میں بجلی گرنے سے آگ لگ گئی جس سے بہت تباہی ہوئی معجزانہ طور پر وہ قبہ مبارکہ آگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہا اور تمام تر تبرکات مصحف عثمانی کی برکت سے محفوظ رہے. وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ان کے دور تک وہ تمام تبرکات محفوظ رہے تھے.(۱۹۰) اس سے پہلے ابن جبیر بھی اس بات کی تصدیق کر چکے تھے کہ مصحف عثمانی وہاں پر ہی موجود ہوا کرتا تھا.(۱۹۱) عصر حاضر کے ایک مدینہ طیبہ کے مورخ-عبدالرزاق یوسف معالم دارالہجرہ میں ان تمام روایات کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ مصحف عثمانی ہی کی برکت تھی جس سے سب کچھ جو بھی اس قبہ شریف میں تھا آگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہا.(۱۹۲) یہاں ہم یہ اضافہ کرنا چاہیں گے کہ حجرہ مطہرہ میں جو قدیم تاریخی صندوق کا ذکر ملتا ہے وہ ابھی بھی حجرہ مبارکہ میں موجود ہے البتہ اس کی حفاظت کے لیے اسے لکڑی کے ایک اور بڑے صندوق میں محفوظ کر دیا گیا ہے جو حجرہ مطہرہ کے اس حصے میں ہے جو مواجہ شریف کی مغربی جانب خالی جگہ کے طور پر ہے.

مصحف عثمانی کے ایک نسخے کا عکس جو کہ توپکاپی میوزیم استنبول میں محفوظ ہے

وہ تمام تبرکات اب توپکاپی میوزیم میں زیارت گاہ خاص وعام ہیں.

استنبول کا توپکاپی عجائب گھر

عصر حاضر میں اسلامی دنیا کا سب سے بڑا میوزیم جو بڑی تعداد میں تبرکات نبویہ اور ذکریات اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر مشاہیر اسلام کا امین ہے وہ ترکی میں ہے وہ استنبول کا توپکاپی عجائب گھر ہے. سلاطین عثمانیہ نے صدیوں پر محیط ایک عرصہ دراز میں ان نوادرات کو جمع کیا تھا. وہ جہاں بھی گئے وہاں سے ایسے نوادرات کو آستانہ منتقل کرتے رہے تھے. وہ صرف مدینہ طیبہ سے ہی ایسے نوادرات وہاں لیکر نہیں گئے بلکہ مصر اور دمشق جو ان کی عملداری میں شامل تھے وہاں سے بھی ایسے بہت سے تبرکات استنبول لے گئے تھے. جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے بہت سارے تبرکات ان کے ہاتھ سے اس وقت نکل گئے جب امیر تیمور نے ان پر چڑھائی کر دی تھی. لہذا ایسے تمام تبرکات جو امیر تیمور کے ہاتھ لگے وہ آج زیادہ تر پاکستان یا برصغیر کے دوسرے حصوں میں منتقل ہو چکے ہیں.

جب مصر کے طوسون پاشا نے وہابیوں کو مدینہ طیبہ سے نکالا تو سلطنت عثمانیہ نے ایسے تمام تبرکات کو آستانہ منتقل کرنے کی ٹھان لی. ایک تو مسجد نبوی کے صحن کو وسیع کرنے کی غرض سے اس کے وسط میں واقع قبہ شریف ہٹانا ضروری معلوم ہوتا تھا اور دوسرے وہابیوں نے حجرہ مطہرہ میں داخل ہو کر جو محاصل حریم مصطفوی کی لوٹ مار مچائی تھی وہ ترکوں کے لیے تازیانہ عبرت سے کم نہ تھی لہذا انہوں نے تمام تر تبرکات آستانہ عالیہ استنبول لے جانے کا فیصلہ کر لیا اور اس طرح ان میں سے اکثر تبرکات مدینۃ النبی ﷺ سے توپکاپی پہنچ گئے. ۱۲۶۶ ہجری

مصحف عثمانی کا ایک عکس جو کہ تاشقند میوزیم میں محفوظ ہے

میں مسجد نبوی شریف کے صحن میں موجود قبہ مسمار کر دیا گیا تھا تا کہ صحن مسجد وسیع کیا جا سکے اور اغلب امکان یہی ہے کہ تمام تر تبرکات اس وقت مدینہ طیبہ سے استنبول منتقل کئے گئے تھے. گو اس وقت کے کسی بھی مورخ نے اس بات کی تفصیل مہیا نہیں کی کہ کون کون سے تبرکات تھے جو وہاں لے جائے گئے اور ایسا کب اور کس سن میں ہوا مگر ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ آثار مبارکہ کی نقل مکانی ایک ہی وقت میں نہیں ہوئی بلکہ مختلف اوقات میں ایسا ہوا ہوگا. کچھ تو بیسویں صدی کے شروع میں پہلی عالمی جنگ کے دوران منتقل کیے گئے مثلاً مصحف عثمانی تو مدینہ طیبہ میں ہی موجود رہا جو دوران حرب عالمی ترکوں نے شاہ جرمنی کے پاس امانتاً رکھوا دیا تھا اور جنگ عظیم کے خاتمے پر استنبول لایا گیا.

مصحف عثمانی کے اس نسخے کا عکس جو کہ کھال کی جھلی پر لکھا گیا تھا اور اسے دیگر صوبائی دارالحکومتوں کی طرح مصر روانہ کیا گیا تھا. یہ قدیم ترین نسخہ آج کل مسجد الحسین قاہرہ میں محفوظ ہے

سید مناظر احسن گیلانی جو مدینہ طیبہ ۱۹۲۷ء میں اس وقت آئے جب شاہ عبدالعزیز کی عملداری قائم ہوئے دو سال ہو چکے تھے اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں [کہ یہ بات زبان زد خاص و عام تھی کہ جب شریف حسین نے ترک سلطنت سے بغاوت کر دی تھی تو جاتے جاتے ترک افواج اور عوام جو بھی قیمتی اور قابل منتقلی چیز ان کے ہاتھ لگی وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے. مسجد نبوی میں صرف وہی کچھ بچا تھا جو نا قبل منتقلی تھا.] (۱۹۳) حتی کہ مصحف عثمانی کو بھی وہ پہلے تو استنبول لے گئے پھر پہلی جنگ عظیم کے دوران انہوں نے جرمنی روانہ کر دیا اور پھر جب جنگ ختم ہوئی اور معاہدہ ورسیلز پر دستخط ہوئے تو اس کے آرٹیکل نمبر ۲۴۶ کے تحت یہ شرط رکھی گئی کہ وہ مصحف مسلمانوں کو واپس لوٹایا جائے گا. مذکورہ آرٹیکل کا متن کچھ اس طرح تھا:۔

آرٹیکل نمبر ۲۴۶: معاہدے کے نافذ العمل ہونے کے چھ ماہ کے اندر جرمنی خلیفہ عثمان (رضی اللہ تعالی عنہ) کا اصلی مصحف جو ترکوں نے ولیم دوم سابق شاہ جرمنی کو دیا ہوا تھا جلالۃ الملک شاہ حجاز کو لوٹا دے گا جو ترک حکام مدینہ طیبہ سے لے گئے تھے اور مبینہ طور پر شاہ جرمنی کی تحویل میں دے دیا گیا تھا.] (۱۹۴)

تاہم اس وقت چونکہ شریف کی مملکت حجاز کا وجود ہی عنقاء ہو چکا تھا وہ مصحف شریف ترکی کو واپس کر دیا گیا اور از اں دم تا ایں دم توپکاپی کے عجائب گھر میں زیر نمائش ہے. اس مصحف شریف کے علاوہ مصحف عثمانی کا دوسرا نسخہ تاشقند میوزیم میں محفوظ ہے جو امیر تیمور دمشق کو فتح کرنے کے بعد اپنے ساتھ وہاں لے گیا تھا. ایک تیسرا نسخہ مسجد الحسین قاہرہ میں بھی موجود ہے. وہ بھی ان نسخوں میں سے ایک ہے جسے جامع القرآن سیدنا عثمان ابن عفانؓ نے تیار کروایا تھا. یہ کھال کی جھلی پر لکھا گیا تھا اور اس وجہ سے اس کا حجم اور وزن دوسرے نسخوں سے بہت زیادہ ہے اور حجم میں تقریباً ایک میٹر موٹائی کا حامل ہے جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا آسان نہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل تصویر سے ظاہر ہوتا ہے.

مصحف شریف کے مندرجہ بالا نسخوں کے علاوہ ایک نسخہ حرم مکی کو بھی ارسال کیا گیا تھا جو صدیوں وہاں محفوظ رہا. ابن جبیر (جنہوں نے مکہ مکرمہ کی ۵۸۰ میں زیارت کی) رقمطراز ہیں: (۱۹۵)

[قبہ عباس ایک بہت بڑا مخزن ہے جس میں ایک وسیع و عریض صندوق موجود ہے اس میں خلافت راشدہ کے دور کا مخطوطہ قرآن کریم کا ایک مصحف ہے جس کا نسخہ حضرت زید ابن ثابتؓ نے آں حضرت ﷺ کے انتقال پر ملال کے

اس تاریخی حکم شاہی کا عکس جس کے مطابق حجرہ مطاہرہ اور دیگر مقامات کے قیمتی تبرکات آستانہ استنبول منتقل کیے گئے

اس ٹرین کی آخری جھلک جو کہ مدینہ طیبہ سے تبرکات مبارکہ لے کر استنبول روانہ ہوئی. اس یادگار تصویر میں فخری پاشا وردی پہن کر سب سے اوپر کھڑے ہیں اور سامنے بڑی تختی پر اسلام علیک یا رسول اللہ لکھا ہوا ہے. یہ بھی ذہن میں رہے کہ ان دنوں ٹرین باب السلام کے بالکل سامنے سے روانہ ہوا کرتی تھی

آٹھ سال بعد اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا. اس میں سے بہت سے صفحات ضائع ہو چکے ہیں. اس کی جلد لکڑی کے تختوں جن پر چمڑا چڑھایا گیا ہے سے کر دی گئی ہے. جن کو پیتل سے کسا گیا ہے. صفحوں کا حجم بڑا ہے اور اس طرح ہر صفحے پر کافی آیات آ گئی ہیں. ہم نے ان کی زیارت کی ہے اور اس کا بوسہ لینے کی سعادت بھی حاصل کی ہے اور اپنے چہرے سے حصول فیضان کے لیے اس کو مس بھی کیا ہے...... قبہ شریف کے محافظ نے جس نے ہمیں اس کی زیارت سے بہرہ ور کروایا ہمیں بتایا کہ جب کبھی بھی اہالیان مکہ قحط میں مبتلا یا مہنگائی کا شکار ہوتے ہیں تو وہ اس مصحف شریف کو باہر نکال کر اور کعبۃ المشرفہ کے دروازہ کو وا کر کے اسے باب ملتزم کی دہلیز پر مقام ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیتے ہیں، پھر وہ برہنہ سر وہاں جمع ہو کر اس مصحف شریف اور مقام ابراہیم کے توسل سے رب ذوالجلال والاکرام کے آگے گڑگڑاتے ہیں اور اس جگہ سے نہیں ہٹتے تھے جب تک کہ رحمت رب کریم کا نزول باران رحمت کی شکل میں نہیں ہو جاتا. اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا رحیم و کریم ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں.]

اہم نوٹ:

عالمی جنگ اول میں جب ترکوں کو حجاز اپنے ہاتھ سے نکلتا نظر آ رہا تھا تو انہوں نے فخری پاشا کو جو کہ اس وقت حجاز کے گورنر تھے حکم دیا کہ حجرہ مطہرہ سے اور دیگر مقامات سے جو بھی قیمتی تبرکات موجود تھے ان کو آستانہ استنبول منتقل کر دیں. اس سلسلہ میں باقاعدہ ایک حکم شاہی صادر ہوا جس پر ترک کابینہ کے اہم وزراء (بشمول صدر اعظم یعنی وزیر اعظم) کے دستخط تھے جس کی ایک نقل ذیل میں ہم قارئین کی نذر کرتے ہیں (بشکریہ: دکتور حاتم عمرطہ، الکوکب الدری، مدینہ طیبہ، طبعہ اولی، ۲۰۰۵ء).

اس حکم نامے کی رو سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے اس بات کا تعین کیا کہ کون کون سے نوادرات اور تبرکات منتقل کرنے ہیں. اس کمیٹی کے فیصلے کے مطابق تمام تبرکات مطہرہ کی ایک فہرست بنائی گئی اور پھر ایک خاص ریل گاڑی پر فخری پاشا ان تبرکات کو لے کر رجب المرجب ۱۳۳۵ ہجری میں مدینہ طیبہ سے استنبول روانہ ہو گئے. یہ مدینہ طیبہ سے اُن کا آخری سفر ثابت ہوا کیونکہ اس کے بعد حجاز ترک عملداری سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل گیا. توپکاپی میوزیم میں وہ تمام دستاویزات فائیل نمبر DUIT-52/2-3 میں محفوظ ہیں. ان دستاویزات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ترک جاتے ہوئے تقریباً وہ تمام تبرکات مبارکہ کو جو کہ حجرہ مطہرہ کے اندر محفوظ تھے یا مسجد نبوی شریف کے صحن میں اس قبۂ تبرکات میں موجود ہوا کرتے تھے جو کہ اٹھارویں صدی میں منہدم کر دیا گیا تھا آستانہ استنبول میں اپنے ساتھ لے گئے تھے. جو کہ آج کل

قطار الامانات المقدسة الذي نقل كنوز الحجرة النبوية الشريفة من المدينة المنورة لتركيا اثناء الحرب العالمية الاولى وهذه الصورة التقطها فخري باشا شخصيا للقطار وهو يغادر المدينة.

الترجمة العربية

قائمة بالأمانات المباركة

المرسلة من الحرم النبوي الشريف بالمدينة المنورة

إلى إستانبول التركية

حجرہ مطاہرہ اور دیگر مقامات کے قیمتی تبرکات جو آستانہ استنبول منتقل کیے گئے کی فہرست کا عکس

توپکاپی موزیم میں زیر نمائش ہیں. انہیں میں مصحف عثمانی، کوکب دری کا بیش بہاء ہیرا، آقائے دو جہاں ﷺ کا پیالہ، بردہ مبارک (کالی کملی)، نقش کف پائے مصطفیٰ ﷺ بیش قیمت ہیرے اور صندوقوں میں بند دیگر تبرکات مبارکہ شامل ہیں جن میں سے چند ایک کی تصاویر ہم نے اسی باب میں اور حجرہ مطہرہ کے باب میں دی ہیں.

جبل سلع پر کنداں عبارات جو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے منسوب تھیں

خط کوفی میں نہائت ہی تاریخی اہمیت کی حامل قرون اولیٰ کی چند عبارات محققین کی توجہ کا ہمیشہ سے مرکز بنی رہی ہیں جو عرصہ دراز سے مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے وہاں آتے رہے ہیں. بلا شک وشبہ وہ کنداں عبارات اسلامی ورثہ اور تراث کا اہم ترین حصہ تھیں جو ۵ ہجری یعنی حضور سرکار دو عالم ﷺ اور اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم کے عہد مبارک سے متعلق تھیں. ابراہیم رفعت پاشا جو متعدد بار مصری امیر الحج کے طور پر مدینہ منورہ حاضر ہوئے تھے (۱۹۰۱، ۱۹۰۸ اور پھر ۱۹۲۴ء میں) ان بیش بہا نقوش صحابہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''میں نے اس پہاڑ (جبل سلع) کی شیخ ابراہیم حمدی خربوتلی (جو کہ اس وقت شیخ الاسلام عارف حکمت بیگ لائبریری کے امین المکتبہ تھے) کی معیت میں زیارت کی اور کچھ چٹانوں پر کوفی رسم الخط میں چند عبارات ملاحظہ کیں جن میں سے ایک کا متن یوں ہے: [رات دن عمر اور ابو بکرؓ کسی بھی انہونی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں.''

[امسی واصبح عمر وابو بکر یشکوان الی اللہ من کل ما یکرہ.] بعد میں اس عبارت کی تصدیق جناب یوسف احمد آفندی جو کہ وزارت اوقاف میں آثار قدیمہ کے ماہر ہیں نے بھی کر دی جب مورخہ ۷ امئی ۱۹۲۴ء کو اس کی ایک تصویر ان کو پیش کی گئی. (۱۹۶)

مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے پہلی مرتبہ ۱۹۳۰ کی دہائی میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی. ان کی تحقیق بھی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ عبارات اصحابہ کبار مثلاً سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق رضوان اللہ علیہما اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مبارک ہاتھوں سے اس وقت جبل سلع کی چٹانوں پر کنداں کی گئیں جب کہ مسلمان غزوہ احزاب میں کفار کے خلاف سینہ سپر تھے اور یہود بے بہبود کی غداری کے سبب وقتاً فوقتاً جبل سلع کی چوٹیوں پر مختلف اطراف میں پہرہ دیا کرتے تھے اور اغلب امکان یہ ہے کہ وہ کتابت سیدنا عمر فاروقؓ کے دست مبارک ہی کی ہو کیونکہ وہ خطاطی میں ماہر و مشہور تھے. (۱۹۷) خیاری اور شنقیطی کے مطابق ان دونوں حضرات نے ان تحریروں کو متعدد بار دیکھا تھا لیکن جب ان چٹانوں پر نئی عمارات کی بنیاد رکھ دی گئی تو وہ عبارات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معدوم ہو گئیں. (۱۹۸)

جبل سلع کی چٹانوں پر کندہ
کی گئی تحریروں کا عکس
اس چٹان پر تحریریں پہلی
صدی ہجری کی ہیں جو کہ غالباً
اصحابہ کرام یا تابعین کرام
رضوان اللہ علیہم کی ہیں
اس کا رسم الخط بھی کوفی ہے

مندرجہ بالاتحریر کے چندفٹ نیچے ایک اور چٹان پر ایک اور عبارت ہوا کرتی تھی جو اسی عہد کی تھی (یعنی ۴ ہجری) اور متن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی سیدنا عمر فاروقؓ کے دست مبارک سے ہی کنداں ہوئی تھی. اس کا متن کچھ یوں تھا: [یقبل اللہ عمر ۔ اللہ یعامل عمر بالمغفرہ ۔ اللہ عمر کی (دعا کی) قبولیت فرمائے، اور اللہ کریم عمرؓ کے ساتھ مغفرت کا معاملہ فرمائے.] (۱۹۹)

غالی الشنقیطی مزید فرماتے ہیں: [جبل سلع کی مشرقی جانب چند چٹانوں پر کچھ عبارات کنداں ہوا کرتی تھیں جن کی کتابت بڑی واضح اور قابل قرأت تھی اور میں نے متعدد باران عبارات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے. میں جب بھی وہاں جاتا دیر تک وہاں کھڑا رہتا اور ان کی اہمیت پر غور کرتا رہتا، مجھ سے پہلے مدینہ منورہ کے کتنے ہی مورخ اس تراث عظیم کے متعلق گوہر افشانی کر چکے ہیں مثلاً صاحب مرأۃ الحرمین اور عبدالقدوس انصاری وغیرہ، اور ان سب حضرات نے ان تحریروں کو سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضوان اللہ علیہم کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ ان کا رسم الخط خط کوفی کے قریب قریب تھا. اب وہ عبارات مفقود ہو چکی ہیں اور ساتھ ہی وہ مشرقی کونہ بھی معدوم ہو چکا ہے جہاں اب بلند و بالا عمارات اور فلیٹوں کی ایک قطار نظر آتی ہے.] (۲۰۰)

بدقسمتی سے جدت پسندی کی اندھی دوڑ اور آثار نبویہ کی بے قدری نے امت مسلمہ کو ان بیش بہا آثار قدیمہ سے محروم کر دیا ہے جو اصحابہ کبار اور تابعین رضوان اللہ علیہم اپنے مبارک ہاتھوں سے صخور نواح کاظمہ کی الواح مبارکہ پر اپنے آٹوگراف کے طور پر ثبت کر گئے تھے. یہ عبارات صرف ان برگزیدہ ہستیوں کی یادگاریں ہی نہیں تھیں بلکہ فجر الاسلام میں عربی رسم الخط کے ارتقاء پر بھی بھرپور روشنی ڈالتی تھیں جس نے غیر منقوط کوفی رسم الخط کی کوکھ سے جنم لیا تھا اور پھر پروان چڑھتے چڑھتے مختلف ادوار میں گوناگوں اشکال اور خطوط کی شکل اختیار کر لی. ان میں سے ایک عبارت سے تو صاف ظاہر ہوتا تھا کہ جب وہ اصحابہ کرام اپنے اسمائے گرامی کندہ کر رہے تھے تو حضور سرور کونین ﷺ بھی ادھر آ نکلے ہوں گے کیونکہ ایک چٹان پر جہاں یہ لکھا ہوا تھا کہ: [انا علی ابن ابی طالب.] اور [انا سعد ابن معاذ.] وہاں ساتھ ہی یہ بھی کنداں تھا کہ: [انا محمد ابن عبداللہ]. اس سے بڑھ کر ان عبارات کی اور بھلا کیا عظمت ہو سکتی تھی. اس متاع بیکراں کے لٹ جانے پر جتنا بھی افسوس کیا جائے

جبل سلع کی ایک چٹان پر کندہ تحریر
امسی واصبح عمر وابوبکر یشکوان الی اللہ من کل ما یکرہ
''رات دن عمر اور ابوبکر (رضی اللہ عنہم) کسی بھی انہونی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں''
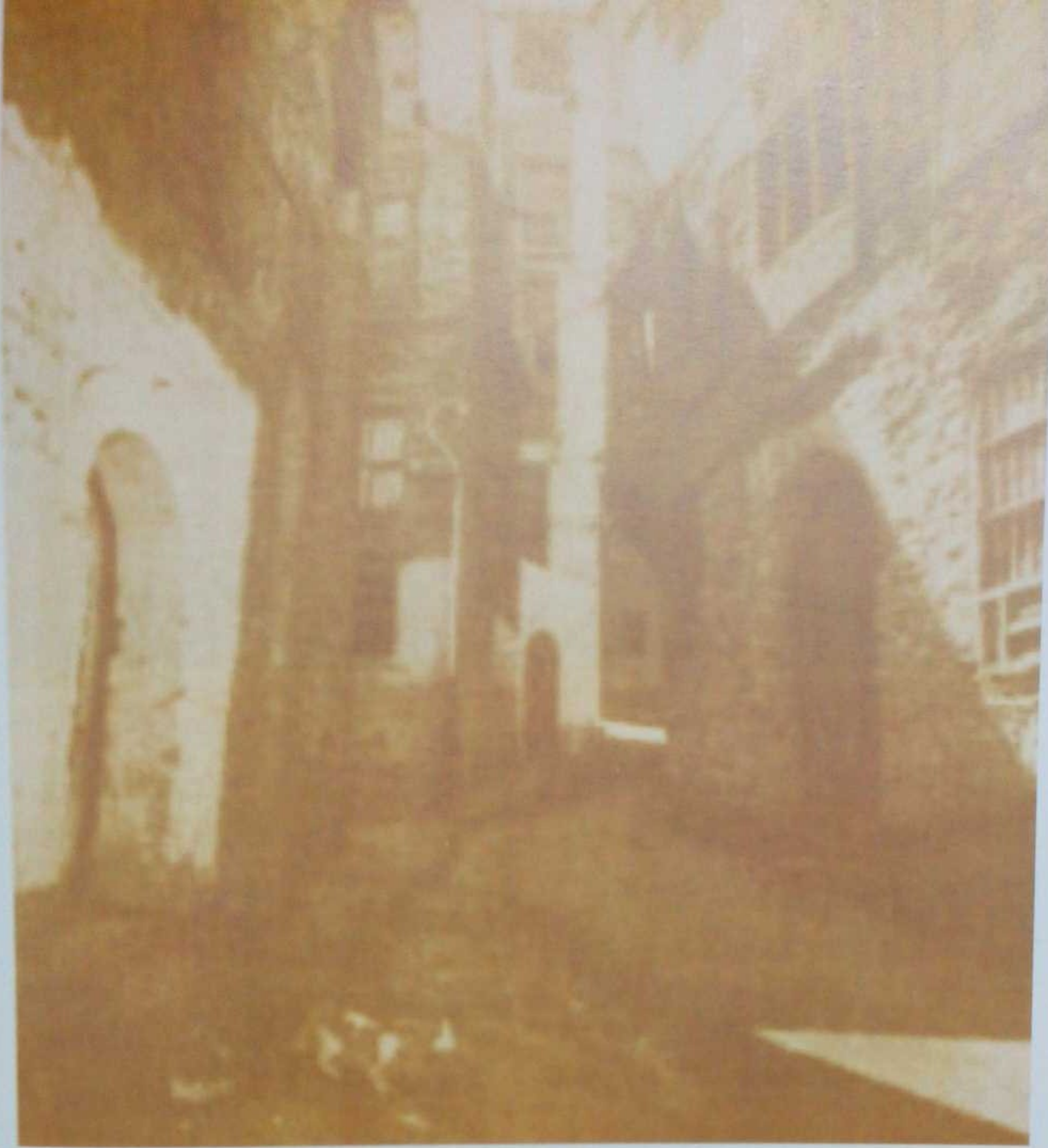
مکۃ المکرمہ میں محلہ بنی ہاشم
کی ایک نادر تصویر
یہ تمام علاقہ اب حرم میں
شامل ہو چکا ہے

کم ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ بقول اقبال:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مکۃ المکرمہ میں موجود تبرکات اور آثار نبویہ

بلدالامین مکہ شرفہا اللہ تعالیٰ کو جہاں یہ فخرعظیم حاصل ہے کہ وہاں بنی نوع انسان کا قبلہ اول بیت اللہ شریف تعمیر ہوا وہاں یہ عظمت بھی اسی وادی غیر ذی زرع کے حصے میں آئی کہ ابوالانبیاء خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی صلب طاہرہ سے وہیں پھلی پھولی۔ اس گلشن خلیلی میں نہ جانے کتنے انبیاء ام القریٰ کی دھرتی پر مبعوث ہوئے۔ مگر درحقیقت سب سے بڑا اعزاز اس ارض مقدس کے لیے یہ ہے کہ دعائے خلیل ونوید مسیحا اسی فاران کی گھاٹیوں کے درمیان محلہ بنی ہاشم میں واقع ایک مکان میں پوری ہوئی جس کو مولد النبی کہا جاتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ وہاں تولد ہوئے بلکہ حضور سید الانس والجان ﷺ نے دنیوی حیات طیبہ کے تقریبا ترپن-۵۳ سال بیت اللہ اور ماحولہا میں گزارے۔ مکۃ المکرمہ کی کون سی ایسی گلی ہوگی جو حضور پرنور ﷺ کے لیے فرش راہ نہ بنی ہوگی۔ کتنی اور ایسی گھاٹیاں اور چٹانیں ہونگی جنہیں دیدار مصطفوی کا شرف حاصل ہوا ہوگا کیونکہ بہت سی احادیث مبارکہ اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ جب

سرورِ کونین ﷺ کا وہاں سے گزر ہوتا تو پتھر بھی نہایت ادب واحترام سے پکار اٹھتے: السلام علیک یارسول اللہ. حضرت عروہ بن زبیرؓ نے اپنی مغازی رسول اللہ ﷺ میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ بیان کی ہے: [میں مکہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے قبل مجھے سلام کرتا تھا. میں اب بھی اسے پہچان سکتا ہوں!] (مغازی رسول اللہ ﷺ عروہ بن زبیرؓ تحقیق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی، اردو ترجمہ محمد سعید الرحمان علوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص: ۱۷۱) کون نہیں جانتا کہ جبل نور کی وہ مبارک غار حراء مکہ مکرمہ ہی کے مضافات میں واقع ہے جہاں متواتر چھ سال تک حضور ﷺ نے تحنث اور خلوت گزینی فرمائی اور پھر اسی جبل حراء سے اتر کر بنی نوع انسان کے لیے ایسا نسخہ کیمیا ساتھ لیکر آئے جس نے بھولی بھٹکی انسانیت کو صراط مستقیم پر لگا دیا. یہی وہ مقام ہے جہاں الرحمان نے خوابِ غفلت میں گم انسانیت کو اپنی نعمت عظمیٰ قرآن کریم سے نوازا اور اقرا باسم ربک الذی خلق کے ابدی احکام سے علوم لامتناہیہ سے بہرہ ور کردیا. اسی حرم پاک کے دامن امین وکریم میں غار ثور بھی تو ہے جہاں آقائے دوجہاں ﷺ نے اپنے یار غار کے ساتھ تین دن تک استراحت فرمائی تھی. جبال حرم مکی میں جبل ابوقبیس جیسے بلند وبالا پہاڑ بھی ہیں جن کی چوٹیوں کو بارہا حضور پرنور ﷺ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوتا رہا اور شق القمر کے معجزے کے موقع پر جہاں مہتاب آپ کے ایک اشارے سے دولخت ہوا وہاں نعلین ہائے مبارکہ نے اسی جبل ابوقبیس کو ہمسر عرش معلی کردیا جہاں بعد میں عشاق خواجہ دوسراء ﷺ نے مسجد بلال (یا مسجد ہلال) کی بنیاد ڈال دی تھی غرضیکہ حرم مکی کا گوشہ گوشہ جمال مصطفوی سے منور وتاباں ہے.

مولد النبی ﷺ کی ایک قدیم تصویر

اس لحاظ سے وادی بکہ بے شمار تبرکات نبویہ کی امین ہے. جن کا پورا احاطہ انشاءاللہ تعالیٰ تاریخ مکۃ المکرمہ میں کیا جائے گا مگر چونکہ یہ باب بالخصوص تبرکات نبویہ سے متعلق ہے. اس ضمن میں مولد النبی اور دیگر چند آثار نبویہ کا ذکر خارج ازمحل نہ ہوگا.

مولد النبی ﷺ مکۃ المکرمہ میں خیر الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام کا آبائی گھر

جہاں فخر موجودات ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی:

حضرت عبدالمطلب نے اپنی حیات میں ہی اپنی تمام جائداد اپنے ورثاء میں تقسیم کردی تھی، اس طرح ان کا ایک مکان ابوالنبی حضرت عبداللہ کے حصے میں آیا اور وہیں پر وہ ام النبی حضرت آمنہؓ کے ساتھ مقیم ہوئے. وہیں پر والی دوجہاں سید الانس والجان ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اور آپ حضور ﷺ انجمن آرائے گلزار بشریت ہوئے. ابوالولید الازرقی جو مکۃ المکرمہ کے اولین مورخ ہیں کے مطابق وہ مکان ہجرت کے وقت حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کے ہاتھ چلا گیا. فتح مکہ پر فاتح القلوب فاتح البلدہ الطاہرہ حضور نبی اکرم ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ آقا کہاں قیام فرمانا پسند کریں گے تو حضور والاشان ﷺ نے ارشاد فرمایا! آیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی سایہ چھوڑا ہے؟ تاہم ابن کثیر کے مطابق وہ مکان حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عقیل کو ہبہ کردیا تھا اور اس طرح وہ ان ہی کے پاس رہا مگر بعد میں ان کے بیٹوں نے اسے محمد بن یوسف جو کہ حجاج بن یوسف کا بھائی تھا کے ہاتھ بیچ دیا جس نے اسے اپنے مکان کے رقبے میں شامل کرلیا جس کو البیضاء کہا جاتا تھا پھر عباسی دور میں خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران نے اسے خرید کر وہاں ایک بہت خوبصورت مسجد تعمیر کروادی جو مسجد مولد النبی کے نام سے مشہور تھی. مولد النبی کی نسبت مبارکہ سے وہ سڑک بھی زقاق مولد النبی کے نام پر مشہور رہی. دور عثمانیہ میں بھی وہاں مسجد ہی رہی جہاں

باقاعدہ نماز پنجگانہ ہوا کرتی تھی اور اوقاف کی طرف سے وہاں امام اور موذن متعین تھے. ۱۳۴۳ ہجری میں وہ مسجد منہدم ہوگئی اور پھر ۱۳۷۰ ہجری میں امین العاصمہ عباس بن یوسف نے وہاں عمارت تعمیر کروا کر اسے لائبریری میں تبدیل کر دیا. (۲۰۱) البتہ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے سفرنامہ ارض القرآن کے مطابق (۱۹۵۹-۱۹۶۰ء) اس مکان میں لڑکیوں کا سکول بنا ہوا تھا. (سفرنامہ ارض القرآن، اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۹، ص: ۱۵۴)

مولد النبی ﷺ کی موجودہ حالت

دور حاضر میں مکۃ المکرمہ کے عمرانیاتی ارتقاء کی وجہ سے جس نے خاص طور پر پچھلی دو دہائیوں میں اس بلد الامین کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا ہے. بہت سے متبرک تاریخی مقامات صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئے ہیں مثلاً مسجد اور بیت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی جگہ آج فائیو سٹار ہوٹل دیکھنے کو ملتا ہے اور مسجد اس کی چھت پر دس منزلوں کے اوپر بنا دی گئی ہے، دار ارقم کی جگہ سڑک نے لے لی ہے اور اس پر طرہ یہ کہ جو تاریخی مقام اپنی جگہ سے معدوم کیا جاتا ہے وہاں کسی قسم کی تختی یا نشان تک نہیں چھوڑا جاتا. مشرقی جانب مسعیٰ کے باہر بنو ہاشم کے پورے محلے کی قدیم عمارات کو گرا کر زمین ہموار کر کے حرم پاک کے گرد والے احاطے میں شامل کر دی گئی ہے. مگر شکر ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا آبائی مکان جس میں حضور والا شان ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی پچھلی چودہ صدیوں میں بے شمار نشیب و فراز سے گزرنے کے باوجود اپنی جگہ پر قائم و دائم ہے.

ام المومنین سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر جہاں حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی زندگی کے ۲۸ سال گزارے تھے

یہ مکان مروہ کی جانب بازار کے اندر ہوا کرتا تھا. یہاں ہادی برحق خیر الوریٰ ﷺ نے ام المومنین سیدۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رفاقت میں اپنی دنیوی حیات طیبہ کے نہ صرف ۲۸ سال گزارے تھے بلکہ بعثت کے بعد مکی عہد کی قرآن پاک کی سورتیں اور آیات کی تنزیل کا معتدبہ حصہ اسی بقعہ مبارکہ میں مکمل ہوا تھا اور وہیں آپ کے فرزندان ارجمند اور بنات طاہرہ تولد ہوئے. ابو الولید الازرقی کے مطابق یہ متبرک مکان زقاق الحجر میں دار ابی سفیان کی پشت پر واقع تھا وہ فرماتے ہیں کہ: [منزل ام المومنین خدیجہؓ وہ مکان ہے جہاں نبی اکرم ﷺ نے سیدۃ خدیجہؓ کی رفاقت میں قیام فرمایا، یہیں آپ کی اولاد طاہرہ کی ولادت ہوئی اور یہیں پر سیدۃ خدیجہؓ کا انتقال ہوا اور بعد میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کو ہجرت تک وہیں مقیم رہے بعد میں وہ مکان عقیل بن ابی طالبؓ کے قبضہ میں رہا مگر جب معاویہؓ بن ابی سفیان خلیفہ بنے تو انہوں نے وہ جگہ خرید کر اس کی جگہ مسجد تعمیر کروا دی.] مرور ایام سے وہ مسجد کئی بار تعمیر ہوئی، عثمانی دور حکومت میں الحاج محمد حسیب پاشا امیر مکہ نے ۱۲۶۵ ہجری میں وہاں بے نوا

السیدۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر
جہاں حضور سید عالم ﷺ ۱۳ سال تک رہائش پذیر رہے
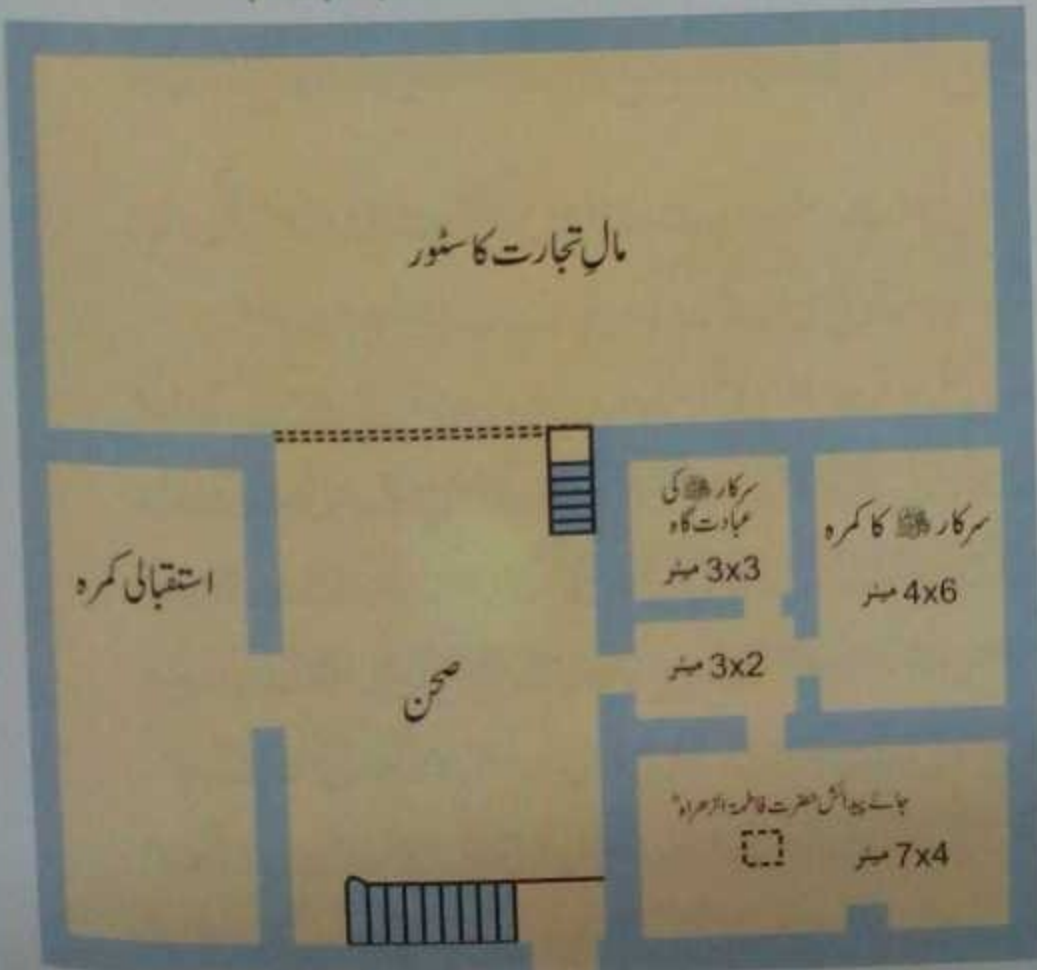
ام المومنین سیدۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مکان کا ایک نقشہ

ام المومنین سیدۃ خدیجۃ الکبریٰؓ کے مکان کی باقیات جو کہ کھدائی کے وقت ظاہر ہوئیں

مسافروں کے لیے 'تکیہ سیدۃ فاطمہ الزہراء' قائم کر دیا. بعد میں سعودی دور حکومت میں شیخ عباس بن یوسف القطان رئیس بلدیہ العاصمۃ الطاہرہ نے ۱۳۷۰ھ میں وہاں مدرسہ تحفیظ القرآن بنا دیا. (۲۰۲) یہ مکان سوق اللیل میں حرم شریف کے جنوب مشرقی جانب ہوا کرتا تھا اور کثیر تعداد میں عشاق رسالت مآب ﷺ اسکی زیارت سے فیضیاب ہوا کرتے تھے مگر جوں ہی جوار مسجد الحرم کی تجارتی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا اور نئے تجارتی مراکز اور منافعہ بخش رہائشی پلازوں کے لیے جگہ کم پڑنے لگی تو تجار عرب کی آنکھیں اس پر گڑ گئیں اور اسے مسمار کر کے دم لیا اور اب اس جگہ اور اسی طرح کے باقی مقدس مقامات کی جگہ بلند و بالا تجارتی اور کثیر منزلہ رہائشی مراکز سر اٹھائے کھڑے نظر آتے ہیں.

کچھ اور آثار مبارکہ بھی مکۃ المکرمہ میں موجود ہیں جن کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ تعالیٰ تاریخ مکۃ المکرمہ کے ضمن میں کیا جائے گا.

مدینہ منورہ کے چند دیگر تاریخی اور اثری مقامات

اب ہم قارئین کی توجہ مدینۃ النبی کی طرف دوبارہ مبذول کرانا چاہیں گے جہاں سید مکی و مدنی ﷺ کی کچھ مزید یادگاریں زمانے کی دستبرد سے ابھی تک محفوظ رہی ہیں جن میں چند بساتین اور دیگر تاریخی مقامات شامل ہیں جن کا باقی ابواب میں ذکر نہیں ہو سکا.

بستان (باغیچہ) سیدنا سلمان فارسیؓ

حضرت سلمان فارسیؓ مدینہ طیبہ آنے پر بنی قریظہ کے ایک متمول گھرانے میں غلام تھے اور ان کے کھجوروں کے باغات کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے. (۲۰۳) حضور پرنور ﷺ کے مدینہ منورہ میں ورود مسعود پر وہ ایمان تو لے آئے تھے مگر ابھی تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے. وہ دربار اقدس میں بلا روک ٹوک حاضری دینے سے قاصر تھے اور اس لیے بار بار بارگاہ رسالت مآب میں التجاء کیا کرتے تھے کہ آقائے دو جہاں ﷺ ان کی آزادی کا کوئی بندوبست فرمائیں اور حضور سرور دو عالم ﷺ انہیں صبر کی تلقین فرمایا کرتے تھے. آخر کار ایک دن رحمت اللعالمین ﷺ کی نگاہ لطف و کرم جوش میں آ گئی اور سلمانؓ کو حکم ہوا کہ وہ اپنے یہودی مالک سے اپنی آزادی کی شرائط طے کریں. سلمانؓ خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے مگر یہ سن کر دل شکستہ ہو گئے کہ اس کج معاملہ یہودی نے ایسی شرائط رکھ دیں جن کا پورا کرنا بظاہر محال نظر آتا تھا شرط یہ تھی کہ وہ اپنی رہائی کے بدلے کھجور کے تین سو پودے لگائیں گے اور جب وہ تناور ہو کر پھل دینا شروع کر دیں گے تو وہ ایک خاص مقدار میں سونا دیکر اپنی غلامی سے چھٹکارا حاصل کر سکیں گے. یہ تمام ماجرا حضرت سلمان فارسیؓ کی زبانی احادیث کی کتب میں مروی ہے. جب انہوں نے تمام شرائط حضور سرور کونین ﷺ کی گوش گزار کیں تو رحمت دو عالم ﷺ مسکرا دیئے اور فرمایا کہ

مکان ام المومنین سیدۃ خدیجۃ الکبریٰؓ سے کھدائی کے وقت دریافت ہونے والا ایک متبرک پتھر

بستان حضرت سلمان فارسیؓ
کی ایک نایاب تصویر

سلمان جاؤ اس زمین کو پانی سے سیراب کردو تاکہ وہ کھجوروں کی پنیری لگانے کے لیے تیار ہو جائے اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ جس سے جتنے بھی پودے ممکن ہوسکیں مہیا کریں. جب زمین کاشت کے لیے تیار ہوگئی تو سرور دو عالم ﷺ نے بنفس نفیس وہاں پنیری کے پودے لگادیئے اور دست معجز نگار کا کرم تھا کہ وہ تمام کے تمام پودے سروقد ہو کر ثمر بار ہو گئے. پھر وہ باغ زبیر بن باطا یہودی کے قبضے میں چلا گیا مگر جب بنو قریظہ کا خاتمہ ہو تو وہ مال غنیمت کے طور پر حضور نبی اکرم ﷺ کی تحویل میں آکر صدقات نبوی میں شامل ہو گیا. آنحضرت ﷺ نے کمال لطف و کرم سے وہ بستان حضرت سلمان فارسیؓ کو عطا کر دیا. تاجدار مدینہ ﷺ نے جو دو املاک حضرت سلمان فارسیؓ کو عطا کیں وہ براقہ اور میثب کے نام سے جانی جاتی تھیں جو کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے تصرف میں آنے کے بعد صدقات النبی کہلاتی تھیں.

شاہاں راچہ عجب کہ بنوازند گدارا

حضرت سلمان فارسیؓ گو کہ اپنی آزادی کے بعد اصحاب صفہ کے ساتھ منسلک ہو کر دن رات خدمت مصطفوی میں منہمک رہے مگر وصال رسالت مآب ﷺ کے بعد وہ اسی کنویں کے ساتھ ایک کٹیا سی بنا کر اس باغ کی نگہ داشت کیا کرتے تھے. یہی وجہ تھی کہ فقر سلمانی کے ناطے وہ باغ بھی قرون اولیٰ میں صدقۃ الفقیر یہ کے نام سے مشہور رہا. وہ تاریخی بستان اور اس کے ساتھ ملحقہ کنواں جس سے حضرت سلمان فارسیؓ اسکی آبیاری کیا کرتے تھے آج تک وقت کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہے اور زیارت گاہ اہل شوق ہے. ان تین صد شجر ہائے مبارکہ سے

بستان حضرت سلمان فارسیؓ کی تصویر، درمیان والی سفید کھجور حضور سید عالم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اگائی تھی، اب اس کھجور کا نام و نشان بھی ختم کر دیا گیا ہے

رف ایک شجر بچ گیا تھا جو آج سے بیس سال پہلے تک ثمر باری کرتا رہا اور چند خوش نصیب
شاق اس سے بہرہ ور ہو جایا کرتے تھے مگر موجودہ قیادت نے اسے بدعت قرار دیکر اس
جر مبارکہ کو بھی نذر آتش کر دیا۔البتہ بستان فارسی اور وہ کنواں انتہائی خستہ حالت میں اب بھی
وجود ہے۔مندرجہ ذیل تصویر میں سفید تنے کی کھجور کا درخت وہی درخت تھا جو اب موجود
ہیں ہے۔یہ تصویر جناب محمد طفیل بھٹی صاحب کی مرہون منت ہے جو کہ انہوں نے ۱۹۷۳ء
یں اتاری تھی۔

بستان حضرت سلمان فارسیؓ کے سامنے حصے کی ایک تصویر (جنوری ۲۰۰۲ء)

بستان (باغیچہ) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

یہ بستان مسجد قبا کے قبلہ کی جانب مسجد شمس کی چاردیواری سے تقریباً ۴۰۰ گز دور مشرق کی جانب واقع ہے۔عدم توجہی اور مناسب دیکھ بھال کے فقدان سے کھجور کے تقریباً تمام درخت سوکھ چکے ہیں جس سے نظر آرہا ہے کہ یہ آثار مبارکہ بھی ملک عدم کی طرف رحلت کے لیے اپنے ویزے کا منتظر ہے اور نہ جانے کب اس کی باری آجائے اور عشاق اس کے نظارے سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں۔

بنو نضیر کے اجلاء کے بعد ان کی تمام تر غیر منقولہ جائیداد فئی کے طور پر حضور سرورِ کونین ﷺ کی ملکیت میں آگئی تھی جس میں سے اکثر حصے کو آپ حضور ﷺ نے مستحق مہاجر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو مرحمت فرما دیا۔اس طرح یہ قطع ارضی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ملا جنہوں نے بعد میں اسے وقف کر دیا اور اس طرح یہ بستان وقف کے طور پر اس جلیل القدر صحابی کے تبرکات کی شکل میں موجود رہا اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قائم و دائم رکھے۔

کم و بیش یہی حال وقف حضرت زبیر بن العوامؓ اور بستان حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کا ہے مگر بستان حضرت عباسؓ میں موجود کھجوروں کے درخت آج بھی ثمر بار ہیں اور وہاں سے حاصل ہونے والی العجوہ کھجور بہت اعلیٰ کوالٹی کی ہے اور بہت مہنگی بکتی ہے۔
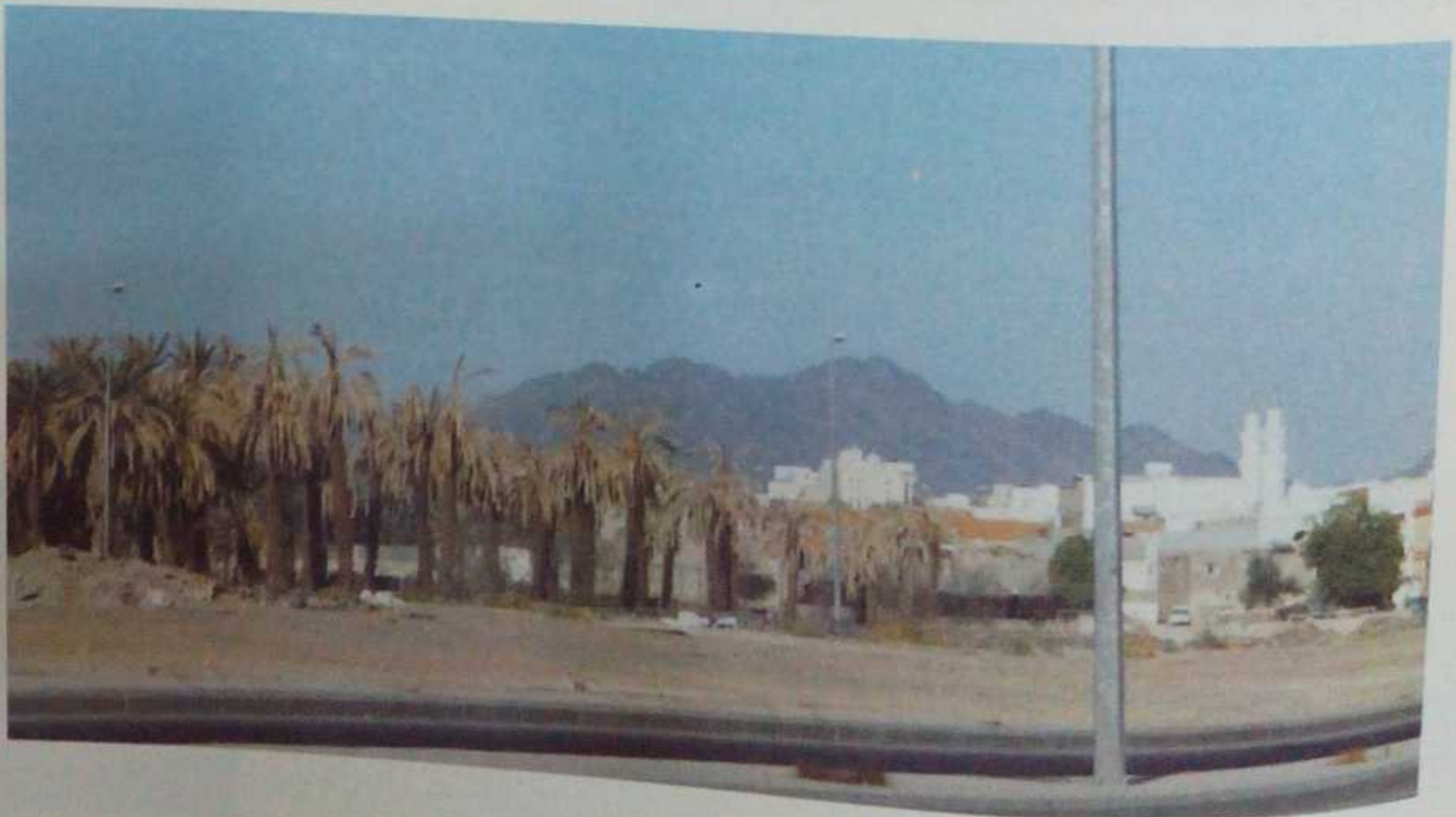
بستان حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی تصویر

سقیفہ بنی ساعدہ کی ایک
قدیم تصویر جس کو کبھی
بشاشت سلطانہ بھی کہا جاتا تھا

سقیفہ بنی ساعدہ

جس طرح ایک دوسری جگہ اس بات کی صراحت کی گئی ہے سقیفہ طرز کا چوپال (ڈیرہ) قبل از اسلام یثرب اور پھر عہد نبوی اور بعد میں مدنی تمدن کا ایک طرہ امتیاز رہا ہے. تین دیواروں کے اوپر چھت ڈال کر چوتھی سمت یا تو کھلی چھوڑ دی جاتی تھی یا حفاظت کے لیے بہت بڑا دروازہ لگا دیا جاتا تھا. ایسے سقیفے مختلف بساتین میں ہوا کرتے تھے اور چوپال کا کام دیا کرتے تھے جہاں قبیلے کے سرکردہ افراد اپنے قبیلے کے سماجی مسائل نمٹایا کرتے تھے. حضرت حسان بن ثابت ؓ بھی اپنی شاعری میں اپنے ایک سقیفہ کا ذکر کرتے ہیں جہاں ان کے آباؤ اجداد زمانہ جاہلیت میں پنچائت لگایا کرتے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سقیفہ مدنی زندگی میں ایک اہم مقام رکھتا تھا. مگر مدینہ منورہ کی تاریخ میں اور کسی سقیفہ کو اتنی شہرت حاصل نہ ہو سکی جتنی کہ سقیفہ بنو ساعدہ کے نصیب میں آئی.

حضور نبی اکرم ﷺ کے انتقال پر ملال پر جب دولت اسلامیہ کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے کچھ انصار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت سعد ابن عبادہ ؓ کو خلیفہ چننا چاہا تو انہوں نے اسی سقیفہ میں اپنا اجلاس منعقد کیا. جب سیدنا ابوبکر الصدیق ؓ اور سیدنا عمر فاروق ؓ کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ سیدھے سقیفہ بنو ساعدہ پہنچ گئے اور اپنی کمال حکمت و دانائی سے اسلام کی صفوں میں پڑنے والی اس دراڑ اور پھوٹ کو ختم کر دیا اور یوں انصار و مہاجر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت نے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کو خلیفۃ الرسول اللہ ﷺ چن لیا. اس لحاظ سے یہ سقیفہ عالم اسلام کا پہلا ایوان شوریٰ (پارلیمنٹ ہاوس) گردانا جاتا ہے. اس واقعہ کی تفاصیل ہمارے اس موضوع کا حصہ نہیں تاہم قارئین کے اضافہ معلومات کے لیے ہم انہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم شریف کی طرف نشاندہی کریں گے جہاں تمام تر تفاصیل موجود ہیں. (۲۰۴)

احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ بھی کئی بار اس سقیفہ پر تشریف لے گئے تھے اور ایک بار تو اس کی چھت پر آنحضرت ﷺ نے کچھ دیر استراحت فرمائی تھی (۲۰۵) اور حضرت سہل ابن سعد الساعدیؓ نے پیالہ میں آپ کو پانی پیش کیا تھا حضور نبی اکرم ﷺ کے قدوم میمنت سے یہ سقیفہ اور بھی تقدس کا حامل ہو گیا تھا اور اسی لیے ہر آنے والی حکومت نے اس مقام کی آثار نبوی کے طور پر بہت حفاظت کی. زمانہ قدیم سے اسے اس کی اصلی حالت یعنی ایک چھپر کی صورت میں ہی رکھا گیا مگر چونکہ موجودہ دور میں تمدن مدینہ میں کچھ زیادہ ہی ارتقاء دیکھنے میں آیا ہے. جس نے بہت سے نقوش کہن کو اکھاڑ پھینکا ہے اس لیے سقیفہ کی قدیم شکل کو خیر باد کہہ دیا گیا ہے مگر یادگار کے طور پر اسے ایک حدیقہ یا باغیچہ کی شکل میں محفوظ کر دیا گیا ہے جو مسجد نبوی کے پائیں جانب شمال مغرب کی طرف ایک آہنی باڑ کے اندر موجود ہے. اس کے اندر خوبصورت شجر کاری کی گئی ہے اور درمیان میں ایک فوارہ بھی نصب کیا گیا ہے. بلدیہ کے ریکارڈ میں اب یہ جگہ سقیفہ بنی ساعدہ نہیں بلکہ حدیقہ بنی ساعدہ کے نام پر جانی جاتی ہے.

بنی ساعدہ کی نایاب تصویریں

موجودہ حدیقہ ساحدہ کی تصویر
(جنوری ۲۰۰۲ء)

مشربہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہا (۲۰۶)

مشربہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہا ایک بستان کے درمیان مسجد نبوی کے جنوب میں تقریباً تین میل کے فاصلے پر مستشفی زاہرہ کی شاہراہ پر واقع ہے. فیروز آبادی کے بیان کے مطابق یہ مشربہ حرہ شرقیہ میں مسجد بنو قریظہ کے شمال میں کھجوروں کے ایک باغ کے درمیان ایک ایسے علاقے میں واقع تھا جو کہ دشت کے نام پر مشہور تھا. آج بھی یہ جگہ العوالی میں مشربہ ام ابراہیمؓ ہی کے نام سے جانی جاتی ہے. جس کے اردگرد کافی زرعی اراضی ہے جو شیخ حمزہ خاشقجی کی ملکیت ہے. (۲۰۷)

شروع میں یہ جگہ بنی قریظہ کی ایک فرع بنو ثعلبہ کے ایک ربی اور عالم 'مخیرق' کی ملکیت ہوا کرتی تھی. غزوہ احد کے دن اس نے چاہا کہ میثاق مدینہ کے مطابق یہود کو نبی اکرم ﷺ کا ساتھ دینا چاہیے. لہذا اس نے یہود سے کہا: [تمہیں معلوم ہے کہ اب تمہارا فرض ہے کہ تم محمد (ﷺ) کا ساتھ دو، جس پر یہود بے. یہود نے کہا کہ چونکہ وہ دن سبت کا دن تھا اس لیے وہ ایسا نہیں کر سکتے. اس پر اس نے کہا کہ تم جانو اور تمہارا سبت مگر میں تو چلا لشکر اسلام میں اپنا فرض ادا کرنے. اگر زندہ رہا تو فبہا وگرنہ میری تمام تر جائیداد محمد (ﷺ) کو دے دی جائے اور وہ جیسے چاہیں اس میں تصرف کریں.] وہ غزوہ احد میں شریک ہوئے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے. ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: [میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مخیرق یہود میں سب سے بہتر نکلا.] (۲۰۸) اس کی متروکہ جائیداد میں سے ایک وسیع وعریض بستان تھا جس کے وسط میں ایک چوبارہ تھا جو بعد میں مشربہ ام ابراہیمؓ کے نام سے مشہور ہوا. مشربہ کا مطلب ہی چوبارہ ہے. یہ ایک دومنزلہ عمارت تھی جس میں اوپر کے کمرے کو جانے کے لیے کھجور کی لکڑی کا زینہ لگایا گیا تھا. (۲۰۹) سیدۃ ماریہ قبطیہؓ کو مقوقس والی مصر نے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اسلام اور نبی اکرم ﷺ کے لیے اپنی خیرسگالی کے اظہار کے طور پر بھیجا تھا. مدینہ منورہ پہنچنے پر وہ حلقہ بگوش اسلام ہوئیں اور حضور ﷺ کے حرم میں شامل رہیں. ان کے بطن سے حضور کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیمؓ تولد ہوئے جو عالم طفولیت ہی میں وفات پا گئے. اسی نسبت سے سیدۃ ماریہ قبطیہؓ ام ابراہیمؓ کے نام سے مشہور ہوئیں.

حریم نبوی میں شامل ہونے پر پہلے تو انہوں نے مسجد نبوی کی شمالی جانب حضرت نعمان بن حارثہؓ کے ہاں قیام فرمایا (جہاں آج کل موجودہ صحن مسجد نبوی میں خوبصورت آٹومیٹک چھتریاں نصب ہیں) مگر بعد میں حضور پرنور ﷺ نے انہیں اس مشربہ میں منتقل کر دیا جہاں آپ ﷺ اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے. کبھی کبھار تشریف آوری کے علاوہ آں حضرت ﷺ نے ایک بار وہاں متواتر انتیس دن قیام بھی فرمایا اور نماز بھی اکثر وہیں ادا کی. بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی اقتداء میں وہیں نمازیں ادا کیں جہاں پر حضور ﷺ اپنی ایک ٹانگ میں الم کے شرعی عذر سے بیٹھ کر نماز ادا کرتے تھے. (۲۱۰) اس خاص واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: [ایک صبح ہم نے اچانک امہات المومنین کو سخت افسردگی میں پایا جبکہ وہ آہ وبکا کر رہی تھیں. ان میں سے ہر ایک کے اہل
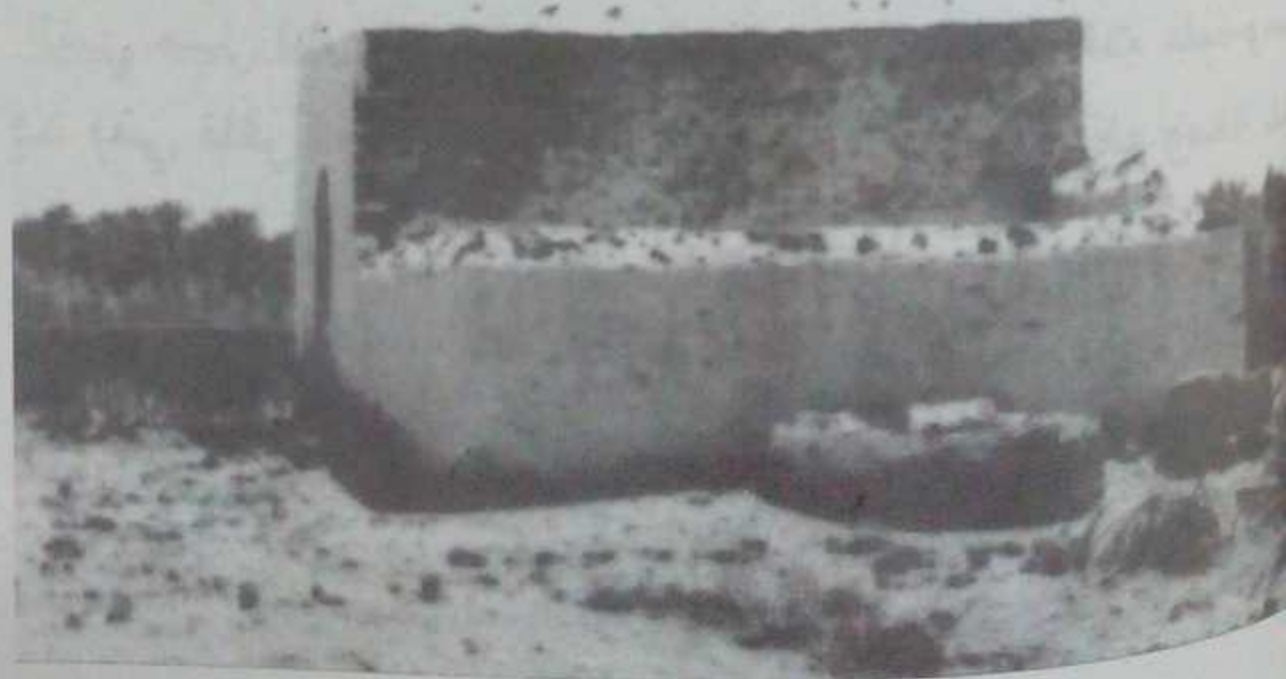
مشربہ ام ابراہیم کی ایک قدیم تصویر، اس مشربہ پر تعمیر شدہ مسجد، جہاں رسول اللہ ﷺ نے کئی بار نماز ادا فرمائی تھی

خانہ ان کے ساتھ تھے۔ میں مسجد نبوی میں گیا اور دیکھا کہ مسجد اصحابہ کرام سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ پھر سیدنا عمر فاروقؓ آگے آئے اور مشربہ کی طرف بارگاہ رسالت مآب کی طرف چل دیئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اس وقت مشربہ کے اوپر والے کمرے میں تشریف رکھ رہے تھے۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے سلام عرض کیا مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ کچھ عرصے کے بعد حارس نے ان کو بلایا اور اذن حاضری سے آگاہ کیا گیا۔ عمرؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی: [یارسول اللہ ﷺ کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟] جس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں نے قسم اٹھائی ہے کہ میں ایک ماہ تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اس طرح آپ حضور والا شان ﷺ انتیس دن تک وہیں مقیم رہے اور پھر اپنی ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لائے۔] (۲۱۱)

مشربہ ام ابراہیم پر تعمیر شدہ مسجد کی موجودہ حالت جہاں رسول اللہ ﷺ نے کئی بار نماز ادا فرمائی تھی تصویر (۲۰۰۰ء)

بعد میں وہاں ایک مسجد تعمیر کردی گئی تھی کیونکہ وہاں پر حضور نبی اکرم ﷺ اور اصحابہ کرام نے نمازیں ادا کی تھیں جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے۔ ابن شبہ کے مطابق ان کے دور تک (یعنی دوسری صدی ہجری کے اختتام تک) مشربہ ام ابراہیمؓ اپنی حالت اصلی میں چوبی صورت میں موجود تھا اور دیگر تمام صدقات النبی ﷺ میں سے بہت مشہور مقامات میں سے ایک تصور ہوا کرتا تھا۔ (۲۱۲) دسویں صدی کے مدنی مورخ کے مطابق مسجد کا طول ۱۴ ذرع اور عرض ۱۱ ذرع ہو کرتا تھا اور پاس ہی چند قبور ہوا کرتی تھیں۔ (۲۱۳) ابراہیم العیاشی کے کہنے کے مطابق:

آج مشربہ کی جگہ ایک قبرستان ہے۔ جس کے گرد سعودی حکومت نے چار دیواری کروادی ہے تاکہ یہ علاقہ لوگوں کی دستبرد سے محفوظ رہے۔ قبرستان کے درمیان ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ جس کے صحن میں ایک کنواں ہے جو بیر المشربہ کے نام سے جانا جاتا ہے جو بہت ہی خستہ حالت میں ہے۔ اس کے اوپر ڈھکنا رکھا ہوا ہے۔ بارش کا پانی آزادی سے اس کنویں میں جا گرتا ہے۔ چار دیواری کا راستہ ہمیشہ بند رہتا ہے۔ میں جب کبھی بھی مسجد مشربہ ام ابراہیم گیا ہوں (اور ایسا کئی بار ہوا) تو میں نے مسجد میں قبریں کھودنے کے اوزار اور میتوں کو دفن کرنے کا سامان ہی پایا۔] اس کے علاوہ عیاشی کی پیائش عباسی کی پیائش سے کہیں زیادہ ہے جو اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ترکوں نے اس مسجد کو ضرور دوبارہ بنوایا ہوگا۔ مزید برآں عیاشی نے اس بات پر بہت غم وغصہ کا اظہار کیا ہے کہ وہ مسجد اور مقام جہاں حضور سرور کائنات ﷺ کی جبین طاہرہ کئی بار سجدہ ریز ہوئی تھی وہاں آج ویرانیوں کے الو بولتے ہیں۔ آج کل تو چار دیواری اور مضبوط کردی گئی ہے اور آہنی دروازہ اندر جھانکنے میں بھی مانع ہے۔ اہل تشیع کی مستند روایات کے مطابق سیدۃ بی بی نجمہ خاتون زوجہ محترمہ امام موسیٰ کاظمؒ بھی اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔ درحقیقت مشربہ ام ابراہیمؓ بعد میں اہل بیت کا علاقہ گردانا جاتا تھا جیسا کہ فیروز آبادی کے قول سے واضع ہے۔ جس کے مطابق دشت کا پورا علاقہ بنی قاسم کی تحویل میں تھا جو کہ اہل بیت طاہرہ میں سے تھے۔

ہم قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہیں گے کہ موجودہ چار دیواری کے باہر ایک پرانی طرز کی بالکل نئی مسجد جو ابھی تک بغیر چھت کے ہے بنادی گئی ہے اور اکثر زائرین کو (جن کو حقیقت کا علم نہیں ہوتا کہ اصلی مسجد اور مشربہ چار دیواری کے اندر واقع تھا) یہ گمان گزرتا ہے کہ وہ مسجد مشربہ ام ابراہیم کی جگہ پر ہے جو کہ سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ یہ بغیر چھت کے عمارت نہ تو اصلی مشربہ ام ابراہیم کی جگہ پر ہے جہاں نبی اکرم ﷺ نے نمازیں ادا کی تھیں اور نہ ہی اس کا کوئی تاریخی مقام ہے۔ پرانی اینٹیں لگا کر نیم تعمیر کردہ عمارت کو اصلی مسجد کی ایک قدیم شکل اور تاریخی حیثیت دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ لگتا ہے کہ چند شر پسندوں نے عامۃ المسلمین کو دھوکہ دینے کے لیے ایسا کیا ہے اور بہت سے

جبل اُحد کے قریب قبہ الثنایا کی تصویر
(ابتدائی دور آل سعود)

زیارتیں کروانے والے حضرات یہ کہہ کر زائرین کو بیوقوف بنانے کی کوشش بھی کرتے ہیں اصل مسجد اندر ہوا کرتی تھی جیسا کہ مندرجہ ذیل تصویروں سے ظاہر ہوتا ہے۔

ثنیات الوداع

ازمنہ قدیم میں شمالی جانب سے مدینہ منورہ آنے والوں کے لیے مدخل جبل سلع کی مشرقی جانب واقع ایک درہ کے ذریعے ہوا کرتا تھا۔ وہاں تک لوگ اپنے عزیز واقارب کو جن کو مکہ کی طرف جانا ہوتا تھا الوداع کہنے جایا کرتے تھے۔ اسی لیے اس گھاٹی کا نام وداع کی گھاٹی (یعنی ثنیات الوداع) پڑ گیا تھا جو کہ زمانہ قبل از اسلام سے چلا آرہا تھا۔ اس عام فہم وجہ تسمیہ کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں مشہور تھیں جن کے سبب اس گھاٹی کو ثنیات الوداع کہا جاتا تھا تو ہم پرست یہود میں یہ بات عام تھی کہ جو بھی مدینہ (اس وقت کا یثرب) سے باہر جائے ثنیات الوداع کے مقام پر پہنچ کر گدھے کی طرح دس بار ہنہنائے ورنہ وہاں سے نکلتے ہی اس کی موت واقع ہو جانے کا خدشہ رہتا تھا۔ عام مدنی بھی یہود کے توہمات کے جال میں پھنسے ہوئے تھے اور ایسا ہی کرتے تھے۔ ایک بار عروہ بن ورد العبسی جو کہ زمانہ جاہلیت کا ایک مشہور عرب شاعر گزرا ہے اس نے یہود کی اس رسم قبیح کا مذاق اڑاتے ہوئے اس کو وہم باطل ثابت کر دیا۔ وہ جب وہاں سے گزرا تو اس نے ہنہنانے سے انکار کر دیا اور سب لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اسے کچھ بھی نہ ہوا۔ اس بات سے یہود کی بہت سبکی اور جگ ہنسائی ہوئی اور یوں اس قبیح توہم کو ترک کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ اسلامی تذکرہ نگار ایک اور روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ غزوہ خیبر سے فاتح و کامران لوٹے تو کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اپنے ساتھ ان عورتوں کو بھی لے آئے تھے جن سے انہوں نے وقتی شادی یعنی متاع کر لیا تھا جو کہ اس وقت مباح تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے اس زواج مؤقت کو ختم کرنے کے لیے حکم دے دیا کہ جو بھی کسی ایسی عورت کو ساتھ لایا ہو وہ اس کو واپس روانہ کر دے۔ لہذا ایسے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ان عورتوں کو اس گھاٹی تک الوداع کرنے گئے تھے جس کی وجہ سے اس کا نام ثنیات الوداع پڑ گیا۔ (۲۱۴)

ثنیۃ الوداع کے مقام پر تعمیر کی گئی مسجد کی تصویر جواب سڑک بنانے کی وجہ سے مسمار ہو چکی ہے

ابن سعد بھی ایک اور ایسی ہی روایت بیان کرتے ہیں کہ جنگ موتہ کے موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ اپنی افواج قاہرہ کو اس مقام تک وداع کرنے کے لیے بنفس نفیس تشریف لے گئے تھے۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ جب حضور پر نور ﷺ عازم غزوہ تبوک ہوئے تو پہلا پڑاؤ اس مقام پر لگایا گیا تھا۔ اسی طرح اور صاحبان مغازی کے مطابق جب آقائے دوجہاں ﷺ غزوہ بدر سے فاتح و کامران لوٹے تو اسی گھاٹی میں واقع درے سے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اس کے برعکس کچھ صاحبان کا خیال ہے کہ حضور پر نور ﷺ ہجرت کے موقع پر بھی وہاں سے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے مگر ایسا نظریہ حقیقت سے متضاد ہے۔ مورخین، محققین اور سیرت نگاروں میں اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ جب آقائے دوجہاں ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت پر تشریف لائے تو قباء کی طرف سے تشریف لائے تھے۔ چونکہ اس طرف بھی ایک ثنیات الوداع تھی (۲۱۵) جہاں سے مکہ مکرمہ سے آنے جانے والے گزرتے تھے اس لیے اصح ترین قول یہی ہے کہ آپ حضور ﷺ نے اسی ثنیات الوداع سے گزر کر قباء میں ورود مسعود فرمایا تھا جہاں اہالیان قباء کے بچوں نے آپ کا پر جوش استقبال کیا تھا مگر قباء سے گزر کر جب آقائے نامدار ﷺ نے مدینہ منورہ میں نزول فرمایا تو چونکہ سب سیرت نگاروں کا اتفاق ہے

کہ آپ مختلف قبیلوں سے ہوتے ہوئے قبیلہ بنی ساعدہ کے علاقے سے گزر کر مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو چونکہ قبیلہ بنو ساعدہ شامی ثنیات الوداع کے قریب ہی واقع تھا اغلب امکان یہ بھی ہے کہ آپ جبل سلع کے دامن میں واقع ثنیات الوداع کے درے سے بھی گزرے ہوں جہاں پر اہالیان مدینہ کے نونہالوں نے دف بجا کر اپنے آقا اور مولا کا والہانہ استقبال کیا ہو جیسا کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ ؓ کی روایت ہے۔ اس طرح جب سید الانس والجان اور نور کون ومکاں علیہ افضل الصلوۃ والسلام نے یثرب کے اندھیروں کو مدینۃ النبی کے انوار طاہرہ سے منور کیا ہوگا تو کون ایسا شخص ہوگا جو یہ نہ گنگنا رہا ہوگا:

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع　　وجب الشکر علینا　　ما داع للہ داع

ایھا المبعوث فینا　　جئت بامر المطاع　　جئت شرفت المدینہ　　مرحبا یا خیر الداع (۲۱۶)

تاہم کچھ شارحین احادیث (مثلاً حافظ ابن حجر) کا خیال ہے کہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ چونکہ اس وقت مکہ مکرمہ میں تھیں اس لیے عین ممکن ہے کہ وہ جس والہانہ خوش آمدید کا ذکر کر رہی ہیں وہ اس وقت سے متعلق ہو جب کہ حضور والا شان ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح وکامران لوٹ رہے تھے اور اس وقت بھی اسی ثنیات الوداع (یعنی شامی ثنیات الوداع) پر بچوں نے آپ کا استقبال کیا تھا کیونکہ شام کی طرف سے آنے والوں کا نقطہ استقبال یہی مقام تھا۔ فتح تبوک پر مدینہ منورہ کا ہر فرد خوشی سے سرشار اپنے سالار لشکر کا چشم براہ تھا اور جونہی یہ خبر مدینہ پہنچی تو پیر وجوان، زن ومرد سب شامی گھاٹی پر پہنچ کر اپنی پلکیں بچھائے چشم براہ تھے۔ حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں: [مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ میں بھی باقی بچوں کے ہمراہ حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کرنے ثنیات الوداع پر گیا ہوا تھا۔] (۲۱۷) دوسری جگہ وہ فرماتے ہیں: [مجھے یاد ہے کہ میں بھی دوسرے بچوں کے ہمراہ حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کرنے ثنیات الوداع گیا تھا جبکہ آپ حضور ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے۔] (۲۱۸) امام بیہقیؒ بھی دلائل النبوۃ میں یہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت بچوں نے مشہور زمانہ نعت (طلع البدر علینا..... الخ) گا کر آپ کا استقبال کیا تھا جبکہ آپ غزوہ تبوک سے بذریعہ ثنیات الوداع شامی (یعنی جبل سلع والی گھاٹی) فاتح وکامران مدینہ منورہ لوٹ رہے تھے۔ دونوں روائتوں کے بظاہر تضاد سے بعض جدید سیرۃ نگار بھی اسی خیال کے حامی ہیں کہ طلع البدر علینا والی نعت غزوہ تبوک سے واپسی پر جبل سلع کے دامن والی گھاٹی کے مقام ثنیات الوداع پر گائی گئی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تقریباً چودہ صدیوں تک وہ ثنیات الوداع آثار رسالت مآب ﷺ کے ایک اہم جزو کے طور پر مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں جبل سلع کے مشرقی دامن میں موجود رہی مگر جونہی مدینہ منورہ نے عصر حاضر سے ہم آہنگی کے لیے عمرانی ارتقاء کی کروٹ لی تو وہ تاریخی آثار بھی اسی تجدد کی بھینٹ چڑھ گیا اور شارع سیدنا ابوبکر الصدیق (شارع سلطانہ قدیما) کو سیدھا کرنے کی غرض سے جبل سلع کا وہ تمام تر علاقہ ہموار کر دیا گیا جس کی زد میں وہ مسجد بھی جو اس گھاٹی کے اوپر بنا دی گئی تھی آ گئی اور یوں ایک اہم آثار نبوی دیکھتے دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ (۲۱۹) انجینیر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی (صاحب معالم المدینۃ المنورہ) کہتے ہیں: [جہاں تک ثنیات الوداع کا تعلق ہے یہ پوری کی پوری معدوم کر دی گئی ہے تاکہ المناخہ کی سرنگ (انڈر پاس) اور ملحقہ میدان کو وسیع کیا جا سکے۔ اس کا محل وقوع موجودہ شارع سیدنا عثمانؓ اور سیدنا ابوبکر الصدیقؓ کے انٹرسیکشن کے قریب ہی تھا۔ یہ پورے کا پورا کونہ کبھی ثنیات الوداع ہوا کرتا تھا۔] (۲۲۰) اس ضمن میں جناب غالی الشنقیطی رقمطراز ہیں: [جب عمر قاضی مدینہ منورہ امپروومنٹ ٹرسٹ کے رئیس بنے تو انہوں نے شہر نبی کو خوب سے خوب تر بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ وہ چھوٹی سی مسجد اور ثنیات الوداع بھی اسی جوش وجذبے کی نذر ہو گئی جو اس میدان میں واقع تھی جہاں پر طریق شہداء (شارع ابو بکر صدیقؓ) اور طریق سلطانہ (شارع سیدنا عثمانؓ) کا تقاطعہ (انٹرسیکشن) ہوتا تھا۔ اس گھاٹی کا تھوڑا سا حصہ ایک کونے میں بچ گیا تھا مگر وہ بھی ۱۴۰۶ ہجری کے پہلے ہفتے میں معدوم کر دیا گیا۔ اے کاش کہ اس جگہ پر یادگار کے طور پر کوئی فوارہ یا کچھ اور تعمیر کر دیا جاتا تاکہ آنے والی

نسلوں کو معلوم ہوتا کہ وہاں ثنیات الوداع کی مشہور و معروف گزرگاہ (درہ) ہوا کرتی تھی.] (۲۲۱)

اس کے برعکس اس علاقے کے چند مکیں قریب ہی واقع ایک اور تکونہ جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو کہ آج کل خالد ابن ولید کی ڈسپنسری کے سامنے ہے جو قرین قیاس ہے. آج کل اس جگہ چند خوبصورت درختوں سے شجر کاری کردی گئی ہے. واللہ اعلم بالصواب. ایک بات جو ہم قارئین کرام کی توجہ میں لانا چاہیں گے وہ یہ ہے کہ ایک حدیث مبارکہ میں صادق مصدوق نبی علیم وحکیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم نے یہ بات بالصراحت فرمادی ہے کہ جب قیامت برپا ہونے میں چند ساعتیں رہ جائیں گی اس وقت جب پوری کائنات اجڑ چکی ہوگی تو مدینہ طیبہ میں قبیلہ مزنی کے دو چرواہے اپنی بکریوں کو چراتے ہوئے جب ثنیات الوداع سے گزریں گے تو صور اسرافیل پھونک دیا جائے گا، اور وہ اوندھے منہ گر جائیں گے اور اس گھڑی قیامت برپا ہوجائے گی.

وہ خندق جو غزوہ احزاب کے موقع پر کھودی گئی

باقی آثار مبارکہ کی طرح (مثلاً تاریخی مساجد جہاں آقائے دو جہاں ﷺ کی جبین طاہرہ سجدہ ریز ہوئی تھی) وہ خندق بھی اسی زمرے میں آتی تھی جس کی کھدائی میں مدینہ منورہ کے دفاع کے لیے سرور کائنات ﷺ نے باقی اصحابہ کرام کی معیت میں نہ صرف یہ کہ بنفس نفیس اپنے دستہائے مبارکہ سے کدال چلائے تھے اور بہت سی سنگلاخ چٹانوں کو ریزہ ریزہ کیا تھا بلکہ کھدی ہوئی مٹی اپنے سراقدس پر اٹھا اٹھا کر دوسری جگہ پر منتقل کی تھی. وہ طویل وعریض خندق صدیوں تک موجود رہی یہاں تک کہ وادی بطحان کے پانی کے مسلسل بہاؤ اور کاٹ کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ معدوم ہوتی گئی. وہ خندق کچھ تو لوگوں نے بھر دی تھی تا کہ اس کے آر پار جانے کے لیے رستے بنائے جائیں اور باقی ماندہ وادی بطحان کے نالے کی بھل سے بھر گئی. چھٹی صدی ہجری کے مشہور مورخ مدینہ حافظ ابن نجار رقم طراز ہیں: [جہاں تک خندق کا تعلق ہے وہ آج بھی ہمارے دور میں موجود ہے. البتہ اس نے ایک ندی نالے کی شکل اختیار کرلی ہے جو قباء سے ان باغات کی طرف بہتا ہے جو السیح میں مسجد الفتح کی ڈھلوان میں واقع ہیں. اس کی دیواریں بہت ساری جگہوں سے منہدم ہوچکی ہیں اور کھجور کے درختوں کی کثیر تعداد اس کے اندر اگ چکی ہے.] (۲۲۲) صاحب مغانم المطابہ فیروز آبادی نویں صدی ہجری میں لکھتے ہیں کہ: [آج اس خندق میں سے کچھ بھی نہیں بچا سوائے اس کے کہ اس کا محل وقوع اس ندی سے معلوم پڑ جاتا ہے جو کہ وادی بطحان کا حصہ ہے اور اس کی جگہ بہہ رہی ہے.] (۲۲۳)

جنگ خندق کے موقع پر کھودی گئی خندق کی جگہ اور اس دور کا مدینہ طیبہ

دور حاضر میں بہت سے مصنفین نے اس کے موقع اور محل وقوع کے بارے میں قیافی اور وضاحتی خطوط کھینچنے کی کوشش کی ہے مثلاً ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم اور عبدالقدوس انصاری وغیرہ جس سے اس جہد عظیم کا اندازہ ہوسکتا ہے جو کہ اصحابہ کرام کی مٹھی بھر جماعت نے رسول اللہ ﷺ کی زیر نگرانی دن رات کی محنت شاقہ سے صرف پندرہ دن میں تیار کردی تھی. اس کا ایک چھوٹا سا حصہ ترکوں نے محفوظ کرلیا ہوا تھا جس کے گرد خاردار تار لگائی تھی جو کہ مصنف ہذا نے ۱۹۷۵ء میں ملاحظہ کیا تھا. بعد میں وہ حصہ بھی معدوم ہوگیا اور اس کی جگہ سڑکوں نے لے لی.

مدینہ منورہ کی چند غاریں یا دیگر مقامات جو آقائے دوجہاں ﷺ یا اصحابہ کرام یا افراد اہل بیت طاہرہ رضوان اللہ علیہم سے منسوب تھیں

کہف بنی حرام (غار بنی حرام)

جبل سلع پر ایک غار تھی جہاں غزوہ احزاب کے دوران چند بار حضور سرور کائنات ﷺ نے استراحت فرمائی تھی۔ ابن زبالہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ ''غزوہ خندق کے دوران اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین رسول اللہ ﷺ کو کہف بنی حرام میں استراحت فرمانے کے لیے لے جاتے جہاں تاجدار مدینہ ﷺ آرام فرماتے اور جب صبح ہو جاتی تو آں حضرت ﷺ نیچے تشریف لے آتے۔'' اسے کہف الکبیر کہا جاتا تھا جو کہ ناصریہ پرائمری سکول کے پچھواڑے میں واقع تھی۔ اس تک جانے کے لیے دکہ جلال کے پاس سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا جو کہ جبل سلع پر ایک معروف جگہ تھی جہاں اکثر مدنی لوگ پکنک منانے چلے جایا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ اس سکول کے علاقے میں قبیلہ بنی جہینہ کے کچھ لوگ آباد ہو گئے تھے۔

کہف بنی حرام کی ایک تصویر، یہ قبہ اب مسمار ہو چکا ہے مگر کہف بنی حرام باقی ہے

اس کے علاوہ جبل سلع پر ایک اور متبرک غار بھی ہے مگر اس پر وہ قبہ جو کہ عثمانی دور میں تعمیر کیا گیا ہے اسے منہدم کر دیا گیا ہے اور اس لیے اکثر لوگ اس کے محل وقوع سے واقف نہیں ہیں۔ الطبرانی نے الاوسط اور الصغیر میں حضرت ابی قتادہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک بار حضرت معاذ بن جبلؓ شہ دوسرا حضور نبی اکرم ﷺ کی تلاش میں نکلے مگر آپ حضور نہ مل سکے۔ پھر وہ آں حضرت ﷺ کے حجرات مبارکہ میں گئے مگر گوہر مقصود وہاں بھی نہ مل سکا۔ پھر وہ گلیوں گلیوں آپ حضور ﷺ کو تلاش کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے آپ حضور ﷺ کی تلاش میں جبل ثواب (جبل سلع کا ایک نام جبل ثواب بھی ہے) کا رخ کیا اور وہاں پہاڑ کی ایک بلند چوٹی سے چاروں طرف کا جائزہ لیا، دائیں بائیں دور دور تک نظر دوڑائی۔ اچانک ان کی نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی جب کہ آں حضور ﷺ ایک غار میں سجدہ ریز تھے۔ (راوی نے بیان کیا ہے کہ لوگوں نے اس غار تک پگڈنڈی بنائی ہوئی ہے)۔ وہ پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اتر کر اس غار کے پاس آئے تو حیران ہو گئے کہ سرور دو عالم ﷺ اس وقت تک سجدہ ریز تھے۔ جب کافی دیر ہونے لگی تو ان کے دل میں یہ وسوسہ آنے لگا کہ کہیں سرکار دو عالم ﷺ کی روح مبارکہ تو پرواز نہیں کر گئی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھایا تو فرمایا: [جبریل میرے پاس اس جگہ (بہذا الموضع) آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ کیا پسند فرماتے ہیں کہ آپ کی امت کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ آں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ بہتر جانتا ہے۔] اس پر جبریل امین چلے گئے اور پھر دوبارہ آئے اور کہا: 'اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ آپ کو اپنی امت کے بارے میں نا اُمید نہیں کریں گے (یعنی سرخرو کر دیں گے)۔ اس پر میں سجدہ ریز ہو گیا کیونکہ سجدہ ہی (تمام عبادتوں میں) اللہ عزوجل کے قرب کا بہترین ذریعہ ہے۔] سبحان اللہ کیا مقام ہے اس بقاع طاہرہ کا کہ اسے نہ صرف مقام سجدہ سرور کونین ﷺ ہونے کا شرف حاصل ہوا بلکہ یہ جگہ جلوہ گاہ جبریل بھی بنی۔ اس کے علاوہ ابن شبہ نے حضرت یحیی بن النصر الانصاریؓ سے روایت کیا ہے: [رسول اللہ ﷺ کہف بنی حرام میں جلوہ افروز ہوئے تھے۔] دوسری روایت حضرت سعد ابن معاذؓ کی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ: [بے شک رسول اللہ ﷺ نے العینیہ کے چشمہ کے پانی سے وضوء فرمایا جو کہ کہف بنی حرام کے پاس ہے۔] ان کے راوی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں نے بعض بڑوں سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس غار میں جلوہ افروز ہوئے تھے۔] یہ غار اس

بڑی غار کے علاوہ تھی جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ اسے کہف الصغیر کا نام دیا گیا تھا اور اس سے مراد یہی چھوٹی کہف بنی حرام ہے۔

اس کے قریب ہی عین النبی کا وہ مشہور چشمہ تھا جس کے متعلق ابن شبہ نے حضرت عبدالملک بن جابر بن عتیقؓ سے روایت کیا ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے اس چشمہ سے وضوء فرمایا جو کہ کہف بنی حرام کے قریب ہے۔] ابن نجار نے حضرت طلحہ بن خراش بن عبدالرحمٰن بن خراش الانصاریؓ سے روایت کی ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایام خندق کے دوران رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کہف بنی حرام چلے جاتے تھے جہاں آپ حضور ﷺ آرام فرماتے تھے۔'' وہاں حضور ﷺ کے فیضان سے ایک چشمہ بھی جاری ہوا جو کہ کہف بنی حرام کے بالکل پاس ہے اور اب تک جاری وساری ہے۔'' مطری نے وضاحت کی ہے کہ مذکورہ چشمے کا ان کے زمانے میں وجود نہ تھا جو غالباً خشک ہو کر معدوم ہو گیا ہو گا مطری کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے امام سمہودیؒ نے لکھا ہے کہ: ''ہم نے مساجد الفتح کے بیان میں اس غار کی تفاصیل بیان کی ہیں اور یہ کہ اس کے بالکل پاس ہی پہاڑ میں ایک گہری سی جگہ ہے.... جو اغلباً یہی عین النبی ہے جو کہ آج کل منقطع ہے اور اس کے آثار نظر آتے ہیں''۔ اور مساجد الفتح کے ضمن میں جہاں انہوں نے کہف بنی حرام کا تفصیلی ذکر کیا ہے وہاں اس بات کی مزید وضاحت کر دی ہے کہ مذکورہ غار کے پاس ہی پہاڑ میں ایک گہرائی ہے جو کہ بہت چھوٹی سی ہے اور اغلب امکان یہی ہے کہ یہی چشمہ اور عین النبی تھا جس کا ذکر ''العینیہ'' کہہ کر کیا گیا ہے۔ (سمہودیؒ صفحات: ۸۳۸ - ۸۴۰) یہ چشمہ مذکورہ غار کے چند فٹ اوپر کی جانب تھا جو کہ کئی صدیوں سے بند ہے مگر اس کے آثار واضح نظر آتے ہیں۔ بدقسمتی سے اس چشمے کی غار آج کل کوڑے کرکٹ سے بھری ہوئی ہے۔

غار سجدہ کی ایک قدیم تصویر
(انیسویں صدی کی پہلی دہائی)

مشہد نفس الذکیہ

مشہد نفس الذکیہ افراد اہل بیت طاہرہ پر ظلم وستم کی طویل داستان کا وہ دل دوز باب تھا جو مدینہ منورہ کے مضافات میں رقم ہوا جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے ایک اور باب (مدینہ منورہ کے ادوار پرفتن اور مصائب وآلام) میں تفصیلاً بیان کیا ہے محمد ابن عبداللہ ابن الحسن المثنیٰ ابن حضرت امام حسن مجتبیٰ ابن علی علیہ السلام (جو تاریخ اسلام میں نفس الذکیہ کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے) نے بنو عباس کے افراد اہل بیت طاہرہ پر ظلم وستم کے خلاف علم بغاوت بلند کیا مگر کامیاب نہ ہو سکے اور اس جہاد میں اپنے جان نثاروں کے ساتھ شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ وہ جنت البقیع میں دفن کر دیئے گئے تھے مگر بعض کا خیال یہ رہا ہے کہ وہ اپنی جائے شہادت پر ہی (یعنی احجار الزیت کے قریب) دفن کر دیئے تھے کیونکہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی بیان کردہ ایک حدیث کے مطابق ایک مرتبہ جب حضور نبی اکرم ﷺ مقام احجار الزیت کے قریب سے گزر رہے تھے تو آپ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو فرمایا تھا کہ دیکھنا ایک دن یہ احجار الزیت میرے ایک لخت جگر کے خون سے سرخ ہو جائیں گے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو وہ جگہ (یا اس کا بہت سا حصہ) اب مسجد نبوی کے اندر شامل ہو

غار سجدہ کی موجودہ حالت، اب وہاں بے شمار ردی چیزیں بکھری نظر آتی ہیں

مسجد نبوی ﷺ کے قریب عین الزرقاء کی ایک قدیم تصویر

گئی ہے کیونکہ احجار الزیت قدیم مورخین کی رائے میں سوق عباء کے پاس ہوا کرتا تھا جسے کچھ مورخین نے الزوراء کا نام بھی دیا ہے اور جہاں قریب ہی حضرت مالک بن سنان کا مزار ہوا کرتا تھا اور اس علاقے کا اکثر حصہ مسجد نبوی کے توسیعی منصوبے کے وقت اس میں شامل ہو گیا تھا. تاہم علامہ سمہودیؒ کے مطابق وہ جبل سلع کے قریب اس کی مشرقی جانب ایک بڑی مگر متروک سی مسجد کے صحن میں مدفون تھے. وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ان کی قبر کے گرد سیاہ پتھروں کی چاردیواری کردی گئی تھی جو بغیر چھت کے تھی. وہ مسجد جو مسجد الاعرج یا مسجد الذکی کے نام سے مشہور تھی دیکھنے میں بھی ویران سی تھی اور نماز پنجگانہ کی بجائے وہاں پر عین الزرقاء کے ایک نل (منہل ۔ جو وہاں نصب کردیا گیا تھا) کی وجہ سے چہل پہل رہتی تھی. (۲۲۴) اہالیان مدینہ طیبہ صدیوں تک اسی جگہ سے عین الزرقاء کا پانی کشید کرتے رہے تھے. بیسویں صدی کے نصف تک وہ ایک معروف مزار ہوا کرتا تھا. علامہ شنقیطی کے مطابق وہ مزار جبل مستندر (جس کے اوپر داود پاشا گورنر مدینہ کا محل ہوا کرتا تھا) کی شمالی جانب ہوا کرتا تھا.

بہت سال پہلے وہ مزار منہدم کردیا گیا جو کہ مسجد سبق کے قریب واقع ہوا کرتا تھا. پھر عمرانی تغیرات نے رہتی سہتی کسر نکال دی اور اس علاقے میں سعودی پبلک ٹرانسپورٹ (نقل جماعی) کی بسوں کا اڈہ بنا دیا گیا تب یہ جگہ بھی ثنیات الوداع کی طرح صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح قلم زد کردی گئی. اس کا معتد بہ حصہ سڑک کے نیچے آگیا اور یوں آثار اہل بیت کا ایک اور سنگ میل نظروں سے اوجھل ہو گیا.

الغابہ

مدینہ منورہ کے شمال اور جبل احد کے جنوب میں واقع وسیع وعریض رقبہ پر پھیلے ہوئے گھنے جنگلات مدینہ منورہ کے لیے زمانہ قبل از تاریخ سے ایک مضبوط دفاعی لائن کا کام دیتے رہے ہیں. ان جنگلات کو الغابہ کے نام سے پکارا گیا ہے. الغابہ کا عربی میں معنی بھی جنگل ہے. چونکہ بہت ساری وادیوں اور خاص طور پر وادی عقیق کا سیلابی پانی الغابہ میں سے گزرتا تھا اس لیے یہ تمام اراضی بہت زرخیز ہوا کرتی تھی بلکہ جب کبھی شدید بارشیں ہوتیں اور مدینہ منورہ کی وادیوں کی طغیانی اس علاقے کو دلدل ۔ ڈیلٹا ۔ کی شکل میں تبدیل کردیتی اس لیے اکثر زمین شوریلی سی ہو گئی تھی. جوں جوں مدینہ منورہ کی آبادی بڑھتی گئی جنگلات کم سے کم ہوتے گئے مگر ترقی کے اس دور میں بہت ساری اراضی کو قابل کاشت بنا لیا گیا ہے. الخلیل کی جدید بستی اب اس قدیم جنگل کی جگہ پر آباد ہے جو مدینہ منورہ کا سرسبز ترین علاقہ تصور کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہاں اکثر باغات (بساتین) اور خوبصورت پارک نظر آتے ہیں جیسے کہ حدیقۃ البری وغیرہ.

یہاں ہر قسم کا درخت پایا جاتا تھا جن میں جنگلی جانوروں کا راج ہوا کرتا تھا. شہر نبی کی تمام تر لکڑی کی ضروریات اسی الغابہ جنگل سے پوری کی جاتی تھیں. نبی اکرم ﷺ کے لیے بنائے جانے والے منبر شریف کی لکڑی (شیشم)

عین الزرقاء کی ایک تصویر جہاں سے اہل مدینہ پانی کشید کرتے تھے

بھی اسی جنگل کے ایک حصے جس کو طرفہ کہا جاتا تھا سے حاصل کی گئی تھی. حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی بیان کردہ حدیث مبارکہ کے مطابق ذی قرد کا مقام بھی اسی جنگل میں مدینہ منورہ کی جانب ہوا کرتا تھا جہاں رسول اللہ ﷺ کے اونٹ چرا کرتے تھے جنہیں ایک مرتبہ بنوغطفان کے آدمیوں نے لے جانے کی کوشش کی تھی جس پر حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کردی اور وہ اونٹوں کو چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے تھے. اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہی جناب رسول مقبول ﷺ اپنے چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ ان کے تعاقب کے لیے نکلے اور دور تک جنگل کے اندر تک نکل گئے. ابن زبالہ کے مطابق خطرات کے مخصوص حالات کے پیش نظر حضور نبی اکرم ﷺ نے پہلی مرتبہ نماز قصر کر کے وہاں پڑھی تھی.

الغابہ کا بہت سا حصہ حضرت عباسؓ کے پاس تھا اور انکے بہت سارے کارندے وہاں کاشت کاری کیا کرتے تھے. ان کی وہ اراضی مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ میل دور ہوا کرتی تھی جیسا کہ فیروز آبادی وغیرہ نے بیان کیا ہے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ جب کبھی ان کو اپنے کارندوں سے رابطہ کرنا ہوتا تو وہ جبل سلع کے اوپر چڑھ کر ان کو آواز دیا کرتے تھے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت بلند آواز سے نوازا تھا انکے کارندے ان کی آواز سن لیا کرتے تھے.

سٹیٹ پراپرٹی ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ حضور نبی اکرم ﷺ کی صوابدید پر تھا اور آپ جس کو بھی چاہتے اس میں سے کچھ اراضی عطا کر دیتے. اس طرح بہت سارے اصحابہ کرام نے جن کو الغابہ کا کچھ علاقہ عطا ہوا تھا وہاں سخت محنت کر کے اس علاقے کو قابل کاشت بنا لیا تھا جہاں کھجور اور دیگر پھل دار درختوں کے علاوہ غلہ اور سبزیاں کثرت سے اگائی جانے لگی تھیں جو اہالیان مدینہ منورہ کی خوراک کی ضروریات پوری کرتی تھیں. ایک ایسا ہی قطعہ ارضی سیدنا ابوبکر الصدیقؓ کو الاٹ ہوا تھا. ابن شہاب حضرت عروہ ابن زبیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: [ابوبکر صدیقؓ نے مجھے الغابہ سے اپنی اراضی سے چند کھجور کے درخت دیئے جن سے مجھے تقریباً بیس وسق کھجوریں ملتی تھیں. جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ الغابہ سٹیٹ پراپرٹی تھی اس لیے خلفائے راشدین وقتاً فوقتاً اس میں سے اراضی کے ٹکڑے مختلف مستحق افراد کو عنائت کر دیا کرتے تھے. جب مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مختلف غزوات اور حروب میں شرکت کرتے تھے تو ان کو مال غنیمت سے حصہ ملتا تھا جس کی وجہ سے ان میں سے بہت سے مالدار ہو گئے تھے. ایسی ہی ایک مثال حضرت زبیر بن العوامؓ کی تھی جو گو کہ قبل از ہجرت ہی کافی امیر تھے مگر ہجرت کے بعد مال غنیمت مل جانے کے بعد ان کے مال و دولت میں اس قدر اضافہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے الغابہ کی اراضی کا بیشتر حصہ اپنے لیے مبلغ ایک لاکھ ستر ہزار درہم میں خرید لیا تھا. وقت کے ساتھ ساتھ اس اراضی کی قیمت میں اضافہ ہوتا گیا اور جب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں ان کی شہادت ہوئی تو اس وقت وہ بائیس لاکھ درہم کے مقروض تھے اور ان کی وصیت کے مطابق ان کا تمام قرضہ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے انکی الغابہ کی اراضی کے کچھ حصہ اور دیگر مکانات جو وادی العقیق میں تھے بیچ کر ادا کیا تھا. وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے ان کی الغابہ کی اراضی کو خریدا تھا ان میں حضرت

علاقہ ''الغابہ''
موجودہ حالت میں

مسجد بنی ظفر آل سعود کے ابتدائی دور میں

عبداللہ بن جعفر طیارؓ، عمرو بن عثمان بن عفانؓ، حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ، اور ابن زمعہؓ (جوام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہؓ کے حقیقی بھائی تھے) شامل تھے. زیادہ تر حصہ حضرت معاویہؓ نے اپنے وکیل اور مدیر اراضی عبدالرحمٰن بن ابی احمد بن جحشؓ کے ذریعے خرید لیا تھا. اس طرح الغابہ کی اراضی میں سے جو حصہ بیچا گیا تھا صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اس کی قدر و قیمت پچاس ملین اور دو لاکھ درہم سے متجاوز تھی.

الغابہ کی اراضی کی قدر و قیمت میں اس قدر اضافہ محض اس لیے ہوا تھا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے محنت شاقہ کے بعد اس اراضی کو قابل کاشت بنا لیا تھا جس کی وجہ سے وہ زمین سونا اگلنے لگی تھی. اگرچہ اس معاملے میں کافی تفاصیل تو دستیاب نہیں ہیں مگر حضرت زبیر بن العوامؓ کی اراضی میں واقع چند آثار قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس اراضی کو قابل کاشت بنانے کے لیے انتھک کوشش کی ہوگی. الغابہ کے ایک طرف جبل احد کی مشرقی جانب آج بھی ایک بڑے تالاب کے آثار ملتے ہیں جو ان کی اراضی کے لیے پانی ذخیرہ کرنے کے لیے بنایا گیا تھا. پیمائش کے حساب سے وہ جگہ ۲۵ میٹر مربع ہے جب کہ اس کی گہرائی تقریباً سوا میٹر ہے، اسے سنگ سیاہ سے بنایا گیا ہے اور اس کی دیواروں کی چوڑائی تقریباً پونے چار میٹر ہے.

حضور نبی اکرم ﷺ کے دور مبارکہ میں الغابہ ایک گھنا جنگل ہوا کرتا تھا جس میں شیشم کے درختوں کی بہتات ہوا کرتی تھی جس سے اہالیان مدینہ طیبہ اپنی تمام تر ضروریات پوری کر لیتے تھے شہنشاہ کون و مکاں ﷺ کے منبر مبارک کے لیے لکڑی بھی اسی جنگل کے ایک حصے جس کو طرفہ کہا جاتا تھا سے لائی گئی تھی. (۲۲۵) اسی الغابہ کے ایک طرف (جبل احد کی جانب) حضرت زبیر بن العوامؓ کے وقف کی اراضی ہے. جو کہ ابھی تک محفوظ ہے اور بے اعتنائی کے سبب بھیانک ویرانی کا سا سماں پیش کرتی ہے.

وہ تبرکات جو مسجد بنی ظفر اور العوالی میں موجود ہوا کرتے تھے

مسجد بنی ظفر ۲۰۰۰ میں

مندرجہ بالا آثار اور تبرکات کے علاوہ جو مدینہ منورہ میں ہوا کرتے تھے حرہ شرقیہ میں واقع مسجد بنی ظفر میں بھی چند آثار مبارکہ تھے مثلاً پتھر پر حضور نبی اکرم ﷺ کی کہنیوں اور انگلیوں کے نشانات جو صدیوں سے محفوظ چلے آتے تھے. ۱۹۷۵ء تک وہ آثار مبارکہ موجود تھے جن کی بہت سارے زائرین نے تصدیق کی ہے لیکن بعد میں جب مسجد شریف کو مسمار کر کے اس کے کچھ حصے پر دعوۃ والارشاد (الامر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کے صدر دفتر کی عمارت تعمیر کر دی گئی تو وہ تمام تر تبرکات گوشہ گمنامی میں چلے گئے.

مطری اور سمہودی نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اس مسجد کی قبلہ کی جانب کچھ آثار مبارکہ تھے: ایک آں حضور ﷺ کے خچر کے سموں کے نشان تھے اور اس کی غربی جانب ایک چٹان پر کہنی کا نشان ثبت تھا کیونکہ روایات کے مطابق سرور کائنات نے اپنے کہنی مبارکہ کو اس چٹان کے ساتھ سہارا دیا ہوا تھا اور وہ موم کی طرح نرم ہوگئی تھی جس پر وہ نشان ثبت ہو گیا تھا اور پاس ہی ایک اور چٹان تھی

العوالی مشربہ ام ابراہیمؓ کے پچھواڑے پر واقع
وہ جگہ جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی ڈاچی (قصویٰ)
کے پاؤں کے نشانات، جو آج بھی موجود ہیں

جس پر آں حضور ﷺ کے انگلیوں کے نشانات تھے. (سمہودی، خلاصۃ الوفاء، صفحات: ۳۸۳-۳۸۴).

اسی طرح مشربہ حضرت ام ابراہیمؓ کے پچھواڑے ایک جگہ پر حضور نبی اکرمؐ کی ڈاچی (قصویٰ) کے پاؤں کے پتھر پر نشانات ہیں. اوپر ان نشانات کی تصویر دی جاتی ہے جو ۱۹۷۳ء میں اتاری گئی تھی. دوسری تصویر جو اس صفحہ کے نچلی طرف ہے سال رواں میں لی گئی ہے. یہ نقش پائے ناقہ مبارکہ اُس وقت بنوقینقع کے علاقہ میں ایک پہاڑی پر ثبت ہوئے تھے جب کہ رسول مقبول ﷺ دعوت وارشاد کی غرض سے قریہ بنوقینقع تشریف لے گئے مگر وہ بدبخت اپنی ہٹ پر اڑے رہے اور الٹا سرکار دوعالم ﷺ کی شان میں گستاخانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ: ''اے محمد (ﷺ) بدر کی فتح کے دھوکے میں نہ رہ جانا کیونکہ وہ جنگ آپ نے ان لوگوں کے خلاف لڑی ہے جو فن حرب سے ناآشنا تھے اور اس لیے آپ کو فتح حاصل ہوگئی مگر بخدا اگر آپ نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی غلطی کو تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ ہم کتنے خوفناک لوگ ہیں.'' اس گستاخی پر جلال نبوت کے اثر کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور سرور دوعالم ﷺ جس ناقہ مبارکہ (قصویٰ) پر سوار تھے اس کے اگلے دونوں پاؤں اس سنگ خارا میں دھنس گئے جس پر وہ کھڑی تھی اور اپنا انمٹ نقش جلال رہتی دنیا تک چھوڑ گئی. یہ نشانات اس وقت کے بنوقینقع کے علاقے میں (العوالی میں مشربہ ام ابراہیمؓ سے ذرا آگے) آج بھی پوری آب وتاب کے ساتھ عشاق آثار رسول مقبول ﷺ کے دلوں کو گرماتے ہیں.

العوالی مشربہ ام ابراہیمؓ
کے پچھواڑے پر واقع
حضور نبی اکرم ﷺ کی
ڈاچی (قصویٰ) کے
پاؤں کے نشانات

حواشی

(۱) القرآن الکریم (الاحزاب: ۳۳: ۴۵-۴۶) ﴿اے نبی بیشک ہم نے تمہیں شاہد اور خوشخبری دینے والے اور تنبیہ کرنے والے اس اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والے کے طور پر اور سراج منیر بنا کر بھیجا ہے﴾. علاوہ ازیں قرآن کریم (المائدہ: ۵: ۱۵) ﴿بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور (یعنی نبی اکرم ﷺ) اور کھلی کتاب آئی ہے﴾.

(۲) صحیح بخاری: جلد ۵ حدیث نمبر ۴۸۱ قرآن پاک نے بھی اس شجرہ مبارکہ کا ذکر کیا ہے. الفتح -۴۸: ۱۸ ﴿بیشک اللہ مومنوں سے خوش ہوا جب انہوں نے اس درخت کے نیچے تمہاری بیعت کی﴾ بعض روایت نگاروں نے اس معاملے میں کچھ غلط فہمی پیدا کی ہوئی ہے جس کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے. صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب بھی بیعت رضوان کے مقام سے گزرتے تو اس مقام پر نماز دوگانہ ادا کر کے آگے جاتے تھے. مبینہ طور پر حضرت عمر فاروق ؓ نے حکم دیا کہ اس درخت کو کاٹ دیا جائے مبادا کہ کچھ کم عقل لوگ مستقبل میں اس درخت کی پوجا نہ شروع کر دیں. (دیکھیے: فیروز آبادی، مغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد الجاسر دار الیمامہ، الریاض، ص: ۱۹۹) مگر جب اس موضوع کا بنظر عمیق جائزہ لیتے ہیں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ روایت حضرت عمر فاروق ؓ پر سراسر بہتان ہے. حضرت سعید ابن مسیّب کی صحیح روایت کے مطابق (جن کے والد محترم حضرت مسیّب ان خوش قسمت اصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں شامل تھے جو بیعت رضوان میں شریک تھے) فرماتے ہیں کہ بمشکل ایک ہی سال گزرا تھا جبکہ لوگوں کے لیے یہ تعین کرنا ناممکن ہو گیا تھا کہ وہ درخت کس جگہ پر واقع تھا. لہٰذا جب صرف ایک سال کے بعد ہی اس درخت کا محل وقوع مفقود ہو چکا تھا تو عقل سلیم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ نے اس واقعہ کے چھ سال بعد جب انہوں نے عنان خلافت سنبھالی کیسے اس درخت کو گرانے کا حکم صادر فرمایا ہوگا. حضرت سعید ابن المسیب ؓ کی روایت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ شجر مبارکہ تو حضور رسالت مآب ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی مفقود ہو گیا تھا اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کی جگہ مسجد تعمیر کر دی تھی. نیز ہمیں اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا ہوگا کہ حضرت عمر فاروق ؓ خود بھی اپنے سید و آقا جناب رسالت مآب ﷺ کے آثار مبارکہ کا بے حد احترام کرتے تھے (مثال کے طور پر: اپنے تمام دور خلافت میں وہ اس ختم مبارک کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے جو کہ آقائے نامدار حضور سرور کونین ﷺ کے زیر استعمال رہ چکی تھی اور اسی طرح انہوں نے وہ نیزہ (عنزہ) تک سنبھال کر رکھا ہوا تھا جو آنحضرت ﷺ نے غزوہ بدر میں استعمال کیا تھا). لہٰذا ایسے میں یہ کیسے مان لیا جائے کہ انہوں نے اس شجر مبارکہ کو کاٹ گرانے کا حکم صادر کیا ہو جو نہ صرف اثر (تبرک) رسول مقبول ﷺ بھی ہو بلکہ جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی آ چکا ہو. یہاں تک کہ وہ لکڑی کا سٹول جس پر حضرت بلال ؓ کھڑے ہو کر اذان دیا کرتے تھے پہلے تو ام المومنین سیدۃ حفصہ رضی اللہ عنہما (جو حضرت عمر فاروق ؓ کی بیٹی تھیں) کے گھر پر رہا اور پھر نسل در نسل دار آل عمر میں صدیوں محفوظ رہا. مزید برآں اس ضمن میں ہمیں اور بھی کافی احادیث ملتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس جگہ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر دی تھی. حضرت طارق بن عبد الرحمٰن ؒ فرماتے ہیں: [جب میں حج پر روانہ ہوا تو میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جو ایک جگہ نماز ادا کر رہے تھے. میں نے پوچھا کہ یہ مسجد کونسی ہے؟ انہوں نے کہا یہ وہ جگہ ہے جہاں نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب سے بیعت رضوان لی تھی].

(۳) ابن سعدؒ، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج: ۱، ص: ۴۳۱. ابن کثیر (ت: ۷۷۴ ہجری): البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب ج: ۵، ص: ۱۶۵

(۴) صحیح بخاری: ج: ۱، نمبر ۷۵۰. اس کے علاوہ ایک دوسری حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ وضو فرماتے تو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس طرح دوڑ کر آتے کہ ایسا لگتا تھا کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہوں.

(۵) صحیح بخاری: ج: ۱، نمبر ۱۷۱

(۶) جناب محمد علوی المکی الحسنی: مفاہیم یجب ان تصحح، دار الانسان، دمشق، طبعہ اولیٰ ۱۹۸۵، ص: ۱۵۰. اس معاملے میں وہ بھی صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ پر انحصار کرتے ہیں.

(۷) صحیح مسلم: ج:۳، نمبر ۵۰۹۹۔ ابن کثیر، مصدر مذکور، ج:۳، ص:۱۷۶

(۸) ابن سعدؒ، ج:۸، ص:۴۲۸

(۹) ابن اسحاقؒ: سیرۃ رسول اللہ ﷺ انگریزی ترجمہ الفریڈ گیوم، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، صفحات: ۱۵۰۲-۱۵۰۳۔

(۱۰) جناب محمد علوی المکی الحسنی: مصدر مذکور ص ۱۳۴۔ اس معاملے میں وہ صحیح بخاری: باب الشروط فی الجہاد میں ایک حدیث سے استناد کرتے ہیں۔

(۱۱) امام ابی عبداللہ بن اسحاق الفاکہیؒ (ت: ۲۷۷ ہجری) اخبار مکہ فی قدیم الدہر والحدیثہ۔ ناشر: دار خضر، بیروت (۱۹۹۸) جلد دوئم (جزء اول)۔

(۱۲) جناب محمد علوی المکی الحسنی، ص: ۱۴۹-۱۵۰۔ اس معاملے میں وہ بیہقی و دار قطنی واحمد ابن حبان اور النسائی کی روایت کردہ احادیث مبارکہ سے استناد کرتے ہیں۔

(۱۳) ابن الاثیر (ت: ۶۳۰ ہجری) اسد الغابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج:۱، ص: ۳۳۰۔

(۱۴) قاضی عیاضؒ، مصدر مذکور، ج:۲، صفحات: ۴۴ و ۴۷

(۱۵) ابن سعدؒ، ج:۱، ص: ۲۵۴

(۱۶) ایضاً

(۱۷) جناب محمد علوی المکی الحسنی، ص: ۱۵۱

(۱۸) ایضاً

(۱۹) ابن شبہ، ابوزید عمر بن شبہ النمیری البصری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، ج:۱، ص: ۱۲۴

(۲۰) صحیح بخاری: جلد:۲، نمبر ۳۴۴ و ۳۵۱

(۲۱) ابن شبہ، ج:۱، ص: ۲۷۳ و صحیح بخاری، ج:۷، نمبر ۶۸۸ و ۶۸۷ نیز صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۶۶۷۸

(۲۲) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:۳، ص: ۳۱

(۲۳) ابن شبہ، ج:۱، ص: ۱۵۹

(۲۴) ابن سعدؒ، ج:۱، ص: ۴۵۴

(۲۵) جناب رسول مقبول ﷺ کا علم مبارک (عقاب) اور چند شمشیریں توپکاپی کے عجائب گھر میں محفوظ ہیں۔ سلاطین عثمان اس متبرک اثر نبوی شریف یعنی عقاب کو ان موقعوں پر نکال کر اپنے ساتھ رکھتے تھے جب وہ لشکر کشی کرتے تھے۔ ان کے جانے کے بعد سے اب تک وہ تبرک نبوی شریف توپکاپی میں ہی محفوظ ہے۔

(۲۶) ابن سعد، ج:۱، ص: ۴۸۴

(۲۷) ابی الفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری)، الوفاء باحوال المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت (۱۹۸۸) ص: ۶۰۹

(۲۸) ایضاً

(۲۹) امام ابی الحسن بلاذری (ت: ۲۷۹ ہجری) فتوح البلدان، دار الکتب العلمیہ، بیروت (۱۹۹۱) ص: ۱۹۹ اور ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ ہجری) الکامل فی التاریخ، دار الکتب العربی، بیروت (۱۹۹۹)، جلد دوئم: ص: ۲۵۴

(۳۰) ابن سعدؒ، ج:۱، ص: ۲۸۸

(۳۱) القرآن الکریم (آل عمران: ۹۷)

(۳۲) القرآن الکریم (البقرہ: ۲۴۸)۔

(۳۳) مولانا عبدالماجد دریا آبادی، تفسیر القرآن، تاج پبلشرز اینڈ فیومرز، بمبئی، طبعہ اولیٰ، ج:۱، صفحات: ۱۷۱-۱۷۰۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مطابق تابوت اسرائیل مستطیل شکل کا ایک صندوق تھا جو اڑھائی زرع لمبا اور ڈیڑھ زرع چوڑا اور گہرا تھا اور قوم یہود کا سب سے قدیم اور مقدس ترین تبرک ہوا کرتا تھا جسے وہ لوگ اپنے رب کا واضح اور ظاہری مظہر گردانتے تھے۔ یہ ان کی ساری رحلتوں اور مہموں میں ان کے ساتھ تھا اور اسی کی وجہ سے ان کو فتح پر فتح نصیب ہو جایا کرتی تھی۔ مزید برآں وہ اسے مسکن الٰہی سمجھا کرتے تھے (دیکھئے انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، گیارھواں ایڈیشن، جلد:۲، ص: ۳۶۵)۔ اس سلسلے میں مولانا

شبیر احمد عثمانی حاشیہ طراز ہیں: بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا اس میں تبرکات تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ انبیائے بنی اسرائیل کے۔ اس صندوق کو لڑائی میں آگے رکھتے اللہ اس کی برکت سے فتح دیتا جب جالوت غالب آیا ان پر تو یہ صندوق بھی وہ لے گیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کو صندوق کا پہنچانا منظور ہوا تو یہ کیا کہ وہ کافر جہاں صندوق کو رکھتے وہیں وبا اور بلا آجاتی۔ پانچ شہر ویران ہو گئے ناچار ہو کر دو بیلوں پر اس کو لاد کر ہانک دیا۔ فرشتے بیلوں کو ہانک کر طالوت کے دروازے پر پہنچا گئے۔ بنی اسرائیل اس نشانی کو دیکھ کر طالوت کی بادشاہت پر یقین لائے اور طالوت نے جالوت پر فوج کشی کی اور موسم نہایت گرم تھا۔ تفسیر القرآن الکریم مطبوعہ شاہ فہد کمپلکس، مدینہ منورہ، ص:۵۱

(۳۴) عبداللہ یوسف علی The Holy Quran: Its Meanings دار العربیہ بیروت، ص:۹۹، الواح تورات کے علاوہ اس صندوق میں من بھی تھا (عہد نامہ عتیق، یہود ۹:۲۔ حاشیہ) اور عصائے موسیٰ علیہ السلام بھی تھا (یہود: ۹-۵) دیکھئے Towards Understanding the Quran تفہیم القرآن کا انگریزی ترجمہ از ظفر اسحاق انصاری، اسلامک فاؤنڈیشن، جلد:۱، ص:۱۹۱

(۳۵) عہد نامہ عتیق۔ ا۔ سیموئیل ۵-۶ اور ۷-۲

(۳۶) ابوالولید الازرقیؒ (ت:۲۱۹ ہجری) تاریخ مکہ ناشر مصطفیٰ احمد الباز، مکتبہ التجاریہ مکۃ المکرمہ۔ اصدار اول (۱۹۹۵) ج:۱، ص:۲۴۲

(۳۷) محمد بن جریر الطبریؒ، تاریخ الامم والملوک (تاریخ الطبری)، بیروت، جلد ۱۱، ص:۱۱۹، تاہم علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ قرن (سینگ) اس آگ کی نذر ہو گئے تھے جس نے یزیدی افواج کے حملے کے وقت کعبہ المشرفہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، تاریخ الخلفاء، بیروت (۱۹۸۴) ص:۱۹۵۔ یہ نقطہ نظر بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ وہ آثار مبارکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اور پھر بعد میں تمام خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں محفوظ تھے۔

(۳۸) طبری، ج:۳، ص:۱۸۰

(۳۹) صحیح بخاری، ج:۸، نمبر ۲۹۸

(۴۰) سیدۃ ام سلیمؓ حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ جناب انسؓ کے والد کے بعد انہوں نے مشہور صحابی حضرت ابوطلحہؓ سے شادی کر لی تھی۔ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے اہل خانہ کے خانگی امور کی دیکھ بھال کیا کرتی تھیں اور اس وجہ سے انہیں حضور والاشان ﷺ اور اہل بیت طاہرہ سے بہت قربت حاصل تھی اور آقائے دوجہاں سید الانس والجان ﷺ کبھی کبھار ان کے ہاں تھوڑی دیر آرام فرمانے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ان کا گھر بیرحاء کے قریب ہوا کرتا تھا جو جگہ کہ اب مسجد نبوی شریف میں آ چکی ہے۔

(۴۱) صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۵۷۶۲

(۴۲) ابن سعدؒ، مصدر مذکور، ج:۸، ص:۴۲۹۔ حضرت انس بن مالک کا انتقال ۱۱۰ سال کی عمر میں ہوا تھا۔

(۴۳) ایضاً، نیز: ج:۸، ص:۴۲۸

(۴۴) محمد بن عمر بن واقدؒ (واقدی-ت:۲۰۷ ہجری)، کتاب المغازی، عالم الکتب بیروت، طبعہ سوئم، ج:۲، ص:۶۱۵

(۴۵) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر ۷۸۴ و نمبر ۷۸۵

(۴۶) ابن الکثیر، البداویہ والنہایہ، ج:۶، ص:۱۹

(۴۷) ابن عبدربہ، العقد الفرید، ص:۵۲۳

(۴۸) ابن الکثیر، البدایہ والنہایہ، ج:۵، ص:۱۶۵

(۴۹) القرآن الکریم (الیوسف:۹۳)

(۵۰) ابن سعدؒ، ج:۱، ص:۴۵۴

(۵۱) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر ۷۶۲

(۵۲) ابن الکثیر، الفصول فی سیرت الرسول، ص ۱۸۷۔ مزید برآں دیکھئے البدایہ والنہایہ، ج:۵، ص:۳۱۰ و ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری) الوفاء باحوال

(۷۸) امام تلمسانیؒ، مصدر مذکور، ص: ۴۲۰

(۷۹) ایضاً ص: ۴۲۳

(۸۰) اولیا شلبی (ولادت: ۱۰۲۰ہجری)، سیاحت نامہ (عربی ترجمہ الرحلۃ الحجاز) ص: ۲۴۵

(۸۱) صحیح بخاری، ج: ۱، نمبر ۳۴۰

(۸۲) سنن ابی داؤدؒ (اردو ترجمہ وحید الزمان) اسلامی اکیڈیمی، لاہور (۱۹۸۳ء) ج: ۲، نمبر: ۶۳۷، ص: ۲۴۲

(۸۳) ابن سعدؒ، ج: ۱، ص: ۴۵۴ و صحیح بخاری ج: ۷، نمبر ۱۰۷

(۸۴) ایضاً ص: ۴۵۶

(۸۵) ابن اسحاقؒ، صفحات: ۵۹۷-۶۰۲

(۸۶) ابن الکثیر، البدایہ والنہایہ، ج: ۴، صفحات: ۳۲۰-۳۲۵

(۸۷) علی فعور، دیوان کعب بن زہیرؒ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت (۱۹۸۷ء) ص: ۶۰ مؤلف ہذا رقمطراز ہیں کہ مورخین کی کثیر تعداد کی رائے یہی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اس بردہ شریف کو مبلغ ۳۰،۰۰۰ درہم کے عوض خریدا تھا۔

(۸۸) ابن الکثیر: مصدر مذکور، ج: ۵، ص: ۱۵

(۸۹) علامہ جلال الدین السیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، ص: ۱۹۔ ابن عبدربہ بھی اپنی شہرہ آفاق تصنیف (العقد الفرید ص: ۱۶۷) میں اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ یہ حضرت معاویہؓ ہی تھے جنہوں نے اس بردہ شریف کو خریدا تھا۔ نیز دیکھئے: محمد رضاء (محمد رسول اللہ ﷺ) دار الکتب العلمیہ بیروت (۱۹۷۵ء) ص: ۳۱۶

(۹۰) ابن الاثیر: اسد الغابہ ج: ۴، ص: ۴۵۱

(۹۱) توپکاپی ویب سائٹ کے مطابق وہ صندوق جس میں بردہ شریف محفوظ ہے اسے مشہور ترکی سیاح اولیا شلبی (ولادت: ۱۰۲۰ہجری) کے والد نے بنایا تھا۔

(۹۲) الترمذی (اردو ترجمہ بادیع الزمان)، ج: ۱، ص: ۶۱۹

(۹۳) سنن ابی داؤد (اردو ترجمہ: وحید الزمان ج: ۳، نمبر: ۸۱۳، ص: ۲۹۸

(۹۴) ابن سعدؒ، ج: ۱ صفحات: ۴۷۲-۴۷۳ نیز صحیح بخاری، ج: ۷، نمبر: ۶۲۷

(۹۵) ابن سعدؒ، ج: ۱، ص: ۴۷۷

(۹۶) صحیح بخاری، ج: ۷، نمبر: ۶۷۷

(۹۷) السید سمہودی (نور الدین علی بن احمد السمہودی المتوفی ۹۱۱ہجری) وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ص: ۹۴۴۔

(۹۸) سنن ابی داؤد: کتاب ۳۴، نمبر: ۴۲۱۲

(۹۹) ایضاً نمبر: ۴۲۲۳

(۱۰۰) صحیح بخاری، ج: ۷، نمبر: ۷۵۶

(۱۰۱) ابن سعدؒ، ج: ۱، ص: ۴۷۵

(۱۰۲) ایضاً، ص: ۴۷۷

(۱۰۳) صحیح مسلم، کتاب: ۱، حدیث نمبر: ۱۴۷

(۱۰۴) الترمذی، مصدر مذکور، ج: ۱، ص: ۶۱۷

(۱۰۵) ابن سعدؒ، ج: ۱، ص: ۴۵۵

(۱۰۶) ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج: ۱ صفحات: ۱۳۹-۱۴۰

(۱۰۷) ابن سعدؒ، ج: ۱، ص: ۲۶۲، ان کے بیان کے مطابق ایسے سفراء کی تعداد چھ تھی، مگر ابن اسحاق اور ابن اثیر اور کچھ دیگر مورخین کا خیال ہے کہ سفراء کی تعداد

سات تھی (ابن اسحاق،ص: ۶۵۳ اور ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ،ص: ۹۱) ان کے خیال میں وہ نامہ بر جو یہ نامہ روانہ کیے گئے وہ بھی اسی گروپ میں شامل تھے۔ اس کے علاوہ بھی بعد میں وقتاً فوقتاً دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ایسی کئی مہمات پر روانہ کیا گیا تھا (ابن سعدؒ، ج:۱،ص: ۲۶۲)

(۱۰۸) صحیح مسلم، ج:۳، حدیث نمبر: ۵۲۱۸ اور ابن سعد ج:۱،ص: ۲۵۸

(۱۰۹) صحیح بخاری، ج:۹، باب رقم: ۴ (حدیث نمبر ۳۶۹ سے پہلے)

(۱۱۰) اس نامہ مبارکہ کے آخر میں قرآن کریم کی سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۶۴ بھی شامل ہے

(۱۱۱) ایضاً

(۱۱۲) ابن اسحاق،ص: ۶۵۳

(۱۱۳) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج:۲،ص: ۱۷۶

(۱۱۴) ڈاکٹر محمد حمید اللہ The Life and Work of Prophet of Islam

انگریزی ترجمہ Prophete del'Islam Sa Vie et Son Oeuvre مطبوعہ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، اسلام آباد، ج:۱،ص: ۲۳۷۔ اس سلسلے میں ابن الجوزی (وفا، باحوال المصطفیٰ) حضرت ابن عباس کا بیان نقل کرتے ہیں (حاکم سکندریہ - مقوقس - نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ایک شیشہ کا گلاس بھی تحفتاً بھیجا تھا جس سے آں حضرت ﷺ پانی یا دودھ وغیرہ نوش فرمایا کرتے تھے)۔

(۱۱۵) صحیح مسلم، ج:۴، حدیث نمبر: ۶۹۷۳، ۶۹۷۵

(۱۱۶) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج:۲،ص: ۹۴

(۱۱۷) ڈاکٹر محمد حمید اللہ The Life and Work of Prophet of Islam، صفحات: ۲۶۸-۲۶۹۔ ڈاکٹر موصوف نے اس نامہ مبارکہ کے اصلی ہونے کے متعلق بہت ہی دقیق معلومات مہیا کی ہیں۔ اس کی ایک صاف کاپی مکتبہ الرم لائبریری میں مسجد نبوی شریف کے مخطوطات کے کمرے میں دیوار پر آویزاں ہے۔

(۱۱۸) صحیح بخاری، ج:۹، نمبر: ۳۶۹، ابن سعد، ج:۱،ص: ۲۶۰، ابن اسحاق نے یہی حدیث مبارکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حوالے سے بیان کی ہے۔ مزید برآں دیکھئے: ابن الاثیر کی الکامل فی التاریخ، ج:۲،ص: ۹۴

(۱۱۹) ابن کثیر (ت: ۷۷۴ ہجری) البدایہ والنہایہ، ج:۴،ص: ۲۳۳

(۱۲۰) ابن سعد، ج:۱، صفحات: ۲۵۸-۲۵۹

(۱۲۱) اس خط کی اصل ایران میں ہے جسے اومانی سفیر اسماعیل الراساسی نے ۱۴۰۰ ہجری میں ملاحظہ کیا تھا۔

(۱۲۲) صحیح بخاری، ج:۷،ص: ۵۴۲۔

(۱۲۳) صحیح بخاری، ج:۷، باب ۳۰،ص: ۳۶۸

(۱۲۴) صحیح بخاری، ج:۴،ص: ۳۴۱

(۱۲۵) ابن سعد، ج:۱،ص: ۴۸۵

(۱۲۶) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:۶،ص: ۷

(۱۲۷) ابن سعد، ج:۱،ص: ۴۸۵

(۱۲۸) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر: ۵۴۱

(۱۲۹) سنن ابی داؤد، کتاب ۱۲، نمبر: ۳۲۷۳

(۱۳۰) ابن سعد، مصدر مذکور، ج:۱،ص ۴۵۸

(۱۳۱) سنن ابی داؤد، کتاب ۳۲، نمبر ۳۰۴۳

(۱۳۲) الترمذی، ج:۲، صفحات: ۳۹۸-۳۹۹

(۱۳۳) گارجین ان لمیٹڈ کا ویب سائیٹ<Guardina Newspapers Ltd> 2001 <accessed: October 22, 2002<

(۱۳۴) ٹائم میگزین، مارچ ۳۱، ۱۹۹۷ء، ج:۱۴۹، نمبر:۱۳

(http://www.time.com/time/magazine/1997/int/070331/asia.omar.html <accessed October 25 2001)

(۱۳۵) http://www.reuters.com/news_article.jhtm?type=worldnews&StoryID=37503- <accessed: November 15, 2001

(۱۳۶) ابن سعد، ج:۱، ص:۴۸۵

(۱۳۷) ابن اسحاق، (اضافات از ابن ہشام) ص:۷۵۶. ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج:۲، ص:۴۴، ابن کثیر بھی اس بات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ جب جبریل علیہ السلام نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی بہادری کی تعریف کی تو جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا: (میں اس سے ہوں اور وہ مجھ سے ہے)۔ البدایہ والنہایہ، ج:۴، ص:۴۲

(۱۳۸) الترمذی، ج:۱، ص:۶۰۳

(۱۳۹) ابن سعد، ج:۱، ص:۴۸۵ ومسند امام احمد وتاریخ الخلفاء از علامہ سیوطی، ص:۱۹

(۱۴۰) ابن سعد، ج:۱، ص:۴۸۵

(۱۴۱) صحیح بخاری، ج:۴، باب:۵۳، نمبر:۳۴۲، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:۶، ص:۶

(۱۴۲) ابن سعد، ج:۱، ص:۴۸۶

(۱۴۳) Art: Dhu al-Faqar: encyc. Britannica online

(<http://members.eb.com/bol/topic?eu=30726&sctn=1> [Accesed: October 2, 2001]

(۱۴۴) ابن الاثیر الکامل فی التاریخ مصدر مذکور، ص:۱۲۶، واسد الغابہ، ج:۱، ص:۱۴۱، مزید دیکھئے سمہودی (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ) ص:۹۲۴

(۱۴۵) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جذب القلوب (اردو ترجمہ سید حکیم عرفان علی، تاج کمپنی دہلی، ۱۹۸۷ء) ص:۱۹۴. ان کا یہ بیان سید سمہودی کے مطابق ہے (وفاء الوفاء، ص:۹۲۴)

(۱۴۶) العضب شمشیر کے متعلق تفاصیل مصری جریدے، اخر الساعہ، مطبوعہ قاہرہ، سے ماخوذ ہیں.

(۱۴۷) ابن اسحاق، ص:۳۸۱

(۱۴۸) ابن الجوزی (الوفاء باحوال المصطفیٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت-۱۹۸۸ء) ص:۶۹۰

(۱۴۹) ابن الکثیر، البدایہ والنہایہ، ج:۴، ص:۲۵

(۱۵۰) صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، دار السلام، ریاض (۱۹۹۳ء) ص:۲۷۶، باضافہ تشریح خود (کیونکہ بخاری شریف کی روایت کردہ حدیث کے مطابق حضرت سعد ابن ابی وقاص کا قول ہے: (رسول اللہ ﷺ نے یوم احد کے موقعہ پر اپنے ترکش سے تیر نکال کر مجھے دیئے اور فرمایا: [سعد تیر پھینکئے میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں]، ج:۵، نمبر:۳۸۵، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تیر حضور نبی اکرم ﷺ نے نہیں اپنے ترکش سے نکال کر دیا تھا.

(۱۵۱) ابن الجوزی (الوفاء باحوال المصطفیٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸ء) ص:۶۹۳

(۱۵۲) محمد رضا (محمد رسول اللہ ﷺ) دار الکتب العلمیہ، بیروت (۱۹۷۵ء)، ص:۲۹۵

(۱۵۳) قاضی عیاضؒ الشفاء، جلد:۲، ص:۴۴

(۱۵۴) جناب محمد علوی المکی الحسنی، مصدر مذکور، صفحات:۱۳۳-۱۳۴

(۱۵۵) رحلۃ ابن جبیر، مصدر مذکور، ص:۱۴۲

(۱۵۶) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر:۳۰۸ وج:۲، نمبر:۱۴۱ وج:۴، نمبر:۷۸۳

(۱۵۷) قطب الدین الحنفی، تاریخ المدینہ، مکتبہ الثقافۃ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر، ص:۹۹

(۱۵۸) قاضی عیاضؒ مصدر مذکور، ص:۲۰۰، (بمع اضافہ خود)

(۱۵۹) ابن نجار، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدنہ، صفحات:۱۶۶-۱۶۷

(۱۶۰) رحلۃ ابن جبیر، ص:۱۴۲

(۱۶۱) ابن ضیاء المکی (ت:۸۸۵ ہجری)، مصدر مذکور، ص:۱۷۲

(۱۶۲) ابن بطوطہ (محمد ابن عبداللہ) Travels in Asia and Africa سروسز کلب لاہور، (۱۹۸۵ء) ص:۷۱

(۱۶۳) محمد بن احمد المطری، ص:۲۷

(۱۶۴) ابن ضیاء المکی، ص:۱۷۱

(۱۶۵) قطب الدین الحنفی، ص:۱۰۷

(۱۶۶) ابن عبدربہ، کتاب العقد الفرید، ص:۴۹۵

(۱۶۷) رحلہ ابن جبیر، ص:۱۴۳

(۱۶۸) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر:۲۱۱-۳۱۲

(۱۶۹) ایضاً، نمبر:۳۳۳

(۱۷۰) ابن شبہ النمیری البصری، ج:۱، ص:۱۴۱

(۱۷۱) ابن سعد، ج:۵، ص:۴۰۶

(۱۷۲) ابن سعد، ج:۷، ص:۵۲

(۱۷۳) علامہ جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلافاء، ص:۱۸۵

(۱۷۴) ابن الجوزی، الثبات عند الممات، دار الکتب العلمیہ، بیروت (۱۹۸۶ء) ص۸۹ اور ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج:۵، ص:۲۰۳

(۱۷۵) ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ص:۱۲۱

(۱۷۶) ابن الکثیر، البدایہ والنہایہ، ج:۶، ص:۸

(۱۷۷) امام احمد المقری التلمسانی، ص:۴۵۱

(۱۷۸) یہ معلومات اسلامک اویرنیس کے وب سائیٹ http://www.islamic-awareness.org سے لی گئی ہیں۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمیں یہ تصویریں چھاپنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

(۱۷۹) سید محمد لطیف، تاریخ لاہور (مصدر مذکور)، ص:۱۸۴، باقی کی تفاصیل اسی کتاب میں صفحات:۳۳۵-۳۳۷ پر دی گئی ہیں۔

(۱۸۰) شہباز خان، ڈائریکٹر جنرل محکمہ آثار قدیمہ، پنجاب لاہور، بادشاہی مسجد لاہور میں آثار مبارکہ، ناشر محکمہ اوقاف لاور (۲۰۰۱ء) صفحات:۱-۸

(۱۸۱) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر:۵۴۱

(۱۸۲) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۱۱۲

(۱۸۳) قطب الدین الحنفی، مصدر مذکور، ص:۱۱۲

(۱۸۴) سنن امام احمد بن حنبلؒ کتاب الزہد نیز ابن الجوزی (وفاء باحوال المصطفیٰ) ص:۵۶۷

(۱۸۵) سنن ابی داؤد، کتاب:۳۲، ص:۲۰۷

(۱۸۶) ابن نجار، مصدر مذکور، ص:۲۰۷

(۱۸۷) رحلۃ ابن جبیر، ص:۱۴۱

(۱۸۸) المطری، مصدر مذکور ص:۳۹

(۱۸۹) عباس کرارہ، الدن والتاریخ الحرمین الشریفین، مطبوعہ مرکز الحرمین بمکۃ المکرمہ (۱۹۸۰ء) ص:۲۴۶، ان تبرکات کے متعلق مزید معلومات ہم تک نہیں پہنچیں سوائے اس کے کہ ان میں سے چند تبرکات ترک اپنے ساتھ استنبول لے گئے تھے جو اب توپکاپی میوزیم میں محفوظ ہیں۔

(۱۹۰) احمد بن عبدالحمید العباسی، مصدر مذکور ص:۱۲۵ (اضافے کے ساتھ)۔

(۱۹۱) رحلۃ ابن جبیر ص:۱۴۲

(۱۹۲) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، ص:۲۵۳

(۱۹۳) سید مناظر احسن گیلانی، دربار نبوت کی حاضری (در ۱۹۲۷ء) ۱۹۸۶ء مطبوعہ الفرقان بک ڈپو لکھنؤ ہند ص:۶۱

(۱۹۴) فریڈ اسرائیل (Major Peace Treaties of Modern History, New York, Chelsea House Pub, Vol. 2) ص:۱۳۱۸

(۱۹۵) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، مطبوعہ مکتبۃ الدار الکتب المصریہ، قاہرہ (۱۹۲۵ء بمطابق ۱۳۴۴ ہجری) جلد:۱ ص:۳۸۹

(۱۹۶) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اسلامک کلچر، جلد:۸، ۱۹۳۰ء، صفحات: ۴۲۷-۴۳۹، آرٹیکل Some Arabic Inscriptions of Medina of The Early Years of Hijrah بشکریہ: <http://www.islamic-awareness.org>

(۱۹۷) سید احمد یاسین احمد الخیاری (ت: ۱۳۸۰ ہجری)، تاریخ معالم المدینہ (قدیما وحدیثا)، مدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن (۱۹۹۳ء) ص:۲۲۳

(۱۹۸) غالی محمد امین الشنقیطی، الدر الثمین فی معالم دار الرسول الامین، تیسرا ایڈیشن، مدینہ طیبہ، ۱۹۹۱ء، ص:۱۷۳

(۱۹۹) ابن شبہ النمیری البصری، مصدر مذکور، ج:۱ ص:۱۷۴

(۲۰۰) ابن اسحاق، صفحات:۹۷-۹۸

(۲۰۱) ابن نجار، مصدر مذکور ص:۱۳۸

(۲۰۲) فیروز آبادی، مصدر مذکور ص:۱۳۴ (مع اضافہ وتشریح)۔

(۲۰۳) ابو الولید الازرقی، تاریخ مکہ، المکتبۃ التجاریہ، مکۃ المکرمہ، ج:۲ ص:۵۹۸

(۲۰۴) صحیح بخاری، ج:۳ نمبر ۶۴۲، مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: ایضاح:۵ نمبر:۱۹

(۲۰۵) ابن شبہ

(۲۰۶) صحیح بخاری، ج:۹ نمبر:۳۶۸

(۲۰۷) العباسی، مصدر مذکور ص:۱۷۴

(۲۰۸) ابن اسحاق ص:۳۸۴

(۲۰۹) صحیح بخاری، ج:۱ نمبر:۳۷۵

(۲۱۰) صحیح بخاری، ج:۱ نمبر:۳۷۵، ب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں مشربہ آتے تو آنجناب ﷺ وہیں امامت فرماتے اور بیٹھ کر نماز ادا کرتے کیونکہ آقا ﷺ کے گھٹنے میں تکلیف تھی مزید دیکھئے: ابن شبہ ص:۶۹

(۲۱۱) صحیح بخاری، ج:۷ نمبر:۱۳۱

(۲۱۲) ابن شبہ صفحات:۱۷۳-۱۷۴

(۲۱۳) ابراہیم العیاشی المدنی، المدینہ بین الماضی والحاضر صفحات:۳۹۶-۳۹۷

(۲۱۴) ابن شبہ، ج:۱ صفحات:۲۶۹-۲۷۰

(۲۱۵) غالی الشنقیطی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت قباء میں ثنیات الوداع کی جگہ قباء کا مشہور قلعہ ہے۔ یہ ترکوں کے دور کا تاریخی قلعہ ہے۔ جو تمام تر غفلات اور لاپرواہی کے باوجود تادم تحریر قائم ودائم ہے۔ مصدر مذکور ص:۱۲۴

(۲۱۶) سید سمہودی، وفا الوفاء، ص: ۱۱۷۰

(۲۱۷) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر: ۱۰۷

(۲۱۸) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر: ۱۰۷

(۲۱۹) حاشیائی تعلیق سید کبریت الحسینی، محاسن المدینۃ المنورہ، ص: ۱۷۱

(۲۲۰) انجینئر عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن ابراہیم الکعکی، معالم المدینۃ المنورہ بین العمارہ والتاریخ، جز: ۱، (جبال) ۱۹۹۸ء، بیروت، ص: ۲۸۳

(۲۲۱) غالی الشنقیطی، مصدر مذکور، ص: ۱۲۴

(۲۲۲) ابن نجار، مصدر مذکور، ص: ۱۳۸

(۲۲۳) فیروز آبادی، مصدر مذکور، ص: ۱۳۴ (مع تشریح)

(۲۲۴) سید سمہودی، وفاء الوفاء، صفحات: ۹۲۳-۹۲۴

(۲۲۵) صحیح مسلم، نمبر: ۱۱۱

باب ۱۴

مسجد نبوی شریف

تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے
رخت سفر نہ باندھا جائے
میری اس مسجد، مسجد الحرام اور مسجد الاقصیٰ کے سوا.
حدیث مبارکہ

مسجد الحرام کے بعد اسلام کی دوسری مقدس ترین مسجد 'مسجد نبوی شریف' شہر نبی مدینہ طیبہ کے قلب میں واقع ہے. روز اول سے جب سے کہ اس کا سنگ بنیاد سید الانبیاء والاتقیاء اور سرور کائنات سیدنا و مولینا حضرت محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ علیہ افضل الصلوٰۃ واتم تسلیما نے اپنے دست مبارک سے رکھا اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے محنت شاقہ سے اس کی تعمیر مکمل کی، یہ مسجد مصطفوی چار دانگ عالم سے فرزندان توحید کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتی چلی آ رہی ہے. رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: [تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے - میری اس مسجد (مسجد نبوی شریف) اور مسجد الحرام (مکۃ المکرمہ میں) اور مسجد الاقصیٰ (بیت المقدس) کے سوا.]

اس کی موجودہ عمارت کا خاکہ اگلے صفحہ پر دیئے گئے نقشے میں ظاہر کیا گیا ہے جس کے مختلف رنگ علامتی طور پر ماضی میں اس کے مختلف توسیعی منصوبوں کی عکاسی کرتے ہیں. جانب قبلہ کا حصہ ایک مستطیل شکل میں ہے جس کے عقب میں ایک وسیع و عریض حصہ شامل ہے جو کہ اس حصے کو ظاہر کرتا ہے جو سعودی دور حکومت کا شاہکار ہے. دونوں حصے ایک دوسرے سے شکل و شباہت، ڈیزائن اور رنگ اور طرز تعمیر میں ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہیں مگر دونوں دو مختلف ادوار میں دو مختلف حکومتوں کے شاہکاروں کی ترجمانی کرتے ہیں جن کے درمیان تقریباً ڈیڑھ صدی کا بعد ہے. قبلہ کی جانب والا حصہ (جو اس وقت سب سے قدیم حصہ ہے) ۱۲۸۰ ہجری میں اس وقت پایہ تکمیل کو پہنچا تھا جب کہ صرف روائتی طرز تعمیر، محدود وسائل، فقط حدود حرم سے حاصل شدہ مواد اور ہاتھ سے کام کرنے والے کاریگر ہی میسر تھے جب کہ عقبی حصہ بیسویں صدی کے اواخر میں اس وقت معرض وجود میں آیا جب کہ جدید ٹیکنالوجی، کمپیوٹر، مشینری، بے پناہ مادی وسائل اور اکناف عالم سے درآمد شدہ مواد اور کاریگر موجود تھے. پہلا حصہ مدینہ طیبہ کے روائتی فن تعمیر کا مظہر ہے جب کہ دوسرا حصہ جدید ترین طرز تعمیر اور ٹیکنالوجی کو بروئے کار لا کر بنایا گیا ہے. دونوں حصوں میں یک رنگی قائم کرنے کے لیے اگلے حصے پر بھی وہی رنگ و روغن کیا گیا ہے جو کہ نئے تعمیر شدہ حصے پر ہے. پہلا حصہ روائتی اسلامی فن تعمیر کا ترجمان ہے جو سلطان عبد المجید دوم کے دور میں مکمل ہوا جس سے ان کے بے پناہ عشق اور جذبہ اسلام کا اظہار ہوتا ہے جب کہ دوسرا حصہ خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد کی حرم النبوی الشریف کے ساتھ گہری وابستگی اور مستقبل میں حجاج اور زائرین کرام کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کرنے کے شوق کی عکاسی کرتا ہے.

دونوں حصوں کو اس خوبصورتی سے یک جان کیا گیا ہے کہ وہ ایک وحدت کے طور پر سامنے آتے ہیں، لیکن اس کے باوجود دونوں حصے الگ الگ خصوصیات اور اپنی اپنی نمایاں پہچان رکھتے ہیں. پہلے حصے کی چھت کو مختلف حجموں کے گنبدوں سے مزین کیا گیا ہے جو کہ حدود حرم نبوی شریف کے اندر واقع جبل حرم سے حاصل کئے گئے پتھروں سے بنے ستونوں پر استوار ہیں جن کو سیسہ سے مسلح و مضبوط کیا گیا ہے. اس حصہ پر سب سے بڑا گنبد 'سبز گنبد' (گنبد خضریٰ) ہے جو کہ آستانہ رسول مقبول ﷺ یعنی مقصورہ شریف پر جلوہ فگن ہے. جس کے بعد ایک سیمیں رنگ کا چھوٹا گنبد ہے جو محراب عثمانی پر بنایا گیا ہے. اس کے علاوہ باقی کے پینتیس سے زیادہ تمام گنبد مختلف سائزوں میں چھت کے دوسرے حصوں پر بنائے گئے ہیں. اندرونی حصہ کو (آج کل) ہلکا سفیدی مائل کریم رنگ کیا گیا ہے. اس کے اندر واقع ہر چیز مثلاً ستون، در و دیوار، منبر و محراب اور بقعہ ارض اپنی منفرد پہچان اور اہمیت رکھتی ہے جو بلاواسطہ سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے کسی نہ کسی گوشے اور سوانح سے منسلک ہے. یہاں کی ہر چیز تقدس کی ان رفعتوں کو چھوتی ہے کہ کائنات کی کوئی چیز بھی اس کے ہم پلہ قرار نہیں دی جا سکتی. اس کے علاوہ اس حصے میں موجود بعض مقامات امت محمدیہ کے ارتقاء کے مختلف مراحل کی نشاندہی بھی کرتے ہیں جیسا کہ مقام اصحاب الصفہ وغیرہ. اس حصے کا صرف یہی امتیاز کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سرور دو عالم ﷺ کا کاشانہ رحمت ہے اور جہاں محبوب رب المشرقین و رب المغربین سرکار دو عالم ﷺ محو استراحت ہیں اسے پوری کائنات سے اعلیٰ و ارفع مقام عطا کر دیتا ہے. متفق علیہ احادیث مبارکہ کی رو سے ریاض الجنۃ صرف مسجد نبوی شریف کا ہی حصہ نہیں بلکہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے. منبر رسول کے تقدس کا اندازہ ان احادیث مبارکہ سے لگایا جا سکتا جن میں

یکم ہجری۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں
۷ ہجری۔ پہلی توسیع، غزوہ خیبر کے بعد
۱۷ ہجری۔ توسیع دور سیدنا حضرت عمرؓ
۳۰ ہجری۔ توسیع دور سیدنا حضرت عثمانؓ
۸۸-۹۱ ہجری۔ توسیع الولید بن عبدالملک الاموی
۱۶۱-۱۶۵ ہجری۔ توسیع المہدی العباسی
۸۸۸ ہجری۔ توسیع سلطان اشرف قایتبائی
۱۲۶۵-۱۲۷۷ ہجری۔ توسیع سلطان عبدالمجید عثمانی
۱۳۷۲ ہجری۔ توسیع الملک عبدالعزیز آل سعود
۱۴۰۵ ہجری۔ توسیع الملک فہد بن عبدالعزیز
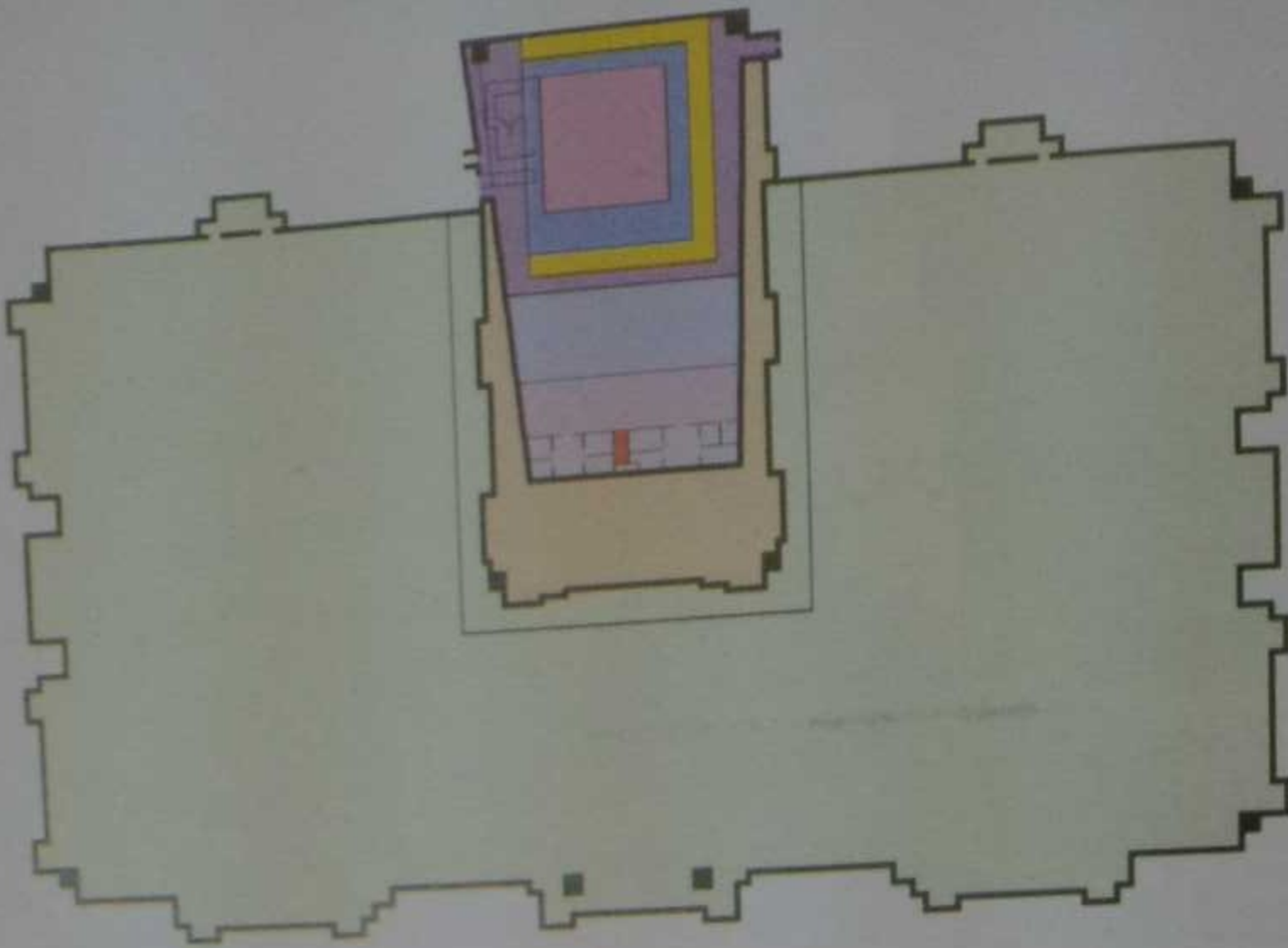
بالصراحت یہ فرمایا گیا ہے کہ اس مقام پر یوم حشر حوض کوثر سجایا جائے گا جیسا کہ حضرت ابوسعید الخدریؓ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا، اور آں حضور ﷺ اس وقت اپنے منبر پر جلوہ افروز تھے، کہ میں اس وقت اپنے حوض کے کنارے پر کھڑا ہوں.] اس کے آٹھ ستون آج بھی ان کھجور کے تنوں کے ستونوں کی جگہ قائم اور یادگار ہیں جو کہ دور رسالت مآب ﷺ میں اس چھت کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے تھے جس کے نیچے سرکار دو عالم ﷺ کے علاوہ شمع رسالت کے پروانے ہزاروں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنا سر نیاز بحضور رب ذوالجلال خم کیا کرتے تھے. اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ حصہ اپنی اہمیت اور انفرادیت میں یکتا ہے اور اسے عقبی حصہ پر نا قابل تردید فوقیت حاصل ہے. لیکن بایں ہمہ اس بات سے بھی انکار نہیں کہ مسجد رسول اللہ ﷺ تو ہر حال میں مسجد رسول اللہ ﷺ ہے. ہمیں سرکار دو عالم رحمت اللعالمین ﷺ کا یہ فرمان مبارک بھی ذہن میں رکھنا چاہئے: [میری مسجد کو خواہ صنعاء تک وسعت کیوں نہ دے دی جائے وہ میری ہی مسجد رہے گی.] لہٰذا مسجد نبوی شریف کی بات کرتے ہوئے ہمیں اسے صرف ایک ایسی اکائی سمجھنا چاہیے جو قدیم وجدید کا انوکھا اور حسین امتزاج ہے جو اس پورے کمپلیکس کو منفرد تقدس کی اوج ثریا پر متمکن کردیتا ہے.

ماضی میں مسجد نبوی شریف کی کئی بار توسیع اور تعمیر نو ہوئی. دراصل اسی توسیع اور تعمیر نو کے چودہ صدیوں پر محیط عمل نے اس بقعہ مبارکہ کو مختلف مراحل وادوار سے گزار کر موجودہ شکل اور وسعت دی ہے کہ اب پورے عالم اسلام میں اس سے بڑی اور عالی شان مسجد اور کوئی نہیں. آخری توسیعی منصوبے کی تکمیل کے بعد یہ عالم اسلام کی سب سے بڑی اور پرشکوہ سجدہ گاہ بن چکی ہے جو کہ جدید ترین سہولیات سے آراستہ اسلامی فن تعمیر کا ایک گوہر بے پایاں ہے. یہ عظیم الشان مسجد لاتعداد ایوانوں پر مشتمل ہے جو کہ ایک دوسرے سے محرابی دالانوں کی روشوں کے ذریعے بغلگیر ہوتے نظر آرہے ہیں. تمام دالان مضبوط ستونوں پر استوار ہیں. جس طرف بھی نگاہ اٹھا کر دیکھیں محرابیں نظر آتی ہیں جو ایک ہی خط مستقیم میں حدنگاہ تک قطار اندر قطار پھیلی ہوئی ہیں. اس عظیم عمارت کی شان وشکوہ دیکھ انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے. عقبی اور نئے تعمیر شدہ حصہ کی چھت پرانی عمارت سے کافی بلند ہے لیکن دونوں حصوں کی سطح ارضی یکساں ہے. اس کے ستون آہنی سلاخوں کو کنکریٹ کے ساتھ ملا کر (آرسی) بنائے گئے ہیں جن پر ہلکے رنگ کا سنگ مرمر لگایا گیا ہے. روشنی کے انتظام کے لیے انہیں ستونوں میں پیتل کے کروان نصب ہیں جن میں بجلی کی قمقمے ہر طرف ضیاء پاشی کرتے ہیں. ایوانوں کی چھت سے بڑے بڑے زریں فانوس آویزاں ہیں جن کا نور نہ آنکھوں کو خیرہ کرتا ہے اور نہ ہی ماحول میں حدت پیدا کرتا ہے.

باب ہذا قاری کو ان مختلف مراحل کی تفاصیل سے آگاہ کریگا جن سے گزر کر مسجد نبوی شریف اپنی تاسیس سے لے کر موجودہ شکل میں ہم تک پہنچی ہے.

مسجد نبوی شریف کی فضیلت اور اہمیت

﴿بیشک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پر تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اور پاک لوگ اللہ کو پیارے ہیں۔﴾ (۱)

ان الفاظ میں رب ذوالجلال والاکرام قرآن کریم میں اس مسجد شریف کے تقدس کی شہادت دیتے ہیں جس کی بنیاد روز اول سے ہی پرہیز گاری پر رکھی گئی تھی۔ اگر چہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کی آراء میں کچھ اختلاف ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مذکور مسجد سے کونسی مسجد مراد ہے، لیکن اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع اس بات پر ہی تھا کہ احادیث رسول مقبول ﷺ کی روشنی میں اس سے مراد مسجد نبوی شریف ہی تھی نہ کہ مسجد قباء۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؓ سے مروی ہے: [حضرت عبدالرحمٰن بن ابوسعید الخدریؓ میرے پاس تشریف لائے اور میں نے انہیں کہا: آپ نے اپنے والد ماجد سے اس مسجد کے بارے میں کیا سنا تھا جس کی بنیاد روز اول سے ہی تقویٰ پر استوار کی گئی تھی؟ انہوں نے جواب دیا: میرے والد نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جب کہ آپ حضور ﷺ اپنی زوجات مطہرات میں سے ایک کے حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما تھے اور میں نے عرض کیا: یارسول اللہ وہ کونسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر استوار ہوئی تھی؟ رسول اللہ ﷺ نے زمین سے مٹھی بھر سنگریزے اٹھائے اور پھر زمین پر پھینکتے ہوئے فرمایا: یہی تماری مسجد وہ مسجد ہے (یعنی مسجد مدینہ۔ مسجد نبوی شریف)۔ راوی نے بیان کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ کے والد کو ایسا ہی فرماتے ہوئے سنا تھا۔] (۲)

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس مسجد کے بارے میں دریافت کیا جس کی بنیاد روز اول سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی جس پر سید الانس والجان ﷺ نے فرمایا: یہی وہ مسجد ہے (یعنی مسجد نبوی شریف)۔] البلاذری نے بھی ایک حدیث مبارکہ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے نقل کی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں دو آدمیوں کے درمیان آپس میں بحث چل نکلی کہ وہ کونسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر استوار ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک کا خیال تھا کہ اس مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے جب کہ دوسرا یہ کہہ رہا تھا کہ وہ مسجد 'مسجد قباء' ہے۔ آخر کار دونوں دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گئے اور آپ سے اس معاملہ میں عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [یہی جو میری مسجد ہے۔] یہی نظریہ اصحابی جلیل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تھا اور یہی رائے مشہور تابعین اور فقہاء کرام مثلاً حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت خارجہ بن زیدؒ کی تھی جو کہ دوٹوک الفاظ میں کہتے تھے کہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول یوم سے ہی تقویٰ پر استوار کی گئی تھی اس سے مراد مسجد رسول اللہ ﷺ ہی ہے۔ (۳) ابن کثیر اور ابن جریر الطبری بھی سیدنا عمر فاروقؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت سعید بن المسیبؒ کا اتباع کرتے ہیں (۴)۔ ابن کثیر کے الفاظ میں: 'یہ خیال کہ مسجد قباء کی بنیاد روز اول سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی دوسری رائے سے متضاد نہیں ہے، بلکہ اس کا اطلاق تو مسجد نبوی شریف پر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ نہ صرف اس کی بنیاد روز اول سے ہی تقوی پر استوار ہوئی تھی بلکہ اس لیے بھی کہ اسے دوسری مساجد پر (بشمول مسجد قباء) فوقیت حاصل ہے۔ (۵)

مشہور مفسرین میں سے علامہ شوکانی نے اپنی مشہور تفسیر 'فتح القدیر' میں اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے اور دونوں دلائل کے تجزیئے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن کریم کی اس آیہ کریم میں جو مسجد مراد لی گئی ہے وہ یقیناً مسجد نبوی شریف ہی ہے۔ (۶) تاہم یہ بیان کرنے سے ہمارا مقصد مسجد قباء کی اہمیت گھٹانا نہیں ہے، بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ نا قابل تردید شواہد اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہی ہے کہ قرآن کریم کی اس آیہ کریمہ سے جو مسجد مقصود ہے وہ مسجد نبوی شریف ہی ہے۔

جب کہ عالم اسلام میں آج کی مساجد صرف نماز یا چند دینی اجتماعات تک محدود ہیں، مسجد نبوی شریف اپنی تاسیس کی وقت صرف مسجد

ہی نہیں تھی بلکہ ایک مکمل ادارہ تھا جس کا کردار امت کے لیے ہمہ جہتی اور کثیر المقاصد تھا.مومنوں کے لیے تو تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنادی گئی ہے.جس کی رو سے ہر مسجد کا درجہ برابر ہونا چاہئے تھا.لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تین مساجد میں ایسی کونسی خصوصیت ہے جو کہ ان کو تمام بیوت اللہ سے فوقیت دیتی ہے .رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق تین مساجد کے علاوہ کسی کے لیے رخت سفر باندھنے کی اجازت نہیں ہے. حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے۔ میری اس مسجد اور مسجد الحرام اور مسجد الاقصیٰ کے سواء.] (۷) ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے:[میری مسجد میں ایک نماز دوسری کسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے ہزار گنا ثواب اور درجہ رکھتی ہے سوائے مسجد الحرام کے.] (۸) بیہقی نے الجامع الشعب الایمان میں یہ حدیث مبارکہ روایت کی ہے:[میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری کسی مسجد میں ہزار نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے، یہاں ایک نماز جمعہ کی ادائیگی دوسری مساجد میں ہزار جمعہ ادا کرنے سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے اور میری اس مسجد میں ایک ماہ روزے رکھنا دوسری مساجد میں ہزار ماہ کے صیام سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے.] (۹) مذکورہ تینوں مساجد میں سے دو تو بیوت اللہ یعنی قبلہ اول (مسجد الاقصیٰ) اور قبلہ ثانی (بیت اللہ شریف) ہیں جب کہ تیسری مسجد بیت اللہ ہونے کے علاوہ 'بیت رسول مقبول ﷺ' بھی ہے .یہی تیسری مسجد ''مسجد رسول اللہ ﷺ'' (مسجد النبوی شریف) ہے .اس لیے مسجد ہونے کے علاوہ اس کا کردار وسیع تر ہے۔ یعنی ایک طرف تو یہ اللہ کی عبادت گاہ بنی اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اسے بہت سے دوسرے کردار بھی ادا کرنے تھے: یعنی بیک وقت یہ مسجد بھی تھی، دار الحکم (حکومت کا ہیڈ کوارٹر)، دار الضیافہ (سرکاری ریسٹ ہاؤس)، دار القضاء (عدالت عظمیٰ)، دار القلادہ (مجلس شوریٰ اور پارلیمنٹ ہاؤس)، دار الحکمت اور مہبط الوحی (مقام نزول وحی)، دار القیادۃ الجیش (عساکر اسلام کا ہیڈ کوارٹر ۔ جی ایچ کیو)، دار الرشد (دنیا کی پہلی درسگاہ اور یونیورسٹی جہاں مستحق طلباء کو کھانے اور رہائش درسگاہ کے اندر ہی مقام الصفہ پر مہیا کی گئی تھی)، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک ایسا مرکز و مقام تھا جہاں سے اسلام کے آفتاب عالمتاب کی کرنیں چار دانگ عالم میں پھیلیں .ان سب پر مستزاد یہ کہ اسی کے ایک حصے میں سب غایتوں کی غایت اولیٰ اور بعد از خدا بزرگ ترین ہستی حضور سرور کائنات ﷺ تشریف فرما ہیں.

ان تینوں مساجد (یعنی مسجد الحرام، مسجد الاقصیٰ اور مسجد النبوی الشریف) کی فضیلت بیان کرتے ہوئے شیخ عطیہ محمد سالم نے بیان کیا ہے کہ ان تینوں مساجد کا مرتبہ دنیا کی دیگر مساجد سے اس لیے بھی ارفع و اعلیٰ ہے کہ جب کہ دیگر مساجد عالم کی جگہوں کے انتخاب اور ان کی حد بندی میں انسانی عمل دخل شامل ہوتا ہے ان تینوں مساجد کے موقع جات اور ان کے رقبے کی نشان دہی بواسطہ وحی انبیاء علیہم السلام کو کی گئی تھی .ابو الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جب بیت اللہ شریف بنانے کا حکم ہوا تو وہ شش و پنج میں تھے کہ اسے کہاں

تعمیر کیا جائے. وحی کے ذریعے ان کو بتایا گیا کہ بادل کا ایک ٹکڑا اس وادی کے ایک حصے پر سایہ فگن ہوگا جہاں اللہ کا گھر تعمیر ہوگا. جب ایسا ہوا تو آپ نے رب ذوالجلال والاکرام کے حکم کی تعمیل کی اور اس جگہ پر بیت اللہ شریف کی تعمیر کی. بیت المقدس کی تعمیر کا وقت آیا تو سیدنا داؤد علیہ السلام کو اللہ کے گھر کے لیے ایک قطعہ اراضی خریدنے کا حکم ملا کہ فلاں شخص سے اس کی زمین خرید لی جائے اور انہوں نے اسی حکم کی تعمیل کی. اسی طرح مسجد نبوی شریف کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ نے از خود کوئی فیصلہ نہیں فرمایا کہ کہاں قیام فرمائیں اور مسجد کی تعمیر کریں. ہر قبیلے کا سردار آپ حضور ﷺ سے دست بستہ درخواست گزار تھا کہ اس کو شرف میزبانی عطا فرمائیں, لیکن سرکار دو عالم ﷺ ہر ایک کو یہ کہہ کر خاموش کر دیتے کہ: [اس (ناقۃ النبی قصویٰ) کا راستہ چھوڑ دیجئے, اس کو حکم ہو چکا ہے.] گویا یہ حکم الٰہی تھا جو کہ ناقۃ النبی 'قصویٰ' کے میڈیم کے ذریعے دیا گیا تھا جس کی تعمیل میں پہلے تو وہ وہاں رکی جہاں پر امام الانبیاء, دانائے سبل اور ختم الرسل ﷺ نماز کی امامت فرمایا کرتے تھے, مگر پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہاں سے اٹھ گئی اور تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد حضرت ابوایوب الانصاریؓ کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی. پہلے دونوں بیوت اللہ کی طرح مسجد نبوی شریف کے موقع کا انتخاب بھی وحی الٰہی (الہام) سے ہوا جو کہ اس میڈیم (یعنی ناقہ رسول مقبول ﷺ جس پر حضور رسالت مآب اس وقت تشریف فرما تھے) کو امر کے ذریعے ہوئی جس سے اس کا تعین جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا.(۱۰)

فضیلت مسجد نبوی شریف میں بہت سی احادیث روایت ہوئی ہیں. قند مکرر کے مصداق ہم مذکورہ بالا حدیث مبارکہ کو قارئین کرام کے سامنے دوبارہ پیش کرنا چاہیں گے کیونکہ یہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [ایک جمعہ مدینہ (مسجد نبوی شریف میں) کسی اور جگہ پر ہزار نماز جمعہ ادا کرنے کے برابر ہے.] انہی کی روایت کردہ ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق: [مدینہ میں روزہ رکھنا کسی اور جگہ ہزار روزے رکھنے کے برابر ہے.](۱۱) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وہ شخص جو میری مسجد میں بغیر ناغہ کئے چالیس نمازیں ادا کرتا ہے وہ جہنم کو آگ اور نفاق سے محفوظ رہے گا.](۱۲) یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو کہ بشمول دوسری دونوں مساجد کے کسی اور مسجد کے نصیب میں نہیں. ابن حبان نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے کہ: [جو اپنے گھر سے میری اس مسجد کے لیے روانہ ہوتا ہے, اس کے ایک قدم اٹھانے پر اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور دوسرے قدم پر اس کی ایک خطاء معاف کر دی جاتی ہے.] (خلاصۃ الوفاء, ص:۱۴۳) ابن حبان ہی کی اور روایت از زید بن اسلمؓ کے الفاظ کچھ ان معانی میں ہیں: [جو میری اس مسجد میں داخل ہوا کہ یہاں نماز ادا کرے یا ذکر الٰہی کرے, یا خیر کی تعلیم دے یا خیر کا علم حاصل کرے, وہ اللہ کی راہ میں ایک مجاہد کا مقام رکھتا ہے.] (ایضاً, ص:۱۴۴)

مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے لیے اراضی کا حصول

جیسا کہ سب جانتے ہیں, تاجدار حرم جناب رسول اللہ ﷺ حضرت ابوایوب الانصاریؓ کے ہاں ٹھہرے تھے. جب کہ مدینہ طیبہ کے ہر عرب قبیلے کا سردار رسول اللہ ﷺ سے درخواست کر رہا تھا کہ آپ حضور ﷺ اسے شرف میزبانی عطا کریں, آقائے نامدار ﷺ بار بار یہی فرما دیتے کہ آپ وہیں قیام فرمائیں گے جہاں آپ کی سواری آپ حضور ﷺ کو لے جائے گی اور جب سرکار دو عالم ﷺ قباء سے مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے تو آپ حضور ﷺ نے قصویٰ کی باگیں ڈھیلی چھوڑ دی تھیں اور اس جم غفیر کو جو حضور نبی اکرم ﷺ کے دیدار کی ایک جھلک دیکھنے کو اُمڈ آیا تھا فرما رہے تھے: [اس کا راستہ چھوڑ دیجئے, اسے حکم مل چکا ہے کہ اس نے کہاں جانا ہے.] رب ذوالجلال کی طرف سے اسے الہام ہو چکا تھا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو کہاں لے کر جانا تھا. وہ احاطہ جس میں پہلے ناقہ رسول اللہ ﷺ رکی وہ بنی غنم بن مالک بن النجار کے
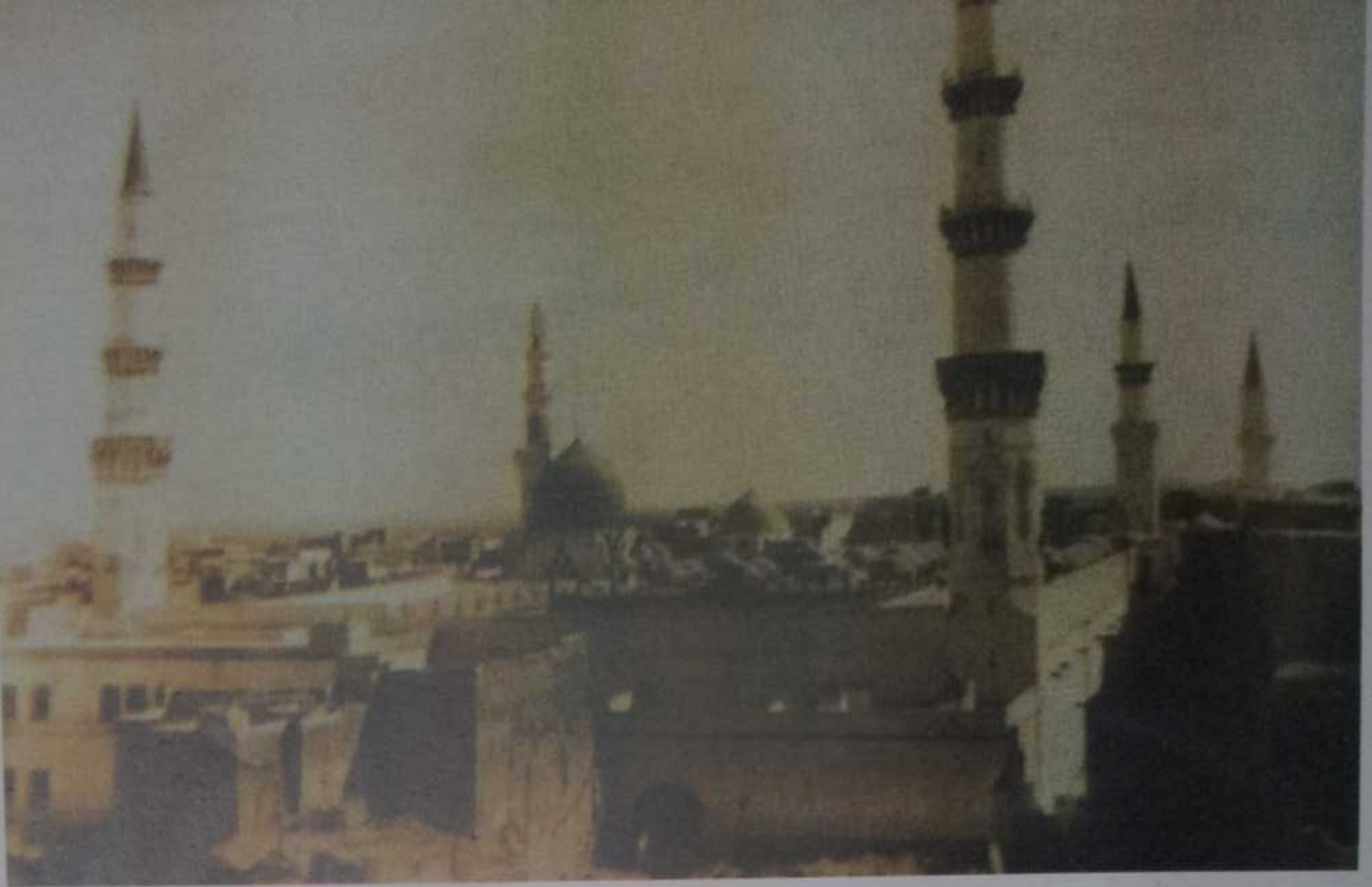
مسجد نبوی شریف سعودی توسیع سے پہلے (۱۹۰۳ء)

علاقے میں تھا اور دو یتیم بچوں کی ملکیت میں تھا جو کہ حضرت اسعد بن زرارہؓ کی تولیت میں تھے۔ حضرت اسعدؓ ان بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بیعت عقبہ ثانی پر خزرج کا نقیب (سردار) متعین فرمایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ میں ورود مسعود سے پہلے ہی حضرت اسعد بن زرارہؓ نے اس احاطے میں ایک طرف چاردیواری کر کے چھوٹی سی مسجد بنالی تھی جس کی صرف دیواریں تھی جو غیر مسقف تھیں اور اس کا روئے قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔ (۱۳)

رسول اللہ ﷺ نے اس قطعہ ارضی کو خریدنے میں اپنی رغبت ظاہر فرمائی اور اس کے مالکان کو بلا بھیجا۔ اسی اثناء میں حضور سرور کونین ﷺ قریبی احاطے میں یا بھیڑوں کے ایک باڑے میں کچھ دنوں تک نماز ادا فرماتے رہے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے دونوں بچوں اور ان کے اہل خانہ سے رابطہ کیا جنہوں نے وہ قطعہ ارضی رسول اللہ ﷺ کو تحفتاً دینے کی پیش کش کی۔ حضرت انس بن مالکؓ کے بیان کے مطابق: [جب بھی نماز کا وقت آجاتا تو رسول اللہ ﷺ نماز ادا کرنا پسند فرماتے خواہ وہ بھیڑوں کے باڑوں میں ہی کیوں نہ ہو۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ایک مسجد بنائی جائے اور بنی نجار کے چند آدمیوں کو بلا بھیجا اور فرمایا: [اے بنی نجار، مجھے اس دیوار والے احاطے کی قیمت بتائیں۔] انہوں نے عرض کیا: ''نہیں، اللہ کی قسم ہم سوائے اللہ کے کسی سے کچھ نہیں لیں گے!'' (۱۴)] مگر رسول اللہ ﷺ نے اسے بغیر قیمت ادا کئے لینے سے انکار فرمادیا۔ مزید گفت وشنید کے بعد وہ اسے دس سونے کے دیناروں کے عوض دینے پر راضی ہو گئے (۱۵) جو کہ درحقیقت اس کی قیمت خرید تھی (واقدی کے بیان کے مطابق انہوں نے وہ زمین بنی افرع سے اسی قیمت میں خریدی تھی۔) (۱۶) سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنی جیب سے اس کی قیمت ادا کی اور اس طریقہ سے وہ بقعہ مبارکہ مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے لیے خریدا گیا۔ (۱۷) ایسا ربیع الاول کے دوسرے نصف حصے میں ہوا تھا کیونکہ سیرۃ نگاروں کی متفقہ رائے کے مطابق کائنات کے شمس الضحیٰ اور بدرالدجی اور ماہ تمام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے کاشانہ مطہرہ کو ۱۶ ربیع الاول (اکتوبر ۶۲۲ء) کے دن منور و تاباں کیا تھا۔

اس قطعہ ارضی مبارکہ کے ارضیاتی خدوخال

اس مبارک قطعہ ارضی جس کی قسمت میں تا بہ ابد مسجد النبوی الشریف ہونا لکھا تھا رسول اللہ ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے پہلے ایک غیر ہموار زمین تھی جس میں غرقد اور دیگر قسم کے درخت اور خاردار جھاڑیاں اور چند کھجوروں کے درخت تھے جہاں کچھ مشرکین کی قدیم قبریں بھی تھیں۔ حضرت انس ابن مالکؓ کی روایت کے مطابق: [اس میں مشرکین کی قبور تھیں اور اس کا کچھ حصہ غیر ہموار تھا اور چند کھجوروں کے

قبر العمات
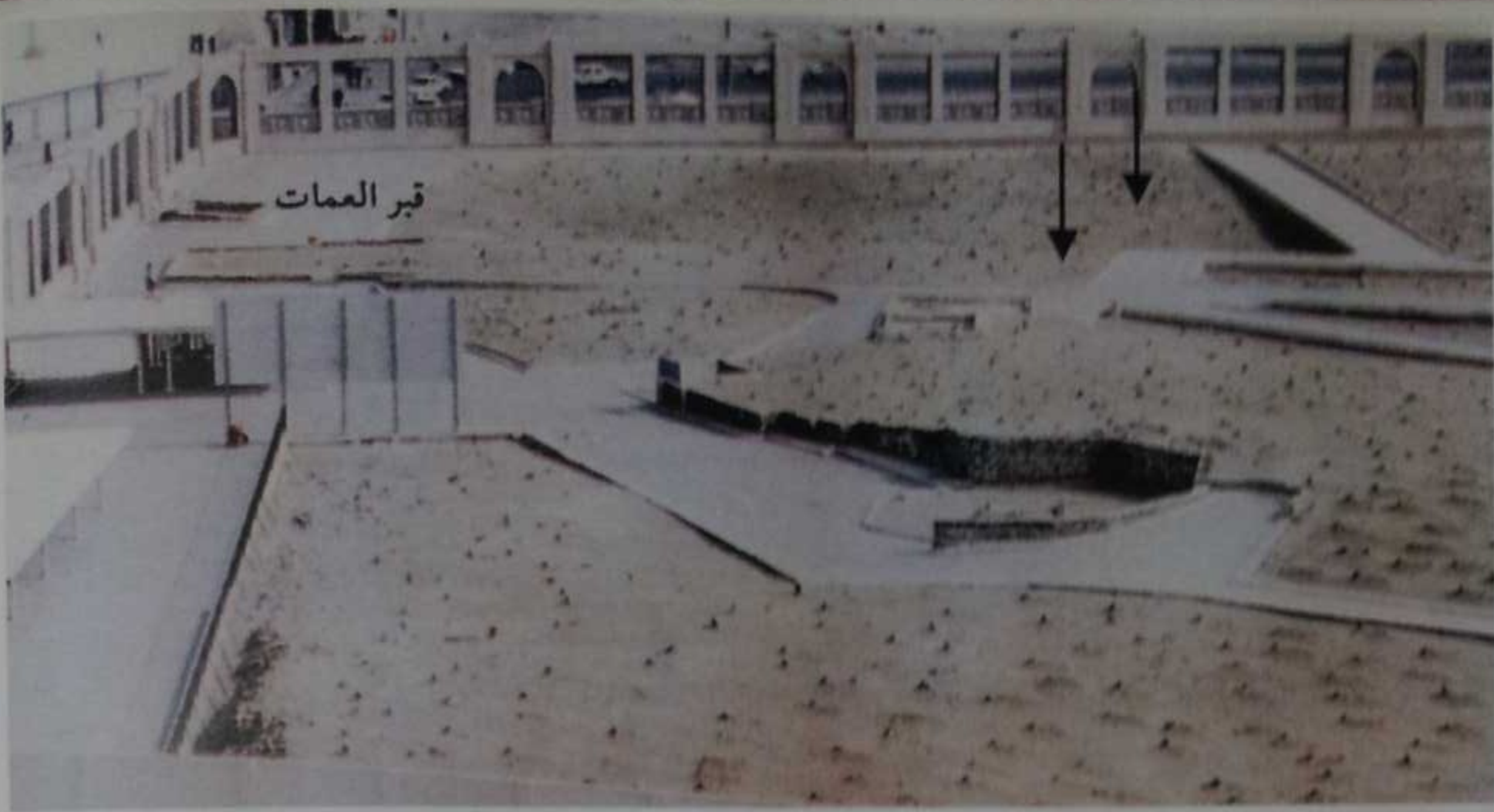
نشان زدہ جگہ تقریباً وہی ہے جہاں عہد نبوی ﷺ میں مسجد نبوی شریف کے لیے گارا اور اینٹیں تیار کی گئی تھیں

درخت بھی تھے. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین کی قبور کو اکھاڑ پھینکا جائے اور غیر ہموار زمین کو ہموار کر دیا جائے اور کھجوروں کے درختوں کو بھی کاٹ دیا جائے.] (۱۸) عین ممکن ہے کہ کھلا حصہ مال مویشیوں کو رکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہو، اس کا کچھ حصہ مربد کے طور پر استعمال ہوتا تھا جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں. اس زمین میں کچھ گڑھے بھی پڑے ہوئے تھے. حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اے بنونجار اپنے اس باغ کا مول لگاؤ.] [اس کے کچھ حصے پر کھجوروں کے چند درخت بھی تھے.] (۱۹) اس کے گڑھوں میں بارش کا پانی جمع ہو چکا تھا جس نے ایک جوہڑ کی شکل اختیار کر لی تھی. لہٰذا اس متعفن پانی کو نکالنے کے لیے ایک نالہ کھودنا پڑا تھا. (۲۰) یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مبارکہ سے پہلے یہاں چند مہاجرین جو اذن رسول مقبول ﷺ سے آپ حضور ﷺ سے پہلے مدینہ طیبہ ہجرت کر چکے تھے اس احاطے میں نمازیں ادا کرتے تھے. (۲۱)

رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر کفار کے مردوں کی باقیات کو ان کی قبور سے نکال کر زمین کو ہموار کر دیا گیا اور اسے اچھی طرح نباتات اور جھاڑیوں سے پاک کر دیا گیا. کھجور کے درختوں کی بھی بیخ کنی کر دی گئی اور اس کے تنے اور پتے مسجد شریف کی تعمیر کے کام میں لائے گئے. (۲۲) اکھاڑے گئے کھجور کے درختوں کے تنے سیدھے کر کے سامنے کی جانب لگائے گئے جس سے قبلہ کی جانب کو ظاہر کرنا مقصود تھا. حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [کٹے ہوئے کھجور کے تنوں کو قبلہ کی جانب نصب کر دیا گیا تھا.] (۲۳) صحیح بخاری ہی کی ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [کھجوروں کے تنوں کو اس طرح جوڑ دیا گیا تھا کہ ان سے قبلہ کی جانب کی دیوار بن گئی تھی اور اس کے دروازے کے لیے پتھر کے ستون کھڑے کئے گئے تھے. جانب قبلہ اس وقت شمال کی جانب بیت المقدس کی طرف مقرر تھی.] (۲۴)

مسجد نبوی شریف کی خشت اول رسول اللہ ﷺ کے دست بابرکات سے رکھی گئی

ماہ ربیع الاول ۱ ہجری (بمطابق اکتوبر ۶۲۲ء) کے اواخر میں مسجد نبوی شریف کی تاسیس عمل میں آئی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارکہ سے اس کا سنگ بنیاد رکھا. بنیاد تقریباً تین ذرع (۱،۵ میٹر) گہری تھی. (۲۵) بنیاد کے لیے پتھر سے گھڑی ہوئی اینٹوں سے دیوار بنائی گئی جب کہ اوپر کی دیوار گارے سے بنی اور دھوپ میں سکھائی گئی کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی (۲۶). رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ سنگ بنیاد رکھتے وقت بلکہ بعد میں بھی اس کی تعمیر کے لیے بنفس نفیس باقی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرح کام کیا. (۲۷) جب مسجد شریف کی بنیادیں پتھروں سے استوار ہو رہی تھیں دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مٹی کی اینٹیں بنانے میں مصروف تھے. یہ کام بقیع الخنجبہ میں ہو رہا تھا جو کہ بقیع الغرقد کی شمالی جانب واقع تھی. (۲۸) گارا اور اینٹیں بنانے کے لیے پانی بئر ایوب (جو کہ حضرت ابوایوب الانصاریؓ کا کنواں تھا) سے لیا جاتا تھا جو کہ بقیع الغرقد میں ہی اس مقام کے سامنے تھا جس کے جوار میں بعد میں حضرت ابراہیمؓ فرزند
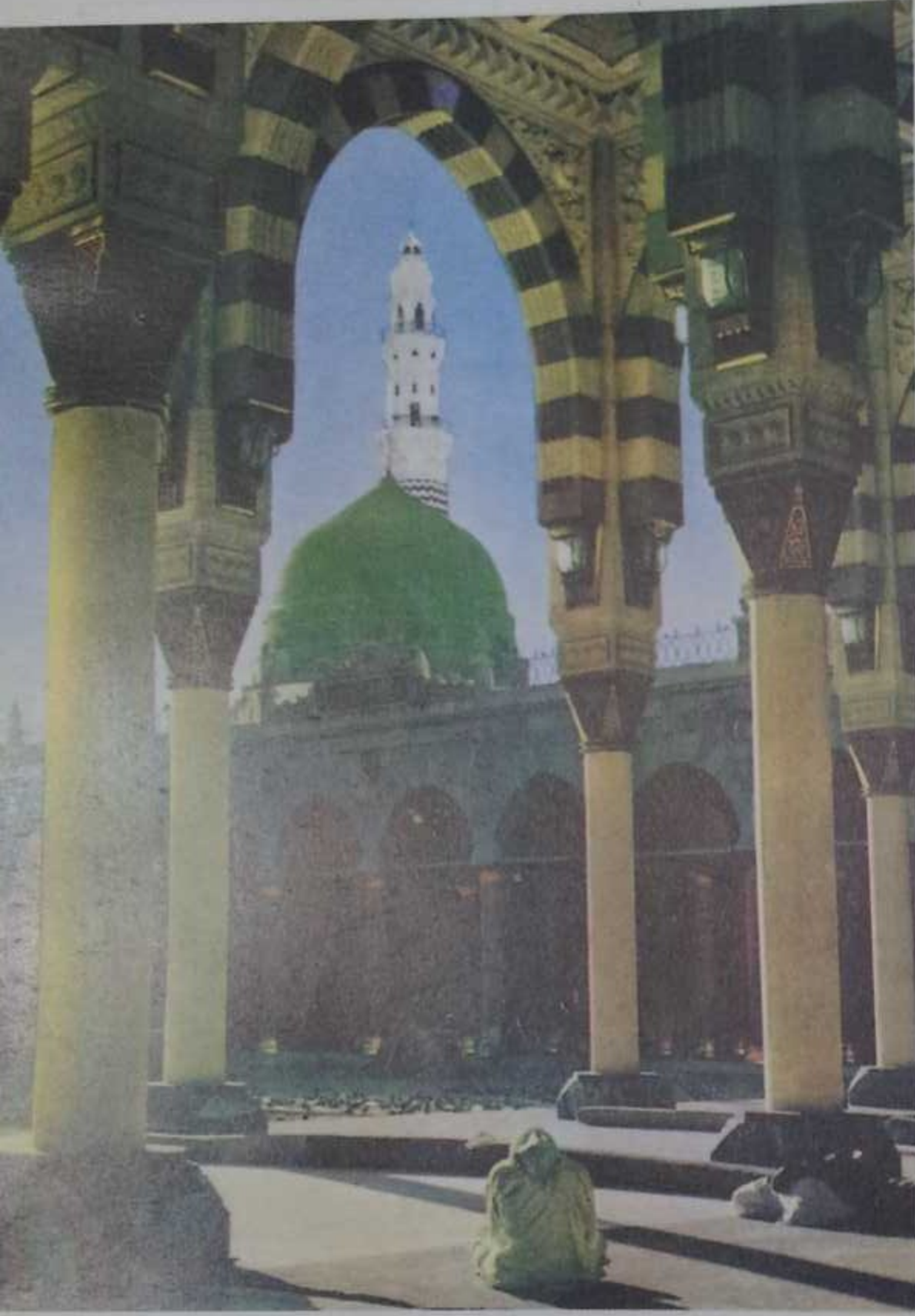
ارجمند رسول اللہ ﷺ مدفون ہوئے.(۲۹) بیس سال پرانی بقیع الغرقد کی شمالی جانب کی دیوار میں ایک چھوٹا سا آہنی دروازہ ہوا کرتا تھا. اس کے گرائے جانے سے پہلے اس دروازے کو باب اللبن کہا جاتا تھا (یعنی وہ دروازہ جہاں گارا بنایا گیا تھا).

ابراہیم العیاشی المدنی کے مطابق وہ جگہ جہاں مسجد نبوی شریف اور حجرات مطہرہ کی اینٹیں تیار اور دھوپ میں سکھائی گئی تھیں وہ بقیع الغرقد کے اس حصے میں تھی جو کہ بقیع العمات (حضور نبی اکرم ﷺ کی پھوپھیوں۔ سیدة عاتکہؓ اور سیدة صفیہؓ بنات عبدالمطلب) اور اس دروازے کے درمیان واقع تھی.(۳۰) نئی توسیع کی وجہ سے بقیع الغرقد کا وہ دروازہ ہٹادیا گیا ہے.

اس دوران ایک اصحابی حضرت طلق بن علی الیمامیؓ جن کا تعلق بنوحنیفہ سے تھا وہاں ایسے وقت میں آئے جب کہ رسول اللہ ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اینٹیں بنا رہے تھے. مسند امام احمد میں شامل حضرت طلق بن علیؓ کی مروی حدیث مبارکہ کے مطابق: [جس طریقہ سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ کام کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ کو زیادہ پسند نہ تھا. لہذا میں نے کدال پکڑا اور گارے کا آمیزہ بنانے لگ گیا. جس انداز سے میں کدال چلا رہا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کو بہت پسند آیا اور آں حضور ﷺ نے فرمایا: [حنفی۔ کیونکہ ان کا تعلق بنوحنیفہ سے تھا۔ کو گارا بنانے دو کیونکہ تم سب سے زیادہ وہ اس کام میں مہارت رکھتا ہے.] رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ: [الیمامی کو بلالو کیونکہ اس کام میں وہ تم میں سب سے زیادہ مہارت رکھتا ہے.] (۳۱)

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ درختوں کے تنوں کو اس طرح رکھا گیا تھا کہ جانب قبلہ نمایاں ہوجائے. اس کے دروازے کی اطراف میں پتھروں کے ستون بنائے گئے تھے. شمع رسالت کے پروانے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور ساتھ ساتھ نغمے بھی گاتے تھے.(۳۲) کبھی کبھار سید الثقلین اور نبی الحرمین اور امام القبلتین ﷺ اپنے دامن رحمت مآب میں اسی مسجد شریف کے لیے مٹی اور گارا اٹھاتے اور اپنے جان نثاروں کی لے میں لے ملا کر فرماتے:

هذا الحمال لا حمال خيبر هذا ابرر بناء و اطهر

ابتداء میں اس عمارت کی کوئی چھت نہیں بنائی گئی تھی. صرف اس کی ایک جانب پر جزوی طور پر چھت ڈال دی گئی تھی تاکہ نادار اصحابہ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے سائبان کا کام کرسکے. اس جزوی چھت کی وجہ سے اس مقام کو الظلّہ (سایہ دار جگہ) کہا جاتا تھا. حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے اور ہم میں سے کچھ سجدہ کرنے والے حصہ پر اپنے کسی کپڑے کا کچھ حصہ رکھ لیتے تاکہ سخت گرمی کی وجہ سے تپتی زمین کی حدت سے بچا جاسکے.(۳۳) تاہم بعد میں جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شدید گرمی کی شکایت کی تو گھاس پھوس اور کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے چھت بنالی گئی مگر وہ بھی جزوی تھی اور اس وقت بھی مسجد شریف کا

انیس سو ستر کی دہائی میں مسجد نبوی شریف کا صحن ایسا ہوا کرتا تھا
سرخ ریت سے ملی کنکریاں صحن مسجد پر بچھائی گئی تھیں

کچھ حصہ غیر مسقّف تھا. فرش مٹی کا تھا جس کو کوٹ کوٹ کر اچھی طرح بٹھا دیا گیا تھا اور ستون کھجور کے تنوں سے بنے ہوئے تھے. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں مسجد کچی اینٹوں کی بنی تھی اور اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کی تھی اور ستون کھجور کے تنوں کے تھے.] (۳۴)
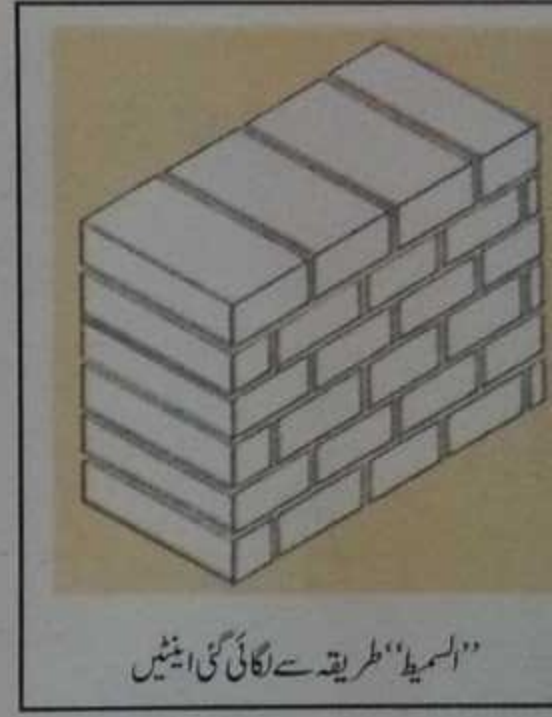
تمام عمارت انتہائی سادگی اور کفایت شعاری کا مظہر تھی. نہ کوئی زیب و زینت اور نہ کوئی آرائش. ابتداء میں تعمیر کے وقت دیواروں کو اینٹیں لگانے کا طریقہ ایسا تھا جس کو عرب 'السمیط' (Al-Sumayt) (ایک کے اوپر دوسری اینٹ کو رکھنا) کہتے تھے. تاہم کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد دوسرے مرحلے پر دیواروں کو مزید چوڑا اور طاقتور بنا دیا گیا اور اس بار ایسے طریقے سے اینٹیں لگائی گئی جن کو معمار 'السعیدہ' (Al-So'aidah) کہتے تھے اس کو عربی میں 'نر اور مادہ' اینٹوں کا جوڑا بنا کر چنائی کرنے کو کہتے ہیں. (۳۵) دیواریں ڈیڑھ ہاتھ (۵،۱ ذرع) یعنی تقریباً پونا میٹر چوڑی رکھی گئی تھیں جس کی اونچائی سات ذرع (۵،۳ میٹر) کے لگ بھگ تھی. کچی اینٹیں سادہ مٹی کے گارے (لبن) سے بنائی جاتی تھیں جن کو دھوپ میں رکھ کر سکھا لیا جاتا تھا. بہت سی احادیث مبارکہ سے اس بات کے اشارے ملتے ہیں کہ ابتداء میں مسجد شریف غیر مسقّف تھی. حضرت الیاس بن سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے: [ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں اس وقت نماز جمعہ ادا کرتے تھے جب کہ (مسجد کی) دیواروں کا سایہ نہیں ہوتا تھا جس کی اوٹ میں ہم دھوپ سے بچ سکتے.] (۳۶) حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے: [ایک مرتبہ مطلع ابر آلود تھا اور پھر بارش شروع ہو گئی جس سے مسجد کی چھت سے جو کہ کھجور کے پتوں سے بنی تھی بہت پانی ٹپکنے لگ گیا. جب نماز کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا سجدہ بھی کیچڑ کے پانی میں سر اقدس رکھ کر کیا یہاں تک کہ جبین نور سے کیچڑ کے اثرات نظر آرہے تھے.] (۳۷) ایک دوسری حدیث مبارکہ میں حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایت ہے: [جب میں اپنی اعتکاف کی جگہ پر واپس آیا تو مطلع ابر آلود ہو چکا تھا اور پھر بارش ہونے لگی. اس رب ذوالجلال کی قسم جنہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، مطلع سر شام سے ابر آلود تھا اور مسجد جس کی چھت سے جو کہ کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں سے بنائی گئی تھی بارش کا پانی ٹپک رہا تھا اور میں نے کیچڑ اور پانی کے اثرات رسول اللہ ﷺ کی ناک مبارک پر لگے دیکھے تھے.] (۳۸) یہ دونوں احادیث مبارکہ دو مختلف مرحلوں کا ذکر کرتی ہیں: پہلا جب کہ مسجد شریف پر چھت نہیں تھی اور دوسرا جب کہ اس پر کھجور کے پتوں سے چھت ڈل چکی تھی.

''السمیط'' طریقہ سے لگائی گئی اینٹیں

ان احادیث مبارکہ سے ہمیں مسجد نبوی شریف کی بلند مرتبہ مگر انتہائی سادہ سی عمارت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں بنائی گئی تھی. اس میں نہ تو کوئی دنیاوی شان و شوکت تھی اور نہ ہی کوئی دکھاوا اور تصنع تھا. دنیاوی لحاظ سے یہ سراپا سادگی اور عجز کا مظہر تھی.
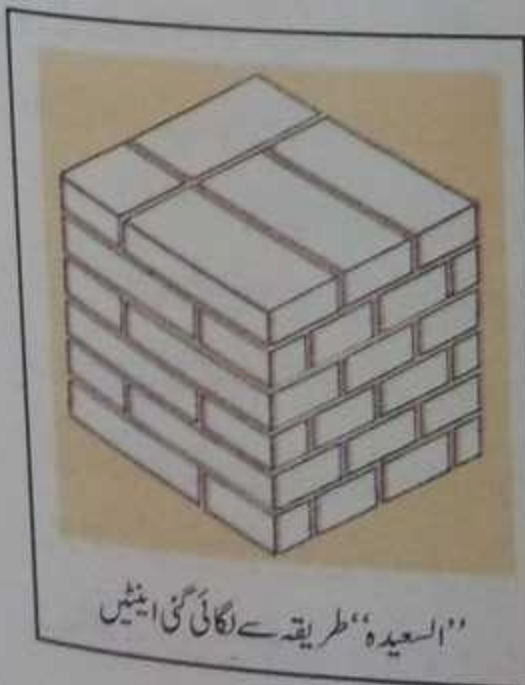
اس تمام تر سادگی اور طرز تعمیر کے باوجود دنیا کی اس عمارت کا مرتبہ اور مقام اتنا بلند و بالا تھا کہ اس پر آسمان کی رفعتیں بھی رشک کرتی تھیں. اسی سادہ سی عمارت کی کوکھ سے ان اداروں نے جنم لیا جنہوں نے امت محمدیہ کو اس درجے پر فائز و فائق کیا کہ وہ امم عالم کی شہید اور راہنما بن گئی. سرکار دو عالم ﷺ مسجد شریف کی صفائی کا خاص خیال فرماتے تھے اور نہ صرف یہ کہ اس کی صفائی کا باقائدہ بندوبست کیا جاتا تھا بلکہ مختلف طرز زندگی رکھنے والے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن میں سے بہت سے بھیڑ بکریاں چرا کر گزر اوقات کرتے تھے اور موسمی اثرات اور صحرائی گرد و غبار سے اٹے ہوتے تھے ان کو صفائی کی ترغیب دیتے تھے. رسول مقبول ﷺ نے طہارت و پاکیزگی کو جزو ایمان قرار دیا اور حکم فرما دیا کہ مسجد میں آؤ تو صاف ستھرے ہو کر آؤ. اصحابہ کرام

''السعیدہ'' طریقہ سے لگائی گئی اینٹیں

رضوان اللہ علیہم اجمعین بذات خود مسجد شریف کی صفائی کرتے تھے. چند روایتیں ایسی بھی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حبشی صحابیہ بھی مسجد شریف میں جھاڑو دیا کرتی تھیں.

ہمیں یہ ذہن میں رکھنا ہوگا کہ اس وقت اسلام بجلی کی سی سرعت کے ساتھ پھیل رہا تھا اور عرب کے کونے کونے سے لوگ جن میں بدو اور حضاری سب شامل تھے جتھوں کی صورت میں حلقہ بگوش اسلام ہو رہے تھے بعض تو شہری تمدن کی وجہ سے مہذب تھے مگر اکثر و بیشتر صحرا نورد اور بادیہ نشین تھے جن کو قبول اسلام سے قبل مسجد کے تقدس تک کا بھی پتہ نہ تھا اور نہ ہی وہ دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضری کے آداب سے واقف تھے. مگر جب وہ سب اسلام کی کٹھالی میں ڈھلے تو ایسے بن کر نکلے کہ مہذب دنیا کی نگاہیں بھی ان کو دیکھ کر خیرہ ہو گئیں. یہ انہیں حضرات کی جوق در جوق مدینہ طیبہ آمد تھی کہ سید الانبیاء والاتقیاء ﷺ کی عزت و توقیر کے لیے رب ذوالجلال کو احکام نازل کرنے پڑے تا کہ وہ بادیہ نشین انجانے میں بھی کہیں دربار رسالت مآب ﷺ میں گستاخی نہ کر بیٹھیں. ہمارا اشارہ سورۃ الحجرات کی ان آیات کی تنزیل کی طرف ہے جو کہ اس وقت نازل ہوئیں جب کچھ بادیہ نشینوں نے دوران گفتگو رسول مقبول ﷺ سے ایسے لہجے میں بات کی جو رب ذوالجلال والاکرام کو ناپسند گزرا اور ان کی سرزنش کی اور آئندہ کے لیے تنبیہ فرما دی کہ اس کے محبوب سے بات کرنے کا سلیقہ کیسا ہونا چاہئے. (۳۹) یہ آیت کریمہ جہاں زائر کو کاشانہ رسول مقبول ﷺ (یعنی حجرات مطہرہ) کی عزت و توقیر کی پابند کرتی ہے وہاں مسجد نبوی شریف کے احترام کو بھی واجب اور فرض کر دیتی ہے کہ یہ کاشانہ اطہر کا صحن مبارک ہی تو تھا اور مذکورہ واقعہ اسی صحن مسجد نبوی شریف میں ہوا تھا.

مسجد نبوی شریف سعودی توسیع سے پہلے (۱۹۰۵ء)

احادیث مبارکہ کے بحر ذخار سے ہمیں چند ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ کبھی کوئی نووارد اسلام مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوتا تو سوئے ادب وطیرہ کا مظاہرہ کر بیٹھا. ایسا شاذ و نادر ہی ہوا مگر منبع رشد و ہدایت اور رحمت مجسم ﷺ نے نہ صرف ان کو آداب مسجد سکھائے بلکہ دیگر موجودین کو ردعمل ظاہر کرنے سے بھی منع فرمایا تا کہ خلاف ورزی کرنے والے کی دل آزاری نہ ہونے پائے. مسجد شریف میں آنے اور وہاں ٹھہرنے کے آداب قرآن کریم (۴۰) اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ میں سکھائے گئے کیونکہ ابتداء میں چند ایسے واقعات ہو گئے تھے جن سے مسجد شریف کا تقدس مجروح ہوا تھا، مثلاً ایک بار ایسا بھی ہوا کہ ایک نووارد اس انداز سے مسجد نبوی میں داخل ہوا کہ اپنے ساتھ اپنی سواری (ناقہ) بھی لے آیا اور صحن مسجد میں اس کی ٹانگوں کو باندھ کر بٹھا دیا. (۴۱) لیکن اگر یہ بات ذہن میں رہے کہ اس وقت مسجد نبوی شریف صرف مسجد ہی نہیں تھی بلکہ ایک ہمہ جہتی جگہ تھی جہاں سماجی اور سیاسی اجتماعات بھی ہوتے تھے اور جہاں باہر سے آنے والے وفود بھی آتے تھے تو ان چند اکا دکا واقعات کو قابل اتباع نظیر نہیں سمجھا جا سکتا. ایسی ہی ایک اور مثال ایک ایسے بادیہ نشین کی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں مسجد شریف کے ایک کونے میں کھڑے ہو کر پیشاب کر دیا تھا. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کی طرف لپکے تا کہ اس کو اس سوئے ادبی سے منع کریں مگر شفیع المذنبین اور رحمت اللعالمین ﷺ نے ان کو منع فرما دیا کہ اس بے چارے کو فارغ تو ہو لینے دو. جونہی وہ بدو اصحابی فارغ ہوئے تو رسول رحمت ﷺ نے طہارت اور صفائی پر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس جگہ پر پانی کی بالٹی انڈیل دینے کا حکم فرما دیا. (۴۲) صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: [تمہیں اس لیے
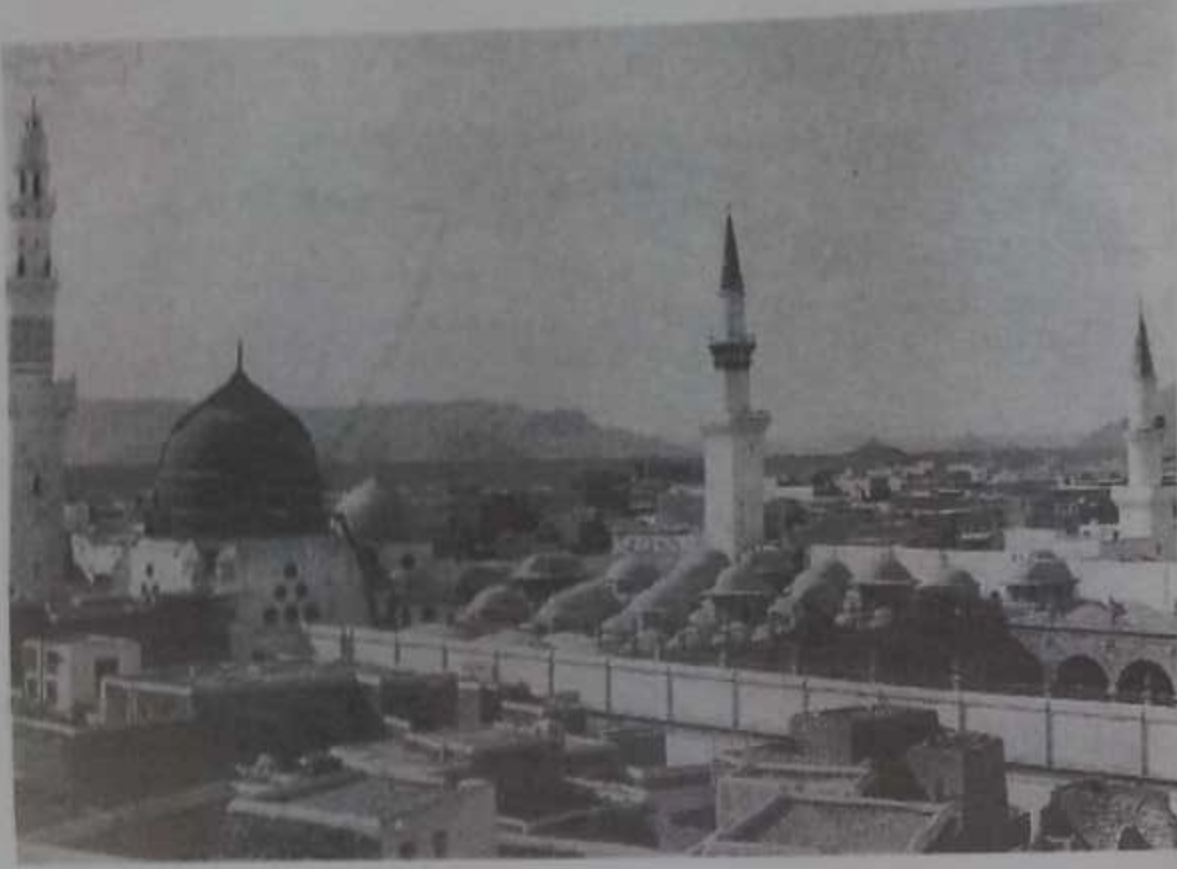
بھیجا گیا ہے کہ معاملات کو آسان بناؤ نہ کہ ان کو پیچیدہ بناڈالو.] (۴۳) سبحان اللہ امت کی تعلیم کا کیا اچھوتا انداز ہے کہ بے حرمتی کے مرتکب کی سرزنش کی بجائے اس کو اور دیگر حاضرین کو نہایت ہی پیارے انداز سے نہ صرف آداب مسجد سکھا دیئے بلکہ ساتھ ہی ساتھ دین کو پیچیدہ نہ بنانے کی تلقین بھی کر دی. چونکہ مسجد نبوی شریف کا دروازہ ہمہ وقت وا رہتا تھا اس لیے کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کہ اس میں کوئی پالتو جانور، مثلاً بلی وغیرہ، یا کوئی دوسرا جانور گھس جایا کرتا تھا مگر چونکہ اصحاب الصفہ میں سے کوئی نہ کوئی وہاں ہمہ وقت موجود ہوتا تھا تو وہ انہیں نکال باہر کرتے: دراصل مسجد کی صفائی اور دیکھ بھال زیادہ تر وہی اصحاب کیا کرتے تھے اور دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی رضا کارانہ طور پر اس کی صفائی کر دیتے. ان کے علاوہ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے ایک سیاہ فام حبشی یا حبشیہ بھی مسجد میں جاروب کشی کر دیا کرتے تھے. (۴۴)

سرکار دو عالم تاجدار مدینہ ﷺ مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے بنفس نفیس کام میں شرکت فرماتے

جب مسجد مصطفوی کی تعمیر شروع ہوئی تو سرور کونین نبی الحرمین ﷺ بھی عام آدمی کی طرح اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شانہ بشانہ اس کی اینٹیں اور گارا ڈھوتے رہے. (۴۵) ایک مرتبہ جب ایک جاں نثار رسول نے عرض کیا کہ وہ آپ حضور ﷺ کی جگہ اینٹیں اٹھائیں گے تو رسول امین ﷺ نے ارشاد فرمایا: [آپ بھی جایئے اور دوسری اینٹیں اٹھا لایئے اور مجھے ان اینٹوں کو اٹھانے دیجئے.] کبھی ایسا بھی ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دلجمعی کے لیے ایک آدھ شعر دوہرا دیتے جن میں سے دو کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے:

اے میرے رب آخرت سے بہتر کوئی زندگی نہیں — میں التجاء کرتا ہوں کہ تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے (۴۶)

اور

یہ بوجھ تو خیبر کے بوجھ (وہاں لوگ کھجوروں اور اناج کا بوجھ اٹھا کر لاتے تھے کہ ان کو مزدوری زیادہ ملے گی) سے بدرجہا بہتر ہے
کیونکہ یہ تو سراسر تقویٰ ہے اور اللہ رب العزت کے حضور اس کے انعامات کہیں زیادہ ہیں.

ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھوڑی دیر کے لیے ستا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ اس جگہ تشریف لے گئے جہاں اینٹیں تیار کی جا رہی تھیں اور وہاں اپنا بردہ شریف بچھا کر اس میں اینٹیں ڈالنی شروع کر دیں. جب شمع رسالت کے پروانوں نے دیکھا تو وہ اس طرف دوڑ کر چلے گئے اور سب نے ایسا ہی کرنا شروع کر دیا. تمام حضرات اس وقت یہ شعر گنگنانے لگ گئے:

افسوس ہے ہم پر کہ ہم بیٹھے آرام کر رہے ہیں جب کہ رسول اللہ ﷺ کام کر رہے ہیں
ہماری یہ کوتاہی یقیناً ایک برا فعل ہے. (۴۷)

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے: [ہم ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے مگر عمار بن یاسرؓ دو دو اینٹیں اٹھا کر لاتے. رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھا اور از راہ شفقت ان کے ماتھے سے گرد جھاڑتے ہوئے ارشاد فرمایا: [اے اللہ عمار پر رحمت فرمانا. وہ ان لوگوں (باغی گروہ کو) کو جنت کی طرف بلاتے رہیں گے مگر وہ ان کو نار جہنم کی طرف دعوت دیں گے.] حضرت عمارؓ نے کہا: اے اللہ میں فتنوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں.] (۴۸) ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسجد کی تعمیر میں مشغول تھے. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک ایک اینٹ اٹھا کر لاتے مگر عمار ابن یاسرؓ دو اینٹیں اٹھا کر لاتے. ایک اپنے حصے کی اور

دوسری حضور رسالت مآب ﷺ کے حصے کی. رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گئے اور ان کے جسم سے مٹی صاف کرتے ہوئے فرمایا: اے سمیہ کے بیٹے تمہارا انعام دوسروں کی نسبت دوگنا ہوگا. آخرت کی زندگی اس دنیاوی زندگی سے بدرجہا بہتر ہے، لیکن تمہیں باغیوں کا ایک گروہ قتل کردے گا.] (۴۹) جنگ صفین میں حضرت عمار ابن یاسرؓ نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ساتھ دیا اور حضرت معاویہؓ کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے: انہوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کو شہید کیا بلکہ آپ کا کٹا ہوا سر حضرت معاویہؓ کی خدمت میں دمشق روانہ کیا اور یوں صادق مصدوق رسول مقبول ﷺ کی پیش گوئی تیس سال کی اندر اندر پوری ہوگئی.

مسجد نبوی شریف کی عمارت انتہائی سادہ رکھنے کا پس منظر یہ نہیں تھا کہ مسلمان اور خاص طور پر انصار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عالی شان عمارت تعمیر کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے بلکہ یہ تو رسول امین ومبین ﷺ کا فرمان تھا کہ اسے انتہائی سادہ تعمیر کیا جائے. نبی اکرم ﷺ کے ایک اشارے پر سر بکفن نکل آنے والے جاں نثار تو صرف فرمان نبی ﷺ کے منتظر تھے. بھلا جو جانوں کا نذرانہ دینے کو ہمہ وقت تیار رہتے ان کے لیے مال کا نذرانہ چہ معنی دارد؟ چند انصار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو درحقیقت دربار رسالت مآب ﷺ میں رقم لے کر بھی آ گئے تھے تاکہ مسجد شریف کی تعمیر عظیم الشان عمارت کی شکل میں کی جائے، مگر رسول رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: [میں اس کو اسی طرح سادہ رکھنا چاہتا ہوں جیسا کہ میرے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) کا عریش (جھونپڑا) تھا. آپ حضور ﷺ نے فرمایا: عریش موسیٰ کچھ اس طرح تھا کہ جب وہ کھڑے ہوتے تو ان کا سر چھت سے ٹکرا جاتا. تاہم زندگی کا معاملہ تو اتنا ناپائیدار ہے کہ اس کے لیے اس طرح کی عمارت بھی ضروری نہیں.] (۵۰) جیسا کہ اقشبری نے بیان کیا ہے: جبریل امین علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: [یا محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ 'گھر' (اللہ کا گھر) بنائیں اور اس کی بنیادیں گارے اور پتھر سے استوار کریں.] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اے جبریل! اس کی اونچائی کتنی ہونی چاہیے؟] جبریل امین نے عرض کیا: [سات ہاتھ (یعنی ۷ ذرع).] بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے کہا تھا: [پانچ ذرع۔ یعنی پانچ ہاتھ]. (۵۱) اس طرح مسجد مصطفوی شریف کی اونچائی سات ذرع یعنی تقریباً ۳،۵ میٹر تھی۔ یعنی ۳،۵ ذرع زمین کے اندر بنیادیں تھیں اور اتنی ہی اس کی سطح زمین سے اونچائی تھی.

مسجد شریف اور دو حجرات مبارکہ کو بنانے میں تقریباً سات ماہ صرف ہوئے. دو حجرات مطہرہ بطور کاشانہ رسول مقبول ﷺ کے تعمیر کئے گئے جہاں آپ بمع اپنے اہل خانہ کے مقیم ہوئے. (۵۲) مسجد شریف کی تکمیل ماہ شوال یکم ہجری (اپریل ۶۲۳ء) میں ہوئی جب کہ مدینہ طیبہ میں گرمیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا. ابتدائی ایام میں مسجد شریف پر چھت نہیں ہوا کرتی تھی. حضرت عروہ بن زبیرؓ نے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے: [رسول اللہ ﷺ مسجد میں نماز عصر اس وقت ادا فرماتے جب کہ ابھی ہمارے حجرہ میں دھوپ موجود ہوا کرتی تھی.] (۵۳) اس حدیث مبارکہ کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ ابھی مسجد نبوی شریف صرف ایک چار دیواری کے احاطے کی شکل میں ہوا کرتی تھی اور سورج کی کرنیں ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے آستانہ جلیلہ میں چلی جایا کرتی تھیں. چونکہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ اس کاشانہ اقدس میں دلہن بن کر شوال ۲ ہجری کو تشریف لائی تھیں اس لیے اس سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مسجد شریف اس وقت تک غیر مسقف تھی. حضرت حسنؓ سے روایت ہے لوگ نماز کے وقت اپنی پگڑیوں اور عماموں پر سجدہ کر لیتے تھے اور (تپتی زمین اور دھوپ کی حدت سے بچنے کے لیے) اپنے ہاتھ اپنی آستینوں کے اندر رکھتے تھے. حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے اور ہم میں سے کچھ اپنے کپڑوں کے کونے مقام سجدہ پر کر لیتے تاکہ تپتی زمین کے حدت سے بچ سکیں. (۵۴) اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے: [میں نے نماز ظہر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی جس کے لیے فرش کے سنگریزے اپنے ہاتھوں میں رکھ لیے تھے تاکہ ان کی حدت کچھ کم ہو جائے اور میرے ہاتھوں میں سرد پڑ جائیں. پھر میں نے ان کو اپنے سامنے بچھا لیا تاکہ بوقت سجدہ ان پر اپنی جبین رکھ

سکوں. میں ایسا صرف گرمی کی شدت کی وجہ سے کرتا تھا.](۵۵)

زمین کی تپش کو کم کرنے کے لیے اس پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا جاتا تھا جس سے ایک طرف تو مٹی بیٹھ جاتی تھی اور دوسری طرف زمین کی حدت بھی کم ہو جاتی. اصحاب الصفہ کے ضمن میں ایسی بے شمار روایات ملتی ہیں کہ وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور کنوؤں سے پانی بھر بھر کر لاتے تھے جو کہ نہ صرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کی ضروریات پوری کرتا بلکہ بسا اوقات صحن مسجد مصطفوی میں چھڑکاؤ بھی کیا جاتا تھا لیکن گرمی تو گرمی ہی ہوتی ہے اور وہ کسی نہ کسی صورت میں اپنا رنگ دکھاتی ہے. لہذا جب رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ شمع رسالت کے پروانے گرمی کی شدت اور حدت سے بے چین ہیں تو رحمت اللعالمین وانیس الغریبین ﷺ نے حکم دیا کہ مسجد شریف کے کچھ حصے کو مسقف کر دیا جائے. حکم کی تعمیر ہوئی اور مسجد شریف کو جزوی طور پر مسقّف کر دیا گیا. حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے: [مسجد کی چھت کھجور کے تنوں پر استوار کی گئی جو اس کے لیے ستونوں کا کام کرتے تھے. جب شہ دوسراء اور خیر الوریٰ ﷺ خطبے کے لیے قیام فرماتے تو ان میں سے ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگا لیتے اور ایسا اس وقت تک رہا جب تک کہ سرکار دو عالم ﷺ کے لیے منبر نہیں بنایا گیا تھا جس کے بعد آپ حضور ﷺ نے اسے استعمال فرمانا شروع کر دیا......](۵۶)

ابن ضیاالمکی (ت: ۸۸۸ ہجری) نے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے ایک اور حدیث مبارکہ نقل کی ہے. جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ مسجد شریف کی دیواروں کی لمبائی میانہ درجہ کی تھی اور ان کی چوڑائی 'اینٹ کے اوپر اینٹ' یعنی ایک اینٹ کے برابر تھی جس کے لیے عرب میں مروجہ طریقہ تعمیر 'السمیط' استعمال ہوا تھا. جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگ گیا تو پھر دیواروں کو از سرِ نو 'ڈیڑھ اینٹ' کی طرز تعمیر پر بنا دیا گیا (جس سے اس کی چوڑائی ڈیڑھ گنا بڑھ گئی تھی). معمار اس طریقے کو 'السعیدہ' کہتے تھے. پھر انہوں نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا کہ اجازت مرحمت فرمائیں تا کہ مسجد شریف پر چھت ڈال دی جائے. یوں اذن رسول مقبول ﷺ مل جانے پر انہوں نے کھجور کے تنوں کے شہتیر اور ستون بنا کر چھت ڈال دی جس میں کھجور کے پتے، ٹہنیاں اور اذخر کی گھاس استعمال ہوئی تھی. تاہم جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے چھت پر لپائی کرنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے اتفاق نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ: [اے عریش موسیٰ (علیہ السلام) کی طرح ہی رہنے دیا جائے.](۵۷) حضرت جعفر الصادقؓ سے بھی روایت ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے مسجد پہلے السمیط کی طرز تعمیر پر بنوائی. تاہم جب فرزندان توحید کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو انہوں نے آپ حضور ﷺ سے عرض کیا کہ: [یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو کیا ہم مسجد شریف کو تھوڑا سا وسیع کر سکتے ہیں؟ آں حضرت ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی. پھر اس کی توسیع کر دی گئی اور اس کی تعمیر کے لیے 'نر اور مادہ' اینٹوں کو جوڑ کر اس کی دیواریں استوار کی گئیں. پھر جب انہیں گرمی کی حدت نے ستایا تو دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا: [یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو ہم اس پر سایہ (چھت) ڈال لیں. رسول رحمت ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی. کھجور کے تنوں کے ستون صحن مسجد شریف میں گاڑ دیئے گئے اور اسی کے شہتیر بنا کر ان پر کھجور کی ٹہنیاں اور پتے اور اذخر کی گھاس ڈال دی گئی. اس وقت ستونوں کی کل تعداد چھ ہوا کرتی تھی. وہ اسے اس وقت تک استعمال کرتے رہے جب تک کہ بارش کے پانی نے انہیں پریشان نہیں کیا. (بارشوں کے موسم میں) انہوں نے ایک بار پھر بارگار رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا کہ کیا چھت پر لپائی (پلستر) کر دی جائے جس کو رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عریش کی طرح ہی رہنے دیا جائے. اور پھر رسول اللہ ﷺ کے دم واپسیں تک مسجد شریف اسی حالت میں رہی.](۵۸) مسجد شریف کی چھت کی اونچائی صرف اتنی تھی کہ اگر کوئی میانہ قد کا آدمی کھڑا ہو کر ہاتھ اٹھاتا تو اس کی چھت کو چھو سکتا تھا.

بے خانماں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے مسجد شریف میں ایک کونے میں ایک جگہ مختص کر دی گئی تھی جہاں ایک طرح کا
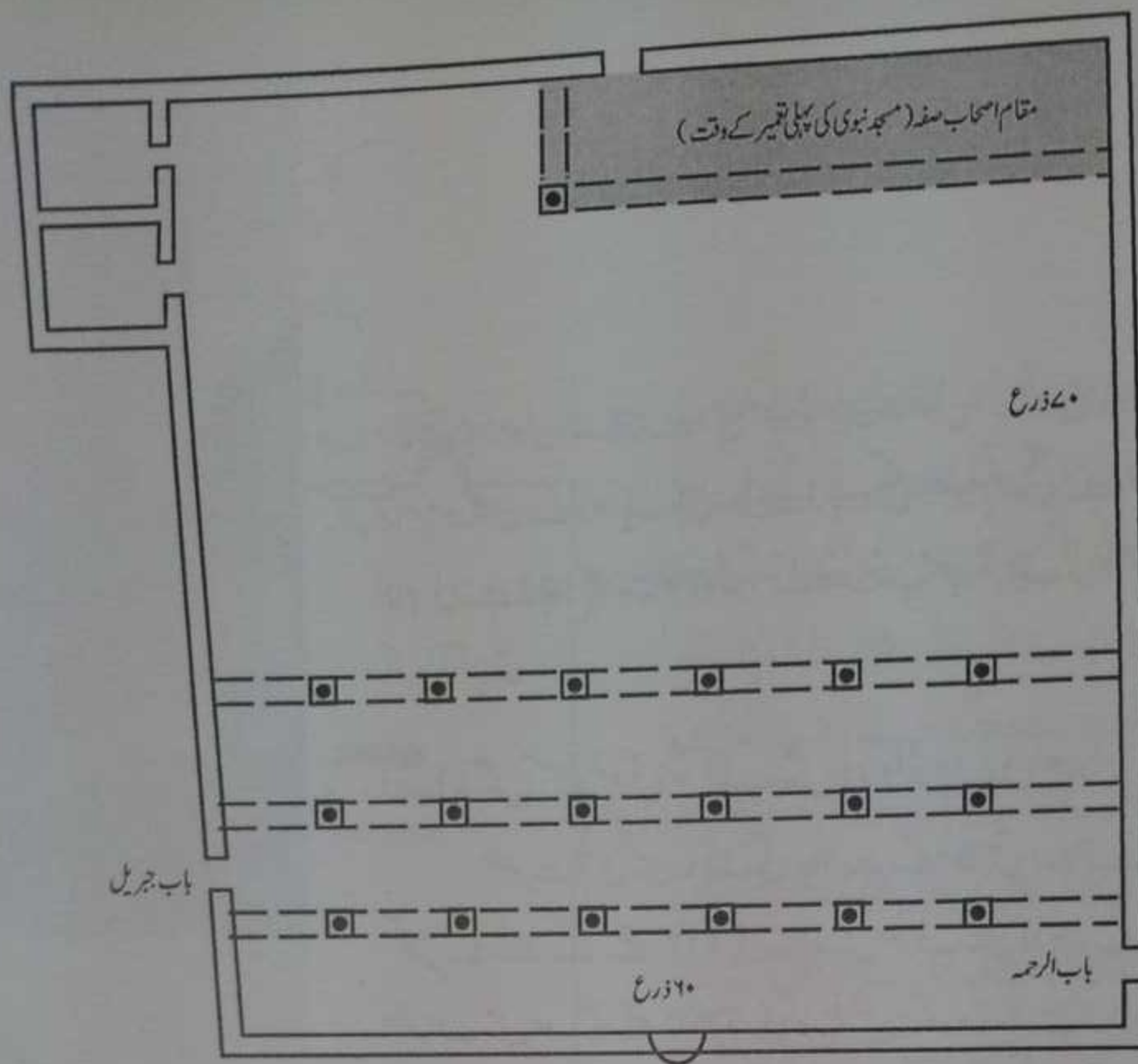
رسالت مآب ﷺ کے ہاتھ سے تعمیر شدہ
پہلی مسجد نبوی کا خاکہ

مقام اصحاب صفہ (مسجد نبوی کی پہلی تعمیر کے وقت)

۷۰ ذرع

باب جبریل

باب الرحمہ

۶۰ ذرع

ذرع = ہاتھ (انگلیوں سے کہنی تک)
۲ ہاتھ = ایک میٹر
کھجور کا ستون

چبوترہ بنا دیا گیا تھا جس کو 'الصفہ' کہا جاتا تھا. مسجد شریف کا باقی فرش اس سے نیچا مگر ہموار تھا جہاں مٹی کو کوٹ کوٹ کر اسے بٹھا دیا گیا تھا. روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ بڑے زور کی بارش ہوئی اور صحن مسجد پانی سے جل تھل ہوگیا. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین باہر سے سنگریزے اٹھا اٹھا کر لے آتے اور زمین پر بچھاتے گئے جس سے فرش سخت ہوگیا. رسول اللہ ﷺ نے اسے بہت پسند فرمایا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہر اصحابی اپنے دامن میں کنکریاں ڈالے اندر بچھا رہا تھا اور یوں تمام صحن سنگ ریزوں سے سخت بن گیا. [ہر ایک اپنے اپنے دامن کو سنگریزوں سے بھر رہا تھا اور جہاں اسے نماز پڑھنی مقصود تھی وہاں ان کو بچھا رہا تھا. جب رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھا تو تبسم فرمایا اور کہا: ''واہ کتنا خوبصورت ہے یہ فرش!'' (۵۹)

سنگریزوں سے بنا یہ فرش ہموار نہیں تھا جیسا کہ حضرت ابی جعفر القاریؒ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے: [میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو دیکھا کہ جب وہ سجدہ کے وقت سربسجود ہوتے تو اپنی جبین کے نیچے سے کنکریوں کو تھوڑا سا آگے پیچھے کر کے ہموار کر لیتے تھے.] (۶۰) یہی وجہ تھی کہ بعد میں نفیس قسم کے سنگریزے اور ریت ملا کر فرش پر ڈال دیے گئے تھے. سرخ ریت جو کہ شمالی جماء سے طغیانی میں بہہ کر آتی اور وادی العقیق کے العرصہ کے میدان میں جمع ہو جایا کرتی تھی لا کر مسجد نبوی شریف کے صحن میں بچھا دی گئی تھی. (۶۱) مگر سنگریزے تو سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور مبارکہ تک صحن میں موجود رہے اور جب وہ نماز ادا کروانے کے لیے کھڑے ہوتے تو وہ اپنی نعلین سے ان کو ہموار کر لیتے تھے. (۶۲) دیگر عمارتوں کی طرح مسجد نبوی شریف بھی موسمی حالات کی تابع تھی اور سردی، گرمی اور بارش کے اثرات سے محفوظ و مبرّا نہ تھی. حضرت عباس ابن سہل بن سعد بن مالک الخزرجیؓ سے مروی ہے: [سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور میں جب کہ میں پندرہ سال کا ہوا کرتا تھا سجدہ کے وقت لوگ اکثر اپنے ہاتھ اپنے کپڑوں پر رکھ لیا کرتے تھے تا کہ سردی اور گرمی سے بچا جا سکے.] (۶۳)

مسجد نبوی شریف کا ابتدائی رقبہ

مسجد نبوی شریف کے ابتدائی رقبے کے بارے میں مختلف اور متضاد روایات ہیں. بعض روایات کے مطابق یہ مربع شکل میں تھی جو طولاً اور عرضاً ۱۰۰ ذرع (یا اس سے قدرے کم) رقبے پر محیط تھی اور اس کی بلندی اتنی ہوا کرتی تھی کہ کھڑا آدمی اس کی چھت کو چھو سکتا تھا جو کہ کھجور کے تنوں سے بنے ستونوں پر استوار تھی. چھت میں کھجور کے پتوں (جرید) کو بن کر استعمال کیا گیا تھا جن میں اذخر کی خوشبودار گھاس ڈال دی گئی تھی. اور جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو چھت کی لپائی سے منع فرمایا تھا کیونکہ آپ حضور ﷺ اپنی مسجد کو عریش موسیٰ علیہ السلام کی طرح انتہائی سادہ رکھنا چاہتے تھے. حضرت خارجہ بن زید بن ثابتؓ کی روایت کے

مطابق: [رسول اللہ ﷺ نے اپنی مسجد شریف کا طول ۷۰ ذرع اور عرض ۶۰ ذرع یا تھوڑا زیادہ رکھا تھا.] (۶۴) تمام مورخین کے نزدیک یہی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ ابن نجار اور سمہودی وغیرہ نے رائے ظاہر کی ہے. (۶۵) البتہ غزوہ خیبر کے بعد جب مسجد شریف کی توسیع کی گئی تو اس کا رقبہ بڑھا کر ۱۰۰x۱۰۰ ذرع کر دیا گیا تھا.

ابتداء میں مسجد نبوی شریف میں دروازوں کی تعداد

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کے مطابق دروازے کی اطراف میں پتھروں سے بنے ستون کھڑے کئے گئے تھے. (۶۶) ابتداء میں صرف تین دروازے ہوا کرتے تھے جو کہ شرقی، غربی اور جنوبی اطراف میں ہوتے تھے. تاہم قاری کو یہ فرض نہ کر لینا چاہئے کہ ان دروازوں کے کوئی کواڑ ہوا کرتے تھے. دور رسالت مآب ﷺ میں مسجد شریف کے دروازے بالکل سادہ تھے اور ہمہ وقت کھلے رہتے تھے. بعض احادیث مبارکہ سے تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نو وارد اپنی سواری (مثلاً اونٹنی وغیرہ) سمیت اندر آ دھمکتے تھے.

شروع سے ہی شرقی جانب کے دروازے کو 'باب النبی' کہا جاتا تھا کیونکہ حضور سرکار دوعالم اسی دروازے سے تشریف لایا اور لے جایا کرتے تھے اور اسی طرف ہی زیادہ تر اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھر بنے ہوئے تھے. چونکہ ابتداء ہی سے نماز جنازہ ادا کرنے کے لیے جنازے بھی اسی جانب رکھے جاتے تھے، اسی نسبت سے بعض اوقات اسے 'باب الجنائز' بھی کہا جاتا تھا. پھر جب سیدنا عثمان بن عفانؓ کا گھر بھی اسی جانب بن گیا تو اسے باب عثمان یا باب آل عثمان بھی کہا جاتا رہا لیکن اس کے بعد اسے ہمیشہ باب جبریل علیہ السلام کے نام سے جانا جاتا رہا ہے. حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ اگر کوئی مسجد شریف کے اس دروازے سے باہر کی طرف جاتا تو سب سے پہلے اس کے دائیں جانب ساڑھے تین ذرع کا ایک چوڑا سا پتھر آتا تھا جس کو 'مقام جبریل' کہا جاتا تھا. اسی کے ایک حصے پر مسجد شریف کی ایک دیوار بھی آ چکی تھی. غزوہ خندق کے اختتام پر رسول اللہ ﷺ اسی پتھر پر کھڑے تھے جب کہ جبریل امین علیہ السلام نے آ کر غزوہ بنی قریضہ کے لیے روانگی کے لیے اللہ کا حکم پہنچایا تھا اور اسی نسبت سے اس دروازے کو باب جبریل کہا جانے لگا تھا.

اس دروازے کے بالکل سامنے مغربی جانب بھی ایک دروازہ تھا جس کو باب الرحمہ (رحمت کا دروازہ) کہا جاتا تھا. ابتداء میں جب جانب قبلہ بیت المقدس کی طرف (یعنی شمال میں یروشلم کی جانب) تھی تو رسول اللہ ﷺ کا مصلی ان دو دروازوں کے درمیان ہوا کرتا تھا. یعنی باب جبریل اور باب الرحمہ کے درمیان – اور جو کوئی بھی باب الرحمہ سے داخل ہوتا سیدھا رسول اللہ ﷺ کے مصلیٰ کے پاس آ جایا کرتا تھا. باب الرحمہ کی وجہ تسمیہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی اسی دروازے سے داخل ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جب کہ آپ حضور ﷺ مقام مصلیٰ پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے. چونکہ ان دنوں مدینہ طیبہ شدید خشک سالی اور قحط کا شکار تھا اس لیے اس صحابی نے دربار رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا کہ حضور

باب السلام (۱۹۰۱ء)

باب النساء (پہلی سعودی توسیع کے بعد)

مسجد نبوی شریف کے دروازے

یہ نقشہ 2005ء کی مسجد نبویہ شریف کے مطابق ہے

باب السلام
باب البقیع
باب ابوبکر صدیقؓ
باب الرحمہ
باب الہجرہ
باب جبرائیل
باب النساء
باب مکہ
باب بلالؓ
باب قباء
باب ملک عبدالعزیز
باب ملک سعود
قدیم باب عثمان بن عفانؓ (موجود ہے)
قدیم باب مجیدی (موجود ہے)
قدیم باب عمر بن خطابؓ (موجود ہے)
باب ابوذر غفاری
باب علی بن ابی طالبؓ
باب سلطان عبدالمجید
باب بدر
باب احد
جدید باب عثمان ابن عفانؓ
باب ملک فہد بن عبدالعزیز
جدید باب عمر بن خطابؓ
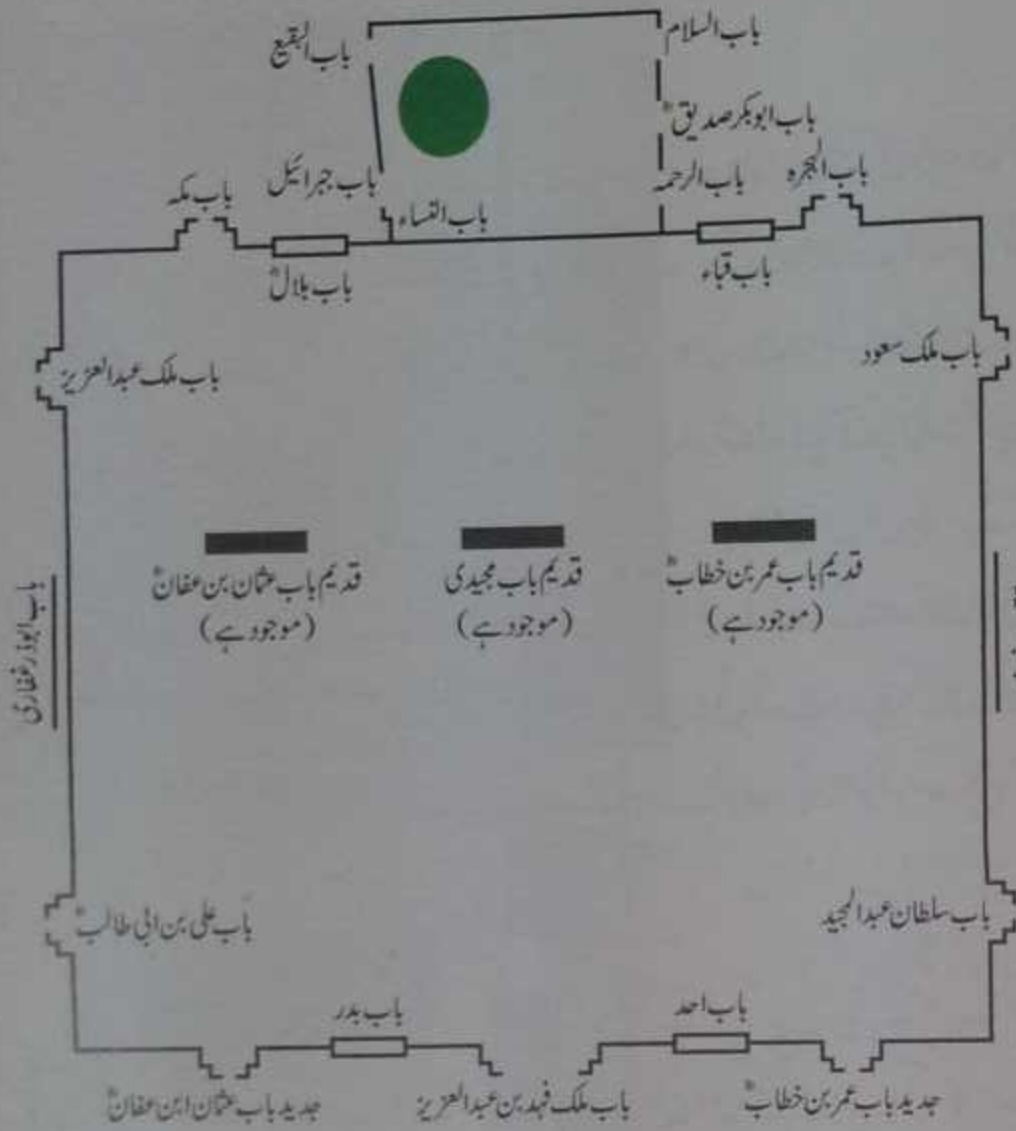
پرنور ﷺ باران رحمت کے لیے دعا فرمائیں. وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہوکر یوں گویا ہوئے: [یا رسول اللہ ﷺ ہمارے مویشی قحط سے مرنے لگے ہیں اور راستے منقطع ہو چکے ہیں؛ براہ کرم آپ دعا فرمائیں کہ اللہ کریم ہمیں بارش عطا فرمادے.] حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک دعا کے لیے اٹھائے اور اللہ رب العزت سے دعا گو ہوئے: [اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما.] حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم ہمیں اس سے پہلے آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑہ بھی نہیں نظر آیا تھا اور نہ دور دور تک اس کا کوئی نام ونشان تھا کیونکہ ہمارے اور جبل سلع کے درمیان کوئی گھر یا عمارت نہ تھی (جو ہماری نظروں اور بادلوں کے درمیان حائل ہوسکتی تھی) لیکن یکا یک ڈھال کی طرح ایک بہت ہی ضخیم اور گھنا بادل جبل سلع کی اوٹ سے نمودار ہوا. جب یہ ہمارے سروں پر پہنچا تو یہ پھیل گیا اور بارش شروع ہوگئی..... الخ] (۶۷) چونکہ وہ سائل اصحابی بارش کی درخواست کے لیے اسی مغربی دروازے سے مسجد شریف میں آیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی دعا مبارکہ پر باران رحمت کا نزول ہوا تھا، اسی نسبت سے اس دروازے کو باب الرحمہ (یعنی رحمت کا دروازہ) کہا جانے لگا. (۶۸)

اس حدیث مبارکہ کو بین السطور پڑھنے سے دو نکات واضح ہوتے ہیں: ایک یہ کہ اس وقت مسجد نبوی شریف کی مغربی جانب مکانات نہیں تھے یا بہت ہی کم تھے جس سے اندر بیٹھے اصحاب کو جبل سلع تک ہر چیز واضح نظر آجاتی تھی اور دوسرے یہ کہ مسجد شریف کی اس وقت تک کوئی چھت نہ تھی کیونکہ مسجد میں بیٹھے حضرات کھلے آسمان کو دیکھ رہے تھے. تاہم بعد میں آنے والے وقتوں میں اس طرف مکانات بننے شروع ہوگئے تھے اور باب الرحمہ کے سامنے بھی گھر بن گیا ہوگا جو کہ مختلف اصحاب کی ملکیت میں رہا ہوگا، جن میں ابتدائی مرحلوں میں وہاں واقع مکان ایک مہاجر مکی صحابیہ سیدۃ عاتکہ بنت زید بن عمروؓ کی ملکیت میں بھی کچھ عرصہ رہا جن کا تعلق قبیلہ عدی بن کعب سے تھا. (۶۹) ان صاحب ثروت صحابیہ کا معاشرہ میں ایک خاص مقام تھا جس کی وجہ سے باب الرحمہ کو بعد میں 'باب عاتکہ' بھی کہا جانے لگا تھا، لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اسے دوبارہ باب الرحمہ کہا جانے لگا اور آج تک یہ دروازہ اسی مبارک نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے. (۷۰)

ان ایام میں دو دروازوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے آستانہ مبارکہ تک رسائی کے لیے حجرات مبارکہ کی طرف دو دروازے رکھے گئے تھے جہاں شہنشاہ دوسراء ﷺ اپنی زوجہ مطہرہ ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہؓ اور صاحبزادیوں کے ساتھ رونق افروز تھے. ایسا ماہ شوال ۲ ہجری تک رہا جب کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ دلہن بن کر کاشانہ نبوت میں تشریف لائیں. لہذا ان کی نسبت سے حجرہ مبارکہ کے مدخل کو 'باب عائشہؓ' کہا جانے لگا. تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی شریف کے چاروں طرف مکانات تعمیر ہوگئے، خاص طور پر جنوبی اور مغربی جانب جن میں اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اقامت پذیر تھے اور قربت رسول مقبول علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التسلیم کے حصول کے لیے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے گھروں کے دروازے بھی مسجد نبوی شریف کے اندر کی طرف رکھ لیے تھے جو کہ صرف ان کے ذاتی استعمال کے لیے تھے نہ کہ گزرگاہ عام تھے. ایسے پرائیویٹ دروازوں کی صحیح تعداد تو جانی نہیں جاسکتی لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ احد سے ذرا پہلے رسول اللہ ﷺ نے حکم دے دیا تھا کہ ایسے ذاتی دروازے بند کردیئے جائیں سوائے دروازہ علی کرم اللہ وجہہ کے.

اس وقت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ مسجد شریف سے متصل گھر میں رہا کرتے تھے جو کہ انہیں بنی ہاشم کے دیگر افراد کے ساتھ دربار رسالت مآب ﷺ نے عطا کیا تھا. اس حکم سے متاثر ہونے والے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سیدنا حمزہؓ عم رسول مقبول ﷺ بھی تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ صرف سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا دروازہ ہی کیوں باقی رکھنے کی اجازت دی گئی ہے. رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ فیصلہ آپ حضور ﷺ کا اپنا نہیں بلکہ یہ تو حکم ربی ہے. اسی حکم کی تعمیل میں اس مرحلے پر سوائے حجرات مبارکہ کے دروازوں اور سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے دروازے کے باقی ماندہ تمام دروازے بند کردیئے گئے تھے. البتہ حجرات مبارکہ کے یہ دروازے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تک باقی رہے. اس مرحلے پر دروازوں کی بجائے صرف چھوٹے چھوٹے روزن دیوار جن کو خوخہ کہا جاتا تھا مسجد مبارکہ میں باقی رہنے دیئے گئے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی وفات سے چند دن پہلے حکم رسالت مآب ﷺ پر تمام خوخے بھی بند کردیئے گئے تھے سوائے خوخہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے جن کو رسول اللہ ﷺ نے خصوصی استثناء مرحمت فرمایا تھا. (۷۱)

مقام الصفہ

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے جب مسجد نبوی شریف بغیر چھت کے ہوا کرتی تھی، اس کے کچھ حصہ پر سایہ مہیا کرنے کی غرض سے ایک طرف چھت ڈال دی گئی تھی اور باقی کا حصہ کھلا چھوڑ دیا گیا تھا. حضرت یزید بن عبداللہ بن قسیطؓ سے مروی ہے: [اصحاب الصفہ ان اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے تھے جن کا اپنا گھر نہیں تھا اور وہ سرور کائنات ﷺ کے دور مبارکہ میں مسجد شریف میں ہی رہا کرتے تھے اور وہیں ان کے کھانے کا بندوبست کیا گیا تھا. ان کے لیے مسجد شریف کا ایک حصہ مسقف کردیا گیا تھا جس سے ان مساکین اصحابہ رسول مقبول ﷺ کو سائبان مل گیا تھا.] اس حصہ کو الصفہ کہا جاتا تھا.

مسجد مصطفوی میں اس مقام کی خصوصی اہمیت اور مسلم امت کی تدریب وتعلیم میں اس کے کردار کے پیش نظر ہم نے اس کے لیے ایک مکمل باب اس کتاب میں شامل کردیا ہے. لیکن چونکہ اس کی تعمیر بھی تقریبا اسی وقت ہی عمل میں آئی جب کہ مسجد نبوی شریف کی تعمیر ہورہی تھی، اس لیے ہم نے مناسب جانا کہ اس کا سرراہ ذکر اس باب میں بھی کردیا جائے تاکہ مضمون کا تسلسل برقرار رہے. یہاں صرف یہی کہنا کافی ہوگا کہ آج کا مقام الصفہ ۱۲x۸ میٹر کے رقبے پر محیط ہے جو سطح زمین سے تقریبا آدھ میٹر بلند ہے. اس کے اردگرد پیتل کی خوبصورت باڑ لگی ہے جو کہ مسلسل رنگ وروغن کی وجہ سے اپنی اصلی خوبصورتی سے تو محروم ہے مگر چونکہ مسجد شریف کے اندر ہر طرف وہی رنگ کردیا گیا ہے اس لیے اسی مناسبت سے اس کا حسن وجمال قائم ودائم ہے.

تحویل قبلہ

ہجرت کے بعد جب مسجد نبوی شریف کی تعمیر ہوئی تو اس وقت رخ قبلہ شام کی جانب بیت المقدس کی طرف تھا اور اسی وجہ سے مسجد نبوی میں جانب قبلہ بھی اسی طرف کھجور کے تنوں کو رکھ کر ظاہر کی گئی تھی جن کو پتھر کے ستونوں کے ساتھ مضبوط بنادیا گیا تھا. اس کے علاوہ جانب قبلہ کی دیوار بالکل سادہ سی دوسری دیواروں کی طرح تھی جس میں آگے کو بڑھی ہوئی محراب نام کی کوئی چیز نہیں تھی جیسا کہ آج کل ہم دیکھتے ہیں. پہلے سولہ یا سترہ ماہ رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس کی جانب نمازوں کی امامت فرمائی تھی. بیت المقدس چونکہ یہودیوں کا قبلہ تھا وہ اکثر طعنہ زنی کیا کرتے تھے کہ نماز تو ہمارے قبلہ کی جانب منہ کرکے پڑھتے ہیں مگر دین یہود کا اختیار نہیں کرتے. ویسے بھی رسول اللہ ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ رخ قبلہ جانب کعبہ ہوجائے (۷۳) اور اکثر دعا فرمایا کرتے تھے. ماہ رجب ۲ ہجری کے وسط میں جب آپ حضور ﷺ بنی سلمہ کے ہاں حرہ الغربیہ میں القاع کے علاقے میں گئے ہوئے تھے جہاں نماز ظہر کا وقت ہوگیا تو سرور دوعالم ﷺ نے اسی جگہ نماز کروائی. دوران

نماز ابھی پہلی دو رکعتیں ہی ادا ہوئی تھیں کہ وحی الٰہی کا نزول ہوگیا جس میں تحویل قبلہ کا حکم آ گیا. ﴿ہم تمہارا بار بار آسمان کی طرف منہ کرنا دیکھ رہے ہیں، پس ہم ضرور تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی جانب جس میں تمہاری خوشی ہے. ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو. اور وہ جنہیں کتاب ملی ہے ضرور جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کی حرکتوں سے غافل نہیں.﴾ (۷۴)

تحویل قبلہ کا یہ حکم ماہ رجب ۲ ہجری (جنوری ۶۲۴ء) (۷۵) کے وسط میں غزوہ بدر سے تقریباً دو ماہ پہلے نازل ہوا اور فوری طور پر نافذ العمل ہوگیا. (۷۶) اس وقت رسول اللہ ﷺ نماز ظہر ادا فرما رہے تھے. دوران نماز ہی رسول اللہ ﷺ نے اپنا رخ زیبا مکۃ المکرمہ میں بیت اللہ شریف کی جانب کرلیا اور آپ حضور ﷺ کے اتباع میں نمازی مرد اور خواتین نے بھی باقی کی نماز نئے قبلہ کی جانب مڑ کر ادا کی. خواتین چونکہ مرد حضرات کی پچھلی صفوں میں کھڑی ہوکر نماز ادا کرتی ہیں، اس لیے اس خاص نماز میں یہ ضروری ہوگیا کہ مرد خواتین کی جگہ لے لیں اور خواتین مردوں کی. وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس وقت سرور دو عالم ﷺ کے ہمراہ نہیں تھے جونہی ان کو تحویل قبلہ کا حکم پہنچا سب نے اپنا منہ قبلہ کی جانب پھیر لیا تھا. (۷۷) چونکہ تحویل قبلہ کا حکم اس وقت نازل ہوا تھا جب رسول مقبول ﷺ بنی سلمہ میں تھے اور اس نماز کو یہ انفرادیت حاصل تھی کہ اس ایک نماز میں رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے اتباع میں تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یکے بعد دیگرے دونوں قبلوں کی جانب رخ انور کیا تھا اس لیے اس جگہ پر جو مسجد تعمیر ہوئی اس کا نام ہی دو قبلوں والی مسجد (مسجد قبلتین) پڑ گیا.

اگرچہ پہلے مصلی نبوی کا تعین مشکل ہے جو کہ جانب بیت المقدس تھا، لیکن پھر بھی چند احادیث مبارکہ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کے لیے کافی ہیں. ایک ایسی روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے جن کا بیان ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ کا قبلہ شام کی جانب دیوار کے ساتھ ہوا کرتا تھا جہاں آپ حضور ﷺ نماز کی امامت فرماتے تھے. اگر آج کی مسجد میں آپ ستون مخلقہ کو اپنی پشت پر رکھ کر شام (شمال) کی جانب سیدھا چلیں کہ ستون مخلقہ آپ کے پیچھے ہو تو جب آپ اس مقام پر پہنچیں گے جہاں باب عثمانؓ (موجودہ باب جبریل) آپ کے دہنی جانب ہو تو آپ اس وقت کی مسجد کے صحن کے اندر ہوں گے. رسول اللہ ﷺ کا قبلہ (مصلی) اسی جگہ پر واقع تھا.] (۷۸) ابن زبالہ بھی جو کہ دوسری صدی ہجری کے مورخین کے سرخیل سمجھے جاتے ہیں اسی رائے کے حامل تھے. (۷۹)

تحویل قبلہ کے احکام کے بہت دور رس دینی، سماجی اور سیاسی اثرات مرتب ہوئے. ایک طرف تو کعبۃ المشرفہ کا قبلہ قرار پا جانے سے یہود کے ساتھ مشابہت ختم ہوگئی اور دوسری طرف ان کی مخاصمت زور پکڑ گئی جس نے دونوں امتوں میں واضح خط تفریق کھینچ دی. سماجی اور سیاسی طور پر مسلمانوں کا الگ اور منفرد تشخص مزید واضح ہوگیا. اس کے ساتھ ساتھ اس کا براہ راست اثر مدینہ طیبہ میں اس وقت موجود تمام مساجد میں تحدیث و ترمیم کی شکل میں پڑا. چونکہ تحویل قبلہ ۱۸۰ ڈگری کی تبدیلی تھی اس لیے مسجد نبوی شریف کی عمارت میں ترامیم

ناگزیر ہوگئیں. ماضی کی عقبی دیوار اب جانب قبلہ قرار دی جا چکی تھی اور سابقہ قبلہ اب پچھواڑے کی دیوار بن چکا تھا. ساتھ ہی ساتھ مقام الصفہ بھی بدلنا پڑا تھا جو کہ تبدیلی کی وجہ سے اب عقبی جانب بنانا پڑا تھا. ان تمام تبدیلیوں کے لیے وقت درکار تھا. مگر چونکہ تحویل قبلہ کا حکم نافذ العمل ہو چکا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے وقتی طور پر اس مقام پر نماز ادا کروائی (۸۰) جہاں کہ سیدۃ عائشہؓ کا ستون ہے. جانب قبلہ کا تعین جبریل امین نے اس طرح کروایا کہ اس وقت مسجد نبوی شریف اور کعبۃ المشرفہ کے درمیان واقع تمام مادی رکاوٹیں ہٹا کر عمارت کعبہ رسول اللہ ﷺ کی نظروں کے سامنے کر دی گئی یہاں تک کہ آقائے نامدار سرور دو عالم ﷺ کعبۃ المشرفہ کے پرنالے کا مشاہدہ فرما رہے تھے. اس طرح رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی جانب کا تعین فرمایا. (۸۱) اور ماضی کا قبلہ اب عقبی جانب کا دروازہ بن گیا تھا.
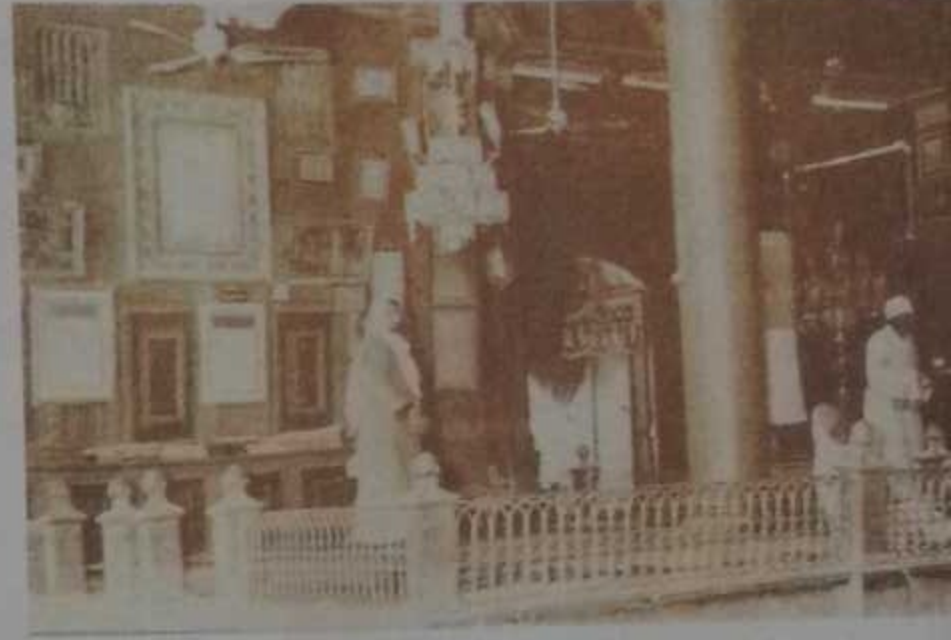
مقام اہل الصفہ

رسول اللہ ﷺ کا مصلی دیوار قبلہ سے ذرا پیچھے ہوا کرتا تھا. حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ کے مصلی مبارکہ اور قبلہ کی دیوار کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ ایک بھیڑ آگے سے گزر سکتی تھی.] (۸۲) قبلہ کی دیوار باقی دیواروں کی طرح سادہ ہوتی تھی سوائے اس کے کہ اس پر مقام قبلہ کو ظاہر کرنے کیلیے نشانات تھے. جیسا کہ صحیح بخاری میں روایت ہے اس جانب کو نمایاں کرنے کی غرض سے قبلہ رخ دونوں جانب پتھر کے ستون استوار کئے گئے تھے. (۸۳) لیکن آگے کی جانب بڑھی ہوئی محراب جو کہ آج کی مساجد کا جزو لاینفک ہے اس کا وجود رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ یا خلافت راشدہ کے دوران ہرگز نہ تھا. مسجد نبوی شریف میں پہلی بار محراب اس وقت بنائی گئی جب کہ ولید بن عبدالملک کے احکام کے تحت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد شریف کی تعمیر نو اور توسیع کی. محراب عربی کا لفظ ہے جس کا مطلب گھر میں بیٹھک یا مجلس میں وہ نمایاں اور متمیز جگہ جس کی سطح دوسری سطح ارضی سے ذرا بلند ہو. دوسرے ادیان اور عبادت گاہوں میں محراب کا تصور اور وجود ازمنہ قدیم سے چلا آرہا ہے، ادیان دیگر کے معبدوں میں دیوار کا وہ حصہ اس طریقہ سے بنایا جاتا تھا کہ وہ دیگر دیواروں سے متمیز ہوتا اور عموماً دیوار کو اس طرف سے محدب کر دیا جاتا تھا. قرآن کریم نے محراب کا لفظ چار مختلف جگہوں پر استعمال کیا ہے. (۸۴) محدب شکل کی آگے کی جانب بڑھی ہوئی موجودہ محراب کا وجود رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں نہ تھا اور نہ ہی خلفائے راشدین کے دور مبارکہ میں تھا. دمشق اور دیگر مقامات پر تاریخی مساجد کے مواقع پر (جو کہ خلافت راشدہ کے دور میں تعمیر ہوئی تھیں) آثار قدیمہ کی کھدائی کرنے پر یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچی ہے کہ وہ تمام مساجد جو ابتدائی تیس سالوں میں تعمیر ہوئی تھیں ان سب میں محراب کی شکل کا قبلہ نہیں تھا بلکہ ان مساجد میں عہد مصطفوی میں تعمیر شدہ مسجد نبوی شریف کی طرح پہچان کے لیے قبلہ کی جانب ستون پائے گئے. (۸۵) حتی کہ زیاد بن ابیہ نے بصرہ میں ۴۵ ہجری (۶۶۵ء) میں حضرت معاویہؓ کے دور حکومت میں جو مسجد تعمیر کروائی اس کے کھنڈرات اور آثار بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ محراب کے بغیر ہی بنی تھی. یہ تبدیلی اس وقت رونماء ہوئی جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں مسجد نبوی شریف کی توسیع اور تعمیر نو ہوئی مگر جب ایک بار مسجد مصطفوی میں محراب اس شکل میں استوار ہوگئی تو دیگر مساجد نے بھی اسی نظیر کو سامنے رکھا اور پھر جہاں جہاں اسلام کی روشنی پہنچی اور مساجد تعمیر ہوئیں وہاں مسجد و محراب کا چولی دامن کا رشتہ قائم ہوگیا. (۸۶)

ریاض الجنۃ

[جو میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے] فرمان رسول مقبول ﷺ (۸۷)

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں ایسے الفاظ ہیں: [وہ جگہ جو میری قبر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے

رسول اللہ ﷺ کا مصلی

ایک باغ ہے۔](۸۸) حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [جو میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان واقع ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر حوض کوثر پر واقع ہے۔](۸۹) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے: [میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ واقع ہے اور میرا منبر حوض کوثر پر واقع ہے۔](۹۰) ان احادیث مبارکہ میں صرف 'میرا گھر' اور 'میری قبر' کے الفاظ کا فرق ہے۔ الطبری کے مطابق ان دونوں احادیث میں کوئی تفاوت اور تضاد نہیں کیونکہ حضور سرور کائنات کی قبر اطہر بہر حال آپ حضور ﷺ کے گھر میں ہی تو واقع ہے؛ لہٰذا دونوں میں مطابقت تام ہے۔ یہ بقعہ نور نہ صرف مسجد نبوی میں بہت ہی مبارک جگہ ہے بلکہ تمام روئے زمیں پر یکتا اور منفرد مقام کا حامل ہے جس کی نظیر دنیا میں اور کہیں نہیں مل سکتی۔ نماز و نوافل ادا کرنے کے لیے اس جگہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ ہر زائر مسجد نبوی شریف پر بھی واجب ہے کہ وہ مسجد نبوی شریف میں اپنے قیام کے دوران اس بقعہ مبارکہ پر نوافل (اگر فرض نماز کا ادا کرنا وہاں ممکن نہ ہو) ضرور ادا کرے لیکن رش کی صورت میں اس بقعہ مبارکہ کا ادب ملحوظ خاطر ضرور رہے۔

کچھ علماء کرام نے ریاض الجنہ کے رقبہ کے بارے میں چند نکات اٹھائے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ یہ 'میرے گھر' یا 'میری قبر' اور 'میرے منبر' کے درمیان واقع ہے۔ ابن زبالہ وہ پہلے مورخ ہیں جنہوں نے حجرہ مطہرہ اور منبر شریف کے درمیان ناپ کر درمیانی فاصلے کا ذکر کیا ہے جو کہ ۳۵ ذرع (یعنی ۵۔۱۷ میٹر) تھا مگر چونکہ بعد کی توسیعات اور ترمیمات سے مسجد شریف کا کافی حصہ (خاص طور پر اسطوانہ سریر تک) مقصورہ شریفہ کے اندر آچکا ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ پیمائش اب صائب نہیں رہی کیونکہ وہاں تک دسترس ناممکن ہے۔ اس لیے علماء کرام کا اجماع اس بات پر ہے کہ وہ تمام حصہ جو کہ حجرہ مطہرہ کے مغربی جانب منبر شریف تک ہے ریاض الجنہ کا باقی ماندہ حصہ ہے جو نمازیوں کے لیے قابل دسترس ہے۔ لیکن یہ نقطہ نظر بھی مسئلے کا جزوی حل پیش کرتا ہے۔ شرقاً غرباً وہ حصہ ہے جو کہ حجرہ مبارکہ کی تعمیر کے بعد بچ سکا ہے۔ مگر شمالاً جنوباً اس کا تعین کیسے کیا جائے؟ اس معاملے میں بھی مذکورہ حدیث مبارکہ ہماری رہنمائی کے لیے کافی وشافی ہے۔ حدیث مبارکہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ 'جو بھی میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ ریاض الجنہ ہے'۔ اس حدیث مبارکہ کی رو سے بہت سے علماء کرام کی رائے ہے کہ آستانہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی شمالاً جنوباً تحدید کو رہنما مان لیا جائے اور اس سے ہی رقبہ کا تعین کر لیا جائے۔ تاہم سید سمہودیؒ کی طرح کچھ ایسے علماء کرام بھی ہیں جو کہ اس تمام حصہ کو جو منبر شریف سے شرقی جانب تھا جس پر رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں مسجد نبوی شریف ہوا کرتی تھی اور جو حجرہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے حجرہ مبارکہ تک چلا گیا تھا وہ

ریاض الجنۃ کا حسین منظر (منبر رسول مقبول ﷺ سے لے کر قبر اطہر تک پھیلا ہوا علاقہ) جو رشک جناں بقعۂ نور ہے

تمام رقبہ ریاض الجنہ ہی میں شمار کرتے ہیں. ریاض الجنۃ کا موجودہ رقبہ ۳۳۰ مربع میٹر (۲۲ میٹر x ۱۵ میٹر) ہے. یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اصل رقبہ اس سے کہیں زیادہ تھا مگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر پنجگوشہ سے لیکر موجودہ مقصورہ شریف کی عمارت میں اس کا بہت سا حصہ صرف ہوگیا ہے. اس مقام پر ان روایات کا ذکر بھی برمحل ہوگا جن کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالیشان ہے کہ: [میرے گھر سے لے کر مسجد المصلیٰ (مسجد الغمامہ) تک کا علاقہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے.] اس لیے اگر ازدحام کی وجہ سے کسی زائر کو ریاض الجنۃ میں جگہ نہ مل سکے تو اسے چاہئے کہ وہ باب السلام سے باہر اور مسجد الغمامہ تک کسی بھی جگہ نوافل ادا کرلے.

مسجد نبوی شریف میں اذان کا اجراء

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے: [جب مسلمان مدینہ طیبہ آئے تو وہ نماز کے لیے جمع ہوجایا کرتے تھے اور اس (اجتماع) کے لیے وقت کا تعین انفرادی طور پر ظن وتخمین سے کیا کرتے تھے کیونکہ ان دنوں ابھی اذان کا طریقہ رائج نہ ہوا تھا. ایک مرتبہ وہ نماز پر بلانے کے طریقہ کار پر گفتگو کر رہے تھے. کچھ نے تجویز دی کہ نصاریٰ کی طرح گھنٹی بجادی جائے جب کہ کچھ نے کہا کہ یہود کی طرح ناقوس بجایا جائے لیکن سیدنا عمر فاروقؓ پہلے ایسے فرد تھے جنہوں نے تجویز پیش کی کہ کیوں نہ ایک آدمی سب کو نماز کے لیے بلائے جس پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ کھڑے ہوکر نماز کے لیے اذان دیں.] (۹۱)

ابتداء میں مسجد نبوی شریف میں کوئی مینارہ یا مؤذنہ نہ تھا جہاں سے اذان دی جاتی. ایک اصحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربؓ نے ایک خواب دیکھا جس میں انہوں نے اذان کے الفاظ سنے. انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے خواب کا ذکر کیا اور سرکار دوعالم ﷺ نے انہیں وہ الفاظ سیدنا بلالؓ کو سکھانے کا حکم دیا. اذان کے الفاظ اور اس کے طریقہ کی منظوری کے بعد (۹۲) رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال بن رباحؓ کو فرمایا کہ وہ باآواز بلند اذان کہیں. چونکہ ان دنوں مسجد نبوی شریف پر چھت نہیں ہوا کرتی تھی اس لیے سیدنا بلالؓ قریب ہی واقع ایک مکان کی چھت پر چڑھ کر اذان دے دیا کرتے تھے. ابن اسحاق کے بیان کے مطابق حضرت عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بنی نجار کی

ایک خاتون سے سنا تھا کہ:[میرا گھر مسجد کے قریب کے علاقے میں سب سے اونچا تھا اور سیدنا بلالؓ روزانہ فجر کے وقت اس پر چڑھ کر اذان دیا کرتے تھے. آپ بہت جلد علی الصبح وہاں چھت پر آجایا کرتے تھے اور صبح صادق تک انتظار کرتے رہتے. پھر جب اذان کا وقت ہوجاتا تو وہ اپنے ہاتھ پھیلا کر دعا کرتے کہ:[اے اللہ تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں اور میں تم سے دعا کرتا ہوں کہ تو قریش کی مدد فرماتا کہ وہ تیرا دین قبول کرلیں.] میں نے کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ انہوں نے کسی رات بھی یہ الفاظ نہ کہے ہوں.] (۹۳) بعد میں وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مکان کی چھت پر چڑھ کر اذان دیا کرتے تھے. (۹۴)

یہی طریقہ خلفائے راشدین کے دور مبارکہ میں رہا اور کسی اور جگہ اذان کا بندوبست نہیں کیا گیا. تاہم جب ولید بن عبدالملک کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ گورنر مدینہ طیبہ بنے تو انہوں نے مسجد نبوی شریف کی توسیع اور تعمیر جدید کی. پہلی بار مسجد شریف کے چاروں کونوں میں بلند و بالا مینارے تعمیر کئے گئے اور یہ چاروں مینار مؤذنہ کا کام کرتے تھے. اس کے بعد ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک مدینہ طیبہ آیا. جنوب مغربی جانب کے مینارہ کی بلندی اتنی تھی کہ اس کا سایہ سلیمان پر پڑ رہا تھا جو کہ اس وقت مروان بن الحکم کے گھر میں محو استراحت تھا اور اس کے خیال میں یہ مینارہ بے پردگی کا موجب تھا. اس کے مزاج شاہی کو اتنی ٹھیس پہنچی کہ اس نے مینارہ مسجد نبوی شریف کو گرائے جانے کا حکم صادر کردیا. حکم کی تعمیل کی گئی اور یوں مسجد نبوی شریف اپنے جنوب مغربی مینارے سے محروم ہوگئی اور ایسا چھ صدیوں تک رہا جب کہ ۷۰۶ ہجری میں سلطان محمد بن قلاوون کے دور میں اس کی تعمیر نو ہوئی. (۹۵)

سیدنا بلال بن رباحؓ مسجد نبوی شریف کے مؤذن رئیسی تھے جب کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ ان کی نیابت کے فرائض انجام دیتے تھے. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے:[رسول اللہ ﷺ کے دو مؤذن ہوا کرتے تھے۔ سیدنا بلال بن رباحؓ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ. موخر الذکر نابینا تھے. (۹۶) تاہم جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا بلالؓ نے اذان دینے سے معذرت کرلی (۹۷) اور شام چلے گئے تھے تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے حضرت سعد بن عابدؓ کو طلب فرمایا جو حضرت عمار بن یاسرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اور رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں مسجد قباء کے موذن تھے. لہذا ان کو مسجد نبوی شریف کے مؤذن کے فرائض سونپے گئے. ان کے انتقال کے بعد ان کی اولاد نے نسل در نسل مؤذن کے فرائض انجام دیئے جو کہ حضرت امام مالکؒ کے دور تک رہے. (۹۸)

جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں سیدنا بلال بن رباحؓ بنی النجار کی ایک اصحابیہ کے مکان کی چھت سے اذان دیا کرتے تھے اور پھر بعد میں دار عبداللہ ابن عمرؓ کی چھت پر اذان دیا کرتے تھے. جس پر ایک تپائی قسم کا سٹول بنادیا گیا تھا جس کے ساتھ زینے ہوا کرتے تھے. اس کے بعد ماذن یا مؤذنہ مختلف جگہوں پر منتقل ہوتا رہا.

غزوہ خیبر کے بعد مسجد نبوی شریف کی توسیع

مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے بعد سوائے وقتاً فوقتاً مرمت یا تبدیلیوں کے پہلے چند سالوں میں اس میں کوئی توسیع نہ کی گئی. وہ تبدیلیاں بھی بدلتے ہوئے حالات کی وجہ سے ناگزیر ہوگئی تھیں: مثلاً تحویل قبلہ، یا چھت وغیرہ کی تعمیر جن کا تفصیلی ذکر ہم نے پہلے کیا ہے. تاہم جوں جوں وقت گزرتا گیا اور فرزندان توحید کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، مسجد شریف نمازیوں کے جم غفیر کے لیے ناکافی ثابت ہونے لگی. چنانچہ محرم ۷ ہجری (جون ۶۲۸ء) میں جب تاجدار مدینہ سرور قلب و سینہ علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التسلیم غزوہ خیبر سے فاتح و کامران لوٹے تو آپ حضور ﷺ نے اپنی مسجد کی توسیع اور تعمیر نو کا حکم دیا. اس بار بھی شہنشاہ دو عالم ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ شانہ بشانہ اپنی مسجد کی تعمیر میں عملی طور پر شریک ہوئے.

رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہی مسجد نبوی شریف کی دوسری بار تعمیر (غزوہ خیبر کے فوراً بعد) کا نقشہ

۱۰۰ ذرع
باب جبریل
باب الرحمہ
اصحاب الصفہ کا مقام اس جانب منتقل کیا گیا
۱۰۰ ذرع

ذرع = ہاتھ (انگلیوں سے کہنی تک)
۲ ہاتھ = ایک میٹر
کھجور کا ستون
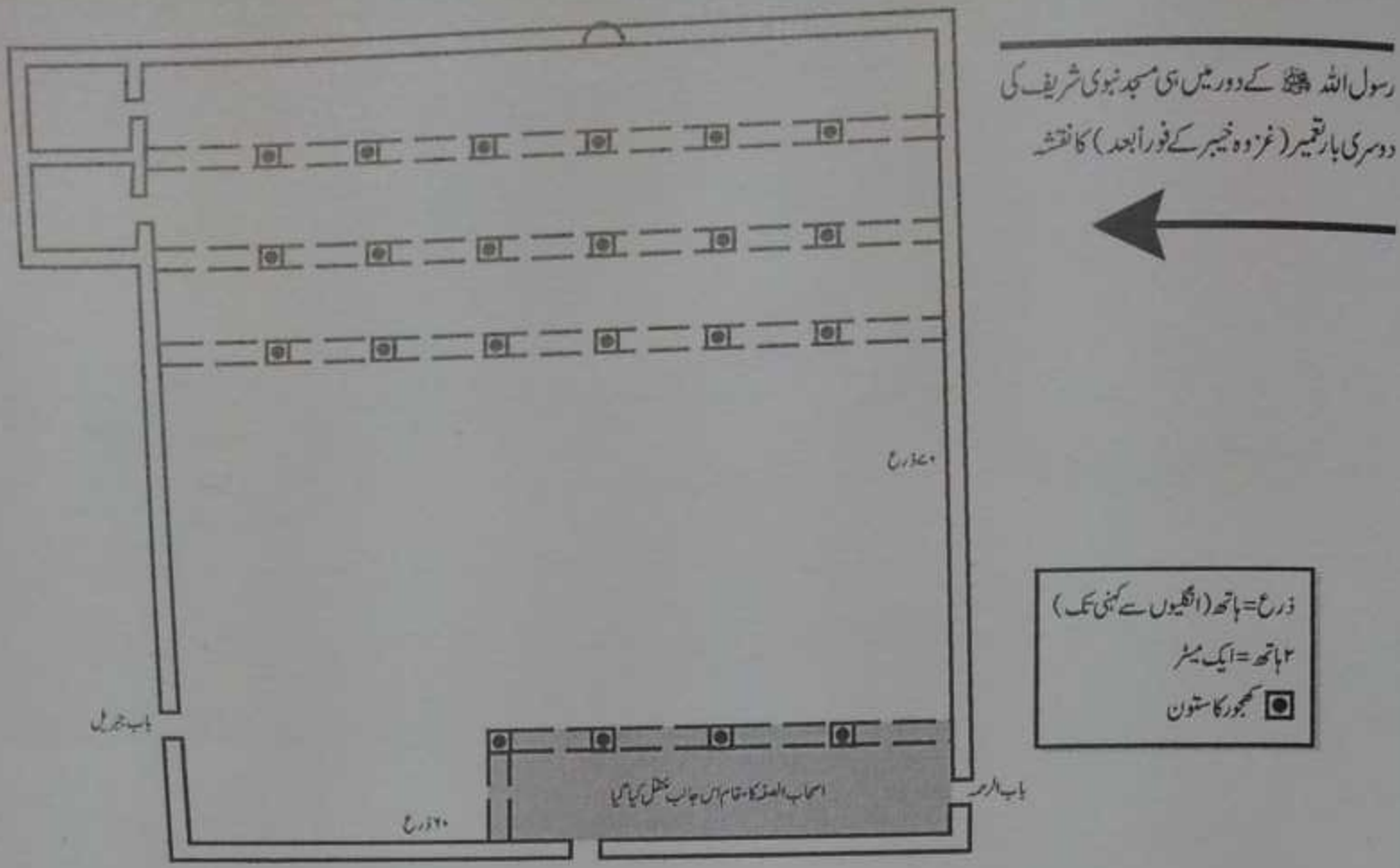
مسجد شریف کی توسیع جنوبی (یعنی جانب قبلہ) اور مشرقی جانب نہ کی گئی. زیادہ تر توسیع شمالی جانب ہوئی اور کچھ مغربی جانب بھی. شمالی جانب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چند گھر تھے جن سے شہ بطحاء ﷺ نے براہ راست گفت وشنید کی. اس جانب ایک انصاری صحابی کا گھر تھا جن کو اپنا مکان دینے میں کچھ پس وپیش تھا. ایسے میں سیدنا عثمان ابن عفان ؓ کا ایثار اور جود وکرم سامنے آیا اور انہوں نے اپنی جیب خاص سے ۱۰،۰۰۰ دینار دیکر وہ گھر خریدا اور حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں تحفتاً پیش کر دیا.(۹۹) اس طرح مسجد شریف کی توسیع زیادہ تر شمالی جانب اور کچھ مغربی جانب ممکن ہو سکی. اس توسیع کے بعد مسجد شریف کا کل رقبہ ۱۰۰x۱۰۰ ذرع پر محیط ہو گیا.(۱۰۰) تعمیر میں پہلے ہی کی طرح کا میٹیریل استعمال ہوا اور اس کی سادگی جوں کی توں برقرار رہی. فرق صرف اتنا تھا کہ ایک اینٹ کی دیوار (السمیط) کی جگہ اب کی بار ڈیڑھ اینٹ کو نر اور مادہ شکل (السعیدہ) میں لگا دیا گیا. فرش پہلے کی طرح مٹی کا ہی تھا جس پر سنگریزے بچھے تھے اور چھت بھی ویسے ہی کھجور کے پتوں کو بن کر اذخر کا گھاس پھوس ڈال کر بنائی گئی تھی جو کھجور کے تنوں پر استوار تھی جنہوں نے نہ صرف ستونوں کا کام دیا بلکہ شہتیر بھی انہیں سے بنائے گئے تھے. مسجد شریف میں پہلے صرف چھ ستون ہوا کرتے تھے مگر اب ان کی تعداد نو ہو گئی تھی۔ ہر روش میں تین تین ستون کھڑے کئے گئے تھے اور کل روشیں تین تھیں.

منبر رسول مقبول ﷺ

جب بھی سرکار دو عالم ﷺ کو خطبہ دینا ہوتا تو آپ حضور ﷺ اپنے مصلیٰ کے پاس کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگا لیتے تھے.(۱۰۱) پھر جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے محسوس کیا کہ زیادہ دیر کھڑا ہونا جسم اطہر پر شاق گزرتا تھا تو تجویز پیش کی گئی کہ حضور پرنور ﷺ کے لیے لکڑی کا ایک منبر بنا دیا جائے تاکہ آپ حضور اس پر تشریف رکھ سکیں. لہذا ایک منبر بنوایا گیا جو کہ شیشم کی لکڑی کا تھا جو الغابہ کے جنگل سے حاصل کی گئی تھی جو کہ مدینہ طیبہ کے شمال مغربی کونے پر واقع تھا.(۱۰۲) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ ایک کھجور کے تنے کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے.] (۱۰۳) حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے مروی ہے: [تین سیڑھیوں والے منبر رسول ﷺ کے لیے لکڑی الغابہ کے اس حصے سے لی گئی تھی جسے طرفہ (بعض کے نزدیک طرفہ لکڑی کا نام تھا) کہا جاتا ہے اور یہ کہ وہ خود لکڑیاں اٹھا کر لائے تھے اور پھر اس کو منبر رسول کی جگہ پر رکھ دیا گیا.] (۱۰۴) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت کے مطابق یہ حضرت تمیم الداریؓ تھے جنہوں نے منبر کی تجویز پیش کی تھی کیونکہ وہ فلسطینی تھے اور انہوں نے ایسے منبر وہاں دیکھے تھے. ایسا ہجرت مبارکہ کے آٹھویں سال میں ہوا تھا.(۱۰۵)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز لکڑی یا کھجور کے ایک تنے کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے. پھر ایک انصاری خاتون یا مرد نے تجویز پیش کی کہ: [یارسول اللہ ﷺ کیوں نہ آپ کے لیے ایک منبر بنا دیا جائے!] رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:[جیسے تمہاری مرضی!]پھر انہوں نے آپ حضور ﷺ کے لیے ایک منبر بنوایا اور جب جمعہ کا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ اس کی طرف جانے لگے۔اس پر وہ کھجور کا تنا ایک بچے کی طرح بلبلا اٹھا۔رسول مقبول ﷺ منبر شریف سے نیچے اتر آئے اور اس سے بغلگیر ہو گئے مگر یہ پھر بھی آہستہ آہستہ سسکیاں لیتا رہا جیسا کہ ایک بچہ خاموش ہوتے وقت کرتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:[یہ اس لیے رو رہا ہے کہ میں اس کے پاس کھڑا ہو کر علم دین کی باتیں کرتا تھا جو یہ سنا کرتا تھا۔](۱۰۶) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے:[میں بھی مسجد میں تھا جب کہ میں نے لکڑی کو زار و قطار روتے سنا جو ایسے بلبلا رہی تھی جیسا کہ ایک ناقہ دردزہ سے چلا رہی ہو۔یہ اس وقت تک بلبلاتی رہی جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے منبر شریف سے اتر کر اس کے پاس تشریف نہ لے آئے اور اس سے معانقہ نہ کیا۔پھر یہ خاموش ہو گئی۔](۱۰۷) حضرت جابر بن عبداللہؓ نے اس سلسلے میں بیان کیا ہے کہ:[مسجد شریف میں چھت کو سہارا دینے کے لیے ستون تھے جو کھجور کے تنے سے بنے تھے اور ان میں سے ایک کے ساتھ رسول مقبول ﷺ ٹیک لگا کر کھڑے ہوا کرتے تھے۔جب منبر تیار ہو گیا تو ہم نے کھجور کے اس تنے کے چیخنے کی آوازیں سنی جو ایسی تھی جیسا کہ ایک عاشق زار فراق میں نکالتا ہے۔](۱۰۸) اس ستون کے متعلق مزید تفاصیل اسی باب کے اس حصے میں فراہم کی گئی ہیں جن میں ستونوں کا ذکر ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کہا کرتے تھے کہ یہ صباح تھے جو کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے غلام تھے جنہوں نے منبر کو تیار کیا تھا۔ واقدی کے مطابق اس کے دو زینے تھے اور تیسرے زینے پر رسول اللہ ﷺ تشریف رکھا کرتے تھے۔(۱۰۹) ابن ابی زنادؒ (ت:۱۳۱ ہجری) کے مطابق:[رسول اللہ ﷺ منبر شریف پر تشریف رکھا کرتے تھے اور اپنے قدمین شریفین دوسرے زینے پر رکھا کرتے تھے۔جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ خلیفۃ الرسول اللہ ہوئے تو وہ دوسرے زینے پر بیٹھا کرتے تھے (جہاں سرکار دو عالم ﷺ اپنے قدمین شریفین رکھا کرتے تھے)۔جب سیدنا عمر ابن الخطابؓ امیر المومنین ہوئے تو وہ پہلے زینے پر بیٹھا کرتے تھے (جہاں سیدنا ابوبکر صدیقؓ تشریف رکھا کرتے تھے) اور اپنے قدمین مبارک زمین پر رکھ لیا کرتے تھے۔سیدنا عثمان بن عفانؓ اپنی خلافت کے پہلے چھ سال تک زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے جہاں پر سیدنا عمر فاروقؓ کے قدمین شریفین ہوا کرتے تھے۔تاہم ساتویں سال انہوں نے منبر شریف کے اس حصے پر بیٹھنا شروع کر دیا تھا جہاں رسول مقبول ﷺ تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔انہوں نے منبر شریف کو قبطی نفیس کپڑے سے غلاف بھی لگایا تھا۔](۱۱۰)

ابن زبالہ کے بیان کے مطابق جو کہ دوسری صدی ہجری کے نامور مورخ مدینہ طیبہ ہیں: منبر شریف کی اونچائی اڑھائی ذرع سے کچھ زیادہ تھی (تقریباً ۱۲۵ سنٹی میٹر)۔اس کے ہر زینے کی اونچائی ایک بالشت سے کچھ زیادہ تھی (تقریباً ۲۰۔۲۵ سنٹی میٹر) منبر شریف کی کرسی جس پر رسول اللہ ﷺ جلوہ فگن ہوا کرتے تھے ایک ذرع لمبی اور اتنی ہی چوڑی تھی (یعنی ۵۰ سنٹی میٹر × ۵۰ سنٹی میٹر)۔جب سرکار دو عالم اس پر تشریف فرما ہوتے تو منبر کے ان بازوؤں کو تھام لیتے تھے جو کہ منبر شریف کی دونوں جانب بنائے گئے تھے (جو کہ تقریباً آدھا ذرع بلند تھے (تقریباً ۲۵ سنٹی میٹر)۔(۱۱۱) اس کے تین زینے تھے (جن میں کرسی کا مقام بھی شامل تھا) اور لکڑی کی پانچ تختیاں لگا کر تین جانب سے اسے جوڑا گیا تھا۔(۱۱۲)

حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ نے ایک بار مروان بن الحکم (جو کہ ان دنوں مدینہ طیبہ کا گورنر تھا) کو فرمان جاری کیا کہ وہ منبر شریف کو مسجد نبوی شریف سے اٹھوا کر دمشق روانہ کر دے۔تاہم جب اس نے منبر نبوی کو ہٹانے کی جسارت کی تو شہر نبی مدینہ طیبہ میں کہرام مچ گیا۔اتنا شدید قسم کا سورج گرہن چڑھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا اور لوگ با آسانی سے دن کے وقت ستارے دیکھنے لگے۔لوگوں کی چیخ و پکار اور اس مظاہر قدرت کی شدت سے مروان ڈر گیا اور اسے اپنے لیے بُرا شگون سمجھا۔کھسیانہ ہو کر وہ لوگوں سے کہنے لگا کہ اس کا مقصد منبر شریف کو ہٹانے کا ہرگز نہ تھا بلکہ وہ تو اس کو مرمت اور اس کی اونچائی کو مزید بلند کرنا چاہتا تھا۔لہذا چار و ناچار اس کو منبر شریف میں مزید چھ زینے لگوا کر

رسالت مآب ﷺ کا منبر شریف

اس کے ارتفاع میں اضافہ کرنا پڑا اس طرح کل ملا کر زینوں کی تعداد (مع کرسی کے) نو ہوگئی. (۱۱۳) واقدی نے بیان کیا ہے کہ ۵۰ ہجری میں حضرت معاویہؓ نے چاہا کہ منبر شریف کو دمشق لے جایا جائے. جس دن اس سلسلے میں اقدام کئے گئے، شدید سورج گرہن نے آلیا اور خوفناک آندھی اور طوفان نے مدینہ طیبہ کو مکمل اندھیرے میں لے لیا یہاں تک کہ لوگوں کو دوپہر کے وقت تارے نظر آنے لگے. اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے مداخلت کی اور اسے اس ارادے سے باز رکھا.

ابن زبالہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے مروان کو حکم دیا تھا کہ منبر شریف کو دمشق لایا جائے لیکن جب اس نے اس کام کی ابتداء کی تو تمام شہر نبی اندھیرے میں ڈوب گیا سورج گہنا گیا اور شدید آندھی چلنے لگی. (۱۱۴) اس پر مستزاد یہ کہ لوگوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی. خوف زدہ ہو کر مروان نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور الٹا اسے اس کی مرمت کروانی پڑ گئی. اس نے ایک بڑھئی کو طلب کیا جس نے اس کی بلندی مزید چھ زینے لگا کر بڑھا دی. اس کے بعد پھر ایک مرتبہ بنوامیہ کے دل میں یہی خیال آیا اور عبدالملک اور ولید بن عبدالملک نے منبر شریف کو لے جانا چاہا مگر جلیل القدر تابعی حضرت سعید ابن المسیبؒ نے ان کو ایسا کرنے سے باز رکھا. (۱۱۵)

ابن زبالہ کے بیان کے مطابق مروان کے علاوہ کسی نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی، نہ ہی اس سے پہلے اور نہ ہی اس سے دو صدیاں بعد تک. مروان کی مرمت اور اضافے کے بعد منبر شریف کی کل اونچائی ۳،۵ ذرع (یعنی پونے دو میٹر) ہوگئی تھی. اس میں کل دس لکڑی کے ٹکڑے تھے جن کو میخوں سے جوڑا گیا تھا اور یہ مختلف جگہوں پر منبر کی مضبوطی کے لیے لگائے گئے تھے. عباسی دور میں (۱۶۱ ہجری) مہدی بن المنصور نے چاہا کہ منبر شریف کو اس کی اصلی حالت اور اونچائی پر لایا جائے اور اس کی تزئین جواہرات سے کردی جائے مگر امام مالک بن انسؒ نے اس کو ایسا کرنے سے منع فرما دیا.

تاہم وقت کے ساتھ اس میں جونہی کسی قسم کی شکست وریخت کا شائبہ ہوتا عباسی خلفاء میں سے جو بھی برسر اقتدار ہوتا وہ اس کی مرمت کروا دیتا اور ایسی مرمت سے اگر اصلی منبر شریف کی لکڑی کا کوئی ٹکڑا بچ جاتا تو بطور تبرک عباسی خلفاء اس سے اپنے لیے کنگھیاں بنوا لیتے. (۱۱۶) حسن بن زید کی مدینہ طیبہ پر گورنری کے دوران منبر شریف کے نیچے سنگ مرمر کا فرش بچھا دیا گیا. دراصل یہ سطح زمین سے کچھ اونچا سا سنگ مرمر کا حصہ تھا جس پر منبر شریف رکھا جاتا تھا. ابن جبیر نے ۵۸۰ ہجری میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی اور اپنے مشاہدات کو اپنے مشہور زمانہ سفرنامہ میں قلمبند کیا ہے. وہ رقمطراز ہیں کہ اس سنگ مرمر کے چبوترے کی اونچائی ڈیڑھ بالشت تھی (تقریباً ۳۶-۳۷ سنٹی میٹر). وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس سنگ مرمر کے حصے کو عرف عام میں ''حوض'' کہا جاتا تھا. (۱۱۷) بدقسمتی سے مسجد نبوی شریف ۶۵۴ ہجری میں آگ کی لپیٹ میں آگئی اور اس جانکاہ حادثے میں منبر شریف بھی جل کر تباہ ہوگیا. اس میں سے جو کچھ بھی بچا وہ محاصل حرم کے خزینے میں رکھ دیا گیا تھا. (۱۱۸)

یہ حادثہ اس وقت رونما ہوا جب کہ عباسی خلافت تاتاریوں کی یورش کا شکار ہوئی اور منگولوں نے آخری عباسی خلیفہ کو مار کر سلطنت عباسیہ کی بساط الٹ دی. مگر جونہی مسجد نبوی شریف کے اس جانکاہ حادثے کی خبر عالم اسلام کے دیگر حکمرانوں تک پہنچی تو ہر طرف

ایک کہرام مچ گیا۔ یمنی حاکم ملک المظفر شمس الدین نے اس تباہ شدہ منبر کی جگہ صندل کی لکڑی کا منبر بنوا کر روانہ کیا جو ۶۵۶ ہجری میں منبر شریف کی اصلی جگہ پر رکھ دیا گیا۔ یہ نیا منبر دس سال تک اس مقام پر رہا اور پھر ۶۶۶ ہجری میں مصر کے سلطان رکن الدین بیبارس بندقداری نے ایک نیا منبر بنوا کر ارسال کر دیا۔ اس کے بھی نو زینے تھے اور اس کی اونچائی ۴ ذرع (۲ میٹر) تھی۔ نچلے زینے پر خوبصورت دروازہ لگایا گیا تھا۔

المراغی کے مطابق بیبارس کا بنوایا ہوا منبر ۱۳۲ سال تک موجود رہا۔ پھر جب اس میں شکست و ریخت کے آثار نمایاں ہونے لگے تو مصری سلطان ظاہر برقوق آگے آئے اور انہوں نے ۷۹۷ ہجری میں ایک نیا منبر بنوا کر ارسال کیا۔ یہ نیا منبر بھی صرف ۲۴ سال رہا اور پھر سلطان مصر معید شیخ نے ایک نیا منبر روانہ کر دیا جو کہ ۸۲۲ ہجری میں اس مقام پر رکھا گیا۔ سید سمہودیؒ بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ یہ منبر سلطان مصر نے ہدیتاً پیش کیا تھا مگر اسے شام میں بنوایا گیا تھا۔ (۱۱۹) بدقسمتی سے وہ منبر بھی ۸۸۶ ہجری میں آتشیں حادثے کا شکار ہو گیا جب کہ بجلی گرنے سے مسجد نبوی شریف کا بہت سا حصہ تباہ ہوا تھا۔ اس کے بعد اہل مدینہ نے اس مقام پر اینٹوں کا منبر تعمیر کروا لیا۔

ایک روایت کے مطابق ہشام بن عروہؒ نے بیان کیا ہے کہ ان کے چچا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے منبر شریف پر قبطی کپڑے کا غلاف چڑھوایا تھا جو سیاہ رنگ کی ریشم کا بنا ہوا تھا اور اس پر سفید زمین پر خوبصورت انداز میں عربی خطاطی کی گئی تھی لیکن اس سے پہلے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے خلیفہ راشد ثالث سیدنا عثمان بن عفانؓ نے اصلی منبر رسول مقبول ﷺ پر قبطی کپڑے کا غلاف بھی چڑھایا تھا۔ بہر حال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد عباسی خلفاء ہر سال منبر کا مزین غلاف ارسال کرنے لگے لیکن فتنہ تاتار کے بعد یہ کام مصری سلاطین نے اپنے ذمہ لے لیا۔ وہ ہر سال غلاف کعبہ المشرفہ ارسال کرتے تو حجرہ مطہرہ کے لیے بھی کسوہ ارسال کرتے تھے مگر منبر شریف کے لیے غلاف ہر چھ سال کے بعد ارسال کرتے تھے۔ (۱۲۰) تاہم مجد الدین فیروز آبادی نے اس بیان میں اضافہ کیا ہے کہ منبر شریف کے لیے کسوہ (غلاف) ارسال کرنے کا عرصہ اکثر و بیشتر سیاسی حالات اور مشاکل کا تابع تھا جو کہ مصری سلاطین کو در پیش تھیں، مگر وہ بھی اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ عموماً ایسا ہر چھ یا سات سال بعد ہی کیا جاتا تھا۔

منبر شریف کے تقدس کا اندازہ اس حدیث مبارکہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر شریف کے قریب کسی جھوٹی قسم اٹھانے پر سخت وعید کی ہے۔ ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے کہ: [جس نے بھی میرے منبر کی دائیں جانب کھڑے ہو کر جھوٹی قسم اٹھائی خواہ وہ ایک مسواک کی خاطر ہی کیوں نہ ہو اس کو اپنا ٹھکانا جہنم کی آگ میں بنا ہوا ملے گا۔] السیوطی، جامع الاحادیث، ۶۰/۱۴۷ (نمبر ۲۰۵۶۸)۔ حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [میرا حوض کوثر ایلہ (یروشلم) سے یمن میں صنعاء تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں پینے کے جاموں کی تعداد آسمان کے ستاروں جتنی ہے۔]

ریاض الجنہ اور محراب سلیمانی (حنفیہ) کی ایک تصویر تزئین و آرائش کے بعد

محراب النبی اکی عقبی جانب کی تصویر جس پر قدیم رسم الخط میں عثمانی دور سے اس کی تاریخ کندہ کی گئی ہے چونکہ شاہ فہد نے اس کی مرمت اور تزئین کروائی تھی اس لیے اس کتابت کے آخر میں ان کا بھی نام لکھ دیا گیا ہے

تاریخ منبر نبوی شریف پر ایک طائرانہ نظر

(۱) یکم ہجری رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ سب سے پہلی جگہ جہاں سرکار دو عالم ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے وہ موجودہ منبر شریف کی سیدھ میں باب جبریل اور باب الرحمہ کے درمیان واقع تھی۔ اس وقت قبلہ بیت المقدس ہوا کرتا اس لیے مصلیٰ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جائے خطبہ اسی طرف تھی۔

(۲) ۲ ہجری تحویل قبلہ کے بعد مصلیٰ النبوی ﷺ اس مقام پر آ گیا جہاں آج کل ہے۔ اس وقت تاجدار مدینہ ﷺ کھجور کے ایک تنے کے قریب کھڑے ہو کر وعظ فرماتے اور خطبہ ارشاد فرماتے اور کبھی نزدیک واقع کھجور کے تنے سے ٹیک لگا لیتے تھے جسے 'الحنانہ' کہا جاتا تھا کیونکہ جب لکڑی سے بنا منبر شریف لایا گیا اور حضور پرنور ﷺ اس پر جلوہ افروز ہوئے تو فراق حبیب رب ذوالجلال ﷺ میں یہ کھجور کا تنا حاملہ اونٹنی کی طرح بلبلانے لگ گیا۔ اسی سبب سے اس کا نام 'جذعۃ الحنانہ' پڑ گیا۔ یہ اس جگہ پر تھا جہاں محراب النبی ﷺ کی پشت پر اب اسطوانہ مخلقہ ہے۔

(۳) ۸ ہجری الغابہ کے جنگلات میں طرفہ کے درختوں سے لکڑی لا کر رسول اللہ ﷺ کے لیے چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تین زینوں والا منبر شریف تیار کیا اور بروز جمعہ سرور کائنات اور سید المخلوقات ﷺ اس پر تشریف فرما ہوئے اور پھر تمام حیات طیبہ میں اس منبر شریف پر جلوہ افروز ہوتے رہے۔ یہی منبر شریف خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زیر استعمال رہا۔ خلیفہ راشد ثالث سیدنا عثمان بن عفانؓ نے سب سے پہلے اس پر قبطی کپڑے کا غلاف چڑھایا اور یوں تبرکات نبوی شریف پر تزئین کے لیے غلاف چڑھانے کی ابتداء خلیفہ راشد سیدنا عثمانؓ کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی۔ اس کے بعد اس پر غلاف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ڈلوایا تھا۔

(۴) ۵۰-۵۱ ہجری مروان بن الحکم نے منبر شریف کو دمشق منتقل کرنے کی سعی ناکام کی۔ پھر اس کی مرمت کروائی اور اس میں چھ زینوں کا اضافہ کر کے اس کی بلندی میں اضافہ کر دیا۔ مسعودی (ت: ۳۴۶ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ۵۰ ہجری میں حج کیا اور حکم دیا کہ منبر شریف کو دمشق منتقل کر دیا جائے۔ جب اسے مسجد نبوی شریف سے ہٹانے کی کوشش کی گئی تو سورج کو مکمل گرہن لگ گیا جس سے مدینہ طیبہ میں گھپ اندھیرا چھا گیا اور دن کے وقت تارے نظر آنے لگ گئے۔ یہ دیکھ کر مروان نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور اس کی مرمت کروانے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس وقت اس نے اس میں مزید چھ زینوں کا اضافہ کر کے اس کی بلندی بڑھا دی۔ (۱۲۱)

ایسا کب ہوا، اس کا تعین بہت مشکل ہے؛ کچھ مورخین کی رائے ہے کہ مروان نے ایسا اس وقت کیا ہوگا جب کہ وہ دوسری بار مدینہ طیبہ کا گورنر رہا (یعنی ۵۶-۵۹ ہجری کے دوران) کیونکہ اس وقت تک حضرت معاویہؓ کو حجاز پر مکمل کنٹرول حاصل ہو چکا تھا تاہم مسعودی کی طرح ابن اثیر کی رائے ہے کہ ایسا ۵۰ ہجری میں ہوا تھا اور یہی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

(۵) ۱۶۱ ہجری خلیفہ مہدی عباسی نے خواہش ظاہر کی کہ مروان نے جو منبر شریف میں اضافہ کر دیا تھا اسے ہٹا دیا جائے اور اسے مزین کر دیا جائے۔ جب امام مالک بن انسؓ سے رائے لی گئی تو انہوں نے اسے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ اصلی منبر شریف کی لکڑی بہت پرانی ہو چکی ہے اور نئے سرے سے کیل لگانے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ (طبری: ۸-۱۳۳)

(۶) ۱۹۸ ہجری — وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ منبر شریف کے کچھ حصے شکست و ریخت کا شکار ہونے لگ گئے اور تین میں سے دو لکڑی کے ٹکڑے جنہوں نے اسے مضبوطی دے رکھی تھی بوسیدہ ہو گئے۔ لہذا داؤد بن عیسیٰ نے جو اس وقت مدینہ طیبہ کا عباسی گورنر تھا اس کی مرمت کروائی۔

(۷) ۵۸۰ ہجری — ابن جبیر مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور اپنی سفری یادداشتوں کے مجموعے میں لکھتے ہیں:
''منبر شریف ایک قد آدم کی بلندی کا حامل ہے، پانچ بالشت چوڑا ہے اور پانچ ذرع اونچا ہے اور اس کے کل آٹھ زینے ہیں۔ اس کا دروازہ جالی دار ہے جو ساڑھے چار بالشت عریض ہے۔ سوائے جمعۃ المبارک کے باقی کے دنوں میں یہ مقفل رہتا ہے۔ منبر مبارک کو اوپر سے آبنوس کی لکڑی کی لوح سے اس طرح سے ڈھانپا گیا ہے کہ وہ کرسی مبارکہ یا وہ مقام جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوا کرتے تھے وہ نظر تو آ سکتی ہے مگر کوئی اس مقام پر بیٹھنے کی گستاخی نہیں کر سکتا۔ لوگ اس فراغ سے جو آبنوس کی لکڑی اور اس کرسی مبارکہ کے درمیان رکھا گیا ہے حصول برکت کے لیے اس کو اپنے ہاتھوں سے استلام کرتے ہیں۔ منبر شریف کی چوٹی پر جہاں امام صاحب اپنا ہاتھ رکھتے ہیں ایک خالی چاندی کا حلقہ سا بنا ہوا ہے جیسا کہ درزی کپڑا سیتے وقت اپنی انگلی پر چڑھا لیتے ہیں۔ یہ اسی طرح کا ہے مگر سائز میں کافی بڑا اور کھلا ہے اور اس جگہ پر ہے جہاں امام صاحب اپنا ہاتھ رکھتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب رسول مقبول ﷺ وہاں تشریف فرما ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو حسنین کریمین اس کے ساتھ کھلونے کی طرح کھیلا کرتے تھے۔'' (۱۲۲)
ابن جبیر کی مہیا کی ہوئی تفاصیل ہی آخری اور حتمی سمجھی جاتی ہیں کیونکہ اس کے کچھ عرصہ بعد منبر شریف آگ لگنے سے جل کر تباہ ہو گیا تھا اور دیگر کسی اور مورخ یا زائر نے اپنے سفرنامے میں کبھی اتنی تفاصیل نہیں دیں۔

(۸) ۶۵۴ ہجری — مسجد نبوی شریف میں اچانک موم بتیوں کے سٹور سے آگ بھڑک اٹھی جس نے نہ صرف مسجد شریف کا بہت سا حصہ تباہ کر دیا بلکہ منبر رسول ﷺ کو بھی جلا کر خاکستر کر دیا۔ تاتاریوں نے عباسیوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ لہذا وہ متبادل منبر شریف کا انتظام نہ کر سکے۔ دو سال تک اہل مدینہ نے عارضی انتظام کے تحت خطبہ کا بندوبست کئے رکھا۔

(۹) ۶۵۶ ہجری — یمن کے شاہ شمس الدین المظفر نے لکڑی سے بنا ایک خوبصورت منبر بنوا کر ارسال کیا اس کی کرسی کے ہاتھ رکھنے والے حصے صندل کی لکڑی کے تھے۔ یہ یمن میں بنایا گیا تھا لہذا اس کو مدینہ طیبہ منتقل کرنے کے لیے خصوصی انتظامات کرنے پڑے تھے۔

(۱۰) ۶۶۶ ہجری — مصر کے شاہ رکن الدین بیبارس بندقداری نے ایک نیا منبر بنوا کر ارسال کیا۔ بشمول کرسی اس کے سات زینے ہوا کرتے تھے اور ایک خوبصورت لکڑی کا دروازہ تھا جس کے ہینڈل چاندی کے تھے۔

(۱۱) ۷۹۷ ہجری — مصر سے سلطان برقوق نے ایک نیا منبر بنوا کر بھیجا تاکہ پرانا منبر جو کہ بقول مطری دیمک زدہ ہو چکا تھا بدل دیا جائے۔

(۱۲) ۸۲۲ ہجری — مصر سے المعید نے ایک اور منبر بنوا کر بھیجا۔ یہ شام میں تیار ہوا تھا اور وہاں سے خصوصی محملوں کے ذریعے اسے مدینہ طیبہ لایا گیا تھا۔

(۱۳) ۸۸۶ ہجری — معید کا بھیجا ہوا منبر اس حادثاتی آگ کی نذر ہو گیا جو کہ بجلی گرنے کے سبب مسجد نبوی شریف میں بھڑک اٹھی تھی۔

(۱۴) ۸۸۶ ہجری — اہل مدینہ نے پکی اینٹوں سے ایک منبر بنا کر اس مقام پر نصب کروایا جو صرف دو سال تک زیر استعمال رہا۔

(۱۵) ۸۸۸ ہجری — مصری سلطان قیتبائی نے سفید سنگ مرمر سے بنا عالیشان منبر بنوا کر بھیجا۔ یہ تقریباً سو سال تک زیر استعمال رہا۔ یہ منبر

شریف آج بھی اچھی حالت میں موجود ہے اور مسجد قباء میں امام صاحب کے زیر استعمال ہے.

(۱۶) ۹۹۹ہجری عثمانی سلطان مراد خان نے ایک نیا منبر بنوا کر ارسال کیا. یہ ترکی کاریگروں کا شاہکار ہے اور آج بھی یہی منبر مسجد نبوی شریف میں زیر استعمال ہے.

(۱۷) ۱۴۰۳ہجری ۱۳۹۳ہجری میں سعودی حکومت نے اس کی تزئین و آرائش کی. سلطان مراد کے بنائے ہوئے منبر شریف کو خادم الحرمین شاہ فہد کے دور حکومت میں مسجد نبوی شریف میں توسیع کے وقت مرمت کیا گیا. سعودی حکومت نے ۱۴۰۳ہجری میں اس پر سونے کی تلمیع کروادی اور اس کا دروازہ نئے سرے سے لگوادیا.

جذعة الحنانہ (یعنی کھجور کے تنے) کی فراق نبوی میں آہ وزاری

حضرت سہل الساعدیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین میں سے ایک خاتون کو بلا بھیجا جن کا ایک غلام بڑھئی کا کام کرتا تھا. رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [اپنے غلام سے کہو کہ وہ لکڑی کے ٹکڑوں سے منبر تیار کرے.] لہذا ان خاتون نے اپنے غلام کو بھیجا کہ وہ الغابہ سے شیشم کی لکڑی کاٹ کر لائے اور پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کے لئے منبر تیار کیا. جب اس نے اسے تیار کرلیا تو ان خاتون نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع کردی. رسول اللہ ﷺ نے انہیں وہ منبر بھیجنے کا فرمایا اور وہ اسے لے کر آئے. رسول اللہ ﷺ نے اسے اٹھایا اور اسے اس جگہ پر رکھ دیا جہاں کہ آپ آج اسے دیکھ رہے ہیں.] (۱۲۴)

حضرت ابو حازم بن دینارؒ سے مروی ہے: [کچھ لوگ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ لوگوں میں منبر شریف کی لکڑی کے متعلق مختلف آراء ہیں. لہذا انہوں نے حضرت سہل بن سعدؓ سے صحیح صورت حال پوچھی. انہوں نے جواب دیا: [اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ کونسی لکڑی منبر شریف کے لئے استعمال ہوئی تھی اور بلاشک میں نے اسے اس دن دیکھا جب کہ رسول اللہ ﷺ پہلے دن اس پر تشریف فرما ہوئے تھے. رسول اللہ ﷺ نے فلاں انصاری خاتون کو بلا بھیجا (حضرت سہل نے ان خاتون کا نام بھی بتایا) اور فرمایا: [اپنے غلام سے کہو کہ میرے لئے لکڑی کے ٹکڑوں کو جوڑ کر منبر بنادے تاکہ میں بوقت خطبہ اس پر بیٹھ سکوں.] اس پر اس خاتون نے اپنے غلام سے کہا کہ وہ اسے بنادے اور اس غلام نے اسے الغابہ سے شیشم (Tamarisk) کی لکڑی لاکر بنادیا. ان خاتون نے اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارسال کردیا اور آپ حضور ﷺ نے اسے اس جگہ پر رکھنے کا حکم دیا. پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر نماز ادا فرمائی اور میں نے آپ حضور ﷺ کو اس پر رکوع کرتے دیکھا. پھر آپ حضور ﷺ نیچے اتر آئے اور منبر کے پایوں کے قریب سجدہ کیا اور پھر اس پر تشریف لے گئے. نماز ختم کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: [میں نے یہ اس لئے کیا ہے تاکہ تم دیکھو اور سیکھ سکو کہ میں کس طرح نماز ادا کرتا ہوں.] (۱۲۵)

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے: [ایک انصاری خاتون نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: [یارسول اللہ ﷺ کیوں نہ آپ کے لئے ایک منبر بنادیا جائے!] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جیسے تمہاری مرضی!] پھر انہوں نے آپ حضور ﷺ کے لئے ایک منبر بنوایا اور جب جمعہ کا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ اس کی طرف جانے لگے. اس پر وہ کھجور کا تنا ایک بچے کی طرح بلبلا اٹھا اور ایسے لگ رہا تھا کو وہ درد فراق سے شق ہوجائے گا. رسول مقبول ﷺ منبر شریف سے نیچے اتر آئے اور اس سے بغلگیر ہوگئے مگر یہ پھر بھی آہستہ آہستہ سسکیاں لیتا رہا جیسے کہ ایک بچہ خاموش ہوتے وقت کرتا ہے. رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [یہ اسلئے رو رہا ہے کہ میں اس کے پاس کھڑا ہو کر علم دین کی باتیں کرتا تھا جو یہ سنا کرتا تھا.] (۱۲۶)

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے سنا کہ: [مسجد (نبوی) کی چھت کھجور کے تنوں سے بنے

ستونوں سے بنائی گئی تھی. جب بھی رسول اللہ ﷺ کو خطبہ ارشاد فرمانا ہوتا آپ حضور ﷺ ان میں سے ایک کے پاس کھڑے ہو جاتے اور ایسا اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ آپ حضور ﷺ کے لئے منبر تیار نہ ہوا اور اس کے بعد وہی سرکار رسالت مآب ﷺ کے زیر استعمال رہا. پھر ہم نے کھجور کے اس تنے سے ایسی آوازیں سنیں جیسے کہ وہ حاملہ ناقہ ہو. پھر رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس پر پھیرا اور پھر یہ خاموش ہو گئی.] (۱۲۷) مشہور تابعی حضرت حسن البصریؒ نے فرمایا: [مجھے علم ہے کہ وہاں سوکھے ہوئے کھجور کے تنے تھے. جمعہ کے ایام میں رسول اللہ ﷺ ان میں سے ایک کے پاس کھڑے ہو کر یا ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے. کبھی بھی آپ حضور ﷺ نے اس تنے کی جانب رخ اقدس کر کے نماز نہیں ادا کی. جب آپ حضور ﷺ کے لیے منبر بن کر آ گیا اور آپ حضور ﷺ اس پر جلوہ افروز ہو گئے تو سوکھا ہوا تنا ایسے زار و قطار رونے لگ گیا جیسے کہ ایک ناقہ ہو. پھر رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اس پر اپنا دست شفقت پھیرا حتی کہ وہ خاموش ہو گیا.] (۱۲۸) جب رسول اللہ ﷺ نے اس کھجور کے تنے سے ٹیک لگانی چھوڑ دی تو اسے بہت رنج ہوا اور آپ حضور ﷺ کے فراق میں ایسے بلبلا اٹھا جیسے کہ ایک اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے لیے چیخنے لگ جائے. اس پر رسول اللہ ﷺ اپنے منبر شریف سے نیچے تشریف لائے اور اس کو تھپکیاں دیں یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گیا. حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ بوقت خطبہ کھجور کے تنے کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے مگر جب منبر بن گیا اور آپ اس پر تشریف لے گئے تو ہم نے اس کھجور کے تنے کو اس ناقہ کی طرح بلبلاتے سنا جو کہ حاملہ ہو. پھر رسول مقبول ﷺ منبر سے

نیچے تشریف لے آئے اور اپنے دست مبارک اس پر رکھ دیئے.](۱۲۹)

کھجور کے اس سوکھے تنے کے چیخنے اور چلانے کی روایات اتنی ثقہ اور متواتر ہیں کہ انہیں کم وبیش بارہ جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مختلف راویان کرام کے ذرائع سے روایت کیا ہے. اس واقعہ کے راویان میں جن جلیل القدر اصحابہ کرام کا نام آتا ہے ان میں حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ، حضرت ابوسعید الخدریؓ اور ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ اور حضرت بریدہ الاسلمیؓ شامل ہیں. سید سمہودیؒ نے ان تمام روایات کا تجزیہ کرنے کے ساتھ ساتھ مشہور علمائے کرام اور قدیم مورخین مدینہ طیبہ کی آراء بھی نقل کی ہیں اور بالصراحت لکھا ہے کہ اس معاملے میں سب میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے. البتہ اگر کوئی اختلاف ہے تو وہ اس بات میں ہے کہ بعض روایات میں ترکھان (نجار) کا نام دوسری روایات سے مختلف ہے. مصادر الرئیسی پر انحصار کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ اس کا نام باقوم یاباقول یا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے، میمون یاصباح یا کلاب (ہردو حضرت عباس بن عبدالمطلب کے غلام تھے) یا پھر میناء ہوسکتا ہے جو کہ ایک انصاری خاتون کے غلام تھے. (۱۳۱) اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت مبارکہ کے آٹھویں سال میں ہوا تھا. یعنی فتح خیبر کے بعد.

قاضی عیاضؒ نے بھی ایک حدیث مبارکہ حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ اور حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی ہے. جس میں کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ رونما ہو جانے کے بعد اس تنے کو منبر شریف کے نیچے دفن کر دیا گیا تھا یا یہ کہ اسے چھت میں شہتیر کے ساتھ ڈال دیا گیا تھا. حضرت ابی بن کعبؓ کے مطابق، جب مسجد مصطفوی کو حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں تعمیر نو کی خاطر گرایا گیا تو وہ اس کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے تھے اور یہ ان کے پاس اس وقت تک رہا جب تک کہ وہ سارا (یا اس کا کچھ حصہ) دیمک کی نذر نہ ہوگیا اور پھر انہوں نے اسے مسجد شریف میں لوٹا دیا. (۱۳۲) اس کے علاوہ اور روایات بھی ہیں جو اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی تلاش شروع کردی تو حضرت ابی بن کعبؓ جو اس وقت قباء میں مقیم تھے اس کو واپس لے آئے.

ابن جبیر جنہوں نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں: ''روضہ (الجنۃ) میں لوگوں کا نماز کے لیے تانتا بندھا رہتا ہے (اور ایسا ہونا بھی چاہئے). اس کے ساتھ ہی جنوب کی جانب ایک ستون ہے. جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں اس کھجور کے تنے کو ڈال دیا گیا تھا جس پر رسول مقبول ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے. اس کا ایک ٹکڑا آج بھی نظر آتا ہے اور لوگ اس کے بوسے لیتے ہیں تاکہ اس کو چھو کر اور اپنے چہروں کو مل کر برکت حاصل کریں.'' (۱۳۳)

ابن جبیر کی زیارت مدینہ طیبہ کے تقریباً ایک صدی بعد ایک دوسرا مشہور عالمی سیاح ابن بطوطہ جب مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہے تو وہ بھی یہ لکھتا ہے:

> ''پھر ہم نے اس منور روضہ (ریاض الجنۃ) میں نماز ادا کی جو کہ رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مطہرہ اور منبر کے درمیان واقع ہے اور بہت ہی ادب واحترام سے لکڑی کے اس ٹکڑے کو چوما جو کہ اس کھجور کے تنے کی باقیات میں سے ہے، جس پر رسول اللہ ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے.'' (۱۳۴)

وہ مزید لکھتا ہے:

> ''اس سفر مدینہ طیبہ کے دوران ہمارا وہاں قیام چار دن رہا. ہم ہر رات اس عظیم المرتبت مسجد میں گزارتے جہاں لوگ حلقہ درحلقہ قندیلوں کی روشنی میں اپنا زیادہ تر وقت اپنے سامنے مصاحف کو رکھ کر قرآن خوانی میں گزارتے ہیں اور یا پھر حجرہ مطہرہ کے متبرک مقامات کی زیارت کرتے ہیں.'' (۱۳۵)
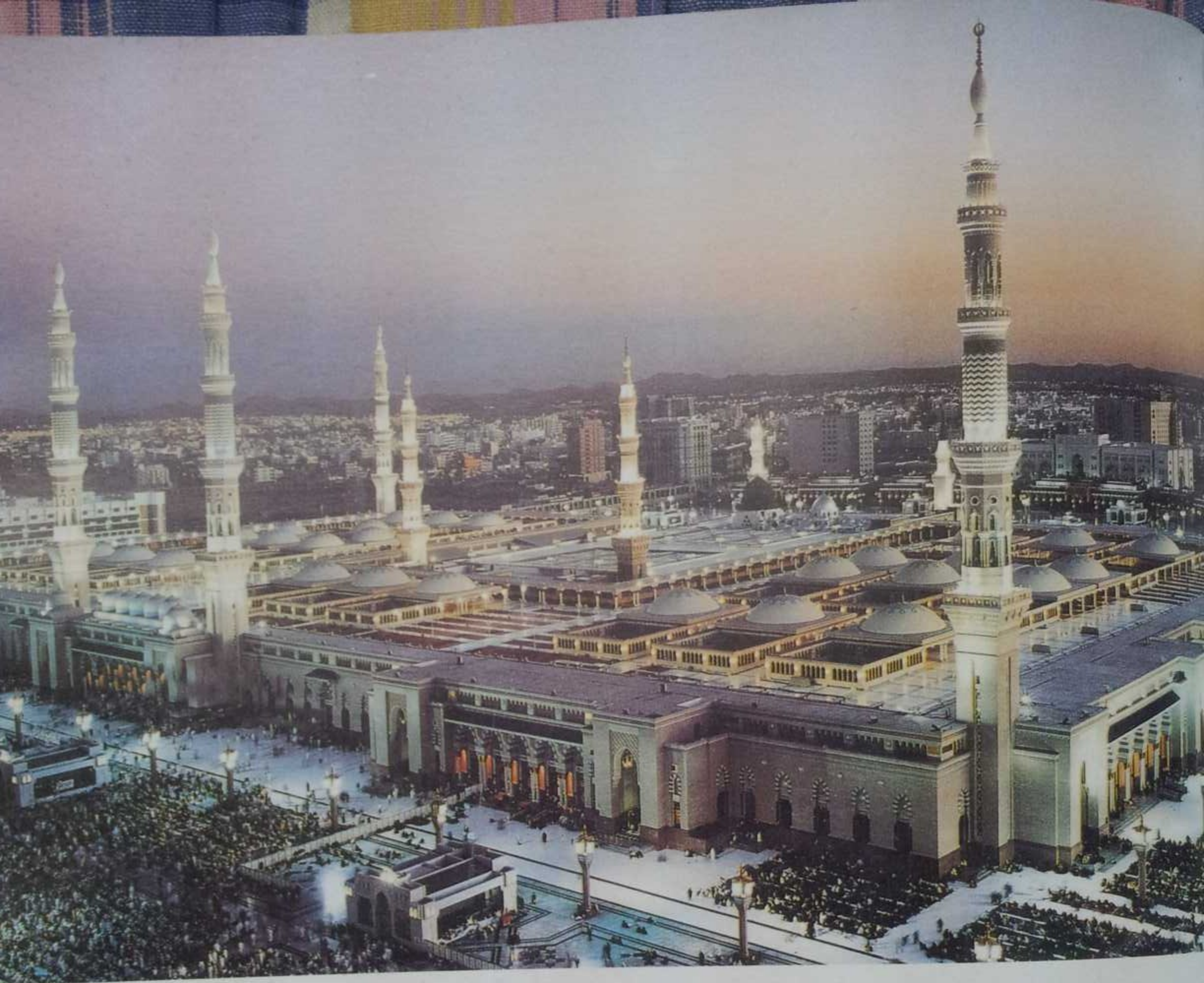
یاد رہے کہ ابن بطوطہ کا سفر حجاز ستمبر ۱۳۲۶ء میں آج سے تقریباً سات صدیاں پہلے ہوا تھا. (نوٹ: توپکاپی میوزیم میں موجود لکڑی کی ٹکڑے کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ وہی ہے جو کہ محاصل حرم النبوی شریف میں محفوظ کر دیا گیا تھا. واللہ اعلم بالصواب.)

مسجد نبوی شریف میں روشنی کے انتظامات

جیسا کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی حدیث مبارکہ: [ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوا کرتے تھے.] (۱۳۶) سے ظاہر ہوتا ہے، کا شانہ مبارکہ رسالت مآب ﷺ میں ابتدائی سالوں میں دنیاوی مصنوعی روشنی کا بندوبست نہ تھا. جہاں تک مسجد مصطفوی کا تعلق ہے تو اس کے صحن میں رات کے کچھ حصے کے لیے اس میں گھاس پھوس اور لکڑیوں کے الاؤ سے روشنی کا بندوبست کیا جاتا تھا. ۹ ہجری تک حالات اسی طرح رہے جب حضرت تمیم الداریؓ نے جن کا تعلق فلسطین سے تھا اسلام قبول کیا. سب سے پہلے انہوں نے تیل سے جلنے والے چراغوں کو کھجور کے تنوں (مسجد شریف کے ستونوں) کے ساتھ لٹکانے کا بندوبست کیا. ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ: [مسجد شریف میں روشنی کا بندوبست کرنے والے سب سے پہلے صحابی حضرت تمیم الداریؓ تھے.] (۱۳۷) اس کی تفصیل ایک اور حدیث مبارکہ سے بھی ملتی ہے جسے حضرت سراجؓ نے روایت کیا ہے جو کہ حضرت تمیم الداریؓ کے غلام تھے: [ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے. ہم کل پانچ تھے اور حضرت تمیم الداریؓ کے غلام تھے جنہوں نے مجھے مسجد شریف میں روشنی کرنے کا حکم دیا تھا جو کہ ہم نے تیل کا چراغ جلا کر کر دی. اس سے پہلے کھجور کے سوکھے ہوئے حصے (پتے اور ٹہنیاں وغیرہ) اس کام کے لیے جلائے جاتے تھے. تب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور

فرمایا: [کون ہے جس نے ہماری مسجد کو روشن کر دیا ہے؟] حضرت تمیم الداریؓ نے عرض کیا: [میرے اس غلام نے!] رسول اللہ ﷺ نے استفسار فرمایا: [اس کا نام کیا ہے؟] تو انہوں نے عرض کیا "فتح"۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نہیں اس کا نام سراج (روشن چراغ) ہے۔ (۱۳۸) سرکار دو عالم رسول اللہ ﷺ اس پر اتنے خوش ہوئے کہ فرمایا: [تو نے ہماری مسجد کو روشن کیا ہے۔ اللہ کریم تیری زندگی روشن کرے!]

حضرت ابی ہندؓ سے مروی ہے: [حضرت تمیم الداریؓ شام سے سنہری چراغ مدینہ طیبہ لے کر آئے جن میں تیل تھا۔ وہ جمعہ کی رات مدینہ طیبہ پہنچے اور آتے ہی انہوں نے اپنے غلام ابوالبراد کو مسجد شریف میں وہ چراغ آویزاں کرنے کے حکم دیا۔ ان میں تیل اور پانی ڈالا گیا تھا۔ جب سورج غروب ہوا تو انہوں نے ابوالبرادؓ کو ان کو روشن کرنے کا فرمایا۔ جب رسول اللہ ﷺ مسجد شریف میں تشریف لائے، تو آپ حضور ﷺ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور استفسار فرمایا: [ایسا کس نے کیا ہے؟] آپ حضور ﷺ کو عرض کیا گیا: "یہ تمیم الداریؓ نے کیا ہے۔" آپ نے فرط انبساط میں فرمایا: [انہوں نے اسلام اور اس کی مسجد کو روشن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی دنیا و آخرت کو روشن کرے!] (۱۳۹)

مسجد نبوی شریف میں روشنی کا انتظام یوں ہی چلتا رہا اور تیل کے دیے جلتے رہے۔ جب سیدنا عمر ابن الخطابؓ کا دور آیا تو انہوں نے ان چراغوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ ایسا اس وقت ہوا جب انہوں نے رمضان کریم میں تراویح کی نماز باجماعت کو رواج دیا۔ (۱۴۰) ابن زبالہ کے مطابق ان چراغوں کے لیے تیل شام سے آیا کرتا تھا۔ ان کے دور میں یعنی دوسری صدی کے اواخر میں ان قندیلوں کی تعداد بڑھ کر ۲۹۰ ہو گئی تھی۔ تاہم جب عباسیوں کی طرف سے جعفر بن منصور مدینہ طیبہ کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے شام سے تیل درآمد کروانا بند کر دیا اور قندیلوں سے روشنی کا بندوبست کرنے کے لیے ایک ہمہ وقتی اہل کار مقرر کر دیا جس کو ہر ماہ بیت المال سے ۳ دینار مشاہرہ ملتا تھا۔ ابن نجار نے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں (چھٹی صدی ہجری میں) تیل مصر سے آتا تھا اور سید سمہودیؒ کا بیان ہے کے دسویں صدی میں بھی تیل مصر اور شام سے درآمد ہوا کرتا تھا۔ درآمد کے علاوہ تیل کا بندوبست مقامی لوگ بھی کیا کرتے تھے اور مسجد شریف میں ایک طرف تیل جمع کرنے کے لیے خزان کا بندوبست تھا جسے قبۃ الزیت کہا جاتا تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قندیلوں اور چراغوں کا فائدہ تو اپنی جگہ ہے مگر پہلی بار جب مسجد نبوی شریف آگ کی لپیٹ میں آئی تو اس کی وجہ قندیلوں کے سٹور میں اچانک آگ کا بھڑک اٹھنا تھا جو کہ سٹور کے محافظ سے بروقت بجھائی نہ جا سکی اور پھر پھیلتے پھیلتے یہ آگ اتنی بے قابو ہو گئی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کردہ خوبصورت مسجد تباہ ہو کر رہ گئی اور یوں صدیوں کا اثاثہ جل کا خاکستر ہو گیا تھا۔ (۱۴۱)

قندیلوں اور چراغوں کے ذریعے روشنی کا بندوبست تیرہ صدیوں تک جاری رہا۔ سلطان عبدالحمید دوم کے دور میں ۱۳۲۶ ہجری میں جب مدینہ طیبہ میں ریلوے سٹیشن کا افتتاح ہوا تو اسی تاریخ سے بجلی کا پہلا بلب بھی مسجد نبوی شریف میں جگمگانے لگا۔ پھر اس کے بعد ایک مغربی مخیّر مسمی الحاج الشاوی الجزائری نے بجلی کا ایک جنریٹر نصب کروا دیا جو ۱۳۵۳ ہجری تک کاشانہ مصطفوی میں روشنی بکھیرتا رہا۔ اس کے بعد مسجد نبوی شریف میں پاور لائن کے ذریعے سے بجلی کی سپلائی شروع ہو گئی جو کہ باقی شہر کو بھی بجلی فراہم کرتی تھی۔ (۱۴۲) اب اس بقاع مبارکہ کو بجلی کی سپلائی مین گرڈ سٹیشن سے ہوتی ہے جو کہ حرم پاک کے سب سٹیشن کے ذریعے مسجد شریف کے کونے کونے کو منور کر رہی ہے۔

سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں مسجد نبوی شریف کی توسیع

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں مسجد شریف کچی اینٹوں سے بنی تھی جس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنی تھی اور ستون کھجور کے تنوں کے تھے. سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اس کو اسی حال میں رہنے دیا اور اس میں کوئی توسیع یا تبدیلی نہ کروائی حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی تعمیر نو اور توسیع تو کروائی مگر اس کی ہیئت اور طرز تعمیر میں کوئی تبدیلی نہ کروائی. انہوں نے بھی اسے اسی طرح کے طرز تعمیر سے بنوایا؛ چھت پہلی کی طرح کھجور کے پتوں ہی کی رہی، انہوں نے صرف ستون لکڑی کے ڈلوا دیئے. سیدنا عثمان ابن عفانؓ نے اس میں تبدیلیاں کیں اور اس کی کافی توسیع بھی کرا دی. انہوں نے دیواریں پتھر کی بنوائیں جن پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور سفیدی کے لیے چونے کا استعمال کیا گیا تھا. چھت میں شیشم کی لکڑی استعمال ہوئی تھی.] (۱۴۳) سیدنا عمر فاروقؓ نے ۱۷ ہجری میں مسجد کی تعمیر کو اپنی زیر نگرانی مکمل کروایا. اس توسیع کے بعد مسجد کا رقبہ ۱۰۰×۱۰۰ ذرع سے بڑھ کر ۱۴۰×۱۲۰ ذرع ہو گیا تھا. (۱۴۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور میں بھی مسجد نبوی شریف وہی رہی تھی جو کہ عہد مصطفوی میں تھی. تاہم خلیفہ راشد ثانی سیدنا عمر فاروقؓ نے تعمیر نو کے ساتھ اس میں کافی توسیع ہو گئی تھی.

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے: ''حضرت عمر بن الخطابؓ نے حکم دیا کہ مسجد شریف کی تعمیر نو کی جائے اور فرمایا: [لوگوں کو بارش سے بچانے کا بندوبست کیا جائے. تاہم سرخ و سفید تزئین سے اجتناب کیا جائے کیونکہ یہی تزئین انسان کو مصائب سے دوچار کر دیتی ہے.]'' (۱۴۵) حضرت عمر فاروقؓ نے بھی کفایت شعاری سے کام لیا اور مسجد شریف کو اسی طرز پر استوار کیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں ہوا کرتی تھی. مسجد کی توسیع کرتے وقت انہیں اس سے ملحقہ مکانات حاصل کرنے پڑے جو کہ شمال، جنوب اور مغربی جوانب تھے. یہ کام خاصا دشوار تھا. کچھ ساکنین نے تو برضاء و رغبت اپنی زمینیں مسجد شریف کو ہبہ کر دیں، مگر کچھ کے لیے سیدنا عمر فاروقؓ کو افہام و تفہیم اور مالی ترغیب کا طریقہ کار اختیار کرنا پڑا. اس طرح آپ کو کچھ زمین خرید کر مسجد شریف میں ملانی پڑی. جب آپ نے مسجد شریف کی تعمیر نو اور توسیع کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا چاہا تو مسجد نبوی شریف میں بر سر منبر ایک خطبہ دیا جس میں تین متبادل طریقہ ہائے کار کی نشاندہی فرمائی:۔

(۱) مالک مکان اگر چاہے تو وہ اپنی مملوکہ جائیداد کو جس بھی بھاؤ پر چاہے بیچ سکتا ہے. اس کے لیے بیت المال سے اس کو ادائیگی کر دی جائے گی.

(۲) مالک مکان اپنا مملوکہ مکان مسجد شریف کے لیے واگزار کر دے. اس کے عوض ریاست اس کو مدینہ طیبہ کے کسی دوسرے علاقے میں اس کی پسند کی زمین خرید کر دے گی.

(۳) مالک مکان اپنی رضاء و رغبت سے مسجد شریف کو اپنی جائیداد ہبہ کر سکتا ہے جس کا اجر اس کو اللہ تعالیٰ دے گا.

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ، عم رسول اللہ ﷺ نے جن کا گھر مسجد شریف کے ساتھ جنوب مغربی طرف متصل تھا اصرار کیا کہ وہ اپنا مکان اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے ہیں. دلیل کے طور پر وہ یہ کہتے تھے کہ ان کا گھر نہ صرف یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تعمیر ہوا بلکہ اس کی خشت اول بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارکہ سے ہی رکھی تھی. دونوں میں اس معاملے میں کافی بحث و تمحیص ہوتی رہی. مسئلہ یہ تھا کہ حضرت

عباسؓ کے گھر کو حاصل کرنے کی ضرورت نہ صرف اس لیے تھی کہ قبلہ کی جانب حضرت عمر فاروقؓ کچھ توسیع کروانا چاہتے تھے بلکہ اس لیے بھی کہ ان کے مکان کے اوپر جو پرنالہ تھا اس کا پانی اس گلی میں آ کر گرتا تھا جہاں سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین گزر کر مسجد نبوی شریف میں نماز کے لیے آتے تھے اور بسا اوقات ایسا ہو چکا تھا کہ ان کے کپڑے خراب ہو جاتے تھے.(۱۴۶) بالآخر حضرت ابی بن کعبؓ سے ثالثی اور تحکیم کے لیے رجوع کیا گیا جو ان کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اس طرح حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے اپنا مکان مصلحت عامہ کی خاطر مسجد شریف کے لیے ہبہ کر دیا.(۱۴۷) تاہم اس مکان کا کچھ ہی حصہ مسجد شریف میں شامل کیا جا سکا کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ نے قبلہ کی جانب مسجد شریف کو سوائے چند ذرع کے زیادہ وسعت نہ دی. دیگر مکانات جو مسجد شریف میں شامل ہوئے وہ حضرت زید بن اسامہ بن حارثہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ (۱۴۸) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ (۱۴۹) کی ملکیت تھے.

حدیث مبارکہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری ایام میں فرمایا تھا: [کیسا رہے گا اگر میں اس مسجد کو وسیع کر دوں! اور سرکار دوعالم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے قبلہ کہ جانب اشارہ فرمایا.] رسول اللہ ﷺ کی اسی خواہش کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد مصطفوی میں توسیع کا منصوبہ بنایا جس کے تحت زیادہ تر توسیع شمالی اور جنوبی جانب کی گئی جب کہ قبلہ کی جانب صرف اتنی ہی توسیع کی گئی جہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرماتے ہوئے دست مبارک پہنچا تھا. وہ فرمایا کرتے تھے: [اگر میں نے سرکار دوعالم ﷺ کا یہ فرمان نہ سنا ہوتا کہ وہ اپنی مسجد کی توسیع کرنا چاہتے تھے تو میں ہرگز ایسا نہ کرتا.] (۱۵۰) انہوں نے ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلوایا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا اور اشارہ کرتے ہوئے دیکھا تھا اور پھر ان کو اس مقام پر کھڑا کروا کر ان سے کہا کہ وہ اپنے ہاتھ کو ویسا ہی اس طرف بڑھائیں جس جانب رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک بڑھایا تھا. اس طرح ان کے ہاتھوں کی لمبائی تک اور اس سمت میں جانب قبلہ توسیع عمل میں لائی گئی.(۱۵۱)

یوں جانب قبلہ صرف چند ذرع کی وسعت دی گئی تھی مگر مغربی اور شمالی جانب مسجد شریف کو کافی وسیع کر دیا گیا تھا جس سے اس کا حدود اربعہ ۱۴۰ ذرع x ۱۲۰ ذرع ہو گیا. پرانے ستون جن پر دور مصطفوی میں مسجد شریف کی چھت استوار ہوئی تھی دیمک لگ جانے سے بوسیدہ ہو چکے تھے، لہذا ان کو بدل کر کھجور کے تنوں کے نئے ستون نصب کئے گئے.(۱۵۲) سیدنا عمر فاروقؓ کے دور مبارکہ میں مسجد نبوی شریف کی چھت پر تین ذرع بلند پردہ کی دیوار بھی کروائی گئی. پہلے سے موجود دروازوں (باب عاتکہ، باب النبی یعنی باب جبریل علیہ السلام) کے علاوہ مسجد کے چھ دروازے بنائے گئے تھے.(۱۵۳) مسجد کی چھت سطح زمین سے ۱۱ ذرع (۵،۵ میٹر) بلند تھی. کھجوروں کے پتوں کو بن کر ان میں پتے اور ٹہنیاں بھر دی گئی تھیں جن کو گارے سے ایک دوسرے کے ساتھ مضبوط کر دیا گیا تھا.(۱۵۴)

مسجد شریف کے فرش پر پانی سے چھڑکاؤ کا طریقہ تو دور رسالت مآب ﷺ سے ہی تھا جسے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور مبارکہ میں بھی جاری رکھا گیا تھا اور یہی طریقہ خلافت سیدنا عمر فاروقؓ کے کچھ حصے میں بھی رہا. ایک بار جب کسی نے مسجد کے صحن میں اپنا تھوک پھینک دیا تو تابعی حضرت ابومسعود الثقفیؒ نے اسے دیکھ کر تجویز دی کہ فرش پر ریت یا سنگریزے بچھا دیئے جائیں کیونکہ ان سے تھوک وغیرہ کے نشانات آسانی سے اور جلدی تحلیل ہو جاتے ہیں. سیدنا عمر فاروقؓ کو یہ تجویز بہت پسند آئی اور وادی العقیق سے سرخ اور نفیس قسم کی ریت منگوا کر صحن مسجد نبوی میں بچھا دی گئی. وادی العقیق کے العرصہ کے حصہ میں ایسی ریت الجماء الشامیہ کے بالائی علاقے سے پانی کے ساتھ بہہ کر آ جایا کرتی تھی.(۱۵۵)

مسجد شریف میں ایک ستون کو خلوق (ایک قسم کی خوشبو تھی) لگانے کا رواج تو سرور کونین ﷺ کے دور مبارکہ میں ہو چکا تھا. اس کے

مجیدیہ دور کی مسجد نبوی شریف کے اندرونی ہال کی ایک نادر تصویر جس میں روشنی کے لیے بلوری قندیلیں آویزاں نظر آتی ہیں جن کو تیل سے روشن کیا جاتا تھا

علاوہ اور بھی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لہسن کھا کر مسجد نبوی میں آنے سے منع فرمایا تھا تا کہ مسجد کا ماحول بدبودار نہ ہو. حضرت سعید ابن المسیبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [جو بھی اس پودے کو کھائے وہ ہماری مسجد میں نہ آئے. لہسن کی بو سے ہمیں کوفت ہوتی ہے.] (۱۵۶) رسول اللہ ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پاکیزگی کی تلقین فرماتے. ارشاد رسالت مآب ﷺ تھا کہ جب مسجد میں نماز با جماعت کے لیے آؤ تو ہو سکے تو خوشبو لگا کر آؤ. حضرت واثلہ بن الاسقعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اپنی مساجد کو بچوں (کی شرارتوں) سے اور پاگلوں سے بچا کر رکھا کرو. اس میں خرید و فروخت اور غصے کے اظہار سے اجتناب کیا کرو اور ان میں اپنی آوازوں کو بلند نہ کیا کرو اور ان میں اپنے دائمی طور پر بیٹھنے کے لیے مخصوص حلقہ بندیاں نہ کیا کرو. ان میں اسلحہ (تلواریں) نہ لیکر آیا کرو. ان کے دروازوں پر خوشبو لگایا کرو اور اجتماعات کے وقت ان میں خوشبو پھیلایا (تجمیر) کرو.] (جامع الاحادیث۔ ۳۔۳۰۷ نمبر ۱۱۰۵۹) اتباع رسول مقبول ﷺ میں سیدنا عمر فاروقؓ نے مسجد شریف کے ماحول کو معطر کرنے کے لیے اپنے دور خلافت میں مسجد میں عود جلائے جانے کا بندوبست کیا جس کے جلانے کے لیے چاندی کا ایک خاص مجمرہ بنوایا. بعد کے ادوار میں مسجد میں صندل اور عود خام جلا کر مسجد کو معطر کرنے کا رواج رہا. (۱۵۷)

بطیحاء یا بطحاء

سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دور مبارکہ میں مسجد مصطفوی کے آداب اور احترام کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا اور اس بات کی سختی سے پابندی کروائی کہ کوئی بھی کاشانہ مبارکہ رسالت مآب ﷺ کے ادب اور احترام سے بے التفاتی برتنے نہ پائے. آپ کسی کو بھی اونچی آواز سے مسجد شریف میں گفتگو نہ کرنے دیتے تھے. ارشاد ربانی ہے: ﴿اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی اکرم (ﷺ) سے اونچی نہ کرو اور ان کے حضور چلا چلا کر بات نہ کیا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو. بیشک وہ جو اپنی آوازیں رسول اللہ (ﷺ) کے حضور پست رکھتے ہیں وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کے لیے پرکھ لیا ہے اور ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے.﴾ (۱۵۸) انہیں احکام کے پیش نظر سیدنا عمر فاروقؓ نے مسجد نبوی شریف میں اونچی آواز سے بات چیت کرنے سے منع کیا ہوا تھا. حضرت صائب بن یزیدؓ سے مروی ہے: [میں مسجد شریف میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھ پر ایک سنگریزہ پھینکا. میں نے ادھر ادھر دیکھا تو مجھے سیدنا عمر فاروق نظر آئے. انہوں نے اشارے سے مجھے فرمایا: ''ان دو آدمیوں کو میرے پاس لے آؤ.'' جب میں نے تعمیل کی تو وہ ان سے یوں گویا ہوئے: ''کون ہو تم اور کہاں سے آئے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: ''ہم طائف سے آئے ہیں.'' سیدنا عمر فاروقؓ نے کہا: ''اگر تم اس شہر کے ہوتے (یعنی مدینہ طیبہ سے ہوتے) تو میں تمہیں مسجد رسول اللہ ﷺ میں آوازیں بلند کرنے اور شور کرنے کی سزا ضرور دیتا.'' (۱۵۹)

دور رسالت مآب ﷺ میں حضرت حسان بن ثابتؓ حضور سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں نعت پڑھا کرتے تھے اور کفار اور مشرکین

کی ہجو بھی مسجد نبوی شریف میں پڑھا کرتے تھے۔حضرت عبداللہ بن حمسہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ حضرت حسان بن ثابتؓ کے لیے مسجد نبوی شریف میں ایک تپائی (سٹول) رکھوا دیتے تھے جس پر کھڑے ہو کر وہ ان بد طینت لوگوں کی ہجو کہا کرتے تھے جو درگاہ رسالت مآب ﷺ میں گستاخی کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے: [جب تک حسانؓ اللہ کے رسول کے دفاع میں بولتے ہیں جبریل امین ان کی معاونت فرماتے ہیں۔] (۱۶۰) حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے: حضرت عمر فاروقؓ حضرت حسان بن ثابتؓ کے پاس اس وقت گئے جب کہ وہ مسجد شریف میں نعت گوئی میں مصروف تھے اور ان پر اعتراض کرنے لگے۔حضرت حسانؓ نے عرض کیا کہ ''میں اس ہستی کی شان میں نعت گوئی کر رہا ہوں جو تم سے بدرجہا اعلیٰ وافضل ہے، یعنی بحضور رسالت مآب ﷺ۔'' پھر حضرت حسانؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف دیکھا اور پوچھا: ''کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو مجھے حکم دیتے ہوئے نہیں سنا تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کو شعر (یعنی ہجو) میں جواب دوں اور ساتھ یہ بھی فرمایا تھا: [اے اللہ حسانؓ کی روح الامین کے ذریعے معاونت فرمانا۔] اور حضرت ابو ہریرہؓ نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے خاموشی اختیار کر لی۔] (۱۶۱)

لوگوں کو باآواز بلند مسجد نبوی شریف میں باتیں کرنے سے منع کرنے کے لیے سیدنا عمر فاروقؓ نے مسجد کے باہر شمال مشرقی ملحقہ حصہ پر ایک چبوترہ بنوا دیا جس کو بطیحاء کہا جاتا تھا اور حکم جاری کر دیا کہ جس کسی کو بھی شاعری یا قصیدہ گوئی کا شوق ہو یا دنیاداری کی باتیں زیر بحث لانی ہوں تو وہ اس چبوترے پر جا کر اپنا شوق پورا کر لے۔وہ فرمایا کرتے تھے: مساجد تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ہیں نہ کہ ان میں تجارت و دنیاداری کی باتیں ہوں اور وہ بھی باآواز بلند۔جس کسی نے بھی ایسی باتیں کرنی ہوں تو وہ البقیع کی طرف چلا جائے۔'' (۱۶۲) قارئین کی معلومات کے لیے ہم یہ بیان کرنا چاہیں گے کہ مقصود کونین ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران ایک مرتبہ ایک شاعر صحابی نے نعت گوئی کی درخواست کی تو رحمت اللعالمین ﷺ نے سب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں مسجد شریف کے باہر باب جبریل کے مقابل 'المقاعد' کے مقام پر (جو کہ دار سیدنا عثمان بن عفانؓ اور باب جبریل کے درمیان واقع تھا) دربار لگایا تھا اور اس نعت گوئی کے انعام میں سرور کائنات ﷺ نے خوش ہو کر ان شاعر کو کچھ انعام واکرام دینے کا حکم صادر فرمایا تھا۔(فیروز آبادی، مغانم المطابہ فی معالم طابہ، ص: ۳۸۸) غالباً یہ بطیحاء اسی جگہ تعمیر ہوا تھا اور وہیں پر قصیدہ گو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ذوق نعت گوئی پورا کر لیا کرتے تھے۔جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد شریف کی توسیع اور تعمیر نو کی تو اس 'بطیحاء' کے علاقے کو شامل مسجد کر دیا گیا۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک ہمہ وقتی چوکیدار مقرر کر دیا جس کے ذمے یہ فرض سونپا گیا تھا کہ وہ مسجد شریف کی دیکھ بھال کرے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ اس کا استعمال ان مقاصد کے علاوہ نہ ہوں جن کی رسول امین ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی تھی۔(۱۶۳)

جہاں تک مسجد شریف میں سونے کا تعلق ہے ایسی بہت سی احادیث مبارکہ اور آثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کبھی کبھار مسجد شریف میں سو جایا کرتے تھے۔اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قیام اور شب باشی تو مسجد مصطفوی ہی میں ہوا کرتی تھی۔سرور کونین مولینا ومولی الثقلین ﷺ جب کبھی دن کو تکان محسوس فرماتے تو مسجد شریف میں تھوڑی دیر کے لیے ستا لیا کرتے تھے۔(۱۶۴) حضرت عباد بن تمیمؒ سے مروی ہے کہ ان کے چچا نے بیان کیا: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد شریف میں سیدھے لیٹے ہوئے دیکھا اور اس وقت آپ حضور ﷺ نے اپنی ایک ٹانگ دوسرے گھٹنے پر رکھی ہوئی تھی۔] حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔(۱۶۵) خاص طور پر ان دنوں میں جب سیدنا عثمانؓ کے دور میں مسجد شریف کی تعمیر نو ہو رہی تھی تو آپ اپنا اکثر وقت کام کی نگرانی کے سلسلے میں مسجد شریف میں گزارتے اور جب تکان محسوس ہوتی تو اسی میں ستا بھی لیا کرتے تھے۔سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی اکثر ایسا ہی کر لیا کرتے تھے۔(۱۶۶)

سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت الراشدہ میں مسجد نبوی شریف کی توسیع اور تعمیر نو

جیسا کہ اوپر بیان کی گئی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے سیدنا عمر فاروقؓ نے جب مسجد شریف کی توسیع اور تعمیر نو کروائی تو سوائے اس بات کے کہ اس کا ڈھانچہ نیا تھا مگر طرز تعمیر وہی رکھا گیا تھا جو کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں تھا جس کا طرہ امتیاز انتہائی سادگی اور کفایت شعاری تھا مگر جب خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفانؓ نے اس کی تعمیر نو کی تو اس کو خوبصورت اور مضبوط بنانے کے لیے پتھر جپسم اور نقش ونگار کا استعمال کیا گیا۔ [سیدنا عثمان بن عفانؓ نے اس میں تبدیلیاں کیں اور اس کی کافی توسیع بھی کرادی۔ انہوں نے دیواریں پتھر کی بنوائیں جن پر نقش ونگار بنے ہوئے تھے اور مسجد نبوی شریف میں پہلی بار سفیدی کے لیے چونے کا استعمال بھی کیا گیا۔ چھت میں شیشم کی لکڑی استعمال ہوئی تھی۔] (۱۶۷)

حضرت عبدالمطلب بن عبداللہ بن حنطبؓ سے مروی ہے: [جب سیدنا عثمان بن عفانؓ ۲۴ ہجری میں مسند آرائے خلافت ہوئے تو لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ مسجد شریف کی توسیع کردی جائے۔ انہوں نے تنگئ صحن کی شکایت کی جو کہ بجا طور پر حق بجانب تھی۔ خاص طور پر نماز جمعہ کے اجتماعات پر ایسا اکثر ہوتا کہ لوگوں کو مسجد شریف کے باہر والے حصے میں نماز ادا کرنا پڑتی تھی۔ لہذا سیدنا عثمانؓ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے یہی تھی کہ پرانی مسجد کو مسمار کر کے اس کی جگہ نئی مسجد تعمیر کردی جائے۔ ایک دن انہوں نے نماز ظہر کے بعد منبر پر خطبہ دیا اور فرمایا: [تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ میں مسجد کو مسمار کر کے اس کی جگہ نئی مسجد بنانا چاہتا ہوں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارکہ سے سنا ہے کہ: [جو بھی مسجد بناتا ہے اللہ اس کو جنت میں ایک گھر عطا کردیتا ہے۔] مجھ سے پہلے بھی پیشرو رہے ہیں اور مجھ سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ تھے۔ ان کے ہاتھوں مسجد شریف کی توسیع اور تعمیر نو میرے لیے ایک مثال اور نظیر ہے۔ میں نے صاحب الرائے اصحاب سے مشورہ کیا ہے اور ان سب کی متفقہ رائے یہی ہے کہ مسجد شریف کو مسمار کر کے اسے دوبارہ بنایا جانا چاہئے۔ اس پر سب نے ان کی تعریف کی اور ان کے لیے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا۔] (۱۶۸) پھر انہوں نے کاریگروں اور معماروں کو اس کار خیر پر لگا دیا اور بنفس نفیس کام کی نگرانی کرتے رہے۔ آپ دن کے وقت روزہ رکھتے اور راتوں کو عبادت اور شب بیداری کرتے اور ہمیشہ کام کی نگرانی بذات خود کرتے رہے۔] (۱۶۹) حضرت عبدالرحمٰن بن سفینہؓ سے مروی ہے: [میں نے دیکھا کہ مسجد شریف کی تعمیر کے لیے مسالہ (مواد) اٹھا اٹھا کر حضرت عثمان غنیؓ کے پاس لایا جاتا اور میں نے یہ بھی دیکھا کو وہ ہمیشہ اپنے پاؤں پر کھڑے کھڑے کاریگروں سے کام کرواتے اور پھر جب نماز کا وقت آجاتا تو ان کے ساتھ نماز ادا کرتے اور پھر کبھی کبھی وہیں سو بھی جایا کرتے تھے۔]

اس مقام پر ہم اس بحث وتمحیص کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں جس کا سیدنا عثمانؓ کو مسجد شریف کو مسمار کر کے دوبارہ بنانے میں سامنا کرنا پڑا عنان خلافت ہاتھوں میں لینے کے بعد جب سیدنا عثمانؓ نے مسجد شریف کی تعمیر نو کا منصوبہ پیش کیا تو چند اصحابہ کرام نے اس معاملے میں اپنے تحفظات پیش کئے۔ ان حضرات میں وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے جو کہ بالکل مسجد شریف کی جوار رحمت میں مقیم تھے اور جن کے مکانات اس منصوبے سے متاثر ہوتے نظر آرہے تھے۔ عوام کی اکثریت نے تو اس منصوبے کی حمایت کی مگر چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان پر سر عام اعتراضات کرنے شروع کردیئے اور یوں بحث ومباحثہ کا ایک سلسلہ چل نکلا جو طول پکڑتا گیا۔ یحیٰی نے حضرت افلح بن حمیدؓ سے روایت کیا ہے کہ: [جب حضرت عثمانؓ نے چاہا کہ منبر پر تشریف لاکر لوگوں کی رائے معلوم کریں تو مروان بن الحکم نے کہا: ''بلاشبہ یہ ایک کار خیر ہے۔ لہذا کیا ضرورت ہے کہ آپ لوگوں کی رائے معلوم کریں!'' اس پر حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: [براہو تیرا۔ میں کسی معاملے میں لوگوں پر جبر واکراہ کا قائل نہیں ہوں۔ مجھے ان سے مشورہ کرنا ہی ہے۔] پھر جب مروان نے کہا: ''کیا آپ

نے حضرت عمرؓ کو بھی کسی سے منظوری لیتے دیکھا تھا؟'' تو اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا: [بہتر ہے کہ تم خاموش رہو۔ یہ تو صرف حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت ہی تھی جو ایسا کر سکتے تھے اور کسی کو جرأت نہیں تھی کہ ان کے آگے زبان کھولے مبادا کہ وہ ناراض نہ ہو جائیں۔ ان کی جلالت کا تو یہ عالم تھا کہ اگر وہ کسی کو حکم کر دیتے کہ کسی صحرائی گرگٹ کی بل میں گھس جائے تو بھی ایسا شخص ان کی حکم عدولی نہ کرتا۔] پھر آپ نے فرمایا: [میں اپنی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنا نہیں چاہتا، میں تو جو کام بھی کروں گا ان کی مرضی سے کروں گا۔] (۱۷۰)

پھر جب آپ نے اپنے منصوبے کے متعلق تمام اہل الرائے اصحاب کو اعتماد میں لے لیا تو مسجد شریف کی شمالی جانب واقع گھروں کو خرید کر ان کی زمین حاصل کی گئی۔ اگرچہ آپ نے عوضانہ کے طور پر ان اصحاب کو کافی رقوم کی پیش کش کی تھیں مگر پھر بھی چند اپنے مکانات دینے کے حق میں نہ تھے اور یوں بحث مباحثے کا سلسلہ طویل ہوتا گیا اور تقریباً چار سال گزر گئے مگر کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔ حضرت عبید اللہ الخولانیؒ سے مروی ہے: ''جب لوگ اپنے مکانات دینے کے لیے پس و پیش کر رہے تھے اور دلائل طوالت پکڑتے جا رہے تھے تو میں نے سیدنا عثمان بن عفانؓ کو کہتے ہوئے سنا: [تم لوگ بہت باتیں بنا چکے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا تھا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مسجد کی تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اجر میں اس کے لیے ایسا ہی محل جنت میں تعمیر کروائے گا۔] (۱۷۱) اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت خولانیؒ کی روایت ہے کہ: [جب مسجد شریف کی تعمیر نو کا وقت آیا تو سیدنا عثمانؓ لوگوں کی آراء کو خندہ پیشانی سے سنتے رہے جو کہ اکثر و بیشتر ان کی مخالفت میں ہوتی تھیں۔ اس پر انہوں نے فرمایا: [تم لوگ مجھ سے انصاف نہیں کرتے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ: جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مسجد کی تعمیر کرے گا اللہ تعالیٰ اجر میں اس کے لیے ایسا ہی محل جنت میں تعمیر کروائے گا۔] (۱۷۲)

اسی طرح حضرت محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے: [جب سیدنا عثمان بن عفانؓ نے مسجد کی تعمیر نو کا ارادہ کیا تو لوگوں کو ان کا منصوبہ پسند نہ آیا۔ ان کا اصرار تھا کہ مسجد شریف کو اسی حالت میں رہنے دیا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارکہ میں تھی۔ اس پر آپ نے فرمایا: [جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے مسجد تعمیر کرے گا، اللہ تعالیٰ اجر میں اس کے لیے ایسا ہی محل جنت میں تعمیر کروائے گا۔] (۱۷۳) تاہم اگر اس بحث و تمحیص کے پس منظر کو دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کا اصرار صرف اس بات پر تھا کہ مسجد شریف کو اسی سادگی اور طرز تعمیر میں رہنے دیا جائے جیسا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں تھی۔ حتیٰ کہ سیدنا عمر فاروقؓ نے بھی اس کی تعمیر نو اور توسیع کرتے وقت اس کی سادگی اور طرز تعمیر میں تبدیلی نہیں کی تھی حالانکہ انہوں نے بھی مغرب اور شمال کے مکانات خرید کر اس میں شامل کیے تھے۔ (۱۷۴)

جب حضرت عثمانؓ کچھ حد تک لوگوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو آپ نے ماہ ربیع الاول ۲۹ ہجری (نومبر ۶۴۹ء) میں کام کی ابتداء کروا دی۔ تعمیر نو کے کام میں دس ماہ صرف ہوئے اور یوں یکم محرم ۳۰ ہجری کو مسجد نبوی شریف بن کر تیار ہو گئی۔ آپ بنفس نفیس کام کی نگرانی فرماتے، دن کے وقت ہمیشہ روزہ رکھتے اور رات کے وقت اگر نیند مجبور کرتی تو مسجد شریف میں ہی ستا لیا کرتے تھے۔ (۱۷۵) آپ نے مسجد شریف کو جنوب میں قبلہ کی جانب وسعت دی اور اس کی قبلہ کی دیوار کو اس جگہ تک لے آئے جہاں کہ آج تک ہے۔ شمالی جانب اس میں ۵۰ ذرع کا اضافہ کیا گیا اور کچھ توسیع مغربی جانب بھی کروائی البتہ شرقی جانب (جہاں حجرات مبارکہ تھے) کوئی توسیع نہیں کی گئی۔ تکمیل ہو جانے پر مسجد شریف کا کل رقبہ ۱۶۰x۱۵۰ ذرع ہو گیا۔ (۱۷۶) اس طرح مسجد شریف کے رقبے میں کل ۴۹۶ مربع میٹر کا اضافہ ہوا۔ (۱۷۷) آپ کے دور مبارکہ میں مسجد کے دروازوں کی تعداد چھ تھی، یعنی باب النبی ﷺ (موجودہ نام باب جبریل)، باب الرحمہ، اور اس کے ساتھ اسی طرف ایک اور دروازہ بنوایا گیا (باب مروان) اور دو دروازے مسجد شریف کی عقبی جانب شمال میں رکھوائے گئے تھے۔ (۱۷۸) پہلی مرتبہ مسجد شریف میں پتھروں پر نقش و نگار بنوائے گئے اور اس میں سفیدی کروائی گئی۔ حضرت خارجہ بن زید بن ثابتؓ کے بیان کے مطابق سیدنا عثمان بن عفانؓ نے مسجد شریف کی شرقی اور غربی جانب کی دیواروں میں روشن دان رکھوائے تھے۔ (۱۷۹) مسجد شریف کی توسیع کے لیے سیدنا عثمانؓ

کو جو مکانات لینے پڑے ان میں ام المومنین سیدۃ حفصہ ؓ کا حجرہ مبارکہ بھی شامل تھا جن کو اس کا متبادل مکان دیوار قبلہ سے متصل جنوب شرقی کونے پر دے دیا گیا تھا اور ایک خوخہ کے ذریعے ان کی آمد و رفت حجرہ مطہرہ تک ممکن اور آسان بنا دی گئی تھی. اس کے علاوہ حضرت جعفر بن ابی طالب کے ورثاء سے ان کے مکان کا نصف حصہ ایک لاکھ درہم کے عوض خریدا گیا تھا اور اسی طرح دار العباس ؓ کا کچھ حصہ بھی خرید کر مسجد شریف میں شامل کیا گیا تھا.

دیوار قبلہ کو جنوبی جانب لے جانے کے علاوہ سب سے نمایاں فرق جو کہ مسجد مصطفوی میں ہوا وہ یہ تھا کہ محراب مصطفوی کی جگہ لامحالہ مقام قبلہ بھی اس کی سیدھ میں اتنا ہی آگے لے جانا پڑا جہاں تک دیوار قبلہ لے جائی گئی تھی جو عین اسی جگہ پر تھی جہاں آج کل ہم 'محراب عثمانی' کو دیکھتے ہیں. وہاں علامتی محراب بھی بنوائی گئی تھی. (۱۸۰) مٹی کے گارے کی جگہ انہوں نے پیسا ہوا پتھر استعمال کروایا اور پتھر سے بنے ستونوں میں سیسہ کی بنی سلاخیں ڈلوائی گئیں. اس بات کا خاص اہتمام رکھا گیا کہ نئے ستون انہیں ستونوں کی جگہ استوار کئے جائیں جہاں سرکار دو عالم ﷺ کے دور مبارکہ میں کھجور کے تنے سے بنے ستون ہوا کرتے تھے. تعمیر میں جو مواد اور طرز تعمیر استعمال ہوا وہ اسی طرح کا تھا جیسا کہ یروشلم میں گنبد صخرہ کی تعمیر میں بازنطینیوں نے استعمال کیا تھا. (۱۸۱) چھت شیشم کی لکڑی سے بنائی گئی تھی جو کہ لکڑی کے شہتیروں پر رکھی گئی تھی جو سیسہ پلائے پتھروں (حجر مرصوص) کے ستونوں پر استوار تھے. (۱۸۲)

چونکہ سیدنا عثمان بن عفان ؓ کے پیش رو سیدنا عمر فاروق ؓ کی شہادت محراب النبوی شریف میں نماز کی امامت کرواتے ہوئے ہوئی تھی، اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ آئندہ کوئی ایسا حادثہ رونما نہ ہو سیدنا عثمان بن عفان ؓ نے محراب کے مقام پر ایک مقصورہ تعمیر کروایا جو کہ مٹی کی اینٹوں سے بنا تھا اور اس میں جھروکے اور روزن رکھے گئے تھے تا کہ مقتدی اپنے امام کو دیکھ سکیں. (۱۸۳) یہ پہلا حفاظتی طریقہ تھا جو کہ مسجد نبوی شریف میں تعمیر ہوا جو کہ بعد میں دمشق میں خلفائے بنوامیہ کے حفاظتی پروٹوکول کا باقاعدہ حصہ بن گیا. سیدنا عثمان بن عفان ؓ کے علاوہ کسی بھی خلیفہ راشد نے رئیس الدولہ کے لیے ایسا حفاظتی حصار بنانے کا کبھی نہیں سوچا تھا. اس کے علاوہ مزید حفاظت کے طور پر ایک محافظ کا تقرر بھی کیا گیا جس کو دو درہم ماہانہ مشاہرہ ملتا تھا. یہ کچی مٹی سے بنا ہوا مقصورہ اس وقت تک رہا جب تک مروان بن الحکم نے اس کی جگہ منقش پتھروں کا مقصورہ کھڑا نہیں کیا. پہلے مقصورے اور مروان بن الحکم کے بنوائے ہوئے مقصورے میں دوسرا واضح فرق یہ بھی تھا کہ اسے اونچے چبوترے پر استوار کیا گیا تھا. پھر بعد میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد شریف کی تعمیر نو کروائی تو اس پتھر کے مقصورے کی جگہ لکڑی کا بنا ہوا مقصورہ نصب کروایا گیا. (۱۸۴) جیسا کہ ابن زبالہ کا بیان ہے، مقصورہ کی بنیادیں مسجد شریف کے صحن کی سطح سے تقریباً ۲ ذرع بلند تھیں. اس کی سطح کا یہ ارتفاع عباسی دور تک قائم رہا جب مسجد شریف کی تعمیر نو کروائی گئی. (۱۸۵) یہ حفاظتی مقصورہ ۶۵۴ ہجری تک موجود رہا جب کہ یہ اس آگ کی نظر ہو گیا جس نے مسجد نبوی شریف میں تباہی مچا دی تھی.

مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو اور توسیع کے علاوہ سیدنا عثمان بن عفان ؓ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن پاک کو مصحف شریف کی شکل میں یکجا کرنا تھا. اگرچہ قرآن کریم کو کتابی شکل میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے دور مبارکہ میں جمع کر دیا گیا تھا جو پہلے تو ان کی تولیت میں رہا اور پھر بعد میں سیدنا عمر فاروق ؓ کے پاس رہا اور ان کے بعد ام المومنین سیدۃ حفصہ ؓ کے پاس رکھ دیا گیا تھا جہاں سے کوئی بھی ضرورت مند اس سے استفادہ کر سکتا تھا مگر پھر بھی یہ عام آدمی خاص طور پر مدینہ طیبہ کے باہر والوں کے لیے بآسانی دستیاب نہیں تھا لہٰذا سیدنا عثمان بن عفان ؓ نے ایک کمیٹی تشکیل دی (جو کہ حضرت زید بن ثابت ؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ، حضرت سعید بن العاص ؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث ؓ پر مشتمل تھی) جس نے محنت شاقہ سے اس کام کو انجام دیا. (۱۸۶) انہوں نے قرآن کریم کے چھ نسخے تیار کروائے جن میں سے پانچ تو امصار یعنی صوبوں کے صدر مقاموں (بصرہ، کوفہ، شام، مصر اور مکہ) کو ارسال کروائے گئے اور ایک نسخہ مسجد نبوی شریف میں رسول اللہ ﷺ کے منبر شریف کے پاس رکھوا

دیا گیا جہاں وہ ہر خاص وعام کی دسترس میں تھا. یہی نسخہ سیدنا عثمانؓ کے زیر استعمال بھی رہا اور جب ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا تو وہ مصحف ان کے زیر استعمال تھا اور بوقت شہادت وہ اسی سے تلاوت کلام الٰہی کر رہے تھے. ان کی شہادت کے بعد وہ نسخہ مسجد نبوی شریف میں منبر شریف کے پاس رکھ دیا گیا تھا. تاہم بعد میں جب حجاج بن یوسف نے مصحف شریف کے ایسے نسخے تیار کروائے جن پر اعراب لگوا دیئے گئے تھے تو اس نے ایک نسخہ مدینہ طیبہ بھی روانہ کیا جس نے مصحف عثمانی کی جگہ لے لی جسے خالد بن عمرو بن عثمان اٹھا کر اپنے پاس لے گئے. جب عنان خلافت عباسیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی، تو انہوں نے حجاج بن یوسف کا نسخہ اٹھوا دیا اور مصحف عثمانی کو دوبارہ منبر شریف کے پاس رکھوا دیا. (۱۸۷)

بنوامیہ کے دور میں مسجد مصطفوی کی دیکھ بھال

حضرت معاویہؓ کے دور میں سوائے ہلکی پھلکی مرمت کے مسجد نبوی شریف پر زیادہ کام نہیں ہوا مسجد شریف کے ارد گرد واقع سڑکیں اور گلیاں مدینہ طیبہ کی دوسری گلیوں کی طرح ہوا کرتی تھیں جس کی وجہ سے بعض اوقات بارشوں کے موسم میں مسجد شریف تک پہنچنے میں کافی دشواری کا سامنا ہوتا تھا. ایک مرتبہ مروان کا باپ الحکم جو کافی بوڑھا ہو چکا تھا رات کے وقت کیچڑ میں پھسل گیا جس کی وجہ سے مروان نے مسجد شریف کے ارد گرد تمام گلیوں میں ٹائلیں لگوا کر پختہ کروا دیا. پانی کے نکاس کے لیے نالیوں کا بندوبست کیا گیا. یہ ٹائیلوں کا فرش مسجد شریف کے چاروں طرف لگوایا گیا تھا جو مشرق میں بقیع الغرقد تک اور مغرب میں مسجد الغمامہ تک اور شمال میں حش ابوطلحہ (بئر حاء) تک چلا گیا تھا. پانی کی نالیاں مختلف مقامات سے اکٹھی ہو کر شمال مغرب میں الزوراء کے علاقے کی طرف نکل کر اس وقت کے مدینہ طیبہ کے مضافات میں جاتی تھیں جو سقیفہ بنی ساعدہ کی مغرب کی جانب پر تھا. (۱۸۸)

ولید بن عبدالملک کے دور میں مسجد نبوی شریف کی دیکھ بھال

محمد بن جعفر بن وردان (وردانؒ: جنہیں ولید بن عبدالملک کے دور میں مسجد شریف کی تعمیر میں بطور معمار اور نگران شرکت کا شرف حاصل تھا) سے روایت ہے: ”میں نے دیکھا کہ ولید بن عبدالملک نے ایک قاصد مدینہ طیبہ بھیجا جو کہ مدینہ طیبہ میں ماہ ربیع الاول ۸۸ ہجری میں آیا. جب اس کی آمد کا سبب پوچھا گیا تو اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو وہ خط پیش کیا جو کہ ولید نے ان کو ارسال کیا تھا جس میں حکم دیا گیا تھا کہ حجرات مبارکہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کو مسجد نبوی شریف میں داخل کر دیا جائے. ساتھ ہی یہ حکم بھی تھا کہ وہ ان تمام رہائشی مکانات کو خرید لیں جو کہ مسجد شریف کی عقبی (شمالی) جانب اور مغربی جانب واقع تھے اور مسجد کو اتنی وسعت دے دی جائے کہ اس کا رقبہ ۲۰۰x ۲۰۰ ذرع (تقریباً ۱۰۰x ۱۰۰ میٹر) ہو جائے. یہ بھی حکم تھا: ”کہ اگر ممکن ہو تو مسجد کو قبلہ کی جانب بھی وسعت دے دی جائے کیونکہ تم آسانی سے اپنے ننھیال (اس وقت دار آل عمرؓ میں حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ مقیم تھے جو کہ رشتہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ماموں لگتے تھے) سے ان کے مکان کو خرید سکتے ہو کیونکہ وہ تمہاری مخالفت نہیں کریں گے. جو بھی روڑا اٹکاتا ہے اس سے رابطہ کر کے اس کی مناسب قیمت طے کر لیں اور ان کو معاوضہ دے دیں اور پھر ان مکانات کو گرا دیں. سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کی مثالیں تمہارے سامنے ہیں.“ (۱۸۹)

اس حکم نامے کی تعمیل میں مسجد شریف کے گرد واقع مکانات کو خرید کر منہدم کر دیا گیا. جہاں تک حجرات مبارکہ کا تعلق ہے، تمام امہات المومنین رضوان اللہ علیہن ولید بن عبدالملک کے دور سے بہت پہلے وفات پا چکی تھیں: سب سے آخر میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا انتقال ہوا تھا جو کہ بعض روایات کے مطابق ۵۸ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں فوت ہوئی تھیں. اس طرح ان تمام سیدات الطاہرات کے مکانات عملی طور پر خالی تھے جن کے دروازے مسجد نبوی شریف میں ہی کھلتے تھے اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اکثر و بیشتر ان میں

داخل ہو کر نماز ادا کر لیا کرتے تھے، ایسا خاص طور پر نماز جمعہ کے اجتماعات میں ہو جاتا تھا. یوں مندرجہ ذیل حجرات کے علاوہ دیگر تمام حجرات مبارکہ خالی ہو چکے تھے:

(۱) حجرہ مبارکہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ جہاں اہل بیت الطاہرہ کے بطل جلیل کی اولاد نبیل یعنی حضرت حسن بن الحسن ابن علیؓ اور فاطمہ بنت الحسین ابن علیؓ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مقیم تھے.

(۲) حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ حفصہؓ جو کہ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ہبہ کر دیا تھا. اس وقت اس میں ان کے بیٹے (حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ) اور اہل خانہ مقیم تھے.

اس سلسلے میں نہایت ہی ثقہ روایات موجود ہیں جو اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ اگرچہ شہادت امام عالی مقام حسین علیہ السلام اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی شکست کے بعد بنو امیہ کا تسلط پوری مملکت اسلامیہ پر ہو چکا تھا لیکن پھر بھی وہ افراد اہل بیت الطاہرہ سے لرزاں تھے اور ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کہیں یہ چنگاری پھر نہ بھڑک اٹھے جو ان کے آشیانہ ناپائیدار کو خاکستر نہ کر دے. وہ اہل بیت الطاہرہ کی طرف عامۃ الناس کے رجوع اور تعلق سے بھی غافل نہیں تھے. اگرچہ ہر پبلک فورم سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور اہل بیت الطاہرہ کے خلاف ہرزہ سرائی اور پروپیگنڈا بے روک ٹوک جاری تھا۔ یہاں تک کہ منبر ومحراب سے حکماً آئمہ مساجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر کھلے بندوں تبرہ بازی کیا کرتے تھے جس سے مسجد نبوی شریف بھی مستثناء نہیں تھی (۱۹۰)۔مگر وہ اپنی کمزوریوں کو بخوبی جانتے تھے کہ شاخ نازک پر بننے والا یہ آشیانہ زود یا بدیر کسی طوفان کی تیز وتند موجوں میں خس وخاشاک کی طرح بہہ جائے گا، اس لیے افراد اہل بیت الطاہرہ کی مسجد شریف سے متصل حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ میں موجودگی اور اہل مدینہ کے دلوں میں ان کی پذیرائی حکام میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی. لہذا احکام دمشق نے ہر وہ قدم اٹھانے کی ٹھانی ہوئی تھی جس سے اہل بیت الطاہرہ کو وہاں سے بے دخل کیا جا سکے کیونکہ خام خیالی میں وہ یہ سوچتے تھے کہ جب وہ لوگ مسجد نبوی کے احاطے سے کہیں دور نکل گئے تو عامۃ الناس سے ان کا رابطہ اور تعلق خود بخود منقطع ہو جائے گا اور سلاطین دمشق سکھ چین کی نیند سو سکیں گے.

ابن زبالہ کہ روایت ہے کہ ایک بار جب حج کے بعد ولید بن عبدالملک مدینہ منورہ آیا تو اس نے دیکھا کہ لوگوں کی عقیدت اور رغبت حضرت حسن بن الحسنؓ (حسن المثنیٰؓ) سے اس سے کہیں زیادہ تھی جو کہ وہ ولید کو بطور خلیفہ حاصل تھی اور اس دوران حضرت حسن المثنیٰؓ نے خود بھی خلیفہ کی طرف کوئی توجہ نہ دی. جونہی وہ منبر سے اترا تو گورنر مدینہ (حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ) کو حکم ہوا: ''میں اسے دوبارہ یہاں دیکھنا نہیں چاہتا. ان تمام گھروں کو خرید لو۔حتی کہ حجرہ رسول مقبول ﷺ بھی مسجد میں شامل کر دیا جائے.'' (۱۹۱) تاہم ابن زبالہ کے اس بیان پر اتنا اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جیسا کہ واقدی نے تحریر کیا ہے ولید نے مدینہ طیبہ کی زیارت تو ۹۱ ہجری میں کی تھی جب کہ مسجد نبوی شریف بن کر تیار ہو چکی تھی اور وہ تمام حجرات مبارکہ منہدم ہو چکے تھے. البتہ ابن زبالہ ہی کی ایک اور روایت کے مطابق جس پر سمہودیؒ اور دیگر قدیم مورخین نے انحصار کیا ہے ولید بن عبدالملک دمشق سے اپنے مخبروں کو مدینہ طیبہ بھیجا کرتا تھا جو اسے مدینہ طیبہ کی سیاسی صورت حال اور مد وجزر سے مطلع رکھا کرتے تھے. اسے اس معاملے میں چند رپورٹیں ملی تھیں کہ لوگوں کا رجحان اور عقیدت حضرت حسن المثنیٰؓ کی طرف زیادہ مائل تھے. واقعہ حرہ کے بعد وہ لوگوں کے احساسات کو اچھی طرح جان چکا تھا اور مزید خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا. اس طرح کی سیاسی مخبریوں نے ولید کو یہ فیصلہ کرنے پر اکسایا کہ کیوں نہ افراد اہل بیت الطاہرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مسجد نبوی شریف سے نکال باہر کیا جائے. مسجد شریف کی توسیع کا منصوبہ ایک ایسی چال تھی جس کی بادی النظر میں کوئی بھی مخالفت نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف یہ کہ اس کی عمارت پرانی ہو گئی تھی بلکہ نمازیوں کے لیے تنگ پڑ رہی تھی.

اس طرح مسجد کی توسیع کا منصوبہ خالصتاً سیاسی نوعیت کا تھا مگر اسے انتہائی چالاکی سے مذہبی لبادہ پہنا دیا گیا تاکہ حجرات مبارکہ سے زبردستی انخلاء پر کسی قسم کا ردعمل نہ ہو لہٰذا اس نے اس وقت کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو حکمنامہ بھیجا کہ تمام حجرات مبارکہ کو خرید کر مسجد شریف میں شامل کر دیا جائے. سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے والی بات تھی. حافظ رزین العبدری الاندلسی جو کہ قدیم مورخین مدینہ میں شمار ہوتے ہیں ('فی ذکر دار الہجرہ') کے بیان کے مطابق ولید کے خط کے متن میں اوپر دیئے گئے احکامات کے علاوہ یہ بھی حکم تھا کہ: ''جو بھی اپنا مکان بیچنے پر رضا مند ہو جائے اس کو معاوضہ دے دیا جائے اور اگر وہ برضاء و رغبت ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اہل مدینہ سے رجوع کر کے اس کی قیمت کا تعین کر لینا اور پھر وہ مکان ان کے سروں کے اوپر ہی گرا دینا (یعنی بزور بازو اور جبراً ان سے قبضہ لے لینا) اور وہ رقم غرباء و مساکین میں تقسیم کر دینا.'' (۱۹۲) چنانچہ جیسا کہ متوقع تھا جب حضرت حسن بن الحسنؓ نے اپنا آبائی گھر چھوڑنے سے انکار کر دیا تو انہیں قوت کے ذریعے نکال باہر کیا گیا. اس کے عوض مبلغ ۷۰,۰۰۰ (اور بعض روایات کے مطابق ۸۰,۰۰۰) دینار کی پیش کش کی گئی تھی مگر جب انہوں نے انکار کر دیا تو قوت کا استعمال کیا گیا اور یوں صاحبزادہ حسنؓ اور شاہزادی حسینؓ اپنے اہل خانہ سمیت حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے نکال باہر کئے گئے اور معاوضے کی رقم ولید کے احکام کے تحت بیت المال میں جمع کروا دی گئی.

جہاں تک کاشانہ مبارکہ سید الکونین ﷺ کا تعلق ہے تو ہم یہ وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ ام المومنین سیدۃ سودہ بنت زمعہؓ نے ۴۵ ہجری میں اپنی وفات سے پہلے اپنا حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کو ہبہ کر دیا تھا اور ان سے حضرت معاویہؓ نے وہ جگہ ۱۸۰,۰۰۰ درہم کے عوض خرید لی تھی. البتہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ اس شرط پر راضی ہوئی تھیں کہ جب تک وہ حیات رہیں گی وہ اسی گھر میں رہیں گی. جب معاملہ طے پا گیا تو حضرت معاویہؓ نے ان کو رقم ارسال کر دی اور ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ اس مقام سے جہاں وہ اس وقت بیٹھی ہوئی تھیں اس وقت اٹھیں جب کہ انہوں نے وہ تمام رقم اہل مدینہ کے مستحقین اور غرباء میں تقسیم کر دی تھی. (۱۹۳) اسی طرح ام المومنین سیدۃ صفیہؓ بنت حیی کے ورثاء نے بھی ان کے حجرہ مبارکہ کو حضرت معاویہؓ کے ہاتھ اتنی ہی رقم کے عوض بیچ دیا تھا. حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمرؓ کو حجرہ ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کے تبادل میں اسی حجرہ سے متصل جنوبی جانب کی زمین دے دی گئی تھی. جہاں تک دیگر حجرات مبارکہ کا تعلق ہے تو وہ تو پہلے ہی خالی تھے اور لوگ وہاں نمازیں ادا کیا کرتے تھے. یوں تمام کے تمام حجرات مبارکہ ریاست کی ملکیت میں آ چکے تھے. ان حجرات مبارکہ کے علاوہ جو مکانات حاصل کئے گئے ان میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے تین مکانات تھے جو کہ شمال کی طرف تھے اور قرائن کہلاتے تھے، حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا ایک گھر جو دار القراء کہلاتا تھا، اور ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاصؓ کے مکانات تھے جو کہ شمالی جانب تھے. اس کے علاوہ مغربی جانب حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ اور ابی سبرہ بن ابی رحمؓ کے مکانات تھے جب کہ جنوبی جانب دار عباس بن عبد المطلبؓ کا بچا ہوا حصہ (جو کہ اس وقت ان کے غلام مخیّریق کے قبضہ میں تھا) بھی حاصل کر لیا گیا. (۱۹۴) جب انہوں نے حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ ابن عمرؓ کے مکان کو حاصل کرنے کا عندیہ دیا تو انہوں نے پس و پیش سے کام لیا اور حجت یہ پیش کی کہ وہ حجرہ مطہرہ تو ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کا تھا جہاں سرور کونین ﷺ بھی اقامت فرمایا کرتے تھے. بہت بحث و تمحیص کے بعد حضرت عبید اللہؓ اس بات پر راضی ہوئے کہ اس کے بدلے انہیں دار الرقیق دے دیا جائے جو کہ قبلہ کی جانب اس سے متصل تھا اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس مکان سے حجرہ نبویہ شریفہ کی طرف ایک دروازہ نکال کر مسجد نبوی شریف میں ان کو دسترس دے دی اور وہ دروازہ بعد میں کئی صدیوں تک قائم رہا اور خوخہ دار حفصہؓ کے نام پر جانا جاتا تھا (آج بھی قبلہ کی دیوار میں محراب عثمانی کی بائیں جانب ایک کھڑکی ہے جس میں ٹیلی ویژن کیمرہ نصب ہے جو کہ اسی خوخہ کی جگہ پر یادگار کے طور پر ترکوں نے رکھوا دیا تھا).

ولید بن عبد الملک کے احکام کو مسجد نبوی شریف میں سر عام پڑھ کر سنا دیا گیا. (۱۹۵) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے اس نے حکم صادر کیا

تھا کہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے حجرات مبارکہ کو بھی مسجد شریف میں شامل کر دیا جائے تا کہ مسجد کا رقبہ ۲۰۰X۲۰۰ ہو جائے. ساتھ ہی ساتھ یہ بھی حکم تھا کہ اگر ممکن ہو تو قبلہ مسجد مصطفوی کو جنوب کی طرف بڑھا دیا جائے اور یہ کام اگر سیدھے طریقے سے نہ ہو سکے تو قوت کا استعمال کر لیا جائے.(۱۹۶) ان احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وہ تمام مکانات حاصل کر کے خالی کروا لیے اور پھر ان کو ۸۸ ہجری میں منہدم کروا دیا گیا اور مسجد شریف کی تعمیر نو اور توسیع پر عمل درآمد کیا گیا.

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں مسجد مصطفوی شریف کی توسیع اور تعمیر نو کی تفاصیل

الطبری کے بیان کے مطابق مسجد شریف کی قدیم عمارت کا انہدام ماہ صفر ۸۸ ہجری میں شروع ہوا. حضرت صالح بن کیسانؒ کو اس کام کا نگران مقرر کیا گیا. سب سے پہلے حجرات مبارکہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین کو مسمار کیا گیا. اس کام کے لیے مزدور مدینہ طیبہ سے لیے گئے تاہم تجربہ کار کاریگروں کا بندوبست ولید بن عبدالملک نے روم سے کیا تھا جو مدینہ طیبہ میں ماہ ربیع الاول ۸۸ ہجری (فروری ۷۰۷ء) میں پہنچے. ولید کی درخواست پر بازنطینی شہنشاہ (جسٹینین دوم Justinian II) نے ہدیتاً ایک لاکھ مثقال سونا، ایک سو کاریگر اور چالیس اونٹ سنگ مرمر کی سلوں کے ارسال کئے تھے.(۱۹۷) تعمیر نو اور توسیع کا تمام کام ۹۱ ہجری میں پایہ تکمیل تک پہنچ گیا. تاہم سمہودیؒ کے بیان کے مطابق ابن زبالہ کی روایت کچھ اس طرح ہے کہ: ''ولید نے شاہ روم کو یہ خط لکھا: ہم اپنے رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی تعمیر کروانا چاہتے ہیں. اس معاملے میں کاریگروں اور سنگ مرمر سے ہماری مدد کیجئے.'' اس نے سنگ مرمر اور بیس سے زیادہ کاریگر ارسال کئے. چند روایات کے مطابق ان کاریگروں کی تعداد ۴۰ تھی جو کہ روم سے آئے تھے اور اتنے ہی کاریگر قبطیوں میں سے لیے گئے تھے.(۱۹۸) بلاذری (ت:۸۹۲ء) نے کہا ہے کہ کل ملا کر ۸۰ رومی اور قبطی کاریگر تھے جو کہ شام اور مصر سے آئے تھے اور ان سب نے مدینہ طیبہ کے مشہور معمار حضرت صالح بن کیسانؒ کی زیر نگرانی کام کیا تھا.(۱۹۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کا کام ربیع الاول ۸۸ ہجری میں (یا جیسا کہ بلاذری نے کہا ہے ۸۹ ہجری میں) شروع کروایا (۲۰۰) اور اس کی تکمیل میں تین سال صرف ہوئے. مسجد شریف کو مغربی جانب ۲۰ ذرع کی وسعت دی گئی جب کہ شرقی جانب چونکہ حجرات مبارکہ کی زمین بھی اس میں شامل ہو گئی تھی اس جانب اسے ۳۰ ذرع کی وسعت مل گئی تھی.(۲۰۱) مسجد شریف کا رقبہ اب ۲۰۰x۱۸۰ ذرع پر محیط ہو گیا تھا جو کہ تقریباً ۳۶۹ ۳،۳ مربع میٹر تھا.(۲۰۲) جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر شروع کروائی تو انہوں نے قریش اور انصار میں سے تمام اہل الرائے حضرات کو مدعو کیا. ساتھ ہی عامۃ الناس کے نمائندوں کو بھی بلایا اور کہا: [آپ آئیں اور قبلہ کی بنیاد رکھ دیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں یہ الزام لگ جائے کہ عمر نے آپ کا قبلہ ہی تبدیل کر دیا ہے.] (۲۰۳) یوں اس کا سنگ بنیاد مقام قبلہ پر رکھا گیا اور ساری مسجد کی بنیادیں استوار کی گئیں. تمام بنیادوں میں پتھر استعمال ہوئے مگر صحن مسجد میں جو ستون استوار ہوئے ان کو سیسہ کے ساتھ مقوی کر دیا گیا تھا.(۲۰۴) ستونوں پر لگانے کے لیے سنگ مرمر شام سے لایا گیا تھا. دیواروں پر گرینائٹ میں نقش و نگار کندہ کئے گئے تھے جو مصر سے منگایا گیا تھا (۲۰۵). انہوں نے ۴۵،۰۰۰ دینار دیوار قبلہ اور اس طرف پہلی دو روشوں پر دوہری چھت کی تعمیر اور تزئین و آرائش پر صرف کئے. جب ولید بن عبدالملک مدینہ آیا تو مسجد کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ رہ گیا. اس نے اتراتے ہوئے حضرت ابان ابن عثمانؓ سے کہا: ہماری تعمیر آپ کے والد کی تعمیر کے مقابلے میں کیسی ہے؟ حضرت ابانؓ نے فوراً جواب دیا: [ہم نے تو ایک مسجد بنوائی تھی، مگر تم نے تو اسے کلیسا بنا کر رکھ دیا ہے۔] (۲۰۶)

ابن نجار کے مطابق ولید کی تعمیر کردہ مسجد میں شرقاً غرباً ۶ روشیں اور شمالاً جنوباً مربع قبر کے ستون سے شمال کی طرف ۱۴ روشیں تھیں. ان میں سے ۱۰ روشیں تو صحن مسجد میں تھیں جبکہ چار روشیں مسجد شریف کے اس حصہ میں تھیں جو کہ دور مصطفوی میں تعمیر ہوا تھا. اسطوانہ مربع قبر سے

مشرق کی جانب چار روشوں کا اضافہ کر دیا گیا تھا.(۲۰۷) برآمدوں کی محرابوں کے بالائی حصوں میں لکڑی کی خوبصورت جالی لگوائی گئی تھی. چھت کی کل اونچائی ۲۵ ذرع (۱۲،۵ میٹر) تھی جس پر سیسہ کی پلیٹیں اور سیسہ سے بنے گارڈر (شہتیر) ڈالے گئے تھے. اگلے حصے کی چھت سے دو ذرع نیچے کی طرف خوبصورتی کے لیے ایک دوسری چھت بنادی گئی تھی. چھت سے پانی کے اخراج کے لیے چار پرنالے (میزاب) لگائے گئے تھے جو کہ سیسہ کے بنے ہوئے تھے. ان میں سے ایک میزاب موضع الجنائز کی طرف تھا جس سے بارش کا پانی اس گلی میں جا کر گرتا تھا جو کہ مسجد شریف اور دار آل عثمانؓ کے درمیان واقع تھی. اس حفاظتی مقصورہ کی جگہ جو کہ سیدنا عثمان بن عفانؓ نے مقام محراب عثمانی پر مٹی کی اینٹوں سے بنوایا تھا ایک نیا لکڑی کا بنایا ہوا مقصورہ نصب کر دیا گیا تھا جو کی سطح زمین سے دو ذرع اونچائی پر تھا.

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کے وقت پہلی بار مسجد شریف کی قبلہ کی دیوار پر خوبصورت خطاطی میں قرآنی آیات لکھی گئیں جو کہ باب مروان بن الحکم (موجودہ باب السلام) سے لے کر باب علی (موجودہ دور میں اس مقام پر حجرہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء کے سامنے باب جبریل کی جنوبی جانب ایک کھڑکی لگی ہے جس میں ایرکنڈیشنر لگا ہوا ہے) تک قرآن کریم کی مختلف سورتیں لکھی گئی تھیں جو کہ سورۃ 'الشمس' سے لیکر سورۃ 'الناس' کے آخر تک تھیں جسے اس وقت کے مشہور خطاط حضرت سعدؒ نے لکھا تھا جو کہ الحویطبؒ بن عبدالعزیٰ کے غلام تھے. ایک دیوار پر نہایت خوشخط انداز میں 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، محمدؐ عبدہ ورسولہ ارسلہ بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون، امر عبداللہ (اللہ کا بندہ) ولید بن عبدالملک بتقویٰ اللہ وطاعتہ ....' بھی لکھا گیا تھا.

مسلمان کاریگروں اور مزدوروں کے علاوہ اس منصوبے کی تکمیل کے لیے چالیس نبطی غیر مسلم معماروں نے بھی کام کیا تھا. مصری قبطیوں نے زیادہ تر قبلہ کی جانب کی دیوار پر کام کیا تھا جب کہ نبطیوں نے عقبی جانب کا کام نپٹایا تھا. چند روایات میں اس بات کا ذکر بھی ملتا ہے کہ نبطیوں میں سے ایک بدبخت کاریگر نے دیوار قبلہ کے روشن دانوں کی محرابوں کے اوپر خنزیر کی تصویر بنادی تھی. جونہی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دے دیا اور اس کی فوراً تعمیل کی گئی اور وہ تصویر مٹادی گئی. ان کاریگروں میں سے بہت سوں نے اسلام قبول کر لیا تھا. حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد شریف کی حفاظت کے لیے چوکیداروں کو تعینات کیا اور دروازوں پر آہنی زنجیریں لگوادیں تا کہ کوئی جانور اندر نہ داخل ہو سکے.(۲۰۹)

مسجد شریف کی قبلہ کی دیوار کے اوپر والے حصے پر مصوروں نے دیدہ زیب سنہری رنگوں میں درختوں اور پرندوں کی تصویریں بنائی تھیں جو کہ جنت کی خیالی انداز میں تصویر کشی کرتی تھیں. ابن زبالہ سے لے کر ابن نجار تک سب نے ان تصویروں کا ذکر کیا ہے. ابن عبدربہ (ت: ۳۲۸ ہجری) نے العقد الفرید میں مسجد شریف کی خوبصورتی کا نقشہ کچھ ان الفاظ میں کھینچا ہے: ''مسجد النبیﷺ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ قبلہ کی روشوں میں مشرق سے مغرب تک خوبصورت فرش لگایا گیا ہے. اس حصے میں دو سطریں ہیں اور ہر سطر میں ۷ استون ہیں اور ہر عمود اور ستون کے درمیان کافی فاصلہ رکھا گیا ہے. اس حصے میں واقع ستونوں پر سفید جپسم کیا گیا ہے اور یہ بہت ہی بلند ہیں، تمام ستونوں پر سنگ مرمر لگایا گیا ہے اور ان کے کراون سنہرے ہیں. ان ستونوں پر شہتیر ہیں جن پر نقش ونگار سونے کے پانی سے کیا گیا ہے اور محراب کا اگلا حصہ بھی سونے کے استعمال سے سنہرے رنگ کا ہے اور جو فرش محراب قبلہ میں ہے اس میں زیادہ سونے کا رنگ کیا گیا ہے. محراب کی منحنی چھت پر سونے سے رنگ وروغن کیا گیا ہے.'' تاہم انہوں نے دیوار قبلہ پر بنائی گئی تصاویر کے تفاصیل نہیں بیان کی اور نہ ہی دیگر معاصر روایتوں میں ان تصاویر کی تفاصیل دستیاب ہیں مگر پانچ صدیاں بعد (۵۸۰ ہجری میں) جب ابن جبیر نے مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو اس وقت تک وہ تصاویر موجود تھیں اور اس نے اپنے سفرنامہ میں زور قلم صرف کر کے ان تصویروں کے متعلق لکھا ہے: ''اور جانب قبلہ کی دیوار کا نچلا آدھا حصہ سنگ مرمر کی ٹائیلوں سے مزین ہے جو کہ ایک دوسرے پر لگی ہیں اور مختلف رنگوں اور ڈیزائنوں میں ہیں جو بہت ہی خوبصورت اور مسحور کن

منظر پیش کرتی ہیں. دیوار کے اوپر والے حصہ میں سنہری رنگوں میں چونے کی تہہ پر منظر بنائے گئے ہیں جن میں درختوں کی تصویریں ہیں جن کی ٹہنیاں پھلوں سے لدی ہوئی زمین کی طرف لٹکتی نظر آتی ہیں.'' (۲۱۰) وہ مزید لکھتے ہیں: 'درحقیقت مسجد شریف کی تمام عمارت بہترین ہے، مگر جانب قبلہ کی دیوار کی خوبصورتی کا تو جواب ہی نہیں! اسی طرح برآمدے کی جانب کی دیوار بھی کوئی کم حسین نہیں. مشرقی اور مغربی دیواریں سفید رنگ کی ہیں اور ان پر بھی مختلف رنگوں میں تصاویر ہیں. مسجد شریف کے حسن و جمال کو بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کیونکہ اس میں وہ بقعہ مبارکہ بھی ہے جہاں سید الابرار خیر البشر سیدنا محمد الرسول اللہ ﷺ محو استراحت ہیں.'' (۲۱۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مصوروں کو ان کے حسن کارکردگی پر دل کھول کر انعام و اکرام دیئے. اچھے مصور کو تیس درہم زیادہ دیئے جاتے تھے. جنت کی عکاسی کرنے کے لیے خوبصورت درخت اور محلات کی تصویریں بنائی گئیں. پہلی مرتبہ مسجد شریف میں تصویر کشی کی گئی تھی جس میں تزئین کے لیے رنگوں میں سونا استعمال کیا گیا تھا. اس تمام کام پر ایک ہزار مثقال سونا استعمال ہوا تھا. قبلہ کی جانب کی چاروں روشوں کے اوپر دوہری چھت ڈلوائی گئی تھی. نچلی طرف شیشم کی لکڑی سے بنی چھت بنائی گئی تھی جس پر دیدہ زیب آرائشی کام کیا گیا تھا. تمام ستون پتھر کے تھے جن کو سیسہ اور لوہے سے مضبوط کیا گیا تھا. سنگ مرمر شام سے جب کہ جپسم اور چونا مصر سے منگوایا گیا تھا. کالے پتھر اور تعمیر کا دیگر سامان مدینہ طیبہ سے حاصل کیا گیا تھا. (۲۱۲) جانب صحن برآمدوں میں پردے لٹکائے گئے تھے تاکہ نمازیوں کو موسم کے اثرات سے بچایا جاسکے. (۲۱۳) نچلی چھت کی بلندی ۲۳ ذرع تھی جب کہ اوپر والی چھت کی اونچائی ۲۵ ذرع تھی. (۲۱۴)

اس سے پہلے کبھی کبھار جب بارشوں کی بہتات ہوجاتی اور طیبہ طیّبہ کی وادیاں طغیانی سے بہہ نکلتیں تو وادی مہزور جو کہ مسجد نبوی شریف کے پاس سے گزرتی تھی اس کا پانی مسجد شریف اور بقیع الغرقد کے درمیانی علاقے سے امڈ آتا اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ پانی مسجد نبوی شریف میں داخل ہوجاتا جس کے نتیجے میں حجرات مبارکہ کی شرقی دیواریں متاثر ہوجاتیں. حضرت عبداللہ بن سائب المخزومیؓ اور یزید بن بکیر سے مروی ہے کہ کئی بار ایسا ہوا کہ وادی مہزور کا پانی مسجد نبوی شریف میں داخل ہوجاتا تھا. (ابن شبہ، ج:۱، ص: ۱۷۰) انہوں نے بہت سے انصار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بیان نقل کیا ہے کہ: ''وہ سیلاب جو کہ مسجد نبوی شریف میں آتا ہے وہ وادی مہزور ہی کا ہوتا ہے.

''جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حجرات مبارکہ کو مسمار کر کے مسجد کے رقبے میں شامل کردیا تو آئندہ پانی کے نقصان سے بچانے کے لیے انہوں نے مسجد شریف کی شرقی دیوار کو نسبتاً زیادہ عریض رکھا تاکہ طغیانی کے پانی سے عمارت کو نقصان نہ پہنچے. جب کہ مغربی جانب کی دیوار کی موٹائی ۲ ذرع (۹۵ سنٹی میٹر) سے کچھ ہی کم تھی شرقی دیوار کی موٹائی ۲ ذرع اور چار انگشت رکھی گئی تھی. (۲۱۵)

جہاں تک حجرہ مطہرہ (جس میں قبور مقدسہ ہیں) کا تعلق ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی شرقی دیوار اس وقت نئے سرے سے بنوادی تھی جو کہ بارشوں کی کثرت سے گرگئی تھی. اس طرح آستانہ رسالت مآب ﷺ کے ایک حصے کی تعمیر نو مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو سے پہلے ہی ہوچکی تھی مگر جب مسجد شریف کی تعمیر شروع کی گئی تو اسے از سرنو تعمیر کیا گیا. اس بار اس کی تعمیر سیاہ پتھروں سے عمل میں آئی اور اس کے اردگرد پتھر کی دیواروں کا پنجگوشہ تعمیر کردیا گیا تاکہ حجرہ مطہرہ کی سیاہ پتھروں سے بنی چوکور عمارت کعبۃ المشرفہ سے متشابہ نہ ہو جائے. کاشانہ سرور کونین ﷺ کے علاوہ دیگر حجرات مسجد شریف کی توسیع میں صرف ہوئے اور یوں حجرہ مطہرہ مسجد شریف کے بیچ میں آگیا تھا جس کی وجہ سے اس کے اردگرد چاروں طرف کی جگہ نمازیوں کے لیے کھل گئی تھی جہاں اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نماز ادا کیا کرتے تھے. خاص طور پر حجرہ مبارکہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کو مسجد میں شامل کرنے سے مسجد مصطفوی شمالی جانب نمازیوں کے لیے کھل گئی تھی اور وہاں باقاعدہ جماعت کی سطور کھڑی ہوا کرتی تھیں. مگر رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ: [میری قبر کو عبادت گاہ نہ بنایا جائے.] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کے گرد مختلف لمبائی کی پنج گوشہ عمارت تعمیر کرنا مناسب سمجھا تاکہ

مستقبل میں کوئی بھول سے بھی حجرہ مطہرہ کو کعبہ مشرفہ سے مشابہت دیکر فرمان رسول مقبول ﷺ کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھے .ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی ہوگی کہ یہ تعمیر نو ولید بن عبدالملک کے احکام سے ہو رہی تھی جو کہ دمشق میں بھی اسی زمانے میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کروا رہا تھا جو 'جامعہ امیہ' کے نام سے آج تک جانی جاتی ہے .لہذا دونوں کے طرز تعمیر میں کافی حد تک مماثلت پایا جانا قدرتی بات تھی .یہ ذکر کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جامع امیہ کے صحن میں بھی ایک جلیل القدر پیغمبر (سیدنا یحیٰی علیہ السلام) کی قبر تھی جسے اسی مقام پر رہنے دیا گیا تھا اور اس کے اردگرد اس مسجد کا صحن بنایا گیا تھا. جہاں تک مسجد مصطفوی کا تعلق ہے تو اس توسیعی منصوبے کی تکمیل پر حضور سرکار دوعالم ﷺ کا کاشانہ رحمت بھی مسجد شریف کے اندر آ گیا تھا اور اس کے چاروں اطراف میں صلوٰۃ باجماعت کے وقت اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ اجمعین قطار اندر قطار کھڑے ہوا کرتے تھے .اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ اس فرمان رسول مقبول ﷺ کے مضمرات کو کون جان سکتا تھا، مگر ان کے محل نظر ایک دوسرا فرمان رسول مقبول ﷺ بھی اتنی ہی اہمیت کا حامل تھا کہ انبیاء کرام اسی جگہ دفن ہوتے ہیں جہاں سے ان کی ارواح مقدسہ پرواز کرتی ہیں.

مسجد شریف کے چاروں گوشوں میں بلند و بالا مینار بنائے گئے تھے .اس سے پہلے دومۃ الجندل میں سیدنا عمر فاروق ؓ کے دور مبارکہ میں مسجد عمر کے ایک کونے میں مینار تعمیر کرنے کی مثال موجود تھی .سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے مسجد مصطفوی میں چاروں کونوں پر مینار تعمیر کروائے. یہ مینار مسجد شریف کے باہر کی طرف چاروں کونوں میں تھے جنہیں ۸x۸ ذرع (تقریباً ۴x۴ میٹر) کے رقبہ پر استوار کیا گیا تھا .تین مینار ۵۵ ذرع (۲۲،۵ میٹر) بلند تھے (۲۱۶) جب کہ چوتھا جو کہ شمال مغربی جانب تھا صرف ۳۵ ذرع بلند تھا.

یہاں ایک اور بات ہم قارئین کرام کی توجہ میں لانا چاہیں گے کہ اس تعمیر نو کے چند سال بعد جب سلیمان بن عبدالملک سریر آرائے سلطنت بنو امیہ ہوا تو اس کے حکم سے مسجد مصطفوی کے جنوب مغربی کونے والا مینار (جہاں آج کل باب السلام کا چھوٹا سا مینارہ ہے) منہدم کر دیا گیا. ایک بار جب وہ مدینہ طیبہ کے دورے پر تھا اور گورنر ہاؤس (جو کہ اس وقت دارمروان میں واقع تھا جو اس مینار سے متصل حصے میں باہر کی جانب تھا) کے صحن میں آرام کر رہا تھا کہ موذن کو اذان کے لیے مینارے پر جانا پڑا .سلیمان بن عبدالملک نے اس کو پسند نہ کیا کہ کوئی خلوت میں اس پر نظر ڈال سکے .لہذا فرمان شاہی جاری ہوا کہ مینارہ گرا دیا جائے اور فوراً اس کی تعمیل کی گئی. (۲۱۷) اور پھر آنے والی چھ صدیوں تک مسجد مصطفوی کے صرف تین مینارے ہی قائم رہے .۷۰۶ ہجری میں جب سلطان محمد بن قلاوون کا دور آیا تو اس نے حکم جاری کیا کہ اس کونے میں بھی ایک مینارہ تعمیر کیا جائے جسے محاصل حرم کے مبالغ سے تعمیر کیا گیا اور آج تک جتنی بار بھی توسیعات یا تعمیر نو ہوئی ہیں ان سب میں وہ مینارہ سلطان محمد بن قلاوون کی یادگار کے طور پر باقی رہنے دیا گیا ہے.

اب جب کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کردہ مسجد مصطفوی کو تیرہ صدیاں بیت چکی ہیں اور اس طویل عرصے کے دوران مسجد شریف متعدد بار تعمیر نو اور توسیع کے مراحل سے گزر چکی ہے ایسے میں یہ اندازہ لگانا کہ وہ مسجد شریف کیسی لگتی تھی یا فن تعمیر کا کیسا شاہ پارہ تھا صرف ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑانے والی بات ہے .البتہ اس وقت کی معاصر تعمیرات کے آثار قدیمہ سے کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے جو کہ بلاد عربیہ میں اس وقت معرض وجود میں آ چکی تھیں .دومۃ الجندل (جدید شہر الجوف کے قریب ہی اس کے کھنڈرات واقع ہیں) جو کہ مدینہ طیبہ سے ۴۰۰ کیلومیٹر کے فاصلے پر شمالی جانب واقع ایک سرسبز و شاداب شہر تھا جہاں غساسنہ کے نصرانی حکمران تھے .جب وہ شہر اسلامی عملداری میں آیا تو سیدنا عمر فاروق ؓ کے دور خلافت میں وہاں پتھروں سے ایک خوبصورت مسجد کی تعمیر ہوئی جس کے ساتھ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے عالم اسلام میں پہلی بار ایک بلند و بالا مینار تعمیر کیا گیا تھا .وہ مسجد تاریخ میں 'مسجد سیدنا عمر ؓ' کے نام سے جانی جاتی رہی .اگرچہ امتداد زمانہ سے مسجد عمر کی کئی بار مرمت اور تعمیر نو ہوئی مگر وہ مینار اپنی اصلی حالت میں سیدنا عمر فاروق ؓ کی یادگار کے طور پر رہنے دیا گیا .اب جب کہ وہ تمام
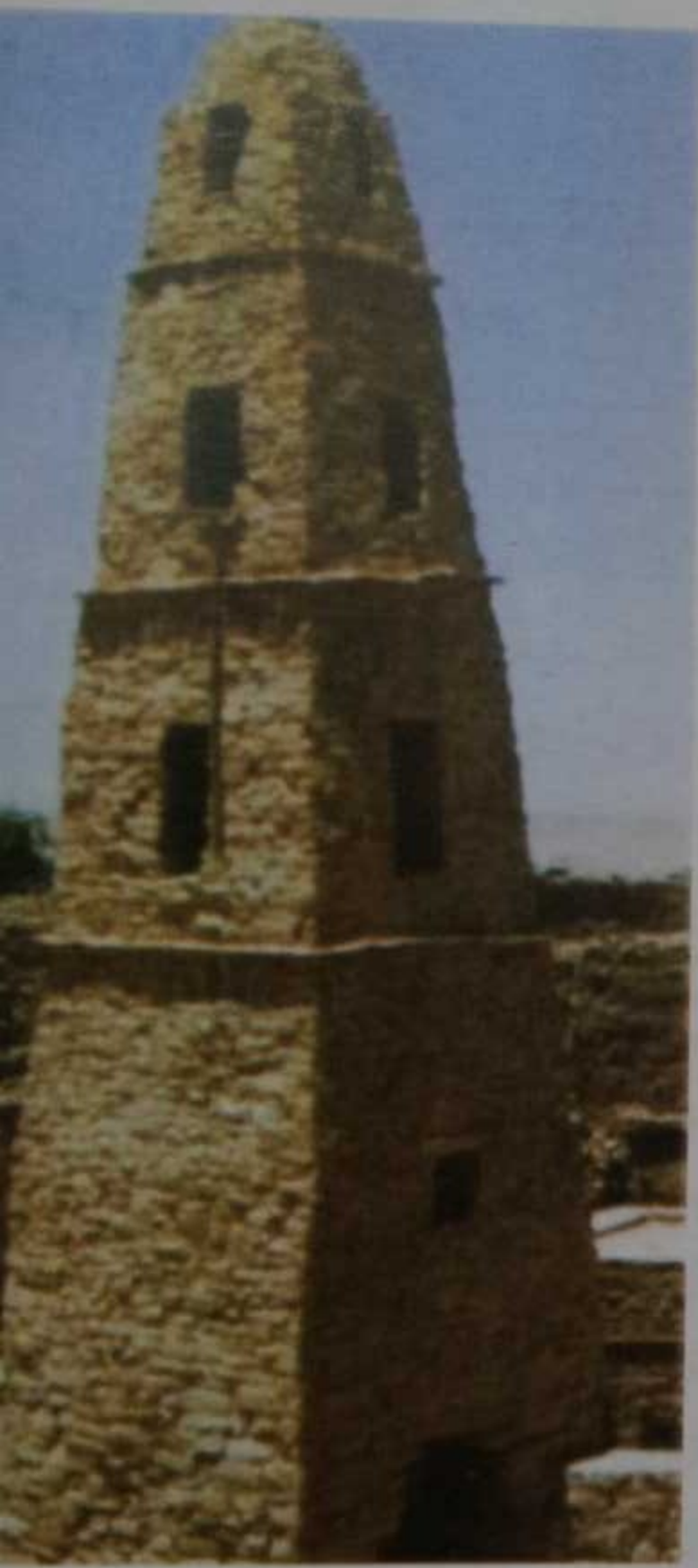
شہر کھنڈرات میں ڈھل چکا ہے اور مسجد کا معتد بہ حصہ بھی منہدم ہو چکا ہے وہ مینارہ نور آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ ارض دومۃ الجندل میں اعلائے کلمہ حق کر رہا ہے۔ (۲۱۸) سعودی حکومت نے اسے خلافت راشدہ کی تراث کے طور پر محفوظ کیا ہوا ہے۔ یہ منفرد آثار قدیمہ نہ صرف ہمیں خلافت راشدہ میں فن تعمیر مساجد پر ایک نظر ڈالنے کا لمحہ فکریہ فراہم کرتا ہے بلکہ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی شریف میں جب مینارے استوار کروائے تو ان کے سامنے اپنے جلیل القدر پڑ نانا (سیدنا عمر فاروقؓ رشتہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پڑ نانا لگتے تھے) کی تعمیر کردہ نظیر تھی جس کو سامنے رکھ کر مسجد نبوی شریف میں مینار تعمیر کئے گئے تھے۔ قدیم ترین تواریخ میں مسجد نبوی شریف پر تعمیر کئے جانے والے میناروں کی تفصیل پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ جزئیات تک مسجد نبوی شریف کے وہ مینارے اس مینار سے گہری مماثلت رکھتے تھے جو کہ سیدنا عمر فاروقؓ نے دومۃ الجندل میں تعمیر کروایا تھا۔ آج بھی اس آثار قدیمہ کی باقیات کا ارتفاع اور حدود اربعہ اور مربع شکل اور چار منزلیں ان تفاصیل سے مطابقت رکھتی ہیں جو کہ ان میناروں کی تھیں جو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد مصطفوی پر تعمیر کروائے تھے۔

اس مقام پر ہم یہ وضاحت ضرور کرنا چاہیں گے کہ دومۃ الجندل میں موجود آثار قدیمہ کو مسجد نبوی شریف کے میناروں کی نظیر نہ سمجھ لیا جائے۔ یہ صرف حسن اتفاق ہے کہ وہ ابھی تک بقید حیات ہے جب کہ مسجد نبوی شریف کے مینارے کئی صدیاں ہوئیں تعمیر نو کے چکر میں مسمار کر دیئے گئے تھے۔ دونوں کی تعمیر میں نصف صدی کا فاصلہ بھی محل نظر رہے۔ ہماری درخواست ہے کہ قاری سوائے دونوں شہ پاروں کے درمیان کچھ ممکنہ مماثلت کے یہ نہ سمجھ لے کہ مسجد نبوی شریف پر بننے والے مینارے ہو بہو ایسے ہی تھے۔ دونوں میں اگر کچھ تعلق ہے تو وہ صرف یہ کہ ایک خلافت راشدہ کی یادگار ہے اور دوسرا ایک جلیل القدر تابعی نے پہلی بار مسجد مصطفوی پر بنوانے کا اہتمام کیا تھا۔ دونوں کی بلندی اور رقبہ اور منزلیں ایک جیسی ضرور تھیں۔ اس بات سے ہمارا مقصد یہ بھی ہے کہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو مینارہ بنوایا تھا وہ عالم اسلام کی کسی مسجد میں پہلا مینارہ تھا بلکہ یہ کہ خلافت راشدہ میں سیدنا عمر فاروقؓ بھی اس سے پہلے ایک بلند و بالا مینارہ نور تعمیر کروا چکے تھے جسے اس قسم کے فن تعمیر میں اسلام میں اولیت حاصل ہے۔ سیدنا عمر فاروقؓ کے تعمیر کردہ مینارے کو سامنے رکھتے ہوئے پہلی نصف صدی ہجری میں بلاد العرب میں اس کی بہت سی مثالیں بن چکی تھیں جس کی نظیر زیاد بن ابیہ کی بنائی ہوئی بصرہ کی مسجد ہے جو کہ ۴۵ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں بنائی گئی تھی۔ اور ایسی ہی ایک اور نظیر مسجد حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر کی ہے جو کہ انہوں نے فسطاط (موجودہ قاہرہ کے مضافات میں) میں ۵۳ ہجری میں بنوائی تھی۔ (۲۱۹) ان دونوں مساجد کے کھنڈرات بیسویں صدی کے اوائل میں دریافت ہوئے تھے۔

دومۃ الجندل میں سیدنا حضرت عمرؓ کی مسجد پر بنائے گئے مینار کی ایک تصویر

ابن نجار نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حجرات مبارکہ امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کو مسمار کر کے ان کا رقبہ مسجد نبوی شریف میں شامل کر لیا تھا۔ مسمار کرنے کے بعد نہ صرف ان کے ملبہ بلکہ پوری مسجد مصطفوی شریف کے ملبہ کو پامال نہیں ہونے دیا گیا بلکہ اسے بڑے احترام سے اٹھوا کر حرہ غربیہ لے جایا گیا جہاں انہوں نے اس سے اپنے مکان کی تعمیر کروائی اور جو ملبہ حجرات مطہرہ سے حاصل ہوا تھا اس سے انہوں نے اپنے مکان پر چھتیں ڈلوائی تھیں اور ابن نجار کے بیان کے مطابق وہ مکان زیارت گاہ خاص و عام تھا اور ان کے دور تک (یعنی چھٹی صدی ہجری تک) صحیح حالت میں تھا سوائے اس کے کہ اس کی دیواروں پر باقاعدہ سفیدی ہوا کرتی تھی۔ (۲۲۰)

فن تعمیر کے نقطہ نظر سے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد مصطفوی میں دو نئی چیزوں کا اضافہ کیا تھا. ایک تو محراب قبلہ تھی جو کہ دیوار کو منحنی اور محدب کر کے بنائی گئی تھی اور دوسری مینارہ جات کی تعمیر تھی. جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے میناروں کی نظیر تو خلافت راشدہ کے دور سے ملتی تھی مگر قبلہ کی محراب کا پہلی بار کسی مسجد میں اضافہ ہوا تھا مگر یہ دونوں چیزیں مسجد نبوی شریف میں ہونے کی وجہ سے اتنی شہرت پا گئیں کہ چار دانگ عالم میں مساجد کے فن تعمیر کا جزو لاینفک بن چکی ہیں. آج جب ہم اسلامی فن تعمیر کی بات کرتے ہیں تو اس کا ذکر مینارہ و محراب کے بغیر مکمل نہیں ہوتا جو درحقیقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی یاد تازہ کرتی ہیں. اس کے بعد تقریباً پانچ صدیوں تک یہی طرز تعمیر مساجد کے لیے مشعل راہ رہا. اس کے بعد اس میں ایک اور اضافہ ہوا جو کہ گنبد شریف کا ہے جو کہ عباسی فن تعمیر کی نشانی ہے. قبہ جات (گنبد) سب سے پہلے مزارات پر بنائے گئے مگر دیکھتے ہی دیکھتے یہ اتنے مقبول ہوئے کہ تمام عالم اسلام میں مساجد کا طرہ امتیاز بن گئے. آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ گنبد (عربی جنبذہ۔ جمع جنابذ) محلات میں دوسری صدی ہجری میں بننے شروع ہو گئے تھے، مگر مساجد میں ان کا رواج اس وقت ہوا جب کہ روضہ خیرالانام ﷺ پر پہلا گنبد تعمیر ہوا اور پھر اس کے بعد سے مساجد میں محرابوں میناروں اور گنبدوں کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے.

ابتدائی عباسی دور میں مسجد شریف کی توسیع اور دیکھ بھال

عباسی عہد کے شروع میں خلیفہ جعفر المنصور کے دنوں میں جب حسن بن زید ابن الحسن بن علیؓ مدینہ طیبہ کا گورنر تھا تو مسجد شریف میں کچھ ترامیم اور مرمت کروائی گئیں. بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسن ابن زید نے مسجد شریف میں ایک نیا دروازہ بنوانے کا حکم دیا تھا جسے باب زید کہا جاتا تھا. دیواروں کے کچھ حصے شکست و ریخت کا شکار ہو چکے تھے. لہذا اس نے حکم دیا کہ ان متاثرہ حصوں کو نئے سرے سے بنا دیا جائے. صحن مسجد میں نمازیوں کو دھوپ سے بچانے کے لیے پردوں کا انتظام کیا گیا. اس نے ۱۵۱ ہجری (۷۶۷ء) میں مسجد میں پرانا سنگ مرمر کا فرش اکھڑوا کر نیا مرمریں فرش لگوایا اور منبر رسول مقبول ﷺ کے نیچے مرمر کا ایک مرتفع چبوترہ بنا کر نصب کیا جو کہ بعد میں حوض الکوثر کے نام سے جانا جانے لگا تھا جیسا کہ ابن جبیر نے اپنے سفرنامے میں ذکر کیا ہے. تاہم ان چھوٹے موٹے کاموں کے علاوہ مسجد شریف میں توسیع کا کوئی کام نہ ہوا.

سمہودیؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ ابوالعباس السفاح تھا جس نے سب سے پہلے عباسیوں میں سے مسجد کی توسیع اور تزئین کا حکم ۱۳۲ ہجری میں جاری کیا، مگر چونکہ وہ زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکا اس لیے اس حکمنامے پر عمل درآمد نہ ہو سکا. (۲۲۱) البتہ حافظ ابن نجار کے مطابق یہ ابوالعباس نہیں بلکہ ابوجعفر المنصور تھا جس نے عباسیوں میں سب سے پہلے مسجد نبوی شریف کی توسیع کا منصوبہ بنایا. اس کی خواہش تھی کہ مسجد شریف کو شرقی جانب اس حد تک وسعت دے دی جائے کہ موضع الجنائز اور دار عثمان بن عفانؓ بھی اس میں شامل ہو جائیں اور روضہ رسول مقبول ﷺ مسجد شریف کے اندر درمیان میں آ جائے. (۲۲۲) جب مہدی عباسی سریر آرائے خلافت ہوا تو اس کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ مسجد بہت حد تک نمازیوں کے لیے ناکافی ہو چکی تھی اور یہ مسئلہ خصوصی طور پر حج کے موسم میں شدت اختیار کر جاتا تھا. لہذا اس نے مسجد شریف کی توسیع کا حکم دیا. ان دنوں جعفر بن سلیمان بن علی مدینہ طیبہ کا گورنر تھا جس نے ۱۶۲ ہجری (۷۷۸ء) میں کام شروع کروا دیا. حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پوتے عبداللہ بن عاصم بن عمر اور عبدالملک بن شبیب الغسانی کو نگران مقرر کیا گیا. (۲۲۳) مسجد شریف کو صرف شمالی جانب وسعت دی جا سکی جو کہ ۱۰۰ ذرع تھی، یعنی اب اس کا طول ۳۰۰ ذرع بن گیا. شرقی اور غربی جانب کوئی توسیع نہ ہونے کے سبب مسجد کی چوڑائی پہلے کی طرح ۲۰۰ ذرع رہی، البتہ مسجد کے ارتفاع میں ۲ ذرع کا اضافہ ہوا. (۲۲۴)

چونکہ ایسی شکایات موصول ہوئی تھیں کہ وادی مہزور کی طغیانی کا پانی مسجد میں داخل ہو جایا کرتا تھا اس کا سد باب کرنے کے لیے باور کیا جاتا ہے کہ مسجد شریف کا فرش کافی حد تک بلند کر دیا گیا ہو اور شائد یہی وجہ تھی کہ چھت دو ذرع (ایک میٹر) تک مزید بلند کر دی گئی تھی. مہدی نے وہ مقصورہ جو کہ محراب عثمانی پر حفاظتی اقدامات کے طور پر بنوایا گیا تھا مسمار کروا دیا اور وہاں کا فرش نیچا کر کے باقی مسجد کے صحن کے برابر کروا دیا. پہلے تو اس نے خوخہ آل عمر بھی بند کروا دیا تھا مگر جب بہت زیادہ احتجاج ہوا تو اس نے انہیں خوخہ کی جگہ سرنگ (سرداب) بنوا کر دی جس سے وہاں کے مقیمین آسانی سے حجرہ مطہرہ تک آ جا سکتے تھے.

مہدی کی کروائی ہوئی توسیع کے بعد مسجد نبوی شریف کے کل ۲۴ دروازے ہو گئے تھے جن میں سے ۸ شرقی جانب، ۸ غربی جانب، ۴ شمالی طرف اور ۴ جنوبی دیوار میں جانب قبلہ تھے. وہ دروازہ جو کہ ماضی میں باب مروان کہلاتا تھا اب صرف بڑی شخصیتوں کے لیے مختص کر دیا گیا. ایک دروازہ جو کہ محراب عثمانی کے دائیں جانب تھا بیت القنادیل کی طرف جاتا تھا جو کہ مسجد نبوی شریف کی دیوار قبلہ کے ساتھ ہی بنایا گیا تھا جہاں روشنی کے لیے قندیلیں سٹور کی جاتی تھیں. (۲۲۵) میناروں کی تعداد پہلے کی طرح تین ہی رہنے دی گئی. ابن نجار کے مطابق میناروں کی بلندی ۵۵ ذرع تھی اور سطح ارض کے قریب ان کا رقبہ بھی ۸×۸ ذرع ہی رہنے دیا گیا تھا جیسا کہ بنو امیہ کے دور میں تھا. (۲۲۶) ابن زبالہ جو کہ مہدی عباسی کے ہم عصر تھے اور جن کے سامنے مسجد شریف کی توسیع اور ترمیم ہوئی تھی نے بیان کیا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے اواخر میں دیوار قبلہ میں ۱۱ روشن دان (محراب دار) ہوا کرتے تھے اور اتنے ہی روشن دان شمالی جانب کی عقبی دیوار میں بھی تھے جبکہ شرقی اور غربی دیواروں میں ہر جانب ۱۹ روشن دان تھے. ان تمام روشن دانوں میں لکڑی کی جالیاں لگائی گئی تھیں.

توسیع کے لیے شمالی جانب جو خالی اراضی یا مکانات تھے وہ بحق سرکار خرید لیے گئے تھے جن میں مندرجہ ذیل گھر آئے تھے: دار عبدالرحمٰن بن عوفؓ (جسے دار ملیکہ کہا جاتا تھا)، دار شرحبیل بن حسنہؓ، دار مسور بن مخزمی الزہری اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے مکان کا باقیماندہ حصہ جو کہ پچھلی توسیع سے بچ گیا تھا جسے دار القراءۃ کہا جاتا تھا. (۲۲۷) تعمیر کا کام ۱۶۲ ہجری میں شروع ہوا اور ۱۶۵ ہجری میں اختتام پذیر ہوا صحن مسجد میں ۶۴ مقامات پر مختلف مقامات پر بارش کے پانی کے نکاس کے لیے چھوٹے چھوٹے پی ٹریپ طرز کے مخرج لگا دیئے گئے جن سے پانی پتھر کی نالیوں کے ذریعے باہر نکل جاتا تھا. پینے کے پانی کے لیے سقایہ جات نصب کئے گئے تھے. (۲۲۸)

دیگر عباسی خلفاء کے ادوار میں مسجد شریف کی مرمت اور دیکھ بھال

ہارون الرشید کے دور میں ۱۷۳ ہجری میں جب مسجد شریف کی عمارتی پائیداری کا تفصیلی معائنہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ چھت میں استعمال شدہ ستر کے لگ بھگ تختیاں بوسیدہ ہو چکی تھیں یا کئی جگہ سے ٹوٹ چکی تھیں اور کئی مقامات پر بارش کا پانی رسنے کے نشانات بھی پائے گئے تھے. لہٰذا فوراً کارروائی کی گئی اور متاثرہ تختیوں کو تبدیل کیا گیا اور جہاں کہیں بھی پانی کے رسنے کے آثار پائے گئے وہاں مناسب مرمت کردی گئی. (۲۲۹) کام کے دوران پانی کو مسجد شریف کے اندر جانے سے روکنے کے لیے پتھریلی باڑ لگادی گئی تھی. تمام کام فلسطینی ماہرین نے کیا. ہارون الرشید کے بعد کچھ کام مامون الرشید کے دور میں ۲۰۲ ہجری (۸۱۷ء) میں بھی ہوا. (۲۳۰) پھر اس کے بعد ۲۴۶ ہجری میں جعفر المتوکل علی اللہ کے دور میں بھی تجدید اور مرمت کا کام کروایا گیا اور اسی طرح ۲۶۴ ہجری میں متوکل علی اللہ نے دوبارہ مرمت کا کام کروایا. اس نے مسجد شریف کے فرش پر سنگ مرمر کی دبیز سلیں لگوا کر اس کا فرش بہت اونچا کروا دیا. ۲۸۲ ہجری میں المعتضد باللہ نے شرقی جانب کچھ مرمت کا کام کروایا. پھر آنے والی تین صدیوں میں زیادہ کام نہیں ہو سکا. اس کے بعد ۵۴۸ ہجری میں المقتفی باللہ کے دور میں جب نورالدین زنگی اور ان کے وزیر جمال الدین اصفہانی نے مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو حجرہ مطہرہ کی حفاظت کے لیے پنجگوشہ کے گرد سیسہ پلائی ہوئی دیوار زیر زمین کروادی اور پنجگوشہ پر خوبصورت سنگ مرمر کی ٹائلیں لگوادی گئیں. ۵۷۶ ہجری میں جب ناصر الدین اللہ کا دور آیا تو اس نے مسجد شریف کے احاطے کے وسط میں ایک گنبد تعمیر کروایا جہاں قیمتی تحائف، آثار نبویہ اور مصحف شریف کے چند نہایت ہی قدیم اور نادر نسخے محفوظ کئے گئے جن میں مصحف عثمانی بھی شامل تھا. (۲۳۱) عباس کرارہ کے مطابق بہت سی اشیاء کو جو کہ سید الاولین والآخرین رحمت اللعالمین ﷺ کے زیر استعمال رہی تھیں آثار نبویہ اور تبرکات کے طور پر وہیں رکھا گیا تھا مثلاً ردائے مبارکہ اور چند دیگر کپڑے اور اشیاء جو کہ بعد میں ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ کی تحویل میں تھے جن سے بیماروں کا علاج کردیا کرتی تھیں سب اسی قبہ شریفہ میں محفوظ کئے گئے تھے. ان میں کچھ آثار مبارکہ اصحابہ کرام اور افراد اہل بیت الطاہرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بھی تھے اور ایک غلاف کعبہ بھی تھا. (۲۳۲) شمال مشرقی جانب کی دیوار کا کچھ حصہ جو کہ باب النساء (مقابل دار اسماء بنت الحسین بن عبداللہ بن عباس ؓ) بھی دوبارہ بنوایا گیا. اس کے علاوہ عباسی دور میں مزید کوئی توسیع نہ ہو سکی.

جہاں تک مہدی عباسی کی توسیع کے بعد مسجد شریف کے کل رقبے کا تعلق ہے ابن نجار (جس نے اس کی چاروں اطراف سے ایک رسی لے کر پیمائش کی تھی) رقمطراز ہیں کہ جانب قبلہ سے (صحن مسجد سے) شمالی جانب مسجد شریف کی لمبائی ۱۵۴ ذرع اور ۴ بالشت تھی جب کہ مشرق سے مغرب تک اس کی چوڑائی ۱۷۰ ذرع تھی اور سطح ارضی سے مسجد کا ارتفاع ۲۵ ذرع تھا. (۲۳۳)

مشہور اسلامی سیاح ابن جبیر نے (جس نے ۵۸۰ ہجری میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی) ہمارے لیے اپنے سفر نامے میں بہت ہی بیش قیمت معلومات چھوڑی ہیں. دیگر باتوں کے علاوہ وہ لکھتے ہیں کہ: ''مسجد شریف مستطیل شکل میں ہے اور اس کے صحن کے چاروں طرف برآمدے ہیں. صحن کے فرش پر ریت اور سنگریزے ڈالے گئے ہیں. جنوبی جانب پانچ روشیں ہیں جو شرقاً غرباً ہیں اور اسی طرح شمالی جانب بھی پانچ روشیں ہیں جو اسی طرز پر بنائی گئی ہیں. شرقی جانب صرف تین روشین ہیں جبکہ غربی جانب چار ہیں. قبلہ کی جانب مسجد کی چوڑائی ۲۴ ذرع ہے اور شرقی جانب ۳۰ ذرع اور شرقی کونے سے لے کر شمالی جانب ۳۵ ذرع کا فاصلہ ہے اور شمالی کونے سے غربی جانب ۳۹ ذرع ہے اور پھر مغربی کونے سے جنوبی جانب ۲۴ ذرع طویل ہے.'' دیگر تفاصیل کے علاوہ وہ بیان کرتا ہے کہ مسجد شریف کے کل ۱۹ دروازے ہیں جن میں سے صرف ۴ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں جو کہ مغرب میں دو یعنی باب الرحمہ اور باب خاشعہ (شاید اس کی مراد باب السلام سے ہے جسے اس وقت باب خاشعہ کہا جاتا ہوگا) اور دوسرے دو دروازے شرقی جانب تھے جو کہ باب جبریل اور باب رخاء تھے. وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ باب

جبریل کے سامنے دار عثمان بن عفانؓ ہے جہاں ان کی شہادت ہوئی تھی اور مقصورہ شریفہ کی شرقی جانب جمال الدین الموصلی (الاصفہانی) کا مزار ہے۔(۲۳۴)

مسجد نبوی شریف میں خوفناک آتش زدگی

مسجد نبوی شریف میں رمضان ۶۵۴ ہجری میں اچانک آگ لگ گئی جس سے اس کی عمارت کو شدید نقصان پہنچا۔اس سے چند ماہ پہلے خوفناک زلزلوں اور آتش فشانی انفجار نے مدینہ طیبہ کے گرد شرقی جانب بہت تباہی مچائی تھی۔لوگ ابھی اس آفت ناگہانی کی تباہکاریاں نہیں بھولے تھے کہ اچانک آگ نے مسجد مصطفوی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔مسجد کی دیکھ بھال کے لیے ابی بکر بن اوحد نامی ایک خادم متعین تھا (۲۳۵) جس کے فرائض میں رات کے وقت مسجد شریف میں قندیلیں روشن کرنا بھی شامل تھا۔مسجد کے شمال مغربی کونے میں سٹور تھا جہاں موم بتیاں اور قندیلیں رکھی جاتی تھیں۔رمضان کی ایک رات وہ سٹور میں ایک جلتی ہوئی موم بتی لے کر گیا تاکہ کچھ اور موم بتیاں لاکر مسجد شریف کے میناروں کو روشن کر سکے۔بدقسمتی سے اس نے جلتی ہوئی شمع ایک ایسی جگہ رکھ دی جہاں بہت سی قندیلیں پڑی تھیں۔اس کی تھوڑی سی غفلت سے وہ قندیلیں جل اٹھیں اور شعلے بھڑکنے لگ گئے۔بسیار کوشش کے باوجود اس سے آگ نہ بجھ سکی اور دیکھتے ہی دیکھتے آگ نے گردو پیش کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔لوگ افراتفری میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے مگر آگ کی شدت تھی کہ قابو میں نہیں آرہی تھی۔اس بھگدڑ میں بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔کچھ تو آگ کے شعلوں کی نذر ہوگئے اور کچھ پاؤں تلے آکر روندے گئے۔آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کررہے تھے اور ہر طرف سیاہ دھوئیں کے بادل پھیل کر رات کی تاریکی میں بھیانک اضافہ کررہے تھے۔حکومتی مشینری اور ہر کس و ناکس آگ بجھانے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا مگر اس آفت ناگہانی کے سامنے سب بے بس ہوکر رہ گئے تھے۔(۲۳۶)

آگ کے شعلوں نے تمام مسجد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔چھتوں اور روشن دانوں میں چونکہ شیشم اور دیگر قسم کی لکڑی استعمال ہوئی تھی اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور درو دیوار سے آگ کے شعلے لپکنے لگے۔بالآخر جب اس پر قابو پالیا گیا تو اس وقت تک بہت سا پانی سر سے گزر چکا تھا اور مسجد نبوی شریف کا بہت سا حصہ راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا۔ہر قیمتی تنصیب تباہ ہوچکی تھی۔ہر طرف لوگ آہ و بکاء کررہے تھے۔قطب القسطلانی کے الفاظ میں:[مسجد شریف میں جو کچھ بھی اس وقت موجود تھا مثلاً منبر شریف، دروازے، خزائن، کھڑکیاں، مقصورہ جات اور کتابوں سے بھری ہوئی الماریاں اور حجرہ مطہرہ کا غلاف جس میں ۱۱ پردے تھے، سب کے سب جل کر خاکستر ہوچکے تھے۔] (۲۳۷) صرف وہ چند نایاب چیزیں اور تبرکات (جن میں مصحف عثمانی بھی شامل تھا) اس آگ سے معجزانہ طور پر محفوظ رہ سکے تھے جو کہ صحن مسجد میں واقع قبہ میں صندوقوں میں حفاظت سے رکھے گئے تھے۔جیسا کہ المطری نے کہا ہے یہ سب مصحف عثمانی کی برکتوں کا اثر تھا کہ یہ قبہ آگ سے محفوظ رہا تھا۔

یوں وہ سارا اثاثہ جو کہ مسجد نبوی شریف میں پچھلی چھ صدیوں سے جمع ہوتا رہا تھا پلک جھپکنے میں خاکستر ہوگیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے بنو امیہ اور بنو عباس کی شاہکار تراث، علم و فن کے موتی، نادر قلمی نسخے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ متاع کارواں مسند اور منبر شریف جہاں سرکار دو عالم ﷺ تشریف رکھا کرتے تھے، سب کچھ جل گیا تھا۔خطاطی اور نقاشی کے وہ نادر شاہ پارے جو کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں بنائے

گئے تھے اور جن کو عباسی دور نے مزید جلا بخشی تھی وہ سب کے سب نظروں سے اوجھل ہو گئے. دیوار قبلہ پر بنائے گئے نقش و نگار اور خوبصورت تصاویر جو کہ جنت کی عکاسی کرتی تھیں سب تباہ ہو گئیں. اس جانکاہ حادثے نے امت مسلمہ کو اپنے بہت ہی قیمتی اثاثے سے محروم کر دیا تھا.

یہ المناک حادثہ معتصم باللہ - آخری عباسی خلیفہ - کے دور میں رونما ہوا فوری طور پر قاصد بغداد روانہ کئے گئے تا کہ خلیفہ کو اس جانکاہ حادثہ سے مطلع کیا جائے اور وہ مسجد شریف کی تعمیر نو اور بحالی کے لیے فوری اقدام کرے. خلیفہ نے مسجد شریف کی تعمیر نو کے احکامات جاری کر دیئے اور کچھ تعمیر کا سامان بھی ارسال کیا مگر اس کی قسمت میں بحالی مسجد شریف کی سعادت نہ تھی. سقوط بغداد سے پہلے معتصم باللہ صرف چند معماروں اور کاریگروں کو (بمع چند اونٹوں کے جو کہ سامان، مشینری اور روپے پیسے سے لدے تھے) روانہ کر سکا جو کہ اتنے بڑے نقصان کی تلافی کے لیے ناکافی تھے. بغداد سے جو تھوڑا بہت سامان پہنچا اس سے مرمت کا کام شروع کر دیا گیا. اس سے صرف مقصورہ شریفہ کی چھت ہی بدلی جا سکی تھی جس میں قبور مطہرہ ہیں، یا پھر اس کے علاوہ کچھ عارضی نوعیت کے کام کروائے گئے تا کہ مسجد شریف میں نمازیوں کو عبادت کرنے میں دقت نہ ہو. ادھر مسجد مصطفوی پر ابتلاء آیا اور ادھر تاتاریوں نے بغداد کو تاخت و تاراج کر دیا. مسجد نبوی شریف میں اموی اور عباسی یادداشتیں کیا گئیں خلافت کا سنہرہ دور لد گیا اور پوری امت کا شیرازہ بکھر گیا. یہ تو اللہ رب العزت کا کرم رہا کہ تاتاریوں کے قدم صرف بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رک گئے اور حجاز ان کی چیرہ دستیوں سے بچ گیا. اس سیاسی زلزلے کے نتیجے میں اسلامی ریاستوں میں بے یقینی کی سی کیفیت ہو گئی اور سردست کوئی بھی آگے بڑھ کر مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو کے لیے وسائل اکٹھے نہ کر سکا اور یوں مرمت اور تعمیر نو کا کام تقریباً ایک سال تک رکا رہا مصر کے شاہ نور الدین ایبک الصالحی نے لکڑی کے تختے اور کچھ سامان ارسال کیا. تاہم ایک سال بعد، یعنی ۶۵۵ ہجری میں، جب حالات کچھ معمول پر آنے لگے تو شاہ یمن ملک المظفر سلطان المنصور عمر بن رسول نے تعمیر نو کا حکم دیا اور اس نے اس کام کے لیے کافی وسائل بھی مہیا کئے اور ایک نیا منبر بھی بنوا کر ارسال کیا. اس کے ساتھ ہی چند دیگر صوبوں کے حکمرانوں اور مخیر حضرات نے آگے بڑھ کر اس کام کو مکمل کروانے کے بیڑہ اٹھایا اور یوں کام پوری دلجمعی، سرعت اور تندہی سے شروع ہو گیا. اسی اثناء میں شاہ ظاہر بیبارس الصالحی البند قداری نے مملوک حکومت کی عنان اپنے ہاتھوں میں لی اور اس نے دل کھول کر اس کام کے لیے وسائل مہیا کئے. یوں مصر سے مادی وسائل اور تجربہ کار کاریگر مدینہ طیبہ پہنچنے لگ گئے. (۲۳۸) اس طرح زیادہ تر کام بیبارس کے دور میں مکمل ہوا. اس نے دوہری چھت تعمیر کرنے کا اہتمام کیا جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کروایا تھا. (۲۳۹) دو سالوں میں کام پایہ تکمیل کو پہنچا.

۶۶۶ ہجری میں شاہ بیبارس نے مسجد نبوی شریف کے لیے ایک نیا منبر بنوا کر ارسال کیا. (۲۴۰) اس نے حجرہ مطہرہ کے گرد مقصورہ نئے سرے سے تعمیر کروایا اور اسے شمال کی جانب بڑھا دیا. شاہ بیبارس کی وفات پر مملوک خاندان سے یکے بعد دیگرے کئی جانشین آئے اور سب نے مسجد نبوی شریف کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی. طوغان الشیخ نے ۶۸۰ ہجری میں مسجد نبوی شریف میں ایک نئی محراب تعمیر کروائی. یہ مملوک سلاطین ہی تھے جن میں سے ایک (سلطان المنصور سیف الدین قلاوون الالفی الصالحی) نے ۶۷۸ ہجری (۱۲۷۹ء) میں حجرہ مطہرہ پر پہلی بار گنبد تعمیر کروایا. (۲۴۱) اس کے دور میں صحن مسجد کی شرقی اور غربی جانب روشوں پر چھتیں بھی دوبارہ ڈلوائی گئیں. اس کے بعد بھی آنے والے مملوک سلاطین نے بوقت ضرورت مسجد شریف کی پوری دیکھ بھال کا بندوبست جاری رکھا. ۷۶۵ ہجری میں سلطان شعبان بن حسین بن الناصر محمد بن قلاوون نے حجرہ مطہرہ پر گنبد کی بڑے پیمانے پر مرمت کروائی. حقیقت تو یہ ہے کہ خدمت مسجد مصطفوی میں ان میں سے ہر ایک اپنے پیش رو سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتا رہا. ۸۳۱ ہجری میں قبلہ اور عقبی جانب کی روشوں پر چھتوں کی تجدید کی گئی. ۸۵۳ ہجری میں مسجد شریف کی چھت (خاص طور پر روضۃ الجنہ پر) میں کچھ شکست و ریخت کے آثار پائے گئے لہذا الملک الظاہر جقمق نے فوری مرمت اور تجدید کروادی. اسی طرح ۸۷۹ ہجری میں سلطان قیتبائی کی حکومت کے ابتدائی دنوں میں، خواجہ شمس الدین بن الزمان کی سفارشات پر چند

ستونوں اور شمال مشرقی مینارے (جس کو سنجریہ کہا جاتا تھا) کے قریب چھت کی مرمت کروائی. (۲۴۲) سلطان قیتبائی نے وسیع پیمانے پر مرمت کا حکم دیا اور یہ تمام کام ۸۸۰ ہجری میں مکمل ہو گیا.

مسجد نبوی شریف میں دوبارہ آگ کا حادثہ

پہلے آتشیں حادثے کو بمشکل ابھی تین صدیاں ہی گزری ہوں گی کہ اسلام کا یہ مقدس ترین بقعہ نور ایک بار پھر آگ کی لپیٹ میں آ گیا. اس بار آگ کی وجہ انسانی فروگزاشت نہ تھی بلکہ یہ ایک قدرتی آفت کی صورت میں بلائے ناگہانی کے طور پر نازل ہوئی تھی. ۱۳ رمضان ۸۸۶ ہجری کی شام شمس الدین بن الخطیب موذن اعلیٰ مسجد نبوی شریف اذان دینے کی غرض سے مینارہ رئیسیہ (مؤذنہ) پر گئے. رات کے وقت ہر طرف گھپ اندھیرا تھا اور اس رات مدینہ طیبہ پر بلا کا طوفان بادوباراں تھا. یکا یک ان پر آسمانی بجلی گر گئی بجلی کا گرنا تھا کہ مینارہ رئیسیہ گنبد شریف کی جانب چھت پر آ رہا جس سے مسجد شریف کا اس طرف کا حصہ شہید ہو گیا موذن بھی موقع پر ہی ہلاک ہو گئے اور مسجد میں آگ بھڑک اٹھی. لوگ افراتفری میں مسجد کی طرف دوڑے اور کچھ آگ بجھانے کے لیے چھت پر چڑھنے لگے. ہر طرف آفت کا سماں تھا اور لوگ چیختے چلاتے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے. اس بھگدڑ میں دس آدمیوں کی جانیں ضائع ہو گئیں اور بیشمار لوگ زخمی ہوئے. مسجد شریف کا شرقی حصہ بری طرح اس آگ سے متاثر ہوا محراب، منبر اور شرقی جانب کے بہت سے دروازے آگ کی نذر ہو گئے. حجرہ مطہرہ کی چھت کو بھی شدید نقصان پہنچا اور اس کے جلے ہوئے کچھ حصے حجرہ مطہرہ کے اندر تک گر گئے. حجرہ مطہرہ کے اردگرد لکڑی کی جالی بھی جل کا خاکستر ہو گئی. اس کے نتیجے میں حجرہ مطہرہ پر کافی وسیع بنیادوں پر کام کروانا پڑا جس کی تفصیلات متعلقہ باب میں دی گئی ہیں.

اس جانکاہ خبر کے ساتھ مدینہ طیبہ کی انتظامیہ نے فوری طور پر قاصد مصر روانہ کر دیئے. سلطان اشرف قیتبائی نے فوری اقدامات کرنے کے احکامات جاری کئے اور ساتھ ہی ایک سو سے زیادہ کاریگر جن میں تجربہ کار معمار، سنگ تراش، آہن گر اور ترکھان وغیرہ سب شامل تھے، سمند کے راستے اور بار بردار جانوروں اور اونٹوں کے ایک قافلے کے ساتھ مدینہ طیبہ ارسال کئے جو اپنے ساتھ بہت سا تعمیری سامان اور پہلی قسط کے طور پر ۲۰،۰۰۰ دینار کا زر نقد بھی ساتھ لائے. یوں تھوڑے ہی عرصہ بعد شمس الدین بن الزمان کی زیرنگرانی ربیع الاول ۸۸۷ ہجری میں پوری تندہی سے کام شروع کر دیا گیا. (۲۴۳) چونکہ مشرقی حصہ کی چھت بری طرح متاثر ہوئی تھی، اس لیے سلطان قیتبائی نے مسجد شریف کی تمام چھت نئے سرے سے ڈلوائی. (۲۴۴) سادہ چھت کی بجائے اس نے حکم دیا کہ چھت پر دو گنبد تعمیر کر دیئے جائیں۔ ایک حجرہ مطہرہ پر اور دوسرا محراب عثمانی پر. گنبدوں کی تعمیر کی خاطر مشرق کی جانب مسجد میں ۲،۲۵ ذرع (تقریباً ۱ میٹر ۱۰ سنٹی میٹر) کا اضافہ ناگزیر ہو گیا. دونوں محرابوں پر سنگ مرمر لگایا گیا جن میں نقش ونگار بنائے گئے تھے.

تعمیر نو کا کام رمضان ۸۸۸ ہجری (۱۴۸۳ء) میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ مسجد نبوی شریف کے ساتھ ایک مدرسہ اور چند رباط بھی تعمیر کروائے گئے۔ وہ قدیم مدرسہ بھی جو کہ باب السلام اور باب الرحمہ کے درمیانی علاقے میں مسجد شریف سے باہر ہوا کرتا تھا جو حصن العتیق کے نام سے مشہور تھا نئے سرے سے تعمیر کیا گیا اور اس میں کچھ توسیع کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اس کا نیا نام سلطان اشرف قیتبائی کے نام پر 'مدرسہ اشرفیہ' قرار پایا جو اپنی بے پناہ علمی خدمات کی بنا پر مدینہ طیبہ کا سب سے بہترین تعلیمی ادارہ بن گیا۔ عثمانی دور حکومت میں ترکوں نے اس کی تعمیر نو کی اور چونکہ یہ کام سلطان محمود کے دور میں ہوا تھا اس لیے یہ مدرسہ بھی مدرسہ محمودیہ کے نام سے جانا جانے لگا۔ سلطان قیتبائی نے حجرہ مطہرہ (یعنی کاشانہ سرکار دو عالم ﷺ) پر بھی بہت سا کام کروایا جس کی تفصیلات اس کے متعلقہ باب میں دی گئی ہیں۔ اگرچہ سلطان قیتبائی نے مسجد شریف کے رقبے میں کوئی اضافہ نہیں کیا، لیکن انہوں نے مسجد شریف کے اندر مسقف (چھتے ہوئے) رقبے میں اضافہ ضرور کیا۔ ستونوں کی تعداد جو پہلے ۲۹۰ تھی وہ اب بڑھ کر ۳۰۵ ہو گئی تھی۔ سلطان قیتبائی کی تعمیر نو پر ۱۲۰،۰۰۰ دینار خرچ ہوئے تھے۔

عثمانی دور حکومت میں مسجد مصطفوی کی تعمیر نو اور توسیع

۹۲۳ ہجری میں عثمانیوں نے مملوک خاندان سے عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ حجاز کے گورنر نے قاہرہ میں سلطان کے دربار میں حاضر ہو کر مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی چابیاں پیش کر کے حجاز پر ترکوں کی عملداری کو خوشی سے قبول کر لیا مگر ترک سلطان نے ملک الحجاز کہلانے کی بجائے اپنے لیے 'خادم الحرمین الشریفین' کے لقب کو پسند کیا جس سے حرمین الشریفین سے اس کی عقیدت اور احترام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد کے دور میں ترکوں نے مدینہ طیبہ پر خصوصی توجہ دی اور صحیح معنوں میں اسے عروس البلاد بنا دیا۔ مسجد نبوی شریف خاص طور پر ان کی توجہ کا مرکز رہی۔

اس وقت چونکہ سلطان قیتبائی کی بنوائی ہوئی مسجد نبوی شریف شاندار حالت میں تھی، ترکوں نے اس کو ویسا ہی رہنے دیا۔ البتہ جب کبھی بھی ضرورت پیش آتی وہ اپنے مصری نائبین کو فرمان ارسال کر دیتے اور وہ حسب سابق ضروری مرمت یا ترمیم کرواتے رہے اور یوں قدیم عمارت تقریباً تین صدیوں تک نور اسلام کی ضیاء باری کرتی رہی۔ عثمانی دور میں پہلی بار مرمت کا کام سلطان سلیمان القانونی کے دور میں ہوا جس نے باب الرحمہ اور شمال مشرقی مینارے کی تعمیر نو مصری گورنر کے ذریعے کروائی۔ (۲۴۵) محمد خضر الرومی (جو کہ دسویں صدی ہجری کے ایک وقائع نگار تھے) نے سلطان سلیمان قانونی کے کروائے ہوئے کاموں کی تفصیلات مرتب کی تھیں۔ سلطان سلیمان نے طوغان الشیخ کی بنائی ہوئی اضافی محراب کو جو کہ منبر رسول مقبول ﷺ اور باب السلام کے درمیان واقع ہے ۹۴۸ ہجری میں از سر نو تعمیر کروایا اور اسی نسبت سے یہ محراب آج بھی محراب سلیمانی کہلاتی ہے۔ مسجد شریف کی غربی دیوار جو کہ خاصی بوسیدہ ہو چکی تھی نئے سرے سے تعمیر کروائی گئی اور ساتھ ہی ریاض الجنۃ میں سنگ مرمر کا نیا فرش ڈلوا دیا گیا۔ اس نے مقصورہ شریف کی چھت بھی مرمت کروائی اور اس کے گنبد میں جو سیسے کی پلیٹیں لگی ہوئی تھیں ان کو نئی پلیٹوں سے بدل دیا۔ صحن مسجد میں واقع قبہ (گنبد) جو کہ عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ نے ۵۶۷ ہجری میں بنوایا تھا بھی نئے سرے سے تعمیر کروایا گیا۔ اپنے ۲۳ سالہ دور حکومت میں سلیمان الفاتح نے مسجد شریف میں بہت سے کام کروائے، مثلاً باب السلام کی مرمت (۹۴۰ ہجری)، باب الرحمہ کی مرمت (۹۴۷ ہجری) وغیرہ۔ شمال مشرقی مینارے (جو کہ مینارہ سنجاریہ کہلاتا تھا) میں شکست و ریخت کے آثار ظاہر ہونے لگ گئے تھے۔ اسے گرا کر اس کی جگہ ایک نیا مینارہ تعمیر کروایا گیا جو مینارہ سلیمانیہ کہلانے لگ گیا۔ ابتداء میں تمام تر اخراجات مصری خزانے سے آتے تھے، مگر سلطان سلیمان فاتح نے تمام اخراجات اپنی جانب سے کرنے شروع کر دیئے۔ مرمت یا تعمیر نو کے لیے جب بھی ضرورت ہوتی تو مواد بمع معمارین اور سنگ تراش وغیرہ سب اونٹوں پر آستانہ (استنبول) سے آیا کرتے تھے۔ مسجد نبوی شریف میں ان کی

دیگر خدمات کے علاوہ محراب سلیمانی کی تعمیر نو تھی جو آج بھی اپنی جگہ اصلی حالت میں قائم ہے اور اپنے بنوانے والے کے لیے موجب صدقہ جاریہ ہے. اسے محراب حنفیہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں حنفی فقہ کے امام اقتداء کروایا کرتے تھے محراب کی پشت پر واقع کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر ۷ محرم الحرام ۹۴۸ ہجری (مئی ۱۵۴۱ء) کو شروع ہوئی تھی. ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین سلطان سلیم دوم نے بقیہ کام مکمل کروائے جن میں محراب سلیمانی میں سنگ مرمر کے نقش ونگار وغیرہ جڑے گئے تھے.

ابتدائی عثمانی دور میں بوقت ضرورت مرمت یا تعمیر نو کا سلسلہ جاری رہا لیکن کوئی قابل ذکر کام نہیں کروایا گیا. ۹۸۰ ہجری میں سلطان سلیمان الکامل نے بھی زیادہ تر مرمت ہی کروائی. (۲۴۶) سلطان مراد سوم کے دور میں باب النساء سے مینارہ سنجاریہ تک کی دیوار نئے سرے سے ڈلوائی گئی اور اس کام کے لیے تمام تر اخراجات اوقاف مسجد نبوی شریف سے حاصل کئے گئے. ایک زلزلے کی وجہ سے مسجد نبوی شریف کی چھت کے کچھ حصے متاثر ہوئے جنھیں ۹۹۷ ہجری میں ٹھیک کروا دیا گیا اور ساتھ ہی مسجد میں نقش ونگار اور خطاطی بھی کروائی گئی اور ستونوں پر سونے کا رنگ چڑھایا گیا.

سلطان مراد کا سب سے زیادہ یادگار کام ان کا منبر شریف بنوا کر ارسال کرنا ہے جو کہ انہوں نے ۹۹۸ ہجری میں بھیجا اور آج بھی زیر استعمال ہے. قدیم منبر شریف اٹھوا کر مسجد قباء میں رکھ دیا گیا تھا جہاں وہ بھی آج تک استعمال ہوتا ہے. سلطان مراد چہارم کے دور میں صحن مسجد کے گرد واقع روشوں کی چھتیں نئے سرے سے ڈلوائی گئیں اور ان پر چھوٹے چھوٹے سے بے شمار گنبد بنوا دیئے گئے تھے. سلطان عبدالمجید اول کے دور میں ۱۱۹۱ ہجری میں باب السلام سے لے کر شرقی دیوار تک سنگ مرمر کا فرش ڈلوایا گیا اور ستونوں پر دیدہ زیب ٹائلیں لگوائی گئیں.

سلطان سلیم سوم (۱۲۰۳۔۱۲۲۲ ہجری) کے دور میں مزید مرمت کروائی گئی. ستونوں پر سلطان عبدالمجید اول نے جو ٹائلیں لگوائی تھی وہ ناپائیدار ثابت ہوئیں، لہذا انہیں اتروا کر سنگ مرمر لگوا دیا گیا. اسی دور میں باب جبریل کی بھی تعمیر نو ہوئی بعض ستونوں پر ترکی زبان میں نعتیں کنداں کروائی گئیں. سلطان محمود دوم کے دور میں مرمت کا مزید کام ہوا. حجرہ اطہر پر سلطان اشرف قیتبائی کے دور میں بنائے گئے گنبد کو نئے گنبد سے تبدیل کیا گیا اور ۱۲۲۳ ہجری میں پہلی بار اسے سبز رنگ کیا گیا جو کہ آج تک ہو رہا ہے. جس کی نسبت سے گنبد شریف کو 'سبز گنبد' یا قبۃ الخضریٰ یا گنبد خضریٰ کہا جاتا ہے. محمد علی پاشا (جو کہ عثمانیوں کی طرف سے مصر کے والی تھے) نے حجرہ الشریفہ کی مرمت میں ذاتی دلچسپی لی. حجرہ مطہرہ کی جانب قبلہ کی دیوار پر آج بھی ہمیں ۱۲۲۸ ہجری کنداں نظر آتی ہے. مقصورہ مطہرہ کی دیواروں پر دیدہ زیب ٹائلیں لگائی گئیں. ابراہیم پاشا (جو کہ عثمانیوں کی طرف سے حجاز کا والی تھا) کو مسجد شریف میں وسیع پیمانے پر مرمت کروانے کا اختیار دیا گیا اور یوں یہ تمام کام نہایت تن دہی سے ۱۲۳۰ ہجری میں پایہ تکمیل تک پہنچا. بدنام زمانہ برطانوی جاسوس جان لڈوگ برکھارٹ (جو کہ دراصل سویٹزرلینڈ کا باشندہ تھا) نے ۱۲۳۰ ہجری (۱۸۱۵ء) میں مدینہ کا سفر کیا. اس نے اپنے سفرنامے میں آنکھوں دیکھا حال قلمبند کیا ہے جن میں سے چند تفصیلات قاری کے استفادے کے لیے ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

- ریاض الجنۃ کے حصے میں واقع ستونوں پر وسط ارتفاع تک سنگ مرمر لگایا گیا تھا جن پر خوبصورت نقش ونگار تھے.
- چھت پر بہت سے چھوٹے چھوٹے گنبد بنائے گئے تھے.
- سوائے دیوار قبلہ کے باقی سب دیواروں پر سفید رنگ کیا گیا تھا. دیوار قبلہ پر سنگ مرمر لگایا گیا تھا اور اسے خوبصورت خطاطی سے مزین کیا گیا تھا.
- قبلہ کی جانب کی روشوں میں سنگ مرمر کا فرش لگایا گیا تھا جب کہ وہ حصے جو کہ مقصورہ شریفہ کے اردگرد تھے وہاں ٹائلیں لگائی گئی تھیں.

- حجرہ شریف پر بہت عالی شان گنبد تعمیر کیا گیا تھا.
- صحن مسجد میں ریت بچھائی گئی تھی اوراس کے وسط میں ایک گنبد تھا جس میں مسجد نبوی شریف کے انمول تبرکات کے خزینے محفوظ تھے.
- مسجد شریف کے چار دروازے تھے: باب السلام، باب الرحمہ، باب جبریل اور باب النساء. باب السلام کی پیشانی پر مرمر اور رنگین ٹائیلیں لگائی گئی تھیں جس پر خوبصورت انداز میں خطاطی کی گئی تھی.

مرمت کا یہ کام بھی زیادہ دیر نہ چل سکا اور جلد ہی اس بات کا انکشاف ہوا کہ بعض حصوں کو نئے سرے سے بنانے کی اشد ضرورت تھی.مزید برآں نمازیوں کی تعداد میں اضافے کے سبب اس رائے کا کھلے عام اظہار کیا جانے لگا تھا کہ مسجد شریف کو مزید وسعت دینے کا وقت پھر آن پہنچا تھا.ابھی منصوبے صرف خیالوں تک ہی محدود تھے کہ مسجد نبوی شریف میں ایک حادثہ ہوگیا. پرانے گنبد سے ایک لوح سنگ گر کر نمازیوں کے سروں پر آرہی جو کہ سیدنا عمر بن الخطاب ؓ کی قبر اطہر کے سامنے سلام کے لیے کھڑے تھے (۲۴۷) اور مسجد شریف کے ایک امام-الشیخ محمد الاسکندرانی -موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے.اس سے پہلے عقبی حصے میں بھی چھت کا کچھ حصہ گر چکا تھا. (۲۴۸) .لہذا ۱۲۶۵ ہجری میں اس وقت کے گورنر یعنی شیخ الحرم (داؤد پاشا الکریجی) (۲۴۹) نے سلطان عبدالمجید دوم کو درخواست پیش کی کہ مسجد شریف کی تعمیر نو اور توسیع کی منظوری دی جائے.سلطان کے احکام پر دو آدمیوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو کہ رمزی آفندی اور ایک انجنیئر عثمان آفندی پر مشتمل تھی جس کے ذمے یہ کام سونپا گیا کہ وہ مدینہ طیبہ کے اہل الرائے اصحاب سے رابطہ کریں اور ایک قابل عمل توسیعی منصوبہ پیش کریں.سلطان عبدالمجید نے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ قدیم مسجد کا ہو بہو ماڈل تیار کر کے رکھا جائے جس میں اس کے سارے خدوخال واضح ہوں تا کہ آنے والی نسلوں کو معلوم ہو کہ اس سے پہلے مسجد شریف کیسی ہوا کرتی تھی اور نئے منصوبے کے تحت تعمیر نو میں استعمال کئے جانے والے مواد از قسم پتھر وغیرہ کے نمونے سلطان کو ارسال کئے جائیں.انجنیئر آفندی نے پوری تن دہی سے اس کام کو انجام دیا.مسجد شریف کے مختلف حصوں کی پیمائش کر کے ۱/۵۳ سکیل پر سنگ مرمر کا ایک ماڈل تیار کیا گیا جو لکڑی کے مضبوط تختوں پر نصب کر کے آستانہ ارسال کر دیا گیا.(۲۵۰) سلطان نے اسے مسجد خرقہ شریف میں استنبول میں رکھوا دیا جہاں یہ ماڈل آج بھی محفوظ ہے.جس کی تصویر اس کے فنی اور تعمیری خدوخال کو اجاگر کرتی ہے جیسے کہ وہ تعمیر مجیدی سے پہلے ہوا کرتے تھے.اس کے ساتھ ہی تعمیر نو کے نقشے اور تفاصیل ارسال کی گئیں.ان تفاصیل کی روشنی میں سلطان عبدالمجید دوم نے مسجد شریف کی تعمیر نو اور توسیع کا فرمان جاری کیا.جب ہم پرانے ماڈل اور نئی تعمیر شدہ مسجد میں موازنہ کرتے ہیں تو ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ باب السلام پر قدیم مینارہ جوں کا توں رہنے دیا گیا تا کہ سلطان محمد بن قلاوون کی تعمیر کی یاد تازہ رہے جو کہ اس کے حکم سے ۷۰۶ ہجری میں کروائی تھی.

عثمانی دور کی مسجد نبوی شریف کا آرکیٹیکچرل ماڈل

منصوبے پر پورا غور وخوض کرنے اور تمام پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد سلطان نے توسیعی اور تعمیر نو کے منصوبے کی منظوری دے دی.شروع میں تو سلطان کا خیال تھا کہ مسجد مصطفوی کو ترکی فن تعمیر کے سانچے میں ڈھال کر ایک بہت ہی عظیم الشان عمارت بنائی جائے جس میں گنبدوں کی بھرمار ہوتی ہے،مگر جب ان کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ ایسی تعمیر کے لیے ستونوں کو اپنی موجودہ جگہ سے ہٹانا پڑے گا تو انہوں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا.مسجد نبوی شریف میں تقریباً ہر ستون اپنی تاریخی ،اثری اور دینی اہمیت رکھتا ہے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا تھا.مثلاً اسطوانہ سیدۃ عائشہ ؓ کی اہمیت اسی مقام پر ہے کیونکہ حضور سید المرسلین علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے

فرمان کے مطابق اگر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اس جگہ کا تقدس کیا ہے تو لوگ وہاں نماز ادا کرنے کے لیے قرعہ نکالا کریں گے. ایسے ہی دیگر متبرک ستونوں کا معاملہ ہے جن کی تمام تر اہمیت ریاض الجنہ میں خاص مقامات سے منسلک ہے اور انہیں کسی اور جگہ منتقل کرنے سے ان کی تمام اہمیت ختم ہو جاتی. امت مسلمہ کی نظر میں ان ستونوں کی اہمیت کے پیش نظر ایسا کرنا ممکن نہ تھا اور سلطان جو کہ انتہائی درجے کے عاشق رسول تھے اس کام کے لیے امت کو ان کی تاریخ اور وراثت سے محروم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے. لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان آثار نبویہ کو ان کی اصلی جگہوں پر ہی رہنے دیا جائے جس سے ان کے تجویز کردہ ڈیزائن پر عمل درآمد ناممکن ہو گیا.

انجنیئروں اور ماہرین ارضیات نے مدینہ طیبہ کے مختلف پہاڑوں کا معائنہ کیا تا کہ تعمیر میں استعمال ہونے والا پتھر نکالا جا سکے. سلطان کی خواہش تھی کہ تمام مواد حدود حرم نبوی شریف سے ہی لیا جائے. سعی بسیار کے بعد انہوں نے وادی عقیق میں آبار علی کے علاقے کے قریب چند پہاڑ پا لیے جہاں سرخ قسم کا نفیس پتھر مل سکتا تھا. قدیم مدنی ایک نہایت ہی دلچسپ اور دلوں کو گرما دینے والے واقعہ کا ذکر کیا کرتے تھے. (۲۵۱) جب ماہرین ارضیات اور سنگ تراشوں کی ٹیم ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر اپنے مطلوبہ معیار کے مطابق پتھر کی تلاش میں سرگرداں تھے اور حاصل شدہ پتھروں کا معائنہ کر رہے تھے تو اچانک ایک اعرابی ان کے پاس آ کھڑے ہوئے اور ان کا مقصد معائنہ پوچھنے پر ان کو اشارہ کر کے کہنے لگے کہ ان کی دلی مراد فلاں پہاڑی میں پنہاں ہے اور اپنے ہاتھ سے ان کو اشارہ کر کے ان کو اس طرف متوجہ کر دیا. جونہی وہ سب اس طرف دیکھنے کے لیے مڑے تو وہ اعرابی چشم زدن میں نظروں سے اوجھل ہو گئے جیسے کہ وہاں کوئی شخص تھا ہی نہیں. جب انہوں نے اس پہاڑ پر جا کر کھدائی کی تو ان کی دلی مراد وہیں سے برآمد ہوئی. اس پہاڑ کو اب جبل الحرم کہا جاتا ہے جو کہ ذوالحلیفہ کے پاس ہے.

جب برآمد ہونے والے نمونے سلطان کو ارسال کیے گئے اور انہیں اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے فوراً ان پتھروں کو مسجد شریف میں لگانے کی منظوری دے دی. ایسا پتھر تین چھوٹی چھوٹی پہاریوں سے نکالا گیا جن کو آج بھی اہل مدینہ جبال الحرم کہتے ہیں جو کہ مسجد نبوی شریف سے دس کیلومیٹر کے فاصلے پر وادی عقیق میں آبار علی کے علاقے کے نواح میں ذوالحلیفہ کے ایریا میں واقع ہیں. ان پہاڑوں میں کھدائی کی غرض سے ڈالے گئے گڑھوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تعمیر کے لیے سنگ تراشوں کو کتنا گہرا کھودنا پڑا ہوگا. یہ تینوں پہاڑیاں جبل الحرم الاکبر، جبل الحرم الاوسط اور جبل الحرم الاصغر کہلاتے ہیں. ان پہاڑیوں کی چٹانیں سرخ سینڈ سٹون سے بنی ہیں جس کی سطح کو ہموار کر کے جب رگڑا جاتا ہے تو ہو بہو سنگ عقیق کی سی چمک آنے لگ جاتی ہے. اسی وجہ سے اسے جبل احمر بھی کہا جاتا ہے. مدینہ طیبہ کی شاہراہ جامعات (جسے عرف عام میں غیر مسلموں کی سڑک یا طریق خواجات کہا جاتا ہے) ان پہاڑیوں کے بیچ سے گزرتی ہے. ان میں سے دو پہاریاں تو مسجد نبوی شریف سے دس کیلومیٹر کے فاصلے پر طریق خواجات سے شہر کی جانب واقع ہیں جب کہ تیسری اس سڑک کے اس پار واقع ہے.

اس سلسلے میں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ اس منصوبے پر کام کرنے والے تمام حضرات جن میں انجنیئر سے لیکر عامل و مزدور سب شامل تھے متقی اور پرہیزگار تھے اور سب کے سب حفاظ قرآن کریم تھے. ایک پورا سفینہ انجینئر عبدالحلیم آفندی کی سرکردگی میں معماروں، سنگ تراشوں، ترکھانوں، آہن گروں اور دیگر کاریگروں اور مشینری کو لے کر ینبع کی بندرگاہ پر یکم رجب المرجب ۱۲۶۶ ہجری

جبل الحرم کی ایک اور تصویر جس میں کبوتر اڑتے ہوئے نظر آ رہے ہیں، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ کبوتر یہاں یا مسجد نبوی میں رہتے ہیں
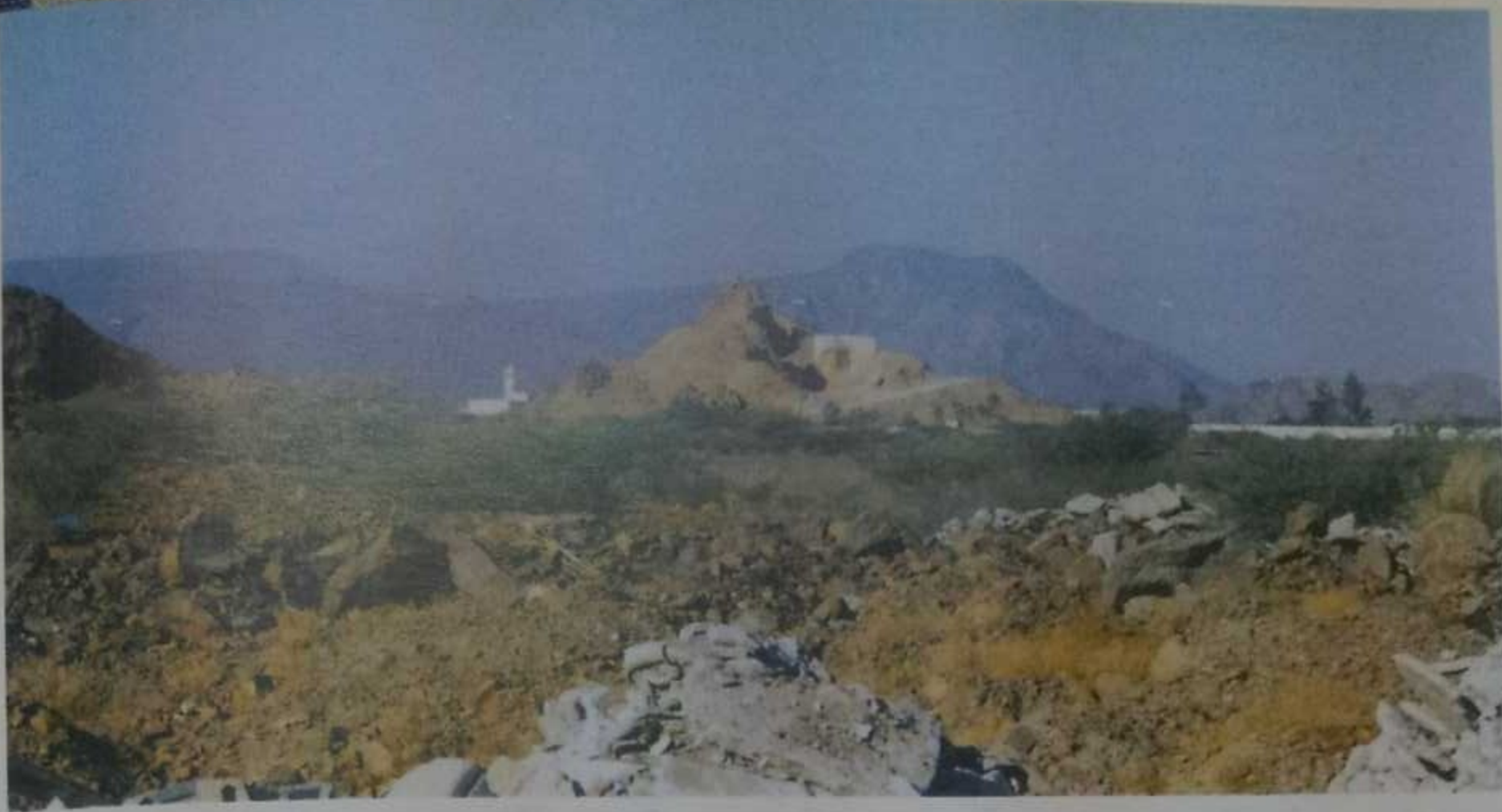
مضافات مدینہ منورہ میں جبل الحرم کی تصویر جس کے پتھر مسجد نبوی کی تعمیر میں استعمال ہوئے

کو لنگر انداز ہوا. تمام کاریگروں کو انہی پہاڑوں کے دامن میں بسایا گیا اور وہیں ایک ورکشاپ تعمیر کی گئی. پہاڑوں سے جو پتھر کھودا جاتا اس کو اسی ورکشاپ میں تراشا جاتا اور اس کو مطلوبہ شکل میں ڈھال کر مسجد نبوی شریف روانہ کیا جاتا.(۲۵۲) تمام ستون، شہتیر، دروازوں کی چوکھٹیں ،غرضیکہ جو بھی پتھر کا کام ہوتا انہیں پہاڑیوں سے حاصل کردہ چٹانوں سے تیار کئے جاتے اور ان کو مطلوبہ معیار کے مطابق آخری شکل بھی وہیں دی جاتی تھی. چونکہ باربرداری کے لیے جدید گاڑیاں وغیرہ تو ابھی معرض وجود میں نہیں آئی تھیں سب سامان ایسی گاڑیوں پر لادا جاتا جن کو باربرداری کے جانور چار گھنٹوں میں کھینچ کر مسجد نبوی کے ایریا میں لاتے تھے. فصیل شہر طیبہ میں مسجد نبوی شریف کے قریب ایک نیا دروازہ بنوایا گیا تاکہ تحمیل وتنزیل کے وقت اہل مدینہ طیبہ کے آرام میں خلل نہ پڑے. فصیل میں اس نئے دروازے کو باب المجیدی کہا جاتا تھا.

۱۲۶۶ ہجری میں کام پورے زور وشور سے شروع ہو گیا. ابتداء میں کام کی نگرانی انجنیئر رعیف پاشا نے کی. مسجد شریف کو نمازیوں کے لیے ہمہ وقت مہیا کرنے کے لیے اس کے مختلف حصوں کو باری باری مسمار کیا جاتا تھا اور پھر جب اس جگہ پر تعمیر نو ہو جاتی تو اگلا حصہ مسمار کیا جاتا تھا. سب سے پہلے جسے مسمار کیا گیا وہ صحن مسجد میں گنبد تھا جہاں بہت سے تبرکات نبوی شریف اور مصاحف قرآنیہ اور مخطوطے محفوظ تھے. اس کے بعد شمالی روش کی چھت کو گرایا گیا اور اسے تعمیر کیا گیا. اس کے بعد شرقی جانب سے کام شروع کیا گیا. شرقی جانب میں کچھ توسیع کی گئی تاکہ زیادہ سے زیادہ نمازیوں کے لیے قدمین شریفین کی جانب جگہ بنائی جاسکے. ۱۱ شعبان ۱۲۶۹ ہجری کو رعیف پاشا کی جگہ ایک دوسرے انجنیئر بکیر پاشا کو نگران مقرر کیا گیا جنہوں نے پوری جانفشانی سے باقی کام کی تکمیل کروائی. اس طرح تمام کام مختلف مراحل میں مکمل ہوا جو کہ عقبی جانب سے شروع ہو کر جانب قبلہ پر اختتام پذیر ہوا. تمام قدیم تعمیر کو مرحلہ وار مسمار کر کے نئے سرے سے تعمیر کیا گیا تھا اور صرف مقصورہ شریف بچا تھا جسے مسمار نہیں کیا گیا.

ترک سلطان عبد المجید جن کے عہد میں مسجد نبوی کی تعمیر جدید ہوئی

دکتور محمد السید الوکیل کے بقول، باہر کی دیواریں سنگ سیاہ سے بنائی گئی تھیں جو کہ حرہ کے علاقوں سے حاصل کیا گیا تھا اور شہتیر سرخ پتھر سے بنائے گئے تھے جو کہ جبل الحرم سے نکالا گیا تھا.(۲۵۳) وہ ستون جو ریاض الجنۃ میں واقع ہیں سنگ سرخ سے بنائے گئے تھے جن پر سفید سنگ مرمر لگایا گیا تھا اور ان پر جو نقش ونگار کندہ کئے گئے تھے ان میں سنہری رنگ بھرے گئے تھے. ان ستونوں کے کراؤن سونے کے پانی سے پالش کئے گئے تھے. ان ستونوں کے علاوہ دیگر ستون جبل الحرم سے نکالے گئے سرخ پتھروں سے بنائے گئے تھے.

مسجد سے متصل شمالی جانب مکاتیب (مدرسے) بنوائے گئے تھے اور وسط صحن سے تیل ذخیرہ کرنے کا کمرہ ہٹائے جانے پر مسجد شریف کی شمالی دیوار کے باہر ایک کمرہ بنوا دیا گیا تھا جہاں روشنی کے لیے چراغوں میں استعمال ہونے والا تیل ذخیرہ کیا جاتا تھا. یوں شمال مشرقی جانب ایک دروازہ تھا جو کہ مکاتیب (جن کو کتاتیب کہا جاتا تھا) کی طرف جاتا تھا اور شمال مغربی جانب تیل ذخیرہ کرنے کا کمرہ ہوا کرتا تھا اور درمیان میں وہ مشہور زمانہ دروازہ تھا جس کو اس وقت باب التوسل کہا جاتا تھا اور جسے سعودی دور میں باب المجیدی کہا جانے لگا تھا. پہلی منزل پر کتاتیب مدرسوں میں بچوں کو ترکی، فارسی اور عربی کی تعلیم دی جاتی تھی.

مشہور ترکی خطاط
حافظ عبداللہ زہدی بیگ
کی خطاطی کا ایک نمونہ

سارے کام کی تکمیل میں ۱۳ سال کا عرصہ صرف ہوا جو کہ ذوالحجہ ۱۲۷۷ ہجری میں مکمل ہوا۔ اس منصوبے پر کل ۱۴۰،۰۰۰ سونے کے تھیلے استعمال ہوئے تھے جن میں سے ایک تھیلہ سکہ رائج الوقت کی ۵ مجیدی اشرفیوں پر مشتمل تھا (ہر اشرفی ۱۳۰ قرشوں پر مشتمل تھی)۔ اس دور میں جو بھی آلات اور مشینری مہیا ہو سکتی تھی اسے استعمال کر کے بہترین فن تعمیر کا شاہکار بنایا گیا۔ عشق رسول ﷺ میں رچی ذوق و شوق کے ساتھ بننے والی یہ عمارت عثمانی طرز تعمیر اور مدنی روایات کا حسین امتزاج تھی جسے مدینہ طیبہ کی پر کیف فضاؤں نے روئے زمین کا بہترین فن پارہ بنا دیا تھا۔ انجنیئروں اور کاریگروں کے علاوہ ۳۵۰ مزدوروں نے محنت شاقہ سے اس بقاع نور کو تعمیر کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ جب منصوبہ مکمل ہو گیا تو جبل الحرم کے دامن میں ایک شاندار پارٹی کا اہتمام کیا گیا جہاں سے جم غفیر کا ایک جلوس حرم مدنی کی طرف نعتیں اور قصیدے پڑھتے ہوئے روانہ ہوا اور بارگاہ رسالت مآب کی چوکھٹ پر صلوٰۃ و سلام کے بعد اختتام پذیر ہوا۔ (۲۵۴) سید جعفر البرزنجی نے جو کہ اس جلوس میں شامل تھے اس روح پرور منظر کی تصویر کشی کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کے پڑدادا کا وجد آفرین قصیدہ برزنجیہ ہر شخص کی زبان پر تھا۔

جب تعمیر کا کام مکمل ہوا تو تزئین و آرائش کے کام کو اسی ذوق و شوق سے جاری رکھا گیا۔ اس وقت کے مشاہیر خطاطوں کی خدمات حاصل کی گئیں جنہوں نے در و دیوار پر اپنے شاہکار تخلیق کیے۔ حافظ عبداللہ زہدی بیگ نے (جو کہ مشہور ترکی خطاط تھے) تین سال کی محنت شاقہ سے خط ثلث میں دیوار قبلہ پر، محرابوں اور ستونوں پر، گنبدوں کی اندرونی جانب اور مختلف دروازوں کی محرابوں پر قرآنی آیات کے وہ شاہ پارے اپنی یادگار چھوڑے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ بعض ستونوں پر قصیدہ بردہ شریف کے اشعار بھی کنداں کیے گئے تھے۔

ترکی دور میں توسیع اور تعمیر نو کے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ ستونوں کو استوار کرتے وقت ان کے ڈیزائن اور ان پر نقش و نگار سے مسجد نبوی شریف کی مختلف ادوار میں تعمیر کے مختلف مراحل واضح ہو جائیں۔ ریاض الجنۃ میں وہ ستون جن پر نقش و نگار بنے ہیں وہ ان حدود کو ظاہر کرتے ہیں جو کہ دور رسالت مآب ﷺ میں پہلی تعمیر کے وقت ۱ ہجری میں تھے۔ اس وقت مسجد شریف کا رقبہ ۷۰×۶۰ ذرع تھا۔ دوسری تعمیر نو اور توسیع حضور سرور کائنات ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے اس وقت ہوئی جب کہ ۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا تھا۔ اس توسیع کے بعد اس کا رقبہ ۱۰۰×۱۰۰ ذرع ہو گیا تھا۔ اس دوبارہ تعمیر شدہ مسجد کی حدود کا تعین اس طرح سے کیا کہ اس جگہ جو ستون استوار کیے گئے ان پر چھت کے قریب یہ کلمات کنداں کروا دیئے تھے [ہذا حد مسجد النبی علیہ السلام۔] یہ تحریر آج بھی دیکھی جا سکتی ہے جو کہ شمالاً جنوباً نو ستونوں پر کنداں کی گئی ہے

جہاں تک مسجد نبوی شریف کی دور رسالت مآب ﷺ میں چھت کی اونچائی کا تعلق ہے اسے چند ستونوں پر پھول بنا کر ظاہر کیا گیا ہے.(۲۵۵)

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ جب مسجد شریف کی تعمیر جاری تھی اور مختلف مقامات پر ستونوں اور بنیادوں کے لیے کھدائی ہو رہی تھی تو اس وقت اسطوانہ ام المومنین سیدۃ عایشہ صدیقہؓ کے پاس زمین سے فوارے کی طرح پانی نکلنا شروع ہو گیا لہذا اس جگہ پر ایک کنواں کھود دیا گیا اور اس کے پانی کو نالیوں کے ذریعے صحن مسجد میں لایا گیا جہاں پر ایک منہل (سبیل) بنادی گئی جہاں سے نمازیوں کے استعمال کے لیے وہ پانی دستیاب ہوتا تھا. جیسا کہ خدشہ تھا وہاں صارفین کا ہجوم لگ جاتا اور پانی زمین پر پھیل کر حفظان صحت کا مسئلہ کھڑا کر دیتا جس سے مسجد شریف کی حرمت مجروح ہونے لگ گئی. مزید برآں چونکہ وہ پانی ریاض الجنۃ سے نکلتا تھا لوگوں نے اسے جنت کا پانی کہہ کر آب زمزم سے بھی زیادہ تقدس دینا شروع کر دیا تھا لہذا سعودی دور میں اس کنویں کو مٹی سے بھر دیا گیا اور صحن میں واقع مخرج کو بند کر دیا گیا، البتہ وہ سبیل سن ستر کی دہائی کے اخیر تک صحن مسجد میں موجود ہوا کرتی تھی. اسی طرح ایک اور کنواں حجرہ مطہرہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے دروازے کے عین سامنے بھی ہوا کرتا تھا. ہجوم کی وجہ سے قدمین شریفین کی طرف نمازیوں کے لیے وہاں نماز ادا کرنا محال ہو جاتا تھا لہذا اس کنویں کو بھی مٹی سے بھر کے بند کر دیا گیا تھا.

مسجد کے صحن میں کھجور کے درختوں کا ایک چھوٹا سا باغیچہ بھی ہوا کرتا تھا جسے بستان فاطمہؓ یا بستان السیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کہا جاتا تھا. اس کے قریب بھی ایک چھوٹا سا کنواں ہوا کرتا تھا جو کہ ان درختوں کی آبیاری کے لیے استعمال ہوتا تھا. اسے بئر النبی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کہا جاتا تھا. اس بستان میں ۱۲ کھجور کے درخت تھے جن کا پھل سلاطین بلاد الاسلامیہ کو تحفتاً ارسال کیا جاتا تھا. صحن مسجد پر ریت اور سنگریزے بچھائے گئے تھے اور جب بجلی نہیں ہوا کرتی تھی تو سر شام اس پر پانی چھڑک دیا جاتا اور وہاں درود وصلوٰۃ کی محفلیں جمتیں اور لوگ تلاوت اور عبادت میں ہر طرف مشغول رہتے تھے. سعودی دور میں نعت گوئی کو تو سرے سے ختم کر دیا گیا مگر وہاں پھر بھی ادبی اور علمی محافل لگا کرتی تھیں، مگر جوں جوں عقائد میں تشدد پسندی کا رجحان آتا گیا اسے بھی خیر باد کہہ دیا گیا. اس جگہ کو اہل مدینہ 'الحصوہ' کا نام دیتے تھے.

مسجد نبوی شریف کے متعلق ابراہیم رفعت پاشا کے مہیا کردہ اعداد و شمار

بیسویں صدی میں سب سے مشہور سفرنامہ حجاز مصری جنرل ابراہیم رفعت پاشا کا ہے جنہوں نے مصری کاروان حج اور محمل کے قافلوں کی تین بار کمان کی تھی اور یوں تین بار زیارت مدینہ طیبہ سے مشرف ہوئے تھے. انہوں نے اپنے سفرنامے کو بہت جان فشانی سے مرتب کیا جو کہ دراصل حرمین الشریفین کی باتصویر تاریخ سے کم نہیں. اس میں دی گئی تصاویر تو صحیح معنوں میں نادر تصور ہوتی ہیں. موصوف نے اسے مرآۃ الحرمین کے نام سے دو جلدوں میں ۱۹۲۵ء میں چھپوایا تھا.

اگرچہ اس کا معتد بہ حصہ تو سرکاری معائنہ رپورٹ ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے تمام تر اخراجات کی تفصیل اور مختلف قبائل کے سرداروں سے ملاقاتیں بدقت تمام شامل سفرنامہ کر دی ہیں، لیکن معاصرین کے مقابلے میں ان کا سفرنامہ بہت حد تک جذبات کی نسبت حقائق پر مبنی ہے. مختلف تاریخی مقامات کی زیارات کے ذکر کے بعد انہوں نے مسجد نبوی شریف کی بہت سی تصاویر اور تفاصیل مہیا کی ہیں. یہ پہلی بار ہوا تھا کہ بیسویں صدی کے شروع میں ترک دور کی تعمیر شدہ مسجد کی عملی طور پر پیمائش مولف نے خود اپنے ہاتھوں سے کی اور اسے آنے

مسجد نبوی کی تصویر
جس میں بستان فاطمہ الزہرہؓ
نظر آرہا ہے
(بحوالہ مرآۃ الحرمین)

والی نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا ان کی کی گئی پیمائش کے مطابق مسجد شریف کی حدود اربعہ کی پیمائش کچھ یوں تھی:

شرقی جانب شمال سے جنوب طوالت = ۱۶۶.۲۵ میٹر

جانب قبلہ کی شرقاً غرباً چوڑائی = ۸۶.۲۵ میٹر

شمالی جانب شرقاً غرباً فاصلہ = ۶۶ میٹر

مقصورہ الشریف کی پیمائش کچھ یوں تھی:

شمال سے جنوب (لمبائی) = ۱۶ میٹر

مشرق سے مغرب (چوڑائی) = ۱۵ میٹر

اس وقت ستونوں کی کل تعداد ۳۲۷ تھی. مسجد شریف میں اس وقت پانچ دروازے تھے جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:
مغربی جانب دو دروازے تھے. یعنی باب السلام اور باب الرحمہ. شمالی جانب ایک صدر دروازہ تھا جسے باب التوسل کہا جاتا تھا. اس کے علاوہ چھوٹا دروازہ کتاتیب کی طرف سے ہو کر مسجد شریف کی طرف جاتا تھا. مشرقی جانب بھی دو دروازے تھے:

باب جبریل علیہ السلام اور باب النساء.

اس وقت مسجد شریف کے پانچ مینارے ہوا کرتے تھے: چار مینار تو چاروں کونوں میں تھے اور پانچواں باب الرحمہ کے سامنے تھا. مؤذنہ مینارہ رئیسیہ ہوا کرتا تھا جو کہ جنوب شرقی کونے میں ہے. (۲۵۶) شمال مغربی کونے میں واقع مینار 'مینارہ مجیدیہ' یا 'مینارہ تشکیلیہ' کہلاتا تھا کیونکہ اس پر بہت دیدہ زیب نقش و نگار بنے ہوئے تھے. یہ ایک منفرد حیثیت کا حامل تھا کیونکہ یہ واحد مینارہ تھا جو لکڑی سے بنا تھا اور اس پر لکڑی کا بہت ہی نفیس کام کیا گیا تھا. اس میں تین گیلریاں تھیں. شمال مشرقی مینار جسے ماضی میں 'مینارہ سنجاریہ' کہا جاتا تھا سلطان سلیمان الفاتح نے دوبارہ تعمیر کروایا تھا اور اس نسبت سے اسے مینارہ سلیمانیہ بھی کہا جاتا تھا. بعض مورخین نے اسے مینارہ عزیزیہ بھی کہا ہے جو کہ سلطان عبدالعزیز خان کی مسجد نبوی شریف کی خدمات کی یاد تازہ کرنے کے لیے کیا گیا تھا. تاہم 'مینارہ رئیسیہ' ہونے کا شرف جنوب مشرقی مینارہ نور کو ہی رہا کیونکہ وہ گنبد خضریٰ کے قرب میں واقع ہے اور یہی مؤذنہ بھی رہا ہے. درحقیقت یہ سلطان اشرف قیتبائی کی تعمیر کا باقی ماندہ حصہ ہے جسے انہوں نے ۸۸۶ ہجری میں کروایا تھا اور

عہد عثمانی کی توسیع کے نشان کے طور پر سلطان عبدالمجید کی جانب سے نصب شدہ لوح

پھر ۸۹۲ ہجری میں بجلی گرنے پر تباہ ہو جانے سے انہوں نے اسے دوبارہ تعمیر کروایا تھا پچھلی پانچ صدیوں میں اس کی مختلف ادوار میں مرمت تو ہوتی رہی ہے مگر اسے تاریخی یادگار کے طور پر رہنے دیا گیا. اس طرح باب السلام پر چھوٹا سا مینارہ سلطان ناصر محمد بن قلاوون نے ۷۰۶ ہجری میں بنوایا تھا اور اس وقت یہ مسجد نبوی شریف میں سب سے قدیم ترین مینارہ باقی رہ گیا ہے. سلطان قیتبائی نے پانچواں مینارہ باب الرحمہ کے سامنے مسجد شریف کے باہر تعمیر کروایا تھا جو کہ مدرسہ اشرفیہ سے متصل تھا جسے ترک دور میں تعمیر نو کر کے مدرسہ محمودیہ کہا جانے لگا تھا.

سلطان عبدالمجید دوم کے جانشینوں نے بوقت ضرورت مسجد شریف کی مرمت اور دیکھ بھال کا کام جاری رکھا؛ سلطان عبدالعزیز خان نے باب السلام پر نقش ونگار بنوائے. بیسویں صدی میں سعودی عملداری میں آنے سے پہلے مدینہ طیبہ کے ترک گورنر فخری پاشا نے ۱۳۳۶ ہجری (۱۹۱۷ء) میں محراب النبوی شریف اور محراب سلیمانی کی مرمت اور تزئین کروائی.

۱۹۲۵ میں جب آل سعود نے مدینہ طیبہ کا کنٹرول اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو ابتدائی چند سالوں میں انہوں نے کوئی خاص تبدیلی نہیں کروائی بلکہ صرف انتظامی امور کی طرف توجہ مبذول رکھی اور اس سلسلے میں جو تبدیلی بھی انہوں نے مناسب سمجھی وہ کر ڈالی. البتہ حجرہ مقدسہ کی دیواروں پر چند جگہوں پر جو مختلف تحریریں تھیں ان میں سے جو ان کے عقائد کے برخلاف پائی گئیں ان پر بہت بھدے طریقے سے پلستر تھونپ دیا گیا اور اس طرح گنبدوں کی نچلی جانب جہاں جہاں ایسی تحریر پائی گئی اسے بدل دیا گیا، مثلاً اگر کسی جگہ پر "یا محمد" کے الفاظ پائے گئے تو وہاں اسے "یا مجید" کے الفاظ سے بدل دیا گیا اور یہ عمل تا حال جاری ہے. قصیدہ بردہ شریف کے اشعار پر بھی سیمنٹ تھونپ دیا گیا.

یہ وہ ابتدائی دور تھا جب کہ فرقہ وہابیہ کے خلاف ہر طرف سے آوازیں اٹھ رہی تھیں اور معاندانہ پروپیگنڈا زور شور سے جاری تھا جس کی وجہ سے حجاج کرام کی آمد پر بھی کافی اثر پڑا تھا، مگر جوں جوں امن عامہ کی صورت حال بہتر ہونے لگی اور شہر نبوی میں امن قائم ہو گیا تو پہلے کی سی رونقیں بحال ہو گئیں. تاہم پہلے دس سالوں میں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ سعودی حکومت نے مسجد نبوی شریف میں کوئی کام کروایا ہو. عبدالقدوس الانصاری کے مطابق ۱۳۵۴ ہجری میں مصری حکومت کے خرچے پر ان رقوم سے کچھ مرمت کا کام کروایا گیا جو کہ ایسی وقف جائیدادوں سے حاصل ہوتی تھی جو مصر میں مسجد نبوی شریف کے نام پر صدیوں سے وقف تھیں. (۲۵۷)

عثمانی دور سے سعودی دور تک کی تعمیرات اور توسیعات ایک ایسا حیران کن باب ہے جو کہ پچھلے پچھتر سالوں میں رقم ہوا ہے. ان سالوں میں دو بار مسجد شریف وسیع کی گئی اور دوسری توسیع کے بعد تو اس کا رقبہ ترک دور کی مسجد نبوی شریف سے دس گنا بڑھ گیا ہے. تاہم یہ بات اپنی جگہ پر ہے کہ وہ کام جو کہ سلطان عبدالمجید دوم کے دور میں ہوا وہ ترک دور کی مسجد نبوی شریف کی بہترین خدمت کی مثال ہے. اس میں سے بہت سا حصہ تو نئی توسیعات کی نذ ہو گیا ہے مگر قبلہ کی جانب کا مقصورہ شریف کا حصہ جب تک قائم رہے گا ترک دور کی عظمت رفتہ اور سلطان عبدالمجید ثانی کے عشق رسول کی یاد دلاتا رہے گا.

شاہ سعود بن عبدالعزیز پہلے سعودی توسیعی منصوبہ کا افتتاح کرتے ہوئے ۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ

سعودی دور حکومت میں مسجد نبوی شریف میں توسیعات

۱۳۴۸ ہجری میں شاہ عبدالعزیز کے احکام سے مسجد شریف کے صحن کی طرف چند ستونوں کی مرمت کروائی گئی. اس کے بعد ۱۳۵۰ ہجری میں مشرقی اور مغربی روشوں میں چند ستونوں پر تجدید کا کام ہوا. (۲۵۸) ۱۳۵۴ ہجری میں شاہ عبدالعزیز نے مصری حکومت سے ایک معاہدہ کیا جس کے تحت دونوں حکومتوں کے تعاون سے مسجد نبوی شریف کی مرمت اور دیکھ بھال کا انتظام کیا جانے لگا. یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور سے مصر میں کئی گاؤں مسجد نبوی شریف کے لیے وقف تھے جن کی سالانہ آمدنی صدیوں

پہلی سعودی توسیع کے دوران گنبد خضریٰ کی مرمت کا ایک منظر

سے حرم مدنی کے مصاریف کے لیے استعمال ہوتی آئی تھی ۔(۲۵۹) دونوں حکومتوں کے تعاون سے اس کام کے لیے ٹیمیں تشکیل دی گئیں جنہوں نے وقتاً وقتاً مرمت کا کام کروایا، لیکن یہ تمام کام وسیع پیمانے پر نہ تھا۔اس طرح سعودی دور حکومت کی پہلی دو دہائیوں میں زیادہ کام نہ ہوسکا اگرچہ زائرین اور حجاج کرام کی تعداد سفر کی سہولتیں بہتر ہونے کی وجہ سے پہلے کی نسبت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی اور مسجد شریف میں تنگی کی شکایت عام ہو رہی تھی ۔۱۳۶۹ ہجری میں چند مصری اخباروں نے اس مسئلے پر لوگوں کی توجہ دلائی جس کی دیکھا دیکھی عالم اسلام کے میڈیا نے اس مسئلے کو خوب اجاگر کیا اور یوں ہر طرف سے توسیع کے مطالبات ہونے لگے ۔(۲۶۰) جریدۃ المدینہ نے شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں خاص اپیلیں شائع کیں جس کے نتیجے میں انہوں نے جریدۃ المدینہ کی ایک اشاعت میں (نمبر ۱۳۰۱، مورخہ ۵ رمضان المبارک ۱۳۶۸ ہجری) ایک کھلے خط میں اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ مسجد شریف کی توسیع کا منصوبہ بنا رہے ہیں ۔بعد میں انہوں نے ۵ شوال ۱۳۷۰ ہجری کو اس سلسلے میں باقاعدہ فرمان شاہی صادر کر دیا کہ مسجد شریف کی توسیع عمل میں لائی جائے ۔

ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کو اس منصوبے کے لیے پیشہ ورانہ سفارشات پیش کرنے کے لیے مامور کیا گیا۔انہوں نے مسجد نبوی شریف کی قدیم عمارت کا تفصیل معائنہ کیا جس سے یہ بات منکشف ہوئی کہ مشرق کی جانب دیواروں میں کچھ رطوبت اور نمی کے آثار در آئے تھے۔ ماہرین کی یہ ٹیم مصری اور پاکستانی انجنیئروں پر مشتمل تھی مصری ماہرین نے جن کی اس کمیٹی میں اکثریت تھی سفارشات دیں کہ مسجد شریف کی تمام عمارت جو کہ ترک دور میں تعمیر ہوئی تھی بشمول حجرہ مطہرہ کے مسمار کر کے نئے سرے سے تعمیر کی جائے۔انہوں نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ نئی عمارت کی بلندی ۱۴ میٹر ہونی چاہئے۔بنیادوں کی مجوزہ گہرائی بھی مدینہ طیبہ کی ارضیاتی قوت اور تحمل سے غیر متناسب تھی۔حجرہ مطہرہ کے مسمار کئے جانے کی تجویز پر بہت سے لوگوں کا ماتھا ٹھنکا اور اس منصوبے کے اصل محرکات پر چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔

دوسری سعودی توسیع کے دوران مسجد نبوی کی تعمیر کا منظر

پاکستانی انجنیئروں نے ان سفارشات سے زبردست اختلاف کیا اور شاہ عبدالعزیز کو ایک یادداشت پیش کی جس میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ پرانی عمارت مضبوطی کے لحاظ سے بہت پائیدار تھی جسے گرانا انتہائی نامناسب تھا۔انہوں نے مختلف طرح کے ارضیاتی ٹیسٹ کر کے اس بات کی ناقابل تردید شہادت دی کہ قدیم عمارت کو مزید پچاس سال کے لیے کوئی خطرہ لاحق نہیں ۔تاہم انہوں نے توسیع کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات سے اتفاق کیا کہ مسجد شریف کے صحن سے لیکر شمالی حصہ کو مسمار کر کے نئی اور وسیع عمارت تعمیر کر دی جائے درآں حالیکہ قدیم حصے کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ساتھ ہی انہوں نے یہ تجویز بھی دی کہ بنیادیں زیادہ گہری نہ کھودی جائیں اور نئی تعمیر کی بلندی کو قدیم عمارت کی بلندی سے
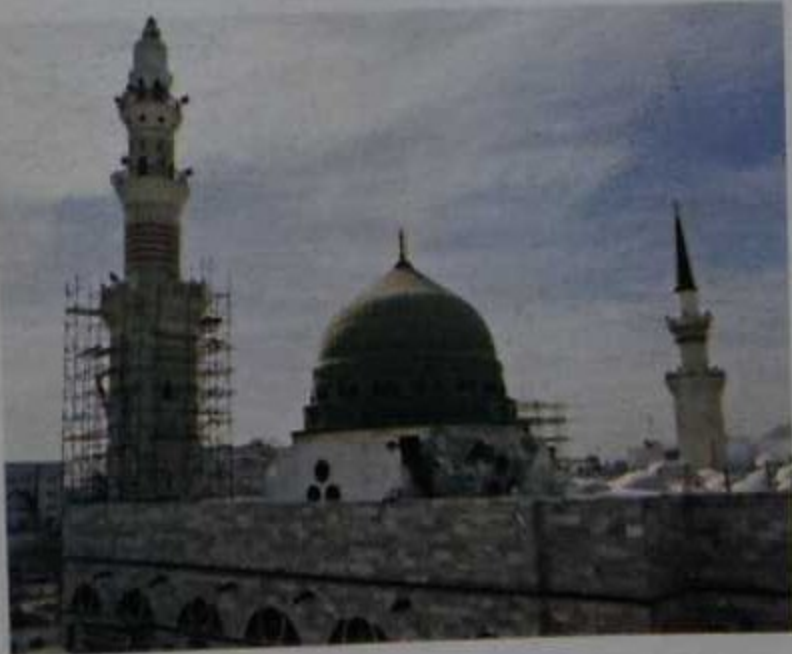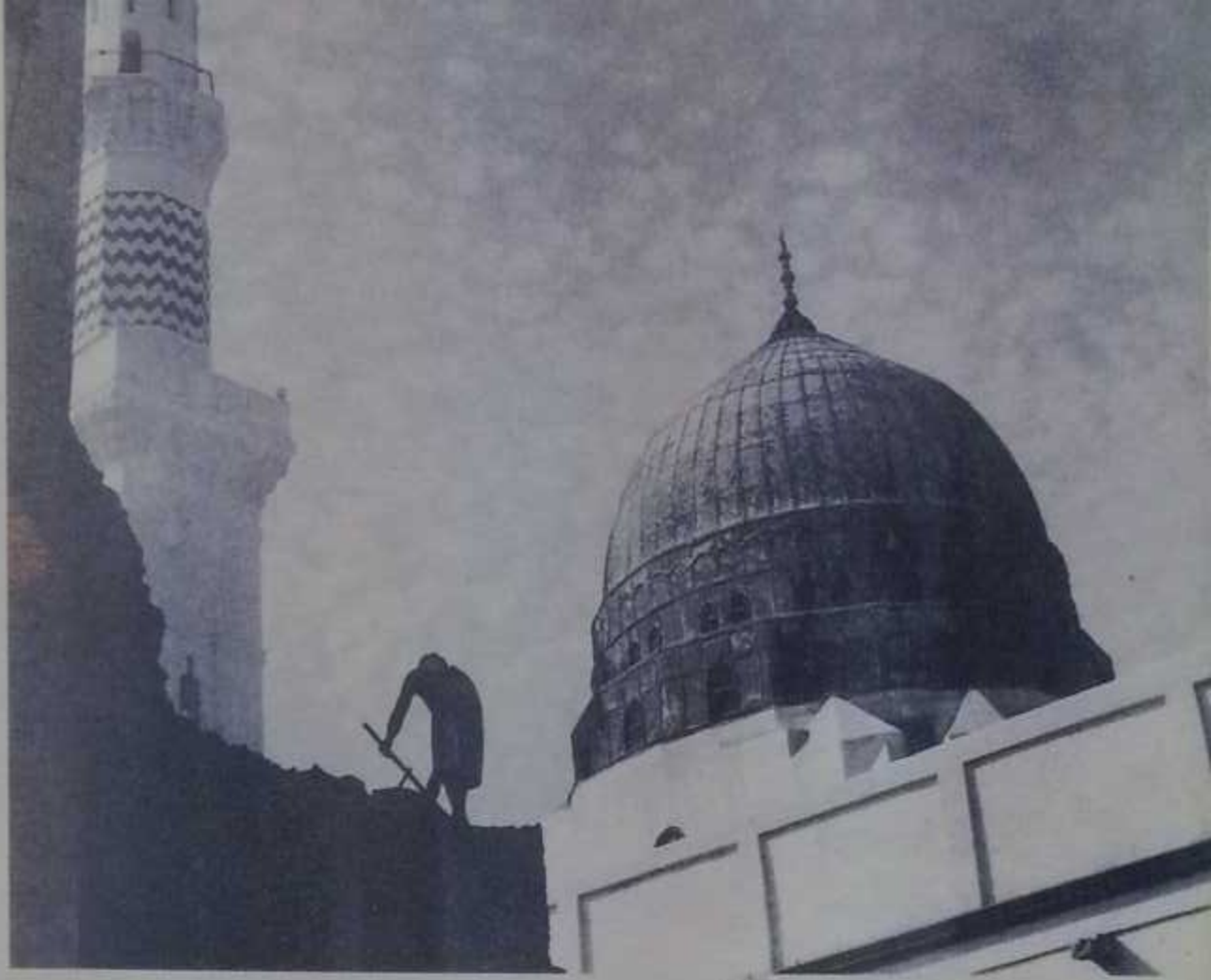
جتنا بھی ممکن ہو ہم آہنگ رکھا جائے. شاہ عبدالعزیز نے معاملے کا مزید گہرا مطالعہ کرنے کی ہدایات جاری کیں اور پھر بہت سے ارضیاتی ٹسٹوں اور طویل بحث مباحثوں کے بعد انہوں نے پاکستانی انجنیئروں کی سفارشات قبول کر لیں. ان پاکستانی انجنیئروں کے نام یہ تھے:

(۱) جناب محمد شفیع صاحب

(۲) جناب محمد سلیمان صاحب

(۳) جناب محسن علی صاحب

ان سفارشات کے مطابق ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۷۰ ہجری کو ایک شاہی فرمان (نمبری ۲۷-۴-۲۸-۸۸) جاری ہوا جس میں توسیع کے منصوبے کی رسمی طور پر منظوری دے دی گئی. (۲۶۱) کام کی نگرانی شہزادہ عبداللہ الفیصل کے ذمے لگائی گئی. پلان کے مطابق تمام گھر، دوکانیں اور کھلے علاقے جن میں گلیاں اور سڑکیں شامل تھیں بحق سرکار حاصل کئے گئے. ان کا تمام رقبہ ۲۲،۹۵۵ مربع میٹر تھا. (۲۶۲) مکانوں اور دکانوں کی ملکیت حاصل کرنے کے بعد ان کو گرانے کا کام مغربی جانب سے ۵ شوال ۱۳۷۰ ہجری کو شروع ہو گیا. پہلا گھر جو کہ مسمار کیا گیا وہ سید سمہودی ؒ کا تھا جو کہ مدینہ طیبہ کے نامور مورخ ہو گزرے ہیں جو کہ اس وقت وقف عمارت کی شکل میں ایک رباط بن چکا تھا جسے وقف دار آل سمہودی ؒ کہا جاتا تھا. (۲۶۳)

۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۲ ہجری کو شاہ سعود (جو اس وقت ابھی ولی عہد تھے) نے مدینہ طیبہ کا دورہ کیا اور اس منصوبے کی ابتداء کا افتتاح کیا جس کے لیے اہل مدینہ نے بہت بڑی پارٹی کا بندوبست کیا. تمام علاقہ خالی ہو جانے کے بعد ۱۱ شعبان ۱۳۷۲ ہجری کو مغربی جانب باب الرحمہ کے قریب نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور پھر تعمیر کا کام زور شور سے شروع ہو گیا. اگرچہ بہت سا بنیادی کام تو شاہ عبدالعزیز کے دور میں ہوا مگر اس منصوبے پر وسیع بنیادوں پر عمل درآمد ان کے جانشین شاہ سعود بن عبدالعزیز کے دور میں ہوا جنہوں نے ۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۳ ہجری کو جنوب مغرب جانب خشت اول رکھی. (۲۶۴) منصوبے کی تکمیل پر ا ربیع الاول ۱۳۷۵ ہجری (۱۹۵۵ء) کو شاہ سعود نے اس کا رسمی افتتاح کیا. (۲۶۵) اس شاندار منصوبے میں عمائدین امت کی دلچسپی کا اس بات سے اندازہ

۱۹۵۵ء میں پہلی سعودی تعمیر کے چند مناظر

۱۹۸۴ء میں شروع ہونے والی دوسری سعودی توسیع میں مسجد نبوی کا ماڈل، تصویر میں نشان زدہ قباء جو آل حسنؓ کا تھا وہ ماڈل میں تو موجود ہے لیکن عملاً ختم کر دیا گیا ہے۔

لگایا جاسکتا ہے کہ اس افتتاحی تقریب میں مصر کے شاہ فاروق اور پاکستان کے صدر غلام محمد خاص طور پر شمولیت کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے۔ سعودی دور کی اس پہلی توسیع کے بعد مسجد شریف کا کل رقبہ ۱۶،۳۲۷ مربع میٹر ہو گیا تھا (۲۶۶) جب کہ اس سے پہلے ترکی دور کی مجیدیہ عمارت کا رقبہ ۱۰،۳۰۳ مربع میٹر تھا۔ تعمیر نو کے بعد اس کی پیمائش کچھ یوں تھی:

شمال سے جنوب کی طرف طول = ۱۲۸ میٹر

مشرق سے مغرب تک عرض = ۹۱ میٹر

قدیم حصے میں جسے جوں کا توں رہنے دیا گیا بھی چند تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں، مثلاً باب ابوبکر الصدیقؓ پہلے صرف ایک دروازہ ہوا کرتا تھا مگر اب اسے وسعت دے کر تین دروازوں کا مجموعہ بنا دیا گیا۔ البتہ نئے تعمیر شدہ حصے میں تمام دروازے نئے سرے سے بنائے گئے تھے۔ شرقی جانب تین دروازوں پر مشتمل ایک نیا دروازہ بنایا گیا تھا جسے باب عبدالعزیز کہا جاتا تھا اور اس کے بالکل سامنے مغربی جانب ایسا ہی دروازہ بنایا گیا جس کا نام باب سعود رکھا گیا۔ شمال میں باب توسل کا نام بدل کر باب المجیدی کر دیا گیا اور اس کے مشرق اور مغرب میں دو اور دروازوں کا اضافہ کیا گیا جن کو علی الترتیب باب عثمان بن عفانؓ اور باب عمر بن الخطابؓ کہا جاتا تھا۔ (۲۶۷)

ٹائلیں اور پتھر کی سلیبیں بنانے کے لیے ذوالحلیفہ کے علاقے میں آبار علی کے قریب ایک بہت بڑی ورکشاپ قائم کی گئی تھی جہاں عالم اسلام کے تجربہ کار ماہرین تعینات کئے گئے تھے جو کہ اٹلی کے ماہرین کی زیر نگرانی کام کرتے تھے۔ چار سو نفوس پر مشتمل اس افرادی قوت میں ۱۴ انجنیئر تھے جن میں سے ۱۲ مصری، ۲ شامی اور ایک پاکستانی تھے جب کہ دیگر عملہ معماریں، سنگ تراشوں، اور فن تعمیر سے منسلک دیگر پیشہ وروں پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ ۵۰۰، ا مزدوروں کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں۔ کام کے تقدس کی وجہ سے ہر کس و ناکس رضا کارانہ طور پر اس میں شمولیت کا متمنی تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پاکستانی سفیر بھی اپنے لیے وہاں مزدوری کرنے کو ایک سعادت عظیم سمجھتے تھے۔ کام کی تکمیل میں اس وقت موجود جدید ترین مشینری جن میں کرینیں روڈ رولر اور ٹریکٹر شامل تھے استعمال ہوئے تھے تا کہ کام نہایت سرعت کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچ جائے۔

موقع پر کام کی نگرانی کے لیے ایک ہمہ وقتی پروجیکٹ آفس مسجد نبوی شریف کے جوار رحمت میں قائم تھا جہاں ۵۰ اہل کار جن میں انتظامی امور کے ماہرین سے لے کر سٹور کیپر اور اکاؤنٹینٹ تک سب مل کر ایک ٹیم کی طرح کام کرتے تھے۔ ٹیکنیکل برانچ کی سربراہی انجنیئر نہمی مومن کرتے تھے جن کے تحت تین ڈرافٹس مین اور ایک سیکریٹری کام کرتے تھے۔ پروجیکٹ ڈائریکٹر شیخ محمد صالح قزاز تھے جو کہ براہ راست وزیر مملکت شیخ محمد عوض بن لادن کے تحت تھے۔ (۲۶۸) اس وقت تمام منصوبے پر ۵۰ ملین سعودی ریال کی لاگت آئی تھی۔

یہ منصوبہ مکمل ہوئے ابھی صرف دو دہائیاں ہی گزری ہوں گی کہ مسجد شریف پھر نمازیوں کے لیے تنگ پڑنے لگی اور اس بات کا شدت سے احساس ہونے لگا کہ اس میں مزید توسیع کی جانی چاہیے۔ شاہ فیصل مرحوم نے نمازیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر توسیع کی ضروریات کا از سر نو جائزہ لینا شروع کیا اور حکم دیا کہ مغربی جانب میں واقع تمام مکانات خرید کر مسجد شریف میں شامل کر دیئے جائیں۔ اس کام میں کچھ

انتہائی تاریخی اہمیت کے موقع جات بھی مسمار کردیئے گئے جن میں ابوالنبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب کا مزار اور مشہد حضرت مالک بن سنان بھی شامل تھے۔اس کام کو تین مرحلوں میں مکمل کیا گیا تب جاکر مسجد شریف کی توسیع کے منصوبے کے خدوخال سامنے آئے۔ان شاہی احکامات کے تحت مسجد شریف میں ۸۳،۵۵۰ مربع میٹر کے کھلے رقبے کا اضافہ کیا گیا جو کہ تاریخی المناخہ کے وسیع علاقے پر محیط تھا۔شاہ سعود کی تعمیر والے حصے میں کھلے صحنوں میں بجلی سے چلنے والی چھتریاں (Etherial Umbrelas) جو موسمی حالات کے مطابق کھلتی اور بند ہوتی ہیں نصب کی گئیں۔ پہلے مرحلے میں مغربی جانب نئے خالی کروائے گئے علاقوں کی جگہ پر فائبر گلاس کے بنے شیڈ نصب کئے گئے۔منصوبے کی ابتداء تو شاہ فیصل کے دور میں ہی ہو گئی تھی مگر اس پر عملی جامہ شاہ خالد کے دور میں پہنایا گیا۔

ان دنوں حج سخت گرمی کے موسم میں ہوا کرتا تھا۔جب مولف ہذا نے اپنا دوسرا حج ۱۹۸۴ء میں ادا کیا تو انتہائی رش کے دنوں میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور اس بات کا احساس ہوا کہ وہ سایہ دار شیڈ لاکھوں انسانوں کے لیے کتنے باعث رحمت تھے جہاں ہانپتے کانپتے حجاج کرام گرمی سے بچاؤ کا آسرا ڈھونڈا کرتے تھے۔شاہ خالد کے دور میں مناخہ کا مزید علاقہ حاصل کر کے ان میں اسی طرح کے شیڈ نصب کئے گئے اور تمام علاقے کی تزئین و آرائش کی گئی۔فینسی تنصیبات کے ذریعے بجلی کی روشنی کا مناسب بندوبست کیا گیا اور ان شیڈوں میں پنکھے نصب کروا دیئے گئے۔اس کے ساتھ ہی ساتھ شرقی جانب بھی دکانوں کے مالکانہ حقوق حاصل کر کے بہت سا علاقہ مسجد شریف کے ساتھ ملحق کر دیا گیا۔اس طرف واقع بازاروں میں اسی طرح کی تنصیبات کے ذریعے مزین بجلی کی فراہمی کی گئی تا کہ مسجد شریف کے گردونواح کی تزئین میں ایک حسین تناسب پیدا ہو سکے۔مسجد کا رقبہ اب بڑھ کر ۴۵،۰۰۰ مربع میٹر ہو چکا تھا اور اردگرد کھلا علاقہ اس کے علاوہ تھا جس میں یوٹیلیٹی ایریاز اور زائرین کے لیے وضوخانے وغیرہ بنائے گئے تھے۔اس کھلے علاقے کو مسجد علی کرم اللہ وجہہ تک بڑھا دیا گیا تھا اور درمیان میں واقع عمارات اور دیگر تعمیرات کو صاف کر دیا گیا تھا۔(۲۶۹)

ابھی ایک ہی دہائی گزری ہوگی کہ سفری سہولیات کے پیش نظر حجاج کرام کی تعداد میں گونہ گوں اضافہ پھر اس بات کا متقاضی تھا کہ مسجد شریف کو مزید وسعت دی جائے۔اس کے پیش نظر خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد کے ابتدائی دور میں بڑے بڑے اسلامی ممالک اور کنسلٹنگ انجینیروں سے سفارشات طلب کی گئیں کہ مزید وسعت کس انداز میں اور کس حد تک کی جائے۔تین سال کے عرصے میں بہت سی تجاویز سامنے آئیں جن کی روشنی میں ایک عظیم الشان منصوبہ ترتیب دیا گیا جس کے تحت تاریخ مسجد نبوی شریف میں سب سے بڑی توسیع ہونا قرار پائی جس کی تکمیل پر مسجد شریف اس وقت موجودہ رقبہ سے بڑھ کر دس گنا ہونی
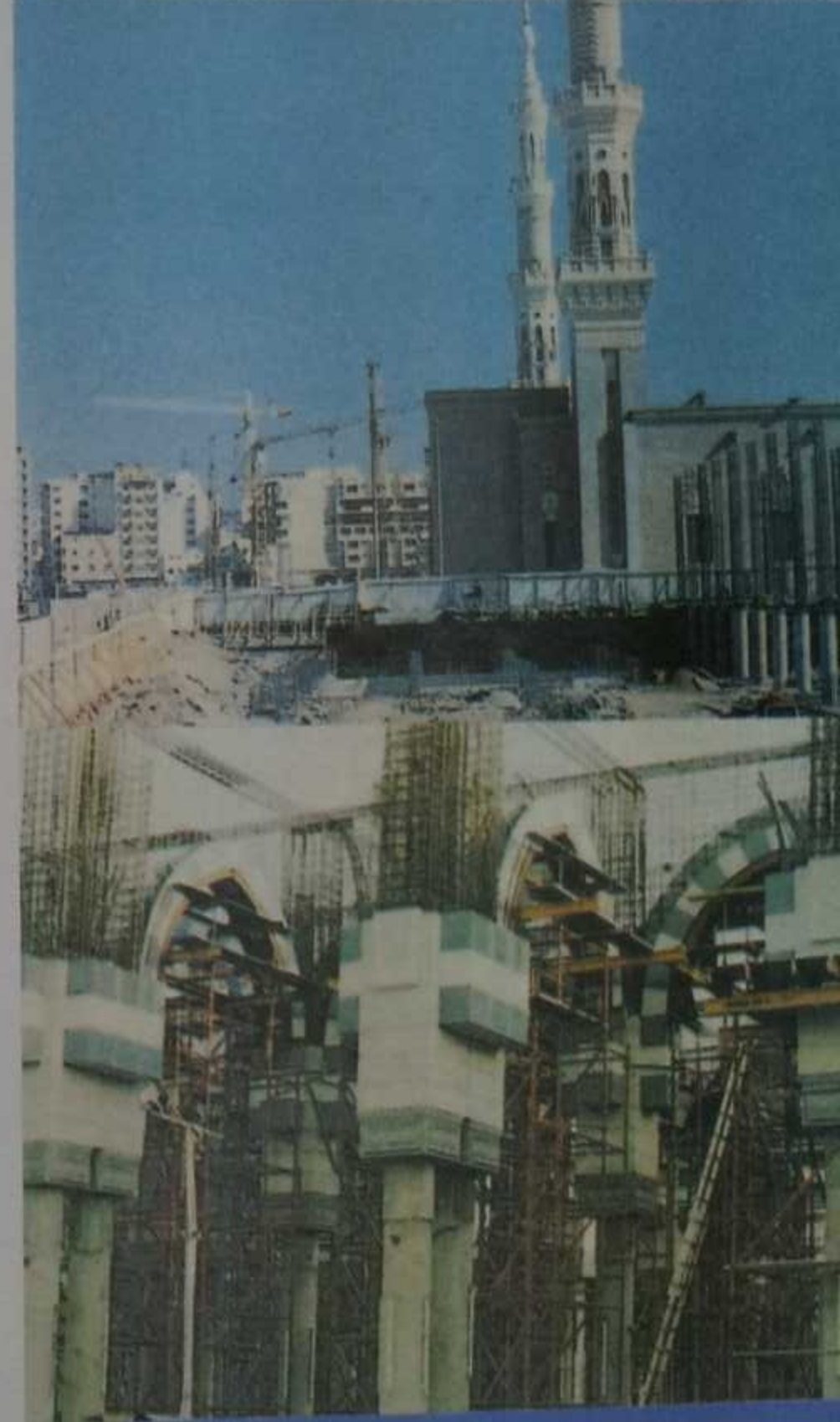
تھی جو کہ حضور سرور کائنات فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ کے دور میں تعمیر شدہ مسجد نبوی شریف سے سوگنا بڑی ہونا تھی. (۲۷۰) عالمی شہرت کے مصری معمار اسماعیل فہمی نے اس منصوبے کے خدوخال نہایت نمایاں طور پر پیش کئے. جب ماسٹر پلان بن کر تیار ہو گیا تو بن لادن گروپ کی خدمات حاصل کی گئیں جنہوں نے اس منصوبے کو 'تسلیم مفتاح' کی بنیادوں پر عملی جامہ پہنایا. یہ کہنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ اس سے پہلے منصوبے کی تکمیل بھی اسی کمپنی کے ہاتھوں ہوئی تھی جسے شاہ سعود کے دور میں مکمل کیا گیا تھا. پورے کام کی تکمیل کے لیے چھ سال کا عرصہ طے ہوا.

جمعہ ۹ صفر المظفر ۱۴۰۵ ہجری (۲۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء) کو ایک بہت ہی عالیشان اور پر تکلف تقریب میں خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے ''بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ'' کہتے ہوئے اس عظیم تر منصوبے کا افتتاح خشت اول رکھ کر کیا.

اس منصوبے کی تکمیل کے لیے مسجد نبوی شریف کے اردگرد ۱۰۰،۰۰۰ مربع میٹر کا وسیع وعریض علاقہ خریدا گیا جس میں زیادہ تر الرومیہ اور السنبلیہ کے علاقے شامل تھے. ان علاقوں کے حصول کے لیے ۳ بلین ریال کا زرِ کثیر صرف ہوا. اس عظیم الشان منصوبے کے حجم کے مطابق بن لادن گروپ نے مرکز شہر سے دور وادی العقیق کے بطن میں ایک بہت بڑی ورکشاپ قائم کی. مملکت سعودی عرب کے مختلف علاقوں کا سروے کیا گیا تا کہ بہترین قسم کا پتھر نکالا جا سکے. اس سروے کے نتیجے میں القصیم کے علاقے میں واقع پہاڑوں کا پتھر بہترین اور مناسب پایا گیا جو کہ چمکدار گرینائٹ کی چٹانوں پر مشتمل تھا جسے دیواروں میں استعمال کیا گیا. اسی طرح نجران کے علاقے کا لیکرو گرینائٹ ستونوں اور اندر کے کام کے لیے بہت مناسب پایا گیا. ان تمام معائنوں کے بعد اور مناسب ورکشاپیں بنوا کر مورخہ ۷ محرم الحرام ۱۴۰۶ ہجری (یکم مارچ ۱۹۸۶ء) کو شیخ بکر بن محمد لادن کی زیر نگرانی کام کی باقاعدہ ابتداء کی گئی.

چونکہ مسجد نبوی شریف کے اردگرد کا علاقہ نرم زمین پر مشتمل تھا اس لیے اس میں بہت گہرائی تک کھدائی کی ضرورت پیش آئی جو کہ بعض اوقات ۵۴ میٹر تک چلی گئی تھی. آہنی سلاخوں سے بنے مضبوط جال جن میں لاکھوں ٹن فولاد استعمال ہوا تھا اس گہرائی میں بچھائے گئے تا کہ عمارت اتنی مضبوط بنیادوں پر استوار ہو کہ تمام علاقہ مستقبل میں زلزلوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہے اور جھٹکوں سے متاثر نہ ہو. ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ مسجد شریف کی تمام عمارت ستونوں پر استوار کی جائے جن کو جھٹکوں سے متاثر نہ ہونے والے سٹیل کے خولوں میں اٹھایا گیا تھا جو کہ زیر زمین نہایت مضبوط آہنی جالوں سے بنی سطح پر تعمیر کئے گئے تھے. اس سے نہ صرف سعودی حکومت بلکہ اس منصوبے پر کام کرنے والے تمام عملے کی لگن اور جاں فشانی کا اظہار ہوتا ہے جنہوں نے اس مقدس عمارت کو اتنا پائیدار انداز میں تعمیر کیا ہے کہ آئندہ کئی صدیوں تک یہ عمارت انشاءاللہ قائم و دائم رہے گی.

ہر وہ شخص جس کو اس منصوبے پر عمدرآمد کے دوران مدینہ طیبہ حاضری کا شرف حاصل ہوا وہ اس وقت اس میں استعمال کئے جانے والے تعمیری مواد، مشینری اور تکنیکی وسائل پر ضرور انگشت بدنداں ہو جاتا تھا۔ بلند و بالا کرینیں اور تعمیری مشینری جو کہ اس منصوبے کی تکمیل میں استعمال ہوئیں پہلے کبھی بھی سعودی عرب کے کسی حصے میں نہیں دیکھی گئی تھیں۔ ستونوں کی مضبوطی کے لیے سٹیل کے بنائے گئے خول ۱۲ میٹر گہرائی تک چلے گئے تھے۔ ان کی کل تعداد ۸،۵۲۵ تھی۔ جب ایک خول بن کر تیار ہو جاتا تو الٹرا سونیک سینرز (Ultrasonic Sensors) کے ذریعے ان کی پائیداری ٹیسٹ کی جاتی۔

ان سٹیل کے خولوں پر ایک خاص قسم کا کیمیائی مادہ ڈالا جاتا تھا تا کہ سٹیل سے بنے یہ خول صدیوں تک زنگ کے مضرت رساں اثرات سے بچے رہیں۔ سب ملا کر ۲،۱۷۰ ستون استوار کئے گئے جس پر اس عظیم الشان عمارت کا نو تعمیر شدہ ڈھانچہ کھڑا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ شہر نبی کے باسیوں کے آرام میں خلل نہ پڑے اور اسی وجہ سے تمام بھاری مشینری جو کہ سیمنٹ بنانے اور پتھر پیسنے کے کام آتی تھی شہر سے باہر بیس کیلومیٹر دور ورکشاپوں میں نصب کی گئی تھی۔ وہ پتھر جو کہ دور دراز علاقوں سے حاصل کیا جاتا وہیں پر اس کی تراش خراش اور نوک پلک سنواری جاتی اور فنی ماہرین کی پوری تسلی کے بعد سیدھا موقع پر بھیج دیا جاتا تھا۔

وہ تمام تر وسائل جو جدید دور مہیا کر سکا مسجد نبوی شریف کی اس نئی توسیع کے لیے بروئے کار لائے گئے ان میں کمپیوٹرائزڈ ڈیزائینگ سے لے کر بھاری بھر کم مشینری اور لیزر سے کاٹنے والے آلات بھی شامل تھے۔ چار دانگ عالم سے ماہرین اور کاریگر اس کام کی تکمیل کے لیے تعینات ہوئے تھے۔ مسلمان ممالک سے مزدوروں کی کثیر تعداد نے اس منصوبے پر دن رات شفٹوں میں پوری تندہی سے کام کیا۔ رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر امت اسلامیہ کے یہ سپوت اس مقدس تعمیر میں ہمہ وقت مگن نظر آتے تھے۔ ایک طرف اگر شلوار قمیص میں ملبوس پاکستانی عشق مدینہ میں سرشار اپنے کام میں سرگرم نظر آتا تھا تو دوسری طرف یمنی یا مصری بھی اپنے قومی لباس میں اسی انہماک سے مشغول نظر آتے تھے۔ ہر کسی نے بقدر ہمت اوست اس میں پوری تندہی سے کام کیا۔ مدت معینہ میں کام کو پورا کرنے کی غرض سے مختلف شفٹوں میں کام چوبیس گھنٹے جاری رہتا۔ تا کہ مسجد نبوی شریف نمازیوں کے لیے بند نہ ہو اس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا کہ مسجد شریف پہلے کی طرح کھلی رہے اور جہاں جہاں کام ہونا ہوتا اسے باڑ لگوا کر علیحدہ کر دیا جاتا تھا اور جوں جوں عمارت کا کچھ حصہ بن کر تیار ہو جاتا اسے پبلک کے لیے کھول دیا جاتا تھا۔

عمارت کو بہترین بنیادوں پر استوار کرنے اور اس کی مناسب تزئین و آرائش کے لیے ہر قسم کا مطلوبہ مواد (جن میں پتھر سیمنٹ لکڑی اور سٹیل سب شامل تھے) اکناف عالم سے حاصل کیا گیا۔ اگر تزئین کے مقاصد کے لیے امیز مائیٹ سنگ مرمر (Amazmite marble) کینیا سے منگوایا گیا تو ۷۵،۰۰۰ مربع میٹر پر پھیلے فرش پر ٹائلیں لگوانے کے لیے برازیل سے چکروسا سنگ مرمر (Chakrosa marble) درآمد کیا گیا۔ بہترین سفید مرمر جسے کرارہ (Kerara marble) کہا جاتا ہے اٹلی کے پہاڑوں سے حاصل کیا گیا جسے چھتوں اور زینوں پر استعمال
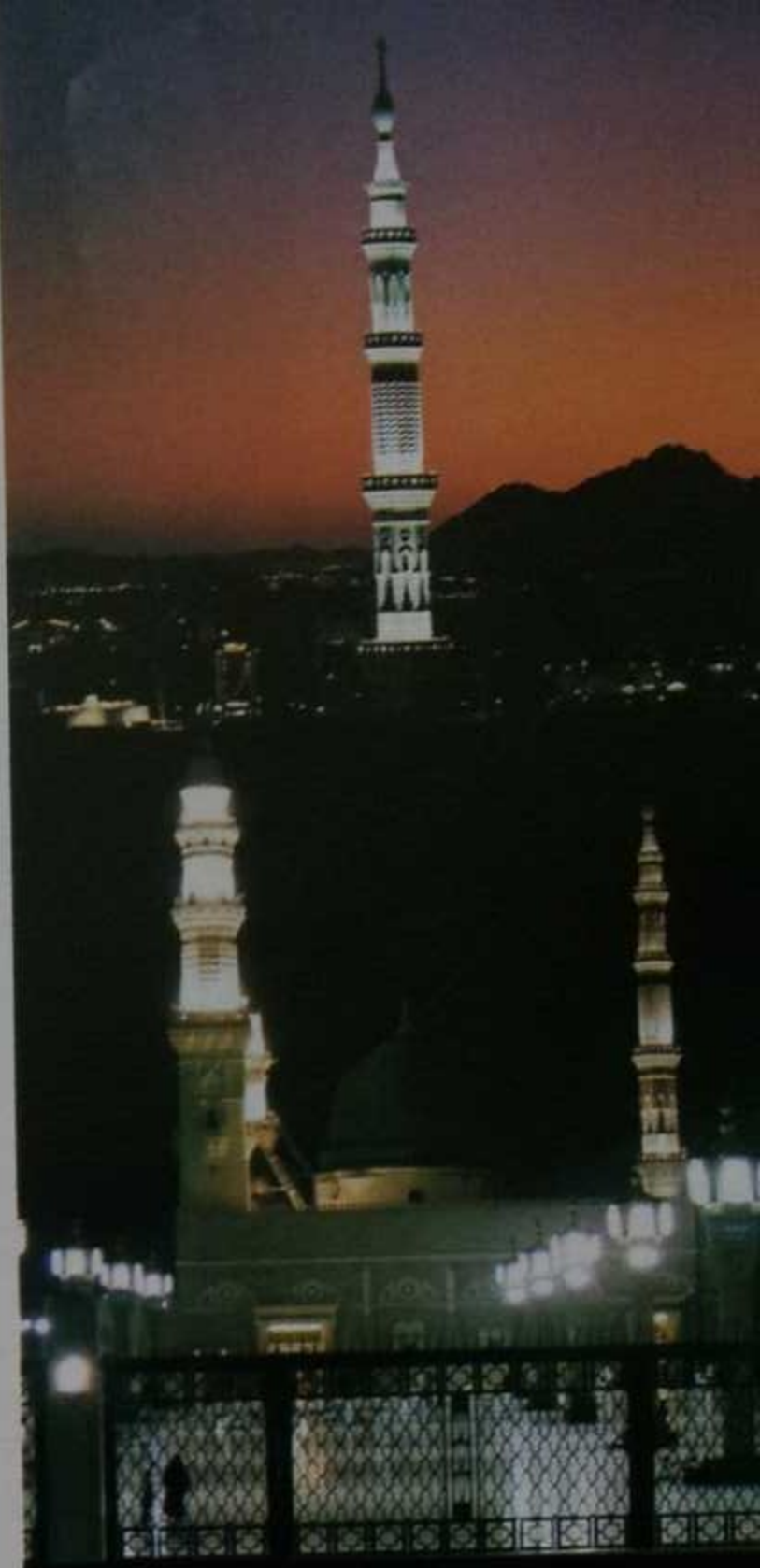
کیا گیا۔اس نفیس سنگ مرمر کی خوبی یہ ہے کہ سخت چلچلاتی دھوپ میں بھی اگر کوئی اس پر سے ننگے پاؤں گزرتا ہے تو وہ اسے ٹھنڈا محسوس کرتا ہے۔
یونان اور پرتگال سے بھی خاص رنگ اور اقسام کا مرمر منگوایا گیا جو کہ نقش ونگار کے لیے استعمال ہوا۔مسجد شریف کی دیواروں پر مختلف قسم کے سنگ مرمر کے آمیزے سے ٹائلیں لگائی گئیں جو کہ مختلف ممالک سے درآمد کیا جاتا تھا۔ چمکدار ٹائلیں برطانیہ سے منگوائی گئیں جن کو ان گنبدوں پر استعمال کیا گیا جو کہ باب ملک فہد کے صدر دروازے پر استوار کئے گئے ہیں۔ان ٹائلوں سے باب فہد پر استوار سات مینار مزین کئے گئے ہیں جہاں کھڑے ہو کر ایک طرف مشہد سیدنا امیر حمزہؓ اور جنت کا پہاڑ احد نظر آتا ہے تو دوسری طرف سامنے جنت کا باغ یعنی ریاض الجنۃ نظر آتا ہے۔
یوں کرہ ارضی نے اپنی تہوں میں چھپے ان انمول خزینوں کے منہ کھول دیئے اور اس کے شرق وغرب میں پھیلے جنگلوں، صحراؤں اور پہاڑوں نے بقدر ہمت اوست اس بقعہ نور کے لیے اپنے وسائل کا نذرانہ پیش کیا۔
لکڑی کے کام کے لیے مراکش کے جنگلات سے شیشم کی نرم مگر مضبوط لکڑی درآمد کی گئی۔ان جنگلات سے لکڑی کے تودے کاٹ کر جرمنی روانہ کئے جاتے تھے جہاں ان پر ضروری Wood-treatment and processing کے بعد ان کو مطلوبہ خوبصورت شکلوں میں ڈھال دیا جاتا تھا۔ جہاں تک دروازے میں استعمال شدہ لکڑی کا تعلق ہے اسے بارسلونا سے منگوایا گیا تھا۔دھات کے ذریعے خطاطی کا کام اور ایسا ہی زیبائشی کام سویٹزرلینڈ سے کروایا گیا۔ بلند وبالا میناروں پر کلس (Crescent) مضبوط پیتل سے بنائے گئے جن کو سویٹزرلینڈ کی بھٹیوں میں ڈھالا گیا اور پھر ان کے کلسوں پر ۲۳ قیراط سونے کا ملمع کیا گیا۔لوکل انڈسٹری بھی اس سعادت سے محروم نہیں رہی تھی۔کھڑکیوں اور خوبصورت جالیوں کی ڈیزائننگ اور تیاری اور وارنش جدہ کی ایک ورکشاپ میں کی گئی جس کے لیے شیشم اور اخروٹ کی لکڑی مراکش سے منگوائی گئی تھی۔
تزئین کے لیے ایسے نمونے اور ڈیزائن چنے گئے جو کہ عرف عام میں جیومیٹریکل ڈیزائن مشہور ہیں جو مدینہ طیبہ کے پرکیف ماحول میں اور بھی

حسین نظر آتے ہیں.

قرآنی آیات کی لکھائی کے لیے مصری خطاطوں کی خدمات حاصل کی گئیں جنہوں نے منتخب آیات قرآنی کو اپنے ہاتھوں سے ایک خاص قسم کے اوراق پر لکھا جن سے بعد میں اس خطاطی کو پولی کاربن کے سٹینسلوں پر اتارا گیا جہاں سے خاص تکنیکی ذرائع سے ان شہ پاروں کو بھورے رنگ کے سنگ مرمر کی سلوں پر منتقل کیا گیا جن کی ہاتھوں سے رگڑائی (Sand Blasting) کر کے صاف کیا گیا اور پھر چمکدار پالش کی گئی جس سے اس کے حسن میں مزید نکھار پیدا ہوگیا. پھر ان الواح کو مسجد شریف کی چاردیواری کے اندر کی طرف سکرٹنگ کے اوپر ان ٹائیلوں کو چسپاں کردیا گیا. خطاطی کے ذریعے قرآن کریم کی آیات سنگ مرمر کی سلوں پر مسجد شریف کی چاروں دیواروں کے اندر لگائی گئی ہے جس کی کل لمبائی چار کیلومیٹر بنتی ہے. تاریخ مسجد نبوی شریف میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ نقاشی اور خطاطی کے لیے کمپیوٹر کو استعمال کیا گیا جن کے لیے بہترین فونٹ (Fonts) اور خطوط کا انتخاب کیا گیا. زائر و ناظر خطاطی کے ان شاہکاروں کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتا ہے کیونکہ ان قرآنی آیات کی خطاطی کے پس پردہ کلام الٰہی کے اپنے منور حسن و جمال کا پرتو بھی انتہائی اچھوتے انداز میں عیاں نظر آتا ہے.

نئی تعمیر میں استعمال شدہ خشت و سنگ سب کا سب پیشگی بنا ہوا تھا، یعنی (Pre-fabricated) تھا جسے موقع سے بہت دور ہی آپس میں جوڑ دیا جاتا تھا اور پھر جب موقع تعمیر پر ان کو لایا جاتا تو کرینوں کی مدد سے یا کاریگر کے ہاتھوں سے ان کے مختلف اجزاء جائے مطلوبہ پر نصب کر دیئے جاتے تھے. ہر ایک حصے کو انتہائی ماہرانہ انداز سے ڈیزائن کیا جاتا اور پھر اس ایک حصے کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر دیا جاتا تھا اور جب چھوٹے چھوٹے اجزاء اپنی مواصفات (Specifications) کے مطابق تیار ہو جاتے تو ان کو جوڑ کر ایک حصہ مکمل کر لیا جاتا تھا. بڑے بڑے ستونوں کے مختلف اجزاء کو جو کہ نجران کے گرینائٹ سے تراشے جاتے تھے نجران کے موقع جات پر ہی تراشا اور خراشا جاتا تھا اور پھر ان کو مسجد نبوی شریف منتقل کر دیا جاتا تھا. مدینہ نجران روڈ ان دنوں سامان تعمیر سے لدے ٹرکوں سے دن رات مشغول رہتی تھی اور ان دنوں ایسے لگتا تھا گویا کہ پوری مملکت اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ ہمہ تن اسی کام پر منہمک تھی.

دور ارضی کے نیچے وسیع و عریض تہہ خانے بنائے گئے ہیں جو کہ ۸۲،۰۰۰ مربع میٹر کے رقبے پر محیط ہیں جہاں بہت سی خدمات اور یوٹیلیٹی کے مراکز واقع ہیں. (۲۷۱) عامۃ الناس کی سہولت کے لیے مسجد شریف کے چاروں طرف زیر زمین دو منزلہ کار پارکنگ ایریاز بنائے گئے ہیں جہاں مقررہ نرخوں کے عوض گاڑیاں گھنٹہ بھر یا روزانہ یا ماہانہ بنیادوں پر پارک کی جاسکتی ہیں. پارکنگ کی زیر زمین بالائی منزل میں ۲،۲۲۲ خصوصی گاڑیاں اور ۸۲ بڑی گاڑیاں مثلاً ٹرک وغیرہ پارک کرنے کی گنجائش ہے، جبکہ نچلی منزل پر ۲،۲۲۲ کاریں اور ۴۴ بڑی گاڑیاں
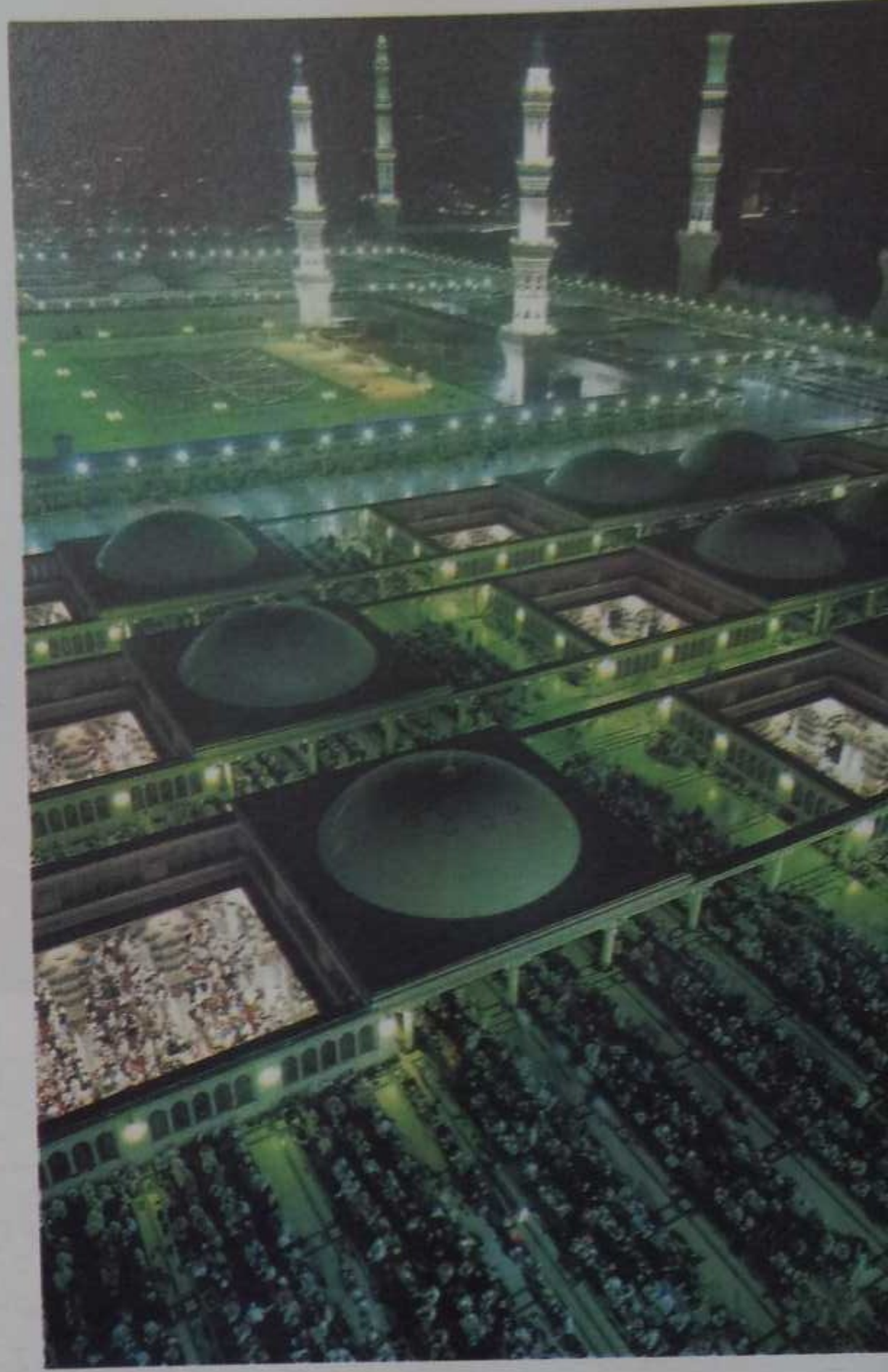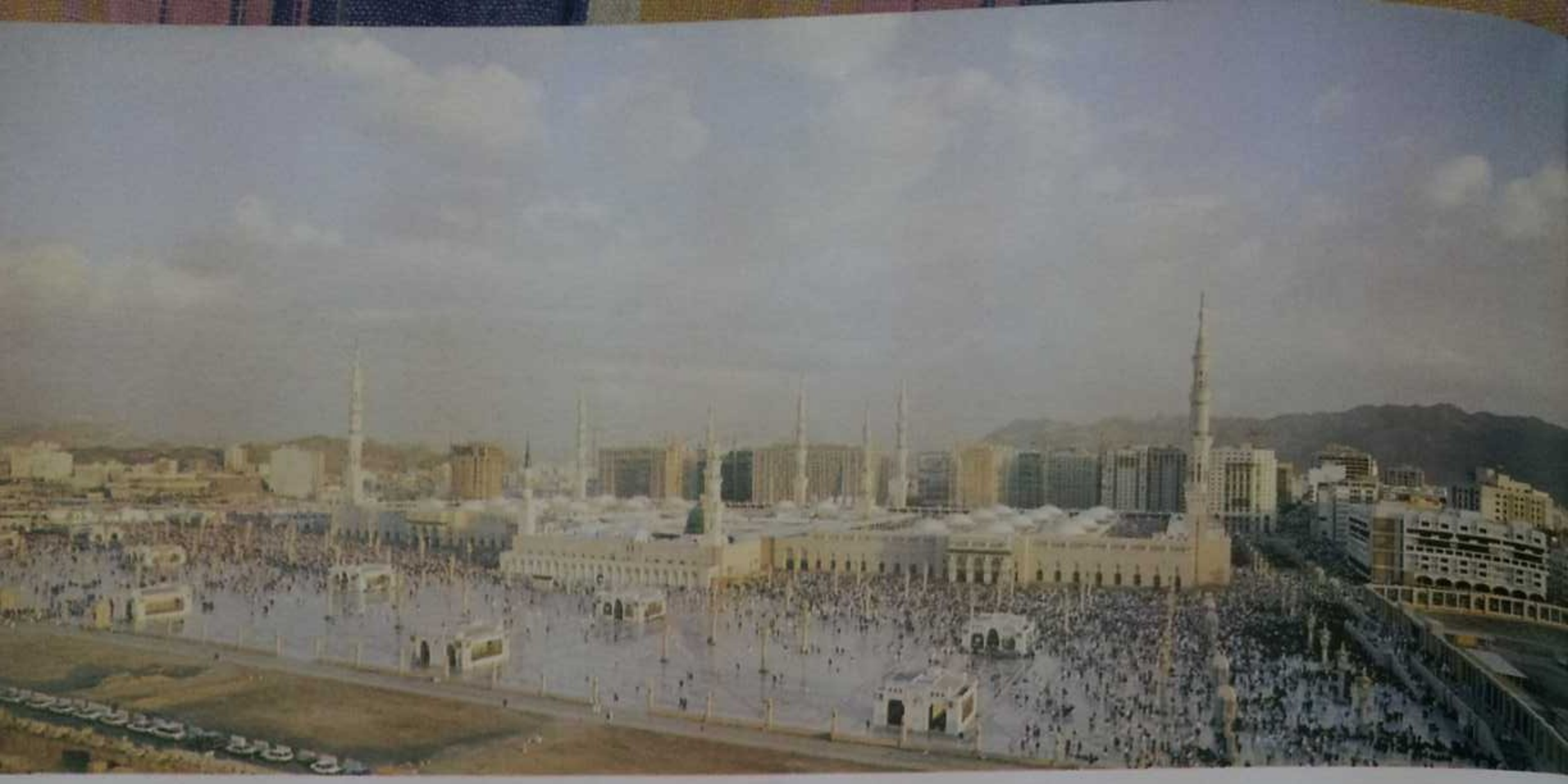
پارک کی جاسکتی ہیں. ان پارکنگ کے وسیع علاقوں تک ۳۰ عام زینوں کے علاوہ بجلی کے زینے (Escalators) نصب ہیں. ٹریفک کے نظام کو مزید آسان بنانے کے لیے شارع ستین (موجود شارع الفیصل) پر چلنے والی گاڑیاں کسی بھی جانب سے اس کار پارکنگ تک پہنچ سکتی ہیں تاکہ مسجد شریف میں آنے جانے کے لیے لوگوں کو زحمت کا سامنا نہ ہو.

خواتین و مرد حضرات کے لیے علیحدہ علیحدہ وضو خانے اور غسل خانے مسجد شریف کے باہر کھلے ایریا میں چاروں طرف ملتے ہیں جن سے ہجوم کے دنوں میں لاکھوں فرزندان توحید استفادہ کرتے ہیں. غسل خانوں میں فلش کے ذریعے نکاسی آب کا انتظام کیا گیا ہے. مسجد اور حرم النبوی شریف میں ایک بہت پائیدار پانی کی سپلائی کا نظام بنایا گیا ہے اور یوں لاکھوں نمازیوں کے لیے ہمہ وقت غسل اور وضوء کا بندوبست مسجد شریف کے چاروں طرف کر دیا گیا ہے. مستورات اور حضرات کے لیے الگ الگ عمارتیں اس کام کے لیے مختص ہیں جہاں آمد و رفت کے لیے عام سیڑھیوں کے علاوہ بجلی کے زینے بھی لگائے گئے ہیں. جائے وضوء پر بیٹھنے کے لیے اونچی جگہیں بنائی گئی ہیں تاکہ پانی گرنے سے کپڑے غلیظ نہ ہوں. وضوء کی کل ٹونٹیوں کی تعداد ۲،۴۳۲ ہزار ہے. پانی کے نکاس کے لیے وضو خانوں اور غسل خانوں سے نالیاں نکال کر مین نکاس کے نظام سے منسلک کر دی گئی ہیں جہاں سے یہ پانی مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں واقع زرخیز علاقوں کو آب پاشی کے لیے سپلائی کر دیا جاتا ہے. استعمال شدہ پانی کے نکاس کا انتظام اتنا بہترین ہے کہ شدید بارشوں کی وجہ سے بھی کبھی پانی چند منٹوں سے زیادہ ٹھہرا نظر نہیں آتا.

انتہائی سخت کوالٹی کنٹرول، نگرانی اور محنت شاقہ اس عظیم منصوبے کی تکمیل کے لیے سب سے بڑے راہنما اصول رہے تھے اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اس منصوبے سے منسلک ہر اہل کار نے نہایت دیانتداری سے اپنے فرائض انجام دیئے. خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بنفس نفیس مدینہ طیبہ جاتے اور کام کی رفتار کا جائزہ لیتے رہتے اور کئی بار ایسا ہوا کہ موقع پر ہی انہوں نے پلان سے ہٹ کر ہدایات دیں تاکہ مسجد نبوی شریف میں مزید سہولتوں کا اضافہ کیا جاسکے. پایہ تکمیل تک پہنچنے پر مسجد نبوی شریف کا چھتا ہوا حصہ پہلے کی نسبت پانچ گنا وسیع ہو چکا تھا جہاں اب ۱۸۰،۰۰۰ نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں نمازیوں کے لیے مزید گنجائش پیدا کرنے کی غرض سے چھت پر بھی صف بندی کے لیے برآمدوں کا بندوبست کیا گیا ہے. اس طرح چھت کا ۶۷،۰۰۰ مربع میٹر رقبہ بھی کام میں لایا گیا ہے جہاں مزید ۹۰،۰۰۰ نمازیوں کے بیک وقت نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے. چھت پر بسہولت جانے کے لیے ۱۸ عدد عریض سیڑھیاں تعمیر کر دی گئی ہیں. اس کے علاوہ چار بجلی سے چلنے والے دو رویہ زینے بھی لگائے گئے ہیں. باب السلام سے لے کر (جسے باب نمبر ایک دیا گیا ہے) باب البقیع تک ۸۶ چھوٹے بڑے دروازے مسجد شریف کے چاروں طرف نمازیوں کی آمد و رفت کے لیے لگائے گئے ہیں. پہلے صرف آٹھ دروازے ہوتے تھے جن میں ۱۶ کواڑ نصب تھے، مگر تعمیر نو اور توسیع کے بعد ان بڑے مدخلوں کی تعداد ۲۵ ہوگئی ہے جن میں ۶۵ دروازے نصب ہیں. تہہ خانوں کو جانے کے لیے علیحدہ دروازے ہیں. صدر دروازوں کو

بارسیلونا میں ڈیزائن اور بنایا گیا تھا جب کہ ان میں استعمال ہونے والے دھات کے حصے فرانس میں تیار ہوئے تھے۔ ہر صدر دروازے کا وزن اڑھائی ٹن ہے لیکن ان کی تنصیب اور ڈیزائننگ اس انداز سے کی گئی ہے کہ ان کو صرف ایک آدمی بھی باآسانی کھول یا بند کر سکتا ہے۔ مسجد شریف کی چھت پر چڑھنے کے لیے ۱۸ عدد زینے ہیں جو کہ صرف ہجوم کے دنوں میں کھلتے ہیں، مثلاً نماز جمعہ کے وقت (اگر ضرورت محسوس ہو) یا پھر عیدین کے اجتماع وغیرہ کے وقت۔ کمزور اور بوڑھوں کے لیے بجلی کے زینے بلاشبہ سہولت کا باعث ہیں۔

اس بڑی توسیع سے پہلے مسجد شریف کے صرف چار مینار ہوا کرتے تھے جب کہ اب ان کی تعداد ۱۰ ہوگئی ہے۔ نئے تعمیر شدہ فلک بوس مینار دور سے ہی زائرین کی نظروں کا محور بن جاتے ہیں۔ مسجد شریف کے نئے حصے میں کل ۲،۵۶۷ ستون ہیں جن میں ۲،۰۱۷ ستونوں کا قطر ۶۴ سنٹی میٹر ہے جب کہ باقی کے ۵۵۰ ستون محل وقوع کی مناسبت سے مختلف حجموں کے ہیں۔ دور ارضی ۶،۵۴۴ مربع میٹر پر محیط ہے جب کہ چھت کا بالائی حصہ اس سے ذرا کم ہے۔

جوں جوں مسجد شریف کی تعمیر اپنی تکمیل کے مراحل طے کر رہی تھی منصوبے کے منفذین اور انجنیئروں کے ذہنوں میں چند نئی تجاویز بھی جنم لے رہی تھیں جسے دوران تنفیذ ہی بعد از منظوری منصوبے میں شامل کر لیا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک تجویز یہ بھی تھی کہ نئے تعمیر شدہ حصے میں صحنوں کو کھلا چھوڑنے کی بجائے ایسے گنبد بنا دیئے جائیں جو کہ موسمی اثرات کے مطابق حرکت میں لائے جا سکیں۔ یعنی اگر گرمی زیادہ ہو تو وہ حرکت کر کے کھلے علاقوں کو بند کر دیں اور جب کھلا آسمان دیکھنا مقصود ہو تو ان کو چھتے ہوئے حصے پر لے جایا جا سکے۔ یہ تجویز دراصل اس نومسلم جرمن انجنیئر کی تھی جس نے مسجد شریف کے پرانے حصے میں آٹو میٹک کھلنے اور بند ہونے والی چھتریاں (Etherial Umbrellas) ڈیزائن اور نصب کی تھیں۔ ابتداء میں صرف ایک ایسا گنبد تعمیر کیا گیا اور پھر جب خادم الحرمین الشریفین نے معائنے کے بعد اس کی منظوری دے دی تو ۲۶ اور گنبد تعمیر کئے گئے۔ یوں ایسے گنبدوں کی کل تعداد ۲۷ ہے۔ گنبدوں کی تعمیر سے مسجد نبوی شریف فن تعمیر کے دور حاضر کے محیر العقول عجائبات میں شمار ہوتی ہے۔ ہر ایک گنبد کا ایک ایک حصہ خصوصی ماہرین کی نگرانی میں مواصفات کے مطابق بنایا گیا۔ سردی گرمی سے بچاؤ کے لیے خاص عازلہ مواد استعمال کیا گیا اور گنبدوں کے اندر کی جانب خوبصورت نقش و نگار اور ڈیزائن بنائے گئے۔ ان گنبدوں کی ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت مسجد شریف کی عمارت کے ایر کنڈیشننگ نظام سے مرتبط اور منسلک ہے۔ ہر گنبد کا وزن ۸۰ ٹن ہے۔ کینیا سے درآمد کردہ امیزونائٹ سنگ مرمر (Amazonite marble) سے ان کے اندرونی حصوں میں نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ ان گنبدوں کے بعض حصے زر خالص سے ملمع ہیں اور یوں ہر گنبد میں ۲،۵۰ (اڑھائی) کیلوگرام خالص سونا استعمال ہوا ہے۔ ان گنبدوں کے باہر کے حصوں پر جرمنی سے درآمد شدہ ٹائلیں لگائی گئی ہیں۔

مسجد شریف میں سردی اور گرمی کے مطابق ایک بہت ہی پیچیدہ ایر کنڈیشننگ کا نظام نصب ہے جس کے چلر یونٹ دنیا میں کسی بھی عمارت میں استعمال ہونے والے سب سے بڑے یونٹ ہیں۔ یارک کمپنی نے مدینہ طیبہ سے سات کیلومیٹر باہر دنیا کے سب سے بڑے چیلر یونٹ (Chiller Units) کی تنصیب کی جہاں سے زیر زمین سرنگ میں سے نالیوں کے ذریعے ٹھنڈا پانی مسجد نبوی شریف کے تہہ خانے میں پہنچایا جاتا ہے۔ وادی العقیق کے اس پار واقع اس چلر کمپلیکس کا رقبہ ۷۰،۰۰۰ مربع میٹر ہے۔ مسجد نبوی شریف سے اتنی دور اس کمپلیکس کے بنائے جانے میں اصل مقصد یہ تھا کہ مسجد شریف کے اردگرد کا علاقہ بہت قیمتی ہو چکا تھا اور اس کی تجارتی قیمت کروڑوں ریالوں تک پہنچتی تھی۔ لہٰذا اس سے ایک طرف تو کچھ بچت بھی ہوگئی اور دوسری طرف مسجد شریف کے اردگرد کا علاقہ دیگر تجارتی سرگرمیوں کے لیے بچ گیا اور ساتھ

ہی ساتھ اہل مدینہ اس شور و غوغا سے بھی بچ گئے جو کہ اس کی مشینری کے چلنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ مسجد میں ایر کنڈیشننگ کے لیے سات بہت ہی بڑے یونٹ نصب ہیں جن میں سے پانچ تو ہمہ وقت چالو رہتے ہیں مگر دو کو احتیاطی طور بند رکھا جاتا ہے تا کہ بوقت ایمرجنسی کام میں لائے جا سکیں۔ چلر پلانٹ سے مسجد نبوی شریف تک ٹھنڈا پانی صرف چند سیکنڈ میں ۱۳،۶۰۰ گیلن فی منٹ کے حساب سے تہہ خانوں تک پہنچ جاتا ہے جہاں بڑے بڑے کنڈنسروں کے ذریعے ہوا کو ٹھنڈا کر کے نالیوں کے ذریعے اوپر لے جایا جاتا ہے۔ ۴۵۰ ہارس پاور کے بڑے بڑے بلوور (Blower) اس ٹھنڈی ہوا کو ان کے مخرجوں تک اوپر لے جاتے ہیں۔ چلنگ پلانٹ (Chilling Plant) میں فی گھنٹہ ۷،۰۰۰ ٹن ہوا کو ٹھنڈا کرنے کی گنجائش ہے۔ جہاں تک مسجد شریف کے پرانے حصے کا تعلق ہے، وہاں اب بھی بجلی کے پنکھوں سے کام لیا جاتا ہے۔ درحقیقت شیخ محمد دین کے نیشنل کے بنے پنکھے ابھی بھی یہ خدمت مہیا کر رہے ہیں۔

ہر ستون کے نچلے حصے میں پیتل کی جالیاں لگائی گئی ہیں جو کہ نہ صرف دیدہ زیب ہیں اور مسجد شریف کی خوبصورتی میں اضافہ کرتی ہیں بلکہ یہ ٹھنڈی ہوا کے مخرجوں کے طور پر بھی کام کرتی ہیں جو کہ نیچے سے ایر کنڈیشننگ کے نظام سے نالیوں کے ذریعے منسلک ہیں۔ مسجد میں ٹھنڈی ہوا اتنی وافر مقدار میں پہنچائی جاتی ہے کہ نہ صرف یہ کہ مسجد کے اندرونی حصوں میں بلکہ اس سے باہر دور دور تک لوگ اس کی ٹھنڈک سے مستفید ہوتے ہیں۔ پانی کے نظام کی طرح بجلی کا نظام بھی بہت وسیع بنیادوں پر کیا گیا ہے۔ عام شہر طیبہ کے بجلی کے سپلائی کے نظام کے علاوہ مسجد نبوی شریف کا اپنا الگ پاور جنریٹنگ پلانٹ (Power Generating Plant) بھی ہے جس میں ۱۲۵،۰۰۰ کیلوواٹ بجلی پیدا کرنے کی گنجائش ہے جو کہ احتیاطی تدابیر پر نصب ہے تا کہ ایمرجنسی کی صورت میں بجلی کی سپلائی منقطع نہ ہونے پائے۔ یہ نظام خود کار الیکٹرونک ذرائع سے یا مشینی ذرائع سے ہاتھ سے چلایا جا سکتا ہے۔

مسجد شریف میں روشنی کے بندوبست کے لیے خوبصورت فانوس (Chandeliers) نصب کئے گئے ہیں جن میں ترسیل نور کے لیے بجلی کا ایک نہایت ہی پیچیدہ نظام نصب ہے۔ یہ تمام فانوس جدہ کی ایک فیکٹری میں بنائے گئے تھے۔ مسجد شریف کے فانوس میں حرم نبوی شریف کے تقدس کو مدنظر رکھتے ہوئے ان فانوسوں کو خاص طور پر ڈیزائن کیا گیا تھا جن پر نہایت ہی دیدہ زیب انداز میں قرآنی آیات لکھی گئی ہیں۔ مسجد شریف میں کل ۶۸ فانوس ہیں جو کہ پیتل کے بنے ہیں مگر ان پر سونے سے ملمع کاری کی گئی ہے۔ جونہی اندھیرا چھاتا ہے بجلی کے قمقموں اور فانوسوں کی روشنی سے مسجد شریف کے اندر اور باہر ہر سو اجالا ہو جاتا ہے اور میناروں پر اتنی ضیاء پاشی ہوتی ہے کہ کئی میل دور سے ہی یہ مینار لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن جاتے ہیں۔ مسجد شریف کے باہر کھلے علاقے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر فرش پر بلند و بالا ستون نصب ہیں جن میں تیز روشنی والے بلب چاروں طرف نور بکھیرتے ہیں۔

مسجد شریف میں کسی ناگہانی حادثے یا کسی تخریبی کارروائی سے بچنے کے لیے ہمہ وقت سیکیورٹی کا نظام نصب ہے جس کا مرکز تہہ خانے میں ہے۔ مختلف جگہوں پر کافی اونچائی پر کیمرے نصب ہیں جو کہ کلوز سرکٹ ٹیلی ویژن (Closed Circuit Television - CCTV) کے ذریعے سیکورٹی کے نظام رئیسی سے منسلک ہیں اور چوبیس گھنٹے مسجد شریف کے احاطے میں اور اس کے باہر نقل و حرکت پر نظر رکھتے ہیں۔ ایسے ہی ایک نہایت جدید صوتی نظام (Sound System) اور ٹیلی ویژن نظام بھی نصب ہے جو کہ نہ صرف براہ راست ریڈیو سٹیشن سے منسلک ہے بلکہ بوقت ضرورت سعودی ٹیلی ویژن سے منسلک کیا جا سکتا ہے تا کہ خاص مواقع پر مثلاً عیدین یا تراویح کے وقت سعودی

عرب اور عالم اسلام کے دیگر نیٹ ورکوں سے ملایا جا سکے اور چار دانگ عالم میں پھیلے عامۃ المسلمین اس کی نشریات سے مستفید ہو سکیں. سیکورٹی کے اس نظام کے علاوہ حادثات سے بچاؤ کے لیے دفاع المدنی کے زیر انتظام مسجد شریف میں ۶۵ مختلف مقامات پر پانی کے پائپ اور آگ بجھانے کے آلات نصب ہیں. بروقت اقدام کے لیے سیکورٹی نظام مسجد شریف کے تین جانب کام کرتا ہے تاکہ اگر ضروری ہو تو بسرعت تمام تفتیش کی جا سکے. کسی نمازی کو مسجد شریف میں اچانک حادثہ پیش آجانے کی صورت میں ایمرجنسی فوری طبی امداد کا بندوبست ہے اور ایمبولینس موقع پر پہنچ جاتی ہیں. مسجد کے طول و عرض میں پھیلے وائرلیس سیٹ بردار کارندے ایک ایک بات پر نظر رکھتے ہیں اور اپنے اپنے مراکز سے رابطہ رکھتے ہیں.

نمازیوں کے لیے پینے کا پانی مہیا کرنے کے لیے مکۃ المکرمہ سے خاص طور پر آب زمزم منگوا کر واٹر کولروں میں بھرا رہتا ہے. ابتداء میں تو ٹرکوں پر لاد کر آب زمزم مکہ سے لایا جاتا تھا مگر اب منصوبہ بندی کی جارہی ہے کہ مکہ شریف سے پائپ لائن کے ذریعے آب زمزم کی براہ راست ترسیل شہر نبوی شریف کو کر دی جائے. مسجد شریف میں ہر وقت ٹھنڈا آب زمزم دستیاب ہوتا ہے جو کہ اس کے ہر حصے میں مختلف روشوں میں رکھے گئے کولروں میں وقفے وقفے کے بعد بھر دیا جاتا ہے. اس کام پر مامور عملہ اس بات کا خاص خیال رکھتا ہے کہ نمازیوں اور زائرین کو پینے کے لیے آب زمزم کی قلت نہ ہو. یہ کام ماضی میں آغا حضرات مشکیزے کندھوں پر اٹھا کر کٹورے ہاتھوں میں لیے مختلف صفوں میں گھوم پھر کر کیا کرتے تھے.

توسیع مسجد نبوی کا افتتاحی کتبہ

ماضی بعید میں مسجد شریف اور اس کے گرد و نواح میں آغا حضرات صفائی کا انتظام خود کرتے تھے مگر بعد میں اس کام کے لیے عملہ کا بندوبست کیا گیا جو جاروب کشی کرتے. اب چونکہ مسجد شریف کا رقبہ پہلے کی نسبت دس گنا بڑھ چکا ہے اور اس کے ارد گرد کا تمام علاقہ بھی عملی طور پر مسجد کا حصہ ہی تصور ہوتا ہے اس لیے صفائی کا ٹھیکہ سعودی کمپنیوں کو دے دیا جاتا ہے. جن کا عملہ پوری لگن سے اس کام کو سرانجام دیتا ہے. اندر صفائی تو عموماً چھوٹے ویکیوم کلینروں سے یا دیگر چھوٹی مشینوں کے ذریعے کی جاتی ہے مگر باہر کی جانب اس مقصد کے لیے بڑی مشینیں استعمال ہوتی ہیں حتیٰ کہ دیواروں سے گرد و غبار جھاڑنے کے لیے بھی خاص گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں. جن پر چھوٹی چھوٹی سی کرینیں نصب ہیں جن پر چڑھ کر عملہ صفائی کا بندوبست کرتا ہے. صفائی کا ٹھیکہ کم بولی دینے والے کو ملتا ہے مگر دیکھا گیا ہے کہ زیادہ تک یہ ٹھیکہ دلہ گروپ یا بن لادن گروپ کے حصے میں آتا ہے جنہوں نے آج تک صفائی کا بہت معیاری بندوبست کیا ہے. ٹھیکیدار کمپنی مرد اور عورتوں کے عملہ کو بھرتی کرکے خواتین و حضرات کے حصوں میں صفائی کا انتظام کرتی ہے. آب زمزم کی سپلائی اور ہر وقت کولروں کو بھرے رکھنا بھی انہیں ٹھیکیداروں کا کام ہے. مسجد نبوی شریف کے اندر اور باہر صفائی کا اتنا اچھا انتظام کیا گیا ہے کہ کوئی بھی اس عملے کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا. بلدیۃ الحرم کی چھوٹی چھوٹی سی گاڑیاں مسجد شریف کے ارد گرد وقتاً فوقتاً چکر لگاتی رہتی ہیں جو اس بات کو یقینی بناتی ہیں کہ مسجد شریف کے ارد گرد سامان بیچنے والے نمازیوں کا راستہ نہ روکیں.

صدیوں سے مسجد نبوی شریف اہل مدینہ طیبہ کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرتی آرہی ہے اور اسی سنہری روایت کے تسلسل کے طور پر آج بھی مسجد شریف میں بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی ہے. روزانہ بعد نماز عصر حفاظ بچوں کی ٹولیاں مسجد شریف کے مختلف حصوں میں قطار اندر قطار اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتی ہیں جہاں انہیں قراءۃ تجوید اور علوم قرآن مجید فرقان حمید سکھائے جاتے ہیں. قدیم شہر مدینہ میں پرانی رباطوں میں جو مدارس اور لائبریریاں موجود تھیں ان سب کو یکجا و مندمج کر دیا گیا ہے اور ایک بہت بڑی لائبریری قائم کر دی گئی جو کہ باب العثمان بن عفانؓ کے اوپر واقع ہے جہاں نہ صرف تاریخ مدینہ پر نادر کتب موجود ہیں بلکہ قدیم رباطوں کی لائبریریوں میں جو قلمی نسخے
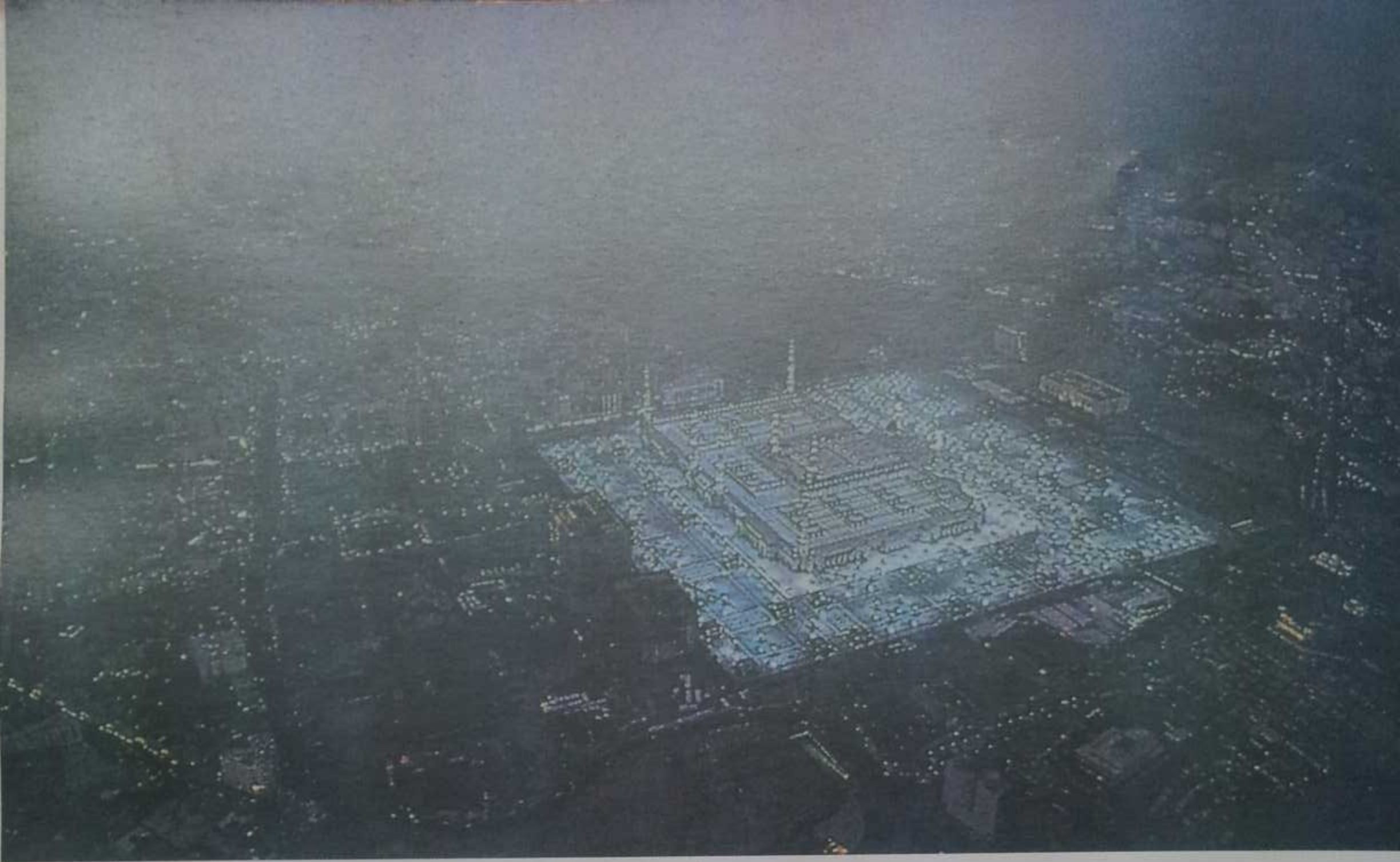
اور مخطوطے موجود تھے وہ بھی وہاں محفوظ کر لیے گئے ہیں. اس لائبریری کے متعلق مزید معلومات متعلقہ باب میں دی گئی ہیں.

مستقبل میں جب بھی کبھی مسجد شریف کی توسیع کی ضرورت پیش آئے گی اس کے لیے ابھی سے پیش بندی کردی گئی ہے. کسی ایسی ممکنہ ضرورت کے پیش نظر عمارت کی تعمیر اتنی پختہ کی گئی ہے کہ اسی کے اوپر دوسری یا تیسری منزل تعمیر کردی جائے. ماسٹر پلان کے تحت اگرچہ مسجد نبوی شریف کی توسیع مکمل ہوئے بارہ سال گزر چکے ہیں مگر ابھی بھی اس کے کچھ حصوں پر متواتر عمل ہو رہا ہے جس کے تحت گردونواح کے علاقوں کو خرید کر تجارتی بنیادوں پر بڑی عالیشان عمارتیں اور پلازے بنانے کا عمل جاری ہے. ابھی پچھلے سال عنابیہ کا آدھا علاقہ خالی کروا کر اسے خالی چھوڑ دیا گیا ہے اور اب سمانیہ کا علاقہ بھی کافی حد تک صاف کر دیا گیا ہے جسے فی الحال مسجد کی شرقی جانب کھلا رکھا گیا ہے تاکہ ہجوم نہ رہے مگر ماسٹر پلان کے تحت یہ سارا علاقہ فائیو سٹار ہوٹلوں کی آماجگاہ بن جائے گا جہاں چھوٹے ہوٹلوں اور رہائشوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی. اسی طرح دھیرے دھیرے سمانیہ کا باقی علاقہ بھی خالی کروا کر اس ماسٹر پلان کے مطابق تجارتی بنیادوں پر نئے سرے سے بنایا جائے گا. اس سارے علاقے کو حی النجار کا نام دیا جائے گا.

آخری مینار کی تعمیر مکمل ہونے پر قلس کی تنصیب کے موقع پر شاہ فہد بن عبدالعزیز کی تحریر
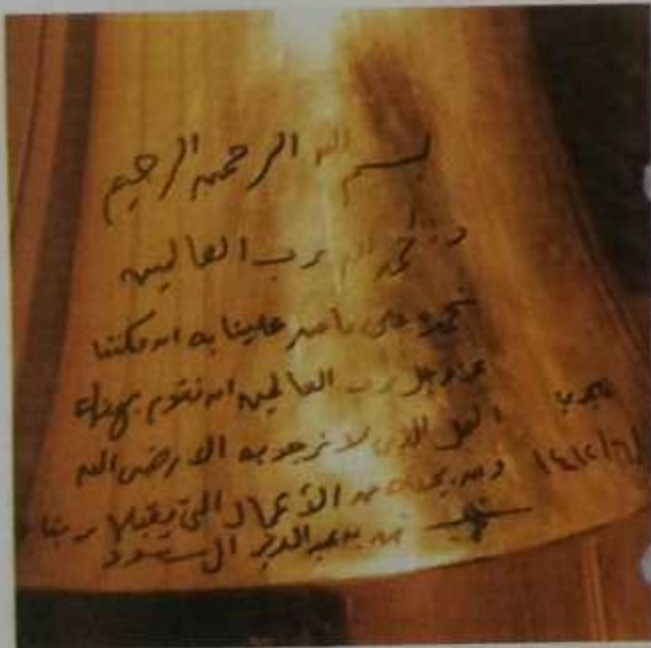
جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے ماضی میں مسجد شریف کے صرف ۱۸ مدخل تھے جن کی تعداد بڑھا کر ۸۱ کر دی گئی ہے. جن میں سے آٹھ تو صرف تہہ خانے کو جانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں.

مسجد نبوی شریف کے قدیم حصے میں واقع اہم تاریخی حیثیت رکھنے والے اسطوانات رحمت منزلت یعنی مبارک ستون

روز اول سے ہی جب سے مسجد نبوی شریف میں کھجور کے تنوں سے بنے ستون کھڑے کر کے ان پر چھت ڈالی گئی تھی ان ستونوں کے مقامات کو نہایت ہی خاص قسم کی اہمیت بلکہ مسجد شریف کے دیگر حصوں پر

فوقیت حاصل رہی ہے کیونکہ ان میں سے اکثر و بیشتر کا براہ راست تعلق سیرۃ رسول مقبول ﷺ کے کسی نہ کسی اہم واقعہ سے جڑا ہوا ہے. ایسے اثری ستونوں کی تعداد آٹھ ہے مگر ان میں سے صرف پانچ ہی نظر آتے ہیں جبکہ باقیماندہ تین حجرہ مطہرہ کے اندر چلے گئے ہیں. رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں اور اس کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان ستونوں کو خاص اہمیت دیتے تھے. ایک مرتبہ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے جب ان کے غلام یزید بن العبیدؒ نے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ وہ ان ستونوں کے قریب نماز پڑھنے کا بہت التزام کرتے ہیں تو انہوں نے چند ستونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: [بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے پاس نمازیں ادا کرتے دیکھا ہے.] (۲۷۲)

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [جب موذن اذان دے چکتا تو رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری تک بعض اصحابہ کرام ان ستونوں کا رخ کر لیتے جہاں وہ نماز ادا کرتے.....] (۲۷۳) ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے: [میں نے بعض جلیل القدر اصحابہ کرام کو نماز مغرب کے وقت رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ستونوں کی طرف جلدی جلدی جاتے دیکھا.] (۲۷۴) اس حدیث مبارکہ سے تمام ستونوں کی فوقیت اجاگر ہوتی ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں موجود ہوا کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ بعض علماء کرام نے یہ رائے دی ہے کہ ہمیں ریاض الجنۃ میں واقع ہر ستون کے پاس نماز ادا کر لینی چاہئے جیسا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل رہا ہے.

آنے والے چند صفحات میں ہم ان چند ستونوں کی اہمیت بیان کرنا چاہیں گے جو کہ تاریخ اسلام میں کسی نہ کسی واقعہ سے منسوب رہے ہیں.

اسطوانہ مخلقہ

خلوق ایک قسم کی خوشبو ہوتی ہے اور عربی زبان میں مخلقہ اس جگہ یا چیز کو کہتے ہیں جس پر خلوق ملا یا گیا ہو. اس معطر ستون کو اس لیے مخلقہ کہا جاتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس پر خلوق ملا کرتے تھے. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ: [ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی دیوار پر دیکھا کہ کسی نے بے احتیاطی سے اس پر تھوک پھینک دیا تھا جس پر آں حضرت ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا اور ارشاد فرمایا: [نماز کے دوران اللہ کریم تم سب کے سامنے ہوتا ہے، لہذا کسی کو اس طرف تھوکنا یا ناک کا فضلہ پھینکنا نہیں چاہئے.] (۲۷۵) پھر سرور دو عالم ﷺ نے بنفس نفیس ایک چھڑی کی مدد سے اسے کھرچ ڈالا (۲۷۶) اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اس پر خلوق مل دیا جائے. (۲۷۷) روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ایسا حضرت عثمان بن مظعونؓ سے ہوا تھا اور انہوں نے اس پر عطر خلوق ملا تھا. (۲۷۸)

ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے: [اللہ کے رسول ﷺ نے جانب قبلہ کی دیوار پر کسی کا پھینکا ہوا تھوک یا ناک کا مادہ دیکھا اور اسے کھرچ ڈالا.] (۲۷۹) جیسا کہ اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کسی صحابی نے قبلہ کی دیوار پر رسول اللہ ﷺ کے مصلیٰ کے سامنے تھوک پھینک دیا تھا. یہ بات چونکہ آداب مسجد کے صریحاً منافی تھی اس لیے سرکار دو عالم ﷺ کو اس کا بہت رنج ہوا اور آپ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے کھرچ ڈالا اور فرمایا: [جب بھی تم میں سے کوئی حالت نماز میں ہوتا ہے وہ اس وقت اپنے رب سے براہ راست ہمکلام ہوتا ہے جو اس وقت اس نمازی اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے. لہذا اسے نہیں چاہئے کہ وہ قبلہ کی جانب تھوکے.] روایات کے مطابق حضرت عثمان بن مظعونؓ فوراً اٹھے اور اسے صاف کیا اور اس پر خلوق کی خوشبو مل دی. مسجد نبوی شریف میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس کے کسی حصے پر عطر ملا گیا ہو. اس کے بعد اس روایت کو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قائم رکھا.

مصلی النبوی شریف کے قریب ہی دیوار قبلہ کے پاس وہ تاریخی کھجور کا تنا بھی تھا (حنانہ) جس پر رسول اللہ ﷺ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے. اس واقعہ کا ذکر (جس میں جب رسول اللہ ﷺ کے لیے نیا منبر بنایا گیا اور حضور سرور کائنات ﷺ اس پر تشریف فرما ہوئے تو وہ تنا زار و قطار رونے لگ گیا تھا) ہم نے اسی باب میں اوپر اور ا ایک دوسری جگہ پر باب ''تبرکات نبوی شریف'' میں بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے. یہاں صرف یہی کہنا کافی ہوگا کہ اس مقام پر جہاں اسطوانہ مخلقہ چھت کو سہارا دینے کے لیے کھڑا کیا گیا تھا وہاں قریب ہی کھجور کا ایک اور تنا بھی تھا جس پر سرکار دو عالم ﷺ بوقت خطاب کھڑے ہو کر ٹیک لگا لیا کرتے تھے. اس ستون کی اہمیت کی ایک اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ

سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں تدوین مصحف الشریف سے پہلے قرآنی سورتیں اور آیاتیں مختلف چیزوں پر لکھی ہوئی تھیں (مثلاً چمڑے کے اوراق وغیرہ پر) اور وہاں رکھی رہتی تھیں تاکہ نمازی مسجد نبوی شریف میں آکر قرآن کریم کی تلاوت کر لے. جب سیدنا ذوالنورین عثمان بن عفانؓ جامع القرآن نے مصحف کی صورت میں ان کو یکجا کر دیا اور اس کے مختلف نسخے تیار کروا کر امصار اسلام میں روانہ کیے تو بعض قدیم مخطوطے اسی ستون کے نیچے دفن کر دیئے تھے (واللہ اعلم بالصواب) (۲۸۰) سیدنا عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصحف شریف کا وہ نسخہ جو کہ دوران محاصرہ ان کے ذاتی استعمال میں تھا وہ بھی اس مقام پر رکھ دیا گیا تھا جو کہ مصلیٰ النبوی الشریف اور حجرہ مطہرہ کے درمیان واقع ہے. بعد میں بنوامیہ کے دور میں جب حجاج بن یوسف نے مصحف شریف پر اعراب لگوائے تو اس نے ایک نسخہ مدینہ طیبہ بھی روانہ کیا جو کہ مصحف عثمانی کی جگہ رکھ دیا گیا. اسے ایک صندوق میں رکھا گیا تھا جس کو 'صندوق المصحف' کہا جاتا تھا جو کہ اسطوانہ مخلقہ کے پاس رکھا رہتا تھا. مصحف شریف کے اس نئے نسخے کے آنے پر مصحف عثمانی کو حضرت ابان بن عثمانؓ نے وہاں سے اٹھا کر اپنی تحویل میں لے لیا تھا.

آج کل یہ مبارک ستون محراب النبوی الشریف کی پشت کے ساتھ متصل ہے اور محراب کے اوپر اگر دیکھیں تو اس ستون پر 'اسطوانہ مخلقہ' لکھا ہوا نظر آتا ہے. اس کا نچلا حصہ محراب النبوی الشریف کا حصہ بن چکا ہے.

اسطوانہ سیدۃ عائشہ صدیقہؓ

ماہ رجب المرجب ۲ ہجری میں جب بیت المقدس سے کعبۃ المشرفہ کی جانب تحویل قبلہ ہوگئی تو ماضی کی عقبی جانب روئے قبلہ قرار پائی اور پرانی قبلہ کی دیوار عقبی دیوار بن گئی. احکام الٰہی کے تحت فوری طور پر منہ تو دوران نماز جانب قبلہ کیا جانے لگا مگر عمارت مسجد شریف میں چند تبدیلیاں ناگزیر ہوگئی تھیں جن کو کرنے میں کچھ وقت درکار تھا. نئی جانب قبلہ کی دیوار میں پہلے اس مقام پر ایک دروازہ ہوا کرتا تھا جسے بند کر دیا گیا. ان چند دنوں میں جب کہ مسجد شریف میں ضروری تبدیلیاں لائی جاری تھیں رسول اللہ ﷺ اس مقام پر کھڑے ہو کر نماز کی امامت کرواتے رہے. جب سب تبدیلیاں لائی جا چکیں تو سرور کائنات ﷺ نے مقام مصلیٰ النبوی شریف پر نماز پڑھانی شروع کر دی. لیکن جہاں پر آپ حضور ﷺ نے درمیانی عرصے میں چند دن کھڑے ہو کر نماز ادا کروائی تھی وہاں ایک ستون بنا دیا گیا تھا. الطبرانی میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی ایک روایت کچھ اس طرح ہے: [اس مسجد میں اس ستون سے پہلے (قریب) ایک ایسا بقعہ مبارکہ ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم پڑ جائے تو وہ اس کی طرف جھپٹ پڑیں. پھر لوگوں کو معلوم ہوگیا تو اصحابہ کرام اور مہاجرین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد اس کے گرد جمع ہو جایا کرتی تھی۔ یہی اسطوانہ قرعہ ہے.]

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور مروان بن الحکم ایک اور اصحابی کی معیت میں ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر تھے. دوران گفتگو ام المومنین سیدتنا عائشہؓ نے فرمایا: [مجھے اس مسجد میں ایک ایسے ستون کا پتہ ہے کہ اگر لوگوں کو اس کی فضیلت کا پتہ چل جائے تو وہاں نماز پڑھنے کی غرض سے اس پر لپک پڑیں اور یوں قرعہ نکالنا پڑ جائے گا.] دونوں اصحاب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو سیدۃ عائشہؓ کے پاس چھوڑ کر چلے آئے. باہر نکلنے پر وہ مسجد شریف میں ایک طرف چھپ کر بیٹھ گئے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تاک میں رہے. جیسا کہ وہ سوچ رہے تھے جوں ہی حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ باہر تشریف لائے سیدھا اس ستون کی جانب چلے گئے اور وہاں نماز ادا کرنے لگے. جس سے یہ بات طے ہوگئی کہ وہ ستون جس کا ذکر سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے دوران گفتگو کیا تھا وہ وہی ستون تھا جس کے پاس حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے باہر آنے پر نماز ادا کی تھی. (۲۸۱) قارئین کی یاددہانی کے لیے ہم یہ تصریح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ رشتہ میں سیدۃ عائشہؓ کے سگے بھانجے تھے (حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ ان کی والدہ تھیں) اور ام المومنین سیدۃ عائشہؓ ان سے اتنا پیار کرتی

اسطوانہ سیدۃ عائشہ صدیقہ ؓ

تھیں کہ انہیں ام عبداللہ کہا جاتا تھا. مروان یہ بات سمجھتا تھا کہ سیدۃ عائشہ ؓ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ سے کچھ نہیں چھپائیں گی، لہذا وہ چھپ کر ایک طرف بیٹھ گیا اور جونہی حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے وہاں نماز ادا کی تو وہ اور دیگر ساتھی سب سمجھ گئے کہ وہ ستون کونسا تھا جس کا ذکر سیدتنا عائشہ ؓ نے کیا تھا. اس کے بعد جوں جوں اس بات کا چرچہ ہوا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت اس ستون کے پاس نماز ادا کرنے لگ گئی.

اس واقعہ اور روایت کی نسبت سے اس ستون کو 'اسطوانہ عائشہ' کہا جاتا ہے. اور چونکہ اس روایت میں ہجوم سے بچنے کے لیے قرعہ نکالنے کا بھی ذکر ہے [.... کہ اگر لوگوں کو اس کی فضیلت کا پتہ چل جائے تو وہاں نماز پڑھنے کی غرض سے اس پر لپک پڑیں اور یوں قرعہ نکالنا پڑے گا.] اس لیے اسے 'اسطوانہ قرعہ' بھی کہا جاتا ہے. ساتھ ہی اسے 'اسطوانہ مہاجرین' بھی کہا جاتا رہا ہے کیونکہ ابتداء میں اس جگہ پر مہاجرین کا ہجوم ہوا کرتا تھا. سیدنا ابو بکر صدیق ؓ، سیدنا عمر ابن الخطاب ؓ، حضرت زبیر بن العوام ؓ، حضرت عبداللہ ابن زبیر ؓ اور حضرت عمرو بن عبداللہ ؓ اس کے پاس نماز ادا کیا کرتے تھے. (۲۸۲) حضرت یزید بن العبید ؓ (جو کہ حضرت سلمہ بن الاکوع ؓ کے غلام تھے) سے مروی ہے:
[میں حضرت سلمہ بن الاکوع ؓ کے ساتھ رہا کرتا تھا اور وہ اس ستون کے قریب نماز ادا کرنے کا بہت التزام کرتے تھے جہاں کہ مصحف شریف پڑا رہتا تھا. ایک دن میں نے ان سے پوچھا: ''اے ابو مسلم، میں اکثر آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ اس ستون کے پیچھے نماز ادا کرنے کا التزام کرتے ہیں.'' اس پر انہوں نے فرمایا: [میں نے ہمیشہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اس ستون کے پاس نماز ادا کیا کرتے تھے.] (۲۸۳) مورخین

مدینہ طیبہ کی اکثریت کی رائے میں اس روایت میں جس ستون کا ذکر ہے وہ وہی ستون تھا جسے آج کل 'اسطوانہ عائشہؓ' کہا جاتا ہے کیونکہ مصحف شریف اسی کے سامنے دھرا رہتا تھا. یہ کہنا بے محل نہیں کہ آج بھی قرآن کریم کے نسخے اسی ستون کے سامنے چھوٹی سی دیوار کے ساتھ پیتل سے بنی الماریوں میں رکھے رہتے ہیں. (۲۸۴)

یہ ستون ریاض الجنہ میں پہلی سطر کے ستونوں میں شامل ہے. حجرہ مطہرہ سے تیسرا ستون یہی ہے جب کہ منبر رسول مقبول ﷺ اور جانب قبلہ سے بھی یہ تیسرا ستون ہے. محراب النبوی شریف کی طرف سے دیکھا جائے تو یہ دوسرے نمبر پر ہے. معتبر اور ثقہ روایات کے مطابق مورخین مدینہ طیبہ نے اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ یہ جگہ ریاض الجنہ میں بہت ہی متبرک مقام ہے اور جائے قبولیت دعا ہے.

اسطوانہ التوبہ

قبر اطہر سے دوسرا اور منبر شریف سے چوتھے ستون کا نام اسطوانہ التوبہ ہے. اسے اسطوانہ ابی لبابہ بھی کہا جاتا ہے. جب بنو قریضہ کے یہودیوں نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے غزوہ خندق کے دوران دشمن سے ساز باز کر کے غداری کا ارتکاب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ۵ ہجری کو غزوہ خندق کے فوراً بعد ان کا محاصرہ کر لیا جو کہ دو ہفتہ جاری رہا. یہودی تو پہلے ہی اپنے مکی حلیفوں کے راہ فرار اختیار کرنے پر پریشان تھے مگر اوپر سے جب ان کا محاصرہ کیا گیا تو ان کے چھکے چھوٹ گئے. بنو نضیر کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا اس سے بھی وہ واقف تھے، لہذا انہیں نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا. جوں جوں محاصرہ شدید ہوتا گیا ان کے اعصاب اور حوصلے جواب دینے لگے. چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر رالاوسی الانصاریؓ کو صلح کی بات چیت کے لیے ان کے پاس بھیجا جائے کیونکہ ہجرت مبارکہ سے پہلے اوس قبیلہ بنو قریضہ کا حلیف رہا تھا اور اس وجہ سے حضرت ابولبابہؓ کے بنو قریضہ کے یہودیوں کے ساتھ پرانے مراسم تھے. ان کا خیال تھا کہ ان حالات میں شاید وہ ان کے لیے اپنے دل میں کچھ نرم گوشہ رکھتے ہوں اور ان کے کچھ کام آ سکیں. رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابولبابہؓ کو بات چیت کے لیے ان کے پاس بھیج دیا.

جب ان سے بات چیت جاری تھی تو یہودیوں نے ان کا دل موم کرنے کے لیے اپنے بچوں اور عورتوں کو ان کے پاس بھیجا تا کہ ان کے جذبہ ترحم کو ابھارا جا سکے. انہوں نے ان سے استفسار کیا: ''آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا ہم محمد (ﷺ) کے آگے ہتھیار ڈال دیں؟'' انہوں نے کہا: ''اگر تم نے ہتھیار نہ ڈالے تو.... اور پھر (غیر ارادی طور پر) انہوں نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کر دیا... جس سے وہ سمجھ گئے کہ وہ قتل کر دیے جائیں گے.'' اسی وقت حضرت ابولبابہؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا. ان کا بیان ہے کہ: [رب العزت کی قسم میں نے ابھی اپنی جگہ سے ایک قدم بھی نہیں ہلایا تھا کہ مجھے یہ احساس ہو گیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے بد عہدی اور بیوفائی کا ارتکاب کر لیا تھا.] (۲۸۵) یہ ایک ایسا جرم تھا جو قرآن کریم کے احکام کی صریحاً خلاف ورزی تھا: [اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت کرو.] (۲۸۶) احساس گناہ اور ضمیر کی ملامت نے ان پر لرزہ طاری کر دیا اور شرمندگی سے وہ رسول اللہ ﷺ کے روبرو پیش نہ ہوئے بلکہ سیدھا مسجد نبوی شریف کا رخ کیا اور اپنے آپ کو انہوں نے اس ستون سے باندھ لیا جسے اسی نسبت سے 'اسطوانہ توبہ' کہا جاتا ہے. (۲۸۷)

جب بنی قریضہ کا محاصرہ ختم ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے تو اس وقت بھی حضرت ابولبابہؓ ستون سے بندھے ہوئے تھے. وہ اسی حالت میں دو ہفتے تک وہاں بندھے رہے. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اگر وہ میرے پاس سیدھا آ جاتا تو میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے معافی کی درخواست کرتا، لیکن چونکہ انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے مجھے کوئی حق نہیں کہ جب تک اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہ کر دے میں اسے کھول دوں.] (۲۸۸) ان کی بیوی نے بھی ان کا چہرہ دیکھنے سے انکار کر دیا تھا صرف ان کی ایک بیٹی آتی تھی اور

فطری حوائج کی خاطر اور نماز کے لیے ان کو کھول کر چلی جاتی تھی اور جوں ہی وہ فارغ ہوتے اپنے آپ کو دوبارہ اسی ستون سے باندھ لیتے تھے. جب اللہ رب الغفور نے ان کی توبہ قبول کر لی اور یہ آیت نازل ہوئی: [اور کچھ وہ ہیں جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ایک اچھے کام کو برے کام میں ملانے کا ارتکاب کیا، قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے.] (۲۸۹) جونہی یہ خوشخبری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پہنچی تو وہ ان کو زنجیروں سے آزاد کرنے کے لیے دوڑے آئے، مگر آفرین ہے ان پر کہ کہنے لگے: [نہیں، نہیں! رب ذوالجلال کی قسم میں اس وقت تک آزاد نہ ہوں گا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک سے میرے ہاتھ نہ کھولیں گے.] اس کے بعد رحمت اللعالمین اور شفیع المذنبین ﷺ نے اپنے دست مبارکہ سے ان کی زنجیریں کھول دیں. چونکہ اصحابی رسول مقبول ﷺ کی توبہ اس ستون سے بندھے رہنے کے دوران قبول ہوئی تھی اس لیے اس ستون کو 'اسطوانہ توبہ' کہا جاتا ہے. تاہم بعض مورخین کا خیال ہے کہ حضرت ابی لبابہؓ نے چھ دیگر اصحابہ کرام کی معیت میں اپنے آپ کو وہاں اس لیے باندھ لیا تھا کہ وہ غزوہ تبوک میں شرکت سے قاصر رہے تھے. (۲۹۰) یہ بھی روایت ہے کہ جب کبھی کسی کو سزا دینی مقصود ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کو اسی ستون سے بندھوا دیا کرتے تھے. ثمامہ بن اثل کو جو کہ یمامہ کا سردار تھا بھی اسی ستون سے باندھا گیا تھا.

حضرت محمد بن کعبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسطوانہ توبہ کی طرف رخ زیبا کر کے نوافل ادا فرمایا کرتے تھے. البیہقی نے بھی ایک حسن حدیث نقل کی ہے جس میں روایت کیا گیا ہے کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی شریف میں اعتکاف فرماتے تو آپ کا بستر اسطوانہ توبہ کے پاس لگا دیا جاتا تھا. ابن ماجہ کی ایک روایت کے مطابق جب بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اعتکاف میں بیٹھتے تو اپنا بستر اسطوانہ توبہ کے قریب لگواتے جس سے ان کا مقصود اتباع سنت رسول مقبول ﷺ ہوتا تھا. قاضی عیاضؒ نے ابن منذرؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت مالک بن انسؒ اسی جگہ بیٹھتے جہاں کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بیٹھا کرتے تھے، یعنی اس جگہ پر جہاں رسول مقبول ﷺ بوقت اعتکاف استراحت فرمایا کرتے تھے. (۲۹۱)

کمزور و نادار اصحابہ کرام جن میں سرور کائنات ﷺ کے مہمان اور وہ لوگ بھی شامل ہوا کرتے تھے جن کا دل رب ذوالجلال والاکرام نے اسلام کی طرف مائل کر دیا تھا اور ایسے لوگ جن کے پاس مسجد شریف کے سوا کوئی پناہ گاہ نہ ہوتی (اصحاب الصفہ) اسی ستون کے ارد گرد جمع ہوتے تھے. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے: [جب رسول اللہ ﷺ نماز فجر سے فارغ ہو چکتے تو کمزور و ناتواں، عمر رسیدہ، فقراء، مہمانان دربار رسالت مآب ﷺ اور وہ اصحابہ کرام جن کا مسجد کے علاوہ کوئی ملجاء نہ ہوتا تھا (یعنی اصحابہ الصفہ) آپ حضور ﷺ کے گرد قطار اندر قطار حلقہ

لگا کر بیٹھ جاتے اور حضور پرنور ﷺ ان آیات قرآنی کی تلاوت فرماتے جن کی تنزیل ایک دن پہلے ہوئی ہوتی اور پھر وہ تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں ان کے مضمرات اور مندرجات پر گفتگو کرتے رہتے۔ اتنے میں سورج بلند ہوجاتا اور عمائدین شہر آپ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے لگ جاتے تھے۔] (۲۹۲) سمہودیؒ نے اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ اس ستون کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے اس میں ایک چھوٹی سی محراب بنادی گئی تھی جسے ۸۸۸ ہجری کی آتش زدگی کے بعد حذف کردیا گیا تھا۔

اسطوانہ سریر

مشرق کی طرف اسطوانہ توبہ کے بعد دوسرا ستون اسطوانہ سریر کہلاتا ہے۔ جس میں سے آدھا تو حجرہ مطہرہ کی دیوار کے اندر ضم ہوگیا ہے اور صرف آدھا زائر کی نظروں میں آسکتا ہے۔ اس مقام پر رسول اللہ ﷺ اعتکاف فرماتے تھے ۲ ہجری میں جب رمضان المبارک کے روزے مسلمانوں پر فرض ہوئے تو آپ حضور ﷺ نے اس ماہ مبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف میں بیٹھنے کے حکم دیا۔ جب بھی آپ حضور حالت اعتکاف میں ہوتے تو آپ حضور ﷺ کا بستر جو کہ کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ہوتا تھا وہاں لگا دیا جاتا تھا۔ مقام اعتکاف اس ستون اور حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے درمیان ہوتا تھا جہاں حجرہ مطہرہ کا دروازہ ہوا کرتا تھا۔

سمہودیؒ کا خیال ہے کہ جب مسجد کی توسیع عمل میں نہیں لائی گئی تھی (یعنی غزوہ خیبر سے پہلے) تو آپ حضور ﷺ کا بستر مبارک اسطوانہ التوبہ کے ساتھ لگایا جاتا تھا مگر توسیع ہوجانے کے بعد یہ اسطوانہ سریر (بستر والا ستون) کے پاس ہوا کرتا تھا۔ روایات میں اس اختلاف کی وجہ سے بعض مورخین کے ذہنوں میں تذبذب پیدا ہوگیا تھا (مثلاً ابن فرحون) جن کا نظریہ یہ رہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اسطوانہ سریر ہی اسطوانہ التوبہ ہو۔ تاہم ان روایات کے بین السطور مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں روایات متضاد نہیں بلکہ ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے: [آپ حضور ﷺ کے اعتکاف کے لیے ایک پردہ کھڑا کردیا جاتا جہاں سرکار دوعالم ﷺ رات کو مشغول عبادت رہتے اور جب دن ہوجاتا تو ایک بستر لگادیا جاتا جہاں آپ حضور ﷺ استراحت فرماتے تھے۔] (۲۹۳) ایسی ہی ایک اور حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے: [جب رسول اللہ ﷺ اعتکاف میں بیٹھتے تو پردہ لگا کر عارضی طور پر ایک احاطہ سا بنادیا جاتا تھا جس کے اندر آپ حضور ﷺ کا بستر بھی ہوا کرتا تھا جو کہ کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں سے

اسطوانہ سریر

بنا ہوا تھا. یہ مقام تخلیہ اس جگہ بنایا جاتا جو کہ قبر اطہر کے سامنے والے ستون (جسے اب اسطوانہ سریر کہا جاتا ہے) اور قندیلوں کے درمیان تھی (عین ممکن ہے کہ ابتداء میں اسطوانہ توبہ کے پاس اس وقت جب حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے یہ روایت بیان کی تھی قندیلیں رکھی ہوتی ہوں) اور اس پر سرکار دو عالم ﷺ استراحت فرمایا کرتے تھے.] وہ خیمہ یا عریش جو وہاں گاڑا جاتا تھا جس کے اندر اتنی گنجائش ہوا کرتی تھی کہ ایک چارپائی لگائی جایا کرتی تھی یقیناً اتنا بڑا ہوگا جو کہ دونوں ستونوں کے درمیانی علاقے پر لگتا ہوگا. اس طرح دونوں روایات میں بدرجہ اتم تطابق پایا جاتا ہے. بہر حال اسطوانہ التوبہ ایک الگ ستون تھا اور اسطوانہ السریر الگ ہوا کرتا تھا. اسطوانہ شریف حجرہ مطہر کے اتنا قریب تھا کہ رسول مقبول ﷺ اپنا سر مبارک حجرہ مطہرہ میں موجود کھڑکی کی جانب کر دیتے تھے جہاں سے اندر سے ہی ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ بالوں میں تیل لگاتیں اور کنگھی کر دیا کرتی تھیں.

اسطوانہ الحرس (المحرس)

جب منافقوں اور یہودیوں کی معاندانہ سرگرمیاں طشت از بام ہوئیں اور مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کو خطرہ محسوس کیا تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رضا کارانہ طور پر آپ حضور ﷺ کے کاشانہ مبارکہ پر پہرہ دینے کی آرزو کی. غزوہ احد کے عسکری عملیات کے دوران تو ایک طرح کی مدینہ طیبہ پر ایمر جنسی نافذ ہو چکی تھی اور اکثر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رات کو مسلح ہو کر سوتے تھے اور حضور سرکار دو عالم ﷺ بھی ان دنوں مسلح رہتے تھے. ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ انہی ایام میں سے ایک رات حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پوری طرح مسلح ہو کر اپنے اسلحہ کی جھنکار کے ساتھ کاشانہ اقدس پر حاضر ہوئے اور پہرہ دینے کی درخواست کی اور یوں وہ حجرہ مطہرہ کی دہلیز کے باہر رات بھر پہرہ دیتے رہے. اسی طرح دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے. یہ پہرہ دار سفر و حضر میں پاسبانی و حرس کا فرض ادا کرتے تھے. ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جنہیں دربار رسالت مآب ﷺ پر پہرہ دینے کا شرف حاصل ہوا ان میں درخشاں نام: شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کے تھے. چند دیگر احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ وہ در اقدس کے باہر رات کو کھڑے پہرہ دیتے تھے. تاہم سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فرائض سب سے زیادہ بار ادا کئے. دروان سفر تو اور بھی بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام آتے ہیں جن میں سیدنا بلال بن رباحؓ (جنہوں نے یہ فریضہ وادی القریٰ میں ادا کیا)، حضرت محمد بن مسلمہؓ (جو یوم احد پر پہرہ دار تھے) اور حضرت سعد ابن معاذؓ (جنہوں نے یوم بدر یہ فریضہ انجام دیا تھا) کے اسمائے گرامی آتے ہیں. ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کا ہے کہ وہ دن بھر بیر اریس کے دروازے پر دربانی کے فرائض ادا کرتے رہے تھے. یہ تمام حارسین رات بھر چوکھٹ مصطفوی پر چاک و چوبند کھڑے رہتے اور اگر ٹیک لگانے کی ضرورت ہوتی تو پاس ہی موجود ستون کے ساتھ ٹیک لگا لیتے تھے جسے اسی نسبت سے بعد میں محرس (مقام پہرہ داری) یا اسطوانہ حرس کہا جانے لگا تھا. اسے اسطوانہ علی بن ابو طالب کرم اللہ وجہہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ پہرہ داری کی سعادت زیادہ تر انہی کے حصے میں آتی تھی. حضرت موسی بن سلمہؓ سے مروی ہے: [میں نے جعفر بن عبداللہ بن الحسینؓ سے اسطوانہ علی بن ابی طالبؓ کے محل وقوع کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: ''یہ وہ جگہ ہے (قبر اطہر کے قریب) جہاں علی بن ابی طالبؓ پہرہ دار کے طور پر بیٹھا کرتے تھے.] (۲۹۴)

یہ حفاظتی اقدامات اس وقت تک جاری رہے جب تک کہ قرآنی آیت: [اور اللہ تعالیٰ آپ کی نگہبانی کرے گا لوگوں سے.] (۲۹۵) کا نزول نہ ہوا تھا جس پر رسول اللہ ﷺ نے پہرہ داروں کو منع کر دیا تھا. چونکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا قیام بھی حجرہ اطہر کی جوار رحمت میں ہوا کرتا

تھا اس لیے دوسروں کی نسبت یہ فرائض ادا کرنے کی سعادت ان کے حصے میں زیادہ آئی تھی. اس کے علاوہ بھی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اسی ستون کے سامنے نماز ادا کرتے تھے. جس کی وجہ سے خاص طور پر اس کی نسبت شیر خدا علی المرتضیٰؓ سے ہوگئی. ابن نجار کی تحقیق کے مطابق تو یہ جگہ مصلیٰ شیر خداؓ رہی تھی.

ایک اور وجہ سے بھی اس ستون کی اہمیت ثابت ہے. بنو ہاشم کے عمائدین اسی جگہ اپنے اجتماعات منعقد کرتے تھے، یعنی مجلس قلادہ بھی یہیں سجتی تھی. (۲۹۶)

اسطوانہ الوفود

رسول اللہ ﷺ کی مہمان نوازی تو زبان زد خاص و عام تھی. دوست ہو یا دشمن جب مہمان بن کر آتے تو سب کے لیے در اقدس وا ہو جاتا. عشاق رسول مقبول ﷺ (مثلاً حضرت ربیعہ بن کعبؓ) ساری ساری رات کاشانہ اقدس کی چوکھٹ پر موجود رہتے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی وقت بھی آنے والے مہمان کے لیے دربار رسالت مآب ﷺ بند رہا ہو. حضور پر نور ﷺ آنے والے وفود اور مہمانوں کا پرتپاک خیر مقدم فرماتے اور حجرہ مطہرہ کے دروازے کے باہر انہیں شرف ملاقات بخشتے جہاں پر اسطوانہ وفود استوار تھا. سرکار دو عالم ﷺ ستون کے پاس تشریف رکھتے اور ان وفود سے گفتگو فرماتے جو کہ اکناف جزیرۃ العرب سے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لیے حاضر ہوتے تھے. اس لیے اس ستون کی تاریخی اہمیت بہت زیادہ ہے کہ یہاں بہت سے قبائل کے متکبر سرداروں نے اپنا سر تسلیم خم کیا تھا. آنے والوں میں مسلم و غیر مسلم محضرو بدو وفود سب شامل ہوتے تھے. وفود خواہ نجران کے نصاریٰ ہوں یا بنو تمیم کے سر پھرے سردار یا پھر بنو سعد بن بکر کے اعرابی، سب کا اسی مقام پر استقبال کیا جاتا تھا.

یہ وہی جگہ ہے جہاں بنو تمیم کے ایک فرد نے حجرات مطہرہ کے پیچھے سے کرخت آواز میں یہ آوازہ لگایا تھا کہ: ''اے محمد (ﷺ) باہر آؤ تا کہ ہماری شان و شوکت کا مشاہدہ کر سکو.'' تکبر میں ڈوبی اس کی کرخت اور بدویانہ آواز نے عرش اعظم تک کو ہلا کر رکھ دیا اور رب ذوالجلال کی ناراضگی کو للکارا. اسی وقت قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: [بے شک جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے.] (۲۹۷) وہ لوگ اپنے وفد کے ہمراہ اپنا ایک شعلہ بیان مقرر اترید بن حاطب اور ایک شاعر زبرقان بن بدر بھی لائے تھے. ان کی آمد پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان ابن ثابتؓ کو بلا بھیجا جو اذن حاضری سن کر بازار سے بھاگتے ہوئے آئے یہاں تک کہ ان کا سانس پھول گیا تھا. رسول اللہ ﷺ نے جواب آں غزل کے طور پر حضرت حسان بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ ان کے مقرر اور شاعر کا ترکی بہ ترکی جواب دیں. جناب حسان بن ثابتؓ کے لیے ایک تپائی (سٹول) منگوائی گئی جس پر کھڑے ہونے کا حکم ہوا اور سرکار دو عالم ﷺ نے دعا کی: [اے اللہ روح الامین کے ذریعے حسان کی معاونت فرما!]

اس کے بعد شعر گوئی کا مقابلہ شروع ہوا. زبرقان پوری تیاری کے ساتھ آیا ہوا تھا مگر حضرت حسان بن ثابتؓ کو تو اچانک طلب کیا گیا تھا. انہوں نے مد مقابل کی تیز و تند ابیات کو سنا اور پھر اسی بحر اور ردیف و قافیہ میں فی البدیہ دنداں شکن جواب دینے لگ گئے. مقابلہ کانٹے دار تھا. زبرقان کی شاعرانہ صلاحتوں کی دھوم جزیرۃ العرب میں دور دور تک تھی، مگر شاعر دربار رسالت مآب ﷺ حضرت حسان بن ثابتؓ کا شہرہ بھی آفاق عرب میں چاروں طرف پھیلا ہوا تھا. جلد ہی زبرقان شکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا اور حضرت حسان بن ثابتؓ جو کہ عکاظ کے بین العرب مقابلوں میں اپنا لوہا منوا چکے تھے فائز و کامران قرار پائے جس پر الاقرع بن حابس التمیمی برمحل پکار اٹھا: ''مجھے اپنے باپ کی قسم،
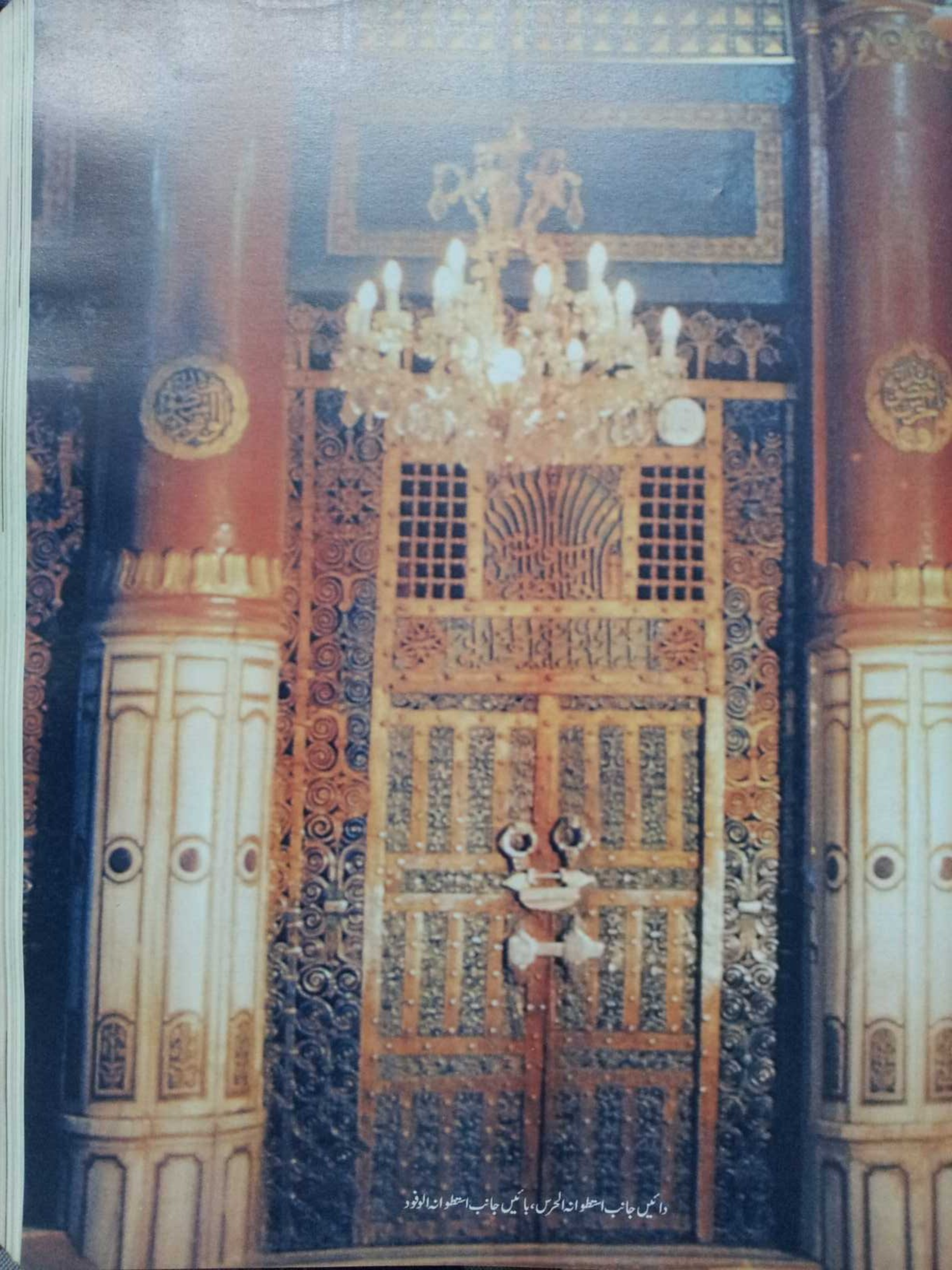
دائیں جانب استطوانہ الحرس، بائیں جانب استطوانہ الوفود

بلا شک اس آدمی (یعنی رسول اللہ ﷺ) پر وحی نازل ہوتی ہے کیونکہ ان کا مقرر ہمارے مقرر سے بدر جہا فصیح و بلیغ اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے کہیں زیادہ ملکہ رکھتا ہے۔'' بنو تمیم کے زعماء نے اسی وقت اپنا سر تسلیم خم کر دیا اور داخل حلقہ اسلام ہو گئے اور سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں فراخدلی سے تحفے تحائف دے کر روانہ کیا۔

اسطوانہ وفود کا آدھا حصہ تو زائرین کی نظروں کے سامنے آجاتا ہے جب کہ اس کا آدھا حصہ حجرہ مطہرہ کی دیوار میں ضم ہو چکا ہے۔ اسے اسطوانہ مجالس القلادہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ عمائدین کے اجتماعات بھی یہیں ہوا کرتے تھے۔ اسطوانہ الوفود اور اسطوانہ الحرس کے درمیان مشہور باب الوفود واقع ہے۔

باب الوفود کا روح پرور منظر مقصورہ الشریف کی غربی جانب دیوار جو کہ ریاض الجنہ میں ہے جس میں تین متبرک ستون ضم ہو گئے ہیں
دائیں طرف سے
پہلا اسطوانہ السریر
دوسرا اسطوانہ الحرس
تیسرا اسطوانہ الوفود

اسطوانہ مربع القبر الشریف

سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء ؓ کا حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ کے حجرہ مبارکہ کے بالکل سامنے شمالی جانب تھا اور دونوں کے درمیان چھوٹا سا مسقف دالان تھا۔ نماز فجر سے پہلے جب رسول اللہ ﷺ خواب سے بیدار ہوتے اور کاشانہ اقدس سے نکل کر اسی روش کے راستے مسجد شریف کی طرف آتے تو باب حجرہ سیدۃ النساءؓ کے دروازے پر آکر [صلاۃ، صلاۃ] ارشاد فرماتے اور پھر قرآن کریم کی یہ آیات تلاوت فرماتے: ﴿انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیراً ﴾ (۲۹۸) (اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے)۔ یحییٰ نے ابی الحمراءؓ سے روایت کی ہے: [میں نے دیکھا کہ رسول مقبول ﷺ چالیس دن تک نماز فجر سے پہلے حجرہ مطہرہ سے باہر تشریف لا کر بیت علیؓ و فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ کی طرف تشریف لاتے اور دروازے کی چوکھٹ کو دست مبارک میں تھام کر فرماتے: السلام علیکم اہل البیت۔ ﴿انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیراً ﴾

بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور گورنری میں جب تمام حجرات مقدسہ کی اراضی لے کر مسجد نبوی شریف میں شامل کر دی گئی تھی تو باب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ پر جہاں سرکار دو عالم ﷺ چوکھٹ کو پکڑ کر کھڑے ہوا کرتے تھے وہاں ایک ستون بنا دیا گیا تھا جو کہ حجرہ مطہرہ کے قریب تر ہونے کی نسبت سے جس میں قبور مطہرہ ہیں 'اسطوانہ مربع القبر' (یعنی وہ ستون جو قبر اطہر کے احاطے کے پاس ہے) کہلاتا تھا۔ اسے 'اسطوانہ مقام جبریل امین' بھی کہا جاتا ہے۔ وجہ تسمیہ مقام جبریل امین یہ ہے یہاں رسول اللہ ﷺ جبریل امین کو ہر رمضان المبارک میں قرآن مجید سنایا کرتے تھے اور آخری رمضان المبارک میں دوبار قران پاک سنایا تھا۔ مقصورہ شریف کی موجودہ عمارت میں یہ ستون پنجگوشہ کے اندر آچکا ہے اور اسی وجہ سے یہ نظروں سے اوجھل ہے اور اسے دیکھنا ناممکن ہو چکا ہے۔ سمہودیؒ کے الفاظ میں جب سے پنجگوشہ تعمیر ہوا ہے لوگ اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے سے محروم ہو گئے ہیں۔

اسطوانہ تہجد

جب لوگ رات کے وقت اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کے لیے سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے حجرہ مطہرہ کے عقب میں سجادہ بچھا دیا جاتا تھا جہاں سرکار دو عالم ﷺ نماز تہجد ادا فرماتے تھے۔ چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ حضور ﷺ کو رات کے پچھلے پہر یہ نوافل ادا کرتے دیکھ لیا۔ ان کے اتم درجہ اتباع رسول مقبول ﷺ کا یہ عالم تھا کہ جو بھی سنتا وہ آپ کے اتباع میں اس وقت مسجد

شریف کا رخ کر لیتا اور آپ حضور کے پیچھے نوافل ادا کرنے لگ جاتا اور روز بروز ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد میں اضافہ ہونے لگ گیا لوگ پہلے سے آ کر انتظار میں بیٹھے رہتے تھے. ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے: [ایک مرتبہ آدھی رات کے بعد رسول مقبول ﷺ نے حجرہ مطہرہ سے باہر نکل کر مسجد میں نماز ادا فرمائی اور چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی. دوسرے روز جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایک دوسرے سے بات کی تو اگلی رات مزید لوگ اس وقت نماز میں شامل ہو گئے. یوں اس بات کا چرچا سب میں ہو گیا اور تیسری رات لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی. رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور سب نے آپ حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی. چوتھی رات اتنا ہجوم تھا کہ مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی. اس رات آپ حضور ﷺ صرف نماز فجر کے لیے باہر تشریف لائے اور نماز فجر ادا فرمانے کے بعد حضور سرکار دو عالم ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پہلے تو تشہد پڑھا [اشھد ان لاالہ الا اللہ و اشھد ان محمد الرسول اللہ.] پھر اس کے بعد فرمایا: امابعد، یقیناً تمہاری مسجد میں اس وقت حاضری مجھ سے چھپی نہ تھی لیکن مجھے یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس کی تعمیل نہ کر پاؤ.] اگلی صبح جب لوگوں نے آپ حضور ﷺ سے استفسار کیا کہ آپ نے وہ نماز کیوں نہیں پڑھی تو سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ نماز کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم اس سے روگردانی کرنے لگو.] (۲۹۹)

محراب تہجد

اس جگہ پر ستون تعمیر کر دیا گیا تھا جہاں سرور دو عالم ﷺ نے نوافل ادا فرمائے تھے اور اسے 'اسطوانہ تہجد' کے نام سے جانا جاتا تھا. آج کل یہ ستون حجرہ مطہرہ کے اس حصے کے اندر ہے جو کہ دراصل سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کا حجرہ مبارکہ ہے. باہر کھڑا ہوا پولیس کا حارس اگر اجازت دے تو اندر جھانکنے پر اس مبارک ستون کی ایک جھلک نظر آ جاتی ہے. اس کے قریب ہی ایک چھوٹی سی محراب ہے جسے محراب سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کہا جاتا ہے. اس کی فضیلت میں حضرت سعید بن عبداللہ بن فضیلؓ سے مروی ہے: [ایک مرتبہ میرے ساتھ حضرت محمد بن حنفیہؓ بھی تھے. میں نے اس مبارک ستون کے سامنے نماز ادا کی. انہوں نے مجھے کہا: میں نے تمہیں اکثر اس ستون کے سامنے نماز ادا کرتے دیکھا ہے، کیا اس کا کوئی اثر بھی ہوا؟ میں نے کہا 'نہیں' اس پر انہوں نے فرمایا: 'اسی ستون کے سامنے نماز ادا کیا کرو کیونکہ اسی جگہ رسول اللہ ﷺ کا مصلیٰ نصف شب کے بعد بچھا کرتا تھا.'

یوں تو اس بقعہ نور کا ہر گوشہ اور ستون متبرک اور مقدس ہے مگر تاریخی اہمیت کے حامل استوانات جن کی حیات طیبہ شہ بطحاء سید العرب والعجم ﷺ سے نسبت رہی ہے وہ یہی آٹھ ستون ہیں. ان سب ستونوں کی پہچان یہ ہے ایسے ہر ستون پر اس کا نام بہت خوبصورتی سے کندہ کیا گیا ہے.

متفرقات (مسجد نبوی شریف کے متعلق چند متفرق معلومات)

(۱) مسجد نبوی شریف میں کن کن خلفائے راشدین نے خلافت کا حلف اٹھایا

یوں تو جس دن سے حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس مسجد شریف کی خشت اول رکھی تھی اس کا تقدس اوج ثریا سے بھی بلند ہو گیا تھا اور جیسا کہ ہم نے اس باب کے شروع میں بیان کیا ہے کہ مسجد مصطفوی صرف ایک مسجد ہی نہ تھی بلکہ یہ ایک کامل اور ہمہ

جہتی ادارہ تھا جہاں عبادات کے علاوہ حیات انسانی کے ہر شعبے میں رہنمائی کے سوتے پھوٹتے تھے، مگر اس کا ایک پہلو یہ بھی رہا ہے کہ یہ بقاع نور دنیاوی لحاظ سے مقر حکومت اور دار الخلافت بھی تھا اور اس کا یہ مقام اس وقت تک رہا جب تک کہ دنیاوی دار الخلافت مدینہ طیبہ سے منتقل نہ کر دیا گیا۔ اگرچہ حضور رسول مقبول ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی بیعت کا مسئلہ تو سقیفہ بنی ساعدہ میں ہی چند انصار اور مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے سے طے ہو گیا تھا مگر رسمی اور سر عام بیعت منبر رسول مقبول ﷺ پر مسجد نبوی شریف میں لی گئی تھی۔ (۳۰۰) اس کے بعد سیدنا عمر بن الخطاب ؓ، سیدنا عثمان بن عفان ؓ اور شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت عام بھی اسی مقام پر مسجد نبوی شریف میں ہوئی تھی۔ سیدنا عمر فاروق ؓ کی شہادت بھی مصلیٰ رسول مقبول ﷺ پر کھڑے ہوئے ہوئی تھی جب کہ وہ نماز فجر ادا کروا رہے تھے۔ سیدنا عثمان بن عفان ؓ کی شہادت باب جبریل کے سامنے ان کے گھر دار آل عثمان میں ہوئی تھی جب کہ باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ خلیفہ راشد الرابع سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کوفہ میں ہوئی تھی۔ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ اور سیدنا عمر فاروق ؓ کی نماز جنازہ بھی مصلیٰ مصطفوی پر ادا کی گئی تھی اور پھر اس کے بعد بہت سے اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نماز ہائے جنازہ اسی مقام پر ادا ہوئی۔ البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ وہ آخری صحابی تھے جن کا جنازہ اسی مقام پر پڑھا گیا تھا۔ اس کے بعد عموماً نماز جنازہ وہاں ادا کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی تھی کیونکہ میت وہاں رکھنے سے میت کے پاؤں حجرہ مطہرہ کی جانب ہو جاتے تھے جو کہ بے ادبی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی میت وہاں رکھ کر نماز جنازہ ادا کرنے کی مخالفت کی تھی۔

(۲) مسجد نبوی شریف کے اصلی فرش کی سطح

مصر کے سلطان بیبارس کے دور میں یہ طے کیا گیا کہ مسجد شریف کا چوتھا مینارہ۔ (جو کہ دار مروان بن الحکم کے مسجد شریف سے متصلہ مکان کے کونے پر تعمیر ہوا تھا اور جسے سلیمان بن عبدالملک کے حکم پر مسمار کر دیا گیا تھا) دوبارہ اپنی جگہ پر تعمیر کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے فرش کو بہت گہرائی تک کھودنا پڑا تھا تاکہ مینارے کا ڈھانچہ بہت مضبوط بنیادوں پر استوار ہو سکے۔ جب کھدائی قد آدم کے برابر (یعنی تقریباً پانچ یا چھ فٹ) نیچے تک گئی تو مسجد نبوی شریف کا وہ فرش برآمد ہو گیا جس سے نہ صرف اس وقت کے دار مروان کے فرش کی سطح ظاہر ہو گئی بلکہ مسجد مصطفوی شریف کے اس دور میں فرش کی سطح بھی عیاں ہو گئی جس پر کالے رنگ کی ریت ڈلی ہوئی تھی (شاید جبل سلع کے دامن سے بطن وادی بطحان سے لی گئی ہو گی)۔ (۳۰۱) فرش کی یہ سطح وہ تھی جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؓ کے دور گورنری میں بنایا گیا تھا جیسا کہ بہت سی روایتوں سے ثابت ہے کہ وادی مہزور کی طغیانی کا پانی مسجد شریف میں داخل ہو جایا کرتا تھا اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز ؓ نہ صرف فرش مسجد نبوی شریف کو بلند سطح پر لے آئے تھے بلکہ انہوں نے مسجد شریف کی شرقی دیوار کو دوسری تین دیواروں کے مقابلے میں کافی چوڑا تعمیر کروا دیا تھا تاکہ اس پر طغیانی کا اثر نہ ہو۔

جب ۸۸۱ ہجری میں حجرہ مطہرہ کی مرمت کی جا رہی تھی تو اس وقت اس بات کا انکشاف بھی ہوا کہ کاشانہ اقدس کے اندر کے فرش کی سطح جہاں قبور مطہرہ واقع ہیں حجرہ مطہرہ اور اس کے گرد حضرت عمر بن عبدالعزیز ؓ کے تعمیر کردہ پنجگوشہ کے فرش کی سطح سے ڈیڑھ ذرع (تقریباً ۰،۷۵ میٹر) سے نیچی تھی جو بذات خود اس وقت (۸۱۱ ہجری) میں مسجد شریف کے عمومی فرش سے ڈیڑھ ذرع نیچی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ کاشانہ اقدس کے فرش کی سطح اس وقت باہر کے مسجد شریف کے فرش کی سطح سے تین ذرع (یعنی ڈیڑھ میٹر) نیچی تھی۔ (۳۰۲) حجرہ مطہرہ کے اندر کے فرش کی سطح اور مسجد شریف کے عمومی فرش میں یہ تین ذرع کا تفاوت تو ۸۸۱ ہجری میں تھا۔ اب جب کہ پانچ مزید صدیاں گزر چکی ہیں اور اس دوران مسجد شریف کو کم از کم تین مرتبہ از سر نو تعمیر کیا گیا ہے (دو بار تو عثمانی دور حکومت میں اور ایک بار سعودی دور حکومت میں) اور اتنی ہی بار اس میں سنگ مرمر کا فرش بچھایا گیا ہے، اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ دونوں سطوح میں تفاوت مزید بڑھ گیا ہو گا۔
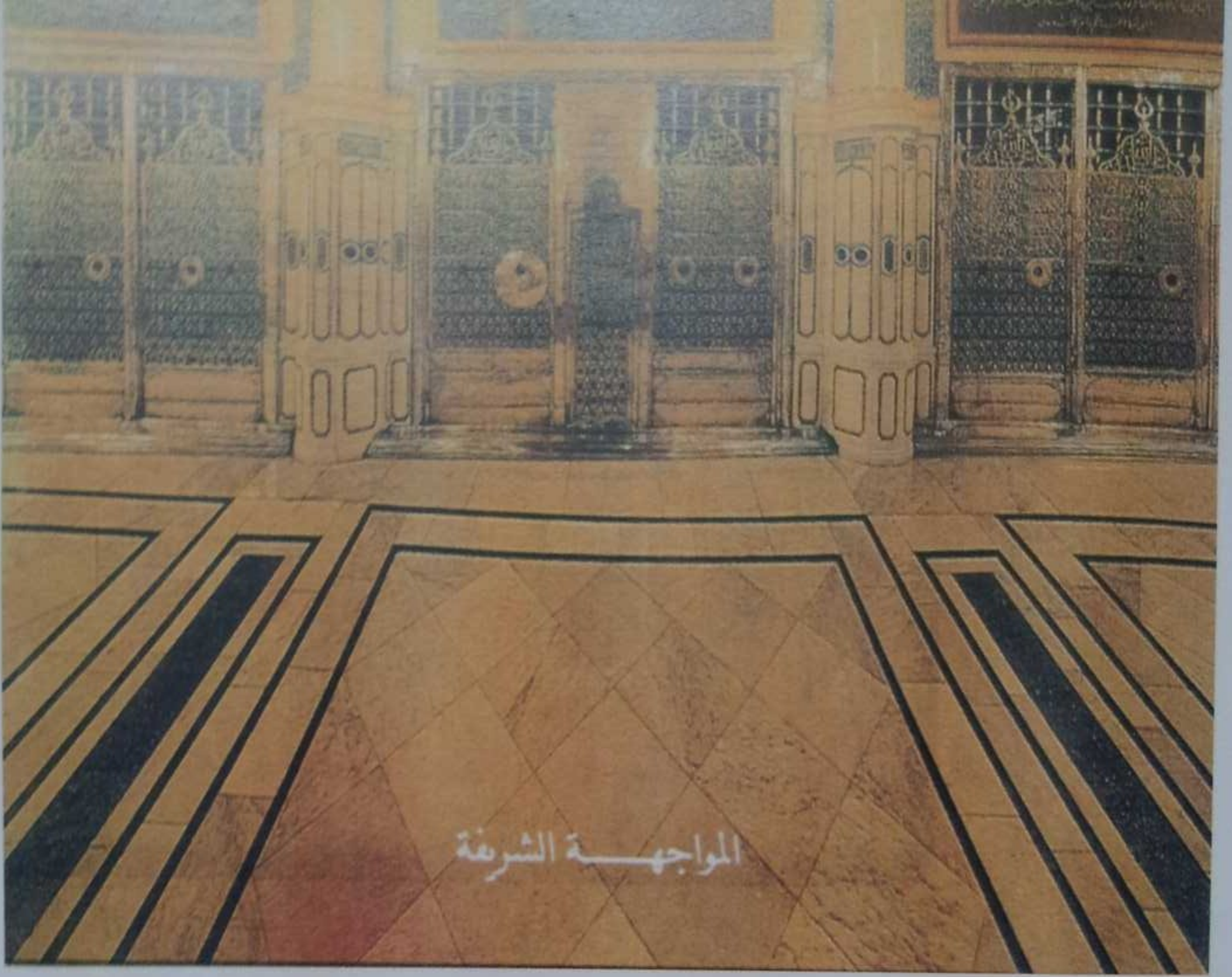
پچھلی پانچ یا چھ صدیوں میں مسجد نبوی شریف کی کرسی اتنی بلند ہوگئی ہے کہ ان قدیم آبادیوں میں (جو کہ باب جبریل کے سامنے ۔ مثلاً حارۃ الاغوات ۔ واقع تھیں جن میں بہت ہی قدیم تاریخی عمارتیں بھی ۱۹۸۰ء تک اچھی حالت میں موجود ہوا کرتی تھیں) بہت ہی قدیم تاریخی عمارتوں کے دروازوں کے سامنے سے جو تنگ گلیاں گزرتی تھیں ان کو بھی اسی سطح پر لایا گیا تھا جس کی وجہ سے ان عمارتوں کے دروازے بعض حالات میں صرف آدھے نظر آیا کرتے تھے جب کہ ان کے آدھے حصے گلیوں میں مٹی وغیرہ ڈالنے کی وجہ سے زیر زمین چلے گئے تھے. ان عمارتوں میں داخل ہونے کے لیے بہت جھک کر ان دروازوں سے گزرنا پڑتا تھا. یہ بھی اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ مسجد شریف کی سطح مختلف ادوار میں اوپر کی جانب اٹھائی جاتی رہی تھی. بقول عبدالقدوس الانصاری: ''ان سڑکوں اور گلیوں کی سطح اتنی بلند ہوگئی ہے کہ ان رباطوں میں داخل ہوتے وقت یا تو چھلانگ لگا کر نیچے اترنا پڑتا ہے یا پھر پرانی طرز کی پتھر کی سلوں سے بنی سیڑھیوں سے نیچے اترنا پڑتا ہے.'' (انصاری، ص: ۱۸۷)

اس سلسلے میں عبدالقدوس الانصاری نے آثار قدیمہ کی ان بہت سی باقیات کا حوالہ دیا ہے جو کہ مدینہ طیبہ میں مختلف مقامات پر مکانات وغیرہ کی تعمیر کے سلسلے میں کھدائی کے دوران دریافت ہوئی تھیں. یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب انہوں نے اپنی کتاب ۱۳۵۳ ہجری (۱۹۳۳ء) میں طبع کی تھی. اس بارے میں سب سے زیادہ حیران کن انکشافات وہ ہیں جن میں انہوں نے لکھا ہے کہ جب ۱۳۳۵ ہجری (۱۹۱۵ء) میں فخری پاشا نے سوق المناخہ کے علاقے میں کھدائی کا حکم دیا تھا (وہ علاقہ جو کہ مسجد نبوی شریف کے غربی جانب ہوا کرتا تھا اور جس کا کافی حصہ اب نئی تعمیر شدہ مسجد اور اس کے یوٹیلیٹی ایریا میں شامل ہو چکا ہے) تو دوران کھدائی چند ایسے بند کمرے دریافت ہوئے تھے جہاں ان انسانوں کی باقیات پائی گئی تھیں جو کہ صدیوں پہلے وہاں بسا کرتے تھے اور ان کے کپڑے تک دیواروں سے لٹکے ہوئے تھے جو کہ

وہاں تازہ ہوا کی آمد و رفت نہ ہونے کی وجہ سے بہت بوسیدہ ہو چکے تھے .اس سے فاضل مصنف نے رائے قائم کی تھی کہ عین ممکن ہے کہ جدید مدینہ شریف کے نیچے قدیم مدینہ طیبہ کے مکانات دفن ہو کر رہ گئے ہوں. (۳۰۳)

محراب سلیمانی

یہ محراب ۹۰۸ ہجری میں بنائی گئی تھی .اس سے پہلے اسی جگہ ایک سادہ سی قدیم محراب تھی جسے ۶۸۰ ہجری میں طوغان شیخ نے بنوایا تھا. اس کی پشت پر موجود کتابت سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ محراب کو سلطان سلیمان بن سلطان سلیم بن سلطان یلدرم بایزید خان العثمانی نے ۹۳۸ ہجری میں بنوایا تھا. (۳۰۴) اسی وجہ سے اسے محراب سلیمانی کہا جاتا ہے .اس کی تزئین اور زیبائش کا کچھ کام سلطان کے بیٹے اور جانشین سلطان سلیم دوم نے کروایا .ایام عثمانیہ میں تمام مذاہب کے اماموں کو اپنے فقہ کے مطابق مسجد نبوی شریف میں باری باری نماز ادا کروانے کی اجازت تھی ،اور فقہ حنفیہ کے امام اس مقام پر امامت کرواتے تھے اور درس و تدریس کرتے تھے جس کی وجہ سے اسے محراب الحنفی یا محراب الاحناف بھی کہا جاتا تھا. یہ محراب مصطفوی کی غربی جانب واقع ہے اور اسے سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے .جس میں جگہ جگہ سیاہ پتھروں کی ٹکڑیاں لگائی گئی ہیں .محراب پر خوبصورت خطاطی کے فن پارے بھی موجود ہیں جو کہ ترک مسلم فن تعمیر کا طرہ امتیاز رہا ہے .فخری پاشا کے دور گورنری میں پہلی جنگ عظیم کے دوران اس کی مرمت کروائی تھی.

محراب سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ

یہ محراب حجرہ مطہرہ کے اندر محراب تہجد اور اسطوانہ تہجد کے درمیان واقع ہے .سفید سنگ مرمر سے بنی یہ خوبصورت محراب اس اونچے چبوترے پر بنائی گئی ہے .جس کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء کی قبر اطہر ہے .درحقیقت یہ محراب اس مقام پر واقع ہے جہاں سیدۃ النساء العالمینؓ شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی دلہن بن کر آئی تھیں. (۳۰۵) چونکہ یہ محراب بھی حجرہ مطہرہ کے اندر واقع ہے اس کا نظارہ بھی کوئی قسمت والا ہی کر سکتا ہے.

محراب تہجد

یہ خوبصورت محراب جو کہ مسجد نبوی شریف میں واقع ہے دیگر محاریب سے مقابلتاً چھوٹی ہے اور حجرہ مطہرہ کی شمالی جانب کی دیوار کے وسط میں بنائی گئی ہے . چونکہ پیتل کی بنی ہوئی الماریاں شمالی جانب پوری دیوار کے ساتھ ساتھ رکھی ہوئی ہیں جن میں مصحف شریف کے نسخے رکھے رہتے ہیں اس لیے یہ مبارک محراب نظر نہیں آتی. یہ اس اسطوانہ تہجد کے بدیل کے طور پر بنائی گئی تھی جو کہ مقصورہ شریفہ کے اندر آجانے کی وجہ سے عامۃ الناس کی پہنچ سے باہر ہو گیا تھا .اسکی سیدھ میں حجرہ مطہرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے اندر اسطوانہ تہجد ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نماز تہجد کے لیے سجادہ بچھایا کرتے تھے اور پھر جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہجوم ہونے لگا تو آں حضرت ﷺ نے وہاں سے اپنا سجادہ مبارکہ اٹھوالیا. اسے سلطان قیتبائی نے بنوایا تھا اور اس پر لکھا ہوا ہوتا تھا: ''ہذہ متہجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم''. سلطان عبدالمجید کے دور میں اس کی تزئین اور مرمت ہوئی تھی.

خوخہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا ایک چھوٹا سا گھر مسجد مصطفوی سے متصل غربی جانب بھی ہوا کرتا تھا جس میں سے ایک دریچہ مسجد شریف کے اندر کھلا کرتا تھا. ابتداء میں تو تقریباً تمام گھروں کے (جو کہ مہاجرین نے مسجد نبوی شریف کے اردگرد تعمیر کئے تھے) دروازے اور دریچے مسجد
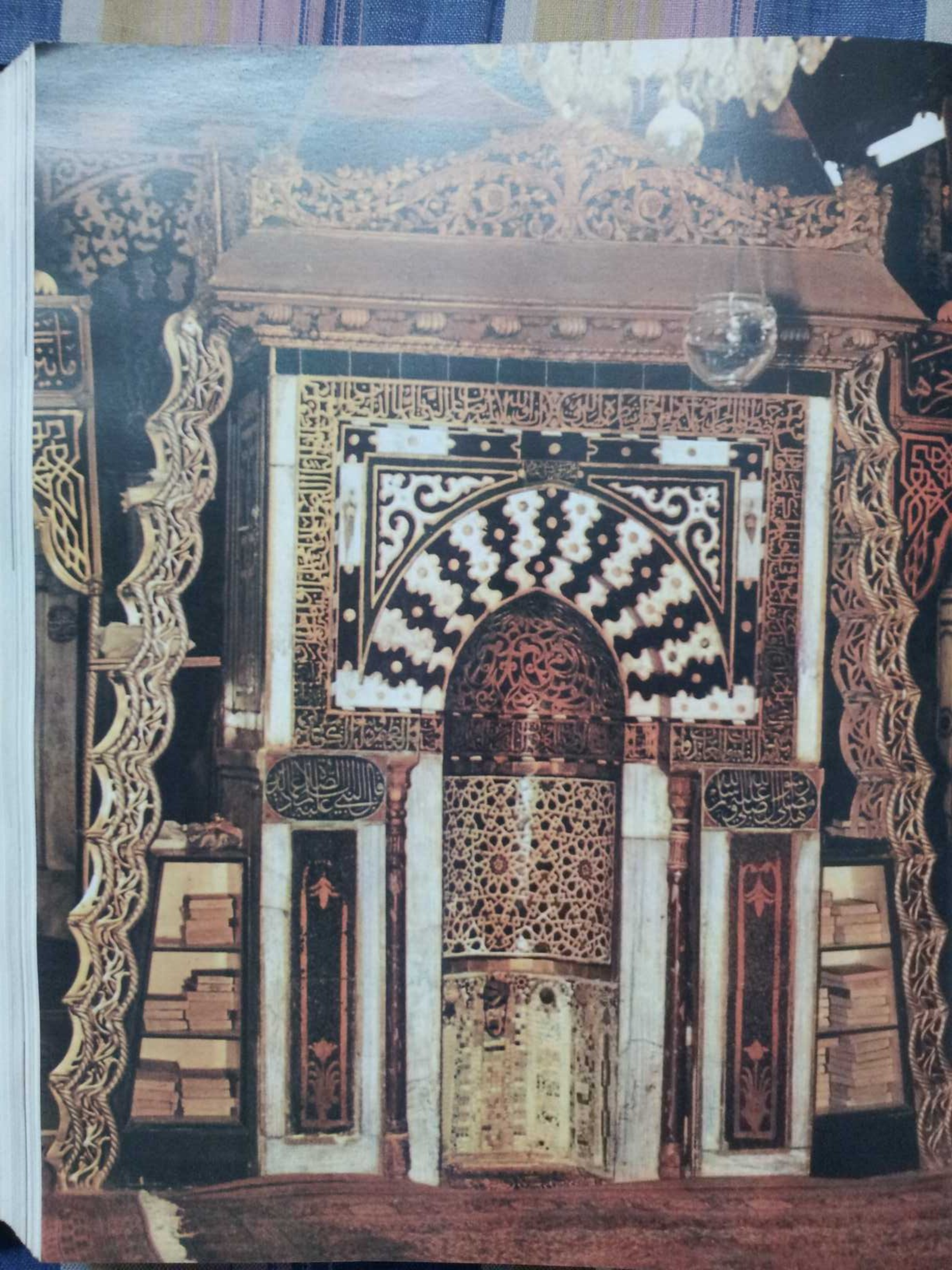
خوخہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی یادگار کے طور پر باب سیدنا ابو بکر صدیقؓ پر لگائی گئی تختی

نبوی شریف میں کھلتے تھے جن کو خوخہ کہا جاتا تھا تا کہ ان کو مسجد شریف میں آنے جانے کی سہولت ہو. غزوہ احد سے پہلے تمام دروازے بند کروا دیئے گئے تھے سوائے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے دروازے کے. اب صرف چند دریچے (خوخے) باقی رہ گئے تھے جو کہ مسجد شریف میں کھلتے تھے. وفات سے چند روز قبل سرکار دو عالم ﷺ نے منبر شریف پر جلوہ افروز ہو کر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آخری وعظ فرمایا. اس میں دیگر باتوں کے علاوہ آپ حضور ﷺ نے ان تمام دریچوں (خوخوں) کو بند کر دینے کا حکم دیا تھا سوائے خوخہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے.

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [آپ میں سے اپنی جائیداد اور دوستی میں میری طرف ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی فراخدل نہیں ہے. اور اگر مجھے اپنے لیے کسی خلیل پسند کرنے کا اختیار دیا جائے تو میں ابو بکرؓ کو اپنا خلیل بنانا پسند کروں گا، لیکن مجھے اسلامی ربط و اخوت اور پیار زیادہ عزیز ہے. اب میری مسجد میں صرف ابو بکرؓ کا خوخہ کھلا رہے گا (یعنی باقی سب خوخے بند کر دیئے جائیں). (۳۰۶) یہ خوخہ منبر رسول مقبول ﷺ کے قریب غربی جانب کی دیوار میں ہوا کرتا تھا. اپنی خلافت راشدہ کے آخری دنوں میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے اپنا یہ گھر (خوخہ) ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کے ہاتھ ۴۰۰۰ درہم میں بیچ دیا تھا اور ملنے والی رقم سے انہوں نے کچھ تو اپنے قرض چکائے اور باقیماندہ رقم چند مہمان وفود کی خاطر و مدارات میں صرف کر دی تھی.

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ہاتھوں مسجد نبوی شریف کی توسیع کے وقت خوخہ ابو بکرؓ مسجد میں شامل کر لیا گیا تھا. تاہم بعد میں جب ولید بن عبد الملک مدینہ طیبہ آیا تو اس نے حکم دیا کہ اس مقام پر ایک کمرہ بنوا دیا جائے جہاں بعد میں قرآن کریم کے نسخے رکھے جانے لگے تھے. اسی طرح مہدی العباسی اور پھر تر کی ادوار میں جب مسجد شریف کی تعمیر نو اور توسیع ہونے لگی تو اس کمرے کو مزید مغربی جانب دھکیل دیا گیا جو کہ اس کے پرانے محل وقوع کی سیدھ میں غربی جانب بنایا گیا تھا. آج بھی اس مقام کی یاد میں غربی جانب کا دروازہ باب سیدنا ابو بکر صدیقؓ کہلاتا ہے اور اس مقام کی اہمیت اجاگر کرنے کے لیے اندر کی جانب نہایت خوبصورت خطاطی میں یہ تحریر کنداں ہے: ''یہ خوخہ ابو بکر الصدیقؓ ہے''. اگر چہ وہ گھر اس جگہ پر نہیں تھا بلکہ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے وہ تو دراصل منبر شریف کے قریب اس دیوار سے متصل تھا جو کہ اس وقت مسجد نبوی شریف کی انتہائی غربی دیوار تھی. لیکن باب سیدنا ابو بکر صدیقؓ پر یہ تحریر زائرین کو یاد دلاتی رہے گی کہ یہ دروازہ سیدنا صدیق اکبرؓ کے خوخے کی یاد میں تعمیر کیا گیا تھا جسے سرکار دو عالم نے اپنے آخری خطبے میں مسجد شریف میں باقی رکھنے کا حکم فرمایا تھا.

مکبریہ

ریاض الجنۃ میں کھڑے ہو کر اگر اپنی دائیں جانب دیکھیں تو منبر مصطفوی کے بالکل سامنے سنگ مرمر کا خوبصورت چبوترہ نظر آتا ہے جو کہ قد آدم سے کچھ زیادہ مرتفع ہے اور شمالاً جنوباً دو ستونوں کے درمیانی علاقے پر محیط ہے. اسے مکبریہ (جہاں اذان دی جاتی ہے اور تکبیرات نماز با آواز بلند دہرائی جاتی ہیں تا کہ دور کے نمازی سن سکیں) کہتے ہیں. اگر چہ یہ عین اس جگہ پر نہیں ہے جہاں سیدنا بلال بن رباحؓ یا سیدنا ابن ام مکتومؓ دور رسالت مآب ﷺ میں کھڑے ہو کے اذان دیا کرتے تھے اور نہ ہی کسی روایت سے یہ ثابت ہو سکا ہے کہ سیدنا بلالؓ یا ابن ام

مکتومؓ نے وہاں کبھی اذان دی تھی مگر شروع ہی سے یہ وہ مقام رہا ہے جہاں سے مکبرین حضرات اقامت صلوٰۃ کہتے تھے اور آج بھی نائب امام صاحب وہیں سے با آواز بلند تکبیر وتکرار کرتے ہیں۔ یہ انتہائی نفیس قسم کے سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے اور ناظرین کو سلطان اشرف قیتبائی کی خدمات کی یاد دلاتا ہے۔ سوائے معمولی مرمت اور پالش کے یہ مکبر یہ اپنی اصلی حالت میں آج بھی وہی ہے جو کہ سلطان قیتبائی نے تعمیر کروایا تھا۔ اسے آٹھ ستونوں پر استوار کیا گیا ہے۔ عبدالقدوس الانصاری نے بیان کیا ہے کہ پہلے دو ایسے مکبر یے تھے مگر نمازیوں کے لیے جگہ کی گنجائش نکالنے کے لیے ایک کو مسمار کر دیا گیا تھا اور اب صرف ایک باقی بچا ہے۔ (۳۰۷)

مسجد نبوی شریف میں مکبر کے کھڑے ہونے کی جگہ

آٹومیٹک کھلنے اور بند ہونے والی چھتریاں

مسجد نبوی شریف کے قدیم حصے کے شمالی جانب دو بڑے کھلے صحن ہیں جنہیں الحصوہ کہا جاتا تھا کیونکہ موجودہ تعمیر سے پہلے وہاں ریت اور سنگریزے (الحصوہ) بچھے رہتے تھے۔ کبھی وہاں روحانی، دینی، علمی اور ادبی محفلیں جمتی تھیں مگر آج وہاں بوقت نماز صرف نمازیوں کے جمگھٹے ہوتے ہیں یا لوگ قرآن خوانی میں مشغول رہتے ہیں۔ رمضان کے آخری عشرے میں یہاں اعتکاف کے لیے آئے ہوئے حضرات اپنے تکئے جما لیتے ہیں۔ اس حصے کی سب سے بڑی خاصیت جو زائر کی نظروں کو اپنی طرف جاذب کرتی ہے وہ ٹیفلون کے مادے (Teflon) کی دبیز چادر سے بنی خوبصورت چھتریاں ہیں جو آہستہ آہستہ کھلتے وقت ایسی نظر آتی ہیں جیسا کہ کھلتا ہوا پھول اپنی پنکھڑیاں کھولتا ہے۔ نظروں کو موہ لینے والی یہ چھتریاں نمازیوں کو موسمی اثرات سے بچاتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ کھلتے اور بند ہوتے وقت ایک مسحور کن منظر پیش کرتی ہیں۔ جب یہ چھتریاں پوری طرح کھل کر تن جاتی ہیں تو اوپر سے مسجد کی چھت سے اگر دیکھا جائے تو بہت ہی خوبصورت نظر آتی ہیں۔ جب کبھی شہر نبی پر بادل چھا جائیں یا شام اپنا ملگجا اندھیرا بکھیرنا شروع کر دیتی ہے تو یہ چھتریاں بند ہو کر خوبصورت ستونوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں جس سے منظر اور بھی حسین لگنے لگتا ہے۔

ان کا بنیادی مقصد نمازیوں کو شدید دھوپ اور گرمی کے اثرات سے بچانا ہے۔ انہیں جرمنی کی کمپنی بوڈو ریش (Bodo Rash) نے ڈیزائن کیا تھا اور بورو ہیپولڈ (Buro Happold) نے بنایا تھا۔ یہ کھلنے اور بند ہو جانے والی چھتریاں دونوں صحنوں میں نصب کی گئی ہیں اور ہلکے وزن والے مواد سے بنائی گئی ہیں جو ہائیڈرولک نظام سے اس طرح کھلتی ہیں جیسے کہ ایک پھول کھلتا ہے اور جب یہ تمام چھتریاں کھل جاتی ہیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شفاف قسم کی محراب دار چھت ہو۔ اسے ٹیفلون کی مائیکروپولس (Micropolis) نیم شفاف جھلی سے بنایا گیا ہے جو بہت پائیدار مگر بہت ہلکے مواد سے بنائی گئی ہے اور گرمی کو اپنے اندر جذب کر لینے کی بے انتہا صلاحیت رکھتی ہے۔ جن ستونوں پر یہ چھتریاں نصب ہیں ان کا ڈیزائن بھی دیگر ستونوں جیسا ہے جو کہ شاہ سعود کے دور میں بنائے گئے تھے۔

ایسی چھتریوں کی کل تعداد بارہ ہے: ہر صحن میں چھ چھتریاں ہیں۔ یہ اپنی نوعیت کی سب سے بڑی چھتریاں ہیں جو کسی جگہ پر نصب کی گئی ہیں۔ حال ہی میں ایسی ہی چند موبائل چھتریاں جو کہ حجم میں بہت چھوٹی ہیں مکۃ المکرّمہ میں مسجد الحرام میں مہیا کی گئی ہیں جو کہ نماز ظہر اور جمعہ کے وقت کعبۃ المشرفہ کے قریب لائی جاتی ہیں تا کہ امام صاحب کو سایہ فراہم کیا جا سکے۔ مسجد نبوی شریف میں نصب ان چھتریوں کے بازو ہر چھتری کے مرکزی نقطے پر واقع ہائیڈرولک نظام سے منسلک ہیں جو ان کو خودکار طریقے پر کھولتا اور بند کرتا ہے۔ اس میں ایسے حساس آلے لگائے

گئے ہیں کہ جب کبھی تیز آندھی یا طوفان کا سامنا ہو جس کی رفتار ۱۲ میل فی سیکنڈ سے زیادہ ہو تو یہ ہائیڈرولک نظام خود کار نظام کو معطل کر دیتا ہے اور چھتریاں بند پڑی رہتی ہیں. اور اگر بارش ہو تو بارش کا پانی چھتریوں پر جمع ہو کر اپنے مرکز کی طرف بہہ نکلتا ہے جہاں سے ستون میں لگائی گئی نالیوں کے ذریعے ستون کی تہہ میں چلا جاتا ہے جو آگے جا کر عمارت کے پانی کے نکاسی کے نظام رئیسی سے منسلک ہیں. ہر چھتری ۳۰۰ مربع میٹر کے رقبے کو گھیر لیتی ہے. ہر ایک میں ۴ فانوس لگے ہیں جیسے کہ دیگر روشوں اور ستونوں میں نصب ہیں جن سے صحنوں میں روشنی کی چکا چوند پیدا ہو جاتی ہے. اگر خدانخواستہ بجلی کا نظام کسی وجہ سے معطل بھی ہو جائے تو بھی یہ چھتریاں سورج سے توانائی حاصل کر کے چلتی رہتی ہیں کیونکہ چھتریوں کے اوپر سولر سیلز (Solar-cell Panels) لگائے گئے ہیں جو ری چارج ایبل بیٹریوں (Rechargeable Batteries) میں شمسی توانائی جمع کرتے رہتے ہیں. (۳۰۸)

مسجد مصطفوی میں موجود بعض تاریخی شہپارے اور دلچسپ معلومات

(۱) ربیع الاول کا مہینہ مسجد مصطفوی شریف کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے. اس کی خشت اول سرکار دو عالم ﷺ نے ماہ ربیع الاول ۱ ہجری میں رکھی. فتح خیبر محرم ۷ ہجری میں ہوئی اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کی تعمیر نو رسول اللہ کے ہاتھوں ہوئی. چونکہ یہ توسیع فتح خیبر کے کچھ ہی دیر بعد ہوئی تھی اس لیے باور کیا جاتا ہے کہ یہ تعمیر نو بھی بدست سید الرسل احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ماہ ربیع الاول ۷ ہجری میں ہی شروع ہوئی تھی. سیدنا عمر فاروق ؓ نے تعمیر نو بھی ربیع الاول (۱۷ ہجری) میں شروع کروائی؛ سیدنا عثمان نے بھی تعمیر نو اسی ماہ ۲۹ ہجری میں شروع کروائی. پھر جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے تعمیر نو کا منصوبہ بنایا تو تعمیر کا کام بھی ربیع الاول ۸۸ ہجری کو شروع کیا گیا. سلطان اشرف قیتبائی نے بھی تعمیر نو اسی ماہ (ربیع الاول ۸۸۷ ہجری) میں شروع کروائی. شاہ سعود نے اس کی توسیع کے منصوبے کا افتتاح (ربیع الاول ۱۳۷۲ ہجری) اور تعمیر نو کے لیے سنگ خشت بھی ربیع الاول ۱۳۷۳ ہجری کو کر رکھی. منصوبے کا باقاعدہ افتتاح ۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۵ ہجری کو کیا گیا.

(۲) مسجد نبوی شریف میں سب سے قدیم ترین تعمیر وہ پنج گوشہ اور اس کے اندر واقع کا شانہ اقدس ہے جسے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ۸۸-۹۱ ہجری میں تعمیر کروایا تھا سوائے چند مرمتوں کے جو کہ مختلف ادوار میں کروائی گئیں، یہ حصہ مسجد شریف کا قدیم ترین حصہ ہے.

(۳) جانب قبلہ کا حصہ اور اس میں جو کام کروایا گیا ہے وہ سلطان عبد المجید دوم (۱۲۶۵-۱۲۷۷ ہجری) کے دور کی یادگار ہے.

(۴) مقصورہ شریف کے سبز جالی والے حصے کی بنیادیں اور وہ ستون جن پر سبز گنبد استوار ہے
سلطان قیتبائی نے ۸۸۷ہجری میں تعمیر کروائے تھے.

(۵) مقصورہ شریف کی سبز جالی شاہ ظاہر بیبارس (۶۶۸ ہجری) کی یادگار ہیں. اس سے پہلے لکڑی کی جالی لگائی گئی تھی جو کہ مسجد شریف میں آگ کے حادثے میں جل کر خاکستر ہوگئی تھی. اسے ۶۹۴ ہجری میں سلطان زین الدین کتبغا نے مرمت کروایا تھا.

(۶) موجودہ سبز گنبد سلطان عبدالحمید نے ۱۲۳۳ہجری میں تعمیر کروایا تھا اور پہلی بار اس پر سبز رنگ بھی انہوں نے کروایا تھا.

(۷) بینارہ رئیسیہ جو کہ سبز گنبد کے قریب ہے سلطان اشرف قیتبائی (۸۸۸ ہجری) کی یادگار ہے. چند مرمتوں اور تبدیلیوں کے سوا باقی کا بینارہ سلطان قیتبائی کا بنوایا ہوا ہے.

(۸) باب السلام کا بینار اس وقت قدیم ترین بینار ہے جسے سلطان ناصر محمد بن قلاوون نے ۷۰۶ ہجری میں تعمیر کروایا تھا. اس سے پہلے چھ صدیوں سے اس جگہ پر کوئی بینارہ نہیں تھا کیونکہ وہ بینارہ جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنوایا تھا اسے سلیمان بن عبدالملک نے حکماً مسمار کروا دیا تھا. اس کے بعد عثمانیوں نے اس کی دیکھ بھال کی اور تھوڑی بہت مرمت کروائی تا کہ اسے وقت کی تباہ کاریوں سے بچایا جا سکے. اسی طرح سعودی حکومت نے بھی اس کی اچھی طرح سے دیکھ بھال کی ہے. مگر اس کی تاریخی اہمیت کو بحال رکھنے کے لیے یہ بات بتانا بہت ضروری ہے کہ اندر سے ابھی تک یہ بینارہ کچی مٹی کا بنا ہوا ہے.

مسجد نبوی شریف کی دیواروں پر کی گئی خطاطی

(۹) محراب النبوی شریف کو سلطان اشرف قیتبائی نے تعمیر کروایا تھا (۸۸۸ـ۸۹۰ ہجری). سعودی دور میں جب کہ مسجد نبوی کی آخری بار توسیع ہو رہی تھی تو اس میں کچھ تزئین و آرائش کا کام کیا گیا تھا.

(۱۰) محراب عثمانی کو بھی ۸۸۸-۸۹۰ہجری میں سلطان قیتبائی نے تعمیر کروایا تھا.

(۱۱) سنگ مرمر سے بنا مکبر یہ بھی سلطان قیتبائی کی یادگار ہے.

(۱۲) دوسرا صحن شاہ سعود بن عبدالعزیز کے دور میں ۱۹۵۲ء میں بنا تھا.

(۱۳) اس کے علاوہ باقی کے تمام کام خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دور کے ہیں.

(۱۴) موجودہ منبر شریف سلطان مراد کا بھیجا ہوا ہے. البتہ اس پر کچھ کام سعودی دور میں بھی ہوا ہے.

(۱۵) مسجد شریف کے لیے اس سے پہلے سلطان قیتبائی نے سنگ مرمر سے بنا ایک منبر ۸۸۸ ہجری میں بھیجا تھا جو کہ آج کل مسجد قباء میں محفوظ ہے اور ابھی تک زیر استعمال ہے. یہ مسجد قباء کے قبلہ کی دائیں جانب پڑا ہے.

حواشی

(۱) القرآن الکریم (التوبہ: ۱۸۰)

(۲) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۲۲۱

(۳) امام ابی الحسن البلاذری، فتوح البلدان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۵۸. اس حدیث مبارکہ پر اتفاق کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ صحیح مسلم (ج:۲، نمبر ۳۲۲۱)، الترمذی (سنن۔ ۳۰۹۹)، مسند امام احمد (۳۔ ۸: ۸۹ و ۹۱)، الحاکم (مستدرک ۱۔ ۴۸۷) اور البیہقی (دلائل النبوہ: ۵۔ ۲۶۴) سب میں مروی ہے۔

(۴) ابن کثیر (ت: ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، ج:۳ صفحات: ۱۸۱۔ ۱۹۲. نیز تفسیر الطبری، ۱۱۔ ۲۱

(۵) ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:۵، ص: ۲۰ (بین قوسین اضافہ صرف تشریح کی غرض سے کیا گیا ہے)۔

(۶) محمد بن علی بن محمد الشوکانی، تفسیر القرآن الکریم بعنوان فتح القدیر، ج:۲، صفحات: ۵۰۲۔ ۵۰۴

(۷) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۲۸۱، صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۲۱۸

(۸) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۲۸۲

(۹) نور الدین علی بن احمد السمہودیؒ، وفا الوفاء باخبار دار المصطفیٰ (ت: ۹۱۱ ہجری)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، جزء ۱، صفحات: ۷۴۔ ۸۹

(۱۰) الشیخ عطیہ محمد سالم، امام اور خطیب مسجد نبوی شریف اور مدرس الموطاء لامام مالکؒ، خطاب ''المسجد النبوی الشریف'' مورخہ ۱۱۔ ۱۰۔ ۱۴۰۹ ہجری جسے 'دراسات حول المدینة المنورہ من محاضرات النادی الادبی، المجلد الثانی' کے ضمن میں مدینہ منورہ کی ادبی کلب نے ۱۹۹۴ میں شائع کیا، پہلا ایڈیشن (کتاب نمبر ۹۸) صفحات: ۹۸۔ ۹۲. بنائے کعبۃ شرفہا اللہ تعالیٰ کے متعلق روایت کے لیے دیکھئے تاریخ مکہ از ابو ولید الازرقی (ت: ۲۱۹ ہجری)، المکتبۃ التجاریہ، مکۃ المکرمہ، ۱۹۹۵، ج:۱، ص: ۸۲.

(۱۱) سنن ابن ماجہ، باب الاقامہ، ۱۹۸۔ ۵۵

(۱۲) مسند امام احمد، ۳۔ ۱۵۴

(۱۳) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج:۱ ص ۲۳۹ نیز دیکھئے جنرل ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، مطبعۃ دار الکتب المصریہ بالقاہرہ، ۱۹۲۵، ج:۱ ص: ۴۶۱

(۱۴) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۲۰ و ۴۲۱

(۱۵) ابن سعد، مصدر مذکور ص: ۲۳۹

(۱۶) قطب الدین الحنفی، تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافات الدینیہ، پورٹ سعید، مصر ص ۹۳

(۱۷) ایضا

(۱۸) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۲۰

(۱۹) ایضا، نمبر ۳۱۹

(۲۰) ابن سعد، مصدر مذکور ص: ۲۳۹. نیز سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص: ۳۲۷

(۲۱) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۲۴۵. یہ حدیث مبارکہ کافی طویل ہے اور متعلقہ اقتباس اس حدیث مبارکہ کے آخری حصے میں ہے۔

(۲۲) سنن النسائی، المساجد، حدیث نمبر ۶۹۵ صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۲۰ صحیح مسلم، باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، حدیث نمبر ۸۱۶

(۲۳) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۲۰ نیز ج:۵، نمبر ۲۶۹.

(۲۴) ہجرت مبارکہ کے بعد تقریباً سترہ ماہ تک بیت المقدس ہی قبلہ رہا تا آنکہ اسے قرآن کریم (البقرہ:۱۴۴) کے احکام کے تحت جانب اسے بیت اللہ شریف تحویل کردیا گیا۔

(۲۵) ازمنہ قدیم سے ہی عربوں میں 'ذرع' پیائش کا پیمانہ رہا ہے جس کا طول جدید پیائش کے حساب سے تقریباً آدھا میٹر لمبا ہوتا تھا (۴۸ سنٹی میٹر) بلغوی لحاظ سے ذرع ایک ہاتھ کو کہتے ہیں جو کہ ایک عام قد و قامت کے جوان کی کہنی سے لے کر اس کی انگشت شہادت تک کی لمبائی کو ظاہر کرتا ہے. انگریزی میں یہ ایک کیوبٹ (Cubit) کہلاتا ہے جو کہ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق ۱۸انچ کا ہوتا ہے. ذرع حجاز اور دیگر عرب ممالک (بالخصوص مصر میں جہاں اسے لوہے کے گز یا میٹر کی طرح بنایا جاتا تھا) میں مستعمل تھا جو کہ دو بالشتوں پر مشتمل ہوتا تھا (شبر عربی میں بالشت کو کہتے ہیں). سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص:۳۴۰.

(۲۶) ابن سعد، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۲۳۹

(۲۷) ایضاً

(۲۸) سمہودیؒ، ص:۳۴۴ خجبہ غرقد کی طرح کی ایک جھاڑی ہوا کرتی تھی. یہ جگہ اب بقیع الغرقد کے اندر آچکی ہے.

(۲۹) ایضاً

(۳۰) ابراہیم بن علی العیاشی المدنی، المدینہ بین الماضی والحاضر، ص ۱۴۶

(۳۱) ایضاً ص ۲۰. نیز سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۳۳۴

(۳۲) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۲۶۹ صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۱۰۶۸

(۳۳) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۳۸۲

(۳۴) ایضاً، ج:۲، نمبر ۴۳۷

(۳۵) سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص ۳۳۵

(۳۶) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۴۸۶

(۳۷) ایضاً، نمبر ۶۲۹. نیز صحیح مسلم، احادیث نمبر:۱۹۹۳، ۱۹۹۴، ۱۹۹۵، اور ۱۹۹۶ و ۳۶۹۳ اور الموطاء امام مالک کی حدیث نمبر ۵۳۸.

(۳۸) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۲۵۶

(۳۹) القرآن الکریم (الحجرات:۲) اے ایمان والو اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ہی ان سے گفتگو کرتے وقت اونچی آواز میں بات کرو جیسا کہ تم دوسروں کے ساتھ کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ (ایسا کرنے سے) تمہارے اعمال غارت کردیئے جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو.)

(۴۰) القرآن (الاعراف:۳۱)

(۴۱) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۶۳

(۴۲) صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۵۵۸

(۴۳) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۲۱۹

(۴۴) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۴۸

(۴۵) ایضاً، ج:۵، نمبر ۲۴۵

(۴۶) ایضاً، نمبر ۲۶۹. سید سمہودیؒ نے بیان کیا ہے کہ یہ شعر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا تھا.

(۴۷) ابی تراب الظاہری، الآثار المقتفی لقصۃ ہجرۃ المصطفیٰ، ص:۵۱. صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۲۰

(۴۸) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۳۶. یہاں یہ بیان کرنا خارج از محل نہ ہوگا کہ بعد میں حضرت عمار ابن یاسرؓ نے جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کی فوج کے ہاتھوں شہادت پائی جب کہ وہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے سینہ سپر تھے.

(۴۹) ابوالفداء حافظ ابن کثیر الدمشقی (ت:۷۷۴ہجری)، البدایہ والنہایہ، ناشر دار الرشید، حلب، ج:۳، ص:۱۸۹. نیز سید سمہودی، وفاء الوفاء، ص:۳۳۱. یہ

حدیث مبارکہ ایک سے زیادہ کئی راویان کرام سے نقل ہوئی ہے۔

(۵۰) البیہقی، دلائل النبوۃ، ۲-۵۴۲

(۵۱) سمہودی، مصدر مذکور، ص: ۳۲۷

(۵۲) تہذیب سیرۃ ابن ہشام، ص: ۱۳۷

(۵۳) صحیح بخاری، ج: ۱، نمبر ۵۰۰

(۵۴) ایضاً، باب ۲۳ حدیث نمبر ۳۸۲

(۵۵) سنن ابی داؤد نمبر ۳۹۹

(۵۶) صحیح بخاری، ج: ۴، نمبر ۷۸۵

(۵۷) محمد بن محمد بن احمد بن ضیاء المکی (ت: ۸۸۵ ہجری)، تاریخ مکۃ الشرفہ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفہ والقبر الشریف، مکتبۃ التجاریہ، مکۃ المکرّمہ ص: ۱۶۴

(۵۸) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی (وفات دسویں صدی ہجری)، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، ص ۱۰۴۔

(۵۹) ابن ضیاء المکی، مصدر مذکور ص ۱۸۳

(۶۰) الموطاء امام مالکؒ، ج: ۱، نمبر ۳۷۳-۴۸ حضرت ابوذر الغفاریؓ فرمایا کرتے تھے: [سنگریزوں کو ایک بار ٹھیک کر کے رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر انہیں ویسے ہی رہنے دیا جائے تو یہ سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ (ایضاً نمبر ۳۴۷-۴۹ و باب ۹-نمبر ۹-۱۳-۴۵)

(۶۱) ابن ضیاء المکی، ص: ۱۸۳

(۶۲) الموطاء امام مالکؒ، ج: ۱، نمبر ۳۷۶-۵۱

(۶۳) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ۱۹۷۸ء

(۶۴) ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری)، ابواب ذکر مدینۃ الرسول، ص: ۳۹

(۶۵) سمہودیؒ، مصدر مذکور ص ۳۴۰

(۶۶) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۲۶۹

(۶۷) صحیح بخاری، ج: ۲، نمبر ۱۲۶

(۶۸) جنرل ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج: ۱، ص: ۴۷۷

(۶۹) سیدۃ عاتکہؓ مکہ مکرمہ کی ایک متمول خاتون تھیں قبول اسلام کے بعد انہوں نے مدینہ طیبہ ہجرت کر لی تھی اور وہاں آ کر حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے شادی کر لی تھی۔ جب ان کی شہادت ہوئی تو انہوں نے سیدنا عمر فاروقؓ سے ۱۲ ہجری میں شادی کر لی۔ اور پھر جب سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت ہوئی تو انہوں نے حضرت زبیر بن العوامؓ سے شادی کی۔ ان کی موت بھی شہادت سے ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے شادی نہیں کی اور اسی مکان میں مقیم رہیں حتیٰ کہ ۴۱ ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا۔ لہذا ایکے بعد دیگرے تین اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زوجیت میں رہنے کی وجہ سے جن تینوں کی اموات شہادت کی وجہ سے ہوئی تھیں، سیدۃ عاتکہؓ کا اہل مدینہ طیبہ میں ایک خاص مقام تھا۔ وہ شاعرہ بھی تھیں اور سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت پر انہوں نے بہت ہی جذباتی مرثیہ بھی لکھا تھا بعض مورخین نے غلطی سے باب عاتکہ کو عمۃ الرسول ﷺ سیدۃ عاتکہ بنت عبدالمطلبؓ سے منسوب کر دیا ہے اور بعض نے تو اسے یزید کی پوتی (عاتکہ بنت عبداللہ بن یزید بن معاویہ) سے منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عمۃ الرسول سیدۃ عاتکہ بنت عبدالمطلبؓ نے کبھی اس مکان میں سکونت اختیار نہیں کی اور جہاں تک عاتکہ بنت عبداللہ بن یزید کا تعلق ہے وہ اگر اس مکان میں رہی بھی ہو گی تو ہجرت مبارکہ کے ایک صدی کے بعد۔ لہذا پہلی صدی میں اوائل اسلام میں یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ اس دروازہ کو دوسری صدی کی اسی نام کی خاتون سے نسبت دے دی جاتی۔ یقیناً یہ دروازہ صحابیہ سیدۃ عاتکہ بنت زید بن عمروؓ کے نام سے منسوب تھا، مگر بعد میں اسے دوبارہ باب الرحمہ ہی کہا جانے لگا جو کہ آج تک چلا آ رہا ہے۔

(۷۰) غالی محمد امین الشنقیطی، الدرۃ الثمین فی معالم دار الرسول الامین، ص ۵۶

(۷۱) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۴۵۶

(۷۲) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، دار صادر، ج:۱،ص:۲۵۵

(۷۳) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۳۹و۴۰

(۷۴) القرآن الکریم (البقرہ:۱۴۴)

(۷۵) حضرت البراء بن العازبؓ سے مروی ہے: [جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ حضور ﷺ انصار میں اپنے ننھیال کے ہاں رونق افروز ہوئے۔ آپ حضور ﷺ نے سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی لیکن آپ حضور ﷺ کی خواہش یہ رہی کہ قبلہ کا رخ مکۃ المکرّمہ میں کعبۃ المشرفہ کی جانب ہو۔] صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۳۹و۴۰

(۷۶) سمہودیؒ، مصدر مذکور، صفحات:۳۶۲۔۳۶۳

(۷۷) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۳۹۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ جس کے آخری حصے میں حضرت براء بن العازبؓ نے بیان کیا ہے کہ: [پہلی نماز جو کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبۃ المشرفہ کی جانب رخ اقدس کر کے ادا کی تھی وہ نماز عصر تھی جس میں چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شریک تھے۔ پھر ان میں سے ایک اصحابی نماز ختم ہونے کے بعد جب ایک مسجد کے قریب سے گزرے جہاں لوگ ابھی مسجد ایلیا (یروشلم) کی جانب منہ کر کے نماز ادا کر رہے تھے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ: [اللہ کی قسم میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کی جانب رخ انور کر کے نماز ادا کی ہے۔ یہ سنتے ہی لوگوں نے بھی اپنے منہ کعبہ کی جانب موڑ لیے....الخ]

(۷۸) اگرچہ اس کے راوی اس وقت بنفس نفیس موجود نہیں تھے کیونکہ وہ تو اس واقعہ کے پانچ سال بعد حلقہ اسلام میں آئے تھے، لیکن روایت حدیث مبارکہ میں ان کے مقام کو مدنظر رکھ کر یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ ان کی معلومات کسی مصدر اول پر ہی مبنی ہوں گی، یعنی ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مبارکہ کے روز اول سے ہی وہاں موجود تھے اور جو اس مقام طاہرہ کو اچھی طرح جانتے تھے۔

(۷۹) منقول از ابن ضیاء المکی، مصدر مذکور، ص:۱۶۵

(۸۰) سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص:۳۶۷

(۸۱) ابن زبالہ کے مطابق، تحویل قبلہ کے بعد رسول اللہ ﷺ تقریباً دس دن تک اس مقام پر کھڑے ہو کر نماز ادا کرواتے تھے جہاں کہ ستون سیدۃ عائشہؓ ہے سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص ۳۶۷۔

(۸۲) جمال المطری (ت:۷۴۱ہجری)، التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دار الہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ (۱۴۰۲ہجری) ص:۸۱

(۸۳) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۴۷۵ نیز ج:۹،نمبر۴۳۴

(۸۴) ایضاً، ج:۵،نمبر۲۶۹

(۸۵) القرآن الکریم (آل عمران:۳۷و۳۹ اور سورۃ مریم:۱۱ اور سورۃ ص:۲۱)۔ اس کے علاوہ جمع کے صیغے میں بھی لفظ محاریب قرآن کریم میں سورۃ سباء:۱۳ میں استعمال ہوا ہے۔

(۸۶) صالح لمعی مصطفیٰ، (Al-Madina al-Munawwara - Urban Development & Architectural Heritage) بیروت، ۱۹۸۱، ص:۷۴

(۸۷) صحیح بخاری، ج:۹،نمبر۴۳۵ نیز ج:۲،نمبر۲۸۶و۲۸۷

(۸۸) الموطاء امام مالکؒ، ج:۱،نمبر۴۶۳

(۸۹) ایضاً، ج:۱،نمبر۴۶۲

(۹۰) صحیح بخاری، ج:۳،نمبر۱۱۲

(۹۱) ایضاً، ج:۱،نمبر۵۷۸۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ دیگر تجاویز کے ضمن میں چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تجویز پیش کی تھی کہ آگ کی مشعل روشن کر دی جائے۔ ایضاً، نمبر۵۸۔ اس معاملے میں ابن سعد نے طبقات الکبریٰ میں کچھ مزید تفاصیل بھی دی ہیں۔ ابن

سعد، مصدر مذکور، ج:۱،ص:۲۴۷.

(۹۲) صحیح مسلم، ج:۱،نمبر ۷۳۵

(۹۳) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ ﷺ، انگریزی ترجمہ الفریڈ گیوم، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۱۹۷۸،ص: ۳۴۸. نیز ابن نجار (ولادت: ۵۷۸ ہجری)، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافیہ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر،ص:۱۶۴

(۹۴) جنرل ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱،ص:۴۷۹.حضرت نافعؓ نے حضرت عمر ابن الخطابؓ سے روایت کی کہ:[حضرت بلالؓ ایک لکڑی کی تپائی پر کھڑے ہوکر ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کے حجرہ مبارکہ پر اذان دیتے تھے جوکہ مسجد نبوی شریف کے باہر تھا........] ابن نجار، مصدر مذکور،ص:۱۶۴ چھٹی صدی ہجری کے اس فاضل مورخ نے تحریر کیا ہے کہ اس وقت بھی (یعنی چھٹی صدی ہجری میں) وہ سٹول اس گھر میں محفوظ تھا جوکہ کبھی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا ہوا کرتا تھا.سید سمہودیؒ نے بھی ابن زبالہ کے بیان کی رو سے یہی کہا ہے اور وہ سٹول یا ستون جوکہ مربع شکل کا تھا دار آل عمرؓ میں محفوظ تھا اور اسے المتمار کہا جاتا تھا.یہ گھر مسجد نبوی شریف سے متصل جنوب مشرقی کونے کی طرف تھا جہاں آج کل جنازے کے لیے لائی گئیں میتیں رکھی جاتی ہیں اور جو علاقہ مسجد نبوی شریف کی قبلہ کی دیوار سے متصل ہے. دیکھئے سمہودی، وفاء الوفاء،ص:۵۳۰

(۹۵) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱،ص:۴۷۹

(۹۶) سنن ابی داؤد، ۰۴۴_۱۴۱_۰۷

(۹۷) سیدنا بلال بن رباحؓ صرف مسجد نبوی شریف کے موذن ہی نہیں تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے خزانچی بھی تھے اور اہل خانہ رسول مقبول ﷺ کی ضروریات کا خیال رکھا کرتے تھے. سرور کائنات ﷺ کے عاشق زار ہونے کی وجہ سے جب آں حضرت ﷺ کا انتقال پر ملال ہوا تو وارفتہ محبت رسول مقبول حضرت بلالؓ اپنے آپ کو اذان دینے سے عاری سمجھنے لگے. وہ ہمیشہ گم سم رہا کرتے تھے اور یاد حبیب میں زیادہ وقت رو رو کر گزارنے لگے. آخر کار انہوں نے مدینہ طیبہ سے شام منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا. سیدنا ابو بکر صدیقؓ کے دور خلافت میں ایک بار وہ اپنے محبوب رسول امین ﷺ کو سلام پیش کرنے مدینہ طیبہ آئے. لوگ تو پہلے ہی ان کے دیدار کو ترس گئے تھے اور ان کی آواز میں اذان سننے کے لیے بے تاب تھے، لہذا ان سے درخواست کی گئی کہ وہ اذان دیں. بہت رد و کدح کے بعد انہوں نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اصرار پر اذان دینے کی حامی بھر لی اور اذان شروع کی. جونہی مدینہ طیبہ کی گلیوں میں ان کی آواز گونجی پیر و جوان مرد و زن اپنے گھروں سے دیوانہ وار باہر آ گئے کیونکہ ایام رسول مقبول ﷺ کی یاد تازہ ہو گئی تھی. جونہی وہ ان الفاظ 'اشہد ان محمد الرسول اللہ' پر پہنچے یہ عاشق زار رسول مقبول ﷺ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور زار و قطار رونے لگ گئے اور بعض روایات کے مطابق وہ باقی ماندہ اذان کو جاری نہ رکھ سکے اور بے ہوش ہو گئے مدینہ طیبہ سے پھر شام چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا جہاں ان کی مرقد مبارک زیارت گاہ عشاق ہے.

(۹۸) ابن ضیاء المکی (ت:۸۸۵ ہجری)، مصدر مذکور،ص:۱۷۸

(۹۹) بلوائیوں نے سیدنا عثمان بن عفانؓ کو ان کے گھر میں محصور کر دیا محاصرہ اتنا شدید تھا کہ وہ سیدنا عثمانؓ کو مسجد نبوی تک جانے نہیں دے رہے تھے بلکہ ان کے قتل کے درپے تھے. اس پر احتجاج کرتے ہوئے ایک مرتبہ سیدنا عثمانؓ نے چھت پر چڑھ کر ان لوگوں سے کہا: ''کیا تم جانتے ہو کہ مسجد نبوی نمازیوں کی لیے تنگ پڑ گئی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ:[جو بھی اس قطع ارضی کو خریدے گا تا کہ مسجد کی توسیع عمل میں لائی جا سکے تو اللہ اس کو اس سے کہیں بہتر انعام بہشت میں دے گا.] وہ میں ہی تو تھا جس نے اپنی جیب سے اس زمین کی قیمت ادا کی مگر آج تم لوگ مجھے اسی مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرتے ہو!'' فتح الباری، ج:۱،ص ۴۰۸

(۱۰۰) ہاشم دفتر دار اور جعفر فقیہ، توسعات الحرم النبوی الشریف ومشاریع جلالۃ الملک سعود کافۃ، مطبعۃ الانصاف، بیروت، ۱۳۷۳ ہجری،ص:۲۷. یہ کتاب حرم النبوی شریف کی لائبریری میں کیٹلاگ نمبر ۳۴۷۷۵ پر دستیاب ہے جسے ۳_۵_۱۴۱۸ ہجری میں لائبریری میں شامل کیا گیا.

(۱۰۱) ابن سعد، ج:۱،صفحات:۲۵۰_۲۵۱

(۱۰۲) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر ۳۷۴

(۱۰۳) ایضاً، ج:۴،نمبر ۷۸۳

(۱۰۴) ابن سعد، ج:۱، ۲۵۱
(۱۰۵) ابن ضیاء المکی، ص:۱۷۳
(۱۰۶) صحیح بخاری، ج:۴، نمبر۷۸۴
(۱۰۷) منقول از ابن ضیاء المکی، ص ۱۶۹
(۱۰۸) ایضاً، ص:۱۶۹
(۱۰۹) قطب الدین الحنفی (ت:۹۹۰ ہجری)، تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافیہ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر، ص:۱۰۲. نیز یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، ۱۹۸۱، ص:۲۳۸
(۱۱۰) پیائش کے معیار کچھ اس طرح تھے: ذرع (ایک ہاتھ) جو دو بالشتوں پر مشتمل ہوتا تھا اور ہر بالشت (یعنی آدھا ذرع) پانچ انگلیوں کے برابر سمجھی جاتی تھی منبر شریف کے ایک زینے کی اونچائی جو کہ ابن زبالہ نے بیان کی ہے وہ ایک بالشت اور دو انگلیوں کے برابر تھی. سمہودیؒ نے بیان کیا ہے کہ جب ایک بار مسجد شریف کے صحن کی کھدائی کرنی پڑی تو منبر شریف کے نیچے سنگ مرمر کا بنا ہوا حوض نکلا تھا جو منبر شریف کے محل وقوع کی تصدیق کرتا تھا. سمہودی، وفاء الوفاء، صفحات:۴۰۳-۴۰۴.
(۱۱۱) ابن ضیاء المکی، ص:۱۷۴
(۱۱۲) ابن نجار، ص:۱۵۹
(۱۱۳) ابن نجار، ص ۱۵۹
(۱۱۴) ابی الحسن علی بن حسین المسعودی (ت:۳۴۶ ہجری)، مروج الذہب و معادن الجواہر، بیروت، ج:۳، ص:۳۲
(۱۱۵) سمہودیؒ، صفحات:۳۹۸-۳۹۹. ابن اثیر کے مطابق عبدالملک بن مروان اور پھر اس کے بعد ولید بن عبدالملک کو بھی منبر شریف کو دمشق لیجانے کا خبط سوار ہوا تھا مگر حضرت سعید بن المسیب اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا. الکامل فی التاریخ، ج:۳، صفحات:۶۱-۶۲.
(۱۱۶) محمد (جمال) بن احمد المطری، التعریف، مصدر مذکور، ص:۲۷
(۱۱۷) ابی الحسین محمد بن احمد الجبیر (ابن الجبیر - ولادت:۵۴۰ ہجری)، رحلۃ ابن جبیر، دار الکتاب اللبنانی، صفحات:۱۴۱-۱۴۲. چونکہ صحیح بخاری شریف کی حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آپ حضور ﷺ کا منبر شریف حوض کوثر پر واقع ہے، عین ممکن ہے کہ اسی حدیث مبارکہ کی وجہ سے چند عشاق نے اس چبوترے کو 'حوض' کہنا شروع کر دیا ہوگا.
(۱۱۸) المطری، ص:۲۷
(۱۱۹) سمہودیؒ، ص:۴۰۸
(۱۲۰) ایضاً، ص:۴۱۳
(۱۲۱) المسعودی، مصدر مذکور، ج:۳، ص:۳۲
(۱۲۲) ابن جبیر، الرحلہ (ترجمہ بزبان انگریزی رولینڈ براڈہرسٹ)، ص:۱۴۲
(۱۲۳) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، ص ۹۱
(۱۲۴) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۳۴۳
(۱۲۵) ایضاً، ج:۲، نمبر۴۰
(۱۲۶) ایضاً، ج:۳، نمبر۳۰۸ و ج:۲، نمبر۱۴۱ نیز ج:۴، نمبر۷۸۳
(۱۲۷) ایضاً م ج:۴، نمبر۷۸۵
(۱۲۸) ابی سعید المفضل بن ابراہیم الجندی (ت:۳۰۸ ہجری)، فضائل المدینہ، دار الفکر، دمشق، ۱۹۸۷، ص:۳۷

(۱۲۹) صحیح بخاری، ج:۲،نمبر۴۱

(۱۳۰) قاضی عیاضؒ،ابی الفضل بن موسیٰ الاندلسی، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ،قاہرہ،۱۹۵۰،ص:۲۰۰.سمہودی،خلاصۃ الوفاء،المکتبۃ العلمیہ، مطبوعہ دمشق،۲،۱۹۷۲،ص۲۳۲.

(۱۳۱) سمہودی،خلاصۃ الوفاء،ص:۲۳۳

(۱۳۲) قاضی عیاض،مصدر مذکور،ص:۲۰۰

(۱۳۳) ابن جبیر،رحلۃ ابن جبیر،ص:۱۴۱

(۱۳۴) ابن بطوطہ(محمد بن عبداللہ)(Travels in Asia and Africa)،سروسز بک کلب،لاہور،۱۹۸۵،ص:۷۱

(۱۳۵) ایضاً،ص:۷۲

(۱۳۶) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۴۹۲

(۱۳۷) جامع الاحادیث،۷-۱۷۶(حدیث نمبر۱۳،۸۹۲)

(۱۳۸) الاستیعاب(حاشی الاصابہ،۲-۱۲۱-۱۲۲)

(۱۳۹) سمہودیؒ،وفاء الوفاء،صفحات:۵۹۶-۹۷

(۱۴۰) ناجی محمد حسن الانصاری،عمارۃ وتوسعہ المسجد النبوی الشریف عبر التاریخ،مدینہ ادبی کلب،۱۴۱۶،ص:۵۷

(۱۴۱) سمہودیؒ،وفاء الوفاء،صفحات:۶۷۰-۶۷۱

(۱۴۲) عبدالقدوس الانصاری،آثار مدینۃ المنورہ،ص:۹۷

(۱۴۳) صحیح بخاری، ج:۱،نمبر۴۳۷

(۱۴۴) دفتر دار اور فقیہ،مصدر مذکور،ص:۲۷

(۱۴۵) صحیح بخاری، ج:۱،باب ۶۲

(۱۴۶) سمہودیؒ،وفاء الوفاء،ص:۴۸۶

(۱۴۷) ابن نجار،مصدر مذکور،ص۱۷۲

(۱۴۸) رسول اللہ ﷺ نے مسجد شریف کی جنوبی جانب مکان کے لیے زمین حضرت جعفر بن طیارؓ کو اس وقت دی تھی جب کہ وہ ابھی ہجرت حبشہ پر ہی تھے.سیدنا عمر فاروقؓ نے اس مکان کا تقریباً آدھا حصہ مبلغ ۱۰۰،۰۰۰ درہم کے عوض خرید کر مسجد شریف میں شامل کیا تھا۔ابن نجار،ص:۱۷۲

(۱۴۹) غالی محمد الامین الشنقیطی،الدر الثمین فی معالم دار الرسول الامین،دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ،جدہ،۱۹۹۱،ص:۸۹

(۱۵۰) سمہودیؒ،وفاء الوفاء،ص:۴۸۹

(۱۵۱) ابن ضیاء المکی،مصدر مذکور،ص:۱۸۱

(۱۵۲) سمہودیؒ،وفاء الوفاء،ص:۴۸۹

(۱۵۳) ابن نجار،ص:۱۷۱

(۱۵۴) جمال المطری،مصدر مذکور،ص:۱۷۳

(۱۵۵) ابن نجار،ص:۱۷۳

(۱۵۶) الموطاء امام مالکؒ،ج:۱،نمبر۳۰

(۱۵۷) جنرل ابراہیم رفعت پاشا،مرآۃ الحرمین، ج:۱،ص:۴۸۰

(۱۵۸) القرآن الکریم(الحجرات:۲و۳)

(۱۹۰) صحیح مسلم، ج:۴، نمبر۵۹۲۴.سنن ابی داؤد، ۰۳۱-۵۹۱۵.ابی داؤد کی ایک روایت کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان تکرار ہوئی تھی جس میں اول الذکر نے ان وجوہات سے پردہ اٹھایا تھا جنہوں نے انہیں ابوتراب (شیر خدا علی المرتضیٰؓ) پر تبرا بازی سے منع رکھا تھا اور انہوں نے تبرا بازی پر مدینہ طیبہ کی گورنری پر لات مارنے کو ترجیح دی تھی.جلال الدین السیوطی، تاریخ الخلفاء، دار الفکر، دمشق، ص ۱۷۷. مسجد نبوی شریف میں بر سر منبر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر سر عام تبرا بازی کی جاتی تھی اور جو اس سے انکار کرتا اس کی درگت بنادی جاتی تھی. کتنے ہی ایسے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جن کو اس قبیح حرکت کے خلاف احتجاج کرنے پر زدوکوب کیا گیا.حضرت حجر بن عدی الکندیؓ اور ان کے ساتھیوں کو ۵۱ ہجری میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا.حجاج بن یوسف تو اصحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے رتبے اور مقام کا لحاظ کئے بغیر ہر اس شخص کو اس وقت تک کوڑے لگواتا جب تک کہ وہ سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو سب وشتم نہ کرنے لگ جاتا.مثال کے طور پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ کی پیٹھ پر اس وقت تک درے برستے رہے جب تک کہ انہوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو برا بھلا کہنا شروع نہیں کیا. بدقسمتی سے اس قبیح رسم کا اجراء حضرت معاویہؓ کے دور میں مسجد نبوی شریف سے شروع ہوا اور ہر ایک گورنر کو حکم نامہ ارسال کر دیا کہ وہ اپنی اپنی جامع مساجد میں بوقت خطبہ بر سر منبر اس کو رواج دیں. دیکھئے احمد بن محمد ابن عبدربہ، کتاب العقد الفرید، انگریزی ترجمہ محمد شفیع، ناشر پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۳۵، صفحات: ۲۷۵ و ۸۲۸. حضرت معاویہؓ کا کوفہ کا گورنر (ابن ابیہ) اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس وقت تک زدوکوب کرواتا جب تک کہ وہ جبر واکراہ کے تحت شیر خدا علی المرتضیٰؓ کو سب وشتم نہ کرنے لگ جاتے اور جو انکار کر دیتا اس کا سر قلم کر دیا جاتا. دیکھئے: مسعودی، مروج الذھب ومعادن الجواہر، ج:۳، ص:۳۲.ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے بھی اس سلسلے میں ایک احتجاجی خط حضرت معاویہؓ کو ارسال کیا تھا کہ بر سر منبر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی کردار کشی کا سلسلہ بند کیا جائے. دیکھیے: ابن عبدربہ، مصدر مذکور، صفحات: ۴۱۸، ۶۱۷، ۶۱۱ و ۸۲۸. مگر ان تمام احتجاجات اور بے دریغ قتل وغارت اور ظلم وستم کے باوجود اس قبیح رسم کو جاری رکھا گیا تا آنکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور خلافت آ گیا اور انہوں نے جرأت رندانہ سے کام لیکر اس کا خاتمہ کیا. دیکھئے: ابن الاثیر (ت:۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، ج:۴، صفحات ۹۸-۹۹.انہوں نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ سے ملنے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے جنہوں نے ان سے استفسار کیا: [تم نے کب سے یہ جانا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ناراض ہے جنہوں نے غزوہ بدر اور بیعت رضوان میں شرکت فرمائی تھی جس کے نتیجے میں اللہ ان سے ہمیشہ کے لیے راضی ہو گیا تھا؟] اس سوال نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور وہ بات کی تہہ تک پہنچ گئے جو کہ حضرت عبیداللہؒ ان کو سمجھانا چاہتے تھے. یہ ایک طرح کی سرزنش تھی جس نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے خیالات پر تازیانے کا کام کیا اور انہوں نے اس قبیح رسم کو ختم کرنے کے لیے عملی اقدام کئے اور اپنے تمام گورنروں کو حکم نامہ جاری کر دیا کہ وہ فوراً حضرت علی ابن ابی طالبؓ کو سب وشتم کرنا بند کر دیں اور اس کی جگہ ان کے نام کے ساتھ 'کرم اللہ وجہہ' کے الفاظ استعمال کیا کریں.

(۱۹۱) سمہودیؒ، ص:۵۱۳.انہوں نے ابن زبالہ کا ایک طویل بیان نقل کیا ہے.

(۱۹۲) ایضاً، ص:۵۱۳

(۱۹۳) ابن الجوزی، الوفاء باحوال المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص:۲۶۰

(۱۹۴) سمہودیؒ، ص:۵۱۷

(۱۹۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج:۸، ص:۱۶۷

(۱۹۶) ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج:۴، ص:۱۴

(۱۹۷) الطبری (Chronique de Abou Djafer Mohammed Tabari, tr. H. Zontenberg, 1867, IV, pp: 161-2)
تاریخ الامم والملوک (عربی)، بیروت، ج:۶ صفحات: ۴۳۵-۴۳۶.

(۱۹۸) صالح لمعی مصطفیٰ، مصدر مذکور، ص:۶۷

(۱۹۹) بلاذری (Kitab Futuh al-Buldan) Tran. in English by Philip K. Hitti, 1916, p. 20.

(۲۰۰) امام ابی الحسن البلاذری، فتوح البلدان (عربی)، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء ص:۲۱

(۲۰۱) دفتر دار وفقیہ، مصدر مذکور، ص ۲۸

(۲۰۲) ایضاً

(۲۰۳) ابن نجار، ص ۱۷۶

(۲۰۴) ایضاً ص ۱۷۵

(۲۰۵) دکتور سلیمان عبدالغنی مالکی، بلاد الحجاز، ۱۹۸۳ء ص:۱۶۸

(۲۰۶) ابن نجار، ص:۱۷۷

(۲۰۷) ایضاً ص:۱۷۶

(۲۰۸) جانب شرقی کی موجودہ دیوار میں باب جبریل اور باب البقیع کے درمیاں جو دو کھڑکیاں ہیں وہاں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دو دروازے تعمیر کروائے ہوئے تھے۔ باب البقیع کی جانب والی کھڑکی کی جگہ جو دروازہ تھا اسے باب النبی کہا جاتا تھا کیونکہ وہ قدمین الشریفین کے بالکل سامنے تھا جب کہ دوسری کھڑکی کی جگہ جو دروازہ تھا وہ چونکہ خوخہ سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے سامنے تھا اس لیے اسے باب علیؓ کہا جاتا تھا ترکوں نے ان دروازوں کی یاد زندہ رکھنے کے لیے ان کی جگہ کھڑکیاں لگوادی تھیں۔ آج کل ان دونوں کھڑکیوں میں ایرکنڈیشنر لگوادیئے گئے ہیں۔

(۲۰۹) ابن نجار، صفحات:۱۷۷۔۱۷۸

(۲۱۰) ابی الحسن محمد بن احمد الاندلسی (المشہور ابن جبیر)، سفر نامہ بعنوان 'الرحلۃ'، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، ص:۱۴۳

(۲۱۱) ایضاً

(۲۱۲) دکتور سلیمان عبدالغنی المالکی، مصدر مذکور، ص:۱۶۸

(۲۱۳) عباس کرارہ، الدین والتاریخ الحرمین الشریفین، مطبوعہ مرکز الحرمین بمکۃ المکرّمہ (۱۹۸۰ء) ص ۲۴۶

(۲۱۴) صالح لمعی مصطفیٰ (Al-Madina al-Munawwara - Urban Development & Architectural Heritage) بیروت، ۱۹۸۱ء، ص:۷۱

(۲۱۵) دکتور محمد السید الوکیل، المسجد النبوی عبر التاریخ، دار المجتمع للنشر والتوزیع، جدہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۸ء، صفحات:۱۲۳۔۱۲۴ اور سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۶۸۳

(۲۱۶) ابن نجار نے ابن زبالہ کی روایت نقل کی ہے جس کے مطابق ہر مینارے کی بلندی ۵۵ ذرع (۲۲،۵ میٹر) تھی اور اسے ۸×۸ ذرع رقبے پر استوار کیا گیا تھا مصدر مذکور، ص:۱۸۲۔ صالح لمعی مصطفیٰ، مصدر مذکور، ص:۷۱۔

(۲۱۷) سمہودی، ص:۵۲۶

(۲۱۸) دکتور عارف مفضی المسعر، ہذہ بلادنا۔ الجوف، ۱۹۹۸ء، صفحات:۴۲۔۴۴

(۲۱۹) صالح لمعی مصطفیٰ، ص:۷۲

(۲۲۰) ابن نجار، ص:۱۷۵

(۲۲۱) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۵۳۶

(۲۲۲) ابن نجار، ص:۱۷۸۔ مورخین نے اس روایت کو جعفر المنصور سے منسوب کیا ہے کہ اس کی یہ خواہش کہ مسجد شریف کو شرقی جانب وسعت دے دی جائے کے پس پردہ سیاسی محرکات تھے، یعنی وہ دار آل عثمان بن عفانؓ کو مسمار کر کے اسے مسجد شریف میں اس لیے شامل کرنا چاہتا تھا تا کہ آل عثمانؓ بھی اہل بیت الطاہرہ کی طرح عوام کی حمایت سے محروم ہو جائیں۔ تاہم اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ امویوں کی طرح عباسی بھی اپنے اقتدار کو حتی الوسع طول دینے کے چکر میں تھے اور ہر اس ممکنہ رکاوٹ کو رستے سے ہٹادیتے تھے جس سے مستقبل قریب یا بعید میں انہیں اپنے خلاف کسی شورش کی بو آتی تھی۔

(۲۲۳) صالح لمعی مصطفیٰ، ص:۷۷

(۲۲۴) البلاذری، ص:۲۱

(۲۲۵) صالح لمعی مصطفیٰ،ص ۷۶.

(۲۲۶) ابن نجار،صفحات:۱۸۲۔۱۸۳

(۲۲۷) سمہودی،ص:۵۳۹

(۲۲۸) ابن نجار،ص:۱۷۹

(۲۲۹) ایضاً،صفحات:۱۷۹۔۱۸۰

(۲۳۰) عباس کرارہ،مصدر مذکور،ص:۲۴۶

(۲۳۱) البلاذری،ص:۲۱

(۲۳۲) عباس کرارہ،مصدر مذکور،ص:۲۴۶.ان تبرکات اور آثار نبویہ کے متعلق مزید کچھ معلومات میسر نہیں سوائے اس کے کہ ان میں سے چند عثمانی اپنے ساتھ آستانہ لے گئے تھے جو کہ آج کل توپکاپی میوزیم میں محفوظ ہیں.

(۲۳۳)ابن نجار،ص:۱۸۲

(۲۳۴)ابن جبیر،الرحلہ،دار الکتاب اللبنانی،بیروت،صفحات:۱۴۲۔۱۴۳

(۲۳۵)جمال المطری،التعریف بما انست الہجرہ من معالم دار الہجرہ،المکتبہ العلمیہ،مدینۃ المنورہ،۱۴۰۲،ص:۲۷.نیز سمہودی،ص:۵۹۸

(۲۳۶)الشیخ جعفر بن اسماعیل البرزنجی،نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین،ص:۵۶

(۲۳۷)منقول از سمہودیؒ،وفاء الوفاء،ص:۳۱۸اور ۵۹۹

(۲۳۸)سمہودی کے مطابق بیبارس نے ۵۳ تجربہ کار معمار،لکڑی کے تختے،آہنی اور سیسے کا سامان مصر سے ارسال کئے تھے.وفاء الوفاء،ص:۶۰۴

(۲۳۹) صالح لمعی المصطفیٰ،مصدر مذکور،ص ۷۹

(۲۴۰) ایضاً،ص:۸۰

(۲۴۱) ایضاً

(۲۴۲) برزنجی،مصدر مذکور،ص:۶۰

(۲۴۳) دکتور محمد السید الوکیل،مصدر مذکور،ص:۱۴۵

(۲۴۴) سمہودی،خلاصۃ الوفاء،ص:۳۲۴

(۲۴۵) صالح لمعی مصطفیٰ،ص:۸۸

(۲۴۶) ہاشم محمد سعید دفتر دار،ذکریات طیبہ،مکتبۃ الفقیہ،مدینہ منورہ،پہلا ایڈیشن،۱۹۵۱،ص:۱۴۸

(۲۴۷) علی بن موسیٰ آفندی،وصف المدینۃ المنورہ،صفحات:۵۷و۵۸

(۲۴۸) البرزنجی،مصدر مذکور،ص:۸۰

(۲۴۹) مدینہ طیبہ کے گورنر کو عثمانی دور میں شیخ الحرم کہا جاتا تھا لہذا اس لقب کو مسجد نبوی کا امام نہ سمجھا جائے.

(۲۵۰) البرزنجی،ص:۸۱

(۲۵۱) منقول از انجنیر عبد العزیز بن عبد الرحمٰن بن ابراہیم الکعکی،معالم المدینۃ المنورہ،ج:۱(قسم الجبال)،ص:۴۱۰.اس واقعہ کا تفصیلی ذکر شیخ جعفر البرزنجی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب نزہۃ الناظرین میں کیا ہے،جو کہ نہ صرف اس تعمیر کے وقت مسجد نبوی شریف میں فقہ شافعیہ کے امام تھے بلکہ اس کی افتتاحی تقریب میں شامل ہوئے تھے:صفحات:۷۵۔۷۷.

(۲۵۲) البرزنجی،ص:۲۳

(۲۵۳) دکتور محمد الوکیل،المسجد النبوی عبر التاریخ،ص:۱۵۹

(۲۵۴) انجنیر عبدالعزیز الکعکی، مصدر مذکور ص: ۴۱۷

(۲۵۵) غالی محمد الامین الشنقیطی، مصدر مذکور ص: ۱۰۴۔ نیز دیکھئے الشیخ عطیہ سالم کا لیکچر مورخہ ۱۱۔۱۰۔۱۴۰۹ھ جسے دراسات حول المدینہ میں شامل کیا گیا ہے جسے مدینہ طیبہ کی ادبی کلب نے ۱۹۹۴ میں طبع کروایا تھا ص: ۹۰

(۲۵۶) جنرل ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج: ۱ صفحات: ۴۴۸۔۴۹۹

(۲۵۷) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، صفحات: ۱۰۳۔۱۰۴

(۲۵۸) الدارہ، دارۃ الملک عبدالعزیز کا مجلّہ برائے ماہ دسمبر ۱۹۸۶ ص: ۲۱۰

(۲۵۹) انجنیر عبدالعزیز کعکی، معالم مدینۃ المنورہ بین العمارہ والتاریخ، جزء دوم ص: ۲۱۵

(۲۶۰) دفتر داروفقیہ، مصدر مذکور، صفحات: ۵۷۔۵۹

(۲۶۱) ایضاً صفحات: ۳۶۔۴۱

(۲۶۲) عباس کرارہ، صفحات: ۲۳۵۔۲۳۶۔ فاضل مولف نے جس رقبہ کا ذکر کیا اسے مسجد نبوی شریف کا کل رقبہ نہ سمجھ لیا جائے کیونکہ اس میں بہت سا علاقہ اردگرد کی سڑکوں اور دیگر سہولیات کے علاقے بھی شامل تھے۔

(۲۶۳) دفتر داروفقیہ، ص: ۶۰

(۲۶۴) عباس کرارہ، ص: ۲۳۶

(۲۶۵) الحرمان الشریفان والمشاعر فی العہد السعودی الزاہر، یکے از مطبوعات سعودی وزارت اطلاعات، ۱۴۲۰ ہجری جسے سعودی حکومت کے جشن صد سالہ کی تقریبات کے سلسلے میں جاری کیا گیا ص: ۸۱

(۲۶۶) ایضاً

(۲۶۷) احمد یاسین احمد الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳، ص: ۸۱

(۲۶۸) ایضاً صفحات: ۷۷۔۸۰

(۲۶۹) ایضاً

(۲۷۰) یہ تمام تر تفاصیل ایک ڈاکومنٹری فلم سے لی گئی ہیں جسے پاکستان ٹیلی ویژن نے بن لادن گروپ کے تعاون سے نشر کیا تھا۔

(۲۷۱) الحرمان الشریفان والمشاعر فی العہد السعودی الزاہر ص: ۸۳

(۲۷۲) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، مصدر مذکور، صفحات: ۹۸۔۹۹۔

(۲۷۳) صحیح بخاری، ج: ۱، نمبر ۵۹۸

(۲۷۴) ایضاً، نمبر ۴۸۲

(۲۷۵) ایضاً، ج: ۲، نمبر ۳۰۴

(۲۷۶) ابن شبہ، ج: ۱ صفحات: ۱۹۔۲۲۔

(۲۷۷) ایضاً ص: ۲۳

(۲۷۸) ابن نجار، مصدر مذکور ص: ۲۳

(۲۷۹) صحیح بخاری، ج: ۱، نمبر ۴۰۱

(۲۸۰) محمد کمال اور محمد اسماعیل ابراہیم، البلاد المقدسہ، قاہرہ، ۱۹۵۰، ص: ۱۶۷

(۲۸۱) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، صفحات: ۹۶۔۹۷

(۲۸۲) ابن نجار، ص: ۱۶۹

باب ۱۵

حجرہ مبارکہ (مقصورہ الشریفہ)

﴿اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو مانتے ہیں ہماری آیتوں کو، تو کہیں سلام ہو تم پر، واجب کیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر مہربانی کو (یہ انہیں کہہ دیں) جو کرے تم میں سے کوئی بری بات نادانی سے پھر پلٹ آئے (یعنی توبہ کرے) اس کے بعد اور سنور جائے تو وہ بہت بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے.﴾ القرآن الحکیم (۱)

جس نے میری قبر کی زیارت کی، یوم قیامت اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہو گئی. (حدیث مبارکہ) (۱)

میری حیات بھی تمہارے لئے بہتر اور میری موت بھی تمہارے لئے بہتر ہے. (زندگی میں تو) میری باتیں (احادیث مبارکہ) تم سنتے ہو یا پھر لوگ تم تک پہنچا دیں گے. میری وفات کے بعد تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جائیں گے. اگر تمہارے اعمال صالح ہوں گے تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری تعریف کروں گا اور اگر میں یہ دیکھوں گا کہ تمہارے اعمال غیر صالح ہیں تو میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے استغفار کروں گا. (حدیث مبارکہ) (۱)
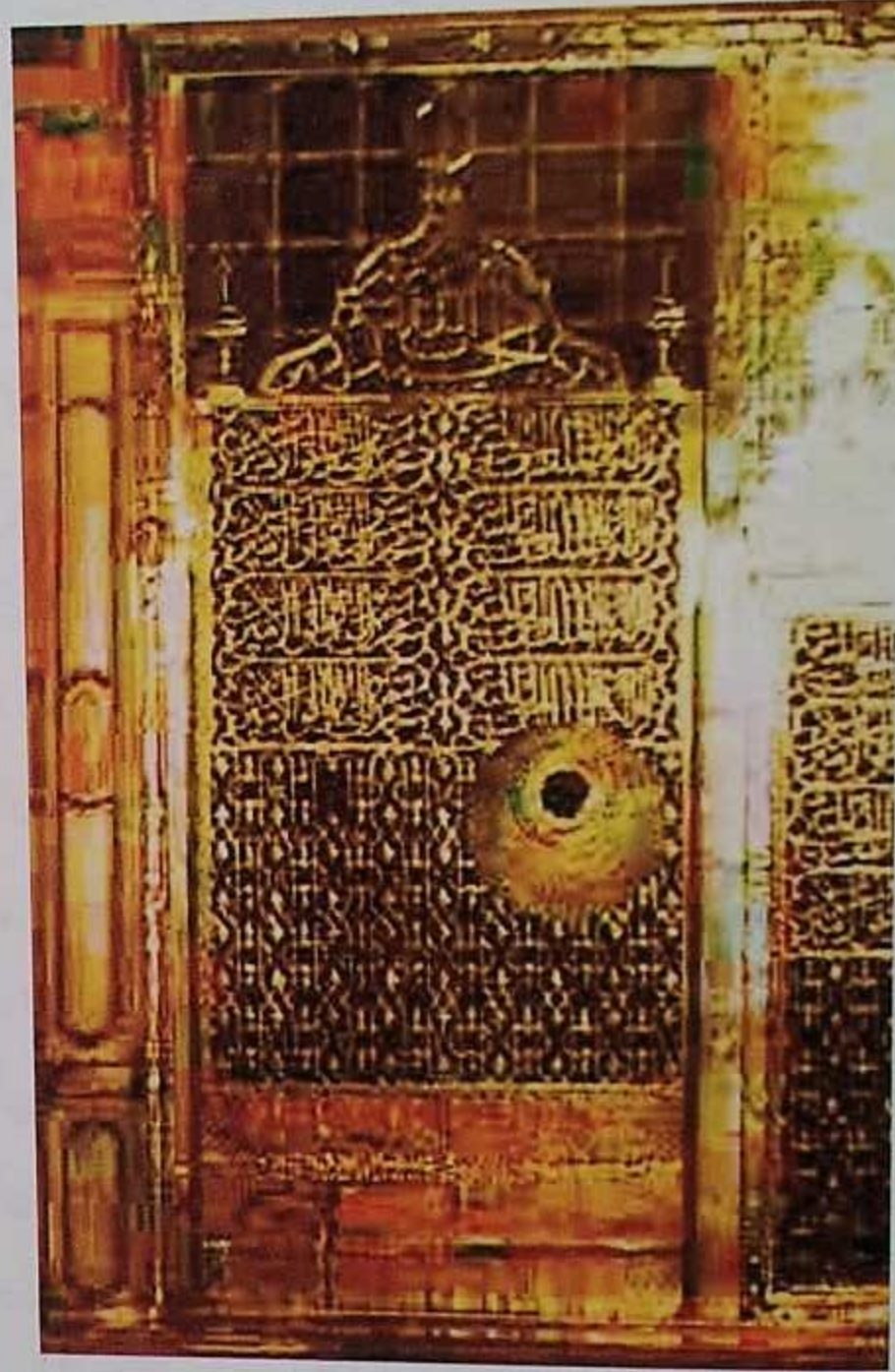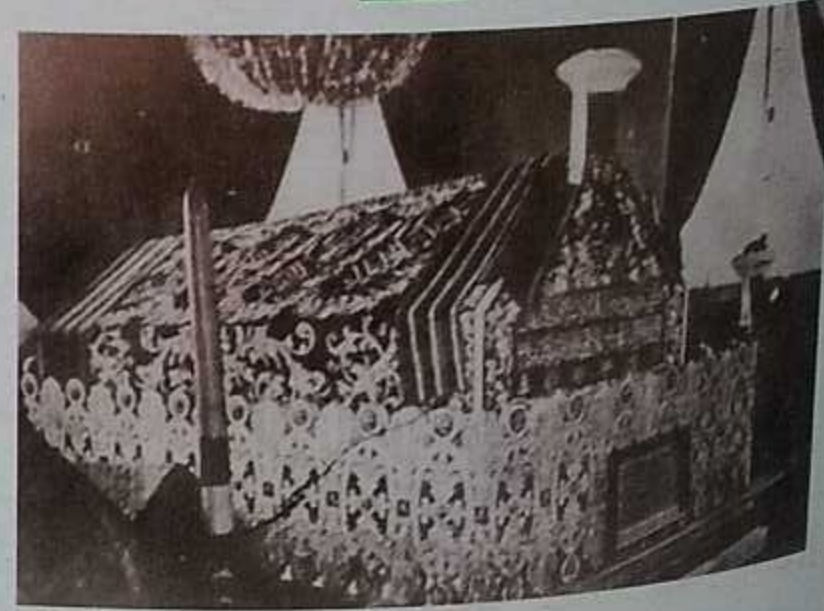
امام النوویؒ فرماتے ہیں: [جب کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کے لیے آئے، تو اس کو چاہئے کہ وہ اس دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جس طرف رسول خدا ﷺ کی قبر اطہر ہے جبکہ اس کی کمر قبلہ کی جانب ہو (آج کل اس مقام کو مواجہ شریف کہا جاتا ہے)۔ وہاں باادب کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ پر درود وصلوات پڑھے اور پھر تقریباً ایک ذراع (آدھا میٹر) اپنے دائیں ہاتھ کو چلے کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا سر مبارک حضور رسالت مآب ﷺ کے شانوں کے برابر ہے۔ وہاں کھڑا ہو کر سیدنا ابوبکرؓ کی خدمت میں سلام پیش کرے۔ پھر زائر تھوڑا سا اور آگے بڑھ جائے (تقریباً آدھا میٹر مزید آگے کی طرف) اور سیدنا عمر فاروقؓ کی خدمت میں سلام پیش کرے۔] (۲) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی سند سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فرمان ہے: یہ مسنون ہے کہ قبر اطہر سید الانبیاء والاتقیاء ﷺ پر حاضری دینے کے لیے قبلہ کی طرف سے آیا جائے (بایں حالیکہ پشت قبلہ کی طرف ہو اور منہ سرکار دو عالم ﷺ کی جانب ہو) اور پھر کہا جائے کہ: ''السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' (۳)۔

ابن الجوزی کے الفاظ میں: ''جو بھی رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر زیارت کے لیے حاضر ہو اس کو چاہئے کہ وہ انتہائی ادب واحترام کے ساتھ وہاں کھڑا ہو جیسا کہ وہ واقعی رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں خدمت اقدس میں کھڑا ہو۔'' (۴) ایک حدیث مبارکہ کچھ اس طرح ہے: [کوئی بھی آدمی ایسا نہیں کہ جب وہ مجھ پر درود بھیجے اور اللہ کریم میری روح کو میرے بدن میں نہ لوٹائے تاکہ میں اس کے درود وصلوات کا جواب دے سکوں۔] (۵)

مسجد نبوی شریف میں ریاض الجنہ سے متصل مشرقی جانب تمام کائنات کا مقدس ترین وہ بقاع نور اور کاشانہ اقدس واقع ہے جسے عرف عام میں مقصورہ شریف یا حجرہ مطہرہ کہا جاتا ہے اور جہاں صاحب لولاک سید الکونین اور محبوب رب المشرقین ورب المغربین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم محو استراحت ہیں۔ اس حجرہ مبارکہ کی تعمیر بھی مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے ساتھ ساتھ شروع ہوئی تھی اور اس کی زمین بھی مسجد شریف کی زمین کی طرح حضرت سہل اور حضرت سہیلؓ (جو کہ بنو نجار کے دو یتیم بچے تھے) کی ملکیت تھی۔ ان دونوں یتیموں کو اس زمین کا معاوضہ دیکر در یتیم اور سیدۃ آمنہ کے لال حبیب کبریا احمد مجتبیٰ اور محمد مصطفیٰ ﷺ نے وہ جگہ اپنی مسجد اور اپنے گھر کیلئے خرید فرمائی۔ مسجد شریف کی طرح اس کا گارا مٹی بھی بقیع الخبخبہ (جو کہ بقیع الغرقد کا ہی ایک حصہ تھا اور اس کے جنوب میں واقع تھا) کے میدان میں تیار کیا گیا تھا اور وہیں پر اس کی کچی مٹی کی اینٹیں بنائی جاتیں اور جب سورج کی حدت سے وہ سوکھ جاتیں تو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کو اٹھا کر مقام تعمیر پر لاتے تھے۔ اس کام میں اشرف الانبیاء، سرور مرسلاں تاجدار مدینہ ﷺ برابر کے شریک رہے اور اگر کوئی اصحابی عرض کرتا کہ حضور میرے ماں باپ آپ پر فدا! لائیے یہ اینٹیں مجھے اٹھانے دیجئے تو رسول رحمت علیہ الف الف صلوٰۃ وسلام مسکرا کر فرما دیتے کہ اینٹیں تو بہت پڑی ہیں، وہاں سے اٹھا لیجئے۔ اس لحاظ سے اس مقدس ترین بقعہ ارض کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی تمام تر عمارت اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مبارک ہاتھوں سے مکمل ہوئی اور اس کا سنگ بنیاد شاہ دوسرا کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا۔

گارے اور مٹی سے بنی دیواروں کے ساتھ جن میں کھجور کے پتے اور ٹہنیاں استعمال ہوئی تھیں، یہ عمارت اس وقت کے مدینہ طیبہ میں شاید سب سے زیادہ سادہ سی عمارت تھی جو شہنشاہ دو عالم ﷺ نے اپنے لیے تعمیر کی تھی اور جہاں بعد میں صدیقہ بنت صدیقؓ اور حبیبہ حبیب رب ذوالجلال ﷺ ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ دلہن بن کر آئیں اور سرکار دو عالم ﷺ نے انکے ساتھ تقریباً نو سال تک اس حجرہ مطہرہ کو شرف قیام بخشا۔ اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے حجرات مبارکہ کا دیدار کیا ہوا تھا وہ بھی ان کی عمارتی سادگی کے معترف تھے جیسا کہ حضرت ابو امامہؓ نے حجرات نبویہ کے انہدام کے وقت فرمایا تھا: [اے کاش کہ ان حجرات مبارکہ کو جوں کا توں رہنے دیا جاتا تاکہ جب لوگ اپنے عالیشان گھروں کو تعمیر کرتے تو دیکھتے کہ وہ کس قسم کے گھر تھے جو اللہ رب العزت نے اپنے پیارے رسول

محتشم ﷺ کے لیے پسند فرمائے تھے جب کہ رب العزت سبحانہ وتعالیٰ قادر مطلق ہے اور اسی کے پاس دنیا و مافیہا کے خزائن کی کنجیاں ہیں.]

بعد میں ایسے ہی حجرات مبارکہ اس حجرہ مطہرہ کے مشرق، جنوب اور شمال میں تعمیر ہو گئے تھے جو کہ دوسری ازواج مطہرات اور امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین کے لیے تھے. سب کی سادگی یکساں تھی تقریباً تمام حجرات مبارکہ کھجور کی سوکھی ٹہنیوں کو مٹی میں گوندھ کر بنائے گئے تھے. نہ کوئی دنیاوی شان وشوکت اور نہ کوئی امتیاز. اگر کوئی امتیاز تھا تو صرف یہ تھا کہ وہ تمام حجرات مبارکہ ختمی مرتبت فخر موجودات ﷺ کی اقامت گاہیں تھیں. باقی حجرات مبارکہ کی طرح اس حجرہ مبارکہ کا بھی ایک دروازہ ہوتا تھا جو کہ شیشم کی لکڑی سے بنا ہوا تھا اور صرف ایک کواڑ پر مشتمل تھا. اس کے اوپر سیاہ رنگ کا اونی پردہ لٹکا رہتا تھا جس کی لمبائی تین ہاتھ (تقریباً ڈیڑھ میٹر) اور چوڑائی آدھا میٹر تھی. (۶) شمالی جانب بھی ایک دروازہ تھا جو قدرے چھوٹا تھا اور ایک برآمدے میں کھلتا تھا اور خاتون جنت سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے حجرہ مبارکہ کے سامنے کھلتا تھا. حضرت حریث بن الصائبؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت حسن البصریؒ (۲۱-۱۱۰ ہجری) سے سنا (۷) کہ وہ فرمایا کرتے تھے: [میں رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ میں داخل ہو جایا کرتا تھا اور اس وقت میں بلوغت کی دہلیز پر تھا اور میں اپنے ہاتھوں سے ان حجرات مبارکہ کی چھتوں کو چھولیا کرتا تھا. ہر گھر میں ایک کمرہ ہوا کرتا تھا...] (۸) انہی ایک کمرے کے کاشانہ ہائے اقدس میں چولہے بھی جلتے تھے اور انہی میں مقیم امہات المومنینؓ گھر کا کام کاج بھی کرتی تھیں. ابتدائی دنوں میں گھروں میں روشنی کے لیے کوئی چراغ نہیں ہوا کرتے تھے جیسا کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی حدیث مبارکہ سے واضح ہے. (۹) یہ صورت احوال شاید دو یا تین سال تک رہی تھی. سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کی شادی خانہ آبادی کے بعد تک ان کے حجرہ مبارکہ میں بھی چراغ نہیں تھا اور پھر سیدۃ النساءؓ کی فرمائش پر شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰؓ ایک چراغ لے کر آئے تھے. اس روایت سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ امہات المومنین کے گھروں میں کوئی دنیاوی روشنی کا انتظام نہیں تھا، ہاں مگر وہ تمام حجرات مبارکہ جن کا نام اللہ رب العزت کو اتنا پیارا لگا کہ اس نام کی ایک پوری سورۃ قرآن کریم میں نازل فرمادی، نور حبیب رب ذوالجلال ﷺ سے سراسر منور وتاباں تھے. ایک ہمدانی اصحابیہ تھیں جنہیں حضور ختمی مرتبت خاتم النبیین ﷺ کی معیت میں حج کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا. بیہقی نے ابو اسحاقؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ان اصحابیہ سے سوال کیا کہ رہبر جادہ حق ہادی جن وبشر ﷺ کے چہرہ انور کی کیفیت تو بیان کرو. جواب میں انہوں نے فرمایا: [چودھویں رات کے چاند کی مانند تھا جس کی نظیر نہ کبھی پہلے دیکھی نہ بعد میں] حضرت ابن ابی ہالہؓ کی حدیث مبارکہ میں ہے: [دیدار کرنے والوں کی نظر میں حضور اکرم ﷺ عظیم ترین بزرگ ہستی اور محتشم و معظم اور بارعب شخصیت تھے. گویا آپ حضور ﷺ کا چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن وتاباں تھا.]- مدارج النبوۃ حصہ اول - صفحات: ۱۳-۱۴. ایسی ہی ایک حدیث مبارکہ حضرت کعب بن مالکؓ سے مروی ہے. بے شک جہاں شمس الضحیٰ اور بدر الدجیٰ اور صاحب الجمال والکمال ﷺ کا جمال جہاں آرا منور وتاباں ہو وہ کاشانہ اقدس تو سراپا نور علیٰ نور ہوگا.

مواجہ شریف اور جالیاں

مغربی دروازے کے ساتھ ہی ایک کھڑکی بھی ہوا کرتی تھی جو کہ مسجد نبوی شریف میں کھلتی تھی. جب بھی حضور سرور دو عالم ﷺ مسجد میں اعتکاف فرماتے تو کبھی کبھار اپنا سر مبارک اسی کھڑکی سے اندر کی طرف کر دیتے اور ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ وہیں سے سر مبارک کو تیل لگا دیتیں اور کنگھی کر دیا کرتی تھیں. (۱۰) دروازے کے اوپر ایک روشندان بھی تھا جس کے آگے کپڑا پڑا رہتا تھا اور جہاں شادی ہو جانے کے بعد ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ اپنے کھلونے رکھ لیا کرتی تھیں.

شرقی جانب حجرہ بتول سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ میں کھلنے والا قدیم دروازہ، شاہان امت اسلامیہ جب کبھی حجرہ مطہرہ
میں حاضری کے لیے جاتے ہیں تو اسی دروازے سے گزر کر در اقدس میں حاضر ہوتے ہیں

الدر المنثور کے مطابق اس حجرہ مطہرہ کا رقبہ کچھ یوں تھا: شمالی دروازے سے لیکر جنوبی دیوار تک اس کی چوڑائی ۶ یا ۷ ہاتھ (کم و بیش ۳،۵ ۔ساڑھے تین میٹر) تھی اور شرقاً غرباً اس کی لمبائی دس ہاتھ (ذرع) یعنی ۵ میٹر سے زیادہ نہ تھی. البتہ امام المراغی کے مطابق اس بقعہ نور کا رقبہ کچھ اس طرح تھا: اس کا عرض ۶-۷ ذرع تھا جب کہ طول ۸ اور ۹ ذرع کے درمیان تھا. (۱۱) تاہم امام سمہودیؒ کی تحقیقات کے مطابق یہ حجرہ مبارکہ تقریباً مربع شکل کا تھا، لیکن وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی جنوبی دیوار (مواجہ شریف کی جانب کی دیوار) سب سے طویل تھی. شرقی اور غربی دیواریں یکساں تھیں اور پھر شمالی جانب کی دیوار اپنی متوازی دیوار سے طول میں تھوڑی سی کم تھی. حبیب کبریا محمد مصطفیٰ اور شاہ کونین ﷺ دنیاوی زندگی میں اس چھوٹے سے حجرے میں مقیم تھے مگر تاریخ عالم گواہ ہے کہ اسی چھوٹے سے حجرے سے نکلنے والی کرنوں نے دنیا کے دور دراز اور تیرہ و تار کونے بھی منور کر دیئے اور جس کے سامنے قیصر و کسریٰ کے محلات کی روشنیاں بھی ماند پڑ گئی تھیں. نور اسلام نے تاریخ بنی آدم کا دھارا کچھ اس طرح بدل کر رکھا کہ اب جب کہ تیسرا
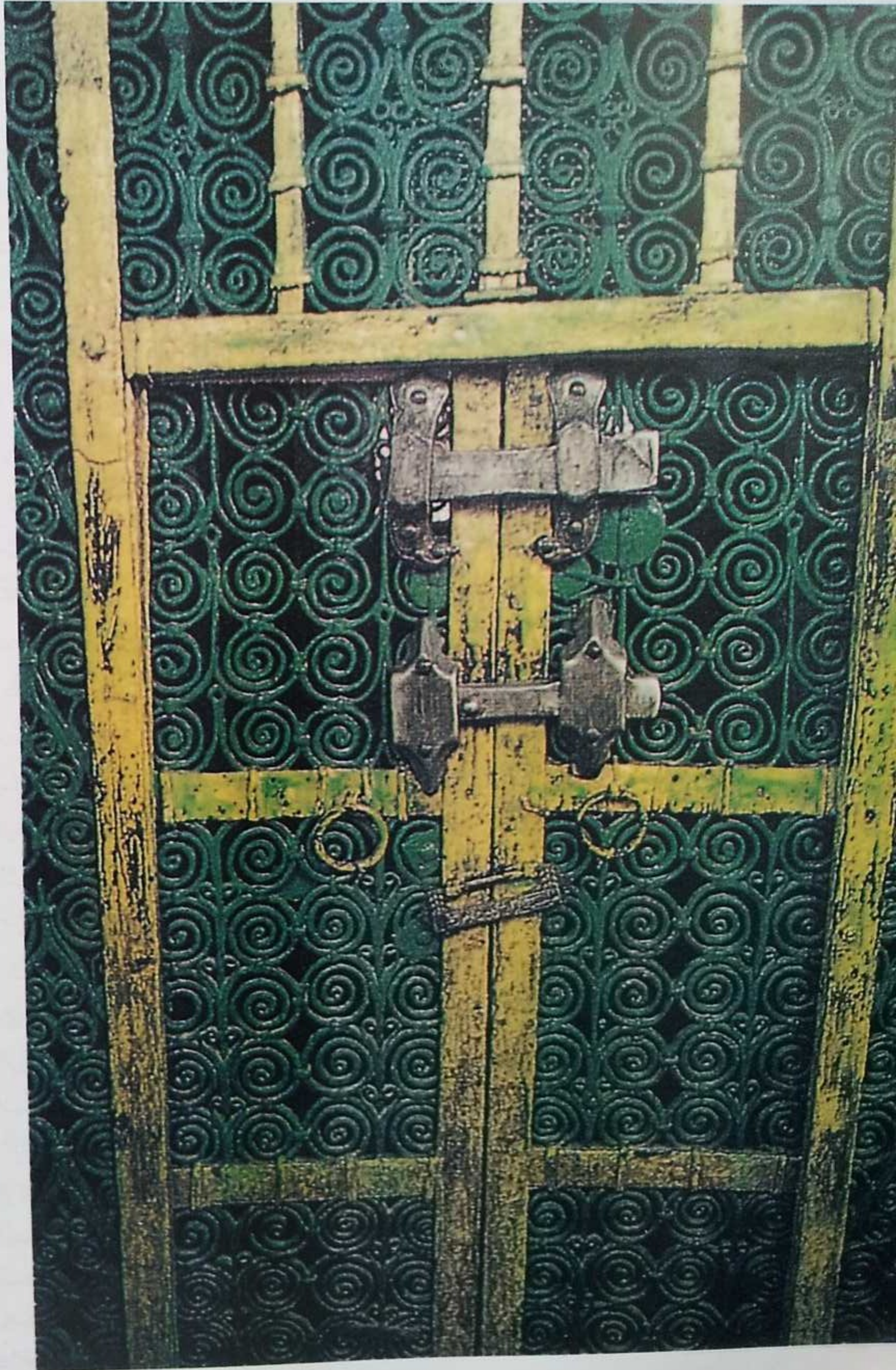
الفیہ (Millenium) شروع ہو چکا ہے اس وقت جان نثاران حبیب کبریا علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی تعداد سوا ارب نفوس سے تجاوز کر چکی ہے.

حضور نبی اکرم ﷺ کا سانحہ ارتحال اور حجرہ مبارکہ میں تدفین

یحییٰ نے امام مالکؒ سے اور انہوں نے یحییٰ بن سعیدؒ کی روایت سے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے بیان کیا ہے: میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے کمرے میں تین چاند اتر آئے ہیں. میں نے یہ خواب سیدنا ابوبکرؓ سے بیان کیا. وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا اور اسی حجرے میں آپ کے جسم اطہر کو دفنایا گیا تو ابوبکرؓ نے انہیں کہا: ''یہ پہلا چاند ہے جو تمہارے کمرے میں اترا ہے اور یہ تینوں میں سب سے افضل و بہتر چاند ہے!'' (۱۲)

حجرہ مطہرہ کی مغربی جانب ریاض الجنۃ کی جانب حجرہ مطہرہ کی دیوار جس میں باب الوفود اور اسطوانہ سریر، اسطوانہ وفود اور اسطوانہ الحرس نظر آ رہے ہیں

حجۃ الوداع سے واپسی پر دانائے سبل اور ختم الرسل ﷺ کو سر درد اور جسم مبارک میں درد کی شکایت ہوئی مرض آہستہ آہستہ بڑھتا گیا اور ماہ صفر ۱۱ ہجری کے اختتام کے قریب شدت اختیار کر گیا. حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت مویہبہؓ (جو کہ رسول اللہ ﷺ کے غلامان میں سے ایک تھے) سے روایت کی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے مجھے آدھی رات کے وقت طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس قبرستان - یعنی البقیع - میں جا کر وہاں مدفونین کے لیے دعا کروں اور پھر آپ حضور ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا حکم فرمایا. میں نے تعمیل کی، اور جب حضور والا شان ﷺ وہاں ٹھہرے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: [اے اہل قبور تم پر سلامتی ہو تم خوش قسمت ہو کہ تم ان سے بہتری میں رہے ہو جو کہ ابھی ہمارے پاس ہیں. اختلافات اور فتنے ظلام بحر کی طرح موج در موج امڈے چلے آرہے ہیں جو اندھیری رات سے بھی تاریک تر ہیں، ہر نیا فتنہ پہلے آنے والے فتنے سے بدتر ہے.] پھر آپ حضور ﷺ نے اپنا رخ اقدس میری طرف موڑا اور فرمایا: [مجھے دو پیش کشوں میں سے ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ چاہوں تو اس دنیا کے تمام خزانوں کی چابیاں اور حیات جاوداں لے لوں اور پھر اس کے بعد جنت میں جاؤں اور چاہوں تو اپنے رب کریم سے فوراً وصال حاصل کروں اور جنت میں جاؤں.] میں نے آپ حضور ﷺ سے مودبانہ عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ پہلی پیش کش کو قبول فرمالیجیے، لیکن آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے دوسری پیش کش کو اختیار فرمایا ہے. پھر آپ حضور ﷺ نے وہاں مدفونین کے لیے دعا فرمائی اور وہاں سے چلے آئے اور پھر اس کے بعد آپ حضور ﷺ کا مرض آخر شروع ہو گیا. (۱۳)

ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے: [اپنی علالت کے دوران رسول اللہ ﷺ مکرر فرماتے تھے: 'میں آج کہاں ہوں؟ میں کل کس کے ہاں ہوں گا؟ اور میں اپنی باری کی شدت سے منتظر تھی. پھر میری باری آگئی. اللہ رب العزت نے آپ کی روح اقدس کو میرے ہی گھر سے پرواز کروایا ایسی حالت میں کہ جب آپ حضور ﷺ کا سر اقدس میری جھولی اور بانہوں میں رکھا تھا اور پھر آپ حضور ﷺ کو میرے ہی گھر میں دفن کیا گیا. (۱۴) صحیح مسلم میں دی گئی ایک اور حدیث مبارکہ میں جو کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے ہی مروی ہے یہ بیان کیا گیا ہے: [اللہ کے رسول ﷺ اپنی مرض آخر میں استفسار فرماتے: میں کل کس کے ہاں ہوں گا؟ میں کل کس کے ہاں ہوں گا؟ اور پھر جب آپ میرے حجرے میں تشریف لائے تو آپ حضور ﷺ کی روح اقدس اسی جگہ سے عالم بالا میں لے جائی گئی اور آپ حضور ﷺ کا سر اقدس میری بانہوں میں تھا.] (۱۵)

فتح خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے بھنے ہوئے گوشت میں زہر ملا کر رسول اللہ ﷺ کو پیش کر دیا تھا. ابھی حضور رسالت

تاب ﷺ نے ایک یا دو لقمے ہی تناول فرمائے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے. ایک اصحابی (حضرت بشر بن البراء بن المعرور الانصاری ؓ) جنہوں نے اس بھنے ہوئے گوشت میں سے چند مزید نوالے لے لیے تھے موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے. اپنی مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ: [وہ درد والم جو میرے جسم میں ہے وہ اسی زہر کا اثر ہے اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ میری انتڑی کو کاٹ رہا ہے.] (۱۶) یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے سیرۃ نگاروں کی متفقہ رائے میں (جن میں ابن اسحاق جیسی شخصیتیں شامل ہیں) حضور نبی اکرم ﷺ مقام رسالت کے ساتھ ساتھ درجہ شہادت پر بھی فائز ہوئے کیونکہ زہر کے اثر سے ہونے والی موت شہادت کی موت ہوتی ہے. حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ اور حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ ان جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل ہیں جو اسی رائے کے حامل تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو اسی زہر کی وجہ سے شہادت کے مرتبے پر فائز سمجھنا چاہئے. (۱۷)

ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ سے مروی ہے: [ایک دفعہ فاطمہ ؓ چل کر آپ حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں؛ ان کی چال بالکل رسول اللہ ﷺ کی چال سے ملتی جلتی تھی. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مرحبا اے جان پدر] پھر آپ حضور ﷺ نے کمال شفقت سے ان کو اپنے دائیں یا بائیں طرف بٹھایا اور پھر ان کو بہت آہستہ سے کچھ راز کی بات بتائی جس پر انہوں نے رونا شروع کر دیا تب میں نے پوچھا: آپ کیوں رو رہی ہیں؟ اتنی دیر میں آپ حضور ﷺ نے ان کو کچھ اور راز کی بات بتائی تو انہوں نے ہنسنا شروع کر دیا. اس پر میں نے تعجب سے کہا: ''میں نے خوشی اور غمی کے اظہاروں کو اتنا قریب کبھی نہیں دیکھا!'' میں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو کیا فرمایا تھا؟ تو آپ نے فرمایا: [نہیں میں رسول اللہ ﷺ کی راز کی بات نہیں بتاؤں گی.] جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال پر ملال ہوا تو میں نے ان سے پھر پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر سال جبریل امین مجھ سے ایک بار قرآن کریم کی تلاوت سماعت کرتے تھے مگر اس سال انہوں نے دو مرتبہ سماعت کی ہے. میرا خیال ہے کہ اس کا مطلب میری موت ہے اور میرے اہل بیت میں سب سے پہلے مجھے تم آ کر ملو گی.] اس پر مجھے بے اختیار رونا آ گیا. پھر آپ حضور ﷺ نے فرمایا: [کیا تم تمام اہل جنت عورتوں کی سردار یا تمام مومنات کی سیدۃ ہونا نہیں چاہو گی؟] اس وجہ سے میں ہنسنے لگی تھی.] (۱۸)

کاشانہ اقدس پر سبز گنبد کی ۱۹۸۴ء میں لی گئی ایک تصویر

رسول اللہ ﷺ کی اندوہناک وفات کی خبر مدینہ طیبہ میں چاروں طرف آناً فاناً پھیل گئی اور پورا مدینہ طیبہ غم واندوہ کے بحر بیکراں میں ڈوب گیا. ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر جو اس وقت آقائے نامدار ﷺ کے قریب تھے ایک طرح کا سکتہ طاری ہو چکا تھا. کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ موت نے رسول اللہ ﷺ اور ان کی امت کے درمیان برزخ کا ضخیم ودبیز پردہ کھڑا کر دیا تھا. بہت سے اصحابہ کرام تو یہ یقین کرنے پر ہی تیار نہ تھے. سیدنا عمر فاروق ؓ جیسی قوی الاعصاب شخصیت بھی اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور وہ تلوار نیام سے باہر نکال کر کہنے لگے کہ اگر کوئی یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے تو وہ اسے قتل کر دیں گے. با آواز بلند انہوں نے یہ تک کہہ دیا تھا کہ: [اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا!] ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے: [اللہ کے رسول ﷺ کی روح اقدس نے اس وقت پرواز کیا جب کہ ابو بکر ؓ 'السنح' میں جہاں ان کا ایک گھر ہوا کرتا تھا گئے ہوئے تھے. سیدنا عمر فاروق ؓ (شدت جذبات میں) کھڑے ہو کر کہہ رہے تھے: [اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا!]. بعد میں سیدنا عمر فاروق ؓ نے بیان کیا کہ: [اللہ کی قسم مجھے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا سوائے اس بات کے کہ میں کہے جا رہا تھا: [یقیناً اللہ آپ (یعنی رسول اللہ ﷺ) کو دوبارہ زندہ کر دے گا اور آپ حضور ﷺ واپس آ کر کچھ لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے.] ابن اسحاق کے الفاظ میں: ''حضرت سعید بن المسیب ؓ کے بیان کے مطابق جو کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت پر مبنی

ہے، جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو سیدنا عمرؓ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: [کچھ بے حس لوگ یہ کہیں گے کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے، لیکن اللہ کی قسم ان کا انتقال نہیں ہوا. آپ حضور اپنے اللہ کے پاس ایسے ہی گئے ہیں جیسے کہ موسیٰ بن عمرانؑ چالیس دن کے لیے اپنے رب کے پاس چلے گئے تھے مگر ان کی قوم کو کچھ پتہ نہیں تھا اور انہوں نے مشہور کر دیا تھا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں. اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ بھی ویسے ہی واپس تشریف لے ائیں گے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور پھر آپ حضور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں توڑ دیں گے جو ایسی باتیں کرتے ہیں.] (۱۹)

اسی اثناء میں سیدنا ابوبکر صدیقؓ واپس آ گئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس سے رداء مبارک اٹھائی اور آپ کی جبین طاہرہ کو بوسہ دیا اور یوں گویا ہوئے: [یا رسول اللہ میرے ماں اور باپ آپ پر قربان! حیات و موت دونوں میں آپ کا حسن لازوال یکساں ہے. اللہ کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے، آپ کو دوبارہ موت کا ذائقہ نہیں چکھنا پڑے گا.] پھر آپ باہر تشریف لے آئے اور فرمایا: [اے قسم کھانے والے (یعنی سیدنا عمر فاروقؓ) جلدی مت کرو. جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ خطاب فرما رہے تھے تو سیدنا عمر فاروقؓ بیٹھ گئے.] (۲۰) بخاری شریف کی ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی وفات کی جانکاہ خبر ملتے ہی سیدنا ابوبکر صدیقؓ حبیب کبریاء ﷺ کے گھر جو کہ اس وقت غم و اندوہ کے سمندر میں ڈوب چکا تھا حاضر ہوئے. جونہی آپ گھر میں داخل ہوئے آپ کی نظر رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر پر پڑی جو بردہ شریف میں لپٹا ہوا تھا. وہ یوں گویا ہوئے: [میرے ماں باپ آپ پر قربان، کتنی بابرکت تھی آپ کی حیات طیبہ اور کتنے خوبصورت لگتے ہیں آپ موت کے بعد بھی، آپ کو دوبارہ موت کا ذائقہ نہیں چکھنا ہوگا.] (۲۱) اس کے بعد انہوں نے اپنے آقا و مولا شہ لولاک ﷺ کی جبین طاہرہ کو بوسہ دیا جو کہ اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے تھے. (۲۲) غم سے نڈھال لڑکھڑاتے ہوئے ابوبکر صدیقؓ رسول

زمہجوری برآمد جان عالم
ترحم یا نبی اللہ ترحم

اللہ ﷺ کے حجرہ مطہرہ سے باہر نکلے اور اعلان کیا کہ:

''اے لوگو جو کوئی محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو اس کو جان لینا چاہئے کہ آپ حضور ا انتقال فرما چکے ہیں لیکن جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ حی و قیوم ہے اور اس کو کبھی موت نہیں آئے گی.'' (۲۳)

اس کے بعد انہوں نے قرآن کریم کی آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿(اے محمد) بیشک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے.﴾ (۲۴)

اور

﴿محمد تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی ہو چکے. اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہوں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھر جاؤ گے تو تم اللہ کا کچھ نقصان نہ کر پاؤ گے.﴾ (۲۵)

ان الفاظ پر لوگوں کو قدرے سکون ہوا، مگر پھر بھی ہر کوئی غم و اندوہ کی تصویر بنا ہوا تھا. شدت حزن سے سب کی زبانیں گنگ ہو چکی تھیں. ہر طرف سسکیوں کی آوازیں تھیں. بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق لوگ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے. (۲۶) کچھ پر غشی طاری ہو چکی تھی اور کچھ آہ و بکاہ کر رہے تھے. سیدنا عمر ابن الخطابؓ کے الفاظ میں: [واللہ جب میں نے ابو بکرؓ کے (مندرجہ بالا) الفاظ سنے تو میری ٹانگیں جواب دے گئیں اور جونہی انہوں نے اعلان کیا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں تو میں زمین پر گر گیا. (۲۷) اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین گروہ در گروہ دھاڑیں مارتے ہوئے مسجد نبوی کی طرف دوڑے آ رہے تھے. ہر طرف آہ و زاری تھی اور کسی کو کچھ نہیں سوجھتا تھا کہ کیا ہو گا. اسی اثناء میں عم رسول حضرت عباس ابن عبد المطلبؓ بھی حجرہ اطہر سے باہر تشریف لائے اور اعلان کیا: [اے لوگو رسول اللہ ﷺ انتقال فرما چکے ہیں.] پھر جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قدرے سنبھلے تو رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا جانے لگا.

یحیٰ بروایت حضرت مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال پر ملال پیر کے دن ہوا اور آپ حضور ﷺ کو منگل کو دفن کیا گیا (البتہ ابن اسحاق اور دیگر روایات کے مطابق بروز بدھ رات کے وقت۔ جیسا کہ آگے آئے گا) اور یہ کہ لوگوں نے فرداً فرداً نماز جنازہ ادا کی اور کسی نے امامت نہ کروائی بعض کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کے منبر شریف کے پاس دفن کیا جائے اور کچھ کا خیال تھا کہ جنت البقیع میں دفن کیا جائے. سیدنا ابو بکر صدیقؓ آئے تو فرمانے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: [کوئی نبی بھی اس جگہ کے علاوہ کہیں نہیں دفنائے گئے سوائے اس جگہ کے جہاں پر ان کی روح پرواز ہوئی ہو.] لہذا آپ کی قبر اطہر بھی اسی جگہ کھودی گئی. جب غسل دینے کے لیے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ حبیب رب ذوالجلال ﷺ کے جسم اطہر سے قمیص مبارکہ اتاری جائے تو انہوں نے ایک آواز سنی: [ان کی قمیص نہ اتاری جائے!] لہذا آپ حضور ﷺ کی قمیص مبارکہ نہ اتاری گئی.] (۲۸)

سنن ابی داؤد میں شامل ایک حدیث مبارکہ کے مطابق ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے: [بخدا ہمیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آپ کی قمیص اتاری جائے یا نہ جیسا کہ ہم دیگر میتوں کے بارے میں کرتے ہیں، یا یہ کہ قمیص سمیت آپ حضور ﷺ کے جسم اطہر کو غسل دے دیا جائے. جب لوگوں کا آپس میں اختلاف ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر غنودگی طاری کر دی یہاں تک کہ سب کی ٹھوڑیاں ان کے سینوں سے لگ رہی تھیں. پھر گھر کے ایک کونے سے ایک ندا آئی اور کسی کو کچھ پتہ نہ چل سکا کہ بولنے والا کون تھا: [رسول اللہ ﷺ کو جس لباس میں آپ ملبوس ہیں انہیں میں غسل دیا جائے.] لہذا انہوں نے قمیص کے اوپر ہی پانی ڈالا اور آپ کے جسم اطہر کو آپ کی قمیص کے ساتھ ہی

اپنے ہاتھوں سے ملا.] (۲۹) سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے آپ کو غسل دیا جب کہ حضرت فضل بن عباسؓ نے ان کی اس کام میں معاونت کی. آپ حضور ﷺ کو تین بار غسل دیا گیا. شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے آپ حضور ﷺ کے جسم اطہر کو اپنی چھاتی پر لے لیا اور حضرت عباسؓ، حضرت فضل ابن عباسؓ اور حضرت قثمؓ آپ کے جسم اطہر کو کروٹ دلوا رہے تھے. حضرت قثمؓ، حضرت اسامہؓ اور حضرت شقرانؓ آپ کے جسم اطہر پر پانی ڈال رہے تھے جب کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ آپ کو اپنی چھاتی پر ڈال کر غسل دے رہے تھے. آپ حضور ﷺ کی قمیص مبارکہ آپ کے جسم اطہر پر تھی جس کے باہر سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ آپ کے جسم اطہر کو ملتے تھے اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے جا رہے تھے: [اے وہ ذات جو کہ مجھے اپنے ماں باپ سے بھی پیاری ہے، آپ حیات و موت میں کتنے حسین و جمیل ہیں!] (۳۰) وہ پانی جس سے آپ حضور ﷺ کو غسل دیا گیا وہ آپ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق خاص طور پر قباء میں واقع بیر غرس سے لایا گیا تھا. (۳۱) کافور اور مشک آپ حضور ﷺ کے جسم اطہر پر ملا گیا. حضرت ہشام بن عروہؓ نے اپنے والد حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت کی ہے کہ: [جب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارکہ نے پرواز فرمایا تو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے گفتگو کرنی شروع کی کہ کہاں دفن کیا جائے تو سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: [آپ حضور ﷺ کو اسی جگہ دفنایا جائے جہاں سے آپ حضور ﷺ کی روح مبارکہ پرواز ہوئی تھی.] (۳۲) لہذا آپ کی چارپائی کو اس جگہ سے ہٹایا گیا اور آپ حضور پرنور ﷺ کو اسی جگہ دفن کیا گیا.] (۳۳) سیدنا علی ابن ابی طالبؓ اور سیدنا ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ آپ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اسی جگہ دفن ہوئے جہاں پر ان کی ارواح قبض ہوئی تھیں. (۳۴)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ کو تین نجرانی کپڑوں میں کفن دیا گیا: جن میں سے ایک تو آپ کی قمیص مبارکہ تھی اور دو کپڑے اور تھے.] (۳۵) ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ کو تین سفید یمنی کپڑوں میں کفن دیا گیا جن کو سحولیہ کہا جاتا تھا.] (۳۶)

ابن الجوزی نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے جو نبی اکرم ﷺ کا جنازہ پڑھے جانے سے متعلق ہے. جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ حضور ﷺ کا جنازہ کس طرح پڑھایا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جب تم میرے غسل اور کفن سے فارغ ہو چکو تو مجھے میرے اس گھر میں میری قبر کے سرہانے چھوڑ دینا. مجھے تخلیہ میں ایک ساعت (گھنٹہ) تک اکیلا چھوڑ دینا. اللہ کی مخلوق آئے گی اور جبریل امین میرا جنازہ پڑھیں گے، پھر میکائیل آئیں گے، پھر اسرافیل اور پھر ملک الموت آئیں گے اور بہت سوں کے ساتھ میری نماز جنازہ پڑھیں گے. پھر اس کے بعد دیگر تمام فرشتے میری نماز جنازہ پڑھیں گے.] (۳۷) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے ایک اور بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کے اہل خانہ میں سے مرد حضرات آپ حضور ﷺ کو غسل دیں. آپ نے فرمایا تھا: [مجھے یمنی یا مصری کپڑے میں کفنانا اور کفن کے بعد مجھے میری قبر کے دہانے اکیلا چھوڑ دینا اور سب لوگ باہر چلے جائیں تا کہ فرشتے آئیں اور فرداً فرداً میری نماز جنازہ پڑھیں اور اس کے بعد میرے اہل خانہ علیحدہ علیحدہ میری نماز جنازہ پڑھیں اور پھر باقی کے لوگ فرداً فرداً نماز جنازہ پڑھیں.] (۳۸)

حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کے دروازے کا قدیم تالا

حضرت جعفر صادقؒ کے مطابق وہ اصحابی جنہوں نے آپ حضور ﷺ کی قبر اطہر کھودی تھی وہ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ تھے. (۳۹) اس وقت دو اصحابی مدینہ طیبہ میں گورکنی کے فرائض انجام دیتے تھے: حضرت ابوعبادہ بن الجراحؓ اور حضرت ابوطلحہ الانصاریؓ. حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے دونوں کو طلب فرمایا. حضرت ابوطلحہؓ پہلے حاضر ہو گئے اور انہیں یہ فخر حاصل ہوا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کھودی. قبر مبارک لحد کے ساتھ کھودی گئی تھی اور اس کو اینٹوں سے بند کیا گیا تھا. (۴۰) سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ اور (بعض روایات کے مطابق) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ قبر اطہر میں اترے اور آپ حضور ﷺ کے جسم اطہر کو قبر اطہر میں لٹایا. حضرت شقرانؓ مولی رسول اللہ ﷺ نے قطیفہ (وہ شال جو حضور نبی اکرم ﷺ اوڑھا کرتے تھے) قبر اطہر میں یہ کہتے ہوئے رکھ دی کہ [آپ حضور ﷺ کے بعد اسے بھلا کون پہن سکتا ہے؟] (۴۱) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا جسم اطہر قبر شریف میں اس طرح اتارا گیا کہ حضور والا شان ﷺ کا سر مبارک پہلے تھا. (۴۲) بیہقی کی ایک روایت کے مطابق جونہی رسول اللہ ﷺ کا جسم اطہر قبر شریف میں لٹایا گیا تو لحد کا دہانہ مٹی سے بنی نو عدد اینٹوں سے بند کیا گیا تھا. (۴۳) حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے: [بلاشک رسول اللہ ﷺ کو لحد والی قبر میں دفن کیا گیا اور لحد کے دہانے کو مٹی کی اینٹیں کھڑی کر کے بند کیا گیا اور قبر اطہر کی اونچائی زمین سے ایک بالشت تھی. (۴۴) رسول اللہ ﷺ کو بدھ کے دن رات کو دفن کیا گیا. (۴۵)

حضرت محمد بن عمرؓ سے مروی ہے: [جب بالآخر رسول اللہ ﷺ کا جسم اطہر چارپائی پر رکھ دیا گیا (تجہیز و تکفین کے بعد) تو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: [بطور امام کوئی بھی آپ حضور ﷺ کے جنازے کی امامت نہیں کرائے گا کیونکہ حضور رسالت مآب تو حیات و ممات دونوں حالتوں میں خود تمہارے امام ہیں لہذا لوگ گروہ در گروہ کاشانہ اطہر میں داخل ہوتے رہے اور صف بندی کر کے بغیر کسی امام کے نماز ادا کرتے رہے. سب ہی فرداً فرداً تکبیریں کہتے تھے. سیدنا علی کرم اللہ وجہہ جنازے کے ایک طرف کھڑے یہ کہتے رہے: [یا رسول اللہ آپ پر اللہ کا صلوٰۃ و سلام ہو. اے اللہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ جو کچھ بھی آپ پر اتارا آپ حضور ﷺ نے ہم تک پہنچا دیا، آپ حضور ﷺ نے حق تبلیغ ادا کیا اور اللہ کی راہ میں جہاد میں مشغول رہے یہاں تک کہ اللہ نے اپنے دین کی تکمیل کی اور وحی کو مکمل کر دیا. اے اللہ ہمیں اس پر ثابت قدم رکھنا جو کہ تو نے اپنے رسول پر اتارا اور آپ حضور ﷺ کے جانے کے بعد ہمیں اپنے دین پر اور آپ حضور ﷺ کی اتباع پر ثابت

قدم رکھنا تمام لوگ 'آمین' کہہ رہے تھے یہاں تک کہ تمام مرد حضرات نے نماز جنازہ ختم کی اور پھر عورتوں اور پھر بچوں نے نماز جنازہ تمام کی.(۴۶) سب سے پہلے بنو ہاشم کے افراد نے نماز جنازہ ادا کی، پھر مہاجرین نے اور پھر انصار نے اور پھر ان کے بعد مدینہ طیبہ کے دیگر لوگوں نے.اس کے بعد خواتین اور پھر بعد میں بچوں نے نماز جنازہ ادا کی.(۴۷) یحییٰ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی جنہوں نے قطار اندر قطار کھڑے ہو کر نماز ادا کی مگر ان میں سے کوئی بھی امام نہیں تھا، پھر اس کے بعد آپ حضور ﷺ کے اہل خانہ نے اور پھر دوسروں نے.(۴۸)

حضرت جعفر الصادق ؒ نے اپنے والد حضرت باقر ؒ سے روایت کی: [حضور والا شان ﷺ کی قبر اطہر پر پانی چھڑکا گیا اور العرصہ سے لا کر باریک کنکریاں (جن میں ریت ملی ہوئی تھی) اوپر ڈال دی گئیں.(۴۹) قبر اطہر سطح زمین سے دو بالشت اونچی تھی، (جو تقریباً آدھے میٹر کے برابر ہوتی ہے).(۵۰) رزین العبدری الاندلسی کے قول کے مطابق قبر اطہر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا.حضرت بلال ابن رباح ؓ پانی کا مشکیزہ لے کر آئے اور سرہانے کی طرف سے قبر اطہر پر پانی چھڑکنا شروع کیا اور پھر سرخ و سفید ریت جس میں چھوٹے چھوٹے سنگریزے ملے تھے اور جو کہ وادی العقیق کے العرصہ کے علاقے سے لائے گئے تھے، قبر اطہر پر بچھا دیئے گئے.(۵۱) حضرت غنیم بن بسطام المدنی ؒ کا قول ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ کی گورنری کے دور میں دیکھا تھا.اس وقت اس کی سطح زمین سے اونچائی چار انگلیوں کے برابر تھی.(۵۲)

حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم اطہر کو دفن کرنے کے بعد جب حضرت انس بن مالک ؓ حجرہ خاتون جنت سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پردے کے پیچھے سے ان سے فرمایا: ''انس تم سے یہ کیسے ہوا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر پر مٹی ڈال کر آگئے ہو؟''(۵۳) اسی طرح اپنے خاوند شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے یوں گویا ہوئیں: ''اے ابوالحسن آپ نے رسول اللہ ﷺ کو دفنا دیا کیا؟'' اور جواب میں شیر خدا علی المرتضیٰ ؓ نے کہا: ''ہاں! اللہ کے امر سے کوئی مفر نہیں.''(۵۴) سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر پانی چھڑکا جا چکا تو غم سے نڈھال سیدۃ فاطمۃ الزہراء ؓ حجرہ مطہرہ میں آئیں.انہوں نے قبر اطہر سے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور اپنی آنکھوں پر رکھ کر بے ساختہ رو پڑیں اور یہ شعریہ کلمات کہے:

ماذا علی من شم تربت احمد	ان لا یشم مدی الزمان غوالیا
صبت علی مصائب لو انها	صبت علی الایام عدن لیالیا
جو بھی احمد مصطفیٰ ﷺ کی قبر اطہر کی مٹی سونگھ لے	اسے ساری عمر کسی اور خوشبو سونگھنے کی ضرورت نہیں
میرے اوپر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں	ایسے مصائب کہ اگر کسی دن پر نازل ہوتے تو وہ سیاہ رات میں بدل جاتے

ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء نے یہ رباعی بھی کہی تھی:

انا فقدنا کفقد الارض وابلها	وغاب مذغبت عنا الوحی والکتب
فلیت قبلک کان الموت صادفنا	لما نعیت و حالت دونک الکثب

آپ کا ہم سے چلے جانا ایسا ہے جیسا کہ روئے زمین کا مالک چلا گیا ہو — اور ہم سے کتاب اللہ اور وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا

اے کاش کہ آپ سے پہلے ہمیں موت اچک لیتی — آپ کے سانحہ ارتحال کی خبر ہمارے اور آپ کے درمیان (قبر اطہر کے) ٹیلے کی شکل میں حائل ہو گئی ہے

(بحوالہ: ابن عبدربہ (ت: ۳۲۸ ہجری)، العقد الفرید۔الجزء الثالث۔دار الفکر۔دمشق، ص: ۱۷۱)

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کو رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر سب سے پہلا زائر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہی نہیں بلکہ سب سے پہلا مرثیہ بھی مندرجہ بالا رباعیوں کی صورت میں انہیں کے منہ سے نکلا تھا تمام اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین (مثلاً سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، حضرت عباس ابن عبدالمطلبؓ، حضرت کعب ابن مالکؓ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبداللہ بن انیسؓ، اور عمۃ رسول اللہ ﷺ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلبؓ وغیرہ) نے دلدوز مرثیے کہے جو کہ عربی ادب میں مرثیہ گوئی کی صنف میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ مرثیے مدح و نعت گوئی کی جان بھی ہیں۔(۵۵) رسول اللہ ﷺ کی اندوہناک وفات پر حضرت حسان ابن ثابتؓ، شاعر دربار رسالت، نے بہت سے طویل مرثئے کہے جن میں سے مندرجہ ذیل اشعار قارئین کی خدمت میں پیش ہیں:۔(۵۶)

کان الضیاء و کان النور نتبعہ — بعد الالہ و کان السمع و البصرا

فلیتنا یوم واروہ بملحدہ — و غیبوہ و القوا فوقہ المدرا

لم یترک اللہ منا بعدہ احدا — و لم یعش بعدہ انثیٰ ولا ذکرا

ذلت رقاب بنی النجار کلھم — و کان امراً من امر اللہ قد قدرا

آپ حضور ﷺ ایک ایسا نور مجسم تھے جس کا ہم اتباع کرتے ہیں — رب ذوالجلال کے بعد آپ ہی ہماری دیکھ بھال کرتے اور ہماری سنتے تھے

اس دن انہوں نے آپ کے جسم اطہر کو قبر میں لٹا دیا — اور آپ کی لحد پر مٹی ڈال کر آپ کو ہماری نظروں سے اوجھل کر دیا

اے کاش کہ اللہ نے ہمیں زندہ نہ رہنے دیا ہوتا — اور کوئی مرد اور عورت یہ غم سہنے کے لیے باقی نہ بچے ہوتے

بنو نجار کو جو عزت ملی تھی وہ (آپ کے جانے سے) جاتی رہی — لیکن کیا کیا جا سکتا ہے، اللہ نے ہماری تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا!

سب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین غم کی تصویر بنے ہوئے گم سم سے ہو گئے تھے اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہے تھے؛ کوئی ڈھارس بندھانے والا نہیں تھا حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ: [جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو مدینہ طیبہ اندھیرے میں ڈوب گیا اور کسی کو کچھ سجھائی نہ دیتا تھا اور فرط غم سے بعض تو پاس کھڑے ہوئے دوسروں کو بھی دیکھ نہیں سکتے تھے بعض کو تو اپنے ہاتھ بھی نظر نہیں آتے تھے۔ ہم بمشکل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے فارغ ہوئے ہوں گے کہ ہمارے دل و دماغ پر غم و اندوہ کے گھرے بادل چھا گئے۔](۵۷) سب سے زیادہ غم تو حضور رسالت مآب سے بچھڑنے کا تھا کیونکہ اب آپ کا نورانی چہرہ اقدس ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ ایک صحابی، حضرت عبداللہ ابن زیدؓ، تو سجدے میں گر کر رب ذوالجلال والاکرام سے گڑگڑا کر التجاء کر رہے تھے کہ صاحب الجمال اور سید البشر ﷺ کے بعد وہ کسی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتے اور اس لیے دعائیں مانگ رہے تھے کہ اے اللہ میری بینائی واپس لے لے اور ایسا ہی ہوا۔ والہانہ عشق کی اس سے زیادہ اور کیا مثال مل سکتی ہے؟

بمصداق: تجھے دیکھ کر پھر نہ دیکھوں کسی کو — نگاہوں کو اس درجہ مجبور کر دے

سجدے سے سر اٹھایا تو آنکھوں سے بینائی غائب تھی اور اللہ کریم نے ان کی یہ آرزو پوری کر دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے چلے جانے کے بعد وہ کسی انسان کا چہرہ نہ دیکھ پائیں۔

ما سلطنت بہ کوچۂ جاناں فروختیم
مورے حقیر را بہ سلیمان فروختیم

محدثین اور دور حاضر کے ناقدین حدیث دونوں کا ایک حدیث مبارکہ پر اتفاق ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: [انسان وہیں دفن ہوتا ہے جہاں سے اس کی مٹی لیکر اسے بنایا جاتا ہے.] حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا جس کی ناف میں اس جگہ کی مٹی نہیں ڈال دی جاتی جہاں سے وہ پیدا ہوا ہوتا ہے. پھر جب وہ اپنے آخری ایام کو پہنچتا ہے تو اسے اس جگہ کی طرف بھیج دیا جاتا ہے جہاں سے اس کی پیدائش کی مٹی لی گئی ہو اور پھر وہ مر کر اسی مٹی میں دفن ہوتا ہے. اور بلاشک میں، ابوبکر اور عمر ایک ہی مٹی سے بنائے گئے ہیں اور ایک ہی مٹی میں دفن ہوں گے.] (۵۸) اس حدیث مبارکہ میں بہت لطیف سا اشارہ اس قرآنی آیت کریمہ کی طرف ہے جس میں فرمان الٰہی ہے: [ہم نے اسی (مٹی) سے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے.] (۵۹) اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کا خمیر ایک ہی مٹی سے یعنی حجرہ مطہرہ کی مقدس مٹی سے تھا اور پھر اپنی اپنی باری پر تینوں اسی بقعہ نور میں مدفون ہوئے. (۶۰)

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا انتقال پر ملال اور ان کی حجرہ مطہرہ میں تدفین

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا انتقال پر ملال ۶۳ سال کی عمر میں ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو پیر کے دن ہوا. وفات سے پہلے آپ تقریباً دو ہفتہ تک بستر علالت پر رہے تھے. (۶۱) دوران علالت آپ کا قیام اپنے اس گھر میں تھا جو کہ مسجد نبوی کی شرقی جانب باب جبریل کے سامنے تھا. آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو آپ کی زوجہ محترمہ سیدۃ اسماء بنت عمیسؓ اور آپ کے فرزند ارجمند عبدالرحمٰنؓ نے غسل دیا تھا. تجہیز و تکفین کے بعد آپ کا جنازہ مسجد نبوی میں اسی چارپائی پر لایا گیا جس پر رسول خدا ﷺ بوقت وفات محو استراحت تھے. (۶۲) سیدنا عمر فاروقؓ نے مسجد نبوی میں نماز جنازہ ادا کروائی جب کہ آپ کا جنازہ منبر رسول ﷺ کے پاس رکھا ہوا تھا. حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر اطہر کے قریب لحد والی قبر کھودی گئی اور سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان بن عفانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے آپ کے جسم اطہر کو قبر میں اتارا. (۶۳)

حضرت عروہ بن زبیرؓ نے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے: [میں ابوبکرؓ کے پاس ان کے مرض موت کے دوران گئی اور انہوں نے مجھ سے استفسار کیا: رسول اللہ ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا؟ انہوں نے کہا: ''سحولیہ کے بنے تین کپاس کے سفید کپڑوں میں اور ان میں کوئی بھی نیچے پہننے والا کپڑا نہ تھا اور نہ ہی آں حضرت ﷺ کو عمامہ پہنایا گیا!'' اس پر ابوبکرؓ نے پوچھا: ''رسول اللہ ﷺ کی وفات کس دن ہوئی تھی؟'' انہوں نے جواب دیا: [آپ کا انتقال پیر کے روز ہوا تھا.] آپ نے پھر پوچھا: ''آج کونسا دن ہے؟'' انہوں نے جواب دیا: [آج پیر کا دن ہے.] جس پر آپ نے فرمایا: [مجھے امید ہے کہ آج صبح اور رات کے دوران میرا انتقال ہو جائے گا.'' پھر آپ نے اس کپڑے کی طرف دیکھا جو زیب تن تھا اور اس کے اوپر کچھ زعفران کے دھبے تھے. آپ نے فرمایا: ''اس کپڑے کو دھو ڈالو اور اس کے ساتھ دو اور کپڑے ملا لو اور انہیں تین کپڑوں میں مجھے کفن دے دینا'' میں نے کہا: ''یہ تو پھٹ چکا ہے.'' اس پر آپ نے فرمایا: [نئے کپڑے پر پہننے کا زیادہ حق ایک زندہ آدمی کا ہوتا ہے بہ نسبت ایک مردہ کے، اور پھر کفن تو بدن کی رطوبتوں کے لیے ہی ہوتا ہے......'' (۶۴)

ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے: [جب میرے والد ابوبکرؓ بیمار ہوئے تو یہ وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد میری میت روضہ اقدس پر لے جا کر عرض کر دینا کہ یہ ابوبکر ہے جو آپ کے قریب دفن ہونے کی تمنا رکھتا ہے. اگر وہاں سے اجازت ہو جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور اجازت نہ ہو تو بقیع میں دفن کر دینا. چنانچہ آپ کے وصال کے بعد وصیت کے مطابق جنازہ وہاں لے جا کر معروضہ پیش کر دیا گیا. وہاں سے ہمیں ایک آواز آئی، لیکن کوئی آدمی بولنے والا نظر نہیں آ رہا تھا، کہ انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ اندر لے آؤ.] ایسی ہی ایک روایت سیدنا علی کرم اللہؓ سے بھی مروی ہے. علامہ جلال الدین السیوطی نے ان دونوں روایتوں کو خصائص الکبریٰ میں نقل کیا ہے. گو

محدثانہ نقد ونظر کی کسوٹی کی رو سے ان روایات کو منکرات میں سے گردانا جاتا ہے مگر ان روایات کی اٹل تاریخی حیثیت پر کلام نہیں.

مسجد نبوی شریف میں آپ کا جنازہ ادا کرنے کے بعد آپ کا جنازہ حجرہ مطہرہ لے جایا گیا اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے سیدنا عمر فاروق ؓ، سیدنا عثمان بن عفان ؓ، حضرت طلحہ ؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر ؓ قبر شریف میں نیچے اترے اور آپ کے جسم اطہر کو قبر میں اتارا.(۶۵) طبری نے حضرت عروہ بن زبیر ؓ اور حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر ؓ سے روایت کی ہے: ''ابو بکر ؓ نے سیدۃ عائشہ ؓ کو وصیت کی تھی کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کے پہلو میں دفن کیا جائے. لہذا جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کی قبر کچھ اس طرح سے کھودی گئی کہ آپ کا سر رسول اللہ ﷺ کے شانوں کے سامنے آتا تھا اور آپ کی قبر مبارک اپنے آقا و مولا کی قبر اطہر سے متصل تھی.''(۶۶) حضرت مطلب بن عبداللہ بن حطب ؓ سے مروی ہے: [حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی قبر مبارک رسول اللہ ﷺ کے قبر اطہر کی طرز پر بنائی گئی تھی، اس کے اوپر پانی بھی چھڑکا گیا اور ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ ؓ نے اس کے اوپر نوحہ بھی کیا تھا.]''(۶۷)

حجرۂ اقدس کے تالے کی تصویر

سیدنا عمر ابن الخطاب ؓ کی شہادت اور ان کی حجرہ مطہرہ میں تدفین

سیدنا عمر فاروق محراب النبی کے سامنے کھڑے نماز فجر کی امامت کروا رہے تھے کہ بد بخت ابولؤلؤ فیروز نے جو کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کا غلام تھا آپ پر خنجر سے حملہ کر دیا. حضرت زید بن اسلم ؓ سے مروی ہے کہ سیدنا عمر فاروق ؓ فرمایا کرتے تھے: [اے اللہ میری موت کسی ایسے آدمی کے ہاتھوں سے نہ ہو جس نے خواہ ایک سجدہ کیوں نہ دیا ہو جس سے وہ یوم حشر تمہارے سامنے مجھ سے بحث کرنے لگے!](۶۸) جب دوران امامت آپ کو خنجر سے زخمی کر دیا گیا تو سب سے پہلا سوال آپ کا یہی تھا: ''مجرم کون بد بخت تھا؟'' جب آپ کو یہ بتایا گیا کہ وہ فلاں بن فلاں شخص تھا، یعنی کہ غیر مسلم تھا، تو آپ کے منہ سے نکلا: [الحمد للہ! کوئی مسلمان میرے قتل میں ملوث نہیں ہے!]

آپ کو دو دھاری تیز خنجر سے شدید زخمی کر دیا گیا تھا، تین دن تک طبیبوں نے آپ کے علاج کی پوری کوشش کی مگر گھاؤ اتنے گہرے تھے کہ آپ جاں بر نہ ہو سکے اور تین دن کے بعد یکم محرم ۲۴ ہجری کو بروز پیر آپ نے جام شہادت نوش فرما لیا. آپ کی نماز جنازہ حضرت صہیب الرومی ؓ نے مسجد نبوی شریف میں ادا کی. ایک مرتبہ حضرت علی بن حسین السجاد (زین العابدین ؒ) نے حضرت سعید بن المسیب ؒ سے پوچھا کہ نماز جنازہ کے لیے آپ کی میت کو کہاں رکھا گیا تھا تو انہوں نے جواب دیا: [رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر اور منبر شریف کے درمیان والی جگہ پر.](۶۹)

حضرت عمرو بن میمون العودی ؒ سے مروی ہے: [میں نے سیدنا عمر بن الخطاب ؓ کو دیکھا (خنجر سے زخمی ہو جانے کے بعد) اور وہ یہ کہہ رہے تھے: [اے عبداللہ بن عمر ؓ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ ؓ کی خدمت میں جاؤ اور عرض کرو کہ ''عمر بن الخطاب ؓ ان پر سلام بھیجتے ہیں. خبردار امیر المومنین مت کہنا، صرف اتنا کہہ دینا کہ عمر بن الخطاب ؓ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت طلب کر رہے ہیں.] لہذا ابن عمر ؓ نے ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ کی خدمت میں سلام پیش کیا اور (حجرہ اطہر میں) داخل ہونے کی اجازت چاہی. جب وہ اندر داخل ہوئے تو سیدۃ عائشہ ؓ بیٹھی رو رہی تھیں. انہوں نے عرض کیا: عمر بن الخطاب آپ کی خدمت عالیہ میں سلام پیش کرتا ہے اور اپنے دونوں ساتھیوں کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے.] انہوں نے فرمایا: [میرا ارادہ تو خود یہاں دفن ہونے کا تھا، لیکن میں ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتی ہوں اور اجازت دیتی ہوں کہ ان کو یہاں دفن کر دیا جائے.] جب عبداللہ ابن عمر ؓ واپس آئے تو سیدنا عمر فاروق ؓ نے پوچھا:

[کیا خبر لائے ہو؟] انہوں نے جواب دیا: [اے امیر المومنین انہوں نے آپ کو وہاں دفن ہونے کی اجازت مرحمت فرمادی ہے.] اس پر عمر فاروق ؓ نے فرمایا: [میرے لیے اس مقدس مقام پر دفن ہونے سے زیادہ کوئی اور چیز اہم نہیں تھی. لہذا جب میری روح پرواز کر جائے تو مجھے وہاں لے جایا جائے اور استدعا کی جائے کہ عمر اندر آنے کی اجازت طلب کرتا ہے. اگر اجازت مل جائے تو مجھے وہاں دفن کر دیا جائے، وگرنہ مجھے مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دینا..... (۷۰) آپ کی ہدایات پر عمل کیا گیا اور آپ کو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے پہلو میں قبر کھود کر حجرہ رسول مقبول ﷺ کے اندر دفن کیا گیا. سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا سر رسول اللہ ﷺ کے شانوں کے محازی تھا، مگر سیدنا عمر فاروق ؓ کا سر حضور سرور کائنات ﷺ کے گھٹنوں کے محازی رکھا گیا تھا. (۷۱)

سیدنا عمر فاروق ؓ کی تدفین کے بعد حجرہ مطہرہ میں کسی اور کو دفن نہیں کیا گیا. باغیوں کی شدید مزاحمت کے باعث جنھوں نے امیر المومنین سیدنا سیدنا عثمان بن عفان ؓ کو شہید کر دیا تھا ان کو حجرہ مبارکہ میں دفن نہ کیا جا سکا. اسی طرح چوتھے خلیفۃ الراشد، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت بھی مدینہ طیبہ سے بہت دور واقع ہوئی تھی. اس لیے ان کے وہاں دفن کئے جانے کا سوال ہی نہ پیدا ہو سکا. البتہ جب حضرت حسن مجتبیٰ ؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ کو زہر دے دیا گیا اور وہ بستر مرگ پر تھے تو انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ کو اسی حجرہ مطہرہ میں دفن کیا جائے. مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا کیونکہ اس وقت کے بنی امیہ کے گورنر مروان بن الحکم کی ہٹ دھرمی آڑے آ گئی. لیکن اس تمام عرصہ میں ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ اسی حجرہ مطہرہ میں مقیم رہیں. تاہم جب آپ کا انتقال ہوا تو حجرہ مطہرہ کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا اور اس طرح وہاں مزید تدفین کا امکان ہی نہ رہا. وہ جگہ جہاں ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ رہائش پذیر تھیں (اور وہ جگہ تمام حجرہ شریفہ کی ایک چوتھائی کے برابر تھی) اتنی کشادہ تھی کہ وہاں چوتھی قبر بنائی جا سکتی ہے. حضرت سعید بن المسیب ؒ سے مروی ہے کہ اس مقام پر سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دفن ہوں گے. ان کی روایت کے مطابق: [حجرہ شریف کے اندر مشرقی جانب ایک چوتھی قبر کی جگہ خالی ہے. یہ جگہ دوسری سطح زمین سے کچھ اونچی ہے. حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اس مقام پر دفن کئے جائیں گے اور ان کی قبر وہاں پر چوتھی قبر ہو گی.] (۷۲) اسی طرح حضرت عبداللہ بن سلام ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حجرہ مطہرہ میں چوتھی قبر میں دفن ہوں گے. (۷۳) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم زمین پر نازل ہوں گے، پھر وہ شادی کریں گے اور ان کے بچے ہوں گے اور پھر وہ ۴۵ سال تک حیات رہیں گے اور پھر جب ان کا انتقال ہو گا تو ان کو میرے ساتھ (یعنی حجرہ مطہرہ میں) دفن کیا جائے گا. پھر (یوم القیامت کو) میں اور عیسیٰ ابوبکر اور عمر کے درمیان اٹھائے جائیں گے.] (۷۴)

قبور مطہرات کی مزید تفاصیل:

السَّاطِعَةُ البَهِيَّةُ وَالَّتِي ضَمَّتْ فِي حَنَايَاهَا   حَبِيبَ اللّٰهِ سَيِّدَ البَشَرِ خَيْرَ البَرِيَّة

اور جس بقاع نور نے اپنی چار دیواری میں اللہ کے حبیب اولاد آدم کے سردار اور تمام مخلوق سے بہتر ہستی کو ضم کر لیا ہے

امام مالک ابن انس ؒ نے فرمایا: [ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ کا حجرہ مبارکہ دو حصوں میں منقسم تھا: ایک وہ حصہ جہاں خیر الانام رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر تھی اور دوسرا وہ حصہ جس میں ام المومنین ؓ رہائش پذیر تھیں. دونوں حصوں کے درمیان ایک دیوار ہوا کرتی تھی. ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ قبر اطہر والے حصے میں بغیر پردے کے آیا جایا کرتی تھیں، لیکن جب سیدنا عمر فاروق ؓ بھی اس حجرہ میں مدفون ہوئے تو ام المومنین رضی اللہ عنہا اس حصے میں کبھی بغیر پردے کے نہیں گئیں.] (۷۵)

حضرت مالک بن اسماعیل ؒ نے حضرت الحسن بن صالح ؒ سے روایت کی ہے: [میں حجرہ اطہر میں داخل ہوا جہاں رسول اللہ ﷺ اور

مقصورہ الشریفہ کی شمالی دیوار، دائیں جانب باب الشامیہ اور بائیں طرف محراب تہجد نظر آرہا ہے

سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی قبور مبارکہ ہیں. میں نے دیکھا کہ تینوں قبور مبارکہ مستطیل شکل کی تھیں.] (۷۶) حماد نے ابراہیمؒ سے
روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو نمایاں کرنے کی غرض سے اس کے اوپر کچھ (سرخ ریت اور سنگ ریزے) ڈال دیا گیا
تھا. (۷۷) ابن سعد نے بھی حضرت سفیان بن دینارؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ: [میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو دیکھا ہے اور
سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی قبور طاہرہ کو بھی. تمام قبور مسنمہ تھیں (جس کا مطلب ہے کہ درمیان سے ان کا کچھ حصہ اوپر اٹھا ہوا
تھا جیسے کہ اونٹ کی کوہان ہوتی ہے). (۷۸) حضرت ابو بکر بن عیاشؒ نے بیان کیا کہ حضرت سفیان التمارؒ نے انہیں بتایا کہ انہوں نے رسول
اللہ ﷺ کی قبر اطہر دیکھی تھی جو کو درمیان سے باقی حصوں کی نسبت اوپر اٹھی ہوئی تھی. (۷۹)
رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد لوگ (لوگوں سے مراد اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا زیادہ سے زیادہ تابعین حضرات
ہیں) آپ کے حجرہ مطہرہ میں داخل ہو جایا کرتے تھے اور اس بقعہ مبارکہ سے قبر اطہر کی مٹی اٹھا کر لے جایا کرتے تھے. (۸۰) ام المومنین
سیدۃ عائشہؓ نے خواہش ظاہر کی کہ ان کی رہائش کے حصے اور قبور اطہر کے درمیان ایک دیوار بنا دی جائے. ایسا سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت
اور وہاں تدفین کے بعد ہوا. پھر جب دیوار بنا دی گئی تو اس میں ایک جھروکہ یا روشن دان رکھ دیا گیا (عربی میں کوئی کہلاتا ہے). ایسا اس
لیے کیا گیا تاکہ زائرین حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر اطہر کا دیدار کر سکیں. اس کا دوسرا فائدہ یہ بھی ہوا کہ لوگ قبر اطہر کی مٹی لے جانے سے باز
رہے، لیکن چونکہ یہ دیوار مٹی کی بنی تھی اس لیے اب یہ سلسلہ اس دیوار کے ساتھ شروع ہو گیا اور اصحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم
اجمعین اس دیوار اور خاص طور پر جھروکے سے مٹی بطور تبرک لے جایا کرتے تھے. اس لیے ام المومنین کو مجبوراً اس جھروکے کو بھی بند کروانا

پڑا.(۸۱) اس طرح حجرہ مبارکہ دو حصوں میں منقسم ہو کر رہ گیا: جنوبی حصہ میں تینوں قبور مبارکہ تھیں اور شمالی حصے میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ نے اپنی باقی ماندہ حیات بسر کی.

حضرت ہشام بن عروہؒ نے اپنے والد (حضرت عروہ بن زبیرؓ) سے روایت کی ہے: [جب ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں قبور مطہرہ پر دیوار گر گئی، تو لوگوں نے اس کی مرمت شروع کی. اس وقت انہیں ایک قبر میں سے ایک قدم مبارک نظر آیا. مدینہ طیبہ میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو یہ پہچان سکتا کہ وہ پاؤں کن کا تھا سوائے عروہ بن زبیرؓ کے جنہوں نے کہا: [واللہ یہ پاؤں رسول اللہ ﷺ کا قدم مبارک نہیں ہے بلکہ یہ تو سیدنا عمر فاروقؓ کا قدم مبارک ہے.] (۸۲)

ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ پر لعنت کی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو عبادت گاہیں بنالیا تھا.] اگر یہ وجہ مانع نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارکہ کو بہت نمایاں کر کے بنایا جاتا لیکن ڈر تھا کہ کہیں اسے عبادت گاہ ہی نہ بنالیا جائے.] (۸۳)

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ (۸۴) سے مروی ہے: [میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے ماں مجھے رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے دونوں دوستوں کی قبور کی زیارت کروایئے. انہوں نے میرے لیے دروازہ کھول دیا. (میں نے دیکھا کہ) قبور مطہرہ سطح زمین سے نہ تو زیادہ نمایاں طور پر بلند تھیں اور نہ ہی اتنی نیچی تھیں. ہاں مگر تھوڑی سی بلند ضرور تھیں اور ان کے اوپر اور اردگرد کے حصے پر سرخ رنگ کی ریت ملی کنکریاں بچھا دی گئی تھیں.] وہ مزید بیان فرماتے ہیں کہ: [رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارکہ پہلے تھی، پھر سیدنا ابوبکرؓ کی قبر تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ کے شانوں سے شروع ہوتی تھی اور پھر اس کے بعد سیدنا عمر فاروقؓ کی قبر مطہرہ تھی جو کہ اس مقام سے شروع ہوتی تھی جہاں پر رسول اللہ ﷺ کے قدمین شریفین تھے.] (۸۵-۸۶)

طبقات الکبریٰ کی ایک روایت کے مطابق، حجرہ الشریفہ کا جس میں تینوں قبور مبارکہ تھیں دروازہ اور سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے حصے کے حجرہ مبارکہ کا دروازہ شام کی طرف کھلتا تھا اور جب مشرقی دیوار کے گرنے کے بعد حجرہ مبارکہ کی مرمت کی گئی تو اس دروازے کو جوں کا توں رہنے دیا گیا. یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر جنوبی دیوار کے قریب تھی اور دیوار اور قبر اطہر کے درمیان صرف ایک بالشت کا فاصلہ تھا، یعنی تقریباً ایک چوتھائی میٹر. (۸۷)

حجرہ مطہرہ کی مرمت اور تعمیر نو

سیدنا عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں حجرہ الشریفہ کو دوبارہ تعمیر کروایا اور مٹی اور کھجور کے پتوں سے بنی دیواروں کی جگہ آپ نے دیواروں کو مٹی کے گارے اور اینٹوں سے بنوا دیا. حضرت عمرو بن دینارؒ اور حضرت عبیداللہ بن ابی یزیدؒ نے بیان کیا ہے کہ پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کے دولت خانہ کے گرد کوئی حفاظتی دیوار نہیں ہوا کرتی تھی مگر سیدنا عمر فاروقؓ نے اردگرد چاردیواری کروادی تھی. یہ چاردیواری اتنی بلند نہ تھی، تاہم حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے ان دیواروں کو اونچا کروا دیا. (۸۸) ایسی چاردیواری بنوانے کی بظاہر وجہ یہ بھی ہوسکتی تھی کہ وادی مہزور میں موسمی طغیانی کے باعث طوفانی پانی کی تباہی سے (جو کہ اکثر اوقات بقیع الغرقد اور حجرات مبارکہ رسول اللہ ﷺ کے درمیانی حصے میں آجایا کرتا تھا) حجرات مبارکہ کو محفوظ کرنے کے لیے بنادی گئی ہوگی. اس وقت کی بہت سی یادداشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وادی مہزور کا پانی مسجد نبوی شریف میں بھی داخل ہو جایا کرتا تھا. یہ ایسی ہی چاردیواری ہوگی جس کو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے اونچا کروا دیا ہوگا. دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ تمام کے تمام حجرات مبارکہ ایک دوسرے سے متصل تھے اور سب کے دروازے مسجد نبوی شریف میں کھلتے تھے، ایک قیاس یہ

قبراقدس سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ

قبراطہر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۃ الرسول اللہ ﷺ

قبراطہر سیدنا عمر ابن الخطاب امیر المومنین رضی اللہ عنہ

حضرت نافع بن ابی نعیم رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق تینوں قبور مطہرہ کے محل وقوع کا تقریبی خاکہ

بھی ہے کہ وہ چار دیواری تمام حجرات کے گرد بنائی گئی ہوگی نہ یہ کہ صرف حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ (کاشانہ نبویہ) کے گرد. واللہ اعلم بالصواب!

حضرت عبداللہ ابن محمد بن عقیل بن ابی طالبؓ سے مروی ہے: [ہر رات آخر شب میرا معمول تھا کہ میں اپنے گھر سے مسجد نبوی شریف چلا جاتا تھا. پہلے میں رسول اللہ ﷺ پر صلواۃ وسلام پڑھتا اور پھر مسجد نبوی میں چلا جاتا اور پھر نماز فجر تک وہیں رہتا. ایک رات میں حسب معمول اپنے گھر سے باہر نکلا اور جب میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کے گھر کے پاس پہنچا (۸۹)، تو مجھے ایک بہت ہی پیاری خوشبو آنے لگی اور مجھے رب ذوالجلال کی قسم ہے کہ میں نے زندگی میں کبھی ایسی خوشبو نہیں سونگھی تھی. پھر انکشاف ہوا کہ حجرہ الشریفہ کی ایک دیوار گر چکی تھی. میں اندر داخل ہوگیا اور حضور رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں اپنا صلوٰۃ وسلام پیش کیا...... اور پھر جب عمر بن عبدالعزیزؒ کو پتہ چل گیا تو انہوں نے اس کے گرد عارضی طور پر قبطی کپڑے سے ایک پردہ کھڑا کروا دیا. (۹۰)

جب سورج طلوع ہوا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت وردانؒ (جو پیشہ کے لحاظ سے معمار تھے) کو طلب کیا اور ان کو حجرہ مبارکہ کے اندر جانے کو کہا. حضرت وردانؒ نے درخواست کی کہ کسی آدمی کو ان کی مدد کے لیے مامور کیا جائے. حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے پائنچے اوپر چڑھا لیے اور اپنی آستینیں اوپر اٹھا لیں تا کہ وہ بنفس نفیس اندر جا سکیں. حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ نے بھی ایسا ہی کیا اور ایسا ہی حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؒ نے بھی کیا. پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ بھی حجرہ شریفہ میں داخل ہونا چاہتے تھے. اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو اندر جانے سے منع کر دیا اور فرمایا: [ہم نہیں چاہتے کہ رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل پڑے!]. پھر انہوں نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت مزاحمؒ (بن ابی مزاحم المکی) کو حکم دیا کہ وہ اندر جائیں اور حضرت وردانؒ کی مدد کریں. بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے پوچھا: [تم نے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو کیسا پایا؟] تو انہوں نے جواب دیا کہ: [وہ مستطیل تھی.] پھر انہوں نے پوچھا: [باقی دو قبریں کیسی تھیں؟] تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کی سطح زمین سے کچھ بلند تھی. اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: [میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں.] جب سب کام ختم ہوگیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت علی السجادؒ بن حسین ابن علی علیہ السلام (حضرت زین العابدینؒ) سے درخواست کی کہ وہ حجرہ مطہرہ کے اندر جائیں اور صفائی کر دیں. اس پر حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ اور حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؒ بھی تیار ہو گئے اور انہوں نے بھی اجازت طلب کی. حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ دیکھ کر پھر انکار کر دیا (کیونکہ حجرہ مبارکہ بہت چھوٹا سا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آرام میں خلل پڑے). لہذا حضرت مزاحمؒ کو کہا گیا کہ وہ اندر جائیں اور صفائی کریں جو کہ انہوں نے کی. انہوں نے وہ تمام ملبہ وغیرہ جو کہ قبور مطہر پر گر چکا تھا اٹھایا اور صفائی کر دی. پھر قبطی کپڑے کا پردہ جو کہ حجرہ مطہرہ کے ارد گرد لگایا گیا تھا ہٹا لیا گیا.] (۹۱)

رجاء بن حیوہؒ نے بیان کیا کہ: [ولید بن عبدالملک کے حکم سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے امہات المومنین کے تمام حجرات مبارکہ مسجد نبوی شریف میں شامل کرنے کے لیے حاصل کر لیے. جب ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کا حجرہ مبارکہ ۸۱ ہجری میں تعمیر نو کے سلسلے میں منہدم کیا گیا تو اس میں تین قبریں ظاہر ہوئیں اور ان تینوں کے اوپر غبار اور ریت اٹی ہوئی تھی.] (۹۲) ابن نجار نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارکہ کی شرقی دیوار گری اور رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر عامۃ الناس کی نظریں پڑیں تو اہل مدینہ پر رقت طاری ہوگئی اور ہر طرف آہیں اور سسکیاں سنائی دینے لگیں. اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو مجبوراً ایک درزی کو بلانا پڑا جنہوں نے کپڑے کا ایک پردہ بنا کر حجرہ مطہرہ کے گرد لگا دیا. پھر وردانؒ (جو کہ اس وقت مشہور معمار تھے) کو طلب کیا گیا تا کہ دیوار کی دوبارہ تعمیر کر دی جائے. (۹۳)

اسی معاملے پر لکھتے ہوئے المراغی نے بیان کیا ہے کہ ام المومنین سیدة عائشہ ؓ کی وفات کے بعد کوئی بھی حجرہ مطہرہ کے اندر رسائی حاصل نہیں کر سکا تھا تاوقتیکہ حجرہ شریفہ کی شرقی دیوار (جو کہ موضع الجنائز کی طرف تھی) منہدم نہیں ہوئی جس سے تینوں قبور مطہرہ نظر آنے لگ گئیں. مدینہ طیبہ میں ایک کہرام مچ گیا لوگوں کے لیے اپنے جذبات پر قابو پانا مشکل تھا اور ہر طرف آہ و بکاء کا عالم تھا. اس وجہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے درزی کو بلوا کر حجرہ مطہرہ کے اردگرد قبطی کپڑے کا پردہ ڈلوا دیا. پھر انہوں نے وردانؒ سے متعلقہ جانب بنیادیں کھودنے کا کہا تا کہ نئی دیوار بنائی جاسکے. جب وردان ؒ کھدائی کر رہے تھے تو ایک جگہ سے دو پیر (قدمین) ظاہر ہوئے جس سے وہ کچھ سہم سے گئے. حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اندر گئے اور جا کر دیکھا کہ دونوں قدموں کے اوپر بال تھے. حضرت عبیداللہ بن عبداللہ ابن عمرؒ نے جو اس وقت وہاں موقع پر موجود تھے کہا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں، یہ تو تمہارے پڑنانا عمر بن الخطابؓ کے قدمین مبارکہ ہیں.] (۹۴) جب ان کو دفن کیا گیا تھا تو اس وقت حجرہ مبارکہ میں جگہ کم تھی جس کی وجہ سے ان کی قبر شریف کو بنیادوں کے اندر تک لے جانا پڑا تھا.] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ جو کچھ نظر آیا ہے اسے ڈھانپ دیا جائے. چنانچہ ایسا ہی کیا گیا. پھر جب مشرقی دیوار مکمل ہوگئی تو حضرت مزاحمؒ ایک جھروکے کے ذریعے اندر داخل ہوئے جو کہ نو تعمیر شدہ دیوار میں اسی مقصد کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا اور انہوں نے تینوں قبور مطہرہ کو صاف کیا اور غبار اور تراب وغیرہ وہاں سے نکال لیے. اس کے بعد پردہ وہاں سے ہٹا دیا گیا. (۹۵)

ابن نجار رقمطراز ہیں کہ جب مشرقی دیوار گر گئی تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اباحفصہؒ (جو کہ ام المومنین سیدة عائشہؓ کے غلام تھے) اور دیگر حضرات کو از سر نو دیوار تعمیر کرنے کا حکم دیا. دیوار بناتے وقت انہوں نے دیوار میں ایک جھروکہ سا رکھ لیا تھا اور جب سارا کام مکمل ہوگیا تو حضرت مزاحمؒ حجرہ مطہرہ میں اسی جھروکے سے داخل ہوئے اور تمام حصے کو ملبہ وغیرہ سے صاف کیا. پھر اس کے بعد پردہ ہٹا دیا گیا تھا. (۹۶)

۴۵ ہجری میں اپنی وفات سے پہلے ام المومنین سیدة سودہ بنت زمعہؓ نے اپنا حجرہ شریفہ ام المومنین سیدة عائشہ ؓ کو ہبہ کر دیا تھا اور حضرت معاویہؓ نے وہ حجرہ سیدة عائشہؓ سے ۱۸۰،۰۰۰ درہم میں خرید لیا تھا. سیدة عائشہ ؓ بیع نامہ پر اس شرط سے راضی ہوئی تھیں کہ جب تک وہ بقید حیات رہیں گی انہیں وہیں رہنے دیا جائے گا. انہوں نے ایک ہاتھ سے رقم وصول کی اور دوسرے ہاتھ سے غرباء میں تقسیم کر دی اور اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں اٹھیں جب تک کہ تمام رقم تقسیم نہ ہوگئی تھی. اس طرح ۵۸ ہجری میں ام المومنین سیدة عائشہ ؓ کی وفات کے بعد حجرہ مطہرہ کا بیعنامہ حضرت معاویہؓ کے نام ہو چکا تھا. اسی طرح ام المومنین سیدة صفیہؓ کے ورثا نے بھی ان کا حجرہ حضرت معاویہ ؓ کو بیچ دیا تھا. تاہم اس معاملے میں ایک اختلافی بیان حضرت ہشام بن عروہ بن زبیر ؓ کا ہے جس کے مطابق حجرہ مطہرہ کو سیدة عائشہؓ نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیر ؓ کو ہبہ کیا ہوا تھا. (۹۷)

۵۸ ہجری میں ام المومنین سیدة عائشہ صدیقہ ؓ کی وفات سے پہلے ایک واقعہ رونما ہوا جس سے اس وقت کی سیاسی کشمکش اور بنو امیہ کے طرز حکومت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے. جب امام حسن ابن علی المرتضٰی علیہ السلام کو زہر دے دیا گیا اور وہ بستر مرگ پر تھے (۵ ربیع الاول ۵۰ ہجری) تو انہوں نے سیدة عائشہ صدیقہ ؓ کو درخواست پہنچائی کہ وہ انہیں حجرہ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں. آپ نے ان کی درخواست سے اتفاق فرمایا اور کہلا بھیجا کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں لیکن یہ خبر جونہی قصر امارت تک پہنچی وہاں گویا زلزلہ سا آگیا مروان جو کہ اس وقت مدینہ طیبہ کا گورنر تھا انگاروں پر لوٹنے لگا اور پوری طرح مسلح ہو کر نکل آیا. ادھر اہل بیت طاہرہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام بھی اپنی تلوار نیام سے نکال کر باہر آگئے. مدینہ طیبہ میں یک بیک پھر ایک طوفان اٹھ آیا اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ فریقین مسلح تصادم میں الجھ جائیں گے. صورت حال کو بھانپ کر چند اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین آگے بڑھے تا کہ کوئی افہام و تفہیم کی صورت نکل سکے. حضرت ابو ہریرہؓ اس معاملے میں سب سے آگے تھے اور کافی گفت وشنید کے بعد تصادم کا خطرہ ٹل گیا اور حضرت امام حسن علیہ السلام کو بقیع الفرقد میں

آپ کی والدہ ماجدہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء کی قبر اطہر کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔(۹۸)

بظاہر تو حالات پر قابو پا لیا گیا تھا مگر خلفائے بنوامیہ کے محلات میں چہ میگوئیاں جاری تھیں۔انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ آج نہیں تو کل کوئی اور اہل بیت طاہرہ میں سے سر کردہ شخصیت پھر وہاں دفن ہونے کا دعوی کر دے گی۔بنوامیہ کسی قیمت پر یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی طور اہل بیت طاہرہ اس بقعہ طاہرہ میں اپنا دائمی مقام بنا سکیں کیونکہ ایسی صورت میں وہ سمجھ رہے تھے کہ اہل بیت مضبوط ہو کر ان کی حکومت کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔لہذا جونہی ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ کا انتقال ہوا حجرہ مطہرہ کے دروازے کے باہر ایک مضبوط دیوار کھڑی کر کے اس کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔سمہودی نے اقشہری کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے واقعہ کے بعد حکام وقت (عبدالملک بن مروان وغیرہ) نے دروازے کے آگے بہت جلدی دیوار کھڑی کر دی تاکہ کسی اور کے وہاں دفن کئے جانے کا امکان ہی نہ رہے۔(۹۹) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے حضرت معاویہؓ نے تو وہ حجرہ مبارکہ ہی سیدۃ عائشہؓ سے خرید لیا تھا،لہذا بنوامیہ کے خلفاء کے اس یک طرفہ عمل پر کون اعتراض کر سکتا تھا۔سمہودیؒ نے ابن زبالہ کے بیان کو نقل کیا ہے جو کہ انہوں نے مشہور تابعی حضرت محمد بن ہلالؒ سے روایت کیا ہے:[وہ گھر جس میں رسول اللہ ﷺ کی قبر مطہرہ ہے وہی حجرہ ہے جہاں سیدۃ عائشہ صدیقہؓ رہائش پذیر تھیں۔یہ مربع شکل کا مکان ہے اور اسے سیاہ پتھروں اور جپسم سے بنایا گیا ہے۔اس کی قبلہ کی جانب کی دیوار قدرے طوالت میں بڑی ہے،جبکہ شرقی اور غربی دیواریں برابر ہیں لیکن شمالی دیوار تھوڑی چھوٹی ہے۔گھر کا دروازہ شمالی جانب ہے جسے سیاہ پتھروں کو جپسم کے ساتھ ملا کر ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے۔عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کے گرد ایک پنج گوشہ احاطہ تعمیر کر دیا ہے تاکہ کوئی قبلہ کی طرف رخ کرنے کی بجائے قبر رسول اللہ ﷺ کی طرف منہ کر کے نماز ادا نہ کر سکے۔یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے عین مطابق تھا جو اس حدیث مبارکہ پر مبنی تھا:[اللہ یہود کو غارت کرے کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو جائے عبادت بنا لیا۔] مزید یہ کہ:[اے اللہ،میری قبر کو جائے عبادت نہ بننے دینا۔] انہوں نے مزید بیان کیا کہ:[حجرہ شریفہ کی اندرونی دیواروں اور پنج گوشے کی دیواروں میں فاصلہ کچھ یوں ہے:شرقی جانب یہ فاصلہ دو ہاتھ ہے،غربی جانب ایک ہاتھ ہے، جبکہ قبلہ کی جانب یہ فاصلہ صرف آدھا ہاتھ یعنی ایک بالشت ہے اور شمالی جانب (جہاں پنج گوشہ کی ایک تکون سی بن جاتی ہے) یہ فاصلہ زیادہ ہے اور کافی جگہ خالی ہے جہاں غسل کے لیے استعمال ہونے والا ٹب پڑا ہوا ہے۔](۱۰۰) یہ بیان عبدالرحمٰن بن ابی زناد کے بیان سے مطابقت رکھتا ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے خالی جگہ پر کسی ٹب کا ذکر نہیں کیا،جس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ ٹب وقت تعمیر وہاں رہ گیا ہو گا مگر بعد میں وہاں سے کام کرنے والوں نے اٹھا لیا ہو گا۔](۱۰۱)

لیکن جہاں تک وقت کے تعین کا تعلق ہے کہ حجرہ مطہرہ کے دروازے کو کب بند کیا گیا ہو گا،اس کا تعین کرنے میں ہمیں خاصی دشواری کا سامنا ہے۔ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ اس وقت تک جب کہ مروان مدینہ طیبہ کا گورنر تھا،اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجرہ مطہرہ کے اندر داخل ہو جایا کرتے تھے۔(یاد رہے کہ مروان دو مرتبہ مدینہ طیبہ کا گورنر رہا تھا۔پہلی بار اس کی گورنری سے معزولی ۵۴ ہجری میں ہوئی تھی)۔(۱۰۲) وہ مشہور واقعہ کہ جب مروان حجرہ مطہرہ کے اندر گیا تو حضرت ابوایوب انصاریؓ قبر اطہر سے لپٹے رو رہے تھے اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس وقت تک در اقدس بند نہیں کیا گیا تھا۔حضرت عبدالمطلب بن حنطبؓ نے بیان کیا ہے:[مروان حجرہ مطہرہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک شخص قبر اطہر سے لپٹا ہوا ہے۔مروان نے انہیں ان کی ٹانگ پکڑ کر کھینچا اور سرزنش کرنے لگا کہ:''جانتے ہو کہ تم کیا کر رہے ہو؟'' اس شخص نے قبر اطہر کو بوسہ دیا اور یوں گویا ہوا:[ہاں مجھے معلوم ہے۔میں ان اینٹوں اور پتھروں کی زیارت کو یہاں نہیں آیا،میں تو یہاں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا ہوں۔ہم پر ایک ایسا وقت آن پڑا ہے کہ ہمیں اپنے اوپر مسلط کئے گئے حکمرانوں پر نوحہ کرنا چاہئے کیونکہ ان کا تعلق اسلام سے نہیں رہا!](۱۰۳) یہ واقعہ اس وقت تو ہو نہیں سکتا جب کہ مروان خلیفہ کے طور پر متمکن ہو گیا تھا (۶۴-۶۵ ہجری)،کیونکہ اس

دوران اس کو اللہ تعالیٰ نے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ وہ مدینہ طیبہ کا رخ کرتا اور دوسرے یہ کہ اس سے بہت پہلے ہی حضرت ابوایوب انصاریؓ اس حملہ کے دوران وفات پا گئے تھے جو کہ قسطنطنیہ پر ۵۱ھ میں کیا گیا تھا. اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ حجرہ مطہرہ اس دور میں کھلا رہتا تھا کیونکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ اس وقت بقید حیات تھیں (ان کا انتقال ۵۸ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا تھا) اس کا مطلب ہے کہ یہ واقعہ ۵۱ ہجری سے پہلے ہوا تھا. حضرت ابوایوب انصاریؓ کے اس مذکورہ واقعہ کے علاوہ ایک اور ایسا ہی واقعہ مسعودی نے مروج الذہب میں نقل کیا ہے. جب مسلم بن عقبہ نے یزید پلید کے احکام کے تحت مدینہ طیبہ کو تاخت و تاراج کیا، تو لوگ حضرت امام زین العابدینؒ کی تلاش میں نکلے اور تلاش بسیار کے بعد انہوں نے دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر سے لپٹے ہوئے گریہ وزاری اور فریاد کر رہے تھے. (۱۰۴) یہ واقعہ ۶۳ ہجری کا ہے.

مستند تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب یزید نے ۶۰ ہجری میں عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لی اس وقت تک بنوامیہ کی گرفت حجاز پر کافی ڈھیلی پڑ چکی تھی اور مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ میں عبداللہ ابن زبیرؓ کا طوطی بولنے لگا تھا. جیسا کہ ابن سعد کی اوپر بیان کردہ روایت میں ہے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کی تعمیر کردہ احاطے کی دیوار کو اونچا کر دیا تھا. مدینہ طیبہ پر بنو امیہ کا مکمل کنٹرول دوبارہ اس وقت قائم ہوا جب کہ واقعہ حرہ ۶۳ھ میں وقوع پذیر ہوا جس کے نتیجے میں صرف ان مدنی حضرات کی جان بخشی کی گئی جنہوں نے نہ صرف یزید کی بیعت دوبارہ قبول کر لی تھی بلکہ غیر مشروط طور پر اس کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا تھا. اسی واقعہ کے دوران حضرت سعید ابن المسیبؒ کا بیان کہ ان تین دنوں میں وہ قبر اطہر رسول اللہ سے آذان کی آواز سنتے تھے اور اسی پر اقامت کر کے وہ نماز ادا کرتے تھے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ در اقدس اس وقت تک بند نہیں کیا گیا تھا. یقیناً یہ قدم ۶۳ ہجری کے بعد اٹھایا گیا ہوگا.

جہاں تک مٹی اور گارے اور کھجور کے پتوں سے بنائی گئی دیواروں (جو کہ رسول اللہ ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مبارک ہاتھوں سے تعمیر ہوئی تھیں) کی جگہ کالے پتھروں سے حجرہ مبارکہ کی تعمیر نو کا تعلق ہے تو ہمیں اس بارے میں سب سے زیادہ معتبر روایت صحیح بخاری شریف میں ملتی ہے. جس میں بالصراحت کہا گیا ہے کہ حجرہ مطہرہ کی شرقی دیوار ولید بن عبدالملک کے دور میں گری تھی جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ طیبہ کے گورنر تھے. حضرت عروہ بن زبیرؒ کی روایت کے مطابق: "جب ولید بن عبدالملک کے دور میں حجرہ شریفہ کی دیوار قبور مطہرہ پر گری، تو لوگوں نے اس کی مرمت شروع کر دی..... الخ" (۱۰۵) یہ حدیث مبارکہ قطعی طور پر ثابت کرتی ہے کہ دیوار ولید بن عبدالملک کے دور میں گری تھی جسے عمر بن عبدالعزیزؒ نے از سر نو تعمیر کروایا جب کہ وہ مدینہ طیبہ کے گورنر تھے. ان کی گورنری کا دور ۸۶ ہجری سے شروع ہوتا ہے. جس کا مطلب ہے کہ وہ دیوار یا تو ۸۶ ہجری میں یا پھر زیادہ سے زیادہ ۸۷ ہجری میں گری تھی اور اسے بلا تاخیر نئے سرے سے تعمیر کر دیا گیا تھا۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ باقی کی تین دیواروں کو نہیں چھیڑا گیا تھا اور وہ پہلے کہ طرح ہی رہیں جیسا کہ بہت سی احادیث مبارکہ سے ظاہر ہے. ربیع الاول ۸۸ ہجری میں انہوں نے امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین کے تمام حجرات خالی کروا لیے تھے تا کہ انہیں مسجد نبوی شریف میں شامل کر لیا جائے. مسجد نبوی کی تعمیر نو ۹۱ ہجری میں پایہ تکمیل کو پہنچی اور اسی عرصہ کے دوران انہوں نے حجرہ مطہرہ کے گرد پنج گوشہ احاطہ تعمیر کروایا تھا. اس سے صاف ظاہر ہے کہ حجرہ مطہرہ کی مکمل تعمیر جس میں بقول ابن زبالہ سیاہ پتھر اور جپسم استعمال ہوا تھا وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں ہی ہوئی ہوگی مگر پنج گوشہ احاطہ بنانے سے پہلے. اس کی تعمیر کا اندازاً وقت بھی ۸۸-۹۱ ہجری کے دوران ہی ہے.

تمام مورخین مدینہ طیبہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حجرہ مطہرہ کے اندر چوتھی قبر کی جگہ ابھی خالی ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے بہت سی احادیث مبارکہ کے مطابق وہ جگہ سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے لیے مخصوص ہے اور جب ان کا نزول ہوگا اور وہ اپنی طبعی موت

پائیں گے تو انہیں وہاں دفن کر دیا جائے گا. حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے مروی ہے کہ: [عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور آپ کے دونوں دوستوں کے ساتھ دفن کر دیا جائے گا.] حضرت سعید ابن المسیبؒ نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے.(۱۰۶)

۵۵۵ ہجری میں جب صلیبیوں کے غیر مسلم جاسوسوں نے قبر اطہر تک پہنچنے کے لیے ایک سرنگ کھودنے کی کوشش کی اور ان کی سازش بروقت طشت از بام ہوگئی تو سلطان نور الدین زنگی نے پنج گوشہ کے ارد گرد کھدائی کر کے اس میں پگھلا ہوا سیسہ ڈلوا دیا. (اس معاملہ پر ہم نے باب ''مدینہ طیبہ میں رونما ہونے والے حوادث اور ادوار فتن'' میں پوری تفصیل سے روشنی ڈالی ہے.) مقصورہ شریفہ کے ارد گرد وہ بنیاد اتنی گہری کھودی گئی تھی کہ زیر زمین پانی کی تہہ سے پانی نکلنا شروع ہو گیا تھا.(۱۰۷) اس بقعہ نور سے ۲۰ ہاتھ دور کے دائرے میں بیس ہاتھ (یعنی دس میٹر) گہری خندق کھودی گئی تھی. پھر اس خندق میں دوہری پتھروں کی دیوار چنی گئی اور ان دونوں دیواروں کے درمیانی خلا کو سیسہ، فولاد اور تانبہ پگھلا کر پر کیا گیا تھا. اس طرح حجرہ مطہرہ کے ارد گرد ایک ناقابل تسخیر فولادی دیوار کھڑی ہوگئی.(۱۰۸) یوں سطح زمین تک حجرہ مطہرہ کے گرد تمام علاقہ اس طریقے سے محفوظ کر دیا گیا. اس مقام پر ہم ایک عام غلط فہمی کو دور کرنا چاہیں گے کہ سلطان نور الدین زنگیؒ نے حجرہ شریف کے گرد آہنی دیوار کھڑی کر دی تھی جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سیسہ اور فولاد سے بنی وہ ناقابل تسخیر دیوار صرف سطح زمین تک تھی (نہ کہ سطح زمین سے اتنی بلند تھی کہ پنج گوشہ کا احاطہ کر لیتی) تا کہ آئندہ کسی مجرمانہ تخریبی کارروائی کا خدشہ نہ رہے جیسا کہ صلیبیوں کے ایجنٹوں نے کیا تھا. بڑے پیمانے پر سیسہ اور فولاد کو پگھلانے کے لیے خاص انتظامات کئے گئے تھے اور مسجد نبوی کے جنوب مغرب میں واقع ایک ایسے مکان میں کیا گیا تھا جو کہ صدیوں تک 'بیت الرصاص' (یعنی سیسہ کا گھر) مشہور رہا. زنگیؒ کے وزیر، جمال الدین اصفہانی نے پنج گوشہ عمارت پر سنگ مرمر لگوایا. البتہ چھت کے قریب صندل اور آبنوس کی لکڑی سے بنی بہت ہی خوبصورت جالی لگوادی تھی.(۱۰۹)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پنج گوشہ عمارت اس لیے تعمیر کروائی تھی تا کہ اس عمارت کی کعبۃ المشرفہ کے ساتھ مشابہت نہ ہو سکے. عباسی خلیفہ متوکل باللہ کے دور میں مدینہ طیبہ کے گورنر اسحاق بن سلامہ کو حکم دیا گیا کہ وہ پنج گوشہ عمارت کی دیواروں پر سنگ مرمر لگوادے جو کہ مکتفی باللہ کے دور تک (۵۴۸ ہجری) رہا(۱۱۰) ابن جبیر- جنہوں نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی- نے اپنے سفرنامے میں ہمارے لیے حجرہ مطہرہ کے متعلق بہت سی مفید معلومات چھوڑی ہیں. وہ رقمطراز ہیں:

''حجرہ شریفہ (پنج گوشہ) کی لمبائی قبلہ کی جانب سے ۲۴ بالشت (جو کہ چھ میٹر سے کچھ زیادہ بنتی ہے) ہے، مشرقی جانب ۳۰ بالشت ہے، مشرق سے شمالی کونے تک ۳۵ بالشت اور شمالی کونے سے لیکر مغربی دیوار تک ۳۹ بالشت جبکہ مغربی دیوار کی لمبائی ۲۴ بالشت ہے.''(۱۱۱)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''روضہ مطہرہ (پنج گوشہ) کے اطراف کی کل لمبائی ۲۷۲ بالشت ہے. یہاں نہایت ہی اعلیٰ قسم کے سنگ مرمر کی ٹائلیں لگی ہوئی ہیں. دیواروں کے ساتھ ساتھ ایک تہائی بلندی تک سنگ مرمر لگایا گیا ہے. اس کے اوپر مشک و عنبر کی خوشبویات اور عطریات مل مل کر جگہ سیاہ رنگ کی ہوگئی ہے اور مرور ایام سے کئی مقامات سے خستہ بھی ہو چکی ہے. دیواروں کے اس سے اوپر کے حصہ پر لکڑی کا بہت ہی نفیس کام کیا گیا ہے جو کہ چھت تک چلا گیا ہے، کیونکہ روضہ شریف کا اوپر کا حصہ مسجد نبوی کی چھت کو چھو رہا ہے.''(۱۱۲)

جمال الدین اصفہانی جو سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے چچیرے بھائی اور سلطان نور الدین زنگیؒ کے وزیر بھی تھے انہوں نے آبنوس اور صندل کی لکڑی سے ایک خوبصورت جالی بنوا کر حجرہ شریفہ کے باہر کے احاطے میں لگوادی تھی. یہ جالی مسجد شریف کی چھت تک اونچی تھی. اس جالی سے تمام منظر بہت دیدہ زیب ہو گیا تھا اور حجرہ مبارکہ کے حسن کو چار چاند لگ گئے تھے لیکن یہ جالی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی اور مسجد نبوی شریف میں آتش زنی کے حادثے میں جو کہ ۶۵۴ ہجری میں واقع ہوا یہ سب جل کر خاکستر ہوگئی. مسجد نبوی شریف کی چھت کا وہ حصہ

جو کہ حجرہ مطہرہ کے اوپر تھا وہ بھی اس آگ کی تباہ کاریوں سے منہدم ہوا اور حجرہ مبارکہ کی چھت پر آرہا اور چھت یہ تمام بوجھ نہ برداشت کرسکی اور قبور مطہرہ پر گرگئی.فوری طور پر حادثے کی تمام تفاصیل بغداد میں خلیفہ معتصم باللہ کو روانہ کی گئیں.خواہش تمام کے باوجود خلیفہ کوئی مدد نہ کرسکا کیونکہ تاتاریوں کی یورشوں نے اسے بے دست و پا کر رکھا تھا جو بالآخر سقوط بغداد پر منتج ہوئیں اور خلافت عباسیہ دم توڑ گئی.

عباسی خلافت کی بساط الٹنے سے اسلامی دنیا میں سیاسی خلا پیدا ہوگیا اور یوں حجرہ شریفہ کی مرمت کا کام تھوڑی دیر کے لیے متاثر ہوا.عباسی خلیفہ سقوط بغداد سے پہلے صرف تھوڑا سا سامان روانہ کرسکا تھا جس سے نہایت ہی ضروری قسم کی مرمت کا کام شروع کیا گیا,مگر وسائل کی کمی آڑے آگئی اور یوں یہ کام دو سال تک تاخیر کا شکار ہوتا رہا.اسی اثناء میں اسلامی دنیا کے دیگر حکمرانوں نے مرمت کا بیڑہ اٹھایا اور یوں ۶۵۶ میں حجرہ مطہرہ کی مرمت مکمل ہوگئی.جب مصری ملک الظاہر رکن الدین بیبارس نے حج کیا تو وہ ۶۶۷ ہجری میں مدینہ طیبہ بھی آئے.انہوں نے حجرہ مطہرہ کے گرد پنج گوشہ کے چاروں طرف علاقے کی اپنے ہاتھوں سے پیمائش کی اور پھر واپس جا کر لکڑی کی ایک خوبصورت جالی بنوا کر روانہ کی جو کہ اس کے اردگرد نصب کردی گئی.(۱۱۳) اس لکڑی کی جالی کے اندر اردگرد کا کچھ حصہ بھی آگیا تھا.داخلے کے لیے صرف تین دروازے رکھے گئے جو کہ جنوبی,شرقی اور غربی جانب تھے.اس کے بعد ملک العادل زین الدین کتبغا نے ایک اور خوبصورت جالی بنوا کر ۶۹۴ ہجری میں پرانی جالی کے اردگرد نصب کروادی.اس جالی کی بلندی مسجد نبوی کی چھت کو چھونے لگ گئی.(۱۱۴) ساتھ ہی ساتھ اس کے ایک اور دروازے کا اضافہ بھی کردیا جو کہ شمالی جانب کھلتا تھا.۸۵۳ ہجری میں ظاہر شاہ جھمق نے پنج گوشہ شریفہ کے گرد سنگ مرمر کی ٹائلیں لگوادیں.

بدقسمتی سے ایک بار پھر مسجد نبوی شریف آگ کے حادثے کا شکار ہوگئی اور ۸۸۶ ہجری میں خوبصورت جالیاں اور فینسی لکڑی کا کام سب جل کر تباہ ہوگیا اور سلطان قیتبائی نے تانبے کی جالیاں لگوادیں.لکڑی کے دروازوں کی جگہ مضبوط آہنی دروازے نصب کردئے گئے.جالی کے اوپر کی جانب تانبے کی باریک جالی لگادی گئی تاکہ کبوتر یا دیگر طیور حرم اندر نہ داخل ہوسکیں.پنج گوشے کے شمالی طرف دونوں طرف دو دروازوں کا اضافہ کرکے حجرہ سیدتنا فاطمۃ الزہراءؓ کو بھی اس بقعہ نور میں شامل کرلیا گیا اور اسی سے اندر آنے کے لیے دروازہ بھی رکھا گیا.(۱۱۵) جو کہ آج تک اندر داخلے کے لیے استعمال ہوتا ہے.اس آہنی جالی نے حجرہ مطہرہ کا رقبہ کافی بڑھا دیا تھا.

حجرہ مطہرہ پر گنبد کی تعمیر اور چند مزید تفاصیل

حجرہ مطہرہ پر سب سے پہلے گنبد بنوانے کا شرف سلطان منصور قلاوون الصالحی کو ہوا.یہ گنبد ۶۷۸ ہجری میں بنوایا گیا اور مسجد نبوی کی چھت سے زیادہ بلند تھا.یہ چار گوشہ عمارت پر تعمیر ہوا جو کہ اوپر جا کر آٹھ گوشوں میں تبدیل کردی گئی تھی.گنبد مبارک لکڑی کے تختوں پر استوار کیا گیا تھا جن کی مضبوطی کے لیے ان کے اوپر سیسے کی پلیٹیں لگادی گئی تھیں.سیسے کی پلیٹیں لکڑی کے تختوں کو موسمی اثرات سے بچانے کے لیے لگائی گئی تھیں.اس سے پہلے کبھی حجرہ مطہرہ پر گنبد نہیں ہوا کرتا تھا.(۱۱۶) گنبد سے پہلے حجرہ شریف کے اوپر پردہ کی دیوار ہوا کرتی تھی جو کہ ایک میٹر اونچی ہوا کرتی تھی.(۱۱۷) ایسی پردہ کی دیوار سب سے پہلی بار سیدنا عمر فاروقؓ نے تعمیر کروائی تھی.اس کا مطلب ایک طرف تو یہ تھا کہ حجرہ مطہرہ کا بقاع النور مسجد نبوی شریف کی باقی چھت سے متمیز رہے اور دوسرے یہ کہ جو کوئی بھی کسی غرض سے مسجد نبوی کی چھت پر جائے اسے احساس رہے کہ وہ نہایت ادب کا مقام ہے اور کوئی بھول کر بھی اس پر نہ چڑھے.مقصورہ مطہرہ کے اوپر پردہ کی دیوار ۶۵۸ ہجری تک رہی جس کی بلندی نصف قد آدم تک ہوا کرتی تھی.(۱۱۸)

یہاں یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ مقتدر شخصیات کے مزارات پر گنبد بنانے کا رواج عباسی خلافت کے ابتدائی دور میں ہوا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بغداد اور دمشق میں قبہ جات (جن کو عربی میں جنابذ۔جنبذ کی جمع) اسلامی شخصیات کے مزارات کے فن تعمیر کا ایک باقاعدہ حصہ

بن گیا. دوسروں کے علاوہ امام ابو حنیفہؒ کے مزار پر بھی ایک گنبد بن چکا تھا جو سلجوقی سلطان ملک شاہ نے پانچویں صدی میں تعمیر کروایا تھا. اس کے بعد فاطمیوں نے اس طرز تعمیر کو مصر میں خوب رواج دیا اور وہاں تھوڑے ہی عرصے بہت سے مزارات پر گنبد بن گئے. امام ابو حنیفہؒ کے مزار کی طرح امام شافعیؒ کے مزار پر بھی ایک گنبد تعمیر ہو چکا تھا. جب قلاوون خاندان کا دور دورہ ہوا تو گنبد تقریباً تمام مسلم علاقوں میں رواج پا چکا تھا. ایوبی دور کے بعد مصر میں جتنے بھی گنبد تعمیر ہوئے وہ سب کے سب چوکور عمارتوں پر استوار ہوتے تھے جو کہ اوپر جا کر ہشت گوشہ بنا دی جاتی تھیں اور پھر اس کے اوپر گنبد تعمیر کیا جاتا تھا. مصر میں چونکہ یہ فن تعمیر بہت مقبول تھا اس لیے سلطان منصور قلاوون نے جب روضہ رسول ﷺ پر گنبد بنوانے کا فیصلہ کیا تو مصری معماروں کی خدمات حاصل کی گئیں اور انہوں نے اس وقت کے مقبول فن تعمیر کو کام میں لاتے ہوئے حجرہ مطہرہ پر ایک ہشت گوشہ حصے پر گنبد بنایا جس کا بنیادی ڈھانچہ چار گوشہ عمارت پر استوار کیا گیا تھا. اسی عرصے کے لگ بھگ مصر میں ایسی بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئی تھیں. (۱۱۹)

جونہی حجرہ مطہرہ پر گنبد بنایا گیا تو اس کی خوبصورتی اور نسبت روضہ رسول اللہ ﷺ نے اس فن کو چار دانگ عالم میں مقبول کر دیا. جو بھی زائر باہر سے آتا اس کے دل و دماغ میں روضہ رسول ہمیشہ کے لیے نقش ہو جاتا. زمین سے لے کر ساتوں آسمانوں تک کوئی بھی بقعہ نور تقدس میں حجرہ مطہرہ کی برابری نہیں کر سکتا. یہ ایک ایسا مقام اور منظر ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہو اس کا نقشہ اس کے دل میں بستا ہے. اس منظر کی یاد تازہ کرنے کے لیے مسلمان جہاں کہیں بستا ہے وہاں اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ مسجدوں کے گنبد اور مینارے گنبد خضریٰ کی شکل اور رنگ کے بنا لیتا ہے. یہ رسول اللہ ﷺ سے والہانہ محبت کا اظہار ہے کہ اکثر مساجد سبز گنبدوں کے ساتھ حجرہ اقدس کی شبیہ پر بنائی جاتی ہیں بعض حالات میں تو گنبدوں کی شکل اور رنگ بعینہ گنبد خضریٰ کی طرح لگتا ہے جس کی ایک مثال پاکستان میں جامعہ مسجد بھونگ (رحیم یار خان) جس پر رئیس غازی صاحب نے کروڑوں روپے خرچ کیے اور کئی مرتبہ معمارین کو حج اور زیارت کے لیے بھیجا تا کہ گنبد خضریٰ کی نقل بمطابق اصل بنائی جا سکے. ہمارا یہ کہنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ لگاؤ اور والہانہ محبت مسلمانوں میں نئی ہے، بلکہ روز اول سے ہی جب سے پہلا گنبد شریف تعمیر ہوا لوگوں نے اس کی نقل بنانی شروع کر دی تھی. اس وقت گنبد مطہرہ کا رنگ ہلکا آسمانی (خفیف سانیلہ) ہوا کرتا تھا. لہذا اس دور میں جب عشاق نے اس کی نقل بنوانے کی کوشش کی تو وہ تمام نقش و نگار اور شکل و شباہت کو مشہور بزرگوں کے مزاروں پر گنبد تعمیر کر کے اتارا گیا. پچھلے ساڑھے سات سو سالوں میں بہت سی ایسی عمارتیں زمانے کی دستبرد کی نذر ہو چکی ہونگی، لیکن ان میں سے چند ابھی بھی محفوظ ہیں، مگر کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں کہ ساتویں صدی ہجری میں جب ان کی تعمیر ہوئی تھی تو روضہ رسول مقبول ﷺ کی شبیہ ان کے بنوانے والوں اور معماروں کی نظروں کے سامنے تھی. ایسے گنبد زیادہ تر ہندوستان میں اس وقت تعمیر ہوئے جب خاندان تغلق کی حکمرانی تھی جن کا مدینہ طیبہ سے لگاؤ اور اہل مدینہ کی خدمات مسلمہ ہیں. یہ وہ عہد تھا جب کہ مصر میں مملوک سلاطین کی حکومت تھی. برصغیر میں اس وقت بھی تین ایسے تاریخی مزارات ہیں جو کہ تغلق دور کی یادگار ہیں اور اسی وقت کے لگ بھگ تعمیر ہوئے جب مدینہ طیبہ میں حجرہ مطہرہ پر پہلا ہشت گوشہ گنبد بنایا گیا تھا اور اس کا رنگ نیلا تھا

۱۷۹۱ء میں لکھا ہوا فتوح الحرمین کا خطی نسخہ جو 'بون' جرمنی میں پڑا ہے، سے لیا گیا مسجد نبوی کا نایاب خاکہ

اور اسی وجہ سے اسے قبۃ الزرقاء (نیلہ گنبد) کہا جاتا تھا۔(۱۲۰) ان میں سے ایک پاکستان میں ملتان میں واقع ہے (مزار شاہ شمس سبزواری) جو ایک ایسا گنبد ہے جسے شاہان تغلق نے شاہ شمس سے عقیدت کی بنا پر ہشت گوشہ عمارت پر تعمیر کروایا۔ اس کا رنگ نیلگوں مائل ہے۔ دیگر دو مزاران ہندوستان میں ہیں جن میں سے ایک دہلی کے قریب احاطہ ہمایوں میں ہے اور نیلا گنبد کہلاتا ہے۔

شاہ شمس سبزواریؒ کے مزار پر ہشت گوشہ گنبد خاصی دلچسپی کا حامل ہے کیونکہ اسے محمد شاہ تغلق نے تعمیر کروایا تھا جو شاہ شمس کا بہت عقیدت مند تھا لہذا اس نے پوری دلجمعی سے مزار کی تعمیر کروائی اور عمارت کو روضہ رسول کی طرز پر نہ صرف ہشت گوشہ بنایا بلکہ گنبد کا رنگ بھی ہلکا نیلا رنگ کا بنوایا جیسا کہ سلطان قلاوون کی تعمیر کردہ عمارت روضہ رسول پر گنبد کا ہوا کرتا تھا۔ ایسی ہی مثال ان مزارات کی ہے جو کہ تغلق خاندان نے تعمیر کروائے تھے لہذا ایسے تاریخی نیلے گنبدوں پر ایک نظر سے قارئین کو اس گنبد اطہر کی شکل و شباہت کا تھوڑا بہت اندازہ ضرور ہو سکتا ہے کہ نقل جس کی اتنی حسین ہے اصل اس کی کتنی دلربا ہوگی۔ فن تعمیر کی اس مشابہت کا سرا ہے ذکر اس باب سے متعلق تو نہیں لیکن سنجیدہ طالب علم کے خیال کو مہمیز دینے کے لیے کافی ہے کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ اب موجودہ گنبد خضریٰ اسلامی دنیا میں موجود گنبدوں پر کتنی گہری چھاپ رکھتا ہے۔

مقصورہ الشریفہ کا ایک مصور کے قلم سے بنایا ہوا خاکہ، ابتدا میں گنبد شریف کا رنگ نیلا ہوا کرتا تھا، گنبد شریف پر حالہ نور مصور کے تخیل کے مطابق ان انوار و تجلیات کی عکاسی کرتا ہے جو کہ اس بقعہ اقدس پر شب و روز برستی ہیں (تقریباً ۱۸۵۰ء)
بشکریہ مجلۃ العربی، کویت، نمبر ۲۵۲، ۱۳۹۹ھ

ہم اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ حجرہ مطہرہ پر پہلا نیلا گنبد تقریباً ایک صدی تک عشاق کی نگاہوں کا مرکز رہا۔ پھر مرور ایام سے سیسہ پلائے ہوئے لکڑی کے تختوں میں سے چند کمزور پڑ گئے۔ پہلے تو سلطان الناصر حسن بن محمد بن قلاوون نے ایسے تختوں کو تبدیل کروا کر کچھ مرمت کروادی، مگر بعد میں سلطان اشرف شعبان بن حسین بن محمد نے ۷۶۵ ہجری میں مزید مرمت کا کام کروایا۔(۱۲۱) ابھی ایک صدی اور گزری ہوگی کہ اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ گنبد شریف کی وسیع بنیادوں پر مرمت یا تعمیر نو کی جائے اور ساتھ ہی اس پنج گوشہ احاطے کی مرمت کی جائے جو کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بنوایا تھا۔ سلطان اشرف قیتبائی نے شمس بن زمان کو اس بات پر مامور کیا کہ حجرہ مطہرہ کی پورے طور پر چھان بین کی جائے تاکہ اگر ضروری سمجھا جائے تو اس کی مرمت یا تعمیر نو کر دی جائے۔ شمس بن زمان کی رپورٹ کے مطابق حجرہ مطہرہ کی دیواروں کی مرمت کی اشد ضرورت تھی اور خاص طور پر پنج گوشہ شریف کی شرقی دیوار جس میں کچھ دراڑیں پڑنی شروع ہوگئی تھیں جو کہ اس بات کا فوری تقاضا کر رہی تھی کہ فوری مرمت کے اقدامات کئے جائیں۔

ان کی سفارشات پر عملدرآمد کرتے ہوئے ۱۴ شعبان ۸۸۱ ہجری کو پنج گوشہ شریف کے متاثرہ حصے نکال لیے گئے۔ ساتھ ہی ساتھ حجرہ مطہرہ کی پرانی چھت بھی ہٹالی گئی اور پتھروں سے بنا ایک چھوٹا سا گنبد حجرہ شریف پر تعمیر کر دیا گیا اور اس کے اوپر مسجد نبوی شریف کی چھت کو مزید بلند کر دیا گیا تاکہ یہ چھوٹا سا گنبد اپنے کلس (ہلال) سمیت مسجد نبوی کی چھت کی نیچے آجائے۔(۱۲۲) اس کے اوپر بڑا گنبد تعمیر کیا گیا۔

۱۷ شعبان المعظم ۸۸۱ ہجری کو حجرہ مطہرہ کی مرمت اور تعمیر نو کا کام شروع ہوا اور دو ماہ میں مکمل ہوا کام ۷ شوال ۸۸۱ ہجری کو ختم ہوا۔(۱۲۳) امام سمہودیؒ جو کہ بنفس نفیس اس مرمت کے کام میں شریک رہے تھے، بیان کرتے ہیں کہ پنج گوشہ عمارت کے اندر حجرہ مطہرہ مستطیل شکل کا تھا جسے سنگ سیاہ سے بنایا گیا تھا اور اس میں داخلے کے لیے کوئی دروازہ نہیں تھا۔ امام سمہودیؒ کے اپنے الفاظ میں:

[میں نے اللہ رب العزت سے التجاء کی کہ وہ مجھے انکساری اور ضروری آداب بجالانے کی توفیق دے تاکہ میں اس بقاع طاہرہ میں حاضری دینے کے قابل ہو جاؤں اور میرا عجز و انکساری حضور رسالت مآب ﷺ میں مقبول و منظور ہو جائے اور میں سرور دو عالم شفیع المذنبین علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التسلیم کی شفاعت کے قابل ہو سکوں۔ پھر میں بائیں جانب سے حجرہ مقدسہ میں داخل ہوا۔ جونہی میں داخل ہوا تو ایک

ایسی قسم کی خوشبو نے دل و دماغ کو معطر کر دیا جو کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی نہ سونگھی تھی. جب میں انتہائی مودب انداز میں صلوٰۃ و سلام اور التجائے تشفع سے فارغ ہوا تو میں نے اپنی نگاہیں اونچی کیں تا کہ میں اس بقعہ نور اعلیٰ نور کی ایک جھلک دیکھ سکوں اور عشاق حبیب کبریاء کو اس حسین ترین منظر کی تفاصیل بتا سکوں. میں نے دیکھا کہ حجرہ مطہرہ کی ارض مقدسہ کی سطح ہموار تھی اور ایسے لگ رہا تھا کہ اس میں کوئی قبر نہیں تھی، سوائے اس کے کہ حجرہ مطہرہ کے وسط میں تھوڑی سی جگہ عام سطح سے ذرا بلند تھی. میرے ساتھ جو اور لوگ تھے انہوں نے کہا کہ یہی جگہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی ہے. لیکن ایسا خیال ان کی کم علمی کی نشانی تھا کیونکہ امام شافعیؒ نے ایسے خیال کو رد کر دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر حجرہ مطہرہ کے وسط میں آڑے رخ میں واقع تھی. یہ ایک بے بنیاد خیال تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر تو دیوار کے اتنی قریب تھی کہ اس کی لحد اس دیوار کے نیچے چلی گئی تھی جو کہ قبلہ کی جانب ہے. یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ ان حالات میں آپ حضور ﷺ کی قبر اطہر حجرہ مطہرہ کے وسط میں ہو اور وہ بھی آڑے رخ میں ہو!]

[مزید یہ کہ تحفۃ ابن عساکر میں حضرت جابر (بن عبداللہؓ) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا جو کہ حضرت بلال بن رباحؓ نے کیا گیا، جنہوں نے مشکیزے سے پانی کا چھڑکاؤ سرہانے کی طرف سے شروع کیا اور قدمین شریفین تک لے گئے اور کچھ پانی جو مشکیزہ میں بچ گیا تھا اسے دیوار پر چھڑک دیا گیا اور ایسا کرتے وقت انہیں سخت دشواری کا سامنا تھا کیونکہ قبلہ کی دیوار اور قبر شریف کے درمیان بمشکل ایک بالشت کا فاصلہ تھا (جس کی وجہ سے وہ وہاں کھڑے نہیں ہو سکتے تھے)..... الخ (۱۲۴)

حجرہ مطہرہ کی شرقی دیوار کے گرنے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں اسے دوبارہ بنائے جانے کے ذکر کے بعد، امام سمہودی مزید قمطراز ہیں:

دلائل الخیرات کا ۱۲۱۰ھ کا لکھا قلمی نسخہ جس سے مسجد نبوی اور روضۂ اقدس کی ڈرائنگ ہم یہاں شائع کر رہے ہیں جس میں روضۂ اطہر کے اوپر نیلا گنبد نظر آ رہا ہے

[ہم نے حجرہ مطہرہ کی تمام تفاصیل اور اس کی پیمائشیں اور حجرہ مبارکہ کی ارض مقدس کی سطح میں نشیب و فراز اور پنج گوشہ کے اردگرد کی زمین کی سطح کے ساتھ اس کے موازنہ کو بیان کر دیا ہے جو کہ اندرون حجرہ شریفہ کی زمین کی نسبت ۳ ذرع (یعنی ڈیڑھ میٹر) بلند ہے اور وہ ملبہ جو حجرہ اطہر سے نکالا گیا وہ بھی کوئی دو ذرع (تقریباً ایک میٹر) کے برابر تھا. پھر انہوں نے حجرہ مبارکہ کی مرمت کا کام ۷ شعبان کو شروع کر دیا.]

وہ مزید لکھتے ہیں:

[ماہرین کی رائے کے مطابق شمالی دیوار کی چوڑائی بڑھا دی گئی تا کہ وہ ستون جو کہ پہلے اس کے باہر تھا وہ اس دیوار کے اندر آ سکے. اس طرف (یعنی شمالی جانب) چونکہ کافی جگہ خالی پڑی تھی اس دیوار کی موٹائی کو بڑھانے میں آسانی رہے. تاہم اس دیوار کی موٹائی مختلف مقامات پر کم و بیش تھی؛ ستون کے مشرقی جانب اس دیوار کی موٹائی تین ہاتھ (ذرع) ـ یعنی ڈیڑھ میٹر ـ تھی جبکہ ستون کے مغربی جانب کے حصے کی دیوار کی موٹائی تقریباً آدھا ذرع کم تھی جیسا کہ مندرجہ ذیل تصویر میں واضح کیا گیا ہے.... حجرہ شریفہ کے اندر شرقی جانب تقریباً ایک تہائی حصہ پر چھت ڈال دی

گئی جس سے یہ ایک تہہ خانہ نظر آنے لگ گیا تھا، جبکہ باقی کے دوتہائی حصہ پر چھت نہیں ڈالی گئی کیونکہ اس کے اوپر ایک چھوٹا سا گنبد تعمیر کر دیا گیا تھا.حجرہ مطہرہ شرقاً غرباً مستطیل شکل میں ہے.انجینئروں اور معماروں نے شرقی جانب حجرہ شریفہ اور پنج گوشہ کی دیواروں کے درمیانی خلا کو پر کر دیا گیا تھا اور ایسا ہی جنوبی جانب کی دونوں دیواروں کے ساتھ بھی کیا گیا اور وہاں موجود خلاء کو بھی پر کر دیا گیا.اس طرح شرقی اور جنوبی جانب بیرونی اور اندرونی دیواروں کے درمیان کوئی خلا نہیں رہنے دیا گیا تھا، لیکن شمالی جانب کچھ جگہ خالی بچ رہی تھی.قبور مقدسہ کے سرہانوں کی جانب ایک گنبد تعمیر کر دیا گیا جو کہ کالے پتھروں سے بنا تھا اور ان کے اوپر سفید (سنگ مرمر) لگا دیا گیا تھا.حجرہ شریفہ کی ارض مقدسہ سے لے کر گنبد کے ہلال (کلس) تک کل اونچائی سوا اٹھارہ ذرع (تقریباً نو میٹر) رکھی گئی تھی، جب کہ باقیماندہ حصہ پر چھت کی اونچائی ۱۲ ذرع (۶ میٹر) تھی.عمارتی میٹیریل میں سے جو کچھ بچ گیا تھا اس میں سے کچھ تو شمالی دیوار پر لگا دیا گیا تھا اور کچھ لوگ (تبرک کے طور پر) لے گئے تھے.'' (۱۲۵)
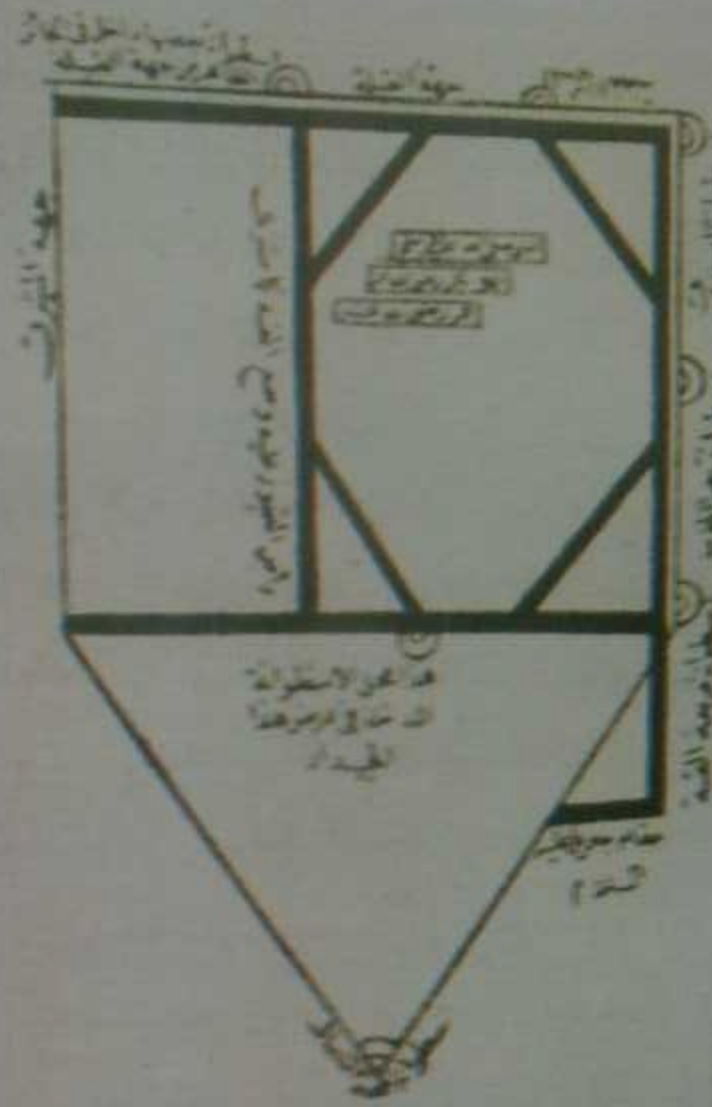
سب کام انتہائی ادب واحترام اور سرعت تمام کے ساتھ انجام پائے.وادی العقیق سے نرم اور صاف ریت لاکر حجرہ شریفہ کے اندر بچھائی گئی.تینوں قبور مقدسہ کو نمایاں کرنے کی غرض سے ان مقامات پر زیادہ ریت اور سنگ ریزے بجری بچھائے گئے جن کی سطح زمیں سے ذرا بلند کر دی گئی اور مسنمہ شکل بنا دی گئی.حجرہ اطہر میں ریگ اور سنگ ریزے ڈالنے سے پہلے اسے مسجد نبوی شریف کے صحن میں بچھا کر اچھی طرح دھویا گیا اور پھر حجرہ شریف لے جایا گیا.تمام کام منگل کے روز مورخہ ۷ شوال ۸۸۱ ہجری کو پایہ تکمیل تک پہنچا.سلطان قیتبائی نے مدینہ منورہ کی زیارت مورخہ ۲۲ ذوالحجہ (بمطابق ۴ فروری ۱۴۸۰ء) کو کی.سلطان نے اپنی حاضری اسی مقام سے دی جہاں سے عامۃ الناس کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے ہیں (یعنی مواجہ شریف کے سامنے سے).جب انہیں حجرہ مطہرہ میں داخل ہونے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے اظہار معذرت کیا اور کہنے لگے: [اے کاش میرے لیے ممکن ہوتا کہ میں مواجہ شریف سے بھی دور کھڑا ہو سکتا، میرے لیے'' زیادہ بہتر ہوتا.] (۱۲۶) اس سے ان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کے حد درجہ احترام کی خوشبو جھلکتی ہے.

اس طرح حجرہ شریفہ کا فرش کسی قسم کے سنگ مرمر یا ٹائلوں کے بغیر رہنے دیا گیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے قدمین مبارکہ اس ارض مقدس پر پڑے تھے.اور یوں روئے زمین پر یہی وہ واحد بقعہ نور ہے جس کو اسی حالت میں رکھا گیا تھا جہاں وہ تراب مقدس ابھی تک موجود ہے جس پر سرکار دو عالم کے نقش کف پا پڑے تھے.تاہم شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مطابق ترکی سلطان سلیمان الفاتح نے دسویں صدی کے وسط میں وہاں سنگ مرمر کی ٹائلیں ڈلوادی تھیں.(۱۲۷) سلطان سلیمان نے مقصورہ شریفہ پر واقع چھت نئے سرے سے ڈلوائی اور قدیم گنبد کے نیچے جو سیسہ کی پلیٹوں کے بدلے جو کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بوسیدہ ہو چکی تھیں سیسہ سے بنی مضبوط نئی پلیٹیں نصب کروادیں.(۱۲۸)

سید سمہودیؒ کی وفاء الوفاء میں مقصورہ شریفہ اور قبور مطہرہ کا وضاحتی خاکہ (ص:۳۱۳)

حجرہ مطہرہ کے فرش اقدس کی سطح کا مسجد نبوی شریف کے فرش کی سطح کا موازنہ

جب حجرہ مطہرہ کی مرمت کا کام ۸۸۱ ہجری میں جاری تھا تو انکشاف ہوا کہ اس فرش اقدس کی سطح جہاں کہ قبور مقدسہ واقع ہیں اس سطح زمین سے جو کہ حجرہ مطہرہ اور پنج گوشہ احاطے کے درمیان ہے تقریباً ڈیڑھ ذرع (یعنی ۷۵.-پونا میٹر) نیچے ہے، جو اس فرش سے جو کہ مسجد

انیسویں صدی کے شروع میں قبر اطہر کی ایک نایاب تصویر جو مدینہ طیبہ سے شائع ہوئی تھی

نبوی کا اس وقت تھا (یعنی ۸۸۱ ہجری) مزید ڈیڑھ ہاتھ (ذرع) نیچے تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس فرش اقدس کی سطح جہاں قبور مقدسہ واقع ہیں اس وقت کی مسجد نبوی کے فرش سے تین ہاتھ (ڈیڑھ میٹر) نیچے تھی۔ شائد یہی وجہ تھی کہ کچھ حصے میں تہہ خانہ بنایا گیا تھا جیسا کہ امام سمہودی نے بیان کیا ہے۔ (۱۲۹) یہ صورت حال ۸۸۶ ہجری میں تھی اور اب جب کہ مزید پانچ صدیاں بیت گئی ہیں اور تمام مسجد نبوی کم از کم تین مرتبہ از سر نو تعمیر ہو چکی ہے۔ دو مرتبہ ترکیوں کے دور میں اور ایک بار سعودی دور میں اور کئی بار سنگ مرمر کا فرش ڈلوایا جا چکا ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بیرونی سطح مسجد مزید اوپر اٹھ چکی ہوگی۔

حجرہ مطہرہ کی تعمیر اور مرمت کی چند مزید تفاصیل

۱۳ رمضان المبارک ۸۸۶ ہجری کو آسمان مدینہ طیبہ پر گھنے بادل چھائے ہوئے تھے۔ رئیس الموذنین، شمس الدین بن الخطیب حسب معمول مینارہ رئیسیہ پر اذان دینے کی غرض سے چڑھے ہی تھے کہ اچانک آسمانی بجلی ان پر کوندی۔ موذن موقع پر ہی شہید ہو گئے اور مینارہ رئیسیہ مسجد نبوی کی جانب گر پڑا۔ مسجد نبوی میں آگ بھڑک اٹھی۔ ناگہانی آگ کی حدت اور بھگدڑ میں مزید دس آدمیوں کی موت واقع ہو گئی۔ آگ اور مینارے کے گرنے سے گنبد شریف کو نقصان پہنچا اور کچھ ملبہ حجرہ مطہرہ کے اندر بھی گر پڑا۔ (۱۳۰) تاہم حجرہ شریفہ محفوظ رہا۔ اگرچہ فوری نوعیت کی مرمت تو کروا دی گئی مگر مکمل تفصیلات کے ساتھ سلطان قیتبائی کو ۱۶ رمضان المبارک (۸ نومبر ۱۴۸۱ء) کو قاصد کے ذریعے پیغام بھیج دیا گیا تا کہ وہ مناسب اقدام اٹھانے کا فرمان جاری کریں۔ سلطان نے مصر سے ضروری سامان اور ایک سو سے زیادہ معمار اور عمال اپنے معتمد شاہین سنجر الجمالی کی سرکردگی میں مدینہ طیبہ روانہ کر دیئے اور پوری سرعت اور دلجمعی کے ساتھ کام شروع کر دیا گیا۔ باہر والا گنبد جس کو کچھ نقصان پہنچا تھا مکمل طور پر ہٹا لیا گیا کیونکہ شدید آتش زدگی سے اس کی مرمت ناممکن ہو گئی تھی۔ سلطان قیتبائی کے حکم سے ۸۹۲ ہجری میں باہر کی جانب ایک نیا گنبد تعمیر کیا گیا جو کہ صدیوں تک قائم رہا اور جب اس میں کچھ خلل نظر آیا تو ترکی سلطان محمود بن عبدالحمید خان نے اسے گرا کر ۱۲۳۳ ہجری میں دوبارہ گنبد تعمیر کروا دیا جو ابھی بھی موجود ہے اور جسے اس کے سبز رنگ کی وجہ سے گنبد خضریٰ کہا جاتا ہے۔ (۱۳۱)

یہ سال (۱۲۳۳ ہجری جب کہ حجرہ مطہرہ کے گنبد کی تعمیر نو ہوئی) حجرہ مطہرہ کی تعمیر کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۸ رجب ۱۲۳۳ ہجری کو وہابی حملہ آوروں کو جنہوں نے چند سالوں سے مدینہ طیبہ پر قبضہ کیا ہوا تھا اور بہت تباہی مچائی تھی، ان کو طوسون

ابن نجار (۵۷۳-۶۴۷ھ) کا بنایا ہوا قلمی خاکہ جسے انہوں نے ابن زبالہ کے دوسری صدی ہجری کے قلمی نقشے سے اخذ کر کے بنایا تھا

سمہودیؒ (وفاء الوفاء، ص: ۵۶۳)

پاشا نے ترکی سلطان کے احکام کے تحت نکال باہر کیا تھا. یہ اسی واقعہ کے بعد ہوا تھا کہ وہ چھوٹا سا گنبد جو کہ صحن مسجد کے وسط میں ہوا کرتا تھا (جس کے اندر نوادرات اور تبرکات نبویہ اور مصحف شریف کے چند نہایت ہی قدیم مخطوطے محفوظ تھے) ترکی حکومت نے مسمار کروا دیا اور تمام نوادرات آستانہ (استنبول) لے گئے جہاں توپکاپی میوزیم میں آج تک محفوظ ہیں تاکہ آئندہ کسی بدبخت کو ان پر میلی آنکھ ڈالنے کی جرأت نہ ہو سکے.

حجرہ الشریفہ کی تعمیر نو کا اصل سبب بھی بلا واسطہ انہی وہابی حوادث سے منسلک تھا کیونکہ انہوں نے گنبد پر چڑھ کر اس کے ہلال کو سونے کا سمجھ کر اتارنے کی سعی لا حاصل کی تھی. یہ سلطان محمود خان کے دور میں ہوا کہ گنبد شریف کو ۱۲۵۳ ہجری میں سبز رنگ کر دیا گیا. اس سے پہلے اس کا رنگ نیلا ہوا کرتا تھا. گنبد شریف کے مختلف ادوار میں مختلف رنگوں کی وجہ سے اسے ان رنگوں کی نسبت سے شہرت رہی ہے، مثلاً جب اس کا رنگ سفید تھا تو اسے 'قبۃ البیضاء' کہا جاتا تھا، اور جب نیلا رنگ ہو گیا تو اسے 'قبۃ الزرقاء' یا 'الفیحاء' (۱۳۲) کہا جاتا تھا اور پھر ۱۲۵۳ ہجری کے بعد سے اب تک تقریباً ۱۷۰ سال گزر چکے ہیں اور سبز رنگ کی وجہ سے یہ قبۃ الخضریٰ کے نام سے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بنا ہوا ہے. (۱۳۳)

امام سمہودیؒ کے علاوہ ایک اور شخصیت جنہوں نے حجرہ مطہرہ کے اندر کی مزید تفاصیل بیان کی ہیں وہ السید جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی ہیں جو مایہ ناز تاریخ مسجد نبوی "نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین" کے مصنف اور مشہور برزنجی شیخ اور عالم جعفر برزنجی کے پوتے تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں شہرہ آفاق "قصیدہ برزنجیہ" لکھا تھا. (۱۳۴) انہوں نے نزہۃ الناظرین میں اپنی نگارشات میں لکھا ہے کہ انہیں ایک مرتبہ سبز گنبد کے ایک جھروکے سے حجرہ مطہرہ کے اندر جھانکنے کا موقع ملا تھا. انہوں نے مشاہدہ کیا کہ حجرہ مطہرہ مربع شکل میں ہے اور اس کے اوپر ایک پردہ دائمی طور پر پڑا تھا جس سے واضح طور پر نظارہ نہ ہو سکا. انہوں نے ایک چھوٹا سا گنبد بھی دیکھا جو کہ حجرہ مطہرہ کے اوپر استوار تھا اور اس کے اوپر بھی پردہ ڈلا ہوا تھا. (۱۳۵) تاہم ان کے خیال میں پردہ کچھ اس انداز سے پڑا تھا کہ وہ خیمے کی طرح درمیان سے اوپر اٹھا ہوا لگتا تھا. انہوں نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ دیواروں کے اوپر والے حصے میں لکڑی کی جالی لگی تھی جس سے حجرہ شریفہ پر پردے لٹکائے گئے تھے. انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے وہ چاروں ستونوں کے اوپر والے حصے بھی دیکھے جن کے اوپر چھوٹا گنبد بننے سے پہلے حجرہ شریفہ کی چھت ہوا کرتی

تھی اوران کوان کی اصلی حالت پر ہی رہنے دیا گیا تھا.اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اندرونی چھوٹا گنبدان دیواروں پر استوار ہوا جو کہ پنج گوشہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے اندر واقع حجرہ مطہرہ کی دیواریں ہیں. بیرونی گنبد (گنبد خضرٰی) کی اندرونی کیفیت کے متعلق وہ رقمطراز ہیں کہ اندر کی طرف سے یہ نہایت ہی خوبصورت منظر پیش کرتا ہے.اسے خوبصورت نقاشی اور خطاطی سے سجایا گیا ہے جو کہ ان کے لیے پڑھنا مشکل تھا.وہ صرف اتنا پڑھ پائے تھے کہ ایک طرف اس کے بنانے والے کا نام لکھا تھا جو کہ ''قیتبائی'' (ملک اشرف قیتبائی) تھا.

سبز گنبد کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ اسے چار گوشہ بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے اور اس میں ۶۷ روشن دان ہیں.جن میں سے کچھ تو گول شکل کے ہیں اور باقی کے مستطیل ہیں.جہاں تک اس روزن کا تعلق ہے جس کا المراغی اور دیگر مورخین نے بکثرت ذکر کیا ہے، یہ حجرہ مطہرہ کی چھت کے اس حصے میں روزن کے سامنے تھی جو کہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کے ارشادات پر بنایا گیا تھا جب کہ عام الفتق میں شدید قحط کا سامنا تھا.یہ روزن سبز گنبد کی بالائی طرف جنوب میں ہلال کے نیچے ہوا کرتا تھا اور جب کبھی بھی خشک سالی یا قحط کا سامنا ہوتا تو اہل مدینہ طیبہ اس روزن کو کھول دیا کرتے تھے اور جونہی دھوپ کی کرنیں حجرہ مطہرہ میں پڑتیں، بادل چھا جاتے اور اہل مدینہ کے لیے باران رحمت کا سبب بن جاتے.صدیوں سے ایسا ہی ہوتا آیا تھا مگر موجودہ حکومت کے بنیاد پرستوں نے اسے بدعت سمجھ کر بند کر دیا ہے، حالانکہ اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادوار مبارکہ سے ہی ایسا ہوتا آیا تھا.

مقصورہ شریف کے متعلق عبدالقدوس الانصاری نے بیان کیا ہے: ''موجودہ مقصورہ شریف (باہر کی جالیوں سے لیکر اندرونی گنبد تک) سلطان اشرف قیتبائی کے شاہکاروں میں سے ایک ہے.اندر ایک چھوٹا سا گنبد ہے جسے سنگ سیاہ سے بنایا گیا ہے اور اوپر سفید سنگ مرمر جڑا ہوا ہے اور یہ حجرہ نبویہ کے اوپر استوار کیا گیا ہے.جس میں تینوں قبور مقدسہ ہیں: ہمارے آقا و مولا رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک اور آپ کے خلفاء شیخین کریمین سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی قبور مبارکہ ہیں.یہ اندرونی تعمیر چار صدیاں پرانی ہے.تاہم باہر کا گنبد، گنبد خضرٰی، سلطان محمود ثانی کا بنایا ہوا ہے...'' (۱۳۶) اندرونی چھوٹا گنبد 'قبۃ نور' (گنبد نور) کہلاتا ہے جب کہ باہر والا بڑا گنبد 'قبۃ الخضرٰی' (سبز گنبد) کہلاتا ہے.سلاطین عثمانیہ کے بھیجے ہوئے پردے (کسوۃ الشریفہ) قبۃ نور پر ڈالے جاتے تھے.سلطان عبدالمجید کی کروائی ہوئی مرمت اور تعمیر نو کے بعد قبلہ کی دیوار سے جالی مبارکہ تک ساڑھے سات میٹر فاصلہ ہے، جب کہ شرقی اور غربی جالی کے درمیان چھ میٹر کا فاصلہ ہے.حجرہ مطہر کا کل رقبہ شرقاً غرباً ۱۱ میٹر چوڑائی اور شمالاً جنوباً اس کی لمبائی ۱۹ میٹر ہے.یہ پیمائش اس ناپ پر مبنی ہے جس کے مطابق مدینہ طیبہ کا ایک ذرع (ہاتھ) سرکاری طور پر ۴۲ سنٹی میٹر کے مطابق گردانا جاتا تھا اگرچہ فقہ کی کتابوں میں شرعی ذرع کی لمبائی ۴۸ سنٹی میٹر کے برابر بتائی گئی ہے.

ایوب صبری پاشا، مشہورترکی مورخ مدینہ طیبہ اور عثمانیوں کے آخری شیخ الاسلام نے ۱۲۹۶ میں یوں لکھا تھا: ''سلطان محمود خان دوم کے زمانے میں گنبد خضرٰی میں کچھ دراڑیں ظاہر ہوئیں جن کا بظاہر سبب دیواروں اور اوپر کی پٹی کی کم چوڑائی اور ضعف سمجھا گیا تھا.لہذا سلطان محمود نے حکم دیا کہ گنبد مبارک کو اس کی بنیادوں تک گرا دیا جائے اور اسے دوبارہ بہت ہی مضبوط اور چوڑے ستونوں پر از سر نو استوار کیا جائے.چنانچہ ایسا ہی کیا گیا.یوں موجودہ گنبد ۱۲۳۳ ہجری میں بنایا گیا.(۱۳۷) اسی سال مزید مرمت کا کام بھی کیا گیا اور پھر ۱۲۵۵ ہجری میں اسے سبز رنگ کر دیا گیا.(۱۳۸) ایوب صبری پاشا نے بیان کیا ہے کہ ۱۱۹۱ ہجری میں سلطان عبدالحمید کی لکھی ہوئی نعت شریف کے نو اشعار حجرہ

غربی جانب دواشعار سنہرے حروف سے لکھے نظر آرہے ہیں

مطہرہ کے باہر نہائت ہی خوبصورت خطاطی سے لکھے گئے تھے، جن کا ذکر ابراہیم رفعت پاشا نے بھی کیا ہے اور ان میں سے دو اشعار اپنی کتاب مراۃ الحرمین میں نقل کئے ہیں:

انی توسلت بالمختار اشرف من — رقی السماوات سر الواحد الاحد

رب الجمال تعالیٰ اللہ خالقه — فمثله فی جمیع الخلق لم اجد (۱۳۹)

میں نے احمد مختار ﷺ کے وسیلے کا سہارا لیا ہے جن کی ذات مبارکہ کو شب اسریٰ آسمانوں پر جانے کا شرف حاصل ہے اور وہ رب واحد الاحد کے راز ہیں

خالق حسن رب ذوالجلال نے انہیں احسن تقویم میں بنایا — ایسا کہ ہم نے پوری مخلوق میں ان کا ثانی نہیں پایا.

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ پندرہ اشعار پر مشتمل یہ پورا قصیدہ، کاشانہ اقدس پر نہائت ہی خوشخطی سے سبز جالی کے اوپر والی جگہ پر لکھا گیا تھا، مگر سعودی حکومت کے آنے پر اس کے بہت سے اشعار کو ان پر سیمنٹ لگا کر حذف کر دیا گیا؛ خاص طور پر ایسے اشعار جن میں مقصود کونین شفیع المذنبین اور رحمت اللعالمین ﷺ سے شفاعت کی درخواست کی گئی ہے ان پر سیمنٹ لگا کر اور سبز رنگ چڑھا کر حذف کر دیا گیا مگر ایسے اشعار جو کہ سعودی مکتبہ فکر سے زیادہ متصادم نہیں ہیں اور ان کے علماء کی طبع نازک پر گراں نہیں گزرتے تھے وہ آج بھی کنداں ہیں اور ان پر سنہری رنگ کر کے اجاگر کر دیا گیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل تصویر سے ظاہر ہے. مواجہ شریفہ کی جالی کے اوپر کی جانب تینوں اشعار جو کہ اس نعت کی جان تھے مٹا کر ان پر لکڑی کی الواح لگا دی گئی ہیں جن پر قرآنی آیات لکھی گئی ہیں. دیگر تین اطراف میں چند مزید اشعار کو حذف کر دیا گیا ہے. اس طرح دست برد سے بچ جانے والے اشعار کی تعداد نو ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

غربی جانب بچ جانے والے اشعار:

یا من یقوم مقام الحمد منفرداً — للواحد الفرد لم یولد ولم یلد

یا من تفجرت الانهار نابعة — من اصبعه فروی الجیش ذی العدد

شمالی جانب کنداں اشعار جو کہ ابھی تک محفوظ ہیں وہ یہ ہیں:

رب الجمال تعالیٰ اللہ خالقه — فمثله فی جمیع الخلق لم اجد

خیر الخلائق المرسلین دراً — ذخر الانام وهادیهم الی الرشد

اس کے علاوہ شرقی جانب قدمین الشریفین کی دیوار پر جالیوں کے اوپر پانچ اشعار رہنے دیئے گئے ہیں، البتہ ایک شعر کے دوسرے مصرع کے کچھ حصہ کو بھونڈے طریقے سے حذف کر دیا گیا ہے. قارئین کرام کی سہولت کے لیے ہم مکمل نعت شریف درج ذیل کر رہے ہیں:

شمالی جانب کندہ
اشعار جو کہ ابھی تک
محفوظ ہیں

سلطان عبدالحمید خان اول کی نعت
جو کہ حجرہ مطہرہ کے باہر جالیوں سے اوپر والے حصے میں سنہری حروف میں لکھی گئی تھی

بسم الله الرّحمٰن الرّحیم

یا سیّدي یا رسول الله خُذ بیدی
اے میرے آقا اے اللہ کے رسول میرا ہاتھ تھام لیجئے

ما لی سواکَ و لا الوي علیٰ احد
نہ آپ کے سوا میرا کوئی ہیں اور نہ ہی میں آپ کے علاوہ کسی کی طرف مائل ہوتا ہوں

فانتَ نور الہدیٰ فی کل کائناۃ
آپ ہی ساری کائنات میں نور ہدایت ہیں

و انتَ سرأ الندیٰ یا خیرَ مُعتَمدِ
اور آپ ہی ساری التجاؤں کا راز ہیں اور آپ ہی کی ذات سب سے زیادہ معتمد ہے

وانتَ حقاً غیاث الخلق اَجمعہم
اور آپ بے شک ساری مخلوق کی مدد کرنے والے ہیں

و انتَ ھادي الوریٰ للله ذی المددِ
اور آپ سب سے بہتر رہنما اور اللہ کی جانب سے سب کے ہادی ہیں

☆ **یا مَن یقومُ مقامَ الحمدِ منفرداً**
اے وہ ذات جن کے لیے سب سے منفرد مقام محمود مقرر ہوا

للواحد الفردِ لم یولد و لم یلدِ
اس یکتا ذات کے ہاں کہ نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد

☆ **یا من تفجّرت الانہارُ نابعۃً**
اے وہ ذات کہ جن کی انگلیوں سے دریاؤں کے سے

من اصبعہ فروّی الجیش ذی العددِ
چشمے پھوٹ پڑے جن سے لشکر کے لشکر سیر ہو کر اپنی پیاس بجھاتے تھے

انی اذا سامَنی ضَیمُ یَروّعُنی
جب بھی میرا ظلم سے سامنا ہوا اور میں خوف زدہ ہوا

اقولُ یا سید السادات یا سندی
تو میں یا سید السادات اور یا سندی پکارتا ہوں

کن لی شفیعاً الی الرحمٰن من زللي
آپ سید رحمٰن کی بارگاہ میں میری خطاؤں پر میری شفاعت فرمائیں

وامنُن عليَّ بما لا کانَ فی خلدی
اور مجھ پر وہ احسان فرمائیں جو کہ میرے تصور سے بھی بالا ہو

واَنظر بعین الرّضاء لي دائماً ابداً
اور آپ ہمیشہ مجھ پر نگاہ التفات رکھیں

واستُر بفضلکَ تقصیري مدیٰ الامد
اور اپنے فضل و کرم سے ہمیشہ میری کوتاہیوں کی پردہ پوشی فرمائیں

واَعطف عليَّ بعفواً منکَ یشملنی
اور آپ مجھ پر ایسی نظر کرم فرمائیں کہ میری کوتاہیوں کو ڈھانپ لے

فانني عنکَ یا مولای لم اُحد
بے شک اے میرے آقا آپ کے سوا میرا کوئی نہیں

انی توسلتُ بالمختار اَشرف مَن | رقیٰ السماوات سرّ الواحد الأحدِ
بے شک میں نے ایسی مختار ہستی کا وسیلہ پکڑا ہے | جو آسمانوں سے بھی بالاتر تشریف لے گئے اور اللہ واحد لاشریک لہ کا راز ہیں

☆ رب الجمال تعالیٰ اللہ خالقهٗ | فمثله فی جمیع الخلقِ لم اجدِ
حسن کے رب نے آپ کی تخلیق کی | اور پوری کائنات میں آپ جیسا کوئی اور نہیں ہے

☆ خیر الخلائق المرسلین ذریً | ذُخرَ الانام و هادیهم الي الرُشدِ
آپ ساری مخلوق سے بہتر اور تمام رسولوں سے اعلیٰ مقام رکھتے ہیں | آپ پوری مخلوق کے ملجاء و ماویٰ اور صراط مستقیم کی طرف ان کے راہنما ہیں

به اَلتجئتُ لعل اللّهُ یغفرُلي | هذا الذی هو فی ذهني و مُعتقدی
انہی کے وسیلے سے میں نے التجاء کی ہے اور امید ہے کہ اللہ مجھے بخش دے گا | یہی میرا عقیدہ اور ایمان ہے

☆ فمدحُهٗ لم یزل دابي مدیٰ عُمري | و حُبّهٗ عند ربّ العرش مُستَنَد
جب تک میری عمر ہے ہمیشہ ان کی تعریف ہی مرا طرز عمل ہے اور ان کی محبت ہی رب العرش کے ہاں قابل اعتماد سرمایہ ہے

☆ علیه ازکیٰ صلاةٍ لم تزل ابداً | مع السّلامِ بلا حصرٍ و لا عددِ
ان پر ہمیشہ ہمیشہ بہترین درود ہو | جس کے ساتھ بے حد و شمار صلوٰۃ و سلام ہو

☆ و علیٰ الآلِ والصّحبِ اهل المجدِ قاطبةً | بحرِ السّماحِ و اهل الجودِ والمددِ
اور تمام آل اور اصحاب کرام پر جو بڑی فضیلت والے ہیں | اور جو سخاوت اور عفو اور مدد کا سمندر ہیں

(وہ اشعار جن کے سامنے ستاروں کے نشانات ہیں ابھی تک اپنی جگہ موجود ہیں)

اس کے علاوہ ایک اور قصیدہ جو کہ سید الشیخ عبداللہ بن علوی الحداد العلوی الحسینی الحضری (ت: ۱۱۳۲ہجری) نے لکھا تھا. وہ حجرہ مطہرہ کے اندر نفیس خطاطی سے لکھا گیا تھا جس کے دو شعر یہ ہیں:

وقفنا علی اعتاب فضلك یا سیدي | لتقبیل ترب حبّذلك من ترب
اے ہمارے آقا ہم آپ کے فضل و کرم کی چوکھٹ پر کھڑے ہیں | تاکہ چوکھٹ کی زمین کو بوسہ دیں. کتنی عمدہ ہے یہ خاک!

و قمنا تجاه الوجه مبارك | علینا به نسقی الغمام لدی الجدب
ہم چہرہ اقدس کے سامنے کھڑے ہیں ایسا مبارک چہرہ | جس کے توسل سے قحط کی حالت میں بھی ہم پر بادلوں سے بارش نازل ہو جاتی ہے

محمد طاہر الکردی (جو کہ مکۃ المکرّمہ کے عصر حاضر کے مشہور وقائع نگار ہوئے ہیں) نے بھی اپنی کتاب تاریخ القویم میں چند تفاصیل مہیا کہ ہیں. وہ رقمطراز ہیں:

"مقصورہ شریف کا رقبہ شمالاً جنوباً ۱۶ میٹر ہے جبکہ شرقاً غرباً یہ ۱۵ میٹر چوڑا ہے. اس کے چاروں کونوں میں بہت ہی مضبوط چار ستون ہیں جو سنگ خارا سے بنائے گئے ہیں اور چھت تک بلند ہیں جس کے اوپر گنبد شریف استوار کیا گیا ہے. جہاں تک حجرہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء کے رقبے کا تعلق ہے یہ شمالاً جنوباً ساڑھے چودہ میٹر لمبا ہے اور شرقاً غرباً چودہ میٹر چوڑا ہے. یہ حجرہ رئیسیہ سے دو دروازوں کے ذریعے متصل ہے. ایک شرقی جانب ہے اور دوسرا غربی جانب ہے اور دونوں کے درمیاں کچھ اونچی جگہ ہے جو کہ بعض مورخین کے مطابق سیدۃ فاطمہ ؓ کی قبر اطہر ہے......" (۱۴۰)

رقبے کی یہ تفاصیل بتنولی کی بیان کی گئی تفاصیل سے بہت حد تک مطابقت رکھتی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

شمالاً جنوباً ۱۶ میٹر

شرقاً غرباً ۱۵ میٹر

حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء کے متعلق بتنولی لکھتا ہے کہ جنوب کی طرف یہ ۱۴.۵ میٹر لمبا ہے جب کہ شمال کی طرف اس کی لمبائی ۱۴ میٹر ہے، اور شرقاً غرباً اس کی چوڑائی تقریباً سات میٹر ہے اور یہ حجرہ مطہرہ سے دو دروازوں کے ذریعے جڑا ہوا ہے جو کہ اس کے اندر واقع ہیں۔(۱۴۱)

باہر کی سبز جالیوں اور اندر کے حجرہ شریف جس میں قبور مطہرہ ہیں کے درمیان خالی جگہ ہے جو کہ تین اطراف سے تقریباً تین تین میٹر ہے (جنوب میں قبلہ کی طرف اور مشرق میں قدمین شریفین کی طرف اور مغربی جانب)۔ جنوب مغربی کونے میں اس کھلی جگہ پر ایک بہت ہی ضخیم مصحف شریف رکھا ہوا ہے جو کہ حجاج بن یوسف نے مدینہ طیبہ میں رکھوایا تھا مگر بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ ان چھ مصحفوں میں سے ایک ہے جو کہ سیدنا عثمان بن عفانؓ نے تیار کروائے تھے۔ اس کھلی جگہ کے اوپر والی چھت سے جھومر اور سونے اور چاندی کے فانوس لٹکتے ہیں، جن میں سے ۳۱ ہیرے جواہرات سے مرصع ہیں اور چاندی کی زنجیروں سے لٹکتے ہیں۔ حجرہ شریفہ میں ایسے فانوسوں کی کل تعداد ۱۰۶ ہے۔ سید الکونین اور محبوب رب المشرقین ورب المغربین ﷺ کے سرہانے مبارکہ کی طرف ایک نادر ہیرا ہے۔ جس کا حجم کبوتر کے انڈے کے برابر ہے جسے سونے کی لوح میں جڑا گیا ہے۔ اس ہیرے کو عرف عام میں 'کوکب دری' کہا جاتا ہے۔(۱۴۲) جس زریں لوح میں اسے جڑا گیا ہے اس میں مزید ۲۲۷ ہیرے بھی جڑے ہیں جو کہ مختلف حجموں میں ہیں۔ اسے حجرہ مبارکہ پر سلطان احمد خان اول ابن سلطان محمد خان نے گیارھویں صدی کی ابتداء میں پیش کیا تھا۔(۱۴۳) یہ تمام معلومات محمد طاہر الکردی کی مہیا کردہ ہیں جن کے بیان کے مطابق، مندرجہ بالا قیمتی اشیاء کے علاوہ اور بھی بہت سے بیش قیمت ہار، سیم وزر اور جواہرات کے تحائف ہیں جو کہ حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے اندر پڑے ہوئے ہیں جن کے ساتھ بہت سے مصحف بھی رکھے ہیں۔ چند عینی شاہدوں کے بیانات کے مطابق جنہیں ایک یا دو مرتبہ حجرہ مطہرہ کے اندر جانے کی سعادت نصیب ہوئی تھی، حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے اندر ایک چرخہ، ایک آٹا پیسنے کی چکی اور ایک مشکیزہ بھی محفوظ ہیں جو کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے منسوب ہیں۔

حجرہ مطہرہ کے گرد پہلی بار جالی شاہ ظاہر رکن الدین بیبارس نے ۶۶۸ ہجری میں لگوائی تھی جو کہ ۸۸۶ ہجری (۵ نومبر ۱۴۸۱ء) کے آتشیں حادثے میں جل کر خاکستر ہوگئی اور سلطان اشرف قیتبائی نے تانبے کی بنی جالیاں ارسال کیں جو کہ ۸۸۶ ہجری میں نصب ہوئیں۔ گنبد پر پیتل کا ہلال سب سے پہلے عثمانیوں نے ۱۳ شوال بروز منگل ۹۴۶ ہجری کو لگوایا۔(۱۴۴) آہنی دروازے: باب التوبہ (جنوب میں مواجہ شریف کی طرف)، باب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ (جو کہ مشرق میں ہے)، باب الوفود (جو کہ مغربی جانب ہے اور ریاض الجنۃ میں کھلتا ہے)، بھی ۶۶۸ ہجری میں شاہ ظاہر بیبارس نے لگوائے تھے، وہ بھی لکڑی کے تھے اور ۸۸۶ ہجری کے حادثے میں تباہ ہو گئے تھے۔ ایک اور دروازہ جسے باب التہجد یا باب الشامی کہا جاتا ہے، زین الدین کتبغا کے احکام پر ۲۹۷ ہجری میں نصب ہوا تھا۔ یہ تمام دروازے چونکہ جل گئے تھے اس لیے سلطان اشرف قیتبائی نے جب تانبے کی جالی بنوا کر بھیجی تو یہ تمام دروازے بھی دھات کے بنوا دیئے تھے۔ حجرہ مطہرہ کے اندر کھڑکیاں تھی جو کہ سونے کی بنی ہوئی تھیں ترکی سلطان

محمد نے پیش کی تھیں مگر بدقسمتی سے سعود انہیں اکھاڑ کر اپنے ساتھ درعیہ لے گیا تھا.(۱۴۵)اس وقت مقصورہ شریفہ میں چھ دروازے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) چاندی سے بنا باب التوبہ جو کہ مواجہ شریف کے پاس ہے.اسے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے.

(۲) باب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ جو کہ مشرق میں ہے اور حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ میں داخلے کے لیے استعمال ہوتا ہے.خدام مقصورہ شریفہ اسی دروازے سے اندر جاتے ہیں اور دوسرے ممالک سے آنے والے خوش قسمت وی آئی پی بھی اسی دروازے سے اندر لے جائے جاتے ہیں.

(۳) باب الوفود جو کہ مغربی جانب ہے.یہ دروازہ اسطوانۃ السریر اور اسطوانۃ الحرس کے درمیان ہے اور آج کل بند ہے.

(۴) باب الشامی شمالی جانب ہے.یہ دروازہ باب الوفود سے ذرا چھوٹا ہے اور آج کل اس کے سامنے الماریاں رکھ کر اسے نظروں سے اوجھل کر دیا گیا ہے.ان الماریوں میں قرآن الکریم کے نسخے رکھے رہتے ہیں.

(۵) پانچواں اور چھٹا دروازہ:یہ دونوں دروازے کاشانہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ میں داخل ہونے کے بعد نظر آتے ہیں.ان میں سے ایک دروازہ شرقی جانب اور دوسرا غربی جانب کھلتا ہے.جن سے حجرہ مطہرہ میں رسائی ممکن ہوتی ہے.

عہد عثمانی کے پہلے سلطان کا بھیجا ہوا پردہ جو قبور مطہرہ کے اردگرد ایک عرصہ تک لٹکا رہا

مقصورہ الشریفہ میں آویزاں پردے

ابن نجار کے بیان کے مطابق حجرہ مطہرہ میں پردے ڈلوانے کا شرف سب سے پہلے ابن ابی الہیجاء کو ہو جو کہ مصر کے ایک وزیر تھے.انہوں نے عباسی خلیفہ المستضی بامراللہ سے اجازت لے کر اسے چھٹی صدی ہجری میں حجرہ مطہرہ میں آویزاں کیا تھا.یہ پردہ سفید مخمل کا بنا تھا جس پر سرخ رنگ میں قرآن کریم کی سورۃ یٰسین کی کشیدہ کاری کی گئی تھی.یہ پردہ دو سال تک رہا اور پھر خلیفہ مستضی بامراللہ نے ایک نیا پردہ ارسال کر دیا اور پرانا پردہ نجف اشرف میں شیر خدا علی المرتضیٰؓ کے مزار پر لٹکا دیا گیا.(۱۴۶) خلیفہ کا نیا بھیجا ہوا پردہ سرخ مخمل کا تھا جس پر سفید رنگ سے کشیدہ کاری کی گئی تھی اور اس پر چاروں خلفائے راشدین کے نام گرامی لکھے گئے تھے.اس کے بعد خلیفہ ناصر الدین اللہ نے سیاہ ریشمی پردہ ارسال کیا.ابن نجار کے بیان کے مطابق ان کے دور میں تین پردے ہوا کرتے تھے جو حجرہ مطہرہ میں ایک دوسرے کے اوپر آویزاں تھے.تاہم سمہودی نے ابن نجار کے بیان سے اتفاق نہیں کیا کہ سب سے پہلے پردے کس نے ڈلوائے تھے.وہ ابن رزین العبدری الاندلسی کے بیان پر اعتماد کرتے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ سب سے پہلے پردے ملکہ خیزران (ہارون الرشید کی والدہ) نے ڈلوائے تھے.اس کے بعد ایک طرح کی رسم ہی چل نکلی کہ پردے ہمیشہ بغداد سے بن کر آتے تھے،مگر بعد میں کسوہ شریفہ مصر سے بن کر آنے لگے جو کہ ہر چھ سال کے بعد بھیجے جاتے تھے.ہمارے نزدیک سمہودیؒ کی تحقیق زیادہ قرین قیاس ہے.عثمانی دور کے آواخر میں یہ پردے آستانہ (استنبول) سے سل کر بھی آنے لگے تھے.سلطان عبدالمجیدؒ نے ایک پردہ ۱۲۷۹ ہجری کو روانہ کیا تھا.(۱۴۷) ان کے بعد ایک اور پردہ سلطان عبدالعزیز خان نے ۱۲۸۸ ہجری میں بھیجا تھا.

موجودہ پردہ گہرے سبز رنگ کی مخمل سے بنا ہے اور کشیدہ کاری سے بالائی حصے پر خوبصورت خطاطی کی گئی ہے. اگر ہم شرقی جانب سے روزن جالی سے اندر جھانک کر دیکھیں تو پردے کا ایک حصہ جو کہ قبر اطہر رسول مقبول ﷺ کے سامنے پڑتا ہے وہ سرخ رنگ میں ہے. جنرل ابراہیم رفعت پاشا جنھوں نے ۱۹۰۱ء، ۱۹۰۲ء، ۱۹۰۴ء اور پھر ۱۹۰۸ء میں مصری کاروان حجاج کے امیر الحج کے طور پر مدینہ طیبہ کی زیارت کی تھی، اس بات کو بالصراحت بیان کرتے ہیں کہ حجرہ مطہرہ میں تمام دروازوں اور محرابوں پر پردے ہوا کرتے تھے. منبر رسول اللہ ﷺ پر بھی پردہ ڈلا ہوا کرتا تھا. ان کے بیان کے مطابق جالی مبارکہ پر کل اٹھارہ پردے ہوا کرتے تھے جب کہ قبر اطہر پر گیارہ پردے تھے جو کہ سبز مخمل کے تھے. (۱۴۸) منبر رسول ﷺ پر سب سے پہلے پردہ خلیفہ راشد سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے دور میں ڈالا گیا تھا.

اس معاملے میں محمد طاہر الکردی لکھتے ہیں: اس کے اوپر سبز پردے ڈالے ہوئے ہیں جن پر لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ لکھا گیا ہے. بالائی حصے پر قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ لکھی ہوئی ہے: (۱۴۹)

﴿وما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شی علیما﴾.

خوبصورت دائروں کے اندر نہایت ہی خوبصورت کشیدہ کاری سے رسول اللہ ﷺ کے اسمائے گرامی لکھے گئے ہیں. زمین سے اڑھائی میٹر کی بلندی پر پردے پر سنہری پٹی لگی ہے جو سرخ مخمل پر ہے اور ۳۰ سنٹی میٹر چوڑی ہے اور اس کے اوپر سلطان کا نام لکھا ہوا ہے. یہ پردہ خلافت عثمانیہ کے آخری سلطان نے تیار کروایا تھا جو کہ ترکیہ کے جمہوریہ بن جانے کے بعد ارسال ہوا تھا. (۱۵۰) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ پردہ جو ابھی بھی حجرہ مطہرہ پر آویزاں ہے وہ آخری ترکی سلطان کا ارسال کردہ ہے، مگر یہ خیال غلط ہے. سعودی دور میں شاہ سعود نے بھی ایک پردہ ڈلوایا تھا اور پھر بعد میں شاہ فیصل نے ایک نیا پردہ بنوا کر آویزاں کروایا تھا. (مدینہ طیبہ میں ابھی بھی وہ حضرات موجود ہیں جو اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ آخری پردہ شاہ فیصل کے دور کا ہے کیونکہ انہیں ان پردوں کے بنانے اور آویزاں کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی.)

ایک قدیم پردہ جو کہ حجرہ مطہرہ پر آویزاں کیا گیا تھا اور اب توپکاپی میوزیم میں محفوظ ہے

رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں صلوٰۃ وسلام کیسے پیش کیا جائے؟

﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے.﴾ (۱۵۱)

﴿اور جب وہ تمہارے حضور حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے فرماؤ تم پر سلام، تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے کہ تم میں سے جو کوئی نادانی سے کچھ برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے.﴾ (۱۵۲)

[جو حج ادا کرتا ہے اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ میری زندگی میں میرے حضور حاضری دیتا ہے.] (۱۵۳)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جو کوئی حج کرتا ہے اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کرتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ میری زندگی میں میرے حضور حاضری دیتا ہے.] (۱۵۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہی یہ حدیث بھی مروی ہے: [جس نے میری قبر کی زیارت کی تو وہ میری شفاعت کا حقدار ہو گیا.] محمد ابن حبان نے روایت کی ہے کہ انہوں نے ابراہیم بن شیبانؒ سے سنا: [میں نے چند سال حج کیا اور پھر مدینہ طیبہ حاضر ہوا. جب میں قبر اطہر پر حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا تو میں نے حجرہ شریفہ کے اندر سے اپنے سلام کا جواب یوں سنا 'وعلیک السلام'. (۱۵۵)

حضرت جعفر الصادقؒ کا قول ہے کہ جب بھی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سید العرب والعجم ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام کے لیے حاضر ہوتے تو وہ روضہ مبارکہ کے قریبی ستون کے پاس کھڑے ہو جاتے اور اپنا سلام پیش کرتے تھے. پھر وہ ہاتھ سے اشارہ کر کے کہتے: یہاں اس جگہ پر رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک ہے. (۱۵۶) سیدنا ابو بکر صدیقؓ فرمایا کرتے تھے: ''رسول اللہ ﷺ کے حضور اپنی آوازوں کو بلند نہ کیا کرو، نہ ہی آپ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں اور نہ ہی بعد میں.'' ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ اپنے قریب ہی واقع ایک حجرہ شریفہ میں کیل ٹھونکنے کا شور سنا تو آپ نے فوراً ہی پیغام بھجوا دیا کہ: ''رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل نہ ڈالا جائے.'' (۱۵۷) اسی طرح ایک مرتبہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنے حجرے کے دروازے کا ایک کواڑ مرمت کرنا پڑا. آپ اس بات کا حد درجہ خیال رکھا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے کاشانہ اقدس کے آس پاس کسی قسم کا شور نہ ہو اور اس لیے اپنے دروازے کا کواڑ اٹھا کر بقیع الغرقد کے پاس مناصع کے علاقے میں لے گئے تا کہ اس کی مرمت کر سکیں اور حجرہ مطہرہ کے پاس اس کام کی وجہ سے شور نہ ہو.

یحییٰ نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن دینارؒ نے فرمایا: [میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کہتے اور پھر ابو بکرؓ اور عمر ابن الخطابؓ پر سلام بھیجتے.] (۱۵۸) حضرت نافعؒ جو کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے نے روایت کی: [جب کبھی بھی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر سے شروع ہوتے اور پھر حضرت ابی بکرؓ اور پھر سیدنا عمر فاروقؓ کی قبر پر حاضری دیتے اور کہتے: [یا رسول اللہ ﷺ آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو، اے ابو بکرؓ آپ پر سلام ہو، اور اے والد محترم (یعنی سیدنا عمرؓ) آپ پر سلام ہو. (۱۵۹)

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک بدو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تین دن بعد قبر اطہر پر حاضر ہوا، اس نے قبر اطہر سے کچھ مٹی اور ریت اٹھائی اور اپنے منہ اور سر پر مل کر یوں گویا ہوا: [یا رسول اللہ ﷺ ہم نے آپ کا ارشاد سنا ہے جو کہ آپ پر اللہ رب ذوالجلال کی
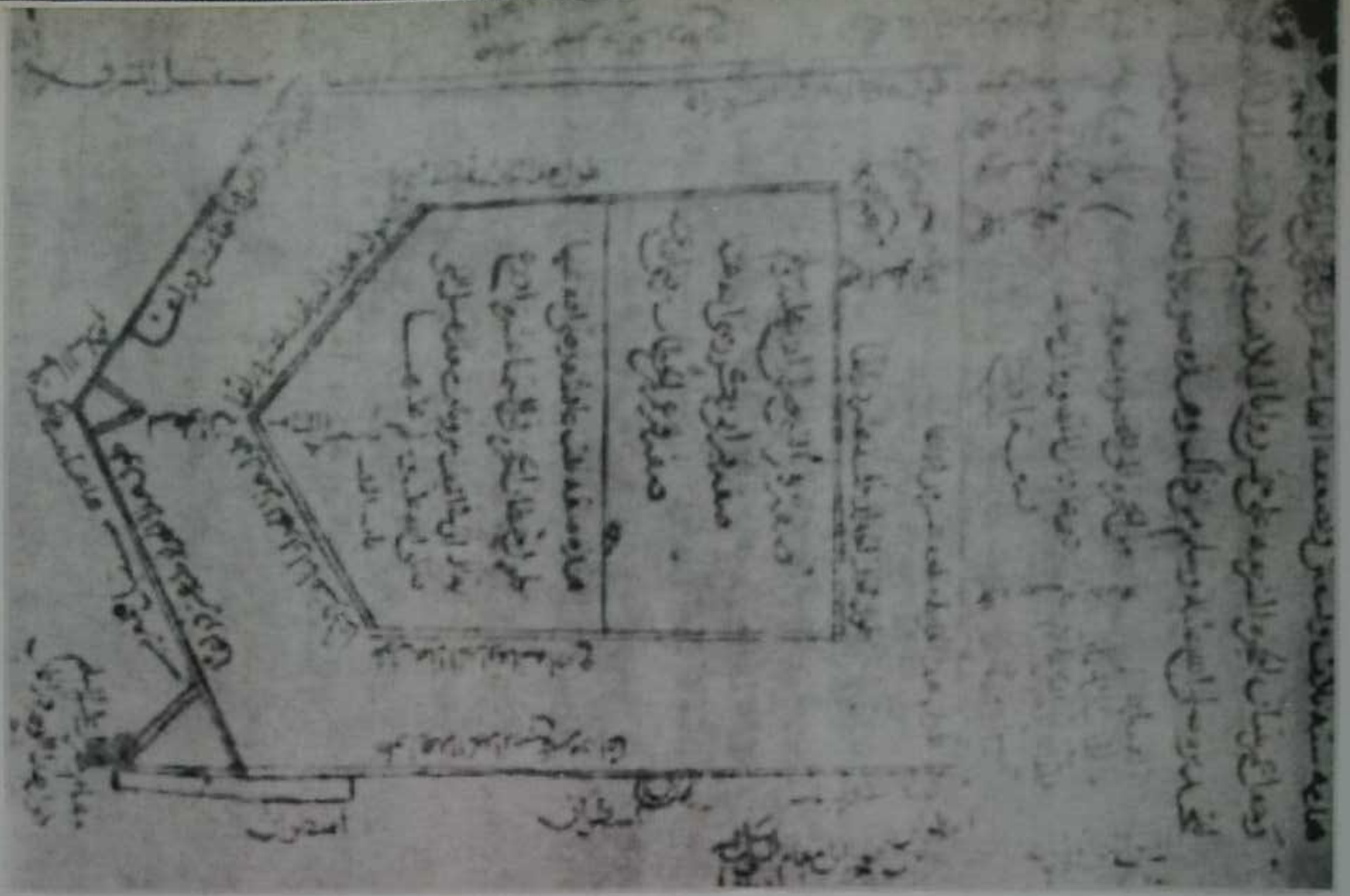
جمال المطری ؒ کے قلمی نسخے سے ماخوذ حجرہ مطہرہ اور قبور مقدسہ کے قلمی خاکے کا عکس ۷۶۷ ہجری

طرف سے وحی ہوا تھا ﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اور اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے﴾۔'' (۱۶۰) میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے (یعنی مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے۔) لہذا میں آپ حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے استغفار کریں قبر اطہر سے آواز آئی: [اس نے تمہیں معاف فرما دیا ہے!] (۱۶۱) ایک ایسا ہی واقعہ تیسری صدی کی ایک مسلم شخصیت سے مروی ہے۔ حضرت محمد بن عبید اللہ بن عمرو العتبی ؒ (۱۶۲) نے بیان کیا کہ جب وہ حجرہ مطہرہ شریف کے پاس بیٹھے تھے تو ایک بدو حاضر ہوا اور یوں گویا ہوا: [یا سید المرسلین بیشک اللہ کریم نے آپ پر اپنی کتاب برحق نازل فرمائی جس میں یہ مذکور ہے: ﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔﴾ (۱۶۳) پھر اس کے بعد اس نے عرض کیا: [میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ اللہ سے میری شفاعت کریں تا کہ مجھے معاف کر دیا جائے۔] اس نے مندرجہ ذیل رباعی با آواز بلند پڑھی: (۱۶۴)

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه	فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفدا لقبر انت ساکنه	فیه العفاف و فیه الجود والکرم
اے وہ سب سے بہترین ذات جن کا جسم اطہر اس خاک میں مدفون ہے	آپ کے جسم اطہر کی خوشبو سے سب کوہ و دمن مہک اٹھے ہیں
میں قربان جاؤں اس قبر اطہر پر جس میں آپ استراحت فرما رہے ہیں	جس میں سراسر عفت اور سخاوت جود اور کرم ہے

(یہ رباعی آج بھی مواجہہ شریف کے دائیں اور بائیں جانب والے ستونوں پر نہایت ہی مسحور کن انداز میں کنداں ہے)

اپنا معروضہ پیش کر کے وہ بدو چلا گیا۔ عتبی ؒ بیان کرتے ہیں کہ ان پر کچھ دیر کے لیے غنودگی طاری ہو گئی اور انہوں نے ایک خواب دیکھا جس میں رسول اللہ ﷺ کی بشارت ہوئی۔ آپ نے انہیں فرمایا: [جاؤ اس بدو کے پیچھے اور اس کو خوشخبری دے دو کہ اللہ رب العزت نے میری شفاعت پر اسے معاف فرما دیا ہے۔] (۱۶۵) ابن عبد ربہ (متوفی: ۳۲۸ ہجری) نے بھی ایک ایسا ہی واقعہ قلمبند کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی قبر اطہر پر حاضر ہوا اور کہنے لگا: [آپ نے جو فرمایا ہم نے اس پر آمنا وصدقنا کہا، آپ نے جو بھی حکم دیا ہم نے اس کی تعمیل کی، آپ نے اپنے رب کا یہ فرمان بھی ہمیں پہنچایا: ﴿اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر وہ اپنی

جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے.﴾ ہم سے اپنے آپ پر ظلم سرزد ہوگیا ہے اور اب ہم آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہیں، لہذا ہمیں معاف فرما دیجئے.] (احمد بن محمد ابن عبدربہ، العقد الفرید، صفحات: ۱۷۰۔۱۷۱).اسی طرح ایک مسلم خاتون ایک مرتبہ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اذن حاضری مانگا تاکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہوسکیں. چنانچہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے انہیں اندر جانے کی اجازت دے دی. جونہی وہ خاتون اندر حاضر ہوئیں تو ان کے آنسو بہہ نکلے اور انہوں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کی موقع پر ہی روح پرواز کرگئی.(۱۶۶)

صاحب المواھب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ علامہ قسطلانیؒ نے اسی قسم کا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے: ایک اعرابی قبر اطہر پر حاضر ہوا اور یوں گویا ہوا: اے اللہ جل جلالہ آپ نے غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا ہے، یہ آپ کے حبیب ہیں اور میں آپ کا بندہ (عبید) ہوں. اپنے حبیب کی قبر پر مجھے نار جہنم سے آزادی عطا کردو. ہاتف غیبی نے آواز دی: ارے تو نے صرف اپنے لیے ہی آزادی مانگی ہے؟ تمام مخلوق کے لیے آزادی کیوں نہیں مانگی؟ جا ہم نے تمہیں جہنم کی آگ سے آزاد کردیا.(ص:۵۸۳)

عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور نے جب مدینہ طیبہ حاضری دی تو امام مالکؒ نے انہیں نصیحت کی کہ جب تک کہ وہ مسجد نبوی شریف میں رہیں وہ اپنی آواز اونچی نہ کریں جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے. پھر جب المنصور نے پوچھا: ''اے ابا عبداللہ، کیا دعا کرتے وقت میں قبلہ رخ ہوجاؤں یا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہی اپنا منہ رکھوں اور دعا مانگوں؟ اس پر امام مالکؒ نے جواب دیا: ''اپنا منہ رسول اللہ ﷺ سے مت موڑیں، کیونکہ وہی تو اللہ کے حضور آپ کے شفیع اور سفارش کار ہیں، اور وہی تو آپ کے جدامجد (سیدنا آدم علیہ السلام) کے روز محشر شفیع ہوں گے.''(۱۶۷) اس سلسلے میں امام مالکؒ نے سیدنا عمر فاروقؓ سے مروی حدیث مبارکہ سے استناد کیا تھا جس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:

سیدنا عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب آدم علیہ السلام کو اپنی خطاء کا احساس ہوا تو حضور رب ذوالجلال میں دعا کی کہ اے اللہ تعالی مجھے حضرت محمد ﷺ کے واسطے بخش دے. اس پر اللہ جل جلالہ نے فرمایا: اے آدم تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا کیونکہ ابھی تک تو میں نے ان کی تخلیق نہیں کی؟ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اے رب جب تو نے مجھے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور اس وقت میں نے عرش اعظم کے ستونوں پر لکھا ہوا دیکھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ! تو میں جان گیا کہ تیری ذات معلی کے لیے تو اپنے نام کے ساتھ مخلوق میں سے کسی اور کا نام لکھنا بعید از قیاس ہے سوائے اس کے کہ وہ تجھے تمام مخلوقات سے پیارے ہوں. اللہ رب العزت نے فرمایا: اے آدم تو نے سچ کہا! بیشک وہ مجھے تمام مخلوق سے پیارے ہیں. جب تو نے ان کے واسطے سے مجھ سے مغفرت چاہی تو میں نے تمہیں معاف فرما دیا. اور اگر محمد مصطفی ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں ہرگز پیدا نہیں کرتا!] (۱۶۷)

حضرت یزید بن مہریؒ سے روایت ہے: [جب میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے اجازت طلب کرکے آرہا تھا تو انہوں نے مجھے فرمایا: ''کیا مجھ پر ایک مہربانی کروگے؟''میں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین میں بھلا کس قابل ہوں کہ آپ پر مہربانی کرسکوں!'' تب انہوں نے فرمایا: [میری تم سے درخواست ہے کہ جب بھی آپ مدینہ طیبہ جائیں اور آپ کو سعادت نصیب ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دیں تو میرا اسلام ضرور عرض کردینا.] (۱۶۸) حاتم بن وردانؒ نے بھی روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ شام سے خاص قاصد بھیجا کرتے تھے جو کہ ان کا سلام مدینہ طیبہ بحضور سرور کونین ﷺ لایا کرتے تھے.(۱۶۹) قاضی عیاضؒ نے بھی ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ اپنے آقا و مولا حضور سید البشر ﷺ کی قبر اطہر پر آئے اور اپنے ہاتھ کھڑے کر لیے اور پھر انہوں نے آپ حضور ﷺ پر صلوۃ و سلام پڑھا اور اس کے بعد وہ وہاں سے گئے.(۱۷۰)

ایک مرتبہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ مسجد نبوی شریف میں آئے اور سیدۃ فاطمۃ الزہراء ؓ کے حجرہ مبارکہ کے سامنے کھڑے ہوکر بہت دیر تک روتے رہے. پھر آپ حجرہ مطہرہ میں داخل ہوئے اور کہا: ''السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ'' اس کے بعد پھر زاروقطار رونے لگ گئے. پھر کہا: ''علیکم السلام یا اخویا ورحمت اللہ.'' انہوں نے سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمر فاروق ؓ کو سلام کہا اور پھر باہر نکل آئے. جب سیدنا عمر بن الخطابؓ فتح یروشلم سے حضرت کعب الاحبار ؓ کی معیت میں واپس مدینہ طیبہ آئے تو سب سے پہلے جو کام انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ سیدھے حجرہ مطہرہ پر حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں سلام پیش کیا. یہ کہنا خارج از محل نہیں کہ دور خلافت راشدہ میں سیدنا عمر بن الخطابؓ کے دور میں ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ کی اجازت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجرہ مطہرہ کے اندر قبر اطہر کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے.

حضرت عبداللہ بن دینارؓ سے روایت ہے: [میں نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کے پاس کھڑے ہوجاتے اور رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کہتے اور پھر ابوبکرؓ اور عمر ابن الخطابؓ پر سلام بھیجتے.] (۱۷۱) حضرت نافعؓ جو کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے نے روایت کی: [جب کبھی بھی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر سے شروع ہوتے اور پھر حضرت ابی بکرؓ اور پھر حضرت عمر فاروق ؓ کی قبور پر حاضری دیتے اور کہتے: [یا رسول اللہ ﷺ آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو، اے ابوبکر ؓ آپ پر سلام ہو، اور اے والد محترم (یعنی سیدنا عمرؓ) آپ پر سلام ہو.] حضرت نافعؓ سے ایک اور روایت ہے کہ: 'میں نے عبداللہ ابن عمر ؓ کو سو سے زیادہ بار دیکھا ہے کہ وہ (حجرہ مطہرہ میں حاضر ہوکر) کہتے [السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابا بکر، اور السلام علیک یا ابی.] (۱۷۲) حضرت نافع ؓ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے متعلق ایک اور روایت بھی کی ہے: [جب کبھی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سفر سے لوٹتے تو مسجد شریف میں دو رکعت نماز ادا کرتے، پھر حجرہ مطہرہ رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوکر قبر اطہر پر اپنا دایاں ہاتھ رکھتے کہ ان کی پشت قبلہ کی طرف ہوتی تھی، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام پیش کرتے اس کے بعد سیدنا ابی بکر اور پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہما پر سلام بھیجتے.(منقول از امام اسماعیل بن اسحاق الجھضمی القاضی المالکی (۱۹۹-۲۸۲ ہجری) ''فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ'' صفحات: ۸۲-۸۳).

قبر اطہر کے سامنے والی دیوار پر آویزاں پردہ

حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ شہادت اور تدفین عمر فاروق ؓ کے وقت مدینہ طیبہ سے باہر تھے اور اس لیے وہ آپ کے جنازے میں شرکت نہ کر سکے تھے. جب بعد میں وہ مدینہ طیبہ واپس آئے تو سیدھے حجرہ مبارکہ میں حاضر ہوئے. بڑی دیر تک کھڑے روتے رہے اور اپنی رداء ایک طرف رکھتے ہوئے یوں گویا ہوئے: بیشک میں آپ کے جنازے میں شریک نہ ہوسکا مگر واللہ میں آپ کی مدح وثناء کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دوں گا. پھر اس کے بعد بہترین الفاظ میں انہوں نے امیر المومنین عمر ابن الخطاب ؓ کو خراج تحسین پیش کیا.(ابن عبد ربہ (ت: ۳۲۸ ہجری)، مصدر مذکور، الجزء الثالث ص: ۱۷۱)

ابی صالحؓ نے مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ: [مدینہ طیبہ کے لوگوں کو قحط کا شدید سامنا تھا. ان میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر

پر حاضر ہوا اور عرض کیا: [یا رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے اللہ کریم سے دعا فرمائیں تا کہ بارش ہو کیونکہ وہ قحط سے مر رہے ہیں.] اسی رات اس کے خواب میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بشارت دی کہ: [تم عمرؓ کے پاس جاؤ اور میرا سلام کہنا. ان کو بتا دینا کہ بارش عنقریب ہوگی اور عمرؓ کو کہنا کہ وہ زمین پر عدل قائم رکھے.] (۱۷۳) یہ رجل صالح حضرت بلال بن حارث المزنیؓ تھے جن کو خواب میں یہ بشارت دی گئی تھی. (۱۷۴)

صرف یہی نہیں تھا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میرامم امام المتقین اور خاتم النبیین ﷺ کی قبر اطہر پر صلوۃ وسلام کے لیے ہی حاضر ہوتے تھے بلکہ جب کبھی بھی ان پر ابتلاء یا مصیبت آجاتی تو مدنی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قبر اطہر ہی کا رخ کرتے اور رسول اللہ ﷺ سے التجائیں کرتے تھے.

المسعودیؒ نے ایک ایسا ہی واقع بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے سوتیلے بھائی زیاد بن ابیہ کو ۵۳ ہجری میں مدینہ طیبہ کے گورنر کے طور پر تعین کرنے کے احکامات جاری کردیئے تا کہ وہ اپنے معمول کے مطابق آہنی ہاتھوں سے وہاں کی سیاست کو بنوامیہ کے حق میں لاسکیں تو اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے آقا و مولا سرور کائنات اور رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کا رخ کیا. وہ رقمطراز ہیں:

''اس طرح زیاد کی عملداری اہالیان مدینہ طیبہ پر بھی ہونی تھی. پیرو جواں، سب مسجد نبوی شریف میں جمع ہوگئے اور اللہ کریم سے گڑگڑا کر دعائیں کرنے لگے. تین دن تک متواتر وہ قبر رسول اللہ ﷺ سے جا کر لپٹ جاتے اور گریہ وزاری کر کے التجائیں کرتے رہے کہ انہیں اس ظالم کی حکمرانی سے نجات دلائی جائے.'' (۱۷۵)

اس گریہ وزاری کا اثر یہ ہوا کہ زیاد چند دن کے اندر اندر بہت ہی بری موت مر گیا اور مدینہ طیبہ میں گورنری کی حسرت دل میں ہی لے کر چلا گیا. اس کے ہاتھ میں جزام کا سیاہ ناسور ہوگیا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا. یہ واقعہ سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی حیات طیبہ میں ہی ہوا اور یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ انہوں نے اس بات کی اجازت بھی تین دن تک دیئے رکھی تا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قبر اطہر سے لپٹ لپٹ کر گریہ وزاری کریں. اصحابہ کبار کے اجتماعی عمل کو غیر اسلامی کہنے کی جسارت تو کوئی خارجی بھی نہیں کر سکتا. یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ وہ وقت تھا جب کہ امام عالی مقام حسین علیہ السلام بھی پاس ہی اپنے حجرہ مطہرہ میں مقیم ہوا کرتے تھے. (۱۷۶)

بہت سی احادیث مبارکہ اس بات کی شاہد ہیں کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تاجدار جہاں فخر کون ومکاں ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہو کر صلوۃ وسلام پیش کیا کرتے تھے. اور حجرہ مبارکہ کا دروازہ اس تمام عرصے میں کھلا رہا جب تک کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ وہاں مقیم رہیں. اوپر بیان کی گئی حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکرؓ کی روایت سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب بھی زیارت کے لیے حاضر ہوتے تو ام المومنین سیدۃ عائشہؓ حجرہ مطہرہ کا دروازہ ان کے لیے کھول دیا کرتیں تھیں. حضرت زید بن اسلمؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کہ ہے: [ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت معاذ ابن جبلؓ کو دیکھا کہ وہ قبر رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے رو رہے تھے. حضرت عمرؓ نے پوچھا: کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے ایک بات پر رونا آ گیا ہے جو کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے سنی تھی. آپ نے فرمایا تھا: [ریا تھوڑا سا بھی ہو تو شرک ہے. اور جس نے اولیاء اللہ سے عداوت کی تو اللہ تعالیٰ اس سے جنگ کرتے ہیں.] (حافظ ابونعیم الاصفہانی (ت: ۴۳۰ ہجری) حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج:۱ص: ۳۵)

امام المراغی رقمطراز ہیں: ''امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے حجرات مبارکہ کے مسجد نبوی میں شامل کئے جانے سے پہلے لوگ حجرہ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور یوں رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کہا کرتے تھے اور ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی وفات تک حجرہ مبارکہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا تھا۔'' (۱۷۷) ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ ایک لحاظ سے نہ صرف قبر اطہر کی متولیہ تھیں بلکہ اس بات پر بہت فخر بھی کیا کرتی تھیں کہ یہ ان کی ملکیت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ انہی کے حجرہ مبارکہ میں محو استراحت ہیں۔ ہارون بن موسیٰ العروبی سے مروی ہے کہ جب لوگوں نے ان کے دادا (یعنی حضرت ابی علقمہؓ) سے پوچھا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کس طرح رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا: [لوگ حجرہ مطہرہ کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے، اور یہ کہ وہ دروازہ اس وقت تک بند نہیں ہوا جب تک کہ سیدۃ عائشہؓ کی وفات نہیں ہوئی۔] (۱۷۸) تاہم بعد میں جب حجرہ مطہرہ کے گرد اس کے دروازے پر پتھروں کی دیوار کر کے چاردیواری کر کے اسے ناقابل دسترس بنادیا تھا تو اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ریاض الجنۃ میں حجرہ شریفہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے تھے۔ حضرت زین العابدینؓ ہمیشہ ریاض الجنہ میں کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین پر سلام پیش کیا کرتے تھے۔

جب حضرت بلال ابن رباحؓ نے سیدنا عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو آپ حجرہ مطہرہ میں بھی تشریف لے گئے۔ ان سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار زار و قطار روتے رہے۔ آپ کے عشق رسول کی انتہائے معراج تھی کہ آپ نے اپنا چہرہ قبر مطہرہ رسول مقبول ﷺ سے ملنا شروع کر دیا۔ (۱۷۹) بہت سی روایات میں مذکور ہے کہ جب حضرت بلالؓ شام میں تھے تو ایک رات رسول اللہ ﷺ کی بشارت طیبہ ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: [بلال یہ کیا بے رخی ہے؟ کیا ہماری زیارت کو نہیں آؤ گے؟ اس خواب کا دیکھنا تھا کہ حضرت بلالؓ ماہی بے آب کی طرح بے چین ہو گئے اور جلد ہی مدینہ طیبہ کے لیے عازم سفر ہوئے۔ وہ اپنے آقا و مولا تاجدار مدینہ سرور قلب و
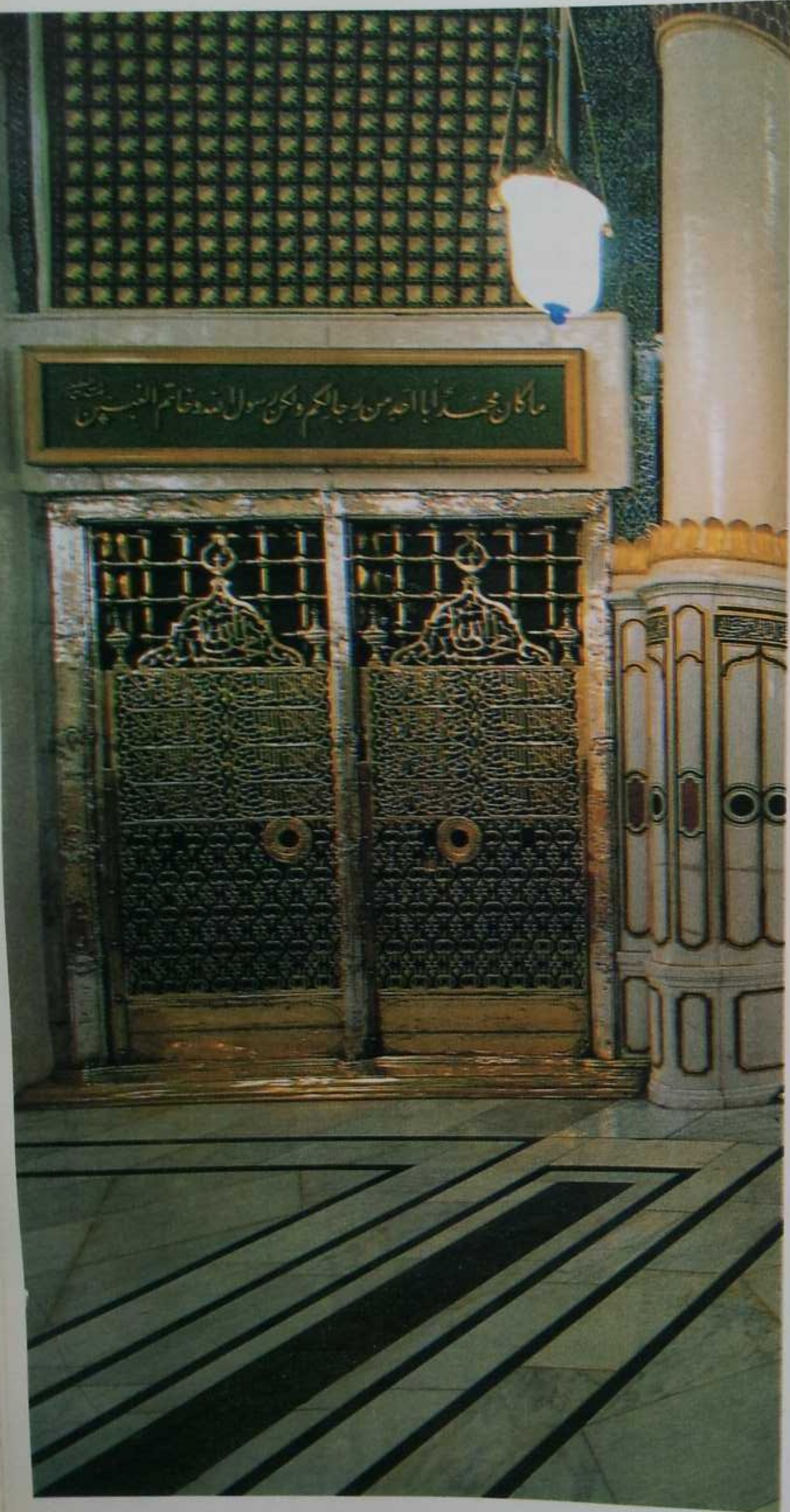
سینہ ﷺ کی قبر اطہر پر حاضر ہوئے اور اس سے لپٹ گئے. پھر آپ حسنین کریمین علیہما السلام کے پاس گئے اور ان سے بہت پیار کیا. اہل بیت طاہرہ کے ان دونوں شہزادوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ فجر کے وقت حضرت بلالؓ اذان دیں. آپ مسجد نبوی شریف کی چھت پر تشریف لے گئے. جونہی انہوں نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا ایسا لگ رہا تھا کہ گویا مدینہ طیبہ ہلنے لگ گیا تھا، جب انہوں نے اشہدان لا الہ الا اللہ کہا تو اہل مدینہ کے جذبات اور بھڑک اٹھے اور پھر جب آپ نے اشہدان محمد رسول اللہ کہا تو گویا ایک کہرام مچ گیا، خواتین مدینہ بھی اپنے گھروں سے مسجد نبوی کی طرف سسکیاں لیتی اور دوڑتی ہوئی آنے لگیں. اس دن کے علاوہ اہل مدینہ کو کبھی آہیں اور سسکیاں بھرتے نہیں دیکھا گیا.](۱۸۰) خود سیدنا بلالؓ اتنی آہ وزاری کررہے تھے کہ اتنا کبھی بھی ان کو بعد کی زندگی میں نہیں دیکھا گیا.(۱۸۱) یہ واقعہ بیان کرنے والے ابن الاثیر اور ابن العسا کر جیسے علماء ہیں.

وہ جو یہ دعویٰ کرتے نہیں تھکتے کہ ''سفر مدینہ طیبہ برائے پیش کردن صلوٰۃ وسلام علی رسول اللہ ﷺ وزیارۃ قبر رسول اللہ ﷺ جائز نیست''، ان کو چاہئے کہ اصحابِ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے سبق سیکھیں. حضرت بلال بن رباحؓ کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہوتا ہے اور انہوں نے وہ سفر کسی اور غرض سے نہیں بلکہ صرف اور صرف زیارت رسول مقبول ﷺ کے لیے کیا تھا اور ایک ایسے وقت کیا تھا جب کہ تمام جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بقید حیات تھے اور ان کی اکثریت اس وقت مدینہ طیبہ میں ہی مقیم تھی.(۱۸۲)

اٹھارویں صدی عیسوی کے ایک مصور کی قلمکاری جس میں اس نے مسجد نبوی شریف اور حجرہ مطہرہ کے خدوخال اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، مروان بن الحکم کا واقعہ جو کہ مسند امام احمد اور الطبرانی میں مروی ہے. جس میں بیان ہے کہ اس نے دیکھا کہ حضرت ابوایوب الانصاریؓ قبر اطہر سے لپٹ کر رو رہے تھے، یہ واقعہ بہت سے راویوں کے ذریعے سے ثابت ہے، جس سے اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہ صرف حجرہ مطہرہ میں آیا جایا کرتے تھے بلکہ قبر اطہر سے معانقہ (لپٹ جایا کرتے تھے) کیا کرتے تھے. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جیسے صحابی بھی اپنے ہاتھ قبر اطہر پر رکھ کر صلوٰۃ وسلام پیش کیا کرتے تھے.(۱۸۳) ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ سیدنا عمر فاروقؓ جب یروشلم فتح کر کے واپس آئے تو حضرت کعب الاحبارؓ کی معیت میں سیدھا قبر اطہر پر حاضر ہوئے تھے: اس کے بعد کسی اور کام کی طرف انہوں نے توجہ فرمائی.(۱۸۴)

صحابی رسول حضرت ابوعبیدہؓ نے ایک دوسرے اصحابی حضرت میسرہ بن مسروقؓ کے ذریعے امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطابؓ کو سرکاری ڈاک دے کر بھیجا. حضرت میسرہؓ رات کے وقت مدینہ طیبہ پہنچے. وہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہونے کی بجائے سیدھے حجرہ مطہرہ پر حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور کے یار غار سیدنا ابوبکر صدیقؓ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا اور وہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ ڈاک اور پیغامات پہنچائیں.(۱۸۵) یہ تمام مثالیں اصحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہونے کے لیے عازم سفر ہوتے اور پھر جب دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوتے تو نہایت ہی انکساری اور ادب سے حاضری دیتے اور حجرہ مطہرہ کے اندر قبر رسول اللہ ﷺ پر جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے تھے.

ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں بہت شدید قحط کا سامنا تھا اور لوگ بھوک سے مرنے لگے تھے. خشک سالی سے کوئی بھی پیداوار نہ ہوسکی تھی اور لوگ بوند بوند پانی کو ترس گئے. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے. انہوں نے فرمایا: [رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کی طرف دیکھیں اور حجرہ مطہرہ کی چھت میں ایک سوراخ اس طرح کر دیں کہ قبر اطہر اور چرخ نیلی فام کے درمیاں کوئی چیز حائل نہ رہے.] ایسا ہی کیا گیا اور جونہی سورج کی کرنیں قبر اطہر پر پڑیں بادل چھا گئے اور خوب بارش ہونے لگ گئی. اتنی زیادہ بارش

ہوئی کہ ارض مدینہ خوب سیراب ہوگئی اور بہت زیادہ سبزہ اور چارہ پیدا ہوگیا جسے کھا کھا کر مویشی بہت موٹے ہوگئے۔ مدینہ طیبہ کی تاریخ میں اس سال کو 'عام الفتق' (یعنی چربی کا سال) کہا جاتا ہے، کیونکہ چارہ اتنی بہتات سے میسر ہوگیا تھا کہ مویشی کھا کھا کر بہت موٹے ہوگئے اور ان کے اجسام ایسے لگتے تھے جیسا کہ وہ چربی سے پھٹ جائیں گے۔ (۱۸۶) اہل مدینہ طیبہ نے اس رسم باراں طلبی کو زندہ رکھا اور جب کبھی قحط سالی کا سامنا ہوتا تو حجرہ مطہرہ میں اس سوراخ کو کھول دیا کرتے تھے حتیٰ کہ جب چھت کی جگہ گنبد نے لے لی تب بھی گنبد شریف میں آسمان کی طرف ایک روزن رکھ دیا گیا جو کہ بوقت ضرورت کھول دیا جاتا اور یوں رحمت اللعالمین انیس الغریبین ﷺ کی وساطت اور وسیلے سے اہل مدینہ باران رحمت کا فیضان حاصل کر لیتے تھے۔

زین الدین المراغی بیان کرتے ہیں کہ ان کے دنوں میں بھی (ان کا انتقال ۸۱۶ ہجری میں ہوا) وہ رسم جاری وساری تھی۔ (۱۸۷) المراغی کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے سمہودیؒ (ت: ۹۱۱ ہجری) رقمطراز ہیں کہ ان کے دنوں میں بھی وہ رسم مدینہ طیبہ میں موجود تھی اور لوگ مواجہ شریف کی طرف کا دروازہ کھول دیتے اور سامنے باادب کھڑے ہو کر التجاء کیا کرتے تھے۔ (۱۸۸) جب عثمانیوں نے گنبد شریف کو دوبارہ تعمیر کیا تو بھی اس میں بالائی طرف ایک روزن رکھا گیا تھا جو کہ بوقت ضرورت کھول دیا جاتا تھا لیکن وہابیوں نے جب وہ مدینہ طیبہ میں سیاہ وسفید کے مالک بن بیٹھے تو انہوں نے وہ روزن گنبد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ آج بھی وہ جگہ جہاں گنبد شریف کا روزن بند کیا گیا تھا واضح طور پر نظر آجاتی ہے جیسا کہ اس تصویر میں آتی ہے جو کہ اس باب کے شروع میں دوسرے نمبر پر دی گئی ہے۔

اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حجرہ مطہرہ کا کس حد تک ادب اور احترام کرتے تھے، اس کے لیے ہم ایک اور مثال پیش کرنا چاہیں گے جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ہے۔ جب وہ امیر المومنین بنے تو ان کے ایک مصاحب نے چاپلوسی کے انداز میں کہا: ''اے امیر المومنین، اگر آپ مدینہ طیبہ تشریف لائیں اور آپ کا انتقال وہاں پر ہوجائے تو آپ واقعی اس کے مستحق ہیں کہ آپ کو حجرہ مطہرہ کے اندر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین کے پہلو میں دفن کر دیا جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فوراً اس کی بات کاٹی اور گویا ہوئے کہ: ''اللہ کی قسم میں ہر قسم کی عقوبت کا سوائے جہنم کے سزاوار ہوں گا اگر میرے دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہوجائے کہ میں اس بقعہ نور میں دفنائے جانے کا اہل ہوگیا ہوں۔'' (۱۸۹)

علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ زیارت مدینہ طیبہ واجب اور مستحب ہے۔ البتہ اس بات میں علماء میں ضرور اختلاف پایا جاتا ہے کہ حاجی پہلے مدینہ طیبہ جائے یا حج کے بعد روضہ اقدس پر حاضری دے۔ حضرات علقمہؓ، اسودؓ اور عمرو ابن میمونؒ جو کہ مشاہیر تابعین میں سے ہیں، کی رائے ہے کہ حاجی کو چاہئے کہ پہلے مدینہ طیبہ جائے۔ تاہم امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ تھی کہ پہلے حج ادا کیا جائے اور پھر بعد میں مدینہ طیبہ حاضری دی جائے۔ شہرہ آفاق سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے مولف، قاضی عیاضؒ، جو کہ شافعی علماء میں سے تھے، امام النوویؒ اور حنفی عالم ابن ہمام محمد السواسی (ت: ۸۶۱ ہجری) نے کہا ہے کہ علماء میں مکمل اجماع ہے کہ زیارت قبر رسول اللہ ﷺ ایک مستحب عمل ہے۔ بعض علماء کی

فتح خیبر کے موقع پر جو علم سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت علیؓ کو دیا تھا اس کی ایک نایاب تصویر یہ توپ کاپی میوزیم، ترکی میں محفوظ ہے۔
(ماخوذ از الکوکب الدری از انجینئر فرید عبدالستار یمنی)

رائے ہے کہ یہ عمل واجب ہے. لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ زیارت قبور سنت رسول اللہ ﷺ ہے. لہذا قبر رسول اللہ ﷺ جو کہ پوری کائنات کی مطہر ومتبرک بقاع نور ہے اس کی زیارت کو تو درجہ اول کی مسنونیت حاصل ہے.

امام ابوحنیفہؒ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ جب وہ مدینہ طیبہ میں تھے تو انہوں نے اپنے استاذ اور جلیل القدر تابعی حضرت ایوب السختیانیؒ (ت: ۱۳۱ ہجری) کو دیکھا. وہ جب آئے تو مسجد نبوی شریف میں داخل ہوئے اور قبر اطہر رسول مقبول ﷺ کے سامنے اس انداز میں مودب کھڑے ہو گئے کہ قبلہ ان کی پشت پر تھا. وہ زار وقطار رو رہے تھے. ابو اللیث السمر قندی امام ابوحنیفہؒ کے فتویٰ کا حوالہ دیتے ہیں کہ: ''زائر کو چاہئے کہ وہ قبلہ رخ ہو جائے اور قبر اطہر پشت پر رہے.'' تاہم شیخ کمال الدین الہمام نے وضاحت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے زیارت کا طریقہ اپنی مسند میں بیان کیا ہے.. جو کچھ ابو اللیث نے بیان کیا ہے وہ امام ابوحنیفہؒ کے ایک سابقہ فتویٰ کی بنا پر تھا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی اس رائے سے رجوع فرمالیا تھا اور یہ فتویٰ دے دیا تھا کہ زائر کو چاہئے کہ وہ اپنا رخ قبر اطہر کی طرف ہی رکھے. حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول بھی یہی ہے کہ زائر کو چاہئے کہ وہ اپنا سلام اس طرح پیش کرے کہ اس کا منہ قبر مطہرہ کی طرف ہو اور قبلہ اس کی پشت پر ہو.'' شیخ الہمام صاحب فتح القدیر فی مناسک الفارسی اور شرح المختار من الصداء الاحناف نے امام ابوحنیفہؒ کی دربار رسالت مآب ﷺ پر حاضری کا ذکر کیا ہے. امام ابوحنیفہؒ قبر اطہر کے سامنے حاضر ہوئے اور یوں سلام عرض کیا:

''یا سید الثقلین اور اے نوع انسانی کے سب سے قیمتی خزانے، مجھ پر اپنا رحم وکرم فرمائیں اور مجھے اپنی خوشیوں کی سعادت سے نوازیں. میں آپ کے جود وکرم کا طالب ہوں اور ابوحنیفہ کے لیے آپ کے سوا کوئی سہارا نہیں.''

اگر کسی کو اس مرکز تجلیات کے مواجہ مطہرہ کے سامنے کھڑے ہونے کی جتنی گھڑیاں بھی نصیب ہوں تو ان کو غنیمت جانا جائے اور اگر ازدہام ہو تو ہرگز ہرگز ہلڑ بازی نہ کی جائے اور نہایت ہی انضباط، ادب واحترام سے وہاں کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کیا جائے. آواز کو جتنا پست رکھا جائے اتنا ہی بہتر ہے. وہاں پر متعین حضرات کے قائم کردہ نظام کی پاسداری کرتے ہوئے وہ خوش نصیب لمحے انتہائی عجز وانکساری سے گزارے جائیں. اگر کسی وجہ سے وہاں کے عاملین جھڑک بھی دیں تو آداب دربار رسالت مآب ﷺ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے صبر اور خاموشی اختیار کریں. کسی سے تعارض میں اپنی آواز بھی اونچی نہ کریں ورنہ تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے.

سامنے والے صفحہ پر ہم جان کائنات صاحب لولاک ﷺ پر درود وصلوٰۃ وسلام کا ایک گلدستہ پیش کر رہے ہیں جو کہ زائر دربار رسالت مآب ﷺ پر حاضری کے وقت پڑھے.

سب سے پہلے سرکار دو عالم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش کرے، جب فارغ ہو چکے، تو تھوڑا دائیں جانب ہولے اور شیخین کریمین رضوان اللہ علیہما پر سلام پڑھیں، پھر جب مواجہ شریف سے جانے کا ارادہ ہو تو یہ کلمات کہنے چاہئیں:

وَدَعنــاکَ یا رسول اللہ غیرَ مودّعٍ و لا سامحین بفرقتک. نسألک أن تسأل اللہ تعالی أن لا یقطع آثارنا من زیارت حرمک مرۃً أخری.

پھر یہ دعا مانگے: اللّٰھم لا تجعلھا آخر العھد من زیارۃ نبیک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم. اور نہایت ادب سے اس مقام سے رخصت ہو جائے.

وہ خوش نصیب افراد جن کو حجرہ مطہرہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی

جب سے بنو امیہ کے دور میں کاشانہ نبویہ کے دروازے کے آگے پتھروں کی دیوار کھڑی کر کے اس کو دائمی طور پر بند کیا گیا تھا، کسی کیلیے بھی یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ قبور مطہرہ کی زیارت کر سکے، سوائے ان چند دنوں کے جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی گورنری کے دور میں

بسم الله الرحمن الرحيم

السّلامُ عليكَ أيّها النبيُّ السّيّدِ الكَريمُ ، والرّسُولُ العظِيمُ ، الرّءُوفُ الرَّحيمُ ،و رَحمةُ اللهِ و بَركاتُه . الصَّلوةُ والسّلامُ عَليكَ يا سيّدِنا ويا نَبيّنا وحَبيبناوقُرّةَ اعيُنِنايااِمَامَ القِبلَتَينِ ويارَسُولَ الثقَلَينِ . الصَّلوةُ والسّلامُ عَليكَ يا نَبيّ الله . الصَّلوةُ والسّلامُ عَليكَ ياحَبِيبَ الله . الصَّلوةُ والسّلامُ عَليكَ يا جَمالَ مُلكِ الله . الصَّلوةُ والسّلامُ عَلَيكَ يَاصَاحِبَ الجَمَالِ ويَا سَيّدَ البَشَر . الصَّلوةُ والسّلامُ عَلَيكَ وعلىاَهلِ بَيتِكَ الطَيّبِينَ الطَّاهِرِين وعلى اَزواجِكَ اُمَّهاتُ المومِنِين . الصَّلوةُ والسّلامُ عَلَيكَ سَيّدىَ يا مُحمَّدَ اِبنَ عبدُالله . الصَّلوةُ والسّلامُ عَلَيكَ ياخَيرَ خَلقِ الله . الصَّلوةُ والسّلامُ عَليكَ يَاطه يَايس يَا بَشِيرُ يَا نَذِيرُ . الصَّلوةُ والسّلامُ عَليكَ يَامُزَّمّلُ . الصَّلوةُ والسّلامُ عَليكَ يَا مُدَّثّرُ . الصَّلوةُ والسّلامُ عَليكَ يا شَفِيعَ المُذنِبِينَ عِندَالله . الصَّلوةُ والسّلامُ عَليكَ يا مَن اَرسَلَهُ اللهُ تعَالى رَحمَةً لِلعَالَمِينَ . و قَد قَالَ اللهُ تعَالى فِي حَقّكَ العَظِيم : وَلَو اَنَّهُم إذ ظَّلَمُوا اَنفُسَهُم جآءُوكَ فَاستَغفَرُوااللهَ وَاستَغفَرَ لَهمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوااللهَ توَّابًا رَّحِيماً . اَشهَدُ اَنّكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَد بَلّغتَ الرّسَالَةَ و اَدّيتَ الأمَانَةَ و نَصَحتَ الاُمَّةَ وكَشَفتَ الغُمَّةَ وجلّيتَ الظُلمَةَ وجَاهَدتَ فِى سَبيلِ اللهِ حقَّ جِهَادِهِ وعَبَدتَ ربَّكَ حتّى اَتَاكَ اليَقِينُ . جَزَاكَ اللهُ تَعالى عنّاوَ عَن وَّالِدينا وعَنِ الاُمّتِكَ خَيرَ الجزَآءِ .

قدمین شریفین کی طرف والی شرقی دیوار شدید بارش کی وجہ سے گر گئی تھی لیکن جب سے اسے دوبارہ بنایا گیا اور اس کے گرد پنج گوشہ احاطہ تعمیر کیا گیا، یہ عملی طور پر ناممکن ہو گیا کہ کوئی اندر جھانک بھی سکتا. تاہم مورخین مدینہ طیبہ نے چند ایسے واقعات کا ذکر ضرور کیا ہے کہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر چند انتہائی خوش نصیب افراد کو اندر جانے کی سعادت نصیب ہوئی.

ابن نجار نے ایک ایسا ہی واقعے کا ذکر کیا ہے کہ ۵۴۸ ہجری میں لوگوں نے حجرہ مطہرہ کے اندر سے کچھ غیر معمولی آواز سنی. اس وقت کے گورنر قاسم بن مہنا الحسینی کو فوراً اس کی اطلاع دی گئی اور انہوں نے حکم دیا کہ کسی کو اندر داخل کیا جائے تا کہ حقائق معلوم ہو سکیں. لوگوں کی خواہش تھی کہ کوئی ایسا فرد اندر جائے جو کہ حد درجہ متقی اور پرہیز گار ہو. لہذا شیخ عمر النسائی موصلیؒ کا جو کہ زبدۃ الصوفیاء تھے اور اپنے وقت کے مشہور ولی گردانے جاتے تھے انتخاب کیا گیا. وہ بہت عمر رسیدہ اور ایک طرح کے فالج کے مریض تھے. بہت ردوقدح کے بعد وہ اندر جانے پر راضی ہوئے. انہوں نے چند دن تک کھانا پینا چھوڑ دیا اور پھر انہیں ایک قندیل دیکر ایک رسی سے باندھ کر حجرہ مطہرہ کے اندر اتارا گیا. اندر پہنچنے پر انہوں نے دیکھا کہ چھت کا کچھ مواد قبور مطہرہ پر گر گیا تھا. انہوں نے اسے ہٹایا اور اس بقاع مطہرہ پر اپنی داڑھی سے جاروب کشی کی معجزانہ طور پر ان کی بیماری جاتی رہی اور وہ اس واقعہ کے بعد نو سال تک زندہ رہے اور ۵۵۶ ہجری میں مکۃ المکرّمہ میں وفات پائی.

ایک ایسا ہی دوسرا واقعہ ۵۵۴ ہجری میں ہوا. اس وقت بھی قاسم بن مہنا الحسینی ہی گورنر تھے. ان کو بتایا گیا کہ حجرہ مطہرہ کے اندر سے کچھ غیر مرغوب سی بدبو آ رہی تھی. اس وقت خدام حجرۃ الرسول میں سے ایک آغا (جن کا نام طواشی بن الاسودؒ تھا) کو اجازت دی گئی کہ وہ صوفی الموصلی (جو کہ اس وقت مسجد نبوی شریف کے متولی تھے) اور ایک دوسرے صوفی بزرگ ہارون الشادیؒ کے ساتھ اندر جائیں. انہوں نے دیکھا کہ ایک بلی ایک روشن دان سے حجرہ مطہرہ کی دیوار اور پنج گوشہ کی دیوار کے درمیان گر گئی تھی اور وہیں دم توڑ گئی تھی. انہوں نے مردہ بلی کو وہاں سے نکالا اور پوری جگہ کو صاف اور معطر کیا. یہ واقعہ ۱۱ ربیع الثانی بروز ہفتہ ۵۵۴ ہجری کو ہوا تھا. (۱۹۰)

ان کے علاوہ اگر کوئی اور اندر جانے کی سعادت حاصل کر سکا ہو گا تو وہ معمار یا مرمت کرنے والا ہو گا جنہوں نے حجرہ مطہرہ کی مرمت کی تھی. جب دوسری بار مسجد نبوی میں ۸۸۶ ہجری میں آگ بھڑک اٹھی اور حجرہ مبارکہ کی چھت اور گنبد کو شدید نقصان پہنچا تھا تو سمہودیؒ اور چند دیگر افراد تین چار دن تک اندر جاتے رہے تھے تا کہ مرمت اور تعمیر نو کا کام ہو سکے. امام سمہودیؒ نے اس واقعہ کی تفاصیل خلاصۃ الوفاء میں بیان کی ہیں جن کو پڑھ کر قاری پر وجد طاری ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ایک پیرا گراف میں لکھا ہے.

پنج گوشہ عمارت کے باہر اور موجودہ سطح زمین پر واقع حجرہ شریف کے اندر تو کئی نیک بخت اصحاب اندر جا چکے ہیں. ایک ایسی ہی صاحب تصانیف شخصیت مشہور ترکی سیاح جناب اولیا شلبیؒ (ولادت: ۱۰۲۰ ہجری) کی ہے جنہوں نے کچھ وقت اوپر والے حصے میں گزارا اور پھر اسے قارئین کے لیے اپنے ''سیاحت نامہ'' میں قلمبند کیا. ان کا تعلق چونکہ ترکی مشاہیر میں ہوتا تھا اس لیے بوقت حاضری ان کے ساتھ ترکی نائب اور شیخ الحرم (گورنر مدینہ کو ان دنوں شیخ الحرم کہا جاتا تھا) جن کا نام حسین پاشا تھا اور دیگر چند لوگ جن میں خدام روضہ رسول مقبول (طواشی) بھی گئے. وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ شرقی جانب سے دروازہ حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے اندر داخل ہوئے. اپنی وجدانی اور روحانی کیفیتوں کا ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے اور شیخ الحرم نے وہاں جاروب کشی کی اور حجرہ مطہرہ کو صاف کیا.

وہ رقمطراز ہیں کہ جب وہ داخل ہوئے تو سید الکونین ختم الرسل مولائے کل کی قبر اطہر ان کے سامنے تھی. جس پر کعبۃ المشرفہ کے غلاف سے بنایا سبز رنگ کا پردہ پڑا تھا. حجرۃ الشریفہ میں جابجا بیش بہاء قیمتی ہیرے اور موتی اور سونے کے بنے شمعدان تھے جنہیں مختلف سلاطین اور امراء نے مختلف اوقات میں حجرہ مطہرہ کی نذر کیا تھا. ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا بھی ظن و تخمین کے بس کی بات نہیں تھی. شیخین کریمین سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی قبور مطہرہ پر بھی بیش قیمت چادریں تھیں. انہوں نے یہ بھی تذکرہ کیا ہے کہ بیرونی حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء سے لے کر حجرہ مطہرہ

الصَّلوٰۃُ والسَّلامُ عَلَیكَ
یا سیِّدِنَا و یَا نبِیَّنا و
حَبِیبَنا و قُرَّۃَ اَعیُنِنا
یا اِمَامَ القِبلَتینِ و
یَا رَسُولَ الثَّقلَینِ

تک زینوں کے تین درجے بنے ہیں جن کو بہت ہی قیمتی پتھروں سے بنایا گیا تھا: عقیق، فیروزہ اور یاقوت وغیرہ سے. حجرہ مطہرہ کے اندر سے گنبد اخضر کی بلندی تقریباً ۵۰ ذرع (یعنی ۲۵ میٹر) ہے. نفیس خطاطی سے اس کے اندرونی حصے پر مندرجہ ذیل قرآنی آیت کریمہ لکھی ہوئی ہے:

﴿الله نور السمٰوات والارض مثل نورہ کمشکاۃ فیھا مصباح.... الخ﴾ (۱۹۱)

یہ یاد رہے کہ رسول اللہ سرکار دو عالم ﷺ کے منبر شریف پر پہلی بار پردہ (کسوہ) خلیفہ راشد سیدنا عثمان بن عفانؓ نے چڑھوایا تھا اور پھر ان کے بعد مروان اور دیگر بنوامیہ کے حکمرانوں نے یہ رسم جاری وساری رکھی اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے قبر اطہر پر غلاف ڈالنے کا رواج تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے دوسری صدی ہجری میں شروع ہو چکا تھا کیونکہ سب سے پہلے ایسا کرنے والی خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران تھیں.

کاشانہ اقدس پر بیش قیمت تحائف کی تفصیل اور پس منظر

قارئین میں سے چند کے ذہنوں سے اس بارے میں شکوک وشبہات دور کرنے کے لیے کہ کہیں حجرہ مطہرہ پر پیش کردہ تحائف کا پس منظر کہیں غیر شرعی تو نہیں، ہم ابتداء ہی میں یہ بیان کرنا چاہیں گے کہ ایسے تحائف، جو نقد اور قیمتی اشیاء پر مبنی ہوتے تھے، کعبۃ المشرفہ میں بعثت سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے پہلے اور بعد میں بھی اور پھر خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور راشدہ میں کثرت سے چڑھائے جاتے تھے. جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کی ساری دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگی تو سیدنا عمر فاروقؓ نے دو سونے کے ہلال جو مال غنیمت میں ہاتھ لگے تھے کعبۃ اللہ کو بھیج دیئے تھے جو کہ اس کی چھت سے معلق کردیئے گئے تھے. (۱۹۲) سیدنا عمر فاروقؓ کے طرز

عمل کو سامنے رکھتے ہوئے بنو امیہ کے خلفاء بھی ایسے بہت سے تحائف کعبۃ المشرفہ بھیج دیا کرتے تھے، جن میں خاص طور پر ولید بن یزید بن عبد الملک کا نام آتا ہے جنہوں نے سونے سے بنے ہلال اور ایک بیش قیمت سنہری چارپائی کعبۃ المشرفہ روانہ کی تھی جس کے اوپر یہ تحریر کندہ تھی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. اللہ کے بندے امیر المومنین خلیفہ الولید بن یزید کے حکم سے ۱۰۱ ہجری میں بھیجا گیا۔ (۱۹۳)

بعد کے ادوار میں اور بالخصوص عباسی دورِ خلافت میں سونے کے بنے تاج اور جواہرات کعبہ شریف بھیجے جاتے تھے. اور یہ رسم آج بھی جاری وساری ہے. شاہ خالد بن عبدالعزیز نے کعبۃ المشرفہ کا دروازہ خالص سونے سے بنوا کر (جس میں ۶۵ کیلوگرام سونا استعمال ہوا تھا) کعبۃ المشرفہ پر لگوایا تھا، حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سونے اور چاندی کی کیا ضرورت ہے؟ اور یہی حال مسجد نبوی شریف کا ہے کہ وہاں بھی گنبدوں کے ہلال اور دروازوں پر بے تحاشا سونے کا استعمال ہوا ہے. انہیں امثلہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں ان تحائف کی شرعی حیثیت کا تعین کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے جو کہ کاشانہ شہ دوسرا ﷺ پر سلاطین عالم شروع سے ہی بھیجتے چلے آئے ہیں جو زر نقد اور قیمتی جواہر اور سونے کے شمعدان وغیرہ کی صورت میں ہوا کرتے تھے. شمعدانوں کا بنیادی مقصد تو تنویر حرم نبوی شریف تھا اور بھیجنے والا اپنے اپنے مقام کے مطابق ایسے شمعدان بھیجتا تھا جو کہ حرم نبوی شریف کے شایان شاں ہوتے تھے یعنی سیم وزر سے بنے ہوتے تھے اور یہ رسم وفاء آج بھی نبھائی جا رہی ہے۔ مسجد نبوی شریف میں معلق فانوسوں پر سونے کی تہہ چڑھائی گئی ہے. ان تحائف سے حرم النبوی شریف کا خزانہ بن گیا تھا جس سے اکثر اوقات ان تحائف کو بیچ کر اور زر نقد کو نکال کر مسجد نبوی کی مرمت اور تعمیر کا کام چلایا جاتا تھا. سمہودیؒ نے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں جن میں سب سے زیادہ درخشاں مثال یہ ہے کہ ان کے دور میں چوتھا مینارہ (جو کہ باب السلام پر آج بھی اپنی قدیم اور اصلی شکل میں استوار ہے) جس کو بنو امیہ کے ایک حکمران نے گرانے کا حکم دے دیا تھا اور پھر تقریباً سات صدیوں تک وہاں کوئی مینارہ نہیں تھا، اس کی تعمیر بھی انہیں محاصل حرم (یعنی تحفہ تحائف کو بیچ کر ان کی قیمت حاصل کی گئی) سے کی گئی تھی. انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب سلطان بیبارس نے فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو شیخ الخدام شبل الدولہ کافور المظفری نے عرض کیا کہ اگر سلطان اجازت مرحمت فرمائیں تو خزانہ حرم نبوی شریف میں جو بھی تحائف اور شمعدان وغیرہ ہیں ان کو بیچ کر ان کے محاصل سے مذکورہ مینارہ کو تعمیر کروایا جائے. چنانچہ ایسا ہی کیا گیا. (۱۹۴)
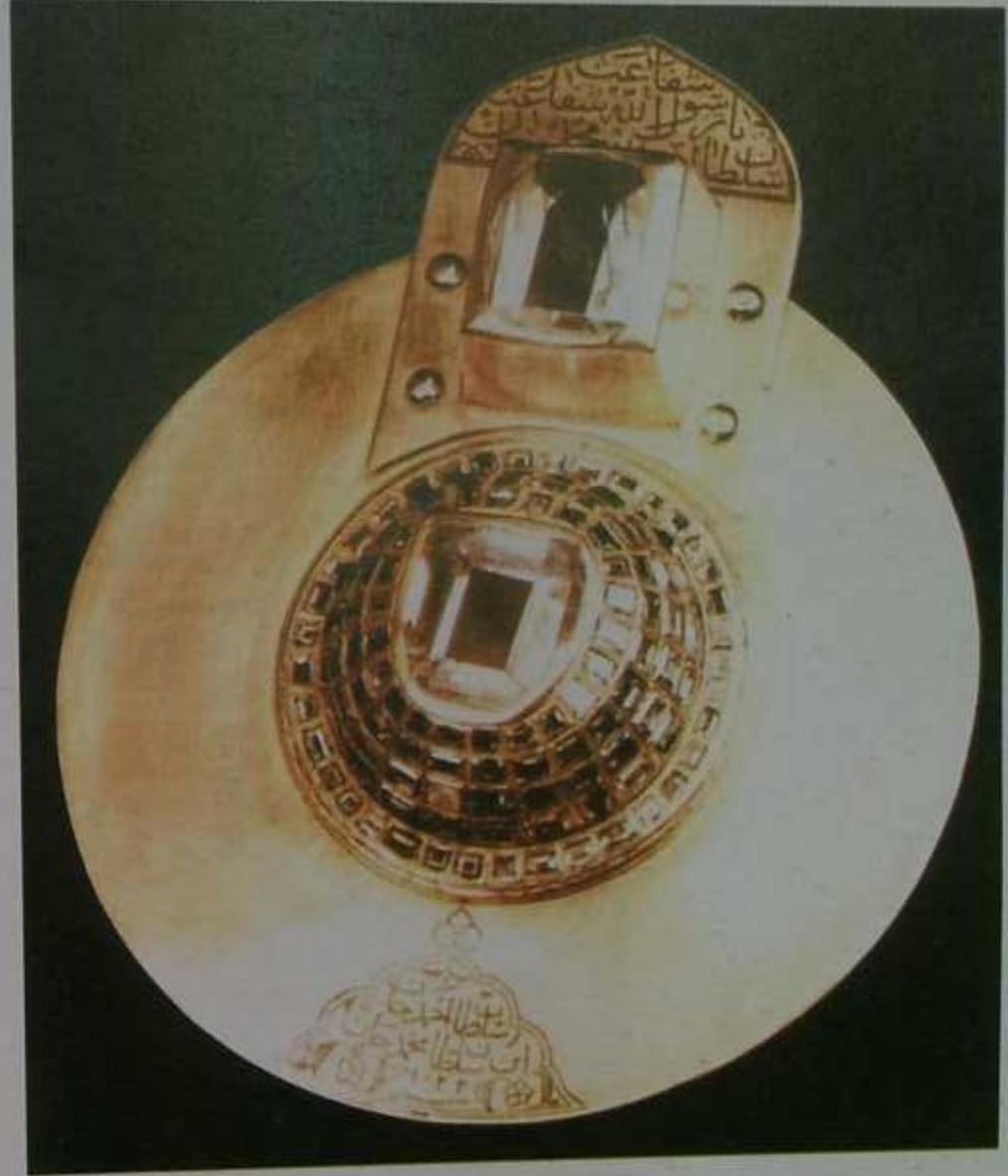
ایسے تحائف مختلف صورتوں میں پیش کئے جاتے تھے، جن میں کشیدہ کاری کئے گئے پردوں اور چادروں سے لے کر (جو کہ قبور مطہر پر ڈالی جاتی تھیں) سیم وزر سے بنی پلیٹیں اور جواہرات سے مرصع تختیاں بھی شامل تھیں. ان میں سب سے زیادہ قیمتی تحفہ 'کوکب الدری' تھا جو ایک بیش بہاء ہیرا تھا جو اندھیرے میں بھی چمکتا تھا. باقی کی اشیاء میں سونے سے بنے شمعدان یا تاریخی تلواریں تھیں جن کے دستوں پر ہیرے جواہرات لگائے گئے تھے. ابراہم رفعت پاشا کے الفاظ میں: ''عام طور پر ایسے تحائف جواہرات یا قیمتی پتھروں کی شکل یا سیم وزر کی صورت میں آتے تھے لیکن ان کے علاوہ بیش قیمت تلواریں بھی تھیں جن کی تعداد ایک سو کے قریب تھی جن پر ہیرے اور سونا لگا ہوا تھا.'' (۱۹۵) شمعدان تو حجرہ الشریفہ میں یا مسجد شریف کے دوسرے حصوں میں قندیلیں جلانے کے لیے استعمال ہوتے تھے تاکہ نمازیوں کو

کوکب الدری کا انمول ہیرا

رات میں آنے جانے اور عبادت کرنے میں آسانی ہو، مگر تلواریں خزائن الحرم میں اس لیے پیش کی جاتی تھیں تاکہ حرم اور حجرہ مطہرہ کا مناسب دفاعی انتظام ہو۔ اس سے ان تحائف کو پیش کرنے والوں کی دلی محبت اور عقیدت کا اظہار مقصود ہوتا تھا۔

سب سے قیمتی تحفہ جس کا نام 'کوکب الدری' (قیمتی موتیوں کا ستارہ) عثمانی سلطان احمد خان بن سلطان محمد خان نے حجرہ مطہرہ کے لیے پیش کیا تھا۔ یہ دو ہیروں سے مل کر بنا تھا جس میں ایک چھوٹا تھا اور ایک بڑا۔ بڑے ہیرے کا حجم کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ ان دونوں ہیروں کو سونے اور چاندی سے جوڑ دیا گیا تھا۔ بڑے ہیرے کی اس وقت کی قیمت کا اندازہ تقریباً ۸۰،۰۰۰ دینار (سونے کی اشرفیاں) لگایا گیا تھا۔ ۱۰۴۷ ہجری میں سلطان مراد بن احمد خان نے ایک اور ہیر اتحفتاً پیش کیا جو کہ سونے کی پلیٹ میں جڑا ہوا تھا۔ ۱۱۵۴ ہجری میں شامی امیر الحج نے حجرہ شریفہ پر کچھ اور ہیرے پیش کئے جو کہ ایک قیمتی لوح میں لگائے گئے تھے اور ان کے اوپر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین سیدنا ابا بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام گرامی کندہ تھے اور ساتھ ہی سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا اسمِ گرامی بھی کندہ تھا۔ (۱۹۶)

سلاطین عثمانیہ کے علاوہ ان کی ملکہ اور شہزادے اور شہزادیاں بھی اس معاملے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتی تھیں۔ ایسی ہی ایک بیش قیمت پلیٹ جس میں جواہر لگے تھے، ملکہ سلطانہ نے ۱۲۹۱ ہجری میں پیش کی جس پر سنہرے حروف میں "لا الٰہ اللہ محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا۔ (۱۹۷)

حجرہ مطہرہ میں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں

قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جہاں اربوں کی تعداد میں عشاق حجرہ مطہرہ موجود ہیں وہاں چند شقی القلب منافقین ایسے بھی ہو گزرے ہیں جنہوں نے تخریبی کارروائیوں سے بھی گریز نہیں کیا اور حجرہ مطہرہ میں چوری تک کا ارتکاب کر گزرے۔

۸۱۱ ہجری میں مدینہ طیبہ کا ایک گورنر (جماز بن ہبہ بن جماز الحسینی) تھا جو کہ اپنی بدطینتی اور اخلاقی بے راہ روی کے لیے خاصہ بدنام تھا۔ ایک مرتبہ وہ رات گئے مسجد نبوی شریف میں داخل ہوا اور اس قبہ شریفہ کا دروازہ توڑا جو کہ مسجد کے صحن کے وسط میں ہوا کرتا تھا اور اس میں نوادرات اور تحائف رکھے رہتے تھے۔ جو کچھ بھی قیمتی تحائف میں سے اس کے ہاتھ لگا، جن میں سمہودیؒ کے بقول ۲۷ قنطار کے لگ بھگ سونے کی اشیاء از قسم شمعدان وغیرہ تھیں چرانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ حجرہ مطہرہ میں بھی داخل ہوا اور کسوہ شریفہ کے علاوہ وہ فانوس جو وہاں آویزاں تھے ان کو بھی اٹھا لے گیا اور ایسے ہی دیگر سامان بڑے سٹور سے بھی لے کر چلتا بنا۔ ایسی ہی ایک حرکت اس کے ایک بھتیجے شہزادہ عزیز بن ہیازہ بن ہبہ بن الجماز نے کی اور وہ ۸۲۴ ہجری میں اسی قبہ شریفہ میں داخل ہو کر بہت سی قیمتی اشیاء اٹھا لے گیا۔ تاہم اسے پکڑ لیا گیا اور قاہرہ بھیج دیا گیا جہاں وہ جیل میں ذلت کی موت مرا۔ اسی طرح کچھ دوسرے شہزادوں (مثلاً برغوث بن باتیر بن جریس الحسینی اور دبوس بن سعد الحسینی وغیرہ) نے بھی مسجد نبوی شریف میں نقب لگائی اور قیمتی شمعدان لے کر چلتے بنے۔ برغوث تو پکڑا گیا اور گورنر کے حکم سے اسے دار پر لٹکا دیا گیا۔

قبر اطہر پر جھولتا ہوا بیش قیمت جھومر جواب توپ کاپی میوزیم میں سرکار ﷺ کے بردہ شریف کے اوپر آویزاں ہے

بعد میں ایک اور شہزادہ (امیر حسن بن زبیر المنصوری) جو کہ اس وقت گورنر تھا، ۶ ربیع الاول ۹۰۱ ہجری کو دن دہاڑے مسجد نبوی شریف میں اپنے محافظ غنڈوں کے ساتھ آیا اور خدام حرم سے اس قبہ شریفہ کی چابیاں طلب کیں جو کہ صحن کے وسط میں ہوا کرتا تھا. جب سٹور کیپر نے چابیاں دینے سے انکار کیا تو اس کو زدوکوب کیا گیا. پھر وہ حجرہ مطہرہ کی طرف گیا اور کلہاڑے سے اس کا دروازہ کھول لیا اور جو کچھ بھی نقدی، سیم وزر اور شمعدان وغیرہ اس کے ہاتھ لگے، لے کر چلتا بنا. اس نے یہ تمام سامان دو گھوڑوں اور ایک خچر پر لادا اور اسے اپنے محل میں لے گیا. اس تمام مسروقہ سامان کی قیمت بعد میں ۱۳،۰۰۰ دینار بتائی گئی تھی.

۱۲۲۱ ہجری میں ایک بار پھر تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا. اس مرتبہ وہابی لیڈر (سعود بن عبدالعزیز) مدینہ طیبہ پر قبضہ جمانے کے بعد، حجرہ مطہرہ میں گھس گیا اور جو کچھ بھی قیمتی تحائف میں سے اس کے ہاتھ لگا، مثلاً جواہرات، سیم وزر اور شمعدان وغیرہ، وہ سب اٹھا کر لے گیا. یہ سوچ کر کہ گنبد خضریٰ کا ہلال (کلس) بھی کہیں سونے کا نہ ہو ایک کوشش کی گئی کہ اسے بھی اتار لیا جائے. جنرل ابراہیم رفعت پاشا بیان کرتے ہیں کہ وہابی بیش قیمت ہیرے اور جواہرات اٹھا کر لے گئے جن کی قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے. اس لوٹ مار میں سونے چاندی کے علاوہ زمرد کے بنے چار شمعدان، اور ایک مستطیل ہیرا جس سے قندیل کی طرح روشنی نکلا کرتی تھی اور ایک سو کے لگ بھگ تلواریں شامل تھیں جن پر ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے، جن میں سے ہر ایک کی قیمت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے جن کو پچھلے خلفاء اور سلاطین نے پیش کیا تھا، بھی شامل تھے. (۱۹۸) وہابی فتنے کا شدید ردعمل ہوا اور عثمانی خلیفہ کے حکم سے طوسون پاشا کو مصر سے ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا. طویل جھڑپوں کے بعد عبداللہ ابن سعود کو اس کے دیگر مجرم ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا اور قاہرہ روانہ کر دیا گیا. (۱۹۹) طوسون پاشا کی کوششوں سے مدینہ طیبہ کو وہابیوں سے ۱۸ رجب ۱۲۳۳ ہجری کو پاک کر دیا گیا. ان میں سے ۴۴۰ افراد نے ہتھیار ڈالے تھے. سرغنہ لوگوں کو قاہرہ روانہ کیا گیا جہاں سے ان کو استنبول لے جایا گیا جہاں ان کو سر عام پھانسی دے دی گئی. (۲۰۰) عبداللہ بن سعود نے لوٹے ہوئے مال میں سے صرف ایک صندوق واپس کیا جس کے اندر مصحف شریف کے تین قدیم مخطوطے تھے، ۳۰۰ موتی اور ایک زمرد کا ٹکڑا تھا. باقی ماندہ مسروقہ مال کے متعلق اس کا بیان تھا کہ جب اس کے والد (سعود) نے ان کو لوٹا تو اس نے ان قیمتی اشیاء کو عرب قبائل کے شیخوں میں تقسیم کر دیا تھا. مبینہ طور پر بعض اغوات (خدام حرم) اور شریف مکہ کو بھی اس مال مسروقہ میں سے حصہ دیا گیا تھا. مصری حکام نے اسے یقین دلایا کہ وہ سفارش کریں گے کہ عثمانی سلطان ان کو معافی نامہ دے دے. لہٰذا ۱۹ محرم الحرام ۱۲۳۴ ہجری کو انہیں سکندریہ کے راستے استنبول روانہ کیا گیا. استنبول پہنچنے پر اس کو اور اس کے دیگر ساتھیوں کو پورے شہر میں گھمایا گیا اور پھر باب ہمایوں کے سامنے استنبول میں ان کے سر قلم کر دئے گئے. (۲۰۱) یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ 'کوکب الدری' بھی اٹھا کر لے گئے تھے، لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت میسر نہیں آ سکا. عبدالقدوس الانصاری نے بیان کیا ہے کہ جنگ عظیم اول کے دوران کوکب الدری آستانہ منتقل کر دیا گیا تھا اور پھر اس کے بعد وہ کبھی واپس نہیں آیا. (۲۰۲)

فتح خیبر کے موقع پر جو علم سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت علیؓ کو دیا تھا اس کا ایک اور حصہ یہ بھی توپ کاپی میوزیم، ترکی میں محفوظ ہے۔
(ماخوذ از الکوکب الدری از انجینئر فرید عبدالستار یمنی)

تاہم برطانوی جاسوس، رچرڈ برٹن، جس نے مدینہ طیبہ کے متعلق اپنی یادداشتیں چھوڑی ہیں، اس بدقسمت وقوعے کے متعلق رقمطراز ہے:

"وہابیوں کے مدینہ طیبہ پر قبضہ کے دوران ان کے لیڈروں نے مزار اقدس پر مخزون قیمتی چیزیں چرائیں اور آپس میں بانٹ لیں. ان کی قیمت بہت زیادہ تھی. پھر جب مدینہ طیبہ مکمل طور پر ان کے ہاتھ آ گیا تو سعود اور اس کے دیگر چیدہ چیدہ افسروں نے حجرہ مطہرہ میں گھسنے کی کوشش کی، لیکن چونکہ اس سے پہلے وہ اپنے خوابوں میں بہت ہی بھیانک

ازواج مطہرات اور
سیدہ فاطمہ الزہراء
رضوان اللہ علیہم اجمعین
کے حجرات مبارکہ

سینے دیکھ چکے تھے اس لیے انہیں پردوں کے اس پار جانے اور قبر اطہر کو دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی. تاہم اس نے راستے میں پڑے تمام خزانے لوٹ لیے، جن میں کوکب الدری اور دیگر زر و جواہرات شامل تھے جو کہ عالم اسلام کی مختلف اکناف سے پیش کیے گئے تھے. کہا جاتا ہے کہ ان میں سے بہت سے تو انہوں نے شریف مکہ شریف غالب کے ہاتھ بیچ ڈالے جن کی قیمت ۱۵۰،۰۰۰ ڈالر بتائی جاتی ہے. باقی ماندہ قیمتی سامان وہ اپنے ساتھ درعیہ لے گیا جو کہ اس کا دارالحکومت تھا. وہ تو عمارت کی اور بھی بے حرمتی پر تلے ہوئے تھے مگر ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس سے وہ ایسا نہ کر پائے. لالچی وہابی یہ سمجھ بیٹھے کہ گنبد کے اوپر ہلال سونے کا تھا لہذا انہوں نے اسے بھی مسمار کرنے کی ٹھانی. مبینہ طور پر ان کے دو جیالے گنبد سے پھسلے اور گرتے ہی مر گئے، باقیوں پر خوف اور توہم طاری ہو گیا اور اس لیے مزید خرابی سے باز رہے.'' (۲۰۳)

حواشی

(۱) القرآن الحکیم، (الانعام:۵۴). جہاں تک پہلی حدیث مبارکہ کا تعلق ہے یہ البیہقی، شعب الایمان، نمبر ۴۱۶۸ پر درج ہے. یہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایات کردہ احادیث مبارکہ میں سے ایک ہے. دوسری حدیث مبارکہ حضرت بکر بن عبداللہ المزنیؒ سے مروی ہے جسے امام اسماعیل بن اسحاق الجہضمی القاضی المالکی (۱۹۹۔۲۷۲ ہجری) نے ''فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ'' میں نقل کیا ہے، مطبوعہ مکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۷۷ء، صفحات: ۳۶۔۳۷.

(۲) امام النووی، المجموع، شرح التہذیب، ج:۸، ص ۲۵۵

(۳) منقول از ابن ضیاء مکی (ت: ۸۸۵ ہجری) تاریخ مکۃ المشرفہ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفہ والقبر الشریفہ، المکتبۃ التجاریہ، مصطفیٰ احمد الباز، مکہ، ۱۹۹۶ء، ص: ۲۵۷.

(۴) ابن الجوزی (ت: ۵۹۷ ہجری)، ابواب ذکر مدینۃ الرسول، ص: ۷۵

(۵) مسند امام احمد، ۲۔۵۲۷ نیز سنن ابوداؤد، ۱۔۳۱۹، البیہقی، ۵۔۲۳۴

(۶) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۶۰ نیز ج:۳، نمبر ۸۷۳

(۷) ابن سعد، طبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ۱۸۵، ج:۱، ص ۵۰۱. حضرت حسن البصریؒ کی ولادت ۲۱ ہجری میں مدینہ طیبہ میں ہوئی اور ان کا انتقال ۱۱۰ ہجری میں بصرہ میں ہوا. آپ کے والد ماجد کا نام حضرت یسارؒ تھا جو کہ حضرت زید ابن ثابتؓ کے آزاد کردہ غلام تھے. آپ کی پرورش حجرات نبویہ شریفہ کے جوار رحمت اور ماحول میں ہی ہوئی کیونکہ آپ کی والدہ ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کے ہاں کام کیا کرتی تھیں اور اکثر اوقات جب ان کی والدہ کام میں مشغول ہوتیں تو ام المومنین سیدتنا ام سلمہؓ انہیں اپنی گود میں اٹھا لیتی تھیں.

(۸) سمہودیؒ، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ: ص: ۴۶۳ نیز ابن سعد، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۵۰۱

(۹) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۹۲

(۱۰) ایضاً، ج ۳، نمبر ۲۴۶ و ۲۶۲

(۱۱) زین الدین ابی بکر المراغی (ت: ۸۱۶ ہجری)، تحقیق النصرہ، ص: ۱۰۶

(۱۲) الموطاء لامام مالک بن انسؓ، ج:۱، نمبر ۵۴۶

(۱۳) ابن اسحاق، ص: ۶۷۸

(۱۴) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۱۷۴

(۱۵) صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۵۹۸۵

(۱۶) سنن ابی داؤد، ۳۹۔۴۴۹۸: (میں نے ہمیشہ اس کھانے کی کڑواہٹ محسوس کی ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا. وہ زہر جو مجھے دیا گیا ایسا لگتا ہے کہ اب وہ میری انتڑیوں کو کاٹ رہا ہے.)

(۱۷) ابوتراب الظاہری (سعودی عرب کے ہندی نژاد مایہ ناز ادیب جن کا ۲۰۰۲ میں انتقال ہوا)، زھول العقول بوفاۃ الرسول ﷺ، دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ، جدہ، ص ۸۴ (اس کو ابن ضیاء المکیؒ کی تاریخ مکۃ المشرفہ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفہ والقبر الشریفہ۔ص ۲۵۰ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے).

(۱۸) صحیح بخاری، ج:۴، نمبر ۸۱۹، نیز ج:۵، نمبر ۶۲ صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۶۰۰۳. حدیث نمبر ۶۰۰۵ میں اس کی مزید تفصیلات ہیں.

(۱۹) ابن اسحاق، ص ۶۸۲

(۲۰) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۱۹

(۲۱) ایضاً

(۲۲) ایضاً ج:۵،نمبر۱۷و۱۹۔

(۲۳) ایضاً ج:۲،نمبر۳۳۳۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیں ابن الجوزی، مناقب امیر المومنین عمر بن الخطابؓ، ص ۵۰

(۲۴) القرآن الکریم (الزمر:۳۰)

(۲۵) القرآن الکریم (آل عمران:۱۴۴)

(۲۶) صحیح بخاری، ج:۵،نمبر۱۹

(۲۷) ایضاً، ج:۵،نمبر۷۳۳،نیز ابن اسحاق،ص ۶۸۳

(۲۸) الموطاء امام مالکؒ، ج:۱،نمبر۵۴۳

(۲۹) سنن ابی داؤد،۲۰۔۳۱۳۵

(۳۰) ابن اسحاق، صفحات:۶۸۷۔۶۸۸

(۳۱) زین الدین المراغی، تحقیق النصرہ،ص۹۲

(۳۲) ابن اسحاق،ص:۶۸۸

(۳۳) ابن سعد، ج:۲،ص:۲۹۲

(۳۴) زین الدین المراغی، مصدر مذکور،ص:۹۳

(۳۵) سنن ابی داؤد،۲۰۔۳۱۴۷

(۳۶) ایضاً،۲۰۔۳۱۴۵۔دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد سے غلط مطلب نہ اخذ کیا جائے۔نجران یمن ہی کا حصہ تھا جو کہ بیسویں صدی کے شروع تک رہا۔سحول وہ خاص قصبہ تھا جہاں کا کپڑا مشہور تھا جو کہ یمن میں واقع تھا۔

(۳۷) ابن الجوزی، الثبات عند الممات، دار الکتب العلمیہ، بیروت،۱۹۸۶،صفحات:۷۸۔۷۹

(۳۸) ابن کثیر(ت:۷۷۴ہجری)البدایہ والنھایہ، دار الرشید، حلب، ج:۵،صفحات:۲۴۶۔۲۴۷

(۳۹) ابن سعد، ج:۲،ص۲۹۶

(۴۰) ایضاً۔نیز صحیح مسلم، ج:۲،نمبر۲۱۱۲بھی اس معاملے میں کافی روشنی ڈالتی ہے اگرچہ اس کا براہ راست تعلق حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی وفات سے ہے کیونکہ انہوں نے بھی وصیت کی تھی کہ ان کی قبر بھی لحد کے ساتھ بنائی جائے جیسی کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر تھی۔

(۴۱) ابن ناصر الدین الدمشقی (ت:۸۴۲ہجری)، صفوات الکئیب بوفاۃ الحبیب، دار البحوث للدراسات الاسلامیہ واحیاء التراث، دبی،ص ۱۵۵،حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ:[ایک سرخ رنگ کا کپڑا حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم اطہر کے نیچے رکھا گیا تھا۔] صحیح مسلم، ج:۲،نمبر۲۱۱۲

(۴۲) ایضاً،ص:۱۵۶

(۴۳) ایضاً

(۴۴) ایضاً

(۴۵) ابن اسحاق،ص:۶۸۸

(۴۶) ابن سعد، ج:۲،ص:۲۹۱

(۴۷) ایضاً

(۴۸) زین الدین المراغی، مصدر مذکور،ص:۹۳

(۴۹) مسجد نبوی شریف کی غربی جانب حرہ غربیہ کے اس پار وادی العقیق میں ایک میدانی علاقہ ہے جس کو العرصہ کہا جاتا ہے۔موسمی طغیانیوں کے باعث وادی کے بالائی علاقوں کی طرف سے بہت ہی نفیس ریت پانی میں بہہ کر آجایا کرتی تھی جو آ کر العرصہ میں جمع ہو جاتی تھی۔جغرافیائی طور پر مدینہ طیبہ میں دو میدانوں کے نام العرصہ کہے جاتے ہیں:ایک العرصہ اکبر ہے جو کہ ذوالحلیفہ کی طرف ہے جہاں اب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کا کیمپس ہے اور دوسرا العرصہ الاصغر

ہے جو کہ بیر رومہ (بیر عثمانؓ) کا علاقہ ہے. وہ مقام جہاں سے سرخ ریت لی گئی تھی اور پھر صدیوں تک وہیں سے لی جاتی رہی جو کہ مسجد نبوی شریف میں استعمال ہوتی تھی، وہ جگہ اب قصر الضیافہ کے پاس ہے جہاں مدینہ یونیورسٹی کا کیمپس ہے. (دیکھئے حاشیہ بر 'نزہت الناظرین' از برزنجی، ص ۷۷).

(۵۰) ابن نجار، ص: ۲۰۴

(۵۱) زین الدین المراغی، مصدر مذکور، ص ۹۴

(۵۲) فتح الباری، ج: ۳، ص ۲۵۷

(۵۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز. نیز ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج: ۵، ص: ۲۵۴.

(۵۴) ابی تراب الظاہری، زھول العقول بوفاۃ الرسول، دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ، جدہ، ص: ۱۶۵

(۵۵) ابن الجوزی، الوفاء باحوال المصطفیٰ، ص ۸۱۹. نیز انہیں کی دوسری کتاب: مثیر الغرام، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۶، ص ۲۷۴.

(۵۶) ابن اسحاق، ص ۶۹۰

(۵۷) ابن الکثیر، البدایہ والنہایہ، ج: ۵، ص ۲۵۵

(۵۸) ابن ضیاء المکی (ت: ۸۸۵ ہجری)، مصدر مذکور، ص ۲۳۸.

(۵۹) القرآن الکریم (طٰحٰہ: ۵۵)

(۶۰) الظاہری، مصدر مذکور، ص ۱۶۵

(۶۱) محمد علی قطب، القبۃ الخضریٰ، ص ۳۹

(۶۲) ابن الاثیر (۵۵۵۔۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج: ۲، ص ۲۶۲

(۶۳) صفوان عدنان داؤدی، مصدر مذکور، ص ۱۸۳

(۶۴) صحیح بخاری، ج: ۲، باب ۹۲، نیز الموطاء امام مالک، ج: ۱، نمبر ۵۲۲

(۶۵) قطب الدین الحنفی، تاریخ المدینہ، ص ۱۶۶

(۶۶) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری (۲۲۴۔۳۱۰ ہجری)، تاریخ الامم والملوک (Arabic Translation of Kosegarten Edition)، بیروت ج: ۳، ص ۴۲۲

(۶۷) ایضاً، ص: ۴۲۳

(۶۸) الموطاء امام مالک، ج: ۱، نمبر ۱۰۰۲

(۶۹) ابن سعد، ج: ۳، ۳۶۸

(۷۰) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۵۰، وج: ۲، نمبر ۴۷۵

(۷۱) ابن سعد، ج: ۳، ص: ۳۶۸

(۷۲) ابی تراب الظاہری، مصدر مذکور، ص ۱۲۸

(۷۳) ابن نجار، ص: ۲۱۱

(۷۴) ابن الجوزی، الوفاء، ص ۸۳۲۔ ان کی روایت کنز العمال حدیث نمبر ۱۸، ۳۹،۷۱۷ پر مبنی ہے.

(۷۵) ابن سعد، ج: ۲، ص ۲۹۴

(۷۶) ایضاً، ج: ۲، ص: ۳۰۶ نیز محمد علی قطب، القبۃ الخضریٰ، قاہرہ، ۱۹۹۹، ص ۳۷

(۷۷) ابن سعد، ج: ۲، ص ۳۰۶

(۷۸) ایضاً

(۷۹) صحیح بخاری، ج: ۲، نمبر ۴۷۳

(۸۰) ابن نجار، ص: ۲۱۱. وہ ہستیاں جن کو مورخین نے 'لوگ' کہہ کر لکھا ہے یقیناً یا زیادہ سے زیادہ تابعین حضرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ اور کون ہو سکتی

تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے اور ام المومنین سیدۃ عائشہؓ ان کو بخوشی اجازت مرحمت فرماتیں قبر اطہر کو چھونا تو ایک طرف ان واقعات سے تو اس بات کی گنجائش بھی نکلتی ہے کہ قبر اطہر سے تبرک کے طور پر مٹی وہ اصحاب لے جایا کرتے تھے جنہوں نے اپنی زندگیاں رسول اللہ ﷺ کی رشد و ہدایت اور رفاقت سے منور کی ہوئی تھیں۔

(۸۱) زین الدین المراغی، تحقیق النصرہ، صفحات: ۱۰۵۔۱۰۶۔ نیز دیکھیے صفوان عدنان داؤدی، الحجرات الشریفہ، جدہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۳، ص ۱۸۲۔

(۸۲) صحیح بخاری، ج: ۲، نمبر ۴۷۴ و ج: ۹، نمبر ۴۲۸

(۸۳) ایضاً، نمبر ۴۱۴

(۸۴) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کے رشتہ میں بھتیجے تھے۔

(۸۵) سنن ابی داؤد، باب ۲۳، نمبر ۳۲۱۴۔۳۲۱۵۔ ابن شبہ نے بھی اسی حدیث کو نقل کیا ہے، دیکھیے تاریخ مدینہ، ج: ۳، ص ۹۴۵۔ الطبری، ج: ۳، صفحات: ۴۲۲-۲۳

(۸۶) ابن ضیاء المکی (ت: ۸۸۳ ہجری) نے بھی بیان کیا ہے کہ حضرت نافعؒ اور حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیلؒ اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ بھی انہیں نظریات کے حامل تھے۔ مصدر مذکور، ص: ۲۴۲۔

(۸۷) ابن سعد، ج: ۱، ص: ۳۰۷

(۸۸) ایضاً، ج: ۲، ص: ۲۹۴

(۸۹) حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا گھر بقیع الغرقد کی ایک طرف بقیع العمات کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔

(۹۰) سمہودی، الوفاء الوفاء، ص ۵۴۶۔ نیز محمد علی قطب، القبۃ الخضریٰ، ص ۵۰۔ نیز دیکھیے: صحیح بخاری، ج: ۲، نمبر ۴۷۴ و ج: ۹، نمبر ۴۲۸

(۹۱) سمہودی، ایضاً، ص: ۵۴۶

(۹۲) فتح الباری، ج: ۳، ص: ۲۵۷

(۹۳) ابن نجار، ص: ۲۱۳

(۹۴) اپنی والدہ کی طرف سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ حضرت عمر فاروقؓ کی پوتی کے بیٹے تھے۔

(۹۵) زین الدین المراغی، تحقیق النصرہ، ص ۸۲

(۹۶) ابن نجار، ص ۲۱۴

(۹۷) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، صفحات: ۲۴۷۔۲۴۸

(۹۸) ابن شبہ، تاریخ مدینہ، ج: ۱، ص ۱۱۰۔ نیز علامہ جلال الدین سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، دار الفکر، دمشق ص ۱۸۱

(۹۹) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۵۴۸

(۱۰۰) ایضاً، صفحات: ۵۴۸۔۵۴۹

(۱۰۱) ایضاً، ص: ۵۴۹

(۱۰۲) احمد بن محمد قلقشندی (ت: ۸۲۱ ہجری) مآثر الانافة فی معالم الخلافة، دار الفکر، دمشق، ۱۹۹۷، ص ۱۴۸

(۱۰۳) سمہودی، الوفاء بما یحب لحضرۃ المصطفیٰ، ناشر حمد الجاسر "رسائل فی تاریخ المدینه"، ۱۹۸۱، ص: ۱۵۷۔ یہ حدیث مبارکہ مسند امام احمد اور طبرانی میں بھی ملتی ہے۔

(۱۰۴) ابی الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی (ت: ۳۴۶ ہجری) مروج الذہب و معادن الجواہر، ج: ۳، ص ۸۵

(۱۰۵) صحیح بخاری، ج: ۲، نمبر ۴۷۴ نیز ج: ۹، نمبر ۴۲۸

(۱۰۶) سمہودی، وفاء الوفاء، ص: ۵۵۸

(۱۰۷) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینہ المنورہ، ص: ۹۳

(۱۰۸) ماخوذ از سیاحت نامہ اولیا شلبی ص ۱۲۴

(۱۰۹) صفوان عدنان داؤدی، الحجرات الشریفہ، ص ۱۸۳

(۱۱۰) ابن نجار، ص۲۱۴

(۱۱۱) ابن جبیر، رحلۃ (Rendered into english as Travels of Ibn Jubayr by Roland Broadhurst) Goodword Books, New Delhi, 2001، ص۱۴۱

(۱۱۲) ایضاً

(۱۱۳) المطری، التعریف، ص۳۹

(۱۱۴) ایضاً ص۳۹ نیز زین الدین المراغی، تحقیق النصرہ، صفحات:۸۴_۸۵

(۱۱۵) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص۳۰۲

(۱۱۶) ایضاً ص:۳۲۰

(۱۱۷) سمہودی، الوفاء بما یجب لحضرۃ المصطفیٰ، مصدر مذکور، ص۱۰۱

(۱۱۸) سعداللہ بن عمر بن علی الاسفرائینی المکی (ت:۸۷۶ ہجری)، زبدۃ الاعمال، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمہ، ۱۹۹۷، ص:۲۲۵ نیز یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ، ۱۹۸۱، ص۲۵۹

(۱۱۹) ڈاکٹر محمد حمزہ اسمائیل الحداد، القبب فی العمارۃ المصریۃ الاسلامیہ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، قاہرہ، ۱۹۹۳

(۱۲۰) خاندان تغلق حرمین الشریفین سے بے حد لگاؤ رکھتا تھا اور ان کے دور میں ہندوستان سے نقدی اور دیگر تحفے تحائف بھیجے جاتے تھے۔ انہوں نے یہاں بہت سے رباط اور مدارس بھی قائم کئے تھے۔

(۱۲۱) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، صفحات:۳۰۵_۳۰۶

(۱۲۲) ناجی محمد حسن عبدالقادر الانصاری، عمارۃ و توسعۃ المسجد النبوی الشریف عبر التاریخ، یکے از مطبوعات مدینہ منورہ ادبی کلب (کتاب نمبر ۹۵)، ۱۹۹۶، ص ۱۲۸ نیز: سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص۶۲۹

(۱۲۳) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء، ص:۳۱۲

(۱۲۴) ایضاً ص۳۰۹

(۱۲۵) ایضاً صفحات:۳۰۹_۳۱۱

(۱۲۶) ایضاً، الوفاء الوفاء، ص۶۱۷

(۱۲۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، جذب القلوب الی دیار المحبوب، ص۱۲۷

(۱۲۸) صالح لمعی مصطفیٰ، المدینہ المنورہ ـ تطورھا العمرانی و تراثھا المعماری (Medina al-Munawwara - Urban Development & Architectural Heritage) بیروت، ۱۹۸۱، ص:۸۳

(۱۲۹) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، صفحات:۳۰۹_۳۱۱

(۱۳۰) ایضاً ص:۳۲۲

(۱۳۱) تاہم یہ بیان شیخ عبدالحق محدث کے بیان سے مطابقت نہیں رکھتا جس کے مطابق ان کی مدینہ طیبہ کی زیارت کے وقت گنبد شریف کا رنگ سبز تھا۔ جذب القلوب (اردو ترجمہ۔ دیار المحبوب۔ از حکیم سید عرفان علی، تاج کمپنی، دہلی، ص:۱۲۶)

(۱۳۲) عربی میں الفیحاء سے مراد صحن یا دالان ہوتا ہے جس سے یہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ الفیحاء سے مراد صرف گنبد اور حجرہ مطہرہ ہی نہ تھا بلکہ صحن مسجد نبوی بھی ہوگا۔

(۱۳۳) السید جعفر بن اسمائیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین، صفحات:۲۱۵_۱۲۹

(۱۳۴) ایضاً صفحات:۱۹۴_۱۹۸

(۱۳۵) اندرونی گنبد شریف کو "قبۃ النور" کہا جاتا ہے۔

(۱۳۶) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینہ، ص۹۲

(۱۳۷) ایوب صبری پاشا، مرآۃ الحرمین (مطبوعہ بزبان ترکی ۱۳۰۰ ہجری) ترجمہ کے اقتباس عبدالقدوس انصاری سے نقل کئے گئے ہیں۔

(۱۳۸) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، مطبعۃ دارالکتب المصریہ بالقاہرہ، ۱۹۲۵، ج:۱، ص:۴۶۵

(۱۳۹) ایضاً، ص۴۷۵

(۱۴۰) محمد طاہر الکردی المکی، کتاب التاریخ القویم لمکۃ و بیت اللہ الکریم، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۵ ہجری، الجزء الاول، ص:۱۴۵

(۱۴۱) محمد لبیب البتونی، الرحلۃ الحجازیہ، ص ۳۲۷

(۱۴۲) تحقیق النصرہ کے ناشران کے بیان کے مطابق کوکب الدری کا حجم کبوتر کے انڈے کا سا ہے اور اس کا وزن ۴۷ قیراط ہے اور اسے ایک سونے کی طشتری میں جڑا گیا ہے اور اس کے اردگرد دیگر بہت سے ہیرے جڑے ہیں. اسے سلطان احمد خان نے ۱۰۱۵ ہجری کے لگ بھگ روضہ اطہر پر پیش کیا تھا. المراغی، تحقیق النصرہ، مصدر مذکور، ص ۱۰۸ حاشیہ.

(۱۴۳) محمد طاہر الکردی المکی، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۱۴۶

(۱۴۴) سمہودی، الوفاء بما یجب لحضرۃ المصطفیٰ، ص ۱۹۷ (یہ رسالہ ''رسائل فی تاریخ المدینہ'' کے ضمن میں حمد الجاسر مرحوم نے شائع کیا تھا).

(۱۴۵) السید جعفر بن اسمائیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین، صفحات: ۲۰۹-۲۱۰

(۱۴۶) ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۲۱۴

(۱۴۷) السید جعفر بن اسمائیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین، صفحات: ۲۰۷-۲۰۸

(۱۴۸) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۴۶۰

(۱۴۹) القرآن الکریم (الاحزاب: ۴۰)

(۱۵۰) محمد طاہر الکردی المکی، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۱۴۵

(۱۵۱) القرآن الکریم (النساء: ۶۴)

(۱۵۲) القرآن الکریم (الانعام: ۵۴)

(۱۵۳) البیہقی، الکبریٰ، ۵-۲۴۶ و شعب الایمان ۴۱۵۴ و دار قطنی ۲-۲۷۸. اس حدیث مبارکہ کے راوی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ ہیں.

(۱۵۴) ابن الجوزی (ت: ۵۹۷ ہجری) مثیر الغرام الساکن الی اشرف الاماکن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۶، ص ۲۷۳. انہوں نے اس کو البیہقی اور دار قطنی کی روایت کردہ احادیث کی بنا پر بیان کیا ہے.

(۱۵۵) اصفہانی، ترغیب (۱۰۲) منقول از ابن الجوزی، مثیر الغرام، مصدر المذکور، ص ۲۷۴

(۱۵۶) ابن النجار، ص ۲۲۳

(۱۵۷) زین الدین المراغی، تحقیق النصرہ، ص ۱۰۷

(۱۵۸) موطاء امام مالک، باب ۹، نمبر ۹-۲۲-۷۱

(۱۵۹) ابن سعد، ج:۴، ص ۱۵۶

(۱۶۰) القرآن الکریم (النساء: ۶۴)

(۱۶۱) القرطبی، تفسیر القرآن، ج:۵، ص ۲۶۵

(۱۶۲) ان کا پورا نام محمد بن عبیداللہ بن عمرو بن معاویہ بن عمر بن عتبہ بن ابوسفیان صخر بن حرب تھا اور ان کا انتقال ۲۲۸ ہجری میں ہوا تھا.

(۱۶۳) القران الکریم (النساء: ۶۴)

(۱۶۴) ایسی ہی ایک اور روایت محمد بن حرب الہلالی سے ابن الجوزی نے مثیر الغرام میں نقل کی ہے، مصدر مذکور، ص ۲۷۵
بھی نقل کیا ہے۔ محمد بن حرب الہلالی. (ابن الجوزی، مثیر الغرام، ص ۲۷۵)

(۱۶۵) المراغی، ص ۱۱۱. نیز ابن الجوزی نے اس واقعہ کو ایک اور راوی کے حوالے سے
نہیں بتایا گیا، مگر اگر وہ ایک اصحابیہ نہیں تھیں تو ایک تابعیہ تو ضرور تھیں.

(۱۶۶) ایضاً، ص: ۱۰۶. اگرچہ تمام روایتوں میں اس زائرہ محترمہ کا نام نہیں بتایا گیا، مگر اگر وہ ایک اصحابیہ نہیں تھیں تو ایک تابعیہ تو ضرور تھیں.
(۱۶۶) ایضاً، ص: ۱۰۶. اگرچہ تمام روایتوں میں اس زائرہ محترمہ کا نام ... ۱۹۵۰، جزء دوم، ص: ۳۳. اس کے بعد نقل کی گئی حدیث مبارکہ جو کہ سیدنا عمر

(۱۶۷) قاضی عیاضؒ، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۵۰، جزء دوم، ص: ۳۳. اس کے بعد نقل کی گئی حدیث مبارکہ جو کہ سیدنا عمر فاروقؓ سے مروی ہے اسے ہم نے سمہودیؒ (وفاء الوفاء، صفحات: ۱۳۷۱-۱۳۷۲) سے نقل کیا ہے. یہ حدیث مبارکہ حاکم نے مستدرک میں روایت کی

ہے۔ الطبرانی نے اس میں چند الفاظ کا اضافہ کیا ہے جو یہ ہے: [اور وہ تیری اولاد میں سب سے آخری نبی ہوں گے]۔

(۱۶۸) قاضی عیاضؒ، الشفاء، جزء دوم، ص ۶۸۔ نیز ابن ضیاء المکی (ت: ۸۸۵ ہجری)، تاریخ مکۃ المشرفہ والمسجد الحرام والمدینہ الشریفہ والقبر الشریف، مکتبہ التجاریہ، مکۃ المکرمہ، ۱۹۹۶، ص ۲۵۲

(۱۶۹) ایضاً۔ یہ بتانا خارج از محل نہیں ہوگا کہ حاتمؒ انہیں وردانؒ کے فرزند تھے جنہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی گورنری کے دوران حجرہ مطہرہ کی دیوار گرنے پر دوبارہ تعمیر کی تھی۔ نیز دیکھئے: ابن الجوزی، مثیر الغرام الساکن الیٰ اشرف الاماکن، ص ۲۷۳

(۱۷۰) قاضی عیاضؒ، الشفاء، ص ۷۰

(۱۷۱) الموطاء امام مالک، باب ۹، نمبر ۹-۲۲-۷۱

(۱۷۲) قاضی عیاض، الشفاء، ص ۷۰

(۱۷۳) محمد علوی المالکی المکی الحسنی، مفاهیم یجب ان تصحح، دار الانسان، دمشق، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۵، ص ۹۷

(۱۷۴) حافظ ابن حجر، فتح الباری، ج: ۲، ص ۴۱۵ نیز سمہودیؒ، ص: ۱۳۷۴

(۱۷۵) ابی الحسن علی بن حسین المسعودی (ت: ۳۴۶ ہجری) آپ صحابی جلیل حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی اولاد میں سے تھے اور شہرہ آفاق کتاب "مروج الذهب ومعادن الجواهر" کے مصنف ہیں، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج: ۳، ص ۳۲

(۱۷۶) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۱۳۶۸۔ ابن ضیاء المکی (ت: ۸۸۵ ہجری)، مصدر مذکور، ص ۲۳۴

(۱۷۷) المراغی، مصدر مذکور، ص ۱۰۵

(۱۷۸) ابن نجار، ص ۲۱۱

(۱۷۹) السید محمد کبریت الحسینی المدنی (ت: ۱۰۷۰ ہجری) الجواهر الثمینه فی محاسن المدینه، ناشر احمد سعید بن سلم، مدینه المنوره، ۱۹۹۷، ص ۲۶

(۱۸۰) ابن الاثیر (ت: ۶۳۰ ہجری) اسد الغابہ، ج: ۱، ص ۴۱۷

(۱۸۱) ابن ناصر الدین الدمشقی (ت: ۸۴۲ ہجری)، مصدر مذکور، ص ۱۶۹

(۱۸۲) السید محمد کبریت الحسینی، مصدر مذکور، صفحات: ۶۶-۶۷۔ نیز ابن ضیاء المکی، مصدر مذکور، صفحات: ۲۵۱-۲۵۲

(۱۸۳) سمہودی، الوفا بما یجب لحضرۃ المصطفیٰ، مصدر مذکور، ص ۱۵۸

(۱۸۴) تقی الدین سبکی، شفاء السقام فی زیارۃ الخیر الانام، ص ۵۶

(۱۸۵) ایضاً

(۱۸۶) سنن الدارمی، باب ۱۵۔ سمہودی، الوفاء بما یجب لحضرۃ المصطفیٰ، ص ۸۹۔ ابن الجوزی، وفاء باحوال المصطفیٰ، مصدر مذکور، ص ۸۱۸۔ کبریت الحسینی، مصدر المذکور، ص ۸۹

(۱۸۷) المراغی، ص: ۱۱۵

(۱۸۸) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۵۶۰۔ السید محمد کبریت الحسینی، مصدر مذکور، ص ۸۹

(۱۸۹) جلال الدین السیوطی، تاریخ الخلفاء محمد طاہر الکردی، مصدر مذکور، ج: ۱، ص ۱۴۵

(۱۹۰) ابن نجار، ص ۲۱۷

(۱۹۱) ماخوذ از اولیا شلبی، الرحلة الحجازیه، جسے دکتور صفصفی احمد المرسی نے عربی میں ترجمہ کیا اور دار الآفاق العربیہ نے قاہرہ سے ۱۹۹۹ء میں شائع کیا، ص: ۱۳۲۔ قرآن الکریم کی مذکورہ آیت کریمہ سورۃ النور: ۳۵ ہے۔

(۱۹۲) محمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد الازرقی (ت: ۲۴۴ ہجری)، تاریخ مکه، ناشر مصطفیٰ احمد الباز، المکتبة التجاریه، مکة المکرمه، ۱۹۹۵، ج: ۱، صفحات: ۲۴۲-۲۴۳

(۱۹۳) ایضاً

(۱۹۴) السمہودی، وفاء الوفاء، ص ۵۲۸

(۱۹۵) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، مصدر مذکور، ج:۱، صفحات:۴۵۳_۴۵۶

(۱۹۶) البرزنجی، مصدر مذکور، صفحات:۲۰۰_۲۰۱

(۱۹۷) ایضاً، ص:۲۰۱

(۱۹۸) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، ص۴۵۴

(۱۹۹) البرزنجی، مصدر مذکور، صفحات:۱۷۳_۱۸۱

(۲۰۰) دکتور عبداللہ الصالح العثیمین، مواد لتاریخ وھابیین، صفحات:۱۰۹_۱۲۵

(۲۰۱) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، ص۴۵۶. یہ کہنا خارج از محل نہ ہوگا کہ اصلی لوٹ مار مچانے والا، سعود بن عبدالعزیز، درعیہ میں ایک عراقی شیعہ کے ہاتھوں خنجر کے وار سے مارا گیا تھا جو اتنی دور سے سفر کر کے آیا تھا تا کہ سعود اور اس کے دیگر ساتھیوں سے جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر شہدائے کربلا کے مزارات کو گرانے اور وہاں آتش زنی کر کے ان کی بے حرمتی کا ارتکاب کیا تھا ان سے بدلہ لے سکے.

(۲۰۲) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینہ، ص۹۳

(۲۰۳) رچرڈ برٹن، (Personal Narrative of a Pilgrimage to al-Medinah & Meccah)، صفحات:۳۶۹_۳۷۰

باب ١٦
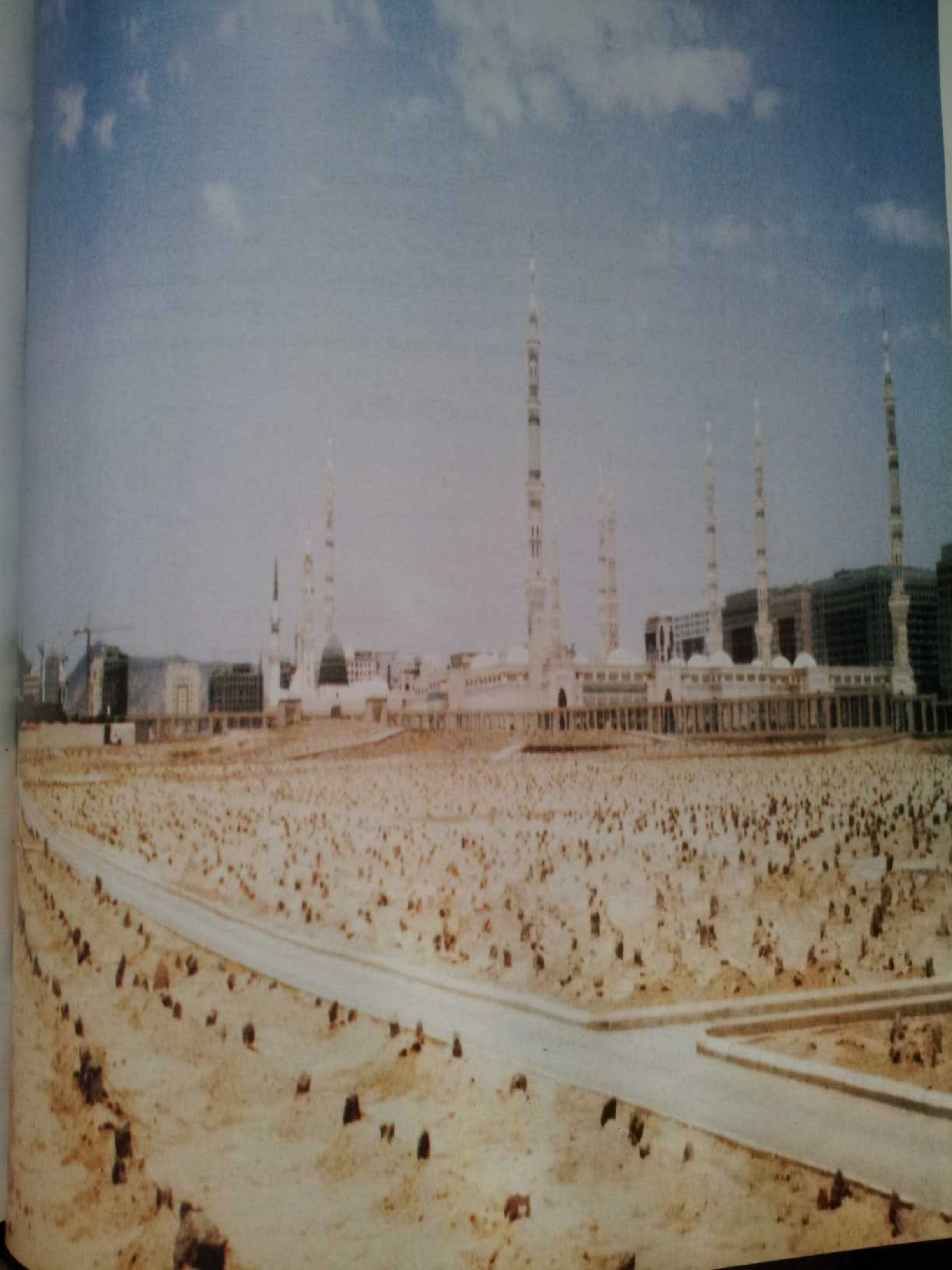
بقیع الغرقد

(مدینہ منورہ کا مشہور اور تاریخی قبرستان)

سلامتی ہو تم پر اے اہالیان شہر (بقیع الغرقد)،

تم پر جو ایمان والے ہو اور مسلمان ہو! انشاء اللہ ہم تم سے آ ملنے والے ہیں.

میں اللہ رب العزت سے اپنے اور تمہارے لئے مغفرت اور سلامتی کی دعا مانگتا ہوں.(١)

مسجد نبوی شریف کی جنوب مشرقی جانب بقیع الغرقد کا قبرستان ہے جو کہ مدینہ طیبہ کا سب سے مشہور مدفن و گورستان ہے۔ یہ مدینہ طیبہ کے نہایت ہی اہم تاریخی مقامات میں سے ایک منفرد مقام ہے جو کہ مسجد نبوی شریف کے جوار رحمت میں واقع ہے اور لاکھوں کی تعداد میں باہر سے آنے والے فرزندان توحید کی زیارت گاہ ہے. ایک بلند و بالا ہلکے سفید رنگ کی چاردیواری جس میں خوبصورت آہنی جالی لگی ہے جو بقیع الغرقد کا احاطہ کیے ہوئے ہے. ابتدائے اسلام میں یہ قبرستان بہت تھوڑے سے رقبے میں ہوا کرتا تھا. اس کی پہلی بار توسیع حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ کے دور میں ہوئی، پھر اس کے بعد وقتاً فوقتاً مزید توسیعات ہوتی رہیں. بیسویں صدی کے آغاز میں ترکی دورِ حکومت کے اواخر میں یہ صرف ۱۵،۰۰۰ مربع میٹر (۱۰۰x۱۵۰) پر محیط تھی. سعودی دور میں سب سے پہلی توسیع شاہ فیصل مرحوم کے دور میں ہوئی، پھر اس کے بعد ۱۹۷۹ میں شاہ خالد کے دور میں مزید اراضی اس میں شامل کر دی گئی تھی لیکن سعودی دور کی سب سے بڑی توسیع شاہ فہد کے دورِ حکومت میں ہوئی ہے اور آج اس کا کل رقبہ ۵۶،۰۰۰ مربع میٹر ہے.

سرکار دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ میں ورود مسعود کے وقت وہاں بہت سے قبرستان تھے. (۳) یہودیوں کے اپنے قبرستان ہوا کرتے تھے جب کہ عربوں کے مختلف قبائل کے اپنے اپنے قبرستان تھے. مدینہ طیبہ چونکہ اس وقت مختلف چھوٹے چھوٹے گاؤں میں بٹا ہوا تھا اس لیے ہر قبیلہ اپنے ہی علاقے میں کھلی جگہ پر اپنی میتوں کو دفنا دیتا تھا. قباء کا الگ قبرستان تھا جو زیادہ مشہور تھا، گو کہ وہاں چھوٹے چھوٹے کئی اور قبرستان بھی تھے. قبیلہ بنی ظفر کا اپنا قبرستان تھا اور بنی سلمہ کا اپنا الگ قبرستان تھا. دیگر قبرستانوں میں بنی ساعدہ کا قبرستان تھا جس کی جگہ بعد میں سوق النبی (المناخہ) قائم ہوا. جس جگہ پر مسجد نبوی تعمیر ہوئی وہاں بھی کھجوروں کے جھنڈ میں چند مشرکین کی قبریں تھیں. ان تمام قبرستانوں میں بقیع الغرقد سب سے پرانا اور مشہور قبرستان تھا اور پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اسے مسلمانوں کے قبرستان کے لیے منتخب کر لیا تو اس کے بعد سے آج تک اسے ایک منفرد اور ممتاز حیثیت حاصل رہی ہے جو تا ابد رہے گی.

بقیع الغرقد کا مسلمانوں کے قبرستان کے طور پر انتخاب اور اہمیت

حضرت عبید اللہ بن ابی رافعؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں صرف مسلمانوں کی قبریں ہوں اور اس غرض سے آنحضرت ﷺ نے مختلف جگہوں کو ملاحظہ بھی فرمایا. یہ فخر بقیع الغرقد کے حصے میں لکھا تھا. جناب رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا: [مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس جگہ کو (یعنی بقیع الغرقد) کو منتخب کر لوں.] اسے اس دور میں بقیع الخجبہ کہا جاتا تھا، اس میں بے شمار غرقد کے درخت اور خود رو جھاڑیاں ہوا کرتی تھیں. یہاں مچھروں اور دیگر حشرات الارض کی بھر مار تھی اور مچھر جب اڑتے تو ایسے لگتا تھا کہ دھوئیں کے بادل چھا گئے ہوں. وہاں سب سے پہلے جن کو دفن کیا گیا وہ حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے. رسول اللہ ﷺ نے ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نشانی کے طور پر رکھ دیا اور فرمایا: 'یہ ہمارے پیش رو (سلف) ہیں! ان کے بعد جب بھی کسی کی فوتیدگی ہوتی تو لوگ تاجدار مدینہ ﷺ سے پوچھتے کہ انہیں کہاں دفن کیا جائے تو آقا ﷺ فرماتے ''ہمارے پیش رو (سلف) عثمان بن مظعونؓ کے قریب''. (۴)

بقیع عربی میں ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں درختوں کی بہتات ہو. (۵) مدینہ طیبہ میں اس مقام کو بقیع الغرقد کے نام سے جانا جانے لگا کیونکہ وہاں غرقد کے درختوں کی بہتات تھی. (۶) اس کے علاوہ وہاں دیگر خود رو صحرائی جھاڑیاں بھی بکثرت تھیں. اسے جنت البقیع بھی کہا جاتا ہے. جنت کا عربی میں ایک مطلب 'باغ' یا 'فردوس' بھی ہے اس لیے یہ جگہ زیادہ تر عجمی زائرین میں 'جنت البقیع' کے نام سے ہی جانی جاتی ہے. ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ عرب عموماً اپنے مقابر اور قبرستانوں کو ''جنت'' ہی کہہ کر پکارتے ہیں. اس کا ایک نام 'مقابر البقیع' بھی ہے جو اعرابیوں میں زیادہ مشہور ہے.

نمازِ فجر کے بعد بقیع الغرقد کا دروازہ زیارت کے لیے کھول دیا جاتا ہے. زائرین کا جمِ غفیر زیارت اور سلام کے لیے ادھر کا رخ کر لیتا ہے. اس تصویر میں دورِ افق سے ارضِ مدینہ طیبہ پر طلوع ہوتے ہوئے سورج کی روپہلی کرنیں بقیع الغرقد پر پڑتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں. (دسمبر ۲۰۰۲ء)

مقابر البقیع مسجد نبوی شریف کے باب جبریل کے سامنے شرقی جانب واقع ہیں. پرانے شہر میں یہ قبرستان فصیل شہر سے باہر ہوا کرتا تھا اور وہ دروازہ جو اس کی طرف کھلتا تھا اسے اسی نسبت سے 'باب البقیع' کہا جاتا تھا جب کہ اس کا اصلی نام 'باب الجمعہ' تھا. ۱۹۸۴ء تک 'حارۃ الاغوات' کی تاریخی آبادی مسجد نبوی اور البقیع کے درمیان حد فاصل تھی، (۷) مگر اس کے بعد جب وہ ساری آبادی مسجد نبوی شریف کے توسیعی منصوبے کے لیے مسمار کر دی گئی، تو عملی طور پر مسجد نبوی اور بقیع الغرقد کے درمیان صرف خالی جگہ ہی باقی رہ گئی ہے. علامتی طور پر مسجد نبوی کی حد بندی کے لیے اس کے ارد گرد خوبصورت آہنی جالی دار دیوار موجود ہے جو کہ کم و بیش پرانی فصیل کی باقیات پر بنائی گئی تھی. اب وہی دیوار مسجد نبوی شریف کو بقیع الغرقد سے الگ کرتی ہے. کسی دور میں یہاں سے شارع ابوذر گزرا کرتی تھی. اس کے شمال سے شارع ملک عبدالعزیز گزرتی ہے اور جنوب میں شارع علی ابن علی طالب ہے اور مشرق میں شارع ستین (شارع ملک فیصل) کی سرکلر روڈ یعنی طریق دائری گزرتی ہے.

ہجرت مبارکہ کے بعد چونکہ سرکار دو عالم ﷺ حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کے گھر پر قیام پذیر تھے جو کہ بقیع الغرقد سے تقریباً ۱۵۰ میٹر کے فاصلے پر تھا، چند روایتوں سے مترشح ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی آمد مبارک کے چند ہی دن بعد بقیع الغرقد تشریف لے گئے تھے. (۸) رحمت اللعالمین شفیع المذنبین ﷺ وہاں اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے، کبھی کبھار دن کے وقت اور کبھی آدھی رات کے بعد اور وہاں مدفونین کے لیے دعائے مغفرت فرماتے تھے. الموطاء امام مالکؒ کی روایت کے مطابق ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے: [ایک رات رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنے کپڑے پہننے کے بعد باہر کو چل دیئے. پھر میں نے اپنی جاریہ بریرہؓ کو آپ کے پیچھے پیچھے جانے کے لیے بھیجا. وہ آں حضرت ﷺ کے پیچھے ہو لی یہاں تک کہ حضور والا شان ﷺ بقیع الغرقد پہنچ گئے. آپ حضور ﷺ جب تک اللہ رب العزت نے چاہا وہاں کھڑے رہے اور پھر واپس تشریف لے آئے. بریرہؓ آپ کے آنے سے پہلے ہی گھر پہنچ گئی اور سارا ماجرا مجھے بتایا. میں نے آپ حضور ﷺ سے اس وقت تک کچھ نہیں کہا جب تک کہ صبح نہیں ہوئی. پھر میں نے آپ سے اس کا تذکرہ کیا تو حضور والا شان ﷺ نے فرمایا: [مجھے بقیع الغرقد بھیجا گیا تھا تا کہ میں ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر کروں.] (۹)

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ: [جب بھی رسول اللہ ﷺ بقیع الغرقد

تشریف لے جاتے تو آپ اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت فرماتے. جب ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے آپ سے اس مسئلے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا: [مجھے ان کے حق میں دعائے خیر کرنے کا حکم ہوا ہے.] حضرت حسن ابن علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے: [جب ام المومنین عائشہؓ نے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ میں ان کے لیے کیسے دعا کروں؟ تو آپ حضور ﷺ نے فرمایا: [کہو: سلام ہو تم پر اے اہل بقیع جو کہ مومنین میں سے ہیں. اللہ کریم ان پر رحم کرے جو ہم سے پہلے جا چکے ہیں اور جو بعد میں جانے والے ہیں، اور ہم بھی انشااللہ تمہارے ساتھ آملیں گے.] (۱۰) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ البقیع کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: [السلام علیکم، اے قبور میں محو استراحت مومنین کی جماعت اللہ کریم نے تمہیں ان امتحانات سے بچالیا ہے جو کہ تمہارے جانے کے بعد آرہے ہیں!.] پھر آپ حضور ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف دیکھا اور فرمایا: [یہ لوگ تم سے بہتر ہیں.] اصحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضور وہ کس طرح؟ ہم بھی تو ویسے ہی ایمان لائے ہیں جیسا کہ وہ لائے تھے، ہم نے بھی ہجرت کی جیسا کہ انہوں نے کی تھی، ہم نے بھی اللہ کی راہ میں ویسے ہی خرچ کیا جیسا کہ وہ کرتے تھے، تو پھر وہ ہم سے بہتر کس لحاظ سے رہے؟] اس پر آپ حضور ﷺ نے فرمایا: [وہ اپنے نیک اعمال کا پھل دنیا میں حاصل کرنے سے پہلے ہی چل دیئے اور میں ان پر گواہ ہوں. جہاں تک تمہارا تعلق ہے، تم نے ان کے جانے کے بعد اپنے اعمال کے پوری طرح دنیاوی ثمر حاصل کئے ہیں، اور مزید برآں کیا معلوم میرے بعد تم لوگ کیا کروگے!] (۱۱)

غرقد کا درخت

ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے بہت ہی طویل حدیث مروی ہے جس میں آپ نے رسول اللہ ﷺ کا ایک رات بقیع الغرقد جانے کا تذکرہ کیا ہے، جس میں دوسری باتوں کے علاوہ، یہ روایت بھی ہے کہ: [.....آں حضور ﷺ نے وہاں طویل عرصے تک قیام فرمایا. پھر آپ حضور ﷺ نے تین مرتبہ (دعا کے لیے) اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے، اور پھر واپس تشریف لے آئے......] (۱۲) علماء اور فقہاء نے اس حدیث مبارکہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مسلمان کے لیے قبرستان میں دعا کرتے وقت اپنے ہاتھ اٹھانا سنت رسول مقبول ﷺ اور مستحب عمل ہے. ایک اور حدیث مبارکہ میں ام المومنین سیدۃ عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر مرتبہ بقیع الغرقد تشریف لے جایا کرتے تھے اور خاص طور پر رات کے پچھلے پہر اور پھر وہاں جا کر فرماتے: [اے اللہ اہل بقیع الغرقد کی مغفرت فرمانا.] (۱۳) بیہقی کے مطابق، ام المومنینؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ شعبان کی ۱۴ تاریخ کی رات کو بقیع الغرقد تشریف لے گئے تھے. یہ اسی سنت خیر الانام ﷺ کا نتیجہ تھا کہ اہل مدینہ ہمیشہ شب برات کی رات (یعنی ۱۴ شعبان المعظم) کو کثیر تعداد میں جنت البقیع جایا کرتے تھے. (۱۴) تاہم اب ایسا نہیں رہا کیونکہ طبقہ ارباب بسط وکشاد اس کے برعکس مکتب فکر رکھتا ہے.

ایک اور حدیث مبارکہ کی رو سے یوم حشر رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین رضوان اللہ علیہما کے اپنی قبور مطہرہ سے اٹھائے جانے کے بعد وہ لوگ جو سب سے پہلے اٹھائے جائیں گے وہ جنت البقیع سے ہوں گے. (۱۵) اسی طرح ایک دیگر حدیث مبارکہ کی رو سے: [ستر ہزار نفوس بقیع الغرقد سے اس طرح اٹھائے جائیں گے کہ ان کے چہرے چودھویں رات کے بدر کامل کی طرح منور ہوں گے اور وہ بغیر کسی حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے.] (۱۶) حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جو کوئی بھی ہمارے اس قبرستان میں دفنایا جائے گا، ہم اس کے شفیع ٹھہریں گے اور اس کی شہادت دیں گے.] (۱۷) بہت سے دیگر راویان (مثلاً حضرت عقبہ بن
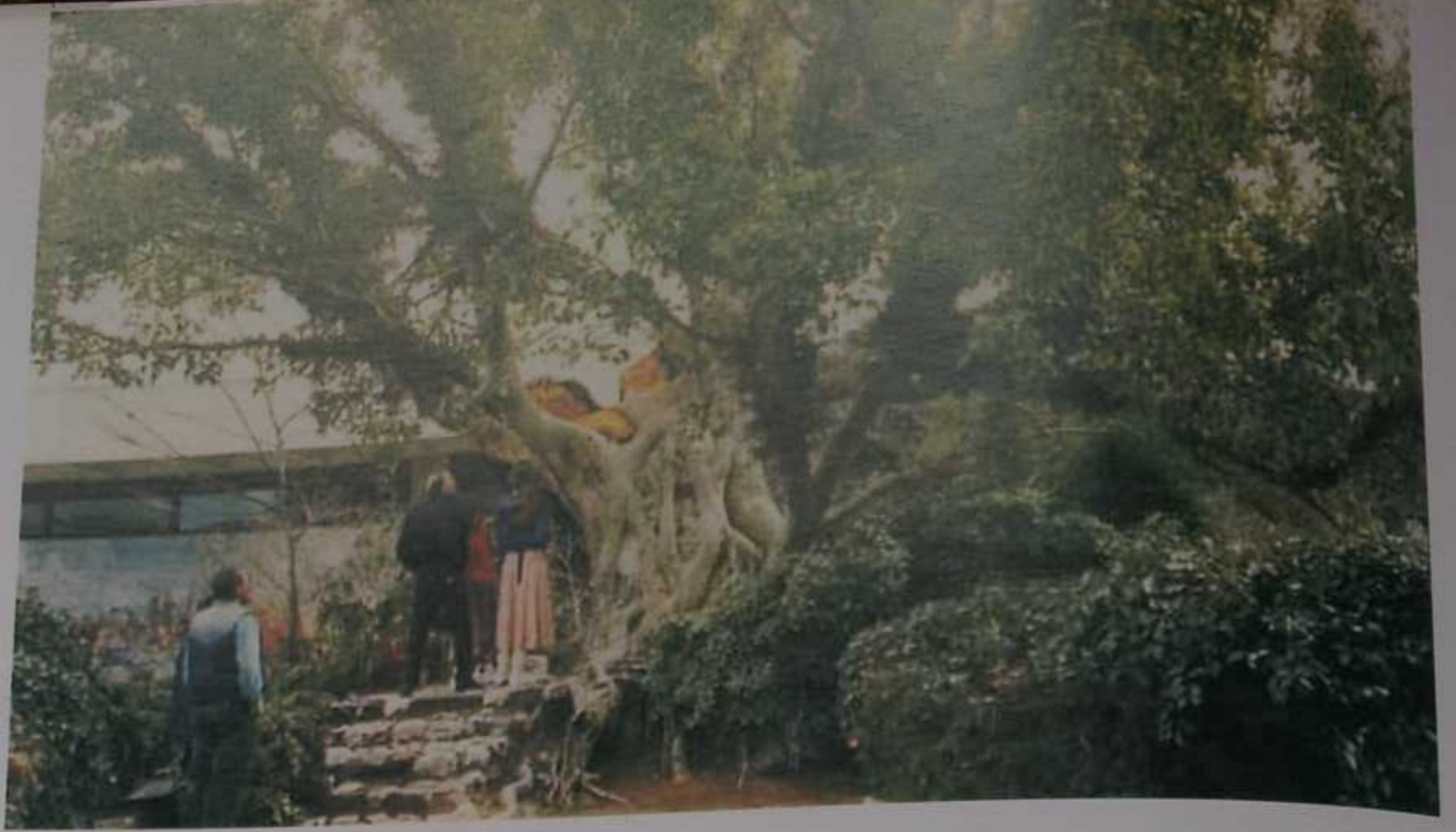
غرقد کے درخت کی
ایک اور قسم

عبدالرحمنؓ اور جابر بن عبداللہؓ) سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[دونوں نالوں (یعنی وادیوں) کے درمیان- وادی بطحان اور وادی العقیق کے درمیان- ایک ایسا قبرستان ہے جس سے اتنی روشنی اور نور ظاہر ہوگا کہ آسمان اور زمین میں پھیل جائے گا.] اس سے مراد بنی سلمہ (بنی حرام) کا قبرستان ہے جو کہ جبل سلع کی غربی جانب ہوا کرتا تھا. اس کے ایک طرف وادی بطحان بہا کرتی تھی اور دوسری طرف ذرا فاصلے پر وادی العقیق تھی. چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کو غزوہ احد میں شدید زخم آئے تھے ان کو مدینہ طیبہ لایا گیا تھا اور پھر جوں جوں ان کی ارواح طاہرہ قبض ہوتی گئیں انہیں اسی بنی حرام کے قبرستان میں دفن کیا گیا تھا. ان میں سے ایک کا نام حضرت عمرہ بن سکنؓ تھا. اسی طرح حضرت ابو سعید المقبریؒ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ انہیں بنی سلمہ کے قبرستان میں ہی دفن کیا جائے کیونکہ انہوں نے حضرت کعب احبارؓ سے اس کی فضیلت کے متعلق سن رکھا تھا.(۱۸) یہ قبرستان اب ناپید ہے اور مدت مدید سے اس کے محل وقوع کا بھی پتہ نہیں.(۱۹) قدیم مورخین نے بھی اس معاملے میں کوئی رہنمائی فراہم نہیں کی. تاہم احادیث مبارکہ سے کچھ اندازہ ضرور لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا محل وقوع یا تو اس کھجوروں کے باغ کے قریب ہوگا جو کہ سبعہ مساجد کے سامنے سڑک کے اس پار مغرب میں واقع ہے یا پھر مسجد بنی حرام اور مسجد قبلتین کے درمیان کسی اور جگہ واقع ہوگا کیونکہ بنی سلمہ (جو کہ قبیلہ بنو حرام کی ایک شاخ تھا) مسجد قبلتین کے آس پاس رہتا تھا لہذا پرانی یثربی آبادیوں اور رہائشوں کے اندازے سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ وہیں کہیں تھا جہاں کہ وہ دونوں قبائل بستے تھے.

ایسی بھی روایات ملتی ہیں کہ کبھی کبھار حضور سرور کونین ﷺ جب جنت البقیع میں ہوتے تو وہیں زمین پر تشریف فرما ہو جاتے اور شمع رسالت کے پروانے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس نور اولین و آخرین علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے گرد حلقہ زن ہو کر بیٹھ جاتے.(۲۰) انصار میں سے جو اصحابی جنت البقیع میں سب سے پہلے دفن ہوئے وہ حضرت اسعد بن زرارہؓ تھے.(۲۱) ابھی مسجد نبوی زیر تعمیر ہی تھی کہ ان کا انتقال ایک ایسی مرض سے ہوا جو کہ کالی کھانسی کی طرح کی کوئی بیماری تھی. مدینہ طیبہ میں سب سے پہلا کسی انصاری کا جنازہ جو کہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا وہ انہی حضرت اسعد بن زرارہؓ کا تھا مہاجرین میں سے سب سے پہلے جن کو وہاں دفن کیا گیا وہ حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے جو کہ حضرت عمر فاروقؓ کے برادر نسبتی اور حضور نبی اکرم ﷺ کے بھی قریبی رشتہ دار تھے اور بدری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے تھے.(۲۲) وہ مہاجرین میں سے پہلے اصحابی تھے جن کا انتقال غزوہ بدر کے بعد ہوا تھا اور وہ بقیع الغرقد میں دفن کئے گئے تھے. ان کی وفات پر جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ انہیں کہاں دفن کیا جائے، تو آپ حضور ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے، ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور آپ حضور ﷺ کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے(۲۳) اور پھر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ان کو بقیع الغرقد میں دفن کیا

بقیع الغرقد ۱۹۳۰ء،
پس منظر میں مسجد نبوی
شریف اور قدیم فصیل شہر
کے ساتھ ساتھ
باب البقیع نظر آرہا ہے

جائے. دفن فرماتے وقت حضور والا شان ﷺ نے فرمایا: [عثمان بن مظعونؓ ہمارے بہترین پیشرو (سلف) ہیں. (۲۴)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے جب ان کو دفن کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ایک پتھر اپنے دست مبارک سے اٹھا کر ان کی قبر کے سرہانے رکھ دیا اور فرمایا: [تا کہ سب کو معلوم ہو کہ یہ میرے بھائی کی قبر ہے اور بعد میں میرے اہل بیت سے جو بھی فوت ہو وہ یہاں دفن کیا جائے.] (۲۵) حضرت محمد بن عمرو بن حزمؓ سے مروی ہے: [میں نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر دیکھی ہے. یہ اونچی ہے اور ایسے لگتا ہے کہ یہ ایک علم (جھنڈے) کی طرح ہے. (۲۶) رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر بقیع الغرقد کے اس حصے کا نام ''الروحاء'' رکھا تھا. (۲۷) ابوغسان سے مروی ہے کہ: ''مجھے بہت سے لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ اور حضرت اسعد بن زرارہؓ کی قبور البقیع میں الروحاء کے حصے میں ہیں: الروحاء اس قبرستان کا وہ حصہ ہے جو کہ البقیع کے وسط میں واقع ہے اور اس کے ارد گرد پگڈنڈیاں ہیں. (۲۸) یہ روایت آج بھی سچ ہے اور البقیع کے اس حصے کے ارد گرد سڑکیں موجود ہیں- یہ وہی خطہ ہے جہاں کہ جگر گوشہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیمؓ کی قبر مبارک ہے. فرزند رسول حضرت ابراہیمؓ عالم شیر خواری میں انتقال کر گئے تھے اور انہیں بھی حضرت عثمان بن مظعونؓ کے قریب ہی دفن کیا گیا تھا. ام المومنین سیدة عائشہ صدیقہؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں ہے: [جب ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو آں حضور ﷺ نے فرمایا کہ: [انہیں ہمارے پیش رو (سلف) کے قریب ہی دفن کیا جائے.] (۲۹) ان کی عمر ابھی سولہ ماہ کی تھی جب ان کا انتقال ہوا. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہیں البقیع میں دفن کیا جائے. ان کے لیے جنت میں ایک دایہ ہے جو کہ ان کی شیر خواری کی مدت پوری ہونے تک ان کو دودھ پلائے گی.] (۳۰) ایسی ہی ایک اور روایت حضرت عطاؒ سے بھی ہے: [جب حضرت ابراہیمؓ کو دفن کیا جا رہا تھا، تو رسول اللہ ﷺ کی نظر مبارک چند کنکریوں پر پڑی جو کہ قبر کے اندر تھیں، جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو ہٹا کر ہموار کر دو، کیونکہ جسم کے لیے یہ زیادہ بہتر ہے. اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ جب اس کے بندے کو کوئی کام سونپا جائے تو وہ اسے ایسے طریقے سے کرے کہ اس کا حق ادا ہو جائے.] (۳۱) سبحان اللہ کیا شان ہے میر امم اور میر کاروان امت مسلمہ کی کہ جب اپنے فرزند ارجمند کی فوتیدگی کا غم بھی تھا اور ان کی میت سامنے دھری تھی تب بھی امت کی ہدایت کا مشن جاری وساری تھا.

جب سیدة رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا، تو اس وقت بھی آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انہیں ''ہمارے سلف کے قریب دفن کیا جائے''. لہٰذا انہیں بھی اسی علاقے میں ان کے قریب ہی دفنایا گیا. وہیں رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کی خواتین و حضرات کی تدفین کے لیے ایک جگہ مقرر کر دی گئی. آپ ﷺ کے اتباع حسنہ میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اپنے اہل خانہ کے لیے جھاڑیاں کاٹ کاٹ کر علیحدہ علیحدہ جگہیں بنالیں. (۳۲) اس کے بعد جب بھی کسی کا انتقال ہوتا تو اہل قبیلہ ان کو اپنے اپنے علاقوں

جنت البقیع شریف میں
حضرت ابراہیمؓ بن رسول
اللہ ﷺ کی قبر اطہر کی
ایک قدیم تصویر

میں دفن کیا کرتے تھے سوائے شہدائے غزوہ احد کے جن کو ان کی جائے شہادت اور میدان جنگ میں ہی دفن کیا گیا. البتہ ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو زخمی حالت میں مدینہ طیبہ لائے گئے تھے اور بعد میں ان کی ارواح طاہرہ نے مدینہ طیبہ میں پرواز کیا، تو ان میں سے اکثریت کو بقیع الغرقد میں ہی دفن کیا گیا سوائے ایک یا دو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جو اپنے اپنے گھروں میں دفن کیے گئے تھے. رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق اس قبرستان کے فضائل اتنے ہیں کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد نے بقیع الغرقد میں ہی مدفون ہونے کو ترجیح دی. چند روایات کے مطابق وہاں پر مدفون اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد دس ہزار سے بھی متجاوز تھی. (۳۳)

ہجرت مبارکہ سے پہلے اور ابتدائے اسلام میں بقیع الغرقد صرف ایک قبرستان ہی نہیں ہوا کرتا تھا، بلکہ یہ ایک ایسا منطقہ تھا جو کثیر المقاصد کمیونٹی ایریا تھا. مثال کے طور پر اسی کے ایک حصے سے جس کو " بقیع الخبخبہ " کہا جاتا تھا مٹی اور گارا لیا گیا تھا جس سے مسجد نبوی اور حجرات نبویہ شریفہ کی تعمیر کی گئی تھی. وہیں اینٹیں بھی بنائی گئیں. اسی کے ایک حصے میں بیرِ ایوب تھا جو کہ حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کا کنواں تھا جس کے پانی سے گارا اور اینٹیں بنائی گئیں تھیں. اسی کے شمال کی طرف مناصع کا علاقہ تھا جس میں کھجوروں اور دوسری قسم کے درخت اور جھاڑیاں ہوا کرتی تھیں جہاں خواتین مدینہ طیبہ رفع حاجت کے لیے رات کے وقت جایا کرتی تھیں. اسی کے اردگرد اکثر اوقات منڈیاں بھی لگا کرتی تھیں جہاں باہر سے آئے ہوئے سوداگر اپنا مال بیچا کرتے تھے. پہلی بار جب ایک زانی کو حدود کی سزاء کے تحت سنگسار کیا گیا تو بھی البقیع کا ہی انتخاب کیا گیا. (۳۴) چونکہ یہاں جھاڑیوں کی کثیر تعداد تھی اس لیے اکثر اوقات لوگ وہاں رفع حاجت کے لیے بھی چلے جاتے تھے جیسا کہ حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے: ''ہم میں سے کچھ رفع حاجت کے لیے البقیع چلے جاتے اور پھر واپس اپنے گھروں کو آکر طہارت کر کے اور وضوء بنا کر مسجد میں آتے اور دوبارہ نماز میں شامل ہو جاتے تھے.....'' (۳۵) ایک اور روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ نوجوان وہاں پر یا اس کے کچھ حصے پر جسمانی ورزشیں بھی کیا کرتے تھے، کیونکہ ان میں سے کچھ لمبی چھلانگ لگانے کے مقابلے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر پر سے کود کر کیا کرتے تھے. حضرت خارجہ بن زیدؓ سے مروی ہے: [مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب ہم حضرت عثمان بن عفانؓ کی خلافت کے دور میں نوعمر تھے تو قبروں کے اوپر سے چھلانگنے کی مشق کیا کرتے تھے اور سب سے اچھا جمپ لگانے والا وہ تصور ہوتا تھا جو کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کو پھلانگ سکتا تھا.] (۳۶)

شیر خدا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے کچھ زمین بقیع الغرقد سے لے کر ایک کمرہ وہاں بنا لیا تھا. اس سلسلے میں ہمیں بہت سی روایات ملتی ہیں. انہوں نے وہاں ایک گھر بھی بنایا ہوا تھا جو کہ بقیع الغرقد کی تاریخ میں 'بیت الحزن' کے نام سے مشہور ہوا (غم واندوہ کا

جنت البقیع شریف کی موجودہ حالت

گھر) جہاں اپنے باباجان سید الکونین ﷺ کی وفات کے بعد سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء زیادہ تر اپنا وقت گزارا کرتی تھیں لیکن ان کے بعد ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ کسی اور نے بھی وہاں قیام کیا ہو، جیسے کہ سمہودی کے بیان کے مطابق: ''آج تو وہاں صرف بہت سی قبور ہی رہ گئی ہیں۔'' (۳۷) یہ جگہ بھی البقیع میں 'دارِ عقیل' کے پاس ہی تھی.

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے چند مشاہیر کے اسمائے گرامی جو بقیع الغرقد میں مدفون ہیں

بعض مولفین نے تو اپنی تالیفات ہی اس موضع پر مختص کی ہیں جن میں ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء اور تفاصیل شامل ہیں جن کو مدینہ طیبہ میں دائمی قیام اور بقیع الغرقد میں دفن ہونے کا اعزاز حاصل ہوا تھا. ان کے مطابق ایسے اسماء کی فہرست ہزاروں تک پہنچتی ہے اور بعض روایات کے مطابق تو ان کی تعداد دس ہزار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی زیادہ ہے. (۳۸)

ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جو کہ مسجد نبوی شریف کے جوار رحمت میں ہی اس کے اردگرد رہائش پذیر تھے بقیع الغرقد میں مدفون ہونا تو قدرتی بات تھی، مگر آسمان اسلام کے ان درخشندہ ستاروں کی بقیع الغرقد سے لگن کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو مرکز مدینہ طیبہ سے میلوں دور وادی عقیق کے کنارے یا اس پار رہائش پذیر تھے، ان کی وصیتوں کے مطابق ان کی میتیں کندھوں پر اٹھا کر اتنی دور سے بقیع الغرقد لائی گئیں. حضرت سعد ابن ابی وقاص ؓ، حضرت سعید ابن زید بن عمرو بن نوفیل ؓ اور حضرت سعید بن العاص ؓ کا تعلق ایسی ہی چند مثالوں سے ہے. (۳۹) حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ ؓ کا انتقال الجرف میں ہوا مگر ان کا جنازہ مدینہ طیبہ لایا گیا اور انہیں البقیع میں دفن کیا گیا. عمرو بن عثمان بن عفان ؓ سے روایت ہے: [جب ۵۹ ہجری میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمان بن عفان ؓ کے صاحبزادے ان کے جنازے کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر بقیع الغرقد لائے جو کہ اس بات کی علامت تھی کہ وہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کے اپنے والد محترم کے متعلق موقف کو بنظر تحسین دیکھتے تھے.] (۴۰) ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ: ''وہ (ابو ہریرہ ؓ) العقیق میں فوت ہوئے اور انہیں مدینہ طیبہ لایا گیا اور ولید بن عتبہ بن ابو سفیان ؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی.'' (۴۱) حضرت ابو سعید الخدری ؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ ان کے جنازے کے آگے آگے چل رہے تھے. اسی طرح حضرت مقداد بن الاسود الحضرمی ؓ کا انتقال بھی الجرف میں ہوا لیکن ان کا جنازہ بھی بقیع الغرقد ہی لایا گیا. (۴۲) حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کا محل وادی العقیق میں تھا جو کہ مسجد نبوی سے تقریباً بارہ کیلومیٹر دور تھا، مگر ان کے انتقال پر بھی ان کا جنازہ کندھوں پر اٹھا کر مسجد نبوی شریف میں لایا گیا جہاں ان کا جنازہ ہوا اور وہ بقیع الغرقد میں دفن ہوئے. بعض اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کے جنازے

حضرت عثمان بن عفانؓ
کی قبر اطہر کی تصویر
پس منظر میں جبل احد کا
ایک حصہ بھی نظر آرہا ہے
(۱۳۹۸ھ)

کو مسجد نبوی شریف میں منبر رسول ﷺ کے پاس رکھ کر جنازہ ادا کرنے پر اعتراض کیا، مگر جب ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے مداخلت کی تو ان کا جنازہ ریاض الجنۃ ہی میں پڑھایا گیا اور پھر انہیں بقیع الغرقد میں سپرد خاک کر دیا گیا. عادل عبدالمنعم ابوالعباس نے ایک بہت پرانا مگر گمنام مخطوطہ شائع کیا ہے جس میں ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے جو کہ بقیع الغرقد میں مدفون ہیں. اس فہرست میں سے ہم نے صرف چند مشہور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی چنے ہیں جو کہ وہاں دفن ہیں جن میں سے اکثر کی تحقیق دیگر مختلف مآخذوں سے بھی کر لی گئی ہے:

حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ
حضرت ابی بن کعبؓ
حضرت ابویاسر (کعب بن عمرو) الانصاریؓ
حضرت اسید بن الحضیرؓ
حضرت جابر بن عبداللہؓ
حضرت حارث بن خزیمہؓ
حضرت حسان بن ثابت الانصاریؓ
حضرت خباب مولیٰ عتبہ بن غزوانؓ
حضرت زید بن ثابت الانصاریؓ
حضرت قتادہ بن النعمان الانصاریؓ
حضرت سعد بن مالک (ابوسعید الخدریؓ)
حضرت سہل بن سعد الساعدی الانصاریؓ
حضرت سعید بن زید بن عمرو العدویؓ (۴۸)
حضرت مالک بن ربیعہؓ
حضرت محمد بن عمرو بن حزم الانصاریؓ

حضرت ابوہریرہؓ (۴۳)
حضرت ابوشریح الکعبی الخزاعیؓ
حضرت اسامہ بن زید بن حارثہؓ
حضرت اوس بن ثابت بن منذر الانصاریؓ
حضرت جبار بن صخر الانصاریؓ
حضرت حفاف بن ایمن الغفاریؓ (۴۴)
حضرت حاطب بن ابی بلتع اللخمیؓ
حضرت خفاف بن ایمن الغفاریؓ (۴۴)
حضرت کعب بن مالک الانصاریؓ
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
حضرت سلمہ بن اکوعؓ
حضرت سہل بن ابی خیثمہؓ
حضرت صائب بن یزید الکنانیؓ
حضرت ماموراالخصیؓ
حضرت محمد بن ابی کعبؓ

حضرت الارقم بن ابی الارقمؓ
حضرت ابوسفیانؓ
حضرت اسعد بن زرارہؓ
حضرت اوس بن خوالی بن عبداللہ الانصاریؓ
حضرت جبیر بن مطعم القریشیؓ
حضرت حسن بن علی بن ابیطالبؓ
حضرت حویطب بن عبدالعزیٰ القریشیؓ
حضرت زید بن خالد الجہنیؓ
حضرت قیس بن سعد بن عبادہؓ
حضرت سعد بن معاذؓ
حضرت سہل بن بیضاء القریشیؓ
حضرت سعید بن زید بن نوفل القریشیؓ
حضرت صہیب بن سنان الرومیؓ (۴۹)
حضرت محمد بن مسلمہ الانصاریؓ (۴۵)
حضرت محمد ابن علی کرم اللہ وجہہ (محمد بن حنفیہؓ) (۴۶)

حضرت معاذ ابن الحارث الانصاریؓ	حضرت مخرمہ بن نوفل القریشیؓ	حضرت مغیرہ بن الاخنس الثقفیؓ
حضرت مقداد بن الاسود الاشجعیؓ (۴۷)	حضرت نوفل بن معاویہ الدیلیؓ	حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ
حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ	حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ	حضرت عبداللہ بن کعبؓ
حضرت عبداللہ بن ثابت الانصاریؓ	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	حضرت عبداللہ بن حنظلہ الغسیل الملائکہؓ
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	حضرت عبدالرحمٰن بن عمر بن الخطابؓ	حضرت عثمان بن عفانؓ
حضرت عثمان بن مظعونؓ	حضرت علقمہ بن وقاص اللیثیؓ	حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ
حضرت عمرو بن خزام بن زیدؓ	حضرت عقبہ بن عمرو (ابومسعود البدریؓ)	حضرت عقیل بن ابی طالبؓ
حضرت ہند بن حارثہ الاسلمیؓ		

مشاہیر صحابیات اور سیدات اہل بیت الطاہرہ رضوان اللہ علیہن میں سے چند اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

سیدۃ صفیہ بنت عبدالمطلبؓ	سیدۃ عاتکہ بنت عبدالمطلبؓ	سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ صاحبزادی رسول اللہ ﷺ
سیدۃ رقیہ صاحبزادی رسول اللہ ﷺ	سیدۃ ام کلثوم صاحبزادی رسول اللہ ﷺ	ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ
ام المومنین سیدۃ حفصہ بنت عمر فاروقؓ	ام المومنین سیدۃ جویریہؓ	ام المومنین سیدۃ سودہؓ
ام المومنین سیدۃ زینب بنت جحشؓ	ام المومنین سیدۃ زینب بنت زمعہؓ	ام المومنین سیدۃ صفیہ بنت حیؓ
ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ	ام المومنین سیدۃ ریحانہ بنت شمعونؓ	ام ابراہیم سیدۃ ماریہ قبطیہؓ
ام المومنین سیدۃ ام حبیبؓ	ام علی کرم اللہ وجہہ سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ	اخت علی کرم اللہ وجہہ سیدۃ ام ہانیؓ بنت ابی طالب
سیدۃ ام رومانؓ (والدہ سیدۃ عائشہ صدیقہ)	سیدۃ ام سلیمؓ (والدہ حضرت انس بن مالکؓ)	سیدۃ اروی بنت کریز (والدہ حضرت عثمان بن عفانؓ)
سیدۃ صبیہ بنت الحارثؓ		

ام ابراہیمؓ سیدۃ ماریہ قبطیہؓ کے متعلق بعض مورخین کا خیال ہے کہ وہ اپنے گھر مشربہ ام ابراہیمؓ (جو کہ العوالی میں ہے) میں ہی مدفون ہیں، لیکن اکثریت کا خیال ہے کہ وہ باقی امہات المومنین کے ساتھ ہی بقیع الغرقد میں مدفون ہیں. جن کے خیال میں آپ بقیع الغرقد میں مدفون ہیں، ان میں واقدی اور ابن سعد جیسے بلند پایہ مورخین ہیں، اور ہمارے خیال میں انہیں کی بات زیادہ معتبر اور حقیقت پر مبنی ہے. ابن سعد نے تو واضح الفاظ میں لکھا ہے: [حضرت ماریہ قبطیہ ام ابراہیمؓ کا انتقال محرم ۱۶ ہجری میں ہوا حضرت عمر بن الخطابؓ نے لوگوں کا ہجوم دیکھا تو پتہ چلا کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے. حضرت عمر فاروقؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی. اور آپ کی قبر بقیع الغرقد کے اندر واقع ہے.] (۵۰)

بقیع الغرقد کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر

جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا ہے، بقیع الغرقد حضور رسالت مآب ﷺ کے دور حیات میں موجودہ رقبہ سے کہیں کم رقبہ پر محیط تھی. ابن زبالہ اور ابن شبہ سے لے کر مختلف قبور کے محل وقوع کے بارے میں مورخین مدینہ طیبہ نے صفحات پر صفحات لکھے ہیں اور بعض نے تو مستقل کتابیں اسی موضوع کی نذر کی ہیں. علامہ الاقشہری (ت: ۷۳۹ ہجری) نے تو ۲۵۲ صفحات پر محیط ایک کتاب بعنوان: ''الروضۃ الفردوسیہ والحزیرۃ القدسیہ'' صرف بقیع الغرقد کے لیے تحریر کی تھی. (۵۱) ایسے ہی ایک دوسری کتاب ''الروضۃ المستطابہ فی من دفن بالبقیع من الصحابہ''

جنت البقیع انہدام سے پہلے
پس منظر میں گنبد خضرا کا کچھ
حصہ اور مسجد نبوی کے دو مینار
بھی نظر آ رہے ہیں
(۱۸۹۵ء)

بھی لکھی گئی، بدقسمتی سے اس کے مخطوطے کا پہلا ورق ناپید ہے اور اس لیے اس کے مولف گوشہ گمنامی میں ہی رہے۔ (۵۲) اس کتاب میں بڑی عرق ریزی سے ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی تفاصیل جمع کی گئی ہیں جو یہاں مدفون ہیں۔

دوسری صدی ہجری کے مدینہ طیبہ کے مورخین (ابن زبالہ اور ابن شبہ وغیرہ) کے علاوہ اس شہر مقدس کے بہت سے زائرین نے اپنی یادداشتیں اور سفرنامے چھوڑے ہیں جن کی بنا پر صدیوں سے بقیع الغرقد میں مشاہیر اسلام کی قبور مطہرہ کے محل وقوع کے بارے میں اتفاق رائے رہا ہے۔ بالخصوص چند سیاحوں کے سفرناموں نے اس معاملے میں بعد میں آنے والوں کی کافی رہنمائی کی ہے۔ ابن جبیر (ولادت: ۵۴۰ ہجری) جسے مدینہ طیبہ کی زیارت کی سعادت ۵۸۰ ہجری میں حاصل ہوئی، اپنے مشہور سفرنامے میں رقمطراز ہیں: ''البقیع مدینہ طیبہ کے مشرق میں واقع ہے۔ آپ اس میں باب البقیع کی جانب سے داخل ہوتے ہیں۔ جونہی آپ داخل ہوتے ہیں آپ کے دائیں ہاتھ پر حضرت صفیہؓ عمۃ الرسول اللہ ﷺ کی قبر ہے، اور اس سے ذرا آگے امام مالک بن انسؒ کی قبر ہے جو کہ امام دارالہجرہ تھے۔ ان کی قبر پر ایک چھوٹا سا گنبد بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کے سامنے فرزند رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیم کی قبر ہے اور اس کے اوپر بھی سفید رنگ کا گنبد ہے، اس کے بعد داہنی طرف حضرت عبدالرحمٰن ابن عمر بن الخطابؓ (المشہور ابوشحمہ) کی قبر ہے جن کو ان کے والد نے کوڑوں کی سزا دی تھی جس کے نتیجے میں وہ بیمار ہو گئے تھے اور بالآخر انتقال کر گئے تھے۔ اس کے سامنے حضرت عقیل بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ کی قبور ہیں۔ پاس ہی اس کے سامنے ایک چھوٹا سا مقبرہ ہے جس میں امہات المومنین، رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات، کی قبور مطہرہ ہیں جن کے پاس ہی ایک اور مزار ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی تین صاحبزادیوں کی قبور ہائے مطہرہ ہیں۔''

''ان کے بعد حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کا مزار آتا ہے جس میں حضرت حسن ابن علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی قبر ہے جو کہ دروازے کے داہنی جانب ہے۔ اس مزار کے اوپر ایک بلند گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ حضرت حسن مجتبیٰؓ کا سر حضرت عباسؓ کے پائیں جانب ہے، اور دونوں قبور مبارکہ سطح ارض سے کافی بلند ہیں، ان کی دیواریں سنہری پلیٹوں سے سجی ہوئی ہیں جن میں خوبصورت ستاروں کی شکل کے کیل لگے

جنت البقیع کی اس تصویر میں دائیں طرف قبہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ اور بائیں طرف قبہ حضرت ابو سعید الخدریؓ نظر آرہا ہے
(ابراہیم رفعت پاشا ۱۹۰۸ء)

ہیں. بعینہٖ فرزند رسول مقبول حضرت ابراہیمؓ کی قبر مبارک بھی سجائی گئی ہے۔''

''حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے مزار کے پچھواڑے ایک گھر ہے جو کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے جسے ''بیت الحزن'' (غم کا گھر) کہا جاتا ہے کیونکہ اس گھر میں سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اپنے بابا جان احمد مختار ﷺ کی وفات کے بعد رنج و حزن کی وجہ سے عزلت نشیں رہی تھیں. بقیع کے آخر میں امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ کا مزار ہے جس کے اوپر ایک چھوٹا سا گنبد ہے اور اس سے ذرا آگے سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ، ام علی کرم اللہ وجہہ، کی قبر مطہرہ ہے. اس طرح صرف چند ہی مشہور قبریں جانی پہچانی جاتی ہیں. باقی کا بقیع الغرقد اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، مہاجرین اور انصار، کی قبور سے بھرا پڑا ہے۔'' (۵۳) تاہم اس تفصیلی بیان میں سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ کی قبر مطہرہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا. ان سے پہلے کے مورخین نے بھی اس کا کبھی ذکر نہیں کیا. اگلے صفحہ پر دی گئی تصویر میں ہم نے کوشش کی ہے کہ چند مشہور و معروف قبور کا محل وقوع بیان کیا جائے۔

وہ علاقہ جہاں سیدنا عثمان بن عفانؓ کی قبر مبارک ہے اور اس سے مشرق کی طرف کا تمام علاقہ قدیم بقیع الغرقد کا حصہ نہیں تھا جو کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھا. یہ علاقہ حضرت عثمانؓ کے بیٹے حضرت ابان بن عثمانؓ کی ملکیت تھا اور اسے 'حش کوکب' کہا جاتا تھا. تاہم بعد میں مروان بن الحکم نے جب وہ مدینہ طیبہ کا گورنر بنا تو اس نے مشرقی دیوار گرا کر سیدنا عثمان بن عفانؓ کی قبر مبارک کا علاقہ بقیع الغرقد میں شامل کر دیا تھا. (۵۴) دیوار گرانے کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ اس کا باپ الحکم بھی اسی علاقے میں دفن کیا گیا تھا. اس نے یہ بھی کوشش کی تھی کہ وہ پتھر جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے سرہانے نصب کیا تھا اس کو اٹھا کر حضرت عثمان بن عفانؓ کی قبر پر نصب کر دے مگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اصرار پر اسے واپس اسی جگہ رکھنا پڑا. (۵۵) حضرت عثمان بن عفانؓ کی قبر اطہر کے آس پاس بنو امیہ کے چند لوگوں کی قبور بھی تھیں جو کہ ان کے دور میں وہاں مدفون ہوئے تھے؛ ان دنوں میں اس علاقے کو ''حلہ'' کہا جاتا تھا.

مورخین میں اس بات پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ وہ قبر جو کہ بقیع الغرقد کے انتہائی شمال مشرقی کونے میں سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ، ام علی کرم اللہ وجہہ الکریم، سے منسوب ہے وہ در حقیقت ان کی قبر نہیں ہے بلکہ حضرت سعد ابن معاذؓ اور حضرت ابو سعید الخدریؓ کی قبور ہیں. اس بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے. اس معاملے میں تمام احادیث مبارکہ متفق ہیں کہ جب سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [چلیں، میری والدہ کے گھر چلتے ہیں!] آپ حضور ﷺ نے اپنی قمیص مبارک یہ کہہ کر اتار کر دی: [ان کو غسل دینے کے بعد یہ قمیص ان کے کفن کے نیچے پہنا دی جائے۔] پھر آں حضرت ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا کہ ان کو بقیع الغرقد میں دفن کیا جائے. حضرت عمر بن الخطابؓ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل تھے جنہوں نے قبر کھودی اور رسول اللہ ﷺ کچھ دیر ان کی قبر میں لیٹے رہے اور قرآن کریم کی تلاوت فرماتے رہے تاکہ ان کی قبر کو انوار الٰہیہ سے منور کر دیں. آپ حضور ﷺ سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کو اپنی ماں کی طرح پیار کرتے تھے کیونکہ جب آپ حضور ﷺ شعب ابی طالب میں تھے تو انہوں نے آپ حضور ﷺ کی والدہ سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی طرح

بقیع شریف میں اہم مزارات کی تفصیل

۱- قبۂ اہل بیت الاطہار:

سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا، امام حسنؓ، امام زین العابدینؒ، امام محمد باقرؒ، امام جعفر الصادقؒ، سر مبارک امام حسینؓ

۲- قبور بنات النبی ﷺ:

سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ

۳- قبور امہات المومنین رضوان علیہن اجمعین:

سیدہ عائشہ صدیقہؓ، سیدہ زینب بنت جحشؓ، سیدہ زینب بنت خزیمہؓ، سیدہ جویریہؓ، سیدہ ام حبیبہؓ، سیدہ صفیہؓ، سیدہ ام سلمہؓ، سیدہ ام ابراہیمؓ، سیدہ حفصہ بنت عمرؓ

۴- دار عقیل (برادر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم):

حضرت عقیل بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ

۵- قبر حضرت امام مالکؒ دائیں طرف قبر امام نافعؒ (امام مالک کے استاد)

۶- قبر عبدالرحمٰن الاوسط ابن عمر فاروقؓ

۷- قبر ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ:

یہ احاطہ بہت اہمیت کا حامل ہے اس لیے کہ یہاں سب سے پہلی تدفین (حضرت اسعد ابن زرارہؓ) کی ہوئی جسے سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے دفن فرمایا۔ یہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوہریرہؓ، سیدہ فاطمہ بنت اسدؓ (والدہ حضرت علیؓ)، حضرت محمد بن حنفیہؒ و دیگر صحابہ کرامؓ مدفون ہیں

۸- شہدائے واقعہ حرہ

اسی جگہ ایک یا دو شہدائے احد بھی مدفون ہیں

۹- قبر مبارک حضرت سیدنا عثمان ابن عفانؓ

۱۰- سیدہ حلیمہ سعدیہؓ اور ان کی بیٹی سیدہ شیماؓ

۱۱- اس احاطے میں امام اسماعیلؒ کو اُن کا مزار مسجد نبوی شریف کی توسیع کے باعث منہدم کرنے کے بعد دفن کیا گیا تھا
بقیع شریف کے آخر میں چوکھٹے کے اندر دو قبریں ہیں جن میں سے ایک حضرت سعد ابن معاذؓ اور دوسری حضرت ابوسعید الخدریؓ کی ہیں (یہ دونوں قبور اس تصویر میں نظر نہیں آرہی ہیں)

۱۲- بقیع العمات:

(جہاں رسول اللہ ﷺ کی دو پھوپھیاں اور سیدہ ام البنینؓ (زوجہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم یعنی حضرت عباس علمدارؓ کی والدہ ماجدہ مدفون ہیں)

۱۳- دروازے میں داخل ہوتے ہی بائیں طرف وضوء خانہ بنایا گیا ہے

دیکھ بھال کی تھی. احادیث مبارکہ میں تو یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آپ حضور ﷺ نے اپنی قمیص مبارک اتاری اور فرمایا کہ ان کو اسے کفن کے طور پر پہنایا جائے. ابن زبالہ نے حضرت محمد بن عمر بن علی بن ابی طالبؓ سے روایت کی ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشمؓ، جو ایک مہاجرہ اصحابیہ تھیں، کو الروحاء' میں حمام ابی قطیفہ کے سامنے دفنایا تھا.'' انہوں نے مزید کہا ہے کہ: ''اس کے پاس ہی فرزند رسول حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبریں تھیں.'' (۵۷) ابن زبالہ دوسری صدی ہجری کے سب سے پہلے مورخ مدینہ طیبہ تھے. نہ صرف یہ کہ ابتدائی مورخین کا اس بات پر اتفاق رائے تھا کہ ان کی قبر الروحاء میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے پاس تھی بلکہ آج کے مورخین، مثلاً ابراہیم العیاشی المدنی بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں. ابراہیم العیاشی نے تو اس بات کی شدید مخالفت کی ہے کہ ان کی قبر اس جگہ پر نہیں جہاں پر غلط العام کے طور پر لوگ سمجھتے ہیں کیونکہ وہ علاقہ اس وقت بقیع الغرقد کا حصہ ہی نہیں تھا. (۵۸) اس کے علاوہ ابن شبہ نے عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کی قبر سیدۃ فاطمہ بنت اسد بن ہاشمؓ کے قریب تھی. ایسی ہی چند روایات کو بنیاد بنا کر شیعہ حضرات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قبر جو کہ دار اہل بیت میں ہے وہ قبہ سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کی ہے نہ کہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کی.

قبور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کتبوں کی تنصیب اور قبوں کی تعمیر

بقیع الغرقد کے تقدس، احترام اور اہمیت کی وجہ سے روز اول سے ہی اس کا بہت خیال رکھا جاتا رہا ہے. ابن زبالہ نے حضرت عیسیٰ بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے: ''میں نے حسن بن قطیفہؓ کو دیکھا ہے جو اپنی تنخواہ بیت المال سے لیا کرتے تھے کیونکہ ان کے ذمے بقیع الغرقد میں قبور کی دیکھ بھال لگائی گئی تھی.'' (۵۹) آثار قدیمہ کی باقیات اس بات کی شہادت بھی دیتی ہیں کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور راشدہ میں لوگ اپنے اپنے عزیزوں کی قبور پر یادداشت کے لیے پتھر کی سلیں لگالیا کرتے تھے. اس سلسلے میں رائل اشیاٹک سوسائٹی کے رسالے میں ۱۹۳۰ء میں ایک مضمون چھپا تھا بعنوان ''حضرت عثمانؓ کے دور مبارکہ سے ۳۱ ہجری (۶۵۲ء) کا سب سے قدیم اسلامی کتبہ'' جس میں اس بات کا تجزیہ کیا گیا تھا کہ سب سے پہلا قبر کا کتبہ جو کہ کوفی رسم الخط میں کسی قبر پر ملا ہے وہ ۳۱ ہجری کا ہے. اگرچہ مدینہ طیبہ میں ایسا کوئی کتبہ محفوظ نہیں کیا گیا، لیکن حجاز میں دریافت ہونے والا یہ پہلا کتبہ تھا جو کہ ایک اصحابی، حضرت عبدالرحمٰن ابن خیر الحاجریؓ کی قبر پر نصب تھا. دو وجوہات کی بنا پر یہ کتبہ ہمارے لیے بہت اہم ہے: اولاً یہ پہلا کتبہ ہے جس پر قدیم کوفی رسم الخط سے عبارت کنداں ہے، جو بغیر نقطوں اور اعراب کے ہے اور ثانیاً یہ کہ یہ پوری اسلامی دنیا میں پہلا کتبہ ہے جس پر اس کے بنانے کی تاریخ کنداں ہے. (۶۰)

اس سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ تمام قبور پر ایسے کتبے نصب تھے، یہ دور از کار اور غیر حقیقی بات ہے، لیکن اس سے یہ بات ضرور ثابت ہو جاتی ہے کہ بہت سی یا چند قبور پر ایسے کتبے ضرور لگ چکے ہوں گے. اس آثار قدیمہ کے انکشاف کا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ یہ ایک اصحابی کی قبر پر نصب شدہ کتبہ تھا جو کہ خلفائے راشدین کے دور مبارکہ میں ہی وقوع پذیر ہوا تھا. یہ بھی صحیح ہے کہ یہ قبر مبارکہ بقیع الغرقد میں نہیں تھی، مگر چونکہ یہ ایک اصحابی کی قبر تھی جو کہ ۳۱ ہجری میں شہید ہوئے تھے، اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جیسا کہ بہت سے مورخین کے بیانات سے واضح ہے، ایسے کتبے جنت البقیع میں بھی لگ چکے ہوں گے. اس کے اوپر کنداں عبارت جو کہ ایک ایسے رسم الخط میں ہے جو کہ نبطی خط کی ترقی یافتہ شکل تھی جس کی کوکھ سے خط کوفی نے جنم لیا تھا. اس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. یہ قبر عبدالرحمٰن ابن خیر الحاجری کی ہے. اے اللہ ان کی مغفرت فرما اور انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے. پاس سے گزرنے والے جب اس تحریر کو پڑھیں تو ان کے لیے دعائے خیر کریں. آمین! یہ تحریر جمادی الثانی اکتیسویں سال میں لکھی گئی. (یعنی لگ بھگ جنوری-فروری ۶۵۲ء).'' (۶۱)

اس آثار قدیمہ کی شہادت سے جو کہ ۳۱ ہجری میں اس دور سے تعلق رکھتی ہے جب کہ حضرت عثمان بن عفانؓ سریر آرائے خلافت راشدہ تھے، یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم قبور کا کتنا احترام اور فوت شدہ احباء کی یاد کس طرح دعاؤں کے ساتھ کیا کرتے تھے. ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق قبور پر پتھر نصب کئے جاتے تھے، لیکن آنے والے وقتوں میں مرحوم کی یاد زندہ رکھنے کے لیے ان پتھر کی لوحوں یا کتبوں پر عبارات تحریر کی جاتی تھیں. ابن شبہ نے بھی ایک ایسی ہی روایت کی ہے جس میں اس نے ام المومنین سیدۃ ام سلمہ ؓ کی قبر پر کتبے کا ذکر کیا ہے. ان کی قبر اطہر کے متعلق لکھتے ہوئے وہ رقمطراز ہے: [ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ کی قبر مبارک بقیع میں ہے. جب حضرت محمد بن زید بن علیؓ (ابن حسین علیہ السلام) کو سیدتنا فاطمۃ الزہراء ؓ کی قبر اطہر کے قریب دفنائے جانے کی خاطر ان کے لیے قبر کھودی جا رہی تھی تو تقریباً ۸ ہاتھ (ذرع) (یعنی چار میٹر) کی گہرائی پر ایک ٹوٹا ہوا کتبہ ملا تھا جس پر لکھا ہوا تھا:

''ام سلمہؓ زوجۃ الطاہرہ رسول مقبول ﷺ'' اور اس سے ان کی قبر اطہر کی شناخت بھی ہوگئی تھی. (۶۲) مسعودی (ت:۳۴۶ ہجری) نے لکھا ہے کہ اہل بیت طاہرہ کے قبور پر کتبے کے الفاظ مندرجہ ذیل تھے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. سب تعریف اللہ کے لیے جو ہر زندہ چیز پیدا کرتا ہے اور پھر اسے موت کا ذائقہ چکھا دیتا ہے. یہ قبور: صاحبزادی رسول اللہ ﷺ سیدۃ النساء الفردوس سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اور ان کے فرزند حسن ابن علی علیہ السلام، اور علی ابن حسینؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ، اور حضرت محمد بن علیؓ اور حضرت جعفر بن محمد ؒ کی ہیں.'' سمہودی نے بھی ایسے چند واقعات قلمبند کئے ہیں جن میں چند مشاہیر کے قبور کے کتبے البقیع یا دیگر جگہوں سے زیر زمین کھدائی کے وقت دریافت ہوئے تھے.

اسلامی دنیا کی سب سے قدیم لوح جو حضرت عبدالرحمٰن بن الحاجریؒ کی قبر پر لگائی گئی تھی. یہ سیدنا عثمان بن عفانؓ کا دور اور سن ۳۱ ہجری تھا.

امت مسلمہ کی نگاہوں میں اس تاریخی مقبرے کے بے حد احترام کی وجہ سے جب مشائخ اور بزرگوں کی قبور پر گنبد بنانے کا رواج ہوا (اور خاص طور پر ایسا عباسی دور میں ہوا) تو وہاں بھی بہت سی مشہور قبور پر گنبد تعمیر کروا دیئے گئے بعض اوقات ایسے گنبد صرف ایک ہی قبر پر تھے، لیکن زیادہ تر ایک سے زیادہ قبور کے مجموعے پر (جو کہ ایک ہی گروہ سے متعلق تھیں۔ مثلاً اہل بیت الطاہرہ، امہات المومنین رضوان اللہ علیہن، یا بنات الرسول اللہ ﷺ وغیرہ) صرف ایک ہی گنبد بنا دیا گیا تھا. پہلا گنبد جو کہ بقیع الغرقد میں تعمیر ہوا وہ حضرت عباس ابن عبدالمطلب کے مزار پر تھا اور اسی کے احاطے میں اہل بیت الطاہرہ کی سرخیل شخصیتوں: سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراءؓ، امام حسن ابن علیؓ، امام زین العابدینؓ، امام محمد باقرؒ اور امام جعفر الصادق ؒ کی قبور تھیں. (۶۳) یہ گنبد عباسی خلیفہ ناصر ابوالعباس احمد بن المستضی نے ۵۱۹ ہجری میں تعمیر کروایا تھا. (۶۴) لیکن اس سے بھی بہت پہلے شہدائے احد کے مقابر تو تیسری صدی ہجری میں ہی تعمیر ہو چکے تھے جیسا کہ ابراہیم رفعت پاشا کی مرآۃ الحرمین سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقبرے کے دروازے پر جو لوح سنگ ۱۹۲۲ء تک نصب تھی اس پر سن تعمیر ۲۷۵ ہجری کنداں کیا گیا تھا. (مرآۃ الحرمین، الجزء الاول، صفحات: ۳۹۲-۳۹۳)

روایات میں ہے کہ اپنی وفات سے پہلے حضرت ابوسعید الخدریؓ نے اپنے فرزند کو وصیت کی تھی کہ ان کی تدفین کے بعد ان کی قبر پر

کوئی خیمہ نہ لگایا جائے. انہوں نے اپنی جائے تدفین کا انتخاب بھی خود کیا تھا اور اپنے بیٹے کو بتا دیا تھا.(۶۵) ایک اور روایت کچھ اس طرح ہے:[حضرت ابو بریدہ الاسلمیؓ نے کہا تھا کہ کھجور کے دو پتے ان کی قبر پر رکھ دیئے جائیں.] حضرت محمد بن عمر بن حزم سے مروی ہے:[میں نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر دیکھی ہے. اس کے اوپر کچھ اس طرح کا بنا ہوا تھا جو کہ کافی بلند تھا اور ایسے لگتا تھا جیسے کہ کوئی جھنڈا ہو.](۶۶) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ (یہ ان کے دو بھائی تھے جن کو ابوشحمہ کے لقب سے پکارا جاتا ہے) پر بکری کے بالوں سے بنا ہوا ایک خیمہ تھا. انہوں نے فرمایا: ”اس کو ہٹا دو کیونکہ اس کے اعمال اس کو سایہ فراہم کریں گے.“(۶۷) اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر کوئی خیمہ نہ لگایا جائے.(۶۸) ان دونوں روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں ہی بعض قبور پر خیمے وغیرہ لگنے شروع ہو گئے تھے، گو کہ اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے. ایک اور روایت میں ہے کہ: ”جب حسن بن الحسن بن علی کرم اللہ وجہہ کا انتقال ہوا تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک خیمہ نصب کروا دیا تھا جو کہ تقریباً ایک سال وہاں موجود رہا اور پھر اسے ہٹا دیا گیا. اس وقت انہوں نے ہاتف غیبی سے ایک ندا سنی جو کہہ رہی تھی: ”کیا انہیں وہ مل گیا جو کچھ ان سے کھو گیا تھا.“ ساتھ ہی ایک دوسری ندا آئی کہ: ”نہیں وہ مایوس ہو کر جا رہے ہیں.“ لیکن اس روایت سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ فسطاط لگانے کی ممانعت کی گئی تھی (۶۹) سخت گرمیوں میں اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ قبر وغیرہ کھودنے کے لیے اس جگہ خیمہ لگا لیا جاتا تھا تا کہ گرمی کی حدت سے بچا جا سکے. سب سے پہلی روایت جس میں اس بات کا پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ ام المومنین سیدۃ زینب بنت جحشؓ کی وفات پر حضرت عمر فاروقؓ نے حکم دیا تھا کہ چونکہ ان کی تدفین دن کے وقت ہوئی اور موسم انتہائی گرم تھا گورکنوں کو سایہ فراہم کرنے کے لیے ایک خیمہ لگا لیا جائے.(۷۰) لیکن ایسا لگتا ہے کہ اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں ایسا کوئی رواج ضرور ہو گیا تھا کہ قبور پر مستقل خیمے نصب ہونے شروع ہو گئے تھے. ابن سعد حضرت عبیداللہ بن عبداللہ ابن عمرؓ کے متعلق اپنی طبقات الکبریٰ میں لکھتے ہیں:[حضرت عبیداللہؓ کی قبر پر ایک خیمہ ہوا کرتا تھا اور قبر پر پانی بھی چھڑکا جاتا تھا.](۷۱)

جنت البقیع کے انہدام سے پہلے کی ایک نایاب تصویر

۱-مقبرہ حضرت عباسؓ

۲-مقبرہ دختران رسول اللہ ﷺ

۳-مقبرہ امہات المومنینؓ

۴-مقبرہ حضرت عقیل بن ابو طالبؓ

۵-مقبرہ حضرت امام مالکؒ اور شیخ القراء حضرت نافعؒ

۶-مقبرہ حضرت ابراہیمؓ (سرکار ﷺ کے بیٹے)

ان تمام روایات سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگرچہ چند اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم نے خیمہ وغیرہ لگانے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا مگر تابعین رضوان اللہ علیہم کے دور میں یہ رواج عام ہو گیا تھا. اگر حضرت عبیداللہ ابن عبداللہ ابن عمرؓ کی قبر پر خیمہ تھا اور اس سے پہلے ان کے چچا (حضرت عبدالرحمٰن) کی قبر پر بھی خیمہ تھا جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اور اہل بیت میں سے حضرت حسن مثنیٰ ابن حضرت حسن علیہ السلام کی قبر پر سال بھر خیمہ رہا تھا، تو اس کا مطلب صاف واضح ہے کہ ایسا صرف ایک یا دو قبروں پر نہیں ہوا ہو گا بلکہ اس بات کا عام رواج ہو چکا ہو گا. بہت سی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بقیع الغرقد میں ایک جگہ لے کر سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے لیے ایک گھر بنوا دیا تھا جہاں سیدۃ بتولؓ صاحبزادی رسول ﷺ اپنے بابا جان ﷺ کی وفات کے بعد عزلت نشین ہو کر اپنے حزن و غم کا اظہار کیا کرتی تھیں. قبروں پر مزارات بنوانے کا براہ راست تعلق اس رسم سے ہے جس میں بعض اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم کی قبور پر خیمے (فساطیط) لگائے گئے تھے.

عمر بن شبہ النمیری، المشہور بابن شبہ (۱۷۳-۲۶۲ ہجری) تاریخ مدینہ کے اولین استادوں میں دوسرے نمبر پر آتے ہیں. ان کی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ طیبہ بعنوان ”اخبار المدینۃ النبویہ“، جس کا وہ حصہ جو کہ زمانے کی دستبرد سے بچ سکا ہے آج کل ”تاریخ المدینۃ المنورۃ“ کے

انیسویں صدی کے آخر میں ایک ترک سیاح کی لی ہوئی تصویر جس میں بائیں جانب والا قبہ حضرت ابوسعید الخدریؓ کا ہے جب کہ درمیانی قطار کا درمیانی قبہ حضرت عثمانؓ کا ہے جب کہ دائیں جانب کا بڑا قبہ بنات الرسول ﷺ یعنی سرکار دو عالم ﷺ کی تین شہزادیوں کا مزار ہے

نام سے چار جلدوں میں دستیاب ہے. دراصل یہی معرکۃ الآراء کتاب بعد میں آنے والے مورخین کے لیے ماخذ رئیسی ثابت ہوئی ہے. اس کتاب میں ایک ایسا انکشاف کیا گیا ہے کہ وہ جب اپنی کتاب تالیف کر رہے تھے اس وقت حضرت سعد ابن معاذؓ کی قبر اطہر پر جنبذہ (جو کہ فارسی کے لفظ گنبد کی عربی شکل ہے) بنا ہوا تھا جن کو کہ ان کے اپنے گھر دار افلح میں (جو کہ حضرت مقداد بن الاسودؓ کے گھر کے بازو میں تھا) میں بنی عبدالاشہل کے علاقے میں بالکل اخیر میں دفن کیا گیا تھا (جو کہ آج کل بقیع الغرقد کے انتہائی شمال مشرقی کونے میں پڑتی ہے. (۷۲) ان کا جنازہ سرکار دو عالم ﷺ نے ادا فرمایا تھا اور اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم کی معیت میں اس گھر میں دفنایا تھا. حضرت محمد بن منکدرؓ نے حضرت محمد بن شرحبیلؓ سے روایت کی ہے کہ: [ایک شخص نے حضرت سعد ابن معاذؓ کی قبر سے مٹھی بھر مٹی اس دن اٹھائی جس دن ان کو دفن کیا گیا تھا، اس سے مشک کی طرح خوشبو آ رہی تھی.] (۷۳)

یہ 'جنبذہ' پہلی صدی کے اواخر میں یا دوسری صدی کے اوائل میں اکلوتی مثال معلوم ہوتی ہے مگر یہی جنبذہ بعد میں بہت سے مزارات پر قبے اور گنبدوں کا پیش رو ثابت ہوا. یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ زمانہ قبل از اسلام میں اور پھر اسلامی دور کی ابتداء میں اکثر اوقات قبور کمروں کے اندر ہوا کرتی تھیں. صرف یہی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کو آپ حضور ﷺ کے حجرہ مطہرہ میں دفن کیا گیا، بلکہ آپ کے خلیل سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور دست راست سیدنا عمر فاروقؓ بھی اسی حجرہ مطہرہ میں مدفون ہوئے. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے حضرت سعد ابن معاذؓ، حضرت مالک بن سنانؓ (حضرت ابوسعید الخدریؓ کے والد ماجد) بھی رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اپنے اپنے رہائشی کمروں میں دفن ہوئے. جہاں تک زمانہ قبل از اسلام کی تدفین کا تعلق ہے تو ابوالنبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کی قبر مطہرہ بھی کمرے میں ہی واقع تھی. نہ تو رسول اللہ ﷺ نے اور نہ ہی کسی اصحابی نے زمانہ قبل از اسلام کی ایسی قبروں پر سے کمرے گرائے اور نہ ہی زمانہ بعد از اسلام کی قبور جو کمروں میں واقع تھیں (مثلاً حضرت مالک بن سنانؓ اور حضرت سعد ابن معاذؓ کی قبور طاہرہ) پر سے کمرے گرائے جانے کا حکم دیا. جب ابوسفیان اپنی مکی فوج کی سربراہی میں غزوہ احد کے لیے مدینہ طیبہ پر چڑھ دوڑا تو اس سلسلے میں مورخین خاص طور پر اس بات کا ذکر ضرور کرتے ہیں کہ جب اس کی فوج الابواء کے پاس پہنچی تو اس کی بیوی ہند بنت عتبہ نے تجویز دی کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی قبر کو اکھاڑ کر ان کے جسد خاکی کو ممکنہ قیدی ہو جانے والے مکیوں کی رہائی کے لیے بطور تاوان نکال لیا جائے. اس

قبر فرزند رسول مقبول ﷺ
حضرت ابراہیمؓ (دسمبر ۲۰۰۲ء)

نے ابوسفیان سے کہا: ''اگر تم (سیدۃ) آمنہ ام (حضرت) محمد (ﷺ) کی قبر کو دیکھنا چاہتے ہو تو یہ الابواء میں ہے. اگر تم میں سے کوئی بھی ان کے ہاتھ قیدی بن گیا تو ہم اسے ان کے جسد خاکی کے بدلے رہائی دلوالیں گے.'' (۷۴) تاہم ابوسفیان نے دور بینی کا مظاہرہ کیا اور اس کے ردعمل سے ڈرتے ہوئے اس نے اس تجویز کی مخالفت کی. رسول اللہ ﷺ کی اپنی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر پر جانے کے سلسلے میں بہت سی احادیث مبارکہ ہیں. کسی بھی ایک روایت میں یہ مذکور نہیں کہ آپ حضور ﷺ نے یہ حکم صادر فرمایا ہو کہ ان کی والدہ ماجدہ کی قبر کے اوپر واقع تعمیر گرادی جائے یا یہ کہ قبر اطہر کو مسمار کر کے اسے سطح زمین کے برابر کر دیا جائے. ابن سعد نے تو اس کے برعکس ایک ایسی حدیث مبارکہ روایت کی ہے جس سے یہ واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر کو مرمت فرمایا اور یہ فرماتے ہوئے اپنے آنسوؤں پر ضبط نہ کر سکے: [ان کی ممتا اور محبت نے مجھ پر غلبہ کیا اور مجھے آنسوؤں پر اختیار نہیں رہا.] (۷۵)

اس کے علاوہ چند اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں پر فسطاط (خیمہ) جو کہ قبہ کی ابتدائی شکل تھی- بنائے جانے لگے تھے جیسا کہ منتقی شرح مؤطا امام مالکؒ میں روایت ہے کہ: [حضرت عمرؓ نے ام المومنین سیدۃ زینب بنت جحشؓ کی قبر پر فسطاط لگوایا، ام المومنین سیدۃ عائشہؓ نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی قبر پر اور حضرت محمد بن حنفیہؒ نے ابن عباسؓ کی قبر پر اور جس نے قبہ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لیے کہا جو کہ اس کو فخر اور ریاء کے لیے بنائے.] حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی وفات پر: [جب ان کا انتقال طائف میں ہوا تو ان پر حضرت محمد ابن حنفیہؒ نے نماز پڑھی اور ان کی قبر مسنم (اونٹ کی کوہان کی طرح) بنائی اور اس پر فسطاط لگوایا.] (جاء الحق وزہق الباطل از مفتی احمد یار خاں نعیمی، ص: ۲۹۲) یہی فساطیط بعد کے باقاعدہ قبوں کے پیش رو بنے اور مشروع سمجھے گئے. جیسا کہ ہم نے ابن شبہ کی روایت بیان کی ہے حضرت سعد ابن معاذ کی قبر اطہر پر گنبد تو دوسری صدی میں ہی تعمیر ہو گیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اس کو جائز قرار دیا ہے.

اوپر بیان کی گئی شرعی حیثیت کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ اکا دکا مثالوں کے علاوہ اسلامی دنیا میں عباسیوں کے دور سے پہلے قبور پر بہت بڑے گنبد تعمیر کرنے کا رواج عام نہ تھا. یہ عباسی ہی تھے جنہوں نے عظیم الشان قبوں کو رواج دیا اور پھر اسے مقبول بنا دیا نتیجہ کے طور پر پہلے موصل اور بغداد میں اور پھر میدان کرب و بلاء میں اور پھر مدینہ طیبہ اور مکۃ المکرّمہ میں جنابذ (جنبذہ کی جمع) بنانے کا رواج ہو گیا. الرشید نے سب سے پہلے اپنے مشیر خاص الفضل بن یحییٰ برمکی کی والدہ کے قبر پر مزار بنوایا اور پھر مامون الرشید نے ہارون الرشید اور جناب حضرت علی بن موسیٰ رضاؒ کی قبور پر شاندار مقبرے تعمیر کروائے. عباسیوں نے شیعہ حضرات کو خوش کرنے کے لیے اہل بیت کی قبور طاہرہ پر خصوصی توجہ دی اور یوں بقیع الغرقد میں واقع قبۃ اہل بیت عباسیوں کی اس عنایت خاص کا مرہون منت رہا ہے. ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ان کا یہ فعل اہل بیت طاہر کی تعظیم و تکریم کے لیے کم مگر اپنے جد امجد حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے مقام کو اجاگر کرنے کے لیے زیادہ لگتا ہے. ان کی خلافت کی ابتدائی دو صدیوں میں جب کہ وہ اپنی قوت کی معراج پر تھے، انہوں نے ایسا نہیں کیا، لیکن جونہی ان کی گرفت اسلامی سلطنت پر کمزور پڑنی شروع ہوئی اور ان کا قرامطیوں اور فاطمیوں جیسے طوفانوں سے مقابلہ ہوا تو نمود و نمائش کے خارجی اثرات زیادہ شدت سے نمایاں ہونے لگے. ہر عباسی خلیفہ کا مزار نہایت شاندار بنایا جانے لگا اور ہر بڑے بزرگ یا ولی یا امام اہل بیت کی قبر پر بیش قیمت گنبد بنے لگے. سب سے پہلا شاندار قبہ جو بقیع الغرقد میں بنا وہ ۵۱۹ ہجری میں حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ اور دیگر اہل بیت کی قبور پر بنایا گیا. (۷۷) اس کے بعد یہ اسلامی دنیا میں مزارات کے فن تعمیر کا باقاعدہ حصہ بن گیا. حضرت عثمان بن عفانؓ کی قبر اطہر پر پہلا قبہ اسامہ بن سنان الصالحی

نے ۶۰۱ ہجری میں تعمیر کروایا جو کہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے نائبین میں سے ایک تھے۔ (۷۹)

بقیع الغرقد میں مشاہیر اسلام کی قبور کا محل وقوع

جہاں تک بقیع الغرقد میں مشہور قبور کی پہچان اور ان کے محل وقوع کا تعلق ہے، ابن زبالہ اور ابن شبہ کی بیان کردہ روایات ہماری کافی حد تک راہنمائی کرتی ہیں۔ چونکہ پہلی ایک یا دو صدیوں میں قبور پر کمرے یا زیادہ تعداد میں کتبے نصب نہیں تھے، اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی کثیر تعداد کی قبور مطہرہ کا تعین مشکل ہو گیا تھا لیکن یہ صرف ظن و تخمین کی ہی بات نہیں تھی، بلکہ ابتدائی مورخین کی نگارشات اور اہل مدینہ کی غیر منقطع اور متسلسل زبانی روایات تھیں جن کے ذریعے مشہور اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم کی قبور کا محل وقوع ایک سے دوسری نسل اور پھر یکے بعد دیگرے اگلی نسلوں تک متواتر منتقل ہوتا رہا۔ اس وقت کے مروجہ حالات میں شائد اس سے بہتر اور کوئی دوسرا طریقہ کار بھی نہیں تھا۔ ہمیں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اس تواتر کے پس منظر میں وہ سوانح حیات اور تواریخ مدینہ طیبہ بھی تھیں جو اس دور میں لکھی گئیں اور یوں روایات کی کڑیاں ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری نسل تک ملتی چلی گئیں۔

ان نگارشات اور تواریخ میں سب سے اہم ابن زبالہ اور ابن شبہ کی اخبار مدینہ طیبہ، ابن سعد کی طبقات الکبریٰ، ابن نجار کی تاریخ مدینہ طیبہ، المطری اور المراغی کے تجزیاتی حاشیے، طبری کی تاریخ الامم والملوک، ابن جبیر کی رحلۃ اور ابن بطوطہ کا سفرنامہ، اولیا شلبی کا سیاحت نامہ، العیاشی اور بتنونی کی زیارتی یادداشتیں، اور سب سے اہم بیسویں صدی کے مصری امیر الحج کا سفرنامہ 'مرآۃ الحرمین' اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ مدینہ طیبہ کا برزنجی خاندان بقیع الغرقد میں واقع قبہ جات کا صدیوں سے وہابیوں کی پہلی یلغار تک متولی رہا تھا اور جب ترکوں نے دوبارہ قبہ جات تعمیر کروا دیئے تو پھر بھی برزنجی خاندان ہی البقیع کا متولی مقرر کیا گیا تھا جو کہ بیسویں صدی کے شروع تک رہا تھا۔ اسی معزز خاندان کی ایک مشہور شخصیت، شیخ جعفر بن اسماعیل البرزنجی نے اپنی مایہ ناز تاریخ مدینہ ''نزھۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین'' میں بقیع الغرقد میں واقع مزارات کی ممکنہ حد تک صحیح تصویر کشی کی ہے۔ (۸۰) جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سوائے چند قبور کے جن کے محل وقوع کا اختلاف شروع ہی سے ہے، باقی مقامات کے محل وقوع کافی حد تک غیر متنازعہ فیہ ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اگر روایات پر جایا جائے تو بقیع الغرقد میں مدفون اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد دس ہزار سے بھی متجاوز تھی، مگر معدودے چند ہیں جن کی قبور کی نشاندہی کی جاتی رہی ہے اور مورخین کے نزدیک وہی معتبر محل وقوع ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، سب سے پہلے اور سب سے بڑا مزار حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے قبر پر ۵۱۹ ہجری میں تعمیر ہوا
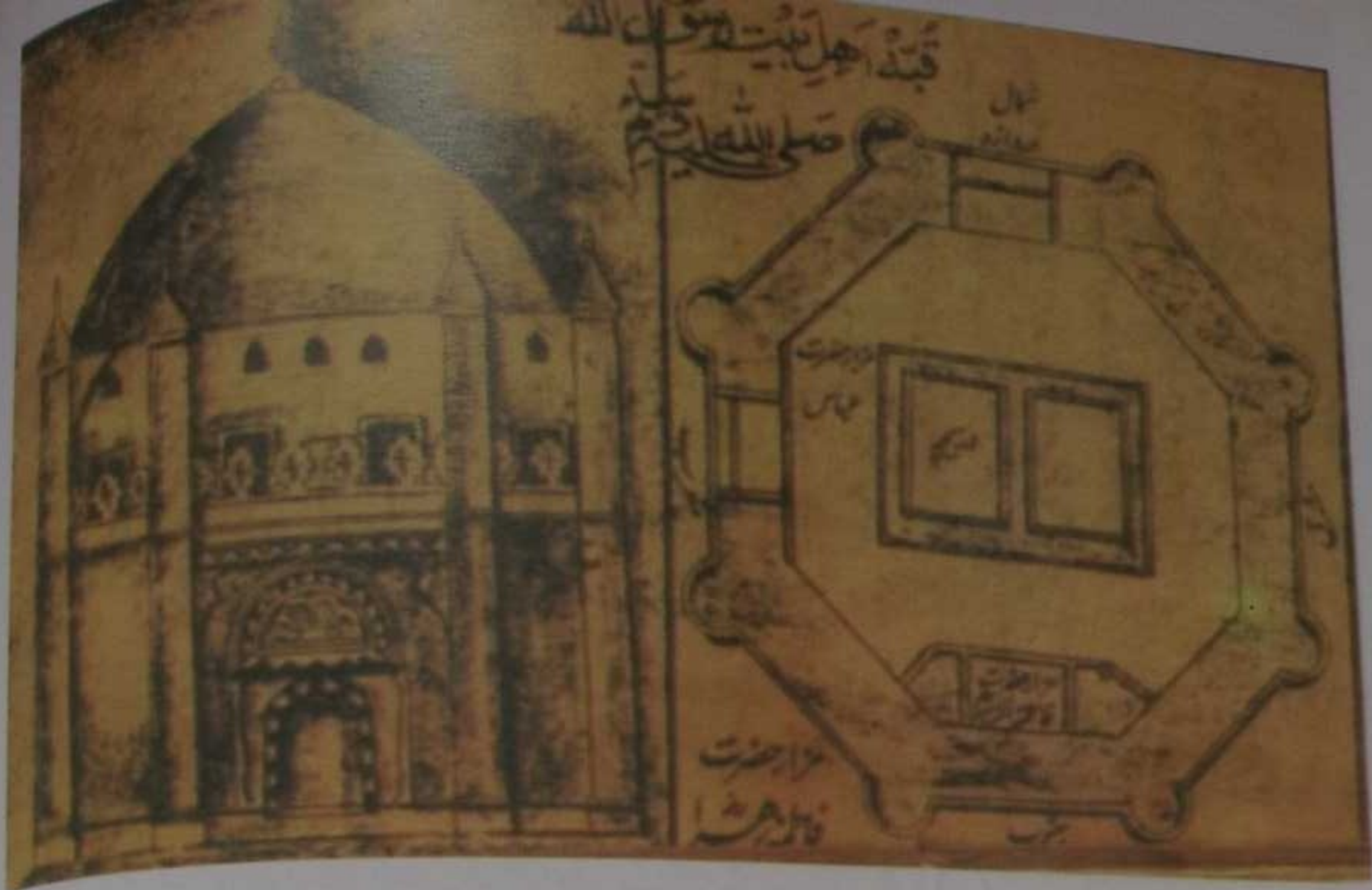
تھا جسے قبۃ اہل البیت کہا جاتا تھا۔اس کے دو دروازے تھے: ایک شمال میں اور دوسرا مغربی جانب۔اس میں حضرت عباسؓ کے علاوہ اہل بیت کی نہایت ہی سرکردہ شخصیتوں کی قبور طاہرہ بھی تھیں۔دیگر قبہ جات بعد کے ادوار میں مختلف بادشاہوں اور سلاطین نے تعمیر کروائے تھے، یا پھر زائرین نے چندہ جمع کر کے کچھ کو تعمیر اور مرمت کروایا تھا-صرف بقیع الغرقد کے لیے ہی نہیں بلکہ شہدائے احد، مشہد حضرت مالک بن سنانؓ وغیرہ کے لیے بھی ایسا ہی ہوا تھا۔تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ کم وبیش دس قبہ جات (گنبد) بقیع الغرقد میں ہوا کرتے تھے۔ہم ان میں سے صرف تین ہی کی تصاویر حاصل کر پائے ہیں جو مختلف وقتوں میں مختلف زائروں نے مختلف زاویوں سے کھینچی تھیں۔ان قبہ جات کے نام مندرجہ ذیل تھے:

(۱) قبہ عباسؓ یا قبۃ اہل البیت الطاہرہ
(۲) قبۃ بنات الرسول اللہ ﷺ
(۳) قبۃ امہات المومنین (زوجات رسول اللہ ﷺ)
(۴) قبۃ ابراہیم فرزند رسول اللہ ﷺ
(۵) قبۃ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ
(۶) قبۃ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ
(۷) قبۃ عمات رسول اللہ ﷺ
(۸) قبۃ امام نافع اور امام مالکؒ
(۹) قبۃ سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ
(۱۰) قبۃ ام علی ابن ابی طالب سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ
(۱۱) ایک اور قبہ جو عرف عام میں بیت الحزن کے نام سے مشہور تھا۔

ان میں سے ہر قبہ کے اندر ایک یا ایک سے زیادہ قبور تھیں اور ترکی حکومت نے بہت ہی احتیاط سے ان تمام قبور کے اوپر کتبے لگا رکھے تھے تا کہ مختلف قبور کی مناسب نشان دہی ہو سکے۔جب مولف ہذا نے ۱۹۷۵ء میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو دیکھا کہ ابوالنبی حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلبؓ اور صحابی رسول حضرت مالک بن سنانؓ کے مزارات پر بھی سنگ مرمر کے کتبے نصب تھے جن پر تفاصیل لکھی ہوئی تھیں۔ان تمام قبوں کو جو بقیع الغرقد میں یا مدینہ طیبہ میں کسی اور جگہ پر واقع تھے، مثلاً سید الشہداء وغیرہ، وہابیوں نے جب پہلی بار ۱۸۰۵ء میں مدینہ طیبہ پر قبضہ کیا تھا تو انہیں مسمار کر دیا تھا۔انہوں نے نہ صرف ان قبوں کو زمین بوس کر دیا بلکہ ان کے اندر موجود قبور کو بھی گرا کر ان کا نام ونشان مٹا دیا تھا۔(۸۲) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اگر چہ ابتداء میں ایسے گنبد نہ تھے مگر نہ صرف قبروں کے نشانات تھے بلکہ مشہور قبور پر الواح قبور بھی نصب تھیں جن سے ان کی پہچان قائم تھی، اور پھر آٹھ صدیوں سے وہاں موجود ہونے سے ان کا اپنا تشخص اور مقام بن چکا تھا جو کروڑوں مسلمانوں کے دل کی دھڑکن تھا۔مزید برآں رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مطہرہ کے اردگرد پنج گوشہ اور حجرہ مبارکہ اور بہت سے دیگر اصحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم کی قبور مطہرہ پر مکانات کا ہونا اس بات کی مضبوط دلیل تھی کہ ان کو ان کی حالت پر رہنے دینے سے نہ کوئی حرج تھا اور نہ کسی فتنے کا ڈر تھا۔ حجرہ اطہر سید خیر الانام ﷺ کے گرد جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پنجگوشہ تعمیر کروایا تو اس وقت کم وبیش ستر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ طیبہ میں بقید حیات تھے مگر کسی نے بھی ان سے تعرض نہیں کیا مگر تشدد پسندی نے اپنا رنگ دکھایا اور کروڑوں فرزندان توحید کے احتجاج کے باوجود بقیع الغرقد میں واقع ان گنبدوں اور قبور کو مسمار کر دیا گیا۔ (۸۳) اس سے نہ صرف کروڑوں مسلمانون کے جذبات کو مجروح کیا گیا بلکہ ان قبور پر موجود تختیوں اور الواح کو ضائع کر دیا گیا جن سے ان کی شناخت ہمیشہ کے لیے جاتی رہی۔ آٹھ سال کے بعد جب وہ لوگ نکال دیئے گئے تو ترکوں نے قبہ جات پھر سے تعمیر کروا دیئے۔ ان قبہ جات کے متولی خوش قسمتی سے اس وقت بقید حیات تھے، اس لیے تعمیر نو اور قبور کی شناخت میں دشواری پیش نہ آئی۔ بمشکل ایک ہی صدی گزری ہو گی کہ وہابیوں نے پھر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کر دی اور جونہی وہاں ان کا قبضہ ہوا، انہوں نے پھر پرانی تاریخ کو دہرایا اور ان تمام قبہ جات کو دوبارہ مسمار کر دیا۔ اب کی بار تو بقیع الغرقد میں موجود قبور کا پوری طرح نام ونشان مٹا دیا گیا اور اب سوائے چند کھنڈرات کے باقی کی بقیع الغرقد ہل چلائے ہوئے کھیت کی سی لگتی ہے۔ قبروں پر نشانات تو ایک طرف سب قبروں کو مسمار کر کے زمین ہموار کر دی گئی تھی اور ادھر ادھر سیاہ رنگ کے پتھر پھینک دیئے گئے تا کہ گورستان کی ویرانی میں مزید اضافہ ہو سکے۔

زائرین جب بقیع الغرقد کی زیارت کے لیے جاتے ہیں تو ان کو کوئی بتانے والا نہیں کہ کونسی قبر کس کی ہے۔ سعودی معلمین جو البقیع کے صدر دروازے پر ملتے ہیں کا ان مقصد پیسے بٹورنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اول تو ان جہلاء کو مشہور قبور مطہرہ کا اتہ پتہ ہی معلوم نہیں ہوتا اور اگر اندر لے جا کر بتاتے بھی ہیں تو ان کے بیانات تضادات سے مزین ہوتے ہیں اور بالآخر یہ کہہ کر پیچھا چھڑاتے ہیں کہ یہ سب بدعتیں تھیں جن کو ان لوگوں نے ختم کر کے نیکی کمائی ہے۔ سیدھا سادا سب اہل البقیع پر سلام پڑھو اور چلتے بنو۔ اور زائر منہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔ مولف ہذا کے ساتھ ایسا کئی بار ہو چکا ہے۔

ان مشکلات کی بنا پر ہمیں ان مشہور اور قدیم قبہ جات (جن کو وہابیوں نے گرا دیا تھا) کے محل وقوع کے مطابق ان میں واقع قبور مطہرہ کا کھوج لگانا پڑا جو کہ مختلف تاریخی کتب اور سفرناموں میں درج تھیں اور جن کی تصدیق چند پرانی تصاویر بھی کر رہی تھیں۔ (۸۴) بہت سے مورخین اور نقشہ جات کا تفصیلی مطالعہ اور موازنہ کرنے کے بعد ہمیں امام سمہودیؒ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بیانات حقیقت کے زیادہ قریب نظر آئے کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے اپنی زندگی کا کافی حصہ مدینہ طیبہ میں گزارا تھا۔ امام سمہودیؒ تو پچیس سال تک مسجد نبوی شریف کے فقہ شافعی کے امام بھی رہے تھے اور ان کی ساری زندگی مدینہ طیبہ کی تاریخ کی تدوین ہی میں صرف ہوئی تھی لہذا قارئین کی سہولت کے

مزار اہلبیت منہدم شدہ حالت میں (تصویر شعیب قریشی از حجاز رپورٹ ۱۹۲۶ء)

لیے ہم نے ان مختلف قبہ جات کے حساب سے ان میں واقع قبور کی تفاصیل فراہم کی ہیں. اگر چہ اب قدیم قبہ جات تو ناپید ہیں مگر ان میں سے تمام کی جگہ چند آثار اور کھنڈرات ضرور چھوڑ دیئے گئے ہیں جو امت مسلمہ کی بے اعتنائی پر نوحہ کناں ہیں. یہ آثار مورخین کی بتائی ہوئی تفاصیل کے عین مطابق ہیں. تفصیلات کے معاملے میں ہم نے بہت سے نقشہ جات کا ایک دوسرے کے ساتھ موازنہ اور مقارنہ بھی کیا، مثلاً ان تفاصیل کا موازنہ جو کہ ابن جبیر نے دی ہیں اور ایرانی زائرین کو دیئے گئے ایرانی مورخوں کے مختلف نقشوں سے، مگر ان تمام معاملات میں ہمارا اعتماد انتہائی ثقہ قسم کے مورخین پر زیادہ رہا ہے جیسا کہ امام سمہودیؒ اور شیخ جعفر برزنجی وغیرہ.

چند معروف و مشہور قبور مطہرہ کا محل وقوع

دار اہل بیت الطاہرہ یا دار عباس بن عبد المطلبؓ

جس جگہ یہ قبہ ہوا کرتا تھا وہاں ابھی بھی اس عمارت کی چند باقیات ہیں. یہ جگہ بقیع الغرقد میں داخل ہوتے ہی پہلی سڑک جو کہ دائیں طرف کو بقیع کے اندر کی طرف جاتی ہے اس پر تھوڑی دور ہی بائیں طرف واقع ہے. بقیع الغرقد میں سب سے معروف و مشہور یہی جگہ ہے. اس میں مندرجہ ذیل قبور ہیں:

(۱) حضرت عباس بن عبد المطلبؓ

(۲) سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء و بتولؓ جگر گوشۂ رسول اللہ ﷺ
(شیعہ حضرات کی روایت کے مطابق یہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشمؓ کی قبر ہے)

(۳) سید الشباب الجنۃ امام حسنؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ

(۴) حضرت علی ابن حسینؓ (حضرت امام زین العابدینؓ)

(۵) حضرت محمد بن علی بن حسینؓ (حضرت امام محمد باقرؓ)

(۶) حضرت جعفر ابن محمدؓ (حضرت امام جعفر الصادقؓ)

ان قبور مطہرہ کے علاوہ ایسی بھی روایات موجود ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا باقی کا دھڑ خاک کربلاء میں مدفون ہے کیونکہ آپ کا سر مبارک یزید کے دربار میں بھیج دیا گیا تھا جس نے عمرو بن سعید بن العاص کو جو کہ اس وقت مدینہ طیبہ کا گورنر تھا اسے مناسب تدفین کے لیے بھیج دیا تھا. چنانچہ اس سر مبارک کو بھی آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کے پہلو میں دفن کر دیا گیا تھا جو کہ حضرت عباس بن عبد المطلبؓ کی پائیں جانب واقع ہے. (۸۶) ابتدائی ایام میں سب سے مشہور مورخ جس نے سب سے پہلے اس بات کا ذکر کیا

ہے وہ القرطبی ہیں جنہوں نے اس معاملے میں بہت سی تفاصیل مہیا کی ہیں کہ امام عالی مقام کا سر مبارک کیسے کیسے اور کہاں کہاں سے ہوتا ہوا یزید کے پاس لے جایا گیا اور پھر اس نے اسے مدینہ طیبہ کے گورنر کو روانہ کر دیا جس نے اسے حضرت حسن ابن علی کرم اللہ وجہہ کے پہلو میں دفن کر دیا۔(۸۷) ابن کثیر بھی ابن سعد کا حوالہ دیکر اسی رائے کے حامل نظر آتے ہیں جن کے بیان کے مطابق عمرو بن سعید بن العاص نے اسے البقیع میں آپ کی والدہ ماجدہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے جوار رحمت میں دفن کروا دیا تھا۔(۸۸) تاہم اس سلسلے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی اس لیے کہ یہ بات شیعہ اور سنی حضرات میں متنازعہ رہی ہے۔ شیعہ حضرات اس بات کی تردید کرتے ہیں اور ان میں سے اکثریت کی رائے ہے کہ امام عالی مقام کا سر مبارک دمشق میں ہی مدفون ہے۔ وہاں تو حسین علیہ السلام کے نام پر ایک مزار بھی ہے۔

زبیر بن بکار کی ایک روایت کے مطابق شیر خدا علی المرتضیٰؓ کا جسد خاکی بھی انہی قبور کے ساتھ مدفون ہے۔(۸۹) مسعودی رقمطراز ہیں: ''ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ: [ان کو (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو) مدینہ طیبہ لایا گیا تھا اور حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے قریب ہی دفن کر دیا گیا تھا۔''](۹۰) تاہم بعد کے مورخین اس نظریے سے اتفاق نہیں کرتے، لیکن جیسا کہ امام سمہودیؒ نے نصیحت کی ہے یہ زیادہ بہتر ہے کہ جب بھی آپ بقیع الغرقد جائیں تو سب اہل بیت طاہرہ پر سلام پیش کریں۔(۹۱)

اسی طرح کا اختلاف سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی قبر مطہرہ کے متعلق بھی ہے۔ مختلف مآخذوں کی حتمی شہادتیں اتنی وزنی ہیں کہ اغلب امکان یہی ہے کہ سیدۃ النساءؓ کی قبر شریف بقیع الغرقد ہی میں اسی مقام پر ہے جہاں صدیوں سے مشہور ہے۔ تاہم ایک یا دو ایسی روایات بھی ہیں جن کے مطابق آپ کی تدفین اسی حجرہ مطہرہ میں ہی ہوئی جہاں کہ آپ رہائش پذیر تھیں۔ اس نقطہ نظر کے حامی محمد بن ابراہیم بن عبداللہ بن جعفر الصادق بن محمد الباقرؒ ہیں جن سے مروی ہے: ''سیدۃ فاطمہؓ کی قبر ان کے گھر میں ہی تھی جو کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی میں داخل کر دیا تھا۔''(۹۲) مشاہیر علماء میں سے ابن الجوزی بھی اسی سے اتفاق کرتے ہیں۔(۹۳) شیعہ حضرات کی بھی کثیر تعداد اسی نقطہ نظر سے متفق ہے۔ لیکن اس کے برعکس قدیم ترین مورخین میں سے کوئی بھی اس نظریے کا حامی نظر نہیں آتا، بلکہ انہوں نے ایسی شہادتیں پیش کی ہیں جن سے حتمی طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ سیدۃ بتولؓ جگر گوشہ رسول اللہ ﷺ کو بقیع الغرقد میں ہی دفن کیا گیا تھا۔

ابن سعد نے اپنی شہرہ آفاق طبقات الکبریٰ میں بہت سی روایات پیش کی ہیں جن سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سیدۃ النساء کو بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا تھا۔ سب سے زیادہ معتبر بیان فرزند سیدۃ بتولؓ حضرت حسن ابن علیؓ کا ہے۔ جنہوں نے بستر مرگ پر اپنے چھوٹے بھائی حضرت حسین ابن علیؓ کو وصیت کی تھی کہ ان کی وفات کی صورت میں سب سے پہلے تو یہ کوشش کی جائے کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے رجوع کیا جائے اور اگر وہ اجازت دے دیں تو ان کو حجرہ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن کیا جائے۔ تاہم اگر ایسا کرنا ناممکن ہو جائے تو انہیں بقیع الغرقد میں ان کی والدہ محترمہ کے قریب دفن کر دیا جائے۔(۹۴) بدقسمتی سے اس وقت جو سیاسی صورت حال درپیش تھی

دائیں طرف سے
قبہ نمبر ۱
حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ
حضرت فاطمۃ الزہراءؓ
حضرت امام حسنؓ
حضرت امام زین العابدینؒ
حضرت امام محمد باقرؒ
اور حضرت امام جعفر الصادقؒ
قبہ نمبر ۲
دختران رسول اللہ ﷺ
حضرت زینبؓ
حضرت ام کلثومؓ
حضرت رقیہؓ
قبہ نمبر ۳
ازواج مطہرات
حضرت عائشہؓ معہ دیگر
امہات المومنینؓ
قبہ نمبر ۴
حضرت زینب بنت امام حسنؓ
(تصویر شعیب قریشی از حجاز رپورٹ ۱۹۲۵ء)

جس کی وجہ سے بنوامیہ کو بالادستی حاصل ہو چکی تھی باوجود یکہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے بخوشی اجازت بھی دے دی تھی، مروان بن الحکم کی ضد آڑے آ گئی اور اس نے اس وقت کے گورنر سعید بن العاص کو مجبور کر دیا کہ امام حسین علیہ السلام کو اپنے بھائی کی وصیت کے پہلے حصے پر یہ کہتے ہوئے عملدرآمد نہ کرنے دیا جائے: ''اللہ کی قسم نہیں ہرگز نہیں علیؓ کا بیٹا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اندر دفن نہیں ہو سکتا جبکہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ حش الکوکب میں مدفون ہوں۔'' (۹۵) اس شدید موقف کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں حالات کچھ اس ڈگر پر چلنے لگے کہ یوں نظر آ رہا تھا کہ فریقین کے درمیان مسلح تصادم ہونے چلا تھا۔ تاہم خون خرابے سے بچنے کے لیے امام عالی مقام علیہ السلام نے حضرت حسن علیہ السلام کی وصیت کے مطابق ان کو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر کے قریب بقیع الغرقد میں دفن کر دیا۔ یہ ایک ایسی روایت ہے جو بغیر کسی قسم کے شک وشبہ کے اس اٹل حقیقت کو واضح کر دیتی ہے کہ جناب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ البقیع میں ہی مدفون ہیں۔ (۹۶)

دوسری اہم شہادت اہل بیت الطاہرہ کے ایک اہم فرد کی ہے (حضرت عمر بن علی بن حسین بن علی کرم اللہ وجہہ) جنہوں نے دوٹوک الفاظ میں بیان کیا ہے کہ جناب سیدۃ الزہراءؓ کی قبر اطہر اس پگڈنڈی پر واقع تھی جس کو ذقاق نبیہ کہا جاتا تھا اور جو کہ البقیع میں دار عقیل کے کونے کے بعد آتی تھی۔ (۹۷) اس سے بھی زیادہ ناقابل تردید شہادت ہمیں اس بات سے ملتی ہے کہ امام عالی مقام سیدنا حسین علیہ السلام نے سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کی لونڈی سیدۃ رقیہؓ کا خیمہ ان کی قبر اطہر کے قریب نصب کروا دیا تھا۔ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے سایہ عاطفت میں اتنے سال گزارنے کے بعد سیدۃ رقیہؓ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بقیہ زندگی اپنی مالکہ کے پہلو میں ہی گزارنا چاہیں گی جس کو امام حسین علیہ السلام نے قبول کرتے ہوئے اس کا خیمہ بقیع الغرقد میں قبر اطہر کے قریب ہی نصب کروا دیا تھا۔ (۹۸) المسعودی کے حوالے سے امام سمہودیؒ نے بیان کیا ہے کہ ۳۲۰ ہجری میں سنگ مرمر کا ایک کتبہ ان قبور کے پاس سے کھدائی کے وقت نکلا تھا جس کے اوپر یہ کندہ تھا: ''یہ قبریں حضرت فاطمۃ الزہراءؓ صاحبزادی رسول مقبول ﷺ سیدۃ النساء العالمین اور حسن ابن علیؓ، علی بن حسینؓ، محمد ابن علیؓ اور جعفر بن محمدؓ کی ہیں۔'' (۹۹) مسعودی سے بہت پہلے واقدی بھی یہی حقیقت بیان کر چکے تھے۔ (۱۰۰)

اس سلسلے میں ایک اور اہم روایت حضرت اسماء بنت عمیسؓ کی ہے جو کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراء کے بہت قریب تھیں۔ ان سے مروی ہے: ''ایک دن میں نے سیدہؓ سے کہا کہ میں نے دیکھا تھا کہ حبشہ میں لوگ درختوں کی ٹہنیوں اور شاخوں سے ایک قسم کا خیمہ سا بنا لیتے تھے۔ انہوں نے فرمایا: [مجھے ایسا ہی خیمہ بنا کر دکھاؤ۔] جب میں نے ان کو دکھانے کے لیے ایک ایسا خیمہ بنایا تو انہوں نے اسے بہت پسند کیا اور تبسم فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے کسی نے انہیں مسکراتے نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے مجھے یہ وصیت کی: [جب میرا انتقال ہو جائے تو تم مجھے غسل دینا۔ علی کرم اللہ وجہہ بھی موجود رہیں۔ کسی اور کو اندر مت آنے دینا۔] (۱۰۱) سیدۃ النساء کی یہ خواہش یا وصیت آپ کی حد درجہ شرم و حیاء کی عکاسی کرتی ہے، لیکن اس روایت میں یہ کہیں بھی ذکر نہیں ملتا کہ انہوں نے وصیت فرمائی کہ انہیں وہیں (یعنی ان کے حجرہ مبارکہ میں) دفن کیا جائے۔ اس وصیت پر عمل ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رات کے وقت آپ کو بقیع الغرقد میں دفن کیا۔ (۱۰۲) دار قطنی اور بیہقی کی روایت کے مطابق سیدۃ بتولؓ کو آخری غسل سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے دیا تھا۔

قبور اہل بیت طاہرہ پر گنبد کی تفاصیل

اہل بیت طاہرہ کی قبور مطہرہ پر جو گنبد تھا وہ سطح زمین سے ہشت گوشہ تھا، جب کہ گنبد گول اور مخروطی شکل کا تھا۔ اب چونکہ گنبد ناپید ہے تو زائرین کے ذہنوں میں سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کی قبر اطہر کے متعلق شکوک ہیں کہ اس قبہ اہل بیت میں ان کی قبر کا اصل محل وقوع کہاں تھا۔ اس معمے کو حل کرنے کے لیے ہمیں ان زائرین اور سیاحوں کی روایات کو سامنے رکھنا پڑتا ہے جنہوں نے ان قبہ جات گرائے جانے سے پہلے بقیع

قبور امہات المومنین
رضوان اللہ علیہن اجمعین

الغرقد کی زیارت کی تھی. اس سلسلہ میں ہم جناب محمد الدین مرحوم، ایڈیٹر رسالہ 'صوفی' کی مایہ ناز تالیف ''سیرۃ فاطمہؓ'' سے اقتباس پیش کرتے ہیں جو ۱۳۳۵ ہجری (۱۹۱۵ء کے لگ بھگ) بقیع الغرقد کی زیارت سے فیضیاب ہوئے تھے، وہ رقمطراز ہیں:

یہ روضہ مبارکہ جنت البقیع میں ایک سادہ گنبد ہے. جس کی عمارت زیادہ شان دار نہیں اور نہ نقاشی کا کام ہے. چھت ضریح پر زربفت کا کپڑا ڈالا ہے. حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے مزار کے برابر دیوار پر نہایت قیمتی طلائی کی چادر آویزاں ہے. جو کئی ہزار روپیہ میں تیار ہوئی ہوگی. عمارت کے باہر دروازے پر یہ شعر لکھا ہے:

لی خمسة اطفی بها حر الوباء الحاطمه — المصطفیٰ والمرتضیٰ وابناهما والفاطمه

مزار کے اندر سیدۃ فاطمہؓ کی قبر اطہر جنوب مغربی کونے میں سطح زمین سے بلندی پر واقع ہے.] (۱۰۳)

دار بنات رسول اللہ ﷺ

معتبر ترین روایات کے مطابق اس قبہ کے احاطے میں مندرجہ ذیل قبور مطہرہ تھیں، جہاں اب چند پتھر رکھ کر تین قبور کے نشانات ظاہر کئے گئے ہیں:

(۱) سیدۃ رقیہؓ بنت رسول اللہ ﷺ (ان کا انتقال غزوہ بدر کے فوراً بعد ماہ رمضان ۲ ہجری میں ہوا تھا)

(۲) سیدۃ ام کلثومؓ بنت رسول اللہ ﷺ (ان کا انتقال ۹ ہجری میں ہوا تھا)

(۳) سیدۃ زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ

(۴) سیدۃ ام ہانیؓ (اخت شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

دار امہات المومنین زوجات رسول اللہ ﷺ

بقیع الغرقد میں داخل ہوتے ہی یہ مطہر و متبرک احاطہ زائر کے بالکل سامنے پڑتا ہے. ثقہ روایتوں میں اس قبہ شریف کے اندر گیارہ قبور تھیں، جو ذیل درج ہیں:

(۱) ام المومنین سیدۃ زینب بنت خزیمہؓ (ان کا انتقال ۴ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں ہوا)

(۲) ام المومنین سیدۃ ریحانہ بنت شمعونؓ (ان کا انتقال رسول مقبول ﷺ کی وفات سے ۴ادن پہلے ہوا)

(۳) ام ابراہیم سیدۃ ماریہ قبطیہؓ (ان کا انتقال ۱۶ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ہوا)

(۴) ام المومنین سیدۃ رملہ بنت ابوسفیان (ام حبیبہؓ) (ان کا انتقال ۴۴ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)

(۵) ام المومنین سیدۃ حفصہ بنت عمرؓ (ان کا انتقال ۴۵ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)

قبور امہات المومنین
رضوان اللہ علیہن اجمعین
(۱۳۲۶ ہجری)

(۶) ام المومنین سیدة سودہ بنت زمعہؓ (ان کا انتقال ۴۵ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)

(۷) ام المومنین سیدة جویریہ بنت الحارثؓ (ان کا انتقال ۵۰ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)

(۸) ام المومنین سیدة صفیہؓ بنت حیی (ان کا انتقال ۵۲ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا)

(۹) ام المومنین سیدة عائشہ صدیقہؓ (ان کا انتقال ۵۸ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا) (۱۰۴)

(۱۰) ام المومنین سیدة ام سلمہ بنت ابی امیہؓ (ان کا انتقال ۶۱ یا ۶۲ ہجری میں یزید کے دور میں ہوا)

(۱۱) ام المومنین سیدة زینب بنت جحشؓ (ان کا انتقال ۲۶ ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ہوا)

جہاں تک ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ (حضرت رملہؓ بنت ابوسفیان) کے اس مقام پر دفن ہونے کا تعلق ہے تو قدیم مورخین نے اس سلسلے میں اپنے تحفظات کا ذکر کیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں ان کی قبر ان کے حجرہ مبارک کہ متصلہ مسجد نبوی شریف کے اندر ہی ہوگی، کیونکہ عباسی دور میں مسجد نبوی کی توسیع کے لیے جب کھدائی کی گئی تو اس جگہ سے ایک لوح سنگ نکلی تھی جس پر کندا ں تھا: ''یہ ام المومنین ام حبیبہؓ کی قبر ہے.'' یہ علاقہ آج کی مسجد نبوی کے صحن میں اس جگہ واقع ہے. جہاں چھتریاں نصب ہیں.

اولیا شلبی (ولادت: ۱۰۲۰ ہجری) اپنے سیاحت نامے میں دیگر جگہوں کے علاوہ اپنی زیارت مدینہ طیبہ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ قبہ امہات المومنینؓ کے دروازے پر ایک کتبہ آویزاں تھا جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی:

''حضرت عائشہ صدیقہؓ کی قبر مطہرہ کی تعمیر نو سلطان سلیمان خان بن سلیم شاہ بن بایزید خان بن محمد خان کے حکم سے ۹۵۰ ہجری میں انجام پائی.'' (۱۰۵)

اولیا شلبی نے اپنے سیاحت نامے میں ایک حیران کن انکشاف یہ کیا ہے کہ اس مقام پر جہاں امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کی قبور مطہرہ ہیں، وہاں سب امہات المومنین کی قبور نہیں. یہ بیان ترکی دور کے دیگر مورخین کی آرا سے بھی مطابقت رکھتا ہے، جن کا خیال ہے کہ وہ جگہ نو یا دس قبور کے لیے انتہائی ناکافی ہے اور ہوسکتا ہے کہ ان میں سے چند کی قبور قبہ عقیل بن ابی طالبؓ کے احاطے کی طرف ہوں جو بعد میں قبہ وغیرہ بناتے وقت اسی قبہ کے نیچے آگئی ہوں.

ہم یہ بھی ذکر کرنا چاہیں گے کہ اگرچہ تمام مورخین مدینہ طیبہ میں اس معاملے پر اتفاق ہے کہ سوائے ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ اور سیدة میمونہؓ کے دیگر تمام امہات المومنین رضوان اللہ علیہن مدینہ طیبہ میں بقیع الغرقد میں مدفون ہیں، لیکن پھر بھی دو ازواج مطہرات رسول اللہ ﷺ (ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ) کے متعلق مشہور ہے کہ ان کی قبور مطہرہ دمشق میں واقع ہیں حالانکہ کسی بھی بڑے سیرۃ نگار نے اس بات کا اشارہ تک نہیں کیا. ابن جبیر نے بھی ایک انکشاف کیا ہے کہ ۵۸۰ ہجری میں انہوں نے ام المومنین سیدة ام حبیبہؓ کی قبر کی زیارت دمشق میں کی تھی جو کہ دمشق کے مغربی مضافات میں 'جبانہ' کے قبرستان میں واقع تھی. انہوں نے ابن عساکر کی 'فضائل

قبور اہل بیت
رضوان اللہ علیہم اجمعین
تفصیل صفحہ ۶۱۷ پر درج ہے

دمشق' کا حوالہ بھی دیا ہے، جنہوں نے کہا ہے کہ ام المومنین ام حبیبہؓ کی قبر مطہرہ دمشق میں تھی۔(۱۰۷) لیکن حیرانی کی بات ہے کہ وہ بھی ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی قبر مطہرہ کا ذکر نہیں کرتے کہ وہ دمشق میں واقع تھی یا نہیں۔ اس کے برعکس ابن شبہ نے ناقابل تردید شواہد کی بنیاد پر یہ قرار دیا تھا کہ ام المومنین سیدۃ ام سلمہؓ کی قبر بقیع الغرقد میں واقع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ قارئین کے تجسس اور تشفی ذوق کے لیے، ہم دمشق میں واقع مزاروں کی تصاویر آگے دے رہے ہیں۔

دار فرزند ارجمند رسول مقبول ﷺ حضرت ابراہیمؓ

احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات حتمی ہے کہ فرزند رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیمؓ کی قبر 'الروحاء' کے حصے میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے قریب تھی۔ چونکہ سب سے پہلے مہاجرین اور انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا انتقال رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہوا اسی خطہ میں مدفون ہوئے جس کو سرکار دو عالم ﷺ نے 'الروحاء' کا نام دیا تھا، اس لیے احاطہ اہل بیت الطاہرہ کے بعد بقیع الغرقد کا وہ حصہ جو مورخین اور زائرین کی توجہ کا مرکز رہا ہے وہ یہی خطہ ہے۔ اس خطے میں بے شمار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدفون ہوئے، جن میں سے صرف مشاہیر کے نام گرامی ہم تک پہنچے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت عثمان بن مظعونؓ (۲) حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ

(۳) سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ (ام حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

(۴) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (انہوں نے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے خاص طور پر استدعا کی تھی کہ انہیں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے پہلو میں دفن کیا جائے)۔

قبور امہات المومنین
رضوان اللہ علیہن اجمعین
(۲۰۰۱ء)

(۵) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ

(۶) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ۔ آپ نے اپنی قبر کی جگہ کا انتخاب اپنی زندگی میں ہی کر لیا تھا اور پھر جب آپ کا انتقال وادی العقیق میں ہوا تو آپ کی میت تقریباً بارہ کیلومیٹر سے کندھوں پر اٹھا کر لائی گئی تھی۔

(۷) حضرت اسعد ابن زرارہؓ

(۸) حضرت خنیس بن حذافہ السہمیؓ۔ آپ غزوہ بدر میں شدید زخمی ہو گئے تھے لیکن انتقال مدینہ طیبہ پہنچ کر ہوا تھا۔

(۹) حضرت محمد بن الحنفیہؓ (فرزند ارجمند حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

(۱۰) عباسی خلیفہ الواثق باللہ

ایک اور لحاظ سے بھی بقیع الغرقد کا یہ حصہ بہت ہی اہمت کا حامل ہے کیونکہ عشرہ مبشرہ

قبور آل ہاشم

۱- قبر عقیل بن ابی طالبؓ

۲- قبر عبداللہ بن جعفر الطیارؓ، المشہور بجواد العرب

۳- قبر ابی سفیان بن الحارث بن عبدالمطلب، ابن عم النبی ﷺ جو آپ کے رضاعی بھائی تھے

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے تین وہیں مدفون ہیں- حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ، حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اس کے علاوہ بانیان مذاہب اربعہ میں سے حضرت امام مالک بن انسؓ بھی وہیں محو استراحت ہیں.

دار حضرت عقیل بن ابی طالبؓ

جنت البقیع میں داخل ہوتے ہی یہ جگہ احاطہ قبور مطہرہ سیدات امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے احاطے کی بائیں (شمالی) جانب پڑتی ہے. معتبر ترین روایات کے مطابق اس علاقے میں مندرجہ ذیل قبور ہیں:

(۱) حضرت عقیل بن ابی طالب- حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھائی

(۲) حضرت عبداللہ ابن جعفر الطیارؓ- حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھتیجے

(۳) حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلبؓ- رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی

(۴) جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اجمعین میں سے بھی ایک یا دو اسی احاطے میں مدفون تھیں.

(۵) ایسی بھی روایات ہیں کہ سیدۃ فاطمۃ الصغریٰ بنت امام عالی مقام حضرت امام حسین ابن علیؓ بھی وہیں مدفون ہیں. واللہ اعلم بالصواب.

دار امیر المومنین سیدنا عثمان ابن عفانؓ

یہ قبر اطہر پرانی بقیع الغرقد کے انتہائی مشرق میں اور جدید بقیع الغرقد کے عین وسط میں واقع ہے. حضرت مالک بن ابی عامرؓ سے مروی ہے کہ ان کے والد نے کہا: [لوگ اپنے اقرباء کی میتوں کو حش کوکب میں دفن کرنے سے کتراتے تھے. ایک مرتبہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ ایک صالح شخص کو مار دیا جائے گا جسے اس جگہ میں دفن کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد لوگوں کی میتیں وہاں دفن ہونے لگ جائیں گی. ابی عامرؓ نے کہا کہ سب سے پہلے وہاں جو مدفون ہوئے وہ حضرت عثمانؓ ہی تھے. (طبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج:۳، ص:۷۷). اس احاطے میں مشہور و معروف قبر اطہر جامع القرآن سیدنا حضرت عثمان بن عفانؓ کی ہے. جب تک قبہ تھا اس وقت اس کے اندر ایک اور قبر بھی تھی جو کہ بقیع الغرقد کے متولیوں میں سے کسی ایک کی تھی.

بلوائیوں نے امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفانؓ کو آپ کے گھر میں لگ بھگ دو ماہ تک محصور کر کے نہایت سفاکی سے شہید کر دیا تھا. مدینہ طیبہ کی تاریخ کا یہ نہایت ہی افسوس ناک باب تھا. شہید کرنے کے بعد دو تین دن تک بلوائی مدینہ طیبہ میں دندناتے پھرتے تھے اور

روضہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ
انہدام کے بعد
(۱۹۲۶ء)

انہوں نے سیدنا عثمانؓ کی میت کو دو دن تک کہیں دفن نہیں ہونے دیا. دو دنوں کے بعد جب ام المومنین سیدۃ ام حبیبہؓ نے مداخلت کی تو چار اصحابہ کرام۔ حضرت جبیر بن المطعمؓ، حضرت حاکم بن حزامؓ، حضرت ابوجہم بن حذیفہؓ اور حضرت نیار بن مکرم الاسلمیؓ نے رات کے اندھیرے میں آپ کی میت دار عثمان سے نکالی. آپ کی بیٹی سیدۃ عائشہ بنت عثمانؓ نے مشعل روشن کی اور یوں آپ کا جسد اطہر اس وقت کی بقیع الغرقد کے باہر شرقی دیوار کے ساتھ اس علاقے میں دفن کر دیا گیا جو کہ آپ کے بیٹے حضرت ابان بن عفانؓ کی ملکیت تھا اور 'حش کوکب' کہلاتا تھا. (۱۱۰) جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، مروان بن الحکم کے دور میں وہ دیوار گرادی گئی اور یوں یہ علاقہ بھی بقیع الغرقد میں شامل ہو گیا تھا.

قبر سیدنا عثمانؓ کے اوپر سب سے پہلے قبہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ایک وزیر نے تعمیر کروایا تھا جسے وہابیوں نے مدینہ طیبہ پر اپنی پہلی یلغار میں منہدم کر دیا تھا. آٹھ سال کے بعد عثمانی سلطان محمود نے ۱۲۳۳ ہجری میں ایک نیا قبہ تعمیر کروادیا تھا. (۱۱۱) یہ قبہ تقریباً ایک سو سال تک قائم رہا اور پھر وہابیوں کی متشدد دلہروں کی نذر ہو گیا اور اسے ماہ شوال ۱۹۲۵ء میں دوبارہ پھر گرادیا گیا. تاہم یہی ایک ایسا خطہ تھا جو کہ پوری طرح مسمار نہیں کیا گیا بلکہ اس کے اردگرد فرش تک سلامت چھوڑ دیا گیا تھا کیونکہ اکناف عالم اسلام سے احتجاج کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں. مروان بن الحکم نے اپنے باپ 'الحکم بن العاص' کو بھی سیدنا عثمانؓ کی قبر کے قریب ہی دفن کروادیا تھا.

روضہ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ
انہدام سے پہلے

دار عمات رسول اللہ ﷺ (رسول اللہ ﷺ کی پھوپھیوں) کا احاطہ

یہ شروع سے ہی بقیع الغرقد کے انتہائی شمال مغربی کونے میں ایک الگ خطے کے طور پر رہا ہے. جیسا کہ جنت البقیع کو 'بقیع الغرقد' کہا جاتا ہے ویسے ہی اس علاقے کو بھی 'بقیع العمات' کہا جاتا تھا اور دونوں کے درمیان ایک سڑک حد فاصل کے طور پر ہوا کرتی تھی. اب یہ منطقہ بقیع الغرقد کی چاردیواری کے اندر ہے اور اندر داخل ہونے پر اگر زائر اپنے بائیں ہاتھ باہر کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا رہے تو تھوڑے فاصلے پر ہی یہ مربع شکل کا احاطہ ملتا ہے جس میں تین قبور ہیں.

سمہودیؒ کے مطابق ان تینوں قبور پر کوئی قبہ نہیں ہوا کرتا تھا، صرف ایک بلند چاردیواری تھی جس کے اندر یہ قبور مطہرات تھیں. اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قبہ جو ۱۹۲۵ء تک موجود تھا اور وہابیوں نے اسے مسمار کیا تھا وہ ترکوں کا تعمیر کردہ تھا. اس قبہ میں مندرجہ ذیل تین قبور تھیں:

(۱) سیدۃ صفیہ بنت عبدالمطلبؓ (حضرت زبیر بن العوامؓ کی والدہ ماجدہ)

(۲) سیدۃ عاتکہ بنت عبدالمطلبؓ

(۳) سیدۃ ام البنینؓ بنت حزام بن خالد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان سے شادی کر لی تھی اور

قبر مبارک دائی
سیدہ حلیمہ سعدیہؓ
انہدام سے پہلے

انہیں کے بطن سے ان کے بیٹے ابوالفضل عباس علمدارؓ تولد ہوئے تھے)

دار شیخ القراء سیدنا امام نافعؒ کا احاطہ

یہ احاطہ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کی قبر کے احاطے سے ذرا نیچے شرقی جانب 'الروحاء' کے کونے والے مغربی حصے میں واقع ہے. اس میں مندرجہ ذیل دو قبور ہیں:

(۱) امام نافعؒ جو کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے. انہیں شیخ القراء بھی کہا جاتا ہے. آپ کا شمار مدینہ طیبہ کے مشاہیر تابعین کرام میں ہوتا ہے اور انہوں نے کثرت سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے احادیث روایت کی ہیں.

(۲) امام مالک بن انس الاصبحیؒ. آپ فقہ مالکیہ کے بانی ہیں اور ایک طویل عرصہ تک مسجد نبوی شریف کے امام رہے تھے جس کی وجہ سے آپ کو امام دار الہجرہ بھی کہا جاتا ہے.

ان کی قبور مبارکہ اور فرزند رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیمؓ کی قبر مبارک کے درمیان ایک اور قبر بھی ہوا کرتی تھی، جس پر گنبد نہیں تھا. وہ قبر حضرت عبدالرحمٰن الاوسطؓ بن عمر ابن الخطابؓ (جن کو عام طور پر ابوشحمہ بھی کہا جاتا ہے) سے منسوب تھی. ان کو ان کے والد ماجد حضرت عمر فاروقؓ نے جرم کے ارتکاب پر حدود کی سزا کے طور پر اپنے ہاتھوں سے کوڑے مارے تھے جس سے وہ بیمار پڑ گئے تھے اور اسی حالت میں انتقال کر گئے تھے.

قبر مبارک سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ

سیدنا عثمان بن عفانؓ کی قبر سے شمال کی جانب سیڑھیاں اترتی ہیں. اسی پگڈنڈی پر بالکل سامنے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی قبر ہے. اوپر دی گئی تصویر ۱۹۷۲ء کی ہے جب کہ پرانی بقیع الغرقد کی چاردیواری اس قبر شریف کے پاس سے ہو کر گزرتی تھی. جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کسی بھی قدیم مورخ نے سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ کی قبر مبارک کا بقیع الغرقد میں ہونے کے متعلق ذکر نہیں کیا حتی کہ امام سمہودیؒ نے اس ضمن میں لکھا ہے: ''بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ، مرضیۃ الرسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک بقیع الغرقد میں ہے، لیکن ہمیں اس کے لیے کوئی سند نہیں مل سکی.'' (۱۱۴) اس کے برعکس اولیا شلبی (ولادت: ۱۰۲۰ ہجری) کا بیان ہے کہ سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ کی قبر شریف کے ساتھ ہی سیدۃ ام ایمنؓ اور سیدۃ شیما بنت حلیمہ سعدیہؓ (رسول اللہ ﷺ کی رضائی بہن) کی قبور بھی وہیں واقع ہیں. اس اکلوتے بیان کے علاوہ ہمیں اور کوئی تاریخ شواہد نہیں مل سکے جس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ وہ قبر مبارک سیدۃ حلیمہ سعدیہؓ ہی کی ہے. لیکن بقول امام سمہودی، جب بھی زائر وہاں جائے تو ان تینوں ہستیوں پر فاتح خوانی مستحسن عمل ہے.

دار سعد ابن معاذؓ (جو کہ مبینہ طور پر سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کا دار تھا)

موجودہ بقیع الغرقد کے انتہائی شمال مشرقی جانب نصف قد آدم دیواروں کے احاطے میں دو قبور ہیں. عرصہ قدیم سے یہ مشہور رہا ہے کہ ان میں سے ایک قبر سیدۃ فاطمہ بنت الاسدؓ (شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ ماجدہ) کی ہے، مگر روز اول سے ہی مورخین اس بات کی نفی کرتے رہے ہیں حتیٰ کہ امام سمہودیؒ نے بھی اس کی تردید کی ہے. ساتھ ہی ساتھ یہ دعویٰ صحیح ترین احادیث کے بھی خلاف جاتا ہے. کتنی ہی ایسی احادیث مبارکہ ہیں جن میں مذکور ہے کہ سیدۃ فاطمہ بنت الاسدؓ بقیع الغرقد میں دفن ہوئی تھیں اور چونکہ یہ جگہ اس وقت بنو عبدالاشہل کی رہائش گاہ تھی اور بقیع الغرقد سے کافی دور تھی، یہ دعویٰ کہ سیدۃ فاطمہ بنت اسدؓ کو بقیع الغرقد کے باہر دفن کیا گیا تھا سراسر احادیث نبویہ شریفہ کے برعکس ہے. تاہم اس کے برعکس اس بات کے کئی تاریخ شواہد ہیں کہ مذکورہ قبر حضرت ابوسعید الخدریؓ کی ہے. جہاں تک دوسری قبر کا تعلق ہے یہ بھی حتمی طور پر ثابت ہے کہ وہ قبر شریف حضرت سعد ابن معاذؓ کی ہے. ان کو غزوہ خندق کے دوران تیر لگنے سے شدید زخم آیا تھا اور چند دن تک مسجد نبوی میں ان کا خیمہ نصب رہا تاکہ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس ان کی تیمار داری فرمائیں. پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو انہیں ایک گھر میں جسے دار ابن افلح میں جو کہ بنی عبدالاشہل کے قبیلے کے گاؤں میں تھا دفن کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی. حضرت محمد بن منکدرؒ نے حضرت محمد بن شرحبیلؒ سے روایت کیا ہے: ''ایک شخص (یقیناً وہ ایک اصحابی ہی ہوں گے) نے حضرت سعد ابن معاذؓ کی قبر مبارک سے اس دن جب ان کی تدفین ہوئی مٹھی بھر مٹی اٹھائی. اس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی.'' (۱۱۵) جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے دوسری صدی ہجری میں اس پر گنبد (عربی میں جنبذہ) تعمیر ہو چکا تھا. یہ بات اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ان کے اہل خانہ میں سے تابعین کرام نے اس جلیل القدر صحابی رسول مقبول ﷺ کی قبر اطہر پر سب سے پہلا قبہ تعمیر کر دیا تھا. (لسان العرب-۴۸۲/۳ جنبذہ فارسی کا لفظ ہے جس کے معنی گنبد کے ہیں جو کہ عرب میں 'قبہ' کا مترادف ہے).

اس صفحہ پر دی گئی دونوں تصاویر دائی سیدہ حلیمہ سعدیہؓ کے مقبرہ کو گرانے کے بعد کی ہیں

اوپر: ۱۹۷۲ء

نیچے: ۲۰۰۲ء

ان قبہ جات کے علاوہ بقیع الغرقد میں اور بھی بہت سے معروف مقامات ہیں جہاں امت اسلامیہ کے ان گنت سپوت محو استراحت ہیں. جب ہم فرزند رسول اللہ ﷺ حضرت ابراہیمؓ کی قبر مبارک سے مشرق کی جانب آگے کی طرف بڑھتے ہیں تو بائیں ہاتھ پر نصف قد آدم سیاہ پتھروں سے بنی چار دیواری کے اندر بھی چند قبور ملتی ہیں. اس مقام پر وہ شخصیتیں جنہوں نے یزیدی افواج (جن کی کمان مسرف بن عقبہ کر رہا تھا) کے ہاتھوں ۶۳ ہجری میں جام شہادت نوش فرمایا تھا، اجتماعی قبر میں مدفون ہیں. (۱۱۶) مشہور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جو اس واقعہ حرہ میں شہید ہوئے تھے، چند کے نام یہ ہیں: حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہؓ (مع اپنے سات بیٹوں کے)، حضرت عبداللہ ابن زیدؓ، حضرت معقل ابن سنانؓ (جنہیں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے لشکر میں شمولیت کا اعزاز حاصل تھا) شامل تھے مختلف روایات میں ہے کہ ۶۰ سے ۷۰ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس واقعہ میں شہید ہوئے تھے اس اجتماعی قبر میں دفن کئے گئے تھے. ان کے علاوہ چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو غزوہ احد میں شدید زخمی ہوئے تھے اور مدینہ طیبہ میں آ کر انہوں نے دم توڑا تھا وہ بھی اسی جگہ دفن کئے گئے تھے.

اس کے سامنے ہی پگڈنڈی کی دوسری جانب حضرت اسماعیل بن جعفر صادق ؒ (جو کہ اسماعیلیوں کے بانی امام ہیں) کی قبر ہے۔(۱۱۷) ان کا اصل مدفن تو بقیع الغرقد کے باہر پرانے شہر کی فصیل کے ساتھ دار امام زین العابدینؒ کے پاس تھا جو کہ باب الجنائز اور شارع ابی ذر الغفاریؓ کے سنگھم پر فصیل کے اندر کی طرف تھا۔ایک تنگ سی گلی ہوا کرتی تھی جو کہ اس مزار پر جایا کرتی تھی جس کا نام ہی زقاق امام اسماعیل ہوا کرتا تھا۔امام سمہودیؒ کے مطابق : اس مزار کے اوپر ایک گنبد تھا جو کہ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کے قبہ کی مانند تھا جسے فاطمیوں کے ایک شاہ نے تعمیر کروایا تھا جو مصر پر حکمران تھا۔تاہم جب قدیم فصیل گرائی گئی تو ساتھ ہی یہ مزار بھی ہموار کر دیا گیا اور امام اسماعیل کی باقیات کو بقیع الغرقد میں اس مقام پر منتقل کر دیا گیا تھا۔اس کے ساتھ ہی حضرت زین العابدینؒ کا تاریخی کنواں بھی پر کر دیا گیا تھا۔

یہ چند ایک مشہور و معروف قبور کی تفاصیل ہیں جن کے محل وقوع تاریخ کے اوراق میں محفوظ رہے ہیں۔ابن نجار (ولادت : ۵۷۸ ہجری) کے الفاظ میں: ''باقی کی بقیع الغرقد ایک کھلے علاقے کی شکل میں ہے جو کہ شور یلی زمین (سبخہ) پر مشتمل ہے جہاں کوئی نہیں جانتا کہ کون سی شخصیت، کون سے اصحابی یا تابعی، یا عالم اسلام کا بطل جلیل زیر زمیں محو استراحت ہے۔''(۱۱۸) چونکہ تمام اکناف عالم سے مسلمان مدینہ طیبہ زیارت اور تحصیل علم کے لیے آتے رہے ہیں بہت سے تو واپس جاتے رہے مگر ان میں ان گنت ایسے بھی تھے جنہوں نے مدینہ طیبہ کو ہی اپنا مسکن بنایا اور پھر بعد میں مدینہ طیبہ ہی ان کا مدفن بن گیا۔اس طرح عالم اسلام کے درخشندہ ستارے بقیع الغرقد کی شور یلی زمین کے نیچے اپنے شفیع مشفق ﷺ کے سایہ عاطفت میں مسجد نبوی کے جوار رحمت میں مدفون ہیں۔برِاعظم ہند میں سے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے لے کر حسین احمد مدنی تک اور مصر سے امام سمہودیؒ اور شیخ جعفر البرزنجیؒ وغیرہ ،انیسویں صدی کے کوہ قاف کی سحر انگیز شخصیت امام شامل نقشبندیؒ جن کی روحانیت کی زلف دراز کی خوشبو سے آج بھی چیچنیا، انگشتیا اور داغستان کے کوہ ودمن مہک رہے ہیں سے لے کر قطب دوراں ضیاء الدین مدنیؒ تک، سب اسی بقیع الغرقد میں محو استراحت ہیں اور یوم نشور کے انتظار میں ہیں کہ کب صور اسرافیل پھونکا جائے گا اور کب وہ اپنی جبینوں کے ساتھ جو کہ ماہ تمام کی طرح منور و تاباں ہوں گی وہ اپنی قبور شریفہ سے باہر آئیں گے اور رسول اللہ ﷺ اور شیخین کریمین کا استقبال کریں گے۔

مسجد ابی کعبؓ (مسجد البقیع)

بقیع الغرقد کی تفاصیل کے متعلق باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم ایک نہایت ہی باریک مگر ایک اہم نقطے کی طرف قارئین کی توجہ دلانا چاہیں گے۔جب ہم جنت البقیع میں داخل ہوتے ہیں اور ہمارا منہ 'دار امہات المومنین' یا 'دار عقیل' کی طرف ہوتا ہے، تو وہ جگہ جہاں پر ہر وقت ہجوم لگا رہتا ہے، یہ مقام بقیع الغرقد میں بہت ہی اہمیت اور تقدس کا حامل ہے۔یہ وہی جگہ ہے جہاں پر شفیع المذنبین اور انیس الغریبین حبیب کبریا علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کھڑے ہو کر اپنے امتی مدفونین بقیع کے حق میں رب ذوالجلال کے سامنے ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں مانگا کرتے تھے۔(۱۱۹) اس مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جو کہ مسجد حضرت ابی بن کعبؓ یا مسجد بنی جدیلہ کہلاتی تھی۔ابن شبہ کے بیان کے مطابق یحییٰ بن سعیدؒ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد ابی بن کعبؓ میں جایا کرتے تھے اور آں حضرت ﷺ نے بہت دفعہ اس جگہ نماز بھی ادا کی تھی۔ایک مرتبہ رحمت اللعالمین ﷺ نے فرمایا: [اگر اس بات کا خدشہ نہ ہو کہ لوگ گروہ در گروہ اس جگہ کا رخ کر لیں گے تو میں زیادہ سے زیادہ نمازیں اس جگہ ادا کروں۔] امام سمہودیؒ کا بیان ہے کہ ۹۰۲ ہجری میں امیر شجاعی نے چاہا کہ اس مسجد کی تعمیر نو کر دی جائے۔جب اس مسجد کی بنیادیں گہرائی تک کھودی جا رہی تھیں تو نیچے سے پتھروں سے بنی پرانی دیواریں ظاہر ہو گئیں جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کردہ مسجد کی باقیات تھیں۔(۱۲۰)

مسجد ابی بن کعبؓ
(مسجد البقیع، مسجد بنی جدیلہ)
تصویر میں نیچے کی طرف نظر
آنے والا چکور کمرہ اصل میں وہ
جگہ ہے جہاں نبی اکرم ﷺ
نمازیں ادا فرماتے اور بقیع الرقد
میں مدفونین کے حق میں
دعائیں مانگتے
یہ نایاب تصویر مسجد کے انہدام
سے پہلے کی ہے

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲ ہجری) جنہوں نے مدینہ طیبہ میں ۲۳ ربیع الاول ۹۹۷ ہجری سے رجب ۹۹۸ ہجری تک قیام کیا اور اپنی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ طیبہ 'جذب القلوب الٰی دیار المحبوب' تحریر کی، وہ بھی اس مسجد کے متعلق رقمطراز ہیں کہ یہ مسجد جو کہ رقبے میں بہت چھوٹی سی ہے اور اسے ان دنوں میں 'موقف النبی' - یعنی وہ مقام جہاں پر رسول مقبول ﷺ بوقت زیارت بقیع الغرقد کھڑے ہوا کرتے تھے کہا جاتا ہے. (۱۲۱) ان کے بعد دسویں صدی ہجری کے ایک اور مورخ العباسی نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مسجد ابی بن کعبؓ دار امہات المومنین اور دار عقیلؓ کے مغرب میں موجود تھی اور اسے اکثر اوقات مسجد البقیع بھی کہا جاتا تھا. (۱۲۲) پھر جب وہ قدیم مسجد قریب الانہدام ہوگئی تو ترکوں نے اسکی تعمیر نو کروادی اور اس کی محراب کو مرمت کروایا. (۱۲۳) یہ ۱۲۹۵ ہجری میں ہوا اور اس کے دروازے پر سنگ مرمر کا کتبہ لگا دیا گیا جس پر لکھا تھا: ''یہ حضرت ابی بن کعبؓ کی مسجد ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک سے زیادہ مرتبہ نماز ادا فرمائی تھی''. ابراہیم رفعت پاشا کے مطابق ۱۹۰۱ء میں یہ مسجد بہت خستہ حالت میں تھی. جب سعودی دور شروع ہوا تو گورکنوں نے وہاں اپنے کھدائی کے آلات رکھنے شروع کر دیئے. لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ مسجد بے اعتنائی کا شکار ہوتی گئی اور جیسے جیسے بقیع الغرقد مختلف توسیعی مراحل سے گزرتی گئی ویسے ویسے اس آثار نبویہ کی باقیات معدوم ہوتی چلی گئیں، اور پھر ایک دن اس کا ملبہ اٹھا کر پھینک دیا گیا اور یوں 'موقف النبی' 'موقف الزائرین' میں تبدیل ہوگیا جہاں زائرین جوتیاں لیکر کھڑے ہوکر ادھر ادھر تک رہے ہوتے ہیں مگر کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ وہ اس مقام پر جوتیوں سمیت کھڑا ہے جہاں رسول مقبول ﷺ کی جبین طاہرہ کئی بار سجدہ ریز ہوئی تھی. بقیع الغرقد میں مختلف جگہوں پر سٹولوں پر بیٹھے مرشدین سے اگر اس کا استفسار کیا جائے تو پہلے تو ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور پھر بعد میں بقیع الغرقد میں واقع آثار نبوی (یعنی مسجد حضرت ابی بن کعبؓ) کے متعلق اپنی جہالت کو چھپانے کے لیے شرک کے متعلق وعظ جھاڑنا شروع کر دیتے ہیں.

اس جگہ سے بائیں ہاتھ ایک تکونی سی جگہ ہے جس میں بھی کافی قبور ہیں، یہاں سابقہ زمانوں میں بقیع الغرقد کے بہت سے متولیوں اور مشائخ کی قبور ہیں جن میں خاص طور پر مدینہ طیبہ کے سمان خاندان جو کہ قادریہ سلسلہ کے مشہور مشائخ تھے، کے بزرگوں کی قبور ہیں. (حال ہی میں وہاں جدید تدفین بھی ہونی شروع ہوگئی ہیں). اسی طرح جہاں مختلف زبانوں میں بہت بڑے بڑے سائن بورڈ لگائے گئے ہیں، ان کے اس پار (جہاں حال ہی میں ایک شیڈ تعمیر کر دیا گیا ہے) عثمانی دور کے ترک زعماء اور علماء کی قبور ہوا کرتی تھیں.

اسی طرح ایک اور نقطہ جو کہ ہم قارئین کرام کی توجہ میں لانا چاہیں گے وہ یہ ہے کہ اگر ہم بقیع الغرقد کے صدر دروازے کے سامنے کھڑے ہوکر مسجد نبوی شریف کی طرف ایک نگاہ ڈالیں تو جو چیز اچنبھا سا معلوم ہوتی ہے وہ ہے جنت البقیع کا سطح ارضی جو کہ مسجد نبوی شریف کے گرد و نواح سے بہت اونچا دکھائی دیتا ہے. یہ اونچائی بذات خود ہی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ پچھلے چودہ سو سالوں میں بے شمار افراد

اس بقعہ طاہرہ میں دفن ہوتے رہے ہیں، جن سے قدرتی طور پر یہاں کی سطح اردگرد کے علاقوں سے بلند ہوتی گئی. اس کی زمین بہت حد تک شور یلی ہے اور بے اعتنائی کا شکار قبور زیادہ عرصہ اپنی حیثیت برقرار نہیں رکھ سکتیں اور موسمی اثرات سے جلد ہی بیٹھ کر ہموار ہو جاتی ہیں. صدیوں کے مرور ایام نے ایک قبر پر کئی کئی قبریں استوار کر دی ہوں گی، اس سے ان سوالات کا جو کئی زائرین کے ذہنوں میں ابھرتے ہوں گے جواب خود بخود مل جاتا ہے. علاوہ ازیں اہل مدینہ طیبہ کے اقوال کے مطابق اس علاقے میں بھی جہاں نئی قبور بنائی جاتی ہیں وہاں بھی چھ ماہ سے زیادہ کوئی قبر قائم نہیں رہتی اور اس کی جگہ دوسرا مردہ دفنا دیا جاتا ہے. بلدیہ الحرم کے لوگ مختلف پیمائش کی بہت سی قبریں تیار رکھتے ہیں تاکہ دفنانے کے لیے آنے والوں کا وقت ضائع نہ ہو. مدینہ طیبہ میں کندھوں پر میت کے اٹھانے کا رواج اب تقریباً ختم ہو چکا ہے اور اس کی جگہ بلدیہ کی گاڑیاں یہ خدمت انجام دیتی ہیں اور میت کو سٹریچر پر لاد کر بقیع الغرقد کے مشرقی دروازے سے لایا جاتا ہے. زیادہ تر تدفین نماز فجر کے بعد ہی ہوتی ہے لیکن اکا دکا تدفین کے واقعات روز روشن میں بھی ہوتے رہتے ہیں خاص طور پر ان میتوں کے جن کے جنازے دن کے وقت کی نمازوں کے فوراً بعد مسجد نبوی شریف میں ادا کیے جاتے ہیں.
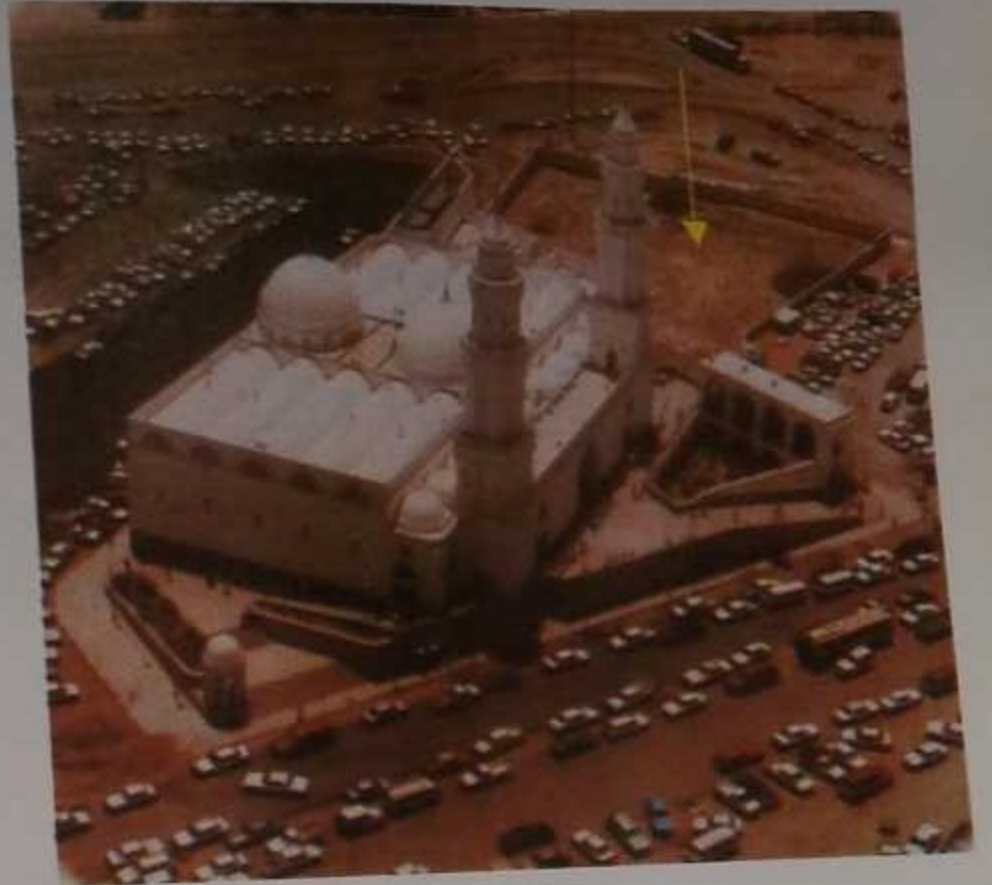
مسجد قبلتین کے بازو میں واقع قبرستان جہاں بنی سلمہ کے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مدفون ہیں

سعودی دور میں بقیع الغرقد کے گرد چار دیواری کو ۱۹۷۹ء میں مرمت کروایا گیا تھا. بعد میں جب شاہ فہد کے دور میں مسجد نبوی شریف کی تاریخ میں سب سے بڑی توسیع عمل میں آئی تو بقیع الغرقد کی حدود میں بھی اضافہ کیا گیا اور اس کے گرداگرد خوبصورت اور مضبوط اور بلند دیوار تعمیر کر دی گئی. داخلے کے بعد دائیں ہاتھ پر ایک مسقف شیڈ تعمیر کیا گیا اور وہاں پانی کی ہمہ وقت فراہمی کے لیے ٹوٹیاں لگا دی گئیں اور پینے کا پانی بھی وافر مقدار میں مہیا کیا گیا. حال ہی میں دائیں جانب بھی (جہاں کبھی ترک مشائخ کی قبور ہوا کرتی تھیں) زیادہ حصہ پر مسقف شیڈ تعمیر کر دیا گیا ہے. دار اہل بیت کی طرف جانے سے منع کرنے کے لیے آہنی جالی نصب کر دی گئی ہے. زیارت کے لیے اوقات مختص ہیں. ماضی میں تو خواتین وحضرات دونوں کو اندر داخلے کی اجازت تھی، مگر ۱۹۸۵ء کے بعد سے خواتین کے اندر جانے کی اجازت نہیں رہی اور مردوں کو بھی نماز فجر، ظہر اور عصر کے بعد تقریباً ایک ایک گھنٹہ تک اندر جانے کی اجازت ہے.

مدینہ طیبہ میں چند دیگر قبرستان

اگرچہ مدینہ طیبہ میں یوم اول سے سب سے اہم قبرستان بقیع الغرقد اور بنوسلمہ کا قبرستان ہی رہے ہیں لیکن بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی اپنی آبادیوں میں یا پھر اپنے اپنے آبائی قبرستانوں میں بھی دفن ہوتے رہے. اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو موجودہ مدینہ طیبہ میں جہاں جہاں بھی اس وقت قبائل کے گاؤں آباد تھے وہاں کوئی نہ کوئی قبرستان ضرور تھا. اس بات کے ان گنت تاریخی شواہد سامنے آچکے ہیں. نئی تعمیرات کے سلسلے میں جب بھی گہرائی میں کھدائی ہوئی تو کوئی نہ کوئی قبر ضرور برآمد ہوئی اور بہت سے مدفونین کی میتیں صحیح سلامت نکلیں جنہیں بعد میں یا تو اسی جگہ ہی دفن کر دیا گیا یا پھر ان کے اجساد خاکی کو دوسری جگہوں پر منتقل کر دیا گیا. مدینہ طیبہ کے عصر حاضر کے مشہور مدنی مورخ اور آثار قدیمہ کے ماہر ابراہیم العیاشی نے ایک ایسا ہی دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے. وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ایک مرتبہ شارع حبیب پر (مسجد نبوی شریف کے جنوب میں الزروان کا علاقہ جہاں آج کل قصر الحکم اور مدینہ طیبہ کی شریعت کی عدالتیں اور اسواق

قصر عروہ بن زبیرؓ کے پاس تاریخی مقبرہ جہاں حضرت عروہ بن زبیر مدفون ہیں (۲۰۰۳ء)

الحرم تعمیر ہوئے ہیں) کھدائی ہو رہی تھی تو سطح زمین سے تقریباً چار میٹر نیچے سے ایک پرانی قبر سے ایک خوبصورت نوجوان کی میت برآمد ہوئی جن کی داڑھی گھنی اور سیاہ تھی، اور جسم پوری طرح سلیم تھا اور حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ میت اپنی آنکھیں کھول کر کھدائی کرنے والوں کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی. فاضل مصنف کے خیال میں وہ میت شہدائے احد میں سے کسی کی تھی. اس کے بعد اس میت کو پورے احترام کے ساتھ بقیع الغرقد میں دفن کر دیا گیا. (۱۲۴) ایسے بے شمار واقعات اہل مدینہ بیان کرتے ہیں. خاص طور پر حرہ غربیہ اور وہ علاقہ جہاں اب وقف داؤدیہ کی عالی شان عمارت تعمیر کی گئی ہے وہاں ایسے بہت سے واقعات ظہور پذیر ہو چکے ہیں.

قبر مبارک والدِ ماجد سید الانبیاء سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ

واقدی کا بیان ہے کہ: ''حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؓ قریش کے ایک قافلے کے ساتھ گھر سے شام کے سفر کو نکلے. اپنے کاروباری معاملات سے فارغ ہو کر انہوں نے واپسی کا رخت سفر باندھا اور مدینہ طیبہ میں آ کر رک گئے. وہاں پر ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور انہوں نے قافلے والوں سے کہا کہ وہ انہیں ان کے ننھیال کے ہاں ہی چھوڑ جائیں. جب قافلہ مکۃ المکرّمہ پہنچا تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کے متعلق استفسار کیا اور انہیں بتایا گیا کہ چونکہ وہ راستہ میں بیمار پڑ گئے تھے اس لیے انہیں ان کے ننھیال میں بنی عدی کے ہاں (جو کہ بنو النجار کی ایک شاخ تھی) چھوڑ آئے ہیں. اس پر حضرت عبدالمطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینہ بھیجا جن کو پتہ چلا کہ حضرت عبداللہ تو وفات پا چکے تھے اور یہ کہ انہیں 'دار النابغہ' میں دفن کر دیا گیا تھا. وہ واپس چلے گئے اور اس خبر سے اپنے والد (حضرت عبدالمطلب) کو مطلع کیا.'' (۱۲۵)

مسجد قباء کے قبلہ کی جانب قدیم قبرستان جہاں بہت سے اصحابہ کرام مدفون ہیں

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: [جناب رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہبؓ کے ساتھ تھے. جب آپ چھ سال کے ہوئے تو آپ اپنے ننھیال بنی عدی بن النجار کو ملنے گئے. سیدۃ ام ایمنؓ بھی ہمراہ تھیں. یہ چھوٹا سا قافلہ دو اونٹوں پر سفر کر رہا تھا. سیدۃ آمنہؓ آپ کے ساتھ دار النابغہ میں ٹھہریں. انہوں نے وہاں ایک ماہ قیام کیا. جناب رسول مقبول ﷺ کو اس وقت کے اہم واقعات یاد تھے. ایک مرتبہ آپ حضور ﷺ نے بنی عدی بن النجار کا اطم (چوبارہ) دیکھا تو اسے پہچان لیا اور فرمایا: ''میں ایک لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا، جو کہ اس اطم میں ایک انصاری کی جاریہ ہوا کرتی تھیں اور میں اپنے (والد کے) ننھیال میں سے ایک ماموں کے ساتھ

وہ مکان (دار النابغہ) جس میں حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کی قبر ہوا کرتی تھی اب یہ جگہ مسجد نبوی شریف کے اندر آچکی ہے

کھیلا کرتا تھا اور ہم دونوں مل کر ایک پرندے کو جو کہ اس اطم پر آ کر بیٹھ جایا کرتا تھا اڑا دیا کرتے تھے. پھر آپ نے ایک گھر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا: یہ ہے وہ گھر جس میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ رہا تھا اور اسی گھر میں میرے والد، عبداللہ بن عبدالمطلب، کی قبر ہے. اور میں نے بنی عدی کے کنوئیں کے پاس ایک جوہڑ میں تیرنا سیکھا تھا.] (۱۲۶)

حضرت ابی زید الجناریؒ سے مروی ہے: [ابوالنبی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کی قبر دار النابغہ میں ہے.] اس بیان کی مزید تصدیق ایک اور تابعی حضرت فلیح بن سلیمانؒ نے کی ہے، جنہوں نے کہا ہے کہ: [ان کی قبر دار النابغہ میں ہے.] سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ شام سے واپسی پر مدینہ طیبہ میں بیمار پڑ گئے تھے. انکی یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور قبائلی رسوم کے مطابق انہیں ان کے قبیلے کے علاقے میں ہی بنی نجار کے ایک گھر میں دفن کر دیا گیا. طبقات الکبری، اسد الغابہ اور الاستیعاب بھی اسی بیان کی تائید کرتے ہیں. انہوں نے جو وراثت اپنے درِّ یتیم کے لیے چھوڑی، وہ یہ تھی: (۱۲۷)

(۱) سیدۃ ام ایمنؓ، جو کہ ان کی جاریہ تھیں (آپ کا اصلی نام برکہ حبشیہ تھا اور آپ حضرت اسامہ بن زید بن الحارثہؓ کی والدہ تھیں)

(۲) ۵ عدد اونٹ،

(۳) ایک گھر جس میں سیدتنا آمنہ بنت وہبؓ رہا کرتی تھیں اور جہاں پر رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی، اور

(۴) ایک تلوار جس کا نام ''ماثور'' تھا. (۱۲۸)

بیسویں صدی کی ستر کی دہائی کے شروع میں جب شاہ فیصل مرحوم نے مسجد نبوی شریف کو مغربی جانب وسعت دینے کا حکم جاری کیا، تو اس طرف گردونواح میں جتنا علاقہ تھا اس کو حکومت نے حاصل کر لیا. زقاق طوال (طوال سٹریٹ) جس میں یہ دار النابغہ واقع تھا بھی اسی توسیع کی زد میں آ گیا. تمام رہائشی مکانات، سکول، رباطیں اور تاریخی قبور جن میں حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلبؓ کی قبر بھی شامل تھی، اسی توسیعی منصوبے سے متاثر ہو گئے اور ایک رات بلدیہ مدینہ طیبہ کے حکام نے اس پورے علاقہ سے تمام قبور ہٹا دیں اور راتوں رات ان قبور میں محو استراحت اجساد طاہرہ اور سلیمہ کو نکال کر بقیع الغرقد میں دوبارہ دفن کر دیا گیا. ان میں ابوالنبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کا جسد خاکی بھی تھا. ہم نے بہت سے ذریعوں سے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ دار النابغہ سے سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کے جسد اطہر کے علاوہ چھ اور اصحابہ کرام کے اجساد خاکی بھی برآمد ہوئے تھے اور پھر انہیں اسی رات بقیع الغرقد میں دوبارہ دفن کر دیا گیا تھا. ان سب کے اجساد خاکی بالکل سلیم اور تروتازہ نکلے تھے. اسی طرح کا معاملہ مشہور اصحابی حضرت مالک بن سنانؓ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا. یہ تمام مقامات اب مسجد نبوی کی مغربی جانب میں توسیع شدہ عمارت کا حصہ بن چکے ہیں محتاط اندازے کے مطابق یہ جگہ مغرب میں باب العقیق کے تھوڑا اندر کی طرف ہے.

الابواء کے قریب سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ ام النبی علیہ افضل الصلوۃ والسلام کی قبر مبارک

امّ النبی سیدۃ آمنہؓ بنت وہب بن عبد مناف کی قبر اطہر

اگرچہ قبر ام النبی سیدتنا آمنہ بنت وہبؓ تاریخ مدینہ طیبہ کا جزو نہیں، لیکن چونکہ ماضی قریب میں اس موضوع پر متضاد بیان بازی ہوئی ہے، ہم چاہیں گے کہ چونکہ ابوالنبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کی قبر کی تفصیلات ہم نے بیان کی ہیں، ساتھ ہی امّ النبی سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی قبر کے بارے میں بھی قاری کی معلومات کو درست کر دیا جائے تا کہ سرور دو عالم ﷺ کے والدین کریمین کی قبور مطہرہ کے محل وقوع کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہے. حضرت نبی اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدتنا آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ الزہریہ کی قبر اطہر الابواء میں ہے جو کہ مستورہ گاؤں سے تقریباً آٹھ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے. رابغ سے اس کا فاصلہ ۴۳ کیلومیٹر ہے. الابواء کے گاؤں میں زیادہ تر بنومحمد اور بنوایوب کے لوگ آباد ہیں. عصر جدید کے سعودی عرب میں اس وادی کو وادی الخریبہ کا نام دیا جاتا ہے مگر ابھی بھی الابواء کا نام زبان زدعام ہے. چونکہ باہر سے آئے ہوئے اکثر زائرین مدینہ طیبہ کی زیارت کے دوران ابواء بھی چلے جایا کرتے تھے اور یہ بات عصر حاضر کے مدینہ کے علماء کے نظریات سے مطابقت نہیں رکھتی تھی اس لیے اس قبر اطہر کو ہموار کر دیا گیا. پھر جب بین الاقوامی طور پر احتجاجات کا سلسلہ شروع ہوا تو انہوں نے مبہم سی روایات میں پناہ ڈھونڈنی شروع کر لی جس سے انہوں نے لوگوں کو یہ باور کروانے کی سعی لاحاصل کی گئی کہ امّ النبی سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی قبر تو سرے سے الابواء میں تھی ہی نہیں. یہ اپنی ہی چودہ سو سال کی مستند تاریخ کے منہ پر طمانچہ مارنے کے مترادف تھا. ہمارا مقصد اس تنازع کو طول دینا نہیں، بلکہ اس سلسلے میں جتنی بھی مستند روایات وارد ہوئی ہیں ان کو قارئین کی توجہ میں لانا ہے.

ابن اسحاق رقمطراز ہیں: [حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزمؓ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ کا انتقال اس وقت جب وہ آپ حضور ﷺ کو چھ سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد کے ننھیال کو ملانے کے بعد واپس مکہ لوٹ رہی تھیں، الابواء میں ہوا جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے.] (۱۲۹)

ابن اسحاق سے اتفاق کرتے ہوئے اور اپنے بیان کو دیگر حوالوں سے مزید قوی بناتے ہوئے واقدی دوٹوک الفاظ میں لکھتے ہیں: [رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ اور سیدۃ ام ایمنؓ کی معیت میں مدینہ طیبہ روانہ ہوئے. اس وقت آپ حضور ﷺ کی عمر مبارک چھ سال تھی. آپ کی والدہ ماجدہ آپ ﷺ حضور کے والد کے ننھیال گئی تھیں. سیدۃ ام ایمن نے بیان کیا ہے: ''ایک دن دو آدمی یہودیوں میں سے میرے پاس آئے اور کہنے لگے: ''لاؤ ہمیں احمد پر ایک نظر ڈالنے دو.'' دونوں نے آپ حضور ﷺ کو دیکھا. پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: ''یہ اس قوم (امت) کے نبی ہیں اور یہ یثرب ان کی جائے ہجرت ہے. اب بہت قتل وغارت ہوگا اور فسادات ہوں گے.'' یہ بات آپ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ نے بھی سن لی اور وہ ڈر گئیں اور انہوں نے آپ حضور ﷺ کو ان یہودیوں سے چھین لیا. اس کے بعد جب آپ مکہ واپس آ رہی تھیں تو 'الابواء' میں انتقال فرما گئیں.] (۱۳۰) ابن الجوزی کا بیان ہے: ''جب حلیمہ سعدیہؓ رسول اللہ ﷺ کو مکہ واپس چھوڑ گئیں تو آپ

حضور ﷺ اپنی والدہ ماجدہ سیدۃ آمنہ کے پاس رہنے لگے. جب آپ حضور ﷺ کی عمر چھ سال کی ہوگئی تو وہ عازم مدینہ طیبہ ہوئیں تا کہ آپ کو اپنے والد ماجدؓ کے ننھیال سے ملالائیں جو کہ بنی عدی بن النجار سے تھے؛ اس وقت آپ کے ہمراہ سیدۃ ام ایمنؓ یعنی آپ حضور ﷺ کی دایہ بھی تھیں. وہ مدینہ میں ان لوگوں کے پاس ایک ماہ رہے اور پھر عازم مکہ ہوئے. سیدۃ آمنہ کا انتقال الابواء کے مقام پر ہوا اور وہیں ان کی قبر بھی ہے. پھر جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر الابواء کے پاس سے گزرے تو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر بھی تشریف لے گئے اور وہاں جا کر روتے رہے.'' (۱۳۱)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث کو نقل کرتے ہوئے جس میں کہا گیا ہے کہ ابو النبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلبؓ دار النابغہ میں مدفون ہیں، ابن سعد ان تمام واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کرتے ہیں جو کہ ام النبی سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی وفات حسرت آیات تک ہوئے تھے. وہ رقمطراز ہیں: پھر آپ (یعنی سیدۃ آمنہؓ) اپنے لخت جگر کے ساتھ مکہ کے واپسی سفر پر روانہ ہوگئیں اور جب آپ الابواء پہنچیں تو وہاں آپ کا وصال ہوگیا. آپ کی قبر وہیں پر ہے. پھر ام ایمنؓ آپ کے ساتھ دونوں اونٹوں پر سوار مکہ پہنچ گئیں. انہوں نے آپ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کے بعد آپ کی دیکھ بھال کی. جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے موقع پر الابواء سے گزرے تو آپ نے فرمایا: [بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت دی ہے.] (۱۳۲) کیا اس بیان سے بھی بڑھ کر اور کوئی سند ہوسکتی ہے جو کہ کسی اور کا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے سگے چچیرے بھائی کا ہے؟

بہت سی احادیث مبارکہ ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کا اپنی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر پر جانے کا ذکر ہے. حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے: [ہم اس دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے. جب آپ قبر پر پہنچے تو آپ نے فرمایا: جانتے ہو یہ قبر کس کی ہے؟ ہم نے عرض کیا: ''یہ تو صرف اللہ اور اس کے رسول ہی جانتے ہیں.'' آپ حضور ﷺ نے فرمایا: [یہ میری والدہ (ماجدہ) آمنہ کی قبر ہے، جبریل امین نے مجھے اس کا راستہ دکھایا ہے!] (۱۳۳)

ابن سعد کا بیان ہے: [رسول اللہ ﷺ الابواء کے پاس سے عمرہ حدیبیہ کے موقع پر گزر رہے تھے. آپ نے فرمایا: [بلاشک اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی والدہ کی قبر پر جانے کی اجازت دے دی ہے.] لہٰذا آپ حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے، اور اس قبر کو اپنے ہاتھوں سے مرمت کیا اور اس کے پاس زار و قطار رونے لگے. یہ دیکھ کر سب اصحابہ کرام بھی زار و قطار رونے لگے. آپ نے فرمایا: [میں نے ان کی محبت کو محسوس کیا ہے جس سے مجھے رونا آ گیا.] (۱۳۵) اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے جس میں کہا گیا ہے کہ ان کو مکہ میں دفن کیا گیا تھا، ابن سعد نے دوٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ: [یہ غلط ہے. ان کی قبر تو الابواء میں ہے.] (۱۳۶)

ابو عبداللہ الاسدی (جو کہ تیسری صدی ہجری کے مشہور علماء میں سے تھے) کے بیان کا حوالہ دیتے ہوئے امام سمہودیؒ نے لکھا ہے کہ ان مساجد میں جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک یا دو نمازیں ادا کی تھیں ایک مسجد الابواء میں بھی ہے جو کہ اس گاؤں کے وسط میں واقع ہے. (۱۳۷) الابواء کے گاؤں کے وسط میں ایسی مسجد کا ہونا جس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی تھی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ آپ نے وہ نماز اس وقت ادا کی تھی جب کہ آپ حضور ﷺ الابواء تشریف لے گئے تھے. ابواء کے باسی آج بھی ایک مسجد کا ذکر کرتے ہیں جو کہ اسی قصبے کے پاس ہی ایک پہاڑی پر واقع ہے جسے مسجد النبی کہا جاتا ہے. یہ مسجد اب صرف کھنڈرات کی شکل میں موجود ہے. نبی اکرم ﷺ پہلی بار اس علاقے میں صرف معدودے چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں غزوہ ودان (جو کہ پہلا غزوہ تھا جس کی قیادت حضور پر نور ﷺ نے بنفس نفیس فرمائی تھی اور بنو ضمرہ کے ساتھ معاہدہ امن پر منتج ہوئی تھی باایں حالیکہ بنو ضمرہ نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا) پر تشریف لے گئے تھے. ابن اسحاق کے الفاظ میں: [پھر آں حضرت ﷺ ہجرت مبارکہ کے بارھویں ماہ صفر کے اخیر میں نکل پڑے یہاں تک

کہ آپ حضور ﷺ ودان پہنچ گئے تا کہ بنوقریش اور بنوضمرہ سے مقابلہ کیا جا سکے. مخشی بن عمرو الضمری نے معاہدہ امن کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی. اسے غزوہ الابواء کا نام دیا گیا ہے.](۱۳۸) اہم بات یہ ہے کہ ودان کا قصبہ الابواء سے چھ میل کی مسافت پر تھا جہاں بنوضمرہ رہا کرتے تھے اور ابن اسحاق کے علاوہ تمام قدیم سیرۃ نگاروں نے یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ "خرج من المدينه لاثنتى عشرة ليلة خلت مين صفر سنة اثنتين حتى بلغ ودّان." اس قلیل مدت کے غزوہ میں نہ تو اس وقت کوئی جنگ ہوئی اور نہ ہی حضور پرنور ﷺ الابواء تشریف لے گئے تھے؛ ''حتى بلغ ودّان'' سے صاف ظاہر ہے کہ آں حضرت ﷺ صرف ودان تک ہی تشریف لے گئے تھے. اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو الابواء جا کر نماز ادا کرنے کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا. الابواء میں حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز اس وقت ادا کی تھی جب کہ آپ غزوہ حدیبیہ سے واپس لوٹ رہے تھے. جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ حضور ﷺ غزوہ حدیبیہ میں مکہ مکرمہ میں اپنی والدہ کی قبر اطہر پر تشریف لے گئے تھے، خود بھی احمقوں کی جنت میں بستے ہیں اور دوسروں کو بھی بیوقوف بنانے کی سعی کرتے ہیں. غزوہ حدیبیہ میں تو صرف صلح حدیبیہ ہی ہو سکی تھی وہ بھی مكة المكرمه سے چھ میل باہر بیٹھ کر؛ معاہدے کی شرائط کے تحت تو آپ حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں اس وقت جا ہی نہیں سکے تھے اور بغیر عمرہ کئے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تھے. صلح نامہ پر دستخط کرنے کے بعد اور مشرکین مکہ کی یہ شرط مان لینے کے بعد کہ آپ حضور ﷺ مکہ میں داخل نہیں ہوں گے، آں حضرت ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر ہی ستر اونٹوں کی قربانی دی اور پھر مدینہ طیبہ کا رخ فرما لیا.(۱۳۹) تمام مورخین اور سیرۃ نگاروں کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر غزوہ حدیبیہ کے موقع پر ہی گئے تھے نہ کہ بعد میں یا اس سے پہلے. ذہن رسا کتنی ہی اڑان کیوں نہ بھر لے اور اس بارے میں وارد احادیث مبارکہ کی کتنی بھی تاویلیں نہ کر لے دلائل یہ ثابت کرنے سے قاصر رہیں گے کہ جب آپ حضور ﷺ مکہ میں داخل ہی نہیں ہوئے تھے تو مکہ میں اس مبینہ قبر پر کیسے تشریف لے گئے تھے جو مدعیان کے مطابق سیدۃ آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کی تھی اور مکہ مکرمہ کے اندر ہی تھی.

جہاں تک ام المومنین سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب اس حدیث کا تعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی تھی جس میں اس زیارت کے علاوہ اس بات کا بھی ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا پر سیدۃ آمنہ رضی اللہ عنہا قبر سے باہر زندہ ہو کر آئی تھیں اور ایمان لانے کے بعد اپنی قبر میں واپس تشریف لے گئی تھیں، اس روایت کے حد درجہ ضعف اور موضوع ہونے کی تصدیق مشاہیر علمائے کرام نے کی ہے جن میں حافظ ابوالفضل بن ناصر الدین، جوزقانی، ابن الجوزی، ذہبی اور حافظ ابن حجر شامل ہیں. اسی طرح حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مبارکہ جس میں شک سے کہا گیا ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے مکہ میں اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت یا تو عمرۃ القضاء یا پھر حجۃ الوداع کے وقت کی تھی، محدثین کی رائے میں ضعیف ترین روایت ہے. جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اکابر اور اقدم سیرۃ نگاروں نے ان روایات کا سرے سے بطلان کیا ہے کہ سیدۃ آمنہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں مدفون تھیں. ابن اسحاق اور ابن سعد سے لے کر حافظ دمیاطی تک سب نے ایسی روایات کو غلط قرار دیا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں مدفون تھیں. امام ذہبی تو اس روایت کے موضوع ہونے پر اس درجہ اصرار کرتے تھے کہ حلفاً اعلان کیا کرتے تھے کہ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے. علامہ سیوطی نے ام المومنین سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب روایت کو حد درجہ ضعیف قرار دیا ہے. مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے: ''السیرۃ الحلبیہ'' از علامہ ابی الفرج نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد الحلبی الشافعی (المتوفی:۱۰۴۴ ہجری)، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲، صفحات: ۱۵۴-۱۵۷.

مجد الدین فیروز آبادی کا بیان ہے: [الابواء میں ام النبی سیدۃ آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کی قبر ہے. ان کو وہاں دفن کئے جانے کی وجہ یہ تھی کو ابو النبی سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب، سفر تجارت کے دوران مدینہ میں انتقال کر گئے تھے. ان کی بیوہ، سیدۃ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب، ہر سال مدینہ طیبہ جایا کرتی تھیں اور ان کی قبر کی زیارت کیا کرتی تھیں. جب رسول اللہ ﷺ

چھ سال کی عمر کے تھے، تو وہ عبدالمطلب اور ام ایمنؓ (جوکہ حضور سرور دوعالم ﷺ کی دایہ تھیں) کی ہمراہی میں مدینہ طیبہ گئیں. واپسی پران کا انتقال الابواء میں ہوگیا.'' (۱۴۰) فیروزآبادی کے اس بیان پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے ان کی کتاب ''المغانم المطابہ فی معالم طابہ'' کے ناشر حمد الجاسر مرحوم نے، جوکہ مشہور سعودی تاریخ دان ہوئے ہیں، بڑے واضح انداز میں لکھتے ہیں: ''الابواء میں ایک قبر ہے جوکہ (سیدۃ) آمنہ سے منسوب ہے.'' (۱۴۱) یاقوت الحموی البغدادی (ت: ۶۲۶ ہجری) نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب معجم البلدان میں بھی واضح طور پر بیان کیا ہے کہ: [وبالابواء قبر آمنۃ بنت وہب ام النبی ﷺ...... یعنی ابواء میں سیدۃ آمنہ بنت وہب ام النبی ﷺ کی قبر ہے......] (۱۴۱)

مکۃ المکرمہ سے پرانے راستے کے ذریعے براستہ بدر اگر مدینہ طیبہ کا سفر کیا جائے تو رابغ کے صنعتی شہر سے بتیس کیلومیٹر کے فاصلے پر مدینہ طیبہ کی جانب مستورہ کا چھوٹا سا قصبہ ہے. اس سے گزر کر تقریبا دو کیلومیٹر کے فاصلے پر داہنی جانب ایک پختہ سڑک نکلتی ہے جہاں الابواء کا ایک بورڈ بھی لگا ہوا ہے اور ساتھ ہی ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے. اس سڑک پر چلتے ہوئے آٹھ کیلومیٹر کے فاصلے پر الابواء کا گاؤں ہے. جس سے پہلے ایک پٹرول پمپ ہے. گاؤں اور پٹرول پمپ سے ذرا پہلے اگر پشت الابواء کی طرف ہو تو داہنی جانب سیاہ اور گہرے رنگ کے پہاڑ ہیں. سیدۃ آمنہ بنت وہبؓ کی قبر تو مسمار کی جا چکی ہے مگر ایک پہاڑی پر ایک پگڈنڈی طرح کا راستہ جاتا ہے جوکہ اس پہاڑی کی چوٹی تک جاتا ہے. گاؤں کے باسیوں کے مطابق لوگ اسی پگڈنڈی سے گزر کر پچھلی چودہ صدیوں سے اس قبر اطہر پر حاضری دیتے رہے ہیں، مگر وہ کام جو ہند بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیان) نہ کرسکی وہ اہل عرب کے موجودہ انتہا پسندوں نے کر دکھایا ہے اور وہ بھی اتنی ڈھٹائی سے کہ اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے سیرۃ نبوی کے اہم سوانح کو بھی غلط ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں. چونکہ بعض زائرین تمام پابندیوں کو توڑ کر وہاں چلے جایا کرتے تھے، لہذا اب اس راستے میں خندق کھود دی گئی ہے تاکہ کوئی وہاں نہ پہنچ سکے.

مشہد سید الشہداء سیدنا حمزہ ابن عبدالمطلبؓ

اس تاریخی مشہد کو ہم نے اسی کتاب کے ایک اور باب ''مدینہ طیبہ کے کوہسار'' میں 'جبل احد' کے ضمن میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے. یہ قبرستان غزوہ احد کے میدان جنگ میں واقع ہے جہاں ستر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جام شہادت نوش فرمایا تھا، جن میں سے سب سے زیادہ مشہور سیدنا حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ عم رسول اللہ ﷺ تھے. ان کی قبر اطہر پر جو گنبد ہوا کرتا تھا وہ بقیع الغرقد کے دیگر قبوں کی طرح ۱۹۲۶ء میں مسمار کر دیا گیا تھا، اور باقیات میں سے صرف چند نشانات چھوڑ دیئے گئے تھے جن سے معلوم ہو سکے کہ وہاں ان کی قبر اطہر واقع تھی.

قباء میں واقع قبرستان

یہ قبرستان مسجد قباء کے جنوب مشرقی کونے کے باہر مسجد قباء سے تقریبا پندرہ فٹ کے فاصلے پر ایک بلند و بالا چاردیواری کے اندر ہے. چونکہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کثیر التعداد قباء کے گاؤں میں بھی آباد تھی جہاں ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنا پہلا قدم مبارک رکھا تھا، وہاں پر وفات پانے والے اکثر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کے قبیلے کے قریب واقع ان کے آبائی گورستانوں میں دفن کر دیا جاتا تھا. وہاں بھی چونکہ بہت سے شعوب وقبائل آباد تھے، اغلب امکان یہی ہے کہ وہاں بھی کئی قبرستان ہوا کرتے تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ معدوم ہوتے چلے گئے؛ خوش قسمتی سے ایک قبرستان بچ گیا ہے، جوکہ مسجد قباء کے قریب ہی واقع ہے، جہاں دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ حضرت کلثوم بن ہدمؓ مدفون ہیں. یہ دو حصوں میں منقسم ہے اور دونوں حصوں کے بیچوں بیچ سے ایک چھوٹی سی سڑک گزرتی ہے، مگر دونوں حصوں کے اردگرد ایک بلند و بالا دیوار احاطہ کئے کھڑی ہے. اس کے علاوہ قباء میں بیر غرس کے پاس بھی ایک قبرستان ہوا

کرتا تھا، جس کا ذکر ہم نے بیر غرس کے ضمن میں کیا ہے. ایک عرصہ پہلے تو اس کے گرد ایک چاردیواری بھی ہوا کرتی تھے اور ایک بہت ہی پرانی طرز کا دروازہ ہوا کرتا تھا. اب چاردیواری تو غائب ہو چکی ہے مگر دروازہ آثارِ قدیمہ کے سطونوں کی شکل میں کھڑا اپنی باری کا انتظار کر رہا ہے اور اپنا حالِ زار زبانِ حال سے ہر زائر کو سناتا ہے. رہا قبرستان تو وہ اس علاقے کے من چلوں کے لیے فٹ بال گراؤنڈ بن چکا ہے.

ایسا ہی ایک اور قبرستان مسجد قبلتین سے متصلہ چاردیواری کے اندر واقع ہے. اونچی دیواریں نظارے سے مانع ہیں. یہ اس قبیلے کا قبرستان ہوا کرتا تھا جو کہ وہاں آباد تھا اور جن کی زمین پر مسجد قبلتین بنائی گئی تھی.

حضرت مالک بن سنانؓ کا مزار اور مسجد جو کہ اب مسجد نبوی شریف میں آ چکے ہیں

تیسرا تاریخی قبرستان العوالی میں مشربہ ام ابراہیمؓ کی چاردیواری کے اندر ہے. جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، بعض غیر مصدقہ روایات کے مطابق ام ابراہیم سیدۃ ماریہ قبطیہؓ بھی وہیں مدفون ہیں، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے. البتہ یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ وہاں چند اصحابہ اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم کی قبور ہوں. اس کے اردگرد کے علاقے کی (جس کو دشت کہا جاتا تھا) زیادہ تر آبادی اہل بیت طاہرہ کے افراد کی ہوا کرتی تھی، اور یہی وجہ ہے کہ اس قبرستان میں زیادہ تر قبور افراد اہل بیت ہی کی ہیں، جن میں سے سب سے مشہور سیدۃ نجمہ خاتون ہیں جو اثنا عشری حضرات کے آٹھویں امام کی زوجہ محترمہ تھیں.

مسجد کتیبہ مسجد نبوی شریف کے جنوب میں پل کے اس پار واقع ہے. اس کے صحن میں بھی ایک اصحابی کی قبر ہوا کرتی تھی اور یہ دراصل مسجد کم اور مزار زیادہ تھا صوفی سلسلہ سنوسی انہیں اصحابی کی اولاد سے متعلق تھا. اب یہ قبر گرا کر اسے صحن مسجد بنا دیا گیا ہے.

مشہد حضرت مالک بن سنانؓ

حضرت مالک بن سنانؓ غزوہ احد میں شدید زخمی حالت میں مدینہ طیبہ لائے گئے تھے. انہی زخموں کی وجہ سے آپ کی شہادت آپ کے گھر میں ہوئی جو کہ پرانی مسجد نبوی شریف کے شمال مغرب کی جانب واقع تھا. آپ کو گھر ہی میں دفن کیا گیا تھا. پچھلے توسیعی منصوبے سے پہلے ان کا مزار مشہور و معروف تھا اور اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہوا کرتی تھی جو کہ مسجد مالک بن سنانؓ کے نام سے مشہور تھی، لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، یہ تمام علاقہ اب مسجد نبوی شریف میں شامل ہو چکا ہے. ابو النبی حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلبؓ کی قبر کی طرح حضرت مالک بن سنانؓ کی قبر اطہر بھی کھودی گئی تھی اور ان کا جسم سلیم بھی بقیع الغرقد منتقل کر دیا گیا تھا. ان معدودے چند مقبروں کے علاوہ مدینہ طیبہ میں اور بھی دیگر قدیم تاریخی قبرستان تھے جن میں سے کچھ کے آثار تو ابھی تک موجود ہیں. ایسا ہی ایک قبرستان مسجد الفتح کے نیچے مغربی جانب ہے اور دوسرا مسجد جمعہ سے متصل علاقے میں ہے. مسجد جمعہ سے متصل قبرستان میں زیادہ تر قبور حضرات اہل بیت کی ہیں.

حواشی

(۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ یہ دعا حضور والا شان ﷺ نے ہمیں اس وقت سکھائی جب کہ آپ حضور ﷺ البقیع کی زیارت کو گئے ہوئے تھے صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۲۱۲۸

(۲) ابن الاثیر- عز الدین ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد الشیبانی (۵۵۵_۶۳۰ ہجری)، الکامل فی التاریخ، بیروت، ج:۲، ص ۵۴۶

(۳) مثلاً بقیع الخیل یا بقیع الزبیر وغیرہ (ایک خیال یہ بھی ہے کہ چونکہ عربی میں 'بقیع' درختوں کے جھنڈ کو کہا کرتے تھے، ان جگہوں پر صرف چند قبور ہی ہوا کرتی تھیں اور بقیع الغرقد کی طرح یہ مقامات باقاعدہ قبرستان نہیں تھے.

(۴) ابن سعد، طبقات الکبری، دار صادر، بیروت، ج:۳، ص ۳۹۷

(۵) مجد الدین فیروز آبادی (۷۲۹_۸۱۷ ہجری)، مغانم المطابه فی معالم طابه ، دار الیمامه للبحث و الترجمه و النشر، الریاض ، ناشر حمد الحاسر، ۱۹۶۹، ص:۶۱

(۶) ایسی خاردار جھاڑیاں بے آباد جگہوں پر خود رو نباتات کی طرح اگتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انہیں ویرانی کی علامت سمجھا جاتا ہے. رسول اللہ ﷺ نے غرقد کے درخت کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ یہودیوں کا درخت ہے. صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۶۹۸۵. لہذا اب ایسا کوئی درخت بقیع الغرقد میں تو ایک طرف پورے مدینہ طیبہ میں دیکھنے کو نہیں ملتا. البتہ چند خاردار مغیلوں کے درخت کہیں کہیں ہوا کرتے تھے. آج سے تیس سال پہلے چند دیگر قسم کے درخت بھی ہوا کرتے تھے جو دو مشہور قبروں کے پاس تھے. ایک جنڈی کا درخت حضرت عثمانؓ کی قبر اطہر کے پاس تھا اور دوسرا پیلو کا درخت تھا جو کہ سیدة حلیمہ سعدیہؓ کی قبر اطہر کے پاس تھا مگر اب بقیع الغرقد کو ہر قسم کی جھاڑیوں سے پاک کر دیا گیا ہے.

(۷) یہ آبادی زیادہ تر وقف عمارتوں پر مشتمل تھی (رباط اور دیگر قدیم عمارتیں وغیرہ)، جن کو پچھلے چودہ سو سالوں سے مختلف ادوار میں مسلم سلطانوں نے "وقف فی سبیل اللہ" کے طور پر تعمیر کروایا تھا. سب سے بڑا اور قدیم ترین وقف کمپلیکس رباط المغربی تھا جس کو شاہان مراکش نے وقف کیا تھا.

(۸) حضرت سلمان الفارسیؓ تیسری بار جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ بقیع الغرقد میں موجود تھے اور وہیں انہوں نے اسلام قبول کیا تھا. ابن اسحاق، ص ۹۷.

(۹) الموطاء امام مالکؒ، ج:۱، نمبر ۵۷۳

(۱۰) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۲۱۲۷؛ مسند امام احمد، ۶_۲۲۱؛ نیز ابن شبہ (ابوزید عمر بن شبہ النمیری البصری _۱۷۳_۲۶۲ ہجری) تاریخ المدینہ، ج:۱، صفحات: ۸۷-۸۹. یہ حدیث مبارکہ عام طور پر خواتین کو قبور کی زیارت کرنے کی اجازت دینے کے مسئلے میں پیش کی جاتی ہے. ام المومنین سیدة عائشةؓ کو دعا کا سکھایا جانا کہ اہل بقیع پر کیسے سلام اور دعا کہی جائے، بدیہی طور پر امت مسلمہ کی دیگر خواتین کو بھی بقیع الغرقد کی زیارت دینے کے مترادف ہے کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کسی عمل کو اپنی زوجہ مطہرہ کے لیے تو جائز قرار دیں مگر امت کی خواتین کو منع فرمادیں.

(۱۱) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:ص ۹۴

(۱۲) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۲۱۲۷

(۱۳) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۲۱۲۶

(۱۴) السید جعفر بن اسمائیل المدنی البرزنجی، نزهة الناظرین فی مسجد سید الاولین و الآخرین، ص ۳۱۵

(۱۵) جمال المطری (ت:۷۴۱ ہجری)، التعریف بما انست الهجره من معالم دار الهجره، مکتبة نذار مصطفیٰ الباز، مکہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۷، زیر عنوان: تاریخ المدینة الشریفہ، ص ۱۰۱. ایک دوسری حدیث مبارکہ میں یوں ہے: [میں سب سے پہلا ہوں گا جسے یوم حشر اٹھایا جائے گا، پھر ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ اور پھر ہم البقیع کو جائیں گے جہاں اس کے مدفونین اٹھائے جائیں گے...] جلال الدین السیوطی، جامع الحدیث، نمبر ۴۷۵۶. الحاکم اور الترمذی نے بھی

یہی حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے روایت سے بیان کی ہے.

(۱۶) ابن حبان نے اسے ثقہ احادیث میں سے جانا ہے (احادیث، ۵۔۴۷۰) الطبرانی، المعجم الکبیر، ۲۵۔۱۸۸، نمبر ۴۴۵. ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱ص ۹۳. ابن نجار نے اس حدیث مبارکہ کے تمام راویوں کے سلسلے کو بیان کیا ہے جسے ام قیس بن محسنؓ نے روایت کیا تھا: [....رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے ام قیس" کیا تم یہ قبرستان دیکھ رہی ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! پھر آپ نے فرمایا: [اس جگہ سے ستر ہزار لوگ اٹھیں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہوں گے جو بلا حساب اور اپنے کسی عمل اور فعل کے مواخذے کے بغیر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے." ابن نجار (۵۶۸۔۶۴۱ ہجری)، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، قاھرہ، ۱۹۹۵، ص ۲۲۹.

(۱۷) منقول از ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۲۳۰

(۱۸) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء، ص ۴۱۷

(۱۹) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، جذب القلوب الی دیار المحبوب، ص:۱۷۴. ان کے قول کے مطابق جب انہوں نے مدینہ طیبہ میں قیام کیا تھا (یعنی دسویں صدی ہجری) تو اس وقت بھی بنی سلمہ کا قبرستان ناپید تھا.

(۲۰) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۴۴۴. حضرت علی المرتضیٰؓ سے مروی ہے: [ہم ایک جنازے کے ساتھ بقیع الغرقد گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی وہیں تشریف لے آئے اور پھر ہم آپ حضور ﷺ کے گرد حلقہ لگا کر بیٹھ گئے. صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۶۳۹۸ و صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۴۴۴.

(۲۱) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱ص ۹۶

(۲۲) ابن الاثیر (ت:۶۳۰ ہجری)، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج:۳، ص:۵۹۱. حضرت عثمان بن مظعونؓ کی تدفین کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی قبر کے سرہانے کی طرف ایک پتھر رکھا اور فرمایا: [تا کہ سب کو معلوم ہو کہ یہ میرے بھائی کی قبر ہے اور بعد میں میرے اہل بیت سے جو بھی فوت ہو وہ یہاں دفن کیا جائے.] اسماعیل بن عبداللہ الاسکداری (ت:۱۱۸۲ ہجری)، ترغیب اھل المودہ والوفاء فی سکن دار الحبیب المصطفیٰ، مکتبۃ الثقافہ، المدینۃ المنورہ، ص ۹۴

(۲۳) سنن ابی داؤد، ۲۰۔۳۱۵۷

(۲۴) ابن الاثیر (۵۵۵۔۶۳۰ ہجری)، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج:۳، ص:۳۸۶

(۲۵) یہ حدیث مبارکہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جذب القلوب میں نقل کی ہے. اردو ترجمہ، نوری کتب خانہ، لاہور، ۱۹۹۵، ص ۱۷۳

(۲۶) ابن سعد، مصدر مذکور، ج:۳ص ۳۹۷

(۲۷) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱ص ۱۰۰

(۲۸) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۴۲۳

(۲۹) ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج:۳، ص ۳۸۶

(۳۰) یہ حدیث مبارکہ ابن شبہ نے اپنی تاریخ مدینہ میں نقل کی ہے. دیکھیے ج:۱ص ۹۷. سمہودی نے اسے وفاء الوفاء میں، جزء دوم، ص ۸۳ پر نقل کیا ہے

(۳۱) ابن شبہ، ج:۱، ص:۹۸

(۳۲) ایضاً ص ۱۲۱

(۳۳) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۴۱۸

(۳۴) حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ: [ہم اسے بقیع الغرقد لے گئے. نہ ہم نے اسے کسی طریقے سے باندھا اور نہ ہی اس کے لیے کوئی کھائی وغیرہ کھودی. ہم نے اسے ہڈیوں، ڈھیلوں اور پتھر کے ٹکڑوں سے مارا....] صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۲۰۰۲. تاہم چند مورخین نے اس روایت سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے خیال میں البقیع سے مراد "البقیع المصلاۃ" (جو کہ مسجد الغمامہ کے قریب ہی واقع تھی). دیکھیے سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص:۳۶۴.

(۳۵) صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۹۱۷

(۳۶) صحیح بخاری، ج:۲، باب نمبر ۸۰

ابن جبیر کے سفرنامے کے مطابق ان کے سفر مدینہ طیبہ کے دوران (۵۸۰ ہجری) میں بھی وہ بیت الحزن موجود تھا اور

(۳۷) سمہودی، وفاء الوفاء، ج:۲، ص ۹۱۸۔ ابن جبیر کے سفرنامے کے مطابق ان کے سفر مدینہ طیبہ کے دوران ... زیارت گاہ خاص و عام تھا۔ تاہم کچھ اس قسم کی بھی روایات ہیں کہ یہ جگہ دراصل مسجد حضرت فاطمۃ الزہراء ہوا کرتی تھی، جیسے کہ امام غزالیؒ نے کہا ہے کہ انہوں نے بقیع الغرقد میں مسجد حضرت فاطمۃ الزہراءؓ میں نماز ادا کی تھی۔

(۳۸) سمہودی، خلاصہ الوفاء، ص ۴۱۸۔ دراصل یہ بیان امام مالک کا ہے جیسا کہ قاضی عیاضؒ کی مدارک میں منقول ہے۔

(۳۹) سنن ابی داؤد، ۱۶-۱۰-۳۱۔ نیز المطری، مصدر مذکور، ص ۶۳۔ نیز ابن سعد، ج:۳، ص ۳۸۴

(۴۰) ابن سعد، ج:۴، ۳۴۰

(۴۱) ابن الاثیر، اسد الغابہ، ج:۶، ص ۳۱۵

(۴۲) جلال الدین السیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، ص ۱۴۶

(۴۳) بلاد الشام العسقلان میں ایک اصحابی رسول ﷺ کی قبر ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ کی قبر بتایا جاتا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے عادل عبدالمومن ابو العباس، الروضۃ المستطابہ فی من دفن بالبقیع من الصحابہ، مکتبۃ الثقافیہ، مدینۃ المنورہ، ۱۴۱۷، ص ۶۵۔ اگرچہ فاضل مولف نے اپنی حتمی رائے کا اظہار کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جنت البقیع میں ہی مدفون ہیں، مگر ابتدائی مورخین میں سے کسی نے بھی (جیسے کہ ابن زبالہ اور ابن شبہ) نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ وہ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ تاہم سب سے زیادہ معتمد روایت ابن نمیر کی معلوم ہوتی ہے۔ جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ ان کا انتقال ۵۹ ہجری میں وادی العقیق میں ان کے گھر میں ہوا تھا اور یہ کہ ان کی نماز جنازہ ولید بن عتبہ بن ابو سفیان نے ادا کروائی تھی۔ دیکھیے: مصطفیٰ الرفاعی، عنوان النجابہ فی معرفۃ من مات بالمدینہ ال منورہ من مشاہیر الصحابہ، المکتبہ العلمیہ، مدینۃ المنورہ، ۱۹۸۴، ص ۲۲۲۔ مزید برآں العقیق میں ہی مدینہ طیبہ کے ائرپورٹ کی طرف جاتے ہوئے چند کھنڈرات کے قریب چند اہل بیت حضرات (حضرت علی العریضیؒ، حضرت امام جعفر الصادقؒ کے سب سے چھوٹے فرزند) کی قبور ہیں اور ان میں سے ایک کے متعلق یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ وہ حضرت ابو ہریرہؓ کی قبر ہے۔ عام طور پر اسے مدرسہ ابو ہریرہؓ یا مقبرہ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، اس مزار کی چھت گرادی گئی ہے اور قبور کو بھی منہدم کر دیا گیا ہے، صرف چار دیواری باقی رہ گئی ہے۔ جس کے اندر تین قبور ہیں۔ زائرین نے اندر جھانکنے کے لیے دیوار میں ایک روزن سا بنا لیا تھا مگر اب اسے بھی بند کر دیا گیا ہے۔ (۲۰۰۳ء میں اسے گرا کر تمام علاقہ ہموار کر دیا گیا ہے)۔ اس مقام کے متعلق بہت سا اختلاف رائے ہے۔ یقینی طور پر یہ مقبرہ حضرت ابو ہریرہؓ کا نہیں ہو سکتا، کیونکہ نہ تو سمہودیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ ہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے۔ البتہ شیعہ حضرات اس کے متعلق اور رائے رکھتے ہیں: ان کے خیال میں وہ قبور اہل بیت طاہرہ میں سے ان کے مشاہیر کی ہیں، مثلاً حضرت علی عریضیؒ، اور قریب واقع مدرسہ حضرت جعفر صادقؒ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ابراہیم رفعت پاشا نے مرآۃ الحرمین میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ۱۹۰۲ء میں وہ جگہ مقبرہ علی عریضیؒ کے نام سے مشہور تھی۔

(۴۴) ان کا شمار اصحابہ الصفہ میں ہوتا ہے۔ بعض تواریخ میں ان کے نام کو خفاف الغفاریؓ بھی لکھا گیا ہے۔

(۴۵) آپ ان تین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں شامل تھے جنہوں نے یہودی کعب بن الاشرف کو قتل کیا تھا۔

(۴۶) ابی الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی (ت: ۳۴۶ ہجری۔ آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اولاد سے تھے اور عربوں کے جغرافیہ دانوں کے باوا آدم سمجھے جاتے ہیں)، مروج الذہب و معادن الجواہر، ص ۱۳۹۔ اس سلسلے میں مسعودی نے چند شیعہ روایات کا ذکر بھی کیا ہے۔ جن کے مطابق وہ کسی پہاڑی پر خفیہ مقام پر چلے گئے تھے۔ سنی روایات میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ نیز: ابی حبان البسطی (ت: ۳۵۴ ہجری) مشاہیر الصحابہ و التابعین، مکتبۃ الثقافیہ، مدینۃ المنورہ، ص: ۵۷

(۴۷) ان کا انتقال بھی الجرف میں ہوا تھا، لیکن ان کی میت کندھوں پر لا کر بقیع الغرقد لائی گئی تھی۔ سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۱۱۷۵

(۴۸) آپ حضرت عمر فاروقؓ کے بہنوئی تھے اور حضرت عمر فاروقؓ سے پہلے ایمان لے آئے تھے۔ ان کا انتقال بھی ۵۱ ہجری میں العقیق میں ہوا تھا اور ان کی میت بھی بقیع الغرقد لائی گئی تھی۔

(۴۹) ابی الحسن البسطی (ت: ۳۵۴ ہجری)، مشاہیر الصحابہ والتابعین، مصدر مذکور، ص ۴۱

(۵۰) ابن سعد، ج:۸، ص ۲۱۶

(۵۱) Al-Medina Al-Munawwara in One Hundred Manuscripts مدینہ منورہ کی ادبی کلب کی تاریخ مدینہ طیبہ میں ایک گراں قدر کاوش ہے۔اس کتاب میں سو مخطوطوں کا ایک تنقیدی جائزہ اور تجزیاتی انڈکس دیا گیا ہے۔ دیکھیے: صفحات: ۲۵۰۔۲۶۲.

(۵۲) اس گمنام مولف کی تالیف کا سن تالیف ۱۱۷۵ ہجری ہے جسے عادل عبدالمومن ابوالعباس نے نشر کیا ہے۔ مخطوطے سے پہلا صفحہ ناپید ہونے کی وجہ سے مولف کے نام کا پتہ نہیں چل سکا۔

(۵۳) ابی الحسین محمد بن احمد ابن جبیر (ولادت: ۵۴۰ ہجری)، رحلة ابن جبیر، دار الکتاب اللبنانی، بیروت، صفحات: ۱۴۴۔۱۴۵

(۵۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور، ص ۱۷۸

(۵۵) ایضاً

(۵۶) ابی الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی، مصدر مذکور، ج: ۲، ص ۳۸۲

(۵۷) ابراہیم بن علی العیاشی المدنی، المدینہ بین الماضی والحاضر، ص ۲۸۷

(۵۸) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، صفحات: ۴۲۰۔۴۲۱

(۵۹) زین الدین ابی بکر المراغی، مصدر مذکور، ص ۱۳۹

(۶۰) www.islamic-awareness.org/History/Islam/Inscriptions/Hajri.html

<accessed : March 23, 2001>

(۶۱) ہم شکر گزار ہیں کہ ویب سائٹ /www.islamic-awareness.org نے ہمیں اس تصویر کے استعمال کی اجازت دی۔ اصلی کتبہ اب قاہرہ میں Cairo Museum of Arab Art میں مصر میں موجود ہے۔

(۶۲) ابن شبہ، ج: ۱، ص: ۱۳۰

(۶۳) سمہودی، وفاء الوفاء، ص: ۹۱۴

(۶۴) المطری، مصدر مذکور، ص: ۴۳

(۶۵) ابن شبہ، ج: ۱، ص ۹۵

(۶۶) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج: ۳، ص ۳۹۷

(۶۷) صحیح بخاری، ج: ۲، باب ۸۰

(۶۸) دکتور حمزہ اسماعیل الحداد، القبب فی العمارات المصریہ الاسلامیہ، قاہرہ، ۱۹۹۳، ص ۳۴

(۶۹) صحیح بخاری، ج: ۲، باب ۲۰، ص ۲۳۲

(۷۰) محمد سید الوکیل، المدینۃ المنورہ (معالم وحضارہ) دمشق، ص ۱۳۰

(۷۱) ابن سعد، ج: ۵، ۲۰۳

(۷۲) تفصیلات کے لیے دیکھیے ابن شبہ، ج: ۱، ص ۱۲۵۔ حضرت سعد ابن معاذؓ اوس کی بنی عبدالاشہل شاخ سے تھے اور ان کا قبیلہ مدینہ طیبہ میں اس جگہ آباد تھا جس کا کچھ حصہ اب جنت البقیع میں آ چکا ہے۔ ان کی قبر کے ساتھ حضرت ابوسعید الخدریؓ کی قبر بھی ہے۔ ابراہیم العیاشی المدنی، المدینہ بین الماضی والحاضر، ۱۳۹۲، ص ۳۰۹.

(۷۳) ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ (ت: ۲۳۵ ہجری)، کتاب المغازی، دار اشبیلیہ، ریاض، ۱۹۹۹، ص ۲۵۰

(۷۴) علامہ ابی الفرج نور الدین علی بن ابراہیم بن احمد الحلبی الشافعی (ت: ۱۰۴۴ ہجری)، السیرۃ الحلبیہ (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون)، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۲۰۰۲، ج: ۲، ص: ۲۹۷) نیز دکتورہ عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی، ام النبی، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۹۸۵، ص ۱۸۱۔ انہوں نے الازرقی اور السیوطی سے نقل کیا ہے۔

(۷۵) ابن سعد، ج: ۱، صفحات: ۱۱۶۔۱۱۷

(۷۶) دکتور محمد حمزہ اسماعیل الحداد، مصدر مذکور، ص ۳۹

حضرت عباسؓ کے نام سے خاندان عباسیہ کی خلافت جانی جاتی ہے۔

(۷۷) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۴۳۱

(۷۸) الراغی، ص ۱۲۷

(۷۹) شیخ جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین، دار الکتب والوثائق المصریہ، (ISBN 977-5231-14-0). 1995, pp: 310-315

(۸۰) جنرل ابراہیم رفعت پاشا جو کہ مصری حکومت کی طرف سے امراالحج رہے تھے اور انہوں نے پہلی بار مدینہ طیبہ کی زیارت ۱۳۲۱ ہجری میں کی تھی رقمطراز ہیں کہ اس وقت بیت الاحزان۔ بیت الحزن۔ بقیع الغرقد میں ۱۳۲۱ ہجری (بمطابق ۱۹۰۲ء) میں موجود ہوا کرتا تھا اس کے اوپر ایک گنبد بھی تھا۔ اس جگہ پر سیدۃ فاطمۃ الزہراء نے وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد عزلت گزینی اختیار کر لی تھی۔ مرآۃ الحرمین، ج:۱، ص ۴۲۶

(۸۱) چھ سال کے غاصبانہ قبضے کے بعد جب عثمانیوں نے وہابیوں کو مدینہ طیبہ سے مار بھگایا، تو ابراہیم پاشا نے، جو اس وقت مدینہ طیبہ کا گورنر تھا، سلطان محمود خان کو لکھا کہ وہ تمام قبہ جات اور مسجد الغمامہ جو کہ وہابیوں نے مسمار کر دیئے تھے ان کو دوبارہ تعمیر کروایا جائے۔ لہذا سلطان محمود کے احکام پر انہیں جگہوں پر دوبارہ قبہ جات تعمیر کروائے گئے۔ ڈاکٹر محمد سید الوکیل، المسجد النبوی عبر التاریخ، پہلا ایڈیشن، دار المجتمع، جدہ ۱۹۸۸، ص: ۱۶۸۔ بیسویں صدی کے شروع میں وہابی جب دوبارہ برسر اقتدار آ گئے تو انہوں نے ۱۹۲۵۔۱۹۲۶ء میں ان تمام قبوں کو دوبارہ مسمار کر دیا اور ان کا ملبہ بقیع الغرقد سے باہر پھینک دیا گیا۔ صالح لمعی مصطفیٰ، Al-Medina al-Munawwara - Urban Development and Architectural Heritage، بیروت، ۱۹۸۱، ص: ۳۰

(۸۲) اہل سنت والجماعت کے ایک گروہ کی یہ دلیل بڑی وزنی ہے کہ وہ پنج گوشہ عمارت جو کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مطہرہ کے گرد تعمیر کروائی تھی وہ بعد میں آنے والے دیگر مزارات کی پیش روتھی۔ اس سلسلے میں ہم اس روایت کی وضاحت کرنا چاہیں گے کہ جس کو بنیاد بنا کر قبہ جات کو گرایا گیا تھا اور قبور مطہرہ کو ہموار کر دیا گیا تھا۔ یہ روایت مشکوۃ شریف کے باب الدفن سے لی گئی ہے جس کے مطابق ابو ہیاج الاسدی نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ: [مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر مٹا دو اور نہ ہی کوئی اونچی قبر مگر اس کو برابر کر دو۔] اس حدیث مبارکہ کو صحیح سیاق وسباق میں دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب حضرت خالد بن الولیدؓ کو قدید میں ہبل کے بت کو توڑنے کے لیے بھیجا گیا اور انہوں نے بے دریغ تلوار کا استعمال اور قتال کیا اور وہاں کے لوگ سراپا احتجاج بن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو اس مہم پر روانہ فرمایا جس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ حکم بھی تھا مگر معترضین یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ مہم تو حجاز کے سب سے بڑے صنم کدے اور بت خانے اور اس میں واقع مشرکین کی قبور کے متعلق تھیں اور جن تصاویر کے ازالے کے لیے حکم ہوا وہ بھی مشرکانہ تھیں۔ ان کا اطلاق مسلم مشاہیر کی قبور پر کیسے مانا جا سکتا ہے۔ ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے!

(۸۴) ماضی قریب میں سعودی عرب کے چند مشاہیر نے تاریخ مدینہ طیبہ پر بہت کچھ لکھا ہے۔ بہت سوں نے تو پہلو تہی کی ہے۔ اگر چہ ان مورخوں نے تھوڑا بہت حوصلہ کر کے بقیع الغرقد کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھا ہے اور اس کی اہمیت امت مسلمہ کے لیے اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ سارا کچھ ملا کر بھی قابل قدر تفاصیل مہیا کرنے سے شرماتے ہیں۔ ان کے مایہ ناز مورخ عبد القدوس الانصاری نے بھی بقیع الغرقد کے بارے میں نہایت ہی عامیانہ قسم کی معلومات فراہم کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

(۸۵) المسعودی رقمطراز ہیں: ابا عبداللہ جعفر بن محمد بن علی بن الحسین ابن علی کرم اللہ وجہہ نے ۱۴۷ ہجری میں انتقال فرمایا اور البقیع میں اپنے والد اور دادا کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ان کی قبور طاہرہ پر پتھر کی ایک لوح نصب تھی جس پر مذکور تھا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سب تعریف اللہ کے لیے جو ہر زندہ چیز پیدا کرتا ہے اور پھر اسے موت کا ذائقہ چکھا دیتا ہے۔ یہ قبور: بنت رسول اللہ ﷺ سیدۃ النساء الفردوس سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اور ان کے فرزند حسن ابن علی علیہ السلام، اور علی ابن حسینؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ، اور حضرت محمد بن علیؓ اور حضرت جعفر بن محمدؒ کی ہیں''۔ مروج الذہب ومعادن الجواہر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، پہلا ایڈیشن، ج:۳، ص ۳۴۸۔ نیز دیکھئے سمہودی، ص: ۹۰۵۔ اس روایت سے قطعی طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اگر چہ اس وقت بقیع الغرقد میں قبہ جات نہ تھے مگر قبور پر لوحات سنگ نصب کرنے کا رواج عام ہو چکا تھا۔

(۸۶) شیخ احمد ابن عبد الحمید العباسی، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، ناشر اسعد درابزونی الحسینی، ۱۳۹۵۔ یہ کتاب مکتبۃ الحرم النبوی شریف میں بطور کتاب نمبر ۱۲۵۳۶

مورخہ ۱۵۔۷۔۱۴۱۵ ہجری کے درج ہے۔

(۸۷) دکتور السید الجمیلی، راس الحسین، یہ ایک ریسرچ کتابچہ ہے جو کہ الطبری اور ابن تیمیہ کی آرا پر مبنی ہے، ناشر دارالکتاب العربی، بیروت، پہلا ایڈیشن، ۱۹۸۵،ص: ۱۹۷

(۸۸) ایضاً، فاضل ڈاکٹر نے ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ، ج:۸،ص:۲۲۱ کا حوالہ دیا ہے (خط کشیدہ الفاظ ہمارے ہیں)۔

(۸۹) جعفر بن اسماعیل البرزنجی، مصدر مذکور، ص ۳۱۲

(۹۰) المسعودی، مصدر مذکور، ص ۳۸۵

(۹۱) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۴۲۷

(۹۲) محمد طاہر الکردی المکی نے ایک روایت زبیر بن بکار کے حوالے سے دی ہے. دیکھئے التاریخ القویم لمکۃ وابیت اللہ الکریم، ج:۶،ص ۳۷۴

(۹۳) ابن الجوزی (ت:۵۹۷ ہجری) ابواب ذکر مدینۃ الرسول، ناشر مرزوق علی ابراہیم، مدینہ منورہ، ص ۴۰۔

(۹۴) ابن شبہ، ج:۱،ص:۱۱۱

(۹۵) جعفر بن اسماعیل البرزنجی، مصدر مذکور، ص:۱۰۱

(۹۶) ابن شبہ، ج:۱،ص ۱۱۰. نیز مسعودی، ج:۳،ص ۳۴۸.

(۹۷) ایضاً ص ۱۰۵

(۹۸) ابن شبہ، ج:۱،ص ۱۰۶

(۹۹) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، صفحات: ۴۲۵۔۴۲۶

(۱۰۰) ایضاً ص ۴۲۶

(۱۰۱) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۹۰۵

(۱۰۲) ابن شبہ، ج:۱، صفحات: ۱۰۴۔۱۱۰

(۱۰۳) محمد الدین، ایڈیٹر، صوفی، سیرۃ فاطمہؓ، ۱۳۳۵ ہجری، ص ۲۰۴

(۱۰۴) ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو وصیت کی تھی کہ: [مجھے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ساتھ نہ دفنایا جائے، اس کے بجائے مجھے میری ساتھیوں کے ساتھ (زوجات الطاہرات الرسول اللہ ﷺ) کے ساتھ البقیع میں دفنادیا جائے کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میں ان سے کسی طور بہتر سمجھی جاؤں۔] صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۴۷۴

(۱۰۵) اولیا شلبی (ولادت: ۱۰۲۰ ہجری)، سیاحت نامہ (عربی ترجمہ از دکتور صفصفی المری بعنوان: الرحلۃ الحجازیہ)، ناشر دارالآفاق العربیہ، قاہرہ، ۱۹۹۰،ص: ۱۵۰

(۱۰۶) ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ جنت المعلاۃ مکۃ المکرمہ میں اور ام المومنین حضرت میمونہؓ السرف (مسجد تنعیم کے پاس تقریباً دو کیلومیٹر کے فاصلے پر) میں مدفون ہیں

(۱۰۷) ابن جبیر، ابی الحسین محمد بن احمد، مصدر مذکور، ص ۱۶۵

(۱۰۸) ابن سعد، ج:۳،ص ۳۹۷

(۱۰۹) ابن نجار مدینہ طیبہ کے پہلے مورخ ہیں جنہوں نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عقیل بن ابی طالبؓ بقیع الغرقد میں مدفون ہیں. لیکن پہلے کی ثقہ روائتیں اس کے برعکس ہیں کیونکہ ان کے مطابق ان کا مزار الشام میں ہے اور وہاں مرجع خلائق رہا ہے. البرزنجی، مصدر مذکور، ص ۳۱۴۔

(۱۱۰) ابن شبہ، ج:۱، صفحات: ۱۱۱۔۱۱۴

(۱۱۱) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱،ص ۴۲۶

(۱۱۲) اولیا شلبی، مصدر مذکور، ص ۱۴۹

(۱۱۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مطابق، پہلے کسی بھی مورخ نے کسی دور میں حضرت حلیمہ سعدیہ ؓ کی قبر مبارک کا کہیں ذکر نہیں کیا. ہوسکتا ہے کہ یہ اہل مدینہ طیبہ کی زبانی روایات کا حصہ ہو. ایسے اور بہت سے آثار ہیں جن کے متعلق کوئی مستند روایت تو نہیں ملتی مگر شروع سے ہی اہل مدینہ طیبہ کی روایات کے مطابق وہ مقامات یا تو آثار نبویہ شریفہ کے طور پر مشہور ہیں یا پھر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی حیات طیبہ سے متعلق بتائے جاتے رہے ہیں. یہی وجہ ہے کہ اکثر مورخین نے ایسے آثار کو درخور اعتناء نہیں سمجھا.

(۱۱۴) سمہودی، وفاء الوفاء، ص:۹۱۹

(۱۱۵) ابن ابی شیبہ، ابی بکر عبداللہ بن محمد، (ت:۲۳۵ ہجری) کتاب المغازی، دار الاشبیلیہ، الریاض، ۱۹۹۹، ص ۲۵۰

(۱۱۶) اس واقعہ میں ۱۲،۴۹۷ افراد یزیدی افواج کی سفاکانہ حرکتوں کی بھینٹ چڑھ گئے تھے جن میں ۷۰۰ تو حفاظ قرآن تھے اور ۷۰۰، ۱۱ اصحابی کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم میں سے علماء تھے. ایک مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزر رہے تھے تو آپ حضور ﷺ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے 'انا للہ وانا الیہ راجعون' پڑھا اور پھر فرمایا: [میرے اصحابہ کرام میں سے بہترین لوگ یہاں قتل کردیئے جائیں گے.] صادق مصدوق رسول مقبول ﷺ کی پیشین گوئی ۶۲ ہجری میں پوری ہوگئی جب کہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے ردعمل میں مدینہ طیبہ سراپا احتجاج بن گیا؛ ادھر مکۃ المکرمہ میں حضرت عبداللہ ابن زبیر ؓ نے بنوامیہ کے خلاف بغاوت کردی اور ادھر مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ ابن حنظلہ ؓ اور حضرت عبداللہ بن المطیع ؓ نے یزیدی بیعت کا طوق گلے سے اتار پھینکا. اس پر سیخ پا ہو کر یزید نے دس ہزار کا لشکر جرار مسرف بن عقبہ کی سرکردگی میں مدینہ طیبہ روانہ کیا. یزیدی افواج نے نہ صرف قتل عام کیا بلکہ مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھ کر اس کی بے حرمتی کی. یوں مسجد نبوی شریف کا تقدس ابنائے اسلام کے اپنی ہی ہاتھوں مجروح ہوا.

(۱۱۷) تاہم اسماعیلی حضرات اس نقطہ نظر سے اتفاق نہیں رکھتے. ان کی روایات کے مطابق امام اسماعیل ؒ دمشق میں مدفون ہیں، اور وہاں پر وہ ایک مزار کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور اس گھر کے کھنڈرات کا ذکر کرتے ہیں جہاں امام اسماعیل ؒ رہائش پذیر رہے تھے. ان کی روایات کے مطابق بقیع الغرقد کے قرب میں دفن ہونے والے عبداللہ بن جعفر الصادق ؒ تھے نہ کہ اسماعیل بن جعفر الصادق ؒ. اس سلسلے میں مزید تفاصیل ان کے ویب سائٹ <www.ismaili.net> پر دیکھی جاسکتی ہیں.

(۱۱۸) ابن نجار، ص:۲۳۳

(۱۱۹) ایضاً ص:۲۳۴

(۱۲۰) سمہودی، وفاء الوفاء، ص:۳۹۹

(۱۲۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مصدر مذکور، ص ۱۹۳

(۱۲۲) شیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، مصدر مذکور، ص:۱۸۶

(۱۲۳) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۴۲۰. نیز احمد یاسین الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، دار العلم، جدہ، ۱۹۹۳، ص ۶۴

(۱۲۴) ابراہیم العیاشی المدنی، مصدر مذکور، ص ۲۲۲.

(۱۲۵) ابن سعد، ج:۱، ص:۹۹. ابن کثیر (ت:۷۷۴ ہجری) نے البدایہ والنہایہ میں واقدی کو نقل کیا ہے: مکتبۃ المعارف، بیروت، ۱۹۸۱، جزء ۲، ص ۲۶۳

(۱۲۶) ابن سعد، ج:۱، ص:۱۱۶.

(۱۲۷) ابن شبہ، ج:۱، ص:۱۱۶

(۱۲۸) رسول اللہ ﷺ کو اس تلوار سے بہت پیار تھا اور جب آں حضرت ﷺ ہجرت پر مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو اس وقت وہ تلوار آپ کے ساتھ تھی.

(۱۲۹) ابن اسحاق، ص ۷۳

(۱۳۰) منقول از ابن کثیر، مصدر مذکور، جزء ۲، ص ۲۷۹

(۱۳۱) ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری)، صفۃ الصفوۃ، المکتبۃ التوفیقیہ، قاہرہ، ج:۱، ص:۴۱.

(۱۳۲) ابن سعد، ج:۱، ص ۱۱۶

(۱۳۳) ابن شبہ، ج:۱، ص ۱۱۷

(۱۳۴) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۲۱۳۰

(۱۳۵) ابن سعد، ج:۱، ص ۱۱۷

(۱۳۶) ایضاً

(۱۳۷) سمہودی، وفاء الوفاء، صفحات: ۱۰۱۶۔۱۰۱۷

(۱۳۸) ابن اسحاق، ص: ۲۸۱. نیز ابی عمرو خلیفہ بن خیاط بن ابی ھبیرہ اللیثی العصفری الملقب بہ "شباب" (ت: ۲۴۰ ہجری)، تاریخ الخلیفہ بن خیاط دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۵، ص: ۱۹

(۱۳۹) ابن اسحاق، صفحات: ۴۹۹-۵۰۶ (محققین کی رائے میں وَدّان کا قصبہ مدت مدید سے ختم ہو چکا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ گاؤں اس جگہ پر تھا جہاں موجودہ مستورہ آباد ہے، مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے. یہ مستورہ کے جنوب مشرق میں وسیع و عریض بادیہ میں واقع تھا جو کہ وہاں سے تقریباً بارہ کیلومیٹر کے فاصلے پر تھا جہاں اب قبیلہ بنی حرب کی ایک شاخ بنو محمد آباد ہے.)

(۱۴۰) فیروز آبادی (۷۲۹۔۸۱۷)، ص ۶

(۱۴۱) ایضاً ص ۹ (حاشیہ میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ الابواء ایک ایسا مقام ہے جو کہ مستورہ کے گاؤں کی شرقی جانب ایک بہت مشہور جگہ ہے).

(۱۴۲) امام شہاب الدین ابی عبداللہ یاقوت الحموی الرومی البغدادی (ت: ۶۲۶ ہجری)، معجم البلدان، دار احیاء التراث العربی، مؤسسۃ التاریخ العربی، بیروت، مجلد اول، ص: ۷۳
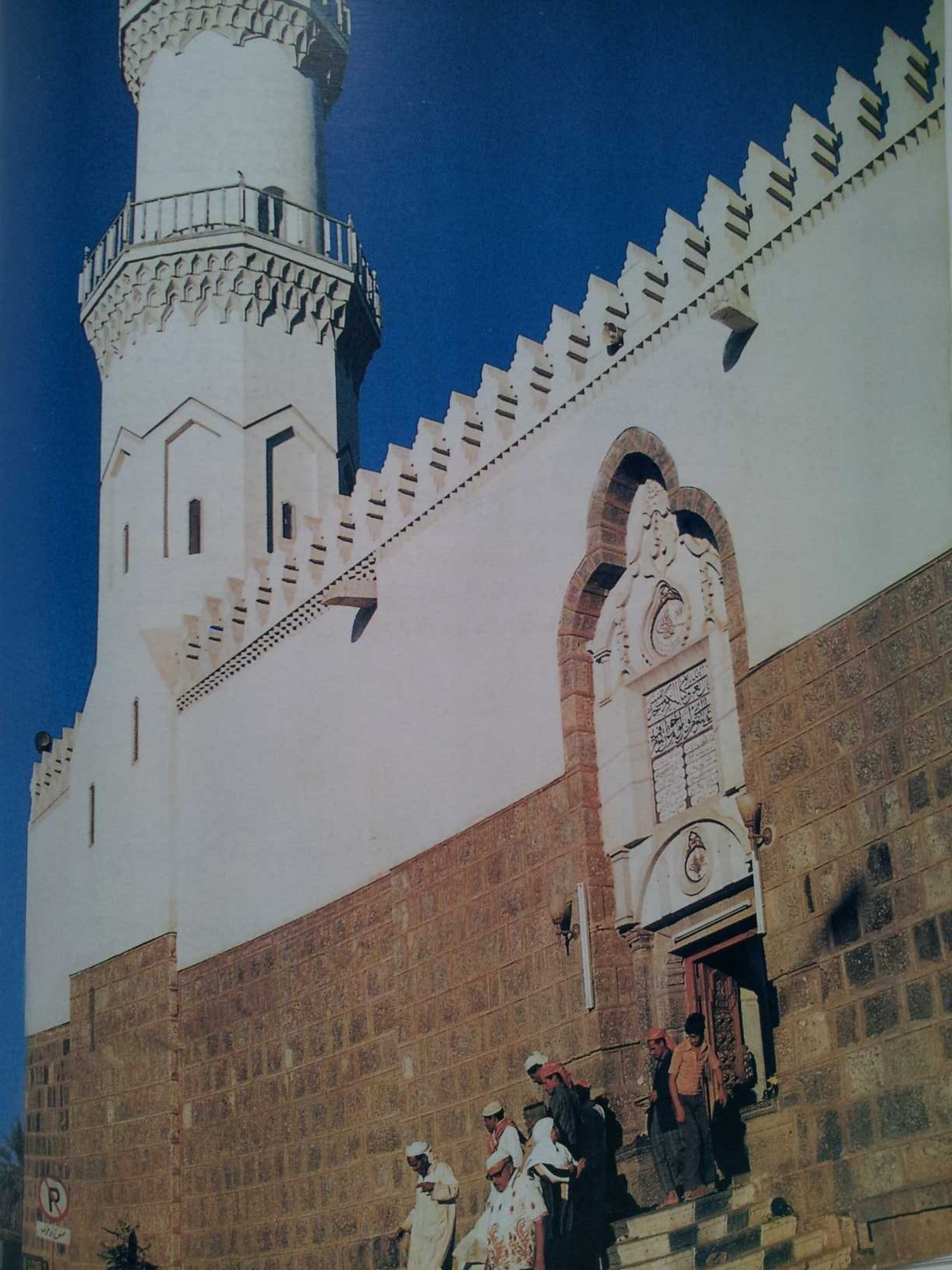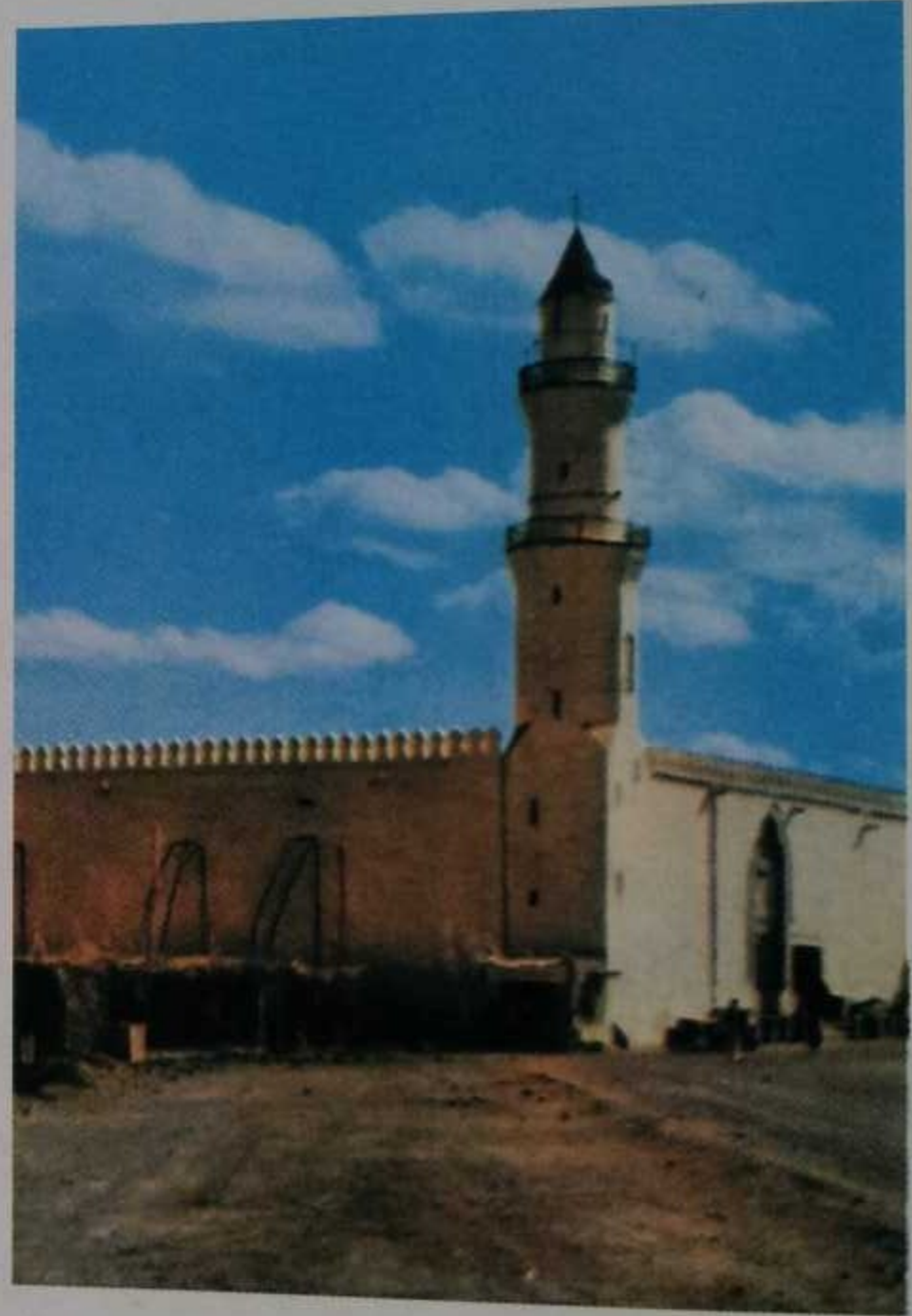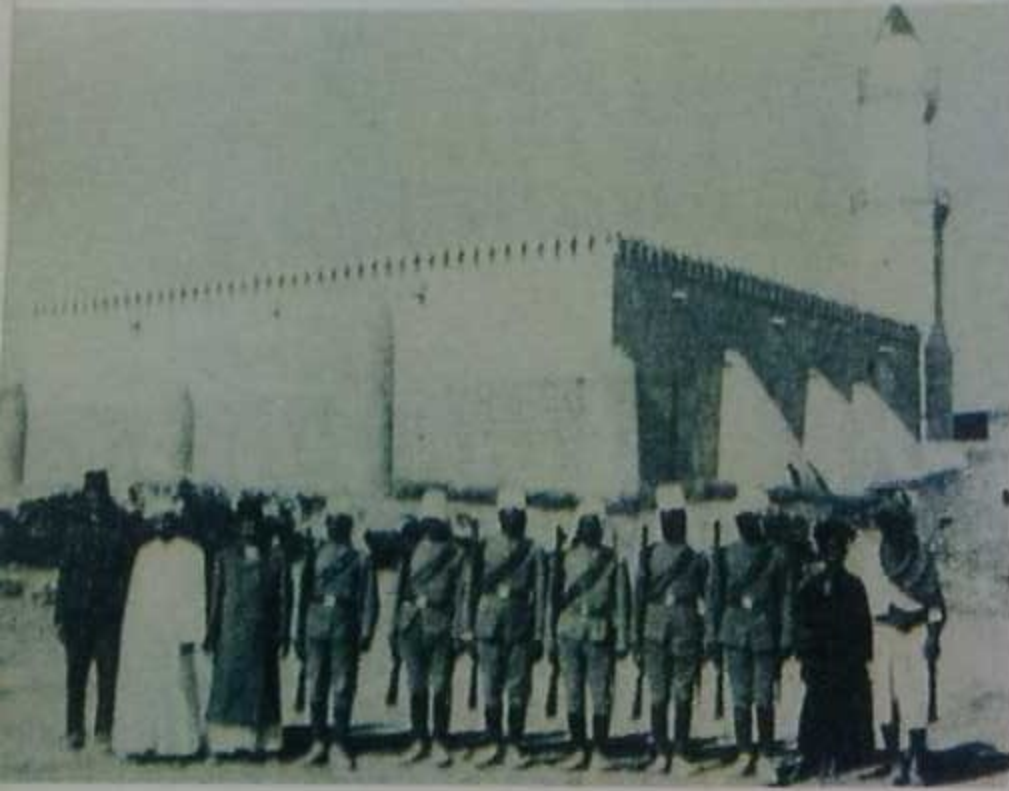
قباء - باب المدینہ

جو رسول اللہ ﷺ کا استقبال کر کے زندہ جاوید ہوگئی

"مجھے مسجد قباء میں دو رکعت ادا کر لینا دو بار بیت المقدس جانے سے زیادہ بھلا لگتا ہے۔
اگر لوگوں کو پتہ ہو کہ قباء میں کیا ہے، تو وہ اپنے اونٹوں کو پیٹ پیٹ کر وہاں جانے پر مجبور کر دیں گے۔"
(حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ)

قباء ایک مشہور قصبہ ہے جو کہ مدینہ طیبہ کے جنوب میں شہر سے تین کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے. ازمنہ قدیم سے ہی اسے باب المدینۃ المنورہ کہا جاتا ہے کیونکہ جنوب کی طرف سے آنے والوں کے لیے (بالخصوص مکۃ المکرّمہ کی جانب سے) مدینہ طیبہ سے پہلے قباء ہی آنے والوں کا استقبال کرتا تھا. شہر حبیب سے قدرے اونچی سطح زمین پر واقع یہ قصبہ طلوع اسلام کے بعد سے بہت ہی اہمیت کا حامل رہا ہے. حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [ہم عصر کی نماز مسجد نبوی میں ادا کرتے اور پھر جب کبھی قباء جایا کرتے تو وہاں ایسے وقت میں پہنچتے کہ سورج ابھی کافی بلند ہوتا تھا.] (۱) اس حدیث مبارکہ سے ہمیں اندازہ ہو جاتا ہے کہ مسجد نبوی شریف اور قباء میں فاصلہ اتنا تھا کہ پیدل چلنے والا انسان نماز ظہر اور عصر کے درمیان بڑی آسانی سے وہاں پہنچ سکتا تھا. آج کے شہر مدینہ طیبہ پر یہ بات شاید لاگو نہ ہو کیونکہ اب تو شہر ہی اتنا پھیل چکا ہے کہ قباء کا سیٹلائٹ ٹاؤن اور شہر عملی طور پر ایک ہی بن چکے ہیں؛ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قباء اب مدینہ طیبہ کی مضافات بن چکا ہے. البتہ مسجد نبوی شریف اور قباء کے درمیان فاصلہ ذرا زیادہ محسوس ہوتا ہے کیونکہ جدید سڑکوں کے جال نے ٹریفک کے راستے بنانے کیلئے سڑکوں کو گھما پھرا دیا ہے اور اس طرح یہ فاصلہ کچھ زیادہ ہی معلوم ہوتا ہے مگر سنت نبوی پر عمل پیراء ہونے والے عشاق آج بھی اسی راستے سے پیدل سفر کر لیتے ہیں جہاں حضور مصطفیٰ ﷺ کے قدمین شریفین لگا کرتے تھے.

وہ پگڈنڈی جو کہ رسول اللہ ﷺ کی گزرگاہ تھی، جہاں سے نہ جانے سید الانبیاء ﷺ کتنی بار پاپیادہ یا سواری پر اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے جلو میں گزرے ہوں گے آہستہ آہستہ وسیع ہوتی گئی اور طریق قباء کے نام سے مشہور و معروف ہوئی. قباء جانے کے لیے دیگر راستوں کے علاوہ آج بھی مشہور راستہ وہی ہے، جس کو مزید وسعت دے کر ایک کشادہ سڑک بنا دیا گئی ہے جو دراصل اب دو حصوں میں تقسیم ہے اس کے درمیان آبادی کی ایک پٹی حائل ہے: ان میں سے ایک قباء جانے کے لیے (قباء طالع) اور دوسری قباء سے واپسی (قباء نازل) کے لیے استعمال ہوتی ہے. یہ دونوں سڑکیں شارع فیصل پر پل کے نیچے سے ہوتی ہوئی مسجد نبوی شریف سے قباء کو ملاتی ہیں. دونوں سڑکوں کے دونوں طرف بلند و بالا عمارتیں ہیں جن کے نیچے بڑی بڑی دکانیں اور شوروم کھلے ہوئے ہیں جہاں زمانے بھر کا سامان بکتا ہے اور زندگی کی ضرورت کی ہر چیز دستیاب ہے. آج کے دور میں مکۃ المکرّمہ سے آنے والی طریق الہجرہ (ہجرہ ہائی وے) قباء کے پاس سے ایک طرف ہو کر گزرتی ہے. زمانہ قدیم میں تو اس شاہراہ تجارت پر ایک اہم پڑاؤ ہوا کرتا تھا مگر اب اس کی وہ اہمیت نہیں رہی. یثربی دور میں بنو سالم اور بنو عمر بن عوف کے بنو خزرج کے قبیلے وہاں رہا کرتے تھے. ان کے علاوہ یہودیوں کے بھی بہت سے گھر مختلف محلوں میں علیحدہ رہا کرتے تھے. بنو انیف کے لوگ جو کہ اپنا تعلق بنو عمالقہ سے جوڑا کرتے تھے وہ بھی وہیں آباد تھے. ساکنین قباء میں سے جو لوگ صاحب حیثیت تھے وہ اس وقت بھی اپنے اطام (حصار اور حویلیاں) بنا کر رہا کرتے تھے. قباء کی آبادی زیادہ تر کاشتکاری کیا کرتی تھی اور کچے مکانوں میں رہتی تھی. بھیڑ بکریاں اور اونٹ پالنا بھی ان کا محبوب مشغلہ تھا.

مسجد قباء اسلام کی پہلی مسجد
۱۳۲۶ ہجری
حفاظت پر مامور ترک فوجی

قباء کے اردگرد کا علاقہ حرہ شوران کے ساتھ بھی لگتا تھا جو زیادہ تر لاوا سے اٹے ہوئے چٹیل میدانوں پر مشتمل تھا جسے اہل قباء چراگاہوں کے طور پر استعمال کرتے تھے. قباء میں سطح آب سطح زمین سے زیادہ دور نہیں تھی اس لیے وہاں گھریلو اور زراعتی مقاصد کے لیے کافی تعداد میں کنویں کھودے گئے تھے جن سے کھیتوں کی آبیاری کی جاتی تھی. یہی وجہ تھی کہ یہاں کھجور کے باغات اور زراعت کی بہتات تھی. آج کے مدینہ طیبہ میں جب ہم مدینہ شہر اور قباء کا موازنہ کرتے ہیں تو قباء میں تاریخی کنوؤں کی تعداد نسبتاً زیادہ نظر آتی ہے. اس کی زمین آج بھی زرخیز ہے اور سونا اگلتی ہے. جگہ جگہ گھنے کھجوروں کے باغات نظر آتے ہیں. اور حقیقت یہ ہے کہ

مسجد قباء
۱۳۳۰ ہجری

مدینہ طیبہ کے مشہور ترین باغات صرف قباء ہی میں ہیں. مدینہ طیبہ کا قدیم ترین باغ ''الجزع'' بھی قباء میں ہے جہاں قسم قسم کی کھجوروں کے علاوہ، انگور اور انار بھی ہوتے ہیں اور یہ باغ صدیوں سے اہل مدینہ طیبہ کو ثمر ہائے گونا گوں مہیا کرتا آیا ہے. اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں ایک ایسا کھجور کا درخت بھی ہے جو کہ پچھلے پانچ سو سالوں سے پھل دیتا آرہا ہے. (۲) باغ حضرت سلمان فارسیؓ کے اجڑنے کے بعد اور مدینہ طیبہ میں عمرانی ترقی کی وجہ سے بہت سارے باغوں کے معدوم ہو جانے سے ''العجوہ'' کھجور اب زیادہ تر قباء کے باغات سے آتی ہے جو کہ دیگر علاقوں کی عجوہ سے بدرجہا بہتر ہے. (۳) اس کے علاوہ یہاں تربوز، کھیرے اور ٹماٹر بہت ہوتے ہیں جو کہ کھجوروں کے باغات میں ان کے درختوں کے درمیان واقع کیاریوں میں بوئے جاتے ہیں. یہاں ہلکے رنگ کا گلاب بھی بکثرت ہوتا ہے. جس کی خوشبو مدنی ماحول میں اور بھی بہت ہی بھینی بھینی معلوم ہوتی ہے.

یہ قصبہ جو کہ کبھی چھوٹا سا ہوا کرتا تھا اب بہت وسیع ہو چکا ہے، لیکن اس کی آبادی آج بھی چند ہزار نفوس سے زیادہ نہیں. زمانہ قدیم میں یہ زیادہ تر لاوے سے بنے حرے کی ناہموار زمین پر مشتمل تھا، مگر اب ترقی کے اس جدید دور میں یہاں سڑکوں کا جال بچھ چکا ہے اور سطح زمین کافی حد تک ہموار ہو چکی ہے، لیکن اب بھی اگر اس کی قدیم آبادیوں میں جایا جائے تو نشیب و فراز واضح طور پر نظر آجاتے ہیں. قدیم زمانے میں انہی نشیب و فراز کے درمیان سے ندی نالے نکلتے تھے جو کہ وادیوں کی شکل اختیار کر لیتے تھے. دور حاضر میں بھی اگر ایک باغ بلند سطح پر ہے تو دوسرا کافی ڈھلوان میں نظر آتا ہے. یہاں مدینہ طیبہ کی طرح عمرانی ترقی کی آمد کافی دیر سے شروع ہوئی ہے اور جوں جوں مدینہ طیبہ کی گھنی آبادی کے علاقے مسجد نبوی کے توسیعی منصوبوں کی نذر ہوتے رہے، وہاں سے بے گھر ہونے والے کثیر تعداد میں یہاں آبسے ہیں، جس کی وجہ سے ترقی کی رفتار کافی حد تک تیز ہو گئی ہے. قباء ایک ایسا تاریخی قصبہ ہے جس کی اہمیت صدیوں سے مسلم ہے اور بیرونی ممالک سے آنے والے زائرین اس میں واقع تاریخی مقامات کی زیارت کے لیے جوق در جوق قباء کا رخ کرتے ہیں. جب سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اسے نوازا، قباء کی قسمت بدل گئی اور سرکار دو عالم ﷺ کے آثار مبارکہ کے علاوہ قباء اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد میں آثار کی بھی امین ہے. رسول اللہ ﷺ اس قصبے سے بہت پیار فرماتے تھے اور یہاں بسنے والوں سے ملنے جلنے کے لیے اکثر اوقات قباء تشریف لے جایا کرتے تھے. ایسی احادیث کا شمار کرنا مشکل ہے جس میں قباء کا ذکر خیر ہے.

گمنامی کے گوشوں سے نکل کر شہرت کے آسمان پر چکا چوند کرنے والا یہ ماہ قباء اس وقت طلوع ہوا جب اس نے اپنے دیدہ و دل سید الانبیاء سرور دو عالم ﷺ اور آپ کے یار غار حضرت ابوبکر صدیق ؓ (۴) کے لیے فرش راہ کر دیئے اور ۱۲ ربیع الاول (۲۷ ستمبر ۶۲۲ء) کو پیر کی صبح کو اس کی دھرتی پر انوار الٰہیہ کی ایسی بارش ہوئی کہ اس کے ایک ایک زرے سے وادی سینا بھی رشک کرنے لگ گئی. جب مہاجرین کے بے خانماں قافلے قباء کے سینے پر اپنے خیمے گاڑے ہوئے تھے اس دھرتی کے ایک سپوت حضرت کلثوم بن الہدم ؓ اپنے آنگن میں سرور کائنات فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التسلیم کا حق مہمان داری ادا کر رہے تھے. (۶) آپ نے ان کے ہاں چار دن قیام فرمایا (۷) جب کہ سیدنا ابوبکر ؓ حضرت خبیب بن اساف ؓ کے ہاں ٹھہرے جن کا تعلق بنی حارث سے تھا جو کہ بنو خزرج کی ایک شاخ تھی. (۸) رسول اللہ ﷺ قباء میں اپنے قیام کے دوران اہالیان قباء کے ہاں اکثر چلے جایا کرتے تھے. شیر خدا علی المرتضیٰ ؓ بھی جن کو مکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹانے کا فریضہ سونپا گیا تھا اپنے فریضے سے فارغ ہونے کے بعد مکہ مکرمہ سے پاپیادہ چلتے ہوئے آبلہ پا ہو کر اپنے قافلہ سالار اور میر امم سید العرب والعجم ﷺ سے تین دن بعد (یعنی ۱۵ ربیع الاول) آملے تھے. انہوں نے بھی قباء میں حضرت کلثوم بن ہدم ؓ کے ہاں قیام فرمایا. (۹) حضور نبی اکرم ﷺ ابھی قباء میں ہی قیام فرما تھے کہ حضرت سلمان فارسی ؓ دوبار آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے. حق کا یہ متلاشی بکتا بکاتا اور راہ عشق کی صعوبتیں برداشت کرتا نہ جانے کئی سالوں سے انتظار کی گھڑیاں گن گن کر گزار رہا تھا. جونہی انہیں خبر ہوئی کہ رسالت پناہ ﷺ کا مہتاب عالم تاب ارض قباء کو اپنی لازوال کرنوں سے منور و تاباں کر رہا ہے تو وہ آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور ان دو حاضریوں میں انہوں نے تین میں سے دو نشانیاں صحیح پائیں (تیسری نشانی کی تصدیق انہوں نے مدینہ طیبہ میں جا کر کی تھی). جوں جوں آپ حضور ﷺ کا قیام قباء میں طول پکڑتا جا رہا تھا، اہل مدینہ بے چین و مضطرب ہوئے جا رہے تھے. چار دنوں کے قیام میں حضور سرور دو عالم ﷺ نے قباء کو وہ انمول تحفہ دیا کہ اس کے سینے پر بننے والی مسجد قباء عمرے کی حد تک کعبۃ اللہ کو بھی اپنے پیچھے چھوڑ گئی. کعبہ کے گرد تو عمرے کے لیے سارے واجبات ادا کرنے سے عمرے کا ثواب ملتا ہے، مگر مسجد قباء کو یہ فخر عظیم حاصل ہو گیا کہ وہ نہ صرف عالم اسلام کی پہلی مسجد ہے جس کی تعمیر کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے گارا اور پتھر ڈھوئے اور چنے تھے، بلکہ اس کے مقام کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں صرف دو رکعت نماز ادا کرنا ہی عمرے کا ثواب دے دیتا ہے.

قباء میں چار دن قیام فرمانے کے بعد قافلہ سالار امت محمدیہ ﷺ نے اپنی اصلی منزل کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا علی الصبح روانگی ہوئی اور اپنے جانبازوں کے جلو میں رسول اللہ ﷺ نے پہلا پڑاؤ قبیلہ بنی سالم بن عوف کی آبادی میں وادی رانونا کے کنارے کیا. (۱۰) کیا نظارے تھے جو ارض قباء نے نہیں دیکھے اور کیا برکتیں تھیں جو اس چھوٹے سے قصبے نے اپنے دامن میں نہ سمیٹی ہوں گی! بنی سالم میں ہی آپ حضور ﷺ نے نماز جمعہ ادا کی. (۱۱) مسجد جمعہ اسی واقعہ کی یادگار ہے. (۱۲) بنو نجار (جو کہ رشتہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب ؓ کے ننھیال تھے) کی ننھی منی بچیاں دف بجا بجا کر تاجدار حرم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے لیے ترحیبی نغمات گا رہی تھیں. وہ مقام بھی مسجد جمعہ کے سامنے ہی تھا جہاں بعد میں مسجد بنات النجار بن گئی (بدقسمتی سے وہ مسجد اب ناپید ہے اور اس کی جگہ وہاں اہل محلّہ کی گاڑیاں پارک ہوتی ہیں). وہاں سے یہ قافلہ ایک جلوس کی شکل میں مدینہ طیبہ لے جایا گیا جس میں خصوصی گارڈ آف آنر کا انتظام اوس و خزرج کے قبائل نے کیا تھا. ارض قباء پر جہاں جہاں سرور کائنات ﷺ نے اپنی جبین طاہر رکھی وہاں وہاں پر ایک مسجد تعمیر ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ اس کی دھرتی پر مدینہ طیبہ کے دوسرے علاقوں کی نسبت آثار نبویہ کی تعداد بہت زیادہ ہے.

مسجد قباء کا فضائی منظر
۱۹۸۰ء
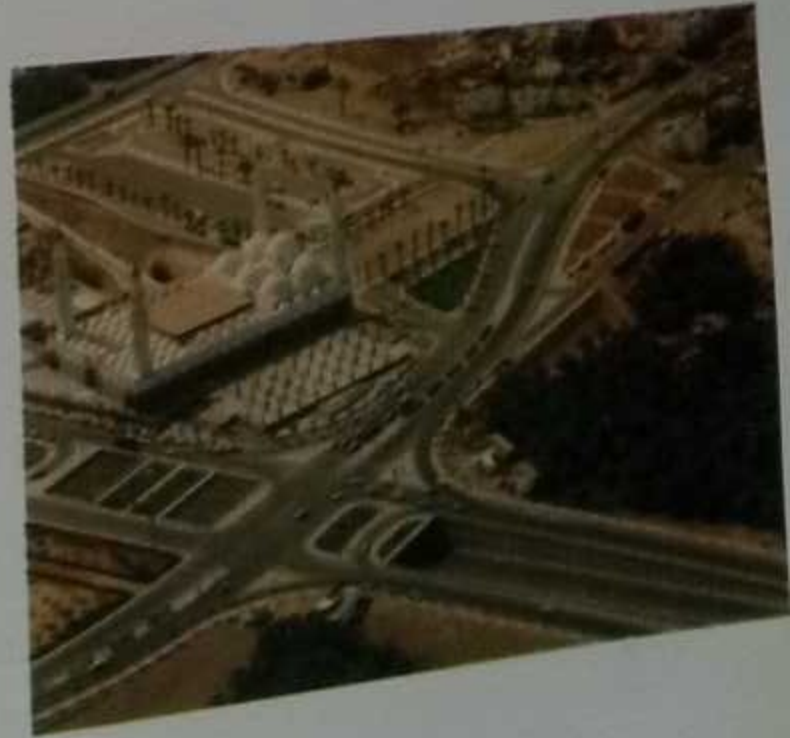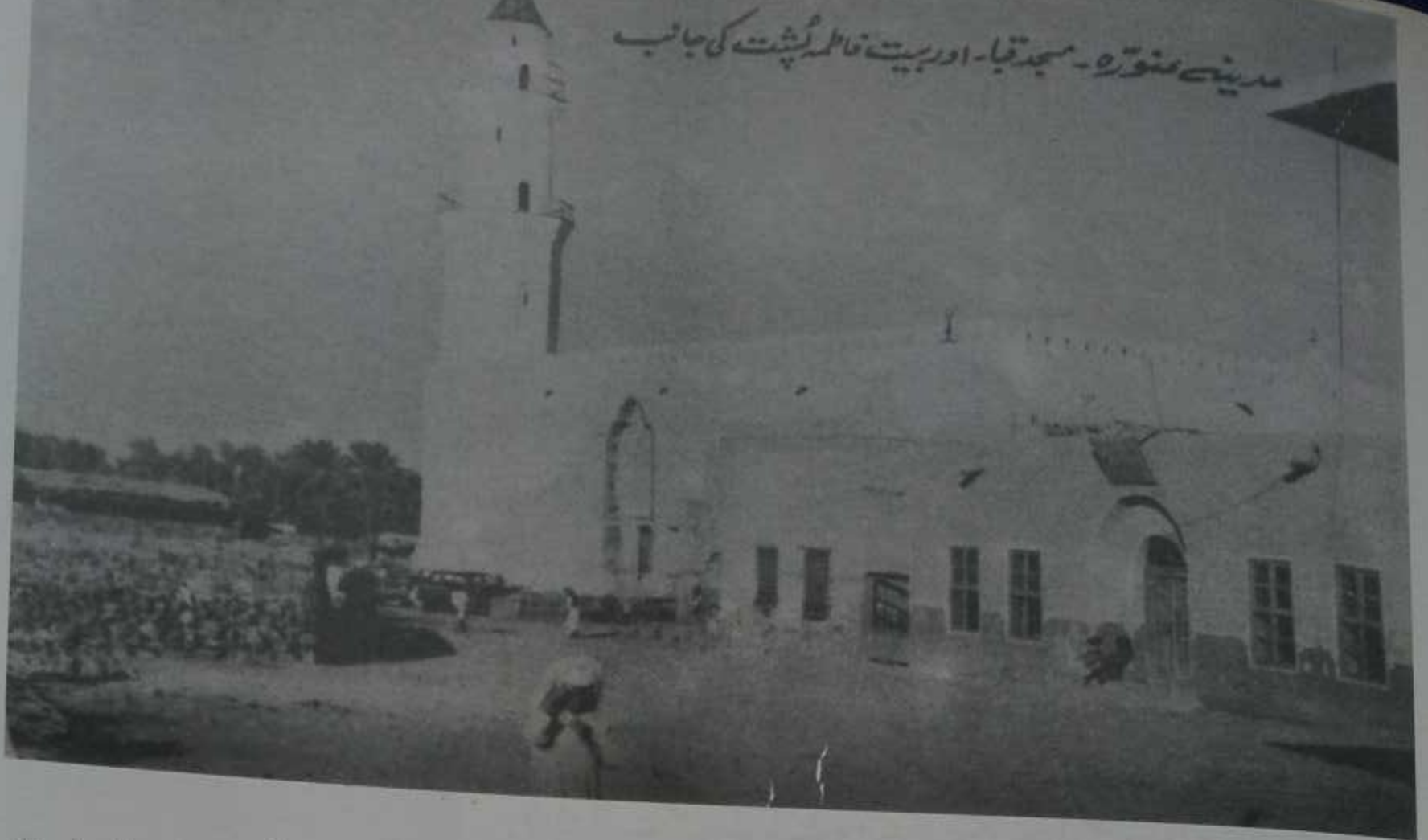
مسجد قباء - اور پشت کی جانب بیت فاطمۃ الزہرہ سلام اللہ علیہا کی ایک نایاب تصویر

ہجرت مبارکہ کے چھ یا سات ماہ بعد (جس عرصہ میں آں حضور ﷺ حضرت ابوایوب الانصاریؓ کے ہاں مقیم رہے) رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن الحارثہؓ کو مکہ مکرمہ روانہ کیا تا کہ آپ حضور ﷺ کے اہل خانہ کو مدینہ طیبہ لایا جا سکے۔ اس وقت تک مسجد نبوی شریف کے ساتھ ساتھ حضرت نبی اکرم ﷺ کے دو حجرات مبارکہ بھی تیار ہو چکے تھے۔ مکہ مکرمہ سے تشریف آوری پر آپ حضور ﷺ کے اہل خانہ بھی پہلے قباء میں حضرت کلثوم ابن ہدمؓ کے ہاں مہمان رہے۔ ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اہل خانہ بھی تھے۔ پھر جب سیدۃ اسماء بنت ابی بکرؓ جو کہ اس وقت حاملہ تھیں تشریف لائیں تو وہ بھی قباء میں ہی ٹھہریں اور اسی اثناء میں ان کے ہاں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی ولادت ہوئی، جو کہ مہاجرین میں سے سب سے پہلے بچے تھے جن کی پیدائش ہجرت کے بعد ہوئی تھی۔ (۱۴) یوں ارض قباء کو ایک اور فخر کا مقام مل گیا: ہجرت مبارکہ کے بعد مہاجرین کے ہاں پہلے بچے کی ولادت بھی ارض قباء پر ہی ہوئی۔

قباء میں تاریخی مقامات

ہجرت مبارکہ کے بعد بے گھر مہاجرین جن کے پاس رہنے کا کوئی انتظام نہیں تھا وہ مسجد نبوی شریف کے ایک کونے میں ایک چبوترے (یعنی 'الصفہ' یا 'الظلہ') پر قیام کرتے تھے۔ بعد میں جب مزید مہاجرین آ گئے تو صفہ کا مقام بھی تنگ پڑ گیا لہٰذا ان کے قیام کے لیے قباء میں عارضی انتظامات کیے گئے۔ اس علاقہ کو 'حی المہاجرین' اور بعد میں اسے 'حوش المہاجرین اور العرفات' بھی کہا جاتا تھا۔ ابن جبیر جس نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی، وہ اس آبادی کے متعلق لکھتے ہیں:

''قصبے (قباء) کے آخر پر ایک اونچی سی جگہ یا ٹیلہ نما مقام ہے جسے العرفات کہا جاتا ہے۔ اس پر 'دار الصفہ' واقع ہے جہاں حضرت عمار ابن یاسرؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ نے قیام فرمایا تھا۔ اصحاب صفہ میں سے بہت سے دوسرے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی وہیں ٹھہرے تھے۔ اس ٹیلے کو 'العرفات' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسی جگہ رسول اللہ ﷺ یوم عرفات کو ٹھہرے تھے (جب کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حج کے لیے تشریف لے گئے تھے) اور معجزے کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام کو میدان عرفات کا جلوہ دکھایا تھا جہاں ان کے دیگر ساتھی فریضہ حج کے دوران وقوف عرفات کر رہے تھے۔ قباء میں تاریخی مقامات کی تعداد اور ان کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔'' (۱۵)

اس مقام پر ایک خوبصورت مسجد ہوا کرتی تھی جس کو مسجد عرفات کہا جاتا تھا جسے مسمار کر دیا گیا ہے اور وہ مسجد اور اس کا محل وقوع اہل قباء کی نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں (لیکن دل سے اوجھل نہیں ہوئی)۔ اسی طرح اس بستی کی باقیات بھی ویران کر دی گئی ہیں۔ تاہم اس کی کچھ باقیات جہاں اصحاب الصفہ (مثلاً حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ) نے عارضی طور پر قیام فرمایا تھا، ابھی بھی بقید حیات ہیں مگر انتہائی

خستہ اور نا گفتہ بہہ حالت میں ہیں۔ اس کے علاوہ قباء میں ایک اور تاریخی مقام قباء کا قدیم قلعہ ہے۔ جس کی عمارت سے اس کی عظمت رفتہ کی جھلک اب بھی نظر آتی ہے۔

تقریباً نو صدیاں پہلے ۵۸۰ ہجری میں جب ابن جبیر نے قباء کی زیارت کی، وہ اس میں واقع تاریخی مقامات کے متعلق لکھتے ہیں:

"مسجد قباء کے قبلہ کی جانب حضرت ابو ایوب الانصاریؓ کا گھر ہے اور اس گھر کے احاطے میں مغربی جانب ایک کنواں ہے۔ جس کے پاس ہی ایک چوڑا پتھر پڑا ہے۔ جس پر لوگ وضو کرتے ہیں اور پھر دار بنی النجار کے بعد دار عائشہؓ ہے۔ جس کے سامنے دار عمرؓ، دار فاطمہؓ اور دار ابو بکرؓ ہے۔ جس کے سامنے بیر اریس ہے۔ جس کا پانی نمکین ہوا کرتا تھا مگر جونہی اس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا اس کا کھارا پانی میٹھا اور پینے کے قابل ہوگیا اور اسی کنویں میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ سے انگوٹھی گر گئی تھی۔" (۱۶)

جب سیدنا علی ابن ابی طالبؓ نے سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراءؓ سے شادی کی تو انہوں نے مسجد قباء سے متصل ایک گھر لے لیا اور اہل بیت طاہرہ کے یہ سرخیل چھ ماہ تک وہیں مقیم رہے۔ ابراہیم رفعت پاشا کے بیان کے مطابق، مسجد قباء کی مغربی جانب ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جو کہ اس گھر کی جگہ تھی جہاں سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اپنے ہاتھوں سے اس چکی میں جَو پیسا کرتی تھیں جو حضور سرور دو عالم ﷺ نے انہیں جہیز کے طور پر دی تھی۔ (۱۷) ان کے علاوہ اور بھی بہت سے تاریخی مقامات تھے جو کہ قباء میں تھے، مثلاً بیر غرس، بیر اریس وغیرہ جن میں سے چند تو ابھی تک بقید حیات ہیں (اگرچہ لوگوں کو ان کے استعمال سے منع کرنے کے لیے انہیں بند کر دیا گیا ہے) جب کہ باقی کے آثار اور مقامات ترقی کی اندھی دوڑ میں بلڈوزروں سے روندے جا چکے ہیں۔

مسجد قباء کا قدیم منبر

اہم تاریخی مقامات مثلاً دار حضرت کلثوم بن الہدمؓ، دار سعد بن الخیثمہ (جہاں رسول اللہ ﷺ نے بوقت ہجرت قیام فرمایا تھا)، مسجد سیدۃ فاطمہ زہراءؓ اور بیر اریس وغیرہ سب مسجد قباء کے توسیعی منصوبے کی آڑ میں منہدم کر دیئے گئے تھے (حالانکہ یہ تمام مقامات مسجد قباء کی قبلہ کی جانب واقع تھے جس طرف مسجد شریف بڑھائی نہیں گئی)۔ ان میں صرف چند ایسے ہیں جو کہ مسجد قباء میں آ گئے، مگر باقیوں کی جگہ پارکنگ گراؤنڈ بنا دیئے گئے ہیں۔ جہاں تک بیر اریس کا تعلق ہے وہ بیچارہ سڑک اور درختوں کے جھنڈ کے نیچے دفن کر دیا گیا ہے۔

ان دنوں جب قباء، العوالی اور قربان تقریباً تقریباً پھیل کر ایک ہی آبادی بن چکے ہیں۔ وہاں چند بچے کھچے آثار اور تاریخی مقامات کے نشانات اب بھی موجود ہیں جن میں مسجد جمعہ، مسجد شمس، مسجد مصبح، بیر غرس، بستان حضرت سلمان فارسیؓ (مولف کی مدینہ طیبہ میں ۲۰۰۲ء کے اواخر میں حاضری پر معلوم ہوا کی وہاں درختوں کی باقیات کا بھی صفایہ کر دیا گیا ہے)، بستان حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ہے)، بیر العہن (عام زائرین کی نظروں سے اوجھل انتہائی بے اعتنائی کا شکار ہے)، مشربہ ام ابراہیمؓ، مسجد الفضیخ (یہ مسجد اگست ۲۰۰۲ء میں گرادی گئی تھی)، بستی مہاجرین اور یہودیوں کی چند قدیم بستیاں وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام بچے کھچے مقامات کی تفاصیل اپنے متعلقہ ابواب میں دی گئی ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، مسجد قباء کے قریب ہی قبلہ کی جانب وہ تمام تاریخی مقامات ہوا کرتے تھے جو حیات

مسجد قباء کی ایک نایاب تصویر
بیسویں صدی کے شروع میں

رسول مقبول ﷺ سے کسی طور منسلک رہے تھے: مثلاً دار سعد بن الخیثمہؓ اور دار کلثوم بن الہدمؓ (جہاں سرور دو عالم ﷺ نے ہجرت پر قیام فرمایا تھا). پاس ہی بیر اریس (بیر خاتم) ہوا کرتا تھا قبلہ ہی کی جانب دو چھوٹی چھوٹی مساجد بھی ہوا کرتی تھیں جن میں سے ایک مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ تھی جو اس مقام پر تعمیر کی گئی تھی جہاں وہ گھر ہوا کرتا تھا جو کہ شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سیدۃ النساء سیدۃ فاطمہؓ سے شادی کے بعد لیا تھا اور جہاں پر دونوں نے چھ ماہ تک قیام فرمایا تھا. ساتھ ہی ایک اور چھوٹی سی مسجد بھی ہوا کرتی تھی جو کہ مسجد شمس کے نام سے مشہور تھی. مسجد قباء کے توسیعی منصوبے کی وجہ سے وہ تمام جگہ صاف کر دی گئی تھی. اب نہ تو وہاں مسجد ہے اور نہ ہی وہ تاریخی مکانات. پہلے تو اس جگہ کو خالی پلاٹ کی صورت میں کھلا چھوڑ دیا گیا تھا مگر اب ۲۰۰۲ء کے اواخر میں وہاں ایک شاپنگ سنٹر زیر تعمیر ہے. ان مکانات کی جگہ پر حال ہی میں کھجوروں کی ایک منڈی قائم کر دی گئی ہے. صرف تاریخ کے جھروکوں سے ماضی میں جھانکنے کے لیے ہم یہاں ابراہیم رفعت پاشا کی ۱۹۰۲ء میں لی گئی مسجد فاطمۃ الزہراء اور مسجد شمس کی تصویر دے رہے ہیں.

مسجد قباء

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ورود مسعود کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا وہ اس گاؤں میں ایک مسجد کی تعمیر تھی جسے عالم اسلام کی پہلی مسجد ہونے کا فخر حاصل ہے. جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھی تھی. اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ فرزندان توحید نے رسول اللہ ﷺ کی امامت میں پوری آزادی کے ساتھ نماز ادا کی تھی. حضرت سعد بن الخیثمہؓ ان بارہ انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل تھے جنہوں نے بیعت عقبہ ثانی میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی. انہوں نے بیعت عقبہ سے واپسی پر اپنے گھر کے پاس ایک احاطے میں نماز پڑھنے کا بندوبست کیا تھا. یہ زمین ایک عورت کی ملکیت تھی جس کا نام 'لیہ' تھا جہاں وہ اپنے بار بردار جانور باندھا کرتی تھی. (۱۸) حضرت سعد بن الخیثمہؓ نے وہ زمین لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی تا کہ اس پر مسجد تعمیر کی جا سکے. اس کے احاطے میں ایک کنواں ہوا کرتا تھا جس کا نام 'بیر قباء' تھا. (۱۹) اسی نسبت سے اس مسجد کو مسجد قباء کہا جانے لگا.

قباء کی بستی میں
مسجد فاطمہ الزہرہؓ
اور مسجد شمس کی ایک
نایاب تصویر

الطبرانی میں حضرت جابر بن سمرۃؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کہا کہ وہ آپ کی ناقہ 'قصویٰ' پر بیٹھ کر اس جگہ کا چکر لگائیں. سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ناقہ رسول پر بیٹھنے کی کوشش کی مگر وہ چھلانگ لگا کر کھڑی ہو گئی اور ان کو اپنے اوپر بیٹھنے نہ دیا. پھر حضرت عمر فاروقؓ نے کوشش کی، مگر اس بار بھی اس نے ایسا ہی کیا. اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [کیا تم میں سے کوئی اور ہے جو اس پر سوار ہونے کی کوشش کرے گا؟] اس پر حضرت علی المرتضیٰؓ کھڑے ہوئے اور قسمت آزمائی کی کوشش کی. سب دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ قصویٰ بڑے آرام سے بیٹھی رہی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ آسانی سے اس پر سوار ہو گئے. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دو اور جہاں جہاں یہ چکر لگائے اس پر نشان لگا دیا جائے اور پھر انہیں نشانات کی حدود پر مسجد تعمیر کر دی جائے، اس لیے کہ یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے.] (۲۰) اس طریقے سے مسجد قباء کی حدود تعین کی گئی. احاطہ مسجد کے اندر ہی ناقہ رسول ﷺ قصویٰ - کے باندھنے کے لیے جگہ مختص کر دی گئی.

جب زمین کی تحدید ہو چکی تو ارشاد رسالت مآب ﷺ ہوا: [اے اہل قباء آؤ مجھے حرہ سے پتھر لا کر دو. یوں جب بہت سے پتھر جمع ہو چکے تو ایک پتھر کو اپنے دست مبارک سے اٹھا کر خشت اول کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھ دی.] (خیاری، ص: ۵۲) دیگر روایات کے مطابق حضرت ابن ابی الخیثمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شمالی جانب سنگ بنیاد رکھا، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باری باری پتھر رکھے، اور پھر ان کے بعد باقی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پتھر رکھے. (۲۱) رسول اللہ ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شانہ بشانہ کام کرتے اور تعمیر کے لیے پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے. (۲۲) الطبرانی کی ایک اور روایت کے مطابق مشہور صحابیہ سیدۃ شموس بنت نعمان رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد تعمیر کرتے ہوئے دیکھا. آپ حضور ﷺ پتھر اور اینٹیں اپنی کمر پر لاد لیتے یہاں تک کہ آپ کی کمر مبارک جھک جاتی. آپ کے کپڑے اور چہرے مبارک پر مٹی کے آثار نمایاں ہو جاتے. جب بھی کوئی اصحابی آپ حضور ﷺ کی کمر مبارک سے کوئی پتھر اٹھانے کی کوشش کرتا تا کہ آپ حضور ﷺ پر بوجھ کم ہو جائے تو آپ اسے منع فرما دیتے اور فرماتے کہ وہ جا کر آپ کی طرح دوسرے پتھر اٹھا کر لے آئیں. (۲۳) حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کام کرتے وقت مدحیہ کلمات پڑھتے. مندرجہ ذیل اشعار سے آپ کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت اور وابستگی جھلکتی ہے. جس نے ان کے نام گرامی کو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے امر کر دیا ہے:

کامیاب و کامران ہے وہ جو مسجد کی تعمیر کرتے ہیں
اور کھڑے اور بیٹھے تلاوت قرآن کریم کرتے ہیں
اور اپنی راتیں رب ذوالجلال کی عبادت میں گزارتے ہیں.

جواب میں رسول اللہ ﷺ بھی تعریفی اشعار پڑھتے تھے.

رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے تعمیر ہونے والی مسجد قباء نہایت ہی سادہ سی عمارت تھی جس کی دیواریں پتھروں سے اور کھجور کے پتوں اور ٹہنیوں کو گارے میں ملا کر بنائی گئی تھیں. اس کے شہتیر کھجور کے تنوں سے بنائے گئے تھے. سترہ ماہ بعد جب تحویل قبلہ کا حکم آ گیا تو مسجد قباء کا قبلہ بھی کعبۃ المشرفہ کی طرف کر دیا گیا. حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: [ہم مسجد قباء میں نماز پڑھ رہے تھے جب کسی نے آ کر اعلان کیا کہ تحویل کعبہ کا حکم نازل ہوا ہے اور اس کے مطابق ہم سب نے اپنے رخ نماز کی حالت میں کعبۃ المشرفہ کی جانب موڑ لیے.] جب رسول اللہ ﷺ قباء سے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ اس مسجد میں امامت کروایا کرتے تھے. ان کے بعد حضرت سالم رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے امامت کروایا کرتے تھے اور اصحابہ کبار میں سے (حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ) جو بھی وہاں آتے انہیں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے. (۲۵) صحیح بخاری کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

مسجد قباء کے صدر دروازے کے اوپر نامور ترک خطاط استاد مصطفیٰ عزت رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا کتبہ

مسجد قباء شریف کا جدید تعمیر کے بعد اندرونی منظر

عہد مملوک میں تعمیر ہونے والی محراب اور ممبر کی ایک نایاب تصویر، یہ جگہ عہد رسالت ﷺ سے چلی آ رہی تھی مگر مسجد کی موجودہ جدید تعمیر کے بعد اب یہ جگہ شامل مسجد تو ہے مگر محراب اور ممبر یہاں سے ہٹا کر نئی جگہ تعمیر کیا گیا ہے

[جب شروع میں مہاجرین العصبہ میں (جو کہ آج بھی قباء میں مشہور مقام ہے) ہجرت رسول اللہ ﷺ سے پہلے آئے تو حضرت سالمؓ جو کہ حضرت ابوحذیفہؓ کے غلام تھے وہاں نماز پڑھایا کرتے تھے.] (۲۶) رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں حضرت سعد بن عابدؓ جو کہ حضرت عمار ابن یاسرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے مسجد قباء میں موذن کے فرائض ادا کرتے تھے.

مسجد قباء کی اہمیت کے پیش نظر حکمران اور سلاطین اسلام اس کا بہت خیال رکھتے تھے. پہلی بار اس کی توسیع حضرت عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں ہوئی جیسا کہ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ کی روایت سے ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی صومعہ اور قبلہ کے درمیان ہے وہ حضرت عثمانؓ کی توسیع کا نتیجہ ہے. (۲۷) ولید بن عبدالملک کی خلافت میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور گورنری میں ۹۱-۹۳ ہجری میں اس کی تعمیر نو ہوئی. سب سے پہلے اس مسجد میں مؤذنہ ان کے دور میں تعمیر ہوا. ابن نجار کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب اس کی تعمیر نو کی تو اس کی توسیع بھی کر دی جس سے اس کا رقبہ کافی بڑھ گیا. ستونوں پر دیدہ زیب ڈیزائنوں سے اس کی تزئین کی گئی. ستون پتھر کے تھے جن کو سیسہ کے ساتھ مضبوط کر دیا گیا تھا. (۲۸) انہوں نے اس کی چھت میں شیشم کی لکڑی استعمال کی. (۲۹) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی بنائی ہوئی مسجد قباء چار صدیوں سے زیادہ عرصہ تک رہی. پھر مرور ایام سے اس میں شکست و ریخت کے آثار نمودار ہونے لگے. اس لیے ابویعلی الحسینی نے اس کی مرمت کروائی.

ابن شبہ کے مطابق دوسری صدی ہجری کے اواخر میں مسجد قباء کی پیمائش کچھ اس طرح تھی:

۶۶x۶۶ ذرع (یعنی ۳۳x۳۳ میٹر) جبکہ اس کی بلندی ۱۹ ذرع (یعنی ساڑے نو میٹر) تھی.

مسجد کے درمیان ایک کھلا صحن تھا جو کہ ۵۰ ذرع طویل اور ۲۶ ذرع عریض تھا. اس کے تین دروازے تھے. چھت کو ۳۳ ستونوں پر استوار کیا گیا تھا. مسجد کے چار مینار بھی بنائے گئے تھے جن کو ۹x۹ ذرع کی بنیادوں پر استوار کیا گیا تھا. ان میناروں کی بلندی ۵۰ ذرع (۲۵ میٹر) تھی. (۳۰) انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رات کے وقت روشنی کا بندوبست کرنے کے لیے ۲۴ قندیلیں یا شمعیں روشن کی جاتی تھیں.

۴۳۵ ہجری میں ابویعلی الحسینی نے اسے تعمیر کروایا. عبدالقدوس الانصاری نے خاص طور پر ایک آثار قدیمہ کی لوح سنگ کا ذکر کیا ہے جس پر اور تحریر کے علاوہ یہ بھی لکھا ہوا تھا: ''شریف ابویعلی احمد بن الحسن بن احمد بن الحسن بن علی نے اسے چار سو پینتیس سن ہجری میں تعمیر کیا.'' (۳۱) اس کے بعد ۵۵۵ ہجری میں جمال الدین اصفہانی نے جو کہ نورالدین زنگیؒ کے وزیر تھے اس کی تعمیر نو کی. (۳۲) اصفہانی کی تعمیر نو کے بعد جب ابن جبیر نے مسجد قباء کی زیارت کی تو اس کی خوبصورتی کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے. انہوں نے ہمیں مندرجہ ذیل معلومات فراہم کی ہیں:

"یہ مسجد مربع شکل کی ہے جس کا طول وعرض ایک جیسا ہے. اس کا ایک سفید رنگ کا مینارہ ہے جو بہت دور سے ہی نظر آنے لگتا ہے. صحن کے وسط میں مبرک ناقہ ہے جہاں کہ رسول اللہ ﷺ کی ناقہ قصوئ بندھا کرتی تھی." (۳۳)

اس کے بعد اسے ۶۷۱ ہجری میں مرمت کیا گیا اور پھر ۷۳۳ ہجری میں سلطان ناصر بن قلاوون نے اس کی مرمت کی. پھر سلطان اشرف برسبائی کے دور میں ۸۴۰ ہجری میں شیخ الخدام قاسم المحلی کی نگرانی میں اس کی مرمت ہوئی؛ (۳۴) ۸۷۷ ہجری میں اس کا ایک مینارہ گر گیا تھا؛ لہذا سلطان اشرف قیطبائی نے ۸۸۱ ہجری میں اس مینارے کو اور ساتھ ہی ملحقہ متاثرہ دیواروں کو دوبارہ بنوادیا. کام کی نگرانی شمس بن زمان نے کی جو کہ اس وقت مسجد نبوی میں حجرہ مطہرہ کی مرمت بھی کروا رہے تھے. سلطان قیطبائی کے دور میں اس کی چھتوں کو ہٹا کر نئی چھتیں ڈلوادی گئیں. العباسی بیان کرتے ہیں کہ دسویں صدی ہجری میں مسجد قباء کی پیمائش ۶۰ x ۶۰ ذرع (یعنی ۳۰ میٹر x ۳۰ میٹر) تھی. (۳۵) اس کے بعد عثمانی ترکوں کا دور آ گیا جنہوں نے بھی مسجد قباء کی خوب دیکھ بھال کی. سلطان عبدالمجید ثانی نے ۱۲۴۰ ہجری میں اسے نئے سرے سے تعمیر کروایا. ابراہیم رفعت پاشا کے بیان کے مطابق مجیدیہ دور کی بنی ہوئی مسجد قباء کا رقبہ ۴۰ x ۴۰ میٹر تھا جب کہ اس کی بلندی ۶ میٹر تھی. انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ صحن مسجد میں مبرک الناقہ کے مقام کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا تھا. (۳۶)

عہد عثمانی میں تعمیر شدہ محراب

اس کے بعد بھی اس میں مرمت کا کام ہوتا رہا؛ پھر سلطان محمود ثانی نے ۱۲۴۵ ہجری میں اسے نئے سرے سے بنوادیا. اس کے بعد شاہ فیصل مرحوم کے دور میں ۱۳۸۸ ہجری میں اس کی تعمیر سعودی وزارت حج واوقاف کی نگرانی میں ہوئی. اس وقت اس پر ۸۰۰،۰۰۰ ریال خرچ آئے. ۱۹۸۴ء میں خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اس کی نئے سرے سے تعمیر کا حکم صادر کیا. انہوں نے خاص ہدایات جاری کیں کہ اس کی تعمیر نو ایسے انداز سے کی جائے کہ اس میں اسلامی فن تعمیر کی جھلک نمایاں رہے اور ساتھ ہی ساتھ مسجد کی عمارت جدید دور کے تقاضوں سے بھی ہم آہنگ ہو. چونکہ پچھلی تین دہائیوں میں زائرین کی تعداد میں اتنا اضافہ ہوا ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی، اس لیے اس کو مزید توسیع دینے کے احکامات بھی جاری کیے. مسجد کا سنگ بنیاد ماہ صفر ۱۴۰۵ ہجری میں رکھا گیا.

تعمیر نو کا کام بن لادن گروپ کے ذمے لگا جنہوں نے محنت شاقہ اور پوری لگن سے اسے ۱۹۸۶ء میں پایہ تکمیل تک پہنچا دیا. تعمیر کے دوران ۶۰۰ سے ۸۰۰ کاریگر اس منصوبے پر کام کرتے رہے. ماضی میں اس کا رقبہ ۱۶۰۰ مربع میٹر تھا، جو اب بڑھ کر ۱۳۵۲ مربع میٹر ہو گیا ہے. مسجد کے اندر ۵۰۰،۲۰۰ مرد اور زنانہ حصہ میں ۰۰۰ خواتین بیک وقت نماز ادا کر سکتی ہیں. مسجد شریف کے باہر کے علاقے کا فرش خوشرنگ گرینائٹ کے بلاکوں سے بنایا گیا ہے. مسجد کا فرش سطح زمین سے تقریباً ایک منزل بلند ہے اور شمالی جانب نیچے اتر کر زنانہ اور مردانہ بیت

الخلاء اور وضو خانے بنائے گئے ہیں: مردوں کی طرف کل ۱۳۴ وضو بنانے کی جگہیں ہیں جب کہ زنانہ طرف ۲۳ خواتین بیک وقت وضو بنا سکتی ہیں. کل رقبے میں سے ۴۲۷ مربع میٹر کا علاقہ صرف خواتین کے لیے مخصوص ہے.
سینیٹری ایریا کے ساتھ ہی تجارتی علاقہ ہیں جس میں بہت سے سٹال اور دکانیں بنائی گئی ہیں جہان عموماً تحائف اور مدینہ طیبہ کی سوغاتیں بکتی ہیں. خوبصورت شجر کاری کر کے مسجد کے ماحول کو بہت خوشنما بنا دیا گیا ہے. ان میں کہیں کہیں مدینہ طیبہ کے روایتی درخت یعنی کھجور کے پیڑ لگا کر اس منظر کو روایتی مدنی رنگ دے دیا گیا ہے جو کہ طلوع آفتاب کے وقت مسحور کن نظر آتا ہے. قباء کو مدینہ طیبہ سے ملانے والی ہائی وے جب مسجد قباء کے قریب سے زیرزمین انڈر پاس سے گزرتی ہے تو اس سے یہ منظر اور بھی حسین ہو جاتا ہے. پاس ہی پانی کے فوارے لگے ہیں جن کی جل ترنگ اہل ذوق کو دعوت فکر دیتی ہے. مسجد شریف کے چار مینار ہیں اور ایک بہت بڑا گنبد ہے جو کہ سفید سنگ مرمر کا بنا ہے. معذور زائرین کے لیے خاص انتظامات اور راستے بنائے گئے ہیں تا کہ وہ اپنی وہیل چیر پر اندر جا سکیں. مسجد شریف کو مرکزی ایر کنڈیشننگ نظام سے ٹھنڈا اور گرم کیا جاتا ہے. غرض آج کی مسجد قباء بہت دیدہ زیب مگر منجھے ہوئے فن تعمیر کی عکاسی کرتی ہے. چاروں بلند مینار اور متعدد چھوٹے بڑے گنبد اس کی عظیم الشان تعمیر کی منہ بولتی تصویر ہیں. شاہ فہد کے دور میں بنائی گئی مساجد کا ایک طرہ امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ ہر قسم کی جدید سہولتیں فراہم کرتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قدیم اسلامی فن تعمیر اور جدید نظریات کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں. یہ تمام خوبیاں مسجد قباء میں بدرجہ اتم موجود ہیں. صحن مسجد کے ارد گرد مسقف دالان اور برآمدے ہیں جن کے اوپر چھوٹے چھوٹے گنبد بنائے گئے ہیں. صحن کو موسمی اثرات سے بچانے کے لیے اس پر بجلی سے کھلنے اور بند ہونے والی مضبوط ترپال (کینولیس) ڈالی گئی ہے جو کہ ۱۲ طویل بڑی پٹیوں کی صورت میں چھت کا سا سایہ مہیا کرتی ہیں.

مسجد شریف کا فرش ایسے سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے جس پر موسمی اثرات اور خاص طور پر گرمی اثر نہیں کرتی. مسجد کے ارد گرد گاڑیاں پارک کرنے کے لیے وسیع پارکنگ ایریاز بنا دیئے گئے ہیں. بسیں اور لیموزین مدینہ طیبہ اور قباء کے درمیان زائرین کے آنے جانے کے لیے بہت اہم کردار کرتی ہیں. تعمیر نو کے مرحلے میں ایک بار جب حبیب بورقیبہ صدر تیونس نے مسجد قباء کی زیارت کی تو انہوں نے تیونسی گرینائٹ سے بنا ہوا خاص میٹیریل اور انجینئر اور کاریگر بھیجنے کی پیش کش کی. یوں موجودہ محراب کی چمک اور خوبصورتی میں تیونسی خلوص بھی میسر ہو گیا. مسجد کی تعمیر پر کل ۳۰ لاکھ اینٹیں استعمال ہوئیں جو کہ ارض پاک مدینہ طیبہ کی تراب سے میمنی فیکٹری میں بنی تھیں. شاہ فہد نے عامۃ الناس کے لیے مسجد قباء کا ۱۴۰۷ ہجری (۱۹۸۷ء) میں افتتاح کیا. مسجد کے ساتھ رہائشی ایریا بھی ہے جہاں امام صاحب اور دیگر عملہ رہائش پذیر ہے.

مسجد قباء کے ضمن میں ہم ایک اور بات قارئین کے گوش گزار کرنا چاہیں گے کہ سلطان قیطبائی نے ۸۸۸ ہجری میں سنگ مرمر کا ایک خوبصورت منبر بنوا کر مسجد نبوی شریف روانہ کیا تھا جو کہ ایک صدی کے لگ بھگ منبر رسول اللہ ﷺ کے مقام پر رہا. پھر بعد میں جب سلطان مراد ثانی نے ایک اور منبر بنوا کر مسجد نبوی کی نذر کیا تو وہ پرانا منبر ہٹا کر مسجد قباء میں رکھ دیا گیا جو کہ آج بھی محراب کے دائیں جانب رکھا ہوا ہے. یہ سفید سنگ مرمر سے بنا ہے اور اس کے دروازے گہرے بھورے رنگ کے ہیں جن پر نفیس لکڑی کا کام کیا گیا ہے. جس سے مصری کاریگروں کی مہارت اور عشق رسول کی عکاسی ہوتی ہے. یہ منبر شریف اب بھی زیر استعمال ہے اور مسجد قباء کے امام صاحب اسی پر بیٹھ کر خطبہ دیتے ہیں.

مدینہ طیبہ کے مورخین میں سے امام سمہودی اور شیخ احمد العباسی نے رسول اللہ ﷺ کا مسجد قباء پر جانے کا تفصیلی ذکر کیا ہے. آپ حضور ﷺ جب بھی عازم قباء ہوتے تو پہلے بنی زریق میں مسجد مصلاۃ (مسجد الغمامہ) تشریف لے جاتے اور پھر وہاں سے وادی بطحان کے کنارے کنارے قباء روانہ ہو جاتے. (۳۸) صدیوں سے وہی راستہ 'طریق سویقہ' یا 'درب قباء' کے نام سے جانا جاتا تھا اور پھر جوں جوں مدینہ طیبہ ترقی کی منازل طے کرتا رہا وہی پرانا راستہ قباء روڈ بن گیا. ایسے زائرین جو مسجد قباء پیدل جانا چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اسی طریق
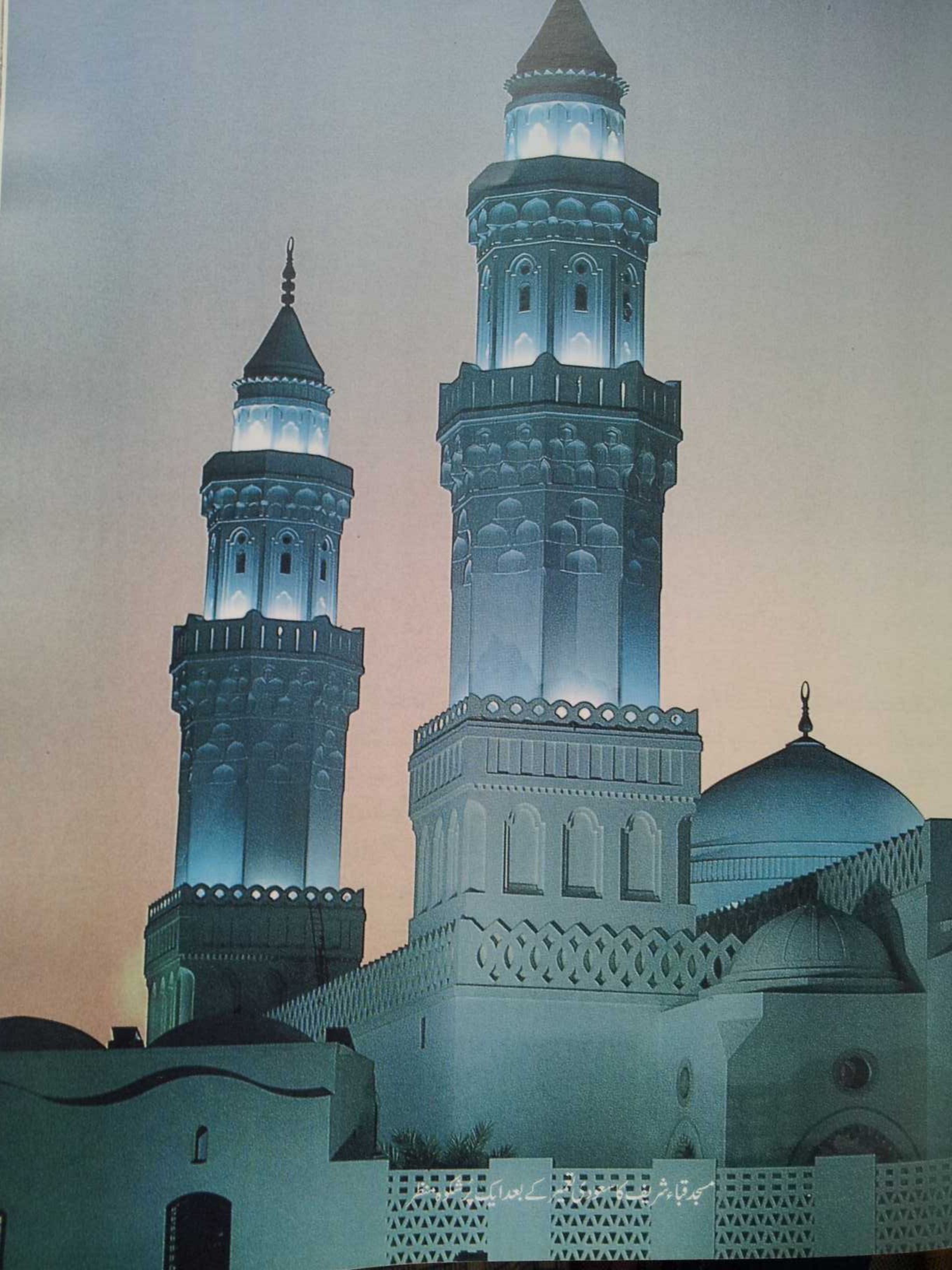
مسجد قباء شریف کا سعودی تعمیر کے بعد ایک پُرشکوہ منظر

قباء کی بستی اور
مسجد قباء شریف
کا ایک خوبصورت منظر

قباء پر چلیں کیونکہ یہ وہی راستہ ہے جہاں سے رسول اللہ ﷺ نے نہ جانے کتنی بار پاپیادہ اور سواری پر سفر کیا تھا اور آپ کی تقلید میں ہزاروں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جانبازان رسول اسی راہ سے گزرے ہوں گے.

مسجد قباء کا تاریخی اور شرعی مقام

[بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو، اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب پاک ہونا چاہتے ہیں اور اللہ پاک لوگوں کو پیار کرتا ہے.] (۳۹) اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور مبارکہ سے ہی اس آیۃ کریمہ کی تفسیر کے بارے میں اختلاف ہے. ہم نے باب مسجد نبوی شریف میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے. یہاں ہم صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفاء کریں گے کہ مفسرین اور علماء کے قریب دونوں مساجد کی (یعنی مسجد نبوی شریف اور مسجد قباء) روز اول سے جب سے ان کی خشت اول رکھی گئی تھی بنیاد تقویٰ پر مبنی ہے، لیکن بایں ہمہ مسجد نبوی شریف مسجد قباء پر فوقیت رکھتی ہے.

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ قباء سواری پر یا پاپیادہ جایا کرتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے. (۴۰) یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ حضور ﷺ قباء کو ہفتے کے دن تشریف لے جاتے، اور جاتے وقت یا تو سواری پر یا پھر پاپیادہ تشریف لے جاتے اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے. (۴۱) حضرت محمد ابن منکدرؓ سے مروی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ قباء ہر سال ۱۷ رمضان کو علی الصباح تشریف لے جاتے.] حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد قباء کبھی پیدل چل کر جاتے اور کبھی سواری پر. اس پر حضرت نافعؓ نے ایک دوسری روایت میں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ: [پھر آپ حضور ﷺ مسجد قباء میں دو رکعت نماز ادا کرتے.]

صحابیہ سیدۃ ام بکر بنت مسورؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: [مسجد قباء اگر آسمانوں میں یا افق پر بھی ہوتی تو ہم اپنے
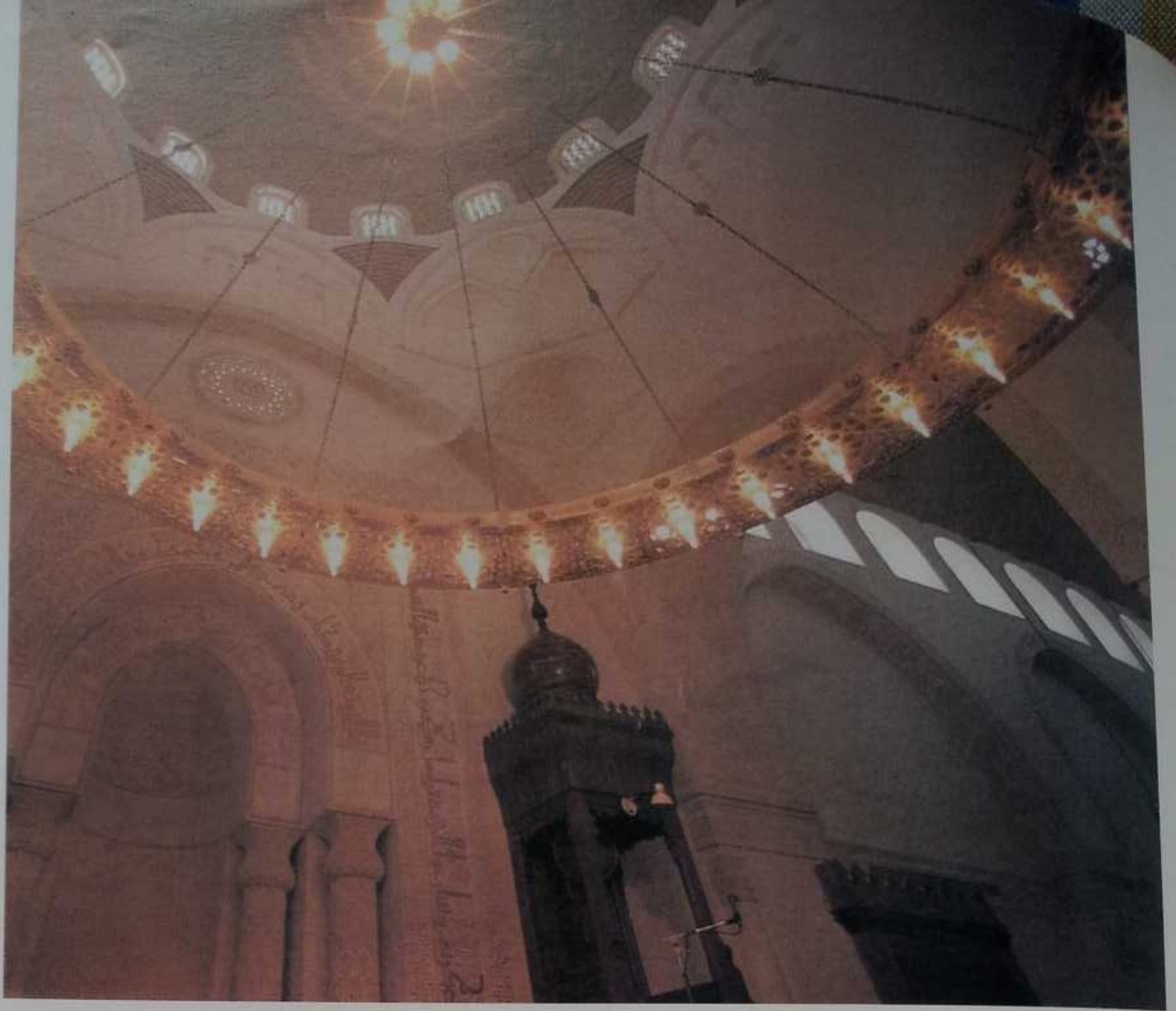
مسجد قباء شریف
کے گنبد کا اندرونی منظر

اونٹوں کو تازیانے مار مار کر انہیں مجبور کر دیتے کہ وہ ہمیں وہاں لے چلتے.] (۴۲) مسجد قباء کے متعلق لکھتے ہوئے فیروز آبادی نے ''مغانم المطابہ فی معالم طابہ'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت زبیرؓ نے حضرت سعد بن عمرو بن سلیم الزرقیؓ سے روایت کیا ہے: ''رسول اللہ ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار ہوتے اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پیدل آپ حضور ﷺ کے اردگرد ہو کر چلتے اور اس طرح آپ ہر ہفتے کے دن قباء تشریف لے جاتے.'' اور حضرت زید بن اسلمؓ سے مروی ہے: [شکر ہے رب ذوالجلال کا جس نے قباء کو ہمارے قریب تر بنایا ہے. اور اگر یہ افق پر بھی ہوتی تو ہم اپنے اونٹوں کو پیٹ پیٹ کر ہمیں اوپر لے جانے پر مجبور کر دیتے.'' (۴۳) صاحب مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ جب حضور پرنور ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر قباء تشریف لے جا رہے تھے تو آپ حضور ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بھی دراز گوش پر سوار ہونے کی دعوت دی. کمزوری کے باعث حضرت ابوہریرہؓ سے سوار نہیں ہوا جاتا تھا، اس لیے انہوں نے آپ حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اوپر سوار ہونے کی سعی کی جس کی وجہ سے دونوں نیچے آ رہے. دوسری بار بھی رحمت دو عالم ﷺ نے ان کو دعوت دی اور اس بار بھی ایسا ہی ہوا. جب تیسری بار نبی الرحمۃ ﷺ نے ان کو دعوت دی تو انہوں نے خجالت سے سوار ہونے سے معذوری ظاہر کر دی. یہ واقعہ بھی طریق قباء پر کسی مقام پر ہوا تھا.

حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ: [میں نے اپنے والد کو فرماتے سنا: ''مجھے مسجد قباء میں دو رکعت ادا کر لینا زیادہ بھلا لگتا ہے بہ نسبت اس کے میں بیت المقدس میں دو بار جاؤں. اگر لوگوں کو پتہ ہو کہ قباء میں کیا ہے تو وہ اپنے اونٹوں کے بطنوں کو پیٹ پیٹ کر وہاں جانے پر مجبور کریں.'' (۴۴)

حضرت اسید ابن حضیر الانصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قباء میں ایک نماز ایک عمرہ کے برابر ہے.] (۴۵) ابن حبان نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے: [....میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس کسی نے اس (مسجد) میں نماز ادا کی وہ عمرہ

حضرت سعید بن الرقیشؓ سے مروی ہے کہ: [حضرت انس بن مالکؓ مسجد قباء تشریف لائے اور نماز دوگانہ ادا کی. جب انہوں نے سلام کے ساتھ نماز ختم کی تو وہیں تشریف فرما ہوئے اور ہم بھی ان کے گرد بیٹھ گئے. انہوں نے فرمایا: سبحان اللہ ما اعظم حق ہذا المسجد، کیا مقام ہے اس مسجد مبارک کا کہ اگر اس تک پہنچنے کے لیے ایک ماہ کا سفر بھی کرنا پڑتا تو بھی لوگ وہاں پہنچتے. جو بھی اپنے گھر سے اس ارادے سے روانہ ہوا کہ وہاں جا کر چار رکعت نماز ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو عمرہ کا اجر دے گا.] (۴۷) حضرت سہل بن حنیفؓ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: [جو کوئی بھی اپنے گھر سے وضوء بنا کر چلے اور پھر مسجد قباء میں صرف اس مقصد سے جائے کہ وہ وہاں نماز پڑھے گا تو اس کی وہ نماز ثواب میں ایک عمرے کے برابر ہوگی.] (۴۸) ایک اور روایت میں ہے: [جس نے اس میں نماز ادا کی اسے عمرے کا ثواب مل گیا.] (۴۹)

حواشی

(۱) صحیح مسلم، ج:۱، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر ۱۲۹۹

(۲) عبد القدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۸۵، ص ۱۶۴

(۳) عجوہ کھجوریں بہت مشہور اور قیمتی ہیں. اس کا اچھی کوالٹی کا ایک کیلوگرام بھی عام موسم میں ۶۰-۷۰ ریال سے کم نہیں ملتا. حدیث مبارکہ کے مطابق: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اگر کوئی سات عجوہ کی کھجوریں صبح سویرے کھائے گا، اس پر زہر کا اثر نہیں ہوگا اور نہ ہی اس دن اس پر جادو کا اثر ہوگا.] صحیح بخاری، ج:۷، نمبر ۳۵۶

(۴) القرآن الکریم (التوبہ: ۴۰)

(۵) ابن اسحاق، ص: ۲۲۷. ڈاکٹر محمد حمید اللہ، (The Life and Work of the Prophet of Islam)، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، اسلام آباد، ج:۱، ص ۱۲۶. قاضی سلیمان منصور پوری، رحمت اللعالمین، ج:۱، ص ۱۰۲

(۶) جب کہ بہت سے سیرۃ نگاروں کے مطابق رسول اللہ ﷺ حضرت کلثوم بن الہدمؓ کے ہاں ٹھہرے تھے، کچھ ایسی بھی روایات ہیں کہ آپ حضور ﷺ حضرت سعد بن الخیثمہؓ کے ہاں ٹھہرے تھے. تاہم سیرۃ نگاروں (جن میں ابن اسحاق بھی شامل ہیں) کا اتفاق اس بات پر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیام تو حضرت کلثوم بن الہدمؓ کے ہاں فرمایا تھا مگر چونکہ حضرت سعد بن الخیثمہؓ اس وقت کنوارے تھے اور ان کا مکان کافی وسیع و عریض تھا، اس لیے دن کے وقت آپ حضور ﷺ وہاں دربار عام لگایا کرتے تھے جہاں ملنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا. ابن اسحاق، ص ۱۳۵. نیز محمد طاہر الکردی المکی، التاریخ القویم لمکہ و بیت اللہ الکریم، ج:۱، ۱۳۸۵، ص ۲۵۲

(۷) اس معاملے میں خاصہ اختلاف رائے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قباء میں کل کتنے دن قیام فرمایا تھا. صحیح بخاری کی روایات کے مطابق آپ حضور ﷺ وہاں چودہ دن ٹھہرے تھے. صحیح بخاری، باب الصلوٰۃ، حدیث نمبر ۴۱۰. نیز صحیح مسلم، باب المسجد و مواضیع الصلوٰۃ، نمبر ۸۱۶. تاہم تمام مصادر اور مآخذوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۱۲ ربیع الاول کو تشریف لائے تھے جب کہ سوموار کا دن تھا. اور ایسے ہی اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ آپ حضور ﷺ نے جمعہ کے دن وہاں سے مدینہ طیبہ کی طرف روانگی فرمائی تھی اور راستے میں وادی رانونا کے کنارے مدینہ طیبہ میں پہلی باجماعت نماز جمعہ ادا کی تھی.

(۸) سیرۃ النبویہ لابن ہشام، مؤسسہ علوم القرآن، بیروت، ج:۱، ص ۴۹۳

(۹) ابن ہشام، ص ۱۳۵
(۱۰) ابوبکر الجزائری، ہذا الحبیب (انگریزی ترجمہ: The Beloved Muhammad)، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۸، ص ۱۳۳۔
(۱۱) سیرۃ النبویہ لابن ہشام، مصدر مذکور، ص ۴۹۴
(۱۲) مسجد الجمعہ کی تفاصیل تاریخی مساجد سے متعلق باب میں دی گئی ہیں
(۱۳) اس واقعے کی یاد میں وہاں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر دی گئی تھی، جو کہ مسجد الجمعہ کے سامنے تھی اور اسے مسجد بنات النجار کہا جاتا تھا. احاطہ تو ابھی بھی موجود ہے مگر مسجد کو مسمار کر دیا گیا ہے۔
(۱۴) صحیح مسلم، ج:۳، کتاب الآداب، نمبر ۵۳۳۵ صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۲۴۸
(۱۵) ابی الحسن محمد بن احمد (ابن جبیر)، رحلۃ ابن جبیر، دار الکتاب اللبنانی، ص ۱۴۵
(۱۶) ایضاً
(۱۷) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱، ص ۳۹۷
(۱۸) ابن شبہ، عمر بن شبہ النمیری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ المدینہ، ج:۱، ص:۵۴
(۱۹) اسے ابن نجار نے نقل کیا ہے، دیکھئے محمد طاہر الکردی، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۲۶۴
(۲۰) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، صفحات: ۳۶۸-۳۶۹
(۲۱) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی (وفات دسویں صدی ہجری)، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، ص ۱۶۸. چند فاضل مورخوں نے ایسے اصحابہ کرام میں حضرت عثمان بن عفان ؓ کا نام گرامی بھی کم فہمی سے شامل کر دیا ہے حالانکہ وہ اس وقت ہجرت حبشہ پر تھے اور کافی دیر کے بعد مدینہ طیبہ ہجرت پر تشریف لائے تھے۔
(۲۲) حضرت ابی غازیہؒ سے مروی ہے: [حضرت عمر بن الخطاب ؓ مسجد قباء پیر اور جمعرات کے دنوں میں جاتے تھے. ایک مرتبہ جب وہ وہاں تھے تو ان کو اپنے خاندان میں سے کوئی بھی فرد وہاں نظر نہ آیا. اس پر انہوں نے فرمایا: [اللہ کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی چھاتیوں تک اینٹیں اٹھاتے تھے تا کہ اس مسجد کی تعمیر ہو سکے اور اس مسجد کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی تھی جب کہ جبریل امین نے آپ کو قبلہ دکھایا تھا.....]منقول از مطری، ص ۴۷. نیز دیکھئے محمد طاہر الکردی، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۲۶۴.
(۲۳) سمہودیؒ نے اسے خلاصۃ الوفاء میں نقل کیا ہے، صفحات: ۲۵۲-۲۵۳
(۲۴) ایضاً، ص ۲۵۴
(۲۵) ابن شبہ، ج:۱، ص ۴۶. نیز ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱، ص ۳۹۷
(۲۶) صحیح بخاری، ج:۲، ۲۶۱
(۲۷) ابن شبہ، ج:۱، ص ۵۲
(۲۸) ابن النجار، مصدر مذکور، ص ۱۱۳
(۲۹) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۳۹۶
(۳۰) ابن شبہ، ج:۱، ص ۵۷
(۳۱) ایضاً، ص ۷۸
(۳۲) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور
(۳۳) ابن جبیر، مصدر مذکور، ص ۱۴۵
(۳۴) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۳۷۵
(۳۵) احمد العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۶۹
(۳۶) ابراہیم رفعت پاشا، ج:۱، ص ۳۹۷

(۳۷) یہ تفاصیل ہم نے الحرمان الشریفان والمشاعر فی عہد السعودی الظاہر سے لی ہیں جو کہ سعودی وزارت اطلاعات نے ۱۴۲۰ ہجری میں سعودی عرب سو سالہ جشن کے سلسلے میں جاری کی تھی.

(۳۸) احمد العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۶۹

(۳۹) القرآن الکریم (التوبہ: ۱۰۸)

(۴۰) صحیح بخاری، ج: ۲، نمبر ۲۸۵

(۴۱) ایضاً، ج: ۲، نمبر ۲۸۴

(۴۲) ابن سعد، الطبقات الکبری، مصدر مذکور، ج: ۱، ص ۲۴۵

(۴۳) فیروز آبادی، المغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد الجاسر، پہلا ایڈیشن، ۱۹۶۹، صفحات: ۳۲۸-۳۲۹

(۴۴) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۳۷۲

(۴۵) الترمذی، ابواب الصلوٰۃ (۳۲۴)

(۴۶) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء، ص: ۳۷۲

(۴۷) ایضاً ص: ۳۷۳

(۴۸) مسند امام احمد، ۳-۴۸۷، نیز دیکھئے ابی سعید المفضل الجندی، مصدر مذکور ص ۴۱

(۴۹) منقول از احمد یاسین احمد الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ قدیماً وحدیثاً، ۱۹۹۳، ص: ۵۲

باب ۱۸

مقام الصفّہ اور اصحاب الصفّہ رضوان اللہ علیہم

﴿ان فقیروں کے لئے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے. نادان لوگ انہیں تونگر اور امیر سمجھ بیٹھے تا کہ انہیں کچھ دینا نہ پڑے، تو انہیں ان کی صورت سے پہچان لے گا. وہ لوگوں سے گڑگڑا کر دست سوال دراز نہیں کرتے. اور تم جو خیرات کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے. وہ جو اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں چھپے اور ظاہر، ان کے لئے ان کا اجر اللہ کے ہاں ہے، اور نہ انہیں کچھ خوف ہے اور نہ رنج.﴾ (۱)

'الصفہ'یا'مقام صفہ'یا'الظلہ'(سایہ دار جگہ) یا آج کے مدینہ طیبہ میں ''دکۃ الاغوات'' ایک چبوترہ ہے جو کہ مسجد نبوی شریف میں باب جبریل علیہ السلام سے داخل ہوتے ہی چند قدم کے فاصلے پر دائیں جانب پڑتا ہے۔ صاحب قاموس فیروز آبادی نے دارقطنی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''یہ ایک سایہ دار جگہ تھی جو کہ مسجد نبوی کے پچھلے حصے میں تھی۔''(۲) عربی میں 'صفہ' چبوترے یا گھر میں اونچی جگہ کو کہا جاتا ہے جو کہ عموماً بیٹھنے کا کام آتا ہے۔ یہ مقام یا چبوترہ مسجد نبوی شریف کی تاریخ میں نمایاں حیثیت کا حامل رہا ہے کیونکہ اس کی تعمیر مسجد نبوی شریف کے ساتھ ہی رحمت اللعالمین ﷺ کے احکام سے عمل میں لائی گئی تھی اور جناب سرکار دوعالم انیس الغریبین ﷺ اکثر اوقات روزانہ اپنے ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جنہوں نے اپنا گھر گھاٹ نہ ہونے کی وجہ وہیں ڈیرہ لگایا ہوا تھا ملنے کے لیے اس صفہ پر جلوہ افروز ہوجایا کرتے تھے اور شمع رسالت کے پروانے اردگرد حلقہ زن ہوکر سید خیر الانام ﷺ کے لبان مبارک سے وحی الٰہی کی تفسیر وتشریح سنا کرتے تھے۔ محب الفقراء والغرباء والمساکین ﷺ ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے اور اکثر اوقات یہ اصحاب صفہ مائدۂ رسول پر مدعو ہوتے اور تاجدار مدینہ ﷺ کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے۔ ایک طویل حدیث مبارکہ کے مطابق جسے حضرت مقداد بن الاسودؓ نے روایت کیا ہے:
[رسول اللہ ﷺ کی عادت طاہرہ تھی کہ رات کے وقت حجرہ مطہرہ سے باہر تشریف لاتے تو ان کو سلام کہتے۔ سلام کہنے کا انداز اتنا دھیما اور آہستہ ہوا کرتا تھا کہ صرف وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہی سن پاتے جو کہ اس وقت جاگ رہے ہوتے اور باقی نیند سے بیدار نہ ہونے پاتے۔](۳)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے عربی میں 'صفہ' کا مطلب چبوترہ یا 'سٹیج' ہوتا ہے۔ ہجرت مبارکہ کے بعد جب مسجد نبوی شریف کی تعمیر جاری تھی تو انیس الغریبین سیدنا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے بے گھر مہاجرین یا مسافرین اور غرباء کے لیے جن کا مدینہ طیبہ میں پہلے سے کوئی جاننے والا نہ تھا اور جن کے پاس رہنے سہنے کا اپنا کوئی بندوبست نہ تھا، مسجد کے پچھلے حصے میں ایک جگہ مخصوص کردی جائے جہاں وہ سب حضور نبی اکرم ﷺ کے سایہ عاطفت میں رہ سکیں۔ پہلے پہل مسجد نبوی شریف پر چھت نہیں ہوا کرتی تھی اور یوں اس کی چاردیواری کے اندر وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کھلے آسمان کے نیچے سوجایا کرتے تھے۔ شروع میں تو ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم صرف رات وہاں بسر کرتے تھے اور دن دانائے سبل اور مولائے کل ﷺ کی خدمت میں گزار دیتے تھے۔ تاہم بعد میں ان کے لیے مسجد نبوی شریف کے پچھلے حصے میں ایک قسم کی سٹیج سی بنادی گئی اور اتنے حصے پر چھت بھی ڈلوادی گئی تھی تاکہ وہ موسمی اثرات یعنی سردی اور بارش وغیرہ سے محفوظ رہ سکیں۔ اسی لیے اس جگہ کو'الظلہ'(یعنی سایہ دار جگہ) بھی کہا جاتا تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ تحویل قبلہ سے پہلے اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم کا چبوترہ حجرہ مطہرہ رسول اللہ ﷺ اور حجرہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے درمیان تھا جس کے ایک طرف ام المومنین سیدۃ سودہؓ کا حجرہ مبارکہ پڑتا تھا۔ (۵) تاہم قدیم مورخین کی متفقہ رائے یہی ہے کہ تحویل قبلہ سے پہلے یہ صفہ اس جگہ ہوا کرتا تھا جہاں کہ اب منبر رسول اللہ ﷺ موجود ہے۔

ابتداء میں اس کا محل وقوع جہاں بھی ہو، یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم آگیا اور اس کے مطابق مسجد نبوی کی جنوبی دیوار (مکۃ المکرّمہ کی جانب) جانب قبلہ قرار پائی اور شمالی جانب میں سابقہ قبلہ کی دیوار تا ابد عقبی دیوار بن گئی تو اس کے مطابق ضروری تعمیری تبدیلیاں بھی عمل میں لائی گئیں۔ یہ ۱۸۰ ڈگری کی تحویل تھی، یعنی قبلہ شمال سے بالکل جنوب کی طرف منتقل ہوگیا تھا۔ اس کے مطابق مسجد نبوی شریف میں ضروری تبدیلیاں کی گئیں، مثلاً سابقہ عقبی جانب جو دروازہ تھا اسے بند کردیا گیا اور اس کی جگہ مصلائے رسول اللہ ﷺ نے لے لی اور سابقہ مصلاء کی جگہ ایک دروازے نے لے لی۔ اسی طرح صفہ چبوترہ جو کہ پہلے جنوبی جانب تھا اسے مسمار کرکے شمالی جانب بنانا پڑا تھا۔ اس کے بعد بھی جب فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی شریف کی توسیع فرمائی تو اس وقت بھی اسے مزید پیچھے ہٹانا پڑا تھا۔ لیکن جیسا کہ بہت سے زائرین سمجھ بیٹھتے ہیں کہ موجودہ دکۃ الاغوات ہی اصل صفہ کی جگہ ہے یہ صریحاً بے بنیاد بات ہے۔ (۶) احادیث مبارکہ کی رو سے جو چیز واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ جگہ پر رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن میں سے کسی ایک کا حجرہ مبارکہ تھا۔ حقیقت تو
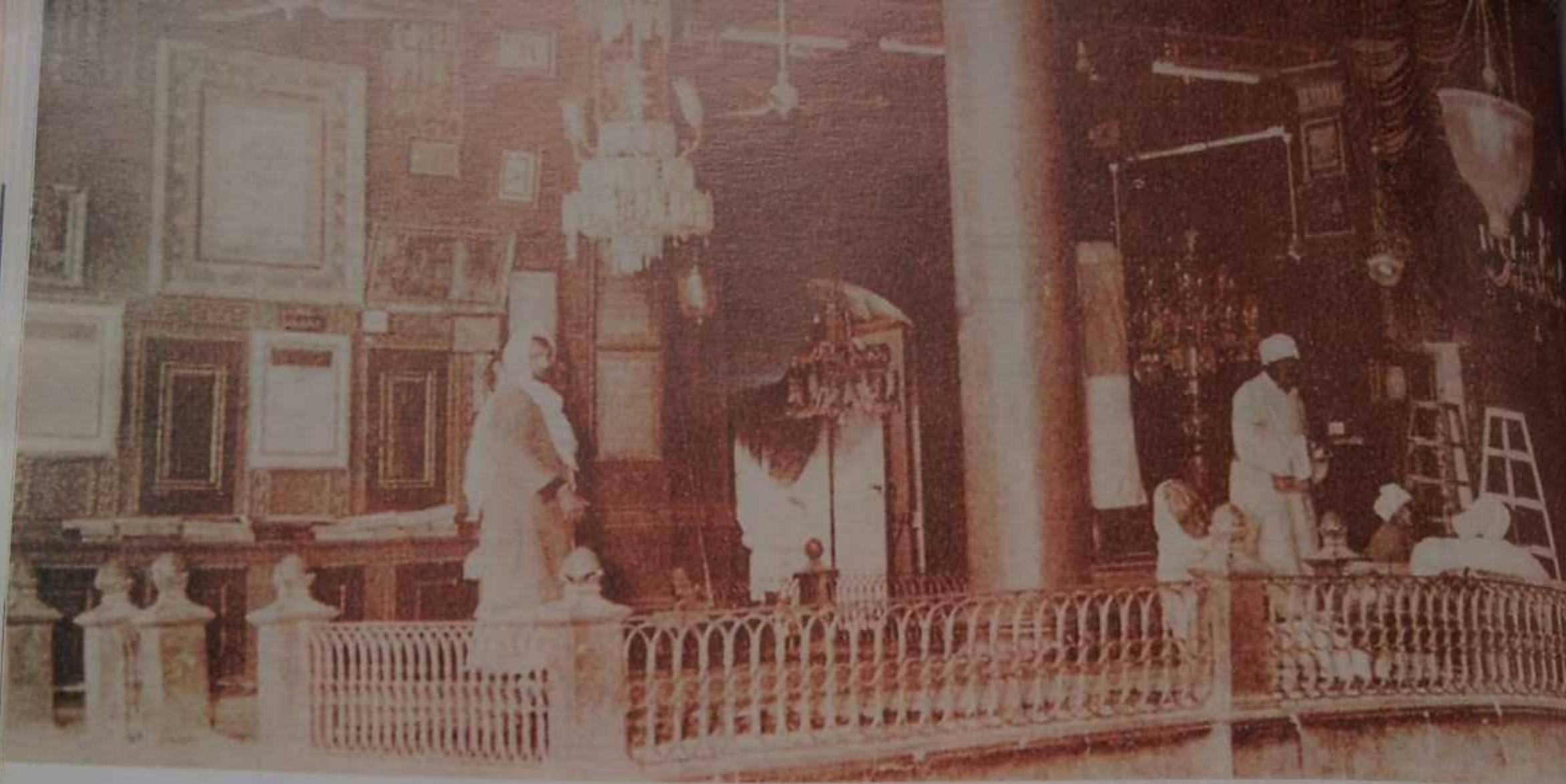
اکثر تصاویر میں اس جگہ کو چبوترہ اصحاب صفہ لکھا ہوتا ہے مگر یہ درست نہیں، یہ جگہ دکتہ الاغوات ہے اور چبوترہ اصحاب صفہ کے قریب شمال مشرق میں ہے

یہ ہے کہ سہولت کے مطابق صفہ کا مقام کئی بار تبدیل ہوا، دو تین بار تو رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے دوران، اور پھر بعد میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کے دور میں جب توسیع مسجد ہوئی تو وہ بھی چونکہ شمال کی جانب تھی اس لیے لامحالہ مقام صفہ میں بھی تبدیلی کرنی پڑی تھی.

اسی طرح جب سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے مسجد کی توسیع کی تو بھی اسے مزید پیچھے ہٹانا پڑا ہوگا اور پھر نصف صدی بعد جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مزید توسیع کی تو انہوں نے تمام حجرات مبارکہ کو خرید کر مسجد نبوی شریف میں داخل کر دیا اور پھر صفہ کا مقام بھی بدل دیا اور اس دن سے آج تک وہ کبھی مقام صفہ اور کبھی دکتہ الاغوات کے نام سے اسی جگہ پر موجود ہے. تاہم یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جونہی آخری اصحابی صفہ نے وہاں سے نقل مکانی کر کے مدینہ طیبہ میں کسی اور جگہ اپنی رہائش اختیار کر لی تھی اس کے بعد عملاً اس کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی، مگر رسول اللہ ﷺ کے آثار مبارکہ، سب سے اولیں اسلامی درسگاہ اور مسجد نبوی شریف کا ایک حصہ سمجھ کر اسے ہمیشہ قائم رکھا گیا. اس لیے زائرین کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آج کا 'دکتہ الاغوات' اسی جگہ پر قائم ہے جہاں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں ہوا کرتا تھا. لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے کہ یہاں پر امہات المومنین رضوان اللہ علیہن میں سے کسی ایک کا حجرہ مبارکہ ہوا کرتا تھا. یہ جگہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کے دور پرانوار میں مسجد شریف کا حصہ تھی اور نہ ہی خلافت راشدہ میں کبھی رہی تھی بلکہ اس جگہ حجرات امہات المومنین رضوان اللہ علیہن ہوا کرتے تھے. ایسا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی گورنری کے دور میں ہوا کہ تمام حجرات مبارکہ کو حاصل کر کے انہیں مسجد میں داخل کیا گیا تھا. یوں یہ حصہ ۸۸-۹۱ ہجری کے دوران مسجد نبوی شریف میں شامل ہوا تھا لہذا ہماری نظر میں اس مقام کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے. درحقیقت اس کا تقدس تو مقام الصفہ سے بھی کہیں زیادہ ہے کیونکہ نہ جانے ہادی برحق سرور کونین ﷺ نے اسی مقام پر کتنی بار شب باشی اور آرام فرمایا ہوگا اور جیسا کہ آں حضرت ﷺ کا معمول تھا نہ جانے اس مقام پر آقائے دو جہاں ﷺ نے راتوں کو کتنے طویل سجدے کیے ہوں گے. اس نقطہ نظر سے اس بقعہ نور کی اہمیت اصلی مقام صفہ سے بھی ہزار درجہ زیادہ ہے.

وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جنہوں نے عارضی طور پر الصفہ کے مقام پر قیام کیا تھا، ان کی سوانح حیات پر کچھ لکھنا ہماری اس کتاب کے موضوع سے ناانصافی ہوگی، البتہ اگر کوئی قاری اس میں دلچسپی رکھتا ہو تو اسے حیات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی ضخیم جلدوں کو کھنگالنا ہوگا جو کہ صرف اور صرف انہیں کی حیات مبارکہ پر لکھی گئی ہیں، مثلاً طبقات الکبریٰ، حلیۃ الالیاء یا اسد الغابہ وغیرہ. ہم صرف یہی کہنے پر اکتفاء

رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہی مسجد نبوی شریف کی دوسری بار تعمیر (غزوہ خیبر کے فوراً بعد) کا نقشہ

ذراع = ہاتھ (انگلیوں سے کہنی تک)
۲ ہاتھ = ایک میٹر
کھجور کا ستون

کریں گے کہ اسی مقام صفہ سے ایسی کتنی ہستیاں تھیں جنہوں نے دربار رسالت مآب ﷺ میں رہ کر نبی الامی الحکیم ﷺ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور علم وعرفان کے بحر ذخار میں غواصی سے رموز ہائے نہفتہ کے لاکھوں لوءلوئے لالہ حاصل کئے اور پھر اپنی حیات دنیوی میں ہی عروج کی ان منزلوں تک پہنچے کہ ان میں سے بہت سے کسی نہ کسی صوبے کے گورنر کے طور پر تعین ہوئے یا عساکر اسلام کے سپہ سالار بنائے گئے. (۷) اس گروہ جانبازان رسول مقبول ﷺ یعنی اصحاب الصفہ پر مستقل کتب بھی لکھی گئیں جن کے مصنفین میں علامہ شمس الدین ابی الخیر محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (ت: ۹۰۲ ہجری) جیسے جید علماء کرام شامل ہیں (رجحان الکفۃ فی اخبار اہل الصفہ).
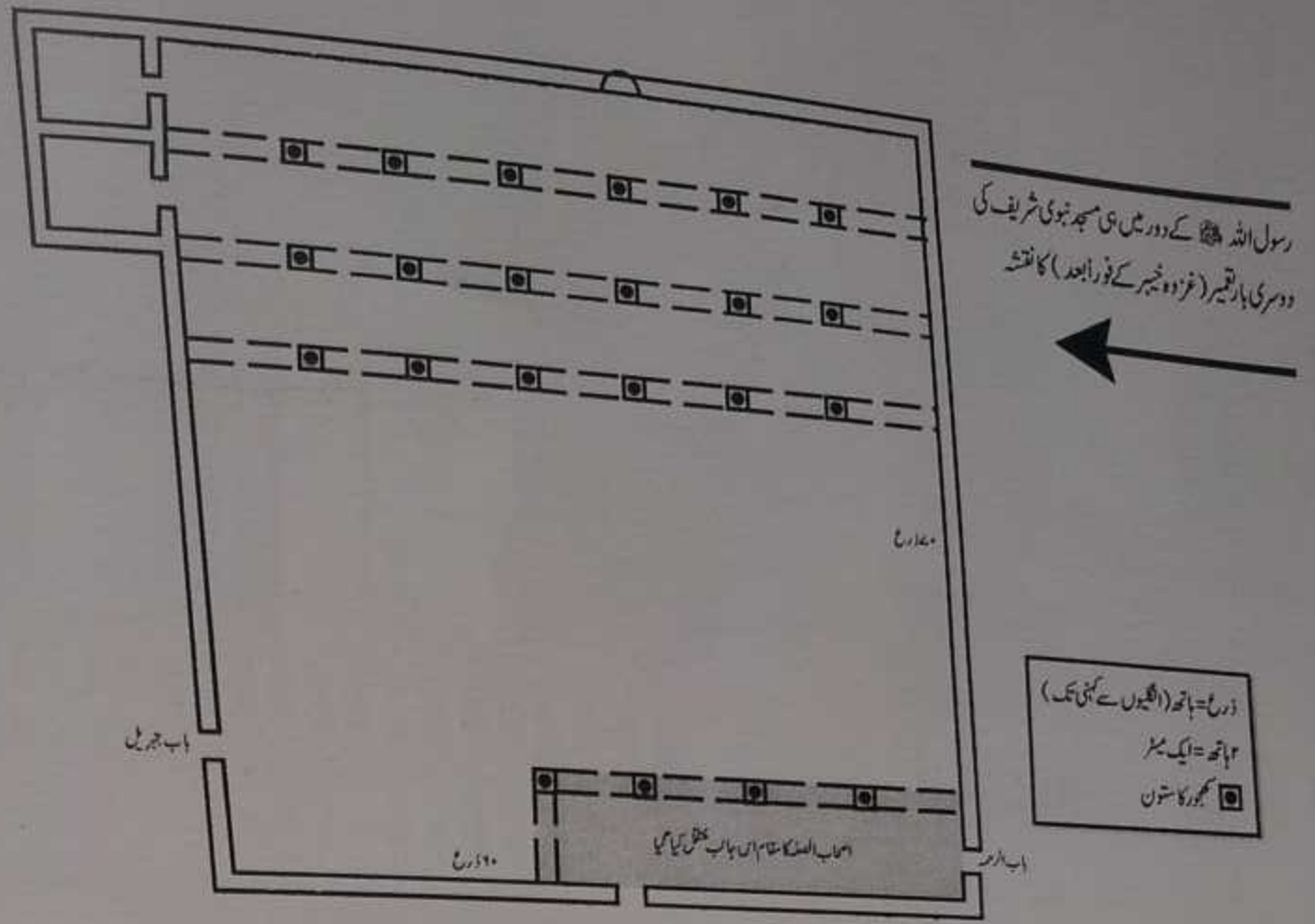
ابتداء میں تو یہ صرف ایک سطح زمین سے ذرا اونچا چبوترہ تھا جس پر کھجور کے سوکھے پتوں کو گارے سے ملا کر چھت ڈال دی گئی تھی جو کہ کھجور کے تنوں کے ستونوں پر استوار تھی. یہ چھتا ہوا حصہ تین اطراف سے کھلا ہوتا تھا اور صرف پچھلی طرف دیوار ہوا کرتی تھی. چونکہ یہ سطح زمین سے ذرا بلند تھی اسے الصفہ کہا جانے لگا. رقبہ کے لحاظ سے یہ کافی بڑا تھا جس پر بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بسیرا کر لیتے تھے. احادیث مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین سیدۃ زینبؓ سے شادی کی تو ولیمہ کے لیے ۳۰۰ اصحابہ کرام کو مدعو کیا گیا تھا اور ان مہمانان گرامی میں سے بہت سوں کے بیٹھنے کا اہتمام الصفہ پر ہی کیا گیا تھا. (۸)

الصفہ دراصل ایک طرح کا ایسا مقام تھا جہاں مسافروں اور نو وارد مہاجرین کا استقبال کیا جاتا تھا. تاہم ان میں سے کچھ انصار بھی ہوا کرتے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے ہمہ تن اور ہمہ وقت وقف کر دیا تھا. انہیں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو 'اصحاب الصفہ' کہا جاتا تھا. رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ان کو 'ضیوف الاسلام'' - اسلام کے مہمان - کہہ کر پکارا تھا. چونکہ اکثریت مہاجرین میں سے تھی، اس لیے بعض اوقات اس جگہ کو 'صفۃ المہاجرین' بھی کہا گیا ہے. (۹) اصحابہ الصفہ میں سے مہاجرین اپنا گھر گھاٹ چھوڑ کر اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تھے. ان میں سے کسی کا بھی کوئی وسیلہ نہیں تھا اور ابتداء میں تو روزگار کا ذریعہ بھی نہیں تھا. اہل مکہ بنیادی طور پر تاجر پیشہ تھے جب کہ مدنی حضرات زیادہ تر کاشتکاری کرتے تھے. لہذا ان مہاجرین میں سے جو کاشتکاری نہیں جانتے تھے ان لیے یک بیک مدنی حالات میں ڈھل جانا خاصہ دشوار تھا. اس لیے سید العرب والعجم ﷺ نے ایسے حضرات کو اپنی جوار رحمت میں ہی مسجد کے ایک کونے میں رہائش فراہم کر دی تھی اور بسا اوقات جو کچھ بھی دربار رسالت مآب ﷺ میں موجود ہوتا قاسم حوض کوثر ﷺ ان سب میں تقسیم کر دیتے. یہ احباب چونکہ ضیوف الرسول تھے اس لیے اہالیان مدینہ بھی حتی المقدور ان کی خدمت سے پیچھے نہ رہتے بلکہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے. حضرت یزید بن عبداللہ بن قسیطؒ سے مروی ہے: [اہل الصفہ رضوان اللہ علیہم رسول اللہ ﷺ کے اصحابہ کرام میں سے تھے جن کے پاس رہنے کو کوئی جگہ نہیں تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں وہ مسجد میں ہی سو جایا کرتے تھے جہاں کہ ایک سایہ دار جگہ کا اہتمام کر دیا گیا تھا کیونکہ ان کے پاس (موسمی اثرات سے بچنے کے لیے) کچھ بھی نہیں تھا.] (۱۰)

رسالت مآب ﷺ کے ہاتھ سے تعمیر شدہ
پہلی مسجد نبوی کا خاکہ

ذرع = ہاتھ (انگلیوں سے کہنی تک)
۲ ہاتھ = ایک میٹر
کھجور کا ستون
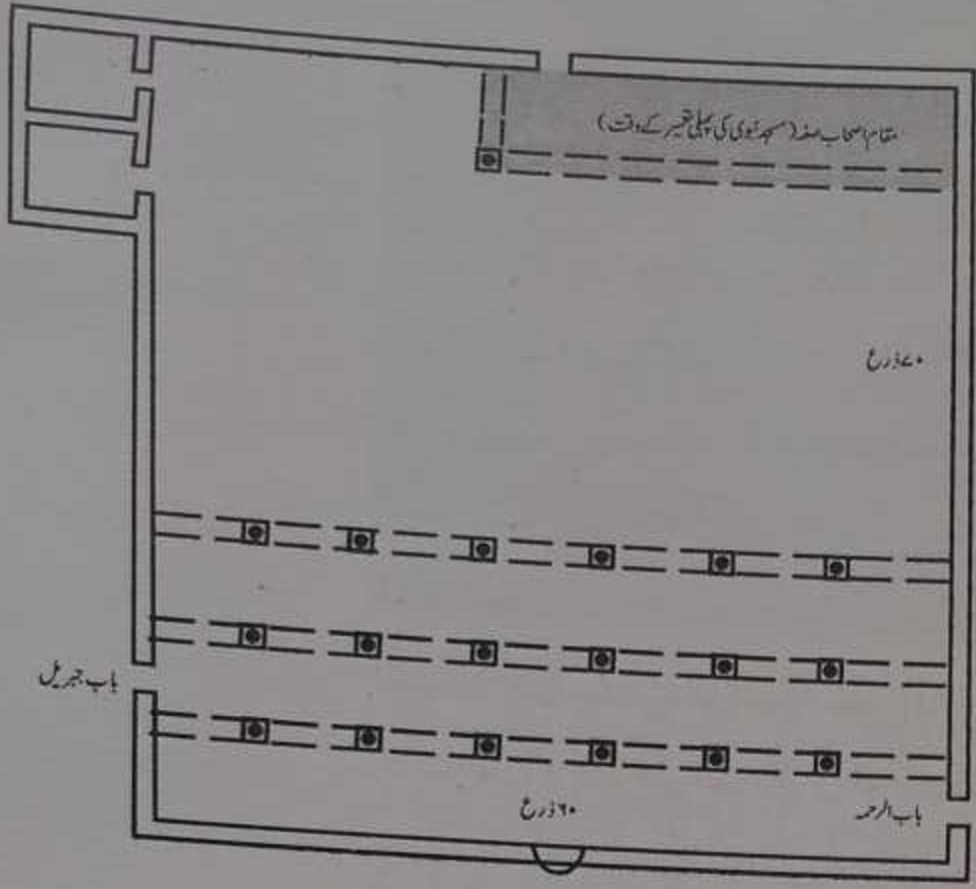
انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اکثر اوقات انہیں اپنے ہاں مدعو کر لیتے. حضرت سعد بن عبادہؓ تو ایک وقت میں ۸۰ اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم کو اپنے مائدہ پر مدعو کر لیا کرتے تھے. (۱۱) حضرت محمد ابن سیرینؒ سے مروی ہے: [جب شام ڈھل جاتی تو کوئی نہ کوئی صحابی اپنے ساتھ ایک اصحابی الصفہ کو لے جاتا، یا پھر ایک اصحابی دو اصحاب الصفہ کو اپنے ساتھ لے جاتا اور کبھی کوئی پانچ حضرت الصفہ کو اپنے ساتھ لے جاتا، مگر حضرت سعد بن ابی عبادہؓ ہر رات اسی اصحاب الصفہ کو ساتھ لے جاتے تھے.] حضرت محمد ابن مسلمہؓ کی تجویز پر حضرت معاذ ابن جبلؓ نے الصفہ کے دو ستونوں کے ساتھ رسی باندھ دی تھی جہاں صاحب حیثیت اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم، جن کے کھجوروں کے باغات وغیرہ تھے، پکی اور نیم پکی کھجوروں کے گچھے لٹکا دیا کرتے تھے. (۱۲) ان کے فقر و افلاس کے عالم کا اندازہ لگانا مشکل نہیں کیونکہ بہت سی روایات اس سلسلے میں اس بات کا کھل کر ذکر کرتی ہیں کہ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے پاس لباس وغیرہ کی بھی اتنی ہی کمی ہوتی تھی جتنی کہ خوراک کی تھی. حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: [میں نے ستر ایسے اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم دیکھے جن کے پاس کوئی رداء تک نہیں ہوتی تھی. ان کے پاس صرف تہبند ہوا کرتے تھے یا ایسی چادریں تھیں جن کو وہ اپنے گلوں کے گرد تک باندھ لیا کرتے تھے. ان میں سے کچھ کی یہ چادریں صرف ان کی ٹانگوں تک پہنچتیں اور کچھ کی ان کی ایڑیوں تک. اور ان کو اپنے ان کپڑوں کو بہت احتیاط سے لپیٹ کر رکھنا پڑتا تھا تا کہ ان کے ستر نہ کھل جائیں. (۱۳) ایک اور موقع پر انہوں نے فرمایا: [میں نے تیس کے لگ بھگ ایسے اہل الصفہ کو دیکھا جو کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے. ان میں سے کسی کے پاس بھی اپنے تن کا بالائی حصہ ڈھانپنے کے لیے کوئی کپڑا نہیں ہوتا تھا. (۱۴) حضرت واثلہ بن الاسقعؓ سے مروی ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے تیس ایسے حضرات کو دیکھا ہے جو کہ نبی الرحمہ المزمل والمدثر علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے صرف اپنے تہبندوں میں نماز ادا کرتے تھے، اور میں بھی انہی میں سے ایک تھا.] (۱۵)

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے: [میں اہل الصفہ رضوان اللہ علیہم کے درمیان بیٹھا تھا. ان میں سے کچھ ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر بیٹھے ہوئے تھے کیونکہ ان کے پاس کپڑے نہیں تھے، جبکہ ان میں سے ایک قرآن کریم پڑھ رہا تھا. اچانک رسول رحمت رؤف الرحیم ﷺ وہاں تشریف لے آئے اور ہمارے پاس کھڑے ہو گئے. جب رسول اللہ ﷺ وہاں کھڑے ہوئے تو قاری نے تلاوت بند کر دی اور آپ کو مرحبا کہا. رسول اللہ ﷺ نے استفسار فرمایا: [کیا کر رہے تھے؟] ہم نے عرض کیا: [یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ایک قاری قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا اور ہم اسے سن رہے تھے.] تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [الحمد للہ! جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو شامل کیا ہے جن کے متعلق مجھے حکم ہے کہ میں ان کے ساتھ رہوں. پھر آں حضور ﷺ ہم میں گھل مل کر بیٹھ گئے، جیسے کہ وہ ہم میں سے ہی ایک ہوں. جب آپ حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے تو حضور رسالت مآب ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا اور سب آپ کے گرد حلقہ زن ہو کر ایسے بیٹھ گئے کہ سب کی نگاہیں آپ کے چہرہ اقدس پر مرکوز تھیں. راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتے تھے سوائے راوی

کے (حضرت ابو سعید الخدریؓ). آپ نے فرمایا[اے گروہ مساکین ومہاجرین یوم القیامۃ تم پر نور کامل برسے گا تم لوگ اغنیاء سے پہلے جنت پہنچ جاؤ گے، یعنی پانچ سو سال پہلے.](۱۶)

حضرت عبدالرحمن بن ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم انتہائی مفلس ہوا کرتے تھے.(۱۷) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے فرمایا:[تم میں سے جس کے پاس دو افراد کا کھانا ہے وہ اپنے ساتھ تین مہمان لے جائے اور جس کے پاس چار افراد کا کھانا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنے ساتھ پانچ یا چھ کو لے جائے.](۱۸) لہذا سیدنا ابو بکرؓ اپنے ساتھ تین اصحاب الصفہ کو لے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاں دس اصحاب الصفہ کو مدعو کیا. حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کے مطابق:[دن کے وقت وہ (اہل الصفہ) پانی ڈھوتے اور مسجد کے گھڑوں میں ڈالتے، لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اسے بیچتے اور جو کچھ بھی حاصل ہوتا اس سے صفہ پر مقیم اپنے بھائیوں کے لیے کھانا لے آتے.](۱۹) حضرت ابی ذر الغفاریؓ سے روایت ہے:[میں بھی اہل الصفہ میں سے تھا. جب ہمیں شدید بھوک ستاتی تو ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور آپ حضور ﷺ اپنے اصحابیوں کو ہم میں سے ایک ایک کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے فرما دیتے، اور اس طرح ایک ایک کر کے ہمارے ساتھی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ساتھ چلے جاتے یہاں تک کہ دس یا اس سے بھی کم رہ جاتے جن کو رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس اپنے ساتھ لے جایا کرتے اور ہم مائدہ رسول اللہ ﷺ سے ماحضر تناول کرتے. اور جب ہم کھانا کھا چکتے تو رحمت اللعالمین ﷺ فرماتے: جائیں اور اب مسجد میں سو رہیں!](۲۰)

ایک ایسی ہی حدیث مبارکہ حضرت یاعش بن تخفط الغفاریؓ سے مروی ہے:[میرے والد اہل الصفہ میں سے ایک تھے. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھ حجرہ عائشہؓ میں آئیں. جب ہم گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہؓ ہمارے لیے کھانا لائیں. آپ حشیشہ لے کر آئیں اور ہم نے کھایا. پھر آں حضور ﷺ نے فرمایا: عائشہؓ ہمارے لیے کھانا لے کر آئیں. سیدۃ عائشہؓ پھر حشیشہ لے کر آئیں جو کہ مقدار میں کبوتر کے انڈے جتنا تھا. وہ بھی ہم نے کھا لیا. پھر آں حضور ﷺ نے فرمایا: عائشہؓ ہمیں کچھ پینے کے لیے بھی دیجئے. ام المومنین رضی اللہ عنہا ایک برتن میں دودھ لے کر آئیں اور ہم نے پی لیا. اس کے بعد حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: چاہو تو یہاں سو رہو اور چاہو تو مسجد میں جا کر سو رہو.] انہوں نے مزید بیان کیا ہے کہ ایک بار جب وہ اپنے پھیپھڑوں میں درد کی وجہ سے اپنے منہ کے بل الٹے لیٹے ہوئے تھے تو کسی نے انہیں اپنے پاؤں سے ہلایا اور فرمایا:[اس طرح سونے کو اللہ پسند نہیں فرماتا]. انہوں نے مڑ کر دیکھا تو آپ رسول اللہ ﷺ تھے. (۲۱)

رسول اللہ ﷺ اہل الصفہ کا بہت خیال فرماتے. جب بھی کوئی تحفہ سید الثقلین اور نبی الحرمین ﷺ کی خدمت عالیہ میں پیش کیا جاتا تو آں حضور ﷺ ان کو اپنے ساتھ شریک کر لیتے اور جب کبھی کوئی صدقہ آتا تو آں حضور ﷺ انہیں کو بھجوا دیتے. جب سیدنا حسن ابن علی مرتضیٰؓ کی پیدائش ہوئی تو آں حضور ﷺ نے جناب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کو فرمایا کہ نومولود فرزند اہل بیت کے بالوں کے وزن کے وزن کی چاندی اہل الصفہ کو بطور صدقہ دے دی جائے.(۲۲) امام زین العابدینؒ سے مروی ہے:[جب سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ کے ہاں حضرت حسین علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، کیا میں اپنے بیٹے کا عقیقہ نہ دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[نہیں، بلکہ مولود کا سر منڈا دیا جائے اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر سونا یا چاندی اہل صفہ کے مساکین کو تصدق کر دیں.] (حلیۃ الاولیاء، ج:ا ص:۲۱۶) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حضرت جعفر ابن ابی طالبؓ اہل صفہ کو کھانا کھلانے میں بہت سخی اور کریم تھے.(۲۳) رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ سے کتنے ہی معجزے تکثیر طعام کے مروی ہیں کہ جب بالکل تھوڑا سا کھانا سب اہل الصفہ کے لیے کفایت کر گیا، جب کہ ان کی تعداد بعض اوقات ۳۰۰ سے بھی متجاوز ہوتی.(۲۴)

مسجد میں مقام اصحاب صفہ اور دکۃ الاغوات

حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ سے مروی ہے: [ایک مرتبہ ہم ۱۳۰-افراد رسول اللہ ﷺ کی معیت میں تھے. اللہ کے پیارے رسول مقبول ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی کھانا ہے؟ ایک آدمی ایسا تھا جس کے پاس ایک صاع آٹا یا اسی قسم کی کوئی چیز تھی جو کہ گندھا ہوا تھا. اتنی دیر میں ایک مشرک جس کے بال بکھرے ہوئے تھے وہاں آنکلا جو بھیڑ بکریوں کا ریوڑ ہانک کر لا رہا تھا. حبیب کبریاء سید الانبیاء ﷺ نے اسے فرمایا: کیا تم ان میں سے ایک کو بیچنا چاہو گے یا ہمیں تحفہ دینا چاہو گے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں وہ تحفہ نہیں دے گا بلکہ اسے بیچنا چاہے گا. رسول اللہ ﷺ نے اس سے ایک بھیڑ خرید لی جسے ذبح کیا گیا اور اس کا گوشت تیار کیا گیا. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کلیجہ بھونا جائے. (راوی نے کہا) اللہ کی قسم ان ۱۳۰-افراد میں سے کوئی بھی نہیں بچا تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے نہ دیا ہو، بلکہ اگر کوئی غیر حاضر تھا تو اس کا حصہ بھی رکھ لیا گیا. پھر رسول اللہ ﷺ نے اس سے دو برتن بھر لیے جس میں سے ایک میں شوربہ تھا اور دوسرے میں گوشت تھا، اور ہم سب نے اپنا پیٹ بھر کر کھایا، لیکن پھر بھی دونوں برتنوں میں کھانا موجود تھا اور میں نے اسے اپنے اونٹ پر رکھ لیا.] (۲۵)

رسول اللہ ﷺ اہل الصفہ کی تعلیم وتربیت کا بہت خیال فرماتے تھے اور ایسے اصحاب کو ان کی تعلیم پر مامور کرتے جو کہ پڑھے لکھے تھے. حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے مروی ہے: [میں نے اہل الصفہ میں سے چند لوگوں کو پڑھنا لکھنا اور قرآن سکھایا.] (۲۶) تمام اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم اپنا زیادہ تر وقت قرآن کریم پڑھنے میں گزارتے. یوں انہوں نے تدبر قرآن اور تفہم دین براہ راست صاحب قرآن اور ختم الرسل ﷺ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے حاصل کیا. حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے: [اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا ایک گروہ بہت اچھا قرآن پڑھا کرتا تھا. وہ قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتے اور پھر راتوں کو اکٹھے بیٹھ کر ایک دوسرے سے قرآن کریم کے معانی ومفاہیم پر باتیں کرتے رہتے. درحقیقت یہ گروہ رسول اللہ ﷺ کو بہت پیارا تھا اور انہوں نے بھی سراج منیر، شمس الضحیٰ اور بدر الدجی ﷺ سے قربت کے ایک ایک لمحے سے بھرپور استفادہ کیا. اصحاب الصفہ زہد، پرہیزگاری، تقویٰ اور احسان (تصوف) میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے. خلوت و جلوت میں قرآن کریم کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہی ان کا محبوب مشغلہ تھا. ذکر و فکر کی تمام تر رعنائیاں ان میں جلوہ گر تھیں. قرآن کریم نے ان کے فقر اور لگن کی تعریف کرتے ہوئے محبّ الفقراء والمساکین اور انیس الغریبین علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التسلیما کو ان کے ساتھ انس ومحبت کا کہا: ﴿اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح وشام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں، اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں ان کو چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں.﴾ اس آیۃ کریمہ کے نزول پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [شکر ہے اللہ رب ذوالجلال کا کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جن کیلیے مجھے حکم ہوا ہے کہ میں ان سے مانوس رہوں.] ان میں سے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے تو احادیث رسول اللہ ﷺ کو حفظ کر لیا اور پھر اسی انمول خزانے کو اگلی نسلوں میں بانٹتے رہے، مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعید الخدریؓ وغیرہ. حدیث مبارکہ کے

طالب علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ مقام صفہ کے ان سپوتوں کا روایت حدیث میں کتنا بلند مقام ہے. اتنی زیادہ احادیث اور کسی اصحابی نے روایت نہیں کیں. ساتھ ہی ساتھ یہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم فقر اور استغناء کی دولت سے مالا مال تھے. ان کے استغناء کا ذکر کرتے ہوئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں: [روایات میں آیا ہے کہ جب کبھی کوئی کسی اہل الصفقہ کو کوئی چیز پیش کرتا تو وہ اپنے دوسرے ساتھی کو پیش کر دیتے جو آگے کسی تیسرے اہل الصفہ کو پیش کر دیتے اور کرتے کرتے وہ چیز پہلے اہل الصفہ کے پاس گھوم پھر کر واپس آ جاتی.] (۲۸)

ان کے زہد و تقویٰ کا ہرگز یہ مطلب نہ لیا جانا چاہئے کہ انہوں نے کسی اور واجب دینی سے کنارہ کشی کر لی تھی یا دنیا سے قطع تعلقی کر لی تھی. بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جب کبھی بھی غزوہ یا سرایا کا وقت آیا سب سے پہلے جہاد کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنے والے یہی فرزندان توحید ہوا کرتے تھے اور اس طرح وہ لشکر اسلامی کا ہر اول دستہ تصور ہوتے تھے. فاتح القلوب رسول اللہ ﷺ نے جب بھی کسی ایسے فریضے کے لیے صلائے عام دیا تو سب سے پہلے لبیک کہنے والے یہی اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم ہوتے تھے. اور کبھی تو ایسے بھی ہوتا کہ جونہی رسول اللہ ﷺ کو کوئی ایسی اطلاعات ملتیں جو فوری اور راست اقدام کی متقاضی ہوتیں تو اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم آناً فاناً سر بکفن تیار ملتے. اگر رات کے وقت مدینہ طیبہ کے کسی گھر پر کوئی حملہ کر دیتا اور یہ ضروری ہو جاتا کہ فوری طور پر اس حملہ آور کا مقابلہ یا پیچھا کیا جائے تو انہیں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے چند موقع پر پہنچ کر حملہ آور کو مار بھگاتے تھے. چونکہ وہ دن رات دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر رہا کرتے تھے انہیں آج کی زبان میں ایسے معاملوں میں ایک ایسی بٹالین یا 'گروہ جاں بازاں یا گروہ سرفروشاں' کا نام دیا جاسکتا ہے جس کا کام ہی فوری نوعیت کے اقدام کرنا ہوتا تھا (Quick Action Task Force). ان میں سے بہت سوں نے غزوہ بدر اور دیگر جنگوں میں بھی شرکت کی اور جام شہادت نوش فرمایا تھا، مثلاً حضرت زید بن الخطابؓ وغیرہ، اور بہت سے اہل الصفہ غزوہ احد میں بھی سربکف شریک تھے اور شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے شہید ہوئے تھے، مثلاً حضرت حنظلہ غسیل الملائکہؓ. کچھ غزوہ خیبر اور غزوہ تبوک میں بھی شہید ہوئے تھے. (۲۹) ان ستر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے جن کو دھوکے سے بیر معونہ پر نجدیوں نے شہید کر دیا تھا، ان میں کثیر تعداد اہل الصفہ ہی کی تھی. (۳۰)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں معاشی حالات کی بہتری کے ساتھ ساتھ اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم کی تعداد بھی کم ہوتی گئی. ابن الجوزی کے مطابق: ''اہل الصفہ مسجد نبوی میں اس وقت تک قیام کرتے جب تک کہ ان کو نان ونفقہ کے لیے دوسروں پر انحصار کرنا پڑتا تھا. تاہم جونہی اسلامی فتوحات نے نئے مواقع پیدا کئے تو ان کو دوسروں پر انحصار کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی. ان میں سے اکثر تو مسلم فاتحین کے ساتھ جہاد کے لیے چلے گئے تھے.'' (۳۱)

ابن ہشام کے بیان کے مطابق اہل الصفہ کی تعداد مختلف وقتوں میں مختلف رہی تھی. کم سے کم ۱۲ افراد سے لے کر ۳۰۰ افراد ایک وقت میں مقام الصفہ پر مقیم رہے تھے. ایک روایت میں ان کی کل تعداد ۶۰۰ - اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بتائی گئی ہے. حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ کی ایک روایت کے مطابق ایک دن ان کی تعداد ۱۳۰ تھی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک بھیڑ خریدی تھی جسے ذبح کرنے کے بعد اس کا کلیجہ بھونا گیا اور پھر معجزہ نبویہ سے وہی کلیجہ ۱۳۰ مہمانان دربار رسالت مآب ﷺ کے لیے کافی ثابت ہوا. (۳۲) کچھ تو صرف وہاں چند دن ہی رکے تھے اور جونہی ان کے باہر رہنے کا بندوبست ہوا اور انہیں روزگار کے لیے کوئی کام مل گیا، تو وہ الصفہ سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے تھے. حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق: [میں نے صفہ پر ۳۰۰ سے زیادہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو دیکھا.] (۳۳) حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہؓ مشرف بالاسلام ہو کر مقام صفہ پر سکونت پذیر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیگر اصحاب الصفہ پر عریف بنا دیا تھا. جب کبھی من حیث الجماعت تمام اصحاب الصفہ کو بلانا مقصود ہوتا یا کسی کام پر لگانا ہوتا تو حضرت ابو ہریرہؓ کو طلب کر کے احکام دے
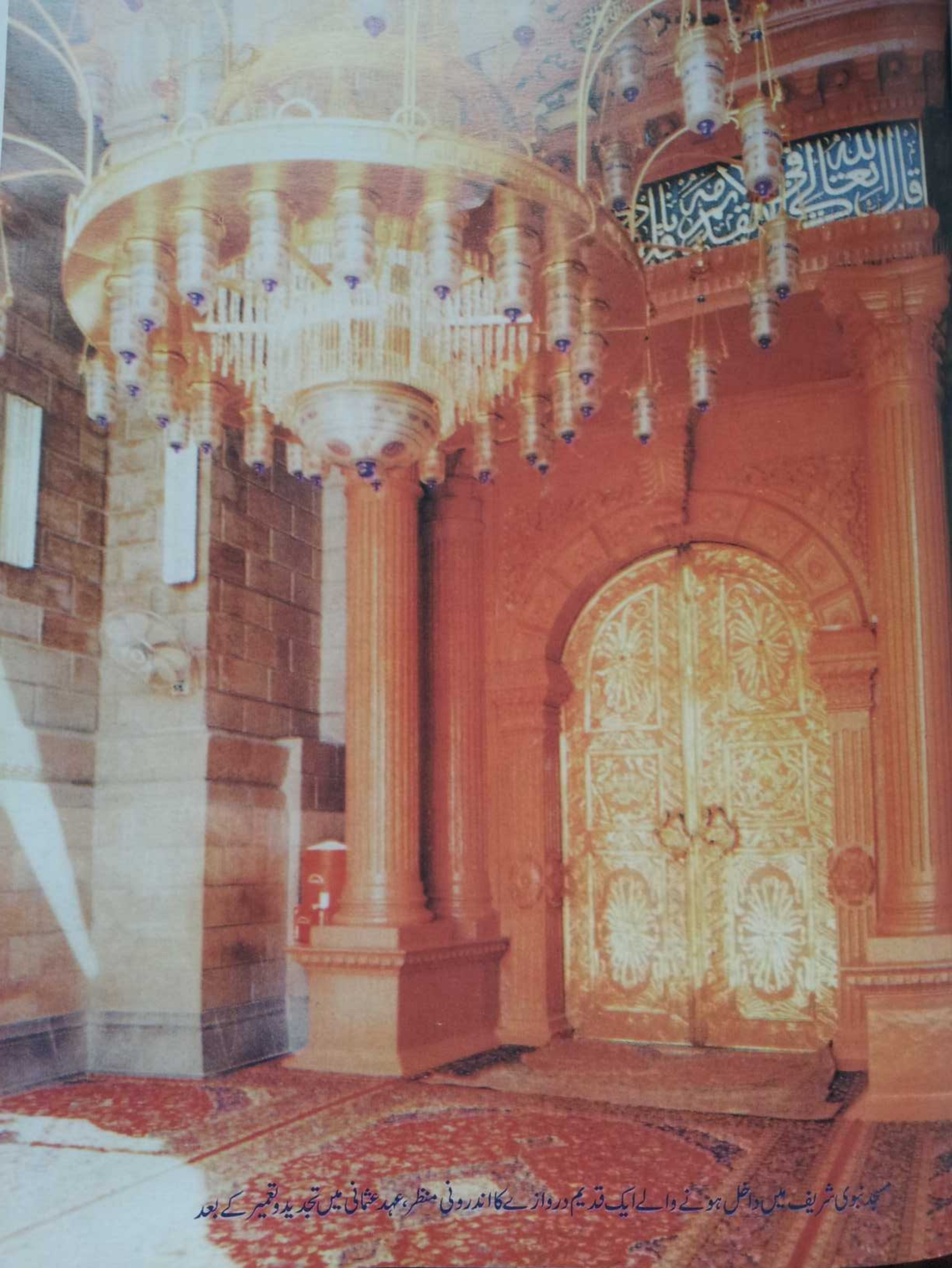
مسجد نبوی شریف میں داخل ہونے والے ایک قدیم دروازے کا اندرونی منظر، عہد عثمانی میں تجدید و تعمیر کے بعد

دیئے جاتے تھے اور وہ اپنے گروہ جاں بازاں تک احکام پہنچاتے تھے۔ یوں وہ کافی عرصہ تک اس جماعت کے سربراہ رہے تھے حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک اور روایت ہے کہ انہوں نے ان میں سے بہت سوں کو کہیں نہ کہیں امیر یا گورنر بنائے جاتے دیکھا تھا، جیسا کہ صادق مصدوق رسول والنبی الکریم ﷺ نے ان کے پاس سے گزرتے ہوئے بہت پہلے فرما دیا تھا۔ اہل صفہ میں سے سب سے زیادہ مشہور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

(۱) حضرت بلال ابن رباحؓ
(۲) حضرت ابوذر الغفاریؓ (جندب بن جندہ)
(۳) حضرت ابوعبادہ بن الجراحؓ
(۴) حضرت ابوسلمہ المخزومیؓ
(۵) حضرت ربیعہ بن کعب الاسلمیؓ
(۶) حضرت عثمان بن مظعونؓ (۳۴)
(۷) حضرت طخفت بن قیس الغفاریؓ
(۸) حضرت عباد بن خالد الغفاریؓ
(۹) حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ
(۱۰) حضرت ابوہریرہؓ
(۱۱) حضرت سلمان الفارسی (ابوعبداللہ)ؓ
(۱۲) حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ
(۱۳) حضرت سعد بن مالکؓ (حضرت ابوسعید الخدریؓ)
(۱۴) حضرت کعب بن مالکؓ
(۱۵) حضرت ابولبابہؓ
(۱۶) حضرت ابوالدرداءؓ
(۱۷) حضرت سالم بن عمیرؓ
(۱۸) حضرت عتبہ بن غزوانؓ
(۱۹) حضرت حنظلہؓ بن ابوعامر الراہب (الغسیل الملائکہؓ)
(۲۰) حضرت زید بن ثابتؓ
(۲۱) حضرت حارثہ بن النعمان الانصاریؓ (۳۵)
(۲۲) حضرت حذیفہ بن الیمانؓ
(۲۳) حضرت زید بن الخطابؓ
(۲۴) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ
(۲۵) حضرت صہیب بن سنان الرومیؓ
(۲۶) حضرت صائب بن خالدؓ
(۲۷) حضرت طلحہ بن عمروؓ
(۲۸) حضرت طلحہ بن عبداللہ النضریؓ (۳۶)
(۲۹) حضرت معاذ بن الحارثؓ
(۳۰) حضرت عبداللہ بن انیس الجہنیؓ
(۳۱) حضرت شقرانؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۲) حضرت سفینہؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۳) حضرت ثوبانؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۴) حضرت عبیدؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۵) حضرت ابوموہبہؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۶) حضرت ابوعسیبؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۷) حضرت سالمؓ (مولیٰ رسول اللہ ﷺ)
(۳۸) حضرت ہلال ابن رباحؓ
(۳۹) حضرت واثلہ بن الاسقعؓ
(۴۰) حضرت خباب بن الارتؓ
(۴۱) حضرت الاغر المزنیؓ
(۴۲) حضرت حرملہ بن ایاسؓ
(۴۳) حضرت حبیب بن زید بن عاصم الانصاریؓ
(۴۴) حضرت البراء بن مالک بن النضرؓ (برادر حضرت انس بن مالکؓ)
(۴۵) حضرت اوس بن اوس الثقفیؓ
(۴۶) حضرت جعیل بن سراقہ الضمریؓ
(۴۷) حضرت جاریہ بن حمیلؓ
(۴۸) حضرت جرہد بن خویلدؓ

(۴۹) حضرت ثابت بن الضحاکؓ — (۵۰) حضرت ثابت بن ودیعہ الانصاریؓ
(۵۱) حضرت خنیس بن حذافہ السہمیؓ — (۵۲) حضرت ابوریحان شمعون الازدیؓ
(۵۳) حضرت عبدالرحمٰن بن صخرؓ — (۵۴) حضرت عبداللہ بن بدر الجہنیؓ
(۵۵) حضرت عرباض بن ساریہ السلمیؓ — (۵۶) حضرت طلحہ بن عمرو البصریؓ
(۵۷) حضرت صفوان بن بیضاءؓ — (۵۸) حضرت شداد بن اسیدؓ
(۵۹) حضرت سائب بن خلادؓ — (۶۰) حضرت سالم بن عبید الاشجعیؓ
(۶۱) حضرت ابارزینؓ — (۶۲) حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ
(۶۳) حضرت خبیب بن یسافؓ — (۶۴) حضرت خریم بن اوسؓ
(۶۵) حضرت حکم بن عمیرؓ — (۶۶) حضرت حجاج بن عمروؓ
(۶۷) حضرت حذیفۃ بن اسیدؓ — (۶۸) حضرت اسماء بن حارثہؓ
(۶۹) حضرت مقداد بن الاسودؓ — (۷۰) حضرت ثقیف بن عمروؓ
(۷۱) حضرت دکین بن سعید المزنیؓ

یوں تو تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم فخر موجودات وجہ تخلیق کائنات ﷺ پر دل وجاں سے فدا تھے اور خدمت خیر الوراء ﷺ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی تگ ودو میں رہا کرتے تھے، لیکن اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم میں سے کچھ ایسے بھی پروانے تھے کہ شمع رسالت پر ہمہ تن اور ہمہ وقت نثار تھے جیسے کہ حضرت ربیعہ بن کعبؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ جو کہ سایہ کی طرح حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہتے تھے. حضرت ربیعہ بن کعبؓ تو ان جان نثاروں میں سب سے بازی لے گئے تھے. آپ سرور کونین ﷺ کو وضوء کرواتے اور تاجدار مدینہ ﷺ کی ذاتی ضروریات کا خیال رکھتے اور جب تک آقائے انس وجاں ﷺ اپنے حجرہ مبارکہ میں تشریف نہ لے جاتے حضرت ربیعہ بن کعبؓ خدمت اقدس میں حاضر رہتے اور جب حضور رسالت مآب ﷺ آرام فرمانے کے لیے اپنے کاشانہ اقدس میں چلے جاتے تو وہ حجرہ مبارکہ کی چوکھٹ پر سر نیاز رکھ کر سو جاتے اور جونہی ان کے کان میں ہلکی سی آہٹ آتی کہ آقائے نامدار ﷺ بیدار ہو چکے ہیں یا باہر تشریف لا رہے ہوتے تو وہ فوراً پکار اٹھتے: لبیک یارسول اللہ ﷺ. انہوں نے ایک روایت میں بیان کیا ہے: [میں دن رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہا کرتا تھا اور آپ کے لیے وضوء کے پانی کا آفتابہ لے کر آتا یا دیگر ذاتی ضروریات کا خیال کرتا تھا. ایک مرتبہ فخر موجودات اور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: ''کعب کچھ مانگو، تمہاری آرزو پوری ہوگی!'' میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں جنت میں بھی آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں. سید المرسلین اور رحمت اللعالمین ﷺ نے فرمایا: بس یہی یا اور بھی کچھ؟ میں نے عرض کیا: بس یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہی آرزو ہے! آپ حضور ﷺ نے فرمایا: اس کے لیے کثرت سے سجدہ ریزی کیا کرو.] (۳۷)

جیسا کہ ہم نے ابتداء میں بیان کیا ہے، صفّہ کا چبوترہ بے گھر اور مساکین مہاجرین کے لیے معرض وجود میں لایا گیا تھا، لیکن اس کردار کی وجہ سے جو کہ اس مقام نے امت مسلمہ کی تعلیم میں ادا کیا اسے ایک تعلیمی ادارہ کہنا بے جا نہ ہوگا، کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ (علم الحدیث) اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ (علم القرآن) اسی ادارے کے فارغ التحصیل تھے. ہم اسے دنیا کی پہلی رہائشی یونیورسٹی قرار دے سکتے ہیں کیونکہ اس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ رہائش اور خوراک کا بھی بندوبست کیا گیا تھا. ''دن میں یہ ایک درس گاہ نظر آتی اور رات کے وقت یہ ایک مکمل ہوسٹل تھا کیونکہ طلباء کہیں اور جا کر رہ نہیں سکتے تھے.'' (۳۸) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے: [جب رسول اللہ ﷺ نماز فجر سے فارغ

ہوجاتے تو وہ اصحابہ کرام جن میں ضعیف، بوڑھے، فقراء اور رسول اللہ ﷺ کے مہمان اور وہ حضرات جن کا الصفہ کے علاوہ کوئی اور ٹھکانا نہ تھا، حلقہ زن ہو کر رسول اللہ ﷺ کے گرد قطار اندر قطار بیٹھ جاتے اور آں حضرت ﷺ ان کو وحی الٰہی کی وہ آیات پڑھ کر سناتے جو کہ اس پچھلے دن یارات میں نازل ہوئی ہوتیں اور آپ حضور ﷺ اس کی تفسیر وتشریح فرماتے. پھر بعد میں حاضرین ان مفاہیم پر آپس میں ایک دوسرے سے بات چیت کرتے رہتے، یہاں تک کہ دن کافی چڑھ جاتا اور شہر کے عمائدین رسول اللہ ﷺ کو ملنے کے لیے آجاتے تھے. جب ان عمائدین کو حضور نبی اکرم ﷺ کی قربت میں بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تو ان میں سے اکثر ناک بھوں چڑھاتے کیونکہ وہ ان غرباء اور مساکین کو اتنی اہمیت نہ دیتے تھے جو کہ اپنے آقا کے گرد حلقہ زن ہو کر بیٹھے ہوتے تھے. اس پس منظر میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ کا نزول ہوا جس کا ایک حصہ اس باب میں اوپر بھی نقل کیا گیا ہے:

﴿اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں، اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں ان کو چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں. کیا تم دنیا کی زندگانی کا سنگار چاہو گے؟ اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا اور فرما دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے.﴾ (۴۱)

اس آیہ کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کو ان عشاق رسول مقبول ﷺ کی خاطر کتنی عزیز تھی کہ حبیب کبریا علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا گیا کہ ان سے انس رکھیں. اوپر دی گئی حدیث مبارکہ سے بھی اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ خود رسول مقبول ﷺ ان کو کتنا عزیز رکھتے تھے، انہیں اپنے گرد قطار اندر قطار بٹھاتے. اور پھر لبان مبارک سے جو کلمہ بھی نکلتا ان عشاق کے دلوں پر ثبت ہو کر رہ جاتا. کوئی حضرت ثوبانؓ کی طرح سید الکونین ﷺ کے چہرہ اقدس پر نگاہیں جمائے حسن لازوال کا نظارہ لیتا رہتا اور کوئی سیدنا سلمان فارسیؓ کی طرح کھجور کے پتوں سے بنے پنکھوں کو جھلتا رہتا تا کہ سردار انبیاء ﷺ کو گرمی محسوس نہ ہو. اس مقام کو 'مقام اہل العرفان' بھی کہا گیا ہے، بعد میں آنے والے مسلمانوں نے عام طور پر، اور اہل تصوف نے خاص طور پر زہد وتقویٰ، پرہیزگاری اور فقر میں 'اہل الصفہ' کا اتباع کیا ہے اور مقام الصفہ سے ان کی وابستگی نے ان کو 'صفی' کا نام دیا جو لہجوں کے اختلاط اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ 'صوفی' کہا جانے لگا. لفظ صوفی کو دوسری وجہ تسمیہ یہ بھی تھی کہ ان میں سے اکثر وبیشتر اون (صوف) کے جبے پہنا کرتے تھے. ایسی شخصیتوں میں حضرت عبادہ ابن الجراحؓ اور حضرت سلمان الفارسیؓ کا نام سرفہرست ہے گو کہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جو کھردرے اونی جبے اور دلق (گدڑیاں) پہننے میں مشہور تھے. بھوک سے نڈھال ہو کر بھی اللہ کے یہ پراسرار بندے مجاہدوں اور ذکر کی ریاضتوں میں ہمہ وقت مشغول رہتے تھے. حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: [لوگوں نے مجھے منبر رسول اللہ ﷺ اور حجرہ مبارکہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے درمیان مشقت اور ریاضت (اصرع۔ ادھر ادھر لڑکھڑا کر بھاگتے) کرتے دیکھا. ان میں سے کچھ نے کہا کہ یہ مجنون (پاگل) ہے، لیکن میں جنون میں مبتلا نہیں تھا بلکہ میرا یہ حال بھوک سے ہوا تھا.] لیکن اس فاقہ کشی کے باوجود بھی وہ ذکر الٰہی سے لمحہ بھر بھی غافل نہ رہے. حضرت عکرمہؓ نے ان سے روایت کی ہے: ''میں دن میں اپنے رب سے بارہ ہزار بار استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں، اور یہ میرے (یا آں حضرت ﷺ کے) دین کے مطابق ہے.'' ان کے پوتے (نعیم بن المحرر بن ابی ہریرہؓ) سے مروی ہے: ابو ہریرہؓ کے پاس ایک دھاگا ہوا کرتا تھا جس میں ایک ہزار گرہیں دی ہوئی تھیں. وہ اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ اس کی پوری تسبیح نہ کر لیتے تھے. سیدنا سلمان فارسیؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ کے ذکر وتسبیح وتحلیل کا یہ عالم تھا کہ جب وہ کھانے پر تشریف فرما ہوتے تو ان کے برتنوں سے بھی تسبیح وتحلیل کی آوازیں آیا کرتی تھیں. اصحاب الصفہ اکثر مل کر ذکر کی محافل کا اہتمام کرتے تھے اور پھر کبھی ایسا بھی ہو جاتا کہ خود سرکار دو عالم ﷺ ان کے ساتھ اجتماعی ذکر جلی میں شرکت فرما لیتے تھے. حضرت ثابت البنانیؓ سے مروی ہے: ''حضرت سلمان (الفارسیؓ) چند دیگر اصحاب کے ساتھ مل کر گروہ کی شکل میں (فی عصابۃ۔

عربی میں عصابہ دس سے کم آدمیوں کے گروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے) اللہ عزوجل کا ذکر کر رہے تھے. اتنے میں رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے آئے اور فرمانے لگے: [تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟] ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ہم اللہ کا ذکر کر رہے تھے. رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے: [(ذکر) جاری رکھو کیونکہ میں نے دیکھا کہ آپ پر رحمت حق کا نزول ہو رہا تھا، سو میں نے بھی چاہا کہ تمہارے ساتھ اس عمل میں شریک ہو جاؤں.] پھر ارشاد رسالت مآب ﷺ ہوا: [اللہ کا شکر ہے کہ اللہ رب العزت جل جلالہ نے میری امت میں ایسے مردان حق پیدا کیے ہیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے ہمراہ رہوں.] حلیۃ الاولیا وطبقات الاصفیاء، ج:۱، ص: ۳۴۰) اہل الصفہ کے یہ اصفیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے بعد آنے والوں کے لیے صبر واستقامت، فقر وفاقہ مستی، تزہد وتذکر اور مجاہدوں کی ایسی شمعیں روشن کر گئے کہ بعد میں آنے والے اولیائے کرام کو ان کی میراث سے خوشہ چینی کیے بغیر نہ بنی اور یوں انہی کی مثالیں تصوف کی بنیاد بنیں. اس نقطہ نظر سے اگر یہ کہا جائے کہ تصوف کی ابتداء اور نشو ونماء مقام الصفہ سے ہوئی تھی تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا.

اگرچہ معاشی حالات کے بہتر ہونے پر اصحاب الصفہ مقام صفہ سے نقل مکانی کر کے مدینہ طیبہ کے دوسرے حصوں میں آباد ہوتے رہے، مگر وہ جگہ ان ہستیوں کی یادیں اپنے دامن میں لیے زندہ جاوید ہو گئی. بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم تو قباء میں اس مقام پر منتقل ہو گئے تھے جسے انہیں کی نسبت سے 'دار الصفہ' کہا جاتا تھا. حضرت سلمان الفارسیؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور بہت سے دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اس مقام پر کچی جھونپڑیوں میں رہنے لگ گئے تھے. ابن جبیر نے ۵۸۰ ہجری میں مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو اس وقت بھی اس آبادی کے آثار موجود تھے. وہ رقمطراز ہیں:

'قصبے (قباء) کے آخر پر ایک اونچی سی جگہ یا ٹیلہ نما مقام ہے جسے العرفات کہا جاتا ہے. اس پر 'دار الصفہ' واقع ہے جہاں حضرت عمار ابن یاسرؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ نے قیام فرمایا تھا. اصحاب صفہ میں سے بہت سے دوسرے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی وہیں ٹھہرے تھے. اس ٹیلے کو 'العرفات' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اسی جگہ رسول اللہ ﷺ یوم عرفات کو ٹھہرے تھے (جب کہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ حج کے لیے تشریف لے گئے تھے) اور معجزے کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام کو میدان عرفات کا جلوہ دکھایا تھا جہاں ان کے دیگر ساتھی فریضہ حج کے دوران وقوف عرفات کر رہے تھے. قباء میں تاریخی مقامات کی بھرمار ہے. ان کی تعداد اور اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے.'' (۴۲)

اس آبادی کی باقیات آج بھی قباء میں موجود ہیں. اکثر لوگ اسے 'بستی مہاجرین' کا نام دیتے ہیں جبکہ دراصل یہ 'دار الصفہ' ہے. ان کا پرانا طرز تعمیر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اسے کئی سو سال پہلے نئے سرے سے بسایا گیا ہوگا. اب چھتیں مفقود ہیں مگر دیواروں کے کھنڈرات زبان حال سے اپنے آثار قدیمہ ہونے پر مصر ہیں اگرچہ بے اعتنائی اور مادیت پرستی نے اس کے بہت سے حصے پر باغات اگا لیے ہیں یا اس کے سینے کو چیر کر سڑکیں نکال لی گئی ہیں.

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں معاشی حالات کی بہتری کے ساتھ ساتھ اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم کی تعداد بھی کم ہوتی گئی. ابن الجوزی کے مطابق: ''اہل الصفہ مسجد نبوی میں اس وقت تک قیام کرتے جب تک کہ ان کو نان ونفقہ کے لیے دوسروں پر انحصار کرنا پڑتا تھا. تاہم جونہی اسلامی فتوحات نے نئے مواقع پیدا کیے تو ان کو دوسروں پر انحصار کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی. ان میں سے اکثر تو مسلم فاتحین کے ساتھ جہاد کے لیے چلے گئے تھے.'' تاہم یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بعد تابعین اور تبع تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کا مدینہ طیبہ میں کوئی رہنے کا ٹھکانا نہ ہوتا تھا وہ اسی مقام صفہ پر قیام کرتے تھے. دوسری صدی ہجری کے آخر تک ہمیں ایسے شواہد ملتے ہیں کہ اللہ کے پر اسرار بندوں کی ایک کثیر تعداد وہاں موجود رہا کرتی تھی. ابن الجوزی نے اپنی صفۃ الصفوہ میں ایسے چند تبع تابعین کرام کا ذکر کیا ہے جو کہ نہ صرف وہاں قیام پذیر تھے، وہ دن کو ثنیۃ الوداع یا اس سے بھی پرے سے لکڑیاں اکٹھی کر کے بازار میں بیچا کرتے تھے اور

باقی تمام وقت مقام صفۃ پر گزارتے تھے۔انہوں نے بیان کیا ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید نے مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو اہل صفہ اور بطور خاص حضرت ابونصر المصابؒ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔انہوں نے خلیفہ کو کھری کھری پند و نصیحت سے نوازا جس سے ہارون الرشید پر رقت طاری ہوگئی اور وہ زاروقطار رونے لگ گیا۔اس سلسلے میں ابن الجوزی نے محمد ابن اسماعیل بن ابی فدیکؒ کی اور ایک روایت بھی نقل کی ہے جو فرماتے ہیں: ہمارے ہاں ایک شخص ہوا کرتے تھے جو عام طور پر فاتر العقل مشہور تھے، وہ کسی سے بات نہ کرتے جب تک کہ کوئی اس سے بات نہ کرتا، وہ اپنا وقت اہل صفہ کے ساتھ مسجد نبوی شریف کے آخری حصے میں مقام صفہ پر گزارتے اور جب کوئی ان سے سوال کرتا تھا تو وہ بہترین جواب دیتے تھے جو کہ سوال کرنے والوں کو بھی ورطہ حیرت میں ڈال دیتا تھا، ایک دن میں ان کے پاس آیا اور وہ مسجد شریف میں اہل صفہ کے ساتھ اپنا سر زانو پر دھرے اردگرد سے بے نیاز بیٹھے تھے۔میں ان کے پاس بیٹھ گیا اور ان کو حرکت دی جس پر وہ چونک کر ہوشیار ہو گئے۔میں نے انہیں کچھ دیا جو کہ انہوں نے لے لیا۔'' (۴۳) اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بعد تابعین اور تبع تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے فقراء اور زہاد نے مقام صفہ کو آباد کر رکھا تھا۔انہی لوگوں نے اپنے بعد میں آنے والے صوفیائے کرام کے طرز زندگی متعین کرنے میں مثالی کردار ادا کیا اور علم کے ساتھ ساتھ عرفان کی شمع کو روشن رکھا تھا۔اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مقام صفہ بعد میں بنائی گئی رباطوں اور خانقاہوں کا بھی پیش خیمہ ثابت ہوا۔

جہاں تک موجودہ 'دکۃ الاغوات' کا تعلق ہے یہ ۱۲x۸ میٹر رقبے پر محیط ہے۔اس چبوترے کی بلندی تقریباً آدھا میٹر ہے اور اس کے گرد تانبے سے بنی خوبصورت جالی لگائی گئی ہے۔جس کو اب سفید رنگ کر دیا گیا ہے۔عثمانیوں کے دور میں اس مقام پر شیخ الحرم بیٹھا کرتے تھے۔ (۴۴) اسی نسبت سے اسے اکثر دکۃ یا صفۃ شیخ الحرم بھی کہا جاتا تھا۔اس کے علاوہ ایسے خدام حجرہ مطہرۃ جنہوں نے دنیاوی شہوتوں سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی اور وہ خدام جو کہ مسجد نبوی شریف کی مختلف انداز سے خدمت پر مامور تھے، وہاں بیٹھ کر ذکر الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے۔یہی لوگ حجرہ مطہرہ کے اندر جا سکتے تھے اور جالی کے اندر کے محتویات کی صفائی وغیرہ کیا کرتے تھے۔نسبت حجرہ رسول مقبول ﷺ کی وجہ سے انہیں عزت واحترام سے 'آغا' کہا جاتا تھا (اغوات آغا کی جمع ہے۔یہی وجہ ہے کہ صفہ کو بھی دکۃ الاغوات کہا جاتا ہے)۔عامۃ المسلمین کی نظر میں ان کے احترام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عام آدمی تو ایک طرف سلاطین عالم بھی انہیں 'سیدی' (یعنی میرے آقا) کہہ کر پکارتے تھے۔انہی اغوات میں سے سیدی کامل جیسے صاحب علم وعرفاں بزرگ ہو گزرے ہیں جن کی کرامتوں کا ذکر اکثر اہل مدینہ آج تک کرتے ہیں۔ان کا انتخاب، تقرر اور تبادلے براہ راست آستانہ (قصر سلطانی۔استنبول) سے ہوا کرتے تھے۔سلطان عبدالحمید ذاتی طور پر 'بواب' (حجرہ مطہرہ کے چوکیدار) کا انتخاب کرتے تھے اور فرمان جاری کرتے تھے۔سلطان محمود خان نے ۳۹ آغاؤں کا انتخاب کر کے مدینہ طیبہ روانہ کیا تھا جن کے ذمے فرائض منصبی کے طور پر دکۃ الاغوات پر بیٹھ کر صرف تلاوت قرآن کرنا اور صحیح بخاری شریف، قاضی عیاض کی شفاء، دلائل الخیرات اور درود شریف پڑھنا لگایا گیا تھا۔ان کی تنخواہوں کا معتدبہ حصہ سلطان عبدالحمید اور ان کی والدہ اپنے ذاتی نفقے سے ارسال کرتی تھیں۔ایسے اغوات قراء کرام اور مفسرین حضرات کی تعداد ۲۰۴ تھی جو اسی مقام صفہ پر بیٹھ کر رشد و ہدایت کا کام کرتے تھے۔

سب سے پہلے جنہوں نے مسجد نبوی شریف میں خدام کا تقرر کیا وہ حضرت معاویہؓ تھے۔بعد میں عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور نے اسے ایک باقاعدہ انتظامی کیڈر کی شکل دے دی اور ان کا ماہانہ مشاہرہ مقرر کر دیا گیا۔یہی انتظام کئی صدیوں تک چلتا رہا۔بعض روایات میں ہے کہ جب سلطان نورالدین زنگیؒ نے مدینہ طیبہ کی زیارت کی تو انہوں نے بارہ خدام کا تعین کیا جو ہیجڑے تھے اور دینی لحاظ سے صاحب علم اور بہت متقی اور پرہیزگار تھے۔سلطان نورالدینؒ نے انہیں مسجد نبوی شریف اور حجرہ مطہرہ کی صفائی وغیرہ کے لیے تعین کیا۔چونکہ زائرین میں مرد وزن سب شامل ہوتے تھے اس لیے بطور خدام ایسے افراد کا تعین برمحل تھا جو کہ دنیاوی شہوتوں کی قید سے آزاد تھے۔ایسا اس لیے بھی کیا گیا کیونکہ

کعبۃ المشرفہ پر ایسے افراد کے تعین کی مثالیں موجود تھیں۔ سلطان نورالدین زنگیؒ نے ان کا ماہانہ مشاہرہ مقرر کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بارہ اور ایسے ہی خدام کا اضافہ کر دیا۔ (۴۵) انہوں نے خدام حجرہ مطہرہ اور خدام مسجد النبوی شریف کی نوکری مستقل بنیادوں پر استوار کی جن کو دیگر ملازمین حرم کی طرح مراعات اور مشاہرہ دیا جاتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے دو گاؤں کو (نقدہ اور قبلہ) جو کہ دریائے نیل کے کنارے پر السعید کے علاقے میں واقع تھے مستقل طور پر مسجد نبوی شریف کے ان خدام خاص (یعنی آغاؤں) کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کے بعد مملوک سلاطین نے بھی اس روایت کو قائم رکھا اور وہ ایسے اوقاف کی تعداد میں اضافہ کرتے رہے۔ سلطان ملک الصالح عماد الدین نے مزید دیہات کو ۷۴۰ ہجری میں وقف کیا۔ (۴۶) ہیجڑے پن کے علاوہ حافظ قرآن ہونا لازمی شرط ہوا کرتی تھی۔ (۴۷) زیادہ تر خدام حرم افریقہ سے لیے جاتے تھے، مگر اگر مطلوبہ معیار یعنی باکردار اور قابلیت اور تقویٰ کے حامل افراد نہ ملتے تو پھر اس بات میں استثناء رکھا گیا کہ برصغیر ہند سے ایسے لوگوں کو لایا جائے۔ ایوبیوں نے جو دریائے نیل کے کنارے وقف قائم کئے ان کی تمام آمدنی انہی آغا حضرات کی فلاح و بہبود پر صرف ہوتی تھی۔ ان آغاؤں میں غالب اکثریت افریقیوں کی ہوتی مگر کچھ ہندی نژاد بھی ہوا کرتے تھے۔ عام طور پر ایسا ہوتا کہ وہ خدام (ہیجڑے) جو کہ استنبول وغیرہ میں شاہی محلوں میں اچھی شہرت کے حامل ہوتے انہیں کو حرمین الشریفین کی خدمت پر مامور کیا جاتا تھا۔

اس تمام عرصے میں جب سے ایسے خدام مسجد نبوی کی خدمت پر مامور ہوئے تھے، انہوں نے بلند کرداری اور خدمت خلق کی بے نظیر مثالیں قائم کی ہیں۔ ان میں سے بہت سے تو تقویٰ اور صوفیانہ طرز زندگی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے اور انہوں نے مدینہ طیبہ میں بہت سے کارہائے خیر انجام دیئے اور فلاحی اور تعلیمی ادارے قائم کئے۔ عنبریہ کا منطقہ جہاں مدینہ طیبہ کا ریلوے سٹیشن اور مسجد عنبریہ واقع ہیں، یہ سب عنبر آغا کے نام سے موسوم ہیں جنہوں نے اہل مدینہ طیبہ کی فلاح کے لیے گراں قدر خدمات انجام دی تھیں۔ مدرسہ آغا بہرام اور بشیر آغا کی لائبریری جو کہ مسجد نبوی کے جنوب میں واقع ہوا کرتے تھے، ان کے بانیوں کی دینی اور تعلیمی خدمات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان اداروں نے اہالیان مدینہ طیبہ کی تعلیم میں بہت نمایاں کردار ادا کیا تھا۔

مشہور ترکی سیاح اولیا شلبی (ولادت: ۱۰۲۰ ہجری) کے بیان کے مطابق، جب اس نے گیارھویں صدی ہجری میں مدینہ طیبہ حاضری دی تو مسجد نبوی شریف میں ایسے خدام کی تعداد جن کو ترکی زبان میں 'طواشی' کہا جاتا تھا سات سو سے متجاوز تھی۔ (۴۸)

جہاں ان آغا حضرات کی بے پایاں خدمات جریدہ تاریخ مدینہ طیبہ پر ثبت ہیں، وہاں بدقسمتی سے چند ایک ایسے واقعات بھی روایت کئے گئے ہیں کہ ان میں سے چند نے اپنے منفرد مقام اور وقار سے ناجائز فائدے بھی اٹھائے اور سیاسی معرکوں اور دنگلوں میں شریک ہوتے رہے۔ محلات میں جس عزت و وقار سے انہیں دیکھا جاتا تھا اس سے چند خدام حرم بہت سے سیاسی معاملات میں مشیر سمجھے جانے لگے تھے اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ شیخ الحرم اور ایوب آغا اور دیگر آغاؤں کے درمیان چپقلش پیدا ہوگئی جو کہ مدینہ طیبہ میں خانہ جنگی کی صورت اختیار کر گئی جس نے شہر حبیب کا امن غارت کر دیا۔ اس کے نتیجے میں حکمرانوں کو آہنی ہاتھ استعمال کرنا پڑا اور تب جا کر یہ شورش ختم ہو سکی۔ بالآخران میں سے بہت سوں کو مقدمات کا سامنا کرنا پڑا اور بہت سے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اس وقت شریف مکہ مبارک بن احمد بن زید ہوا کرتا تھا جو بڑا جابر مشہور تھا۔ اس کے ظلم و ستم کی چکی میں لکڑی کے ساتھ گھن بھی پسا اور بہت سے بے گناہ مدنی اس کشمکش میں ردعمل کا شکار ہوئے۔ حکام کو جس پر بھی شک گزرا کہ اس نے آغاؤں کا کسی طرح بھی ساتھ دیا تھا یا صرف ان کے لیے اپنے دل میں کوئی نرم گوشہ ہی رکھتا تھا، اسے بے دردی سے تہہ تیغ کر دیا گیا۔ اس طرح چند علمائے کبار پر بھی زد آئی اور ان کو بھی اپنی جانوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ سید عبدالکریم البرزنجی ان مشاہیر علماء میں سے تھے جن کو اسی شک میں موت کی سزا ملی۔ (۴۹) اس سختی سے وقتی طور پر تو یہ شورش تھم گئی مگر جلد ہی یہ کشمکش ۱۱۴۸ ہجری میں ایک طرف بشیر آغا اور دیگر آغا صاحبان اور دوسری طرف اہالیان مدینہ طیبہ کے درمیان جھڑپوں کی صورت میں ایک بار پھر شعلہ بار ہوگئی جس کو کچلنے کے لیے حکام

وقت کو دوبارہ آہنی ہاتھ استعمال کرنے کی ضرورت پڑی.(۵۰) اس کے بعد عموماً ان آغا حضرات کا سیاسی کردار ختم ہو کر رہ گیا.

لبیب بتنولی نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۱۹۱۰ ہجری میں کی تھی. اس وقت حرم نبوی شریف میں کل ۱۰۰ اطواشی یعنی خدام حرم ہوا کرتے تھے. ان تمام کے معاملات آستانہ (استنبول) میں طے ہوتے تھے. ان کے مشاہرے کافی زیادہ ہوا کرتے تھے کیونکہ ان کے تمام اخراجات کے کفیل وہ تمام اوقاف تھے جو کہ مختلف اطراف عالم میں پھیلے ہوئے تھے. اس پر مستزاد یہ کہ زائرین حرم بھی ان کو تحفے تحائف پیش کیا کرتے تھے. ان میں سے اگر کسی ایک کا انتقال ہو جاتا تو جب تک اس کے بدیل کا تقرر نہ ہو جاتا اس کا مشاہرہ دوسرے آغاؤں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا.(۵۱) جنرل ابراہیم رفعت پاشا کے مطابق جنہوں نے اسی دور میں تین چار مرتبہ مصری امیر الحج کے فرائض ادا کئے تھے حرم نبوی شریف میں کل ۵۷ آغا ہوا کرتے تھے، جن میں سے زیادہ تر خدمت حجرہ مطہرہ پر مامور تھے. ان آغا حضرات کے سربراہ عرف عام میں شیخ الاغوات کہلاتے تھے جبکہ ان کا سرکاری عہدہ "المستسلم" تھا یعنی حجرہ معطرہ کے ابواب کی چابیاں اور دیکھ بھال ان کی ذمہ داری تھی.

شاہ عبدالعزیز کے دور سے ان کے تمام انتظامی اور دفتری امور فرمان شاہی مورخہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۴۶ کے تحت طے ہونے لگے. اس کے بعد مجلس وزراء کے فرمان مورخہ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۴۶ ہجری کے ذریعے ان کے مشاہرے اور دیگر مراعات کا از سر نو تعین کیا گیا. ان کی فلاح و بہبود کے لیے بہت سی عمارتیں وقف ہیں جو کہ مکہ، مدینہ، جدہ، طائف، الاحساء، مراکش، عراق، مصر اور یمن میں واقع ہیں اور رئاسۃ الحرمین الشریفین کے دائرہ اختیار میں ہیں. لیکن مسجد نبوی شریف کی توسیع کے منصوبے کی تکمیل کے بعد صفائی اور مرمت کا کام بڑی بڑی کمپنیوں کو ٹھیکہ پر دے دیا گیا ہے (مثلاً دلہ گروپ یا بن لادن گروپ وغیرہ). اس طرح آغاؤں کا کام کافی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے. آج کل تو ان کا کام صرف حجرہ مطہرہ کی دیکھ بھال کرنا اور بڑی بڑی شخصیتوں کا استقبال کرنا رہ گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی تعداد بھی بہت کم ہو گئی ہے. ۲۰۰۱ء کے اوائل میں ان کی تعداد صرف ۱۲ رہ گئی تھی جو مسجد نبوی شریف پر مامور ہیں اور اسی طرح کعبۃ المشرفہ پر بھی اب صرف ۱۴ خدام مامور ہیں.(۵۲) ماضی میں ان کے کیڈر میں ۴۲ مختلف وظائف ہوا کرتے تھے، مگر اب تو صرف ۴ وظائف ہیں جن پر معدودے چند آغا حضرات متعین ہیں. باب جبریل سے مسجد نبوی شریف میں داخلے کے بعد دائیں ہاتھ پر ایک چھوٹا سا کمرہ ہے. یہ انہی آغاؤں کا حجرہ ہے. ان کا کام بھی اب تقریباً رسمی سا ہی رہ گیا ہے: یعنی خادم الحرمین الشریفین کی آمد پر یا ان کے ساتھ حرم نبوی شریف پر دیگر کبار شخصیتوں کے آنے پر اپنے مخصوص لباس میں ان کا روائتی استقبال کرنا اور قہوہ وغیرہ پیش کرنا.

حواشی

(۱) القرآن الکریم (البقرہ:۲۷۳) اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: ''اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ کے دین کے لیے وقف کر دیا تھا اور اپنی روزی کمانے کے قابل نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایسے لوگوں کا ایک گروہ ہوا کرتا تھا جنھیں 'اصحاب صفہ' کہا جاتا تھا. ابوالاعلیٰ مودودی (Towards Understanding the Quran)، انگریزی ترجمہ تفہیم القرآن، ناشر اسلامک فاونڈیشن، ج:۱، ص ۲۱۲.

(۲) مجد الدین فیروز آبادی (۷۲۹ـ۸۱۷ ہجری)، المغانم المطابہ فی معالم طابہ، یکے از منشورات دار الیمامہ للبحث والترجمہ والنشر، الریاض، ناشر حمد الجاسر، ۱۹۶۹ ص:۲۲۰ عربی سے ہی یہ لفظ انگریزی میں گیا، جو اسے صوفہ کہتے ہیں اور وہاں سے ہوتا ہوا یہی لفظ اردو میں بھی داخل ہو چکا ہے.

(۳) صحیح مسلم، ج:۳، کتاب الاشربہ، نمبر ۱۵۰۳.

(۴) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے ان کو کھانے کے لیے مدعو کیا اور جب سب کھانا تناول فرما چکے تو ارشاد ہوا: [اب آپ جا سکتے ہیں اور مسجد میں جا کر سو جائیں.] ایک اور حدیث مبارکہ کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی (جب وہ شادی شدہ نہ تھے) اکثر اصحاب صفہ کے پاس ہی سو جایا کرتے تھے. صحیح بخاری، ج: نمبر ۴۲۵

(۵) محمد طاہر الکردی المکی، کتاب التاریخ القویم لمکۃ وبیت اللہ الکریم، پہلا ایڈیشن ۱۴۱۲، ج:۶، صفحات: ۳۷۳ـ۳۷۴

(۶) غالی محمد امین الشنقیطی، الدر الثمین فی معالم دار الرسول الامین، تیسرا ایڈیشن، مدینہ طیبہ، ۱۹۹۱، ص:۶۲

(۷) حضرت ابو ہریرہؓ خود بھی سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں بحرین کے گورنر رہے تھے. پھر حضرت معاویہ بن ابوسفیانؓ کے دور میں وہ مدینہ طیبہ کے گورنر بھی رہے. آپ کی گورنری کے دوران ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کی وفات ہوئی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی. حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بصرہ کے گورنر رہے. کوفہ شہر کی بنیاد انہوں نے ڈالی تھی. حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر رہے. حضرت عمار ابن یاسرؓ کوفہ کے گورنر رہے. حضرت عبادہ ابن جراحؓ فلسطین کے گورنر رہے. حضرت انس ابن مالکؓ عمر بن عبدالعزیزؓ کی خلافت کے دور میں مدینہ طیبہ کے گورنر رہے. (سنن ابی داؤد، ۴۱-۴۸۸۶) یہ تو صرف چند معروف مثالیں ہیں. اس کے علاوہ انہیں اصحابہ الصفہ رضوان اللہ علیہم میں سے کتنے ایسے درخشندہ ستارے تھے جن کو عساکر اسلام کی سپہ سالاری سونپی گئی اور انہوں نے فتوحات اسلامیہ میں ایک نمایاں کردار ادا کیا. حضرت زید ابن ثابتؓ نے جہاد فی سبیل اللہ میں نہ صرف عساکر اسلام کی قیادت کی بلکہ سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر بھی متعین رہے.

(۸) اکرم ضیاء العمری، (Medinan Society at the Time of the Prophet)، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۹۵، ص:۸۷.

(۹) سنن ابی داؤد، کتاب الحراف، ۲-۳۲۱

(۱۰) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ۱۹۸۵، ج:۱، ص ۲۵۵

(۱۱) محمد محمد حسین شراب، المدینۃ المنورہ والعصر الراشدین، دار القلم، دمشق، ۱۹۹۴، ج:۱، ص:۲۲۰

(۱۲) ابن النجار، ص ۱۶۶

(۱۳) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۳۳

(۱۴) ابن سعد، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۲۵۵

(۱۵) ایضاً

(۱۶) سنن ابی داؤد، ۲۵ـ۳۶۵۸

(۱۷) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۵۷۶. اس طویل حدیث کے آخر میں حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا ہے کہ: [اللہ کی قسم، جب ہم سے کوئی بھی اس سے کچھ لیتا، تو نیچے

سے اور کھانا ظاہر ہو جاتا۔ ہم سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا مگر کھانا دسترخوان پر لگائے جانے سے پہلے سے بھی زیادہ تھا]۔

(۱۸) صحیح مسلم، کتاب الاشربہ، ج:۳، نمبر ۵۰۷ا۔ نیز صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۵۷۶

(۱۹) صحیح مسلم، ج:۳، کتاب الامارہ، نمبر ۴۶۸۲

(۲۰) القرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ج:۳ ص ۳۴۰

(۲۱) سنن ابی داؤد، ۴۱-۵۰۲۲

(۲۲) البیہقی، سنن، ۹-۳۰۴

(۲۳) صحیح بخاری (اردو ترجمہ)، ج:۲، نمبر ۵۰۹

(۲۴) صحیح بخاری، ج:۶، نمبر ۴۵۹، و ج:۸، نمبر ۲۶۳ و ج:۴، نمبر ۷۸۱

(۲۵) الموطاء امام مالک، ۲۳-۵۱۰۵

(۲۶) سنن ابی داؤد، ۲۳-۳۴۰۹

(۲۷) القرآن الکریم (الکھف:۲۸)

(۲۸) امام غزالی، احیاء علوم الدین، انگریزی ترجمہ از فضل الکریم، سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ج:۱ ص ۹۰

(۲۹) اکرم ضیاء العمری، مصدر مذکور ص ۹۱

(۳۰) صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۶۸۲

(۳۱) محمد محمد حسین شراب، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۲۲۱

(۳۲) صحیح مسلم، ج:۳، کتاب الاشربہ، نمبر ۵۱۰۶

(۳۳) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کی ہوئی تعداد ذرا کم معلوم ہوتی ہے، مگر اس کی وجہ یہ تھی کو انہوں نے ۷ ہجری میں اسلام قبول کیا تھا اور اغلب امکان یہ ہے کہ اسوقت تک بہت سے اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم جو وہاں مقیم رہے تھے اپنے آپ کو معاشی طور پر مستحکم کرنے کے بعد شہر کے دیگر علاقوں میں منتقل ہو چکے تھے اور بہت سے اصحاب الصفہ نے تو اس وقت تک شادیاں بھی کر لی تھیں اور ان کا وہاں رہنا ناممکن تھا۔ مزید برآں بیر معونہ کا واقعہ بھی ۷ ہجری سے پہلے رونما ہو چکا تھا جس میں ستر اصحابہ کرام نجدیوں نے دھوکے سے شہید کر دیئے تھے۔

(۳۴) ان میں سے کچھ نام امام سخاوی (ابوالخیر شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی۔ متوفی: ۹۰۲ ہجری) کی ''رجحان الکفہ فی اخبار اہل الصفہ'' کے قلمی نسخہ سے لیے گئے ہیں جس کی تلخیص اور تجزیہ (Al-Medina al-Munawwara in One Hundred Manuscripts) میں دی گئی ہے جسے مدینہ منورہ ریسرچ اینڈ سٹڈیز سنٹر نے ۱۴۲۰ میں نشر کیا۔ صفحات: ۲۲۰-۳۳۲

(۳۵) حضرت حارثہ بن النعمانؓ انصار میں سے تھے اور ان کی بہت سی جائیداد تھی جو کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن کی رہائشی ضروریات کے تحت ایک ایک کر کے دربار رسالت مآب ﷺ میں تحفتاً پیش کر دی تھی تا کہ حجرات امہات المومنین رضوان اللہ علیہن تعمیر ہو سکیں۔ انہوں نے اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ ان کا ایک گھر مسجد نبوی شریف کے شرقی جانب ہوا کرتا تھا جہاں ام المومنین سیدتا عائشہ صدیقہؓ کی روایت کے مطابق سیدنا ابراہیم ماریہ قبطیہؓ مدینہ طیبہ آنے پر اور مشربہ ام ابراہیم منتقل ہونے سے پہلے رہی تھیں۔ بعض روایات میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ ان کا ایک گھر حضرت ابوایوب الانصاریؓ کے گھر کے پاس بھی ہوا کرتا تھا، مگر ان کے استغناء کا یہ عالم تھا کہ انہیں اہل الصفہ رضوان اللہ علیہم کے ساتھ ہمہ وقت دربار رسالت مآب ﷺ میں رہنا زیادہ بھاتا تھا۔

(۳۶) ابن سعد، ج:۷، ص:۵۱۔ نمبر ۵۵ سے لیکر نمبر ۷۱ تک اصحاب الصفہ رضوان اللہ علیہم کے نام ہم نے حافظ ابی نعیم الاصفہانی کی حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ج:۱، سے لیے ہیں۔

(۳۷) سنن ابی داؤد، ۲-۱۳۱۵۔ ابن الکثیر (ت: ۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، ج:۵، ص ۳۰۸

(۳۸) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، The Emergence of Islam، ص ۱۹۸
(۳۹) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۶۳
(۴۰) سمہودی، خلاصۃ الوفاء، ص ۲۴۱
(۴۱) القرآن الکریم (الکہف: ۲۸)
(۴۲) ابن جبیر، ابی الحسین محمد بن احمد، رحلۃ، دار الکتاب اللبنانی ص ۱۴۵
(۴۳) جمال الدین ابی الفرج الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ھ) صفۃ الصفوۃ المکتبۃ التوفیقیہ، قاہرہ، ج:۱، ص:۵۳۲-۵۳۳
(۴۴) عبد القدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، چوتھا ایڈیشن، مدینہ طیبہ، ۱۹۸۵، ص:۹۴
(۴۵) الشیخ جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین، صفحات: ۲۵۲-۲۵۳
(۴۶) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱، ص:۴۶۹
(۴۷) مصطفی بن محمد بن عبد اللہ العلوی الرفاعی، اتحاف المومنین بتاریخ مسجد خاتم الرسلین، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، ۱۹۸۴، ص ۸۴
(۴۸) اولیا شلبی (ولادت: ۱۰۲۰ ہجری) سیاحت نامہ (عربی ترجمہ بعنوان: الرحلۃ الحجازیہ) ص ۱۲۸
(۴۹) حافظ عبد السلام ہاشم، المدینۃ المنورہ فی التاریخ، یکے از منشورات مدینہ ادبی کلب (نمبر ۲۵)۔ مکتبۃ الحرم النبوی، کیٹلاگ نمبر ۱۹۷۷/۸، مورخہ ۱۷-۱۲-۱۴۱۵ ہجری
(۵۰) جعفر حسین بن ہاشم الحسینی (ت: ۱۳۴۰ ہجری)، الاخبار الغریبہ فی ذکر ماوقع بطیبۃ الحبیبہ، یہ کتاب ایک مخطوطے کی شکل میں ہے جو کہ دارۃ ملک عبد العزیز کی لائبریری میں ہے۔ منقول از دکتور عبد اللہ بن عبد الرحیم العسیلان، المدینۃ المنورہ فی آثار المولفین والباحثین قدیماً وحدیثاً ص ۲۹
(۵۱) محمد لبیب البتنولی، الرحلۃ الحجازیہ، ص:۳۱۹
(۵۲) روزنامہ 'الحیاۃ' بروز پیر ۱۸ جون ۲۰۰۱ آرٹیکل از: محمود السید الدغیم

رچرڈ برٹن (برطانوی جاسوس) نے اپنے کتاب میں اس مسجد نما عمارت کا سکیچ یہ کہہ کر شامل کیا ہے

MUSALLA AL-NABI, THE PROPHET'S PLACE OF PRAYER

سکیچ تیار کردہ: C.F.Kell Lith

مسجد غمامہ، ترک دور میں

باب ۱۹

مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد

سرکار دو عالم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ مدینہ طیبہ میں مختلف جگہوں پر مساجد تعمیر کی جائیں اور یوں مسجد نبوی شریف کے ساتھ ساتھ نو دیگر مساجد بھی معرض وجود میں آ چکی تھیں جو کہ مساجد النبوت کہلاتی تھیں جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مسجد نبوی شریف کی آذان کے ساتھ ہی نماز ادا کروایا کرتے تھے
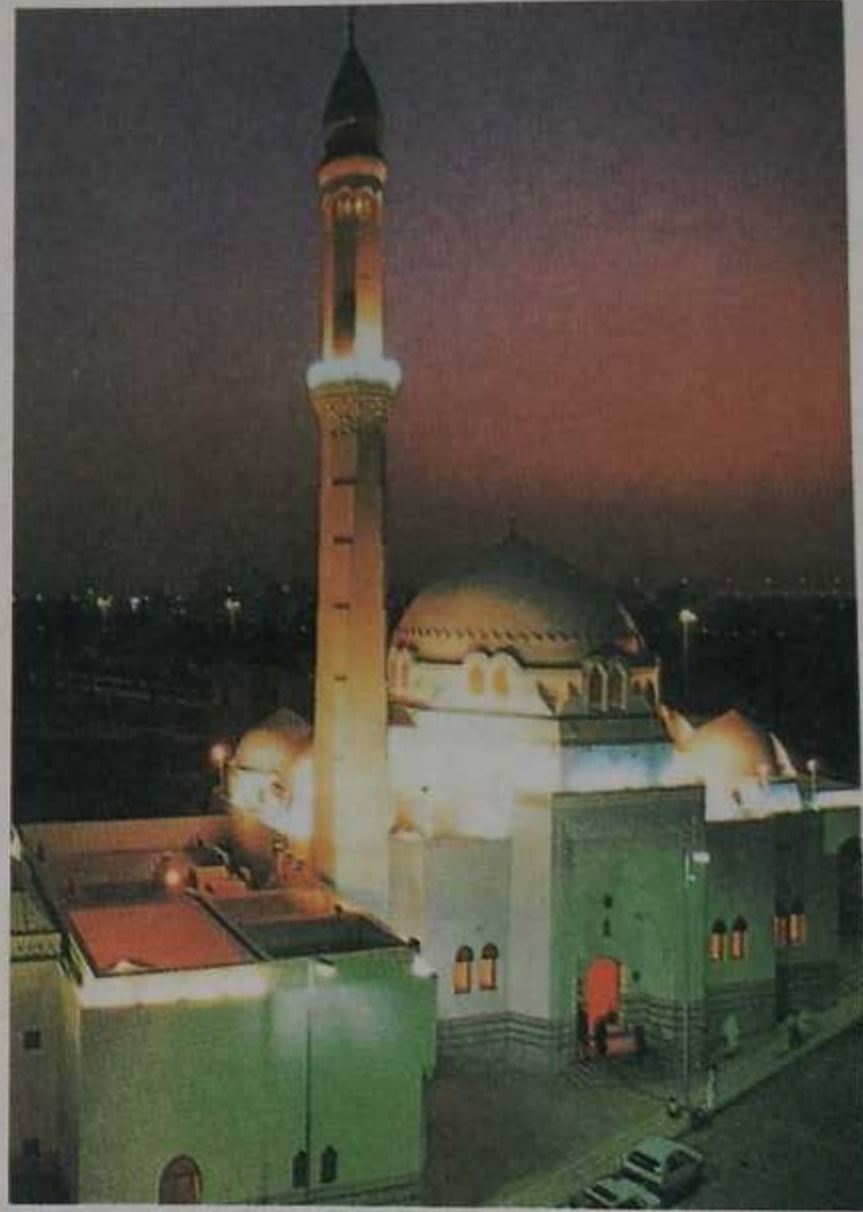
جان نثاران رسول مقبول ﷺ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے یہ بہت ہی عزت و وقار کا لمحہ ہوتا جب کبھی حبیب کبریاء علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التسلیم ان کے گھروں کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازتے۔ ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہتی جب کہ ان میں سے کسی کو سرور دوعالم ﷺ کی میزبانی نصیب ہو جاتی۔ حضور رسالت مآب ﷺ کبھی بھی کسی کی دعوت یا درخواست رد نہ فرماتے اور دوران ورود مسعود اگر کسی گھر میں نماز کا وقت آ جاتا تو آقائے دوجہاں سید انس وجاں ﷺ سے درخواست کی جاتی کہ وہ میزبان کے گھر میں نماز کی امامت فرمائیں مختلف سماجی مواقع (مثلاً شادی بیاہ، تیمارداری یا عزاداری یا دیگر سماجی اور ریاستی ضروریات وغیرہ) پر بھی حضور نبی اکرم ﷺ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے گھروں میں تشریف لے جاتے اور ان کی خوشی اور غم میں برابر کے شریک ہوتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی اصحابی محض اس لیے حضور پر نور ﷺ کو اپنے گھر تشریف لانے کی درخواست کرتا کہ آپ ان کے گھر میں نماز ادا فرمائیں۔ (۱) اور کبھی یوں بھی ہوتا کہ از خود تاجدار مدینہ سرور قلب وسینہ ﷺ کسی قریب کے گھر میں تشریف لے جاتے تاکہ وہاں جا کر تھوڑی دیر کے لیے ستالیں، جیسا کہ اکثر احادیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ آقائے دوجہاں سید انس وجاں ﷺ سیدۃ ام سلیمؓ (حضرت انس بن مالکؓ کی والدہ ماجدہ) کے ہاں بُرحاء تشریف لے جاتے اور وہاں قیلولہ فرماتے اور پھر جب نماز کا وقت ہو جاتا تو وہیں نماز کے لیے سجدہ ریز ہو جاتے۔ (۲) اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی کے ہاں ویسے ہی تشریف لے جاتے اور وہاں نماز ادا فرماتے جیسا کہ بروایت حضرت صمصعہؓ کئی بار ایسا ہوا کہ حضور رسول مقبول ﷺ حضرت ابو سعید الخدریؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور وہیں ان کے ہاں اکثر مرتبہ نماز بھی ادا کی۔ (۳) اس کے علاوہ مدینہ طیبہ میں بعض ایسے بھی مقامات ہیں جہاں کسی غزوے کے دوران سرکار دوعالم ﷺ عساکر اسلام کی قیادت کے لیے خیمہ زن ہوئے اور پھر وہاں کئی دن نمازیں ادا فرمائیں (جیسا کہ غزوہ احزاب کے دوران جبل ذباب پر مسجد الرایہ یا جبل سلع پر مسجد فتح کے مقام پر ہوا اور غزوہ بنو قریضہ کے موقع پر مسجد بنو قریضہ کے مقام پر ہوا) اور کبھی کسی سفر کے دوران کسی مقام پر رات بھر قیام فرمایا اور وہاں ایک یا دو نمازیں ادا فرمائیں (جیسا کہ مسجد ذوالحلیفہ اور مسجد معرس وغیرہ)۔ ایسے تمام مقامات پر جہاں جہاں حبیب کبریا صاحب لولاک ﷺ کی جبین طاہرہ سجدہ ریز ہوئی اور وہ بقعہ ہائے طاہرہ مشاہدہ گاہ انوار مصطفوی ہوئے، وہیں آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے مساجد تعمیر کرلیں جہاں آج تک فرزندان توحید سربسجود ہونا اپنے لیے سعادت مندی اور باعث صد افتخار و توقیر سمجھتے ہیں۔ دور دراز سے آئے ہوئے مسلمان تو اظہار عشق میں ان مقامات کی جستجو میں رہتے ہیں کہ کہاں کہاں سید و سرور محبوب رب ذوالجلال ﷺ کے قدمین شریفین پڑے تھے تاکہ وہیں پر جبین نیاز رکھ دی جائے۔

ایسے خوش نصیب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جن کے ہاں رسول اللہ ﷺ نے دوگانہ ادا کی ہوتی وہ اس مقدس و مطہر مقام پر نشانات لگا لیتے۔ حضرت ابی یحییٰؒ نے حضرت سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے بنی وائل کے علاقے میں ایک مسجد میں قبلہ کی طرف واقع دو ستونوں کے درمیان ایسی جگہ پر نماز ادا فرمائی جو کہ امام کی جگہ سے پانچ ذرع (اڑھائی میٹر) پیچھے تھی۔ ہم نے اس مقام پر ایک کیل ٹھونک لیا تھا (تاکہ جگہ کا تعین رہے)]۔ (۴) بعض مقامات پر ستون کھڑے کر دیئے گئے تھے جن پر خوشبو ملی جاتی تھی جس سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ اس بقاع طاہرہ پر سید الساجدین اور امام المتقین ﷺ نے نماز ادا کی تھی، جیسا کہ مسجد قباء میں تھا۔ اور پھر انہی ستونوں کے گرد عشاق رسالت مآب ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سجدہ ریز ہونا اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے تھے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ تو مسجد قباء میں اس خوشبودار ستون کے گرد نماز ادا کرنے میں بہت شہرت رکھتے تھے۔ (۵) کتنی ہی ایسی احادیث مبارکہ ہیں جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ ان مقامات کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے کہ میرا مسرکار دوجہاں ﷺ نے کس کس جگہ کھڑے ہو کر نماز ادا فرمائی تھی۔

جب ولید بن عبد الملک کا دور آیا اور عبائے ولایت مدینہ طیبہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مدینہ طیبہ کے شانوں پر ڈال دی گئی تو مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو کے ساتھ ساتھ ولید نے ان کو حکم دیا کہ وہ ان تمام مقامات کا پتہ لگائیں جہاں جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک یا اس سے زیادہ

بار نماز ادا کی تھی اور پھر ان جگہوں پر مساجد تعمیر کر دی جائیں.(٦) لہذا ایسے مقامات پر باقاعدہ مساجد بنانے کا سہرہ نہ صرف مشہور تابعی بلکہ سیدنا عمر فاروقؓ کی پوتی کے بیٹے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ والی مدینہ طیبہ کے سر ہے جنہیں بعد میں امیر المومنین بننے پر ان کے دور کو خلافت راشدہ کا حصہ تصور کیا جاتا ہے. ایسی مساجد میں مسجد الاجابہ، مسجد بنی قریضہ، مسجد الفضیخ، مسجد الفتح اور مسجد الفسح وغیرہ شامل ہیں. یہ وہ دور تھا جب کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد بقید حیات تھی اور مدینہ طیبہ میں ہی مقیم تھی اور اسی وجہ سے ان مساجد کے محل ہائے وقوع کے بارے میں کوئی تنازع نہیں رہا کیونکہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ان تمام مقامات سے بخوبی آشنا تھے اور تحقیق اور تصدیق کے لیے موجود تھے. ابو غسانؒ کی روایت ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مساجد کے مقامات پر نمازیں ادا کی تھیں جو کہ مدینہ طیبہ یا اس کے مضافات میں واقع ہیں. ایسی تمام مساجد کو خوبصورت پتھروں سے بنایا گیا ہے جن پر نقش و نگار بنائے گئے ہیں. ایسا اس وقت ہوا جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی شریف تعمیر کی. انہوں نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے درخواست کی کہ وہ ان تمام مقامات کی نشان دہی کریں جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی: اور اس وقت کثیر تعداد میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ طیبہ میں موجود تھے. پھر انہوں نے ایسی تمام مساجد کو دوسری مساجد سے ممیز و ممتاز کرنے کے لیے انہیں ایسے خوبصورت نقش و نگار والے پتھروں سے تعمیر کیا جیسے کہ مسجد نبوی شریف میں استعمال ہوئے تھے.(٧) ایسی تمام مساجد میں تقریباً ایک قدر کافی حد تک مشترک تھی: یعنی وہ رقبے میں بہت چھوٹی تھیں اور عموماً ٧×٧ ذرع (یعنی ٣.٥×٣.٥ میٹر) رقبے پر ہوتی تھیں (گو کہ یہ پیمائش ہر مسجد پر لاگو نہیں تھی).(٨) دیگر تمام مساجد جہاں اس بات کی تصدیق نہیں ہو سکی تھی کہ وہاں سرکار دو عالم ﷺ نے نماز ادا کی تھی، ان کو بالکل سادہ مواد، بغیر نقش و نگار کے پتھروں اور عام طرز تعمیر سے بنایا گیا تھا.

ایسی تمام مساجد جن کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کروایا تھا عرصہ مدید تک موجود رہیں اور عشاق کی اتباع سنت رسول اللہ ﷺ کی پیاس بجھاتی رہیں. لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں سے بہت کی خالت خستہ ہونی شروع ہو گئی سوائے ان چند کے جن کی نگہداشت اور مرمت میں مختلف اوقات میں بعد میں آنے والے حکمرانوں نے دلچسپی رکھی. ابن نجار کی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ طیبہ سے مندرجہ ذیل اقتباس چھٹی صدی ہجری میں ایسی تمام مساجد کی زبوں حالی کی تصویر کشی کرتا ہے:

"یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مدینہ طیبہ میں اس وقت بہت سی مساجد ہیں جو کہ حالت انہدام میں ہیں اور بوسیدہ ہو چکی ہیں: ان میں سے بعض میں تو صرف ایک آدھا محراب یا ستون بچا ہوا ہے. ان کا ملبہ از قسم پتھر وغیرہ لوگ اٹھا کر لے گئے ہیں تا کہ اپنے مکانات بنا سکیں. ان مساجد میں ایک مسجد قباء بھی ہے جو کہ مسجد ضرار کی جگہ کے قریب ہے، اس میں اب صرف چند ستون بچے ہیں جو کہ اپنی جگہ پر کھڑے ہیں. اس کے علاوہ دو اور مساجد ہیں جو کہ البقیع کے نزدیک ہیں جس میں سے ایک مسجد الاجابہ ہے جس میں صرف ستون اور محراب کا کچھ حصہ بچا ہوا ہے جبکہ باقی کا تمام حصہ کھنڈر بن چکا ہے؛ دوسری مسجد 'مسجد بغلہ' یا 'مسجد بنی ظفر' ہے جس میں صرف ایک ستون بچا ہے اور وہ بھی زبوں حالی کا مظہر ہے. اس کے قریب ہی ایک پتھر پڑا ہے جو تاریخی آثار (آثار النبویہ) میں سے ہے کیونکہ اس کے اوپر رسول اللہ ﷺ کی خچر کے پاؤں کے نشانات ہیں. بایں ہمہ یہ مستحب ہے کہ زائر ان تمام مساجد میں نماز ادا کرے."(٩)

یہ نہایت ہی قابل افسوس بات ہے کہ اگرچہ ان مساجد میں سے کچھ تو اچھی حالت میں موجود ہیں اور کچھ انتہائی خستہ حالت میں کھنڈرات کی صورت میں موجود ہیں مگر حجاج اور زائرین کے ان کی طرف جانے پر مدینہ طیبہ میں اس وقت صاحب اقتدار طبقہ کی طرف سے ناک بھوں چڑھائی جاتی ہے. پہلی بات تو یہ ہے کہ ان مقامات تک رسائی اور راہ نمائی کے فقدان کا مکمل اور تسلی بخش انتظام کیا گیا ہے اور دوسرے یہ کہ اگر کوئی سعی بسیار سے ایسے کسی مقام یا مقامات پر پہنچ ہی جاتا ہے تو مباحث یا مطوع فورس کے ہاتھوں بیہودہ سوال و جواب اور بے عزتی کا کھٹکا لگا رہتا ہے. مسجد قباء اور مسجد قبلتین کے علاوہ دیگر تاریخی مساجد جو کہ تعمیر نو کے مراحل بھی طے کر چکی ہیں وہ بھی اکثر و بیشتر

مسجد جمعہ (قبا کی بستی میں)
۱۳۲۶ ہجری

مقفل ملتی ہیں اور زائر وہاں نماز ادا کرنے کی حسرت دل میں سمیٹے واپس لوٹنے پر مجبور ہوتا ہے۔

صدیوں سے مورخین مدینہ طیبہ نے ان مساجد کی کیفیات اور اہمیت جتاتے جتاتے تاریخ کے صفحوں پر صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں اور ہم تک تمام تفاصیل پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ابن زبالہ اور ابن شبہ سے لے کر دور حاضر تک ایسی مساجد کو دو صنفوں میں تقسیم کیا گیا ہے: ایسی مساجد جہاں پر رسول اللہ ﷺ کا ایک یا زیادہ بار نمازیں ادا کرنا ثابت ہے اور ایسی مساجد جہاں یہ ثابت تو نہیں کہ وہاں حبیب رب المشرقین اور رب المغربین ﷺ نے نماز ادا کی تھی مگر اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ مساجد اصحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تعمیر کروائی تھیں۔

جیسا کہ مدینہ طیبہ میں تاریخی کنوؤں کے ضمن میں کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد سات ہے، اسی طرح اکثر اوقات ان تاریخی مساجد کی تعداد بھی سات بتائی جاتی ہے جہاں کہ رسول مقبول ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی جبکہ ان دوسری مساجد کی تعداد جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نماز ادا کیا کرتے تھے کہیں زیادہ ہے اور ان کی حیثیت بھی تاریخی اعتبار سے تاریخ مدینہ طیبہ کے ضمن میں کچھ کم نہیں۔ بعض روایات میں ایسی تمام مساجد کی تعداد ۱۸ بتائی گئی ہے۔ ان میں سے تمام تو زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں، اور قدیم مورخین نے بھی اقرار کیا ہے کہ ان کے متعلقہ ادوار میں بھی وہ مساجد صرف نام کی حد تک تاریخ کے اوراق پر تھیں حالانکہ ان کو معدوم ہوئے بھی ایک عرصہ گزر چکا تھا اور تلاش بسیار کے بعد بھی ان کے محل ہائے وقوع کا اتہ پتہ ان مورخین کو نہ مل سکا تھا۔ البتہ چند مشہور مساجد بقید حیات رہیں اور زمانے کی بے اعتنائی کے باوجود آج بھی کھنڈرات کی شکل میں کہیں نہ کہیں نظر آجاتی ہیں۔ ذیل کے صفحات میں ہم نے کوشش کی ہے کہ اس وقت موجود ایسی مساجد کے متعلق تفاصیل جمع کر دی جائیں۔ تاریخی مساجد میں سب سے زیادہ اہم مسجد نبوی شریف ہے اور اس کے بعد مسجد قباء کا نام آتا ہے۔ ان کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے ان پر سیر حاصل بحث الگ الگ بابوں میں کی ہے۔ تاہم دیگر تمام تاریخی مساجد کی تفاصیل کو اس باب میں یکجا کر دیا گیا ہے۔

مسجد الجمعہ:

یہ مشہور مسجد موضع قباء میں واقع ہے اور مسجد قباء سے مسجد نبوی شریف جاتے ہوئے دائیں طرف آتی ہے۔ ہجرت مبارکہ کے موقع پر اس علاقے میں بنی سالم کا قبیلہ آباد تھا اور ساتھ ہی کچھ گھر بنی نجار کے بھی تھے۔ مسجد قباء کا سنگ بنیاد رکھ کر جب رسول اللہ ﷺ عازم مدینہ طیبہ ہوئے تو آپ حضور ﷺ اور تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جلوس کا گزر وادی رانونا سے ہوا جہاں بنی سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن الخزرج کے لوگ آباد تھے۔ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ حضور ﷺ کچھ دیر ان کے ہاں رکیں؛ لہٰذا رحمت اللعالمین ﷺ نے کچھ دیر وہاں قیام فرمایا اور اسی اثنا میں وہاں نماز جمعہ کا وقت آ گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں پہلی باجماعت نماز جمعہ اس مقام پر ادا کی اور پھر اس کے بعد اسی جگہ پر باقاعدہ مسجد بنا دی گئی۔ (۱۰) آج کی مسجد جمعہ اسی جگہ پر اسی واقعہ کی یاد تازہ کرتی

ہے. اہمیت کے لحاظ سے مسجد الجمعہ تیسری مسجد ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت مبارکہ کے بعد باجماعت نماز کی اقتداء فرمائی تھی: پہلی دو مساجد میں مسجد قباء اور مسجد بنوانیف کا نام آتا ہے.

یہ کہنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ بہت سے سیرۃ نگاروں کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں یہ پہلا موقع تھا کہ نماز جمعہ ادا کی گئی تھی. بلاشک ہجرت مبارکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ میں ورود مسعود کے بعد یہ پہلا جمعہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی اقتداء آزادانہ ماحول میں کروائی، لیکن حضور پرنور ﷺ کی آمد سے پہلے حضرت اسعد ابن زرارہؓ نماز جمعہ باجماعت کرواتے رہے تھے. حضرت محمد ابن سیرینؒ کا بیان ہے: [مدنی حضرات رسول اللہ ﷺ کی آمد مبارکہ سے پہلے اور نماز جمعہ کے فرض ہونے سے پہلے ہی جمع ہوجایا کرتے تھے. درحقیقت یہی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے جنہوں نے اس نماز کا نام 'جمعہ' رکھا تھا. ان کا کہنا تھا کہ یہودی ہفتہ وار اپنا اجتماع ہفتہ کے دن (یوم السبت) کرتے ہیں اور نصاریٰ اپنا اجتماع اتوار کے دن کرتے ہیں. لہذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمان بھی ہفتہ میں ایک دن مختص کریں تاکہ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نماز ادا کی جاسکے. انہوں نے کہا کہ ہفتے کا دن یہود کا ہے اور اتوار کا دن نصاریٰ کا ہے. کیوں نہ ہم 'العروبہ' (اس وقت جمعہ کے دن کو العروبہ کہتے تھے) کو اس کام کے لیے مختص کرلیں. لہذا وہ تمام حضرات حضرت اسعد ابن زرارہؓ کے ہاں جمع ہوئے اور باجماعت دو رکعت نماز ادا کی اور اسی نسبت سے اس دن کو یوم الجمعہ (جمع ہونے کا دن) کہا جانے لگا اور حضرت اسعد ابن زرارہؓ نے اس خوشی میں ایک بکری ذبح کرنے کا بھی اہتمام کیا. وہ جمعہ عالم اسلام میں سب سے پہلا جمعہ تھا. (۱۱)

مسجد الجمعہ ابتداء میں مسجد نبوی شریف کی طرز پر انتہائی سادہ تعمیر کی گئی. اس کی بنیادیں پتھر کی تھیں جب کہ دیواریں کچی اینٹوں کی بنی تھیں. ابن شبہ کے مطابق اسے 'مسجد عاتکہ' بھی کہا جاتا تھا. (۱۲) ابن نجار کے مطابق اسے مسجد الغبیب بھی کہا جاتا تھا اور یہ وادی رانونا کے وسط میں واقع تھی اور اس کی شمال میں مزدلف تھا جو کہ حضرت عتبان بن مالکؓ کا اطم تھا. اسے مسجد الوادی بھی کہا جاتا تھا کیونکہ یہ وادی ذی سلب میں واقع تھی. (۱۳) مسجد کے سامنے بنونجار کے قدیم گھر ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک میں مسجد بنات النجار ہوا کرتی تھی جو کہ اب معدوم ہوچکی ہے.

اس مسجد کی تعمیر نو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں ۸۸ ہجری میں ہوئی. اس کا طرز تعمیر بھی ان دیگر مساجد جیسا تھا جو کہ نبی اکرم ﷺ سے منسوب تھیں. بعض مورخین کا خیال ہے کہ اس کی تعمیر نو عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے دور میں دوسری صدی ہجری کے وسط میں ہوئی. پھر اس کے بعد صدیوں تک اس کی مرمت یا تعمیر نو کا کہیں ذکر نہیں ملتا تا آنکہ عثمانیوں کی نظر التفات اس کی زبوں حالی پر پڑی اور ترک سلطان مظفر بایزید (۸۸۶-۹۱۸ ہجری) کو اس کی تعمیر نو کا فخر حاصل ہوا. اوپر دی گئی تصویر ترکی دور کی تعمیر سے تعلق رکھتی ہے اور ۱۹۶۰ کی دہائی سے متعلق ہے. اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کافی بلند سطح پر تعمیر کی گئی تھی اور ۵x۸،۵ میٹر کے رقبے پر بنائی گئی تھی جس پر ایک چھوٹا سا مگر جاذب نظر گنبد تعمیر کیا گیا تھا. سیڑھیاں چڑھ کر اس مسجد میں جایا جاسکتا تھا. گنبد کے اندر خوبصورت نقش ونگار کے علاوہ دیدہ زیب خطاطی کی گئی تھی جو کہ

مسجد قبلتین
(دوقبلوں والی مسجد)
۱۳۲۶ہجری

ترکی طرزِ تعمیر کا طرہ امتیاز تھا.

اس مسجد کو سعودی حکومت نے نئے سرے سے تعمیر کیا ہے. یہ مسجد 'مسجد قباء' سے تقریباً ۵۰۰ میٹر کے فاصلے پر شمال کی جانب واقع ہے. اس کا موجودہ رقبہ ۶۳۰ ,امربع میٹر ہے اور اس پر پانچ گنبد بنائے گئے ہیں: پانچواں اور وسطی گنبد سب سے بڑا ہے. جس کا قطر ۱۲ میٹر ہے جبکہ باقی کے ہر ایک گنبد کا قطر صرف ۵ میٹر ہے. اس کا صرف ایک ہی مینارہ ہے جو سطح ارضی سے ۲۵ میٹر بلند ہے. اندرونی حصہ میں خوبصورت فانوس آویزاں ہیں جس سے اس کی مشابہت قدرے ترکی طرزِ تعمیر سے ملتی ہے.

نماز کے دالان کے علاوہ جہاں ۶۵۰ نمازی بیک وقت نماز ادا کرسکتے ہیں، مسجد کے ساتھ یوٹیلیٹی ایریا بھی بنایا گیا ہے جو طلبا اور قراء حضرت کی درسگاہ کے علاوہ امام صاحب کی رہائش اور خواتین و حضرات کے لیے وضو خانہ جات پر مشتمل ہے. زنانہ حصہ ۸۵ مربع میٹر کا ہے اور مسجد کے عقبی حصے میں واقع ہے. وضو خانہ میں مرد حضرات کے لیے دس غسل خانے اور تین سطروں میں وضوء کے لیے جگہیں بنائی گئی ہیں. اسی طرح خواتین کے لیے ۶ غسل خانہ جات اور ۲۲ عدد وضوء کی جگہیں بنائی گئی ہیں. امام اور موذن حضرات کے لیے دو رہائشی مکانات بھی مسجد کے کمپلیکس میں شامل ہیں. زائرین حضرات کو انتباہ ہے کہ وہ اگر مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرنا چاہتے ہیں تو صرف اس وقت جائیں جب کہ نماز پنجگانہ میں سے کسی نماز کا وقت ہو، ورنہ مایوسی ہوگی.

مسجد قبلتین:

حرۃ الوبرہ (حرۃ الغربیہ) میں یہ مسجد غربی جانب وادی العقیق کے العرصہ کے میدان کے قریب واقع ہے. اسے مسجد قبلتین (یعنی دو قبلوں والی مسجد) کہا جاتا ہے. بنی سواد بن بنی سلمہ (جسے عرف عام میں بنی سلمہ کہا جاتا ہے) اس علاقے میں رہا کرتے تھے اور اسی کے قریب ہی ان کا آبائی قبرستان بھی تھا. ہجرت مبارکہ کے دوسرے سال (جب کہ ابھی سترہ یا اٹھارہ ماہ گزرے تھے) ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بنی سلمہ میں ایک صحابیہ سیدۃ ام بشر بن البراءؓ کے گھران کے بیٹے کی تعزیت کے لیے تشریف لے گئے تھے. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک کثیر تعداد بھی ہمراہ تھی. اہل خانہ نے نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری پر آپ حضور ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خاطر و مدارات کے لیے ظہرانے کا بندوبست کیا اور یوں وہاں کافی دیر ہوگئی. اسی دوران نماز (ظہر) کا وقت آگیا اور رسول اللہ ﷺ نے حسب معمول بیت المقدس کی طرف رخ انور کرکے نماز کی امامت فرمائی. جونہی آقائے دوجہاں ﷺ نے تیسری رکعت شروع کی قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کا نزول ہوگیا:

﴿ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا، تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے. ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف اور اے مسلمانو تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو﴾. (۱۴)

اور دوران نماز تیسری رکعت میں امام القبلتین اور نبی الحرمین ﷺ نے اپنا منہ کعبۃ المشرفہ کی طرف پھیر لیا. چونکہ تحول قبلہ کے احکام کے تحت یہ ۱۸۰ ڈگری (شمال سے جنوب کی طرف) کی تحویل تھی، اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (جن میں خواتین و مرد سب شامل تھے) کو بھی نبی اکرم ﷺ کے اتباع میں اپنا منہ نئے قبلہ کی طرف کرنا پڑا اور یوں خواتین و حضرات کو اپنی سطریں بھی تبدیل کرنی پڑیں تاکہ حکم الٰہی کی تعمیل ہو سکے. زمخشری کے مطابق مرد حضرات نے خواتین کی سطور کی طرف رجوع کیا اور خواتین نے مرد حضرات کی جگہ لے لی اور رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے عقب میں واقع پرنالے کی طرف منہ کر کے باقی کی دو رکعتوں کو مکمل کروایا اور اسی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد قبلتین پڑ گیا کیونکہ اس مسجد میں ایک ہی نماز کے دوران رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کیا تھا یعنی پہلے بیت المقدس کی طرف اور پھر بیت اللہ شریف کی طرف.(۱۵) مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیّب سے مروی ہے: [اس وقت ظہر کی نماز کا وقت تھا جس دوران تحویل قبلہ سرانجام پائی.](۱۶) لیکن پہلی پوری نماز جو تحویل قبلہ کے احکام کے تحت ادا ہوئی وہ نماز عصر تھی اور مسجد نبوی شریف میں ادا ہوئی جس میں فرزندان توحید کا رخ کعبۃ المشرفہ کی طرف تھا. ایسا بروز پیر ماہ رجب کے وسط میں ۲ ہجری (جنوری ۶۲۴ء) کو ہوا.(۱۷) واقدی کا بیان بھی یہی ہے کہ تحویل قبلہ ماہ رجب کے وسط میں ہجرت مبارکہ کے تقریباً سترہ ماہ بعد ہوئی تھی.(۱۸)

نئی تعمیر شدہ مسجد قبلتین
(دو قبلوں والی مسجد)
۱۴۲۰ ہجری

تاہم بعض روایات میں اس معاملے میں قدرے تفاوت پایا جاتا ہے. کچھ کا خیال ہے کہ یہ نماز ظہر کی تھی جب کہ اکثریت کا خیال ہے کہ ایسا نماز عصر کے وقت ہوا تھا. بعض روایات کے مطابق ایسا مسجد بنی سلمہ میں ہوا تھا جب کہ کچھ علماء کا خیال ہے کہ تحویل قبلہ مسجد نبوی شریف میں ہوئی تھی. حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس معاملے پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے. ان کی رائے میں تحویل قبلہ کے حکم کی تعمیل تو مسجد بنی سلمہ میں ہی ہو گئی تھی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے باقی ماندہ دو رکعتیں کعبۃ المشرفہ کی طرف رخ زیبا کر کے ادا کروائی تھیں، لیکن پوری نماز جو کعبۃ المشرفہ کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی وہ نماز عصر تھی جو کہ مسجد نبوی شریف میں ادا ہوئی تھی.(۱۹)

جونہی تحویل قبلہ کی خبر شہر میں پھیلی وہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو حالت نماز میں تھے انہوں نے اسی وقت اپنے رخ نئے قبلہ کی طرف موڑ لیے. حافظ بن ابی بکر بن مردویہؒ نے سیدۃ نویلہ بنت مسلمؓ سے روایت کی ہے کہ: [ہم نماز ظہر (یا عصر) بنی حارثہ میں مسجد ایلیا (بیت المقدس) کی طرف رخ کر کے پڑھ رہے تھے. ہم نے ابھی دو رکعتیں ہی پڑھی تھیں کہ ایک منادی کرنے والے نے اعلان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا رخ مبارک بیت الحرم کی طرف موڑ لیا ہے. لہٰذا مستورات نے مردوں کی جگہ لے لی اور مرد حضرات مستورات کی سطروں پر کھڑے ہو گئے. پھر ہم نے باقی کی دو رکعتیں بیت الحرم کی طرف منہ کر کے ادا کیں.](۲۰) حضرت سعید ابن المسیّبؒ کے بیان کے مطابق ایسا غزوہ بدر سے دو ماہ پہلے ہوا، یعنی ماہ رجب میں.

اس کے بعد بنی سلمہ کے اصحاب نے اس خاتون سے درخواست کی کہ وہ اپنا مکان مسجد بنائے جانے کے لیے وقف کر دیں. انہوں نے یہ درخواست بخوشی قبول کر لی. اس طرح اس مقام پر ایک مسجد تعمیر کر دی گئی.(۲۱) تاہم علمائے کرام کی اکثریت کی رائے ہے کہ اس مقام پر پہلے ہی ایک مسجد تھی جو کہ بنی سلمہ کی مسجد تھی ایسے علماء کرام بھی یہ مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت مذکورہ خاتون کے ہاں تشریف لے گئے تھے

مسجد الاجابہ، مسجد بنی معاویہ تعمیر نو سے پہلے

جن کا گھر اس مسجد سے متصل یا قریب تھا اور جونہی نماز کا وقت ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز ادا کی (نہ کہ اس خاتون کے گھر میں) تاہم سب علمائے کرام کا اتفاق رائے اس بات پر ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم اسی جگہ اور اسی نماز کے دوران ہوا جب کہ ابھی پہلی دو رکعتیں ادا ہوئی تھیں جن کو مسجد ایلیا (بیت المقدس) کی طرف رخ کر کے پڑھا گیا تھا اور باقی ماندہ دو رکعتیں بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے ادا کی گئیں. اس کے بعد تا ابد کعبۃ المشرفہ ہی مومنین کا قبلہ رہے گا. پہلی کامل نماز جو بیت الحرم کی طرف رخ کر کے رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمائی وہ مسجد بنی سلمہ سے واپسی پر نماز عصر تھی جو کہ مسجد نبوی شریف میں ہی ادا ہوئی اور اس تحویل کے مطابق مسجد نبوی شریف کے قبلہ کی جانب کا از سر نو تعین کیا گیا.

چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی نماز ادا کی تھی جس کی پہلی دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف ادا ہوئی تھیں اور باقی کی دونوں رکعتیں بیت الحرم کے قبلہ کی طرف رخ زیبا کر کے ادا فرمائی گئی تھیں جس سے یہود اور مسلمانوں میں تفریق واضح ہو گئی تھی اور چونکہ تحویل قبلہ کے احکام بھی اسی مقام پر نازل ہوئے تھے، اس لیے اس مسجد کو دو قبلوں والی مسجد یعنی 'مسجد قبلتین' کے نام سے شہرت حاصل ہوئی اور آج تک اسی نام سے پہچانی جاتی ہے.

رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں وادی بطحان کے اس پار حرہ غربیہ میں اس مسجد کے قریب ایک اور وادی ہوا کرتی تھی جس کو ''القاع'' کہا جاتا تھا جو بارشوں کے موسم میں شدید طغیانی میں آجایا کرتی تھی. المرجانی کے بیان کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ غزوہ خیبر پر روانہ ہوئے تو اس وقت وہ وادی طغیانی سے لبریز تھی اور پانی کی گہرائی خطرناک حد تک پہنچ گئی تھی جس سے عساکر اسلام کو اس کو عبور کرنا بہت دشوار ہو گیا تھا. رسول اللہ ﷺ کے معجزے کی بدولت نہ صرف عساکر اسلام پانی کی سطح کے اوپر سے چل کر گزر گئے بلکہ بار برداری کے تمام جانور از قسم اونٹ اور خچر بھی اس کے اوپر سے ایسے گزر گئے جیسے کہ وہ سطح زمین ہو. اس کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بھی ایک روایت ہے: [ہمیں 'القاع' پر طغیانی سے واسطہ پڑ گیا. جب ہم نے پانی کی پیمائش کی تو یہ ۱۴ قامت کے برابر گہرا تھا. اس پر نبی رحمت شعار اور معجز نگار ﷺ سجدے میں چلے گئے اور خاص دعا فرمائی. اس کے بعد ارشاد رسالت مآب ﷺ ہوا: [اللہ کا نام لے کر پانی کی سطح پر چل پڑو.] ہم سب نے پانی کی سطح کے اوپر چل کر اس کو عبور کیا. اس سے ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کی تصدیق ہو گئی جب کہ انہوں نے سمندر کو عبور کیا تھا.] (۲۲) وہ معجزہ بھی اسی مسجد کے آس پاس ہوا تھا.

وہ مسجد جو کہ سرکار دو عالم ﷺ کے ایام میں موجود تھی وہ پتھروں اور گارے مٹی کو کھجور کے پتوں سے ملا کر بنائی گئی تھی. پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور مبارک آیا تو اسے منقوش پتھروں سے سنوارا گیا. ابن نجار بیان کرتے ہیں کہ انؒ کے ایام میں چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں مسجد انتہائی کسمپرسی کے عالم میں تھی. لوگ اس کے پتھر تک اٹھا کر لے گئے تھے اور صرف چند کھنڈرات بچے ہوئے تھے. (۲۳) تقریبا ایک صدی بعد المطری نے بھی اس کی زبوں حالی کا ذکر کیا ہے. مزید یہ کہ مسجد کے اردگرد کھجوروں کے جھنڈ اور زرعی فارموں کی کثرت تھی اور تمام علاقہ 'القاع' کہلاتا تھا. (۲۴)

عبدالقدوس الانصاری کے الفاظ میں: ''ہمیں اس مسجد کی تعمیر اور مختلف ادوار میں مرمت کی تاریخ کے بارے میں زیادہ معلومات بہم نہیں پہنچ سکیں، سوائے اس کے کہ شیخ الخدام شاہین الجمالی نے ۸۹۳ ہجری میں اس کی مرمت کروائی اور انہوں نے اس کی بوسیدہ چھت کو نئے سرے سے

نئی تعمیر شدہ مسجد الاجابہ
۲۰۰۱ء

ڈلوادیا اس کے بعد عثمانی ترک سلطان سلیمان نے ۹۵۰ ہجری میں اس کی مرمت کروائی جیسا کہ اس سنگ لوح سے ثابت ہوتا تھا جو کہ اس کے صدر دروازے پر ۱۹۰۲ء تک موجود ہوا کرتی تھی۔ ابراہیم رفعت پاشا کی سفری یادداشتیں اور وہ تصاویر (جو کہ انہوں نے ۱۹۰۲ء میں لی تھیں) سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد نہایت ہی بے اعتنائی اور شکست و ریخت کا شکار رہی تھی۔ (۲۶) شاہ فیصل مرحوم کے دور میں اس کی تعمیر نو کی گئی تھی۔

جب مسجد نبوی شریف کی توسیع کا منصوبہ زیر تکمیل تھا تو خادم الحرمین شریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے مدینہ طیبہ کی چند دیگر تاریخی مساجد کی تعمیر نو اور توسیع کے احکام بھی جاری کئے تھے۔ اس منصوبے کے تحت مسجد قبلتین کی قسمت نے بھی یاوری کی اور اس کی توسیع اور تعمیر نو عمل میں آگئی۔ مسجد النبوی شریف کی طرح یہ کام بھی بن لادن گروپ کے سپرد ہوا اور اس کے مشاورتی انجینئر عبدالوحید الوکیل قرار پائے۔ پرانی عمارت کو مکمل طور پر مسمار کر کے اس سے ملحقہ علاقے بھی حاصل کر لیے گئے اور پھر اس تمام علاقے کی سطح تقریباً تین میٹر تک بلند کر دی گئی۔ جس پر عصر جدید کی تمام تر سہولیات سے لیس موجودہ مسجد قبلتین کی تعمیر عمل میں لائی گئی۔

قدیم مسجد کا رقبہ تو صرف ۴۲۵ مربع میٹر ہوا کرتا تھا جب کہ جدید تعمیر کے بعد مسجد اور اس سے ملحقہ یوٹیلٹی علاقوں کو ملا کر کل رقبہ ۳،۹۲۰ مربع میٹر سے بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ یعنی پہلے کی نسبت نو گنا اضافہ کر دیا گیا۔ اس کا طول ۹۵ میٹر ہے جب کہ یہ مشرقی جانب سے ۸۳ میٹر عریض ہے اور مغربی جانب سے اس کا عرض ۸۲ میٹر ہے اور اسی جانب اس سے ملحقہ مدینہ طیبہ کا ایک قدیم قبرستان بھی ہے۔ جس کے گرد چار دیواری کر دی گئی ہے تمام رقبے سے ۱،۱۹۰ مربع میٹر پر نماز کا ہال تعمیر کیا گیا ہے۔ جس میں بیک وقت ۲،۰۰۰ مرد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ خواتین کے لیے ۴۰۰ مربع میٹر پر گیلری تعمیر کی گئی ہے۔ (۲۷) تحفیظ اور تدریس القرآن کے لیے طلباء کے لیے بہت بڑا رقبہ رکھا گیا ہے۔ پرانے قبلہ (بیت المقدس) کی سمت ظاہر کرنے کے لیے صدر دروازے کے اندرونی طرف چھت کے قریب ایک مصلا کا نقشہ بنا دیا گیا ہے جو در حقیقت اس مقام کی یاد میں بنایا گیا ہے کہ وہاں تحویل قبلہ کی آیات کریمہ کا نزول ہوا تھا۔ اس سے پہلے اسی دیوار پر تحویل قبلہ کی آیات لکھی گئی تھیں مگر ان کو مٹا کر دیوار کو صاف کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ وضوء کے لیے کافی کھلا علاقہ رکھا گیا ہے۔ جس میں غسل خانوں اور پانی کا وافر انتظام کیا گیا ہے۔ مسجد کے ارد گرد کے علاقے میں خوبصورت شجر کاری کی گئی ہے اور فوارے نصب کئے گئے ہیں جس سے یہ تمام علاقہ مدینہ طیبہ کے حسین ترین علاقوں میں شمار ہونے لگ گیا ہے۔ ارد گرد کی سڑکوں پر دور تک خوبصورت درخت لگائے گئے ہیں جن کے پیچھے سے اگر مسجد کا نظارہ کیا جائے تو یہ بہت ہی مسحور کن منظر پیش کرتی ہے۔ مسجد کے دو بلند مینارے ہیں۔ اندر کی جانب گنبدوں پر خوبصورت نقاشی اور خطاطی کی گئی ہے۔ جس کے لیے مراکش کے مشہور خطاطوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔

مسجد الاجابہ:

شارع ملک فیصل (پرانا نام شارع ستین یا پہلا طریق دائری) پر بقیع الغرقد کی شمال مشرقی جانب (شارع ستین اور شارع ملک عبدالعزیز کے چوک کی بائیں طرف) مسجد الاجابہ واقع ہے جو کہ مدینہ طیبہ کی قدیم ترین نو مساجد میں سے ایک ہے۔ چند سال پہلے اس کے قریب 'سن سٹروک ہسپتال' ہوا کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں یہاں انصار کا قبیلہ بنو معاویہ (بن مالک بن عوف الاوسی) آباد تھا اور اسی نسبت سے یہ 'مسجد بنو معاویہ' کے نام سے جانی جاتی تھی۔
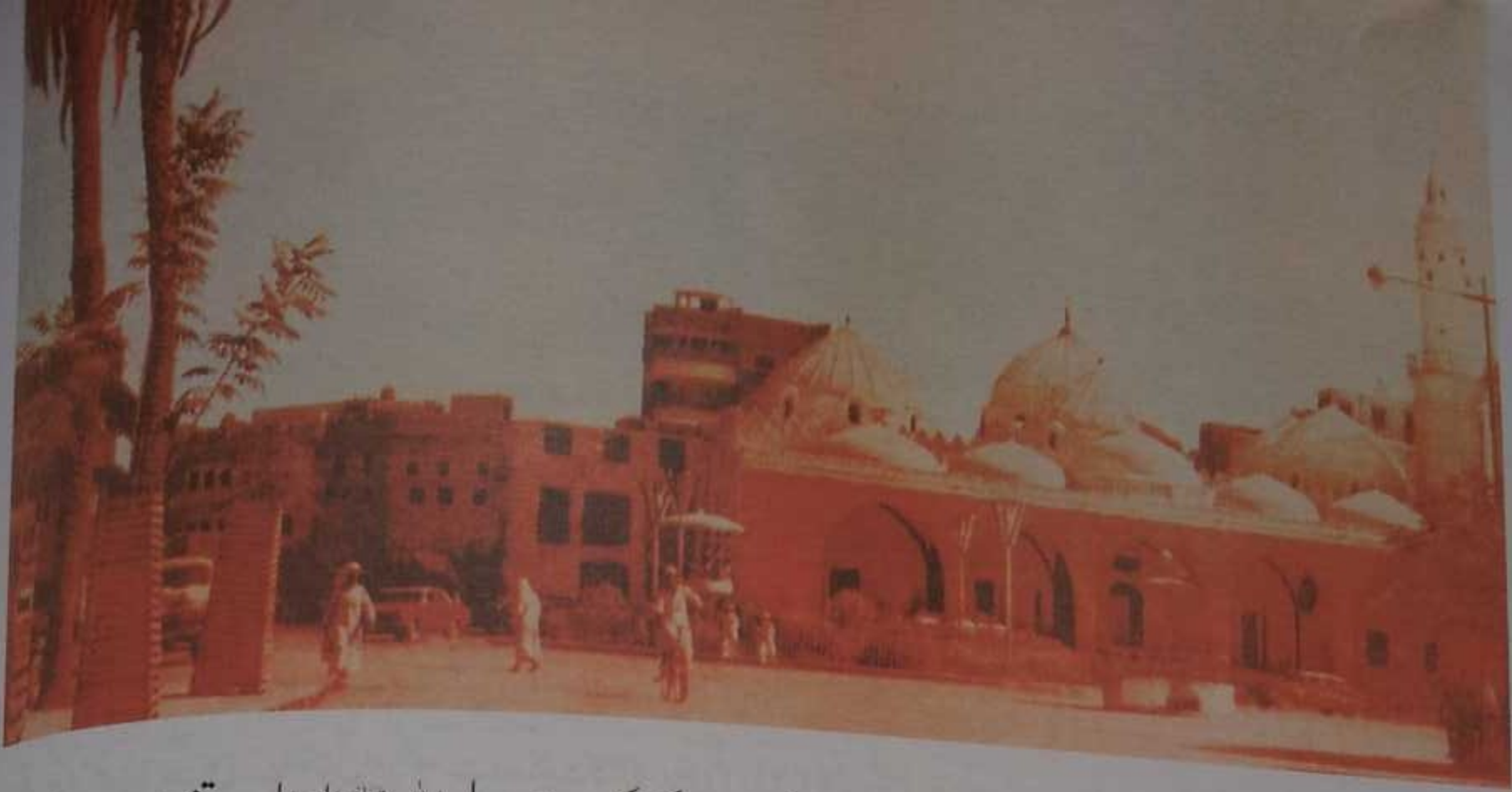
مسجد الغمامہ

حضرت عامر بن سعدؓ نے اپنے والد ماجد کی روایت سے بیان کیا ہے:[کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ العوالی سے تشریف لائے.آپ کا گزر مسجد بنی معاویہ کی طرف سے ہوا جہاں آپ حضور ﷺ نے تھوڑی دیر قیام فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی.ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز ادا کی.رسول اللہ ﷺ نے بہت لمبا سجدہ کیا.اس کے بعد آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:[میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کی تھیں جن میں سے رب ذوالجلال نے دو قبول فرمالی ہیں مگر تیسری دعا قبول نہیں ہوئی.میں نے اللہ رب العزت جل شانہ سے دعا کی کہ میری امت قحط کی وجہ سے تباہ نہ ہو اور اس نے میری وہ دعا قبول فرمالی.میری دوسری دعا تھی کی میری امت طوفان نوح کی طرح طغیانی سے غرق نہ ہو اور یہ دعا بھی اللہ رب العزت نے قبول کر لی ہے.میں نے تیسری دعا مانگی تھی کہ میری امت آپس میں قتل و غارت میں مبتلاء نہ ہو مگر یہ دعا قبول نہ ہوئی.](۲۸) چونکہ اس مسجد میں سید المرسلین رحمت اللعالمین ﷺ کی دو دعائیں قبول ہوئی تھیں اس لیے شروع سے ہی اسے مسجد الاجابہ (دعاؤں کی قبولیت والی مسجد) کے نام سے پکارا جاتا رہا ہے.

حضرت عاتک بن الحارثؓ سے مروی ہے:[حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہمارے پاس بنی معاویہ کے گاؤں میں تشریف لائے جو انصار کا ایک گاؤں ہے.انہوں نے استفسار کیا:''کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کس مقام پر کھڑے ہو کر آپ کی اس مسجد میں نماز ادا کی تھی؟'' میں نے کہا''ہاں.''اور پھر میں نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں سرور دو عالم نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی تھی.اس حدیث مبارکہ سے صاف واضح ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس بات کا کتنا اہتمام کرتے تھے کہ کونسے مواقع پر کس مقام پر کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ نے سجدہ ریزی کی تھی.

جمال المطری (ت:۷۴۱ ہجری) کے بیان کے مطابق اس مسجد کی وہ عمارت جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کروائی تھی ان (مطری) کے ایام میں بہت بوسیدہ ہو چکی تھی.یہ بنو معاویہ قبیلے کے گاؤں کے کھنڈرات اور خربہ کے وسط میں واقع تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک ٹیلے پر ہوا کرتا تھا.(۳۰) امام سمہودی نے لکھا ہے کہ(دسویں صدی کے اوائل میں) یقیناً مطری کے بعد اس مسجد کی مرمت ضرور ہوئی نظر آتی ہے لیکن آج کل یہ خستہ حالت میں بقیع الغرقد کے شمال میں العریض کی طرف ٹیلوں کے اوپر بنی معاویہ کے گاؤں کے کھنڈرات میں واقع ہے.شرقاً غرباً اس کا طول ۲۵ ذرع (۱۲.۵ میٹر) ہے جب کہ قبلہ کی جانب اس کی چوڑائی تقریباً ۲۰ ذرع (۱۰ میٹر) ہے.(۳۱)

دسویں صدی ہجری میں العباسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک کافی بڑی مسجد تھی جو کہ ٹیلوں کے اوپر بنی معاویہ کے گاؤں کے کھنڈرات کے درمیان واقع تھی.اس کی چار دیواری موجود ہے جو شرقاً غرباً ۲۵ ذرع طویل ہے اور شمالاً جنوباً تقریباً ۲۰ ذرع عریض ہے اور اس کی قبلہ کی محراب کافی بڑی ہے.(۳۲) ۱۸۵۲ء میں انگریز جاسوس رچرڈ برٹن (Richard Burton) نے لکھا کہ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے.یہی بات فلبی (Philby) نے ۱۹۳۱ء میں لکھی ہے.اس بات کا ذکر خارج از محل نہیں کہ جب وہابیوں نے ۱۹۲۴ء میں مدینہ طیبہ پر یلغار کی اور انہوں نے بہت
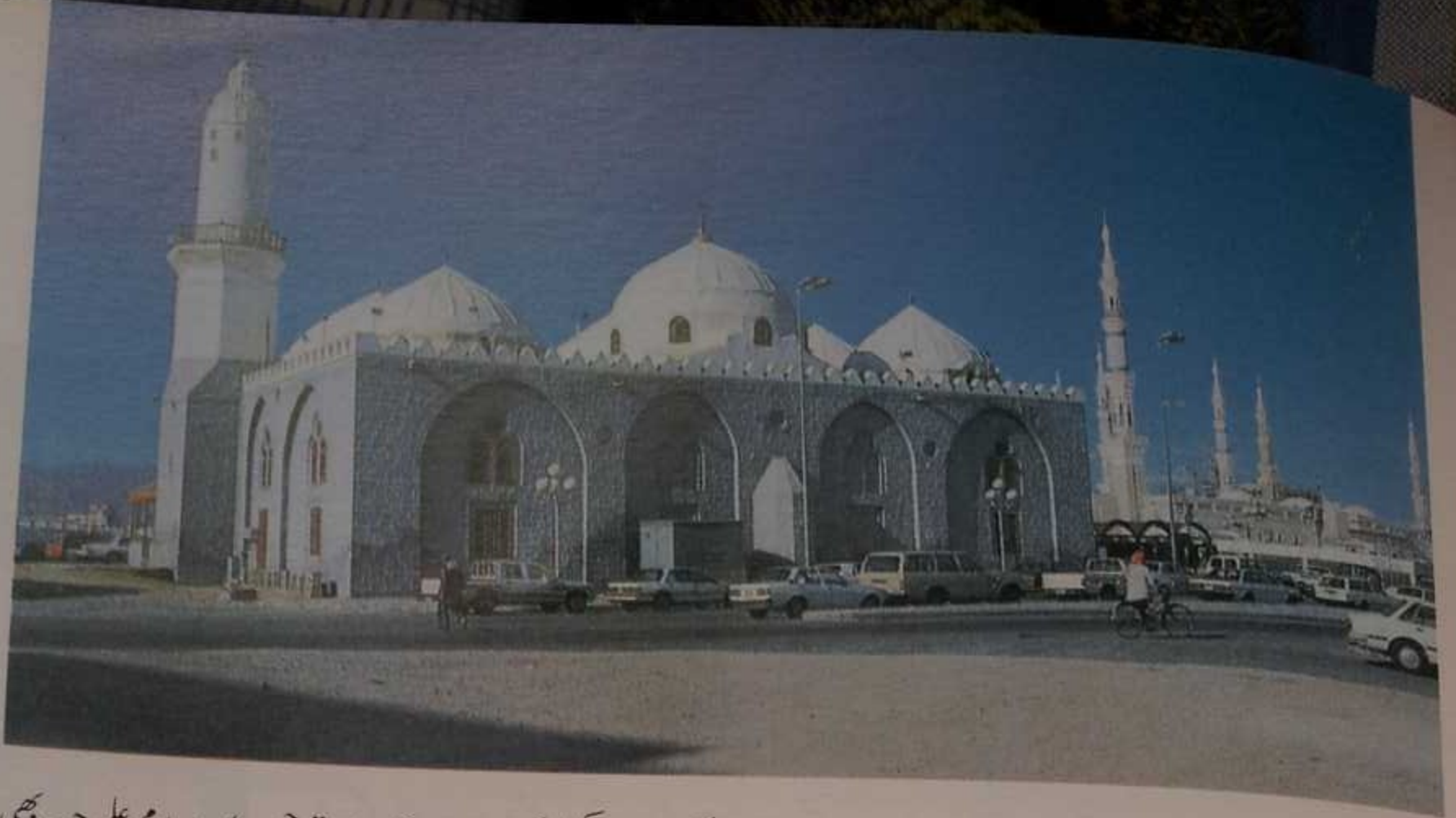
نئی تعمیر شدہ مسجد الغمامہ
۲۰۰۰ء

سے مقابر اور مزارات کو مسمار کیا تو یہ مسجد بھی ان کی تباہ کاریوں سے نہ بچ سکی خلافت کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق جس میں مولا محمد علی جوہر بھی شامل تھے اس مسجد پر واقع گنبد بھی ان کے ہاتھوں توڑ پھوڑ کا شکار ہوا تھا. (۳۳) تاہم بعد میں شہزادہ محمد بن عبدالعزیز (جو کہ مدینہ طیبہ کے پہلے سعودی گورنر تھے) کی مداخلت پر اسے مرمت کروا دیا گیا. اس کے بعد شاہ فیصل مرحوم کے دور میں بھی اس کی تعمیر نو ہوئی. محکمہ اوقاف کی ایک رپورٹ کے مطابق جسے سعید الدربی نے مرتب کیا تھا اس کا کل رقبہ اس وقت ۵۵۶،۸ مربع میٹر تھا. (۳۴) اس کے بعد دوبارہ اس کی تعمیر نو خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز کے دور میں ہوئی جب کہ مسجد نبوی شریف کی توسیع ہو رہی تھی.

مسجد الغمامہ:

ہجرت مبارکہ کے دوسرے سال جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے پہلی بار مدینہ طیبہ میں نماز عید الفطر ادا فرمائی. پہلی دو عیدیں تو سرور کائنات ﷺ نے دو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھروں کے صحنوں میں ادا کیں جو کہ مرکز مدینہ طیبہ یعنی مسجد نبوی شریف کے مضافات میں واقع تھے. حضرت زید بن البکار ؓ کی روایت کے مطابق پہلی عید آں حضرت ﷺ نے حارۃ الدوس میں ابن ابی جنوب ؓ کے گھر کے قریب ادا کی مگر دوسری عید الحاکم بن العدیؓ کے گھر کے صحن میں اور تیسری عید حضرت عبداللہ بن درۃ المزنی ؓ کے ہاں ادا کی جو کہ حضرت معاویہ ؓ اور حضرت کثیر بن الصلت ؓ کے گھروں کے درمیان واقع تھا اور چوتھی عید حضرت عبداللہ بن کثیر بن الصلت ؓ کے ہاں ادا فرمائی مگر پانچویں عید آں حضرت ﷺ نے اس جگہ ادا فرمائی جہاں آج کل مسجد مصلیٰ موجود ہے. (۳۵)

جوں جوں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اس امر کی شدت سے ضرورت محسوس ہونے لگی کہ نماز عید کا اجتماع کسی کھلے اور بڑے گراؤنڈ میں ہو. احادیث مبارکہ میں اگر چہ ان تمام گھروں کا تواتر سے ذکر ہے جہاں جہاں سرور دو عالم ﷺ نے پہلی چار یا پانچ نمازیں ادا فرمائی تھیں، مگر چونکہ وہ تمام گھر کئی ہاتھوں میں بکتے رہے لہذا مورخین کے لیے یہ خاصا دشوار کام تھا کہ ان گھروں کے محل ہائے وقوع کا تعین کر سکتے، سوائے اس مقام کے جہاں سب سے پہلی بار کھلی گراؤنڈ میں رسول اللہ ﷺ نے نماز عید اور نماز استسقاء ادا فرمائی اور پھر طول حیات وہیں عیدین کی نمازوں کی اقتداء فرماتے رہے.

رسول اللہ ﷺ جب کبھی کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو مصلیٰ کا رخ فرماتے اور وہاں قبلہ رخ ہو کر سربسجود ہو جاتے. بہت سی احادیث مبارکہ ہماری رہنمائی کرتی ہیں کہ مسجد مصلیٰ مسجد نبوی شریف کے جنوب مغربی جانب اس سڑک پر واقع تھی جو کہ بنی زریق کی طرف جاتی تھی. حضرت سعید بن المسیب ؓ نے حضرت ابی عطاؓ سے پوچھا: [اے ابا محمد کیا آپ کو دار کثیر بن الصلت ؓ کا محل وقوع معلوم ہے؟ جب انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت سعید بن المسیب ؓ نے فرمایا: [رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہ مبارک سے نکل کر اس جگہ (دار الصلت) تشریف لائے. آپ حضور وہاں کھڑے ہوئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ حضور ﷺ کے پیچھے قطاریں بنالیں اور پھر آپ حضور ﷺ

نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جس کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا.] (۳۶) اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس جگہ کا محل وقوع نہ صرف صحابہ کرام بلکہ تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اچھی طرح معلوم تھا (حضرت سعید بن المسیب) مشہور تابعی تھے اور حضرت مسیبؓ کے فرزند تھے جنہیں بیعت رضوان میں شرکت کرنے کا شرف حاصل تھا). رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں یہ ایک کھلا سا میدان ہوا کرتا تھا جو حضرت عبدالرحمٰن الصلتؓ کے گھر کے پاس تھا. عیدین کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے. خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں بھی اسی سنت پر عمل کیا گیا. تاہم اموی دور میں ایک طرح کا منبر عارضی طور پر نصب کیا جانے لگا تھا تا کہ امام عیدین کی نمازوں کا خطبہ دے سکے جیسا کہ بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے. (۳۷)

حضرت عبدالرحمٰن بن عبسؓ سے مروی ہے: [حضرت ابن عباسؓ سے استفسار کیا گیا کہ کیا انہوں نے کبھی عیدین کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی تھی؟ انہوں نے فرمایا: ہاں. اگر میں بالغ نہ ہوتا تو میں ایسا نہ کر پاتا. رسول اللہ ﷺ نماز عید کے لیے اپنے کاشانہ رحمت سے تشریف لائے اور اس مقام تک آئے جو کہ کثیر بن الصلتؓ کے گھر کے پاس تھا. پھر آپ حضور ﷺ نے نماز ادا فرمائی، خطبہ دیا اور اس کے بعد خواتین کی سطور کی طرف تشریف لے گئے....(۳۸) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ مصلیٰ کی طرف تشریف لے جاتے اور ایک عنزہ (برچھی) لے کر کوئی آپ حضور ﷺ کے آگے آگے چلتا جسے بوقت نماز آپ کے آگے گاڑ دیا جاتا اور پھر آپ حضور ﷺ اس کے سامنے نماز کی امامت فرماتے.] (۳۹) ابتدائی دنوں میں اسے مسجد مصلیٰ کہا جانے لگا. حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم اکٹھے ہوتے ہیں، جہاں ہم اللہ تعالیٰ کے حضور بارش کے لیے دعا مانگتے ہیں اور جہاں ہم عیدین کے موقع پر رب ذوالجلال کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں، لہٰذا اس جگہ پر کوئی عمارت تعمیر نہ کی جائے اور نہ ہی کوئی خیمہ گاڑا جائے (یعنی اس جگہ کو اسی کام کے لیے مختص رہنے دیا جائے اور یہاں کوئی گھر نہ بنایا جائے).(۴۰)

مسجد صدیق اکبرؓ کے دروازے پر لکھا ہوا کتبہ

جب رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ الاستسقاء اسی جگہ ادا کی تو ایک بادل آں حضرت ﷺ پر سایہ فگن رہا اور پھر جونہی دعا ختم ہوئی تو بارش ہونے لگ گئی. اسی لیے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے مسجد الغمامہ (یعنی بادل والی مسجد) کہنا شروع کر دیا. حضرت عباد بن تمیمؓ نے اپنے چچا سے روایت کی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ مسجد مصلیٰ نماز استسقاء کے لیے تشریف لے گئے؛ وہاں سرکار دو عالم ﷺ نے قبلہ کی جانب رخ زیبا کیا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی اور پھر اپنے جبہ مبارک کو الٹا کر کے پہن لیا.] (۴۱) ابن شبہ نے ابو غسان الکنانی کی روایت نقل کی ہے جس کے مطابق مصلاۃ النبی ﷺ (مسجد مصلاہ) کے کونے سے دار مروان بن الحکم تک ایک ہزار ذرع کا فاصلہ تھا (تقریباً ۵۰۰ میٹر). دار مروان مسجد نبوی
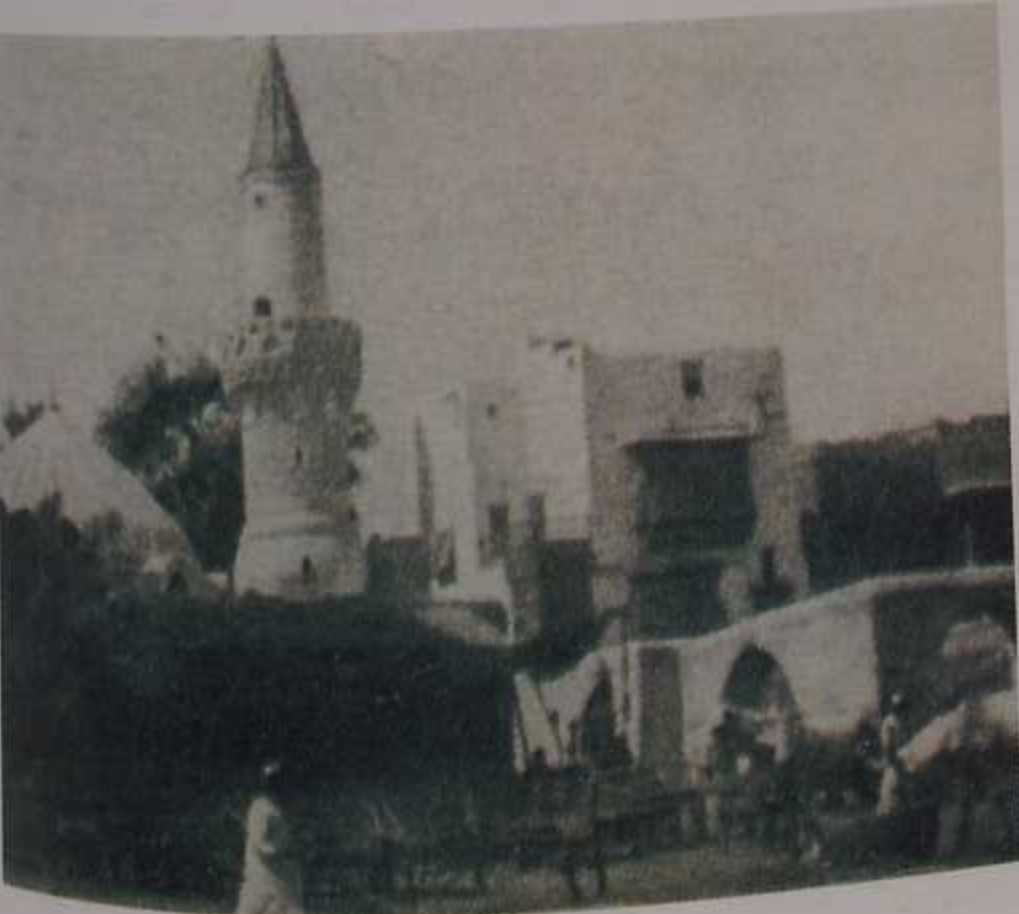
مسجد ابوبکر صدیقؓ اور عین الزرقا کی ایک نایاب تصویر (۱۹۰۸ء)

مسجد سیدنا ابو بکر صدیقؓ
سعودی تعمیر کے بعد

شریف کے موجودہ باب السلام سے متصل ہوا کرتا تھا۔ (۴۲)

الغمامہ کو سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کروایا تھا جب کہ وہ مدینہ طیبہ میں ان مساجد کی تعمیر کروا رہے تھے جہاں رسول مقبول ﷺ نے ایک یا زیادہ بار نماز ادا کی تھی۔ احمد یاسین خیاری نے بہت ہی دلچسپ سوال اٹھایا ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہر اس جگہ پر مسجد تعمیر کروا رہے تھے جہاں جہاں رسول مقبول ﷺ کی جبین طاہرہ سجدہ ریز ہوئی تھی تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس مقام پر مسجد تعمیر نہ کی ہو جہاں پر رسول رحمت ﷺ نے نہ صرف کئی بار عیدین کی نمازیں کروائی تھیں بلکہ نماز استسقاء کے لیے اسی جگہ کا انتخاب فرمایا تھا۔ خاص طور پر جب کہ اتباعِ سنت رسول مقبول ﷺ میں خلفائے راشدین کے علاوہ عم رسول مقبول ﷺ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے بھی عیدین اور نماز استسقاء اسی جگہ پر ادا کی ہو۔ وہی عمارت یا کم از کم اس کے کچھ کھنڈرات اس وقت تک ضرور موجود تھے جب سلطان محمد بن قلاوون نے ۷۴۸ ہجری اور ۷۵۲ ہجری کے دوران اس کی تعمیر نو کی تھی۔ پھر اس کے بعد امیر برد باک معمار نے ۸۶۱ ہجری میں اسے مرمت کیا۔ (۴۳) جب وہابیوں نے پہلی بار مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تو جہاں ان لوگوں نے قبور پر سے گنبد گرائے وہاں اس مسجد کی بھی شامت آگئی اور اسے مسمار کر دیا گیا۔ تاہم جب ترکوں نے چھ سال بعد مدینہ طیبہ پر دوبارہ اقتدار حاصل کر لیا تو انہوں نے اسے نئے سرے سے تعمیر کروا دیا۔ (۴۴)

مسجد الغمامہ مسجد نبوی شریف کے جنوب مغرب میں تقریباً ۵۰۰ میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۲۶x۱۲ میٹر ہے۔ اسے آخری مرتبہ ترکوں نے تعمیر کروایا تھا اور اس کے بعد اس کی مرمت وغیرہ ہوتی رہی ہے۔ یوں اس کی عمارت ترکیوں کے فن تعمیر کی یادگار ہے جسے حرہ کے سیاہ پتھروں کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ چھت پر خوبصورت گنبد سجے ہوئے ہیں جو کہ ترکی طرز تعمیر کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ جب تک مسجد نبوی شریف کی توسیع نہیں ہوئی تھی، اس وقت تک یہ ایک بہت ہی گنجان آباد علاقے میں واقع تھی، مگر جب سے توسیعی منصوبے پر عمل ہوا ہے ارد گرد کا تمام علاقہ صاف کر دیا گیا ہے اور یہ تاریخی مسجد دور سے ہی زائرین کی نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے گو کہ بہت کم خوش قسمت زائر ہوں گے جنہیں اس میں دو رکعت نماز ادا کرنا نصیب ہوتا ہے کیونکہ عموماً یہ مسجد مقفل ہی رہتی ہے۔

اسی منطقہ میں تین دیگر مساجد:

اسی علاقے میں تین اور بھی مساجد ہیں جو تاریخی نوعیت کی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مسجد سیدنا ابو بکر صدیقؓ (۲) مسجد سیدنا عمر ابن الخطابؓ

(۳) مسجد سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

قدیم مورخین نے ان تینوں میں سے دو مساجد کا تو ذکر کیا ہے (یعنی مسجد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور مسجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ)، مگر

مسجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ
(نئی تعمیر کے بعد)

تیسری مسجد (مسجد حضرت عمر ابن الخطابؓ) کا پرانی تاریخوں میں کہیں ذکر نہیں اور نہ ہی کسی نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ پہلی دونوں مساجد ان شخصیتوں کے ساتھ کیسے اور کب منسوب ہوئیں. عام خیال یہ ہے کہ اپنے اپنے دور خلافت میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ان مقامات پر یا تو رہائش پذیر رہے ہوں گے یا پھر ان کی زندگی کا کوئی نہ کوئی واقعہ وہاں ضرور ہوا ہوگا لیکن یہ خیال کرنا کہ ان دونوں شیخین کریمین رضوان اللہ علیہما نے وہاں عید کی نمازیں ادا کروائی ہوں گی بعید از قیاس ہے کیونکہ وہ فدایان رسول مقبول ﷺ تو سنت نبوی شریف سے سرمو انحراف کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پاس ہی مسجد الغمامہ ہو اور وہ عید کی نماز دس یا بیس گز دور جا کر ادا کروائیں. تاہم بعض روایات سے یہ بات ضرور ثابت ہے کہ شیر خدا حضرت علی المرتضیٰؓ نے دوران محاصرہ سیدنا عثمانؓ اس جگہ سکونت اختیار کی تھی اور وہیں پر نماز بھی ادا کرواتے رہے تھے. سمہودی کا خیال ہے کہ مسجد الغمامہ سے پہلے سرکار دو عالم ﷺ نے اس جگہ پر نماز عید ادا فرمائی تھی. اسی نسبت سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے وہاں نماز عید الضحیٰ بھی ادا کروائی کیونکہ عنان خلافت سنبھالنے کے بعد ایک نماز عید بھی انہوں نے مدینہ طیبہ میں ادا نہیں کی تھی کیونکہ امیر المومنین بنائے جانے کے بعد وہ فوراً ہی کوفہ روانہ ہو گئے تھے اور پھر کبھی واپس نہ لوٹ سکے تھے. مسجد سیدنا عمر ابن الخطابؓ کے متعلق تو قدیم وجدید مورخین سب نے سکوت اختیار کیا ہے، سوائے اس کے کہ اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ یہ عثمانی دور میں تعمیر ہوئی جیسا کہ اس کی عمارت سے مترشح ہوتا ہے.

مسجد سیدنا علی بن ابی طالبؓ
(تعمیر جدید سے پہلے)
۱۹۷۰ء

مسجد سیدنا عمر ابن الخطابؓ سے ذرا ہٹ کر جنوب کی طرف مسجد سیدنا عثمان بن عفانؓ (مسجد ذوالنورینؓ) ہے. مدینہ طیبہ کی تاریخ میں کسی بھی مورخ نے ایسی کسی مسجد کا ذکر نہیں کیا جو کہ خلیفہ راشد ثالث سے منسوب ہو. البتہ قلعہ شامی جو کہ فصیل مدینہ طیبہ کے شمال مغربی کونے پر واقع تھا اس کے اندر ترک دور میں ایک مسجد بنائی گئی تھی جو کہ مسجد سیدنا عثمان ابن عفانؓ کہلاتی تھی. جب قلعہ مسمار کر دیا گیا تو یہ مسجد بھی ملک عدم سدھار گئی. ایسا لگتا ہے کہ چونکہ تین مساجد دیگر تین خلفائے راشدین کے نام سے منسوب تھیں، پوری خلافت راشدہ کو نمائندگی دینے کے لیے تیسرے خلیفہ راشد یعنی حضرت عثمان بن عفانؓ کے نام کی بھی ایک مسجد بنا دی گئی تا کہ چاروں یاران نبی کے احترام میں تفاوت نہ رہے. یہ چوتھی مسجد سعودی حکومت نے تعمیر کروائی ہے اور مسجد النبوی شریف سے قباء جانے والی سڑک پر پل سے ذرا پہلے بائیں ہاتھ واقع ہے. اسی طرح ایک مسجد مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراء کے نام سے منسوب تھی جو کہ المناخہ کے علاقے میں گنجان آبادی میں ہوا کرتی تھی. آخری توسیع کے وقت وہ مسجد بھی شہید کر کے اس کا علاقہ بھی مسجد نبوی شریف کے کام لایا گیا تھا.
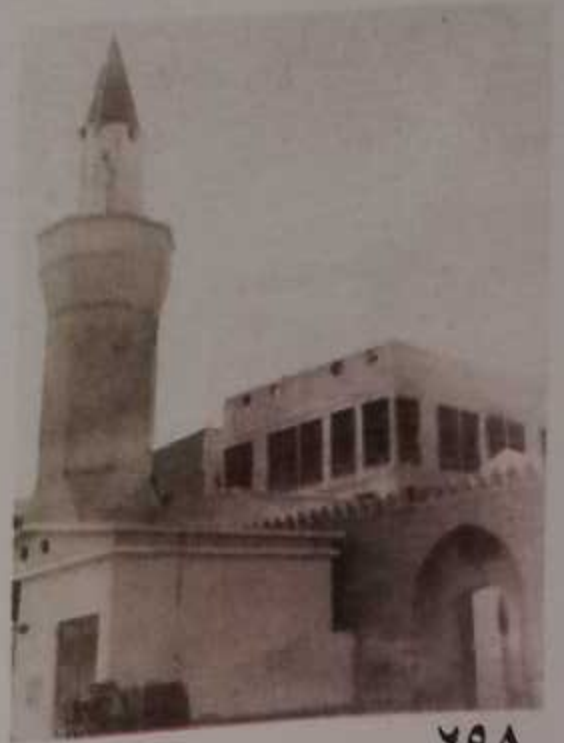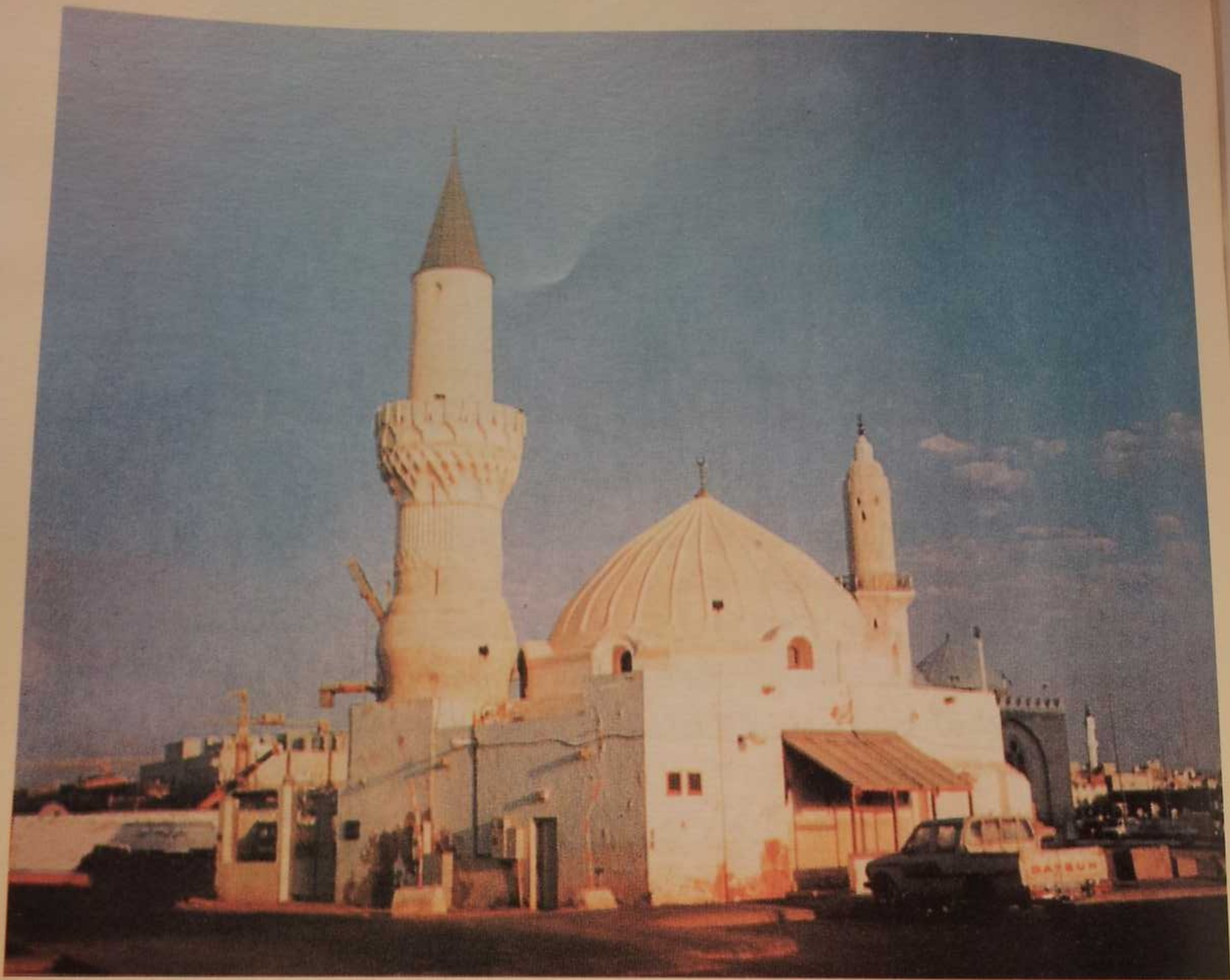
مسجد ابوبکر صدیقؓ (۲۰۰۰ء)
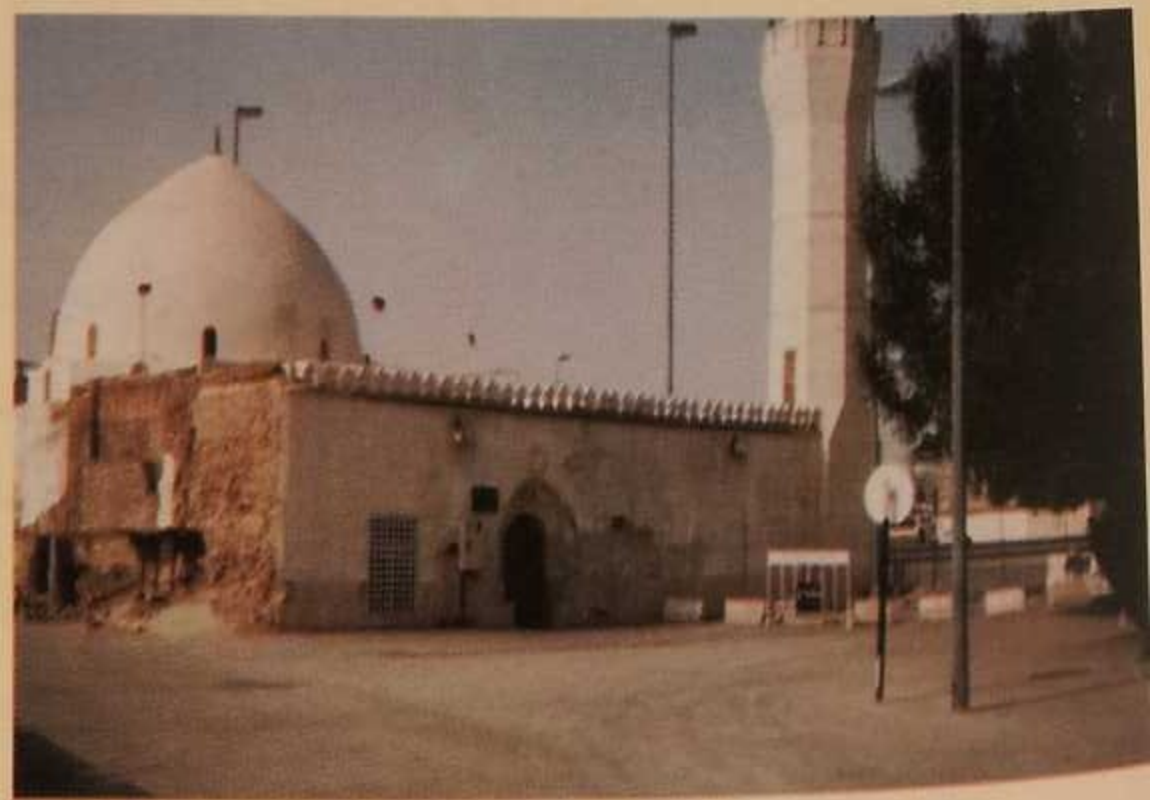
مسجد سیدنا عمر بن خطابؓ (۲۰۰۰ء)

مسجد ابوبکر صدیقؓ

مسجد النور
جس کے کھنڈرات بھی
اب معدوم ہو چکے ہیں

اگر ہم قربان روڈ سے (جو کہ بقیع الغرقد اور مسجد نبوی شریف کے درمیان سے جنوب کو جاتی ہے) جنوب کی طرف جائیں تو بائیں ہاتھ ایک بہت ہی خوبصورت مسجد ہے جس کا سبز رنگ کا گنبد دور سے ہی زائر کی نظروں کو جذب کر لیتا ہے. مسجد ذوالنورین ؓ کی طرح یہ مسجد بھی حضرت سیدنا بلال ابن رباح ؓ کے نام سے منسوب ہے حالانکہ اس سے پہلے وہاں کوئی تاریخی مسجد اس نام کی نہیں تھی. (۴۵) بعض مورخین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت بلال بن رباح ؓ کی رہائش گاہ اسی جگہ تھی مگر اس کی تصدیق نہیں ہو سکی. سیدنا بلال ابن رباح ؓ کا مکان تاریخی طور پر المناخہ کے اس پار حرہ غربیہ کی جانب تھا اور اسی کی اندر ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہوا کرتی تھی، مگر ابتدائے عہد سعودی میں وہاں سرکاری عمارت تعمیر کر دی گئی تھی اور وہاں وزارۃ برق والہاتف متمکن تھی اور پھر جب عمرانی توسیع عمل میں آئی تو اس کے آثار بھی معدوم ہو گئے.

مسجد النور:

حضرت انس ابن مالک ؓ سے مروی ہے: [دو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم رات کے وقت رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہوئے اور معجزانہ طور پر دو روشنیاں ان کے آگے آگے چل رہی تھیں جس سے ان کا راستہ روشن ہو گیا تھا اور پھر جب ایک مقام پر دونوں کے راستے الگ الگ ہوئے تو وہ روشنیاں بھی ان کی طرح ان کے دونوں راستوں پر چل پڑیں یہاں تک کہ وہ دونوں اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے.] (۴۶) امام احمد نے مسند میں یہی حدیث حضرت قتادہ الظفری ؓ کے واسطے سے بیان کی ہے. (۴۷) وہ دونوں اصحابہ کرام حضرت اسید بن حضیر ؓ اور حضرت عباد بن بشر ؓ تھے (۴۸) جن کا تعلق قبیلہ اوس کی شاخ بنو عبدالاشہل سے تھا.

ابن زبالہ نے حضرت افلح بن سعید ؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز مسجد التوبہ میں ادا کی جو کہ قباء کے علاقے العصبہ میں تھی جو کہ بئر جیم کے پاس تھا. تاہم سمہودی ؒ نے زور دے کر کہا ہے کہ مسجد التوبہ کو مسجد النور سے گڈمڈ نہ کیا جائے. ان کے بیان کے مطابق مسجد التوبہ بنی ججبہ کے گھروں کے پاس تھی جو کہ بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے. مسجد النور جو اوپر بیان کئے گئے معجزے کی یاد میں اس جگہ پر تعمیر کی گئی تھی جہاں سے دونوں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے راستے الگ الگ ہوئے تھے وہ تو قبیلہ بنی عبدالاشہل کے علاقے میں تھی کیونکہ ان دونوں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دولت خانے اسی قبیلے میں تھے. بنی عبدالاشہل حضرت سعد ابن معاذ ؓ کا قبیلہ تھا جو کہ مسجد نبوی شریف کے شمال مشرقی حصے میں بقیع الغرقد کے اس پار آباد تھا نہ کہ قباء میں. لہذا امام سمہودی ؒ کی

مسجد النور کی ایک اور نایاب تصویر

مسجد السقیا
جوالعمبریہ ریلوے اسٹیشن کی
حدود میں واقع ہے

رائے میں وہ مسجد بنی عبدالاشہل کے علاقے میں تھی جس کا اتہ پتہ لوگ بھول چکے تھے.(۴۹)

عرصہ مدید سے لوگ اس مسجد کا محل وقوع فراموش کر چکے تھے حتی کہ سمہودیؒ سے پہلے کے مورخ جمال المطری بھی اس سے ناآشنا تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ گزر جانے کے بعد لوگوں نے مسجد التوبہ کو جو کہ قباء میں تھی اور ساتھ ہی ساتھ مسجد سیدۃ فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام جو کہ حرہ غربیہ میں تھی کو مسجد النور کے ساتھ گڈمڈ کر دیا تھا اور لوگ ان دونوں مساجد کو مساجد النور کہنے لگ گئے تھے.(۵۰) پہلی بار اس مسجد کی تعمیر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ہوئی تھی لیکن اس کے بعد اس کی مرمت اور تعمیر نو وغیرہ کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں حکمرانوں کی بے اعتنائی نے صدیوں میں اس کو شکست وریخت کے زوال پذیر مرحلے سے گزرنے پر مجبور کر دیا اور یہ صرف کھنڈرات کی شکل میں ہی اپنی بے بضاعتی کا اظہار کرتی رہی اور پھر تجدیدیت کی تیز وتند آندھیوں نے اس کے کھنڈرات کو بھی ملک عدم میں دھکیل دیا.

جہاں تک مسجد التوبہ کا تعلق ہے دسویں صدی ہجری کے مدینہ طیبہ کے مورخ الشیخ العباسی المدنی نے بیان کیا ہے کہ بہت تگ ودو کے بعد وہ مسجد التوبہ کا کھوج لگانے میں کامیاب ہوئے تھے جو کہ بئر جحیم کے پاس تھی اور اس طرح دسویں صدی ہجری میں مسجد التوبہ دوبارہ منصۂ شہود پر نمودار ہوگئی.(۵۱) السید احمد یاسین خیاری (ت: ۱۳۸۰ ہجری) کے الفاظ میں: ''یہ مسجد اپنے کنویں (بئر جحیم) کے ساتھ ایک بہت ہی جانا پہچانا مقام ہے جو کہ اس بستان میں واقع ہے جو کہ شیخ ابراہیم دراندلی الترکی کی ملکیت ہے جو کہ عین الزرقاء کے محکمے کے ڈائریکٹر ہیں.کنواں تو سوکھ چکا ہے مگر وہ باغ بستان العصبہ کے نام سے مشہور ہے جو کہ اسی مسجد کے نام کی بدولت ہے.''(۵۲)

مسجد سقیا
(زیرتعمیر حالت میں)
(۲۰۰۲ء)

مسجد السقیاء:

شیر خدا حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے روایت ہے:[ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں مدینہ طیبہ سے باہر نکلے اور بئر سقیاء پر پہنچے جو کہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی ملکیت تھا.رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[وضوء کے لیے میرے لیے پانی لایا جائے.جب آں حضرت ﷺ وضوء بنا چکے تو آپ حضور ﷺ قبلہ رو ہوئے اور تکبیر کہی اور یوں گوہر افشاں ہوئے:[بیشک تمہارے بندے خلیل اور نبی ابراہیم علیہ السلام نے تم سے اہل مکہ کے لیے دعا کی اور بیشک تمہارا بندہ،تمہارا نبی اور رسول محمد مصطفیٰ(ﷺ) تم سے اہل مدینہ کے حق میں دست بدعا ہے کہ ان کے صاع اور مد میں اور ان کے پھلوں میں دگنی برکت دے.](۵۳) ابن زبالہ نے بروایت حضرت عمر بن عبداللہ الدیناریؒ بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب فاتح القلوب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر کے لیے نکلے تھے اور آں حضرت ﷺ نے بئر سقیاء کے پاس مدینہ طیبہ میں پڑاؤ لگایا تھا.(۵۴) ایک ایسی ہی روایت حضرت ابی قتادہؓ سے بھی ہے.

ایک اور حدیث مبارکہ جو کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کے مطابق جب غزوہ بدر کے لیے عسکر اسلام روانہ ہوا تو پہلا پڑاؤ حرہ غربیہ میں السقیاء کے مقام پر لگا تھا. یہ ایک کنواں تھا جو کہ ۷×۷ ذرع کے قطر کا تھا.(۵۵) حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: جب کبھی اہل مدینہ کو قحط سالی کا سامنا ہوتا تو سیدنا عمر بن الخطابؓ حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے درخواست کرتے کہ وہ بارش کے لیے دعا کریں. وہ (حضرت عباسؓ) دعا کرتے: [اے اللہ، ہم اپنے نبی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کرتے تھے کہ وہ آپ سے دعا کریں اور آپ ہمیں باران رحمت سے نواز دیتے تھے، اور اب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے چچا (یعنی مجھ سے) سے کہہ رہے ہیں کہ آپ سے دعا کروں کہ آپ باران رحمت برسائیں. اے اللہ ہم پر باران رحمت نازل فرما.] اور پھر بارش ہونے لگ جاتی.(۵۶) یہ وہ مقام تھا جہاں سیدنا عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ﷺ کے چچا کا وسیلہ اختیار کیا تا کہ استسقاء کے لیے دعا کریں. حضرت عباسؓ نے یہ دعا فرمائی تھی:

مساجد الفتح کی سات مسجدوں میں سے ایک مسجد ابوبکر صدیقؓ

''اے اللہ ہم پر جو بھی مصائب نازل ہوتی ہیں ہماری اپنی کرتوتوں کی وجہ سے آتی ہیں اور یہ مصائب تائب ہو جانے سے دفع ہو جاتی ہیں. میری قوم میرے پاس اس رشتے کی نسبت سے آئی ہے جو کہ میرا تمہارے نبی (ﷺ) کے ساتھ ہے. ہم دست بدعا ہیں کہ گو کہ ہم گنہگار ہیں مگر ہم توبہ کرتے ہیں. ہم پر اپنی رحمت نازل فرما اور رزق عطا کر.'' جونہی انہوں نے اپنی دعا ختم کی پہاڑوں جیسے گھنے بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگ گئی. اسی وجہ سے حضرت عباسؓ کو ''ساقی الحرمین'' کہا جاتا ہے.(۵۷)

یہ تاریخی مسجد اسی نام کے تاریخی کنویں کے ساتھ جنہوں نے مدینوں کی تاریخ میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا آہستہ آہستہ بے اعتنائی کا شکار ہو گئی اور یوں چند صدیوں میں یہ عامۃ الناس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی اور اس کا نام صرف تاریخ کی کتب تک محدود ہو کر رہ گیا. ساتویں صدی ہجری اور زمانہ مابعد کے مورخین مثلاً جمال مطری وغیرہ نے اس کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا کیونکہ یہ مسجد اس وقت معدوم ہو چکی تھی. امام سمہودیؒ کو بہت تگ و دو کرنی پڑی اور پھر کہیں انہیں کامیابی نصیب ہوئی کہ وہ اس تاریخی مسجد اور کنویں کا کھوج لگا سکے. انہوں نے اس مقام پر کھدائی کروائی اور تب جا کر مسجد اور کنویں کے کھنڈرات دریافت ہوئے. انہوں نے اس کی تعمیر نو اور مرمت کروا دی اور اس طرح یہ مسجد دوبارہ نویں صدی ہجری میں منظر عام پر آ گئی.(۵۸)

عثمانیوں نے اس کی دیکھ بھال پر خاصی توجہ دی اور ان کے ایک کمانڈر آغا قاسم کی نگرانی میں اس کی تعمیر نو ہوئی. السقیاء کے کنویں کو صاف کروایا گیا اور مسجد کی تزئین کے لیے اس کے اوپر خوبصورت گنبد بنوائے گئے. بیسویں صدی کے طلوع پر جب مدینہ ریلوے سٹیشن کا افتتاح ہوا تو یہ مسجد اور کنواں ریلوے سٹیشن کے احاطے کے اندر آ گئے. مدینہ طیبہ کے چند دور حاضر کے سعودی مورخین نے بیان کیا ہے کہ عثمانیوں کے آخری دور میں جب عنان حکومت ان کے ہاتھ سے سرکتی نظر آ رہی تھی تو اہالیان مدینہ اور ارد گرد کے بدوؤں میں آپس میں ٹھن گئی جس سے خانہ جنگی کی سی صورت حال پیدا ہو گئی اور ترکوں کو راست اقدام اٹھانے پڑے اور جو بھی مجرم ہاتھ لگا اس کا سر قلم کر دیا گیا. ایسی سخت سزائیں مسجد السقیاء کے قریب دی جاتی تھیں. اس لیے اس مسجد کو مسجد رؤس (یعنی سروں یا کھوپڑیوں والی مسجد) کہا جانے لگا تھا.(۵۹) الانصاری لکھتے ہیں: ''تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد السقیاء یا قبۃ الرؤس مدینہ ریلوے سٹیشن کے احاطے کے اندر واقع ہے جبکہ بئر السقیاء (کنواں سقیاء) قبۃ الرؤس کی غربی جانب واقع ہے۔ ان دونوں کے درمیان ان دنوں مکہ روڈ (عنبریہ روڈ) گزرتی ہے.(۶۰)

آج کل مسجد پھر بے اعتنائی کا شکار ہے اور اس کی عمارت خطرناک نظر آتی ہے جس کی وجہ سے عامۃ الناس کو اس کی زیارت سے باز رکھا گیا ہے. علی حافظ کے مطابق جو کہ ایک وقت میں مدینہ بلدیہ کے چیرمین رہ چکے ہیں، السقیاء کا کنواں اس وقت عنبریہ روڈ کے نیچے دفن
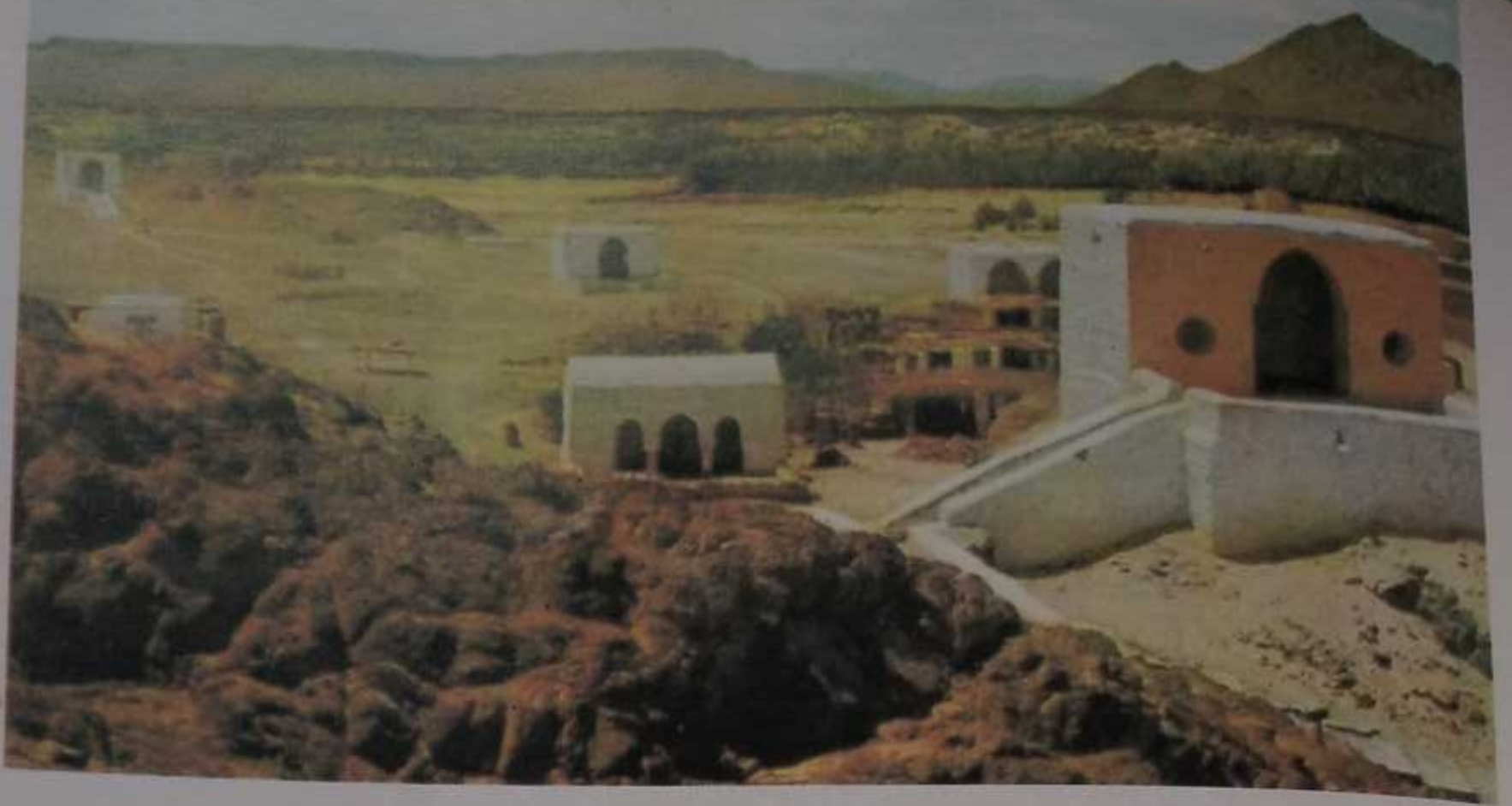
مساجد الفتح کی سات مسجدوں کا ایک جامع منظر، سات میں سے چھ مساجد واضح طور پر نظر آ رہی ہیں، البتہ ساتویں مسجد (مسجد سیدنا علیؓ) جو کہ جبل سلع کے ایک حصہ پر واقع تھی وہ نظروں سے اوجھل ہے (تصویر: ۱۹۶۰ء)

ہو چکا ہے۔ (۶۱) جب کہ مسجد ابھی تک موجود ہے اور ریلوے سٹیشن کے احاطے کے اندر واقع ہے اور خطرناک آثار قدیمہ نظر آتی ہے۔

نوٹ: یہ امر باعث مسرت ہے کہ جب مولف ہذا نے جون ۲۰۰۱ء میں اس مسجد کی دوبارہ زیارت کی تو اس پر تجدید کا کام شروع ہو چکا تھا اس کے پرانے خدوخال نئے سرے سے سنوارے جا رہے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل تصویر سے ظاہر ہوتا ہے۔ گنبدوں کی تجدید آثار قدیمہ کے اصولوں کو مدنظر رکھ کی گئی ہے جبکہ اس کی باقی عمارت پر کام ہو رہا ہے اور اس کے اردگرد کا میدان بھی سنوارا جا رہا ہے کیونکہ ریلوے سٹیشن کی عمارت میں مدینہ طیبہ کے عجائب گھر کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد نے مدینہ طیبہ کے عجائب گھر کا افتتاح چند سال پہلے کر دیا تھا مگر محکمہ آثار قدیمہ کی نیم دلانہ سعی سے کوئی قابل قدر آثار اس میں نہ لائے جا سکے سوائے اس کے کہ چند پرانے پتھروں (جو کو مدینہ طیبہ کے علاقے سے کم اور سعودی عرب کے دیگر علاقوں سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں) اور مصحف اور مختلف قبائل کی تلواریں جمع کر دی گئی ہیں لیکن اس کے باوجود عامۃ الناس کو وہاں جانے کی کھلی چھٹی نہیں مل سکی۔

مساجد الفتح:

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے: [رسول اللہ ﷺ نے مسجد فتح کے مقام پر تین دن تک دعا فرمائی (بروز پیر، منگل اور بدھ)۔ بروز بدھ جو دعا آپ حضور ﷺ نے دو نمازوں کے درمیان مانگی تھی وہ مستجاب ہوئی اور ہم سے ہر ایک سرور دو عالم ﷺ کے چہرہ اقدس سے خوشی کے آثار دیکھ سکتا تھا۔] (۶۲)

حضرت جابرؓ سے ہی ایک اور روایت ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی دعا بدھ کے دن دو نمازوں کے درمیاں قبول ہوئی تھی ان (حضرت جابرؓ) کا یہ معمول تھا کہ جب کبھی بھی وہ کسی مشکل سے دوچار ہوتے تو وہ بدھ کے دن اس مقام پر چلے جاتے اور دونوں نمازوں کے درمیان (ظہر اور عصر) اسی جگہ پر کھڑے ہو کر دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کی دعائیں قبول فرماتے۔ (۶۳) زائرین اور حجاج کرام کو چاہئے کہ جب بھی وہ سبعہ مساجد زیارت کی لیے جائیں تو مسجد الفتح میں جو کہ جبل سلع کے دامن میں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے رب ذوالجلال سے دعا مانگیں کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں غزوہ احزاب کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے دعائیں مانگیں تھیں۔ ایک تو سنت رسول مقبول ﷺ کا اتباع بھی ہو جائے گا اور ساتھ ہی ساتھ رب ذوالجلال کے سامنے اپنے دل کی مراد اس مقام قبولیت پر کھڑے ہو کر مانگنے کا موقع مل جائے گا۔ یہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کا مجرب نسخہ ہے۔

اس مشکل گھڑی میں جب کفار مکہ نے مختلف قبائل کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے ایک لشکر جرار کے ساتھ مدینہ طیبہ پر چڑھائی کر دی تھی اور مسلمان جو کہ ان سے عددی لحاظ سے کہیں فروتر اور سامان ضرب وحرب کی قلت کا شکار صرف ایک خندق کی دفاعی لائن سے دشمن کے سامنے

سینہ سپر تھے، تو ایسے اوقات میں میر امم اور سالار اعلیٰ سرکار دو عالم ﷺ کبھی مسلم فوجی دستوں کا جو مختلف مورچوں پر ڈٹے ہوئے ہوتے معائنہ فرماتے اور کبھی جبل ذباب پر چڑھ کر دشمن کی فوجی کاروائیوں کا ملاحظہ فرماتے. کبھی کبھار سرکار دو عالم ﷺ اس چھوٹی سی پہاڑی پر تشریف لے جاتے اور دعا فرماتے: [اے اللہ جو کہ کتاب برحق کے نازل کرنے والا ہے اور جس کے حکم سے بادل ہواؤں میں تیرتے پھرتے ہیں، ان کو شکست فاش دے اور ہمیں فتح مبین عطا کر.] ایک رات جب مسلمان دشمن کے زبردست دباؤ میں تھے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ کو دشمن کی اگلی صفوں میں جاسوسی کے مشن پر روانہ کیا. یہ اور ایسے بہت سے دیگر مشن دے کر کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسی پہاڑی سے روانہ کیا گیا تھا.

بعض روایت کے مطابق سورۃ الفتح کا نزول بھی اسی پہاڑی کی چوٹی پر ہوا تھا اور بعض راویان کرام کے مطابق سورۃ الانفال کی آیہ کریمہ: ﴿اے کافرو اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ فیصلہ تم پر آچکا اور اگر باز آؤ تو تمہارا ہی بھلا ہے اور اگر تم پھر شرارت کرو تو ہم پھر سزا دیں گے اور تمہارا جتھا تمہیں کچھ کام نہ دے گا چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے.﴾ (٦٤) اسی مقام پر نازل ہوئی تھی. ابن عقبہ اپنی مغازی میں بیان کرتے ہیں کہ جب دوران حرب کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کو آکر خبر دی کہ بنو قریضہ نے غداری کا ارتکاب کیا ہے تو اس وقت آپ حضور ﷺ اسی جگہ زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بات سن کر حضور پرنور ﷺ نے اپنا چہرہ اقدس اوپر اٹھایا اور ارشاد فرمایا: [خوش خبری ہو آپ کو! اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح آن پہنچی ہے.] یہ اسی ارشاد رسالت مآب ﷺ کی بدولت ہے کہ اس مسجد کا نام ہی مسجد فتح پڑ گیا.

عثمانی دور کی مسجد سیدنا ابوبکر صدیق ؓ

حضرت عمر بن الحکم بن ثوبان ؓ سے مروی ہے کہ انہیں ایک ایسے صحابی نے بیان کیا جنہیں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ رب ذوالجلال سے دشمن کی شکست اور مسلمانوں کی فتح کی دعا فرمائی تھی. (٦٥) حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ مسجد الفتح تشریف لے گئے جو کہ پہاڑی پر واقع ہے اور جب نماز عصر کا

سبع مساجد میں مسجد حضرت عمر فاروق ؓ کی موجودہ حالت
تصویر: ١٩٩٠ء

وقت ہوا تو آپ حضور ﷺ نے وہاں نماز عصر ادا فرمائی۔(٦٦) غزوہ کے دوران وہ مسجد تو نہیں تھی البتہ اس چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی تھی جسے یہ فخر حاصل رہا کہ دوران غزوہ کئی بار رسول اللہ ﷺ کی جبین مطہرہ اس پر سجدہ ریز ہوئی لیکن چونکہ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ میں لفظ مسجد استعمال ہوا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس واقعہ کے بعد وہاں پر سادہ سی عمارت ضرور تعمیر کردی ہوگی جو کہ باقی مساجد کی طرح مٹی گارا اور کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کو ملا کر استوار کی گئی ہوگی اور پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور گورنری آیا تو دیگر مساجد کی طرح اس کی تعمیر نو بھی نقش و نگار سے مزین پتھروں سے ہوئی ہوگی۔(٦٧) اس وقت یہ ایک بہت ہی چھوٹی سی مسجد تھی جو صرف تین ستونوں پر استوار تھی۔(٦٨) جمال المطری بیان کرتے ہیں کہ اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھ کر جانا پڑتا ہے جو کہ مسجد کی شمال مغربی جانب ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعمیر کردہ عمارت کے تین ستون تھے جن میں سے درمیانہ ستون اس مقام پر ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر دعا فرمائی تھی۔(آج کی مسجد الفتح میں اب عمارت میں کوئی ستون تو نہیں مگر جیسا کہ علی حافظ نے بیان کیا ہے وہ مقام محراب کے بالکل سامنے تھا)۔(٦٩) اس مسجد کو مسجد الاحزاب بھی کہا جاتا رہا ہے۔ یہ ایک بہت چھوٹی سی مگر سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بہت ہی اہم مسجد ہے جو کہ پہاڑی پر واقع ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی بنائی ہوئی عمارت تقریباً پانچ سو سال تک موجود رہی اور اس کے بعد سیف الدین الحسین ابی الہیجاء نے اسے ٥٦٥ ہجری میں نئے سرے سے تعمیر کروا دیا۔ اس کے بعد اور چار صدیاں گزر گئیں اور مسجد مزید شکست و ریخت کا شکار ہوگئی۔ لہٰذا چند مخیر حضرات نے مل کر اسے ٩٨٢ ہجری میں مرمت کروا دیا۔ دسویں صدی ہجری کا مورخ الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی لکھتا ہے کہ ان کے دور میں مسجد کی پیمائش شمالاً جنوباً ٢٠ ذرع اور شرقاً غرباً ١٦ ذرع تھی۔ اس کے بعد عثمانیوں کے دور میں

سبع مساجد میں سے
مسجد سیدنا حضرت علیؓ
کی ایک اور نایاب تصویر

مسجد الفتح

مسجد سلمان الفارسي رضي الله عنه
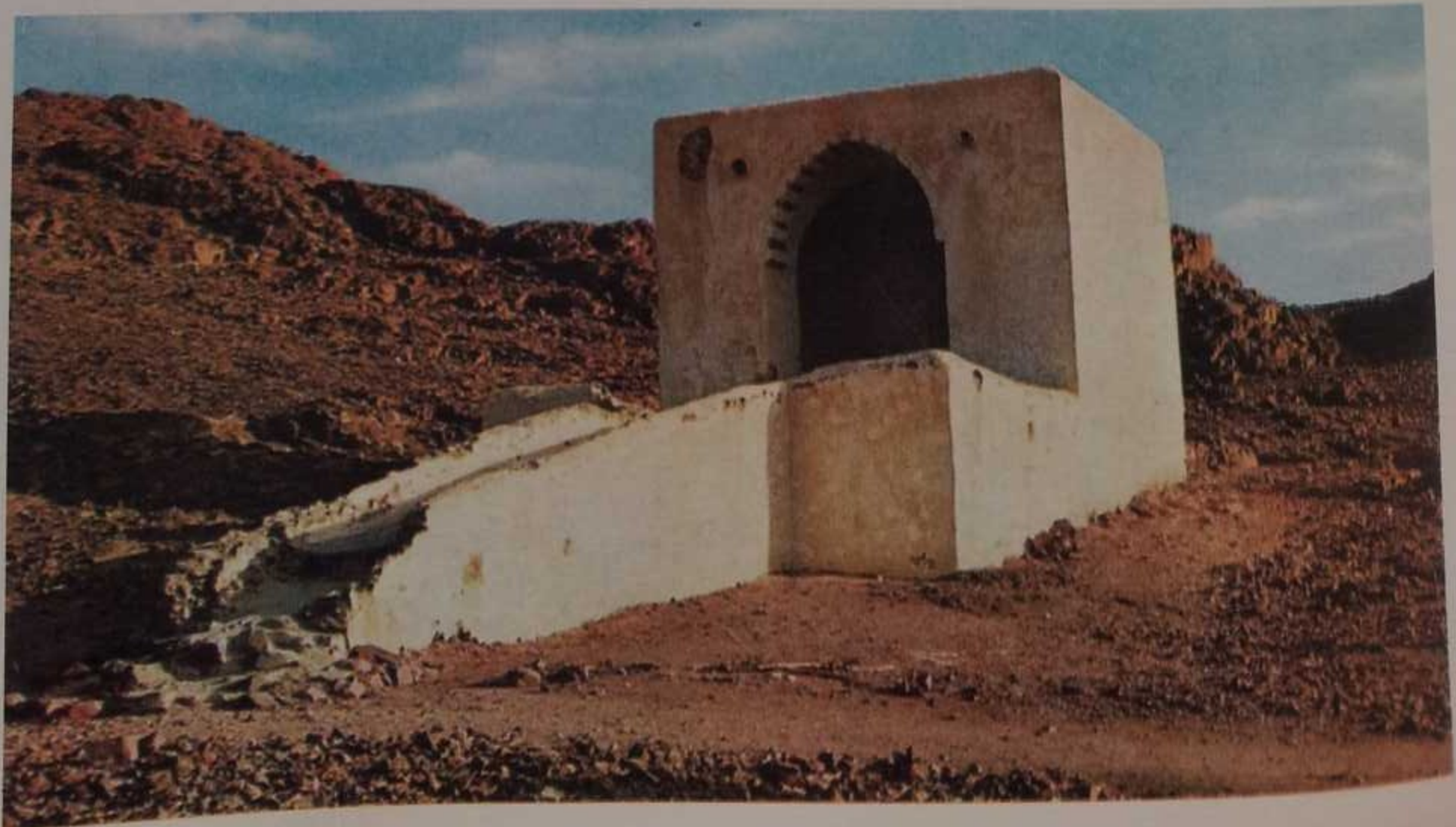
اس کی تعمیر نو ہوئی. ترکی صاحب مرآۃ الحرمین ایوب صبری پاشا کے مطابق مسجد کی تعمیر نو ۱۲۷۰ ہجری میں سلطان عبد المجید اول کے دور میں انجام پائی. اس کے بعد سعودی حکومت نے بھی اس کی مرمت اور دیکھ بھال کی اور کچھ نفیس قسم کی ٹائلیں سیڑھیوں پر لگادی گئی ہیں لیکن مسجد کا بنیادی ڈھانچہ تقریباً وہی ہے جو کہ ترکوں کے دور میں تھا. سعید الدربی کی تحقیق کے مطابق اس کا کل رقبہ ۹۸،۵ مربع میٹر ہے. (۷۰)

مسجد الفتح کے علاوہ جبل سلع کے دامن میں اس کے جوار میں چند اور مساجد بھی ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دوران غزوہ اپنے خیمے نصب کئے ہوئے تھے. حضرت سلمان الفارسیؓ (جن کی مشاورت سے طویل و عمیق خندق کھود کر دشمنوں کے دانت کھٹے کئے گئے تھے) کا کیمپ اس گھاٹی کے دامن میں قریب ہی تھا جب کہ دیگر اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خیمے بھی قریب قریب ہی تھے. روایتوں میں ہے کہ چھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے خیمے اس طرف نصب کئے ہوئے تھے جن میں وہ استراحت کرنے کے علاوہ نوافل پڑھا کرتے تھے. حضرت معاویہ بن سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی حدیث مبارکہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے خیموں میں نمازیں ادا کی تھیں. (۷۱) ایک اور حدیث مبارکہ جو کہ حضرت معاذ بن سعدؓ (بن ابی وقاص) سے مروی ہے اس بات کی مزید توثیق کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد الفتح کے گرد واقع مساجد میں بھی نمازیں ادا کی تھیں. (۷۲) لہٰذا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان مقامات پر خیمے نصب کرنے اور ان میں رسول اللہ ﷺ کے نماز ادا کرنے کی یاد میں وہاں الگ الگ مساجد تعمیر کروادی گئی تھیں جن میں سب سے زیادہ اہم مقام مسجد الفتح کا ہے.

۲۰۰۲ء کے وسط میں مدینہ طیبہ کے محکمہ اوقاف نے ان مساجد کی جگہ ایک بڑی مسجد تعمیر کرنے کے منصوبے کی ابتداء کی ہے. جس کے تحت مسجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، مسجد سیدۃ فاطمہ الزہراءؓ کو منہدم کر کے وہاں ایک بڑی مسجد کی تعمیر پر کام شروع ہو چکا ہے. کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد سبعہ مساجد کی جگہ لے گی اور شائد یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ اس کا نقشہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے اس کی چھت پر سات گنبد بنائے جائیں گے. آج کل اس منصوبے پر زور شور سے کام جاری ہے. تا حال (وسط ۲۰۰۳ء) مسجد حضرت سلمان فارسیؓ اور مسجد فتح اس منصوبے کی دست برد سے محفوظ ہیں، مگر کل کیا منصوبہ بنتا ہے یہ تو وقت بتائے گا.

مدینہ طیبہ میں قدیم ترین تاریخی عمارت:

عمرانی ترقی نے جہاں ہر اہم اور غیر اہم تاریخی ورثے پر بلڈوزر چلائے ہیں وہاں عصر حاضر کے مشہور عمرانی محقق صالح لمعی مصطفی کی تحقیق کے مطابق ابھی بھی قدیم ترین اور مدینہ طیبہ کا آثار قدیمہ ہونے کی دعوی دار عمارت جو اس اکھاڑ پچھاڑ سے بچ سکی ہے وہ مسجد سلمان

مسجد سلمان فارسیؓ
کاایک خوبصورت منظر
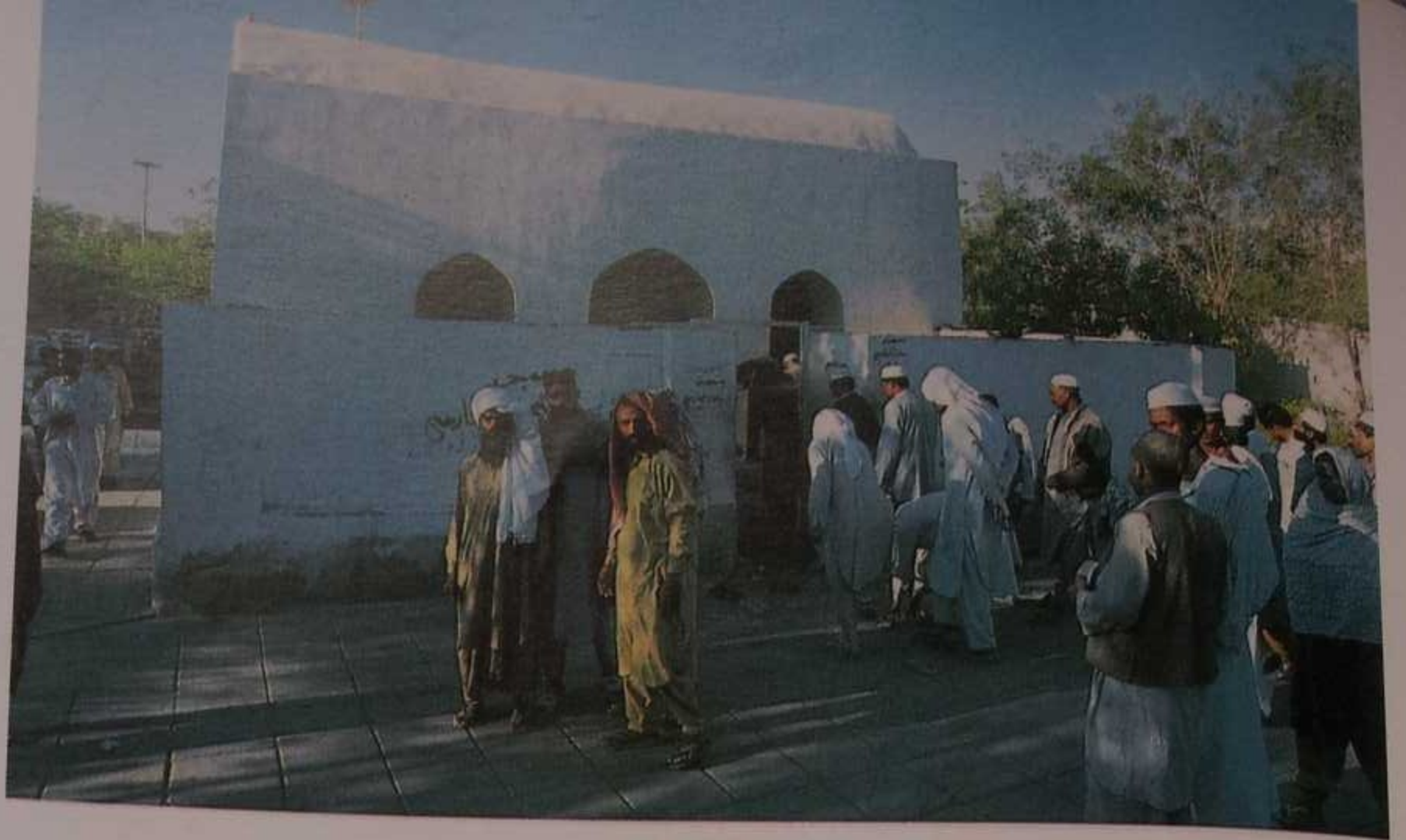
فارسیؓ ہے جسے ۵۷۷ ہجری میں سیف الدین بن ابی الہیجاء نے تعمیر کروایا تھا.(۷۳)

ابراہیم رفعت پاشا کی لی گئی پیمائش کے مطابق یہ مسجد انیسویں صدی کے شروع میں ۲۰ ذرع طویل اور ۷ اذرع عریض تھی. انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ جو کہ مسجد حضرت سلمان فارسیؓ کے قبلہ کی جانب ہوا کرتی تھی اس کی عمارت بھی تاریخی ورثہ ہی ہے کیونکہ اس کی تعمیر نو بھی زین الدین زیغم بن حشرم (گورنر مدینہ طیبہ) نے ۸۷۶ ہجری میں کروائی تھی. بدقسمتی سے مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو تین سال پہلے مسمار کر کے اس کی جگہ کار پارکنگ کی جگہ نکالی گئی ہے. مندرجہ ذیل تصویر میں مسجد حضرت سلمان فارسیؓ دکھائی گئی ہے جو کہ اگرچہ بادی النظر میں تو اچھی حالت میں نظر آتی ہے مگر بہت ہی خستہ حالت میں ہے اور اس کے در و دیوار کو غور سے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ شکست و ریخت کا عمل بڑی تیزی سے جاری ہے. اس وقت مدینہ طیبہ میں یہی ایک مسجد ہے جس کی عمارت قدیم ترین ہے اور اپنی اصلی حالت میں موجود ہے مگر جو اس کے باوجود بھی قابل استعمال ہے. اگرچہ دولت کی ریل پیل اور عمرانی تجدد نے بہت سے قیمتی آثار قدیمہ نگل لیے ہیں مگر اب بھی وقت ہے کہ امت کے مقتدر طبقے آگے آئیں اور سعودی عرب میں صاحب اقتدار حضرات سے رابطہ کر کے امت کے قیمتی تاریخی اثاثے کے تحفظ کو یقینی بنائیں. نئی عمارتوں کا سحر اپنی جگہ مسلم ہے مگر قدیم تاریخی ورثے اپنی منفرد اہمیت اور جاذبیت رکھتے ہیں. جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کو یہود بے بہبود سے پاک وصاف فرمایا تو ان اطام کو جو کہ سابقاً یہود کی ملکیت تھے اور اب مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے گرائے جانے سے منع فرمایا. ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے: [ان اطام کو مسمار نہ کیا جائے. یہ مدینہ طیبہ کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث ہیں.] ان آثار قدیمہ کی حفاظت کرنا نہ صرف مدینہ طیبہ کی خوبصورتی میں اضافہ کرنے کا سبب ہے بلکہ ایسا کرنے سے وہ مذہبی فریضہ بھی ادا ہو جاتا ہے جو کہ اس مذکورہ فرمان رسول اللہ ﷺ سے امت پر فرض ہے.

ہم نے مسجد حضرت سلمان فارسیؓ کی چند تصاویر اسی لیے پیش کی ہیں جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر فوری اقدام نہ کئے گئے تو یہ

قدیم ترین عمرانی ورثہ بھی قصہ پارینہ بن جائے گا.

صدیوں سے ماضی میں ان مساجد کی تعداد مختلف بتائی جاتی رہی ہے. ابن جبیر نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی. انہوں نے اپنے سفرنامے میں اس جگہ پر صرف تین مساجد کا ذکر کیا ہے: مسجد الفتح، مسجد حضرت سلمان الفارسیؓ اور مسجد حضرت علی بن ابی طالبؓ. (۷۴) ابن نجار (ت: ۶۴۳ ہجری) نے مسجد الفتح کے علاوہ تین مساجد کا ذکر کیا ہے، لیکن اس نے بھی ان مساجد کا نام نہیں لکھا. وہ لکھتا ہے کہ ان میں سے صرف دو اچھی حالت میں تھیں جب کہ تیسری حالت انہدام میں تھی. المطری (جو کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی شریف کے موذن تھے) بھی اپنی تاریخ مدینہ میں ذکر کرتے ہیں کہ ان مساجد میں سے صرف دو اچھی حالت میں ہیں جب کہ تیسری کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ وہ تقریباً معدومیت کے دہانے پر کھڑی تھی کیونکہ اس کے کھنڈرات بھی غائب ہو چکے تھے. سعد اللہ بن عمر الاسفرایٔنی المکی (ت: ۷۸۶ ہجری) زبدۃ الاعمال کے مطابق آٹھویں صدی ہجری میں مسجد امیر المومنین علی ابن ابی طالبؓ کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ مسجد جبل سلع کے بالکل نیچے قبلہ کی جانب ہے جبکہ مسجد سلمان فارسیؓ اس کے شمال میں ہے. رچرڈ برٹن (تقریباً ۱۸۵۲ء) میں اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے کہ اس مقام پر چار مساجد تھیں: مسجد الفتح، مسجد سلمان الفارسیؓ جس کے پیچھے مسجد علی ابن ابی طالبؓ تھی اور اس کے پیچھے ایک اور مسجد تھی جس کا نام وہ مسجد ابوبکر صدیقؓ بتاتا ہے. انیسویں صدی کے اواخر میں علی بن موسیٰ آفندی لکھتا ہے کہ وہاں صرف چار مساجد تھیں: [جبل سلع کے مغرب میں چار مساجد ہیں، جن میں سے ایک مسجد الفتح ہے جو کہ ایک تاریخی عمارت ہے جو غزوہ الاحزاب کی یاد میں بنائی گئی تھی.] (۷۵) مسجد الفتح کے علاوہ اس نے کسی اور مسجد کا نام تک نہیں لکھا.

اوپر والی مسجد سیدنا حضرت علیؓ جبکہ نیچے والی مسجد حضرت فاطمہ الزہرہؓ دراصل یہ مسجد سعد بن معاذؓ کے نام سے جانی جاتی تھی یہ دونوں مسجدیں سبع مساجد میں سے ہیں

بیسویں صدی کے شروع میں وہ علاقہ جو منطقۃ السبع کے اندر آتا تھا اسے عموماً سبع مساجد کے نام سے جانا جاتا تھا. بعد میں ان سات مساجد میں سے دو کو منہدم کر کے لاریوں اور بسوں کی پارکنگ کی جگہ بنالی گئی اور تجارتی سٹال لگا دیئے گئے جس میں مدینہ طیبہ کی سوغاتیں بکنے لگ گئیں. چونکہ اب صرف پانچ مساجد رہ گئی تھیں آہستہ آہستہ یہ علاقہ خمسہ مساجد کے نام سے جانا جانے لگا. تاہم جنوری ۲۰۰۰ء میں مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ جسکی عمارت شاندار حالت میں تھی کو بھی شہید کر کے گراؤنڈ اور پارکنگ ایریا میں شامل کر دیا گیا لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے جون ۲۰۰۲ء میں مسجد سیدنا عمر فاروقؓ اور مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی جگہ ایک بڑی مسجد کا افتتاح کیا گیا جس پر مکمل ہونے پر سات گنبد ہوں گے اور اسے ہی سبع مساجد کی نعم البدل سمجھا جائے گا. ان سات مساجد کے نام جو اس علاقے میں ہوا کرتی تھیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مسجد الفتح (یہ پہاڑی کی چوٹی پر ہے)

(۲) مسجد حضرت ابوبکر الصدیق (جو کہ دراصل موجودہ مسجد علی بن ابی طالبؓ ہے)

(۳) مسجد حضرت عمر بن الخطابؓ (اب معدوم ہے)

(۴) مسجد علی بن ابی طالب (یہ مسجد ماضی قریب میں مسجد ابوبکر صدیقؓ کے نام سے جانی جاتی تھی اب منہدم ہو چکی ہے)

(۵) مسجد حضرت سلمان فارسیؓ (تاحال موجود ہے اور اس وقت مدینہ طیبہ میں سب سے قدیم عمارت تصور کی جاتی ہے)

(۶) مسجد حضرت ابوذر غفاریؓ (یہ مسجد کئی صدیوں سے معدوم ہو چکی تھی)

مسجد سیدۃ فاطمہ الزہراؓ
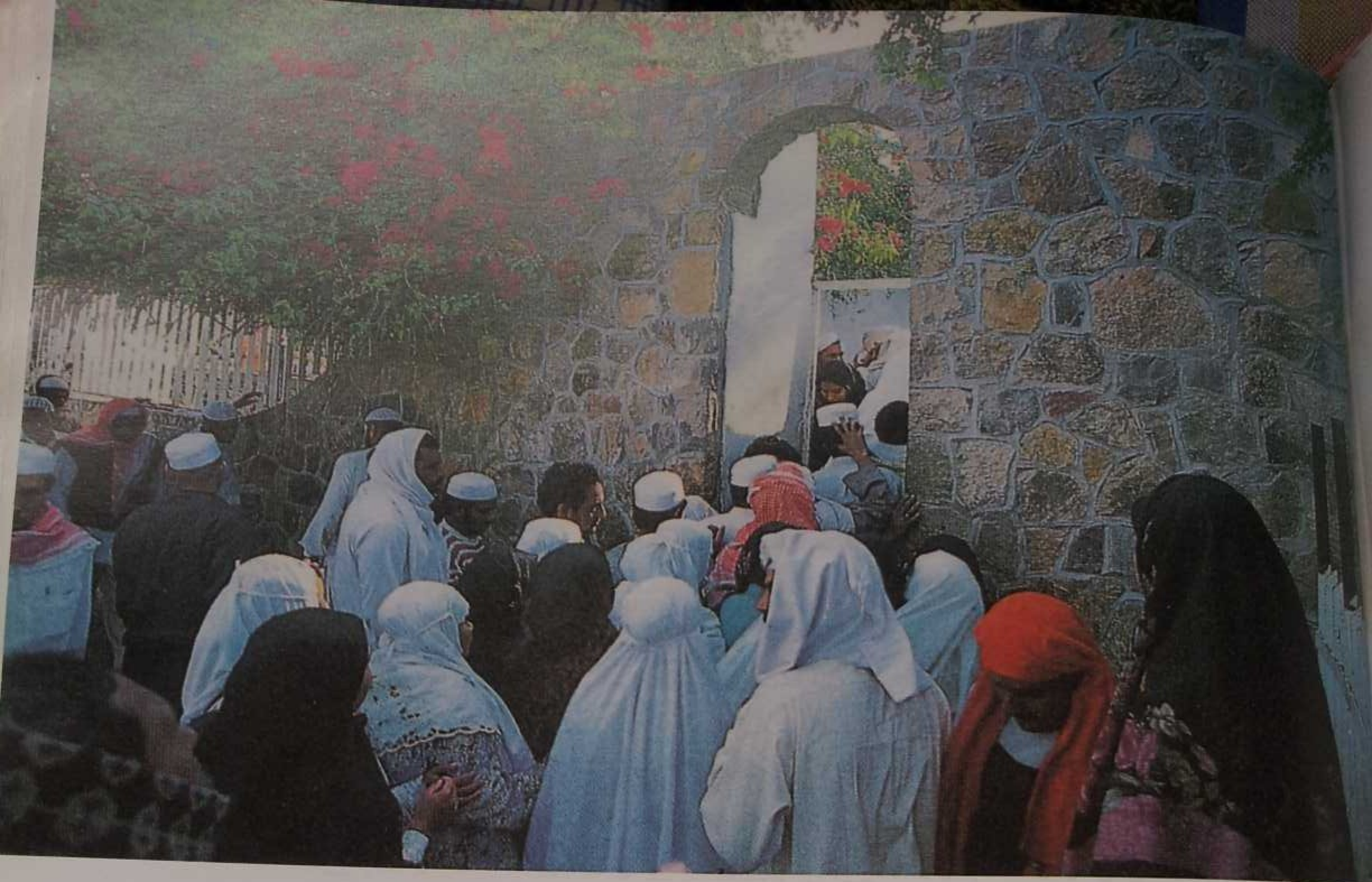
مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ اور مشتاقان اہل بیت کا شوق زیارت

(۷) مسجد سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ (دراصل یہ مسجد حضرت سعد ابن معاذؓ کے نام سے منسوب تھی).

ان مساجد میں سے مسجد حضرت ابو بکر صدیقؓ تو ۲۰۰۰ء میں شہید کردی گئی تھی اور مسجد سیدتنا فاطمۃ الزہراءؓ کا دروازہ دیوار کھڑی کر کے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے. سعید الدربی کی مرتب کردہ رپورٹ کے مطابق ۱۳۹۹ ہجری میں ان مساجد کی پیمائش حسب ذیل تھی:

(۱)	مسجد الفتح	=	۹۸،۵ مربع میٹر
(۲)	مسجد حضرت سلمان فارسیؓ	=	۷۶،۴۶ مربع میٹر
(۳)	مسجد حضرت علی بن ابی طالبؓ	=	۷۳،۴۰ مربع میٹر
(۴)	مسجد حضرت ابی بکر صدیقؓ	=	۲۱۵،۳۵ مربع میٹر
(۵)	مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ	=	۳۵،۹۲ مربع میٹر

محراب مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کی ایک نایاب تصویر

مسجد فسح:

ابن شبہ نے بیان کیا ہے کہ جبل احد کے دامن میں شعب جرار کی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور انہوں نے بروایت حضرت رافع بن الخدیجؓ لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چند نمازیں اس مسجد میں ادا فرمائی تھیں. (۷۷) حضرت رافع بن الخدیجؓ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل تھے جو ابھی کم عمر ہی تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو خصوصی استثناء عطا فرمایا تھا اور انہیں غزوہ احد میں نہ صرف شمولیت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی بلکہ جب گھمسان کا رن پڑا اور کفار پے در پے رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ پر حملہ آور ہو رہے تھے تو

اس وقت یہ ننھا سا جان باز رسول اللہ ﷺ کے ارد گرد ہی رہا تھا اور اس وجہ سے تاریخ اسلام میں غزوہ احد کے واقعات کے بیان میں انہیں عینی شاہد کی حیثیت حاصل رہی ہے. المطری کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں اس مقام پر ادا کی تھیں جب کہ جنگ کا شور وغوغا ختم گیا تھا. (۷۸) حضرت عمرؓ جو کہ غفراء کے غلام تھے سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ظہر یوم احد کو بیٹھ کر پڑھائی تھی (کیونکہ آں حضرت ﷺ زخمی ہو چکے تھے) اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی آپ حضور ﷺ کی اقتداء میں بیٹھ کر نماز ادا کی تھی (۷۹) اسی مقام پر ایک قدیم مسجد ہے جسے مسجد فسح کے نام سے شہرت حاصل ہوئی. بعض وقائع نگاروں کا خیال ہے کہ اسے مسجد فسح اس لیے کہا جاتا ہے کہ قرآنی آیت کریم ﴿اے ایمان والو جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو اللہ تمہیں جگہ دے گا اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو جایا کرو، اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے درجے بلند فرمائے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی سب خبر ہے﴾ (۸۰) کا نزول اسی جگہ ہوا تھا. تاہم یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ مفسرین کی متفقہ رائے میں یہ آیت زمانہ تنزیل کے اعتبار سے مکی ہے نہ کہ مدنی. البتہ اس بات کا امکان ضرور ہے کہ چونکہ وہ بہت چھوٹی سی جگہ تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کو پڑھ کر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یاد دہانی کروائی ہوگی کہ وہ سکڑ کر بیٹھیں تاکہ زیادہ سے زیادہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس چھوٹی اور سطح مرتفع پر بیٹھ سکیں کیونکہ ہر ایک کی خواہش ہوگی کہ وہ اپنے آقا و مولا سرور کائنات ﷺ کے قریب بیٹھ سکے.

مسجد فسح

المطری (ت: ۷۴۱ ہجری) نے اس مسجد کے متعلق تحریر کیا ہے کہ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی لیکن اس کے برعکس الشیخ العباسی نے دسویں صدی ہجری میں لکھا ہے کہ اس نے اس مسجد کی پیمائش کی تھی جو کہ جبل احد کے دامن میں واقع ہے اور یہ کہ وہ ۱۸ ذرع عریض تھی (۸۱) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطری کے بعد اس کے رقبے میں کچھ نہ کچھ توسیع ضرور ہوئی ہوگی. ان کھنڈرات سے جو کہ آج بھی موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں اندازہ ہوتا ہے کہ العباسی کی پیمائش زیادہ صحیح ہوگی. دیواروں پر چونے کے بچے کھچے پلستر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترکوں کے دور میں اس کی مرمت ہوئی ہوگی اگرچہ کسی مورخ نے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن عثمانی دور کی چند ایک دیگر تاریخی مساجد کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں اس کی مرمت ضرور ہوئی ہوگی. آج کل یہ مسجد جس زبوں حالی اور کس مپرسی کے عالم میں ہے اس کو دیکھ کر انسان دو آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا. یہ وہ بقعہ ارض ہے جہاں نہ صرف کہ رسول اللہ ﷺ کے قدمین شریفین لگے تھے بلکہ جبین اطہر بھی سجدہ ریز ہوئی اور جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اقتدائے رسول مقبول ﷺ میں نمازیں ادا کی تھیں. کون جانتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہو جہاں ایک شیدائے رسول شدید زخمی حالت میں لایا گیا ہو جس کی آخری آرزو یہ تھی کہ ان کا سر قدمین شریفین پر دھر دیا جائے اور رسول رحمت ﷺ نے اپنے پائے مبارکہ دراز فرما دیئے تھے اور پھر اس سرفروش کی روح اسی مقام طاہرہ سے پرواز ہوئی ہو. اس لحاظ سے یہ جگہ صرف تبرکات تاجدار مدینہ سرور قلب وسینہ ﷺ میں سے ہی نہیں بلکہ اسے ساتھ ساتھ آثار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا درجہ بھی حاصل ہے کیونکہ ان سب نے بیٹھ کر نماز وہیں ادا کی تھی. فلبی نے ۱۹۳۵ء میں لکھا ہے کہ یہ مسجد مسجد تفسح اور مسجد غسل (کیونکہ بعض کے نزدیک غزوہ احد میں حضور سرور کونین ﷺ کے زخموں کو اسی جگہ دھویا گیا تھا) کے نام سے بھی جانی جاتی تھی.

جس حالت انہدام میں آج یہ اثر رسول مقبول ﷺ ہے اس کے بیان کرنے کا یارا تو نہیں، مگر صرف اتنا کہنے پر اکتفاء کریں گے کہ اس کے در و دیوار منہدم ہو چکے ہیں، قبلہ کی دیوار نصف قد آدم تک

مسجد فسح کا ایک اور منظر

مسجد فسح کے کھنڈرات

ہے اور محراب جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے کی لگتی ہے نہایت ہی خستہ حالت میں ہے. صحن مسجد میں کوڑا اور پتھر اور ڈھیلے پڑے ہیں اور اس سے ملحقہ حصہ میں بکریوں کا باڑا ہے اور وہ غیر مکلف جانور پوری آزادی سے اس میں گھومتی اور چرتی رہتی ہیں اور اپنے اعمال غیر مکلفلہ انجام دیتی ہیں. جانور تو جانور ہے وہاں تو ہمسایوں کے بچے اسی مقام پر آگ کا الاؤ روشن کر کے بیٹھے تھے جہاں کبھی سرور کائنات ﷺ کا سر اقدس سجدہ ریز ہوا تھا. العیاذ باللہ.

مسجد بنی ظفر:

حضرت محمد بن فضالہ الظفریؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ ان کے پاس علاقہ بنی ظفر میں تشریف لائے اور ایک چٹان پر تشریف فرما ہوئے جو کہ اب بھی مسجد میں موجود ہے. حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت سعد ابن معاذؓ اور چند دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی آں حضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے. رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کریں. انہوں نے تلاوت شروع کی حتی کہ وہ اس آیت کریمہ تک آ گئے: ﴿تو کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں گے. ﴾ (۸۲) اس پر رسول اللہ ﷺ پر رقت کا یہ عالم تھا کہ آپ حضور زار و قطار رو رہے تھے اور آنسوؤں سے ریش مبارک بھیگ گئی. پھر آں حضرت ﷺ یوں گویا ہوئے: [اے میرے مالک میں ان پر تو گواہ ہو سکتا ہوں جن کو میں نے دیکھا ہے لیکن میں ان کی گواہی کیسے دوں گا جن کو میں نے دیکھا ہی نہیں.] (۸۳) زبیر بن بکارؒ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اس پتھر پر تشریف فرماتے جو کہ مسجد میں تھا. (۸۴)

ابن نجار نے اس مسجد کے متعلق کچھ یوں لکھا ہے: [اسے مسجد البغلہ (یعنی خچر والی مسجد) کہا جاتا ہے. یہ نہایت ہی خستہ حالت میں ہے. اس میں صرف ایک ستون بچا ہے جس کے قریب ہی ایک پتھر پڑا ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کی خچر (دلدل) کے پاؤں کا نشان ہے.'' سمہودی کے بیان کے مطابق اس مسجد کی مرمت عباسی خلیفہ المنتصر باللہ نے ۶۳۰ ہجری میں کروائی تھی اور اس کی پیمائش ۲۱×۲۱ ذرع تھی کیونکہ اس کی محراب کی داہنی جانب ایک لوح سنگ نصب تھی جس پر لکھا ہوا تھا:

''اللہ تعالی امیر المومنین ابی جعفر المنصور المنتصر باللہ کی حکومت کو دوام بخشیں- محررہ ۶۳۰ ہجری''

تاہم عبدالقدوس الانصاری نے لکھا ہے کہ اس نے نے وہی لوح سنگ پتھر کی دیوار میں نصب دیکھی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمہودی کے بعد بھی اس کی مرمت یا تعمیر نو ہوئی ہوگی جو کہ ترکی دور میں ہوگی. جہاں تک اس تاریخی لوح سنگ کا تعلق ہے یہ سعودی دور کی ابتدا میں اپنی جگہ سے غائب ہوگئی اور انصاری نے حاشیہ میں ایک فٹ نوٹ دے کر چونکا سا دیا ہے:

انہدام سے پہلے مسجد بنی ظفر کی ایک نادر تصویر
(احمد یاسین خیاری)

''بعد میں میں نے خود اس لوح سنگ کو شیشے کے ایک شوکیس میں بحفاظت تمام دیکھا جو کہ دار الکتب المصریہ (قاہرہ) میں داخل ہوتے وقت نظر آتا ہے۔ وہاں کے جنرل مینیجر نے مجھے بتایا کہ ایک مدنی اس لوح سنگ کو اٹھا کر مصر لے آیا اور اس کی منہ مانگی قیمت لے کر ان کے ہاتھ بیچ گیا۔'' (۸۶)

سبحان اللہ: گرفتہ چینیاں احرام ومکی خفتہ در بطحا

المطری لکھتے ہیں کہ: مسجد بنی ظفر قبیلہ بنی ظفر کی تھی جو کہ اوس کی ایک شاخ تھا اور یہ البقیع کے شرقی جانب حرہ (شرقیہ) کی طرف واقع ہے اور آج کل اسے مسجد بغلہ (خچر والی مسجد) کہا جاتا ہے۔ زید بن بکارؒ نے حضرت انس بن فضالہ الظفریؓ سے روایت کی ہے کہ ایک بار زیاد بن عبیداللہ (زیاد بن عبیداللہ بن عبداللہ الحارثی ۱۳۳ ہجری سے عباسیوں کی جانب سے مدینہ طیبہ کا گورنر تھا) نے حکم صادر کر دیا کہ وہ پتھر اٹھا لیا جائے جس پر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے تھے لیکن جب قبیلہ بنی ظفر کے مشائخین نے زیاد سے رجوع کیا اور اسے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پتھر پر استراحت فرمائی تھی تو اس نے وہ پتھر اسی جگہ پر لوٹا دیا۔ مطری یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بے اولاد خواتین جن کو اولاد کی خواہش ہوتی تھی وہ اس پتھر پر آکر بیٹھ جاتیں اور دعا کرتیں اور اللہ تعالیٰ انہیں اولاد نرینہ سے نواز دیتا۔ (۸۷) اس کے قریب ہی کچھ اور آثار مبارکہ ہیں جن میں سے ایک حضور نبی اکرم ﷺ کے خچر کے پاؤں کا نشان ہے جو کہ قبلہ کی جانب ہے اور ساتھ ہی مغربی جانب کچھ اور نشانات ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی کہنی اور انگلیوں کے ہیں اور لوگ حصول برکت وسعادت کے لیے ان کا بہت احترام کرتے ہیں۔ (۸۸) قطب الدین الحنفی (ت: ۹۹۰ ہجری) نے بھی اس بیان کی تصدیق کی ہے کہ ان کے دور میں بھی وہ آثار مبارکہ موجود ہوا کرتے تھے قبلہ کی جانب ایک چٹان تھی جس پر خچر کے پاؤں کے نشانات تھے جب کہ مغربی جانب ایک چٹان تھی جس پر رسول اللہ ﷺ کی کہنی مبارک اور انگلیوں کے نشانات تھے۔ (۸۹) دسویں صدی ہجری میں العباسی بھی ان بیانات کی تائید کرتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کا اضافہ بھی کیا ہے کہ چٹان پر خچر کے پاؤں کے نشانات ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسی پر سوار ہو کر وہاں تشریف لائے تھے اور جب آپ حضور ﷺ وہاں تشریف فرما ہوئے تو اسے قریب ہی باندھا ہوا تھا۔ (۹۰)

مدینہ طیبہ کے تقریباً سب بڑے بڑے مورخوں نے جن میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی شامل ہیں اس مسجد اور اس میں موجود تمام تبرکات اور آثار نبوی شریف کا ذکر کیا ہے، لیکن ایسا نظر آتا ہے کہ ماضی بعید میں حکمرانوں نے اس مسجد کی دیکھ بھال کے لیے کوئی خاص اقدام نہیں اٹھائے۔ سمہودی نے بھی تبرکات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ (۹۱) العباسی نے دسویں صدی میں تحریر کیا تھا کہ اس مسجد کا رقبہ ۲۱×۲۱ ذرع تھا۔ البتہ ۱۳۰۳ ہجری میں علی بن موسیٰ آفندی نے لکھا تھا کہ اس کے اوپر دو علیحدہ علیحدہ گنبد تھے: ایک گنبد کے نیچے سنگ سیاہ میں بڑے بڑے پیالے بنے تھے جن کے متعلق روایت ہے کہ وہ اہل بیت طاہرہ پر مباہلہ کے وقت آسمان سے نازل ہوئے تھے۔ دوسرے گنبد کے نیچے کہا جاتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خچر (دلدل) دفن تھی۔ (۹۲) گنبدوں کی موجودگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ عثمانیوں نے اس کی مرمت یا تعمیر نو کروائی ہوگی۔

ایسا لگتا ہے کہ وہابی یلغار کے بعد دونوں گنبدوں کو دیگر گنبدوں کے ساتھ ہی مسمار کر دیا گیا تھا جو کہ بقیع الغرقد میں تھے۔ حتیٰ کہ وہ پتھر

''مسجد مائدہ''
جہاں پر سرکار دو عالم ﷺ نے نجرانی وفد سے مباہلہ کا انتظام کیا تھا۔
یہیں پر حسنین کریمین رضوان اللہ علیہما کی دلجوئی کی خاطر جنت سے ان کے لیے پانچ پیالوں سے کھانا نازل ہوا تھا۔ اسی نسبت سے یہ جگہ پنج پیالہ کے نام سے مشہور تھی۔
اب وہاں سے پیالے اٹھا کر جگہ ویران کردی گئی ہے

بھی جس پر رسول اللہ ﷺ کے خچر کے پاؤں کے نشانات تھے، وہ بھی ایک عرصہ ہوا غائب ہو چکا ہے۔ اوقاف مدینہ کے ملازم سعید الدربی کی رپورٹ کے مطابق ۱۳۹۹ ہجری تک اس مسجد میں آثار موجود ہوا کرتے تھے اور یہ کہ اس وقت مسجد ۲۱x۲۱ ذرع کے رقبے پر محیط تھی۔ او پر دی گئی دلدل کے قدموں کے نشان کی تصور ۱۹۷۲ء کی ہے جو کہ ایک عاشق تبرکات رسول اللہ ﷺ نے حاصل کی تھی جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام تبرکات ۱۹۷۲ء تک مسجد کے کھنڈرات میں موجود ہوا کرتے تھے اور پھر اس کے بعد اچانک کہیں غائب ہو گئے۔ ۱۹۷۵ء تک ہمارے جاننے والے بہت سے احباب کو ان کی زیارت نصیب ہوئی تھی۔ انہیں تبرکات کے متعلق لکھتے ہوئے خیاری لکھتے ہیں:

اس مسجد میں تبرکات بھی ہیں جو کہ قبلہ کی جانب پڑے ہوئے ہیں۔ ایک کے متعلق مشہور ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خچر کے پاؤں کا نشان ہے جو ایک چٹان پر ثبت ہے اور اس کے قریب ہی مغربی جانب ایک اور پتھر ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کی کہنی مبارکہ کا نشان ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنی کہنی مبارک رکھ کر ٹیک لگائی ہوئی تھی اور ایک اور پتھر پر حضور نبی اکرم ﷺ کی انگلیوں کے نشانات بھی موجود ہیں۔'' (۹۳)

مسجد بغلہ کے قریب ہی ایک اور مسجد ہوا کرتی تھی جسے مسجد مائدہ کہا جاتا تھا جو کہ اس مقام پر تعمیر ہوئی تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ نے وفد نجران کے مسیحی پادریوں اور وفد کے ساتھ مباہلہ (۹۴) کے لیے منتخب فرمایا تھا اور جس جگہ پر اس دن حضرت سلمان فارسیؓ نے آپ حضور ﷺ کے لیے لکڑیاں گاڑ کر اس پر ردائے مبارکہ لگا کر سائبان کھڑا کیا تھا اور حضور پرنور ﷺ دیگر اہل بیت طاہرہ کے ہمراہ تشریف لائے تھے (شیر خدا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما)۔

مسجد بنی ظفر اور مقام مباہلہ کی موجودہ حالت
اب اسے ویران کر کے گرداگرد قد آدم دیوار کھڑی کردی گئی ہے

وفد نجران کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے مباہلے کا واقعہ:

سیرۃ نگاروں نے وفد نجران سے گفتگو کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ جب بات چیت کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی تو قرآنی احکام کے مطابق یہ فیصلہ ہوا کہ فریقین مباہلہ کریں گے:

﴿پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آ چکا تو ان سے فرما دو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔﴾ (۹۵)

ایسا پہلی شوال ۱۰ ہجری کو ہوا تھا اور جو جگہ اس مباہلہ کے لیے منتخب کی گئی تھی وہ بقیع الغرقد کے قبرستان کے پاس حرہ میں تھی۔ (۹۶) جیسا کہ صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے مروی ہے، انہوں نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی تھی گو کہ ان کا بیان کسی اور سیاق وسباق میں تھا لیکن اسی ضمن میں انہوں نے اس واقعہ کی تصدیق

مسجد ابوذر غفاریؓ کی
قدیم عمارت

کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ سے اپنے مدینہ طیبہ کے گورنر بنائے جانے سے معذرت کر لی تھی کیونکہ وہ اسی واقعہ کی روشنی میں شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بے حد احترام کرتے تھے اور کسی طور بھی ان پر تبرا بازی کے لیے تیار نہ تھے۔ (۹۷)

وقت مقررہ پر رسول اللہ ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جلو میں اس مقام پر تشریف لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسین علیہ السلام کا (جو کہ اس وقت صرف پانچ سال کے تھے) ہاتھ تھاما ہوا تھا جنہوں نے حضرت حسن علیہ السلام کا (جن کی عمر اس وقت سات سال کے لگ بھگ تھی ہاتھ تھاما ہوا تھا)۔ ان کے پیچھے پیچھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء چلے آ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آپ حضور ﷺ کے اہل بیت طاہرہ صرف یہی لوگ تھے۔ پھر پانچوں اس سائبان کے نیچے بیٹھ گئے جو کہ سایہ کرنے کی غرض سے لگایا گیا تھا۔ جب عیسائی وفد نے دیکھا تو ان سب سے جو زیادہ عقلمند سمجھا جاتا تھا وہ کہنے لگا: ''ان معصوم چہروں کی بددعا سے تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔ اگر یہ ہمیں بددعا دے دیں ہم صریحاً گھاٹے میں رہیں گے اور روئے زمیں سے نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔'' (۹۸) لہذا پہلے تو وہ لوگ کچھ ہچکچانے لگے اور پھر مباہلہ سے راہ فرار اختیار کر گئے اور ان کے سرداروں نے درحقیقت رسول اللہ ﷺ سے ایک معاہدہ طے کر لیا جس کی رو سے انہوں نے ۲۰۰۰ اکپڑوں اور ۲۰۰۰ دینار سالانہ خراج دے کر مدینہ طیبہ کی عملداری میں آنے کا عہد کر لیا۔ (۹۹) حضرت عبید اللہ ابن جراحؓ کو اس معاہدے کو نافذ کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے نجران روانہ کیا تھا۔ (۱۰۰)

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس دن عید الفطر (یعنی شوال کی پہلی تاریخ) تھی۔ اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے اہل بیت طاہرہ کے لیے آسمان سے پانچ پیالوں میں بہشتی کھانا نازل فرمایا۔ اسی وجہ سے اس مقام پر جو مسجد تعمیر کی گئی تھی اسے مسجد مائدہ یا فارسی اور اردو میں ''مسجد پنج پیالہ'' کہا جاتا تھا۔ تاہم جیسا کہ علی بن موسیٰ آفندی نے ۱۸۸۵ء میں کہا ہے، دونوں مقامات ایک دوسرے کے قریب تھے اور ان کے اوپر گنبد تعمیر کیے گئے تھے (یعنی مسجد مائدہ- پنج پیالہ- اور مسجد بنی ظفر)۔ اسی طرح ابراہیم رفعت پاشا نے جنہوں نے سعودی حکومت کے آنے سے پہلے دو تین بار مدینہ طیبہ کی زیارت کی تھی اپنی مشہور زمانہ 'مرآۃ الحرمین' میں لکھا ہے کہ مسجد بنی ظفر مسجد مائدہ سے مختلف اور الگ تھی۔ جہاں تک مسجد مائدہ کا تعلق ہے وہ تصدیق کرتے ہیں کہ یہ مسجد نبوی شریف سے ۲۰ منٹ کے پیدل فاصلے پر واقع تھی اور اس کے اندر گول گول پیالہ نما اشیاء تھیں جو کہ مبینہ طور پر آسمان سے نازل ہوئے تھے۔ تاہم وہ یہ کہتے ہیں کہ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مسجد مائدہ وہ مسجد تھی جہاں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر مائدہ کا نزول ہوا تھا (۱۰۱) یہ ایک ایسی لغو بات ہے۔ جس سے فاضل مصنف کو بتائی گئی اس مبنی بر کذب روایت کے ڈھول کا پول خود بخود کھل جاتا ہے (حضرت عیسی علیہ السلام ساری عمر تو فلسطین میں رہے اور اپنی پہلی زندگی میں مدینہ طیبہ نہ دیکھ سکے تھے)۔

اسی طرح ایک اور مصری سیاح لبیب البتنونی (جنہوں نے مدینہ طیبہ کی ۱۹۱۰ء میں زیارت کی تھی) بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ مسجد مائدہ بقیع الغرقد کے شرق میں واقع تھی۔(۱۰۲) ابراہیم العیاشی (جو کہ سعودی آثار قدیمہ کے باوا آدم تصور ہوتے ہیں) نے اس مسئلہ پر اپنی مہر تصدیق یوں ثبت کی ہے:

عامۃ الناس اسے مسجد مائدہ کہتے ہیں۔ معلوم نہیں اسے اس نام سے کیسے پکارنا شروع ہوا، شائد اس لیے کہ اس جگہ پر ایک دوسرے کے قریب تین مختلف مساجد بن گئی تھیں، اس جگہ پر تین محراب پائے جاتے ہیں۔ اور شائد اسی وجہ سے لوگ مسجد بغلہ کو مسجد مائدہ سمجھ لیتے ہیں جس کی عمارت اب صرف دیواروں تک ہی محدود ہے۔ جن پر چھت کا فقدان ہے اور نہ ہی اس پر کوئی گنبد ہے۔ یہ کھنڈرات اس باغ کے شرقی جانب واقع ہیں جو کہ آل رفائی کی ملکیت ہے۔(۱۰۳)

عبدالقدوس الانصاری نے ۱۳۵۳ ہجری (۱۹۲۲-۱۹۲۳ء) میں تحریر کیا کہ مسجد کے کھنڈرات اس وقت تک موجود تھے اور اس کا رقبہ ۷۰،۳ میٹر مربع تھا۔(۱۰۴) الخیاری کے مطابق مسجد بنی ظفر کی جگہ پر (یا اس کے کچھ حصہ پر) مرکز الدعوۃ والارشاد کا دفتر تعمیر کر دیا گیا ہے۔ اس سے ملحقہ باقی علاقہ دیوار کھڑی کر کے مقفل کر دیا گیا ہے جہاں سے آہنی دروازے کے روزنوں سے جھانکنا پڑتا ہے۔ اندر ملبے کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ دو مختلف مقامات پر پرانے پتھروں کے ڈھیر ہیں۔ ایک احاطے کے شرقی جانب اور دوسرا الدعوۃ والارشاد کے دفتر کی طرف۔ وہ ڈھیر جو کہ مکتب الدعوۃ والارشاد کی جانب ہے وہ مسجد بنی ظفر کا ملبہ ہے جب کہ دوسری جانب پنج پیالہ کے ملبہ کا ڈھیر ہے۔

اس مقام کے پاس سے جنوب کی طرف جو سڑک جاتی ہے وہاں سے تقریباً ایک فرلانگ اندر کی طرف جب مولف ہذا جولائی ۲۰۰۱ء میں گیا تو ایک اور مسجد تکمیل کے مراحل طے کر رہی تھی۔ (۲۰۰۲ میں یہ مسجد مکمل ہو چکی ہے اور وہاں پانچ وقت نماز ہوتی ہے) اس مسجد کو مشہور کر دیا گیا ہے کہ وہ نئی مسجد 'مسجد بنو ظفر' ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ نئی مسجد قدیم تاریخی مسجد بنو ظفر کے قریب ہے اور یہ بھی کہ یہ اللہ ہی کا گھر ہے، لیکن حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ نہ یہ مسجد بنو ظفر ہے اور نہ ہی یہ اسی مقام پر تعمیر ہوئی ہے جہاں پرانی تاریخی مسجد ہوا کرتی تھی۔ وہ مسجد آثار رسول مقبول ﷺ میں سے تھی مگر جدید مسجد کو ہم وہ درجہ نہیں دے سکتے۔ اس کا محل وقوع وہیں ہے جہاں چودہ سو سال سے چلا آ رہا تھا جس کے کچھ حصے پر اب مکتب دعوۃ والارشاد بن چکا ہے۔(۱۰۵) باقی ماندہ حصے کو چار دیواری میں محصور کر دیا گیا ہے اور لوگوں کو اس کے اندر جھانکنے پر بھی بعض اوقات مطوعین مشکل صورت حال سے دوچار کر دیتے ہیں۔

مسجد ابوذر غفاری ؓ
۲۰۰۱ء

مسجد حضرت ابوذر الغفاری ؓ:

اس تاریخی مسجد کا محل وقوع آج کل شارع ابوذر غفاری کے انصار ہوٹل کے قریب محلّہ باب تمار میں ہے۔ اس کے سامنے شیراٹن ہوٹل زیر تعمیر ہے اور دوسری طرف بلدیہ مدینہ طیبہ نے حرۃ الواقم کی جانب ایک خوبصورت فوارہ لگایا ہوا ہے۔ ماضی میں اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا رہا ہے: مثلاً "مسجد بحیری"، 'مسجد سجدہ'، 'مسجد شکر' اور 'مسجد الاسواف'۔ اس کو 'مسجد سافلہ' (۱۰۶) اور 'مسجد طریق السافلہ' بھی کہا جاتا رہا ہے۔(۱۰۷) تاریخ کے اوراق یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اس تاریخی مسجد کو "مسجد ابوذر غفاری" کب اور کیوں کہا جانے لگا مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جمال
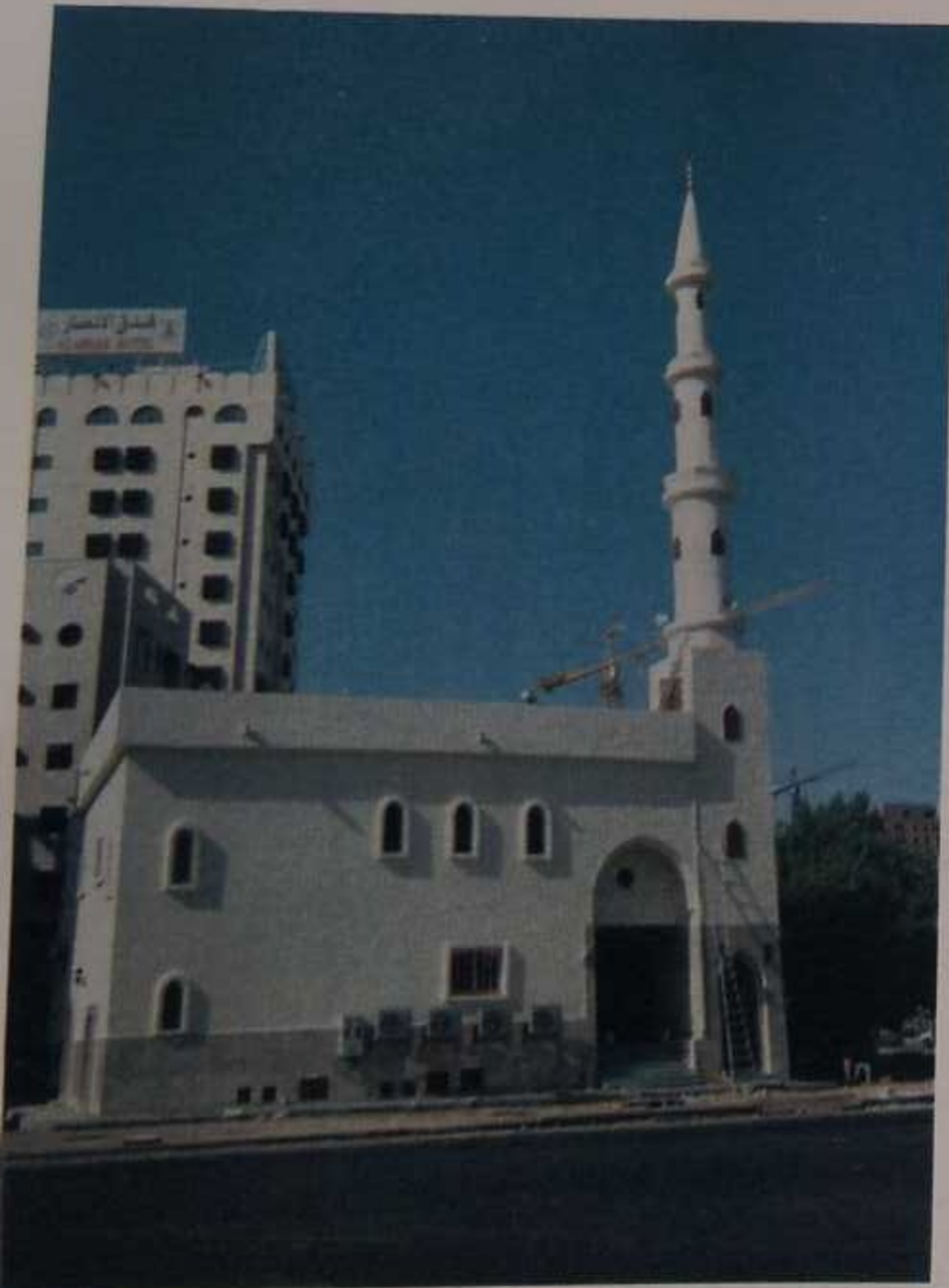
قدیم مسجد معرس کی ایک نادر تصویر

المطری کے دور میں بھی آٹھویں صدی ہجری میں یہ مسجد حضرت ابوذر الغفاریؓ سے منسوب ہو چکی تھی. ابراہیم العیاشی کے رائے یہ ہے کہ چونکہ بہت سی دیگر مساجد مشاہیر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منسوب تھیں لوگوں نے اس مسجد کو حضرت ابوذر الغفاریؓ کے نام سے منسوب کر دیا ہوگا.

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جب وہ مسجد النبوی شریف کے صحن میں حاضر تھے تو انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بقیع الغرقد کی جانب تشریف لے جا رہے تھے. وہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے ہو لیے. انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بازار میں ایک احاطے میں داخل ہو گئے جہاں آپ حضور ﷺ نے وضوء فرمایا اور دو رکعت نماز ادا کی اور پھر بہت طویل عرصے تک سجدے میں چلے گئے. جب انہوں نے آپ سے اس کا سبب پوچھا تو رحمت اللعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: [جبریل امین نے مجھے یہ خوشخبری دی ہے کو جو بھی مجھ پر درود و سلام بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر سلام بھیجے گا. پھر آپ حضور ﷺ نے اسی بات کو دوبارہ دہرایا کہ جو بھی مجھ پر درود و سلام بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر سلام بھیجے گا.] (۱۰۸) ایک اور روایت میں اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی ہے: [اسی وجہ سے شکرانہ کے طور پر میں سجدہ میں چلا گیا.] اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا، اور چند الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ امام احمدؒ نے مسند میں اور حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے.

العباسی نے دسویں صدی ہجری میں اس مسجد کے متعلق تحریر کیا ہے کہ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جو کہ خستہ حالت میں تھی. اس کے رقبے کا طول صرف ۸ ذرع تھا. چونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر بہت طویل سجدہ کیا تھا اس لیے اسے مسجد سجدہ بھی کہا جاتا تھا. پچھلے چالیس سالوں کی یادوں کو سمیٹتے ہوئے ابراہیم العیاشی مرحوم نے لکھا ہے کہ: ''جب میں نے یہ مسجد چالیس سال پہلے دیکھی تھی تو یہ بالکل اتنے رقبے پر ہی محیط تھی جتنا کہ سید سمہودیؒ نے بیان کیا تھا حالانکہ اسے ایک مدنی 'علوی سقاف' نے نئے سرے سے تعمیر کروا دیا تھا. اس وقت یہ صرف ایک غیر مسقف چار دیواری پر مشتمل تھی اور وہ دیواریں بھی گارے سے بنائی گئی تھیں. اس کے مغربی جانب کھجوروں کا ایک باغ ہوا کرتا تھا جو کہ بستان یحیی بن عبدالجلیل البری کی ملکیت ہوا کرتا تھا. (۱۱۰)

شاہ فیصل کے دور میں اس کی تعمیر نو ہوئی جو کہ عرصہ تیس سال تک موجود رہی. ۲۰۰۱ء میں اس کی تعمیر نو شروع ہوئی جو کہ ۲۰۰۲ء میں پایہ تکمیل تک پہنچی. اب یہ ایک نہایت ہی عالی شان مسجد بن چکی ہے جس کو سطح ارضی سے کافی بلند کر کے بنایا گیا ہے. اس کے قبلہ کی جانب خوبصورت درخت لگے ہیں اور بہت ہی خوبصورت منظر پیش کرتے ہیں. ۲۰۰۲ء سے اس کے بالکل سامنے شریٹن ہوٹل تکمیل کے مراحل طے کر رہا ہے. یہ مسجد چونکہ اکثر و بیشتر بند رہتی ہے مولف کو موقع نہیں مل سکا کہ اس میں دوگانہ ادا کر سکے.

مسجد معرس:

'مسجد معرس'، میقات ذوالحلیفہ کے قبلہ کی جانب ہوا کرتی تھی. (۱۱۲) یہ اس جگہ واقع تھی جہاں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکۃ المکرّمہ سے واپسی پر استراحت فرمائی تھی اور شب باشی کی تھی. خیاری کے بیان کے مطابق ۱۳۷۵ ہجری کے لگ بھگ اس مسجد کے کھنڈرات موجود تھے اور
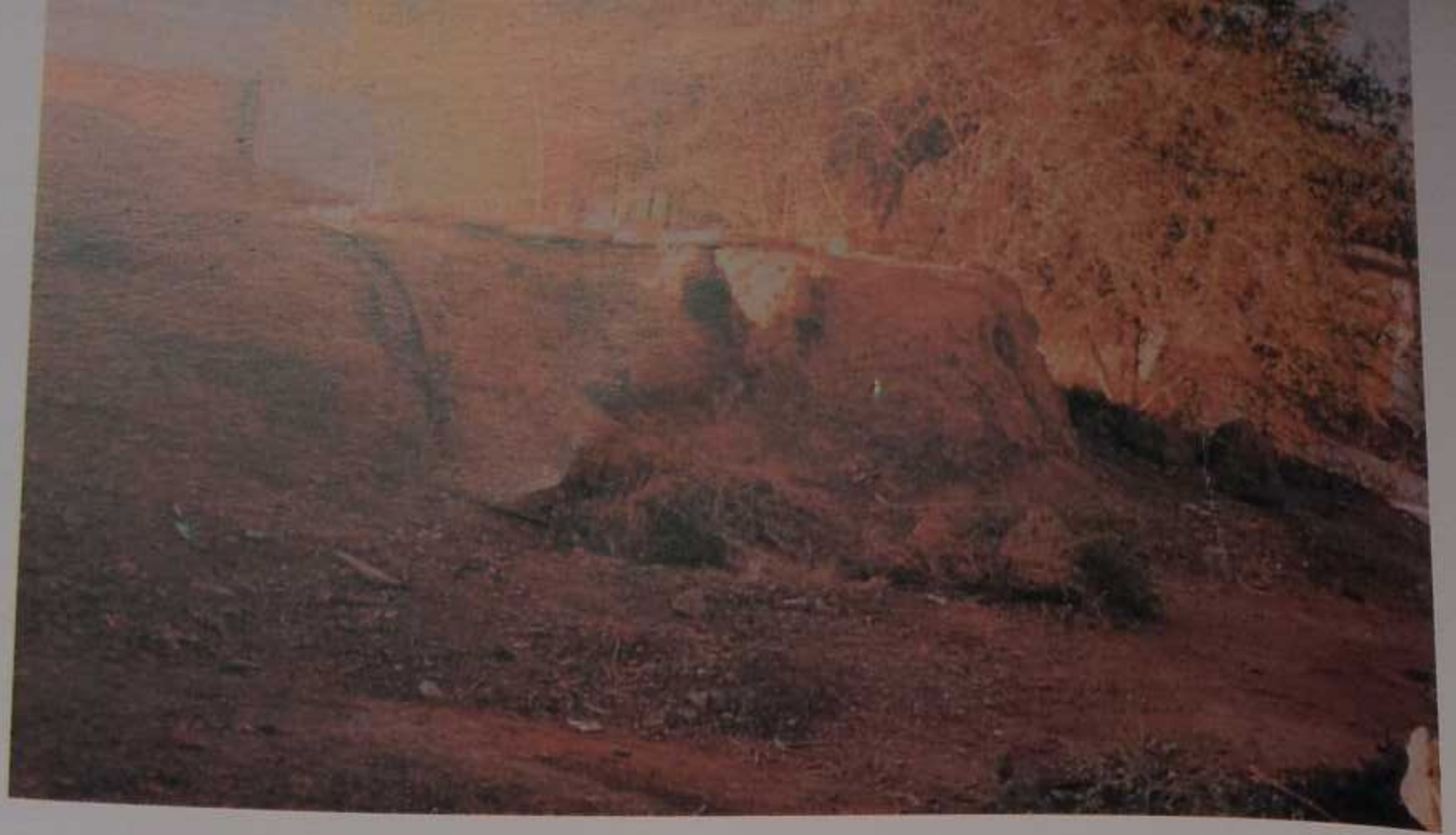
مسجد معرس کی
موجودہ حالت

اس کے ساتھ ہی ایک منہدم کنواں بھی ہوا کرتا تھا جو کہ مسجد ذوالحلیفہ کی داہنی جانب تھا.انہوں نے مزید کہا ہے کہ یہ علاقہ ایک زرعی فارم ہوا کرتا تھا جہاں کھیتی باڑی بھی ہوا کرتی تھی.(۱۱۳) تاہم اسی کتاب کے حاشیے میں ناشرین نے یہ وضاحت کردی ہے کہ مرحوم مولف کے بعد وہ تمام علاقہ موجودہ مسجد میقات یعنی مسجد ذوالحلیفہ کے احاطے میں آگیا ہے.مسجد ذوالحلیفہ چونکہ کافی وسیع ہے اور اس کے اردگرد ایک وسیع و عریض یوٹیلیٹی ایریا اس کو گھیرے ہوئے ہے اس لیے اس مقام کی پہچانا مشکل ہے کہ وہ تاریخی مسجد معرس کس جگہ واقع تھی.سعید الدربی نے ۱۳۹۹ ہجری میں اپنی گائیڈ-'دلیل مساجد المدینۃ النورہ'- میں لکھا ہے کہ مسجد ذوالحلیفہ کے علاوہ اس کے قبلہ کی جانب ایک اور چھوٹی سی مسجد بھی ہوا کرتی تھی جس کے صحن میں ایک کنواں بھی تھا.(۱۱۴)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے:[رسول اللہ-کا(حج) کا راستہ 'الشجرہ' کی طرف سے ہوا کرتا تھا اور واپسی پر سرور کونین ﷺ معرس کے راستے تشریف لاتے اور بلاشک جب بھی رسول اللہ ﷺ مکہ تشریف لے گئے تو آپ حضور ﷺ نے مسجد الشجرہ میں نماز ادا کی اور جب واپس تشریف لائے تو ذوالحلیفہ میں وادی کے عین بیچ میں نماز ادا کی اور اس کے قریب ہی رات کو استراحت فرمائی حتی کہ صبح ہوگئی.(۱۱۵) اس حدیث مبارکہ سے صاف واضح ہے کہ مسجد ذوالحلیفہ (یعنی مسجد الشجرہ) اور مسجد معرس دو الگ الگ مساجد تھیں اور دونوں مختلف مقامات پر تھیں اور یہ کہ موخر الذکر مسجد پہلی مسجد سے ذرا دور واقع تھی.ایک جانے کا راستہ تھا تو دوسرا واپس آنے کا تھا.

وادی عقیق میں مسجد معرس
کی ایک اور تصویر

مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ اس معاملے میں ہماری مزید رہنمائی کرتی ہے.حضرت موسیٰ بن عقبہؓ سے مروی ہے کہ:حضرت سالم بن عبداللہؓ کے والد (یعنی حضرت عبداللہ ابن عمر فاروقؓ) نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب آپ حضور ﷺ مسجد معرس کے بطن میں وادی ذوالحلیفہ میں محو استراحت تھے تو مجھے یہ نداء دی گئی کہ:[تم اس وقت ایک مقدس وادی میں ہو.] حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ نے ہمیں اونٹوں سے اترنے کا کہا جہاں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اترا کرتے تھے اور جہاں رسول اللہ ﷺ نے استراحت فرمائی تھی اور یہ مقام اس مسجد سے نیچے کی جانب تھا جو کہ وادی کے درمیان میں واقع ہے.یعنی سڑک اور مسجد کے درمیان.(۱۱۶) المراغی (ت:۸۱۶ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ ایک چھوٹی سی مسجد (معرس) بھی وہاں صرف اتنے فاصلے پر تھی جو کہ ایک تیر کی مسافت پر تھی.(۱۱۷) تاہم وہ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ اس جگہ کا تعین جو کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے اپنی بہت سی روایات میں بتائی تھی کہ وہاں رسول اللہ ﷺ نے استراحت فرمائی تھی کافی

مشکل کام ہے کیونکہ ایک مرتبہ وادی بطحاء میں شدید طغیانی آ گئی تھی جس سے سب نشانات مٹ گئے تھے اور یہ پہچاننا مشکل ہو گیا تھا کہ وہ تمام مقامات کہاں تھے۔ (۱۱۸)

بعد میں اس جگہ پر ایک مسجد تعمیر کر دی گئی تھی جو کہ بیسویں صدی کے وسط تک معرض وجود میں رہی۔ ابراہیم العیاشی نے بیان کیا ہے کہ ۱۳۷۳ ہجری میں بہت تگ و دو اور تحقیق کے بعد وہ اس قابل ہوئے تھے کہ قدیم مسجد معرس کا جائے وقوع معلوم کر سکیں۔ اس کی قدیم بنیادیں دریافت ہو گئیں جو کہ ایک کاشتکار نے اپنے پانی کے ذخیرہ کرنے کے لیے بنوائے ہوئے تالاب کے نیچے دفن کر دی تھیں اور جہاں بچے آزادی سے اس مقدس مقام کی بے حرمتی کے مرتکب ہوا کرتے تھے اور پھر میڈیا میں زبردست مہم کے بعد وہ کہیں اس قابل ہوئے تھے کہ اس مسجد کی حرمت بحال کر سکیں۔ (۱۱۹) وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مسجد 'مسجد المیقات' کے جنوب میں تقریباً ۱۵۰ میٹر کے فاصلہ پر واقع تھی اور اس کے قریب ایک کنواں بھی تھا جو کہ اس وقت قریب الانہدام تھا۔

وادی عتیق کے مغربی کنارے پر واقع مسجد شجرہ جسے اب مسجد ذوالحلیفہ (مسجد میقات) کہا جاتا ہے پہلی سعودی تعمیر کے بعد

مسجد ذوالحلیفہ :

جنوب (مکۃ المکرّمہ) سے مدینہ طیبہ آنے والے حضرات کے لیے باب المدینہ وہ مقام ہے جو کہ اہل مدینہ کے لیے حج اور عمرہ پر جانے کے لیے نقطہ میقات ہے۔ اسے مسجد الشجرہ بھی کہا جاتا تھا لیکن آج کل یہ مسجد ذوالحلیفہ کے نام سے مشہور ہے جو کہ وادی العقیق کے مغربی کنارے واقع ہے۔ مسجد نبوی شریف سے تقریباً نو یا دس کیلومیٹر کے فاصلے پر وادی العقیق کے اس علاقے میں یہ مسجد طریق الہجرہ پر اس علاقے میں واقع ہے جسے ابیار علی یا آبار علی کرم اللہ وجہہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ تمام علاقہ آبار علی کے نام سے ہی مشہور ہے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس علاقے میں کنویں کھدوائے ہوئے تھے اور آج بھی ان میں سے چند بچے ہوئے کنویں مسجد ذوالحلیفہ سے پانچ دس منٹ کے پیدل فاصلے پر واقع ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں پہلی صدی ہجری کے اواخر میں اس کی تعمیر نو ہوئی۔ اس وقت اسے پتھر اور جپسم سے بنی دیواروں سے بنایا گیا تھا۔ کئی صدیوں تک یہ عمارت قائم رہی لیکن بالآخر شکست و ریخت کا شکار ہو گئی۔ زین الدین نامی ایک شخص نے ۸۶۱ ہجری میں اسے دوبارہ تعمیر کروایا۔ العباسی کے بیان کے مطابق: ''وہ جگہ جہاں لوگ احرام پہنتے ہیں اس مقام پر نہیں ہے جہاں سے رسول اللہ ﷺ نے احرام زیب تن فرمایا تھا، کیونکہ وہ مسجد تو کچھ عرصہ پہلے منہدم ہو چکی ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جس کے گرد چار دیواری کا احاطہ تھا۔ اس کی جگہ اب عثمانیوں کے زیر اشراف ایک شخص محمود بیگ السجق نے مسجد تعمیر کروا دی ہے۔ (۱۲۱) یہ حال تو دسویں صدی میں تھا جبکہ وہ ایک چھوٹی اور سادہ سی عمارت ہوا کرتی تھی اور اس کی چھت کھجور کے تنوں سے بنے شہتیروں سے بنی تھی۔ بعد میں عثمانی حکومت سے اجازت لے کر برصغیر کے چند مسلمانوں نے اس مسجد کو ۱۰۹۰ ہجری میں دوبارہ تعمیر کروا دیا۔ یہ سلطان محمد چہارم کے دور میں ہوا تھا۔ اس وقت بھی مسجد نہایت سادہ اور پتھر کی اینٹوں اور گارے سے بنائی گئی تھی اور اس کا کل رقبہ ۵۲ مربع ذرع تھا۔

بیسویں صدی میں حجاج کرام کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہونے لگا اور یہ چھوٹی سی مسجد حجاج کے جم غفیر پر تنگ پڑنے لگی تو سعودی حکومت نے ۱۳۷۵ ہجری میں (جب کہ مسجد نبوی شریف بھی زیر تعمیر تھی) اسے نئے سرے سے تعمیر کروا دیا۔ جلد ہی یہ نئی مسجد بھی حجاج کے لیے کم پڑنے لگی، لہذا جب مسجد نبوی شریف کی عظیم تر توسیع کا منصوبہ زیر تکمیل تھا تو خادم الحرمین الشریفین کے احکام پر اس مسجد کو دوبارہ وسعت دینے کا منصوبہ تیار ہوا۔ سنگ بنیاد رکھنے کی رسم ۱۱ ربیع الاول ۱۴۰۸ ہجری کو ہوئی۔ اس منصوبے کے تحت آبار علی کے علاقے کو ترقی دے کر ہموار

مسجد میقات کا ایک خوبصورت فضائی منظر (۲۰۰۵ء)

کیا گیا تا کہ حجاج کرام کی آمد ورفت میں آسانی ہو اوران کو لانے اور لے جانے والی ٹریفک جن میں بڑی بڑی گاڑیاں اور بسین استعمال ہوتی ہیں میں رکاوٹ نہ ہو مؤسسہ محمد بن لادن کا انتخاب کیا گیا تا کہ اس بڑے منصوبے پر عمل درآمد کیا جا سکے. موجودہ مسجد ۶۰۰۰ مربع میٹر پر محیط ہے جس میں سے ۱۰۰۰ مربع میٹر کا علاقہ نماز ادا کرنے کے لیے وقف ہے جہاں بیک وقت ۵۰۰۰ نمازی بآسانی سما سکتے ہیں. اگر اس تمام رقبے کو شامل کیا جائے جو کہ پارکنگ اور دیگر یوٹیلیٹی خدمات کے لیے استعمال ہوتا ہے تو کل رقبہ ۹۰۰۰ مربع میٹر تک پہنچ جاتا ہے. چونکہ یہ مسجد وادی بطحاء کے بطن میں بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان واقع ہے یہ ایک بہت ہی حسین منظر پیش کرتی ہے جس کو طرح طرح کی شجر کاری کر کے مزید چار چاند لگائے گئے ہیں. مسجد دو بلند دیوانوں کے درمیان واقع پلازا نما علاقہ میں واقع ہے جس کا رقبہ ایک ہزار مربع میٹر سے بھی زیادہ ہے. اس کی عمارتی خوبصورتی عالیشان گنبدوں اور محرابوں سے مزید بڑھ گئی ہے جو کہ دونوں دالانوں پر سجے ہیں صرف اس کے صحن کا رقبہ ۶۲ مربع میٹر ہے.

مسجد ذوالحلیفہ کا بیرونی دروازہ

وادی بطحاء میں چاروں طرف کوہساروں سے گھرے طویل القامت سفیدے کے درختوں کے درمیان واقع یہ مسجد ذوالحلیفہ ہے جو کہ نہ صرف ایک حسین قدرتی منظر پیش کرتی ہے بلکہ یہ وہ مقام ہے جہاں پر معتمرین اور حجاج کرام احرام پہن کر اپنے اس روحانی سفر پر مکۃ المکرمہ کی جانب گامزن ہوتے ہیں جسے عرف عام میں حج یا عمرہ کہا جاتا ہے. سرخ پتھروں سے بنی بلند و بالا بے شمار محرابی چھتیں جو کہ دو ایوانوں میں بنائی گئی ہیں مسجد ذوالحلیفہ کو دونوں جانب سے گھیرے میں لیے ہوئی ہیں. مسجد سے ملحق علاقے میں دفاتر اور رہائشی علاقہ بھی ہے جہاں سٹور اور دیگر یوٹیلیٹی خدمات موجود ہیں. کھجوروں کے درختوں سے بھرپور لان چاروں طرف حسن مدینہ طیبہ میں اضافہ کرتے ہیں. چونکہ مسجد ایک ایسی وادی میں واقع ہے جہاں ماضی میں اکثر طغیانی آجایا کرتی تھے اس لیے اسے سطح ارضی سے کافی بلند بنایا گیا ہے. چھت پر سولہ میٹر سے بھی بلند گنبد سجائے گئے ہیں جو کہ ایک دوسرے سے ۴،۸ میٹر کے فاصلے پر ہیں. صحن مسجد میں ایک چھوٹا سا لان چھوڑ دیا گیا ہے جہاں کیلے کے سرسبز درخت لگے ہیں جن کے درمیان ایک گنبد تعمیر کیا گیا ہے. جس کو ۴، ۵×۴، ۵ میٹر کے رقبے پر استوار کیا گیا ہے. یوٹیلیٹی اور سروس ایریا ۶۶۰، ۹ میٹر کے علاقے پر محیط ہے جہاں ۵۱۲ غسل خانے اور ۵۵۶ احرام بدلنے کے حمام بنائے گئے ہیں جسے دو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جہاں خواتین و حضرات احرام بدل سکتے ہیں. اس کے علاوہ دونوں حصوں میں وضوء کے لیے بہت سی ٹونٹیوں کا انتظام کیا گیا ہے. ایک وسیع و عریض رقبہ پارکنگ کے لیے مختص ہے جہاں سڑکیں بنا کر کاروں اور بسوں کے ٹھہرانے کا بندوبست کیا گیا ہے جہاں ۵۰۰ کاریں اور ۸۰ بسیں بیک وقت پارک ہو سکتی ہیں. چونکہ یہ مسجد چوبیس گھنٹے کھلی رہتی ہے اور حجاج یا معتمرین کا وقوف وہاں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ تک ہی ہوتا ہے اس لیے یہ مسجد ایک دن میں لاکھوں فرزندان توحید کے لیے کافی ثابت ہوتی ہے. کار پارکنگ کے درمیان گزرگاہوں پر خوبصورت سٹال لگے ہوئے ہیں جہاں عمرہ اور حج کے لیے ضروری سامان (مثلاً احرام، پٹیاں اور چپلیں وغیرہ) اور چائے پانی کا سامان بکثرت دستیاب ہے.

مسجد الرایہ (مسجد ذباب):

یہ تاریخی مگر چھوٹی سی مسجد 'العیون' کی آبادی کے درمیان جبل ذباب کی چوٹی پر موجود ہے. طریق العیون سے شرقی جانب جاتے

مسجد ذوالحلیفہ

ہوئے یہ مسجد محط الزغبی کی پشت پر چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے۔اس کے اردگرد واقع مکانات پرانے مدینہ طیبہ کی طرز تعمیر کی یاد دلاتے ہیں۔آدھے سے زیادہ جبل ذباب تو آس پاس کے علاقے کو پارکنگ مہیا کرنے کے لیے ختم کردیا گیا ہے۔عام طور پر اسے 'مسجد الرایہ' کا نام دیا گیا ہے،لیکن ماضی میں اسے مسجد قرین (۱۲۳) اور مسجد زاویہ کے نام سے بھی جانا جاتا تھا۔جب مولف نے جولائی ۲۰۰۱ء میں اس مسجد کی زیارت کی تو یہ مقفل تھی۔صرف وضوء کا علاقہ کھلا تھا مگر مسجد کا کمرہ بند تھا۔محلے کے لوگوں کے بیان کے مطابق یہاں پانچ وقت نماز ہوتی ہے۔اسے چھوٹی چھوٹی پکی اینٹوں سے بنایا گیا ہے جو کہ قدیم مدینہ طیبہ کے فن تعمیر کا مظہر ہے۔یہ تاریخی مسجد صرف ایک کمرے پر ہی مشتمل ہے جس میں ایک پرانی وضع قطع کی محراب ہے۔اس میں موجود اکلوتی کھڑکی کو ایر کنڈیشنر کے لیے استعمال کرلیا گیا ہے۔اسے باقاعدگی سے سفیدی کی جاتی ہے۔

مسجد الرایہ کی تاریخی اہمیت:

غزوۃ الاحزاب میں فوجی کارروائیوں کے دوران رسول اللہ ﷺ نے جبل ذباب کی چوٹی پر اپنا خیمہ نصب کروایا تھا جو کہ اتنی بلندی پر تھا کہ وہاں سے سالار امم تاجدار مدینہ ﷺ دشمن کی نقل وحرکت پر ہر طرف سے نظر رکھ سکتے تھے اور اس طرح تمام میدان جنگ جو کہ کئی میلوں تک پھیلا ہوا تھا سرور دو عالم ﷺ کی نگاہوں کے سامنے تھا۔عسکری نقطہ نظر سے یہ مقام نہایت ہی موزوں تھا۔حضرت ابی سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے اپنا عریش (خیمہ) جبل ذباب پر نصب کروایا تھا۔] ابن زبالہ اور ابن شبہ نے بھی ایسی ہی روایات حضرت عبدالرحمٰن الاعرجؒ سے نقل کی ہیں۔(۱۲۴) بنوامیہ کے دور میں (جب مروان بن الحکم مدینہ طیبہ کا گورنر تھا) کچھ ایسے واقعات بھی ہوئے کہ کچھ مجرموں کو جبل ذباب (جسے جبل الرایہ بھی کہا جاتا تھا) پر دار ورسن کی سزا دی گئی۔ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے پرزور احتجاج کیا اور مروان کو کہلا بھیجا کہ کیا تمہیں یہی جگہ اس کام کے لیے ملی تھی جہاں پر حضور رسالت مآب ﷺ نے اپنا خیمہ نصب کروایا تھا؟ اس پر وہ قبیح رسم اس جگہ سے ختم کردی گئی۔ابن شبہ کے بیان کے مطابق ایک بار مروان نے جبکہ وہ مدینہ طیبہ کا گورنر تھا وہاں پر ایک آدمی کو مصلوب کروایا تھا جس نے ذباب نامی ایک آدمی کو قتل کردیا تھا۔جب ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے مروان کی سرزنش یہ کہتے ہوئے کی کہ: تم نے اس مقام کو جہاں رسول اللہ ﷺ نے نمازیں ادا فرمائی تھیں کیسے مقتل ومصلب بنوا دیا ہے؟ پھر اس کے بعد اس جگہ کی کبھی بے حرمتی نہیں ہوئی اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وہاں باقاعدہ مسجد تعمیر کروادی تھی جو کہ آج تک مسجد الرایہ یا مسجد الذباب کے نام سے جانی جاتی ہے۔(۱۲۵)

حضرت ہشام بن عروہ بن الزبیرؒ نے بھی اس آثار نبوی شریف کی بے حرمتی کے خلاف ابن زیاد سے یہ کہتے ہوئے احتجاج کیا تھا: ''کتنی شرم کی بات ہے کہ جہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنا خیمہ مبارک نصب کیا تھا وہاں لوگوں کو سولی پر لٹکایا جاتا ہے۔'' جہاں تک اسے مسجد الرایہ (عربی میں الرایہ جھنڈے اور علم کو کہتے ہیں) کہے جانے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں واقدی نے ایک اور چونکا دینے والا انکشاف کیا ہے کہ یزید بن حرمز لوگوں کو جرائم کی پاداش میں موت کی سزا دیتا تو ان کو اس پہاڑی پر تہہ تیغ کیا جاتا تھا۔جب ان لوگوں کو اس مقتل (جبل الذباب) پر لے جایا جاتا تو ایک آدمی جھنڈا اٹھا کر آگے آگے چلتا تھا۔لہٰذا اس جگہ کا نام ہی 'الرایہ' پڑ گیا۔(۱۲۶)

المراغی نے اس مسجد کا سرسرا سے ذکر کیا ہے اور صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ بھی مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد میں سے ایک ہے۔(۱۲۷) ایک طویل عرصے تک یہ مسجد بے اعتنائی اور شکست وریخت کا شکار رہی پھر شہزادہ جہاں بیگ النیر وزی نے ۸۴۵ یا ۸۴۶ ہجری میں اس کی تعمیر نو

مسجد الرایہ (مسجد ذباب) کی ایک نادر تصویر

کروائی. اس کی قدیم طرز تعمیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ابھی تک بنیادی طور پر اسی زمانے کی تعمیر ہے اور اس لحاظ سے یہ مدینہ طیبہ کی قدیم اور اثری عمارتوں میں شمار ہوتی ہے.

مسجد الفضیخ:

تابعین حضرات ہاشم بن عروہ بن الزبیرؒ اور حارث بن فضیل الانصاریؒ کی روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ پر جہاں بعد میں مسجد فضیخ بنی تھی نمازیں ادا فرمائی تھیں. ابن شبہ نے بھی حضرت جابر بن عبداللہؓ کی مرفوع روایت پر مبنی اپنے بیان میں کہا ہے کہ بنی نضیر کے محاصرے کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ نمازیں ادا فرمائی تھیں جہاں پر اب مسجد فضیخ موجود ہے. چونکہ بنی نضیر کا محاصرہ چھ دن تک جاری رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر نمازیں ادا کی تھیں لیکن اس وقت تک یقینی طور پر کسی مسجد کا وجود نہ تھا کیونکہ وہ یہود کا علاقہ تھا. مسجد کی تعمیر بنی نضیر کے یہودیوں کے مدینہ بدر ہونے کے بعد ہی عمل میں آئی ہو گی. لیکن جب مسجد بن گئی تو ایسے بہت سے شواہد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں نمازیں ادا کی تھیں جیسا کہ امام احمد اور ابو یعلیٰ کی روایت مروی از حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ثابت ہوتا ہے.

مسجد الرایہ (مسجد ذباب) کی ایک نایاب تصویر

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے: [جب رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر کا محاصرہ کیا تو آپ حضور ﷺ نے اس مقام پر اپنا خیمہ مبارک نصب کروایا تھا جہاں پر مسجد فضیخ تعمیر ہوئی. چھ دن تک آں حضرت ﷺ نے اسی مقام پر اپنی نمازیں ادا فرمائیں. پھر بعد میں جب شراب نوشی حرام قرار دے دی گئی اور اس حرمت کی خبر حضرت ابو ایوب الانصاریؓ اور دیگر انصاری اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پہنچی جو کہ اس وقت اس جگہ بیٹھے فضیخ (جو کہ کھجوروں سے کشید کی ہوئی ایک قسم کی شراب تھی) پی رہے تھے، انہوں نے اپنے شراب کے مٹکے اسی وقت اس کنویں میں انڈیل دیئے (یہ کنواں اس مسجد کے صحن میں واقع تھا). اسی واقعہ کی نسبت سے اس مسجد کا نام ہی مسجد الفضیخ پڑ گیا. (۱۲۹) حضرت جابر بن عبداللہؓ کی اسی روایت کے مطابق جب حرمت خمر کا قرآنی حکم (۱۳۰) آن پہنچا تو ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنہوں نے اس وقت شراب پی رکھی تھی جن میں حضرت ابو ایوب الانصاری بھی شامل تھے نے اسی کنویں میں قے کر کے اپنے معدے خالی کر ڈالے اور جو شراب ان کے مٹکوں میں باقی بچی ہوئی تھی وہ بھی انہوں نے اسی کنویں میں انڈیل دی تھی. جب بعد میں اسی مقام پر مسجد کی تعمیر ہوئی تو وہ مسجد بھی اسی واقعہ کی نسبت سے مسجد الفضیخ ہی

مسجد الرایہ
(مسجد ذباب)
۲۰۰۱ء
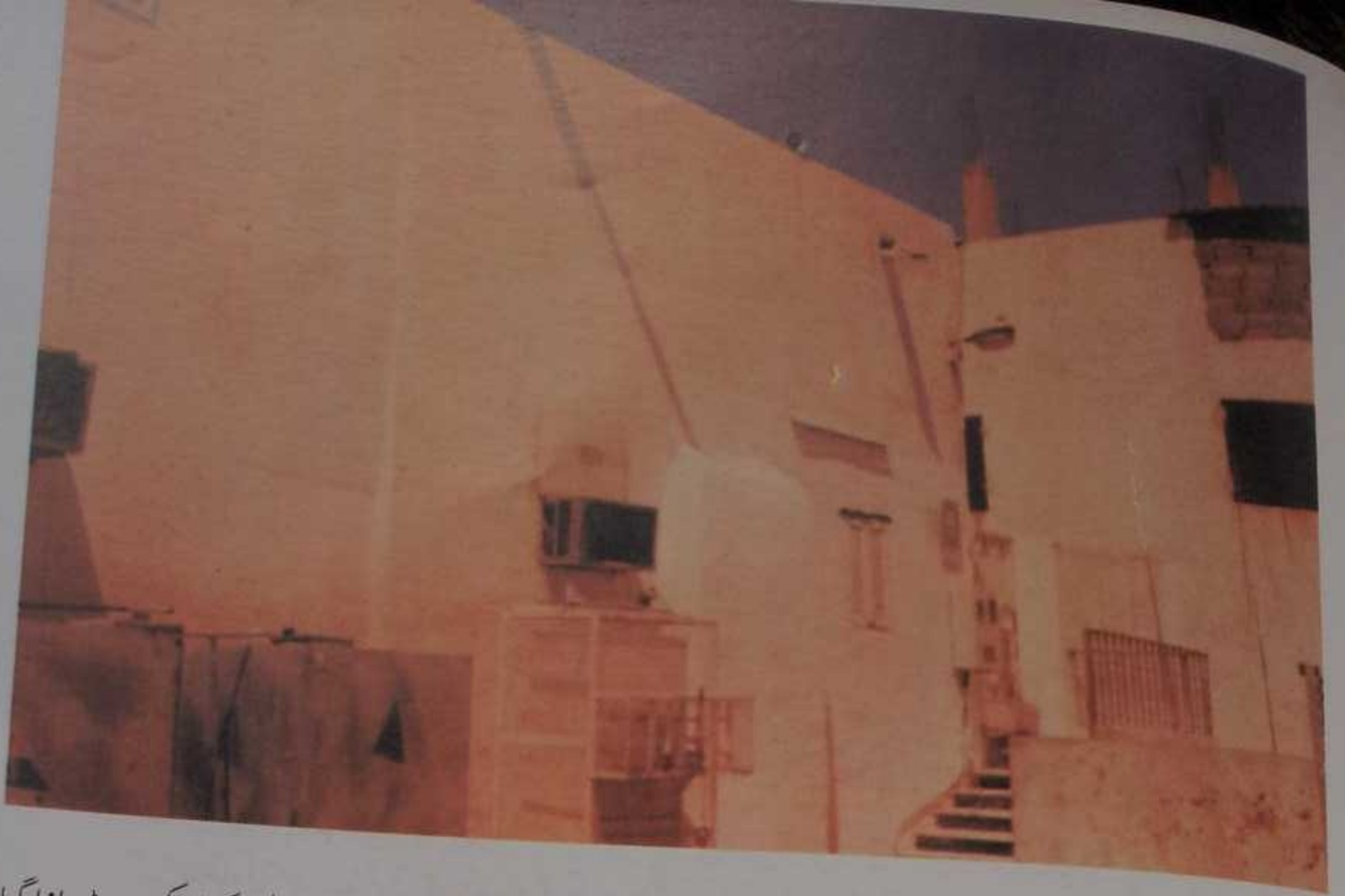
کہلائی۔(۱۳۱) زائرین کو اکثر وہ کنواں دیکھنے کو ملتا ہے جو کہ صحن مسجد میں ابھی تک موجود ہے اور اسے ایک مین ہول کے ڈھکنے سے ڈھانپا گیا ہے۔ یہ کنواں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اتباع رسول مقبول ﷺ کی یادگار کے طور پر موجود ہے۔

سمہودیؒ کے مطابق یہ ایک مربع شکل کی مسجد تھی جس کا رقبہ ۱۱x۱۱ ذرع پر محیط تھا۔ اسے شیخ الخدام الشجاعی الجمالی نے ۸۹۳ ہجری (۱۴۷۸ء) میں تعمیر کروایا تھا۔ صالح لمعی مصطفیٰ کی رائے میں اس کی مرمت یا تعمیر نو سلطان عبدالمجید اول کے دور میں ۱۸۴۹-۱۸۵۰ء میں ہوئی ہوگی (۱۳۲)۔ تاہم علی بن موسیٰ آفندی جنہوں نے اپنی 'وصف المدینہ' ۱۳۰۳ ہجری (۱۸۸۵ء) میں لکھی تھی بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایام میں مسجد پر کوئی چھت نہیں تھی۔ یہ بیان اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ترکی دور میں اس مسجد کی تعمیر دوبار ہوئی تھی: ایک بار تو سلطان عبدالمجید اول کے دور میں اور پھر ۱۸۸۵ء کے بعد۔ اس کی تعمیر میں استعمال شدہ کالے پتھر اور محراب اور گنبد اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ ترکی طرز تعمیر ہی ہے۔ مسجد کے اندر اور باہر سفیدی کی گئی ہے لیکن پھر بھی کئی جگہ سے سفیدی کے ہٹ جانے سے اس کی اصلی عمارتی خصوصیات اجاگر ہو جاتی ہیں۔ اس مسجد میں صرف ایک برآمدہ ہے جو کہ ۱۹ میٹر لمبا اور ۴ میٹر چوڑا ہے اور اس پر پانچ مضبوط گنبد سجے ہیں۔

بدقسمتی سے مسجد فضیح کے متعلق اب خاصہ ابہام پایا جاتا ہے۔ ابن نجار نے لکھا ہے کہ مسجد فضیح مسجد قباء کے قریب ہے اور اس کی شرقی جانب ہے اور وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اسے مسجد شمس کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ ابن نجار اور سمہودیؒ کے مطابق یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہوا کرتی تھی جس کا رقبہ ۱۰x۱۰ ذرع تھا۔ مسجد قباء کے قریب آج بھی ایک احاطہ ہے جس کو چاردیواری سے محیط کیا گیا ہے۔ اب تو اس احاطے کے اندر صرف چند کھنڈرات ہی ہیں، مسجد کا کوئی نام ونشان باقی نہیں چھوڑا گیا۔ یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ مسجد شمس ہے۔ العباسی نے کہا ہے کہ یہ مسجد 'مسجد شمس' ہی ہے۔ چونکہ یہ ایک اونچی جگہ پر واقع ہے جہاں قباء میں سب سے پہلے سورج کی کرنیں پڑتی ہیں اس لیے لوگ اسے مسجد شمس کہنے لگ گئے ہیں۔ (۱۳۴) شیعہ حضرات کی روایات کے مطابق یہ مسجد 'رد الشمس' ہے۔ تاہم العباسی نے اس نظریئے کی مخالفت یہ کہہ کر کی ہے کہ معجزہ رد شمس تو الصحباء کے مقام پر وقوع پذیر ہوا تھا جو کہ خیبر کے قریب ہے نہ کہ مدینہ طیبہ میں جیسا کہ سیدۃ اسماء بنت عمیسؓ کی بیان کردہ روایت میں ہے۔ سمہودیؒ اور مطری دونوں نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ الصحباء کے قصبے میں وہ مسجد موجود ہے جہاں پر وہ مذکورہ معجزہ رونما ہوا تھا۔ (۱۳۵)

غالی الشنقیطی جنہوں نے اپنی زندگی مدینہ طیبہ میں گزاری تھی نے تو دوٹوک الفاظ میں اپنی تاریخ مدینہ طیبہ 'الدر الثمین' میں کہا ہے کہ وہ

مسجد جس پر پانچ گنبد ہیں وہی مسجد الفضیخ ہے جسے بسا اوقات مسجد شمس بھی کہہ دیا جاتا ہے. انہوں نے سعی بسیار کے بعد حقیقت کو افسانے سے الگ کیا ہے اور ان افواہوں کی پرزور تردید کی ہے کہ یہ مسجد شمس نہیں ہے بلکہ مسجد الفضیخ ہی ہے اور اس کے اثبات کے لیے انہوں نے اپنی تاریخ میں ایک راہنما نقشہ بنا کر سمجھایا ہے. (۱۳۶)

ماضی قریب کے ایک اور مورخ مدینہ طیبہ احمد یاسین الخیاری نے بھی مسجد فضیخ کو مسجد الشمس کہے جانے پر بہت تحقیق و تدقیق کی ہے اور انہوں نے بھی پورے وثوق سے کہا ہے کہ مسجد شمس اپنی جگہ قباء کے قریب ہے جبکہ وہ مسجد جو کہ مسجد الفضیخ کے نام سے جانی جاتی ہے وہی مسجد الفضیخ ہی ہے. دونوں الگ الگ مساجد ہیں. قاری کی تسلی کے لیے ہم ان کی تاریخ مدینہ سے مندرجہ ذیل اقتباس اردو میں دے رہے ہیں:
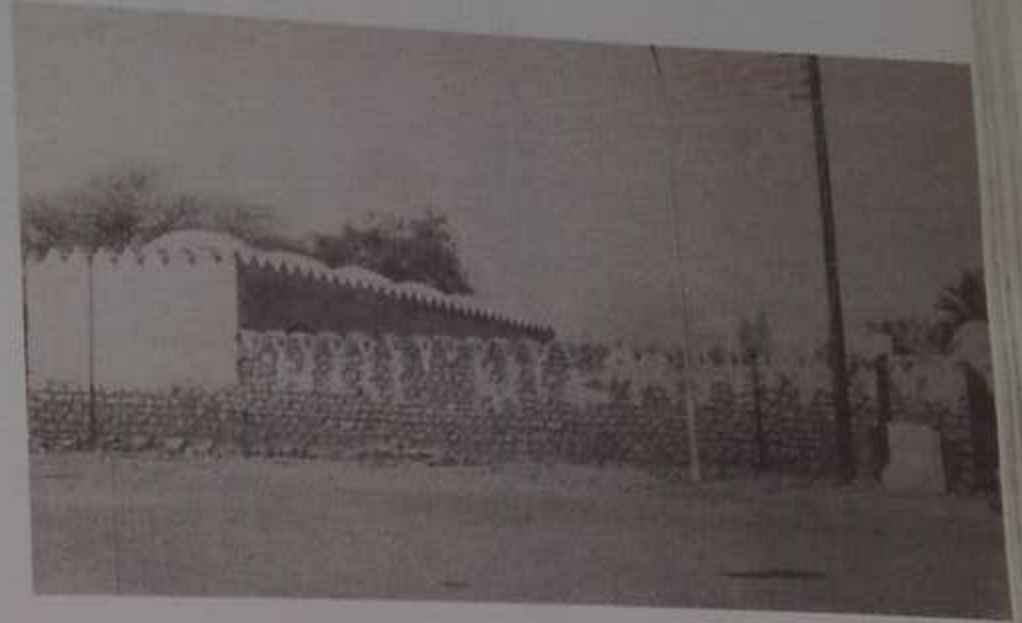
مسجد الفضیخ کی ایک نادر تصویر. اس پر پانچ گنبد ہوا کرتے تھے، عمارت وضع قطع سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے عثمانی دور میں تعمیر کیا گیا تھا

''یہ مسجد قباء کی مسجد کے مشرق میں ایک اونچی جگہ پر واقع ہے جو کہ ایک وادی کے کنارے پر ہے اور مسجد شمس (یعنی سورج والی مسجد) کے نام سے جانی جاتی ہے. یہ نام اسے اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ بوقت طلوع سورج کی شعائیں اس پر علی الصباح سب سے پہلے پڑتی ہیں. یہ ایک مستطیل شکل کی چھوٹی سی مسجد ہے. تاہم اس وقت وہاں سوائے کھنڈرات کے اور کچھ نہیں بچا جو کہ ایک گری ہوئی دیوار کی شکل میں ہے جو کہ محض ایک میٹر طویل ہوگی. مورخین میں اس بارے میں کچھ اختلاف ہے کیونکہ بعض لوگ اسے مسجد الفضیخ کہہ دیتے ہیں نہ کہ مسجد الشمس. لیکن میرے پاس علاقے کے باشندگان کی ناقابل تردید شہادتیں ہیں اور جو اس بارے میں سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں. ان کے مطابق یہ مسجد شمس ہے نہ کہ مسجد فضیخ. مسجد فضیخ اس سے الگ مسجد ہے جو کہ کافی فاصلے پر واقع ہے. یہ تو مسجد شمس ہے جو قربان کے علاقے میں قباء اور العوالی کے درمیان واقع ہے جبکہ مسجد فضیخ العوالی میں حرہ کے شرقی جانب واقع ہے.'' (۱۳۷)

یہی نظریہ عبد القدوس الانصاری کا ہے جو کہ سعودی مورخین اور محققین کے سرخیل سمجھے جاتے ہیں. اگرچہ اس مسجد کے متعلق دو آرا تھیں، مگر اس بات پر سب کا اتفاق رہا ہے کہ یہ وہ متبرک جگہ تھی جہاں پر سرکار دو عالم ﷺ خیمہ زن تھے اور وہاں حضور پر نور ﷺ نے کئی نمازیں بھی ادا کی تھیں. اس نقطہ نظر سے یہ بہت ہی تکلیف دہ امر ہے کہ اس مقدس مقام پر موجود مسجد کو نہایت ہی بے دردی سے اگست ۲۰۰۱ء میں شہید کر دیا گیا ہے. اب یہ مسجد نہ صرف صفحہ تاریخ مدینہ سے معدوم ہو جائے گی بلکہ آنے والے وقتوں میں اہل مدینہ کی یاد سے بھی فراموش ہو چکی ہوگی. جب ہم نے اگست ۲۰۰۲ء میں اس جگہ کی زیارت کی تو وہ منہدم شدہ جگہ ناگفتہ بہ حالت میں تھی. عمارت پر تو کبھی کا بلڈوزر پھر چکا تھا مگر اس کا ملبہ سابقہ صحن میں بکھرا پڑا تھا اور وہ تاریخی کنواں جو شراب کی حرمت کے واقعہ سے منسوب تھا اسے ملبہ سے بھر دیا گیا تھا. دسمبر ۲۰۰۲ء میں دوبارہ جانے کا اتفاق ہوا تو وہ جگہ صاف کر دی گئی تھی اور اس پر اب اہل محلہ کی گاڑیاں پارک ہونی شروع ہو گئی ہیں. بابری مسجد کی طرح اگر کوئی غیر مسلم یہ حرکت کرتا تو پورا عالم اسلام حرکت میں آ جاتا، مگر وائے آثار رسول مقبول ﷺ تمہارا رونا کس سے رویا جائے. العیاذ باللہ! انتہائی خاموشی کے ساتھ

انہدام سے پہلے مسجد فضیخ (تصویر: ۲۰۰۰ء)

مسجد بنی قریضہ کے آثار
جہاں سولہ دن
سرکار دو عالم ﷺ نے
نماز ادا فرمائی

مسجد فضیخ بھی ان مساجد کے ساتھ شہادت کی فہرست میں شامل ہو چکی ہے. جن کا نام ونمود پچھلے بیس سالوں میں مٹایا جا چکا ہے.

مسجد بنو قریضہ:

محل وقوع: اس مسجد کا محل وقوع مسجد فضیخ کی شرقی جانب تھوڑے فاصلے پر حرہ شرقیہ میں حجازیہ کے بستان کے پاس ہے. اردگرد چند مکانوں کے کھنڈرات ہیں جہاں کافی عرصہ پہلے مسافر اور فقراء رہا کرتے تھے جن کے پاس اپنی رہائش کا بندوبست نہ ہو سکتا تھا. الزہراء ہسپتال سے اگر ہم مشربہ ام ابراہیمؓ کے پاس سے گزرتے ہوئے آدھا کیلومیٹر آگے کی طرف معذوروں کے ہسپتال سے آگے نکل جائیں تو اسی سڑک پر دائیں طرف اس تاریخی مسجد کے آثار نظر آتے ہیں. ہسپتال کی دیوار سے ذرا آگے دائیں جانب چند آثار قدیمہ موجود ہیں اور کچھ پرانے مکانات ہیں جن کے آگے دیوار کھڑی کر کے ان پر شیشہ کے ٹکڑے لگا دیئے گئے ہیں. وہ بستی بنی قریضہ ہے اور بالکل سڑک کے کنارے پر کھنڈرات پر ٹین کی چھت ڈال کر اس میں کافی عرصہ ہوا ایک ورکشاپ بنادی گئی تھی. بس وہی جگہ مسجد بنو قریضہ کی ہے. یہی وہ مقدس مقام ہے جہاں رسول اللہ اور تاجدار مدینہ ﷺ نے اپنا عریش نصب کروایا تھا اور بنو قریضہ کا غزوہ سر کیا تھا.

ابن نجار کے مطابق مسجد بنی قریضہ العوالی میں تھی اور اس کا رقبہ ۲۰×۲۰ ذرع پر محیط تھا جس میں ۱۶ ستون تھے جن میں سے زیادہ تر ان کے دور میں (چھٹی صدی ہجری میں) گر چکے تھے اور مسجد صرف ایک احاطے کی شکل میں تھی جس کی دیواریں نیم منہدم تھیں اور چھت مفقود ہو چکی تھی. ان کے بیان کے مطابق پہلی نظر پر تو یہ مسجد قباء کی طرح نظر آتی تھی. اس کے گرد بہت سے کھجوروں کے باغات تھے اور یہ مشربہ ام ابراہیم کے قریب تھی. (۱۳۸) المراغی نے بیان کیا ہے: مسجد بنی قریضہ مسجد شمس سے کافی دور مشرق کی طرف واقع ہے. یہ حرہ شرقیہ میں ہے. پاس ہی ایک بستان کو راستہ جاتا ہے جو کہ حجازیہ کے نام سے مشہور ہے اور ایک وقف جائیداد ہے جسے غرباء اور مسافروں کے لیے تصدق کیا گیا ہے. اس کے اردگرد نیم منہدم مکانات ہیں جو کہ بنی قریضہ کے ہوا کرتے تھے. انہوں نے ابن زبالہ سے نقل کیا ہے کہ یہ وہ علاقہ ہے جہاں یہودی زبیر بن باطا القریضی کا اطم ہوا کرتا تھا. (۱۳۹) حضرت سلمان فارسیؓ اسی زبیر بن باطا کے غلام رہے تھے.

مسجد بنی قریضہ کے کھنڈرات
(تصویر: احمد یاسین خیاری)

سمہودیؒ نے بھی اپنے پیشروؤں کی رائے سے اتفاق کیا ہے اور یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ: ظاہر ہے کہ یہی مسجد مسجد بنی قریضہ ہے جس کا ذکر صحیحین میں موجود ہے جسے حضرت ابو سعید الخدریؓ نے روایت کیا ہے: [بنی قریضہ کے لوگوں نے حضرت سعد ابن معاذؓ کی تحکیم پر ہتھیار ڈال دینے کی پیش کش کی. لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو طلب
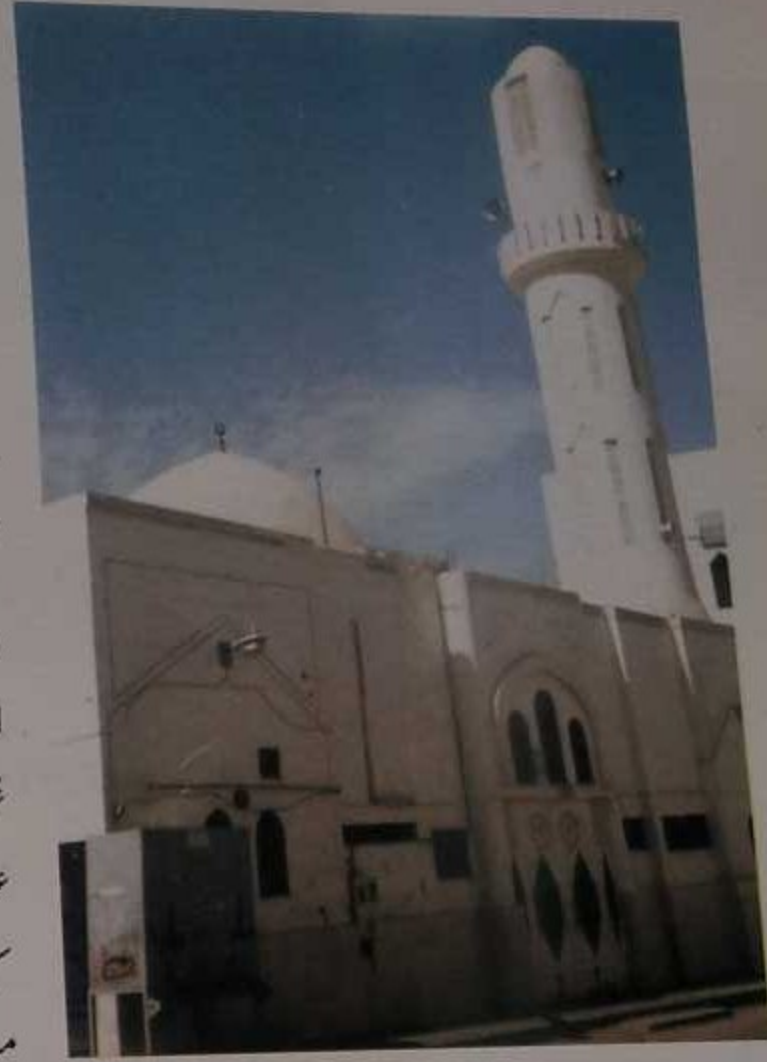
فرمایا جو کہ ایک دراز گوش پر سوار ہو کر حاضر خدمت ہوئے. جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے انصار کو فرمایا: کھڑے ہو کر اپنے رئیس کا استقبال کیجئے. پھر آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: [یہود نے تمہاری تحکیم پر ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا ہے.] حضرت سعدؓ نے فیصلہ صادر کیا کہ: آپ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو بندی بنالیں.] سمہودیؒ نے اس حدیث مبارکہ کے ان الفاظ "جب وہ مسجد کے قریب پہنچے" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس مسجد سے مراد مسجد نبوی شریف ہرگز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ اس وقت وہاں موجود ہی نہیں تھے بلکہ بنی قریضہ کے محاصرے پر تھے، چنانچہ اس مسجد سے مراد مسجد بنی قریضہ ہی ہے جہاں کہ آں حضرت ﷺ اس وقت تشریف فرما تھے. (۱۴۰) چونکہ رسول اللہ ﷺ نے سولہ دن وہیں قیام فرمایا تھا یقیناً وہاں مسجد بنادی گئی ہوگی. الشیخ العباسی نے دسویں صدی ہجری میں تحریر کیا ہے کہ مسجد بنی قریضہ العالیہ (العوالی) میں مسجد شمس کی شرقی جانب کافی فاصلے پر واقع تھی جس کے قریب حدیقہ حجازیہ کا پارک تھا جو کہ غرباء اور مسافروں کے لیے وقف تھا. (۱۴۱)

عصر حاضر کے چند مورخین مسجد بنو قریضہ کے محل وقوع کے بارے میں مغالطے کا شکار ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ وہی مسجد جس کو ماضی میں مسجد فضیخ کہا جاتا تھا وہی در اصل مسجد بنی قریضہ ہے حالانکہ حقیقت حال تو یہ ہے کہ مسجد بنی قریضہ اور مسجد فضیخ دو الگ الگ مساجد ہیں. مسجد فضیخ کا تعلق غزوہ بنو نضیر سے ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر چھ دن محاصرے کی غرض سے قیام فرمایا تھا اور مسجد بنی قریضہ کا تعلق غزوہ بنی قریضہ سے ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے علاقے کا محاصرہ فرمایا تھا جو کہ دو ہفتے تک جاری رہا تھا. یہودیوں کے یہ دونوں قبائل الگ الگ بستیوں میں رہتے تھے جو کہ ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر تھیں اور ذہن رسا خواہ کتنا ہی کیوں نہ پرواز کرلے عقل سلیم ہرگز یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کا محاصرہ کرتے وقت اپنا خیمہ بنو قریضہ میں نصب کیا تھا یا بنو قریضہ کا محاصرہ کرتے وقت بنو نضیر کے علاقے میں اپنا عریش مبارک لگوایا تھا. دوسری صدی کے مورخ ابن شبہ نے دو ٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ مسجد بنو قریضہ ایک الگ مسجد تھی جہاں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی قریضہ کا محاصرہ کرتے وقت اپنا عریش نصب کروایا تھا اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ اس دوران ایک خاتون کے گھر میں نماز ادا فرمایا کرتے تھے جس کا تعلق الخضر سے تھا. بعد میں وہ گھر اسی مسجد میں شامل کر لیا گیا تھا اور وہ جگہ جہاں سرور دو عالم ﷺ نے نمازیں ادا کی تھیں وہ اسی مسجد کے مشرقی حصے میں تھا جو مینارہ کے قریب ہی تھا (جسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تعمیر کروایا تھا) جو کہ (ابن شبہ کے دور میں) گر چکا تھا. (۱۴۲) جب کہ مسجد الفضیخ وہ مقام ہے جہاں پر سرکار دو عالم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے محاصرہ بنو قریضہ کے وقت اپنا عریش مبارک نصب کروایا تھا اور جہاں پر سید العرب والعجم ﷺ چھ دن تک متواتر نمازیں ادا کرتے رہے تھے. (۱۴۳)

مسجد بنی حرام

حضرت علی بن رافعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی نمازیں اس گھر میں ادا فرماتے رہے جو کہ الخضر کی ایک خاتون کی ملکیت تھا. بعد میں وہ گھر مسجد بنو قریضہ میں شامل کر لیا گیا تھا اور وہ جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ نے نمازیں ادا کی تھیں وہ مسجد بنی قریضہ کے شرقی حصے میں ہے جہاں مینارہ ہوا کرتا تھا جو کہ گر چکا ہے. (۱۴۴) اس مسجد کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ازسرنو تعمیر کروایا تھا اور اس کے ساتھ ایک مینارہ بھی بنوایا تھا. سمہودیؒ کے مطابق ۸۹۳ ہجری میں یہ مسجد ۴۴×۳۴ ذرع کے رقبہ پر تھی. ان کے بیان کے مطابق شاہین الجمالی نے جو کہ اس وقت شیخ الحرم تھے (گورنر مدینہ طیبہ) اسے ۸۹۳ ہجری میں نئے سرے سے تعمیر کروایا تھا. سید احمد الخیاری کے بیان کے مطابق یہ ایک بہت ہی مشہور و معروف مسجد ہے جو کہ مسجد الفضیخ اور مشربہ ام ابراہیم کے درمیان العوالی کے علاقے میں واقع ہے.
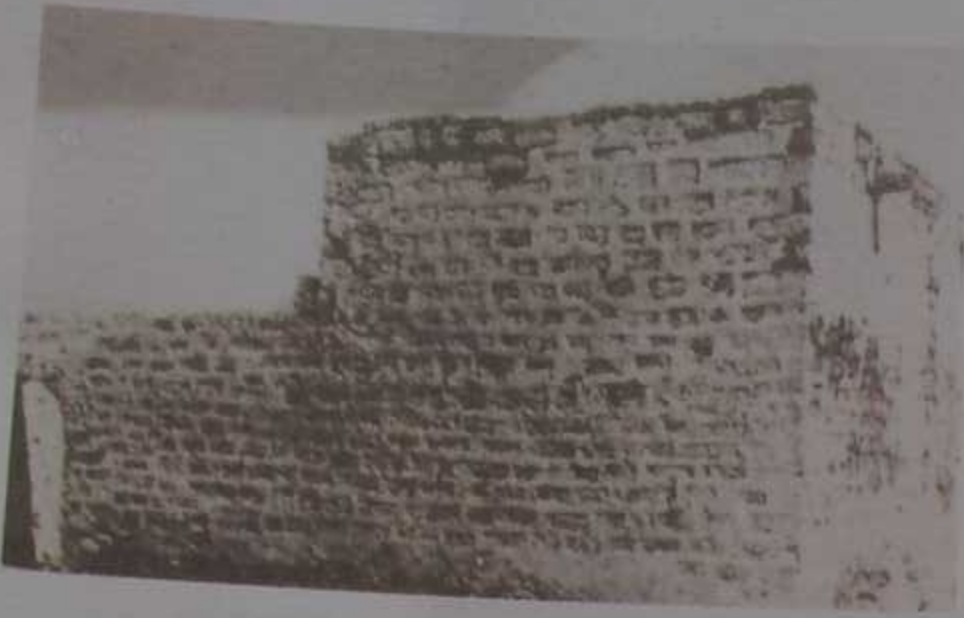
مسجد بنی حرام:

محل وقوع: مسجد نبوی شریف سے سبعہ مساجد (موقع غزوہ الاحزاب) کی طرف جاتے ہوئے یہ مسجد 'السیح' کے علاقے میں سڑک کی داہنی جانب آبادی کے اندر کی طرف واقع ہے جو کہ جبل سلع کے دامن میں آباد ہے۔ یہ ایک خوبصورت مسجد ہے جس کا ایک مینارہ ہے اور ایک چھوٹا سا گنبد اس کی چھت پر سجایا گیا ہے۔ اسے ۱۴۰۹ ہجری میں پرانی مسجد کی بنیادوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔

بنی حرام جو کہ قبیلہ الخزرج کی ایک شاخ تھا مسجد نبوی شریف سے کافی فاصلہ پر آباد تھا اور ان کو مسجد نبوی میں نماز جمعہ وغیرہ پر آنے کے لیے وادی بطحان سے گزر کر آنا پڑتا تھا جو کہ اکثر و بیشتر طغیانی کا شکار رہتی تھی۔ ان کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمادی کہ وہ تمام کا تمام قبیلہ جبل سلع کے دامن میں آباد ہو جائے۔ (۱۴۷) ایسا غزوہ الاحزاب سے پہلے ہوا ہوگا کیونکہ احادیث مبارکہ کے مطابق حضرت جابر بن عبداللہ بن حرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کو دوران غزوہ اپنے گھر (جہاں پر اب مسجد ہے) مدعو کیا تھا اور آمد رسول مقبول ﷺ کی خوشی میں ایک چھوٹی سی بکری ذبح کی تھی جو معجزہ سید العرب والعجم ﷺ کے سبب ۱۵۰۰ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے کفایت کر گئی جو کہ خندق کھودنے میں مشغول تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز بھی اسی جگہ ادا فرمائی تھی۔ (۱۴۹)

مسجد شیخین

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس جگہ مسجد تعمیر کروادی تھی۔ صدیاں گزرنے پر یہ مسجد کھنڈرات میں تبدیل ہوگئی جس کا رونا ہر مورخ مدینہ طیبہ روتا رہا مگر اس کی تعمیر نو پر کبھی توجہ نہیں دی گئی۔ بالآخر مورخ مدینہ ابراہیم العیاشی کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور انہوں نے چند مخیر حضرات کے تعاون سے اس کے کھنڈرات پر ۱۳۸۸ ہجری میں ایک مسجد بنوا دی اور بعد میں اوقاف مدینہ طیبہ نے اس کا انتظام و انصرام سنبھال لیا۔ بعد میں جب مسجد نبوی شریف کا عظیم تر منصوبہ منفذ کیا گیا تو اس مسجد کو بھی دوبارہ تعمیر کروادیا گیا۔ یہ مسجد پانچ وقت نماز کے لیے کھلتی ہے۔ یہ ایک ایسی آبادی میں ہے جس کی سڑکیں اور گلیاں پرانی طرز پر تنگ سی ہیں اور اسی وجہ سے باہر سے آئے ہوئے زائرین اکثر اس کی زیارت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

مسجد شیخین:

مسجد نبوی شریف سے مشہد سیدنا امیر حمزہؓ (احد) کی طرف جاتے ہوئے یہ مسجد بائیں ہاتھ پر آتی ہے۔ اس کے اوپر دو گنبد تعمیر کئے گئے ہیں۔ یہ ایک گلی میں مین روڈ سے ۵۰ یا ۶۰ میٹر کے فاصلے پر اندر کی طرف واقع ہے (۲۰۰۲ء میں اس کے سامنے کی عمارت گرادی گئی ہے اور اس وقت یہ کھلا سا میدان ہے اور دور ہی سے مسجد نظر آجاتی ہے)۔ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد کے لیے نکلے تو پہلا پڑاؤ اسی مقام پر ہوا تھا جہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنا خیمہ لگوایا تھا۔ وہاں دو متصلہ اطام ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک میں ایک نابینا یہودی اور دوسرے میں ایک بوڑھی نابینا یہودیہ رہا کرتی تھی۔ چونکہ دونوں ہی معمر (یعنی شیخ) تھے اس لیے وہ علاقہ انہی 'شیخین' کے نام پر مشہور ہوگیا۔ فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ اس مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کردی گئی جہاں کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ (۱۵۰) ترکوں نے اس مسجد کے اوپر دو گنبد تعمیر کروادیئے تھے۔ یہ دونوں گنبد شاید ان دونوں اطام کی یاد میں تھے جو کہ کبھی وہاں ہوا کرتے تھے یا پھر اس علاقے کی نسبت سے جس کو 'الشیخین' کہا جاتا تھا ایسا کیا گیا تھا۔
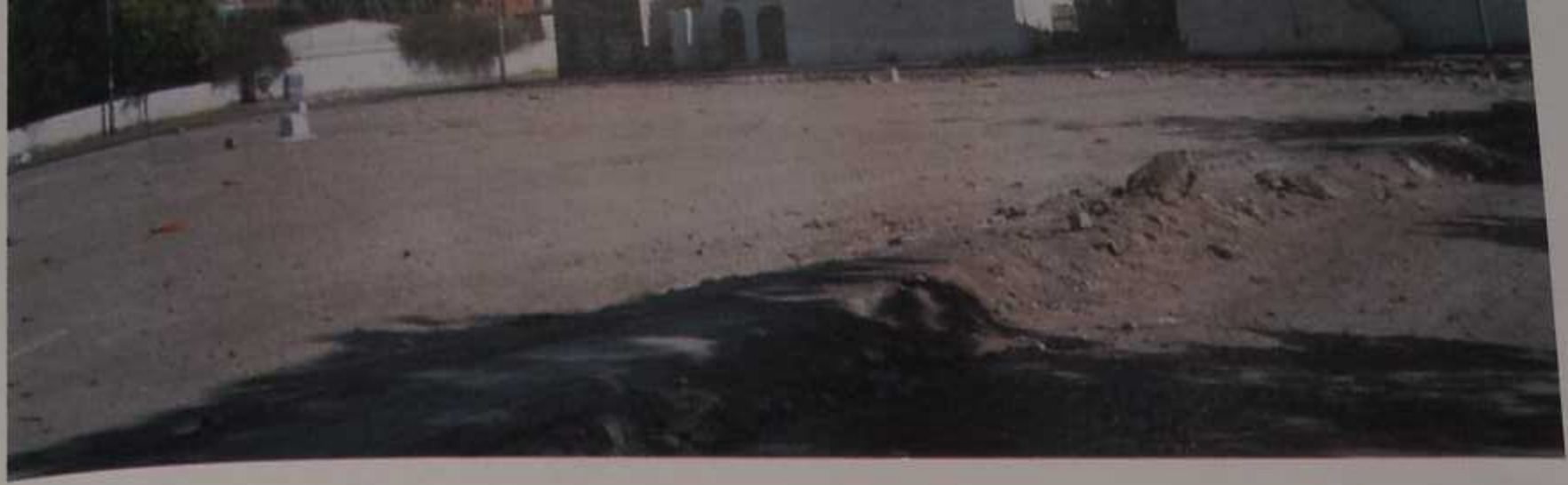
مسجد شیخین
اگست ۲۰۰۲ء

رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو نمازیں اس مقام پر ادا فرمائی تھیں. اس کے علاوہ علی الصبح سالار امم سید العرب والعجم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے اسی جگہ سے ہتھیار بندی کی تھی اور دو درعیں زیب تن فرمائی تھیں. (۱۵۱) زرہ کے لیے عربی لفظ 'درع' ہے. اسی مناسبت سے اس مسجد کو مسجد درع بھی کہا جاتا ہے. اس کے علاوہ اسے مسجد بدائع بھی کہا جاتا رہا ہے. (۱۵۲) ابتدائی دنوں میں اسے مسجد عدویٰ بھی کہا جاتا تھا. (۱۵۳) آج کل اوقاف مدینہ نے اس کا نام 'مسجد خیر' رکھا ہوا ہے. (۱۵۴) اس پڑاؤ کے دوران رسول اللہ ﷺ نے اپنی حربی تیاریوں کا معائنہ فرمایا تھا. آں حضرت ﷺ نے حربی قوت کے لیے جسمانی قابلیت رکھنے والے افراد کو ساتھ جانے کی اجازت مرحمت فرمائی. لشکر اسلام کے ساتھ اس وقت چونکہ بہت سے بچے بھی شوق جہاد میں چلے آئے تھے لیکن چونکہ وہ بہت کم عمر تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ چلنے کی اجازت نہیں دی تھی. حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ ان کو شیخین کے مقام سے واپس کر دیا گیا تھا (۱۵۵) کیونکہ ان کی عمر اس وقت بہت کم تھی. چونکہ شوق شہادت اتنا زیادہ تھا کہ بچے ساتھ چلنے پر اصرار کر رہے تھے لہذا رسول اللہ ﷺ نے ان کی پریڈ منعقد فرمائی تا کہ یہ دیکھا جائے کہ وہ جنگ کے فرائض ادا کرنے کے قابل بھی ہیں یا کہ نہیں. حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت براء بن العازبؓ اور حضرت ارابع الاوسیؓ کو اجازت نہ مل سکی کیونکہ وہ سب اس وقت نابالغ تھے. وہ مشہور واقعہ جس میں ایک نابالغ بچہ (حضرت رافع بن الخدیجؓ) اپنے پاؤں کی انگلیوں کے بل کھڑا ہو گیا تھا تا کہ اس کا قد لمبا نظر آئے بھی اسی مقام پر ہوا تھا جب کہ ایک اور بچہ جو کہ اس سے قوی تھا مگر نابالغ ہونے کی وجہ سے مسترد ہو گیا تھا وہ حضرت سمرہ بن جندبؓ تھے جنہوں نے احتجاج کیا کہ ان سے فروتر نابالغ کو اجازت دے دی گئی تھی لہذا انہوں نے چیلنج دے دیا کہ ان کا مقابلہ کروایا جائے. ان کے جذبے کو دیکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو کشتی میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کا حکم صادر فرمایا. مقابلے میں حضرت سمرہ بن جندب جیت گئے اور انہیں بھی ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت کر دی گئی. وہ واقعہ بھی اسی جگہ ہوا تھا.

تین سو منافقین کے گروہ کو لے کر رئیس المنافقین ابن ابی نے عساکر اسلام سے علیحدگی اختیار کر لی اور مدینہ طیبہ کا رخ کر لیا. حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے: [جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد پر روانہ ہوئے تو کچھ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے وہ واپس لوٹ گئے. اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس بات پر دو گروہوں میں بٹ گئے تھے. ایک گروہ یہ کہتا تھا کہ: 'ہم دشمن کا مقابلہ کریں گے' جب کہ دوسرا گروہ کہہ رہا تھا: 'ہم ان سے نہیں لڑیں گے'. تب وحی الٰہی کا نزول ہوا: ﴿ تو تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں دو فریق ہو گئے ہو اور اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کی حرکتوں کے سبب. کیا یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ دکھاؤ جسے اللہ نے گمراہ کیا اور جسے اللہ گمراہ کرے تو ہرگز وہ اس کے لیے راہ نہ پائے گا. ﴾ (۱۵۶) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ طابہ ہے جو کہ ہر ایک کو اس کے گناہوں سے صاف کر دیتا

مسجد مستراح
(مسجد بنی حارثہ)
موجودہ حالت
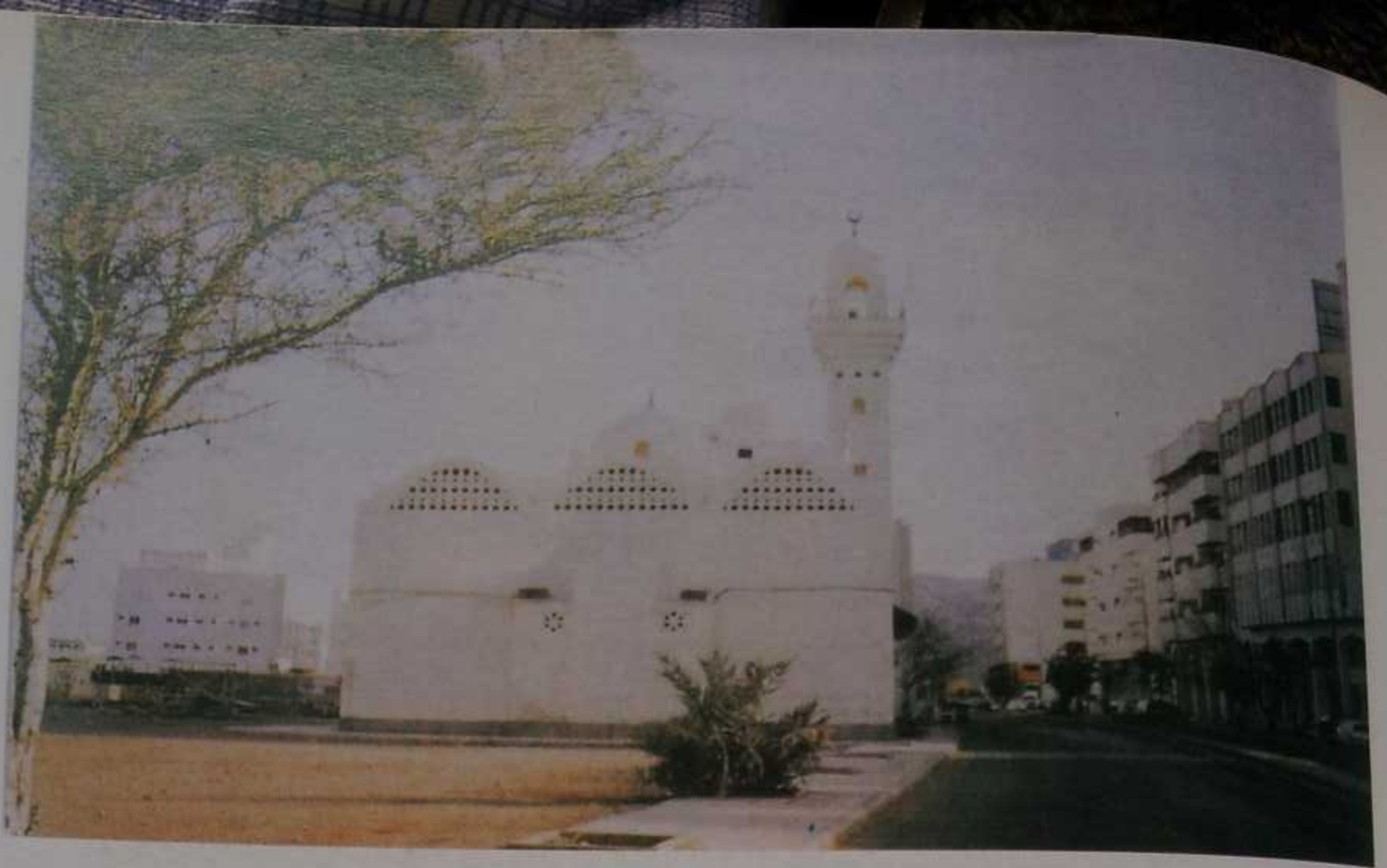
ہے جیسا کہ ایک بھٹی چاندی کو اس کے کھوٹ سے الگ کر دیتی ہے۔ (۱۵۷) وہ واقعہ بھی اسی جگہ ہوا تھا۔

مسجد مستراح (مسجد بنی حارثہ)

مسجد شیخین سے تھوڑے ہی فاصلے پر احد کی طرف جاتے ہوئے عین سڑک پر ایک بہت ہی خوبصورت مسجد ہے جو مسجد مستراح کے نام سے جانی جاتی ہے۔ ابتدائے اسلام میں اسے مسجد بنی حارثہ کے نام سے جانا جاتا تھا کیونکہ وہاں بنی حارثہ کا قبیلہ (اوس) آباد تھا۔ ابن شبہ کے مطابق اسی قبیلے کے ایک ممتاز فرد (حضرت حارث بن سعد بن عبید الحارثیؓ) کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان کی مسجد میں نماز ادا فرمائی تھی۔ بنی حارثہ کی اصلی رہائش حرہ شرقیہ میں تھی جو کہ بنو عبدالاشہل کی جانب رہا کرتے تھے مگر وہ موجودہ مسجد مستراح کے قریب آ کر بس گئے تھے۔ (۱۵۸)

بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر غزوہ احد سے واپسی پر تھوڑی دیر کے لیے استراحت فرمائی تھی اور اسی مناسبت سے اس مقام پر تعمیر شدہ مسجد کو مسجد مستراح کہا جاتا ہے۔ ماضی میں اس کے قریب ترکوں کا تعمیر کردہ ایک چھوٹا سا قلعہ بھی ہوا کرتا تھا مگر اب اس کی جگہ شاندار کوٹھیوں اور گھروں نے لے لی ہے۔ مسجد کو سعودی حکومت نے نئے سرے سے تعمیر کروایا ہے اور یہ مدینہ طیبہ کی خوبصورت مساجد میں شمار ہوتی ہے۔

مسجد مصبح (مسجد بنوانیف)

مسجد مستراح کی ایک
نادر تصویر

اسے مسجد بنوانیف بھی کہا جاتا ہے۔ یہ چھوٹی سی مسجد جو کہ صرف چار دیواری پر مشتمل ہے ایک بلند سطح پر مسجد قباء کے سامنے والے علاقے میں واقع ہے۔ اس کے اردگرد ملبے کے ڈھیر ہیں اور ذرا فاصلے پر ڈھلوان میں کچھ کھجوروں کے باغات بھی ہیں۔ مسجد قباء کے سامنے سے اگر سروس روڈ پر آبادی کے اندر کی طرف مڑا جائے تو آگے جا کر مستودعات الغسان کے فوراً بعد اس خستہ حال مسجد کی چار دیواری نظر آتی ہے۔ قبیلہ بنی انیف جو کہ دیو مالائی طور پر اپنے آپ کو مدینہ طیبہ کے قدیم ترین ساکنین عمالقہ کی اولاد بتاتے تھے ہجرت مبارکہ کے وقت وہاں آباد تھے۔ (۱۵۹) اس کے پاس کچھ یہود بھی آباد تھے۔ ان گھروں کے سامنے ایک اونچی سطح مرتفع تھی جہاں پر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی مکہ مکرمہ سے آمد کا انتظار کیا کرتے تھے۔ المراغی بیان کرتے ہیں کہ یہ مسجد بنی عمر بن عوف اور العصبہ کے درمیان واقع ہے۔ (۱۶۰)

مسجد مصبح
(مسجد بنی انیف)

مدینہ طیبہ کی دیگر تاریخی مساجد کی طرح یہ چھوٹی سی مسجد بھی اتنی ہی اہمیت کی حامل ہے مگر انتہائی بے اعتنائی کا شکار ہے. مسجد جمعہ یا اور مساجد کی طرح سیرۃ رسول مقبول ﷺ میں اس مقام کا نام بھی امر ہے جہاں کہ رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاران کھڑے ہو کر انتظار کیا کرتے تھے اور جہاں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد پہلی بار نماز فجر ادا کی تھی. اس وقت چونکہ فجر کی نماز کو صبح کی نماز کہا جاتا تھا لہذا اس جگہ پر تعمیر ہونے والی مسجد بھی مسجد المصبح کہلائی. غیر مسقف اور بوسیدہ چار دیواری کی صورت میں موجود مگر تاریخی لحاظ سے بہت ہی اہم مسجد کا اکثر لوگوں کو علم تک نہیں صرف اہل محلہ اسے جانتے ہیں یا پھر اکا دکا زائر وہاں کبھی کبھی دوگانہ ادا کرنے چلا جاتا ہے. احاطے کے اندر قالین بچھا ہوا ہے اور ایک مصلیٰ بھی دھرا ہے جو کہ محراب کی جگہ پر پڑا امت کی بے اعتنائی کا رونا روتا رہتا ہے.

حضرت عبدالرحمٰن بن حارثہؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے اپنی پہلی فجر کی نماز حرہ میں ایک بلند مقام پر ادا کی پھر آپ حضور ﷺ اپنی سواری پر بیٹھے اور بئر غرس کے قریب مقام عزق پر ٹھہرے. ابن زبالہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عاصم بن سویدؓ سے مروی ہے کہ بنوانیف کے ایک بزرگ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پہلی نماز فجر بنوانیف میں ادا کی تھی. حضرت عاصمؓ نے مزید بیان کیا کہ انہوں نے ان لوگوں (بنی انیف) کو دیکھا کہ وہ اس جگہ پر پانی چھڑکا کرتے تھے اور پھر انہوں نے اس جگہ پر مسجد بنالی تھی. (۱۶۱)

مدینہ طیبہ کے تقریباً تمام مورخین نے (ابن زبالہ سے لے کر سمہودیؒ تک) اس مسجد کے موجود ہونے کا ذکر کیا ہے. (۱۶۲) الشیخ احمد العباسی کے بیان کے مطابق دسویں صدی ہجری میں یہ مغربی قباء میں بنی عزق کی طرف واقع تھی. (۱۶۳) علی بن موسیٰ آفندی نے انیسویں صدی میں اس مسجد کے متعلق تحریر کیا ہے کہ: ''حرہ کے علاقہ میں مشہور بستان القویم کے پاس ایک چھوٹی سی غیر مسقف مسجد ہے جسے مسجد مصبح کہا جاتا ہے اور یہ اس راستہ پر واقع ہے جہاں سے رسول اللہ ﷺ مہاجر کی حیثیت سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے.'' (۱۶۴) خیاری بھی اس بیان کی توثیق کرتے ہیں کہ یہ غیر مسقف مسجد عین الزرقاء کے پانی کی تالابوں کے پیچھے واقع ہے جو کہ شاہ سعود کے دور حکومت میں تعمیر ہوئے تھے اور یہ ایک ٹیلے پر ہے اور اہل محلہ اسے مسجد مصبح کہتے ہیں جو شائد اس وجہ سے ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس مقام پر آپ حضور ﷺ کا استقبال ہوا تھا اور اس کے قریب ہی مغربی جانب ایک اطم ہے اور ثنیات الوداع ہے جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ حضور ﷺ کا پرجوش استقبال کیا تھا. (۱۶۵)

مسجد مصبح
(مسجد بنی انیف)

مولف ہذا نے اس مسجد کی کئی بار زیارت کی ہے اور وہاں کے باسیوں سے کافی پوچھ گچھ بھی کی ہے اور سب یہی کہتے ہیں کہ یہ مسجد مصبح یا مسجد مصبّح ہے اور وہاں کے رضا کار خادم سے بھی کئی بار ملاقات کی ہے جو کہ رضا کارانہ طور پر اس کی دیکھ بھال کرتا ہے. اس کی دیواریں بمشکل دو میٹر بلند ہیں اور ایک چھوٹا سا

مسجد السبق
دسمبر ۲۰۰۲ء
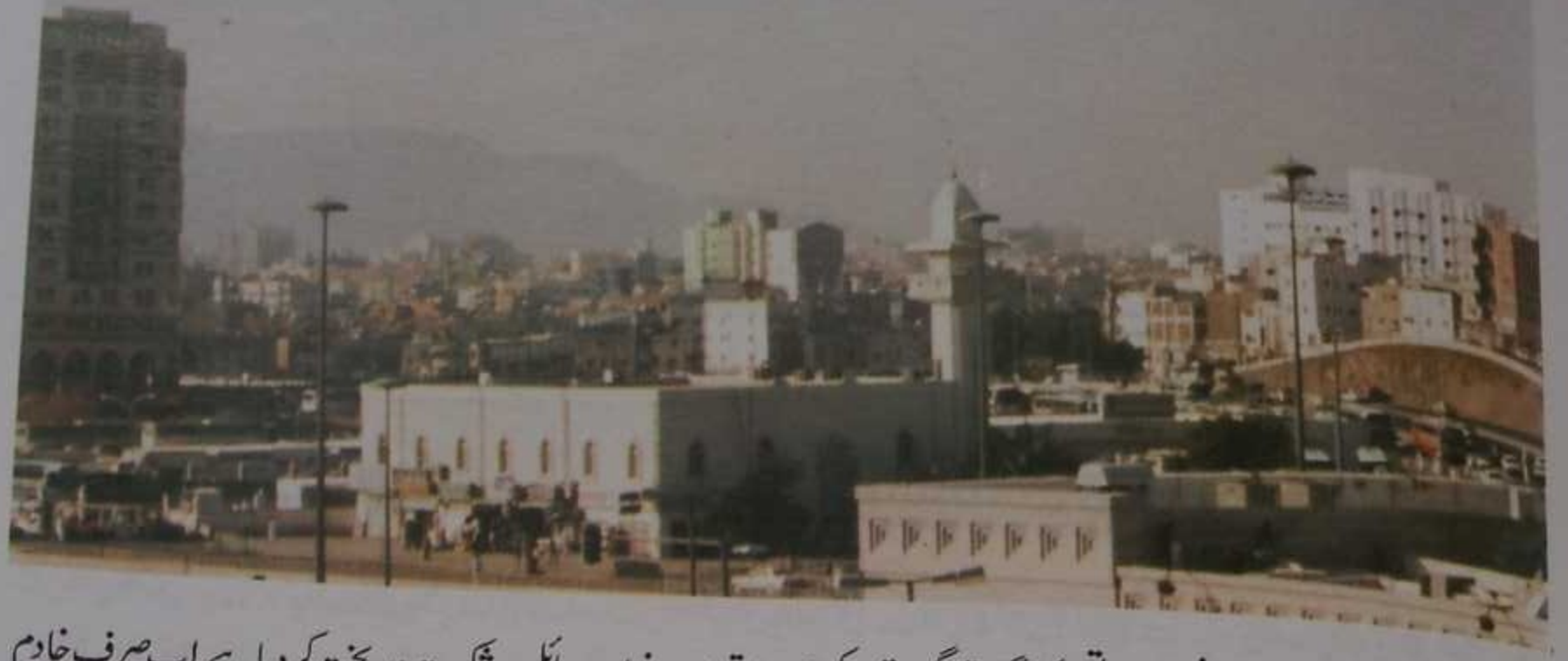
محراب بھی ہے. لگتا ہے کہ اسے عثمانی دور میں تعمیر کیا گیا تھا مگر وقت کی چیرہ دستیوں نے اسے مائل بہ شکست و ریخت کر دیا ہے. اب صرف خادم ہی چند اہل محلہ مخیر" حضرات کی مدد سے اس کی دیواروں کو ہاتھوں سے پلستر کر دیتا ہے اور عموماً اس کی نگہداشت کرتا ہے.

مسجد السبق اور مسجد بنی زریق

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے گھڑ دوڑ کے مقابلے کا اہتمام کیا: جو گھوڑے سدھائے ہوئے تھے ان کی دوڑ حافیہ سے ثنیات الوداع تک ہوتی (موخر الذکر مقام مقابلے کی آخری منزل ہوتی) اور وہ گھوڑے جو ابھی تک سدھائے نہیں گئے تھے ان کی دوڑ ثنیات الوداع سے مسجد بنی زریق تک ہوتی اور یہ کہ عبداللہ ابن عمرؓ نے بھی اس مقابلے میں حصہ لیا تھا.] وہ کہا کرتے تھے کہ وہ اس دوڑ میں اول آئے اور ان کا گھوڑا ان کے سمیت منزل (یعنی مسجد بنی زریق) کے اندر گھس گیا تھا. (۱۶۶)

مسجد بنی زریق ان تاریخی مساجد میں سے ایک تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مبارکہ سے بھی بہت پہلے یثرب میں معرض وجود میں آ چکی تھیں. یہاں بنی زریق کے وہ افراد جنہوں نے بیعت عقبہ اول پر اسلام قبول کیا تھا نماز پڑھا کرتے تھے اور قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے. حضرت عمر بن حنظلہؓ سے مروی ہے: [مسجد زریق سب سے پہلی مسجد تھی جہاں (مدینہ طیبہ میں) قرآن کریم پڑھنا شروع کیا گیا. جب حضرت ابورافع بن مالک الزریقؓ نے بیعت عقبہ کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو قرآن کریم کا وہ حصہ دیا جو کہ اس وقت تک نازل ہو چکا تھا. حضرت ابورافعؓ اسے اپنے ساتھ مدینہ طیبہ لے آئے اور انہوں نے اپنے قبیلے کے افراد کو اکٹھا کیا اور قرآنی سورتوں کی تلاوت اس مسجد میں کرنے لگ گئے.] انہوں نے مزید بیان کیا: [جب نبی اکرم ﷺ نے وہ مسجد دیکھی تو اس کی قبلہ کی سمت صحیح دیکھ کر حیرانی کا اظہار کیا.] (۱۶۷) اس لحاظ سے اس مسجد کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہ ہجرت مبارکہ سے پہلے سب سے اولیں مسجد تھی جو کہ مدینہ طیبہ میں بنائی گئی تھی جہاں قرآن کریم کی تلاوت ہوتی اور جس میں رسول اللہ ﷺ نے چند نمازیں بھی ادا فرمائی تھیں. (۱۶۸)

مسجد السبق
(مسجد بنی زریق)
کی ایک قدیم تصویر

مسجد بنی زریق مسجد نبوی شریف کے جنوب میں واقع اسواق الحرم یعنی قدیم درب الجنائز (موجودہ قصر الحکم شریعہ کورٹ اور مسجد الغمامہ کے درمیانی حصے میں) کے کسی حصے پر ہوا کرتی تھی. (۱۶۹) اب اس تاریخی مسجد کا نام و نشان باقی نہیں رہا.

یہ مسجد رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں موجود تھی اور بعض روایات کے مطابق آقائے دوجہاں ﷺ نے ایک یا اس سے زیادہ مرتبہ وہاں نماز بھی ادا فرمائی تھی، لیکن جہاں تک مسجد السبق کا تعلق ہے اس نام کی کوئی مسجد نہ تو رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں موجود تھی اور نہ ہی ابتدائی صدیوں
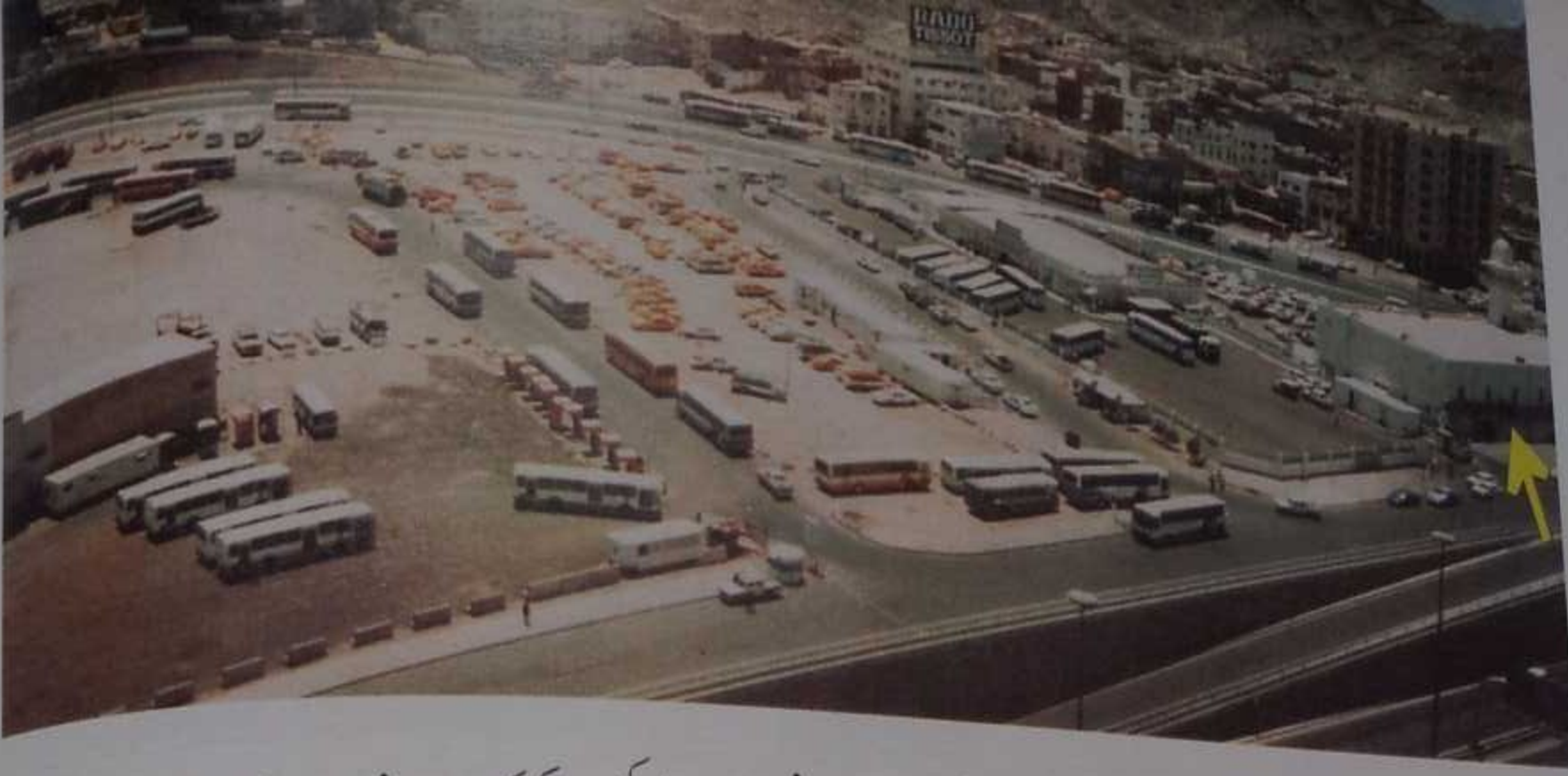
مسجد السبق کا ایک فضائی منظر

میں اس کا کسی نے ذکر کیا ہے. ابن شبہ، ابن نجار اور نہ ہی المطری یا المراغی نے اس کا کہیں ذکر کیا ہے. یہ نویں صدی ہجری میں معرض وجود میں آئی. مسجد سبق کے نام سے اس کی شہرت کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ گھڑ دوڑ کے مقابلے کروایا کرتے تھے تاکہ مسلمانوں میں جنگی استعداد اور قابلیت برقرار رہے اور چونکہ ایسے تمام مقابلے (مسابقات) دو جگہوں کے درمیان ہوا کرتے تھے. یعنی ثنیات الوداع (جو کہ شمالی جانب سے مسجد سبق کے قریب تھا) اور مسجد بنو زریق کے درمیانی علاقے - جو ایک دوسرے سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھے (۱۷۰)، لہذا اس جگہ پر جو مسجد تعمیر ہوئی اس کو مسجد سبق یعنی مقابلوں والی مسجد کہا جانے لگا. سید احمد الخیاری کے مطابق نویں صدی ہجری میں قاضی الحرمین الشریفین سید محی الدین الحنبلی نے اس مسجد کی تعمیر کا اہتمام کیا. گھڑ دوڑ کے مقابلوں کے ساتھ اس جگہ کی نسبت سے اس مسجد کو مسجد السبق کہا جانے لگا. (۱۷۱) ایسی ہی رائے کا اظہار علامہ غالی الشنقیطی نے کیا ہے. (۱۷۲)

مسجد سبق اب سعودی پبلک ٹرانسپورٹ کمپنی (SAPTCO) کے بسوں کے اڈے سے ملحقہ شمالی حصے پر واقع ہے. شاہ فیصل مرحوم کے دور میں اس کی تعمیر نو اور توسیع ہوئی. اس کے قبلہ کی جانب SAPTCO کمپاؤنڈ کے طرف ہے اور جنوبی جانب اس کی عمارت میں حجاموں کی دکانیں ہیں جو کہ قدیم مدنی طرز کے فسد وغیرہ کے طریقہ علاج میں مہارت رکھتے ہیں. (دسمبر ۲۰۰۴ء میں یہ مسجد منہدم کردی گئی ہے).

مسجد بنی دینار

ہجرت پر مدینہ طیبہ آنے پر سیدنا ابو بکر صدیق ؓ نے بنی دینار بن النجار کی ایک خاتون سے شادی کی تھی. ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی اور آں حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ حضور نور مجسم ﷺ ان کے گھر میں نماز ادا کر کے اسے منور کریں. رسول اللہ ﷺ نے بخوشی ان کی دعوت قبول فرمائی اور درخواست کو منظور فرما کر وہاں نماز کی امامت فرمائی. (۱۷۳) حضرت ایوب بن صالح الدیناری ؓ سے مروی ہے کہ: [حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے ان کے قبیلے کی ایک خاتون سے شادی کی. پھر ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ حضور ﷺ ان کے گھر تشریف لائیں اور نماز ادا کریں تا کہ وہ بھی اس جگہ نماز ادا کیا کریں. رسول اللہ ﷺ نے بشفقت تمام ان کی درخواست قبول فرمائی اور اس جگہ نماز ادا کی جہاں اب مسجد بنی دینار ہے.] (۱۷۴) ابن شبہ نے بھی مسجد بنی دینار کو ان مساجد میں شامل کیا ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے کم از کم ایک بار نماز ادا کی تھی. (۱۷۵) انہوں نے حضرت عتبہ بن عبد المالک ؓ کی روایت نقل کی ہے جنہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت سی نمازیں بنی دینار کی مسجد میں ادا کی تھیں. (۱۷۶) ابن اسحاق اور ابن زبالہ کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علاقہ جو کہ بئر سقیاء کے جنوب مغرب میں ہے وہاں قبیلہ الخزرج کی شاخ بنی دینار کی آبادی تھی. آج کل کے مدینہ طیبہ میں یہ علاقہ مسجد عنبریہ کے جنوب میں پل کے اس پار واقع ہے. اس میں ایک قدیم تاریخی لوح سنگ نصب ہے جس پر قدیم کوفی رسم الخط میں ''مسجد رسول اللہ ﷺ'' لکھا ہوا ہے.

مسجد بنی دینار
(تصویر: ۲۰۰۱ء)

بنی دینار کا یہ علاقہ بعد میں غسالین (دھوبیوں کا علاقہ) کا علاقہ مشہور ہوا کیونکہ مدینہ طیبہ کی شہر پناہ کے باہر کی جانب اس جانب دھوبیوں نے اپنے دھوبی گھاٹ بنا لیے تھے جس کی وجہ سے شہر پناہ کا اس طرف کا دروازہ باب مغیسلہ کہلاتا تھا. بنی دینار کی مسجد اسی علاقے میں واقع تھی. حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد بنادی تھی جسے مسجد بنی دینار کہا جاتا تھا. تاہم بعد میں جب تمام علاقہ دھوبیوں کا علاقہ مشہور ہوگیا تو اس مسجد کو مسجد غسالین کہا جانے لگا. آج کل بھی علاقے کے لوگوں میں یہ مسجد مغیسلہ ہی کے نام سے مشہور ہے کیونکہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے یہ (شہر پناہ مدینہ طیبہ میں واقع) سابقہ باب مغیسلہ کی طرف واقع تھی. اس مسجد کے قریب ہی ایک اور بڑی مسجد بن گئی ہے جو کہ تمام جدید سہولتوں سے آراستہ ہے. جس کی وجہ سے لوگوں کا رجحان اس کی طرف زیادہ ہوگیا ہے. اس تاریخی مسجد کے قرب وجوار میں اس بڑی مسجد کے بنائے جانے سے یہ اثر رسول مقبول ﷺ اور اثر صحابی جلیل حضرت ابوبکر صدیق ؓ گمنامی کی دھند لکے میں آ گئی ہے اور اب تو یہ حال ہے کہ قریب بسنے والے لوگوں سے استفسار کرنے پر بھی اس کا اتہ پتہ لگانا محال ہے.

یہ اس آبادی (محلہ المناخہ) مدرسہ عسکریہ کے عقب میں واقع ہے جو کہ مسجد کتیبہ کی جنوب کی طرف ہے اور آبادی میں تقریباً آدھا کیلومیٹر اندر کی طرف جانا پڑتا ہے. یہ کافی گنجان آباد علاقہ ہے مگر حیرانی کی بات ہے کہ اکثر و بیشتر لوگ اس اہم تاریخی مسجد سے ناواقف ہیں. مولف ہذا نے پہلی بار اس مسجد کی اگست ۲۰۰۱ء میں زیارت کی. دروازہ بند تھا لیکن دروازے کے باہر پینے کے پانی کا ایک کولر نصب تھا جو کہ راہگیروں کو ٹھنڈا پانی مہیا کرتا تھا. یہ قدیم طرز کی عمارت ہے لیکن اس کی شکل وشباہت سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی دیکھ بھال اچھی طرح سے کی جاتی ہے اور وقتاً فوقتاً اسے رنگ و روغن اور سفیدی کی جاتی ہے. دیکھنے میں تو یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے مگر تاریخی اہمیت کے لحاظ سے اس کا مقام ان دیگر مساجد سے کم نہیں جہاں رسول اللہ ﷺ کے قدمین شریفین لگے تھے اور جسے سرور دو عالم ﷺ کی جبین طاہرہ نے سجدہ ریزی کر کے رشک ثریا بنادیا تھا.

مسجد کتیبہ (کاتیبہ)

حضرت ابورافع بن مالک الزریق ؓ نے بیعت عقبہ اول میں اپنے قبیلے بنی زریق کے نقیب کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی. غزوہ احد میں ان کی شہادت ہوئی لیکن ان کی تدفین مدینہ طیبہ میں ہوئی تھی. دست رسول مقبول ﷺ پر بیعت کرنے کے بعد وہ قرآن کریم کا ایک حصہ جو کہ اس وقت تک نازل ہوا تھا اپنے ساتھ مدینہ طیبہ لائے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے انہوں نے مدینہ طیبہ میں سب سے پہلی مسجد تعمیر کی جس میں قرآن کریم کے ان حصوں کی تلاوت کی جاتی تھی. آپ ان چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل تھے جن کی میتیں احد میں شہادت کے بعد مدینہ طیبہ لائی گئی تھیں اور اپنے اپنے قبیلے کے علاقوں میں ان کی تدفین کردی گئی تھی. آپ کو بھی ان کے اپنے گھر میں ہی دفن کیا گیا تھا. بعد میں ان کے لواحقین نے اس گھر پر ایک مسجد تعمیر کروادی تھی. اس طرح ان کی قبر مبارک اس

مشہور صوفی سلسلہ ''سنوسی'' کا اجرا ہوا جس کا زیادہ تر نفوذ براعظم افریقہ میں آج بھی ہے۔

مسجد کی صحن میں آ گئی تھی۔انہیں کی اولاد میں سے اس مسجد سے ملحقہ علاقے میں عثمانیوں نے اپنی سپاہ کیلیے عارضی بارکیں تعمیر کی ہوئی تھیں۔ چونکہ فوجی یونٹوں یا بٹالین کو عربی میں ''کتیبہ'' کہا جاتا ہے اسی نسبت سے یہ علاقہ کتیبہ کہلانے لگ گیا تھا اور پھر اسی نسبت سے اس مسجد کو بھی مسجد الکتیبہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔اگر چہ اس مسجد کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ سے تو نہیں لیکن چونکہ یہ مدینہ طیبہ میں اسلام کے ابتدائی ادوار سے متعلق ہے (اور عین ممکن ہے کہ یہ اصحابہ یا تابعین کرام کے دور میں تعمیر ہوئی ہو) اسے بھی تاریخی مساجد میں شمار کیا جاتا ہے۔سعودیوں نے حضرت ابورافع بن مالک الزرقیؓ کی قبر کا تو صفایا کر دیا ہے اور اسے صحن مسجد میں شامل کر دیا ہے مگر مسجد اب بھی سلیم حالت میں ہے اور اس میں روزانہ نماز پنجگانہ ادا ہوتی ہے۔ پہلے تو یہ سنوسی خاندان کی زیر نگہداشت تھی مگر اب یہ محکمہ 'اوقاف حرم' کی پناہ میں ہے۔ باہر سے دیکھنے سے بھی یہ ایک قدیم عمارت نظر آتی ہے اور اندر داخل ہونے پر بھی ایک مزار یا گھر کا سا سماں پیش کرتی ہے اور مدینہ طیبہ کی قدیم مساجد کی طرح لگتی ہے۔اوقاف حرم اس کی باقاعدہ دیکھ بھال کرتا ہے اور سفیدی وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔عمارت کے باہر سے مغربی جانب کی دیوار کو اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کے سیاہ رنگ کے قدیم پتھروں سے بنے حصے اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ یہ ترکوں سے بھی پہلے وقت کی یادگار ہے۔اس مسجد کا صرف ایک ہی قدیم طرز کا مینارہ ہے۔
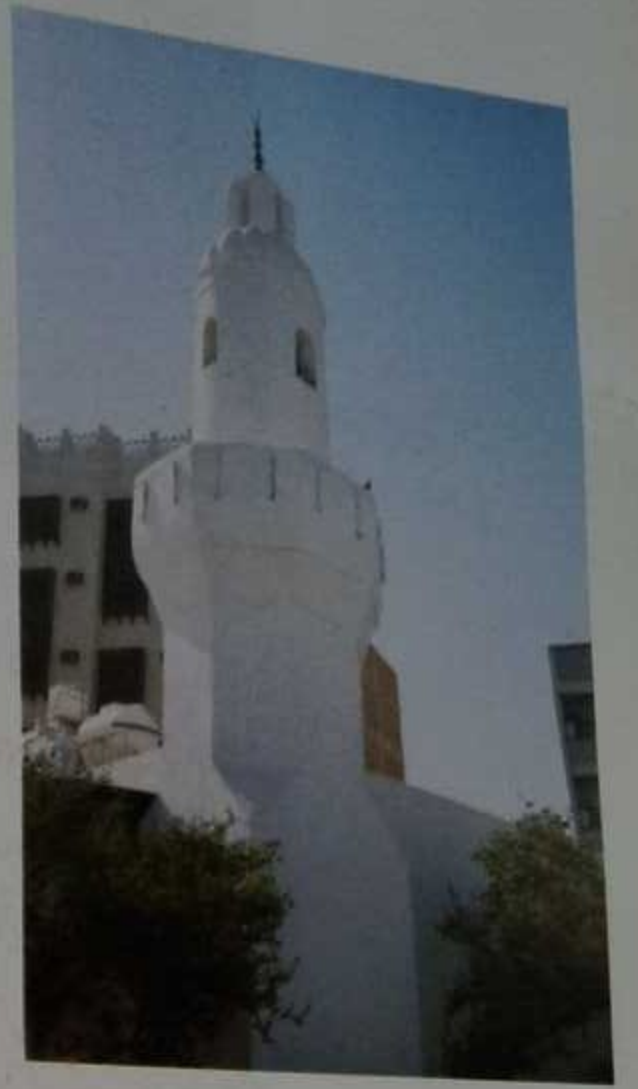
مسجد کاتبیہ کا مینار

مسجد منارتین

ابن زبالہ اور یحییٰ کے بیان کے مطابق حضرت حرام بن سعد بن محیصہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ پر نماز ادا فرمائی تھی جہاں مسجد منارتین ہے جو کہ وادی العقیق الکبیر کے راستے پر واقع ہے۔(۱۷۷) جمال المطری کے دنوں میں یہ مسجد طاق نسیاں کی نذر ہو چکی تھی اور انہوں نے اس کے محل وقوع کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔تاہم سمہودیؒ کی تگ و دو اور تحقیق اور تفتیش سے اس تاریخی مسجد کے کھنڈرات کی دریافت کر لی گئی اور یوں یہ تاریخی ورثہ ایک بار پھر نویں صدی ہجری میں منصۂ شہود پر نمودار ہو گیا۔آج کل کے مدینہ طیبہ میں اگر ہم مسجد نبوی شریف سے شاہراہ عنبریہ (قدیم شاہرا مکہ) سے ہو کر وادی العقیق کی جانب جائیں تو ریلوے سٹیشن سے تقریباً آدھ کیلومیٹر کے فاصلے پر پٹرول پمپ سے ذرا آگے دائیں ہاتھ میں ایک کھلا میدان نظر آتا ہے جہاں دور سے ہی کچھ کھنڈرات نظر آ جاتے ہیں جو کہ اسی تاریخی مسجد منارتین (دو میناروں والی مسجد) کے ہیں۔ چونکہ یہ کھنڈرات کی صورت میں کس مپرسی کے عالم میں ہے لہذا علاقے کے باسی اس پر کوڑا کرکٹ پھینک کر اس تبرک رسول مقبول ﷺ کے تقدس کی پاسداری کا پورا پورا حق ادا کرتے ہیں۔(نوٹ: مدینہ طیبہ کی ایک حالیہ حاضری کے دوران اس مقام کی زیارت کے لیے جب جانا ہوا تو دیکھ کر دل بہت خوش ہوا کہ آخر کار ارباب بست وکشاد کی حمیت جاگ اٹھی ہے اور اب اس مقام پر بہت بڑی مسجد کی تعمیر جاری ہے جسے مسجد منارتین کے نام سے پکارا جائے گا مگر جس جگہ وہ چھوٹی سی مسجد تھی جسے فخر موجودات سرور کائنات ﷺ کی سجدہ گاہ ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا وہ جگہ غلط منصوبہ بندی سے نئی عمارت کے صدر دروازے پر پڑتی ہے جو عمارت مکمل ہونے پر نمازیوں کی جوتیوں کی آماجگاہ بنے گی۔)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اسی مقام سے گزر رہے تھے اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت بھی آں حضور ﷺ کے

مسجد مینارتین کی
موجودہ حالت

ہمراہ تھی. اچانک حضور پر نور ﷺ کی نگاہ مبارکہ ایک مردہ بکری کی سڑی ہوئی لاش پر پڑی جس سے ماحول میں تعفن پھیل چکا تھا. تعفن کی وجہ سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے چند نے اپنے ناک، اپنے ہاتھوں سے بند کر لیے جس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس سے بھی کمتر ہے جتنی کہ اب اس بکری کی مردہ لاش کی اس کے مالک کی نظر میں ہے.] (۱۷۸) یہ ارشاد گرامی بھی اسی مقام سے گزرتے ہوئے ہوا تھا.

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے ان چند تاریخی مساجد کے علاوہ مورخین مدینہ طیبہ نے اور بھی بہت سی مساجد کا ذکر کیا ہے جہاں تاجدار مدینہ ﷺ نے ایک یا دو نمازیں ادا فرمائی تھیں لیکن زمانہ قدیم سے ان کے محل ہائے وقوع اور موجودگی بارے لاعلمی کا اظہار کیا ہے. ایسی مساجد میں مسجد بنی عمرو بن مبذول، مسجد بنی عدی (حضور ﷺ کے ننھیال) دار نابغہ (وہ گھر جہاں آقا حضور ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب مدفون تھے)، مسجد بنی خدارہ، مسجد بنی عضیہ، مسجد بنی الحبلی، مسجد بنی الحارث بن الخزرج، مسجد السنح، مسجد بنی خطمہ، بیت عتبان بن مالکؓ، بیت صرمہ فی بنی عدی اور بنی مجمم کے علاقے میں صدقہ الزبیر میں بنائی گئی مسجد وغیرہ. دیگر تاریخی مساجد کے علاوہ مدینہ طیبہ میں ایک اور بھی مسجد موجود ہے. احادیث مبارکہ کے گنج ہائے گراں مایہ میں حضرت جابر بن اسامہؓ سے مروی ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو اصحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی معیت میں ایک بازار سے گزرتے دیکھا تو اصحابہ کرام سے پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری قوم (یعنی قبیلہ) کے لیے مسجد کی جگہ منتخب کر کے آئے. میں نے واپس آکر اپنے اہل قبیلہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے مسجد کی تخطیط کی ہے یعنی مسجد کے لیے جگہ اور زمین کی حد بندی کی ہے اور ہم نے اس جگہ لکڑی گاڑ لی ہے جہاں سرکار دوعالم ﷺ نے نماز کی اقتداء فرمائی ہے.] یہ مسجد قبیلہ بنی جہینہ کے لیے تخطیط کی گئی تھی جہاں اثر مبارکہ رسول مقبول ﷺ کے طور پر صدیوں تک ایک چھوٹی سی مسجد قائم تھی. آج بھی اسی جگہ پر جبل سلع کے دامن میں (جہاں ابتداء میں قبیلہ بنی جہینہ کو بسایا گیا تھا) غار سجدہ کی پہاڑی کے قریب ہی مدرسہ ناصریہ کے پچھواڑے یہ مسجد واقع ہے.

ویسے تو روز اول سے جب سے ارض مدینہ طیبہ پر شہ دنیا و دیں اور فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قدمین شریفین رکھے تھے اس شہر خوباں کی ہر گلی اور ہر نکڑ پر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مساجد تعمیر کر دی تھیں، مگر عمرانی ترقی کے مختلف ادوار میں بہت سی ایسی مساجد کا صرف نام ہی تاریخ کے اوراق میں محفوظ رہ سکا ہے. چنانچہ ہم نے صرف ان مساجد کا ذکر کیا ہے جو کسی نہ کسی طور پر موجودہ صدی تک کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہیں.

مسجد منارتین

اہل بیت الطاہرہ سے منسوب مساجد میں سے ہم نے مسجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر کیا ہے جو کہ مسجد الغمامہ کے قرب میں اب بھی موجود ہے. سیدۃ النساء العالمین سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے منسوب ایک مسجد المناخہ کے علاقہ میں جوار حرم میں ہوا کرتی تھی جو کہ توسیع مسجد نبوی شریف کی وجہ سے اس کے احاطے میں

بستان سلمان فارسیؓ
کے سامنے مسجد سیدۃ
فاطمہ الزہراؑ

منسوب ایک اور مسجد بستان سیدنا سلمان فارسیؓ کے سامنے پٹرول پمپ کے اس پار موجود
آنے کی وجہ سے مسمار کردی گئی تھی. ان کے نام سے بھی جانی جاتی ہے جو کہ اس جگہ بنائی گئی تھی جہاں پر بیت بنت الیہودی ہوا کرتا تھا. یہاں سیدۃ
ہے جو عموما مسجد سید فاطمۃ الزہراء کے نام سے
النساء کی کرامت سے ان کی ایک جاننے والی یہودی لڑکی زندہ ہوئی تھی جب کہ آپ اس کی شادی کے سلسلے میں وہاں مدعو تھیں. وہاں پر ایک
چھوٹی سی مسجد آج بھی موجود ہے. ملحقہ عمارت میں تحفیظ القرآن کا ایک مدرسہ ہے. اب اس مسجد کا نام الخریجی مسجد رکھ دیا گیا ہے جیسا کہ حال
ہی میں نصب کئے گئے سائن بورڈ سے ظاہر ہوتا ہے.

مسجد ضرار (شر کی مسجد)

نوٹ: اس جعلی مسجد کے متعلق تفاصیل مہیا کرنے سے ہمارا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خدانخواستہ یہ کوئی مسلمانوں کی تاریخی مسجد تھی. ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ ہم قاری کو منافقین اور شیاطین لوگوں کی ان ریشہ دوانیوں کے متعلق معلومات فراہم کر سکیں جو کہ دشمنان اسلام جناب رسول اللہ ﷺ کے خلاف روز اول سے کیا کرتے تھے. رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے قدمین شریفین اس جگہ پر نہیں دھرے. لہذا اس جگہ پر آپ حضور ﷺ کا کوئی نماز ادا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا.

ہجرت مبارکہ پر رسول اللہ ﷺ کا مدینہ طیبہ میں ورود مسعود اور اسلام کا اثر و نفوذ منافقین اور دشمنان اسلام کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا اور ان کے مختلف ٹولے اسلام اور خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں سرگرم ہو گئے تھے. ان دشمنان اسلام میں سے ایک ابو عامر الراہب (۱۷۹) بھی تھا جس کا تعلق الخزرج قبیلے سے تھا اور وہ قباء میں رہا کرتا تھا. اس نے دین مسیحی قبول کیا ہوا تھا اور ان کا پادری بن چکا تھا اور مدینہ طیبہ کے چند بدوؤں میں تھوڑی بہت مقبولیت رکھتا تھا. عروج اسلام کے خوف سے اس نے منافقین سے گٹھ جوڑ کر کے اسلام دشمن سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا. اسلام کی معاندت نے اسے اس حد تک اندھا کر دیا تھا کہ وہ ہر اس گروہ سے ملتا تھا جو ابھی حلقہ اسلام میں نہیں آیا تھا اور مسلمانوں کے خلاف ان کی امداد طلب کرتا. تاہم غزوہ بدر میں کفار مکہ کی عبرت ناک شکست اور اس کے بعد بنو نضیر کے یہود کی مدینہ بدری سے اس کی ساری امیدوں پر پانی پھرتا نظر آ رہا تھا. غزوہ احد میں بھی اس نامراد نے ایک گڑھا کھود کر اس پر گھاس پھوس ڈال دیا تھا اور جب رسول مقبول ﷺ کا گزر اس پر سے ہوا تو آں حضرت ﷺ اس میں گر کر زخمی ہو گئے تھے.
ان تمام حرکتوں کے باوجود اسے کوئی کامیابی نہ ہو سکی. اسی مایوسی میں اس نے روم کا سفر کیا اور شام چلا گیا تا کہ وہاں کے مسیحیوں کی حمایت حاصل کر سکے. بعد میں وہ وہیں نصرانی دین پر گمنامی کی موت مرا.
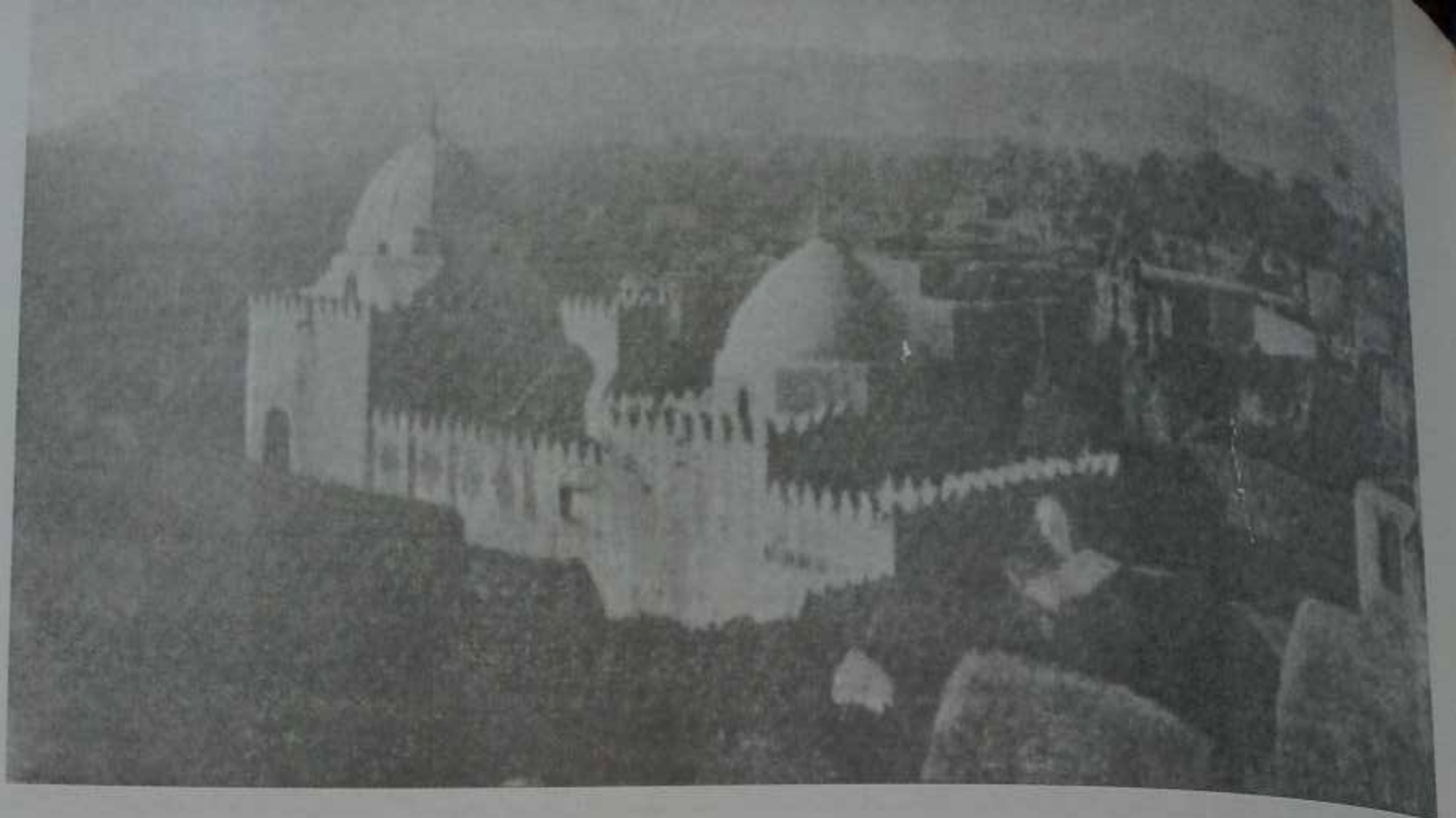
مسجد سیدۃ فاطمہ الزہرا ؓ اور مسجد شمس کی ایک نایاب تصویر

مدینہ طیبہ سے چلے جانے سے پہلے اس نے ایک گھناؤنی سازش کا ارتکاب کیا اور ایک مسجد بنانے کی سازش کی جس میں اس کا منصوبہ تھا کہ منافقین جمع ہوا کریں گے اور نام نہاد اور جعلی مسلمانوں کے روپ میں وہ اسلام کی وحدت پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو جائیں گے. اس بدبخت کا خیال تھا کہ عیسائی ہونے کے ناطے وہ شامی عیسائیوں اور رومی شہنشاہ کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور پھر ان کی فوجی مدد سے مسلمانوں کو مدینہ طیبہ سے نکالنے میں کامیاب ہو جائے گا. جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے اس مسجد کے تعمیر کنندگان کے ارادے خطرناک تھے جس سے وہ مومنوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے اور اس نام نہاد مسجد کو نقطہ اجتماعات کے طور پر اسلام کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے. (۱۸۰) اگر ان کی سازش کامیاب ہو جاتی تو وہ جعلی مسجد جسے قرآن کریم نے مسجد ضرار (یعنی شر اور نقصان والی مسجد) کہا ہے مسلمانوں کے خلاف منافقین اور کفار کی کارروائیوں کا مضبوط گڑھ بن جاتی. رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کے دوران اس نے ایک بار یہ الزام لگایا تھا کہ آپ حضور ﷺ نے دین حنیف میں نئے عقائد کی آمیزش کی ہے اور پھر یہ کہنے لگا: ''اے میرے اللہ جو بھی جھوٹا ہو وہ بے خانماں غریب الدیار اور بھگوڑا ہو کر مرے!'' جس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ کرے ایسا ہی ہو. اس دشمن اسلام مکار اور کذاب کے ساتھ بعینہ یہی ہوا. مدینہ طیبہ سے وہ مکہ مکرمہ گیا اور جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو وہ طائف چلا گیا اور پھر جب طائف پورا مسلمان ہو گیا تو وہ شام کی طرف نکل گیا اور وہاں بے خانماں غریب الدیار اور بھگوڑا ہی مرا. (۱۸۱)

جیسا کہ ہم نے باب 'قباء' میں بیان کیا ہے کہ ہجرت مبارکہ سے پہلے وہ جگہ جہاں مسجد قباء کی بنیاد رکھی گئی تھی وہ 'لیہ' نامی ایک عورت کی ملکیت تھی جو وہاں اپنے بار بردار جانور مثلاً گدھا وغیرہ باندھا کرتی تھی. (۱۸۲) رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری اور وہاں مسجد قباء کی بنیاد پڑنے سے وہ جگہ تقدس کی اوج ثریا پر جا پہنچی لیکن منافقین کا ٹولہ مسلمانوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا کہ وہ ایک نجس جگہ پر نماز پڑھتے ہیں جہاں کبھی گدھے بندھا کرتے تھے. (۱۸۳)

بنو عبید کے ایک منافق خدم بن خالد نے اپنے مکان کا کچھ حصہ ان منافقوں کی نذر کیا تاکہ وہ وہاں مسجد بنالیں. اور لوگوں کے علاوہ بنی دبیہ کے ابو حبیبہ بن الازعر اور عباد بن حنیف اور بہزج اور بنو ثعلبہ کے چند افراد نے مل کر اس کی عمارت تعمیر کی. (۱۸۴) غزوہ تبوک سے کچھ ہی عرصہ پہلے جب یہ جعلی مسجد تیار ہو گئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ آپ حضور ﷺ وہاں تشریف لائیں اور نماز ادا فرمائیں. اس وقت رسول مقبول ﷺ جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے. چنانچہ آپ حضور ﷺ نے کہلا بھیجا کہ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ان کی درخواست پر غور فرمائیں گے. جب رسول مقبول ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح و کامران تشریف لائے اور مدینہ طیبہ سے باہر وادی ذی اوان کے گاؤں میں فروکش تھے جو کہ مدینہ طیبہ سے ایک ساعت کی مسافت پر تھا تو وحی الٰہی کا نزول ہوا اور آپ حضور ﷺ کو منافقین کی ریشہ دوانیوں کی

خبر دی گئی اور متنبہ کیا گیا: ﴿اور وہ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی چاہی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بے شک جھوٹے ہیں. اس مسجد میں تم کبھی کھڑے نہ ہونا. (بلکہ) بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو، اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور پاک اور صاف لوگ اللہ کو پیارے ہیں.﴾ (۱۸۵) حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت مالک بن دخشم ؓ اور چند دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اس مسجد ضرار کو مسمار کر دیں اور اس کو آگ لگا دیں. جب وہ نام نہاد مسجد (۱۸۶) مسمار ہو چکی تو حضرت سالم بن عوف ؓ نے اس کے ملبے کو آگ لگا دی. پھر رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ کو ایسے ہی پڑا رہنے کا حکم دیا اور لوگوں کو اس جگہ کوڑا کرکٹ پھینکنے کا فرمایا. (۱۸۷) اس طرح اس سازش کا قلع قمع کر دیا گیا اور ابو عامر الراہب اور دیگر منافقین کے منصوبے خاک میں ملا دیئے گئے. حکم رسالت مآب ﷺ کے مطابق اس علاقے کے لوگ وہاں کوڑا کرکٹ اور مردار جانوروں کی نعشیں پھینکا کرتے تھے. (۱۸۸) طبری نے خلف بن یمین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ: [میں نے منافقین کی نام نہاد مسجد کی جگہ دیکھی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور میں نے اس کے صحن میں موجود اس جگہ کا بھی معائنہ کیا ہے جہاں سے امیر المومنین جعفر المنصور (عباسی خلیفہ) کے دور تک دھواں نکلا کرتا تھا. حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ: [یہ کرہ ارض پر جہنم ہے.] (۱۸۹)

اس نام نہاد مسجد کا محل وقوع مسجد قباء کے قریب ہوا کرتا تھا. ابن نجار کے زمانے میں چھٹی صدی ہجری میں اس کے گرد دیواروں کا ایک احاطہ سا ہوا کرتا تھا جس پر کسی قسم کی چھت نہیں تھی اور لوگ اس کی دیواروں کے پتھر تک اٹھا کر لے جاتے تھے. (۱۹۰) تاہم المطری (ت: ۷۴۱ہجری) نے اس بیان سے اتفاق نہیں کیا اور یہ کہا ہے کہ کسی کو بھی پتہ نہیں کہ وہ نام نہاد مسجد کس جگہ تھی. (۱۹۱) مغربی سیاح العیاشی جس نے مدینہ طیبہ کا سفر گیارھویں صدی میں کیا تھا کہتا ہے کہ ان دنوں میں مسجد قباء کے قریب ایک احاطہ ہوا کرتا تھا جس کو اس نام نہاد مسجد کی جگہ بتایا جاتا تھا. (۱۹۲) علی بن موسیٰ آفندی (جو کہ ترکوں کے آخری مورخ مدینہ ہوئے ہیں) بھی کہتے ہیں کہ مسجد ضرار کی جگہ مسجد قباء کے شمال میں تھی مگر وہ کسی جگہ کا بطور خاص ذکر نہیں کرتے. باور کیا جاتا ہے کہ توسیع شدہ مسجد قباء کے کمپلیکس میں اس کی جگہ آج کل غسل خانے بنوائے گئے ہیں لیکن یہ بات صرف عامۃ الناس کی زبانی ہے جو کہ مدنیوں کی نسل در نسل روائتوں پر منحصر ہے مگر ان کو تاریخی سمجھ لینا بہت بڑی غلطی ہو گی اور شاید یہی وجہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسی شخصیت نے اس پر سرے سے کچھ کہنے سے احتراز کیا ہے.

حواشی

(۱) صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۱۳۸۴-۱۳۸۶

(۲) امام نورالدین علی بن احمد السمہودی (ت:۹۱۱ ہجری)، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، داراحیاء التراث العربی، مصر، جزء دوم، ص ۸۸۱

(۳) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی (متوفی دسویں صدی ہجری)، عمدة الاخبار فی مدینۃ المختار، ناشر اسعد دربزونی الحسینی، ۱۳۹۵، صفحات: ۱۹۴-۱۹۵

(۴) ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج:۱، ص ۱۷

(۵) العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۶۴

(۶) حافظ ابن نجار (ولادۃ: ۵۸۷ ہجری)، الدرة الثمینہ فی تاریخ المدینہ (تحقیق وتعلیق: دکتور محمد زینہم محمد عزب)، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، قاہرہ، ۱۹۹۵، ص ۱۹۱.

(۷) ابن شبہ، مصدر مذکور، ص ۴۷- العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۶۶

(۸) ایسی مساجد میں سے جو ۷x۷ ذرع رقبہ پر تعمیر ہوئی تھیں ان میں: مسجد بنی خدرہ (بئر بصہ کے قریب)، مسجد السقیاء (یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، ص: ۲۷۵)، مسجد الرایہ جو کہ جبل ذباب پر واقع ہے، مسجد غسالین (مسجد بنی دینار جو کہ العباسی، ص ۱۹۶- کے بیان کے مطابق ۶x۶ ذرع پر تھی) اور مسجد بنوظفر جو کہ عبدالقدوس الانصاری کے بیان کے مطابق ۷x۷ ذرع کے رقبے پر تھی- اس کے کھنڈرات آج بھی اتنی ہی جگہ پر محیط ہیں.

(۹) ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۱۹۱ (بین القوسین اضافہ صرف تشریح کے لیے ہے).

(۱۰) ابن اسحاق، The Life of Muhammad، انگریزی ترجمہ از الفریڈ گیوم، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۱۹۷۸، ص ۲۲۸

(۱۱) تفسیر القرطبی، ۱۸-۸۹، راوی (حضرت محمد ابن سیرینؒ) ایک بہت ہی مشہور اور ثقہ تابعی تھے جو حضرت انس ابن مالکؓ کے غلام تھے اور انہوں نے کثرت سے انہیں کے سلسلے سے احادیث کی روایت کی ہے.

(۱۲) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱، ص: ۶۸

(۱۳) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱، ص ۴۲۰

(۱۴) القرآن الکریم (البقرہ: ۱۴۴)

(۱۵) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۴۱۵

(۱۶) محمد کبریت الحسینی المدنی، محاسن المدینۃ النورہ، ص: ۲۲۵

(۱۷) ایضاً

(۱۸) ابن الجوزی (۵۱۰-۵۹۷ ہجری)، وفاء با حوال المصطفیٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸، ص: ۲۶۳

(۱۹) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، صفحات: ۴۱۵-۴۱۶

(۲۰) تفسیر ابن کثیر، قاہرہ، ج:۱، ص ۲۷۹

(۲۱) غالی محمد امین الشنقیطی، الدر الثمین فی معالم دار الرسول الامین، ص ۲۳۵

(۲۲) ابن ضیاالمکی (ت: ۸۸۵ ہجری)، تاریخ مکۃ الشرفہ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفہ والقبر الشریف، الکمتبۃ التجاریہ، مکۃ المکرمہ، ص ۲۰۶

(۲۳) ابن نجار، مصدر مذکور، ص ۱۹۰

(۲۴) المطری، ص ۵۱

(۲۵) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ النورہ، ص ۱۲۹

(۲۶) ابراہیم رفعت پاشا، مصدر مذکور، ج:۱، ص ۴۱۴

(۲۷) احمد یاسین احمد خیاری، تاریخ معالم المدینۃ النورہ، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳، صفحات: ۸۷-۸۸

(۲۸) صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۲۹۰۶. نیز ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۶۸

(۲۹) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۶۷. نیز قطب الدین الحنفی (ت: ۹۹۰ ہجری) تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافیہ، مصر، ص ۱۳۹. یہ حدیث الموطاء امام مالک سے لی گئی ہے.

(۳۰) جمال المطری، مصدر مذکور، صفحات:۱۱۶-۱۱۷

(۳۱) سمہودی، وفاء الوفاء، ص:۳۸۵

(۳۲) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی (ت: دسویں صدی ہجری)، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، مکتبۃ العلمیہ، مدینۃ النورہ، ص ۱۷۶

(۳۳) حوالہ؟؟؟؟

(۳۴) سعید الدربی، دلیل مساجد المدینۃ النورہ، وزارۃ الاوقاف، ادارۃ الاوقاف المدینہ، ۱۳۹۹، کتاب نمبر ۱۲۵۱۹، مکتبۃ الحرم النبوی، مسجد النبوی، مورخہ ۱۳-۷-۱۴۱۵ ہجری.

(۳۵) العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۸۲.

(۳۶) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۱۴۵

(۳۷) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۷۶. یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عبدالرحمن الصلتؓ نے مروان کے لیے پہلی بار منبر نصب کیا تھا.

(۳۸) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۹۴

(۳۹) ایضا نمبر ۹۰

(۴۰) العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۸۲

(۴۱) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۱۳۹-۱۴۰

(۴۲) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱، ص:۱۳۸

(۴۳) خیاری، مصدر مذکور، صفحات:۱۰۲-۱۰۳. نیز احمد سعید سلم، المدینۃ النورہ فی القرن الرابع عشر الہجری، ص:۲۶.

(۴۴) برزنجی، حوالہ؟؟

(۴۵) غالی محمد امین الشنقیطی، مصدر مذکور، ص ۲۳۰

(۴۶) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۴۵۴

(۴۷) خیاری، مصدر مذکور، ص:۱۵۰

(۴۸) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ، ۱۹۸۱، ص ۱۸۴

(۴۹) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۸۷۷

(۵۰) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، صفحات:۲۰۰-۲۰۱

(۵۱) ایضا، ص ۲۰۳

(۵۲) خیاری، مصدر مذکور، ص:۱۵۰. یہ کتاب مرحوم مولف کے پسماندگان نے کئی بار طبع کی ہے اور جب بھی نیا ایڈیشن چھپتا ہے تو مرور ایام سے آنے والی عمرانی اور دیگر تبدیلیوں کے پیش نظر مختلف تاریخی مقامات کے متعلق نئے حواشی کا اضافہ کر دیا جاتا ہے. چوتھے ایڈیشن میں ایک وضاحت اور حاشیہ کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں. العصبہ کا محل وقوع اب مسجد قباء کی مغربی جانب ہے اور مکۃ المکرمہ سے آتے ہوئے طریق ہجرہ پر دائیں ہاتھ پڑتا ہے جو کہ شیخ عبدالحمید عباس کے مزرع سے پہلے ہے. دیکھیے ص:۱۶۰

(۵۳) زین الدین ابی بکر المراغی (ت:۸۱۶ ہجری) تحقیق النصرہ بتلخیص معالم دار الہجرہ، مکتبۃ العلمیہ، مدینۃ النورہ

(۵۴) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۸۷. ہمیں یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ حضرت عبداللہ الدیناریؓ کی روایت اس معاملے میں بہت اہم ہے کیونکہ وہ ایسے قبیلے سے تھے (بنی دینار) جو کہ مسجد سقیاء کے بالکل پاس ہی جنوب کی طرف بستا تھا.

(۵۵) ایضا

(۵۶) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۱۲۳

(۵۷) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص:۱۸۸.حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کو ساقی الحرمین الشریفین اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک طرف تو وہ بئر زمزم کے متولی تھے اور دوسری طرف ان کی دعا کی قبولیت سے اہل مدینہ اور حرم مدینہ پر باران رحمت برسی تھی۔

(۵۸) سمہودی، وفاء الوفاء، ص۳۹۴

(۵۹) علی بن موسیٰ افندی، وصف المدینۃ النورہ فی ۱۳۰۳ ہجری ۱۸۸۵ء، رسائل فی تاریخ المدینہ، ناشر حمد الجاسر مرحوم، ص۳۹۴

(۶۰) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینہ، ص۱۳۲

(۶۱) علی حافظ، (Chapters from the History of Medina)

Annexture "Archaeological Guide Map to Medina al-Munawwara

(۶۲) مسند امام احمد، ۳-۳۳۲. ابن شبہ نے بھی ایک حدیث نقل کی جو کہ حضرت عبدالمطلب بن حطبؓ سے مروی ہے. مصدر مذکور، ج:۱،ص ۵۸

(۶۳) مسند امام احمد، ۳،۳۳۲. ابن شبہ، ج:۲،ص ۷۳. نیز الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۷۸

(۶۴) القرآن الکریم (الانفال:۱۹)

(۶۵) القرآن الکریم (الانفال:۱۷۹)

(۶۶) سمہودی، وفاء الوفاء، صفحات: ۸۳۰-۸۳۱

(۶۷) ایضاً، ص:۱۸۴

(۶۸) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص:۱۷۷

(۶۹) علی حافظ، مصدر مذکور، ص:۹۰

(۷۰) سعید الدربی، مصدر مذکور، ص ۸

(۷۱) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص:۱۷۸، انہوں نے حضرت معاذ ابن سعدؓ کی حدیث نقل کی ہے.

(۷۲) سمہودی، وفاء الوفاء، ص:۸۳۶

(۷۳) صالح لمعی مصطفیٰ، (Almadino Al-Munawwara - Urban Development and Architectural Heritage)

بیروت، ۱۹۸۱، صفحات: ۴۱۶-۴۱۷

(۷۴) ابن جبیر، رحلۃ ابن جبیر، ص:۱۴۶

(۷۵) علی بن موسیٰ آفندی، مصدر مذکور، ص ۱۷

(۷۶) سعید الدربی، مصدر مذکور، ص ۸

(۷۷) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج:۱،ص:۵۷

(۷۸) جمال المطری، التعریف، ص:۴۵

(۷۹) ابن اسحاق، مصدر مذکور (حاشیہ از ابن ہشام)، ص:۷۵۵. نیز ابن کثیر (ت:۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، جزء ۴، ص ۳۳.

(۸۰) القرآن الکریم (المجادلہ:۱۱)

(۸۱) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۸۴

(۸۲) القرآن الکریم (النساء:۴۱). ابن شبہ، ج:۱،ص:۵۲۹

(۸۳) الطبرانی مجمع الزوائد، ۷-۴۱. سمہودی نے بھی توثیق کی ہے کہ اس حدیث مبارکہ کے راویان کا تمام سلسلہ ثقہ ہے. وفاء الوفاء، ص ۳۸۳. ابن شبہ، ج:۱،ص ۶۱

(۸۴) شیخ العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۷۵

(۸۵) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۳۸۴

(۸۶) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ النورہ، ص:۱۳۱ (حاشیہ)

(۸۷) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے. بہت سے دیگر سیاحوں نے بھی اس بات کا ذکر کیا ہے کہ بے اولاد خواتین اپنے خاوندوں کی ہمراہی میں اس متبرک پتھر پر جا بیٹھتی تھیں تا کہ اس کی برکت سے ان کے بانجھ پن کا علاج ہو سکے. اہل مدینہ طیبہ عموماً اس کے معجزانہ اثرات میں اعتقاد رکھتے تھے.

(۸۸) جمال المطری، التعریف، صفحات: ۴۹-۵۰
(۸۹) قطب الدین الحنفی، تاریخ المدینہ، مصدر مذکور، ص: ۱۳۸
(۹۰) شیخ العباسی، مصدر مذکور، ص: ۱۷۵
(۹۱) سمہودی، وفاء الوفاء، صفحات: ۴۲۸-۴۲۹
(۹۲) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ، مصدر مذکور، ص: ۱۱(ایسا لگتا ہے کی حقیقت نے افسانے کا روپ دھار لیا تھا، کیونکہ مدینہ طیبہ کی قدیم تواریخ سے لے کر آج تک کسی مصنف نے یہ نہیں کہا کہ دلدل وہاں پر مدفون تھی. ابن الاثیر (۵۵۵-۶۳۰ ہجری) کے قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد دلدل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس تھی اور ان سے ان کے فرزندار جمند حضرت حسن علیہ السلام اور پھر حضرت حسین علیہ السلام کو ملا جن سے ان کے سوتیلے بھائی حضرت محمد بن حنفیہؒ کے پاس گیا. دلدل نے کافی طویل زندگی پائی اور آخر میں اس کی بینائی جاتی رہی تھی جس کے نتیجے میں وہ مدینہ طیبہ کے ایک کنویں میں گر پڑی تھی اور چونکہ اسے اس کنویں سے نکالنا بہت مشکل کام تھا تو کسی نے اسے تیر مار کر شہید کر دیا تا کہ اس کی زندگی جس اذیت میں پھنس گئی تھی اس سے اسے نجات مل جائے. اسد الغابہ، ج: ۱، ص ۱۴۰.
(۹۳) احمد یاسین الخیاری، مصدر مذکور ص ۱۲۲
(۹۴) اسلامی اصطلاح میں مباہلہ اس چیلنج کو کہتے ہیں کہ فریقین اپنے اپنے مرد اور عورتوں کو ساتھ لیکر آئیں اور پھر جھوٹے پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار کریں.
عبداللہ یوسف علی، تفسیر القرآن بزبان انگریزی، دار العربیہ، بیروت، ص ۱۳۸
(۹۵) القرآن الکریم (آل عمران: ۶۱)
(۹۶) سمیح عاطف الزین، خاتم النبیین محمد ﷺ، ج: ۱۵، صفحات: ۱۹۸-۱۹۹
(۹۷) صحیح مسلم، ج: ۴، نمبر ۵۹۲۴، سنن ابی داؤد، ۰۳۱-5915
(۹۸) شبیر احمد عثمانی، تفسیر القرآن، شاہ فہد قرآن کمپلیکس، مدینۃ النورہ، ص ۷۵
(۹۹) سمیح عاطف الزین، خاتم النبیین محمد ﷺ، ج: ۱۵
(۱۰۰) صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص ۴۵۱. قاری اگر اس سلسلے میں مزید معلومات چاہیں تو ہم انہیں سمیح عاطف الزین کی عربی زبان میں سیرۃ رسول اللہ ﷺ "خاتم النبیین محمد ﷺ" تجویز کریں گے جس کو صرف قرآن اور احادیث مبارکہ کی اساس پر مرتب کیا گیا ہے.
(۱۰۱) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج: ۱، ص: ۴۲۰ (تشریح صرف وضاحت کے لیے ہے)
(۱۰۲) محمد لبیب البتنونی، الرحلۃ الحجازیہ، مکتبۃ الثقافیا الدینیہ، مصر، ۱۹۹۵، ص: ۳۵۷
(۱۰۳) ابراہیم العیاشی المدنی، المدینہ بین الماضی والحاضر، ص: ۲۸۸
(۱۰۴) عبد القدوس الانصاری، مصدر مذکور، ص: ۱۳۰
(۱۰۵) احمد یاسین احمد الخیاری، مصدر مذکور، ص: ۱۲۲ (حاشیہ)
(۱۰۶) محمد کبریت المدنی الحسینی، محاسن المدینہ، ص: ۲۵۷
(۱۰۷) شیخ العباسی، مصدر مذکور، ص: ۱۸۵
(۱۰۸) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء، المکتبۃ العلمیہ، المدینۃ النورہ، طبع دمشق، ۱۹۷۳، ص: ۳۹۸
(۱۰۹) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، صفحات: ۱۸۵-۱۸۶
(۱۱۰) ابراہیم العیاشی، المدینہ بین الماضی والحاضر، مصدر مذکور، ص: ۳۰۳
(۱۱۱) ابن شبہ، مصدر مذکور، ج: ۱، ص: ۷۳
(۱۱۲) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ، مصدر مذکور، ص: ۱۶
(۱۱۳) احمد یاسین الخیاری، تاریخ المدینۃ النورہ فی الاشعار العربیہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۳، ص: ۶۰
(۱۱۴) سعید الدربی، مصدر مذکور، ص: ۹

(۱۱۵) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۶۰۸
(۱۱۶) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۱۶۰ اور ج:۳، نمبر ۵۲۹ اور ج:۳، نمبر ۵۲۹
(۱۱۷) المراغی، مصدر مذکور، ص:۱۵۸
(۱۱۸) صحیح بخاری، ج:۱، نمبر ۱۷۴ اور المراغی ص:۱۵۸
(۱۱۹) ابراہیم العیاشی، مصدر مذکور، ص:۴۳۷
(۱۲۰) سعید الدربی، مصدر مذکور، ص:۳
(۱۲۱) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص:۱۹۰
(۱۲۲) علی بن موسیٰ آفندی، مصدر مذکور، ص:۱۶
(۱۲۳) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص ۱۸۷
(۱۲۴) ایضاً صفحات:۱۸۶-۱۸۷
(۱۲۵) ابن شبہ، ج:۱، ص:۶۲
(۱۲۶) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، ص ۲۷۵
(۱۲۷) المراغی، تحقیق النصرہ، ص ۱۴۴
(۱۲۸) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۸۴۵
(۱۲۹) ابن شبہ، ج:۱، ص:۶۹ (بین القوسین اضافہ صرف وضاحت کے لیے کیا گیا ہے)۔
(۱۳۰) القرآن الکریم (المائدہ:۹۰)
(۱۳۱) محکمہ اوقاف کی طرف سے بھی جو لوح لگائی گئی تھی اس پر بھی مسجد الفضیخ ہی لکھا ہوتا تھا مگر جنوری ۲۰۰۰ء میں 'الفضیخ' کا لفظ حذف کر دیا گیا تھا۔
(۱۳۲) صالح لمعی مصطفیٰ، مصدر مذکور، صفحات:۲۰۲-۲۰۳
(۱۳۳) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۸۲۳
(۱۳۴) العباسی، ص:۱۷۱
(۱۳۵) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۱۰۲۸
(۱۳۶) غالی محمد الامین الشنقیطی، مصدر مذکور، صفحات:۱۴۰-۱۴۴
(۱۳۷) احمد یاسین احمد الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ النورہ قدیماً وحدیثاً، ۱۹۹۳ء، صفحات:۱۲۴-۱۲۵
(۱۳۸) ابن نجار، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، صفحات:۱۹۰-۱۹۱
(۱۳۹) المراغی، مصدر مذکور، صفحات:۱۳۷-۱۳۸
(۱۴۰) سمہودی، وفا الوفاء، ص:۸۲۴ نیز صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۷۴۴، صحیح مسلم ج:۳، نمبر ۴۳۶۸
(۱۴۱) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص:۱۷۲
(۱۴۲) ابن شبہ، ج:۱، ص:۷۰ (قوسین میں اضافے صرف تشریح کے لیے کیے گئے)
(۱۴۳) ایضاً، ص:۹۶
(۱۴۴) ایضاً، ص:۷۰
(۱۴۵) سمہودیؒ، مصدر مذکور، ص:۸۲۵
(۱۴۶) احمد یاسین احمد الخیاری، مصدر مذکور، ص:۱۴۷
(۱۴۷) ابن شبہ، ج:۱، ص:۷۸
(۱۴۸) انجینئر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن، معالم المدینۃ النورہ، قسم الجبال، صفحات:۳۱۴-۳۱۵

(۱۴۹) ابن شبہ، ج:۱، ص ۴۸

(۱۵۰) مجد الدین ابی طاہر محمد بن یعقوب الفیر وزآبادی (۷۲۹-۸۱۷ ہجری)، المغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد الجاسر، ص:۲۱۲

(۱۵۱) صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ اپنے آستانہ مبارکہ سے ہتھیار بند ہوکر روانہ ہوئے تھے مگر یہ بھی ایک معروف حقیقت ہے کہ یوم احد پر رسول اللہ ﷺ نے دو زرہیں زیب تن کی ہوئی تھیں جس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ آقائے نامدار ﷺ نے اس مقام پر دوسری زرہ زیب تن کی ہوگی. اس کے علاوہ دوسری بات جو اس بات کی توثیق کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہاں پر رسول اللہ ﷺ نے رات کا کچھ حصہ گزارا تھا اور علی الصبح نماز فجر کے بعد کوچ کا حکم صادر فرمایا تھا. لہذا یہ بھی ممکن ہے کہ اس مقام سے علی الصبح دوبارہ ہتھیار بندی کی گئی ہو. واللہ اعلم بالصواب.

(۱۵۲) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۸۶۵

(۱۵۳) ایضاً

(۱۵۴) غازی بن سالم التمام، رسائل فی آثار المدینۃ النبویہ، ناشر مدینہ ادبی کلب، ۲۰۰۰، صفحات:۴۱-۴۲.

(۱۵۵) مجد الدین فیروز آبادی، مصدر مذکور، ص:۲۱۲

(۱۵۶) القرآن الکریم (النساء:۸۸) منافقین کی بیوفائی کا ایک فوری اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور ان میں دو قبائل فرار کا سوچنے لگ گئے تھے. حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے: یہ آیت: جب تم میں سے دو فریقوں نے جانے کا سوچ لیا تھا.... ہمارے بارے میں نازل ہوئی تھی (یعنی بنی سلمہ اور بنی حارثہ) اور اگر اللہ تعالی یہ نازل نہ فرماتا کہ وہ ان کا محافظ ہے تو مجھے یہ بات گوارا نہ تھی. (۱۲۲:۳)

(۱۵۷) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۳۸۰۱ نیز ج:۳ نمبر ۱۰۸ جس میں الفاظ کا تھوڑا سے اختلاف ہے.

(۱۵۸) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۸۶۵

(۱۵۹) ایضاً، ص:۸۷۵

(۱۶۰) المراغی، مصدر مذکور، ص:۱۵۴

(۱۶۱) ابراہیم العیاشی، مصدر مذکور، صفحات:۲۴۴-۲۴۶

(۱۶۲) سمہودی، وفاء الوفاء، ص ۸۷۵

(۱۶۳) الشیخ العباسی، مصدر مذکور، ص:۲۰۳

(۱۶۴) علی بن موسیٰ آفندی، مصدر مذکور، ص:۱۰

(۱۶۵) احمد یاسین احمد الخیاری، مصدر مذکور، ص ۱۲۵

(۱۶۶) صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۴۶۱۰ اور ۴۶۱۱. دوسرے مقابلے میں جس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے جس میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اپنے گھوڑے سمیت اندر کود گئے تھے وہ مسجد بنی زریق کہلاتی تھی.

(۱۶۷) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص ۲۰۶

(۱۶۸) ابن زبالہ کی روایت کے مطابق، یہ واضح نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کوئی نماز وہاں ادا کی تھی یا کہ نہیں، مگر اتنا تو روایات سے واضح ہے کہ حضور پر نور ﷺ نے وہاں وضوء فرمایا تھا اور مسجد میں بھی داخل ہوئے تھے. احمد یاسین احمد الخیاری، ص ۱۵۲

(۱۶۹) الخیاری کے بیان کے مطابق اس کا محل وقوع تقریباً اس جگہ ہوسکتا ہے جو کہ اب اس سڑک کے نیچے آگئی ہے جو کہ قباء کی طرف سے مسجد نبوی کے زیر زمین کار پارکنگ کے علاقے میں جاتی ہے. مصدر مذکور، ص:۱۵۲ (حاشیہ). ابراہیم العیاشی بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں، مصدر مذکور، صفحات:۲۱۲-۲۱۴

(۱۷۰) الشیخ احمد العباسی، مصدر مذکور، ص:۱۹۱

(۱۷۱) الخیاری، مصدر مذکور، ص:۱۳۰

(۱۷۲) غالی محمد الامین الشنقیطی، مصدر مذکور، ص ۲۳۲

(۱۷۳) المراغی، مصدر مذکور، ص ۱۴۹

(۱۷۴) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۸۶۶

(۱۷۵) ابن شبہ، ج:۱،ص ۶۴

(۱۷۶) ایضاً،ص:۷۰

(۱۷۷) سمہودیؒ ،وفاءالوفاء،صفحات:۸۷۸-۸۷۹

(۱۷۸) ایضاً

(۱۷۹) اسے تقدیر کا کھیل کہیے یا قسمت کی ستم ظریفی کہ وہی ابو عامر الراہب ایک ایسے اصحابی کا والد تھا جو فدایان رسول مقبول ﷺ میں ایک منفرد مقام رکھتے تھے یعنی حضرت حنظلہ غسیل الملائکہؓ. بیٹے نے تو غزوہ احد میں جام شہادت نوش کر کے ابدی زندگی پائی اور آسمان سے فرشتے نازل ہو کر بعد از شہادت ان کو غسل جنابت دینے آئے، مگر باپ ابو جہل کی طرح اسلام کا اتنا بدترین دشمن تھا کہ تا زندگی اس کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا اور پھر جلاوطنی میں بھگوڑے کی موت مرا جیسا کہ صادق مصدوق رسول مقبول ﷺ نے بہت عرصہ پہلے بتا دیا تھا.

(۱۸۰) القرآن الکریم (التوبہ:۱۰۷)

(۱۸۱) ابن اسحاق،ص:۲۷۸

(۱۸۲) ابن شبہ، ج:۱،ص ۵۴

(۱۸۳) البلاذری، فتوح البلدان، صفحات:۱۷-۱۸

(۱۸۴) ابن اسحاق، صفحات:۲۴۳-۲۴۴

(۱۸۵) القرآن الکریم (التوبہ:۱۰۷-۱۰۸)

(۱۸۶) ضرر اور ضرار کا مطلب ہی نقصان اور شر ہوتا ہے. اسے مسجد ضرار اسی لیے کہا جاتا ہے کیونکہ کلام اللہ نے بھی اسے یہی نام دیا تھا ﴿اور وہ جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو.... الخ﴾

(۱۸۷) سمہودیؒ،وفاءالوفاء،ص:۸۱۹

(۱۸۸) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء،ص:۳۷۷

(۱۸۹) سمہودیؒ،وفاءالوفاء،ص:۸۱۸

(۱۹۰) ابن نجار، مصدر مذکور،ص:۱۹۵

(۱۹۱) المطری، مصدر مذکور ص ۴۷

(۱۹۲) رحلۃ العیاشی،ص:۱۰۹

مقام بدر کے قریب ایک کنویں کی تصویر

باب ۲۰

مدینہ طیبہ میں تاریخی کنویں اور نظام آب رسانی
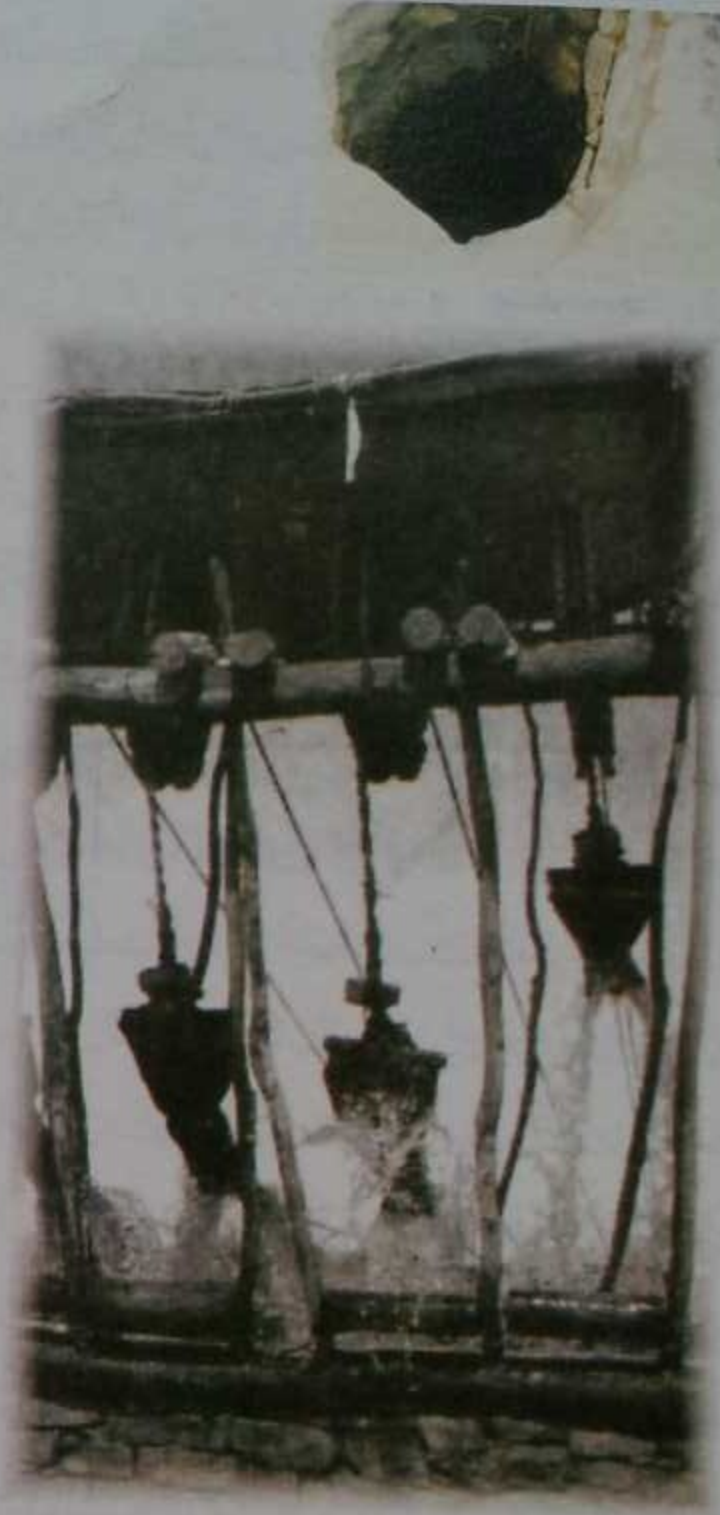
بئر عثمان

سخت پتھریلی زمین میں جہاں قدرتی وسائل کی عموماً کمی ہوتی ہے اور زمین آتش فشانی عمل سے نکلنے والے لاوے کی تہوں سے بنی ہو، وہاں پانی کا وافر مقدار میں موجود ہونا رب ذوالجلال کا ایک انمول عطیہ ہے. ہجرت کے ضمن میں ہم نے ایک حدیث مبارکہ نقل کی ہے جس میں مدینہ طیبہ کی اسی خاصیت کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے: [مجھے تمہاری ہجرت کی منزل دکھادی گئی ہے جو کہ ایک شوریلی زمین (سبخہ) ہے جہاں پانی اور کھجوروں کے درختوں کی بہتات ہے اور جو دو آتش فشانی لاوں سے بنے سنگلاخ علاقوں کے درمیان واقع ہے اور سیاہ پتھروں اور چٹانوں پر مشتمل ہے.] زمانہ قدیم میں جب وادیوں میں موسمی طغیانی سے پانی کے ندی نالے مدینہ طیبہ کے بیچوں بیچ یا قرب وجوار سے گزرتے تھے تو طیبہ کے قدیم باسی اس بہتے ہوئے پانی کو جوہڑوں کی شکل میں محفوظ کرلیا کرتے تھے لیکن پانی کو ذخیرہ کرنے کا یہ طرز کہن اکثر اوقات انسانی اور مال مویشیوں کی ضروریات کے لیے کم پڑ جاتا تھا. یہی وجہ تھی کہ جب قوم عاد کے کچھ افراد یثرب میں آباد ہوئے تو انہوں نے زیر زمین پانی کے حصول کے لیے کنویں کھودے. لیکن اس ارض طیبہ کی ارضیاتی تکوین اور اس سے پیدا ہونے والی مشکلات ہمیشہ آڑے آتی رہیں. سنگلاخ زمین کا سینہ چیر کر کنویں کھودنا کوئی آسان کام نہ تھا. اس کے لیے بہت سرمایہ اور سخت مشقت کی ضرورت ہوتی تھی. یہی وجہ تھی کہ صرف معدودے چند اہل ثروت ہی اس عیاشی کے متحمل ہو سکتے تھے اور عام آدمی پینے کے صاف پانی کی بوند بوند کے لیے ترس جاتا تھا.

بلدۃ طاہرہ وطیبہ کی ارضیاتی ساخت (Topography) کی وجہ سے کنویں کو بہت گہرائی تک کھودنا پڑتا تھا جو ایک ایسا کام تھا جس پر زر کثیر صرف ہوتا تھا. اسی لیے سوائے چند کنوؤں کے جو کسی ایک فرد کی نجی ملکیت ہوتے تھے اکثر کنویں اجتماعی طور پر مختلف شعوب وقبائل کی تحویل میں تھے جن سے اس قبیلے کے اپنے لوگ بلاشرکت غیرے استفادہ کر سکتے تھے. زمانہ قبل از اسلام میں یثرب کی اقتصاد پر یہودیوں کی اجارہ داری تھی اور زیادہ تر کنویں بھی انہیں کے علاقوں میں پائے جاتے تھے. ایسے کنویں نہ صرف یہود کی ضروریات پوری کرتے تھے بلکہ وہ اسے تجارتی بنیادوں پر بھی استعمال کرتے تھے اور پانی کے ایک ایک ڈول کے بدلے منہ مانگی قیمت وصول کرتے تھے. اس کے علاوہ عموماً یہودیوں کے ہراطم کے وسط میں ایک کنواں ضرور ہوتا تھا. ان کنوؤں کی دیواریں اور منڈیریں بہت ہی مضبوط پتھر کی سلوں سے بنائی جاتی تھیں اور ان کی سطح آب تک اترنے کے لیے زینے تعمیر کئے جاتے تھے جنہیں برصغیر کے بعض علاقوں میں باولی کے نام سے جانا جاتا ہے. بئر رومہ (یا بئر عثمان بن عفانؓ) ایسے کنوؤں کی مثالیں ہیں جو کہ آج بھی اپنی اصلی حالت پر موجود ہیں. ایسے کنوؤں سے غلام نیچے جا کر پانی بھر کر لاتے تھے، جس کی مثال بئر حضرت ایوب الانصاریؓ ہے جو کہ فصیل شہر کے باہر باب المجیدی کی طرف ہوا کرتا تھا.(۱) عام کنوؤں سے روائتی طریقوں سے پانی نکالا جاتا تھا جس میں دلوہ (ڈول) ڈال کر پانی اوپر لایا جاتا تھا. ایسے کنوؤں کو سوانی کہا جاتا تھا. آج بھی مدینہ طیبہ کے اس دور کے چند کنویں باقی ہیں جو اپنے دور کے مخصوص فن تعمیر کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں.

کنویں سے پانی نکالنے کا ایک قدیم طریقہ
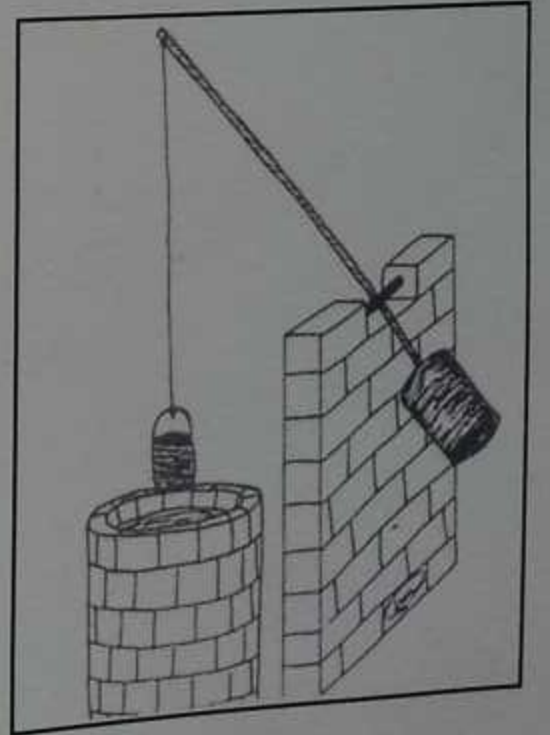
ازمنہ قدیم سے مدینہ طیبہ کے گردونواح میں واقع مضافات، زرعی اراضی اور چراگاہوں میں بھی ایسے کنویں تھے جو ذرائع آب پاشی اور مال مویشیوں کی ضروریات کو پورا کرتے تھے. اس دور کی شاعری میں ایسے کنوؤں کا بکثرت ذکر ملتا ہے جیسا کہ جب غزوہ احزاب کے موقع پر قریش مکہ نے مدینہ طیبہ پر پورے لاہ ولشکر کے ساتھ چڑھائی کردی تھی اور رسول اللہ ﷺ کو دفاعی لائن کے طور پر شمالی جانب ایک گہری اور لمبی خندق کھودنی پڑی تھی، حضرت کعب بن مالکؓ (جو کہ دربار رسالت مآب ﷺ کے اتنے ہی مشہور شاعر تھے جتنے کہ حضرت حسان بن ثابتؓ تھے) نے مدینہ طیبہ کی اس خوبی کا ذکر اپنے اشعار میں بڑے فخریہ انداز میں کیا ہے. دشمنان اسلام کو مخاطب ہو کر انہوں نے ارض طیبہ کے متعلق فرمایا تھا:

جاؤ قریش کو بتادو کہ جبل سلع اور اس کا وہ خطہ جو کہ العریض اور الصمد کے درمیان ہے
ایک ایسا بقعہ ارض ہے جہاں ہمارے حرب آزمودہ اونٹ کنوؤں سے پانی نکالنے میں مہارت رکھتے ہیں

جہاں قوم عاد کے کھودے ہوئے کنوؤں کی آج بھی بہتات ہے
جہاں چشموں کا پانی ان کنوؤں میں پانی کی سطح کو بلند رکھتا ہے
یہ کنویں اس دھرتی کی آبیاری کرتے ہیں اور اسے سرسبز و شاداب کر کے فصلیں اگاتے ہیں،
اور جب فصلیں پک کر تیار ہو جاتی ہیں تو ہر طرف اپنا سنہری رنگ و بو بکھیر دیتی ہیں.
اہل مدینہ (تمہاری طرح) دوس اور مراد کے قبائل کے ہاتھ گدھے بیچ کر گزارا نہیں کرتے
ہم اپنا رزق اپنی اراضی کاشت کر کے حاصل کرتے ہیں جس کے دفاع کے لیے ہم اپنی جانیں بھی
قربان کرنا جانتے ہیں
ہمت ہے تو آؤ (تم ہمیں بزدل نہیں پاؤ گے).
ہم نے ہل چلا چلا کر اپنی دھرتی کو محنت کش کاشتکاروں کی طرح اپنے خون پسینے سے سینچا ہے
ایسی سرسبز و شاداب وادی تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگی.

کنویں سے پانی نکالنے کا
ایک قدیم طریقہ

حجاز کی سرزمین جس قسم کے آتش فشانی لاوے کی چٹانوں سے بنی ہے وہاں زیرزمین پانی کی بہتات ایک نعمت عظمیٰ سے کم نہیں. لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کنوؤں کی کھدائی پر زر کثیر صرف ہوتا تھا اس لیے صرف معدودے چند لوگ ہی کنوؤں کے مالک تھے جب کہ دوسرے لوگ اونٹوں یا دوسرے باربردار جانوروں پر پانی لاد کر لاتے یا پھر غلام چمڑے کے مشکیزے اپنے کندھوں پر اٹھا کر پانی ڈھویا کرتے تھے. ہجرت مبارکہ کے پہلے سال جب مہاجرین ابھی پوری طرح معاشی طور پر مستحکم نہیں ہوئے تھے تو ان میں سے اکثر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دوسروں کے لیے پانی ڈھو کر حصول معاش کرتے تھے. اس سلسلے میں سب سے درخشندہ مثال سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی ہے جو کہ ایک یہودی شمعون کا پانی ڈھوتے تھے جو کہ انہیں بہت دور سے لانا پڑتا تھا اور ہر پانی کے مشکیزے کے بدلے ان کو صرف ایک کھجور کا دانہ بطور معاوضہ ملتا تھا. وہ کنواں (جو کہ شیعہ حضرات کی روایت کے مطابق قباء میں بئر غرس تھا) اتنا دور تھا کہ دن بھر میں شیر خدا علی المرتضیٰ سلام اللہ علیہ صرف سولہ مشکیزے ہی اس یہودی کے گھر پہنچا پاتے تھے جن کے عوض ان کو سولہ کھجوریں ملتیں. مواخات کے تحت چونکہ سرکار دوعالم ﷺ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ میں رشتہ مواخات قائم ہو چکا تھا اس لے شیر خدا رضی اللہ عنہ ان سولہ کھجوروں میں سے آٹھ کھجوریں حضور رسالت مآب ﷺ میں پیش کر دیتے تھے. رشتہ مواخات کے تحت عموماً ہر دو فریق باری باری کام کرنے کے پابند تھے اور دیگر اصحابہ کرام میں یہی اصول مسلمہ تھا کہ اگر ایک بھائی ایک دن کام کرتا تو دوسرے دن دوسرا بھائی کام کرتا تھا مگر شیر خدا سیدنا علی مرتضیٰؓ سرکار دوعالم ﷺ کی باری کے دن بھی خود ہی پانی ڈھوتے تھے محبت کا یہ رشتہ اتنا پائیدار تھا کہ آپ روزانہ آٹھ کھجوریں دربار رسالت میں پیش کرتے تھے.

قبل از اسلام کے ان کنوؤں میں سے جو ابھی تک اپنی اصلی حالت میں باقی بچے ہوئے ہیں ایک ایسا کنواں بھی ہے جو کہ کعب بن الاشرف یہودی کے محل کے صحن میں ہوا کرتا تھا. اس کی آثار قدیمہ کی شکل میں باقیات اس کی قبل از اسلام کنوؤں کی طرز تعمیر اور پائیداری کا منہ بولتا ثبوت ہے جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یثرب قدیم میں لوگوں کو پانی کے حصول کے لیے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی تھی. اگرچہ اس یہودی کا محل تو بے اعتنائی کے سبب زبوں حالی میں مبتلا ہے مگر کنواں ابھی بھی اچھی حالت میں ہے اگرچہ اس میں اینٹ پتھر اور کوڑا کرکٹ پھینک کر آدھے سے زیادہ حصے کو بھر دیا گیا ہے. یہود کی مدینہ بدری پر دہ محل اور کنواں لامحالہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے قبضے میں رہا ہوگا اور نہ جانے صدیوں تک کتنے مومنین کی پیاس بجھانے کا سبب بنا ہوگا یا پھر اس محل کے اردگرد واقع کھجوروں کے ہرے بھرے باغات کی آبیاری کرتا رہا ہوگا.

ازمنہ قدیم کے ایسے بہت سے کنویں تھے جو اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیر ملکیت آ چکے تھے اور حضور رسالت مآب ﷺ کئی

باران کنوؤں کوشرف زیارت بخش چکے تھے. بہت سے ایسے کنویں تھے جن میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا اور پھر ان کا پانی
تبرک وتقدس کی ان بلندیوں کو چھونے لگا کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کا پانی پینا باعث ثواب اور سعادت سمجھتے تھے. کتنے ایسے
کنویں تھے جن کے پانی سے رسول مقبول ﷺ نے غسل فرمایا یا وضوء اور پینے کے لیے استعمال فرمایا. ایسی بہت سی احادیث مبارکہ ملتی ہیں جن
میں اس بات کا بالصراحت ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کنوؤں کی تلاش میں سرگرداں رہا
کرتے تھے جن کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے جڑ چکی تھی اور ان کنوؤں سے پانی پینا باعث سعادت سمجھتے تھے. حضرت سعید بن عبدالرحمٰن بن
رشیقؓ سے مروی ہے کہ: [حضرت انس بن مالکؓ ہمارے پاس قباء میں آئے اور بئر غرس کے محل وقوع کے متعلق پوچھنے لگے (اور پھر اس کے
بعد انہوں نے وہ تمام حدیث مبارکہ بیان فرمائی جس میں رسول اللہ ﷺ کا اس کنویں کے پاس تشریف لانا اور اس میں اپنا لعاب دہن مبارک
ڈالنے کا ذکر ہے). (۳) بہت سے کنویں تو میٹھے پانے کے تھے جب کہ کچھ ایسے بھی تھے جن کا پانی کھارا ہوتا تھا اور پینے کے لیے مناسب نہیں
سمجھا جاتا تھا. موخر الذکر قسم کے کنوؤں میں لوگ اکثر اوقات کوڑا کرکٹ پھینک دیا کرتے تھے. چند کنویں مسجد نبوی شریف کے آس پاس تھے
جب کہ کچھ دور دراز علاقوں میں تھے. نزدیکی کنوؤں میں بئر حضرت ابوایوب الانصاریؓ بھی شامل تھا جو کہ اس علاقے میں آ گیا ہے جہاں
بقیع الغرقد کی توسیع کر کے گورستان بن چکا ہے. اسی کنویں سے پانی نکال کر مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے لیے مٹی اور گارا تیار کیا گیا تھا اور اسی
سے اس کی اینٹیں سینچی گئی تھیں. اسی پانی سے حجرات مبارکہ اور آستانہ مبارکہ ہادی صراط مستقیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے اینٹیں اور گارا
تیار کیا گیا تھا. اس کے علاوہ حضرت ابوایوب الانصاریؓ کا ایک اور کنواں بھی ہوا کرتا تھا جو کہ بئر حاء کے قریب پڑتا تھا. بئر بصہ کا کنواں بقیع
الغرقد سے جنوب مشرقی جانب بنو خدرہ کے علاقے میں حضرت ابوسعید الخدریؓ کے گھر کے پاس ہوا کرتا تھا. شمالی جانب تو بہت ہی مشہور
کنواں تھا جو کہ بئر حاء کے نام سے مشہور تھا. اس کے علاوہ شمال مغربی جانب حضرت مالک بن سنانؓ کا کنواں تھا. حضرت انس بن مالکؓ کا
بھی اپنا کنواں ہوا کرتا تھا. (۴) حضرت سلمہ زوجہ حضرت رافعؓ سے مروی ہے: [جب رسول اللہ ﷺ حضرت ابوایوب الانصاریؓ کے ہاں مقیم
تھے تو وہ (یعنی حضرت ابوایوبؓ) سرور کونین محبوب رب المشرقین ورب المغربین ﷺ کے لیے مالک بن نضر کے کنویں سے پانی ڈھویا
کرتے تھے. (۵)

سیدنا عثمان بن عفانؓ کے زمانہ خلافت راشدہ میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے وادی العقیق میں ذوالحلیفہ کے علاقہ میں تئیس-۲۳
کنویں کھدوائے تھے. ان کنوؤں سے نہ صرف اس علاقے کی اراضی کی آبیاری ہوتی تھی جو کہ مدینہ طیبہ کے باسیوں کو پھل اور سبزیاں مہیا
کرتا تھا بلکہ اکثر لوگ (خاص طور پر حجاج کرام) پینے کے لیے بھی انہیں کنوؤں سے پانی حاصل کرتے تھے. اسی طرح حضرت عروہ بن زبیرؓ
نے جو کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے چھوٹے بھائی اور ایک جلیل القدر تابعی تھے بھی اپنے محل کے قریب رفاہ عامہ کے لیے ایک کنواں وقف کیا
ہوا تھا جو کہ مدینہ طیبہ سے وادی ذوالحلیفہ جانے والے راستے پر واقع تھا اور حجاج کرام اور زائرین اس سے پوری طرح مستفید ہوتے تھے.
اس کے علاوہ اس کنویں نے اہل مدینہ طیبہ کی پانی کی ضروریات پوری کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا. جوں جوں مدینہ طیبہ کی آبادی
بڑھتی گئی پانی کی ضروریات میں اضافہ ہوتا گیا. حضرت معاویہؓ کے حکم پر مروان بن الحکم نے اہالیان مدینہ طیبہ کی سہولت کے لیے قباء میں ایک
بہت بڑا کنواں کھدوانے کا اہتمام کیا اور پھر اس کا پانی زیر زمین نلوں کے ذریعے مدینہ طیبہ لایا گیا جس کو عین الزرقاء کہا جاتا تھا. اسی طرح اہل
بیت الطاہرہ میں سے حسین بن زید بن علی بن الحسینؓ نے تین کنویں کھدوائے تھے جن کو عیون الحسین کہا جاتا تھا (۶) جو کہ مدینہ طیبہ کے شمال
کی جانب کے علاقے میں واقع تھے اور انہی کنوؤں کی نسبت سے آج بھی وہ علاقہ العیون ہی کہلاتا ہے. ایک کنواں سیدۃ فاطمہ بنت الحسین
بن علی ابن ابی طالبؓ نے اپنے گھر میں حرہ الوبرہ میں کھدوایا تھا جس سے اردگرد کے علاقے مستفید ہوتے تھے. (۷)

اونٹ یا بیل جوت کر کنوؤں
سے پانی نکالا جاتا تھا
تصویر: ابراہیم رفعت پاشا
(۱۹۰۳ء)

تاریخ مدینہ طیبہ میں سات کنوؤں نے بہت ہی شہرت پائی ہے کیونکہ ان کا پانی رسول رؤف الرحیم ﷺ کی ذات بابرکات نے مختلف مواقع پر استعمال فرمایا تھا. الدارمی میں دی گئی ایک حدیث مبارکہ میں جو کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے بیان کیا گیا ہے کہ تاجدار مدینہ شہ بطحاء علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے مرض الموت میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سات مختلف کنوؤں سے پانی کے سات مشکیزے لانے کے لیے حکم دیا تھا جس کی تعمیل کی گئی اور پھر انہی سات مشکیزوں سے حیات طیبہ کا آخری غسل صحت فرمایا اور پھر اس کے بعد آخری نماز کے لیے کاشانہ اقدس سے باہر قدم رنجہ فرمایا تھا. اسی نسبت سے وہ کنویں سات متبرک کنویں کہلائے جن کے نام یہ ہیں:

بئر الاریس، بئر الغرس، بئر الرومہ (بئر سیدنا عثمان غنیؓ)، بئر بضاعہ، بئر بصہ، بئر حاء، بئر العہن (۸)

چونکہ ابتداء میں ان تمام کنوؤں کا پانی کھارا ہوا کرتا تھا ان میں سے اکثر و بیشتر پینے کے لیے بہت کم استعمال ہوا کرتے تھے. لیکن جب سرور کائنات صلوٰۃ اللہ وسلام علیہ نے ارض طیبہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو ان کنوؤں کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا. جب کبھی آپ حضور ﷺ کسی کنویں پر تشریف لے جاتے اور لوگ اس کے پانی کے کھارا ہونے کی شکایت کرتے تو سرور کونین ﷺ اس میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈال دیتے جس سے ان کنوؤں کا پانی تبرک و تقدس کی اوج ثریا پر جا پہنچتا. اس معاملے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں. ان کا پانی بابرکت اور شفاء آور تھا اور اگر کوئی بیمار آ جاتا تو امہات المومنین رضوان اللہ علیہن اکثر اصحابہ کرام یا تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان کنوؤں کے پانی سے غسل کرنے کا نسخہ بتایا کرتی تھیں. نسبت رسول مقبول ﷺ سے یہ ساتوں کنویں تاریخ مدینہ طیبہ میں بہت اہمیت کے حامل رہے ہیں اور چودہ صدیوں تک مسلمان جوق در جوق ان کی زیارت کرنے اور ان کے پانی سے شفایاب ہونے کی کوشش کرتے آئے ہیں.

سیرۃ طیبہ سے نسبت کی وجہ سے ان کنوؤں کی اہمیت کے پیش نظر مدینہ طیبہ کے حکمران ان کنوؤں کی دیکھ بھال کا خاص اہتمام کرتے لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ ان میں سے بعض بے اعتنائی کا شکار بھی رہے اور یوں وہ یا تو وہ منہدم ہو گئے یا پھر ان میں پانی خشک ہو گیا. امام المراغی (ت: ۸۱۶ ہجری) بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایام میں صرف چھ کنویں مشہور تھے جب کہ ساتویں کی پہچان بھی اکثر لوگوں کو نہیں تھی. (۹) تاہم ان کے دو سو سال بعد امام سمہودیؒ نے بہت ہی تگ و دو کے بعد اس ساتویں کنویں کا کھوج لگایا اور کھدائی کروا کر اس کی مرمت کروائی اور عامۃ الناس کو مستفید ہونے کا موقع دیا. مختلف ادوار کے حکمرانوں اور مخیر حضرات نے ان کنوؤں کی دیکھ بھال میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور یوں وہ کنویں صدیوں تک عاشقان تبرکات نبوی کی پیاس بجھاتے رہے. اس دور میں عمرانی ترقی اور ایک مخصوص مکتبہ فکر نے ان تبرکات نبوی شریف کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی بجائے کافی حد تک پس پشت ڈال دیا ہے. دو کنویں تو چونکہ مسجد نبوی شریف کے قریب واقع تھے وہ تو اس کے توسیعی منصوبے کی نذر ہو گئے اور ایک مسجد قباء کے چوراہے پر دفن کر دیا گیا ہے. چند کو جو ابھی تک موجود ہیں یا تو لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا گیا ہے (بئر رومہ) یا پھر ان کو ڈھانپ دیا گیا ہے (بئر غرس اور بئر عہن) تاکہ کوئی ان سے اپنی پیاس نہ بجھا سکے اگرچہ ان میں سے تین بقید حیات ہیں اور ابھی تک ان میں پانی موجود ہے. تاریخی نقطہ نگاہ سے ان کی مسلمہ اہمیت کے پیش

نظر ہم ان کنوؤں کی تاریخ پر روشنی ڈالنا چاہیں گے جن کا تعلق سیرۃ رسول اللہ ﷺ اور سیرۃ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے رہا ہے.

بئر حاء:

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [حضرت ابوطلحہؓ (جو کہ رشتہ میں ان کے سوتیلے والد تھے) مدینہ طیبہ میں انصار میں سب سے زیادہ امیر آدمی تھے اور بئر حاء (حاء کا کنواں) جو کہ مسجد نبوی شریف کے سامنے تھا ان کی ایک ایسی جائیداد تھی جو انہیں بہت محبوب تھی. رسول اللہ ﷺ اس کے زینے سے اتر کر اس کنویں میں تشریف لے جاتے اور اس کے میٹھے پانی سے محظوظ ہوتے تھے.] (۱۰) رسول اللہ ﷺ اکثر اوقات اس کنویں پر تشریف لے جاتے اور اس کا پانی استعمال فرماتے اور اکثر اس کے گرد واقع نخیل واشجار کے سائے میں استراحت فرماتے. جہاں تک اس کے نام 'حاء' کا تعلق ہے اس سلسلے میں بہت سی روایات ہیں. بعض کا خیال ہے کہ یہ کسی آدمی کا نام ہو گا جب کہ کچھ مورخین کی رائے میں اس کا یہ نام اس علاقے کی نسبت سے تھا جہاں یہ واقع تھا. احادیث مبارکی میں بھی اسے 'بئر حاء' ہی کہا گیا ہے.

انہدام سے پہلے بئر حاء کی ایک بہت پرانی تصویر
(تصویر: احمد یاسین خیاری)

صحیح مسلم کے مطابق حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے: [حضرت ابوطلحہؓ مدینہ طیبہ کے امیر ترین انصار میں شمار ہوتے تھے جن کی بہت سی جائیداد تھی جس میں بئر حاء کا باغ بھی شامل تھا جو انہیں بہت محبوب تھا. یہ باغ مسجد نبوی شریف کے سامنے (قریب تھا) اور سرکار دو عالم ﷺ اکثر اس کنویں پر تشریف لے جاتے اور اس کے میٹھے پانی سے محظوظ ہوتے تھے. جب اس آیت مبارکہ کا نزول ہوا: ﴿تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک کہ تم راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو.﴾ (القرآن: آل عمران: ۹۲) تو حضرت ابوطلحہؓ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ﴿تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک کہ تم راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو﴾ میری سب سے محبوب جائیداد تو بئر حاء ہے، لہذا میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں جس سے مجھے اس کا انعام واکرام ملے گا. لہذا یا رسول اللہ ﷺ آپ جس مقصد کے لیے چاہیں اسے استعمال میں لائیں. شہ دوسرا ﷺ نے فرمایا: [شاباش! یہ تو بہت منافع بخش جائیداد ہے. جو تم نے کہا میں نے سن لیا ہے اور میرا خیال ہے کہ تم اسے اپنے اعزہ واقارب پر خرچ کرو. لہذا حضرت ابوطلحہؓ نے اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا اور آپ حضور ﷺ نے حضرت ابوطلحہؓ کے اقارب اور ان کے چچیرے بھائیوں (حضرت صفوان بن معطلؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ) میں تقسیم فرما دیا.] (۱۱) اس طرح اس فرمان ربانی کے نزول کے بعد حضرت ابوطلحہؓ وہ پہلے اصحابی بن گئے تھے جنہوں نے اپنی محبوب ترین جائیداد فی سبیل اللہ تصدق کی تھی اور بئر حاء کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ پہلی زرعی جائیداد تھی جو کہ اس حکم رب ذوالجلال کے بعد صدقہ کی گئی.

باب فہد سے داخل ہوتے ہی بائیں جانب فرش مسجد نبوی پر جو نشانات بنائے گئے ہیں ان سے بئر حاء کے متبرک کنویں کا محل وقوع ظاہر کرنا مقصود ہے

جب حضرت حسان بن ثابتؓ ام المومنین سیدۃ عائشہؓ کے خلاف الزام تراشی میں ملوث ہو گئے تو ان کے قبیلے کے ایک فرد نے (حضرت صفوان بن معطلؓ جن پر اس معاملے میں تہمت لگائی گئی تھی) انہیں برا بھلا کہا اور دونوں میں جھگڑا ہو گیا اور نوبت بایں جا رسید کہ حضرت صفوانؓ نے حضرت حسان بن ثابتؓ پر تلوار کھینچ لی کیونکہ انہوں نے ان پر ہجو یہ شعر کہے تھے. حضرت صفوانؓ نے (جو کہ

مسجد نبوی میں بئر ''حاء'' کا خاکہ
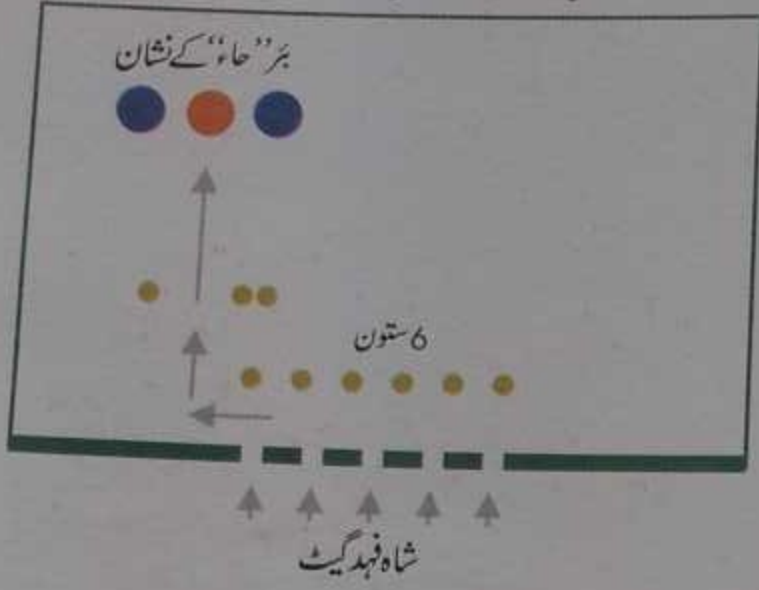
خود بھی ایک اچھے شاعر تھے) یہ شعر پڑھتے ہوئے ان پر اپنی تلوار سے وار کر دیا:

تو لیجیے میری تلوار کی دھار اب تمہاری خبر لیتی ہے

جب تم میرے جیسے آدمی پر تہمت لگاؤ گے تو بدلے میں تمہیں ہجویہ شعر نہیں ملیں گے۔

اس وار سے حضرت حسان بن ثابتؓ زخمی ہو گئے۔ ابن اسحاق کے بیان کے مطابق جب معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش ہوا تو قصاص کے طور پر سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت صفوان بن معطلؓ سے بئر حاء میں سے وہ حصہ جو کہ انہیں عطا کیا گیا تھا وہ واپس لے کر تعویض کے طور پر حضرت حسان بن ثابتؓ کو عنایت کر دیا گیا۔ ابن اسحاق کے مطابق اس دور میں یعنی جب کہ وہ معرکۃ الآراء سیرۃ رسول اللہ ﷺ مدون کر رہے تھے وہ جائیداد بنی جدیلہ کا محل (قصر) کہلاتی تھی۔ وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ابتداء میں تو یہ حضرت ابوطلحہ بن سہلؓ کی ملکیت تھا جنہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ پر تصدق کر دیا تھا اور پھر آپ نے قصاص کے طور پر اسے حضرت حسان بن ثابتؓ کو ان زخموں کے قصاص میں عطا کر دیا جو انہیں لگے تھے۔ (۱۲) ابن شبہ نے بھی بیان کیا ہے کہ حضرت صفوانؓ تلوار سونتے ہوئے حضرت حسان بن ثابتؓ کی تلاش میں نکل پڑے جب کہ انہوں نے اپنے مشہور اطم میں پناہ لی ہوئی تھی جو کہ مسجد نبوی شریف کی غربی جانب تھا۔ یہ مذکورہ واقعہ اسی محل پر ہوا۔ (۱۳)

بعد میں جب حضرت معاویہؓ نے اسلامی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی تو انہوں نے اس جائیداد کا بڑا حصہ اپنے لیے خرید لیا اور اس پر محل بنوا لیا جس کی وجہ سے وہ تمام علاقہ قصر بنی جدیلہ کہلانے لگ گیا کیونکہ ان دنوں وہاں بنی جدیلہ آباد تھے۔ (۱۴) چونکہ یہ جائیداد مسجد نبوی شریف کے قریب تھی اس لیے حضرت معاویہؓ نے اسے ۱۰۰،۰۰۰ درہم میں خریدا تھا۔

یہ علاقہ جہاں بنی جدیلہ (جو کہ بنی معاویہ النجاریہ کی ایک شاخ تھی) آباد تھے مسجد نبوی شریف کی شمالی جانب تھا۔ (۱۵) ابن نجار (ولادت: ۵۷۸ ہجری) بیان کرتے ہیں کہ یہ کنواں ۱۰ ذرع (تقریباً ۵ میٹر) گہرا تھا اور اس میں پانی کی گہرائی ۵ ذرع تھی اور اس کنویں کا قطر ۵،۳ ذرع تھا۔ (۱۶) جمال المطری (ت: ۷۴۱ ہجری) کے بیان کے مطابق یہ کنواں ان دنوں فصیل شہر جاناں کے ساتھ انتہائی شمالی جانب واقع تھا اور ایک ایسے محلے میں پڑتا تھا جسے النوریہ کہا جاتا تھا کیونکہ نوریہ کی چند مخیر خواتین نے اسے خرید کر رفاہ عامہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ (۱۷)

علی بن موسی آفندی کے مطابق (۱۸۸۵ء میں) بئر حاء اور اس کے ارد گرد کھجوروں کے بستان کا معتدبہ حصہ سلیمان کردی اور مصطفیٰ کردی کی ملکیت تھا جبکہ اس کے کچھ حصے کی ملکیت مرجان آغا سلیم کے پاس تھی۔ (۱۸) خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد کے ہاتھوں مسجد نبوی شریف کی عظیم تر توسیع سے پہلے یہ کنواں باب عبدالمجید کے سامنے والے علاقے میں ہوا کرتا تھا۔ اس کی شرقی جانب پرانا فندق بہاء الدین تھا (قارئین کرام اسے سمانیہ کے علاقے میں موجودہ فندق بہاء الدین پر محمول نہ کریں جو اب ۲۰۰۳ کے اوائل میں زیر انہدام ہے)۔ ابراہیم العیاشی کے مطابق اگر چہ یہ علاقہ بہت گنجان آباد تھا اور بئر حاء کے ارد گرد اس وقت بہت سے ہوٹل اور عمارتیں بن چکی تھیں، مگر یہ کنواں جدید عمرانی ضروریات کی دستبرد سے سن ستر کی دہائی تک محفوظ رہا تھا۔ محکمہ اوقاف حرم نے اسے اپنی تحویل میں لے کر اسے پٹے پردے دیا تھا۔ ان کے مطابق کنواں اگر چہ سوکھ چکا تھا مگر اس پر ایک چھت ہوا کرتی تھی اور اس کا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا تھا۔ (۱۹) اس کے قریب ہی ایک چھوٹی سی متروکہ غیر آباد مسجد بھی ہوا کرتی تھی۔

جب شاہ فہد کے دور میں مسجد نبوی شریف کی آخری بار توسیع ہوئی تو حکومت نے بئر حاء اور اس کے ارد گرد کا تمام علاقہ حاصل کر لیا اور پھر اس علاقے کا کثیر حصہ موجودہ مسجد نبوی شریف کے اندر آ گیا۔ اس کا موجودہ محل وقوع مسجد نبوی شریف کے اندر ہے اور پہچان کے لیے مسجد

بئر اریس کی نادر تصویر
انہدام سے پہلے اس پر ایک
گنبد بھی ہوا کرتا تھا

شریف کے اس حصے میں نشان بنا دیئے گئے ہیں. جب ہم باب ملک فہد (گیٹ نمبر ۲۱) سے مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو صرف چند قدم پر پہلی ستونوں کی رو میں اگر ہم تھوڑا بائیں طرف چلیں تو دو ستونوں کے درمیان سطح فرش پر تین گول دائرے بنے نظر آتے ہیں ۔ ان میں سے ستونوں کی جانب والے دونوں دائرے نیلگوں سنگ مرمر سے بنائے گئے ہیں جب کہ درمیانی دائرہ گلابی رنگ کے مرمر سے بنا ہے. یہ تینوں دائرے باب نمبر ۲۱ اور ۲۲ کے درمیان سامنے پڑتے ہیں. یہی وہ جگہ ہے جہاں کہ مدینۃ الرسول ﷺ میں وہ تاریخی کنواں تھا جہاں سرکار دوعالم ﷺ اکثر تشریف لایا کرتے تھے اور استراحت فرماتے تھے. پہلے اتنے حصے پر قالین نہیں ہوا کرتا تھا مگر اب کی بار جب رمضان المبارک ۱۴۲۳ء ہجری کو حاضری ہوئی تو اس جگہ کو قالین سے ڈھانپا ہوا پایا گیا. باوثوق ذرائع کے مطابق بئر حاء کا مبارک کنواں ابھی تک زیر زمین تہہ خانہ میں موجود ہے لیکن چونکہ عام آدمی کی دسترس سے باہر ہے اس لیے لوگ اس کی زیارت یا اس کے پانی سے استفادہ سے محروم ہیں. اس کنویں میں آج کے دور میں بھی پانی وافر مقدار میں موجود ہے جو کہ بارشوں کے موسم میں کنویں کی منڈیروں سے بہنے لگ جاتا ہے اور یوں عشاق کی پیاس بجھائے بغیر نکاسی آب کے نظام سے مل کر باہر نکل جاتا ہے.

بئر اریس:

ماضی میں مسجد قباء کے نواح میں یہ بہت ہی معروف مبارک کنواں ہوا کرتا تھا. زمانہ جاہلیت میں چونکہ اسے اریس نامی یہودی نے بنوایا تھا اس لیے یہ کنواں 'بئر اریس' کے نام سے ہی جانا جاتا رہا. اسے 'بئر خاتم' بھی کہا جاتا تھا. حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے مروی ہے کہ ایک بار وہ اپنے گھر سے وضوء کر کے یہ کہتے ہوئے نکل پڑے کہ وہ تمام دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزاریں گے. وہ مسجد نبوی شریف آئے اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق استفسار کیا تو پتہ چلا کہ آپ حضور ﷺ فلاں جانب تشریف لے جا چکے تھے. وہ بیان کرتے ہیں کہ: میں بھی آپ حضور ﷺ کے نقش قدم پر اسی طرف چل دیا یہاں تک کہ میں بئر اریس پر پہنچ گیا. میں اس بستان کے لکڑی کے دروازے پر ہی بیٹھا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے حوائج سے فارغ ہو کر وضوء بنا چکے تھے. میں سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ حضور ﷺ نے اس وقت اپنی پنڈلیوں تک تہبند کو اٹھایا ہوا تھا اور کنویں کی منڈیر پر اس انداز سے تشریف فرما تھے کہ پائے مبارکہ کنویں میں لٹک رہے تھے. میں نے سلام عرض کیا. پھر میں واپس دروازے کے اندر کی طرف جا کر بیٹھ گیا تا کہ میں دروازے پر دربانی کرسکوں. اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی وہاں تشریف لے آئے اور دروازے پر دستک دی. میں نے پوچھا کہ کون ہیں تو انہوں نے فرمایا: ابوبکرؓ!. میں نے عرض کیا کہ انتظار فرمایئے اور میں خود اندر گیا اور عرض کیا کہ ابوبکرؓ اذن حاضری چاہتے ہیں. سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: انہیں اندر آنے دیں اور

بئر اریس کی ایک اور نادر تصویر جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اونٹوں کی مدد سے پانی نکالا جاتا تھا
(تصویر: رفعت پاشا، ۱۹۰۲ء)

انہیں جنت کی بشارت دیں. میں ان کے پاس واپس آیا اور انہیں اندر جانے کے لیے کہا اور ساتھ ہی خوشخبری بھی سنادی. حضرت ابوبکرؓ اندر آئے اور سرکار دوعالم ﷺ کی داہنی جانب اسی کنویں کی منڈیر پر اپنی ٹانگیں ویسے ہی لٹکا کر بیٹھ گئے اور جیسا کہ سرکار دوعالم ﷺ نے اپنی ساقین مبارکہ سے کپڑا ہٹایا ہوا تھا ویسے ہی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی کیا. میں واپس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا. میں اپنے بھائی کے متعلق سوچ رہا تھا جو کہ وضوء کرنے کی وجہ سے مجھ سے پیچھے رہ گئے تھے اور وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آنے والے تھے. میں دل میں کہہ رہا تھا کہ اگر اللہ نے فلاں کے بارے میں بہتری چاہی ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ میرے بھائی کے بارے میں بھی خیر و بہتری چاہے گا اور اسے یہاں لے آئے گا. میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا. میں نے پوچھا کون ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: عمر بن الخطابؓ. میں نے کہا انتظار فرمایئے. پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا: ''عمرؓ اذن حاضری کے لیے درخواست گزار ہیں! حضور رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہوا: انہیں اندر آنے دیجیے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جنت کی بشارت دے دیجیے. اس طرح وہ بھی اندر حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی بائیں جانب اپنی ٹانگیں کنویں میں لٹکا کر بیٹھ گئے. میں پھر واپس آ کے بیٹھ گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ اگر اللہ نے فلاں کے بارے میں بہتری چاہی ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ میرے بھائی کے بارے میں بھی خیر و بہتری چاہے گا اور اسے یہاں لے آئے گا. میں ابھی یہی سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی. میرے استفسار پر انہوں نے کہا 'عثمان بن عفان!' میں نے کہا انتظار فرمایئے اور پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ان کے متعلق عرض کیا. جناب رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ انہیں اندر آنے دیجیے اور انہیں بلوہ اور فساد کی خبر دیں جو کہ انہیں درپیش ہوں گے. میں نے آ کر ان سے عرض کیا کہ اندر تشریف لے آئیں اور ان کو بہشت کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی ان فتنوں کی اطلاع بھی دی جن کا کہ ان کو سامنا کرنا تھا. وہ اندر گئے اور دیکھا کہ کنویں کی منڈیر کا وہ حصہ جہاں سرکار دوعالم ﷺ تشریف فرما تھے خالی نہ تھی. لہذا وہ (آپ حضور ﷺ کے سامنے منڈیر پر) مقابل سمت میں بیٹھ گئے....(۲۰) حضرت سعید بن المسیبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس کنویں کی منڈیر پر سرکار دوعالم ﷺ کے شانہ بشانہ بیٹھنے کی ترتیب (یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ داہنی جانب اور حضرت عمر بن الخطابؓ باہنی جانب) سے مراد یہ تھی کہ شیخین کریمین رضوان اللہ علیہما بعد از وفات بھی حجرہ مطہرہ میں ایک ہی کمرے میں محو استراحت ہوں گے جب کہ سیدنا عثمانؓ جگہ نہ مل سکنے کے باعث ان کے سامنے بیٹھے تھے، یعنی ان کے لیے حجرہ مطہرہ میں جگہ نہ تھی اور اس لیے وہ بقیع الغرقد میں قدمین شریفین کے سامنے مدفون ہوئے. (۲۱)

یہ واقعہ جس مقام پر رونماء ہوا تھا وہ بستان اور بئر اریس تھا جو کہ فیروز آبادی کے بیان کے مطابق مسجد قباء کی غربی جانب ایک باغ میں ہوا کرتا تھا جو کہ نویں صدی ہجری میں بنی حسین ابن علیؓ کی اولاد الاشراف کے قبضہ میں تھا. شروع میں یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا جس کا
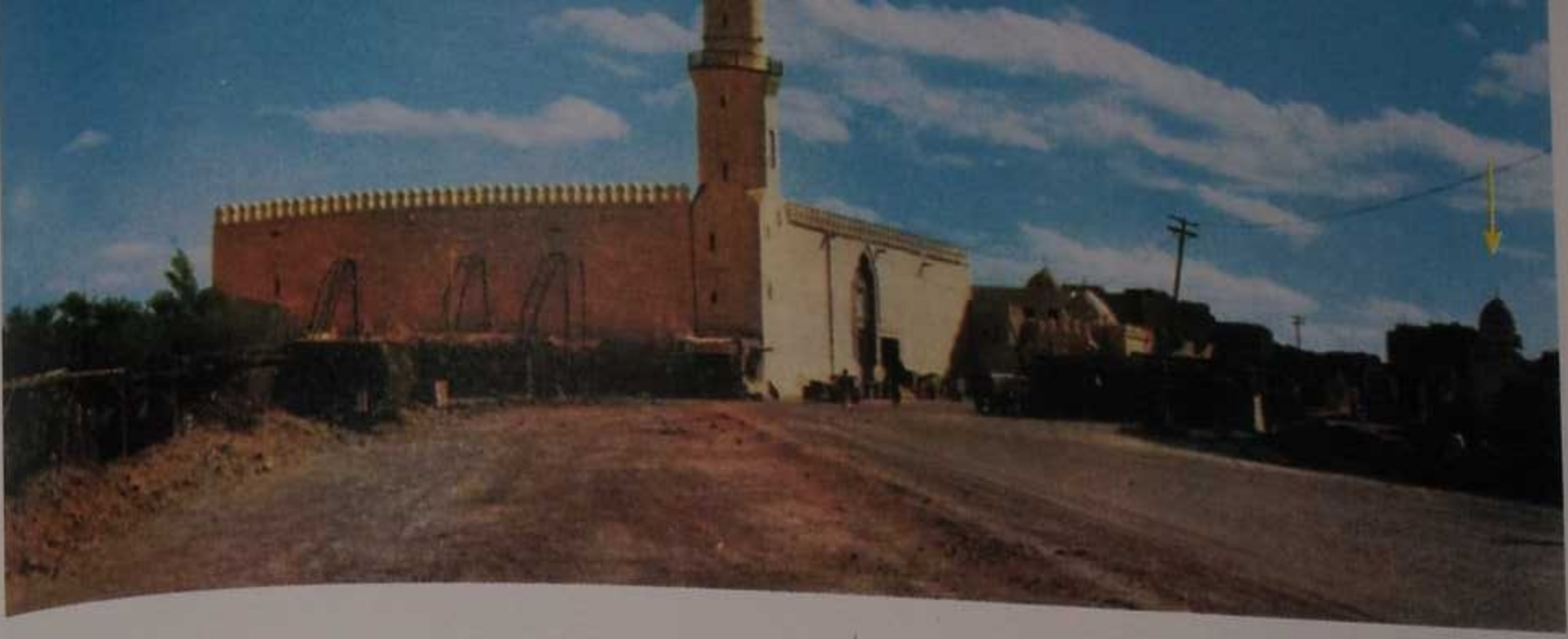
پیلے تیر کے نشان سے بئر اریس کے متبرک کنویں کی عمارت کو ظاہر کیا گیا ہے جو اب قبا روڈ کے نیچے دفن ہو کر رہ گیا ہے

نام 'اریس' تھا جسے حضرت عثمان بن عفانؓ نے مدینہ طیبہ کے عامۃ المسلمین کے لیے خرید کر ہبہ کر دیا تھا. یہی وہ کنواں تھا جہاں بیٹھے بیٹھے اس میں سیدنا عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ سے وہ انگوٹھی گر گئی تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ پہنا کرتے تھے. ایسا ان کے دور خلافت کے چھٹے سال میں ہوا تھا. تین دن تک اس کنویں کا پانی نکالا جاتا رہا یہاں تک کہ اس کا پانی بالکل خشک ہو گیا مگر وہ متبرک انگوٹی نہ ملنی تھی اور نہ ملی. اس انگوٹی کا گم ہونا تھا کہ سیدنا عثمانؓ ایک بہت بڑی نعمت سے محروم ہو گئے اور آہستہ آہستہ ان کے خلاف فتنوں اور یورشوں نے سر اٹھا لیا جو بالآخران کی طویل محصوری اور شہادت پر منتج ہوئے.

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے: [جب حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے ان کو ایک خط لکھا اور اس پر رسول اللہ ﷺ کی ختم یعنی انگشتری مبارک سے مہر لگائی. اس انگوٹھی پر تین سطروں میں یہ حروف کنداں تھے: [’محمد‘ (ﷺ) ایک سطر میں، ’رسول‘ دوسری سطر میں اور ’اللہ‘ تیسری سطر میں تھا.] حضرت انسؓ نے مزید بیان فرمایا کہ: [رسول اللہ ﷺ کی انگشتری تا حیات آپ حضور ﷺ کے ہاتھ میں رہی، پھر اس کے بعد وہ انگوٹھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ہاتھ میں رہی اور بعد میں حضرت عمر فاروقؓ کے پاس رہی. جب حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ تھے تو ایک بار وہ بئر اریس کی منڈیر پر بیٹھے تھے. انہوں نے وہ انگوٹھی اپنی انگشت سے اتاری اور اس سے کھیل رہے تھے کہ اچانک وہ انگوٹھی ان کے ہاتھ سے کنویں میں گر گئی. ہم حضرت عثمانؓ کے ساتھ تین دن تک اس کنویں پر جاتے رہے اور اسے تلاش کرتے رہے. آخر کار کنویں کا تمام پانی خشک ہو گیا مگر وہ انگشتری نہ مل سکی.] (۲۳) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ سونے یا چاندی کی انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور اس کا نگینہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ہتھیلی مبارک کی جانب ہوا کرتا تھا. اس پر ”محمد رسول اللہ“ کے الفاظ کنداں تھے. لوگوں نے بھی ویسی ہی انگوٹھیاں پہننی شروع کر دیں. جب سرکار دو عالم ﷺ نے دیکھا تو یہ فرماتے ہوئے اپنی انگوٹھی پھینک دی: [میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا.] اور اس کے بعد آں حضور ﷺ نے چاندی کی انگشتری پہننی شروع کر دی اور لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں پہننی شروع کر دیں.] حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے مزید فرمایا: [رسول اللہ ﷺ کے بعد وہ انگشتری حضرت ابو بکر صدیقؓ نے پہنی اور پھر ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے اور پھر ان کے بعد حضرت عثمانؓ نے اسے اس وقت تک پہنا جب تک کہ وہ ان کے ہاتھ سے بئر اریس میں نہ گر گئی.] (۲۴)

انہدام سے پہلے بئر اریس کی ایک اور نادر تصویر

سرور کائنات ﷺ کی انگشتری (خاتم) کے اس کنویں میں گم ہونے کے واقعہ نے اس کو 'انگشتری والا کنواں' یا 'بئر الخاتم' کے نام سے مشہور کر دیا. ابن نجار کے مطابق یہ کنواں ۱۴ ذرع گہرا تھا جس میں اڑھائی ذرع گہرا پانی ہوا کرتا تھا اور اس کا قطر پانچ ذرع تھا. المطری کے بیان کے مطابق شیخ سیف الدین ابو بکر بن احمد السلمی نے اس میں زینہ بنوا دیا تھا تا کہ لوگوں کو سطح آب تک جانا آسان ہو جائے. سطح آب کے پاس ایک تہہ خانہ بھی بنوا دیا گیا تھا تا کہ لوگوں کو بیٹھنے میں آسانی ہو. اس کنویں پر ایک سنگ تعمیر نصب تھی جس پر اس کی مرمت کا سال ۱۴ے ہجری لکھا ہوا ہوتا تھا. اس کے بعد نجم الدین یوسف الرومی نے جو کہ امیر طفیل کے وزیر تھے اس کی مرمت کروائی. فیروز آبادی کے بیان کے مطابق اسے الرومی نے بنوایا تھا اور سیف الدین نے اس کی مرمت کروائی تھی. (۲۶)

عثمانیوں نے اس کی تعمیر نو کروائی اور اس پر جپسم کا بنا ہوا ایک گنبد بھی تعمیر کروایا. ایک اور گنبد اس کے غربی جانب بھی تعمیر کروایا. ابراہیم رفعت پاشا جس نے مصری حجاج کے امیر الحج کے طور پر مدینہ طیبہ کی ۱۹۰۱ء، ۱۹۰۲ء، ۱۹۰۴ء اور پھر ۱۹۰۸ء میں زیارت کی، اپنی ذکریات طیبہ (مرآۃ الحرمین) میں بیان کرتے ہیں کہ الاریس کے کنویں کا پانی میٹھا تھا اور بہت وافر مقدار میں موجود ہوا کرتا تھا. اونٹ یا دیگر بار بردار جانور پانی کھینچنے کے لیے استعمال ہوا کرتے تھے. اس کا پانی نہ صرف زائرین کے پینے کے کام آتا تھا بلکہ اس کے نواح میں واقع زرعی فارم اور بستان کو بھی سیراب کرتا تھا جو کہ بستان بئر النبی کے نام سے مشہور تھا اور وقف جائیداد تھی جسے محمد پاشا العثمانی نے وقف فی سبیل اللہ کر دیا تھا اور اس وقت وقف حرم النبوی شریف کے تحت تھا. وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اس باغ میں انواع واقسام کے پھل ہوتے تھے اور قباء اور مدینہ طیبہ کے لوگ یہاں سیر و تفریح کی غرض سے آیا کرتے تھے. (۲۷)

بدقسمتی سے بے اعتنائی نے اس تاریخی کنویں کی حالت اتنی خستہ کر دی تھی کہ یہ بر لب انہدام تھا. قاری شریف احمد کے بیان کے مطابق جنہوں نے بئر اریس کی زیارت ۱۹۵۶ء میں کی تھی، اس میں پانی ہوا کرتا تھا مگر جب وہ ۱۹۶۴ء میں مدینہ طیبہ کی زیارت سے دوبارہ بہرہ ور ہوئے تو اس کا پانی سوکھ چکا تھا اور گرد و نواح میں بسنے والے بچے اس میں زینوں کے ذریعے اتر کر کھیلنے کی غرض سے جایا کرتے تھے. (۲۸) اس کے نتیجے میں ۱۹۶۴ء میں اس کنویں کو مسمار کر دیا گیا اور اس سے حاصل ہونے والے علاقے کو مسجد قباء کے قریب ایک میدان اور پارک میں تبدیل کر دیا گیا تھا. صاحب ''ابواب تاریخ المدینہ'' علی حافظ نے جو کہ اس وقت بلدیہ مدینہ طیبہ کے رئیس ہوا کرتے تھے بہت ہی دکھ بھرے لہجے میں لکھا ہے:

> بلدیہ مدینہ طیبہ نے اس علاقے کو ہموار کر کے مسجد قباء کے پاس ایک میدان بنا دیا ہے اور ایسا کرنے سے وہ کنواں اسی میدان کے نیچے دب گیا ہے. تاہم اسے ابھی بھی کھود کر ایک تاریخی یادگار کے طور پر محفوظ کیا جا سکتا ہے. (۲۹)

اس کے بعد جب مساجد مدینہ طیبہ کے منصوبے کے تحت مسجد قباء اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ مزین کیا گیا تو وہ میدان ایک بار پھر مسمار کر دیا گیا اور وہاں سے اب قباء - مدینہ روڈ گزرتی ہے. یوں یہ تاریخی اور متبرک کنواں جس کی منڈیر پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اتباع کامل میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تشریف رکھا کرتے تھے اور جس کا میٹھا شفا آور پانی صدیوں فرزندان توحید کی پیاس بجھاتا رہا آخر کار کچھ تو قباء روڈ اور کچھ فٹ پاتھ کی نیچے دفن ہو کر رہ گیا ہے. جیسا کہ ایسے بہت سے آثار مبارکہ کے سلسلے میں ہوا ہے بلدیہ مدینہ طیبہ کے اہل کاروں نے یہ گوارا بھی نہیں کیا کہ اس کے مقام پر کوئی نشانی ہی لگا دیتے یا یہ کو وہاں کوئی کتبہ نصب کر دیا جاتا. نتیجے کے طور پر عشاق آثار نبویہ کو قدیم اہل قباء کی تلاش کرنا پڑتی ہے تا کہ ان کو اس مقام کا صحیح محل وقوع معلوم ہو سکے جو کہ سیرۃ رسول مقبول ﷺ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کے نام سے جڑا ہوا تھا. اس کا کچھ حصہ تو سڑک کے نیچے ہے جب کہ کچھ حصہ اس مقام پر فٹ پاتھ کے نیچے چلا گیا ہے جہاں کہ اوپر دی گئی تصویر میں دو اصحاب کھڑے نظر آتے ہیں. ابراہیم العیاشی نے ''المدینہ بین الماضی والحاضر'' میں جو نقشہ دیا ہے وہ بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے. (۳۰) بلدیہ قباء کے پرانے ملازموں نے بھی جو اس علاقے کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے اسی مقام کی نشاندہی کی ہے. اس جگہ پر جہاں بستان النبی ہوا کرتا تھا آج کل چند خوبصورت درخت لگا دیئے گئے ہیں، لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ جب کہ کوئی بتانے والا بھی باقی نہ ہو گا کون بتا سکے گا کہ بئر اریس کس جگہ واقع تھا اور یوں یہ آثار بھی دیگر آثار مبارکہ کی

بئر اریس کا متبرک کنواں
اس جگہ سڑک اور فٹ پاتھ
کے درمیان واقع تھا

کا خیال ہے کہ مسجد قباء کی غربی جانب جو یہ چند پتھر رکھے نظر
آتے ہیں یہ بئر اریس کی جگہ تھی جو غلط ہے

طرح یادوں کے دھندلکوں میں گرد آلود ہوتے ہوتے طاقِ نسیاں کی نذر ہو جائے گا۔
یہاں اس بات کا ذکر بھی بے محل نہیں ہوگا کہ چند معلمین جو کہ زیارات کروانے کا اہتمام کرتے ہیں اور زائرین کو مختلف تاریخی مقامات پر لے جاتے ہیں اکثر و بیشتر اس تکونے پارک کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو کہ مسجد قباء کے جنوب مغرب میں لب سڑک واقع ہے جہاں چند پتھر رکھے ہوئے ہیں (جیسا کہ مندرجہ بالا تصویر سے ظاہر ہے)، لیکن بالتحقیق یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ وہ جگہ نہیں جہاں کہ بئر اریس کا کنواں ہوا کرتا تھا۔ یہ تصویر صرف حوالے کی غرض سے دی گئی ہے تاکہ قارئین کرام ان نیم معلمین کے کہنے پر یقین نہ کرلیں۔

بئر بضاعہ:

حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ بضاعہ مدینہ طیبہ میں ایک کھجوروں کا باغ تھا۔(۳۱) حضرت سہلؓ سے ہی مروی ایک اور روایت میں ہے کہ: [میں نے بئر بضاعہ سے پانی لاکر اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں نوش فرمانے کے لیے پیش کیا۔] (۳۲) ایک اور روایت میں اس بات کی مزید صراحت موجود ہے کہ بئر بضاعہ قبیلہ بنی ساعدہ (جو کہ الخزرج کی ایک شاخ تھے) کے کنوؤں میں سے ایک کنواں تھا۔(۳۳) یہ کنواں بئر حاء سے تقریباً ۵۰۰ میٹر کے فاصلے پر اور ثقیفہ بنی ساعدہ سے تقریباً ۳۰۰ میٹر کے فاصلے پر تھا۔

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے: [لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا کہ کیا وہ بئر بضاعہ کے پانی سے وضوء وغیرہ کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ایک ایسا کنواں تھا جہاں عورتیں اپنے غلیظ سینیٹری کے کپڑے، مردار کتے اور گلی سڑی چیزیں پھینک دیا کرتے تھے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [پانی پاک ہوتا ہے اور کسی چیز سے ناپاک نہیں ہوتا۔] (۳۴) حضرت ابو سعید الخدریؓ کی ہی ایک اور روایت میں ہے: [میں نے سنا کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: آپ حضور ﷺ کے لیے جس کنویں سے پانی لایا جاتا ہے وہ بئر البضاعہ ہے جس میں لوگ مردار کتے، غلیظ کپڑے اور غلاظت پھینکا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک پانی پاک ہوتا ہے اور کسی چیز سے ناپاک نہیں ہوتا۔] (۳۵)

سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سنا تھا جن میں ابی اسید الساعدیؓ، ابو حمیدؓ اور ان کے اپنے والد محترم (حضرت سعدؓ) بھی شامل تھے کہ: رسول اللہ ﷺ بئر بضاعہ پر تشریف لائے اور اس ڈول یا برتن سے وضوء بنایا جس سے ان کنویں سے پانی نکالا جاتا تھا اور جو پانی اس میں بچ رہا اس کو بئر بضاعہ میں ہی لوٹا دیا گیا۔ پھر آں حضرت ﷺ نے اسی برتن میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا اور اسی کنویں میں ڈال دیا اور پھر اس سے پانی نکلوا کر نوش فرمایا۔ آپ حضور ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں جب کبھی کوئی بیمار پڑ جاتا تو ارشاد رسالت مآب ﷺ ہوتا: اسے بضاعہ کے پانی سے غسل دلوا دو۔ اور جب کوئی مریض اس کنویں کے پانی سے غسل کر لیتا تو وہ صحت یاب ہو جاتا۔] (۳۶) حضرت ابی اسید الساعدیؓ سے مروی ہے: [میں نے رسول اللہ ﷺ کو بئر بضاعہ کے پاس رکتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ کے گھوڑے نے اسی کنویں کے پانی سے سیر ہو کر اپنی پیاس بجھائی۔ پھر سرکار دو عالم ﷺ نے بھی اسی کنویں سے پانی نوش فرمایا اور اسی سے وضوء بھی بنایا اور پھر اس کے پانی میں برکت کے لیے دعا فرمائی۔] (۳۷) رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں اگر کوئی بیمار پڑ جاتا تو وہ یہی کہتا کہ ''مجھے بئر بضاعہ کے پانی سے نہلوا دیجئے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا جاتا اور وہ مریض شفایاب ہو جاتا۔] (۳۸) امام ابی داؤد (ت: ۲۰۲ ہجری) کی روایت کے مطابق اس کے پانی کی سطح ایک قد آدم کے برابر تھی اور اس کا قطر تقریباً چھ ذرع تھا۔(۳۹)

سیدۃ اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے: [ہم بیماروں کو بئر بضاعہ کے پانی سے تین دن غسل دیتے اور وہ شفایاب ہو جاتا تھا۔] (۴۰)

باب مجیدی کے سامنے سابقہ حی البضاعہ میں اس عمارت کی تصویر جس میں بئر بضاعہ واقع تھا

(تصویر: احمد یاسین خیاری)

اگرچہ لوگ ماضی میں اس میں غلاظت اور کوڑا کرکٹ پھینکا کرتے تھے (۴۱)، مگر نسبت رسول مقبول ﷺ اور آپ حضور ﷺ کے لعاب دہن کے ساتھ مل جانے سے یہی پانی مطہر و پاک ہو گیا اور لوگوں کے لیے باعث شفاء و برکت بن گیا.

امام ابوداؤد سے مروی ہے: [میں نے اس پر اپنی چادر پھیلا کر بئر بضاعہ کے قطر کی پیمائش کی ہے جو کہ ۶ ذرع بنتی تھی. جب میں نے دربان سے پوچھا جس نے مجھے از راہ کمال مہربانی اس باغ کے اندر جانے کی اجازت دی تھی کہ کیا رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ کے بعد اس کی تعمیر میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے؟ تو انہوں نے نفی میں جواب دیا. اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ پانی کا رنگ بھی نہیں بدلا تھا.] (۴۲) ابن العربی نے بیان کیا ہے کہ یہ کنواں شوریلی زمین کے درمیان واقع ہے اور اس کے پانی کا ذائقہ کچھ تبدیل ہوا ہے. (۴۳).

عیاشی نے اپنے سفرنامہ میں گیارھویں صدی کے وسط میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ بئر بضاعہ بئر حاء کے شمال مشرق میں باب شامی کی جانب واقع تھا. اس نے اس بات کی تصدیق بھی ببانگ دہل کی ہے کہ جو مریض بھی اس کا پانی استعمال کرتا تھا وہ شفایاب ہو جاتا تھا. (۴۴) گیارھویں صدی کے ایک اور مورخ شہر جاناں ۔ الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی ۔ نے بیان کیا ہے کہ یہ کنواں ۳۳، ۱۱ ذرع گہرا تھا اور یہ کلر اور شوریلی زمین میں بنی ساعدہ کے گھروں کے بیچوں بیچ واقع تھا اور اس کی مغربی جانب ایک چھوٹے سے اطم کی باقیات بھی تھیں جو کہ کبھی حضرت ابی دجانہ ؓ کا اطم ہوا کرتا تھا. (۴۵) غالی الشنقیطی کے کہنے کے مطابق یہ کنواں بئر حاء سے ۳۰۰ میٹر کے فاصلے پر شمال مغرب کی جانب تھا. (۴۶) علی حافظ نے بیان کیا ہے کہ جب شریف زید نے اس متبرک کنویں پر اپنے اپارٹمنٹ تعمیر کروائے تو اس کنویں پر ایک الگ کمرہ تعمیر کروا دیا تھا. انہوں نے اس کنویں کی طرف ایک علیحدہ گزرگاہ تعمیر کروائی تاکہ خواہش مند حضرات کو اس تک دسترس میسر ہو سکے. وہ بیان کرتے ہیں: ''شریف زید نے اس کنویں کو ہر کسی کے لیے قابل دسترس بنا دیا. میں نے بذات خود اسے دیکھا ہے. مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ سیمنٹ کے بنے مضبوط کمرے کے اندر اس کنویں کو بہت محفوظ کر دیا گیا تھا.'' (۴۷) بعد میں شریف نے یہ عمارت وزارت تعلیم کو کرائے پر دے دی تھی جنہوں نے ان اپارٹمنٹس میں مدرسہ تحفیظ القرآن بنا دیا تھا. (۴۸) اسی کنویں کی نسبت سے اس علاقے کو 'حی البضاعہ' (محلّہ بضاعہ) کہا جاتا تھا.

تاہم چودہ صدیوں بعد مسجد نبوی شریف کی توسیع کے عظیم تر منصوبے نے اس کنویں کی قسمت پر ہمیشہ کے لیے مہر فنا ثبت کر دی. جب گردونواح کے تمام علاقے حاصل کر کے تجارتی مقاصد کے لیے نیلام عام میں رکھ دیئے گئے تو اس کنویں کی انمول زمین کا مول بھی مادی انداز سے لگا دیا گیا. اس تمام محلے کی زمین کو جہاں کبھی تاریخ مدینہ طیبہ کے نادر نمونے اور تبرکات ہوا کرتے تھے فائیو سٹار ہوٹلوں اور تجارتی پلازوں کے لیے بڑے بڑے بزنس مینوں نے خرید کر ہموار کر دیا. غازی بن سالم التمام کے مطابق جب مسجد نبوی شریف کے گرد کے تمام علاقے حاصل کر لیے گئے تو ان کو تجارتی پلاٹوں میں تقسیم کر کے انہیں سب سے زیادہ بولی دینے والے کے ہاتھ بیچ دیا گیا. بئر بضاعہ کے رقبہ پر

مسجد نبوی شریف کے قریب بئر بصہ کی ایک نادر تصویر ۱۹۲۰ء

پلاٹ نمبر ۱۲۹ بنا جو کہ 'دار ایلاف' نے سب سے زیادہ بولی دے کر خرید لیا. یوں یہ تاریخی کنواں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے طیبہ سینٹر کے عقب میں دار ایلاف کے کمپلیکس کے سامنے زیر زمین دفن ہو گیا.

بئر بصہ:

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ کے مطابق جناب رسالت مآب غریبوں کے والی یتیموں کے مولیٰ ﷺ اکثر ان شہداء کے پس ماندگان کے گھروں پر جا کر ان کی دلجوئی فرمایا کرتے تھے جو کہ کسی غزوہ میں کام آئے ہوتے تھے. ایک ایسے ہی موقع پر حضور سرور کائنات ﷺ حضرت ابو سعیدؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا: [اے ابا سعید کیا تمہارے ہاں بیری کے پتے (سدر) ہیں کیونکہ آج چونکہ یوم جمعہ ہے میں اپنا سر دھونا چاہتا ہوں؟] حضرت ابو سعیدؓ نے عرض کیا: [جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ.] اور پھر سدر لیکر آپ حضور ﷺ کے ساتھ بئر بصہ پر گئے جہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک دھویا اور دھوون کا پانی واپس کنویں میں ڈال دیا.] (۵۰)

یہ کنواں بنی خدرہ کی ملکیت تھا جو کہ حضرت ابو سعید الخدری کا قبیلہ تھا اور جیسا کہ بہت سی احادیث مبارکہ (خاص طور پر صحیح مسلم میں دی گئی حدیث) میں ذکر ہے وہ واقعہ جب کہ حضرت ابو سعید الخدریؓ اپنے گھر میں نماز ادا کر رہے تھے تو ایک سانپ نکل آیا تھا مگر حضرت ابو سعید الخدریؓ نے اپنی نماز جاری رکھی تھی بھی اسی علاقہ میں بئر بصہ کے قریب ہی ان کے گھر میں رونما ہوا تھا.

مجد الدین فیروز آبادی نے مغانم المطابہ میں بیان کیا ہے: ''یہ کنواں بقیع الغرقد کے قریب اور قباء جانے والی سڑک کے بائیں ہاتھ پڑتا ہے.'' یہ کنواں ایک بڑے باغیچے میں واقع ہے جس میں دو کنویں ہیں. مدینہ طیبہ کے قدیم باسیوں کے کہنے کے مطابق بڑا کنواں بئر بضہ یا بئر بصہ ہے جب کہ چھوٹا کوئی دوسرا غیر معروف کنواں ہے. ابن نجار کے مطابق یہ کنواں ۱۱ ذرع گہرا تھا جس میں سے ۲ ذرع پر پانی رہتا تھا اور اس کا قطر ۹ ذرع تھا. وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جب وہ (چھٹی صدی ہجری میں) اس کی زیارت کے لیے گئے تو دیکھا کہ یہ کنواں پتھر کی اینٹوں سے بنا ہوا تھا مگر بہت ہی خستہ حالت میں تھا کیونکہ ایک بار قریبی وادی میں طغیانی کی وجہ سے اس میں پانی داخل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس کا بہت زیادہ نقصان ہو گیا تھا طغیانی کے بعد اس کے پانی کی سطح پر بہت زیادہ سبز کائی اگ آئی تھی مگر جب اسے ہٹایا گیا تو اس کا پانی میٹھا اور پینے کے قابل پایا گیا تھا. (۵۲)

بئر بصہ ۱۹۷۰ء

جنت کے چشموں میں سے
ایک چشمہ بئر غرس،
بیسویں صدی کے اوائل میں
(تصویر رفعت پاشا از مرآۃ الحرمین)

۶۹۶ ہجری میں شیخ الخدام الحرم عزیز الدولہ ریحان البدری الشہابی نے اس کی مرمت کروا کر اسے عامۃ الناس کے لیے وقف کر دیا. اس کا پانی نمکین ہوا کرتا تھا. (۵۳)

چودہ سو سال تک راہ نوردان شوق کی پیاس بجھاتے رہنے کے بعد اس متبرک کنویں کا حشر بھی دوسرے آثار نبویہ کی طرح یہی ہوا کہ اسے بھی عامۃ الناس کی نظروں سے اوجھل کر دیا گیا. اس اہم تاریخی کنویں کا کھوج آج کے مدینہ طیبہ میں لگانا محال ہے اگرچہ مدینہ طیبہ کے کچھ معاصر مورخین اشارۃً یہ کہتے ہیں کہ یہ ابھی بھی بقیع الغرقد کی شرقی جانب سڑک کے اس پار کھجوروں کے باغ میں موجود ہے.

بئر غرس:

یہ کنواں جنت کے چشموں سے ایک چشمہ ہے. حدیث مبارکہ (۵۴)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک بار جب رسول اللہ ﷺ بئر غرس کی منڈیر پر تشریف فرما تھے تو فرمانے لگے: [کل رات میں نے ایک خواب دیکھا جس میں میں نے دیکھا کہ میں جنت کے چشموں میں سے ایک چشمے کے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا. وہ چشمہ یہی کنواں ہے.] (۵۵) حضور سرور کائنات ﷺ جب ہجرت پر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت ابوایوب الانصاریؓ آپ کے لیے بئر ابی انس کے کنویں سے پانی بھر کر لاتے. جب رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہ مبارکہ میں منتقل ہو گئے تو حضرت انس بن مالکؓ اور ہندؓ اور سیدۃ اسماءؓ بنت حضرت حارثہ بن النعمانؓ بئر سقیاء سے پانی بھر بھر کر رسول اللہ ﷺ اور امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کے لیے لاتے تھے. اس کے بعد آپ حضور ﷺ کے ایک حبشی غلام رباحؓ کبھی بئر غرس اور کبھی بئر سقیاء سے پانی بھر کر لاتے تھے. (۵۶) ابن زبالہ کے قول کے مطابق ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بئر غرس پر تشریف فرما ہوئے اور پانی کا ایک ڈول لانے کا فرمایا جس کی تعمیل فوری طور پر کی گئی. سرکار دو عالم ﷺ نے اس سے وضوء فرمایا اور ڈول میں باقی بچے پانی کو اسی کنویں (بئر غرس) میں انڈیل دیا. (۵۷)

بئر غرس، دسمبر ۱۹۹۹ء

عمر بن الحکم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [سب سے بہتر کنواں بئر غرس ہے: یہ جنت کے چشموں سے ایک چشمہ ہے اور اس کا پانی سب پانیوں سے افضل اور بہتر ہے.] رسول اللہ ﷺ اس کنویں

کا پانی استعمال فرمایا کرتے تھے اور اسی کے پانی سے سرکار دو عالم ﷺ کو آخری غسل بھی دیا گیا تھا.(۵۸) شیر خدا حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میرا انتقال ہو جائے تو بئر غرس سے سات مشکیزے لاکر اس کے پانی سے مجھے غسل دیا جائے.] (۵۹) حضرت باقر بن زین العابدینؒ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ کو غسل دیتے وقت تین بار نہلایا گیا تھا. پانی میں سدر (بیری) کے پتے ملے تھے. آپ حضور ﷺ کو قمیص میں ہی غسل دیا گیا تھا اور جو پانی غسل کے لیے استعمال ہوا تھا وہ بئر غرس سے لایا گیا تھا جو کہ حضرت سعد بن الخیثمہؓ کی ملکیت تھا. حضور سرکار دو عالم ﷺ حیاۃ طیبہ میں اس کنویں کا پانی پیا کرتے تھے.(۶۰) حضرت سعید بن رقیشؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے بئر الاغرس (بئر غرس) کے پانی سے وضوء فرمایا اور باقیماندہ پانی اسی کنویں میں واپس لوٹا دیا. حضرت محمد بن حنفیہؒ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ بئر غرس کا پانی پیتے تھے اور اسی کے پانی سے آں حضور ﷺ کو آخری غسل دیا گیا تھا.] (۶۱) چونکہ یہ کنواں حضرت سعد بن الخیثمہؓ کی ملکیت تھا، حضرت محمد باقر بن علی زین العابدینؒ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے کے لیے اس کنویں سے پانی لایا گیا تھا جو کہ الخیثمہؓ کی ملکیت تھا اور اسے بئر غرس کہا جاتا تھا.(۶۲)

...رس اندرونی جانب
دسمبر ۱۹۹۹ء

یہ کنواں مسجد قبا سے تقریباً ایک کیلومیٹر کے فاصلے پر وادی بطحان کے کنارے پر واقع ہے. جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ارشاد رسالت مآب ﷺ کی تعمیل میں اس کنویں سے سات مشکیزے بھر کر لائے گئے تھے جن سے آپ حضور ﷺ کو غسل دیا گیا تھا.(۶۳) ابن حبان نے حضرت انس بن مالکؓ کے متعلق روایت کی ہے کہ وہ بھی اپنے پینے کے لیے پانی اسی کنویں سے منگوایا کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی کنویں سے پانی پیتے اور وضوء بناتے دیکھا تھا.(۶۴)

ابن نجار کے مطابق چھٹی صدی میں یہ کنواں جس علاقے میں واقع تھا وہ غیر آباد ہو چکا تھا اور اس کنویں کا بہت سا حصہ خستہ حالت میں تھا کیونکہ وادی (وادی بطحان جو کہ اس کے ساتھ ہی سے گزرتی تھی) میں طغیانی کے سبب اس میں طوفان کا پانی بھر گیا تھا. یہ کنواں ۱۰ ذرع گہرا تھا جب کہ پانی ۷ ذرع نیچے تھا.(۶۵) المطری کے مطابق اسے آٹھویں صدی ہجری میں چند مخیّر حضرات نے دوبارہ بنا دیا تھا. سمہودیؒ نے بھی لکھا ہے کہ اسے خواجہ حسین بن الجواد الحسن الخواجگی نامی شخص نے مرمت کروایا تھا اور اس کے نواح میں ۸۸۲ ہجری میں ایک باغ بھی لگوا دیا تھا. انہوں نے اس کے پانی کی سطح تک پہنچنے کے لیے اس میں زینہ بھی لگوایا اور اسے فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا.(۶۶)

اس متبرک کنویں کے متعلق لکھتے ہوئے شیخ جعفر برزنجی نے تیرھویں صدی ہجری کے اخیر میں بیان کیا ہے کہ کافی عرصہ سے اس کنویں کے گرد ایک قبرستان بن چکا تھا.(۶۷) تاہم آج کے مدینہ طیبہ میں (۱۴۲۱ ہجری میں) 'جنت کے چشموں میں سے یہ چشمہ' اوپر سے ڈھانپ کر ممنوع اور متروک الاستعمال کر دیا گیا ہے. بہت بھونڈے طریقے سے اس کی منڈیروں پر لکڑیوں کے تختے ڈال دیئے گئے ہیں. اس کے گرد کسی قبرستان کا نشان بھی باقی نہیں بچا بلکہ کوں کے دور میں اس قبرستان کے گرد جو چار دیواری کر دی گئی تھی وہ بھی منہدم ہو گئی ہے البتہ اس کے دروازے کے دو ستون آثار قدیمہ کی کھنڈرات کی شکل میں ہر آنے جانے والے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زبان حال سے شکوہ بلب ہیں کہ کل جہاں اہل مدینہ کی کثیر تعداد مدفون تھی آج وہاں اہل محلّہ کے بچے آزادی سے فٹ بال کھیلتے ہیں. جس کنویں سے پانی پینا حضرت انس ابن مالکؓ جیسے جلیل القدر صحابی اپنے لیے اتباع سنت رسول مقبول ﷺ کی ایک علامت اور دلیل سمجھتے تھے اور باعث سعادت گردانتے تھے آج اگر کوئی اس کنویں کی تلاش میں سرگرداں وہاں نظر آ جائے تو اسے شرک کا مرتکب قرار دے دیا جاتا ہے.

بئر عثمان بن عفانؓ
کی ایک نایاب تصویر
تصویر: رفعت پاشا ۱۹۰۸ء

بئر الرومہ:

مسجد قبلتین کے شمال میں تقریباً دو میل کے فاصلے پر بئر الرومہ واقع ہے جو کہ دراصل وادی العقیق الاصغر کے زیریں حصے میں قدیم وادی اضم کے اس حصے کے قریب واقع ہے جہاں کبھی وادی العقیق کی طغیانی کا پانی آ کر جمع ہوا کرتا تھا. آج کل یہ کنواں مختلف النوع کھجوروں کے بستان میں واقع ہے.

شہر حبیب میں ابتدائی ایام میں پانی کی شدید قلت ہوا کرتی تھی اور قدرت کا یہ عظیم سرمایہ ان دنوں اکثر و بیشتر یہود بے بہبود کی اجارہ داری میں تھا جن میں سے بعض تو اسے تجارتی بنیادوں پر چلاتے تھے اور پانی کے ایک ایک ڈول کے بدلے درہم بٹورتے تھے. ہجرت مبارکہ اور مدینہ طیبہ میں مہاجرین کی آبادکاری کا ذکر ہوتا ہے تو بئر الرومہ کا کردار آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے. جس نے سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے جود و کرم سے ارض مقدس کے ان مسکین و بے آسرا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے اپنے آبی وسائل پیش کرنے کا منہ کھول دیا تھا.

بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ کنواں رومہ نامی ایک یہودی کی ملکیت تھا جس کی نسبت سے اسے بئر الرومہ کہا جانے لگا تھا. وہ اس کے پانی کو بہت مہنگے داموں بیچتا. ہجرت مبارکہ کے بعد جب مدینہ طیبہ میں پانی کی قلت محسوس ہونے لگی تو اس نے پانی کے ایک ڈول کے دام اور بڑھا دیئے؛ ابن عبدالبر کی روایت کے مطابق: ''یہ ایک یہودی کی ملکیت تھا جو کہ مسلمانوں کو اس کا پانی بیچا کرتا تھا. رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو کوئی اس کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرے گا، اس میں سے نکالے جانے والے ہر پانی کے ڈول کے بدلے اللہ رب العزت اسے جنت میں انعام سے نوازے گا. حضرت عثمان بن عفانؓ اس یہودی کے پاس گئے اور اسے خریدنے کا عندیہ دیا لیکن یہودی نے اسے بیچنے سے انکار کر دیا لہذا حضرت عثمانؓ نے اس کا آدھا حصہ مبلغ ۱۲،۰۰۰ درہم میں خرید لیا اور اسے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا.''

بئر رومہ، ۱۹۷۰ء

''خرید و فروخت کے معاہدے کے تحت یہ کنواں ایک دن مسلمانوں کے لیے مختص ہو گیا تھا کہ وہ اس سے پانی نکالیں اور دوسرے دن اس یہودی کی باری ہوتی تھی تاکہ وہ اس کے پانی کو بیچ سکے. چند دنوں کے بعد یہودی نے محسوس کیا کہ اپنی باری کے دن مسلمانوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے جب کہ دوسرے دن جب کہ یہودی کی باری ہوتی تھی کوئی بھی پانی لینے نہیں آتا تھا لہذا تنگ آ کر اس نے اس کا دوسرا حصہ یعنی دوسرے دن استعمال کرنے کا حق بھی حضرت عثمانؓ کو بیچ دیا جس کے عوض اسے ۸،۰۰۰ درہم ملے.'' (۶۸)

تاہم بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ کنواں دراصل بنی مزنی قبیلے کے ایک فرد کی ملکیت تھا جس نے اسے غفاری قبیلے کے ایک فرد کے ہاتھ بیچ دیا تھا جس کا نام رومہ تھا. اس شخص کا کوئی اور ذریعہ معاش نہ تھا لہذا وہ اس کا پانی بیچ کر اپنی روزی کماتا تھا مگر وہ شخص بھی اسے بہت مہنگے داموں فروخت کرتا تھا.

البغوی نے حضرت بشر بن بشیر الاسلمی ؓ کی ایک روایت نقل کی ہے جس کے مطابق: ''جب مہاجرین مدینہ طیبہ پہنچے تو یہاں پانی کی بہت قلت تھی. بنی غفار کا ایک فرد ایک چشمے (عین) کا مالک تھا جسے الرومہ کہا جاتا تھا. وہ اس کا پانی 'مد' کے حساب سے بیچا کرتا تھا. رسول اللہ ﷺ نے اسے یہ کنواں مسلمانوں کو فی سبیل اللہ دے دینے کا فرمایا کہ اسے اس کے بدلے جنت میں ایک چشمہ ملے گا. اس نے عرض کیا: [یا رسول اللہ ﷺ میرے اور میرے بیوی بچوں کے لیے اور کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے، لہذا میں اسے یونہی نہیں دے سکتا.] جب سیدنا عثمان بن عفان ؓ کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے اسے ۳۵،۰۰۰ درہم میں خرید لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ کیا میرے لیے بھی جنت میں انعام کے طور پر ایسا ہی چشمہ ہوگا جیسا کہ آپ نے دوسرے شخص کے لیے فرمایا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ہاں.] اس پر سیدنا عثمان ؓ نے عرض کیا: [یا رسول اللہ ﷺ میں نے یہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا ہے.] (۶۹) عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان ؓ کی روایت ایک روایت کے مطابق: '' (کنواں خریدنے اور وقف کیے جانے کے بعد) ایک بار رسول اللہ ﷺ اس کنویں پر تشریف لائے. آپ حضور ﷺ کے لیے پانی کا ایک ڈول نکالا گیا جسے آپ نے خوش ہو کر نوش فرمایا اور دیگر باتوں کے علاوہ ارشاد فرمایا: [۱-عثمان نے جنت کمالی ہے؛ اور ۲-اس وادی میں ہمیشہ پانی کی بہتات رہے گی.] (۷۰) حضرت عبدالمطلب بن عبداللہ بن حنطب ؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گرمیوں کے دنوں میں بئر المزنی (بئر الرومہ) پر تشریف آور ہوئے. کنویں کے قریب ہی آپ حضور ﷺ کے لیے ایک خیمہ لگا دیا گیا. اگرچہ سخت گرمیوں کا موسم تھا مگر اس کنویں کا پانی ٹھنڈا تھا. جب اس کا تھوڑا سا پانی آپ حضور ﷺ نے نوش فرمایا تو ارشاد کیا: [یقیناً یہ نقی (صاف) اور میٹھا پانی ہے!] (۷۱)

بئر عثمان کی موجودہ حالت
جولائی ۲۰۰۱ء

ابتدائے اسلام میں اس کنویں کے گرد و نواح میں مدینہ طیبہ کے بہت مشہور محلات اور قصور ہوا کرتے تھے (مثلاً عبداللہ بن عامر کا محل وغیرہ) جو وقت کے ساتھ ساتھ مٹتے چلے گئے. ابن نجار (ولادت: ۵۷۸ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ اس کے دور میں کنویں کی حالت بہت خستہ ہو چکی تھی اور یہ دیکھنے میں ایک کھنڈر سا لگتا تھا. (۷۲) المطری کے بیان کے مطابق، شیخ محبّ الطبری نے جو کہ مکۃ المکرّمہ کے قاضی القضاۃ تھے اپنی جیب سے اس کی ۷۵۰ ہجری میں مرمت کروائی تھی. ابن نجار کے مطابق یہ کنواں ۱۸ ذرع گہرا تھا جب کہ اس کا قطر ۸ ذرع تھا اور اس کا پانی میٹھا تھا. (۷۳)

ابتداء میں تو یہ پتھر کی سلوں سے بنایا گیا تھا مگر زمانے کی شکست و ریخت سے جب یہ قریب الانہدام ہوگیا تو عثمانیوں نے اس کی تعمیر نو کروائی. اس کے پانی کی سطح صرف ۲ ذرع ہوا کرتی تھی. ابراہیم رفعت پاشا کے بیان کے مطابق بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں یہ کنواں بہت اچھی حالت میں تھا اور اس کے ساتھ ہی پانی کی تخزین کے لیے تالاب بنا دیا گیا تھا اور آنے والوں کی سہولت کے لیے قریب ہی آرام کی جگہ بنادی گئی تھی. اس کے ارد گرد خوبصورت درخت اور سرسبز و شاداب زرعی فارم ہوا کرتے تھے. (۷۴)

یہ کنواں اب اوقاف حرم نبوی شریف کی تحویل میں ہے جنہوں نے اسے وزارت زراعت کو پٹے پر دیا ہوا ہے. چونکہ اس کے گرد روز اول سے ہی سرسبز و شاداب درختوں اور زرعی فارموں کی بہتات رہی ہے، سعودی وزارت زراعت نے وہاں نباتاتی ریسرچ سینٹر (Botanical Research Center) قائم کیا ہوا ہے جہاں انواع و اقسام کی کھجوروں کے درختوں پر ریسرچ ہوتی ہے. یہ کنواں اسی فارمز کے ساتھ منسلک ہے. قریب ہی ایک جانوروں کا ہسپتال اور پولٹری فارم ہے جو کہ اسی ریسرچ سینٹر سے ملحق ہیں. یوں تجربہ گاہ اور ریسرچ سینٹر ہونے کے علاوہ اس سے حاصل شدہ پیداوار اہل مدینہ طیبہ کو تجارتی بنیادوں پر مہیا کی جاتی ہیں. وزارت زراعت نے اسے تجارتی

عام زائرین کے لیے دور سے بئر عثمانؓ کا ایک منظر جس میں پانی کی ٹینکی اور قریبی مسجد کا مینار نظر آرہا ہے
تصویر: دسمبر ۱۹۹۹ء

بنیادوں پر چلانے کے لیے اسے احمد خوجہ کو پٹہ پر دیا ہوا ہے۔ کنواں ابھی تک پانی کے وسائل سے مالا مال ہے اور اس سے استفادہ کرنے کے لیے اس میں ایک ٹیوب ویل نصب کیا گیا ہے جو کہ اس سے پانی نکال کر قریب ہی واقع تالاب میں جمع کر دیتا ہے جہاں سے نالیوں کے ذریعے پانی آگے پہنچایا جاتا ہے۔ احمد یاسین الخیاری کے بیان کے مطابق وزارت ذراعت یہاں ایک زرعی سکول بنانے کا سوچ رہی تھی۔ اگرچہ یہ عامۃ الناس کے لیے بند کر دیا گیا ہے مگر طلبائے زراعت کے لیے کھلا رہتا ہے۔ ریسرچ کے علاوہ یہ اہل مدینہ طیبہ کو زرعی مشورے بھی فراہم کرتا ہے۔

مولف ہذا کو آخری بار ۲۰۰۳ء میں اس تاریخی کنویں کی زیارت کا موقع ملا تھا۔ کنویں کو لکڑی کے تختوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے مگر جھانکنے پر معلوم ہوتا ہے کہ کنواں کافی گہرا ہے اور پانی وافر مقدار میں موجود ہے۔ کنویں کے قریب ہی ایک بلند ٹینکی بنی ہوئی ہے جہاں ٹیوب ویل سے موٹروں کے ذریعے پانی پہنچایا جاتا ہے۔ جس سے یہ پانی نیچے تالاب میں آتا ہے۔ پانی بہت ہی صاف اور شفاف اور میٹھا ہے۔ پینے میں بہت مزیدار ہے۔ اردگرد کے تمام علاقے میں کھجوروں کے درختوں کی بھرمار ہے جہاں بہترین انواع کی کھجور پیدا ہوتی ہے۔

بئر عثمان بن عفانؓ کے اس حصے کی تصویر جس پر چھت ڈال دی گئی ہے یہیں سے قدیم سیڑھیاں اترتی تھیں جس کے ذریعے لوگ نیچے پانی کی تہہ تک اترا کرتے تھے
تصویر: جولائی ۲۰۰۱ء

بئر سقیاء:

ابن شبہ نے بیان کیا ہے کہ وہ علاقہ جہاں بئر سقیاء واقع ہے السقیاء الفلج کہلاتا تھا۔ شروع میں یہ کنواں بنی زریق کے ذکوان بن عبد قیس الزرقی کی ملکیت تھا جس سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے خرید لیا تھا (۷۶)۔ ابی داؤد نے حضرت عروہ بن زبیرؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے جو کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائی دنوں میں کافی عرصہ تک رسول اللہ ﷺ کے حریم خانہ اور اہل بیت الطاہرہ کے لیے پانی بئر سقیاء سے آیا کرتا تھا۔

ماہ رمضان ۲ ہجری میں غزوہ بدر پر روانگی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے جیش اسلام کا پہلا پڑاؤ اس مقام پر لگایا تھا اور تمام اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ تیار ہو کر اس مقام پر جمع ہو جائیں۔ اس وقت یہ کنواں حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی ملکیت میں آچکا تھا جنہوں نے اس کے قریب ہی ایک مسجد بھی بنائی ہوئی تھی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سالار اعلیٰ عساکر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے اپنے مٹھی بھر مجاہدین کی حربی صلاحیتوں کا جائزہ لیا جو کہ سب سے پہلے اہم معرکہ حق و باطل کے لیے دشمنان اسلام کے ساتھ پنجہ آزمائی کے لیے گامزن ہونے والے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بئر سقیاء کے پانی سے وضوء فرمایا۔ ۳۱۳ مجاہدین اسلام نے بھی وہیں وضوء کیا اور میرا امام جمیل الشیم اور شفیع الامم علیہ افضل الصلوٰۃ واتم تسلیماً

بئر سقیاء کی قدیم
اور نادر تصویر
تقریباً ۱۹۵۰ء

کی اقتداء میں مسجد سیدنا سعد ابن ابی وقاصؓ میں رب ذوالجلال کے حضور سجدہ ریزی کی. اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسجد سقیاء اور بئر سقیاء دونوں قریب قریب واقع تھے. یہ کہنا بعید از قیاس ہے کہ مسجد سقیاء تو اسی مقام پر تھی مگر بئر سقیاء ذوالحلیفہ کی جانب دو کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا جیسا کہ چند لوگوں نے لکھ کر الجھاؤ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے. درحقیقت دونوں مقام ایک ہی علاقے میں ایک دوسرے کے قریب واقع تھے.

یہی وہ مقام تھا جہاں تاجدار حرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے ارض حرم ہونے کا اعلان بھی کیا اور جہاں اہل مدینہ طیبہ کے لیے خصوصی دعا فرمائی کہ اللہ کریم ان کے صاع اور مد میں برکت فرما اور ان کے رزق میں افزائش اور برکت عطا فرما. سیدنا علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے: [ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں روانہ ہوئے اور بئر سقیاء پہنچے جو کہ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی ملکیت تھا. رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وضوء کے لیے پانی لایا جائے. جب آپ حضور ﷺ وضوء فرما چکے تو قبلہ رخ ہو کر تکبیر کہی اور پھر یوں دعا کی: اے اللہ، بیشک ابراہیم تیرے بندے اور تیرے خلیل نے اہل مکہ کے لیے دعا کی تھی اور بیشک محمد (ﷺ) تیرا بندہ اور تیرا رسول، اسی طرح جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے کیا تھا، اہل مدینہ کے لیے ان کے صاع اور مد میں اور ان کے پھلوں میں دگنی برکات کے لیے تیرے حضور دعا گو ہے.] (۷۷)

بئر سقیاء، مسجد سقیاء کے
قریب ہوا کرتا تھا،
بائیں ہاتھ پرانے مدینہ
ریلوے اسٹیشن کی عمارت
بھی نظر آرہی ہے

المطری (ت: ۷۴۱ہجری) نے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں یہ کنواں بہت ہی ناگفتہ بہ حالت میں تھا، لیکن پھر بھی پانی سے بھرپور تھا جو قدرے نمکین لگتا تھا. (۷۸) تاہم انہوں نے یہ بات بالصراحت لکھی ہے کہ ان دنوں میں بئر سقیاء کے متعلق اہل مدینہ دورائے رکھتے تھے: دونوں مقامات ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر واقع تھے. کچھ عجمی درویشوں نے ۸۷۷ہجری میں اس کی مرمت کروائی تھی اور اسی نسبت سے بعد میں اسے بئر عجم کہا جانے لگا تھا. (۷۹) المراغی (ت: ۸۱۶ہجری) نے بیان کیا ہے کہ ان کے دور میں بئر السقیاء (جسے ان دنوں میں سقیاء السعدؓ کہا جاتا تھا) خشک ہو چکا تھا اور بہت ہی خستہ حالت میں تھا. (۸۰)

عبدالقدوس الانصاری نے آثار مدینہ میں جو پہلی بار ۱۹۳۵ء میں چھپی تھی نے بہت ہی کھلے الفاظ میں لکھا ہے کہ بئر سقیاء اور مسجد سقیاء دونوں ایک دوسرے کے قریب واقع تھے. یہ مسجد تو ترکوں کے بنائے ہوئے ریلوے سٹیشن کے احاطے کے اندر آ گئی تھی مگر بئر سقیاء عمرانی ضروریات کے تحت بنائی جانے والی مکہ روڈ (موجودہ نام عنبریہ روڈ) کے اس پار چلا گیا تھا. (۸۱) ابراہیم العیاشی نے بھی اسی رائے کی تائید کی ہے. وہ رقمطراز ہیں: ''بئر سقیاء ریلوے سٹیشن کے جنوب مغرب میں واقع ہے جب کہ مسجد سقیاء ریلوے سٹیشن کے احاطے کے اندر واقع ہے۔ دونوں کے درمیان صرف ایک سڑک (عنبریہ روڈ) حد فاصل ہے.'' (۸۲)
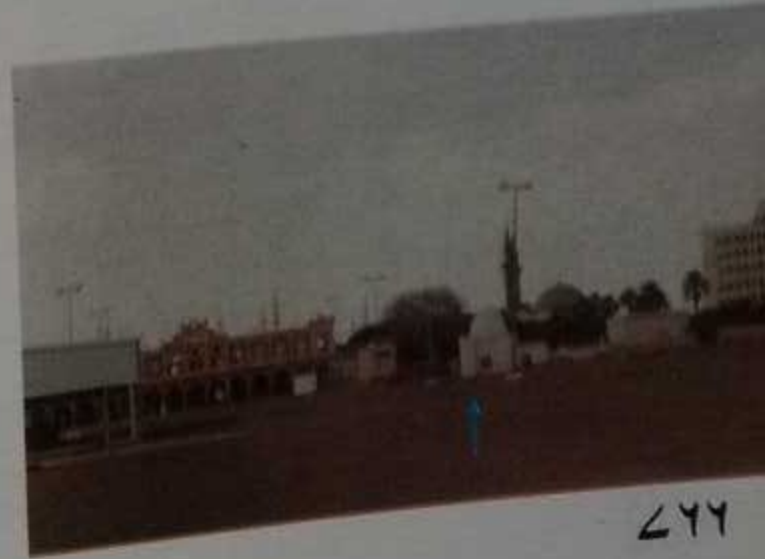
بئر العہن جس کا قدیم نام بئر العسرہ تھا اس علاقے کو آج کل قربان یا منطقہ العہن کہا جاتا ہے

علی حافظ کے بیان کے مطابق جو کہ مدینہ طیبہ کی بلدیہ کے رئیس رہے تھے، بئر سقیاء تو عنبریہ روڈ کے نیچے آچکا ہے (۸۳)، جب کہ مسجد سقیاء ریلوے سٹیشن کے احاطے کے اندر واقع ہے. مشہور سعودی تاریخ دان حمد الجاسر نے یہ کہتے ہوئے اس بیان کی پرزور تائید کی ہے: ''بئر سقیاء ریلوے سٹیشن کے جنوب مشرق میں واقع ہے. وہ سڑک جو آبار علی کی طرف جاتی ہے اسے ریلوے سٹیشن سے علیحدہ کر دیتی ہے اور یہ میدان عنبریہ مسجد سے (آبار علی کی طرف) جانے والوں کے بائیں ہاتھ (تقریباً ۱۰۰ میٹر دور) پڑتا ہے. بئر عروہ بن زبیرؓ کی طرف جانے والی طریق عنبریہ (عنبریہ روڈ) بناتے وقت یہ بئر سقیاء زیر زمین دفن ہو کر رہ گیا ہے. ہمیں امید ہے کہ مستقبل میں اسے دوبارہ نکال لیا جائے گا تا کہ اس کے پانی سے عنبریہ کے میدان میں لگے اشجار کو سینچا جا سکے.'' (۸۴) بیچارے حمد الجاسر یہ حسرت دل میں لیے اس دنیا سے سدھار گئے ہیں.

ان تمام تر محققانہ آرا کے باوجود ہم قارئین کی توجہ مدینہ طیبہ کے باسی اور مورخ احمد یاسین الخیاری کے بیان کی طرف بھی مبذول کروانا چاہیں گے جنہوں نے تمام مورخین کی آراء سے ہٹ کر نہایت ہی چونکا دینے والا بیان دیا ہے کہ بئر سقیاء دراصل بئر انس بن مالکؓ تھا اور اسی طرح انہوں نے بئر ایہاب (اہاب) کو بئر زمزم کے ساتھ گڈمڈ کر دیا ہے. مگر حقیقت وہی ہے جو کہ ابن شبہ سے لے کر حمد الجاسر بیان کر گئے ہیں.

بئر العہن:

یہ کنواں مسجد شمس کے سامنے کی طرف تقریباً ۰۰۰، امیٹر کے فاصلے پر مسجد قباء کی شرقی جانب کھنڈرات کے درمیان (اس وقت جلے ہوئے) کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ میں واقع ہے. اگرچہ بادی النظر میں یہ کنواں سوکھا ہوا لگتا ہے جیسے کہ اس میں پانی نہیں، مگر قریب جا کر دیکھیں تو پانی نظر آجاتا ہے. اسے لکڑی کے تختوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے. ترکوں کے دور کی پرانی موٹریں ابھی بھی اس میں نصب ہیں. اردگرد آثار قدیمہ کے مکانات ہیں اور ساتھ ہی وہ پرانی بستی ہے جہاں کہ کبھی مہاجرین کو آباد کیا گیا تھا. پاس ہی چند کھجوروں کے درخت ہیں جنہیں جلا کر خاکستر کر دیا گیا ہے مگر ان کے جھکے ہوئے نیم جلے تنے زبان حال سے خاموش احتجاج کناں ہیں کہ آؤ دیکھو آثار نبویہ کا تقدس کس طرح پامال کیا گیا ہے. یہ کنواں ان سات کنوؤں میں شامل تھا جن کو یہ سعادت عظیم حاصل تھی کہ رسول رحمت ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک ان میں ڈالا تھا اور پھر صدیوں تک عشاق اس کے پانی سے روحانی لذت حاصل کرتے رہے تھے.

روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کنویں پر تشریف لائے تھے اور آپ حضور ﷺ نے اس کا پانی نوش فرمایا اور وہاں وضوء بھی فرمایا تھا. (۸۵) یہ کنواں العالیہ میں بنی امیہ بن زید کی ملکیت تھا اور زمانہ جاہلیت میں اسے بئر العسیرہ (یا بئر العسرہ۔ یعنی تنگدستی کا کنواں) کہا جاتا تھا. ابن زبالہ کے بیان مبنی بر روایت حضرت سعد بن عمروؓ کے مطابق: [رسول اللہ ﷺ نے بنی امیہ بن زید کے گھروں کو اپنے قدوم میمنت لزوم

سے نوازا اور جب اس کنویں کو دیکھا تو فرمایا: [اس کنویں کا کیا نام ہے؟] انہوں نے عرض کیا: ''عسرۃ'' جس پر رسول رحمت ﷺ نے فرمایا: [نہیں اس کا نام ''یسرہ'' ہے.] انہوں نے مزید بیان کیا ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے اس کنویں میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا تھا اور اس کا پانی بھی استعمال فرمایا تھا.] (۸۶) اس کے بعد سے اس کنویں کو ''بئر الیسرہ'' یا ''بئر الیسیرہ'' کہا جاتا رہا ہے. (۸۷) المطری (ت: ۷۴۱ ہجری) رقمطراز ہیں: ''بئر العہن عالیہ میں ہے اور اس کے گرد ایک زراعتی فارم ہے اور اس کے قریب تاریخی درخت بھی ہے. اس کنویں کو دوسرے ناموں سے بھی جانا جاتا ہے. یہ بھی ذاتی ملکیت میں چلا گیا ہے کیونکہ اسے علی بن المطرف العمری شہید نے خرید لیا تھا. اس کا پانی کھارا ہے اور یہ اونچی سطح پر واقع ہے.'' (۸۸) الشیخ العباسی نے بیان کیا ہے کہ دسویں صدی ہجری میں یہ العوالی کے درمیان واقع تھا (یاد رہے العوالی کا قدیم نام جیسا کہ احادیث مبارکہ میں بھی درج ہے وہ العالیہ ہی ہے. اس علاقے کو آج کل قربان بھی کہا جاتا ہے) اور اس کا پانی تھوڑا کھارا سا ہے اور یہ کہ اس وقت یہ کنواں علی بن الحسن الحسینی المدنی کی ملکیت ہے. (۸۹) صاحب 'وصف المدینۃ المنورہ فی ۱۳۰۳ ہجری ۱۸۸۵ء' نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اس دور میں اس کنویں میں وافر مقدار میں پانی ہوا کرتا تھا اور یہ زیر استعمال بھی تھا. آج بھی (۲۰۰۲ء) اگر اس کنویں کی زیارت کی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے اردگرد چند تاریخی کھنڈرات اور اجڑا ہوا باغ چند دہایاں پہلے تک اسی کنویں سے آبیاری حاصل کرتے تھے.

ابراہیم العیاشی نے بیان کیا ہے کہ وہ کنواں جس کا ذکر المطری نے یہ کہہ کر کیا ہے کہ وہ العالیہ میں ہے، دراصل وہی کنواں ہے جو کہ قربان میں ہے. بئر الیسرہ یا بئر الیسیرہ کی بجائے اسے بئر العہن کہا جاتا ہے. (۹۰) درحقیقت اس کنویں کے اردگرد کے علاقے کو آج بھی ''منطقہ العہن'' کہا جاتا ہے جیسا کہ اس کے باہر لگے ہوئے ایک قدیم بورڈ سے ظاہر ہے.

دیگر تاریخی کنویں جو اہل مدینہ طیبہ کو پانی فراہم کرتے رہے ہیں

بئر زمزم

بئر سقیاء کے نواح میں ایک اور کنواں بھی ہوا کرتا تھا جسے عرف عام میں زمزم کا کنواں (بئر زمزم) کہا جاتا تھا. اسے ''بئر فاطمہ (بنت حسین ابن علیؓ)'' بھی کہا جاتا تھا. (۹۱) ولید بن عبدالملک کے دور میں جب اہل بیت طاہرہ کو حجرہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے قوت کے بل بوتے پر نکال باہر کیا گیا تھا، تو امام عالی مقام کی شہزادی سیدۃ فاطمہ بنت الحسینؓ حرہ غربیہ کی سطح مرتفع میں آباد ہو گئی تھیں. اپنے نئے گھر میں انہوں نے ایک کنواں کھودنے کا حکم دیا. یہ سطح مرتفع چونکہ سخت لاوے کی چٹانوں سے بنی تھی اس لیے اس کنویں کی کھدائی میں کافی دشواری پیش

حرہ غربیہ میں بئر ایہاب
(اہاب)
تصویر: جولائی ۲۰۰۳ء

آرہی تھی. جب یہ مشکل سیدۃ فاطمہ بنت حسینؓ کے علم میں لائی گئی تو انہوں نے وضوء کر کے اس چٹان پر دو رکعت نفل ادا کیے اور دعا فرمائی.(۹۲) اس کے بعد جب کھدائی کا کام شروع کیا گیا تو سب مشکلیں آسان ہو چکی تھیں اور کام بغیر کسی رکاوٹ کے مکمل ہو گیا اور زیر زمین پانی نکل آیا. اہل بیت الطاہرہ کے معتقدین نے اسے بئر زمزم کہنا شروع کر دیا تھا. مراغی کے بیان کے مطابق ان کے دور میں حجاج کرام اس کا پانی نسبت اہل بیت الطاہرہ کے سبب چاردانگ عالم میں لے جایا کرتے تھے.

ابن نجار نے اس کنویں کا ذکر نہیں کیا. تاہم جمال المطری (ت:۷۴۱ ہجری) نے ''التعریف'' میں اس کنویں پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس بات کا خصوصی ذکر کیا ہے کہ اہل مدینہ کی رائے اس سلسلے میں منقسم ہے کہ آیا بئر سقیاء ہی بئر زمزم ہے یا یہ کہ پہاڑی کی چوٹی پر واقع کنواں بئر زمزم ہے. ان کی رائے میں چونکہ پہاڑی پر واقع کنویں کا پانی دور دراز علاقوں میں لے جایا جاتا ہے یہی کنواں بئر زمزم ہے. بنی امیہ کے دور میں ہشام بن عبدالملک کے بیٹے نے اسے خرید لیا تھا کیونکہ اسے ''پہاڑی پر واقع علاقہ بہت اچھا لگتا تھا.''(۹۴) مزید برآں جیسا کہ بئر سقیاء کے ضمن میں ہم نے مختلف معاصر مورخین مدینہ طیبہ کی آراء سے یہ ثابت کیا ہے کہ بئر سقیاء تو دراصل اب عنبریہ روڈ کے نیچے دفن ہو چکا ہے، تو وہی کنواں جو اس سے تھوڑا آگے چل کر پہاڑی پر واقع ہے اور جس کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں اغلب ہے کہ وہی کنواں بئر زمزم ہو سکتا ہے.

ابراہیم العیاشی (جو کہ مدینہ طیبہ میں آثار قدیمہ کے بانی اور استاد سمجھے جاتے ہیں) کی تحقیق کے مطابق جبل النعم (وہی پہاڑی جس کا ذکر ہم نے کیا ہے) پر واقع کنواں ہی دراصل سکینہ بنت الحسینؓ کا کنواں ہے.(۹۱) تاہم اس معاملے میں امام مراغی (ت:۸۱۶ ہجری) کا بیان اس سے متضاد ہے جو کہ اسی کنویں کو بئر سعدؓ (یعنی بئر سقیاء) سمجھتے ہیں.(۹۷) علی بن موسیٰ آفندی نے انیسویں صدی کے اختتام پر بھی یہ لکھا ہے کہ ان کے دور میں بئر زمزم پوری آب وتاب کے ساتھ موجود تھا.(۹۸) مولف نے اس موقع کا ملاحظہ کیا ہے. باہر سے دیکھنے پر کنویں کی دیواریں نظر آتی ہیں مگر اوپر جا کر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دیواروں کے کچھ حصوں کو گرا کر اس کنویں کو بھر دیا گیا ہے اور یوں یہ کنواں اپنے ہی ملبے سے اٹا ہوا ہے.

اس مقام پر ہم ایک اور معاصر مدنی محقق کی تحقیق بھی قاری کی نظروں میں لانا چاہیں گے. غازی بن سالم التمام نے بالصراحت لکھا ہے کہ بئر زمزم حی الزمزم میں (عنبریہ سٹیشن کے شمال مغرب میں) اس علاقے میں واقع تھا جس کو آج کل حارہ الغربیہ کہا جاتا ہے. اسے مسمار کر دیا گیا تھا اور اس کا موجودہ محل وقوع ''محطہ نفط للمحروقات'' کے نیچے دفن ہو چکا ہے.(۹۹)
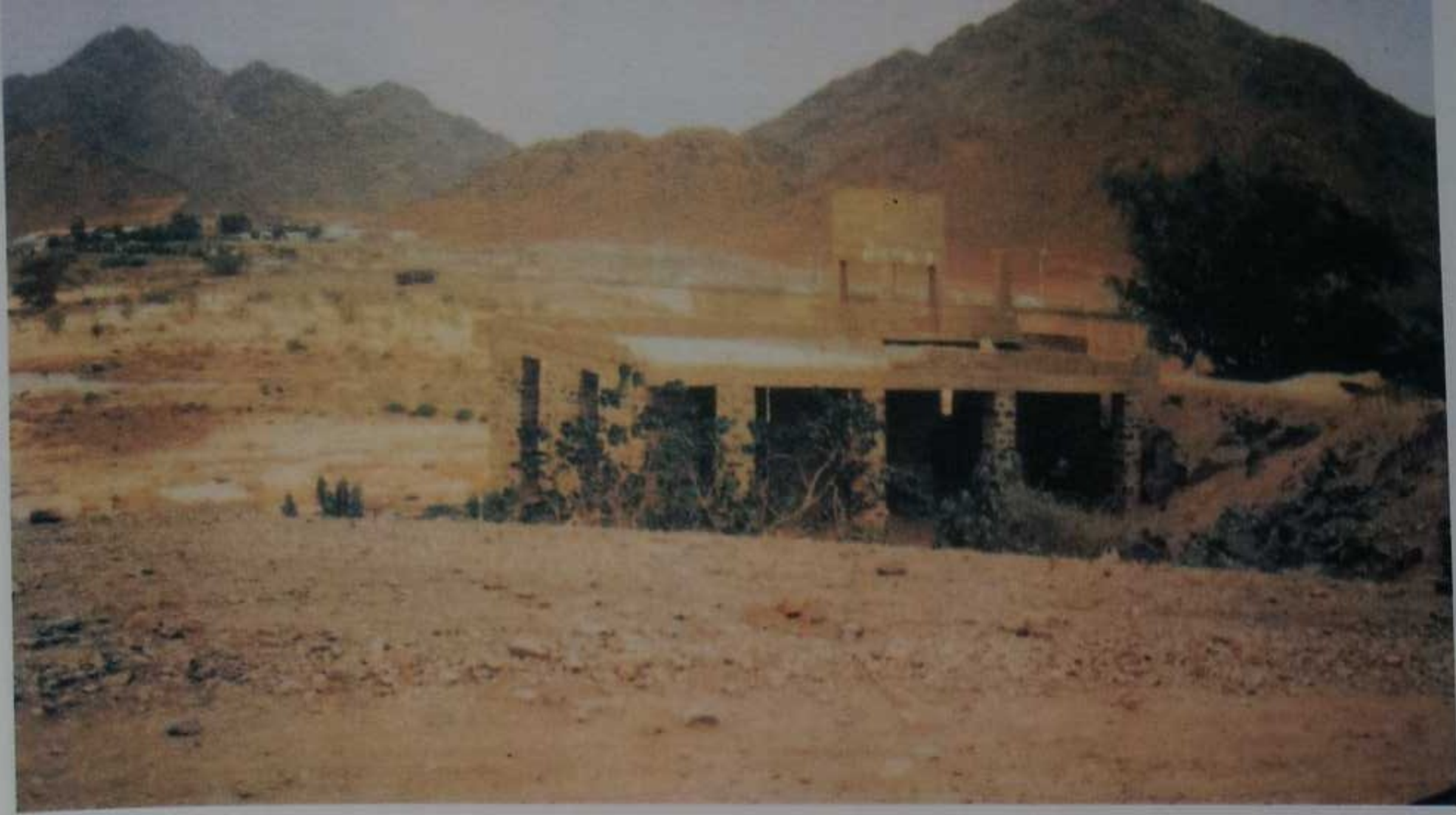
بئر عروہ بن زبیر جس میں اترنے کے لیے سیڑھیاں ہوا کرتی تھیں

بئر ایہاب (اہاب)

یہ کنواں بھی حرۃ الغربیہ میں واقع تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانی استعمال فرمایا تھا اور اس میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈال کر اسے تبریک کی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا. ابتداء میں یہ کنواں حضرت سعد بن عثمانؓ کی ملکیت تھا مگر بنی امیہ کے دور میں اسے اسماعیل بن ولید بن ہشام نے خرید لیا تھا اور اس کے پاس اپنا محل بنوایا تھا. حضرت محمد بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ بئر اہاب پر تشریف لائے جو کہ حرہ میں ہے اور ان دنوں حضرت سعد بن عثمانؓ کی ملکیت تھا. وہاں آپ حضور ﷺ نے ان کے بیٹے عبادہ بن سعدؓ کو دیکھا جو کہ کنویں پر تعمیر شدہ دو ستونوں سے بندھے ہوئے تھے. رسول اللہ ﷺ نے ان کو کھول دیا. بعد میں جب سعدؓ آئے تو پوچھا کہ کون آئے تھے. بیٹے نے والد سے سب ماجرا کہا تو انہوں نے کہا یقیناً آپ رسول اللہ ﷺ تھے. وہ (حضرت عبادہؓ) آپ حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑے اور جلد ہی آپ حضور ﷺ تک پہنچ گئے. رسول اللہ ﷺ نے پیار سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی. انہوں نے بیان کیا کہ وہ (عبادہؓ) اسّی سال کے ہو کر فوت ہوئے اور اس وقت بھی جوان نظر آتے تھے. انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کنویں میں اپنا لعاب دہن مبارک بھی ڈالا تھا.] اس کنویں کے محل وقوع کے بارے میں ابتدائی مورخین بھی مخمصے کا شکار رہے ہیں. بعض نے تو اسے بئر زمزم کا دوسرا نام ہی کہہ دیا ہے. شیخ سمہودیؒ بھی اس سلسلے میں تذبذب کا شکار ہیں اور انہوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہی کنواں بئر زمزم ہو. تاہم شیخ العباسی (ت: دسویں صدی ہجری) نے واضح طور پر لکھا ہے کہ بئر ایہاب اور بئر زمزم دونوں مختلف کنویں تھے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آج بھی یہ کنواں حرہ غربیہ میں مسجد منارتین کی غربی جانب تھوڑے فاصلے پر ٹرکوں کے اڈے کے درمیان واقع ہے. اسی کنویں کی نسبت سے یہ علاقہ 'حی اہاب' یعنی اہاب کا علاقہ کہلاتا ہے. اس پر موجود قدیم عمارت کو عمداً نیم مسمار کر دیا گیا ہے مگر کنویں میں آج بھی پانی ہے.

بئر عروہ بن زبیر
ستمبر ۲۰۰۲ء

بئر عروہ بن الزبیرؓ

اس کنویں کی باقیات وادی العقیق میں حضرت عروہ بن زبیرؓ کے محل کے کھنڈرات کے سامنے موجود ہیں. ذوالحلیفہ کی طرف جانے والے وادی العقیق کے پل کے شروع میں بائیں جانب یہ دونوں تاریخی آثار واقع ہیں. دونوں کے درمیان ایک چھوٹی سے سڑک گزرتی ہے. کبھی ایسا بھی دور تھا جب کہ اس کنویں کا پانی عباسی خلفاء کے لیے بغداد تک لے جایا جاتا تھا. ہارون الرشید کے لیے تو خاص طور پر اس کا پانی بوتلوں میں بھر کر لے جایا جاتا تھا. (۱۰۰) چونکہ حضرت عروہ بن زبیرؓ پہلی صدی ہجری کے سات فقہاء
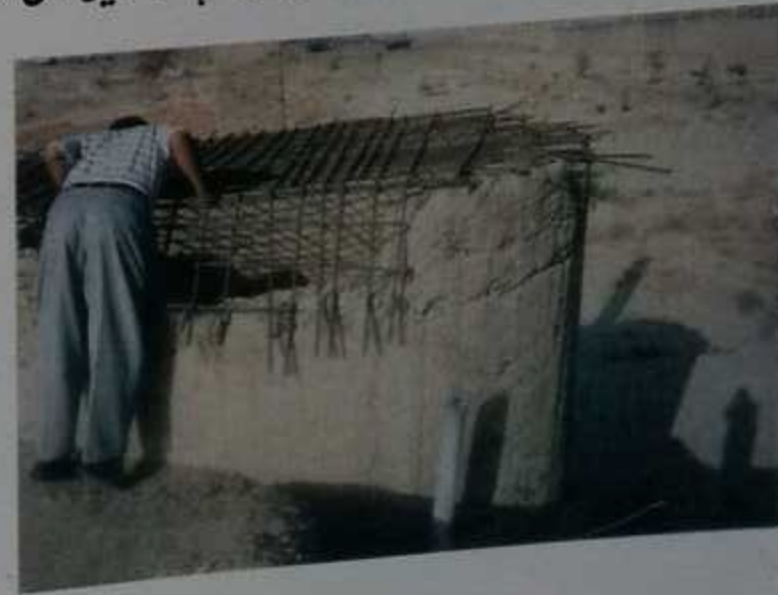
بئر حضرت علی کرم اللہ وجہہ
اگست ۲۰۰۳ء

کے سرخیل سمجھے جاتے تھے اور لوگ ان سے علمی استفادہ کے لیے ان کے محل کا چکر لگایا کرتے تھے، اس لیے ہر آنے والا ان کے کنویں کے پانی سے بھی مستفید ہوتا تھا، یوں ابتدائے تاریخ مدینہ سے ہی یہ کنواں شہرت کے ساتویں آسمان پر پہنچ گیا تھا.

صدیوں تک اس کا میٹھا پانی اہل مدینہ کی پیاس بجھاتا رہا. بیسویں صدی کی پہلی دو دہائیوں تک یہ کنواں خدمت اہل مدینہ میں پیش پیش رہا کیونکہ یہ اس بڑی شاہراہ پر واقع تھا جو کہ مسجد نبوی شریف سے براستہ ذوالحلیفہ براہ راست مکۃ المکرّمہ تک جاتی ہے. آج بھی اس کنویں میں پانی موجود ہے اور پرانے اہل مدینہ کے اقوال کے مطابق اس کا پانی گردے میں پتھری کے علاج کے لیے اکسیر سمجھا جاتا تھا. اس کے پاس ہی اس عمارت کی باقیات بھی موجود ہیں جن سے گزر کر ایک زینہ اس کی سطح آب تک جاتا تھا. اب اس کنویں کے دہانے پر مضبوط لوہے کا جال ڈال کر اس کے پانی کے استعمال کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے. اگرچہ یہ وادی العقیق کے بطن میں واقع ہے مگر اس کنویں کی گہرائی بہت زیادہ نظر آتی ہے.

بئر علی کرم اللہ وجہہ (ابیار یا آبار علی کرم اللہ وجہہ)

کنوؤں کی ایک کثیر تعداد جو کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے وادی العقیق میں ذوالحلیفہ کے علاقے میں کھدوائے تھے آج بھی موجود ہے. ان کنوؤں کی شہرت نے تو ذوالحلیفہ کے نام کو بھی گہنایا ہوا ہے اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے نام سے منسوب ہونے کی وجہ سے یہ تمام علاقہ 'ابیار علی' یا 'آبار علی' کہلاتا ہے. ان تمام کنوؤں کے متعلق تفاصیل ہم نے وادی العقیق کے ضمن میں باب "مدینہ طیبہ کی وادیاں" میں فراہم کی ہیں.

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے لگوائے گئے تیئس کنوؤں سے ابھی تک چند موجود ہیں اور وافر مقدار میں پانی مہیا کرتے ہیں. یہ دونوں کنویں ایک دوسرے کے قریب ہی ایک کھجوروں کے باغ میں واقع ہیں. (تصویر جولائی ۲۰۰۳ء).

بئر حضرت علی کرم اللہ وجہہ
اگست ۲۰۰۲ء

مدینہ طیبہ میں قدیم فراہمی آب کا نظام - عین الزرقاء

ایام جاہلیت سے لے کر ہجرت مبارکہ تک اور پھر اس کے بعد سے موجودہ صدی کے شروع تک مدینہ طیبہ میں فراہمی آب کا بڑا ذریعہ کنویں ہی تھے جن میں مندرجہ بالا سات متبرک کنویں بھی شامل تھے، مگر اس کے ساتھ ساتھ عین الزرقاء (یا عین الازرق) کے زیر زمین پانی کی فراہمی کے نظام نے بھی اہل مدینہ کی ضروریات پوری کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے. حضرت معاویہؓ کے دور میں مروان بن الحکم نے اہل مدینہ کی آبی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جو زیر زمین نظام تعمیر کروایا تھا وہ بلاشبہ اموی دور کا شاہکار ہے. اس نظام کی تعمیر کے وقت کئی مرتبہ حضرت معاویہؓ نے بذات خود اس منصوبے کی نگرانی بھی کی تھی. (۱۰۱)

اس نظام کے تحت مسجد قباء کی غربی جانب ایک بہت بڑا کنواں کھودا گیا تھا جس کا پانی زیر زمین بڑی نالیوں کے ذریعے مدینہ شہر تک لایا گیا

تھا۔یہ بڑا کنواں بستان جعفریہ میں مسجد قباء کے پاس تھا جس کو ایک راہٹ کہا جا سکتا ہے۔اونٹوں اور دیگر بار بردار جانوروں کی مدد سے اس سے پانی نکالا
جاتا تھا جسے قریب ہی ایک بہت بڑے تالاب میں جمع کر دیا جاتا تھا۔اس تالاب کو نالیوں کے ذریعے شہر نبوی تک منسلک کر دیا گیا تھا۔قباء کا علاقہ چونکہ
عام مدینہ طیبہ سے کافی اونچائی پر واقع ہے اس لیے پانی کی ترسیل نچلے علاقوں تک بہت آسان تھی۔البتہ بڑی بڑی نالیوں کا جال بچھانا جوئے شیر
لانے کے مترادف تھا جسے بہت تندہی سے سرانجام دیا گیا تھا۔ پانی کے بہاؤ کو برقرار رکھنے کے لیے راستے میں کئی مقامات پر اضافی کنویں بھی کھود کر
ان سے پانی نکالا جاتا تھا اور پھر اسی نظام سے منسلک بڑی نالی میں ڈال دیا جاتا تھا۔المراغی کے مطابق مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ کر یہ بڑی نالی پانی کو
ایک بہت بڑے تالاب میں ڈال دیتی تھی جس پر ایک بہت بڑا گنبد تعمیر کیا گیا تھا۔اس زیر زمین بڑے ذخیرے سے کئی نالیاں نکلتی تھیں جو اندرون شہر
تک جاتی تھیں۔فالتو پانی ایک نالی کے ذریعے الجرف کے علاقے کی طرف نکال دیا جاتا تھا۔اس طرح پورا شہر نبوی اس عظیم تر آبی نظام سے مستفید
ہوتا تھا۔جوں جوں مدینہ طیبہ کی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا اور آبی ضروریات بڑھتی گئیں اس نظام فراہمی آب کے لیے مزید کنویں کھود کر اس سے منسلک
کئے جاتے رہے اور اس طرح مدینہ طیبہ تک جو پانی پہنچتا وہ بہت سے کنووں سے نکالا جاتا تھا مثلاً بئر اریس، بئر رباط، بئر بویرہ، بئر جدیلہ اور بئر
عبدالرحیم السقاف وغیرہ۔اس سے پانی کے اخراج کے لیے مختلف مقامات پر ''منہل'' (جمع: مناہل۔ پانی کے پانی کے مخرج) بنائے گئے تھے۔

یہ کہنا کوئی مبالغہ آرائی نہیں کہ زیر زمین پانی کی فراہمی کا یہ نظام سب سے اولین، منفرد اور ایک بہت بڑا منصوبہ تھا جو کہ ارض حجاز میں کسی
شہر میں تعمیر کیا گیا تھا۔دولت اسلامیہ کی توسیع کے ضمنی فوائد میں ایک فائدہ یہ بھی رہا تھا کہ مسلمانوں کو دیگر ممالک میں مختلف رفاہی نظام دیکھنے
کے مواقع میسر آئے جن میں سابقہ رومی علاقے اور خاص طور پر بلاد الشام بھی شامل تھے جہاں پانی کی فراہمی مختلف نہروں اور دریاؤں کے
ذریعے ہوتی تھی۔ان کو دیکھ کر حضرت معاویہؓ نے فیصلہ کیا کہ اہل مدینہ کی خدمت کے لیے بھی کوئی ایسا نظام جاری کیا جائے تا کہ لوگوں کو گھر بیٹھے
پانی میسر آجائے۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ طیبہ کے گورنر مروان بن الحکم کو اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کا حکم دیا۔مروان کی آنکھیں نیلی (عین
الازرق) تھیں۔عربی زبان میں ''عین'' ذومعنتان لفظ ہے: یعنی اس کا مطلب آنکھ بھی ہے اور چشمہ بھی۔ چونکہ اس منصوبے کو عملی جامہ اس نے
پہنایا تھا اس لیے اس نئے جاری کئے گئے فراہمی آب کے نظام کو ''عین الزرقاء'' کہا جانے لگا جس کا مطلب ''نیلی آنکھ'' یا ''نیلا چشمہ'' ہے۔
تاریخ مدینہ طیبہ میں ایک ایسا مرحلہ بھی آیا کہ ۵۶۰ ہجری میں سیف الدین ابی الہیجاء کی گورنری کے دور میں پانی کی ترسیل مسجد نبوی
شریف تک کرنے کے لیے عین الزرقاء کے قریبی پانی کے ذخیرے سے زیر زمین نالی کے ذریعے باب السلام کی جانب سے صحن مسجد نبوی
شریف میں بھی ایک منہل کا اجراء کیا گیا تھا۔اس منہل سے فوارے کی شکل میں پانی نکلتا تھا جو فراہمی آب کے علاوہ مسجد شریف کی خوبصورتی
میں بھی اضافے کا سبب تھا۔استعمال شدہ پانی ایک نالی کی ذریعے مسجد شریف سے باہر نکال دیا جاتا تھا۔تاہم بعض لوگ وضوء اور پیاس بجھانے
کے علاوہ اسے دیگر ضروریات کے لیے بھی استعمال کرنے لگے جس سے مسجد شریف کا تقدس مجروح ہوتا تھا۔مزید برآں اس سے مسجد شریف
میں حفظان صحت کے مسائل بھی پیدا ہو گئے تھے۔اس لیے اسے منقطع کر کے اس نظام کو مسجد نبوی شریف میں بند کر دیا گیا۔(۱۰۲) البتہ
نمازیوں کی سہولت کے لیے المناخہ کے باہر ایک منہل موجود تھی جہاں سے پانی وافر مقدار میں دستیاب تھا۔
پانی کے اس عظیم نظام ترسیل کی اہمیت کے پیش نظر تمام حکمرانوں نے اس کی مناسب دیکھ بھال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی کیونکہ شہر نبوی کے
باسیوں کی شہری زندگی اس پر بہت انحصار کرتی تھی۔مواسم حج میں تو اس نظام کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جایا کرتی تھی۔لاکھوں کی تعداد میں دور دراز سے
آئے حجاج کرام اس نظام سے پوری طرح مستفید ہوتے تھے۔نویں صدی کے آخر میں سلطان اشرف قیتبائی نے اس نظام کی مرمت اور توسیع کا
حکم دیا۔اس تمام تر دیکھ بھال کے باوجود چونکہ یہ نظام طرز کہن پر چل رہا تھا اس لیے کبھی کبھار اس میں تعطل بھی پیدا ہو جاتا تھا۔عثمانی دور کے شروع
میں ایک بار اس کی زیر زمین نالیاں مسدود ہونے سے پانی کی فراہمی کا پورا نظام تعطل کا شکار ہو گیا۔ چنانچہ سلطان سلیمان قانونی نے ۹۳۲ ہجری میں

اس نظام کی تجدید، توسیع اور صفائی کا حکم دیا اور یوں اہل مدینہ کو ایک بہتر نظام میسر آ گیا۔ اس کے بعد ۹۹۹ ہجری میں سلطان مراد اور پھر ۱۱۱۱ ہجری میں سلطان سلیم نے اسے مرمت کروا کر ان میں چند مزید کنوؤں کے پانی کا اضافہ کیا۔ سلطان عبدالحمید دوم نے اس میں مزید اضافہ کیا۔ (۱۰۳)

درحقیقت پورے حجاز میں یہ یکتا نظام فراہمی آب اپنی مثال آپ تھا اور دیار مغرب سے آنے والے زائر اسے دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔ برطانوی جاسوس رچرڈ برٹن جو مدینہ طیبہ ۱۸۵۰ میں آیا تھا اس نظام کے متعلق رقمطراز ہے: ''یہ پانی کی نہر زیر زمین چلتی ہے جو کہ سطح زمین سے تقریباً تیس فٹ نیچے سے گزرتی ہے۔ مختلف مقامات پر مخرج بنائے گئے ہیں جن سے نہ صرف پانی نکالا جاتا ہے بلکہ تازہ ہوا بھی ان سے داخل ہو کر پانی کو صاف رکھتی ہے۔ ان مخرجوں میں سطح آب تک جانے کے لیے عوام کی سہولت کے لیے زینے نصب کئے گئے ہیں: یہ عظیم کام سلطان سلیمان (Sulaiman the Magnificent) کا کارنامہ تھا۔ شہر کو پانی مہیا کرنے کے بعد وافر پانی شمال مغرب کی طرف نکل جاتا تھا۔ جہاں جہاں سے اس کی نالیاں گزرتی تھیں اس کی گزرگاہ کے اوپر مختلف مسافتوں پر نصف قد آدم دیواروں کے (کنویں کی منڈیر کی طرح) گول دائرے بنائے گئے ہیں جیسا کہ افغانستان (اور بلوچستان) میں کاریز کے نہری نظام کے لیے بنائے گئے ہیں۔ مدینہ طیبہ سے نکل کر یہ نظام شمال میں کھجور کے بستانوں اور باغوں میں اپنے اختتام پر پہنچ جاتا ہے۔ اپنے قیام مدینہ کے دوران میں نے اسی پانی کو پیا اور جیسا کہ اہل شہر کہتے ہیں ہمیشہ میں نے اسے میٹھا اور صاف پایا ہے۔'' (۱۰۴)

عین الزرقاء سے پانی کا نکاس آسان بنانے کے لیے ایک مخرج

پینے کے علاوہ عین الزرقاء کے نظام سے زراعتی آبپاشی کے لیے بھی پانی مہیا کیا جاتا تھا۔ پانی کی فراہمی کے ان مخرجوں کو الدبل (جمع الدیبال) کہا جاتا تھا۔ عموماً یہ مخرج دو قسموں کے ہوتے تھے: پہلے وہ تھے جو کہ کنویں کی طرز پر ہوتے تھے جن سے پانی روائتی طریقوں سے نکالا جاتا تھا۔ یعنی رسی کے ساتھ ڈول باندھ کر ان میں ڈال دیا جاتا تھا اور بھر کر باہر کھینچ لیا جاتا تھا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ سطح زمین سے کچھ بلندی پر پانی کے ذخیرے کے لیے خزان (Reservoir) بنا دیئے جاتے تھے جن کے ساتھ زینے تعمیر کئے گئے تھے جن پر چڑھ کر لوگ اپنی ضروریات کے لیے پانی نکال لیا کرتے تھے۔ عام آدمیوں کے علاوہ مدینہ طیبہ میں پیشہ ور 'سقے' (ماشکی) بھی ہوا کرتے تھے جو ان مخرجوں سے پانی نکال کر بہت ہی کم داموں پر مشکیزے کندھوں پر اٹھائے گھر گھر پانی پہنچانے کا کام کرتے تھے۔ مسجد نبوی شریف میں بھی یہ سقے مٹی سے بنے لمبوترے مٹکوں کو کندھوں پر اٹھائے چکر لگایا کرتے تھے اور نمازیوں کو پانی پیش کیا کرتے تھے۔ ایسے سقوں کی اجرت مقرر نہیں ہوتی تھی بلکہ پینے والا جو کچھ بھی دیتا وہ بخوشی قبول کر لیتے تھے۔ بن اسی کی دہائی تک ایسے سقے اکثر مسجد نبوی شریف میں نظر آتے تھے۔

عوام کی سہولت کے لیے شہر کے مختلف علاقوں میں ایسے منہل اور مخرج تعمیر کئے گئے تھے (مثلاً مسجد الغمامہ، باب السلام، حارۃ الاغوات، مشہد نفس الذکیہ اور باب مصری وغیرہ)۔ یہ تمام سبیلیں اور منہل ان علاقوں کے ناموں کی نسبت سے مشہور ہو گئے تھے، مثلاً: عین الحارہ، عین باب السلام، عین الزکی، عین المناخہ وغیرہ جہاں عین کا مطلب چشمہ ہوتا تھا۔ عبدالقدوس الانصاری کے مطابق ۱۳۵۳ ہجری میں پورے شہر میں ایسے مناہل کی کل تعداد ۱۱ تھی جن میں سے ۷ زیر زمین تھے جن تک پہنچنے کے لیے زینوں سے اتر کا جانا پڑتا تھا جب کہ تین ایسے تھے جن کے خزان بہت اونچائی پر بنائے گئے تھے جن پر زینوں سے چڑھ کر یا تو روائتی طریقوں سے پانی نکالا جاتا تھا یا پھر ایک ایسا بھی منہل تھا جس سے مشینی طریقے سے پانی حاصل کیا جاتا تھا۔ ان تمام مخرجوں سے صارفین خود یا سقوں کے ذریعے پانی حاصل کرتے تھے۔ اس سارے نظام کو مناسب طریقے پر چلانے کے لیے قواعد و ضوابط نافذ تھے جس میں ٹیکس کا نظام اور سقوں کے متعلق قوانین شامل تھے۔ ان قوانین کے تحت سقے پیشہ ورانہ ضابطہ اخلاق کے پابند تھے جن کی خلاف ورزی پر صارفین کو عدالت میں جانے کا حق تھا۔ اس نظام کو صحیح خطوط پر چلانے کے لیے ایک محکمہ قائم کر دیا گیا تھا۔

بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں مدینہ طیبہ کی آبادی میں ہوشربا اضافہ ہونے لگا شہر کی قدیم فصیل آہستہ آہستہ ختم کردی گئی اور چاروں طرف آبادی پھیل گئی جس کی وجہ سے عین الزرقاء کا قدیم نظام جدید تقاضوں سے ہم آہنگی برقرار نہ رہ سکا. پرانے شہر کے گرد کئی آبادیاں بن گئی تھیں جن تک اس نظام کہن کو لے جانا محال تھا.ان مشاکل کے پیش نظر سعودی حکومت نے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے ذمہ یہ فرائض تھے کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ مدینہ طیبہ کی بڑھتی ہوئی آبی ضروریات کو کیسے پورا کیا جائے مختلف تجاویز پر غور وخوض کے بعد ۱۹۷۸ء میں اس کمیٹی نے سفارشات دیں کہ ایک نیا محکمہ تشکیل دیا جائے جو پورے کا پورا نظام بدل کر نیا نظام فراہمی آب چلائے.ان سفارشات کے تحت ایک شاہی فرمان جاری ہوا جس کے تحت ایک نیا محکمہ قائم ہوا جو کہ محکمہ آب رسانی اور نکاسی آب (Water and Sewage Department) تھا جس کا پہلا سالانہ بجٹ ۱۴۳ ملین سعودی ریال تھا.قدیم محکمہ عین الزرقاء کے تمام ملازمین کو اس نئے محکمے میں شامل کیا گیا.

اپنے آخری ایام میں عثمانیوں نے بھی اس معاملے پر غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ آب رسانی کا نیا نظام روشناس کرایا جائے. پہلی جنگ عظیم میں ان کے ایک ملٹری گورنر بصری پاشا نے ایک منصوبے کی منظوری دی تھی جس کے تحت جبل عیر کے علاقے میں ایک بہت بڑا کنواں کھودا جانا تھا جس سے بجلی سے چلنے والی موٹروں سے پانی نکال کر نالیوں کے ذریعے شہر کو سپلائی کیا جانا تھا.اس کام کے لیے ۱۲ انچ قطر کے مضبوط فولادی پائپ نصب کئے جانے لگے تھے جو کہ مسجد عنبریہ تک پہنچ گئے تھے جہاں دیو قامت خزان تعمیر کئے گئے تھے.تاہم اچانک ان کی حکومت ختم ہوجانے سے یہ منصوبہ دھرے کا دھرارہ گیا.البتہ سعودی دور میں ان نصب شدہ پائپوں کو عین الزرقاء کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے استعمال کیا گیا تھا.سعودی دور میں جب مسجد نبوی شریف کے پہلی توسیعی منصوبہ پر عمل درآمد شروع ہوا تو محمد بن لادن نے جبل تیاب کی چوٹی پر ایک بہت بڑا خزان تعمیر کروادیا جہاں سے پانی پائپوں کی مدد سے نیچے لایا جاتا تھا.اس منصوبے کی کامیابی نے بڑے منصوبوں کی راہ کھول دی اور بحیرہ احمر سے پانی لائے جانے کے منصوبے ترتیب دیئے گئے.ان منصوبوں کی تکمیل پر کھارے سمندری پانی سے نمکیات زائل کر کے صاف پانی بڑے نلوں کے ذریعے ایک بہت بڑے خزان میں لایا جاتا ہے جو کہ مسجد قباء سے ایک کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے.اس خزان میں ۹۰،۰۰۰ کیوبک میٹر پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہے.اس نظام کا سب سے بڑا پلانٹ بحیرہ احمر کے قریب اور ینبع سے ۱۴۱ کیلومیٹر دور لگایا گیا تھا.اس عظیم تر منصوبے کا مقصد نہ صرف مدینہ طیبہ کو پانی فراہم کرنا تھا بلکہ ینبع کے بندرگاہی شہر کو بھی سیراب کرنا تھا.اس نئے نظام نے نظام کہنہ کو یکسر بدل کر رکھ دیا.فراہمی آب کے لیے زیر زمین ۱۲۲ انچ قطر کا بڑا پائپ استعمال کیا گیا جو ۱۷۶ کیلومیٹر کی مسافت طے کر کے قباء پہنچتا ہے.اس نئے نظام کے تحت روزانہ ۲۰ ملین گیلن پانی مدینہ طیبہ پہنچتا ہے جو صارفین کو گھر گھر پہنچایا جاتا ہے.اس نئے نظام نے شہر نبوی میں طرز زندگی کو ایک نئی سمت عطا کردی ہے.

اگرچہ اب مدینہ طیبہ کی آبادی کئی گنا بڑھ چکی ہے مگر فراہمی آب کا جدید نظام اتنی مضبوط بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے کہ مواسم حج میں بھی لوگوں کو پانی کی کمی محسوس نہیں ہوتی.مدینہ طیبہ کے اردگرد اتنے واٹر ٹریٹمنٹ پلانٹ لگ چکے ہیں کہ اب صاف پینے کا معدنی (Mineral Water) پانی بوتلوں میں بند وافر مقدار میں ہر گلی اور محلے کی نکڑ پر موجود دکانوں میں دستیاب ہے.دیگر فوائد کے علاوہ اس سے بلدیہ مدینہ طیبہ کے نظام آب رسانی پر بوجھ کم ہوگیا ہے.چونکہ لوگوں کی قوت خرید بڑھ گئی ہے عام آدمی بھی معدنی پانی کو بلدیہ کے پانی پر ترجیح دیتا ہے.بلدیہ کا پانی تو اب گھر کی دیگر ضروریات تک محدود رہ گیا ہے.

حواشی

(۱) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، ص:۲۴۸

(۲) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ ﷺ (The Life of Muhammad)، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، طباعت ۵، ۱۹۷۸، ص:۴۷۶

(۳) زین الدین ابی بکر المراغی (ت:۸۱۶ہجری) تحقیق النصرہ بتلخیص معالم دار الہجرہ، مکتبۃ العلمیہ، مدینۃ المنورہ، ص:۱۷۰

(۴) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۵۴۲ و ۷۴۵

(۵) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، بیروت، تیسرا ایڈیشن، ۱۹۸۱

(۶) مجدالدین فیروز آبادی، مغانم المطابہ فی معالم طابہ، ص:۲۹۱

(۷) جمال المطری (ت:۷۴۱ہجری)، التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دار الہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ (۱۴۰۲ہجری)، ص:۵۹

(۸) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۹۸۳

(۹) المراغی، مصدر مذکور، ص:۱۷۸

(۱۰) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۵۱۱ و ج:۲، نمبر ۵۴۰۔ نیز ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳-۲۶۲ہجری)، تاریخ مدینہ، ج:۱، ص:۱۵۷

(۱۱) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۲۱۸۵ نیز ۲۱۸۶

(۱۲) ابن اسحاق، مصدر مذکور، صفحات:۴۹۸-۴۹۹۔ فیروز آبادی، ص:۳۷

(۱۳) ابن شبہ، مصدر مذکور، صفحات:۲۷۲-۲۷۳

(۱۴) عبدالقدوس الانصاری، ص:۲۴۵

(۱۵) فیروز آبادی، ص:۳۷

(۱۶) ابن نجار، ص:۱۰۲

(۱۷) المطری، مصدر مذکور، ص:۲۷

(۱۸) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ (۱۳۰۳ہجری بمطابق ۱۸۸۵ء)، ص:۲۷

(۱۹) ابراہیم العیاشی المدنی، المدینہ بین الماضی والحاضر، ص:۱۶۳

(۲۰) صحیح مسلم، ج:۴، نمبر ۵۹۱۱۔ صحیح بخاری، ج:۹، نمبر ۳۶۷

(۲۱) المراغی، ص:۱۶۹

(۲۲) فیروز آبادی، ص:۲۵

(۲۳) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر ۷۶۷

(۲۴) ایضاً، ج:۷، نمبر ۷۵۶

(۲۵) ابن نجار، ص:۱۰۳

(۲۶) فیروز آبادی، صفحات:۲۷-۲۸۔

(۲۷) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱، صفحات:۳۹۸-۳۹۹۔

(۲۸) قاری شریف احمد، معین الحج، مکتبہ رشیدیہ، کراچی، پہلا ایڈیشن، ص:۴۸۸۔

(۲۹) علی حافظ، ابواب تاریخ المدینۃ المنورہ (اردو ایڈیشن)، ص: ۱۳۹. حیرانی کی بات ہے کہ اسی کتاب کے انگریزی ترجمے سے یہ پیراگراف حذف کر دیا گیا ہے. شائد اس لیے کہ ایک سابق رئیس بلدیہ حرم النبوی شریف کے دل کی آواز سے کوئی موجودہ مقتدر شخصیت چیں بجبیں ہوگئی ہو.

(۳۰) ابراہیم المدنی العیاشی، مصدر مذکور، ص: ۲۳۸

(۳۱) صحیح بخاری، ج: ۸، نمبر ۲۶۵

(۳۲) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج: ۱، ص: ۵۰۵

(۳۳) سمہودیؒ، ص: ۹۵۶

(۳۴) سنن ابی داؤد، ۱-۶-۰۰

(۳۵) ایضا، نمبر ۲۰۰۷. اس حدیث مبارکہ کا ذکر الترمذی نے بھی کیا ہے (اردو ترجمہ بدیع الزمان، ضیا احسان پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۸)، ص: ۶۷. مسند امام احمد، النسائی اور البیہقی میں بھی یہ حدیث مبارکہ موجود ہے.

(۳۶) ابن سعد، ج: ۱، ص: ۵۰۵

(۳۷) ایضا

(۳۸) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء، ص: ۴۵۲

(۳۹) ایضا، ص ۴۵۳

(۴۰) فیروز آبادی، ص: ۳۲

(۴۱) سنن ابی داؤد، ۱-۶-۰۰

(۴۲) ابن ضیاء المکی (ت: ۸۸۵ ہجری)، تاریخ مکۃ المشرفہ والمسجد الحرم والقبر الشریفہ، ص: ۱۴۰

(۴۳) ایضا

(۴۴) رحلۃ العیاشی (المدینۃ المنورہ فی رحلۃ العیاشی)، ص: ۱۵۷

(۴۵) الشیخ احمد بن عبد الحمید العباسی (وفات دسویں صدی ہجری)، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، ص ۲۶۴.

(۴۶) غالی محمد امین الشنقیطی، ص: ۱۶۵

(۴۷) علی حافظ، مصدر مذکور، ص: ۱۱۹

(۴۸) محمد السید الوکیل، ص: ۱۵۰

(۴۹) غازی بن سالم التمام، رسائل فی آثار المدینۃ النبویہ، مدینہ منورہ ادبی کلب، پہلا ایڈیشن، ۲۰۰۰، ص: ۷۲

(۵۰) ابن نجار، صفحات: ۱۰۶-۱۰۷

(۵۱) حوالہ؟

(۵۲) ابن نجار، صفحات: ۱۰۶-۱۰۷.

(۵۳) فیروز آبادی، ص: ۳۱. المطری، ص: ۵۵

(۵۴) ابن سعد، ج: ۱، ص: ۵۰۴

(۵۵) ایضا

(۵۶) ایضا

(۵۷) سمہودیؒ، ص: ۹۷۹

(۵۸) ابن سعد، ج: ۱، ص: ۵۰۵

(۵۹) سنن ابن ماجہ، ج:۱،ص:۴۷۱
(۶۰) سمہودیؒ، ص:۹۷۹، نیز ابن شبہ، ج:۱، صفحات:۱۶۱-۱۶۲
(۶۱) ابن شبہ، ج:۱،ص:۱۶۱
(۶۲) ایضاً،ص:۱۶۲
(۶۳) ایضاً،ص:۱۶۱
(۶۴) الشیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲ہجری)، جذب القلوب الی دیار المحبوب،ص:۱۵۹
(۶۵) ابن نجار،ص:۱۰۶
(۶۶) سمہودیؒ،ص:۹۸۱
(۶۷) الشیخ جعفر بن اسماعیل البرزنجی، نزہۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین،ص:۳۲۲
(۶۸) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء،ص:۴۵۸
(۶۹) منقول از سمہودی،ص:۹۶۹
(۷۰) ابن سعد، ج:۱،ص:۵۰۶
(۷۱) ایضاً
(۷۲) ابن نجار،ص:۱۰۸
(۷۳) ایضاً،ص:۱۰۹
(۷۴) جنرل ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱،ص:۴۳۰
(۷۵) السید احمد یاسین احمد الخیاری (ت:۱۳۰۸ہجری)، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ قدیماً وحدیثاً، چوتھا ایڈیشن، ۱۹۹۳، مدینہ طیبہ، صفحات:۱۸۴-۱۸۵
(۷۶) ابن شبہ، ج:۱،ص:۱۵۹
(۷۷) المراغی (ت:۸۱۶ہجری)
(۷۸) المطری،ص:۵۹
(۷۹) یوسف عبدالرزاق،ص:۲۹۰
(۸۰) المراغی،ص:۱۸۰
(۸۱) عبدالقدوس الانصاری،ص:۱۳۲ (بین القوسین الفاظ صرف وضاحت کے لیے ہیں)۔
(۸۲) ابراہیم المدنی العیاشی،ص:۱۷۷
(۸۳) علی حافظ (Chapters from the History of Medina)، اس کتاب کے آخر میں وضاحت کے لیے نقشہ دیا گیا ہے۔ نیز دیکھئے: غالی محمد الامین الشنقیطی، مصدر مذکور،ص:۲۳۸ جن کے الفاظ میں بئر سقیا جدہ روڈ (جسے ماضی میں کبھی جدہ روڈ اور کبھی مکہ روڈ کہا جاتا تھا مگر موجودہ نام عنبریہ روڈ ہے) کے نیچے مدفون ہے۔
(۸۴) حمد الجاسر مرحوم، فیروز آبادی کی مغانم المطابہ فی معالم طابہ میں ان کا ضمیمہ ایک قابل قدر اضافہ ہے،ص:۴۵۶
(۸۵) سمہودیؒ، وفاء الوفاء،ص:۹۸۲
(۸۶) ایضاً، نیز ابن شبہ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔
(۸۷) شیخ احمد بن عبدالحمید العباسی،ص:۲۵۷
(۸۸) المطری،ص:۵۹

(۸۹) ایضا،ص:۲۶۱

(۹۰) ابراہیم العیاشی،ص:۲۵۰

(۹۱) محمد کبریت الحسینی المدنی (ت:۱۰۷۰ ہجری) الجواہر الثمینہ فی محاسن المدینہ، ۱۹۹۷، صفحات: ۱۴۸-۱۴۹.

(۹۲) سمہودیؒ، خلاصۃ الوفاء، ص:۵۱۹. ان کا بیان ہے کہ بطلۃ اہل بیت الطاہرہ سیدۃ فاطمۃ بنت حسینؓ نے دو رکعت نماز ادا کر کے خود کدال اٹھا کر کنویں کی کھدائی شروع کر دی مگر جب مزدوروں نے دیکھا تو وہ آگے آ گئے اور باقی کا کام انہوں نے مکمل کیا۔

(۹۳) المراغی،ص:۱۸۰

(۹۴) شیخ احمد بن عبد الحمید العباسی،ص:۲۴۳

(۹۵) علی حافظ، ضمیمہ (Archaeological Guide Map to Medina al-Munawwara)

(۹۶) ابراہیم العیاشی،ص:۲۲۶

(۹۷) المراغی،ص:۱۸۰

(۹۸) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینہ،ص:۳۳

(۹۹) غازی بن سالم التمام،ص:۱۷

(۱۰۰) شیخ احمد بن عبد الحمید العباسی،ص:۲۵۰

(۱۰۱) محمد کبریت الحسینی المدنی،ص:۲۹۲

(۱۰۲) المراغی،ص:۱۷۸. نیز فیروز آبادی،ص:۲۹۶

(۱۰۳) عبد القدوس الانصاری، صفحات:۲۵۹_۲۶۱

(۱۰۴) رچرڈ برٹن (Personal Narrative of a Pilgrimage to Al-Medinah & Mecca)
Vol. 1 , a Reprint in 1964 of the Memorial Edition originally published
by Tylston and Edwards in 1893, Dover Publications, New York, ISBN 486-21217

(۱۰۵) ایضا

باب ۲۱

مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی شریف کے
ارد گرد واقع اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم
کے تاریخی اہمیت کے حامل گھروں کی چند تفاصیل
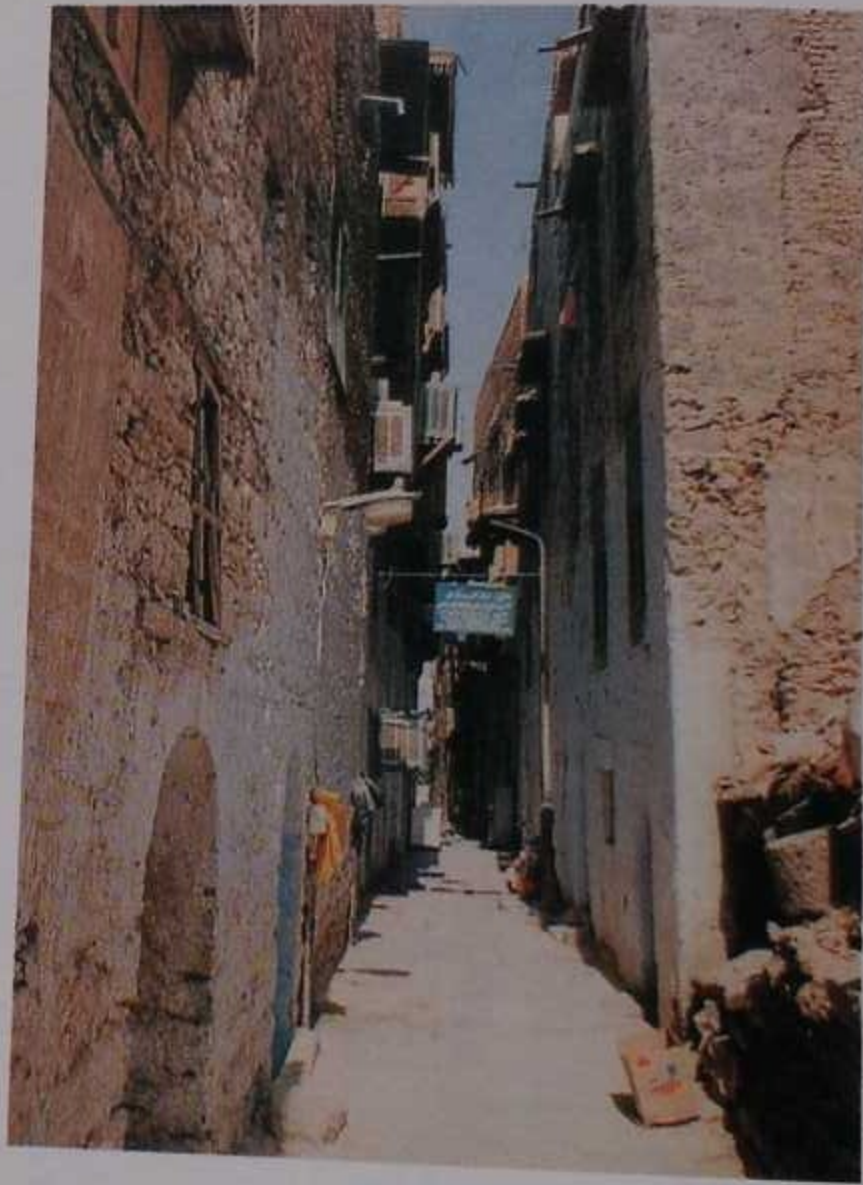
جب سرور کائنات سید البشر ﷺ نے مدینہ طیبہ میں ہجرت فرمائی اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے کاشانہ کو شرف اقامت بخشا تو
اس وقت تک بنو خزرج کے صرف چند گھرانے وہاں آباد تھے. باقی کی زمین زیادہ تر خالی تھی یا وہاں چند کھجوروں کے درخت ہوا کرتے
تھے جن سے نہ صرف پیداوار حاصل ہوتی تھی بلکہ ان کے سائے میں لوگ آرام کرتے اور بچے اور بچیاں جھولے ڈال کر کھیلا کرتے تھے
جیسا کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ سے ان کی رخصتی سے متعلق مروی حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے. بہت سی روایات اس بات کی
نشاندہی بھی کرتی ہیں کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کے آس پاس اور احاطہ مسجد نبوی شریف کے دور و نزدیک الخزرج کے مختلف
شعوب کے چند اور گھر بھی تھے. شمالی جانب بنی ساعدہ کا چھوٹا سا گاؤں تھا (موجودہ مقام سقیفہ بنی ساعدہ کے آس پاس) جب کہ اس سے
متصل شرقی جانب الزوراء اور بستان حا تھا. ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ جب تاج دار مدینہ ﷺ نے ارض طیبہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم
سے نوازا تو اس وقت انصار کے ۹ گاؤں (چھوٹی چھوٹی آبادیاں) اس علاقے میں آباد تھے جہاں مختلف شعوب و قبائل کے لوگ بستے تھے
اور ارد گرد کھجوروں کے درخت اور کھیت ہوا کرتے تھے. (۱)

جس جگہ پر مسجد نبوی شریف اور کاشانہ اقدس اور حجرات مبارکہ کی تعمیر عمل میں آئی وہاں بھی کھجور کے درختوں کے جھنڈ ہوا کرتے
تھے اور اس کے خالی حصے پر ایک احاطہ سا بنا ہوا تھا جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں. یہ تمام علاقہ ان چند بستیوں پر مشتمل تھا جن میں اکثر و
بیشتر مٹی اور گارے کے بنے ایک منزلہ مکان ہوا کرتے تھے. کہیں کہیں کوئی استثناء بھی تھا کہ دو منزلہ مکانات (جیسے حضرت ابو ایوب
انصاریؓ کا گھر) یا اکا دکا 'اطم' (جیسے حضرت حسان بن ثابتؓ کا محل افراع) یا سقیفے (جیسے سقیفہ بنی ساعدہ) نظر آ جاتے تھے. مشرقی
جانب بنو خزرج کے گھر تھے جب کہ غربی جانب زیادہ تر بنو اوس کی شاخیں آباد تھیں. شمال مغرب کی جانب قبیلہ بنو ساعدہ آباد تھا. یہ تمام
آبادیاں زیادہ گنجان آباد نہ تھیں بلکہ اکا دکا گھروں پر مشتمل ہوا کرتی تھیں بعض احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداء میں مسجد
شریف کی غربی جانب جبل سلع تک سوائے بنو ساعدہ کے خال خال ہی کوئی گھر ہوا کرتا تھا. اسی طرح صحابیہ سیدۃ عائشہ بنت قدامہؓ سے
مروی حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہیں: [ہم سے جب کوئی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی قبر کے قریب کھڑا ہوتا تو بغیر کسی رکاوٹ کے
رسول اللہ ﷺ کا کاشانہ مبارک نظر آ جاتا تھا.] (۲)

بے گھر مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آباد کاری کے لیے رحمت اللعالمین اور انیس الغریبین ﷺ نے مسجد نبوی
شریف کے ارد گرد واقع کھلی زمین اور اس اراضی کو جو کہ انصار نے برضا و رغبت بحضور رسالت مآب ﷺ ہبہ کر دی تھی (مثلاً حضرت حارثہ
بن النعمانؓ وغیرہ نے) مختلف پلاٹوں میں تقسیم فرمایا اور مہاجرین کے لیے مختص فرما دی. یوں حیاۃ طیبہ کے دوران مسجد شریف کے
چاروں اطراف میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھر بن گئے تھے. قربت کاشانہ اقدس رسالت مآب ﷺ کے حصول کی خاطر
اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی تگ و دو بھی کرتے تھے. حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے:
[بنی سلمہ کے لوگ مسجد نبوی شریف کے قریب منتقل ہونا چاہتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ باقی کا شہر نبوی ویران
ہو جائے. لہٰذا آپ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا: [اے معشر بنی سلمہ! کیا تم نہیں چاہتے کہ تم مسجد نبوی میں آنے کے لیے جتنے زیادہ قدم چلو
گے اس کا اتنا ہی ثواب لو گے؟ اس پر انہوں نے اپنی پرانی آبادی میں ہی رہنے کا فیصلہ کر لیا.] (۳)

مغربی جانب سب سے معروف گھر سیدنا ابو بکر صدیقؓ (خوخہ ابو بکرؓ) اور سیدنا عمر بن الخطابؓ (دار قضاء الدین) تھے. اس
طرف سیدنا ابو بکر صدیقؓ کا ایک چھوٹا سا گھر ہوا کرتا تھا جس میں سے ایک چھوٹا سا دروازہ یا دریچہ (عربی میں خوخہ کہلاتا تھا) مسجد
شریف میں کھلتا تھا. بڑے دروازوں کے علاوہ جو کہ باہر کی گلیوں کی طرف ہوا کرتے تھے مسجد شریف سے متصل گھروں کی کھڑکیاں

مدینہ طیبہ زاداللہ شرفاً
کا عمومی نقشہ
۲۰۰۵ء
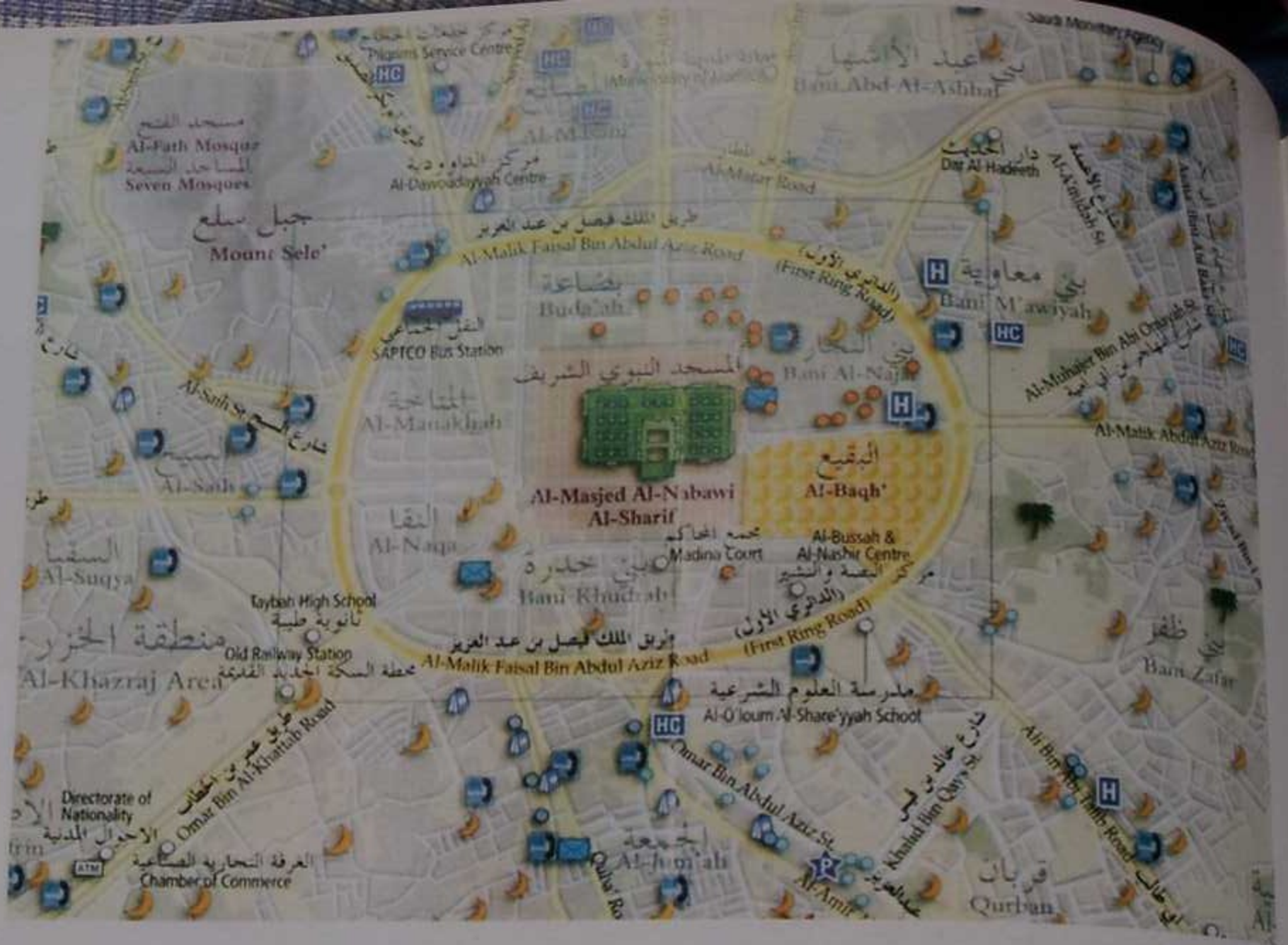
اور دریچے مسجد شریف میں بھی کھلتے تھے جس نے ان کے مقیمین کا مسجد شریف میں آنا جانا آسان بنا دیا تھا. جہاں تک ایسے دروازوں کا تعلق ہے جو کہ مسجد میں کھلتے تھے ان کو غزوہ احد سے پہلے ہی بند کرنے کے احکام ہوگئے تھے سوائے حجرات مبارکہ رسول الامین ﷺ اور بیت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے. البتہ کھڑکیاں اور خوخے (دریچے) کھلے رہنے دیئے گئے تھے مگر ان کو بھی حیاۃ طیبہ کے آخری ایام میں بند کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا سوائے خوخہ سیدنا ابو بکر صدیق ؓ کے جس کو استثنائے خصوصی سے وا رکھا گیا تھا. یہ خوخہ اس وقت کی مسجد شریف کی غربی دیوار سے متصل اور موجودہ مقام منبر شریف کے قریب تھا.

مسجد شریف کی غربی جانب اس مقام کی طرف جہاں بعد میں مسجد الغمامہ تعمیر ہوئی زیادہ تر علاقہ خالی تھا جہاں بعد میں بے گھر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے خیمے نصب کر لیے تھے اور اسی نسبت سے یہ علاقہ 'فساطیط' (یعنی خیموں کا علاقہ) کہلاتا تھا. یہاں دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کا خیمہ بھی کافی دیر تک رہا تھا. حضرت محمد بن عمار بن یاسر ؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ عیدین کی نمازوں کے لیے مصلیٰ (موجودہ نام مسجد الغمامہ) تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس گزرگاہ سے تشریف لے جاتے تھے جو کہ ''اصحاب الفساطیط'' (جھگیوں یا جھونپڑیوں والے اصحاب) کے علاقے سے گزرتی تھی.] (۴) تاہم شرقی جانب کچے اور پکے مستقل گھر بن چکے تھے جن میں سے بعض تو زمانہ قدیم سے تعلق رکھتے تھے جن میں سب سے زیادہ اہم و اشہر گھر 'دار ابو ایوب الانصاری ؓ' اور 'دار اسعد بن زرارہ ؓ' تھے. اس اراضی کا معتدبہ حصہ حضرت حارثہ بن نعمان الانصاری ؓ کی آبائی ملکیت تھا جن کے ایک سے زیادہ گھر اس علاقے میں ہوا کرتے تھے. یکے بعد دیگرے انہوں نے اپنے تمام گھر شہ دوسرا خیر الوریٰ ﷺ کو ہبہ کر دیئے تھے جن میں سے بعض پر تو حجرات مطہرات تعمیر ہوئے اور بعض کی زمین مہاجر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دے دی گئی تھی.

یوں چند ہی سالوں میں گردونواح میں تمام علاقہ گنجان آباد ہو گیا تھا کیونکہ انصار و مہاجرین سب قربت کاشانہ اقدس میں اسی طرف کھچے چلے آتے تھے. اردگرد کے کھلے علاقے کو پلاٹوں میں منقسم کر کے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مختلف گروہوں میں بانٹ دیا گیا تھا. جنوبی جانب کے علاقے میں ہاشمی و مطلبی آباد کئے گئے تھے (حضرت عباس بن عبد المطلب ؓ، سیدنا حمزہ بن عبد المطلب ؓ، حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ، سیدۃ فاطمۃ بنت اسد ؓ (ام علی کرم اللہ وجہہ)، جب کہ شرقی جانب یار غار سیدنا ابو بکر صدیق ؓ، سیدنا عثمان

بن عفانؓ کے گھر تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب حضرت خالد بن الولیدؓ اور حضرت عمر بن العاصؓ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ان کو بھی اسی جانب گھر عطا ہوئے۔ تاہم مسجد نبوی شریف سے متصل شرقی جانب کا حصہ پہلے تو حضرت حارثہ بن النعمان ؓ کی ملکیت تھا مگر جوں جوں امہات المومنین رضوان اللہ علیہن زوجیت طاہرہ میں آتی گئیں وہاں سرکار دوعالم ﷺ کے حجرات مبارکہ بنتے گئے۔ انہی کے درمیان خوخہ علی کرم اللہ وجہہ تھا اور انہیں کے مابین حجرہ مطہرہ سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراء تعمیر ہوا تھا۔ اس جگہ پہلے حضرت حارثہ بن نعمان ؓ کا ایک گھر تھا جن کو رسول اللہ ﷺ کے سب سے قریبی ہمسایہ ہونے کا شرف ڈیڑھ دو سال تک رہا۔ آستانہ مبارکہ کے تمام حجرات مبارکہ شرقی جانب ہی تھے اور سب کے دروازے مسجد شریف میں ہی کھلتے تھے۔

مدینہ طیبہ زاد اللہ شرفاہٗ ایک مصور کے خاکہ کے مطابق ۱۸۵۳ء میں کچھ اس طرح تھا
مخطوطہ Cheter Beatty ڈبلن
(بشکریہ مجلہ العربی، شمارہ ۲۰۲)

شرقی جانب دار سیدنا عثمانؓ اور دار ابی بکرؓ کے درمیان ایک چھوٹی سی گلی نکلتی تھی جو گزرگاہ سید الانبیاء والاتقیاء سید الکونین ﷺ تھی جہاں سے ہو کر آپ حضور ﷺ بقیع الغرقد یا بنی عبد الاشہل اور دیگر اوسی جاں نثاروں کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ دار سیدنا عثمانؓ اور حجرات مبارکہ کے درمیان ایک چوڑی گلی تھی جہاں ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جنازے پڑھائے گئے جو کہ حیاۃ طیبہ میں انتقال کرتے رہے۔ اسی نسبت سے یہ جگہ جنازگاہ (موضع الجنائز) بن گئی جہاں بعد میں بھی جنازے رکھے جایا کرتے تھے۔ مغربی جانب سب سے اہم گھر خوخہ سیدنا صدیق اکبرؓ اور دار عمر بن الخطابؓ تھا۔ اسی جانب حضرت عمار ابن یاسر ؓ کا گھر بھی تھا۔

اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہ گھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ورثاء کو منتقل ہوتے رہے اور پھر یکے بعد دیگرے ان کی اگلی نسلوں کے تحت آتے رہے، مگر زیادہ تر یہ گھر ان کے اصل بنانے والوں کے نام سے ہی مشہور رہے، مثلاً دار آل عمرؓ، دار آل عثمانؓ، دار خالد ابن الولیدؓ اور دار ابو بکرؓ وغیرہ جو کہ زیادہ تر شرقی، غربی اور جنوبی اطراف میں تھے۔ شمالی جانب ابتداء میں بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکانات تھے جن میں سے چند تو حضرت حارثہ بن النعمانؓ کی ملکیت میں تھے اور باقی ماندہ گھروں میں زیادہ مشہور گھرانے حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ کے تھے۔ جب بھی مسجد نبوی شریف کی توسیع عمل میں آئی تو زیادہ تر شمالی جانب کا علاقہ ہی حاصل کر کے اس میں شامل کیا جاتا رہا۔ خواہ وہ جناب رسالت مآب ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں غزوہ خیبر کے بعد ہو یا سیدنا عمر فاروق ؓ کے دور میں ہو یا سیدنا عثمان ؓ کی خلافت راشدہ میں یا پھر مہدی عباسی اور اس کے بعد کے ادوار میں ہو۔ زیادہ تر اسی جانب واقع مکانات کو خرید کر مسجد شریف میں شامل کیا گیا اس لیے اس جانب بسنے والے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکانات میں سے چند کے نام صرف تاریخی حوالوں کی صورت میں باقی رہ سکے جب کہ ان کے ورثاء دوسری جگہوں پر منتقل ہوتے گئے۔ ان میں سے بہت سے گھروں کے مقیمین نے تو برضاء ورغبت اپنے مکانات مسجد شریف کے لیے ہبہ کر دیئے تھے مگر کچھ کو بہت بحث وتمحیص کے بعد بیچنے پر رضامند اور قائل کیا جا سکا تھا۔ پچھلے صفحے پر دیئے گئے خاکہ میں جسے بہت سے مشاہیر مورخین کی کتب میں دیئے گئے اشاروں اور بلدیہ مدینہ طیبہ کے ماضی قریب میں بنائے گئے نقشوں سے (کیونکہ بہت سے مکانات ۱۹۸۰ء تک موجود تھے) اخذ کیا گیا ہے چند معروف گھروں کا تقریبی نقشہ پیش کیا گیا ہے جن کی تفاصیل نیچے دی گئی ہے۔

دار ابو ایوب الانصاریؓ

وہ پہلا مبارک گھر جس کو مدینہ طیبہ میں شہ لولاک علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت مبارکہ کے بعد شرف اقامت سے نوازا تھا وہ حضرت ابو ایوب الانصاری ؓ کا گھر تھا جہاں نہ صرف کہ شہ دوسرا ﷺ سات ماہ تک اقامت پذیر رہے بلکہ جہاں جبریل امین علیہ السلام اس

۱-دار حضرت ابوایوب انصاریؓ

۲-دار حضرت عثمانؓ (بڑا گھر)

۳-دار حضرت عثمانؓ (چھوٹا گھر)

۴-دار ریطہ

۵-دار حضرت ابوبکر صدیقؓ

۶-دار جبلہ بن عمرو الساعدی

۷-دار حضرت خالد بن ولیدؓ

۸-دار حضرت عمرو بن العاصؓ

۹-دار موسیٰ بن ابراہیم

۱۰-دار عبداللہ بن حسن الاصغر بن علی بن زین العابدینؒ

۱۱-دار آل حسنؓ
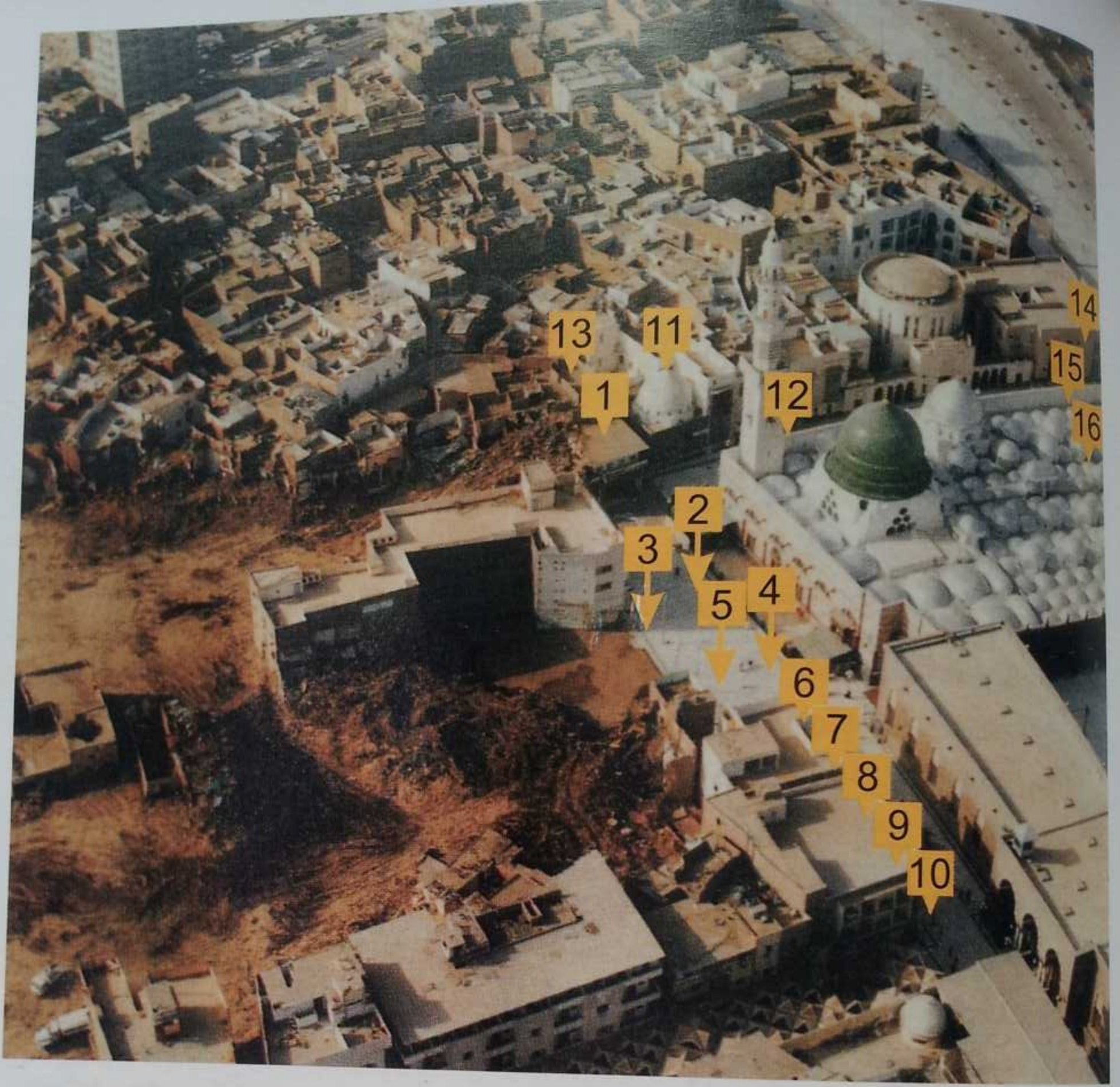
۱۲-دار آل عمرؓ

۱۳- دار حضرت حارثہ بن نعمانؓ (بعد میں یہ گھر دار حضرت جعفر الصادقؒ کے نام سے مشہور ہوا)

۱۴-دار مروان بن حکم

۱۵-دار حضرت عباس بن عبد المطلبؓ

۱۶-خوخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ

تمام عرصہ میں وحی الٰہی لے کر آتے رہے۔ اس گھر کے شمال کی جانب قریب ہی چھوٹی سی گلی کی دوسری جانب سیدنا عثمان بن عفانؓ کا مکان تھا۔ یہ مکان تاریخ مدینہ طیبہ میں بہت سی وجوہات کی بنا پر بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ ازمنہ قدیم میں یمنی بادشاہ تبع نے اسے بنوایا تھا جس نے یثرب کو تاخت وتاراج کرنے کی غرض سے اس پر چڑھائی کردی تھی مگر جونہی اسے معلوم ہوا کہ یہ مقام نبی موعود دعائے خلیل و نوید مسیحا ﷺ کی ہجرت کا مقام تھا تو اس نے پسپائی اختیار کرلی۔ اس نے رسول منتظر اور ہادی برحق جناب رسالت مآب ﷺ کے نام ایک خط لکھا اور اپنے ایک نمائندہ کو وہاں ٹھہرنے کا حکم دیا جس کے لیے اس نے یہ مکان بھی تعمیر کروایا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ اسی نمائندے کی اولاد سے تھے اور نسل در نسل وہ خط اس وقت ان کے پاس محفوظ تھا جب کہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مخرج صدق (مکۃ المکرّمہ) سے ہجرت فرما کر مدخل صدق (مدینہ طیبہ) منتقل ہوئے۔(۵) حضرت ابوایوب انصاریؓ کے انتقال کے بعد یہ مکان ان کے آزاد کردہ غلام (حضرت افلحؓ) کی ملکیت میں چلا گیا جنہوں نے اسے مغیرہ بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام کے ہاتھ ۱۰۰۰ دینار میں فروخت کردیا(۶) جس نے اس کی مرمت کروا کر اسے مدینہ طیبہ کے فقراء کے نام وقف کردیا تھا۔ اس نے مکان کے صحن میں ایک کنواں بھی کھدوادیا جس سے مسجد نبوی شریف میں نمازیوں کے لیے پینے کا پانی فراہم کیا جاتا تھا۔(۷) ایوبی خاندان کے شاہ شہاب الدین غازی نے اسے خرید کر وقف عام کردیا اور وہاں ایک دینی مدرسہ قائم کردیا جسے ''مدرسہ شہابیہ للمذاہب الاربعہ'' کہا جاتا تھا۔(۸) تیرھویں صدی ہجری میں اس جگہ ایک مسجد تعمیر کردی گئی جہاں بعد میں زاویہ جنید کا قیام عمل میں آیا۔(۹) ابراہیم رفعت پاشا نے بیان کیا ہے کہ ۱۹۰۱ء میں اس مکان میں ایک محراب قبلہ موجود ہوا کرتی تھی جس کے متعلق مشہور تھا کہ یہ وہ جگہ تھی جہاں اپنے قیام مبارک کے دوران رسول اللہ ﷺ نماز ادا کیا کرتے تھے۔(۱۰)
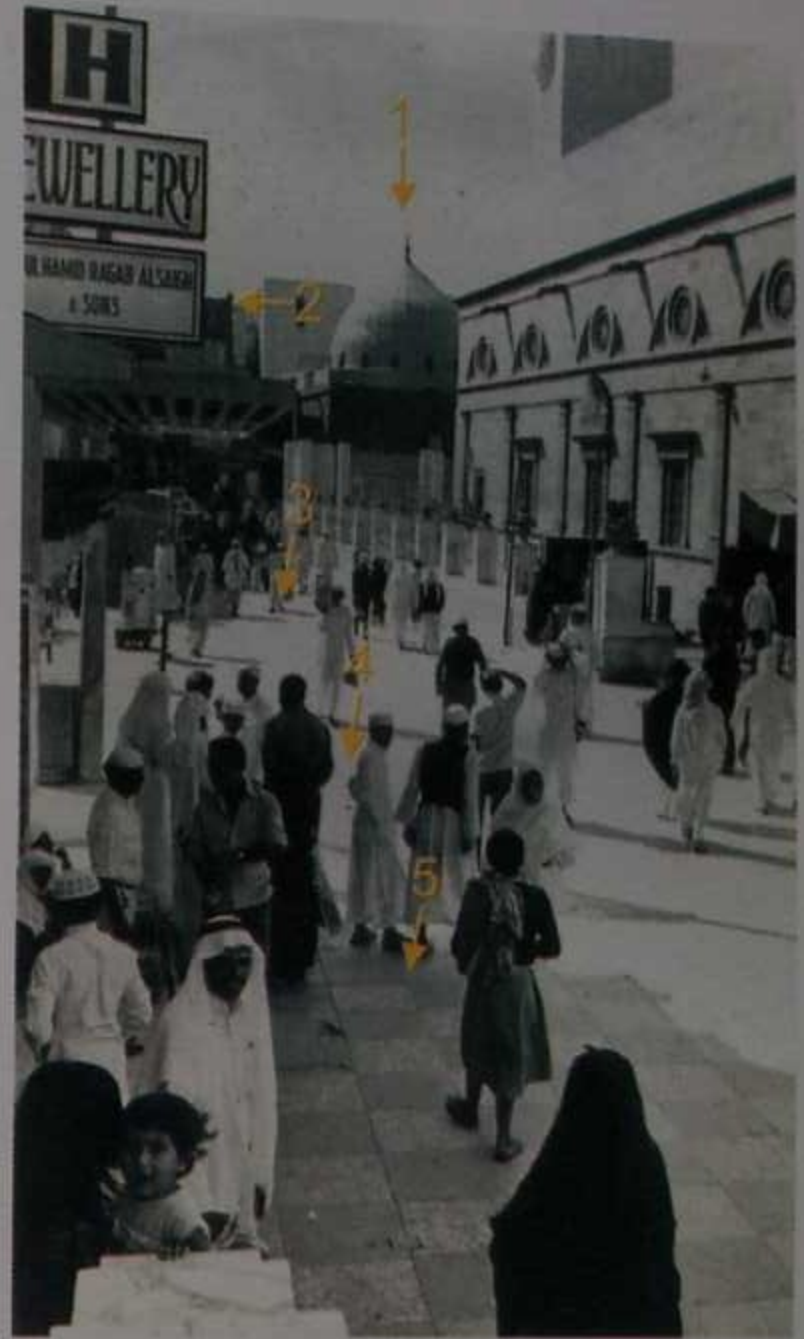
اگرچہ یہ مکان اوقاف مدینہ طیبہ کی تحویل میں رہا مگر اس علاقے کی تجارتی قدر و قیمت میں اتنا اضافہ ہوگیا تھا کہ اس کی پہلی منزل میں دکانیں بنادی گئی تھیں۔ مندرجہ بالا تصویر جو کہ اس کے انہدام سے پہلے ۱۹۷۲ء میں لی گئی تھی ظاہر کرتی ہے کہ اس کے کونے میں زیورات کی دکان ہوا کرتی تھی جب کہ ایک جانب ایک چھوٹی سی دکان اور بھی تھی جس میں بچوں کی دلچسپی کا سامان اور مدینہ طیبہ کی سوغاتیں بکا کرتی تھیں۔ یہ تمام علاقہ مسمار کر کے مسجد نبوی شریف کے سامنے کی جانب کھلا علاقہ بنا دیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل تصویر میں تقریبی طور پر اس جگہ کی نشاندہی کی گئی ہے جہاں کبھی یہ مبارک گھر ہوا کرتا تھا جسے سرکار دوعالم ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا تھا۔

۱-گنبد والی عمارت کی جگہ حضرت امام حسنؓ کی اولاد رہا کرتی تھی
۲-جیولری کی دوکان اس جگہ تھی جہاں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر تھا
۳-موجودہ باب البقیع کے سامنے حضرت عثمانؓ کے دو گھر ہوتے تھے
۴-باب جبریل کے سامنے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا گھر تھا
۵-باب النساء کے سامنے حضرت خالد بن ولیدؓ کا گھر تھا
(تصویر: محمد طفیل جتی، ۱۹۷۲ء)

دار سیدنا عثمان بن عفانؓ

سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دو مکان تھے جو کہ مسجد نبوی شریف میں باب جبریل علیہ السلام کے مقابل تھے۔ ان میں سے ایک کو 'الدار الکبریٰ' اور دوسرے کو 'الدار الصغریٰ' کہا جاتا تھا۔ یہ دونوں مکان رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں تعمیر ہو چکے تھے۔ سیدنا عثمانؓ کے گھر اور دار ابوایوب الانصاریؓ کے درمیان ایک تنگ گلی حد فاصل ہوا کرتی تھی جسے زقاق حبشہ کہا جاتا تھا۔ ابن جبیر کے مطابق: ''حضرت عثمان بن عفانؓ کو دار الکبریٰ میں شہید کیا گیا تھا۔ اس مکان کے ایک حصے کو اسد الدین شیرکوہ (سلطان صلاح الدین الایوبیؒ کے چچا) نے خرید کر اس میں اپنے لیے انہوں نے قبر تعمیر کروالی تھی۔ پھر بعد میں جب شیرکوہ اور ان کے بھائی نجم الدین ایوبی (پدر صلاح الدین

ایوبی) کا انتقال ہوا تو ان کی میتیں مدینہ طیبہ لائی گئیں اور ان دونوں کے اجساد خاکی کو مکان کے اسی حصے میں دفن کیا گیا تھا.(۱۱) جمال الدین اصفہانی نے جو کہ نورالدین زنگی کے وزیر تھے اس کے باقی کے کچھ حصے کو خرید کر اس میں ایک وقف (رباط) قائم کردی تھی جسے رباط اصفہانی کہا جاتا تھا. چونکہ یہ رباط قائم کرتے وقت انہوں نے اس کا مقصد وحیدان حجاج کرام کو مفت رہائش مہیا کرنا تھا جو کہ بلاد عجم (ایران، افغانستان اور ہندوستان) سے آئے ہوتے تھے، اس لیے اسے رباط عجم بھی کہا جاتا تھا. اصفہانی نے بھی اپنے لیے اس کے ایک کونے میں قبر کہ جگہ بنائی تھی اور وصیت کی تھی کہ جب ان کا انتقال ہوجائے تو ان کی میت مدینہ طیبہ لاکر اسی جگہ دفن کی جائے (۱۲) اور ایسا ہی کیا گیا موصل کے قلعے میں وہ پابند سلاسل تھے جب ان کی موت واقع ہوئی مگر حسب وصیت ان کی میت پہلے مکہ اور پھر مدینہ طیبہ لائی گئی اور اسی مقام پر دفن ہوئی جو کہ قدمین الشریفین کے بالکل سامنے اسی دار سیدنا عثمانؓ میں تھی.

عثمانی دور میں اسے دار شیخ الحرم بھی کہا جاتا تھا. دار سیدنا عثمانؓ کے چھوٹے حصے (دار الصغریٰ) مین بھی ایک رباط قائم تھی جسے مراکشی حجاج نے تعمیر کروایا تھا اور رباط سیدنا عثمان کہلاتی تھی. (۱۳)

دار آل عثمان بن عفانؓ کا قدیم دروازہ
تصویر: ۱۹۵۰ء

دار سیدنا ابا بکر الصدیقؓ

رسول اللہ ﷺ نے اپنے یار غار اور سیدنا صدیق اکبرؓ کو دار عثمان الصغریٰ کے سامنے جگہ عطا کی تھی جہاں انہوں نے اپنا مکان بنوایا. (غربی جانب ان کا ایک چھوٹا سا مکان بھی تھا جس کو خوخہ ابوبکر صدیقؓ کہا جاتا تھا جو کہ اس مکان کے علاوہ تھا) خلیفۃ رسول اللہ ﷺ بن جانے کے بعد وہ اسی مکان میں مقیم رہے تھے. انہوں نے اپنا دوسرا مکان (خوخہ ابوبکرؓ) ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کے ہاتھ ۴،۰۰۰ درہم میں بیچ دیا تھا. پھر تاحیات مشرقی جانب والے مکان میں رہے اور وہیں ان کا انتقال بھی ہوا. مرور ایام سے اس مکان کی ملکیت میں تبدیلی آتی رہی اور بالآخر دار ریطہ میں ضم ہوگیا جہاں زاویہ سمان قائم تھا. اس کے علاوہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا ایک اور گھر العوالی میں السنح کے محلے میں بھی ہوا کرتا تھا جو کہ مسجد نبوی شریف سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا.

دار ریطہ

باب النساء کے مقابل ریطہ بنت ابی العباس السفاح کا مکان تھا. جنوبی جانب اس کے مقابل دار سیدنا ابوبکر صدیقؓ تھا جہاں خلیفہ الراشد الاول کا انتقال ہوا تھا. بعد میں یازکوج نامی ایک شامی شہزادے نے اسے خرید لیا تھا اور اس جگہ ایک دینی مدرسہ ''مدرسہ الحنفیہ'' قائم کردیا تھا جسے عرف عام میں مدرسہ یازکوجیہ کہا جاتا تھا. اس نے بھی یہ وصیت کی تھی کے اس کے مرنے کے بعد اس کی میت کو مدینہ طیبہ لاکر اسی جگہ دفن کی جائے. چنانچہ ایسا ہی کیا گیا. (۱۴)

اس مکان کے متعلق عبدالقدوس الانصاری لکھتے ہیں: ''دار ریطہ آج کا زاویہ سمان ہے. یہ بہت ہی وسیع مکان ہے جس کا دروازہ باب النساء کے سامنے ہے. مطری نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ مکان دراصل دار سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہے مگر امام سمہودیؒ نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ دار ابوبکر صدیقؓ اس مکان کے پچھواڑے میں دار عثمان الصغریٰ کے مقابل تھا جہاں کسی زمانے

مکتبہ عارف حکمت
(دار آل حسنؓ)

میں زاویہ شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ تھا جو کہ بعد میں زاویہ سمان کہلانے لگا تھا. لیکن مرور ایام سے یہ دونوں مکان ایک دوسرے میں ضم ہو گئے تھے اور مدینہ طیبہ کے سلسلہ قادریہ کے شیوخ 'السمان' یہاں رہائش پذیر تھے. یوں رفتہ رفتہ زاویہ شیخ عبدالقادر جیلانی ''زاویہ سمان'' کہلانے لگ گیا تھا. اسی مکان کے ایک حصے میں بعد میں پاکستان ہاؤس قائم ہو گیا تھا.

دار عبداللہ ابن عمر بن الخطابؓ

جب سیدنا عثمان بن عفانؓ نے مسجد نبوی شریف کی توسیع کی تو جنوب کی جانب وسعت دینے کے لیے چند مکانات کی اراضی کو خریدنا پڑا. اس توسیع میں حجرہ مبارکہ ام المومنین سیدۃ حفصہؓ بھی متاثر ہوا تھا. باہمی مفاہمت سے ان سے حجرہ مطہرہ کا کچھ حصہ لے کر جنوب میں اس سے ملحقہ زمین تبادل میں ان کو دے دی گئی. پہلے یہ خالی زمین ہوا کرتی تھی اور یہاں کھجوروں کے سکھانے کے لیے ایک احاطہ سا بنا ہوا تھا. حجرہ مطہرہ کے بدلے ام المومنین سیدۃ حفصہؓ کو اس جگہ پر مکان تعمیر کروا دیا گیا جہاں وہ تاحیات مقیم رہیں. تاہم اپنے انتقال سے پہلے انہوں نے وہ مکان اپنی چچیری بہن (حضرت زید بن الخطاب کی صاحبزادی) کو تاحیات ہبہ کر دیا تھا. (۱۵) ان کے انتقال کے بعد یہ مکان حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حصے میں آ گیا اور پھر ان کے بعد ان کی اولاد نسل در نسل وہیں آباد رہی. اسی لیے اس مکان کو دار آل عمرؓ کہا جاتا تھا.

ولید بن عبدالملک کے دور میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد شریف کی توسیع کے منصوبے پر عمل درآمد شروع کیا تو یہ مکان ایک بار پھر توسیع کی زد میں آ گیا. انہیں اس کا مزید کچھ حصہ جانب قبلہ کو وسیع کرنے کے لیے درکار تھا. بہت بحث و تمحیص کے بعد حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرؒ اس بات پر راضی ہوئے کہ انہیں مزید باہر کی طرف کچھ جگہ دے دی جائے اور اس کے بدلے میں وہ حجرہ مطہرہ کی جانب کا حصہ دینے پر تیار ہو گئے بشرطیکہ ان کے مکان سے ایک خوخہ یا گزرگاہ سیدھی حجرہ شریف تک بنا دی جائے. چنانچہ ایک سرداب کے ذریعے اس مکان کو اندر تک رسائی دے دی گئی تھی. اس اتفاق کے بعد آل عمرؓ ہمیشہ اسی مکان میں رہے. عبدالقدوس الانصاری کے بیان کے مطابق جب ۱۳۵۳ ہجری (۱۹۳۳ء) میں انہوں نے اس مکان کا معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ عمارت بہت بوسیدہ ہو چکی تھی اور دیکھنے میں یہ گھر کم مگر مدرسہ زیادہ لگتا تھا. صحن میں ایک خشک اور متروک کنواں اور ایک قدیم درخت بھی تھا. یہ مکان بہت سے کمروں پر مشتمل تھا جن کو مسجد نبوی شریف کے لیے بطور سٹور استعمال کیا جاتا تھا. مواجہ شریفہ تک آنے جانے کے لیے ایک سرنگ (سرداب) تھی جو کہ محراب عثمانی کے پاس

دار آل حسن (عارف حکمت لائبریری) جو مسجد نبوی شریف کے ماڈل میں تو موجود تھا مگر تعمیر کے وقت ختم کر دیا گیا ہے

سے گزرتی تھی۔

سن ستر کی دہائی میں اسے مسمار کر دیا گیا اور اس کی جگہ ایک سڑک نے لے لی جو کہ جانب قبلہ کے آگے سے گزرتی تھی. تاہم بعد میں جب توسیع حرم نبوی شریف کا عظیم تر منصوبہ شروع ہوا تو اس کی جگہ ایک طویل و عریض ہال تعمیر کر دیا گیا جو کہ دیوار قبلہ سے متصل شرقاً غرباً جاتا ہے. اب وہاں جنازے کے لیے آنے والی میتیں رکھی جاتی ہیں اور کچھ حصہ بڑی شخصیتوں کے لیے مدخل کا کام دیتا ہے. درمیان میں جنوبی جانب سے ایک دروازہ بھی بنا دیا گیا ہے جو امام صاحب اور دیگر ممتاز شخصیتوں کی گزرگاہ کے طور پر مختص ہے. تاہم وہ خوخہ جو کہ شباک آل عمرؓ کے نام سے مشہور تھا اس کی جگہ مواجہ شریف کے مقابل ایک خوبصورت کھڑکی ہے جہاں اس وقت محراب عثمانی کی بائیں جانب ٹی وی کے بڑے بڑے کیمرے نصب ہیں.

دار حسن بن زید (دار آل حسنؓ)

یہ گھر دار ابوایوب انصاریؓ اور دار جعفر الصادقؒ کے مقابل واقع تھا. سمہودیؒ کے مطابق دار جعفر الصادقؒ دار ابوایوب انصاریؓ سے متصل جانب قبلہ ہوا کرتا تھا جب کہ دار حسن بن زید ان دونوں کے مقابل غربی جانب تھا اور ان کے درمیان ایک گلی حد فاصل تھی. دراصل شروع میں یہ ایک اطم کی طرز پر بنایا گیا تھا مگر جب حسن بن زید بن الحسنؓ وہاں منتقل ہوئے تو انہوں نے اسے مسمار کر کے اسے از سر نو ایک عام گھر کی طرز پر بنایا. بعد میں ایک اور مرحلہ آیا جب کہ اس مکان میں شیخ الاسلام عارف حکمت کی لائبریری قائم کر دی گئی جو کہ مدینہ طیبہ کی بہترین قدیم لائبریریوں میں شمار ہوتی تھی جس میں بہت ہی نادر قلمی نسخے موجود ہوا کرتے تھے. اس لائبریری پر ایک گنبد بنایا گیا تھا. تاہم مسجد نبوی شریف کے توسیعی منصوبے کے تحت اسے مسمار کر کے تمام علاقہ کھول دیا گیا اور اس میں موجود علم کے موتی مکتبۃ الحرم میں منتقل کر دیئے گئے.

دار حضرت امام جعفر الصادقؒ

ابتداء میں یہ گھر حضرت حارثہ بن النعمان الانصاریؓ کی ملکیت تھا. جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ان کے اور بھی کچھ گھر تھے جو کہ مسجد نبوی شریف سے متصل تھے. یہ گھر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر سے متصل جنوب کی طرف تھا اور اس لیے زیادہ مشہور تھا کہ اس جگہ سرکار دو عالم ﷺ کے اہل خانہ (ام المومنین سیدۃ سودہؓ اور سیدات الطاہرات سیدۃ زینبؓ وسیدۃ النساء بتولؓ بنات الرسول ﷺ) نے

ہجرت کے بعد وہاں کچھ دیر قیام فرمایا تھا اور پھر جب ان کے حجرات مبارکہ بن کر تیار ہو گئے تو تمام اہل خانہ اس مکان سے منتقل ہوئے تھے۔ بعد میں اسی مکان میں ناقہ رسول مقبول ﷺ قصویٰ بندھا کرتی تھی اور یہیں مبرک ناقہ بھی تھی جو صدیوں تک قائم رہی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں یہ مکان حضرت حسن بن الحسنؓ (حسن مثنیٰؓ) کو ان کے آبائی حجرہ مبارکہ سیدۃ فاطمۃ الزہراؓ کے عوض دے دیا گیا۔ اہل بیت الطاہرہ کی ملکیت میں یہ مکان مختلف اصحاب کے پاس رہا اور آخر کار اس مکان میں حضرت جعفر الصادقؒ مقیم ہو گئے جنہوں نے اس میں ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کر دی تھی۔ اسی مقام پر حضرت جعفر الصادقؒ درس دیا کرتے تھے۔

فاطمیوں کے دور میں ایک بار ان کے مسلح کمانڈوز نے اس گھر پر حملہ کر دیا اور تبرکات اہل بیت میں سے جو بھی ان کے ہاتھ لگا جن میں حضرت جعفر الصادقؒ کے قلمی مخطوطے بھی شامل تھے لے کر مصر بھاگ گئے۔ صدیوں تک یہ گھر دار جعفر الصادقؒ کے نام سے ہی مشہور رہا۔ بارھویں صدی ہجری کے آغاز میں اسے شیخ الحرم شاہین الجمالی الشجاعی نے خرید لیا اور اسے اپنی رہائش گاہ کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ دائرۃ الاوقاف المدینۃ المنورہ کے ریکارڈ کے مطابق ۱۲۵۵ ہجری میں اسے وقف جائیداد تسلیم کر لیا گیا اور پھر اس کے بعد اسے دار نائب الحرم کہا جانے لگا۔ جب نائب الحرم کا عہدہ سعودی دور میں ختم کر دیا گیا تو اس مکان کو کرائے پر اٹھا دیا گیا۔ اب اس کا نشان تک بھی باقی نہیں ہے کیونکہ اب یہ تمام علاقہ ہموار کر کے کھلا ایریا بنا دیا گیا ہے۔

دار القضاء (دار قضاء الدین) اور غربی جانب دوسرے مکانات

یہ گھر جو کہ خوخہ سیدنا ابو بکرؓ سے متصل اس کی غربی جانب ہوا کرتا تھا سیدنا عمر فاروقؓ کی ملکیت تھا۔ سیدنا عمر فاروقؓ کی وصیت کے مطابق اس گھر کو ان کے قرضہ جات چکانے کے لیے بیچ دیا گیا تھا جو کہ وقت شہادت ان کے ذمہ واجب الادا تھے۔ اسے حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ نے خریدا تھا۔ چونکہ یہ گھر ایک خاص مقصد کے لیے فروخت کیا گیا تھا یعنی قرضہ جات کی ادائیگی (قضاء الدین) کے لیے اس لیے یہ گھر ابتداء میں تو دار قضاء الدین کے نام سے مشہور ہوا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے صرف دار القضاء کہا جانے لگا۔ شہادت کے وقت سیدنا عمر فاروقؓ کے ذمہ کچھ قرضہ جات واجب الادا تھے جس کے لیے انہوں نے ام المومنین سیدۃ حفصہؓ اور اپنے فرزند ارجمند حضرت عبداللہؓ کو وصیت کی تھی کہ ان کا قرضہ ادا کرنے کے لیے وہ گھر بیچ دیا جائے جسے اس وقت حضرت معاویہؓ نے خرید لیا۔ (۱۷) بعد میں کچھ عرصہ وہاں دار المال اور دیوان کے دفاتر بھی قائم رہے۔ (۱۸) چند روایات اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں کہ اسی گھر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تیسرے خلیفہ راشد کے چناؤ کے لیے تحکیم کی تھی اور اس سلسلے میں جتنے اجلاس بھی ہوئے اسی مقام پر ہوئے اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کی ابتدائی بیعت بھی اسی مکان میں ہوئی تھی۔ (۱۹) عربی میں قضاء کا ایک مطلب فیصلہ کرنا بھی ہے۔ چونکہ خلافت راشدہ کا فیصلہ بحق سیدنا عثمانؓ بھی اسی جگہ ہوا تھا اس لیے بھی اس مکان کو 'دار القضاء' کہا جانے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے۔ (۲۰) روایات کے مطابق بعد میں اس مکان کو سیدنا عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ سے خرید لیا تھا۔

جب عباسیوں نے عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لی تو ابو العباس السفاح کے ماموں نے اس گھر کو مسمار کر کے اسے مسجد نبوی شریف کے ساتھ ملحق کر دیا جو کہ ایک کھلے صحن کی شکل میں تھا جو باب السلام سے لے کر باب الرحمہ تک پھیلا ہوا تھا۔ ابن شبہ نے بیان کیا ہے کہ جب ۱۳۸ ہجری میں زید بن عبداللہ مدینہ طیبہ کے گورنر ہوئے تو انہوں نے اسے مسمار کر کے اسے ایک ملحق (Annexe) کی شکل دے دی جس کا دروازہ مسجد نبوی شریف میں کھلتا تھا۔ (۲۱) بعد میں ۸۸۸ ہجری میں اسی جگہ مدرسہ اشرفیہ قائم ہوا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لیے یہاں شرعی عدالت (محکمۃ الشرعیہ-قضاء المدینہ) بھی قائم ہوئی جسے ترکوں کے دور میں باہر منتقل کر کے اسے مدرسہ المحمودیہ بنا دیا گیا۔ (۲۲)

دار القضاء سے غربی جانب متصل ایک اور گھر ہوا کرتا تھا جو کہ عبداللہ بن مکمل بن عوف بن عبدالحارث بن زہرہ کی ملکیت تھا جو کہ انہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ہبہ کر دیا تھا. یہ وہی گھر تھا جس کے متعلق اس کے پہلے مالک نے رسول اللہ ﷺ سے فریاد کی تھی کہ جب سے وہ اس مکان میں منتقل ہوئے تھے انہیں نظر بد نے آلیا تھا اور ان کا خاندان تتر بتر ہو گیا تھا اور ان کی امیری غربت و افلاس میں بدل گئی تھی. جس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ: [یہ گھر چھوڑ دو۔ یہ منحوس گھر ہے (یعنی اس گھر کی نحوست کے سبب تم پر یہ افتاد پڑی ہے)]. (۲۳)

اس کے قریب ہی ایک اور گھر ہوا کرتا تھا جسے دار الکبریٰ کہا جاتا تھا. اس مکان کی اہمیت یہ تھی کہ یہ پہلا گھر تھا جسے کسی مہاجر اصحابی نے سب سے پہلے بنایا تھا اور اس کی بنیاد رسول مقبول ﷺ نے بنفس نفیس اپنے دست مبارک سے رکھی تھی. رسول اللہ ﷺ کے مہمان اسی گھر میں ٹھہرائے جاتے تھے. یہ وہی گھر ہے جہاں سے ایک مہمان رات کی تاریکی میں اس گیسٹ ہاؤس کی کچھ چیزیں چرا کر لے گیا تھا جس کی شکایت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں کی تھی.

زاویہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (زاویہ السمّان) کا دروازہ
تصویر: ۱۹۴۳ء

ابن شبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسان بن ثابتؓ کا 'فارع' نامی اطم بھی مسجد نبوی شریف کی اسی جانب واقع تھا جس کے گرد بعد میں سیدۃ سکینہ بنت الحسینؓ اور جعفر بن یحیی البرمکی نے اپنے گھر بنائے تھے. (۲۴) یہ گھر اندازاً باب الرحمہ کے مقابل کچھ فاصلے پر ہوا کرتے تھے. سمہودیؒ کے بیان کے مطابق یہ مکان جعفر برمکی کی حویلی کے اندر آ چکا تھا جو کہ باب الرحمہ کے مقابل تھی. اسی اطم کے سائے میں رسول اللہ ﷺ کے آرام فرمانے کی روایت بھی ملتی ہے. (خلاصہ الوفاء، ص: ۵۸۹) اسی جانب ذرا مزید آگے کی طرف حضرت سعد بن ابو وقاصؓ کے دو گھر ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک میں حضرت ابی رافعؓ غلام سید الابرار سرور کونین ﷺ نے ایک چھوٹی سی دوکان کھول لی تھی. (۲۵)

دار خالد بن الولیدؓ

یہ گھر بھی دراصل حضرت حارثہ بن النعمانؓ کی آبائی جائیداد میں سے تھا اور انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطور ہبہ پیش کر دیا تھا. جب حضرت خالد بن ولید حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو سرکار دو عالم ﷺ نے اس کا کچھ حصہ ان کو عطا کر دیا. (۲۶) یہ جگہ مسجد نبوی شریف کے گرد دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مکانات سے چھوٹی تھی جس کے لیے حضرت خالد بن ولید نے سرکار دو عالم ﷺ سے استدعا کی تھی مگر چونکہ اس وقت رہائشی اراضی کی شدید قلت ہو چکی تھی تو رسول مقبول ﷺ نے انہیں یہ فرما کر جواب دے دیا کی اس گھر کو افقی طور پر پھیلانے کی بجائے آسمان کی طرف بڑھا لیا جائے (یعنی کثیر المنزلی بنا لیا جائے). (۲۷) اگر چہ حضرت خالد بن ولیدؓ دمشق منتقل ہو گئے تھے مگر یہ گھر انہیں کے لواحقین کے قبضہ میں رہا. تاہم مدت مدید کے بعد اس مکان میں ایک رباط بنا دی گئی جسے رباط السبیل کہا جاتا تھا. بعض لوگ اسے رباط خالد بن الولیدؓ بھی کہتے تھے. اس کے اوپر بہت خوبصورت گنبد بنا ہوا تھا. جنگ عظیم اول میں فخری پاشا نے اس رباط اور گنبد کو مسمار کروا دیا تھا. (۲۸)

اس گھر کے عقب میں دار عمرو بن العاصؓ ہوا کرتا تھا جو کہ فاتح مصر اور بطل اجنادین حضرت عمرو بن العاصؓ کی ملکیت ہوا کرتا تھا.

دار مروان بن الحکم

یہ گھر مسجد نبوی شریف کی جانب قبلہ کی دیوار سے متصل جنوب مغربی کونے میں واقع تھا. جب حضرت عمر بن الخطابؓ نے مسجد نبوی شریف کی توسیع کی تو ان کو مسجد کو جنوبی جانب بڑھانے کی غرض سے بنی ہاشم کے چند مکانات یا ان کے کچھ حصے خریدنے پڑے تھے. یہ مکان حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کا تھا. اس مکان کا کچھ حصہ مسجد شریف میں آ گیا اور باقیماندہ حصہ پر آل عباس قابض رہے مگر بعد میں جب مروان بن الحکم گورنر مدینہ طیبہ بنا تو اس نے وہ حصہ ان سے خرید لیا اور یوں یہ گھر دار مروان بن الحکم کہلانے لگا. بحیثیت گورنر وہ اس مکان میں رہائش پذیر رہا تھا. اس کے بعد بھی اس گھر میں بنو امیہ کے امراء اور گورنر یہاں رہتے رہے اور یوں یہ گھر ایک طرح کا گورنر ہاؤس بن گیا تھا. اگر خلیفہ وقت مدینہ طیبہ آتے تو بھی اسی مکان میں ٹھہرتے تھے. عباسی دور کے شروع میں حضرت امام مالکؒ بھی اس مکان میں رہے اور اسی مکان میں وہ تاحیات درس حدیث وفقہ دیتے رہے. ٦٦٨ ہجری میں سلطان قلاوون نے یہاں ایک دینی مدرسہ قائم کر دیا جو کہ مدرسہ بشیریہ کہلاتا تھا جہاں کے فارغ التحصیل عالم اسلام کے بہت ہی مشاہیر علماء ہوئے ہیں.

دار ابو ہریرہؓ اور دار سعد بن ابی وقاصؓ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ان کا گھر مسجد نبوی شریف اور مصلاۃ العید (مسجد الغمامہ) کے درمیان ہوا کرتا تھا اور جب رسول اللہ ﷺ عیدین کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو اسی گزرگاہ سے جاتے جہاں سے گزرتے وقت ان کا مکان رسول اللہ ﷺ کے بائیں ہاتھ پڑتا. (٣٠) نبی اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ اور معمول یہ تھا کہ جب مسجد العید تشریف لے جاتے تو جاتے وقت ایک گزرگاہ سے تشریف لے جاتے اور جب واپس لوٹتے تو دوسرا راستہ اختیار فرماتے. ایک حدیث مبارکہ میں روایت ہے کہ ایک بار نماز عید کے لیے جب سرور کائنات ﷺ نکلے تو راستے میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے گھروں کو شرف زیارت اور سعادت بخشا. (٣١) اس سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں کے گھر دو مختلف گزرگاہوں پر واقع تھے اور دونوں مسجد نبوی شریف اور مسجد مصلّی کے درمیان ہوا کرتے تھے. تاہم بعد میں جب حضرت ابو ہریرہؓ حضرت معاویہؓ کے دور میں گورنر مدینہ ہوئے تو انہوں نے اپنے لیے ایک محل وادی مکیمین میں بنا لیا تھا جو کہ وادی العقیق کی ایک شاخ ہے اور شہر حبیب کے جنوب میں واقع ہے جہاں آج بھی ان کے محل کے کھنڈرات موجود ہیں. اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا بھی ایک محل وادی العقیق میں تھا جہاں حضرت معاویہؓ کے دور میں ان کا انتقال ہوا تھا.

دار مروان بن الحکم اور مسجد المصلّی (مسجد الغمامہ) کے درمیان ٠٠٠، ا ذرع (٥٠٠ میٹر) کا فاصلہ تھا. اس جانب جن دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھر ہوا کرتے تھے ان میں حضرت مطیع بن الاسودؓ کا گھر بھی تھا جو کہ دار العقباء کہلاتا تھا. جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے حضرت حسان بن ثابتؓ کا اطم 'افراع' بھی باب الرحمہ کی سیدھ میں ہوا کرتا تھا. غزوہ احزاب کے دوران رسول اللہ ﷺ نے خواتین اور بچوں کی حفاظت کے لیے مختلف اطموں میں ٹھہرا دیا تھا تاکہ یہود کوئی گڑبڑ نہ کر سکیں. سیدۃ صفیہ بنت عبدالمطلبؓ، عمۃ الرسول ﷺ، کو چند دیگر خواتین کے ساتھ حضرت حسان بن ثابت کے اسی اطم میں ٹھہرایا گیا تھا اور جب ایک یہودی نے اس اطم پر چڑھنے کی کوشش کی تو انہوں نے تلوار سونت لی اور اس کا کام تمام کر دیا اور یوں تاریخ اسلام میں وہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے کسی غزوے کے دوران کسی کافر کو ہلاک کیا تھا.

چونکہ مسجد نبوی شریف سے مسجد الغمامہ تک کے تمام علاقے پر پکا فرش بنا دیا گیا تھا اس لیے اسے البلاط کہا جاتا تھا. بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی جانب اپنے گھر بنائے ہوئے تھے (جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ). ان میں سے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے مکانات صدقہ کے طور پر 'وقف للاولاد' کر دیئے تھے (یعنی ایسے گھر جو کہ ان کی اولاد کے تصرف میں تو رہے مگر وہ انہیں فروخت یا ہبہ کرنے کے مجاز نہ تھے). مزید برآن چونکہ 'سوق مدینہ طیبہ' اسی جانب واقع تھا یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ غربی جانب بہت سے گھروں میں دکانیں بن گئی تھی، جیسے کہ ان میں سے ایک گھر 'دار الفاکہہ' کہلاتا تھا. مسجد الغمامہ سے مزید مغرب کی جانب قبیلہ بنی غفار کے گھر ہوا کرتے تھے. (۳۳) ان میں سے کئی مکانات ایسے بھی تھی جہاں رسول اللہ ﷺ نے ایک یا زیادہ بار نماز ادا کی تھی کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دکھ درد میں شریک ہونے کے لیے اکثر ان کے گھروں میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اگر ایسے میں وقت نماز آ جاتا یا اہل خانہ خاص طور پر یہ درخواست کر دیتے تو وہیں نماز بھی ادا کر دیتے تھے.

مسجد نبوی شریف کی جنوبی طرف بھی گنجان آباد علاقہ تھا. مسجد سے متصل اسی طرف تو بنی ہاشم کے مکانات تھے جن میں حضرت عباس بن عبد المطلبؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، سید الشہداء حضرت حمزہؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ وغیرہ. ان میں سے اکثر مکانات تو وقتاً فوقتاً مسجد شریف کی توسیع میں کام آتے رہے جس کی تفصیل مسجد نبوی شریف کے زمرے میں دی گئی ہے. ان میں سے بہت سے مکانات کی بنیادیں رسول اللہ ﷺ کے دست مبارکہ سے رکھی گئی تھیں جیسا کہ حضرت عباس بن عبد المطلبؓ کا مکان تھا جس کا پرنالہ تک رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارکہ سے حضرت عباسؓ کے کندھے پر کھڑے ہو کر نصب فرمایا تھا. حضرت عمار بن یاسرؓ کا مکان سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں توسیع کے کام آیا تھا جس کے بدلے سیدنا عمر فاروقؓ نے ان کو اسی جانب ذرا فاصلے پر زمین دے دی تھی. جب حضرت عمار بن یاسرؓ جہاد شام پر نکلے تو میدان جنگ سے حضرت عمر فاروقؓ کو درخواست بھیجی کہ ان کا گھر تعمیر کر دیا جائے. چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کا گھر ان کی جہاد سے واپسی سے پہلے اپنی نگرانی میں تعمیر کروا دیا. (۳۴)

اسی جانب ذرا آگے بنی زریق کا قبیلہ آباد تھا جہاں حضرت ابن ام مکتومؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفیؓ اور ابو سفیانؓ کے مکانات بھی تھے. جہاں آج کل 'سوق الحرم' کے نام کا بازار ہے وہاں بہت سے صحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بسا کرتے تھے. انہیں گھروں میں ایک مکان رویشد الثقفی کا بھی تھا جہاں سیدنا عمر فاروقؓ کے دور میں یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ اس گھر میں شراب کشید کیا کرتا تھا. جونہی سیدنا عمر فاروقؓ کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے اس تمام گھر کو جلا کر خاکستر بنا دیا تھا. (۳۵)

حواشی

(۱) حافظ ابن کثیر (ت:۷۷۴ہجری)، البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب، ج:۳،ص:۱۷۷
(۲) حافظ ابن نجار، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافۃ الدینیہ، قاہرہ، ۱۹۹۵،ص:۲۳۳
(۳) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۱۱۱
(۴) سمہودیؒ، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، ص:۷۹۳
(۵) ابی تراب الظاہری، الآثار المقتفی لقصہ ہجرۃ المصطفیٰ، دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ، جدہ، ص:۴۸
(۶) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، مدینہ طیبہ، چوتھا ایڈیشن، ص:۲۵
(۷) ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳-۲۶۲ہجری)، تاریخ مدینہ، ج:۱،ص:۲۵۹
(۸) ابن ضیاء المکی-محمد بن محمد بن احمد ابن ضیاء المکی (ت:۸۸۵ہجری)، تاریخ مکۃ المشرفہ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفہ والقبر الشریف، المکتبۃ التجاریہ، مصطفیٰ احمد الباز، مکۃ المکرمہ، ۱۶۳
(۹) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، ۱۹۸۱،ص:۱۹۹
(۱۰) جنرل ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، ج:۱،ص:۴۶۱
(۱۱) جمال المطری (ت:۷۴۱ہجری)، التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دار الہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ (۱۴۰۲ہجری)،ص:۳۶
(۱۲) ایضا،ص:۳۵
(۱۳) یوسف عبدالرزاق، مصدر مذکور، صفحات:۲۰۱-۲۰۰
(۱۴) المطری،ص:۳۶
(۱۵) الموطاء امام مالک، باب ۳۶، ۴۵-۳۷
(۱۶) سمہودیؒ، وفاء الوفاء،ص:۲۶۰
(۱۷) ابن شبہ، ج:۱، صفحات:۲۳۳-۲۳۴
(۱۸) ایضا،ص:۲۳۳
(۱۹) الشیخ جعفر بن اسماعیل المدنی البرزنجی، نزہۃ الناظرین،ص:۲۳۳
(۲۰) ایضا
(۲۱) ابن شبہ، ج:۱،ص:۲۳۳
(۲۲) ایضا،ص:۲۳۴
(۲۳) ایضا،ص:۲۳۵
(۲۴) ایضا،صفحات:۲۷۵-۲۷۶
(۲۵) ایضا،ص:۲۳۵
(۲۶) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ۱۹۸۵، ج:۴،ص:۲۵۳
(۲۷) ابن شبہ، ج:۱،ص:۲۴۴
(۲۸) یوسف عبدالرزاق،ص:۲۰۲
(۲۹) ایضا
(۳۰) ابن شبہ، ج:۱،ص:۳۶
(۳۱) ایضا،ص:۱۳۷
(۳۲) ایضا،صفحات:۲۵۷-۲۵۸
(۳۳) ایضا،ص:۲۶۱
(۳۴) ایضا،صفحات:۲۴۵-۲۴۶
(۳۵) ایضا،صفحات:۲۴۹-۲۵۰

باب ۲۲

مسجد نبوی شریف کے گرد چند رباطوں اور وقف مکانوں کی تفصیل

﴿ یاایہاالذین آمنوااصبرواوصابرواورابطوااتقوااللہ لعلکم تفلحون ﴾ صدق اللہ العظیم

اے ایمان والوصبر کرواور صبر میں دشمنوں سے آگے رہواور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرواور اللہ سے ڈرتے رہواس امید پر کہ کامیاب ہو۔(۱)

جیسا کہ ہم نے اس سے پچھلے باب میں بیان کیا ہے کہ وہ مکانات جو کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مسجد نبوی شریف کے اردگرد تعمیر کئے تھے اکثر وبیشتر انہیں کے لواحقین کی وراثت میں نسل در نسل منتقل ہوتے رہے تھے. تاہم ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو کہ دوسرے اشخاص کے ہاتھ بک گئے تھے مگر ایسے تمام مکانات اپنے اصل مالکوں کی نسبت سے صدیوں تک پہچانے جاتے رہے: مثلاً دار آل عمرؓ، دار آل عثمانؓ، دار خالد بن الولیدؓ وغیرہ. یہود کے ساتھ غزووں کے بعد جب انہیں یا تو مدینہ بدر کر دیا گیا یا پھر ختم کر دیا گیا تو ان کی اراضی، باغات اور مکانات مال غنیمت کے طور پر یا تو مجاہدین اسلام میں تقسیم کر دی گئیں یا پھر ان میں سے جو فے اور خمس کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے قبضہ واختیار میں آئیں وہ رسول اللہ ﷺ کی صوابدید پر رہیں. ان میں سے تقریباً تمام جائیدادیں صدقات النبی ﷺ کے طور پر وقف ہو گئیں حتی کہ وہ جائیداد بھی جو کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے مختص کی تھی (مثلاً باغ فدک) ان سے بھی صرف امہات المومنین رضوان اللہ علیہن کا کم سے کم خرچہ رکھا جاتا تھا اور باقی کی آمدنی امت اسلامیہ کے دفاع یا رفاہ پر صرف کی جاتی تھی. اتباع رسول مقبول ﷺ میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی ایسی تمام جائیدادوں کو 'صدقات' کے طور پر وقف کر دیا تھا. ایسا تصدق صرف انہی مال غنیمت سے حاصل ہونے والی جائیدادوں پر ہی موقوف نہیں تھا بلکہ جیسا کہ حضرت ابو طلحہؓ نے بیر حاء کے معاملے میں کیا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس معاملے میں تو اپنی آبائی جائیدادوں کو بھی وقف اور تصدق کرنے سے گریز نہیں کیا. صدقات نبوی میں سر فہرست 'الفقیر' یا 'الفقیر' نامی کھجوروں کا باغ تھا جو کہ دراصل بستان فارسیؓ ہی کا اصل نام تھا (بعض روایات کے مطابق الفقیر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا صدقہ تھا) جو کہ بنو قریضہ کے خاتمے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے قبضہ میں آ گیا تھا جسے سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کی نگرانی میں امت کے لیے وقف کر دیا تھا. اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے وہ باغ جو کہ غزوہ بنی نضیر کے بعد انہیں عطا ہوا تھا اسے تصدق (وقف) کر دیا تھا. ایسے ہی ایک اور باغ جو کہ ابھی چند سال پہلے تک موجود تھا وہ صدقہ عباس بن عبدالمطلبؓ کے نام سے مشہور تھا. یہ وقف باغات چودہ سو سال سے وقف حیثیت سے ہی موجود رہے ہیں اور ہر آنے والی حکومت ان کی دیکھ بھال کی ذمہ دار تھی کیونکہ عامۃ الناس کی امانت کے وہی امین ہوا کرتے تھے. یہ آج بھی موجود ہیں مگر کس مپرسی کے عالم میں اپنے آخری سانس لے رہے ہیں. اپنی جانوں کے علاوہ اپنا مال ومتاع تصدق کرنے میں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے. حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ: [میں کسی ایسے مہاجر یا انصار آدمی کو نہیں جانتا جس نے اپنی جائیداد میں سے کچھ نہ کچھ تصدق نہ کیا ہو.] امام شافعیؓ کے قول کے مطابق جسے البیہقی نے روایت کیا ہے: ''رسول اللہ ﷺ پر ہمارے ماں باپ فداء ہوں. آپ حضور ﷺ کا صدقہ موجود ہے؛ اس کے پاس ہی حضرت زبیرؓ کا صدقہ ہے. اس کے علاوہ حضرت عمر بن الخطابؓ کا صدقہ بھی موجود ہے، اور ایسے ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عثمان بن عفانؓ اور سیدۃ فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ کے صدقات ہیں. ان کے علاوہ بے شمار صدقات ہیں جو کہ اصحابہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے تھے اور جو کہ ابھی تک مدینہ طیبہ اور اس کے مضافات میں موجود ہیں'' (سمہودی، صفحات: ۹۹۸-۹۹۹).

ابن شبہ نے تو اس وقف نامے کا پورا متن اپنی تاریخ مدینہ میں دے دیا ہے جو کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے تحریر کیا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا وہ وقف شدہ گھر نہ تو بذریعہ وراثت اور نہ ہی کسی ہبہ نامہ کی رو سے ان کے ورثا میں منتقل ہوا مگر یہ کہ وہ ان کی اولاد کے قبضہ واختیار میں رہا تا کہ وہ اسے صدقہ وخیرات کے کاموں کے لیے استعمال کر سکیں. (۲) تاریخ اسلام میں شاید یہ سب سے اولین وثیقہ وقف نامہ ہے. اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے صدقات کے متعلق یہ تحریری حکم دیا تھا: [یہ جائیدادیں وراثت میں منتقل نہیں ہوں گی اور نہ ہی ان کا ہبہ کیا جا سکے گا، مگر یہ صرف مساکین اور دور ونزدیک سے آنے والے غریب الدیار مسافرین (ابناء السبیل) کے لیے وقف رہیں گی. یہ امر زمانہ امن وجنگ دونوں میں یکساں طور پر نافذ العمل رہے گا. ان کا انتظام والنصرام صرف وہی لوگ کر سکیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ
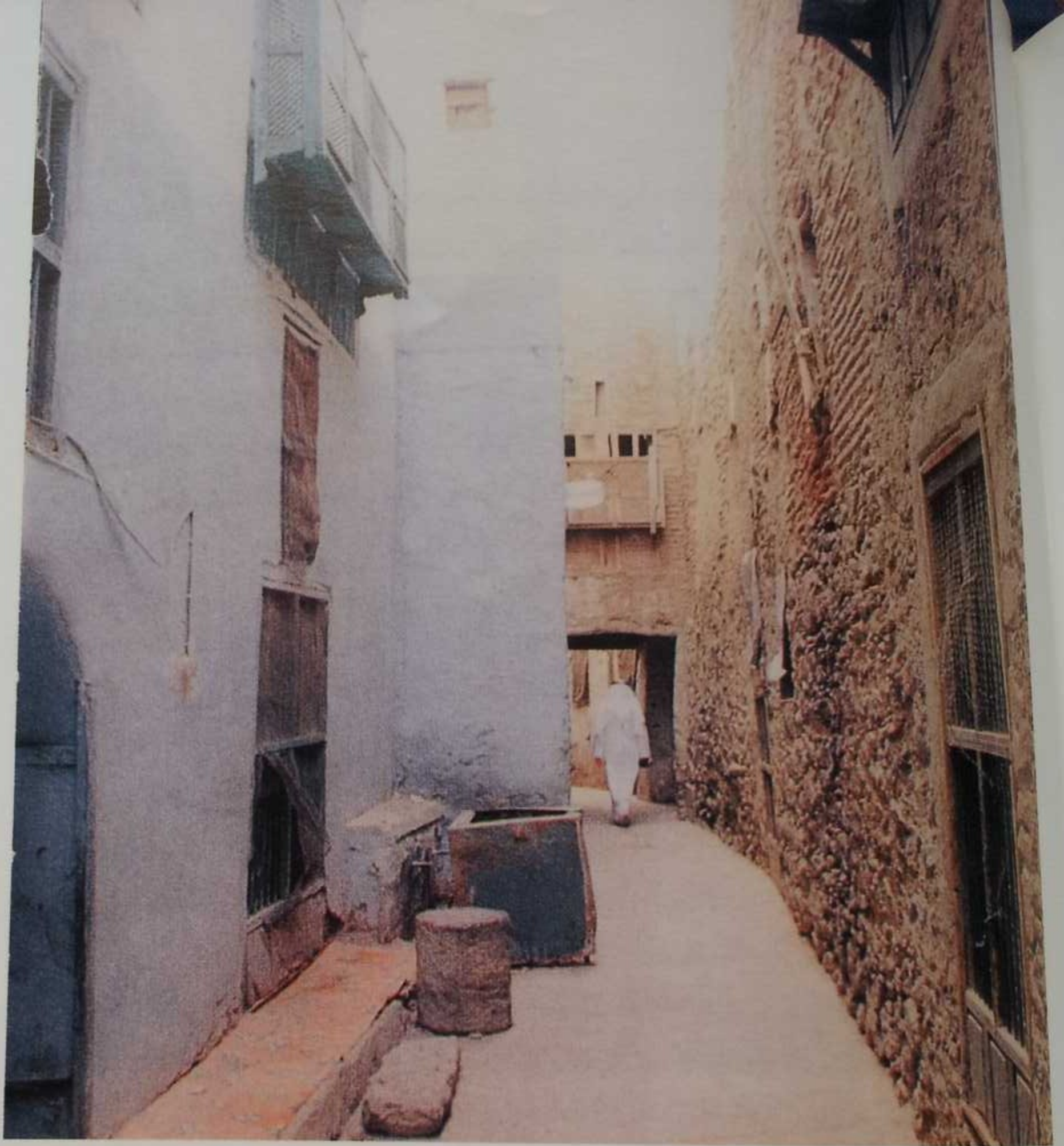
حارۃ الاغوات کا وہ گنجان آباد علاقہ جو مدینہ طیبہ کی قدیم ترین رہائشی عمارتوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا اور جہاں زیادہ تر رباطیں واقع تھیں

نے اپنی زمین پر حکومت کا حق دیا ہوگا.] (۳)

تقویٰ اور پرہیز گاری کی یہ مثالیں سامنے رکھتے ہوئے بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے مکانات اور اراضی 'صدقہ' کے طور پر وقف کر دی تھیں. تاریخ مدینہ طیبہ میں صدقات حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ، صدقات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، صدقات حضرت الزبیر بن العوامؓ بہت ہی شہرت کے حامل رہے ہیں. حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے بہت سے کنویں اور مکانات کو غرباء مساکین، ابناءِ السبیل (غریب الدیار مسافروں) اور اپنے ان اقرباء پر تصدق کر دیا تھا جو محتاج اور ضرورت مند تھے. (۴) ایسے صدقات نہ صرف مدینہ طیبہ کی حدود میں بلکہ مدینہ طیبہ کے باہر بھی واقع تھے اور ان میں مسافرین اور غرباء اور فقراء کے لیے مفت کھانے اور رہائش کا بندوبست کیا جاتا تھا تاکہ وہ شہر مقدس میں حاضری پر اپنے آپ کو بے یار و مددگار نہ محسوس کریں.

اسی روایت کو زندہ رکھتے ہوئے مدینہ طیبہ میں بعد کے ادوار میں بھی یہ رجحان قائم رہا اور لوگ اپنے گھروں کو وقف قرار دے دیا کرتے تھے. تاریخ کے جھروکوں سے جھانکنے پر یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ایسے تمام مکانات جو کہ وقف کر دیئے گئے تھے ان میں سے اکثر مسجد

نبوی شریف کے مرکز انوار کی شرقی، جنوبی اور شمالی جوانب ہوا کرتے تھے. صاحب ثروت لوگ یا امراء ورؤساء اس معاملے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ اس بقاع مبارکہ کے مرکز انوار وتجلیات کے نواح میں کوئی نہ کوئی مکان لے کر تصدق کیا جائے.

وہ بہت سے مکانات یا عمارتیں جو کہ ماضی میں کسی نہ کسی اصحابی جلیل یا کسی بڑی شخصیت کے نام سے منسوب تھیں مختلف ہاتھوں میں خرید وفروخت ہوتی رہیں. ایسی عمارات کو خریدنے کا زیادہ تر رجحان بنو امیہ کے دور میں شروع ہوا اور پھر عباسیوں اور مملوک دور تک محیط رہا. ایسی ایک مثال ''دار عاتکہ'' کی ہے جو کہ باب الرحمہ کے سامنے ایک گھر تھا جو ایک مکی صحابیہ سیدۃ عاتکہؓ نے خریدا اور پھر مختلف ہاتھوں میں بکتا بکتا عباسی دور میں جعفر برمکی کی ملکیت میں چلا گیا. پانچوں صدی کے بعد ہمیں ان عمارتوں کی خرید وفروخت میں تیزی کا ایک خاص رجحان نظر آتا ہے کہ اکثر نئے مشتریان اور مالکان انہیں محض اس وجہ سے خریدنے لگ گئے تھے تا کہ وہ مسجد نبوی شریف کے جوار رحمت میں فلاح عامہ کے لیے ان کو وقف کر سکیں. ان تمام صدقات اور اوقاف کو ''رباط'' (جمع: اربطہ) کہا جاتا تھا. ایسی تمام رباطیں غرباء اور مساکین کے لیے پناہ گاہوں (Assylumn) سے کم نہیں تھیں کیونکہ ان میں رہنے والوں کو مفت رہائش اور دو وقت کا کھانا مہیا کیا جاتا تھا.

ایسی رباطیں اور وقف مکانات مسجد نبوی شریف کی شرقی جانب کثرت سے معرض وجود میں آئے جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ روز اول سے اس جانب مسجد نبوی شریف کی توسیع بہت ہی معمولی حد تک ہوئی تھی اور مخیر حضرات یہ اندازہ لگانے میں حق بجانب تھے کہ ان کے بنائے ہوئے اوقاف تا بہ ابد قائم رہیں گے. آخری توسیع کے وقت اس علاقے میں پائی جانی والی رباطوں میں بعض رباطیں آٹھ یا نو سو سال پرانی تھیں. دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ خدام حرم نبوی الشریف (آغا صاحبان - اغوات) زیادہ تر اسی جانب حارۃ الاغوات میں رہائش پذیر تھے اور لوگ خدام حجرہ مطہرہ کی زیادہ سے زیادہ خدمت بجالانا چاہتے تھے. عبدالقدوس الانصاری کی تحقیق کے مطابق ان میں سے ایک رباط کے دریچے پر نصب لوح سنگ کے الفاظ کچھ یوں تھے: ''اس مبارک رباط کو وقف فی سبیل اللہ کے طور پر فقیر یاقوت المظفری المنصوری المارديني نے فقراء، مساکین اور غریب مردوں کے لیے (نہ کہ خواتین کے لیے) بنایا ہے. اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس عطا کرے. مورخہ ۷۰۶ ہجری'' وہ مزید رقمطراز ہیں کہ اس عمارت کی شکل وشباہت اور کہنہ طرز تعمیر کی بناء پر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ یہ رباط آٹھویں صدی ہجری میں رائج مدنی طرز تعمیر کی عکاسی کرتی تھی. (۵) ایسی ہی چند رباطیں مغربی جانب بھی تھیں.

ان وقف عمارتوں اور ملجاؤں (Assylumn) نے شہر حبیب میں تقویٰ اور سنجیدگی کے ماحول کو برقرار رکھنے میں بہت بلند کردار ادا کیا تھا. مدینہ طیبہ رسول اللہ ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے ہی علم کا گہوارہ اور تعلیم وتدریس کا مرکز رہا ہے اور اکناف عالم سے علم کے پیاسے اپنی پیاس بجھانے اسی شہر مقدس کا رخ کرتے آئے ہیں اور اسی مرکز نور سے علم وعرفان کے پھوٹنے والے سوتے دین اسلام کو ایک غالب قوت کے طور پر زندہ رکھنے میں ممد ومعاون ثابت ہوئے ہیں. اسی بقعہ نور سے فقہاء، علماء، عرفاء ومشائخ اپنے سینوں کو منور کر کے نیر تاباں کی طرح آسمان اسلام پر طلوع ہوتے رہے. کسی کے پاس زاد راہ نہ ہوتی اور کسی کے پاس نان ونفقہ کا فقدان ہوتا مگر جونہی اس شہر نبوی کی فصیل کے اندر داخل ہو جاتے تو یہ رباطیں اور وقف ادارے اپنے دروازے اور وسائل ان پر کھول دیتے اور ان کی ذمہ داری اٹھا لیتے تھے. وقت کے ساتھ ساتھ ان میں سے بہت سے وقف اداروں نے تعلیم وتدریس کے لیے ان رباطوں میں مدرسے اور زاویے بھی قائم کر دیئے تھے تا کہ شہر نبی میں آنے والا علم کا متلاشی کہیں پیاسا نہ واپس لوٹ جائے. اس طرح یہ سب رباطیں ضیوف الرسول (رسول اللہ ﷺ کے مہمانوں) کے لیے وقف تھیں.

بہت سے اوقاف اور رباطیں تو براہ راست اوقاف الحرم اور اوقاف المسجد سے منسلک ہو گئے تھے جب کہ دیگر خاندانی اوقاف کے

زمرے میں آتے تھے یا پھر کسی نہ کسی خیراتی ادارے یا عمارت (کمپلیکس) سے منسلک تھے. رباط یا اوقاف مدنی طرز زندگی کا ایک جزو لاینفک بن گیا تھا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ فصیل شہر سے باہر بننے والی حویلیاں اور احواش بھی اپنے احاطوں میں چند کمرے غرباء ومساکین اور ابناء السبیل کے لیے وقف کردیتے تھے. ان میں سے بعض تو صرف مردوں کے لیے مختص تھیں جب کہ مستورات کے لیے علیحدہ رباطیں موجود تھیں. کچھ ایسی بھی تھیں جن کے خالقین نے ان کی خدمات کو صرف صوفیاء کے لیے مختص کیا ہوا تھا. بعض رباطیں علاقائی حجاج کے لیے بھی ہوا کرتی تھیں جہاں کسی خاص خطے یا ریاست سے آنے والوں کو ترجیح دی جاتی تھی: ایسی رباطیں پاک و ہند اور وسط ایشیا کی چند ریاستوں کے نوابوں اور والیوں نے قائم کی تھیں مثلاً رباط بہاولپور، رباط بھوپال، رباط حیدرآباد، رباط ترکستانی وغیرہ. کچھ ایسی بھی تھیں جہاں کسی خاص مکتبہ فکر یا کسی خاص شیخ کے مریدین ہی آکر ٹھہر سکتے تھے مثلاً رباط پیر جماعت علی شاہ وغیرہ.

قدیم رباطوں میں سے زیادہ تر کی عمارتیں پتھر کی اینٹوں سے بنائی گئی تھیں جن میں جپسم وغیرہ استعمال کیا گیا تھا. کچھ ایک منزلہ تھیں اور کچھ دو دو منزلہ بھی تھیں لیکن عبدالقدوس انصاری کے بیان کے مطابق مدینہ طیبہ میں تین منزلہ کوئی رباط تعمیر نہیں ہوئی تھی. ایسی تمام رباطیں جو کہ جوار مسجد نبوی شریف میں صدیوں سے قائم تھیں وہ سب کی سب مسجد شریف کے توسیعی منصوبے سے متاثر ہوئیں اور مسمار کردی گئیں. ان میں سے بعض رباطوں کی عمارتوں اور اراضی کے عوض جن کے خالقین ابھی بھی دوسرے ممالک میں موجود تھے مدینہ طیبہ میں دوسرے مقامات پر وقف عمارتیں تعمیر کروادی گئی تھیں اور انہیں تجارتی بنیادوں پر کرائے پر دے کر ان سے حاصل شدہ رقم حرم مدنی کے کھاتے میں چلی جاتی ہے اور یہ عمارتیں اوقاف مدینہ کے زیر انصرام ہیں. ایسی نئی تعمیر کی جانے والی وقف عمارتیں کثیر المنزلی ہیں اور جدید سہولتوں سے آراستہ ہیں.

اگرچہ بڑی بڑی قدیم رباطیں مسجد نبوی شریف کی توسیع کی وجہ سے معدوم ہوچکی ہیں مگر ابھی بھی چند ایک بعض علاقوں میں بچی ہوئی ہیں. عنابیہ کے علاقے میں بھی چند رباطیں تھیں مگر پچھلے دو سال سے وہ علاقہ بھی توسیع کی زد میں آگیا ہے اور وہاں موجود رباطیں راہی ملک عدم ہوچکی ہیں اور سمانیہ میں موجود رباطیں اپنی باری اور ویزے کا انتظار کررہی ہیں. ڈاکٹر محمد شوقی ابراہیم کے سروے اور مہیا کردہ شماریات کے مطابق مدینہ طیبہ کے قدیم شہر میں رہائشی عمارتوں کا ۲۴٪ حصہ وقف عمارات پر مشتمل تھا. (۶) مدینہ طیبہ کی موجودہ عمرانی ترقی سے پہلے دور میں کل کتنی وقف عمارات اور رباطیں تھی اس کا اندازہ لگانا محال ہے لیکن اگر ہم ابراہیم رفعت پاشا کے مہیا کئے ہوئے اعداد وشمار پر انحصار کریں تو اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں مدینہ طیبہ میں ۱۰۸ کے لگ بھگ رباطیں موجود تھیں. ان میں دو کمروں پر مشتمل رباطوں سے لے کر تکیہ مصریہ تک کمپلیکس شامل تھے جس میں ۱۰۰ سے زیادہ کمرے تھے. ان وقف عمارتوں کو عام طور پر رباطوں کے نام سے جانا جاتا تھا مگر کچھ ایسی عمارتیں بھی تھیں جو کہ 'تکیہ جات' کہلاتے تھے. ان ۱۰۸ رباطوں کے علاوہ تکیوں کی تعداد ۸ تھی علی بن موسیٰ آفندی کی مہیا کردہ معلومات کے مطابق ۱۸۸۵ء میں مشہور ترین رباطوں کی تعداد ۸ تھی جب کہ صوفیاء کے لیے ۱۹ زاوئے (خانقاہیں) تھے جن میں سب سے زیادہ مشہور 'زاویہ سمان' تھا جو کہ باب النساء کے مقابل حارۃ الاغوات میں واقع تھا. یہ سلسلہ قادریہ کے صوفی مسلک سے منسلک تھا.

لفظی طور پر رباط کا مطلب قلعہ یا حصار ہوتا ہے جو کہ اپنے اندر مقیمین کو بیرونی خطرات اور حملوں سے بچاؤ مہیا کرتا ہے. تاہم مجازی معنوں میں اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنے اندر مقیمین کو مادی، دینی اور روحانی حملوں سے محفوظ رکھتا ہے. (۸) یہ لفظ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں وارد ہونے والے لفظ سے ماخوذ ہے:

﴿یاایہا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون﴾

اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو. (۹)

ذیل میں ہم چند مشہور رباطوں کا ذکر کریں گے:

رباط الاصفہانی

نورالدین زنگی کے وزیر اور معتمد خاص جمال الدین محمد بن علی بن منصور الاصفہانیؒ (جنہیں تاریخ مدینہ طیبہ میں ہمیشہ جواد اور سخی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے شہر حبیب کی بے پناہ خدمت کی تھی اور بہت سی تاریخی مساجد اور عمارتوں کی تعمیر نو اور تجدید کروائی تھی) نے دار عثمانؓ الکبریٰ کو خرید کر اس میں چھٹی صدی ہجری کے اختتام پر وقف بنیادوں پر ایک نہایت ہی عظیم الشان خیراتی ادارہ قائم کر دیا تھا. چونکہ یہ رباط بالخصوص عجمی (ایرانی، افغانی اور ہندوستانی) نادار اور مفلس حجاج اور زائرین کے لیے وقف کی گئی تھی اس لیے لوگوں نے اسے رباط العجمی کہنا شروع کر دیا تھا. جمال الدین الاصفہانی نے اس کے ایک کونے میں اپنے لیے ایک قبر اپنی زندگی میں تیار کروالی تھی اور وصیت کی تھی کہ موت کے بعد انہیں وہاں دفن کیا جائے جس کے مطابق انہیں وہیں دفن کیا گیا تھا. (۱۰) ابن الاثیر کے بیان کے مطابق ان کی موت کے بعد ان کی میت پہلے مکۃ المکرّمہ لائی گئی اور طواف کعبہ کے بعد حفاظ کی ایک کثیر تعداد کی معیت میں اسے مدینہ طیبہ منتقل کیا گیا اور پھر حجرہ مطہرہ سے ۱۵ ذرع کے فاصلے پر دفن کر دیا گیا. (۱۱)

رباط سیدنا عثمان بن عفانؓ

دار عثمان بن عفانؓ میں پہلی رباط دیار المغرب (وہ خطہ جو کہ اب مراکش، تیونس، الجزائر اور لیبیا پر مشتمل ہے) کے چند تاجروں نے مل کر بنائی تھی. ۴۲۳ ہجری میں وہاں کے چند تاجروں نے دار عثمان بن عفانؓ (دار الصغریٰ) کا وہ حصہ جو کہ مسجد نبوی شریف کے مقابل تھا خرید لیا اور اس کو ان طلباء کے لیے اسے وقف کر دیا جو المغرب کے خطے سے علم کی تلاش میں مدینہ طیبہ آتے تھے. صرف موسم حج میں اسے خالی کروالیا جاتا تھا اور اس کے دروازے انہیں علاقوں کے حجاج کرام کے لیے کھول دیئے جاتے تھے. تاہم بعد میں اسے ایک لائبریری میں تبدیل کر دیا گیا اور صدیوں تک یہ لائبریری فقہ مالکی پر دنیا کی سب سے بہترین لائبریری سمجھی جاتی تھی. بارھویں صدی میں جب عثمانی سلطان محمود نے مدرسہ محمودیہ قائم کیا تو اس لائبریری کی تمام کتب (بمع الماریوں کے) وہاں منتقل کر دی گئیں. لبیب بتنولی نے جنہوں نے خدیو مصر کے شاہی وفد کے ممبر کی حیثیت سے مدینہ طیبہ کی زیارت کی تھی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ اسی دار الصغریٰ کے باہر ایک تختی لگی ہوتی تھی جس پر لکھا ہوا تھا: ''سیدنا عثمان بن عفانؓ کو اس مکان میں شہید کیا گیا تھا.'' (۱۴)

رباط خالد بن الولیدؓ

۶۲۰ ہجری میں افغانستان کے چند غزنوی تجار اور حجاج کرام نے دار خالد بن ولیدؓ اور دار عمرو بن العاصؓ کے تاریخی مکانات کو جو کہ باب جبریل علیہ السلام کے مقابل واقع تھے خرید کر ان کو ایک رباط کی حیثیت سے وقف کر دیا جو کہ صرف افغانستان اور ہندوستان کے مفلس و نادار حجاج کرام کے لیے مختص تھی. (۱۵) اس رباط کی تاریخ خاصی دلچسپ رہی ہے کیونکہ یہ مختلف مخیّر حضرات کے ہاتھوں بکتی رہی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیت میں اضافہ ہوتا رہا.

ایک مرحلے پر یہاں قادریہ سلسلہ طریقت کی خانقاہ ''زاویہ الشیخ عبدالقادر جیلانی''، قائم ہو گیا جو کہ اس رباط کے اس حصے میں تھا جو دار عمرو بن العاصؓ تھا. بعد میں یہی زاویہ ''زاویہ سمان'' کے نام سے مشہور ہو گیا. مدینہ طیبہ میں شیخ سمان کا خاندان صدیوں سے سلسلہ قادریہ کا سرخیل رہا تھا. ۱۸۵۲ میں جب انگریز جاسوس رچرڈ برٹن ایک مسلمان کے بھیس میں مدینہ طیبہ آیا تو اس نے بہت سے مشاہیر کا ذکر اپنے سفرنامہ میں کیا. اس کے مطابق اس وقت مدینہ طیبہ میں شیخ سمان کے خاندان کا طوطی بولتا تھا اور انہیں اہل مدینہ طیبہ بہت عزت و احترام کی

نگاہوں سے دیکھتے تھے.

بعد میں اسی عمارت کے ایک گوشے میں رباط السبیل بھی قائم ہوئی. مدینہ طیبہ میں اموی دور کا رائج کردہ نظام فراہمی آب ''عین الزرقاء'' اہل مدینہ کے لیے ایک بہت بڑی نعمت تصور کیا جاتا تھا. یہ زیر زمین نظام فراہمی آب مختلف مقامات پر مخرجوں کے ذریعے اہل مدینہ کو پانی فراہم کرتا تھا. اس نظام سے منسلک پانی کی سبیل اگر کسی مقام پر نصب ہو جاتی تھی تو لوگ جوق در جوق اسی مقام کا رخ کرنے لگ جاتے تھے. حارۃ الاغوات میں یہ پہلی سبیل تھی جو کہ رفاہ عامہ کے لیے کسی رباط میں لگائی گئی تھی. چنانچہ اسی نسبت سے اسے رباط سبیل کہا جانے لگا تھا.

بیسویں صدی کے شروع میں ریاست بہاولپور کے نواب نے دار خالد بن ولیدؓ اور دار عمر بن العاصؓ کا کچھ حصہ خرید کر وہاں رباط بہاولپور قائم کردی تھی. نواب آف بہاولپور جب حج پر آئے تو شاہ عبدالعزیز السعود نے ان سے حرمین الشریفین میں مسلم امت کی بہبود کے لیے کار خیر کرنے کا کہا. چنانچہ انہوں نے مکۃ المکرمہ میں ایک دینی مدرسہ ''مدرسہ الصولتیہ'' (ان کی بیگم کا نام صولت بیگم تھا) کے نام پر قائم کیا جس نے ام القریٰ مکۃ المکرمہ میں تعلیم کے میدان میں بے پناہ خدمات انجام دی ہیں اور آج بھی مملکت سعودی عرب کے بہت سے نامور علماء اسی مدرسہ صولتیہ کے فارغ التحصیل ہیں. مدینہ طیبہ میں دیگر رفاہی کاموں کے علاوہ انہوں نے باب جبریل کے سامنے مذکورہ دار خالد بن الولیدؓ اور دار عمرو بن العاصؓ کے کچھ حصے پر رباط بہاولپور قائم کی جو کہ ریاست بہاولپور سے آنے والے حجاج کرام کے لیے وقف تھی. بعد میں جب مملکت خداداد پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور ریاست بہاولپور اس میں ضم ہوگئی تو یہی رباط بہاولپور ''پاکستان ہاؤس'' بن گئی جو باب جبریل کے سامنے تین دہائیوں تک اہل پاکستان کے لیے باعث افتخار رہی.

جب مسجد نبوی شریف کی عظیم تر توسیع کے منصوبے پر عمل درآمد شروع ہوا تو دیگر رباطوں کی طرح جو اس حارۃ الاغوات میں ہوا کرتی تھیں اسے بھی بحق سرکار حاصل کرلیا گیا اور اس کے بدلے میں حاصل ہونے والے زر تعویض سے حکومت پاکستان نے جبل سلع کے دامن میں دو ''پاکستان ہاؤس'' تعمیر کروا دیئے.

رباط ناصرالدین اللہ

عباسی خلیفہ ناصرالدین اللہ نے ۵۷۰ ہجری میں مستحق طلباء کے لیے جو کہ دور دراز سے تحصیل علم کے لیے مدینہ طیبہ کا رخ کرتے تھے ایک رباط قائم کی جو کہ مسجد نبوی شریف کے باب النساء کے مقابل تھی.

رباط ام ناصرالدین اللہ

عباسی خلیفہ ناصرالدین اللہ کی والدہ نے مدینہ طیبہ میں بہت سے رفاہی کام کیے جن میں چند مساجد کی تعمیر نو اور مسجد نبوی شریف کے آنگن کے وسط میں ایک قبہ کی تعمیر بھی شامل ہے جہاں مصاحف قرآنیہ کے نادر قلمی نسخے (بشمول مصحف عثمانؓ) اور دیگر تبرکات نبوی شریف کو بحفاظت رکھا گیا تھا. ۵۹۹ ہجری میں انہوں نے اپنے نام سے باب جبریل کے سامنے ایک رباط کا اجراء کیا جو کہ باہر کے ممالک سے آئے ہوئے نادار زائرین اور حجاج کرام کے لیے وقف تھی.

رباط المراغی

یہ رباط ۷۵۱ ہجری میں شیخ ابوبکر بن عبداللہ المراغی نے قائم کی تھی جو کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں قاضی القضاۃ تھے. یہ رباط مغربی جانب باب السلام کے سامنے واقع تھی. وقف نامہ کے وثیقے میں اس رباط کی تخلیق کا مقصد وحید یہ تھا کہ اسے صرف ان مستحق صوفیاء اور اولیا کرام کے لیے استعمال کیا جائے جو کہ مدینہ طیبہ میں کچھ عرصہ تک قیام کرنے کے خواہش مند ہوں. تاہم مواسم حج میں اس کے دروازے عام حجاج

کرام پر کھول دیئے جاتے تھے۔

رباط النساء

دار خالد بن الولیدؓ کے قریب ہی ایک تاریخی گھر 'دار اسماء بنت الحسین بن عبداللہ بن عبید بن عباس بن عبدالمطلب' ہوا کرتا تھا۔ شروع میں تو یہ گھر ایک انصاری تابعی جبلہ بن عمرو الساعدی کا تھا جنہوں نے اسے سعید بن خالد بن عمرو بن عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ انہوں نے اس گھر کو مذکورہ اسماء بنت الحسین کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ چھٹی صدی ہجری میں یہ گھر رباط النساء بن گیا جو کہ باب النساء کے سامنے کی جانب ہوا کرتی تھی۔

رباط الشہر زوری

دار عمرو بن العاصؓ کا کچھ حصہ جو کہ دار ابو بکر صدیقؓ سے ملحق تھا مدینہ طیبہ کے قاضی القضاۃ کمال الدین ابو الفضل محمد بن عبداللہ بن القاسم الشہر زوری نے خرید لیا اور وہاں اپنے نام سے ایک رباط وقف کر دی جو کہ مدینہ طیبہ میں ایسے حجاج کرام کے لیے وقف تھی جو کہ وہاں آ کر افلاس و تنگدستی میں مبتلاء ہو جاتے تھے۔

رباط الزنجیلی

اس وقف کا اجراء ۵۷۹ ہجری میں عدن کے ایک نائب گورنر عثمان بن علی الزنجیلی نے کیا۔ یہ رباط صرف ان لوگوں کے لیے وقف تھی جو کہ فقہ حنفیہ کے پیروکار تھے یا جو عدن سے مدینہ طیبہ حاضر ہوا کرتے تھے۔

حارۃ الاغوات میں قائم رباط یمین المعروف برباط الھنود

رباط البخاریہ

یہ رباط باب الرحمہ کے سامنے مغربی جانب واقع تھی اور صرف حرم النبوی شریف کے مجاورین کے لیے وقف تھی۔ البتہ ان کے عدم موجودگی میں اسے فقراء و مساکین کے قیام کے لیے استعمال کیا جا سکتا تھا۔

رباط المظہر الاحمدی (مظہر الفاروقی النقشبندی)

حارۃ الاغوات کے وسط میں واقع یہ مشہور و معروف رباط مدینہ طیبہ کی چند نہایت ہی اہم رباطوں میں گنی جاتی تھی۔ اسے ۱۸۷۵ء میں شیخ مظہر النقشبندی (مظہر جان جاناں) کی یاد میں ایک مدرسہ اور تکیہ کے لیے بنایا گیا تھا جسے خاص طور پر سلسلہ نقشبندیہ کے پیروکاروں کے لیے وقف کیا گیا تھا۔ اسے خانقاہ اور دار التصوف بھی کہا جاتا تھا۔ بعد میں یہ رباط مکتبہ محمد مظہر الفاروقی میں تبدیل ہو گئی تھی جو کہ مدینہ طیبہ کی سب سے بڑی پرائیویٹ لائبریری تصور ہوتی تھی۔ شہر حبیب میں سب سے زیادہ نادر اور نایاب قلمی نسخے اور تاریخی مخطوطے اسی لائبریری میں محفوظ ہوا کرتے تھے۔ تاریخ مدینہ منورہ کے سرخیل ابن شبہ البصری (۱۷۱-۲۶۲ ہجری) کی شہرہ آفاق تاریخ مدینہ طیبہ کا واحد نسخہ جو کہ دنیا میں کہیں محفوظ نہ تھا وہ اسی لائبریری کے توشہ خانے میں تھا۔ (۱۹) دیگر رباطوں کی نسبت چونکہ یہ رباط اور دار التصوف انیسویں صدی کے آخری ربع میں معرض وجود میں آئی تھی اور اس پر زر کثیر صرف کیا گیا تھا، اس کی عمارت قابل دید تھی اور مدینہ طیبہ کی رباطوں اور وقف عمارت میں سے

حارۃ الاغوات میں قائم
رباط میمن المعروف
برباط الحنود کا ایک اور تصویر
قبل از انہدام

چند عظیم الشان عمارتوں میں تصور ہوتی تھی جہاں محافل ذکر وفکر کے علاوہ اس کے توشہ خانہ کے بحر ذخار سے اکناف عالم سے آئے ہوئے محققین نایاب اور نادر علم کے لوءلوئے لالہ اور در شہوار تلاش کرنے آتے تھے.

چند دیگر رباطیں اور تعلیمی ادارے

مندرجہ بالا چند رباطوں کے علاوہ شہر حبیب کے مختلف حصوں میں اور بھی بہت سے رباطیں تھیں جو کہ اٹھارھویں اور انیسویں صدیں میں قائم کی گئی تھیں. ایسی رباطوں میں زیادہ تر تعداد ان وقف عمارات اور رباطوں کی تھی جو کہ ایران اور برصغیر کے رؤساء اور والیان ریاست کے نفقوں پر بنی تھیں. ان جدید رباطوں کے ساتھ ملحقہ مدارس یا یتیم خانے بھی ہوا کرتے تھے. ان میں سب سے مشہور رباط ''رباط بھوپال'' تھی جس کے ساتھ ایک بہت بڑا یتیم خانہ بھی قائم کیا گیا تھا. اسے نواب آف بھوپال نے تعمیر کروایا تھا. (۲۰) دوسری اہم رباط ''رباط حیدر آباد'' تھی جسے نظام حیدر آباد نے قائم کیا تھا. ایک رباط نواب آف بہاولپور نے بھی قائم کی تھی جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے. انہی خطوط پر چند اور رباطیں بھی تھیں جنہیں کسی خاص کمیونیٹی یا منطقے کے لوگوں نے اپنے اپنے علاقے یا کمیونیٹی کے لیے وقف کیا ہوا تھا اور عموماً ایسی رباطوں کی تعمیر میں مخیر حضرات نے نمایاں کردار ادا کیا تھا. اس زمرے میں آنے والی ہم چند رباطوں کا ذکر کرنا چاہیں گے جو کہ رباط میمنی، رباط بوہرہ، رباط ترکستانی اور رباط جماعت علی شاہ (آخر الذکر رباط کی دو وقف عمارتیں مسجد الاجابہ کے سامنے ابھی تک موجود ہیں). ایسی تمام رباطیں اپنے اپنے مکتب فکر یا کمیونیٹی کی خدمات انجام دیتی تھیں.

اس نوع کی سب سے بڑی رباط یا تکیہ ''تکیہ مصریہ'' تھا جو کہ مرکز مدینہ طیبہ (مسجد نبوی شریف) سے کچھ فاصلے پر عنبریہ ریلوے سٹیشن کے اس پار مغرب کی جانب واقع تھا۔ مدینہ طیبہ کے آٹھ تکیوں میں سب سے بڑا یہ تکیہ والی مصر محمد علی پاشا نے ۱۸۱۶-۱۸۱۹ء میں وہابیوں کو شکست دینے کے بعد بنوایا تھا۔ اس تکیے کا رقبہ ۸۹ × ۵۰ میٹر پر محیط تھا۔ چاروں طرف کمرے اور برآمدے تھے اور وسط صحن میں ایک نمائشی گنبد تھا۔ ترک عہد میں بنا ہوا یہ تکیہ مخصوص ترک فن تعمیر کی نمائندگی کرتا تھا۔ اس کی چھت کو قبوں اور گنبدوں سے مزین کیا گیا تھا۔ یہاں پر زیادہ تر ترک اور مصری سرکاری وفود جن میں محمل مصری بھی شامل ہوتا تھا قیام کرتے مگر عام دنوں میں اس کے دروازے خاص و عام پر کھلے رہتے تھے۔ ابراہیم رفعت پاشا کے بیان کے مطابق یہ تکیہ اپنی ذات میں ایک مکمل وحدت (Self-contained unit) تھا جس کے اندر کھانا پکانے کے اپنے تنور اور مخبز تعمیر کیے گئے تھے۔ ایک وقت میں اس کے مائدہ پر ۸۰۰ فقراء اور مساکین کھانا کھاتے تھے۔ سعودی عمل دخل کے بعد اس کی رفاہی سرگرمیاں کافی حد تک پس منظر میں چلی گئی تھیں کیونکہ اسے تکیہ کی نسبت سرکاری گیسٹ ہاؤس اور دیگر سرکاری کاموں کے لیے استعمال کیا جانے لگا تھا اور پھر جوں جوں مدینہ طیبہ میں عمرانی ترقی ہوتی گئی اسے مسمار کر کے اس کی جگہ دیگر عمارات نے لے لی۔

ایسا ہی ایک اور وقف ادارہ ''وقف داؤدیہ'' کے نام سے مشہور تھا جو کہ داؤد پاشا نے (جو کہ اس وقت گورنر مدینہ طیبہ تھے جب کہ سلطان عبدالمجید کے دور میں مسجد نبوی شریف تعمیر کی گئی تھی) تعمیر کروایا تھا۔ اس عظیم وقف عمارت کے مسمار کیے جانے کے بعد اوقاف حرم سے ملنے والی تعویض اور رقوم سے محلّہ باب تمار کے اس پار شارع سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دائیں ہاتھ ایک وسیع و عریض علاقے پر کثیر المنزلی وقف عمارت تعمیر کر دی گئی ہے جو کہ مدینہ جدید کی چند عظیم الشان عمارتوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی پہلی منزل تجارتی مقاصد مثلاً دکانوں اور تجارتی مراکز اور شوروموں وغیرہ کے لیے مختص ہے جب کہ اوپر کی منازل کمپنیوں کے دفاتر وغیرہ کے لیے مخصوص ہیں۔ رہائشی مقاصد کے لیے اپارٹمنٹس کی ان گنت تعداد اس کے علاوہ ہے۔ وزارت حج و اوقاف کے زیر انصرام یہ عمارت پچھلے تین سال سے اکثر و بیشتر خالی نظر آتی ہے جب کہ کسی صدقہ اور رباط میں سکن کے مستحق زائر سڑکوں پر آسمان کے سائے تلے سو رہے ہوتے ہیں۔

مدرسہ محمودیہ جو ۱۸۲۱ء میں قائم ہوا اب توسیع مسجد نبوی شریف میں شامل ہے

ایسے اوقاف کے ضمن میں ہم ایک ایسے ادارے کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جسے ایک پاکستانی الحاج عبدالغنی دادا نے بیسویں صدی کے وسط میں یتیم خانہ کے طور پر بنوا کر وقف کیا تھا۔ یہ مشہور یتیم خانہ ''دارالایتام الاسلامیہ'' کہلاتا تھا اور مدینہ طیبہ کے سب سے بڑے یتیم خانوں میں شمار ہوتا تھا جو کہ یتیم بچوں کو نہ صرف قیام و طعام کی سہولت بہم پہنچاتا تھا بلکہ اس کے ساتھ ایک پیشہ ورانہ مدرسہ بھی ملحق تھا جہاں ان یتیموں کو دینی تعلیم کے علاوہ جدید بنیادوں پر مختلف پیشوں کی تعلیم اور ٹریننگ بھی دی جاتی تھی تا کہ جوان ہو کر وہ معاشرہ کے کارآمد اور فعال رکن بن سکیں۔ یہاں انگریزی کی تعلیم کا بندوبست بھی تھا۔ (۲۱)

مکتب و مسجد الرستمیہ
قبل از انہدام

مصری سلطان اشرف قیتبائی کے قائم کئے ہوئے اوقاف

مسجد نبوی شریف اور حجرہ مطہرہ کی تعمیر کے بعد جب سلطان اشرف قیتبائی حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ آئے تو انہوں نے اپنی تمام تر توجہ اہالیان شہر حبیب کی فلاح و بہبود پر مرتکز کر دی. انہوں نے مسجد نبوی شریف کے گرد و نواح میں واقع بہت سی جائیداد اور اراضی خرید کر وہاں خیراتی اور وقف ادارے قائم کئے جن میں رباطیں، مدارس اور دیگر خیراتی ادارے شامل تھے تاکہ غریب الدیار مفلس اور نادار زائرین اور حجاج کرام کو قیام و طعام کی مفت سہولتیں میسر ہو سکیں. وہ پہلے حکمران تھے جنہوں نے محض طعام و قیام کے علاوہ مدینہ طیبہ کے دیگر باسیوں کے لیے بہت سے دوسرے سماجی ادارے بھی بنائے جن میں مدینہ طیبہ میں عامۃ الناس کے لیے ایک پبلک حمام کا قیام بھی شامل تھا جو کہ اپنی نوعیت کا پہلا حمام تھا جو اس ارض مقدس پر بنایا گیا تھا. اس کے علاوہ انہوں نے مدینہ طیبہ میں آٹا پیسنے کی چکیاں لگوائیں جن پر اس وقت ۶۰،۰۰۰ دینار صرف ہوئے تھے اور ان تمام کی آمدنی خیراتی کاموں کے لیے وقف کر دی گئی. اس کے علاوہ انہوں نے مصر میں بہت بڑے بڑے ذرعی اراضی کے وقف قائم کئے جن سے حاصل ہونے والی آمدنی شہر نبوی شریف پر تصدق تھی جن سے سلطان قیتبائی کے قائم کردہ وقف اداروں کو فنڈز مہیا کئے جاتے تھے. ان سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی بھی ایسے بہت سے بڑے بڑے گاؤں حرم نبوی شریف کے لیے وقف کر چکے تھے. عثمانی اس معاملے میں ایک قدم اور آگے بڑھ گئے اور انہوں نے بلاد مصر سے حاصل ہونے والے تمام خراج اور ریونیوز کے پانچویں حصے کو حرمین الشریفین کے لیے وقف کر دیا. یوں دریائے نیل کے کنارے واقع بہت سے گاؤں اور ذرعی اراضی حرمین الشریفین کے لیے تصدق اور مختص ہو گئے تھے. ان سے حاصل ہونے والی تمام آمدنی جن میں اناج اور غلہ بھی شامل ہوتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ چندہ کی رقوم بھی شامل ہوتی تھیں مدینہ طیبہ روانہ کر دی جاتی تھیں. سلطان قیتبائی نے دینی علوم کی مختلف اصناف پر مشتمل ہزاروں کتابوں کا مجموعہ مدینہ طیبہ روانہ کیا تھا جو صدیوں تک مدرسہ اشرفیہ کی لائبریری سے استفادہ کرنے والے ہزاروں طلبائے حق اور علم کے متلاشیوں کی پیاس بجھاتا رہا. بعد میں مدرسہ اشرفیہ کی تعمیر نو اور توسیع کر کے ترک سلطان محمود نے اسے مدرسہ محمودیہ میں ضم کر دیا. اس سے مصر کے مملوک سلاطین کی مدینہ طیبہ سے وابستگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے.

مکتب و مسجد الرستمیہ

ترکوں کے بنائے ہوئے وقف اور رفاہی ادارے

جب ترکوں نے بلاد الحجاز کا انتظام و انصرام سنبھالا تو انہوں نے اہالیان مدینہ طیبہ کی فلاح و بہبود پر بہت توجہ دی. فلاحی اداروں کے علاوہ انہوں نے نقد رقوم بھی ارسال کرنی شروع کر دیں. ترک سلاطین کی شہر حبیب سے

دارالایتام اسلامیہ
۱۸۸۰ء

محبت کا اندازہ سلطان محمد الفاتح کے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے جو کہ انہوں نے قسطنطیہ (موجودہ نام استنبول) فتح کرتے اور اس شہر میں داخل ہوتے وقت کہے تھے: ''میں آج سے قیصران روم کے پورے شہر کو رسول اللہ ﷺ کے شہر حبیب پر تصدق کرنے کا اعلان کرتا ہوں''. (۲۳) یوں استنبول میں واقع ہزاروں تجارتی مراکز سے حاصل ہونے والی آمدنی صدیوں تک شہر حبیب کے باسیوں کے قدموں میں نچھاور کی جاتی رہی. ان کے علاوہ ان کے جانشینوں نے شہر مصطفیٰ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام میں خیراتی ادارے اور اوقاف قائم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی. شیخ جعفر البرزنجی نے اس بات کا خصوصی تذکرہ کیا ہے کہ بوسنیا اور ریاست ہائے بلقان کی فتح کے وقت وہاں سے حاصل ہونے والے ہیرے جواہرات انہوں نے ہدیتاً حجرہ مطہرہ کی نذر کر دیئے تھے. سلطان کے علاوہ عثمانی حکومت کے دیگر اہل کار بھی ان معاملوں میں پیچھے نہ رہتے تھے اور یوں مدینہ طیبہ میں جابجا وقف عمارتیں اور رباطیں نظر آنے لگی تھیں. وقف داؤدیہ صرف ایک مثال ہے جس کو ترک گورنر داؤد پاشا نے قائم کیا تھا. جہاں یہ وقف قائم کیا گیا وہ تمام محلّہ الداؤدیہ کے نام سے شہرت پا گیا تھا.

ایسے ادارے صرف سلاطین اسلام یا حکومت وقت کے کارندوں کے مرہون منت نہ تھے، بلکہ علماء و فضلاء حتی کہ خدام حجرہ نبویہ مبارکہ 'اغوات کرام' بھی اس کار خیر سے پیچھے نہ رہے تھے۔ ایسا ہی ایک وقف مدینہ طیبہ کے شہرہ آفاق مورخ امام سمہودی کا بھی تھا جنہوں نے اپنا گھر حرم مدنی پر تصدق کر دیا تھا جو کہ پہلی سعودی توسیع تک وقف دار سمہودی کے نام سے جانا جاتا تھا. یہاں ہم ایک اور بات قارئین کی توجہ میں لانا چاہیں گے کہ مسجد نبوی شریف کی غربی جانب قدیم سوق النبی یعنی المناخہ کا علاقہ تھا. یہ کھلا میدان ہوا کرتا تھا اور 'بر المناخہ' کہلاتا تھا جہاں مواسم حج میں اذن عام ہوا کرتا تھا کہ جو حاجی بھی چاہے وہاں اپنا خیمہ نصب کر سکتا تھا اور وہ لوگ جن کو کسی سرائے یا رباط میں جگہ نہ مل سکی ہوتی وہ وہاں اپنا خیمہ نصب کر کے رہ لیتا تھا.

خیراتی اور تعلیمی ادارے

گیارھویں صدی ہجری میں مدینہ طیبہ میں موجود دینی اور تعلیمی اداروں کے متعلق مشہور ترک سیاح اولیا شلبی (ولادت: ۱۰۲۰ ہجری) رقمطراز ہیں: ''باب الرحمہ کے باہر مدرسہ سلطان سیف الدین ہے جو کہ ۷۲۴ ہجری میں سلطان سیف الدین خوباں اور اس کی ملکہ کی مساعی جمیلہ سے بنایا گیا تھا. اس سے متصل سلطان قیتبائی کا مدرسہ ہے. دوسری جانب باب جبریل کے سامنے ایک مدرسہ ہے جسے سوقولی محمد پاشا نے جو کہ سلطان سلیمان القانونی کے مشیر تھے قائم کیا تھا. باب السلام کے سامنے سلطان محمود سوئم کا قائم کیا ہوا ایک بہت بڑا وقف ادارہ ہے. سب

کو ملا کر اس وقت مدینہ طیبہ میں ۱۱۸ مدرسے ہیں۔'' (۲۴) اس کے علاوہ مدینہ طیبہ میں ۲۰ کتاب تھے (جن کو بعد میں لغت عام میں کتاتیب کہا جانے لگا تھا اور یہ بچوں کی تعلیم کے لیے مختص تھے)، سات دار القراء (تدریس القران کے مدرسے) اور سات دار الحدیث تھے۔ سات سرائیں تھیں جہاں مفلس وغریب الدیار زائرین کے قیام وطعام کا بندوبست تھا۔ ان تمام اداروں کو چلانے کے لیے بڑے بڑے وقف موجود ہیں.... یہ تمام مدرسے اور تعلیمی ادارے ''صرہ'' کے ذریعے موصول ہونے والی رقوم سے پورے کئے جاتے تھے۔ صرہ ان رقوم کے مجموعے کو کہا جاتا تھا جو کہ عثمانی سلاطین مقررہ وقفوں کے بعد سالانہ بنیادوں پر ارسال کیا کرتے تھے جن میں زر نقد کے علاوہ اجناس اور دیگر سامان خورد و نوش بھی ہوا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ایسے بہت سے مقامات تھے جہاں صبح وشام غریب الدیار لوگوں میں مفت لنگر بٹا کرتا تھا۔ (۲۵)

اکثر وبیشتر یہ رباطیں مفت دینی تعلیم کا بندوبست بھی کرتی تھیں جن کے لیے مختلف مدرسوں سے الحاق کیا جاتا تھا جہاں علوم القرآن کریم، علم الحدیث اور علوم الفقہ کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ ان مدارس میں چند کے نام یہ ہیں:

(۱) مدرسہ بشیریہ (جو کہ دار مروان میں قائم تھا)
(۲) مدرسہ کشمیریہ
(۳) مدرسہ رستمیہ
(۴) مدرسہ وزیر علم الدین
(۵) مدرسہ حسن آغا
(۶) مدرسہ جلیلہ
(۷) مدرسہ الشفاء
(۸) مدرسہ الاحسانیہ
(۹) مدرسہ ثورۃ افندی
(۱۰) مدرسہ العلوم الشرعیہ (جسے شیخ احمد فیض آبادی نے مسجد نبوی شریف کے سامنے شمال مشرقی کونے کے قریب قائم کیا تھا)۔
(۱۱) حسین احمد مدنی کا قائم کیا ہوا مدرسہ

مدرسہ العلوم الشرعیہ سے بہت سے معاصر علمائے کرام نے تحصل علم کی ہے۔ سعودی دور میں شیخ احمد فیض آبادی اور حسین احمد مدنی نے تعلیم کے میدان میں بہت کوشش کی تھی۔ دینی تعلیم کے انتظام کے علاوہ حسین احمد مدنی نے عام مدنی کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے انتھک کوششیں کیں اور مدینہ طیبہ کے مضافات میں زرعی فارم بھی قائم کئے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو سوگ میں بہت سے معاصر شعراء نے ان پر مرثئے لکھے تھے۔

مدینہ طیبہ میں سب سے پہلا پرائمری سکول رشدی بیگ والی حجاز کے نام پر "المدرسۃ الرشیدیہ" ترک دور کا سب سے پہلا جدید مدرسہ تھا۔ اس سے پہلے جتنے مدارس تھے وہ درس نظامی کے نصاب کی بنیادوں پر چلائے جاتے تھے اور خیراتی اداروں کے مرہون منت تھے۔ بعد میں اسی مدرسے کو مڈل سکول کا درجہ دے دیا گیا۔ ترکوں کے آخری ایام تک صرف چار مڈل سکول تھے اور تین پرائمری سکول۔ رات کے وقت تعلیم بالغاں کے دو مدرسے بھی ہوا کرتے تھے۔ تعلیم کے میدان میں سب سے زیادہ پیش رفت اس وقت ہوئی جب ترکوں نے ۱۳۱۸ ہجری میں پہلے ثانوی سکول کا افتتاح کیا۔ یہ سکول باب مجیدی کے باہر واقع تھا اور سعود دور میں اس کا نام بدل کر "مدرسہ ناصریہ" رکھ دیا گیا تھا اور جب پہلی توسیع عمل میں آئی تو اس مدرسے کی عمارت ۱۳۷۲ ہجری میں مسجد نبوی شریف میں آ گئی۔ سب سے پہلا کالج جوارض طیبہ پر قائم ہوا وہ "کلیۃ صلاح الدین الایوبی" تھا جس میں سکولوں کے فارغ التحصیل طلباء داخل کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ۱۳۲۷ ہجری میں 'دارالمعلمین' کے نام سے اساتذہ کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ الساحہ کے علاقے میں کھولا گیا۔ ترغیب دینے کے لیے اس کے طلباء کو تین مجیدی اشرفیوں کا ماہانہ وظیفہ دیا جاتا تھا۔

رباط مظہر فاروقی کا اندرونی منظر

اپنی حکومت کے آخری دنوں میں ترکوں کا ارادہ تھا کہ مدینہ طیبہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا جائے اور اس کے لیے وسیع بنیادوں پر منصوبہ بندی کی جا رہی تھی۔ اس سلسلے میں امت اسلامیہ سے بھرپور امداد کی اپیل کی گئی تھی۔ پہلی جنگ عظیم کی تباہکاریوں کے باوجود ترکوں نے اس منصوبے پر کام جاری رکھا۔ یونیورسٹی کے لیے جگہ کا انتخاب کر کے اس پر عمارت زیر تعمیر تھی کہ جب ہاشمیوں نے بغاوت کر کے ترکوں کی بساط الٹ دی اور حجاز میں شریف حسین نے مملکت ہاشمیہ کی بنیاد ڈال دی۔ یوں یونیورسٹی کی تعمیر کا کام جہاں تھا وہیں رک گیا۔ تقریباً دو دہائیوں تک وہ خالی عمارت ایسے لگتی تھی جیسے کوئی بھوت بنگلہ ہو۔ تاہم جب سعودی حکومت نے اپنے پاؤں جما لیے تو انہوں نے اس کام کو دوبارہ شروع کیا اور اسی مقام پر مدینہ طیبہ کا پہلا مدرسہ قائم ہوا جو جدید خطوط پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اسے "مدرسہ طیبہ" کہا جاتا تھا۔ (ماخوذ از یاسین احمد یاسین الخیاری، صور من الحیاۃ الاجتماعیہ بالمدینۃ المنورہ، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۹۵، صفحات: ۱۷۷-۱۸۲)

مدینہ طیبہ میں پہلے ثانوی بورڈ (معہد الثانوی) کا قیام ۱۳۸۱ ہجری میں عمل میں آیا اور معہد المتوسط ۱۳۸۶ ہجری میں بنا۔ جامعہ اسلامیہ کی تاسیس ۱۳۸۱/۳/۲۵ ہجری میں عمل میں آئی۔ وادی العقیق کی پرکیف فضاء میں اس کا کیمپس تعمیر ہوا۔ اس کے ساتھ مندرجہ ذیل کالج منسلک کئے گئے تھے:

شریعت کالج (کلیۃ الشریعہ) ۱۳۸۱ میں قائم کیا گیا جس میں مدرسہ علوم الشرعیہ بھی ضم کر دیا گیا تھا۔

'کلیہ الدعوہ واصول الدین' ۱۳۸۶ ہجری میں قائم ہوا۔

کلیہ القرآن الکریم والدراسات الاسلامیہ ۱۳۹۴ ہجری میں قائم ہوا۔

کلیہ اللغہ العربیہ کی بنیاد ۱۳۹۵ ہجری میں رکھی گئی۔

کلیہ الحدیث الشریف والدراسات الاسلامیہ ۱۳۹۶ ہجری میں قائم ہوا (اس سے پہلے ۱۳۵۰ ہجری میں دارالحدیث کا قیام عمل میں آ چکا تھا)۔

مدرسہ حسین آغا
توسیع مسجد نبوی شریف
میں آجانے کی وجہ سے
گرایا جا رہا ہے

ماضی میں مدینہ طیبہ میں صوفیانہ خانقاہیں اور زاویے

روزِ اول سے ہی مدینہ طیبہ اسلامی علوم کا گہوارہ رہا ہے. علوم دین خواہ وہ تفسیر قرآن کریم ہو، یا علم الحدیث، فقہی گتھیوں کو سلجھانے کا معاملہ ہو یا تصوف وعرفان کے اسرار و رموز: ان تمام اصناف علوم میں شہر حبیب نے مینارہ نور کا کردار ادا کیا ہے. چار دانگ عالم سے ان علوم کے متلاشی نہ صرف اپنے آقا و مولا شاہ بطحاء و تاج دار کائنات ﷺ کے دربار اقدس میں حاضری دینے بلکہ اپنے اپنے اختصاص میں اپنے افکار و فہم کو مزید جلا دینے کے لیے شہر مصطفوی کا رخ کرتے اور اپنے اپنے ظرف اور سعی کے مطابق اپنی پیاس بجھا کر چلے جاتے تھے. یہ مقدس شہر نہ صرف علماء کرام کی پیاس بجھاتا بلکہ ریاضت و مجاہدے کے میدان کے کھلاڑی، پیران طریقت اور معرفت و عرفان کے متوالے اپنا نفس گم کیے ہوئے طیبہ کی گلیوں میں سرگرداں رہتے تھے. اس کے علم و عرفان اور روحانی منبعوں اور سوتوں سے سیراب ہونے والوں میں جنید و بایزید، احمد الرفاعی اور سیدنا شیخ عبد القادر الجیلانی بھی شامل ہیں.

آج کل مروجہ مکتب فکر کے آہنی ہاتھوں نے اگرچہ بادی النظر میں تصوف اور اہل تصوف کو کافی حد تک پس منظر میں دھکیل دیا ہے، مگر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ تصوف کا ہر راستہ اور ہر 'طریقہ' (سلسلہ) صرف اور صرف مدینہ طیبہ کے قلب میں واقع مرکز انوار و تجلیات ہی کی طرف جاتا ہے. ذکر و فکر کی ہر محفل ذکر حبیب ﷺ سے شروع ہوتی ہے اور فضائل مدینہ طیبہ پر جا کر ختم ہو جاتی ہے. ہر ملک اور ہر کمیونیٹی، ہر رنگ و نسل اور ہر زبان وحدت مدینہ طیبہ میں گم ہو کر یک رنگ و یک زبان ہو جاتی ہے اور مدینہ طیبہ کی پرکیف فضاؤں میں صل علیٰ نبینا اور صل علیٰ محمد کے نغمے بکھیر دیتی ہے. صوفیانہ طریقت کے کتنے ہی متوالے مدینہ طیبہ کی گلیوں میں آج بھی نفس گم کیے سرگرداں نظر آتے ہیں جہاں نہ جانے کتنے جنید و بایزید، کتنے شبلی و غزالی، کتنے رکن عالم اور معین الدین، کتنے ہجویری اور فرید الدین، کتنے سہروردی، نقشبندی، کتنے شاذلی و رفاعی اور نہ جانے کون کون سے بانیان طریقہ ہائے تصوف اپنا سر نیاز و تسلیم خم کیے چلا کرتے تھے. ہر سو کو بکو کتنے مستانے آج بھی اس آستانہ اقدس پر سربگریباں بیٹھے عالم استغراق میں عرفان کے جام پر جام پی جاتے ہیں اور پاس بیٹھوں کو خبر تک نہیں ہوتی. جابجا متوالوں کے جھرمٹ صلوٰۃ و سلام کی سوغات لیے گنبد خضریٰ کے سائے میں دربار رسالت مآب ﷺ میں زبان حال اور زبان قال سے گلہائے عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں. جذب و شوق کا اظہار جب حضرت حسان بن ثابتؓ، امام بوصیریؒ اور جامیؒ و رومیؒ کی زبان میں ہو تو کون پرواہ کرتا ہے چھڑکیوں کی؟ تصوف تو ہے ہی اپنے محبوب کے لیے جبر سہہ جانے کا نام اور ہر سرزنش پر اپنے لب سی لینے کا نام! سبز گنبد پر نگاہیں گاڑے ہر آنکھ پرنم اور ہر لب سسکیاں لیتا نظر آتا ہے. کون کہتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں ذکر و فکر، مجاہدے اور مشاہدے نہیں ہوتے؟

اگرچہ آج لفظ تصوف پر بہت سی بھنویں چڑھ جاتی ہیں اور بہت سے چہرے چیں بجبیں ہو جاتے ہیں، مگر ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ

مدرسہ حسین آغا
کا تفصیلی نقشہ

غرفة غرفة غرفة غرفة غرفة
فناء
صالة المدخل
غرفة غرفة غرفة أوقيس
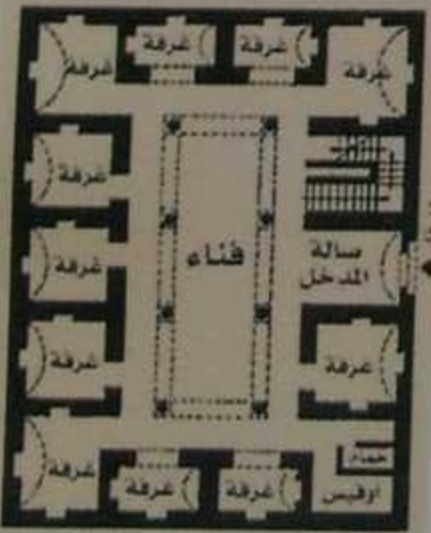
تکیہ مصریہ کے ایک حصہ
کی نایاب تصویر
۱۹۰۸ء

ماضی میں وہابی مکتب فکر کے نفاذ سے پہلے کو بکو مدینہ طیبہ میں شریعت وطریقت کے حسین امتزاج کے ساتھ مختلف زاویے (خانقاہیں) اور مدرسے قائم تھے جہاں نہ صرف شریعت اسلامی کی مکمل پابندی ہوتی تھی بلکہ ذکر وفکر کی محفلیں سجا کرتی تھیں۔ شاعری، نعت گوئی اور محافل ذکر تو مسجد نبوی شریف کے آنگن (حصوہ) میں بھی سجا کرتی تھیں اور چند مواقع پر (ربیع الاول وغیرہ میں) تو ان محافل کا بطور خاص اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔ جہاں تک خانقاہوں اور زاویوں کا تعلق ہے بیعت وارادت کے معاملے زیادہ تر وہیں طے ہوتے تھے۔ ایسے مدرسے اور زاویے نہ صرف اہل مدینہ طیبہ کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرتے تھے بلکہ ان میں مقیم شیوخ الکرام اپنے اپنے طریقہ ہائے تصوف کے مطابق مریدوں کو راہ سلوک وعرفان کی منزلیں طے کرواتے تھے۔ سخت مجاہدوں کے جلو میں آٹے کی چکیاں پیس پیس کر مریدین انہیں زاویوں میں ریاضتوں میں کہنہ مشق اور عرفان ومشاہدہ میں درجہ کمال تک پہنچ جاتے تھے۔

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے رباط المراغی جو کہ باب الرحمہ کے سامنے واقع تھی صرف صوفیاء کرام کے لیے وقف تھی جہاں دور دراز سے آئے مشائخ قیام فرماتے اور مجاہدے کرتے تھے علی بن موسیٰ آفندی نے جنہوں نے انیسویں صدی کے مدینہ طیبہ کی سماجی اور ثقافتی حالت پر سیر حاصل بحث کی ہے بیان کرتے ہیں کہ ان دنوں میں شہر حبیب کے ہر کونے اور نکڑ پر کوئی نہ کوئی خانقاہ یا زاویہ ضرور تھا۔ وہ رقمطراز ہیں: [جہاں تک زاویوں کا تعلق ہے ان میں سب سے زیادہ مشہور زاویہ سمان (مقابل باب النساء) ہے۔ اس کے ایک حصے میں وہ جگہ بھی شامل ہے جہاں سیدنا ابوبکر صدیق اعظمؓ کو آخری غسل دیا گیا تھا اور اسی کے دوسرے حصے میں سقیفہ العمرو (حضرت عمرو بن العاصؓ) میں زاویہ شیخ عبدالقادر الجیلانی ہے۔ زاویہ السید بدوی باب الرحمہ کے مقابل ہے۔ زاویہ السنوسی عنبریہ میں مناخہ کے اس پار ہے، زاویہ قشاشی زقاق طیار میں قشاشی محلے میں واقع ہے۔ زاویہ الشیخ جنید بغدادی دار العشرہ (دار آل عمرؓ) کے سامنے ہے جہاں ناقہ رسول مقبول ﷺ دار ابوایوب الانصاریؓ کے سامنے بندھا کرتی تھی۔ زاویہ ابن علوان حی ذروان میں واقع ہے (جہاں آج کل شریعت کی عدالت واقع ہے)۔ زاویہ الشیخ صاوی حارۃ الاغوات میں زقاق المواليد یعنی رباط الشیخ مظہر نقشبندی کے قریب واقع ہے۔ زاویہ السعدیہ الساحہ کے علاقے میں ہے اور وہیں قریب ہی زاویہ مولویہ (مولانا روم کا سلسلہ طریقت) بھی ہے۔ زاویہ الرفاعی زقاق بدور میں ہے جو کہ الحرم کے مشرق میں واقع ہے۔ زاویہ الدسوقی زقاق طیار میں ہے؛ ان کے علاوہ بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے زاویہ جات ہیں جو کہ شاذلیہ اور دیگر سلسلہ ہائے طریقت کے لیے وقف ہیں جن کا ذکر ہم نے طوالت کے ڈر سے نہیں کیا۔'' (۲۷) ان تمام زاویہ جات میں سے سب سے مشہور زاویہ شیخ مظہر نقشبندی کا تھا جسے عام طور پر 'دارالتصوف' اور 'خانقاہ' بھی کہا جاتا تھا۔

تکیہ محمد علی پاشا
کی ایک نادر تصویر
تصویر: رفعت پاشا
۱۹۰۸ء

آخر میں ہم سعودی شاہی خاندان کی تخلیق وقف کی جانب دیار مقدسہ میں کی جانے والی سعی کا ذکر بھی کرنا چاہیں گے. حال ہی میں مسجد نبوی شریف کے شمال مغربی کونے کی جانب ایک بہت بڑا کثیر المنزلی کمپلیکس زیر تعمیر ہے جو شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز ولی العہد کی والدہ کے نام سے وقف ہوگا. دیگر فائیو سٹار ہوٹلوں اور پلازوں کی طرح یہ بھی عظیم الشان پلازہ ہوگا جس میں تجارتی مراکز اور اپارٹمنٹس ہوں گے جو کہ جدید ترین سہولیات سے مزین ہوں گے.

حواشی

(۱) القرآن (آل عمران:۲۰۰)

(۲) ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج:۱، ص:۲۲۸

(۳) ایضاً ص:۲۲۱

(۴) ایضاً

(۵) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، مدینہ طیبہ، چوتھا ایڈیشن، ص:۱۸۶

(۶) دکتور محمد شوقی ابراہیم، مجلۃ الدارہ، محرم، ۱۴۰۵، صفحات:۴۲ و ۴۸۔ مزید تفاصیل کے لیے دیکھیے: احمد سعید بن سلم، المدینۃ المنورہ فی القرن الرابعہ عشر الہجری، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۳، مدینۃ المنورہ.

(۷) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، پہلا ایڈیشن، ۱۹۲۵، مکتبۃ دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ج:۱، ص:۴۱۴.

(۸) صالح لمعی مصطفیٰ، (Almedina Al-Munawwara - Urban Development & Architectural Heritage)، بیروت، ۱۹۸۱، صفحات:۲۱۵۔۲۱۷

(۹) القرآن الکریم (آل عمران:۲۰۰)

(۱۰) جمال المطری (ت:۷۴۱ہجری)، التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دار الہجرہ، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ (۱۴۰۲ہجری) ص:۳۵

(۱۱) ابن الاثیر (۵۵۵-۶۲۰ہجری)، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ج:۹، ص:۳۱۳

(۱۲) دکتور سلیمان عبدالغنی مالکی، بلاد الحجاز، ص:۱۵۶

(۱۳) عبدالقدوس الانصاری، ص:۵۰

(۱۴) محمد لبیب البتونی، الرحلۃ الحجازیہ، دار الآفاق العربیہ، قاہرہ، ص:۳۲۰

(۱۵) دکتور سلیمان عبدالغنی مالکی، مصدر مذکور، ص:۱۵۸

(۱۶) المطری، ص:۳۶

(۱۷) ایضاً

(۱۸) ایضاً، ص:۱۵۷

(۱۹) صالح لمعی مصطفیٰ، مصدر مذکور، صفحات:۲۱۵-۲۱۷

(۲۰) اصلی رباط بھوپال محلہ مجیدیہ میں قدیم شہر میں واقع ہوا کرتی تھی جسے مسجد نبوی شریف کے توسیعی منصوبے کے لیے مسمار کر دیا گیا تھا۔ اس کی جگہ اس کے عوض حاصل ہونے والی رقوم سے تین مختلف عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں جن میں سے دو تو شاہراہ ستین پر واقع ہیں۔ یہ نئی عمارتیں بھی وقف عمارتیں ہیں اور حجاج اور زائرین کو کرائے پر دی جاتی ہیں۔

(۲۱) ہاشم دفتر دار، ذکریات طیبہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۵۱، ص:۲۰۰

(۲۲) دکتور محمد السید الوکیل، المسجد النبوی عبر التاریخ، پہلا ایڈیشن، دار المجتمع، جدہ، ۱۹۸۸، ص:۱۴۸

(۲۳) سید مناظر احسن گیلانی، دربار نبوت کی حاضری (۱۹۲۷ء میں ان کے سفر حرمین الشریفین کا حال)، الفرقان بک ڈپو، لکھنو، ہند، ۱۹۸۶، ص:۶۳

(۲۴) اولیا شلبی (ولادت:۱۰۲۰ہجری)، سیاحت نامہ، عربی ترجمہ بعنوان: الرحلۃ الحجازیہ، ص ۱۲۸

(۲۵) ماخوذ از اولیا شلبی، مصدر مذکور، صفحات:۱۳۷-۱۴۰

(۲۶) سید مناظر احسن گیلانی، مصدر مذکور، ص:۶۳

(۲۷) علی بن موسیٰ آفندی، وصف المدینۃ المنورہ فی ۱۸۸۵، ناشر حمد الجاسر۔ جو کہ ''رسائل فی تاریخ المدینہ'' کے جزو کے طور پر شائع ہوا تھا۔

باب ۲۳

فردوس مدینہ مصطفیٰ ﷺ کی مبارک وادیاں

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

[ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سواری پر وادی العقیق تشریف لے گئے. جب آپ حضور ﷺ
واپس تشریف لائے تو فرمایا: اے عائشہؓ ہم ابھی ابھی العقیق سے آرہے ہیں.
کتنی پرفضا ہے وہ جگہ! اس میں بہتا پانی کتنا خوبصورت لگتا تھا!
اس پر ام المومنین سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ (ﷺ) کیا ہم وہاں نہ منتقل ہو جائیں؟
تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟
اب تو لوگ یہاں آباد ہو چکے ہیں.]
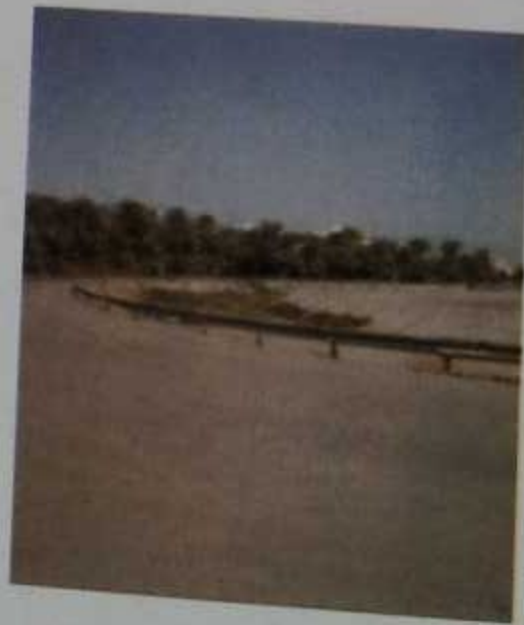
مدینہ طیبہ وادیوں کا شہر ہے.(۱) جیسا کہ ہم نے پانچویں باب ''ارض طیبہ کے جغرافیائی اور ارضیاتی خدوخال اور خصائص'' میں بیان کیا ہے شہر حبیب العقیق، العقل، بطحان اور الحمض کی زرخیز وادیوں پر مشتمل سطح مرتفع پر واقع ہے. چھوٹی چھوٹی وادیاں ابوجیدہ، مذینب اور مہزور ہیں. دور رسالت مآب ﷺ میں جب ان میں سے چند وادیاں طغیانی سے لب ریز ہو جاتیں تو لوگوں کو آر پار آنے جانے کے لیے بعض اوقات کشتیاں چلانی پڑتی تھیں. حضرت ابوموسیٰؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں ذکر ہے: [میں اور میرے ساتھی کشتیوں میں بیٹھ کر وادی بطحان کے اس پار چلے گئے جب کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ہی رہے......] (۲) جنوبی اور بالائی علاقوں میں یا مدینہ طیبہ میں جب کبھی شدید بارشیں ہوتیں تو ہر طرف جل تھل ہو جاتا اور ان وادیوں میں طغیانی آجاتی تھی. تحویل قبلہ سے قبل ایک بار مدینہ طیبہ شدید خشک سالی کا شکار ہو گیا اور جب رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی شریف میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو ایک اصحابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں باران رحمت عطا فرمائے. رحمت اللعالمین اور انیس الغریبین ﷺ نے دعا فرمائی اور فی الفور باران رحمت کا نزول شروع ہو گیا. اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ: [اس شدید بارش سے وادی قناۃ ایک ماہ تک بھرپور بہتی رہی تھی......] (۳) ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: [جب ہم مدینہ پہنچے تو اس وقت یہ جگہ تمام عرب علاقوں سے زیادہ غیر صحت مند سرزمین تھی. وادی بطحان میں بہت گدلا اور غلیظ پانی بہا کرتا تھا.] (۴) ان دنوں ارض مدینہ طیبہ بہت سی چھوٹی اور بڑی وادیوں سے مرقع تھی. ان سے چھوٹے چھوٹے ندی نالے نکلتے جو مختلف اطراف میں اس ارض مقدس کو سیراب کیا کرتے تھے: قدیم زراعت کا زیادہ تر انحصار ان ہی بارانی ندی نالوں پر تھا.(۵) چونکہ تمام وادیاں بالائی علاقوں (العالیہ) سے نکل کر آتی تھیں ان کا پانی زیریں علاقوں (السافلہ) کو خوب سیراب کرتا تھا اور کاشتکار ان سے بھرپور استفادہ کرتے تھے. وہ تاریخی جھگڑا جس میں ایک انصاری اصحابی ایک مہاجر اصحابی (حضرت زبیر بن العوامؓ) کے ساتھ نالے سے پانی کے حصول کے حقوق کے بارے میں آپس میں الجھ پڑے تھے العوالی میں لاوا سے بنی سنگلاخ زمین سے گزرتی ہوئی وادی کی ایک ندیا کے کنارے ہوا تھا جس پر قرآن مجید فرقان حمید کی اس آیت کریمہ: ﴿تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک کہ اپنے آپ کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں.﴾ (القرآن الکریم، النساء:۶۵) کا نزول ہوا تھا.(۶)

اسی طرح حضرت ثعلبہ بن ابو مالکؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں ہے: [ان کے بڑوں نے انہیں بتایا کہ قریش کے ایک فرد کی بنو قریضہ کے ساتھ پانی کی سانجھ تھی. وہ دربار رسالت مآب ﷺ میں وادی مہزور کے بارے میں اپنا مقدمہ لے کر حاضر ہوئے جو کہ پانی کے استعمال کے سلسلے میں دونوں میں سانجھ کے معاہدے پر اختلاف رائے سے پیدا ہوا تھا. رسول اللہ ﷺ نے حکم صادر فرمایا: [جب آپ کے کھیتوں میں پانی ٹخنے تک پہنچ جائے تو پھر اسے زیریں علاقوں تک جانے سے نہ روکا جائے.] (۷) حضرت عمرو بن حزمؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے وادی مہزور اور وادی مذینب کے متعلق سنا کہ آپ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: [ان کے آگے اس انداز سے بند باندھا جائے کہ بالائی علاقوں سے لے کر نچلے علاقوں تک ان کا پانی ہر ایک کی زرعی اراضی کو اتنا سیراب کر دے کہ ٹخنوں کی بلندی تک پہنچ جائے.] (۸)

وادی العقیق اور وادی بطحان کی طرح رانونا اور مہزور کی ندیاں رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں بھی انہیں ناموں سے جانی جاتی تھیں (۹) اور مدینہ طیبہ کے لوگوں میں بڑی شہرت رکھتی تھیں کیونکہ ان کے کناروں پر کھجور کے باغوں اور چراگاہوں کی بہتات ہوا کرتی تھی. اکثر اوقات ان کے کنارے مویشیوں اور جانوروں کی منڈیاں لگا کرتی تھیں اور دیگر ثقافتی سرگرمیاں بھی عموماً وہیں پر وقوع پذیر ہوتی تھیں.

یوں یہ وادیاں اور ندی نالے نہ صرف آب پاشی کا ذریعہ تھے بلکہ ان کے قرب وجوار میں تجارتی اور ثقافتی سرگرمیوں کے اجتماعات بھی ہوا کرتے تھے. وادی العقیق کے لب جو لگنے والے موسمی میلے اور کاروانی بازار مدنی تجارتی زندگی کا بڑا اہم حصہ ہوا کرتے تھے.

مدینہ طیبہ کی سب سے بڑی وادی 'وادی العقیق' ہے جس کی گزرگاہ شہر مصطفوی سے جنوبی جانب ہے اور جہاں جہاں سے یہ گزرتی ہے اس علاقے کے چھوٹے ندی نالے اور وادیاں اس میں آکر مل جاتی ہیں. مدینہ طیبہ سے شرقی جانب کی وادیوں کا بہاؤ بھی اسی طرف ہوتا ہے اور یوں یہ تمام چھوٹی بڑی وادیاں الزغابہ کے مقام پر وادی العقیق میں ضم ہو کر یکجا ہو جاتی ہیں. شہر حبیب کے گرد و نواح میں واقع بلند و بالا پہاڑ ہونے کی وجہ سے ڈھلوان کی طرف بہتی ہوئی ہر ندی نالا کسی نہ کسی بڑی وادی میں ضم ہو جاتا ہے. رانونا، جفاف (قربان میں) اور مہزور اور مذینب کی وادیاں (العوالی میں) سب سے بڑی وادی بطحان میں آگرتی ہیں اور شمال مشرقی جانب سے بہنے والے تمام ندی نالے وادی قناۃ میں شامل ہو جاتے ہیں (۱۱) جو کہ ارض طائف سے شروع ہو کر میدان احد کے پاس سے گزرتی ہے. زغابہ کے مقام پر ان تمام وادیوں کا سنگھم ہو جاتا تھا جہاں وادی قناۃ میں مجتمع سیلابی پانی وادی العقیق کے دھارے میں شامل ہو جاتا تھا. (۱۲) یوں کم و بیش ۹۲ وادیوں اور ندی نالوں کا پانی جن میں وادی بطحان اور قناۃ جیسی وادیوں کے علاوہ چھوٹی چھوٹی ندیاں جو کہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے بہہ نکلتی ہیں سبھی شامل ہیں. (۱۳) شدید بارشوں کے موسم میں جب وادی العقیق میں طغیانی کا پانی اس کے کناروں تک پہنچ جاتا ہے تو دیکھنے والا دل تھام کر رہ جاتا ہے جیسا کہ اوپر دی گئی ایک تصویر سے ظاہر ہے.

ارض مدینہ طیبہ کے پربتوں کی یہ شہزادیاں بل کھاتی ہوئی گزرتی تھیں اور جہاں سے بھی جاتیں اردگرد کی زمیں کو سونا بنا جاتی تھیں. مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ ان مبارک وادیوں کے ان خصائص پر روشنی ڈالتی ہے: حضرت رافع بن خدیج؄ سے مروی ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تم اپنے کھیتوں کا کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہم اپنے کھیتوں کو پٹے پر دے دیتے ہیں اور یوں ہم اس پیداوار سے حصہ لے لیتے ہیں جو کہ ندی نالوں کے کنارے واقع کھیتوں میں ہوتی ہے......] (۱۴)

حضرت المقدام بن شریح؄ نے اپنے والد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ: [میں نے ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ؅ سے صحرا میں جانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: [رسول اللہ ﷺ صحرا میں ان نہروں (ندی نالوں) کے کنارے تشریف لے جایا کرتے تھے. ایک مرتبہ آپ حضور ﷺ صحرا میں جانا چاہتے تھے (مگر بعض وجوہات کی بنا پر ایسا نہ ہو سکا) لیکن آپ حضور ﷺ نے صدقات سے میرے لیے ایک ناقہ ارسال کر دی جسے اس وقت تک سواری کے لیے سدھایا نہ گیا تھا......] (۱۵)

ان وادیوں میں سے بعض میں قدرتی چشمے بھی ہوا کرتے تھے مگر بعض میں آبپاشی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کنویں بھی کھودے گئے تھے تا کہ سال بھر زراعت اور کاشتکاری کا تسلسل برقرار رہ سکے. یوں ان وادیوں نے ارض طیبہ کو سرسبز و شاداب رکھنے میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا ہے. عمرانی ترقی کے سبب اب سوائے وادی العقیق کے دیگر وادیاں تقریباً تقریباً معدوم ہو کر پس منظر میں چلی گئی ہیں مگر تاریخ مدینہ طیبہ کے حوالے سے اور سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے نقطہ نظر سے یہ وادیاں تاریخ مدینہ طیبہ کا جزو لاینفک بن چکی ہیں. اس وقت موجود وادیوں میں سے سب سے اہم وادی العقیق اور قناۃ تو پوری آب و تاب سے موجود ہیں جبکہ وادی بطحان کی کچھ باقیات العوالی میں نظر آجاتی ہیں اور دیگر کی اکثر وادیاں معدوم ہو چکی ہیں. مولف کے ساتھ اکثر ایسا ہوا کہ جب کبھی کسی وادی کے متعلق کسی اہل مدینہ طیبہ سعودی

بھائی سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تو یا تو اس نے اپنی لاعلمی کا برملا اظہار کر دیا یا پھر ہنس کر ٹال دیا. ذیل میں ہم چند مشہور وادیوں کے متعلق تفاصیل پیش کریں گے.

وادی العقیق

ارض مقدس کی سب سے طویل اور عریض وادی 'وادی العقیق' ہے. جیسا کہ بعض احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے یہ ارض مقدس کی سب سے مبارک وادی ہے اور جنت کی وادیوں میں سے ایک ہے. حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے: [وادی العقیق میں قیام کے دوران میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: آج رات میرے اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور مجھے اس مبارک وادی میں نماز ادا کرنے کا کہا اور حج اور عمرہ کا اکٹھا احرام باندھنے کا کہا.'' (۱۶) اور دوسری حدیث مبارکہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے: [رسول اللہ ﷺ نے رات کے پچھلے پہر جب کہ آپ حضور ﷺ ذوالحلیفہ میں محو استراحت تھے ایک رویائے صادقہ دیکھا جس میں آپ حضور ﷺ سے کہا گیا کہ: [آپ اس وقت بہت ہی مبارک بطحاء (وادی کا بالائی حصہ) میں ہیں. (۱۷) ذوالحلیفہ وادی العقیق کے بطن میں واقع ہے جو کہ بقعۂ برکات و فضائل ہے. (۱۸)

بئر عروہ بن زبیرؓ کے قریب سے لی گئی وادی عتیق کی تصویر

یہ وادی مدینہ طیبہ سے تقریباً ۲۰۰ کیلومیٹر دور حرہ بنی سالم سے شروع ہوتی ہے اور مدینہ طیبہ کے مغرب سے حرۃ الوبرہ کے اس پار سے گزر جاتی ہے. جبل عیر کے مغربی کونے کے پاس سے بل کھاتی ہوئی یہ وادی گزر کر ارض مقدس میں داخل ہو جاتی ہے. اس مقام اور نقطہ پر چونکہ عمرانی آبادکاری کا عمل اتنا زیادہ نہیں ہو سکا یہاں یہ مبارک وادی بہت ہی حسین مناظر پیش کرتی ہے اور اگر کہیں شدید بارانی موسم میں یہ وادی طغیانی سے لبریز ہو کر چل پڑے تو مختلف پہاڑیوں کے درمیان سے اپنا راستہ بناتی ہوئی کبھی کبھی اتنا آپے سے باہر ہو جاتی ہے کہ دیکھنے والے کا اس کے قدرتی حسن سے حظ اٹھانے کی بجائے دل دہلنے لگ جاتا ہے. قدیم روایات میں ہے کہ جب یمنی بادشاہ 'تبع' یثرب پر چڑھائی کی غرض سے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آیا تو اس نے اس عظیم وادی کو دیکھا جو دو پتھریلے اور سنگلاخ علاقوں کو چیر کر گزرتی تھی جس پر اس نے اسے 'العقیق' کہا جس کا مطلب 'چیر کر علیحدہ کر دینے والا' ہے. ایک دوسری تھیوری جو اس کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی زمین اور سنگلاخ علاقے سرخ اور سرخی مائل بھورے رنگ کے ہیں جس کی کچھ مشابہت عقیق کے پتھر سے ہے. چونکہ عقیق بلاد العرب میں بہت مقبول پتھر رہا ہے اس لیے اس علاقے کو العقیق کہا جانے لگا تھا، حالانکہ ارضیاتی ساخت کے اعتبار سے اس تھیوری کی کوئی بنیاد نہیں تاہم اس بات میں صداقت ضرور ہے کہ اس کے گرد و نواح میں سرخ رنگ کے پہاڑ ہیں جن میں سے تین پہاڑیوں سے جن کو جبال الحرم کہا جاتا ہے سرخ رنگ کا سینڈ سٹون (ریتلا نرم پتھر) حاصل ہوا تھا جس سے سلطان عبدالمجید کے دور میں ۱۲۶۷ ہجری میں مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو ہوئی تھی. وجہ تسمیہ خواہ کچھ بھی ہو، زمانہ قبل از اسلام سے یہ وادی 'وادی العقیق' ہی کہلاتی رہی ہے.

جغرافیائی طور پر اس مبارک وادی کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے: العقیق الاصغر، العقیق الکبیر اور العقیق الاکبر. بیر الرومہ (سیدنا عثمانؓ کا کنواں) وادی العقیق الاصغر میں واقع ہے جب کہ بیر حضرت عروہ بن الزبیرؓ وادی العقیق الکبیر میں پڑتا ہے. ابیار علی کرم اللہ وجہہ (یا آبار علی) وادی العقیق الاکبر میں واقع ہیں. وادی العقیق الاکبر مدینہ طیبہ کے قریب سب سے زیادہ مشہور ہے. یہ وادی اتنی وسیع و عریض ہے کہ اس نے اپنے دامن برکات میں بڑے بڑے میدانوں کو بھی سمو لیا ہے، جیسا کہ البیضاء کا میدان ہے جہاں مدینہ طیبہ کا ٹیلی ویژن سٹیشن اور بجلی کی تولید و ترسیل کا نظام نصب کیا گیا ہے. اس حصے کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وادی العقیق الاکبر کے آنگن میں آبار علی کرم اللہ وجہہ کا میدان ہے جہاں وہ مبارک میقات واقع ہے جہاں پر رسول اللہ ﷺ نے حج اور عمرے کے لیے احرام زیب تن فرمایا تھا. اس علاقے میں رہائشی آبادیاں بھی

بارشوں کی زیادتی ہوجائے تو طغیانی کی وجہ سے حدِ نگاہ تک وادی عقیق میں پانی ہی پانی نظر آتا ہے

تصویر بشکریہ (معالم المدینۃ المنورہ)

آ گئی ہیں. مدینہ طیبہ کے قریب ہی اس وادی میں دو بہت مشہور میدانی علاقے آتے ہیں جن کو 'العرصتین' کہا جاتا ہے: بڑا میدانی علاقہ العرصہ الکبریٰ کہلاتا ہے جو کہ جماوات کی پہاڑیوں کے دامن سے شروع ہو کر سعید بن العاص کے محلات کے کھنڈرات تک پھیلا ہوا ہے. ان دنوں اس جگہ شاہی محل (قصر الضیافہ) بن چکا ہے. دوسرا میدان قدرے چھوٹا ہے اور العرصہ الصغریٰ کہلاتا ہے جس میں آج کل مدینہ طیبہ کی اسلامی یونیورسٹی (الجامعہ الاسلامیہ)، شیراٹون ہوٹل، شاہ فہد کا مرکزی ہسپتال، مدینۃ الحجاج اور کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی واقع ہیں.

اس میں سب سے بڑا میدان 'البیضاء' کا تاریخی میدان ہے جس کے ساتھ تاریخ اسلام کے بہت سے واقعات جڑے ہوئے ہیں. آج کل دیگر مقامات کے علاوہ یہاں پر مدینہ طیبہ کا ٹیلی ویژن سٹیشن قائم ہے. وہ مشہور واقع جس میں ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تھا اسی میدان کے اس حصے میں ہوا تھا جسے ذات الجیش کہا جاتا ہے جب کہ ایک غزوے سے واپسی پر لشکر اسلام میر امم اور سالار اعلیٰ رسول مقبول ﷺ کی سرکردگی میں ایک رات کے لیے وہاں خیمہ زن ہوا تھا. چونکہ یہاں جیش اسلام نے پڑاؤ لگایا تھا اس لیے اس حصے کو 'ذات الجیش' کہا جانے لگا تھا جو کہ میدان البیضاء کے وسط میں واقع ہے. ان دنوں یہ غیر آباد اور خشک علاقہ ہوا کرتا تھا اور پانی بالکل نایاب تھا. نہ وہاں کوئی کنواں تھا اور نہ ہی کوئی چشمہ. پڑاؤ کے دوران اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو وضوء کے لیے پانی کی شدید قلت کا سامنا تھا. فجر کا وقت نکلا جا رہا تھا اور لوگ ادھر ادھر پانی کی تلاش بسیار کے بعد ناامید ہو چکے تھے. ہار گم ہو جانے کی وجہ سے فرزندان توحید کا یہ قافلہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کے مخمصے میں تھا. رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گود میں رکھے محو استراحت تھے. یہی وہ مقام اور موقع تھا کہ وحی مبارک کا نزول ہوا کہ اگر پانی میسر نہ ہو تو تیمم کر لیا جائے (القرآن الکریم، المائدہ:٦) (٢٠) یہ بات بھی محل نظر رہے کہ حدود حرم المدینۃ النبویہ اسی مقام ذات الجیش تک ہے اور یوں البیضاء کا کچھ حصہ حرم مدنی شریف کا حصہ ہے. مزید برآں حجۃ الوداع پر روانگی کے وقت ذوالحلیفہ پر احرام زیب تن فرمانے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ ٢٥ ذوالقعدہ کو اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں البیضاء میں داخل ہوئے جہاں سے تلبیہ کہنا شروع کیا گیا اور اپنے ساتھ ہدی کے جو اونٹ لے کر روانہ ہوئے تھے ان کو اسی میدان میں حج پر قربانی دینے کے لیے ہار پہنائے گئے تھے. (٢١)

میدان البیضاء کی اہمیت ایک اور وجہ سے بھی ہے کہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ شام کی جانب سے ایک لشکر جرار مدینہ طیبہ پر حملہ کی غرض سے اس پر چڑھائی کے لیے نہیں آئے گا. یہ لشکر شامی جانب سے وارد ہوگا اور جب میدان البیضاء میں پہنچے گا تو اللہ رب العزت جل جلالہ مسلمانوں پر اپنی کمال مہربانی سے اس لشکر عدو کو اسی میدان البیضاء میں غرق کر دیں گے. اس ضمن میں بہت سی احادیث مبارکہ وارد ہوئی ہیں. (ابن شبہ، ض:١، صفحات:٢٠٩-١١٠). دیگر باتوں

وادی عقیق میں بکھرے
قدیم کھنڈرات
۲۰۰۰ء

کے علاوہ احادیث مبارکہ میں اس بات کی بھی صراحت کردی گئی ہے کہ لشکر عدو کے غرق ہونے کا واقعہ قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے اور حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے رونما ہوگا۔ (صحیح مسلم، ج:۳، نمبر ۳۲۹، اور ابن شیبہ، ج:۱، ص:۲۱۰)

موجودہ دور میں شہر حبیب کو وادی العقیق کے اس پار واقع دوسری آبادیوں کے ساتھ منسلک کرنے کے لیے اس پر پانچ مختلف مقامات پر پل بنا دیئے گئے ہیں جو حرۃ الوبرہ سے گزرتے ہوئے شہر حبیب سے آمد و رفت میں آسانی پیدا کرتے ہیں: مثلاً جامعہ اسلامیہ کا پل، شاہی محل کا پل، شاہراہ تبوک کا پل اور عروہ بن زبیرؓ کا پل (جہاں سے گزر کر ذوالحلیفہ جایا جاتا ہے۔)

حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ: [میں ایک دن رسول خداﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے باہر وادی عقیق کی طرف گیا آپ نے فرمایا: [اے انس اس وادی کے پانی سے آفتابہ بھر لو ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں اور یہ ہم کو دوست رکھتی ہے۔] (جذب القلوب، ص:۱۶۶)

حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے: [میں شکار کیا کرتا تھا اور شکار سے حاصل ہونے والا گوشت حضور رسالت مآبﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں کافی دنوں تک رسول اللہﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری نہ دے سکا اور جب حاضر ہوا تو رسول اللہﷺ نے اس تاخیر کا سبب دریافت فرمایا: ''اے سلمہ کہاں رہے ہو؟'' میں نے عرض کیا: یارسول اللہﷺ ان دنوں شکار کے لیے بہت دور تک جانا پڑتا ہے۔ مجھے اس کی تلاش میں اس مقام تک جانا پڑتا ہے جہاں سے ثیب کے قریب سے وادی قناۃ کا اجراء ہوتا ہے۔ آپ حضورﷺ نے فرمایا: اگر تم العقیق میں شکار کرنے جاؤ تو میں تمہارے ساتھ جاؤں گا اور میں وادی العقیق پر تمہیں الوداع کروں گا اور تمہاری واپسی تک میں وہیں انتظار کروں گا کیونکہ مجھے وادی العقیق سے بہت پیار ہے۔] (۲۲) اس حدیث مبارکہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہﷺ اس مبارک وادی سے کتنی محبت فرمایا کرتے تھے۔

وادی العقیق کے نواح میں واقع اراضی کے بہت سے قطعات کو رسول اللہﷺ نے اکثر مہاجرین اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم فرما دیا تھا۔ حضرت سعید ابن زیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ میں سے ہر دو کے زرعی فارم وادی العقیق میں ذوالحلیفہ کے نزدیک واقع تھے۔ (۲۳) البلاذری نے ایسے بہت سے کنوؤں اور ندیوں کا ذکر کیا ہے جو کہ بہت سے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اراضی کو سیراب کرنے کے لیے مختص تھے جیسا کہ بیر عروہ بن زبیرؓ، حوض عمرو بن الزبیرؓ اور خلیج حضرت نائلہؓ زوجہ محترمہ سیدنا عثمان بن عفانؓ وغیرہ۔ خلیج نائلہؓ تو ایک کافی طویل ندی تھی جس سے سیدنا عثمان بن عفانؓ کی اراضی سیراب ہوا کرتی تھی۔ (۲۴) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا انگوروں کا باغ بھی وادی العقیق میں ہوا کرتا تھا۔ اس باغ کا انگور بہت ہی اعلیٰ قسم کا ہوا کرتا تھا جس سے انہیں کافی منافع ہوتا تھا، یہاں تک کہ عموماً اس سے ۰۰۰،۱ دینار تک کی آمدنی ہو جایا کرتی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک بار ان کو معلوم ہوا کہ ان کے انگوروں سے بعض

حضرت عروہ بن زبیرؓ کے محل کے کھنڈرات
تصویر:۲۰۰۱ء

نوجوان شراب کشید کرلیا کرتے تھے۔ اس بات کا انہیں اتنا صدمہ پہنچا کہ سود وزیاں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انہوں نے اپنے باغ سے کھجوروں کی تمام بیلیں اکھاڑ کر جلادیں اور اس باغ کو ویران کردیا۔

العقیق کی اراضی سے جو کہ ذوالحلیفہ کے قریب تھی ایک حصہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو بھی ملا تھا جنہوں نے وہاں اپنا زرعی فارم بنالیا تھا۔ سیدنا عثمان بن عفانؓ کے دور خلافت میں سیدنا علی کرمہ اللہ وجہہ نے اپنی اس اراضی کو سیراب کرنے کے لیے اس کے مختلف علاقوں میں ۲۳ کنویں کھدوائے اور یوں یہ علاقہ سرسبز وشاداب ہوگیا۔ ہر طرف سبزہ لہراتا تھا۔ اس کی پیداوار جو کہ زیادہ تر سبزیاں اور پھل ہوا کرتے تھے اہل مدینہ کو مہیا کئے جاتے تھے۔ یہ تیئس کنویں نہ صرف شیر خدا سیدنا علیؓ کی اراضی کو سیراب کرتے تھے بلکہ اردگرد کے باسیوں کی آبی ضروریات کی کفایت بھی کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ یہ کنویں اتنی شہرت پاگئے کہ یہ تمام علاقہ ''آبارعلیؓ'' کے نام سے جانا جانے لگا جو کہ آج بھی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں سے بہت سے کنویں سوکھ گئے اور کچھ معدوم ہوگئے۔ ۹۸۲ ہجری میں مدینہ طیبہ کے اشراف (سادات خاندان کو حجاز میں اشراف کہا جاتا ہے) کے ایک فرد احمد بن سعد الحسینی نے اس وقت کے ایک وزیر محمد پاشا کے ایماء پر ان کنوؤں کی مرمت کروائی اور ان میں سے چند میں سطح آب تک رسائی کے لیے زینے بھی لگوادیئے۔ آج بھی یہ علاقہ آبار علی کے نام سے ہی مشہور ہے۔ ان میں سے بہت سے کنویں تو وقت کی ستم ظریفی کی نذر ہوچکے ہیں جب کہ باقیوں میں سے بھی چند اور متروک الاستعمال ہیں۔ تاہم ان میں سے کچھ میں ابھی تک پانی موجود ہے اور پینے میں اپنی ایک خاص لذت رکھتا ہے۔ مدینہ طیبہ کی بلدیہ کے پانی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ان میں سے چند میں ٹیوب ویل نصب کروائے گئے تھے۔ خوبصورت کھجوروں کے جھرمٹ میں یہ کنویں آج بھی اپنے حسن وجمال سے اردگرد کے ماحول کو پر کیف اور پرسرور بنارہے ہیں۔ یہ علاقہ ذوالحلیفہ سے زیادہ دور نہیں اور اگر زائر کے پاس وقت ہو تو پندرہ بیس منٹ کی پیدل مسافت پر ان کنوؤں کی زیارت کی جاسکتی ہے۔

آبار علی کے ان باغات کی موجودہ حیثیت پرائیویٹ پراپرٹی کی سی ہے کیونکہ ان باغات کا کچھ حصہ مرحوم منصور الفریدی نے خرید لیا تھا۔ آج بھی بہت سے زائرین اس جگہ جاکر ان کنوؤں کے پانی سے فیضیاب ہوتے ہیں اور بعض حضرات تو اس کا پانی بھر کر دور دراز ساتھ لے جاتے ہیں اور علاقے کے لوگوں میں اس پانی سے شفاء حاصل ہوجانے کے بہت سے قصے بھی مشہور ہیں۔ تاہم ہم یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھیں گے کہ چونکہ بہت سے زائرین اس جانب کا رخ کرتے تھے جس سے مطوع حضرات چیں بجبیں ہوتے تھے لہٰذا انہوں نے (۲۰۰۱ء) میں وہ پائپ جو کہ ایک بیر علی سے پانی لاکر باہر کی ٹونٹیوں سے آنے جانے والوں کے لیے پینے کا پانی مہیا کرتا تھا منقطع کردیا ہے اور اس کی بجائے پیچھے سے اسے بلدیہ کے پانی کے ساتھ منسلک کردیا گیا ہے، جس سے شیدایان علی کرم اللہ وجہہ اصلی ابیار علی کے پانی سے محروم کردیئے
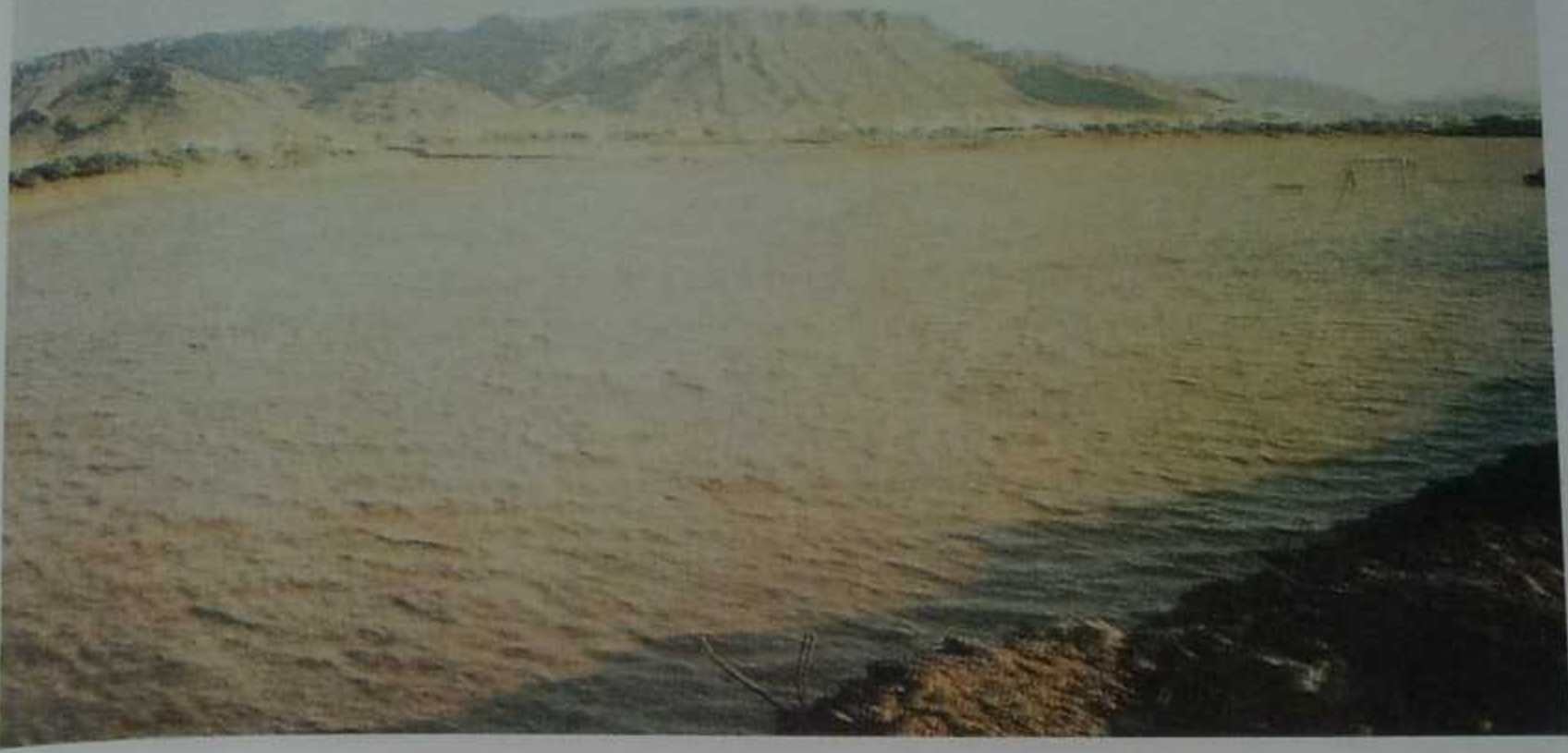
وادی عتیق کا بارش
کے بعد ایک
خوبصورت منظر

گئے ہیں. البتہ اگر نماز کا وقت ہو تو اندر جا کر نماز کرنے کا ارادہ ہو تو باغ کے اندر چھوٹی سی مسجد میں وضوء کا پانی انہیں کنوؤں سے مہیا کیا جاتا ہے.

تاریخ مدینہ طیبہ کے ابتدائی چند سالوں میں ایک اور مشہور واقع بھی وادی العقیق سے جڑا ہوا ہے. رسول اللہ ﷺ نے وادی العقیق کی اراضی کا بہت سا حصہ حضرت بلال بن حارث المزنی ؓ کو عطا کر دیا تھا. اس عطا نامے کی نص کا ترجمہ درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس وثیقے کی رو سے محمد الرسول اللہ (ﷺ) بلال بن الحارث المزنی کو العقیق سے اراضی عنائت کرتے ہیں تا کہ وہ ان سے استفادہ کر سکیں.

مہر: محمد رسول اللہ (ﷺ)

تحریر کنندہ: معاویہ بن ابوسفیان ؓ

چونکہ یہ زرعی اراضی دو مختلف وقتوں میں حضرت بلال بن الحارث ؓ کو عطا ہوئی تھی، اس لیے دوسرے حصے کے لیے ایک اور عطاء نامہ تیار کیا گیا تھا جس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

النہل اور جزعہ کے علاقے بلال المزنی کو دیئے جاتے ہیں. اس کے علاوہ المزعہ اور غیلہ کے علاقے بھی انہیں عنائت کئے جاتے ہیں. ان منطقوں میں جو بھی نشیب و فراز کی زمین ہے وہ سب انہیں کی ہوگئی. اس علاقے میں واقع کانیں بھی ان کی ہوں گی بشرطیکہ ان کا قبیلہ اسلام پر کاربند رہے گا.

مہر: محمد رسول اللہ (ﷺ)

تحریر کنندہ: ابی بن کعب ؓ

وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ سیدنا عمر فاروق ؓ کی خلافت راشدہ کا دور آ گیا، مگر وہ تمام زمین ویسے کی ویسے ہی پڑی رہی اور حضرت بلال المزنی ؓ یا ان کے اہل خانہ اس سے خاطر خواہ استفادہ نہ کر سکے. چنانچہ سیدنا عمر فاروق ؓ نے حکم دے دیا کہ چونکہ وہ لوگ اس زمین کو کاشت کر کے اس سے پیداوار حاصل کرنے میں ناکام رہے تھے جو کہ قدرتی وسائل کے ضیاع کے مترادف ہے لہذا اس زمین کے کچھ حصے کا عطاء نامہ بحق سرکار ضبط کر لیا جائے. بنی مزنہ کا استدلال یہ تھا کہ وہ عطاء جو کہ رسول اللہ ﷺ نے کی ہو کسی کو اس کے چھیننے کا حق نہیں جب کہ خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق ؓ کا استدلال یہ تھا کہ یہ زمین محض نمائش کے لیے انہیں نہیں دی گئی تھی بلکہ اس کا مقصود یہ تھا کہ اس سے استفادہ کیا

قصر عروہ بن زبیر بن عوامؓ کے کھنڈرات ۱۹۵۵ء

جائے۔ اس لیے بنی مزنی کو وہ حصہ واپس کرنا پڑا جو کہ وہ اس وقت تک زیر استعمال نہ لا سکے تھے۔ یہ حصہ واپس لیے جانے کے بعد بھی بنو مزنی کے پاس کافی زمین باقی بچ رہی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بہت سی اراضی، پہاڑیاں اور معدنی کانیں عطا فرمائی تھیں۔ حضرت بلال بن الحارثؓ کی اولاد نے باقیماندہ اراضی کا ایک حصہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا جو کہ اپنی لگن اور محنت شاقہ سے اس زمین میں موجود ایک یا دو کانوں سے معدنیاتی وسائل کو بروئے کار لانے میں کامیاب ہو گئے۔ جب بنی مزنی کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے رجوع کیا اور دلیل پیش کی کہ جب انہوں نے وہ زمین فروخت کی تھی تو یہ بات ان کے علم میں نہ تھی کہ وہ زمین معدنی وسائل سے مالا مال ہے۔ چونکہ سودا طے کرتے وقت اس زمین کی اصلی قدر و قیمت ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اس لیے وہ اس سے مناسب مالی منفعت حاصل کرنے سے محروم رہ گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے استدعا کی کہ انہیں اس کا مناسب معاوضہ دیا جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو اپنے ان اخراجات سے مطلع کیا جو کہ ان وسائل کو بروئے کار لانے میں صرف ہوئے تھے اور پھر اپنے اخراجات کو نکال کر ان کانوں سے حاصل شدہ منافع کا مناسب حصہ ان کو عطا کر دیا۔ (۲۷)

وادی العقیق کی دیکھ بھال کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت حیضم المزنیؓ کو وہاں کا والی مقرر کیا تھا۔ بعد کے ادوار میں اگرچہ مدینہ طیبہ کا والی (گورنر) ہوا کرتا تھا مگر وادی العقیق کے لیے ایک الگ والی مقرر کیا جاتا تھا۔ تاہم ۱۹۸ ہجری میں یہ عہدہ ختم کر دیا گیا۔ ایسا عباسی دور میں داؤد بن عیسیٰ کے گورنری کے دوران ہوا۔ (۲۸)

وادی مکیمین ۲۰۰۱ء

مدینہ طیبہ کی ارض مقدس پر واقع تاریخی کنوؤں میں سے دو کنویں اسی وادی العقیق میں واقع ہیں جو کہ بیر الرومہ (سیدنا عثمانؓ کا کنواں) اور بیر العروہ بن الزبیرؓ ہیں۔ بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زرعی اراضی اور مکانات اور محلات بھی اسی وادی مبارکہ میں الجرف کے منطقہ میں تھے، جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۲۹) کی اراضی یا حضرت ابو ہریرہؓ کی اراضی اور محل وغیرہ۔ بہت سے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہاں دائمی رہائش اختیار کر لی تھی اور بعض کے محلات تو بہت عالیشان ہوا کرتے تھے۔ حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (جو کہ عشرۃ مبشرہ میں شامل تھے)، حضرت عروہ بن زبیرؒ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ کے صاحبزادوں میں سے چند نے وہاں عظیم الشان محلات (قصور) تعمیر کروا لیے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے باغات سے اعلیٰ قسم کا انگور حاصل ہوتا تھا۔ مسعودی (ت: ۳۴۶ ہجری) رقمطراز ہیں: ''اور سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنا محل العقیق میں تعمیر کروایا۔ اس کی دیواریں بہت بلند تھیں۔ یہ
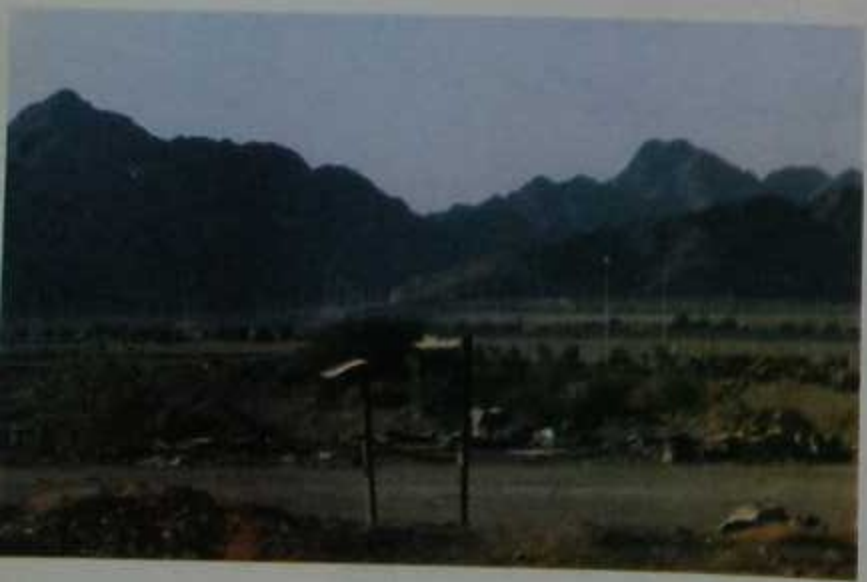
وادی عتیق میں
مسجد عروہ بن زبیرؓ
کے کھنڈرات اس سے
متصل قبرستان میں
آپ مدفون ہیں

ایک بہت ہی وسیع و عریض محل تھا جس کی چھت پر گیلریاں بنی ہوئی تھیں.''(۳۱)

پہلی صدی ہجری کے اختتام تک وادی العقیق کا علاقہ بہت پوش رہائشی علاقہ بن چکا تھا جہاں جگہ جگہ عالی شان محلات نظر آتے تھے. ان میں سے بہت سے محلات تو قدیم الطموں کی طرز پر قلعوں کی طرح بنائے گئے تھے. وادی العقیق کے میدانی علاقوں (اور بالخصوص العرصہ) میں رہائشی مکانات اور محلات کے لیے زمین کم پڑ رہی تھی جس کی وجہ سے یہاں موجود زمین کی الاٹمنٹ کے لیے طریقہ کار اتنا پیچیدہ بنا دیا گیا تھا کہ نئے درخواست کنندگان کی حوصلہ شکنی ہو جاتی تھی. ایسے پلاٹوں کی منظوری دمشق سے خلیفہ وقت سے براہ راست لینی ہوتی تھی.(۳۲) امویوں کے عمل دخل کی وجہ سے زیادہ تر یہ پلاٹ امویہ خاندان کے امراء اور رؤساء یا ان کے ہمنواؤں کے قبضے میں آگئے تھے. محلات کی عمارات کی شان وشکوہ کا اندازہ المطری کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے جس کے مطابق سعید بن العاص نے (جو کہ حضرت معاویہؓ اور یزید پلید کے دور میں مدینہ طیبہ کا گورنر تھا) اپنے محل کی تعمیر پر ۲۰۰،۰۰۰ دینار کا زر کثیر خرچ کیا تھا. جب یہ محل تعمیر ہوا تو سعید بن العاص ہی العقیق کا والی بھی تھا. ان دنوں میں العقیق کے علاقے میں بسنے والوں کی تعداد میں ہوشربا اضافہ ہوا اور یہاں کی آبادی ۴۰،۰۰۰ نفوس تک پہنچ گئی. وادی العقیق کی خوبصورتی زبان زد عام تھی اور یہی وجہ ہے کہ اس دور کے اکثر شعراء نے اسے اپنے عشقیہ اشعار کا موضوع بنایا تھا. ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وہ باد بہاری جو العقیق سے گزر کر آتی ہے
مجھے اس کا اور زیادہ دیوانہ بنا دیتی ہے
اور یہ میرے جذب و مستی کو ایک نئی مہمیز لگا جاتی ہے.

وغیرہ وغیرہ

بارانی مواسم میں چونکہ اس وادی مبارکہ میں طغیانی کا خدشہ رہا کرتا تھا اس لیے ایسے تمام محلات اس کے کناروں پر تعمیر ہوئے تھے. مورخین مدینہ طیبہ نے ان محلات اور عمارات میں بعض کے نام بھی گنوائے ہیں جو کہ وہاں پہلی اور دوسری صدی تک مقیم رہے تھے. ان میں سے چند مشاہیر کے نام گرامی یہ ہیں:

(۱) محل عروہ بن زبیرؓ
(۲) محل عاصم بن عمرو بن عثمان بن عفانؓ
(۳) محل عنبسہ بن عمرو بن عثمانؓ
(۴) محل عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن عثمانؓ

وادی عقیق کا
ایک اور منظر
۲۰۰۳ء

(۵) محل سعید بن العاص

(۶) محل عنبسہ بن سعید بن العاص جو کہ بیر الرومہ کے قریب تھا

(۷) محل ابی بکر بن عبداللہ بن مصعب الزبیری

(۸) محل اسحاق بن ایوب المخزومی (ان کے اس علاقے میں بہت سے محلات تھے)

(۹) محل ابراہیم بن ہشام

(۱۰) محل سیدۃ سکینہ بنت الحسین بن علی ابن ابی طالبؓ (حرہ وبرہ کی غربی جانب)

(۱۱) محل مروان بن الحکم

(۱۲) محل عبداللہ بن عامر (بیر الرومہ کے قریب)

(۱۳) محل عبداللہ بن سعید بن العاص

حضرت عروہ بن زبیرؓ نے عبداللہ بن عباس بن علقمہ سے بہت سی اراضی خریدی تھی اور اس میں ایک بہت ہی عالیشان محل تعمیر کروایا تھا. ابتدائی مورخین کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا محل سب سے زیادہ خوبصورت ہوا کرتا تھا. روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی خالہ (ام المومنین سیدۃ عائشہؓ) کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا. جب انہوں نے ان کے محل کی شان وشکوہ اور اپنے لیے تیار کرائے گئے انواع واقسام کے کھانوں کو دیکھا تو ان سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنا منہ دیوار کی طرف کر کے بے اختیار رونے لگ گئیں اور فرمانے لگیں: [رسول اللہ ﷺ نے نہات ہی صبر اور کفایت شعاری میں اپنی زندگی گزاری تھی درآں حالیکہ آپ حضور ﷺ کا حکم پورے جزیرۃ العرب پر چلتا تھا اور آپ حضور ﷺ کے اہل خانہ دو کھجور کے دانوں اور سادہ پانی پر پورا پورا دن گزرا کرتے تھے.] یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ان دنوں العقیق کی آبادی ہزاروں نفوس تک پہنچ گئی تھی اور وہاں بسنے والے اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بہت سوں کی تدفین بھی اسی وادی العقیق کے کنارے ہوئی تھی. حضرت عروہ بن زبیرؓ بھی اپنے کنویں کے قریب ہی ایک قبرستان میں دفن ہوئے تھے (۳۴) اس قبرستان کے نشانات آج بھی موجود ہیں.

محلات کے علاوہ وادی عقیق کے قرب وجوار میں چند اصحابہ کرام اور تابعین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زرعی فارم بھی تھے جن میں سے مزارع ابی ہریرہؓ، مزارع عروہ بن الزبیرؓ بساتین عبداللہ بن بکیرؓ اور بستان سعید بن العاص بہت مشہور تھے.

ان تمام محلات کے کھنڈرات صدیوں سے زائرین کی توجہ کا مرکز رہے ہیں. بارھویں صدی تک تو ان آثار قدیمہ کی نگہداشت بہت

اہتمام سے کی جاتی رہی مگر اس کے بعد ان کی دیکھ بھال سے ہاتھ کھینچ لیا گیا اور یوں تاریخ مدینہ طیبہ کی یہ قدیم وراثت بے اعتنائی کا شکار ہو کر رہ گئی۔ سعید بن العاص کے محل کے کھنڈرات شاہی محل (قصر الضیافہ) میں مندمج ہو چکے ہیں۔(۳۵) دیگر میں سے چند کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں مگر زبوں حالی میں مبتلاء موسم کی صعوبتوں اور قدرتی حوادث کے رحم و کرم پر یہ کھنڈرات بھی روبہ تعدیم ہیں۔ رہی سہی کسر مدینہ طیبہ کی عمرانی ترقی نے نکال دی ہے۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ مدینہ طیبہ میں عمرانی ترقی کی جدید لہر سے وادی عقیق کی قسمت ایک بار پھر جاگ اٹھی ہے۔ سعودی دور میں شاہی محل کے علاوہ بڑے بڑے تعلیمی ادارے اور مجمع القرآن اسی وادی کے عرصوں میں آباد کئے گئے ہیں۔ مدینہ طیبہ کا سب سے بڑا ہسپتال مستشفیٰ ملک فہد بھی اسی وادی کے عرصہ میں بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے زرعی فارم اور بنگلے بھی اسی علاقے میں تعمیر ہوئے ہیں۔ قدیم تاریخی ورثوں کے علاوہ اس بابرکت وادی العقیق کی عظمت آج بھی قائم و دائم ہے کیونکہ اس میں چند ایسے مقامات ہیں جو کہ اسے تا بہ ابد زندہ رکھیں گے، مثلاً: میقات ذوالحلیفہ، آبار علی کرم اللہ وجہہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ اور جبل الحرم جہاں سے مسجد نبوی شریف اور بالخصوص حجرہ مبارکہ کے لیے سرخ پتھر نکالا گیا تھا۔

وادی بطعان میں تعمیر شدہ برساتی نالہ ۱۹۹۰ء

وادی بطحان

حضرت زبیر بن بکارؒ نے حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت کی ہے: [بطحان جنت کے خطوں میں سے ایک خطہ ہے۔] (۳۶) شہر حبیب سے تقریباً سات میل دور جبل عیر کے دامن میں واقع سنگلاخ حرے سے نکل کر یہ وادی العالیہ کی ایک جانب سے گزرتی ہوئی مسجد نبوی شریف کی غربی جانب سے گزر کر (جہاں سے اس کا نام وادی ابوجیدہ ہو گیا تھا) اس کا بہاؤ بل کھاتا ہوا اور جبل سلع کو چھوتا ہوا الزغیبہ کے ڈیلٹا میں وادی العقیق میں چلا جاتا تھا۔ راستے میں بہت سے چھوٹے چھوٹے ندی نالے اس میں آ کر شامل ہو جاتے تھے۔ مدینہ طیبہ کی وادیوں میں یہ وادی درمیانے درجے کی وادی تصور ہوتی تھی قبل از اسلام کے یثرب قدیم میں جب یہود بے بہبود شمال سے آ کر یہاں آباد ہوئے تو انہوں نے اپنی آبادیاں وادیوں کے کنارے بسائیں۔ بنونضیر نے وادی بطحان کے کنارے آبادکاری کی جب کہ بنی قریضہ نے وادی مہزور کے نزدیک ڈیرے ڈال لیے۔ بنونضیر نے وادی بطحان کے آس پاس بہت سے اطم بنائے اور بستان اگائے تھے۔ العوالی میں وادی صعیب اور وادی بطحان کے سنگھم کے قریب بنوقینقع آباد تھے۔ بہت سی احادیث مبارکہ میں اس مبارک وادی کا ذکر ملتا ہے: مثلاً یہ کہ غزوہ الاحزاب کے دوران رسول اللہ ﷺ اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس کے پانی سے اکثر بار وضوء فرمایا تھا۔ (۳۷)

ماضی میں جب بارانی پانی جمع ہو جاتا تھا اور العوالی میں پانی کے نکاس کا کوئی مناسب بندوبست نہ تھا تو یہ جمع شدہ پانی تقریباً سارا سال آہستہ آہستہ بہتا رہتا تھا۔ اس میں سیوریج کا پانی بھی مل جاتا تھا۔ سارا پانی جمع ہو کر نہر کی صورت میں مسجد نبوی شریف کی غربی جانب مسجد الغمامہ کے پاس سے گزرتا تھا جہاں اس پر ایک قدیم پل بنا ہوا تھا تاکہ لوگوں کی آمد و رفت میں آسانی ہو۔ اس سے آگے ڈھلوان کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا جہاں اس کی طغیانی اکثر قیامت ڈھاتی رہتی تھی۔ اسی وجہ سے جبل سلع کے دامن میں تمام علاقہ اکثر و بیشتر زیر آب آیا رہتا اور اسی مناسبت سے اس کا نام بھی 'السیح' (یعنی طوفان زدہ علاقہ) کہلاتا تھا۔

اوپر دی گئی تفاصیل سے قاری کے ذہن میں یہ خیال ضرور ابھرتا ہوگا کہ شاید اب بھی یہ وادی مدینہ طیبہ میں موجود ہوگی۔ دراصل اس علاقے میں اب کسی وادی کا نام و نشان تک نہیں ملتا کیونکہ اس پورے علاقے کو ہموار کر کے ترقی بخش دی گئی ہے۔ جدید ٹاؤن پلاننگ نے تو

وادی بطحان

رہی سہی کسر نکال دی ہے اور العوالی میں تو اس کا وجود برائے نام سا رہ گیا ہے (صرف وادی صعیب - خاک شفاء کا منطقہ - کے قریب اس کے کچھ بچے کھچے آثار پائے جاتے ہیں) جہاں اس کی حیثیت محض سیور یج کے نالے کی رہ گئی ہے جو کہ العوالی اور قربان کے علاقوں کا غلیظ پانی بہا کرلاتا ہے۔(۳۸)

وادی بطحان جس کی مٹی کو سرکار دو عالم ﷺ نے خاک شفا فرمایا
۱۹۸۰ء

وادی مذینب

العوالی کی زرخیز اراضی کو سیراب کرنے میں وادی مذینب کا کردار بھی بہت اہم رہا ہے۔ وہاں سے اس کا فالتو پانی مدینہ طیبہ کی جانب آجاتا اور وادی بطحان میں شامل ہو جاتا تھا۔ انتہائی جنوب میں واقع حرہ شوران سے یہ وادی نکلتی تھی اور طویل سفر کے بعد وادی بطحان میں ضم ہو جاتی تھی۔ اکثر و بیشتر اس میں سارا سال پانی بہتا رہتا تھا۔ اس کے آبی وسائل کے پیش نظر یہودیوں کے قبیلے بنی نضیر نے اس کے کنارے آبادکاری کر لی تھی۔(۳۹) اور صدیوں کی کاشتکاری سے اس وادی کے اردگرد بہت سی اراضی اس کے کناروں پر قابل کاشت ہوگئی تھی جہاں بنی نضیر نے کھجوروں کے باغات اور غلے وغیرہ کے لیے کھیت بنا رکھے تھے۔ دراصل اس کو آباد بنی نضر کے یہود نے کیا تھا اور اسی کے گردان کے اطام اور گھر ہوا کرتے تھے۔ کعب بن الاشرف یہودی کے قلعے کے کھنڈرات اسی وادی مذینب میں ہی ہیں۔

وادی مذینب میں یہودی کعب بن اشرف کے قلعے اور محل کے کھنڈرات
۲۰۰۲ء

وادی مہزور

وادی مذینب کی طرف حرہ شوران سے نکل کر وادی مہزور شرقی حرہ کی جانب نکل پڑتی تھی۔ بنو قریضہ کے علاقہ سے گزر کر مسجد نبوی شریف کے پاس سے بل کھاتی ہوئی یہ ندی سافلہ (ڈھلوان) کے علاقے میں مسجد ابو ذر الغفاریؓ کے پاس سے آگے نکل جاتی اور

وادی مذینب
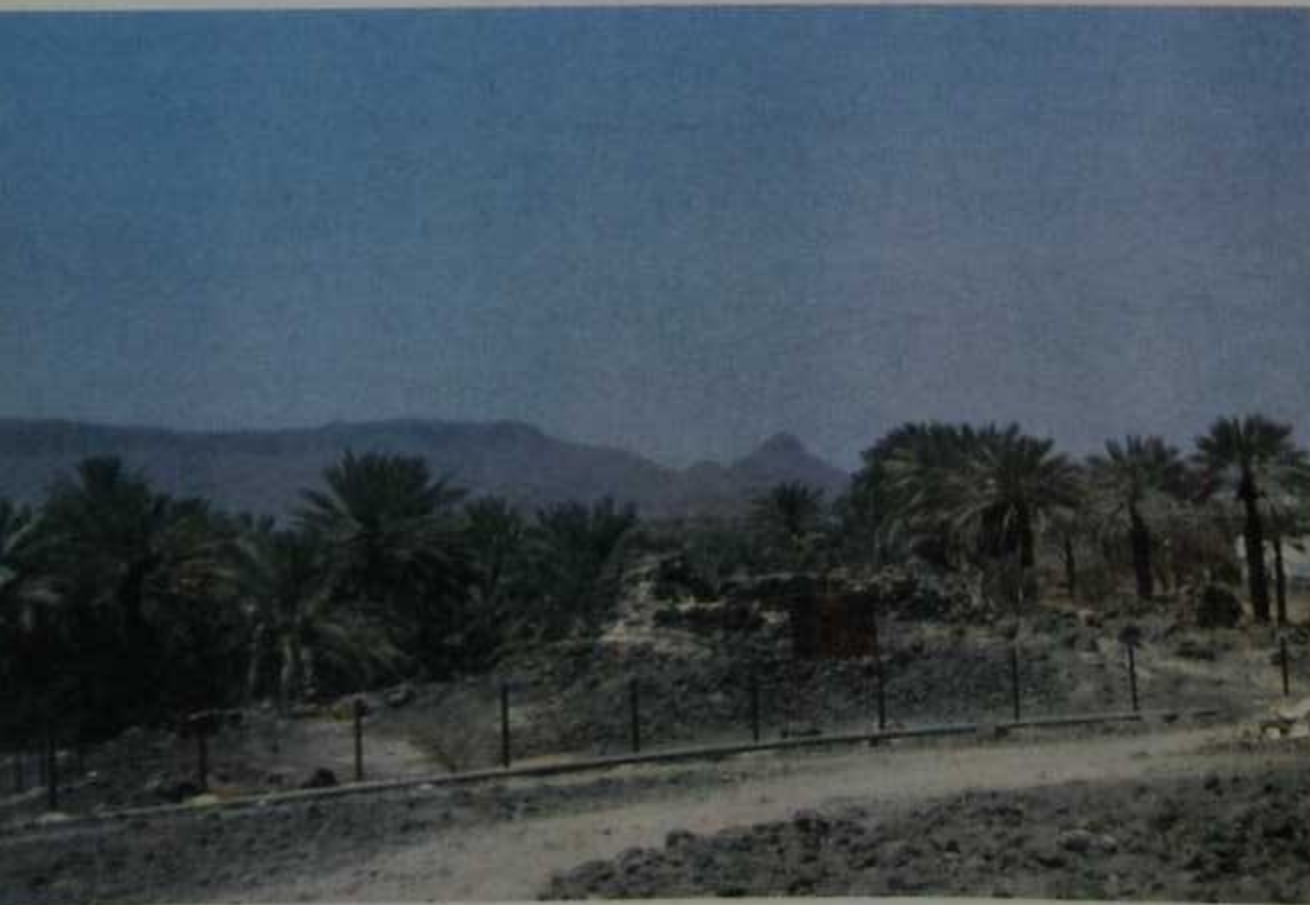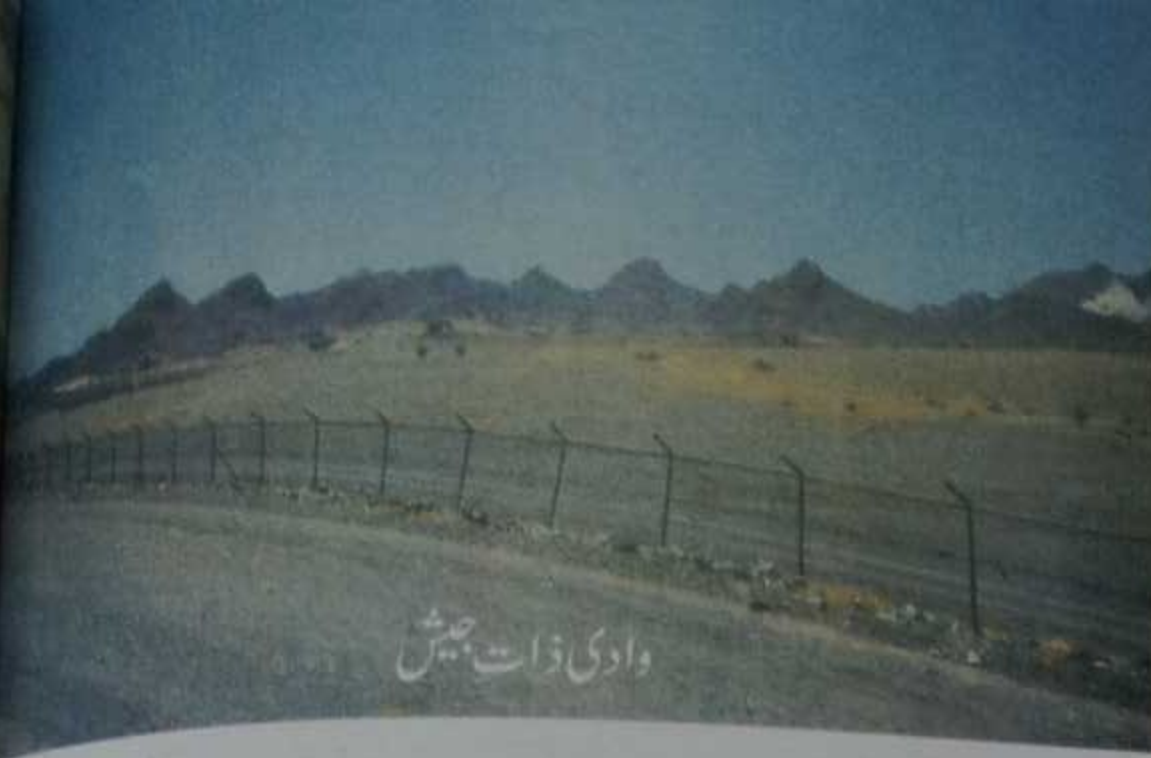
وادی ذات جیش

وادی قناۃ

وادی قناۃ میں ضم ہو جاتی تھی. (۴۰) العوالی کے علاقہ سے گزرتے ہوئے اور لوگوں کی اراضی کو سیراب کرنے کے علاوہ صدقات رسول اللہ ﷺ میں سے مشربہ ام ابراہیمؓ کو بھی یہی وادی سینچتی تھی. (۴۱) بارش کے دنوں میں اس میں طغیانی کا پانی ڈھلوانی علاقوں کو زیروزبر کردیتا تھا اور کبھی کبھار تو مسجد نبوی شریف اور بقیع الغرقد کے درمیان واقع علاقے تک اپنی مار کا اثر دکھا دیتا تھا. حضرت عبداللہ بن صائب المخزومیؓ سے مروی ہے کہ کئی بار ایسا ہوا کہ وادی مہزور کا پانی مسجد نبوی شریف میں داخل ہو گیا تھا. (۴۲) ایک بار سیدنا عثمانؓ کے دور میں جب شدید بارشیں ہوئیں اور اہل مدینہ سخت خائف ہو گئے تھے کہ کہیں وادی مہزور کی طغیانی مسجد نبوی شریف کے گرد کی آبادیوں کو بہا نہ لے جائے، تو سیدنا عثمانؓ نے فوری اقدام کئے اور العوالی میں ایک مقام پر اس کے آگے بند بنا دیا گیا جس سے اس کا پانی وادی بطحان کی طرف مڑ گیا. یوں کسی وادی کے پانی کو روکنے کے لیے مدینہ طیبہ میں جو پہلا ڈیم بنایا گیا تھا وہ سیدنا عثمان ابن عفانؓ کے احکام سے وادی مہزور پر بنا تھا. یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی شریف کی تعمیر نو کی تو انہوں نے مسجد شریف کی شرقی دیوار کو دیگر دیواروں کی نسبت بہت مضبوط اور موٹا کر کے بنوایا تھا تا کہ مستقبل میں طغیانی کے بہاؤ کا مقابلہ کر سکے. (۴۳) پھر ۱۵۶ ہجری میں جب عبدالصمد بن علی بن عبداللہ ابن عباس مدینہ طیبہ کے گورنر بنے تو ان کے دور میں بھی وادی مہزور میں شدید طغیانی آ گئی جس سے العوالی میں واقع صدقات النبی (بشمول مشربہ ام ابراہیم) پانی میں ڈوب گئے تھے اور لوگوں کو بہت جدوجہد کے بعد اس کا پانی وادی بطحان کی طرف موڑنے میں کامیابی ہو پائی تھی. لہذا ابو جعفر المنصور نے مستقبل میں ایسے خطرات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک اور بند (ڈیم) بنوانے کا حکم دیا. (۴۴) اس کے باوجود بھی اس کا پانی جب اس کی قدرتی قدیم گزرگاہ سے بہتا تو تھوڑی بہت طغیانی کے دنوں میں بھی اس کا پانی اس کے کناروں سے نکل کر مسجد نبوی شریف اور بقیع الغرقد کے قریب کے علاقوں میں مختلف ندی نالوں میں تقسیم ہو جاتا تھا اور السافلہ کے علاقوں میں تباہی مچاتا العریض کی جانب جا نکلتا اور پھر وہاں کی آبادیوں کو زیر آب کرتا ہوا وادی قناۃ میں جا گرتا تھا. (۴۵)

بنی قریضہ کے یہودی اس وادی کے کنارے آباد تھے. دیگر یہودی قبائل کی نسبت یہ قبیلہ زیادہ امیر تھا اور ان کی زرعی اراضی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی جہاں آب پاشی کو بہتر بنانے کے لیے انہوں نے جابجا کنویں بھی کھود رکھے تھے. وادی مہزور سے شروع ہو کر ان کی آبادی مشرقی جانب جبل بنو قریضہ تک چلی گئی تھی. سوائے چند کنوؤں کے اتنا وسیع اور عریض علاقہ صرف یہی وادی سیراب کیا کرتی تھی.

وادی رانونا

وادی رانون یا وادی رانونا کے نام سے مشہور یہ وادی بھی حرہ شوران کے علاقے سے آتی تھی اور جبل عیر کی شرقی جانب سے گزر کر مسجد قباء کو اپنی شرقی جانب چھوڑتی ہوئی یہ اپنا طغیانی کا پانی مسجد الغمامہ تک پہنچنے سے پہلے وادی بطحان میں پھینک دیتی تھی. پھر یہ مجمع

وادی البیداء

وادی رانونا

پانی وادی جیدہ کے نام سے جبل سلع کی غربی جانب سے گزرتا ہوا وادی العقیق میں ضم ہو جاتا تھا۔ یہ وہی وادی تھی جس کے کنارے بنی سالم بن عوف کا قبیلہ آباد تھا۔ ہجرت مبارکہ کے موقع پر اس سے تھوڑی دور ہی جنوب کی طرف رسول اللہ ﷺ حضرت کلثوم بن الہدمؓ کے ہاں قیام فرما تھے۔ جب سرکار دو عالم ﷺ مسجد قباء کی بنیاد رکھ کر اسے مدینہ طیبہ کی دوسری مقدس مسجد بنا چکے تو سرکار دو عالم ﷺ حق پرستوں کے قافلے کے ساتھ مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اپنے میر کارواں کی سربراہی میں یہ قافلہ جان نثاراں وادی رانونا کے پاس سے گزرا تو وہاں کے باسی بنی سالم بن عوف کے عمائدین دست بستہ عرض کرنے لگے کہ آسمان رسالت کا آفتاب عالم تاب کچھ دیر کے لیے ان کے گھروں کو بھی منور و تاباں کرتا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ تھوڑی دیر کے لیے ان کے ہاں رکے اور اپنا پہلا جمعہ مدینہ طیبہ میں وادی رانونا کے کنارے ادا فرمایا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں شمع رسالت کے پروانوں نے بعد میں مسجد جمعہ تعمیر کروائی تھی۔ اپنی تکوین و تعمیر کے لحاظ سے دوسری مگر نماز جمعہ کے لحاظ سے یہ پہلی مسجد تھی جہاں انصار و مہاجرین نے مل کر میر امم صاحب الجود والکرم ﷺ کی اقتداء میں پہلی نماز جمعہ ادا کی تھی۔

وادی قناۃ

طائف کی جانب کے پہاڑوں سے نکلنے والی یہ وادی ایک طویل سفر کرنے کے بعد میدان کارزار احد کے پاس ارض حرم نبوی شریف میں داخل ہو جاتی ہے۔ حمد الجاسر کے مطابق یہ وادی وجہ (الطائف) سے نکلتی ہے۔ (۴۶) اسے وادی شظاۃ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے پہلے ادھر کے تمام علاقوں میں (خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں ۶۵۴ ہجری میں آتشفشانی انفجار کے عمل کے نتیجے میں نکلنے والا لاوا مسجد نبوی شریف سے تین میل کے فاصلے پر آ کر رک گیا تھا) یہ وادی اسی نام سے جانی جاتی ہے۔ ارض مدینہ طیبہ میں داخل ہو کر یہ جبل احد اور مدینہ طیبہ کے درمیان سے گزرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں یہ جبل احد اور جبل الرمایہ (جبل عینین) کے درمیان سے گزرتی تھی۔ تاہم چونکہ بہت بار اس میں طغیانی آتی رہی، پانی کے تیز بہاؤ نے اپنا کٹاؤ جاری رکھا اس لیے اس کا رخ بدلنا شروع ہو گیا اور ۷۳۴ ہجری میں اس کا رخ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوسری جانب ہو گیا اور یوں اب یہ وادی جبل عینین اور جبل احد کے درمیان سے گزرنے کی بجائے دونوں کو اپنے شمال میں چھوڑ کر کافی فاصلے سے گزر جاتی ہے۔

زمانہ قبل از اسلام کی ایک قدیم روایت کے مطابق یمنی بادشاہ تبع جب یثرب آیا تو اس وادی کو دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ قناۃ الارض ہے (روئے زمین کا نالہ)۔ یوں صدیوں سے اس کا نام قناۃ ہی رہا ہے۔ قناۃ کا مطلب بھی ندی نالہ (Channel) ہی ہوتا ہے۔ احادیث کے بحر ذخار سے بھی اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے دور مبارک میں بھی اسے قناۃ ہی کہا جاتا تھا جیسا کہ اس باب کے شروع میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے شکار حاصل کرنے کے لیے وادی

جبل رماہ سے شہر مصطفیٰ ﷺ کا منظر، درمیان میں وادی قناۃ اور اس کا پل نظر آرہا ہے
تصویر: ۲۰۰۳ء

قناۃ کے ساتھ ساتھ بہت دور تک نکل جایا کرتے تھے. غزوہ احد اسی وادی کے بطن اور کناروں پر لڑا گیا تھا. اگرچہ دیگر وادیوں کی طرح اس میں بھی طغیانی کا پانی بارانی دنوں میں آتا ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس کا گزر حجاز کے زرخیز ترین علاقوں سے ہوتا تھا اس لیے اہل مدینہ طیبہ نے اس کے پانیوں سے کاشتکاری کے لیے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے. طغیانی کے دنوں میں جب یہ بھرپور اور لب ریز ہو کر چلتی ہے تو جبل احد کے دامن میں حسن و جمال مزید نکھر آتا ہے.

حواشی

(۱) عام طور پر عربی کے لفظ 'وادی' سے اردو میں ان وادیوں کا تصور ابھرتا ہے جو کہ فارسی اور اردو ادب میں روایتی طور پر مستعمل ہے، مگر مدینہ طیبہ کی ارضیاتی ہیئت کے پس منظر میں اس کے معانی مختلف ہیں اور اس سے مراد ندی نالے اور بارانی طغیانی کے سیل رواں (مجاری السیول) ہیں جن کی حیثیت محض بارانی اور موسمی ہوتی ہے. لہٰذا ذہنوں سے اس بارے میں ابہام دور کرنے کے لیے ہم لفظ وادی کو اس کے عربی مرادفات یعنی ندی نالوں کے معانی میں استعمال کر رہے ہیں.

(۲) صحیح مسلم، ج:۱، نمبر ۱۳۳۹

(۳) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۱۴۳

(۴) ایضاً، ج:۳، نمبر ۱۱۳

(۵) ایضاً، نمبر ۵۳۲، ۵۳۹ و ۸۷۱

(۶) ایضاً، ج:۶، نمبر ۱۰۹. نیز سنن ابی داؤد، ۲۴، نمبر ۳۶۳۰.

(۷) سنن ابی داؤد، ۲۴/ ۳۶۳۱، ۳۶۳۲، ۳۶۳۳. جیسا کہ ابن شبہ نے وضاحت کی ہے یہ واقعہ وادی مہزور اور وادی مذینب کے سنگھم پر ہوا تھا. ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج:۱، ص:۱۷۱

(۸) الموطاء، ۳۶/ ۲۵-۲۸

(۹) صحیح بخاری، حدیث نمبر ۵۶۷ اور ۳۱۵۶ (بمطابق موسوعۃ الاحادیث)

(۱۰) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۱۷۵۶

(۱۱) قناۃ کا عربی زبان میں مطلب ہی نالہ (Channel) ہے.

(۱۲) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، ص:۱۷۵

(۱۳) الخیاری، تاریخ المدینۃ المنورہ فی شعر العربی، مدینہ طیبہ، ۱۹۹۳، ص:۵۳

(۱۴) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر ۵۳۲

(۱۵) سنن ابوداؤد، ۴۱/ ۴۷۹۰

(۱۶) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۶۰۹

(۱۷) ایضاً، ج:۹، نمبر ۴۴۴

(۱۸) ایضاً، ج:۳، نمبر ۵۲۹ و ج:۹، نمبر ۴۴۲

(۱۹) مجدالدین ابی طاہر محمد بن یعقوب الفیر وز آبادی (۷۲۹-۸۱۷ ہجری)، مغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد الجاسر، ص:۲۶۶. انہوں نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: الاصغر اور الاکبر. تاہم معاصر مورخین مدینہ (مثلاً احمد یاسین الخیاری) نے مزید تفصیل میں جانے کی کوشش کی ہے اور اسے تین جغرافیائی طبقوں میں تقسیم کیا ہے: الاصغر، الکبیر اور الاکبر، احمد یاسین احمد الخیاری، تاریخ معالم المدینۃ المنورہ قدیماً وحدیثاً، ص:۲۰۰)

(۲۰) صحیح بخاری، ج:۶، نمبر ۱۳۱ و ج:۶، نمبر ۱۳۲

(۲۱) ایضاً، ج:۲، نمبر ۶۱۷ و ۶۲۳

(۲۲) ابن شبہ، ج:۱، ص:۱۴۷

(۲۳) الموطاء امام مالک،۱۸/۴/۱۱_۱۱

(۲۴) البلاذری،فتوح البلدان،صفحات:۲۷_۲۸

(۲۵) السید محمد کبریت الحسینی المدنی (ت:۱۰۷۰ہجری) محاسن المدینۃ المنورہ،ص:۱۹۰

(۲۶) ایضاً،ص:۱۵۰

(۲۷) البلاذری،مصدر مذکور،ص:۲۷

(۲۸) ابن نجار،الدرۃ الثمینۃ فی تاریخ المدینۃ،ص:۹۸

(۲۹) صحیح بخاری،ج:۱،نمبر۳۳۲.وہ زمین جوکہ الجرف کے علاقے میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے قبضے میں تھی وہ دراصل سیدنا عمر فاروقؓ کی تھی جوکہ ان کے صاحبزادوں نے وراثت میں لی تھی۔

(۳۰) الموطاء امام مالک،۱۸/۴-۱۱''مروان نے کہا:اے ابومحمد میں تمہیں قسم دیتا ہوں:تم اس سواری کو استعمال کرو جوکہ میرے دروازے پر کھڑی ہے اور ابھی ابوہریرہؓ کے پاس جاؤ جوکہ اس وقت العقیق میں اپنی زمینوں پر ہیں۔''اس سلسلے میں وادی العقیق پر جامع کتاب محمد محمد حسن شراب کی ہے جوکہ''اخبار الوادی المبارک''(العقیق) کے نام سے مکتبۃ دارالتراث نے شائع کی ہے۔

(۳۱) ابی الحسن علی بن حسین بن علی المسعودی (ت:۳۴۶ہجری)۔وہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی اولاد سے تھے اور اس لیے مسعودی کہلاتے تھے۔
مروج الذہب ومعادن الجواہر،دارالکتب العلمیہ،بیروت،پہلا ایڈیشن،ج:۲،ص:۳۶۸

(۳۲) فیروزآبادی،مصدر مذکور،ص:۲۵۲

(۳۳) چونکہ عنبسہ نام کے بہت سے افراد نے اسی علاقے میں اپنے محلات تعمیر کروالیے تھے اس لیے اس علاقے کو ہمیشہ حی العنابس (عنبسوں کی کالونی) کہا جاتا تھا

(۳۴) ابن عبدربہ،کتاب العقد الفرید،انگریزی ترجمہ محمد شفیع،پنجاب یونیورسٹی،لاہور،۱۹۳۵ء،ص:۱۷۷

(۳۵) خیاری،ص:۱۷۷

(۳۶) فیروزآبادی،ص:۵۶

(۳۷) صحیح بخاری،ج:۵،نمبر۴۳۸

(۳۸) ڈاکٹر خلیل ملا خاطر،فضائل المدینۃ المنورہ،ج:۳،ص:۲۳۱.وہ لکھتے ہیں:اگر رسول اللہ ﷺ نے وادی بطحان یا وادی صعیب سے مٹی لی تھی تو یہ ایک ہی بات ہے کیونکہ دراصل وادی صعیب وادی بطحان ہی کی ایک شاخ تھی۔

(۳۹) فیروزآبادی،ص:۴۷۳

(۴۰) ایضاً

(۴۱) سمہودی،وفاء الوفاء،ص:۹۸۸

(۴۲) ابن شبہ،ج:۱،ص:۱۷۰

(۴۳) المراغی،ص:۱۸۷

(۴۴) ابن شبہ،ج:۱،ص:۱۷۰

(۴۵) انجینیر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی،معالم المدینۃ المنورہ،جزو اول،مجلد:۲،ص:۱۷۰

(۴۶) فیروزآبادی کے مغانم المطابہ کے ساتھ حمد الجاسر کا دیا گیا ضمیمہ،ص:۴۵۵

باب ۲۴
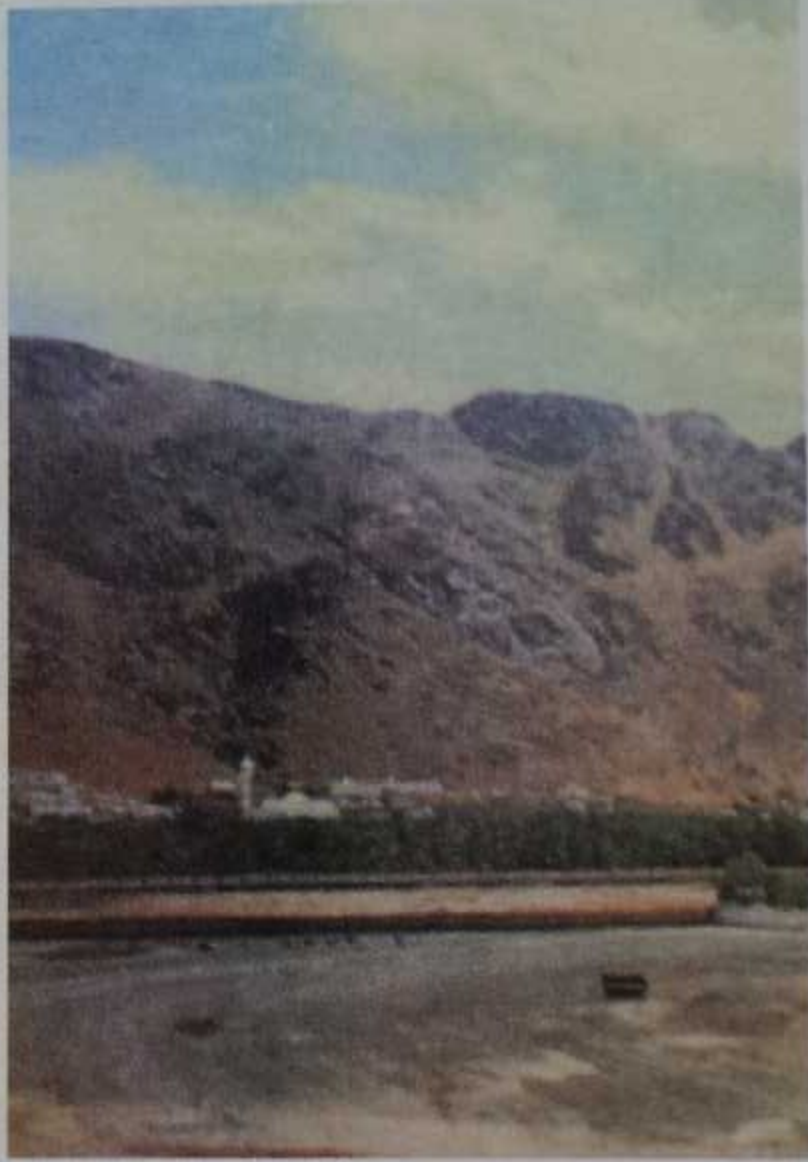
مدینہ منورہ کے کوہسار

احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں.
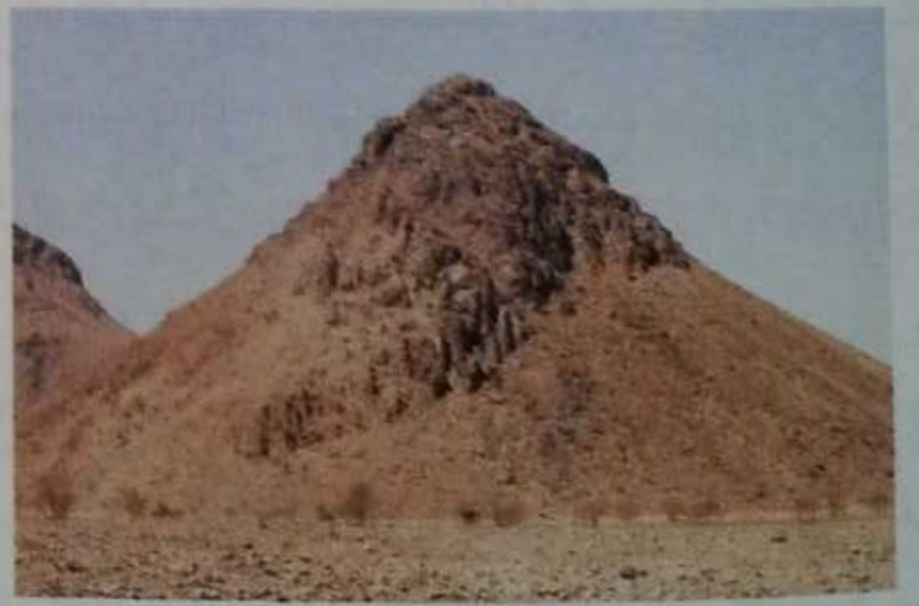
جیسا کہ ہم نے پانچویں باب ''ارض طیبہ کے جغرافیائی اور ارضیاتی خدوخال اور خصائص'' میں بیان کیا ہے مدینہ طیبہ کا زیادہ تر حصہ ناہموار سطح مرتفع اور سنگلاخ چٹانوں سے مل کر بنا تھا جب کہ اس کا تھوڑا سا حصہ جو کہ قلب مدینہ میں واقع تھا میدانی تھا جسے ''جوف المدینہ'' کہا جاتا تھا. شمال اور جنوب میں دو بلند و بالا پہاڑوں نے اس کی حد بندی کی ہوئی ہے: جنوب میں جبل عیر ہے اور شمال میں جبل احد. شمالی اور جنوبی سلسلہ ہائے کوہسار کے علاوہ اس میں بہت سے کم بلندی والے پہاڑ بھی ہیں جو کہ مغربی جانب پھیلے ہوئے ہیں. شرقی جانب نسبتاً چھوٹے پہاڑ ہیں اور وہ بھی کافی مسافت پر ہیں. یوں یہ پہاڑ شہر مصطفوی کی قدرتی جغرافیائی فصیل کا کام دیتے ہیں. تاہم آج کے مدینہ طیبہ میں ازمنہ قدیم سے پائی جانے والی سنگلاخ سطوح مرتفع ہموار کر دی گئی ہیں اور ایک نیا زائر یہ اندازہ بھی نہیں کر سکتا کہ ماضی قریب میں یہ ارض مقدس کیسی لگا کرتی تھی. یہ تمام پربت اور سطوح مرتفع (جن کو عرف عام میں حرہ کہا جاتا ہے) ۔شرقی اور غربی حرہ جات ۔ہمیں اس مقدس منطقہ ارضی کے آتش فشانی انفجار سے پر ماضی کی یاد دلاتے ہیں کیونکہ زمانہ قبل از تاریخ میں ہزاروں یا لاکھوں سال پہلے اس کی سرزمین پر آتش فشانی عمل جاری رہا تھا جو کہ ایک طویل عرصے پر محیط رہا ہو گا. ارضیاتی تکوین کے نقطہ نظر سے اگر اس ارض مقدس کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مدینہ طیبہ کے پہاڑ بیسالٹ اور انڈیسائیٹ چٹانوں پر مشتمل ہیں جو کہ آتش فشانی عمل سے زیر زمین گرینائٹ کے مادہ کے پگھلنے سے معرض وجود میں آئی تھیں. ان میں سے کچھ تو بہت ٹھوس اور سخت چٹانیں ہیں جب کہ کچھ ایسے بھی پہاڑ ہیں (مثلاً: جبل بنو قریظہ) جو کہ محض آتش فشانی راکھ اور پگھلے ہوئے لاوا سے مل کر بنے ہیں جن کا وزن حیران کن حد تک ہلکا اور خفیف ہے. ایسے پہاڑ ٹیلے زیادہ لگتے ہیں اور پہاڑ کم. مندرجہ ذیل صفحات میں ہم نے چند پہاڑوں کے خصائص اور فضائل و محاسن پر بحث کی ہے جو کہ کسی نہ کسی طور پر اسلامی تاریخ کے چند ان اہم واقعات سے جو سرکار دوعالم ﷺ کے اس ارض طیبہ کو قدوم میمنت لزوم سے نوازنے کے بعد وقوع پذیر ہوئے تھے منسلک رہے ہیں.

جبل احد

حدود حرم مدنی کے اندر واقع یہ پہاڑ سطح سمندر سے ۱۰۰ میٹر بلندی پر مدینہ طیبہ کے شمالی جانب شہر نبوی سے تقریباً ساڑے تین کیلومیٹر دور واقع ہے. مسجد نبوی شریف کے باب فہد کے سامنے کھڑے ہو کر اگر ہم شمال کی جانب نظر اٹھائیں تو ہماری نگاہیں اس متبرک پہاڑ کی دور سے ایک جھلک دیکھ لیتی ہیں جو کہ احادیث مبارکہ کی رو سے جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے. یہ بابرکت کوہ رحمت گرینائٹ کی چٹانوں سے بنا ہے جو کہ سرخی مائل نظر آتی ہیں. تاہم اس کے کچھ حصے گہرے بھورے رنگ کے بھی ہیں. ماہرین ارضیات کے تجزیوں کے مطابق اس کی سرخی مائل چٹانیں مائکروکریسٹیلائن بلوری مادے (Microcrystalline structures) سے بنی ہیں. بلاشبہ اس کی چٹانیں زمین کے بطن سے نکلنے والے لاوا کے مادے سے معرض وجود میں آئی ہیں جو کہ زمین سے باہر آنے پر ٹھنڈا ہو کر ٹھوس اور بہت ہی سخت شکل اختیار کر گیا تھا.

جبل احد کی چٹانوں کی ساخت

جبل احد کی وجہ تسمیہ اس کا یکتا پن (stand-alone) اور ایک وحدت کے طور پر سب سے الگ اور منفرد ہونا (compact unit) اور مدینہ طیبہ کے دیگر سلسلہ ہائے کوہسار (جو کہ مدینہ طیبہ کے دیگر حصوں میں ایک سے دوسرے کے ساتھ جڑ کر ایک سلسلے کے طور پر پائے جاتے ہیں) سے بالکل علیحدہ ہونا ہے. (۲) لفظ احد عربی کے احد یا احدیت سے مشتق ہے. بعض لوگوں کا خیال ہے کہ احد کا لفظ عبرانی زبان سے مستعار ہے. عبرانی میں بھی لفظ احد ''یکتا'' اور ''اکیلا'' کے معانی میں استعمال ہوا ہے. جس سے اس نظریے کو کچھ تقویت ملتی ہے. ویسے بھی یہود کے ہاں یہ لفظ اسم معرفہ کے طور پر مستعمل ہے اور چونکہ
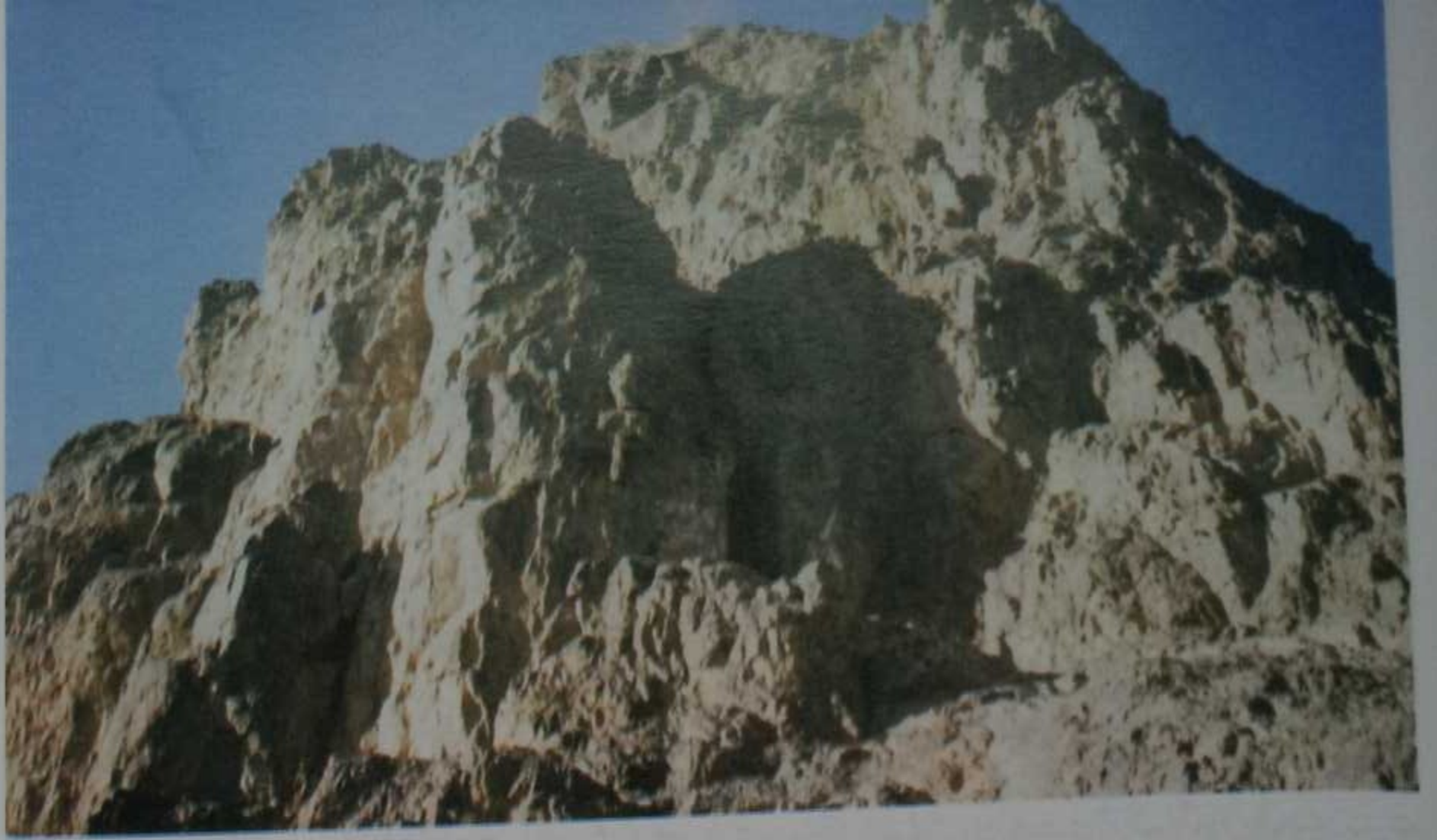
جبل احد کی وہ معروف غار جس میں آپ ﷺ نے کچھ دیر استراحت فرمائی تھی

یہود یہاں ایک زمانے سے رہتے آئے تھے یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ یہ نام انہوں نے ہی رکھا ہو۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت پر حضرت یعقوب علیہ السلام مصر گئے تو ان کے ہمراہ بہت سے یہودی قبائل کے افراد بھی تھے جن میں سے ایک قبیلہ احد یا اوحود بھی تھا۔ (۳)

مدینہ طیبہ کا یہ سب سے اہم اور متبرک پہاڑ ہے جس سے سیرۃ رسول اللہ ﷺ اور تاریخ اسلام کے بہت سے واقعات جڑے ہوئے ہیں۔ یہ پہاڑ ہر آنے والے کو زبان حال سے غزوہ احد کا ایک ایک ورق کھول کر سناتا ہے کہ اس کے آنگن میں کونسا معرکہ حق و باطل ہوا تھا۔ فخر و افتخار سے اپنا سر آسمان تک بلند کئے ہوئے یہ جبل احد آج بھی اپنی اس تنگ وادی کی طرف اشارہ کر کے بتاتا ہے کہ یہاں اسی دامن کوہ میں لشکر اسلام خیمہ زن ہو کر کفر سے نبرد آزما ہوا تھا۔ اس کی فضائیں آج بھی ان نعرہ ہائے تکبیر کی صدائے بازگشت سناتی ہیں جو کہ شیر یزداں حیدر کرار ؓ نے سیف ذوالفقار لہراتے ہوئے اور ابو دجانہ ؓ نے سیف رسول مقبول ﷺ ہاتھ میں لے کر اس کا حق ادا کرتے ہوئے لگائے تھے۔ سیرۃ طیبہ میں کسی اور مشہد نے ایسا مقتل نہیں دیکھا جہاں سرفروشان توحید نے اپنے سالار کارواں اور میر امم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت و سلامتی کے لیے اتنا زیادہ خون کا نذرانہ بیک وقت پیش کیا ہو۔ یہیں کہیں اسی جبل احد کے دامن میں حضرت ام عمارہ ؓ کا کٹا ہوا ایک بازو بھی دفن ہے جس کے باوجود بھی اس صحابیہ جلیلہ نے حفاظت رسول مقبول ﷺ کا حق ادا کر کے تا ابد خواتین اسلام کا سر بلند کر دیا تھا۔ نگاہ جذب و مستی سے اگر دیکھا جائے تو اس کی چٹانوں کا سرخی مائل رنگ، اس کی وادیوں کی سرخ سرخ مٹی اور اس کے دامن میں کھلنے والے ہر پھول کی سرخی اسی داستان خوں چکاں کی یاد دلاتی ہے جس سے عہدہ برآ ہو کر انصار و مہاجرین مدینہ کی جاں نثاری جریدہ عالم پر ثبت ہو گئی تھی۔ اسی کی مٹی میں آج بھی ستر سرفروشان اسلام محو استراحت ہیں جن میں شہدائے اسلام کے سرخیل سید الشہداء سیدنا امیر حمزہ ؓ اور حضرت مصعب ابن عمیر ؓ بھی شامل تھے۔ فرمان رب ذوالجلال کے مطابق یہ سب کے سب زندہ ہیں اور اللہ سے رزق لیتے ہیں مگر ہمیں شعور نہیں۔ یہ ہر آنے والے کے سلام کا جواب دے کر اس پہاڑ کی عظمت کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔

جبل احد اور ببول کا درخت ۲۰۰۲ء
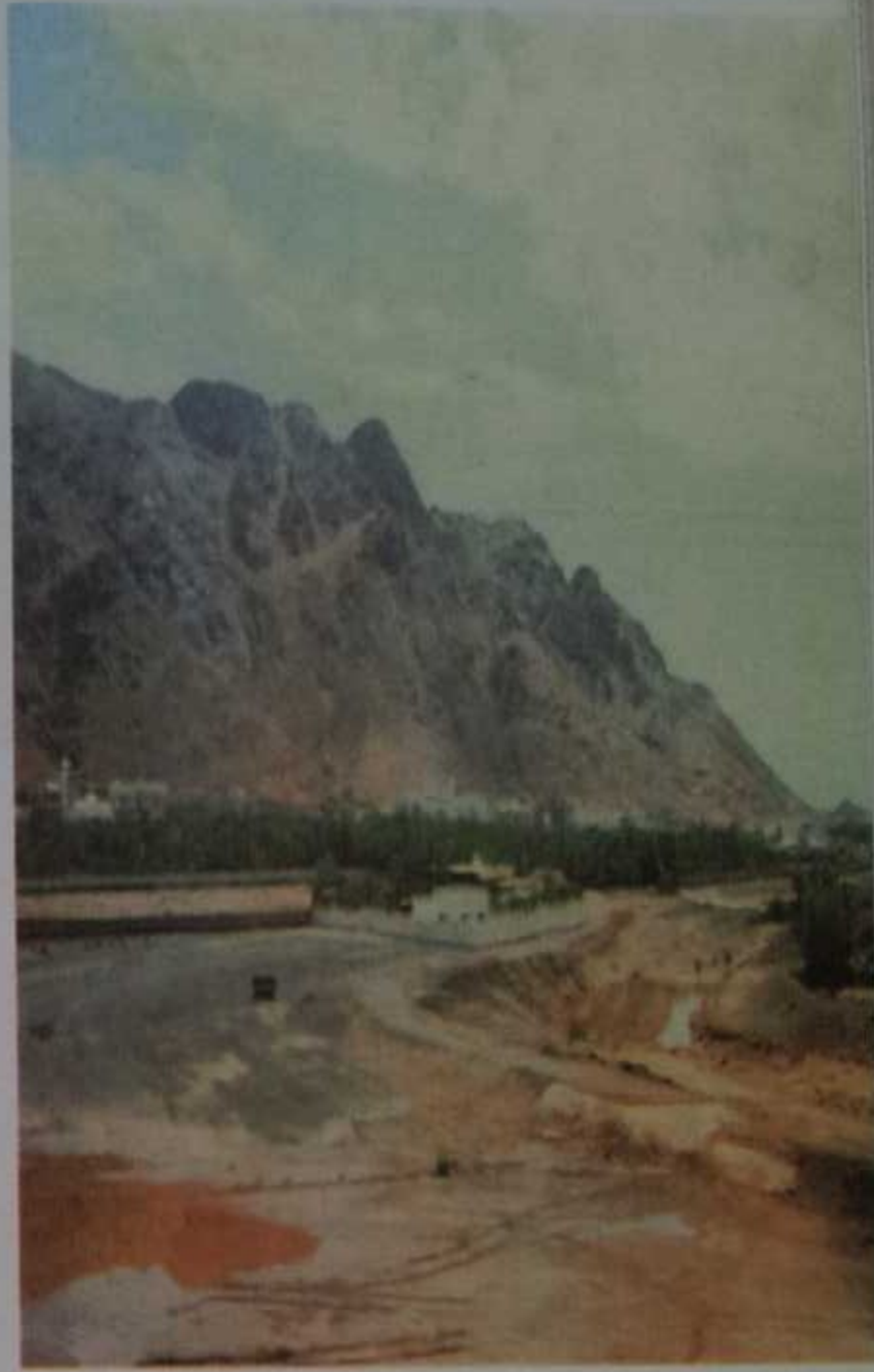
اسی کی ایک غار میں مضمحل و مضطرب جگر گوشہ رسول سیدۃ بتول ؓ نے اپنے والد گرامی کے زخم دھوئے تھے۔ اسی کی ایک ہموار چوٹی پر میر کارواں نے زخموں سے چور فدائیوں کی نئے سرے سے شیرازہ بندی کر کے نہایت ہی مشکل ترین حالت میں ثابت قدم رہنے کا لافانی درس دیا تھا۔ اسی کی ایک گھاٹی پر کھڑے سعد ابن ابی وقاص ؓ تیروں سے کفاروں کے سینے چھلنی کر رہے تھے کہ رحمت دو عالم جوش میں آئی

اور سرکار دو عالم اور تاج دار کائنات ﷺ آفرین آفرین کہتے ہوئے پکار اٹھے: [میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں!] اور اسی کی ایک گھاٹی پر کھڑے ہو کر جب ابوسفیان نے یہ کہا: 'ہمارے پاس ہبل ہے اور تمہارے پاس کوئی ہبل کا بت نہیں!'، تو رسول برحق ﷺ نے عمر فاروقؓ کو حکم دیا کہ اعلان کر دو: [اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا مددگار کوئی نہیں!] اور پھر جب کفار بے نیل و مرام واپس لوٹے تو اسی جبل احد کی جھولی میں سرور کائنات ﷺ نے اپنے اور اپنے جان نثاروں کے سجدوں کی سوغات ڈال دی. جگہ چھوٹی سی تھی مگر جبل احد تو تنگ دامن نہیں تھا. اس نے جھولی پھیلائی تو رسول رحمت ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ سکڑ کر بیٹھ جاؤ اور اسی چھوٹی سی جگہ پر بیٹھ کر سب کے سب سربسجود ہو گئے. زخمی ہونے کی وجہ سے یہ نماز امام الامت رسول اللہ ﷺ نے بیٹھ کر پڑھائی تھی اور سب نے اقتداء میں بیٹھ کر ہی ادا کی تھی. یہ جگہ آج بھی ''مسجد فسح''، (سکڑ کر بیٹھنے کی مسجد) کے نام سے ان سعادتوں اور فیوض و برکات کی طرف اشارہ کرتی ہے جن سے جبل احد کا دامن مالا مال ہو گیا تھا.

جبل احد پر یہ نوازشات صرف جنگ احد تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ سرور دین و سرور کائنات ﷺ اپنے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں اکثر وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے. حضرت انس ابن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ جبل احد پر تشریف لے گئے. سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ بھی ہمراہ تھے. پہاڑ کانپ اٹھا اور لرزہ براندام ہو گیا یا یوں کہیے کہ اس کے رگ و پے پر وجد طاری ہو گیا تھا. رسول اللہ ﷺ نے اپنا قدم مبارک اس پر مار کر فرمایا: [اے احد جم کر کھڑے رہو، تمہارے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہداء ہی تو کھڑے ہیں.] (۴) سیدنا عثمان بن عفانؓ کی ایک روایت

جبل احد اور اس کی وادی

سے معلوم ہوتا ہے کہ جبل احد کو ثبیر بھی کہا جاتا تھا. جب بلوائیوں کا کیا ہوا سیدنا عثمانؓ کا محاصرہ بہت طول پکڑ گیا تو ایک دن بالائے بام آ کر انہوں نے بلوائیوں کو مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: [اللہ تمہیں برباد کرے کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ ثبیر پر تشریف لے گئے اور آپ حضور ﷺ کی معیت میں ابوبکرؓ، عمرؓ اور میں بھی تھا. پہاڑ لرزہ براندام ہو گیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کی چٹانیں گرنا شروع ہو جاتیں. تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جم کر کھڑے رہو کیونکہ تمہاری پشت پر نبی، صدیق اور شہید ہیں!] انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہوا تھا. اس پر انہوں نے فرمایا: رب کعبہ کے ہاں میری اس بات پر گواہ رہنا.] (ابی عمرو خلیفہ بن خیاط بن ابی ہبیرہ اللیثی العصفری الملقب بہ 'شباب' (ت: ۲۴۰ ہجری)، تاریخ خلیفہ بن خیاط، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص: ۱۰۱)

آپ حضور ﷺ اکثر فرماتے: [یہ (یعنی احد) ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں.] (۵) حضرت انس ابن مالکؓ کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں.] (۶) الطبرانی نے حضرت سعد بن سہل الساعدیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جبل احد جنت کے کونوں میں سے ایک کونا ہے.] حضرت سوید الانصاریؓ سے مروی ہے: [ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ فتح خیبر سے واپس لوٹ رہے تھے. جب آپ حضور ﷺ کی نگاہ مبارک احد پر پڑی تو فرمانے لگے: [یہ پہاڑ ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں. یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے. اور (جبل عیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: یہ جبل عیر ہے جو کہ ہم سے بغض رکھتا ہے اور ہم اس سے بغض رکھتے ہیں. یہ جہنم کے ایک دروازے پر واقع ہے.] (۸) ایک اور روایت میں حضرت انس ابن مالک نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد پر ایک نگاہ ڈالی اور
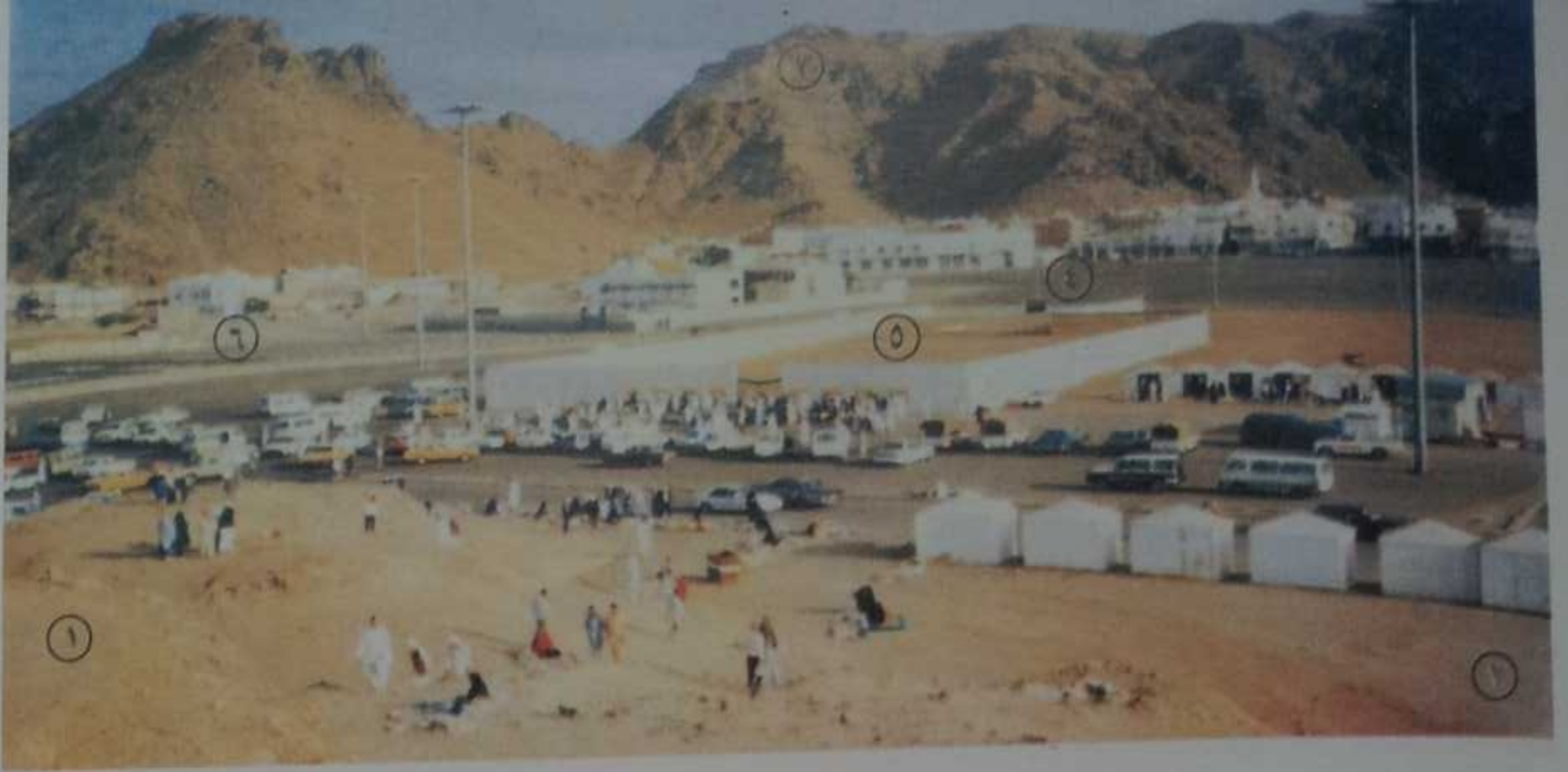
۱- جبل الرماۃ
۲- حضرت حمزہؓ کی شہادت گاہ
۳- جبل احد
۴- سرکار ﷺ کے دندان مبارک اس جگہ شہید ہوئے
۵- مدفن شہدائے احد
۶- جنگ احد اس جگہ لڑی گئی

فرمایا: [احد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اس سے پیار کرتے ہیں.] (۹) چونکہ یہ پہاڑ حدود حرم کے اندر واقع ہے اور حرم نبوی شریف کا ایک حصہ ہے، اس کے نباتات اور جانور بھی ایسے حقوق رکھتے ہیں کہ ان کی پاسداری اور احترام ہر مسلمان پر واجب ہے. لہذا زائر کو یہاں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے مبادا کہ کسی ذی روح یا نباتات کو پامال نہ کر بیٹھے. بعض روایات میں ہے کہ احد جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جب وہاں سے گزرو تو اس کے درختوں سے میوہ کھاؤ اور اگر نہ ملے تو اس کے صحراء کی گھاس استعمال کرلیا کرو. حضرت زینب بنت نبیطؓ (حضرت انس ابن مالکؓ کی زوجہ محترمہ) اپنے بچوں کو جبل احد پر یہ کہہ کر بھیجا کرتی تھیں: ''جاؤ جبل احد سے میرے لیے بوٹیاں اور درختوں کے پتے لے کر آؤ. اگر تمہیں کچھ نہ مل سکے تو میرے لیے ببول کے پتے ہی لے آنا.'' (۱۰) اور پھر وہ ان پتوں کو اپنے بچوں میں تقسیم کر دیا کرتی تھیں کہ وہ ان کو چبالیں.

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے جبل احد رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ کے سوانح کی ان گنت یادوں کا امین ہے. یہیں اس کے دامن میں اسلام کا دوسرا معرکہ حق و باطل گرم ہوا جس میں حیاۃ طیبہ کے دوران سب سے زیادہ مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا اور خود رسول اللہ ﷺ زخمی ہو گئے اور آپ حضور ﷺ کا ایک دانت مبارک شہید ہو گیا تھا. چہرہ اقدس سے خون بہا تو احد نے دامن پھیلا دیا. وہ عہد و پیماں جو کہ صادق الوعد والامین ﷺ نے بیعت عقبہ میں انصاریوں کے ہاتھوں میں ہاتھ دیتے ہوئے کیا تھا کہ ''تمہارا خون اور میرا خون ایک ہے، جہاں تمہارا خون گرے گا وہاں میرا خون بھی گرے گا'' مشیت ایزدی نے پورا کر دکھایا اور جہاں ستر کے قریب انصاری جان نثاروں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا وہاں سید مکی و مدنی ﷺ کا خون بھی اسی جبل احد کے دامن کو رنگین کر گیا. صادق مصدوق علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے اپنا کیا ہوا عہد نبھانے کے لیے جس رشک فردوس مقام کو عز و شرف بخشا وہ یہی دامن کوہ تھا. یہیں پر سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ نے رسول اللہ ﷺ کی مرہم پٹی بھی کی تھی. حضرت ابو حزمؓ سے مروی ہے: [لوگوں میں اس بارے میں اختلاف تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو یوم احد کس قسم کی مرہم پٹی کی گئی تھی. چنانچہ انہوں نے حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے پوچھا جو کہ اس واقعہ کے عینی شاہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے مدینہ طیبہ میں اس وقت صرف اکیلے زندہ بچے تھے. انہوں نے فرمایا: [مدینہ طیبہ میں اس وقت میرے سوا کوئی بہتر نہیں جانتا. فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ اقدس سے خون دھو رہی تھیں اور علی کرم اللہ وجہہ اپنے خود میں پانی بھر بھر کر لا رہے تھے اور پھر کھجور کے پتوں سے بنی ایک چٹائی جلائی گئی اور اس کی راکھ زخم میں بھر دی گئی تھی.] (۱۱)

شہدائے احد کے مزارات اس چار دیواری کے اندر موجود ہیں

اس نقطہ نظر سے احد کی اہمیت مسلمہ ہے اور حجاج کرام اور زائرین جب مدینہ طیبہ جاتے ہیں تو دین اسلام کیلیے ان بطل ہائے جری کی قبور مطہرہ پر سلام کے لیے ضرور حاضری دیتے ہیں. اتباع سنت رسول مقبول ﷺ میں ہر آدمی وہاں جا کر سلام و دعا کے گلہائے عقیدت بہت احترام سے پیش کرتا ہے اور یوں واقعات یوم احد کی یاد تازہ ہو جاتی ہے. ماضی میں حج و زیارت کے علاوہ اہل مدینہ طیبہ جوق در جوق ہر جمعرات

چاردیواری کے اندر شہدائے احد کے مزارات کی تصویر ۲۰۰۲ء

مزار سید الشہداءؓ پر جایا کرتے تھے اور اس کے نواح میں خیمے لگا کر وقت گزارتے تھے. ابراہیم رفعت پاشا کی نگارشات کے مطابق شہداء کی قبور مبارکہ پر مزارات اور پکی قبریں تو ۵۷۲ ہجری میں بن چکی تھیں جیسا کہ مزار شریف کے دروازے پر نصب ایک قدیم لوح سنگ سے ظاہر ہوتا تھا مگر سیدنا امیر حمزہؓ کی قبر پر مزار عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ کی والدہ نے ۵۹۰ ہجری میں بنوایا تھا جسے بعد میں سلطان اشرف قیتبائی نے شاہین الجمالی کی نگرانی میں ۸۹۳ ہجری میں نئے سرے سے بنوایا تھا اور اس میں توسیع بھی کروائی تھی. (۱۲)

مزارات شہدائے احد

جب جنگ احد اپنے اختتام کو پہنچی تو رسول کبریاﷺ نے تمام شہداء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی میتوں کا معائنہ فرمایا اور حکم دیا گیا کہ جو جہاں شہید ہوا تھا وہیں دفن کر دیا جائے. چونکہ مسلمانوں کے پاس وسائل کی شدید کمی تھی اس لیے ایک سے زیادہ شہید ایک ہی کفن میں ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے. (۱۳) حضرت عمرو بن الجموحؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ کو ایک ہی کفن میں اکٹھا دفن کیا گیا تھا. ۴۶ (چھیالیس) سال بعد جب ایک مرتبہ وادی قناۃ میں طغیانی آگئی اور ان میں سے اکثر شہداء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قبور منورہ پانی کی زد میں آگئیں تو ان کی میتوں کو باہر نکال کر دوسری بلند جگہوں پر نئے سرے سے دفن کر دیا گیا تھا. اتنا وقت گزرنے کے باوجود ان میں سے کسی کی میت میں خرابی بدن کے آثار نہ پائے گئے اور سب کے اجسام مبارکہ بالکل صحیح و سالم حالت میں تھے اور ایسا لگتا تھا کہ وہ لوگ ابھی کل ہی شہید ہوئے تھے. ایک میت کے جسم سے خون نکل رہا تھا اور ان کا ہاتھ اپنے زخموں پر تھا. جب ان کے ہاتھ کو وہاں سے ہٹایا گیا تو زخم سے خون بہنا شروع ہو گیا، لہٰذا ان کے ہاتھ کو اسی طرح اسی زخم پر رکھ دیا گیا. (۱۴) حضرت جابرؓ نے - جو کہ ان دونوں شہداء جن کو ایک کفن میں دفنایا گیا تھا میں سے ایک کے (یعنی حضرت عبداللہ بن عمروؓ) کے بیٹے تھے - بیان کیا ہے کہ ان کو وہ قبر کھودنا پڑی تھی اور اس سے ان کے اجساد نکال کر دوسرے محفوظ مقام پر دفن کرنا پڑا تھا کیونکہ وادی قناۃ میں زبردست طغیانی آ گئی تھی. ان کا بیان ہے کہ جب ان کے شہید والد کی میت باہر نکالی گئی تو ایسے لگ رہا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہے تھے اور ان کے جسم میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی اگرچہ ان کی شہادت ہوئے چھیالیس سال بیت چکے تھے.

چاردیواری کے اندر شہدائے احد کے مزارات کی ایک اور تصویر

ایک دوسری روایت میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے: [شہدائے احد کے سلسلے میں ہمیں منادی کر کے بلایا گیا اور ایسا اس وقت ہوا جب حضرت معاویہؓ نے چشمہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا. ہم نے ان سب کو (ان کی پرانی قبور سے) چالیس سال بعد نکالا تھا مگر ان کے اجساد صحیح سلامت اور لطیف و نرم تھے]

حضرت عمرو بن دینارؒ اور ابا زبیرؒ سے مروی ہے کہ: [کھدائی کے دوران ایک کدال حضرت حمزہؓ کے قدم پر لگ گیا، ہم نے دیکھا کہ چالیس سال بعد اس سے خون بہنے لگ گیا تھا.] ابن الجوزی نے بھی

مزار سیدنا امیر حمزہؓ کی ایک تصویر ۱۳۲۶ھ

ان واقعات کو بیان کیا ہے .حضرت معاویہؓ کے دور میں جب اہل مدینہ طیبہ کو پانی فراہم کرنے کے لیے اس علاقے میں کھدائی کروانا پڑی تو اس وقت غزوہ احد برپا ہوئے چالیس برس بیت چکے تھے .بہت سی قبور کو بھی کھودا گیا اور جب ان میں مدفون شہداء کو میتوں کو نکالا گیا تو وہ بالکل تروتازہ نکلیں اور ایسے لگ رہا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہے تھے .گورکن کی غلطی سے اس کا کدال سیدنا امیر حمزہؓ کے ایک پاؤں پر لگ گیا جو زخمی ہو گیا اور اس سے خون بہنے لگ گیا .حضرت معاویہؓ نے اس سلسلے میں مدینہ طیبہ میں منادی کروادی تھی کہ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ورثاء آ کر اپنے ان پیاروں کا دیدار کر لیں جو کہ راہ حق میں شہید ہوئے تھے .(۱۶)

یحیٰی نے امام مالکؒ سے اور انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوصعصعہؓ سے روایت کی ہے کہ ان کو معلوم ہوا کہ انصاریوں میں سے حضرت عمرو بن الجموحؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی میتیں طغیانی کے سبب ظاہر ہو گئی تھیں .ان کی قبر اس جگہ پر تھی جہاں طغیانی کے پانی نے تباہی مچائی تھی .وہ دونوں ایک ہی قبر میں تھے اور یوم احد کے شہداء میں شامل تھے .لہذا ان کے اجسام کو باہر نکالا گیا تو ان پر کسی قسم کی تبدیلی کے آثار نہ پائے گئے .لہذا ان کو اسی طرح دوسری جگہ دفن کر دیا گیا .ان کا ہاتھ ان کے زخم سے الگ کر کے رکھ دیا گیا مگر وہ ہاتھ دوبارہ اپنی جگہ پر چلا گیا .اس وقت یوم احد گزرے چھیالیس سال ہو چکے تھے .(۱۷)

جبل عنین (روما) کی وہ جگہ جہاں وحشی نے گھات لگا کر سیدنا امیر حمزہؓ کو شہید کیا تھا

جب حضرت معاویہؓ نے پانی کے لیے نہر کھدوائی اور ان کی میتیں نکالی گئیں تو ان کے اجساد میں کسی قسم کی بوسیدگی یا سڑنے کے کوئی آثار نہ پائے گئے .(۱۸) امام تاج الدین سبکیؒ نے شفاء السقام میں لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عامل نے چشمہ کھودنے کے دن مدینہ طیبہ میں منادی کر دی تھی کہ امیر المومنین کا چشمہ جاری ہو رہا ہے .جس شخص کا مردہ احد میں مدفون ہو وہ آئے اور اس کو وہاں سے منتقل کر کے کسی دوسری جگہ لے جائے .ابن شبہ نے بھی حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کی ہے :[جب حضرت معاویہؓ نے چشمہ (نہر) کھدوایا تو مدینہ طیبہ میں اعلان عام کر دیا گیا کہ آ کر اپنے اپنے رشتہ داروں اور اقرباء کا جو کہ احد میں شہید ہو گئے تھے دیدار کر لو .ہم نے ان کی قبور کو چالیس سال بعد کھودا .ان کی میتیں ایسے ہی تروتازہ تھیں جیسا کہ وہ حالت حیاۃ میں تھے .](۱۹)

ان میں سے چند شہداء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تدفین تو ایک ایسے مقام پر کی گئی تھی جو کہ عام حجاج اور زائرین کرام کے علم میں نہیں ہے کیونکہ وہ ذرا فاصلے پر (سیدنا حمزہؓ کی قبر اطہر سے ۵۰۰ ذرع - ۲۵۰ میٹر کے فاصلے پر) ایک اونچی جگہ پر دفن ہیں .(۲۰) ان قبور کا موجودہ محل وقوع مشہد امیر حمزہؓ سے سید الشہداء امیر حمزہ سکول کی دوسری جانب ایک چھوٹی سی گھاٹی پر ہے .جس کے گرد ترکوں نے ایک چاردیواری تعمیر کروادی تھی جو کہ آج تک قائم ہے .اس چاردیواری کو حال ہی میں مزید بلند

مسجد سیدنا حمزہؓ
انہدام کے وقت
۱۹۲۵ء

کر دیا گیا ہے. یہ ایک چھوٹا سا قبرستان ہے. جس میں تین قبور حضرت عمرو بن الجموحؓ، ان کے ایک غلام اوران کے ایک بھتیجے کی ہیں. جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے پہلی بار حضرت عمرو بن الجموحؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن الحرامؓ کو اکٹھا ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا، مگر جب تدفین نو ہوئی تو ان کو علیحدہ علیحدہ قبروں میں دفن کیا گیا. واقدی کے مطابق اس قبرستان میں حضرت خارجہ بن زیدؓ، حضرت سعد بن الربیعہؓ، حضرت النعمان بن مالکؓ اور حضرت عبد بن الحسحسؓ بھی مدفون ہیں. (۲۱) اس کے علاوہ اصحابہ کرام میں سے دو اور حضرات: حضرات ابوالیمنؓ اور حضرت خلاد بن عمرو بن الجموحؓ بھی وہیں مدفون ہیں. (۲۲)

رسول اللہ ﷺ شہدائے احد کی زیارت کو اکثر تشریف لے جاتے تھے اور قرآن کریم کی آیت تلاوت کرتے ہوئے ان کو سلام کہتے: ﴿سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار.﴾ (سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کے بدلے تمہیں عقبیٰ میں کیا خوب گھر ملا ہے). (۲۳) یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت طاہرہ ہے کہ ان شہداء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قبور کی زیارت کی جائے. آپ حضور ﷺ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی قبر اطہر پر بھی جاتے اور دعا فرماتے. ثعلبی نے اپنی مشہور تفسیر میں ابی اسحاق بن سفیانؓ کی روایت نقل کی ہے. جس میں بیان کیا گیا ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ شہداء کے قبور پر ہر سال تشریف لے جاتے اور وہاں اونچی آواز میں فرماتے: تم پر سلامتی ہو. تمہارا صبر اسی انعام کا مستحق تھا.] پہلے تین خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اسی سنت کا اتباع کرتے تھے (یعنی ہر سال وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے). جب حضرت معاویہؓ نے حج ادا کیا اور مدینہ طیبہ آئے تو انہوں نے بھی اسی سنت کی پیروی کی.] (۲۴)

مسجد سید الشہدا
قبل از انہدام
تصویر دور عثمانی

سیدۃ النساء سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ بھی باقاعدگی سے سیدنا حمزہ بن عبدالمطلبؓ کی قبر اطہر پر جایا کرتی تھیں. وہ اس کی دیکھ بھال کرتیں اور جب ضروری ہوتا تو اس کی مرمت بھی فرما دیتیں. ان کی قبر پر نشانی کے طور پر ایک پتھر رکھا رہتا تھا. (۲۵) سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ ان شہدائے احد کی قبور پر ہر دو یا تین دن کے بعد تشریف لے جایا کرتی تھیں. (۲۶) حضرت جعفر الصادقؓ سے مروی ہے کہ سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ ہر دو یا تین دن بعد شہدائے احد کی قبور پر جاتی تھیں. وہ وہاں نماز بھی ادا کرتیں اور ان کے لیے دعا بھی فرماتیں اور ان کے غم میں رو دیا کرتی تھیں. ایسا وہ اس وقت تک کرتی رہیں جب تک کہ ان کا انتقال نہ ہو گیا. (۲۷) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے: [قیامت تک جو بھی ان شہداء کی زیارت کے لیے جا کر سلام پیش کرے گا وہ اس کا جواب دیں گے.] (۲۸) امام البیہقی نے دلائل النبوۃ میں ایک حدیث مبارکہ نقل کی ہے: [رسول اللہ ﷺ شہدائے احد کی زیارت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے: [اے اللہ تمہارا بندہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ شہداء ہیں اور ہر اس آدمی کے سلام کا جواب دیتے ہیں جو ان کو سلام کرتا ہے. ایسا یوم القیامت تک ہوتا رہے گا.] (۲۹)

مسجد اور مزار اقدس
حضرت سیدنا حمزہؓ
قبل از انہدام
۱۹۰۸ء

امام البیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی ایک روایت بھی نقل کی ہے کہ: [میرے والد عمر اور میں طلوع آفتاب سے پہلے جمعہ کے دن شہدائے احد کی زیارت کو گئے. میرے والد نے ان سب کو سلام کیا. ہم نے ان کا جواب سنا. میرے والد نے مجھے پوچھا: کہا تم نے میرے سلام کا جواب دیا ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں! یہ جواب شہداء نے دیا ہے. پھر انہوں نے مجھے اپنے داہنے ہاتھ پر ساتھ لے جا کر سب کو علیحدہ علیحدہ سلام پیش کیا. ہم نے ان سب کو علیحدہ علیحدہ ہمارے سلام کا جواب دیتے ہوئے سنا. میرے والد محترم سجدہ میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگ گئے.]

سیدنا امیر حمزہ بن عبدالمطلبؓ جبل الرماہ (جبل العینین) کے دامن میں شرقی جانب سرخ وادی میں شہید ہوئے تھے. انہیں ان کے اپنے بردہ میں ہی دفن کیا گیا تھا. (۳۰) انہیں اور حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا. (۳۱) ابن نجار بیان کرتے ہیں کہ چھٹی صدی میں ان کی قبر پر ایک گنبد ہوا کرتا تھا: اس جانب واقع قبور میں سے صرف یہی ایک قبر تھی جس کی پہچان ممکن تھی جب کہ دوسرے شہداء کرام رضوان اللہ علیہم کی قبور کی پہچان نہ تھی. اس مزار شریف پر عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ کی والدہ نے گنبد تعمیر کروایا تھا. یہ ایک بہت بڑا مزار تھا جس کا دروازہ شیشم کی منقش لکڑی سے بنا تھا. عام قبرستان کے گرد ایک چار دیواری تھی جس کا دروازہ عوام کے لیے ہر جمعرات کو کھول دیا جاتا تھا. (۳۲) سیدنا امیر حمزہؓ کی قبر کے ساتھ والی دوسری قبر دربار کے ایک متولی ترک کی تھی. المطری نے بیان کیا ہے کہ شہدائے احد کا عام قبرستان جبل احد کی قبلہ کی جانب واقع تھا اور سوائے قبر سیدنا امیر حمزہؓ کے کسی اور قبر کی پہچان نہ تھی. جہاں تک ان قبور کا تعلق ہے جو کہ مقبرہ امیر حمزہؓ سے شمالی جانب ہیں، یہ ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی بتائی جاتی ہیں جو کہ سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں آنے والے شدید قحط سے جاں بحق ہوئے تھے. ان میں سے کوئی قبر بھی شہدائے احد کی نہیں. سب سے پہلے مقبرہ کے آثار کے طور پر شہدائے احد کے قبرستان کے باہر ایک بورڈ ہوا کرتا تھا جس پر اس کا سن تعمیر ۵۷۲ ہجری لکھا ہوتا تھا. (مرآۃ الحرمین، جزء اول، ص ۳۹۳)

شہدائے احد کی
قبور کا ایک اور منظر
۱۹۶۰ء

سعودی حکومت نے جب تمام قبہ جات گرائے تو مشہد سید الشہداءؓ پر واقع گنبد کو مسمار کر دیا گیا.

جبل عینین

ارضیاتی طور پر یہ چھوٹی سی پہاڑی جبل احد ہی کا ایک حصہ ہے جسے ایک تنگ وادی (ندی۔ جسے وادی قناۃ کہا جاتا ہے اور جو کہ وادہ شظاۃ سے الگ ہونے سے بنی ہے) ایک دوسرے سے الگ کرتی تھی. اس کی چٹانی ساخت بالکل جبل احد کی چٹانوں سے ملتی ہے. یہ الگ تھلگ سی علیحدہ پہاڑی (stand-alone hillock) اسلامی تاریخ میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے اور تاریخ جہاد اسلامی میں ایک سنگ میل سے کم نہیں.
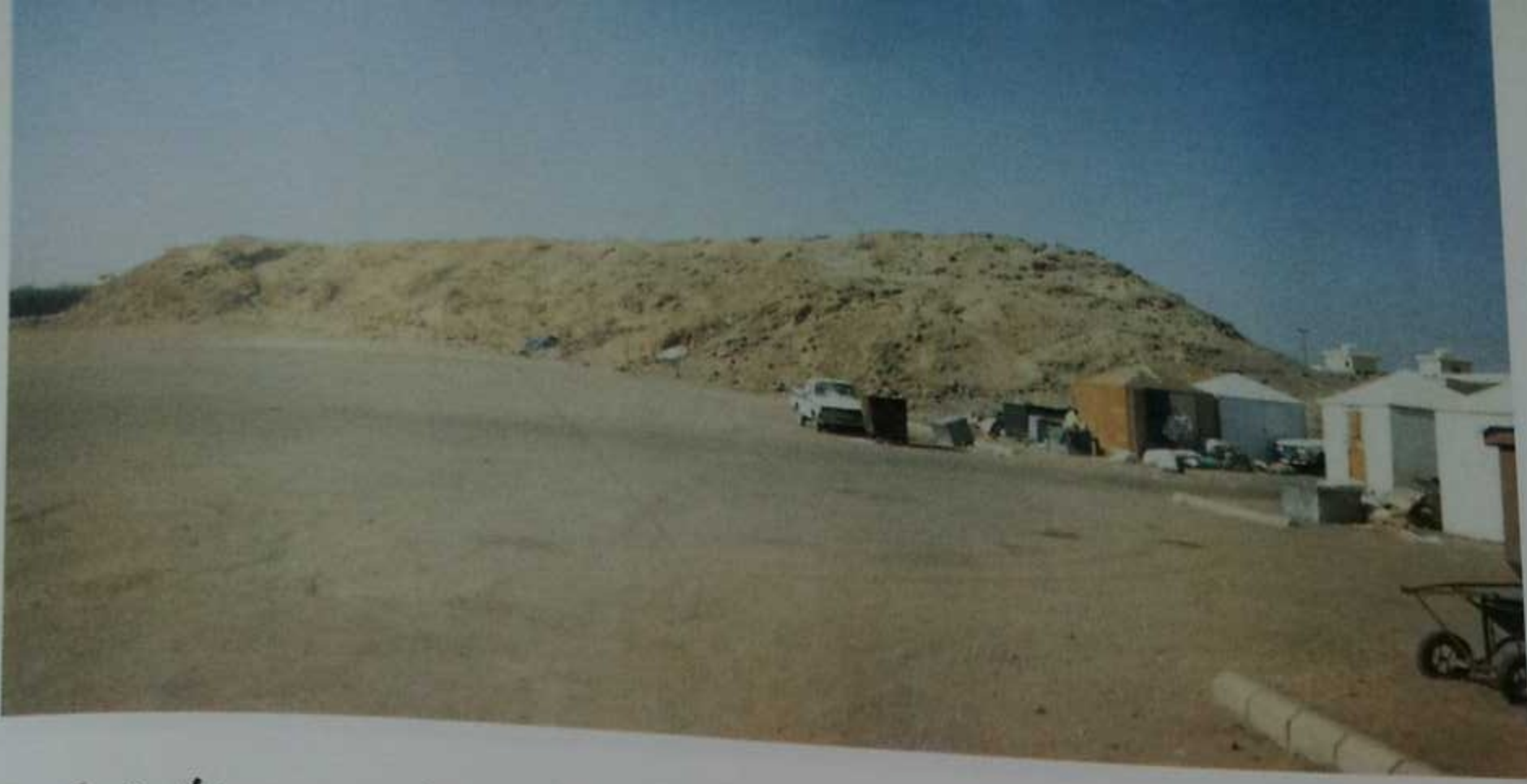
جبل عینین کی پہاڑی جس پر پچاس تیر انداز بٹھائے گئے تھے ۲۰۰۱ء

اس نقطہ نظر سے اگر یہ کہا جائے کہ یہ مقام غزوہ احد کا ایک جیتا جاگتا میموریال ہے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا. اس کی دفاعی اہمیت کے محل وقوع کی وجہ سے سالار امم جناب رسول اللہ ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ اس پر متعین کیا تھا جن کو سخت احکامات جاری کئے گئے تھے کہ وہ کسی بھی حالت میں اس سٹریٹجیک چوکی کو خالی نہ چھوڑیں.

تاہم جونہی رزم حق و باطل شروع ہوئی تو دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان جنگ سے فرار ہوتے نظر آنے لگے. اس سے اس چوکی پر متعین تیر اندازوں کے دستے نے یہ اندازہ لگالیا کہ جنگ کا حتمی فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہو چکا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے احکام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ اس پہاڑی سے نیچے اتر آئے. چوکی خالی ہوتے ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور بظاہر ابتدائی فتح ہزیمت میں بدل گئی. خالد ابن ولید کے گھڑسوار دستے نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان تیر اندازوں کو گھیر کر شہید کر دیا. تیر اندازوں کے شہید ہو جانے کے بعد وحشی اسی پہاڑی کی ایک چٹان کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا اور جونہی عم رسول اللہ ﷺ سیدنا امیر حمزہؓ اس کے نشانے پر آئے اس نے ان پر اپنا نیزہ کس دیا جوان کہ ان کے جسم کے آر پار ہو گیا اور وہ تھوڑی دور جا کر شہید ہو کر گر پڑے. جنگ ختم ہو جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے شہداء کی میتوں کا معائنہ فرمایا اور اس چوٹی پر بھی گئے جہاں پر تعینات دستے کی حکم عدولی سے بنا بنایا کھیل بگڑ گیا تھا. بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس چوٹی پر نماز بھی ادا فرمائی تھی جس کی یاد میں اس پر ایک مسجد تعمیر کی گئی تھی. مختلف ادوار میں اس پر موجود مسجد اور عمارتوں کی تاریخی ورثے کی حیثیت سے دیکھ بھال ہوتی رہی. سعودی دور کے شروع میں جبل عینین پر اس کی شرقی جانب مسجد اور دیگر عمارتیں تھیں، مگر اسلامی ورثے سے بے اعتنائی نے اپنا رنگ دکھایا اور یوں پچھلی تین دہایوں کے اندر اندر وہ سب عمارتیں صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں. اس پہاڑی پر اس مسجد کا نام ونشان تک نہیں ملتا جہاں سرکار دو عالم ﷺ نے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں اپنی جبین طاہرہ سجدہ ریز کی تھی. اس پہاڑی کے بغور معائنے کے بعد اس مسجد کی بچی کھچی چند اینٹیں نظر آ جاتی ہیں جو کہ اس کی بنیادوں میں استعمال ہوئی تھیں. المطری کے مطابق یہ وہی جگہ تھی جہاں پر سے چھپ کر وحشی نے عم رسول حضرت حمزہؓ پر وار کیا تھا. (۳۳)

جبل سلع کی یہ فضائی تصویر اس وقت کی ہے جب مسجد نبوی شریف کی توسیع اور تعمیر نو ہو رہی تھی

عربی میں 'عینین' کا مطلب 'دو چشمے' ہوتا ہے. چونکہ اس پہاڑی کے قریب ہی میٹھے پانی کے چشمے ہوا کرتے تھے جن میں سے ایک چشمہ 'عین سیدنا امیر حمزہ' بہت ہی مشہور تھا اس لیے عین ممکن ہے کہ اس پہاڑی کا نام عینین اسی وجہ سے پڑ گیا ہوگا. پرانے وقتوں میں اس مقام پر دو چھوٹی چھوٹی مسجدیں بھی ہوا کرتی تھیں جن میں سے ایک تو پہاڑی کی چوٹی پر شرقی جانب تھی جب کہ دوسری قریب ہی سطح ارض پر مشرقی جانب تھی. یہ دونوں مساجد غزوہ احد کی یاد میں تعمیر کی گئی تھیں جہاں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی. فیروز آبادی (۷۲۹-۸۱۷ ہجری) رقمطراز ہیں: ''جبل عینین پر دو مساجد ہیں- ایک تو اس کے شرقی کونے میں ہے جب کہ دوسری قریب کی شرقی جانب

مسجد جبل عنین کے کھنڈرات پس منظر میں مسجد سید الشہداؓ نظر آرہی ہے

وادی کے کنارے پر واقع ہے. جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سیدنا امیر حمزہؓ اسی مقام پر زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہو کر گر پڑے تھے.'' (۳۴) یہ دونوں مساجد موجود ہوا کرتی تھیں کیونکہ ترکوں نے ان کی تعمیر نو کروادی تھی. تاہم جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اب وہاں کسی مسجد کے آثار تک باقی نہیں ہیں.

جبل احد میں موجود غار

جبل احد کے درمیان واقع میدان (جہاں جیش اسلامی خیمہ زن تھا) کی طرف جاتے ہوئے دائیں جانب ذرا بلندی پر وہ غار نظر آتی ہے جہاں بعض روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے زخمی ہو جانے کے بعد کچھ دیر کے لیے آرام فرمایا تھا. یہ غار اتنی بڑی ہے کہ اس کے اندر ایک آدمی آرام سے لیٹ سکے. (۳۵) عموماً اس غار کی زیارت پر وہاں کے کرتے دھرتے ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور موجودہ مکتب فکر اسے رسول اللہ ﷺ کا آثار مبارک کہنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے.

جبل احد میں موجود مشہور غار

مورخین مدینہ طیبہ کے بعض بیانات نے اس کی تاریخی حیثیت کو وجہ نزاع بنانے میں بہت کردار ادا کیا ہے. وہ زیادہ تر حضرت المطلب بن عبداللہؓ کی روایت سے استناد کرتے ہیں جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کبھی بھی اس غار میں تشریف نہیں لے گئے تھے. (۳۶) ابن ہشام نے بھی حضرت عکرمہؓ کی روایت پر انحصار کرتے ہوئے اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس غار میں نہیں گئے تھے. (۳۷) اسی غار کا ذکر کرتے ہوئے ابن نجار نے کہا ہے کہ اہل مدینہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ عرصہ کے لیے وہاں آرام فرمایا تھا جس کے قریب ہی ایک مسجد ہے. جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں آپ حضور ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی اور یہ بھی کہ قریب ہی ایک چٹان میں ایک آدمی کے سر کے برابر ایک نشان ہے. جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہاں سرکار دو عالم ﷺ نے اپنا سر مبارک آرام کی غرض سے رکھا تھا جس سے چٹان کے اس حصے میں نشان پڑ گیا تھا. انہوں نے اس بات کی صراحت بہت پرزور انداز میں کی ہے کہ ایسی تمام روایات غیر مصدقہ ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہیں. (۳۸)

تاہم امام المورخین مدینہ طیبہ امام سمہودیؒ نے ابن نجار کے اس بیان کی کھل کر مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ: ''جہاں تک اس غار کے قریب واقع مسجد کا تعلق ہے، اس کے بارے میں ناقابل تردید شواہد موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی تھی جیسا کہ دوسری مساجد کے بارے میں ہے.'' لہذا خود بخود ابن نجار کی رائے کے غبارے سے ہوا نکل جاتی ہے.

مندرجہ بالا روایت کا ذکر کرنے کے بعد جسے ابن شبہ نے بھی بیان کیا ہے، امام سمہودیؒ ایک اور روایت بواسطہ امام

کی طرف دوڑ پڑے (احد) اس کے بعد مسلمان پہاڑ

احمد لے کر آتے ہیں جو کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے: [اس کے بعد مسلمان پہاڑ (احد) کی طرف دوڑ پڑے
(رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں) اور جب وہ آپ حضور ﷺ کو تلاش نہ کر سکے تو کچھ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
نے زور زور سے چلانا شروع کر دیا ''غار، غار! جو کہ مہراس (پانی کے چشمے) کے نیچے تھی اور پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے ان
کی جانب آنے کا ذکر کرتے ہیں۔] اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام سمہودی لکھتے ہیں: ''یہ صاف ظاہر ہے کہ
وہاں اس غار کے علاوہ اور کوئی غار نہیں جو کہ چشمے کے نیچے تھی، وہ جو کہ آج تک مشہور غار ہے...'' حضرت ابن عباسؓ
کی اس روایت سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر اس غار میں آرام فرمایا تھا
جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کئی بار مہراس پر گئے تھے (جو کہ آج بھی اسی غار کے اوپر احد کی چوٹی پر واقع ہے) تا کہ
چہرہ اقدس پر آنے والے زخم دھوئے جا سکیں۔ یہاں ایک سوال ذہن میں ضرور ابھرتا ہے کہ کن کی روایت پر انحصار کیا
جائے۔ حضرت عباسؓ کی روایت پر جو کہ اس جنگ میں شریک تھے یا دوسرے راوی پر جو کہ اس غزوہ میں سرے سے
شریک ہی نہ تھے؟ مزید برآں امام سمہودیؒ کی رائے اس لیے بھی فوقیت رکھتی ہے کہ انہوں نے اپنی رائے بہت گہری
تحقیق و تدقیق کے بعد قائم کی تھی۔ لہذا ہماری رائے میں امام سمہودی کی رائے نہ صرف پر وزن ہے بلکہ حقائق پر مبنی ہے۔
اسی غار کے متعلق لکھتے ہوئے مدینہ طیبہ کے مشہور سعودی مورخ، عبدالقدوس الانصاری، لکھتے ہیں:

''اس غار (جس میں مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تھوڑی دیر کے لیے آرام فرمایا تھا) کے عقب میں شمالی جانب کی چٹانوں پر
قدیم کوفی رسم الخط میں بہت سی تحریریں کندہ ہیں۔'' (۳۹)

سمہودیؒ کی محققانہ رائے کے علاوہ ان چٹانوں پر قدیم کوفی رسم الخط کی تحریریں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ پہلی صدی میں ان
تحریروں کے لکھنے والے بھی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس غار میں کچھ دیر کے لیے آرام فرمایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان
تحریروں کے محررین نہ صرف اس غار تک گئے بلکہ اس کے اوپر اور عقب میں بھی پہنچے اور پھر وہاں انہوں نے پتھر کی سلوں پر اپنی یادداشتیں
ثبت کر دیں۔ افسوس کہ اب ان تحریروں تک رسائی کی اجازت نہیں۔ زائرین کا اس غار تک پہنچنا بھی جان جوکھوں کا کام ہے: اس کے رستہ میں
بھی روڑے اٹکائے جاتے ہیں، کبھی تو اس کے دہانے کے آگے دیوار کھینچ دی جاتی ہے اور کبھی لوہے کی خاردار تار۔

غار جبل احد کے اندر سرکار دو عالم ﷺ کے سر اقدس کا نشان

جبل ثور کی ایک تصویر شمال مشرق کی طرف سے
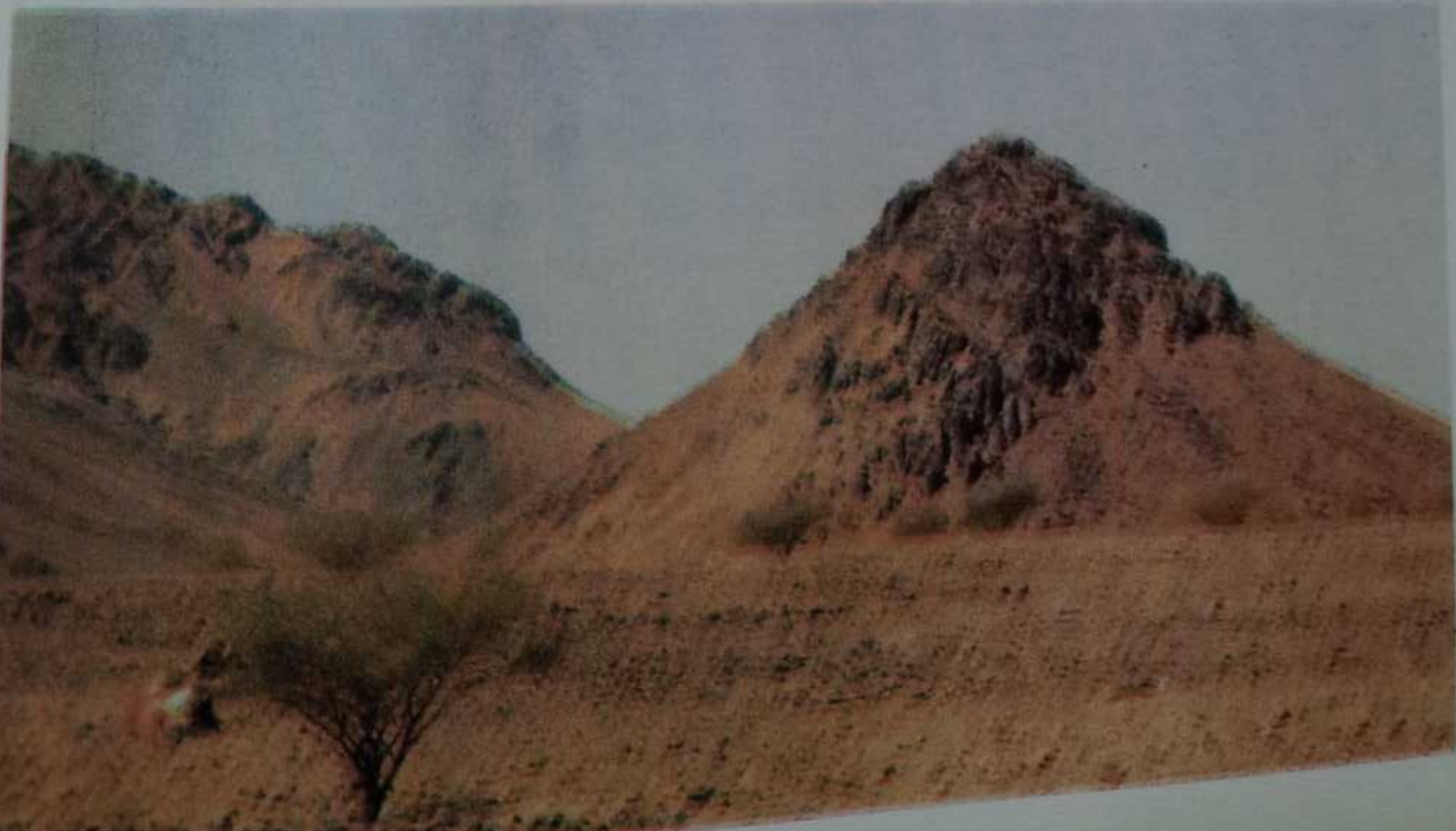
جبل ثور کی ایک
اور تصویر

جبل ثور

جبل ثور ایک مخروطی شکل کی پہاڑی ہے جو کہ جبل احد کے عقب میں شمالی جانب واقع ہے. لغوی معانی میں ثور کا مطلب بیل ہوتا ہے. عین ممکن ہے کہ اس کی مخروطی شکل کی بیل کی کوہان سے مماثلت کی وجہ سے قدیم زمانے میں لوگوں نے اس کو جبل ثور کہنا شروع کر دیا ہوگا. یہ پہاڑ حجم کے لحاظ سے بہت چھوٹا سا ہے مگر اہمیت کے لحاظ سے بہت عظمت اور فوقیت والا ہے. یہاں سے حرم مدنی کی شمالی حدود شروع ہوتی ہیں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے: [جو بھی جبل عیر اور جبل ثور کے درمیان ہے وہ الحرم ہے.]

مدینہ طیبہ کے زائرین بعض اوقات اس مخمصے کا شکار ہو جاتے ہیں کہ جبل ثور تو مکہ مکرمہ کے قریب واقع ہے جو کہ ہجرت مبارکہ کے موقع پر اپنی غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کی تین دن تک میزبانی کا شرف حاصل کر کے شہرت کے آسمان پر پہنچ چکا ہے. مگر حقیقت یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں بھی اسی نام کا ایک چھوٹا سا پہاڑ واقع ہے جو کہ مکہ مکرمہ کے جبل ثور یا غار ثور سے بالکل مختلف ہے. یہ جبل احد کے عقب میں واقع ہے اور زمانہ قبل از اسلام سے جبل ثور ہی کے نام سے جانا جاتا ہے. دور حاضر کے چند سعودی مورخین نے یہ کہہ کر رہی سی کسر نکال دی ہے کہ جبل ثور سے مراد جبل تیاب ہے جس کے اوپر پانی کا ٹینک بنا ہوا ہے. یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ جبل تیاب ہی جبل ثور ہے تو اس معاملے کی دوسرے شرط بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے. احادیث مبارکہ میں جہاں شمالاً جنوباً حدود حرم کا تعین کیا گیا ہے کہ وہ جبل عیر سے جبل ثور کے اندر ہے وہاں اس بات کی بھی متعدد بار صراحت کر دی گئی ہے کہ اس کی شرقاً غرباً حدود دونوں لابوں (لاوا سے بنی ہوئی حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کی سنگلاخ زمینیں) کے اندر ہیں. اگر ان مورخین کا استدلال مان لیا جائے تو اس مخمصے کو کون حل کرے گا کہ جبل تیاب تو دونوں حروں کے باہر بہت دور مشرق میں واقع ہے؟ تو ایسے میں شرقاً غرباً حدود کا تعین کیسے کیا جائے گا؟

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ جبل ثور ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جو کہ جبل احد کے عقب میں شمالی جانب ہے. یہ ایک الگ پہاڑی ہے اور جبل احد سے متصل نہیں. ان دونوں کے درمیان ایک قدیم قبرستان بھی ہے. قبیلہ ولد محمد کے افراد جو کہ وہاں صدیوں سے مقیم چلے آ رہے ہیں اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ یہی پہاڑی صدیوں سے جبل ثور کہلاتی ہے اور طلوع اسلام کے بعد جب سے اسے حرم نبوی شریف کی حد بتایا گیا تھا وہ قبیلہ (جس کے افراد اس سے بہت دور شمال میں رہتے آئے ہیں) اپنی میتوں کو کندھوں پر اٹھا کر اس پہاڑی کے اس پار حدود حرم میں دفنانے کے لیے لاتے رہے ہیں. (۴۱) اس سلسلہ میں مزید تفاصیل باب الحرم النبوی الشریف میں دی گئی ہیں.

غار سجدہ ۲۰۰۳

غار سجدہ ۱۹۰۹ء

جبل سلع

مسجد نبوی شریف کے شمال مغربی کونے کی سیدھ میں طریق سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے اس پار آدھے میل کی مسافت پر وہ مشہور تاریخی پہاڑ ہے جسے زمانہ قدیم سے جبل سلع کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

فیروز آبادی کے مطابق: سلع کا مطلب دو پہاڑوں کے درمیان واقع درہ کا نام ہے۔ (۴۲) اس پہاڑ کا نام زمانہ قدیم سے ہی 'سلع' رہا ہے۔ اسے کب اس نام سے پکارا جانے لگا، یہ جاننا تو محال ہے مگر تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں نے اسے یہ نام دیا تھا۔ ارامائی زبان میں سلع کا مطلب 'چٹان' ہوتا ہے جو کہ اسم نکرہ ہے۔ اس کے مسلسل استعمال سے آہستہ آہستہ اس پہاڑ کا یہی نام اسم معرفہ بن گیا۔ لہذا قدیم یثرب کے باسی یہود و عرب سب اسے اسی نام سے پکارتے تھے جیسا کہ بہت سی احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

اگرچہ اس کی شہرت کی اور وجوہات بھی ہیں، مگر سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے گرد مغربی اور شمالی جانب وہ مشہور زمانہ خندق کھودی گئی تھی جس نے غزوہ احزاب میں مدینہ طیبہ کی دفاعی لائن کا کام دیا تھا۔ دوران جنگ جیش اسلام کے اگلے مورچے اسی پہاڑ کی چوٹی اور اس کے دامن میں سجے تھے۔ وہ سات مساجد جو کہ ان خیموں کی جگہ تعمیر ہوئی تھیں جہاں اس دفاعی جنگ کے کمانڈروں نے دوران جنگ قیام فرمایا تھا اسی جبل سلع کے دامن میں واقع ہیں اور اس غزوہ کی یاد تازہ کرتی ہیں۔

ارضیاتی ساخت کے اعتبار سے اس پہاڑ کی چٹانیں مدینہ طیبہ کے دوسرے پہاڑوں سے زیادہ مختلف نہیں اور یہ بھی زمانہ قبل از تاریخ میں ہونے والے آتش فشانی انفجار کے عمل کے نتیجے میں معرض وجود میں آئی تھیں۔ لیکن ارضیاتی معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی چٹانیں دوسرے پہاڑوں کی چٹانوں کی نسب زیادہ سخت اور ثقیل ہیں۔ اس پر مختلف جھاڑیوں اور نباتات کا وجود اس بات کی بھی غمازی کرتا ہے کہ اس کے زیر زمین پانی کے وافر ذخائر ہیں جن کی وجہ سے یہاں دوسرے پہاڑوں کی نسبت ہریالی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر موجود درختوں سے اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگادیئے ہیں جس نے بہت سے عربی شعراء کے کلام میں اسے بہت اونچا مقام دیا ہے۔

غار سجدہ کے اوپر ایک اور دوسری غار

اسے جبل ثواب بھی کہا جاتا رہا ہے جیسا کہ حضرت ابی قتادہؓ کی روایت کردہ حدیث مبارکہ میں ہے: حضرت معاذ ابن جبلؓ اپنے گھر سے نکل کر رسول اللہ ﷺ کے حجرات مبارکہ کی

جبل سلع کی چوٹی
پر تاریخی باقیات
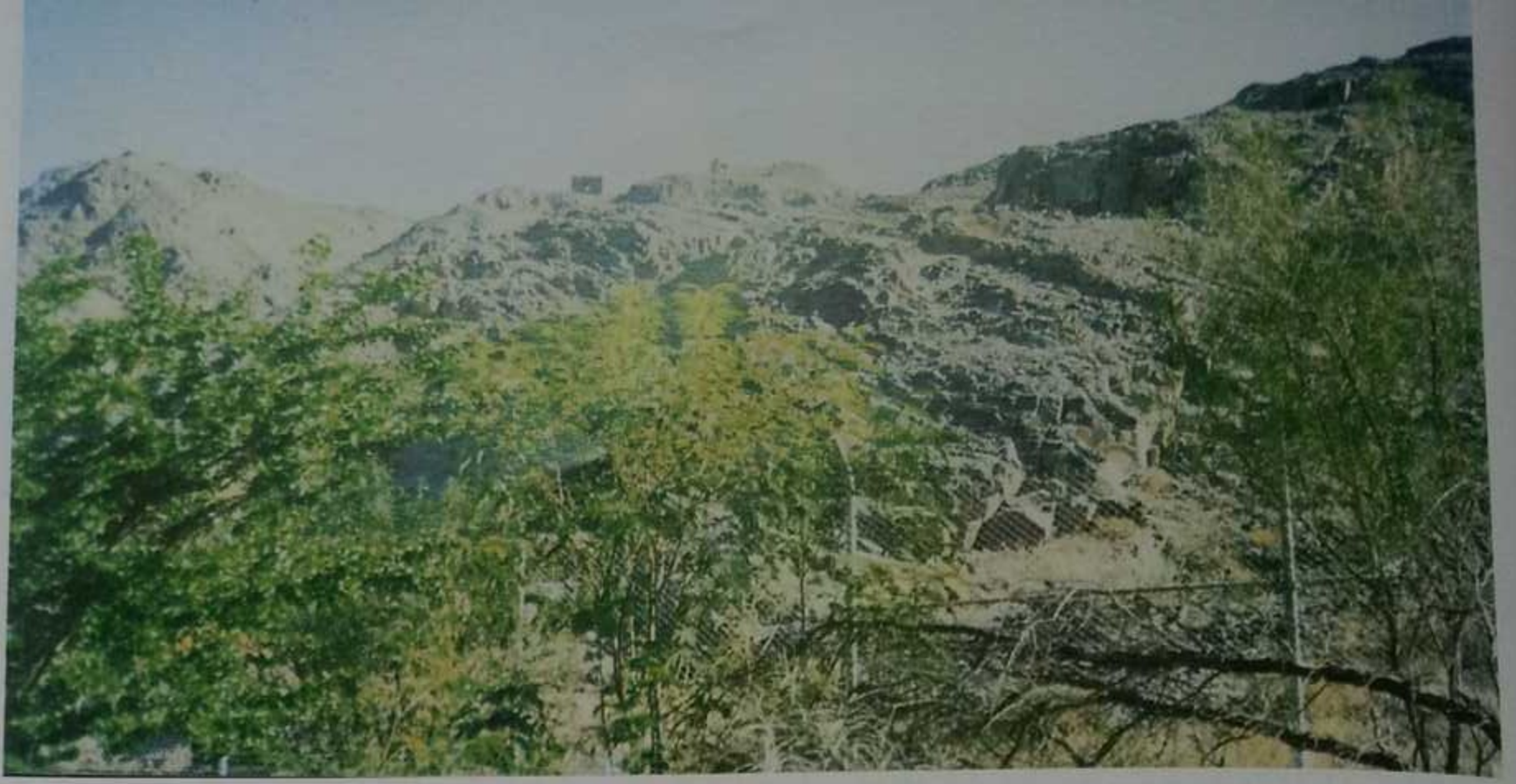
طرف گئے مگر وہ وہاں آپ حضور ﷺ کو نہ پا سکے. پھر وہ آپ حضور ﷺ کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے رہے یہاں تک کہ انہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ جبل ثواب کی طرف گئے ہیں؛ لہذا وہ جبل ثواب پر چڑھ گئے اور دائیں بائیں دیکھنے کے بعد انہوں نے آپ حضور ﷺ کو ایک غار میں دیکھ لیا جس پر جانے کے لیے آج کل لوگوں نے رستہ بنالیا ہے تاکہ مسجد نبوی شریف آتے جاتے وہاں جا سکیں.] (۴۳)

جیسا کہ ہم نے تفصیل سے اس کتاب کے باب ۱۹ ''مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد'' میں بیان کیا ہے کہ جہاں جہاں غزوہ احزاب کے دوران رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحابہ جلیل رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے خیمے گاڑے تھے وہاں مساجد تعمیر کر دی گئی تھیں. وہ تمام مساجد جبل سلع کے دامن میں واقع ہیں اور پورا علاقہ سبع مساجد کے نام سے مشہور رہا ہے. ان میں سب سے زیادہ اہم اور مشہور مسجد الفتح ہے جو کہ جبل سلع کی اک چوٹی پر واقع ہے جیسا کہ سامنے دی گئی تصویر سے واضح ہے.

چونکہ وادی بطحان کا پانی جبل سلع کے گرد واقع تمام اراضی کی آبیاری کرتا تھا یہ ساری زمین بہت زرخیز ہو گئی تھی جہاں ہر طرف ہریالی اور چراہگاہیں ہوا کرتی تھیں جہاں چرواہے اپنے مویشی چرایا کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کعب بن مالک ؓ کی ایک کنیز ان کے قبیلے کے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اس پہاڑی کے دامن میں چرایا کرتی تھی جو کہ سوق مدینہ کے قریب تھا (یعنی جبل سلع). (۴۴) اس کے علاوہ بہت سے قبائل نے اپنی رہائش اسی پہاڑ کے دامن میں منتقل کر لی تھیں جس سے وہ مسجد نبوی شریف کے قریب آ گئے تھے. سب سے پہلے جو لوگ وہاں منتقل ہوئے وہ بنی جہینہ تھے. بعد میں رسول اللہ ﷺ کے اذن خاص سے بنو حرام اور بنو اشجع بھی وہاں آباد ہو گئے تھے.

آبشار-۲۰۰۱ء

غزوہ احزاب میں حربی عملیات کے مرکز (Theatre of Operations) ہونے کے علاوہ جبل سلع اور بھی کئی انداز میں سیرۃ رسول اللہ ﷺ کے مختلف واقعات سے نسبت رکھتا ہے جن کی ایک مثال وہ غار ہے جہاں حضرت معاذ ابن جبل ؓ نے تلاش بسیار کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ڈھونڈا تھا. یہ غار 'کہف بنو حرام' کے نام سے جبل سلع ہی کی ایک چوٹی پر واقع ہے. اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزہ جس سے چٹانوں سے پانی کے چشمہ کا اجراء تھا وہ بھی اسی کی چوٹی پر ہوا تھا.

علاوہ ازیں جبل سلع بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تحریروں اور

یادداشتوں کا امین تھا جو کہ اس کی مختلف چٹانوں پر کندہ کی گئی تھیں جن میں سیدنا ابو بکر صدیق ؓ، سیدنا عمر فاروق ؓ، سیدنا علی ابن ابی طالب ؓ اور حضرت سعد ابن معاذ ؓ کی یادداشتیں شامل تھی جو کہ انہوں نے اپنے دست ہائے مبارکہ سے ان چٹانوں پر غزوہ خندق کے دوران ثبت کی تھیں۔ صدیوں سے یہ تحریریں اس بات کا ناقابل تردید ثبوت دیتی آ رہی تھیں کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو فنِ رسم الخط میں مہارت رکھتے تھے اور یہ کہ اسی رسم الخط میں لکھے گئے مصحف شریف کے نسخے انہیں ہستیوں کے ہاتھوں سے تحریر ہوئے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہجرت مبارکہ کے چوتھے سال کے یہ نقوش تاریخ اسلام کا ایک بہت ہی نادر خزینہ تھے لیکن بدقسمتی سے وہ تمام تحریریں اس علاقے میں بسنے والوں کی بے حسی اور بے اعتنائی سے صرف اس لیے راہی ملک عدم ہوگئیں کہ بے قدر لوگوں نے ان چٹانوں کو ہٹا کر ان کی جگہ اپنے اپارٹمنٹس تعمیر کر لیے ہیں۔ (۴۵)
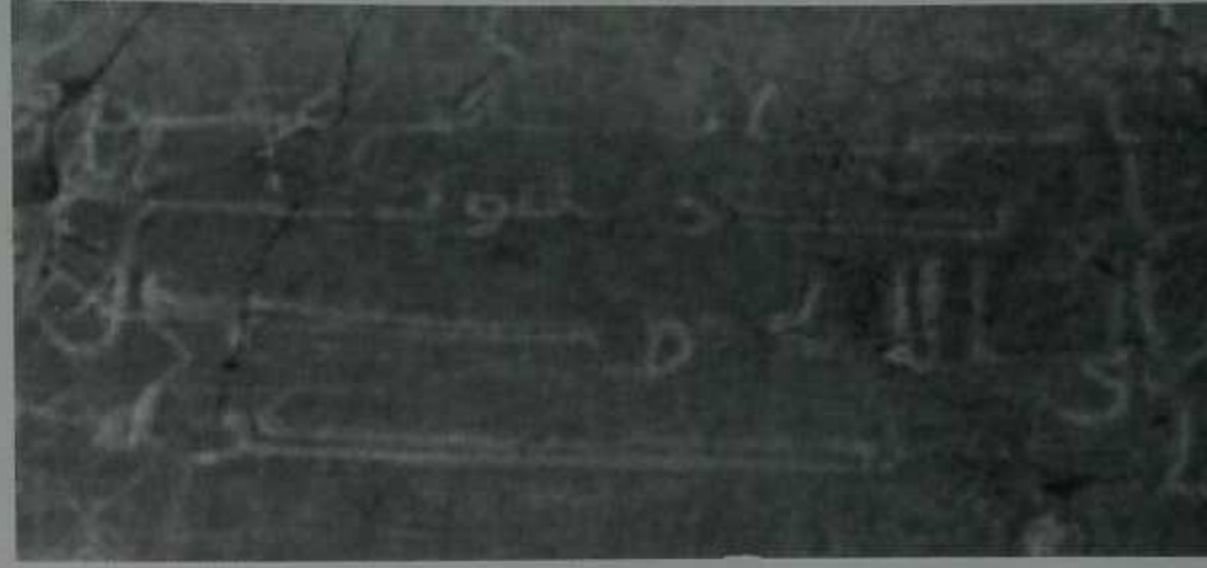
أمسى وأصبح عمر
Night and day Umar
وأبو بكر يتعوذان (؟)
and Abu-Bakr take Shelter(?)
إلى الله من كل
with God from every
مكروه
thing unpleasant

جبل سلع پر چار ہجری کی کنداں تحریریں جواب ہمیشہ کے لیے ضائع ہو چکی ہیں
(تصویریں باذن خاص)

ان تحریروں کا ضیاع موجودہ ارباب حل وعقد کے ماتھے پر ایک سیاہ داغ سے کم نہیں جن کی لاپرواہی سے اسلامی تاریخ کے ابتدائی باب کا وہ زریں ورق ہمیشہ کے لیے ضائع ہوگیا جس پر نہ صرف اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاتھوں سے غزوہ احزاب کے متعلق تحریریں کنداں تھیں بلکہ ان سے رسول اللہ ﷺ کے دور مبارکہ میں رائج عربی رسم الخط پر روشنی پڑتی تھی۔ لیکن اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی مساعی جمیلہ سے ان تحریروں کی تصویریں جریدہ تاریخ مدینہ طیبہ میں محفوظ ہوگئی ہیں۔ یہ ڈاکٹر حمید اللہ ہی تھے جنہوں نے سن تیس کی دہائی میں ان تصویروں کو اپنے کیمرے میں اتار کر پہلی بار تحقیقی رسالوں کی نذر کیا تھا۔ ابراہیم رفعت پاشا کی طبع شدہ تصاویر بہت حد تک مبہم اور دھندلی ہیں جن کی اشاعت بھی کسی طور سودمند نہیں۔

عثمانی دور میں جبل سلع پر عسکری عمارات کی تعمیر ہوئی جن میں سے بعض کے کھنڈرات آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

مدینہ طیبہ میں عمرانی ترقی کی دوڑ کا اثر اس پہاڑ کے گردونواح پر بھی پڑا اور چونکہ یہ علاقہ مسجد نبوی شریف کے بالکل قریب تھا اس لیے اس کے نواح سے صاف کی جانے والی زمین سونے کے بھاؤ بکنے لگی۔ یہاں کثیر المنزلی مکانات، ہوٹل اور تجارتی مراکز تعمیر ہو چکے ہیں اور اب یہ علاقہ مدینہ طیبہ کا گنجان ترین علاقہ تصور ہوتا ہے جو کہ مسجد نبوی شریف کے قریب ترین علاقوں میں سے ایک ہے۔ جبل سلع کا کچھ حصہ توڑ کر وہاں سے حرم النبوی شریف کے گرد سڑکوں کے جال کو بچھانے کے لیے شاہراہیں گزار دی گئی ہیں۔ ٹوٹے ہوئے حصے پر مصنوعی آبشار بنا دی گئی ہے۔ جبل سلع پر دیگر آثار نبویہ شریفہ کے علاوہ کہف بنوحرام (بنی حرام کی غار) اور عین النبی (رسول اللہ ﷺ کا چشمہ) بھی تھے۔ غار کے اوپر تعمیر شدہ قبہ مسمار کر دیا گیا ہے مگر کہف بنی حرام سلامت ہے اور اس کے اوپر کی جانب ایک اور چھوٹی سی غار ہے۔ جس سے عین النبی ﷺ جاری ہوا تھا مگر وہ صدیوں سے سوکھا ہوا ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اس غار میں بہت دیر تک سجدے میں چلے گئے تھے۔ چونکہ اس کے اردگرد قبیلہ بنوحرام آباد ہوگیا تھا اس لیے اس غار کو کہف بنی حرام کہا جانے لگا تھا۔ لوگ وہاں جا کر نوافل ادا کرتے تھے۔ اسی طرح اسی غزوہ کے دوران رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پانی کی کمیابی کی شکایت کی تو معجزہ رسول مقبول ﷺ سے اسی جبل سلع کے سینے سے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا جسے عین النبی کہا جاتا تھا۔

جبل سلع پر چار ہجری کی کنداں تحریریں جواب ہمیشہ کے لیے ضائع ہو چکی ہیں
(تصویریں باذن خاص)

جبل سلع ہی کے دامن میں شرقی جانب وہ قدیم درہ تھا جہاں سے سرور کائنات ﷺ غزوہ تبوک سے فاتح وکامران ہو کر مدینہ شریف میں داخل ہوئے تھے۔ یہ شہرہ آفاق جگہ ثنیات الوداع کے نام سے جانی جاتی تھی۔ اسی مقام پر مدینہ طیبہ کے

جبل عیر-۲۰۰۳ء

بچوں نے دف بجا بجا کر ''طلع البدر علینا'' کا وہ روح پرور نغمہ گایا تھا جس کے میٹھے بول آج بھی کانوں میں رس گھول رہے ہیں. عبرانی زبان میں لفظ 'سلع' کا مطلب 'چٹان' ہوتا ہے اور انجیل کی ایک پیشین گوئی کے مطابق یہ بتا دیا گیا تھا کہ 'آقا و مولا'، 'فارقلیط'، 'وہ نبی جو کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے ہونے تھے'، 'سردار الانبیاء' اور 'سب غایتوں کی غایت اولیٰ' کا شاندار استقبال چٹان پر ہوگا یعنی 'سلع' پر. حضرت یوشع علیہ السلام کی پیشین گوئی کے مطابق: [ویرانوں اور آبادیوں کو بلند آواز میں ان گاؤں اور قریوں کے متعلق گانا چاہیے. سلع (چٹان) کے باشندوں کو حمد گانا چاہیے. انہیں چاہیے کہ وہ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر سے حمد گائیں اور اپنے رب کی پاکی بیان کریں اور اس کی حمد ہر جگہ پہنچائیں.] (۴۶) یہودی علماء نے جب اپنے صحف سماوی کے تراجم کئے تو لفظ 'سلع' کو جو کہ دراصل ایک اسم معرفہ تھا اور بایں حالت ترجمہ کا محتاج نہ تھا، اسم نکرہ کی صورت میں 'چٹان' کر دیا. اس نقطہ نظر سے اگر دیکھا جائے تو جبل سلع بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کا نام زمانہ قبل از اسلام انا جیل میں بھی مذکور تھا اور جسے ان پیشین گوئیوں کے مطابق یہ فخر نصیب ہونا تھا کہ وہاں نبی موعود رسول اللہ ﷺ کا شاندار استقبال ہونا تھا اور ایسا ہوا بھی تھا. اس مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر دی گئی تھی. مگر وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا اور جہاں سرور کونین ﷺ کا استقبال بہت ہی والہانہ انداز میں ہوا تھا اسے بھی ملیامیٹ کر دیا گیا ہے. اب وہاں سے ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ روڈ (سابقاً سلطانہ روڈ) گزرتی ہے. نہ وہاں مسجد ہے اور نہ ہی ثنیات الوداع کی گھاٹیاں ہیں. جدید عمرانی دوڑ میں بے حسی نے وہ کرشمے دکھائے ہیں کہ ثنیات الوداع جیسے اہم ترین تاریخی مقامات بھی زیر زمین یا سڑکوں کے نیچے دفن ہو کر رہ گئے ہیں. مدینہ طیبہ یا مکۃ المکرّمہ کے جوار حرم میں جہاں آڈیو کیسیٹس بکتی ہیں وہاں طلع البدر علینا کا نغمہ شب و روز با آواز بلند لگا ہوتا ہے تا کہ اس کے استحصال سے مالی منفعت حاصل کی جا سکے مگر کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ثنیۃ الوداع کا مقام معدوم کر کے وہاں سڑک گزار دی گئی ہے.

اسی پہاڑی کی ایک چوٹی پر کہف بنی حرام تھی جس پر دو گنبد بنے ہوئے ہوتے تھے جو کہ ناصریہ پرائمری سکول کے عقب میں اس علاقے میں واقع تھی جہاں کبھی بنو جہینہ آباد ہوئے تھے. غزوہ احزاب کی عسکری کاروائیوں کے دوران رسول اللہ ﷺ نے وہاں استراحت فرمائی تھی. اسے 'کہف الکبیر' کہا جاتا ہے. یہ بات ذہن میں رہے کہ وہ غار جہاں حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو تلاش بسیار کے بعد پایا تھا وہ اس کے علاوہ ہے جسے 'کہف الصغیر' کہا جاتا تھا جو کہ جبل سلع کے دوسری جانب واقع تھی جہاں ترکوں نے ایک خوبصورت گنبد بنا دیا تھا جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے.

جبل عیر-۱۹۶۰ء

جبل عیر

جنوبی جانب سے حرم مدنی کی حد بندی کرنے کے علاوہ جبل عیر اس طرف سے مدینہ طیبہ اور حجاز کے باقیماندہ علاقوں کے مابین جغرافیائی طور پر ایک قدرتی حد فاصل ہے. مکۃ المکرّمہ اور اسی جانب سے دوسرے شہروں سے بذریعہ طریق الہجرہ آنے والوں کو اسی پہاڑ کے پاس سے گزر کر شہر

حبیب آنا پڑتا ہے. مرکز مدینہ طیبہ سے تقریباً سات کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع یہ بلند و بالا پربت طریق الہجرہ کی غربی جانب صرف ایک کیلومیٹر پر واقع ہے. وادی العقیق جو کہ مدینہ طیبہ سے ۲۰۰ کیلومیٹر دور سے جاری ہوتی ہے وہ اسی پہاڑ کے مغربی کونے کے پاس سے بل کھاتی ہوئی گزر کر ارض مقدس میں داخل ہوتی ہے.

ارض مقدس کے دیگر پہاڑوں کی طرح جبل عیر بھی آتش فشانی انفجار کے عمل کی پیداوار ہے. اس کی چٹانیں زیادہ تر گہرے بھورے رنگ کی ہیں مگر بعض مقامات پر ان میں سرخ و سپید دھاریاں بھی پائی جاتی ہیں. یہ پہاڑ ۳.۵ (ساڑھے تین) کیلومیٹر چوڑا اور تقریباً چھ کیلومیٹر لمبا ہے اور سطح سمندر سے ۳۰۰ میٹر بلند ہے. اس کی چٹانیں بہت سخت اور بلوری گرینائٹ - (Solidified crystallized granite GP) سے بنی ہیں، مگر کہیں کہیں آتش فشانی راکھ اور نرم مٹی بھی ملتی ہے. جبل عیر خود تو ایک خشک اور بے آب و گیاہ پہاڑ ہے مگر اس کے چند حصے جو کہ اس سے کٹے ہوئے ہیں اور ذوالحلیفہ اور آبار علی تک چلے گئے ہیں وہ زیر زمین پانی کی نعمت سے مالا مال ہیں اور ان پر خاردار جھاڑیاں بکثرت پائی جاتی ہیں. جبل عیر پر کہیں کہیں پائی جانے والی نباتات مغیل و ببول قسم کے خاردار خودرو پودے ہیں. چھوٹے چھوٹے قدوالابلسم (بعرف عام بلسان) کا درخت بھی اسی پہاڑ پر پایا جاتا ہے. جب اس کے تنے کے چھلکے میں چھید لگا دیئے جاتے ہیں تو ان چھیدوں سے ایک عجیب قسم کی خوشبو والی گوند بہنے لگ جاتی ہے جو بعض طبی خصائص کی حامل ہے اور اسی لیے زمانہ قدیم سے وہ مختلف امراض کے علاج کے لیے استعمال ہوتی ہے. مدینہ طیبہ کی اکثر دکانوں پر یہی گوند روغن بلیسان کے نام سے بکتی ہے اور خالص روغن بلیسان خاصا مہنگا ہوتا ہے. اس کے علاوہ ایک اور جڑی بوٹی بھی یہاں کثرت سے پائی جاتی ہے جسے لغت عام میں 'سنا' یا 'سنا مکی' کہا جاتا ہے جو کہ جلاب آور خصائص کی وجہ سے بلاد عرب سے باہر بھی عطاروں اور حکماء میں مقبول ہے.

جبل سلع پر قلع ترک
۲۰۰۳ء

پہاڑیوں کا یہ طویل و عریض سلسلہ جسے اب سلسلہ جبال العیر کہا جاتا ہے ماضی بعید میں مدینہ طیبہ کے لیے ناقابل تسخیر قدرتی دفاعی لائن کا کام دیتا رہا ہے اور اس سے ملنے والے شرقی اور غربی حرہ جات (حرۃ واقم اور حرۃ الوبرہ) نے مل کر مدینہ طیبہ کو تین اطراف سے ہمیشہ بیرونی جارحیت سے محفوظ رکھا ہے. اس کے ساتھ ساتھ ان پہاڑیوں میں قدرتی چشموں اور ندی نالوں نے ان تینوں اطراف میں ازمنہ قدیم سے پہلے تو اہل یثرب اور پھر اہالیان مدینہ طیبہ کے بادیہ نشینوں کے لیے سامان زیست مہیا کرنے میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں. بہت سے بدو قبائل انہیں علاقوں میں بسنا پسند کرتے تھے جن میں سرفہرست المزنی شعوب تھے. ابتدائے اسلام میں جب وادی العقیق مدینہ طیبہ کا سب سے زیادہ پر رونق علاقہ ہوا کرتا تھا تو بنو امیہ کے بہت سے امراء اور رؤساء جبل عیر کے دامن کوہ تک اپنے محلات کو لے گئے تھے. ماضی میں ان قدیم محلات کے کھنڈرات بہت مشہور رہے ہیں. بعض کی باقیات تو ابھی تک موجود ہیں جن میں ابراہیم بن ہشام اور اسحاق بن ایوب المخزومی کے محلات اور طلحہ اور سفیان بن عاصم کے مکانات کے کھنڈرات شامل ہیں. جبل عیر کی بعض چٹانوں پر کوفی رسم الخط میں بعض تحریریں اس علاقے کی عمرانی تاریخ پر روشنی ڈالتی ہیں جن میں سے کچھ تحریریں تو ۵۸۵ ہجری میں کنداں کی گئی تھیں.

ابراہیم التیمیؒ نے اپنے والد کی روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ: ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ہمیں خطاب فرمایا: وہ شخص جو یہ سوچتا ہے کہ ہم اہل بیت رسول مقبول ﷺ تاب اللہ کے علاوہ کسی اور چیز کی تلاوت کرتے ہیں (اور انہوں نے اس صحیفہ کی جانب اشارہ کیا جو کہ ان کی تلوار کی نیام سے بندھا تھا) دروغ گوئی کا مرتکب ہے. اسی صحیفے میں تمام مشاکل کے حل درج ہیں جن میں اونٹوں کی عمروں سے لے کر

جبل سلع پر غار سجدہ
کے اوپر چھوٹی غار
۲۰۰۳ء

قصاص تک کے احکامات درج ہیں اور اس میں رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان کریم بھی شامل ہے کہ: [مدینہ طیبہ جبل عیر سے جبل ثور تک حرم ہے .وہ جو کہ اس میں کسی بدعت کا اجراء کرتا ہے اور کسی بدعتی کو پناہ دیتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی، اس کے فرشتوں اور تمام مسلم امت کی لعنت ہو۔" البیہقی نے بھی اسی روایت کو نقل کیا ہے. (۵۰)

لغوی لحاظ سے العیر کا مطلب عرب میں جانوروں کی وہ قسم ہے جس میں صحرائی گدھے وغیرہ شامل ہیں. (۵۱) سمہودی نے کہا ہے کہ: العایر (نہ کہ العیر) جنگلی گدھے کو کہتے ہیں. یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو کہ مدینہ طیبہ کے قبلہ کی جانب العقیق کی شرقی جانب واقع ہے. (۵۲) ماضی بعید سے مختلف ادوار میں اسے جبل آعیر، عیر (زبر کے ساتھ) العار اور العیر (زیر کے ساتھ) بولا جاتا رہا ہے. اسے یہ نام کب اور کیوں ملا اس بارے میں کوئی روایت ہم تک نہیں پہنچی. تاہم چند مورخین جن میں ابراہیم العیاشی بھی شامل ہیں اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ اسے 'العیر' (یعنی جنگلی گدھا) اس لیے کہا جاتا ہوگا کیونکہ دور سے دیکھنے سے اس کی سطح ایک گدھے کی کمر کی مانند نظر آتی ہے. (۵۳) تاہم بعض مورخین کا خیال ہے (جن میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی شامل ہیں) کہ دور سے اگر اسے دیکھا جائے تو اس کی سطح خمدار تلوار کی پشت کی سی لگتی ہے. (۵۴)

چونکہ وحشی گدھے برے اخلاق اور پست صفتوں کے مالک ہوتے ہیں اس لیے اسی نام کی مناسبت سے اس پہاڑ کو بغض والا پہاڑ کہا گیا ہے. منافقین کی دست پناہی زیادہ تر اسی جانب سے ہوا کرتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عداوت اسلام میں جو مسجد ضرار تعمیر کی وہ بھی مدینہ طیبہ کی اسی جانب تھی، جب کہ جانب احد ان کی دسترس نہ ہوسکی تھی، حتیٰ کہ یوم احد پر بھی اللہ رب العزت نے ان کا اس کے دامن میں جانا گوارا نہ کیا اور وہ راستہ ہی سے لوٹ آئے. ابن ابی رئیس المنافقین کا محل بھی جنوبی جانب ہی تھا جو کہ رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے خلاف شازشوں کی آماجگاہ تھا. تاہم وہ کون سی وجوہات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ: [العیر ہم سے بغض رکھتا ہے اور ہم اس سے بغض رکھتے ہین] (۵۵) وہ تو صرف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو ہی معلوم ہیں. بعض احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے کہ العیر دوزخ کا پہاڑ ہے. (۵۶) یہی وجہ ہے کہ یہ پہاڑ عامۃ المسلمین کے دلوں میں کوئی محبت نہ پاسکا اور نہ ہی کوئی وہاں اس کی زیارت کرنے جاتا ہے. اس کے برعکس شعراء اور ادباء نے جبل سلع اور جبل احد کے بارے میں زمانہ قبل از اسلام سے لیکر موجودہ دور تک بہت سے قصیدے اور تعریفی اشعار لکھے ہیں. عثمانی دور میں ترکوں نے جبل عیر کی چوٹی پر ایک قلع تعمیر کروایا تھا تاکہ جنوب کی طرف سے ممکنہ حملہ آوروں سے بروقت آگاہی ہوسکے.
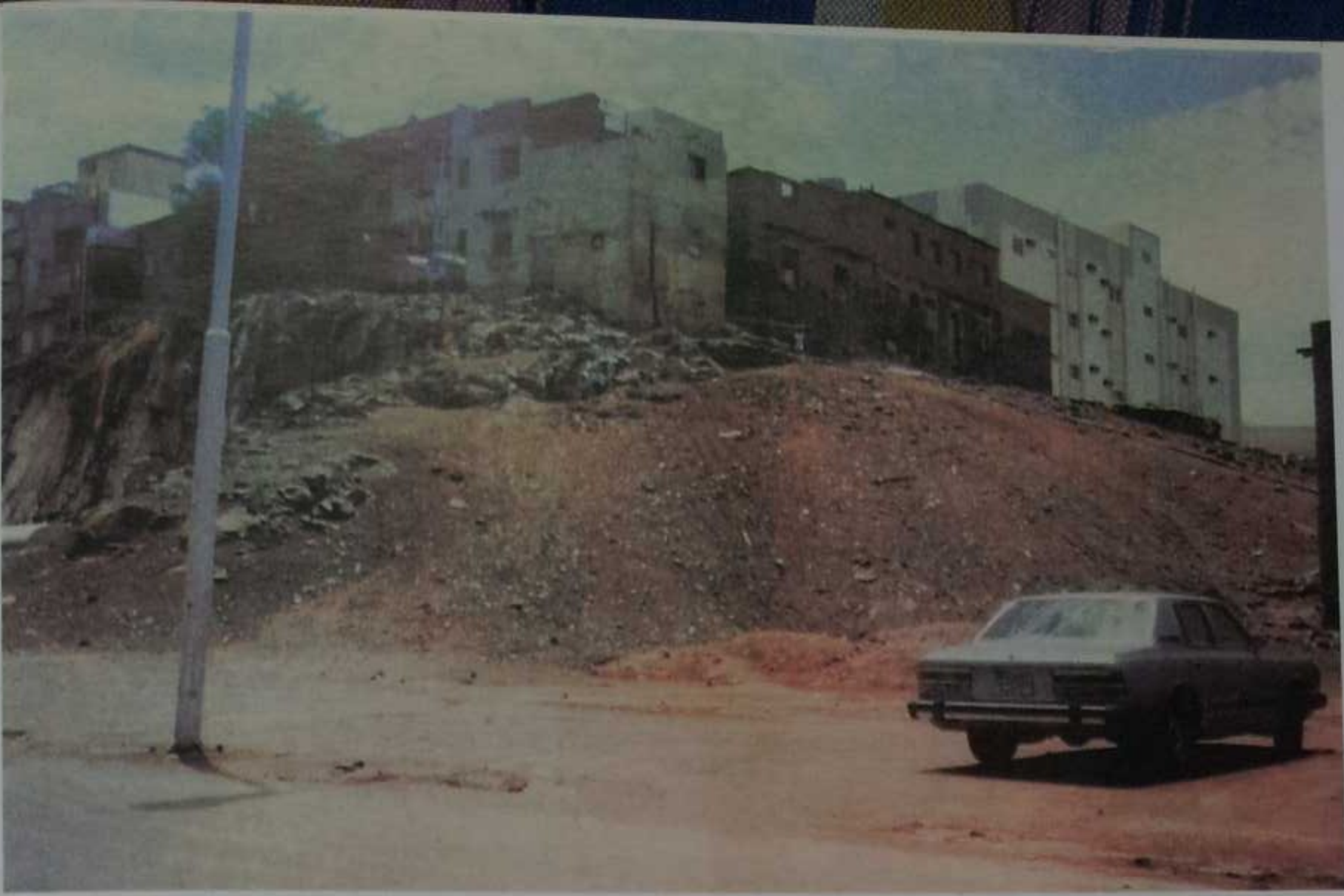
جبل الرایہ

جبل ذباب

جبل سلع کی بغل میں شرقی جانب یہ چھوٹی سی پہاڑی جبل ذباب کہلاتی ہے جو کہ العیون کے علاقے میں واقع ہے. یہ ایک بہت ہی خوبصورت گنجان آباد محلے میں کثیر المنزلی مکانات کے درمیان گھری ہوئی پہاڑی ہے. جس کی وجہ سے اکثر اوقات یہ لوگوں کی نظر سے اوجھل رہتی ہے. اس پہاڑی کی چوٹی تک مکانات کا سلسلہ قائم ہے. اب تو اس پہاڑی کا بہت سا حصہ کاٹ کر زمین ہموار کردی گئی ہے تاکہ علاقے کے باسیوں کے لیے کمیونیٹی ایریا مہیا کیا جاسکے. ساخت کے لحاظ سے اس کی چٹانیں بھی آتش فشانی عمل کی مرہون منت ہیں.

دیکھنے میں تو یہ پہاڑی بہت چھوٹی سی ہے مگر نسبت رسول مقبول ﷺ نے اسے عظمت وتقدس کی ان رفعتوں پر پہنچا دیا ہے کہ آسمان کی بلندیاں بھی اس پر رشک کناں ہیں. غزوہ احزاب کے دوران اس پہاڑی کو یہ فخر اور سعادت نصیب ہوئی کہ فخر موجودات فخر نوع انسانی ﷺ نے اس کے اوپر اپنا خیمہ نصب کروایا تھا. چونکہ یہ پہاڑی ایک ایسے مقام پر واقع تھی جہاں سے اس خندق پر جو کہ رسول اللہ ﷺ نے کھدوائی تھی پوری طرح نظر رکھی جاسکتی تھی، اس لیے سالار امت ﷺ نے اس اہم چوکی کا انتخاب فرمایا. (۵۷) حضرت رابح بن عبدالرحمٰن بن ابی سعید الخدریؓ کی روایت ہے: [رسول اللہ کا خیمہ جبل ذباب کی چوٹی پر نصب کیا گیا تھا.] (۵۸) یوں اس پہاڑی کے نصیب جاگ اٹھے کہ میر کارواں اور مومنین کے سالار اعظم ﷺ نے اس غزوہ کے دوران اپنا کیمپ آفس وہاں قائم فرمایا. رسول اللہ ﷺ کے لیے لگنے والا یہ خیمہ سرخ چمڑے سے بنا تھا اور نہ جانے کتنی ہی دفاعی نوعیت کے اجلاس وہاں منعقد ہوئے تھے. امہات المومنین میں سے سیدتنا عائشہؓ، سیدتنا ام سلمہؓ اور سیدتنا زینبؓ باری باری ہمرائی رسول مقبول ﷺ کے لیے تشریف لاتیں. اب اس خیمہ کی جگہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے جو کہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دنوں میں ہی تعمیر ہوگئی تھی اور جسے بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے از سر نو تعمیر کروایا تھا. ۱۰×۱۰ اذرع کے رقبے کی یہ مسجد ''مسجد ذباب'' کے نام سے جانی جاتی ہے. اس کے علاوہ اسے ''مسجد الرایہ'' بھی کہا گیا ہے.

ان دنوں جبل ذباب کا تقریبا آدھا حصہ توڑ کر اس کے نیچے سے زمین ہموار کردی گئی ہے تاکہ علاقے کے لوگوں کے لیے پارکنگ کا ایریا نکالا جاسکے، لیکن دوسرا آدھا حصہ جس پر وہ مسجد شریف ہے ویسے ہی رہنے دیا گیا ہے. یہ مسجد آثار نبویہ میں سے ایک ہے جو کہ ابھی تک نماز پنجگانہ کے لیے کھلتی ہے. اس کے گرد آبادی پرانی طرز کی ہے اور اس کی گلیاں تنگ ہیں۔ چند عمارتیں نئی بھی ہیں مگر مسجد کی عمارت قدیم ہے اور اوقاف کے زیر انصرام ہے.
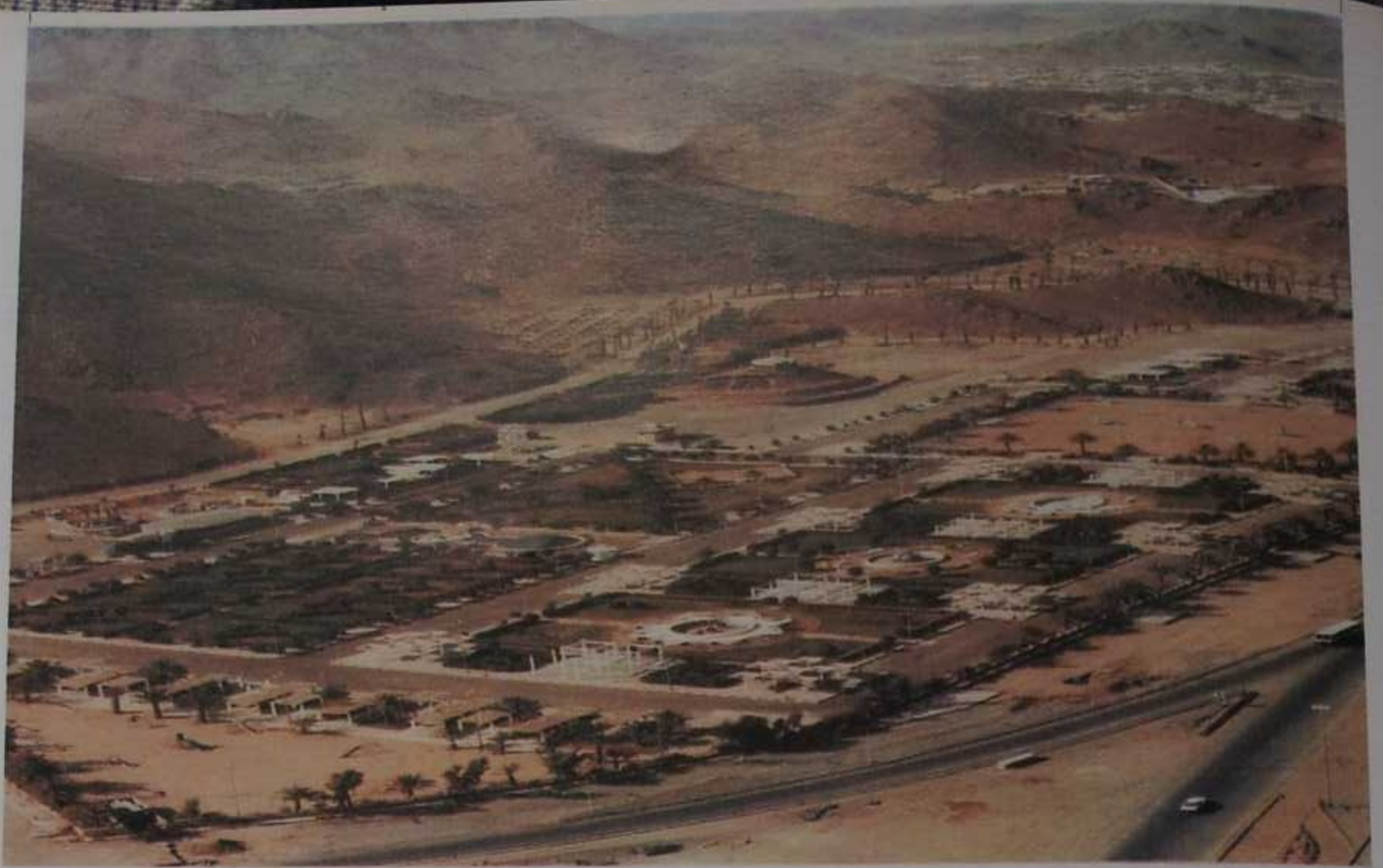
جبل الجرف

جبل الجرف

الجرف کا منطقہ مدینہ طیبہ کی جدید سیٹیلائٹ آبادیوں میں سے سب سے خوبصورت علاقہ ہے. اس کا نام 'جبل الجرف' سے مشتق ہے. یہ علاقہ مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں واقع ہے اور جبل احد کے انتہائی غربی جانب سے شروع ہو کر طریق خواجات تک پھیل چکا ہے. قبل از تاریخ کے دھندلکوں میں اگر جھانک کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ماضی بعید میں اسے العرض کہا جاتا تھا مگر تبع کے اس کو الجرف کہنے سے اس کا نام الجرف پڑ گیا. اس کا شمار مدینہ طیبہ کے زرخیز ترین علاقوں میں ہوتا رہا ہے. فجر الاسلام میں اس کی وجہ شہرت کا سبب وہاں پر عساکر اسلام کی عارضی چھاؤنی کا قیام تھا جو کہ ساسانی و بازنطینی سرپھروں کی سرکوبی اور ان حکومتوں کے خاتمے کے لیے وہاں خیمہ زن ہوا کرتے تھے.

کبھی کبھار تو رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس جیش اسلامی کی ترسیل و ترحیل کے لیے ان کے ساتھ ساتھ الجرف تک تشریف لے جاتے اور پھر مجاہدین اسلام کو الوداع فرماتے تھے. بعض روایات میں ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ حضرت معاذ بن جبل کے ساتھ الجرف تک تشریف لے گئے تھے جب کہ موخر الذکر کو یمن کے والی کے طور پر تعینات کر کے بھیجا گیا تھا. اسی مقام کو یہ شرف بھی حاصل رہا کہ وہ لشکر اسلام جو کہ حضرت اسامہ بن زید ؓ کی سپہ سالاری میں روانہ ہوا (جو حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں آخری لشکر اسلام تھا جو کہ کسی مہم پر روانہ ہوا تھا) اس کا پڑاؤ بھی جبل الجرف کے دامن میں لگا تھا. پھر خلافت راشدہ کے زریں دور میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا تو سیدنا عمر بن الخطاب ؓ نے افواج اسلام کے لیے وہاں دائمی چھاؤنی بنانے کا بندوبست کر دیا تھا. عثمانی ترکوں نے اسی پہاڑ پر ایک مظبوط قلعہ بھی تعمیر کروایا تھا تا کہ کسی بھی ممکنہ بیرونی جارحیت کا سد باب ہو سکے. صلیبی جنگوں کے دوران یہ خطرہ بڑی شدت سے محسوس ہوتا رہا تھا کہ وہ لوگ کہیں مدینہ طیبہ پر لشکر کشی نہ کر دیں. ترک دور میں اگرچہ صلیبی اپنی موت مر چکے تھے مگر پھر بھی حفظ ماتقدم کے طور پر انہوں نے دفاع مدینہ طیبہ کے لیے چاروں اطراف میں مضبوط قلعے تعمیر کروائے تھے جن میں سے ایک جبل الجرف پر بھی تھا. یہ قدیم قلعہ آج بھی موجود ہے اور اس جانب مدینہ طیبہ کے حسن و جمال میں اضافے کا سبب ہے.

الجرف کا علاقہ زیادہ تر وادی العقیق میں پڑتا ہے. بیر الرومہ کا تاریخی کنواں بھی العقیق کے اس حصے میں ہے جو کہ الجرف کا جزو ہے. زمانہ قبل از اسلام سے اس کی زرخیزی مشہور و معروف تھی؛ جب یمنی تبع نے قبل از اسلام کے یثرب پر یلغار کی تو وہ مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں واقع سلسلہ ہائے کوہسار کو دیکھ کر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا: ''میں نے چاروں اطراف کا معائنہ کیا ہے۔ جہاں تک وادی قناۃ کا تعلق ہے یہ بھی غلہ اگاتی ہے مگر یہاں انجیر کے اشجار کا فقدان ہے؛ جہاں تک حرہ جات کے علاقوں کا تعلق ہے یہ بنجر ہیں اور وہاں نہ تو غلہ ہی اگتا ہے اور نہ

جس پہاڑ پر قبہ ہارون واقع ہے وہاں سے مدینہ منورہ زاداللہ شرفاہ، کا ایک منظر (۲۰۰۰ء)

ہی انجیر. تاہم میں نے الجرف کو دیکھا ہے کہ یہاں غلے اور انجیر دونوں کی بہتات ہے.'' (۶۰)

یہ اسی زمین کی زرخیزی تھی کہ بہت سے جلیل القدر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے الجرف کے علاقے میں اپنے زرعی فارم قائم کر لیے تھے. فیروز آبادی کے مطابق: الجرف ایک ایسا علاقہ ہے جو کہ مدینہ طیبہ کے شہر سے تین میل دور شامی جانب واقع ہے. اس میں وہ زمینیں بھی تھیں جو کہ حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ملکیت تھیں. بیر جشم اور بیر جمل اسی علاقے میں واقع ہیں.'' (۶۱) حضرت عثمان بن عفانؓ نے الجرف کے علاقے میں ایک نہر کھدوانے کا بھی اہتمام کیا تھا جو ان کی زمینوں کو سیراب کرتی تھی جو کہ ان کی شہادت کے بعد حضرت نائلہؓ کے بطن سے پیدا ہونے والی ان کی بیٹیوں کی وراثت میں آ گئی تھیں. اس نہر کو خلیج نائلہؓ کہا جاتا تھا. یوں ارض مدینہ طیبہ میں مصنوعی انہار سے آبپاشی کے نظام کا تجربہ سب سے پہلے الجرف کی اراضی پر ہوا جس سے اس کی زمینوں نے سونا اگلنا شروع کر دیا. بیسویں صدی کے وسط تک یہ علاقہ پھل اور سبزیاں اگانے میں بہت شہرت رکھتا تھا.

جبل الجرف کی شہرت کی ایک اور وجہ وہ حدیث مبارکہ ہے جس میں اس بات کی نشان دہی کی گئی ہے کہ آخری ایام میں جب دجال ملعون اس شہر حبیب کا رخ کرے گا تو جبل الجرف پر آ کر رک جائے گا. حضرت مجحن بن الاضرعؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن لوگوں سے خطاب فرمایا: [یوم نجات: تمہیں کیا معلوم کہ یوم نجات کیا ہے؟

اور پھر اسی سوال کو تین بار دہرایا. اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [دجال جبل احد پر چڑھ جائے گا اور مدینہ طیبہ کی جانب دیکھے گا اور اپنے پیروکاروں سے کہے گا: جانتے ہو کہ وہ سفید محل کیا ہے؟ یہ مسجد احمد ہے. پھر وہ مدینہ طیبہ کی جانب اترے گا اور تب اس کو پتہ چلے گا کہ اس میں داخلے کے راستوں پر اس کی جانب فرشتے تلواریں سونت کر کھڑے ہوں گے. پھر وہ الجرف کی سبخہ (کلر اور شوریلی زمین) کی جانب اپنا رخ کر لے گا اور وہاں خیمہ زن ہو جائے گا. پھر مدینہ طیبہ پر تین بار زلزلہ آئے گا. اس پر کوئی بھی منافق مرد اور عورت مدینہ طیبہ میں نہیں رہیں گے اور اسے ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیں گے. یہ دن مدینہ طیبہ کے لیے یوم نجات ہوگا.] (۶۲)

جبل الجرف کو یہ بھی فخر حاصل رہا ہے کہ وہاں ''مزرعۃ النبی'' ﷺ بھی ہوا کرتا تھا جو کہ صدقات النبوی الشریف میں شامل تھا. (محمد محمد حسن شرّاب، اخبار الوادی المبارک (العقیق)، مکتبۃ دار التراث، المدینۃ المنورہ، ۱۹۸۵ء، ص: ۲۰۶). وہاں بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مکانات اور محلات تعمیر کیے ہوئے تھے. حضرت مقداد بن الاسودؓ بھی وہیں رہا کرتے تھے.

جماوات

اوسط درجے کی بلندی کی تین پہاڑیوں کا ایک سلسہ جو کہ مسجد نبوی شریف کے مغرب میں واقع ہے 'جماوات' کہلاتا ہے. ان میں سے ایک جماء تضارع کہلاتی ہے جبکہ دوسری دونوں جماء ام خالد اور جماء العاقر (یا العاقل) کہلاتی ہیں. ان میں سے پہلی دو (یعنی جماء تضارع اور جماء ام خالد) جڑواں پہاڑیاں لگتی ہیں جب کہ تیسری پہاڑی جماء عاقر ان سے الگ تھلگ ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے. یہ پہاڑیاں وادی العقیق اور حرہ غربیہ کے درمیان واقع ہیں. یہ تینوں پہاریاں بھی دیگر سلسلہ جبال کی طرح آتش فشانی عمل کی پیداوار ہیں اور بھورے
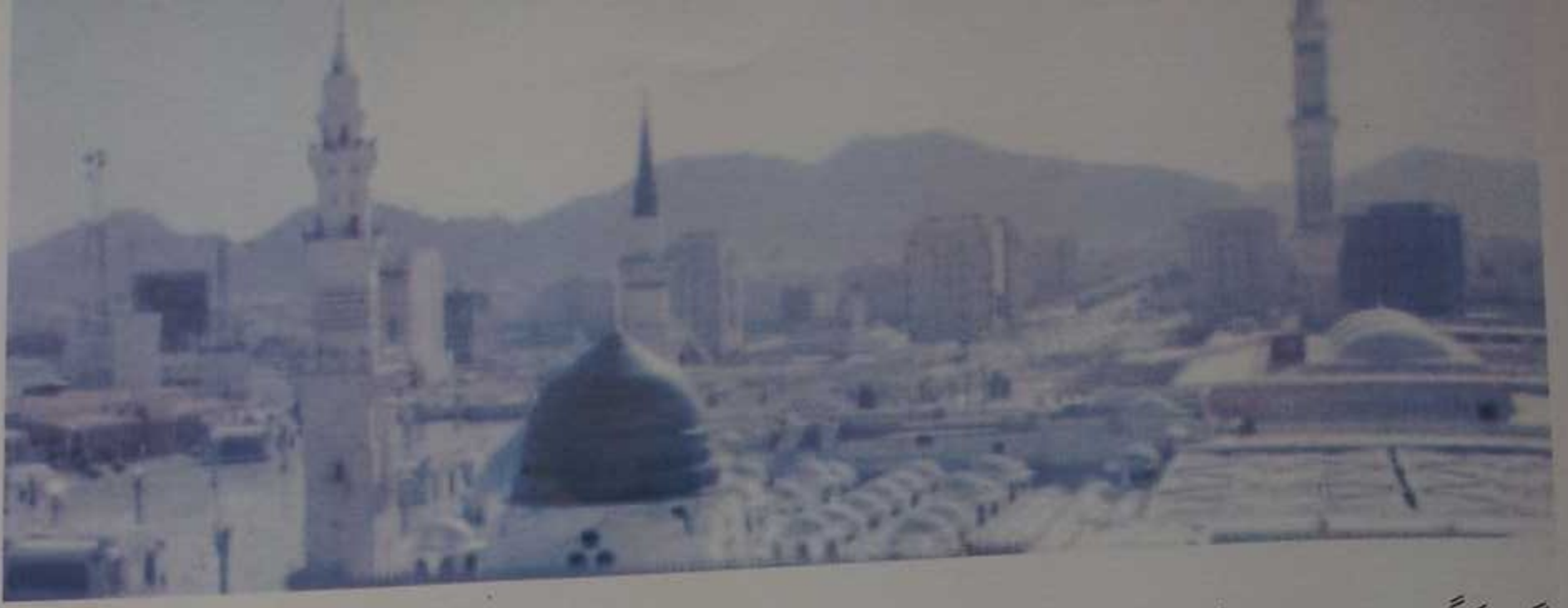
جماوات کی پہاڑیاں
۲۰۰۵ء

رنگ کے گرینائٹ بیسالٹ کے مادے سے بنی ہیں.

وادی العقیق کی شرقی جانب اور مدینہ طیبہ کی غربی جانب ان پہاڑیوں کے دامن میں واقع علاقہ اپنی زرخیزی، آبی وسائل اور سرسبز لہلہاتے کھیتوں کی وجہ سے مشہور رہا ہے. بلاذری کے بیان کے مطابق: مدینہ طیبہ میں تین جماوات ہیں، ان میں سے ایک جماء تضارع ہے جس سے بارش کی طغیانی کا پانی بہہ کر ام عاصم اور بیر عروہ بن زبیرؓ کی جانب نکل جاتا ہے. (۶۳) وادی العقیق کے نواح میں ہونے کی وجہ سے بہت سے مدنی ان پہاڑیوں کو جماوات العقیق بھی کہتے ہیں. ان تینوں پہاڑیوں کو اور دوسرے ناموں سے بھی پکارا جاتا رہا ہے: مثلاً: جماء تضارع کو جبل غرابہ بھی کہا جاتا ہے. لغوی لحاظ سے جماء کے معنی پانی کے چشمے کے ہیں. اس کا دوسرا مطلب ایسی بکری کا سر بھی ہوتا ہے. جس پر کوئی سینگ نہ ہوں اور کبھی ایسی عورت کو بھی جماء کہا جاتا ہے جو کہ بہت موٹی ہو. (۶۴) چونکہ جماوات کی چٹانیں سینگوں کی طرح زیادہ نوکیلی نہیں ہیں بلکہ منحنی ہیں اسی لیے اسے ایسی بکری کے سر سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر کوئی سینگ نہ ہو. ایک حدیث مبارکہ میں مدینہ طیبہ کے ایک پہاڑ کا نام ''جما'' بتایا گیا ہے.

جیسا کہ اوپر تصویر میں دکھایا گیا ہے بقیع الغرقد کی جانب کھڑا ہو کر اگر مسجد نبوی شریف کا نظارہ کیا جائے تو دور افق میں جو پہاڑیاں نظر آتی ہیں وہی جماوات ہیں.

جب بنی زیاد بن الحارث نے قبول اسلام کیا تو رسول اللہ ﷺ نے جماوات کے علاقے میں بہت سی زمین ان کو الاٹ کر دی تھی اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دین اسلام پر ثابت قدم رہیں گے اور مشرکین کے خلاف جہاد کریں گے. اس کے لیے ایک عطاء نامہ تیار کیا گیا جسے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے تحریر کیا تھا. (۶۵) اس کے بعد بنو امیہ نے اس علاقے کی ترقی میں بہت دلچسپی لی اور پہلی صدی میں اس علاقے میں بہت سے زرعی فارم اور کھجوروں کے باغات لہلہانے لگے. ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان پہاڑیوں کے اردگرد خالی قطعہ ارضی کا حصول محال ہو گیا تھا کیونکہ وہاں محلات اور عالیشان مکانات کی کثرت ہو گئی تھی جو کہ بنو امیہ کے امراء کے ہوا کرتے تھے. اس کی غربی جانب بہت سے قدیم محلات کے کھنڈرات بھی ہیں جن میں سب سے مشہور حضرت عروہ بن زبیرؓ، عاصم بن عمرو بن عثمان بن عفانؓ، عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفانؓ وغیرہ کے محلات کی باقیات ہیں. ان میں سے بہت سے تو جدید عمرانی ضروریات کی نذر ہو چکے ہیں لیکن بہت سے تاریخی آثار کھنڈرات کے ڈھیر کی صورت میں اپنی عظمت رفتہ پر نوحہ کناں ہیں. اس کی غربی جانب وادی ملکیمین بھی ہے جو کہ وادی العقیق کا ہی ایک علیحدہ ہونے والا حصہ ہے جہاں حضرت ابو ہریرہؓ کی زمین اور محل ہوا کرتے تھے.

ان پہاڑوں کے نواح کا علاقہ فجر اسلام کے بہت سے واقعات سے جڑا ہوا ہے. ان پہاڑیوں کے مغرب میں وہ میدانی علاقہ جو کہ وادی العقیق کے قلب تک چلا گیا تھا چراگاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا جہاں رسول اللہ ﷺ کے اونٹ چرائے جاتے تھے. ابن ہشام کے مطابق 'العرینہ' نجدی قبیلے کے چند افراد کو جنہوں نے بظاہر تو اسلام قبول کیا ہوا تھا مگر اندر سے منافق تھے، انہی
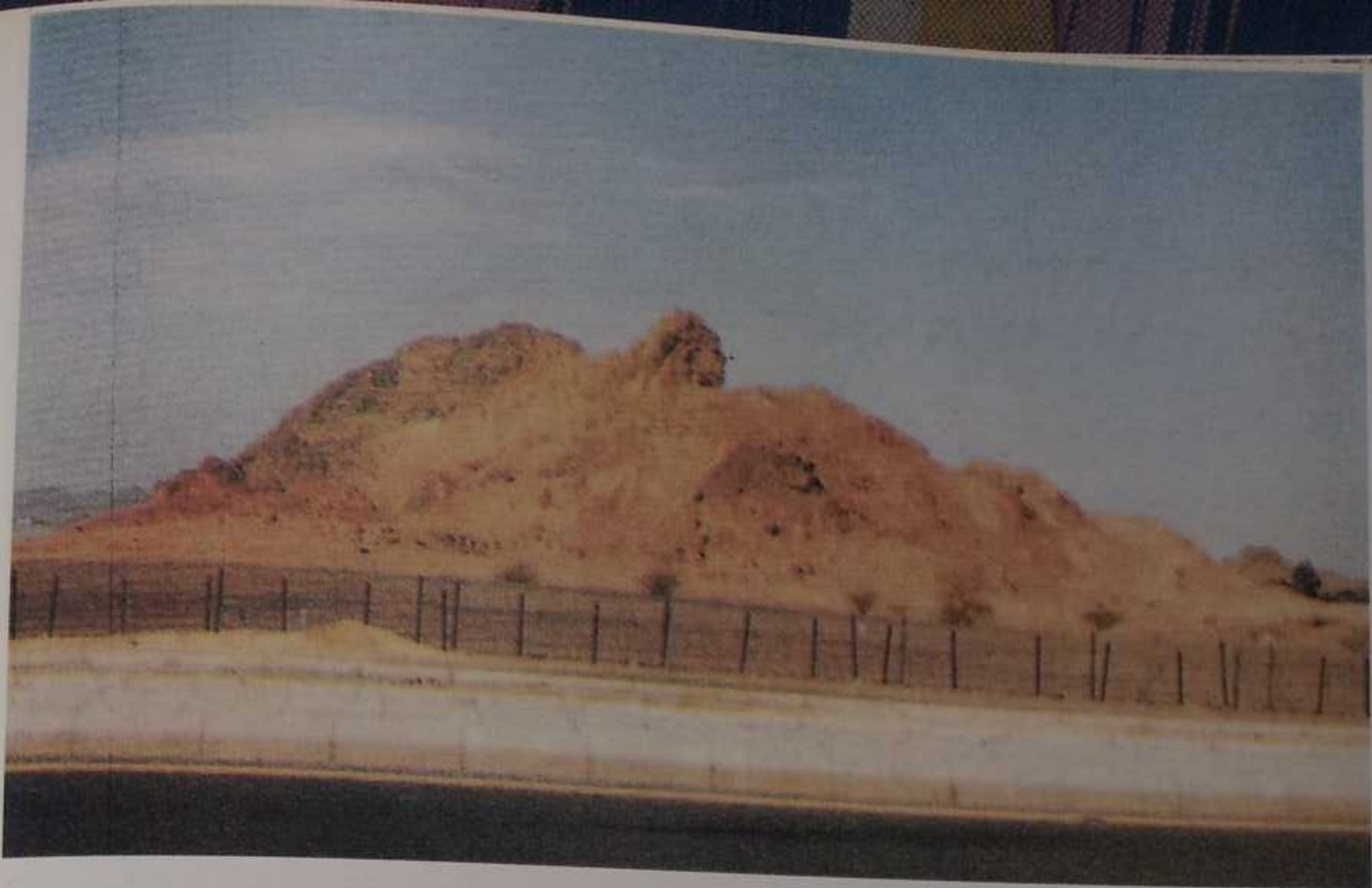
جبل حرم جنوب مشرق کی طرف سے

چراگاہوں میں بھیجا گیا تھا. انہوں نے بدعہدی کی اور رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں کے چرانے والے غلام، حضرت یسارؓ، کو شہید کر دیا اور اونٹ لے کر فرار ہو گئے. رسول اللہ ﷺ نے حضرت کرز بن جابر الفہریؓ کو ان کے تعاقب میں بھیجا. انہوں نے ان مجرموں کو جلدی جا لیا اور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لے آئے جن کو قرآن کریم کی ہدایات کی روشنی میں سزا دی گئی جو کہ اس موقع پر نازل ہوئی تھیں: ﴿وہ لوگ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کر دیئے جائیں، یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے.﴾ (٦٦) یہ واقعہ انہیں پہاڑیوں کے دامن میں غربی جانب ہوا تھا.

احادیث مبارکہ میں روایت ہے کہ: [قیامت کی گھڑی اس وقت تک برپا نہ ہوگی جب تک کہ دو آدمیوں کو ان کے خیموں میں جماء کے قریب قتل نہ کیا جائے گا.] اس حدیث مبارکہ کے متعلق فیروز آبادی نے کہا ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں مذکور واقعہ ان تین میں سے کسی جماء کے دامن میں ہوگا. (٦٧) مدینہ طیبہ کے قدیم مورخین نے دو قدیم قبروں کا ذکر بھی کیا ہے جو کہ ایک جماء یعنی ام خالد پر واقع تھیں. ابن شہابؒ کی روایت ہے: ''ایک وسیع و عریض قبر (٤٠×٤٠ میٹر) جماء ام خالد پر پائی گئی تھی جس پر ایک لوح سنگ نصب تھی: ''میں اللہ کا ایک بندہ ہوں اور نینوا سے ہوں اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا نمائندہ ہوں جسے اس قریہ میں بھیجا گیا تھا. مجھے موت نے آلیا ہے اور میں نے وصیت کی ہے کہ مجھے جماء ام خالد پر دفن کیا جائے.'' (٦٨) سمہودیؒ نے ایک اور ایسی ہی قبر کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ اس کے علاوہ تھی جس پر نصب لوح سنگ کچھ اس طرح تھی: ''میں اسود بن سوادہ ہوں اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے نمائندے کے طور پر اس قریے کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں.'' (٦٩) اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں بہت کوششیں کی گئیں کہ ان کو پڑھا جا سکے. ابن زبالہ بیان کرتے ہیں کہ دونوں الواح سنگ کو پڑھنے کی غرض سے اتارا گیا. ایک تو بہت بھاری ثابت ہوئی اور اسے اسی جماء پر ہی پھینک دیا گیا جب کہ دوسری کو ایسے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا جو کہ اسے پڑھ سکتے تھے. اس پر کندہ عبارت حمیاری زبان میں تھی اور ایک یمنی اسے پڑھنے میں کامیاب ہو گئے. اس پر مکتوب تھا: ''میں اللہ کا ایک بندہ ہوں اور نبی سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی جانب سے یثرب کے لوگوں کی طرف

جبل حرم اور حرم کے کبوتروں کے گھونسلے

وادی مکیمن کی طرف
سے اگر دیکھیں تو
۱- جبل جماء تضارع
۲- جبل المکیمن

بھیجا گیا ہوں. یہ لکھتے وقت میں اس شہر (یثرب) کے مغربی جانب ہوں.'' (۷۰)

ان آثار قدیمہ میں سے کسی کا وجود بعد میں نہیں ملا کیونکہ معاصرین میں سے بہت سے مورخین نے بہت تگ و دو کی ہے کہ ان کا کوئی سراغ مل سکے مگر ان کو ان دونوں میں سے کسی قبر کے آثار نہ مل سکے. (۷۱)

مدینہ طیبہ کے دیگر پہاڑ

جبل الحرم

جب ہم مسجد نبوی شریف سے میقات ذوالحلیفہ کی جانب جاتے ہیں تو حرم نبوی شریف کی حدود میں واقع یہ تینوں پہاڑیاں طریق خواجات (غیر مسلموں کی سڑک) کے دونوں جانب نظر آتی ہیں. ان میں سے بڑی پہاڑی کو 'جبل الحرم الاکبر' کہا جاتا ہے جب کہ دوسری 'جبل الحرم الاوسط' اور تیسری کو 'جبل الحرم الاصغر' کہا جاتا ہے. ان تینوں پہاڑیوں کو یہ فخر عظیم حاصل ہے کہ ان سے حاصل کی گئی پتھر کی سلوں سے مسجد نبوی شریف کے اگلے حصے (مجیدیہ کا پورا حصہ) کی عمارت کے لیے میٹیریل نکالا گیا تھا جس کی تعمیر ۱۲۶۵-۱۲۷۷ ہجری (۱۸۴۸-۱۸۶۱ء) میں ہوئی تھی.

جبل بنو قریضہ
تصویر: ۲۰۰۴ء

حجرہ مطہرہ کے اندر اور باہر لگنے والی تمام سلیں اور ستونوں میں استعمال ہونے والا پتھر اور ریاض الجنۃ میں استعمال ہونے والا میٹیریل انہیں تینوں جبال الحرم سے لیا گیا تھا. جب کام پورے زور شور سے جاری تھا تو کاریگر سنگ تراشوں اور معماروں کی ایک بہت بڑی ٹیم انہیں پہاڑیوں کے دامن میں ٹھہری ہوئی تھی. پتھر نکالنے سے ان پہاڑیوں میں گہرے کھڈے پڑ گئے تھے جو کہ ابھی تک اس واقعہ کی یاد دلاتے ہیں.

جبل بنو قریضہ

یہ پہاڑ مدینہ طیبہ کے جنوب مشرق میں واقع ہے اور یہ بنو قریضہ کے یہودی قبائل کی رہائش اور زرعی زمین کی آخری حد ہوا کرتی تھی جہاں تک وادی مہزور بہا کرتی تھی سخت آتش فشانی چٹانوں کی بجائے اس کے تودے آتش فشانی راکھ سے مکون ہیں جن میں کہیں کہیں پگھلا ہوا میگما (Megma) اور لاوا (Lava) پایا جاتا ہے. اس کا کثیر حصہ بلدیہ مدینہ طیبہ نے کھدوایا تھا تا کہ یہ

معلوم کیا جا سکے کہ کہیں اس کی تہوں میں کوئی قیمتی معدنیات تو نہیں مگر ایسی کوئی چیز نہ پا کر اس منصوبے کو ادھورا ہی ترک کر دیا گیا تھا.

جبل مکیمین

یہ سرخ رنگ کا پہاڑ جماء تضارع کے جنوب میں وادی مکیمین کے کنارے واقع ہے. اس وادی کو شہرت حضرت ابو ہریرہؓ کی وجہ سے ملی کیونکہ انہوں نے اپنا محل اس علاقے میں بنایا تھا جہاں ان کو زرعی زمین بھی الاٹ ہوئی تھی. وہ وہاں کچھ دیر مقیم بھی رہے تھے اور پھر انہوں نے اپنے بیٹے کے حق میں اسے صدقہ (وقف للاولاد) بنا دیا تھا. یہ علاقہ حرہ بیضاء کہلاتا تھا. یہیں حضرت معز بن مالک الاسلمیؓ کو سنگسار کیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے زناء کا اعتراف کر لیا تھا. (۷۲)

حواشی

(۱) صحیح بخاری، ج:۲، نمبر ۳۲۰۸

(۲) ابن الکثیر (ت:۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، دار الرشید، حلب، جزء ۴، ص:۹

(۳) Genesis, 46:10, and Exodus 6:15.

(۴) صحیح بخاری، ج:۵، نمبر ۴۶. مزید دیکھیے: نمبر ۳۵ و ۴۹

(۵) ایضاً، ج:۹، نمبر ۴۳۳ نیز ج:۲، نمبر ۵۵۹. نیز الموطاء امام مالک، ۴۵/۳-۱۰

(۶) منقول از ابی سعید المفضل بن محمد الجندی المکی (ت:۳۰۸)، فضائل المدینہ، ص:۲

(۷) الطبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸۵/۶-۱۸۶

(۸) مسند امام احمد، ۳۴۳/۳ و طبرانی المعجم الکبیر ۱۰۶/۷. ابن الکثیر، مصدر مذکور، جزء ۴، ص:۹

(۹) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۲۰۱۸

(۱۰) ابن شبہ النمیری البصری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج:۱، ص:۸۴

(۱۱) صحیح بخاری، ج:۷، نمبر ۱۷۵

(۱۲) ابراہیم رفعت پاشا، مرآۃ الحرمین، مطبعۃ دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۹۲۵، ج:۱، صفحات: ۳۹۲-۳۹۳.

(۱۳) حضرت ہشام بن عامر الانصاریؓ کی روایت کے مطابق اجتماعی اور بڑی بڑی قبریں کھودی گئی تھیں تاکہ ان میں دو دو یا تین تین شہداء کرام رضوان اللہ علیہم کی تدفین کی جا سکے. رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ سب سے پہلے قبر میں اسے داخل کیا جائے جسے سب سے زیادہ قرآن کریم آتا ہو.

(۱۴) الموطاء امام مالکؒ، ج:۱، نمبر ۱۰۲۳. تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن شبہ، ج:۱، ص:۱۲۸

(۱۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج:۳، صفحات:۵۶۲۔۵۶۳

(۱۶) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۹۳۸۔۹۳۹

(۱۷) الموطاء امام مالکؒ، ج:۱، نمبر۱۰۲۳

(۱۸) ابن اسحاق، سیرۃ رسول اللہ۔ انگریزی ترجمہ:(The Life of Muhammad)، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، پانچویں طباعت ۱۹۷۸، صفحات:۳۳۸۔۳۸۹

(۱۹) ابی بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ (ت:۲۳۵ ہجری)، کتاب المغازی، دار اشبیلیا، ریاض، ۱۹۹۹، ص:۲۴۳

(۲۰) ابن شبہ، ج:۱، ص:۱۲۹

(۲۱) ایضاً

(۲۲) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی (متوفی قرن عاشر الہجری)، عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار، المکتبۃ العلمیہ، مدینہ طیبہ، صفحات:۱۵۹۔۱۶۰

(۲۳) القرآن الکریم (الرعد:۲۴). نیز ابن شبہ، ج:۱، ص:۱۳۲

(۲۴) العباسی، مصدر مذکور، ص:۱۵۹

(۲۵) ابن شبہ، ج:۱، ص:۱۳۲

(۲۶) سمہودیؒ، ص:۹۳۲

(۲۷) ابن نجار (ولادت:۵۷۸ ہجری)، الدرۃ الثمینہ فی تاریخ المدینہ، مکتبۃ الثقافیہ الدینیہ، پورٹ سعید، مصر، ص:۱۲۷

(۲۸) ابن شبہ، ۱، ص:۱۳۲

(۲۹) منقول از سمہودیؒ، وفاء الوفاء، صفحات:۹۳۲۔۹۳۳

(۳۰) ابن شبہ، ۱، ص:۱۲۸

(۳۱) سمہودیؒ، ص:۹۳۶

(۳۲) ابن نجار، ص:۱۲۷

(۳۳) سمہودیؒ، ص:۸۴۸

(۳۴) مجدالدین ابی طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی (۷۲۹۔۸۱۷ ہجری)، مغانم المطابہ فی معالم طابہ، ناشر حمد الجاسر، ص:۲۸۹

(۳۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہ (The Battlefields of the Prophet Muhammad)، ص:۲۷. مولف ہذا نے اس غار کی کئی مرتبہ زیارت کی ہے. اکتوبر ۲۰۰۰ میں دیکھا کہ اس کا اندرونی حصہ پتھروں سے پٹا ہوا تھا. غار کے اندر کی جگہ عام جسامت کے دو یا تین حضرات کے بیٹھنے یا لیٹنے کے لیے کافی ہے.

(۳۶) ابن شبہ، ج:۱، ص:۶۷. نیز فیروز آبادی، ص:۱۲

(۳۷) ابن اسحاق، مصدر مذکور، جزء ابن ہشام کے نوٹس، ص:۷۵۵

(۳۸) ابن نجار، ص:۱۲۷

(۳۹) عبدالقدوس الانصاری، آثار المدینۃ المنورہ، ص:۱۹۶

(۴۰) صحیح بخاری، ج:۳، نمبر۹۴ نیز ج:۹، نمبر۴۰۳، صحیح مسلم، ج:۲، نمبر۳۶۰۱

(۴۱) سعود بن عبدالحی الساعدی و یوسف بن مطر المحمدی، احد۔ الآثار۔ المعرکہ۔ التحقیقات، مدینہ طیبہ، پہلا ایڈیشن ۱۹۹۲، صفحات:۴۳۔۴۴

(۴۲) فیروز آبادی، ص:۱۸۳

(۴۳) ابراہیم العیاشی المدنی، المدینہ بین الماضی والحاضر، ص:۷۸

(۴۴) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۱۲۵۵

(۴۵) انجنیئر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی، معالم المدینۃ المنورہ، ج:۱،ص:۲۹۳

(۴۶) Isaiah xlii, 11, 12

(۴۷) عبرانی میں سلع کا مطلب چٹان ہے (یہاں پر عبرانی لفظ کی شکل دی جائے)

(۴۸) انجنیئر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی، مصدر مذکور، ص:۳۴۷

(۴۹) صحیح مسلم، ج:۲، نمبر ۳۶۰۱

(۵۰) البیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۹۶/۵

(۵۱) فیروز آبادی، صفحات: ۵۷۴۔۵۷۵

(۵۲) سمہودی، وفاء الوفاء، ص:۱۲۶۹

(۵۳) ابراہیم المدنی العیاشی، ص:۴۷۲

(۵۴) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، جزب القلوب الی دیار المحبوب (اردو ترجمہ: دیار محبوب تاریخ مدینہ از حکیم سید عرفان علی، تاج کمپنی، دہلی)، ص:

(۵۵) مسند امام احمد، ۳۳۳/۳، ۴ و طبرانی المعجم الکبیر ۱۰۶/۷، ابن الکثیر، مصدر مذکور، جزء ۴، ص:۹

(۵۶) ایضاً

(۵۷) ابن شبہ، ج:۱،ص:۶۲

(۵۸) ایضاً

(۵۹) ایضاً

(۶۰) فیروز آبادی، ص:۸۸

(۶۱) ایضاً

(۶۲) ابن الکثیر (ت:۷۷۴ ہجری)، البدایہ والنہایہ، ج:۱۵، ص:۶۸۔ یہ حدیث مبارکہ احادیث کی بہت سی کتابوں میں منقول ہے۔

(۶۳) منقول از فیروز آبادی، ص:۹۱

(۶۴) ایضاً، ص:۱۰

(۶۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج:۱،ص:۲۶۸

(۶۶) القرآن الکریم (المائدہ:۳۳)

(۶۷) فیروز آبادی، ص:۹۱

(۶۸) ابن شبہ، ج:۱،ص:۱۴۹

(۶۹) سمہودی، وفاء الوفاء، ص:۱۰۶۴

(۷۰) انجنیئر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی، جزء ۱، ج:۱، ص:۳۹۵

(۷۱) سمہودیؒ، وفاء الوفاء، ص:۱۳۳۲۔ نیز العیاشی، ص:۲۰۹

باب ۲۵

متفرقات الطیبۃ الطیّبہ
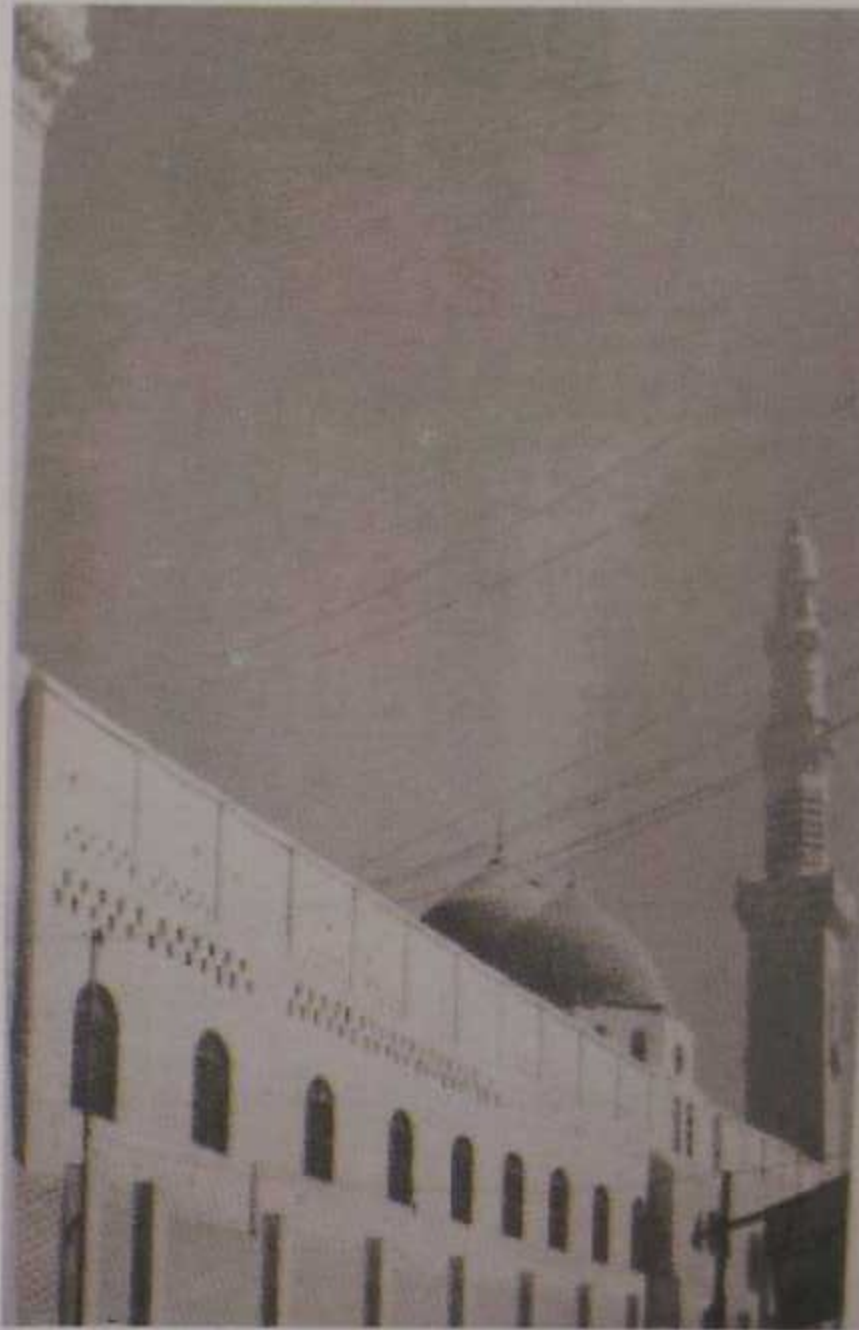
مدینہ طیبہ ایک ایسا ہیرا اور گوہر بے بہاء ہے جسے جس سمت سے بھی دیکھیں تو دل کو موہ لینے والا ایک نیا رنگ نظر آتا ہے. ہم نے بسیار کوشش کی کہ اس کے ہمہ جہتی منور و تاباں خصائص میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ باب ہو مگر آخر پر یہ محسوس ہوا کہ اس کے بہت سے پہلو ابھی بھی تشنہ لبی کے شکوئی کناں ہیں. لہذا ہم نے مناسب جانا کہ کتاب کے آخر میں چند متفرقات کے متعلق ایک طائرانہ سی نظر ہی ڈال لی جائے جس میں ان خصائص و مقامات کا اگر مکمل احاطہ نہیں تو کم از کم تذکرہ ہی ہو جائے. ان میں جدید دور کے شاہکار بھی ہیں اور قدیم شہ پاروں کا بھی ذکر ہے جو کہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں.

عصر حاضر کے شاہکار

مدینہ طیبہ میں جدید عمرانی ترقی کے قدم سعودی عرب کے دیگر شہروں کے برعکس نسبتاً کافی تاخیر سے لگے، مگر جب ایک بار ارباب اختیار کی نظر التفات یہاں سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والے بیکراں اور لامتناہی منافع پر پڑی تو انہوں نے اس کی پسماندگی کو دور کرنے کا تہیہ کر لیا. پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں اس کی کایا پلٹ گئی اور شہر مصطفوی جو کہ ماضی میں اپنی معیشت کے لیے صرف زائرین کی آمدورفت پر انحصار کرتا تھا ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو گیا اور یہاں ایسے اداروں اور صنعتوں کا قیام عمل میں آیا کہ نہ صرف یہ معاشی طور پر خود کفیل ہو گیا بلکہ بہت سے معاملات میں تو عالمی سطح پر مسلمانوں کی ضروریات پوری کرنے لگا ہے. اس ریلے میں سب سے زیادہ ترقی ہوٹل انڈسٹری کو ملی ہے. عمرانی ترقی کے نتیجے میں جگہ جگہ فلک بوس ہوٹل، پلازے اور عظیم الشان عمارتیں سر اٹھائے نظر آتی ہیں. تیرہ یا چودہ منزلہ عمارتیں تو عام ہیں مگر ہم نے ان میں سے صرف ان مقامات کو چنا ہے جو عالمی شہرت حاصل کر چکے ہیں یا جو کہ مدنی زندگی میں بہت اہمیت کے حامل شہ پارے ہیں.
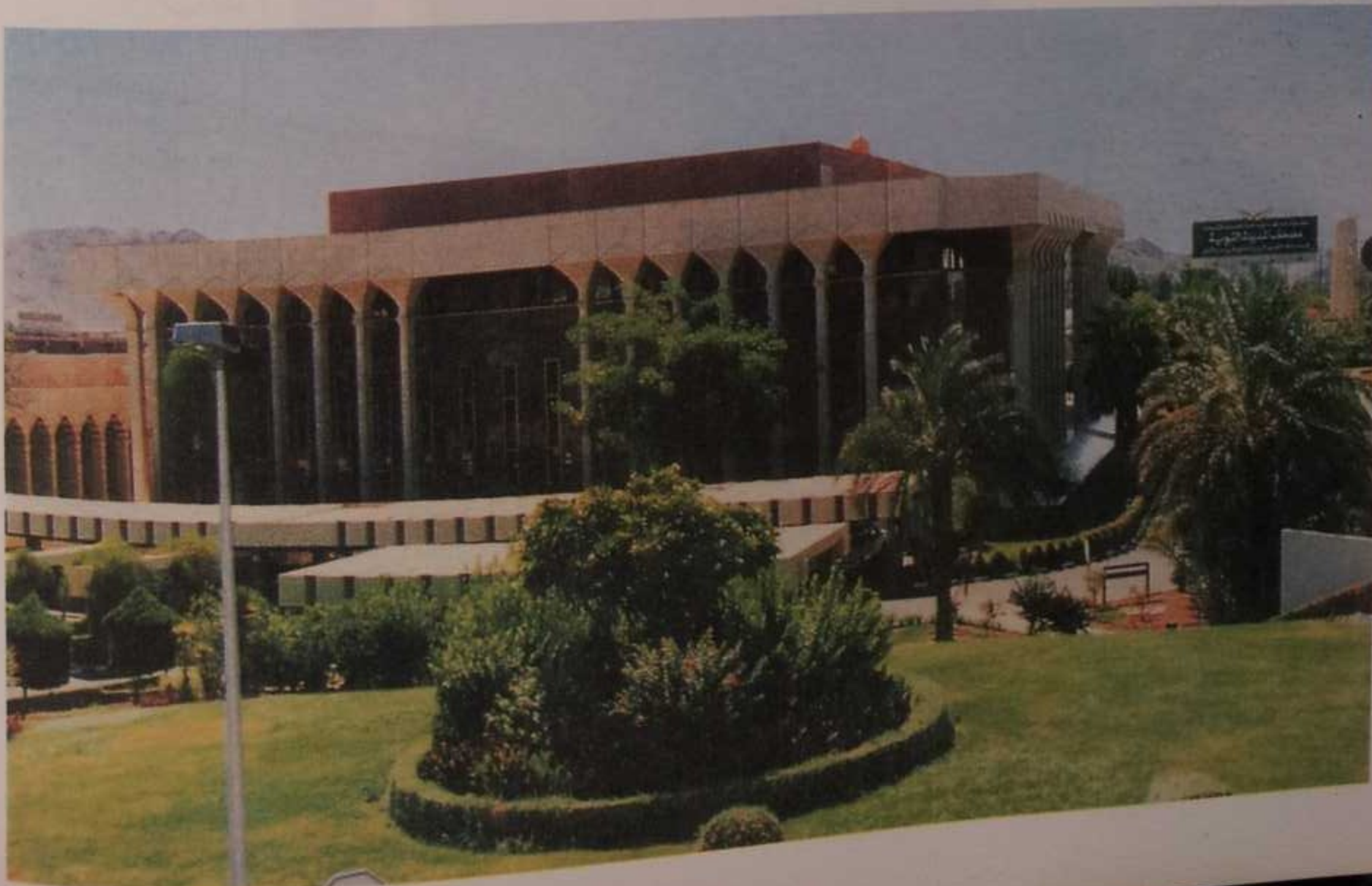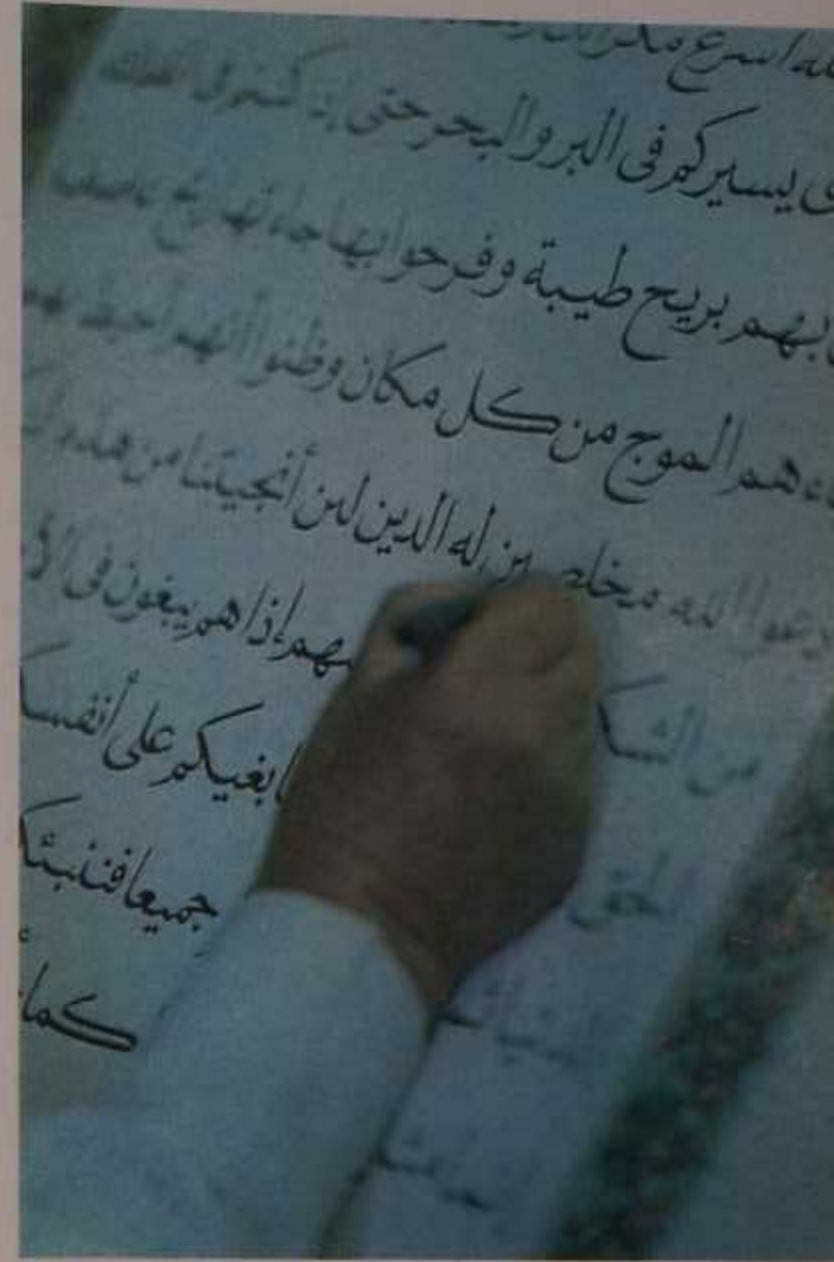
ملک فہد قرآن کمپلیکس کی عظیم شان عمارت

مجمع الملک فہد برائے مصحف الشریف

طریق تبوک پر مدینہ طیبہ کی شمال مغربی جانب واقع یہ عظیم الشان کمپلیکس ملک فہد قرآن کمپلیکس کے نام سے جانا جاتا ہے جو کہ اپنی نوعیت کا پوری دنیا میں قرآن مجید فرقان حمید کے لیے سب سے بڑا طباعتی ادارہ ہے. ماضی میں سعودی عرب میں طباعت کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر تھیں اور حرمین الشریفین کے علاوہ دیگر مساجد میں قرآن کریم کے مصاحف کی کمی بیرونی ممالک سے درآمد کر کے پوری کی جاتی تھی قرآن کریم کے بیشتر حصے کا نزول مدینہ طیبہ یا اس کے گردونواح میں ہوا اور یہیں اس کو عملی طور پر نافذ بھی کیا گیا اور اسی شہر حبیب میں اسے ایک مصحف کی شکل میں یکجا بھی کیا گیا. تدریس اور تفہیم قرآن کریم کی کرنیں بھی دور رسالت مآب ﷺ سے لے کر اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ وفقہاء کے دور میں مسجد نبوی شریف کے مرکز الانوار سے ہی پھوٹتی رہیں. صدیوں پر محیط اس عمل کو مزید چار چاند لگانے کے لیے رب ذوالجلال نے ایک بار پھر اسی شہر حبیب کا انتخاب کیا اور یوں خادم الحرمین الشریفین کے ہاتھوں اس عزت وافتخار کا ہار بھی اسی شہر نبوی شریف کے گلے میں ڈالا گیا.

جب ۱۴۰۳ ہجری میں اس منصوبے کا اجراء ہوا تو اس کا مقصد وحید یہ قرار پایا کہ اسی شہر انوار وتجلیات کے جوار سے عالمی سطح پر کلام اللہ کی اشاعت وسیع بنیادوں پر کی جائے. اس کمپلیکس کا سنگ بنیاد خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے ۱۶ محرم الحرام ۱۴۰۳ ہجری کو رکھا اور دو سال کی قلیل مدت میں اس عظیم الشان منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا گیا جس پر ۸۶۴ ملین ریال کا زرکثیر صرف ہوا.

۶ صفر المظفر ۱۴۰۵ ہجری (۳۰-اکتوبر ۱۹۸۴ء) کو اس کا باقاعدہ افتتاح ہوا. اس موقع پر شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا:

ملک فہد قرآن کمپلیس میں واقع مسجد
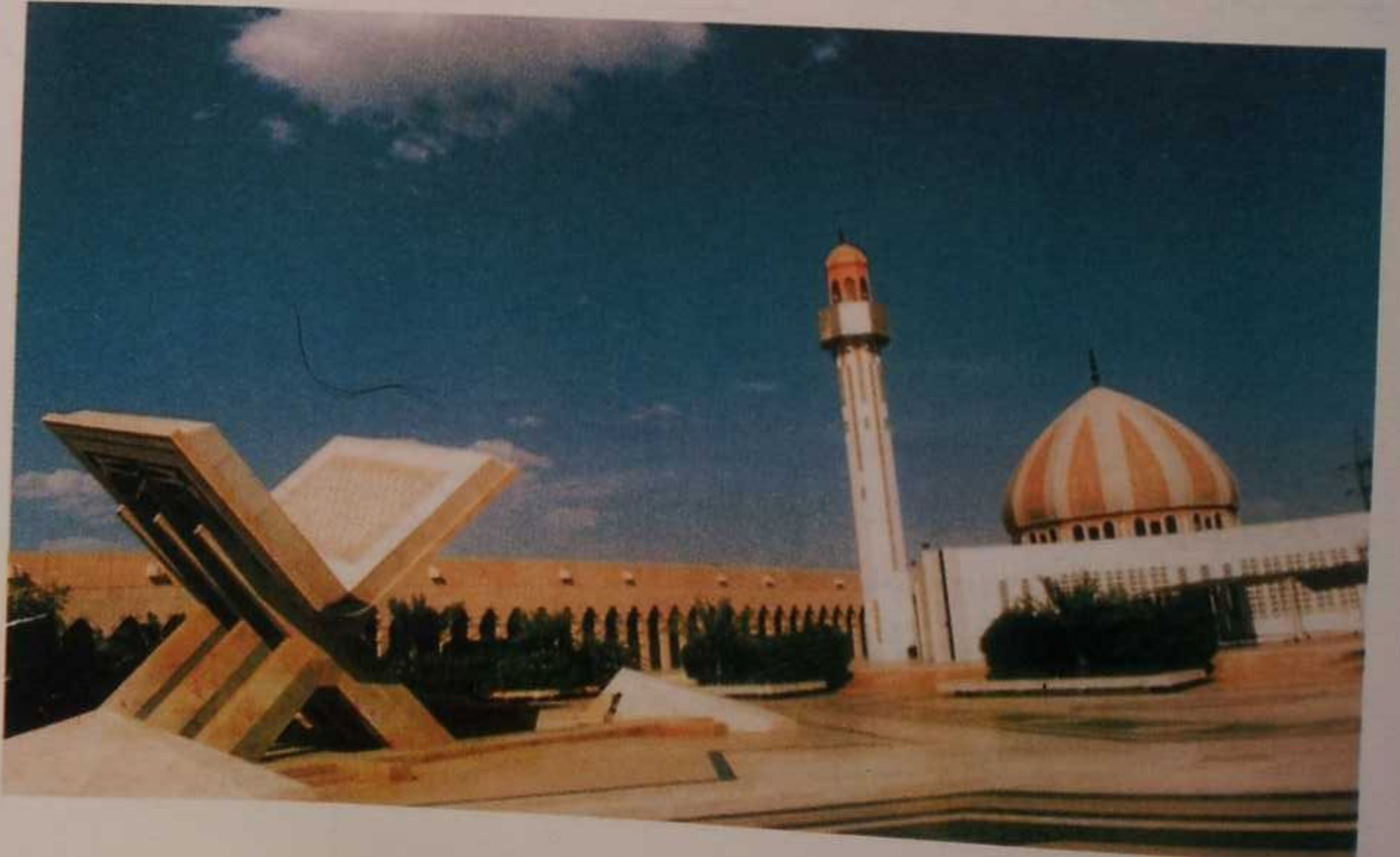
''یہیں اسی شہر میں آج سے دو سال پہلے میں نے اس عظیم الشان منصوبے کی خشت اول رکھی تھی. یہی وہ شہر ہے جہاں کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ورود مسعود پر بے انتہاء خوشیوں کا اظہار کیا تھا. انہوں نے آپ حضور ﷺ کی صدائے حق پر لبیک کہا تھا جس سے نوع انسانی کی تقدیر بدل گئی. آج یہ خواب پورا ہوگیا ہے اور اب سعودی عرب کے ہر شہری کا فرض ہے کہ اس نعمت عظیم کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں.''

فی الواقع یہ کمپلیکس ایک خود کفیل وحدت ہے جو کہ ایک بہت بڑے مطبع، تنظیمی امور کی عمارات، نقول تیار کرنے اور جلد بندی کے ہال اور تحقیق کے لیے قائم کئے گئے اداروں، فنی دیکھ بھال کے ادارے، ایک عالیشان مسجد، ایک لائبریری، ایک کیفے ٹیریا، سٹور، اور رہائشی عمارات اور تفریحی علاقوں (جن میں ایک کلب اور کھیل کا میدان بھی شامل ہے) اور دیگر ضروری سہولیات پر مشتمل ہے. اس عظیم الشان عمارت کے فرش سنگ مرمر کی چمکدار سلوں سے بنے ہیں اور باب رئیسی کے قریب اندر کی جانب علامت کے طور پر قرآن کریم کا ایک بہت بڑا مجسمہ (Icon) بنا کر نصب کیا گیا ہے. جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ عظیم کمپلیکس صرف اور صرف قرآن حکیم کے علوم اور اشاعت کے لیے وقف ہے.

انتظامی طور پر یہ ادارہ وزارۃ اسلامی امور واوقاف اور دعوۃ وتبلیغ کے زیر انصرام ہے. جس کے روزمرہ امور کو نپٹانے کے لیے ایک جنرل ٹرسٹ قائم کی گئی ہے. اس میں سالانہ مصحف شریف کے تیس ملین نسخے تیار کرنے کی گنجائش ہے. تاہم سردست ہر سال اس سے ۱۰ ملین نسخے چھپ کر باہر آتے ہیں. اس کے چھاپہ خانہ میں عصری تقاضوں سے ہم آہنگ جدید ترین آلات نشر وطباعت، کمپیوٹرز اور مشینری نصب کی گئی ہے جہاں طباعت کے علاوہ جدید جلد بندی کے آلات اور آڈیو ریکارڈنگ کے نظام بھی مہیا کئے گئے ہیں. فرقان مجید کی طباعت کے لیے ہر مرحلے پر سائنسی اور الیکٹرانک اور کمپیوٹر کے نظام بروئے کار لائے گئے ہیں جس کے نتیجے میں مصحف الشریف اب مختلف کتابی سائزوں اور شکلوں میں اور مختلف رسوم الخط میں بہت سے انواع واقسام کے دیدہ زیب کاغذ اور جلدوں میں دستیاب ہے. چاردانگ عالم میں قارئین کی سہولت کے لیے اس کی کتابت کے لیے الگ الگ اور دیدہ زیب فونٹ (خطوط) اور خطاطی کا انداز اپنایا جاتا ہے. مثلاً جنوبی افریقہ، سینیگال، چاڈ اور نائجیریا میں بسنے والے قاریوں کے لیے ورش (جنہوں نے نافع المدنی سے روایت کی ہے) کا انداز اپنایا گیا ہے کیونکہ ان ممالک میں یہی رسم الخط مقبول ہے جب کہ برصغیر پاک وہند اور ایران وافغانستان کے لیے خط نسخ اختیار کیا گیا ہے. سوڈان میں رہنے والے لوگوں کے لیے ایک اور خط چنا گیا ہے. (۱) یہاں سے پاکٹ سائز سے لیکر بڑی بڑی تقطیع میں مصحف شریف چھپ کر نکلتے ہیں. عربی زبان کے علاوہ قرآن کریم کے بیس سے زائد عالمی زبانوں میں تراجم اور تفاسیر شائع کی جاتی ہیں. یہ سہرہ بھی قرآن کمپلیکس کے سر ہے کہ تاریخ اسلام میں پہلی بار بریلی نظام کے تحت نابینا حضرات کے لیے کئی جلدوں میں مصحف تیار کیا گیا ہے تاکہ وہ بھی قرآن مجید کے مستفید ہو سکیں.

کمپلیکس کی ایک عمارت میں آڈیو ریکارڈنگ کی بڑی بڑی مشینیں مشہور قراء کرام کی زبان میں ریکارڈنگ کرتی ہیں. اس کا اپنا ریسرچ سینٹر ہے جو کہ قرآنی علوم میں تحقیق کے لیے مختص ہے. ۱۴۲۰ ہجری کے اختتام پر قرآن کمپلیکس میں ۱۴۰ انجینئر، ماہرین، علماء اور عملے کے دیگر ارکان تعینات تھے. (۲) جب کہ پورے عملے کی تعداد دو ہزار سے متجاوز تھی.

جامعہ اسلامیہ (مدینہ اسلامی یونیورسٹی) کے تعاون سے قرآنی علوم، علوم الحدیث اور سیرۃ النبویہ پر انسائیکلوپیڈیا اور ضخیم کتب شائع کرنے کا منصوبہ بھی زیر تجویز ہے. سمعی اور بصری آلات (Audio Visual Aids) سے مزین اور ملٹی میڈیا ٹیکنالوجی سے لیس یہ قرآن کمپلیکس قرآن حکیم کے تراجم کو ان زبانوں میں شائع کرتا ہے جو کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں زیادہ بولی جاتی ہیں جن میں انگریزی، جرمن، فرانسیسی، یونانی، ایطالی، پرتگالی، روسی اور ہسپینی زبانیں یورپی ممالک کے لیے اور بنگالی، برمی چینی، ہوسا، کوریائی، فارسی، سندھی، ترکی، اردو اور زولو زبانیں شامل ہیں جو کہ ایشیا افریقہ اور مشرق بعید میں بولی جاتی ہیں. جید علماء کرام پر مشتمل ایک ٹیم قرآن کریم پر لگائے گئے اعراب اور

شرعی عدالت کی عمارت اور کمپلیکس

تشکیل کی نگرانی کرتی ہے۔ صوتی تسجیل اور ریکارڈنگ جدید ترین آڈیو ریکارڈنگ نظام کے ذریعے کی جاتی ہے۔

باہر سے آنے والے ہر حاجی کو قرآن کریم کا ایک نسخہ شاہ فہد کی جانب سے تحفہ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی اشاعت اور تفہیم کے لیے دیگر براعظموں میں بڑے پیمانے پر مصحف شریف کے نسخے ارسال کئے جاتے ہیں۔ ۱۴۲۰ ہجری کے اختتام تک ۹۹ ملین مفت نسخے ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ اور حجاج کرام میں مفت تقسیم کئے گئے تھے۔ (۳) اس کمپلیکس سے مطبوعہ ۶ ملین نسخے مساجد، مدارس، یونیورسٹیوں، ہوٹلوں اور دیگر دینی اداروں اور سعودی عرب میں واقع کتب خانوں میں ارسال کئے جاتے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے زائرین اور حجاج کرام کو تحفتاً مصحف شریف کے نسخے پیش کئے جاتے ہیں۔ مملکت سعودی عرب کے سفارت خانے دیگر ممالک اور دینی اداروں کو اس کی ترسیل میں مدد دیتے ہیں۔ ۱۴۱۷ ہجری کے اختتام تک شاہ فہد قرآن کمپلیکس میں طبع ہونے والے مصحف کے نسخوں کی کل تعداد ۹۱۴، ۳۷، ۱۱ تک پہنچ چکی تھی۔

شرعی عدالت کی عمارت اور کمپلیکس

مسجد نبوی شریف کے قبلہ کی جانب حیزروان کے قدم تاریخی گاؤں کی جگہ مدینہ طیبہ کی شرعی عدالت کی عمارت ہے۔ یہ عمارت روائتی اسلامی طرز تعمیر اور جدید تعمیراتی نظریات کا حسین امتزاج ہے۔ اس کی کثیر المنزلی عمارت قدیم طرز کے مختلف محراب دار برآمدوں پر استوار کی گئی ہے جو کہ مدنی عمارات کا طرہ امتیاز ہے۔

یہ عالی شان چار منزلہ عمارت ۳۰۰، ۷ مربع میٹر کے چھتے ہوئے علاقے (Covered Area) پر محیط ہے۔ پہلی منزل پر رئیس العام اور اس کے نائبین اور قانونی مشیروں کے دفاتر ہیں؛ ساتھ ہی انتظامی امور کا شعبہ اور ریکارڈ آفس ہے۔ قانونی چارہ جوئی کے لیے آنے والوں کے لیے انتظار کا ایک وسیع وعریض ہال بنایا گیا ہے۔ دوسری منزل میں مختلف عدالتوں اور قاضی صاحبان کے دفاتر ہیں جو کہ آٹھ شرعی عدالتوں پر مشتمل ہیں جن میں سے چھ میں عدالت علیا (Supreme Court) کے چیمبر قائم ہیں۔ عمارت کے تہہ خانے میں پارکنگ ایریا ہے جہاں عدالتوں کے کارندوں اور عوام کے لیے کار پارکنگ کی سہولت موجود ہے۔

مدینہ یونیورسٹی

ہجرت مبارکہ پر ریاست مدینہ طیبہ کی بنیاد رکھنے کے بعد دیگر اہم باتوں کے علاوہ سید العرب والعجم نبی الامی اور حکیم وعلیم ﷺ نے اس بات پر بہت زور دیا کہ امت کے نوجوان زیور تعلیم سے آراستہ ہوں۔ اس ضمن میں ہمیں بے شمار احادیث مبارکہ ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حصول علم پر بہت زور دیا۔ مدینہ طیبہ میں اس وقت پڑھے لکھے حضرات کی شدید قلت تھی اور جتنے مدراس (Midrashes) تھے وہ یہود کے بنائے ہوئے تھے اور انہی کے زیر انصرام چلتے تھے جہاں وہ اپنی دینی کتابیں پڑھایا کرتے تھے اور مسلمانوں کے لیے معلمین کا فقدان تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ غزوہ بدر میں قریش کے قیدیوں کی فدیہ کے عوض رہائی کا مسئلہ آیا تو سرور کائنات ﷺ نے ایک یہ شرط رکھ دی

کہ جو قیدی فدیہ نہ دینا چاہتا ہو وہ اس کی جگہ اپنی رہائی کے عوض مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے.
اسی طرح مسجد نبوی شریف میں مقام الصفہ پر یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ وہاں پر مقیم نادار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ایسے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قران لکھنا اور پڑھنا سکھاتے تھے جو پڑھے لکھے تھے. یوں یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ مسجد نبوی شریف (جس کے اندر مقام الصفہ جہاں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد مقیم تھی جن کا نان ونفقہ بھی مدنیوں کے باہمی تعاون سے ریاست مدینہ طیبہ کے ذمہ تھا) دنیا کی پہلی درسگاہ یا یونیورسٹی تھی جہاں تعلیم کے علاوہ مستحق افراد کی رہائش اور کھانے پینے کا بندوبست بھی تھا صرف یہی نہیں بلکہ یہود بے بہود سے ہر سطح پر مقابلہ کرنے کے لیے اس بات کی ترغیب دی گئی کہ مسلمان ان کی زبان (عبرانی) بھی لکھنا پڑھنا سیکھیں. اس سلسلے میں حضرت زید بن ثابت ؓ کی مثال بہت درخشندہ ہے جنہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی دعائے مبارکہ سے بہت ہی کم عرصہ میں عبرانی لکھنا پڑھنا سیکھا تھا.

ملک فہد قرآن کمپلیس میں دنیا کی بہترین پرنٹنگ مشینوں پر قرآن کریم کی اشاعت ہوتی ہے

رسول اکرم ﷺ کے فرمان مبارک: [طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة] سے مسلم مرد وزن پر حصول علم فرض اور لازم ہو گیا تھا اور شمع رسالت کے پروانے فرمان مصطفوی پر دل وجاں سے عمل کیا کرتے تھے. پھر خلافت راشدہ کے سنہری دور میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا کہ بچوں اور بالغوں کی تعلیم کا مناسب بندوبست ہو. سیدنا عمر فاروق ؓ نے تحفیظ اور تعلیم القرآن کے لیے مدارس کی بنیاد ڈالی جو وقت کے ساتھ ساتھ ارتقاء کی منازل طے کر کے ایک ہمہ جہتی نظام تعلیم کا پیش خیمہ بنے. پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کے اوائل میں آسمان اسلام پر طلوع ہونے والے درخشندہ ستارے (آئمہ کرام، محدثین اور فقہاء کرام) انہیں مدارس کے فارغ التحصیل تھے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بڑے بڑے مدارس بھی ان آئمہ کرام کی رہائش گاہوں سے رشک کرتے تھے کیونکہ علم کے متلاشی شب وروز ان کے گھروں کے چکر زیادہ لگایا کرتے تھے. اس سلسلے میں حضرت ربیعہ ابن الرائے اور حضرت امام مالک ؒ کے حلقہ ہائے دروس خاص طور پر قابل ذکر ہیں. حضرت امام جعفر الصادق ؒ کا حلقہ درس اتنا وسیع ہوا کرتا تھا کہ بڑے بڑے آئمہ کرام کے علاوہ ایک ایک وقت میں چار یا پانچ ہزار طالب علم ان کے لیکچر سننے اور املاء لینے کے لیے جمع ہو جایا کرتے تھے اور ان کے گھر کے ارد گرد مدینہ طیبہ کی گلیاں بھی ان کے لیے تنگ پڑ جایا کرتی تھیں اور مجبوراً ان کو اپنی درسگاہ پہلے تو جبل احد کے دامن میں منتقل کرنا پڑی اور پھر جب وہ بھی ناکافی ثابت ہوئی تو اسے مدینہ طیبہ سے باہر اس جگہ منتقل کیا گیا جہاں بعد میں علی العریض ؒ کا مزار بنا موجودہ مدینہ طیبہ میں غلط العام میں جو جگہ مزار ابو ہریرہ ؓ یا ان کی درسگاہ مشہور ہے وہ دراصل حضرت امام جعفر الصادق ؒ کی درسگاہ تھی جسے دوسری صدی کی مشہور مدنی یونیورسٹی کا مقام حاصل تھا. یوں معلم انسانیت رسول الرشد والهدایہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان: [بلاشک ایک وقت آئے گا کہ لوگ اپنے اونٹوں کو تازیانے لگا لگا کر ان کو دوڑنے پر مجبور کریں گے تاکہ علم کی تلاش میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاسکیں مگر انہیں مدینہ طیبہ سے زیادہ کسی اور جگہ پر جید عالم اور فاضل لوگ نہیں ملیں گے.] (۴) کے مصداق مدینہ طیبہ صحیح معنوں میں علم کا گہوارہ بن گیا جہاں سے ہمہ وقت علم وعرفاں کے سوتے پھوٹتے تھے اور تشنگان علم اپنی پیاس بجھانے کے لیے اکناف عالم سے کشاں کشاں عازم مدینہ ہوتے تھے. عباسی دور میں تو مدینہ طیبہ کی درسگاہیں صرف روحانیت اور دینی علوم کے لیے ہی نہیں بلکہ معاصر علوم کی تمام شاخوں کا کما حقہ احاطہ کرتی تھیں.

دیگر بلاد اسلامیہ کی طرح عثمانی دور حکومت میں مدینہ طیبہ میں نظامیہ نظام تعلیم رائج تھا جس کے تحت بڑے بڑے مدارس اور کتاتیب تعلیم وتدریس کے مبارک فریضے کو انجام دیتے تھے. بایں ہمہ مسجد نبوی شریف کا اپنا ایک منفرد مقام تھا جس کے جوار رحمت میں مدرسہ محمودیہ یا
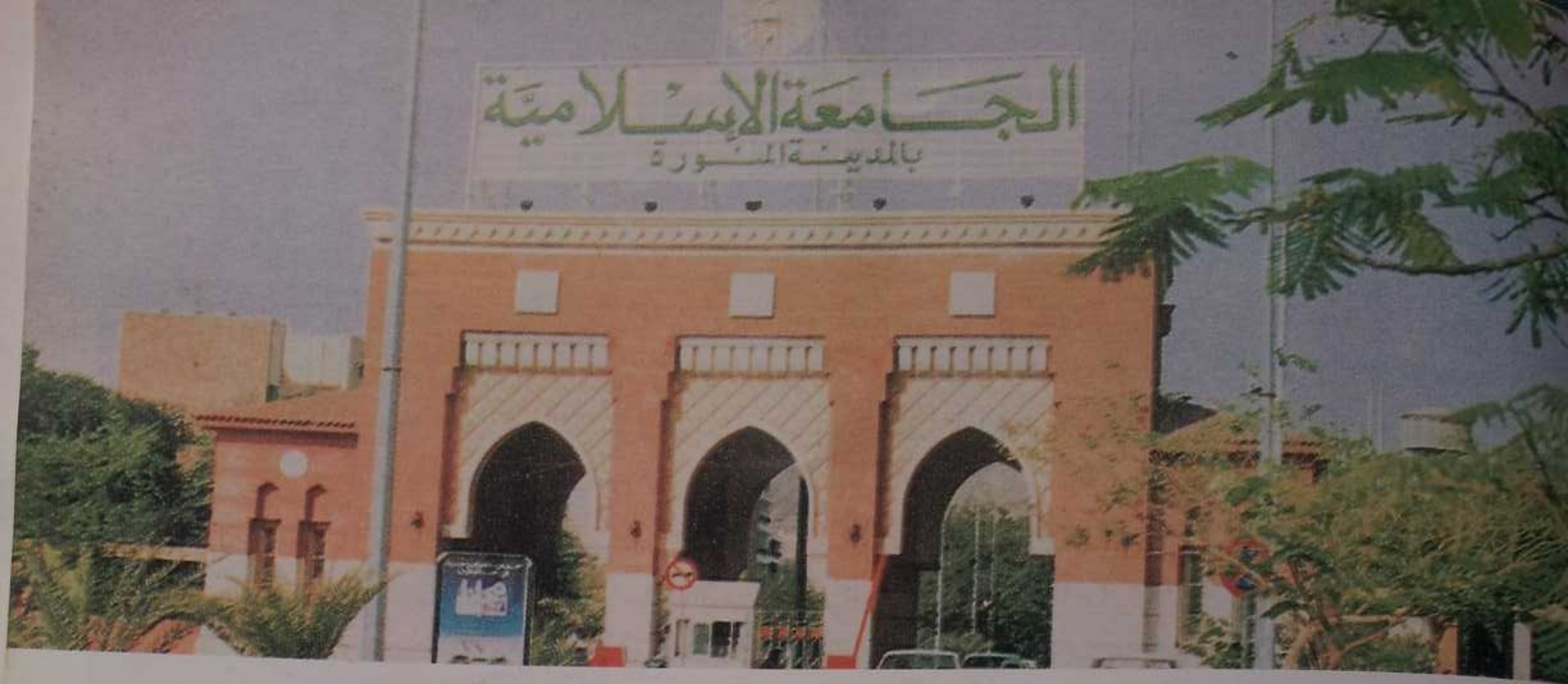
مدینہ یونیورسٹی کا مین دروازہ

اور دیگر اسلامی مدارس منارہ ہائے نور کی طرح ہر سو علم کی روشنی پھیلاتے تھے. مسجد نبوی شریف کے صحن میں سلطان عبد المجید کے حکم سے باب مجیدی کے اوپر کتاتیب تعمیر کئے گئے تھے جہاں طلباء کو مفت تعلیم دی جاتی تھی. انیسویں صدی میں جب جدید نظریہ تعلیم کا غلغلہ بلند ہوا تو ترکوں نے ان مدارس (کتاتیب) کو جدید بنیادوں پر استوار کرنا شروع کر دیا تاکہ ارض طیبہ کے نونہالوں کو معاصر علوم سے روشناس کرایا جا سکے. ان کتاتیب میں ذریعہ تعلیم ترکی اور عربی ہوا کرتا تھا اور بعض میں تو فارسی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی. اس بات کا اہتمام بھی کیا گیا تھا کہ ان کتاتیب میں دینی تعلیم کے علاوہ طالب علم کو دیگر علوم سے بھی روشناس کرایا جائے. وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر ان کتاتیب کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا رہا، کچھ کتاتیب تو سرکار عثمانی کے زیر انصرام چلتے تھے اور کچھ مخیر حضرات کی تگ و دو کا نتیجہ تھے اور حقیقت یہ ہے کہ نجی کتاتیب کی تعداد زیادہ ہوا کرتی تھی. بیسویں صدی کے اوائل میں مدینہ طیبہ میں ان کتاتیب کی تعداد کچھ اس طرح تھی:

کتاتیب الامیریہ	۳
کتاتیب الاہلیہ	۶
کتاتیب برائے بنات	۲

ان مدارس سے سالانہ لگ بھگ چار سو طلباء فارغ التحصیل ہوتے تھے. بیسویں صدی کے وسط تک ایسے کتاتیب کی تعداد بڑھ کر ۱۵ ہو گئی تھی جن میں طلباء کی تعداد ۱۵۰۰ تھی.

اپنی حکومت کے آخری سالوں میں عثمانی حکومت نے مدینہ طیبہ میں ایک یونیورسٹی کے قیام کا منصوبہ بنایا اور اس سلسلے میں آستانہ استنبول میں کافی عرصہ سے سوچ بچار ہوتا رہا تھا. اس کام کے لیے انہوں نے عنبریہ ریلوے سٹیشن کی جانب جگہ کا انتخاب کر کے اس پر عملی طور پر تعمیراتی کام بھی شروع کر دیا تھا مگر ابھی زیادہ پیش رفت نہ ہو پائی تھی کہ مدینہ طیبہ میں شریف مکہ کی بغاوت اور ہاشمیہ حکومت کے قیام نے تمام منصوبے کی بساط الٹ دی اور ترکیوں کا یہ خواب خیر شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا. تقریباً دو دہائیوں تک یہاں پر نامکمل عمارتیں بھوت بنگلہ نظر آیا کرتی تھیں. تاہم اس کے بعد سعودی حکومت کو اس کی زبوں حالی پر ترس آ گیا اور ۱۹۴۲ء میں اس جگہ مدینہ طیبہ کا پہلا سیکنڈری سکول (مدرسہ طیبہ الثانویہ) بنا دیا گیا.

اسی اثنا میں برصغیر پاک و ہند سے ایک معروف سماجی شخصیت شیخ احمد الفیض آبادی نے ہندوستان کے صاحب ثروت لوگوں کی مدد سے مدینہ طیبہ میں پہلا جدید بنیادوں پر استوار مدرسہ ''مدرسہ علوم الشرعیہ'' قائم کیا. دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ یہ مدرسہ دیگر علوم و فنون میں بھی تعلیم دیتا تھا، مثلاً مختلف زبانیں، ریاضی اور جدید سائنس وغیرہ. (۵)

۱۹۲۳ء میں بانی مدرسہ نے اس میں مزید توسیع کا منصوبہ بنایا اور مدینہ طیبہ کے نوجوانوں کو فنی اور پیشہ ورانہ تربیت دینے کے لیے اسی مدرسہ کی ایک شاخ کا افتتاح کیا گیا جہاں طالب علموں کو پیشہ ورانہ تعلیم اور عملی ٹریننگ دی جاتی تھی. مدرسہ کی یہ شاخ بلدۃ الطیبہ شہر مصطفوی میں معاشی خود کفالت کے حصول کی جانب سب سے پہلا اور ایک بہت بڑا قدم تھا جس کے فیضان کے اہل مدینہ آج تک معترف ہیں. وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شیخ احمد الفیض آبادی نے اس کی مزید شاخیں قائم کیں، مثلاً: دار الحدیث (۱۹۳۰ء)، دار الایتام - یتیم خانہ (۱۹۳۲ء)، مدرسہ التہذیب الخیریہ (۱۹۳۲ء)، الجماعۃ الخیریہ لتحفیظ القران الکریم (۱۹۶۳ء)، معہد دار الہجرہ (۱۹۶۹ء) سلسلہ ہائے مدارس بعنوان: مدارس منارۃ المدینہ (۱۹۷۸ء) اور مدرسہ الرحمانیہ لتحفیظ القرآن الکریم (۱۹۸۶ء) (۶). اسی طرح ایک اور درد دل رکھنے والے پاکستانی، الحاج عبدالغنی دادا، نے ایک بہت بڑا یتیم خانہ (دار الایتام الاسلامیہ) کھولا جہاں نہ صرف مستحق طلباء اور یتیموں کو مفت کھانا اور رہائش دی جاتی تھی بلکہ عام تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی اور پیشہ ورانہ تعلیم اور عملی ٹریننگ بھی دی جاتی تھی. (۷) مدینہ طیبہ میں تحفظ القرآن کے لیے سیٹھی برادرز کی مساعی جمیلہ بھی قابل ذکر ہیں.

۱۳۴۴ ہجری (۱۹۲۴ء) میں مدینہ طیبہ میں باقاعدہ محکمہ تعلیم قائم ہوا جس کے بنیادی فرائض میں موجودہ مدارس کے انتظام وانصرام کے علاوہ نئے مدارس کا قیام اور ایک معیاری نصاب تعلیم کا تقرر اور نفاذ بھی شامل تھا. محکمہ تعلیم نے ۱۹۴۲ء میں ارض مقدسہ پر پہلا ثانوی سکول (مدرسہ طیبہ) کھولا اور پھر ۱۹۶۷ء میں ایک مڈل سکول (مدرسہ الصدیق المتوسطہ) قائم کیا. اس کے ساتھ ساتھ مزید مدرسوں اور اداروں کو بھی قائم کیا گیا مثلاً: انسٹیٹیوٹ آف سائینس (۱۹۶۱ء)، ہیلتھ انسٹی ٹیوٹ (۱۹۸۲ء)، سیکنڈری کامرس سکول (۱۹۷۶ء) اور فنی اور پیشہ ورانہ تربیت کا مرکز (۱۹۷۶ء).

ان ابتدائی کاوشوں کے ساتھ ساتھ سعودی حکومت نے مدینہ طیبہ میں ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام کی بھی منصوبہ بندی کی اور یوں ۱۹۶۱ء میں وادی العقیق کے دامن میں ایک نہایت ہی پرفضاء جگہ پر مدینہ یونیورسٹی کے کیمپس کی تعمیر عمل میں آئی. اس کے علاوہ ارض طیبہ کے ہونہاروں کے لیے کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی اور امام محمد بن سعود یونیورسٹی کی شاخیں بھی مدینہ طیبہ میں ۱۹۷۷ء میں کھول دی گئیں. ان تمام تعلیمی اداروں میں سب سے افضل ادارہ مدینہ طیبہ کی اسلامی یونیورسٹی (الجامعۃ اسلامیہ بالمدینۃ المنورہ) ہے جو پچھلے چالیس سالوں میں اپنے لیے جریدہ عالم میں اپنا ایک منفرد مقام بنا چکی ہے. اس کے نصاب اور نظام تعلیم وضع کرنے میں مصری علماء اور بالخصوص جمعیۃ اخوان المسلمون کا ہاتھ زیادہ رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہاں کے فارغ التحصیل حضرات کے دل ودماغ پر اخوان کے طرز تفکر کی گہری چھاپ واضح نظر آجاتی ہے. جدید آلات اور سہولتوں سے مالا مال یہ جامعہ مندرہ ذیل کالجوں پر مشتمل ہے:

۱- کلیۃ الشریعہ

۲- کلیۃ الدعوۃ واصول الدین

۳- کلیۃ القرآن الکریم والدراسات الاسلامیہ

۴- کلیۃ اللغہ العربیہ والآداب

۵- کلیۃ الحدیث الشریف والدراسات الاسلامیہ

سعودی طلباء کے علاوہ جامعہ الاسلامیہ مدینۃ المنورہ بدیشی طلباء کو وظیفے اور داخلے کا بھی اہتمام کرتی ہے. جس کی وجہ سے دور دراز سے آئے ہوئے تشنگان علم آج بھی مدینہ طیبہ کی بابرکت فضاء میں اس موقر تعلیمی ادارے میں علم حاصل کرتے ہیں.

کالجوں کے علاوہ ایسے مدارس (لڑکوں کے لیے) کی تعداد ساڑھے چار سو کے لگ بھگ ہے جو کہ مدینہ یونیورسٹی کے دائرہ کار میں

آتے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱)	پرائمری اور تحفیظ القرآن	۲۲۲
(۲)	مڈل اور تحفیظ القرآن	۱۱۰
(۳)	سیکنڈری اور تحفیظ القرآن	۴۴
(۴)	مدارس تعلیم بالغاں	۵۶
(۵)	ٹریننگ انسٹی ٹیوٹس	۳
(۶)	مڈل سکول (مسائیہ۔شام کے اوقات کے لیے)	۷
(۷)	سیکنڈری سکول (مسائیہ۔شام کے اوقات کے لیے)	۵
	کل تعداد	۴۴۷ سکول

ایجوکیشن بورڈ کی ۱۴۱۸ ہجری کی سالانہ رپورٹ کے مطابق منطقہ مدینہ طیبہ میں لڑکیوں کے سکولوں کی تعداد ۵۲۳ ہے۔لڑکوں کی طرح لڑکیوں کے لیے بھی تحفیظ القرآن کا اتنا ہی اہتمام کیا گیا ہے۔ماضی میں بھی مدینہ طیبہ میں تعلیم البنات پر لڑکوں کے برابر زور دیا جاتا تھا مگر ان کے زیادہ تر مدارس پرائیویٹ ادارے چلاتے تھے جو مخیّر حضرات کے چندوں کے مرہون منت تھے۔لیکن اس بات سے انکار نہیں کہ ان اداروں اور مدرسوں نے اپنی بساط کے مطابق اہالیان شہر مصطفوی کی گراں قدر خدمت انجام دی تھی۔قدیم مدارس میں سے چند کے نام تو ابھی تک زبان زد عام ہیں،مثلاً:

مدرسہ فاطمہ الترکیہ	(تاسیس:۱۹۳۳ء)
مدرسہ فوز والنجاح	(تاسیس:۱۹۳۸ء)
مدرسہ مقاصد الاسلامیہ	(تاسیس:۱۹۴۵ء)
مدرسہ بتول الکرونیہ	(تاسیس:۱۹۴۶ء)
مدرسہ الہدایت الاسلامیہ	(تاسیس:۱۹۴۶ء)

بعد میں جب محکمہ تعلیم کا قیام عمل میں آیا تو یہ تمام مدارس سرکاری نظامیہ سکولوں میں ضم کر دیئے گئے جن کے لیے بعد میں الگ محکمہ ادارۃ التعلیم البنات قائم کیا گیا تھا۔اب مدینہ طیبہ کے ریجن میں کل ۵۲۳ مدارس ہیں جو لڑکیوں کے لیے مختص ہیں اور مدینہ یونیورسٹی کے تحت ہیں۔

مدینہ کی ایک لائبریری میں نہایت قیمتی خطی قرآن کریم

مدینہ طیبہ کی مشہور لائبریریوں پر ایک نظر

آفاق یثرب پر صدر العلیٰ اور نور الہدیٰ کے بدر الدجی ﷺ کے طلوع ہو جانے اور اس کی مدینۃ النبی کی صورت میں پہلی مثالی اسلامی ریاست بن جانے کے دن سے مدینہ طیبہ علم کا گہوارہ بن گیا تھا اور اس کا یہ مقام آخر الزمان تک رہے گا۔قرآن کریم کے معتد بہ حصے کا نزول اسی شہر مقدس میں ہوا اور پھر خلافت راشدہ میں پورے قرآن کو کتابی شکل دے کر ایک مصحف کی شکل میں جمع بھی اسی شہر مقدس میں کیا گیا۔تجمیع حدیث شریف کا زیادہ تر کام بھی اسی پاک دھرتی پر ہوا اور حدیث پاک کی کتابت اور تدوین بھی کافی حد تک یہیں پر ہوئی۔صحاح ستہ میں سے الموطاء امام مالکؒ کو تو آخری شکل بھی مسجد نبوی شریف کے احاطے میں ہی دی گئی جبکہ امام بخاریؒ نے اپنی جامع الاحادیث (جواب صحیح بخاری شریف کے نام سے جانی جاتی ہے) بھی مدینہ طیبہ کی سرزمین پر قیام کر کے مکمل کی تھی۔جس محلے میں وہ قیام پذیر تھے وہ محلہ بخاریاں
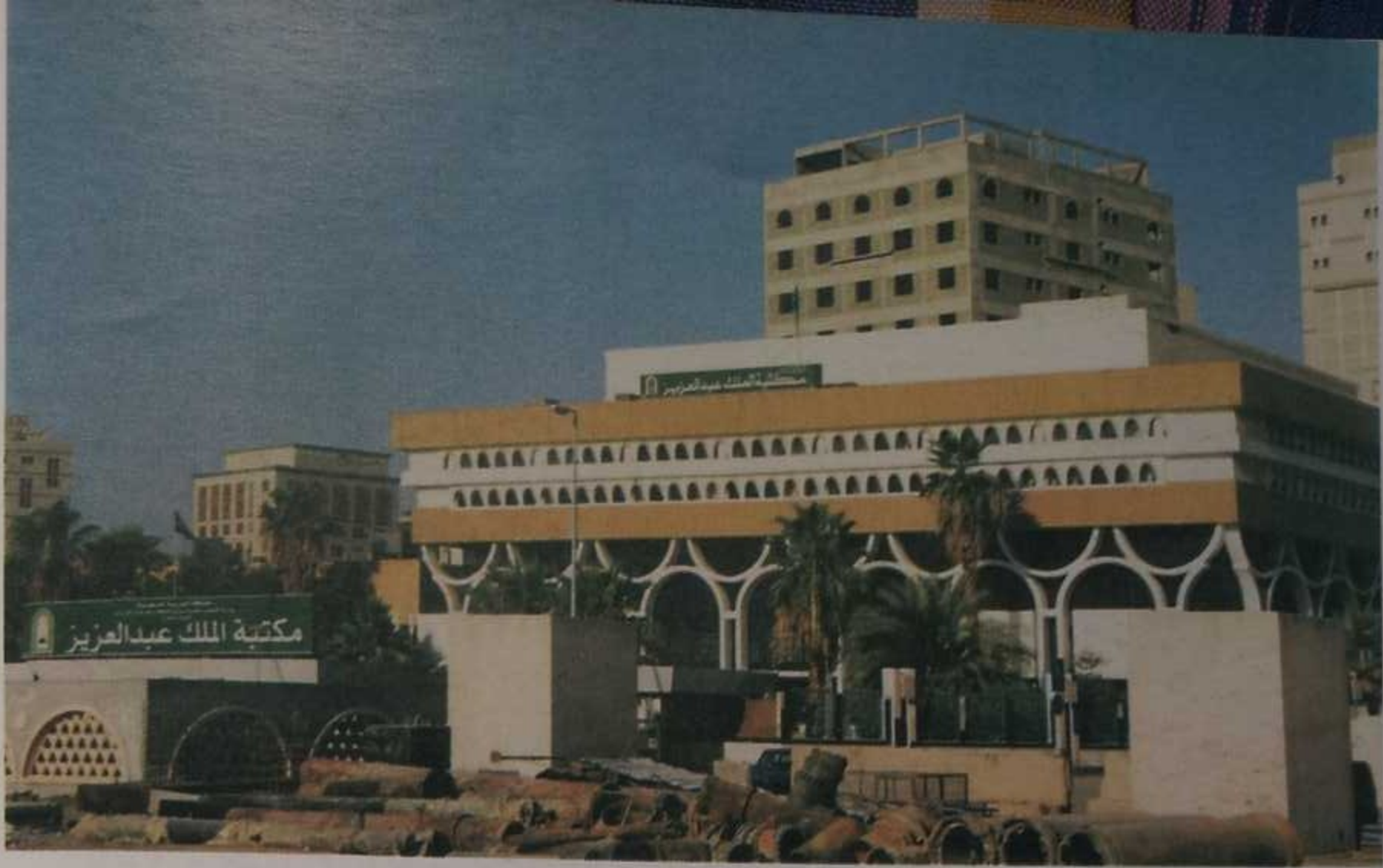
ملک عبدالعزیز لائبریری کی عظیم الشان عمارت

کہلاتا تھا اور امام بخاری" کی خدمات کے اعتراف میں ان کی جائے قیام اور مکان پر مسجد امام بخاری" تعمیر کی گئی ہے جو عمارتی خوبصورتی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

علوم اسلامیہ کا گہوارہ ہونے کی وجہ سے یہ قدرتی امر تھا کہ یہاں علوم دین کی کتابوں کا ذخیرہ ہمہ وقت موجود رہے۔ مدارس کی لائبریریوں کے علاوہ اہل علم حضرات کی کثیر تعداد نے اپنے اپنے گھروں میں کتب خانے قائم کر رکھے تھے جہاں بہت قیمتی مخطوطے دستیاب ہوا کرتے تھے۔ بڑے مدارس کو تو کتابیں اسلامی دنیا کے حکمران بھی تحفتاً ارسال کر دیا کرتے تھے، مثال کے طور پر جب سلطان اشرف قیطبائی نے مدرسہ اشرفیہ کی تعمیر نو کی تو زر نقد کے علاوہ کئی اونٹوں پر لاد کر علم کے موتی مصر سے روانہ کئے تھے۔ یوں صدیوں میں مدینہ طیبہ میں بے شمار پرائیویٹ لائبریریاں معرض وجود میں آچکی تھی جن میں سے بعض تو عالمی شہرت کی مالک تھیں جن کے توشہ خانے قدیم مخطوطوں سے بھرے ہوتے تھے، مثلاً حارۃ الاغوات میں رباط مظہر نقشبندیہ میں ایسے ایسے قدیم مخطوطے ملتے تھے جن کی مثال نہیں ملتی: دیگر بہت سے جواہر نایاب کی طرح، امام بخاری کا تحریر کردہ صحیح بخاری کا مخطوطہ صرف اسی لائبریری میں دستیاب تھا۔ اسی طرح شیخ الاسلام عارف حکمت کی لائبریری ایسے فارسی اور عربی زبان میں جواہر کم یاب کا سب سے بڑا خزانہ تھا جو کہ مسجد نبوی شریف کے جوار میں دار آل حسن علیہ السلام میں قائم تھی اور کئی صدیوں سے اہل علم کے لیے مرجع رئیسی کا کام دیتی تھی۔

بشیر آغا کی لائبریری بھی پاس ہی زقاق خیاطین میں ایسے علمی اثاثوں سے بھری ہوتی تھی۔ مکتبہ کتب خانہ اور المکتبہ المحمدیہ بھی کوئی کم اہمیت کی حامل لائبریریاں نہیں تھیں۔ دار سیدنا عثمانؓ میں قائم رباط میں ایک ایسی بھی لائبریری تھی جس کا فقہ مالکیہ کے مخطوطات اور قدیم کتب میں اختصاص دنیا بھر میں مشہور تھا۔ فقہ مالکیہ پر کوئی بھی گوہر نایاب ایسا نہ تھا جو کہ وہاں موجود نہ ہوتا تھا۔ حال ہی میں مدینہ طیبہ کی لٹریری کلب نے سو اہم مخطوطات کے متعلق تفاصیل نشر کی ہیں جو کہ ان پرائیویٹ لائبریریوں میں تھے۔ جب مدینہ طیبہ میں جدید علوم کا رواج ہونا شروع ہوا اور عمرانی ترقی نے بڑے بڑے ڈگ بھرنے شروع کر دیئے تو اس بات کا شدید احساس ہوا کہ اپنے آباء کی کتابیں اور علم کے موتیوں کو مختلف طاق ہائے نسیاں سے نکال کر یکجا کر دیا جائے اور اس کام کے لیے ایک مرکزی لائبریری کے قیام کا منصوبہ بنایا گیا۔ سوق المناخہ میں کنگ عبدالعزیز لائبریری ۱۹۷۳ء میں قائم ہوئی جس کا سنگ بنیاد شاہ فیصل مرحوم نے رکھا تھا۔ دس سال کے طویل عرصہ پر محیط جدوجہد سے مدینہ طیبہ میں مختلف نہاں خانوں میں موجود لائبریریوں سے تمام مخطوطے حاصل کئے گئے اور پھر ۱۶ محرم الحرام ۱۴۰۳ ہجری کو خادم حرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اس کا باقاعدہ افتتاح کیا۔

اس سے بھی پہلے جب مسجد نبوی شریف کی پہلی توسیع ہوئی تو اس میں موجود قدیم لائبریری کو مزید وسعت دی گئی اور بہت سے قدیم
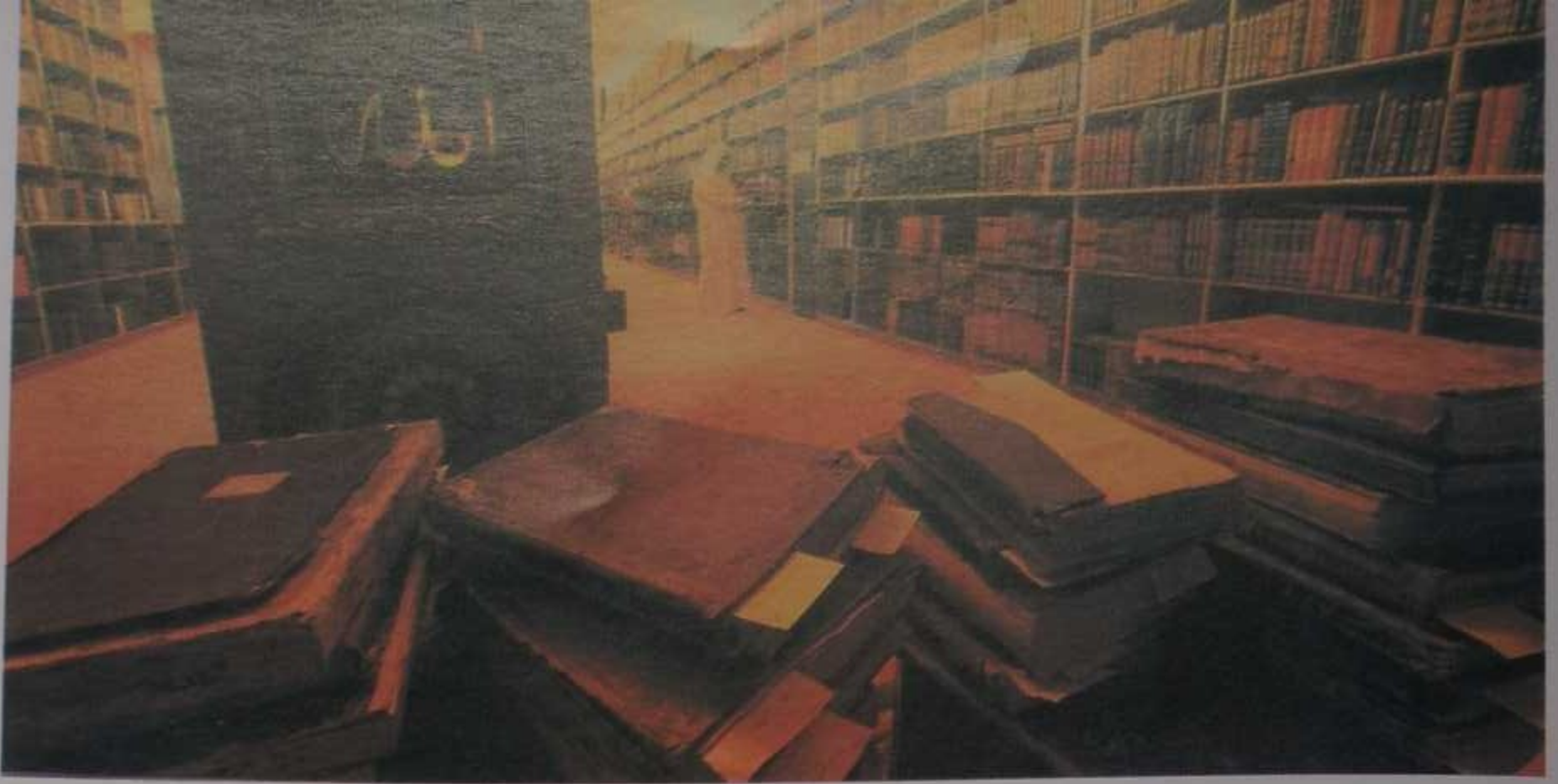
مکتبہ الحرم نبوی ﷺ
کی لائبریری میں
رکھے ہوئے مخطوطات

اور نادر مخطوطے اور نسخے اس لائبریری میں منتقل کردیئے گئے. تمام مشاہیر علماء اور عمائدین سے اپیل کی گئی کہ وہ اپنی قیمتی کتب کے اثاثے اس مرکزی لائبریری میں جمع کروادیں جس پر لبیک کہتے ہوئے بہت سے اہل علم حضرات نے قدیم کتب اور مخطوطے اس لائبریری کو تحفتاً دے دیئے. یوں صرف وہ کتب ہی نہیں جو کہ مدارس کے نہاں خانوں سے حاصل ہوئیں بلکہ الخیاری جیسی شخصیتوں نے بھی اپنے کتب خانے اس مرکزی لائبریری کی نذر کردیئے. مسجد نبوی شریف کے اندر واقع اس لائبریری کا افتتاح امیر عبدالمحسن گورنر مدینہ طیبہ نے ۱۳۹۱ ہجری میں کیا.

(۸) اس لائبریری کا نام "مکتبۃ الحرم النبوی شریف" ہے اور یہ مسجد شریف کے اندر قدیم باب عمر فاروق ؓ اور باب عثمان بن عفان ؓ پر واقع کمروں میں قائم کی گئی ہے. باب عثمان ؓ کی جانب نچلے فلور پر قارئین کے پڑھنے کے لیے تمام سہولتوں سے آراستہ فرنیچر رکھا گیا ہے اور چاروں اطراف میں بلند الماریاں کتب سے بھری پڑی ہیں. تمام ریکارڈ کمپیوٹرازڈ ہے. اسی کمرے میں تاریخ مدینہ طیبہ پر تقریباً ہر وہ کتاب دستیاب ہے جو کہ پچھلی ایک صدی میں عربی زبان میں ضبط تحریر میں آئی. تاریخ اسلام پر مشاہیر اسلام کے کثیر المجلد اتی شاہکار موجود ہیں. اس کے اوپر پہلی منزل پر انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں کتابیں ہیں، مگر یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ صرف ایک مکتب فکر کے علاوہ سیرۃ النبوی پر دیگر زبانوں میں بہت کم کتب اور مواد موجود ہیں اور زیادہ تر الماریاں خالی نظر آتی ہیں. ۲۰۰۱ء میں یہ حال تھا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی کی صرف ایک تصنیف حجۃ البالغہ کے علاوہ تفہیم القرآن سب سے نمایاں تھی اور چاردانگ عالم میں سیرۃ نبوی شریف پر شاہکار کتب میں سے کوئی ایک کتاب بھی نظر نہیں آئی. تیسری منزل پر مخطوطوں کو محفوظ کیا گیا ہے جہاں ۱۹۰۰ سے زیادہ قدیم قرآنی مخطوطے محفوظ ہیں جو کہ پہلی صدی ہجری سے لے کر عثمانی دور تک مشاہیر خطاطوں کے شاہکاروں پر مشتمل ہیں جن میں ایک ایسا بھی عجوبہ روزگار مصحف شریف ہے جسے مشہور خطاط علامہ محی الدین نے ۱۲۵۶ ہجری میں قلمبند کیا تھا. خطاطی کی دنیا میں یہ نادر عجوبہ ۶۴۶ صفحات پر مشتمل ہے. مصحف کی لمبائی ۱۴۲ سنٹی میٹر اور چوڑائی ۸۰ سنٹی میٹر ہے اور اس مصحف کا وزن ۱۵۴ کیلوگرام ہے. اس کے علاوہ بہت سے مخطوطے عباسی خلفاء کے توشہ خانوں سے بھیجے گئے تھے جن میں خلیفہ مہدی لدین اللہ کے ارسال کردہ مصحف شریف کا قلمی نسخہ بھی ہے. حفاظت کی غرض سے ان مخطوطوں کو بہت ہی محفوظ اور مقفل کمروں میں رکھا گیا ہے جہاں عام آدمی کی رسائی ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے. عامۃ الناس کی ضیافت طبع کے لیے مصحف شریف کے مشہور مخطوطوں کے نمائندہ صفحات کی عکسی تصویریں فریم کرواکر چاروں طرف الماریوں میں نمائش کے لیے رکھی گئی ہیں. اس کے علاوہ اسی کمرے کی دیواروں پر مدینہ طیبہ کی قدیم تصاویر کے عکس بھی لگائے گئے ہیں جن میں مصری صادق بیگ کے کیمرے کی آنکھ سے لی گئی مدینہ طیبہ کی قدیم ترین تصاویر (۱۸۸۲ء) سب سے نمایاں ہیں.

تمام کتب بہت نفاست سے ترتیب وار رکھی گئی ہیں اور ایک کمپیوٹرائزڈ ڈیٹابیس میں درج ہیں جس کے مطابق تمام مندرجات کی
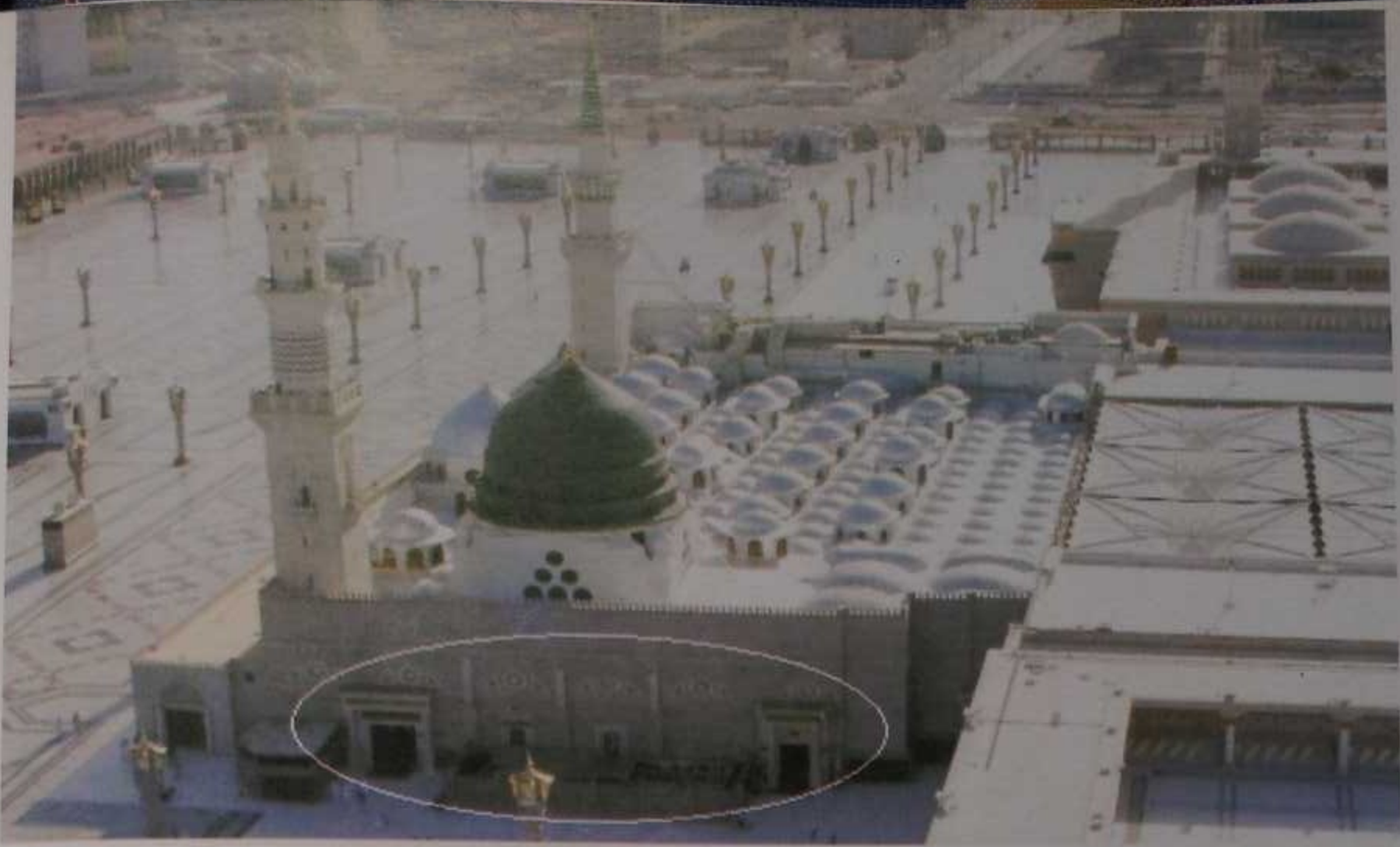
محبوب رب کریم ﷺ کے دراقدس کے پاس شرقی جانب گنبد خضرا کے سایہ میں قدمین شریفین کی جانب وہ جگہ جہاں نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے ۲۰۰۵ء

کیٹلاگنگ کی گئی ہے. جدید سمعی اور بصری آلات کی موجودگی نے مرکزی طور پر ایرکنڈیشنڈ لائبریری کے حسن کو مزید چار چاند لگا دیئے ہیں جو کہ مسجد نبوی شریف کے احاطے میں واقع ہونے کی وجہ سے اور بھی روحانی تسکین کا باعث بنتی ہے. اہم کتابوں اور مخطوطوں کی مائکروفیش محفوظ کی گئی ہیں جو کہ ان ریسرچ سکالرز کو دستیاب ہیں جو مملکت سعودی عرب کی کسی بھی یونیورسٹی سے التحاق رکھتے ہوں. لائبریری سٹاف کی سرکاری اور عمومی زبان عربی ہے اور انگریزی یا کسی دوسری زبان میں سوالات کو درخور اعتناء نہیں سمجھا جاتا اور سائل کو خفت اٹھانی پڑتی ہے.

دیگر تاریخی مقامات اور شاہکار

موضع الجنائز (جنازگاہ)

سوائے چند استثنائی حالات کے کہ جب کہ کسی اصحابی کا جنازہ مدینہ طیبہ سے باہر پڑھایا گیا ہو، زیادہ تر جنازے مقصود کونین اور محبوب رب المشرقین اور رب المغربین ﷺ کے دراقدس کے پاس لائے جاتے تھے اور حضور والا شان ﷺ اپنے کاشانہ مبارکہ کے پچھواڑے یعنی شرقی جانب کی گلی میں ان کی نماز جنازہ ادا فرمایا کرتے تھے. آج کل اس جگہ کا زیادہ تر حصہ گنبد خضراء کے سائے میں قدمین الشریفین کی جانب والی جگہ میں آ چکا ہے. (۹) صحیح بخاری شریف کے مطابق جنازگاہ مسجد شریف کے بالکل قریب شرقی جانب تھی. (۱۰) ابتداء میں جب کبھی بھی کوئی فوتیدگی ہوتی تو جنازہ اسی موضع جنائز (جنازگاہ) میں لایا جاتا تھا. (۱۱) مگر بعد میں چند بار ایسے بھی ہوا کہ جنازہ مسجد نبوی شریف میں رکھا گیا اور وہیں پر رحمت اللعالمین اور شفیع المذنبین ﷺ نے جنازہ ادا کیا. بعد میں جب سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا انتقال ہوا تو سیدنا عمر فاروق ؓ نے ان کا جنازہ مسجد نبوی شریف کے اندر ہی ادا کروایا تھا اور پھر جب سیدنا عمر فاروق ؓ شہید ہوئے تو ان کا جنازہ بھی منبر رسول مقبول ﷺ کے قریب رکھا گیا اور حضرت صہیب الرومیؓ نے ان کی نماز جنازہ ادا کی. چونکہ چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی میتیں مسجد نبوی شریف میں لائی جانے لگیں تو بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معترض ہوئے کیونکہ میت کے وہاں رکھنے سے اس کے قدم حجرہ مطہرہ کی جانب ہو جاتے تھے جو کہ سوئے ادب تھا اور اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قابل قبول نہ تھا. چنانچہ جب حضرت سعد ابن ابی وقاص ؓ کا جنازہ وہاں لایا گیا تو بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا، لیکن جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں صراحت کی گئی ہے ام المومنین سیدۃ عائشہ ؓ نے مداخلت کی اور ان کا جنازہ وہیں پر ادا کیا گیا. چند ایسے واقعات کے علاوہ دیگر جنازے شروع سے ہی موضع الجنائز میں ادا ہوتے تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ بھی اسی جنازگار میں ادا فرمائی تھی. (۱۲) نماز جنازہ کے علاوہ سورج یا چاند گرہن کی نماز بھی وہیں ادا ہوا کرتی تھی جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے کہ: [رسول اللہ ﷺ

مدینہ ریلوے اسٹیشن کی قدیم عمارت اور مسجد غمامہ کی ایک نادر تصویر

حجرات مبارکہ کے پاس سے گزر کر موضع الجنائز میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ حضور ﷺ نے صلاۃ الخسوف ادا فرمائی.] (۱۳)

ابن سعد نے حضرت محمد بن عمرؓ کی روایت بیان کی ہے: [وہ جگہ جہاں جنازے رکھے جاتے تھے اور ان کی نماز جنازہ ادا کی جاتی تھی وہ موضع الجنائز کہلاتی ہے. وہاں آج بھی لوگ اپنی میتوں کے جنازے لاتے ہیں اور وہیں ان کی نماز جنازہ ہوتی ہے. یہ سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے.] (۱۴)

ابتداء میں اس مقام پر دو کھجوروں کے درخت بھی ہوا کرتے تھے. جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد نبوی شریف کی توسیع کی تو انہوں نے ان درختوں کو کاٹ ڈالنے کا حکم دیا. (۱۵) اور اس میں سے کچھ حصہ مسجد نبوی شریف میں شامل کر لیا تھا. بعد میں جب عثمانیوں کا دور حکومت آیا تو مسجد شریف کو وسعت دینے اور حجرہ مبارکہ کو اتنا وسیع کرنے کے لیے کہ اس کے اوپر مضبوط گنبد بنایا جا سکے شرقی جانب موضع الجنائز کا ۲ ذرع (تقریباً ایک میٹر) مزید علاقہ بھی اس میں شامل کر لیا گیا تھا. جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے موضع الجنائز کا کافی حصہ تو اب مسجد نبوی شریف کے اندر آ چکا ہے. اس کا کچھ بچا ہوا حصہ آج بھی محفوظ ہے اور اس کے گرد بلند دیوار کھڑی کر دی گئی ہے جو کہ باب جبریل اور باب البقیع کے درمیان واقع ہے. آج کل جنازے مسجد نبوی شریف سے متصل قبلہ کی جانب دار آل عمرؓ کی جگہ بنائے گئے ہال میں لائے جاتے ہیں.

مدینہ ریلوے اسٹیشن کی قدیم عمارت

حجاز ریلوے

ازمنہ قدیم سے پاپیادہ یا بار بردار اور سواری کے جانوروں پر سوار آبلہ پا قافلہ ہائے عشاق سوئے مدینہ طیبہ رواں دواں رہتے آئے ہیں. شوق کا یہ عالم ہوتا تھا کہ لق و دق صحراء، ندی نالے اور لاوے کے بنے سنگلاخ خطے بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دیتے تھے. یہ قافلے جب اونٹوں کی لمبی لمبی قطاروں پر سوئے بطحاء و طیبہ چل پڑتے تو ہدی خواں مہار ناقہ تھام کر اپنی سریلی آوازوں سے اس سفر کو اور بھی دلکش بنا دیتے اور زائر درود و صلوٰۃ کی سوغات جھولیوں میں لیے در اقدس پر حاضری کے لیے پورے

حجاز ریلوے کی تعمیر اور افتتاح کی نادر تصویریں ۱۹۰۸ء
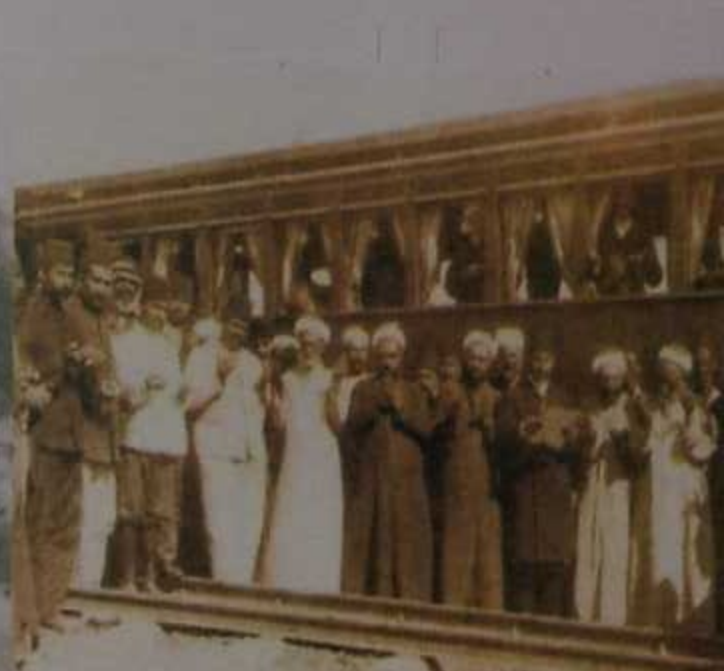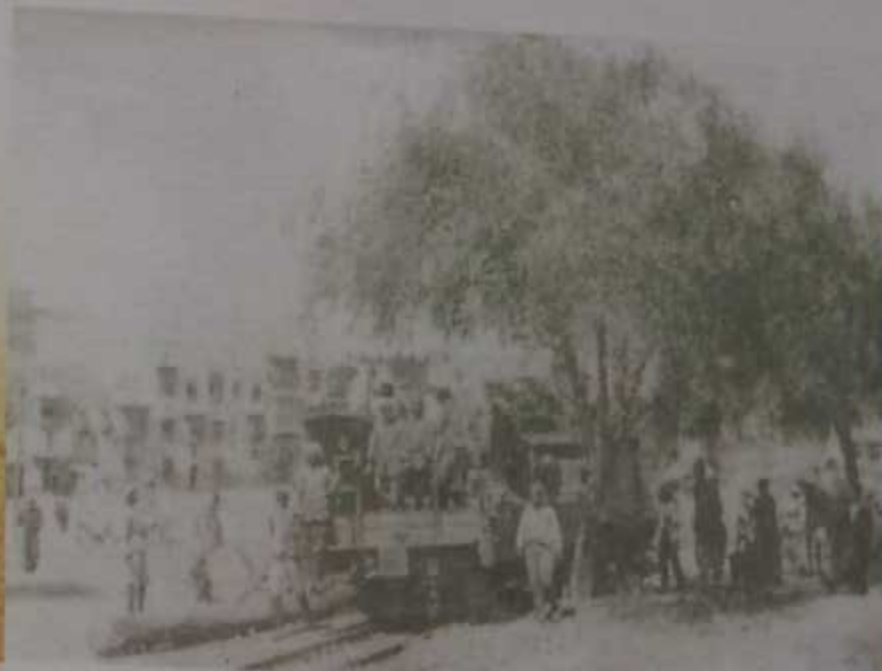
ادب اور احترام کے ساتھ منزل بہ منزل اس مبارک سفر کو طے کر لیتے تھے. لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ طویل راستے اور موسمی اثرات سے بیمار اور معمر زائرین بہت زیادہ متاثر ہوتے تھے مگر اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی تو نہ تھا! اوپر سے راستے میں بسنے والے بدوؤں (جو صحرائی قزاق کے نام سے مشہور تھے) کی مار دھاڑ کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا تھا:

بقول اقبال:

قافلہ لوٹا گیا صحرا میں اور منزل ہے دور — اس بیاباں یعنی بحر خشک کا ساحل ہے دور
ہم سفر میرے شکار دشنہ رہزن ہوئے — بچ گئے جو ہو کے بیدل سوئے بیت اللہ پھرے
اس بخاری نوجواں نے کس خوشی سے جان دی — موت کے زہراب میں پائی ہے اس نے زندگی
خنجر رہزن اسے گویا ہلال عید تھا — 'ہائے یثرب' دل میں لب پر نعرہ توحید تھا
خوف کہتا ہے کہ "یثرب کی طرف تنہا نہ چل" — شوق کہتا ہے کہ "تو مسلم ہے بیباکانہ چل"

یوں راہ نوردان شوق چاروں اور سے لق و دق دشتہائے پر خطر عبور کر کے مدینہ طیبہ پہنچتے تھے. سمندری سفر کی سہولتوں نے اس معاملے میں حجاج کرام کی بہت معاونت کی تھی مگر یہ وسیلہ سفر سمندری حدود والے علاقوں کے لیے زیادہ سود مند تھا گو کہ یہ بھی قزاقی سے محفوظ نہیں تھا. چنانچہ زیادہ تر سفر قافلوں کی صورت میں ہوتا تھا جو تکلیف دہ ہونے کے علاوہ پر خطر بھی تھا. خطرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے حجاج کرام کے قوافل کی حفاظت کے لیے کئی مقام پر چوکیاں قائم کروائی تھیں اور عثمانیوں کے دور میں تو قافلے کسی ایک محفوظ مقام پر پڑاؤ لگائے رکھتے تھے تا آنکہ ان میں شامل حجاج کرام اور زائرین کی تعداد اتنی ہو جاتی کہ وہ راہزنوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو جاتے. اس کے علاوہ ترک افواج کے مسلح دستے بھی ان کے ہمراہ بھیجے جاتے تھے تاکہ سفر حجاز بحفاظت تمام ہو. بسوں اور آٹو موبیل نے بھی کافی حد تک اس سفر کو آسان بنانے میں مدد دی مگر ابتداء میں لوگ اس کے ذریعے سفر کرنے سے کتراتے تھے. دور دراز سے آنے والے قافلے تو ایک طرف مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان طریق سلطانی بھی ان راہزنوں کی دست برد سے محفوظ نہ تھا. کئی کئی ہفتوں کے بعد طریق سلطانی پر ایک آدھ لاری چلا کرتی تھی. حجاز میں بسنے والے مختلف قبائل محفوظ سفر کے بدلے راہداری وصول کیا کرتے

حجاز ریلوے کی باقیات کی چند نادر تصاویر

حجاز ریلوے کی باقیات کی چند نادر تصاویر

تھے اور منہ مانگی قیمتوں پر بار بردار جانور اور سفری اونٹ مہیا کیا کرتے تھے. اندرون شہر سفر کے لیے محمل یا گدھا گاڑی یا اونٹ گاڑی استعمال ہوتی تھی محمل اور پالکیاں تو متمول گھرانوں کے لیے مخصوص تھیں جب کہ دوسری سواری (اونٹ وغیرہ) عام آدمی کے آنے جانے میں بہت مددگار تھی اور بہت آسانی سے مل جایا کرتی تھی. سفر کی ان صعوبتوں کے پیش نظر بہت سے لوگ حجاز کا رخ کرنے سے گھبراتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ پہلی تیرہ صدیوں میں حجاج کرام اور زائرین کی تعداد میں اتنا اضافہ نہ ہو سکا تھا جتنا کہ اب سفر کی سہولتیں عام ہونے کے بعد ہو گیا ہے.

ان سفری صعوبتوں کے ازالے کے لیے انیسویں صدی کے آخر میں ترک حکومت نے ایک بہت ہی انقلابی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور یہ طے پایا کہ استنبول کو بذریعہ ریل براستہ دمشق اور اردن ارض حجاز سے منسلک کر دیا جائے. اپنی نوعیت کا یہ ایک بہت بڑا منصوبہ تھا جس کے لیے طویل جدوجہد اور زر کثیر درکار تھے. سرکاری طور پر اس ریلوے لائن کو ''ترک حجاز تیموری ریلوے لائنز'' (TURKISH HICAZ DEMIRYOLU) کہا جاتا تھا جس کے ذریعے استنبول سے مدینہ طیبہ تک ریلوے لائن بچھائی گئی تھی. دراصل عثمانی حکومت کی یہ خواہش تھی کہ ان تمام بڑے بڑے علاقوں کو جو کہ ترک عملداری میں آتے تھے اور مختلف صحراؤں اور بحیروں کی وجہ سے ایک دوسرے سے کٹے ہوئے تھے ریلوے لائن کے ذریعے اراضی مقدسہ سے منسلک کر دیا جائے؛ یہی وجہ تھی کہ منصوبہ سازوں نے استنبول سے دمشق اور پھر وہاں سے یروشلم اور وہاں سے مزید آگے مدینہ طیبہ تک ریلوے لائن بچھانے کا عزم کیا. منصوبے کی تکمیل پر یہ ریلوے لائن مکۃ المکرمہ تک لے جائی جانی تھی تا کہ تینوں مقدس مقامات ایک دوسرے سے منسلک ہو جاتے. اس عظیم منصوبے کے لیے سلطان عبدالحمید خاں نے عالم اسلام میں بسنے والے تمام فرزندان توحید سے پرزور اپیلیں کیں کہ وہ اس منصوبے کو کامیاب بنانے کے لیے دل کھول کر چندہ دیں. انہوں نے ہر حاجی اور زائر پر ایک ریال کا ٹیکس بھی عائد کیا جو کہ شریف مکہ کے پاس جمع ہوتا تھا. (۱۶) اپیل کا مشتہر ہونا تھا کہ تمام اکناف عالم سے فرزندان توحید نے اس میں دل کھول کر چندے دینے شروع کر دیئے جو کہ شرق اقصیٰ (سنگاپور) سے لے کر مراکش تک بسنے والے مسلمانوں کے ہر طبقے کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا. ہندوستان، ایران اور ترکی کے مسلمانوں نے سب سے زیادہ جوش و خروش کا مظاہرہ کیا. نظام حیدر آباد دکن نے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے. عثمانی سلطنت کے تمام ملازمین ہر سال اپنی ایک ماہ کی تنخواہ بطور چندہ دیتے رہے. سلطان عبدالحمید نے

حجاز ریلوے کی باقیات کی چند نادر تصاویر

حجاز ریلوے کی باقیات

نفقہ خاص سے ۳۲۰ ہزار لیرہ چندہ دیا جب کہ شاہ ایران نے پچاس ہزار زرنقد ارسال کیا اور خدیو مصر نے نقد کے علاوہ بڑی مقدار میں تعمیراتی سامان بھی ارسال کیا. عالم اسلام کے کونے کونے سے مسلمانوں نے اس کار خیر کے لیے کمیٹیاں بنائیں اور سلطان عبدالحمید خاں کی صداء پر لبیک کہتے ہوئے قربانی کی کھالوں کی رقوم اور نقد چندوں سے اس منصوبے کے لیے رقوم مہیا کیں. چندہ اکٹھا کرنے کی یہ مہم اس منصوبے کی تکمیل تک ہی محدود نہ رہی بلکہ عامۃ المسلمین وحدت اسلامی کا خواب پورا کرنے کے لیے اس کے بہت بعد تک چندہ ارسال کرتے رہے تا کہ ریل کی پٹڑی نہ صرف مکۃ المکرمہ بلکہ یمن تک بچھائی جا سکے.

ابتداء میں تو منصوبہ یہ تھا کہ اس میں کام کرنے والے کاریگر اور مزدور صرف مسلمان ہی ہوں گے، مگر تجربہ اور مہارت کی کمی آڑے آگئی اور اس کو دور کرنے کی غرض سے جرمنی سے ایک غیر مسلم انجینئر بھی لینا پڑا تھا. اس کے علاوہ کچھ سٹاف جرمنی، اٹالیہ اور آسٹریلیا سے بھی منگوایا گیا تھا، تاہم زیادہ تر کام ترک فنی ماہرین، فوج اور مزدوروں نے انجام دیا جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی. ستمبر ۱۹۰۰ء میں دمشق سے منصوبے پر کام کی ابتداء کی گئی. منصوبے پر عمل درآمد کے دوران بہت سی کٹھن مشاکل کا سامنا بھی کرنا پڑا جن میں موسمی اثرات (از قسم طوفان اور سیلاب) اور عرب بدوؤں کی بے جا مداخلت بھی شامل تھی. صحرائی بدو اس منصوبے کو اپنے صدیوں پرانے اونٹوں کے کاروبار کے لیے زہر قاتل سمجھ رہے تھے اور آئے دن لوٹ مار مچاتے رہتے تھے اور کاریگروں کو قتل کر کے سامان وغیرہ اٹھا کر لے جایا کرتے تھے. مگر ان تمام تر صعوبتوں کے باوجود کام اپنی پوری رفتار اور لگن کے ساتھ جاری رہا اور اس منصوبے کو پانچ مرحلوں میں مکمل کیا گیا:-

(۱) دمشق سے عمان تک کام ۱۹۰۳ء میں مکمل ہوا

(۲) عمان سے معان تک کام ۱۹۰۴ء میں مکمل ہوا

(۳) معان سے تبوک تک کام ۱۹۰۶ء میں مکمل ہوا

(۴) تبوک سے مدائن صالح تک کام ۱۹۰۷ء میں مکمل ہوا

(۵) مدائن صالح سے مدینہ منورہ تک منصوبے کی تکمیل ۱۹۰۸ء میں ہوئی.

حجاز ریلوے کی تختی کی نایاب تصویر

منصوبے کے اختتام پر پہلی ریل گاڑی مدینہ طیبہ کے ریلوے سٹیشن پر ۲۲ اگست ۱۹۰۸ء (۲۷ رجب ۱۳۲۶ ہجری - یعنی شب معراج) میں آ کر لگی. سرکاری طور پر اس کا افتتاح ۲۸ اگست ۱۹۰۸ء کو کیا گیا. (۱۷) یعنی ۳ شعبان کو اس کا افتتاح ہوا. اس عظیم منصوبے پر ۳۰ لاکھ برطانوی پاؤنڈ خرچ ہوئے جس میں سے دس لاکھ پاؤنڈ سے زاید رقم عالم اسلام سے مسلمانوں کے چندوں سے جمع ہوئی تھی.

ریلوے لائن کے بچھ جانے سے سفری سہولیات میں ایک دم اضافہ ہو گیا اور وہ مجبور و بیکس لوگ جو مدتوں سے اپنے دلوں میں حسرتیں سمیٹے بیٹھے تھے وہ بھی اس مبارک سفر پر روانہ ہونے کے لیے مچلنے لگ گئے. پہلے جو سفر اونٹوں کے ذریعے ایک ماہ سے بھی زیادہ کا

مدینہ منورہ کا تاریخی
بس اسٹینڈ

عرصہ لے لیتا تھا اب وہ صرف ۳۶ گھنٹوں میں طے ہونے لگ گیا تھا. سلطان عبدالحمید کی ہدایات پر ترکوں نے اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا تھا کہ جہاں جہاں مقصود کونین سرور کائنات ﷺ نے کسی غزوے یا سفر کی غرض سے مدینہ طیبہ سے نکلنے کے بعد پڑاؤ کیا تھا اور وہاں کوئی آثار مبارکہ موجود تھا وہاں ریلوے سٹیشن بنا دیا گیا تھا تا کہ زائرین ان مقامات مقدسہ کی زیارت سے بھی بہرہ ور ہو سکیں. سرزمین حجاز میں بڑے بڑے سٹیشن العلا اور تبوک تھے. یہ اس وقت کا بہت ہی محفوظ اور سستا سفر سمجھا جاتا تھا. دمشق سے مدینہ طیبہ تک ایک طرف کا تھرڈ کلاس کا کرایہ صرف ۳ پاؤنڈ اور ۱۰ شلنگ ہوا کرتا تھا. اس سفر میں دوسری سہولت یہ بھی تھی کہ سابقہ ایام کی طرح راستے کے خطرات یکسر ختم ہو گئے تھے. ماضی میں تو قافلے لوٹ لیے جاتے تھے: مردوں کو قتل کر دیا جاتا تھا اور بے بس عورتیں اور مال اسباب چھین لیا جاتا تھا، مگر اب ریل میں ترک فوج کے جوان بھی ساتھ ہوتے تھے اور یوں یہ سفر بہت حد تک محفوظ ہو گیا تھا. روس کی دور دراز ریاستوں سے لے کر مسلمان علاقوں کے انتہائی شمال اور مصر اور افریقہ تک کے وہ لوگ جو پہلے اس طرف آنے پر خطرات کا سوچ کر حج وعمرہ وزیارات سے محروم رہ جاتے تھے وہ سب اراضی مقدسہ کی طرف جوق در جوق آنے لگے. مصری قوافل صحرائے سیناء کو عبور کر کے حیفہ تک آجاتے تھے اور پھر ایک برانچ لائن سے حجاز ریلوے سے مستفید ہو جاتے تھے اور یوں مدینہ طیبہ تک مسافروں کی قطاریں لگی رہتی تھیں.

مدینہ ریلوے کو دوبارہ
چلانے اور ڈرائی پورٹ
بنانے کے منصوبہ کا اعلان

تاہم یہ کہنا کہ خطرات یکسر معدوم ہو گئے تھے مبالغہ آرائی ہوگا کیونکہ وقتاً فوقتاً بدو قبائل ریلوے کاروانوں پر بھی حملہ آور ہونے سے باز نہ آتے تھے. وہ لوگ جن کا کاروبار ہی صدیوں سے قافلوں کو لوٹنا بن چکا تھا اور وہ یکایک اپنے شکار سے یکسر محروم ہو گئے تھے وہ بھلا اس نئی سفری سہولت کو کیسے برداشت کر سکتے تھے. یوں کئی بار انہوں نے ریلوے ٹریفک کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی پہلی بار ۱۹۱۲ء میں اور پھر ۱۹۱۴ء میں انہوں نے ریل کی پٹریاں تک اکھاڑ دیں. عالم اسلام کا دیرینہ دشمن جو کہ صلیبی جنگوں میں خاک چاٹنے پر مجبور ہو گیا تھا جنگ عظیم اول کے بعد ایک بار پھر ہوشیار ہو گیا اور دوبارہ اس کے دل میں وحدت اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کی خواہش انگڑائیاں لینے لگ گئی. برطانوی سامراج جو کہ عالم اسلام میں جگہ جگہ اپنے جبر واستبداد کے پنجے گاڑے بیٹھا تھا پھٹی ہوئی آنکھوں سے یہ دیکھ رہا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کی توحید ملت اسلامیہ کی صرف ایک صداء پر ہر گلی کوچے کی نکڑ پر چندہ جمع کرنے کے لیے صندوق رکھ دیئے گئے تھے جس میں بقدر ہمت اوست ہر مسلمان نے اپنا نذرانہ پیش کر رہا تھا. اس سے وہ بھانپ گیا تھا کہ اس ٹوٹے ہوئے تارے کو مکمل بننے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی. چالاک صلیبی یہ بھی جان چکا تھا کہ یہ منصوبہ صرف مدینہ طیبہ یا مکۃ المکرمہ تک ختم نہیں ہوگا بلکہ بالآخر تمام عالم اسلام کو ایک شیرازے میں منسلک کر کے دم لے گا. چنانچہ دشمن اسلام عرب بدوؤں کی باغیانہ اور سبوتاژ کی حرکتوں کو مزید ہوا دینے لگ گیا. برطانوی کرنل ٹی ای لارنس (جو کہ عربی تاریخ میں لارنس آف عریبیہ کے نام سے جانا جاتا ہے) نے برطانوی حکومت کے ایماء پر اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا اور بدوؤں

arab news

2 MONDAY, NOVEMBER 26, 2001

NATIONWIDE

Plan for dry port in Madinah

MADINAH — Madinah Governor Prince Muqrin on Saturday underscored the importance of the proposed railway expansion project linking various parts of the Kingdom and said it would facilitate transportation of pilgrims and goods. Opening the 44th meeting of the Council of Saudi Chambers of Commerce and Industry here, the governor also revealed the plan to establish a dry port in Madinah. Referring to domestic tourism, he said there are about 4,000 religious, historical and tourist places in the Kingdom, of which nearly 1,000 are in Madinah. (SPA)

میں عرب قومیت کا زہر بھر کر وحدت امت مسلمہ پر کاری ضرب لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ حجاز ریلوے سٹیشن کو پہلے تو ۱۹۱۴ء میں سبوتاژ کرنے کی کوشش کی گئی مگر یہ وسیلہ سفر رواں دواں رہا۔ آخر کار بدوؤں کی مدد سے وہ مجرم ۱۹۱۷ء میں اسے بری طرح تباہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد ریلوے لائن صرف ۱۹۲۴ء میں تھوڑے عرصے کے لیے چل سکی مگر پھر حالات نے ایک اور پلٹا کھایا اور یہ ریلوے لائن جو کہ امت کی وحدت کی علامت بن چکی تھی اور جس سے دیار مغرب لرزہ براندام ہو چکا تھا ٹوٹ کر کئی حصوں اور بخروں میں تقسیم ہو گئی اور بالآخر اپنی موت آپ مر گئی۔ پھر جب سعودی حکومت کا سورج طلوع ہوا تو تحریک خلافت کے رہنماؤں نے اس میں نئی روح پھونکنے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر وہ قوتیں جو وحدت امت کو پارہ پارہ کرنے میں سرگرم تھیں آڑے آ گئیں اور یہ عظیم الشان منصوبہ بے موت مر گیا۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا آن لائن کے الفاظ میں:

''اس (منصوبے) کی بڑی لائن ۱۹۰۰-۱۹۰۸ء میں تعمیر ہوئی تھی جس کا بظاہر مقصد تو مسلمانوں کی عرب میں واقع اراضی مقدسہ تک رسائی کو ممکن بنانا تھا مگر اس کے درپردہ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ترک حکومت کا دور دراز صوبوں پر کنٹرول مضبوط کیا جائے۔ یہ طویل لائن جس کو بنانے کے لیے کثیر النسلی قوت انسانی صرف ہوئی تھی اور جسے ایک جرمن انجینئر کی نگرانی میں پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا تھا، مختلف اور مشکل ارضیاتی سطوح مرتفع سے گزرتی ہوئی ۸۲۰ میل (۱،۳۳۰ کیلومیٹر) کی مسافت طے کرتی تھی۔ حیرانی کی بات ہے کہ یہ عظیم الشان اور محیر العقول منصوبہ صرف آٹھ سال کی قلیل مدت میں پایہ تکمیل تک پہنچا تھا۔ یہ دمشق سے جنوب کی جانب درعا کی طرف چلتی تھی جہاں سے اردن کے علاقوں سے گزرتی ہوئی زرقاء، القترانہ اور معان سے ہوتی ہوئی یہ ریلوے لائن شمال مغربی عرب میں داخل ہو جاتی تھی اور پھر وہاں سے ذات الحج اور العلاء سے ہوتی ہوئی یہ لائن مدینہ طیبہ تک پہنچ جاتی تھی۔ اس کا بڑا حصہ جو کہ ۱۰۰ میل تک پھیلا ہوا تھا اور درعا سے فلسطین کے شمال میں بحر قلزم کے کنارے حیفہ تک تھا وہ تو ۱۹۰۵ء میں ہی بن کر تیار ہو گیا تھا۔'' (۱۸)

ریلوے لائن کی کل لمبائی ۱،۳۳۰ کیلومیٹر تھی۔ پہلے مرحلے پر اس نے دو مقدس مقامات کو آپس میں منسلک کیا تھا۔ ایک طرف بیت المقدس (اردن میں یہ ٹرین عمان میں بھی رکا کرتی تھی) اور دوسری طرف مدینہ طیبہ تھا۔ ابتداء میں مدینہ طیبہ میں عنبریہ ریلوے سٹیشن اس کا آخری سٹیشن ہوا کرتا تھا مگر جب فخری پاشا نے مدینہ طیبہ کے گورنر کی حیثیت سے باگ ڈور سنبھالی تو اس نے باب السلام تک ریل کی پٹریاں بچھا کر اسے مسجد نبوی شریف کی دہلیز تک پہنچا دیا۔ دوسرے مرحلے پر اسے مزید آگے تک بڑھایا جانا تھا یعنی مکۃ المکرّمہ تک مگر بدقسمتی سے وہ نوبت ہی نہ آ سکی۔ پہلے تو جنگ عظیم اول نے اس عظیم منصوبے کی توسیع کے کام کو سرد خانے میں ڈال دیا اور پھر اس کے بعد عرب بغاوت نے رہی سہی کسر نکال دی اور یوں وحدت امت مسلمہ کا خواب اپنی تعبیر سے پہلے ہی بکھر گیا۔ طول و عرض میں پھیلی ہوئی عظیم مملکت عثمانیہ حصوں بخروں میں تقسیم کر دی گئی تھی اور شرق اوسط کا جغرافیہ تبدیل کر کے عرب قومیت (Arab Nationalism) کے زہر ہلاہل نے ''ایک امت'' کے نظریے کا جنازہ بڑی دھوم سے نکال دیا۔ ہم ایک بار پھر انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا آن لائن کے الفاظ کا ترجمہ پیش کرنا چاہیں گے:

''جنگ عظیم سے پہلے ہی (۱۹۱۴-۱۹۱۸ء) عرب کے صحرائی بدوؤں نے اس ریلوے لائن پر متواتر حملے کر کے ناکارہ بنا دیا تھا کیونکہ اس سے ان کے صدیوں پرانے حج کے راستے اور کاروبار بری طرح متاثر ہو رہے تھے۔ پھر جب حجاز کے عربوں نے ترک حکومت کے خلاف ۱۹۱۶ء میں بغاوت کر دی، تو لائن کا وہ حصہ جو کہ معان سے مدینہ طیبہ تک جاتا تھا، عرب حملہ آوروں نے ناکارہ بنا دیا تھا لیکن اس میں انہیں ٹی ای لارنس کی شہہ اور آشیرباد حاصل تھی۔'' (۱۹)

جہاں ریلوے لائن بچھائے جانے سے مدینہ طیبہ تک سفری سہولتوں میں اضافہ ہوا وہاں ایک اور فائدہ یہ بھی ہوا کہ اس کے ساتھ ساتھ بجلی اور ٹیلیگراف کی ترسیل بھی ممکن ہو گئی جو ایک نعمت غیر مترقبہ بن کر آئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ طیبہ کی معاشی اور معاشرتی زندگی

مسجد جبل الرماۃ کی باقیات، اب یہ باقیات بھی ختم ہو چکی ہیں (تصویر: ۱۹۸۰ء)

میں انقلاب لانے کا سبب رئیسی بن گئی.

پونی صدی تک مدینہ طیبہ کا ریلوے سٹیشن اور اس میں بکھرے ہوئے ریل کے انجن اور ڈبے تو حید امت اسلامیہ کی بھرپور کوشش کو سبوتاژ کیئے جانے پر زبان حال سے نوحہ کناں رہے مگر آخر کار ارباب بسط وکشاد کو اس کی ایک افادیت نظر آئی اور اب اس ریلوے سٹیشن کو تاریخی ورثہ اور آثار قدیمہ سمجھ لیا گیا ہے اور اس کے کچھ حصے پر عجائب گھر تعمیر کیا گیا ہے جہاں چند قدیم آثار کی نمائش کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے: جن میں چند تلواریں، قرآن کریم کے چند نسخے اور زمانہ قبل از اسلام کی چند قبور سے دریافت شدہ الواح سنگ وغیرہ رکھے گئے ہیں.

آج کل اس عمارت پر کام ہو رہا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مسجد سقیاء کی قسمت کا ستارہ بھی چمک اٹھا ہے اور اسے بھی بنایا اور سنوارا گیا ہے.

ریلوے سٹیشن کے احاطے میں کھجوروں کی شجر کاری کی گئی ہے اور اسے دیدہ زیب پارک کی شکل دی جا رہی ہے. تاہم مدینہ طیبہ کے قریب ہی چھوٹے چھوٹے سٹیشنوں پر واقع عمارتوں کے فرش کو بری طرح کھود کر ان کو نیم منہدم کیا گیا ہے اور ارد گرد بسنے والے بدوؤں نے مشہور کر رکھا ہے کہ وہاں جلدی میں بھاگتے ہوئے ترکوں نے خزائن دفن کر دیئے تھے؛ لہذا ان خزائن کو دریافت کرنے کی غرض سے جگہ جگہ کھدائی کر کے ان میں گڑھے ڈال دیئے گئے ہیں. (۲۰) ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ حال میں سعودی حکومت نے اس مردہ گھوڑے میں جان ڈالنے پر سوچ و بچار شروع کی ہے اور ان کی کوشش ہے کہ اسے اندرون ملک ریلوے لائنوں سے ملا دیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ مدینہ طیبہ میں ڈرائی پورٹ (خشک گودی) کا قیام بھی زیر غور ہے.

مدینہ ائر پورٹ

ذرائع آمد و رفت کے سلسلے میں مدینہ طیبہ میں جہاں ہوشربا ترقی ہوئی ہے وہاں ہم شہری ہوابازی کی پریزیڈنسی کی کوششوں کی تعریف کیئے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے مدینہ طیبہ میں العقول کے جوار میں ایک درمیانے درجے کی ائر پورٹ تعمیر کرا دی تھی جسے پرنس محمد ائر پورٹ کا نام دیا جاتا ہے. یہ ائر پورٹ جدید ترین سہولیات اور سامان ہوابازی سے لیس ہے اور مملکت سعودی عرب کی تمام دوسری ائر پورٹوں سے منسلک ہے. حج کے موسم میں تو ائر ٹریفک کے حجم کے لحاظ سے جدہ ائر پورٹ کے بعد اس ائر پورٹ کا نمبر آتا ہے. اسے حال ہی میں مزید توسیع دی گئی ہے. اس کے نئے لاؤنجز کا افتتاح ۴ دسمبر ۲۰۰۱ء کو شہزادہ سلطان بن عبدالعزیز کے ہاتھوں ہوا تھا. حج کے موسم میں یہ ائر پورٹ تقریباً چار لاکھ مسافروں کو سفر کی سہولتیں مہیا کرتی ہے جس کی روزانہ اوسطاً تعداد تقریباً ۱۶،۴۰۰ مسافر بنتی ہے. (۲۱)

وہ مساجد یا تاریخی مقامات جو اب قصہ پارینہ بن چکے ہیں

مدینۃ النبی ﷺ اسلام کا گہوارہ تھا اور اسی کی گود میں تاریخ اسلامی نے نشو و نما اور پھر درجہ کمال تک پہنچنے کے لیے ارتقاء کی منازل طے

مسجد دار سعد بن خیثمہ

کی تھیں اور یوں اس کی پاک دھرتی نہ صرف تبرکات نبوی شریف بلکہ اسلامی تاریخ کے بے شمار انمٹ نقوش کی امین بن گئی. جیسا کہ شہزادہ مقرن بن عبدالعزیز گورنر مدینہ طیبہ کے مندرجہ بالا اخباری تراشے میں بیان سے ظاہر ہوتا ہے یہ بلدۃ الطیبہ تقریباً ایک ہزار آثار مقدسہ کا امین ہے. تاہم وقت کے دھارے نے ان میں سے بہت سے تبرکات اور آثار مبارکہ کو نگل لیا ہے اور صرف چند ایک معروف و مشہور آثار ہی بچ پائے ہیں جن میں سے صرف چند کا احاطہ ہم نے اپنی اس کتاب میں کیا ہے. بیسویں صدی میں ان مفقود آثار میں سے بہت سوں کے محل وقوع موجود اور معلوم تھے مگر لاپرواہی اور مصلحتیں آڑے آئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے تاریخ مدینہ طیبہ کے ان نگینوں کو سوئے ملک عدم ترحیل پر مجبور کر دیا گیا. اب ان تمام مفقود گوہر ہائے گراں مایہ کا احاطہ تو ناممکنات میں سے ہے مگر پھر بھی ہم نے کوشش کی ہے کہ ان مشہور مساجد اور مقامات کا ذکر ضرور کر دیں جو کہ بیسویں صدی کے اواخر تک موجود تھے مگر اب یا تو سرے سے ان کا وجود ہی ختم کر دیا گیا ہے یا پھر وہ بھی انتہائی کس مپرسی کے عالم میں کمر باندھے ہوئے ملک عدم سدھارنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں.

(۱) **مسجد جبل الرماہ:** یہ متبرک مسجد اس پہاڑی پر واقع تھی جہاں رسول اللہ ﷺ نے دوران غزوہ احد پچاس تیر اندازوں کو تعینات فرمایا تھا. جونہی جنگ کی گرد بیٹھی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے جانباز شہداء رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تدفین کروائی اور اسی پہاڑی کی چوٹی پر نماز ظہر ادا فرمائی. (۲۲) اسی سجدہ نیاز کی یاد میں وہاں ایک مسجد تعمیر کر دی گئی تھی (۲۳) جو مرور ایام اور کئی حکمرانوں کی لاپرواہی کے باوجود بھی اس جبل عینین پر اپنا سر بلند کئے کھڑی رہی. عثمانیوں کے دور میں اس کے ارد گرد دیگر عمارتیں بھی تعمیر

مسجد بنات النجار انہدام سے پہلے اور بعد میں

مسجد الفتح

ہو چکی تھیں۔ انیس سو ستر کی دہائی تک تو وہ مسجد کافی اچھی حالت میں قائم تھی، مگر آہستہ آہستہ روبہ تنزل ہوتی گئی اور پھر بالآخر اس کے کھنڈرات بھی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

(۲) **مسجد عرفات:** یہ مسجد قباء کی جنوبی جانب اس سطح مرتفع پر واقع تھی جہاں اصحاب الصفہ اور مہاجرین کی بستی بسائی گئی تھیں۔ ۸ ہجری میں جب مسلمانوں نے پہلی بار سیدنا صدیق اکبرؓ کی سرکردگی میں حج ادا کیا تو رسول اللہ ﷺ باقیماندہ اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو لے کر اس سطح مرتفع پر تشریف لے گئے جہاں اصحاب صفہ کے نادار اصحابہ مقیم تھے۔ یوم عرفات کو جب حج کے شرکاء اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وقوف عرفات کر رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزے نے ان اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو اس سعادت سے محروم رہ گئے تھے حجاج اصحابہ کرام کا تمام منظر دکھا دیا۔ (۲۴) اس محیر العقول معجزے کی یاد میں اس مقام پر اہل مدینہ نے ایک مسجد تعمیر کر دی تھی جو بیسویں صدی کے وسط تک موجود رہی مگر بعد میں اسے منہدم کر دیا گیا۔

(۳) **مسجد بنات النجار:** ہجرت مبارکہ پر جب سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام قباء سے سوئے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے تو بنی نجار کے علاقے میں اس قبیلے کی بچیوں نے دف بجا کر استقبالیہ نغمہ گا کر رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا تھا۔ ان بچیوں کے ترحیبی کلمات میں بنی نجار کا ذکر خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ بنی نجار رشتہ میں سید العرب والعجم ﷺ کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؓ کے ننہال تھے۔ ترحیبی نغمے کا مطلع یہ تھا:

نحن جوار من بنی نجار — یا حبذا محمد من جار

بعض مورخین کے مطابق بنونجار کی بچیوں نے یہ استقبالیہ نغمہ مسجد نبوی شریف کے جوار میں گایا تھا کیونکہ وہاں بھی بنونجار کے لوگ آباد تھے۔ تاہم یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسجد الجمعہ کے سامنے بھی بنی نجار کے کچھ افراد بستے تھے اور انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کو استقبالیہ دیا تھا۔ اس تاریخی مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کر دی گئی تھی جس کا ذکر کم و بیش ہر مورخ مدینہ طیبہ نے کیا ہے۔ مسجد الجمعہ کے سامنے ایک احاطے کے اندر یہ مسجد ہوا کرتی تھی (۲۵) یہ چھوٹی سی مسجد غیر مسقف ہوا کرتی تھی ثنیۃ الوداع کی طرح اس مسجد کا بھی اپنا تاریخی تشخص اور مقام تھا مگر پچھلے تین سالوں سے یہ مسجد منہدم کر دی گئی ہے اور اس کھلے احاطے میں اہل محلہ کے بچے اپنی کھیل کود کا شوق پورا کرتے ہیں اور بڑے لوگ اپنی گاڑیاں پارک کر کے اس متبرک مقام کے تقدس کا حق ادا کرتے ہیں۔

(۴) **مسجد الفتح:** اس مسجد کا تفصیلی ذکر باب ''مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد'' میں کیا ہے۔ اس متبرک مسجد کے کھنڈرات کے گرد خاردار تار لگا کر اس تک پہنچنا دشوار بنا دیا گیا ہے۔ زائرین وہاں پر دیکھے جائیں تو پاسبان شریعت ناک بھوں چڑھاتے ہیں مگر

مسجد مشربہ ام ابراہیمؓ کی موجودہ حالت

چونکہ اس سے متصل جگہ پر بھیڑ بکریوں کا باڑہ ہے اس لیے وہ غیر مکلّف جانور اس متبرک مسجد کے تقدس کو بری طرح مجروح کرتے رہتے ہیں اور دیکھنے والا اپنا سر پیٹ کر رہ جاتا ہے کہ وہ رشک جناں مقام جس پر تقدس کو سو سو ناز ہے کہ وہاں سرکار دوعالم جان کائنات ﷺ نے اپنا سر نیاز بحضور رب ذوالجلال سجدہ ریز کیا تھا اور جہاں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروادی تھی وہاں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے نظر آتے ہیں اور اگر کوئی اس تمام تر بے ہودگی کے باوجود دل کڑا کر کے تحیۃ المسجد کے لیے وہاں رکوع وسجود کرنے کی جسارت کر بھی لے تو اسے مشرک گردان کر اس کی عزت افزائی کی جاتی ہے۔ مزید تفاصیل باب ''تاریخی مساجد'' میں دی گئی ہیں۔

(۵) **مسجد ابوبکر الصدیقؓ**: یہ مسجد سبع مساجد میں سے ایک تھی جو کہ جبل سلع کے دامن میں اس یادگار کے طور پر بنائی گئی تھی کہ وہاں غزوہ خندق کے دوران اصحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خیمے نصب تھے۔ قرون اولیٰ میں تو یہ مسجد سیدنا علی ابن ابی طالبؓ کے نام سے منسوب تھی اور وہ مسجد جو کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے اب منسوب ہے وہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی مسجد مشہور تھی۔ پچھلی دو دہائیوں میں سبعہ مساجد کی جگہ صرف خمسہ مساجد ہی رہ گئی تھیں جن میں ۱۹۹۹ء کے اخیر تک مسجد سیدنا ابوبکر صدیقؓ شامل تھی مگر پھر اسے منہدم کر کے اس کا رقبہ گاڑیوں کو پارک کرنے کے لیے استعمال کرلیا گیا۔ البتہ ۲۰۰۲ء کے اواخر میں اس علاقے میں ایک بڑی مسجد کا منصوبہ شروع کیا گیا ہے جو مسجد خندق کہلائے گی۔ گو کہ یہ مسجد ایک تاریخی یادگار ہی ہوگی مگر کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان چھوٹی چھوٹی مساجد کی جگہ پر ہی مساجد بنادی جاتیں تاکہ آنے والی نسلوں کو یہ تو معلوم رہتا کہ ان کٹھن حالات میں لشکر اسلامی کے عمائدین نے کہاں کہاں خیمے لگائے تھے۔

(۶) **مسجد ابی بن کعبؓ**: یہ چھوٹی سی مسجد بقیع الغرقد کے اندر واقع تھی اور اسے مسجد مقام النبی ﷺ بھی کہا جاتا تھا۔ قدیم ترین مورخین سے لے کر (ابن زبالہ) مدینہ طیبہ کے معاصر مورخین نے اس مسجد کا ذکر کیا ہے اور بیسویں صدی کے وسط تک یہ مسجد موجود رہی اور بعد میں بقیع الغرقد کے گورکنوں نے وہاں اپنے اوزار گورکنی وغیرہ رکھنے شروع کردیئے تھے اور پھر بعد میں جب بقیع الغرقد کی توسیع کی گئی تو اس مسجد کو مسمار کردیا گیا اور وہاں زائرین کے کھڑے ہونے کی جگہ بنادی گئی۔ اسے مسجد ابی بن کعبؓ کے علاوہ مسجد بنی جدیلہ اور کبھی مسجد مقام النبی ﷺ بھی کہا جاتا رہا ہے۔ اس کے متعلق مزید تفاصیل ہم نے بقیع الغرقد کے باب میں دی ہیں۔

(۷) **مسجد مشربہ ام ابراہیمؓ**: مشربہ سیدتنا ام ابراہیمؓ العوالی کے علاقے میں واقع ہے جہاں سیدۃ ماریہ قبطیہؓ رہائش پذیر تھیں اور سرکار دوعالم ﷺ اکثر وہاں تشریف لایا کرتے تھے اور ایک بار تو پورے ۲۹ دن شہ دوسرا ﷺ نے اسی مشربہ میں گزارے تھے۔ چنانچہ آپ حضور ﷺ نے اتنے دن نماز بھی وہیں ادا فرمائی۔ ابن شبہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس جگہ کو بارہا شرف

سجدہ ریزی سے نوازا تھا.(۲۶) اس دوران جب امام الانبیاء اور میر امم ﷺ نے وہاں قیام فرمایا تھا، تو یہ قدرتی عمل تھا کہ آپ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آنے والے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی آپ حضور ﷺ کی اقتداء میں وہیں دوزانو ہوا کرتے تھے. صحیح بخاری نے سیدنا عمر فاروق ؓ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ وہ آں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں مشربہ ام ابراہیمؓ حاضر ہوئے تھے. اس مشربہ کی جگہ ابتدائی دور میں ہی ایک مسجد تعمیر کردی گئی تھی جو کہ مسجد مشربہ ام ابراہیم ؓ کہلاتی تھی. بعض روایات میں تو یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ سیدۃ ماریہ قبطیہ ؓ بھی اسی مشربہ کے بستان میں مدفون ہیں گوکہ یہ بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی. البتہ اتنا ضرور ہے کہ دوسری صدی میں اہل بیت الطاہرہ کے چند برگزیدہ افراد وہاں قیام پذیر ہوگئے تھے اور یوں کئی نسلوں تک یہ جگہ نہ صرف ان کی اقامت گاہ رہی بلکہ ملحقہ بستان آہستہ آہستہ اہل بیت الطاہرہ کی آخری آرامگاہ بن گیا. اس مسجد کے ساتھ ایک کنواں بھی ہوا کرتا تھا. دسمبر ۱۹۲۵ء میں جب وہابیوں نے مدینہ طیبہ پر قبضہ کیا تو دیگر آثار کے ساتھ ساتھ اس مسجد کو بھی مسمار کردیا گیا تھا. کھنڈرات کی صورت میں اس اثر مبارکہ نے کئی دہائیوں تک زبان حال سے اپنی بقا کے لیے احتجاج جاری رکھا مگر بالآخر سن اسّی کی دہائی میں اس کے کھنڈرات بھی زمیں بوس ہوگئے. اب اس مسجد کا نشان تک باقی نہیں رہا، مگر قبرستان کے طور پر اس کے گرداگرد بلند و بالا دیوار کھڑی کردی گئی ہے تاکہ عشاق آثار نبویہ یا فدایان اہل بیت الطاہرہ اندر جھانک بھی نہ پائیں. ہاں البتہ زائرین کو بیوقوف بنانے کے لیے مشربہ کے احاطے کے باہر ایک مسجد کا غیر مکمل ڈھانچہ کھڑا کردیا گیا ہے اور اکثر مسجد مشربہ کے متعلق سوال کیا جائے تو اس ادھوری مسجد کی طرف اشارہ کردیا جاتا ہے حالانکہ نہ تو وہ مشربہ کے اندر ہے اور نہ ہی اسے اس تاریخی مسجد سے اسے کوئی نسبت اور واسطہ ہے.

مشربہ ام ابراہیم ؓ کی دیوار کے ساتھ یہ وہ جگہ ہے جہاں نبی اکرم ﷺ نے وضو کرتے ہوئے کلی کا پانی پھینکا تھا اس جگہ یہ سبز پودے اگ آئے بار بار کاٹنے کے باوجود یہ دوبارہ اگ آتا ہے

(۸) **مسجد عتبان ابن مالکؓ:** اپنی عمر کے ایک حصے میں حضرت عتبان ابن مالکؓ اپنی آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھے تھے اور ان کے لیے وادی رانونا عبور کرکے مسجد الجمعہ میں نماز پنجگانہ کے لیے آنا دشوار تھا. چنانچہ انہوں نے سرکار دوعالم ﷺ سے اپنے گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت طلب کی اور التماس کی کہ تاجدار حرم منبع جود والکرم ﷺ ان کے گھر میں قدم رنجہ فرمائیں اور وہاں ایک نماز ادا کریں. دربار رسالت مآب ﷺ میں ان کی یہ درخواست منظور ہوئی اور آپ حضور ﷺ نے ان کے گھر نماز ادا فرمائی اور پھر انہوں نے وہاں اپنی ایک مسجد تعمیر کروالی. حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے وہاں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروادی تھی. یہ مسجد الجمعہ کے سامنے کے علاقے میں شمال مشرقی جانب حضرت عتبان بن مالکؓ کے اطم کے اندر تھی جو کہ کھنڈرات کی شکل میں بیسویں صدی کے اواخر تک بقید حیات تھا. روبہ انہدام ہونے کی وجہ سے وہ اطم بھی اب نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے اور اب تو اس کی باقیات بھی ہٹادی گئی ہیں.

(۹) **مسجد سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ:** جبل سلع کے دامن میں غربی جانب سبعہ مساجد میں سے ایک چھوٹی سے مسجد سیدۃ النساء العالمین سیدۃ فاطمۃ الزہراءؓ سے بھی منسوب تھی. تاریخی طور پر اس مسجد کو مسجد ابوذرؓ کہا جاتا تھا. قرون اولیٰ میں اسے مسجد سعد بن معاذؓ بھی کہا جاتا رہا تھا. ستر کی دہائی میں تو یہ غیر مسقف تھی مگر بعد میں اس پر چھت ڈال دی گئی تھی مگر پچھلے چار پانچ سال سے اس کے دروازے کے آگے دیوار کھڑی کرکے اس میں داخلے کو ناممکن بنادیا گیا ہے. دیگر سبعہ مساجد کی طرح یہ مسجد بھی زیر تعمیر نئی مسجد خندق میں ضم ہوجائے گی.

(۱۰) **مسجد الشمس**: یہ مسجد جس کو چند معاصر مورخین مدینہ طیبہ نے مسجد الفضیخ کے ساتھ گڈ مڈ کر دیا ہے العوالی میں وادی بطحان کے کنارے ایک چاردیواری کے احاطے کے اندر ہوا کرتی تھی. شاہ فیصل مرحوم کے دور میں ایک دو بار اس کو بنانے کی سعی لاحاصل کی گئی مگر جونہی شیعہ حضرات کا وہاں جمگھٹا لگنے لگا اسے مسمار کر دیا جاتا تھا اور یوں اب وہ خالی احاطہ ہی رہ گیا ہے اور اس میں مسجد الشمس کے کھنڈرات کی چند باقیات ابھی تک اعلائے کلمۃ الحق کر رہی ہیں.

(۱۱) **مسجد فضیخ**: العوالی میں بہت مشہور مسجد تھی جہاں سرکار دو عالم ﷺ نے محاصرہ بنو قریضہ کے دوران دو ہفتہ تک قیام فرمایا تھا اور نماز پنجگانہ ادا فرمائی تھی. اگست ۲۰۰۱ء میں اسے مسمار کر کے اس کی جگہ اہل محلّہ کے لیے کھول دی گئی ہے تا کہ ایک اور اثر مصطفیٰ ﷺ کا تقدس مجروح کر سکیں. اس معاملے میں ہم نے بہت سی تفاصیل ''مدینہ طیبہ کی تاریخی مساجد'' میں بھی دی ہیں.

(۱۲) **مسجد سیدۃ فاطمۃ بنت حسین ابن علی رضوان اللہ علیہم**: حرۃ الوبرہ (جسے آج کل حارہ غربیہ کہا جاتا ہے) میں مسجد نبوی شریف کے مغرب میں عنبریہ ریلوے سٹیشن کے اس پار حضرت فاطمۃ بنت حسینؓ کا گھر اور مسجد ہوا کرتی تھی اور زیارت گاہ خاص و عام تھی. ان کو مسمار کر کے اس جگہ پر ''نفط'' کا پٹرول پمپ اور گیس سٹیشن بنا دیا گیا ہے.

(۱۳) **مسجد ثنیۃ الوداع**: ثنیۃ الوداع کی گھاٹیاں ایک درے کی صورت میں جبل سلع کے شرقی جانب ہوا کرتی تھیں جہاں محسن انسانیت سرکار دو عالم ﷺ کا استقبال اہل مدینہ نے ''طلع البدر علینا'' کی نعت دف بجا کر کیا تھا. اس گھاٹی پر یادگار کے طور پر ایک مسجد صدیوں سے قائم تھی. یہ سیدنا ابوبکر الصدیقؓ روڈ اور سیدنا عثمان بن عفانؓ روڈ کے چوک کے پاس ہوا کرتی تھی. لیکن جب سیدنا ابوبکر صدیقؓ روڈ کا انڈر پاس تعمیر ہوا تو اسے منہدم کر کے وہاں سے سڑک گزار دی گئی. اس کا بچا کھچا حصہ ایک تکونی صورت میں اب بھی باقی ہے مگر کسی قسم کا سائن بورڈ لگانے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی. اس کا تھوڑا سا حصہ بچ پایا ہے اور وہاں خوبصورتی کے لیے شجر کاری کر دی گئی ہے. سوائے چند مدنیوں کے اب اس جگہ یا اس کی تاریخی اہمیت اور مقام کو کوئی بھی نہیں جانتا اور ایک دو نسلوں کے بعد تو یہ جگہ بالکل قصہ پارینہ بن جائے گی.

(۱۴) **مشہد نفس الذکیہ**: محمد بن عبداللہ بن حسن المثنیٰ بن حسن ابن علی رضوان اللہ علیہم کا مزار (مشہد) جو کہ عباسیوں کے ہاتھوں ۱۶۳ ہجری میں شہید ہو گئے تھے موجودہ نقل جماعی کے بسوں کے اڈے کے پاس ہوا کرتا تھا. وہاں ایک مسجد بھی ہوا کرتی تھی جو کہ نماز پنجگانہ کے لیے کھلتی تھی اور ساتھ ہی عین الزرقاء کا چشمہ تھا جہاں سے مدینہ طیبہ کے باسیوں کو پانی مہیا کیا جاتا تھا. پانی کے منہل کی اہمیت کے پیش نظر یہ پورا علاقہ سبیل الذکیہ یا عین الذکیہ کہلاتا تھا مگر جونہی آب رسانی کے دیگر ذرائع نے مدینہ طیبہ کے لیے پانی مہیا کرنا شروع کیا اس کی اہمیت ختم ہو گئی اور پلک جھپکنے میں اسے زمین بوس کر کے بلدیہ مدینہ نے اس مسجد کو شہید اور مشہد کو زائل کر دیا.

مدینہ طیبہ کے چند مشہور و معروف علاقے اور آبادیاں

العوالی

سطح مرتفع کے لحاظ سے مدینۃ النبی ﷺ ارضیاتی ساخت کے تفاوت اور نشیب و فراز کے علاوہ دو حصوں میں تقسیم ہے: ایک وہ حصہ ہے جہاں سے جنوبی جانب سے ندی نالے بہہ کر مدینہ طیبہ کی ارض مقدس سے ہو کر گزرتے ہیں. یہ تمام علاقہ اونچا ہے جہاں سے ڈھلوان

کی طرف پانی کا بہاؤ ہوتا ہے. یوں ارض طیبہ بالائی اور زیریں علاقوں پر مشتمل ہے. عربی زبان میں بالائی علاقے کو ''العالیہ'' اور زیریں علاقے کو ''السافلہ'' کہا جاتا ہے. احادیث مبارکہ میں دونوں علاقوں کا العالیہ اور السافلہ کے نام سے ذکر ہے. وہ میدانی علاقے جو بالائی خطے میں تھے وہ العوالی (العالیہ کی جمع) کہلانے لگے تھے اور یوں وہ گاؤں جو کہ اس علاقے میں واقع تھا اسے کبھی تو العالیہ اور کبھی العوالی کہا جاتا تھا اور آج تک یہ تمام علاقہ اسی نام سے جانا جاتا ہے. گوکہ قباء کا گاؤں شروع سے ہی اپنے نام یعنی قباء سے جانا جاتا تھا مگر ارضیاتی لحاظ سے یہ بھی العوالی ہی کی ایک توسیع تھی اور اسی میں شامل تھا. مدینہ طیبہ کی مشہور وادیاں: ''بطحان''، ''مذینب''، ''مہزور'' اور ''جفاف'' اسی العوالی سے ہوکر زیریں علاقوں کی طرف بہتی تھیں. راستے میں مسجد نبوی شریف اور اس کے اردگرد کا کچھ علاقہ میدانی تھا جو کہ جوف مدینہ کہلاتا تھا اور اس سے آگے پھر ڈھلوان آجاتی تھی جو کہ سافلہ کہلاتا تھا جو کہ وادی قناۃ تک چلا جاتا تھا. مسجد نبوی شریف کے شمال میں مسجد ابوذر الغفاریؓ کو مسجد سافلہ اسی نسبت سے کہا جاتا تھا.

زمانہ قدیم سے یہ علاقہ وادیوں کی بدولت بہت زرخیز رہا ہے اور اسی علاقے میں مدینہ طیبہ کے مشہور کھجوروں کے باغات ہوا کرتے تھے اور اسی علاقے میں زیادہ تر کھیتی باڑی بھی ہوا کرتی تھی. آج سے چالیس یا پچاس سال پہلے تک تو مدنی زراعت کا نوے فیصد حصہ اسی العوالی میں ہوتا تھا مگر اب عمرانی ضرورتوں نے بہت سے باغات اور کھیتوں کو رہائشی علاقوں میں بدل دیا ہے. بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باغات بھی اسی علاقے میں تھے جن میں بستان حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور بستان حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ تو آج تک مشہور وقف باغات ہیں. اسی طرح تاریخی اور متبرک کنوؤں میں سے بئر غرس اور بئر عہن بھی اسی العوالی میں ہیں. ابتدائے اسلام میں یہاں بہت سے مشاہیر صحابی رہائش پذیر تھے جن میں سیدنا عمر فاروقؓ کا گھر بھی شامل تھا جو کہ اب بھی مٹی کے بنے ہوئے کھنڈرات کی شکل میں موجود ہے. احادیث مبارکہ میں اس علاقے کا کثرت سے ذکر ملتا ہے.

قربان

زمانہ قدیم میں قربان 'العوالی' کے ایک کونے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہوا کرتا تھا. العوالی اس کے جنوبی جانب تھی جب کہ مسجد نبوی شریف اس کے شمال میں تھی. مگر آج کا قربان اتنا پھیل چکا ہے کہ عملی طور پر اب العوالی اور قربان یک جان ہو چکے ہیں. اس کی ابتداء اور وجہ تسمیہ کا کھوج لگاتے ہوئے سید محمد کبریت الحسینی نے گیارھویں صدی ہجری میں بیان کیا ہے کہ دراصل قربان ایک مدنی کا نام تھا جو کہ اس گاؤں میں رہا کرتا تھا. وہ صاحب حیثیت تھا اور ایک بہت بڑے بستان (کھجوروں کا باغ) کا مالک تھا جس میں ایک کنواں بھی تھا جو کہ اسی کے نام سے شہرت پا گیا تھا. اس کی یہ جائیداد مسجد الشمس کے قریب مشرقی جانب ہوا کرتی تھی. یہ گاؤں اور یہ کنواں اتنا مشہور ہوا کہ بالآخر تمام علاقہ اسی قربان کے نام سے جانا جانے لگا یہاں تک کہ العوالی کا معتدبہ حصہ بھی اب اسی نام سے مشہور ہو گیا ہے. (۲۷)

ابھی چند ہی دہائیاں پہلے کی بات ہے کہ قربان کی زمین سونا اگلتی تھی اور یہاں کی انواع واقسام کی کھجور، میٹھے اور طرح طرح کے پھل اور اجناس اہل مدینہ طیبہ کی غذائی ضروریات پوری کرتی تھیں، مگر جب شہر طیبہ کی آبادی بے محابا بڑھنے لگی تو ان باغات کی جگہ مختلف آبادیوں نے لے لی. قدیم مدینہ طیبہ کی نسبت چونکہ یہاں آبادکاری اور عمرانی ترقی ایسے وقت میں آئی ہے جب کہ جدید تعمیراتی سہولتیں اور پیسے کی ریل پیل ہے اس لیے اس آبادی کے لیے مناسب شہری منصوبہ بندی کی گئی ہے. سڑکیں کھلی اور بازار جدید ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر بنائے گئے ہیں اور عمارات کے نقشے باقاعدہ منظور کروانے پڑتے ہیں. اب جب کہ عنابیہ اور سمانیہ کے تمام علاقے خالی کروالیے گئے ہیں تو اس وقت مسجد نبوی شریف کی قریب ترین آبادی قربان ہی ہے جو کہ بقیع الغرقد کے اس پار سے شروع ہو جاتی ہے. اگر ہم بقیع الغرقد سے جنوب کی طرف قربان روڈ پر چل نکلیں تو سب سے پہلے سبز رنگ کے جدید ہوادار گنبد پر نظر پڑتی ہے جو کہ مسجد سیدنا

بلال بن رباحؓ کی مسجد پر سجایا گیا ہے جس کے نیچے اور ارد گرد بازار ہے. دورویہ سڑک (جس کو قربان روڈ یا طریق امیر عبدالمجید بن عبدالعزیز کہا جاتا ہے) کے دونوں جانب تجارتی مراکز اور بڑے بڑے شورومز قائم ہیں جہاں دیگر اشیاء کے علاوہ زیادہ تر بجلی اور الیکٹرانک اور گھریلو استعمال کی اشیاء فروخت ہوتی ہیں.

الغابہ

جبل احد کی غربی جانب اور مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں میلوں تک پھیلا ہوا ایک بہت بڑا جنگل ہوا کرتا تھا جو کہ مدینہ میمونہ کی تاریخ میں ''الغابہ'' کے نام سے جانا جاتا تھا. ابن الاثیر نے جب اپنی شہرہ آفاق سیرۃ صحابہ کا نام 'اسد الغابہ' رکھا تو یقیناً ان کے سامنے یہی حرم مدنی کا 'الغابہ' تھا جہاں سے نکلے ہوئے اللہ کے شیروں نے روما کی سلطنت کو بیخ دیا تھا.

ازمنہ قدیم سے یہ علاقہ مدینہ طیبہ کی تاریخی وادیوں کے اختتام پر واقع تھا اور نیم ڈیلٹا ہونے کی وجہ سے یہاں پانی، دلدل اور درختوں کی بھرمار ہوا کرتی تھی اور ان گھنے جنگلات میں خونخوار جنگلی جانور بکثرت پائے جاتے تھے. نہ صرف یہ کہ الغابہ کے یہ گھنے جنگلات مدینہ طیبہ کے لیے قدرتی دفاعی لائن کا کام دیتے تھے بلکہ وہاں سے حاصل ہونے والی لکڑی تعمیراتی اور ایندھن کی ضروریات بھی پوری کرتی تھی. لکڑی کی تمام اقسام یہاں پائی جاتی تھیں جن میں شیشم کے درخت بھی شامل تھے. اسی کے ایک حصے سے سید الکونین ﷺ کے لیے منبر شریف بنانے کے لیے لکڑی لائی گئی تھی. (۲۸) طغیانی کے موسم میں یہ تمام علاقہ جل تھل ہو جایا کرتا تھا کیونکہ وادی العقیق کا فالتو پانی اسی علاقے سے گزر کر سمندر (بحر احمر) میں جا گرتا تھا. چنانچہ یہاں کی زمین بہت شور یلی (سبخہ) تھی. تاہم دور حاضر کی سہولیات نے اس وسیع و عریض علاقے کی اراضی کو کلر اور سیم سے پاک کر کے قابل کاشت بنا دیا تھا اور یوں ایک عرصہ دراز تک یہ علاقہ شہر مصطفوی کو اناج اور سبزیاں مہیا کرنے لگ گیا تھا. شوریلی اور دلدلی زمین کو قابل کاشت بنانے کا یہ عمل پچھلے چودہ سو سالوں سے جاری تھا. ابتداء میں ان جنگلات کو زرعی اراضی میں تبدیل کرنے میں کبار اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بہت بڑا ہاتھ تھا جن میں حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں. صدیوں پر محیط جہد مسلسل بھی یہاں سے خودرو جنگلات کا مکمل صفایا نہ کر سکی تھی. مگر جوں جوں مدینہ طیبہ کی آبادی پھیلنے لگی یہاں بھی آبادکاری ہونے لگ گئی اور اب تو الخلیل کی تمام کالونی اسی خطہ میں آباد ہوئی ہے جو کہ مدینہ طیبہ کی دیگر سیٹلائٹ آبادیوں کی نسبت خوبصورت ترین آبادی ہے. بایں ہمہ ابھی تک اس کا معتد بہ حصہ سرسبز و شاداب خطہ ہے جہاں بساتین، باغات، پارک اور زرعی فارم کثرت سے ہیں. حدیقہ البری جیسے خوبصورت پارک اور حدیقہ الحیوانات (چڑیا گھر) وغیرہ اسی علاقے میں واقع ہیں.

دفاع کے علاوہ الغابہ کے جنگلات وسیع و عریض شکارگاہ اور چراگاہ ہونے کے مواقع بھی فراہم کرتے تھے. حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ایک حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ''ذی قرد'' کی چراگاہ بھی اسی الغابہ میں واقع تھی جہاں سرکار دو عالم ﷺ کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں جنہیں ایک مرتبہ بنی غطفان کے چند بدطینت افراد اغوا کر کے لے گئے تھے. حضرت سلمہ بن الاکوعؓ نے ان کا پیچھا کیا اور تابڑتوڑ تیروں کی بارش سے بہت جلد ان کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ ایسے دم دبا کر بھاگے کہ اونٹنیوں کو پیچھے چھوڑ گئے. (۲۹) ہادی الامام رسول اللہ ﷺ بھی چند اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں جائے وقوعہ پر الغابہ تشریف لے گئے اور ابن زبالہ کی روایت کے مطابق سرکار دو عالم ﷺ نے نماز کو کسر (مختصر) کر کے الغابہ میں اس جگہ (یعنی ذی قرد) پر ادا فرمایا تھا. (۳۰) محمد بن الضحاک کی روایت کے مطابق حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کی کچھ اراضی الغابہ میں ہوا کرتی تھی جہاں ان کے غلام کام کیا کرتے تھے. اگر انہیں کسی وجہ سے اپنے غلاموں کو بلانا مقصود ہوتا تو وہ جبل سلع پر چڑھ کر ان کو پکارا کرتے تھے. الغابہ جبل سلع سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا اور ان کے غلام

الغابہ کے علاقے کی ایک فضائی تصویر ۲۰۰۴ء

اتنی دور سے اپنے آقا کی آواز سن لیتے تھے.(۳۱) مدینہ طیبہ کے تمام مشاہیر مورخین (فیروز آبادی اور سمہودیؒ) نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ الغابہ کا اصل گھنا جنگل جبل سلع سے آٹھ میل کے بعد شروع ہوتا تھا.

مدینہ طیبہ میں دولت اسلامیہ کے قیام کے بعد اس ارض مقدس کی تمام تر اراضی سید کون و مکاں تاجدار دو عالم ﷺ کے زیر فرمان ہو چکی تھی. چنانچہ اس کا استعمال سو فیصدی آپ حضور ﷺ کی صوابدید پر تھا اور صاحب لولاک اور قاسم حوض کوثر ﷺ جسے چاہے اس کو الغابہ سے کچھ اراضی سے نواز دیتے تھے جو کہ اکثر و بیشتر اس شکل میں ہوتا تھا کہ اتنے درخت فلاں بن فلاں کو عنائت کئے جاتے ہیں. یوں بہت سے اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ الغابہ میں بہت سے درختوں کے مالک بن گئے اور پھر انہوں نے محنت شاقہ سے اس اراضی کو قابل کاشت بنا کر نہ صرف وہاں اناج اور سبزیاں اگائیں تاکہ مدینہ طیبہ کی غذائی ضروریات پوری ہو سکیں بلکہ شجر کاری سے ان کو طرح طرح کے پھل بھی مہیا کئے. ایسا ہی ایک قطعہ اراضی سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے حصے میں بھی آیا تھا. ابن شہاب نے حضرت عروہ بن الزبیرؓ سے روایت کیا ہے کہ ام المومنین سیدۃ عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: [ابوبکرؓ نے مجھے اپنی الغابہ کی جاگیر سے چند کھجوروں کے درخت دیئے جس سے مجھے تقریباً بیس اوسق کھجوریں مل جایا کرتی تھیں.] (۳۲) چونکہ یہ تمام اراضی دولت اسلامیہ کی ملکیت تھی اس لیے خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اپنی صوابدید سے جس اصحابی کو چاہتے کچھ قطعہ عطا کر دیتے تھے.

برق رفتار اسلامی فتوحات کا سلسلہ پہلی نصف صدی تک بڑے زور شور سے جاری رہا جب کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کثیر تعداد زندہ تھی. جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جہاد کی مہمات میں شرکت کے بعد فتح مند لوٹتے تو مال غنیمت سے ان کو کافی کچھ دیا جاتا تھا. یوں اس مال غنیمت سے بہت سے اصحابہ کرام کے پاس زر کثیر جمع ہو گیا تھا. ایسی ہی ایک مثال حضرت زبیر بن العوامؓ کی ہے. اگرچہ ہجرت سے پہلے بھی وہ مکہ کے متمول افراد میں شمار ہوتے تھے مگر مال غنیمت میں سے حاصل ہونے والی دولت نے انہیں امیر ترین بنا دیا تھا. انہوں نے الغابہ کی اراضی کا بہت سا حصہ مبلغ ایک لاکھ ستر ہزار دینار کے عوض خریدا (بخاری شریف کی روایت میں رقم کا ذکر ہے مگر یہ واضح نہیں کہ یہ دینار تھے یا درہم). جب ان کی شہادت ہوئی تو اس وقت وہ اپنے ذمہ بہت سا قرض چھوڑ گئے جو کہ بائیس لاکھ سے بھی زیادہ تھا. ان کی وصیت کے مطابق ان کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے الغابہ کی کچھ اراضی اور ان کے چند مکانات (جو کہ زیادہ تر وادی العقیق میں واقع تھے) بیچ کر ان کا قرض چکایا. الغابہ میں ان کی جائیداد کے بعض حصے حضرت عبداللہ بن جعفر الطیارؓ، عمرو بن عثمان بن عفانؓ، معاویہ بن سفیانؓ اور ابن زمعہؓ (ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہؓ کے بھائی) نے خریدے تھے جس میں سے زیادہ تر قطعات اراضی حضرت معاویہ بن سفیانؓ نے اپنے وکیل (اسٹیٹ مینیجر) عبدالرحمٰن بن ابی احمد بن جحشؓ کے ذریعے خریدے تھے.(۳۳) ان تمام قطعات اراضی کی

قیمت جو کہ حضرت زبیر بن العوامؓ کی مملوکہ تھی پچاس ملین سے بھی متجاوز تھی. باقی اراضی جو بچ رہی تھی وہ ان کے ورثاء میں تقسیم ہوئی. اسی میں سے ایک حصہ ''وقف زبیر بن العوامؓ'' کے نام سے آج تک موجود ہے.

مذکورہ بالا قیمت خرید اور قیمت فروخت میں ہوشربا فرق سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اس سے زرعی پیداوار حاصل کرنے کے لیے کتنی مساعی نہ کی ہوں گی اور کتنا زر کثیر نہ صرف کیا ہوگا کہ نصف صدی کے قلیل عرصے میں الغابہ کے جنگلات سے قابل کاشت بنائی گئی زرعی زمین سونے کے بھاؤ بکنے لگ گئی تھی. اگرچہ روایات میں ان مساعی کی تفاصیل کا تو ذکر نہیں ملتا، مگر ان کے وقف میں واقع ان تاریخی آثار سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ واقعتاً انہوں نے اس زمین پر شب و روز بے محابا محنت کی ہوگی. جبل احد کی شرقی جانب ان کے وقف میں آج بھی ایک بہت بڑے تالاب کے تاریخی آثار ملتے ہیں جہاں حضرت زبیرؓ کے کنوؤں سے پانی کشید کر کے ذخیرہ کیا جاتا تھا جس سے الغابہ میں ان کی اراضی سیراب ہوتی تھی. یہ مربع شکل کا ایک بہت بڑا تالاب ہے. جس کے بچے کھچے آثار قدیمہ کی پیمائش کے مطابق اس کا رقبہ ۲۴.۷۵ × ۲۴.۷۵ میٹر (۶۱۲ مربع میٹر) بنتا ہے. اس کی گہرائی ۲۵.۱ میٹر ہے اور اس کی دیواریں جو کہ سنگ سیاہ سے بنی ہیں ۳.۷۵ میٹر چوڑی ہیں. (۳۴)

وقف حضرت زبیر بن العوامؓ کا علاقہ

حرہ شرقیہ یا حرہ واقم

مسجد نبوی شریف سے ایک کیلومیٹر کے فاصلے پر مشرق میں بقیع الغرقد کے اس پار کا علاقہ حرہ شرقیہ یا حرہ واقم کہلاتا ہے. جیسا کہ ہم نے تفصیل سے ''مدینہ طیبہ کے طبیعی اور ارضیاتی خدوخال'' میں بیان کیا ہے، عربی میں 'حرہ' اس سنگلاخ زمین کو کہتے ہیں جو کہ آتش فشانی عمل کے نتیجے میں بہتے ہوئے لاوے سے بنی ہو. مدینہ میمونہ کے شرقی اور غربی جانب ایسے دو مشہور 'حروں' کا ذکر اکثر احادیث مبارکہ میں ملتا ہے جن سے حرم مدنی کی شرقی اور غربی حدود کا تعین ہوتا ہے. شرقی جانب کا حرہ 'حرہ واقم' کہلاتا تھا جس کی وجہ تسمیہ بنو عبدالاشہل الاوسی کے واقم نامی ایک شخص کا اطم تھا جو کہ زمانہ قدیم میں وہاں بنایا گیا تھا. (۳۵)

اسے حرہ زہرہ بھی کہا گیا ہے. ایک بار سرکار دو عالم صادق مصدوق ﷺ اسی حرے کے علاقہ سے اپنے بعض اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معیت میں گزر رہے تھے کہ ایک مقام پر رک کر پہلے تو آپ حضور ﷺ نے استرجاع فرمایا یعنی فرمایا [انا للہ وانا الیہ راجعون] اور پھر بعد میں فرمایا کہ اس مقام پر میری امت کے بہت سے برگزیدہ افراد اور صحابی شہید کر دیئے جائیں گے. ۶۳ ہجری میں یزید پلید نے مدینہ طیبہ پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لیے دس ہزار شامی فوج روانہ کی جس کی کمان مسرف بن عقبہ کر رہا تھا. انہوں نے حرم نبوی شریف کے تقدس کو پامال کیا اور ہزاروں کی تعداد میں مدنی حضرات تہہ تیغ کر دیئے گئے. مدینہ طیبہ کی تاریخ کا سب سے بڑا مقتل یہی حرہ زہرہ بنا جیسا کہ سرکار دو عالم ﷺ بہت پہلے فرما چکے تھے. آج کے مدینہ طیبہ میں اس مقتل کی تحدید کرنا محال ہے کیونکہ حرہ کی سنگلاخ سطح مرتفع کے نشیب و فراز مٹا کر اس تمام علاقے پر آبادیاں قائم ہو چکی ہیں. تاہم بعض معاصر مورخین مدینہ طیبہ نے اس جگہ کا تعین کرنے کی سعی کی ہے جس کے مطابق اس مقتل کی جگہ مسجد ابوذر غفاریؓ کے مشرق میں تقریباً دو یا تین فرلانگ کے فاصلے پر تھی. غالی الشنقیطی کے بقول یہ مقتل العریض اور مدینہ کے درمیان واقع تھا. (۳۶) دراصل حرہ شرقیہ بہت وسیع علاقے پر پھیلا ہوا تھا اور وثوق کے ساتھ اس مقتل کا تعین خاصہ دشوار ہے. ابراہیم العیاشی (جنہوں نے اس موضوع پر بہت تحقیق کی تھی) کی رائے میں یہ جگہ شاہراہ ستین (موجودہ شارع فیصل) پر مسجد اجابہ اور مسجد ابوذر الغفاری کے درمیان مدینہ طیبہ کے مرکزی پولیس آفس (الشرطہ المدینہ المرکزیہ) کے سامنے واقع تھی. (۳۷)

مسجد نبوی امیں
پہلے پہل جب بجلی
کے قمقمے روشن کئے
گئے اس دور کی ایک
نایاب تصویر
۱۹۰۸ء

حرہ غربیہ یا حرہ وبرہ

حرہ غربیہ کا سنگلاخ علاقہ مسجد نبوی شریف کی غربی جانب مسجد عنبریہ (ریلوے سٹیشن) کے اس پار سے شروع ہو کر وادی العقیق تک چلا گیا تھا۔ یہ تمام علاقہ بھی لاوہ سے بنی چٹانوں سے اٹا ہوتا تھا جس میں بے شمار نشیب و فراز تھے۔ حرہ غربیہ کا علاقہ عموماً اہل بیت الطاہرہ کا علاقہ کہلاتا تھا کیونکہ مسجد نبوی شریف کے جوار سے ان کے جبری انخلاء کے بعد اہل بیت الطاہرہ کے بہت سے سرکردہ افراد اسی سنگلاخ علاقے میں آباد ہو گئے تھے جن میں سب سے زیادہ مشہور سیدۃ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہا اور ان کے اہل خانہ تھے۔ یہ علاقہ سرکار دو عالم ﷺ کے دور مبارکہ میں خودرو جھاڑیوں اور درختوں سے اٹا ہوتا تھا جس کی وجہ سے یہ مدینہ طیبہ کی قریب ترین اور آسان چراگاہ کا کام دیتا تھا۔ ایک بار عرینی قبیلے کے چند افراد نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیوں کو چرانے والے غلامان مصطفیٰ ﷺ کو شہید کر کے آپ حضور ﷺ کی اونٹنیوں کو ہانک کر لے جانے کی سعی لاحاصل کی تھی۔ جب وہ بدطینت افراد پکڑے گئے تو سرکار دو عالم ﷺ حرہ وبرہ یعنی حرہ غربیہ تشریف لے گئے اور ان کو موت کی سزا سنائی جس پر عملدرآمد بھی اسی حرہ غربیہ میں کسی مقام پر کیا گیا۔ (۳۸)

قدیم باب مجیدی کے
سامنے دار الضیافہ
کی تصویر جہاں پہلا
جنریٹر نصب ہوا تھا

اسی طرح ایک اور حدیث مبارکہ بھی اسی حرہ غربیہ سے متعلق ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ: [میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ حضور ﷺ نے فرمایا: ایک چرواہا اپنی بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ تھا کہ ایک بھیڑیا ایک بھیڑ کو لے کر چلتا بنا۔ چرواہے نے بھیڑیئے کا پیچھا کیا اور اس سے اپنے جانور کو چھڑا لیا۔ اس پر وہ بھیڑیا ان سے مخاطب ہوا: اس دن اس ریوڑ کی رکھوالی کون کرے گا جب کہ یہاں وحشی جانوروں کا راج ہوگا اور میرے (یعنی خونخوار بھیڑیئے) کے علاوہ کوئی ان کا نگہبان نہ ہوگا؟] (۳۹) فتح الباری کے مطابق یہ واقعہ جس میں قرب قیامت کی ایک علامت کا ذکر ہے اسی حرہ غربیہ میں کسی مقام پر ہوا تھا۔

حرہ شرقیہ کی طرح حرہ وبرہ یا حرہ غربیہ کی زمین کو بھی ہموار کر کے وہاں آبادکاری کر لی گئی ہے اور وہاں مدینہ طیبہ کی چند خوبصورت عمارات بن چکی ہیں۔ تاہم ریلوے سٹیشن کی غربی جانب ابھی بھی ایک قدیم آبادی ہے جو کہ 'حارہ غربیہ' کہلاتی ہے جس کی اکثر زمین ابھی تک ناہموار ہے۔ اس علاقے میں تاریخی مقامات میں سے مسجد منارتین اور سیدۃ سکینہ بنت حسینؓ کا مکان تھا جس کی باقیات کھنڈرات کی شکل میں ملتی ہیں۔
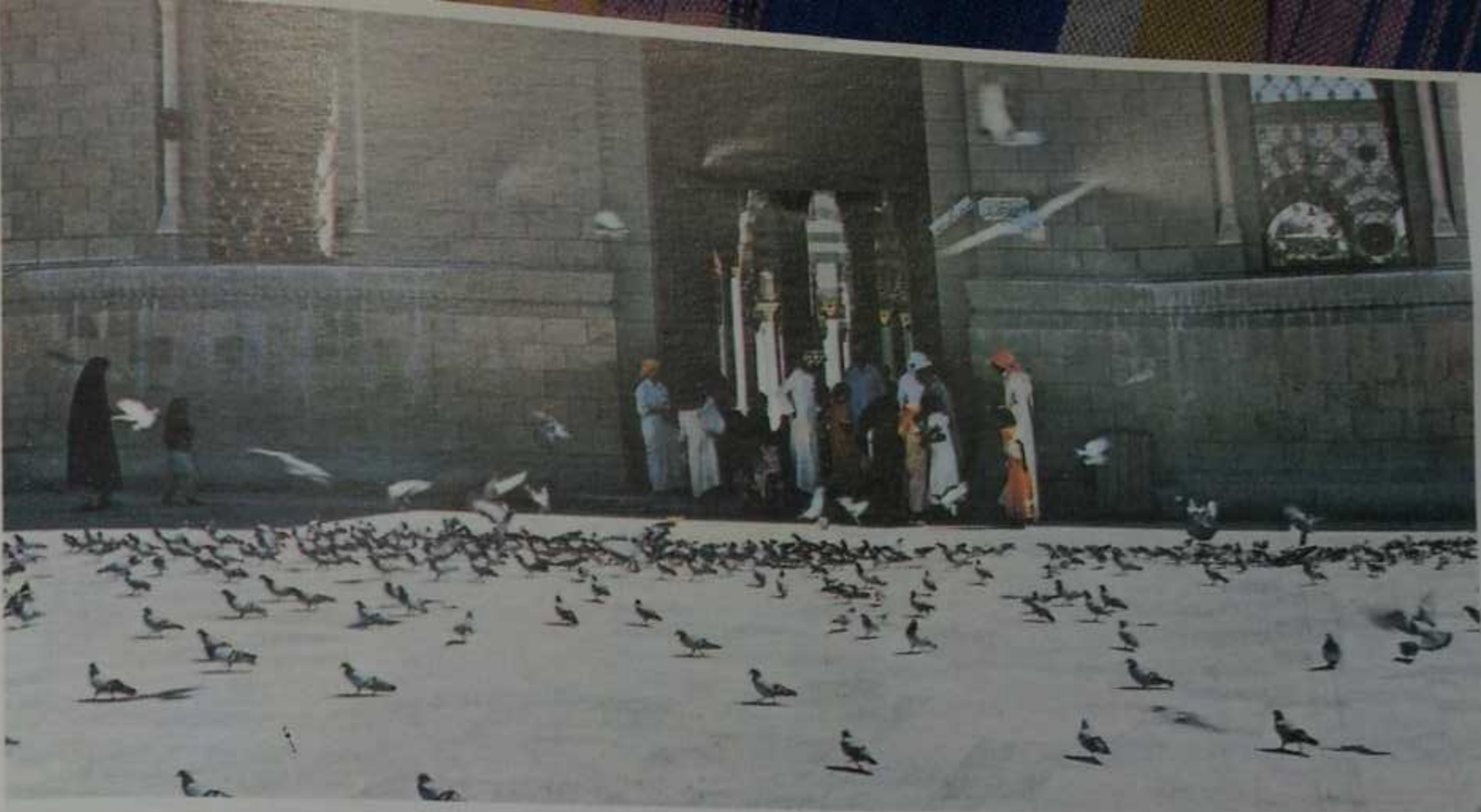
باب مجیدی کے سامنے صبح کے وقت کبوتروں کی ٹولیاں دانہ دنکا چگ رہے ہیں

مسجد نبوی شریف میں پہلی بار برقی روشنی کی آمد

شہر حبیب میں ریل کی آمد کے ساتھ ساتھ دیگر سہولتوں کے علاوہ پہلی بار بجلی کی ترسیل بھی ممکن ہوگئی. ریلوے سٹیشن کا افتتاح مورخہ ۲۸ اگست ۱۹۰۸ء (۲۷ رجب المرجب ۱۳۲۶ ہجری) کو ہوا جب کہ مسجد نبوی شریف میں بجلی کا پہلا قمقمہ ۲۵ شعبان ۱۳۲۶ ہجری کو روشن ہوا. یہ دن اہل مدینہ طیبہ کے لیے بہت خوشی کا دن تھا کیونکہ مرکز انوار وتجلیات کے آنگن برقی روشنی سے منور و تاباں ہوئے جس سے عابدین وزائرین کے لیے شب بیداری اور قیام اللیل میں بہت سہولت ہوگئی. بدقسمتی سے اسی دن بجلی کے قمقمے کی تنصیب اور ترکیب کے وقت ایک حادثہ ہوگیا اور وہ الیکٹریشن جو اس کام پر مامور تھا بجلی کے جھٹکے سے دم توڑ گیا. اصل منصوبے کے مطابق تو رمضان ۱۳۲۶ ہجری میں قیام اللیل کے وقت بجلی کی روشنی مہیا کی جانی تھی مگر اس جانکاہ حادثے کے سبب پہلے کی طرح چراغوں پر انحصار کرنا پڑا تا آنکہ آستانہ عالیہ سے نیا الیکٹریشن پہنچا. خوبصورت کھمبے مسجد نبوی شریف کے صحن میں اور مسجد شریف کے باہر گلیوں میں مختلف جگہوں پر لگائے گئے تھے. باب مجیدی کے باہر دار الضیافہ میں پہلا بجلی کا سب سٹیشن قائم کیا گیا. (۴۰) مدینہ طیبہ میں بجلی کی ترسیل کے لیے نظام حیدرآباد دکن نے خاص طور پر مالی نذرانہ پیش کیا تھا اور یوں مناسب جنریٹر وغیرہ کا بندوبست کیا گیا. شروع میں بجلی کی سہولت صرف مسجد نبوی شریف تک محدود تھی مگر بعد میں مزید مشینری منگوا کر اسے مدینہ طیبہ کے باسیوں کے لیے بھی مہیا کیا گیا.

ابتداء میں بجلی کا استعمال صرف روشنی حاصل کرنے کے لیے محدود تھا مگر جب سعودی دور میں مسجد مبارک کی پہلی توسیع عمل میں آئی تو اسے دوسرے مقاصد یعنی پنکھوں وغیرہ کے لیے بھی استعمال کیا جانے لگا. (۴۱) مزید جنریٹر منگوا کر لگائے جاتے رہے اور اس کار خیر میں مخیر حضرات کا بہت زیادہ ہاتھ رہا ہے. بن لادن خاندان کے افراد نے بھی اس معاملے میں بہت مالی معاونت کی. بجلی کو تجارتی بنیادوں پر مہیا کرنے کے لیے بڑے بڑے جنریٹر منگوائے گئے اور انہیں شہر سے دور آبار علی کے علاقے میں نصب کیا گیا. اہل مدینہ کو زیادہ وولٹیج کی بجلی کی ترسیل صرف ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ممکن ہوسکی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر منورہ جہاں ہر لحظہ انوار وتجلیات الٰہی کی باران رحمت ہوتی ہے عہد جدید کا روشنیوں کا شہر بن گیا. اب تو صرف مسجد نبوی شریف اور اس کے گرد و نواح میں بجلی کی تنویر کے وہ مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ دیکھنے والے کی نگاہ خیرہ ہوکر جاتی ہے. اس وقت شہر نبوی میں دو بہت ہی طاقتور پاور سٹیشن بجلی سپلائی کرتے ہیں۔ ایک ائیرپورٹ روڈ پر ہے جب کہ دوسرا آبار علی کے علاقے میں واقع ہے۔ ہر دو کی قوت تولید ۳۰۷ میگاواٹ ہے.

حرم نبوی شریف میں کبوتروں کی موجودگی اور زائرین کی نظر میں ان کا مقام

کتاب کے آخر میں ہم مدینہ طیبہ کی ایک ایسی خصوصیت کا ذکر کرنا چاہیں گے جو کہ عشاق مدینہ کے دل میں بہت بلند مقام رکھتی ہے. حرم مدنی شریف کے دیگر بیشمار خصائص کے علاوہ یہاں کے مانوس کبوتر ہیں جن کے جھنڈ کے جھنڈ روضہ اقدس پر پروانہ وار منڈلاتے رہتے

ہیں طلوع آفتاب پر تو یہ منظر بہت دیدنی ہوتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ستر ہزار قدسیوں کے ساتھ ساتھ یہ ان گنت طائران حرم بھی پھڑ پھڑاتے ہوئے صلوات وسلام کی ڈولیاں در اقدس پر نچھاور کرتے ہیں. زائرین ان طائران حرم نبوی شریف کو بہت قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں.

عشاق اور مورخین نے حرمین الشریفین میں صدیوں سے کبوتروں کی اتنی تعداد میں پائے جانے کی وجوہ کی کھوج لگانے کی کوشش کی ہے اور اس موضوع پر تحقیقاتی مقالے بھی لکھے ہیں. اس سلسلے میں ہمیں دو روایات ملتی ہیں:

(۱) طوفان نوح علیہ السلام جب تھم چکا تو انہوں نے اپنے کبوتروں کو جبل جودی سے حکم دیا کہ روئے زمین کا جائزہ لے کر آئیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کون کون سا خطہ ہے جو کہ سوکھ چکا ہو. شرق و غرب کا چکر لگانے کے بعد واپس لوٹنے والے کبوتروں نے اس بات کا انکشاف کیا کہ ارض کعبۃ المشرفہ سوکھی ہوئی تھی. سیدنا نوح علیہ السلام نے ان کبوتروں کے پنجوں میں بلد حرم کی سرخ مٹی بھی دیکھی. انہوں نے ان کبوتروں کے لیے خاص دعا فرمائی. روایات میں ہے کہ حرمین الشریفین میں موجود کبوتر انہی کبوتروں کی اولاد سے ہیں. حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی روایت سے اس بات کو تقویت ملتی ہے. جس کے مطابق انہوں نے بیان کیا کہ طوفان نوح علیہ السلام کے دوران سفینہ حضرت نوح چالیس دن تک کعبۃ اللہ کا طواف کرتا رہا اور پھر حکم الٰہی سے جبل جودی کو روانہ ہو گیا جس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتروں کو زمین کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا جو واپسی پر زیتون کے پتے لیکر آئے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے پاؤں مٹی سے بھرے ہوئے تھے.

(۲) دوسری روایت یہ ہے کہ بوقت ہجرت مبارکہ جب مصطفیٰ جان رحمت ﷺ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں غار ثور میں داخل ہوئے تو حرم کعبہ کے کبوتر بھی اڑ کر ساتھ آئے تھے اور غار کے دہانے پر انڈے دے کر وہیں بیٹھ رہے تھے. غار سے باہر تشریف لانے پر سرکار دو عالم ﷺ نے ان کبوتروں کے لیے خاص دعائے رحمت و برکت فرمائی تھی اور یہ کہ وہ کبوتر دونوں یاران غار کے قافلے کے ساتھ ساتھ اڑانیں بھرتے ہوئے مدینہ طیبہ آئے تھے. موجودہ کبوتر جنہیں حمام الحمی کہا جاتا ہے انہیں کبوتروں کی نسل سے ہیں. بزاز نے اپنی مسند میں اور الہیثمی نے مجمع الزوائد ومنبع الفوائد میں حضرت زید بن ارقمؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت انس ابن مالکؓ کی روایت درج کی ہے. جس میں تینوں اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس بات کی توثیق کی تھی کہ حمام حرم انہی کبوتروں کی نسل سے ہیں جنہوں نے غار ثور کے دہانے انڈے دیئے تھے.

بقیع الغرقد کے چند کبوتر

ہمارے آقا ﷺ کے شہر مدینہ کے چند کبوتر

علامہ احمد یاسین الخیاری نے اس موضوع پر ایک مستقل مقالہ لکھا تھا جس کا عنوان ہے: حمام الحمی الحجازی. انہوں نے اپنے اس رسالے میں اہل حجاز کی نظروں میں ان حمام حرم نبوی شریف کی تکریم کا خاص طور پر ذکر کیا ہے. دیگر باتوں کے علاوہ انہوں نے مندرجہ ذیل نکات پر خاص طور پر روشنی ڈالی ہے:

(۱) اہل مدینہ طیبہ ان کبوتروں کو بہت عزت اور پیار کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور کوئی مدنی ان کے شکار کا تصور تک نہیں کرتا.

(۲) ایام حج میں پانچ ذوالحجہ کو حرم مدنی شریف کے تمام کبوتر گروہ در گروہ مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور پھر جب حج اختتام پذیر ہوتا ہے تو پندرہ ذوالحجہ کو حماموں کے جھنڈ کے جھنڈ واپس آ کر روضہ اقدس پر منڈلانے لگتے ہیں. اس سے اہل مدینہ طیبہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ مبارک حمام الحمی ہر سال فریضہ حج ادا کرتے ہیں.

(۳) مدینہ طیبہ کے بچے بھی اس حد تک محتاط ہیں کہ وہ کبھی ان سے کھلواڑ نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے انڈوں یا بچوں کو پکڑتے ہیں

.

(۴) مسجد نبوی شریف کے گردونواح میں واقع مکانات کے چھتوں پر اکثر اس بات کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ دانہ دنکا ڈال دیا جاتا اور برتنوں میں پانی رکھا جاتا ہے تا کہ طائران حرم جب چاہیں آ کر شکم سیر ہو سکیں. کسی کی چھت پر حمام حرم کا آ کر بیٹھ جانا باعث رحمت تصور کیا جاتا ہے. موجودہ عمرانی ریلے سے پہلے پرانے مدینہ طیبہ میں اونچے مکانات کی چھت پر ایک طرف کبوتروں کے لیے خاص جگہ تعمیر کر دی جاتی تھی جہاں یہ حجازی کبوتر آزادی سے رہ سکتے تھے. ایسی جگہ کو 'طیرمہ' کہا جاتا تھا اور اسی خصوصیت سے حارۃ الاغوات میں قدیم ترین عمارات میں سے چند ایسی بلند عمارات بھی تھیں جو کہ طیرمہ کے نام سے مشہور تھی.

(۵) نسل در نسل تجربات کی بنا پر اہل مدینہ طیبہ میں اس بات کا خاص طور پر چرچا ہے کہ اگر کسی کا بچہ تین یا چار سال کا ہو کر بولنے کی قدرت سے محروم ہو یا اس کی زبان میں لکنت ظاہر ہو تو اہل خانہ ان کبوتروں کے انڈے لیتے ہیں اور ان کو ابال کر اس بچے کو تین دن تک ایک انڈہ روزانہ کھلاتے ہیں اور قدرت الہیہ سے وہ بچہ دیگر بچوں کی طرح بولنے لگ جاتا ہے. احمد یاسین خیاری کے الفاظ میں یہ بات مدنیوں میں: 'وہذا امر معروف ومقرر ومشہود ومشہور' ہے

(۶) سلطنت عثمانیہ کے دنوں میں ان طائران حرم کی نگہداشت کے لیے آستانہ عالیہ سے بعض لوگوں کو مشاہرہ ملتا تھا تا کہ وہ مسجد نبوی شریف کے اردگرد دانے اور پانی کا وافر انتظام کر سکیں.

(۷) عصر حاضر میں زائرین مدینہ طیبہ کثیر تعداد میں دانہ خرید کر مناسب جگہوں پر بکھیر دیتے ہیں. بقیع الغرقد کے سامنے دانہ بیچنے والوں کی کثیر تعداد بیٹھی ہوتی ہے جن میں خواتین وحضرات اور بچے شامل ہوتے ہیں.

حواشی

(۱) شاہ فہد کے بیس سال، روزنامہ عرب نیوز کا سپیشل ایڈیشن جو کہ شاہ فہد بن عبدالعزیز کے بیس سالہ دور حکومت کے دوران ان کی حسن کارکردگی پر شائع کیا گیا تھا اشاعت: نومبر ۲۰۰۱ء

(۲) الحرمان الشریفان والمشاعر فی العہد السعودی الظاہر، یکے از مطبوعات وزارت اطلاعات جو کہ سعودی حکومت کے صد سالہ جشن کے سلسلے میں اس نے ۱۴۲۰ ہجری میں جاری کی تھیں، صفحات: ۹۳-۹۸.

(۳) انجینیر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی، معالم المدینۃ المنورہ بین العمارۃ والتاریخ، جزء۲، ص: ۲۶۹

(۴) ترمذی شریف، اردو ترجمہ بدیع الزمان، ناشر ضیاء احسان پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۸، ج: ۲، صفحات: ۲۲۰-۲۲۱. حاکم نے بھی اس حدیث مبارکہ کو مستدرک میں درج کیا ہے.

(۵) دکتور/مختار محمد بلول، المدینۃ المنورہ درۃ المدائن، دار بلول للنشر، مدینۃ المنورہ، ۲۰۰۰، ص: ۲۱۹

(۶) ایضاً، ص: ۲۲۰

(۷) ہاشم دفتر دار، ذکریات طیبہ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۵۱، ص: ۲۰۰

(۸) غالی محمد امین الشنقیطی، مصدر مذکور، صفحات: ۱۰۷-۱۰۹

(۹) امام سمہودیؒ، وفاء الوفاء باحوال دار المصطفیٰ، ص: ۵۳۵

(۱۰) صحیح بخاری، ج: ۹، نمبر ۴۳۲

(۱۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج: ۱، ص: ۲۵۷

(۱۲) تاہم بعض سیرۃ نگاروں نے اس بیان سے اتفاق نہیں کیا. ان کے مطابق نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ مسجد مصلیٰ کے احاطے میں پڑھائی گئی تھی.

(۱۳) صحیح بخاری، ج: ۲، نمبر ۱۵۹

(۱۴) ابن سعد، مصدر مذکور، ج: ۱، ص: ۲۵۷

(۱۵) ابن شبہ النمری البصری (۱۷۳-۲۶۲ ہجری)، تاریخ مدینہ، ج: ۱، ص: ۶

(۱۶) الدارہ، دارۃ الملک عبدالعزیز ریاض کا مجلّہ، الریاض، اگست ۱۹۸۷ء، مقالہ: حجاز ریلوے سٹیشن، دکتور احمد عبدالقادر، ص: ۹۱

(۱۷) یوسف عبدالرزاق، معالم دار الہجرہ، ص: ۳۰۱

(۱۸) انجنیر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن کعکی، مصدر مذکور، ص: ۱۹۱

(۱۹) "Hejaz Railway",Encyclopaedia Britannica Online http://members.eb.com/bol/topic?indexref=251981[accessed October 2 2001]

(۲۰) اردو نیوز (عرب نیوز کا ایک ذیلی روزنامہ)، مقالہ از ارسلان ہاشمی، مدینۃ المنورہ، اشاعت ۵ دسمبر ۲۰۰۱.

(۲۱) عرب نیوز، ریاض، ۳ دسمبر، ۲۰۰۱ء

(۲۲) ابن شبہ، ج: ۱، ص: ۷۰

(۲۳) الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، مصدر مذکور، ص: ۱۸۵

(۲۴) فیروز آبادی، مصدر مذکور، صفحات: ۲۵۹-۲۶۰

(۲۵) خیاری، مصدر مذکور، ص: ۱۱۷ (حاشیہ)

(۲۶) صحیح بخاری، ج: ۱، نمبر ۳۷۵. جب اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دربار رسالت مآب میں مشربہ ام ابراہیمؓ پر حاضر ہوئے تو انہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی اقتداء میں بیٹھ کر نماز ادا کی کیونکہ آں حضرت ﷺ گھٹنے یا کندھے کی درد میں مبتلاء تھے. نیز ابن شبہ، ج: ۱، ۶۹

(۲۷) محمد کبریت المدنی الحسینی، مصدر مذکور، ص: ۲۲۰

(۲۸) صحیح مسلم، کتاب ۴، نمبر ۱۱۱۱

(۲۹) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۵۰۷

(۳۰) سمہودیؒ، ص: ۱۲۷۶

(۳۱) ایضاً

(۳۲) الموطاء امام مالکؒ، ۳۶-۳۳-۴۰

(۳۳) سمہودیؒ، ص: ۱۲۷۶

(۳۴) عبدالقدوس الانصاری، مصدر مذکور، ص: ۱۷۸

(۳۵) فیروز آبادی، ص: ۴۲۴

(۳۶) الشنقیطی، ص: ۱۵۶

(۳۷) ابراہیم العیاشی، ص: ۳۱۰

(۳۸) محمد السید الوکیل، المدینۃ المنورہ، معالم وحضارہ، دار القلم، دمشق، ۱۹۹۶، ص: ۱۵۹

(۳۹) صحیح بخاری، ج: ۵، نمبر ۱۵

(۴۰) احمد سعید بن سلم، المدینۃ المنورہ فی القرن الرابع عشر الہجری، دار المنار، قاہرہ: دار الضیافہ مسجد نبوی شریف کے شمال میں پرانے باب مجیدی کے سامنے ہوا کرتا تھا. یہ وہ مقام تھا جہاں نور الدین زنگیؒ نے مدینہ طیبہ میں حاضری کے دوران قیام کیا تھا اور مجرموں کو پکڑنے کے لیے وہاں بیٹھ کر خیرات تقسیم کی تھی.

(۴۱) ایضاً

بحمد اللہ تمت

فہرست مضامین

فہرست المراجع

(عربی کتابیں)

۱ - ***وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ ﷺ*** : نورالدین علي بن أحمد السمهودی، ت ۹۱۱ھ، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت

۲ - ***خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ ﷺ***: نورالدین علي بن أحمد السمهودی، ت ۹۱۱ ھ، المکتبة العلمیة، المدینة المنورة

۳ - ***الوفاء بما یجب لحضرة المصطفیٰ ﷺ*** : نورالدین علي بن أحمد السمهودی، ت ۹۱۱ ھ

۴ - ***أخبار المدینة*** : محمد بن الحسن ابن زبالة (ت : ۱۹۹ ھ) جمع و توثیق و دراسة : صلاح عبدالعزیز بن سلامه، مرکز بحوث ودراسات المدینة المنورة، ۱۴۲۴ ھ

۵ - ***تاریخ المدینة المنورة:*** ابو زید عمر بن شبة النمیری البصری (۱۸۳ـ۲۶۲ هجری)، حققه فهیم محمد شلتوت، مصر (۴ مجلدات)

۶ - ***التحفة اللطیفة فی تاریخ المدینة الشریفة*** : الامام شمس الدین السخاوی، دارلکتب العلمیة، بیروت

۷ - ***الدرة الثمینة فی اخبار المدینة*** : ابن نجار (ت : ۶۴۳ ھ)

۸ - ***التعریف بما أنست الهجرة من معالم دارالهجرة*** : محمد بن احمد المطری (ت : ۷۴۱ ھ)، المکتبة العلمیة، المدینة المنورة

۹ - ***تحقیق النصرة بتلخیص معالم دار الهجرة*** : الامام زین الدین المراغی، المکتبة العلمیة، المدینة المنورة

۱۰ - ***معالم دارالهجرة*** : یوسف عبدالرزاق، منشورات المکتبة العلمیة، المدینة المنورة ۱۴۰۱ ھ

۱۱ - ***بهجة النفوس والأسرار فی تاریخ دار هجرة المختار:*** ابو محمد عبدالله القرطبی المرجانی (۷۲۴ـ۷۸۱ ھ) مطبعة النرجس ۱۴۲۵ ھ

۱۲ - ***عمدة الاخبار فی مدینة المختار:*** الشیخ احمد بن عبدالحمید العباسی، المکتبة العلمیة، المدینة المنورة

۱۳ - ***مرآة الحرمین***: اللواء ابراهیم رفعت باشا، مطبعة دارالکتب المصریة بالقاهرة، ۱۹۲۵

۱۴ - ***الرحلة الحجازیة*** : أولیا شلبی، دار الآفاق العربیة، قاهرة

۱۵ - ***الرحلة الحجازیة*** : محمد لبیب البتنولی، مکتبة الثقافة الدینیة، قاهرة

۱۶ - ***رحلة ابن جبیر*** : ابي الحسین محمد بن أحمد الاندلسی

۱۷ - ***الرحالة المیمون*** : عبدالله محمد الحبشی، مکتبة الارشاد، صنعاء، الیمن

۱۸ - ***المدینة المنورة فی فجر الاسلام والعصر الراشدین:*** محمد محمد حسن شراب، دارالقلم، دمشق

۱۹ - ***المدینة فی صدر الاسلام . الحیاة الاجتماعیة والسیاسیة والثقافة*** : الدکتور محمد العید الخطراوی، موسسة علوم القرآن، بیروت

۲۰ - ***المدینة فی صدر الاسلام . الحیاة الادبیة*** : الدکتور محمد العید الخطراوی، موسسة علوم القرآن، بیروت

۲۱ - ***المدینة فی العصر الاموی*** : محمد محمد حسن شراب، مؤسسة علوم القرآن، بیروت

۲۲ - ***المدینة المنورة فی العصر المملوکی*** : (۶۴۸ ـ ۹۲۳ ھ) عبدالرحمن المدیرس، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیة

۲۳ - ***المدینة المنورة . اقتصادیات، المکان، السکان، المورفولوجیة*** : دکتور عمر الفاروق السید رجب، دار الشروق، جدة

۲۴ - ***تاریخ المدینة*** : الامام قطب الدین محمد بن علاء الدین النهروانی الحنفی، دارالکتب العلمیة، بیروت

۲۵ - ***ابواب ذکر مدینة الرسول*** : ابي الفرج عبدالرحمن بن الجوزی (ت : ۵۹۷ ھ)

۲۶ - ***المغانم المطابة فی معالم طابة*** : مجدالدین ابی طاهر الفیروزأبادی (۷۲۹ ـ ۸۱۷ ھ) دارالیمامة للبحث والترجمة والنشر، الریاض

۲۷ - ***الجواهر الثمینة فی محاسن المدینة*** : السید محمد کبریت الحسینی المدنی (ت ۱۰۷۰ ھ)

٢٨ - آثار المدينة المنورة : عبدالقدوس الانصارى، الطبعة الرابعة، المكتبة العلمية التجارية، المدينة المنورة ١٤٠٦ هـ

٢٩ - نزهة الناظرين فى مسجد سيدالاولين والآخرين: السيد جعفربن اسماعيل البرزنجى، دار الكتب و الوثائق المصرية، قاهرة

٣٠ - المدينة بين الماضى والحاضر: ابراهيم بن علي العياشى، مكتبة الثقافة، المدينة المنورة

٣١ - رسائل فى تاريخ المدينة: حمد الجاسر، دار اليمامة للبحث و الترجمة و النشر، الرياض

٣٢ - تاريخ معالم المدينة المنورة . قديما و حديثا : احمد ياسين الخيارى الحسينى المدنى (ت ١٣٨٠ هـ) المدينة المنورة

٣٣ - التحفة الشما فى تاريخ العين الزرقاء: احمد ياسين الخيارى الحسينى المدنى (ت ١٣٨٠ هـ) المدينة المنورة

٣٤ - المدينة المنورة واليهود: محمد احمد ياسين الخيارى الحسينى المدنى، دارالعلم ، جدة

٣٥ - المدينة بين الادب والتاريخ: عاصم حمدان علي حمدان، نادى المدينة المنورة الادبى ١٤١٣هـ

٣٦ - المدينة المنورة . تطورها العمرانى و تراثها المعمارى: صالح لمعى مصطفى، دارالنهضة العربية، بيروت، ١٩٨١

٣٧ - دليل المدية المنورة الاسلامى: بهجت ضادق المفتى، الرياض ، ١٤٢٤ هـ

٣٨ - اخبار الوادى المبارك (العقيق) : محمد محمد حسن شراب، مكتبة دارالتراث، المدينة المنورة ١٤٠٥ هـ

٣٩ - حسن النبأ فى فضل مسجد قبا: محمد بن على ابن علان المكى الصديقى (ت 1057هـ)، الرياض ، 1418هـ

٤٠ - اتحاف المومنين بتاريخ مسجد خاتم المرسلين: مصطفى بن محمد الرافعى، المكتبة الطمية بالمدينة المنورة 1402-1984ء

٤١ - عنوان النجابة فى معرفة من مات بالمدينة المنورة من مشاهير الصحابه: مصطفى بن محمد الرافعى، المكتبة العلمية بالمدينة المنورة، 1402ء

٤٢ - المدينة المنورة فى آثار المولفين والباحثين قديما و حديثا : الدكتور عبدالله بن عبدالرحيم عسيلان، المدينة المنورة 1413-1993ء

٤٣ - اهل الحجاز بعبقهم التاريخى: حسن عبدالحى قزاز، دارالقلم، جدة، الطبعة الولى، 1415- 1995ء

٤٤ - المدينة المنورة -عادتها و تقاليدها: عبدالله فرج الزامل الخزرجى، مطبوعات تهامة، 1999ء

٤٥ - الروضة المستاطابة فيمن دفن بالبقيع من الصحابة: المحقق عادل عبدالمنعم ابوالعباس، مكتبة الثقافة بالمدينة المنورة

٤٦ - المدينة المنورة - عاصمة الاسلام الاولى: الدكتور محمد السيد الوكيل، دارالمجتمع للنشر والتوزيع، الطبعة الثانية 1909-1989ء

٤٧ - دراسات فى الحضارة الاسلامية: الدكتور حسن الباشا، دارالنهضة العربية بالقاهرة 1975ء

٤٨ - الآثار الاسلامية فى شمال غرب المملكة :الدكتور على بن ابراهيم غبان، الرياض، البطعة الولىٰ، 1414-1993ء

٤٩ - كتاب تاريخ القويم بمكة و بيت الله الكريم (6مجلدات) : محمد طاهر الكردى، البطعة الولىٰ، 1401-4101ء

٥٠ - المدينة المنورة فى القرن الرابع العشر الهجرى: احمد سعيد بن سالم، الطبعة الولى 1404-1984ء

٥١ - طيبة و فنها الرفيع: المهندس حاتم طه، المدينة المنورة 1404-1984ء

٥٢ - مواد تاريخ الوهابين (الرحلة جوهان لودفيج بور كهارت): الدكتور عبدالله صالح العثيمين، جامعة ملك سعود، الرياض 1412-1991ء

٥٣ - معالم المدينة المنورة بين العمارة والتاريخ : المهندس/عبدالعزيز الكعكى مجلد اول: الجبال -مجلد الثانى :الحرات والاودية - مجلد الثالث: بين العمارة والتاريخ : دارالاحيا التراث العربى، بيروت، الطبعة الاولى 1419-1998ء

٥٤ - صور من حياة الاجتماعية بالمدينة المنور: السيد ياسين احمد ياسين الخيارى، المدينة المنورة، البطعة الاولىٰ 1411-1991ء

٥٥ - الدر الثمين فى معالم دار الرسول الامين: غالى محمد الشنقيطى، المدينة المنورة، البطعة الاولىٰ 1411-1991ء

٥٦ - كتاب الفصول السنية فى الفلاحة المدينة (الرطب و الزراعة) : محمد كبريت المدنى (1012-1070هـ) المدينة المنورة، الطبعة الاولىٰ 1416ء

٥٧ - *حارة الاغوات* : الدكتور عاصم حمدان على حمدان، دار القبلة للثقافة الاسلامية، البطعة الاولیٰ 1413-1992ء

٥٨ - *تمور الطابة* : المهندس اديب عمر الحصرى، المدينة المنورة الطبعة الاولیٰ ، 1419هـ

٥٩ - *كتاب الفلاحة المدينة لبلدة الخير البرية*: الشيخ ابراهيم بن احمد خربوتى المدنى، دارالاشاد للزراعة بالمدينة المنورة

٦٠ - *النخيل فى عهد النبى* : اديب عمر الحصرى، المدينة المنورة 1414-1951ء

٦١ - *ذكريات طيبة* : هاشم محمد سعيد دفتردار، مكتبة الفقية المدينة المنورة 1370-1951ء

٦٢ - *عمارة الحرم النبوى الشريف*: سلمى سمر دملوجى – لندن

٦٣ - *القبة الخضراء و محاولات سرقة الجسد الشريف*: محمد على قطب دارالثقافة للنشر، قاهره 1419-1999ء

٦٤ - *الحجرات الشريفة*: سيرة و تاريخها، صفوان عدنان داوودى، دارالقبلة للثقافة الاسلامية، حدة الطبعة الاولیٰ 1413-1993ء

٦٥ - *العرب قبل الاسلام* : جرجى زيدان، درا مكتبة الحياة، بيروت

٦٦ - *مدينة يثرب قبل الاسلام*: الدكتور ياسين غضبان، درالبشير، بيروت 1413-1993ء

٦٧ - *تاريخ العرب القديم و العصر الجاهلى* : الدكتور نبيه عاقل، دارة الملك عبدالعزيز بالرياض 1403-1983ء

٦٨ - **الاستراتيجية و دور عباقرة الفكر العسكرى** : اللواء يوسف بن عبدالرحمن جمل الليل، الرياض، 1413هـ

٦٩ - *القباب فى العمارة المصرية الاسلامية* : الدكتورمحمد حمزة اسماعيل على الحداد، مكتبة الثقافية الاسلامية باالقاهرة – 1413-1993ء

٧٠ - *المدينة بين الادب و التاريخ*: الدكتورعاسم حمدان على حمدان، نادى المدينة المنورة الادبى، الطبعة الاولى 1412-1991ء

٧١ - *تاريخ المكة المشرفة والمسجد الحرام* : محمد بن محمد ابن ضياء المكى، المكتبة التجارية ، مكة المكرمة الطبعة الاولیٰ، 1406–1996ء

٧٢ - *الرحاب الطاهرة*: وزارة الاعلام، الرياض، 1414-1993ء

٧٣ - **مثير الغرام الساكن الى اشرف الاماكن**: ابن الجوزى (المتوفى 597 هـ)، درالكتب العلمية، بيروت 1994ء

٧٤ - *الحرف و الصناعة فى الحجاز فى عصر الرسولؐ*: الدكتور عبدالعزيز بن ابراهيم العمرى، دارالاشبيليا للنشر و التواريخ الرياض 2000ء

٧٥ - *ترغيب اهل المودة و الوفاء فى سكنى دار حبيب المصطفى*: اسماعيل بن عبدالله الاسكدارى مكتبة الثقافة، بالمدينة المنورة 1414هـ

٧٦ - **نظام الحكم و الادارة فى الدولة الاسلامية منذ صدرالاسلام الى سقوط الدولى العباسية**: الدكتورمحمد بن عبدالله الشباتى، دار عالم الكتب، الرياض، الطبعة الثالثة، 1411-1999ء

٧٧ - *دراسات حول المدينة المنورة*: محاضرات النادى الادبى، مدينة المنورة

٧٨ - *المدينة المنورة فى مئة مخطوطة* :مركز البحوث و دراسات المدينة المنورة، المدينة المنورة

٧٩ - *تاريخ الكعبة*:الدكتورعلى حسنى الخربوطلى، دارالجيل، بيروت، البطعة الثانية، 1408-1978ء

٨٠ - *فضل الحجر الاسود و مقام ابراهيم*: سائد بكداش، دارالبشائر الاسلامية، بيروت

٨١ - *الحرمان الشريفان و المشاعر فى عهد السعودى الظاهر*: وزارة الاعلام، الرياض 1420هـ

(اردو کتب)

۱- جذب القلوب (تاریخ مدینہ) : الشیخ عبدالحق محدث الدہلوی، نوری کتاب خانہ، لاہور

۲- مغازیٔ رسول اللہ ﷺ: حضرت عروہ بن زبیر، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور

۳- غزوۂ اُحد: محمد احمد باشمیل، نفیس اکیڈمی، لاہور

۴- محمدِ عربی ﷺ میدانِ جنگ میں: علامہ نور بخش توکلی، سنی دارالاشاعت، فیصل آباد

۵- غزوہ بنی قریظہ: محمد احمد باشمیل، نفیس اکیڈمی، لاہور

۶- حرمین الشریفین اور تبرکات نبوی: علی اصغر چودھری، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور

۷- رسول عربی کے ہزار معجزات: مزمل خاتون، اورینٹل پبلی کیشنز، گنج بخش مارکیٹ، لاہور

۸- مدینۃ الرسول : علامہ ابوالنصر منظور احمد، مکتبۂ نظامیہ، ساہیوال

English Books

1. **Towards Understanding the Quran** *(Taf'him Al-Quran)*
   Abu Al-Ala Al-Maududi, The Islamic Foundation, UK

2. **Tafsir-ul-Quran**
   Maulana Abdul Majid Daryabadi, Taj Publishers, Bombay

3. **The Noble Quran** *(English Translation & Commentary by)*
   Published by King Fahad Quran Complex, Medina.

4. **Sahih Bukhari**
   English Translation by Dr. Muhammad Muhsin Khan
   Darul Arabia, Beirut

5. **Sahih Muslim** English Translation
   Abdul Hamid Siddiqi,International Islamic Publishing House, Riyadh

6. **Al-Muwatta** English Translation
   Dr. Mahmoud Matarji, Dar Al-Fikr, Beirut

7. **Seerat Rasool Allah** by Ibn Is'haq Tr. By

8. **A.Guillaume as "The Life of Muhammad"**
   Oxford University Press, Karachi, 1978

9. **Muhammad – His Life based on the Earliest Sources**
   Dr. Martin Lings, Suhail Academy, Lahore-1983.

10. **The Life of Muhammad**
    Muhammad Hussayn Haykal, Darul Isha'at, Karachi-1989

11. **Muhammad at Medina**
Montgomery Watt, Oxford University Press, Karachi, 1981

12. **When the Moon Split**
Safi-ur-Rehman Mubarakpuri, Dar-us-Salam, Riyadh

13. **The Life and Work of the Prophet of Islam**
Dr. Muhammad Hamidullah
English translation of Le Prophete del'Islam: Sa Vie et Son Oeuvre
by Mahmood Ahmad Ghazi, Islamic Research Institute, Islamabad, 1998.

14. **Sunshine at Medina**
Dr. Zakaria Bashir, Islamic Foundation, UK 1990

15. **The Emergence of Islam,**
Dr. Muhammad Hamidullah (Translated and edited by Afzal Iqbal)
Islamic Research Institute Islamabad, 1993

16. **Islam and the Destiny of Man**
Charles le Gai Eaton (Hasan 'Abd al-Hakim)
First Edition, Suhail Academy, Lahore, 1997

17. **The Battlefields of Prophet Muhammad**
Dr. Muhammad Hamidullah, Huzaifa Publications Karachi

18. **The Prophet's Concept of War**
Brigadier Gulzar Ahmed (Retd.), Islamic Book Foundation, Lahore

19. **Ghazawat-e-Rasool Allah**
Brigadier Gulzar Ahmed (Retd.), Islamic Publications 1988

20. **Medinan Society at the Time of the Prophet**

21. Akram Diya Al-Umari, International Islamic Publishing House, Riyadh

22. **The Rightly Guided Caliphs**
Dr. Ahmad Zidan, Islamic Inc., Cairo

23. **The Battles of the Prophet**
Dr. Ahmad Zidan, Islamic Inc., Cairo

24. **The Bible**
Authorized King James Version

25. **History of Arabs**
Philip K. Hitti. Tenth Edition, St. Martin's Press, New York, 1970.

26. **The Geography of Arabia (two volumes)**
Rev. Charles Forster
(First published in 1844 for the Archbishop of Canterbury)
Republished in 1984.

27. **Saudi Arabia and Its Place in the World**
Ministry of Information, Dar Ash-Shrouq, Jeddah, 1979

28. **An Introduction to Saudi Arabian Antiquities**
A publication of Department of Antiquities and Museums,
Ministry of Education Riyadh, 1975

29. **Asir – Heritage and Civilization**
Ministry of Information

30. **Faith & Power – Politics in Islam**
Edward Mortimer, Vintage Books, NY 1982

31. **Saladin and the Fall of the Kingdom of Jerusalem**
Stanley Lane Poole, Sind Sagar Academy, Lahore

32. **Hijaz Before World War I – A Handbook**
Col. David George Hogarth, Arab Bureau, Cairo
Reprint by Falcon-Oleander, 1978

33. **Ihya Ulum-ed-Din**
Imam Ghazali – (Tr. Fazul-ul-Karim)
Sind Sagar Academy, Lahore

34. **This Beloved Muhammad (Hadha Al-Habeeb)**
Abu Bakr Bajir Al-Jazairi, Dar Al-Fikr, Beirut 1998

35. **A Short History of Saracens**
Sayed Amir Ali, McMillan & Co., London, 1955

36. **Muslim Art (English Translation)**
Alexandre Papadopoulo, Thames and Hudson UK

37. **Art and Cities of Islam**
R.A. Jairazbhoy, Ferozesons, Lahore, 1996

38. **Personal Narrative of a Pilgrimage to Al-Medina and Mecca**
Richard Francis Burton
A reprint of the Memorial Edition originally published
by Tylston and Edwards in 1893, Vol. 1 - Dover Publications, New York, 1964

39. **Mecca the Blessed, Medina the Radiant: The Holiest Cities of Islam**
Seyyed Hossein Nasr & Kazuyoshi Nomachi
Aperture Publications, UK.

40. **History of Arabia before Muhammad**
De Lacy O'Leary, D.D.
Alliance Publishers, Lahore, reprinted 1989

41. **A Shi'ite Pilgrimage to Mecca (1885-1886)**
An English Translation of Safarnameh of Mirza Muhammad Hosayn Farahani, By Hafez Farmayan and
Elton Daniel, Univ. of Texas Press, Austin, 1990.
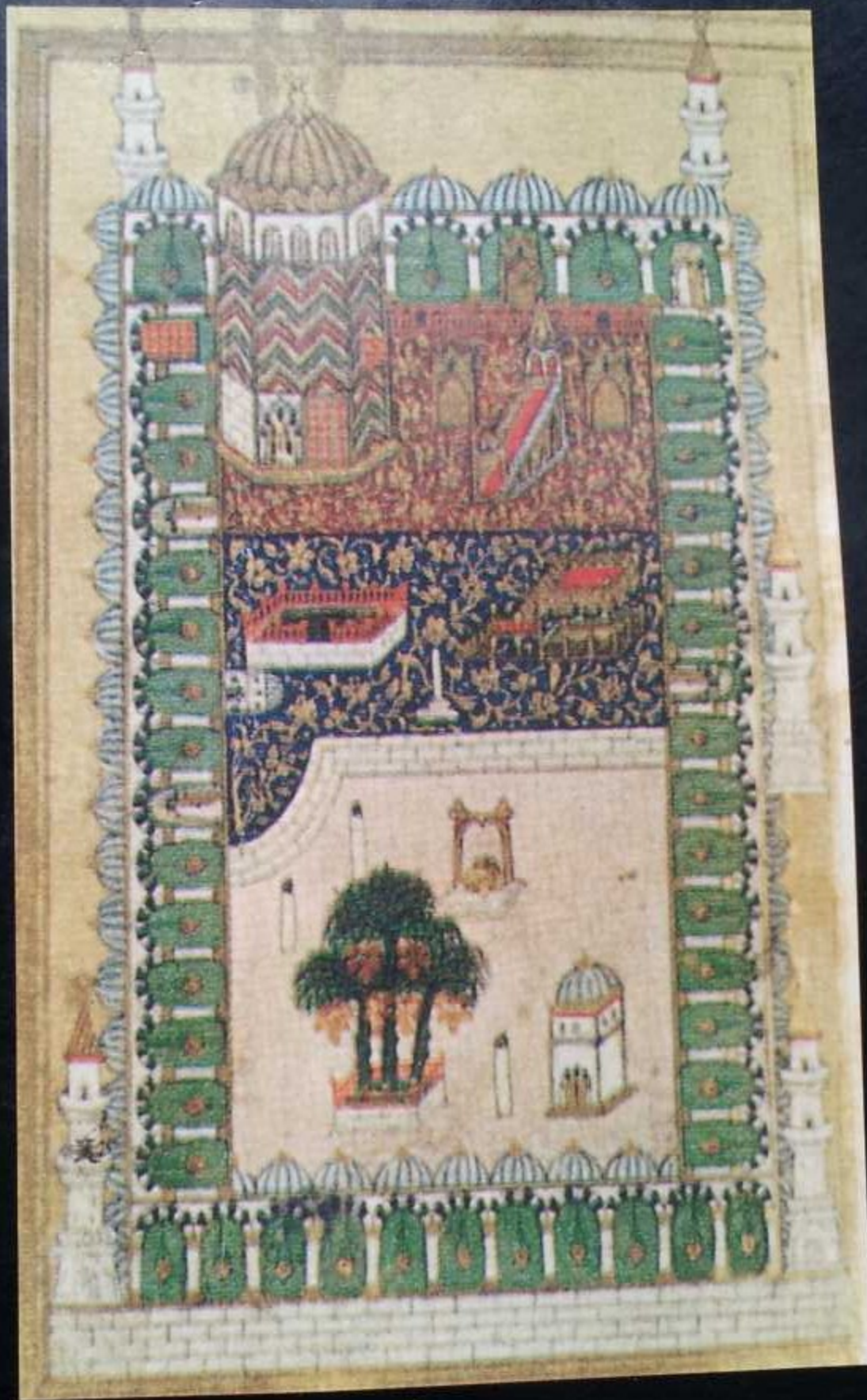
سترھویں صدی ہجری میں مسجد نبوی ﷺ کا تیار کردہ ایک نایاب خاکہ